الملل والنحل

یعنی

قوموں کا عروج وزوال

ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی

مترجمہ

مولانا عبداللہ عمادی

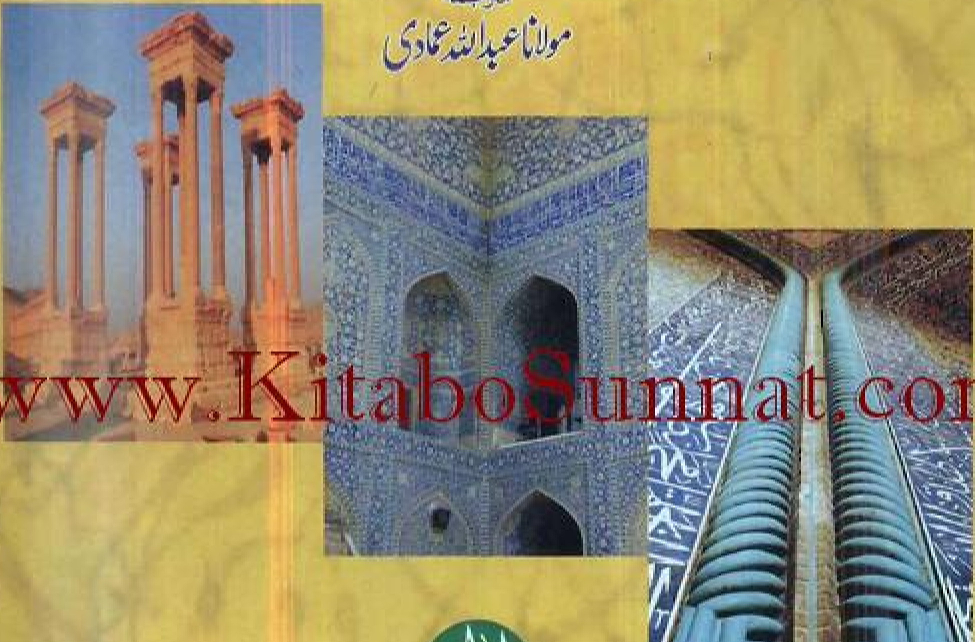

المیزان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبيه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

الملل والنحل

یعنی

قوموں کا عروج وزوال

ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی

مترجمہ

مولانا عبداللہ عمادی

المیزان ناشران و تاجران کتب
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲, ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

الميزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

291

ا ـ ن ـ ح

المكتبة الرحمانية
۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر 15827

جملہ حقوق محفوظ ہیں

سنہ ۲۰۰۶ء

سلسلہ مطبوعات ۔ ۱۰۲

محمد شاہد عادل نے

حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر

المیزان اُردو بازار لاہور سے شائع کی۔

عرض ناشر

امام ابن حزم ظاہریؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ عالم اسلام کی ایک نابغہ شخصیت ہیں، مختلف علوم وفنون پر آپ کی انتہائی معتبر اور وقیع کتب ارباب علم وتحقیق سے پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ ابتداءً ابن حزمؒ شافعی مذہب کے پرجوش پیروکار اور حمایتی تھے لیکن ازاں بعد ظاہری فرقے سے وابستگی پیدا کر لی اور دل وجان سے اس کی طرف داری کرنے لگے۔ ابن حزمؒ نے اپنے افکار کی ترویج واشاعت کے لیے تصنیف وتالیف کا میدان منتخب کیا اور بہت سے موضوعات پر بے شمار کتب کا ذخیرہ اپنے پیچھے یادگار چھوڑا ہے۔ آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ابن حزمؒ کی قوت مشاہدہ انتہائی تیز تھی اور وہ ایک ذہین اور صاحب طرز انشاء پرداز تھے۔ انہوں نے اپنی کتب میں اپنے عہد کے لوگوں کے حالات، لوگوں کے اخلاق وکردار، معاشرتی رویوں اور نفسی کیفیات پر بڑے دل نشیں اور بلیغ پیرائے میں روشنی ڈالی ہے جن میں سے بعض امور کے بارے میں ان کی کتب سے پیشتر ہماری معلومات کافی حد تک محدود تھیں۔

امام ابن حزمؒ نے اپنی تحریروں میں ظاہری اصولوں کو دینی عقائد پر منطبق کرنے میں ایک نئی راہ اختیار کی، آپ نے مکتوبہ الفاظ اور مسلمہ روایت کے ابتدائی مفہوم ہی کو قول فیصل قرار دیا ہے اور اسی نقطۂ نظر کے ماتحت انہوں نے اپنی سب سے زیادہ معروف ومشہور تصنیف ''كِتَابُ الْفَصْلِ فِي الْمِلَلِ وَالْاَهْوَاءِ وَالنِّحَلِ'' لکھی۔ اپنی اس یگانہ روزگار تالیف میں ابن حزمؒ نے اسلام کے مذہبی فرقوں پر بڑی تند وتیز اور تلخ تنقید کی ہے، بالخصوص اشعری علماء کرام کے ان خیالات کے بارے میں خاصی شدت برتی ہے جو انہوں نے صفات الٰہیہ کے ضمن میں ظاہر کیے ہیں۔ پھر بھی ابن حزمؒ کو کہیں نہ کہیں اپنی غالب فکر سے ہٹ کر بات کرنا پڑی ہے اور قرآن مجید کی آیات متشابہات اور اس کی دیگر تشبیہی عبارتوں کو مجبوراً کسی نہ کسی تعبیر روحانی سے تطبیق دینا پڑی ہے۔ عقائد ایمانی اور فلسفے کے باہمی تعلقات کے بارے میں ابن حزمؒ کے تصورات کا ابھی تک کسی نے جائزہ نہیں لیا، تاہم ابن حزمؒ کے اصولوں کا علم اخلاق پر جو اثر پڑا ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔

امام ابن حزمؒ نے دقیقہ رسی سے کام لیتے ہوئے غیر اسلامی عقائد مثلاً عیسائیوں اور یہودیوں کے عقائد پر بھی نقد وتبصرہ کیا ہے اور ان کی تحریروں میں متضاد اور متباین بیانات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کے خلاف مقدس متون کی تحریف کے الزام کو وہ حق بجانب ثابت کر سکیں۔

امام ابن حزم ظاہریؒ طبعاً مناظرے اور مجادلے کی طرف مائل رہتے تھے، بالعموم وہ یہودیوں، عیسائیوں اور مختلف فرقوں کے مسلمانوں کو دعوت مناظرہ دیتے رہتے تھے۔ وہ ایک زبردست حریف تھے اور جو شخص اُن کے مقابلے میں آتا، اس طرح اچھل کر دُور جا گرتا جیسے اس نے کسی پتھر سے ٹکر لی ہو۔ آپ نے بعض ایسے اہل علم پر بھی کڑی تنقید کی ہے جن کی بیشتر مسلمان انتہائی تعظیم وتکریم

کرتے ہیں، مثلاً امام ابوالحسن اشعریؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسی واجب التکریم شخصیات۔ ایک مشہور ضرب المثل کے مطابق ابن حزمؒ کا قلم ایسا ہی تند و تیز تھا جیسے حجاج کی تلوار، بایں ہمہ اُن کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ اپنے مخالفین سے انصاف کریں اور ان کے خلاف عداوۃً یا ارادۃً بے بنیاد الزام لگانا اُن کی فطرت میں شامل نہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن حزمؒ کا جذبۂ اطاعت رسول اس قدر شدت اختیار کیے ہوئے تھا کہ وہ حدیث نبویؐ کے مقابلے میں کسی کے قول کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ وہ اپنی راستی فکر کے اثبات میں کتاب و سنت کے براہین اور دلائل بڑی کثرت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے یہ امر واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ جو شخص بھی قول پیغمبرؐ سے سرمو انحراف کرتا ہے آپ اس کا قطعاً لحاظ نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک کسی بڑے سے بڑے شخص کا قول صرف اسی وقت سند کا درجہ رکھتا ہے جب وہ کتاب و سنت سے متصادم نہ ہو۔ اور اگر کسی کے قول کی تائید قرآن و سنت سے نہ ہوتی ہو تو وہ قطعی طور پر بے وزن ہے خواہ اس کا قائل کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

جدید مفکرین جو اپنے آپ کو بڑا دانشور سمجھتے ہیں اور قرآنی فکر کے علمبردار ہونے کے مدعی ہیں، نہ صرف یہی بلکہ اپنے علم و عمل کی اس تنگ دامانی کے باوجود محدثین عظام پر نقد و نظر کرتے ہیں، شدید ضرورت ہے کہ ابن حزمؒ ایسے راست فکر علما کے فرمودات و ارشادات کی اشاعت کر کے حدیث رسول کی اہمیت و ضرورت سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو روشناس کرایا جائے۔ اس وقت انکارِ حدیث و سنت کے پر مبنی لٹریچر کے استیصال کے لیے اس سے زیادہ موثر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ایسے حق پرست علمائے ربانی کی تصانیف منظر عام پر لائی جائیں تاکہ کج فکری کا حامل یہ قبیح پودا صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو سکے۔

اربابِ علم و تحقیق اور ملت اسلامیہ کی اسی ضرورت کے پیش نظر ہم نے اپنے ادارے سے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”کِتَابُ الْفَصْلِ فِی الْمِلَلِ وَالْاَھْوَاءِ وَالنِّحَلِ“ کا انتخاب کیا ہے۔ کتاب کا ترجمہ ہندوستان کے نامور عالم دین مولانا عبداللہ عمادیؒ نے کیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ انہوں نے اتنی مبسوط اور خالص علمی کتاب کا انتہائی سلیس اور دل نشیں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب اردو ترجمے کے ساتھ ہندوستان کے معروف علمی ادارے دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے پہلی بار شائع ہوئی تھی۔

اب ہم نے اس کی شاندار کمپیوٹر کمپوزنگ کروائی ہے اور بڑی تقطیع کی ایک ہی جلد میں اسے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ کتاب جو اپنے موضوع پر ایک ”مختصر دائرۃ المعارف“ کی حیثیت رکھتی ہے، تشنگانِ علم کی سیرابی کا باعث بنے گی جبکہ اہل تحقیق کی ضرورتوں کو بھی کماحقہ پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں دعا ہے کہ وہ اس خالص علمی پیشکش کو ہماری دیگر مطبوعات کی طرح شرف قبولیت سے بہرہ یاب فرمائے۔ (آمین!)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

الملل والنحل ابن حزم جلد اول

تعارف الملل والنحل از شبلی نعمانی 23
دیباچہ 23
طول لاطائل 28
اختصار مخل 28
مغلق پسندی 28
پیش نظر تالیف 28
طرز استدلال 29
مخالف اسلام فرقے 29
سوفسطائیہ 29
مذبذبین 29
مدعیان حقیقت 29
تعدد آلہہ 29
منکرین نبوت 29
ایمان بعض وکفر بعض 29
نبوت جانوروں میں 30
ازلیت افلاک 30
عرش 30
مختصر وجامع باب 31
ماہیت دلائل جامعہ 31
اصول حقیقت شناسی 31
طریق استدلال 31
مشاہدہ اور ہدایت 31
ابتدائی مراحل تعقل 32
آغاز انسانیت 32
حواس خمسہ 32
حاسہ سادسہ 32
ادراک تضاد 32
جسم واحد کے لیے مکان واحد 32
ایک مکان میں دو جسم 33
طول وقصر 33
احاطہ 33
علم غیب 33
امتیاز حق وباطل 33
وقوع زمانی 33
طبائع اشیاء 33
فعل وفاعل 34
صدق وکذب خبر 34
فساد تعقل 34
استدلال سے بے نیاز 34
ترتیب مقدمات 35
استنتاج 35

باب سوفسطائیہ

منکرین حقائق اشیاء 36

انکار حقیقت 37
ضابطہ احقاق وابطال 37
قائلین ازلیت عالم 38
منکرین صانع 38
حدوث پر اعتراض 38
فساد اعتراض اول 40
تکوین اشیاء 40
فساد اعتراض ثانی 40
حدوث عالم 40
فساد اعتراض ثالث 41
خلق اجسام 41
فساد اعتراض رابع 42
جلب منفعت ورفع مضرت 42
فساد اعتراض خامس 43
ترک فعل 43
برہان اول 44
مخلوق کی تخلیق 44
برہان ثانی 45
موجودات 45
برہان ثالث 46
تحقیق تناہی 46
برہان رابع 48
اولیت 48
برہان خامس 48
احصاء واحصار 48
کیا عالم وفاعل عالم دونوں ازلی ہیں 53
ازلیت میں اشتراک 54
خالق عالم کے ساتھ کیا زمان ومکان مطلق بھی ازلی ہیں 54
مبدو خلا 57
خلاوزمان 57
مکان 57
مدت اور اضافہ 58
طویل مدت 58
جنس وفصل سے ترکیب 58
اطلاق عدد 58
تعالی شانہ 58
واحد حقیقی 59
واحد کثیر نہیں 59
معیت جناب باری 59
باری تعالی معدود نہیں 60
موجودات تحت مقولات 60
مکان محتاج زمان 60
دعوے بے دلیل 61
ملحدوں کی بے علمی 61
استدلال بالمحال 61
کیا مدبر وفاعل عالم ایک سے زائد ہیں 63
فلسفہ مجوس 63
مزدک کی تعلیم 63
اشتراکیت 64
خرمیہ 64
اسماعیلیہ 64
صابیہ 64
مانی کا فلسفہ 65
دیصان کا بیان 65

مانی کے واقعات 65
فرقۂ مرقونیہ 66
برہان فاسد 67
استدلال ثانی 67
بنیاد فساد 67
نور و ظلمت 69
بلندی و پستی 69
لذت و اذیت 69
مانیوں کا مانیا 70
دعوت خیر 71
توحید جناب باری 73
نصاری سے کلام 76
اریوسیہ 76
بولسیہ 76
مقدونیوسیہ 77
بربرانیہ 77
نسطوریہ 77
یعقوبیہ 77
یعقوبیہ 78
علم و حیات الٰہی 79
زندہ اور ناطق 79
خالق کو مخلوق بنا دیا 80
طاق و جفت 80
تمام و کمال کی حقیقت 80
مافوق تثلیث 80
تین ایک اور ایک تین 80
تثلیث پر تثنیہ مرجح ہے 81
حدوث اعداد 81
اتحاد و حلول 81
فساد و حلول و اتحاد 81
مسیح کیا ٹھہرے 81
دوسروں کے برابر 82
محالات 82
کلمہ 82
وسواس کے کرشمے 83
کوئی پوچھے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے 83
جو آسمان سے اترا 84
اللہ سے پیدا 85
اسلام پر اعتراض 85
اسلام اعتراض سے بالاتر ہے 86
قتل و صلب کی نقل 86
کلام اللہ کی تصدیق 87
آیت کا مطلب 87
اشتباہ نظر 87
ایک مشاہدہ 87
جماعت نہ تھی 88
نقل کلام نصاری 88
اسے کیا کہتے ہیں 88
مفروضات کی بحث 89
عجیب فلسفہ 90
حجاب الٰہی 90
تحقیق من ورائے حجاب 91
واحد عدد نہیں 92
عدد کا خاصہ 92

بداہت کی شہادت 92
بطور مجاز 93
جناب باری نے کیا پورے عالم کو جیسا کہ ہے مع تمام احوال بغیر کسی زمانے کے پیدا کر دیا۔ 94
نبوت وملائکہ کے منکر 96
برہمن مت 96
پیغمبر کیوں بھیجے گئے 97
ایمان بالجبر 98
اثبات نبوت 99
معجزہ وسحر وشعبدہ میں فرق 103
کیا بہائم میں بھی رسول ہیں 105
تسبیح کی حقیقت 108
سجدہ 109
وہ سجدہ اور ہے یہ سجدہ اور ہے 110
سجدہ کیا ہے 110
قول کے معنی 110
جماد (پتھر) میں عقل کیسی 111
کیا انبیاء ورسل علیہم السلام آج انبیاء ورسل نہیں رہے 113
ایسا کیوں کہتے ہیں 114
یہ کیا حماقت ہے 114
تناسخ ارواح 116
شریعت کے منکر مدعیان فلسفہ 119
جو اس علم سے بھی دور ہیں 119
فلسفہ کیا ہے 119
یہودی اور وہ نصرانی جن کو تثلیث سے انکار ہے 123
صابی اور مجوسی جو زردشت کی نبوت مانتے ہیں اور تمام انبیاء کے منکر ہیں 123
جادو سے طبیعت نہیں بدل سکتی 130
معجزہ قرآنی 133
نبی اسلام جس نے سب کو ایک بنا دیا 133
فارقلیط 134
مناقضات ظاہرہ تکذیبات واضحہ 138
تورات وانجیل کے نقائص ونقائص 138
تورات سامری 138
متداول تورات 139
آدم بشکل پروردگار عالم 139
روئے زمین پر بہشت کی نہریں 139
وجوہ کذب 139
دفع دخل 140
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے 141
سد ذی القرنین 141
ممکن کو ناممکن بنانے والے 141
خدا کا خوف کہ آدم بھی اسی کی مثل ہو گئے 142
زندگی کا درخت فرشتوں کے پہرے میں 142
قابیل کا خون بہا 142
پہلا چرواہا 142
خدا کے بیٹے آدم کی بیٹیاں 143
مدت عمر 143
نوح کی بددعا 144
بے حسابی 145
واپس آنیوالی نسل 145
کس شمار میں 145
وسعت حکومت کا وعدہ جو پورا نہ ہوا 148
کیا نبی کو خدا کے وعدے پر بھروسہ نہ تھا 149

خدااور پیغمبر کے درمیان 149
تثلیث بجائے توحید غیر خدا کو سجدہ 150
بشارت فرزند پر تعجب 151
خدا کے وعدے کی ہنسی 151
فرشتوں کو سجدہ 152
دعا جو قبول نہ ہوئی 152
خدا کی بدعہدی 152
نبی پر بہتان 152
پیغمبر زادی کی بے ادبی 153
پیغمبر پر افترا 153
ابراہیم علیہ السلام پر افترا 154
آپ اپنی تکذیب 155
بے حیا باش 155
ہر چہ خواہی گوئے 155
خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں 155
خرافات کے نمونے 156
جھوٹی باتیں 157
سرداری کے بدلے خواری 158
زنا کی نسبت 159
اولاد زنا 159
خدا کے ساتھ کشتی لڑتے رہے 160
داؤ پیچ 160
خدا نے ہار مان لی 160
کفریات 161
اسرائیل کے معنی 161
حضرت رکانہ کی روایت 161
خدا اپنی بات پر قائم نہ رہا 162
پیغمبر کی بیوی اور بیٹی کی رسوائی 162
جھوٹ اور خدا کی کتاب میں 162
بہو سے زنا کا واقعہ 164
ولد الزنا کو اپنا بیٹا مان لیا 165
سلسلۂ اولاد زنا میں ایک پیغمبر 165
این خانہ تمام آفتاب است 166
بے شمار محالات 167
غلط اولاد شماری 168
غلط در غلط 169
خطائے مزید 169
نبی کی بات اور خرافات 169
وہ دعا جو قبول نہ ہوئی 170
برکت جو نامبارک نکلی 171
ایک اور جھوٹ نسبت 171
یہودی خدا کا بیٹا 172
جادو معجزے کے برابر 172
تورات کا مصنف 174
استحال 174
خون پانی 174
سراسر بے فروغ 175
مصر میں مدت سکونت یہود 176
خدا کی تشبیہ 177
اللہ کا نور 177
من وسلوے 178
عقیدہ تجسیم کی جھلک 178
گوسالہ ہارون 179
مظہر العجائب 181

ملک حاضر، حکومت غائب 181
اسے کیا کہتے ہیں 182
لن ترانی کی کہانی 182
لاولد مرجائیں گے 183
مالا یطاق 183
ادعائے محال 183
حقیقت حال 183
اسرائیلی رقبہ حکومت کی پیائش 184
تورات کے مفتریات 186
دروغ گورا حافظہ نباشد 186
مسخرگی 188
پہلا جھوٹ 188
ایک یہودی عالم سے مناظرہ 190
اعتراض 190
تحقیق 190
کثرت اولاد کہاں تک ممکن ہے 191
کثیر الاولاد افراد 191
کثرت اولاد کی سبیل ہی نہ تھی 192
مصر میں کیا حال تھا 193
دوسرا جھوٹ 193
تیسرا جھوٹ 193
چوتھا جھوٹ 193
پانچواں جھوٹ 194
چھٹا جھوٹ 194
سراسر جھوٹ 195
خدا وعدہ کرے، پیغمبر کو یقین نہ آئے 196
کیا یہی شان نبوت ہے 197
ذکریا علیہ السلام کو کوئی شک نہ تھا 198
شک کا ازالہ 198
پیغمبر کی پوتی کو جشن بنا دیا 199
تحریف تورات کا ایک اور ثبوت 199
پیغمبر اور مختلف خداؤں کی دعوت 200
نقیض کے کنارے 200
نسبت ضلالت 201
خاتمے نے بھانڈا پھوڑ دیا 201
خود تورات شاہد ہے کہ منزل من اللہ نہیں 202
تورات پر موسی علیہ السلام کے بعد کیا گزری 203
تاریخی واقعات 203
بنی اسرائیل کی بت پرستی 203
طالوت کی حکومت 205
سات بار مرتد ہوئے 205
داؤد علیہ السلام پر افترا 205
سلیمان علیہ السلام پر بہتان 206
کفر بعد الایمان 206
ذکریا علیہ السلام کا قتل 207
حاکم سے محکوم ہو گئے 207
نیکی برباد 208
گناہ لازم 208
تورات کہاں رہی 208
یہود کی گئوسالہ پرستی 209
حضرت الیاس کا تعاقب 209
مسجد سلیمان کو لوٹ لیا 210
فرقہ سامریہ 210
سامری تورات 210

مدت سلطنت 211
ایماندار سلاطین 211
ایمان کی تباہی اور قتل انبیاء 211
بیت المقدس میں بت 212
سور کی قربانی 212
نماز ایجاد کی 212
یہودی جمعہ 213
نسخہ سبعینیہ 214
کلمات عشرہ 214
حاملان تورات کیسے تھے 214
سورہ موسی 214
ترک سورت 216
شرک کی تعلیم 216
خدا کا تجسم 217
فساد روایت 217
انسانی تصنیف 219
تصنیف کا واضح ثبوت 219
بدترین کہانی 219
حکم ختنہ 219
ایک مناظرہ 219
خدا کا بیٹا 220
خدا اور علی کے بیٹے 220
خدا کی شان 220
خدا کے شریک 220
خدا کی بیوی اور بیٹی 220
خدا کی انسانیت 221
خدا نے صیہونی کو جنا 221
خدا کیسے کھڑا ہوا 221
بیل جیسا خدا 221
خدا سب خداؤں کو حکم دے رہا تھا 221
فرزندان خدا 222
مابعد الممات کا تذکرہ ہی نہیں 222
خوں بہا 222
حضرت سلیمان کی کتابیں 222
من آں وقت بودم کہ آدم نبود 223
محل عبرت 223
خدا کے بیٹے بیٹیوں کا حاکم 223
جھوٹا وعدہ 223
خداوند بخواہش فرزند 224
خود کردہ 224
خدا نکردہ 224
یہود کا دعوی 224
باطل است آنچہ مدعی گوید 225
اسلام میں تورات وانجیل 226
تورات وانجیل کی حیثیت 226
انھیں سے استدلال 227
مسئلہ رجم 228
جھوٹی روایت 228
قدرتے داری بگو ور قوتے داری بیار 228
ہدایت ونور 229
انجیل کے مطابق فیصلہ 229
تورات وانجیل قائم نہ رہنے دی 230
تصدیق کی صورت 230
من از بیگانگاں دیگر چہ نالم 230

کہ بامن ہرچہ کرداو آشنا کرو 230
نہ تصدیق نہ تکذیب 232
مسلمان اہل کتاب سے بے نیاز ہیں 232
خوف لعنت 232
خداڈرگیا 233
یارب ایسانہ کرنا 233
خداپراحسان رکھنا 233
خدا کی تصویر 233
خدا کی آنکھ کی پتلی 233
بت کا زور 233
پیغمبرزادی سے زنا 234
مطلق خدا 234
مردہ جادو سے زندہ 234
ایک انڈا تیرہ شہر پر گرا 234
نیزے پر اٹھالیا 234
سرین کی پیمائش 235
سات سوگز کی داڑھی 235
مقدار خراج 235
دستارخوان کی وسعت 235
ملک سلیمان 236
فرضی تعداد 236
خدا کی ناک کی پیدائش 236
خدا کا تاج اور انگوٹھی 237
ابن سبا کی تحریک 237
خدا کی قدر 238
لقد ذل من بالت علیہ الثعالب 238
خدا کی پشیمانی 238
خدا ماتم کرتا ہے 239
جزو ثانی 241
انجیل کی دروغ بیانی 241
خود عیسائیوں کا بیان کہ انجیل منزل من اللہ نہیں 241
انجیل متی 241
انجیل مرقس 242
انجیل لوقا 242
انجیل یوحنا 242
تثلیث کی بنیاد 245
مضامین جو تورات کے خلاف نصاری ثابت کرتے ہیں 247
نصوص تورات کی تکذیب جو یہود کے پاس ہے 247
دعائے نصاری کہ وہی توراۃ معتمد علیہ ہے جو ستر مشائخ نے بطلیموس کے لیے عزرا کی کتابوں سے ترجمہ کی ہے 247
یہود و نصاریٰ میں اختلافات 247
اناجیل کے مناقصات اور ان میں جو کھلا ہوا جھوٹ پایا جاتا ہے 250
ایک ہی واقعہ میں متیٰ کا بیان اور ہے 254
لوقا کا بیان اور ہے 255
شیطان نے خدا کے بیٹے کی رہنمائی کی 255
پروردگار سے سجدے کا مطالبہ 255
پروردگار کو للچاتا 256
صفات مشترکہ پر فخر کیسا 256
متی بخلاف مرقس 256
مرقس بخلاف متی 257
لوقا بخلاف ہردو 257
یوحنا سب کے خلاف 258
کیا کیا حماقتیں ہیں 258

ادعائے تکمیل تورات وصحف انبیاء 259
کیا خوب تکمیل کی 260
نقص تورات 260
نسخ ممکن نہیں 261
حلال وحرام میں کلام 261
یہ حق کہاں سے ملا 261
تکلیف مالا یطاق 261
عیسائی حضرت عیسی کی مخالفت میں 262
نسبت ابن الٰہی 263
خدا اور انسان کا بیٹا 263
کیفیت انبیائے موتے 263
روایت پر تبصرہ 264
علانیہ جھوٹ بولے 264
دونوں روایتوں میں تناقض 264
اخفائے اعجاز 264
معجزے سے عجز 264
غلط بخشی 265
کافر کے لیے کرامت 265
الزام غفلت 265
مخالفت ونافرمانی 266
ترغیب فرار 266
جھوٹا وعدہ 266
جھوٹ کا ظہور 266
دفع دخل 266
غلط فہمی 266
کیا فرمایا تھا اور کیا سمجھے 267
عداوت کی پیغام بری 267
خصومت کی تبلیغ 267
آتشی کی تبلیغ 268
اجتماع ضدین 268
سخن سازی 268
بات بنائے نہ بنی 268
اثبات نبوت مسیح 268
پیغمبر کے برابر ثواب 269
ادعائے محال 269
یحیی نبی سے بڑھ کے تھے 269
نبی سے بڑھ کے ہونا ممکن نہیں 269
انسان کو فرشتہ بنا دیا 269
تعریف مع تنقیص 270
وہی افضل وہی ارذل 270
انتہائی کتاب ونبوت 270
ایک دروغ کے دو فروغ 270
پہلا فروغ 270
پچھلا فروغ 270
نصاری کی مخالفت کا گلہ 271
کذب اور مخالفت 271
کھاتا پیتا خدا!! 271
کوئی نہیں جانتا 271
نہیں جانتے اور جاننے کا دعوے کرتے ہیں 272
اظہار معجزہ سے انکار 272
ابطال نصرانیت کیلئے اسی قدر کافی ہے 272
ملکوت عزوجل بقدر خردل 273
رائی سے بھی آگاہ نہ تھے 273
وطن میں بے قدری کی شکایت 273

مصائب تثلیث 274
خدا کے باپ ماں اور بھائی 274
ایک گروہ نصاری قائل تھا کہ مسیح یوسف نجار کے بیٹے ہیں 274
بندش سبیل تاویل 274
سلب قدرت اعجاز 275
آہنگر زادگی 275
حق برزبان جاری 275
آسمان کی کنجی 275
دو خرابیاں 276
خدا کی بادشاہی بندے کے سپرد کر دی 276
آپ بری الذمہ ہو گئے 276
پھر کیا ہوگا 276
آسمانی سلطنت پانے والوں کا حشر 277
پاخانے کا مقام کیسے حواری تھے 277
سب کچھ بتا دیا 278
تین کھلے جھوٹ 278
ایمان ہوتا تو پہاڑ ہٹ جاتا 279
جھوٹ کے اقانیم ثلاثہ 279
دو دلوں کی یکدلی 281
یہ کیسی یکدلی تھی 281
اگر کوئی مومن بدی کرے 282
معاف بھی کرتے ہیں اور کافر بھی بتاتے ہیں 282
خدای دہاند خدای وہد 282
خود مسیح میں قدرت نہیں 282
خرعیسیٰ 283
گدھی یا گدھا 283
جب مردے اٹھیں گے 284
اقرار و انکار 284
فرشتے بھی کھاتے پیتے ہیں 284
خدا نے بھی کھایا پیا 284
مسیح کا استدلال 285
ابن داؤد ہونے سے انکار 285
سب کا آسمانی باپ 285
سب خدا کے بیٹے 285
نفی سبب 285
مصائب کی پیشگوئی 286
یوم سبت 286
جھوٹے نبی 286
توریت کی نقل 286
اقرار لاعلمی 287
لاعلم خدا نہیں ہو سکتا 287
مسیح کا انکار تین تین بار 287
انجیلوں میں اختلافات 289
دو میں سے ایک قصہ ضرور جھوٹا ہے 289
مرنے کے بعد جی اٹھے 290
عجائب احوال 292
اختلاف دلیل دروغ 293
مسیح کی بیزاری دولتمندوں سے 293
مسیحی پھر بھی دولتمند ہیں 293
جھوٹا وعدہ 294
پورا ہو سکتا ہی نہیں 294
صالح اللہ ہے مسیح چرواہے صالح ہیں 294
مسیح کی انجیل اور تھی 294

غیر ممکن وعدے 295
خدا کے داہنے پہلو 295
انجیل کی تصنیف کا ثبوت 295
مشکوک سلسلہ نسب 296
والد مسیح 297
امر حق 298
بڑھئی کا بیٹا 299
برہان تثلیث جس سے تثلیث کا ابطال ہوتا ہے 299
جس کے لئے معافی ہے اور جس کیلئے نہیں ہے 299
انسانیت کی بحث 299
دعائے مغفرت 300
جاہل جو نبی کی بات سمجھنے سے عاجز ہیں 300
جناب باری بحالت دعا وزاری 301
بدحواسی کی باتیں 301
کلمے پر کلام 301
انتہائے تناقض 302
شاعری 302
آراستہ حماقت 302
خدا کی اولاد 302
بت کریں آرزو خدائی کی 303
شان ہے تیری کبریائی کی 303
انکار رویت الٰہی 303
یحیی کا اپنی نبوت سے انکار 304
جس پر نبوت کی انتہا تھی وہی نبی نہ رہا 304
خدائی بھیڑ کا بچہ 304
کیا سے کیا ہو گئے 304
خالص بیٹا 304
خدا سب کچھ دے کے خود بری الذمہ ہو گیا 305
خدا کی کنارہ کشی 305
قبضہ حیات اپنی ذات میں 305
جسے خدا کہتے تھے وہی بندگی کر رہا ہے 305
درس عبرت 306
پیٹ بھرا تو پیغمبر مان لیا 306
اپنے خون اور گوشت کی دعوت 306
مسیح اپنے معجزے چھپاتے تھے 307
زاویہ گورہا کر دیا 307
مسیح کسی کے حاکم نہیں 307
اقرار آدمیت 307
خدا اور نبی 307
مسیح پر سنگباری کا سبب 307
اندر ہی اندر 308
کیا فوقیت رہی 308
عیسائی بندے نہیں 308
خدا کو شرف بخشنے والے 309
خدا سے بھی بڑھا دیا 309
قدرت حیات وممات 309
بازگشت نظر 309
انجیلوں کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کے کذب وکفر وجنون کا تذکرہ 311
خدا کی اولاد 311
بوڑھا خدا 311
جیسے چور آتا ہے 311
ختنہ کرانے والے 311
تصویر اور اس کی تعظیم 313

"گمراہی" اور "کفر" 313
مسئلہ کفارہ 314
مسیحی تبرکات 314
معجزات 314
رہبانیت 315
دو اعتراض 316
صحت نقل کلام اللہ 317
دوسری شق 317
تیسری شق 317
چوتھی شق 317
احقاق حق 317
اختلاف قرات 317
قرات متروکہ 318
مصحف ابن مسعود 318
مصحف عثمانی 318
صحت نقل 322
صحت اعجاز نبوی 325
آنحضرتؐ کے معجزے 327
ایک محسوس برہان 329
برکات نبوت 329
سیرۃ نبوی خود معجزہ ہے 330
اعتراضات 332
جو کمزور مسلمانوں پر کئے جاتے ہیں 332
تاثیرات کواکب 336
کرویت زمین 337
آسمان ہی جنت ہے 341
ایک نہیں دو جنتیں 342
ساتوں آسمان جنت ہیں 342
کرسی 343
جنت کے دروازے 343
عرش کے اوپر 343
دنیا کی مدت میں کسی معین عدد کا دعوی 344
جنت میں مادیات کا وجود 345
حق الامر 345
لذت نفس جنت میں 346
نصرانی سے مناظرہ 346
طبقات ارض 347
آخر میں کیا ہوگا 347
تبدیل احوال اعدام نہیں ہے 348
بعد تکمیل 348

فہرست مضامین

جلد دوم

اسلامی افتراقات: 349
پانچ فرقے۔ جو فرقہ حق کے قریب ہے۔ جو حق سے دور جا پڑے 349
شیعہ قریب۔ شیعہ بعید۔ خارجی قریب۔ خارجی بعید۔ جو مسلمان نہیں۔ 350
قدر مشترک: 350
مخصوصات جن پر ہر فرقے نے اعتماد کیا ہے 350
جو "مرجی" نہیں۔ جو "مرجی" ہے۔ جو معتزلی نہیں۔ جو معتزلی ہے۔ جو شیعی ہے۔ 351
جو شیعی نہیں۔ جو خارجی ہیں اور جو نہیں ہیں۔ جو حق پر ہیں۔ جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ 352
غلاۃ شیعہ۔ تاویلات غلاۃ۔ ایرانی اثر 353
ایرانی سازش گر۔ اسلام کے خلاف سازش 354
رد بدعات کی مستقل کتاب۔ مسائل مختلف فیہا۔ 355
توحید و نفی تشبیہ: 355
موجودات کی حقیقت، نفی تجسیم باری 356
مکان و استواء: 360
لامکان۔ عرش پر استواء 361
علم الٰہی: 364
دعا سے کیا فائدہ۔ دعا کا عمل۔ علم الٰہی غیر الٰہی؟ 371
کیا مخلوق بھی خالق کے مغایر نہیں؟ 372
تغایر کی صحیح تعریف 372
صفت ذات ازلی 373
ہویت و غیریت 374
قوت و قدرت و علم کی عبادت۔ صرف اللہ کی عبادت۔ 375
سمیع و بصیر و قدیم کے معنی 376
حیات سے کیا مراد ہے 388
برہان ضروری 395
اسمائے الٰہی توفیقی ہیں 396
متشابہات 400
وجہ، ید، عین، جنب، قدم، تنزل، عزت، رحمت، امر، نفس ذات، قوت قدرت اور اصابع 400
وجہ۔ ید 400
آدم کی صورت۔ اشاعرہ کی غلط فہمی۔ آدم کو سجدہ 402
کشف ساق۔ امر و رحمت و عزت 403
رحمت مخلوق ہے۔ قدرت و قوت خداوندی۔ 405
نفس سے علم مراد ہے آسمان دنیا تک نزول۔ نزول سے منتقلی مراد نہیں 406
افول۔ خدا کی آمد۔ حکم مراد ہے 407
ماہیت کی تحقیق: 408
انکار ماہیت۔ اقرار ماہیت 408
احاطہ علم۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق۔ انیت ہی ماہیت ہے 409
ماہیت کے ساتھ کیفیت لازم نہیں 409
ناراضی سخط۔ رضا۔ عدل۔ صدق۔ ملک۔ خلق۔ جود۔ سخاد۔ ارادہ اور کرم 410
وہ مسائل جن کی نسبت اللہ کی قدرت کی خبر دی جائے 410

ان سب میں سوال کیونکر صحیح ہوگا؟ 410
کیا ارادہ صفات ذات میں ہے 410
اطلاق فاحش 411
جود و سخا کے معنی 413
جمع اندر پریشانے چند۔ ازالۂ اضطراب محال کیا ہے؟ 414
محال کی قسمیں 415
معدوم و محال پر قدرت کے معنی 416
تبدیل شکل 417
حدود قدرت 418
ظلم و کذب و محال پر قدرت 419
مسالہ کی تحقیق 420
حاصل کلام 424
علاف کا فلسفہ 425
جزو ثالث: 426
رویت باری تعالے حس ششم کیا ہے۔ 426
قرآن کا بیان: 429
کلام اللہ میں کلام 429
اعجاز قرآن: 438
قدرت الہی: 443
استطاعت کیا ہے: 447
مکمل استطاعت کے ساتھ ہی ہوتی ہے
قبل فعل نہیں ہوتی: 454
قرآن کی شہادت 456
خضر و موسیٰ علیہما السلام 457
احاطہ قدرت انسانی 461
ہدایت و توفیق: 462
ہدایت کے معنی: 463
اضلال: 465
شیطان کیسے گمراہ کرتا ہے 466
اصلی گمراہی 467
قول فیصل 468
قضاء و قدر: 469
بدل: 470
جواب صحیح 470
اللہ تعالی اپنی مخلوق کے افعال پیدا کرتا ہے: 471
طبیعت کے معنی 475
عقلی استدلال۔ غلط استدلال 477
پیدا کرنے میں خدا اور بندے کا فرق 480
تفاوت کی حقیقت 483
حاضر سے غائب پر استدلال۔ دو فاعل سے ایک فعل 490
ایجاب و سلب 491
افعال کی حقیقت 492
اضافت تاثیرات و افعال 494
خلق کیا ہے۔ 495
خلق افعال میں کلام 496
یہ الزام لایلزم۔ معتزلہ کی حیرت 497
کوئی دلیل نہیں 498
اللہ گواہ ہے 499
افعال میں شرکت 500
معتزلہ سے مقابلہ۔ اعراض کی تحقیق 502
عرض و جوہر کی تحقیق 503
عذاب و عقاب 504
رضا بقضا 505
عالم میں یا جوہر ہے یا عرض 507

تعدیل وتجویز: 510
خدا کو عادل یا ظالم قرار دینا۔ عدل الٰہی 510
محاباۃ 533
اللہ نے جو پیدا کیا وہ قبیح نہیں ہم سے جو خطا ہوتی ہے وہ قبیح ہے 535
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے 535
حیوان عذاب ودوزخ سے محفوظ ہیں۔ بہشت حیوانات کے لیے نہیں 536
سب بچے بہشت میں۔ خلقت جسم ونفس 537
حیات اولی۔ برزخ۔ حیات ثانیہ۔ فرشتے اور حور 538
صاعقۃ الموت۔ سات دور 539
دور ثانی 540
پچاس ہزار برس کا دن۔ 541
ہزار برس کا دن۔ 542
ابطال اعتزال۔ خود معتزلہ اللہ کی جانب ظلم منسوب کرتے ہیں 542
اصناف معتزلہ۔ تکلیف مالا یطاق۔ 543
بدون مشیت الٰہی ایمان بھی ممکن نہیں۔ 544
اذن ومشیت کے معنی 545
معتزلہ پر حجت 545
اہل اعتزل کا استدلال 545
لنادلا علینا۔ معتزلہ کا قول کہ بعض چیزیں اللہ نے پیدا نہیں کیں 546
عبادت بمعنی تذلل۔ عدالات شانزدہ گانہ۔ 547
آیا اللہ تعالی نے کفر وفسق کو چاہا نہیں چاہا: 549
کافر وفاسق سے کفر وفسق سرزد ہونے کا ارادہ کیا کہ نہیں 549
ارادے اور مشیت کی تحقیق۔ باز رکھنے کی قدرت 549
اعانت کفار بمقابلہ مومنین۔ 556
آیات میں کوئی فرق نہیں 558
معتزلہ کا اعتراض۔ اعتراض کی تحلیل۔ قائل حق کی تکذیب 559
دوسرا اعتراض۔ اسی کے متصل جواب ہے۔ آخر نے اول کی توضیح کردی 560
تیسرا اعتراض۔ احقاق وازہاق۔ قدریہ پر حجت 561
اعتراض کا ابطال واضح ہوگیا۔ 562
بے دلیل دعوے۔ تحلیل وتجزیہ 563
این المفر 564
ہم انکار نہیں کرتے 567
نابینائی کا الزام 568
مومن نابینا نہیں ہوسکتا 569
معتزلہ کی ’’شہادت‘‘۔ 569
لطف واصلح: 571
ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں 582
بطلان قول اصلح۔ کیا خدا ایسا جسم ہے کہ مخلوق کے مشابہ نہیں ہیں، یہ مغالطہ ہے۔ 588
کفار پر اللہ تعالی کا انعام ہے یا نہیں: 590
اصل الاصول۔ انعام الٰہی عام ہے۔ 590
ایمان وکفر وطاعت ومعاصی ووعدہ ووعید: 591
ایمان کی ماہیت۔ ایمان صرف تصدیق ہے 591
تصدیق کی تکذیب 592
ایمان بمعنی اعمال دیانت وامانت 594
ایمان میں کمی وبیشی ممکن نہیں 595
اصطلاحات شرعیہ۔ صلواۃ۔ زکواۃ۔ صیام۔ 598
ایمان میں نقص۔ تصدیق کے اجزا نہیں ہوتے۔ 599

ہزل شیطانی 601
کفر کے معنی۔ 611
مرجیہ کے تینوں طبقات کے اعتراضات: 612
کفروشرک میں اختلاف۔ 619
مومن ومسلم: 622
اسلام وایمان کیا ایک معنی کے دو اسم ہیں یا دو اسم اور دو معنی کے لیے ہیں؟ 622
اسلام سے کیا مراد ہے۔ 623
انا مومن حقا۔ 624
گناہ گار 625
کس کی تکفیر کی جائے گی اور کس کی تکفیر نہیں کی جائے گی: 641
کافر کون ہے۔ 641
تکفیر میں بہت احتیاط لازم ہے 643
ترک صلوٰۃ کی حدیثیں۔ کلمہ طیبہ کس طرح موجب دخول جنت ہے۔ سب صحابہ پر تکفیر۔ بااین ہمہ تکفیر نہ چاہیے 644
خوف خدا کا انجام۔ 645
ملائکہ وحور ومخلوق جدید کی عبادت: 652
کیا کوئی فرشتہ بھی گناہ کرتا ہے؟ 652
ہاروت وماروت 654
حورعین۔ غلمان۔ جن 656
جزو رابع: 659
کیا انبیا علیہم السلام معصیت کرتے ہیں؟ 659
ملائکہ 660
آدم علیہ السلام کے متعلق کلام: 660
آدم کی تکفیر۔ عبدالحارث کی کہانی آدم سے کچھ علاقہ نہیں 662
نوح علیہ السلام 663
ابراہیم علیہ السلام 663
دروغ گوئی، دروغ کا احیانی فروغ 663
بیوی کو بہن کہنا، تاثیرات نجوم 664
ربوبیت شمس وقمر، کیفیت احیائے اموات 665
کافر کے لیے استغفار 666
لوط علیہ السلام 666
دیوار کی پناہ سے خدا کی پناہ دعوت الی النبات 666
تزویج مراد تھی 667
برادران یوسف علیہ السلام 667
برادران یوسف انبیاء نہ تھے 667
ازالہ اشتباہ 668
والدات موسیٰ وعیسیٰ واسحاق علیہم السلام کی نبوت 669
یوسف علیہ السلام 670
بھائی کو روک لینا، دلیل بے خبری 670
پیمانے کی چوری خدمت فرعون 671
سجدہ والدین، غیر رب سے توسل اور اس کو رب کہنا 672
یوسف وزلیخا کے ارادے، تحقیق اثر ابن عباس 672
آیت کے معنی۔ ارادہ زنا 673
موسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ 674
فارغاً کے معنی، حضرت ہارون پر غیظ وغضب 674
خضر پر اعتراض قتل 675
ضلالت کس کو کہتے ہیں، خدا بینی کی خواہش 676
یونس علیہ السلام 676
یونس کا غضب، کیا یہ بدگمانی نہیں کہ نبی پر خدا قدرت نہ پائے گا اصل معنی کیا ہیں 677
استحقاق مذمت وملامت 678

داؤد علیہ السلام 678
لا یلزم الزام 678
ہمسائی سے تعشق کی تحقیق 679
استغفار و سجود، امتحان کا گمان 679
سلیمان علیہ السلام 680
فتنہ سلیمان، فتنہ بمعنی اندازہ 680
کرسی پر جسم، جن کی روایت جھوٹی ہے 680
ابر میں لڑکے کی پرورش، گھوڑوں پر دست شفقت 681
عورتوں میں شب گشت، خدا کی آیت کے بعد غوایت 682
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 683
غفران ذنوب۔ مس عذاب 684
اعمٰی سے بے التفاتی 685
غرانیق علی، القائے شیطان 685
حوالت بر مشیت و ذکر الٰہی۔ اخفا و خشیت 686
قول فیصل۔ نصرت الٰہی ناامیدی کے بعد 687
یہود و نصاریٰ کا اعتراض امر حق 688
انبیاء معصیت نہیں کرتے، امر بہ اقتدائے انبیا 691
انبیاء سے مواخذہ 693
ملائکہ علیہم السلام 694
قصہ ہاروت و ماروت کی دلیل، ظہور ملائکہ 695
ابلیس کون تھا 697
تزکیہ نفس کی شکلیں 698
جو اسلام کا بغیر استدلال کے معتقد ہو کیا وہ مومن ہے 699
کیا مومن و مسلم وہی ہو سکتا ہے جو استدلال کرے 699
تقلید کیا ہے 700
اس کی دو قسمیں ہیں 701
وعدہ وعید 708
موافات 725
جسے دعوت نہیں پہنچی 727
جس نے گناہ یا کفر سے توبہ کر لی اور پھر وہی کیا جس سے توبہ کی تھی 727
شاہد حال 730
شفاعت و میزان و حوض و صراط، عذاب قبر و کاتبین کرام 731
شفاعت 731
دو شفاعتیں 732
میزان 733
حوض۔ صراط 734
کاتبین اعمال، عذاب قبر 735
مستقر ارواح 737
روح میں حس و عقل ہے 739
ارواح انبیاء و شہداء 741
مسلمین و مشرکین کی نابالغ مرنے والی اولاد 742
نوح علیہ السلام کا قول 742
قیامت اور تبدیل اجسام 748
جنت و دوزخ کی پیدائش، چھٹا آسمان ہی جنت الماویٰ ہے 751
آسمان ہی جنت ہے 752
اہل جنت و دوزخ کے لیے بقائے دوام 753

فہرست مضامین

جلد سوم

تحقیق امامت ومفاضلت صحابہؓ 757
وجوہ فضیلت صحابہؓ کی فضیلت باہمی 782
علی مرتضی کی جنگ اور جن صحابہؓ نے ان سے جنگ کی 823
امامت مفضول 834
عقد امامت کس چیز سے صحیح ہوتا ہے 838
امر بالمعروف ونہی عن المنکر 842
فاسق کے پیچھے نماز۔ فاسق کے ہمراہ جہاد وحج کرنا،
زکوۃ دینا اور اس کے احکام قضاء وحدود کا نفاذ 848
جو باتیں کفر کی طرف لے جاتی ہیں، اہل بدعت یعنی
معتزلہ وخوارج ومرجیہ وشیعہ کے محال اقوال 850
شناعت شیعہ 851
شناعت خوارج 861
شناعت معتزلہ 864
شناعت مرجیہ 876
ان جماعتوں کی شناعت جن کے فرقے معروف نہیں 898
جزو خامس۔ معانی جنھیں اہل کلام لطائف کہتے ہیں 901
سحر ومعجزات سے کیا طبائع بدل جاتے ہیں 901
جن ووسوسہ شیطان ومصروع اور اس کے افعال 911
طبائع 913
خواتین کی نبوت 916
خواب ورویاء 918
کونسی مخلوق افضل ہے 919
فقر وغناء یا درویشی وتوانگری 927
اسم ومسمی 927
قضایائے نجوم: فلک اور نجوم ذوی العقول ہیں کہ نہیں 937
اللہ تعالی جو شے پیدا کرتا ہے وہ مخلوق ہے یا نہیں 939
بقاوفنا: وہ معانی جن کے مدعی معمر ہیں 941
کیا معدوم شے ہے 942
جو معانی معمر کے مخالف ہیں 946
اشعریہ اور ان کے موفقین کے احوال 948
اللہ تعالی کا ہر وقت عالم کو پیدا کرنا 954
حرکت وسکون 955
تولد: فعل کا اثر پیدا ہونا 959
مداخلت ومجاورت ومکون 960
استحالہ: ایک شے کا بدل کے دوسری شے بن جانا 963
طفرہ 964
انسان 965
جواہر واعراض: جسم ونفس کیا ہے 967
معارف: ولادت کے وقت انسان کیا کیا جانتا ہے 1006
تکافوادلہ: جو مساوات دلائل کے قائل ہیں 1017
الوان: رنگوں کا بیان 1034
متولد، اور متوالد: جو دوسرے سے پیدا ہوں اور جو
دوسرے کو پیدا کریں 1038

الملل والنحل

اور

ابن حزم ظاہری

اسلام میں ایک مدت تک معقول ومنقول الگ الگ رہے امام غزالی نے دونوں کا تعارف کرایا، اور رفتہ رفتہ اتحاد اسقدر بڑھا کہ آج دونوں کو الگ کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے محدثین کا گروہ اخیر تک اپنے انداز پر قائم رہا چنانچہ اس مقدس فرقہ میں کوئی ایسا شخص نہیں پیدا ہوا جو فلسفی یا معقولی کے لقب سے ممتاز ہوتا، لیکن دو شخص اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، ابن تیمیہ اور ابن حزم، ان دونوں بزرگوں کے معتقدات اور خیالات اس امر کے اندازہ کرنے کے لیے نہایت نتیجہ خیز ہیں کہ حدیث کو فلسفہ سے کس حد تک ربط ہوسکتا ہے، یہ دونوں بزرگ، بہت بڑے محدث اور سخت مذہبی آدمی تھے، انھوں نے گو فلسفہ میں کمال پیدا کیا تھا لیکن فلسفہ کو بالکل حقیر سمجھتے تھے اور اسلئے فلسفہ کا ان پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا تھا، چنانچہ ابن تیمیہ نے فلسفہ کے رد میں ایک ضخیم کتاب چار جلدوں میں لکھی، ابن حزم نے بھی متعدد کتابوں میں فلسفہ کے مسائل رد کئے۔

اہل سنت و جماعت میں عقائد کے اعتبار سے تین شاخیں ہیں۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور محدثین، لیکن ایک مدت سے تمام اسلامی دنیا میں صرف اشاعرہ کی کتابیں متداول اور زیر درس ہیں ماتریدیہ کے اقوال کہیں کہیں انھیں کتابوں میں آجاتے ہیں لیکن محدثین کی تصنیفات سرے سے ناپید ہیں اور انکے اقوال بھی (بجز صفات باری کے) کسی مسئلہ کے متعلق نہیں پائے جاتے، حالانکہ اصول وعقائد کے متعلق سب سے زیادہ انہی کی رائیں معتبر ہوسکتی ہیں، اب خوش قسمتی سے اس مقدس گروہ کی تصنیفات کی طرف توجہ مبذول ہوئی ہے؛ چنانچہ ابن تیمیہ کی کتاب ''العقل والنقل'' اور ''منہاج السنۃ'' اور ابن حزم کی کتاب ''الملل والنحل'' حال میں چھپ کر شائع ہوئی ہے، ہم اسوقت اسی کتاب (الملل والنحل) پر تقریظ لکھنی چاہتے ہیں، لیکن اصل بحث سے پہلے ہم نہایت اختصار کیساتھ ابن حزم کے حالات لکھتے ہیں،

ان کا نام علی بن احمد بن سعید بن حزم ہے خاندان بنوامیہ سے تھے قرطبہ میں ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۵۶ھ میں وفات پائی ۴۰۰ھ میں حدیث کی تحصیل شروع کی، علوم دینیہ کے ساتھ منطق وفلسفہ میں بھی کمال پیدا کیا، پہلے شافعی تھے پھر ظاہری ہوگئے یعنی ظواہر قرآن وحدیث کے سوا قیاس کو نہیں مانتے تھے، بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے محلّی بڑے پایہ کی کتاب ہے، ان کی تصنیفات ۸۰ ہزار ورق میں ہیں، امام غزالی نے لکھا ہے کہ میں نے انکی ایک تصنیف دیکھی ہے جس سے انکا کمال حفظ، وذہانت ثابت ہوتی ہے،

ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں کہ ابن حزم کو علوم اسلامیہ میں جو کمال تھا اندلس میں کسی کو نہ تھا حمیدی کا بیان ہے کہ ہم نے ان کا نظیر نہیں

دیکھا، یہ تمام واقعات علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ ابن حزم علماء کبار میں سے ہیں اور اجتہاد کی تمام شرائط ان میں پائے جاتے تھے،

کتاب ''الملل والنحل'' اس کتاب میں مصنف نے فلاسفہ، ملاحدہ، مادیین، یہود، نصاریٰ، غرض اکثر اہل مذاہب کے عقائد و خیالاتِ نقل کئے ہیں اور ان کا رد لکھا ہے، غیر مذاہب کے رد میں علماء اسلام کی بہت سی تصنیفات ہیں، لیکن اس کتاب میں یہ خصوصیت ہے کہ دوسروں کے عقائد و خیالات کو نہایت تحقیق سے لکھا ہے توراۃ اور انجیل کے محرف ہونے پر جو بحث کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کو یہود و نصاریٰ کی کتابوں پر مجتہدانہ عبور تھا، غیر مذاہب کے ابطال کے بعد مصنف نے خود اسلامی عقائد سے بحث کی ہے اور ہر فرقہ کے ان مسائل کا رد کیا ہے جو اسکے نزدیک غلط اور باطل ہیں ہم کو صرف اسی حصہ سے بحث ہے، سب سے پہلے انبیاء کے مسئلہ کو لکھا ہے اور نہایت تفصیل سے لکھا ہے، عقائد کی موجودہ کتابوں میں اگرچہ عموماً یہ مسئلہ مسلم قرار پا گیا ہے کہ انبیاء معصوم ہیں لیکن اکثر تفسیر کی کتابوں میں جو روایتیں مذکور ہیں اور وہی تمام مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں وہ بالکل اسکے خلاف ہیں، ابن حزم نے نہایت آزادی اور دلیری سے ان تمام روایتوں کی لغویت ثابت کی ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت مشہور ہے کہ انھوں نے ایک دن اتفاق سے اوریا کی بیوی کو نہاتے دیکھ لیا، چونکہ وہ نہایت حسین تھی اسلئے اس سے شادی کا ارادہ کیا، اور اسی غرض سے اسکے شوہر کو لڑائی پر بھیج دیا جب وہ لڑائی میں مارا گیا تو اسکی بیوی سے شادی کر لی۔ قرآن مجید میں ایک موقع پر یہ واقعہ مذکور ہے دو بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لڑتے ہوئے آئے کہ ہمارا مقدمہ فیصل کر دیجیے۔ جھگڑا یہ تھا کہ ایک بھائی کے پاس ۹۹ دنبے تھے اور دوسرے کے پاس صرف ایک مادہ، کہتا تھا کہ اپنا دنبہ بھی مجکو دی ڈالو، حضرت داؤد نے یہ سنکر کہا کہ یہ ظلم ہے پھر انکو خیال ہوا کہ یہ خدا نے میرا امتحان لیا ہے، اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ وہی حضرت داؤد کا قصہ ہے، وہ دونوں آدمی نہ تھے بلکہ فرشتے تھے اور انھوں نے اس پیرایہ میں حضرت داؤد کو متنبہ کیا کہ تمہارے ۹۹ بیبیاں ہیں اور اوریا کی صرف ایک، وہ بھی تم نے چھین لی، ابن حزم لکھتے ہیں کہ وہ فرشتے نہ تھے بلکہ واقعی آدمی تھے اور وہ درحقیقت انفصال مقدمہ کے لیے آئے تھے، ان کے الفاظ یہ ہیں،

وهذا قول صادق صحيح لايد ل علے شئی مماقاله المستهزؤن الكا ذبون المتعلقون بخرافات ولّد ها اليهود و انماكان ذلک الخصم قومامن بنی آدم بلا شک مختصمين فی نعاج من الغنم علے الحقيقت ومن قال انهم كا نواملائكة معرضين بامر النساء فقد كذب على الله عزو جل وقال مالم يقل وزادفي القرآن ماليس فيه وكذب الله عزو جل .

قرآن مجید کا بیان بالکل صحیح اور سچ ہے، دروغ گو مسخرے جو یہودیوں کے خرافات کی سند پکڑتے ہیں انکے اقوال کیطرف اس آیت میں کچھ بھی اشارہ نہیں پایا جاتا، وہ دونوں شخص واقعی آدمی تھے اور ان میں درحقیقت دنبوں کے متعلق جھگڑا تھا، جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ فرشتے تھے اور انھوں نے عورتوں کے قصہ کیطرف اشارہ کیا تھا تو وہ خدا کو جھوٹ لگاتا ہے اور وہ بات کہتا ہے جو خدا نے نہیں کہی اور قرآن پر حاشیہ چڑھاتا ہے اور خدا کو جھوٹا بناتا ہے۔

اس کے بعد ابن حزم لکھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں بدمعاش اور پاجیوں کی طرف منسوب کی جاسکتی ہیں، نہ کہ (نعوذ باللہ) انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف۔

اسی طرح یہ واقعہ عام طور پر مشہور اور کتب تفسیر میں منقول ہے کہ حضرت سلیمان گھوڑوں کا جائزہ لے رہے تھے، اس میں اس قدر

مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز جاتی رہی، جب ان کو خیال آیا تو گھوڑوں کی پنڈلیاں کٹوا ڈالیں، اور جب انکی دعا سے آفتاب دوبارہ طلوع ہوا تو نماز عصر ادا کی، ابن حزم اس روایت کی نسبت لکھتے ہیں۔

وھذا خرافة موضوعة مکذوبة سنحیفة باردة والظاھر انھامن اختراع زندیق بلاشک ،

یہ خرافات، جھوٹ، بیہودہ، اور لغو روایت ہے، بظاہر یہ روایت کسی زندیق نے ایجاد کی ہے،

ایک بڑا مہتم بالشان مسئلہ جس پر ابن حزم نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، سحر اور جادو کی حقیقت ہے یہ بحث اگر چہ درحقیقت سائنس سے تعلق رکھتی ہے، لیکن چونکہ سحر کا لفظ مذہبی کتابوں میں آ گیا ہے اس لیے یہ ایک مذہبی مسئلہ بن گیا ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سحر اور جادو کوئی چیز ہے لیکن بحث یہ ہے کہ سحر میں درحقیقت انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا صرف شعبدہ بازی اور نیرنگ سازی کا نام سحر ہے، اکثر اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سحر کے ذریعہ سے تمام خرق عادات وجود میں آ سکتے ہیں، اور عام طور پر یہی عقیدہ مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے، ابن حزم نے نہایت زور شور سے، اس کا انکار کیا ہے اور حسب ذیل دلیلیں پیش کی ہیں،

۱۔ خدا نے کائنات کی جو ترتیب قرار دی ہے وہ بدل نہیں سکتی، جیسا کہ خود قرآن مجید میں ہے، لامبدل لکلماتہ، علامہ موصوف نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے استدلال کر کے لکھا ہے،

فصح ان کل فی العالم مماقدرتبه الله عزو جل الترتیب الذی لایتبدل ،

تو ثابت ہوا کہ جو کچھ عالم میں خدا نے ترتیب دیا ہے وہ بدل نہیں سکتا،

۲۔ اگر سحر صحیح ہو تو معجزہ اور سحر میں کیا فرق ہوگا؟

ویقال لمن قال ان السحریحیل الاعیان ویقلب الطبائع اخبر ونا اذ اجاز ھذا فای فرق بین النبی والساحر ولعل جمیع الانبیاء کا نواسحرة کماقال فرعون عن موسی علیه السلام ، انه لکبیر کم الذی علمکم السحر

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ جادو قلب ماہیت کر دیتا ہے تو اس سے کہنا چاہیے کہ پیغمبر اور جادوگر میں کیا فرق باقی رہے گا اس صورت میں یہ احتمال پیدا ہوگا کہ تمام انبیاء جادوگر ہی تھے جیسا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اور اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے"

سحر کے ثبوت میں اکثر لوگ فرعون کے جادوگروں کا واقعہ پیش کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے علامہ موصوف نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ صرف شعبدہ بازی تھی وہ آیتیں یہ ہیں،

یخیل الیه من سحر ھم انھا تسعیٰ انما صنعو اکیدساحر ،

"حضرت موسیٰ کو انکے جادو کیوجہ سے خیال ہوتا تھا کہ انکی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں ان لوگوں نے جادو کا کرتب کیا ہے"۔

پہلی آیت سے ثابت ہوا کہ وہ صرف تخیل تھا کوئی واقعی چیز نہ تھی، دوسری آیت میں کید کا لفظ ہے جسکے معنی فریب کے ہیں۔

قرآن مجید میں **ہاروت و ماروت** کے متعلق مذکور ہے کہ لوگ ان سے جادو سیکھتے ہیں اور اسکے ذریعہ سے میاں اور بیوی میں جدائی کرا دیتے ہیں، اس آیت سے بھی سحر کی واقعیت پر استدلال کیا جاتا ہے، علامہ موصوف اسکے جواب میں لکھتے ہیں،

فھذاامر ممکن یفعله نمّام ،

"یہ ممکن بات ہے جسکو چغل خور بھی کر سکتا ہے" (یعنی میاں بیوی میں لڑائی کرا دینا چغل خوری کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت پر لبید ابن اعصم نے جادو کر دیا تھا جسکی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ جو کام آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا، اسکی نسبت آپ کو خیال ہوتا تھا کہ کرلیا ہے، اس حدیث کے جواب میں علامہ موصوف لکھتے ہیں،

فلیس فی ھذا ایضاً احالۃ الطبیعۃ لاقلب عین و انمہ ھو تا ثیر بقوۃ تلک الصناعۃ و نحن نجد الا نسان یسبّ او یقابل بحر کۃ یغضب منھا فیستحیل من الحلم الی الطیش و عن السکو ن الی الحر کۃ ،

''اس میں بھی طبیعت کا بدلنا یا قلب ماہیت نہیں ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کو کوئی شخص گالی دیتا ہے یا کوئی ایسی بات کرتا ہے جس سے اسکو غصہ آجائے تو اسکا حلم غصہ سے اور سکون حرکت سے بدل جاتا ہے''،

فلسفہ حال کے مسائل میں سب سے زیادہ جو مسلم الثبوت مسئلہ مانا جاتا ہے

قانون قدرت کا مسئلہ ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس سے زیادہ کوئی چیز قطعی اور یقینی نہیں، لیکن عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ یہ مسئلہ زمانہ حال کی تحقیقات میں سے ہے یا کم از کم یہ کہ پہلے اس مسئلہ کی طرف خیال رجوع نہیں ہوا تھا، اور اسی لیے قدیم لٹریچر میں یہ اصطلاح موجود نہیں، لیکن یہ خیال تمام تر غلط ہے فلاسفہ اسلام تو عموماً اسکے قائل تھے، فقہاء اور محدثین میں بھی اشاعرہ کے سوا اسکا کوئی منکر نہیں چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں نہایت تصریح سے اسکو لکھا ہے،

علامہ ابن حزم نے اس بحث پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں ''**الکلام فی الطبائع**'' ① اس بحث میں پہلے اشاعرہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ طبائع کے قائل نہیں، پھر نہایت تفصیل سے اسکا رد لکھا ہے انکی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ عرب میں متعدد الفاظ تھے جو اس معنی میں استعمال کئے جاتے تھے مثلاً طبیعت، خلیقت، غریزہ، سجیتہ، جبلت، چنانچہ حمید بن ثور کہتا ہے،

لکل امر یا ام عمر و طبیعۃ
وتفریق مابین الرجال الطبائع

۴۔ اے ام عمرو! ہر شخص کی ایک فطرت ہوتی ہے، اور آدمیوں میں جو فرق ہے وہ فطرتوں ہی کا ہے،

یہ الفاظ آنحضرت اور صحابہ کے سامنے استعمال کئے گئے اور کسی نے ان سے انکار نہیں کیا، بلکہ خود آنحضرت نے یہ الفاظ استعمال فرمائے صحابہ میں سے ایک بزرگ نے آنحضرت سے پوچھا کہ مجھ میں جو حلم اور بردباری پائی جاتی ہے وہ میری جبلت ہے یا تربیت اور کسب سے حاصل ہوئی ہے، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ خدا نے تم کو اس پر مجبول کیا ہے،

اس استدلال کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں،

و کل ھذہ الطبائع و العادات مخلوقۃ خلقھا اللہ عزوجل فرتب الطبیعۃ علی انھا لا تستحیل ابداً ولا یمکن تبدلھا عند کل ذی عقل کطبیعۃ الا نسان بان یکون ممکنا لہ التصرف فی العلوم و الصناعات ان لم یعترضہ آفۃ ، وطبیعۃ الحمیر والبغال بانہ غیر ممکن منھا ذلک و کطبیعۃ البّران لاینبت شعیر اولا جوزاً وھکذا کل مافی العالم مقرون بالصفات وھی الطبیعۃ نفسھا ،

''اور یہ تمام طبائع اور عادات خدا نے پیدا کئے ہیں اور طبائع کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ کسی طرح بدل نہیں سکتے اور اسکا بدلنا کسی عاقل کے نزدیک ممکن نہیں مثلاً انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر کوئی آفت نہ آئے تو وہ علوم اور ہنر سیکھ سکتا ہے، اور گدھے اور خچر کی فطرت ایسی

---

① الملل والنحل جزو خامس صفحہ ۱۴ مطبوعہ مصر

بنائی کہ ان سے یہ امور ممکن نہیں اسی طرح گیہوں سے جو، یا اخروٹ نہیں پیدا ہو سکتا غرض دنیا میں جتنی چیزیں ہیں ان میں خاصیتیں پائی جاتی ہیں کہ وہی انکی فطرت ہے''،

اس کتاب میں بعض خیالات بالکل جدید ہیں مثلاً یہ بحث کہ عورتیں پیغمبر ہو سکتی ہیں یا نہیں، اسکے متعلق ہم کو جہاں تک معلوم ہے آج تک کسی نے اس بات کا پہلو نہیں لیا تھا، لیکن علامہ ابن حزم کا دعوٰی ہے کہ عورتیں پیغمبر ہو سکتی ہیں، چنانچہ اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے اسپر استدلال کیا ہے عام خیال یہ ہے کہ عورتوں کا درجہ مردوں سے کم ہے، لیکن علامہ ابن حزم اس کے خلاف ہیں، صحابہ کی فضیلت پر جہاں بحث کی ہے وہاں اس مسئلہ کو بھی تفصیل سے لکھا ہے اور قرآن مجید کی جن آیتوں سے مردوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے انکا جواب دیا ہے (دیکھو جزو چہارم) علامہ موصوف کا یہ خیال صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے تعلیم یافتہ حضرات کے ہم خیال، پہلے بھی موجود تھے،

* * *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَا عِمَادَ مَنْ لَا عِمَادَ لَہٗ

رَبِّ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَزِدْ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ خاتم الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین .

مذہبی فرقہ بندیوں میں لوگوں نے بے شمار کتابیں لکھیں، ان سب کی حالتیں مختلف ہیں۔

طول لاطائل :

بعض مولفین طول کلام میں اتنے بڑھے، اتنی باتیں بنائیں ایسا خلط مبحث کیا، غلط بیانی وشور وشر میں ایسے بڑھے چڑھے کہ اصل مفہوم خبط ہو گیا، علم وآگاہی کی منزل دور ہی رہی، بیچ میں یہ باتیں سنگ راہ بن گئیں۔

اختصار مخل:

بعض نے خذف واختصار سے اتنا کام لیا کہ اپنے مخالفوں کے پرزور استدلال تک ترک کر دیے۔

ایسے لوگوں نے نہ تو اپنے ساتھ انصاف کیا، نہ غیروں کے ساتھ اور نہ مطالعہ کرنے والوں ہی کے ساتھ انصاف کیا۔

اپنے ساتھ بے انصافی یہ تھی کہ بیان حقیقت میں کوتاہی کی۔

غیروں پر ظلم یوں ہوا کہ ان کے اعتراضات ادھورے چھوڑ دیے۔

مطالعہ کرنے والوں کو اس طرح زیاں پہنچایا کہ ان کی تالیف کے بعد بھی وہ دوسری کتابوں کے محتاج رہے۔

مغلق پسندی :

ان سب نے۔ الا ماشاءاللہ۔ کلام میں اتنی تعقید پیدا کر دی کہ اکثر وبیشتر سمجھنے والوں کے لیے اس کا سمجھنا دشوار ہو گیا، مطلب کو حلقہ حلقہ لاتے اس قدر پیچیدہ بناتے رہے کہ انجام تک پہنچتے پہنچتے آغاز یاد نہیں رہتا، معانی ومطالب فاسد تو نہیں کیے البتہ اکثر صورتوں میں دے ڈال دیے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ابتداء ہوئی تو نا محمود، انتہا نکلی تو غیر ممدوح۔

پیش نظر تالیف :

اللہ سے استخارہ کر کے ہم نے یہ کتاب مرتب کی ہے، مقصد یہ کہ ایسے دلائل و براہین پیش کیے جائیں جو محسوس مقدمات سے نکلے

ہوں یا باختلاف احوال حس قریب یا حس بعید ان کا مرجع ہو،

طرز استدلال :

استدلال میں یہ شرط رکھی ہے کہ دلیل اپنے مخرج سے الگ نہ ہونے پائے، اور جو کچھ ثابت ہو اسی کو صحیح مانا جائے، اس لیے کہ حق اسی کا نام ہے۔

الفاظ بہت واضح رکھے ہیں، تعقید نہیں آنے دی ہے۔

مخالف اسلام فرقے :

جو فرقے دین اسلام کے مخالف ہیں اصل میں چھے ہیں، بعد میں ایک سے کئی کئی فرقے نکلے ہیں، انشاء اللہ ان سب کا تذکرہ آئے گا۔

سوفسطائیہ :

پہلا فرقہ مبطلین حقائق کا ہے جن کو علمائے متکلمین ''سوفسطائی'' کہتے ہیں، یہ فرقہ حقیقت اشیا کا منکر ہے۔

مذبذبین :

دوسرا فرقہ مثبتین حقائق کا ہے جو حقیقت اشیاء کے تو قائل ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم ہمیشہ سے ہے اور کوئی اسکا محدث (پیدا کرنے والا) نہیں، نہ کوئی اس کا مدبر (ناظم) ہے۔

مدعیان حقیقت:

مثبتین حقائق کا ایک اور فرقہ بھی ہے جس کا مقولہ یہ ہے کہ عالم بھی ازلی اور اسکا مدبر بھی۔

ایک اور فرقہ بھی اثبات حقائق کا قائل ہے، اس کی کئی شاخیں ہیں:

ایک تو عالم کو ازلی مانتا ہے۔

دوسرا حادث کہتا ہے۔

تعدد آلہہ :

عالم کو جو ازلی مانتے ہیں اور جو نہیں مانتے، مدبرین عالم کے ازلی ہونے پر دونوں متفق ہیں۔ جو انکے خیال میں ایک سے زیادہ ہیں، تعداد میں اختلاف ہے۔

منکرین نبوت :

مثبتین حقائق کا ایک فرقہ وہ ہے جو عالم کو بھی حادث مانتا ہے، ایک ازلی خالق کا بھی قائل ہے۔ مگر نبوت سے قطعی منکر ہے۔

ایمان بعض وکفر بعض :

آخری فرقہ عالم کو حادث، خالق عالم کو واحد اور ازلی مانتا ہے، نبوت کو تسلیم کرتا ہے، مگر کچھ مانتا ہے کچھ نہیں مانتا، بعض انبیاءً کا اقرار ہے بعض سے انکار ہے۔

انھیں باتوں سے اور بھی باتیں نکلی ہیں، سرے تو یہی ہیں مگر ان سے شاخیں پھوٹی ہیں۔

مثلاً : تناسخ ارواح کا عقیدہ، نبوت کا ہر زمانے میں تواتر۔

نبوت جانوروں میں !! :

جانوروں کے ہر نوع میں پیغمبر مانتے ہیں۔

یا مثلاً یہ عقیدہ کہ عالم تو حادث ہے اور مدبر عالم بھی ازلی ہے،

تاہم نفس اور مکان مطلق : یعنی خلائے اور زمان مطلق ہمیشہ سے اسی کے ساتھ ساتھ رہے ہیں۔

یہ ایک جماعت کا عقیدہ ہے جس کے بعض افراد۔ عبداللہ بن خلف بن مروان انصاری، وعبداللہ بن محمد سلمی کاتب، ومحمد بن علی بن حسین اصحی طبیب کے ساتھ اس باب میں میرا مناظرہ بھی ہو چکا ہے، اصل میں یہ قول محمد بن زکریا رازی طبیب سے ماثور ہے جس کے ابطال میں ہماری ایک مستقل کتاب ''علم الٰہی'' کے نام سے معروف ہے۔

ازلیت افلاک :

اسی طرح ایک جماعت کہتی ہے کہ فلک ازلی ہے، وہی فاعل ہے اور وہی مدبر عالم ہے۔

یہ لوگ، اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ کو اس سے برتر قرار دیتے ہیں کہ وہ کچھ کرے۔

عرش :

ان میں بعض اشخاص اسی کو ''عرش'' کہتے ہیں۔

کچھ ان کہی باتیں بھی ہیں، یہ تو ہم نہیں جانتے کہ کسی نے یہ باتیں کہی ہوں، تاہم مخالفوں پر مجال استدلال جب تنگ ہو جائے تو کیا ضمانت ہے کہ وہ ایسا نہ کہیں گے اور اس کی پناہ نہ لیں گے، اللہ نے چاہا تو سیاق کلام جیسا مقتضی ہوگا ہم اس کا تذکرہ بھی کریں گے۔

مثلاً یہ کہنا کہ عالم خود تو حادث ہے مگر اس کو حدوث میں لانے والا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق سے پہلے تو ہم حدوث کو ثابت کریں گے، پھر محدثات کے میدان میں قدم دھریں گے۔

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر و جامع باب

ماہیت دلائل جامعہ

اصول حقیقت شناسی

طریق استدلال

اس باب کے مطالب ہم اپنی کتاب ''التقریب فی حدود الکلام'' میں پوری قوت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

اور اللہ کا شکر ہے کہ جتنے مباحث تھے سب کی تکمیل کر دی گئی اور کوئی بات تشنہ نہیں رہنے دی، اس باب کے مجملات بھی کافی ہیں جن کو آئندہ مسائل مختلف فیہا کا مقدمہ سمجھنا چاہیے۔

اللہ کی توفیق سے اس کو یوں سمجھیے:

مشاہدہ اور بداہت :

انسان جب اس عالم میں آتا ہے تو فی الجملہ قوت حافظہ اس کے ساتھ ہوتی ہے، یہ ان حکماء کے قول کی بناء پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نفس انسان اس عالم میں آنے سے پہلے ہی صاحب قوت حافظہ تھا۔

یا اسے نہ کچھ یاد ہوتا ہے نہ قوت حافظہ ہوتی ہے، یہ ان حکماء کے قول کی بناء پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قوت حافظہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اس عالم میں آتا ہے۔

یا حافظہ ایک مزاج ہے جو عارض ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ پایا گیا کہ بچے کو اس کی ولادت کے وقت نہ یاد ہوتی ہے اور نہ تمیز، بجز اس حس و حرکت ارادی کے جو اور حیوانات میں بھی ہے، اور بس، دیکھیے، بچہ کبھی اپنے پاؤں سمیٹتا ہے کبھی پھیلاتا ہے، اپنی طاقت کے موافق اعضاء کو جنبش دیتا ہے، جب وہ سردی گری بھوک محسوس کرتا ہے یا جب اسے مارا یا دبایا جاتا ہے تو اس کو اذیت کا احساس ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی اس میں وہ خواص پائے جاتے ہیں جن میں حیوانات بھی اس کے ساتھ شریک ہیں اور غیر حیوانات یعنی نباتات بھی شرکت رکھتے ہیں، مثلاً اپنے جسم کی بقاء و ترقی کے لیے غذا کا طلب کرنا، وغیرہ، وہ پستان کو لیتا ہے اور فطری طور پر اسے اپنے منہ سے دوسرے اعضاء کی مدد کے بغیر اور اعضاء کے مقابلے میں پہچان لیتا ہے، جیسا کہ اشجار و نباتات کی جڑیں زمین کی رطوبات اور پانی کو اپنے اجسام کی بقا و ترقی کے

لیے لے لیتی ہیں۔

ابتدائی مراحل تعقل:

جب نفس قوی ہو جاتا ہے، ان حکماء کے نظریے کے مطابق جو کہتے ہیں کہ وہ مزاج ہے یا یہ کہ وہ اسی وقت پیدا ہوا ہے۔

یا وہ اپنی قوت حافظہ و تمیز کو بتدریج حاصل کر رہا ہے، یہ اس نظریے کے مطابق ہے کہ انسان عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی صاحب قوت حافظہ تھا، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کو مرض سے افاقہ ہو۔

آغاز انسانیت :

سب سے پہلی امتیازی چیز جو نفس میں پیدا ہوتی ہے جس سے حیوان ناطق حیوان مطلق سے جدا ہو جاتا ہے ان اشیا کا فہم ہے جن کا ادراک حواس خمسہ سے ہوتا ہے، مثلاً :

۱۔ یہ جاننا کہ خوشبو اس کی طبیعت کو پسند ہے اور بدبو ناپسند۔

۲۔ یہ جاننا کہ سرخ اور چیز ہے اور سبز زرد و سفید و سیاہ اور چیز ہے۔

۳۔ کھردری اور چکنی چیز میں، ٹھوس اور درردری اور لیسدار میں، اور سرد گرم اور شدید گرم اشیا میں فرق محسوس کرنا۔

۴۔ شیریں، ترش، تلخ نمکین، کھٹی، کھاری، پھیکی، خوشگوار اور زبان پر خارش پیدا کرنے والی چیز میں فرق کرنا۔

حواس خمسہ :

محسوسات کے لیے حواس کے یہی ادراکات ہیں جو پانچ قسم کے ہیں، اور حواس خمسہ سے تعلق رکھتے ہیں

حاسئہ سادسہ :

ایک چھٹا ادراک نفس کو بدیہیات کا علم ہونا مثلاً یہ جاننا کہ جز وکل سے کم ہوتا ہے، چھوٹے بچے کو جب تم اس کی تمیز کی ابتدائی حالت میں دو کھجوریں دو تو وہ روتا ہے اور جب تیسری کھجور کا اضافہ کر دیتے ہو تو خوش ہو جاتا ہے، یہی اس کا یہ جاننا ہے کہ ''کل زیادہ ہوتا ہے جزو سے'' اگر چہ وہ اس سے جو کچھ سمجھتا ہے اسکی حد معین کرنے سے بے خبر ہوتا ہے،

ادراک تضاد :

یا یہ جاننا کہ دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، مثلاً جب تم بچے کو زبردستی کھڑا کرو تو روئے گا اور بیٹھنے کے لیے مچلے گا، یہ اس فطری ادراک کی بناء پر واقع ہوتا ہے کہ بچہ ناممکن سمجھتا ہے کہ وہ ایک ہی ساتھ کھڑا بھی رہے اور بیٹھا بھی رہے،

جسم واحد کے لیے مکان واحد :

یا یہ جاننا کہ جسم واحد دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا۔ جب بچہ کسی مقام کی طرف جانا چاہے اور تم اسے زبردستی روکو تو وہ روئے گا اور ایسی بات کہے گا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے جانے دو یہ اس ادراک کی بنا پر ہے کہ وہ جب تک ایک مقام میں ہے وہ اس دوسرے مقام میں نہیں ہو سکتا جس کی طرف وہ جانا چاہتا ہے،

ایک مکان میں دو جسم :

یا یہ جاننا کہ دو جسم مکان واحد میں نہیں ہو سکتے، مکان وہی ہے جس میں ایک جسم سمائے، تم دیکھو گے کہ بچہ جس مقام پر بیٹھنا چاہتا ہے اگر وہاں دوسرا بچہ بیٹھا ہے تو وہ آپس میں جھگڑتا ہے، کیونکہ اسے اس بات کا علم ہے کہ جب تک اس مکان میں کوئی اور ہے وہاں اس کی گنجائش نہیں ہے وہ اس مقام سے جہاں وہ خود بیٹھنا چاہتا ہے دوسرے کو ڈھکیلتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب تک اس مکان میں کوئی رہے گا جو اسے مشغول رکھے تو اس کے اس مکان میں رہنے تک اس کے لیے گنجائش نہیں ہے۔

طول وقصر :

جب تم بچے سے کہو کہ ''جو کچھ اس دیوار پر ہے لے لو'' اگر اس کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکتا ہو تو وہ کہے گا کہ میں اسے نہیں پا سکتا، اس کا یہ کہنا یہ جاننے کی وجہ سے ہے کہ طویل اس چیز سے زائد ہوتا ہے جس کی مقدار اس سے کم ہو۔

احاطہ :

تم بچے کو اس شے کی طرف جاتے دیکھتے ہو جس کے پاس وہ پہنچنا چاہتا ہے، اور یہی اس کا یہ جاننا ہے کہ انتہا والی چیز کا احاطہ کیا جا سکتا ہے، اور چل کر اس کے پاس تک پہنچا جا سکتا ہے، اگر چہ وہ اس سے جو کچھ سمجھتا ہے اس کے ادا کرنے کے لیے اچھی عبارت نہیں پاتا۔

علم غیب :

یا یہ جاننا کہ ''غیب کا علم کسی کو نہیں'' یہ اس طرح کہ جب تم بچے سے کوئی ایسی بات دریافت کرو جو وہ نہ جانتا ہو تو وہ صاف انکار کر دے گا، اور کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔

امتیاز حق وباطل :

منجملہ اس کے حق و باطل میں فرق کرنا ہے، جب بچے کو کوئی خبر دی جائے تو بعض اوقات تم اس کی یہ کیفیت دیکھو گے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے گا تاوقتیکہ وہ اس کے نزدیک کسی دوسرے مخبر کے ذریعے سے ثابت نہ ہو جائے، اور کبھی دیکھو گے کہ وہ تصدیق کرتا ہے اور اس سے مطمئن ہو جاتا ہے۔

وقوع زمانی :

منجملہ اسکے بچے کا یہ جاننا ہے کہ جب کوئی شے ہوگی تو وہ کسی نہ کسی زمانے ہی میں ہوگی، جب تم اس سے کسی واقعے کا ذکر کرو تو وہ کہتا ہے کہ یہ کب ہوا، اور جب تم اس سے یہ کہو کہ تم نے فلاں فلاں کام نہیں کیے تو وہ کہتا ہے کہ میں اسے نہیں کر سکتا تھا، یہ اس کے اس علم کی وجہ سے ہے کہ کوئی شے جو اس عالم میں ہوگی وہ کسی نہ کسی زمانے ہی میں ہوگی،

طبائع اشیاء :

وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اشیاء کی طبائع ہوتی ہیں، اور ایک ماہیت ہوتی ہے جس پر وہ موقوف ہوتی ہیں اور اس سے متجاوز نہیں ہوتیں، تم بچے کو دیکھتے ہو کہ جب وہ کوئی ایسی چیز دیکھتا ہے جسے نہیں پہچانتا تو کہتا ہے کہ ''یہ کیا چیز ہے'' پھر جب اسے سمجھا دیا جاتا ہے تو خاموش

ہو جاتا ہے،

فعل و فاعل :

منجملہ اس کے بچے کا یہ جاننا ہے کہ کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا، جب وہ کوئی کام دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ کس نے کیا، اور وہ ہرگز اس پر قناعت نہیں کرتا کہ یہ کام بغیر کسی کرنے والے کے ہو گیا، اور جب وہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کوئی چیز دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ تمہیں یہ چیز کس نے دی۔

صدق و کذب خبر :

منجملہ اس کے بچے کا یہ سمجھنا ہے کہ خبر میں صدق بھی ہوتا ہے اور کذب بھی، تم دیکھو گے کہ جب اسے خبریں دی جائیں تو وہ کبھی کسی کی تکذیب کرتا ہے کبھی کسی کی تصدیق کرتا ہے اور کبھی کسی خبر میں توقف کرتا ہے، یہ تمام امور انسان کی پیدائش کے ابتدائی زمانے میں ہر شخص کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔

یہ عقل کے وہ ابتدائی مراحل ہیں جن میں کسی صاحب عقل کو اختلاف نہیں۔

کچھ ایسے امور اور بھی ہیں جو مذکورہ بالا امور کے علاوہ ہیں، تم بھی جب تفتیش کرو گے تو پاؤ گے ہر صاحب عقل ان کو اپنے اندر بھی تمیز کرے گا، اور دوسرے کے اندر بھی، حالانکہ یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان تمام اشیا کا علم دلائل میں سے کس دلیل سے حاصل ہوا، اور کوئی صاحب تمیز صحیح اس میں بھی شک نہ کرے گا کہ یہ تمام امور صحیح ہیں جن میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

فساد تعقل :

البتہ ان امور کے علم صحیح کے بعد وہی شک کرے گا جس کی عقل پر کوئی آفت آ گئی ہو اور اسکی قوت تمیز فاسد ہو گئی ہو، یا وہ عقول فاسدہ کی طرف مائل ہو گیا ہو، یہ بھی ایک آفت ہی ہے جو اس کی قوت تمیزی میں داخل ہو گئی ہے مثلاً وہ آفت جو اس شخص پر آ جاتی ہے جس کو صفرے کا ہیجان ہو تو وہ شہد کو بھی تلخ محسوس کرے گا، اور وہ شخص جس کی آنکھ میں پانی اترنا شروع ہو گیا ہو تو وہ ایسی خیالی چیزیں دیکھے گا جن کی کوئی حقیقت نہ ہو گی، اسی طرح وہ تمام آفتیں جو حواس میں داخل ہو جاتی ہیں،

استدلال سے بے نیاز :

یہ مقدمات جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، یہ ایسے صحیح ہیں جن میں کوئی شک نہیں اور نہ ان پر کوئی دلیل طلب کرنے کی گنجائش ہے، اس کے سوا کہ کوئی مجنون ہو یا ایسا جاہل جو حقائق اشیا ہی نہ جانتا ہو، اور بچہ بھی اس سے زیادہ واقف ہو گا، یہ وہ امر ہے جس کے اقرار میں روئے زمین کے تمام خرد و بزرگ مساوی ہیں، اس کے سوا جس کے حواس نے اسے مغالطہ دیا ہو اور اس کی عقل نے اسکی مخالفت کی ہو تو اس کا شمار تو مجنونوں میں ہے، اس لیے کہ کسی شے پر استدلال کرنا لامحالہ کسی زمانے ہی میں ہو گا، ضروری ہے کہ اس کی بداہت کو اول عقل سے جانے، کیونکہ بداہت عقل سے یہ معلوم ہے کہ اس عالم میں جو شے بھی ہو گی وہ کسی نہ کسی وقت میں ہو گی' اور اس عالم میں نفس کے تمیز کرنے کے ابتدائی اوقات اور ہمارے مذکورہ بالا امور کے نفس کے ادراک کرنے کے درمیان قطعاً کوئی مہلت نہیں، نہ تھوڑی نہ بہت، جیسے ہی نفس میں تمیز کی قوت آتی ہے ویسے ہی وہ محسوسات و بدیہیات کو بغیر کسی مہلت کے جاننے لگتا ہے اور نہ اس کی کوئی گنجائش ہے۔

ترتیب مقدمات :

یہ ثابت ہوگیا کہ یہ ایسے بدیہیات ہیں جن کو اللہ نے نفس میں ڈال دیا ہے اور قطعاً ان پر استدلال کی کوئی گنجائش نہیں، سوائے اس کے کہ انھیں مقدمات سے استدلال کیا جا سکتا ہے، اور کوئی شے ان مقدمات کی طرف رجوع کیے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی،

استنتاج :

ان مقدمات میں سے جب کوئی مقدمہ کسی شے کی صحت کی گواہی دے تو وہ صحیح اور یقینی ہے، اور جس کی صحت کی شہادت نہ دے وہ باطل و غیر معتبر ہے، البتہ ان مقدمات کی طرف رجوع کرنا کبھی قریب سے ہوتا ہے اور کبھی بعید سے، جو قریب سے ہوتا ہے وہ ہر شخص کے لیے ظاہر اور اس کا سمجھنا آسان ہوتا ہے جب مقدمات مذکورہ بعید ہوں تو استدلال کا کام دشوار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس میں غلطی واقع ہو جاتی ہے، اور اس سے وہی بچتا ہے جس کی فہم و تمیز قوی ہے، بایں ہمہ یہ ہمارے اس دعوے میں خلل انداز نہیں کہ جو شے ہمارے مذکورہ بالا مقدمات میں سے کسی مقدمے کی طرف رجوع کرے وہ حق ہے، جیسا کہ یہ مقدمہ حق ہے کہ ان دونوں کے حق ہونے میں کوئی فرق نہیں، اس کی مثال اعداد کی ہے کہ جب اعداد کم ہوتے ہیں تو ان کا جمع کرنا سہل ہوتا ہے، جب اعداد زیادہ ہوں اور ان کے جمع کرنے میں عمل کثیر کرنا پڑے تو یہ دشوار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور اس سے وہی بچتا ہے جو کافی طور پر ماہر حساب ہوتا ہے، جب قریب بھی ہو اور بعید بھی تو وہ بھی مبنی بر حقیقت ہے، ان میں سے کسی کو گھٹا بڑھا نہیں سکتے، ہمارا ذکر کیا ہوا کوئی مقدمہ کسی دوسرے مقدمے کے نہ معارض ہے اور نہ وہ اسکے معارض ہے جو صحت کے ساتھ کسی دوسرے مقدمے کی طرف رجوع ہو، یہ سب بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے، نفس کا یہ جاننا کہ علم غیب کے کوئی معارض نہیں ہوتا صحیح ہے،

یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص زمانہ دراز تک کوئی جھوٹی خبر بیان کرتا رہے پھر وہ شخص آئے جس نے اس پہلے شخص سے نہیں سنا، اور وہ بھی بعینہ اسی خبر کو جیسی کہ وہ تھی بیان کرے کہ نہ اس میں کچھ زیادہ کرے اور نہ کم کیونکہ اگر یہ ممکن ہو تو اس قسم کی خبر بیان کرنے والا لامحالہ عالم الغیب ہوگا، اس لیے کہ علم غیب کی حقیقت یہی ہے، جو ایسی چیز کی خبر دیتا ہے جس کو خبر دینے والا نہیں جانتا کہ وہ کس طور پر ہے، اور بے شبہ یہ ایسا ہی ہے،

ہر وہ خبر جس کو دو یا زیادہ اشخاص بیان کریں جو دونوں بالکل مکان و زمان کے اعتبار سے بھی جدا ہوں اور ہمیں یقین ہے کہ یہ دونوں جمع نہیں ہوئے، اور نہ یہ دونوں شاعر تھے، پھر بھی ان دونوں نے اس خبر میں اختلاف نہیں کیا تو بالبداہت یہ معلوم ہوگا کہ یہ خبر حق ہے، یقینی ہے اور وہ قطعی غیبی ہے، اسی ذریعے سے ہم نے مرنے والے کی موت اور پیدا ہونے والے کی ولادت اور معزول ہونے والے کی برطرفی اور مقرر ہونے والے کے تقرر اور بیمار کی بیماری اور تندرست کی صحت اور مصیبت زدہ کی مصیبت اور ان شہروں کو اور واقعات کو جو ہم سے اوجھل ہیں اور بادشاہوں کو اور انبیاء علیہم السلام کو اور ان کی پرہیزگاریوں کو اور علماء اور ان کے اقوال کو اور فلاسفہ کو اور ان کی حکمتوں کو صحیح طور پر جانا ہے، ان امور میں جو نقل کیے گئے کسی ایسے شخص کے نزدیک کوئی شک نہیں جس کی عقل اس کا حق ادا کرتی ہو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، وباللہ التوفیق۔

* * *

باب سوفسطائیہ

منکرین حقائق اشیاء

متکلمین سابقین نے بیان کیا ہے کہ سوفسطائیہ تین قسم کے ہیں،

ایک وہ ہیں جو بالکل حقائق کی نفی کرتے ہیں،

ایک وہ ہیں جو ان میں شک کرتے ہیں،

اور ایک وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ حقائق حق ہیں جس کے نزدیک حق ہیں، اور باطل ہیں جس کے نزدیک باطل ہیں،

ان کے اعتراضات میں سے جو قابل اعتماد اعتراض بیان کیا گیا ہے وہ محسوسات میں حواس کا اختلاف ہے جیسا کہ ایک ہی دکھائی دینے والی چیز کا جو اس کے نزدیک ہے بڑا دکھائی دینا اور جو اس سے دور ہے اسے چھوٹا دکھائی دینا ہے، اور جیسا کہ صفراوی بخار والے کا شیریں ذائقے کی چیز کو تلخ محسوس کرنا ہے، اور جو خواب میں نظر آتا ہے جس میں اسکے دیکھنے والے کو شک نہیں ہوتا کہ یہ حق ہے، باوجود یکہ وہ دور دراز شہروں میں سے ہوتا ہے۔

ان سب باتوں کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ باہمی گفتگو اور مبادلہ علم اہل علم ہی سے ہوتا ہے، اور حس عقل دونوں کے فرق پر شاہد ہے جو سونے والے کے خیال میں گزرتا ہے اور جو بیدار کو معلوم ہوتا ہے، کیونکہ خواب میں ان حدود کے مطابق جو اشیائے معروفہ میں معین و مقرر ہیں استعمال کا جاری رکھنا نہیں ہوتا، ان کا ہمیشہ ایک ہی صفت پر رہنا بیداری میں نہیں ہوتا، اس طرح حس شہادت دیتی ہے کہ کسی محسوس کا اپنی صفت لازمہ سے کسی حس کے تحت بدل جانا یہ محض کسی ایسی آفت کی وجہ سے ہوتا ہے جو محسوس کرنے والے کی حس میں ہے نہ کہ محسوس میں جاری ہے، یہ سب ایک ہی مرتبے پر ہے جو بدلتا نہیں، اور یہ وہی بداہت و مشاہدات ہیں جن پر کسی دلیل کا طلب کرنا جائز نہیں، کیونکہ اگر ہر برہان (دلیل) پر برہان طلب کریں تو یہ طریقہ موجودات کے ایسے وجود کو چاہے گا جس کی کوئی حد وانتہا نہ ہو، اور ایسی اشیاء کا وجود جن کی انتہا نہ ہو محال ہے، جس کے لیے کوئی سبیل نہیں، جیسا کہ انشاء اللہ تعالی ہم عنقریب بیان کریں گے، جو شخص برہان پر برہان طلب کرتا ہے وہ محال کا ناطق ہے، اس لیے کہ جب ایسا کہا جائے گا تو یہ کسی اور برہان کو ثابت کرے گا، پھر جب ہم اس برہان پر ٹھہر جائیں گے جو ثابت ہو تو اسے اس کا ماننا ضروری ہوگا، اور اگر یہ برہان کسی برہان کو ثابت نہ کر سکے تو ایسی چیز کے طلب کرنے کی کوئی وجہ نہیں جو اس (برہان) کو ثابت نہ کر سکے، اگر وہ اسے پا بھی لے،

انکار حقیقت:

حقائق کا انکار کرنا تو عقل و حس کی مخالفت کرنا ہے، ان لوگوں کے رد کے لیے یہی کافی ہے کہ ان سے کہا جائے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ’’اشیا کی کوئی حقیقت نہیں‘‘ حق ہے یا باطل؟ اگر وہ کہیں کہ حق ہے تو انھوں نے خود ہی ایک حقیقت کو ثابت کر دیا اور اگر کہیں کہ حق نہیں ہے تو انھوں نے خود ہی اپنے قول کی غلطی کا اقرار کیا، اور خود بخود اپنے مدمقابل کو اپنے جواب سے بے نیاز کر دیا، مشککین جو شک کرنے والے ہیں ان سے کہا جائے کہ آیا تمہارا شک موجود و صحیح ہے یا غیر صحیح و غیر موجود ہے، اگر کہیں کہ وہ موجود و صحیح ہے تو انھوں نے ایک حقیقت کو ثابت کر دیا، اور اگر وہ کہیں کہ غیر موجود ہے تو انھوں نے اپنے شک کی نفی کر دی اور اسے باطل کر دیا، شک کے باطل کرنے میں حقائق کا اثبات ہے، یا شک کے باطل کرنے کا یقین ہے، ہم نے اللہ کی مدد سے ایک قول کے باطل کرنے کو شک کے باطل کرنے سے مقدم رکھا ہے، اب سوائے اثبات کے کچھ نہ رہا۔

ضابطہ احقاق و ابطال :

جو یہ کہتا ہو کہ یہ اشیا حق ہیں جس کے نزدیک حق ہیں، اور باطل ہیں جس کے نزدیک باطل ہیں، اس سے کہنا چاہیے کہ کوئی شے کسی شخص کے اس اعتقاد سے کہ وہ حق ہے حق نہیں ہوتی جیسا کہ وہ کسی شخص کے اس اعتقاد سے کہ وہ باطل ہے باطل نہیں ہوتی، کوئی شے موجود و ثابت ہونے ہی سے حق ہوتی ہے خواہ کوئی یہ اعتقاد کرے کہ وہ حق ہے یا یہ اعتقاد کرے کہ وہ باطل ہے، اور اگر اس کے سوا ہو تو پھر ایک ہی شے اپنی ذات کے اعتبار سے ایک ہی حال میں موجود بھی ہوگی اور معدوم بھی، یہ بالکل محال ہے۔

جب وہ لوگ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ اشیاء حق ہیں جس کے نزدیک وہ حق ہیں، منجملہ ان اشیا کے جن کے متعلق یہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ وہ حق ہیں جس کے نزدیک حق ہیں، اس شخص کے اس قول کا بطلان بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ حقائق اشیا باطل ہیں، حالانکہ وہ اقرار کر چکے ہیں کہ اشیاء حق ہیں جس کے نزدیک وہ حق ہیں، ان لوگوں کے قول کا بطلان بھی تو انھیں اشیا میں ہے، اس لیے گویا انھوں نے اپنے قول کے بطلان کے حق ہونے کا اقرار کر لیا۔ باوجود اس کے کہ اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی صاحب عقل ان اقوال کا اعتقاد رکھے، کیونکہ خود اسی کی حس اس کے خلاف شہادت دیتی ہے، ممکن ہے کہ بعض لاجواب ہونے والے لوگ بطور شر اس کی پناہ لے لیں، و باللہ التوفیق۔

* * *

قائلین ازلیّت عالم
منکرین صانع

دو میں سے ایک وجہ سے عالم خالی نہیں۔

یا تو عالم ازلی وقدیم ہوگا۔

یا حادث ہوگا کہ پہلے نہ تھا پھر ہوگیا۔

ایک گروہ تو اس طرف گیا ہے کہ عالم ازلی وقدیم ہے، یہ لوگ دہری ہیں، بقیہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ حادث ہے۔

اللہ کی مدد وقوت سے عالم کو ازلی وقدیم ماننے والوں کی ہر حجت کو جس سے انھوں نے فساد برپا کیا ہے اس کے متعلق ان کے مکمل اعتراضات سے ہم شروع کرتے ہیں، اس کے بعد اللہ کی مدد سے اس کے مفاسد بیان کریں گے جب یہ قول کہ عالم ازلی ہے باطل ہو جائے گا تو حدوث کو صحیح وضروری ماننا پڑے گا، کیونکہ کسی تیسرے عقیدے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، لیکن ہم اسی پر قناعت نہ کریں گے کہ صرف ازلیت کا بطلان کر دیں، بلکہ واضح دلائل اور نتائج موجبہ اور قضایائے ضروریہ حدوثِ عالم کے ثبوت میں لائیں گے، ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔

حدوث پر اعتراض :

حدوثِ عالم پر ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم نے کوئی شے ایسی نہیں دیکھی جو کسی شے سے یا کسی شے میں پیدا نہ ہوئی ہو۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ ایک ایسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے جس کا نہ مشاہدہ ہوا اور نہ ہوگا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی حادث اجسام جواہر اور اعراض سے خالی نہیں، جو کچھ عالم میں موجود ہے یہی عرض وجوہر اس کا کل (مجموعہ) ہے، اگر عالم حادث ہے تو یا تو محدث (خالق) نے اسے اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ (خالق) خود اس کی علت ہے، یا اس کے احداث (وخلق) کی کوئی دوسری علت ہے، اگر اس کے احداث کی علت خود محدث ہے تو عالم ازلی ہوگا کیونکہ محدث بھی ازلی ہے اور وہی اس کے پیدا ہونے کی علت ہے، علت کبھی اپنے معلول سے جدا نہیں ہوتی، اور جو شے ازلی وقدیم سے جدا نہ ہو وہ بھی ازلی ہے کیونکہ وہ بربنائے معیت اس کی مثل ہے، اس لیے ثابت ہوگیا کہ عالم ازلی ہے۔

اگر اس کو خالق نے کسی دوسری علت کی وجہ سے پیدا کیا ہے تو یہ دوسری علت بھی دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوگی۔

یا تو یہ ازلی ہوگی۔

یا حادث ہوگی۔

اگر ازلی ہوگی تو اس کا معلول بھی ازلی ہوگا، لہذا عالم بھی ازلی ہوگا۔

اور اگر یہ علت حادث ہے تو اس کے حدوث میں بھی وہی لازم آئے گا جو تمام اشیا کے حدوث میں لازم آئے گا کہ آیا ان کے خلق کی علت خود خالق ہے یا کوئی دوسری علت ہے، اگر یہ کسی دوسری علت سے پیدا ہوئی ہے تو یہی اس علت کی علت میں بھی لازم آئے گا، اور اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا، ان سے ایسی مخلوقات کا وجود لازم آئے گا جن کی کوئی ابتداء نہ ہو، کہتے ہیں کہ یہی ہمارا قول ہے، اگر اس علت کے پیدا ہونے کی علت خود محدث ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ یہ علت بھی ازلی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اجسام کا کوئی خالق ہوگا تو تین میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوگا،

یا تو وہ من جمیع الوجوہ انھیں اجسام کے مثل ہوگا۔

یا من جمیع الوجوہ ان اجسام کے مغایر ہوگا۔

یا بعض وجوہ سے مثل ہوگا اور بعض وجوہ سے مغایر۔

اگر وہ من جمیع الوجوہ اجسام کے مثل ہوگا تو لازم آئے گا کہ وہ بھی انھیں اجسام کی طرح حادث ومخلوق ہو، جب وہ حادث ومخلوق ہوگا تو پھر اس کے خالق ومحدث میں ہمیشہ یہی کلام رہے گا،

اور اگر وہ بعض وجوہ سے مثل ہے اور بعض وجوہ سے مغایر تو بھی اسے بعض وجوہ کی مماثلت کی وجہ سے وہی حدوث لازم ہوگا جیسا کہ من جمیع الوجوہ مماثلت کی وجہ سے حدوث لازم آیا تھا، کیونکہ وہ حدوث جو بعض وجوہ کے لیے لازم ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کل وجوہ کے لیے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اور اگر وہ من جمیع الوجوہ اجسام کے مغایر ہے تو پھر اس کے لیے ان کا پیدا کرنا ہی محال ہے، کیونکہ یہ اجسام تو درحقیقت اس کی ضد اور متناقض ہوئے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص کوئی ایسا کام کر سکے جو من جمیع الوجوہ اس کے مغایر ہو، جیسا کہ آگ ٹھنڈک کو نہیں پیدا کر سکتی۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر عالم کا کوئی فاعل ہے تو یا اس کا یہ فعل (خلق عالم) حصول منفعت کے لیے ہے، یا دفع مضرت کے لیے، یا محض طبعی ہے، یا ان میں سے بغیر کسی وجہ کے ہے۔

اگر اس کا یہ فعل حصول منفعت یا دفع مضرت کے لیے ہے تو وہ بھی منافع ومضار کا محل بن جائے گا اور تمھارے نزدیک یہی صفت مخلوقات کی ہے، لہذا مخلوقات کی طرح وہ بھی حادث ومخلوق ہو جائے گا۔

اگر اس کا یہ فعل طبعی ہے تو طبیعت ہی اس کی موجب ہوگی، جو اس کی وجہ سے پیدا ہوئی، پھر اس کا فعل بھی اس کے ساتھ ازلی ہوگا۔

اور اگر اس کا یہ فعل ان میں سے بغیر کسی وجہ کے ہے تو یہ خلاف عقل ہے اور جو چیز خلاف عقل ہے وہ محال ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اجسام کو حادث مانا جائے تو لازم آئے گا کہ ان کا محدث ان کے پیدا کرنے کے قبل ترک احداث کا فاعل بنے، اور ترک احداث اس سے خالی نہیں کہ وہ یا جسم ہوگا یا عرض، اس سے یہ لازم آئے گا کہ اجسام واعراض ازلی ہیں۔

بس یہی پانچ خرافات ہیں جو قائلین دہریت کی شرر ریزی کا مجموعہ ہیں جن کو ہم نے ان کے لیے تلاش کر کے جمع کر دیا ہے، اللہ کی مدد وقوت سے ہم انکے ساتھ مناظرہ شروع کرتے ہیں اور ان کی ایک ایک دلیل کو توڑ ڈالتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ۔

* * *

فساد اعتراض اول

تکوین اشیاء

جو یہ کہتا ہے کہ ہم نے کوئی شے ایسی نہیں دیکھی جو کسی شے سے یا کسی شے میں پیدا نہ ہوئی ہو اس سے بحول اللہ وقوتہ پوچھنا چاہیے کہ کیا تمھارے نزدیک کسی شے کی حقیقت کا بغیر طریق رویت ومشاہدہ ادراک کیا جاسکتا ہے، یا حقائق میں سے کسی شے کا ادراک بغیر طریق رویت کے ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ بغیر طریق رویت ومشاہدے کے بھی حقائق کا ادراک ہوسکتا ہے تو انھوں نے آپ ہی اپنا استدلال ترک کر دیا اور اسے باطل کر ڈالا کیونکہ انھوں نے وجود اشیا کو بغیر طریق رویت ومشاہدے کے مان لیا، حالانکہ اس کے قبل وہ اس کی نفی کر چکے تھے، وہ جب استدلال کی طرف رجوع کریں گے اس باب میں مناظرہ کیا جائے گا، مگر ان کی دلیل تو بحمد اللہ باطل ہوگئی،

اگر وہ کہیں کہ نہیں، بلکہ شے کا ادراک بغیر مشاہدے کے بھی ہوسکتا ہے تو ان سے کہا جائے کہ آیا کبھی تم نے ازلی چیز کو بھی دیکھا ہے، لامحالہ وہ "ہاں" کہیں گے یا "نہیں" کہیں گے، اگر "نہیں" کہیں تو انھوں نے سچ تو کہا، مگر اپنا استدلال بھی خود ہی باطل کر دیا، اگر "ہاں" کہیں تو انھوں نے عقل کی مخالفت کی، اور ایک ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے مشاہدے کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ اس قول کے قائل کا مشاہدہ ایک ایسی چیز کا ہے جو بے شبہ تمام اشیا کے لیے ذات اول ہے، اور جس کا کوئی اول ہو وہ چیز ازلی نہیں ہوسکتی، کیونکہ ازلی وہی ہوسکتی ہے جس کا کوئی اول نہ ہو اور یہ ناممکن ہے کہ ایسی ذات جس کا کوئی اول ہو اس ذات کا علی الاتصال مشاہدہ کرسکے جس کا کوئی اول نہ ہو، الحمد للہ یہ استدلال بھی ہر طرح باطل ہوگیا،

فساد اعتراض ثانی

حدوث عالم

جو یہ کہتا ہو کہ حدوث عالم اس سے خالی نہیں کہ اس کی علت یا تو خود خالق ہے یا کوئی دوسری علت ہے، اس سے کہا جائے کہ یہ حصر و تقسیم ہی ناقص ہے، اس لیے کہ ایک تیسری قسم رہ جاتی ہے، وہ یہ کہ نہ تو خالق علت ہے اور نہ قطعاً کوئی اور علت ہے، بلکہ اس نے جس طرح چاہا پیدا کر دیا اس لیے کہ مذکورہ بالا یہ دونوں قسمیں کہ عالم کی علت خود خالق ہے یا کوئی دوسری علت ہے، پہلے ہی باطل ہو چکی ہیں، علت یا تو فعل کو واجب کرتی ہے یا ترک فعل کو، اللہ تعالیٰ فعل کرتا ہے، اور فعل نہیں کرتا، لہذا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ نہ تو اس کے فعل کے لیے قطعاً کوئی علت ہے اور نہ ترک فعل کے لیے الحمد للہ کہ یہ فساد بھی باطل ہوگیا۔

اگر وہ کہیں کہ باری تعالیٰ کا ازل میں کسی فعل کا ترک کرنا بھی تو اسی کا فعل ہے لہذا اس کا یہ فعل بھی جس کا نام ترک ہے ازلی ہوا، بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا ترک فعل ہرگز فعل نہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ اسے فساد اعتراض خامس کے ساتھ بیان کریں گے۔

فساد اعتراض ثالث

خلق اجسام

جو یہ کہتا ہے کہ اگر اجسام کا کوئی خالق ہوگا تو تین میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوگا۔

یا تو وہ من جمیع الوجوہ ان اجسام کے مثل ہوگا۔

یا بعض وجوہ سے۔

یا بالکل مغایر ہوگا۔

ایسے قائلین سے کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ من کل الوجوہ ان اجسام کے مغایر ہے، اس پر تمہارا یہ اعتراض کہ یہ تو حقیقتاً ضد و نقیض ہوئی، اور ضد اپنی ضد کو نہیں پیدا کر سکتا، جیسا کہ آگ ٹھنڈک نہیں پیدا کر سکتی، محض اعتراض فاسد ہے، کیونکہ باری تعالیٰ کی یہ صفت نہیں کہ وہ اپنی مخلوق کی ضد ہے، ضد تو وہ ہے جو حمل تضاد کا محمول ہو، اور تضاد یہ ہے کہ دو چیزیں ایک ہی جنس کے تحت میں بُعد کے دو طرفوں میں تقسیم ہوں، جب ایک ضد واقع ہوتی ہے تو دوسری ضد مرتفع ہو جاتی ہے، اور یہ وصف باری تعالیٰ سے بعید ہے، کیونکہ ضدین کے لیے یہ ضروری ہے کہ جمع تو نہ ہوں مگر ایک کے ہٹنے کے بعد دوسری اس کی جگہ لے سکے، خالق و مخلوق میں یہ محال ہے، نہ خالق مخلوق کی جگہ لے سکتا ہے نہ مخلوق خالق کی، اور نہ مخلوق و خالق ایک جنس کے تحت ہیں''

تضاد مثلاً سبزی و سفیدی ان دونوں کا جامع لون (رنگ) ہے یا فضیلت و رذیلت کہ ان دونوں کی جامع کیفیت و خلق ہے، ضدین ہمیشہ عرض ہوتی ہیں جو ایک جنس کے تحت میں ہوں۔

(فلسفے میں قائم بالغیر کو عرض اور قائم بالذات کو جوہر کہتے ہیں، عرض کو علم نحو میں صفت اور جوہر کو ذات کہتے ہیں، یعنی جو چیز اپنے وجود کے لیے کسی دوسرے کے وجود کی محتاج ہے وہ عرض ہے یا صفت ہے، مثلاً علم، سردی، سرخی، نیکی، بدی، وغیرہ جو بغیر اپنے موصوف کے پائی نہیں جاتی اور جوہر و ذات مثلاً درخت پہاڑ، انسان وغیرہ، یہ اور بات ہے کہ ہماری نظر ہمیشہ عرض ہی کو دیکھتی ہے اور جوہر کو نہیں دیکھ سکتی، مثلاً پہاڑ یا درخت کو جو ہم دیکھتے ہیں تو در حقیقت ہم ان کے خاکی و سبز رنگ کو دیکھتے ہیں، ان کی ذات کو نہیں دیکھتے)۔

ایسے تمام امور خالق عزوجل سے منفی ہیں، لہذا بالبداہت خالق عزوجل کا اپنی مخلوق کی ضد ہونا باطل ہو گیا،

یہ قول کہ ''اگر خالق من جمیع الوجوہ اپنی خلق کے خلاف ہے تو وہ خلق کی ضد ہوگا'' ایک قول فاسد ہے، کیونکہ ہر مغایر و مخالف ضد نہیں ہوتا، جوہر سوائے حدوث کے ہر طرح عرض کے خلاف ہے، مگر اس کی ضد نہیں ہے،

جس کا یہ قول ہے اس سے یہ بھی کہا جائے کہ تم فاعل و فعل کو کسی طور پر بھی ثابت مانتے ہو یا فاعل و فعل کے پائے جانے کی قطعاً نفی

کرتے ہو، اگر وہ فاعل وفعل کی نفی کرے تو بلا شبہ اس نے مشاہدے کی نفی کر دی، اس لیے کہ وہ ماشی (چلنے والا) قائم (کھڑا ہونے والا) قاعد (بیٹھنے والا) اور متحرک وساکن سب کا انکار کر رہا ہے، (جس میں فاعل وفعل جمع ہیں اور مشاہدے میں ہیں) اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ ایسے درجے میں ہے جس سے کلام ہی نہ کرنا چاہیے،

اور اگر وہ گفتگو میں فعل وفاعل کو ثابت مانے تو اسے کہا جائے کہ آیا جسم سے فعل حرکت وسکون ہو سکتا ہے یا نہیں، اسے لامحالہ "ہاں" کہنا پڑے گا، حالانکہ حرکت وسکون جسم کے مغایر ومخالف ہیں، مگر یہ اس کی ضد نہیں ہیں، کیونکہ حرکت وسکون وجسم قطعاً ایک جسم کے تحت نہیں ہیں، البتہ حرکت وسکون اور جسم صرف حدوث کے تحت جمع ہو سکتے ہیں، لہٰذا اگر ہر مغایر ضد ہوا کرتا تو جسم بھی اپنی ضد یعنی حرکت وسکون کا فاعل ہوتا کہ یہ وہی بات ہے جسے یہ لوگ خود باطل کر چکے ہیں، اب بالبداہت یہ ثابت ہو گیا کہ ہر مغایر ضد نہیں ہوتا، اور یہ بھی کہ فاعل اپنے مغایر کر سکتا ہے بلکہ یہ ضروری ہے، لہٰذا ان لوگوں کا یہ اعتراض بھی باطل ہو گیا، والحمد للہ رب العالمین،

✻

فسادِ اعتراض رابع

جلب منفعت ودفع مضرت

جو یہ کہتا ہے کہ اس سے خالی نہیں کہ خالق اجسام نے یا تو اجسام کو منفعت حاصل کرنے کے لیے بنایا، یا مضرت دفع کرنے کے لیے یا طبعی طور پر یا ان میں سے بغیر کسی وجہ کے" اس سے کہنا چاہیے کہ حصول منفعت یا دفع مضرت کے لیے جو فعل ہوتا ہے اسکی فاعل وموصوف صرف مخلوق غیر مختار ہی ہوتی ہے، فعل طبعی کی موصوف بھی مخلوق غیر مختار ہوتی ہے، اور مخلوقات کی تمام صفات کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی گئی ہے جو اپنے ماسوا کا خالق ہے، لیکن دوسری قسم کہ "اس نے اجسام کو ان میں سے بغیر کسی وجہ کے پیدا کر دیا" یہی ہمارا قول ہے۔

جو یہ کہتا ہے کہ "ان میں سے بغیر کسی وجہ کے فعل (یعنی اجسام کا پیدا کرنا) خلاف عقل ہے" ہم اس سے کہتے ہیں کہ خلاف عقل کہنے سے کیا مطلب ہے' کیا تمہاری مراد یہ ہے کہ از روئے حس ومشاہدہ خلاف عقل ہے، یا تم یہ کہتے ہو کہ یہ از روئے استدلال خلاف عقل ہے۔ اگر تم کہو کہ از روئے حس ومشاہدہ خلاف عقل ہے، تو ہم کہیں گے کہ تم سچے ہو، یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اشیا کی ازلیت وقدامت جواز روئے حس ومشاہدہ خلاف عقل ہے، اور اگر تم کہو کہ یہ از روئے استدلال خلاف عقل ہے تو یہ محض تمہارا دعویٰ ہے جو محتاج دلیل ہے اور دعویٰ جب اس طرح کا ہو تو وہ خود ساقط وغیرہ معتبر اس سے استدلال بھی ساقط وغیر معتبر ہوا، اور یہ کیسے معتبر ہو سکتا ہے، حالانکہ فعل ان میں سے بغیر کسی وجہ کے ممکن بھی ہے اور خیال میں بھی آ سکتا ہے، اور ممتنع ومحال میں داخل نہیں ہے، جب ایسا ہے تو جو اس کا منکر ہے وہ غلطی پر ہے، اور اس کا قائل ہونا موافق عقل ہے، لہٰذا یہ اعتراض بھی ساقط ہو گیا۔

از روئے دلائل بدیہیہ جب باری تعالیٰ من کل الوجوہ اپنی تمام مخلوق کے مغایر ہے تو اسکا فعل بھی من کل الوجوہ اپنی مخلوق کے افعال کے مغایر ہو گا۔ اور تمام مخلوق جو فعل کرتی ہے وہ یا تو طبعی طور پر کرتی ہے یا منفعت کے حصول کے لیے یا مضرت دفع کرنے کے لیے، لہٰذا

ضروری ہے کہ باری تعالیٰ کا فعل ان سب کے مغایر ہو، وباللہ التوفیق،

* * *

فساد اعتراض خامس
ترک فعل

جو یہ کہتے ہیں کہ "فاعل کا اجسام کے پیدا کرنے کو ترک کرنا (ترک فعل اجسام) بھی اس سے خالی نہیں کہ وہ (ترک فعل) یا جسم ہوگا یا عرض ہوگا" ان سے کہنا چاہیے کہ یہ تقسیم فاسد اور کھلم کھلا باطل ہے، اس لیے کہ جسم تو طویل عریض اور عمیق ہوتا ہے، اور ترک فعل نہ طویل ہے نہ عریض اور نہ عمیق لہذا اللہ تعالی کا ترک فعل جسم وعرض (جسم وعرض کو نہ بنانا) جسم نہیں۔ عرض بھی وہی ہے کہ جسم کے اندر ہے اور محمول جسم ہے، اللہ تعالی کا ترک فعل جسم وعرض (جسم وعرض کا نہ بنانا) محمول نہیں، یعنی یہ عرض کے اندر ہے نہ جسم کے اندر، لہذا یہ عرض بھی نہ ہوا، نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالی کا ترک فعل جسم وغرض نہ تو جسم ہے نہ عرض، بلکہ وہ عدم ہے اور عدم نہ تو کوئی معنی ہیں اور نہ کوئی شے اور اللہ تعالیٰ کا ترک فعل قطعاً فعل نہیں، بخلاف اس کی مخلوق کی صفت کے اس لیے کہ مخلوق کا ترک فعل بھی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ بالکل بدیہی ہے کہ مخلوق کا ایک فعل کو ترک کرنا اس کے دوسرے فعل کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً جب کوئی فعل حرکت ترک کرے گا تو وہ فعل سکون کی وجہ سے کرے گا۔

یا مثلاً تارک اکل جب ہی ہوگا کہ آلات اکل کو بعض کو بعض کے نزدیک کرنے یا دور کرنے میں استعمال کرے اور کھانے کی جگہ ہوا کو داخل کرے۔

یا مثلاً تارک قیام جب ہی ہوگا کہ جب وہ کسی دوسرے فعل "قعود" وغیرہ میں مشغول ہو، لہذا یہ ثابت ہوگیا کہ باری تعالی کا فعل اپنی مخلوق کے فعل کے مغائر ہے، اور اس کا ترک فعل قطعاً فعل نہیں، اس لیے ان لوگوں کا استدلال باطل ہوگیا، وباللہ التوفیق۔

وہ تمام امور جب باطل ہوگئے جن سے معترضین وابستہ تھے، اور اللہ کی مدد و تائید سے ان لوگوں کا کوئی فریب باقی نہیں رہا جس کا جواب نہ دیا گیا ہو، تو اب ہم اللہ عزّ و جل کی تائید سے حدوث عالم پر، کہ عالم پہلے نہ تھا بعد کو پیدا ہوا کھلے ہوئے دلائل لانا شروع کرتے ہیں، اور اس کو ثابت کرتے ہیں کہ عالم کا کوئی پیدا کرنے والا ہے جو ازلی وقدیم ہے، لا الہ الا ھو۔

* * *

برہان اول

مخلوق کی تخلیق

اللہ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ ہر شخص جو عالم میں ہے اور ہر عرض (قائم بالغیر) جو شخص میں ہے، اور ہر زمانہ یہ سب متناہی ہیں (یعنی ان سب کی مقدار ہے)، اور ذو اول (اول والے) ہیں (یعنی اس سے پہلے کچھ اور تھا بعد کو یہ ہوئے)، یہ ایسی باتیں ہیں کہ حس ومشاہدہ سے ہم ان کو جانتے ہیں۔

شخص کا متناہی ہونا اس کے بدن کے اول وآخر حصے کی پیائش سے ظاہر ہے، کیونکہ عرض محمول ہے اور شخص اس کا حامل، (جب عرض اپنے وجود میں شخص کی محتاج ہے تو اس کا متناہی ہونا شخص سے بھی واضح ہے)

زمانے کا متناہی ہونا بھی موجود ہے، اس طرح کہ ماضی کے بعد اس کا مستقبل شروع ہوتا ہے، اور ہر وقت اپنے وجود کے بعد فنا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد دوسرا نیا وقت شروع ہوتا ہے، کیونکہ ہر زمانے کی انتہا آن پر ہوتی ہے، اور آن دو زمانوں کے درمیانی حد کو کہتے ہیں (جس کی نہ مقدار ہوتی ہے اور نہ وہ تقسیم ہو سکتی ہے) اس آن پر ماضی کی انتہا ہوتی ہے اور جو وقت اس کے بعد ہوتا ہے وہ مستقبل کی ابتداء ہے اسی طرح ہمیشہ ایک زمانہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا شروع ہوتا ہے۔

تمام زمانوں کا مجموعہ ایسے متناہی زمانوں سے مرکب ہوتا ہے جو ذو اول ہوتے ہیں،

اشخاص کا ہر مجموعہ بھی اجزائے متناہیہ سے مرکب ہے اور یہ بھی ذو اول ہے،

ہر وہ شے جو اجزائے متناہیہ ذات اوائل (اول والے) سے مرکب ہو تو سوائے اس کے اجزا کے وہ خود کوئی شے نہیں ہے، کیونکہ کل خود کوئی چیز نہیں، سوائے ان اجزا کے جن کی طرف اس کا انحلال ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس (کل) کے اجزائے متناہیہ ذات اوائل ہیں، لہذا تمام مجموعے بھی متناہی وذات اوائل ہوں گے۔

عالم کل کا کل، اس کے اشخاص اور اس کا مکان وزمان اور اس کے محمولات (یعنی اعراض وصفات) کے سوا کچھ بھی نہیں، اور عالم سوائے ان اشیائے مذکورہ کے کوئی چیز نہیں، اس کے اشخاص وزمان ومکان اور اس کے محمولات سب کے سب ذو اول ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا لہذا لامحالہ عالم بھی ذو اول ومتناہی ہوا کیونکہ اگر اس کے تمام اجزاء بذریعہ حس ومشاہدہ ذو اول ہیں اور عالم خود غیر ذی اول ہے تو ہم بدیہیات اور عقل وحس سے ثابت کر چکے ہیں کہ عالم سوائے اپنے اجزا کے اور کوئی شے نہیں ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عالم ذو اول بھی ہے اور غیر ذی اول بھی، اور یہ بالکل محال ہے۔

اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اجزائے عالم کے لیے اوائل محسوسہ ہیں، اور اجزائے عالم بھی وہی عالم ہے اور عالم غیر ذی اول ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اجزائے عالم کے لیے اول ہوگا، اول نہ ہوگا، اور یہ محال بلکہ بدحواسی ہے،

لہذا بالبداہت یہ ثابت ہوگیا کہ عالم کے لیے کوئی اول ہے، اس لیے کہ عالم کے تمام اجزاء کے لئے اول ہے عالم نام ہی اجزا کا ہے ، اور اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے وباللہ التوفیق،

* * *

برہان ثانی

موجودات

ہر وہ شے جو بالفعل موجود ہے وہ عدد میں بھی محصور ہے اور اس کی طبیعت بھی اس کا احاطہ واحصار کیے ہوئے ہے، طبیعت وہ قوت ہے جو شے میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس شے کی وہ کیفیات جاری ہوتی ہیں جو کیفیات اس شے کی ہیں،

اگر تم اس تعریف کو مختصر کرنا چاہو تو یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ طبیعت شے کے اندر وہ قوت ہے جس کی وجہ سے وہ شے اپنی حالت پر پائی جاتی ہے،

عدد میں محصور ہونا یا طبیعت کے احصاء واحاطے میں ہونا یہ کسی شے کے متناہی ہونے کی صحیح دلیل ہے، کیونکہ جس شے کی نہایت وحد نہ ہو نہ اس کا احصاء ہوسکتا ہے نہ حصر، حصر واحصاء کے معنی محصی ومحصور کی دونوں طرفوں کو ملا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

عالم بالفعل موجود ہے، اور ہر محصور بالعدد ومحصی بالطبیعہ ذونہایت (متناہی) ہوتا ہے، لہذا کل عالم ذونہایت (متناہی ومحدود) ہوا، اس میں جو ایک مدت میں پایا جائے وہ بھی اور جو بہت سی مدتوں میں پایا جائے وہ بھی سب برابر ہیں کیونکہ یہ بہت سی مدتیں بھی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایک مدت محدودہ ہے، دوسری مدت محدودہ کے متصل ہے، یہ چند محدود مدتوں سے مرکب ہوئیں، اور ہر وہ شے جو چند اشیا سے مرکب ہے درحقیقت وہی اشیا ہیں جن سے اسے ترکیب دیا گیا ہے، لہذا یہ سب محدود مدتیں ہوئیں، جیسا کہ ہم نے دلیل اول میں پہلے بیان کیا ہے،

ان سب سے یہ ثابت ہوگیا کہ وہ شے جس کی نہایت نہ ہو وہ موجود بالفعل نہیں ہوسکتی، اور جو چیز صرف موجود غیر متناہی کے بعد ہی پائی جاسکے اس کے وجود کا ابدی ودائی ہونا بھی ناممکن ہے، اس لیے کہ اس میں بعدیت کا واقع ہونا ہی اس کا متناہی ہونا ہے، اور جو چیز غیر متناہی ہوتی ہے وہ "بعد" سے بری ہوتی ہے، لہذا کوئی شے جس کا وجود کسی شے کے بعد ہو وہ کبھی ابدی ودائم نہیں ہوسکتی، تمام اشیا اسی طرح موجود ہیں کہ ان میں بعض اشیا بعض کے بعد ہیں، اس لیے تمام اشیا ذونہایت ومتناہی ہوئیں،

ان دونوں دلیلوں پر اللہ ہی نے متنبہ فرمایا ہے، اور اسی نے اپنی حجت بالغہ سے ان دونوں کا حصر کردیا ہے کہ **"کل شی عندہ بمقدار"**

برہان ثالث

تحقیق تناہی

جو چیز غیر متناہی ہوتی ہے اس میں زیادتی کی گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ زیادتی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تم متناہی چیز میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کردو جو اسی کی جنس سے ہو، جو یا تو اس کی تعداد کو بڑھا دے گا یا پیائش کو، اگر زمانے کا اول نہ ہو تو اس سے اب وہ اپنے عدد میں متناہی ہو جائے گا، اس وقت ہر وہ چیز جس نے اس میں اضافہ کیا اور جو آنے والا زمانہ اس میں اضافہ کرے گا تو یہ سب عدد زمانہ میں کچھ اضافہ نہ کرے گا، اور یہ مشاہدہ ہے کہ وہ تمام سال جو ہمارے اس زمانے تک کہ ہشام المعتمد باللہ کی سلطنت کا زمانہ ہے (یہ اندلس کا بادشاہ تھا، ۳۶۶ھ میں پیدا ہوا اور ۴۰۳ھ میں وفات پائی) مسلسل پائے گئے، یہ ان تمام سالوں سے زیادہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تک پائے گئے، اگر یہ صحیح نہ ہو تو یہ لازم آئے گا کہ جب زحل کا ایک دورہ ہر تین سال میں ہوتا ہے، اور زحل برابر دورہ کرتا رہتا ہے تو فلک اکبر انھیں تین سالوں میں پچاس کم گیارہ ہزار دورے کرتا ہے، فلک بھی ہمیشہ دورہ کرتا رہتا ہے، بلا شک پچاس کم گیارہ ہزار دورے ایک دورے سے زائد ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر متناہی چیز غیر متناہی چیز سے تقریباً گیارہ ہزار بار زائد ہے، اور یہ محال ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں،

جو چیز غیر متناہی ہے تو یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی عدد کسی وجہ سے بھی اس سے زائد ہو سکے، لہذا زمانے میں اس کی ابتدائی جانب ایک ضرورت واجب ہوگئی جس سے رہائی نہیں،

اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ حس بداہتہً یہ لازم کرتی ہے کہ تشخصات انسانی اور گھوڑے مجموعی طور پر زیادہ ہوتے ہیں ان تشخصات انسانی سے جن میں گھوڑے نہ شامل ہوں، اگر اشخاص غیر متناہی ہوں تو لازم آئے گا کہ غیر متناہی غیر متناہی سے زیادہ ہے، اور یہ محال و ممتنع ہے جو عقل میں نہیں آ سکتا۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ جو ہجرت کے وقت تک تھا وہ اس زمانے کا ایک جزو ہے جو ہمارے وقت تک ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ جو اس وقت تک ہے وہ کل ہے اس زمانے کا جو ہجرت کے وقت تک تھا، اور جو ہجرت کے بعد سے ہمارے وقت تک گزرا، اس قضیے میں تین وجوہ میں سے کوئی ایک ہی وجہ حکم ہوگی اور چوتھی نہ ہوگی،

یا تو یہ زمانہ جو اس وقت تک موجود ہے زیادہ ہے اس زمانے سے جو ہجرت کے وقت تک تھا،

یا اس سے کم ہے،

یا اس کے مساوی ہے،

اگر یہ زمانہ جو اس وقت تک ہے اس زمانے سے کم ہے جو ہجرت کے وقت تک تھا تو نتیجہ یہ ہوا کہ کل جزو سے کم ہو گیا، اور جزو کل

سے بڑھ گیا، یہ محض بدحواسی اور قطعی محال ہے، کیونکہ اس کا سمجھنا کسی کے لیے بھی دشوار نہیں ہے کہ کل زیادہ ہوتا ہے جزو سے، اس میں کوئی شک نہیں، عقل وحس کے نزدیک یہ بدیہی وضروری ہے۔

اور اگر وہ زمانہ جو ہجرت تک گزرا ہمارے اس زمانے کے مساوی ہے تو لازم آیا کہ کل مساوی ہے جزو کے جو محال اور بدحواسی ہے،

اور اگر وہ زمانہ جو ہمارے وقت میں ہے ہجرت کے زمانے سے زیادہ ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہی ہے، تو لازم آیا کہ وہ زمانہ جو ہجرت کے وقت تک تھا ذو نہایت ومتناہی تھا، اور کسی شے کے اجزا وافراد ہی کو جزو کہا جاتا ہے، اور کل کے معنی ان افراد کا مجموعہ ہیں، کل اور جزو ہر ذی البعاض یعنی ذی حصص (ذی افراد) میں موجود ہوتے ہیں، عالم بھی اسی طرح ذوالبعاض (یعنی بہت سے بعض والا، یا افراد و حصص والا) ہے، اس کے حالات (اجسام) اور محمولات (اعراض وصفات) اور ان کے زمانے پائے جاتے ہیں، عالم اپنے ابعاض (جسم، عرض، زمان) کا کل ہوا، اور اس کے ابعاض اس کے اجزا ہوئے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہر ذی کل اور ذی اجزاء کا متناہی ہونا لازم ہے، زمانہ جسم کے ساکن یا متحرک رہنے کی مدت کا نام ہے، اگر جسم زمانے سے جدا ہو جائے تو نہ تو جسم موجود رہے گا اور نہ زمانہ، اور جسم وزمانہ دونوں موجود ہیں، لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، زمانہ بھی ذی اول ہے، اور جسم بھی ذی اول ہے، اور یہ وہ چیز ہے جو کبھی جدا نہیں ہوتی،

جو عرض یا شخص یا زمانہ اب تک نہیں آیا تو یہ کوئی ”شے“ نہیں ہے اسی لیے اس پر نہ عدد کا اطلاق ہوتا ہے نہ نہایت (حد) کا، اور نہ وہ کسی صفت کا موصوف ہوتا ہے، اس لیے کہ اب تک اس کا وجود ہی نہیں، جب اس کا وجود پایا جائے گا تو اس وقت اسے بھی وہی سب چیزیں یعنی نہایت (حد) عدد اور دوسری صفات لازم ہوں گی جو اس کے باقی اجناس وانواع موجودہ کے لیے لازم ہیں،

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو زمانہ گزرا اور آج کے دن تک پایا گیا وہ مساوی ہے ہمارے آج کے اس زمانے سے جو پہلے گزر گیا، (یعنی ا سے ب تک کا زمانہ مساوی ہے ”ب“ سے ”ا“ تک کے زمانے کے) زمانہ آئندہ کے شامل ہونے سے اس میں اضافہ ہو جانا بھی یقینی وضروری ہے، مساوی اسی چیز میں سے ہوتا ہے جو ذی نہایت ومحدود ہو، لہذا بالبداہت زمانہ بھی متناہی ہوا،

میں نے ایک ملحد کو جس کا نام ثابت بن محمد الجرجانی تھا اسی برہان سے الزام دیا تھا، اس نے یہ چاہا تھا کہ بقائے باری عزوجل اور ہمارے وجود میں اس برہان کا عکس کر دے، میں نے اسے آگاہ کیا کہ یہ فریب ضعیف ومضمحل اور ساقط ہے، اس لیے کہ باری تعالیٰ نہ زمانے میں ہے اور نہ اس کے لیے کوئی مدت ہے، کیونکہ ہر زمانی چیز کی حرکت کو یا اس کے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کو یا مکان واحد میں اس کے ساکن رہنے کی مدت کو زمانہ کہتے ہیں باری تعالیٰ نہ متحرک ہے نہ ساکن، نہ وہ کسی زمانے میں ہے، نہ اس کے لیے کوئی مدت ہے، نہ کسی مکان میں ہے، نہ جرم (جسم) ہے نہ جوہر نہ عرض ہے نہ عدد، نہ جنس ہے نہ نوع، نہ فصل ہے نہ شخص، نہ متحرک ہے نہ ساکن سوائے اس کے کہ وہ اپنی ذات میں حق ہے، موجود مطلق ہے اس معنی میں کہ وہ معلوم ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں واحد ہے اس کے سوا عالم میں کوئی واحد نہیں وہ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے، وہ اپنی مخلوق کے کسی وجہ سے بھی مشابہ نہیں ہے، وباللہ تعالی التوفیق، اللہ تعالیٰ نے اس دلیل اور اس کے حصر پر خود اپنے ہی کلام پاک میں خبر دی ہے ”یزید فی الخلق مایشاء“ (یعنی وہ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں اضافہ کرتا ہے،)

برہان رابع

اوّلیت

اگر عالم کے لیے اول نہ ہوگا اور اس کی نہایت (حد) نہ ہوگی تو ہمارا اسے طبیعت وعدد کے ساتھ احصاء واحاطہ کرنا جس کی کوئی حد و نہایت اوائل عالم ماضیہ سے نہ ہو، محال ہے، جس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلیے کہ اگر ان سب کا احصاء کیا گیا تو پھر لامحالہ اس کے لیے حدونہایت ہو جائے گی اور یہ ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ طبیعت وعدد ایسی چیز کا احصاء کریں جو اوائل عالم ماضیہ سے غیر متناہی ہے یہاں تک کہ وہ دونوں ہم تک پہنچ جائیں جب یہ محال ہوا تو طبیعت وعدد بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ حالانکہ ہمیں عالم کے سوا ہر شے میں عدد وطبیعت کے وجود کا یقین ہے یہاں تک کہ یہ دونوں چیزیں ہم تک پہنچیں۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ طبیعت وعدد نے اوائل عالم کے سوا ہر شے کا احصاء کیا ہے یہاں تک کہ یہ دونوں چیزیں ہم تک پہنچیں۔ لہٰذا ہمارا اولیت عالم کی طرف احصاء کرنا بھی غیر مشکوک، موجود، بدیہی اور صحیح ہے۔ اور جب ایسا ہے تو عالم کے لیے اول ہونا بھی ضروری ہے۔ وباللہ التوفیق۔

برہان خامس

احصاء واحصار

ثانی کا وجود بغیر اول کے اور ثالث کا وجود بغیر ثانی کے ناممکن ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ۔ اگر اجزائے عالم کے لیے اول نہ ہوگا تو پھر ثانی نہ ہوگا۔ اور جب ثانی نہ ہوگا تو ثالث بھی نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں نہ کوئی عدد ہوگا۔ نہ معدود ہوگا۔ حالانکہ ہمارے وجود میں وہ تمام اشیا جو عالم میں ہیں، معدود ہیں (یعنی ان پر عدد کا اطلاق ہوتا ہے اور انھیں عدد سے شمار کیا جاتا ہے)۔ یہ اس امر کا ثابت کرنا ہے کہ ثالث بعد ثانی کے ہوتا ہے اور ثانی بعد اول کے اور اس کی صحت میں اول کا ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دلیل پر اور اس کے قبل والی دلیل پر ہمیں آگاہ کیا ہے اور اس نے اپنے کلام میں دونوں کا حصر کر دیا ہے ”واحصیٰ کلّ شیء عددا“ اللہ نے ہر شے کو عدد میں محصور کر دیا ہے۔

اول وآخر تو امور اضافی میں سے ہیں کیونکہ جو آخر ہے وہ اول کے لیے آخر ہے۔ اور جو اول ہے وہ آخر کے لیے اول ہے۔ اگر اول

ہوگا تو آخر بھی نہ ہوگا، ہمارا آج کا دن اپنے ماقبل کے ہر موجود کے لیے آخر ہے۔ جس کا اب تک وجود نہیں ہوا وہ ''شے'' ہی نہیں اور نہ اس پر اوصاف واقع ہوئے جو بعد شے ہونے کے ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے لیے اول ہے۔

مجھے میرے ایک دوست محمد بن عبدالرحمٰن بن عقبہ رحمہ اللہ تعالی نے بتایا کہ انھوں نے اسی دلیل سے ایک ملحد سے جن کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن شنیف تھا معارضہ کیا تو اس ملحد نے اپنے کلام میں ان سے خلود جنت و دوزخ و اہل جنت و دوزخ میں معارضہ کیا۔ ابن عقبہ نے اس کو یہ جواب دیا کہ ہم نے جو دونوں دار الجزا (جنت و دوزخ) اور ان کے اہل کا خلود غیر متناہی مانا ہے وہ اس طور پر ہے کہ اللہ تعالی ان سب کے لیے بقائے محدود و حرکات جدیدہ اور لذات جو پے در پے جاری رہیں گی وقتاً فوقتاً برابر پیدا کرتا رہے گا۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے ہر موجود اول و آخر میں بھی جاری اور پیدا ہوتا رہے گا۔ جب اول ثابت ہو گیا تو زمانے کا غیر متناہی طور پر اس طرح باقی رہنا کہ ایک وقت کے بعد ہی دوسرا وقت ہو محال نہ رہا۔

یہ مثل عدد کے ہے۔ کیونکہ اگر اس کے لیے اول نہ ہوگا تو کوئی شخص کسی شے کے عدد و شمار پر کبھی قادر نہ ہوگا۔ عدد کے لیے بھی اول کا ہونا ضروری ہوا جو حس و مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی کو ہم ''واحد'' کہتے ہیں۔ کیونکہ عدد کا ایک یہی وہ مبداء ہے جس کے قبل کوئی عدد نہیں ہے۔ پھر اعداد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسی زیادت ممکن ہے۔ جس کی کوئی حد و غایت نہیں۔ لیکن جب اس کا کوئی جز وحد وجودِ حد فعل میں آ گیا تو اب اس کے لیے حد و نہایت ہو گئی اور ایسا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ وباللہ التوفیق۔

یہ جواب سن کر وہ شقیقی (ملحد) اکھڑ گیا اور اس کے پاس سوائے شر و فریب کے کچھ نہ رہا۔

ان دلائل و براہین کے بارے میں جن سے ہم نے ایسے موجودات کے وجود کا محال ہونا ثابت کیا ہے، جن کے لیے اول نہ ہو، بعض ملحدین نے کلام کیا ہے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالی نے اہل جنت سے جو ایسی نعمت کا وعدہ کیا ہے جس کا نہ انجام ہے اور نہ حد و نہایت، تو وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا یا نہیں؟

اگر تم کہو کہ اللہ تعالی اپنا وعدہ پورا کرے گا تو تم پر بھی وہی اعتراض وارد ہوگا جو ان براہین میں تم نے ہم پر وارد کیا ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالی اس وعدے کو پورا نہ کرے گا تو تم نے اسے وعدہ خلافی کا الزام دیا۔ اور وہ تمہارے نزدیک بھی کفر ہے۔

یہ وہ فریب ہے کہ بکثرت ہم نے اس قسم کے فریبوں سے اپنی ان کتابوں میں پناہ مانگی ہے جو ہم نے حدود منطق میں تالیف کی ہیں۔ یہ اعتراض دو وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

اول یہ کہ جو کچھ حریف کہتا ہے۔ اس سے آدمی کا تعلق ضعیف ہے۔ آدمی کی ذمہ داری صرف اس کی ہے کہ وہ اپنے قول کو خالص رکھے۔ اس کے لیے اپنے حریف مقابل کی شکست کے لیے کوئی نمونہ نہیں بلکہ شاید اس کا مقابل بھی اس کا قائل نہ ہو۔

دوم یہ کہ اگر کسی جسمی فرقے والے سے یہ سوال ہو تو اس سے یہ سوال خود ہی ساقط ہے (کیونکہ وہ جنت وغیرہ کو متناہی مانتا ہے)

لیکن خدا کے فضل سے ہمارے ذمے اس اعتراض کا توڑنا اور اس کی فریب کاری کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اس لیے بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ اہل سفسطہ و ارباب مغالطہ جس کو مقدمہ بناتے ہیں وہ کذب ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے سے وہ جاہلوں کا دھوکہ دیتے ہیں اور جو کچھ اس پر مبنی کرتے ہیں (وہ بھی کذب و فریب ہوتا ہے) یہ اعتراض بھی اسی طرح کا ہے۔

وہ ہمیں اس سے الزام دینا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اہل جنت سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں ایسی نعمت دے گا جس کی انتہا نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ غلط و دروغ ہے۔ اللہ تعالی نے ان سے ہرگز یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ انھیں ایسی نعمت دے گا۔ اگر وہ ان سے اس کا وعدہ کرتا تو جب وہ اسے پورا کرتا تو یہ نعمت باطل اور فنا اور ختم ہو جاتی۔ حالانکہ اللہ نے ان سے ایسی نعمت کا وعدہ کیا ہے جو ختم نہ ہوگی۔ اس نعمت کا جو حصہ ظاہر ہو گیا اور وجود میں آ گیا تو وہ محصور و محدود ہو گیا۔ اور جو حصہ ہنوز حد فعل میں نہیں آیا وہ اب تک عدم ہے اس پر نہ کوئی عدد واقع ہوسکتا ہے اور نہ کوئی صفت۔ لہذا ظاہر ہو گیا کہ یہ لفظ کہ ''انھیں پوری نعمت دیدے گا'' یہی وہ فریب فاسد ہے جس پر انھوں نے ملمع کاری کی ہے۔ جب معترض نے اسے اپنے کلام سے نکال دیا تو اس کا اعتراض بھی ساقط ہو گیا اور قضیہ صحیح ہو گیا۔ و باللہ التوفیق۔

اگر کوئی معترض کہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ **وانالمو فوهم نصيبهم غير منقوص** (اور بیشک ہم اہل جنت کے حصے کو پورا کرنیوالے ہیں جس میں کوئی کمی نہ ہوگی) تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی دو وجہ سے خالی نہیں اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی۔

یا تو اس سے اس کی مراد ان کی جزاء کا حصہ ہے یا پیائش جنت سے ان کا حصہ ہے۔

اگر اللہ عزوجل کی مراد ان کا حصہ جزا عذاب و ثواب ہے تو صحیح ہے۔ کیونکہ جو چیز حد دجود میں آ گئی تو وہ یقیناً پوری دیدی گئی۔

اگر اس سے اللہ تعالی نے ان کا حصہ جنت و دوزخ مراد لیا ہے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ جنت و دوزخ کا ہر مکان از روے پیائش محدود ہے۔ ہم نے جس جزاء کے پورے کیے جانے کی نفی کی ہے وہ ہے جو اسے اختتام کا موجب ہو جس میں بعد اختتام اضافہ نہ ہو۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ **فاما الذين آمنو او عملوا الصلحت فيو فيهم اجورهم و يزيد هم من فضله** (لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اللہ ان کے اجر پورے دے گا اور اپنے فضل سے انھیں اور زیادہ دے گا) اور فرمایا ہے "**انمايوفی الصابرون اجر هم بغير حساب**" (صابرین کو ان کا اجر بے حساب ہی دیا جائے گا) یہ دونوں آیتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اجر جو ان کو دیا جائے گا وہی ہے جو ان کی جنت کی پیائش سے ملے گا اور وہی نعمت ملے گی جو وجود میں آ چکی ہوگی پھر اللہ تعالی اپنے فضل سے برابر انھیں زیادہ دیتا رہے گا۔ جیسا کہ خود اس نے ''بغیر حساب'' فرمایا ہے۔ کیونکہ ''بغیر حساب'' تو کبھی ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ جو بغیر حساب ہوگا اس کی کوئی حد و انتہا نہ ہوگی اور جو وجود میں آ گیا وہ محدود و متناہی ہو گیا۔ اگر پورا دے دیا گیا تو اس میں اضافہ و زیادت ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ جو پورا دے دیا گیا اس میں کوئی زیادتی نہیں ہوسکتی اور جس میں زیادتی ممکن ہو تو وہ ابھی تک پورا نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالی نے اس پر تصریح فرما دی ہے کہ پورا ادا کرنے کے بعد زیادت و اضافہ ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ شے محدود و متناہی ادا ہوگی اور جو چیز غیر متناہی ہو وہ کبھی ادا نہیں کی جاسکتی۔

مذکورہ بالا کلام سے یہ ثابت ہو گیا عالم ذو اول ہے، اور جب وہ ذو اول ہے تو لامحالہ تین میں سے ایک وجہ کا ہونا ضروری ہے، کوئی چوتھی وجہ نہیں ہوسکتی۔

یا تو عالم کو خود اس کی ذات نے پیدا کیا۔

یا بغیر اس کے کہ اپنے آپ کو پیدا کرے یا کوئی اور اسے پیدا کرے وہ خود بخود پیدا ہو گیا۔

یا اسے کسی اور نے پیدا کیا ہوگا۔

اگر خود اس نے اپنی ذات کو پیدا کیا تو چار میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی پانچویں وجہ نہیں ہوسکتی۔

یا تو اس نے اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ عالم معدوم تھا اور ذات موجود تھی۔

یا اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ خود موجود تھا اور ذات معدوم تھی۔

یا اس نے اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ اور ذات دونوں موجود تھے۔

یا اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ اور ذات دونوں معدوم تھے۔

یہ چاروں وجوہ محال اور ممتنع ہیں، ان میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں۔ کیونکہ شے اور ذات شے کوئی دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں، جو شے ہے وہی ذات ہے اور جو ذات ہے وہی شے ہے۔ وجوہ مذکورہ بالا میں یہ لازم آتا ہے کہ شے اپنی ذات کے مغایر ہو۔ اور یہ از روئے حس و مشاہدہ محال و باطل ہے لہذا یہ وجہ تو باطل ہوگئی۔

اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ عالم اگر عدم سے وجود میں بغیر اس کے کہ اسکی ذات اسے لائے یا کوئی اور لائے وہ از خود آ گیا تو یہ بھی محال ہے، اس لیے کہ کوئی حال ایسا نہیں جو اس کے عدم سے وجود میں آنے کے لیے بہ نسبت دوسرے حال کے بہتر ہو۔ جب وہ خود سے پیدا ہو گیا تو اس حالت پیدائش کا محرک و مرجح کون ہوا اور اس نے پیدائش کو عدم پیدائش پر کیوں ترجیح دی اس وقت جب تک عالم وجود میں نہیں آیا اس کا قطعاً کوئی حال نہیں پھر اس کے وجود میں آئے گا امکان ہی نہیں حالانکہ اس کا خروج و وجود بالکل یقینی اور مشاہدے میں ہے حال خروج و وجود مغایر مخالف ہے حال لاخروج (عدم خروج) کے اور حال خروج ہی اس کے وجود کی علت ہے۔ اور حال خروج کے حدوث میں بھی وہی وجوہ لازم آئیں گی جو حدوث عالم میں لازم آئیں۔ کہ یا تو حال خروج ہی اپنے آپ کو عدم سے وجود میں لایا۔ یا کوئی اور لایا یا بغیر ان دونوں صورتوں کے خود ہی وجود میں آ گیا۔ اسی طرح ہر ''حال'' کے متعلق یہی کلام ہوگا۔ اگر کلام ختم ہو جائے گا تو بہ سبب اس کے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ''لانہایت'' (یعنی غیر محدودیت) لازم آئے گی۔ اور "**لانهاية**" (غیر محدودیت) عالم میں اس کے مبداء (موقع ابتداء) میں باطل ممتنع اور محال ہے۔ اب یہ باطل ہو گیا کہ عالم کو خود اس کی ذات وجود میں لائے یا وہ بغیر کسی کے لائے خود سے آ جائے لہذا بدیہی طور پر تیسری وجہ ثابت ہوگئی کیونکہ اس کے سوا اب کوئی وجہ قطعاً نہیں رہی اس لیے اس کا صحیح ہونا ضروری ہے اور وہ یہ کہ عالم کو عدم سے وجود میں کوئی اور لایا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فلک اپنے اندر کی چیزوں کے ساتھ صاحب آثار ہے جس میں انتقال زمانی و حرکت دوریہ بھی ہے۔ جس کے اجزاء کا ہر جزو ایک ایسے مکان میں ہے جو اس کے متصل ہے۔

اثر موثر کے ساتھ ہوتا ہے جو امور اضافی میں سے ہوتا ہے۔ اگر اثر نہ ہوگا تو موثر بھی نہ ہوگا اور اگر موثر نہ ہوگا تو اثر بھی نہ ہوگا۔ اس سے لازم آ گیا کہ ان تمام آثار ظاہرہ کے لیے کوئی موثر ضرور ہے۔ جن کا اثر ان میں ہے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ فلک یا جو کچھ اس میں ہے وہی موثر یعنی اثر پیدا کرنے والا ہو، اس لیے کہ اس وقت وہی (فلک) موثر بھی ہوگا اور موثر فیہ (جس میں اثر پیدا کیا گیا ہے) بھی ہوگا۔ باوجود اس کے موثر و اثر امور اضافی میں سے ہیں۔

اس قول کا مطلب کہ ''موثر و اثر و موثر فیہ امور اضافی میں سے ہیں'' یہ ہے کہ اثر و موثر فیہ لامحالہ موثر کو چاہتے ہیں۔ یہ نہیں وارد ہوا کہ باری تعالیٰ اضافت کے تحت ہے۔ کسی ایسے موثر کی ضرورت پڑی جو نہ تو موثر فیہ ہو اور نہ وہ شے ہو جو عالم میں ہے۔ لامحالہ وہ خالق اول واحد تبارک وتعالیٰ ہے لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ تمام عالم حادث ہے اور اس کا کوئی محدث ہے جو عالم کے علاوہ ہے۔

یہ تو ان علامات صنعت میں سے ہے جنھیں ہم خود دیکھتے ہیں اور بذریعہ حواس مشاہدہ کیا جاتا ہے جس میں کسی صاحب عقل کو شک نہیں۔ منجملہ اس کے افلاک کی تراکیب اور ایک فلک کا دوسرے میں تداخل اور اپنے مختلف مرکزوں پر ان سب کا ہمیشہ دورہ کرتے رہنا ہے۔ پھر ان کے افلاک تداویر ہیں، افلاک تداویر کی حرکت کے اور ان افلاک کے درمیان جو ان (افلاک تداویر) کے حامل ہیں بعد کا ہونا ہے۔ تمام افلاک کا غرب سے شرق کی طرف گھومنا اور فلک نہم کا جو کلی ہے ان سب کے برخلاف شرق سے غرب کی طرف گھومنا ہے اور باوجود فلک نہم کی شرقی حرکت کے اس کا دوسرے افلاک کو غربی جانب حرکت دینا ہے اس سے ایک حرکت میں دو متعارض حرکتیں پیدا ہوئیں۔ لہذا بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ان سب کو مختلف طریقوں پر حرکت دینے والا کوئی اور ہے۔

اعضائے انسان وحیوان کی ترکیب میں دیکھو کہ گولائی کے ساتھ ابھری ہوئی ہڈیاں گہرائی والی ہڈیوں میں داخل ہیں، ان جوڑوں میں (جن میں یہ دو قسم کی ہڈیاں ملی ہیں) پچھلی کی ترکیب کو دیکھو، اور پھر ان پر پٹھوں اور رگوں کی بندش کو دیکھو تو یہ بھی کسی صانع کی کھلی ہوئی صنعت ہے۔

منجملہ ان آثار کے وہ مختلف رنگ ہیں جو جانوروں کی بہت سی کھالوں میں اور اس کے پاؤں میں اور رادن میں اور بالوں میں اور ناخن میں اور پوست میں ایک ہی طریقے پر اور ایک ہی وضع پر ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثل ان رنگوں کے جو چکور جنگلی کبوتر اور بٹیر اور باز اور بہت سے پرندوں میں ہیں، اور جو کچھووں اور زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور مچھلیوں میں ہیں، جس کی رنگینی میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور اس کے رنگ ایک ہی وضع پر رہتے ہیں۔ جیسے کہ موروں کی دُمیں۔

منجملہ ان آثار کے وہ ہیں جو مچھلی اور ٹڈی (ملخ) اور ایک نوع کے حشرات میں ظاہر ہیں، گویا اس کی تصویر ایک مصور نے ہمارے درمیان کھینچ دی ہے، ان میں سے وہ رنگ ہیں جو (ایک ہی نوع میں) مختلف ہوتے ہیں جیسے مرغیوں کے رنگ، کبوتروں، بطخوں اور بہت سے حیوانوں کے رنگ ہیں کہ بداہت اور حس سے ہم جانتے ہیں ان سب کا کوئی با اختیار صانع ہے جو ان سب کو جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے، ان کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ اس میں کبھی اس کی مشیت سے اضطراب وفرق نہیں پیدا ہوتا، عقل محسوس کرتی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ یہ تمام مختلف چیزیں جو ایک نظام اور ضابطے کے ماتحت ہیں اور ان میں کبھی فرق نہیں پڑتا، یہ طبیعت اور قوت مادہ سے ہوتے ہوں، ان کے لیے ایک صانع کی ضرورت ہے جو ان سب کا قصد وارادہ کرے، اور جو جانتا ہے کہ طبیعت کیا چیز ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ ایک قوت ہے جو کسی شے کے اندر ہے، جس کی وجہ سے اس شے کے وہ صفات وکیفیات جاری ہیں جن پر وہ شے بنائی گئی ہے، وہ لامحالہ جانتا ہے کہ اس طبیعت کا بھی کوئی صانع اور بنانے والا اور ترتیب دینے والا ہے، اس لیے کہ وہ خود سے نہیں قائم ہو سکتی، کیونکہ وہ تو صاحب طبیعت کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔

منجملہ ان کے ہم کھجور اور تاڑ کے درخت کی چھال کی بُنائی کو دیکھتے ہیں جو یقیناً تانے بانے سے اس طرح بنی ہے جس طرح بُننے والا اسے بنائے اور یہ سب اس ترتیب کے ساتھ قطعاً نہ تو طبیعت کا کام ہے، نہ کسی بننے والے کی بناوٹ ہے نہ بنانے والے کی، اور نہ کسی رنگ دینے والے کی، وہ ایک ایسے صانع کی صنعت ہے جو با اختیار وبا ارادہ ہے، جو صاحب طبیعت نہیں ہے مگر جو چاہے اس پر قادر ہے، یہ وہ امر ہے جو یقیناً بداہت عقل سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ تین زیادہ ہیں دو سے لہذا یہ صحیح ہو گیا کہ خالق اول واحد حق ہے جو قطعاً اپنی کسی مخلوق کے مشابہ نہیں،

لا اله الا هو الواحد الا ول الخالق عزو جل ۔

کیا عالَم و فاعل عالَم دونوں ازلی ہیں؟

خدا کے فضل و کرم سے ہم اس مقالے کو ان براہین سے باطل کر چکے ہیں جو اس کے قبل بیان کیے ہیں، لیکن ان لوگوں کا ایک اعتراض باقی ہے جس کا لانا ان کی تمام فریب کاریوں کے جمع کرنے کے لیے ضروری ہے،

اس مقالے والوں نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ باری تعالی کے فعل کی علت اس کا وجود و قدرت و حکمت ہی ہے، اور وہ ازلی، سخی، حکیم، اور قادر بھی ہے، لہذا عالم بھی ازلی ہوا، کیونکہ اس کی علت ازلی ہے،

مگر یہ قطعاً فاسد ہے ان دلائل سے جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں جن سے بالاضطرار حدوث عالم کا تیقن و علم حاصل ہوتا ہے،

یہ تو اسے لازم آئے گا جو اس مقدمے کو تسلیم کر لے کہ عالم کے لیے کوئی علت ہے، ہم تو کہتے ہیں کہ ہر وہ شے جس کا وجود ہے اللہ کے اس کو وجود میں لانے کے لیے کوئی علت نہیں، وہ سوائے خالق اور اس کی مخلوق کے کوئی چیز نہیں۔

ہم ان لوگوں کے علم کے مطابق ایک ایسی بات کہتے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگی۔

وہ بات یہ ہے کہ مفعول (مخلوق) وہی ہے جو عدم سے وجود کی طرف منتقل ہوا، اس معنی میں کہ جو کسی کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا، یہی محدث (مخلوق) ہے، اور محدث کے معنی ہیں جو نہ تھا پھر ہو گیا، حالانکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ازلی ہے، اور یہ خلاف عقل ہے، کیونکہ جو نہ تھا پھر ہو گیا، وہ بالکل اس کے مغائر و مخالف ہے جو ازلی ہو، نتیجہ یہ ہوگا کہ عالم خود اپنی ذات کے مغائر ہوگا، اور یہ بالکل محال ہے، و باللہ التوفیق،

اگر کوئی کہے کہ "تمہارے قول کی بنا پر جب باری تعالیٰ غیر فاعل تھا پھر فاعل ہو گیا تو اسے استحالہ و تغیر لاحق ہو گیا، حالانکہ وہ اس سے بری و برتر ہے" ہم اسے جواب دیں گے کہ یہ سوال تو تمھاری ہی طرف پلٹتا ہے، اس لیے کہ تم نے اس کو صحیح سمجھا، ہم نے اس کی تصحیح نہیں کی، تمہارے نزدیک اگر اس سے فعل اس وقت صادر ہوا جب کہ وہ غیر فاعل تھا تو یہ فاعل پر استحالہ لازم کر دے گا، کیونکہ تمھارے نزدیک اس کا فعل جب کہ اس نے اعراض کو پیدا کیا بعد اس کے کہ وہ اس کا پیدا کرنے والا نہ تھا، اور اس کا معدوم کرنا اس شے کو جسے اس نے معدوم کیا بعد اس کے ہوا کہ وہ اس کا معدوم کرنے والا نہ تھا، یہ اس پر استحالہ واجب کرتا ہے، اب تم اپنے اس سوال کا جواب دو جس کی تم نے تصحیح کی ہے، سوائے سوال کو فاسد کرنے کے تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں،

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو تم نے بیان کیا یہ استحالہ ہی نہیں، استحالے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایسی شے کا مستحیل میں پیدا ہونا جو اس کے قبل اس میں نہ تھی، جس کی وجہ سے وہ اپنی ایک صفت سے جو اس پر صادق و محمول تھی دوسری صفت کی طرف مستحیل و منتقل ہو جائے، یہ معنی اللہ تعالیٰ سے منفی ہیں یعنی وہ اس سے بری ہے کہ وہ کسی صفت کا اپنے اوپر حامل ہو، بلکہ اس نے بذاتہ نہیں کیا جب وہ غیر فاعل تھا، اور بذاتہ کیا اگر وہ فاعل تھا، نہ اس کے کرنے کی کوئی علت تھی اور نہ اس کے نہ کرنے کی کوئی علت تھی۔

جو ذات ازلی ہے وہ وہی ہے جس کا نہ کوئی فاعل ہے اور نہ عدم سے وجود میں لانے والا، اگر عالم بھی ازلی ہو تو لامحالہ اس کا بھی نہ کوئی فاعل ہوگا اور نہ کوئی عدم سے وجود میں لانے والا حالانکہ خود اس مقالے والوں کا اقرار ہے کہ عالم بھی ازلی ہے اور اس کا فاعل بھی ازلی ہے جو بناتا ہے، یہ بالکل محال بدحواسی اور فساد ہے، و باللہ التوفیق۔

ازلیت میں اشتراک !!

خالق عالم کے ساتھ کیا زمان ومکان مطلق بھی ازلی ہیں؟

ان لوگوں کے نزدیک نفس کی تعریف یہ ہے کہ وہ جوہر ہے جو قابل بالذات ہے، اپنے اعراض وصفات کا حامل ہے، غیر متحرک وغیر منقسم ہے، غیر متمکن ہے یعنی کسی مکان میں نہیں ہے،

مجھ سے اس خیال والوں کی ایک جماعت نے مناظرہ بھی کیا ہے میں نے انھیں قریب قریب اپنے زمانے کے ملحدین پر غالب پایا، میں نے انھیں ایسے الزام دیے جن سے وہ بچ نہ سکے، اللہ کی مدد سے ان کے قول کا بطلان ظاہر کر دیا، قدمائے متکلمین میں سے مَیں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ انھوں نے اس فرقے کا ذکر کیا ہو، میں پہلا متکلم ہوں کہ ان کے تمام عقائد جمع کر دیے، اور ان قابل اضافہ امور کا اس میں اضافہ کر دیا جس میں ان لوگوں کے قول کی تحقیر ہے، **وما توفیقنا الا باللہ** ،

ان کے نزدیک مکان وزمان اور ہے۔ وہ نہیں ہے جو ہم لوگوں کے نزدیک ہے، ہمارے نزدیک مکان معہود وہ ہے جو اپنے مکین کا اس کے تمام یا بعض اطراف سے احاطہ کیے ہو، اس کی دو قسمیں ہیں،

یا تو وہ مکان ایسا ہوگا کہ مکین کی شکل اس میں مکان کی شکل کے مطابق ہو جائے گی، مثلاً فضا وجو (جو زمین وآسمان کے درمیان خلا ہے) یا مٹکے یا گھڑے کے اندر پانی، اور جو اس کے مشابہ ہو۔

اور یا وہ مکان ایسا ہے جو خود مکین کی شکل کے مطابق ہو جاتا ہے جیسے پانی ان اجسام کے لیے جو اس میں داخل ہوں۔

زمان معہود ہمارے نزدیک کسی جسم کے متحرک یا ساکن رہنے کی مدت ہے، یا عرض کے جسم میں رہنے کی مدت ہے، اس کو یہ بھی شامل ہے کہ ہم کہیں کہ وہ وجود فلک اور فلک کے اندر جتنے حامل ومحمول (یعنی فلک در فلک ہیں) انکی مدت ہے، مکان وزمان کی یہ تعریف ہمارے نزدیک ہے،

وہ لوگ کہتے ہیں کہ زمان ومطلق مکان مطلق اس زمان ومکان سے جداگانہ ہیں جن کی ہم نے ابھی تعریف کی ہے، یہ دونوں جدا جدا ہیں، ان کے قول کو باطل کرنے کے لیے خود ان کا زمان غیر معہود ومکان غیر معہود کا اقرار کرنا ہی ایک دلیل سے کافی تھا، لیکن ان کے دعوے کے بطلان پر اللہ کی مدد سے براہین کا لانا ضروری ہے۔

ان سے کہا جائے کہ ہمیں اس خلا کے متعلق بتاؤ جس کو تم نے ثابت کیا ہے کہ وہ فلک اور اس کی اندرونی اشیا سے پہلے موجود تھا، ”آیا اس خلا کا وہ حصہ فلک کے پیدا ہونے سے باطل ہو گیا جو فلک کے پیدا ہونے سے پہلے فلک کے مکان میں تھا“ یا نہیں باطل ہوا، اگر وہ کہیں کہ ”نہیں باطل ہوا“، اور ان میں سے بعض نے مجھے یہی جواب دیا ہے، تو ان سے کہا جائے کہ اگر وہ خلا نہیں باطل ہوا تو آیا وہ اس مکان ہی فلک کے پیدا ہو جانے سے اس مکان سے منتقل بھی ہوا یا نہیں منتقل ہوا اگر کہیں کہ ”نہیں منتقل ہوا“ اور یہی ان کا قول بھی ہے، تو ان سے کہا جائے کہ

جب خلا نہ باطل ہوا نہ منتقل ہوا تو پھر فلک کس جگہ پیدا ہوا، حالانکہ وہ خلا تمھارے نزدیک حدوث فلک سے پہلے اپنے مقام پر موجود قائم بالذات ثابت ہے، آیا فلک اسی مکان مطلق میں پیدا ہوا جو خلا ہے یا کسی دوسری جگہ، اگر دوسری جگہ پیدا ہوا تو اس جگہ ایک دوسرا مکان ہو گیا جو اس کے علاوہ ہوا جس کا نام تم نے خلا رکھا ہے، وہ مکان بھی یا تو تمھارے مذکورہ مکان کے ساتھ ایک ہی حیز میں ہوگا یا دوسرے حیز میں ہوگا ، اگر یہ دوسرا مکان تمھارے مذکورہ مکان کے ساتھ ایک ہی حیز میں ہے تو فلک بھی لامحالہ اسی میں پیدا ہوا، حالانکہ تم نے کہا ہے کہ فلک اس مکان میں نہیں پیدا ہوا، نتیجہ یہ نکلا کہ فلک اس مکان میں پیدا ہوا جس میں وہ نہیں پیدا ہوا، اور یہ تناقض ومحال ہے۔

اگر تم کہو کہ وہ دوسرا مکان دوسرے حیز میں ہے تو تم نے خلا کے لیے نہایت ثابت کردی، کیونکہ وہ دوسرا حیز جس میں فلک پیدا ہوا وہ حیز اس خلا میں نہیں ہے، اس طریقے میں لامحالہ اس خلا کی نہایت ختم ہو جاتی ہے جس کا تم نے ذکر کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ متناہی غیر متناہی ہے، اور یہ تناقض اور محض بدحواسی ہے،

جب اس کا غیر متناہی ہونا باطل اور متناہی ہونا ثابت ہو گیا تو بس وہ وہی مکان معہود ہے جس کا تعلق اپنے مکین سے ہے، یہی وہ مکان ہے کہ کوئی عاقل اس کے سوا کسی اور مکان کو نہیں جانتا،

اگر فلک اس خلا میں پیدا ہوا، فلک نے خلا کو بھر دیا، اور خلا تمھارے نزدیک نہ تو باطل ہوا اور نہ منتقل ہوا تو ساتھ ہی ساتھ ایک ہی مکان میں خلا بھی ہے اور ملا بھی ہے، اور یہ محال و بدحواسی ہے،

اگر وہ کہیں کہ جو خلا فلک کے حدوث سے پہلے فلک کی جگہ پر تھا وہ حدوث فلک سے باطل ہو گیا، یا یہ کہیں کہ وہ منتقل ہو گیا تو انھوں نے بداہتہً خلا کے لیے نہایت وحد ثابت کردی۔

یا تو اس طریقے سے کہ وہ حدوث فلک سے باطل ہو گیا، کیونکہ باطل و فاسد وہی شے ہو سکتی ہے جو حادث ہو نہ کہ ازلی (اور جو حادث ہوگا وہ ضرور محدود ومتناہی ہوگا)۔

یا طریق مساحت (و پیمایش) سے بوجہ خلا کے منتقل ہونے کے، کیونکہ جب وہ منتقل ہونے کی جگہ نہ پائے گا تو اس کا انتقال نہ ہوگا، انتقال کے معنی ہیں جسم کا ایسے مکان میں چلا جانا جس میں وہ اس کے قبل نہ تھا، اس کا ایسے مکان کو پا لینا جس میں وہ منتقل ہو سکے اس امر کو لازم کرتا ہے کہ جس مکان میں وہ منتقل ہوا ہے وہ اپنے انتقال سے پہلے اس مکان میں نہ تھا، لامحالہ یہی حد و نہایت کا اثبات ہے، حالانکہ اسی (حد و نہایت) کو ان لوگوں نے باطل کیا تھا،

اس میں ان لوگوں پر یہ الزام بھی آتا ہے کہ وہ خلا متحیز (و مکین) ہو جائے، اس لیے کہ خلا کا جو حصہ باطل ہوا ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو باطل نہیں ہوا، وہ خلا جو منتقل ہوا وہ بھی اس کے علاوہ ہے جو منتقل نہیں ہوا، جب اس کی یہ شان ہوگی تو وہ یا تو جسم ہوگا جس کے اجزا ہوں گے ، یا وہ جسم میں محمول ہوگا، اور جسم کے منقسم ہونے سے منقسم ہو جائے گا، اور ہم نے اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ جسم کا متناہی ہونا ثابت کیا ہے جس میں ضروری بیان ہے، اس سے خلا کا قابل انقسام ہونا اور اس سے اس کا محدود ہونا اور اس سے اس کا غیر ازلی و حادث ہونا ثابت ہو گیا والحمدللہ رب العالمین،

حدوث فلک سے اگر خلا باطل نہیں ہوا تو خلا کا وہ حصہ جو فلک کی جگہ پر رہا وہ حدوث فلک کی وجہ سے نہ تو باطل ہوا اور نہ منتقل ہوا، تو لازم آئے گا کہ وہ خلا اور فلک دونوں ایک ہی حیز (مکان) میں ایک ہی ساتھ موجود رہیں، لہٰذا اب وہ فلک کا مکان نہ رہا۔ کیونکہ مکان مع مکین کے ایک مکان میں نہیں ہو سکتا، یہ ابتدائی عقل ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، بالفرض اگر ایسا ہو سکے تو لازم آئے گا کہ مکان خود اپنا مکان ہو،

اور دونوں میں سے ایک کو بھی فوقیت نہیں ہے کہ وہ دوسرے کا مکان بنے، نہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو یہ فوقیت ہے کہ وہ دوسرے کا مکین بنے، اور بالبداہت یہ سب فاسد ومحال ہے،

نیز ان لوگوں کے نزدیک خلا اسے کہتے ہیں جس میں کوئی متمکن نہ ہو، حالانکہ فلک ان کے نزدیک خلا میں موجود ہے، کیونکہ از روئے مساحت و پیمایش ان کے نزدیک خلا غیر متناہی ہے، پھر جب فلک ان کے نزدیک خلا میں متمکن ہے، اور خلا ان کے نزدیک وہ مکان ہے جس میں کوئی متمکن نہ ہو تو نتیجہ یہ ہوا کہ خلا وہ مکان ہے جس میں وہ شے متمکن ہے جو اس میں متمکن نہیں، اور یہ محال و بدحواسی ہے،

بعینہ یہی ان کے اس کلام پر بھی لازم آئے گا کہ خلا کا یہ جز و فلک کے اس میں حادث ہونے سے منتقل نہیں ہوا، اگر وہ کہیں کہ منتقل ہو گیا تو لامحالہ وہ ایسے مکان میں منتقل ہوگا جس میں اس کے قبل نہ خلا رہو نہ ملا ہو، لہذا لامحالہ بالائے فلک عدم خلا وعدم ملا ثابت ہو گیا، اور یہ ان کے قول کے خلاف ہے۔

اگر کہیں کہ حدوث فلک کی وجہ سے خلا منتقل نہیں ہوا بلکہ باطل ہو گیا تو بھی یہ لازم آئے گا کہ لامحالہ اس پر مدتیں گزری ہوں، اور جب اس پر مدتیں گزریں تو وہ مبدء کی جانب اپنی ابتداء سے متناہی ہو گیا،

اگر کہیں کہ فلک اس مکان میں پیدا ہی نہیں ہوا جو خلا ہے تو انہوں نے فلک کے لئے ایک دوسرا مکان اور حیز ثابت کر دیا جو ان کے نزدیک خلائے عام کے علاوہ ہے، جب ایسا ہوگا تو لامحالہ دونوں مکان آپس میں ملنے کی وجہ سے متناہی ہوں گے، جب دونوں کے باہم ملنے کی وجہ سے دونوں متناہی ہو گئے تو ان دونوں کو مساحت و پیمائش لازم آئے گی، اور دونوں کی پیمایش کے متناہی ہونے سے دونوں کا متناہی ہونا واجب ہوگا،

نیز ان سے اس خلاء کو بھی دریافت کیا جائے گا جو ان کے نزدیک ایسا مکان ہے جس میں کوئی متمکن نہیں کہ آیا اس خلاء کا کوئی ایسا مبدء بھی ہے جو فلک اعلی کے اطراف سے ملا ہوا ہو، یا کوئی ایسا مبدء نہیں ہے۔

ان کا قول بھی یہی ہے کہ کوئی ایسا مبدء نہیں۔

اس صورت میں ان کو بتانا چاہیے کہ لفظ ''مکان'' کے کہنے سے زبان میں وہی مفہوم سمجھا جائے گا جو اس لفظ کا مقصود ہے اور ذہن نشین ہوتا ہے کہ مراد کو سمجھنے سمجھانے کے لیے ذریعہ تعبیر ہو سکے۔

مفہوم مکان۔ باعتبار زبان۔ یہ ہے کہ وہ ایک ساحت ومیدان ہے۔

ساحت کے لیے مساحت ناگزیر ہے۔

مساحت ذروع (گزوں) سے ہوتی ہے۔

ذروع کے لیے ضروری ہے کہ کوئی مبدء ہو جہاں سے پیائش آغاز کی جا سکے، اس لیے کہ یہ کیت ومقدار ہے، کیت وہ اعداد ہیں جو آحاد یعنی اکائیوں اور واحدوں سے مرکب ہوں،

ذرع کے لیے اگر واحد، اثنین، ثلاث (ایک، دو، تین) مبدء نہ ہو تو وہ عدد ہی نہ ہوگا، جب عدد نہ ہوا تو ذرع کہاں، اور جب ذرع نہ ہوا تو نہ مساحت ہوگی، نہ وسعت وانفساح (کشادگی) کا دخل ہوگا نہ مسافت پائی جائے گی۔

ان الفاظ کا محل وقوع یا تو کسی مذروع کے جو گز کے ذریعے ناپا جائے اس کے ذرع یعنی گز سے ناپنے پر ہے یا کسی ذرع سے مذروع

پر، یعنی جو چیز گز سے ناپی گئی ہو اس پر ہے۔

مبدء خلا :

اگر وہ کہیں کہ اس (خلا) کا اسی مقام پر مبدء ہے تو لامحالہ اس کا متناہی ہونا بھی لازم آئے گا، کیونکہ جب اس کا مبدء ہے تو اسکی مساحت بھی ہوگی اور وہ کسی عدد میں محصور بھی ہوگی۔

یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ آیا یہ (خلا) فلک کو مماس (مس کرنے والا) ہے یا مماس نہیں، فلک سے باین (جدا اور دور) ہے یا غیر باین ہے، اگر وہ کہیں کہ نہ تو مماس ہے اور نہ باین ہے، تو یہ امر نہ حس کے نزدیک معقول ہے، نہ نفس میں اس کی کوئی شکل آ سکتی ہے، اور نہ اس کی صحت پر کبھی کوئی دلیل قائم ہوسکتی ہے، سوائے ان اعراض کے کہ جسم میں محمول ہیں ان کی تو یہ شان ہوسکتی ہے، مگر وہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ خلا عرض ہے، جو کسی جسم میں محمول ہے، لہذا جو دعویٰ کہ اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو وہ باطل اور مردود ہے۔

اگر وہ مماست یا مباینت (خلا کا فلک کو مس کرنا یا دونوں کا آپس میں دور ہونا) ثابت کریں تو ان پر اس کا متناہی ہونا ثابت کرنا ضروری ہوگا، جیسا کہ مبدء کے ثابت کرنے سے تناہی لازم آئی تھی، اس لیے کہ تناہی لامحالہ مبدء و مماست و مباینت کے ذکر میں بلاشک داخل ہے وباللہ التوفیق۔

خلا و زمان :

نیز ان سے اس خلا کو دریافت کیا جائے گا جس کا وہ ذکر کرتے ہیں اور اس زمان کو پوچھا جائے گا جس کو وہ ثابت کرتے ہیں، کہ آیا یہ دونوں (یعنی خلا و زمان) محمول ہیں (یعنی عرض وصفت ہیں) یا دونوں حامل (یعنی جسم وذات) ہیں، یا ان میں سے یا ان میں سے ایک محمول اور دوسرا حامل ہے، یا دونوں نہ حامل ہیں نہ محمول، وہ خواہ کوئی جواب دیں مگر وہ حامل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا کوئی محمول کوئی اور ہوگا، کیونکہ شے خود ہی اپنی حامل نہیں ہوتی، اس لیے اس کا کوئی محمول ہوگا جو ازلی ہوگا اور وہ غیر زمان ہوگا، اگر وہ اسی کے قائل ہو جائیں تو ان سے ان دلائل سے گفتگو کی جائے جو ہم نے اس کے قبل ان اہل دہر (دہریوں) کے خلاف کی تھی کہ ازلیت عالم کے قائل ہیں۔

مکان :

نیز اگر مکان حامل ہے تو لامحالہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں، یا تو وہ حامل ہوگا کسی ایسے جسم کا جو اس میں متمکن ہے، اور یہ اس مکان کا متناہی ہونا واجب کرے گا کیونکہ جو جسم اس میں متمکن ہے اس کا متناہی ہونا بھی واجب ہے ان دلائل سے جو ہم نے اس کے قبل اجسام کے محدود ومتناہی ہونے کے متعلق بیان کیے ہیں۔

اور وہ مکان حامل ہوگا کیفیات جسم کا، اگر وہ حامل کیفیات جسم ہوگا تو وہ ہیولیٰ اور اس کے اعراض اور اسکی جنس اور اس کی فصول سے مرکب ہوگا، ہر صاحب حس سلیم بالبداہت جانتا ہے کہ مرکب بوجہ جسم و زمان متناہی ہے، ان دلائل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں، حمل کی اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی،

ان دونوں میں جب وہ کہیں کہ وہ محمول ہے، تو وہ حامل کا مقتضی ہوگا اور برابر سرابر اسی دلیل کا جو ہم نے ابھی بیان کی ہے عکس کر دیا جائے گا،

کہیں کہ وہ حامل محمول ہے، تو جو ہم نے ذکر کیا وہ بھی لازم آئے گا اور اس کا عکس بھی،

کہیں کہ وہ نہ حامل ہے نہ محمول، تو اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ باقی (صاحب بقا) ہے، یا خود بقا ہے، اگر وہ باقی ہے تو بقا کا محتاج ہے جو اس کی مدت ہے، کیونکہ بغیر بقا کے کوئی باقی نہیں ہوسکتا، اگر (باقی نہیں بلکہ) بقا ہے تو اسے بھی اپنے ساتھ کسی باقی کی ضرورت ہے، اور یہ امور اضافی و نسبی میں سے ہے، مدت تو بقا ہی ہے، جو لامحالہ باقی کی محمول وصفت ہے، نہ اس کے سوا کوئی بات عقل میں آسکتی ہے اور نہ سوائے اس کے اور کسی امر پر کوئی دلیل قائم ہوسکتی ہے۔

مدت اور اضافہ :

جس زمان کا وہ ذکر کرتے ہیں ان سے دریافت کیا جائے کہ آیا جب سے فلک حادث ہوا اس وقت سے ہمارے زمانے تک اس کی مدت اتصال میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں اگر وہ کہیں کہ اس سے اس کی مدت میں کچھ اضافہ نہیں ہوا، تو یہ ہٹ دھرمی ہوگی کیونکہ وہ ایسی مدت ہے جو اس کے متصل ہے اور اس کی طرف مضاف ہے اور عدد کا عدد پر اضافہ ہے۔

طول مدت :

اگر کہیں کہ اس سے اس کی مدت میں اضافہ ہوگیا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ جب یہ مدت زیادہ طویل ہے تو آیا یہ قبل اضافہ طویل ہے یا اضافہ شامل ہونے کے بعد طویل ہوئی، اگر کہیں (کہ یہ مدت اس وقت زیادہ طویل ہے جب کہ) یہ اور اس کے ہمراہ اضافہ و زیادت بھی ہے، تو انھوں نے نہایت و حد کو ثابت کردیا، کیونکہ جس شے کی نہایت نہیں ہوتی تو اس میں نہ زیادت ہوتی ہے نہ کمی، نہ کوئی شے اس کے مساوی ہوتی ہے۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم اور نہ خود اس میں کبھی کوئی تفصیل ہوتی ہے، نہ وہ اپنی ذات کے مساوی ہے اور نہ اپنی ذات سے زیادہ اور نہ اپنی ذات سے کم،

اگر کہیں کہ وہ اور اس کے ساتھ زیادت مل کر بھی اس سے زائد نہیں ہوا جتنا کہ وہ قبل زیادت تھا تو انھوں نے یہ ثابت کردیا کہ ایک شے اور اس کے ساتھ ایک اور شے مل کر بھی اس شے سے زیادہ نہیں، جب کہ وہ شے تنہا تھی، اور یہ باطل ہے،

جنس و فصل سے ترکیب :

وہ کہتے ہیں کہ خلا اور زمان مطلق دو جداگانہ چیزیں ہیں، ان سے کہا جائے کہ جب ان دونوں کی یہ حالت ہے تو پھر ان میں سے ایک دوسرے سے جدا کس چیز سے ہوا اگر کہیں کہ کسی چیز سے جدا ہوگیا۔ تو خواہ وہ جس چیز کو چاہیں بیان کریں، مگر انھوں نے جنس و فصل سے ان دونوں کی ترکیب ثابت کردی،

اطلاق عدد :

ان دونوں (یعنی خلا و زمان مطلق) کے لیے فرق کرنے کے واسطے دو چیزوں کا ذکر کرنا ان لوگوں کا ان دونوں پر عدد کا اطلاق کرنا ہے، حالانکہ عدد جو ہے وہ متناہی و محصور ہے، اور ہر محصور پر طبیعت کا حکم چلے گا اور جس پر طبیعت کا حکم چلے گا وہ متناہی ہوگا، لامحالہ

تعالیٰ شانہ :

باری تعالیٰ کی شان میں اگر ہمیں وہی الزام دینا چاہیں جیسا ہم نے انھیں اس سوال میں دیا ہے، اور کہیں کہ "کون اکثر ہے" آیا باری

تعالیٰ تنہا یا باری تعالیٰ مع اپنی مخلوق کے؟۔ تو ہم کہیں گے کہ برہان ضروری سے یہ سوال ہی فاسد ہے، اس لیے کہ یہ برہان محض زمان اور جو زمان سے جدا نہ ہوسکے اور اجسام نامیہ کے حدوث کے وجوب پر ہے، نہ باری تعالیٰ عدد ہے نہ بعض عدد، نہ وہ معدود ہے اور نہ بعض معدود، اس لیے کہ واحد عدد نہیں ہوتا، جس کی دلیل ان شاء اللہ ہم اسی کے متصل باب میں بیان کریں گے۔

واحد حقیقی :

واقعہ یہ ہے کہ حقیقی واحد سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں، بس وہی ایک ذات ہے جو قطعاً بے پرواہے اور جو ماسوا میں شامل نہیں ہوگا، کیونکہ کوئی عدد اسے ایسی شے کے ساتھ جمع نہیں کرسکتا جو اس کے سوا ہو، اور نہ کوئی صفت، اللہ کے سوا جس شے پر بھی ’’واحد‘‘ کا اطلاق ہوتا ہے وہ مجازی ہوتا ہے، حقیقی نہیں ہوتا، اس لیے کہ جب اسے تقسیم کیا جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کثیر ہے واحد نہیں ہے۔

واحد کثیر نہیں :

عالم میں عدد کا اطلاق اجسام اور اکائیوں پر ہوتا ہے، لیکن جو حقیقی واحد ہے وہ کبھی کثیر نہیں ہوتا، اور نہ اس میں کسی وجہ سے بھی کثرت پیدا ہوسکتی ہے، اس پر کسی وجہ سے بھی عدد کا اطلاق نہیں ہوتا، ورنہ وہ اس وقت واحد غیر واحد کثیر غیر کثیر ہو جائے گا، جو محال ہے، بے عقلی ہے، ممتنع ہے، اور اس کا کوئی امکان نہیں، یہ قطعاً ناممکن ہے، کہ واحد اول اپنے ماسوا کسی شے کی طرف مضاف ہو، نہ عدد میں، نہ کمیت میں، نہ جنس میں نہ صفت میں، نہ اور کسی معنی میں، وباللہ تعالیٰ التوفیق،

معیّت جناب باری :

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کرے ’’ **مایکون من نجوی ثلثة الاهور ابعهم ولا خمست الا هو سادسهم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا هو معهم اینما کانوا** ‘‘ (تین آدمی کی کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی کہ اللہ ان میں کا چوتھا نہ ہوتا ہو اور نہ پانچ آدمی کی کہ وہ ان میں کا چھٹا نہ ہوتا ہو، اور نہ اس سے کم کی اور نہ اس سے زیادہ کی کہ وہ اس کے ساتھ نہ ہوتا ہو، وہ جہاں کہیں بھی ہوں) ’’**رابعهم وسادسهم** ‘‘ کے معنی صرف یہ ہیں کہ ان نے ان میں اپنا فعل کیا، اور وہ یہ کہ اس نے انھیں چار اور چھ ان کا احاطہ کر کے بنایا نہ کہ اپنی ذات کو ان میں شامل کر کے، یا یہ معنی ہیں کہ وہ انھیں چار یا چھ ایسی قدرت سے بناتا ہے جس سے ان کی نگرانی کرتا ہے۔

اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس آیت سے مطلب بغیر کسی اختلاف بلکہ بداہت عقل سے ہر سننے والے کے نزدیک یہ ہے کہ ’’لوگوں کی سرگوشی تک اللہ سے پوشیدہ نہیں‘‘ اور یہی تصریح آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو سرگوشی کرنے والوں کی سرگوشی کے ذکر سے شروع کیا ہے، مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ لوگوں کی سرگوشی کو جانتا ہے، نہ یہ کہ اس کی ذات بھی ان لوگوں کی ذات کیساتھ شمار میں ہے، اللہ اس سے بری ہے،

یہ محال و ممتنع ہے، اعداد و معدودین کے رتبے سے خارج ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے وقت واحد میں تین آدمیوں کے ساتھ ہند میں معدود (وشمار) ہو، تین آدمیوں کے ساتھ سندھ میں، تین آدمیوں کے ساتھ عراق میں، تین آدمیوں کے ساتھ چین میں، اگر ایسا ہوتا تو لامحالہ ہند کے وہ لوگ جن کا وہ چوتھا ہے، چین کے ان تین آدمیوں کے ساتھ کہ وہ وہاں جن کا چوتھا ہے یہ سب مل کر آٹھ ہوتے اس صورت میں اللہ تعالیٰ دو یا زیادہ ہوتے اور یہ محال ہے، اسی طرح جب وہ اپنی ذات سے اس جگہ پانچ کا چھٹا ہوتا تو یہ چھ ہو جاتے، اور اس جگہ تین کا

چوتھا ہوتا تو وہ چار ہو جاتے، اور یہ سب مل کر دس ہو تے۔ اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ دو ہو تے،

اسی طرح اس آیت میں اس کا یہ کہنا کہ " **الا هو معهم اينما كانوا** "(مگر وہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں)، مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے احاطے سے ان کے ساتھ ہے، نہ کہ اپنی ذات سے، اس نے **اَیْنِیَّت** (مقامیت) کو محض لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ اپنی طرف، اس لیے کہ یہ محال ہے کہ وہ بذاتہ دو مکانوں میں ہو، بس ان لوگوں کا اعتراض باطل ہوگیا، **الحمد لله رب العالمين كثيرا**

باری تعالیٰ معدود نہیں :

کسی کہنے والے کا ''اللہ ورسولہ'' کہنا، یا ''اللہ وعمر'' کہنا، ان امور سے نہیں ہے جن سے ہم پر اعتراض کیا جائے، اس لیے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے نام کو کسی دوسرے کے نام کے ساتھ ملانے کو منع نہیں کیا ہے، اسم (نام) تو ایک کلمہ ہے، جو حروف ہجاء سے مرکب ہے، ہم نے تو صرف اس کی ذات کو اس کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ شمار کرنے کو منع کیا ہے۔ اس لیے کہ عدد (وشمار) ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ کسی ایک ہی قضیے میں جمع کرنا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی ہرگز کوئی شے جامع نہیں، اللہ عزوجل سے عدد کی نفی کرنا صحیح ہے، اور جب اس سے عدد کی نفی صحیح ہوگئی تو یہ بھی صحیح ہوگیا کہ وہ ہرگز معدود بھی نہیں، **والحمد لله رب العالمين .**

موجودات تحت مقولات :

ان لوگوں سے یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ آیا یہ دونوں اجناس وانواع کے تحت واقع ہیں یا نہیں وہ مقولات عشر کے تحت بھی واقع ہیں یا نہیں، (مقولات عشر میں ایک جوہر ہے اور نو عرض ہیں، کیف، کم، این، متی، اضافت، وضع، فعل، انفعال، ملک)، اگر کہیں کہ ''نہیں'' تو انہوں نے ان دونوں کی قطعاً نفی کر دی اور دونوں کو معدوم کر دیا، اس لیے کہ موجودات میں سے کوئی شے ایسی نہیں جو ان مقولات عشر اور اجناس وانواع کے تحت نہ واقع ہو، سوائے حق تعالیٰ اول، واحد، خالق، عزوجل کے جس کا علم ضروری دلائل سے ہوا اور انہیں دلائل سے اس کا انواع واجناس ومقولات عشر سے خارج ہونا واجب ہوا،

بہر حال وہ چاہیں یا انکار کریں مگر خلا وزمان مطلق جن کا ذکر کیا جاتا ہے اگر وہ موجود ہیں تو لامحالہ وہ جنس کمیت وعدد کے تحت ہوں گے، جب یہ ایسا ہے تو وہ زمان جسے ہم اور وہ دونوں جانتے ہیں اور وہ زمان جس کا وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، یہ دونوں زمان جنس متی کے تحت واقع ہوں گے۔

اسی طرح وہ مکان جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں، اور وہ مکان جس کو ہم اور وہ دونوں جانتے ہیں، یہ دونوں جنس ''این'' کے تحت واقع ہوں گے۔

یہ بھی ضرور واجب ہے کہ ایک جنس کے تحت والی ایک چیز کو جو ایسی چیز لازم ہوگی جس کی وجہ سے وہ اس جنس کے تحت ہے لامحالہ وہ چیز اس جنس کے ہر ماتحت کو لازم ہوگی، جب اس میں کوئی شک نہیں ہے تو یہ دونوں مرکب ہوئے، اور نہایت وحد بھی ان میں ضرور موجود ہے اس لیے کہ تمام مقولات ایسے ہی ہیں (یعنی سب متناہی ہیں)

مکان محتاج زمان :

جب مکان کے لیے بدیہی طور پر ایسی مدت ضروری ہے جس میں وہ پایا جائے، تو اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ آیا یہ مدت وہی

زمان ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو، یا وہ مرکب اور ہے۔ اگر یہ مدت وہی زمان ہے تو وہ مکان کا زمان ہوگا، اور وہ مکان میں محمول ہوگا، اور جس طرح زمان والی چیزوں کے لیے زمان ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی ہوگا کوئی فرق نہ ہوگا،

اگر یہ مدت (وہ زمان نہیں جس کا تم دعویٰ کرتے ہو) کوئی اور ہے تو یہاں ایک تیسرا زمان ہوا جو اس مکان کی مدت کے علاوہ ہوگا، نیز اس زمان کے بھی علاوہ ہوگا جس کو ہم اور وہ جانتے ہیں، یہ سب ایسے وسوسے ہیں جن کے دعویٰ کرنے سے ہر وہ شخص نہیں عاجز ہوتا جو اس کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا کہتا ہے، اور نہ وہ رسوائی سے شرماتا ہے،

ان سے کہا جائے گا کہ جب وہ مکان و زمان جن کا تم دعویٰ کرتے ہو، وہ مکان و زمان معہود کے ساتھ ایک جنس اور ایک حد کے تحت واقع نہیں ہیں، تو تم نے ان کا نام مکان و زمان کیوں رکھا، ان دونوں کا کوئی مخصوص و جداگانہ نام کیوں نہ رکھا کہ دور رہتے اور اسمائے مشترکہ کے ساتھ ملانے سے جو تلبیس اور سفسطہ (مغالطہ) پیدا ہو گیا یہ بھی نہ ہوتا۔

اگر یہ دونوں مکان و زمان بھی جن کا تم دعویٰ کرتے ہو مکان و زمان معہود کے ساتھ ایک ہی حد کے تحت ہیں تو پھر کھلم کھلا تمہارا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ یہ زمان و مکان، زمان و مکان معہود کے علاوہ ہیں، وباللہ التوفیق،

نیز ان سے ان غیر معہود مکان و زمان کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ آیا وہ دونوں فلک کے اندر ہیں یا باہر اگر کہیں کہ اندر ہیں تو پھر خلا ہی ملا بن گیا، اور مکان متمکن (یعنی مکین) کے اندر ہو گیا، اور یہ محال ہے، اور زمان بھی وہ ہوگا کہ اس کے سوا کوئی نہ معلوم ہوگا،

اگر وہ کہیں کہ یہ غیر معہود زمان و مکان فلک کے باہر ہیں، تو انھوں نے فلک کے بیرونی حصے کی طرف سے ان مکان و زمان کی ابتدائی حد ثابت کر دی (حالانکہ وہ انھیں غیر محدود و غیر متناہی مانتے تھے)

اگر وہ کہیں یہ دونوں نہ باہر ہیں نہ اندر ہیں، تو یہ ایسا دعویٰ ہے جو محتاج دلیل ہے، اور اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہذا یہ باطل ہے،

دعوے بے دلیل :

اگر وہ کہیں کہ تم لوگ بھی تو باری تعالیٰ کے بارے میں یہی کہتے ہو (کہ نہ وہ فلک کے اندر ہے نہ فلک کے باہر) تو ہم کہیں گے کہ ہاں، کیونکہ اس کے وجود پر تو برہان قائم ہے، جب اس کا وجود ثابت ہو گیا کہ نہ وہ اندر ہے نہ باہر نہ داخل ہے نہ خارج، تو یہی اس پر دلیل قائم ہو گئی کہ عالم کی ہر چیز کا اس کے خلاف ہونا ضروری ہے، تم لوگ جس خلا و زمان کا دعویٰ کرتے ہو اس کی صحت پر تمہارے پاس کوئی برہان ہی نہیں اس لیے تمہارا کلام محض دعویٰ ہی دعویٰ رہ گیا، وباللہ التوفیق.

ملحدوں کی بے علمی :

ہم نے ان لوگوں کا نہ تو کوئی سوال پایا، نہ کبھی دلیل لائے کہ ہم اسے ان کی جانب سے پیش کرتے نہ ہم نے ان کی کوئی اور بات ایسی پائی جس سے ازلیت خلا و مدت میں فریب دینا ممکن ہو اور جس کو ہم ان کی جانب سے وارد کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ بیدار نہ ہوتے یہ محض ایک رائے ہے جس میں انہوں نے قدمائے ملحدین کی پیروی کی ہے اور بس وباللہ التوفیق.

استدلال بالمحال:

وہ خلا جس کا نام انہوں نے مکان مطلق رکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ غیر متناہی ہے اور ایسا مکان ہے جس میں متمکن (مکین) ہو سکتا ہے۔ اس میں ایک برہان ضروری ہے جس سے مفر نہیں اس سے یہ سب باطل ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کی دلیل ملمع جس سے انھوں نے طمع

کاری کی اور فریب دے کے خلا ثابت کرنا چاہا، یہ ہے کہ ''ہم دیکھتے ہیں کہ زمین، پانی اجسام خاکی، پتھر کی چٹانیں، پارہ اور ان کے مثل چیزوں کا طبعی میلان ہمیشہ اسفل کی طرف ہے، اور انھیں وسط و مرکز کی تلاش ہے، یہ اپنی اس طبیعت کو کبھی ترک نہیں کرتیں، بلند تو ہوتی ہیں مگر ایسی زبردستی سے جو ان پر غالب آ جائے، اور ان پر اثر کرے، جیسے ہمارا پانی یا پتھر کو اٹھانا، جب ہم ان دونوں کو اٹھاتے ہیں تو اٹھ جاتے ہیں اور جب ہم چھوڑ دیتے ہیں تو یہ دونوں اپنی طبیعت کی طرف اسفل میں پلٹ جاتے ہیں، بلندی کی طرف جانا، مرکز اور وسط سے دور رہنا یہ ہم آگ اور ہوا کی طبیعت میں پاتے ہیں، یہ دونوں اپنی اس طبیعت کو بغیر کسی جبری حرکت کے جو ان پر غالب آ جائے، ترک نہیں کرتے، یہ امر مشاہدے سے علانیہ نظر آتا ہے، جیسے ہوا بھری ہوئی مشک اور خول والا برتن پانی میں قائم رہتا ہے ڈوبتا نہیں، اس لیے کہ ہوا اسے روک رہی ہے، جب یہ جبری حرکت زائل ہو جاتی ہے تو یہ دونوں اپنی طبیعی حالت پر لوٹ آتے ہیں،

ہم ایک ایسا برتن پاتے ہیں جس کا نام سارقۃ الماء (پنچورہ) ہے کہ اس میں پانی اوپر چڑھتا رہتا ہے اور ٹپکتا نہیں، زراقہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی اور پارے اور پانی کو اٹھا لیتا ہے،

جب کنواں کھودتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ ہوا سے بھرا ہے ہوا اس وقت نیچے ہوتی ہے، پچھنے (یا سینگی) کو دیکھتے ہیں کہ جسم خاکی کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

یہ سب دو میں سے ایک ہی وجہ سے ہوتا ہے جس کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی، یا بالکل خلا کا نہ ہونا (جیسا کہ خود ہم لوگ کہتے ہیں) یا اس لیے کہ طبیعت خلا ان اجسام کو اپنی طرف کھینچتی ہے، جیسا کہ وہ لوگ کہتے ہیں جو خلا کو مانتے ہیں،

مگر ہم نے اس کو دعویٰ بلا دلیل پایا، لہذا وہ ساقط ہو گیا،

دوبارہ غور کیا تو ہم نے اسے انھیں پر عائد پایا، اس لیے کہ جب اجسام جذب ہو گئے اور کھنچ گئے تو ملا ہو گیا (خلا کہاں رہا)، ملا تو حاضر و موجود ہے، اور خلا کا محض دعویٰ ہے، جس پر کوئی برہان نہیں، لہذا ساقط ہو گیا، اور عدم خلا ثابت ہو گیا،

یہ تو مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلا نہیں ہے، نہ ہمیں حس سے معلوم ہو سکتا ہے نہ عقل سے حتی کہ تو ہم بھی اس کا امکان محسوس نہیں کرتا کہ کبھی کوئی ایسا مکان ہو جو متمکن سے خالی ہو، لہذا بدیہی طور پر ملاء ثابت ہو گیا اور خلا باطل ہو گیا، اس لیے کہ نہ تو خلا پر کوئی دلیل قائم ہوئی اور نہ وہ کبھی محسوس ہوا، و بالله التوفيق .

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہارے قول کے مطابق فلک سے باہر خلا ہے تو یا تو یہ اسی خلا کی جنس سے ہو گا جس کو تم بتاتے ہو کہ وہ اپنی طبیعت سے اجسام کو کھینچتا ہے یا کسی دوسری جنس سے ہو گا، ان دو وجہوں میں سے ایک ضروری ہے، کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی،

اگر وہ کہیں کہ وہ خلا اسی خلا کی جنس سے ہے جو اجسام کو جذب کرتا ہے، (اور یہی ان کا قول ہے) تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ اس خلا کی طبیعت، جو تمام طبائع پر غالب ہے، یہ ہے کہ وہ متمکنات سے اپنی طرف جذب کرتا ہے ان سے بھر جاتا ہے یہاں تک کہ قوائے عناصر کو اپنی طبائع سے پھیر دیتا ہے (کہ وہ پستی سے بلندی کی طرف چلی جاتی ہیں) لہذا واجب ہو گیا کہ وہ خلا جو بیرون فلک ہے وہ بھی ایسا ہی ہو، کیونکہ اس کی طبیعت اور جنس کی یہی صفت ہے، اس سے بالبداہت یہ لازم آیا کہ اس میں بھی کوئی متمکن ہو اور یہ ضروری ہے کیونکہ اس میں بھی جذب اجسام کی قوت ہے)، جب یہ ہو گیا، اور اس خلا کی ان کے نزدیک نہایت نہیں ہے، تو اس جسم کی جو اُسے بھر رہا ہے کوئی نہایت نہ ہو گی،

ہم پہلے ہی دلائل بدیہیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ ایسے جسم کا وجود ناممکن ہے جس کی نہایت نہ ہو، لہذا خلا باطل ہے، نیز اگر ایسا ہوگا تو ملا ہوگا نہ کہ خلا، اور یہ ان کے قول کے خلاف ہے۔

اگر وہ کہیں کہ یہ خلا اس خلا کی جنس سے نہیں ہے، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اسے کیسے پہچانا اور اس پر استدلال کیا یہ کیسے لازم آیا کہ تم اسے خلا کہو، حالانکہ وہ خلا نہیں ہے یہ وہ اعتراض ہے جس سے کوئی مفر نہیں **وباللہ التوفیق** ۔

اس مسئلے میں یہ لوگ اور وہ برابر ہیں جو برابر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ”اس عالم سے باہر کے مکان میں کچھ لوگ ہیں جن کی وہ حد (تعریف) نہیں ہے، جو حد اس عالم کے لوگوں کی ہے، اور نہ وہ ان لوگوں کے سے ہیں“ یا جو یہ کہتے ہیں کہ ”بیرون فلک ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو اس آگ کی جنس سے نہیں ہے“ حالانکہ یہ سب حماقت وبیہودگی ہے۔

کیا مدبر وفاعل عالم ایک سے زائد ہیں؟

فلسفہ مجوس :

فاعل وخالق عالم کے ایک سے زائد ماننے والوں کے چند فرقے ہیں، یہ سب فرقے دو فرقوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ایک فرقے کا مذہب یہ ہے کہ عالم کا مدبر سوائے اللہ کے کوئی اور ہے، سیارات سبعہ کو مدبر اور ازلی مانتے ہیں، اور یہ لوگ مجوس (پارسی) ہیں، متکلمین نے ان سے نقل کیا ہے کہ ”جب باری تعالیٰ کی تنہائی دراز ہوگئی تو وہ گھبرانے لگا، گھبرانے میں کوئی بری فکر کی جو مجسم ہوگئی اور ظلمت میں بدل گئی، اس سے اہرمن پیدا ہوا، اور یہی ابلیس ہے، باری تعالیٰ نے اسے اپنی ذات سے دور رکھنا چاہا مگر قادر نہ ہوسکا تو اس نے نیکیاں پیدا کر کے اس سے کنارہ کشی اختیار کی، اور اہرمن نے بدی وشر پیدا کرنا شروع کر دیا“ اس امر میں بہت سی بدحواسی کی باتیں ہیں، یہ وہ امر ہے جسے مجوس نہیں جانتے، ان کا ظاہری قول یہ ہے کہ باری تعالیٰ تو ”اورمن“ ہے اور ابلیس ”اہرمن“ ہے، اور ”کام“ مکان ہے، اور ”جام“ مکان ہے، اور یہی خلا بھی ہے، اور نوم جوہر ہے، اور یہی ہیولیٰ ہے، اور نیز یہی طینت وخمیر ہے، اور یہ پانچوں ازلی ہیں، اور اہرمن فاعل شرور ہے اور ”اورمن“ فاعل خیرات، اور نوم مفعول ہے جس میں یہ سب (خیر وشر) ہے۔

اور ہم نے اس مقالے کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں ہم نے محمد بن زکریا الرازی طبیب کے کلام کا رد جمع کیا ہے اس کتاب کا نام ”العلم الالٰہی“ ہے۔

مجوس روشنی، آگ اور پانی کی تعظیم کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ وہ زردشت کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں، اور اپنی شریعت کو زردشت کی طرف منسوب کرتے ہیں،

مزدک کی تعلیم :

ان میں ایک فرقہ مزدکیہ ہے، یہ لوگ مزدک کے متبع ہیں جو مجوسیوں میں ایک مذہبی پیشوا گزرا ہے ایسے پیشواؤں کو ان کی اصطلاح میں ”موبذ“ کہتے ہیں۔

اشتراکیت :

پیروان فرقہ مزدکیہ کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ کمائے اکتساب کرے، اس میں سب کا حق برابر برابر ہے، یہ لوگ عورتوں میں بھی مساوات کے قائل ہیں، کہ ہوا پانی کی طرح عورتیں بھی ''ملک مشاع'' ہیں ہر ایک مردان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے،

خرمیہ :

بابک خرمی (جو خلیفہ معتصم باللہ العباسی کے ہاتھوں قتل ہوا) مزدک ہی کا ہم عقیدہ تھا، اس کے پیرو (جو اسلام کو مٹا کے ایرانی مجوسی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے) اسی مساوات واشتراکیت کا عقیدہ رکھتے تھے، خرمیہ بھی فرقہ مزدکیہ کی ایک شاخ ہیں۔

اسماعیلیہ :

فرقہ اسماعیلیہ جو اسماعیل بن جعفر صادق کی امامت کا قائل ہے ان کے مذہب کا راز بھی فرقہ خرمیہ ہی کی تعلیم ہے، اور وہیں سے انھوں نے اپنے اصول اخذ کیے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو قرامطہ اور بنی عبید اور ان کے عنصر کے قول پر ہیں۔

صابیہ :

جو کہتے ہیں کہ مدبر عالم ایک سے زائد ہیں، انھیں میں ''صابی'' بھی ہیں، یہ لوگ قدامت اصلین کے قائل ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے مجوس کا قول بیان کیا ہے کواکب سبعہ کی تعظیم کرتے ہیں، بارہ بروج کے قائل ہیں۔ اپنے بت خانوں میں ان کی تصویر بناتے ہیں۔ قربانیاں چڑھاتے ہیں۔ عود کی دھونی دیتے ہیں۔ رات دن میں ان کی بھی پانچ نمازیں ہیں جو مسلمانوں کی نمازوں سے ملتی جلتی ہیں، رمضان کے روزے بھی رکھتے ہیں، اپنی نماز میں کعبے اور بیت الحرام کی طرف رخ کرتے ہیں مکے و کعبے کی تعظیم کرتے ہیں، مردار اور خون اور سور کے گوشت کو حرام سمجھتے ہیں، ان رشتہ دار عورتوں کو بھی حرام سمجھتے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں۔

اسی طریقے پر ہندو بھی بت خانوں میں عمل کرتے ہیں۔ ستاروں کے نام کی تصویریں بناتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔

عرب میں بتوں کی بنیاد یہی ہوئی اور سودان بھی یہی کرتے ہیں پہلے تعظیم کی گئی پھر امتداد زمانہ سے نوبت اس کی آئی کہ ان تصاویر کی عبادت کرنے لگے۔

صابیوں کا مذہب روئے زمین میں قدیم ترین اور تمام دنیا پر غالب تھا، یہاں تک کہ اس میں نئی نئی باتیں ایجاد کر لیں اور اس کے طریقے بدل دیئے، اللہ عزوجل نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو اس دین اسلام کے ساتھ جس پر آج ہم لوگ ہیں، اور اس مبارک ملت حنیفہ کی تصحیح کے لیے مبعوث کیا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی ہے حسب تصریح قرآن ان لوگوں نے کہ تعظیم کواکب وعبادت اصنام ایجاد کر لی تھی اس کے بطلان کو حضرت ابراہیم نے صاف صاف بیان کیا اس تبلیغ حق کے سلسلے میں ان لوگوں کی جانب سے وہ مصائب پیش آئے جن کی تصریح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں فرمائی ہے، وہ لوگ اس زمانے میں اور اس کے بعد حنفا کہلاتے تھے اب بھی ان میں سے کچھ لوگ حران میں باقی ہیں، اگرچہ بہت کم ہیں، بااین ہمہ یہ بھی ایک فرقہ ہے۔

نصاریٰ بھی ایک وجہ سے اس فرقے میں داخل ہیں اور دوسری وجہ سے اس سے خارج ہیں، جس وجہ سے وہ لوگ داخل ہیں وہ ان کا تثلیث کا قائل ہونا اور یہ کہنا ہے کہ مخلوق کے خالق تین ہیں۔

اور جس وجہ سے وہ اس فرقے سے خارج ہیں وہ یہ ہے کہ صابی اپنی شریعت کو ہُرمس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی ادریس تھے اور ایک اور جماعت کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں جن کو وہ انبیاء بتاتے ہیں، جیسے ایلون (اور کہتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام تھے)اور جیسے اسقلا نیوس صاحب الہیکل الموصوف اور عاظیمون اور بوذاسف وغیرہم اور نصاریٰ ان لوگوں کو نہیں پہنچانتے وہ اس نبی کی نبوت کو مانتے ہیں جو بنی اسرائیل میں سے ہو ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کا بھی اقرار کرتے ہیں اسماعیل وصالح وہود وشعیب کی نبوت کو نہیں مانتے اور نبوت محمدؐ کا بھی انکار کرتے ہیں صابئین ان میں سے کسی کی بھی نبوت کو قطعاً نہیں مانتے، اسی طرح مجوس بھی سوائے زردشت کے کسی کو نبی نہیں جانتے۔

فرقہ ثانیہ کا مذہب یہ ہے کہ عالم کے مدبرین تو ہیں اور ان کے سوا کوئی (خالق نہیں ہے یہ دیصائیہ مزقونیہ اور مانیہ ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ طبائع اربعہ (عناصر اربعہ) جب کہ وہ بسیط یعنی غیر مرکب تھے ازلی ہیں پھر امتزاج پیدا ہوا، پھر ان (طبائع کے امتزاج سے عالم نکلا۔

مانی کا فلسفہ :

مانیہ کہتے ہیں کہ اصلین (دو اصل)ازلی ہیں، اور یہ دونوں نور اور ظلمت (تاریکی و روشنی) ہیں، اور نور وظلمت زندہ ہیں، یہ دونوں ہر سمت سے غیر متناہی ہیں سوائے اس سمت کے جس میں دونوں باہم ملتے ہیں، اپنی پانچ سمتوں میں غیر متناہی ہیں، نور وظلمت دو جسم ہیں۔

ان لوگوں نے امتزاج وترکیب کے جو طریقے بیان کیے ہیں وہ بھی مثل خرافات کے ہیں اس فلسفے کے قائل پیروان مانی ہیں۔

ویصان کا بیان :

متکلمین کہتے ہیں کہ ویصان مانی کا شاگرد تھا یہ غلط ہے بلکہ ویصان مانی سے پہلے گزرا ہے اس لیے کہ مانی نے اپنی کتابوں میں ویصان کا ذکر کر کے اس کو رد کیا ہے یہ دونوں امور مذکورہ بالا میں متفق ہیں، سوائے اس کے کہ مانی کے نزدیک ظلمت زندہ ہے اور ویصان کہتا ہے کہ وہ مردہ ہے۔

مانی کے واقعات :

مانی حران کا راہب تھا اسی نے یہ دین ایجاد کیا، جس شخص نے اسے قتل کیا وہ بادشاہ بہرام بن بہرام تھا واقعہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے سامنے قطع نسل اور تعجیل فراغ عالم کے مسئلے میں آذرباذ بن مارکسفند موبذ موبذان نے مانی سے مناظرہ کیا کہ تمہیں تو کہتے ہو کہ نکاح حرام ہے تا کہ عالم جلد فنا ہو جائے اور ہر شکل اپنی شکل کی طرف لوٹ جائے اور یہ حق وواجب ہے۔

مانی نے اسے جواب دیا کہ "نسل کو جس میں (نور وظلمت کا) امتزاج ہے قطع کر کے نور کی اس کی رہائی میں مدد کرنا واجب ہے" آذرباذ نے جواب دیا کہ "تب تو یہ حق وواجب ہے کہ سب سے پہلے تمہیں کو وہ رہائی دی جائے جس کی تم دعوت دیتے ہو اور اس امتزاج مذموم کے باطل کرنے میں تمھاری مدد کی جائے"

مانی لاجواب ہو گیا۔

بہرام نے مانی کے قتل کا حکم دے دیا۔ وہ اور اس کے ساتھ کی ایک جماعت قتل کر دی گئی۔

یہ لوگ قربانی اور ایذائے حیوان کو نامناسب سمجھتے ہیں اور انبیا علیہم السلام میں سے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی کو نہیں جانتے۔

زردشت کی نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ اور مانی کی نبوت کے بھی قائل ہیں۔

فرقہ مزقونیہ :

مزقونیہ بھی یہی کہتے ہیں اس پر مستزاد یہ قرار دیتے ہیں کہ نور وظلمت بھی ازلی ہیں، اوران کے درمیان ایک تیسری چیز بھی ازلی ہے، مگر یہ سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ ان اصول (یعنی نور وظلمت) نے کوئی چیز پیدا نہیں کی جو ان کے علاوہ ہو البتہ ان کے امتزاج اوران کے اجزا سے بذریعہ تغیر وتبدل عالم کی تمام صورتیں پیدا ہوگئیں۔

یہ تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ فاعل و خالق ایک سے زائد ہیں۔ اگرچہ عدد وصفت و کیفیت عقل واحکام شرائع میں ان میں اختلافات ہیں۔

ہمارا یہ کلام مختصر ہے جس میں قواعد استدلال و براہین ضروریہ اوران نتائج کے استیعاب واحاطہ کا مقصد ہے جو مقدمات اولیہ صحیحہ سے پیدا ہوتے ہیں فضول ولایعنی اموراور ایسی تطویل سے بچنے کا قصد ہے جس کے بغیر بھی کفایت ہوسکتی ہے، اللہ کی مدد سے ہماری کوشش یہی ہوگی کہ براہین ضروریہ سے یہ ثابت کردیں کہ فاعل قطعاً ایک ہے، نہ کہ ایک سے زائد ایک سے زائد ہونے کے بطلان کو اچھی طرح واضح کردیں گے، جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے کرچکے ہیں اور دلائل بدیہیہ سے واضح کرچکے ہیں کہ عالم حادث ہے جو پہلے نہ تھا پھر ہوا اس کا ایجاد کرنے والا مدبر ازلی ہے۔

ان لوگوں کی وہ خرافات جو انھوں نے فاعلین کے وصف اوران کے افعال کی کیفیت کے بارے میں بیان کی ہیں جو مقدمات فاسدہ کی طرف منسوب ہیں وہ سب ساقط ہوگئیں، کیونکہ صفت تو موصوف ہی کے لیے ہوتی ہیں جب موصوف باطل ہوگیا تو صفت بھی باطل ہوگئی جس سے انھوں نے اسکو موصوف کیا تھا۔

رہا ان کے احکام شرعیہ کے جواب میں مشغول ہونا تو ہم اس کے درپے نہ ہوں گے اس لیے کہ شرائع علیہ میں کوئی شے ایسی نہیں جس کو عقل ضروری بتائے اور نہ کوئی شے ایسی ہے جس کا عقل انکار کرے بلکہ یہ سب "باب ممکن" سے ہیں، جب ان شرائع کے حکم دینے والے کے قول پر اوراس کی اطاعت کے وجوب پر دلائل ضروریہ قائم ہوجائیں تو حکم دینے والے کے ہر ایک حکم کا قبول کرنا واجب ہے خواہ وہ کیسے ہی اعمال ہوں۔ ہم کو ہماری اولاد کو آباؤ وامہات کو چاہے قتل ہی کیوں نہ کرے پھر بھی ہمیں مجال اعتراض نہیں۔

جب ان شرائع کے حکم دینے والے کے قول کی صحت ہی ثابت نہ ہو اور نہ اس کی اطاعت کا وجوب ثابت ہو تو اس کے احکام کی کوئی پروانہ کی جائے گی، خواہ وہ کیسے ہی اعمال ہوں جو شریعت اس قاعدے کے خلاف ہو وہ باطل ہے لہذا ہمارا کلام باوجود اس فرق کے جو ہم نے بیان کردیا اس امر کے ثابت کرنے میں کہ فاعل اول واحد ہے نہ کہ زائد اور ایک سے زائد کے باطل کرنے میں ہوگا اور ہر فریب کو جسے اس کے بعد لائیں گے پارہ پارہ کردے گا اوراس شخص کو جس کو تھوڑا سا بیان کافی ہو تکلیف سے بچادے گا اور ہماری توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے سب سے پہلے ہم ان کے ان معتمد دلائل کو لاتے ہیں جن سے انھوں نے فاعل کے ایک سے زائد ثابت کرنے میں فریب کاری کی ہے پھر ہم اللہ کی مدد وقوت سے دلائل واضحہ سے اس کو توڑیں گے، اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا انشاءاللہ ایسے دلائل سے ثابت کرنا شروع کریں گے جن کا رد کرنا ممکن نہ ہوگا، اور نہ ان میں کوئی اعتراض ہوسکے گا، جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب کے گزشتہ مضامین میں کیا ہے، والحمدلله رب العالمين.

برہان فاسد :

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ سب سے معتبر بات جس پر فاعل کے ایک سے زائد ماننے والوں نے اعتماد کیا ہے دو استدلال فاسد ہیں ایک تو وہ ہے جو مانیہ، دیصانیہ، مجوس صابیہ مزدکیہ اور ان کے مذہب پر چلنے والوں کا استدلال ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ حکیم شر نہیں کرتا اور نہ وہ مخلوق کو پیدا کر کے کسی غیر کو اس پر مسلط کرتا ہے، یہ عیب ہے کہ اپنی چیز پر دوسرے کو مسلط کر دے ہم تمام عالم کو دو قسموں پر تقسیم پاتے ہیں کہ ان میں سے ہر قسم دوسرے کی ضد ہے مثلاً خیر و شر فضیلت و رذیلت حیات و موت صدق و کذب لہذا ہمیں معلوم ہوا کہ حکیم تو خیر ہی کرے گا اور وہی کرے گا جس کا کرنا اس کے لائق ہوگا اور ہمیں معلوم ہوا کہ شرور کا فاعل کوئی دوسرا ہے اور وہ بھی شرور ہی کی طرح شر ہے"

استدلال ثانی :

یہ ان لوگوں کا استدلال ہے جو سیارات سبعہ اور بارہ برج کے قائل ہیں، قائلین طبائع اربعہ بھی اسی کے معتقد ہیں، وہ استدلال یہ ہے کہ "ایک فاعل مختلف افعال جب ہی کرے گا جب ان چار میں سے کوئی ایک وجہ ہو۔

یا تو وہ مختلف قویٰ رکھتا ہو،

یا مختلف آلات سے کام لیتا ہو،

یا وہ مستحیل ہو کر (یعنی اپنی ایک حالت کو دوسری حالت سے بدل کر) کرے"

یا وہ مختلف اشیا کے ساتھ شامل ہو کر کرے،

جب یہ تمام وجوہ باطل ہیں، کیونکہ اگر ہم اس کے قائل ہوں گے کہ وہ قوائے مختلفہ سے کام لیتا ہے تو ہم اس پر یہ حکم کریں گے کہ وہ مرکب ہے۔ مرکب ہونے کی صورت میں وہ بھی مفعولات کا ایک فرد بن جائے گا۔

اگر یہ کہیں کہ وہ مستحیل ہو کے کرتا ہے تو لازم آئے گا کہ وہ اس شے سے منفعل اور اثر پذیر ہو جس نے اسے مستحیل کیا، اس سے بھی وہ مفعولات میں داخل ہو جائے گا۔

اگر یہ کہیں کہ وہ اشیائے مختلفہ کے ساتھ کرتا ہے تو لازم آئے گا کہ وہ اشیا بھی اس کے ساتھ ہوں، حالانکہ وہ ازلی ہے پھر یہ اشیا بھی ازلی ہوں گی اس طرح نہ وہ عالم کا موجد ہو سکے گا اور نہ اس کا فاعل یہ لوگ کہتے ہیں کہ "اسی سے ہم نے یہ جانا کہ بہت سے فاعل ہیں اگرچہ ایک وہ کرتا ہے جو اس کے موافق ہو"

بنیاد فساد :

سب سے معتبر بات یہی ہے جس پر منکرین توحید نے اعتماد کیا ہے حالانکہ یہ دونوں استدلال محض غلط ہیں جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں۔

یہ استدلال فرقہ مانیہ کا ہے کہ حکیم سے شر اور عبث (لغو) سرزد نہیں ہوتا، ایسے استدلال کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ علم کہ "یہ شے شر یا عبث ہے" دو وجہ کے سوا اس کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی یا تو تم نے اس بات کو بذریعہ خبر سن کر جانا ہوگا، یا عقل سے پہچانا ہوگا۔

اگر تم کہو کہ اسے بطور سماعت جانا، تو کہا جائے گا کہ آیا سننے کے معنی سوائے اس کے کچھ اور ہیں کہ مخلوق کے پیدا کرنے والے اور اس کے مرتب کرنے والے نے اس شے کا نام شر رکھا اور اس سے بچنے کا حکم دیا اور اس شے کا نام خیر رکھا اور اس کے کرنے کا حکم دیا اس کے جواب

میں ''ہاں ہی کہنا پڑے گا جب ایسا ہے تو ثابت ہوگیا کہ وہ ذات جس کا کوئی موجد نہ ہو نہ اس کا کوئی مدبر ہو نہ اس پر کوئی حاکم ہو اس کا کوئی فعل شر نہیں ہوتا، کیونکہ شر کے شر ہونے کا سبب تو یہی خبر دینا ہے کہ وہ شر ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ایسا مخبر نہیں ہے جس کی طاعت واجب ہو۔

اگر کوئی کہے کہ وہ ایسا کام کیوں کرے گا جس کے شر ہونے کی اس نے خود خبر دی تو اس سے کہا جائے گا کہ جیسا کہ مشاہدے میں ہے جسم سوائے حرکت وسکون کے کچھ نہیں کرتا۔ اس بارے میں کہ حرکت انتقال مکانی ہوتی ہے سب حرکت ایک ہی جنس کی ہے اس طرح تمام سکون بھی جنس واحد ہے اللہ تعالیٰ نے صرف یہی کیا کہ اس نے ہمیں بعض اشیا کے کرنے کا حکم دیا اور بعض کے کرنے سے منع کیا اس نے خود کوئی حرکت اس طور پر کبھی نہیں کی کہ وہ اس کے ساتھ متحرک ہوتا اور نہ کوئی سکون اس طور پر کیا کہ وہ اس کے ساتھ ساکن ہوتا اس نے تو حرکت وسکون کو بطور ایجاد کے کیا۔

ہم ایسی حرکت کے ساتھ متحرک ہوئے جس سے ہمیں منع کیا گیا تھا یا ایسے سکون کے ساتھ سکون کیا جس سے ہمیں منع کیا گیا تھا یہی شر ہے (یعنی ایجاد حرکت وسکون شر نہیں بلکہ ارتکاب حرکت وسکون ممنوع شر ہے) اسی طرح نفس کا وہ اعتقاد بھی شر ہے جس سے منع کیا گیا ہے یہ تمام وہ امور ہیں جن کا موصوف باری تعالیٰ نہیں ہے۔

اگر کہیں کہ ہمیں خیر وشر کا علم سننے سے نہیں بلکہ عقل کے ادراک سے ہوا تو بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ کیا عقل قوائے نفس میں سے ایک قوت نہیں ہے جو درحقیقت یا تو کیفیت کے تحت داخل ہے یا ایسے شخص کے قول کی بنا جسے عقل نہیں ہے جوھر کے تحت ہے بہرحال ''ہاں'' کے سوا چارہ نہیں پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ عقل تو محض اپنی ہی جیسی چیز کی کیفیات میں موثر ہوتی ہے وہ ان (کیفیات) کے خطا وصواب میں تمیز کرتی ہے ان کے احوال ومراتب کو پہنچانتی ہے لیکن اس چیز میں جو عقل سے بالاتر ہے یا اس چیز میں جس میں عقل برابر معدوم رہی یا عقل کے بنانے والے یا اس کے ترتیب دینے والے میں جیسا کہ وہ ہے ان سب میں تو عقل کی کوئی تاثیر نہیں کیونکہ اگر عقل اس میں بھی موثر ہوگی تو وہ حادث ہو جائے گا، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اثر باب اضافت سے ہے جو موثر کو چاہتا ہے اب یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ عقل کا منفعل ہو جائے گا اور عقل اس میں فاعل اور اس پر حاکم ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند وبرتر ہے۔

اسی کتاب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی شے کسی وجہ سے بھی باری تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہی کسی معنی یا حکم میں اپنی مخلوق کا قائم مقام ہے ہم نے اس شخص کے قول کا ابطال بھی ذکر کیا ہے جو بطور استدلال کے باری تعالیٰ کے نام پر حی یا حکیم یا قادر یا اس کی صفات میں سے اور کسی صفت پر نام رکھنے کو پیش کرتا ہے (کہ یہ صفات خالق کے حق میں حقیقی ہیں اور مخلوق کے حق میں مجازی یعنی جب مخلوق کو مثلاً حی کہا جائے تو اس کے اور معنی ہیں اور خالق کو حی کہا جائے تو اس کے اور معنی ہیں یہاں محض اشتراک لفظی ہے نہ کہ معنوی اس لیے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم نہیں آئی)۔

البتہ چار اسماء مخصوص ہیں یعنی اول، واحد، حق اور خالق فقط یہی ایسے نام ہیں کہ عالم میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی ان کا مستحق نہیں کیونکہ علی الاطلاق سوائے اس کے ہرگز کوئی اول نہیں نہ سوائے اس کے ہرگز کوئی واحد ہے۔ نہ سوائے اس کے ہرگز کوئی خالق ہے اور نہ سوائے اس کے علی الاطلاق ہرگز کوئی حق ہے۔

ہر وہ شے جو اللہ کے سوا ہے وہ باری تعالیٰ کی وجہ سے حق ہے کیونکہ اگر باری تعالیٰ نہ ہوتا تو کوئی شے عالم میں حق نہ ہوتی اور ہر وہ شے جو باری تعالیٰ کے ماسوا ہے وہ محض اضافی طور پر حق ہے اگر سچی خبر کے طور پر اللہ کے نام کانوں میں نہ پڑے ہوتے تو ان میں سے کوئی نام رکھنا

جائز نہ ہوتا لیکن ہم نے اسی کتاب میں اسی کے مقام پر بیان کیا ہے کہ کس چیز پر اس کا نام خبر وسماع، کے مطابق ہے ان سمائے حسنٰے سے سوائے اللہ کے کوئی اور مراد نہیں ہوسکتا اور نہ ان سے بجز اس کے کسی اور کی طرف ذہن رجوع ہوتا ہے،

وہ دلیل جس میں انھوں نے باری تعالیٰ کا نام رکھا اور اس دلیل کو اس پر جاری کیا یہ اقناعی ہے (یعنی نفس کو قناعت ہوجاتی ہے اور دوسری جانب کا احتمال منقطع نہیں ہوتا) اور شغبی وفریبی ہے اس میں خالق کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ ہے ان لوگوں کا اسے مخلوق سے تشبیہ دینا اس پر حدوث کا حکم لگانا اور فاعل کو مفعول بنانا ہے حالانکہ ہم اس کے قبل اس کا ابطال بیان کر چکے ہیں۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ اگر تم نے یہ مان لیا ہے کہ فاعل جو ہمارے نزدیک ہے وہ عابث (بے فائدہ کام کرنے والا) ہوگا اس سے تم نے یہ ثابت کردیا کہ فاعل عالم واحد ہے ہمیں معلوم ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کسی شے کا تارک (جو اس میں تغیر نہ کرے، حالانکہ وہ اس کے تغیر کرنے پر قادر ہے) وہ عابث وظالم ہے تمہارے نزدیک جو فاعل خیرات ہے اس سے خالی نہیں کہ وہ اس (شر) کی تغیر پر اور اس سے روکنے پر قادر رہے اس نے تغیر نہیں کیا تو وہ لامحالہ تمہارے نزدیک عابث ہوگیا تم اسی میں جا پڑے جس سے بھاگتے تھے۔

اگر تم کہو کہ نہ وہ اس (شر) کی تغیر پر قادر ہے اور نہ اس سے روکنے پر تو بلاشک وہ عاجز وضعیف ہے اور یہ تمہارے نزدیک بری صفت ہے اس استدلال کی وجہ سے تم نے یہ قول کیوں نہ ترک کردیا کہ وہ ایک سے زائد ہے کیونکہ تمھارے اصول ومقدمات کی بنا پر یہ زیادہ صحیح ہے اور ہمارے نزدیک تو تمہارا مقدمہ اسی دلیل سے فاسد ہے جو ہم نے بیان کی۔

نور وظلمت :

مانیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نور علو میں غیر متناہی مقام تک ہے اور ظلمت سفل میں غیر متناہی مقام تک ہے ان میں سے ہر ایک اس جہت سے متناہی المساحۃ (محدود) ہے جس جہت سے ایک دوسرے سے ملتا ہے بقیہ پانچ جہات میں غیر متناہی ہے لذت نور کے لیے مخصوص ہے ظلمت کے لیے نہیں ہے اذیت ظلمت کے لیے مخصوص ہے نور کے لیے نہیں ہے۔

بلندی وپستی :

پانچ جہات میں غیر متناہی ہونے کا قول تو انھیں دلائل سے فاسد ہے جن سے ہم نے جس عالم کا متناہی ہونا ثابت کیا ہے علو وسفل کے متعلق جو قول ہے اس کا فساد بھی ظاہر ہے اس لیے کہ سفل بھی اضافت ونسبت سے ہوتا ہے اور علو بھی۔

ہر علو اپنے سے بلند کے اعتبار سے سفل ہے یہاں تک کہ وہ اس سطح بالا تک پہنچ جائے جس کے اوپر کوئی سطح نہیں حالانکہ وہ اس کا اقرار نہیں کرتے۔

ہر سفل اپنے سے پست کے اعتبار سے علو ہے یہاں تک کہ وہ مرکز تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس کا اقرار نہیں کرتے لہذا ان کے قول کی بنا پر یہ ثابت ہوگیا کہ ظلمت میں علو ہے اور نور میں سفل۔

لذت واذیت :

ان کا قول لذت واذیت کے بارے میں بھی بالکل فاسد ہے کیونکہ لذت بھی اضافی ہے اور اذیت بھی انسان کو اس چیز میں لذت نہیں آتی جس میں گدھے کو لذت آتی ہے اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے انسان کو اس چیز سے اذیت ہوتی ہے جس سے سانپ کو نہیں ہوتی

لہذا یقیناً ان لوگوں کی ہوس باطل ہوگئی۔ و الحمد لله رب العالمین ۔

مانیوں کا مانیا :

مانیہ پر ایک سوال ہے جو اس کے قول کو بفضلہ تعالی مٹا دینے والا ہے اور وہ یہ کہ ان سے کہا جائے کہ آیا ان اجساد کے نفس (روحیں) ہیں یا نہیں اگر کہیں کہ نہیں ہیں تو ان سے کہا جائے کہ تمھارے اصول کی بنا پر یہ اجساد (اجسام) اس سے خالی نہیں کہ (۱) یا تو اس میں سے ہر جسد میں نور بھی ہے اور ظلمت بھی ہے یا یہ کہ (۲) بعض اجساد میں محض نور ہے اور (۳) بعض میں محض ظلمت اگر وہ کہیں کہ ہر جسد میں نور بھی ہے اور ظلمت بھی ہے تو ان سے کہا جائے کہ جو جسد ظلمت سے ہے آیا اس سے فعل خیر ممکن ہے لامحالہ اس کا جواب نفی میں ہوگا کیونکہ اگر جسد ظلماتی فعل خیر کرے گا تو وہ نور کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اسی طرح جو نور سے ہے اس سے فعل شر نا ممکن ہے اس لیے کہ وہ ظلمت ہو جائے گا اس حالت میں تمھاری دعوت خیر اور نکاح وقتل سے منع کرنے کا کیا فائدہ۔

ذرا ہمیں بتاؤ تو کہ تم ان سب کی طرف کس کو دعوت دیتے ہو اگر تم نور کو دعوت دیتے ہو تو وہ (خیر) تو اس کی طبیعت ہی ہے اور وہ تمھاری دعوت کے پہلے ہی سے اپنی طبیعت سے فاعل خیر ہے اس کو اس سے بدلنا ممکن نہیں اسے ایسی چیز کی طرف بلانا جس کو وہ خود کرتا ہے اور ایسی چیز کو منع کرنا جس کو وہ خود نہیں کرتا نور کے لیے عبث ہے اور امر محال کی دعوت دینا ہے اور یہ تمھارے اصول کے خلاف ہے۔

اگر تم ظلمت کو دعوت دیتے ہو تو یہ بھی عبث ہے کیونکہ اسے اپنی طبیعت کا ترک کرنا ممکن نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ بعض اجساد نور محض ہیں اور بعض ظلمت محض تو اسی طرح ان کے قول کو فاسد کیا جائے اور اگر وہ ارواح کا اقرار کریں تو ان سے اسی طرح ارواح کے بارے میں بھی سوال کیا جائے۔

ان لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے جن کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نکاح کرتے ہیں قتل کرتے ہیں ظلم کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں پھر ان سب باتوں سے توبہ کر لیتے ہیں کہ یہ قاتل وظالم کون ہیں آیا نور ہیں یا ظلمت ہیں اور توبہ کرنے والے کون ہیں آیا نور یا ظلمت وہ جو بھی کہیں ان کا مذہب منہدم ہو جائے گا وہ استحالہ بھی جائز کر رہے ہیں (یعنی ایک حالت کا دوسری حالت سے بدل جانا)۔

اگر وہ کہیں کہ ہم ان میں سے جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں ہماری دعوت کے محض یہ معنی ہیں کہ نور کو اس پر برانگیختہ کریں کہ وہ ظلمت کو ان امور سے منع کرے۔

ان سے کہا جائے کہ آیا تمھاری دعوت سے پہلے بھی نور ظلمت کے روکنے پر قادر تھا یا نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ قادر تھا تو نور نے ظلمت کو منع کرنا ترک کر کے بڑا ظلم کیا حالانکہ وہ تمھاری دعوت سے پہلے بھی اس کے روکنے پر قادر تھا۔

اگر تم کہو کہ نور کو یاد ہی نہیں آیا جب تک اسے متنبہ نہیں کیا گیا تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ تو نور کا نقص اور جہل ہوا اور تمہارے قول کے مطابق صفات شر نور کے لائق نہیں۔

یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے۔

نیز ان سے کہا جائے کہ تم میں جو اپنے دین کی دعوت دیتا ہے وہ جس کو دعوت دیتا ہے اس سے یہ نہیں کہتا کہ تم دوسرے کو بھی ظلم سے روکو صرف یہ کہتا ہے کہ تم اپنے ظلم سے باز رہو اور اپنی گمراہی سے واپس آ جاؤ تم نے بہت اچھا کیا کہ باطل سے حق کی طرف رجوع کر لیا اگر تم یہ حکم دیتے ہو کہ وہ اس ظلمت کو خطاب کرے تو اس کا حکم دینے والا کاذب اور کذب کا حکم دینے والا ہے اگر تم حکم دیتے ہو کہ وہ اس نور کو خطاب

کرے تو بھی اس کا حکم دینے والا کاذب اور کذب کا حکم دینے والا ہے۔

دعوت خیر :

اگر وہ لوگ ہم سے سوال کریں کہ پھر تم لوگوں کی دعوت خیر کے کیا معنی ہیں حالانکہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ بھی جو اللہ کو جانتا ہے اور وہ بھی جو اللہ کو نہیں جانتا۔

ان سے کہا جائے گا کہ ہمارے بعض متکلمین کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کو خیر کی دعوت دی جاتی ہے اس سے خیر کا واقع ہونا بھی ممکن ہے اور فعل شر بھی اس سے ممکن ہے ان میں سے ہر چیز کا اس سے گمان کیا جا سکتا ہے لہذا ہمارا اسے خیر کی دعوت دینا معروف و مناسب ہے اللہ تعالیٰ کا علم اجبار نہیں ہے (یعنی وہ کسی کو شر پر مجبور نہیں کرتا) صرف وہ یہ جانتا ہے کہ بندہ کیا اختیار کرے گا۔

بعض متکلمین کا جواب یہ ہے عالم میں مخلوق کا جو فعل یا ایجاد ظاہر ہوتی ہے اس کا فاعل اللہ عز وجل ہے جس کی کوئی گرفت نہیں ہو سکتی ہم جس کو دعوت دیتے ہیں ہماری دعوت کا خالق وہی ہوتا ہے جب یہ ایسا ہے تو خالق سے اس کی مشیت کے متعلق سوال جائز نہیں کہ آپ نے یہ کیوں کیا۔ ہم اسی جواب کو اختیار کرتے ہیں

ان لوگوں سے یہ بھی کہا جائے کہ ہمیں بتاؤ کہ مانی، مسیح، زردشت اور جن کی تم لوگ تعظیم کرتے ہو آیا ان میں ظلمت بھی تھی یا یہ لوگ محض نور ہی نور تھے اگر وہ کہیں کہ لامحالہ ان میں ظلمت بھی تھی کیونکہ وہ لوگ قضائے حاجت کرتے تھے پریشان ہوتے تھے اور رنجیدہ ہو جاتے تھے تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر وہ نور جو تمھارے اندر ہے وہ اس قسم کے کاموں سے کیوں عاجز رہا (جیسے کام یہ لوگ کرتے تھے) اگر وہ کہیں کہ اس نور کی قلت کی وجہ سے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس پر واجب تھا کہ وہ بھی اپنی مقدار کے مطابق معجزات لائے اگرچہ وہ قلیل ہی ہوتے یہ وہ اعتراض ہے جس سے انھیں قطعاً کوئی مفر نہیں۔

یہ بھی کہا جائے گا کہ تمھارا ترک نکاح کو لازم کرنا کہ نسل منقطع ہو جائے عجائب میں سے ہے شاید تم خود اس پر قادر بھی ہو جاؤ تو وحش وطیر اور بقیہ بری جانور اور حشرات اور آبی اور دریائی جانوروں کو کیا کرو گے جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور ان کا قتل انسان کے قتل سے زیادہ شدید اور بہت زیادہ ہے ان کے تناسل کے منقطع کرنے کی، اور ان کے امتزاج سے فارغ کرنے کی کیا صورت ہے یہ وہ صورت ہے جسکی تمھیں قطعی کوئی گنجائش نہیں۔

اگر نور ظلمت کو منقطع کرنے سے عاجز ہے تو اس کے اجزا کو ابد تک کبھی رہائی نہیں ہو سکتی۔

اگر وہ اس پر قادر ہے تو پھر اپنے اجزا کی رہائی میں عجلت کیوں نہیں کرتا اور وہ انھیں ظلمات میں کیوں بھٹکنے دیتا ہے۔

قتل سے منع کرنا بھی عجیب ترشے ہے یہ ان کی طرف سے بقائے مزاج اور منع خلاص (یعنی نور کی ظلمت سے رہائی کو روکنے) پر اور نور کو رہائی دلانے اور قطع مزاج پر مدد ہے یہ ان لوگوں کا کھلا ہوا تناقض ہے جس میں کوئی پردہ نہیں اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

تمام دلائل جو ہم نے حدوث عالم اور اشخاص و اجسام عالم اور اس کے زمانوں کے متناہی ہونے کے وجوب پر پہلے بیان کیے ہیں وہ مانیہ کے اصول کی بنا پر ہر دو اصل یعنی نور و ظلمت پر بھی لازم ہیں اور ہر اس شخص پر بھی لازم ہیں جو یہ کہے کہ فاعل ایک سے زائد ہیں اور وہ اپنے دوسرے شریک کار کے ساتھ ازلی ہے **و بالله تعالى التوفيق** .

استدلال ثانی جس میں انھوں نے فاعل کے افعال مختلفہ کے اقسام پر اعتبار کیا ہے وہ بھی استدلال فاسد ہے اس لیے کہ انھوں نے اس میں محض انھیں اقسام پر اعتماد کیا ہے جو عالم میں موجود ہیں حدوث عالم پر عالم کا پیدا کرنے والا کسی شے کے بھی مشابہ نہیں ضروری دلائل ہم

پہلے بیان کر چکے ہیں یہ ممکن نہیں کہ اسے اقسام عالم میں سے کسی کے تحت داخل کیا جائے اشیائے مختلف و متفقہ کو وہی اپنے اختیار سے جب چاہتا ہے بناتا ہے ان میں سے کسی کی کوئی علت نہیں ہوتی کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو طبیعت میں محصور ہو وہ متناہی ہے اور متناہی حادث ہے جیسا کہ ہم اس کے صاحب قوی یا فاعل بذریعہ آلات یا فاعل بذریعہ استحالہ یا فاعل مع اشیا ہونے میں پہلے بیان کر چکے ہیں ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حادث ہو اللہ اس سے برتر ہے ازلی ہے اور قدیم ہے لہذا یہ ضروری ٹھہرا کہ باری تعالیٰ مختار ہے کہ وہ بغیر کسی علت کے جو اس پر کوئی فعل واجب کرنے اور اپنے سوا بغیر کسی اور قوت کے مختلف و متفق اشیا میں سے جو چاہے پیدا کرے و باللہ التوفیق۔

وہ تمام دلائل ضرور یہ جو ہم نے عالم کے ازلی کہنے والوں پر لازم کیے ہیں وہی دلائل مانیہ ویصانیہ مزقونیہ اور جو لوگ طبائع و ہیولیٰ کی ازلیت کے قائل ہیں سب پر لازم ہیں اس لیے کہ ان سب کے نزدیک عالم سوائے ان اصول کے کوئی چیز نہیں جو ان کے نزدیک ازلی ہیں۔

ان کے نزدیک صرف صورت حادث ہے جو انھیں اصول میں پیدا ہوگئی ہے۔

ان پر ہر دو اصل (یعنی نور و ظلمت) کے متناہی ہونے کا قول بھی لازم ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں جسم ہیں اور جسم ان دو دلائل کی وجہ سے بدیہی طور پر حادث ہے جو ہم بیان کرتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہر جرم (جسم) اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ متحرک ہوگا یا ساکن اگر متحرک ہوگا تو ہم جانتے ہیں کہ وہ مسافت جو غیر متناہی ہے وہ اسے ہرگز قطع نہ کر سکے گا نہ زمانہ متناہی میں نہ زمانہ غیر متناہی میں۔

اس سے خالی نہیں کہ اس کی حرکت یا تو گولائی میں ہوگی یا شش جہات میں سے کسی ایک جہت کی طرف ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں اگر وہ گولائی میں متحرک ہے اور غیر متناہی ہے تو یہ محال ہے اس لیے کہ اس وقت وہ دونوں خط جو وسط سے نکل کر مشرق اور علو کی طرف جاتے ہیں غیر متناہی ہوں گے واجب ہوگا کہ اس خط کا وہ جزو جو سمت مشرق میں ہے اس خط کے اس جزو تک جو علو کی طرف ہے اور جو سمت الراس ہے کبھی نہ پہنچے۔

اس بنا پر حرکت باطل ہوگئی اور یہ متحرک غیر متحرک ہوا مشاہدے سے یہ محال بھی ہے اس وجہ سے کہ فلک کلی کا ہر جزو چوبیس گھنٹے میں اپنی تمام مسافت قطع کر لیتا ہے اور جہاں سے حرکت شروع کرتا ہے وہیں واپس آ جاتا ہے۔

اگر وہ (جسم بجائے گولائی کے) کسی جہت کی طرف متحرک ہے تو یہ بھی محال ہے اس لیے کہ حرکت تو ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کو کہتے ہیں جب یہ جسم ایسا مکان پالے گا جس میں منتقل ہو جائے اور اس سے پہلے اس مکان میں نہ تھا تو بالبداہت اس جسم کا متناہی ہونا ثابت ہوگیا اس لیے کہ اس کے وجود کا اس مکان میں نہ ہونا جس کی طرف وہ منتقل ہوا قبل انتقال اس (وجود) کے وہاں سے منقطع ہونے کا موجب ہے اگر وہ برابر اسی مکان میں رہا جس کی طرف منتقل ہوا اور اسی طرح اس کے بعد والے مکانات میں بھی برابر رہا تو وہ برابر غیر منتقل رہا حالانکہ تم نے کہا تھا کہ وہ برابر منتقل رہا، اس وقت وہ متحرک غیر متحرک ہوگیا اور یہ محال ہے۔

اگر تم کہو کہ وہ جسم ساکن ہے تو ہم کہیں گے کہ وہمی طور پر اس جسم کا کوئی ٹکڑا کاٹو جب انھوں نے اس کا وہم کر لیا تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ جسم کب بڑا تھا آیا یہ ٹکڑا کاٹنے سے قبل یا کاٹنے کے بعد وہ جو بھی کہیں خواہ یہی کہیں کہ وہ قبل اس کے کہ اس کا کوئی ٹکڑا کاٹا جائے اپنی ذات کے مساوی تھا تو انھوں نے نہایت ثابت کر دی کیونکہ کثرت و قلت و مساوات کا اطلاق متناہی پر ہوتا ہے۔

مکان و جسم ان اشیا میں سے ہیں جو عدد کے تحت واقع ہوتے ہیں جیسا کہ زمان بھی عدد کے تحت واقع ہوتا ہے وہ تمام دلائل جو

ازروئے عدد زمان کے متناہی ہونے کے متعلق ہم نے پہلے بیان کیے ہیں وہ مکان وجسم کے متناہی ہونے کے لیے بھی ازروئے عدد بطور مساحت کے لازم ہیں۔ وباللہ التوفیق ۔

وہ الزام جو ہم نے ان لوگوں کو دیا ہے جو اجسام کو ازلی کہتے ہیں بعینہ وہی الزام ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کواکب سبعہ اور دوازدہ بروج ازلی ہیں اس لیے کہ وہ بھی اجسام ہیں جو اقسام فلک وحرکت فلک کے تحت جاری ہیں۔

وہیں غور کرو جہاں ہم نے حدوث اجسام واز مان کو لازم ثابت کیا ہے وہی ان سب کو بھی لازم ہے۔

ہم نے ان لوگوں کے اقوال کے فروع میں مثلاً مزاج وخلاص وصفات نور وظلمت کے بارے میں ان الزامات کو ترک کر دیا ہے جو حدوث اجسام کے متعلق ہیں کیونکہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ فاعل کے ایک سے زائد ہونے کے بارے میں مذاہب فاسدہ کے اصول کا قلع وقمع کر دیں (اس لیے ہم فروع کی طرف توجہ نہیں کرتے)۔

ہم نے اپنے بیان کی بنیاد اثبات واحد پر رکھی ہے کیونکہ جب براہین ضروریہ سے یہ ثابت ہو جائے گا تو ان کے فاسد اصول خود بخود باطل ہو جائیں گے باوجود ان ضروری امور کے استیعاب (اور پورے پورے بیان کرنے) کے جن کی ضرورت پڑتی ہے ہم نے اللہ کی مدد قوت سے اختصار ہی کو ملحوظ رکھا ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے ایک سے زائد کو فاعل (خالق) بنایا ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے ان فاعلین کو عالم کے سوا بتایا ہے جیسے مجوس صابئین مزقونیہ اور قائلین تثلیث نصاریٰ ان سب پر وہ دلائل ضروریہ (بحول اللہ وقوتہ) قائم ہوتے ہیں جو انشاء اللہ ہم لانے والے ہیں۔

جو ایک سے زائد ہے وہ جنس عدد کے تحت واقع ہے اور جو شے جنس عدد کے تحت واقع ہے وہ انواع عدد کی ایک نوع ہے نوع مرکب ہے اپنی جنس سے جو اس کو بھی شامل ہے اور اس کے غیر کو بھی اور فصل سے جو اس کے لیے خالص ہے اور اس کے غیر میں نہیں ہے اس کے لیے ایک موضوع ہے اور وہ جنس ہے جو اس نوع کی اور ان دوسرے انواع کی صورت قبول کرنیوالی ہے جو انواع اسی جنس کے ہیں ایک محمول بھی ہے اور وہ صورت ہے جس نے اسے اس کے غیر سے ممتاز مخصوص کر دیا ہے بس وہ صاحب موضوع وصاحب مجمول ہوا اور اپنی جنس اور اپنی فصل سے مرکب ہوا مرکَّب یعنی ترکیب دیا ہوا امَر رِکّب یعنی ترکیب دینے والے کے ساتھ ہے کیونکہ یہ امور اضافی میں ہے اس لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے مرکب (بالفتح) اپنے مرکب ہونے کے وقت مرکب (بالکسر) کے وجود کو چاہتا ہے اور اسی وقت اس کا نام مرکب ہوتا ہے نہ اس کے قبل اور واحد عدد ہی نہیں جیسا کہ ہم عنقریب اس کو بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالی۔

بتوفیق جناب باری اس باب میں جو باتیں کہنے کی تھیں سب ختم ہو گئیں۔

توحید جناب باری

فاعل عالم کے واحد نہ ہونے کے خلاف دلیل یہ ہے کہ عالم اگر دو یا زیادہ کا بنایا ہوا ہے تو وہ دونوں خالق یا تو مشابہ ہیں یا مختلف وہ جو بھی کہیں انھوں نے دونوں میں یا ایک میں ایسے معنی ثابت کر دیے جن کی وجہ سے وہ دونوں مشابہ ہوئے یا مختلف اگر وہ اس کی نفی کریں۔ تو ایک ہی ساتھ اختلاف واشتباہ کی نفی کریں گے۔ حالانکہ (اختلاف واشتباہ) دونوں کا بالکل مرتفع ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ یہ محال و موجب

عدم ہے ایسی دو چیزوں کا وجود محال ہے جو نہ تو کسی شے میں مشابہ ہوں اور نہ کسی وجہ سے مختلف ہوں۔ کیونکہ اس میں دونوں کا عدم لازم آئے گا۔ اس لیے کہ یہ صفت معدوم ہے تو جو اس کا حامل ہوگا وہ بھی معدوم ہوگا۔ حالانکہ انھوں نے اس کا وجود ثابت کیا تھا۔ اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ وقت واحد میں وجہ واحد سے موجود معدوم ہو اور یہ محال ہے انھوں نے جب دونوں خالقوں کو موجود ازلی مان لیا تو ان دونوں کے لیے ایسے معانی بھی مان لیے جن میں یہ دونوں مشابہ ہوں۔ وہ معانی ان دونوں کا وجود میں مشابہ ہونا فعل میں مشابہ ہونا اور ازلی ہونے میں مشابہ ہونا ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ اشیا ان کی غیر ہوں۔ کیونکہ یہ تو وہ صفات ہیں جو ان دونوں کو شامل ہیں۔ یعنی ان دونوں کا اشتباہ معانی مذکورہ میں ہے۔ اگر ان دونوں کا اشتباہ وہ خود ہی ہوں تو وہ شے واحد ہوئے۔

اسی طرح دونوں کے مختلف ہونے میں بھی لازم آئے گا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دوسرے ساتھی کا غیر ہے۔ ان میں جو اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اگر خود ان کے علاوہ ہے تو یہ ایک تیسری چیز ہوئی۔ اور اسی طرح ہوتی جائے گی (یعنی چوتھی پانچویں وغیر ہا) اس پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے عنقریب ہم انشاءاللہ ذکر کریں گے۔

اگر تغایر ہی وہ دونوں ہوں۔ اور اشتباہ ہی وہ دونوں ہوں۔ تو تغایر ہی اشتباہ ہو جائے گا اور یہ بالکل محال ہے۔ کیونکہ تغایر میں ایسے معنی موجود ہونا ضروری ہیں جو اشتباہ میں نہ ہوں۔ اس لیے کہ تغایر کے ساتھ دو چیزوں کا مشابہ ہونا ممکن نہیں۔ جیسا کہ ہمارے مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور اختلاف یا اشتباہ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جو ایسے معنی ہیں کہ ان دونوں خالقوں کے غیر ہیں لہذا تیسرا ثابت ہو گیا۔ اور جب تیسرا ثابت ہو گیا تو تینوں میں وہی سوال لازم آئے گا جو دو میں لازم آیا۔ اسی طرح (چوتھے پانچویں وغیرہ میں) ہمیشہ یہی سوال جاری رہے گا۔ یہ بالبداہت اس امر کو واجب کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک یا صرف ایک اپنی ذات کے اعتبار سے اور ان معانی کے اعتبار سے جن کی وجہ سے وہ دوسرے سے جدا ہو گیا یا جن معانی کی وجہ سے دوسرے کے مشابہ ہو گیا مرکب ہے۔

اگر وہ لوگ دونوں کے لیے یہی ثابت کریں، تو وہ دونوں مرکب ہوں گے۔ مرکب حادث ہوتا ہے۔ لہذا یہ دونوں بھی کسی غیر کے حادث کردہ اور مخلوق ہوں گے اور اس سے چارہ نہیں۔

اگر وہ اس کو دو میں سے صرف ایک کے لیے ثابت کریں تو وہ ایک مرکب ہوگا اور دوسرا اس کا فاعل ہوگا، اور معاملہ واحد غیر مرکب ہی کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ اسکے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

اگر وہ اس پر قائم رہے جو ہم نے انھیں الزام دیا ہے کہ ایسے معانی کا وجود ہے جن کی وجہ سے ایک خالق دوسرے سے جدا ہو گیا۔ تو یہ اتنے وجود قدمائے ازلی اور اتنے وجود فاعلین آلہہ کو واجب کر دے گا جن کی تعداد خدائی سے بھی زائد ہوگی اور یہ محال ہے ایسے اعداد کا وجود جو قائم و ظاہر ہوں وقت واحد میں ہوں اور غیر متناہی ہوں ممکن نہیں۔ اسے لیے کہ اگر ان کے لیے کوئی عدد ہوگا تو وہ عدد ان کا حصر کر لے گا۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔ اور جو چیز محصور ہو وہ متناہی ہوتی ہے۔ حالانکہ ہم نے ان پر یہ قول واجب کیا تھا کہ وہ (آلہہ) غیر متناہی ہیں۔ انھیں اعداد کی وجہ سے یہ کہنا بھی لازم ہوگا کہ وہ متناہیہ غیر متناہیہ ہیں۔ اور یہ محال ہے۔

اگر ان (آلہہ) کے لیے کوئی عدد نہیں ہے تو وہ موجود ہی نہیں۔ کیونکہ ہر موجود کے لیے عدد ہوتا ہے اور ہر ذی عدد متناہی ہوتا ہے جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔

اگر کوئی کہے کہ کس شے سے خالق مخلوق سے جدا ہو گیا۔ اور کس شے سے بعض خلق بعض خلق سے جدا ہو گئی۔ اس سے وہ ہمیں اسی

طرح الزام دینا چاہا ہے جس طرح ہم نے اسے گزشتہ دلائل میں الزام دیا ہے۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے گا کہ تمام مخلوق حامل ومحمول ہے۔ ہر حامل اپنے خالق اور دوسرے حاملین سے اپنے فصول وانواع واجناس وخواص اور اپنے ان اعراض کی وجہ سے جو اس کے مکان میں ہیں اور اپنی بقیہ کیفیات کی وجہ سے منفصل وجدا ہے۔ ہر محمول بھی اپنے خالق اور دوسرے محمولات سے بہ سبب اپنے حامل کے اور ان اسباب کے جن کی وجہ سے وہ اپنی نوع وجنس وفصل میں دوسرے محمولات سے ممتاز ہو گیا، منفصل وجدا ہے۔ باری تعالیٰ ان تمام امور میں سے کسی کا بھی موصوف نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اس باب میں جس میں غیر متناہی زمانے تک جنت ودوزخ کے بقاء اور ان اجسام کے بقاء پر جو ان دونوں میں ہوں گے کلام ہے نیز ہماری کتاب الانفصال کے گزشتہ ابواب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے اس مقام پر ہمیں (جنت ودوزخ واجسام جنت ودوزخ کے غیر متناہی بقا پر) وہی الزام دینا چاہا ہے جو ہم نے انھیں اسی مقام پر غیر متناہی اعداد کی وجہ سے دیا ہے مگر ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں بھی ہم اس کا کچھ حصہ بیان کریں گے جو کافی ہوگا۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں مسائل مذکورہ میں فرق یہ ہے کہ ہم نے جنت ودوزخ میں غیر متناہی اعداد کے وجود کو واجب نہیں کیا ہے بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ اعداد تو متناہی ہوں گے مگر ان میں کمی وبیشی نہ ہوگی۔ ان لوگوں کی ہر حرکت اور ہر مدت جو اس میں ظاہر ہوگی وہ محصور ومتناہی ہوگی۔ جنت ودوزخ کی مساحت (پیائش) بھی اس طور پر محدود ومتناہی ہوگی جس میں کمی وبیشی نہ ہو سکے گی۔ ہم نے ان سے تناہی بالقوہ کی نفی کی تھی جس کے معنی یہ ہیں کہ باری تعالیٰ ہر دو مقام جنت ودوزخ میں بقا ومدت اور نعمت وعذاب ہمیشہ پیدا کرتا رہے گا جس کی کوئی حد نہ ہوگی۔ اس (بقاء نعمت وغیرہ) میں سے جو ظاہر ہوگا وہ اس کا جز نہ ہوگا جو ظاہر نہیں ہوا (بلکہ ہر عذاب ونعمت مستقل وجداگانہ حیثیت میں ہوگی اور دونوں قدموں کی حرکت کی طرح ایک نعمت کے اختتام کے فوراً ہی بعد دوسری نعمت کا آغاز ہو جائے گا۔ جس سے ظاہری طور پر عذاب ونعمت کا استمرار محسوس ہوگا)۔

یہ لازم آتا ہے کہ اسم ”کل“ جو موجود پر واقع ہے وہ معدوم کا ”بعض“ نہیں ہے اور وہ اپنے ہی جیسے موجود کا ”بعض“ ہے۔ یہ حس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسما اپنے معانی پر واقع ہوتے ہیں۔ وجود کے معنی یہی ہیں کہ شے کسی وقت میں قائم ہو ماضی میں یا حال میں۔ جو شے اس شان کی نہ ہوگی وہ موجود ہی نہ ہوگی۔ موجودات کے تمام ابعاض (اجزا وافراد) موجود ہوتے ہیں کل ابعاض موجود ہیں اور موجود تھے۔ لہٰذا موجود معدوم کا بعض نہ ہوا۔ اور نفی وابطال وجود کا نام عدم ہے۔ اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ ایسا ہو کہ وہ افراد وابعاض شے جن کو اس شے کا وہی نام لازم ہو کہ ان کے لیے اس کے سوا کوئی نام نہ ہو ان میں سے بعض کو بعض باطل کر دیں۔

ممکن ہے کہ کوئی فریب دینے والا اس مقام میں فریب دے اور یہ کہے کہ ہم تو ایسے ابعاض واجزا بھی پاتے ہیں جن پر کل کا نام نہیں واقع ہوتا۔ مثلاً ہاتھ پاؤں سر اور بقیہ اعضا کہ ان میں سے کسی کا نام بھی انسان نہیں۔ لیکن جب یہ سب اعضا مجتمع ہوتے ہیں تو ان پر انسان کا نام واقع ہوتا ہے۔

یہ فریب ہے اس لیے کہ ہم نے ان ابعاض کے متعلق کلام کیا ہے جو باہم مساوی ہوں، اور جن میں سے ہر بعض پر کل کا نام واقع ہوتا ہو، مثلاً پانی کہ اس کا بعض بھی پانی ہے اور کل بھی پانی ہے جو اس باب میں سے نہیں ہے۔ ہر بعض موجود کے ابعاض میں سے ہے اس لیے اس پر بھی موجود کا نام واقع ہوتا ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی اور فریبی ہمارے اس قول میں فریب دے کہ ابعاض آپس میں منافی نہیں ہوتے، اور کہے کہ سبزی تو سفیدی کے منافی ہے۔ حالانکہ دونوں ایک کلی کے جولون (رنگ) ہے بعض (فرد) ہیں۔

یہ بھی ہماری مراد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے کہ ہمارا قول ''موجود'' جنس نہیں ہے۔ وہ انواع متضادہ پر واقع ہوتا ہے۔ اور محض اس امر کی خبر دیتا ہے کہ ایسی اشیا موجود ہیں جو ہمارے نزدیک موجود ہونے میں مساوی ہیں۔ یہ کہنا جس طرح بعض کو شامل ہے اسی طرح کل کو شامل ہے۔ نیز سبزی رنگ ہونے میں سفیدی کے متضاد نہیں بلکہ یہ دونوں ان معنی میں تو ایک ہی حیثیت سے مجتمع ہیں اس میں مختلف نہیں ہیں ایک دوسرے معنی میں باہم مختلف ہیں۔ اسی طرح کوئی موجود ''موجود ہونے میں'' دوسرے موجود کے خلاف نہیں۔ اسی معنی میں موجود، معدوم کے مخالف ہے اومعدوم کا بعض نہیں ہے۔ معدوم کوئی شے نہیں ہے اور نہ اس کے لیے کوئی معنی ہیں کہ وہ پایا جائے جب وہ پایا جائے گا تو وہ شے موجود ہوگا (معدوم نہ رہے گا) ہم نے باب التجزیہ میں بھی ان اعتراضات کو دفع کیا ہے۔

نصاریٰ سے کلام

نصاریٰ اگر چہ اہل کتاب ہیں۔ اور بعض انبیا علیھم السلام کی نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں مگر جمہور نصاریٰ اور ان کے تمام فرقے توحید خالص کا اقرار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ تثلیث کے قائل ہیں۔ لہذا امکان کلام کو ان پر منہدم کر دیا گیا۔ (اور انھیں یا ان کے عقیدے کو اس میں دفن کر دیا گیا)۔

مجوس بھی اگر چہ اہل کتاب ہیں اور بعض انبیاء کا اقرار نہیں کرتے۔ لیکن ہم نے انھیں اس مکان میں اس لیے داخل کیا کہ وہ دوازلی فاعلین کے قائل ہیں۔ (یعنی نور، ظلمت) نصاریٰ تو ان سے زیادہ اس مکان میں داخل کرنے کے مستحق ہیں کیونکہ وہ تین ازلی وقدیم کے قائل ہیں۔

نصاریٰ کے مختلف فرقے ہیں۔

اریوسیہ :

ایک فرقہ وہ ہے جو اریوس کے اصحاب ہیں۔ یہ اسکندریہ میں قسیس (کاہن) تھا۔ اور یہ توحید مجرد کا قائل تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ مخلوق کہتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ یہ بانی قسطنطنیہ قسطنطین اول کے زمانے میں تھا جو شاہان روم میں سب سے پہلا نصرانی تھا۔ وہ اسی اریوس کے مذہب پر تھا۔

بولسیہ :

بعض ان میں سے بولس الشمشاطی کے پیرو ہیں جو ظہور نصرانیت سے پہلے انطاکیہ میں بطریق تھا۔ اور توحید مجرد صحیح کا قائل تھا۔ حضرت عیسیٰ کو اور انبیاء علیھم السلام کی طرح اللہ کا بندہ اور رسول سمجھتا تھا اور اس کا قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حضرت مریم کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا کیا۔ اس کا بھی قائل تھا کہ وہ انسان ہیں ان میں الٰہیت نہیں ہے کہا کرتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ کلمہ اور روح القدس کون ہیں۔

مقدونیوسیہ :

انھیں میں سے مقدونیوس کے متبع ہیں یہ بھی قسطنطین بن قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے عہد میں ظہور نصرانیت کے بعد بطریق تھا۔ اس بادشاہ کا کاتب (سکریٹری) اریوسی تھا۔

مقدونیوس اسی توحید مجرد کا قائل تھا کہ عیسیٰ بندے ہیں۔ مخلوق ہیں انسان ہیں اللہ کے نبی ورسول ہیں۔ جیسا کہ اور انبیا علیہم السلام تھے۔ عیسیٰ ہی روح القدس اور کلمۃ اللہ ہیں۔ روح القدس وکلمہ دونوں مخلوق ہیں۔ ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔

بربرانیہ :

انھیں میں سے بربرانیہ ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ اللہ عزوجل کے علاوہ دو خدا ہیں۔ یہی فرقہ (گمراہی میں) ہلاک ہوا۔

اس زمانے میں ان کے تین فرقے قابل شمار ہیں۔ ان میں سب سے بڑا فرقہ ملکانیہ ہے جہاں کہیں نصرانی بادشاہ ہیں ان کا یہی مذہب ہے۔ اور جہاں کہیں عیسائی سلطنتیں ہیں وہاں کے اکثر باشندوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ سوائے حبشہ ونوبہ کے۔ افریقہ وصقلیہ واندلس کے تمام نصاریٰ اور شام کے اکثر لوگوں کا بھی یہی مذہب ہے ان کا قول ہے (نقل کفر کفر نباشد) کہ اللہ تعالیٰ تین اسباب ہیں باپ۔ بیٹا اور روح القدس۔ یہ سب ازلی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام خدا ہے کامل اور انسان کامل ہیں ان میں سے ایک دوسرے کے مغایر نہیں۔ (یعنی خدا وانسان ایک ہی ہے) انسان کو مصلوب اور قتل کیا گیا۔ خدا کو اس (قتل وصلب) میں سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ مریم نے خدا اور انسان کو جنا۔ یہ دونوں ساتھ مل کر شے واحد اور ابن اللہ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے برتر ہے)۔

نسطوریہ :

یہی عقیدہ فرقہ نسطوریہ کا بھی ہے البتہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مریم نے خدا کو نہیں جنا۔ انسان ہی کو جنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہیں جنا۔ خدا ہی کو جنا تھا۔ (اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے برتر ہے) موصل وعراق وفارس وخراسان میں اس فرقے کا غلبہ ہے یہ سب نسطور کی طرف منسوب ہیں جو قسطنطنیہ میں بطریق تھا۔

یعقوبیہ :

ان کے علاوہ یعقوبیہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح خود ہی خدا ہیں۔ لوگوں کے کفر عظیم سے خدا مر گیا اور مصلوب ہوا اور قتل کیا گیا۔ عالم وفلک تین روز تک بغیر مدبر کے رہے۔ مرنے کے بعد وہی خدا کھڑا ہو گیا اور ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ تھا۔ حدا حادث ہو گیا تھا۔ اور حادث قدیم ہو گیا تھا۔ وہی شکم مریم میں بشکل حمل تھا یہ لوگ مصر کی عملداری میں اور تمام نوبہ اور تمام حبشہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ان کے یہ اقوال نہ بیان کرتا کہ **"لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم"** (یعنی وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم اللہ ہیں۔ ان اللہ ثالث ثلثہ (یعنی اللہ تین میں کا تیسرا ہے) اور **أأنت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ"** (یعنی اے مسیح بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا خدا بنالینا) تو ہرگز کسی مومن کی زبان اس قول شنیع وقبیح کو نقل نہ کر سکتی۔ بخدا اگر ہم نے خود نصاریٰ کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو ہرگز نہ مانتے کہ دنیا میں کوئی عقل ایسی بھی

ہے جس میں یہ جنون سما سکے۔ ہم اللہ ہی سے پناہ مانگتے ہیں ترک اعانت سے۔

یعقوبیہ :

یعقوب برذعانی کی طرف منسوب ہیں جو قسطنطنیہ میں راہب تھا۔ یہ وہ فرقہ ہے جنھوں نے عقل سے پوری پوری منافرت وحشت اختیار کی ہے۔ کیونکہ استحالہ (تغیر حالت) انتقال ہے۔ اور انتقال واستحالہ کا موصوف وہ نہیں ہوسکتا جو ازلی اور اول ہے۔ (وہ اس سے بہت بلند و برتر ہے) اگر وہ ایسا ہوتا تو بلا شک مخلوق ہوتا۔ مخلوق اپنے پیدا کرنے والے خالق کا محتاج ہے۔ اس قول کے بطلان کے لیے اس کا باب محال و ممتنع میں داخل ہونا کافی ہے جس کے بطلان کو عقل وحس نے واجب کر دیا ہے۔ باب محال و ممتنع میں اس سے زیادہ محال کوئی بات نہیں کہ ازلی وقدیم پھر حادث ہو جائے جو نہ تھا پھر ہو گیا۔ اس قوم کو لازم ہے کہ وہ ہمیں بتائے کہ جن تین دن میں ان کا خدا (معاذ اللہ) مردہ رہا ان دنوں میں زمین وآسمان کی تدبیر کس نے کی اور کس نے فلک کو دورہ کرایا۔ اللہ تعالی ان باتوں سے بے انتہا بلند و برتر ہے۔

ان قائلین سے کہا جائے جو باری تعالی کو تین اشیا بتاتے ہیں۔ باپ بیٹا۔ روح القدس۔ کہ ہمیں بتاؤ تو کہ جب یہ اشیا سب کی سب ازلی ہیں اور یہ سب شے واحد کے ساتھ ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو۔ تو پھر وہ کون سے معنی ہیں جن کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک کو باپ کہا جائے اور دوسرے کو بیٹا۔ تم کہتے ہو کہ تینوں ایک ہیں ان میں سے ہر ایک بعینہ دوسرا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باپ بیٹا ہے اور بیٹا باپ ہے اور یہ محض بدحواسی ہے۔

ان کی انجیل بھی اس کو باطل کرتی ہے۔ یہ اپنی انجیل میں کہتے ہیں کہ ''میں اپنے باپ کے داہنی طرف بیٹھوں گا'' نیز اسی انجیل میں کہتے ہیں کہ ''قیامت کو صرف باپ ہی جانتا ہے اور بیٹا اس کو نہیں جانتا'' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیٹا ''باپ'' نہیں ہے (بلکہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں)۔

اگر یہ تینوں (یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس) آپس میں مغایر ہیں (ایک نہیں ہیں) حالانکہ وہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔ تو ان پر یہ الزام آئے گا کہ بیٹے میں ضعف یا حدوث یا نقص میں سے کچھ ہے جس کی وجہ سے وہ باپ کے درجے سے گر گیا۔ نقص ایسی صفت نہیں ہے جو ازلی ہو۔ اس کے علاوہ جو شخص اس کا قائل ہے اسے ان تینوں کو حادث بھی ماننا پڑے گا کیونکہ یہ عدد میں محصور ہیں اور ان میں طبیعت نقص و زیادت بھی جاری ہے۔ جیسا کہ ہم نے حدوث عالم کی بحث میں پہلے بیان کیا ہے۔

بعض نے چند پیوند لگائے ہیں اور وہ باتیں کہی ہیں جن کے کوئی معنی نہیں۔ ہم اس سے آگاہ کریں گے تاکہ اللہ کی مدد وقوت سے ان کے قول کی بیہودگی اور ضعف واضح ہو جائے۔

وہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ جب یہ واجب ہے کہ باری تعالیٰ حی اور عالم ہو تو یہ بھی واجب ہے کہ اس کے لیے حیات اور علم ہو۔ بس اس کی حیات ہی کا نام روح القدس ہے اور اس کا علم وہی ہے جس کا نام بیٹا ہے۔

یہ ذلیل ترین احتجاج ہے۔ اس لیے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ استدلالی طور پر باری تعالیٰ کو ان میں سے کسی وصف سے بھی موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ سماعی طور پر موصوف کیا جا سکتا ہے (کہ حیات کا نام روح القدس اور علم کا نام بیٹا ہے) ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں ہے نہ ان کی انجیل کی اور نہ کسی کتاب کی کہ علم کا نام ابن ہے۔ نہ ان کی کتابوں میں ہے کہ اللہ کا علم اس کا بیٹا ہے۔

ان میں سے بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کا فیصلہ لاطینی زبان سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں کہا جاتا ہے کہ عالم کا علم ہی اس کا فرزند

ہے۔

یہ باطل اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ وہ انجیل جس میں باپ بیٹے اور روح القدس کا ذکر ہے کسی شخص کو بھی اس میں اختلافات نہیں ہے کہ اس انجیل کو عبرانی زبان سے سریانی وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔ انھیں عبرانی الفاظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس زبان میں باپ بیٹے اور روح القدس کا ذکر تھا۔ اور عبرانی زبان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انھوں نے ذکر کیا۔

اگر وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو جناب باری عزوجل کو استدلالی طور پر (باپ بیٹے سے) نامزد کرتے ہوں۔ تو انھوں نے صفت قدرت کو ساقط کر دیا کیونکہ جو استدلال اس کے عالم ہونے پر ہے وہ اس کے قادر ہونے کے استدلال سے زیادہ صحیح واولی نہیں ہے۔ خاصکر بولس کے قول کی بنا پر جس کا مرتبہ ان لوگوں کے نزدیک انبیاء سے بھی زائد ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ مسیح اللہ کی قدرت اور اس کا علم ہیں۔ بولس نے کہا کہ یہ مسیح کی اپنے اہل قریہ میں سب سے پہلے رسول ہونے پر نص اور کھلی ہوئی دلیل ہے۔

بس ان تین صفات میں ایک چوتھی صفت بھی بڑھالیں اور وہ قدرت ہے۔ ایک اور بڑھاویں جو سمع ہے۔ ایک اور جو بصر ہے ایک اور جو کلام ہے ایک اور جو عقل ہے۔ ایک اور جو حکمت ہے۔ ایک اور جو جود ہے۔ اگر کہیں کہ قدرت ہی حیات ہے تو کہیے کہ علم ہی حیات ہے۔ اگر کہیں کہ علم حیات نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی حیات ہوتی ہے اور علم نہیں ہوتا (مثلاً مجنون کہ ذی حیات ہے مگر عالم نہیں) تو کہیے کہ کبھی ذی حیات بھی قادر نہیں ہوتا مثلاً جس پر غشی طاری ہو۔ لہذا قدرت حیات نہ ہوئی۔

علم وحیات الٰہی:

اگر ''ابن'' ہی علم ہو اور روح القدس ہی حیات ہو تو پھر ان لوگوں کے نزدیک مسیح علیہ السلام کو ابن وروح القدس بنانے کی کیا صورت ہوگی۔ کیا تم مناسب سمجھو گے کہ مسیح ہی اللہ کا علم اور حیات ہوں۔

پھر ان میں سے بعض کے اس قول کی کیا صورت ہوگی کہ مریم نے اللہ کے بیٹے کو جنا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ مریم نے اللہ کا علم جنا۔ کیا اس سے زیادہ لغویت بھی ہوسکتی ہے اللہ کے علم وحیات میں مسیح علیہ السلام کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا غیر مسیح کا۔ اور کوئی فرق نہیں۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے ان لوگوں کو چھٹکارا نہیں ہوسکتا وباللہ التوفیق۔

زندہ اور ناطق:

بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب ہم اشیاء کی دو قسمیں پاتے ہیں حی اور غیر حی۔ تو واجب ہے کہ باری تعالیٰ حی ہے اور جب حی کی بھی یہ دو قسمیں پائی جاتی ہیں ناطق وغیر ناطق تو ضرور ہے کہ باری تعالیٰ ناطق ہو۔

یہ کلام بے انتہا پھسپھسا ہے۔ دو وجہ سے۔

ایک تو اس لیے کہ یہ تقسیم تو تقسیم طبیعی ہے جو ایک جنس کے تحت واقع ہو۔ اس لیے کہ جب باری تعالیٰ کا حی نام رکھنا اسی وجہ سے ہوگا تو اس وقت تما احیاء کی طرح جنس حی کے تحت میں واقع ہوگا۔ اور اس کی تعریف حی وناطق سے کی جائے گی اس صورت میں وہ اپنی جنس وفصل سے مرکب ہوگا، اور جو چیز (جنس وفصل میں) محدود ہوگی وہ متناہی ہوگی اور جو چیز مرکب ہوگی وہ حادث ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تقسیم جو ان لوگوں نے کی ہے وہ ایک طرح کی ملمع کاری ہے اس لیے کہ ان کو لازم ہے کہ سب سے پہلے اس چیز کی تقسیم کریں جو طبیعت کے سب سے زیادہ قریب ہو۔ اور کہیں کہ ہم نے اشیاء کو جوہر وغیر جوہر پایا پھر باری تعالیٰ کو جس قسم میں چاہیں داخل

کریں۔ وہ تو جوہر ہی کے تحت میں داخل کریں گے۔ جب اسے جوہر کے تحت میں داخل کرنے سے لازم ہوگا کہ وہ اس کی وہی تعریف کریں جو جوہر کی تعریف ہے۔ جب ایسا ہوگا تو اس کا حادث ہونا لازم آئے گا۔ اس لیے کہ ہر محدود (جس کی جنس وفصل سے تعریف کی جائے) حادث ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

خالق کو مخلوق بنا دیا :

قبل اس کے کہ وہ (تقسیم کرتے کرتے) حق ناطق تک پہنچیں ہم ان کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہیں اگر باری تعالیٰ بعض (فرد) ہوگا یا ان صفات کا اس پر بھی اسی طرح صادق آنا ضروری ہوگا جس طرح ہم پر ہے تو وہ ہماری ہی طرح مخلوق ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے)۔

طاق وجفت :

بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب تین طاق اور جفت کا مجموعہ ہے اور یہ (یعنی تین) مکمل ترین عدد ہے (کہ اس میں طاق و جفت دونوں جمع ہیں یعنی ایک اور دو) تو ضرور ہے کہ باری تعالیٰ ایسا ہی ہو کیونکہ یہ منتہائے کمال ہے۔

یہ بھی نہایت رکیک وپست کلام ہے۔ چند ضروری وجوہ سے۔

تمام وکمال کی حقیقت :

وجہ اول یہ کہ باری تعالیٰ کو ’’تمام وکمال‘‘ سے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ تمام وکمال امور اضافیہ میں سے ہیں ان کا اطلاق محض اسی پر ہوتا ہے جس میں نقص ہو ان لفظوں کے معنی یہی ہیں کہ ایک شے کا دوسری شے میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے وہ کامل ہو گئی اگر یہ اضافہ نہ ہوتا تو وہ ناقص رہ جاتی بس تمام وکمال کے صرف یہی معنی ہوتے ہیں۔

مافوق تثلیث

وجہ ثانی یہ ہے کہ ہر وہ عدد جو ’’تین‘‘ کے بعد ہے وہ ’’تین‘‘ سے زیادہ تام واکمل ہے۔ اس لیے کہ وہ یا تو جفت اور جفت کا مجموعہ ہے یا جفت اور جفت اور طاق کا مجموعہ ہے۔ یا اس سے بھی زائد کا مجموعہ ہے۔ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ جو ایک جفت سے زائد کا مجموعہ ہے وہ اس سے زیادہ اتم واکمل ہے جو صرف ایک جفت اور ایک طاق کا مجموعہ ہے۔ لہذا اسے لازم آئے گا کہ وہ یہ کہے کہ اس کا رب غیر متناہی الاعداد ہے۔ یا یہ کہ وہ سب سے زائد عدد والا ہے۔ حالانکہ وہ اگر اس کو کہے تو یہ بھی ممتنع ومحال ہے۔ اس قول کے فاسد ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ محال تک پہنچا دے۔

تین ایک اور ایک تین :

وجہ ثالث یہ ہے کہ ان کا یہ استدلال ضد ہے ان کے اس قول کی کہ تین ایک ہے۔ اور ایک ’’تین ہے‘‘ اس لیے کہ وہ تین جو مجموعہ ہے جفت وطاق کا بلاشک وہ مغایر ہے اس ’’تین‘‘ کے جو تمہارے نزدیک ایک ہے۔ وہ ’’تین‘‘ جو مجموعہ ہے جفت وطاق کا یہ وہ طاق نہیں ہے جو اس ’’تین‘‘ میں ہے۔ وہ ’’تین‘‘ جامع ہے اس طاق کا اور اس کے غیر کا۔ بلکہ وہ تین بعض (یعنی جزو بھی) نہیں ہے۔ لہذا ’’کل‘‘ جزو نہ ہوا۔ اور جزو ’’کل‘‘ نہ ہوا۔ حالانکہ طاق ’’جزو‘‘ ہے ’’تین‘‘ کا اور تین ہے طاق کا اور اس کے ساتھ ہی جفت کا۔ لہذا طاق ’’تین‘‘ کا مغایر ہوا اور تین طاق کا مغایر ہوا۔ اور عدد [illegible] جس سے مراد طاق ہے [illegible] اسی طرح واحد سے اور اسی طرح واحد سے اس عدد کے آخر تک جس کو

بولا جائے۔ لہذا عدد واحد نہیں اور واحد عدد نہیں۔ لیکن عدد ان احاد (اکائیوں) سے مرکب ہوتا ہے جو طاق ہیں اسی طرح ہر وہ شے جو اجزاء سے مرکب ہے۔ تو وہ مرکب اپنے اجزاء میں سے ایک جز نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ کلام جو مرکب ہے حرف وحرف سے یہاں تک کہ اس سے وہ معنی پورے ہو جائیں جن کو تعبیر کرنا ہے تو نہ وہ کلام حرف ہے اور نہ حرف کلام۔

تثلیث پر تثنیہ مرجح ہے:

وجہ رابع۔ یہ ہے کہ یہ رکیک معنی جن کا اس جاہل نے قصد کیا ہے (بجائے ’’تین‘‘ کے) ہم ان کو ’’دو‘‘ میں پاتے ہیں اس لیے کہ ’’دو‘‘ وہ عدد ہے جو مجموعہ ہے طاق اور طاق (یعنی ایک اور ایک) کا اور اسی کے ساتھ وہ جفت (یعنی دو) بھی ہے۔ تو ہم ’’دو‘‘ میں طاق و جفت دونوں پاتے ہیں لہذا اسے چاہیے کہ وہ ’’دو‘‘ کو اپنا رب بنائے۔

حدوث اعداد:

وجہ خامس۔ یہ ہے کہ ہر عدد حادث ہے اور اسی طرح ہر محدود بھی جس کو عدد سے شمار کیا جائے وہ بھی حادث ہے جیسا کہ ہم اپنی اسی کتاب کے گذشتہ حصے میں بیان کر چکے ہیں۔ محدود کا بغیر ذی عدد ہوئے۔ ہرگز وجود نہیں ہو سکتا۔ اور عدد کا وجود بھی سوائے معدود کے کہیں نہیں ہو سکتا۔ اور ’’واحد‘‘ عدد نہیں ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان کریں گے اور اسی سے مضمون توحید اللہ کی مدد وقوت سے مکمل ہو جائے گا۔

اتحاد وحلول:

نصاریٰ کہتے ہیں کہ الٰہ انسان کے ساتھ اس طرح متحد ہو گیا کہ دونوں شے واحد بن گئے۔

یعقوبیہ کہتے ہیں کہ اس طرح مل گئے جس طرح پانی شراب میں ڈالنے کے بعد شراب میں مل جاتا ہے۔ اور دونوں شے واحد ہو جاتے ہیں۔

نسطوریہ کہتے ہیں کہ یہ اتحاد اس طرح کا ہوتا ہے جس طرح اس پانی کا جو تیل میں ڈال دیا جائے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی حیثیت میں باقی رہتا ہے۔

ملکیہ کہتے ہیں کہ جس طرح آگ کا اتحاد تپائے ہوئے خنجر سے ہوتا ہے۔

فساد حلول واتحاد:

یہ سب بالکل فاسد ہے۔ اول اس لیے کہ یہ اس قسم کے دعاوی ہیں کہ جن سے احمق سے احمق بھی عاجز نہیں۔ اور نہ ان کی انجیل میں اس قسم کی کوئی چیز ہے۔

دوم اس لیے کہ یہ سب محال ہے اس لیے کہ ملکیہ نے اپنی تمثیل میں جس چیز کی تمثیل دی ہے وہ ایک عرض ہے جو جوہر میں ہے اس کے سوا اور کوئی بات (اس تمثیل میں) وہم وخیال میں نہیں آ سکتی۔ لہذا ان کے قول کی بناء پر الٰہ عرض ہوا اور انسان جوہر اور یہ انتہائی فساد ہے۔

مسیحؑ کیا ٹھہرے؟:

یعقوبیہ کا قول اس سے بھی زیادہ فاسد ہے۔ اس لیے کہ ہم ان سے کہتے ہیں کہ اگر الٰہ مستحیل ہو کر انسان ہو گیا تو مسیح انسان ہوئے نہ

کہ الہ۔

اوراگرانسان مستحیل ہوکرالہ ہوگیا تو مسیح الہ ہوئے نہ کہ انسان۔

اوراگران دونوں میں سے ایک بھی دوسرے کی طرف مستحیل نہیں ہوا تو یہ قول نسطوریہ کا ہے یعقوبیہ کا نہیں ہے۔

اوراگران میں سے ہرایک دوسرے کی طرف مستحیل ہوگیا تو الہٰ ایسا انسان ہوگیا جو الہٰ نہیں اور انسان ایسا الہ ہوگیا جو انسان نہیں انھوں نے اس حماقت کے بعد نسطوریہ کے قول کی بناء پر یہ نتیجہ حاصل کیا۔ اوراس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اوراگر یہ دونوں غیرالہٰ اورغیرانسان کی طرف مستحیل ہوگئے تو مسیح نہ الہ ہوئے اور نہ انسان۔ حالانکہ یہ سب ان کے قول کے خلاف ہے۔

دوسروں کے برابر؟:

نسطوریہ نے اس سے زائد نہیں کہا کہ انسان انسان ہے اورالہٰ الہٰ ہے۔ اوراسی طرح عالم میں ہرفاضل وفاسق انسان ہے اورالہٰ الہ ہے۔ بس مسیح اوردوسرے انسان برابر ہیں۔

محالات :

جس حد تک وہ پہنچے ہیں وہ بھی محال ہے۔ اس لیے کہ جو ازلی ہے وہ طبیعت انسان کی طرف جو حادث ہے مستحیل نہیں ہوسکتا۔ اور نہ انسان مستحیل ہوکرالہ ازلی ہوسکتا ہے۔ اور یہ محال بالذات وممتنع ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ اسی طرح انسان ہمراہی مکانی کے طور پر آلہ کے ہمراہ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ یہ بھی محال ہے۔

اسی طرح نہ خیال میں آسکتا ہے اور نہ ممکن ہے کہ الہٰ عرض ہواوراس کا حامل جوہر ہو جو انسان ہے۔ نہ یہی ممکن ہے کہ انسان عرض ہو اوراس کو الہٰ اپنی ذات میں اٹھائے ہو۔ جیسا کہ ملکیہ اپنی تشبیہ میں دعویٰ کرتے ہیں اوراس اتحاد کو گھر کے اندر سورج کی روشنی سے یا اس آگ سے جو گرم لوہے میں ہوتی ہے تشبیہ دیتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ محال وباطل ورکیک ہے جس کو سوائے گمراہ کے کوئی نہ مانے گا۔ اوران لوگوں کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ ایسی چیزوں کے کتب انبیاء ہونے کا دعویٰ کرسکیں۔

کلمہ :

یہ لوگ باپ بیٹے اور روح القدس کے ذکر میں ایک چوتھی چیز کلمے کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کلمہ وہ ہے جو انسان کے ساتھ متحد ہے اور رحم مریم علیہا السلام میں انسان کے ساتھ پیوست ہوگیا ہے۔ اوران کی وہ امانت جس پر وہ سب متفق ہیں یہ ہے جو ہم تصریح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ انجیل میں ہے۔

ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر جو باپ ہے۔ مالک ہے ہرشے کا۔ خالق ہے ہرشے کا جو دکھائی دیتی ہے اور جو نہیں دکھائی دیتی۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں رب واحد یسوع مسیح پر جو تمام خلائق میں سب سے پہلا بیٹا ہے۔ اور وہ مخلوق الہٰ نہیں ہے۔ وہ الہٰ سے ثابت وحق ہے۔ اور وہ اپنے اس باپ کے جوہر سے حق وثابت ہے جس کے ہاتھ سے تمام عالموں کا استحکام ہوا اوراس نے ہرشے کو پیدا کیا جو ہم انسانوں اور ہماری نجات کے لیے آسمان سے اترا اور روح القدس سے مجسم ہوکر انسان ہوگیا۔ اور مریم بتول سے پیدا ہوا اور لاطش میں قیطوش کے عہد میں اسے ایذا دی گئی اور مصلوب کیا گیا اور دفن کردیا گیا۔ اور جیسا کہ لکھا ہوا ہے وہ تیسرے روز اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کی داہنی جانب بیٹھ گیا۔ اور وہ مردوں اور زندوں کے درمیان میں فیصلہ کرنے کے واسطے دوبارہ آنے کے لیے تیار ہے۔

اور ہم ایمان لاتے ہیں روح القدس پر جو واحد ہے۔ جو اس حق کی روح ہے جو اپنے باپ سے مشتق ہے جو روح محبت ہے۔ (اور ہم ایمان لاتے ہیں) معبودیت واحدہ پر گناہوں کی مغفرت کے لیے اور جماعت واحدہ قدسیہ رسولیہ روحانیہ پر اور اپنے اجسام کی قیامت پر اور حیات دائمہ پر جو ابد تک رہے گی''۔

یوحنا شاگرد نے شروع انجیل میں کہا ہے کہ ''ابتداء میں کلمہ تھا۔ اور کلمہ اللہ کے پاس تھا۔ اور اللہ ہی کلمہ تھا''۔

وسواس کے کرشمے :

یہ وہ اقوال ہیں کہ جب کوئی صاحب عقل ان میں غور کرے گا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ وہ وساوس یا جنون ہے جو شیطان کی طرف سے القاء کیا گیا ہے۔ اور جس میں سوائے اس بدنصیب کے جس سے اللہ بری الذمہ ہو چکا ہو کسی کا امتحان نہیں لیا جاتا۔

کوئی پوچھے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے؟

ان لوگوں سے کہا جائے کہ کلمہ تو باپ یا بیٹا یا روح القدس ہے یا اور کوئی چوتھی چیز ہے۔ اگر کہیں کہ چوتھی چیز ہے تو وہ تثلیث سے نکل کر تربیع میں آ گئے۔

اور اگر وہ کہیں کہ کلمہ انھیں تین میں سے کوئی ہے تو ان سے اس کی دلیل پوچھی جائے گی۔ کیونکہ دعویٰ کرنے سے تو کوئی بھی عاجز نہیں۔

پھر ان سے کہا جائے کہ بیٹا وہی باپ ہے یا کوئی اور ہے۔ اگر وہ کہیں کہ کوئی اور ہے تو ان سے یہ پوچھا جائے کہ وہ جو رحم مریم میں طبیعت مسیح میں پیوست اور اس سے متحد ہو گیا ہے وہ کون ہے۔ باپ یا بیٹا۔ اگر وہ کہیں کہ بیٹا ہے تو اس کا باپ ہونا باطل ہو گیا۔ اور انھوں نے یوحنا کی مخالفت بھی کی کیونکہ وہ شروع انجیل میں کہتا ہے کہ کلمہ ہی اللہ ہے۔ پھر جب کلمہ ہی اللہ ہوا اور وہی رحم مریم میں متحد پیوست ہوا تو (معاذ اللہ) اللہ ہی رحم مریم میں پیوست ہوا حالانکہ ان کی امانت میں یہ ہے کہ وہ بیٹا ہی ہے جو رحم مریم میں پیوست ہوا۔ اور یہ وہ وساوس (خیالات شیطانی) ہیں جن کی کوئی نظیر نہیں۔

نیز ان سے کہا جائے کہ کیا ملتحم (پیوست) ہونے کے معنی گوشت بن جانے کے سوا کچھ اور ہیں۔ اور یہ نسطوریہ وملکیہ کے قول کے خلاف ہے۔ اگر وہ کہیں کہ وہ باپ ہے (جو رحم مریم میں گوشت بنا) تو اس کا بیٹا ہونا باطل ہو گیا۔ اور یوحنا اور امانت کی بھی انھوں نے مخالفت کی۔

اگر وہ کہیں کہ وہی باپ ہے اور وہی بیٹا ہے تو انھوں نے اپنا یہ قول ترک کر دیا کہ ''بیٹا اپنے باپ کی داہنی طرف بیٹھتا ہے''۔ اور ''باپ کو وقت قیامت کا علم ہے اور بیٹا اسے نہیں جانتا'' اوان کا قول انجیل یوحنا میں ہے کہ ''باپ نے کام بیٹے کے سپرد کر دیا'' اور ''باپ بڑا ہے بیٹے سے'' اور یہ تصریحات ہیں اس پر کہ بیٹا اور ہے اور باپ اور۔ کیونکہ کوئی شخص خود اپنے داہنی طرف نہیں بیٹھ سکتا۔ اور نہ کام اپنے سپرد کر سکتا ہے اور نہ جس کو جانتا ہے اس سے ناواقف ہو سکتا ہے اور یہ سب ان کے اس قول کو بھی باطل کرتا ہے کہ بیٹا ہی علم وقدرت وغیرہ ہے۔ اس لیے کہ یہ صفات ہیں جو نہ تو موصوف کے داہنی طرف بیٹھ سکتی ہیں اور نہ کوئی چیز ان کے سپرد کی جا سکتی ہے۔

اگر وہ کہیں کہ نہ وہ باپ ہے اور نہ وہ غیر۔ تو ان پر اسی جنون کا الزام آئے گا جو اس شخص پر آئے گا جو یہ دعویٰ کرے کہ صفات نہ تو موصوف ہیں نہ غیر موصوف۔

اگر وہ کہیں کہ باپ ہی بیٹا ہے اور غیر ابن ہے۔ تو یہ ان کے خرافات اور عقل سے باہر ہونے میں کوئی نئی بات نہیں اس سے لازم آئے گا کہ بیٹا اپنا ہی بیٹا ہے اور اپنا ہی باپ اور باپ اپنا ہی باپ ہے اور اپنا ہی بیٹا اور اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوگی۔

انھیں اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں جو زبور میں ہے یا کتاب اشعیاء وغیرہ میں ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی کتاب میں بھی یہ نہیں ہے کہ اس مقام پر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے مراد عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں۔ لوقا نے اپنی انجیل کے آخر میں کہا ہے کہ وہ (عیسیٰ) نبی مقتدر اور اللہ کے بندے تھے۔ اور یہ سب بالکل کھلا ہوا ان لوگوں کا باہمی اختلافات وتناقض ہے۔ **وماتوفیقنا الا باللہ** ۔

اگر وہ اس کا سہارا لیں کہ انجیل میں مسیح کا ذکر اس طرح ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ انجیل میں یہ بھی تو ہے کہ ''میرا اور تمھارا باپ اللہ ہے جو میرا اور تمھارا الٰہ ہے'' اور یہ بھی انجیل ہی میں ہے کہ ''ان کی حالت یہ ہونا چاہیے کہ جب انھیں بلایا جائے تو وہ کہیں کہ اے ہمارے آسمانی باپ'' بس اس سے مسیح کو جو حق ہے وہی ان لوگوں کو ہے۔ اور کوئی فرق نہیں۔ (یعنی اگر وہ (معاذ اللہ) مسیح کا باپ ہوا تو اور لوگوں کا بھی باپ ہوا۔)

اگر وہ کہیں کہ مسیح تو عجائب ومعجزات لائے (اس لیے اور لوگوں سے ان کا حق زیادہ ہے) تو ان سے کہا جائے کہ تمھارے نزدیک حواریین بھی تو ایسے ہی تھے۔ اور مسیح کے قبل موسیٰ والیاسؑ وبقیہ انبیاؑ بھی تو مسیح کے احیائے موتیٰ وغیرہ کی طرح کے معجزات لائے۔ پھر مسیح اور ان لوگوں میں کونسا فرق ہے (کہ مسیح تو بیٹے ہو جائیں۔ اور یہ سب غیر ہی رہیں)۔ علاوہ اس کے باپ بیٹا روح القدس اور بقیہ امور کی جو تصریح امانت میں ہے اور بغیر امانت کے ان کے نزدیک ایمان صحیح نہیں ہوتا اس میں سے ایک چیز بھی انجیل میں نہیں ہے۔ یہ محض اپنے گزشتہ پیشواؤں کی تقلید ہے۔ ایسی گمراہی سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

جو آسمان سے اترا :

ان کی امانت جس پر وہ سب کا متفق ہونا بتاتے ہیں یہ بات ضروری ٹھہراتی ہے کہ بیٹا وہی ہے جو آسمان سے اترا روح القدس سے مجسم ہوگیا اور انسان بن کر مقتول ومصلوب ہوا۔

ان سے کہا جائے کہ یہ بیٹا جس کے متعلق تمھاری امانت میں ہے کہ وہ آسمان سے اترا اور روح القدس سے مجسم ہوگیا اور انسان بن کر مقتول ومصلوب ہوا۔ ہمیں بتاؤ تو کہ وہ آسمان سے نازل ہونے سے پہلے مخلوق تھا یا غیر مخلوق بلکہ ازلی تھا۔ اگر کہیں کہ مخلوق تھا تو انھوں نے اپنا قول ترک کردیا۔ اور خاص کر یہ جو انھوں نے کہا ہے کہ وہ غیر اب (باپ کے مغایر) نہیں ہے (کیونکہ باپ تو مخلوق نہیں) بلکہ باپ اور روح القدس بھی مخلوق ہو جائیں گے۔ (کیونکہ یہ تینوں مل کر ایک ہیں)۔

اگر کہیں کہ نازل ہونے سے پہلے وہ غیر مخلوق تھا تو ان سے کہا جائے کہ پھر وہ مخلوق وانسان ہوگیا۔ اور یہ محال وتناقض ہے۔ اسی سے یہ بھی لازم آگیا کہ بیٹا بھی مخلوق ہے اور روح القدس بھی مخلوق ہے۔ کیونکہ وہ انسان ہوگیا۔

پھر ان سے کہا جائے کہ ہمیں اس بیٹے کے متعلق بتاؤ جس کے متعلق تم نے وہ باتیں بتائی ہیں جو باپ کے متعلق نہیں بتائی ہیں اور جو باپ کی داہنی جانب بیٹھتا ہے پھر معاملات کا فیصلہ کرنے کے لیے اترے گا۔ کہ آیا اس کے لیے علم وحیات ہے یا اسکے لیے علم وحیات نہیں ہے

اگر کہیں کہ نہ اس کے لیے علم ہے اور نہ حیات تو اپنے اجماع سے علیحدہ ہو گئے۔ نیز اس الزام کے ساتھ انھیں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ وہ اس باپ کے مغایر ہے جس کے لیے حیات وعلم ہے کیونکہ جس کو علم نہ ہو بلا شک وہ اس کے مغایر ہے جس کو علم ہے۔ اور جس کے لیے حیات نہ ہو بلا شک وہ اس کے مغایر ہے جس کے لیے حیات ہے۔ اور یہ ان کا ترک نصرانیت ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اس کے لیے علم وحیات ہے تو انھیں لازم آئے گا کہ ازلی وقدیم (تین کے بجائے) پانچ ہیں۔ باپ اور اس کا علم اور اس کی حیات اور وہ بیٹا جو باپ کا علم ہے اور اس کا علم اور اس کی حیات اور اسی طرح ان سے روح القدس کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا اور کوئی فرق نہ ہوگا۔

اللہ سے پیدا :

یوحنا نے اپنی انجیل کے شروع میں کہا ہے کہ جو لوگ اس (مسیح) کو قبول کرلیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے وہ انھیں ایسی قدرت دے گا کہ وہ اللہ کی اولاد ہو جائیں گے۔ یہی لوگ اس کے نام پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو خون اور گوشت کی شہوت یا مرد کی باہ سے نہیں پیدا ہوئے لیکن یہ اللہ سے پیدا ہوئے“۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر نصرانی کو اللہ کا بیٹا ہونے اور ازلی ہونے اور باپ کے جوہر ہونے میں وہی حق ہے جو مسیح کے لیے ہے۔ بالکل برابر سرابر۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ورنہ پھر یوحنا جھوٹا ہے جو اس کفر کا قائل ہوا اور وہی اہل کذب ہے۔ اور اس اعتراض سے نجات نہیں ہو سکتی۔

یہی اعتراض ان اشعر پر بھی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت یہ دونوں اللہ کے مغایر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

اسلام پر اعتراض :

یہود ونصاریٰ اور جو لوگ ملحدین کے ہم مذہب ہیں وہ ہم پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ تو یہ نقل کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام مقتول ومصلوب ہو گئے اور قرآن یہ خبر لایا ہے کہ مسیح علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے لہٰذا تم لوگ بتاؤ کہ کیا ہوا۔ پھر اگر ان تمام بڑی جماعتوں کے لیے جن کی رائیں۔ دین۔ زمانے۔ شہر۔ اور اجناس مختلف تھیں تم خبر باطل کا نقل کرنا تجویز کرتے ہو تو اس میں وہ تمھاری جماعت سے بڑھ کر نہیں ہیں جس نے تمھارے نبی کے معجزات اور آپ کی کتاب وشریعت نقل کی ہے۔ پھر اگر تم کہو کہ ان لوگوں کو شبہ ہو گیا اس لیے انھوں نے عمداً خبر باطل کو نقل نہیں کیا۔ تو تم نے تمام جماعتوں پر تلبیس (یعنی فریب میں آ جانا) تجویز کر دیا۔ تو شاید تمھاری جماعت بھی فریب میں آ گئی ہو۔ کیونکہ تمام فرقے تمھارے فرقے سے اس معاملے (فریب) میں بڑھ کر نہیں ہیں۔ (یعنی ایسا نہیں ہے کہ وہ فرقے تمھارے فرقے کے بہ نسبت فریب کے زیادہ قریب ہیں) ہمیں بتاؤ کہ قبل اس کے کہ تمھارے پاس مسیح کے مقتول ومصلوب ہونے کی تردید آئے تو کیا تم پر مسیح کے مصلوب ہونے کو ماننا فرض تھا۔ اگر تم کہو کہ لوگوں پر صلب مسیح کا ماننا فرض تھا تو تمھارے قول سے اس کا اقرار واجب ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر باطل کا اقرار فرض کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے باطل کی تصدیق اور باطل کو دین بنانا فرض کر دیا۔ اور اس میں جو خرابی ہے وہ ہے۔

اگر تم کہو کہ تم پر ان کے صلب کا انکار فرض تھا۔ تو تم نے یہ واجب کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر تمام گروہوں کی تکذیب فرض کر دی۔

اس میں تمھارے فرقے کے قول کا ابطال بھی ہے بلکہ تمام شرائع کا بلکہ ابطلال ہر اس خبر کا جو عالم میں ہر شہر اور ہر بادشاہ اور ہر نبی اور ہر فیلسوف اور ہر عالم کے متعلق ہو۔ اور تم گر پڑے۔ اور اس میں بھی جو خرابی ہے وہ ہے۔

اسلام اعتراض سے بالاتر ہے :

بحمد اللہ تعالیٰ یہ تمام الزامات نہایت کمزور اور ضعیف ہیں۔ اور ہم براہین ضرور یہ سے ایسا بیان کرنے والے ہیں کہ اللہ کی قدرت وقوت سے جسے کچھ بھی فہم ہے اس پر بھی پوشیدہ نہ رہے گا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کا مصلوب ہونا نہ تو کبھی کوئی گروہ اس کا قائل ہوا اور نہ یہ خبر کے طور پر کبھی ثابت ہوا۔ اس لیے کہ وہ گروہ جس کی خبر کو قبول کرنا لازم ہے وہ یا تو وہ جماعت ہے جسکے متعلق یہ یقین کیا جاسکے کہ یہ متفق نہیں ہوگئی ہے۔ ان کی سندوں کے اختلاف کی وجہ سے۔ اور ان کے آپس میں نہ ملنے کی وجہ سے جس خبر کو انھوں نے مشاہدے یا کسی ایسے ذریعے سے جو مشاہدے کی طرف رجوع کرتا ہے نقل کیا ہے اس پر ان سب کے دلوں کے متفق ہونے کے محال ہونے کی وجہ سے۔ اگر چہ وہ دو یا زیادہ ہوں۔ یا اتنی کثیر تعداد ہو کہ قدرۃً ان کا اس پر متفق ہونا ناممکن ہو کہ جس خبر پر لوگ متفق ہوگئے ہیں ان کے طریقوں پر باقی رہیں۔ پھر یہ لوگ ایسی خبر بیان کریں جس کا انھوں نے خود مشاہدہ کیا اور اس میں اختلاف نہیں کیا۔ ان دو صفت والوں میں سے کوئی بھی انھیں صفت والے شخص سے خبر کو نقل کرے اور اسی طرح یہاں تک کہ وہ مشاہدے تک پہنچ جائے۔ بس یہی صفت اس جماعت کی ہے جس کی خبر کو قبول کرنا لازم ہے اور جس کی خبر سامع کو اپنی تصدیق پر مجبور کر دیتی ہے خواہ وہ عادل و معتبر ہوں یا فاسق یا کافر۔ اور بغیر دلیل کے اس کی صحت پر یقین نہ کیا جائے گا۔

قتل وصلب کی نقل :

جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم نے ان لوگوں میں غور کیا جنھوں نے مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی خبر نقل کی تو بلا شک ہمیں یہ ایسی جماعتیں ملیں جو اس خبر کے نقل کرنے میں سچی تھیں اور جس کو ایک جماعت نے دوسری جماعت سے نقل کیا تھا یہاں تک کہ وہ لوگ جنھوں نے حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے مشاہدے کا دعویٰ کیا تھا۔ بس اس مقام پر صفت بدل گئی اور ایسے رذیل لوگوں کی طرف پلٹ گئی جو (غلط خبر دینے پر) مامور و متفق تھے اور وہ جھوٹ بولنے اور قول باطل پر رشوت قبول کرنیکے ذمہ دار بنائے گئے تھے۔

نصاریٰ اقرار کرتے ہیں کہ مسیح کی گرفتاری کے لیے یہ لوگ عوام کے خوف سے دن کو نہیں آئے۔ اور انھوں نے رات کو لوگوں کے فصح سے چلے جانے کے بعد مسیح کو گرفتار کیا۔

یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ وہ دن کو صرف چھ گھنٹے تک سولی پر رہے اور پھر فوراً اتار لیے گئے۔ انھیں ایسے مقام پر سولی دی گئی جو شہر سے دور فخار کے باغ میں تھا اور فخار کی ملک میں تھا۔ جو سولی کا مشہور مقام نہ تھا نہ وہاں لوگوں کو سولی دی جاتی تھی اور نہ وہ اسکے لیے وقف تھا۔ اور اس سب کے بعد بدمعاشوں کو رشوت دی گئی کہ وہ یہ کہیں کہ اصحاب مسیح انھیں چرا لے گئے۔ ان لوگوں نے یہی کیا۔ مریم مجدلانیہ جو عوام میں سے ایک عورت تھی حضورمہ میں جو سولی کا مقام تھا آمد و رفت کرتی رہی بلکہ وہ دور کھڑی دیکھتی رہی۔

یہ سب ان لوگوں کے نزدیک انجیل کی نص و تصریح میں ہے۔ لہذا یہ تو غلط ہوگیا کہ ان کی سولی کی خبر ایک بڑی جماعت نے نقل کی ہو۔ بلکہ یہ خبر اس طریقے کی ہے کہ اس کا ظاہر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ پوشیدہ رکھی گئی ہے اور اس پر اتفاق کر لیا گیا ہے۔

نص انجیل کے مطابق اس شب کو حواریین کی یہ حالت تھی کہ انھیں خود اپنی جانوں کا اندیشہ تھا۔ وہ اس مقام سے غیر حاضر تھے۔ اپنی

جان بچا کے بھاگ رہے تھے۔ اور پوشیدہ تھے۔ دغا باز شمعون کو لالچ دیا گیا تھا وہ دن کی روشنی میں قیقان کاہن کے گھر میں گھس گیا اور اس سے کہا کیا تو بھی مسیح کے اصحاب میں ہے؟ تو اس نے انکار کیا اور گھر سے بھاگ گیا۔ لہذا یہ غلط ہے کہ مسیح کی سولی کی خبر کسی ایسے شخص نے نقل کی ہے جس کی سچائی کو دل خوشی سے مان لے۔ پھر کیا فائدہ اگر اس کو ایک بڑی جماعت نقل کرتی ہے۔

کلام اللہ کی تصدیق :

کلام الٰہی کے یہی معنی ہیں ''ولکن شبه لهم '' (لیکن انھیں دھوکا ہوگیا مسیح کو نہ قتل کیا گیا نہ سولی دی گئی) اس سے اللہ تعالی کی مراد یہ ہے کہ ان فاسقوں نے جنھوں نے اس باطل کی تدبیر کی اور اس پر اتفاق کر لیا۔ انھوں نے اپنی پیروی کرنے والوں کو دھوکے میں ڈالا۔ اور انھیں یہ خبر دی کہ انھوں نے مسیح کو سولی دیدی اور قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ اس خبر میں مکاری کر رہے تھے اور جانتے تھے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ یہ واقعہ کسی صحیح حواس والے پر مشتبہ ہو جاتا تو تمام نبوتیں باطل ہو جاتیں۔ کیونکہ (معجزات کے متعلق احتمال ہوتا کہ) شاید صحیح حواس کو دھوکا ہو گیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو تمام حقائق ہی باطل ہو جاتے۔ اور یہ احتمال ہوتا کہ ہم میں سے ہر شخص کھانے میں۔ لباس پہننے میں اور کسی شخص کی ہمنشینی میں اور اس جگہ میں کہ جہاں وہ ہے دھوکے میں ہے (یعنی جو کچھ اس کی سمجھ میں آ رہا ہے درحقیقت واقعہ اس کے خلاف ہے اور نظر کا قصور ہے) اور شاید وہ سو رہا ہے یا اس کے حواس کو دھوکا ہو رہا ہے۔

آیت کا مطلب :

قرآن کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ لوگوں نے جو مسیح کو سولی دیتے دیکھا۔ ان دیکھنے والوں کو دھوکا ہوا۔ درحقیقت وہ سولی نہ تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ چند آدمیوں نے مسیح کے دشمنوں سے رشوت ٹھیرالی اور انھیں آبادی سے دور کسی طرح لے گئے اور وہاں پہنچنے کے بعد جب مسیح غائب ہو گئے اور آسمان پر اٹھا لیے گئے تو ان لوگوں نے وہاں سے آ کر مسیح کے دشمنوں سے یہ واقعہ چھپایا اور ان سے یہی کہا کہ ہم نے قتل کر دیا۔ اور یہ کہہ کر اپنی رشوت وصول کر لی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو قتل کے لیے جو معاوضہ طے ہوا تھا وہ انھیں کیسے ملتا؟۔ اور چونکہ مسیح آسمان پر اٹھا لیے گئے اس لیے ان جھوٹوں کو اپنے جھوٹ کے کھلنے کا بھی اندیشہ نہ تھا اور مسیح کے گم ہو جانے سے لوگوں کو ان کے بیان پر یقین بھی آ گیا۔ بس واقعہ یہ ہے کہ یہ چند بدمعاش ہی قتل کے پہلے راوی ہیں اور بقیہ اشخاص ان پر اعتماد کر کے اس خبر کے دنیا بھر میں شہرت دینے والے ہیں اور خود ان میں سے کوئی شخص اس واقعے کا دیکھنے والا نہیں ہے اس لیے قرآن سچا ہے اور یہ لوگ جھوٹے تو نہیں مگر مغالطے میں ہیں۔

اشتباہ نظر :

اس قول میں کہ دیکھنے والوں کو واقعہ قتل میں شبہ ہو گیا سوفسطائیہ کے قول اور حماقت و بیہودگی کی طرف جاتا ہے اور ہم نے خود اپنے زمانے میں اسی طرح کے ایک واقعے کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

ایک مشاہدہ :

ہم لوگ المؤید ہشام بن الحکم المستنصر کے دفن کے وقت موجود تھے۔

میں نے اور دوسرے لوگوں نے ایک جنازہ دیکھا جس میں ایک شخص کفنایا ہوا تھا۔ اس کے غسل کے وقت دو جلیل القدر شیخ جو حکمائے مسلمین میں سے تھے موجود تھے۔ چند عادل قاضی گھر کے اندر تھے۔ گھر کے باہر میرے والد رحمۃ اللہ علیہ اور معززین شہر کی ایک جماعت تھی

ہم نے ہزار ہا آدمی کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ تقریباً سات مہینے سے زیادہ نہ گزرے ہوں گے کہ وہ زندہ ہو کے ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد اس سے بیعت خلافت کی گئی۔ میں اور دوسرے لوگ بھی اس کے پاس گئے اس کے سامنے بیٹھے اور اسے دیکھا۔ اور وہ تقریباً دو مہینے کم تین سال تک زندہ رہا۔ (مطلب یہ ہے کہ درحقیقت موید نہیں مرا تھا بلکہ یہ لوگوں کا فریب تھا۔)

جماعت نہ تھی :

معترض کا یہ کہنا کہ تم نے جماعت پر فریب دہی کے الزام کو جائز رکھا (تو یہ غلط ہے) کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ ہرگز جماعت نہ تھی (بلکہ چند رشوت خوار بدمعاش تھے جنھوں نے دیدہ ودانستہ جھوٹی خبر مشہور کر دی تھی یہاں تک کہ اگر یہ صحیح ہو کہ وہ ایک بڑی جماعت تھی تو پھر ہر معجزے میں یہ کیونکر ناممکن ہوگا کہ وہ طبائع اور حواس کو بدل دیتا ہے۔ یہ بدیہی طور پر ممکنات پر محمول نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ صحیح ہو کہ وہ بہت بڑی جماعت تھی تو اللہ تعالی کی یہ خبر "**شبــه لهــم**" (انھیں فریب دیا گیا) ان کے حواس پر حاکم اور ان کی بدل دینے والی ہوگی جیسا کہ شب ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کے سو آدمیوں کے سامنے سے نکل جانا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کی جانب سے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ لوگ آپ کو نہ دیکھ سکے۔

جب تک اللہ عزوجل کی جانب سے یہ خبر نہ آئے کہ بڑی جماعت پر مشتبہ ہو گیا اور انھیں دھوکا ہو گیا اس وقت تک یہ کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ محال کا یقین کرنا اور طبیعت کا بدلنا ہے۔ اور طبائع کا بدلنا ممکن میں داخل نہیں اس کے سوا کہ اس کے متعلق اللہ عزوجل کی جانب سے یقین دلایا جائے تو پھر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔

نقل کلام نصاریٰ

دھوکا ہو جانا ایک دو یا اسی کے قریب لوگوں کو تو ممکن ہے۔ اور اسی طرح عقل نہ ہونا اور بیوقوف ہونا ایک دو یا اسی کے قریب لوگوں کے لیے ممکن ہے لیکن پوری جماعت کے لیے ممکن نہیں۔

کلام الٰہی **وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم** (یعنی نہ انھوں نے مسیح کو قتل کیا نہ سولی دی۔ لیکن لوگوں کو دھوکا دیا گیا) یہ محض ان یہود و نصاریٰ کی خبر دیتا ہے جو اپنے اسلاف کی تقلید میں کہتے تھے کہ مسیح علیہ السلام قتل کر دیے گئے اور انھیں سولی دیدی گئی۔ ان لوگوں کو شبہے میں ڈالا گیا یعنی مسیح کے متعلق یہ لوگ شبہے میں ڈالے گئے اس وقت انھیں دھوکا دینے والے چند بدکار بوڑھے اور کچھ بدمعاش لوگ تھے جن کے متعلق یہ یقین کر لیا گیا کہ انھوں نے مسیح کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا حالانکہ یہ بدمعاش جانتے تھے کہ ایسا نہیں ہوا اور انھوں نے جس کو پایا پکڑ لیا اور خفیہ طور پر لوگوں کی آڑ میں اسے قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا۔ پھر اسے اتار کر ان عام لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے جن پر اس واقعے کی خبر مشتبہ بھی دفن کر دیا۔

اسے کیا کہتے ہیں؟

جب ہم اللہ کی قوت وقدرت سے اس مسئلے میں ایسا بیان دے چکے جس میں لوگوں نے کوئی حرف گیری نہیں کی تو اس کے بعد ہم یہود و نصاریٰ سے کہتے ہیں کہ تمھارے بڑے بڑے گروہوں نے اپنے بعض انبیاء کی بدکاری اور کنیزوں کیساتھ مجامعت نقل کی ہے حالانکہ وہ تمھارے نزدیک حرام ہے۔ اور ہارون علیہ السلام کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ انھیں نبی اسرائیل کے لیے گوسالہ بنایا اور انھیں اس کی عبادت کا اور اس کے آگے ناچنے کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو غیر اللہ کی عبادت سے اور اس کے حکم دینے سے اور ہر معصیت اور

رذیل کام سے پاک و بری بتایا ہے۔ پھر جب ان سب نے اس کو انبیاء پر جائز رکھا جن میں موسی علیہ السلام اور ان کے بقیہ انبیاء ہیں تو یہ ہوگا کہ جو کچھ ان انبیاء نے انھیں حکم دیا وہ گوسالہ رقص گوسالہ کی عبادت کی قسم سے اور کنیزوں سے مجامعت اور ان تمام باتوں کی قسم سے ہوگا جو انھوں نے حضرت داؤد حضرت سلیمان اور تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کی ہیں۔ اور یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ گوسالہ اپنی طبیعت سے بولتا تھا (حالانکہ یہ خلاف عقل ہے)

ہمارا جواب ان تمام امور میں یہ ہے کہ ان میں سے ایک بات بھی کسی بڑی جماعت نے (خود دیکھ کر) نقل نہیں کی چند افراد نے نقل کی جو اس میں جھوٹ بولے۔ گوسالے کی آواز جیسا کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں یہ تھی کہ وہ ہوا کی آواز تھی جو اس کے منہ سے داخل ہو کر اس کی دم سے نکلتی تھی۔ نہ یہ کہ وہ کبھی اپنی طبیعت سے بولتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہو کہ وہ اپنی طبیعت سے بولتا تھا تو یہ بھی اس قوت کی وجہ سے ہوگا جو اس مشت خاک میں تھی جس کو سامری نے جبریل علیہ السلام کے نقش قدم میں سے اٹھالیا تھا۔ جو معتبر بات ہے وہ وہی ہے جو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ اور توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

مفروضات کی بحث

معترض کا یہ کہنا کہ سولی کے غلط ہونے کی آیت نازل ہونے سے پہلے کیا فرض تھا آیا سولی کا اقرار یا انکار۔ یہ بھی تقسیم فاسدہ و فریب ہے اور متقدمین متکلمین نے اس سے ڈرایا ہے۔ اور اہل معرفت نے حدود کلام میں اس پر تنبیہ کی ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ان لوگوں نے پہلے ایک فرض کو ضروری ٹھہرایا پھر اس کی دو قسمیں کر دیں۔ انکار کا فرض ہونا یا اقرار کا فرض ہونا۔ اور ایک صحیح قسم سے منہ پھیر لیا اور اسکا ذکر ہی نہیں کیا۔ اس بات کو سوائے جاہل یا بیہودہ یا فریبی یا خود اپنے آپ کو نقصان میں ڈالنے والے یا کسی کو دھوکا دینے والے کے کوئی اپنے لیے پسند نہ کرے گا۔

اس مقام پر سچائی یہ تھی کہ وہ یوں کہتا کہ قبل نزول قرآن لوگوں پر مسیح کی سولی کا اقرار فرض تھا یا انکار فرض تھا یا ان میں سے کچھ بھی فرض نہ تھا بس یہی تقسیم صحیح و سوال صحیح ہے حق جواب یہ ہے کہ قبل نزول قرآن لوگوں پر اس کے متعلق کچھ بھی فرض نہ تھا نہ سولی کا اقرار نہ انکار۔ یہ محض ایک خبر تھی جو نہ عذر کو قطع کرتی ہے اور نہ علم کو ضروری ٹھہراتی ہے جس کے قائل کا سچا ہونا بھی ممکن تھا۔ کیونکہ بہت سے انبیاء قتل کیے گئے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس کا ناقل اس میں جھوٹا ہو۔

اس کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کسی گھر کے اندر کی پوشیدہ چیز اس سوال فاسد کے پیش کرنے والے سے کہا جائے کہ اس گھر کے اندر جو چیز پوشیدہ ہے اس کے متعلق لوگوں پر کیا فرض ہے آیا اس کا اقرار کہ اس میں مرد ہے یا اس کا انکار۔ ان سب باتوں سے کچھ بھی لازم نہیں آتا۔ قرآن سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی جس میں مسیح علیہ السلام کی سولی کا اقرار یا انکار فرض ہو۔ یہ تو قرآن کے نازل ہونے کے بعد فرض ہوا کہ مسیح کی سولی کی خبر کی تکذیب کی جائے۔

اگر وہ کہیں کہ خود حواریین نے سولی کی خبر نقل کی ہے اور وہ نبی و عادل تھے۔ تو بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے کہ جو لوگ حواریین کی نبوت و معجزات کے اور اس کے کہ وہ مسیح علیہ السلام کی سولی کے قائل تھے" ناقل ہیں وہ وہی لوگ تو ہیں جنھوں نے حضرت مسیح کے نسب میں جھوٹی باتیں بیان کی ہیں۔ اور اس عقیدہ تثلیث کو بیان کیا ہے کہ جو اس کا قائل ہوگا وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا اور اللہ پر افترا کرنیوالا اور اس کا کافر ہے۔

اگر حواریین سے ان امور کا نقل کرنے والا سچا ہے یا وہ ایک بہت بڑی جماعت ہے تو پھر یوحنا۔ متی۔ بولس محض جھوٹے اور کافر تھے اور یہ کبھی حواریین صالحین میں سے نہیں ہو سکتے۔

اگران باتوں کا ناقل جو ہم نے ان کے متعلق بیان کیں کاذب ہے تو کاذب کی خبر ونقل پر حجت قائم نہیں ہوتی۔ لہذا پہلی فریب کاری بھی باطل ہوگئی۔ والحمدللہ رب العلمین ۔

عجیب فلسفہ :

نصاریٰ کے متکلمین کہتے ہیں کہ ''اتحاد مذکور (یعنی اب وابن وروح القدس کا اتحاد) تو محض انجیل کی تقلید ہے۔ کہ نہ کوئی نقل وحرکت تھی اور نہ باری تعالیٰ اور نہ علم اس سے جدا ہوئے جس پر کہ وہ تھے۔ اور نہ وہ دونوں منتقل ہوئے۔

ان سے کہا جائے کہ یہ تو اتحاد کا ابطال ہے اور تمہارا اس کا قائل ہونا ہے کہ اس میں باری تعالیٰ کا اور اس کے مغایر کا حصہ برابر ہے۔

اور تمھاری امانت کے خلاف ہے جس میں یہ ہے کہ بیٹا آسمان سے اترا اور مجسم ہوگیا اور جنا گیا اور قتل کر دیا گیا اور دفن کر دیا گیا۔

حجاب الٰہی :

بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ ''مسیح اللہ کا حجاب ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گفتگو کرتا ہے''۔ ان لوگوں سے کہا جائے کہ تم تو کہتے ہو کہ مسیح رب معبود والہ خالق ہیں۔ اور حجاب تو تمھارے نزدیک بھی مخلوق ہے۔ اور مسیح تمھارے یہاں بعض کے نزدیک طبیعت واحد ہیں اور بعض کے نزدیک دو طبیعتیں ہیں۔ ناسوتیہ۔ لاہوتیہ۔ لہذا ہمیں بتاؤ تو کہ تم ناسوتیہ ولاہوتیہ دونوں طبیعتوں کی ملا کر عبادت کرتے ہو یا ان میں سے صرف ایک کی کرتے ہو اور دوسری کی نہیں کرتے۔ اگر کہیں کہ ہم تو دونوں کی عبادت کرتے ہیں۔ تو انھوں نے اس کا اقرار کرلیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان اور حجاب مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ بدترین شرک ہے۔

اگر کہیں کہ ہم تو صرف لاہوت کی عبادت کرتے ہیں تو ان سے کہا جائے کہ تب تو تم نصف مسیح کی عبادت کرتے ہو نہ کہ کل مسیح کی۔ اس لیے کہ وہ تو دو طبیعتیں ہیں جن میں سے تم ایک کی عبادت کرتے ہو نہ کہ دوسری کی۔

اسی طرح ان سے مسیح کی موت اور سولی کو بھی پوچھا جائے اور ملکیہ اور نسطوریہ تو اس کے قائل ہیں کہ موت اور سولی صرف ناسوت پر واقع ہوئی۔ ان سے کہا جائے کہ تمھارا یہ قول جھوٹا ہے کہ مسیح مر گئے اور سولی پا گئے۔ اس لیے کہ نصف مسیح مرے اور نصف مسیح نے سولی پائی۔ کیونکہ تمھارے نزدیک اسم مسیح لاہوت وناسوت کے مجموعے پر واقع ہے نہ کہ ان میں سے کسی ایک پر اور دوسرے پر نہیں۔

یعقوبیہ میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ ''انسان والہٰ شے واحد تھے تو انھیں لازم ہے کہ وہ انسان کی پرستش کیا کریں۔ کیونکہ جب آلہ کی پرستش کی جائے گی اور وہ الہٰ انسان ہے تو پھر انسان ہی کی پرستش کی گئی اور ان کا رب انسان مخلوق ہوا۔

جو یہ کہتا ہے کہ الہٰ غیر انسان ہے تو اس نے اتحاد کو باطل کر دیا۔ اسی طرح ان سے اللہ کے ساتھ والے حجاب کے بارے میں بھی بالکل اسی طور پر کہا جائے۔ ان سب فرقوں پر یہ الزام بھی ہے کیونکہ یہ سب عبادت مسیح کو اسی طرح مانتے ہیں کہ وہ رب خالق تھے۔ حالانکہ انجیل میں ہے کہ ''وہ بھوکے تھے تو انھوں نے روٹی اور مچھلی کھائی اور پسینہ آیا اور انھیں پیٹا گیا تو کیا ان کے رب نے کھایا اور بھوکا ہوا اور الہٰ پیٹا گیا اور طمانچہ مارا گیا اور سولی دی گئی اواس کی رذلت بدگوئی اور غلط بیانی کافی ہے۔

ملکیہ ویعقوبیہ سے کہا جائے جو اس کے قائل ہیں کہ ''مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور مریم کے بیٹے ہیں''۔ کہ تم نے اقرار کرلیا کہ مسیح انسان والہٰ ہیں۔ تو انسان تو ابن اللہ وابن مریم ہوا۔ اور آلہ ابن مریم ہوا۔ اور یہ انتہائی خرافات ہے۔

تحقیق من ورائے حجاب :

اگر کہیں کہ تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمہارے قرآن میں ہے ’’**وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب** ‘‘ (یعنی بشر کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بغیر وحی یا بغیر حجاب کے کلام کرے)۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وادی کے کنارے طور کے کنارے درخت سے موسیٰ سے کلام کیا۔ تو ہم کہیں گے کہ تکلیم (کلام کرنا) اللہ کا فعل ہے جو مخلوق ہے۔ اور حجاب محض تکلیم کے لیے ہے (نہ کہ اللہ کے لیے) تکلیم وہی ہے جو درخت میں اور وادی کے کنارے اور طور کے ایک طرف پیدا ہوئی۔ اور یہ سب مخلوق و حادث ہے۔

اسی طرح جبریل علیہ السلام کا دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آنا محض اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور جن کو وہ قوت دی ہے جس سے وہ جس صورت میں چاہتے ہیں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب مخلوق ہیں۔ ان پر اعراض کا گذر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب میں ان کے مغایر ہے۔

ان امور میں سے جن سے نصاریٰ پر اعتراض کیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ ان سب کے لیے برہان ضروری نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں پر برہان ضروری ہے جو اسی شریعت کے پیرو ہیں جس پر ملکیہ نسطوریہ۔ یعقوبیہ اور مارقیہ عمل کرتے ہیں جو ان کے لیے قطعی ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو ہمارے اور بعض نصاریٰ کے درمیان میں آ چکا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں ہیں۔

یا تو بعد عیسیٰ علیہ السلام نبوت کے بطلان کے قائل ہوں گے۔

یا بعد آپ کے اس کے امکان کے قائل ہوں گے۔

اگر وہ آپ کے بعد امکان نبوت کے قائل ہوں تو انھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار بھی لازم ہے اس لیے کہ آپ کے معجزات و علامات کا نقل کرنا اتنے بڑے بڑے گروہوں سے ثابت ہے کہ جن کے مثل عیسیٰ وغیرہ علیہم الصلوۃ والسلام کے علامات نقل کرنے والے ہیں۔

اگر وہ بعد عیسیٰ علیہ السلام بطلان نبوت کے قائل ہوں تو انھیں اپنی تمام شریعت ترک کرنا پڑے گی۔ نماز تعظیم یکشنبہ۔ اور روزہ۔ ترک گوشت خوری و ترک نکاح و عید و حلت خنزیر مردار و خون ترک ختنہ۔ اور اہل مراکب کو اپنے دین کے مطابق ترک نکاح۔ کیونکہ یہ تمام مذکورہ بالا امور انکی چاروں انجیلوں میں سے کسی میں بھی نہیں بلکہ ان کی انجیلیں تو ان تمام امورے کو باطل کرتی ہیں جن پر آج ان کا عمل ہے۔

انجیلوں میں ہے کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ توریت کی شریعت کو بدل دوں۔ اور حضرت اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب یوم سبت (ہفتہ) و یہود کی عید فصح وغیرہ کو مانتے تھے۔ بخلاف ان تمام امور کہ جن پر وہ لوگ آج ہیں۔

اگر وہ مسیح کے بعد وجود نبوت سے انکار کریں اور شریعت سوائے انبیاء کے اور کسی کی نہیں لی جاتی۔ ورنہ پھر اس کا شارع غیر انبیاء علیہم السلام میں سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ پر حاکم ہوگا۔ اور یہ سب سے بڑا شرک و کذب اور لغو ہے۔ ان کی شرائع جو انکا دین ہیں قطعاً کسی نبی سے ماخوذ نہ ہوئیں۔ اور وہ معاصی ہوئیں جن کا یقیناً بلاشک اللہ پر افترا کیا گیا ہے۔

15827

واحد عدد نہیں

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اللہ کی مدد و توفیق و تائید سے انشاء اللہ (لا الہ الا ھو) یہ بیان شروع کریں کہ واحد عدد نہیں ہوتا۔

عدد کا خاصہ:

بتوفیق الہی ہم کہتے ہیں کہ عدد کا خاصہ یہ ہے کہ ایک دوسرا عدد اسکے مساوی پایا جائے اور ایک اور عدد پایا جائے جو اس کے مساوی نہ ہو۔ اور یہ وہ چیز ہے جس سے کوئی عدد ہرگز خالی نہیں ہوسکتا۔ مساوات یہ ہے کہ جب اس کے ابعاض (افراد) کا تجزیہ کیا جائے تو وہ سب اس کے مساوی ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ فرد و فرد (طاق و طاق) مساوی ہیں "اثنین (دو) کے اور زوج (جفت) و فرد (طاق) مساوی نہیں ہے۔ زوج (جفت) کے جو "دو" ہیں اور ۵ مساوی ہیں ۲+۳ کے اور غیر مساوی ہیں ۳ کے اور اسی طرح عالم میں تمام عدد ہیں۔

بس یہی معنی ہیں ہمارے قول کے کہ مساوی و غیر مساوی ہونا خاصہ عدد کا ہے اور ہم نے یہی مساوات مراد لی ہے نہ کچھ اور۔

اگر واحد کے ابعاض اس کے مساوی ہوں گے تو وہ بلاشک کثیر ہوگا اس لیے کہ درحقیقت واحد مطلق تو وہی ہے جو کثیر نہ ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جس میں کسی صحیح حس والے کو شک نہیں ہوسکتا۔ ہر وہ شے کہ جس کے ابعاض ہوں بلاشک وہ کثیر ہے۔ اور اس وقت بدیہی طور پر وہ واحد نہیں ہے لہذا بدیہی طور پر واحد وہی ہے جس کے ابعاض نہ ہوں لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ واحد کہ جس کے ابعاض اس کے مساوی نہ ہوں وہ عدد ہے۔ اور ہم یہی بیان کرنا چاہتے تھے۔

بداہت کی شہادت :

حس و بداہت و عقل اور وجود واحد پر شہادت دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر واحد موجود نہ ہوتا تو ہرگز کسی عدد پر قدرت نہ ہوتی۔ کیونکہ، واحد ہی عدد و معدود کا وہ مبداء ہے (جہاں سے عدد شروع ہوتا ہے) کہ بغیر اس کے وجود کے عدد و معدود تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

اگر واحد نہ پایا جاتا تو دنیا میں نہ کوئی عدد کبھی پایا جاتا نہ معدود حالانکہ تمام عالم ہی اعداد و معدودات موجود ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ واحد بھی موجود ہے۔

جب ہم تمام عالم میں نظر طبیعی و ضروری ڈالتے ہیں تو ہم اس میں کسی وجہ سے بھی کوئی حقیقی واحد نہیں پاتے اس لیے کہ عالم میں ہر جسم منقسم ہے اور تجزیے کا احتمال ہے۔ اور ہمیشہ انقسام کی وجہ سے بے حد متکثر ہے اور ہر حرکت بھی اپنے متحرک کے ساتھ اس کے انقسام کی وجہ سے منقسم ہے۔

زمان حرکت فلک ہے اور وہ بھی انقسام فلک کی وجہ سے منقسم ہے۔ اور ہر مدت بھی اپنے متحرک کے ساتھ اس کے منقسم ہونے کی وجہ سے منقسم ہے۔

اسی طرح مقولات میں سے ہر مقولہ خواہ جنس یا نوع یا فصل سب منقسم ہیں۔

اسی طرح ہر عرض جو کسی جسم میں محمول ہے وہ بھی اپنے حامل کے انقسام کی وجہ سے منقسم ہے۔

یہ وہ امر ہے جو بداہت عقل ومشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور عالم سوائے مذکورہ بالا اشیاء کے کوئی چیز نہیں لہذا ثابت ہوگیا کہ عالم میں قطعاً کوئی واحد نہیں ہے اور ہم ابھی ایک بدیہی دلیل سے ثابت کرر چکے ہیں کہ واحد کا وجود ضروری ہے اور جب واحد کا وجود ضروری ہے۔ اور قطعاً عالم کی کوئی چیز واحد نہیں ہے۔ تو وہ لامحالہ کوئی شے ہے جو عالم کے مغایر ہے۔ پھر جب یہ اس طرح ہے تو پھر اس ضرورت سے کہ بغیر اس کے مفر نہیں۔ بس وہی واحد اول ہے جو خالق عالم ہے۔ اس لیے کہ عقل کے نزدیک سوائے خالق عالم کے عالم کے مغایر اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

• وہی واحد اول اللہ ہے کہ سوائے اس کے کوئی آلہ نہیں، جو ہر گز متکثر نہیں، نہ بذریعہ عدد نہ بطور صفت اور نہ کسی اور وجہ سے۔ اس کے سوا ہرگز کوئی واحد نہیں۔ اور نہ اس کے سوا ہرگز کوئی اول ہے اور نہ کوئی اسکے سوا موجد فاعل خالق ہے وتنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

بطور مجاز :

ہم نے محض عالم کے ہر فرد کے متعلق کہا جس کا نام لغت میں شمار کے وقت واحد ہے بطور مجاز کے ہے۔ وہ معنی کے اعتبار سے کثیر ہے کیونکہ اس میں تقسیم کا احتمال ہے۔ اور اس کی مساحت ہے جس کے کثیر اجزاء ہیں جب وہ تقسیم کیا جاتا ہے تو اس میں کثرت ظاہر ہو جاتی ہے۔ لیکن جو تقسیم نہیں ہو سکتا وہ فرد (واحد) حقیقی ہے۔ اور ہم نے اپنی اس کتاب کے آخر میں ایسی برہان بیان کی ہے جس سے عالم کے ہر جزء کے انقسام کا احتمال واجب ہو جاتا ہے۔ جو ایسی براہین ہیں جن سے مفر نہیں۔ **وباللہ التوفیق** ۔

اگر کوئی معترض کہے کہ تم باء وتاء اور تمام حروف ہجاء کے بارے میں کیا کہتے ہو، کیا ان میں سے ہر حرف ایسا واحد نہیں جو منقسم نہ ہو سکے۔ بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ یہ ایک فریب ہے اور اس قسم کے فریبوں کو یاد رکھنا مناسب ہے۔ اس لیے کہ حرف محض ایک ہوا ہے جو اس حرف کے مخرج سے بعض آلات صوت کے اس ہوا کے نکالنے سے پھیپھڑے اور اوپر کی کچلیوں اور حلق اور تالو اور زبان اور دانتوں اور ہونٹوں سے نکلتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ نکلنے والی ہوا جسم طویل عریض عمیق ہے اور اس میں بدیہی طور پر منقسم ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہی ہوا حرف ہے۔ لہذا حرف جسم ہوا جو انقسام کو قبول کر سکتا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

جناب باری نے کیا پورے عالم کو جیسا کہ ہے، مع تمام احوال، بغیر کسی زمانے کے پیدا کردیا ؟

ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو خالق کو تو مانتے ہیں مگر نبوت کو نہیں مانتے اور ان لوگوں کو بھی جو اس طریقے پر چلتے ہیں۔ ہم نے ایک شخص سے اس پر مناظرہ کیا۔ میں نے کہا کہ تم جو کچھ کہتے ہو اللہ تعالیٰ کی قوت میں ممکن ہے۔ اور جو ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی سے (پہلے) ایک مرد پیدا کیا اور (پھر) ایک عورت پیدا کی۔ لوگوں کی نسل انھیں دونوں سے چلی۔ ممکن تو یہ بھی ہے۔ پھر تم اس حیثیت سے (کہ سب سے پہلے انسان اور باپ تمھیں بنتے) اس حیثیت کی طرف کیوں مائل ہو گئے؟

وہ کچھ دیر سوچتا رہا جب اسے کوئی دلیل نہ ملی تو کہنے لگا کہ تم لوگ بھی اس حیثیت سے اس حیثیت کی طرف کیوں مائل ہو گئے؟

میں نے کہا کہ ان دلائل ضرور یہ کی وجہ سے جو ہمارے قول کو ثابت کرتی ہیں اور تمھارے قول کی نفی کرتی ہیں۔

منجملہ ان دلائل کے ایک یہ ہے کہ اگر یہ ہوتا جو تم کہتے ہو تو یہ ضرور ہوتا کہ اس وقت جس شخص کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود کی طرف لاتا جوان یا بوڑھے وہ اسے جانتے اور خود سے اسے محسوس کرتے اور یقین کرتے کہ وہ اس وقت اسی کی وجہ سے پیدا ہوئے اور اس کے قبل نہ تھے۔ اور اب وہ ایسے حال میں پیدا ہوئے ہیں کہ وہ اپنی صنعتوں تجارتوں اور اپنے دوسرے کاموں میں کھیتی کاشتکاری پارچہ بافی سلائی روٹی اور کھانا پکانے اور دوسرے کاموں میں مشغول ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اسے ضرور اپنی اولاد سے اس طرح نقل کرتے کہ انھیں اس کے متعلق علم یقینی حاصل ہو جاتا۔ جیسا کہ ہر وہ نقل جو اس (عدم سے وجود میں) آنے سے کتر لاتی ہے اس سے علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے کہ ہم سے پہلے بادشاہ تھے سلطنتیں تھیں۔ جنگیں ہوئیں اور اس طرح زمانہ ہم تک پہنچا۔ اور اس کو سب لوگ یقینی طور پر جانتے کیونکہ جس بات کو تمام روئے زمین کے لوگ اپنے مشاہدے سے بیان کریں اس میں کبھی شک کرنا ممکن نہیں۔ جیسا کہ طلوع و غروب آفتاب اور موت و ولادت وغیرہ کو بیان کیا جائے۔ حالانکہ ہم بات اس کے خلاف پاتے ہیں اس لیے کہ ہم تمام روئے زمین کے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ قطعاً اس کو نہیں جانتے بلکہ ان میں سے ایک بھی اس کو نہیں جانتا۔ اور تم نے جو اس کو بیان کیا اور تم نے جس کی موافقت کی اور میں نے جس کی موافقت کی یہ محض رائے اور ظن سے ہے نہ کہ خبر و نقل ہے۔

یہ محال و ممتنع ہے کہ جس خبر کو تمام اہل عالم اول سے آخر تک اپنے مشاہدے سے ان لوگوں سے بیان کریں جو ان کے بعد پیدا ہوئے اور وہ خبر اس طرح پوشیدہ رہے کہ اسے روئے زمین کا کوئی باشندہ بھی نہ جانے۔ یہ وہ امر ہے جس کا کذب ابتدائی عقل اور بداہت ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔

اس نے کہا کہ وہ بات جو تم بیان کرتے ہو اس کے متعلق بھی ہم نے ایسی جماعتیں پائی ہیں جو اس کی منکر ہیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ وہ امر بھی باطل ہو جائے جس سے تم ہم سے معارضہ کرتے ہو۔

میں نے کہا کہ دونوں نقلوں اور خبروں میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ اس لیے کہ ہماری نقل صرف ایک مرد اور ایک عورت کے بیان کی طرف رجوع کرتی ہے [illegible] جن کو اللہ نے نوع انسانی میں سب سے پہلے پیدا کیا۔ جو خبر اس طرح کی ہو اس سے علم ضروری

نہیں حاصل ہوتا۔ اس لیے کہ اس میں متفق ہو جانا ممکن ہے۔ اگر وہ انبیاء جو معجزات لائے اس خبر کی تصیح نہ کرتے تو محض نقل کے طور پر ہمارا قول ثابت نہ ہوتا۔ بلکہ ممکن ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں ایک جماعت پیدا کی جس سے مخلوق کی نسل چلی۔ لیکن جب ایسے شخص نے خبر دی جس کے قول کی تصیح معجزے نے کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی میں شروع میں صرف ایک مرد اور ایک عورت کو پیدا کیا تو اس کے قول کی تصدیق واجب ہوگئی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ تم نے ہمارے اس قول کی صحت تو ثابت کر دی اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو اس طرح شروع کیا کہ اس نے ایک مرد اور ایک عورت کو پیدا کیا پھر تم نے ایک زیادت کا دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو کے سوا جماعتیں پیدا کیں اور اس پر نہ تو کوئی برہان لائے اور نہ کوئی دلیل اقناعی لائے چہ جائیکہ برہانی ان براہین سے جو ہم پہلے لائے ہیں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ایک مبداء کا ہونا ضروری ہے لہذا ایک عورت اور ایک مرد کا پیدا ہونا ضروری ہوا جو اس سے زیادہ کے پیدا ہونے کا مدعی ہے۔ وہ ایسی بات کا مدعی ہے جس پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اور جو ایسا ہو بلا شک وہ باطل ہے۔

جو بات میں نے بیان کی وہ ایسی خبر ہے جو ہند، مجوس، صائبین، یہود، ونصاریٰ اور مسلمین سب میں ہے ان لوگوں نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صرف ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ جو ایسی خبر آئی ہو اس پر دعوے سے اعتراض جائز نہیں۔ ان لوگوں نے صرف ناموں میں اختلاف کیا ہے (کہ اس مرد وعورت کا نام کیا تھا) اور اس میں کوئی معترض نہیں۔ اس لیے کہ کبھی ایک شخص کے بہت سے نام ہوتے ہیں۔ اور کوئی روکنے والا اس سے نہیں روکتا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ہم نے اس کے بارے میں کوئی معارضہ نہیں پایا۔ اور نہ ہمیں کسی ایسے متکلم کا علم ہوا جس نے اس فرقے کا ذکر کیا ہو۔ میں نے دوران گفتگو میں اس سے یہ بھی کہا تھا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جب عالم دفعتہً (عدم سے وجود کی طرف) نکل آیا تو کیا اس میں حاملہ عورتیں بھی نکال کے چھوڑ دی گئیں اور خوانچے والے بھی اپنے خوانچوں پر بیٹھے ہوئے انجیر بیچ رہے تھے۔ وہ ہنسا اور سمجھ گیا کہ میں نے اس کے قول کا فساد ثابت کرنے کے لیے تمسخر کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ ''ہاں'' میں نے اس سے کہا کہ مناسب ہے کہ یہ سب کے سب انبیاء ہوتے جن میں سب کو اول سے آخر تک ان علوم وصناعات کے متعلق جو انھیں حاصل ہیں وحی بھیجی جاتی یا انھیں اس کا الہام کیا جاتا۔ اور اس میں دعوے کا جیسا بطلان ہے وہ مخفی نہیں۔

جو اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ جزائر جو خشکی سے علیحدہ سمندروں میں ہیں اور ان میں چیونٹیاں کیڑے مکوڑے اور بہت سی چڑیاں پائی جاتی ہیں۔ (اگر ابتداء میں ایک ہی جوڑا پیدا ہوا تھا تو پھر جزائر میں وہ جانور کیسے پائے جاتے ہیں جو بڑی خشکی میں پائے جاتے ہیں)۔

میں کہوں گا کہ کوئی ذی حس اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ یہ چیزیں ان مسافروں کے اسباب میں گھس جاتی ہیں جو ان شہروں میں جاتے ہیں۔ چوہیوں کو کجاوے میں گھستے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو تمھاری بیان کی ہوئی بات کو لازم کر دے۔ باوجود اس کے کہ حیوان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو اس طرح پیدا ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے بدن وزمین کی عفونت سے پیدا کرتا ہے۔ (مثلاً جوں۔ کیچوے) اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایک دوسری قسم جو پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے عالم ہی میں اس طرح ترتیب دیا تھا کہ وہ ان کو مذکر ومونث کی منی ہی سے پیدا کرے گا۔ چنانچہ

یہ قسم بلا شک وہی ہے کہ ان جزائر میں جانے سے پیدا ہوئی۔ **وبالله تعالىٰ التوفيق** ۔

ہم سوائے انسان کے کسی نوع میں اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ نے اس میں دو سے زیادہ پیدا کیے ہوں۔ اور یہ اللہ کی قدرت میں ہے۔ اور اس کے خلاف کوئی خبر صادق بھی نہیں آئی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے وقت نوح علیہ السلام اور ان کی کشتی کے بارے میں فرمایا ہے ”**واحمل فيها من كل زوجين اثنين واهلك الا من سبق عليه القول**“ (اے نوح اس کشتی میں ہر ایک کا جوڑا یعنی دو دو لا دلو۔ اور اپنے متعلقین کو بھی سوار کر لو سوائے اس کے کہ جس کے لیے پہلے ہی حکم ہو چکا ہے)۔ اس کے ساتھ ہی یہ ممکن ہے کہ نوح علیہ السلام کو ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہی لادنے کا حکم ہو۔ یہ حکم ان کو نہیں روکتا کہ ممکن ہے کہ کچھ پانی کے نباتات اور آبی حیوانات کشتی سے باہر رہ گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔ اور ہم تو اسے بھی مانتے ہیں کہ عقل اسے واجب یا ممتنع نہ کہتی ہو اور محض نبوت ہی اسے لائی ہو۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہ عالم میں ہے عالم و معلوم صانع و مصنوع سب کو دفعتہً پیدا کر دیا ہوتا تو یہ از روئے عقل دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوتا اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔ یا تو وحی سے اور اللہ تعالیٰ کے واقف کرنے سے ایسا ہوا۔ اور یا ایسی طبیعت سے جو ان میں مرکب تھی اور وہ اس کی مقتضی تھی کہ یہ جو کچھ جان رہے ہیں جان لیں اور جو بنایا ہے بنا لیں۔ اگر یہ وحی و اعلام (بتانے) اور توقیف (واقف بنانے) سے ہوا تب تو پھر تمام سب کے لیے نبوت ثابت ہو گئی۔ کیونکہ نبوت کے معنی اسکے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ ایسے شخص کا دعوی ہے جو بلا دلیل اس کا قائل ہے اور جس پر دلیل نہ ہو وہ باطل ہے۔ اس کا قائل ہونا جائز نہیں۔ خاصکر وہ لوگ جو نبوت کے تو منکر ہیں اور اس کے قائل ہیں۔ ان کے قول کا تناقض کھل گیا۔ (یعنی بعض کے لیے تو وحی کے قائل نہ ہوئے اور کل کے لیے قائل ہو گئے)۔

اگر یہ سب طبیعت ہی سے جو اس امر کی متقاضی ہے کہ وہ بغیر تعلیم و توقیف عالم علوم ہوں اور مختلف زبانوں میں متکلم ہوں اور مصنوعات میں متصرف ہوں تو یہ محال ہے اور عقل و طبیعت میں ممتنع ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ ہمیشہ اسی طرح پائے جاتے (کہ بغیر تعلیم و تعلم عالم و صانع وغیرہ ہوتے)۔ کیونکہ طبیعت تو ایک ہی ہے جو بدلتی نہیں۔ اور ظاہری طور پر ہم جانتے ہیں کہ کبھی کوئی شخص کسی زمان یا کسی مکان میں ہرگز نہیں پایا جا سکتا جو ایسے علوم ظاہر کرے جو اسے کسی نے نہ سکھائے ہوں یا کوئی ایسی زبان بولے جس کی اسے کسی نے تعلیم نہ دی ہو۔ یا کوئی ایسی صنعت دکھائے جو اسے کسی نے نہ بتائی ہو۔ اور اسکی دلیل وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ شہر جس میں علوم اور اکثر صنائع نہیں ہیں جیسے صقالبہ و سودان کا ملک اور وہ دیہات جو شہروں کے درمیان ہیں ان میں کوئی شخص ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ علم و صنعت میں سے کچھ جانتا ہو۔ تا وقتیکہ کوئی معلم اسے نہ سکھائے۔ اور کوئی بول نہیں سکتا تا وقتیکہ اسے کوئی نہ سکھائے لہذا اس قول کا فساد برہان سے ظاہر ہو گیا۔ اور قبل برہان بھی خود قائل کے برہان سے عاری رہنے کی وجہ سے بھی اس کا فساد ظاہر تھا۔

نبوت و ملائکہ کے منکر

برہمن مت :

یہ براہمہ (برہمنوں) کا مذہب ہے۔ یہ ایک قبیلہ ہے ہند میں جن میں اشراف اہل ہند شامل ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ برہمی

برہما) کی اولاد میں ہیں جو ان کے بادشاہوں میں سے ایک قدیم بادشاہ تھے۔ ان کی ایک علامت ہے جس کی وجہ سے یہ ممتاز رہتے ہیں۔ وروہ سرخ وزرد ڈورے تلواروں کی طرح گردنوں میں ڈالے رہتے ہیں (یعنی زنار یا جنیو پہنتے ہیں) وہ بھی ہماری طرح توحید کے قائل ہیں سوائے اس کے کہ نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ اسکے انکار میں انکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ عزوجل حکیم ہے۔ اور ہ جس کو کسی ایسے شخص کی طرف رسول بنا کے بھیجے گا جسے کے متعلق وہ جانتا ہے کہ یہ شخص اس (رسول) کی تصدیق نہیں کرے گا۔ تو پھر بلاشک وہ فعل عبث کا مرتکب ہوگا اور ایک نہ ہو سکنے والے کام کی مشقت برداشت کرے گا۔ لہذا اللہ کے رسول بھیجنے کی نفی کرنا ضروری ہوا تاکہ وہ عبث ودشواری کے الزام سے بری رہے۔

برہمن یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے محض اس لیے رسولوں کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہی سے ایمان کی طرف نکالے۔ تو اس کی حکمت کے زیادہ مناسب اور اس کے مقصود کو زیادہ پورا کرنیوالا تھا کہ وہ عقول کو مجبور کر دیتا کہ وہ اس پر ایمان لائیں۔ لہذا اس وجہ سے بھی رسولوں کا بھیجنا باطل ہوگیا۔ اور برہمنوں کے نزدیک رسولوں کی بعثت باب محال وممتنع میں سے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ قبل اسکے کہ اللہ تعالیٰ رسول مبعوث کرے رسول کا آنا باب امکان میں واقع ہے۔ (محال نہیں)۔ بعد اس کے کہ اللہ عزوجل نے رسولوں کو معبوث کر دیا حد وجوب میں ہے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے منجانب اللہ خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا تو اب امتناع پیدا ہوگیا۔

ہم اس تکلیف کے محتاج نہیں کہ اس قول کو بیان کریں جو بعض مسلمان کہتے ہیں کہ رسولوں کا آنا باب واجب میں سے ہے اس بارے میں ان مسلمانوں کا استدلال یہ ہے کہ حکمت میں انذار یعنی ڈرانا واجب ہے۔

یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور ہمارا قول یہی ہے جو ہم نے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کسی علت کی وجہ سے نہیں کرتا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور وہ جو کچھ کرے وہی عدل وحکمت ہے خواہ کچھ بھی ہو۔ وباللہ التوفیق۔

پیغمبر کیوں بھیجے گئے؟

جو پہلی حجت سے استدلال کرتا ہے کہ بعثت اس حکمت کے خلاف ہے۔ اور حکیم ایسے شخص کی طرف رسول نہیں بھیجے گا جس کو وہ جانتا ہو کہ یہ رسول کی نافرمانی کرے گا۔

اس سے کہا جائے کہ یہ فساد کی جڑ کہ تمھیں اس بات کا حکم دیتی ہے مجبور کرے گی کہ تم مانیہ کے اصول کی موافقت کرو جو کہتے ہیں کہ حکیم ایسے شخص کو نہیں پیدا کرے گا جو اس کی نافرمانی کرے اور نہ اس کو جو اس کے ساتھ کفر کرے اور اس کے اولیاء کو قتل کرے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انھیں ان کے ذریعے سے اپنی راہ دکھائے۔

ان لوگوں سے کہا جائے کہ ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو ربوبیت ووحدانیت کے منکر ہیں تو پھر یہ کہو کہ وہ حکیم نہیں ہے۔ جس نے اس شخص کے لیے دلائل پیدا کیے جس کو وہ جانتا تھا کہ وہ ان دلائل سے استدلال نہ کرے گا۔

اگر وہ کہیں کہ ان دلائل توحید سے بہتوں نے استدلال کیا ہے۔ تو ان سے کہا جائے کہ بہتوں نے رسولوں کی بھی تصدیق کی ہے اگر وہ کہیں کہ اس نے مخلوق کو تو جیسا چاہا پیدا کر دیا۔ تو ان سے کہا جائے کہ اس نے رسولوں کو بھی جیسا چاہا مبعوث کر دیا۔ پھر اس کا رسولوں کو بھیجنا بھی ان دلائل میں سے ہے جن کو اس نے اس لیے پیدا کیا تاکہ ان سے اس کی معرفت وتوحید کی راہ ملے۔

ایمان بالجبر :۔

جو حجت ثانیہ سے استدلال کرتا ہے کہ اسے مناسب تھا کہ وہ عقول کو اپنے اوپر ایمان لانے کے لیے مجبور کر دیتا۔ اس سے کہا جائے کہ تمھارے اس بیہودہ قول اور اس سلسلے کو رد کیا جا چکا ہے کہ اللہ نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ انھیں اپنی ذات وحدانیت کا راستہ بتائے۔

اس اصل فاسد کی بناء پر یہ الزام بھی آتا ہے کہ یہ زیادہ مناسب تھا کہ جب اس نے انھیں پیدا کیا تو انھیں استدلال کے لیے نہ چھوڑتا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو استدلال نہ کریں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جن پر استدلال مخفی رہے گا۔ لہذا حکمت میں مناسب یہی تھا کہ ان کی عقول کو اپنے اوپر ایمان لانے کے لیے مجبور کر دیتا، انھیں استدلال کی مشقت کی تکلیف نہ دیتا اور ان لوگوں کے ساتھ ایسے الطاف وعنایات کرتا کہ اس کے ساتھ سب کے سب ایمان اختیار کر لیتے۔ جیسا کہ اس نے ملائکہ کے ساتھ کیا۔

ان سب کا حاصل وہی ہے جو ہم نے ایک سے زیادہ مقامات پر بیان کیا ہے کہ مخلوقات جب کہ اس طرح ہیں کہ ان سے کوئی فعل بغیر علت کے نہیں سرزد ہوتا۔ اور براہین ضروریہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ باری تعالیٰ تمام وجوہ سے اپنی تمام مخلوق کے خلاف ہے۔ تو واجب ہے کہ برخلاف تمام مخلوق کے اس کا ہر فعل بغیر علت کے ہو۔ اس لیے کہ اس کے کسی فعل کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اس کو فلاں علت سے کیا۔

نہ اس پر کچھ کہا جا سکتا ہے جب کہ انسان کو نطق دیا گیا۔ اور بقیہ حیوانات اس سے محروم رہے۔ بعض حیوانات کو اس نے صائد (شکاری و درندہ) پیدا کیا اور بعض کو مصید (شکار)۔ اس نے اپنی تمام مفعولات کے درمیان میں جیسا چاہا فرق کیا۔ لہذا کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس نے انسان کو ناطق کیوں بنایا اور گدھے کو نطق سے محروم کیوں کیا۔ اور پتھر کو جمادات میں پیدا کیا جس میں نہ نطق نہ حیات۔

یہ وہ اصل (وقاعدہ) ہے جس میں برہمن ہمارے موافق ہیں۔ بقیہ لوگ جو توحید کے قائل ہیں وہ اس معنی کی تفریع میں ہمارے خلاف ہیں۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا تو کسی کو کہنے کا حق نہیں کہ اس نے کیوں مبعوث کیا یا اس نے اسی شخص کو کیوں مبعوث کیا دوسرے کو کیوں نہ کیا۔ یا اس زمانے میں انھیں کیوں مبعوث کیا دوسرے زمانے میں کیوں نہ کیا۔ یا اس مقام پر انھیں کیوں مبعوث کیا کسی اور مقام پر کیوں نہ کیا۔ جیسا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے دنیا میں فلاں کو سعادت کیوں دی اور دوسرے کو کیوں نہ دی۔ اسی طرح جو کچھ عالم میں ہے جب اس پر نظر ڈالی جائے گی تو وہ ذات برتر نظر آئے گی جس کی یہ شان ہے ''**لایسئل عما یفعل وھم یسئلون**'' وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی اور یہ لوگ (جو کچھ کرتے ہیں) ان سے باز پرس کی جائے گی۔

جب ہم نے اللہ کی قدرت وتائید سے ان کے فریب کو توڑ دیا تو اب ہمیں اللہ کی مدد وتائید سے اثبات نبوت میں کلام کرنا چاہیے تا کہ وہ قول بین (سے) معلوم ہو۔ **وباللہ التوفیق** ۔

اثبات نبوت

ہم گزشتہ حصہ کتاب میں حدوث اشیاء بیان کر چکے ہیں کہ ایک محدث ہے جو ازلی و واحد ہے جس کا کوئی مبداء نہیں اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور ہے اور نہ اس کے سوا کوئی مدبر ہے اور نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے۔ جب یہ سب ثابت ہوگیا اور صحیح ہوگیا کہ اس نے تمام عالم کو بغیر کسی تکلیف اور بغیر کسی قیاس اور بغیر کسی طبیعت اور بغیر کسی استعانت اور بغیر کسی مثال سابق اور بغیر کسی علت موجبہ اور بغیر کسی ایسے حکم کے کہ جو پیدا کرنے سے پہلے کسی اور نے اسے دیا ہو عدم سے وجود کی طرف نکالا۔ یہ ثابت ہوگیا کہ اس نے جب تک نہیں چاہا نہیں پیدا کیا اور جب اور جیسا چاہا کر دیا۔ اور جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور جو چاہتا ہے کم کرتا ہے۔ یہ جو کچھ کہا گیا خواہ اس میں کسی کو دل میں شک گزرے یا نہ گزرے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے باب امکان میں داخل ہے جیسا کہ ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کیا ہے۔ مگر انشاء اللہ ہم یہاں بھی تھوڑا سا بیان کریں گے۔

ہم کہتے ہیں اور اللہ ہمارا مددگار ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اٹھارہ سے بیس سال کے درمیان مردوں کی داڑھی نکلنا ممکن ہے اور وہی بارہ سال سے دو سال تک کی عمر میں ممتنع ہے۔ دشوار اشکالات کا دور کرنا، معانی غامضہ کا نکالنا، شعر بدیع کا کہنا، خالص فن بلاغت کا جاننا، ذہن ذکی لطیف اور رسا کے لیے ممکن ہے، سخت کند ذہن اور نہایت غبی کے لیے ناممکن۔ اس اصول پر ہمارے درمیان وہ ممتنع نہیں۔ اس لیے کہ وہ ہماری فطرت وطبیعت وعادت میں نہیں ہے لہذا وہ اس شخص کے لیے غیر ممتنع ہے جس کی نہ کوئی فطرت ہو نہ طبیعت ہو نہ اس کے نزدیک کوئی عادت ہو اور نہ کوئی ایسا مرتبہ ہو جو اس کے فعل کے لیے لازم ہو۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ خدا کو جو قوت حاصل ہے اس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ لہذا یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نبوت امکان میں ہے اور وہ بغیر کسی علت کے محض اپنی مشیت سے ایک ایسی جماعت کا مبعوث کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بغیر تعلم وبغیر طلب کے علوم سکھاتا ہے۔ اور اسی باب سے ہے جو ہم میں سے کوئی شخص خواب میں دیکھتا ہے اور وہ صحیح نکلتا ہے۔ اور جو باب تقدم معرفت سے ہے۔

جب ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے آنے کے قبل نبوت حد امکان میں تھی اور اب کہ وہ آ گئی تو ہمیں اللہ کی مدد وقوت سے اس کے وجوب کو بیان کرنا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا حالانکہ وہ موجود نہ تھا یہاں تک کہ اللہ نے اسے پیدا کر دیا۔ چنانچہ ہم بالیقین جانتے ہیں کہ علوم وصناعات ناممکن ہے کہ بغیر سیکھنے کے ہم میں سے کسی کی ان تک رسائی ہو سکے۔

مثلاً طب۔ معرفت طبائع۔ امراض۔ ان کے کثرت اختلاف اور ان کے اسباب اور ان کا ادویہ سے علاج کہ جن کا سب کا تجربہ کرنا ناممکن ہے۔ اور ہر دوا کا ہر مرض میں تجربہ کیونکہ ہو سکتا ہے اور یہ کیسے مہیا ہو سکتا ہے حالانکہ دس ہزار برس میں بھی یہ ممکن نہیں عالم میں ہر مریض کا مشاہدہ کیونکر ممکن ہے۔ اس سے پہلے موت اور امور معاش کے ضروری مشاغل اور سلطنتوں کا چلا جانا اور بہت سے مشاغل ایسے ہوں گے جو اس کا موقع نہ دیں گے۔

مثلاً علم نجوم اور ان کے دورے کی شناخت اور ان کا افلاک کو قطع کرنا اور پلٹنا جو دس ہزار برس سے کم میں پورا نہ ہوگا۔ اور یہ ضروری ہے کہ جن مشاغل کو ہم نے بیان کیا انھیں بغیر روک کے اسے طے کیا جائے۔

مثلاً وہ لغت (علم زبان) کہ بغیر اس کے نہ تربیت ہو سکتی ہے اور نہ زندگی اور نہ تصرف ومعاملات۔ اور اس پر متفق ہونا بغیر دوسری

لغت (زبان) کے ناممکن ہے۔ ثابت ہوگیا کہ ہر لغت کے لیے مبداء ضروری ہے۔

مثلاً کھیتی کاشتکاری۔ پڑھنا پڑھانا۔ چکی اور اسکے آلات گوندھنا اور پکانا اور دوہنا۔ مویشی کی حفاظت کرنا اور ان سے نسل لینا درخت لگانا اور تیل نکالنا، السی بھنگ کوٹنا۔ روئی کاتنا اور بننا، قطع کرنا سینا پہننا، ان سب کے آلات اور کاشتکاری کے آلات اور چکیاں اور کشتیاں اور ان کا انتظام، سمندروں میں ان کے ذریعے سے سفر۔ کنوؤں کی گراریاں کنوؤں کا کھودنا، شہد کی مکھیوں کی اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش۔ کانیں نکالنا۔ لکڑی اور گارے سے عمارتیں بنانا یہ سب وہ چیزیں ہیں کہ بغیر تعلیم کے ان کی راہ نہیں مل سکتی۔ لہذا ضروری و واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایک یا زائد انسانوں کو شروع میں ہر چیز بغیر معلم کے سکھائے یعنی بذریعہ وحی نبوت کی یہی صفت ہے۔ لہذا ایک یا چند نبیوں کا ہونا ضروری ہوا۔ نبوت و نبی کا علم میں وجود صحیح ثابت ہوگیا جس میں کوئی شک نہیں۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس نے ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں کیا اسے ان چیزوں کا بنانا قطعاً ناممکن ہے جیسے وہ شخص جو بہرا پیدا ہوا ہو اسے کلام و گفتگو اور مخارج حروف تک پہنچنا قطعاً ناممکن ہے۔ مثلاً وہ شہر جن میں بعض صنعتیں اور یہ علوم مذکورہ نہیں ہیں جیسے سودان و صقالیہ اور اکثر گروہ اور شہر اور دیہات کے رہنے والے ان میں سے کسی کو بھی ابتدائے عالم سے اب تک اور اختتام عالم تک ایسے علم تک اور کسی صنعت تک پہنچنا کہ جسے وہ نہیں جانتا ناممکن ہے۔ تاوقتیکہ وہ انھیں نہ سیکھیں راہ پانے کی کوئی سبیل نہیں۔ اگر طبیعت میں ہوتا کہ وہ بغیر تعلیم کے ان چیزوں کو سیکھ لے تو عالم میں اس کی وسعت کے مطابق اور زمانے گزرنے پر ضرور وہ لوگ پائے جاتے جو اس کو جانتے ہوتے اگرچہ ایک ہی شخص ہوتا یہ وہ امر ہے کہ اس پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایسا شخص نہ پایا گیا اور نہ پایا جائے گا۔ اسی طرح کا کلام علوم میں بھی ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ سب امور شروع میں کتابوں میں جمع ہوں۔ اس لیے کہ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی مشقت نہیں۔ وہ تو ایک کتاب ہے جس کو کاتب نے نہیں سنا۔ اور اس کا یاد رکھنا ہے فقط۔ مثلاً وہ کتابیں جو منطق۔ طب۔ ہندسہ۔ نجوم۔ ہیت۔ نحو۔ لغت۔ شعر اور عروض میں تالیف کی گئی ہیں۔

ہماری مراد صرف یہ ہے کہ ابتداء میں مشقت لغت اور اس میں کلام کرنا اور ابتداء میں ہیت کا سمجھنا اور اس کا سیکھنا اور ابتداء میں امراض اور انواع کی تشخیص۔ اور دواؤں کی قوتیں اور ان سے فائدہ اٹھانا۔ اور ابتداء میں صنعتوں کا جاننا اس سے ثابت ہوگیا کہ ان سب میں وحی الٰہی ضروری ہے۔

حدوث عالم پر یہ بھی ایک بدیہی برہان ہے کہ اس کا کوئی با اختیار پیدا کرنے والا ہے۔ کیونکہ عالم کی بقاء بغیر پیداوار اور معاش کے نہیں ہو سکتی۔ پیداوار اور معاش بغیر ان آلات و اعمال و صناعات کے نہیں ہو سکتے ان میں سے کسی شے کا وجود بغیر تعلیم باری تعالیٰ کے نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ عالم موجود نہ تھا کیونکہ اس کے بقاء کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں جو ہم نے بیان کی۔ پھر ایک ایسا معلم و مدبر پایا گیا جس نے اپنی تعلیم مذکورہ بالا طریقے پر شروع کی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جب ہم یہ بیان کر چکے کہ نبوت کے بغیر چارہ نہیں اور یہ بدیہی دلائل سے ثابت ہو چکا تو اب ہمیں ان براہین پر کلام کرنا چاہیے کہ جب نبوت واقع ہو تو ان براہین کے ذریعے سے مدعی نبوت کے صدق کا علم صحیح حاصل ہو سکے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ جو کچھ ظاہر ہو چکا ہے ان سب کا خالق باری تعالیٰ ہے اور وہ ہر ایسی چیز کے اظہار پر بھی

قادر ہے جو وہم میں آسکتی ہے اور اب تک ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ ان دلائل سے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہم جانتے ہیں کہ عالم میں ان مراتب کا ترتیب دینے والا اور ان کو ان طبائع پر جاری کرنیوالا جن کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے پاس موجود ہیں وہی اللہ تعالیٰ ہے اور درحقیقت اس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔

ہم نے دیکھا کہ ان مراتب وطبائع کے خلاف بھی ظہور ہوا ہے طبائع بدل گئیں۔ وہ اشیاء جو حد ممتنع میں تھیں واجب ہوگئیں اور پائی گئیں۔ مثلاً پتھر پھٹ کر اس سے اونٹنی نکل آئی۔ عصا سانپ بن گیا، مردے کو ایک انسان نے زندہ کر دیا سینکڑوں آدمیوں نے وضو کر لیا اور سیراب ہوگئے اس تھوڑے سے پانی سے جو ایک چھوٹے سے پیالے میں تھا، اتنا چھوٹا کہ اس میں ہاتھ کھولنے سے تنگی ہوتی تھی اور اس پانی کے لیے کوئی مادہ نہ تھا، تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان طبائع کا بدلنے والا اور ان معجزات کا فاعل وہی اول ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا۔

ہم نے ان قوتوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان لوگوں کے ہمراہ کر دیا ہے جو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ اور اس پر اللہ سے شہادت طلب کرتے ہیں تو وہ ان معجزات کے ذریعے سے ان کے لیے شہادت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کی خواہش پر اور ان انبیاء کی عاجزانہ درخواست پر تا کہ ان معجزات کے ذریعے سے ان کی تصدیق ہو پیدا کر دیے جاتے ہیں۔

بالکل بدیہی طور پر جس میں شک کی مجال نہیں جان جاتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کی جانب سے مبعوث ہیں۔ یہ جو چیز اللہ کی طرف سے بیان کرتے ہیں اس میں یہ سچے ہیں کیونکہ عالم میں کسی مخلوق کی طبیعت کو باری پر اور طبائع مخلوق پر اسی قسم کا تصرف کرنا ناممکن ہے۔ نبوت واجب ہے کیونکہ مدعی نبوت پر ایک ایسے معجزے کا ظہور ہوا جس میں طبائع کا اس طرح بدلنا ہے کہ جو اس کے بالکل خلاف ہے جس پر عالم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ یہ وہ اشیاء ہیں جن کی ایسی اسناد ہیں کہ یہ اپنے مشاہدہ نہ کرنے والے کو بھی اپنے وجود کے یقین تک اسی طرح پہنچا دیتی ہیں جس طرح اپنے دیکھنے والے کو اور کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ ایسی بڑی جماعت کا نقل کرنا ہے کہ ان کے شروع ہی سے عقول اور اول تعارف سے قلوب سمجھ لیتے ہیں کہ اس خبر کے متعلق جھوٹ یا غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اور یہ اس میں ممتنع ہے۔

جو اس سے تجاہل اختیار کرے اور اس پر کذب دوہم کو جائز رکھے تو وہ ہر معقول سے باہر ہے۔ اور اسے لانوم ہے کہ وہ ایسے انسانوں کی بھی تصدیق نہ کرے جو اس کی نظر سے غائب ہیں کہ وہ بھی زندہ ہیں ناطق ہیں اور انھیں کے ہمشکل ہیں جو نظر کے سامنے ہیں۔

یہ بھی لازم ہے کہ اس کے نزدیک جو لوگ نظر سے اوجھل ہیں ممکن ہے کہ وہ مقررہ صورت شکل کے خلاف ہوں۔ کیونکہ جو حس سے اوجھل ہے اس کے نزدیک کوئی بھی نہیں جانتا کہ یہ بھی اسی کیفیت کا ہے جیسا کہ اس کا ہم جنس موجودد حاضر سوائے اس کے کہ وہ اسے بڑی بڑی جماعتوں کے نقل کرنے سے جانتا ہے جیسا کہ وہ نقل کریں کہ بعض لوگ بعض کیفیات میں اس کے خلاف ہیں تو ضرور اس کی تصدیق واجب ہوگی۔ مثلاً بلاد سودان اور جو اس کے مشابہ ہوں۔

اس شخص کو جو جماعت کی خبر کی تصدیق نہ کرے اور اس میں کذب دوہم کو جائز سمجھے لازم ہے کہ وہ اس کی بھی تصدیق نہ کرے کہ اس سے پہلے بھی کوئی شخص دنیا میں تھا۔ یا اب دنیا میں کوئی موجود ہے سوائے اس کے کہ وہ خود اپنی حس سے اس کا مشاہدہ کرے جو شخص اس کو جائز

رکھے تو معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے دل سے کاذب ہے اور ان لوگوں کی حدود سے باہر ہے جن سے کلام کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ شے بغیر طریق خبر کے معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔

جو شخص اس لیے بھاگے اور اس کا اقرار کرے کہ اس سے پہلے بادشاہ تھے اور علماء تھے اور جنگیں ہوئیں اور قومیں تھیں۔ اور اس کو یقین کرے اور اس میں سے اکثر میں اسے شک بھی نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک اتنی ہی صحت کے مرتبے میں ہو گویا اس نے خود مشاہدہ کیا ہے اور کوئی فرق نہ ہو۔ تو اس سے پوچھا جائے گا کہ یہ تم کو کیسے معلوم ہوا اور تمھارے نزدیک کیسے ثابت ہوا۔ اسے سوائے اس کے کوئی گنجائش نہیں کہ یہ کہے کہ اس کے نزدیک خبر سے ثابت ہوا جسے جماعت کثیرہ نے نقل کیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اس وقت ہم اسے کہیں گے کہ کیا تمھارے نزدیک اس میں جو بادشاہوں علماء اور جنگوں اور قوموں کے متعلق نقل کیا گیا اور جو علامات ومعجزات انبیاء کے متعلق نقل کیا گیا کوئی فرق ہے۔ ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی میں کوئی فرق بیان کر سکے۔

اگر وہ کہے کہ اس میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ ان امور کا تو کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور معجزات انبیاء کا بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ بہت سے لوگ وہ بہت سی باتیں نہیں جانتے جو تمہارے نزدیک ثابت ہیں اور جو ان لوگوں کو پیش آئیں جو ان لوگوں سے قبل تمھارے شہر میں تھے۔ اگر اس کو لوگ بیان کریں تو ان لوگوں کا اس سے انکار یا ناواقفی اس کو صحت سے نہیں نکالتی۔ اسی طرح معجزات انبیاءؑ کے منکر کا انکار بھی ان کو وجود صحت سے نہیں نکالتا۔

اگر وہ کہیں کہ ان اخبار میں جو ہمارے قبل کی ہیں ان میں ہم لوگوں کو اتنا جھوٹ پر نہیں پاتے جتنا کہ ہم علامات نبوت میں لوگوں کو جھوٹ پر پاتے ہیں۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ یہ غلط ہے۔ دونوں باتیں برابر ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ بعض ایسے بادشاہ ہوئے جنھیں اپنے اسلاف کے ظلم و جور وقبائح کا بیان ناگوار تھا وہ اس باب میں تلوار وغیرہ سے (اپنے اسلاف کی) حمایت کرتے تھے۔ مگر وہ اس کے باوجود حق کے چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکے یہ تمام واقعات اسی طرح منقول ومعروف ہیں جس طرح ان لوگوں کی مدح کہ جن کے فضائل سے بادشاہ وقت ناراض ہوتے تھے۔

مثلاً علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کہ آل مروان ان کے چھپانے پر کبھی قادر نہ ہوئی۔ مامون ومعتصم وواثق نے اپنی شاہانہ طاقت سے روئے زمین سے اس عقیدے کو قطع کرنا چاہا کہ قرآن غیر مخلوق ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں۔ بادشاہوں میں سے بھی اور قوموں اور امتوں میں سے بھی جو ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ کبھی ان کے معجزات چھپانے پر قادر نہ ہوئے۔ نہ اس کے ثابت کرنے پر جو انہوں نے اضافہ کیا جو بے دین اس سے ناراض تھا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ دونوں امر (یعنی خبر جنگ واقوام وخبر معجزات) برابر ہیں اور حق تو حق ہی ہے۔

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ جو معجزات ان سے ظاہر ہوئے شاید وہ ان معجزات کے ساتھ کوئی طبیعت وخاصیت ہو جس کی وجہ سے وہ ان معجزات کے اظہار پر قادر ہو گئے۔ تو اس سے کہا جائے وباللہ التوفیق کہ خواص بھی معلوم ہیں اور حیلے کے وجوہ بھی ثابت ہیں اور وہ عمل (جو نبی سے صادر ہوتا ہے) ان حیلوں میں سے نہیں ہے۔ مثلاً ایسے جسم کا پیدا کرنا جو نہ تھا۔ یا جیسے پانی کا پیدا کرنا جو نہ تھا۔ اور نہ ایک نوع یا جنس کا دوسری نوع یا جنس سے دفعتہً اور حقیقتہً بدل جانا ان حیلوں میں سے ہے۔ یہ سب وہ امور ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں سے ظاہر ہوئے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور ان میں انسان کے علم (وعمل) کا کوئی دخل نہیں ہے۔

معجزہ وسحر وشعبدہ میں فرق

انشاء اللہ تعالیٰ ہم معجزات انبیاء علیہم السلام اوران امور میں جن پر بذریعہ سحر قابو پایا جاتا ہے اور شعبدہ بازوں کے عجائب میں واضح فرق بیان کریں گے۔ ہم کہتے ہیں وباللہ التوفیق۔ عالم کل کا کل جوہر وعرض ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے ان دو کے سوا کوئی تیسری شے عالم میں نہیں ہے۔ لیکن جوہر کی ایجاد انسان سے تعلق نہیں رکھتی جو عدم سے وجود میں لانا ہے اور یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے جو عالم کا شروع کرنیوالا اور اس کا پیدا کرنے والا ہے کسی اور کے لیے قطعاً ممتنع وغیر ممکن ہے۔ لہذا جس پر کسی جسم کے اختراع وایجاد کا ظہور ہو مثلاً آب رواں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے لشکر کے سامنے بہنے لگا تو یہی معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کی صحت پر شاہد ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا اسی طرح ان اعراض کا بدل دینا کہ جو ہر بات وذاتیات ہیں جو ایسی فصول ہیں کہ اجناس سے اخذ کی جاتی ہیں جیسے عصا کا بدل کر سانپ ہو جانا۔ کھجور کے تنے کا گنگنانا۔ ان مردوں کا زندہ کرنا جو سڑ گئے اور ان کی ہڈیاں رہ گئیں۔ چند ساعت آگ میں اسی طرح رہنا کہ وہ انھیں ایذا نہ دے سکے۔ اور اسی قسم کے واقعات۔ اسی طرح وہ اعراض جو اپنے حامل وموصوف کے فساد (وہلاک) کے بغیر زائل نہیں ہوتیں۔ مثلاً رزق اور اسی کے مثل۔ تو ان پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور کسی وجہ سے بھی قادر نہیں ہوسکتا۔

لیکن وہ اعراض جو اپنے حامل (موصوف) کے فساد کے بغیر زائد ہو جاتی ہیں تو وہ کبھی سحر کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں۔ اس میں طلسمات بھی ہیں۔ مثلاً بعض حیوانات کا کسی مکان سے بھگا دینا کہ پھر وہ اس کے قریب کبھی نہیں آتا۔ جس طرح بعض صنعتوں سے اولوں (یا سردی) کا دور رکھنا۔ اور اسی کے مشابہ کبھی بات بڑھ جاتی ہے اور اس نوع کے بعض امور سے علم پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ اسے اکثر آدمی سمجھنے لگتے ہیں۔ مثلاً جھاڑ پھونک اور رنگنا اور اسی کے مثل۔

مگر تخییل (یعنی نظر بندی جو ہمارے یہاں کے شعبدہ باز کیا کرتے ہیں) تو یہ ایک قسم کا فریب ہے۔ مثلاً چھری کہ اس کے دستے میں سوراخ ہوتا ہے اور چھری اس کے اندر چلی جاتی ہے۔ اور دیکھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ یہ مضروب کے بدن میں گھس گئی۔ جو حیلوں میں ہے۔ اس کے سوا شعبدہ بازوں کے حسین بن منصور الحلاج کے اور بھی حیلے ہیں۔ یہ وہ امر ہے کہ سیکھنے سے اس پر قابو پایا جاسکتا ہے اور جو چاہے اس کے لیے سیکھنا ممکن ہے۔

انبیاء علیہم السلام جو کچھ لاتے ہیں وہ ذاتیات کا بدلنا ہے۔ منجملہ اس کے حواس کے طبائع میں تصرف کرنا ہے۔ مثلاً جو تمھیں ایسی چیز دکھائے جسے دوسرا نہ دیکھ سکے۔ یا اپنا ہاتھ مریض پر پھیرے اور وہ اچھا ہو جائے۔ یا اسے ایسی چیز پلادے جو اس کے مرض کے لیے مضر ہو اور وہ اچھا ہو جائے یا غیب کی جزئی باتوں کی بغیر بتائے اور سوچے خبر دے۔ تو یہ سب امور ذاتیات کا بدلنا ہے جو کسی کے لیے ثابت نہیں۔ کیونکہ اس کا اثبات سوائے نبی کے کسی کے لیے نہیں ہوتا۔

جب کہ ہم نے نبوت کے آنے سے پہلے اس کے امکان پر اور آنے کے بعد اس کے وجوب پر کلام کیا ہے تو اب ہمیں اللہ کی قدرت وقوت سے اس (امکان وجوب) کے بعد اس کے امتناع پر بھی کلام کرنا چاہیے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جب یہ ثابت ہو چکا کہ جو معجزات انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے شہادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے اقوال کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اور جو کچھ وہ لائیں اس کا ماننا ہم پر واجب ہو جاتا ہے اور ان کی ہر بات کا یقین کرنا لازم ہو

جاتا ہے۔ اوران جماعات کثیرہ کے نقل سے جنھوں نے آپ کی نبوت ومعجزات وکتاب نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ جو صحیح حدیثیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق آئی ہیں کہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور یہود نے انھیں قتل کرنے اور سولی دینے کا دعویٰ کیا تھا لہذا ان سب کا اقرار واجب ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا وجود باطل ہے جو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اوراسی سے اس کا قول بھی باطل ہوجاتا ہے جو ہمیشہ رسولوں کے آنے اوراسکے وجوب کا قائل ہے یہ قول ان دلائل سے بھی باطل ہوجاتا ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جن سے ہم نے اس کے قول کو باطل کیا ہے جو امتناع نبوت کا قائل ہے۔

ان لوگوں کی سب سے عمدہ حجت یہ ہے کہ اللہ حکیم ہے اور حکیم کی حکمت میں یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو بغیرانذرا (بغیر ڈراے) خالی چھوڑ دے۔

ہم نے اللہ کی قدرت وقوت سے اس کے قبل ثابت کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نہ کوئی شرط ہے اور نہ کوئی علت موجبہ کہ وہ کوئی شے کرے یا نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مہمل چھوڑ دیتا تب بھی حق وبہتر ہوتا۔ اگر وہ انھیں اسی طرح پیدا کرتا جس طرح اس نے بقیہ حیوانات کو پیدا کیا کہ انھیں کوئی شریعت لازم نہیں کی۔ اور نہ ان پر کوئی شے (احکام وکتاب) گزری۔ اگر اللہ تعالیٰ رسالت وانذار کو ہمیشہ جاری رکھتا تب بھی حق وحسن ہوتا۔ جیسا کہ اس نے ان ملائکہ کے ساتھ جو وحی لانے والے اوراس کے قاصد ہیں ہمیشہ کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو کافر بناتا جب بھی یہ حق وحسن ہوتا۔ یا انھیں سب کو مومن پیدا کرتا جب بھی حق وحسن ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں (کافر ومومن) کو پیدا کیا اور حق وحسن ہوا۔

کوئی شے قبیح محض اسی کے لیے ہوتی ہے جو مامور وممنوع ہو اور منع کے احکام اس کے وجود سے پہلے گذر چکے ہوں اور وہ حدود جو اشیاء کو ترتیب دینے والی ہیں وہ اس کے ہونے سے پہلے ہوچکی ہوں لیکن جو خود ان سب امور سے پہلے ہو تو اسے حق ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور جو چاہے ترک کرے۔ اس کے حکم کو کوئی ترک نہیں کرسکتا۔ ہر وہ شخص جس کو عالم کی بنیاد۔ افلاک وعناصر کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زمین اور اس کا عمق (گہرائی) بہ نسبت بقیہ عناصر وبقیہ اجرام علویہ کے فساد کے زیادہ قریب ہے اور وہ کل کی کل غیر ذی روح ہے۔ حیات محض ان ارواح ونفوس میں ہے جو حیوان کے جسم خاکی کے ساتھ رہنے کے لیے زبردستی اتار دی گئی ہیں۔ لہذا یہ بدیہی طور پر مشاہدے سے ثابت ہوگیا کہ عمل حیات۔ عنصر ومعدن حیات وموضع حیات اسی مقام پر ہے جہاں سے وہ زندہ ارواح ونفوس آئی ہیں جو ناقص ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں اجساد کی معیت کا خاصہ ہے اوراسکی وجہ سے اس کمال سے محروم رہنا ہے جو حیات دائمی کے لیے مخصوص ہے۔ اور (اس سے محل حیات میں) نہ عیب آیا اور نہ ایسے اجساد کی معیت سے جو آلودہ اور آفات اور میل کچیل اور عیوب سے بھرے ہوئے ہیں اس (محل حیات) کی فضیلت میں کوئی کمی آئی۔

لہذا ثابت ہوگیا کہ علو (بلند) جو صاف ستھرا ہے وہ ایسے زندہ اشخاص کا محل ہے جو صاحب فضیلت ہیں اور ہر رذیل خصلت اور ہر عیب اور ہر مزاج فاسد سے پاک ہیں اور مخلوق میں ہر فضیلت کے قریب ہیں۔ ملائکہ علیہم السلام کی یہی صفت ہے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس مکان کی وسعت کے مطابق ہی اس کے رہنے والوں اور آباد ہونے والوں کی کثرت ہوگی۔ اور انھیں اس تنگ محل اور آلودہ نقطہ والوں سے کوئی نسبت نہیں۔ جیسا کہ اس مکان کو مقدار میں بھی اس مکان سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کے متعلق صحیح روایت آئی ہے۔ اسی طرح

احادیث صحیحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت ملائکہ کی خبر دی ہے۔ اسی سے واجب ہوگیا کہ اول (تعالیٰ) اور ان حضرات کے درمیان جن کو اس نے نبوت و رسالت اور تعلیم علوم کے لیے مخصوص کر لیا اور ارواح کو ہلاکت سے بچانے کے درمیان میں یہی لوگ قاصد اور واسطہ ہوں۔

☆☆

کیا بہائم میں بھی رسول ہیں ؟

احمد بن حابط کا یہ مذہب ہے۔ وہ اہل بصرہ میں سے تھا ابراہیم نظام کا شاگرد تھا اور اعتزال ظاہر کرتا تھا ہم اسے محض کافر سمجھتے ہیں مومن نہیں سمجھتے۔ ہم نے اسکا اسلام سے اخراج محض اس لیے بہتر سمجھا کہ اس کے اصحاب نے اس سے وجوہ کفر نقل کیے ہیں۔ جن میں سے ایک تناسخ (آواگون) ہے اور نکاح کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن ہے۔

اس کا قول یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انواع حیوان کی ہر نوع میں نبی بنائے ہیں۔ یہاں تک کہ کھٹمل مچھر اور جوں میں بھی دلیل اس کی یہ آیت ہے **ومامن دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم مافر طنافی الکتاب من شیئی** (نہ کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اڑتا ہے ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح امتیں نہ ہوں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں کی۔) پھر یہ آیت بیان کرتے ہیں ''**وان من امة الا خلا فیها نذیر**'' (یعنی کوئی امت ایسی نہیں جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو)۔

اس آیت میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں اس لیے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے'' **لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل** (تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے حجت کا موقع نہ ملے)۔ اور اللہ کو حجت کا مخاطب وہی بنا سکتا ہے جسے حجت کی عقل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یااولی الا لباب** (یعنی اے عقلمندو)۔

ہم بہ ضرورت حس جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نطق کے لیے محض انسان کو مخصوص کیا ہے۔ جو علوم میں تصرف کرنا۔ اشیاء کی ماہیت کا سمجھنا۔ اور مختلف صنعتوں میں تصرف کرنا ہے۔ ہم نے خبر صادق کی وجہ سے صرف جن کو (نطق میں) انسانوں میں ملا لیا ہے۔ خبر صادق و براہین ضروریہ سے ملائکہ کو بھی (نطق میں) انسانوں میں شامل کر لیا ہے۔ اشخاص مذکورہ بالا صرف حیات میں بقیہ حیوانات کے شریک ہیں۔ اور وہ (حیات) حس و حرکت ارادیہ ہے۔ لہذا ہمیں عقل ہی سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ شریعت کا مخاطب صرف اسی کو بنائے گا جو اس کو سمجھتا ہو اس کی مراد کو سمجھتا ہو۔

ہمیں اس آیت سے بھی معلوم ہوا'' **لا یکلف الله نفساً الاوسعها** '' (اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔ ہم نے انسان کے سوا تمام حیوانات کو انکے تصرف طرز زندگی اور توالد و تناسل میں ایک ہی طریقے پر پایا۔ کوئی چیز ایسی نہیں کہ ان میں سے ایک اس سے بچتا ہو اور دوسرا کرتا ہو۔ یہ چیز ان حیوانات گھوڑے خچر گدھے اور پرندے وغیرہ میں معلوم ہوتی ہے جو انسانوں کے گھروں میں رہتے ہیں۔ انسان اپنے احوال میں اس طرح نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ بہائم شریعت کے مخاطب نہیں ہیں۔ ابن حابط کا قول باطل ہوگیا۔ اور ثابت ہوگیا کہ کلام الٰہی ''**امم امثالکم** '' کے معنی ''**انواع امثالکم** '' ہیں۔ یعنی تمھاری ہی طرح وہ بھی مختلف نوعیں

ہیں۔ کیونکہ ہر نوع امت کہلاتی ہے۔

"**وان من امة الا خلا فیها نذیر**" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت سے مراد انسان لیا ہے۔ اور وہ قبائل ہیں اور جنوں کے گروہ ہیں کیونکہ ان پر بھی عبادت کا وجوب ثابت ہے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ تمہیں کیا معلوم۔ ممکن ہے کہ دوسرے حیوانات میں بھی نطق وتمیز ہو۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ ہم نے عقل کے فیصلے اور بداہت سے اشیاء کی ماہیت کو پہچان لیا ہے۔ اور اسی (عقل) سے ہم نے اللہ تعالیٰ کو اور صحت نبوت کو پہچانا ہے۔ عقل وہ ہے کہ کوئی شے بغیر اس کے مانے ہوئے صحیح نہیں ہوسکتی۔ جو چیز عقل سے معلوم ہو وہ واجب ہے ہمارے درمیان میں ہم چاہتے ہیں موجود ہے عالم میں ہے۔ جو چیز عقل سے محال ثابت ہو وہ عالم میں محال ہے جو چیز عقل سے ممکن ثابت ہو۔ تو اس کا موجود ہونا بھی جائز ہے اور نہ موجود ہونا بھی جائز ہے۔ ہم نے عقل وحس سے جانا کہ جو دو چیزیں ایک جنس کے تحت میں واقع ہیں وہ جنس ان دونوں کو برابر سے اپنا نام دیتی ہے جب جنس حی ہمیں اور بقیہ حیوانات کو (اپنے تحت میں) جمع کرتی ہے تو ہم ان سب کے ساتھ اس طور پر مساوی ہیں کہ مقتضائے اسم حیات یعنی حس وحرکت ارادیہ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے یہی دودں چیزیں (یعنی حس وحرکتِ ارادیہ) ہی حیات ہے اور اس کے سوا حیات کوئی اور چیز نہیں۔ یہ ہم نے مشاہدے سے معلوم کیا۔

ہم نے حیوان کو دیکھا کہ مارنے اور لکڑی چھونے سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ ان دونوں چیزوں سے اس کی آواز و پریشانی ظاہر ہوتی ہے جو اس کی تکلیف کو ثابت کرتی ہے۔ جیسا کہ (تکلیف پہنچنے سے) ہم خود کرتے ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح جب ہم اور دوسرے حیوانات تمام درختوں اور نباتات کے نمو میں شریک ہیں تو اسم نمو کا جو تقاضا ہے اس میں سب حیوان مساوی ہیں۔ اور وہ غذا کا طلب کرنا اور اس غذا کا کھانے والے کی نوع میں بدل جانا ہے۔ وہ طلب بقائے نوع میں تمام درخت اور نباتات کے مساوی ہے۔ اس میں بھی کمی بیشی نہیں ہے جب ہم لوگ اور تمام حیوانات اشجار ونباتات اور جمادات اس امر میں شریک ہیں کہ سب اجسام طویلہ عریضہ وعمیقہ ہیں تو یہ تمام اجرام (اجسام) اس چیز میں بالکل مساوی ہیں۔ اسم جسمیت جس چیز کو چاہتا ہے اور اس میں بھی کمی بیشی نہیں۔ اس صفت میں مذکورہ بالا اجسام کی مشارکت نہیں ہے جو کسی ایک کے ساتھ خاص ہے۔ اس کو ہر صاحب حس سلیم جو ان سب اشیاء سے واقف ہے بدیہی طور پر جانتا ہے۔

جب نطق کہ علوم وصناعات میں تصرف کا نام ہے اس میں تمام حیوانات کے مقابلے میں ہم لوگ مخصوص کیے گئے تو یہ ضروری ہے کہ اس میں کوئی حیوان ہمارا شریک نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر اس کا کچھ حصہ اس میں بھی ہوگا تو پھر ہم بقیہ حیوانوں میں کل کے مستحق نہ رہے۔ جیسا کہ ہم حیات ونمو وحرکت جسمیہ میں حیوانات سے زیادہ مستحق نہیں ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ان کے لیے قطعاً نطق نہیں ہے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ شاید ان کا نطق ہمارے نطق کے خلاف ہو تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ عقل میں کسی ایسی حیات کی شکل نہیں آتی جو اس صفت حیات کے خلاف ہو جو ہمارے نزدیک ہے۔ نہ نمو کی جو اس صفت نمو کے خلاف ہو جو ہمارے نزدیک ہے۔ نہ سرخی کی جو اس سرخی کے خلاف ہو جو ہمارے نزدیک ہے۔ نہ کسی جسم کی جو ان اجسام کے خلاف ہو جو ہمارے نزدیک ہیں۔ اور اسی طرح ہر شے میں اگر کوئی شے اس کے خلاف ہو جو ہمارے نزدیک (حقیقت) ہے تو اس پر ہرگز اس نام کا اطلاق نہ ہوگا۔ اور وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص پانی کا نام آگ رکھ لے۔ یا شہد کا نام پتھر رکھ لے اور یہ محض حماقت وبدحواسی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جو نطق ہمارے نطق کے خلاف ہو وہ نطق ہی نہیں۔

نطق ہمارے نزدیک یہی ہے کہ علوم وصناعات میں تصرف کرنا اور اشیاء کی ماہیت کو پہچاننا۔ اگر نطق اس کے خلاف ہو تو نہ تو وہ ماہیت اشیاء کی معرفت اس کے معنی ہوں گے اور نہ علوم وصناعات میں تصرف۔ تو وہ نطق ہی نہ ہوگا۔ لہذا یہ لچر فریب بھی باطل ہوگیا۔ **والحمدلله رب العلمین۔**

اگر کوئی معترض شہد کی مکھی کے کام سے اور مکڑی کے جالا تاننے سے اعتراض کرے تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ یہ تو بدیہی طور پر اس کا یہ فعل طبیعی وفطری ہے۔ کیونکہ مکڑی جو بناوٹ جالے کی بناوٹ کے سوا ہے اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتی اور سوائے جالے کے کبھی کسی اور بناوٹ میں وہ نہیں پائی جاتی۔ لیکن انسان دیبا اور ریشمی کپڑوں میں تصرف کرتا ہے اور رنگائی میں اور دباغت میں اور درخت کی چھال نکالنے اور نقش کرنے میں بقیہ صناعات کھیتی۔ غلہ کاٹنے اور پیسنے اور پکانے اور عمارت بنانے اور تجارات میں۔ مختلف اقسام کے علوم میں نجوم۔ شعر خوانی۔ طب اور دایہ کے کام میں اور جبر و مقابلہ اور تعبیر خواب میں اور عبادت میں اور اس کے سوا بہت سی چیزوں میں تصرف کرتا ہے جس میں حیوان کو ذرا بھی دسترس نہیں سوائے اس کے کہ جو اس کی فطرت کے تقاضا سے ہو۔ نہ وہ حیوان اپنی طبیعی کیفیت وصفت کو چھوڑ سکتا ہے۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ کلام الٰہی میں ہے وہ "**علمنا منطق الطیر**" (ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی) اور اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کا جو قول بیان کیا ہے "**یا ایها النمل ادخلو امسا کنکم**" (اے چیونٹیو اپنے ٹھکانوں میں چلی جاؤ) اور ہدہد کا قصہ۔ تو اس سے بتوفیق الٰہی کہا جائے گا کہ ہم نے اس کی نفی نہیں کی کہ حیوان کی ان چیزوں کی مدد مانگنے میں آوازیں نہیں ہوتیں جن کو حیات چاہتی ہے۔ جیسے طلب غذا۔ اور تکلیف کے وقت اور مارنے کے وقت اور طلب جماع کے وقت اور اپنے بچوں کے بلانے کے وقت۔ اور جو اس کے مشابہ ہیں۔ اور یہی وہ چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سلیمان علیہ السلام کو سکھائی تھی۔ یہی وہ چیز ہے جو اکثر حیوانوں میں پائی جاتی ہے یہ نہ تو دقائق علوم کی تمیز ہے اور نہ علوم میں کلام ہے اور نہ یہ کسی قسم کی صنعت کا کوئی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کلام الٰہی میں "**منطق الطیر**" سے وہی بولیاں اور آوازیں ہیں جو ہم نے بیان کیں۔ نہ کہ علوم کی تمیز اور نہ صناعات میں تصرف جس کا اگر کوئی دعوی بھی کرے تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو حق ہی کہتا ہے۔ ہدہد اور چیونٹی کا قصہ تو۔ یہ دونوں معجزات تھے جو اسی ہدہد اور اسی چیونٹی کے لیے مخصوص تھے۔ یہ دونوں سلیمان علیہ السلام کی علامات نبوت تھیں۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے (بھنے ہوئے زہر آلود بکری کے) دست کا کلام اور کھجور کے تنے کی آواز اور کھانے کی تسبیح کہ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامات تھیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی زندگی آپ کی رسالت کی علامت تھی۔ اس لیے کہ یہ نطق تو ان اشیاء کی انواع میں شامل ہے۔

اسی بیہودگی کمزوری اور جہل کی اس شخص نے بھی پیروی کی ہے جو اپنے دل میں اپنے کو عالم سمجھتا ہے اور وہ خویز منداد مالکی کے نام سے مشہور ہے یہاں تک کہ اس نے جماد کے لیے بھی تمیز تجویز کردی۔ شاید کوئی معترض اس کلام الٰہی سے اعتراض کرے کہ "**وان من شی الایسبح بحمده**" (یعنی کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو) اور اس سے "**الم تران الله یسجد له من فی السمٰوات و من فی الا رض**" (کیا تو دیکھتا نہیں کہ جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں ہے اللہ کو سجدہ کرتا ہے)۔ اور اس سے کہ "**انا عرضنا الا مانة علی السمٰوات والا رض والجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منهاو حملها الا نسان**" (یعنی ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اسے اٹھالیا)۔ اور اس سے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین سے ایجاد کے وقت فرمایا تھا "**ائتیا طوعا و کرها قالتا اتینا طائعین**" (آؤ خوشی سے یا ناگواری سے۔ تو

ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ''قیامت کا دن ہوگا جس دن سینگ والی بکری سے بے سینگ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا'' تو یہ سب حق ہے اور ان لوگوں کے لیے اس میں کوئی حجت ودلیل نہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

قرآن کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو۔ جو اس کی مخالفت کرے گا وہ اللہ عزوجل کا گنہگار اور اس کے کلمات کا بدلنے والا ہوگا۔ تاوقتیکہ ان میں سے کسی ایک میں کوئی نص نہ وارد ہو یا اجماع یقینی نہ ہو یا حس وبداہت اس (آیت یا حدیث) کے ظاہری معنی کے خلاف نہ ہو۔ تو اس وقت توقف کیا جائے گا۔ اور اس وقت جو شخص اسے اس کے ظاہر پر محمول کرے گا وہ اللہ عزوجل کی طرف کذب کی نسبت کرنے والا ہوگا یا خود اس پر اور اس کے نبی پر افترا کرنے والا ہوگا دونوں صورتوں سے خدا کی پناہ۔

جب کہ ہم پہلے ہی براہین ضروریہ سے واضح کر چکے ہیں کہ سوائے انسان جن اور ملائکہ کے حیوان کے نطق نہیں ہے یعنی اسے علوم و صناعات میں تصرف ناممکن ہے اور یہ بات حس کے مشاہدے میں ہے اور بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے سوائے بیہیا اور اپنے حواس کے مخالف کے کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ جو تمیز ہمارے نزدیک جو تمیز ہے اس کے خلاف ہو وہ تمیز ہی نہیں۔ اور نیز یہ بدیہی طور پر نظر اور مشاہدے سے بھی معلوم ہوتا ہے تو واجب ہے کہ یہ نطق وقول تسبیح وسجود اس کے خلاف ہو جس کا نام لغت وشریعت میں نطق وقول وتسبیح وسجود ہے۔ واجب ہوگیا کہ یہ اسمائے مشترکہ ہیں جن کے الفاظ متفق ہیں مگر ان کے معانی مختلف ہیں کسی کو جائز نہیں کہ اس کے سوا پر محمول کرے۔ اس لیے کہ وہ اگر ایسا کرے گا تو وہ اس کا مخبر ہوگا کہ (معاذ اللہ) اللہ نے وہ بات کہی ہے جس کو مشاہدہ اور وہ عقل باطل ٹھہراتی ہے جس کے ذریعے سے ہم نے اللہ تعالیٰ کو پہنچانا ہے۔ اگر وہ (عقل) نہ ہوتی تو ہم اسے نہ پہنچانتے جو اسے جائز رکھے گا وہ کافر و مشرک ہوگا جو عقل کو باطل کرے گا تو وہ توحید کو باطل کرے گا کیونکہ اس نے شاہد توحید کو جھٹلا دیا۔ (یعنی عقل کو)۔ اگر عقل نہ ہوتی تو اللہ عزوجل کو کوئی نہ پہنچانتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ مجنونوں اور بچوں کو عقل نہ ہونے ہی سے شریعت لازم نہیں۔ جو اس کو جائز رکھے وہ نہ تو نصاریٰ کی خلاف عقل باتوں کا انکار کرسکتا ہے، نہ دہریوں کا اور نہ سوفسطائیوں کی نامعقول باتوں کا۔

ہم کہتے ہیں کہ لفظ مشترک ہے اور معنی وہ ہیں جن پر دلیل قائم ہو۔ جیسا کہ ہم نے (اللہ تعالیٰ کے) نزول۔ وجہ۔ یدین۔ اور عین (کے معنی) میں کیا ہم نے ان سب الفاظ کو اس پر محمول کیا کہ حق ہے مگر اس کے خلاف ہے جس پر ''ینزل'' (اترتا ہے) کا لفظ ہمارے نزدیک واقع ہوتا ہے ید (ہاتھ) عین (آنکھ) کا لفظ بھی اس کے خلاف ہے جس پر ہمارے یہاں واقع ہوتا ہے اس لیے کہ یہ ہمارے نزدیک اعضائے جسمانی ونقل وحرکت پر واقع ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے منفی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ لہٰذا اب ہمیں مذکورہ بالا آیات کے معانی بیان کرنا چاہیے جن پر گہری نظر نہ ڈالنے والے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

تسبیح کی حقیقت :

تسبیح کے معنی ہمارے نزدیک سبحان اللہ و بحمدہ کہنا ہیں اور ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ پتھر لکڑی اور کیڑے مکوڑے اور رنگ ''سبحان اللہ'' سین۔ با۔ حاء۔ الف۔ نون۔ لام۔ اور ہاء سے نہیں کہتے۔ اور جس کو عقل سے ذرا سا بھی تعلق ہوگا وہ اس میں شک نہ کرے گا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جس تسبیح کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے وہ بھی حق ہے۔ بلاشک از روئے معنی وہ اس تسبیح کے مغایر ہے جو

ہماری ہے۔ کیونکہ اس میں بھی شک نہیں کہ اصل لغت میں تسبیح کے معنی برائی سے اللہ کی پاکی بیان کرنا'' ہیں۔ اور یہ صحیح بھی ہے۔ کیونکہ عالم میں ہر شے بلاشک اللہ تعالیٰ کی برائی سے یعنی صفت حدوث سے پاکی بیان کرنے والی ہے۔ عالم کی ہر شے اپنے دلائل صنعت واقتضائے صانع سے اور ایسے صانع سے جو کسی وجہ سے بھی مخلوق کے مشابہ نہ ہو اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر برائی اور نقص سے پاک ومنزہ ہے۔ یہ وہ معنی ہیں جن کو بہت لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ جیسا کہ خود کلام الٰہی میں ہے ''**ولکن لا تفقھو ن تسبیحھم**'' (لیکن تم لوگ انکی تسبیح نہیں سمجھتے) ہر شے کی تسبیح بحمد اللہ تعالیٰ بلاشک یہی ہے۔ اور یہی معنی حق ہیں جن کا کوئی موحد انکار نہیں کر سکتا۔ اگر ہمارے اس قول کی صحت پر اتفاق کر لیا جائے اور ضرورت وبداہت اس کو واجب کرے کہ یہ تسبیح وہ تسبیح نہیں جو ہم لوگوں کے نزدیک معروف ومعہود ہے۔ تو ہمارا قول ثابت ہو گیا اور اس کے قول کی نفی ہو گئی جو اپنے غلط گمان کی بناء پر ہماری مخالفت کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''**وان من شی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم**'' (اور کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے)۔ کافر ہری بھی شے ہے اور اس کے شے ہونے میں بھی شک نہیں۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قطعاً تسبیح نہیں کرتا۔ لہذا یہ بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ کافر بھی تسبیح کرتا ہے کیونکہ وہ بھی ان اشیاء میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں۔ لیکن کافر کی تسبیح بلاشک اس کا ''**سبحان اللہ وبحمدہ**'' کہنا نہیں ہے۔ اس کی تسبیح یہ ہے کہ اس کی خلقت وترکیب اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ہر نقص وعیب سے بری ہے اور وہ اپنی مخلوق سے ذرا بھی مشابہ نہیں ہے۔ اور یہ یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ لہذا یہ ثابت ہو گیا۔ کہ لفظ تسبیح بھی اسمائے مشترکہ میں سے ہے۔ اور وہ دو اور دو سے زیادہ قسموں پر واقع ہوتا ہے۔

سجدہ :

لیکن وہ سجود جس کا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے'' **وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعاً وکرھا**'' (زمین وآسمان میں جو لوگ ہیں وہ سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں خواہ خوشی سے یا مجبوری سے) ہمیں معلوم ہے کہ سجود معروف ومعہود ہمارے نزدیک شریعت ولغت میں بہ نیت تقرب وعبادت پیشانی ناک ہاتھ پاؤں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا ہے۔ اور اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ گدھے کیڑے مکوڑے لکڑی اور گھانس اور کفار ایسا نہیں کرتے۔ خاصکر وہ اشیا کہ جن کے یہ اعضاء ہی نہیں۔ ہمارے قول کی صحت پر خود اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔ اور اس نے خبر دی ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اسے وہ سجدہ نہیں کرتے جسے ہم لوگ سجدہ سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہے ''**واسجد واللہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون ہ فان استکبروا فالذین عندربک یسبحون لہ باللیل و النھا ر وھم لا یسأمون**'' (اسی اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان (زمین وآسمان) کو پیدا کیا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو، اگر یہ لوگ عار کریں (تو اسے پروا نہیں کیونکہ) جو لوگ پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور بیزار نہیں ہوتے)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ بعض لوگ اسے سجدہ کرنے میں عار کرتے ہیں اور سجدہ نہیں کرتے۔ فرمایا کہ ''**وللہ لیسجد من فی السموات والارض طوعا و کرھا**'' (جو لوگ زمین وآسمان میں ہیں وہ بخوشی وناگواری اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں) بیان فرمایا کہ سجود ناخوشی سے اور ہے اور سجود خوشی سے وہی ہے جسے ہم سجدہ سمجھتے ہیں۔

وہ سجدہ اور ہے یہ سجدہ اور ہے :

جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی خبر دیدی نیز مشاہدے سے بھی یہی ثابت ہے تو ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہوگیا کہ وہ سجود جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ لوگ جو زمین و آسمان میں ہیں وہ اسے سجدہ کرتے ہیں، وہ اس سجود کے علاوہ ہے جو مومنین طوعاً اور بخوشی کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ اس سے عار کرتے ہیں اور اکثر مخلوق اس سے باز رہتی ہے۔ اس میں بھی کسی مسلمان کو شک نہیں۔

سجدہ کیا ہے :

جب یہی بات ہے اور بے شبہ یہی بات ہے تو ہم پر واجب ہوگیا کہ اس سجود کے معنی تلاش کریں کہ کیا ہیں تلاش کیا تو ہمیں کتاب اللہ کی دو آیتوں میں بالکل واضح اور بلا اشکال ملے اور وہ آیتیں یہ ہیں ''**وظلا لهم بالغدو والا صال**'' ''**اولم يرو االی ماخلق الله من شيئی يتفيو ظلا له عن اليمين و الشمائل سجد الله وهم داخرون**''(کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ جو چیز اللہ نے پیدا کی ہے اللہ کو سجدہ کرنے کے لیے اس کا سایہ داہنے بائیں سے بدلتا رہتا ہے اور وہ سب انکساری کرنے والے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں ایسے واضح طور پر بیان کیا جس میں کوئی اشکال نہیں کہ آیت مذکورہ میں سجود کے معنی یہ ہیں کہ صبح و شام سایہ دار کا سایہ بدلنا۔ نہ وہ سجود جسے ہم لوگ سجود سمجھتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ لفظ سجود ان اسمائے مشترکہ میں سے ہے جو دو اور زیادہ قسموں پر واقع ہوتا ہے۔

قول کے معنی :

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''**قالتا اتينا طائعين**''(یعنی زمین و آسمان نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں)۔ بداہت و مشاہدے سے معلوم ہے کہ قول کے معنی اس لغت میں جس میں قرآن نازل ہوا صرف یہی ہیں کہ آلات کلام یعنی بالائی دانتوں حلق۔ تالو۔ زبان۔ ہونٹوں۔ اور داڑھوں سے ہوا کو نکالنا جو سننے والے کے کان تک پہنچے کہ وہ اس کے ذریعے سے کہنے والے کے مقاصد کو سمجھے۔ جب اس میں کوئی شک نہیں ہے تو وہ جس کے نہ زبان ہے نہ ہونٹ۔ نہ داڑ ہیں۔ اور نہ تالو نہ حلق۔ تو اس سے وہ قول (کہنا اور بولنا) ممکن نہیں جن کو ہم لوگ قول سمجھتے ہیں۔ اس امر میں بھی کسی صاحب عقل کو شک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ کھلم کھلا ایسا ہی ہے جیسا ہم کہتے ہیں۔ لہذا ہر وہ قول جس کے متعلق نص وارد ہوئی اور مخبر نے اسے بیان کیا اور اس کی یہ صفت نہیں ہے (کہ وہ حلق تالو دانت زبان وغیرہ کی مدد سے ادا ہوتا ہو) تو وہ وہی قول نہیں ہے جسے ہم لوگ قول سمجھتے ہیں۔ اس کے کوئی اور معنی ہیں۔

جب ایسا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو لامحالہ ثابت ہوگیا کہ کلام الٰہی ''**قالتا اتينا طائعين**'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں (آسمان و زمین) اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق جاری ہیں اور اس کے تصرف کے ماتحت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کرنا اور ان کا اس سے انکار کرنا، تو ہم نہ تو اس کی کیفیت جانتے ہیں اور نہ کوئی اور شخص۔ اس پر بھی کلام الٰہی کی نص موجود ہے ''**وما اشهدتهم خلق السموات والرض الار خلق انفسهم**''(میں نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر ان لوگوں کو گواہ نہیں بنایا اور نہ خود ان کی پیدائش پر) جس نے تکلف کیا یا دوسرے کو ابتدائے خلق اور اس کی معرفت اور سمجھنے کی تکلیف دی کہ اس کا پیدا کرنے والا ایسا ہے کہ ہرگز کوئی اس کے مشابہ نہیں، پھر اس نے یہ سمجھنا چاہا کہ یہ کیونکر ہوا ہوگا تو وہ اس آیت کا مصداق ہے ''**وتقولون بافواهكم ماليس لكم به علم و تحسبونه هينا و هو عند الله عظيم**''(تم اپنے منہ سے

وہ بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ اور اس کو سہل سمجھتے ہو حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے)۔

ہم اتنا یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان زمین اور پہاڑ کے سامنے اس وقت تک امانت پیش نہیں کی جب تک ان میں اس پیش کردہ امانت کی تمیز اور اس کے سمجھنے کی قوت نہیں پیدا کی پھر جب انھوں نے اس سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے تو وہ تمیز و قوت اس نے سلب کر لی اور انھیں تکلیف امانت کے درجے سے ہٹا دیا۔ اللہ عز و جل کا کلام اسی کا مقتضی ہے اور ہمیں اس سے زائد علم نہیں۔

ابتدائے خلق کے بعد جو کچھ ہوا اس کی کیفیات معروف و مشہور ہیں ارشاد الٰہی ہے "**وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا، لامبدل لکلماته**" (اللہ تعالیٰ کا کلمہ صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ اس کے کلمات کا بدلنے والا کوئی نہیں) لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلائق کو جس ترتیب پر پیدا کیا ہے اسکا بدلنے والا کوئی نہیں سوائے اس کے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے (بطور معجزات) خود اس نے مراتب و طبائع کو بدل دیا۔

جماد (پتھر) میں عقل کیسی؟

اگر لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے پتھر کی اس طرح تعریف کی کہ "**ان من الحجارة لما یتفجر منها الانهار وان منهالما یشقق فیخرج منه الماء وان منها لمایهبط من خشیة الله**" (بعض پتھر وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جن میں درز پڑ کر ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں) ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ پتھر کو نہ کسی شریعت کا حکم دیا گیا نہ عقل دی گئی اور نہ اس کی طرف کوئی نبی بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**" (ہم عذاب نہ دیتے تھے تا وقتیکہ رسول نہ بھیجدیں)۔ جب اس میں شک نہیں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد تین وجوہ میں سے کسی ایک پر محمول ہو گا۔

پہلی وجہ یہ کہ اس کے کلام "**وان منهالما یهبط**" میں ضمیر ان قلوب کی طرف راجع ہے جن کا ذکر اول آیت میں ہے۔ "**ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فهی کالحجارة او اشد قسوة**" (اس کے بعد تمہارے قلوب سخت ہو گئے اور وہ مثل پتھر کے ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت) اللہ تعالیٰ نے انھیں سخت قلوب کے متعلق بیان کیا کہ جو کسی روز ایمان قبول کر لیتے ہیں اور وہ سختی و قساوت سے اس نرمی کی طرف اتر آتے ہیں جو اللہ کے خوف سے ہوتی ہے۔ یہ امر تو آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ سخت سے سخت قلوب اللہ کی مہربانی سے نرم ہو جاتے ہیں اور گنہگار ڈرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بعض اہل کتاب اللہ پر اور جو ہم پر نازل ہوا ہے اور جو ان پر نازل ہوا ہے سب پر ایمان لاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ خبر دی کہ "**الاعراب اشد کفرا ونفاقا واجدر الا یعلموا حدود ما انزل الله علی رسوله**" (اعراب یعنی بدوی۔ دیہاتی نہایت سخت کفر و نفاق والے ہیں اور اس قابل ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کے حدود کو نہ جانیں) اس کے بعد یہ خبر دی کہ بعض اعراب وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ لہذا یہ وجہ ظاہر ہے اور اس کی صحت یقینی ہے۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ خشیت مذکورہ یعنی وہ خوف الٰہی جس کا ذکر آیت میں ہے محض اللہ کے حکم کا تصرف اور اس کے احکام کا جاری ہونا ہے۔ جیسا کہ ہم نے "**قالتا اتینا طائعین**" کی تفسیر میں کہا ہے۔ اللہ عز و جل نے اسی کے متصل یہ فرمایا ہے کہ "**فقضاهن سبع سموات فی یومین واوحی فی کل سماء امرها**" (پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دو دن میں سات آسمان ہو جانیکا حکم دیا اور ہر آسمان میں اس کے احکام کی وحی بھیج دی) اللہ تعالیٰ نے ایسے واضح طور پر بیان فرمایا کہ ہر اشکال رفع کر دیا کہ آسمان و زمین کی یہ طاعت محض ان میں اس کا

تصرف تھا۔ اور اس کا انھیں سات آسمان ہونے کا حکم دینا اور ہر آسمان میں اس کے احکام کی وحی کرنا (یہ سب محض اس کا تصرف تھا)۔ لہذا ہمارا قول اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے نص جلی کے طور پر ثابت ہوگیا **والحمد لله رب العلمين**۔

اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آسمان وزمین اور پہاڑ کا قبول امانت سے انکار بھی محض اسی وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جمادیت وعدم تمیز سے مرکب کیا ہے۔ اور یہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ جس کی یہ صفت ہو اسے شرائع واوامر ونواہی کا قبول کرنا غیر ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اسکی مذمت کی ہے جو اس شخص کو پکارے جو سوائے دعاء ونداء کے نہ سنے (یعنی پکارنے کی آواز تو سنے مگر مطلب ومعنی نہ سمجھے یا سمجھے مگر عمل نہ کرے) کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا فعل منسوب کرے جس کی اس نے مذمت کی ہے۔

وجہ ثالث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں "**وان منها لما يهبط من خشية الله**" (یعنی بعض پتھر وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں) وہ پہاڑ مراد لیا ہو جو اس روز پارہ پارہ ہوگیا تھا جس روز اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کی درخواست دیدار پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی تھی۔ یہ پہاڑ بھی بلا شک پتھروں میں ہے۔ اور وہ خوف الٰہی سے اپنے مکان سے گر پڑا۔ یہ ایک معجزہ ونشان ہے اور خاص اس پہاڑ کی طبیعت کا بدلنا ہے۔ یہبط (گر پڑتا ہے) بمعنیٰ "ہبط" (گر پڑا) ہے جیسا کہ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے "**واذ يمكر بك الذين كفروا**" بلاشک اس کے معنیٰ "**واذ مكر**" ہیں (یعنی جب کہ کفار نے آپ کے ساتھ مکر کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق میں فرمایا ہے جو انھوں نے اپنے والد کی سنگ پرستی پر اعتراض کیا تھا **لم تعبد مالا يسمع ولا يبصر**" (اے باپ تم اس کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام "**واتخدوا من دون الله شفعاء قل اولو كا نوالا يملكون شيئا ولا يعقلون**" (ان لوگوں نے اللہ کے سوا سفارش کرنے والے بنا لیے۔ آپ کہیے کہ کیا یہ کسی چیز کے بھی مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں (جب بھی تم ان کی پرستش کروگے)۔ بوجہ اس کے کہ ان کی ترکیب جماویت وعدم تمیز سے ہوئی ہے (اس لیے نہ انھیں عقل ہے اور نہ یہ کسی چیز کے مالک ہیں۔) (یعنی ان تمام آیات میں مستقبل کا صیغہ ماضی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی طرح "**يهبط**" کو جو صیغہ مستقبل ہے "**هبط**" یعنی ماضی کے معنی میں سمجھنا چاہیے۔ اور علمائے بلاغت نے مستقبل کے بجائے صیغہ ماضی لانے کی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔)

یہ ایسی صحت کے ساتھ ثابت ہوگیا جس میں کسی شک کی مجال نہیں کہ پتھر صاحب عقل نہیں ہے۔ اس لیے کہ غیر صاحب عقل جس کی وہ لوگ پرستش کرتے تھے یہی تھا۔ وہ بقیہ اشخاص جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے ملائکہ مسیح اور ان کی والدہ علیہما السلام اور جن تو یہ سب عاقل و صاحب تمیز تھے۔ لہذا (غیر صاحب عقل میں) پتھر ہی باقی رہ گیا۔ اور یہ نص سے ثابت ہوگیا کہ وہ صاحب عقل نہیں۔ جب یہ نص۔ مشاہدہ۔ اور بداہت سے یقینی ہوگیا تو اس سے وہ نطق وتمیز وخشیت جس کو ہم لوگ نطق وتمیز وخشیت سمجھتے ہیں منتفی ہوگیا۔ اور یہ ہمارے قول کی نص و تصریح ہے۔ **والحمد لله رب العلمين**۔

وہ احادیث جن میں منقول ہے کہ حجر کے ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے اور کعبے کے بھی اسی طرح ہوگا۔ اور پہاڑ بہت بلند تھے پھر ایک پہاڑ خوف سے جھک گیا۔ یہ سب خرافات اور بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو کذاب اور ضعیف راویوں نے نقل کیا ہے جن میں بطور اسناد کے کوئی شے بھی صحیح نہیں ہے۔ اور اس میں بہ نسبت طول دینے کے لیے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ان ائمہ نے جنھوں نے حدیث صحیح کے جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے انھوں نے اس میں سے کوئی روایت بھی اپنی تصنیف میں داخل نہیں کی۔ یا ان لوگوں کی روایت میں بھی شمار نہیں کیا جن کی روایت کو صحیح روایت کے قریب قریب جائز رکھا جاتا ہے۔

جولوگ اس میں ہمارے مخالف ہیں جب انھوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ آیات بالا میں ۔قول ۔سجود۔ تسبیح ۔خشیت کی وہ صفت وکیفیت نہیں ہے جو ہمارے درمیان میں معروف ومعہود ہے۔ تو وہ ہمارے موافق ہوگئے ۔خواہ خوشی سے یا ناگواری سے۔ اور وہ سب اسی سے وابستہ ہیں۔ اور یہ اشعار عرب میں بھی آیا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ ع

شکی الی جملی طول السری (یعنی میرے اونٹ نے شب روی کی درازی کی مجھ سے شکایت کی)۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔ ع

فقالت له العینان سمعاً وطاعة“ (آنکھوں نے اس سے کہا کہ ہم سنتے ہیں اور مانتے ہیں)

رائی کہتا ہے۔ ع

قلق الفؤس اذا اردن نصولا (کلہاڑیاں گھبرا گئیں جب کہ ان عورتوں نے برچھیوں کا ارادہ کیا)

یہ آیت بھی اسی باب سے ہے ”**جدار ایرید ان ینقض** “(ایک دیوار تھی جو گرنے کا ارادہ کررہی تھی)۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیوار کا ارادہ وہ ارادہ نہیں ہے جو ذی روح کا ارادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارا قول نص قرآن وبداہت سے ثابت ہوگیا۔ **والحمد لله رب العلمین**۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”جس روز سینگ والی بکری سے بے سینگ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**وما من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم** “(کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اڑتا ہے ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح امتیں نہ ہوں) **مافرطنا فی الکتاب من شی ثم الی ربهم یحشرون**“(ہم نے قرآن میں کوئی کمی نہیں کی ۔اس کے بعد ان کے رب کے سامنے ان کا حشر ہوگا) اور کلام الٰہی **واذا الوحوش حشرت**“(اور جب کہ وحوش اٹھادئے جائیں گے)۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ بلاشک ان کا بھی حشر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس کو جس پر چاہتا ہے غالب کردیتا ہے۔ پھر جب اس نے دنیا میں سینگ والی بکری کو بے سینگ والی پر غالب کردیا تو اسے حق ہے کہ وہ آخرت میں بے سینگ والی کو سینگ والی پر غالب کردے۔ اس پر نہ کوئی نص ہے نہ اجماع ہے نہ دلیل عقلی ہے نہ دلیل نقلی ہے کہ مواشی بھی کسی شریعت کے پابند ہیں۔ اور ہم اسی کا اقرار کرتے ہیں اور اسی کے قائل ہیں اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جتنا علم ہمیں دیا گیا اس کے علاوہ ہمیں کوئی علم نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

☆☆

کیا انبیاء ورسل علیہم السلام آج انبیاء ورسل نہیں رہے؟

ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور اسی قول پر اشعریہ کا بھی مذہب ہے۔ مجھے سلیمان بن خلف الباجی نے جو آج ان لوگوں کے مقدمین میں سے ہیں خبر دی کہ محمد بن الحسن بن فورک الاصبہانی بھی اسی مسئلے پر تھے جن کو محمود بن سبکتگین شاہ خراسان رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ زہر قتل کردیا۔

ایسا کیوں کہتے ہیں؟

یہ مقالہ خبیثہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس اجماع کے کہ جو ابتدائے اسلام سے قیامت تک تمام اہل اسلام کا رہا اور رہے گا مخالف ہے انھیں ان کے اس قول فاسد نے اس پر برانگیختہ کیا کہ روح عرض ہے اور عرض کو ہمیشہ فنا ہے۔ ایک وقت پیدا ہوتی ہے اور دو وقت باقی نہیں رہتی۔ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بھی فنا و باطل ہوگئی اور اب ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی نہیں ہے اور آپ کا جسد آپ کی قبر میں مردہ ہے۔ لہذا اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت باطل ہوگئی۔

یہ کیا حماقت ہے؟

ہم اس قول سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کیونکہ یہ کفر صریح ہے جس میں کوئی تردد نہیں۔ اس بیہودہ اور حد سے زائد مکروہ قول کے بطلان کے لیے یہ کافی ہے کہ یہ قول اللہ عزوجل کے اس حکم کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے اور ہر فرقہ و طبقہ کے تمام اہل اسلام کے اجماع کے مخالف ہے جو روزانہ پانچ مرتبہ مشرق سے مغرب تک ہر ہر گاؤں میں تمام مساجد میں بلند آواز سے اذان کہنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ یہ ملایا ہے۔ **اشھد ان لا الہ الا اللہ . اشھد ان محمد ار سول اللہ** ۔ مگر اپنے نفس پر بھروسہ کرنے والوں کے قول کے مطابق اذان کذب ہوگی۔ اور اس کا حکم دینے والا بھی کاذب ہوگا۔

ان کے قول کی بناء پر اذان کو اس طرح ہونا چاہیے **اشھد ان محمد اکان ر سول اللہ** " (یعنی محمد اللہ کے رسول تھے اور اب نہیں۔ معاذ اللہ) ورنہ جو شخص بھی کسی ایسی چیز کے متعلق جو تھی اور باطل ہوگئی یہ خبر دے گا کہ وہ اب موجود ہے تو وہ کاذب ہوگا۔ اور اذان بھی ان کے قول کے مطابق کذب ہوگی۔ یہ کفر خالص ہے۔

اسی طرح جس پر تمام اہل اسلام بغیر کسی کے اختلاف کے متفق ہیں یہ اپنے مردوں کو "**لا الہ الا اللہ محمد ر سول اللہ**" کی تلقین ہے تو یہ بھی ان لوگوں کے قول کے مطابق باطل ہوگا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت سے اپنے جہاد کے زمانے میں جس پر عمل کیا اور جس کے متعلق اللہ عزوجل کی جانب سے حکم دیا کہ آپ کے بعد بھی ہمیشہ وہی عمل کیا جائے۔ اس کے قائل ہونے اور عمل کرنے پر تمام اہل اسلام خواہ انس خواہ جن سب کا اتفاق رہا اول اسلام سے آخر تک مشرق سے مغرب تک بالکل قطعی یقین کے ساتھ جس پر عمل کرنے سے خون حلال سے حرام ہو جاتا ہے یا بذریعہ جزیہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اہل کفر کے سامنے پہلے یہ امر پیش کیا جائے کہ وہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کہیں مگر ان بدنصیبوں کے قول کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ یہ باطل و کذب ہو۔ صرف یہ لازم آتا ہے کہ انھیں کہنے کا پابند بنایا جائے کہ **محمد کان رسول اللہ**" (آنحضرت رسول اللہ تھے)

اسی طرح کلام الٰہی "**ورسلا قد قصصنا ھم علیک من قبل ورسلالم نقصصھم علیک**" (پہلے وہ رسول بھی ہیں جن کا ہم نے آپ سے ذکر کیا ہے اور وہ رسول بھی ہیں جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا)۔

اسی طرح یہ کلام الٰہی "**یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجتبم**" (جس روز (قیامت میں) اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تمھیں (تمھاری دعوت کا دنیا میں) کیا جواب دیا گیا۔

اسی طرح کلام الٰہی **وجئی بالنبیین والشھداء** (اور قیامت میں) انبیاء و شہداء کو لایا جائے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں

رسول سے نامزد فرمایا حالانکہ وہ سب مر چکے ہیں۔ انھیں رسول و نبی فرمایا حالانکہ وہ قیامت میں ہوں گے۔

اسی طرح ہر نمازی کا ہر نماز فرض یا نفل میں کہنا جس پر اجماع بھی ہے اور نص حدیث بھی ہے ''**السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** '' (اے نبی آپ پر سلام و رحمت اور اللہ کی برکتیں نازل ہوں)۔ اگر آپ کی روح موجود قائم نہ ہوتی تو معدوم پر سلام رائگاں ہوتا۔

اگر وہ کہیں کہ مردہ اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ رسول تو وہی ہوتا ہے جس کو اللہ کی طرف سے رسول کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ ہاں جس کو اللہ تعالیٰ نے صرف ایک مرتبہ رسول بنا دیا ہو وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کا رسول ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک ایسے مرتبہ جلالت کا حاصل کرنے والا ہے جس سے کبھی کوئی شے اسے گرا نہیں سکتی۔ اور نہ کبھی یہ نام (رسول) اس سے ساقط ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا جو تم کہتے ہو تو لازم آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں مثلاً اہل یمن کے رسول نہ تھے اس لیے کہ آپ نے کبھی بالمشافہ ان سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔

یہ بھی لازم آتا ہے کہ آپ سوائے اس وقت کے کہ جب آپ لوگوں سے کلام کرتے ہوں اللہ کے رسول نہ ہوں۔ پھر جب آپ خاموش ہو جائیں یا سو جائیں یا جماع میں مشغول ہوں تو رسول اللہ نہ رہیں۔ اور یہ کفر آمیز حماقت اجماع یقینی کے خلاف ہے۔ اور ہم نامرادی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

نیز واقعہ اسراء جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے اور تواتر کے ساتھ منقول ہے اور علامات نبوت میں سے ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ آپ نے ہر آسمان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا۔ آپ نے ان کی انھیں ارواح کو دیکھا جو انبیاء رہی تھیں۔ جس نے اس کی یا اس کے بعض حصے کی بھی تکذیب کی وہ بلاشک اسلام سے خارج ہو گیا۔ ہم بدنصیبی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

یہ وہ دلائل ہیں جن سے مفر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ اللہ کے ملائکہ ہیں جو اسے میری جانب سے سلام پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقۃً آپ کو دیکھا۔

مجھے ان میں سے بعض لوگوں کی طرف سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امہات المومنین رضوان اللہ علیھن اجمعین اب امہات المومنین نہیں ہیں۔ مگر وہ امہات المومنین تھیں۔

یہ خالص گمراہی اور محض حماقت ہے۔ اگر ایسا ہو تو لازم آئے گا کہ انسان کی وہ ماں جس نے اسے جنا اور وہ باپ جس سے وہ پیدا ہوا نہ تو وہ اس کا باپ رہے اور نہ وہ اس کی ماں رہے سوائے اس وقت کے جس وقت اس نے اسے جنا یا حمل میں رہا اور جس وقت باپ کو انزال ہوا اور اس کے بعد نہیں۔ یہ وہ بیہودہ بات ہے جس پر کوئی صاحب عقل اپنے لیے راضی نہ ہوگا،

اگر وہ کہیں کہ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ عمر و عثمان رضی اللہ عنہما آج بھی امیر المومنین ہیں۔

ہم کہیں گے کہ نہیں۔ اور اس پر اجماع بھی ہے۔ کیونکہ امیر تو جب ہی تک ہے جب تک اس کا امر ماننا واجب ہو۔ اور یہ موت کے بعد کسی کے لیے بھی ممکن نہیں، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امیر تو محض خلیفہ ہے جو خلیفہ کے بعد اپنی زندگی بھر کے لیے ہے۔ لہذا اس میں بھی ان کا اعتراض باطل ہو گیا۔

تناسخ ارواح

جولوگ تناسخ ارواح (یعنی آواگون۔ یاایک روح کاایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل) ہونے کے قائل ہیں ان کے دوفرقے ہیں۔

ایک فرقے کا مذہب یہ ہے کہ ارواح اجسام سے جدا ہونے کے بعد دوسرے اجسام میں منتقل ہوجاتی ہیں اگر چہ وہ دوسرا جسم اس نوع کا نہ ہو جس سے وہ ارواح جدا ہوئی ہیں۔ یہ احمد بن حابط اوراس کے شاگرد احمد بن نانوس اور ابومسلم الخراسانی اور محمد بن زکریا رازی طبیب کا قول ہے محمد بن زکریا نے اپنی کتاب ''العلم الہی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور قرامطہ کا بھی یہی قول ہے۔

محمد زکریا رازی نے اپنی ایک کتاب میں بیان کیا ہے کہ ''اگر سوائے قتل وذبح کے ان ارواح کے جو حیوانی شکل کے اجسام میں ہیں ان اجسام میں جو انسانی شکل میں ہیں منتقل ہونے کی کوئی صورت نہ ہوتی تو کسی حیوان کا ذبح کرنا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

تم دیکھتے ہو یہ محض دعاوی وخرافات ہیں جو بلا دلیل ہیں ان لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ تناسخ محض بطور عذاب وثواب ہوتا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ بداعمال فاسق کی روح خبیث چوپایوں کے اجسام میں منتقل ہوجاتی ہے جو نجاستوں میں گھستے پھرتے ہیں اور جو مقید اور مظلوم ہیں اور ذبح کر کے جن کی ناقدری کی جاتی ہے۔

ایسے شخص کے بارے میں ان میں اختلاف ہے جس کے تمام افعال محض شر ہوں اور ان میں کوئی بھی خیر نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اسی طبقے کی ارواح شیاطین ہوتی ہیں۔ احمد بن حابط کہتا ہے کہ یہ جہنم میں منتقل کردی جاتی ہیں اور ان کو ہمیشہ کے لیے آگ کا عذاب دیا جاتا ہے۔

اس شخص کے بارے میں ان میں اختلاف ہے جس کے تمام افعال خیر ہوں اور ان میں کوئی بھی شر نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اسی طبقے کی ارواح ملائکہ ہوتی ہیں۔ احمد بن حابط کہتا ہے کہ بلا شک یہ جنت میں منتقل کردی جاتی ہیں اور وہاں ہمیشہ کے لیے راحت اٹھاتی ہیں۔ وہ گروہ جو حلقہ بگوش اسلام ہے یعنی احمد بن حابط واحمد بن نانوس انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ''**یا ایھاالا نسان ماغرک بربک الکریم الذی خلقک فسو اک فعد لک فی ایّ صورت ماشاء ر کبک**'' (اے انسان تجھے اپنے کریم پروردگار کے متعلق کس نے دھوکے میں ڈالا۔ جس نے تجھے پیدا کیا (یعنی شکم مادر میں) پھر تجھے ٹھیک کیا (یعنی اعضاء کی تکمیل کی) پھر تجھے برابر کیا (یعنی تیرے اخلاق میں اعتدال پیدا کیا) جس صورت میں تجھے چاہا مرکب کردیا (یعنی رنگ وقد وجسامت میں عناصر کی ترکیب کا دخل ہے انھیں کی کمی بیشی ومساوات سے طرح طرح کے رنگ اور مختلف قد وقامت وجسامت ہوتے ہیں)۔

یہ دونوں اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ''**جعل لکم من انفسکم ازواجاو من الا نعام ازواجایذرؤ کم فیه**'' (تمھارے لیے تم میں سے جوڑا بنایا اور چوپایوں میں سے جوڑا بنایا اور تمھیں جوڑوں میں پیدا کرتا ہے۔ اس گروہ میں جولوگ اسلام کے قائل نہیں وہ استدلال کرتے ہیں کہ نفس بھی غیر متناہی ہے اور عالم بھی غیر متناہی ہے اس کی بھی کوئی مدت نہیں ہے۔ لہذا نفس ہمیشہ منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس کا اپنی نوع کی طرف انتقل ہونا غیر نوع کی طرف منتقل ہونے سے بہتر نہیں ہے۔

فرقہ ثانیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ ارواح کو وہ جس نوع کے اجسام سے جدا ہوئی ہیں اس کے علاوہ دوسری نوع کے اجسام میں منتقل ہونے سے انکار کرتا ہے۔ اس فرقے کا ایک شخص بھی شرائع کا قائل نہیں ہے یہ سب دہریہ ہیں۔ اس کی دلیل بھی وہی ہے جو ہم نے اس کے

قبل اس فرقے کی بیان کی جو عالم کے غیر متناہی ہونے کے قائل ہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ نفس ہمیشہ اجسام میں آمد ورفت کرتا رہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی ایسی دوسری نوع کی طرف منتقل ہو جس میں ظاہر ہونے کو اس کی طبیعت ونفرت نے ضروری ٹھہرایا ہے اور جسم سے اس کا تعلق کر دیا ہے۔ (یعنی روح انسان جسم انسان ہی میں ہمیشہ منتقل ہوگی کسی دوسرے حیوان کے جسم میں منتقل نہ ہوگی)۔

وہ فرقہ جو اسلام کے نام کا حلقہ بگوش ہے اس کے رد میں تمام اہل اسلام کا ان کی تکفیر میں اجماع کافی ہے علاوہ ان کے جو انھیں کے قول کے قائل ہیں کیونکہ وہ اسلام پر نہیں ہیں (اس لیے ان پر اہل اسلام کا اجماع حجت نہیں)

اسلام کے ماننے والوں کے رد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان احکام کا لانا ہے جو اس (تناسخ) کے خلاف ہیں اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قیامت سے پہلے جزاء خواہ سختی خواہ نرمی صرف اس وقت واقع ہوتی ہے جب روح بدن سے جدا ہو جائے۔ (قیامت کے بعد) مقام حشر میں جب ارواح کو انھیں اجسام کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا جن میں وہ تھیں تو جزاء بذریعہ جنت و دوزخ ہوگی۔ ان لوگوں نے دو آیتوں سے جو استدلال کیا ہے اس کے بطلان میں بھی مذکورہ بالا اجماع کافی ہے۔، نیز تمام امت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ ان آیات کی مراد اس مطلب کے خلاف ہے جو یہ ملحدین بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مراد **فی ایّ صورة ماشاء رکبک**'' میں یہ ہے کہ وہ صورت جس پر انسان کو ترتیب دیا یعنی طول یا قصر خوبصورتی یا بدصورتی۔ سفیدی یا سیاہی اور جو اس کے مشابہ ہو۔

دوسری آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس کا احسان جتایا ہے کہ اس نے ہمارے لیے ہمیں میں سے جوڑے پیدا کیے جن سے ہم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اس نے ہم پر اس امر کا احسان جتایا کہ اس نے ہمارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ ہمیں انھیں جوڑوں میں پیدا کرتا ہے جو ہمیں میں سے ہیں۔ یہ بالکل واضح ہو گیا اور اس میں کوئی خفا نہ رہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ وہ جوڑے جو ہمارے لیے پیدا کیے گئے ہے وہ ہمیں میں سے ہیں پھر اس نے ہمارے اور چوپایوں کے درمیان میں فرق بیان کیا ہے۔ لہٰذا اس کی کوئی گنجائش نہ رہی کہ ہمارے وہ جوڑے جن میں ہم پیدا ہوتے ہیں وہ ہمارے مغایر ہوں۔

یہ کہ دینا بھی کافی ہے کہ ان لوگوں کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور اس کو انھوں نے محض اپنے اصول عدل کے مطابق ترتیب دیا ہے جب کہ انھوں نے ایذائے حیوان کو دیکھا۔ اور جو قول کسی دلیل کے سبب سے نہ ہو وہ باطل ہے۔ اور یہ قول ہرگز کبھی کسی نبی سے نہیں آیا۔ حالانکہ ان قوموں کا تعلق انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ لہٰذا ان کے قول کا فساد خوب روشن ہو گیا۔ فرقہ ثانیہ دہر کے قائل ہیں، ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ ان کے قول کے فساد کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ دعویٰ بلا دلیل ہے جس پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ حسی۔ اور جو دعویٰ ایسا ہو وہ یقیناً باطل ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ہم محض اسی پر قناعت نہ کریں گے بلکہ ہم اللہ کی قوت ومدد سے ان کے سامنے روشن وواضح بیان پیش کریں گے۔

ہم کہتے ہیں اور اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجناس وانواع کو بنایا اور انواع کو اجناس کے تحت میں مرتب کیا۔ اور ہر نوع کو دوسری نوع سے اس کی خاص فصل سے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے جدا کر دیا۔ اور یہ فصول مذکورہ جو انواع حیوان کے لیے ہیں ان کے نفوس ہی کے لیے ہیں جو ان کی ارواح ہیں نفس انسان حی ناطق ہے اور نفس حیوان حی غیر ناطق یہ ہر نفس کی طبیعت وفطرت اور اس کا وہ جوہر ہے جس سے اس کا بدل جانا ناممکن ہے کہ ناطق غیر ناطق ہو جائے اور غیر ناطق ناطق ہو جائے۔ اگر یہ ممکن ہو تو پھر مشاہدات بھی باطل ہو جائیں اور وہ چیزیں بھی باطل ہو جائیں جن کو حس وعقل وضرورت واجب ٹھہراتی ہیں۔ اس وجہ سے کہ اشیاء اپنی حدود ہی پر منقسم ہوتی

ہیں۔

جو یہ کہتا ہے کہ ارواح اپنی ہی نوع کے اجسام میں منتقل ہوتی ہیں، اللہ کی قوت وقدرت سے ان کے قول کو بدیہی طور پر وہی دلائل باطل کرتے ہیں جو ہم نے حدوث عالم کے اثبات میں لکھے ہیں اور اس کی ابتداء کو اور ابتداء کی حد کو ضروری ثابت کیا ہے اور ان دلائل سے جو ہم نے اثبات نبوت میں لکھے ہیں اور اس سے کہ تمام نبوتیں ان لوگوں کے قول (تناسخ) کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔

ایک بدیہی برہان یہ ہے کہ تمام عالم میں ایسی دو چیزیں نہیں ہیں جو اپنے تمام اعراض واوصاف میں ہر وجہ سے پورے طور پر باہم مشابہ ہوں۔ یہ امر اختلاف صورت۔ اختلاف ہیئت اور اختلاف اخلاق سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ شے اس کے مشابہ ہے تو اس کا مطلب محض یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں اپنے اکثر احوال میں مشابہ ہیں نہ کہ کل احوال میں اور اگر ایسا نہ ہوتا جو ہم نے کہا تو پھر ہرگز کوئی شخص بھی ان دونوں میں فرق نہ کر سکتا۔ حالانکہ ہم بذریعہ مشاہدہ جانتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس پر ان دو مشابہ چیزوں کا مکرر اور بکثرت گذر ہوا اور متصل ہو تو ضروری ہے کہ ان میں دونوں میں فرق کیا جائے اور ایک کو دوسرے سے تمیز دی جائے۔ ہر ایک میں ایسی اشیاء موجود ہوں جن کی وجہ سے وہ دوسرے سے جدا ہو جائے اور اس میں ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہو۔

لہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسے دو شخصوں کا وجود ناممکن ہے جو دونوں اپنے تمام اخلاق میں اس طرح متفق ہوں کہ ان میں کسی چیز میں بھی کوئی فرق نہ ہو۔ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اخلاق نفس میں محمول (یعنی نفس کے اندر داخل) ہوتے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہر صاحب نفس کا نفس خواہ وہ کسی نوح کے جسم میں بھی ہو مغایر ہے اس نفس کے جو کسی دوسری نوع کے جسم میں ہے۔

جو لوگ تناسخ کو جزاء پر محمول کرتے ہیں ان میں بعض کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل حکیم رحیم کریم ہے۔ جب وہ ایسا ہے تو یہ محال ہے کہ وہ کسی بے گناہ پر عذاب کرے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے بدن میں جن کا کوئی بھی گناہ نہیں ہے چیچک اور زخم پیدا کر دیتا ہے۔ جانور جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اس کے ذبح کرنے پکانے اور کھانے کا حکم دیتا ہے۔ ایک جانور کو دوسرے جانور پر قابو دیتا ہے اور وہ اسے کاٹتا ہے اور کھا جاتا ہے حالانکہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بجز اس کے ایسا نہیں کیا ہے کہ یہ ارواح گنہگار نہیں اور عذاب کے لیے اس کی مستحق نہیں کہ یہ اجسام حاصل کریں تا کہ ان اجسام میں ان پر عذاب کی جائے۔

ہم نے اس اصل فاسد کے ابطال پر کسی دوسرے مقام پر اپنی اسی کتاب میں برہمنوں پر کلام کے سلسلے میں جو بیان کیا ہے وہ کافی ہے نیز اس کے بطلان میں اپنی کتاب کے کسی دوسری بحث کے مقام پر بھی ہم نے کلام کو دہرایا ہے۔ معتزلہ میں سے جو قدر کو باطل ٹھہراتے ہیں ان پر کلام کے سلسلے میں بھی ہم نے اس کے بطلان کو بیان کیا ہے۔ **والحمدلله رب العالمين**۔

اس اصل فاسد کے بطلان میں ان سے یہی کہنا کافی ہے کہ اگر تم نے اپنی اس اصل کو وسیع کیا تو تم اسی قسم کی بات میں پڑو گے جس سے تم نے انکار کیا ہے۔ اور کوئی فرق نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ حکیم عادل رحیم ہے۔ تمھارے قاعدے کے مطابق وہ ایسے شخص کو پیدا نہیں کر سکتا جس کو وہ معصیت کے لیے پیش کرے۔ یہاں تک کہ اسے اس کے بنانے کے بعد بذریعہ عذاب اس کے بگاڑنے کی ضرورت پڑے۔ وہ اس پر قادر ہے کہ ہر نفس کو گناہوں سے پاک پیدا کرے اور اسے فتنوں کے لیے پیش نہ کرے۔ اور اس کے ساتھ مہربانیاں کرے اور ان سے اس کی درستی کرے، یہاں تک کہ تمام نفوس اس کے احسان اور دائمی جنت کے مستحق ہو جائیں۔ ایسا کرنے سے اس کی ملک وقدرت میں کچھ کم نہ ہوگا۔ اگر وہ اس سے عاجز ہے تو یہ صفت نقص ہے جو صفت نقص کا حامل ہو وہ نقص کی وجہ سے حادث ومخلوق ہے۔

اگر انھوں نے اس اصل کو وسیع کر دیا تو وہ مانویہ کے قول میں آ گئے جو کہتے ہیں کہ اشیاء کے متعدد خالق ہیں اور ان کے قول کا ابطال ہم پہلے ہی کر چکے ہیں و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ ذات جس کے اوپر کوئی آمر و حاکم نہ ہو اور نہ کوئی ترتیب دینے والا اس کے اوپر ہو تو وہ جو کچھ کرے وہی حق ہے اور وہی حکمت ہے۔ اس قوم کا تعلق شریعت سے ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو قول اس شریعت کے نبی کی طرف سے نہ آیا ہو کذب و افترا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام میں سے تناسخ ارواح کے متعلق کسی کا بھی قول نہیں لہذا ان کا اس کا قائل ہونا محض خرافات کذب اور باطل ہوا۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

شریعت کے منکر مدعیان فلسفہ جو اس علم سے بھی دور ہیں

اس فصل میں ہم اللہ کی قوت و مدد سے صحت شرائع کے ضروری ہونے کو ایسے اصول سے بیان کریں گے جن کو اول سے آخر تک حقیقی فلاسفہ کے اصول ضروری ٹھہراتے ہیں اگرچہ ان میں دوسرے مسائل فلسفہ میں باہم اختلاف ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

فلسفہ کیا ہے؟:

درحقیقت فلسفہ کے معنی، نتیجہ غرض اور مقصود اس کے سیکھنے سے سوائے اصلاح نفس کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس طور پر کہ دنیا میں نیک اخلاق اور حسن سیرت پر عامل رہے جو آخرت کی سلامت تک پہنچا دے۔ اور حسن سیاست اپنی منزل اور رعیت کے لیے اور صرف یہی نہ کہ اور کچھ" شریعت کی غرض و غایت ہے۔

یہ وہ امر ہے جس میں نہ علمائے فلسفہ میں سے کسی کا اختلاف ہے اور نہ علمائے شریعت میں سے جو شخص بزعم خود اپنے کو فلسفی کہتا ہے اور وہ شریعت سے انکار کرتا ہے، درحقیقت وہ معانی فلسفہ کے جہل کی وجہ سے اور غرض و معانی شریعت کے جاننے سے بعد کی وجہ سے کرتا ہے۔ کیا باجماع فلاسفہ فلسفہ فضائل کو رذایل سے واضح نہیں کرتا کیا وہ ان دلائل سے واقف نہیں جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہیں۔ لامحالہ اس کا جواب اثبات میں ہوگا۔

کیا تمام فلاسفہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ اصلاح عالم دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک باطن ہے اور دوسری ظاہر اور باطن یہی ہے کہ نفس کو ان شرائع کا عامل بنانا ہے جو لوگوں کو باہمی ظلم اور بدکاریوں سے روکنے والی ہیں۔ اور ظاہر یہی ہے یہ کہ شہر پناہ کی دیواروں کی حفاظت کرنا اور اس دشمن کی مدافعت کے لیے ہتھیار اٹھانا جو لوگوں پر ظلم کا اور فساد برپا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ پھر مذکورہ بالا اصلاح نفوس کے ساتھ انھوں نے بذریعہ طب اصلاح اجسام کا بھی اضافہ کیا ہے تو اس کا جواب بھی لامحالہ اثبات میں ہے۔ پھر ان سے کہا جائے کہ کیا عالم کی درستی اور لوگوں کا ایسے قتل سے باز رہنا جس میں مخلوق کی فنا ہے اور اس زنا سے باز رہنا جس میں نسل کی خرابی اور میراث کی تباہی ہے۔ اور اس ظلم سے باز رہنا جس میں جان و مال کا ضرر اور ملک کی ویرانی ہے اور ان رذائل سے باز رہنا جو سرکشی۔ حسد۔ کذب۔ بزدلی۔ بخل۔ چغلی۔ فریب۔ خیانت وغیرہ ہیں بغیر ان شرائع کے ممکن ہے جو لوگوں کو ان سب امور سے روکنے والی ہیں؟ اس کا جواب بھی اثبات ہی میں ضروری ہے۔ ورنہ ایک ایسی آزادی و بیکاری لازم آئے گی جس میں ان تمام امور کا فساد ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ اس وقت ان امور کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو تمام عالم فاسد ہو جائے اور تمام علوم فاسد ہو جائیں انسان میں جو فہم و نطق و عقل کی فضیلت ہے یہ بھی باطل

ہو جائے اور وہ بھی چوپایوں کی طرح ہو جائے۔

یہ شرائع دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اس اللہ عزوجل کی جانب سے ثابت ہیں جو خالق و مدبر عالم ہے جیسا کہ اصحاب شرائع کہتے ہیں۔ اور یا یہ کہ یہ افاضل حکماء کے اتفاق سے بنالی گئی ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے لوگوں کی سیاست کی جائے اور انھیں باہمی ظلم و رذائل سے روکا جائے۔

اگر یہ بنائی ہوئی ہوں جیسا کہ یہ بدنصیب لوگ کہتے ہیں تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ ان میں سے جن چیزوں کا لوگوں کو پابند بنایا گیا ہے۔ یہ کذب ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ اور دروغ ہے جو پیدا کیا ہوا ہے۔ اور ایسی چیز کا ضروری ٹھہرانا ہے جو ضروری نہیں۔ اور ایسا باطل ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ وعدہ وعید دونوں جھوٹ ہیں۔ اگر یہ ایسا ہے تو وہ کذب جو اذائل میں سب سے بدتر اور شر میں سب سے بڑھ کر ہے تو صلاح و درستی عالم جو فضائل حاصل کرنے کی غرض ہے بغیر اس کذب کے مکمل نہیں ہوسکتی۔

چونکہ یہ ایسا ہے تو پھر حق باطل ہوگیا۔ صدق کذب ہوگیا اور باطل حق و صدق ہوگیا۔ اور کذب فضیلت ہوگیا۔ اور یہ ہوگیا کہ عالم کا نظام سوائے باطل کے ہرگز نہ ہوا کذب حق کا نتیجہ ہوگیا۔ اور باطل صدق کا ثمرہ بن گیا۔ اور دھوکا فریب اور مکر فضائل و خیر خواہی بن گئے۔ جو چیزیں محال و ممتنع ہوسکتی ہیں ان میں یہ سب سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ ایسا خلاف فرض ہوگا جس کو عقل میں دخل نہ ہوگا۔

اگر وہ کہیں کہ اس میں جو راز ہے اگر اسے عوام کے سامنے ظاہر کر دیا جائے تو انھیں فضائل سے دلچسپی نہ رہے گی۔ لہذا اسی سبب سے ضروری ہوا کہ ایسی بات لائی جائے جس سے عوام ڈریں اور خوف کریں۔ لہذا اس معاملے میں کذب کی طرف مجبوراً جانا پڑا۔ (یعنی جھوٹ موٹ شریعت کو خدا کی طرف منسوب کردیا۔ معاذ اللہ) جیسا کہ بچوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ خود تم نے اپنی شرائع میں زوجہ کے لیے شوہر کا کذب جائز کر دیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے زوجہ سے صلح رکھ سکے اور اسی طرح بطور تقیہ ظالم کی مدافعت میں اور اس طرح جنگ میں کذب کو تم نے جائز کر دیا ہے۔ اس معاملے میں تم پر بھی وہی الزام ہے جو تم نے ہمیں دیا ہے کہ کذب حق و فضیلت بن گیا۔

بتوفیق الٰہی ان سے کہا جاتا ہے کہ ہمارا قول تو جیسا کہ تم نے بیان کیا قبیح نہیں ہے۔ کیونکہ اسی اللہ عزوجل نے اسے مباح کیا ہے کہ بغیر اس کے اچھا بتائے اور حکم دیے کوئی چیز اچھی نہیں۔ اور بغیر اس کے برا بتائے اور منع کیے کوئی چیز بری نہیں اور اس سے بالاتر کوئی حکم دینے والا نہیں۔ لہذا ہم پر وہ الزام نہیں آتا جو تم نے دینا چاہا۔ پھر تمھارے اصول کے مطابق بھی ہم پر الزام میں آتا کیونکہ جو تم نے بیان کیا وہ مخالف و معارض نہیں۔ اور نہ جس کے ساتھ تم نے تشبیہ دی اس کے ساتھ تشبیہ ہی ہے۔ اس لیے کہ ہم نے تو وجوہ مذکورہ میں محض ایسی ضرورت سے جس نے ہمیں مجبور کیا اور نص کی وجہ سے جو اس کے متعلق ہم پر وارد ہوئی کذب کو مباح کیا جیسا کہ نص کی وجہ سے کسی جان سے قتل کی مدافعت کے لیے اس کے قتل کا ارادہ کرنے والے کا قتل جائز ہے۔ اور اگر ہمیں بغیر کذب کے بچے اور عورت کے روکنے پر قدرت ہو تو کذب ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ جب کذب کی ضرورت جاتی رہی تو ہر حال میں صدق پر عمل کرنے کا وجوب واپس آ گیا۔ اور اگر نص نہ ہوتی تو ہم نہ تو کذب کا کوئی حصہ حلال بتاتے نہ حرام بتاتے۔ تم لوگ تو لوگوں کی جس فریب دہی کا دعوی کرتے ہو (کہ انھیں جھوٹ موٹ اخلاقی احکام کو منجانب اللہ باور کراتے ہو) خود ہی کذب کے شروع کرنے والے ہو بغیر اس کے کہ تمھیں اس کا کوئی ایسا حاکم حکم دے جس کی اطاعت کی وجہ سے تم سے ملامت ساقط ہو جائے۔ لہذا تمھارے لیے تو کوئی عذر نہیں۔ بخلاف ہمارے حکم کذب کے۔

تم دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی کہ یا تو تم اس راز کو ہر شخص سے چھپاؤ گے تو تمھیں اسی الزام کی

طرف رجوع ہونا پڑے گا جو ہم نے تمھیں دیا ہے کہ صدق کا ترک کرنا بھی فضیلت ہوگیا۔ اور کذب کسی حد تک حق و واجب ہوگیا۔ اور یہی الزام ہم نے تمھیں دیا تھا۔

اور اگر تم اسے اس شخص کے لیے جائز رکھو جس پر تمھیں بھروسا ہو تو اگر اس کے قائل ہوگے تو لامحالہ یہ تمھارے راز کے فاش ہونے کا موجب ہوگا۔ اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی اصل باوجود اس کے بہت سے جاننے والوں کے بھی پوشیدہ رہے یہ امر بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی شے کے بکثرت جاننے والے ہوتے ہیں تو اس کا پھیل جانا ضروری ہے۔

اگر تم کہو کہ اس شخص سے اس کا چھپانا واجب نہیں جس پر بھروسا کیا جائے۔ اور اس کے ایسے شخص پر ظاہر کرنے میں حرج نہیں۔ جس پر یہ بھروسا کیا جا ہے کہ اس پر ظاہر کرنا غیر معتمد شخص پر ظاہر ہونے کا سبب نہ ہوگا تو تم نے اس کے ظاہر کرنے کے وجوب کی طرف رجوع کر لیا۔ اس لیے کہ اس کا ظاہر کرنا یقیناً نتیجہ ہے اس کے خاص پر ظاہر کرنے کا نہ کہ عام پر۔ اور اس کے ظاہر کرنے میں جو صلاح اور بہتری تم نے سوچی ہے اس کا بطلان ہے۔ لہذا بدیہی طور پر تمھارا حکم باطل ہوگیا۔ خاص کر وہ لوگ جو اس قول کے قائل ہیں وہ خاص و عام کے سامنے اپنا راز فاش کرنے میں کوشاں ہیں انھوں نے اپنی علت کذب کو بالکل باطل کر دیا اور بری طرح توڑ دیا۔ اور اس کے باوجود باطل و کذب کسی طور پر بھی خیر و فضائل کو پورا نہیں کر سکتے۔ سوائے خیر و فضائل کے (کہ یہی ان کو پورا کر سکتے ہیں) اور یہ فلسفے کے خلاف ہے۔

اگر یہ شرائع موضوع (یعنی بنائی ہوئی) ہوں تو وہ شریعت جس کو کسی واضع نے وضع کیا ہے وہ اس شریعت سے جسے دوسرے واضع نے وضع کیا ہے پیروی کی زیادہ مستحق نہ ہوگی۔ یہ وہ امر ہے جو بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ہمیں عقل کے واجب کرنے سے اور بداہت سے معلوم ہے کہ اقوال مختلفہ متناقضہ میں حق صرف ایک قول میں ہوتا ہے اور بقیہ سب باطل ہوتے ہیں۔ پھر چونکہ اس میں کوئی شک نہیں اس لیے (یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ) ان موضوعات میں سے کونسی شریعت حق ہے اور کونسی باطل۔

اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ کوئی ایسی دلیل لائیں جس سے ان میں سے کوئی ایک بقیہ دوسری شریعتوں کے مقابلے میں حق ثابت ہو کیونکہ کسی خاص شریعت کے حق ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے سب کی سب باطل ہوں گی۔ کیونکہ جس کی صحت پر کوئی دلیل نہ ہو وہ باطل ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بلا دلیل ایک قول کو لے لے اور ایک کو چھوڑ دے اسی سے کھلم کھلا وہ سب باطل ہوگیا جس کا ان لوگوں نے سہارا لیا تھا۔ **والحمد لله رب العالمین۔**

ان بدیہی برہان سے وہ سب باطل ہوگیا جس کا ان جاہل مجنونوں نے توہّم کیا تھا۔ اور یقیناً ثابت ہوگیا کہ شرائع صحیح ہیں عالم کے پیدا کرنے والے اور اس کے اس مدبر کی جانب سے ہیں جو عالم کی بقاء اس وقت تک کے لیے چاہتا ہے جو وقت کہ اس کے علم میں پہلے سے ہے کہ وہ اسے اس وقت تک جیسا کہ وہ ہے اسے باقی رکھے گا۔

چونکہ یہ بدیہی طور پر ایسا ہے تو اس میں حکم لگانا دو وجہ سے خالی نہیں جن کے لیے کوئی تیسری وجہ نہیں۔

یا تو یہ ہوگا کہ تمام شرائع حق ہوں گی۔ ابو محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے بعض کو دیکھا ہے جو اسی طرف گئے ہیں۔

یا یہ ہوگا کہ ان میں سے بعض حق ہوں گی۔ اور بعض باطل۔

لامحالہ ان دو وجھوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر سب حق ہوں تو یہ محال ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے کوئی شریعت ایسی نہیں جو بقیہ شرائع کی تکذیب نہ کرتی ہو۔ اور یہ خبر نہ دیتی ہو کہ وہ باطل و کفر و گمراہی و الحاد ہیں تو ہم نے دیکھا کہ اس

بدنصیب کو جو اپنے گمان کے مطابق تمام شرائع کی موافقت چاہتا تھا اول سے آخر تک تمام شرائع کے خلاف لازم آیا۔ اور بلا خلاف اسے تمام شرائع کی تکذیب لازم آ گئی۔ اور تمام شرائع کو اس کی تکذیب لازم آ گئی اور جو اس طرح ہو اور یہ کہتا ہو کہ وہ سب حق ہیں حالانکہ وہ سب اس کی تکذیب کر رہی ہیں اور وہ ان سب کی تصدیق کر رہا ہے تو یہ خود اپنے کذب اور اپنے قول کے باطل ہونے پر شہادت دے رہا ہے۔ اور یہ یقیناً صحیح ہے کہ وہ اس میں کاذب ہے۔

نیز ہر شریعت اپنے احکام میں دوسری شریعت کی ضد ہے۔ جس چیز کو یہ حرام کرتی ہے اسی چیز کو وہ حلال کرتی ہے۔ اور جس چیز کو یہ واجب کرتی ہے اسی چیز کو وہ ساقط کرتی ہے۔ یہ محال فاسد ہے کہ ایک شے اور اس کی ضد ساتھ ہی ساتھ اور وقت واحد میں حق ہوں۔ اور ایک ہی وقت میں اور ایک ہی وجہ سے اور ایک ہی انسان کے لیے حلال بھی ہو اور حرام بھی۔ واجب بھی ہو اور غیر واجب بھی۔ اور یہ وہ امر ہے جسے ہر صاحب حس سلیم باطل جانتا ہے۔

جس وجہ سے کسی شے کی تحریم آئی ہے وہ تحریم بھی عقل میں نہیں اور جس وجہ سے کسی شے کا ایجاب آیا ہے وہ ایجاب بھی عقل میں نہیں۔ لہذا یہ بھی باطل ہو گیا کہ کسی کو عقل کے معیار سے ترجیح دی جا سکے۔ کیونکہ ان میں سے ہر شے عقل کے نزدیک حد ممکن میں ہے۔

چونکہ یہ وجہ بدیہی طور پر باطل ہو گئی کہ اس لیے لامحالہ دوسری وجہ کی صحت ثابت ہو گئی۔ اور وہ یہی ہے کہ تمام شرائع میں صرف ایک ہی شریعت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور صحیح ہے۔ اور بقیہ شرائع سب کی سب باطل ہیں۔ پھر چونکہ یہ ایسا ہے لہذا ہر ذی حس پر اس شریعت کی تلاش اور اس کے سوا ہر شریعت کا ترک کر دینا فرض ہے۔ اگرچہ وہ دقیق و باریک ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس سے بذریعہ دلائل صحیحہ واقفیت حاصل کرنا پڑے۔ کیونکہ ابد (قیامت کے بعد والے وقت) میں اسی سے نفس کی بہتری ہے اور اس کے نہ جاننے سے ابد میں نفس کی ہلاکت ہے۔ سب تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس شریعت کی توفیق دی۔ ہمیں اس سے آگاہ کیا، اس کا راستہ بتایا اور اس کی شناخت عطا فرمائی۔ اللہ کی تعریف بھی ایسی کثیر و پاکیزہ جس کا وہ اہل ہے۔ ہم اسی بزرگ و برتر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس پر قائم رکھے یہاں تک کہ ہم اس سے اس کیفیت و حالت سے ملیں کہ ہم اسی شریعت کے اہل اور اسی کے حامل ہوں۔ آمین یا رب العالمین۔ **وصلی اللہ علی محمد خاتم النبیین وسلم تسلیما کثیرا۔**

جو شخص اس قول میں ہم سے جھگڑا کرے تو ہم میدان مناظرہ میں ہیں اور اقوال کو بہ دلائل سیر پر محمول کرنے کو تیار ہیں۔ پھر ہم باطل اور بے دلیل دعاوی کو کمزور ثابت کر دیں گے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اور جس کسی کے ہاتھ میں بھی ہوں۔ اور حق ثابت ہو کر چمکے گا۔ جہاں کہیں بھی ہو اور جس کسی کے بھی ہاتھ میں ہو۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

☆☆

یہودی اور وہ نصرانی جن کو تثلیث سے انکار ہے

صابی اور مجوسی جو زردشت کی نبوت مانتے ہیں اور تمام انبیاء کے منکر ہیں

اس مذہب والے یعنی یہود اور اس ملت والے یعنی وہ نصاریٰ جو تثلیث کے منکر ہیں توحید کے اقرار میں ہمارے موافق ہیں۔ نبوت و معجزات انبیاء علیہم السلام میں بھی اور اللہ عزوجل کی جانب سے کتابیں نازل ہونے میں بھی ہمارے موافق ہیں سوائے اس کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے ماننے اور بعض کے نہ ماننے میں وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور اسی طرح صابی و مجوس بھی بعض انبیاء کے ماننے میں ہمارے موافق ہیں۔

یہود پانچ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

۱۔ سامریہ۔ یہ کہتے ہیں شہر قدس بیت المقدس سے اٹھارہ میل پر ہے۔ یہ اس سے باہر نکلنے کو حلال نہیں سمجھتے اور یہ لوگ ملک شام میں ہیں بیت المقدس کی حرمت کو نہیں مانتے اور نہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان کی توریت بھی اس توریت سے جدا ہے جو بقیہ یہود کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ لوگ موسیٰ و یوشع علیہما السلام کے بعد جتنی نبوتیں بنی اسرائیل میں ہوئیں ان سب کے منکر ہیں۔ شمعون۔ داؤد۔ سلیمان۔ اشعیا۔ الیسع۔ الیاس۔ عاموص۔ حبقوق۔ زکریا و ارمیا وغیرہم علیہم السلام کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ان کی بعثت کا قطعاً اقرار نہیں کرتے۔

۲۔ صدوقیہ۔ یہ اس شخص کی طرف منسوب ہیں جس کا نام صدوق تھا۔ تمام یہود میں سے یہی لوگ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے تھے۔ اللہ اس سے برتر ہے۔ یہ لوگ یمن کے اطراف میں ہیں۔

۳۔ عنانیہ۔ یہ لوگ عانان داؤدی یہودی کے اصحاب ہیں۔ اور انھیں کو یہود عراس و مس بھی کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ شرائع توریت اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام لائے اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ احبار (علمائے یہود) کے اقوال سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ فرقہ عراق و مصر و شام میں ہے۔ اور یہ اندلس میں طلیطلہ اور طلیبرہ میں بھی ہیں۔

۴۔ ربانیہ۔ یہی اشعنیہ ہیں۔ اور یہ اقوال احبار اور ان کے مذہب کے قائل ہیں اور اکثر یہود یہی ہیں۔

۵۔ عیسویہ :۔

اور یہ لوگ ابو عیسیٰ اصبہانی یہودی کے اصحاب ہیں جو اصبہان میں رہتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کا نام محمد بن عیسیٰ تھا۔ یہ لوگ نبوت عیسیٰ بن مریم و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی قائل ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے عیسیٰ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا۔ تھا جیسا کہ انجیل میں آیا ہے (بلکہ قرآن میں بھی آیا ہے ’’ورسولا الی بنی اسرائیل)‘‘ اور یہ انبیائے بنی اسرائیل میں تھے۔ اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں شرائع قرآن کے ساتھ بنی اسماعیل اور تمام عرب کی طرف مبعوث کیا جیسا کہ تمام یہود کے اقرار کے مطابق ایوب بنی عیص میں نبی تھے۔ اور بلعام بنی مواب میں نبی تھے۔

میں یہودیوں کے ان بہت سے خواص سے ملا ہوں جو اس مذہب کی طرف مائل تھے میں نے ان کی ایک تاریخ میں پڑھا ہے جسے ایک ہارونی شخص نے جمع کیا ہے کہ ان میں قدیم اور ان کے بزرگوں اور آئمہ میں سے ان لوگوں میں سے تھا جن سے جنگ طیطوس و ویرانی

بیت المقدس کے زمانے میں ان کے تین شہروں تین جنگوں اور تین لشکروں کی مضبوطی ہوئی۔ ان جنگوں میں اس کے بڑے بڑے آثار تھے۔ اس نے امر مسیح علیہ السلام کو پایا تھا اور اس کا نام یوسف بن ہارون تھا۔ یہود کے بادشاہوں اور انکی جنگوں کا اس نے تذکرہ کیا ہے یہاں تک کہ وہ قتل یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تک پہنچا اور اس نے ان کا بہت اچھا تذکرہ کیا ہے۔ ان کی شان کی عظمت ظاہر کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ محض حق کہنے پر ظلماً انھیں قتل کر دیا گیا۔ معمودیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اچھا ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس نے اس کا انکار کیا ہے اور نہ اسے باطل کیا ہے۔ اسی تذکرے میں بادشاہ ہردوس بن ہردوس کا اور اس بادشاہ کے قبل جو حکمائے بنی اسرائیل اور ان کے منتخب و بہترین لوگوں اور ان کے علماء کا تذکرہ کیا ہے اور اس نے مسیح علیہ السلام کی شان میں اس سے زیادہ نہیں کہا ہے۔

میں نے اس کلام کو محض اس لیے نقل کیا ہے کہ میں یہ دیکھوں کہ یہ مذہب ان لوگوں میں ظاہر تھا۔ ان کے آئمہ میں اس وقت سے اب تک پھیلا ہوا تھا۔ پھر یہود دو قسموں پر تقسیم ہو گئے۔

ایک نے نسخ کو باطل قرار دیا اور اس کو ممکن بھی نہیں مانا۔

دوسرے نے اس کو جائز تو سمجھا مگر یہ کہا کہ نسخ واقع نہیں ہوا۔

ان کی قابل اعتماد حجت جس سے انھوں نے نسخ کو باطل کیا ان کا یہ کہنا ہے کہ اللہ عزوجل سے یہ محال ہے کہ وہ پہلے کسی شے کا حکم دے پھر اسی کو منع کرے۔ اور اگر ایسا ہو تو حق باطل بن جائے گا اور طاعت معصیت۔ اور باطل حق ہو جائے گا اور معصیت طاعت۔

ہمیں اس کے سوا ان کی کسی اور حجت کا علم نہیں۔ یہ دلیل اس ملمع کاری وفریب سے بھی کمزور تر ہے جو اپنی پنڈلی پر بھی قائم نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کے تدبر اور اس کے تمام احکام وآثار سے جو اس عالم میں ہیں ان لوگوں کے اس قول کا بطلان یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے پھر مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے ایک عزت والی قوم سے دولت منتقل کر کے اس ذلیل کر دیتا ہے اور ذلت والی قوم کو اس دولت سے عزت دے دیتا ہے۔ جس شخص کو جس قدر چاہتا ہے اخلاق حسنہ واخلاق قبیحہ میں سے عطا کرتا ہے اس سے اس کے فعل کی باز پرس نہیں ہو سکتی اور سب لوگوں سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔

ہم ان سے بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ تم لوگ ان امتوں کے بارے میں کیا کہتے ہو جن کا تمھیں میں داخل ہونا مسلم ہے جب انھوں نے تم سے جنگ کی۔ کیا ان کے خون تمھارے لیے حلال نہ تھے اور کیا ان کا قتل کرنا حق وفرض وطاعت نہ تھا اس کا جواب اثبات ہی میں ہوگا۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ پھر اگر وہ تمھاری شریعت میں داخل ہو گئے تو کیا ان کا خون حرام نہیں ہو گیا اور تمھارے نزدیک ان کا قتل حرام وباطل ومعصیت نہیں ہو گیا۔ حالانکہ اس کے پہلے وہ فرض وحق وطاعت تھا۔ اس کا جواب بھی ''ہاں'' کے سوا نہیں ہو سکتا۔

جب انھوں نے سبت (ہفتے کے دن مچھلی کے شکار) میں سرکشی ونافرمانی کی تو ان کا قتل باوجود پہلے حرام ہونے کے پھر فرض نہیں ہو گیا۔ اس کا جواب بھی ہاں ہی ہے۔ خود اپنے قول عقیدے کے بطلان میں ان کا یہ اقرار ظاہر ہے۔ اور خود ان کا اسی چیز کو ثابت کرنا جس کا انھوں نے انکار کیا تھا کہ حق باطل بن جائے گا، امر نہی بن جائے گا۔ طاعت معصیت بن جائے گی، یہی کلام ان کی تمام شرائع میں ہوگا اس لیے کہ وہ وقت محدود میں عمل محدود کے لیے احکام تھے پھر جب وہ وقت نکل گیا تو یہی امر نہی بن گیا۔ مثلاً وہ عمل جو ان کے یہاں جمعے کو حلال ہے اور ہفتے کو حرام ہے۔ اور پھر اتوار کو حلال ہے۔ اور مثلاً روزے اور قربانیاں اور بقیہ تمام شرائع۔ اور یہ بعینہ شرائع کا نسخ ہے جس کا انھوں نے انکار کیا تھا اور اس سے الگ ہونا چاہتے تھے۔

نسخ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ عزوجل حکم دے کہ کوئی عمل کسی مدت تک کیا جائے پھر اس سے مدت کے گذرنے کے بعد اس سے منع کردے۔

کسی عقل میں بھی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو حکم دینا چاہتا ہے پہلے سے انھیں آگاہ کردے اور بتادے کہ وہ انھیں یہ حکم دے گا اور پھر اس کے بعد انھیں اس سے منع کردے گا۔

اور اس میں کہ انھیں اس کے متعلق کچھ نہ بتائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ وہ جو حکم دینا چاہتا ہے قبل اس کے کہ وہ وقت آئے کہ جس میں وہ شریعت کو ان پر لازم کرنا چاہتا ہے اپنے بندوں کو بتادے۔

نیز تمام یہود اس کے مقر ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے خلاف تھی۔ اور یعقوب نے لیا اور راحیل دختران ابان سے نکاح کیا اور دونوں کو ساتھ ساتھ جمع کیا۔ اور یہ شریعت موسیٰ علیہ السلام میں حرام ہے۔

اسی کے ساتھ ان کا یہ قول بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ان کے والد کی پھوپھی اور ان کے دادا کی بیٹی تھیں اور ان کا نام یوحانذ ابنت لاوی تھا۔ اور یہ شریعت موسیٰ میں حرام ہے۔

کسی عقل میں بھی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ ایک شے کو اللہ تعالیٰ پہلے حلال کرے پھر حرام کردے اور ایک شے کو پہلے حرام کرے اور پھر حلال کرے۔ اور جو ان دونوں میں فرق کرے وہ مشاہدے کا مخالف ہے۔

ان کی توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا تھا اور موسیٰ نے اس کے متعلق ان لوگوں کو حکم دیا تھا جس کی تصریح توریت میں ہے کہ ان ساتوں امتوں میں سے جو فلسطین واردن کے باشندے ہیں ایک کو بھی بغیر قتل کے نہ چھوڑنا پھر ایک امت نے جن کو عبادون کہا جاتا تھا ان لوگوں کو دھوکا دیا حالانکہ وہ انھیں امتوں میں سے ایک تھے جن کا قتل کردینا اور مٹادینا ان پر فرض کیا گیا تھا ان لوگوں نے ان سے حیلہ کیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ دور دراز شہروں سے آئے ہیں یہاں تک کہ ان لوگوں سے معاہدہ کرلیا۔ جب اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس ملک کے انھیں باشندوں میں سے ہیں جن کے متعلق قتل کا انھیں حکم دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے یوشع نبی کی زبان پر ان کا قتل ان لوگوں پر حرام کردیا جس کی تصریح کتاب یوشع، میں ان لوگوں کے پاس موجود ہے۔ ان لوگوں نے انھیں مکان مقدس میں پانی اور لکڑی لانے کے لیے رہنے دیا۔ بلا تکلف یہ وہی نسخ ہے جس کا انھوں نے انکار کیا تھا۔

ان کی توریت میں بداء بھی ہے جو نسخ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں عنقریب اس امت کو ہلاک کردوں گا۔ اور تمھیں ایک دوسری بڑی امت کے متعلق (قتل کا) حکم دوں گا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام برابر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے رہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور ان لوگوں کے ہلاک کرنے سے رک گیا۔

یہی بداء اور کذب ہے اور یہ دونوں (باتیں) اللہ تعالیٰ سے منفی ہیں۔ کیونکہ (یہاں) یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ ان لوگوں کو ہلاک کردے گا اور دوسروں کے متعلق حکم دے گا۔ پھر اس نے نہیں کیا تو یہی بعینہ کذب ہے جس سے اللہ تعالیٰ برتر ہے۔

سفر اشعیا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر زمانے میں اپنے بیت کے لیے فارسیوں میں سے خدام مقرر کرے گا بعینہ یہی نسخ ہے کیونکہ توریت اس امر کو ضروری ٹھہراتی ہے کہ سوائے بنی لاوی ابن یعقوب کے اپنے مراتب خدمت کے مطابق کوئی اور بیت المقدس کی خدمت نہ

کرے۔ پھر وہ لوگ اشیا کے اس قول کو جس وجہ میں بھی رکھیں بہر حال وہ توریت کے حکم کا نسخ ہے۔ لیکن درحقیقت یہ انذار (خوف دلانا) بذریعہ ملت اسلامیہ کے ہے جس میں اہل فارس عرب اور ہر قسم کے لوگ بیت المقدس وغیرہ کی مساجد میں ہوئے جو اللہ کے بیوت (مکانات) ہیں۔

وہ گروہ جس نے نسخ کو جائز رکھا مگر یہ بتایا کہ وہ ہوا نہیں۔ بتوفیق الٰہی ان سے بھی کہا جائے کہ تمھیں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی صحت اور ان کی طاعت کا وجوب کیونکر معلوم ہوا یہ ناممکن ہے کہ سوائے علامات و براہین اور ان کے معجزات ظاہرہ کے کوئی اور شے پیش کر سکیں

بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ جب موسیٰ کی تصدیق اور ان کے حکم کی طاعت اس وجہ سے واجب ہوئی جو ان سے طبائع کی تبدیلی اور معجزات ظاہر ہوئے جیسا کہ ہم نے اس باب میں بیان کیا ہے جو اثبات نبوت کے کلام میں ہے۔ تو پھر موسیٰ میں اور اس شخص میں کیا فرق ہے جو دوسرے معجزات لایا۔ اور دوسرے طبائع کو بدل دیا۔

ہر ذی حس جانتا ہے کہ جو چیز کسی نوع کے لیے واجب ہوتی ہے وہ اس کے تمام اجزا کے لیے واجب ہو جاتی ہے جب ایسا طبائع کا بدلنا ظاہر ہوا جو اس شخص کی تصدیق واجب کرتا ہے جس پر ظاہر ہوا تو پھر تصدیق موسیٰ وعیسیٰ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مساوی طور پر واجب ہے اور یقیناً دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم میں اور ان میں کیا فرق ہے کہ تم بھی ان اشخاص کی جن پر احالہ طبائع (طبائع کا بدلنا۔ معجزات) کا ظہور ہوا ان میں بعض کی تصدیق کرتے ہو اور بعض کی تکذیب ان میں جو ان کی تصدیق کرتے ہیں جن کی تم نے تکذیب کی اور ان کی تکذیب کرتے ہیں جن کی تم نے تصدیق کی۔

مثلاً مجوس زردشت کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں اور موسیٰ اور تمھارے تمام انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں۔

یا مانو یہ کہ یہ نبوت عیسیٰ وزردشت کی تو تصدیق کرتے ہیں اور نبوت موسیٰ کی تکذیب کرتے ہیں۔

یا صابئین کہ یہ نبوت ابراہیم علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور جو ابراہیم سے نیچے ہیں جیسے ادریس علیہ السلام وغیرہ ان کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہ تمام فرقے اور مذاہب موسیٰ علیہ السلام اور تمھارے تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں اس سے زیادہ کہتے ہیں جو تم عیسیٰ ومحمد علیہما السلام کے بارے میں کہتے ہو۔ ان سب باتوں کو ان کی تاریخیں اور کتابیں بتاتی ہیں جو موجود و مشہور ہیں۔

اسی کے قریب قریب سامریہ بھی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمھارے ہر نبی کے منکر ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تم ان تمام مذکورہ بالا فرقوں کے سامنے کوئی ایسی دلیل پیش کر سکو کہ وہ ویسی ہی دلیل تمھارے سامنے نہ پیش کر سکیں۔ یا کوئی ایسا دعویٰ کر سکو کہ وہ لوگ بھی ویسا ہی دعویٰ تمھارے سامنے نہ کر سکیں۔ اور یا تم ان کی نقل و روایت میں کوئی ایسا اعتراض کر سکو کہ وہ ویسا ہی تمھاری نقل و روایت میں تمھیں نہ دکھا سکیں۔ بالکل تم ان کے مساوی ہو اور وہ تمھارے مساوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس برہان پر اس آیت میں متوجہ فرمایا ہے۔

ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن الا الذين ظلموا منهم وقولوا آمنا بالذى انزل الينا وانزل اليكم والٰهنا والهكم واحد ۔ (اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اسی طریقے سے جو بہتر ہو۔ سوائے ان کے کہ جو ان میں ظالم ہیں۔ اور

کہو کہ ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم پر نازل کیا گیا اور ہمارا تمھارا معبود ایک ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ طریقہ ایمان جس سے وہ ایمان لائے یعنی نبوت اور وہ طریقہ ایمان جس سے ہم ایمان لائے وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایمان اس خدا پر جو موسیٰ کا بھیجنے والا ہے۔ وہی ایمان ہے اس خدا پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والا ہے۔ ہر ایک کا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے جس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ **وباللہ التوفیق**۔

اگر یہود میں سے کوئی یہ فریب دے کہ مسلمان تو موسیٰ پر ایمان لاتے ہیں مگر یہود محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔ تو یہ فریب ضعیف و بارد ہے۔ اسلئے کہ یا تو موسیٰؑ کی نبوت کی تصدیق انھوں نے محض ہماری تصدیق کی وجہ سے کی کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی ان کی تصدیق نہ کرتے۔ یا انھوں نے موسیٰؑ کی فقط اس لیے تصدیق کی کہ انھوں نے برہان (**ومعجزات**) کا اظہار کیا۔

اگر انھوں نے ہماری تصدیق کی وجہ سے موسیٰؑ کی تصدیق کی تو ان پر واجب ہے کہ ہماری ہی تصدیق کی وجہ سے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصدیق کریں۔ ورنہ انھوں نے اپنی بات کی مخالفت کی۔

اگر محض اس وجہ سے تصدیق کی کہ انھوں نے معجزات ظاہر کیے تھے تو پھر نہ تو ان کی تصدیق کرنیوالے کی تصدیق کے کوئی معنی ہیں نہ تکذیب کرنیوالے کی تکذیب کے، حق تو حق ہی ہے۔ خواہ لوگ اس کی تصدیق کریں یا تکذیب۔ اور باطل باطل ہی ہے خواہ لوگ اسکی تصدیق کریں یا تکذیب۔ کسی حق پر تمام لوگوں کے اس کی تصدیق پر متفق ہونے سے اس حق میں کسی درجے کا اضافہ نہیں ہوتا اور کسی باطل پر تمام لوگوں کے اس کی تکذیب پر متفق ہونے سے اس باطل میں کسی مرتبے کا اضافہ نہیں ہوتا۔

کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ ہم اپنے مناظرے میں کسی ایسے شخص سے مناظرہ کرتے ہیں جو ہمارے ان ہم مذہب لوگو میں سے ہے جو بعض اجماعی اقوال میں ہمارے مخالف ہیں۔ ہم نے اس مقام پر خود اپنے کلام کے خلاف کیا ہے۔ لہذا جاننا چاہیے کہ ہم نے اس (کلام) کی مخالفت نہیں کی۔ کیونکہ اجماع حجت ہے اور دین اسلام کے فتاوی میں اس کی صحت پر برہان قائم ہو چکی ہے اور جس کی صحت پر برہان قائم ہو تو وہ مخالف و موافق دونوں پر قطعی حجت ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے مخالف پر حجت قائم کریں کہ وہ ان بعض امور میں جس میں ہم اختلاف کرتے ہیں وہ ہمارے موافق ہے تو یہ ہم پر حجت نہیں ہے۔ پھر اگر ہمیں کوئی دن مل گیا تو ہم اس سے کسی جاہل کو خطاب کریں گے کہ ہم اس کے ذریعے سے اسکی غلطی و بدحواسی کی گرفت کریں۔ یا اسے دلیل سے مغلوب کریں تا کہ اسے اس کا تناقص دکھا دیں۔

ہم تو محض اس لیے نبوت موسیٰ پر ایمان لائے ہیں کہ انھوں نے نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی ہے۔ اور تورات پر اس لیے ایمان لائے ہیں کہ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے نام و نسب اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے صفات کے ساتھ خبر دی گئی ہے۔

اور ہم موسیٰ و عیسیٰ و توریت و انجیل پر جس میں رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی صفات کی خبر نہ ہو ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ ہم اس سب کا انکار کریں گے اور ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کریں گے۔ وہ لوگ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں ہم ہرگز ان کے موافق نہیں۔ لہذا ان کا یہ کمزور فریب بھی ٹوٹ گیا **و باللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اجمالی کلام یہ ہے کہ یہود و نصاری کی روایت ان وجوہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں فاسد ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کریں گے کہ انکی کتابوں میں کیسا عظیم الشان فساد ہے اور وہ بنائی ہوئی ہیں اور ان کی روایت محض غلط ہے۔ ہم نے جو موسیٰ و عیسی علیہما السلام کی نبوت کی تصدیق کی ہے وہ محض اس لیے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی تصدیق کی ہے اور ہمیں ان دنوں کے معجزات کے متعلق خبر دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم کبھی ان دونوں کی تصدیق نہ کرتے۔ اور نہ وہ دونوں ہمارے نزدیک اس امر میں الیاس و الیسع و یونس و لوط کے مرتبے میں ہوتے۔ جیسا

کہ ہم سوال وحقائق کی اوران تمام انبیاء کی جوان لوگوں کے نزدیک مثل موسیٰ کے ہیں اوروہ سب جن کا ہم نے ذکر کیا صحت نبوت کا یقین نہیں رکھتے اورکوئی فرق نہ ہوتا لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اس کی کتابوں پر اوراس کے رسولوں پر لہذا اگر مذکورہ بالا اشخاص بھی انبیاء ہیں تو ہم ان پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اوراگر یہ انبیاء نہیں تو ان یہود نصاری کی جھوٹی خبروں کی وجہ سے جن کی کوئی اصل نہیں اور جو قوم کفار سے ہیں اورجھوٹے ہیں ہم ان لوگوں کو اللہ کے انبیاء میں داخل نہیں کرتے جو انبیاء میں نہیں اوراللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے کہ ”و ان مـن امة الا خـلا فيهـا نذير “(اورکوئی امت ایسی نہیں جس میں نذیر یعنی ڈرانے والا رسول نہ گذرا ہو)اوررسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا”منهـم مـن قصصـنا عليـك و منهم من لم نقصصهم عليك “(کہ ان میں سے بعض کا ہم نے آپ سے ذکر کیا اوران میں سے بعض کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا۔)لہذا ہم تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور سوائے ان کے جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نام بتا دیا ہے اورکسی کا نام نہیں لیتے۔

فرقہ سامریہ کے سوا یہود کے بقیہ تمام فرقوں سے کہا جائے کہ تم میں اوران سامریہ میں کیا فرق ہے جو یوشع کے بعد ہر اس نبی کی تکذیب کرتے ہیں جس کی تم تصدیق کرتے ہو جیسا کہ تم لوگ عیسیٰ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے کسی طور پر مفر نہیں ہوسکتی۔

اگر وہ یہ دعوی کریں کہ عیسیٰ ومحمد معجزات نہیں لائے تو یہ ان کا کھلا ہوا جھوٹ اور علانیہ شرارت ہے کیونکہ بڑی بڑی جماتوں نے یہ نقل کیا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر تبوک میں ایک لشکر کثیرہ کو جو تیس ہزار تھے ایک چھوٹے سے پیالے سے جس میں آپ کی انگلیوں سے پانی بہہ رہا تھا سیراب کر دیا۔

حدیبیہ میں بھی آپؐ نے ایسا ہی کیا۔

آپ نے ابوطلحہؓ کے مکان میں اہل خندق کو(جو تقریباً تین ہزار تھے چند روٹیوں اورتھوڑے سے سالن میں)اتنا کھلایا کہ وہ سب شکم سیر ہو گئے۔

اسی طرح جابرؓ کے مکان میں بھی۔

آپ نے قبیلہ ہوازن کے(بارہ ہزار کے)ایک لشکر پر مٹی پھینکی آپ کی ایک مٹھی خاک سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اوراسی واقعے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی”وما رميت اذرميت ولكن الله رمى “(آپ نے خاک نہیں پھینکی جب پھینکی مگر اللہ نے پھینکی)۔

جب آپ سے آپ کی قوم نے معجزے کی درخواست کی تو آپ نے چاند کو شق کر دیا۔ اسی واقعے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔”اقتـربـت الساعة و انشق القمروان یر وآية يعرضوا و يقولو اسحر مستمر و كذبو او اتبعوا اهوائهم و كل امـر مستـقـر و لقد جا ئهم من الانبيا ما فيه مزدجر “(قیامت نزدیک آگئی اورچاند پھٹ گیا اوراگر یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نہ ختم ہونے والا جادو ہے اورانہوں نے تکذیب کی اوراپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام مقرر ہے(جب اس کا وقت ہوتا ہے وہ کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے عذاب کا بھی ایک وقت مقرر ہے)حالانکہ ان کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں جن میں عبرت ہے)۔

اسی طرح کھجور کے خشک تنے کی گنگناہٹ(آواز)کہ اسے تمام حاضرین صحابہؓ نے سنا۔

جیسا [illegible] جو اس وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے اور جو بلا

شک ہزار سے زائد تھے اور کیا عجب ہے کہ ہزاروں ہوں اور وہ بنی قریظہ۔ بنی نضیر۔ بنی ابدل اور بنی قینقاع تھے۔ ان سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہے کہ اگر وہ لوگ آنحضرت کی نبوت کی تکذیب میں سچے ہیں تو موت کی تمنا تو کریں اور بطور پیشگوئی انہیں یہ بھی بتا دیا کہ وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے وہ لوگ اس سے یعنی تمنائے موت سے عاجز رہے اور ان کے اور اس تمنا کے زبان پر لانے کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوگئی (یعنی وہ مارے ڈر کے اس بات کو زبان پر نہ لا سکے)۔ یہ قصہ سورہ جمعہ میں منصوص ہے جو شرق سے غرب تک مسلمانوں کی تمام مساجد میں ہر جمعے کو پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کو نہایت آسان امر تھا کہ وہ کہ اس کی تکذیب اس طرح کرتے کہ اگر ان سے ہوسکتا تھا تو موت کی تمنا کرتے حالانکہ وہ یہ آیت سنا کرتے تھے ”فتمنو ا الموت ان کنتم صادقین . ولا یتمنو نه ابد ابما قد مت ایدیھم “(لہذا (اے یہود) اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو اور یہ کبھی تمنا نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ پہلے کر چکے ہیں)

یہ وہ امر ہے جس کا سوائے جاہل بے شرم اور مشاہدے کے منکر کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ قرنوں اور زمانوں سے یہ آیات گروہ کے گروہ نقل کرتے چلے آتے ہیں جن میں ان (یہود) کو مخاطب بنایا جا رہا ہے۔ مگر ہر ایک نے یقین کر لیا اور مان لیا اور کسی کو ممکن نہ ہوا کہ اس کا انکار کرتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت بعثت سے تمام عرب کو باوجود یکہ وہ نہایت فصیح اللسان تھے اور بکثرت انواع بلاغت استعمال کرتے تھے۔ مثلاً اطناب، ایجاز، فنون بلاغت میں تصرف، الفاظ مرکبہ میں بذریعہ تصرف وجود معانی، اس امر کی دعوت دی کہ وہ بھی اس قرآن کے مثل کوئی کتاب لائیں اور پھر انہیں صرف ایک ہی سورۃ لانے کے لیے فرمایا۔ مگر باوجود طول وعرض میں ان کے شہروں کی وسعت کے وہ سب کے سب اس سے عاجز رہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیئیس سال تک انہیں میں مقیم رہے وہ لوگ آپ سے جنگ کرنے کو سہل سمجھتے رہے ان کی خونریزی سے تعرض ہوتا رہا ان کی اولاد غلام بنائی جاتی رہی، بایں ہمہ سب کے سب قرآن کے مقابلے سے جس کی آپ نے انہیں دعوت دی تھی باز رہے۔

جس شخص کو قلیل سے قلیل فہم بھی ہے اس پر بھی یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ان لوگوں پر اس عجز پر محض اس امر نے آمادہ کیا کہ انہیں اس سے سخت دشواری تھی اور انہیں اس کی قوت نہ تھی اور انہیں اس سے عاجز کر دیا گیا تھا۔ پھر دنیا چار سو بیس برس سے ایسے بلغاء سے عام ہوگئی جو اس طرح زبان درازی کرتے رہے جیسے ایک نقاد کرتا ہے اور بیہودہ معنی میں طول دیتے رہے تاکہ ان جماعتوں میں جن کو دین اسلام میں بصیرت نہیں ہے ان کی قادر الکلامی کا اظہار ہو۔ مگر ان میں سے جو بھی مقابلہ قرآن کی مشقت کے لیے تیار ہوتا تھا وہ گرا اور رسوا ہوا اور اسے مسخرہ بنایا گیا اور ذلیل ہوا اور اس کی اور اس کی کلام کی ہنسی اڑائی گئی اور مضحکہ کیا گیا۔ ان لوگوں میں سے ایک مسلمہ بن حبیب الحنفی تھا کہ جب اس نے اس کا قصد کیا تو اس کی زبان ایسی ہی باتوں پر چلی جس سے بچہ مری ہوئی عورت بھی ہنسے۔

ان میں سے ایک اور شخص کہ میرے اور اس کے درمیان مناظرہ ہو رہا تھا، اس کے لیے تیار ہو گیا، میں نے اس سے کہا کہ خدا سے اپنی جان کا خوف کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بیان وبلاغت کی وہ نعمت دی ہے جس سے تو ترقی کر گیا ہے۔ واللہ اگر تو اس باب (مقابلہ قرآن) میں اشارے سے بھی مقابلہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے اس نعمت کو ضرور ضرور سلب کر لے گا اور تجھے رسوا کرے گا اور تیری تشہیر ہوگی ہنسی ہوگی اور مضحکہ ہوگا جیسا کہ تجھ سے پہلے جس نے اس کا ارادہ کیا اس کے ساتھ کیا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ واللہ تم سچ کہتے ہو اور اس نے ندامت کا اظہار کیا اور اپنے عیب کا اقرار کیا۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا یہ مشاہدہ ہے۔ یہ وہ معجزہ ونشانی ہے جو آج تک باقی ہے اور اختتام دنیا تک باقی رہے گی۔ بقیہ معجزات انبیاء علیہم السلام انہیں انبیاء کے ساتھ فنا ہو گئے اور ان میں سے سوائے ان کی خبر کے اور کچھ نہ رہا۔

ایک قوم کا گمان یہ ہے کہ عرب اور ان کے تابعین بلغاء کا قرآن کے مقابلے سے عاجز رہنا محض اس وجہ سے ہے کہ قرآن طبقات بلاغت میں انتہائی بلندی پر ہے۔ یہ شدید غلطی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار کیا ہے اور اگر ایسا ہوتا تو اس وقت یہ ہرگز معجزہ نہ ہوتا۔ اس لیے کہ یہ صفت تو ہر اس شے کی ہے جو اپنے طبقے میں سبقت لے جائے اور جو شے ایسی ہو اگرچہ وہ کسی خاص وقت میں سبقت لے گئی ہو وہ اس سے بے خوف نہیں ہے کہ کل کوئی ایسی شے آجائے جو اسکے قریب ہو بلکہ اس سے بالاتر ہو۔

قرآن مجید میں اعجاز یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے بندوں کو اس کا مثل لانے سے عاجز کر دیا اور ان سے اس کی قوت اٹھالی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہنے والا کہے کہ میں آج اس راستے میں چلوں گا اور میرے بعد کسی کو اس میں چلنا ممکن نہ ہوگا اور وہ شخص سب لوگوں سے طاقتور بھی نہ ہو۔ لیکن اگر چلنے سے عاجزی راستے کی دشواری اور اس چلنے والے کی طاقت سے ہو تو یہ نشانی اور معجزہ نہیں ہے۔

ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ قرآن انسانی بلاغت کی قسم میں سے نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں اوائل سور میں وہ اقسام اور حروف مقطعات ہیں جن کے معنی بھی کوئی شخص نہیں جانتا اور یہ انسانی بلاغت معہودہ کی قسم میں سے نہیں۔

اُنیس برادر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے قرآن کو سنا اور کہا کہ ”میں نے قرآن کو بلغاء و شعراء کی زبان کے مقابلے میں رکھا مگر کسی کو اس کے موافق نہ پایا۔ یا کوئی ایسا کلام (بھی نہ پایا) جس کے معنی ہی ایسے ہوتے“ اس روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہم نے جو کچھ کہا وہ درست ہے کہ قرآن بلاغت مخلوق کی قسم ہی سے خارج ہے وہ ایک ایسے رتبے پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس کا مثل لانے سے روک دیا ہے۔ اس موضوع میں ہمارا ایک رسالہ ہے جس میں مکمل بحث ہے ابو عامر احمد بن عبدالملک بن شہید کے پاس ہم نے اس کو بھیجا تھا۔ انشاء اللہ ہم اس کا کچھ حصہ یہاں بھی بیان کریں گے اس کتاب میں جو کلام معتزلہ و اشعریہ کے ساتھ خلق قرآن کے بارے میں ہے اسکے لیے بھی کافی ہوگا۔ **ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ”قرآن کا مقابلہ کرنے والوں کو یا تو اس زمانے میں (بجر) روکا گیا یا انہوں نے مقابلہ تو کیا مگر اس کو چھپا ڈالا گیا“ تو بتوفیق الٰہی سے جواب دیا جائے گا کہ جو تم کہتے ہو اگر یہ ممکن ہے تو پھر دوسرے کو بھی یہ ممکن ہے کہ وہ موسیٰ علیہ اسلام کے معجزات کے بارے میں بھی ایسا ہی دعویٰ کرے بلکہ یہ تو دغا و فریب کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ تمہاری توریت میں ہے کہ ساحروں نے بھی ویسا ہی کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا بجز مچھروں کے کہ وہ لوگ اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

جادو سے طبیعت نہیں بدل سکتی:

حالانکہ یہ باطل اور کھلی ہوئی تبدیلی ہے۔ اس لیے کہ سحر نہ تو آنکھ کو پھیرتا ہے نہ اسے بدلتا ہے اور نہ طبیعت کو بدلتا ہے اور وہ محض حیلے اور بہانے ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق اللہ کی مدد سے ہی کتاب میں اس کے مقام پر اور دوسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔

یہ اعتراض تو اس طریقے کا ہے جس سے بڑے بڑے گروہوں کے مشاہدے کا ابطال لازم آتا ہے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو حضرات صاحب حکومت ہوئے وہ مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کے دشمن نہ ہوں جو اپنی عداوت سے اسے انتہائی غیظ و غضب تک نہ پہنچا دیتے ہوں۔

روافض ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے عداوت رکھتے ہیں اور ان کی عداوت و تکفیر میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ کبھی کسی مومن یا کافر نے یا شیخین کے دشمن یا دوست یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کسی نے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا اقرار کرنے پر مجبور کیا ہو۔ یا زبردستی کسی ایسی چیز کو چھپایا ہو جس سے آنحضرتؐ یا قرآن کا مقابلہ کیا گیا ہو اور نہ کسی یہود یا نصرانی کو یہ کہنے کی قدرت ہے۔

اسی طرح عثمانؓ و نیز علیؓ کہ جن سے خوارج عداوت رکھتے ہیں اور ان دونوں کی عداوت و تکفیر میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی معترض نے ان دونوں حضرات کے بارے میں بھی اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بادشاہ بھی اس کا قصد کرے تو وہ اس پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ بادشاہ لوگوں کے ہاتھوں اور زبانوں پر قادر نہیں ہیں وہ لوگ اپنے گھروں میں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جس پر اعتماد کرتے ہیں اس سے اس کو ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ عام طور پر مشہور ہو جاتا ہے یہ وہ امر ہے کہ جس کے ضبط پر اور روکنے پر کوئی بھی قادر نہیں ہوسکتا۔ خاص کر دنیا کی درازی اور اس کے اطراف کی وسعت کے باوجود جو سندھ سے اندلس تک پھیلی ہوئی ہے کسی امر کا چھپانا کیونکر ممکن ہے؟ اگر اس کا مقابلہ ممکن ہوتا تو مشرق سے مغرب تک اس سے ایسا شخص بھی باز نہ رہتا جسے استطاعت کا ادنی حصہ بھی خود اسی کے نزدیک اسے حاصل ہوتا جو ان لوگوں میں سے ہوتا جسے اسلام میں کسی قسم کی بصیرت نہیں ہے۔

اگر کوئی یہودی یہ کہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں یہود کو یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے پاس جو نبی آئے اس سے اس شریعت کے سوا کوئی شریعت قبول نہ کرنا۔ ہم بتوفیق الٰہی سے یہ جواب دیں گے کہ چند وجوہ سے موسیٰ علیہ اسلام کا ایسا کہنا غیر ممکن ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ ایسا کہتے تو خود اپنی نبوت کو بھی باطل کر دیتے۔ یہ وہ بات ہے جس میں غور کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ ان لوگوں سے یہ فرماتے کہ اس شخص کی تصدیق نہ کرنا جو تمہیں کسی دوسری شریعت کی دعوت دے اگرچہ وہ معجزات ہی لائے۔ تو انہیں یہ لازم آئے گا کہ جب کہ کوئی اور شخص معجزات لائے اور کسی چیز کی دعوت دے اور وہ معجزات اس کی لائی ہوئی چیز کی تصدیق کے بموجب نہ ہوں تو پھر یہی معجزات موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی چیز کی تصدیق کے بھی موجب نہ ہوں گے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے شخص کے معجزات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ معجزات ہی سے شریعت ثابت ہوتی ہے اور شریعت سے معجزات ثابت نہیں ہوتے شریعت کی تصدیق تو معجزے کے سبب سے واجب ہوتی ہے اور معجزہ تصدیق شریعت کو واجب کرتا ہے جو شخص نبوت و شریعت کا قائل ہے وہ اگر اس کے خلاف کہے تو وہ باطل کا بہت بڑا شہرت دینے والا ہے۔

یہ قول جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے کذب و موضوع ہے اس میں سے کچھ بھی توریت میں نہیں ہے۔ توریت میں صرف یہ ہے کہ ”جو شخص تمہارے پاس آئے اور وہ نبوت کا دعویٰ کرے اور وہ جھوٹا ہو تو اس کی تصدیق نہ کرنا۔ اگر تم کہو کہ ہم اس کا کذب کیسے معلوم کریں تو دیکھو کہ جب وہ کوئی شے اللہ کی جانب سے بیان کرے اور وہ اس کے کہنے کے مطابق نہ ہو تو وہ کاذب ہے“۔ جو کچھ توریت میں ہے یہ اس کی نص ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ جو کچھ اللہ کی طرف سے بیان کرے اور اس کے کہنے کے مطابق ہو جائے تو وہ صادق ہے۔ کسریٰ پر غلبہ روم کے بارے میں اور عنسی کذاب کے قتل کی خبر میں اور جنگ ذی قار میں اور کسریٰ کی معزولی وغیرہ میں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی ہم نے ویسا ہی پایا۔

اگر وہ کہیں کہ توریت میں یہ ہے کہ یہ شریعت تم پر ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔ تو ہم کہیں گے یہ بھی محال ہے کیونکہ اسی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ ان شہروں میں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ حالانکہ ہم نے خود علانیہ طور پر دیکھ لیا کہ وہ ان شہروں سے نکل گئے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو یہ فرما گئے ہیں کہ ”**لانبی بعدی**“ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ بس اسی طرح موسیٰ بھی فرما گئے ہیں تو ان سے کہا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے کہ یہ کلام اس قبیل سے نہیں ہے جس کا دعویٰ تم نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو ہم نے یہ جان لیا ہے کہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لیے کسی کو یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ کوئی معجزہ دکھا سکے۔ اگر معجزے کا ظہور ممکن ہوتا تو اس کے ظاہر کرنے والے کی تصدیق بھی واجب ہوتی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی وجہ سے بھی کسی پر کوئی معجزہ ظاہر نہیں کیا جائے گا۔

اگر کوئی معترض کہے کہ "تم لوگ دجال کے بارے میں کیا کہتے ہو، تم تو خود ہی خیال کرتے ہو کہ اس کے لیے عجائب ظاہر کیے جائیں گے" بتوفیق الٰہی اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد چند قسم پر ہیں۔

ضرار بن عمرو اور تمام خوارج بالکل دجال کے ہونے ہی کی نفی کرتے ہیں، تو پھر کیونکر اس کے لیے کوئی نشانی ہوگی۔

مسلمانوں کے بقیہ فرقے دجال کی نفی نہیں کرتے۔ وہ عجائب جو اس کے متعلق بیان کیے گئے ہیں وہ محض براویت احاد ہیں (اور روایت احاد سے نہ یقین حاصل ہوتا ہے اور نہ انکار کفر ہے)۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ دجال تو خدائی کا دعوی کرے گا۔ اور خدائی کے مدعی کے دعوے ہی میں اس کے کذب کا بیان ہے۔ متکلمین کہتے ہیں۔ دجال پر عجائب کا ظہور کسی صاحب عقل کی گمراہی کا نہیں ہو سکتا۔ لیکن مدعی نبوت پر عجائب کا ظہور نا ممکن ہے کیونکہ یہ ہر صاحب عقل کی گمراہی کا سبب ہوگا۔

ہمارا قول اس میں یہ ہے کہ جو عجائب کہدال سے ظاہر ہوں گے وہ محض اس قسم کے حیلے ہوں گے جو فرعون کے ساحروں نے کیے تھے۔ وہ حسین بن منصور حلاج کے اعمال اور شعبدہ بازوں کے قبیل سے ہوں گے۔ اس پر مغیرہ بن شعبہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ جب کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دجال کے ساتھ پانی کی نہر اور روٹی کی نہر ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ وہ خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ عمران بن حصین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں سے جو شخص دجال کو سنے تو اسے چاہیے کہ اس سے دور رہے کیونکہ آدمی اس کے پاس آئے گا وہ اپنے کو مومن سمجھتا ہوگا مگر جو شبہات دیکھے گا ان کی وجہ سے اس کی پیروی کرے گا۔ نص سے ثابت ہو گیا کہ دجال صاحب شبہات ہوگا، صاحب حقائق نہ ہوگا۔

تمام حدیثیں اس باب میں متفق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں فرمایا کہ دجال جو کچھ ظاہر کرے گا پانی کی نہر۔ آگ، انسان کا مار ڈالنا اور اس کا جلانا یہ سب حیلے ہوں گے اور ان سب کے وجوہ ہوں گے کہ جب تلاش کیے جائیں گے پائے جائیں گے بعض معدنی اجسام جب انہیں گلایا جائے گا تو وہ شکل بدل کر پانی معلوم ہونے لگیں گے، مٹی کا تیل صورت بدل کر غلط طور پر یہ دکھائے گا کہ وہ آگ ہے۔ ایک انسان قتل کر کے چادر سے ڈھانک دیا جائے گا اور دوسرا تیار اور پوشیدہ ہوگا جو ظاہر ہو جائے گا کہ معلوم ہو کہ یہ قتل کر دیا گیا تھا پھر زندہ کر دیا گیا۔ جیسا کہ حسین بن منصور حلاج نے چتکبرے بکری کے بچے کے بارے میں کیا تھا اور جیسا کہ شریعی ونمیری نے خچر کی مادہ کے بارے میں کیا تھا۔ اور جیسا کہ زبزن نے چڑیا کے متعلق کیا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ جو شخص مرغی کو ہڑتال کھلائے گا تو وہ بیہوش ہو جائے گی اور اس کی موت میں کوئی شک نہ کیا جائے گا۔ پھر اس کے حلق میں تیل ٹپکایا جائے تو وہ صحیح سالم اٹھ کھڑی ہوگی۔ یہ اس وقت معجزہ ہوتا اگر وہ ہڈیوں کو زندہ کرتا جو گلی سڑی ہوتیں پھر ان پر گوشت کا پیدا ہونا دکھاتا۔ تو یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ ہوتا جس میں کوئی شک نہ ہوتا اور نہ اس پر سوائے نبی کے کوئی قادر ہوتا۔ ہم نے چڑیا کو دیکھا ہے کہ پانی میں ڈال دی جاتی ہے اس کے مر جانے میں کسی کو شک نہیں رہتا، پھر ہم اسے دھوپ میں رکھ دیتے ہے بس تھوڑی ہی دیر میں اٹھ کر اڑ جاتی ہے۔ پانی میں ڈوبی ہوئی مکھی کے بارے میں بھی ایسا ہی معلوم ہوا ہے کہ جب اس پر نئی اینٹ کا سفوف چھڑک دیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات نہ کسی دیوار کے پیچھے ہوتے ہیں، نہ کسی معین مکان میں اور نہ کسی پردے کے نیچے، بلکہ وہ بالکل ظاہر اور کھلم کھلا ہوتے ہیں۔ میں نے خود ابو محمد عرف محرق کے حیلے و شعبدے کا راز فاش کیا ہے۔ جو ایک ایسی بات چیت کے بارے میں تھا کہ اس کے سامنے سنائی دے مگر اس کا متکلم نظر نہ آئے۔ میں نے اس کے بعض اصحاب کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ مجھے یہ آواز کسی دوسرے مکان میں سنائے یا جہاں میدان ہو اور عمارت نہ ہو، مگر وہ اس سے عاجز رہا اور اس کا حیلہ ظاہر ہو گیا۔ حیلہ یہ کیا تھا کہ ایک سوراخ دار بانس تھا ج

دیوار کے پیچھے کسی پوشیدہ درز پر رکھ دیا جاتا، وہ شخص بانس کے کنارے ہوتا وہ بانس کے منہ پر مسجد والوں کی نظر بچا کر چند کلمات جو دو تین سے زیادہ نہ ہوتے بولتا تھا۔ جو لوگ گھر میں محرق ملعون کے ساتھ ہوتے انہیں اس میں کوئی شک نہ ہوتا کہ بات چیت ان کے سامنے ہوئی ہے اور اس میں بات چیت کرنے والا محمد بن عبداللہ کاتب تھا جو محرق کا ساتھی تھا۔

اگر کوئی معترض قرآن کی اس آیت پر اعتراض کرے ”و ما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بها الا ولون “(اور ہمیں خاص معجزات کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ اگلوں نے ان کی تکذیب کی تھی (اسی طرح پچھلے بھی کریں گے) تو معترض کو بتوفیق الٰہی یہ جواب دیا جائے گا کہ اس کا مطلب دو طرح نکلتا ہے۔

ایک تو یہ کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ اس شخص کو زجر و توبیخ (گھر کی جھڑکی) ہے جو ان معجزات کی فرمائش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا کلام نقل فرما دیا اور الف استفہام کو حذف کر دیا اور یہ بکثرت کلام عرب میں موجود ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ معجزات مراد لیے ہیں جن کی شرط لگائی گئی تھی آسمان پر چڑھنا اور آپ کے ہمراہ فرشتے کا رہنا اور اسی کے مشابہ۔ اللہ تعالیٰ پر شرط لگانے کا کسی کو حق نہیں۔

قول اول ہی ہمارا جواب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادے سے کوئی شے نہیں روک سکتی۔

معجزہ قرآنی:

اسی طرح اگر کوئی معترض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اعتراض کرے کہ کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جس کو وہ چیز دی گئی ہے کہ اس کی مثل پر ایمان لایا ہے۔ مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ محض وہ وحی ہے جو مجھے بھیجی جاتی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے متبعین تمام انبیاء کے متبعین سے زائد ہوں گے۔

بتوفیق الٰہی معترضین سے کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے مراد وہ بہت بڑا معجزہ ہے جو ابدالآباد تک رہے گا، جو آپ کی بعثت کا سب سے پہلا معجزہ ہے اور وہ قرآن ہے اس معجزے کے ابد تک باقی رہنے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اور انبیاء کے معجزات کے خلاف قرار دیا ہے اس لیے کہ ان معجزات کا اعجاز سمجھنے میں عالم و جاہل سب مساوی ہیں۔ لیکن اعجاز قرآن کو محض علماء عربیت ہی سمجھتے ہیں۔ باقی لوگ علماء کے بتانے سے سمجھتے ہیں۔

توریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کھلی ہوئی پیشینگوئی ہے کہ ”عنقریب میں بنی اسرائیل کے لیے ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی قائم کروں گا جس کی زبان پر اپنا کلام جاری کروں گا۔ پھر جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا۔ میں اس سے انتقام لوں گا۔“

یہ صفت سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی میں نہ تھی برادران بنی اسرائیل سے مراد بنی اسماعیل ہیں۔

توریت کے سفر خامس میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ سینا سے آیا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہو گیا“ سینا بلا شک وہ مقام ہے جہاں سے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ سعیر عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقام ہے اور فاران بلا شک مکہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقام ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو فاران میں آباد کیا اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ ابراہیم نے اسماعیل علیہ السلام کو مکے ہی میں آباد کیا تھا۔ لہذا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بعثت کی نص و تصریح ہے۔

نبی اسلام جس نے سب کو ایک بنا دیا:

وہ خواب جس کی تفسیر دانیال نے کی ہے اس پتھر کے متعلق جس کو بادشاہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس پتھر نے اس بت کو ریزہ ریزہ

کر دیا جس کا کچھ حصہ سونے کا تھا، کچھ چاندی کا کچھ تانبے کا کچھ لوہے اور کچھ مٹی کا اس نے ان سب کو ملا کر گوندھ ڈالا اور سب کو ایک ہی شے بنا دیا، اس کے بعد پتھر بڑھا یہاں تک کہ اس نے تمام زمین کو بھر دیا۔

دانیال نے اس کی تعبیر یہ کی کہ ایک نبی ہوگا جو تمام اجناس کو جمع کر دے گا اور اس کے حکم کا قبضہ آفاق بھر پر ہوگا۔ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ایسا کوئی نبی کہیں ہوا ہے جس نے تمام اجناس کو باوجود ان کے اختلاف اور باوجود ان کی زبان، دین، وطن اور ملک کے اختلاف کے جمع کر دیا اور اس نے ان سب کو جنس واحد، زبان واحد، امت واحد، مملکت واحد اور دین واحد بنا دیا کیونکہ عرب و فارس اور نبط (جو عرب و فارس کے درمیان تھے) اور کرد و ترک و دیلم اور الجبل۔ بربر، قبط اور روم و ہند و سوڈان کے تمام مسلمان باوجود اپنی کثرت کے سب کے سب ایک ہی زبان میں بولتے ہیں، اسی میں قرآن پڑھتے ہیں اور تمام مذکورہ بالا اقوام امت واحدہ بن گئی ہیں۔ **والحمد لله رب العالمين**۔

نبوت مذکورہ بلا اشکال ثابت ہوگئی۔ **والحمد لله رب العالمين**۔

فارقلیط:

اس باب میں جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ مساوی طور پر ان نصاریٰ پر بھی حجت ہے جو صرف نبوت عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں اور وہ اریوسیہ مقدونیہ۔ بولقانیہ ہیں۔ اسی کے ساتھ مسیح علیہ السلام کی وہ دعا بھی ہے جو انجیل میں ہے کہ "اے اللہ فارقلیط کو بھیج کہ وہ لوگوں کو تعلیم دے کہ بشر کا بیٹا انسان ہے"

جس کو عقل ہو اس کے لیے یہ نہایت واضح ہے۔ اسلیے کہ مسیح علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کی قوم ان کے بارے میں حد سے بڑھ جائے گی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ وہ اس شخص کو مبعوث کرے جو لوگوں سے بیان کرے کہ وہ نہ الٰہ ہے نہ الٰہ کا بیٹا ہے۔ وہ محض انسان ہے جو ایک عورت سے پیدا ہوا ہے۔ تو آیا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی ایسا آیا جو اس کو بیان کرتا۔ حس سلیم کے لیے اس بیان کے بعد کوئی حیلہ نہیں رہتا۔ اللہ شکر کی توفیق دے کہ اس نے ہدایت کی توفیق دی۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ مجوسی زردشت کی نبوت کو مانتے ہیں اور یہود کی ایک جماعت ابو عیسیٰ الاصبہانی کی نبوت کو مانتی ہے ایک قوم جو غالی کفار میں سے ہے وہ یزیع الحائک (جولاہہ) اور مغیرہ بن سعید و بنان بن سماع التمیمی وغیرہ کی جو قبیلہ کلاب کے غالی لوگوں میں سے تھے نبوت کی تصدیق کرتے ہیں۔ تو بتوفیق الٰہی سے اس کا جواب یہ ہے کہ ابو عیسیٰ و بنان و یزیع اور وہ تمام حد سے بڑھنے والے لوگ جن کی نبوت یا خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں جن میں اچھے برے سب ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی کسی طور بھی کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔

معجزات ثابت نہیں ہوتے تاوقتیکہ انہیں بڑے بڑے گروہ نقل نہ کریں۔ یہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے گئے، ایسی خبر جس کے صدق پر (دلائل قائم ہو چکے) ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ یہ دلیل ان لوگوں کے بطلان کے لیے صحیح ہے جو ان کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں زردشت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے) بعض مسلمان بھی ان کے قائل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس کا معجزہ ثابت ہو جائے اس کی نبوت سے انکار نہیں کیا گیا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے "**وان من امة الا خلا فيها نذير**" (کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں ڈرانے والا (نبی) نہ گذرا ہو)۔ اور فرماتا ہے "**ورسلا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك**" (اور آپ سے پہلے بہت سے رسول ہیں جن کا ہم نے آپ سے ذکر کیا اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا)۔

مسلمان کہتے ہیں کہ مجوس جو غلط باتیں زردشت کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ سب باطل اور مجوس کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ''مانیہ'' ان کی طرف اپنی باتیں منسوب کرتے ہیں اور ان سب کے اقوال ایسے متضاد ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ان اقوال کا کہنے والا خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا وقت واحد میں ان کو کہہ سکے۔ اسی طرح یعقوبیہ بھی ''مانیہ'' بھی اپنا قول ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اورس طرح ''ملکانیہ'' اپنے قول تثلیث کو مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں ''نسطوریہ'' بھی اپنا قول انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اسی طرح ''مزقونیہ'' بھی یہ کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ان سب گروہوں نے زردشت و مسیح پر جھوٹ باندھا ہے ''غالیہ'' نے قرآن میں بھی اسی قسم کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کتاب وشریعت جو اپنے ہی ماننے والوں تک محدود رہے اور غیروں سے بچائی جائے اس میں تبدیل وتحریف شامل ہو جاتی ہے۔

مجوسی کی کتاب وشریعت ان کی سلطنت کی درازی کی مدت تک موید اور تیکیس خدام ومتولیاں آتش کدہ کے پاس رہی اور ہر متولی آتش کدہ کی ایک کتاب تھی جو بلاشرکت غیرے تنہا اسی کے پاس رہتی تھی، نہ کوئی دوسرا متولی اسے دیکھ سکتا تھا نہ اور کوئی غیر ان لوگوں کے سوا کسی اور کے لیے یہ جائز بھی نہ تھا۔ اس کے بعد ان کی کتاب میں سکندر کے جلا دینے سے رخنے پڑ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب وہ دارا ابن دارا پر غالب آ گیا تھا۔ وہ لوگ بغیر آپس کے اختلاف کے اس کے مقر ہیں کہ اس کتاب کا ایک تہائی حصہ جاتا رہا۔ اس واقعے کو بشیر ناسک اور ان کے دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح توریت بھی بنی اسرائیل کی سلطنت کی مدت بھر تنہا کوہن اکبر ہارونی کے پاس رہی۔ جس کا سوائے جھوٹے بے حیا کے ان میں بھی کوئی منکر نہیں۔

اسی طرح انجیل بھی چار مختلف کتابیں چار مختلف اشخاص کی تالیف سے تھیں۔ ان سب میں تبدیل کا امکان تھا۔

مجوس کے بڑے بڑے گروہوں نے زردشت کے علامات ومعجزات نقل کیے ہیں مثلاً پگھلا ہوا پیتل ان کے سینے پر اونڈیل دیا گیا مگر انہیں اس نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ یا گھوڑے کے چاروں قدم اس کے پیٹ میں گھس گئے تھے اور انہوں نے انہیں نکالا اور اس کے علاوہ۔ جو لوگ مجوس کو اہل کتاب کہتے ہیں ان میں علیؓ بن ابی طالب وحذیفہ رضی اللہ عنہما (صحابہ میں) اور سعید بن المسیب وقتادہ وابو ثور (تابعین میں) اور جمہور اصحاب اہل ظاہر ہیں۔ ہم نے اس قول کی صحت کو ثابت کرنے والے دلائل اپنی کتاب مسمی بہ الا یصال کی کتاب الجہاد اور کتاب الذبائح اور کتاب النکاح میں بیان کیے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین اور اس کی صحت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے جزیہ لینا کافی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ براءۃ میں غیر کتابی سے جزیہ لینے کو حرام کر دیا ہے۔ (**قاتلوا الذین لا یو منون باللہ و لا بالیوم الآخر و لا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ و لا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطو ا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون**)۔ (سورۂ توبہ پارہ ۱۰) (یعنی ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام سمجھتے ہیں جو اللہ ورسول نے حرام کیا اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں جو اہل کتاب ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں)

یہود کے عیسویہ سے کہا جائے گا کہ جب تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے منقول ہونے میں، آپ کے معجزات کے نقل کرنے میں اور آپ کی نبوت کی صحت میں بڑے گروہ کی تصدیق کر دی تو قرآن میں جو کچھ ہے اس کا ماننا تم پر لازم ہے، قرآن میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہے اور آپ کا حکم ہے کہ آپ لوگوں سے یہ کہیں ''**یا ایھا الناس انی رسول**

الله اليكم جمعيا'' (اے لوگو میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں)۔

دوسری آیت ہے ''**من يبتغ الا سلام ديناً فلن يقبل منه و هوفي الآخر ة من الخاسرين** '' (جو شخص سوائے اسلام کے کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا)۔

اسی باب میں یہ آیت ہے ''**وقاتلوا الذين لا يومنون بالله ولا باليوم الآخر. الى . حتى يعطو الجزية عن يدوهم صاغرون** '' (یہ پوری آیت مع ترجمہ اوپر بیان ہو چکی)۔ اس میں یہود کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ جس دین پر ہیں اسے ترک کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی طرف رجوع کریں۔ یہ وہ امر ہے جس سے انہیں مفر نہیں۔

اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ ''قرآن میں تو یہود کے لیے یوم السبت (شنبہ) کو محترم قرار دیا گیا ہے اور اس کے التزام پر انہیں ابھارا گیا ہے'' تو یہ تو انہیں زجر و توبیخ ہے کہ وہ اپنے جن اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں ان سے ایسے افعال سرزد ہوئے تھے اور اس کو نص قرآن جو اس آیت میں بیان کرتی ہے ''**ورسولا الى بنى اسرائيل ليحل لهم بعض الذى حرم عليهم** (یعنی عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول بنا کر بھیجے گئے تاکہ وہ بعض حرام چیزیں ان کے لیے حلال کر دیں)۔ یہ یہود کی شریعت کے نسخ و بطلان پر نص جلی ہے۔

وہ امر جس سے نہ کوئی مومن انکار کر سکتا ہے نہ کافر یہ ہے کہ آپؐ نے یہود بنی اسرائیل سے جنگ کی جو بنی قریظہ نضیر۔ ہذل و بنی قینقاع میں سے تھے۔ انہیں قتل کیا، گرفتار کیا ان پر جزیہ مقرر کیا۔ اور ان کو کافر بتایا جب وہ اسلام کی طرف رجوع نہ ہوئے۔ ان میں سے جو اسلام لایا اس کا اسلام قبول فرمایا۔ لہذا اگر ان کا دین منسوخ نہ ہو گیا ہوتا تو آپ کو انہیں اس کے ترک پر مجبور کرنا جائز نہ ہوتا۔ یا جزیہ لینا اور ماتحت بنا کے رکھنا روا نہ ہوتا۔ نہ آپ کو جائز ہوتا کہ ان سے ترک دین بنی اسرائیل کو قبول فرمائیں۔ یہ محال و ممتنع ہے کہ جو شخص عیسویین کے نزدیک رسول صادق و نبی ہو وہ ظلم و ستم کرے اور دین حق کو بدل دے۔ لہذا اس سے ان کے قول کا فساد و تناقض یقیناً بغیر کسی اشکال کے واضح ہو گیا۔ **والحمد لله رب العالمين** ۔

اسی طرح صابئین کے فرقوں میں سے جو لوگ بعض انبیاء کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں مثلاً ادریسؑ، اور دوسرے لوگ جن کے بارے میں ان کے قول کی صحت کا یقین بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عادمون۔ اسقلا بیوس وایلون وغیرہ۔ اور مجوس جو صرف زردشت کو مانتے ہیں، ان سب سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ تم جن کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہو ان کی نبوت کس چیز سے ثابت ہوئی۔ سوائے اس کے کوئی جواب نہیں کہ ''ان لوگوں کے لائے ہوئے معجزات ثابت ہیں''۔ ان سے کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں آنحضرت تک نقل و روایت باعتبار زمانے کے بھی زیادہ قریب ہے۔ باعتبار صحت و ثبوت کے بھی زیادہ ظاہر ہے اور باعتبار عدد ناقلین و رواۃ بھی زیادہ ہے اور زیادہ ظاہر و بدیہی ہے۔ نہ تو کوئی فرق ہے اور نہ اس سے انہیں قطعاً کوئی مفر ہے اس لیے کہ وہ نقل ہی نقل ہے۔ مگر ہماری نقل زیادہ شائع و ظاہر ہے اور اشاعت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے باوجودیکہ صابئین کا دین باقی نہ رہا ان کا اتصال بھی منقطع ہو گیا اور ان کی روایت و نقل کا مرجع بھی ایسے لوگ ہیں جن کی قلت کی وجہ سے ان سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ بس اس دین کی بنیاد یہ ہے۔ شاید اس وقت روئے زمین پر ان کی تعداد چالیس تک بھی نہ پہنچے۔

مجوس خود ہی اس کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں کہ ان کی وہ کتاب جس میں ان کا دین تھا سکندر نے جب دارا بن دارا کو قتل کیا اس کتاب کو بھی جلا دیا اور اس کے دو ثلث یا زیادہ جاتے رہے۔ اس میں سے ایک ثلث سے بھی کم رہ گیا جو حصہ جاتا رہا شریعت اسی میں تھی۔ جب ان کے دین کی یہ صفت ہے تو اس کا بالکل قائل ہونا ہی باطل ہے اس لیے کہ اس کا اکثر حصہ جا چکا ہے اللہ تعالیٰ کسی کو ایسی چیز کی تکلیف نہیں دیتا جس کی اتنی حفاظت کا بھی وہ ذمہ نہ لے کہ وہ چیز اس شخص تک پہنچ جائے۔

ان کی ایک کتاب میں جس کا نام ''خدائے بانہ'' (خدائی نامہ) ہے جس کی یہ لوگ بے انتہا تعظیم کرتے ہیں یہ ہے کہ بادشاہ نوشیرواں نے ممانعت کردی تھی کہ سوائے ازدشیر حزہ کے کہیں بھی یہ لوگ اپنا دین نہ سیکھیں۔ یہ دین فقط واتجرد (دارابجرد) سے پھیلا۔ اس کے قبل بھی یہ صرف اسطخر میں سیکھا جاسکتا تھا اور وہ سوائے مخصوص لوگوں کے اور کسی کے لیے جائز بھی نہ تھا۔

ان کی اس کتاب کے جو سکندر کے جلانے کے بعد بچ گئی تھی تیئیس جزو تھے ان لوگوں کے تیئیس ہی متولی وخادم آتش کدہ تھے، ہر متولی کے لیے ایک جزء تھا جو دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا تھا موبذ موبذان ان تمام اجزائے کتاب سے واقف تھا۔

جس کتاب کی یہ شان ہو تو اس کی تبدیل وتحریف لازم ہے اور جو نقل اس طرح کی ہو وہ فاسد ہے جس کی صحت پر یقین نہیں کیا جاسکتا وہ کھلا ہوا جھوٹ جو ان کی ان کتابوں میں ہے جن پر ایمان لائے بغیر ان کا دین صحیح نہیں ہوتا یہ ہے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ شاہ جرم جب چاہتا تھا ابلیس پر سوار ہوا کرتا تھا۔ اور انسان کی ابتدا ایک ساک سے ہوئی جس کا نام ریباس یعنی شرالیہ ہے۔ اور بیروان کی ولادت کی وجہ سے سیاوش بن کیکاوس نے آسمان وزمین کے درمیان شہر گنگور بنایا اس میں اہل بیتوتات کے اسی ہزار پیادوں کو بسایا اور وہ لوگ اس میں اب تک رہے۔ جب بہرام ہماوندگائے پر ظاہر ہوا کہ ان کی سلطنت کو واپس لائے تو یہ شہر زمین پر اتر آیا۔ ان لوگوں نے اس کی مدد کی اور اپنے دین و سلطنت کو واپس کرلیا۔

ہر کتاب جس میں جھوٹ کو جمع کیا جائے وہ باطل د موضوع ہے۔ اللہ عزوجل کی طرف سے نہیں ہے۔ دین مجوس کا فساد بھی اسی طرح مساوی طور پر ظاہر ہوگیا جس طرح دین یہود ونصاریٰ کا فساد ظاہر تھا۔ **والحمد لله رب العالمين۔**

☆☆

مناقضات ظاہرہ وتکذیبات واضحہ

تورات وانجیل کے نقائض ونقائص

انشاء اللہ ہم کتب مذکورہ کا ایسا کذب بیان کریں گے کہ کسی صاحب تمیز کو شک نہ رہے گا کہ یہ ان احبار کی طرف سے جو ان کے مولف ہیں، خود انھیں نے اللہ پر اور ملائکہ علیھم السلام اور انبیا علیہم السلام پر کذب وافترا باندھا ہے۔ ان کتابوں کا کذب کسی پر اسی طرح مخفی نہ رہے گا جس طرح دن کی روشنی بصارت رکھنے والوں سے مخفی نہیں رہتی، ان متناقض وفاسد بیانات پر ان سب کے اتفاق کو دیکھ دیکھ کے ہمیں تعجب ہوا کرتا تھا، کیونکہ ان میں ایسی بے سروپا باتیں ہیں جن کی بے حقیقی کسی متنفس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ لیکن یہودیوں کے بیانات پڑھے تو معلوم ہوا کہ جس طرح انگلیوں کی درزیں یکساں ہیں اسی طرح یہود ونصاری کی ''مقدس کتابیں بھی ایک سی ہیں، اس سے انصاف پسند مخالفین کے نزدیک بھی ہمارے قول کی صحت ثابت ہوگئی کہ جو شخص دین اسلام ومذہب وسنت ومسلک محدثین کے مخالف بھی ہے وہ بھی اس دین کی گمراہی کو سمجھتا ہے جس کے معتقد یہود ونصاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد ترک کردی ہے۔ اس لئے یہ اپنی عقول کی مخالفت کر رہے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں سے مغلوب ہیں۔ اور ان کے گمان ان کے یقین پر محض اپنے اسلاف کی تقلید اور تعصب اور دنیوی ریاست کے برقرار رہنے کی وجہ سے غالب ہیں۔ ہم نے تو جہاں تک ان کے روساء کو دیکھا ہے ایسا ہی پایا ہے۔ لہذا ہم اللہ کی حمد کثیر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام ومذہب سنت واتباع آثار صحیحہ کی ہدایت فرمائی۔ اسی پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ہمیں اپنی ہی راہ کا داعی بنائے رہے کہ اپنی ملاقات کے وقت ہمیں اپنی رحمت ورضامندی کی دعوت دے آمین۔

اس کتاب کے ہر پڑھنے والے کو جاننا چاہیے کہ ہم نے کتب مذکورہ میں سے کسی شے کا استنباط اس طور پر نہیں کیا ہے کہ کسی اور وجہ پر اسکا استنباط ممکن ہو، چاہے وہ دقیق وباریک ہی ہو۔ اس کے بعد اس قسم کے اعتراض کے کوئی معنی نہیں۔ (یعنی توریت وانجیل کی عبارتیں ہم جس مطلب کے لئے لائے ہیں اس کے سوا ان کا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہوسکتا)۔

ہم نے کسی ایسے کلام کا استنباط نہیں کیا جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اگرچہ ان میں موجود ہے۔ اس لئے کے معترض کو یہ کہنے کا حق ہوتا کہ اللہ نے اس سے جو بھی مراد لیا ہو وہ صحیح ہے۔ ہم نے محض انھیں مضامین کا حوالہ دیا ہے اور انھیں کو لیا ہے جن میں نہ کوئی حیلہ ہوسکتا ہے اور نہ کوئی اور وجہ۔ سوائے ان جھوٹے دعووں کے جن پر قطعا نہ کوئی دلیل ہے، نہ وہ قابل احتمال ہیں، نہ خفی ہیں۔

تورات سامری

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو توریت سامریہ کے ہاتھ میں ہے وہ اس توریت کے خلاف ہے جو دوسرے یہودیوں کے پاس ہے۔ سامریہ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہی توریت نازل کی گئی ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ جو توریت یہود کے پاس ہے وہ محرف ومبدل ہے۔ تمام

یہود یہ کہتے ہیں کہ سامریہ کی توریت میں تغیر وتبدیل کر دیا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

سامریہ کی یہ توریت ہم تک نہیں پہنچی کیونکہ وہ لوگ فلسطین واردن سے اس کا نکلنا قطعاً جائز نہیں سمجھتے۔ مگر ہم ایسی بدیہی دلیل اس امر پر بھی لائے ہیں کہ وہ توریت بھی جو سامریہ کے ہاتھ میں ہے محرف ومبدل ہے۔ ان فصول کے آخر میں جہاں ہم نے ملوک بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے وہیں اس کا بھی ذکر ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

متداول تورات

یہود کی اس تورات کے پہلے ورق میں جو ان کے ربانی، عانانی وعیسوی کے پاس ہے روئے زمین کے مشارق ومغارب میں وہ جہاں کہیں بھی ہو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ ایک ہی حال پر ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں ایک لفظ کا اضافہ کرنا چاہیے یا دوسرا لفظ کم کرنا چاہے تو وہ سب کے نزدیک رسوا ہو جائے۔ اس توریت کی انتہا ان کے ان علماء تک ہے جو ان لوگوں کی سلطنت ہارونیہ کے زمانے میں انقلاب ثانی سے پہلے تھے۔ اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس کی سند عذراء ہارونی وراق تک پہنچتی ہے۔

آدم بشکل پروردگار عالم

اس توریت کے شروع میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''آدم کو مثل اپنی صورت وشباہت کے بناؤں گا''

اگر صرف ''مثل اپنی صورت کے'' فرماتا تو اس کے لئے اچھی وجہ اور صحیح معنی ہو سکتے، کہ صورت کی اضافت اللہ کی طرف بطور اضافت ملک وخلق کرتے۔ جیسا کہ یہ کہتے ہوں کہ ''یہ عمل اللہ کا ہے'' اچھے کے لئے کہتے ہوں کہ ''یہ اللہ کی صورت ہے'' ''یہ اللہ کی تصویر ہے'' یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت ہے اور ایسی صفت ہے جو تنہا اللہ ہی کی ملک وخلق میں ہے۔ لیکن ''مثل اپنی شباہت یا شبہ کے'' کہنا تو تمام تاویلات کا سد باب کر دیتا ہے۔ آدم کو اللہ کا مثل وشبہ ثابت کرتا ہے۔ اور اس کا بطلان بداہت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شبہ ومثل کے ایک ہی معنی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت دور ہے کہ کوئی اس کا مثل یا شبہ ہو۔

روئے زمین پر بہشت کی نہریں

تذکرہ تخلیق آدم کے بعد ہی تورات میں ہے کہ ایک نہر عدن سے نکلے گی جو باغوں کو سیراب کرے گی اور وہیں سے متفرق ہو جائے گی۔ اس کی چار شاخیں ہو جائیں گی، پہلی کا نام نیل ہوگا اور وہ تمام بلاد زدیلہ کو محیط ہوگی جس میں سونا ہے، اس بستی کا سونا کھرا ہے۔ اس میں موتی اور بلور ہوگا۔ دوسری شاخ کا نام جیحان ہوگا اور وہ تمام بلاد حبشہ کو محیط ہوگی تیسری کا نام دجلہ ہوگا اور یہ شرق موصل میں جاری ہے اور چوتھی کا نام فرات ہے۔ اور اللہ نے آدم کو لیا اور انھیں جنات عدن میں رکھا۔

وجوہ کذب

اس کلام میں کذب کے ایسے وجوہ فاحشہ ہیں جو اس کا یقین دلاتے ہیں کہ کسی جھوٹے مسخرے کا بنایا ہوا ہے۔

پہلی وجہ اس امر کی خبر دینا ہے کہ یہ چاروں نہریں اس نہر سے منتشر ہوں گی کہ اسی جنات عدن سے نکلتی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو رکھا۔ کیونکہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر اس نے انھیں اس جنت سے نکال دیا جب انہوں نے اس درخت میں سے کھایا جس کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا تھا جسے علم ہیئت سے ذرا سی بھی واقفیت ہے، جو ربع مسکون کا کچھ بھی حال جانتا ہے یا جو مصر وشام وموصل گیا ہے،

وہ جانتا ہے کہ یہ سب کا سب ذلیل جھوٹ ہے۔

دریائے نیل کا مخرج جنوب کے ایک چشمے سے ہے جو آبادی سے باہر جبال قمر میں ہے۔

دریائے دجلہ و فرات کا مخرج شمالی جیحان سے ہے۔ دریائے جیحان بلاد روم سے نکلتا ہے اور مصیصہ اور اس کی بیرونی آبادی میں مسمی کفرینا کے درمیان سے گزرتا ہے یہاں تک کہ مصیصہ سے چار میل پر بحر شام میں گز جاتا ہے۔

دریائے دجلہ کا مخرج ان چشموں سے ہے جو آرمینیہ کی علمواری اور دیار بکر کے موضع آمد کی سرحدوں میں ہیں۔ اس کا پانی ان پتھریلے میدانوں میں گرتا ہے جو مشہور ہیں اور جو بصرے کے قریب عربی و عراقی سرحدوں میں ہیں۔

دریائے فرات کا مخرج بلاد روم سے ہے جو آرمینیہ کے قریب قالی قلا سے ایک روز کی مسافت پر ہے۔ پھر وہ رقہ کی علمواری سے عراق تک کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں اور دونوں دجلے میں گر جاتی ہیں۔ یہ بہت بڑا اور برا جھوٹ ہے جس سے مفر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا۔

دوسری وجہ اس کا یہ کہنا ہے کہ نیل بلاد زدیلہ کو محیط ہے اور جیحان بلاد حبشہ کو محیط ہے۔ یہ بھی بہت بڑا اور کھلا ہوا جھوٹ ہے کیونکہ تمام ملک سوڈان میں حبشہ وغیر حبشہ سوائے نیل کے قطعاً کوئی نہر نہیں ہے۔ اس کی سات شاخیں ہیں جن کا مخرج ایک ہی ہے۔ اور پھر وہ سب شاخیں بلاد نوبہ کے اوپر جمع ہو جاتی ہیں۔

تیسرا جھوٹ اس کا یہ کہنا ہے کہ بلاد زدیلہ میں عمدہ قسم کے موتی ہیں۔ یہ بھی جھوٹ ہے اس لئے کہ اس میں موتی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ موتی صرف بحر ہند و فارس اور ہند و چین کے سمندروں میں ہوتے ہیں یہ سب رسوا کرنے والی باتیں ہیں جن کو ہرگز اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا ہوگا۔

دفع دخل

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ نیل و فرات سیحان و جیحان جنت کی نہریں ہیں۔ ہم کہیں گے کہ ہاں یہ صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ اور وہ بغیر کسی تاویل کے تکلف کے اپنے ظاہری معنی پر ہے وہ معنی یہ ہیں کہ یہ جنت کی نہروں کے نام ہیں، جیسے کوثر و سلسبیل۔

اگر کوئی معترض کہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے حجرے اور میرے ممبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے، اور آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ میری قبر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی حق ہے اور آپ کے علامات نبوت میں سے ہے۔ کیونکہ اپنے مقام قبر کی خبر دی ہے۔ آپ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ یہ مقام اپنی بزرگی کے باعث اور نماز کی عظمت کے سبب سے ایسا ہے کہ یہاں کی عبادت ہم کو جنت تک پہنچاوے گی۔ یہی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ۔

یہ زبان کا محاورہ ہے کہ ہر بزرگ و پاکیزہ شے کو جنت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ہم جس کو خوش خبری سناتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی خبر ہے۔ اور شاعر کہتا ہے "**روائح الجنة في الشباب**" یعنی جنت کی خوشبوئیں تو زمانہ شباب ہی میں آتی ہیں۔

توریت یہود میں جو کچھ ہے وہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے بنانے والے نے اپنے کذب کو کسی تاریکی میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ اس کی مراد نیل ہے وہی دریا ہے جو زمین زدیلہ کو کہ عمدہ سونے کا مقام ہے گھیرے ہوئے ہے۔ اور

دجلہ سے وہی مراد ہے جو موصل کی شرقی جانب ہے۔ اور جیحان سے وہی مراد ہے جو اس بلد حبشہ کو محیط ہے جو ابتک پیدا بھی نہیں ہوا۔ اس نے اپنے کلام کی تاویل ڈھونڈنے والے کے لئے نہ کوئی حیلہ چھوڑا نہ کوئی مخرج۔

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

توریت کے جھوٹ کی توجیہ وتاویل ناممکن ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ان کی توریت کی نص میں بیان کیا ہے کہ وہ جنت جس سے آدم اس کے ایک درخت کے کچھ کھانے کی وجہ سے نکالے گئے تھے وہ وہی جنت ہے جو عدن کی شرقی جانب اسی زمین پر ہے نہ کہ آسمان پر جیسا کہ ہم لوگ قائل ہیں۔ لہذا ایسا جھوٹ ثابت ہوا جس سے ہرگز نجات نہیں۔

اگر ان کی توریت میں سوائے اسی جھوٹ کے اور کوئی جھوٹ نہ ہوتا تو یہی کافی ہوتا کہ توریت موضوع ہے جس کو موسیٰ ہرگز نہیں لائے اور نہ وہ اللہ کی جانب سے ہے۔ مگر اس کو کیا کہا جائے کہ اس کے بہت سے نظائر ہیں اور نظائر پر نظائر ہیں۔

سدّ ذی القرنین

اگر کہا جائے کہ قرآن میں سد یاجوج وماجوج کا ذکر ہے مگر نہ تو سد کا پتہ معلوم ہوتا ہے اور نہ یاجوج وماجوج کا مقام۔

ہم کہیں گے کہ سد کا مقام معلوم ہے جو شمال کی انتہا پر آبادی کے آخر میں ہے۔ یاجوج وماجوج کا ذکر تو ان کتابوں میں بھی ہے جن پر یہودوانصاری ایمان رکھتے ہیں۔

یاجوج وماجوج وسد کا ارسطاطالیس (ارسطو) نے بھی اپنی کتاب الحیوان میں ذکر کیا ہے جہاں بتوں پر کلام ہے۔ بطلیموس نے بھی اپنی کتاب مسمی جغرافیا میں بھی سد یاجوج وماجوج کا ذکر کیا ہے۔ اس نے تو ان کی آبادی کا طول وعرض بھی بیان کیا ہے۔

امیر المومنین واثق نے سلام ترجمان کو مع ایک جماعت کے ایک سد کی طرف بھیجا اور وہ لوگ اس کے پاس جا کر ٹھہر گئے۔ اس کا ذکر احمد بن طیب سرخسی وغیرہ نے کیا ہے۔ قدامہ بن جعفر اور دوسرے علمائے جغرافیہ وتاریخ بھی اس کی تشریح کر چکے ہیں، لہذا اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اگر یاجوج وماجوج وسد کا مقام پوشیدہ ہی رہتا اور کسی آبادی میں بھی اسکا ٹھکانہ معلوم نہ ہوتا تو تب بھی یہ ہماری خبر کو کچھ نقصان نہ پہنچاتا۔ اس لئے کہ اس وقت یہ ہوتا کہ اس کا مقام خط، استواء کے پیچھے ہوتا جہاں کے میل شمس اور اس کا رجوع وبُعد ہوتا ہے جیسا کہ وہ جہت شمالیہ میں ہے جہاں کے آفاق ہمارے بعض آفاق مسکونہ کے مثل ہوں گے۔ اور ہوا بھی اس ہوا کی طرح ہوگی جو ہماری بعض آبادیوں میں ہے جن میں نباتات اور توالد وتناسل ہوتا ہے۔

ممکن کو ناممکن بنانے والے

جو شے حد امکان میں ہو اسے بغیر دلیل کے اگر کوئی حد امتناع ومحال میں داخل کرے تو وہ کاذب ہے، باطل پرست ہے، اور جاہل یا متجاہل ہے (یعنی جاہل بن رہا ہے) خاص کر جس کی خبر ایسے شخص نے دی ہو جس کی سچائی پر دلیل قائم ہو۔ محال وممتنع کی تو شان یہ ہوتی ہے کہ حواس اور مشاہدہ اور بداہت عقل اس کی تکذیب کرتی ہے۔ جو ایسی چیز کو لائے تو وہ ایسی دلیل کو لایا جو اس امر کا یقین دلانے والی ہے کہ وہ کذاب ومفتری ہے۔ ہم اس بلا سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

خدا کا خوف کہ آدم بھی اسی کی مثل ہو گئے

توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا یہ آدم معرفت خیر وشر میں ہم دونوں مثل ایک کے ہو گئے ۔ اور اب اس غرض سے کہ وہ ہاتھ نہ بڑھائے اور درخت حیات کو نہ لے لے اور کہا ہمیشہ نہ زندہ رہے اللہ نے اسے جنات عدن سے نکال دیا۔

یہ حکایت ان کی اللہ کی جانب سے ہے کہ اس نے کہا کہ یہ آدم ہے جو ہم سے مثل ایک کے ہو گیا جو مصائب دہر میں سے ایک مصیبت ہے۔ بدیہی طور پر اس کا موجب ہے کہ وہ لوگ ایک سے زائد الہ ہیں۔

اس بنائے ہوئے قول خبیث نے بہت سے خواص یہود کو اس اعتقاد تک پہنچا دیا کہ جس نے آدم کو پیدا کیا وہ بھی آدم ہی کی طرح ایک مخلوق تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم سے پہلے پیدا کیا اور اس نے بھی اسی درخت سے کھایا جس سے آدم نے کھایا، پھر اس نے خیر وشر کو پہچانا پھر اس نے درخت حیات سے کھایا تو وہ الہوں میں سے ایک الٰہ ہو گیا۔

ہم اس احمقانہ کفر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس کی حمد کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایک چمکنے والے روشن وواضح دین کی ہدایت کی جس کا ہر اعتراض سے سالم رہنا اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

زندگی کا درخت فرشتوں کے پہرے میں

اس کے بعد ہے کہ کروبیوں (یعنی مقرب فرشتوں) کی جنت عدن کی شرقی جانب ٹھیرائی درخت حیات کی حفاظت کے لئے الٹی تلوار کی سخت گرمی تھی۔ میں نے ایک دوسرے نسخے میں اس طرح دیکھا کہ اور جنتوں میں اس کو مقرر کیا گیا جو اسرافیل مشہور ہے اور اس نے اپنے آگے ایک نیزہ نصب کر لیا تھا تا کہ وہ درخت حیات کے راستے کی حفاظت کرے۔

اگر ان میں سے کوئی ایک بات مترجم کی غلطی نہیں ہے تو میں نہیں جانتا کہ یہ کیونکر ہوا۔ (یعنی کونسی بات سچ ہے)

قابیل کا خوں بہا

اس کے بعد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جسے قابیل نے قتل کیا میں سات آدمی کو اس کا فدیہ دلاؤں گا۔

یہودیوں کو اس سے انکار نہیں کہ لامک بن متوشائیل بن محویائیل بن عیراد بن حنوک بن قازبین وہی شخص ہے جس نے اپنے باپ کے پڑ دادا قابین کو قتل کیا تھا۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک کذب منسوب کر دیا اس لئے کہ اس نے وعدہ کیا تھا وہ سات کو فدیہ دلائے گا اور انہیں دلایا۔ یہاں پر سات کا ذکر کرنا بھی حماقت ہے اس لئے کہ وہ لامک جس نے اسے قتل کیا وہ قابین کی اولاد میں پانچواں شخص ہے اور قابیل آباؤ اجداد لامک میں پانچواں شخص ہے لہذا سات کو اس جگہ کوئی دخل نہ ہوا۔

پہلا چرواہا

اس سے قبل ہابیل بن آدم کا ذکر ہے کہ وہ بکری کا چرواہا تھا۔ پھر اس سے تقریباً دو ورق پہلے کہا ہے کہ وہ لامک جس کا ابھی ذکر ہوا ہے اس نے دو عورتیں کیں۔ ان میں سے ایک کا نام عادہ اور دوسری کا صلہ تھا۔ عادہ سے یابال پیدا ہوا اور وہ پہلا شخص ہے جو خیموں میں رہا۔ اور مویشی کا مالک ہوا۔ یہ دو جملے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی بدیہی تکذیب کر رہا ہے۔

خدا کے [illegible] آدم کی بیٹیوں

اس کے بعد کہا ہے کہ جب روئے زمین پر لوگوں کی کثرت شروع ہوگئی اور ان کے یہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو (معاذ اللہ) اللہ کے لڑکوں نے دیکھا کہ آدم کی لڑکیاں خوبصورت ہیں، انھوں نے ان میں سے بیویاں بنالیں۔

اس کے بعد کہا کہ اللہ کے لڑکے آدم کی لڑکیوں کے پاس آتے تھے اور ان کے یہاں حرام اولاد پیدا ہوتی تھی اور یہ وہی ظالم لوگ ہیں جن کے نام ہمیشہ رہیں گے۔

یہ وہ حماقت ہے کہ اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ اور کذب عظیم ہے۔ کیونکہ اس نے اللہ کے لڑکے بنائے جو آدم کی بیٹیوں سے نکاح کرتے ہیں۔ یہ وہ سمدھیانے کی رشتہ داری ہے جس سے اللہ بری و برتر ہے۔ یہاں تک کہ ان کے بعض اسلاف نے کہا کہ اس سے اس کی مراد ملائکہ ہیں۔ اور یہ بھی جھوٹ ہے سوائے اس کے کہ ظاہر لفظ میں جھوٹ سے کم معلوم ہوتا ہے۔

مدت عمر

اس کے درمیان کہا ہے کہ میری روح انسان میں ہمیشہ نہ رہے گی کیونکہ یہ لوگ پھیل جائیں گے۔ ان کی عمریں ایک سو بیس برس کی ہوں گی۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے اور ہمیشہ کی مصیبت ہے اس لئے کہ اسی قول کے بعد ذکر کیا ہے کہ اس کے بعد سام بن نوحؑ چھ سو برس زندہ رہا۔ اور ارفخشاذ بن سام چار سو پینسٹھ برس زندہ رہا۔ اور شالخ بن ارفخشاذ چار سو تینتیس برس زندہ رہا۔ اور عابر بن شالخ چار سو چونسٹھ برس زندہ رہا۔ اور فالغ بن عابر دو سو سینتیس برس زندہ رہا۔ اور رعو بن فالغ دو سو انتیس برس زندہ رہا اور سروغ بن رعو دو سو تیس برس زندہ رہا۔ اور ناحور بن سروغ ایک سو اڑتالیس برس زندہ رہا۔ اور تارح بن ناحور دو سو پچاس برس زندہ رہا، اور ابراہیمؑ بن تارح ایک سو پچھتر برس زندہ رہے، اور اسحاق بن ابراہیمؑ ایک سو اسی برس زندہ رہے، اور اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ ایک سو سینتیس برس زندہ رہے، اور یعقوبؑ بن اسحاق ایک سو سینتالیس برس زندہ رہے، لاوی بن یعقوب ایک سو سینتیس برس زندہ رہے اور عمران بن فاہت بھی اتنے ہی دن زندہ رہے، اور فاہت بن لاوی ایک سو تینتیس برس زندہ رہا، اور سارح بنت اشر و مریم بنت عمران و ہارون بن عمران ان میں سے ہر ایک ایک سو بیس برس سے زائد زندہ رہے۔

ان رسوا کن باتوں اور ان عقول پر تعجب کرنا چاہیے جنہوں نے اس قسم کے اتہامات کی پیروی و تصدیق کی ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ متوشالح بن حنوک بن مارد نو سو انہتر برس زندہ رہا جب وہ ایک سو ستاسی برس کا تھا تو اس کے یہاں لامک پیدا ہوا۔ اور جب لامک مذکور ایک سو بیاسی برس کو پہنچا تو اس (متوشالح) کے ہاں حضرت نوحؑ پیدا ہوئے۔

لہذا جب متوشالح کے ہاں حضرت نوحؑ پیدا ہوئے تو اس کی عمر بلا شک تین سو انہتر برس کی تھی۔ اس سے ضروری طور پر لازم آیا کہ جب متوشالح کی وفات ہوئی تو نوحؑ چھ سو برس کے تھے۔ اب اسے یاد رکھیے۔

پھر کہا کہ ۱۷/ماہ ثانی ۶۰۰؁ عمر نوحؑ کو طوفان کا پانی ہٹ گیا۔ اس کے بعد ہے کہ ۲۷/ماہ ثانی ۶۰۱؁ عمر نوحؑ، کو نوحؑ اور ان کے ہمراہی کشتی سے نکلے۔ اس سے لامحالہ بغیر کسی مفر کے یہ لازم آیا کہ متوشالح بن حنوک بھی کشتی میں سوار تھا۔ ان لوگوں کے کشتی سے اترنے کے تین دن کم دو مہینے پیشتر کشتی ہی میں اس کی وفات ہوگئی۔ حالانکہ یہ قطعی یقینی ہے کہ کشتی میں سوائے نوحؑ اور ان کی بیوی اور ان کے تین بیٹوں اور ان کی بیویوں کے کوئی شخص بھی سوار نہیں ہوا۔ یہ بھی قطعی یقینی ہے کہ جو آدمی یا جانور کشتی میں سوار نہ تھا وہ غرق ہونے سے نہ بچا، لہذا یہ جھوٹی باتیں ہیں۔ ایسی باتوں سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس لئے کہ نصوص توریت میں ہے کہ متوشالح غرق نہیں ہوا۔ اگر وہ غرق ہوتا تو وہ تمام سال پورے نہ کرتا جو نوحؑ کے چھ سو سال پورے کرنے والے ہیں۔ اور نص توریت میں ہے کہ اس نے یہ سال پورے کیے۔

متوشالح یہود کے نزدیک قابل مدح وستائش تھا، وہ ہرگز ہلاکت کا مستحق نہ تھا۔ حالانکہ ان لوگوں نے اس کے کشتی میں سوار ہونے کو باطل کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ کشتی میں سوائے نوحؑ اور ان کے تین بیٹوں اور ان سب کی عورتوں کے اور کوئی آدمی سوار نہیں ہوا۔

انھوں نے یہ بھی باطل کر دیا ہے کہ کوئی شخص کشتی کے علاوہ نجات پاتا۔ اس لئے کہ انھیں یقین ہے کہ کوئی انسان یا حیوان جو کشتی میں نہ تھا وہ نہیں بچا۔ متوشالح کے لئے بھی ان تینوں میں سے کسی ایک وجہ کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا بالبداہت توریت کے نقل کرنے میں ان لوگوں کا کذب خالص روشن وآشکار ہو گیا۔ اور ہر صاحب عقل نے یقین کر لیا کہ یہ توریت اللہ کی نازل کی ہوئی نہیں ہے اور نہ اسے کوئی نبی لایا ہے۔ اس لئے کہ نہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے اور نہ انبیاء کوئی جھوٹی بات لاتے ہیں۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کسی زندیق جاہل ذلیل کرنے والے یہود کے ساتھ کھیلنے والے کا کام ہے۔ ہم ان لوگوں کے سے مقام سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور یہ فصل کافی تھی مگر کیا کیا جائے کہ اس کے ہمراہ اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔

نوحؑ کی بدعا

اس کے بعد ہے کہ نوحؑ کو جب اپنے بیٹے حام والد کنعان کا فعل معلوم ہوا تو کہا کہ ملعون والد کنعان اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا جو اپنے دو بھائیوں کا غلام بنایا جائے گا۔ اللہ سام کو برکت دے گا۔ اور کنعان کا باپ ان لوگوں کا غلام ہوگا۔ اللہ کا احسان یافث کے لئے ہے اور وہ سام کے خیموں میں رہے گا۔ اور کنعان کا باپ بھی ان کا غلام ہوگا۔

یہ تبدیل وتحریف کرنے والا اپنے آپ کو بھول گیا یا ان لوگوں کے ذلیل کرنے کے لئے تکبر کیا اور کلام میں طول نہیں دیا لیکن چھ سطر کے بعد جب اس نے اولاد حام کا ذکر کیا تو کہا کہ حام کے بیٹے کوش ومصرایم وفوحا وکنعان تھے۔ کوش کے بیٹے وصبان وزدیلہ ورغادہ ورعمہ وسفتخا تھے۔ رعمہ کے بیٹے سندو ہند تھے۔ کوش کے یہاں وہ نمرود پیدا ہوا جس نے ملک میں ظالم ہونے کی بنیاد ڈالی۔ یہی تھا جو اللہ عزوجل کے سامنے شکار پر جبر کرنے والا تھا۔ اس کی سب سے پہلی سلطنت بابل تھی۔

اس واقعے سے نوحؑ کی پیشگوئی کی تکذیب ہوگئی حالانکہ وہ ان کے اقرار کے مطابق نہایت معظم نبی تھے انہوں نے خود بیان کیا تھا کہ والد کنعان کے لڑکے اولاد کنعان کے بھائیوں اور بیٹوں پر بادشاہ ہوں گے۔ تعجب ہے کہ ان کی توریت کے بموجب نمرود بن کوش بن کنعان بن حام روئے زمین کا بادشاہ ہو گیا حالانکہ نوحؑ بھی زندہ تھے اور سام بن نوح بھی۔ اس لئے کہ نص توریت میں ہے کہ نوحؑ زندہ رہے یہاں تک کہ ابراہیمؑ بن تارح اٹھاون سال کی عمر کو پہنچ گئے۔ اور سام بن نوحؑ زندہ رہے یہاں تک کہ یعقوبؑ وعیصا فرزندان اسحاقؑ بن ابراہیم علیہم السلام پینتالیس برس کی عمر کو پہنچ گئے جیسا کہ اس نے ایک باپ کے بعد دوسرے باپ کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم کیا کہیں کہ ہمیں نوحؑ کی پیشگوئی برعکس نظر آتی ہے۔

اگر وہ کہیں کہ آجکل تو سوڈان میں سلطنت کر رہے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ سوڈان تو بہت بڑا ملک ہے اور مختلف ممالک ہیں۔ مثلاً غانہ، حبشہ، نوبہ، ہند وتبت، اور ان میں معاملہ مساوی ہے۔ بنی سام کے گروہوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ اور بنی سام ان کے گروہوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ اور معاذ اللہ نبی جھوٹ نہیں بولتا۔

ان کی توریت کہتی ہے کہ جب نوحؑ کی عمر پانچ سو برس کی ہوئی تو ان کے یہاں یافث وسام وحام پیدا ہوئے۔ پھر بیان کرتی ہے کہ نوحؑ جب چھ سو برس کے ہوئے تو طوفان آیا اور اس وقت سام کی عمر سو برس کی تھی۔ اور اس کے بعد کہتی ہے کہ سام بن نوحؑ جب سو برس کے ہوئے تو طوفان کے دو سال بعد ان کے یہاں ارفخشاذ پیدا ہوئے۔ اور کذب فاحش وتلون قبیح وجہل تاریک ہے، اس لئے کہ نوحؑ جب کہ ان کے یہاں سام پیدا ہوئے پانچ سو برس کے تھے اور سو سال کے بعد طوفان آیا تو سام اس وقت سو برس کے ہوئے۔ اور جب طوفان کے دو سال بعد ان کے یہاں ارفخشاذ پیدا ہوئے تو سام جس وقت ان کے یہاں ارفخشاذ پیدا ہوئے ایک سو دو سال کے ہوئے تھے۔ حالانکہ نص توریت میں ہے کہ وہ سو برس کے تھے۔ اور یہ ایسا جھوٹ ہے جگہ جس میں کوئی خفاء نہیں ایسے جھوٹ سے خدا کی پناہ۔

واپس آنے والی نسل

اس کے بعد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تمہیں علم کے طور پر جاننا چاہیے کہ تمھاری نسل ایسے شہر میں مسافر ہوگی جو اس کا نہ ہوگا۔ چار سو برس تک یہ لوگ غلام بنائے جائیں گئے اور ان پر ظلم کیا جائے گا۔ یہ وہ قوم ان پر جو ظلم کرے گی ان پر حکومت کرے گی، اس کے بعد بڑی شرح کے ساتھ ہے اور تم اپنے آبا کی وجہ سے سلام میں چلے گئے اور شیبہ صالحہ میں دفن ہو گے۔ اور بیٹوں کا چوتھا گروہ یہیں واپس آجائے گا'۔

کس شمار میں

اس فصل میں باوجود اس کے اختصار کے دو بدترین اور کھلے ہوئے جھوٹ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کذب وخطا سے دور ہے۔ پہلا جھوٹ یہ قول ہے کہ بیٹوں کا چوتھا گروہ یہیں واپس آجائے گا۔ یہ ایسا جھوٹ ہے کہ جس میں کوئی خفا نہیں۔

ابراہیمؑ علیہ السلام کی اولاد کا پہلا گروہ اسحاقؑ اور ان کے بھائی علیہم السلام ہیں۔

دوسرا گروہ یعقوبؑ وعیصا (ان کا نام عیسو بھی ہے) اور ان کے چچاؤں کے بیٹے ہیں۔

تیسرا گروہ یعقوبؑ کی صلبی اولاد ہے اور وہ (۱) دوبان، (۲) شمعون، (۳) یہوذا، (۴) لاوی، (۵) ساخار، (۶) زابلون، (۷) یوسف (۸) بنیامین، (۹) داہی، (۱۰) ہباو، (۱۱) عاذ، اور (۱۲) اشارہین اور عیصا کی اولاد ہے اور وہ لوگ ہیں جو پس ماندگان ابراہیمؑ میں انھیں دونوں کے شمار میں ہیں۔

چوتھا گروہ مذکورہ بالا اشخاص کی اولاد ہے۔

یہ لوگ (یعنی گروہ چہارم) اور گروہ سوم جن کے آبا ہیں اور یعقوبؑ جو ان کے دادا ہیں مصر ہی میں رہے اور اس سے نہ نکلے۔ اس پر ان کی توریت کی نص ہے اور بغیر کسی کے اختلاف کے ان سب کا اجماع ہے۔ البتہ ان سب کے اجماع ونص توریت کے مطابق جو گروہ ملک شام واپس آیا وہ اولاد ابراہیمؑ علیہ السلام کا چھٹا گروہ تھا۔ اور یہ گروہ چہارم مذکورہ کی اولاد تھے۔ چوتھے یا پانچویں گروہ میں سے کوئی ملک شام واپس نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے دور ہے کہ وہ اپنی خبر میں جھوٹ بولے۔ اور کہا جائے کہ گروہوں کا شمار تو اس گروہ سے ہوگا جس پر ظلم و عذاب کیا گیا۔ ہم کہیں گے کہ یہ ان کی توریت کی تصریح کے خلاف ہے اس لئے کہ توریت کی نص ہے کہ گروہ چہارم بیٹوں میں سے ہوگا۔ نیز اولاد یعقوبؑ میں سے کسی پر بھی عذاب نہیں کیا گیا بلکہ یہ لوگ مقبول تھے۔ نص توریت کے مطابق حرفاً حرفاً وہ گروہ سوم تھا جیسا کہ انشاء اللہ ہم اس کے بعد وارد کریں گے۔ تعذیب وظلم کی ابتداء اولاد یعقوبؑ میں ہوئی وہی لوگ اپنے آباء کے ہمراہ وہاں داخل ہوئے تھے۔ اور ان کے آبا

گروہ چہارم تھے۔ لہذا تم جہاں سے چاہو پلٹو مگر رسوا کن جھوٹ کے شرک سے نکل نہیں سکتے۔ اور اتنا ہی کافی ہے۔

دوسرا جھوٹ تو عظیم الشان مصائب میں سے ہے۔ اور وہ خدا کا براہیمؑ سے یہ کہنا کہ تمہاری نسل ایسے شہر میں مسافر ہوگی جو اس کا نہ ہوگا اور چار سو برس تک یہ لوگ غلام بنائے جائیں گے اور ان پر ظلم و عذاب کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد یہ لوگ نکلیں گے۔ یہ نہایت قبیح اور زمانے کے لئے باعث شرم ہے۔

جب مصر میں بنی اسرائیل پر عذاب شروع ہونے کے وقت سے چار سو سال تک عذاب کیا گیا تو یہ یوسف علیہ السلام کی موت کے بعد سے موسیٰ علیہ السلام کے ان لوگوں کو نکال لیجانے کے وقت تک ہوا۔ کیونکہ سیاق توریت میں ہے کہ جب یوسفؑ مر گئے اور ان کے بھائی اور یہ تمام گروہ جمع ہو گئے تو بنی اسرائیل کی کثرت ہوگئی۔ یہ لوگ کثیر و قوی ہو گئے تو ملک کے مالک ہو گئے۔ اس وقت مصر میں ایک نیا بادشاہ ہو گیا جو یوسف سے ناواقف تھا۔ اس نے اپنے اہل ملک سے کہا ''بنی اسرائیل کی کثرت ہو گئی ہے اور یہ ہم سے زیادہ طاقتور ہو گئے ہیں۔ لہذا انہیں ذلیل کرو کہ ان کی کثرت اور نہ بڑھے اور یہ اس شخص کے مددگار نہ ہو جائیں جو ہم سے جنگ کرنے کا ارادہ کرے اس نے اپنے اہل صنعت کو ان لوگوں کے اپنے قابو میں کرنے کا حکم دیا'' یہ نص توریت ہے جو ہمارے قول کی شاہد ہے۔ اسی میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو یعقوبؑ کے ساتھ ان کے بیٹے اور پوتے داخل ہوئے کہ قاہاث بن لاوی بن یعقوبؑ والد عمران بن قاہاث اور یہ موسیٰ کے دادا تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو شام میں پیدا ہوئے اور اپنے والد لاوی اور اپنے دادا یعقوبؑ کے ہمراہ مصر آ گئے۔

توریت ہی میں یہ مذکور ہے کہ قاہاث بن لاوی مذکور کی تمام عمر ایک سو تینتیس سال تھی۔ اور عمران بن قاہاث مذکور کی تمام عمر ایک سو سینتیس سال تھی۔

اسی میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی عمر جب وہ مصر سے بنی اسرائیل کو لے گئے اسی سال تھی۔

یہ سب ان کی توریت کی نص و تصریح ہے جس کے حرف حرف پر اول سے آخر تک ان سب کا اجماع ہے۔

لہذا قاہاث جب مصر میں داخل ہوئے تو ان کی عمر ایک مہینے سے کم تھی۔ ان کے سال وفات میں عمران ان کے یہاں پیدا ہوئے۔

اور موسیٰؑ بھی عمران کے یہاں ان کے سال وفات میں پیدا ہوئے۔

ان تمام عددوں کا مجموعہ ساڑھے تین سو برس ہوئے اس حساب کی بنا پر مصر میں ان کے داخل ہونے سے نکلنے تک اتنی ہی مدت ہوئی۔ پھر چار سو برس کہاں ہوئے؟

اور چار سو سال کیونکر ہوں حالانکہ یہ ضروری ہے کہ قاہاث کی عمر کو منہا کر دیا جائے جب کہ وہ مصر میں اپنے والد کے ساتھ داخل ہوئے جو وہی مدت ہے جو عمران کے قاہاث کے یہاں پیدا ہونے سے قاہاث کی موت تک ہے اور وہ مدت ہے جو موسیٰ کی ولادت سے قاہاث کے بیٹے عمران کی موت تک ہے۔ اور کتب یہود میں ہے کہ قاہاث جب مصر میں آئے تو ان کی عمر تین سال تھی۔ اور جب ان کے یہاں عمران پیدا ہوئے ان کی عمر ساٹھ برس ہوئی۔ عمران کی عمر جب ان کے یہاں موسیٰ پیدا ہوئے اسی سال تھی۔ اس حساب سے مصر میں بنی اسرائیل کا قیام جب سے وہ یعقوبؑ کے ساتھ وہاں آئے اور موسیٰ کے ساتھ وہاں سے چلے گئے صرف دو سو سترہ برس ہوا۔ پھر چار سو برس کہاں ہوئے؟ اور کیونکر ہوں حالانکہ یہ ضروری ہے کہ اس عدد اخیر میں سے یوسف کی مدت حیات سے جب سے وہ اور ان کے بھائی اور ان سب کے والد اور ان سب کے لڑکے مصر میں داخل ہوئے یوسف کی موت تک کی مدت منہا کر دی جائے۔ اس تمام مدت تک وہ لوگ نہ تو

خادم بنائے گئے اور نہ ان پر عذاب کیا گیا، اور نہ وہ غلام بنائے گئے بلکہ وہ سب معزز ومکرم رہے۔

ان کی توریت کی نص ہے کہ یوسفؑ جب فرعون کے پاس گئے تو ان کی عمر تیس برس تھی۔ پھر سات سال مصیبت کے ہوئے اور سات سال بھوک کے شروع ہوئے۔ ان کے پاس قحط سالی کے دو سال بعد یعقوبؑ اور ان کا خاندان مصر میں آیا۔ اس وقت یوسفؑ کی عمر انتالیس برس تھی۔ ان کی توریت کی نص ہے کہ یوسفؑ کی جب وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جب سے وہ لوگ مصر میں آئے یوسفؑ کی وفات تک صرف اکہتر سال ہوئے۔ باقی ایک سو چھیالیس برس اس میں منہا کیئے جائیں اور ان کی توریت کی نص کی وجہ سے یہ ضروری ہے یوسفؑ کی وفات کے بعد ان کے بھائیوں کے قیام مصر کی یہ مدت ہوئی۔ اور اس سے صرف ہمیں لاوی کی عمر معلوم ہوئی۔ کیونکہ نص توریت کی بنا پر ان کی عمر یوسفؑ سے تین چار سال زیادہ تھی۔ پھر وہ یوسفؑ کے بعد صرف تیئیس برس زندہ رہے اور یہی عدد ضروری ہے۔ چنانچہ ایک سو تیئیس سال باقی رہے جو ان کے عذاب اور خادم وغلام بنائے جانے کی زاہد سے زائد مدت ہوئی اور کم بھی ہو سکتی ہے۔ پھر اب چار سو برس کہاں گئے؟

شاید کوئی بے حیا کہے کہ اس مدت کا شمار اس وقت سے ہوگا جب یوسفؑ مصر میں بحیثیت خادم وغلام وقیدی داخل ہوئے۔ جان لو کہ یہ مدت بھی ان دو سو سترہ برس سے زائد نہیں ہوتی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ سوائے بائیس سال کے فقط۔ اور یہ دو سو انتالیس سال ہوئے اور چار سو سال کہاں ہوئے۔

وہ ذلیل ورسوا کذب ظاہر ہو گیا جو گروہ کے بعد گروہ پر کیسا مخفی رہا، جانا بھی نہ گیا۔

میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک نے ظرافت کی بات کہی ہے یہ قصہ بیان کیا اور کہا کہ مناسب یہی ہے کہ یہ چار سو سال اس وقت سے شمار کیئے جائیں جب سے اللہ عزوجل نے ابراہیمؑ کو اس کلام کا مخاطب بنایا۔

اس گرنے والے نے گوبر پھینکنے کی جگہ سے نکلنا چاہا اور پاخانے کی ٹٹی میں گر پڑا۔ اس لئے کہ اس نے باطل کا اعلان کر دیا اور اللہ کی جانب کذب کی نسبت کرنے اور رسوائی میں عجلت کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو حکایت کی ہے اس کی تصریح یہ ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تمہاری نسل چار سو برس تک غلام بنائی جائے گی۔ یہ ہرگز نہیں کہا کہ اب سے اور ان کی غلامی کے ختم ہونے تک چار سو برس ہوں گے۔ نیز ان کی توریت کی نص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی ولادت سے پہلے ابراہیمؑ سے یہ فرمایا۔ اس وقت ابراہیمؑ چھیاسی برس سے کم کے ہوئے۔ اس کے بعد وہ چودہ برس زندہ رہے۔ اور ان کے یہاں اسحاقؑ پیدا ہوئے، اسحاقؑ ایک سو اسی برس زندہ رہے اسحاق کی وفات کے وقت یعقوبؑ کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔ جب یعقوبؑ مصر میں داخل ہوئے ان کی عمر ایک سو تیس برس تھی یہ سب ان کی توریت کی نصوص میں ہیں ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسحاقؑ کی وفات یعقوبؑ کے مصر آنے سے دس سال پہلے ہوئی۔ جس وقت سے ان لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلام ابراہیمؑ سے فرمایا اس وقت سے یعقوبؑ کے مصر میں داخل ہونے تک دو سو چار سال ہوئے۔ یعقوبؑ کے داخل ہونے سے موسیٰ کے وہاں سے نکلنے تک جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ایک سو سترہ سال ہوئے۔ اور ہمیں چار سو چوبیس سال حاصل ہوئے۔ اور پھر بھی کذب سے نجات نہ ملی، نہ بیشی سے نہ کمی سے۔

اللہ اس سے بری ہے کہ وہ حساب میں ایک منٹ کی بھی غلطی کرے چہ جائیکہ برسوں کی۔ اللہ حساب کا خالق اور اپنے بندوں کو اس کا سکھانے والا ہے۔ معاذ اللہ کہ موسیٰ جھوٹ بولیں یا اس وحی میں غلطی کریں جو اللہ نے انہیں بھیجی ہے۔ لہٰذا یقیناً ہر اس شخص کو جسے ادنیٰ سی فہم

بھی تھی واضح ہو گیا کہ جس طرح گزشتہ کل آج سے پہلے ہے۔ یہ توریت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اور نہ کسی نبی کی جانب سے ہے، نہ کسی ایسے عالم کی تالیف ہے کہ جھوٹ سے پرہیز کرتا ہو۔ اور نہ ہی کسی ایسے شخص کا عمل ہے۔ جو حساب جانتا ہے اور اس میں غلطی نہیں کرتا جس میں ایک ایسا بچہ بھی غلطی نہیں کرتا جو جمع وضرب وتفریق وتقسیم اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ توریت بالا شک ایسے کافر کی بنائی ہوئی ہے جو ذلیل کرنے والا پاگل ہے جس نے یہود سے تمسخر کیا، ان سے دل لگی کی، ان کے لئے ایسی کتاب لکھی کہ اللہ تعالیٰ فوراً دنیا میں رسوائی سے ان کا منہ کالا کرے اور آئندہ آخرت میں دوزخ اور اس کی دوامی زندگی سے، یا کسی بزدل کا کام ہے یا کسی ایسے جاہل نے اس کے لکھانے کی تکلیف کی ہے جو اپنی یاد کو قائم نہ رکھ سکا اس کے ساتھ ہی توریت میں علم وہیئت وعلم زمین وحساب کے نہ جاننے کی بھی تاریکی ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسولوں (صلی اللہ علیہم) سے بھی ناواقف ہے۔ جو پاک وناپاک اس کی سمجھ میں آیا اس نے لکھوا دیا۔ بے شک یہ فصل اس کے لئے کافی ہے جو اپنا خیر خواہ ہے، اگر چہ اور مضمون نہ بھی ہو۔ اور کوئی ضرورت بھی نہیں، اسی کے ساتھ بہت سے عجائب ہیں۔ ہم نعمت اسلام پر اللہ کی بے حد حمد کرتے ہیں۔

وسعت حکومت کا وعدہ جو پورا نہ ہوا:

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے کہا کہ میں تمہاری ہی نسل کو یہ شہر مصر کی نہر کبیر سے نہر فرات تک دوں گا'' یہ کذب ہے اور رسوائیوں میں سے ایک رسوائی۔ اس لئے کہ اگر اس سے اس کی مراد بنی اسرائیل ہوتی، اور یہی ان لوگوں کا گمان ہے تو وہ نہر مصر سے تقریباً دس روز کی مسافت تک جو اس سے زاید ہے ایک بالشت کے بھی مالک نہ ہوتے۔ یہ نیل کے گرنے کے مقام سے بیت المقدس تک ہے اس مسافت میں بڑے بڑے مشہور جنگل اور آبادیاں ہیں اس کے بعد فح وغزہ عسقلان اور شراۃ کے وہ گروہ ہیں جو ان کی تمام مدت سلطنت میں ان سے جنگ کرتے رہے اور سلطنت کے اختتام پر مزہ چکھاتے رہے۔ یہ لوگ فرات کے یا اس کے دس روز کی مسافت تک کے ہرگز مالک نہ ہوئے۔ بلکہ جو بنی اسرائیل سے فرات کے قریب تر مقام کے درمیانی حصے کے مالک ہوئے۔ جو نوے فرسخ ہے (ایک فرسخ تقریباً تین میل کا ہوتا ہے) جس میں قنسرین ہے اور وہ حمص ہے جس کے یہ لوگ قریب بھی نہ جاسکے۔ پھر دمشق وصور ہے اور وہ صیدا ہے کہ خود ان کے اقرار اور ان کی کتب کی نصوص کے مطابق وہاں کے باشندے ان سے ان کے زمانہ سلطنت بھر جنگ کرتے رہے اور ان کو ذلیل کرتے رہے اللہ عزوجل اس سے دور ہے کہ وہ سراب کے ایک باریک ذرے کے برابر بھی وعدہ خلافی کرے چہ جائیکہ تقریباً نوے فرسخ شمال میں اور تقریباً اتنا ہی جنوب میں۔ پھر اس کا ''نہر کبیر کہنا'' یہ بھی غلط ہے ان کے بلاد محروسہ میں سوائے اردن کے ایک بھی نہر نہیں جس کا ذکر کیا جائے۔ اور وہ بھی نہر کبیر نہیں ہے اس کے بہنے کی مسافت صرف بحیرہ اردن سے اس کے گرنے کے مقام بحیرہ منتنہ (بحیرہ مردار) تک تقریباً ساٹھ میل ہے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے میں بنی اسماعیل علیہ السلام کو مراد لیا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ زمین کی جو مقدار یہاں بیان کی گئی ہے وہ اس کے سوفیصدی سے بھی کم ہے جس کا مالک اللہ عزوجل نے بنی اسماعیل علیہ اسلام کو بنایا ہے دریائے نیل کے دمتنیس کے پاس گرنے کے مقام اور فرات کے درمیان میں آخر اندلس سے ساحل بحر محیط اور بلاد بربر پر اسی طرح آخر سندھ وکابل سے سرحد ہند تک اور ساحل یمن سے ارمینیہ واذربیجان کی سرحدوں تک، کہاں واقع ہوتا ہے۔ والحمد لله رب العالمین، اور کیونکر واقع ہو حالانکہ یہ دعویٰ ہی جھوٹا ہے۔ اس لئے کے اس کلام میں بعض کا عطف بعض پر ہے۔ جن سے اس ملک کی سلطنت کا وعدہ کیا گیا ہے انھیں کو

دوسرے ملک میں غلام بنائے جانے اور عذاب کیئے جانے کی دھمکی بھی دی گئی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو بزرگی دی ہے اور انھیں اس سے محفوظ رکھا ہے لہذا اخبار مذکورہ میں کھلا ہوا جھوٹ ظاہر ہوگیا ہے۔ اور یہ ثابت ہوگیا کہ یہ ہرگز اللہ عز وجل کی طرف سے نہیں ہے اور نہ کسی نبی کا کلام ہے بلکہ یہ کسی ایسے جاہل کی تبدیل و خیانت ہے جو گدھے کی طرح کند ذہن ہے یا دین سے کھیلنے والا بدعقیدہ ہے۔ اور بد نصیبی و رسوائی سے خدا کی پناہ۔

کیا نبی کو خدا کے وعدے پر بھروسہ نہ تھا؟:

منجملہ اس کے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہا میں وہی اللہ ہوں جس نے تمہیں کروانیوں کے آتشکدے سے نکالا کہ میں تمہیں یہی شہر واپس کر کے دے دوں۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں اسی شہر کا مالک ہوں گا۔ معاذ اللہ ابراہیمؑ اپنے رب سے یہ کیوں کہنے لگے۔ کیونکہ یہ تو اس شخص کا سا کلام ہے جو اللہ عز وجل کی خبر پر اعتماد نہ کرے یہاں تک کہ اس سے اس پر دلیل مانگے۔

اگر کوئی جاہل معترض یہ کہے کہ قرآن مجید میں بھی تو ہے کہ ابراہیمؑ نے کہا ”**رب ارنی کیف تحی الموتی**“ (اے رب مجھے دکھا دے کہ تو کس طرح مردہ زندہ کرتا ہے) اور زکریا علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند یحییٰؑ کی ولادت کا وعدہ کیا تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ”**رب اجعل لی آیة**“ (اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی علامت مقرر کر دے) (تا کہ مجھے فرزند کی ولادت کا پہلے سے ہی علم ہو جائے) ہم کہتے ہیں کہ دونوں جوابوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا مشرق و مغرب میں۔

ابراہیم علیہ السلام کا احیائے موتی کے دیکھنے کی درخواست کرنا محض اس لئے تھا کہ ان کا قلب جو ان سے اس کی کیفیت دیکھنے کے لئے جھگڑ رہا تھا مطمئن ہو جائے۔ اس کا ثبوت خود اللہ تعالیٰ کا انھیں یہ جواب دینا ہے کہ ”**اولم تومن قال بلی و لکن لیطمئن قلبی**“ (کیا تمہیں یقین نہیں آیا انہوں نے کہا بے شک مگر تا کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے) لہذا واضح ہوگیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کی درخواست بطور ایسی برہان کے نہیں کی جو کہ ان کے دل سے شک دور کرے۔ محض اس لئے کہ مردے کے زندہ ہونے کی کیفیت دیکھیں۔

زکریا علیہ السلام نے علامت کی جو درخواست کی وہ اس لئے تھی کہ وہ لوگوں کے سامنے ان کی سچائی کی علامت ہو کہ لوگ ان کی تکذیب نہ کریں۔ یہ ان کے کلام کی تصریح ہے، اور جو کلام ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے نقل کیا ہے وہ ایسے شک کرنے والے کا کلام ہے جو ایسی دلیل طلب کرتا ہے جس سے اپنے رب کے وعدے کی صحت معلوم کرے۔ اللہ بھی اس سے برتر ہے اور ابراہیمؑ بھی اس سے دور ہیں۔

خدا اور پیغمبر کے درمیان:

اس کے بعد کہا ہے کہ اور دوپہر کے وقت جب ابراہیمؑ خیمے کے دروازے کے قریب بیٹھے تھے اللہ نے بلوطات ممراء کے قریب انہیں تجلی دی۔ ابراہیمؑ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو انہیں تین شخص اپنے آگے نظر آئے۔ ابراہیمؑ نے دیکھا اور ان کے استقبال کے لئے خیمے کے دروازے تک بڑھے اور زمین پر سجدہ کیا اور کہا کہ اے میرے آقا اگر میں نے تجھ میں کوئی نعمت پائی ہوتی تو وہ تیرے بندے سے آگے نہ بڑھتی۔ پانی لے کر تم لوگ اپنے پاؤں دھو لو اور اس درخت کے نیچے تکیہ لگا لو۔ اور میں تمھارے لئے ٹکڑا روٹی لاتا ہوں جس سے تمہارے قلوب مضبوط ہو جائیں گئے۔ اس کے بعد تم چلے جانا۔ کیونکہ اسی کے لئے اپنے بندے کے پاس تمہارا گزر ہوا ہے ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم نے جیسا کہا ہے کرو۔ ابراہیمؑ جلدی سے خیمے کی طرف سارہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کے تین صاع (ایک صاع ۳/۴ ۲ سیر) میدہ گوندھو اور

روٹی تیار کرو۔ ابراہیمؑ گائے کے پاس آئے، ایک نرم اور موٹا بچھڑا لے کر غلام کو دے دیا اور اسے اس کے تیار کرنے کی تاکید کر دی۔ گھی اور دودھ اور وہ بچھڑا لیا جس کو ان لوگوں نے (پکا کے) تیار کر دیا تھا ان لوگوں کے آگے رکھ دیا اور خود ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ کھاؤ۔ اس فصل میں مصیبت کی بہت بری نشانیاں ہیں۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔

تثلیث بجائے توحید، غیر خدا کو سجدہ:

سب سے پہلی مصیبت تو یہ خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ کے سامنے جلوہ گر ہوا۔ اور انہوں نے تین شخص دیکھے تو ان کی طرف دوڑے اور سجدہ کیا اور ان سے عبادت کی سی گفتگو کی۔ اگر یہی تینوں شخص اللہ تھے تو یہی وہ چیز ہے جو بلا کلفت تثلیث ہے۔ بلکہ وہ تثلیث سے بھی بڑھی ہوئی ہے اس لئے کہ یہ تو تین شخصوں کی خبر ہے۔ حالانکہ نصاریٰ بھی تشخیص سے بھاگتے ہیں۔

میں نے بعض کتب نصاریٰ میں دیکھا ہے کہ انہوں نے اس واقعے سے اثبات تثلیث میں استدلال پیدا کیا ہے اور یہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو انتہائی رسوائی میں ہے اگر یہ تینوں ملائکہ ہوں، اور وہ لوگ یہی کہتے بھی ہیں، تو اس میں بھی ان پر بہت سی ذلتیں بھی عائد ہوتی ہیں، اور چند وجوہ سے یہ جھوٹ بھی ہے۔

سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ محال و کذب ہے کہ یہ خبر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہوا حالانکہ صرف تین ملائکہ جلوہ گر ہوئے تھے۔

دوسری یہ ہے کہ تین ملائکہ سے ایک کا خطاب کیا جائے اور یہ اس فصل میں ان امور میں سے۔ ہے جو نصاریٰ کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے۔ اور نیز یہ خطاب مین بھی محال ہے۔ تیسری وجہ ابراہیمؑ کا ملائکہ کو سجدہ کرنا ہے۔ کیونکہ یہ غلط ہے کہ اللہ کا رسولؑ خلیل غیر اللہ اور اپنی ہی جیسی مخلوق کو سجدہ کرے۔ لہذا یہ جھوٹ ہوا۔

اگر وہ کہیں کہ (ملائکہ کو نہیں) بلکہ ابراہیمؑ نے اللہ کو سجدہ کیا تو یہ جھوٹ ہے اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ یا یہ ہو کہ وہی تینوں جلوہ دینے والے ان لوگوں کے نزدیک اللہ ہوں۔ ایک میں سے کوئی وجہ ضروری ہے اور مصیبت جیسی کہ پہلے تھی اس سے بھی سخت ہو کے آ گئی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ کا ان سے یہ کہنا کہ وہ ان کے بندے ہیں۔ اگر اس سے اللہ تعالیٰ ہی کو خطاب کیا گیا ہو تو اللہ وہی ہوا جو جلوہ گر ہوا، پھر وہی مصیبت آ گئی۔ اگر اس کلام کے مخاطب ملائکہ ہوں تو معاذ اللہ ابراہیمؑ کبھی غیر اللہ اور اپنی سی مخلوق سے عبودیت کا خطاب نہ کریں گے۔ اس کے ساتھ یہ بھی محال ہے کہ تینوں کو ایک ایک کر کے خطاب کیا جائے۔

پانچویں وجہ ان کا یہ کہنا کہ تھوڑا پانی لیا جائے اور اپنے پاؤں دھو ڈالو، میں ٹکڑا روٹی لاتا ہوں کہ تمہارے دلوں کو قوت ہو۔ کیا یہ اللہ سے خطاب ہے؟ کیا اللہ کا نبی اپنے معبود کو ایسے خطاب سے مخاطب کر سکتا ہے؟

اگر ابراہیمؑ نے اس سے ملائکہ کو خطاب کیا تو یہ سب سے زیادہ جھوٹ ہے، اس لئے کہ ابراہیمؑ اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ روٹی کا ٹکڑا کھانے سے ملائکہ کے دلوں کو طاقت نہیں پہنچتی۔ یہ بہر حال تاریک و بیہودہ جھوٹ ہے۔

اگر وہ کہیں کہ ابراہیمؑ نے انھیں انسان سمجھا تو ہم کہیں گے کہ یہ اور بھی جھوٹ ہے کیونکہ خبر کے شروع ہی میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ جلوہ گر ہوا۔ ابراہیمؑ ایک راہ گیر کو کیسے سجدہ کر سکتے ہیں اور کیونکر اس کی عبادت کر سکتے ہیں۔ وہ اس گمراہی سے بری ہیں۔

چھٹی وجہ ان کا یہ خبر دینا ہے کہ ان لوگوں نے روٹی، بھنا ہوا گوشت، دودھ اور گھی کھایا، اللہ اس سے دور ہے کہ یہ واقعہ اس کا ہو یا ملائکہ کا ہو۔

کہاں یہ ذلیل وبیہودہ جھوٹ جواس کی تصدیق کرنے والے یہود کی عقول کے مشابہ ہے۔ اور کہاں وہ نور پھیلانے والا حق جس پر یقین کی روشنی واضح ہے جو اسی قصے میں اللہ کا ارشاد ہے **ولقد جاء ت رسلنا ابراهيمؑ بالبشرى قالو اسلا ما قال سلام فما لبث ان جاء بعجل حنيذ فلما راى ايديهم لا تصل اليه نكر هم و او جس منهم خيفة قالو الا تخف انا ار سلنا الى قوم لوط** ’’(اور ہمارے رسول یعنی فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لائے۔ ان لوگوں نے سلام کہا ابراہیمؑ نے بھی سلام کہا، پھر تھوڑی دیر بھی نہ ٹھہرے کہ ابراہیمؑ بھنا ہوا گوشت لے آئے۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ گوشت تک نہیں پہنچے تو انہیں یہ لوگ غیر مانوس یا انوکھے معلوم ہوئے۔ اور ابراہیمؑ نے ان کی طرف سے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ ان لوگوں نے کہا آپ خوف محسوس نہ کیجئے ہمیں قوم لوطؑ کے پاس بھیجا گیا ہے۔)

نور حق ظلمات کذب سے دور ہے۔ **والحمدلله رب العالمين كثيرا۔**

اس میں ایک ساتویں وجہ بھی ہے جو خرابی اور برائی میں ان وجوہ کی سی نہیں ہے۔ اور وہ ان لوگوں کا یہ اقرار کرنا ہے کہ ابراہیمؑ نے ملائکہ کو گوشت گھی اور دودھ ساتھ ساتھ کھلایا۔ حالانکہ یہود کے ربانی لوگ آج تک اس کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس میں جو کم از کم کہا جا سکتا ہے وہ نسخ ہے۔ اس بناء پر مصائب کے قلعے سے سلامت رہے۔ حالانکہ سلامتی بخدا ان سے بعید ہے۔

بشارت فرزند پر تعجب

اسی فصل کے متصل کہا ہے کہ ’’ان تینوں (ملائکہ) نے کہا کہ تمہاری بیوی سارہ کہاں ہے؟۔ انہوں نے کہا کہ وہ یہاں کیا خیمے میں ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ میں کل پھر اسی وقت تمہارے پاس آؤں گا۔ اور ان کے بیٹا ہوگا۔ سارہؓ خیمے میں سن رہی تھیں اور وہ شخص ان (سارہؓ) کے پیچھے تھا۔ ابراہیمؑ وسارہ بوڑھے تھے جن کی عمر پر طعنہ زنی کی جاتی تھی۔ سارہ کی وہ عادت ختم ہو چکی تھی جو عورتوں میں ہوتی ہے یعنی (حیض) سارہ اپنے دل میں یہ کہتی ہوئی ہنسیں کہ مجھے اس کا ملنا بہت بعید ہے۔ یہ میرے لئے کیونکر ہوگا حالانکہ میرے سردار بوڑھے ہیں۔ اللہ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ سارہؓ یہ کہہ کر کیوں ہنسی کہ کیا میرے لئے ممکن ہے کہ میرے یہاں بچہ ہو حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور کیا اس وقت اللہ سے میری حالت پوشیدہ ہے۔ جبکہ ایک طاقتور کہنے والے نے کہا کہ سارہؓ کے بیٹا ہوگا تو سارہؓ نے انکار کیا اور کہا کہ میں تو نہیں ہنسی۔ اس لئے کہ وہ ڈر گئیں۔ اور سردار اللہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتی ہو بلکہ تم ہنسی ہو پھر وہ قوم وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔‘‘

خدا کے وعدے کی ہنسی

سارہؓ وابراہیمؑ اور اللہ عزوجل کے درمیان والی خبر پھر واپس آ گئی اور گزشتہ بات پلٹ آئی۔ اس میں ایک اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سارہ ہنسیں اور سارہؓ نے کہا کہ میں نہیں ہنسی۔ اللہ نے کہا کہ بلکہ تم ہنسی ہو۔ یہ برابر کے فریق کا سا سوال وجواب ہے۔ اور یہ برابر والوں کا سا ردوقدح۔ بزرگ سارہؓ اس سے دور ہیں کہ انہیں اللہ عزوجل کی جانب سے خوش خبری دی جائے اور وہ اللہ عزوجل کے کہنے کی تکذیب کریں۔ اس معاملے میں جھوٹ بولیں۔ اپنے فعل سے انکار کریں۔ اور دو برائیوں کو جمع کریں (یعنی تکذیب اور کذب) جن میں سے ایک تو بڑے گناہوں سے بھی بڑی ہے اور اللہ عزوجل نے صالحین کو اس سے پاک رکھا ہے چہ جائیکہ انبیاء۔

دوسری خرابی زیادہ مصیبت ناک اور زیادہ قابل ذمہ داری ہے۔ جن کو مومن تو مومن روئے زمین کا فاسق ترین انسان بھی نہ کرے گا اس لئے کہ وہ کفر ہے۔ اور گمراہی سے خدا کی پناہ۔

فرشتوں کو سجدہ:

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ دونوں فرشتے لوطؑ کے پاس سو گئے اور انہوں نے ان کے پاس سادہ روٹی کھائی۔ لوطؑ نے دونوں کو زمین پر سجدہ کیا اور عبادت کی۔

اس کے مثل اوپر گزر چکا ہے۔ اور یہ کذب ہے۔ ملائکہ نہ خمیری روٹی کھاتے ہیں اور نہ سادہ روٹی۔ انبیاء علیہم السلام غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے اور نہ اس کے سوا کسی کی عبادت کرتے ہیں۔

دعا جو قبول نہ ہوئی

بیان کیا گیا ہے کہ جب ابراہیمؑ علیہ السلام سے قوم لوطؑ کی ہلاکت کا ذکر کیا گیا تو اس کے بارے میں انہوں نے اللہ عزوجل سے بہت کچھ کہا کہ تو ہی پناہ دینے والا ہے۔ اس سے کہ تو یہ کام کرے۔ بدکار کے ساتھ نیکوکار کو قتل نہ کر کیونکہ اے تمام عالم کے حاکم تو ہی اس سے پناہ دینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عرض سے انکار نہیں فرمایا۔ اس کے بعد کہا کہ دونوں فرشتوں نے لوطؑ سے کہا کہ دیکھو یہاں تمہاری بیٹیوں کے جو شوہر ہوں اور اس بستی میں جو کچھ تمہارا ہو سب کو یہاں سے نکال لے جاؤ اس لئے کہ ہم لوگ اس مقام کو ہلاک کریں گے’’ اس کہ بعد کہا کہ ’’لوطؑ نے اپنے ان اصحاب سے گفتگو کی جنہوں نے ان کی بیٹیوں سے شادی کی تھی اور ان سے کہا کہ اس مقام سے نکل جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہے۔ لوطؑ ان لوگوں کے نزدیک مثل ایک مسخرے کے تھے’’ اس کے بعد کہا کہ ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کی وجہ سے لوطؑ کا، ان کی بیوی اور بیٹیوں کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کو بستی سے باہر کر آئے’’ پھر بستی کی ہلاکت مع ان کے جو وہاں رہتے بیان کی ہے۔

خدا کی بدعہدی

اس سے خالی نہیں کہ لوطؑ کے داماد بیٹے اور نکاح کرنے والی بیٹیاں یا تو نیکوکار تھے یا بدکار اگر نیکوکار تھے تو وہ بدکاروں کے ساتھ ہلاک ہو گئے اور اللہ کا وہ عہد باطل ہو گیا جو اس معاملے میں ابراہیمؑ سے ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اس (بدعہدی) سے بری ہے۔ اور اگر وہ سب بدکار تھے تو ملائکہ کس طرح بدکاروں کے نکالنے کا مشورہ دے سکتے ہیں حالانکہ وہ ان کے ہلاک کرنے ہی کو بھیجے گئے تھے۔ بہر حال دو میں سے کسی ایک کا کذب لازم آنا ضروری ہے۔ اور آخر کار ان کی خبر نہایت بدبودار ہے۔

نبی پر بہتان

اس کہ بعد کہا ہے کہ لوطؑ اور ان کی دونوں بیٹیوں نے گھاٹی میں قیام کیا۔ بڑی بیٹی نے چھوٹی بیٹی سے کہا کہ ہمارے والد تو بوڑھے ہیں اور کوئی شخص اس سرزمین میں ایسا نہیں جو ہمارے پاس عورتوں کی راہ سے آئے۔ آؤ ہم اپنے والد کو شراب پلائیں اور ان کے پہلو میں لیٹیں اور ان سے نسل حاصل کریں۔ اس شب میں ان دونوں نے اپنے والد کو شراب پلائی بڑی لڑکی آئی اور اپنے والد کے پہلو میں لیٹ گئی، انھیں علم نہیں ہوا۔ جب صبح ہوئی تو بڑی نے چھوٹی سے کہا کل شب کو میں اپنے والد کے پہلو میں لیٹی تھی، آؤ ہم انہیں اس شب کو بھی شراب پلائیں اور تم ان کے پہلو میں لیٹو اور والد سے نسل حاصل کرو۔ ان دونوں نے اس شب کو بھی انھیں شراب پلائی چھوٹی لڑکی آئی اور ان کے پہلو میں لیٹ گئی اور انھیں اس کے سونے اور اٹھنے کا علم نہیں ہوا۔ لوطؑ کی بیٹیاں اپنے والد سے حاملہ ہو گئیں۔ بڑی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس

کا نام اس نے مواب رکھا۔ وہی موابین کا باپ ہیں جو آج تک ہے چھوٹی کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام اس نے ابن عمی رکھا اور وہی عمونیین کا باپ ہے جو آج تک ہیں۔

ان کی بنائی ہوئی توریت کے سفر خامس (جلد پنجم) میں ہے کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جب ہم صحرائے بنی مواب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ بنی مواب سے نہ جنگ کرنا نہ خون ریزی کیونکہ جو کچھ ان لوگوں کے تحت ہے اس میں میں نے تمہارا کوئی حصہ نہیں رکھا ہے۔ اس لئے کہ میں نے بنی لوطؑ کا وارث بنا کے اس کو میں نے اس کا مسکن بنایا ہے۔ یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ تم آج موضع بنی مواب چھوڑ دو گے جو ایک بستی ہے جس کا نام عاد ہے۔ اور موضع بنی عمون میں اترو گے۔ مگر ان میں سے نہ کسی سے جنگ کرنا نہ خون ریزی کرنا کیونکہ جو کچھ ان کے تحت ہے اس میں تمہارا حصہ نہیں رکھا ہے۔ اس لئے کہ وہ بنی لوطؑ میں سے ہیں اور میں نے اسے اس سرزمین کا مالک بنایا ہے۔

پیمبر زادی کی بے ادبی

ان فصول میں رسوا کن امور اور ایسی بری باتیں ہیں جن سے اللہ پر ایمان لانے والوں اور انبیا علیہم السلام کے حقوق پہچاننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو وہ ہے جو دختران لوطؑ کی گفتگو کے متعلق بیان کی گئی ہے کہ اس سرزمین میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہمارے پاس عورتوں کی راہ سے آئے۔ آؤ ہم تم اپنے والد کو شراب پلائیں اور ان کے پہلو میں لیٹیں اور ان سے نسل حاصل کریں' یہ کسی احمق کا کلام ہے جو انتہائی کذب و کمزور ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کل اولاد آدم کی نسل منقطع ہو چکی تھی اور دنیا میں کوئی نہ رہا تھا جو ان کے پہلو میں لیٹتا۔ یہ عجیب بات ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے حالانکہ وہ مقام آج تک مشہور ہے اس گھاٹی کے جس میں لوط علیہ السلام مع اپنی دونوں بیٹیوں کے تھے، اور اس گاؤں کے جس کہ میں ابراہیمؑ کی سکونت تھی، درمیان میں صرف ایک فرسخ کا فاصلہ تھا۔ جو صرف تین میل ہوتے ہیں۔ لہذا یہ بدترین بے حیائی ہے۔

پیمبر پر افترا

دوسری بات یہ ہے کہ اس کذاب و مفتری کا ان خرافات کا جن پر اللہ کی لعنت ہو اللہ عزوجل پر اطلاق کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و رسول کو اس فاحشہ عظیمہ کے لئے آزاد کر دیا کہ وہ اپنی بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے جماع کرے۔

اگر وہ کہیں کہ جب انہوں نے نشے میں ایسا کیا تو ان پر کوئی ملامت نہیں اور وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ دونوں کون ہیں تو ہم کہیں گے کہ جب انہوں نے ان دونوں کو حاملہ دیکھا، ان دونوں کو ناجائز بچے جنتے دیکھا۔ ان دونوں کو اولاد زنا کو پرورش کرتے دیکھا۔ تو کیا کیا؟ یہ ہمیشہ کی رسوائیاں ہیں اور ان منکرین کا پیدا کرنا ہے جو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ تمسخر کرنے میں مبالغہ کرنے والے ہیں۔

تیسری خرابی ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر اس امر کا اطلاق کرنا ہے کہ اس نے ان دونوں حرامیوں زنا کے بچوں کو لوطؑ علیہ اسلام کی ولدیت کی طرف منسوب کیا۔ یہاں تک کے اس نے مساوی طور پر ان دونوں کو دو شہروں کا وارث بنایا جس طرح بنی اسرائیل و بنی عیسو فرزندان اسحاقؑ کو وارث بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے انتہا بلند و برتر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اس وقت وہ (زنا) مباح تھا تو ہم کہیں گے کہ وہی نسخ بلا وقت ثابت ہو گیا جس کا تم انکار کرتے تھے (اسی توریت

میں) اس کے قبل یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابراہیمؑ کو حران سے کنعان جانے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنے ہمراہ اپنی بیوی سارہؑ اور اپنے بھتیجے لوطؑ بن ہاران کو بھی لے لیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی توریت میں بعض نسخوں میں بیان کیا ہے کہ ملائکہ نے لوطؑ سے کلام کیا اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کے پاس بھیجا تھا۔ لہذا ان کے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ وہ بھی اللہ عزوجل کے نبی تھے۔ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ لوطؑ اس گھاٹی میں اس طرح رہے کہ نفرت کے ساتھ چھوڑ دیئے گئے تھے کہ کوئی ان کی طرف رخ نہ کرتا تھا۔ اور وہ فقیر ہو گئے تھے۔ بھلا یہ اس کی عقل میں کیونکر فکر سما سکتا ہے جس کو ذرا سا بھی ایمان ہے کہ ابراہیمؑ علیہ السلام اپنے ایسے بھتیجے کو جس نے ان کے ہمراہ ترک وطن کیا ہو اور پھر وہ بھی انہیں کی طرح نبی بنا دیا گیا ہو، برباد ہونے کو چھوڑ دیں گے اور اسے ایک گھاٹی میں اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ فقیری کی حالت میں ہلاکت کے لئے رہنے دیں گے۔ حالانکہ وہ ان سے تین ہی میل پر تھے۔ اور ابراہیمؑ جیسا کہ توریت میں مذکور ہے بڑے مالدار نہایت امیر اور بہت سی دولت سونا چاندی لونڈی غلام اونٹ، گائے، بکری، گدھے کے مالک تھے۔

وہ اپنی توریت میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ تین سو اٹھارہ سپاہیوں کے ساتھ سوار ہو کر ان لوگوں سے جنگ کرنے گئے جنہوں نے لوطؑ کو قید کر لیا تھا اور ان کا مال چھین لیا تھا یہاں تک کہ ان لوگوں نے لوطؑ کو بھی چھڑایا اور ان کے مال کو بھی، اس کے بعد بھی ابراہیمؑ انھیں اس طرح کیسے برباد ہونے دیں گے۔ نہ یہ انبیاء کی صفات میں سے اور نہ ان کے کرم میں سے، اور نہ اس کی صفات میں سے ہے جس میں کچھ بھی خیر ہو۔ بلکہ یہ ان کتوں کی صفات میں سے ہے جنہوں نے یہ ایسے ضعیف خرافات بنائے جن میں نہ کوئی فائدہ ہے، نہ نصیحت ہے نہ عبرت ہے، یہاں تک کہ ان لوگوں نے ان کے ذریعے سے گمراہ کیا۔ بدنصیبی سے اللہ کی پناہ۔

ابراہیم علیہ السلام پر افترا

ان کی تبدیل شدہ توریت میں دو مقام پر ہے کہ سارہؑ زوجہ ابرہیم علیہ السلام کو بادشاہ مصر فرعون نے پکڑ لیا اور دوبارہ انہیں ابو مالک بادشاہ خلص نے پکڑ لیا۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان دونوں بادشاہوں کو خواب میں کوئی ایسی بات دکھائی جس سے ان دونوں نے سارہؑ کو ابراہیمؑ کو واپس کر دیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا کہ حران چھوڑنے کے وقت ابراہیمؑ علیہ السلام کی عمر پچھتر سال تھی۔ اور جب اسحاق ان کے یہاں پیدا ہوئے تو وہ سو برس کے تھے۔ اور جب وہ پیدا ہوئے تو سارہؑ نوے برس کی تھیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ابراہیمؑ سارہؑ سے دس سال بڑے تھے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ خلص نے ان کے یہاں اسحاق پیدا ہو چکے تھے جب پکڑا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت نہایت سن رسیدہ بڑھیا تھیں، جب انہیں اسحاق کی بشارت دی گئی تو انہوں نے خود اپنی زبان سے اس کا اقرار کیا ہے۔ پھر اسحاقؑ کے پیدا ہونے کے بعد یہ واقعہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ اس وقت نوے سال سے بھی متجاوز ہو چکی تھیں۔ یہ محال ہے کہ اس عمر میں وہ کسی بادشاہ کو فریفتہ کر سکتیں۔ اور ابراہیمؑ نے دونوں بار یہ کہا ہو کہ وہ میری بہن ہیں۔

ابراہیمؑ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ یہ میری بہن ہیں۔ میرے باپ کی بیٹی ہیں لیکن میری ماں کی بیٹی نہیں

ہیں اس لئے کہ وہ میری زوجہ ہوگئی ہیں۔ نص توریت میں ان لوگوں نے ابراہیمؑ کی طرف یہ منسوب کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنی بہن سے نکاح کر لیا۔

میں نے یہ کلام ایک یہودی کو بتایا۔ اس کا نام اسماعیل بن یوسف کاتب عرف ابن النغر الی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ توریت میں تصریح (نص) لفظ ''اخت'' (یعنی بہن) ہے مگر یہ لفظ عبرانی زبان میں بہن اور قرابتدار دونوں کے لئے آتا ہے میں نے کہا یہاں پر اس لفظ کو قربتدار کے معنی میں پھیرنے سے ان کا یہ کہنا مانع ہے کہ ''لیکن وہ میری ماں سے نہیں ہیں۔ صرف میرے باپ کی بیٹی ہیں'' لہٰذا ضروری ہے کہ انھوں نے ''اخت'' سے باپ کی بیٹی ہی مراد لی ہو۔ اور کم از کم اس باب میں بھی وہی نسخ ہے جس سے تم لوگ بھاگتے ہو۔ وہ یہودی گھبرا گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

آپ اپنی تکذیب

پھر سارہؓ کی وفات بیان کی اور کہا کہ ابراہیمؑ نے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام قطورہ تھا اور ان سے ان کے یہاں زمران، یقشان، مدان، مدیان، یشبق، اور شوحا پیدا ہوئے۔ اور ابراہیمؑ نے اپنا تمام مال اسحاقؑ کو دے دیا۔ اور کنیزوں کی اولاد کو کچھ عطایا دے دیے۔ اور انھیں اسحاقؑ سے دور رکھا۔

نص کلام یہی ہے جو ترتیب وار اور پے در پے ہے۔ سارہ کے حین حیات سوائے حاجرہ والدہ اسماعیل علیہ السلام کے نہ تو ابراہیمؑ کی کوئی اور بیوی بیان کی نہ کنیز کی اولاد اور نہ یہی بیان کیا کہ سارہ کے بعد سوائے قطورہ اور ان کی اولاد کے حضرات ابراہیمؑ کی کوئی اور بیوی یا کنیز اور کوئی ولد تھا۔ حالانکہ ان کی کتابوں میں ہے کہ یہ قطورہ بادشاہ ربذ کی بیٹی تھیں اور یہ موضع عمان ہے جو اب بھی بلقاء کے قریب موجود ہے۔ یہ ایسی خبریں ہیں جن میں ایک دوسری کی تکذیب کرتی ہے۔

بے حیا باش

پھر بیان کیا گیا ہے کہ ''رفقہ بنت بتوئیل بن تارخ زوجہ اسحاق علیہ اسلام بانجھ تھیں، اللہ نے انہیں جڑواں بچوں کے قابل بنا دیا اور وہ حاملہ ہوگئیں۔ اور ایک دم سے دو بچے ان کے پیٹ میں آ گئے، رفقہ نے کہا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ معاملہ یہ ہوگا تو میں اس کی دعا نہ کرتی۔ وہ گئیں کہ اللہ عزوجل سے علم حاصل کریں۔ اللہ نے ان سے فرمایا کہ تمھارے پیٹ میں دو امتیں اور دو گروہ ہیں جو اس (پیٹ) سے نکلیں گے۔ ان میں ایک بڑا ہوگا دوسرے سے، اور بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا''

ہر چہ خواہی گوے

جب ولادت کا زمانہ آیا تو اتفاق سے ان کے پیٹ سے دو بچے جڑواں پیدا ہوئے پہلا بچہ بالکل سرخ نکلا جیسے بالوں کا کمبل، اس کا نام عیسو (عیص) رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی نکلا اور اس کے ہاتھ عیسو کی پشت کو پکڑے ہوئے تھے تو اس کا نام یعقوبؑ رکھا،

خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں

ان کمینوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے جھوٹ کی نسبت کرنے میں ذرا بھی دشواری نہیں محسوس ہوتی معاذاللہ خدا کیوں جھوٹ بولنے لگا۔ ان میں اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ عیسو نے کبھی یعقوبؑ کی خدمت نہیں کی۔ اور نہ اولاد عیسو نے کبھی اولاد یعقوبؑ کی خدمت کی۔

بلکہ توریت میں نص ہے کہ جب یعقوبؑ نے عیسو کو دیکھا تو انہوں نے سات مرتبہ عیسو کو سجدہ کیا۔ اور یعقوبؑ نے جب عیسو کو خطاب کیا انتہائی عاجزی وخواری اور عبودیت کا خطاب کیا (یعنی جس طرح ایک بندہ اپنے معبود کو خطاب کرتا ہے) سوائے بنیامین کے جو ابتک پیدا نہ ہوئے تھے، یعقوبؑ کی بقیہ تمام اولاد نے عیسو کو سجدہ کیا۔ یعقوبؑ نے عیسو کو مدارات کے طور پر تحفہ بھیجا جس میں ساڑھے پانچ سو اونٹ گائے گدھے اور بھیڑ بکریاں تھیں۔ یعقوبؑ بے انتہا ممنون ہوئے جب کہ عیسو نے ان کا یہ ہدیہ قبول کرلیا۔ اولاد عیسو اپنی ابتدائے سلطنت سے انتہا تک طاقت میں نبی اسرئیل سے کم نہ رہی۔ یا تو یہ لوگ یا ان پر غالب رہے ان کے ساتھ برابر رہے۔ بنی اسرائیل اپنے زمانہ سلطنت میں بھی کبھی اولاد عیسو کے بادشاہ نہیں ہوئے۔ لہذا اے مسلمانو، ان ذلیل ورسواکن باتوں سے تعجب کرو اور اللہ کا شکر کرو کہ اس نے تمہیں اس گمراہی و نابینائی سے بچالیا جس میں غیروں کو مبتلا کیا۔

پھر بیان کیا کہ ''اسحاقؑ نے اپنے بیٹے عیسو سے کہا کہ اے میرے بیٹے میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور مجھے اپنی وفات کا دن نہیں معلوم۔ لہذا جاؤ اور میرے لئے شکار کرلاؤ اور اس سے میرے لئے وہ کھانا تیار کرو جو میں چاہتا ہوں۔ اور اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے کھاؤں۔ تاکہ میری جان تمہیں دعا دے۔ قبل اس کے کہ میں مروں رفقہ والدہ عیسو ویعقوبؑ نے اپنے فرزند یعقوبؑ کو حکم دیا کہ وہ دو مینڈھے لائیں اور وہ (رفقہ) ان دونوں سے کھانا تیار کریں۔ یعقوبؑ اپنے والد اسحاقؑ کے پاس لائیں کہ وہ اسے کھائیں اور انہیں دعا دیں۔ یعقوبؑ نے اپنی والدہ سے کہا کہ میرے بھائی عیسو کے بال ہیں اور میں بغیر بال کا ہوں شاید میرے والد مجھ سے ناگواری محسوس کریں اور میں ان کے نزدیک کھلاڑی ثابت ہوں اور اپنے لئے بددعا حاصل کروں نہ کہ دعا، والدہ نے کہا کہ تم پر سے بددعا کو دفع کرنا میرے ذمے ہے۔ یعقوبؑ نے وہی کیا جو ان سے ان کی والدہ نے کہا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے فرزند اکبر عیسو کے کپڑے لے کر یعقوب کو پہنا دیئے۔ اور مینڈھوں کی کھال ان کے ہاتھوں اور گردن پر پہنادی اور انہیں کھانا دے دیا۔ یعقوبؑ اسے اپنے والد کے پاس لائے اور کہا اے میرے والد اسحاقؑ نے ان سے کہا کہ اے میرے فرزند تم کون ہو یعقوبؑ نے کہا میں آپکا پہلا بیٹا عیسو ہوں۔ میں نے وہ سب کچھ تیار کیا ہے جو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ لہذا بیٹھیے اور میرا شکار کھایئے۔ تاکہ آپ میرے لئے دعا کریں۔ اسحاقؑ نے یعقوبؑ کو کہا کے آگے آؤ تاکہ میں تمہیں ٹٹولوں کہ تم میرے ہی بیٹے عیسو ہو یا نہیں۔ یعقوبؑ آگے بڑھے اور انہیں اسحاقؑ نے ٹٹولا تو کہا کہ آواز تو یعقوبؑ کی سی ہے اور ہاتھ عیسو کے سے ہیں۔ کیا تمھیں میرے بیٹے عیسو ہو؟ یعقوبؑ نے کہا ہاں میں ہی ہوں۔ انہوں نے ان کے لئے دعا کی اور اپنی اس دعا میں یہ کہا کہ امتیں تمہاری خدمت کریں اور قبائل تمہارے آگے جھکیں۔ اور تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو اور تمہارے بھائی تمہیں سجدہ کریں۔

پھر بیان کیا ہے کہ عیسو اسحاقؑ کے پاس شکار لائے جب اسحاقؑ کو واقعہ معلوم ہوگیا تو انہوں نے یعقوبؑ کے متعلق عیسو سے کہا کہ میں نے انہیں بادشاہ بنادیا ہے اور ان کے سب بھائیوں کو غلام بنادیا ہے۔ عیسو نے بھی ان سے خواہش کی کہ وہ ان کے لئے بھی دعا کریں۔ انہوں نے دعا کی اور اپنی دعا میں جو کہا وہ یہ تھا کہ ''خراب زمین تمہارا مسکن ہوگی۔ اوپر سے آسمان کی شبنم گرے گی، اپنی تلوار کے بھروسے پر زندگی گزاروگے اور اپنے بھائی کے غلام رہوگے۔ لیکن ایسا ہوگا کہ تم جب اسے چھوڑنا چاہوگے تو اس (کی غلامی) کا جوا اپنی گردن سے توڑ دوگے''

خرافات کے نمونے

اس فصل میں رسواکن باتیں اور کئی جھوٹ اور وہ اشیاء ہیں جو خرافات کے مشابہ ہیں۔

سب سے اول ان کا یعقوبؑ نبی اللہ علیہ السلام پر اس کا اطلاق کرنا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ دغا وفریب کیا۔ یہ اس شخص

سے بھی بعید ہے جس میں بہ نسبت اور لوگوں کے خیر ہے کہ وہ کافر یا دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا کرے۔ چہ جائیکہ ایک نبی سے کہ فریب بھی کرے تو اپنے باپ کے ساتھ اور باپ بھی وہ جو نبی ہو۔ یہ وہ برائیاں ہیں جو بڑھتی چلی گئی ہیں۔ کہاں یہ ظلمت کذب اور کہاں وہ نور صدق جو اس آیت میں ہے **یُخادعون الله والذين آمنوا وما يخدعون الا انفسهم** "(اللہ کو اور مومنین کو فریب دیتے ہیں، حالانکہ یہ اپنے آپ ہی کو فریب دیتے ہیں) یعنی منافقین۔

دوم۔ ان کا یہ خبر دینا ہے کہ یعقوبؑ کی دعا و برکت چرائی ہوئی اور فریب و دغا و خباثت سے حاصل کی ہوئی تھی۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اس سے بہت دور ہیں۔ بے شک یہود کا البتہ یہی طریقہ ہے، ان میں سے تم جس کسی سے ملو گے وہ خبیث و دغا باز ہوگا، سوائے چند کے۔

سوم۔ ان کا یہ خبر دینا کہ مکر و فریب دینے کے طریقے پر بھی اللہ نے اپنا حکم جاری کر دیا اور اپنی نعمت عطا کر دی حالانکہ اللہ اس سے بری ہے۔

چہارم یہ ہے کہ اس میں کوئی شخص شک نہ کرے گا کہ اس کمینے کے دعوے کے مطابق جس نے ان یہود کے لئے یہ ہذیان لکھا ہے جب یعقوبؑ نے اسحاقؑ کو دھوکہ دیا اور انہوں نے یعقوبؑ کے لئے دعا کی تو اس دعا میں انہوں نے عیسو کی نیت کی تھی اور انہیں کیلئے دعا کی تھی نہ کہ یعقوبؑ کے لیے۔ پھر فریب سے یہاں کیا فائدہ ہوا۔ کاش انہیں عقل ہوتی۔

یہ واقعہ ان غالی روافض کی حماقت کے مشابہ ہے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو علیؓ کے پاس بھیجا تھا مگر جبرئیل غلطی سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چلے گئے۔ اسی طرح اسحاقؑ نے عیسو کے لئے دعائے برکت کی مگر برکت غلطی سے یعقوبؑ کے پاس چلی گئی۔ دونوں گروہوں پر خدا کی لعنت ہو۔

جھوٹی باتیں:

اس واقعے میں یہ تو دغا و فریب کے وجوہ تھے۔ لیکن وجوہ کذب اس سے تو بہت زیادہ ہیں۔ ان کا یعقوبؑ کی طرف کذب کو منسوب کرنا حالانکہ وہ اللہ کے نبی و رسول تھے چار مقام پر ہے۔

اول ان کا اپنے والد اسحاقؑ سے یہ کہنا کہ میں آپ کا پہلوٹھی کا بیٹا عیسو ہوں۔ ایک ہی نظام میں دو جھوٹ ہیں اس لئے کہ یعقوبؑ نہ تو ان کے بیٹے عیسو تھے اور نہ ہی وہ پہلوٹھی کے تھے۔ سوم ان کا اپنے والد سے یہ کہنا کہ آپ نے جو کچھ کہا تھا وہ سب میں نے تیار کیا ہے۔ بیٹھیے اور میرا شکار کھایئے ایک ہی عبارت میں یہ بھی دو جھوٹ ہیں۔ اس لئے کہ نہ تو اسحاقؑ نے ان سے کسی چیز کی فرمائش کی تھی۔ اور نہ یعقوبؑ نے انہیں اپنا شکار کھلایا۔

علاوہ بریں دوسرے جھوٹ بھی ہیں، مثلاً:۔

اسحاقؑ کی دعا کا غلط ہونا جو انہوں نے یعقوبؑ کو دی تھی کہ امتیں تمہاری خدمت کریں گی اور قبائل جھکیں گے۔ اور تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو گے اور تمہیں تمہارے بھائی سجدہ کریں گے۔

ان کا عیسو سے یہ کہنا کہ تم اپنے بھائی کے غلام ہو گے۔

یہ سب پے در پے جھوٹ ہیں۔ واللہ نہ کبھی امتوں نے یعقوبؑ اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کی خدمت کی اور نہ ان لوگوں کے آگے

قبائل جھکے اور نہ یہ لوگ اپنے بھائیوں کے سردار ہوئے اور نہ یعقوبؑ کے بیٹوں کو اور نہ یعقوبؑ کو یعقوبؑ کو کے بھائیوں نے سجدہ کیا بلکہ نبی اسرائیل (یعنی اولادیعقوبؑ) ہی نے ہر شہر میں اور ہر وقت میں امتوں کی خدمت کی اور یہی لوگ اپنے زمانہ سلطنت میں بھی اور اس کے بعد بھی زمانہ قدیم وجدید میں قبائل کے آگے جھکتے رہے۔ اگر یہ کہیں کہ عنقریب ہوگا تو ہم کہیں گے کہ یہ بہت دور ہے۔

قد حصلتم علی الصغار یقینا **والا مانی بضائع السخفاء**

(تمہیں ذلت تو یقینی طور پر حاصل ہوگئی اب یہ امید کہ پھر عزت حاصل ہوگی تو ایسا خیال خام
احمقوں کا ہوتا ہے)

ترجی ربیع ان ستصیا صغارھا **بخیر وقد اعیار بیما کبارھا**

(ربیع کو امید ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کو بخیر وخوبی جلائے گی حال آں کہ بڑوں کو تو پال ہی نہ سکی)

خاصکر باوجود ان تمام مدتوں کے گزر جانے کے جن کے متعلق یہ لوگ خبر باد کرتے تھے کہ یہ نہ گزرے گی تاوقتیکہ ان کی حکومت عود نہ کرے

جاننا چاہیے کہ ہر امت جو بدقسمت ہو جاتی ہے تو وہ پہلی حالت کی واپسی کا انتظار کرتی ہے اور اپنے آپ کو واپسی کی امید دلاتی ہے جس طرح نبی اسرائیل اپنے آپ کو امید دلاتے ہیں۔ اور ان بارہ وعدوں کو یاد کرتے ہیں جس طرح ان لوگوں کے وعدے ہیں تو یہ آرزو ہے جیسے آرزو ہوتی ہے۔ اور کوئی فرق نہیں۔ جس طرح مجوس فارس بہرام دگاؤ سوار ہماوند کے منتظر ہیں، اور جس طرح روافض مہدی کے منتظر ہیں۔ اور جس طرح وہ نصاریٰ جوابر میں مسیح کے منتظر ہیں۔ اور جس طرح صابئین ایک دوسرے قصے کے انتظار میں ہیں اور غیر صابئین سفیانی کے۔

تمن یلذ المستھام بمثله **وان کان لا یغنی فتیلا ولا یجدی**

(یہ ایسی تمنا ہے کہ متحیر آدمی ایسی اگر چہ نہ اس سے کوئی کام نکلتا ہے نہ کوئی آرزو برآتی ہے)
تمناؤں کے مزے لیتا ہے

غیظ علی الایام کالنار فی الحشا **ولکنه غیظ الاسیر علی القد**

(زمانے کے خلاف سینے میں آگ یہ اس قیدی کا غیظ وغضب ہے جو اپنی مصیبت پر مشتعل ہو رہا ہو)
کی طرح غیظ وغضب بھڑک رہا ہے

سرداری کے بدلے خواری

اسحاقؑ کا یہ کہنا کہ تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو گے اور تمہیں تمہارے بھائی سجدہ کریں گے، تو بخدا اس کی ضد صریحا ثابت ہے۔ کیونکہ ان کی توریت میں ہے کہ یعقوبؑ اپنے چچازاد بھائی لابان بن ناحور بن لامک کے بیس برس تک خادم اور چرواہے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے اور ان کی تمام اولاد نے سوائے ان کے جو ان میں ابتک پیدا نہیں ہوئے تھے بارہا عیسو کو سجدہ کیا اور عیسو نے کبھی یعقوب کو سجدہ نہیں کیا۔ اور نہ اولادیعقوبؑ میں سے کبھی کوئی اولادعیسو کا مالک ہوا۔

یعقوبؑ نے اپنے ہر خطاب میں جو عیسو سے کیا اس میں ان کے ساتھ اپنی عبدیت کا اظہار کیا۔ اور عیسو نے کبھی یعقوبؑ کی بندگی

وغلامی نہیں کی۔

عیسو نے ان کے لڑکوں کو دریافت کیا تو یعقوبؑ نے انہیں جواب دیا کہ وہ چھوٹے ہیں۔ اللہ کی طرف سے آپ کے غلام پر ان کی ذمہ داری ہے۔

یعقوبؑ عیسو کی رضا کے طالب ہوئے اور ان سے کہا کہ میں آپ کے چہرے کی طرف اس طرح دیکھتا ہوں کہ جس طرح کوئی اللہ کے حسن کی طرف دیکھتا ہے۔ آپ مجھ سے راضی ہو جائیے اور میں جو ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اسے قبول فرمائیے۔ عیسو حرامی تھے اس وقت انہوں نے یعقوبؑ کا ہدیہ قبول کر لیا۔

ہم تو عیسو اور ان کی اولاد کو یعقوبؑ اور ان کی اولاد کا سردار ہی دیکھتے ہیں۔ اور اسی طرح باقرار توریت بنی عیسو ساعیر میں اپنی میراث کے مالک ہوئے۔ یہ شیراۃ کے پہاڑ ہیں بنی لوطؑ اپنی میراث کے مواب میں مالک ہوئے۔ عمان قبل اس کے بنی اسرائیل مالک ہوں زمانہ دراز تک فلسطین واردن میں اپنی میراث کے مالک رہے۔ انہی کی کتابوں کے اقرار کے مطابق بنی اسرائیل کی سلطنت پر اولاد عیسو برابر یا تو بنی اسرائیل پر غالب رہے یا ان کے مساوی رہے۔ بنی اسرائیل نہ کبھی بنی عیسو کے مالک ہوئے اور نہ بنی لوطؑ کے نہ بنی اسمائیلؑ کے۔ دولت بنی اسرائیل کی تباہی کے بعد بنی عیسو بنی لوطؑ ساعیر و مواب و عمان میں اپنی میراث میں باقی رہے۔ نبی اسرئیل کو بنی اسماعیلؑ نے ان کی میراث سے نکال دیا پھر آج تک ان کے مالک رہے۔

ہم تو اس دعائے برکت کو الٹا ہی دیکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے خدا کی پناہ۔ لیکن اس برکت کا جو ان کے گمان کے مطابق چرائی گئی اور خباثت سے حاصل کی گئی حق یہی ہے کہ وہ اوندھی اور الٹی ہو کر نکل جائے۔

زنا کی نسبت (!)

پھر بیان کیا گیا ہے کہ جب یعقوبؑ اپنے ماموں لابان بن بثوال کے پاس گئے تو انہوں نے ان کی بیٹی راحیل کے ساتھ اپنا پیام نکاح دیا اور کہا کہ میں آپ کی چھوٹی بیٹی راحیل کے لئے سات برس تک آپ کی خدمت کروں گا۔ لابان نے جواب دیا کہ میں اسے تمہیں ہی دوں گا کیونکہ تم اس دوسرے شخص سے جس کو میں ایسے دوں اچھے ہو۔ تم میرے پاس رہو۔ یعقوبؑ نے راحیل کے لئے سات برس تک خدمت کی۔ راحیل کی محبت میں تھوڑے دن تک اس کے پاس رہے۔ اور لابان سے کہا کہ میری زوجہ مجھے دے دیجیے۔ کیونکہ میں نے اپنی مدت پوری کر دی تا کہ میں انہیں بیوی بناؤں۔ لابان نے تمام اہل مقام کو جمع کیا اور ولیمہ کیا جب رات ہوئی تو لابان نے اپنی بیٹی لیئہ (لیا) کو لیا اور اسے دلھن بنا کے یعقوبؑ کے پاس بھیج دیا یعقوبؑ نے اس کے ساتھ ہم بستری کی۔ جب صبح ہوئی انہوں نے دیکھا کہ یہ لیئہ ہے تو لابان سے کہا کہ آپ نے کیا کیا۔ میں نے راحیل کے متعلق آپ کی خدمت نہیں کی تھی۔ آپ نے مجھے دھوکہ کیوں دیا۔ لابان نے کہا کہ ہم لوگ اپنی بستی میں ایسا نہیں کرتے کہ بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی کی شادی کر دیں۔ تم اس کے بھی سات سال پورے کرو۔ اور میں مزید سات سال کی خدمت کے عوض جو تم کرو گے تمہارے ساتھ اس کی بھی شادی کر دوں گا۔ یعقوبؑ نے ایسا ہی کیا۔ لیئہ کے سات سال پورے کیے اور لابان نے اپنی بیٹی دے دی تا کہ وہ یعقوبؑ کی زوجہ بنے۔

اولاد زنا

اس فصل میں دائمی مصیبت ہے اور وہ ان کا یہ اقرار ہے کہ یعقوبؑ نے نکاح تو راحیل سے کیا مگر ان کے پاس دوسری عورت بھیجی

گئی۔ لہذا حاصل یہ ہوا کہ لئیہ بغیر نکاح کے ان کے پہلو میں رہیں اور ان سے ان کے یہاں چھ بیٹا بیٹی بھی پیدا ہوئے۔ اور یہ بعینہ زنا ہے کہ فریب کی وجہ سے ایک عورت کو لے لیا جس سے نکاح نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اللہ نے ایسی بدکاری سے اپنے نبی کو پناہ دی ہے۔ اور اپنے انبیا علیہم السلام موسیٰؑ وہارونؑ وداؤدؑ اور سلیمانؑ کو اس قسم کی اولاد بننے سے بچایا ہے۔ اور یہ اس امر کی بدیہی شہادت ہے کہ یہ مضمون کسی ایسے بددین کا بنایا ہوا ہے جو دیانات کا کھیل کرتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ جب یعقوبؑ کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ یہ وہ عورت نہیں ہے جس سے انہوں نے نکاح کیا ہے تو انہوں نے ضرور اس سے نکاح کر لیا ہوگا۔ ہم کہیں گئے کہ اگر ہم تمہارنے لئے اس سے چشم پوشی بھی کر لیں تو پھر نسخ ثابت ہوگا اس لئے کہ ایک ہی ساتھ دو بہنوں سے نکاح کرنا تمہاری توریت میں بھی حرام ہے۔

بعض یہود نے مجھ سے اس کے متعلق کہا ہے کہ موسیٰ سے پہلے اللہ کی طرف سے شرائع نازل نہیں ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ کیا تمہاری توریت کی نص میں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوحؑ سے فرمایا کہ ہر زندہ جانور کا کھانا تمہارے لئے ایسا ہی ہے جیسے ہری گھاس میں تم کو دیتا ہوں لیکن گوشت اس کے خون کے ساتھ نہ کھاؤ لیکن تمہارے خون جو خود تمہارے اندر ہیں تو میں عنقریب انہیں طلب کروں گا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے قبل شریعت ہے۔ اباحت بھی ہے تحریم بھی ہے۔

خدا کے ساتھ کشتی لڑتے رہے

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ یعقوبؑ اپنے ماموں لابان کے پاس اپنی بیویوں اور بچوں کو لے کے واپس آ گئے۔ جب صبح ہو گئی تو یعقوبؑ نے اپنی دونوں بیویوں کنیز اور گیارہ بچوں کو روانہ کر دیا اور خود تنہا رہ گئے۔ صبح تک ان سے ایک شخص کشتی لڑتا رہا۔ جب وہ یعقوبؑ سے ہار گیا تو اس نے یعقوبؑ کے چڑھے کے جوڑ پر (یعنی کولہے کے قریب) مارا۔ یعقوبؑ کے کولہے کا جوڑ اس کی کشتی میں اکھڑ گیا۔

داؤ پیچ

اس نے یعقوبؑ سے کہا کہ اب مجھے جانے دو کیونکہ صبح ہو گئی ہے۔ یعقوبؑ نے کہا کہ میں نہ چھوڑوں گا تاوقت یہ کہ تم میرے لئے دعا نہ کرو اور برکت نہ دو۔

خدا نے ہار مان لی

اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ انہوں نے کہا یعقوبؑ۔ اس نے کہا آج سے تم یعقوبؑ نہیں کہلاؤ گے بلکہ اسرائیل کہلاؤ گئے اس لئے کہ تم اللہ سے قوی ہو۔ چہ جائیکہ انسانوں سے، یعقوبؑ نے کہا مجھے اپنا نام تو بتاؤ، تو اس نے کہا مجھ سے میرا نام نہ پوچھو، اسی مقام پر اس نے یعقوبؑ کے لئے دعائے برکت کی اور یعقوبؑ نے اس مقام کا نام فنیئیل رکھا اور کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے دیکھا اور میں سلامت رہا فنیئیل سے گزرنے کے بعد آفتاب خوب روشن ہو گیا۔ اور وہ اپنے پاؤں سے لنگڑاتے تھے۔ اور اسی لئے اب بھی نبی اسرائیل چڑھے کے جوڑ کا پچھلا حصہ (کسی جانور کا) نہیں کھاتے اس لئے کہ یعقوبؑ کے چڑھے کا جوڑ خدا کے چھونے اور پکڑنے کی وجہ سے چٹیلا ہو گیا تھا۔

کفریات

اس فصل میں تو وہ خرابی ہے کہ گزشتہ خرابیوں کو بھی مات کر دیا جس سے اہل عقول کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بخدائے لایزال اگر اللہ عزوجل نے خود ہی ان الفاظ میں ان کا کفر نہ بیان کیا ہوتا کہ ''**یداللہ مغلول ۃ**'' (اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں) اور **ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء**' (اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ امیر ہیں) تو ہماری زبانیں ان بدترین کفریات کی حکایت میں ہرگز گویا نہ ہوتیں۔ لیکن ہم باوجود اس (کفر) کے منکر ہونے کے اسی طرح اس کی حکایت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل نے ہمیں ان کے کفر و تہمت سے بچانے اور خوف دلانے کے لئے اس آیت میں تصریح فرمائی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ اس مقام پر یعقوبؑ اللہ عزوجل سے کشتی لڑے۔ اللہ اس سے اور ہر ایسی چیز سے بری ہے جو اس کی مخلوق کے مشابہ ہے۔ بھلا وہ کشتی کا کھیل کھیلے گا جس کو صرف بیکار لوگ کھیلا کرتے ہیں۔ اور اہل عقول اس کو بلا ضرورت نہیں کرتے۔

ان لوگوں نے صرف اسی عیب پر کفایت نہیں کی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ عزوجل یعقوبؑ کو پچھاڑنے سے عاجز رہا۔ جیسا کہ ان کی توریت کی نص ہے۔ اور اس کو ان کے اس قول نے ثابت کر دیا جو وہ اللہ کی جانب سے بتاتے ہیں کہ اس نے یہ کہا کہ ''تم اللہ سے قوی ہو چہ جائیکہ انسانوں سے''

اسرائیل کے معنے:

مجھے بعض عبرانی جاننے والوں نے بتایا کہ اسی لئے اس نے ان کا نام اسرائیل رکھا ہے ''ایل'' بلاشک ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ اسرائیل کے معنی اسراللہ ہوئے جو اس وقت کی یادگار ہے۔ جو کشتی لڑنے کے بعد حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس نے یعقوب سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تو یعقوبؑ نے کہا کہ میں تمھیں نہ چھوڑ دوں گا تاوقتیکہ تم میرے لئے دعائے برکت نہ کرو اس فصل پر ہر محفل میں یہود کے لڑاکوں کی پیشانی پر بل پڑ جاتے تھے۔ وہ اس پر جمے کہ توریت کی تصریح یہ ہے کہ یعقوبؑ نے وہیم سے کشتی لڑی۔ اور وہیم کے معنی فرشتے کے ہیں۔ لہذا کسی فرشتے نے کشتی لڑی تھی۔

میں نے ان سے کہا کے سیاق کلام یقینی طور پر تمہارے قول کو باطل کرتا ہے کیونکہ اس میں یہ جو ہے کہ ''تم اللہ سے قوی ہو چہ جائیکہ انسانوں سے'' اور اس میں یہ بھی ہے کہ یعقوبؑ نے کہا کہ میں نے آمنے سامنے اللہ کو دیکھا اور میں سلامت رہا'' یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ جب فرشتہ دیکھیں تو اپنے سلامت نفس پر مسرت ظاہر کریں۔ (کیونکہ انبیاء کو تو ہر وقت فرشتوں ہی سے سابقہ رہتا ہے اور پھر فرشتہ کوئی شیر تو تھا نہیں کہ وہ کھا جاتا) یعقوبؑ نے تصریح کر دی کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے نبی اسرائیل پر ان کی رگوں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی وجہ سے یعقوبؑ نے اس مقام کا نام فنیئیل رکھا تھا۔ اسلئے کہ اس میں آگے ایل ہے اور وہ بغیر کسی احتمال کے تم لوگوں کے نزدیک اللہ عزوجل ہے۔ اگر وہ فرشتہ ہوتا جیسا کہ مناظرے کے وقت تم لوگ دعویٰ کیا کرتے ہو تو بھی غلطی ہی تھی کہ ایک نبی و فرشتہ نے فضول کشتی لڑی۔ یہ صفت تو ان لوگوں کی ہے جو عنصر میں باہم متحد ہیں نہ کہ ملائکہ و انبیاء کی۔

حضرت رکانہ کی روایت:

اگر کہا جائے کہ تم روایت کرتے ہو کہ تمہارے نبی نے رکانہ بن عبد یزید سے کشتی لڑی۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس لئے کہ رکانہ کی قوت میں وہ حیثیت تھی کہ جزیرہ عرب میں کوئی ایسا شخص نہیں پاتے تھے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زائد قوت میں تعریف نہ تھی۔ آپ نے رکانہ کو اسلام کی دعوت دی انھوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھے پچھاڑ دیں گے تو میں آپ پر ایمان لے

آؤں گا۔ انھیں یقین نہ تھا کہ یہ معجزہ ہوگا۔ آپ نے انھیں اس کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا پھر اسی وقت انھیں پچھاڑ دیا۔ رکانہ ایک مدت بعد اسلام لائے۔ ان دونوں امور میں ایسا ہی فرق ہے جیسا عقل وحماقت میں اور ہر مقام کے لئے ایک علیحدہ گفتگو ہے لیکن جب تمہارے نزدیک ملائکہ روٹی کے ٹکڑے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کے دل مضبوط ہوں اور بکریاں اور دودھ اور گھی اور چپاتیاں تو پھر ملائکہ کے انسانوں سے کشتی لڑنے سے کیوں انکار کرنے لگے۔ یہ وہ مصائب ہیں جو ان کی گمراہی وبدنصیبی اور اس یقین کی صحت پر شاہد ہیں کہ ان کی توریت بدل دی گی ہے۔

خدا اپنی بات پر قائم نہ رہا:

فصل مذکورہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوبؑ سے کہا کہ آج سے تم یعقوبؑ نہیں کہلاؤ گئے بلکہ اسرائیل کہلاؤ گے۔ پھر ان کی توریت کے سفر ثانی (دفتر دوم) میں ہے کہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ ”آل یعقوبؑ سے کہدو“ اور بنی اسرائیل کی تعریف کی۔ اس کے بعد بھی انھیں یعقوبؑ کے نام سے پکارا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نسبت کذب ہے۔

پیمبر کی بیوی اور بیٹی کی رسوائی

پھر کہا کہ اسرائیل (یعنی یعقوبؑ) جس وقت اس مقام پر تھے کہ روابین ابن لیہ نے اپنے والد (یعقوبؑ) کی کنیز بلہہ کے ساتھ ہمبستری کی۔ دان نفتالی کی ماں تھیں اور یہ دونوں روابین کے بھائی اور یعقوبؑ کے بیٹے تھے۔ پھر اسی کو اس کی طرح مؤکد کیا ہے کہ سفر اول کے اختتام کے قریب یعقوبؑ کی وفات اور اپنے بیٹوں سے فرداً فرداً ان کے کلام کا ذکر کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ یعقوبؑ نے اپنے بیٹے روابین سے کہا کہ تو اپنے والد کے تخت پر چڑھ گیا اور ان کا فرش میلا کر دیا اور تو نے جو میرا فرش استعمال کیا ہے اس سے نجات نہیں پائے گا“ (یعنی اس میں یعقوبؑ نے اپنے لڑکے کو اپنی کنیز کے ساتھ ہم بستری کرنے پر سرزنش کی ہے اور بددعا دی ہے)۔ بعد اس کے کہ ان کی توریت میں بیان کیا گیا کہ شکیم بن حمور الحوی نے دنیہ بنت یعقوبؑ کو پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہمبستری کی اور اسے ذلیل کیا۔ اس کے بعد اس کے والد یعقوبؑ کو اس کے نکاح کا پیام دیا۔ یہاں تک بیان کیا کہ لاوی وشمعون نے حمور اور اس کے بیٹے شکیم اور اس کے تمام شہر والوں کو قتل کر دیا اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو ان سب کو قتل کرنے کو ناپسند کیا۔

خدا کی پناہ اس سے کہ اللہ اپنے نبی کی مدد ترک کر دے اور اس کی بیوی اور بیٹی کی حرمت کی ان رسواکن باتوں سے حفاظت نہ کرے۔ پھر کمزور سزا سے زائد اس کا انکار نہ کرے۔

جھوٹ اور خدا کی کتاب میں (!)

اس کے بعد کہا کہ یعقوبؑ کے بارہ لڑکے تھے۔ لیہ کی اولاد میں روابین جو یعقوبؑ کے پہلوٹھی کے بیٹے تھے اور شمعون ولاوی ویہوذا ویساخر وزبولون تھے اور راحیل کے بیٹے یوسف وبنیامین تھے۔ اور بلہہ کنیز راحیل کے بیٹے دان ونفتالی تھے اور زلفہ کنیز لیہ کے بیٹے جاد واشیر (اشار) تھے۔ یعقوبؑ کے کل یہی بیٹے تھے جو فدان ارام میں پیدا ہوئے۔

یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس لئے کہ اس سے قبل بیان کیا ہے کہ بنیامین یعقوب کے یہاں اقرا شاہی میں پیدا ہوئے جو بیت لحم سے چار میل کے فاصلے پر بیت المقدس کے قریب ایک مقام ہے۔ اور یعقوبؑ کے فدان ارام سے کوچ کرنے کے ایک زمانے کے بعد پیدا

ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو عمداً جھوٹ بولتا ہے اور نہ ہی اس طرح بھول کر۔ (اس لئے کہ یہ توریت کلام خدا نہیں ہو سکتی) اس کے بعد کہا ہے کہ
اسرائیل (یعقوبؑ) یوسفؑ سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے بڑھاپے میں پیدا ہوئے تھے۔
یہ علت تو بنیامین کی محبت کو واجب کرتی ہے اس لئے کہ نص توریت کے مطابق وہ یوسف سے چھ سال سے زائد بعد پیدا ہوئے
تھے۔ اور یوسفؑ کی محبت میں ''یسا کرذ'' ''زبولون'' کی مشارکت بھی واجب کرتی ہے اس لئے کہ اس سے قبل بیان کیا گیا ہے کہ یعقوبؑ نے
اپنے ماموں لابان سے کہا کہ میں نے آپ کی بیس برس خدمت کی، چودہ برس تو آپ کی دونوں بیٹیوں کے لئے اور چھ برس آپ کے متعلقین
کی۔

بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے چند سال بعد یعقوبؑ کو لیئہ کو دے دیا اور سات دن کے بعد انہوں نے راحیل کو بھی دے دیا۔ ان
دونوں میں سات دن سے زیادہ فرق نہیں ہوا۔ حالانکہ کہ یہ صرف لیئہ والے سات سال کا زمانہ تھا۔ لیئہ کے یہاں ان سے روابین پیدا
ہوئے، پھر شمعون پھر لاوی پھر یہوذا۔ پھر وہ اولاد کے قابل نہ رہیں۔ اس کے بعد راحیل نے یعقوبؑ کو اپنی کنیز بلہہ دے دی اور انہوں نے
اس سے شادی کر لی۔ ان سے ان کے یہاں دانا (دان) ونفتالی پیدا ہوئے۔ پھر لیئہ نے اپنی کنیز زلفہ یعقوبؑ کو دے دی۔ یعقوبؑ نے اس
سے بھی شادی کر لی اور ان سے ان کے یہاں جاوا پھر اشیر پیدا ہوئے۔ پھر راحیل نے یعقوبؑ کو لیئہ کی ہمبستری کی آزادی دیدی ان دودھ
والی اونٹنیوں کے عوض میں جو راحیل نے لیئہ سے لی تھیں۔ یعقوبؑ کے یہاں راحیل سے یوسفؑ پیدا ہوئے۔ یوسف کی ولادت کے بعد
یعقوبؑ نے اپنے ماموں لابان کے اجرت کے معاملے کی ابتداء کی جو انہوں نے اپنی بکریاں چرانے کے لئے کہی تھی۔ یعقوبؑ نے چھ سال
تک ان کی بکریاں چرائیں یہ سب ان کی توریت کی نص ہے۔

ثابت ہو گیا کہ بلا شک ان چھ سالوں کے ختم کے وقت یوسفؑ بھی چھ ہی سال کے تھے۔ یعقوبؑ کی تمام اولاد سوائے بنیامین کے
یقیناً انھیں سات سالوں کے اندر پیدا ہوئی جو ان مذکورہ بالا چھ سالوں سے پہلے گزر چکے تھے سات لڑکے تھے ہر دس مہینے میں ایک لڑکا پیدا ہوا
ہوگا، اس سے کم میں ناممکن ہے۔

اس میں کوئی شک نہ رہا کہ زابلون یوسف سے صرف ایک برس بڑے ہوں گے اور یسا کر دو سال کم از کم یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مدت بھی
جوڑ لی جائے جس میں ہم نے بیان کیا ہے کہ لیئہ اولاد کے قابل نہ رہیں تھیں۔ اور وہ مدت بھی شامل کر لی جائے جس میں یعقوبؑ نے ان
سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ لامحالا اس مدت کی بھی کوئی مقدار ضرور ہوگی۔ اس حساب سے زابلون و یوسف کی ولادت کے ساتھ ہی ساتھ ثابت
ہوتی ہے۔ لہذا اس واقعے میں بھی یقینی و بدیہی کذب ہے۔ اور کذب خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، نہ اللہ تعالیٰ کے لئے ممکن ہے اور نہ اس کے انبیاء
کے لئے۔ بنابریں ثابت ہو گیا کہ یہ توریت بنائی اور بدلی ہوئی ہے۔ اگر اس کے لئے کوئی توجیہ ہوتی چاہے وہ باریک ہی ہوتی، کوئی نکلنے کا
راستہ ہوتا خواہ دور ہی کا ہوتا یا اس میں کوئی حیلہ ممکن ہوتا یا کسی تاویل کی گنجائش ہوتی تو ہم اس کو بیان نہ کرتے۔ ہم اللہ سے عافیت کی دعا
کرتے ہیں۔

ان کی توریت میں اولاد عیسو کے قریب شدید فساد اور ناموں اور ماؤں میں شدید غلطیاں ہیں مگر اکثر وجوہ بعیدہ وضعیفہ سے نکلنے کی
گنجائش ہے اس لئے ہم اس کے بیان کی زحمت نہیں دیتے لیکن اس پر بھی ہم نے خبردار کر دیا ہے۔ کیونکہ زیادہ ظاہر و غالب اس میں بھی
کذب ہی ہے، اور بالاشک وہ واقعہ بھی کسی جاہل ہی کا بیان کیا ہوا ہے۔

بہو سے زنا کا واقعہ:

پھر یوسفؑ کے بھائیوں کے یوسفؑ کو بیچنے کا ذکر کیا گیا ہے، کہ ان کے سب بھائی اس وقت مجتمع تھے اور اپنی بکریاں چرا رہے تھے۔ اس کے بعد کہا اس زمانے میں یہوذا اپنے بھائیوں سے علیحدہ ہو گئے تھے اور اہل عدلام میں سے ایک شخص کے ساتھ رہتے تھے جس کا نام حیرہ تھا۔ انہوں نے اس مقام پر ایک کنعانی شخص کی لڑکی دیکھی جس کا نام شوع تھا، اس کے ساتھ شادی کر لی اور اس کے ساتھ ہمبستری کی، وہ حاملہ ہوگئی اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عیرا تھا۔ پھر وہ حاملہ ہوئی اور دوسرا بچہ پیدا ہوا تو یہوذا نے اس کا نام انان رکھا۔ پھر حاملہ ہوئی اور بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام شیلہ رکھا۔ اس کے بعد سلسلہ ولادت بند ہوگیا۔ یہوذا نے اپنے پہل ٹھی کے بیٹے عیرا کی شادی ایک عورت سے کر دی۔ عیرا فرزند اکبر یہوذا اپنے والد کے سامنے ہی بدکار تھا۔ اور اسی لئے وہ قتل کیا گیا۔

پھر یہوذا نے اپنے بیٹے انان سے کہا کہ تم اپنے بھائی کی بیوی کے پاس جاؤ اور اس کے ساتھ ہم بستری کرو کہ تم اس کی نسل کو زندہ کر دو۔ جب انان کو یہ معلوم ہوا کہ اس سے اس عورت کے یہاں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کی طرف منسوب نہ ہوگا تو وہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس گیا مگر وہ اس سے علیحدہ رہتا تھا کہ اس سے اس کے بھائی کے لئے بچہ ہی پیدا نہ ہو۔ اس لئے اسے اس کے والد نے قتل کر دیا جب اسے اس کی یہ بے حیائی کی بات معلوم ہوئی۔ اس وقت یہوذا نے (اپنی بہو) ثامار کنتہ سے کہا کہ تم اپنے والد کے گھر میں بیوہ رہو یہاں تک کہ میرا لڑکا شیلہ بڑا ہو جائے۔ یہوذا کو یہ امید تھی کہ اگر یہ بھی اس کے ساتھ ہم بستری کرے گا تو اس پر بھی اپنے بھائی ہی کی طرح موت کی مصیبت آجائے گی۔ اور وہ اپنے والد کے گھر میں رہنے لگی۔ بہت زمانے کے بعد شوع کی بیٹی کی جو یہوذا کی بیوی تھی کی وفات ہوگئی اور یہوذا کو صبر آگیا اور بیوی کا غم فرو ہوگیا۔ وہ اپنے عدلامی دوست حیرہ کے ہمراہ اپنی بھیڑوں کے بال کاٹنے کے لئے تمنہ روانہ ہو گئے۔

ثامار سے کہا گیا کہ تمہارے سسر اپنی بھیڑوں کے بال کاٹنے تمنہ جا رہے ہیں۔ ثامار نے اپنی بیوگی کا لباس اتار دیا اور برقع اوڑھ کر تمنہ کے چوراہے پر بیٹھ گئی جب شیلہ بڑا ہو گیا اور اس کی شادی اس کے ساتھ نہیں کی گئی یہ یہی کیا کرتی تھی۔ جب یہوذا نے اسے دیکھا تو سمجھے کہ یہ زانیہ ہے اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا تا کہ پہچانی نہ جا سکے۔ یہوذا اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا مجھے اپنے ساتھ ہم بستری کی اجازت دو، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ ان کی بہو کنتہ ہے۔ کنتہ نے کہا اگر میں تمھیں اپنے ساتھ ہم بستری کرنے دوں تو تم مجھے کیا دو گے۔ انہوں نے کہا کہ میں تمہیں ایک بھیڑ کا بچہ دوں گا۔ اس نے کہا اچھا بشرطیکہ تم حسب وعدہ اس کے بھیجنے تک میرے پاس کوئی چیز رہن رکھ دو۔ یہوذا نے کہا کہ میں تمہارے پاس کیا چیز رکھ دوں اس نے کہا اپنی انگوٹھی اور اپنا کمر بند اور عصا جو تمہارے ہاتھ میں ہے میرے پاس رہن رکھ دو۔ وہ ایک ہی ہم بستری میں حاملہ ہو کر چلی گئی، جس شکل میں آئی تھی اسے تبدیل کر دیا اور بیوہ عورتوں کی شکل میں آ گئی۔

یہوذا نے اپنے عدلامی دوست کے ہمراہ بھیڑ کا بچہ بھیجا کہ وہ اس عورت سے رہن کا سامان لے لے جو یہوذا نے اس کے پاس رکھا تھا۔ جب عدلامی نے اسے وہاں کے باشندوں میں نہ پایا تو دریافت کیا کہ وہ عورت جو چوراہے پر بیٹھی تھی کہاں ہے۔ تو لوگوں نے جواب کہ اس مقام پر کوئی زانیہ نہیں ہے، وہ یہوذا کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا کہ مجھے وہ عورت نہیں ملی۔ اور وہاں کے باشندوں نے مجھ سے کہا کہ یہاں کوئی زانیہ نہیں ہے۔ یہوذا نے اس خوف سے کہ ہنسی نہ ہو اس سے کہا کہ اس سے وہ اشیاء تو لے لیتے جو اس کے پاس ہیں۔ میں نے تو اسے بھیڑ کا بچہ بھیجا تھا اور تم کہتے ہو کہ وہ مجھے نہیں ملی۔

تین ماہ کے بعد یہوذا سے کہا گیا کہ ثامر کنتہ نے زنا کیا ہے اور اب تو اس کا پیٹ بھی ظاہر ہو گیا ہے۔ یہوذا نے کہا کہ نکال لاؤ اسے

کہ جلا دیا جائے۔ جب وہ نکالی گئی تو اس نے یہوذا کو بلا بھیجا کہ میں اس شخص سے حاملہ ہوئی ہوں جس کی یہ اشیاء ہیں تم پہچانو کہ یہ انگوٹھی کمر بند اور عصا کس کا ہے جب یہوذا نے پہچانا تو کہا کہ یہ مجھ سے زیادہ انصاف والی ہے۔ کیونکہ میں نے اسے اپنے بیٹے شیلہ سے روکا اور اس کے بعد اس نے اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کی۔ جب اس کے وضع حمل کا وقت آیا تو اس میں جوڑواں بچے معلوم ہوئے۔ ان دونوں کے نکلنے کے وقت ان میں سے ایک نے سبقت کی اور اپنا ہاتھ نکالا تو دایہ نے اس کے ہاتھ میں ایک سرخ تاگا باندھ دیا اور کہا کہ یہ پہلے نکلے گا۔ مگر اس نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور دوسرے بچے نے نکالا۔ دایہ نے اس کہا کہ تو نے اپنے بھائی تو (پہلے نکلنے کی) فرصت کیوں نہ دی اس کا نام فارص رکھا گیا۔ اس کے بعد وہ بچہ نکلا جس کے ہاتھ میں سرخ دھاگہ باندھا گیا تھا اس کا نام زارح رکھا گیا۔ یہ فصل ختم ہوگئی۔

ولد الزنا کو اپنا بیٹا مان لیا:

بعد چند فصول وقصص کے اس اولاد یعقوبؑ کا ذکر ہے جو شام میں پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ اس وقت مصر میں آئے جب ان سب کو یوسفؑ نے بلا بھیجا تھا۔ یہوذا اور ان کے ان تین زندہ بیٹوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے شیلہ، فارص، اور زارح، اور خود فارص کے بھی دو بیٹوں کا ذکر ہے اور وہ دونوں حصرون حامول فرزندان فارص بن یہوذا مذکور ہیں۔

اس کلام میں عار وننگ وشرم اور جھوٹی رسوا کن باتیں اور بکثرت بدترین کھلے کھلے جھوٹ ہیں۔

عار تو وہ ہے جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہوذا کا راستے میں ایک عورت سے ملنا اور اس سے اس شرط پر زنا کی خواہش کرنا کہ بھیڑ کا بچہ دیا جائے گا۔

پھر اس پر یہ ستم کہ اس کو جلانے کا حکم دینا۔

پھر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ خود ہی اس حرکت کے مرتکب ہیں تو انہوں نے اس حکم کو اپنے سے اور اس سے منسوخ کر دیا۔

پھر یہ دوسری بدترین حرکت ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ اونان بن یہوذا کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے بھائی کی وفات کے بعد جب اس کی بیوی سے شادی کرے گا اور اس کے یہاں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کی طرف منسوب نہ ہوگا تو وہ اس عورت سے الگ رہنے لگا۔

یہ امر نہایت تعجب خیز ہے کہ ایک شخص کی بیوی کے یہاں اپنے شوہر سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس شخص کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ ایک ایسے دوسرے شخص کی طرف منسوب ہو جو اس شخص سے شادی کرنے سے پہلے ہی مر چکا ہو۔ شاید اب بھی ان یہودیوں میں ایسی ہی ولادتیں اور نسب ہوتے ہیں جیسے کہ ان کتابوں میں ہیں بس واللہ یہ نہایت قبیح امور ہیں

سلسلہ اولاد زنا میں ایک پیغمبر:

خیر یہوذا کو تو چھوڑو کیونکہ وہ نبی نہ تھے جو نبی نہ ہو اس سے اس قسم کے افعال ناممکن نہیں ہیں۔ تعجب تو اس پر ہے کہ یہ سب لوگ قطعی طور پر اس پر متفق ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام اشائی بن عونین بن یوغز بن یشائی بن مخشون ابن عمینا ذاب بن نوزام بن حصرون بن فارص المذکور ابن یہوذا کے بیٹے تھے انہوں نے ان دو فاصل رسولوں کو اس ولادت خبیثہ کی پیدائش بنا دیا جو زنا کی طرف رجوع کرتی ہے۔

پھر زنا میں بھی بدترین وہ زنا ہے جو آدمی اپنی بہو کے ساتھ کرے۔ اس بنائی ہوئی تہمت سے خدا کی پناہ۔

جب میں نے اس فصل پر تقریر کی ہے تو مجھ سے بعض یہود نے کہا کہ اس زمانے میں یہ حلال تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ پھر یہوذا اس کے بعد اس سے ہم بستری کرنے سے کیوں باز رہے۔ اور یہ کیسے حلال ہو سکتا ہے حالانکہ اس معاملہ خبیثہ کے وقت جو مکروہ بھیڑ کے بچے

اورملعون رہن سے طے کیا گیا تھا، نہ تواس عورت نے اپنے آپ کوپہنچوایااور نہ یہوذا نے اسے خود پہچانا، محض شہوت سے مجبور ہوکراس بناء پر اس سے مجامعت کی کہ وہ ایک زانیہ عورت ہے، نہ یہ کہ وہ اپنے مردہ بیٹے کی بیوی ہے۔ سوائے اس کے کہ تم لوگ اس زمانے میں زنا کو ہر طرح حلال مان لوتب تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہودی شرمندہ ترشرو ہوکر خاموش ہوگیا۔

ایں خانہ تمام آفتاب است:

واللہ میں نے کوئی ایسی قوم نہیں دیکھی جونبوت کا اقرار کرے اور انبیاء کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جیسی یہ کفار منسوب کرتے ہیں۔

کبھی تو ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی بہن سے شادی کرلی اور ان اسے ان کے یہاں اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

پھر یعقوبؑ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک عورت سے شادی کی مگر فریب سے ان کے پاس دوسری عورت بھیج دی گئی جوان کی بیوی نہ تھی اور اس سے ان کے یہاں وہ لڑکے پیدا ہوئے جن سے موسٰی و ہارون وداؤ داور سلیمان وغیرہم علیہم السلام کی نسل چلی۔

پھر روبان بن یعقوب کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سوتیلی ماں اپنے نبی باپ کی بیوی اپنے علاقی بھائیوں کی ماں سے زنا کیا پھر اپنے نبی یعقوب علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے مجبوراً اس عورت سے بدکاری کی اور جبراً اس کے ساتھ مجامعت کی۔

پھر یہوذا کی طرف یہ امور منسوب کرتے ہیں کہ جن میں دو بیٹیوں کی بیوی کے ساتھ ان کا زنا کرنا پھر وہ حاملہ ہوئی اور زنا سے اس کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے جن سے داؤ دسلیمان علیہما السلام کی نسل چلی۔

پھر یوشع بن نون کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے رحب سے شادی کی جو ایک مشہور زانیہ تھی اور اس نے شہر ریحا میں اپنے آپ کو زنا کے لئے ہر ایسے شخص کے لئے جو رینگے یا چلے وقف کر دیا تھا۔ پھر عمران بن فہث بن لاوی کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی پھوپھی یعنی اپنے والد کی بہن سے جن کا نام یوحاند تھا شادی کرلی جوان کے دادا کے یہاں مصر میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان سے ان کے یہاں ہارون وموسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے۔ رحب کا نسب سفر رابع کے ختم کے قریب اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

پھر داؤ دعلیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے لشکر کے ایک شخص کی بیوی کے ساتھ علانیہ زنا کیا جو پاکدامن تھی اور اس کا شوہر زندہ تھا۔ اس عورت کے یہاں داؤد سے اسی زنا کی وجہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا، پھر یہ پاک چوزہ مرگیا، پھر اس سے شادی کرلی اور یہی عورت سلیمان بن داؤ دعلیہ السلام کی ماں ہوئی

پھر امشون بن داؤ دعلیہ اسلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے علانیہ لوگوں کے سامنے اپنے والد کی کنیزوں سے بدکاری کی۔ پھر سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی بدکاری منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کیا جن سے نکاح کرنا ان کے لئے حلال نہ تھا۔ ان عورتوں کے لئے بت خانے بنائے اور ان عورتوں کی وجہ سے بتوں پر قربانیاں چڑھائیں۔ مع اس کذب کے جو ہم نے پہلے بھی بیان کیا اور انشاء اللہ بیان کریں گے جس کی نسبت ان لوگوں نے ابراہیمؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ ویوسف علیہم السلام کی طرف کی ہے۔

لیکن اس کذب کی اس کے آگے کیا حقیقت ہے جوان کی توریت میں ہے کہ اللہ نے یعقوبؑ کے ساتھ کشتی کا کھیل کیا اور اس نے

یعقوبؑ سے جو وعدہ کیا تھا اور جو خبریں انہیں دی تھیں ان میں نہایت ذلیل جھوٹ بولا اور خلاف کیا۔ جو اس بہتان کی تصدیق کرے اس پر خدا کی لعنت وغضب ہو۔

اس قوم کے کفر سے تعجب کرو اور اس سے جو ان کے پیش رو کافروں بدمعاشوں نے اللہ اور اس کے رسل علیہم السلام پر افترا کیا ہے۔ پھر اس کتاب پر جس میں اس میں سے کچھ بھی ثابت کیا گیا ہو اور اس کے کاتب پر اتنی ہی بار خدا کی لعنت وغضب ہو جتنی اللہ کی مخلوق ہے اے گروہ مسلمین اس پر اللہ کا شکر وحمد کرو کہ اس نے تمہیں ایسی روشن وتابناک ملت کی رہنمائی کی جس میں تبدیل وتحریف کی آمیزش نہیں ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

بے شمار محالات:

وہ کھلا ہوا اور رسوا کن جھوٹ جو محال محض وافترائے خالص ہے اسے انشاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کرتے ہیں، تم اس میں غور کرو گے تو عجیب چیز دیکھو گے۔ ان کی توریت میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کہ یہوذا ابن یعقوبؑ اپنے ان بھائیوں کے ساتھ تھے جو اپنی بکریاں چرا رہے تھے جب انہوں نے اپنے بھائی یوسف کو بیچا ہے۔ اور یہوذا ہی نے اپنے بھائیوں کو ان کے فروخت کرنے اور انھیں کنوئیں سے نکالنے کا مشورہ دیا تھا کہ وہ اس طریقے سے یوسفؑ کو موت سے بچالیں۔

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ یہوذا اپنے بھائیوں سے علیحدہ ہو کر حیرہ عدلامی کے ساتھ چلے گئے تھے۔ انہوں نے شوع کنعانی کی بیٹی کو دیکھا تو اس سے شادی کر لی اس سے ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عیر تھا، پھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اونان (انان ونان) تھا پھر ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیلہ تھا، جیسا کہ ہم نے بھی حرفاً حرفاً بیان کیا ہے۔

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ عیر نے ایک عورت سے شادی کر لی جس کا نام ثامار تھا اور اس سے ہم بستری کی، یہ گنہگار تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی اونان نے شادی کر لی اور وہ اس سے علیحدہ رہا کرتا تھا پھر وہ اسی حالت میں مر گیا۔ وہ بیوہ ہی رہی کہ شیلہ بڑا ہو تو وہ شیلہ سے شادی کر لے۔ شیلہ بڑا ہو گیا اور اس نے اس عورت سے شادی نہیں کی۔ اس کا اقرار یہوذا ہی نے کیا ہے کیوں کہ انھوں نے کہا ہے کہ یہ عورت مجھ سے زیادہ انصاف والی ہے کیونکہ میں نے ہی اسے اپنے بیٹے شیلہ کے لئے روکا تھا۔ اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ اس نے مکاری کی یہاں تک کہ اپنے شوہر کے والد یہوذا سے وہ زنا کرا کے حاملہ ہو گئی انہیں سے ان کے یہاں دو جڑواں بچے فارص وزارح پیدا ہوئے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

اس کے بعد یعقوبؑ کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے جو ملک شام میں پیدا ہوئے اور یعقوبؑ کے ساتھ مصر میں آئے، انہیں میں حصرون وحامول پسران فارص بن یہوذا کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ بس اسے یاد رکھو۔

ان کی توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب سولہ برس کے ہو گئے تو وہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ اپنے والد ہی کے پاس بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے انھیں فروخت کر دیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جب ان لوگوں نے انھیں فروخت کیا ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ ان کی توریت میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کی توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یوسفؑ فرعون کے پاس گئے ہیں، انہوں نے گایوں اور بالیوں والے خواب کی اسے تعبیر بتائی ہے اور اس نے انہیں والی مصر بنایا ہے، ان کی عمر تیس برس کی تھی۔

پھر ان کی توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے والد اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر آئے تو ان کی عمر انتالیس برس کی تھی۔ یہ مصرح ہے اور اس میں ان میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ لہذا یہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ یعقوبؑ کے اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر میں جانے اور یوسف کو فروخت کرنے کے درمیان صرف بائیس برس کا زمانہ تھا۔ اس سے بہت کم نہ بہت زیادہ۔ یہ ظاہری حساب ہے جو جاہل سے پوشیدہ ہے نہ عالم سے۔

ان کی توریت میں ذکر کیا گیا ہے کہ اسی مدت میں یہوذا نے شوع کی لڑکی سے نکاح کیا اور ان کے یہاں پہلا اور دوسرا اور تیسرا بچہ پیدا ہوا۔ بڑا لڑکا بالغ ہو گیا اور ایک عورت سے اس کی شادی کر دی گئی اس کے ساتھ ہم بستری کرنے کے بعد وہ مر گیا پھر اس عورت کی شادی اس کے بھائی سے کر دی گئی۔ وہ بھی اس سے علیحدہ رہتا تھا، پھر وہ بھی مر گیا۔ وہ عورت تیسرے کے بڑے ہونے تک بیوہ رہی، پھر اس سے اس کی شادی نہیں کی گئی تو اس نے اپنے شاہر کے والد یہوذا سے زنا کروایا اور اس سے ان کے یہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے، پھر ان دونوں میں سے ایک کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔

یہ محال و ممتنع ہے جس میں کوئی خفاء نہیں۔ طبیعت بشر میں قطعاً ناممکن ہے اور فطرت و خلقت میں قطعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

تم غور کرو کہ یہوذا یوسف کی بیع کے ایک روز بعد اپنے بھائیوں سے جدا ہو گئے۔ انہوں نے دختر شوع سے شادی کر لی۔ اور ان کی زوجہ حاملہ ہو گئیں جن سے ان کے یہاں پہلے ہی سال میں فرزند اکبر پیدا ہوا۔ پھر دوسرے سال دوسرا لڑکا اور تیسرے سال تیسرا لڑکا پیدا ہوا۔

اس پر بھی غور کرو کہ جس وقت فرزند اکبر نے شادی کی اس کی بائیس سال کی کل عمر میں سے بارہ سال ہوئے تھے۔ اور بقیہ عمر تک بیوی کے ساتھ رہا۔

پھر اس عورت کی شادی دوسرے لڑکے سے کر دی گئی اور وہ بھی بارہ سال ہی کا تھا۔ وہ اس سے برابر علیحدہ رہا کہ جو اولاد پیدا ہو وہ اس کے بھائی کی طرف منسوب نہ ہو۔

پھر وہ مر گیا اور وہ انتظار کرتی رہی کہ شیلہ بڑا ہو جائے اور یہ اس سے شادی کر لے۔ یہاں تک کے مدت دراز گذر گئی۔

اس نے دیکھا کہ وہ بھی بڑا بھی ہو گیا اور اس سے اس کی شادی نہیں کی جاتی۔ یہ خیال قطعاً ایک سال سے کم میں نہیں ہو سکتا۔ اب یہ چودہ سال ہوئے

پھر اس نے یہوذا کے ساتھ زنا کیا اور حاملہ ہو گئی اور اس کے یہاں ولادت ہوئی۔ اور یہ بھی ایک ہی سال یا کچھ کم ایک سال ہوا۔ اب بارہ برس میں سے سات سے آٹھ سال تک رہ گئے اور اس سے زائد نہیں ہو سکتے۔ لہذا عقل میں محال و ممتنع ہے کہ کسی سات یا آٹھ برس کے آدمی کے دو بیٹے پائے جائیں۔

میں نے اس شخص سے زائد حساب کا جاہل نہیں دیکھا جس نے ان کی توریت بنائی۔ معاذ اللہ ایسی جھوٹی لچر خبر اللہ کی یا موسیٰ علیہ السلام کی یا کسی ایسے انسان کی نہیں ہو سکتی جو اسے سمجھتا ہے جو کہتا ہے اور عمداً رسوا کن جھوٹ بولنے سے شرماتا نہیں۔ ہم اللہ سے عافیت کے طالب ہیں۔

غلط اولاد شماری:

اس کے بعد یعقوب علیہ السلام کے ان بیٹوں کی تعداد بیان کی گئی ہے جو ان کے ماموں لابان کے یہاں ملک شام میں پیدا ہوئے۔ اور مصر میں ان کے ساتھ گئے انھیں بیان کیا ہے جو لیہ سے پیدا ہوئے اور وہ چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی ان چھ لڑکوں کی اولاد کا ذکر کیا ہے اور ان

کے نام بتائے ہیں روابین کے چار بیٹے بیان کیے ہیں شمعون کے چھ، لاوی کے تین، یہوذا کے تین، یہوذا کے بیٹے کے دو بیٹے ملا کر پانچ ہوئے۔ یساخر کے چار اور زابلون کے تین، جو سب کے سب ان کی توریت کی تصریح کے مطابق لیئہ کے بیٹوں میں تھے۔ ان کے نامزد کرنے کے بعد یہی لیئہ کے لڑکے ہیں اور ان کی اولاد بنات کی تعداد تینتیس ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی توریت میں تصریح ہے۔ یہ حساب کی غلطی ہے۔ اللہ اس سے برتر ہے کہ حساب میں غلطی کرے یا موسٰی علیہ السلام اس میں غلطی کریں۔ لہذا ثابت ہو گیا ہے کہ یہ توریت کسی جاہل مسخرے کی بنائی ہوئی ہے یا کسی کھیلنے والے کی جس نے ان لوگوں سے ہنسی کی اور ان کے عیوب کھولے ہیں۔ اس کے بعد اولاد راحیل کا ذکر ہے۔ پھر یوسف و بنیامین اور ان کی اولاد کا ذکر ہے کہ وہ چودہ تھے۔ مذلفی عاد اور اشار اور ان دونوں کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ سولہ تھے۔ بلہہ کی اولاد دان ونفتالی اور ان دونوں کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ سات تھے پھر ان سب کو جوڑا ہے اور کہا ہے کہ اس خاندان یعقوب کی تعداد جو ان کے ہمراہ مصر میں آئے سوائے ان کی لڑکیوں کے چھیاسٹھ تھی۔ یوسف کے وہ دونوں لڑکے جو ان کے یہاں مصر میں پیدا ہوئے دو تھے چنانچہ مصر میں آنے والوں کی میزان ستر تھی۔

غلط در غلط

یہ کھلی ہوئی غلطی ہے اس لئے کے اعداد مذکورہ کی میزان انہتر ہوئی ہے۔ اگر ان میں سے یوسف کے ان دونوں لڑکوں کو نکال ڈالا جائے جو ان کے یہاں مصر میں پیدا ہوئے تو سرسٹھ باقی رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ چھیاسٹھ کہتا ہے۔ اور یہ جھوٹ ہے۔ پھر کہا ہے کہ ان کے ہمراہ مصر میں آنے والوں کی مجموعی تعداد ستر تھی۔ اور یہ دوسرا جھوٹ ہے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جس نے ان کی توریت بنائی حساب میں اس کی استعداد کمزور تھی۔ یہ اللہ عزوجل کی صفت نہیں ہے اور نہ اس شخص کی جس کے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے جو اسے جھوٹ بولنے سے اور خدا پر عمداً جھوٹ لگانے سے اور جس کام کو اچھی طرح نہ کرسکتا ہو اور نہ اسے قائم کرسکتا ہو اس میں تکلیف کرنے سے روکتی ہے

خطائے مزید

اس فصل میں ایک اور قصہ بھی بیان کیا گیا ہے جو قابل اعتراض ہے لیکن کسی طور پر اس کا مخرج نکل سکتا ہے اور اسی لئے ہم نے اس کے لئے علیحدہ فصل قائم نہیں کی۔ وہ یہ ہے کہ اولاد بنیامین کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بالع وباکرو، اشبیل، واجیر ونعمان وابجی روشن ومفیم حفیم وازد تھے پھر ان کی توریت کے سفر رابع میں بیان کیا ہے کہ صرف بالع، اشبیل واجیر، مفیم، نفیم تھے

پھر کہا ہے کہ بالع کے دو بیٹے ازد نعمان تھے۔

پھر اگر یہ اس کے علاوہ نہ ہو کہ ان دس سے سوائے ان پانچ کے نہ پیدا ہوئے ہوں جن کا ذکر سفر رابع میں آیا ہے اور ازد و نعمان پسران بالع ازد و نعمان پسران بنیامین کے علاوہ ہوں، ورنہ یہ جھوٹ ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ہر وہ چیز جس سے کسی طور پر بھی نکلنا ممکن ہوگا اگر چہ وہ بعید ہی ہو ہم سے ان کی جھوٹی کتاب کی رسوا کن باتوں میں نہیں لائیں گئے۔

نبی کی بات اور خرافات (۱)

پھر یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کے حق میں دعائے برکت کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا داہنا ہاتھ افرائیم بن یوسف کے سر

پر اور بایاں منسی بن یوسف کے سر پر رکھا۔ یوسف علیہ السلام کو یہ ناگوار ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اے میرے والد یہ اچھا نہیں ہے اس لئے کہ یہ میرا فرزند اکبر ہے اس لئے آپ اپنا داہنا ہاتھ اس کے یعنی منسی کے سر پر رکھیے۔ مگر یعقوب کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے فرمایا مجھے معلوم ہے اے میرے فرزند مجھے معلوم ہے۔ اور اس کی ذریت کثیر و عظیم ہوگی لیکن اس کے چھوٹے بھائی کی نسل و تعداد اس سے زیادہ ہوگی یعنی افرایم کی نسل کی تعداد منسی کی نسل سے زیادہ ہوگی۔

پھر مصحف یوشع میں بیان کیا گیا ہے کہ منسی کے لڑکے جب شام میں آئے اور ان پر زمین تقسیم کی گئی تو وہ باون ہزار سات سو سپاہی تھے اور افرایم کے لڑکے اس زمانے میں تینتیس ہزار پانچ سو تھے۔

ان کی ایک کتاب میں جو ان کے یہاں بہت ہی باعظمت ہے اور اس کا نام ''سفیطم'' ہے بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں قبل داؤد علیہ السلام چار بادشاہ اولاد منسی میں اور چار بادشاہ اولاد افرایم میں تھے۔

مذکورہ بالا اولاد منسی میں ایک شخص تھا جس کا نام مفتاح بن علفاذ تھا۔ اس نے اولاد افرایم کے بیالیس ہزار سپاہیوں کو قتل کر دیا یہاں تک کے قریب ہی تھا کہ ان کی بنیاد ہی ختم کر دے۔

ان کی ایک دوسری کتاب میں جو ان کے نزدیک بہت ہی باعظمت ہے اور اس کا نام ''ملاخیم'' ہے اس میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد نبی اسرئیل کے دس خاندان بادشاہ ہوئے یہاںتک کہ مذکورہ بالا خاندان گئے اور انہوں نے اولاد افرایم کے دو بادشاہوں کو جن کی پوری مدت صرف چھبیس برس تھی گرفتار کر لیا۔ یہ دونوں باریعام اور اس کا بیٹا باباط تھے اولاد منسی کے پانچ بادشاہ ان کے والی ہوگئے اور ایک سو دو سال تک برابر ان کی سلطنت رہی۔ یہ لوگ رخربا بن ریعم بن یواش بن یہویا حاز بن یہو تھے جو سب کے سب (۱) بادشاہ، (۲) ابن بادشاہ (۳) ابن بادشاہ (۴) ابن بادشاہ (۵) ابن بادشاہ تھے۔

دس اسباط (یعنی اولاد یعقوب) میں سے جو لوگ بادشاہ ہوئے وہ ان منشائین سے زائد طاقتور بادشاہ نہیں ہوئے۔

یہ یعقوب کے اس قول کی بالکل ضد ہے جس کو ان لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بالکل بعید ہے کہ کوئی نبی جو خبر اللہ کی طرف سے دے اس میں وہ جھوٹ بولے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ یوشع بن نون وربورانسہ و ملحی مورشی سب کے سب نبی تھے اور افرایم کی اولاد میں سے تھے۔ اور نبی افرایم جب مصر سے نکالے گئے ہیں ان کی تعداد چالیس ہزار سات سو سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اور بنی منشا اس زمانے میں بتیس ہزار دو سو سپاہی تھے۔ تو ہم کہیں گئے کہ تم لوگوں نے یہ نہیں بیان کیا کہ یعقوب نے کہا کہ شرف افرایم کی نسل میں ہوگا۔ بلکہ تم نے یہ روایت کی ہے کہ یعقوب نے کہا کہ ہمیشہ کے لئے اور بالعموم افرایم کی نسل تعداد منشا سے زیادہ ہوگی۔

برکت کا پہنچنا کسی خاص و قلیل وقت کے لئے نہ تھا کہ پھر حالت اس کے خلاف ہو جائے گی۔ اور برکت ہمیشہ کے لئے باطل ہو جائے گی۔ اور جو مبارک ہوگا وہ بدنصیب ہو جائے گا اور بدنصیب مبارک۔

وہ دعا جو قبول نہ ہوئی

پھر یعقوب علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے اسی وقت روابین سے کہا کہ تم سب سے پہلے شخص ہو گے جو عطا کرنے میں سب پر غالب ہو گے۔ شرف میں تمہیں فضیلت ہوگی عزت میں تمہیں فضیلت ہوگی۔ اور تمہاری فضیلت پانی بہنے کی جگہ کی سی نہ ہوگی۔ یہ وہ

کلام ہے جس کی ابتدا اس کے انتہا کی تکذیب کرتی ہے۔

برکت جو نامبارک نکلی:

پھر بیان کیا گیا ہے کہ اسی زمانے میں یعقوب علیہ السلام نے یہوذا سے فرمایا کہ یہوذا سے سرسبز مقام ترک نہ ہوگا اور نہ ان کی نسل سے سردار ختم ہوگا تاوقتیکہ وہ نبی نہ آجائیں جو تمام امتوں کی امید گاہ ہیں۔

یہ جھوٹ ہے اس لئے کہ یہوذا کی اولاد سے سرسبز مقام بھی منقطع ہوگیا تھا۔ اور ان کی نسل سے سرداری بھی منقطع ہوگئی تھی وہ نبی بھی نہیں آیا جو ان کی امید گاہ تھا یہوذا کی اولاد سے بخت نصر کے عہد سے سلطنت منقطع ہوگی۔ جس کو ڈیڑھ ہزار برس سے بھی زائد گزر گیا، سوائے ایک قلیل مدت کے جوزربائیل بن صلثائیل کی مدت تھی؛۔

میں نے اس فصل پر یہود کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے مناظر کے سامنے ۴۰۴ء میں تقریر کی۔ وہ اشمول ابن یوسف املاوی کاتب عرف ابن نضر وال تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ جالوتون کے سردار خاندان داؤد سے سلسلہ نسب رکھتے تھے اور اولاد داؤد یہوذا کی اولاد میں تھے۔ یہی سرداری وسلطنت وریاست ہے

میں نے کہا کہ یہ غلط ہے اس لئے کے جالوت کا سردار کسی پر بھی اپنا حکم نافذ نہیں کرسکتا تھا نہ یہود پر نہ غیر یہود پر۔ یہ سرداری تو برائے نام تھی جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ نہ اس کی سرگردہی تھی، نہ اس کے ہاتھ میں کوئی سرسبز مقام تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے، حالانکہ ابن برام کے ساتھ چند لڑائیوں کے بعد چھ سات سال تک اولاد یہوذا میں سے ایک بھی والی نہ تھا۔ اس کے بعد ایک شخص پیدا ہوا جس کا لقب صدقیا بن یوشیا تھا۔ اولاد یہوذا میں سے ایک شخص بھی اس کا معین ومددگار نہ ہوا اور نہ کوئی ایسا شخص ہوا جو مسلسل بہتر سال کسی ایک شخص پر بھی بادشاہ رہا ہو۔ یہانتک کہ زربائیل پیدا ہوا (صرف یہی چھ سال تک مسلسل بادشاہ رہا) پھر ان لوگوں میں والی بالکل منقطع ہوگئے، نہ تو سردار جالوت ہوا اور نہ ہی کوئی اور۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب دوسو سال تک ایک ایک ہارونیین میں سے ہوا۔ اور مسلمانوں کی سلطنت تک یا اس کے کچھ ہی قبل تک اس زمانے میں اولاد یہوذا میں سے کسی کی حکومت نہ رہی۔

اب تک انہوں نے اس جالوت کا نام ایک ایسے شخص کو دیدیا جو اولاد داؤد میں سے تھا۔

سوائے اس کے کہ بعض قدیم مورخین نے بیان کیا ہے کہ ہردوس اور اس کے دو بیٹے اور ایک پوتا اعریفاس بن اعریفاس یہ لوگ بنی یہوذا میں سے تھے۔

ہر مورخ کے نزدیک زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ رومی تھے۔

لہذا یقیناً ان کمینوں کا کذب ظاہر ہوگیا اور خدا کی پناہ کہ کوئی نبی جھوٹ بولے۔

ایک اور جھوٹ نسبت

پھر بیان کیا گیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے لاوی وشمعون سے کہا کہ میں ان دونوں کو یعقوب میں پھیلاؤنگا اور اسرائیل میں دونوں کو پھیلاؤں گا۔

لاوی کی نسل تو بنی اسرائیل میں پھیلی ہوئی تھی جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اولاد شمعون نہیں پھیلی۔ بلکہ وہ لوگ ایک ہی بستی میں جو ان کے لئے تھی اکھٹا رہے جیسا کہ تمام اسباط (اولاد یعقوب) اور کوئی فرق نہ تھا۔

نبوت کی پیشینگوئی ایسی نہیں ہوتی کہ ایک قصے میں سچی ہو اور دوسرے میں جھوٹی۔ یہ تو ان لوگوں کے حساب کی پیشگوئیوں کی صفات ہیں جو عورتوں اور بیوقوفوں کے لئے راستے میں بیٹھے ہیں۔

یہودی خدا کا بیٹا:

توریت کے سفر ثانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ فرعون سے کہو کہ ''سید'' (یعنی آقا سردار جس سے مراد خدا ہے) کہتا ہے کہ اسرائیل میرا فرزند اکبر ہے اور تجھ سے کہتا ہے کہ میرے فرزند کو اجازت دے کہ وہ میری خدمت کرے اور اب اگر تو ناپسند کرے گا تو میں تیرے فرزند اکبر کو ہلاک کردوں گا۔

یہ عجیب امر ہے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہود اس کے بعد کس منہ سے نصاریٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور کیا ان کتب ملعونہ ومتبدلہ کے سوا کسی اور چیز نے نصاریٰ کے لئے اس کفر کا راستہ بنایا کہ وہ اللہ کا بیٹا بنائیں اور انہیں تثلیث کا راستہ بتایا؟ جیسا کہ ہم اس کے قبل بھی بیان کر چکے ہیں۔ سوائے اس کے کہ نصاریٰ نے تو صرف ایک ہی شخص کے متعلق معجزات عظیمہ کی وجہ سے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا، مگر ان ذلیل کتابوں نے اور ان کے ماننے والوں نے تمام بنی اسرائیل کو خدا کو بیٹا بنا دیا حالانکہ تمام امتوں میں سب سے زیادہ رذیل اور سب سے زیادہ گندے یہی لوگ ہیں اور ان کا کفر بھی نہایت وحشت ناک ہے اور ان کا جہل بھی سب سے زیادہ کھلا ہوا ہے۔

جادو معجزے کے برابر (!)

پھر بیان کیا گیا ہے کہ ہارون نے فرعون اور اس کے غلاموں کے سامنے عصا ڈال دیا تو وہ سانپ بن گیا۔ پھر فرعون نے عاملوں اور ساحروں کو بلایا اور انہوں نے بھی اسی طرح مصری منتر کیا۔ لیکن موسیٰ کا عصا ان کے عصاؤں کو لے گیا۔

پھر بیان کیا ہے کہ موسیٰ و ہارون نے وہی کیا جو ''سید'' نے انہیں حکم دیا تھا۔

پھر موسیٰ نے عصا اٹھا لیا اور اسے نہر کے پانی پر مارا جو فرعون اور اس کے غلاموں کے آگے جاری تھا۔ وہ پانی خون بن گیا اور اس کی تمام مچھلیاں مر گئیں اور نہر سڑ گئی۔ مصریوں کو اس کا پانی پینے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ تمام ملک مصر میں پانی خون بن گیا۔ پھر مصر کے ساحروں نے بھی اپنے منتروں سے ایسا ہی کیا۔

پھر بیان کیا ہے کہ ہارون نے مصر کے ہر پانی پر اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس سے مینڈک نکلے اور تمام مصر پر چھا گئے۔ ساحروں نے بھی اپنے منتروں سے ایسا ہی کیا، اور پھر وہ بھی مصر کی سرزمین پر مینڈکوں کو لے آئے۔

پھر بیان کیا ہے کہ ہارون نے اپنا ہاتھ عصا پر ڈالا اور اسے زمین کی گرد پر مارا اس سے تمام آدمیوں اور جانوروں پر مچھر پیدا ہو گئے اور پورے ملک مصر میں پورا گرد و غبار مچھر بن گیا، مگر ساحر اپنے منتروں سے ایسا نہ کر سکے۔ اور انہوں نے مچھر بنانے کا ارادہ تو کیا مگر اس پر قادر نہ ہوئے۔ ساحروں نے فرعون سے کہا کہ یہ کام تو خدا کا ہے۔

یہ نہایت شدید و دائمی مصیبت اور قائم رہنے والا وبال ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو پھر موسیٰ علیہ السلام بلکہ ہر نبی کی نبوت ہی باطل ہو جائے اگر ساحر ایسی چیز پر قادر ہو جائیں تو اسی کی جنس سے ہو جو نبی لاتا ہے تو پھر ساحرین و مدعیان نبوت کا ایک ہی دروازہ ہوگا۔

یقیناً موسیٰ اپنے عصا سے ان کے عصاؤں کو ذلیل کرنے اور ان لوگوں کے مچھر بنانے سے عاجز رہنے کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

اور وہ بھی عصاؤں کو سانپوں کی شکل میں بدلنے اور پانی کو خون بنا دینے اور مینڈک لا دینے پر قادر ہو گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نبوت کی

وجہ سے اس سے زیادہ فوقیت نہ حاصل ہوئی کہ وہ فقط اس عمل میں ان سے زیادہ علم والے ہیں۔ اگر ایسا ہو جیسا یہ کذاب وملعون کہتے ہیں تو فرعون کا یہ کہنا سچ ہو جائے" **انہ لکبیر کم الذی علمکم السحر** "(بے شک وہ موسیٰ تم سب سے بڑے ہیں جنہوں نے تم کو سحر سکھایا)

مچھروں کے بارے میں ساحروں کے یہ کہنے ہیں کہ ان لوگوں کا کوئی فائدہ نہیں کہ یہ خدا کا کام ہے۔

بنی اسرائیل سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ساحروں کے اس قول کے بموجب عصا کو سانپ کی شکل میں بدل دینا پانی کا خون بنا دینا اور مینڈک لانا خدا کا کام نہ تھا بلکہ غیر خدا کا کام تھا۔ اور یہ وہ بڑی بات ہے جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

بھلا اس کمزور اور بنائی ہوئی تہمت کا اس روشن نورِ حق سے کیا مقابلہ ہے جو اللہ عزوجل فرماتا ہے" **انما صنعو اکید ساحر** "(ان لوگوں نے جو کچھ کیا وہ محض ساحر کا مکر تھا)

اور فرماتا ہے" **وجاء السحرة فرعون قالو اِن لنا لاجرا ان کنا نحن الغالبین قال نعم وانکم لمن المقربین. قالوا یا موسیٰ اما ان تلقی و اما ان نکون نحن الملقین. قال القو افلما القو اسحر وا اعین الناس واستر هبوهم وجآء و ابسحر عظیم. واو حینا الی موسیٰ ان الق عصاک فا ذاهی تلقف مایا فکون. فوقع الحق وبطل ما کا نوا یعملون. فغلبو اهنالک وانقلبو اصاغرین. والقی السحرة ساجدین. قالوا آمنا برب العلمین رب موسیٰ و هارون** "

(اور ساحر لوگ فرعون کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اجرت تو ضرور ملے گی اگر ہم غالب آئیں گے۔ فرعون نے کہا ہاں۔ اور تم لوگ مقربین میں ہو جاؤ گے۔ ساحروں نے کہا اے موسیٰ تم ڈالتے ہو کہ ہم ڈالیں۔ انہوں نے کہا تم لوگ ڈالو۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا۔ اور لوگ ان سے ڈر گئے اور وہ لوگ ایک بہت بڑا بھاری سحر کر لائے اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ تم اپنا عصا ڈال دو چنانچہ وہ اسے لینے لگا جو وہ فریب دے رہے تھے۔ چنانچہ حق ثابت ہو گیا اور وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے باطل ہو گیا۔ چنانچہ وہ لوگ وہیں مغلوب ہو گئے۔ اور ذلیل ہو کر واپس گئے اور ساحر لوگ (بتوفیق الٰہی) سجدے میں گرا دیے گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم پروردگار عالم پر جو موسیٰ و ہارون کا پروردگار ہے ایمان لاتے ہیں)

چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" **فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحر هم انها تسعی** "(اتفاق سے ان کی رسیوں اور عصاؤں کے متعلق ان کے سحر کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دوڑتے ہیں) اللہ عزوجل نے خبر دی کہ موسیٰ کا عمل حق تھا اور ان کا عصا درحقیقت سانپ بن گیا تھا۔ ارشاد ہے" **فاذا هی ثعبان مبین** "کہ وہ کھلم کھلا سانپ ہو گیا) ثابت ہو گیا کہ ہر شخص کے لئے جس نے اسے دیکھا یہ یقیناً واضح ہو گیا تھا۔ اللہ نے خبر دی کہ ساحرین نے جو کچھ کیا تھا وہ محض کذب وتخیل وکید تھا۔

یہی وہ حق ہے جس کی عقول شہادت دیتی ہیں نہ وہ جو مبدل ومحرف کتاب (توریت) میں ہے۔

ثابت ہو گیا کہ ساحرین کا فعل ایک حیلہ تھا جس میں فریب کاری تھی اور اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ دلیل بھی اس کی تصحیح کرتی ہے۔ کیونکہ طبائع اشیاء کو سوائے خالق طبائع کے کوئی نہیں بدل سکتا۔ وہ اپنے نبی ورسول کی شہادت اور صدق وکذب میں فرق کرنے کے لئے بدلتا ہے۔ ان لوگوں کے قول کی عقل تصحیح نہیں کرتی کہ ساحرین نے ویسا ہی عمل کیا جیسا موسیٰ نے کیا تھا جس وقت موسیٰ سے مطالبہ کیا گیا تھا یہ موسیٰ کے قول کے صدق کی دلیل ہے اس وقت جب کہ وہ انہیں اس پر ابھارتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اگر سچے ہیں اور موسیٰ کاذب ہیں تو موسیٰ ہی جیسا

عمل کر دکھائیں۔ اور وہ موسیٰ ہی جیسا کرلائیں تو ذرا نتیجہ تو سوچو خدا تم پر رحم کرے۔

تورات کا مصنف

یہ ایسی خرابی ہے جو اس بات کی قطعی اور سچی شہادت دیتی ہے کہ اس کتاب کا بنانے والا رہ ملعون اور جھوٹا شخص ہے جس کا نام حماس
ہے حالانکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی توریت ہے
وہ (حماس) محض ایک زندیق (بددین) جو باری تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور کتابوں کی توہین کرتا تھا موسیٰ علیہ السلام اس سے بعید
ہیں۔

استحالہ

یہودی آج تک یہ گمان کرتے ہیں کہ طبائع کا بدل دینا اور اجناس کا اپنی صفات ذاتیہ سے دوسرے اجناس میں پلٹ دینا اور معجزات
مبینہ میں چیزوں کا ایجاد کرنا ان سب پر منتر اور صنعت وحرفت سے قابو پایا جاسکتا ہے
جاننا چاہیے کہ جو اس کی تصدیق کرے بلاشک وہ نبوت کا باطل کرنے والا ہے۔ کیونکہ نبی وغیر نبی میں جو فرق ہے وہ محض اسی باب
میں فرق ہے۔ اگر غیر نبی کے لئے بھی یہ ممکن ہو جائے تو پھر بنوت کا دعویٰ بے دلیل رہ جائے گا گمراہی سے خدا کی پناہ۔
ہم نے آج تک یہود کو اس امر پر متفق دیکھا ہے کہ ان کے علماء میں سے ایک شخص جو بغداد میں تھا بغداد سے ایک دن قریظہ
(قرطبہ) گیا اور بنی الاسکندری کے ایک شخص کے سر میں دو سینگ پیدا کردیئے یہ شخص یہود کے مکان کے قریب جو خندق الحرقہ کے نزدیک تھا
رہتا تھا اور وہاں کے یہود کو ستاتا تھا اور ان سے تمسخر کیا کرتا تھا۔
یہ وہ جھوٹ اور رسوا کن بات ہے جس کی نظیر نہیں۔ جو مقام ہمارے نزدیک قرطبہ کے نام سے مشہور ہے وہ شہر کے اندر داخل ہے اور
عبدالواحد بن یزید الاسکندری کا بلند ومشہور مکان ہے۔ ہم نے ان لوگوں کا آخری وقت پایا ہے۔ ان لوگوں میں وزارت وتعلقداری
(کلکٹری) تھی۔ ان میں کوئی شخص غیر معروف وغیر مشہور نہیں ہے۔
یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کے مرنے تک ان میں سے کسی کے بھی اس بنائی ہوئی حماقت کا کسی کو پتہ نہ لگا (کہ ان کے یہاں
کسی کے سینگ نکلا ہو) یہ پوری قوم ان کے اگلے پچھلے سب کے سب مخلوق میں سب سے زائد جھوٹے ہیں۔ اور باوجود بکثرت ان لوگوں کا
مشاہدہ کرنے کے میں نے ان میں سے کبھی کسی کو سچ بولنے کی کوشش کرتے نہیں دیکھا سوائے دو شخصوں کے۔

خون پانی:

پانی کو خون بنانے کے قصے میں ایک اور فضیحت وخرابی بھی ہے کہ وہ کھلا ہوا جھوٹ ہے وہ یہ ہے کہ جس کلام کو یہ توریت سمجھتے ہیں اس
میں تصریح ہے کہ ''پھر آقا نے موسیٰ سے کہا کہ تم ہارون سے کہو کہ تم اپنے ہاتھ سے عصا کو مصر کے پانی اور نہروں وادیوں اور میدانوں اور اس کے
باغوں پر پھیرو کہ وہ خون ہو جائے۔ اور جو پانی مٹی اور لکڑی کے برتن میں ہے وہ بھی خون ہو جائے۔ موسیٰ وہارون نے ویسا ہی کیا جیسا کہ ان
کے آقا نے انہیں حکم دیا تھا سرزمین مصر میں تمام پانی خون بن گیا۔ مصر کے ساحروں نے بھی اپنے منتروں سے ایسا ہی کیا۔ فرعون کا دل اور سخت
ہو گیا اور اس نے موسیٰ وہارون کی بات کسی حال میں نہ سنی۔ پھر فرعون واپس ہوا اور اپنے گھر چلا گیا اور اس طرف بھی اس نے اپنے قلب کو متوجہ

نہ کیا۔ تمام مصریوں نے نہر کے اطراف میں کنویں کھودے تاکہ ان سے پانی حاصل کریں اس لئے کہ وہ نہر کا پانی پینے پر قادر نہ تھے”

یہ ان کی کتاب کی نص ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہر پانی جو مصر میں تھا نہروں میں، وادیوں میں، میدانوں میں، باغوں میں مٹی اور لکڑی کے برتنوں میں، غرض کے سرزمین مصر میں جتنا اور جیسا پانی تھا سب کا سب خون بن گیا تھا۔ پھر وہ کون سا پانی باقی تھا کہ اسے ساحروں نے خون بنادیا جیسا کے موسیٰ و ہارون نے بنایا تھا۔ ان جھوٹوں کی ذلت و رسوائی کے سوا اللہ کو بھی کچھ اور منظور نہیں ہے۔

اگر وہ کہیں کہ ساحروں نے کنوؤں کا پانی بدل دیا تھا۔ یہاں تک کے مصریوں نے نہر کے اطراف میں کنوئیں کھودے۔ تو ہم کہیں گے کہ قطعی پانی نہ رہنے پر لوگ کیسے زندہ رہے۔ کیا یہ ذلیل و مردود باتیں نہیں ہیں اور کیا یہ اب بھی پوشیدہ ہے یہ یا تو کسی بیوقوف کی بنائی ہوئی ہیں اور یا کسی ذلیل بد دین شخص کی ہیں جو جھوٹ بولنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ گمراہی سے خدا کی پناہ۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ فرعون سے کہیں کہ تیری کمائی کی جگہ پر جو زراعتی میدانوں میں ہے اور تیرے گھوڑوں گدھوں اونٹوں گایوں اور بکریوں پر سخت وبا کے ذریعے سے عنقریب میرا قبضہ ہوگا ”سید“ اسے پورے ملک میں ظاہر کرے گا ”سید“ نے دوسرے روز یہی کیا۔ مصریوں کے تمام جانور مر گئے اور بنی اسرائیل کے جانور نہیں مرے فرعون کو بہت رنج ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کو (ترک وطن کی) اجازت نہ دی۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ مٹھی بھر بھٹی کی راکھ لیں اور اسے فرعون کے آگے آسمان کی طرف ڈال دیں کہ تمام سرزمین مصر میں غبار ہی غبار ہو جائے اور آدمیوں اور جانوروں کے پھوڑے پھنسیاں اور ورم پیدا ہو جائیں۔ موسیٰ نے کسی بھٹی سے راکھ لی اور فرعون کے آگے کھڑے ہو کر آسمان کی طرف پھینک دی۔ اس سے آدمی اور جانوروں میں پھوڑے پیدا ہو گئے۔ ساحر موسیٰ کے قریب کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوئے اس لئے کہ انہیں بھی پھوڑوں کی تکلیف پہنچ چکی تھی۔ اور ایسا ہی تمام ملک مصر اور ساحروں میں ہوا۔ پھر اللہ نے فرعون کا دل سخت کر دیا اور ”سید“ نے موسیٰ و فرعون کو جو حکم دیا اس کو فرعون نے کسی حال میں نہ سنا۔

اس کے بعد کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ فرعون سے کہہ دیں کہ کل اسی وقت اس قدر زیادہ اولے برساؤں گا کہ جب سے مصر کی بنیاد رکھی گئی ہے اس وقت سے آج تک ایسے اولے نہ پڑیں ہوں گے۔ لہذا تو اپنے جانور اور تمام اشیاء مملوکہ کھیتی والے میدان میں بھیج دے اور جمع کر دے کیونکہ ہر وہ شے کہ کھیتی والے میدان میں ہوگی اسے اولے لگیں گے اور گھروں میں اولے نہیں جائیں گے۔ فرعون کی رعایا میں سے جو ”سید“ کی دھمکی (وعید) سے ڈرا اس نے اپنے غلام اور جانور گھروں میں داخل کر دیئے اور جس نے ”سید“ کی وعید کو لچر سمجھا اس نے اپنے غلام اور جانور کھیتی والے میدان میں رہنے دیئے ”سید“ نے موسیٰ سے کہا کے تم اپنا ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاؤ کہ تمام سرزمین مصر میں اولے پڑیں۔ موسیٰ نے عصا کے ساتھ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف پھیلایا۔ سید گرج اور اولے لایا جو زمین پر بکھر رہے تھے۔ پھر ”سید“ نے تمام سرزمین مصر میں آگ ملے ہوئے اولے برسائے جب سے یہ سرزمین آباد ہوئی اتنے بڑے اولے نہیں گرے تھے اولوں نے تمام سرزمین مصر کی ہر وہ شے جو میدانوں میں کھلی ہوئی تھی آدمی جانور دونوں کا غلہ چارا سب ہلاک کر دیا اور اس کے تمام درختوں کو اکھاڑ دیا۔ اور سرزمین قوس میں جہاں بنی اسرائیل تھے وہاں ایک اولہ بھی نہیں گرا۔

سراسر بے فروغ

اس دروغ بیفروغ پر غور کرو۔ پہلے تو یہ بیان کیا کہ موسیٰ وبا لائے اور انہوں نے اللہ کی طرف سے خبر دی کہ اس نے فرعون سے فرمایا

کہ میں عنقریب تیری کمائی کا مقام جو میدانوں میں ہے اور تیرے گھوڑے گدھے اونٹ گائیں اور بکریاں سب ہلاک کردوں گا۔ یہ سب لوگوں کو شامل ہے جو گھروں میں داخل کیے گئے ہوں اور جو نہ داخل کیے گئے ہوں۔ ہر حیوان کی ایک صنف کو شامل ہے۔

پھر خبر دی کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے اور بنی اسرئیل کا ایک جانور بھی نہیں مرا۔

پھر پھوڑے پھنسی کا حال بیان کیا ہے۔

پھر اولے کا واقعہ بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے فرعون کو خدا کا خوف دلایا اور اسے اپنے جانوروں کو گھروں میں داخل کرنے کا حکم دیا کہ اس میں سے جو چیز اولوں کے میدان میں ملے گی تباہ ہو جائے گی۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ فرعون اور اہل مصر کا کون سا جانور بچ گیا تھا۔ حالانکہ بیان کیا گیا ہے کہ وبا نے سب کو ہلاک کر دیا تھا۔ کہاں تھے اونٹ گدھے گھوڑے اور بکریاں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں؟

یہ ناممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ آخر میں بنی اسرائیل کے وہی جانور ہلاک ہو گئے جو شروع میں بچ گئے تھے۔ اس لئے کہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ سرزمین توس میں جہاں بنی اسرائیل کی سکونت تھی اولا نہیں گرا۔

ایک نشانی (معجزہ) اور دوسری نشانی میں خود ان لوگوں کے اقرار کے مطابق اتنا وقت نہ تھا کہ جس میں دوسرے شہر سے ان لوگوں کے پاس جانوروں کا لانا ممکن ہو۔ اس لئے کہ ایک نشانی سے دوسری نشانی تک ایک یا دو دن یا اسی کے قریب وقفہ تھا۔ مصر کے علاقے بہت وسیع ہیں اور کوئی بستی اس کے متصل نہیں ہے۔ بلکہ ہر طرف سے اس کی انتہائی سمت اور اس کی قریب ترین آبادی کے درمیان بھی بہت دنوں کی مسافت کا راستہ ہے۔ مثلاً شام اور مغربی شہر اور سرزمین نوبہ اور سوڈان اور افریقہ۔ لہذا اس کا کذب ظاہر ہو گیا جس نے یہ مبدل ومحرف اور گھڑی ہوئی کتاب بنائی جس کو یہ لوگ توریت سمجھتے ہیں۔ اللہ اس سے برتر ہے۔ اللہ کی بہت بہت حمد وشکر کہ اس نے ان لوگوں کے سے عمل اور گمراہی سے محفوظ رکھا۔

مصر میں مدت سکونت یہود

اس کے بعد کہا ہے کہ ملک مصر میں بنی اسرائیل کا مسکن چار سو تیس برس تک رہا۔ جب یہ سال ختم ہو گئے تو اسی روز ''سید'' کی چھاؤنی ملک مصر سے نکل گئی۔

یہ زندگی بھر کی رسوائی اور ہمیشہ کی بدنامی اور پیٹھ توڑنے والی بات ہے۔ یہاں تو یہ کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کا مسکن ملک مصر میں چار سو تیس برس رہا۔ حالانکہ اس کے قبل بیان کیا ہے کہ قاہاث بن لاوی اپنے دادا یعقوب اور اپنے والد لاوی اور اپنے چچاؤں اور چچازاد بھائیوں کے ہمراہ مصر میں آئے۔ قاہاث بن لاوی مذکور کی عمر ایک سو تینتیس برس کی تھی، عمران بن قاہاث بن لاوی مذکور کی عمر ایک سو سینتیس برس تھی موسیٰ بن عمران بن قاہاث بن لاوی مذکور کی عمر جب وہ بنی اسرائیل کو مصر سے اپنے ہمراہ لئے گئے اسی برس تھی۔ یہ سب اسی کتاب میں منصوص ومصرح ہے جس کو یہ لوگ توریت سمجھتے ہیں جیسا کہ ہم اس کو بیان کرتے ہیں۔

غور کرو جب قاہاث مصر میں آئے ایک مہینے کے یا اس سے کم کے تھے۔ ان کے بیٹے عمران ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ موسیٰ بن عمران بھی اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ ان سب کو جمع کیا جائے تو صرف تین سو پچاس برس سے زائد نہیں ہوتا اب وہ اسی برس کہاں گئے جو چار سو تیس برس میں سے باقی رہتے ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ ہم اس مدت میں یوسف کے قیام مصر کی مدت کا بھی اضافہ کریں گے جو اپنے والد اور بھائیوں سے پہلے مصر میں آ گئے تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ جب مصر میں آئے تو سترہ برس کے تھے۔ اور جب ان کے اور بھائی وہاں آئے ہیں وہ انتالیس برس کے تھے۔ تب ان کا قیام مصر میں اپنے والد اور بھائیوں سے پہلے بائیس برس ہوا۔ ان کو تین سو پچاس سے ملا لیا جائے تو سب کا مجموعہ بلاشک تین سو بہتر ہوگا۔ اٹھاون سال جو چار سو تیس میں باقی رہیں گے وہ کہاں ہیں؟ یہ ایسی بدنامی ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ ایسا جھوٹ ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔ اور ایسا باطل ہے کہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ جس کے سر میں صحیح دماغ ہوگا وہ ہرگز اس کا معتقد نہیں ہو سکتا۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک منٹ بھی جھوٹ بولے اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی رسول عمداً یا سہواً ایک منٹ بھی جھوٹ بولے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس مدت میں سے قاہات کا وہ سن نکال دیا جائے گا جب ان کے یہاں عمران پیدا ہوئے اور عمران کا وہ سن نکال دیا جائے گا جب ان کے یہاں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

صحیح یہ ہے کہ جو ان کی کتابوں کی نصوص و تصریحات سے نکلتا ہے کہ بنی اسرائیل کی مدت جب سے یعقوب اور ان کے بیٹے مصر میں آئے اس وقت سے ان کے موسیٰ علیہ لاسلام کے ہمراہ مصر سے جانے تک صرف دو سو سترہ برس ہوئے۔ یہ دو سو تیرہ برس (جو چار سو تیس برس میں سے باقی رہ جاتے ہیں) جھوٹ ہیں۔ اگر ان کی توریت میں صرف یہی ایک جھوٹ ہوتا تب بھی اس امر کے ثبوت میں کافی ہوتا کہ یہ کسی ایسے شخص نے بنائی ہے اور بدلی ہے جو اپنے جہل میں گدھے کی طرح ہے یا کوئی مسخرہ ہے جس نے ان سے تمسخر کیا ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

خدا کی تشبیہ

اس کے بعد کہا ہے کہ اس وقت موسیٰ و بنی اسرائیل اس شرف کی وجہ سے صاحب فضیلت ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ''سید'' نے ہمیں بزرگی دی کیونکہ وہی شرف و بزرگی دیتا ہے۔ میرے آقا کی مدح نے اور میری قوت نے گھوڑے اور اس کے سوار کو دریا میں غرق کر دیا میری یہ رہائی ہو گئی۔ میں اپنے اللہ کی بزرگی بیان کرتا ہوں اور اپنے والد کے معبود کی عظمت کرتا ہوں جو آقا ہے اور مثل قدرت والے آدمی کے قاتل ہے۔

سفر خامس میں ہے کہ تمہیں جاننا چاہیے آقا (سید) تمہارا وہی معبود ہے جو ایک کھا جانے والی آگ ہے۔

یہ بھی ایک بدی ہے کہ اللہ عزوجل کو مرد توانا سے تشبیہ دی جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ وہ آگ ہے۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کی تلافی نہیں۔

اللہ کا نور

بعض یہود نے کہا ہے کہ کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا ہے کہ ''**الله نور السموات والارض**'' (اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا) میں نے کہا ہاں۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوذر نے پوچھا کہ کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے اور میں اسے دیکھتا ہوں۔ یا میں اسے کیسے دیکھوں؟ یہ بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ آپ نے دکھائی دینے والا نور مراد نہیں لیا (ورنہ ابوذر سے یہ فرماتے کہ وہ تمہیں بھی دکھائی دیتا ہے) بلکہ آپ نے وہ نور مراد لیا جو دکھائی نہیں دیتا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ایسا نور نہیں جس میں رنگ ہے اور وہ دکھائی دیتا ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ ''**نور السموات والارض**'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اہل آسمان و زمین کا ہادی و رہبر ہے نور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''**مثل نورہ**

کمشکواة فیها مصباح المصباح فی زجاجة. الزجاجة کانها کوکب دری یوقد من شجرة مبارکة زیتونة لا شرقیة ولا غربیة. یکاد زیتها یضیئی ولولم تمسه نار. نور علی نور. یهدی الله لنوره من یشاء"

(اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے چراغ شیشے میں ہے شیشہ ایسا ہے جیسے چمکدار ستارہ جو روشن ہے زیتون کے بابرکت درخت سے جس کا رخ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آگ بھی اس کے قریب نہ آئے تب بھی اس کا تیل روشن ہو جائے۔ وہ ایک نور بالائے نور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور تک پہنچا دیتا ہے)

اس نے اپنے نور کو (جس سے وہ اپنے اولیاء کی رہنمائی کرتا ہے) ایک ایسے چراغ سے تشبیہ دی جس کا اس نے ذکر کیا۔ اس نے ایک مخلوق (نور) کو ایک مخلوق (چراغ) سے تشبیہ دی ہے۔ اس کا بیان خود اسی کا کلام ہے جو اسی آیت میں کلام مذکورہ کے متصل ہے "نور علی نور، یهدی الله لنوره من یشاء" وہ نور بالائے نور ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور تک پہنچا دیتا ہے۔

ہم نے جو کہا وہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ نے اپنے نور سے محض مومنین کا ہدایت کرنا مراد لیا ہے۔ اور یہ صحیح ترین تشبیہ ہے جو ہو سکتی ہے اس لئے کہ اس کا نورِ ہدایت ظلمتِ کفر میں ایسا ہی ہے جیسے چراغ ظلمتِ شب میں

منّ وسلوٰے:

پھر اس "من" (ترنجبین) کی تعریف کی ہے جو آسمان سے ان لوگوں پر اترتا تھا اور کہا ہے کہ وہ سفید تھا جو دھنیا (کشنیز) کے مشابہ تھا اور اس کا ذائقہ چپڑی روٹی کا سا تھا۔ پھر سفر رابع میں کہا ہے کہ من دھینے کے مشابہ تھا اور اس کا رنگ مائل بہ زردی تھا اور ذائقہ زیتون کی روغنی روٹی کا سا تھا۔ یہ رنگ ومزہ اور صفت میں اختلاف وتناقض ہے اور بلاشک ایک صفت دوسرے کی تکذیب کرتی ہے۔

عقیدہ تجسیم کی جھلک:

اس کے بعد کہا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم سب لوگوں نے مجھے آسمان میں دیکھ لیا۔ بس اب میرے ساتھ چاندی کو معبود نہ بنانا۔ اس کے بعد کہا ہے کہ پھر موسیٰ وہارون، وناداب وابیہو اور ستر مشائخ (طور پر) چڑھے اور انہوں نے اسرائیل (یعقوب) کے خدا کو دیکھا۔ جس کی یہ شان تھی کہ اس کے قدموں کے نیچے ایک اینٹ سی تھی جو فیروزی زمرد کی تھی اور ایسی صاف جیسے آسمان ہوتا ہے۔

پروردگار نے اپنا ہاتھ بنی اسرائیل کے ان منتخب لوگوں کی طرف نہیں بڑھایا جنہوں نے اللہ کو دیکھا اور کھایا اور پیا۔

اسی کے قریب کہا ہے کہ "سید" کی عظمت کا منظر جیسے پہاڑ کی چوٹی پر کھانے والی آگ ہوتی ہے۔ جس کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت دیکھ رہی تھی۔

بلاشک یہ تجسیم (یعنی خدا کو جسم والا بنانا) ہے اور (مخلوق کے ساتھ) تشبیہ ہے جس میں کوئی خفاء نہیں۔

یہ ایسا نہیں جیسا اللہ کا یہ کلام ہے "وجاء ربک والملک صفا صفا" (اور آپ کا پروردگار آئے گا اور فرشتے صف بہ صف ہوں گے (یعنی قیامت میں)

اور نہ یہ اس کلام الٰہی کے مشابہ ہے "الا ان یاتیهم الله فی ظلل من الغمام والملئکة" (مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بادلوں کے سایوں میں ان کے پاس آ جائیں (تب یہ حق کو قبول کریں گے)

اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مثل ہے ینزل الله تبارک وتعالیٰ کل لیلة فی ثلث اللیل الباقی الی

سماء الدینا"

(اللہ تبارک وتعالیٰ ہر شب کو بقیہ تہائی رات میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے)

یہ تمام الفاظ تاویل کے تکلف کے بغیر اپنے ظاہر پر ہیں۔ یہ محض اللہ عزوجل کے افعال ہیں جن کو وہ کرتا ہے، جن کا نام مجی واتیان وتنزل (یعنی آنا، آنا، اور اترنا) ہے (لیکن ان افعال کی وہ کیفیت نہیں ہے جو بشر کے افعال کی ہوتی ہے)

نہ یہ قول یہود اللہ کے اس کلام کے مثل ہے "**ید اللہ فوق ایدیھم**" (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا) اور "**ویبقی وجہ ربک**" (اور آپ کے رب کا منہ باقی رہے گا) اور اسی قسم کے جتنے الفاظ قرآن مجید میں ہیں یہ سب اعضاء کے معنی میں نہیں ہیں لیکن انہیں طریقوں پر ہیں جو لغت میں ہیں۔ ہم نے کسی دوسرے مقام پر اس کو بیان بھی کیا ہے۔

اس میں قابل اعتماد امر یہ ہے کہ یہ تمام اموراللہ کے متعلق خبر ہیں اور ان میں سے قطعاً کسی کی برابری کا قصہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ قول جو ہم نے بیان کیا ہے اس قول کے ساتھ جو توریت کے سفر خامس میں ہے کیونکر جمع ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے شعلے کے درمیان سے تم لوگوں سے کلام کیا اور تم نے اس کی آواز سنی اور اس کی شخصیت کو نہیں دیکھا" یہ دو جملے ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کی تردید وتکذیب کرتا ہے۔

گوسالہ ہارون:

اس کے بعد کہا ہے کہ پھر جب موسیٰ نے (طور پر) دیر لگائی بنی اسرائیل ہارون کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اٹھیے اور ہمارے لئے خدا بنا دیجئے کہ وہ ہمارا پیشوا ہو۔ کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ پر جو ہمیں مصر لائے تھے کیا مصیبت آ گئی۔ ہارون نے ان سے کہا کہ اپنی بیویوں بیٹوں اور بیٹیوں کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار کر مجھے دے دو، ان لوگوں نے ہارون کے حکم سے یہی کیا اور بالیاں ان کے پاس لے آئے جب ہارون نے ان پر قبضہ کیا تو انہیں گلا ڈالا اور ان کے لئے ایک بچھڑا بنا دیا اور کہا کہ اے بنی اسرائیل یہی تمہارا وہ خدا ہے جس نے تمہیں مصر سے نکالا ہے۔ جب ہارون نے بچھڑے کو دیکھا تو اس کے آگے ایک مذبح (قربانی کا مقام) بنایا۔ اور لوگوں کو سنا کر اعلان کیا کہ کل آقا کی عید ہے۔ جب لوگ صبح اٹھے تو انہوں نے اس (بچھڑے) پر قربانیاں چڑھائیں اور اس کے آگے تحائف پیش کیے۔ اور عام لوگ کھانے پینے بیٹھ گئے۔ اور کھیل کود کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد (طور پر سے) موسیٰ کا آنا بیان کیا ہے کہ جب وہ چھاؤنی کے قریب پہنچے تو انہوں نے بچھڑے کو دیکھا اور لوگوں کو گاتے بجاتے سنا۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ انہوں نے ہارون سے کہا کہ تمہارے ساتھ اس امت نے کیا کیا تھا کہ تم سب اتنا بڑا گناہ کرنے لگے۔ ہارون نے کہا کہ میرے سردار مجھ پر ناراض نہ ہو جیئے کیونکہ آپ کو تو معلوم ہے کہ اس امت کو شر سے کیسی دلچسپی ہے ان لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ہمارے لئے ایک خدا بنا دیجئے جو ہمارا پیشوا بنے اس لئے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ موسیٰ پر جو ہمیں مصر سے لائے تھے کیا مصیبت آئی۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم میں سے جس کے پاس سونا ہو وہ میرے پاس لے آئے۔ میں نے اس سونے کو آگ میں ڈال دیا اور اس سے ان کے لئے یہ بچھڑا نکل آیا۔ جب موسیٰ نے اپنی قوم کو برہنہ دیکھا اور ہارون نے اپنی جہالت قلب سے ان سب کو برہنہ کیا تھا۔ اور ان سب کو ان کے دشمنوں کے روبرو برہنہ کر دیا تھا۔

اس فصل نے تو ماقبل مضامین کو بھی مات کر دیا اور سب پر خاک ڈال دی۔ کہ ہارون جو نبی مرسل ہیں وہ عمداً اپنی قوم کے لئے ایک خدا

بناتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ عزوجل کو چھوڑ کر اس کی عبادت کریں اور اس پر اعلان کرتے ہیں کہ کل اس آقا کی عید ہوگی۔ بچھڑے کیلئے مذبح بناتے ہیں اور قربانی کی تقریب میں ان سب کی مدد کرتے ہیں۔ پھر انہیں برہنہ کرتے ہیں اور بچھڑے کے سامنے ناچنے گانے کے لئے ان کے سرین کھلواتے ہیں اور سوائے اس کے کہ وہ سرین جو سب سے زائد مستحق تھے وہ بھی کھولے گئے ہوں گے۔

بلاشک یہ نہایت عجیب ہے کہ ایک نبی مرسل کافر مشرک ہو جو اپنی قوم کے لئے اللہ کے سوا خدا بنائے۔

یا یہ ہوا ہو کہ بچھڑا خود بخود ظاہر ہو گیا ہو بغیر اس کے کہ ہارون اس کے بنانے کا قصد کریں۔

تب تو واللہ یہ بھی موسیٰ کے معجزات ہی کی طرح ایک معجزہ ہے۔ اور کوئی فرق نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ گمراہی وفریب دہی ہے۔ دشواری میں ڈالنا اور فریب دینا اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر موسیٰ اس ملعون بچھڑے کے عبادت گزار سے زیادہ مستحق تصدیق ہرگز نہیں ہو سکتے۔

کیا تم دیکھتے ہو کہ اس کمینے نے جس نے ان لوگوں کے لئے یہ خرافات تیار کی ہیں انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے کے بعد وہ توہین کی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری و برتر ہے۔

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اس شخص کی حماقت کے بعد جو اس پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کے رسول وکلیم موسیٰ کے پاس ہے کہ یہ احمقانہ باتیں اللہ کی طرف سے ہوں گی۔ ہم عافیت پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

کہاں یہ بے ہودہ بکواس اور بنایا ہوا جھوٹ اور کہاں وہ نور حق (قرآن) جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کی طرف سے لائے جس کی صحت وحقانیت کی عقل شہادت دیتی ہے جو خود اس قصے میں وہ بات فرماتا ہے جس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا

واتخذ قوم موسیٰ من بعده من حليهم عجلا جسداله خوار الم ير وانه لا يكلمهم ولا يهد يهم سبيلا اتخذوه وكانوا ظالمين

(موسیٰ کے طور پر جانے کے بعد) ان کی امت نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا جو ایک آواز والا جسم تھا۔ کیا ان لوگوں نے یہ غور نہ کیا کہ وہ نہ تو ان سے بات کرتا ہے اور نہ وہ انہیں راہ بتاتا ہے انہوں نے اسے بنایا اور وہ لوگ ظالم تھے)

کلام باری ہے کہ" **فکذالک القی السامری فاخرج لهم عجلا جسدا له خوار فقالوا هذا الهكم واله موسیٰ فنسی افلا یرون الا یرجع الیهم قولا ولا یملک لهم ضرا ولا نفعا ولقد قال لهم هرون من قبل یاقوم انما فتنتم به وان ربكم الرحمن فاتبعونی واطیعوا امری قالوا لن نبرح علیه عاکفین حتی یرجع الینا موسیٰ قال یاهرون مامنعک اذ رأیتهم ضلوا الا تتبّعن افعصیت امری قال یا ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی**"

(سامری نے اسی طرح سکھایا اور ان کے لئے ایک بچھڑا بنایا جو ایک آواز دار جسم تھا پھر ان لوگوں نے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے مگر موسیٰ بھول گئے۔ کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ انہیں ان کی بات کا جواب نہیں دیتا تھا اور نہ وہ ان کے نفع وضرر کا مالک تھا۔ اور نہ ہارون نے ان لوگوں کو پہلے ہی کہا تھا کہ اے میری قوم تم لوگ اس بچھڑے کے فتنے میں پڑ گئے حالانکہ تمہارا رب تو وہی رحمٰن ہے لہذا میری پیروی کرو اور میرا کہنا مانو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو برابر اسی کے مجاور بنے رہیں گے تاوقتیکہ موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں جب

موسیٰ آئے توانہوں نے کہا کہ اے ہارون جبکہ تم نے ان لوگوں کو گمراہ ہوتے دیکھا تو تمہیں کس امر نے میرے پاس آنے سے روکا۔ کیا تم نے میری نافرمانی کی؟ ہارون نے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے میرے سر اور داڑھی کو نہ پکڑو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل کے فرقے بنا دیئے اور میری بات کا انتظار نہ کیا (یعنی میں اگر منع کرتا تو بنی اسرائیل میں دو گروہ ہو جائے ایک وہ جو میری بات مانتا اور ایک وہ جو میری مخالفت کرتا)

ہارون کا یہ کہنا ہے کہ ''یا ابن ام ان القوم استضعفونی و کا دوا یقتلو ننی ''(اے میری ماں کے بیٹے یہ قوم مجھے کمزور سمجھتی تھی اور مجھے قتل کیے ڈالتی تھی) حقیقۃ یہ صدق ہے۔

ان لوگوں کے لئے یہ بچھڑا سامری ہی نے بنایا تھا جو کافر گمراہ تھا۔ ہارون نے اپنے مقدور بھر انھیں اس سے منع کیا۔ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور انھیں قتل کیے ڈالتے تھے۔ دو آنکھ والے کے لئے صبح نمودار ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا صدق واضح ہو گیا جس نے ان تہمت لگانے والوں کی تکذیب کر دی۔

بچھڑے کی آواز کے متعلق ابن عباس کی صحیح روایت میں ہے جس کے سوا اور کوئی بات ممکن بھی نہیں۔ وہ یہ ہے کہ وہ محض ایک ہوا کی آواز تھی جو اس کے آگے سے اندر جاتی تھی اور پیچھے سے نکلتی تھی۔ یہی حق بھی ہے کیونکہ خود اللہ نے خبر دی ہے کہ ''لا یکلم '' وہ لوگوں سے بات نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ خود اپنی فطرت سے آواز نکالتا یا بولتا تو یہ بھی ایک قسم کا کلام ہی ہوتا اور پھر اس میں حیات بھی ہوتی اور یہ محال ہے۔ کیونکہ غیر نبی کے لئے نہ تو یہ معجزہ ممکن ہے اور نہ کسی شے کی فطرت بدلنا۔ و باللہ التوفیق۔

مظہر العجائب:

انھیں فصول کے درمیان میں بیان کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ سے فرمایا کہ مجھے ان لوگوں پر غضب کرنے دو۔ انہیں ہلاک کرنے دو اور میں تمہیں ایک بہت بڑی امت کا پیشوا بنا دوں گا۔ موسیٰ نے اس کی خواہش ظاہر کی۔ اور عرض کیا کہ آپ کو اپنے بندے ابراہیم و اسرائیل (یعقوب) و اسحاق یاد ہیں جن کو آپ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور ان سے فرمایا کہ تمھارے خاندان کو اتنا بڑھاؤں گا کہ وہ مثل آسمان کے ستاروں کے ہو جائیں گے۔ اور انہیں اس تمام سرزمین کا وارث بناؤں گا جس کا میں نے ان سے وعدہ کیا ہے اور وہ اس کے مالک ہوں گے۔ پھر آقا (اللہ) گنگنایا اور موسیٰ کی امت پر جو مصیبت نازل کرنے کا ارادہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا۔

ملک حاضر، حکومت غائب

اس فصل میں بھی عجائب ہیں۔

اول تو اس کا یہ خبر دینا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کی امت پر جو مصیبت نازل کرنے کا ارادہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا۔ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا وعدہ چند امور میں ان سے پہلے ہو چکا تھا اور اسے اس نے بعد میں پورا نہ کیا۔ اللہ اس سے بعید ہے کہ وہ وعدہ خلافی کرے اور کذب کا ارادہ کرے۔

دوم ان کا بداء کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کرنا ہے جس سے اللہ بری ہے۔ اور اس کے بعد ان میں جو لوگ منکر نسخ ہیں ان پر تعجب ہے۔ اس لئے کہ نسخ میں کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اللہ کے افعال میں سے ایک فعل ہے جسے وہ اپنے افعال میں سے ایک فعل کے بعد کرتا ہے جو پہلے سے اس کے علم میں ہوتا ہے۔ کہ وہ اس طرح ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے جتنے افعال اس عالم میں ہیں ان سب کی یہی صفت ہے۔

مگر بداء ان لوگوں کی صفات میں سے ہے جو پہلے کسی چیز کا وہم خیال کرتا ہے پھر اسے کوئی دوسری چیز مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ مخلوقین کی صفت ہے۔ یہ اس کی صفت نہیں ہے جو ازلی ہے جس پر وہ شے بھی پوشیدہ نہیں جو وہ مستقبل میں کرتا ہے۔

سوم اسی میں اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ لوگ تمام زمین کے مالک ہوں گے۔ اور یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے وہ لوگ صرف تھوڑی مدت کے لئے اس کے مالک ہوں گے پھر وہ ہمیشہ کے لئے اس سے نکال دیے جائیں گے۔ اللہ نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔

اسے کیا کہتے ہیں؟:

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے فرمایا کہ اس مقام سے اس سرزمین کی طرف تم بھی جاؤ اور اپنی امت کو بھی لے جاؤ۔ جس کی تقسیم کا میں نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان کی نسل کو اس کا وارث ضرور بناؤں گا۔ اے موسیٰ تمہارے سامنے ہی میں کنعالین۔ امورین، حیثین، فرزیین، حویین اور یوبین کے نکالنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجوں گا۔ تم ایسے ملک میں داخل ہو گے جس میں دودھ اور شہد پر قبضہ کرو گے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ (اس مقام میں) نہ اتروں گا کیونکہ تم لوگ سخت گردن والے ہو فرشتہ اس لئے بھیجوں گا تا کہ یہ امت راستے میں ہلاک نہ ہو جائے (اور منزل مقصود تک پہنچ جائے) جب عام لوگوں نے یہ سخت وعید گروہ سنی تو تعجب کیا۔ اور انہوں نے زینت اختیار نہیں کی آقا نے موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہو کہ تم وہ امت ہو کہ تمہاری گردنیں سخت ہیں میں ایک مرتبہ تم پر اتروں گا اور تمہیں ہلاک کردوں گا۔ اپنی زینت کم کردو۔ کہ میں بتا دوں کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا۔

اس سے چند فصول کے بعد کہا ہے کہ موسیٰ نے اللہ سے کہا کہ اے میرے آقا اگر تو مجھ سے راضی ہے تو میں تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ تو ہمارے ساتھ چل۔

اس کے بعد کہا ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے کہا کہ میں خود تمہارے سامنے نکلوں گا۔

اس فصل میں دو جھوٹ ہیں اور ایک مانی ہوئی تشبیہ ایک جھوٹ اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ موسیٰ کے سامنے دشمنوں کے نکالنے کے لئے فرشتہ بھیجے گا۔ اور اللہ خود ان کے ساتھ نہیں اترے گا۔ اس کے بعد ان کے ساتھ اترا۔ یہ وہ جھوٹ ہے جس سے کوئی راہ نجات نہیں۔ اللہ اس سے برتر ہے اور وہ اس سے بعید ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں یہ کروں گا اور پھر نہ کرے اور یہ کہے کہ میں نہ کروں گا اور پھر کرے۔

دوسرا جھوٹ اس کا یہ کہنا ہے کہ میں ایک مرتبہ تم پر اتروں گا اور تمہیں ہلاک کردوں گا پھر اس نے یہ نہیں کیا۔ اللہ اس سے بہت بعید ہے۔

تشبیہ محقق یہ ہے کہ اس کا خود اترنے سے باز رہنا پھر اس کا ان کی مدد کے لئے کسی فرشتے کے بھیجنے پر کفایت کرنا ہے۔ اس کے بعد ان کے ساتھ اترنے کو قبول و منظور کر لینا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس میں اس کی بھی گنجائش نہیں۔

حدیث تنزیل (یعنی اس کے اترنے کا مطلب) تو یہ ہے کہ یہ بھی اس کے افعال میں سے ایک فعل ہے (جس کی کیفیت ہم لوگ نہیں جانتے اور نہ اس کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں) اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو عالم میں جو قوی ترین چیز پائی جاتی ہے وہ فرشتے کا بھیجنا ہی ہوتا۔ مگر جب یہ باطل ہے تو یہ ثابت ہو گیا کہ یہ لامحالہ اترنا اور منتقل ہونا ہی ہے۔

لن ترانی کی کہانی:

انھیں فصول کے درمیان میں کہا ہے کہ "آقا موسیٰ سے روبرو ہو کر بات کرتا تھا۔ مگر منہ سے نہیں جس طرح ایک شخص اپنے دوست سے بات کرتا ہے۔ موسیٰ نے اللہ سے خواہش کی کہ وہ اسے دیکھیں گے۔ اللہ نے انہیں جواب دیا کہ میں تمہیں آغوش میں داخل کرلوں گا اور

اپنے داہنے ہاتھ سے تمہاری حفاظت کروں گا یہاں تک کہ میں گزر جاؤں پھر میں اپنا ہاتھ اٹھاؤں گا اور تم میرے پیچھے دیکھ لینا اس لئے کہ تم میرا چہرہ نہ دیکھ سکو گے“

ان دونوں فصلوں میں نہایت خراب و بدترین تشبیہ ہے کہ سوائے چہرے کہ اللہ کے لیے دوسری چیزیں ثابت کی گئی ہیں۔ اور اس عیب سے رہائی نہیں ہو سکتی۔

لاولد مرجائیں گے:

سفر ثالث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان (موسیٰ) سے فرمایا کہ جو شخص اپنی چچی یا ممانی کے ساتھ ہم بستری کرے یا اپنی بیٹی کا ستر کھولے تو یہ دونوں کے دونوں اپنے گناہوں کے متحمل ہوں گے اور بغیر اولاد کے مرجائیں گے“

مالا یطاق:

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہود کے مقابلہ میں ان کی توریت سے کوئی ایسا کلام نہیں لائیں گے جس کے معنی سمجھ میں نہ آتے ہوں۔ کیونکہ معترض کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ اللہ نے اس سے جو بھی مراد لیا ہو وہ درست ہے۔

لیکن یہ وہ مقام ہے کہ اس میں ہم سے وعدہ خلافی نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ شریعت ہے جو لازم کی گئی ہے اور جس کی تکلیف دی گئی ہے۔ یہ محال ہے کہ اللہ لوگوں کو کسی ایسے عمل کی تکلیف دے جس کو وہ سمجھ نہ سکیں اور نہ اس کے متعلق حکم ان کی عقل میں آئے۔

ادّعائے محال:

سفر رابع میں بیان کیا گیا ہے کہ مصر سے نکلنے والے ان خاص بنی اسرائیل کی تعداد جو جنگ پر قادر ہوں گے جن کی عمر بیس سال یا زیادہ کی ہوگی چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس ہوگی۔ اس تعداد میں عورتیں اور وہ سب لوگ داخل نہیں ہیں جن کی عمر بیس سال سے کم ہے یا جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد جب یہ ارض مقدسہ میں داخل ہوئے۔ چھ لاکھ ایک ہزار سات سو تیس تھی۔ ان میں یہ لوگ شمار نہیں کیے گئے جن کی عمر بیس سال سے کم تھی۔ غنیمت میں ملی ہوئی ان لوگوں پر اور عورتوں پر نیز ان لوگوں پر جن کی عمر بیس سال سے کم تھی تقسیم کر دی گئی۔

یہود کی کتابوں میں ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے زمانے میں بنی اسرائیل کا شمار کیا تو انہوں نے صرف یہوذا کی اولاد میں پانچ لاکھ جنگ جو پائے۔ بقیہ نو اسباط (خاندان یعقوب) میں سوائے بنی لاوی و بنی بنیامین کے کہ ان دونوں کا شمار نہیں کیا“ نو لاکھ ستر ہزار جنگجو تھے جس میں اور یہ بھی عورتوں اور ان کے بچوں اور بوڑھوں اور معذوروں کے جو جنگ پر قادر نہ تھے علاوہ تھے۔ یہ سب لوگ صرف فلسطین اردن اور غور کے علاقے میں تھے۔ شہر مذکور جیسا کہ تھا اسی حالت پر ہے۔ نہ اس میں کوئی کمی ہوئی نہ بیشی۔

نیز انہیں کی کتابوں میں ہے کہ ابن ریعان بن سلیمان بن داؤد کے دو بیٹوں نے بنی اسرائیل کے دس اسباط (خاندانوں میں سے پانچ لاکھ مردوں کو قتل کر دیا۔ اور ایک بیٹے نے باون ہزار سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔

حقیقت حال:

شہر مذکور اب بھی باقی ہے۔ اس کی زمین نہ بڑھی ہے نہ گھٹی ہے۔ ان لوگوں کے اقرار کے مطابق جنوب میں اس کی حد پر غزوہ

عسقلان اور ورنج اور شراۃ کے پہاڑوں کے راستے ہیں جو عیسو کے شہر ہیں۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ ان شہروں میں سے کبھی کسی ایک گاؤں یا اس سے کم کے بھی مالک نہ ہوئے۔ اپنی ابتدائے سلطنت سے انتہا تک کبھی کبھی وہ بنی اسرائیل کی طرف سے اور بارہا بنی اسرائیل کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ اس شہر کی حد بحر شام کے قریب ہے۔ شمال میں اس کی حد صور وصیدا اور دمشق کے وہ علاقے ہیں جن کے متعلق ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ ان میں سے کبھی ایک میخ گاڑنے بھر کی بھی جگہ کے مالک نہ ہوئے اپنی ابتدائے سلطنت سے انتہا تک برابر ان سے جنگ کرتے رہے۔ کبھی یہ ان پر غالب آتے اور کبھی وہ ان پر۔ اکثر جنگوں میں وہ لوگ بنی اسرائیل کے بادشاہ ہو جاتے تھے۔ شہر مذکور کی مشرقی حد مواب کے شہر میں اور عمون اور اس صحرائے عرب کا ایک قطعہ ہے جو دشت اور ریگزار ہے۔

اس میں بھی اختلاف نہیں کہ ان کی توریت کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و بنی اسرائیل سے کہا کہ یہاں تک تم بنی عیسو و بنی مواب و بنی عمران سے جنگ نہ کرنا کیونکہ میں تمہیں ان کے شہروں میں سے ایک قدم رکھنے بھر جگہ یا اس سے بھی کم کا مالک و وارث نہیں بناؤں گا۔ اس لئے کہ میں نے عیسو و بنی لوط کے درمیان اس کی میراث رکھ دی ہے۔ جیسا کہ میں نے بنی اسرائیل کو اس مقام کا وارث کر دیا ہے جس کا میں نے ان سے وعدہ کیا تھا" حالانکہ یہ لوگ اپنی ابتدائے سلطنت سے انتہائے سلطنت تک ان سے جنگ کرتے رہے۔ کبھی بنی عمون و بنی مواب ان کے بادشاہ و مالک ہو جاتے تھے اور کبھی یہ لوگ صرف ان کی غلامی سے نکل آتے تھے۔

اسرائیلی رقبہ حکومت کی پیمائش:

یہودی شہروں کا طول محققین کی پیمائش کے مطابق عقبہ انیق سے "جو دمشق سے چون میل ہے" طبریہ تک آٹھ میل ہے جبل افرایم سے کوہ طور تک بارہ میل ہے اور مجون تک بھی بارہ میل ہے۔ دونوں پہاڑوں کے پاس اردن کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور فلسطین کا علاقہ شروع ہونے میں ایک میل رہ جاتا ہے۔ رملہ تک تقریباً چالیس میل ہے عسقلان تک اٹھارہ میل ہے رملہ وہی مقام ہے جہاں بنی اسرائیل کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سب تہتر میل ہوا۔ اس کی چوڑائی بحر شام سے اول علاقہ کوہ شراۃ اور اول علاقہ مواب اور اول علاقہ عمان تک تقریباً اتنی ہی ہے۔ شرقی اردن کا ایک چھوٹا سا علاقہ جس کا نام غور ہے اور جس میں شہر بیسان ہے وہ بھی تیس میل لمبا اور تیس میل چوڑا ہوگا۔ اس سے زیادہ نہ ہوگا یہ علاقہ جو مشرقی اردن میں تھا ان لوگوں کے گمان کے مطابق بنی روابین و بنی جاوا کا اور نصف بنی منسا بن یوسف علیہ السلام کا تھا۔ اس لئے کہ یہ مویشی چرائے جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ گائے اور بکری والے تھے۔ لہذا اس ذلیل جھوٹ سے تعجب کرو۔

یہ محال و ممتنع ہے کہ جو مسافت (و پیمائش) بیان کی گئی اس کی زمین ایسی تعداد پر تقسیم کی جا سکے جو ان میں سے خاص طور پر بیس یا زیادہ کی اولاد ہوں جو چھ لاکھ سے زائد ہوں تو پھر وہ کہاں رہے جو بیس کے علاوہ تھے۔ اور وہ عورتیں کہاں رہیں۔ حالانکہ ان کے دعوے کے مطابق سب نے زمین مذکورہ میں سے اپنا حصہ لیا کہ وہ اس کی زراعت اور پیداوار سے زندگی بسر کریں۔

یہ قطعاً ناممکن ہے کہ پیمائش مذکورہ اس طور پر ہو کہ ہر گاؤں اور اس کے کھیتوں اور باغوں کی پیمائش ایک میل سے ایک میل ہو۔ بجز اس کے کہ چھ لاکھ دو سو گاؤں ہوں (اسی طرح کی تقسیم نہیں ہو سکتی)۔ یہ بھی اس وقت ہے کہ جب پورا علاقہ آباد ہو، متصل ہو، جس میں نہ کوئی چراگاہ ہو، نہ درخت ہو، نہ کوئی زمین پتھریلی ہو جو آباد نہ کی جا سکے، نہ کوئی زمین ریتلی ہو کہ آباد نہ ہو سکے، اور نہ کوئی زمین شور اور کھاری ہو کہ اس کی آبادی میں دشواری ہو۔ اور ایسا ہونا محال ہے۔

اس بناء پر ہر گاؤں کے لئے سو مرد یا تقریباً اتنے ہی پڑتے ہیں۔ اور یہ بھی وہ ہیں، بیس کے علاوہ نہیں ہیں اور نہ وہ عورتیں ہیں لہذا

قطعا اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اس میں اپنی معاش پا سکیں۔ یہ ایسا کذب ہے جس میں کوئی خفاء نہیں ہے خاص کر جب ان میں جنگجویوں کی تعداد دس لاکھ پانچ سو ہو۔ اور نا قابل جنگ لوگ اور عورتیں ان کے علاوہ ہوں۔

اس جھوٹ کا اللہ کے سچے قول سے جو کلام الٰہی میں ہے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ جو اللہ نے فرعون کے قصے میں بیان فرمایا ہے کہ جب اس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو کہا کہ ”**ان هولاء لشر ذمه قليلون**“ (بے شک یہ لوگ چھوٹا سا گروہ ہیں) یہ وہ بات ہے کہ اس کے سوا ناممکن ہے اور اس کے علاوہ وہ قطعا محال ہے۔

ایک دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب یوشع میں بیان کیا ہے کہ شہر مذکور میں بہت سی آبادیاں تھیں۔ جن میں سے بنی یہوذا کے حصے میں ایک سو چار بستیاں تھیں اور بنی شمعون کے حصے میں سترہ اور بنیامین کے حصے میں اٹھائیس اور بنی زبلون کے حصے میں بارہ اور بنی نفتالی کے حصے میں انیس اور بنی دان کے حصے میں اٹھارہ بستیاں تھیں۔ یہ سب ایک سو اٹھانوے بستیاں ہوئیں۔ کتاب مذکور میں ہے کہ یہ بستیاں ان گاؤں کے علاوہ تھیں جنکا شمار سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں کر سکتا۔

اسی کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ نصف بنی منشا بن یوسف کے حصے میں مشرقی اردن میں باشان اور اس کا علاقہ تھا۔ ان کی محفوظ بستیوں کی تعداد ساٹھ تھی جو ان گاؤں کے علاوہ تھی جن کی تعداد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

مذکورہ بالا بستیوں کی مجموعی تعداد دو سو اٹھاون تھی بنی روابین کی بستیوں کی تعداد بیان نہیں کی، نہ بنی عاد کی بستیوں کی، نہ نصف بنی منشا کی جو مغربی اردن میں رہتے تھے اور نہ بنی افرایم کی وہ اسباط جن کی تعداد بیان نہیں کی گئی، جیسا کہ ان کی توریت کا مقتضا ہے، کل بنی اسرائیل کے چہارم ہوں گئے، اس حساب سے ان کے حصے میں تقریبا سو شہر پڑتے ہیں جب اس کو اس عدد سے ملایا جائے جو ہم نے بیان کیا ہے تو سب کی میزان تقریبا چار سو بستیوں کے قریب ہوتی ہے۔ اس ننگ و عار کی بات پر تعجب کرو کہ وہ زمین جس کی پیمائش ہم نے بیان کی باوجود اپنی قلت و کوتاہی کیا ایسی ہو کہ اس میں یہ بستیاں ہو سکیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ سبط بنی منشا جو مشرقی اردن میں رہتے تھے اور جن کے حصے میں ساٹھ بستیاں تھیں ان کی تعداد صرف سپاہیوں کی چھبیس ہزار تھی جن میں کوئی بیس سال سے کم نہ تھا۔ یہ علاقہ آج بھی باقی ہے شائد بارہ میل سے بارہ میل ہوگا۔ میں نے اس سے زیادہ بے حیا نہیں دیکھا جس نے ان لوگوں کے لئے یہ رذیل کتابیں لکھیں اور ان لوگوں کے چہروں پر سیاہی لگائی۔ **نعوذ باللہ من الضلال**۔

☆☆

تورات کے مفتریات

دروغ گورا حافظہ نباشد:

اسی فصل کے متصل ایک دوسری فصل ہے جو شہرت کذب وخرابی محال اور کھلی ہوئی بناوٹ اور بری ایجاد میں اس سے بھی بدتر ہے، سفر ثانی کے شروع میں جہاں بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے نکلنے کا تذکرہ کیا ہے وہیں بیان کیا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے تیرہ مہینے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان کی مردم شماری کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تمام قبائل کا شمار کیا“

پھر کہا کہ ”اپنے اپنے قبائل میں یہ لوگ اپنے اپنے گھر کے بڑے تھے۔ (۱) حنوک، (۲) فلو، (۳) حصرون و (۴) کرمی۔ اور یہ سب لوگ بنی روابین ہیں اور روابین یعقوب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور روابین کے یہی (چار) قبائل تھے“۔

سفر رابع کے شروع میں بیان کیا ہے کہ ”ان میں سب سے مقدم یصور بن شدیئور تھا اور ان کے مردوں کی تعداد چھیالیس ہزار تھی۔ جن میں وہ لوگ شمار نہیں کیے گئے جن کی عمر بیس سال سے کم تھی اور نہ وہ شمار کیے جن میں جنگی طاقت نہ تھی۔“

سفر ثانی کے شروع میں بیان کیا ہے کہ بنی شمعون ”یموئیل۔ یامین۔ اوہد۔ یاکین۔ سوحر۔ اور شاؤل بن الکلعانیہ تھے۔ اور یہی شمعون کے قبائل تھے“۔

سفر رابع کے شروع میں بیان کیا ہے کہ ”ان میں سب سے مقدم شلوئیل بن صوریشدائی تھا اور ان کے مردوں کی تعداد انسٹھ ہزار تھی۔ جن میں نہ تو وہ لوگ شمار کیے گئے جن کی عمر بیس سال سے کم تھی اور نہ وہ شمار کیے گئے جن میں جنگی طاقت نہ تھی۔“

سفر ثانی کے شروع میں کہا ہے کہ بنی لاوی کا یہ تعین وشمار ہے جن کے قبائل میں ”جرشون وقہاث ومراری اور جرشون کے دو بیٹے لبنی وشمعی اپنے قبائل میں تھے اور بنی قہاث یہ تھے عمرام۔ یصہار۔ جرون عزئیل اور مراری کے دو بیٹے محلی وموشی۔ بنی لاوی کے یہی انسا اپنے قبائل میں تھے۔ عمران نے اپنی پھوپھی یوکابد سے شادی کی اور ان سے ان کے یہاں موسیٰ وہارون پیدا ہوئے۔ اور بنی یصہار یہ تھے قورح نافج۔ ذکری۔ اور بنی قورح یہ تھے۔ اشیر۔ القانتہ وابیاساف۔ اور بنی عزئیل یہ تھے۔ میشائیل۔ صافان۔ ستری۔ ہارون نے یشالع بنت عمیناداب خواہر نحشون سے شادی کی اور ان سے ان کے یہاں ناداب۔ ابیہوا۔ عازار وایثامار پیدا ہوئے پھر عازار بن ہارون نے بنی فوطئیل کی لڑکیوں میں شادی کی اور اس سے فینحاص پیدا ہوا۔

سفر رابع کے شروع میں کہا ہے کہ سید نے سینا کی گھاٹی میں موسیٰ سے کلام کیا اور ان سے کہا کہ ان بنی لاوی کو شمار کرو جو اپنے آباؤ اجداد اور اپنے متعلقین کے گھروں میں ہوں۔ ایک مہینہ یا اس سے زائد کے لڑکے کو موسیٰ نے شمار کیا جیسا کہ آقا نے انہیں حکم دیا تھا۔ انہوں

نے لاوی کے بیٹے جن کے نام یہ تھے پائے۔ جرشون۔ قہات۔ مراری اور جرشون کے بیٹے لبنی وشمعی اور قہات کے بیٹے عمرام ویصہارو عزئیل اور مراری کے بیٹے محلی وموشی تھے۔ بنی جرشون کے اکثر لڑکے ایک مہینہ یا زیادہ کے تھے۔ یہ سب ساڑھے چھ ہزار تھے جو ساقۃ القبہ کے مغرب میں الیاساف بن لایل کے ماتحت رہتے تھے۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے دو ہزار چھ سو تیس مرد شمار کیے۔

پھر کہا ہے کہ یہ قہات کا خاندان ہے جس میں سے عمرام ویصہارو جرون وعزئیل کے گروہ نکل گئے۔ موسیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کو شمار کیا جو ایک مہینہ یا زیادہ کے مرد تھے انہوں نے آٹھ ہزار چھ سو مرد پائے جن میں سب سے مقدم صافان بن عزئیل مذکور کے خاندان کا تھا۔ سید نے انہیں حکم دیا کہ سوائے موسیٰ وہارون اور ان دونوں کی اولاد کے قبہ کے جنوب میں رہا کریں۔ کیونکہ وہ مشرق میں قبہ کے سامنے رہیں گے اور موسیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کو شمار کیا جو صرف تیس سال سے پچاس سال تک کے تھے۔ تو انہوں نے ان میں دو ہزار سات سو پچاس مرد پائے۔

بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے بنی محلی وموشی وبنی مراری کو اور ان کے لڑکوں میں جو ایک مہینہ یا زیادہ کا تھا اس کو شمار کیا تو انہوں نے ان میں چھ ہزار دو سو آدمی پائے۔ جن کا مقدم صوریئیل بن ابیجایل تھا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ قبہ کے شمال میں رہا کریں۔ انہوں نے اسے شمار کیا جو ان میں تیس سال یا زیادہ اور پچاس سال تک کا مرد تھا تو ان کو تین ہزار دو سو پایا۔

اس کے قبل بیان کیا ہے کہ بنی لاوی کے لڑکوں میں جو ایک مہینہ یا زیادہ کا تھا اسے شمار کیا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ تمام لاویین (اولاد لاوی) جن کو موسیٰ وہارون نے شمار کیا صرف مرد جو ایک مہینہ یا زیادہ کے تھے وہ بائیس ہزار تھے۔

سید نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ تم اسرائیل کی اولاد میں جو لڑکے پہلوٹھی کے ہوں اور ان کی عمر ایک مہینہ یا زیادہ کی ہو انہیں شمار کرو اور اسرائیل کی تمام اولاد میں سے لاویین کے پہلوٹھی کے لڑکوں کو میرے لیے لے لو۔ موسیٰ نے اسرائیل کی اولاد میں سے جو پہلوٹھی لڑکے ایک مہینہ یا زیادہ کے تھے انہیں شمار کیا تو انہوں نے ان کو بائیس ہزار دو سو تہتر پایا۔ پھر سید نے موسیٰ سے کہا کہ بنی لاوی کو بنی اسرائیل کے پہلوٹھی کے لڑکوں میں سے لے لو کہ بنی لاوی میرے لیے ہوں۔ وہ دو سو تہتر جو بنی لاوی کی تعداد سے زائد ہیں ان میں سے ہر ایک سے پانچ ہیکل کے وزن کے برابر (چاندی) لے لو۔ موسیٰ نے زائد لوگوں کے درہم لے لیے جن کی مقدار ایک ہزار تین سو پینسٹھ وزن کے مطابق تھی اور وہ سید کے حکم کے مطابق ہارون اور ان کی اولاد کو دے دیے۔

سفر یوشع میں بیان کیا ہے کہ جب ارض مقدسہ فتح ہوگئی تو العازار بن ہارون خود یوشع بن نون کے پاس آئے اور ان سے اس معاملے میں گفتگو کی کہ وہ چند بستیاں بنی لاوی کو رہنے کے لیے دیدیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بنی یہوذا وبنیامین وشمعون کی بستیوں میں سے تیرہ بستیاں صرف بنی ہارون کے حصے میں آئیں۔ بنی دان وبنی افرائیم کی اور اس نصف خاندان منشاء کی جو بقیہ اسباط کے ہمراہ تھا دس بستیاں تمام بنی قاہات بن لاوی کے حصے میں آئیں۔ یساخر واشار نفتالی اور اس نصف خاندان منشا کی، جو شرقی اردن میں رہتا تھا، بستیوں میں سے تیرہ بستیاں بنی جرشون بن لاوی کے حصے میں آئیں۔ بنی زابلون وبنی روابین وجاد ابن یعقوب کی، جو شرقی اردن میں رہتے تھے، بستیوں میں سے بارہ بستیاں بنی مراری بن لاوی کے حصے میں آئیں۔ یہ سب اڑتالیس بستیاں بنی لاوی کے لیے ہوئیں۔

سفر رابع میں بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے بنی جاد ابن یعقوب کے خاص ان مردوں کو شمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ میں آنے کے قابل تھے انہوں نے ان کو پنتالیس ہزار پچاس پایا جن میں مقدم الیاساف بن رعوئیل تھا۔ انہوں نے بنی یہوذا

کے صرف ان مردون کوشمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ میں پیش ہونے کے قابل تھے ان کو چوہتر ہزار چھ سو پایا۔

پہلے اور بعد میں بیان کیا ہے کہ یہ کل تعداد صرف ان لوگوں کی تھی جو شیلہ و فارص وزارح بنی یہوذا کی اولاد میں تھے۔ جن میں مقدم نحشون بن عمینا داب بن ارام بن حصرون بن قارص بن یہوذا ابن اسرائیل تھا۔

بنی یساخر کے صرف ان مردوں کوشمار کیا جو بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ میں آنے کے قابل تھے۔ انہوں نے ان کو چون ہزار چار سو پایا۔ جن میں سب سے مقدم نثنا ئیل بن صوغر تھا۔ بنی زبلون کے صرف ان مردوں کوشمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ کے قابل تھے تو ان کو ستاون ہزار چار سو پایا جن میں سب سے مقدم الیاب بن حیلون تھا بنی یوسف علیہ السلام کے صرف مردوں کو شمار کیا جو بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ کے قابل تھے تو ان کو بہتر ہزار سات سو پایا جن میں افرایم بن یوسف کی اولاد میں چالیس ہزار پانچ سو مرد تھے ان میں سب سے مقدم الیشع بن عمیہود تھا۔ منشا بن یوسف کی اولاد میں بتیس ہزار دو سو مرد تھے جن میں سب سے مقدم جملیئیل بن فدہصور تھا۔ اولاد بینامین کے صرف ان مردوں کوشمار کیا جو بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ کے قابل تھے۔ یہ پینتیس ہزار چار سو آدمی تھے جن میں سب سے مقدم ابیدن بن جدعونی تھا۔ بنی دان کے صرف ان مردوں کوشمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ کے قابل تھے۔ یہ باسٹھ ہزار سات سو آدمی تھے جن میں سب سے مقدم اخیعر زبن عمیشیدائی تھا۔ یہ سب کے سب حوشیم بن دان کی اولاد میں تھے۔ بنی اشیر کے صرف ان مردوں کوشمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ میں آنے کے قابل تھے۔ ان کو اکتالیس ہزار پانچ سو پایا۔ جن میں سب سے مقدم مجعیئیل ابن عکرن تھا، بنی نفتالی کے صرف ان مردوں کوشمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ کے قابل تھے تو ان کو ترپن ہزار چار سو پایا جن میں سب سے مقدم اخیرع بن عیمن تھا۔

یہ حساب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے تیرہ مہینے بعد کا ہے۔ بجز مذکورہ بالا بستیوں کی تقسیم کے اور یہ حساب بنی اسرائیل کے فلسطین واردن میں داخل ہونے کے بعد کا ہے۔

مسخرگی:

خاص وعام میں سے ہر صاحب تمیز صحیح کو غور کرنا چاہیے کہ یہ ایسا کھلا ہوا جھوٹ ہے جس میں کوئی خفاء نہیں ہے اور یہ محال وممتنع اور وہ جہل شدید ہے جو پورے طور پر اس کو ثابت کرتا ہے کہ یہ سب کتابیں کسی ایسے بدکار وفاسق کی دبگاڑی اور بدلی ہوئی ہیں جس نے ان کے ساتھ تمسخر کیا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ کتابیں اللہ کی یا کسی نبی کی اور کسی سچ بولنے والے کی طرف سے ہوں۔

پہلا جھوٹ:

ازاں جملہ اس کا یہ خبر دینا ہے کہ بنی دان کے مرد جب یہ لوگ مصر سے نکلے بہتر ہزار سات سو (۲۷۰۰) تھے جن میں نہ تو وہ لوگ شمار کیے گئے جو بیس سال سے کم کے تھے اور نہ وہ جو میدان جنگ میں آنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ عورتیں اور یہ سب کے سب صرف حوشیم بن دان کی طرف رجوع کرنے والے تھے حالانکہ خود ان کے اقرار کے مطابق دان کا سوائے حوشیم کے کوئی لڑکا نہ تھا اور اسی کے ساتھ ان کا نسب حوشیم سے بہت قریب تھا۔ اس لیے کہ ان کی توریت کی نص ہے کہ اللہ تعالے نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہاری اولاد کے چوتھے گروہ کے لوگ ملک شام واپس آئیں گے بس اسے یاد رکھو تو تمہیں ایسا علانیہ جھوٹ ظاہر ہوگا جس میں کوئی خفاء نہ ہوگا۔

بنی یہوذا چوہتر ہزار چھ سو تھے جن میں ان لوگوں کا شمار نہ تھا جو بیس سال سے کم کے تھے اور یہ سب جیسا کہ ہم نے بیان کیا صرف ان

تین اولاد یہوذا کی طرف منسوب وراجع تھے کہ یہوذا کے پس ماندگان میں سوائے ان تین کے اور کوئی نہ تھا اور زندگی میں اس زمانے میں ان سب کا رئیس ومقدم نحشون بن عمینا داب بن ارام بن حصرون بن فارص بن یہوذا تھا۔

بنی یوسف علیہ السلام بہتر ہزار سات سو مرد تھے جن میں ان لوگوں کا شمار نہ تھا جو بیس سال سے کم کے تھے اور یہ سب کے سب صرف منشا وافرائیم سے منسوب تھے کہ ان دو کے سوا یوسف کا اور کوئی پس ماندہ نہ تھا اس زمانے میں زندگی میں ان لوگوں کا رئیس صلفحاد بن حافر بن جلعاد بن منشا بن یوسف علیہ السلام تھا۔

ان کی توریت میں اولاد افرائیم کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کے صرف چھ بیٹے بتائے گئے ہیں۔

تم افرائیم کے لیے زیادہ سے زیادہ اتنی اولاد فرض کرلو جتنی ایک شخص کے لیے ہوسکتی ہے پھر جعاد اور اس کے حقیقی اور چچازاد بھائیوں کے لیے اسی طرح فرض کرلو۔ پھر حافر اور اس کے طبقے دانوں کے لیے بھی اسی طرح فرض کرلو۔ اور غور کرو کہ آیا یہ ممکن ہے یہ مقدار اس عدد کے ایک تہائی کو بھی پہنچ سکے۔

یہ معاملہ اولاد دان میں تو اس کے بھائیوں کے بہ نسبت اور بھی زیادہ ظاہر ہے گو تمام اعداد میں کھلا ہوا کذب ہے۔ اس لیے کہ ستر ہزار سے زائد اور اس کے علاوہ وہ تعداد جو بیس سال سے کم ہونے کی وجہ سے شمار نہیں کی گئی یہ صرف یہوذا کے تین بیٹوں اور یوسف کے دو بیٹوں کی طرف رجوع کرتی ہے مگر وہ باسٹھ ہزار سے زائد لوگ جن میں بیس سال سے کم کے لوگ شمار نہیں کیے گئے وہ صرف ایک ہی شخص کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی صرف ایک ہی شخص کی اولاد میں ہیں) کہ ان میں بغیر کسی کے اختلاف کے دان کے یہاں سوائے اس ایک (حوشیم) کے اور کوئی لڑکا نہ تھا۔

پھر اس وقت (اس جھوٹ کی) کیا کیفیت ہوگی جب اس عدد میں انہیں بھی شامل کیا جائے گا جن کی عمر بیس سال سے کم تھی اور غالباً ان کی تعداد بھی بیس سال والوں کے برابر ہی ہوگی یا کم ہوگی تو کچھ ہی کم ہوگی اور عورتوں کو بھی شامل کیا جائے جو غالباً مردوں کے برابر یا قریب قریب برابر کے ہوں گی تو صرف حوشیم بن دان کی اولاد کی میزان دو سو سترہ برس کے اندر ایک لاکھ ساٹھ ہزار ہوگی۔

یہ ایسا محال وممتنع ہے کہ عالم کی فطرت کے مطابق ہرگز کبھی عالم میں ایسا نہیں ہوا۔ اس حساب سے یوسف علیہ السلام کی اولاد کی تعداد دو لاکھ سے بھی زائد ہوگی اور اولاد یہوذا بھی تقریباً اتنی ہی ہوگی۔

دو وجہ سے ان لوگوں کو یہ کہنا ممکن نہیں کہ طبقات ولادت بیحد کثیر تھے۔

اول اس لیے کہ توریت میں یہ کہا ہے کہ اولاد کے طبقہ چہارم کے لوگ ملک شام واپس آئیں گے۔

دوم اس لیے کہ بنی لاوی وبنی یہوذا وبنی یوسف وبنی روابین کے جو نسب بیان کیے گئے ہیں وہ سب تعداد میں قریب قریب تھے۔ مثلاً موسیٰ وہارون ومریم بنی عمران بن قاہاث بن لاوی بنی اسرائیل اور الیصافان بن عزئیل بن قاہاث بن لاوی بن اسرائیل۔ اور قورح اور ان کے بھائی فرزندان یصہار بن قاہاث بن لاوی بن اسرائیل۔ اور نحشون اور ان کے بھائی فرزندان عمینا داب بن ارام بن حصرون بن فارص بن یہوذا ابن اسرائیل اور احار بن کرمی بن سیدائی بن شیلہ بن یہوذا ابن اسرائیل اور داہان وابیرام فرزندان الیاب بن ملوکن بن روبان بن اسرائیل اور ان لوگوں کے بھائی اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد یہ ان کے انساب کے بیان کی ان کی توریت کی نص ہے۔

واضح ہوگیا کہ ان لوگوں کی حالت باعتبار تعداد قریب قریب ہے اور اسی سے بہت بڑا اور کھلا ہوا جھوٹ ظاہر ہوگیا جو ان کے بیان کیے ہوئے اعداد میں ہے۔

انہیں قطعاً یہ کہنا ممکن نہیں کہ اسرائیل کے ان بارہ لڑکوں کے علاوہ اور بھی تھے جن کو ہم نے بیان کیا ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اولاد اسرائیل کی ان اولاد کے علاوہ اور اولاد بھی تھی کہ جن کا ہم نے نام بنام ذکر کیا اور جو صرف اکاون مرد تھے بنیامین کے دس ۱۰ لڑکے۔ جاد کے سات اور شمعون کے چھ ۶ اور روابین واشیر ویساخر ونفتالی میں سے ہر ایک کے چار چار لڑکے اور یہوذا ولاوی وزبلون میں سے ہر ایک کے تین تین لڑکے اور یوسف کے دو لڑکے اور ایک لڑکا تھا۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اکاون آدمیوں سے دو سو سترہ برس کی مدت میں دو لاکھ سے زائد انسان پیدا ہو جائیں۔ یہ انتہائی محال و ممتنع ہے اس لیے کہ ان کی توریت میں نص ہے کہ ان لوگوں سے چھ لاکھ تین ہزار مرد پیدا ہوئے جو سب کے سب وہ ہیں جن میں بیس سال سے کم عمر کے لوگ شمار نہیں کیے گئے اور شاید ان میں سے جو بیس سال سے کم کے ہوں ان کی تعداد بھی قریب قریب اتنی ہی ہو۔ پھر عورتیں بھی تھیں اور شاید وہ بھی قریب قریب اتنی ہی ہوں۔ لہٰذا ان رسوا کرنے والی باتوں سے تعجب کرو۔

ایک یہودی عالم سے مناظرہ:

ان کے علماء میں سے ایک عالم نے جس کے منہ پر میں نے یہ رسوا کن بات ماری اس نے اس فساد کی بات سے بچنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا کہ اس مکاری کو تو اپنے سے الگ ہی رکھو کیونکہ تمہاری توریت نے تمہارے لیے تمام راستے بند کر دیے ہیں۔ اسلیے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ تمہارے علم میں بھی ہے جہاں سفر یوشع میں بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا مذکور ہے اور جہاں ان کا شام میں داخل ہونا مذکور ہے اور جہاں ان میں زمین کی تقسیم مذکور ہے وہیں ان کا قبائل اختیار کرنے کا اور ان کے اسباط کا نام بنام ذکر ہے۔ ہم نے جو بیان کیا ہے اس پر ایک شخص کا بھی اضافہ نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا ہوتا جیسا تم کہتے ہو تو بھی اس مقام میں جھوٹ ہی ہوتا کیوں کہ تمہارے اس دعوے کے مطابق زمین کی تقسیم لشکروں کی ترتیب اور اسباط کی تعداد تمہارے دعوے کے خلاف ہے۔ اس میں یقیناً کذب ہے خواہ حال کچھ بھی ہو۔ یہ باتیں سن کے وہ شرمندہ ہو کے خاموش ہو گیا۔

اعتراض:

اگر کہا جائے کہ جس وقت یوسف نے اپنے بیٹے افرائیم ومنشا کو یعقوب کے سامنے پیش کیا تھا تو کیا یعقوب نے یوسف سے یہ نہیں کہا تھا کہ افرائیم ومنشا میرے لیے ہوں گے اور میری طرف منسوب ہوں گے اور ان دونوں کے بعد جو لڑکے تمہارے یہاں پیدا ہوں گے وہ تمہاری طرف منسوب ہوں گے۔

تحقیق:

ہم کہیں گے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یوسف علیہ السلام کا سوائے ان دونوں لڑکوں کے جنہیں وہ چھوڑ گئے جیسا کہ ہم کہتے ہیں اور تمہاری توریت کی اور تمہاری تمام کتب کی نصوص وتصریحات شہادت دیتی ہیں کوئی اور لڑکا نہ تھا یا یہ کہ یوسف علیہ السلام کا سوائے ان دونوں لڑکوں افرائیم ومنشا کے کوئی اور بھی لڑکا تھا جسے وہ چھوڑ گئے۔

اگر ایسا ہو تو پھر تمہاری تمام کتابیں اول سے آخر تک خواہ وہ توریت ہوں یا دوسری سب کی سب جھوٹی ہیں۔ اس لیے کہ اس میں اسباط میں ایک سبط (خاندان) کے لشکرگاہ کی ترتیب اور ان کی وہ تعداد جب وہ مصر سے نکلے اور وہ تعداد جب وہ شام میں داخل ہوئے اور وہ

تعداد جب انہیں مینڈھے، بچھڑے اور سونے کے ڈبے عطا کیے گئے اور وہ تعداد جب وہ دونوں پہاڑوں پر برکت ولعنت کے لیے ٹھیرائے گئے اور ان کی وہ تعداد جب ان کے نام ان نگینوں پر کندہ کیے گئے جو ہارون کے سینے پر ترتیب کے ساتھ آویزاں تھے بیان کی گئی ہے جو ان کی تمام کتابوں میں ایک ہزار سے زیادہ مواقع پر ہوگی۔ مگر یوسف کے صرف دو ہی خاندان بیان کیے گئے ہیں ایک خاندان منشا اور دوسرا خاندان افرایم۔ لہٰذا اس کلام سے یہ اعتراض بھی باطل ہوگیا۔ وباللہ التوفیق۔

کثرت اولاد کہاں تک ممکن ہے:

ہر تمیز دار مرد وعورت اس سے واقف ہے کہ اولاد کی بہت زیادہ کثرت (بہ چند وجوہ) عالم میں نہیں پائی جاتی۔

(۱) تربیت اطفال کی دشواری کی وجہ سے۔

(۲) حاملہ عورتوں میں اسقاط حمل کی وجہ سے۔

(۳) ایک حمل سے دوسرے حمل تک عورت کے حمل میں تاخیر کی وجہ سے۔

(۴) بچوں کی کثرت موت کی وجہ سے۔

یہ چار عوارض ہیں جو انسان کے لیے اولاد کی اکثریت سے مانع ہیں۔ نیز عورتوں کا زچگی میں مشغول رہنا بھی کثرت اولاد سے مانع ہے۔ اگر ہم تلاش کریں کہ ہم ایسے لوگوں کو شمار کریں کہ جن کے بیس یا زیادہ لڑکے زندہ رہے ہوں اور وہ سن تمیز کو پہنچے ہوں تو ہم مشکل سے ایسے لوگ پائیں گے۔

بہت کم ایسے بادشاہ اور زیادہ ثروت والے امراء ہوتے ہیں جنہیں بہت سی عورتوں اور کنیزوں پر دسترس حاصل ہو ان خادمہ عورتوں پر بھی انہیں قابو ہو جو بچوں کی تربیت وانتظام میں مددگار ہوتی ہیں۔ اور پھر اتنا مال بھی حاصل ہو جس کے بغیر زندگی نہیں ہوسکتی۔ لیکن جسے مال بقدر حاجت یا حاجت سے اتنا زائد حاصل ہو جس کی مقدار کثرت وتونگری کی حد تک نہ پہنچتی ہو اور وہ ایک یا دو یا تقریباً اتنی ہی عورتوں سے زائد پر قادر نہ ہو تو بوجوہ مذکورہ بالا قطعاً ایسے لوگوں میں کثرت اولاد نہیں پائی جاسکتی۔ اور نہ یہ ان کے لیے ان قواطع وموانع کی وجہ سے قطعاً ممکن ہے جو ہم نے ابھی بیان کیے ہیں۔

ہم نے خود بھی بہت لوگوں کا مشاہدہ کیا ہے اور ہمیں ممالک بعیدہ کے لوگوں کی خبریں بھی پہنچی ہیں۔ جو لوگ ہم سے دور ہیں ہم نے ان کی بڑی چھان بین بھی کی ہے بیشتر اقوام عرب وعجم کی تاریخوں کے بکثرت مجموعے بھی ہمارے زیر نظر ہیں۔ مگر ہمیں ان لوگوں میں بھی جن کو کثیر اولاد کہا جاتا ہے اولاد نرینہ کا مذکورہ بالا مقررہ عدد نہیں ملتا سوائے چودہ یا اس سے کم لڑکوں کے۔ لیکن جن کی اولاد نرینہ اس سے زائد ہے اور بیس تک ہے تو وہ بے انتہا کمیاب ہیں۔ یہ حال تمام ممالک اسلام کا ہے۔

یہی حال ہمیں ممالک نصاری کا معلوم ہوا ہے اور ممالک صقالبہ وترک وہندوسوڈان کا قدیم وجدید حال بھی یہی ہے۔

کثیر الاولاد افراد:

لیکن جن کی اولاد تیس یا زیادہ ہے تو ہمیں ایسے چند گذشتہ لوگوں کا علم ہوا ہے جن میں سے انس بن مالک انصاری وحنیفہ بن ابی السعدی وابوبکرہ ہیں۔ ان لوگوں کی اس وقت تک وفات نہیں ہوئی جب تک سو لڑکے ان کے سامنے نہ گذر گئے۔

عمر بن عبدالملک کے ہمراہ ان کی اولاد میں سے ساٹھ مرد سوار ہوا کرتے تھے۔

جعفر بن سلیمان علی بن عبداللہ بن عباس کے چالیس بیٹے زندہ رہے۔ پوتے ان کے علاوہ تھے۔

عبدالرحمٰن بن الحکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ کے پتالیس بیٹے پیدا ہوئے جن میں تقریباً انتالیس زندہ رہے۔

موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر محمد بن علی بن حسین ب علی بن ابی طالب کی اولاد نرینہ کی تعداد اکتیس تک پہنچی۔ موسیٰ کے والد مامون کی جانب سے کبھی امیر یمن رہے اور کبھی والی۔

وصیف ترک مولائے معتصم کی نزدیک تر اولاد میں پچپن لڑکے تھے۔

تامرت مولائے بنی مناد حاکم طرابلس جب سوار ہوتے تھے تو ان کی نزدیک تر اولاد کے اسی مردان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ یہ شخص ہر آزاد یا کنیز عورت کو جو اسے اچھی لگتی تھی چھین لیتا تھا اور اس سے بھی اولاد ہوتی تھی۔

بربر کے بادشاہوں میں سے ایک شخص معتزلی جو بنی دمر کے خاندان سے تھا جب وہ سوار ہوتا تھا اس کے ہمراہ اس کے بیٹے اور پوتوں میں دو سو سوار ہوتے تھے۔

تمیم بن زید بن یزید بن یعلی بن محمد العرنی کے متعلق ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان کے تقریباً انسٹھ بالغ بیٹے تھے۔ اور وہ بنی نصر کے ان بادشاہوں میں تھے جو بڑے بڑے شہروں کے بادشاہ ہوئے۔

ابوالنہار بن ریزی بن منکاد کے ہمراہ تیس بیٹے سوار ہوا کرتے تھے جو ان کی نزدیک تر اولاد میں تھے۔

مرزوق بن اشکر بن الثغری جولارد کی سمت کی سرحد کے باشندے تھے ان کے ہمراہ ان کی نزدیک تر اولاد کے تیس مرد سوار ہوا کرتے تھے۔

شاہان ہند میں سے ایک بادشاہ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اس کے بھی اسی لڑکے تھے جو بالغ تھے۔

یہود نے اپنی تواریخ میں تذکرہ کیا ہے کہ ایک رئیس تھا جو ان لوگوں کی حکومت کا منتظم تھا۔ اس کا نام جدعون بن بواش تھا اور وہ منشا بن یوسف علیہ السلام کے خاندان سے تھا۔ اس کے بھی ستر لڑکے تھے۔

خاندان منشا کا ایک اور شخص تھا جس کا نام یابین جلعاد تھا اس کے بھی بہتر لڑکے تھے۔

ایک اور شخص جو ان کے مدبرین میں تھا اور اس کا نام عبدون بن ہلال تھا اور وہ افرائیم بن یوسف کے خاندان سے تھا اس کے بھی چالیس بالغ بیٹے تھے۔

ان کے مدبرین میں سے ایک اور شخص تھا جو یہوذا کے خاندان سے تھا۔ اس کا نام افصان تھا اور وہ بیت لحم کا باشندہ تھا۔ اس کی تیس بیویاں تیس بیٹے اور تیس بیٹیاں تھیں۔

اہل فارس بیان کرتے ہیں کہ گودرز بادشاہ کرمان کے نوے بالغ بیٹے تھے۔

کثرت اولاد کی سبیل ہی نہ تھی:

جب یہ کیفیت ہو کہ تین ہزار برس کے (طویل) زمانے میں روئے زمین کے تمام مشارق و مغارب میں اقوام گذشتہ و موجودہ میں صرف بیس سے بھی کم آدمیوں میں ہم کثرت اولاد کو پاتے ہوں جن کی حالت بلند اور جن کی عمریں دراز اور جن کے مال و عیال کثیر ہوں، تو بھلا بنی اسرائیل کے اس گروہ کے لیے جو مصر میں تھا یہ تعداد کیسے پائی جا سکتی ہے جس کی مثال زمانے میں بطور نادر و شاذ بھی کبھی نہیں سنی گئی۔

مصر میں کیا حال تھا؟

یہودیوں کا مصر میں جیسا کچھ حال تھا وہ مشہور و معروف ہے جس کے انکار پر کسی کو قدرت نہیں، اور وہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی زندگی میں ان لوگوں کو گذر بسر کے بقدر آمدنی تھی اور یہ لوگ صرف بکری والے تھے کچھ زیادہ فراغت کی حالت میں نہ تھے۔ پھر یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی وفات کے بعد یہ لوگ بڑی فاقہ کشی اور عذاب و مصیبت اور دائمی بیگاری اور مسلسل ذلت اور دوامی بلا اور ایسی روح فرسا مشقت میں تھے جو انہیں شکم سیری سے دور رکھتی تھی تو بھلا عیال کی وسعت اور کثرت اولاد کی فرحت کیونکر ہو سکتی تھی۔ لہذا یہ بہت بڑا جھوٹ اور چھا جانے والی رسوائی ہے۔

دوسرا جھوٹ:

امر دوم یہ ہے کہ ان کی توریت میں ہے کہ یہ لوگ صرف ارض توس میں رہتے تھے اور ان کا ذریعہ معاش صرف مویشی تھے۔ ان کی توریت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب یہ لوگ مصر سے نکلے تو مع اپنے تمام مویشی کے نکلے۔ اے سننے والو تعجب کرو کہ وہ مویشی جو ایسے چھ لاکھ تین ہزار انسانوں کی خوراک و پوشاک کو کافی ہوں جن میں نہ بیس سال سے کم عمر والے شمار کیے جائیں اور نہ عورتیں تو وہ کتنے ہوں گے۔

تمہیں یقینی طور پر یہ جاننا چاہیے کہ تمام ملک مصر بھی اتنی مقدار کے مویشی کی چراگاہ کے لیے تنگ ہے تو بھلا صرف ارض توس کیا کافی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ خود یہی لوگ اپنی توریت میں کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ و لوط علیہما السلام کے مویشی کی کثرت کو ایک ہی زمین برداشت نہیں کر سکتی تھی اور نہ ان دونوں حضرات کو یہ ممکن تھا کہ وہ سب مویشی کو اکٹھا رکھ سکتے۔ تو بھلا وہ مویشی کیسے رہ سکتے تھے جو پندرہ لاکھ سے زائد انسانوں کی سربراہی کرتے تھے لامحالہ وہ شخص جس نے یہ جھوٹی اور لعنتی کتابیں ان لوگوں کے لیے تیار کیں وہ ضعیف العقل تھا اور بے سوچے سمجھے اپنے قلم کو آزاد کر دیتا تھا۔ دوسرا کھلا ہوا اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔

تیسرا جھوٹ:

سوم یہ ہے کہ سب لوگ بطور بیگار کے اینٹیں بنانے کے کام میں لگائے گئے تھے۔ بخدا چھ لاکھ اینٹ بنانے والے بہت ہوتے ہیں خاص کر صرف ارض قوس میں یہ ناممکن ہے کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ لوگ (مختلف مقامات میں) پھیلے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کی توریت اس کے خلاف کہتی ہے اور خبر دیتی ہے کہ سب لوگ اکٹھا تھے۔ یہ بہت سے مقامات میں بیان کیا گیا ہے منجملہ ان کے اس مقام پر دیکھو جہاں بکری کے شش ماہہ بچوں کے ذبح کرنے اور انگور میں خون لگانے کا حکم دیا تھا۔ پھر وہ مقام بھی دیکھنے کا ہے جب فرعون نے انہیں موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ نکل جانے کی اجازت دی تھی یہ سب لوگ اپنے نکلنے کے دن مع اپنے مویشی کے اکٹھا تھے۔ تیسرا جھوٹ بھی بہت ہی واضح ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

چوتھا جھوٹ:

چہارم یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی لاوی میں صرف تین مرد تھے۔ قہات جرشون اور مراری۔ صرف ان تین کی اولاد نرینہ میں بائیس ہزار لڑکے تھے جو ایک ماہ یا زیادہ عمر کے تھے جن میں آٹھ ہزار پانچ سو اسی مرد وہ تھے جن میں تین سال سے کم اور پچاس سے زائد کا کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد اولاد مراری کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے صرف دو بیٹے بیان کیے گئے ہیں۔ محلی و موشی۔ اولاد جرشون بن لاوی کا بھی ذکر کیا گیا ہے مگر

ان کے بھی صرف دو ہی بیٹے بیان کیے گئے ہیں لبنی وشمعی۔ اولاد قہات بن لاوی کا بھی ذکر کیا گیا ہے مگر ان کے بھی صرف چار ہی بیٹے بیان کیے گئے ہیں عمرام۔ یصہار۔ حبرون اور عزئیل۔ لاوی کی تمام اولاد صرف انہیں آٹھ اشخاص کی طرف رجوع کرتی ہے۔

ان لوگوں نے اپنے کذب کی توجیہ وتاویل کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی بلکہ عمرام کی اولاد کو شمار کیا گیا ہے کہ وہ صرف موسیٰ و ہارون علیہما السلام تھے اور عازار اور وفرضو موسیٰ علیہ السلام کے بیٹے تھے جو بہت ہی صغیر سن تھے۔ چار بیٹے ہارون علیہ السلام کے تھے اور اولاد یصہار کو شمار کیا گیا ہے بیان کیا گیا ہے کہ قورح اور ان کے کئی بھائی تھے اور قورح کے لڑکے تھے۔ اب عدد مذکور میں سے ہزار ہا باقی رہ گئے اور وہ ایسے آٹھ ہزار چھ سو ۸۶۰۰ مرد ہیں جن میں خاص بنی قہات کے ایک مہینے سے کم عمر کے شمار نہیں کیے گئے جو صرف حبرون وعزئیل اور قورح کے دونوں بھائیوں کی اولاد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسے یاد رکھو اور اصافان بن عزئیل بھی زندہ رہے اور ان کا طبقہ بھی آگ بڑھا یہ تعداد اور عورتوں کے علاوہ ہے اور شاید ان کی تعداد بھی مردوں کی تعداد کے برابر ہی ہوگی۔

یہ ایسے احمق کی جانب سے ہے جس کی کوئی نظیر نہ ہوگی اور وہ بیحیائی میں بھی اعلی درجے پر پہنچا ہوا ہے اور ابتدا میں تو یہ کذب خالص ہے اور انتہا میں محال ہے اور ان بیہودہ باتوں کے قایم مقام ہے جو رات کی کہانیوں میں بیان کی جاتی ہیں میری جان کی قسم اگر اس مہوس کی تصدیق میں ایک یا دو ہی آدمی گمراہ ہوتے جب بھی عجیب ہوتا۔ چہ جائیکہ ایک عالم عظیم اور گروہ در گروہ ڈیڑھ ہزار سال سے زائد سے جب سے ان لوگوں کے لیے عزرالوراق نے یہ سیاہ نامہ لکھا جس کے ذریعے سے اس نے ان لوگوں کو گمراہ کیا اللہ کا ہم پر جو انعام عظیم ہے ہم پر اس کی بیحد حمد کرتے ہیں اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری بقیہ زندگیوں میں بھی ہمیں ان امور سے محفوظ رکھے جن سے اس نے ان لوگوں کا امتحان لیا ہے جن کی گمراہی اسے منظور تھی۔ آمین آمین۔

پانچواں جھوٹ:

پنجم سفر یوشع میں یہ قول ہے کہ بنی ہارون کے حصے میں تیرہ شہر واقع ہوئے حالانکہ عازار بن ہارونؑ زندہ موجود تھے۔ ذرا انصاف تو کرو کہ کیا محال میں کوئی اس سے زائد بات ہوتی ہے کہ کسی انسان کی عقل میں یہ سما سکے کہ ہارونؑ کی وفات کے ایک سال چند ماہ بعد ان کی نسل اس تعداد کو پہنچ جائے کہ تیرہ شہروں سے کم انہیں سکونت کے لیے کافی نہ ہوں۔ کیا اس حماقت کا سوائے طوق، بیڑی، ہتھکڑی داغ دینے اور کوڑے مارنے کے جو طوق وغیرہ کے بعد ہوا کرتا ہے اور بھی کوئی دوا ہے اس بدنصیبی سے خدا کی پناہ۔

چھٹا جھوٹ:

کذب ششم تو بیحد پر لطف ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کی توریت میں مذکور ہے کہ بنی جرشون بن لاوی کے ان لڑکوں کی تعداد جو ایک ماہ یا زیادہ کے تھے چھ ہزار پانچ سو تھی۔ بنی قہات بن لاوی کے ان لڑکوں کی تعداد جو ایک ماہ یا زیادہ کے تھے آٹھ ہزار چھ سو تھی۔ بنی مراری بن لاوی کے ان لڑکوں کی تعداد جو ایک ماہ یا زیادہ کے تھے چھ ہزار دو سو تھی۔ پھر کہا ہے کہ لہذا ابنی لاوی کے تمام لڑکوں کی مجموعی تعداد جو ایک ماہ یا زیادہ کے تھے بائیس ہزار تھی۔

یہ نہایت پر لطف لطیفہ اور وہ چیز ہے جس سے بغلوں میں پسینہ آ جاتا ہے۔ کیا کوئی شخص اس سے ناواقف ہو سکتا ہے کہ اعداد مذکورہ کو جمع کیا جائے تو اکیس ہزار تین سو ہی ہوگا۔ یہ وہ غلطی ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ کیونکر واقع ہوئی۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ روسیاہ جس نے ان کی یہ کتاب بنائی وہ حساب سے اس قدر احمق تھا اور جہل کے اس مرتبے پر پہنچا ہوا تھا۔ بیشک یہ ایک امر عجیب ہے۔ بیل بھی اس سے زیادہ ہدایت

یافتہ ہوگا، گدھا بھی اس سے زائد باخبر ہوگا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ پندرہ سو سال سے زائد سے اس (کتاب کے مصنف) کے بعد کوئی ایسا یہودی نہیں آیا کہ اسے یہ واضح ہوتا کہ یہ غلط اور باطل ہے؟ یہ ناممکن ہے کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہاں پر کاتبوں سے یا نقل کرنے والے سے بعض نسخوں میں غلطی ہوگئی۔ اس لیے کہ اس نے جس فساد کو برپا کیا ہے اس کے متعلق اس نے ہمیں کسی شک وشبے میں نہیں چھوڑا بلکہ اس نے اس کو مؤکد کر کے اچھی طرح ظاہر اور واضح کر دیا کہ بنی اسرائیل کے پہلونٹھی کے لڑکے بائیس ہزار دو سو تہتر تھے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے پہلونٹھی کے لڑکوں میں سے بنی لاوی کے مردوں کو لے لیں۔ بنی اسرائیل کے پہلونٹھی کے لڑکوں میں سے بنی لاوی کے دو سو تہتر بائیس ہزار سے زائد ہیں ان میں سے ہر ایک سے فی کس پانچ اشقال چاندی لے لیں (شقل یہ وزن کا نام ہے)۔ اس سے ایک ہزار تین سو پینسٹھ شقل چاندی جمع ہو گئی۔ اشکال بالکل رفع ہوگیا **وباللہ التوفیق**۔

خدا کی قسم ہم نے اس شخص سے زیادہ بدباطن اور خبیث فطرت کسی کو نہیں سنا جس نے ان کی توریت لکھی سوائے اس کے کہ جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی گمراہی کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ چھ جھوٹ ہیں جو سلسلہ کلام میں ہیں کہ اگر ان میں سے صرف ایک ہی ہوتا تو یہ ایک ایسا برہان قاطع ہوتا جس سے یہ ضرور یقین آجاتا کہ یہ کتاب بلاشک موضوع۔ بدلی ہوئی بنائی ہوئی ذلیل اور جھوٹی ہے۔ چہ جائیکہ وہ تمام جھوٹ جنہیں ہم نے بیان کیا اور ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ بدنصیبی سے خدا کی پناہ۔

سراسر جھوٹ:

اسی کے متصل ایک اور جھوٹ پھیلا ہوا بدترین وخراب ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ داؤد علیہ السلام ایشائی بن عوبید بن بوعز بن شلومون بن نحشون بن عمینا داب بن ارام بن حصرون کے بیٹے تھے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عوبید مذکور حضرت داؤد کے دادا اور ان کے والد کے والد تھے ان کی والدہ روث العمونیہ وہ تھیں جن کے لیے کتب نبوت میں سے ایک علیحدہ کتاب تھی۔ اس امر میں بھی ان لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے سے داؤد علیہ السلام کی سلطنت تک چھ سو چھیاسٹھ برس کا زمانہ گذرا تھا۔ ان کے نزدیک نص توریت میں اور بغیر کسی باہمی اختلاف کے ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے ہیں تو بنی یہوذا کے مقدم وپیشوا نحشون بن عمینا داب مذکور تھے اور یہ ہارون علیہ السلام کے سالے تھے۔ توریت میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوائے یوشع بن نون الافرایمی وکالب بن یفنتہ الیہوذانی کے کوئی شخص جو بیس سال یا زیادہ کی عمر میں مصر سے نکلا ہے ارض مقدسہ میں داخل نہ ہوگا۔ لہذا بدیہی طور پر ثابت ہوگیا کہ نحشون تیہ ہی میں مر گئے (تیہ کے معنی پٹ پر میدان کے ہیں۔ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو بطور عذاب ایک میدان میں رکھا گیا تھا جس سے نکلنے کے لیے چالیس برس تک یہ لوگ سرگرداں رہے۔ دن بھر چلتے تھے اور رات کو سو کے جب صبح کو اٹھتے تھے تو اپنے کو اسی میدان میں پاتے تھے یہاں وہی تیہ مراد ہے) جو ملک شام میں داخل ہوئے وہ ان کے بیٹے شلومون تھے۔ اب چھ سو چھیاسٹھ برس کو صرف چار ولادتوں پر تقسیم کرو اور وہ یہ ہیں۔

(۱) ولادت بوعز بن اشلومون جو ارض مقدسہ میں داخل ہوئے۔

(۲) ولادت عوبید بن بوعز ابن روث العمونیہ۔

(۳) ولادت ایشائی بن عوبید۔

(۴) ولادت داؤد علیہ السلام۔

ان کی کتابیں اس امر میں اختلاف نہیں کرتیں کہ جس وقت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے ان کی عمر تینتیس سال تھی جو چھ سو چھیاسٹھ کا تمہ یا اس کی پوری کرنے والی تھی۔ لہذا مناسب ہے کہ داؤد علیہ السلام کی عمر کے وہ سال جب کہ وہ بادشاہ ہوئے (یعنی ۳۳ سال) عدد مذکور (یعنی ٦٦٦ سال) سے گھٹا دیے جائیں تو تین ولادتوں کے لیے پانچ سو بہتر برس باقی رہیں گے اور وہ ولادت ابشائی اور ولادت عوبیذ ولادت بوعز ہے۔ پھر غور تو کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے سال کا (فرق) ہوگا جب اس کے یہاں فرزند مذکور پیدا ہوا ہوگا۔

جاننا چاہیے کہ اس زمانے میں ان لوگوں کی عمروں کی طرف ان سالوں کو منسوب کرنا ایسا کذب ہے جو محال ہے۔ اس لیے کہ ان کی کتب میں نص ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں سوائے یہوباراع ہارون کاہن کے کوئی بھی ایک سو تیس برس زندہ نہیں رہا۔ لازم آتا ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص میں سے ہر ایک کی عمر جب کہ اس کے یہاں فرزند مذکور پیدا ہوا تقریباً ایک سو انچاس برس سے بھی زاید ہو۔ یہ وہ اقوال ہیں جن میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ لہذا لامحالہ ثابت ہوگیا جس سے کوئی مفر نہیں کہ یہ توریت کل کی کل بدلی، بنائی، گھڑی ہوئی، جھوٹی، ملعون، اس طرح کھلم کھلا فاسقوں کا کام ہے جیسے کوئی شے دیکھنے اور چھونے سے محسوس ہو۔ سلامت عقل وفہم پر ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

خدا وعدہ کرے پیمبر کو یقین نہ آئے (۱):

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے پاس قیام اور کھانے کے لیے ان سے ان کے گوشت مانگنے کی کیفیت بیان کی ہے، ان کے کدو، ککڑی، پیاز گندنا، اور اس لہسن کے شوق کا ذکر کیا ہے جس کی بو بہ نسبت تمام دوسرے ارواح خبیثہ کے ویسی ہی ہوتی ہے جیسی تمام عالم کی عقل کے مقابلے میں مصنفین تورات کی عقل ہے۔ ترنجبین (من) سے ان کے گھبرا جانے کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالے نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم عوام سے کہہ رہے تھے کہ اللہ کی حمد کرو تو کل تم گوشت کھاؤ گے۔ خبردار میں تمہاری بات سن رہا تھا۔ جو لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں گوشت کون کھلائے گا۔ ہم لوگ مصر میں بہتر حالت میں تھے۔ ضرور ضرور تمہیں سید گوشت کھلائے گا اور تم کھاؤ گے۔ ایک دن نہیں دو دن نہیں۔ پانچ دن نہیں۔ دس دن نہیں۔ یہاںتک کہ مہینے کے تمام دن پورے ہو جائیں گے اور یہاںتک کہ گوشت تمہارے نتھنوں سے نکلے گا اور تمہیں تخمہ ہو جائے گا اس لیے کہ تم نے اس سید کو چھوڑ دیا ہے جو تمہارے درمیان ہے۔ تم اس کے سامنے یہ کہہ کر روتے ہو کہ اس نے ہمیں مصر سے کیوں نکالا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ "یہ لوگ چھ لاکھ ہیں اور تو فرماتا ہے کہ میں ایک مہینے تک ان لوگوں کو گوشت کی غذا کھلاؤں گا۔ تو کیا تیری رائے یہ ہے کہ تو اس قدر کثرت سے گائیں اور بھیڑیں ذبح کرائے گا کہ یہ لوگ اس کی غذا بنائیں گے یا تو ایک دم سے سمندر کی مچھلیوں کو جمع کر کے ان لوگوں کو شکم سیر کر دے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ "کیا تم سید کے ہاتھ کو عاجز سمجھتے ہو؟ تم عنقریب دیکھ لو گے کہ میرا کلام یکایک تمہارے پاس آتا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا چلائی جو سمندر کے پیچھے سے بھیڑوں کو بنی اسرائیل کے پاس لے آئی۔ انہوں نے ان کو کھایا اور گوشت ان کی ڈاڑھوں میں پھنس گیا۔ ان لوگوں کو تخمہ ہوگیا اور وہ سخت وبا میں گرفتار ہو گئے جس سے بہت لوگ مر گئے۔ یہ واقعہ

ان کے مصر سے نکلنے کے دوسرے مہینے کا ہے۔

اس فصل میں اللہ رب العالمین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس سے جو مصیبت آتی ہے وہ ایسی ہے جو قریب قریب اپنے ماقبل کو بھلا دے گی۔ سب سے پہلے اس توریت کے بدلنے والے ملعون کا یہ خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ کل سے تم لوگ مہینہ بھر تک گوشت کھاؤ گے تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ لوگ تو چھ لاکھ ہیں اور تو کہتا ہے کہ میں انہیں مرضی کے مطابق گوشت کھانے کو دوں گا۔ تو کیا تیری یہ رائے ہے کہ تو اس قدر کثرت سے گائیں اور بھیڑیں ذبح کرائے گا کہ یہ لوگ اس کی غذا بنائیں گے یا تو ایک دم سے سمندر کی مچھلیوں کو جمع کر کے ان لوگوں کو شکم سیر کر دے گا؟

کیا یہی شان نبوت ہے؟

معاذ اللہ جس شخص کو ذرا سی بھی عقل ہو گی وہ اپنے پروردگار سے اس طرح کا سوال جواب نہ کرے گا۔ اور نہ وہ اس کی اتنی قدرت بلکہ اس سے کہیں زائد قدرت پر بھی شک کرے گا چہ جائیکہ رسول و نبی۔

کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کبھی بھی یہ شک آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ اتنی کثیر گائیں اور بھیڑیں ذبح کرانے پر قادر ہے جو انہیں شکم سیر کر دیں یا ان کے پاس سمندر کی اتنی مچھلیاں لانے پر قادر ہے جو انہیں شکم سیر کر دیں۔ اس شک سے خدا کی پناہ۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام پر یہ امر پوشیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تو وہ ذات ہے جو مشرق و مغرب میں تمام بنی آدم کو گوشت اور بے گوشت کا رزق عطا کرتا ہے اور وہی تمام حیوانات کو بھی خواہ وہ پرندے ہوں یا تیرنے والے خواہ کثرت سے پانی پینے والے خواہ دو پایہ ہوں یا چہار پایہ، یا اس سے بھی زائد پاؤں رکھتے ہوں رزق دیتا ہے کہ وہ ایک ایسے قلیل گروہ کو جس کی کوئی قدر بھی نہیں گوشت سے شکم سیر کرنے کو عجیب و غریب سمجھتے۔ وہ یقیناً اس سے بری ہیں اور موسیٰ علیہ السلام ایسی احمقانہ بات کیسے کہہ سکتے تھے وہ اس سے بری ہیں۔ حالانکہ اس کے تیرہ مہینے پیشتر ایک دوسرے گروہ نے گوشت مانگا تھا تو انہیں اللہ نے بٹیر اور ترنجبین عطا فرمایا تھا خود ان کی توریت کی نص کے مطابق ان لوگوں نے اسے کھایا بھی تھا۔ تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اس واقعے کو اس قلیل مدت ہی میں بھول گئے ہوں گے یا انہیں یہ گمان ہوا ہو گا کہ پہلی بار تو اللہ قادر ہو گیا اور دوسری بار سے عاجز ہے۔ معاذ اللہ وہ اس پاگل پن سے بری ہیں۔

پھر اس جھوٹ کے بیان میں یہ اضافہ بھی ان کی توریت میں ہے کہ جب بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے نکلے تو مع اپنے تمام مویشی گائے بھیڑ کے نکلے۔ ان میں سے بعض گھر والوں نے اس شب میں یک سالہ بکری کا بچہ یا شش ماہیہ بچہ ذبح کیا۔ توریت کے متعدد مقامات میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل نے قبتہ العہد پر مینڈھے بھیڑیں بھیڑ کے بچے بکری کے بچے گائیں اور بچھڑے بطور نذر چڑھائے۔ اس کے آخر میں ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ملک شام میں ان کے جنگ شروع کرنے اور فتح کرنے کے وقت بنی روابین و بنی جادا اور بنی منشا کے نصف خاندان کے ہمراہ بہت سی بھیڑیں تھیں اور اتنی گائیں تھیں جن کی تعداد شمار نہیں کی جا سکتی۔ تو پھر ان لوگوں کے گوشت سے شکم سیر کرنے میں کونسی تعجب کی بات ہے۔ حالانکہ گوشت بھی ان کے ہمراہ موجود ہے جو کثیر ہے قلیل بھی نہیں۔ تین بھیڑیں ہوتیں تو ان میں سے ایک آدمی کو مہینہ بھر کے لیے کافی تھیں اور ایک بیل ہوتا تو وہ ان میں سے چار آدمی کو مہینہ بھر کے لیے کافی تھا۔ وہ بھی اس طرح کہ یہ لوگ بغیر روٹی کے صرف گوشت ہی کو اتنا کھاتے کہ ان کا پیٹ بھر جاتا۔ چہ جائیکہ جب یہ گوشت کو سالن ہی بناتے (اور غذا نہ بناتے تو اس سے بھی کم جانوروں کا گوشت کافی ہو سکتا تھا) تو پھر گوشت سے ان لوگوں کے شکم سیر کرنے میں کونسا تعجب تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے

اپنے رب سے وہ سوال و جواب کیا کہ جس سے ان کی جانب سے ان کے رب کی قوت کا انکار ہوتا ہے۔ کیا عالم میں کوئی اس سے زیادہ احمق ہے جس نے ایسا بدترین کمزور کفر و تمسخر آمیز جھوٹ تحریر کیا ہے۔ اے اللہ تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو نے ہمیں ان باتوں سے محفوظ رکھا جن سے ان لوگوں کا امتحان لیا۔

زکریا علیہ السلام کو کوئی شک نہ تھا:

اگر یہودی کہیں کہ تمہارے قرآن میں بھی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکریا سے فرمایا کہ "**یا زکریا انا نبشرک بغلام اسمه یحیی لم نجعل له من قبل سمیا**" (اے زکریا میں تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس کے قبل ہم نے کسی کو ان کا ہمنام نہیں بنایا) زکریا نے پروردگار کو جواب دیا کہ "**قال رب انی یکون لی غلام و کانت امر اتی عاقر وقد بلغت من الکبر عتیا . قال کذلک قال ربک هو علی هین وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئا**" (زکریا نے کہا کہ میرے رب میرے یہاں لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ میری بیوی بھی بانجھ ہے اور میں بھی بڑھاپے کی انتہائی حد کو پہنچ چکا ہوں۔ اللہ نے فرمایا ایسا ہی ہے (کہ ان حالات میں اولاد نہیں ہوتی مگر) تمہارا رب فرماتا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور (اس کا ثبوت یہ ہے کہ) اس کے قبل میں نے تمہیں پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے (یعنی جس طرح میں تمہیں عدم سے وجود میں لایا اسی طرح تمہارے لڑکے کو بھی)۔

"**قال رب اجعل لی آیة . قال آیتک الا تکلم الناس ثلث لیال سویا**" (زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لیے کوئی علامت مقرر کر دے۔ اللہ نے فرمایا کہ تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین شبانہ روز تک لوگوں سے بول نہ سکو گے)۔

قرآن میں یہ بھی ہے کہ "**قال انما انا رسول ربک لا هب لک غلاما زکیا**" (فرشتے نے مریمؑ سے کہا کہ میں محض تمہارے پروردگار کا فرستادہ ہوں تا کہ میں تمہیں ایک پاکیزہ فرزند عطا کر دوں)۔

"**قالت انی یکون لی غلام ولم یمسنی بشر ولم اک بغیا**"

(مریمؑ نے کہا کہ بھلا میرے یہاں لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں)۔

قال کذلک . قال ربک هو علی هین . ولنجعله آیة للناس و رحمة منا . و کان امر امقضیا" فرشتے نے کہا کہ ایسا ہی ہے (کہ نہ بغیر مرد کی شرکت کے اولاد ہوتی ہے اور نہ آپ بدکار ہیں مگر) آپ کا پروردگار فرماتا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے (میں ایسا ضرور کروں گا) تا کہ میں انہیں لوگوں کے لیے اپنی الوہیت کا نشان بناؤں اور وہ ہماری رحمت کا باعث ہوں اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے (کہ ضرور ہوگا اس لیے اس کے قبول کرنے سے آپ انکار نہ کیجئے)۔

شک کا ازالہ:

ہم کہتے ہیں کہ زکریاؑ و مریم علیہا السلام کے جواب میں جو بشارت اللہ عزوجل نے ان دونوں کو دی تھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے جیسا کہ تمہاری کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے ہے اور نہ زکریاؑ و مریم علیہما السلام کے کلام میں اس کا انکار ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرزند عطا فرمائے گا حالانکہ وہ بانجھ اور باکرہ ہیں۔ ان دونوں نے محض اس امر کی درخواست کی کہ ان دونوں کو وہ صورت بتا دی جائے جس سے ان کے یہاں لڑکا ہوگا اور بس اس لیے کہ "انی" کے معنی لغت عرب میں جس میں بلا اختلاف قرآن نازل ہوا ہے "من این" ہیں۔ لہٰذا ہمارا کہنا ثابت ہوگیا کہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ وہ انہیں بتا دے کہ کہاں سے ان کے یہاں لڑکا ہوگا یا کس طریقے سے ہوگا آیا

زکریاؑ کے کسی دوسری عورت کے نکاح سے یا مریمؑ کے کسی مرد کے نکاح سے۔ یا محض اللہ تعالیٰ کی ایجاد وقدرت سے۔ زکریاؑ نے نشانی و علامت کی درخواست محض اس لیے کی تا کہ ان کی قوم کے آگے ان کا صدق ظاہر ہو جائے اور یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان دونوں نے کسی لڑکے کو لے لیا ہے اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں (کہ یہ ہمارا لڑکا ہے) یہ دونوں آیتیں جن کو ہم نے قرآن سے بیان کیا ہے ان کا ظاہری مطلب یہی ہے جس میں نہ کسی تکلف وتاویل کی ضرورت ہے نہ کسی لفظ کے نقل کرنے کی نہ کم کرنے کی نہ زیادہ کرنے کی۔ بخلاف اس کلام کے جو تم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نقل کیا ہے کہ اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے جھٹلانے کے اور کوئی احتمال ہی نہیں۔

پیغمبر کی پوتی کو حبشن بنا دیا:

اس کے بعد مریمؑ وہارونؑ برادر موسیٰ علیہ السلام کے موسیٰ علیہ السلام سے ان کی حبشیہ (کوشیہ) بیوی کی وجہ سے جھگڑے کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا ذکر کیا ہے۔ وہ حبشیہ کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ ان کی توریت کے شروع ہی میں کہا ہے کہ ان کی بیوی یثرون المدیانی کی بیٹی تھیں اور وہ بلاشک مدین بن ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان دونوں قولوں میں سے ایک دوسرے کی تکذیب کر رہا ہے۔

تحریف تورات کا ایک اور ثبوت:

بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے دوسرے سال ان لوگوں کا گوشت کا مطالبہ ہوا جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اسی کے بعد ہارونؑ ومریمؑ کا اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا ہوا جیسا کہ ہم نے بیان کیا مریمؑ بیمار ہوگئیں۔ وہ لشکر گاہ سے سات روز کے لیے نکال دی گئیں یہاں تک کہ اچھی ہو کے واپس آگئیں اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ آدمیوں کو روانہ کیا جن میں یوشع بن نون و کالب بن یفنتہ الیہوذانی بھی شامل تھے تا کہ یہ لوگ ارض مقدسہ کو دیکھیں اور بیان کیا ہے کہ یہ لوگ چالیس روز تک اس میں گھومے پھر واپس آئے سوائے کالب ویوشع کے سب نے بنی اسرائیل کو خوف دلایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے ناراض ہوا اور اس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ موسیٰؑ کو وحی کی کہ تم لوگوں کے مردے پٹ پر میدان پھینک دیے جائیں گے اور تمہاری اولاد اسی پٹ پر میدان میں چالیس برس سرگرداں رہے گی جو انہیں چالیس دن کا عدد ہے جن میں تم لوگ شہر مقدس کی خاک چھانتے رہے۔ میں تمہارے لیے ہر روز کو ایک سال کا کروں گا۔ اور چالیس برس تک تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا دی جائے گی۔ یہ لوگ تیہ (پٹ پر میدان) میں چالیس برس تک رہے جب انہوں نے اس مدت کو پورا کر لیا تو اللہ عزوجل نے حرکت کا حکم دیا انہوں نے حرکت کی پھر مریمؑ خواہر موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ پھر ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے شاہ عوج وشاہ سحون سے جنگ کی اور ان دونوں کا ملک لے کے بنی روابین وبنی جاد ونصف خاندان منشا کو دے دیا۔ پھر انہوں نے دونوں شہروں میں جنگ کی اور ان کے بادشاہوں کو قتل کر دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہو گئی۔ ان کی توریت کے شروع میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلے ہیں تو ان کی عمر اسی برس تھی اور یہ کل مضمون حرف بحرف ان کی توریت کی نص ہے یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ جس شخص نے ان کی یہ توریت بنائی جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ حساب کا بہت کم علم رکھتا تھا اور اس فن میں اس کا ہاتھ بہت ہی بھاری تھا۔ یا وہ نفس کا آزاد، بے حیا، حق سے بہکانے والا، بے دین تھا جس نے ان لوگوں سے تمسخر کیا جس کی مثال بھیڑوں اور گدھوں کی سی ہے۔ اس لیے کہ جب موسیٰؑ مصر سے اسی سال کی عمر میں نکلے اور اپنے نکلنے کے بعد تیرہ مہینے تک یونہی رہے۔ اس کے بعد یہ لوگ چالیس برس تک بیابان میں بھٹکتے رہے پھر ان لوگوں نے چند بادشاہوں سے جنگ کی اور انہیں قتل کیا اور ان کے ملک ومال پر قبضہ کیا۔ تو اس کو جمع کرنے سے لامحالہ ایک سو بیس برس سے ایک سال سے بھی زائد کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور

غالبًا یہ دوسال زائد ہوں گے لہذا لامحالہ یا تو اس نے موسیٰؑ کی وفات کے وقت ان کی عمر میں جھوٹ بولا یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان لوگوں کے چالیس برس تک بیابان میں بھٹکنے کی خبر میں جھوٹ بولا۔ باری تعالیٰ تو اس سے بہت دور ہے کہ وہ جھوٹ بولے یا ایک منٹ یا اس سے کم کی بھی غلطی کرے اسی طرح اس کے نبی بھی اس قسم کی باتوں سے بری ہیں۔ ثابت ہو گیا کہ یہ توریت بدلی اور گھڑی ہوئی ہے۔

پیمبر اور مختلف خداؤں کی دعوت:

سفر خامس میں ہے کہ اگر تم میں کوئی نبی ظاہر ہو اور وہ یہ دعوی کرے کہ اس نے ایک خواب دیکھا ہے اور تمہارے پاس ہونے والی بات کی خبر لائے اور وہ اسی طرح ہو جائے جیسا اس نے بیان کیا ہے اس کے بعد تم سے کہے کہ مختلف اقسام کے خداؤں کے بیٹوں کی پیروی کرو تو تم لوگ اس کی بات نہ سنو۔

اس فصل میں زمانے بھر کی برائیوں سے زیادہ خرابی ہے اور کسی ایسے کافر کی فریب کاری ہے جو تمام نبوتوں کا باطل کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ اس نے نبوت اس قول سے ثابت کی کہ اگر تم میں کوئی نبی ظاہر ہو اور آئندہ ہونے والی خبریں اس کی تصدیق بھی کریں۔ اس کے بعد انہیں اس کی نافرمانی کا مشورہ دیا ہے جب کہ وہ نبی ان کو مختلف اقسام کے خداؤں کی پیروی کی دعوت دے اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے۔

اگر یہ ممکن ہو کہ کوئی نبی جس کی اپنی پیشینگوئی میں تصدیق کی جائے وہ کفر و باطل کی دعوت دے تو شاید نصیحت کرنے والا ہی اس صفت کا اہل ہوگا اور کوئی نہیں جو اس کے متعلق مطمئن کرے۔ آیا یہاں کوئی ایسی شے ہے جو اس کی تصدیق و اتباع کو واجب کرے اور اسے کا ذہین میں بیان کرے سوائے اس کے کہ جس کی نبوت معجزات سے ثابت کی گئی ہو؟ پھر جب وہ باطل کا حکم دے تو اس کی معصیت و نافرمانی لازم ہو گئی ہو۔ تو پھر موسیٰ کی نافرمانی بھی لازم ہے اور جس کام کا وہ حکم دیں اس میں ان کی نافرمانی ناجائز بھی ہے۔ کیونکہ شاید موسیٰ نے باطل کا حکم دیا ہو۔ جب کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی نبی ہو جو معجزات لایا ہو اور وہ باطل کا حکم دے۔

نعوذ باللہ۔ موسیٰ علیہ السلام یہ کلام کیوں کہتے ہیں۔ واللہ انہوں نے اسے ہرگز نہیں کہا۔ بیشک ان پر کذاب توریت کے بدلنے والے نے افترا کیا۔ اسی طرح اللہ اس سے بہت دور ہے کہ وہ کوئی معجزہ ایسے شخص کے ہاتھوں پر ظاہر کرے جس کا جھوٹ بولنا یا باطل کا حکم دینا ممکن ہو۔ یہی تو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر حق کا پوشیدہ کرنا اور حق کو باطل کے ساتھ ملانا اور ان دونوں کی آمیزش کرنا ہے یہاںتک کہ حق کے ثابت کرنے اور باطل کے مٹانے پر کوئی دلیل نہیں قائم ہو سکتی۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ ان کی توریت کی یہ فصل اور وہ ملعون فصل جس میں یہ ہے کہ ساحرین نے بھی ویسا ہی عمل کیا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا، یہ دونوں فصلیں، ان یہود پر جو ان کی تصدیق کرتے ہیں ہر نبی کی نبوت کو جس کو وہ مانتے ہیں قطعاً باطل کرنے والی ہیں اس لیے کہ ان دونوں فصلوں میں موسیٰؑ و جملہ انبیاء علیہم السلام اور ساحرین و کذابین میں کوئی فرق نہیں ہے اور اللہ اس سے بہت دور ہے اور اس کی ہم بدنصیبی سے پناہ مانگتے ہیں۔

نقیض کے کنارے:

یہ مضمون باوجود اس مضمون کے ہے جو اسی کے بعد ہے کہ اور جو نبی تم میں اپنی طرف سے نبوت پیدا کرے جس کا ہم نے اسے حکم نہ دیا ہو اور نہ میں نے اس کے متعلق اس سے عہد لیا ہو یا وہ تم میں نبوت کا دعوی کرے اور متعدد خداؤں اور بتوں کی دعوت دے تو تم اسے قتل کر دو۔ پھر اگر تم اپنے دل میں یہ کہو کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے یا اپنی ذات کی طرف سے ہے تو یہ وہ بات ہے جس کا علم تم میں ہے۔

جب وہ کسی چیز کی خبر دے اور وہ نہ ہو تو جان لو کہ وہ اپنی ذات کی طرف سے ہے۔
یہ کلام صحیح ہے اور یہ اپنے ماقبل کی ضد اور خلاف ہے کہ وہ کسی چیز کی خبر دے اور وہ اسی طرح ہو جائے جیسا کہ اس نے کہا تھا اور وہ اس کے باوجود عبادت غیر اللہ کی دعوت دے وہ قوم بڑی بدنصیب ہے کہ اپنے دین کو ایسے بددین اور حق سے بہکانے والوں سے نقل کیا ہے جنہیں انبیاء علیہم السلام کی طرف کفر و گمراہی و کذب کا منسوب کرنا کچھ بھی دشوار نہیں۔

نسبت ضلالت:

مثلاً وہ واقعہ جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

اور مثلاً ان کا ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا کہ انہیں نے بنی اسرائیل کے لیے بچھڑا بنایا، اس کے لیے مذبح بنایا، اس کے لیے قربانی چڑھائی اور اپنی قوم کے سرین کو بچھڑے کے آگے ناچنے گانے کے لیے برہنہ کرایا۔

اور جیسا کہ انہوں نے سلیمان علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ انہوں نے ایک ٹیلے پر بتوں کے لیے قربانیاں چڑھائیں۔ اور انہوں نے زبردستی اپنے ہی جیسے نبی یواب بن صوریا کو قتل کر دیا۔

اور جیسا کہ انہوں نے شاول کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ انہیں ظلماً لوگوں کے قتل کرنے کے لیے وحی بھیجی جاتی تھی حالانکہ وہ ان کے نزدیک نبی تھے۔

اور جیسا کہ انہوں نے بلعام بن باعورا کی طرف یہ منسوب کر دیا حالانکہ وہ بھی ان کے نزدیک نبی تھے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ہمراہ ان کے پاس وحی بھیجتا تھا کہ وہ کفر کی مدد کریں اور موسیٰ اور ان کے لشکر نے انہیں قتل کر دیا۔

پھر انہوں نے منشا بن حزقیا بادشاہ کی طرف نبوت کو منسوب کر دیا حالانکہ خود انہیں کے اقرار کے مطابق وہ کافر و ملعون تھا جو بت پرستی کیا کرتا تھا اور انبیاء کو قتل کیا کرتا تھا۔

یہ لوگ شمسون الدابی کی طرف معجزات منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے نزدیک فاسق تھا اور بدکار عورتوں سے عشق کیا کرتا تھا اور ان کے ساتھ فسق و فجور میں مبتلا ہوتا تھا۔

ساحرین کی طرف بھی یہ لوگ معجزات منسوب کرتے ہیں۔ لہذا ان کی سخت مصیبت پر تعجب کرو۔ سلامت پر اللہ کی حمد کرو اور اسی سے عافیت کی دعا کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

خاتمے نے بھانڈا پھوڑ دیا:

ان کی توریت کے آخر میں کہا ہے کہ پھر اللہ کے بندے موسیٰ کی ارض مواب کے اسی موضع میں جو بیت فغور کے مقابل ہے وفات ہو گئی اور آج تک کسی آدمی کو ان کی قبر کا مقام نہ معلوم ہو سکا۔ موسیٰ کی عمران کی وفات کے روز ایک سو بیس برس کی تھی نہ ان کی نگاہ میں کمی آئی تھی اور نہ ان کے دانت ہلتے تھے۔ پھر بنی اسرائیل مقامات مواب میں تیس روز تک ان کی خبر مرگ پھیلاتے رہے اور انہوں نے اچھی طرح ان کی خبر مرگ کو پھیلا دیا۔ پھر یوشع بن نون نے روح اللہ سے فیض حاصل کیا کیونکہ موسیٰ نے اپنے ہاتھ ان پر رکھے تھے۔ بنی اسرائیل نے ان کی بات سنی اور وہی کیا جو اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا تھا موسیٰ نے بنی اسرائیل میں اپنا مثل کوئی بھی نہیں چھوڑا اور نہ کوئی ایسا شخص چھوڑا جو بالمشافہ اللہ سے کلام کرتا۔ ان تمام عجائب میں جو موسیٰ کے ہاتھ پر ملک مصر میں فرعون اور اس کے پرستاروں کے اور اس کی تمام رعایا کے بارے میں کیے

گئے انہوں نے کوئی اپنا مثل چھوڑا اور نہ کوئی ایسا شخص چھوڑا جو وہی کرتا جو موسیٰ نے بنی اسرائیل کی جماعت میں کیا تھا۔

خود تورات شاہد ہے کہ منزل من اللہ نہیں:

یہ ان کی توریت کا خاتمہ اور آخری حصہ ہے اور یہ فصل اس امر کی شاہد عادل، برہان تام، دلیل قاطع، اور حجت صادقہ ہے کہ ان کی توریت بدل دی گئی ہے اور یہ ایسے مولف کی تالیف ہے جس نے اپنے جہل کے ورغلانے سے یا اپنے غور وفکر کے ارادے سے ان لوگوں کے لیے لکھی ہے یہ اللہ کی طرف سے ہرگز نازل نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ یہ فصل موسیٰ کی زندگی میں ان پر نازل ہوئی ہو اور اللہ تعالیٰ اور موسیٰ کی طرف سے بطور خبر کے ہو۔ جو مضمون اس میں بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ سے یہ اللہ اور موسیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور یہ تو محض جھوٹ ہے جس سے اللہ برتر ہے اور اس کا یہ کہنا کہ ان کی خبر کو آج تک کوئی آدمی نہیں جانتا ہمارے دعوے کا کافی ثبوت ہے کہ یہ وہ تاریخ ہے جو لامحالہ موسیٰ کے زمانہ طویل کے بعد لکھی گئی۔ یہاں پر یہود کی توریت کا جس پر ان کے ربانیین دعانانیین وعیسویین وصدوقیین نیز ان کے ساتھ نصاریٰ بھی بلا کسی باہمی اختلاف کے متفق ہیں وہ کذب ظاہر مکمل ہو گیا جو خبروں میں ہے اور ان واقعات میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی پھر اس کے ملائکہ کی پھر اس کے مرسلین علیہم السلام کی طرف سے ہیں۔ جو کھلے ہوئے تناقض واختلافات اور ان بیہودہ باتوں کی شکل میں ہے جو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور اگر توریت میں سے ان فصول میں جو ہم نے بیان کیں صرف ایک ہی فصل ہوتی جب بھی لامحالہ یہ اس امر کی موجب ہوتی کہ یہ توریت گھڑی۔ بنائی، بدلی ہوئی اور جھوٹی ہے چہ جائیکہ یہ ایک دم سے ستاون فصلیں ہیں جن میں بعض فصلیں ایسی ہیں جن میں سے ایک ہی فصل میں کم از کم سات جھوٹ یا تناقض واختلافات ہیں۔ سوائے ان اٹھارہ فصلوں کے کہ جن میں جو نص توریت یہود ہے بعینہ ان اخبار کی وہی نص نصاریٰ کے یہاں بھی ہے اور یہ دونوں باہم ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں دونوں حکایتوں میں سے ایک میں لامحالہ واضح وروشن جھوٹ ہے۔ تمہارا اس تعداد کے جھوٹ اور تناقض کے متعلق کیا خیال ہے جس کی مقدار ان کی توریت کے برابر ہو۔ یہ مقدار ایک سو دس ورق کی ہے جس کے ہر صفحے میں تقریباً تئیس سطریں ہیں جو ایسے پاشان خط میں ہیں کہ تقریباً ہر سطر میں سترہ کلمات ہوں گے۔

ہم انشاء اللہ تعالیٰ وہ حالات بیان کریں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پاس ان کی سلطنت شروع ہونے سے اس کے ختم ہونے تک اور ان کے بیت المقدس واپس آنے تک اور عزرا الوراق کے اس توریت کو لکھنے تک یہ توریت کس طرح رہی جس پر ان کی کتب کا اجماع اور ان کے علماء کا اتفاق ہے اور اس کے متعلق ان میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ہم نے اس لیے اس پر خبردار کر دیا کہ ہر صاحب فہم یہ یقین کر لے کہ یہ گھڑی اور بدلی ہوئی ہے و باللہ تعالیٰ نستعین۔

☆☆

تورات پر موسیٰ علیہ السلام کے بعد کیا گذری؟

تاریخی واقعات:

موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ جوان کے انتظامی معاملات کے مدبر تھے اردن فلسطین وغور میں داخل ہوئے۔ یوشع کے ہمراہ العازار بن ہارون علیہ السلام بھی تھے سراپردہ وشامیانہ اور جو کچھ اس میں تھا وہ انہیں (العازار) کے سپرد تھا۔ ان لوگوں کے اقرار کے مطابق توریت بھی انہیں کے پاس تھی نہ کسی اور کے پاس۔ یوشع علیہ السلام نے استقلال کے ساتھ ان کے امور کا انتظام کیا اور موسیٰ کی وفات سے اپنی وفات تک اکتیس سال تک دین کو ان لوگوں پر لازم رکھا۔ پھر فخاس بن العزر بن ہارون نے استقلال اور دین کی پابندی کے ساتھ پچیس برس تک ان لوگوں کا انتظام کیا اور یہی صاحب سراپردہ وکاہن اکبر تھے اور توریت بھی انہیں کے پاس رہتی تھی نہ کسی اور کے پاس۔ پھر وہ مر گئے حالانکہ ان کی ایک بہت بڑی جماعت کا ابتک یہ گمان ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کے ساتھ تین شخص اور بھی اور وہ الیاس بنی ہارونی علیہ السلام اور ملکیصدق بن فالج بن عامر بن ارفخشاذ بن سام بن نوح علیہ السلام اور وہ غلام جنہیں ابراہیم علیہ السلام نے بھیجا تھا کہ وہ اسحاق علیہ السلام کا نکاح رفقہ بنت بتوئیل بن ناخور برادر ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کردیں۔

بنی اسرائیل کی بت پرستی:

جب نجاس بن العزر کی مدت مذکورہ ختم ہوگئی تو بنی اسرائیل نے کفر اختیار کیا سب کے سب مرتد ہوگئے اور علانیہ بت پرستی کرنے لگے اسی حالت میں ان پر بادشاہ صور وصیدا آٹھ سال کی مدت تک کفر کی حالت پر مسلط رہا۔

پھر ان کے امور کا عثنیال بن قنار بن برادر کالب بن یفنة بن یہوذا نے حالت ایمان پر چالس سال تک انتظام کیا وہ مر گئے تو پورے بنی اسرائیل نے کفر اختیار کیا سب مرتد ہوگئے اور علانیہ بت پرستی کرنے لگے۔ اسی حالت میں عغلون جو بنی مواب کا بادشاہ تھا اٹھارہ سال تک بحالت کفران پر بادشاہ رہا۔

پھر ان کے امور کا اہوذ بن قارا نے انتظام کیا کہا جاتا ہے کہ یہ خاندان افرائیم سے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ خاندان بنیامین سے تھے۔ ان کی مدت ریاست میں بھی اختلاف کیا گیا ہے اسی سال بھی کہے گئے ہیں اور پچپن سال بھی کہے گئے ہیں وہ اپنی وفات تک ایمان پر رہے۔

پھر سمعان بن غاث بن خاندان اشار نے پچیس سال تک بحالت ایمان ان کے امور کا انتظام کیا۔ پھر یہ بھی مر گئے اور تمام بنی اسرائیل نے کفر اختیار کیا اور کھلم کھلا بت پرستی اختیار کرلی۔ اسی حالت میں مراش الکنعانی بیس برس تک بحالت کفران کا بادشاہ رہا۔

پھر ان کے امور کا خاتون دبور النبتیہ نے انتظام کیا۔ یہ خاندان یہوذا سے تھیں۔ ان کے شوہر جن کا نام سدوث تھا کا خاندان افرائیم سے تھے۔ اس خاتون کی وفات تک بنی اسرائیل ایمان پر رہے۔ ان کے انتظام کی مدت چالیس برس تھی۔ جب یہ مر گئیں تو تمام بنی اسرائیل

نے کفر اختیار کیا اور مرتد ہوگئے اور علانیہ بت پرستی کرنے لگے پھر سات برس تک بحالت کفر بادشاہ بنی مدین عوز بن وزاب ان لوگوں کا بادشاہ رہا۔

پھران کے امور کا انتظام جدعون بن یواس نے کیا جوافرایم کے خاندان سے تھے اور کہا جاتا ہے بلکہ وہ منشا کے خاندان سے تھے۔ یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی تھے اور ان کے اکہتر بیٹے تھے وہ چالیس برس تک بحالت ایمان ان کے بادشاہ رہے۔

پھران کی وفات ہوگئی اور ان کا بیٹا ابو ملک ابن جدعون والی ہو گیا اور یہ فاسق وخبیث سیرت تھا تمام بنی اسرائیل مرتد ہو گئے انہوں نے کفر اختیار کیا اور علانیہ بت پرستی کرنے لگے اس کی مدد نوے عدد بت خانوں سے جو ماعل صنم کے نام کے تھے اس کے ماموں نے کی جونابلس کے باشندے اور ان بنی اسرائیل میں سے تھے جن کا تعلق خاندان یوسف سے تھا۔ یہ سب لوگ اس کے ساتھ چلے گئے۔ اس نے اپنے تمام بھائیوں کو قتل کردیا سوائے ایک کے جو بچ گیا اور وہ تین سال تک اسی طرح رہا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد موتع بن قوا پانچ سال تک ان کا مدبر رہا جو خاندان یساخر سے تھا اور ہم کوئی بیان نہیں پاتے کہ آیا وہ ایمان پر تھا یا کفر پر تھا پھر وہ مرگیا۔

اس کے بعد بائیس سال تک بائین بن جلعاد جو خاندان منشا سے تھے ان لوگوں کے امور کے منتظم رہے اور وہ اپنی وفات تک ایمان پر رہے۔ ان کے بتیس بیٹے تھے جن میں سے ہر ایک بنی اسرائیل کے ایک ایک شہر کا والی ہوا۔

بائین کی وفات کے بعد تمام بنی اسرائیل مرتد ہوگئے علانیہ بت پرستی کرنے لگے اور پے در پے تیرہ برس تک بنی عمون حالت کفر پر ان کے بادشاہ رہے۔

پھران میں منشا کے خاندان سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام ہیلع بن جلعاد تھا۔ اس امر میں ان لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ زانیہ کا لڑکا تھا۔ فاسق وخبیث سیرت تھا۔ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے اس کے دشمن کے مقابلے میں فتح مند کرے گا تو وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے اپنے گھر کے اس شخص کی قربانی کرے گا جو سب سے پہلے اس سے ملے۔ چنانچہ جو شخص سب سے پہلے اس سے ملا وہ اس کی بیٹی تھی اور اس کے سوا اس کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ مگر اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیٹی کو بطور قربانی ذبح کر دیا۔ اس کے زمانے میں ایک نبی تھے مگر اس نے ان کی طرف التفات نہ کیا۔ اس نے بنی افرایم کے بیالس ہزار آدمی قتل کیے۔ چھ برس تک ان لوگوں کا بادشاہ رہا پھر مر گیا۔

اس کے بعد انصات ان کا والی ہوا جو خاندان یہوذا میں سے بیت لحم کا بادشاہ تھا۔ اس کے تیس بیٹے تھے اور وہ سات برس تک ان کا بادشاہ رہا۔ چھ برس بھی کہے جاتے ہیں پھر مر گیا۔ اس کا زیادہ ظاہر حال جیسا کہ ان کی خبریں ثابت کرتی ہیں۔ یہی ہے کہ وہ ایمان و استقامت پر تھا۔

اس کے بعد ایلون جو خاندان زبلون سے تھا دس برس تک ان کا بادشاہ رہ کر مر گیا جس کے بعد عبدون بن ہلال والی ہوا جو خاندان افرایم سے تھا اور وہ آٹھ سال تک بحالت ایمان بادشاہ رہا اور اس کے چالیس بیٹے تھے۔

جب وہ مر گیا تو بنی اسرائیل سب کے سب مرتد اور کافر ہوگئے اور اعلانیہ بت پرستی کرنے لگے۔ پھران پر فلسطینین جو کنا ئینین وغیر کنا ئینین تھے بادشاہ ہوگئے۔ یہ لوگ چالیس برس تک بحالت کفر بادشاہ رہے۔

پھران کے امور کا شمشون بن مانوح منتظم ہوا جو خاندان دانی سے تھا اور ان لوگوں میں اسے اہل فسق اور زانیہ عورتوں کے پیچھے

پھرنے والوں میں بیان کیا جاتا ہے وہ بیس برس تک ان کا منتظم رہا اور یہ لوگ اس کی طرف معجزات منسوب کرتے ہیں آخر وہ گرفتار ہو کے مر گیا۔

پھر بنی اسرائیل نے خود ہی آپس میں چالیس برس تک سلامت و ایمان کے ساتھ بغیر کسی ایسے رئیس کے جو انہیں جمع کرے اپنے امور کی تدبیر کی۔ پھر کاہن ہارونی نے بحالت ایمان بیس برس تک ان کے امور کا انتظام کیا یہانتک کہ وہ مر گئے۔

پھر شمویل بن قنان نبی نے ان کے امور کا انتظام کیا جو خاندان افرائیم سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بیس برس تک یہ منتظم رہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چالیس برس تک رہے۔ یہ سب ان کی کتابوں میں ہے۔ وہ ایمان پر رہے بیان کرتے ہیں کہ ان کے دو بیٹے تھے قوہال دبا۔ یہ دونوں حکم میں بھی ناانصافی کرتے تھے اور لوگوں پر بھی ظلم کرتے تھے اور اس کے باوجود انہوں نے شمویل سے خواہش کی کہ وہ انہیں بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا دیں۔

طالوت کی حکومت:

شمویل نے اپنے بیٹوں کی درخواست رد کر کے چمڑا رنگنے والے شاول بن قیش بن انیل بن شارون بن بورات بن آسیا بن خس کو بنی اسرائیل کا والی بنایا۔ یہی شاول طالوت تھے (جن کا ذکر قرآن میں ہے)۔ یہ بیس برس تک ان کے بادشاہ رہے۔ بنی اسرائیل کے سب سے پہلے بادشاہ تھے۔ یہ لوگ انہیں نبوت اور اس کے ساتھ ہی فسق و ظلم و معاصی سے موصوف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے بنی ہارون کے تقریباً نواسی مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا اس لیے کہ ان لوگوں نے داؤد علیہ السلام کو صرف ایک روٹی کھلا دی تھی۔

سات بار مرتد ہوئے:

اب تمہیں جاننا چاہیے کہ اس وقت سے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ارض مقدسہ میں داخل ہوئے ان کے سب سے پہلے بادشاہ کی ولایت تک اور وہ شاول مذکور تھے سات بار ارتداد ہوا جس میں انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا اور بت پرستی کا اعلان کر دیا۔ سب سے پہلی روایت میں یہ لوگ آٹھ سال تک رہے۔ دوبارہ اٹھارہ سال تیسری مرتبہ بیس سال چوتھی مرتبہ سات سال۔ پانچویں مرتبہ تین سال اور اکثر اس سے بھی زیادہ چھٹی مرتبہ اٹھارہ سال۔ ساتویں مرتبہ چالیس سال مرتد رہے۔ اب غور تو کرو کہ درازی کفر و ترک ایمان کے ساتھ اور وہ بھی اتنی اتنی طویل مدتوں تک اور ایک ایسے چھوٹے سے شہر میں جس کی مقدار بقدر تین دن کی مسافت کے ہو اور ان کے دین کا ماننے والا اور ان کی کتاب کی پیروی کرنیوالا سوائے ان کے روئے زمین پر کوئی نہ ہو کونسی کتاب باقی رہ سکتی ہے۔

داؤد علیہ السلام پر افترا:

پھر شاول مذکور قتل کر دیے گئے اور ان لوگوں کے والی امور داؤد علیہ السلام ہوئے۔ یہ لوگ ان کی طرف والدہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ علانیہ زنا کو منسوب کرتے ہیں۔ کہ والدہ سلیمان کے یہاں حضرت داؤد سے قبل سلیمان زنا سے ایک اور لڑکا پیدا ہوا جو مر گیا۔ (معاذ اللہ) لہذا ایسے لوگوں پر جو انبیا علیہم السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کریں لاکھوں لعنتیں ہوں۔

یہ لوگ حضرت داؤد کی طرف یہ بھی منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے شاول کے گناہ کی وجہ سے ان کی تمام اولاد کو قتل کر دیا سوائے ایک چھوٹے بچے کے کہ جوان میں اپاہج تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی مدت سلطنت چالیس سال رہی۔

سلیمان علیہ السلام پر بہتان:

سلیمان علیہ السلام اپنے والد کے والی ہوئے۔ ان کی ان لوگوں نے وہی تعریف کی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی (یعنی ولد زنا بنایا ہے) یہ لوگ ان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا نفقہ وخرچ اسباط (یعنی حضرت یعقوب کی اولاد کے بارہ خاندانوں) پر فرض کر دیا تھا۔ ہر سبط پر سال کے ایک مہینے کا خرچ مقرر کر دیا تھا۔ ان کے لشکر میں بارہ ہزار اسپ سوار اور چالیس ہزار خچر سوار تھے۔ حالانکہ یہ توریت کے حکم کے خلاف ہے کہ یہ لوگ گھوڑے زیادہ نہ رکھیں انہوں نے بیت المقدس میں ہیکل بنائی اور اس میں پردے بنائے اور مذبح اور منارہ بنایا جو اب تک ہے اور قربانی و توریت و تابوت و سکینہ نبی ہارون کو رکھا۔ ان کی ولایت بھی چالیس سال رہی۔ پھر ان کی وفات ہوگئی اور بنی اسرائیل کا شیرازہ بکھر گیا۔

بنی یہوذا او اولاد بنیامین بیت المقدس میں بنی سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی سلطنت میں ہو گئے اور بقیہ دس اسباط (خاندان) کی سلطنت انہیں کے ایک دوسرے بادشاہ کے سپرد ہوگئی جو بیت المقدس سے اٹھارہ میل نابلس میں رہتا تھا۔ یہ لوگ اپنے حالت کے ادبار تک اسی حالت پر ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ بیان کریں گے۔ ہم اللہ کی مدد وقوت سے بنی سلیمان علیہ السلام کے بادشاہوں کے نام اور ان کے مذہب بیان کریں گے پھر دس اسباط کے بادشاہوں کا ذکر کریں گے (اور اللہ عز وجل ہی ہمارا مددگار رہے۔) تاکہ ہر شخص دیکھ لے کہ ان لوگوں کی سلطنت کے زمانے میں توریت کا اور مذہب کا کیسا حال تھا۔

کفر بعد الایمان:

سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رجعام بن سلیمان جس کی عمر سولہ برس کی تھی والی ہو گیا اس کی ولایت سترہ برس تک رہی۔ اس نے اپنی ولایت بھر میں علی الاعلان کفر اختیار کیا اور علانیہ بت پرستی کی اس نے بھی اور اس کی رعیت و لشکر نے بھی جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا لشکر ایک لاکھ بیس ہزار تھا۔ اسی کے زمانے میں بادشاہ مصر سات ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیادہ فوج کے ہمراہ جنگ بیت المقدس کے لیے روانہ ہوا اور اسے بزور شمشیر زبرستی لے لیا۔ رجعام بھاگ گیا۔ شاہ مصر نے شہر اور محل اور ہیکل کو لوٹ لیا اور اس میں جو کچھ تھا لے لیا اور مال غنیمت لے کے صحیح وسالم مصر واپس آ گیا۔ پھر رجعام بحالت کفر مر گیا اور اس کا بیٹا ابیا جس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اس کا قائم مقام ہوا۔ وہ بھی اور اس کا لشکر و رعیت بھی علانیہ کفر و بت پرستی پر باقی رہا۔ اس کی سلطنت چھ سال تک رہی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دس اسباط کے ساتھ اس کے جنگ کرنے میں پانچ لاکھ آدمی اسباط کے مقتول ہوئے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اسا بن ابیا والی ہوا جس کی عمر دس برس کی تھی وہ مومن تھا اس نے بت خانے منہدم کر دیے اور ایمان کو ظاہر کیا۔ اپنی سلطنت میں بحالت ایمان اکتالیس برس تک رہا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس کے لشکر میں بنی یہوذا کے تین لاکھ سپاہی تھے اور باون ہزار بنی بنیامین کے اس کی وفات ہوگئی اور اس کے بعد اس کا بیٹا یہوشافاط بن اسا والی ہوا جس کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ اس کی ولایت پچیس برس تک رہی۔ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی وفات تک برابر ایمان پر رہا۔ پھر اس کا بیٹا یہورام بن یہوشافاط والی ہوا اور ہم اس کی سیرت و مذہب کا حال بجز اس کے نہیں پاتے کہ یہ بھی بقیہ اسباط کے بادشاہوں کی طرح بت پرستی سے الفت رکھتا تھا اور یہ بتیس سال کی عمر میں والی ہوا اور اس کی ولایت آٹھ برس رہی یہ مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا احزیاہو جس کی عمر بائیس برس کی تھی ہو گیا اور اس نے بھی اپنی تمام رعیت میں کفر و بت پرستی کو پھیلایا اور اس کی ولایت ایک سال تک رہی اور یہ قتل کر دیا گیا۔ پھر اس کی ماں عشلیاہو بنت عمری والی ہوگئی اور عمری دس اسباط کا بادشاہ تھا اور یہ زیادہ

سے زیادہ شدید کفر و بت پرستی پر قائم رہی۔ اس نے بچوں کو قتل کیا اور بیت المقدس اور اپنی سلطنت کے تمام حدود میں علانیہ زنا کا حکم دیا۔ اس نے یہ عہد کیا کہ یہ کسی عورت کو منع نہ کرے گی جو زنا کا ارادہ کرے گی اور یہ بھی عہد کیا کہ اس کو کوئی شخص برا نہ سمجھے۔ اسی حالت میں چھ برس تک رہی یہانتک کہ قتل کر دی گئی۔

زکریا علیہ السلام کا قتل:

پھر اس کا پوتا یواش بن احزیا ہو والی ہوگیا جس کی عمر سات سال کی تھی برابر چالیس سال تک اسی کی حکومت رہی اور اس نے بھی علانیہ کفر و بت پرستی کی اسی نے زکریا نبی علیہ السلام کو پتھروں سے قتل کیا پھر اس کو اس کے غلاموں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا امصیا ہو بن یواش والی ہوا جس کی عمر پچیس سال کی تھی۔ اس نے اور اس کی تمام رعیت نے علانیہ کفر و بت پرستی کی اور وہ اسی طرح رہا یہانتک کہ بحالت کفر قتل کر دیا گیا۔ اس کی ولایت انتیس سال رہی۔ اسی کے زمانے میں دس اسباط کے بادشاہوں نے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور جو کچھ اس میں تھا اسے دوبار لوٹا۔ اس کے بعد عزیا ہو بن امصیا ہو والی ہوا جس کی عمر سولہ برس کی تھی۔ یہ بھی اپنی وفات تک اور اس کی تمام رعیت علانیہ کفر و بت پرستی کرتی رہی۔ اس کی ولایت باون برس رہی۔ اسی نے عاموص داؤدی نبی علیہ السلام کو قتل کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یوثام بن عزیا ہو پچیس سال کی عمر میں والی ہوا۔ ہمیں اس کی سیرت نہ ملی۔ اس کی ولایت سولہ برس رہی۔ پھر وہ مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا احاز بن یوثام جس کی عمر بیس برس کی تھی والی ہوا اس نے بھی اپنے مرنے تک علانیہ کفر و بت پرستی کی اور اس کی ولایت سولہ برس رہی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حزقیا بن احاز پچیس سال کی عمر میں والی ہوا اس کی ولایت انتیس برس رہی۔ اس نے ایمان کو ظاہر کیا اور بت خانے منہدم کر دیے اور ان کے خدام کو قتل کر دیا یہ اپنی وفات تک مومن رہا اور اس کی تمام رعیت بھی ایمان پر رہی۔

حاکم سے محکوم ہو گئے:

اس کی ولایت کے ساتویں برس بنی اسرائیل سے دس اسباط کی سلطنت ختم ہو گئی اور ان پر بادشاہ موصل سلیمان الاعسر غالب آ گیا اور اس نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور آمد اور جزیرے کے شہروں کی طرف انہیں منتقل کر دیا۔ دس اسباط کے شہروں میں اہل آمد و جزیرہ نے سکونت اختیار کی اور ان لوگوں نے دین سامرہ کو ظاہر کیا جو آج تک وہاں ہیں۔

حزقیا کی وفات کے بعد اس کا بیٹا منشا بن حزقیا جس کی عمر بارہ برس کی تھی والی ہو گیا۔ اپنی سلطنت کے تیسرے سال اس نے کفر کا اظہار کیا اور بت خانے تعمیر کرائے اور اس نے اور اس کی تمام رعیت نے کھلم کھلا بت پرستی کی۔ شعیا نبی کو قتل کر دیا کہا جاتا ہے کہ اس نے انہیں ان کے سر سے نیچے تک آرے سے چیر ڈالا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پتھروں سے قتل کیا اور انہیں آگ میں جلا دیا۔ تعجب تو اس پر ہے کہ یہ لوگ اپنی بعض کتب میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس کسی فرشتے کے ہمراہ وحی بھیجی تھی۔ اسے شاہ بابل نے گرفتار کر لیا اور اپنے شہر لے گیا ایک تانبے کے اس کو بیل میں گھسیڑ دیا اور اس کے نیچے آگ سلگا دی۔ اس نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ایک فرشتہ اس کے پاس بھیجا جس نے اسے اس بیل سے نکالا اور بیت المقدس واپس کیا۔ باوجود ان سب باتوں کے وہ اپنے مرنے تک کفر ہی پر قائم رہا۔ اس کی حکومت پچپن برس رہی۔

اے گروہ سامعین اب کہو کہ وہ شہر جس میں علانیہ بت پرستی کی جائے قربانگاہیں بنائی جائیں، جو نبی اس میں پایا جائے اسے قتل کر دیا جائے تو یہ کیسے جائز ہے کہ اس میں کتاب اللہ سالم رہے۔ یہ ممکن کیونکر ہے؟

جب منشا مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آمون بن منشا جو بائیس سال کا تھا والی ہوا۔ اس کی ولایت دو سال رہی۔ وہ مرتے دم تک کفر و بت پرستی پر قائم رہا۔

نیکی برباد:

پھر اس کی جگہ اس کا بیٹا یوشیا بن آموز جس کی عمر آٹھ سال کی تھی والی ہوا۔ اس نے اپنی سلطنت کے تیسرے سال ایمان کا اعلان کیا، صلیبیں توڑ ڈالیں اور انہیں جلا ڈالا۔ تمام قربانگاہوں کو بھی بنیاد سے کھدوالیا اور ان کے خدام کو بھی قتل کر دیا۔ اپنے قتل ہونے تک برابر ایمان پر قائم رہا۔ اسے بادشاہ مصر نے قتل کیا۔ اسی کے زمانے میں ارمیا نبی نے سرادق (پردے) اور تابوت اور آگ کو لے کے ایسی جگہ چھپا دیا کہ اسے کوئی نہیں جانتا اس لیے کہ انہیں علم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کی حکومت رہے گی۔

بعدہ اس کا بیٹا یہو ماحوز بن یوشیا والی ہوا اس کی عمر تیئیس سال کی تھی۔ اس نے کفر کو لوٹایا اور بت پرستی کا اعلان کیا۔ توریت کاہن ہارونی سے لے لی۔ اس میں جہاں کہیں اللہ کے نام پائے پراگندہ کر دیے۔ اس کی حکومت تین مہینے رہی۔ شاہ مصر نے اس کو گرفتار کر لیا۔

گناہ لازم:

اس کی جگہ اس کا بھائی یہویاقیم بن یوشیا والی ہوا جس کی عمر پچیس سال کی تھی۔ اس نے اور اس کی تمام رعیت نے کفر کا اعلان کیا اور بت خانے تعمیر کیے اور دین کو بالکل ختم کر دیا۔ توریت کو ہارونی سے لے کے آگ میں جلا دیا اور اس کا نشان تک مٹا دیا۔ اس کی حکومت گیارہ سال رہی۔ یہ مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا یہویاکین بن یہویاقیم والی ہوا۔ اس نے منیجا کا لقب اختیار کیا عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ یہ بھی کفر پر قائم رہا اور علانیہ بہت پرستی کی اس کی حکومت تین مہینے رہی۔ اسے بخت نصر نے گرفتار کر لیا۔

اس جگہ اس کا چچا متنیا بن یوشیا والی ہوا اور اس نے صدقیا کا لقب اختیار کیا۔ اس کی عمر اکیس برس کی تھی یہ بھی کفر پر قائم رہا۔ اس نے اور اس کی رعیت نے علانیہ بت پرستی کی سلطنت گیارہ سال رہی اسے بھی بخت نصر نے گرفتار کیا۔ بیت المقدس اور شہر کو منہدم کر دیا تمام بنی اسرائیل کی بیخ کنی کر دی۔ شہر کو ان سے خالی کرا لیا اور انہیں گرفتار کر کے بابل لے گیا۔

صدقیا بنی اسرائیل و بنی سلیمان دونوں کا آخری بادشاہ تھا۔ سلیمان بن داؤ علیہما السلام کے بادشاہوں کی یہ حالت تھی۔

توریت کہاں رہی؟:

اب تمہیں جاننا چاہیے کہ توریت ابتدائے سلطنت بنی اسرائیل سے انتہا تک ہیکل میں تنہا صرف ایک ہارونی کاہن اکبر کے پاس رہی۔ جو دس اسباط کے بادشاہ تھے تو ان میں کبھی کوئی مومن نہیں ہوا نہ ایک نہ ایک سے زیادہ۔ یہ سب کے سب علانیہ بت پرستی کرنیوالے، انبیاء کو ڈرانے والے اور بیت المقدس کے قصد سے روکنے والے تھے۔ ان میں جب کبھی کوئی نبی ہوا۔ وہ یا تو قتل کر دیا گیا یا خوف سے بھاگ گیا۔

اگر کہا جائے کہ کیا الیاس نے بابل کے تمام انبیاء کو جو آٹھ سو اسی شخص تھے محض اس بت کی وجہ سے جسے بادشاہ پوجتا تھا اور کھجور کے اس درخت کی وجہ سے بنی اسرائیل جس کی پرستش کرتے تھے قتل نہیں کیا ہے۔

ہم کہیں گے کہ الیاس ان لوگوں کی کتابوں کے مطابق ایک ہی مشہد و محفل میں تھے، وہ اسی وقت بھاگ گئے، انہیں بادشاہ کی ملکہ نے تلاش کیا تا کہ انہیں قتل کرے اور وہ کسی کو نظر نہ آئے۔

یہود کی گئوسالہ پرستی:

دس اسباط کے بادشاہوں میں سب سے پہلا بادشاہ یربعام بن ناباط الافرایمی تھا جو سلیمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی ان لوگوں کا والی ہوا۔ اس نے اپنے وقت میں سونے کے دو بچھڑے بنائے اور کہا کہ یہی دونوں تمہارے وہ خدا ہیں جنہوں نے تم کو مصر سے رہائی دلائی دو قربانگاہیں بنائیں اور دونوں کے لیے غیر بنی لاوی میں سے مجاور مقرر کیے۔ اس نے اور اس کی تمام رعیت نے ان دونوں کی پرستش کی۔ اس نے ان لوگوں کو بیت المقدس جانے سے روکا۔ شریعت اگرچہ ایک ہی تھی مگر اتنا تفاوت ہو گیا تھا کہ بیت المقدس جانے اور وہاں قربانی کرنے کی ممانعت ہو گئی تھی۔

یہ بیس برس تک بادشاہی کر کے مر گیا۔ اس کا بیٹا ناداب بن یربعام علانیہ کفر کے ساتھ دو برس تک حکمران رہا۔

اسے اور اس کے تمام اہل بیت کو بعشا بن ایلا نے جو بنی یساخر میں سے تھا قتل کر دیا اور خود والی ہو گیا۔ چوبیس سال تک فرمانروائی کی جس میں علانیہ بت پرستی کرتا رہا۔

اس کا بیٹا ایلا بن بعشا بحالت کفر و بت پرستی دو سال تک والی رہا یہاںتک کہ اسی کے سرداران لشکر میں سے ایک شخص جس کا نام زمری تھا اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اسے اور اس کے تمام اہل بیت کو قتل کر دیا۔

زمری سات روز بادشاہ رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ اسے اس کے گھر سمیت جلا دیا گیا۔

حکومت دو شخصوں پر تقسیم ہو گئی۔ جن میں سے ایک کا نام تبنی بن جینۃ اور دوسرے کا عمری تھا۔ یہ دونوں اسی حالت میں بارہ برس تک رہے۔ پھر تبنی مر گیا اور تنہا عمری ان کی سلطنت کا مالک رہ گیا۔ وہ بھی اسی حالت میں آٹھ سال تک کفر و بت پرستی پر قائم رہ کے مر گیا۔

حضرت الیاسؑ کا تعاقب:

بعدہ اس کا بیٹا احاب بن عمری حکمراں ہوا اور انتہائی شدید کفر و بت پرستی پر گیارہ سال تک رہا۔ اسی کے زمانے میں الیاس نبی علیہ السلام اس سے اور اس کی عورت دختر بادشاہ صیدا سے جنگلوں میں بھاگتے پھرتے تھے۔ یہ دونوں انہیں قتل کرنے کے لیے تلاش کرتے پھرتے تھے۔

پھر احاب مر گیا اور اس کا بیٹا احزیا بن احاب بحالت کفر و بت پرستی تین سال تک والی رہا۔

پھر یہ مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی یہورام بن احاب بحالت کفر و بت پرستی بارہ برس تک والی رہا۔ یہاںتک کہ یہ اور اس کا پورا کنبہ قتل کر دیا گیا۔ اسی کے زمانے میں الیسع علیہ السلام تھے۔

یاہو بن نمشی اس کا جانشین ہوا جو منشیا کے خاندان سے تھا۔ یہ کفر میں ان سب سے کم تھا۔ اس نے قربانگاہیں جو بت کے نام پر تھیں منہدم کر دیں اور مجاوروں کو قتل کر دیا البتہ بت پرستی میں کمی نہ ہونے دی بلکہ لوگوں کو اس پر قائم رہنے دیا۔ ایمان کو ظاہر نہیں کیا۔ اسی حالت میں اٹھائیس برس تک حکومت کر کے مر گیا۔

اس کی جگہ اس کا بیٹا یہویا حاز بن یاہو سترہ برس تک والی رہا۔ اس نے بت خانے تعمیر کرائے اور علے الاعلان اس نے اور اس کی رعیت نے بت پرستی کی۔ یہاںتک کہ مر گیا۔ یہود کی کتابوں میں ہے کہ اس کے زمانے میں بنی اسرائیل کے دسوں خاندانوں کی حالت اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ اس کے لشکر میں صرف پچاس سوار اور دس ہزار پیادے رہ گئے۔ اس لیے کہ بادشاہ دمشق ان پر غالب آ گیا تھا اور اس نے انہیں قتل کر دیا تھا۔

مسجد سلیمانؑ کو لوٹ لیا:

بعد کو اس کی جگہ پر اس کا بیٹا یواش بن یہویاحاز سولہ برس تک والی رہا جو اپنے باپ سے بھی زیادہ شدید کفر پر تھا۔ اس نے بت پرستی اختیار کی اسی نے بیت المقدس میں جنگ کی اسے اور ہیکل کو لوٹا اور جو کچھ اس میں تھا لے لیا۔ شہر پناہ کی دیوار میں سے چار سو گز منہدم کر دی۔ بادشاہ یہوذا اس کے مقابلے سے بھاگ گیا۔

یہ مر گیا تو اسکی جگہ اس کا ابیٹا یاربعام بن یوٗاش پینتالیس برس اپنے باپ کے سے کفر و بت پرستی کے ساتھ والی رہا۔ اس نے بھی بیت المقدس میں جنگ کی۔ اس کے مقابلے سے وہاں کا داوٗدی بادشاہ بھاگا۔ اسنے تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا۔

یہ بھی مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا زخریا بن یاربعام یوٗاش بن یہویاحاز بن یاہو بن نمشی چھ مہینے تک بحالت کفر و بت پرستی والی رہا یہاںتک کہ وہ اور اس کے تمام اہل بیت قتل کر دیے گئے۔

اس کی جگہ شلوم بن نامس جو خاندان نفتالی سے تھا والی ہوا۔ یہ بحالت کفر و بت پرستی ایک ہی مہینہ بادشاہ رہا تھا۔ کہ قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد میاخیم بن قارا جو خاندان یساخر سے تھا بحالت کفر و بت پرستی بیس برس تک والی رہا۔ اور مر گیا۔

اس کی جگہ اس کا بیٹا محیا بن میاخیم بحالت کفر و بت پرستی دو سال تک والی رہا یہاںتک کہ یہ اور اس کے تمام اہل بیت قتل کر دیے گئے۔

اس کی جگہ ناجح بن ملیا جو خاندان دانی سے تھا والی ہوا۔ یہ اٹھائیس برس تک بحالت کفر و بت پرستی بادشاہ رہا۔ یہاںتک کہ یہ اور اس کے تمام اہل بیت قتل کر دیے گئے۔ اسی کے زمانے میں تباشر شاہ جزیرہ نے بنی روابین و بنی جادا اور نصف خاندان منشیا کو ان کے شہروں سے غور میں جلاوطن کر دیا اور انہیں اپنے شہر میں لے گیا۔ ان کے شہروں میں اپنے ہاں کی ایک قوم کو آباد کیا۔

پھر اس کی جگہ ہوسیع بن ایلا جو خاندان جادا سے تھا اور کفر و بت پرستی پر تھا سات سال والی رہا۔ یہاںتک کہ اسے بادشاہ موصل سلیمان الاعسر نے گرفتار کر لیا اور اسے اور بنی اسرائیل کے نو خاندانوں کو اور نصف خاندان منشا کو قید کر کے اپنے ملک لے گیا۔ ان کے شہروں میں اپنے شہر کی ایک قوم سامریہ کو آباد کر دیا جو آج تک ہے۔

فرقہ سامریہ:

ہوسیع دس خاندانوں کا آخری بادشاہ ہے۔ ان لوگوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ وہ بچے کھچے لوگ جو آندوجزیرے سے بنی اسرائیل کے وطنوں میں منتقل کیے گئے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو توریت کے بالکل منکر تھے۔ ان کے نزدیک توریت ایک دوسری کتاب تھی جو یہود کے پاس والی توریت کے علاوہ تھی۔ یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ نہ یہ بیت المقدس کی بزرگی کے قائل ہیں اور نہ اسے مانتے ہیں کہتے ہیں کہ شہر مقدس نابلس ہے۔

سامری توریت:

ان لوگوں کی توریت کی حالت ان لوگوں کی توریت سے بھی کمزور ہے۔ اس لیے کہ وہ اس توریت میں قطعاً کسی نبی کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے (کہ اس سے اغلاط کی تصحیح ہوتی رہتی) نہ وہاں بنی اسرائیل کی سلطنت کا زمانہ تھا (کہ وہ اپنی طاقت سے اس کی حفاظت کر سکتے) اس توریت کو بھی محض ان کے چندروٗسا نے ان کے لیے بنایا ہے۔

لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ تمام اسباط بنی اسرائیل میں سوائے خاندان یہوذا و بنیامین کے اور ان بنی ہارون کے جو سلیمان علیہ السلام کے بعد انہیں میں رہتے تھے دو سوا کہتر برس تک ایک دن یا اس سے کم کے لیے بھی کبھی کسی نے ایمان ظاہر نہیں کیا۔ یہ لوگ محض بت پرست تھے۔ (ان میں جب کبھی کوئی نبی ہوا اسے خوفزدہ کر دیا گیا)۔ ان لوگوں میں نہ تو توریت کا کوئی ذکر تھا نہ رسم نہ اثر۔ نہ ان کے پاس اس کی شریعت میں سے قطعاً کوئی شے تھی۔ اسی حالت پر ان کے تمام عوام اور تمام بادشاہ گزرے جن کا ہم نے نام بنام ذکر کیا ہے۔ یہاںتک کہ انہوں نے قوموں کو ڈرایا ان میں گھسے ان صابئین کا دین اختیار کیا جو ان میں قابو یافتہ تھے اور ان کی پرانی ہڈیوں کا نشان تک ہمیشہ کے لیے مٹ گیا۔ ان میں سے ایک کی بھی آنکھ (توریت کو) نہیں جانتی۔

مدت سلطنت:

ظاہر ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی یہوذا و اولاد بنیامین کی مدت سلطنت کچھ کم چار سو برس تھی۔ جیسا کہ ان کی کتابوں میں اس کے متعلق دس بیس برس کا اختلاف ہے اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ان کتابوں میں دخل دیا گیا ہے اور یہ فاسد ہیں۔

اس مدت میں بنی سلیمان بن داؤد علیہ السلام میں سے انیس مرد بادشاہ ہوئے اور دوسرے خاندان سے ایک عورت جس سے ان کے بیس بادشاہوں کی تکمیل ہوئی جن سب کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ یہ کافر اور علانیہ بت پرست تھے، ان میں سے سوائے پانچ کے جو مومن تھے باقی سب کے سب کافر یا کفر نواز تھے۔

ایماندار سلاطین:

ان پانچوں مومن بادشاہوں میں سے ایک یہ "اشا" ابن "اسا" تھے جو اکتالیس برس بادشاہ رہے اور ان کے بیٹے یہوشافاط بن اشا تھے جو پچیس برس بادشاہ رہے اور یہ چھیاسٹھ برس ایسے گزرے کہ ان لوگوں میں بظاہر کفر و بت پرستی کا تسلسل نہیں رہا۔ پھر آٹھ برس یورام بن یہوشافاط کے جن کے دین کی حقیقت ہم نے نہیں پائی مگر ہم نے ان کے والد کی وجہ سے انہیں بھی ایمان ہی پر محمول کر لیا۔

پھر کفر و بت پرستی ظاہری طور پر ایک سو ساٹھ برس تک ان کے بادشاہوں میں اور ان کے عوام میں ان کے بقیہ اسباط کے کفر کے ساتھ علی الاتصال جاری رہی۔ ان کے اولین سے آخرین تک سب میں کفر و بت پرستی عام طور پر پھیلی رہی۔ تو بھلا کونسی کتاب اور کونسا دین ہے جو اس حالت کے ساتھ باقی رہ سکے۔

پھر حزقیا جو مومن تھے انتیس برس والی رہے۔ ان کے بعد ستاون برس تک کفر و بت پرستی ان کے عوام اور بادشاہوں میں پھیلی رہی۔

پھر یوشیا جو مومن و بزرگ تھے اکتیس برس تک والی رہے ان کے بعد ساڑھے بائیس برس تک سوائے کافر اور علانیہ بت پرستی کرنے والے کے کوئی والی نہیں ہوا۔ ان میں وہ بھی تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے نام توریت سے نکال دیے اور وہ بھی تھا جس نے توریت کو جلا کے اس کا نشان تک مٹا دیا۔

ایمان کی تباہی اور قتل انبیاء:

ان لوگوں کے بعد ہمیں کوئی ایسا بادشاہ نہیں ملا جس میں ایمان ظاہر ہوا ہو۔ سوائے کفر و قتل انبیاء علیہم السلام کے یہاںتک کہ ان کی حکومت بخت نصر کی لوٹ سے بالکل ختم ہو گئی۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ بیت المقدس منہدم کر دیا گیا اس کا نشان تک مٹا دیا گیا۔

شہر بیت المقدس اوراس کی ہیکل کوئی بار لوٹا گیا۔ توریت جس کسی کے پاس بھی رہی اسی ہیکل میں رہی اور لوٹ کے وقت اس میں کوئی چیز نہیں چھوڑی گئی۔

ایک مرتبہ رحعام بن سلیمانؑ کے زمانے میں ان لوگوں کو شاہ مصر نے لوٹا اور دو مرتبہ امصیا کے زمانے میں یہی وہ بادشاہ ہے جو پہلے دسوں خاندان کا بادشاہ تھا۔

تورات کو عزرا الوراق الہارونی نے بالآخر محض اپنی یاد سے ان لوگوں کو لکھوا دیا۔ یہ لوگ اس کا قرار کرتے ہیں کہ عزرا نے توریت کو ان لوگوں کے پاس ایسی حالت میں پایا جس میں بہت کچھ خلل و خرابی تھی۔ اس نے اس کی اصلاح کی اور یہی اس کے غیر معتبر ہونے کے لیے کافی ہے۔

عزرا کی توریت کی کتاب بیت المقدس کے ویران ہونے کے ستر برس سے بھی زائد زمانہ گزرنے کے بعد ہوئی۔ خود ان کی کتابیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عزرا نے ان لوگوں کے بیت المقدس واپس آنے کے تقریباً چالیس برس بعد ان کے لیے توریت لکھی اور اس کی اصلاح کی یہ واقعہ ان ستر برسوں کے بعد ہوا جن میں یہ لوگ خالی رہے۔ ان میں اس وقت نہ تو کوئی نبی تھا۔ نہ قبہ اور نہ تابوت نار میں اختلاف ہے کہ آیا وہ بھی ان کے پاس تھی یا نہیں۔ اسی وقت سے توریت کی اشاعت ہوئی اور یہ نقل کی گئی اور کمزوری کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ اس کے باوجود وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پڑتی رہی۔

بیت المقدس میں بت:

شاہ انطا کیوس نے جس نے انطا کیہ بنایا ہے، عبادت کے لیے بیت المقدس میں ایک بت بنایا۔ بنی اسرائیل نے اس کی عبادت اختیار کی

سور کی قربانی:

مذبح بیت المقدس پر سور قربان کیے گئے پھر سینکڑوں برس کے بعد بنی ہارون کی ایک جماعت حکومت کی والی ہوگئی اور قربانیاں ختم ہو گئیں۔ اس وقت توریت کے وہ نسخے پھیلے جو اس زمانے میں ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھے۔

نماز ایجاد کی:

ان کے علماء نے نمازیں ایجاد کیں جو ان کے یہاں نہ تھیں اور انہیں قربانیوں کا بدل قرار دیا۔ ان کے لیے انہوں نے نیا دین بنایا، ہر گاؤں میں عبادت خانے بنائے جو ان لوگوں کے زمانہ سلطنت و زوال سلطنت کے چار سو برس سے زائد کے زمانہ طویل کے حال کے خلاف تھا۔

یہودی جمعہ:

انہیں علماء نے ان کے لیے ہر ہفتے کا جمعہ ہونا ایجاد کیا جس پر یہ لوگ آج بھی قائم ہیں۔ مگر یہ ان کی سلطنت کے زمانے بھر کبھی نہیں ہوا۔ کیونکہ سوائے بیت المقدس کے ان لوگوں کا ان کے شہروں میں نہ تو کوئی عبادت خانہ تھا نہ کوئی ذکر و تعلم کے لیے جمع ہونے کی جگہ تھی اور نہ کوئی قربانی کا مقام تھا۔

سرادق (پردے) کا مقام بھی بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے تھا اور اس کی دلیل خود ان کے اقرار کے مطابق وہ ہے جو سفر یوشع بن

نون میں ہے کہ بنی روابین و بنی جاد او نصف سبط منشا جب فتح شہر اردن و فلسطین کے بعد اپنے وطن مشرقی اردن میں واپس آئے تو انہوں نے مذبح بنایا تو یوشع بن نون اور بقیہ بنی اسرائیل نے اس کی وجہ سے ان لوگوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے یوشع سے کہلا بھیجا کہ ہم نے قطعاً اسے نہ تو قربانی کے لیے قائم کیا ہے اور نہ تعظیم و تقدیس کے لئے خدا کی پناہ اس سے کہ ہم کوئی مقام تقدیس و تعظیم بنائیں جو اس کے علاوہ ہو جس پر سب کا اتفاق ہے اور جو سرادق و بیت اللہ میں ہے اس وقت یوشع ان کی جنگ سے باز رہے۔

واقعات اگر اتنے وسیع وطویل بھی نہ ہوتے جب بھی صاحب عقل کے یہ سمجھنے کے لیے کافی تھا کہ یہ کتاب بدلی ہوئی جھوٹی اور بنائی ہوئی ہے اور یہ وہ بنایا ہوا دین ہے جو اس دین کے خلاف ہے جسے خود ان کے اقرار کے مطابق موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس لائے تھے۔ شیطان اس سے زیادہ ان کے ساتھ کیا کر سکتا ہے اور گمراہی میں اس پر اور کیا اضافہ کر سکتا ہے۔ ہم اس بدنصیبی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

نسخہ شبعینیہ:

توریت کے ظہور اشاعت کے بعد شاہ بطلیموس کے لیے جو ستر شیوخ نے ترجمہ کیا وہ اس توریت کے خلاف ہے جو ان کے لیے عزرا الوراق نے لکھی نصاری یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہی وہ توریت ہے جس کا ان ستر مشائخ نے ترجمہ کیا ہے جس میں آدم و نوح علیہما السلام کے درمیانی بزرگوں کی عمروں میں اختلاف ہے جس اختلاف کی وجہ سے تاریخ یہود و تاریخ نصاری میں ایک ہزار سے بھی زائد سالوں کا اختلاف پیدا ہو گیا ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس کے بعد بیان کریں گے۔ اگر یہ ایسا ہے تو امر یقینی اور ان ستر مشائخ کا جھوٹ اور ان کا دیدہ دانستہ باطل کا نقل کرنا واضح ہو گیا اور ان لوگوں کا بھی جنہوں نے اپنا دین ان لوگوں سے لیا۔ پھٹکار ہے اس دین پر جو ایسے لوگوں سے لیا جائے جن کا جھوٹا ہونا یقینی ہو۔

توریت کے سفر خامس میں ہے جس کو یہ لوگ تکرار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا کہ تم پہلی تختیاں کے مطابق دو تختیوں بناؤ اور کوہ طور پر چڑھو اور لکڑی کا تابوت (صندوق) بناؤ کہ میں ان دونوں تختیوں میں وہ دس کلمات لکھ دوں جو تم کو سید نے اسی پہاڑ پر جب تم لوگ اس کے پاس جمع ہوئے تھے شعلے کے اندر سے بنائے تھے اور ان دونوں تختیوں کو درست کر کے میرے پاس لے آؤ۔ میں پہاڑ سے واپس آ گیا اور میں نے انہیں تابوت میں رکھ دیا جو آج تک اس میں ہیں"۔

اسی سفر میں اس فصل کے بعد ہے کہ بعد اس کے کہ موسیٰ نے ان عہدوں کو ایک مصحف میں لکھ دیا اور اس میں بنی لاوی کا جو عہد ربانی کے تابوت کو اٹھانے والے ہیں پورا حال لکھ دیا۔ اور ان لوگوں سے کہا کہ اس مصحف کو لو اور اسے مذبح میں رکھو اور اس پر عہد رب کا جو تمہارا معبود ہے تابوت رکھ دو کہ یہ تم پر گواہ رہے"۔

نیز اس کے قبل سفر مذکور میں کہا کہ "جب تم لوگ اپنے اوپر کسی بادشاہ کے ہم جنس بادشاہوں کے حال کے مطابق مقرر کرنے کے لیے اتفاق کرو تو اسی شخص کو مقدم کرو جس کو تمہارے بھائیوں میں سے پروردگار پسند کرے اور کسی اجنبی کو اپنے اوپر مقدم نہ کرو" یہاںتک کہا ہے کہ "جب وہ اپنے تخت سلطنت پر بیٹھ جائے تو وہ اس (کتاب موسومہ) تکرار سے اس مصحف میں لکھ لے جو اس کو بنی لاوی کا کاہن متقدم و پیشوا عطا کرے جو اس کے ہم شکل ہو۔ یہ تحریر اس کے ہمراہ رہے اور وہ اسے اپنے پورے زمانہ سلطنت میں روزانہ پڑھتا رہے کہ اپنے رب معبود سے ڈرتا رہے اور اس کی کتاب اور اس کے عہد کو یاد رکھے"۔

کلمات عشرہ:

یہ سب ہمارے قول کی صحت کا واضح ثبوت ہے کہ دسوں کلمات اور مصحف توریت صرف ہیکل ہی میں تابوت عہد کے نیچے تھا اور تابوت ہی میں تھا جو تنہا کاہن اکبر کے پاس تھا، اس لیے کہ یہ ان کے اجماع سے ثابت ہے کہ اس مقام تک سوائے کاہن کے اور کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

اسی میں یہ بھی ہے کہ اس نے کاہن مذکور کو حکم دیا کہ ''وہ فقط سفر خامس سے کوئی ایسی چیز لکھ دے جو روزانہ بادشاہ کو پڑھنا ممکن ہو'' اور اس قسم کا مضمون نہایت ہی قلیل ہو سکتا ہے جو تقریباً ورق دو ورق ہو گا۔

اس کے ساتھ ہی ان لوگوں میں اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کے چالیس بادشاہوں میں سے سوائے ان چار پانچ بادشاہوں کے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا اور کسی نے قطعاً اس کی طرف التفات نہیں کیا۔

سفر مذکور میں یہ بھی ہے کہ ''پھر موسیٰ نے یہ کتاب لکھی اور اسے بنی لاوی کے ان کاہنوں کے پاس بھیجا جو عہد رب کو اچھی طرح پورا کرتے تھے اور موسیٰ نے ان سے کہا کہ جب تم اپنے رب معبود کے سامنے تقدیس و تسبیح کے لیے اس مقام میں جمع ہونا جس کو رب نے پسند کیا ہے تو بنی اسرائیل کی جماعت کے ساتھ فقط ان کے اجتماع کے وقت تم وہ پڑھنا جو اس مصحف میں ہے کہ وہ لوگ سنیں جو ان کے لیے لازم ہے''۔

ان کی توریت میں تصریح ہے کہ بیت المقدس جانا سال میں صرف تین مرتبہ ان لوگوں پر لازم ہے اور توریت کی تصریح کے مطابق جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے موسیٰ نے صرف کاہن ہارونی کو حکم دیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے اجتماع کے وقت انہیں پڑھ کر سنا دے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ توریت صرف ہیکل ہی میں تھی اور صرف کاہن ہارونی ہی کے پاس تھی اور اس کے سوا کسی کے پاس نہ تھی۔

ہم یہ پہلے واضح کر چکے ہیں کہ دس اسباط میں سے ان کے ختم ہونے تک ان میں سے کوئی بھی سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بیت المقدس میں کبھی داخل نہیں ہوا اور بنی یہوذا و بنی بنیامین بھی سوائے پانچ مومن بادشاہوں کے عہد کے اور کبھی بیت المقدس میں جمع نہیں ہوئے لہذا ان تمام امور سے وہ ظاہر ہو گیا جو ہم نے کہا تھا اور یقینی طور پر اس کا بدل دیا جانا ثابت ہو گیا۔

حاملان تورات کیسے تھے:

کوئی شک نہیں کہ اس مدت طویلہ میں جو کچھ کم چار سو برس کی تھی ہارونی کاہنوں میں بھی وہی کفر و فسق و بت پرستی پھیل گئی تھی جو دوسروں میں تھی جیسا کہ یہ لوگ کاہن عالی ہارونی کے دو بیٹوں اور ان دوسروں کے متعلق بیان کرتے ہیں جن کے متعلق یہ اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ بنی ہارون و بنی لاوی کے لوگ بتوں اور بت خانوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جس کی یہ حالت ہو اس پر کیسے اطمینان کیا جا سکتا ہے کہ یہ اس چیز میں تغیر نہ کرے گا جو تنہا اسی کے پاس ہے (پھر جب اس کا عمل بھی اس کتاب کے خلاف ہو تو وہ لامحالہ وہ کتاب ہی کو اپنے عمل کے مطابق بنائے گا)

یہ وہ تمام دلائل ہیں جو آفتاب سے زیادہ اس امر کا روشن ثبوت ہیں کہ ان کی توریت میں تبدیل و تحریف ہو گئی۔

سوائے ایک سورۃ کے کہ جو ان کی توریت میں بیان کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو لکھا جائے اور تمام بنی اسرائیل کو تعلیم دی جائے کہ وہ اسے یاد کر لیں اور اس پر قائم رہیں اور ان کی نسل میں سے کوئی اس کے حفظ کرنے سے باز نہ رہے اور یہ حرف بحرف اس (سورۃ) کی نص ہے۔

سورہ موسیٰ:

''اے آسمانو [illegible] کلام مثل بارش کے یکلخت [illegible] بلکہ مثل پھوار [illegible] کے میرا کلام ہے اور مثل اس

بارش کے ہے جو گھاس پر ہو اور مثل اس پھوہار کے ہے جو چارے پر ہو۔ اس لیے کہ میں رب کے نام کی ندا کرتا ہوں تو رب بھی اس کی تعظیم کرتا ہے جو ہمارا وہ معبود ہے جس نے اپنی مخلوق کو مکمل کیا اور جس کے احکام معتدل ہیں اللہ ایسا امین ہے جو ظلم نہیں کرتا وہ عادل اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس کے آگے وہ لوگ گناہ کرتے ہیں جو اس کے دوست نہیں ہیں اور حالت کو بدل ڈالنے والی گنہگار امت مٹ گئی اور یہ شکر ہے پروردگار کا۔

اے امت مستقیمہ جاہلہ۔ خبردار۔ وہ تمہارا وہ باپ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارا مالک ہے۔ لہذا اس قدیم کو یاد رکھو اور اپنے بزرگوں سے درخواست کرو تو وہ تمہیں سکھائیں گے اور اپنے بڑوں سے پوچھو تو وہ تمہیں بتائیں گے۔ جب اعلی و برتر جنسوں کو تقسیم کر رہا تھا اور بنی آدم کے درمیان امتیاز کر رہا تھا اس نے اجناس کی تقسیم بنی اسرائیل کے حساب کے مطابق کی۔ پروردگار نے اس کی امت اور یعقوبؑ نے اس کی تقسیم کا قصد کیا۔ اس کا حصہ ویران زمین میں ہے اور ایسے برے مقام میں ہے جس کا راستہ نہیں چلا جاتا۔ اس نے اسے آزاد کر دیا اور اسے لے آیا اور اس کی اس طرح حفاظت کی جس طرح بال آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں اور اس نے ان لوگوں کو اس طرح اڑایا جس طرح چرگدھ اپنے بچے کو اڑاتا ہے اور اس کو گھماتا ہے اور اس کی حفاظت کے لیے اپنے بازو کھول دیتا ہے وہ انہیں لایا اور انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا لایا۔ صرف پروردگار ہی ان کا رہبر تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور خدا نہ تھا۔

اس نے انہیں اپنی بزرگ ترین زمین میں رکھا تا کہ وہ اس زمین کی روٹی کھائیں اور اس کے پہاڑوں کا شہد اور اس کی چٹانوں کا تیل اور اس کے مویشی کا گھی اور اس کی بکریوں کا دودھ اور بکری کے شش ماہہ بچوں کی اور بنی ملسبان کے مینڈھوں کی چربی اور ہرنوں کا گوشت اور گیہوں کا آٹا اور انگور کا خون حاصل کریں اور انہوں نے نافرمانی کی اور موٹے ہو گئے اور پشت پھیر لی اور پھیل گئے پھر اپنے خالق اللہ سے جدا ہو گئے اور اپنے سلامت رکھنے والے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اپنی بت پرستی سے اس کا مقابلہ کیا یہانتک کہ وہ ان لوگوں کے شیطان کو نہ کہ اللہ کو سجدہ کرنے سے اور ان کے اجناس کے ساتھ معبودوں کو سجدہ کرنے سے ان پر سخت ناراض ہوا جن معبودوں کو یہ لوگ جانتے بھی نہ تھے اور نہ ان کے قبل ان کے بزرگ ان کا شمار کرتے تھے۔

یہ اس اللہ سے جدا ہو گئے جس نے انہیں جنا اور اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کو بھول گئے پروردگار نے اس کو دیکھا اور اس کی وجہ سے ناخوش ہوا جبکہ اس کے بیٹا بیٹی جدا ہو گئے تو اس نے کہا کہ میں اپنا چہرہ ان سے چھپاؤں گا تا کہ میں ان کی آخری حالت کو معلوم کروں کیونکہ یہ امت کافر و نافرمان ہے۔ ان لوگوں نے مجھے اس کی عبادت سے ناخوش کر دیا ہے جو معبود نہیں اور مجھے اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ناراض کر دیا ہے میں انہیں ایک کمزور امت کے ہاتھوں پر بدل دوں گا اور ایک جاہل امت کے ہاتھوں پر انہیں ذلیل کر دوں گا۔ میرے غضب سے پہلے ایک ایسی آگ آئے گی جو ہوا تک جلا دے گی اور اپنی تیزی کے ساتھ زمین پر آئے گی۔ پہاڑوں کی جڑوں میں جائے گی میں اپنے خوف کو ان پر جمع کر دوں گا۔ انہیں اپنے تیر سے چھید دوں گا اور انہیں بھوک سے ہلاک کر دوں گا۔ پرندوں کا لقمہ بناؤں گا ان پر درندوں کے دانتوں کو قابو دوں گا اور ان پر زندگی تنگ کر دوں گا اگر وہ میدان جنگ میں آئیں گے تو انہیں نیزوں سے ہلاک کر دوں گا اگر وہ قلعے میں رہیں گے تو میں ان کے جوان بچے اور کنواریوں کو اور بوڑھے کو خوف سے ہلاک کر دوں گا۔ یہانتک کہ میں کہوں گا کہ یہ لوگ کہاں گئے چنانچہ میں روئے زمین سے ان کا ذکر مٹا دوں گا۔

لیکن میں انہیں ان کے دشمنوں کے شدت غضب کی وجہ سے وسعت دوں گا تا کہ وہ تکبر نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ ہمارے طاقتور

ہاتھوں نے یہ کیا نہ کہ پروردگار نے۔

یہ امت ایسی ہے جسے نہ عقل ہے نہ تمیز۔ کاش یہ پہچانتی اور سمجھتی اور ابھی غور کر لیتی جس کو یہ اپنے انجام میں سمجھے گی۔ کیونکہ ان میں کا ایک شخص ایک ہزار کا پیچھا کر سکتا ہے اور دو سے دس ہزار کیسے بھاگ سکتے ہیں کیا یہ اس لیے نہیں ہے کہ ان کے پروردگار نے انہیں سلامت رکھا اور ان کے پروردگار نے انہیں فتح دی ہمارا معبود ان کے معبودوں کی طرح نہیں ہے اور وہ حاکم ہو گیا۔ ان کا درخت انگور سدوم کا درخت انگور ہے اور ان کے خوشے عامورا کے تھے پھر ان کے خوشے تلخ خوشے اور ان کی شراب نالوں کی تلخی ہو گئی اور وہ زہر ہو گئی جس کی کوئی دوا نہیں کیا یہ میرے علم میں اور میرے خزانوں میں مشہور نہیں ہے۔ مجھے انتقام کا حق ہے اور میں وقت کے اندر بدلہ دوں گا۔ پھر تمہارے قدم برداشت نہ کر سکیں گے۔

یہود کی بربادی کا وقت آ گیا ہے اور زمانہ تیزی کے ساتھ اسی کی طرف جا رہا ہے۔ پروردگار اپنی امت کے خلاف حکم دے گا اور اپنے بندوں پر رحم کرے گا جب انہیں دیکھے گا کہ وہ کمزور ہو گئے اور انہیں روک دے گا اور وہ بھی گئے اور ان کے پچھلے لوگ بھی گئے۔

اس نے کہا تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن سے تم ڈرتے تھے اور ان کی قربانی کھاتے تھے اور اسے پیتے تھے۔ لہٰذا وہ اٹھیں اور اپنی حاجت کے وقت فریاد کریں پھر تم مجھے دیکھو تو مجھے تنہا دیکھو گے اور میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ہی مارتا ہوں اور میں ہی جلاتا ہوں اور میں ہی بیمار ڈالتا ہوں اور میں ہی صحت دیتا ہوں اور میرے ہاتھ سے کوئی شے چھوٹ نہیں سکتی۔ پھر میں آسمان کی طرف اپنا ہاتھ اٹھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میری دائمی زندگی کی قسم اگر میں اپنے نیزے کو برق کی طرح تیز کر دوں گا اور اپنے داہنے ہاتھ کو حکم دینا شروع کر دوں گا تو میں ضرور اپنے دشمنوں اور نیزے والوں سے بدلہ لوں گا اور میں اپنے تیر سے خون بھر دوں گا اور اپنے نیزے سے گوشت قطع کر دوں گا۔ اے جنس والوں کے گروہ امت کی مدح کرو کیونکہ وہ اپنے بندوں کے خون کی گرفت کرے گا اور ان کے دشمنوں سے انتقام لے گا اور ان کے ملک پر رحم کرے گا۔

ترک سورت:

یہ وہ سورۃ ہے جو ان لوگوں کے لیے جائز کی گئی ہے اور انہیں صرف اسی کے نہ کسی اور کے حفظ کرنے کا اور لکھنے کا حکم دیا گیا جو ان کے دعوے کے مطابق ان کو توریت کی تصریح ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد نہ تو وہ لوگ اسی سورۃ میں مشغول ہوئے اور نہ کسی اور میں سوائے پانچ مومن بادشاہوں کے زمانے کے اس لیے کہ یہ سب لوگ بت پرستی کر رہے تھے۔ انہوں نے انبیاء کو قتل کیا اور انہیں ڈرایا اور بھگایا اور یہ وہ امر ہے جس میں نہ کسی کافر کو شک ہے نہ مومن کو۔

علاوہ اس کے اس سورۃ میں وہ رسوا کن امور ہیں جن کا اللہ عزوجل کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔

شرک کی تعلیم:

مثلاً اس کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان کا وہ باپ ہے جس نے انہیں جنا اور یہ لوگ اس کے بیٹا بیٹی ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے اور نصاریٰ کو محض اسی وجہ سے راہ ملی اور انہیں آسان ہو گیا کہ وہ اللہ کے لیے بیٹا بنائیں کہ انہوں نے جو کچھ ان ملعون جھوٹی اور بدلی ہوئی کتابوں میں پایا جو یہود کے ہاتھ میں ہیں۔ اس سے زیادہ عجیب بات اور کیا ہو گی کہ یہ لوگ خود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بناتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص انہیں جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ تمام امتوں میں سب سے زیادہ گندی ہیئت والے اور سب سے زیادہ بیہودہ طبیعت والے اور سب سے زیادہ لچر باتوں والے اور سب سے زیادہ خباثت والے اور سب سے زیادہ دغا و فریب والے اور سب سے زیادہ بزدل اور سب سے زیادہ ذلیل اور سب سے

زیادہ جھوٹے اور سب سے زیادہ کم ہمت اور سب سے زیادہ متکبر ہیں بلکہ ایسے بدترین انتخاب سے اللہ تعالیٰ بہت دور ہے۔

خدا کا تجسّم:

اسی سورۃ میں اس کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے کندھوں پر لادا اور جیسے اس کا یہ کہنا کہ اس نے اجناس بنی آدم کو تقسیم کیا اور اجناس کی تقسیم بنی اسرائیل کے حساب سے کی اور بنی اسرائیل کو اپنا حصہ بنایا۔ چنانچہ یہ بھی کھلا ہوا جھوٹ ہے جس سے اللہ بری ہے اس لیے کہ اولاد بنی اسرائیل بارہ تھیں اس بناء پر لازم آتا ہے کہ اجناس بنی آدم بھی بارہ ہوں۔ حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ اگر بنی اسرائیل ہی کے خاندان کی طرف توجہ کی جائے تو اس وقت بھی یہ بہت برا اور بدترین جھوٹ ہوگا کیونکہ ان لوگوں کی تعداد بھی کسی ایک مقدار پر قائم نہیں ہے بلکہ ولادت وموت کے وجہ سے یہ لوگ بھی روزانہ کم وبیش ہوتے رہتے ہیں یہ وہ بات ہے جس میں کسی کو شک نہیں۔

یہ سب اس امر کے واضح دلائل ہیں کہ یہ توریت بنائی ہوئی بدلی ہوئی اور جھوٹی ہے۔ پھر جب یہ کتاب ایسی ہے تو کسی کی عقل میں بھی یہ قطعاً ناجائز ہے کہ وہ کسی شریعت کی تصحیح میں یا کسی معجزے کے نقل کرنے میں یا کسی نبوت کے ثابت کرنے میں جھوٹی گھڑی اور بنائی ہوئی روایات کی بناپر شہادت دے۔ یہ بھی وہ بات ہے جس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔

فسادِ روایت:

ہم کہہ چکے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ یہود کی روایت فاسد ہے اور اس میں آمیزش ہے۔ اس لیے کہ یہ نقل و روایت ایک ایسی قسم کی طرف راجع ہے۔ جنہوں نے ایک ایسے شخص کا اتباع کیا ہے جس نے انہیں ذلت۔ مصیبت۔ بیگار اور اینٹ پاتھنے کے کام سے اور پیدا ہوتے ہی ان کی اولاد کے ذبح کیے جانے سے اور ایسے حال سے کہ جس پر کوئی چھوٹا ہوا کتا اور آزاد کیا ہوا گدھا بھی صبر نہیں کرسکتا، نکال کر عزت راحت عافیت اور تونگری ومالداری کی طرف لے گیا اور اس قابل کردیا کہ یہ لوگ حاکم ومخدوم بنیں اور اپنی جان اور اولاد پر انہیں امن واطمینان ہو۔ اس قسم کے حال میں کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا جس کو آزاد کرایا جائے وہ آزاد کرانے والے کے لیے ہر ایسی بات کی شہادت دے گا جو وہ اس سے خواہش کرے۔

ان سب باتوں کے باوجود بھی ان لوگوں کا ان موسیٰ علیہ السلام کا پیرو ہونا جنہوں نے ان کو ایسی حالت سے نکال کر دوسری حالت تک پہنچایا اور ان کا موسیٰ کا مطیع ہونا بھی مشکوک کمزور اور غیر مکمل تھا۔

نص توریت میں مذکور ہے کہ ان لوگوں نے جب بچھڑا بنایا تو ندا دی کہ یہی موسیٰ کا وہ خدا ہے جس نے ان لوگوں کو مصر سے رہائی دلائی۔

ایک اور مرتبہ ان لوگوں نے موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کیا اور باہم شور کیا کہ ہمارے اوپر کسی رہبر کو مقرر کرو اور ہم مصر واپس جاتے ہیں اور ان سب باتوں کے ساتھ ہی ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ساحرین نے بھی بکثرت وہی عمل کیا جو موسیٰؑ نے کیا تھا۔ یہ سب بیان ہے جو معمولی کاریگری سے بھی ممکن ہے اور یہی کافی ہے۔

یہ لوگ بغیر اپنے آپس کے اختلاف کے اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ سوائے ان کے اور کسی امت نے موسیٰؑ کی پیروی نہیں کی اور نہ ان کے سوا کسی دوسری جماعت نے کوئی معجزہ نقل کیا۔ نصاریٰ نے بھی موسیٰؑ کی نبوت ومعجزات کے متعلق جو کچھ لیا وہ انہیں یہود سے لیا۔ لیکن بقیہ امتوں اور مذاہب نے جیسے مجوس وفارس وصابئین وسریانین ومانیہ وسمنیہ وبراہمہ وہند وچین وترک نے تو قطعاً ان سے کوئی بات نہیں لی

اور نہ ان لوگوں کے سوا یا ان کے سوا جو انہیں کی ایک شاخ ہیں مثلاً نصاری روئے زمین پر کوئی موسیٰؑ کی نبوت اور ان کی اس توریت کا ماننے والا ہے جو ان کے ہاتھوں میں ہے۔

ہم مسلمانوں نے نبوت موسیٰ و ہارون و داؤد و سلیمان و الیاس و الیشع علیہم السلام کو محض اس لیے قبول کیا اور مانا ہے اور ان لوگوں پر ایمان لائے ہیں اور موسیٰؑ وہی ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نبوت و معجزات کی صحت کی خبر دی ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے متعلق خبر نہ دیتے تو یہ حضرات بھی ہمارے نزدیک ایسے ہی ہوتے جیسے شموال۔ ابراث۔ حداث۔ حقای۔ جبقوق۔ عدوا۔ یوال۔ عاموص۔ عوبدیا۔ مسیخا۔ ناحوم۔ صفینا۔ ملاخی اور وہ بقیہ لوگ کہ یہود جن کی نبوت کا اسی طرح اقرار کرتے ہیں جس طرح نبوت موسیٰؑ کا بالکل برابر سرابر ہو اور ان سب حضرات کی نبوت کے طریقہ نقل میں ان لوگوں نے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

ہم اس معاملے میں یہود کی روایت کی کچھ بھی تصدیق نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل میں انبیاء تھے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں خبر دی ہے جو اس کے نبیؐ صادق مرسل پر نازل کی گئی ہے ہم ان حضرات کی نبوت کا تو یقین رکھتے ہیں جن کے نام ہمیں بتا دیے گئے ہیں اور ان حضرات کے بارے میں جن کے نام ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتائے ہیں ہم کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہی زیادہ عالم ہے اگر وہ انبیاء تھے تو ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر وہ انبیاء نہ تھے تو ہم ان پر ایمان بھی نہیں لاتے۔ ہم اللہ پر اس کی کتابوں اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اس کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح ہم صالحؑ و ہودؑ و شعیبؑ و اسماعیل علیہم السلام کی نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں اور اس کا کہ یہ لوگ یقیناً اللہ کے رسول تھے۔

ان لوگوں کی نبوت سے یہود کے انکار کی اور ان کے متعلق یہود کے جہل کی ہم کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اس لیے کہ پیغمبر صادق علیہ السلام نے ان سب کی رسالت کی شہادت دی ہے رہی توریت تو ہم بھی اس کے موافق نہیں۔ ہم تو اس سچی توریت کا اقرار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب پر نازل فرمائی تھی۔ اسلیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب صادق میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ناطق ہے اس کے متعلق خبر دی ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ توریت جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ اپنی تصریحات کی وجہ سے وہ نہیں ہے (جو اللہ نے نازل کی تھی) بلکہ بہت کچھ ان لوگوں کی باتیں اور بدلی ہوئی ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ اسی کو توریت مانتے ہیں جو ان کے ہاتھوں میں ہے اور اسے نہیں جانتے جس پر ہم لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اسی طرح ہم لوگ ان کی اس شریعت کی تصدیق نہیں کرتے جس پر وہ اب ہیں بلکہ یہ یقین کرتے ہیں کہ یہ بنائی ہوئی بدلی ہوئی اور جھوٹی ہے وہ لوگ ان موسیٰؑ پر بھی ایمان نہیں رکھتے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت اور آپ کے اصحاب کے متعلق بشارت دی ہے۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ ہم لوگ ان کے دین کی کسی چیز کی تصدیق کے بھی موافق نہیں اور نہ ان کے عقائد کے اور نہ ان کی اس کتاب کے جو ان کے ہاتھوں میں ہے اور نہ اس نبی کے جس کو وہ بیان کرتے ہیں ان کے فساد نقل کی وجہ سے ہم واضح کر چکے ہیں اور اس میں کھلے ے جھوٹ اور بڑھائی ہوئی باتوں کی وجہ سے (ہم قطعاً اس کی تصدیق نہیں کرتے)۔

انشاءاللہ ہم ان کی ان بقیہ کتب کا فساد بھی کسی قدر بیان کریں گے جو ان کے پاس ہیں اور جنہیں یہ انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب تے ہیں جیسا کہ ہم نے ان کی توریت میں بیان کیا اور اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ بہ نسبت دوسرے انبیاء کی کتابوں میں ان کے

کذب کی آمیزش کے توریت میں ان کے جھوٹ کی آمیزش بہت شدید بہت زائد اور کئی گونہ زائد ہے۔

انسانی تصنیف:

کتاب یوشع میں تو اس امر کے قطعی دلائل موجود ہیں کہ یہ بھی یقیناً ایک تاریخ ہے جسے بعض متاخرین یہود نے تالیف کیا ہے اور یوشع نے اسے ہرگز نہیں لکھا اور نہ وہ اسے جانتے تھے اور نہ یہ ان پر نازل کی گئی اس کے متعلق خود اسی میں نص ہے کہ ”جب یہ بات دوسراق شاہ بیوس تک پہنچی“ بیوس وہ مقام ہے جس میں سلیمانؑ بن داؤدؑ نے بیت المقدس بنایا ہے ”تو اس نے یہ کام کیا (جس کو اس نے بیان کیا ہے)“

تصنیف کا واضح ثبوت:

یہ محال و ممتنع ہے کہ یوشع اس کی خبر دیں کہ سلیمانؑ نے بیت المقدس بنایا۔ حالانکہ یوشع سلیمانؑ سے تقریباً چھ سو برس پہلے تھے اور یہ نص مذکورہ بالا کتاب یوشع میں بطور پیشگوئی کے بھی ہرگز نہیں آئی ہے کیونکہ اسکا طرز کلام ایسا ہے جیسا گزشتہ واقعات کی خبروں کا طرز کلام ہوتا ہے۔

بدترین کہانی:

اس میں ایک نہایت بدترین قصہ بھی ہے وہ قصہ یہ ہے کہ عخار بن کرمی بن شذان بن شیلہ بن یہوذا ابن یعقوب علیہ السلام نے مال غنیمت میں سے ایک سرخ رنگ کا تاگا اور سونے کا ڈبہ جس میں پچاس مثقال اور دو سو درہم بھر چاندی تھی چرایا۔ تو یوشع نے اس کے اور اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو پتھروں سے رجم کرنے کا حکم دیا کہ یہ سب لوگ مر جائیں۔ ان کے تمام مویشی میں بھی آگ لگانے کا حکم دیا۔

معاذ اللہ، نبی ایسا حکم کیوں دینے لگا کہ وہ اس ذریت کو جس کا کوئی گناہ نہیں اور جس نے اپنے باپ کے جرم میں کسی قسم کی شرکت بھی نہیں کی ایسی شدید سزا دے۔ باوجود اس کے کہ یہ توریت کی نص ہے کہ نہ تو باپ کو بیٹے کے قصور میں قتل کیا جائے اور نہ بیٹے کو باپ کے قصور میں۔ لامحالہ یا تو یہ لوگ یہ کہیں کہ یوشع نے اس حکم کو منسوخ کر دیا تھا، تو یہ لوگ یہ ثابت کر دیں گے کہ ایک نبی نے اپنے نبی کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ اور موسیٰؑ کی شریعت میں بھی ہے اور یا یہ لوگ یوشع کی طرف ظلم و احکام الٰہی کی نافرمانی منسوب کریں اور انہیں ظالم اور اللہ کا نافرمان اور اس کے احکام کا بدلنے والا بنائیں۔ حالانکہ جس کا انہوں نے انتخاب کیا ہے اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

حکم ختنہ:

اس کتاب میں یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل کے جو لوگ ارض مقدسہ میں داخل ہوئے وہ سب ختنہ کیے ہوئے تھے اور اس میں انسٹھ سال اور اس سے کم عمر کے لوگ تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مصر سے نکلنے کے بعد جو پیدا ہوئے ان میں سے کسی کا ختنہ نہیں کیا اور یہ ان کے اس اقرار کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ختنہ کرنے کی شدید تاکید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ جس کا ولادت کے ساتویں روز ختنہ نہ کیا جائے اسے موسیٰؑ کی امت سے خارج کر دیا جائے یعنی قتل کر دیا جائے تو بھلا موسیٰؑ اس تاکیدی شریعت کو کیسے چھوڑ سکتے تھے کہ یوشع ان کی وفات کے زمانہ دراز کے بعد سب کا ختنہ کرتے۔

ایک مناظرہ:

اس مضمون سے ایک یہودی عالم کو شرم آئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ وہ لوگ تیہ (سرگردانی کے بیابان) میں سفر میں تھے اور انہیں بعض امور معاف کردیے گئے تھے

میں نے کہا کہ وہ کیا تھے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے ایسا تو ہے بھی نہیں جیسا تم لوگ کہتے ہو بلکہ وہ لوگ زمانہ دراز (یعنی ۴۰ سال) تک ایک مقام میں رہے تھے۔ جس کو تم کتاب یوشع کہتے ہو اس میں تصریح ہے کہ یوشع نے اس وقت ان لوگوں کا ختنہ کیا جب یہ لوگ اردن سے گزر گئے جنگ شروع کرنے سے پہلے اور نہایت تنگ وقت میں اس وقت انہوں نے سب کا ختنہ کر دیا حالانکہ یہ لوگ ادھیڑ اور جوان تھے اور ختنہ چھوڑے ہوئے تھے، جب ان کے ختنہ میں بچہ ہونے کی وجہ سے کوئی دشواری نہ تھی ان کی ماں انہیں ختنہ کی حالت میں بھی اسی طرح گود میں لے سکتی تھی جس طرح بغیر ختنہ کی حالت میں اور کوئی فرق نہیں تھا پھر وہ لاجواب ہو کے خاموش ہو گیا۔

خدا کا بیٹا:

وہ کتاب جس کو یہ لوگ زبور کہتے ہیں اس کے مزمور اول میں ہے کہ مجھ سے پروردگار نے فرمایا کہ تو میرا بیٹا ہے میں نے آج تجھے جنا ہے“

کہتے ہیں کہ اس باب میں تم لوگ نصاریٰ پر کا ہے کو اعتراض کرتے ہو؟ آج کی رات کل کی رات کے کیسی مشابہ ہے؟۔

خدا اور علی کے بیٹے:

نیز اس میں ہے کہ تم لوگ اللہ کے بیٹے ہو تم لوگ سب کے سب علی (برتر) کے بیٹے ہو۔

یہ تو پہلے سے بھی زیادہ مصیبت ناک ہے اور ایسا ہی ہے جیسا نصاریٰ کے یہاں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ناپاک۔

خدا کی شان:

اسی کے چوالیسویں مزمور میں ہے کہ ”اے اللہ تیرا عرش عالم میں اور ابد (دوام) میں ہے عدل کی شاخ تیری سلطنت کی شاخ ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے نیکی سے رغبت اور بدی سے نفرت ہے۔ تیرے خدا نے تیرے شریکوں کے درمیان تیرے روغن فرحت لگایا“

خدا کے شریک:

یہ بھی دوامی خرابی اور ہمیشہ کی ہلاکت اور پشت شکن آفت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے بالمقابل ایک دوسرے خدا کا اثبات ہے جس نے اس کی مدارات کے لیے اس کے تیل لگایا۔ نیکی اس کی محبت کے صلے میں ہے۔ اللہ کے شرکاء کا اثبات ہے اور بغیر کسی دشواری کے یہ دین نصاریٰ ہے لیکن ایسے خدا کا اثبات ہے جو اللہ سے کم ہے اور یہ یہود کے نزدیک علانیہ ظاہر ہے جیسا کہ ہم بعد کو ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

خدا کی بیوی اور بیٹی:

اس کے کچھ ہی بعد اس طرح اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتا ہے کہ ”تیری داہنی طرف تیری زوجہ کھڑی ہے جس کا جوڑا سونے کا ہے۔ اے بیٹی سن اور اپنے کان لگا اور دیکھ اور اپنے کنبے اور اپنے باپ کے گھر سے انس و رغبت کر تیری خواہش میں بادشاہ ہے اور وہی رب اور اللہ ہے لہذا خوشی سے اسے سجدہ کر۔“

ماشاء اللہ کہاں تو یہ تھا کہ ہم تو اولاد ہی کو برا سمجھ رہے تھے وہ تو بیوی اور سسروں کو بھی لے آئے۔ تبارک اللہ۔ لہذا ہم تو نصاریٰ پر قطعاً ان کی کوئی فضیلت نہیں سمجھتے۔ اس بدنصیبی سے خدا کی پناہ۔

خدا کی انسانیت:

کتاب مذکور کے اس مزمور میں جو ایک سو سات کی تعداد کو پورا کر رہا ہے مسطور ہے کہ ”رب نے میرے رب سے کہا تو میری داہنی جانب بیٹھ جا تا کہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے قدموں کی کرسی بنا دوں“

یہ بھی کفر وجنون میں اپنے ماقبل ہی کی طرح ہے، رب کے اوپر کوئی رب ہے۔ ایک رب کے داہنے جانب دوسرا رب بیٹھتا ہے اور ایک رب پر دوسرا رب حکومت کرتا ہے، بدنصیبی سے خدا کی پناہ۔

خدا نے صیہون کو جنا:

اسی کتاب کے مزمور ہشتاد وششم (۸۶) میں ہے کہ روح القدس صیہون سے کہتا ہے کہ اسے مرد کہا جاتا ہے حالانکہ مرد نے اس مقام میں جنا اور وہ وہی بلندی ہے جس کی اسی رب نے بنیاد ڈالی جس نے اسے پیدا کیا۔ امت کے کتب خانے کے نزدیک شمار کیا جاتا ہے کہ اس نے وہاں جنا ہے“ یہی وہ دین نصاری ہے جس کی وجہ سے یہود انہیں برا کہتے ہیں کہ اللہ نے صیہون کو جنا۔ اگر اس سے پہاڑ منہدم ہو جائیں تو تعجب نہ ہوگا۔

خدا کیسے کھڑا ہوا:

مزمور ہفتاد وہفتم (۷۷) میں ہے کہ ”رب کھڑا ہوا جس طرح اپنی نیند سے بیدار ہونے والا، جس طرح وہ ظالم جس سے نشے کا اثر بھاگ رہا ہو۔ جیسا کہ بیل کھڑا ہوتا ہے“

بیل جیسا خدا:

اسی کتاب میں ہے کہ ”اپنے اس رب سے ڈرو جس کی قوت بیل کی قوت کی طرح ہے“

کثیر حماقت اور ذلیل کفر میں بھی اسی قسم کا فعل نہ سنا گیا ہوگا۔

کبھی تو اللہ تعالیٰ کے قیام کو نیند سے بیدار ہونے والے سے تشبیہ دیتا ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں جس وقت آدمی نیند سے اٹھتا ہے تو اس سے زیادہ سست اور اس سے زیادہ لیٹنے کا محتاج اور اس سے زیادہ حرکت میں ثقیل کوئی نہیں ہوتا۔

کبھی اس ظالم سے تشبیہ دیتا ہے جو نشے میں ہو۔ حالانکہ جو وقت آدمی کے نشہ اترنے کا ہوتا ہے اس وقت اس سے زیادہ بدکیفیت گراں چشم، بددل درد سر میں مبتلا اور کمزور آواز والا کوئی نہیں ہوتا۔

کبھی اسے جریش یعنی بیل کے مثل بناتا ہے۔ جریش کیا ہے بخدا جریش بیلوں میں سے ایک بیل ہے جس کے سر کے بیچ میں ایک سینگ ہوتا ہے اور اللہ ان منحوس باتوں سے بری ہے جو ان باتوں پر ایمان لائے اس کا حق تازیانہ ہے کہ اس کا دماغ درست ہو جائے یا احمق ہو جائے لوگوں کو پتھر مارنے لگے اور اس سے تکلیف شرعی ساقط ہو جائے۔ مصیبت سے خدا کی پناہ۔

خدا سب خداؤں کو حکم دے رہا تھا:

اس کتاب کے مزمور ہشتاد ویکم (۸۱) میں ہے کہ اللہ خداؤں کے مجمع میں کھڑا ہوا۔ خدائے عزت ان سب خداؤں کے درمیان کھڑا حکم دے رہا تھا۔ یہ حماقت کفر قبیح سے آمیز ہے خداؤں کا مجمع ان کے درمیان اللہ کا کھڑا ہونا۔ اس کا اپنے ساتھیوں کے بیچ میں ٹھہرنا۔ اللہ جو

چاہتا ہے ہوتا ہے سوائے اس کے کہ یہ نصاری کے قول سے بھی زیادہ خبیث ہے کیونکہ نصاری کے نزدیک بھی خدا تین ہی ہیں اور ان کمینوں رذیلوں کے نزدیک ان کی ایک جماعت ہے۔ بدنصیبی سے خدا کی پناہ۔

فرزندان خدا:

اسی کے مزمور ہشتاد وہشتم (۸۸) میں ہے کہ ''اللہ کے تمام بیٹوں میں اللہ کے مثل کون ہے''

اسی کے بعد کہتا ہے کہ ''داؤد مجھے والد پکارتا ہے اور میں نے اسے اپنا فرزند اکبر بنایا ہے''

اس کے بعد ہے کہ ''عرش پر داؤد کی سلطنت ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ یہ مضمون بھی ایسا ہی ہے جیسا اس کا ماقبل۔ خداؤں کو ایک باپ کے بیٹے اور قبیلہ بنا دیا۔ ان سب خداؤں میں ایک ہے جو سب کا سردار ہے کہ ان میں اس کا مثل کوئی نہیں ہے دوسرے ہیں ان میں بلاشک نقص ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔ ہم نعمت اسلام پر اس کی کثیر حمد کرتے ہیں جو ایسی سچی توحید کی ملت ہے جس کی اور جس کے اندر کی تمام باتوں کی صحت کی عقلیں شہادت دیتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی داؤد کی سلطنت کے ہمیشہ باقی رہنے کا وعدہ بھی جھوٹا ہے اور اس میں وہی مضمون ہے جو ملحدین دہریہ کے قول کے موافق ہے کہ لوگ مثل چارے اور گھاس کے ہیں کہ جب ان کی ارواح نکلتی ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں نہ یہ اپنا ٹھکانا جانتی ہیں اور نہ اس کے بعد کچھ سمجھتی ہیں۔

مابعد الممات کا تذکرہ ہی نہیں:

دین یہود کا بھی اس طرف شدید میلان ہے اس لئے کہ ان کی توریت میں معاد وقیامت کا ذکر بالکل نہیں ہے اور نہ سزا وجزائے بعد موت کا ذکر ہے اور یہی بلاتکلف دہریے کا مذہب ہے۔ ان لوگوں نے دہریت، شک، تشبیہ اور دنیا میں جس قدر حماقتیں ہیں سب کو جمع کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی کتاب کے ان مضامین کے متعلق جنہیں اللہ نے اٹھا لینا چاہا'' تبدیل وتحریف کرنے کو آگاہ کر دیا اور جس مضمون کو ان کے مقابلے میں ہماری حجت بنانا چاہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معجزہ بنا دیا اس کے بدلنے سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا۔

خوں بہا:

مزمور شصت ویکم (٦١) میں ہے کہ عرب وبنی سبا اسے مال دیتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے نزدیک خون کی قیمت ہوتی ہے''

یہی دیت (خون بہا) کی صفت ہے جو صرف ہمارے دین میں ہے۔

اس مزمور میں ہے کہ ''مدینے سے اس طرح ظاہر ہوگا''

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کھلی ہوئی پیشنگوئی ہے۔

حضرت سلیمان ؑ کی کتابیں:

جو کتابیں یہ لوگ سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تین ہیں پہلی کا نام شار ہیر ہے۔ اس کے معنی شعر الاشعار ہیں۔

درحقیقت یہ کتاب جنونوں کا جنون ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسا احمقانہ کلام ہے جو عقل میں نہیں آتا اور نہ انہیں لوگوں میں سے کوئی اس کی مراد جانتا ہے۔ یہ کتاب کبھی تو مذکر سے عشقیہ باتیں کرتی ہے اور کبھی مونث سے اور کبھی اس سے لیسدار بلغم آنے لگتا ہے جیسا کہ بیمار یا جس کا دماغ خراب ہوا سے آتا ہے میں نے ان کے بعض لوگوں کو اس طرف جاتے دیکھا ہے کہ یہ کیمیا کے رموز ہیں۔ حالانکہ یہ دوسرا مضحکہ خیز وسوسہ ہے۔

من آں وقت بودم کہ آدمؑ نبود:

دوسری کتاب کا نام ''مثل'' ہے جس کے معنی کہاوتوں کے ہیں اس میں نصائح ہیں اور یہ بھی ہے کہ قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ ابتداء میں کچھ پیدا کرے اس نے کہا کہ ابد سے میں ہی ہوں اور قدیم میں ہی ہوں۔ قبل اس کے کہ زمین کا وجود ہوا اور قبل اس کے کہ ستاروں کا وجود ہو۔ میں مس کر رہا تھا اور میں جن رہا تھا حالانکہ اب تک زمین پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ نہریں نکلی بھی نہ تھیں۔ جب اللہ نے آسمان بنایا میں موجود تھا۔ جب وہ ستاروں کی صحیح حد مقرر کر رہا تھا، انہیں ٹھوک رہا تھا، آسمانوں کو عالم بالا میں مضبوط کر رہا تھا، پانی کے چشموں کا اندازہ کر رہا تھا، وہ سمندر پر اپنے ستارے سے حلقہ کر رہا تھا اور پانی کے لئے سمتیں مقرر کر رہا تھا کہ وہ اپنی حد سے نہ بڑھے اور جب کہ وہ زمین کی بنیادیں درست کر رہا تھا میں اس کے ہمراہ ان سب کاموں کے لئے تیار تھا۔

محل عبرت:

کیا ملحدین کے ہاں اس سے کچھ زیادہ ہے؟ کیا یہ حماقتیں کسی معتدل آدمی کی طرف سے منسوب کی جاسکتی ہیں؟ چہ جائیکہ نبی اسرائیل کی طرف۔ کیا یہ شرک صحیح ہے معاذ اللہ سلیمان علیہ السلام ایسی بات کیوں کہنے لگے۔ بخدا ملحدین نے بھی ان کے الحاد پر یہی رشک کیا ہوگا۔ میں نے بعض یہود کو دیکھا کہ وہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے حضرت سلیمانؑ نے محض اللہ کا علم مراد لیا ہے۔

کوئی بے حیا اس سے عاجز نہیں کہ وہ ہر کلام کو بلا دلیل جدھر جی چاہے پھیر دے۔ حالانکہ کلام کو اپنے مقام سے بیان کرنا اور اس کے معنی کو دوسرے معنی کی طرف لے جانا بغیر ایسی دلیل صحیح کے جس کا مراد لینا از روئے لغت ممتنع نہ ہو جائز نہیں۔

خدا کے بیٹے بیٹیوں کا حاکم:

تیسری کتاب کا نام ''فوہلث'' ہے جس کے معنی جوامع ہیں۔ اس میں یہ مضمون ہے کہ انہوں نے اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''مجھے اپنی امت کے لیے بحیثیت امیر کے اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں پر بطور حاکم کے انتخاب کر لیجئے''

یہ بھی ایسا ہی ہے جیسا گزر چکا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بعید ہے کہ اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوں۔ خاص کر بنی اسرائیل جیسے بیٹا بیٹی کہ اپنے کفر اور اپنے دین اور اپنی دنیاوی کمزوری اور اپنے احوال نفسی و جسمی کی رذالت میں ان کے مثل ہوں۔

جھوٹا وعدہ:

کتاب حزقیا میں ہے کہ آقا کہتا ہے کہ میں بنی عیسو پر اپنا ہاتھ دراز کروں گا، ان کے ملک سے آدمیوں اور جانوروں کو لے جاؤں گا، انہیں فقیر کر دوں گا اور اپنی امت بنی اسرائیل کے ہاتھوں پر ان سے انتقام لوں گا۔

یہ وہ میعاد ہے جس کا کذب یقیناً ظاہر ہوگیا۔ اس لیے کہ خود کتب یہود کی تصریح کے مطابق تمام بنی اسرائیل برباد گئے اور بنی عیسو اپنے شہروں میں باقی تھے۔ اس کے بعد بنی عیسو بھی ہلاک ہو گئے اور روئے زمین پر ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو اس طرح پہچانا جائے کہ

یہ ان میں سے ہے۔ ان کے شہر مسلمانوں کے ہو گئے۔ اس کے باشندے قبیلہ لخم وغیرہ کے عرب ہیں اور اسی سے یہ بھی باطل ہو گیا کہ کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ایسا شروع میں ہوگا۔

کتاب ”شعیا“ میں ہے کہ ”انہوں نے اللہ عزوجل کو دیکھا کہ وہ بوڑھا ہے اور اس کا سر اور ڈاڑھی سفید ہے“۔ یہ تشبیہ ہے اور نبی اس سے بری ہے کہ ایسا کہے۔

خداوند بخواہش فرزند:

اسی کتاب میں ہے کہ پروردگار نے وہ بات کہی جیسی بات کبھی کسی نے نہ سنی ہوگی کہ ”میں اوروں کو تو یہ قوت دیتا ہوں کہ وہ بچہ جنیں اور بھلا میں خود نہ جنوں۔ میں ہی اوروں کو بیٹا دیتا ہوں اور بھلا میں ہی بغیر بیٹے کے رہوں“

جو باتیں سنی گئیں ان میں یہ سب سے بڑھ کر مصیبت ناک ہے کہ اللہ عزوجل بیٹے ہونے میں اپنے آپ کو اپنی مخلوق پر قیاس کرے۔ یہ سب قول نصاریٰ سے بھی زیادہ بدتر ہے جو اللہ کی طرف شرک بیٹا اور زوجہ کو منسوب کرتے ہیں ونعوذ باللہ من الخذلان (بدنصیبی سے خدا کی پناہ)۔

خود کردہ:

ہم نے ان کتابوں سے جنہیں یہ لوگ انبیا علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں بہت ہی قلیل حصہ بیان کیا ہے جو ان کتابوں کی رسوائی اور نیز ان کی تبدیل و تحریف پر دلالت کرتا ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ لوگ ایسے چھوٹے سے شہر میں رہتے تھے جو محدود احاطے میں تھا۔ پھر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ انہیں کسی نبی سے ان کتابوں کا سند متصل کے ساتھ ملنا کیوں کر ممکن ہوا۔ خاص کر جب کہ ان لوگوں کے زمانہ کفر میں ہر نبی ان سے خوفزدہ ہو اور قتل کیا جاتا ہو۔

خدا نکردہ:

بلاشک ثابت ہو گیا کہ یہ کتابیں اس شخص کی پیدا کی ہوئی ہیں جس نے ان کے لیے نمازیں (دعائیں) بنائیں جن پر وہ عمل کرتے ہیں اور وہ شرائع بنائیں جن کے متعلق وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ یہ ان کے علماء کا ثابت شدہ عمل ہے کہ جب ان کا دین ظاہر ہوا اور ان کے عبادت خانے پھیل گئے تو ان کے مجمع ہونے لگے جن میں وہ لوگ ہر شہر میں اپنا دین سیکھتے تھے اور ان کے علما انہیں سکھاتے تھے۔ برخلاف اس کے جو ہم واضح کر چکے ہیں کہ اپنی سلطنت کے زمانے میں جب یہ لوگ سالہا سال سے کافر و جاہل تھے۔ سوائے بیت المقدس کے ان کی قطعاً کوئی مسجد نہ تھی۔ نہ کوئی علمی مجمع ہوتا نہ کوئی عالم انہیں کسی طریقے سے بھی کوئی تعلیم دیتا اور نہ کوئی ان کی کتابوں کا حافظ و محافظ تھا والحمد للہ رب العالمین۔ اگر ہم لمن کی کتب انبیاء کو تلاش کریں تو ان میں بے انتہا کذب و تناقض و اختلاف ملے گا لیکن ہم نے جتنا بیان کر دیا ہے یہی کافی ہے۔

یہود کا دعویٰ:

بعض یہود نے قبل اس کے کہ ان سے توریت اور ان کتب کا جو انبیاء کی طرف منسوب ہیں کذب خالص بیان کیا جائے ان کی تبدیل و تحریف کے دعوے پر اعتراض کیا اور کہا کہ بنی اسرائیل کے زمانہ سلطنت میں بھی اور اس کے بعد بھی انبیاء ہوتے رہے اور یہ محال ہے کہ یہ انبیا

ان کتابوں کو تبدیل و تحریف پر برقرار رکھتے (اور تصحیح نہ کرتے)۔

باطل است آنچہ مدعی گوید:

اس قول کا جواب یہ ہے کہ کہا جائے (اگر معترض یہودی ہے کہ) تم جھوٹے ہو۔ تمہاری کتابوں کے کسی جز میں بھی یہ نہیں ہے کہ رزبائیل بن صیلثال بن صدقیا بادشاہ کے ہمراہ کبھی کوئی نبی بیت المقدس واپس آیا ہو۔ یا ان کے اقرار کے مطابق کبھی کوئی نبی بیت المقدس میں اس بادشاہ کے ہمراہ رہا ہو۔ یہ واقعہ اس سے بہت زمانے پہلے کا ہے عزرا الوراق ان کے لیے توریت لکھے۔ ان لوگوں کے زربائیل کے ہمراہ بیت المقدس واپس آنے سے بھی پہلے کا ہے کہ ان کے آخری نبی دانیال سرزمین بابل میں وفات پا چکے تھے۔ لیکن وہ انبیاء جو سلیمانؑ کے بعد بنی اسرائیل میں ہوئے تو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں وہ سب کے سب یا تو بہت بری طرح قتل کر دیے جاتے تھے یا انہیں ڈرایا جاتا تھا اور دھتکار کر جلاوطن کر دیا جاتا تھا اور بجز خفیہ طریقے کے ان کی کوئی بات سنی نہیں جاتی تھی۔ سوائے اس مدت کے کہ جس میں صرف پانچ مومن بادشاہ بنی یہوذا یا بنی بنیامین میں سے گزرے اور یہ بہت قلیل مدت تھی کہ جس کے بعد ہی کفر کا ظہور ہوا اور توریت جلائی گئی اور انبیاء قتل کیے گئے اور یہی توریت کا خاتمہ تھا اور اسی حال پر ان کی دولت کا بھی اختتام ہو گیا۔ ہر نبی اپنے سے پہلی کتاب کی تصحیح کے لیے نہیں بھیجا جاتا تھا۔ لہذا انبیاء کے ان میں ہونے سے ان کا جو اعتراض تھا وہ بھی بالکل باطل ہو گیا۔

اگر وہ معترض نصرانی ہے جو مسیح و زکریا و یحیی علیہم السلام کو مانتا ہے تو اس سے کہا جائے گا بلاشک مسیحؑ کے پاس توریت اسی حالت میں تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اتارا تھا اور ان کے پاس نازل شدہ انجیل بھی تھی ''**ویعلمه التور اة والا نجیل و رسو لا الی بنی اسرائیل**'' (یعنی اللہ مسیحؑ کو توریت و انجیل کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں بنی اسرائیل کا رسول بناتا ہے)۔ سوائے اس کے کہ ان کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد ان سے اس کے نقل و روایت کرنے میں ایسے عوارض پیش آئے جو ان عوارض سے زیادہ شدید و بدترین تھے جو موسیٰ علیہ السلام تک نقل و روایت میں پیش آئے۔

کوئی بڑی جماعت عالم میں قطعاً ایسی نہ تھی جن کی نقل و روایت مسیحؑ تک متصل و پے در پے ہو اور مسیحؑ تک نقل و روایت صرف پانچ آدمیوں کی طرف رجوع کرتی ہے اور وہ (۱) متی (۲) باطرہ بن نونا۔ (۳) یوحنا بن سبذای (۴) یعقوب بن یوسف اور (۵) یہوذا بن یوسف ہیں فقط پھر ان پانچ سے صرف تین آدمیوں نے نقل کیا اور وہ (۱) لوقا طبیب انکا کی۔ (۲) مارقس ہارونی اور بولس (۹۳ بنیامنی ہیں اور یہ سب کے سب جھوٹے ہیں کہ ان کا کھلم کھلا جھوٹ بولنا واضح ہو چکا ہے جیسا کہ اس کے بعد ہم انشاء اللہ اسے واضح کریں گے۔

باوجود اس کے کہ دین میں ان سب کا کذب و فریب ثابت ہو چکا ہے خود ان کی کتب کی تصریح کے مطابق یہ لوگ دین یہود کے غلبے اور سبت کے لزوم (یعنی ہفتے کی تعظیم) کی وجہ سے چھپتے پھرتے تھے اور خفیہ طور پر تثلیث کی دعوت دیتے تھے۔ پھر بھی ان کی تلاش تھی۔ ان میں سے کوئی بھی جہاں کہیں ظاہر ہوا گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ لہذا توریت و انجیل مسیح علیہ السلام کے اٹھ جانے سے پورے طور پر باطل ہو گئی اور اس جواب کی تو اس وقت حاجت ہے کہ پہلے ان کی توریت اور کتب کا وہ کذب ظاہر نہ کیا جائے جو ہم نے ظاہر کیا ہے لیکن اس کے بعد کہ ہم نے ان کتابوں کا ایسا کذب عظیم واضح کر دیا ہے جس میں کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں تو یہ اعتراض ہی ساقط ہے۔ اس لیے کہ یقینِ باطل کو کوئی شے درست نہیں کر سکتی جس طرح یقینِ حق کو کبھی کوئی چیز بگاڑ نہیں سکتی۔ لہذا تمہیں اب جاننا چاہیے کہ جو چیز حق تیقن کے مقابلے میں لائی جائے تاکہ اس (حق) کو باطل کیا جائے یا کوئی چیز کذب یقینی میں حائل کی جائے تاکہ اسے صحیح بنایا جائے تو یہ محض بیہودہ شور اور ملمع کاری اور دھوکا اور تخییل

اور بلا شک فاسد حیلہ سازی ہے اس لیے کہ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ ایک بنیاد میں دو یقین کبھی بھی متعارض ہوں **و باللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

اسلام میں توریت وانجیل:

اگر کہا جائے کہ تم لوگ بھی توریت وانجیل کو مانتے ہو اور ان دونوں میں تمہارے نبی کی صفات کے متعلق جو مضامین ہیں ان سے یہود ونصاریٰ کے مقابلے میں استشہاد کرتے ہو اور خود تمہارے نبی نے بھی ان کے مقابلے میں زانی محصن کے رجم کے قصے میں نص توریت سے استشہاد کیا ہے (محصن بمعنی شادی شدہ۔ رجم۔ بمعنی سنگسار) مروی ہے کہ جب عبداللہ بن صوریا یہودی نے آیت رجم پر (جو توریت میں تھی) ہاتھ رکھ لیا تو عبداللہ بن سلام نے اس کے ہاتھ پر مارا۔

اور مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت لے کے فرمایا کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں جو تجھ میں ہے“

تمہارے قرآن میں ہے کہ ”**یا اھل الکتاب لستم علی شیئی حق تقیموا التور اۃ والا نجیل و ما انزل الیکم من ربکم** “(اے اہل کتاب تم کسی شے پر نہیں ہو۔ تاوقتیکہ تم توریت وانجیل کو اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری جانب اتارا گیا ہے اسے قائم نہ کرو)۔

نیز اسی میں ہے کہ ”**قل فا تو ابا لتور اۃ فا تلو ھا ان کنتم صادقین** “(آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو توریت لاؤ اور پڑھ کر سناؤ)۔

پھر اسی میں ہے ”**انا انزلنا التو ر اۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلمو اللذین ھادوا و الربانیون و الا حبار بما استحفظو امن کتاب اللہ و کا نوا علیہ شھدا ء**“ (بے شک ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت ونور ہے جس کے مطابق یہود کے لیے وہ انبیاء جو اسلام لائے تھے اور ربانیین اور احبار وعلما جن کو کتاب اللہ یاد کرا دی گئی تھی فیصلہ کیا کرتے تھے اور وہی اس کتاب کے نگران تھے)۔

اس میں ہے ”**ولیحکم اھل الا نجیل بما انزل اللہ فیہ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاو لئک ھم الفاسقون**“ (اہل انجیل کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں یہی لوگ بدکار ہیں)۔

اسی میں ہے کہ ”**ولو انھم ا قامو التور اۃ و الانجیل و ما انزل الیھم من ر بھم لا کلو امن فو قھم و من تحت ار جلھم** “(اور اگر یہ لوگ توریت وانجیل کو اور اس کو جو ان کے پروردگار کی جانب سے ان کی طرف نازل کیا گیا ہے قائم کرتے تو بلا شک اپنے اوپر سے بھی کھاتے (یعنی بارش ہوتی) اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی (یعنی زراعت سے بھی)۔

اسی میں ہے کہ ”**یا ایھا الذین او توا الکتاب آمنو ا بما نزلنا مصدقا لما معکم** “(اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس قرآن پر جو ہم نے نازل کیا ہے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے ساتھ ہے)۔

توریت وانجیل کی حیثیت:

ہم کہیں گے، **وباللہ التوفیق** ، کہ یہ سب حق ہے سوائے اس قول کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں جو تجھ میں ہے کیونکہ یہ باطل ہے اور ہرگز ثابت وصحیح نہیں ہے یہ سب ہمارے اس قول کے مطابق ہے کہ توریت وانجیل میں تبدیل و

تحریف ہوگئی اس میں اس شخص کے لیے کوئی حجت و دلیل نہیں جو یہ دعوی کرے یہ دونوں کتابیں جو یہود و نصاری کے ہاتھوں میں ہیں اسی حالت میں ہیں جیسی کہ نازل ہوئی تھیں جیسا کہ انشاء اللہ ہم ابھی اس کو برہان واضح سے بیان کریں گے۔

ہمارا توریت و انجیل کا ماننا صحیح ہے اس کے متعلق تمہاری فریب دہی کے کیا معنی ہیں؟ حالانکہ ہم نے کبھی ان کا انکار نہیں کیا بلکہ ہم تو اسے کافر کہتے ہیں جو ان دونوں کتابوں کا انکار کرے ہم لوگ محض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام پر توریت کا نازل کرنا حق ہے۔ زبور کا داؤد علیہ السلام پر نازل کرنا حق ہے۔ انجیل کا عیسی علیہ السلام پر نازل کرنا حق ہے اور صحیفوں کا ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام پر نازل کرنا حق ہے اور ان کتابوں کا جن کا نام نہیں بتایا گیا ان انبیاء پر جن کا نام نہیں بتایا گیا نازل کرنا حق ہے۔ ہم ان سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**صحف ابراهيم و موسىٰ**" (یعنی آخرت کا دنیا سے بہتر ہونا ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے) اور (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے "**وانه لفی زبرا لا ولین**" (یعنی یہی بات پہلے انبیاء کی کتابوں میں بھی ہے)۔

ہم کہہ چکے اور کہتے ہیں کہ کفار بنی اسرائیل نے توریت و زبور کو بدل دیا۔ انہوں نے بڑھایا بھی اور گھٹایا بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے بعض حصے کو جیسا کہ چاہا ان پر حجت قائم کرنے کو باقی رکھا۔ **لا يسئال عما يفعل و هم يسئلون**" (یعنی اللہ جو کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی اور لوگوں سے باز پرس کیجائے گی **لا معقب لحكمه**" (اسکے حکم کے بعد پھر کوئی حکم دینے والا نہیں)۔

کفار نصاری نے اسی طرح انجیل کو بدل دیا۔ انہوں نے بڑھایا بھی اور گھٹایا بھی اللہ تعالیٰ نے جیسا چاہا اس کے بعض حصے کو ان پر حجت قائم کرنے کو باقی رکھا "**لا يسئال عما يفعل و هم يسئلون**" (وہ جو کرے اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی اوروں سے باز پرس ہوگی)۔

کتب مذکورہ میں ان لوگوں نے جو کچھ بدلا تھا وہ فنا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھا لیا۔ جیسا کہ صحیفے اور بقیہ انبیاء کی تمام کتابیں فنا ہوگئیں ہم اسی کے قائل ہیں۔ توریت و زبور کے کذب کے متعلق ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے ہم نے واضح دلائل سے ثابت کردیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ انجیل کے کذب کو بھی بیان کریں گے۔ **وبالله التوفيق**۔ ان لوگوں کی اس فریب کاری کا فساد ظاہر ہوگیا کہ ہم لوگ توریت و انجیل و زبور کو مانتے ہیں اور اس سے انہیں اپنی ان جھوٹی اور بدلی ہوئی کتابوں کی تصحیح میں کوئی فائدہ نہ پہنچا جو ان کے ہاتھوں میں ہیں۔

والحمد لله رب العالمين۔

انہیں سے استدلال:

یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں ان کتابوں کی ان پیشگوئیوں سے ہمارا استشہاد و استدلال جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہیں تو یہ بھی حق ہے ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کتابوں کے جن مضامین کو اٹھا لینا منظور تھا اس نے ان کے بدلنے کو ان لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا۔ جیسا کہ اس نے ان کے ہاتھوں کو ان انبیاء کے قتل کے لیے آزاد کردیا جن کو اس قتل سے کرامت و بزرگی دینا منظور تھی کہ یہ انہیں مختلف طریقوں سے قتل کریں۔ ان دونوں کتابوں کے جن مضامین کو ان کے مقابلے میں بطور حجت باقی رکھنا چاہا ان کے بدلنے سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے کہ جنہیں انبیاء علیہم السلام کی نصرت و مدد کی بزرگی دینا تھی ان لوگوں کے ہاتھوں کو روک دیا وہ لوگوں کو ایذائے انبیاء سے روکتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے قوم نوح علیہ السلام و قوم فرعون کو بطور عذاب غرق کردیا۔ دوسروں کو بطور شہادت غرق کردیا۔ ایک قوم کو مہلت دی تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کریں۔ ایک دوسری قوم کو مہلت دی تاکہ وہ زیادہ فضیلت حاصل کریں۔ یہ وہ امور ہیں جن کا کسی مذہب والا بھی انکار نہیں کرسکتا اور ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے

ہوئے معجزات اور روشن دلائل میں اضافہ ہے۔ والحمد لله رب العالمين ۔ لہذا ان لوگوں کا یہ اعتراض کہ ہم نے ان کے مقابلے میں ان کی بدلی ہوئی کتابوں کے ان مضامین سے جن میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے استشہاد و استدلال کیا ہے باطل ہو گیا۔

مسئلہ رجم:

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زانی محصن کے رجم کے مسئلے میں توریت سے استشہاد اور ابن صوریا کے آیت رجم پر ہاتھ رکھنے پر اللہ بن سلام کا اس کے ہاتھ پر مارنا بھی حق ہے وہ اسی طور پر ہے کہ جو ہم نے ابھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان لوگوں کے رسوا کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے باقی رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ایسے دلائل واضحہ و قاہرہ سے ثابت کرنے کے بعد جو ایسی نقل و روایت سے ثابت ہیں جو ہر غدر کو قطع کرنے والی ہے ان تمام امور سے ان لوگوں پر محض حجت قائم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور انشاءاللہ تعالیٰ بیان کریں گے پھر ہم ان کی بدلی ہوئی کتابوں کے ان مضامین کو لائیں گے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے رسوا کرنے اور ان کی گمراہی کو خاموش اور ذلیل کرنے کے لیے باقی رکھا ہے ورنہ ہمیں قطعا ان مضامین کی کوئی حاجت نہیں والحمد لله رب العالمين ۔

جھوٹی روایت:

یہ روایت کہ نبی علیہ السلام نے توریت کو لیا اور فرمایا کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں جو تجھ میں ہے تو یہ خبر جھوٹی اور موضوع ہے۔ ایسی اسناد سے نہیں آئی ہے جن پر خیر ہو۔ ہم باطل میں کلام کرنے کو حلال نہیں سمجھتے اگر چہ وہ ثابت ہی ہو۔ کیونکہ یہ اس تکلف میں ہے جس کی ہمیں ممانعت کی گئی ہے۔ جس طرح حق کی توہین اور اس میں اعتراض جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "یا اهل الكتاب لستم على شيئى حتى تقيموا التورا اة و الا نجيل و ما انزل اليكم من ربكم " (یعنی اے اہل کتاب تم کسی چیز میں نہیں ہو تاوقتیکہ تم توریت وانجیل کو اور قرآن کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے)۔ تو یہ بھی حق ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں اور اس کے مطابق ہم لوگ قائل ہیں اور انہوں نے جو کچھ ان کتابوں سے نکال ڈالا تھا اس کے اٹھ جانے کی وجہ سے اب انہیں ان کے قائم کرنے کی قطعا کوئی گنجائش نہیں اس لیے یہ لوگ کسی چیز پر نہیں سوائے اس کے یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں تو یہ لوگ اس وقت توریت وانجیل کے قائم کرنیوالے ہوں گے اور اسی وقت ان کتابوں کے مومن ہوں گے جب یہ ان احکام پر ایمان لائیں جو اللہ نے ان پر نازل کیے تھے خواہ وہ موجود ہوں یا معدوم۔ اور ان احکام کی تکذیب کریں جو ان میں بدل دیے گئے اور جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں میں نازل نہیں کیے تھے اور یہی ان دونوں کی سچی اقامت ہے چنانچہ ہمارے قول کا صدق بغیر کسی تاویل کے اسی آیت کی نص کے موافق روشن ہو گیا والحمد لله رب العالمين ۔

قدرتے داری بگو، ورقوتے داری بیار:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "قل فا تو ا بالتور اة فاتلو ها ان كنتم صادقين " (اگر تم سچے ہو تو توریت لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ) تو ہاں یہ بھی درست ہے۔ یہ آیت اس کذب کے بارے میں ہے جو ان لوگوں نے بولا تھا اور اپنی عادت کے موافق اسے توریت کی طرف منسوب کیا تھا جو اس کذب سے زائد تھا جو ان کے اسلاف نے اپنی توریت میں وضع کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت کو منگا کر ان کے جدید کذب میں بھی انہیں ساکت کر دیا کہ اگر وہ سچے ہوں تو توریت لے آئیں (مگر نہیں لائے) لہذا ان کا کذب ظاہر ہو گیا۔

قبل اس کے کہ ہم ان کی توریت کی نصوص سے واقف ہوں بارہا ان کے علماء کی طرف سے ہمارے اور ان کے مناظرات میں اس آیت کو پیش کیا گیا ہے۔ اس قوم کو اب تک جھوٹ بولنا دشوار نہیں یہ لوگ جب اپنی مجلس سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ بغیر کذب کے نہیں ہوتا اور یہ کمینہ عادت ہے اور موجب ننگ و عار اور طالب صحت اس کو کبھی پسند نہ کرے گا اور ہم تو ایسی باتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

ہدایت ونور:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "**انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی نو ریحکم بھاا لنبیون الذین اسلمو اللذین ھادوا والر بانیون والا حبار بـمـا استـحفظو امن کتاب اللہ**" (بیشک ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت ونور ہے جس کے مطابق یہود کے لیے انبیاء مسلمین اور ربانیین اور وہ علماء جن کو کتاب اللہ حفظ کرادی گئی تھی فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اور وہی اس کتاب کے نگران تھے) ہاں یہ بھی بظاہر حق ہے جیسا کہ وہ ہے۔ ہم قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توریت نازل کی تھی اور انبیاء مسلمین اسی کے مطابق احکام جاری کرتے تھے۔ مثلاً موسیٰ و ہارون وداؤد وسلیمان اور جو انبیاء (علیہم السلام) ان کے درمیان ہوئے اور وہ ربانیین وعلماء جو انبیاء نہ تھے بلکہ انبیاء کی طرف سے حکام تھے اور ان انبیاء کے زمانے میں ربانیین وعلماء توریت میں تبدیل پیدا ہونے سے پہلے تھے اور یہی ہمارے قول کا مطلب ہے۔ اس آیت میں نہ تصریحاً نہ دلالۃً، یہ مضمون تو نہیں ہے کہ اس کے بعد بھی توریت میں قطعاً تبدیلی نہیں ہوئی۔

جن مسلمانوں نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ گمان کیا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان یہودیوں کے رجم کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے زنا کیا تھا اور وہ دونوں محصن (شادی شدہ) تھے تو انہوں نے باطل کا گمان کیا، کذب کے قائل ہوئے محال کی تاویل کی اور قرآن کی مخالفت کی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے ساتھ اس آیت میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے "**وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصد قا لما بین ید یہ من الکتاب و مھیمنا علیہ فا حکم بینھم بما انزل اللہ و لا تتبع اھوائھم عـمـا جـاء ک مـن الـحق لـکـل جعلنا منکم شر عۃ و منھا جا و لو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدہ**" (اور ہم نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی ہے جو اپنے سامنے والی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور کی محافظ ہے۔ لہذا آپ ان لوگوں میں اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کے ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک طریقہ اور راستہ بنادیا اور اگر اللہ چاہے تو سب کو ایک جماعت بنادے)

اللہ عزوجل نے یہ فرمایا ہے کہ "**ولا تتبـع اھوا ئھم و احذ رھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک**" (اور آپ ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے بچتے رہیے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان بعض احکام سے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے بہکا نہ دیں)۔ کلام اللہ عزوجل کی یہ وہ نص وتصریح ہے کہ جو اس کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔

انجیل کے مطابق فیصلہ:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "**ولیحـکـم اھل الا نجیل بما انزل اللہ فیہ**" (اہل انجیل کو چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں) تو یہ بھی اپنے ظاہر معنی میں حق ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے دین کی پیروی کرنے کے احکام نازل فرمائے ہیں وہ لوگ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے انجیل میں نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کرنے والے نہیں ہوسکتے سوائے اس کے کہ وہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں محض ان احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے جو اس نے انجیل میں نازل کیے ہیں جس کی طرف منسوب ہو کر یہ لوگ اہل انجیل کہے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ہرگز حکم نہیں دیا ہے کہ اس کی پیروی کریں جس کا نام انجیل رکھ لیا گیا ہے حالانکہ وہ انجیل نہیں ہے اور نہ اس صورت میں جیسی کہ وہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا ہے آیت ہمارے قول کے موافق ہے، اس میں نہ نص کے طور پر اور نہ دلیل کے طور پر یہ نہیں ہے کہ انجیل میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس میں محض ان نصاریٰ کو جو اپنے کو اہل انجیل بتاتے ہیں۔ یہ لازم کیا گیا ہے کہ وہ اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے حالانکہ وہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔

تورات وانجیل قائم نہ رہنے دی:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ”**و لو انهم اقاموا التوراۃ و الا نجیل و ما انزل الیهم من ربهم لا کلو امن فو قهم و من تحت ار جلهم** “ (اور اگر یہ لوگ توریت وانجیل کو اور اس کو جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کی جانب نازل کیا گیا ہے قائم کرتے تو بلاشک اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے نیچے سے بھی) تو یہ بھی حق ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور انہیں اس توریت وانجیل کے قائم کرنے کی جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھی ان کی تبدیلی کے بعد کوئی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں تو اس وقت یہ ان کے اندر نازل کیے ہوئے احکام کے ایمان اور جو ان میں نازل نہیں ہوا ہے اس کے انکار کی وجہ سے توریت وانجیل کے حقیقی قائم کرنے والے ہوں گے۔

تصدیق کی صورت:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ”**یا ایها الذین او توا الکتاب آمنو ا بما نزلنا مصدقالما معکم** “ (اے اہل کتاب اس پر ایمان لاؤ کہ ہم نے نازل کیا ہے‘ وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے)۔ تو ہاں یہ بھی حق ہے یہ عام ہے مگر اس پر دلیل قائم ہے کہ یہ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کی مراد ”**مصدق قالما معکم**“ سے محض حق ہے کہ اس کے سوا ناممکن ہے اس لیے کہ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ حق بھی ہے اور باطل بھی۔ اور باطل کی تصدیق قطعاً جائز نہیں لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے جو اس حق کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے ساتھ ہے (نہ کہ باطل کی جو ان کے ساتھ ہے)۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توریت وانجیل میں حق کو باقی رکھا ہے تا کہ وہ ان کے مقابلے میں حجت ہو اور ان کی رسوائی میں اضافہ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ لہٰذا جو ہم نے بیان کیا اس سے ان کا ہر قسم کا اعتراض باطل ہو گیا **والحمد للہ رب العالمین**۔

من از بیگانگاں دیگر چہ نالم:

ہمیں مسلمانوں کی ایک جماعت کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے جہل کی وجہ سے اس توریت وانجیل کے محرف ومبدل ہونے کا انکار کرتے ہیں جو یہود ونصاریٰ کے ہاتھ میں ہے اور انہیں اس پر محض نصوص قرآن وحدیث میں مشغولی کی کمی نے آمادہ کیا ہے۔

کہ بامن ہرچہ کرد او آشنا کرد:

کیا تم سمجھتے ہو کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو سنا ہے کہ ”**یا اهل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون**

الحق و انتم تعلمون ''(اے اہل کتاب تم حق کو باطل میں کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو)۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو''**وان فریقا منھم لیکتمون الحق و ھم یعلمون** ''''' اور اہل کتاب کا ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں'' اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو''**وانِ منھم لفریقایلوون السنتھم بالکتاب لتحسبن من الکتاب و ما ھو من الکتاب ویقولون ھو من عند اللہ و ما ھو من عند اللہ الی اخر الآیۃ**'' (اور بیشک ان میں سے ایک وہ فریق ہے جو کتاب کے ساتھ اپنی زبانوں کو الٹتے پلٹتے ہیں تا کہ تم سمجھو کہ یہ کتاب کی بات ہے حالانکہ وہ کتاب کی نہیں ہوتی۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا) اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو''**یحرفون الکلم عن مواضعہ**'' (یہ لوگ کلمات کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں) اس قسم کی آیات قرآن میں بہت کثرت سے ہیں جو مسلمان اس کے قائل ہیں کہ اہل کتاب کی نقل وروایت نقل متواتر ہے جو علم ویقین کو واجب کرتی ہے اور اس سے حجت قائم ہو جاتی ہے۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ اس میں کوئی اختلاف نہیں کرتے کہ انہوں نے ان کتابوں کا جو حصہ موسیٰ وعیسی علیہما السلام سے نقل کیا ہے اس میں نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعاً کوئی ذکر ہے اور نہ آپ کی نبوت کی پیشنگوئی۔ لہذا اگر یہ قائلین ان اہل کتاب کی بعض نقل وروایت میں تصدیق کرتے ہیں تو انہیں واجب ہے کہ یہ ان کی بقیہ نقل میں بھی تصدیق کریں خواہ انہیں پسند ہو خواہ ناپسند۔

اگر یہ لوگ اہل کتاب کی بعض نقل کی تصدیق کریں اور بعض کی تکذیب تو انہوں نے تناقض اختیار کیا اور ان کا مکابرہ (یعنی عقل کے خلاف کرنا) ظاہر ہو گیا اور یہ باطل ہے کہ کوئی روایت ایک ہی طریقے سے آئی ہو اور اس کا کچھ حصہ حق ہو اور کچھ باطل۔ انہوں نے تناقض اختیار کیا۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی مسلمان تحریف توریت وانجیل کے انکار کو کیسے حلال سمجھ سکتا ہے۔ حالانکہ وہ کلام اللہ سنتا ہے''**محمد رسول اللہ والذین معہ اشد اء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الا نجیل کزرع اخرج شطاء ہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار**'' (محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں بہت سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں اے دیکھنے والے تو انہیں رکوع وسجدے کی حالت میں دیکھے گا۔ وہ اللہ کے فضل ورضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدے کا اثر ونور ہے۔ ان کی یہ صفات توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کی صفت یہ ہے کہ وہ مثل اس کھیتی کے ہوں گے جس نے اپنا اکھوا نکالا پھر اسے قوت پہنچائی پھر وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنوں پر قائم ہو گیا (اور درخت بن گیا) جس سے بونے والے خوش ہوتے ہیں۔ تا کہ ان لوگوں سے کفار کو رنج وحسد میں ڈالے)۔ حالانکہ ان آیات کا کوئی مضمون بھی ان کتابوں میں نہیں ہے جو یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں میں ہیں اور جنہیں وہ توریت وانجیل کہتے ہیں۔ لہذا ان جاہلوں کو بھی بغیر اپنے رب کی تصدیق کے چارہ نہیں کہ یہود ونصاریٰ نے توریت وانجیل کو بدل دیا۔ ورنہ یہ لوگ اپنی حماقت کی طرف رجوع کریں اور اپنے رب عزوجل کی تکذیب کریں اور یہود ونصاریٰ کی تصدیق کریں اور انہیں میں شامل ہو جائیں اس وقت پھر ان سب سے ان دونوں کتابوں کی تبدیلی کے متعلق ایک ہی قسم کا سوال ہو گا جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا ہے اور ان کتابوں کا کھلا ہوا اور صاف جھوٹ ہم نے بیان کر دیا ہے جو اس قسم کا ہے کہ اگر اس امر کی کوئی نص نہ بھی ہوتی کہ انہوں نے ان دونوں کتابوں کو بدل دیا ہے تب بھی ہم ان کی تبدیلی کو یقینی جانتے جیسا کہ ہم ان چیزوں کو یقینی

جانتے ہیں جن کا ہم اپنے حواس سے مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کے متعلق کوئی نص نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہاں تو مشاہدہ ونص دونوں جمع ہیں۔

نہ تصدیق نہ تکذیب:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب توریت کو عبرانی میں پڑھ کر سناتے تھے اور اہل اسلام کے لیے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو نہ تکذیب اور یہ کہو کہ ہم تو اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے۔

یہ ہمارے قول کی نص ہے **والحمد لله رب العالمين** جس چیز کی تصدیق کے متعلق قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وارد ہوئی ہم اس کی تصدیق کریں گے جس کی تکذیب کے متعلق کوئی نص اتری یا اس کا کذب ظاہر ہو گیا ہم اس کی تکذیب کریں گے جس کی تصدیق یا تکذیب کے متعلق کوئی نص نازل نہیں ہوئی اور ممکن ہے کہ وہ سچ ہو اور ممکن ہے کہ جھوٹ ہو تو ہم اس کی تصدیق کریں گے نہ تکذیب ہم وہی کہیں گے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے حکم دیا کہ ہم وہی کہیں گے جیسا کہ ہم نے ان لوگوں کی نبوت کے متعلق کہا ہے جن کے علم کی کوئی نص نہیں آئی ہے۔ **والحمد لله رب العالمين**۔

مسلمان اہل کتاب سے بے نیاز ہیں:

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا کہ تم اہل کتاب سے کیسے کوئی بات پوچھتے ہو۔ حالانکہ تمہاری وہ کتاب جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی جدید ہے جس کو تم پڑھتے ہو وہ خالص ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں۔ آنحضرت نے تم سے فرمایا ہے کہ اہل کتاب نے کتاب الہی کو بدل دیا اور اس میں تغیر کر دیا اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھی دی اور کہہ دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس سے حقیر قیمت حاصل کریں۔ ابن عباس سے جو روایات ہیں ان میں سے سب سے زیادہ صحیح سند اسی روایت کی ہے اور بعینہ یہی ہمارا قول ہے اس امر میں صحابہ میں سے بھی ابن عباس کا کوئی مخالف نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ ان کے پاس کعب احبار ایک کتاب لائے اور کہا کہ یہ توریت ہے۔ تو کیا میں اسے پڑھ سکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ بن خطاب نے انہیں جواب دیا کہ اگر تمہیں یقین ہو کہ یہ وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی تو اسے تم رات دن پڑھا کرو اور اس عمرؓ نے تو اس کی تحقیق نہیں کی ہے۔

ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان علماء یہود کے کلام کثیر کا ایک مختصر حصہ بیان کریں گے جن سے یہود نے اپنی کتاب اور اپنا دین حاصل کیا ہے۔ یہ لوگ اپنی توریت وکتب انبیاء اور اپنی تمام شرائع کی نقل میں انہیں علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہماری غرض اس سے یہ ہے کہ ہر ذی فہم ان لوگوں کے فسق وکذب کی مقدار دیکھ لے اور اسے واضح ہو جائے کہ یہ لوگ کذاب اور دین حق سے برگشتہ کرنے والے تھے۔ **وباللہ تعالی التوفیق**۔ اس کے متعلق ان لوگوں کا یہی اقرار کافی ہے کہ انہوں نے ان قربانیوں کے عوض میں جن کا اللہ نے حکم دیا تھا نمازیں (دعائیں) بنائی ہیں اور یہ کھلم کھلا دین کی تبدیلی ہے۔

خوف لعنت:

ان کے علماء نے بیان کیا ہے، اور وہ ان کی کتب میں مشہور ہے اور یہ لوگ اس کے آگے اس کا انکار بھی نہیں کرتے کہ برادران یوسفؑ

نے جب اپنے بھائی کو فروخت کیا تو ان لوگوں نے ہر اس شخص پر لعنت چڑھادی جو ان کے والد کے پاس ان کے فرزند یوسف کی زندگی کی خبر پہنچائے اور اسی لیے یہ اللہ عزوجل نے اس کے متعلق انہیں خبر دی اور نہ کسی فرشتہ نے۔

خدا ڈر گیا:

تمہیں اس امت کے جنون پر تعجب کرنا چاہیے جو اس کی معتقد ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے ڈر گیا کہ اس پر ان لوگوں کی لعنت پڑ جائے گی جنھوں نے اپنے نبی بھائی کو فروخت کر دیا اور اپنے نبی باپ کی انتہائی نافرمانی وحق تلفی کی اور انتہائی جھوٹ بولے۔ بس واللہ اگر ان کی کتابوں میں صرف یہی ایک کذب اور یہی ایک حماقت اور یہی ایک کفر ہوتا تو بھی یہ لوگ اسی ایک کی وجہ سے تمام امتوں میں سب سے زیادہ احمق اور سب سے زیادہ کافر اور سب سے زیادہ جھوٹے ہوتے۔ چہ جائیکہ ان کے تو بہت سے کفریات ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں اور انشاء اللہ اور بیان کریں گے۔

یارب ایسا نہ کرنا:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر عذاب نازل کرنا چاہا تو ہارون علیہ السلام نے عرض کیا کہ یارب ایسا نہ کرنا کیونکہ تجھ پر ہمارے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔ اس لیے کہ میں نے اور میرے بھائی نے تیرے لیے بہت بڑی سلطنت قائم کر دی ہے۔

خدا پر احسان رکھنا:

یہ ایک دوسری قیامت ہے بھلا ہارون علیہ السلام اس جنون کو کیوں کہنے لگے۔ کہاں یہ جنون وتکبر اور کہاں وہ روشن حق جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**یمنون علیک ان اسلمو اقل لا تمنو اعلی اسلامکم بل الله یمن علیکم ان هدا کم للایمان ان کنتم صادقین**" (اے نبی یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ بتا دیا۔ اگر تم سچے ہو)۔

خدا کی تصویر:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ وہ دونوں تصویریں جو موسیٰ نے اللہ کے حکم سے تابوت (صندوق) اور شامیانے کے پردے کے پیچھے بنائی تھیں ان دونوں تصویروں میں ایک اللہ کی تصویر تھی اور اس کے ساتھ ایک موسیٰ کی تصویر تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے بلند و برتر ہے۔

خدا کی آنکھ کی پتلی:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جس نے تمہیں ستایا اس نے میری آنکھ کی پتلی کو ستایا۔

بت کا زور:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ وہ سبب جس کی وجہ سے چالیس برس تک موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل تیہ میں سرگردان رہے یہاں تک کہ سب کے سب مر گئے محض یہ تھا کہ فرعون نے مصر سے شام والے راستے پر ایک بت بنایا تھا جس کا نام اس نے باعل صفون رکھا تھا اور اسے ہر اس شخص کے لیے طلسم بنا دیا تھا جو مصر سے بھاگے تاکہ یہ طلسمی بت اسے حیران کرے اور نکلنے نہ دے۔

بس تمہیں اس پر تعجب کرنا چاہیے جو اسے جائز رکھنے کہ فرعون کا طلسم اللہ پر غالب ہو سکتا ہے؟ اور موسیٰ اور ان کے ہمراہیوں کی سرگردانی کو جائز رکھے یہانتک کہ وہ مرجائیں۔ اچھا تو فرعون کی یہ قوت اس وقت کہاں تھی جب وہ دریا میں غرق کیا گیا۔

پیمبرزادی سے زنا:

ان کی بعض کتابوں میں ہے کہ جب دینہ بنت یعقوب علیہ السلام کو شکیم بن حمور نے غصب کر لیا اور اس کے ساتھ زنا کیا تو وہ حاملہ ہو گئی اور اسکے یہاں بیٹی پیدا ہوئی اور ایک چمرگدھ اس زنا کے بچے کو اچک لے گیا اور اسے مصر اٹھالے گیا تو وہ یوسف کی گود میں گر پڑی۔ پھر یوسف نے اسے اچک لیا اور اس سے شادی کر لی۔

یہ ان خرافات کے مشابہ ہے جنہیں عورتیں رات کو کہانی کہنے کے وقت بیان کرتی ہیں۔

مطلق خدا:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ یعقوبؑ نے اپنے بیٹے نفثال ہی کے متعلق اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے کہا کہ یہ ”ایل مطلق“ ہے (یعنی خدائے مطلق) اس لیے کہ اس نے دن کے ایک گھنٹے میں ابراہیم علیہ السلام کے گاؤں سے جو بیت المقدس کے قریب تھا اس پولی زمین تک قطع کیا جو مصر میں تھی اور حضرت خلیل کے گاؤں میں واپس آ گیا یہ اس کی تیز رفتاری کے سبب سے تھا نہ اس وجہ سے کہ زمین اس کے لیے لپیٹ دی گئی تھی۔ اس سفر کی مقدار انتیس دن کی مسافت ہے۔

مردہ جادو سے زندہ:

ان کی بعض کتب میں ہے جس کی صحت میں ان میں کوئی اختلاف بھی نہیں کہ ساحرین حقیقۃً مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ نام دعائیں اور کلام ہیں۔ جو انہیں جانتا ہے خواہ وہ فاسق ہو یا صالح، طبائع کو بدل سکتا ہے۔ معجزات لاسکتا ہے اور مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ ایک بوڑھی ساحرہ نے شاہ شاول یا طالوت کے کہنے سے شموائل نبی کو ان کی موت کے بعد زندہ کر دیا۔

اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ جب یہ صحیح ہے تو پھر ان لوگوں کو کیوں یقین نہیں آتا کہ موسیٰ اور جن کی نبوت کو یہ لوگ مانتے ہیں وہ ھی ایسے ہی ساحر تھے۔ اس کے متعلق فرق کرنے کی گنجائش نہیں۔

ایک انڈہ تیرہ (۱۳) شہر پر گرا:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ ان کے بعض علمای نے جو ان کے نزدیک قابل تعظیم ہیں ان سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک پرندے کو وا میں اڑتے دیکھا اس نے ایک انڈہ دیا جو تیرہ شہروں پر گرا اور اس نے ان سب کو چکنا چور کر دیا۔

نیزے پر اٹھالیا:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ وہ مدنیہ عورت جس کا ذکر توریت میں ہے جس سے زمری بن خالو نے جو خاندان شمعون سے تھا زنا کیا تو ئاس بن العزار بن ہارون نے اپنا نیزہ زمردوں کے جھونک دیا وہ نیزہ اس کے اور اس عورت کے جو اس کے نیچے تھی آر پار ہو گیا پھر اس نے ن دونوں کو اپنے نیزے میں آسمان کی طرف اٹھا لیا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو چڑیاں ہیں جو سیخ میں پروئی ہوئی ہیں اور اس نے کہا کہ جو تیری فرمانی کرے گا ہم اس کے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔

سرین کی پیمائش:

ان کے ایک بہت بڑے عالم نے جوان کے نزدیک قابل تعظیم ہے کہا ہے کہ اس عورت کے سرین کی پیمائش بقدر دومد (یعنی تقریباً سات سیر) رائی کے تھی۔

سات سوگز کی ڈاڑھی:

ان کی بعض کتب میں ہے کہ فرعون کی ڈاڑھی کی لمبائی سات سوگز کی تھی واللہ یہ وہ مضحکہ خیز باتیں ہیں جن سے بچہ مر جانے والی کی تسلی ہو اور رنج وغم دور ہوں۔

کیا انہیں جیسوں سے دین کو نقل کرنا چاہیے اس قوم کی تباہی ہے جس نے اپنی کتابیں اور اپنا دین اس جیسے جھوٹے بے حیا سے اور اس کے مشابہ لوگوں سے حاصل کیا۔

مقدار خراج:

ان کی بعض قابل تعظیم کتب میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی خراج کی سالانہ آمدنی چھ لاکھ چھتیس ہزار قنطار سونا تھی۔ (ایک قنطار سونا تقریباً سو پونڈ وزن ہوتا ہے)۔ حالانکہ یہ لوگ مانتے ہیں کہ وہ صرف فلسطین واردن وغور کے بادشاہ تھے۔ رفح۔ غزہ۔ عسقلان۔ صور۔ صیدا۔ دمشق، عمان۔ بلقاء۔ مواب اور جبال الشراۃ کے کبھی بادشاہ نہیں ہوئے۔ یہ وہ آمدنی ہے کہ اگر وہ تمام سونا جمع کر لیا جائے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس مقدار کو نہیں پہنچے گا تو کہاں سے ادا کیا گیا ہوگا؟ ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ علماء جنہوں نے ان لوگوں کے لیے یہ خرافات تیار کی ہیں وہ حساب میں بالکل کند ذہن تھے اور ان میں حیاء بھی بہت ہی کم تھی۔

دستر خوان کی وسعت:

یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے دستر خوان کے لیے سالانہ ساڑھے گیارہ ہزار سے زیادہ گائیں اور چھتیس ہزار بکریاں ہوتی تھیں اور اونٹ اور شکار اس کے علاوہ تھے۔

غور تو کرو کہ اتنے گوشت کے لیے جو ہم نے بیان کیا کتنی روٹی درکار ہوتی ہوگی؟ ان لوگوں نے از روئے عدد اس کی مقدار صرف ان کے دستر خوان کے لیے سالانہ چھ ہزار مد بیان کی ہے (ایک مد تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) تمہیں جاننا چاہیے کہ بنی اسرائیل کی بستیاں ان نفقیات واخراجات سے تنگ تھیں۔ اس کے ساتھ ان لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ سلیمان علیہ السلام اس تعداد سے دو ثلث (تہائی) گیہوں سالانہ اور اتنا ہی تیل بادشاہ صور کو ہدیۃ دیتے تھے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ یہ چیزیں کاہے کو اسے دیتے تھے۔ کیا یہ محض اس وجہ سے تھا کہ وہ بھی سلطنت میں ان کا ہمسر تھا؟ یہ کلمات جھوٹے اور شیخی ہیں وہ جن میں کوئی خفا نہیں۔ یہ ایسی خبریں ہیں جو باہم متناقض ومخالف ہیں۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں روزانہ سو دستر خوان سونے کے بچھائے جاتے تھے کہ ہر دستر خوان پر سو پیالے سونے کے ہوتے تھے۔ تین سو طباق سونے کے ہوتے تھے کہ ہر طباق میں تین سو پیالیاں سونے کی ہوتی تھیں ذرا ان بیہودہ جھوٹوں پر تعجب تو کرو۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ جس نے یہ توریت بنائی ہے وہ حساب میں بہت کند ذہن تھا علم مساحت (پیمائش۔ اقلیدس) میں بھی کوتاہ تھا۔

اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ پیالے کا دائرے کا قطر ایک بالشت سے کم ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو پھر وہ صحیفہ (چھوٹی پیالی) ہوگا نہ کہ بادشاہ کے کھانے کا صحفہ (یعنی بڑا پیالہ)۔

بدیہی طور پر واجب ہے کہ ان دسترخوان کی پیمائش دس بالشت سے دس بالشت ہو (۱۰×۱۰) نہ کہ اس سے کم اور یہ بھی اس کے حاشیہ اور کنارے کے علاوہ ہونا چاہیے۔ سونے کا ایسا دسترخوان جس کی یہ حالت ہوا سے سوائے ہاتھی کے اور کوئی ہلا بھی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ تمام اجسام میں سونا سب سے زیادہ وزنی اور سب سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ یہ بھی قطعاً ناممکن ہے کہ ان دسترخوانوں میں سے ہر دسترخوان میں تین ہزار رطل (پونڈ) سے کم سونا ہو۔ تو پھر وہ کون ہوگا جو اس کو اٹھاتا ہوگا کون ہوگا جو اس کو بچھاتا ہوگا کون ہوگا جو اس کو دھوتا ہوگا، کون ہوگا جو اس کو پونچھتا ہوگا، اور کون ہوگا جو اس کو پھراتا ہوگا۔ پھر یہ سونا اور یہ طباق کہاں سے آئے ہوں گے؟۔

ملک سلیمانؑ:

اگر کہا جائے کہ تم لوگ بھی تو اس کی تصدیق کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی سلطنت دی تھی جو ان کے بعد کسی کے لیے مناسب نہ تھی اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جن اور پرندوں کو ان کا مطیع بنا دیا تھا، انہیں چڑیوں اور چیونٹیوں کی بولی سکھائی تھی ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی جن ان کے لیے محرابیں اور مورتیں اور پیالے اور ہانڈیاں بنایا کرتے تھے۔ ہم کہیں گے ہاں۔ ہم تو اسے کافر سمجھتے ہیں جو اس پر ایمان نہ لائے۔ مگر ان دونوں باتوں میں کھلا ہوا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا جس کی ہم بھی تصدیق کرتے ہیں وہ ان معجزات میں سے ہے، جن کے مثل انبیاء علیہم السلام لایا ہی کرتے ہیں۔ جو سب کا سب بنیاد عالم ہی سے ممکن کے تحت میں داخل ہے اور جس کو ان لوگوں نے بیان کیا ہے وہ اس باب سے خارج ہے اور بنیاد عالم ہی سے حد کذب ومحال میں داخل ہے۔

فرضی تعداد:

ان کی بعض قابل تعظیم کتب میں ہے کہ ذارح بادشاہ سوڈان نے دس لاکھ سپاہیوں کے ہمراہ بیت المقدس پر چڑھائی کی۔ بادشاہ اسا بن ابنا تین لاکھ بنی یہوذا اور پچاس ہزار بنی بنیامین کے سپاہیوں کے ہمراہ اس کے مقابلے کو آیا اور بادشاہ سوڈان کو شکست دی۔

یہ کذب فاحش اور ممتنع ہے اس لیے کہ سوڈان کے قریب تر مقام سے جو نوبہ ہے دریائے نیل کے سمندر میں گرنے کے مقام تک تقریباً تیس دن کی مسافت ہے اور سے دریائے نیل کے گرنے کے مقام سے بیت المقدس تک تقریباً دس دن کی مسافت ہے اور جنگل و بیابان ہی بیابان ہیں دس لاکھ سپاہیوں کو بڑے بڑے آباد شہر ہی برداشت کر سکتے ہیں۔ خشک بیابان تو برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر مصر میں بھی خود مصر کے تمام علاقے ہیں۔ پھر کیسے کوئی اس میں سے بیت المقدس تک جا سکتا ہے۔ یہ لشکروں کی ترتیب اور ممالک کے حالات کے اعتبار سے ناممکن ہے۔

بہت ہی بعید ہے کہ بادشاہ سوڈان کے یہاں جہاں ان لوگوں کے بڑے بڑے شہر میں اور ان لوگوں کی کثیر تعداد ہے بیت المقدس کا نام بھی آیا ہو چہ جائیکہ وہ اس پر چڑھائی کرنے کا تکلف کرتا۔ اس لیے کہ یہ شہر نوبہ سے دور ہیں۔ شہر نوبہ وحبشہ وبجاۃ کا رقبہ تو بہت چھوٹا اور آبادی قلیل ہے اور یہ سب جھوٹی اور بے ہودہ خرافات باتیں ہیں۔

خدا کی ناک کی پیمائش:

ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ''شعر توما'' ہے جو تلمود کی لکھی ہوئی ہے اور ''تلمود'' وہ ہے جو ان لوگوں کی فقہ واحکام دین وشریعت

میں مستند و معتمد ہے اور وہ ان میں بغیر کسی کے اختلاف کے ان کے روسائے علماء و احبار میں مانا جاتا ہے کتاب مذکور میں ہے کہ ان کے خالق کی پیشانی کی پیائش اوپر سے ناک تک پانچ ہزار گز ہے۔ اللہ تعالیٰ حدود پیائش و جہات و صور سے بری ہے۔

خدا کا تاج اور انگوٹھی:

اسی تلموذ کی ایک دوسری کتاب میں ہے جس کا نام ’’سادر ناشیم‘‘ اور اس کے معنی ’’تفسیر احکام حیض‘‘ ہیں کہ ان کے خالق کے سر پر ایک تاج ہے جس میں ایک ہزار قنطار سونا ہے (قنطار کا وزن تقریباً سو پونڈ ہوتا ہے) اور اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی ہے جس سے سورج اور ستارے روشن ہیں اور جو فرشتہ اس تاج کا خادم ہے اس کا نام صندلفون ہے اللہ تعالیٰ ان خرافات سے بری ہے۔

ان کے تمام علماء کا (اللہ ان پر لعنت کرے) اتفاق ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور انبیاء کو گالی دے گا تو اسے سزا دی جائے گی اور جو علماء کو گالی دے گا تو وہ مر جائے گا یعنی اسے قتل کیا جائے گا۔ لہذا اس سے تمہیں تعجب کرنا چاہیے اور جاننا چاہیے کہ یہ وہ ملحدین ہیں جن کا کوئی دین نہیں ہے کہ اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام اور اللہ عزوجل پر فضیلت دیتے ہیں۔

علمائے یہود سے (کیونکہ جو ان کے نیچے درجے والوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں) اور جیسا کہ ہم نے ان کے دوسرے علماء کو بیان کرتے سنا کہ معنیٰ جس کو یہ لوگ برا بھی نہیں سمجھتے کہ ان کے ان علماء نے کہ جن سے ان لوگوں نے اپنا دین توریت اور کتب انبیا علیہم السلام حاصل کیں اتفاق کر کے بولس البنیامینی لعنہ اللہ کو رشوت دی اسے دین عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہر کرنے کا اور ان کے پیرووں کے گمراہ کرنے کا انہیں الوہیت مسیح کے عقیدے کی طرف لے جانے کا حکم دیا اور اس سے کہا کہ ہم سب مل کر اس معاملے میں تمہارے گناہ کو برداشت کر لیں گے اس نے یہی کیا اور اس طریقے سے یہ گمراہی جہاں تک پہنچ گئی ظاہر ہے۔

یقیناً یہ وہ عمل ہے جسے کوئی صاحب دین قطعاً سہل نہیں سمجھ سکتا اور اس سے خالی نہیں کہ ان احبار (علمائے یہود) لعنہم اللہ کے نزدیک مسیح علیہ السلام کے پیرو یا تو حق پر ہیں یا باطل پر۔ دو میں سے ایک بات ضروری ہے۔

اگر ان کے نزدیک یہ لوگ حق پر ہیں تو پھر انہوں نے ایک اہل حق کی گمراہی کو ان کے ہدایت و دین سے نکال کے کھلی ہوئی گمراہی میں داخل کرنے کو کیسے حلال سمجھ لیا۔ یہ وہ امر ہے کہ جسے واللہ کوئی اللہ پر ایمان لانے والا ہرگز نہیں کر سکتا۔

اگر وہ لوگ ان کے نزدیک گمراہی و کفر پر ہیں تو پھر انہیں ان کے لیے اسی کو کافی سمجھنا چاہئے تھا۔ مومن تو صرف یہی کوشش کرتا ہے کہ کافر یا گمراہ ہدایت پائے۔ یا یہ کوشش کرتا ہے کہ کفر میں اس کی رائے اور مضبوط ہو اور اس کے لیے کفر کے ایسے دروازے کھولتا ہے جو اس سے بھی شدید و فحش ہوتے ہیں جس پر وہ پہلے تھا یہ بھی وہ امر ہے جسے کوئی مومن تو قطعاً نہیں کر سکتا اس کو سوائے اس ملحد کے کوئی نہیں کر سکتا جو یہ چاہتا ہے کہ جو لوگ اس کے علاوہ ہیں یہ ان سے تمسخر کرے۔ ایسوں سے ان لوگوں نے اپنا دین اور کتب انبیاء حاصل کی ہیں جیسا کہ خود انہیں اقرار ہے۔ لہذا اس سے بھی تمہیں تعجب کرنا چاہیے۔

ابن سبا کی تحریک:

یہ وہ امر ہے جسے ہم ان لوگوں سے بعید نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے یہی طریقہ ہمارے اندر اور ہمارے دین کے اندر اختیار کیا ہے۔ مگر اس میں ان کامیابی بہت دور ہے اور یہ عبداللہ بن سبا یہودی کے اسلام سے ہوا ہے اس کا عرف ابن السوء الیہودی الحمیری ہے (اس پر خدا کی لعنت ہو) یہ اس لیے اسلام لایا تاکہ یہ جن مسلمانوں پر قابو پائے انہیں گمراہ کرے۔ اس نے اس کمینہ گروہ کے لیے ایک

طریقہ پیدا کر دیا جو علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں ہلاک ہونے والے تھے کہ وہ الوہیت علی کا عقیدہ اختیار کریں جیسا کہ پولس نے مسیح کے پیروں کے لیے طریقہ نکالا کہ وہ الہیت مسیح کا عقیدہ اختیار کریں۔ یہ (شیعہ) لوگ باطنیہ و غالیہ ہیں جو اب تک موجود ہیں۔ ان میں سب سے خفیف کفر والے شیعہ امامیہ ہیں ان سب فرقوں پر اللہ کی بیشمار لعنتیں ہوں اور ہمیشہ رہیں۔

خدا کی قدر:

ان سب میں بدتر وہ شخص ہے کہ جس کو بغیر آپس کے اختلاف کے انہوں نے اپنے ان کثیر علمائے متقدمین سے نقل کیا ہے جن سے انہوں نے اپنا دین حاصل کیا ہے اور اپنی توریت و کتب انبیاء نقل کی ہیں کہ جس کا نام اسماعیل تھا جو بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہوا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو کبوتری کی طرح کراہتے اور روتے ہوئے سنا اور وہ کہہ رہا تھا کہ خرابی ہے اس کی جس نے اس (اللہ) کے گھر کو اجاڑ دیا اور اس کی دیوار کو بنیاد تک منہدم کر دیا اور اس کے قصر کو گرا دیا اور اس کے مقام سکینہ کو منہدم کر دیا میری تباہی ہے کہ میں نے اپنا گھر اجاڑ دیا۔ میری تباہی ہے کہ میں نے اپنے بیٹوں بیٹیوں کو جدا کر دیا۔ میری کمر ٹیڑھی رہے گی تاوقتیکہ میں اپنا گھر نہ بناؤں اور اپنے بیٹوں بیٹیوں کو اس میں واپس نہ لاؤں (اس کے بعد) یہی کمینہ، گندہ کمینوں کا لڑکا اسماعیل کہتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے میری چادر پکڑ کے مجھ سے کہا کہ اے میرے فرزند اسماعیل کیا تو نے میری بات سنی؟ میں نے کہا کہ یارب نہیں۔ پھر مجھ سے کہا کہ اے میرے فرزند اسماعیل مجھے دعا دے۔ یہ سڑا ہوا مردار کتا کہتا ہے کہ پھر میں نے اسے دعا دی اور میں چلا گیا۔

لقد ذل من بالت عليه الثعالب :

''وہ ذلیل ہے جس پر لومڑیاں موتتی ہوں'' واللہ موجودات میں اس سے زیادہ رذیل اور اس سے زیادہ سڑیل کون ہوگا جو اس ناپاک کتے (اسماعیل) کی دعا کا محتاج ہو؟ لہذا تمہیں ان عظیم الشان و بدترین وجوہ کفر پر تعجب کرنا چاہیے جو اس قصے میں پروئے ہوئے ہیں۔ منجملہ ان کے اس کا اللہ کی طرف سے یہ خبر دینا ہے کہ وہ بار بار اپنے لئے خرابی و تباہی کی بددعا کر رہا تھا۔ حالانکہ درحقیقت تباہی و بربادی اس کی ہے جو اس قصے کی تصدیق کرے اور اس ملعون کی ہے جس نے یہ قصہ بنایا ہے۔

خدا کی پشیمانی:

ازاں جملہ اللہ تعالیٰ کو اس سے موصوف کرنا ہے کہ وہ اپنے کیے پر نادم ہوا۔ وہ کیا چیز تھی جس نے اسے ندامت کی دعوت دی؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ عاجز تھا۔ یہ ایک دوسرا تعجب خیز امر ہے جب وہ اس پر نادم ہوا تو پھر اس نے ان کی جدائی اور ان پر نجاست ڈالنے کو باقی کیوں رکھا کہ یہ ان کے پاخانے کے مقامات میں خارش پیدا کرنے کی حد تک پہنچ جائے؟ عالم میں اس سے زیادہ احمق صفت کسی کی نہ ہوگی کہ جو اسی فعل کو باقی رکھے جس پر اسے اس قدر ندامت ہو۔

منجملہ ان کے اس کا اللہ کو گریہ وزاری کا موصوف بنانا ہے اور منجملہ ان کے اس کا اپنے پروردگار کو اس امر کا موصوف بنانا ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ آیا اس (اسماعیل) نے اس کی بات سنی یا نہیں یہاں تک کہ اس کے متعلق اسے اس سے دریافت کرنا پڑا سب سے بڑھ کر ظرافت خود اس کا اپنے متعلق یہ خبر دینا ہے کہ اس نے جھوٹ جواب دیا (یعنی باوجود سننے کے یہ کہہ دیا کہ یارب میں نے نہیں سنا) اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ پر قناعت کی اور اس کے نزدیک جائز ہو گیا۔ اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ جھوٹا ہے۔

منجملہ ان کے اس کا ان مقامات میں رہنا ہے جو انسانوں میں مجنونوں کا اور حیوانوں میں رذیل جانوروں کا ٹھکانہ ہوتا ہے مثلا

لومڑیاں اور جنگلی بلیاں وغیرہ۔

منجملہ ان کے اس کا اللہ تعالیٰ کو کمر کے ٹیڑھے ہونے سے موصوف کرنا ہے۔

منجملہ ان کے اس کا اس گندے اور گندے کے بیٹے سے دعا کا طلب کرنا ہے قسم ہے اس اللہ کی کہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ کبھی کوئی ملحد اور دین سے برگشتہ کرنے والا اس حد تک نہ پہنچا ہوگا جن حدود تک یہ ملعون اور اس کے تعظیم کرنے والے پہنچ گئے۔ ہمارا تو اللہ ہی مددگار ہے اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے کفر اور ان کے ان اقوال کو بیان نہ کیا ہوتا کہ ''**يد الله مغلولة**'' (اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے) ''**والله فقير و نحن اغنياء**'' (اللہ محتاج ہے اور ہم لوگ بے نیاز ہیں)۔ تو ہماری زبان ان مضامین پر نہ چلتی ہو جو ہم نے بیان کیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ہم سے ان کے کفر کی حکایت بیان کی ہے اس سے ہمیں بھی یہ سہل ہو گیا۔ اس کتے کی خدا اس پر لعنت کرے تمام خبروں میں اس خبر سے زیادہ عجیب کوئی خبر نہیں جو اس نے اپنے دل سے بیان کی ہیں وہ خبر حسب ذیل ہے۔

خدا ماتم کرتا ہے:

تمام یہود یعنی ان میں سے جو ربانیین ہیں وہ سب اللہ عزوجل پر غضب ہونے پر اور اس کے عیب بیان کرنے پر اور اس کے حکم کے ذلیل کرنے پر متفق ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ''عید الکبوذ'' کی شب کو جو یہ تشرین اول یعنی اکتوبر کی دسویں تاریخ کی ہوتی ہے المیططر ون کھڑا ہوتا ہے۔ ان کے یہاں اس لفظ کے معنی ''رب صغیر'' کے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے بلند و برتر ہے) اور کہتا ہے اور وہ کھڑے کھڑے اپنے بال اکھیڑتا رہتا ہے اور تھوڑا تھوڑا روتا جاتا ہے کہ میری تباہی ہے کیونکہ میں نے اپنا گھر ویران کر دیا اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو یتیم کر دیا۔ میرا قد جھک گیا میں اسے نہ اٹھاؤں گا تاوقتیکہ میں اپنا گھر نہ بنا لوں اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس میں واپس نہ لے آؤں۔ وہ (رات بھر) اسی کلام کو دوہراتا رہتا ہے۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ ان لوگوں نے شروع اکتوبر کے دس روز الگ کر لیے ہیں جس میں اللہ عزوجل کے علاوہ یہ کسی دوسرے رب کی پرستش کرتے ہیں۔ انہوں نے شرک خالص حاصل کر لیا ہے وہ ''رب صغیر'' جس کے لیے انہوں نے مذکورہ بالا دس دن الگ کر لیے ہیں جن میں اللہ عزوجل کے علاوہ یہ لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صندلفون فرشتہ ہے جو اس تاج کا خادم ہے جو ان کے معبود کے سر پر ہے۔ یہ نصاریٰ کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے۔

میں نے بعض یہود سے اس کو بتایا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میطرون بھی ایک فرشتہ ہے۔ میں نے کہا کہ یہ فرشتہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میری تباہی ہو کہ میں نے اپنا گھر اجاڑ دیا اور میں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو جدا کر دیا اور یہ سوائے اللہ عزوجل کے کسی نے نہیں کیا۔ اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس فعل کا انتظام اس فرشتے نے کیا تو ہم کہیں گے کہ یہ محال و ناممکن ہے کہ فرشتہ اس فعل پر نادم ہو جو اس نے اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ یہ تو فرشتے کا کفر ہوگا، اگر وہ ایسا کرے گا چہ جائیکہ اس فرشتے کی اس فعل پر تعریف کی جائے؟ یہ سب محض ان کی حیلہ سازی ہے جو اس وقت کرتے ہیں جب کہ ان خرافات کو ان کے منہ پر مارا جاتا ہے ورنہ اس امر میں خود ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو یہ کہتے ہیں کہ وہ (یعنی جس نے بیت المقدس کو ویران کیا) خود اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ اس کی توہین و تحقیر کرتے ہیں اور اس کے عیوب بیان کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہتے ہیں کہ وہ دوسرا رب ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ یہود اپنے کنائس یعنی عبادت خانوں میں

ماہ ایلول وتشرین اول کی پے در پے چالیس راتوں میں قیام کرتے ہیں۔ یہ دونوں مہینے ستمز (ستمبر) واکتوبر ہیں۔ شور کرتے ہیں اور اپنے مصائب پر بددعا کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ”اے اللہ اس حالت میں تو ہمیں کیوں سلامت رکھتا ہے۔ حالانکہ دین صحیح اور سب سے پہلا نشان ہمارا ہی ہے۔ اے اللہ تو کس لیے ہم سے بہرہ بنتا ہے حالانکہ تو سنتا ہے اور کس لیے تو اندھا بنتا ہے حالانکہ تو دیکھتا ہے یہی بدلہ ہے اس کا جو تیری بندگی کی طرف بڑھے اور تیرے اقرار کی طرف سبقت کرے۔ اے اللہ تو کفران نعمت کرنے والے کو سزا کیوں نہیں دیتا اور احسان کی جزا کیوں نہیں دیتا۔ پھر تو ہمارا حق کم کرتا ہے اور ہمیں ہر ظالم کے لیے سلامت رکھتا ہے حالانکہ تو کہتا ہے کہ تیرے احکام عادلانہ ہیں“۔

تم ان بدمعاشوں کی حماقت پر اور ان کمینوں کی رذالت پر تعجب کرو جو اپنے پروردگار عزوجل پر احسان جتاتے ہیں۔ اس کے اور اس کے ملائکہ ومرسلین کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ واللہ ان کے رب نے ان کے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور ان کا حق سوائے دنیا میں رسوائی کے اور آخرت میں دائمی عذاب کے ہے ہی کیا اور اللہ تعالیٰ بغیر کسی کمی کے ان کو ان کا پورا پورا حق دے گا۔ تم اللہ کی حمد کرو کہ اس نے اسلام سے ہم پر احسان عظیم کیا جو ایسا روشن دین ہے جس کی تصدیق عقول کرتی ہیں۔ جس نے ہم پر اس کتاب سے احسان عظیم کیا جو اس نے اپنے پاس سے نو رمبین اور حقائق واضحہ کے ساتھ اتاری۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے اس احسان پر جو اس نے اپنے کرم سے کیا ہے اس وقت تک ثابت قدم رکھے جب تک ہم اس سے ملیں اور نہ ہم پر اس کا غضب ہو اور نہ ہم گمراہ ہوں۔ ہم نے توریت یہود اور ان کی کتب سے جو ظاہر کذب اور روشن اختلافات نکالے ہیں وہ یہاں پر ختم ہو گئے جس کے ساتھ اس امر میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ سب بدلی ہوئی، بنائی ہوئی اور جھوٹی کتابیں ہیں، ان کے بڑوں کی بنائی اور گڑھی ہوئی شریعت ہے، اس کے بعد ان لوگوں کے ہاتھوں میں کچھ بھی نہ رہا۔ نہ ان کے دین کے فساد میں کسی قسم کا کوئی شبہ رہا **والحمد لله رب العالمين**۔

دیکھو خبردار کسی ایسے شخص کا فریب تم پر نہ چلنے پائے جو خرافات اور جھوٹی باتوں سے تمہارا مقابلہ کرے۔ کیونکہ ہم لوگ اپنے دین میں کسی چیز کی ہرگز تصدیق نہیں کرتے سوائے اس کے جو قرآن میں آیا ہو یا جو ثقات کی اسناد سے اس طرح ثابت ہوا ہو کہ وہ ثقہ بہ ثقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے جو اس کے علاوہ ہو تو ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ باطل ہیں۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ ہم نے ان کی رسوائیوں میں سے کثیر میں سے صرف قلیل ہی لکھا ہے۔ لیکن جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ان لوگوں کے تمام امور کے کہ جن پر یہ لوگ قائم ہیں فساد کے بیان میں قطعاً کافی ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزو ثانی

انجیل کی دروغ بیانی:

انجیل وکتب نصاریٰ کا ہم انشا اللہ وہ کذب بیان کریں گے جو خود ان کی اناجیل میں منصوص ہے اور وہ تناقض واختلاف بیان کریں گے جس میں ایسا امر ہوگا کہ جو اسے دیکھے گا کہ اسے میں اس میں کوئی شک نہ ہوگا کہ ان (نصاریٰ) لوگوں کو عقل نہیں ہے اور یہ سب کے سب اللہ کی نصرت ومدد سے دور ہیں۔

ان کے دین کے فساد میں تو اس شخص کے نزدیک ذرا بھی مشکل نہیں جسے کچھ بھی عقل ہے اور ہمیں اس امر میں کسی برہان کی حاجت نہیں کہ اناجیل وبقیہ کتب نصاریٰ نہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہیں اور نہ مسیح علیہ السلام کی جانب سے جیسا کہ ہمیں توریت اور ان کتب میں حاجت تھی جو انبیا علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں اور یہود کے ہاتھوں میں ہیں۔

تمام یہود اس کے مدعی ہیں کہ وہ توریت جو ان کے پاس ہے وہ اللہ عزوجل کے پاس سے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی ہے۔ ہمیں اس کے متعلق ان کے دعوے کے بطلان پر برہان قائم کرنے کی حاجت تھی۔

خود عیسائیوں کا بیان کہ انجیل منزل من اللہ نہیں:

نصاریٰ نے ہمیں اس تمام مشقت سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ اناجیل اللہ کے پاس سے مسیح پر نازل کی گئی ہیں اور نہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان اناجیل کو مسیح ان کے پاس لائے ہیں۔ بلکہ یہ سب لوگ شروع سے آخر تک اریوسی وملکی ونسطوری ویعقوبی ومارونی وبولقانی سب کے سب اس امر میں اختلاف نہیں کرتے کہ یہ چار کتب تواریخ ہیں جن کو چار شخصوں نے تالیف کیا ہے اور وہ مختلف زمانوں میں مشہور ہیں۔

انجیل متی:

ان میں سب سے پہلی تاریخ وہ ہے جسے متی اللاوانی شاگرد مسیح نے مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے نو سال بعد تالیف کیا ہے۔ اسے بزبان عبرانی ملک شام کے شہر یہوذ میں لکھا ہے جو خط متوسط میں تقریباً اٹھائیس ورق کی ہوگی۔

انجیل مرقس:

دوسری وہ تاریخ ہے جو مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے بارہ سال بعد مارقس الہارونی نے تالیف کی جو شمعون الصفا بن توما کا شاگرد تھا، شمعون کا نام باطرہ تھا۔ مارقس نے اسے ملک روم کے شہر انطاکیہ میں بزبان یونانی لکھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شمعون مذکور ہی نے تالیف کی تھی۔ مگر اس کے شروع سے اپنا نام مٹا کے اسے اپنے شاگرد مارقس کی طرف منسوب کر دیا۔ شمعون مذکور مسیح کا شاگرد ہے۔ یہ انجیل بخط متوسط چوبیس ورق کی ہوگی۔

انجیل لوقا:

تیسری وہ انجیل ہے جو لوقا طبیب انطا کی شاگرد شمعون باطرہ نے تالیف کی ہے۔ اس نے اسے مارقس مذکور کی تالیف کے بعد شہر آقایہ میں بزبان یونانی لکھا ہے یہ بقدر انجیل متی کے ہوگی۔

انجیل یوحنا:

چوتھی وہ تاریخ ہے جسے یوحنا بن سیذای شاگرد مسیح نے مسیح کے اٹھنے کے انہتر برس بعد تالیف کیا ہے۔ اس نے اسے شہر اثینیہ (اتھنس میں بزبان یونانی لکھا یہ بھی بخط متوسط چوبلیس ورق کی ہوگی۔ خود اسی یوحنا نے اپنے ساتھ متی کی انجیل کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا۔

ان چاروں انجیلوں کے بعد سوائے الافرکسیس کے نصاریٰ کی کوئی ایسی قدیم کتاب نہیں ہے جس کی وہ تعظیم کرتے ہوں۔ یہ وہ کتاب ہے جو لوقا طبیب مذکور نے واقعات حوارین اور اپنے ساتھی بولس البنیامینی کے تذکرے اور ان لوگوں کے حالات و واقعات قتل میں تالیف کی ہے جو مختلف خطوط میں پچاس ورق کی ہوگی۔

کتاب الوحی والا علان یوحنا بن سیذای مذکور نے تالیف کی ہے یہ وہ کتاب ہے جو انتہائی حماقت و بیہودگی میں ہے۔ اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا اور شب میں اسے بحالت خواب جہاں لے گئے وہ سب اس نے اس میں بیان کیا ہے، اسی قسم کے اور بھی بیہودہ خرافات ہیں۔

سات رسائل قالونیہ بھی ہیں جن میں سے تین رسائل یوحنا بن سیذائی مذکور کے ہیں دو رسالے باطرہ شمعون مذکور کے ہیں ایک رسالہ یعقوب بن یوسف النجار کا ہے اور دوسرا اس کے بھائی یہوذا ابن یوسف کا ہے۔ ہر رسالہ ایک ورق سے دو ورق تک کا ہے اور نہایت ردی و احمقانہ ہیں۔

بولس شاگرد شمعون باطرہ کے پندرہ رسالے ہیں جو سب کے سب چالیس ورق کے ہوں گے جو حماقت شیخی اور کفر سے بھرے ہوئے ہیں۔

ان کی کسی کتاب کے متعلق ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ ان کے متاخرین میں سے مذہبی پیشواؤں کی تالیفات ہیں۔ مثلاً چھ عدد **مجامع البطارقه والا سا قفة الكبار** اور ان کی بقیہ **مجامع الصنعار**، ان لوگوں کی فقہ جو ان کے احکام میں ہیں اور جسے رکدید بادشاہ نے تیار کیا ہے اور اسی پر اندلس کے نصاریٰ عمل کرتے ہیں۔

پھر بقیہ نصاریٰ کے احکام بھی ہیں جنہیں ان کے لیے ہر ایسے اسقف نے تیار کیا جس سے اللہ نے تیار کرا دیا اس میں جیسا کہ ہم نے کہا ہے ان لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

پھران کے شہداء کی خبریں ہیں۔ فقط

نصاریٰ کی تمام نقل اس کے اول سے آخر تک یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہو صرف تین شخصوں کی طرف راجع ہے جن کا ہم نے نام بتایا اور وہ بولس اور مارقش اور لوقا ہیں۔ یہی تین آدمی صرف پانچ آدمی سے نقل کرتے ہیں اور وہ (۱) باطرہ (شمعون) اور (۲) متی اور (۳) یوحنا اور (۴) یعقوب اور (۵) یہوذا ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں یہ سب کے سب مخلوقات میں سب سے جھوٹے اور سب سے زیادہ خبیث تھے جیسا کہ اس کے بعد ہم انشاءاللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

بولس نے الافرکسیس اور اپنے گیارہ رسائل میں بیان کیا ہے کہ وہ باطرہ کے ساتھ سات پندرہ روز سے زائد نہیں رہا۔ پھر وہ دوبارہ اس سے ملا تب بھی اسکے ساتھ بہت کم رہا اور پھر تیسری مرتبہ اس سے ملا تو دونوں گرفتار کر لیے گئے اور دونوں کو مصلوب کر کے اللہ کی لعنت کی طرف بھیج دیا گیا۔

اناجیل اربعہ اور وہ کتب جن کے متعلق ہم نے بیان کیا کہ ان پر ان لوگوں کا اعتماد ہے وہ مشرق سے مغرب تک ایک ہی نسخے پر اور ایک ہی حالت پر نصاریٰ کے تمام فرقوں کے پاس ہیں جن میں کسی کو بھی ایک کلمہ گھٹانا یا بڑھانا غیر ممکن ہے سوائے اس کے کہ ایسا کرے تو تمام نصاریٰ میں اس کی رسوائی ہو۔ وہ مارقش ولوقا و یوحنا تک اسی طرح پہنچی تھیں جس طرح تھیں۔ اس لیے کہ یوحنا ہی وہ شخص ہے جس نے انجیل متی کو متی سے نقل کیا ہے رسائل بولس بھی اسی طرح بولس تک پہنچے تھے۔

جاننا چاہیے کہ نصاریٰ کی حالت یہود کی حالت سے بیحد کمزور تھی۔ اس لیے کہ یہود کی تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اور ان کے بعد بھی سلطنت اور بہت بڑی جماعت تھی۔ ان میں بہت سے انبیاء تھے جو ظاہر تھے صاحب حکومت تھے اور ان کی فرمانبرداری کی جاتی تھی۔ مثلاً موسیٰ و یوشع وشموال وداود وسلیمان علیہم السلام۔

توریت میں جو کچھ کمی بیشی ہوئی وہ صرف سلیمان علیہ السلام کے بعد ہوئی۔ جب کہ ان لوگوں میں کفر و بت پرستی کا ظہور ہوا انبیاء قتل کیے جانے لگے، توریت جلادی گئی اور بیت المقدس کو بار بار لوٹا گیا۔ ان سب کا کفر برابر جاری رہا یہانتک کہ اسی حالت پر ان کی سلطنت تلف ہوگئی ہے۔ نصاریٰ تو نہ خود ان میں سے کسی اس میں اختلاف ہے اور نہ کسی غیر کو مسیح پر ان کی زندگی میں صرف ایک سو بیس مرد ایمان لائے، اسی طرح الافرکسیس میں ہے، چند عورتیں ایمان لائیں جن میں وکیل ہردوس کی عورت وغیرہا تھیں۔ یہی عورتیں مسیح پر اپنا مال خرچ کرتی تھیں اور اسی طرح ان کی انجیل میں تصریح ہے۔

جو شخص بھی مسیح پر ایمان لاتا تھا خواہ ان کی زندگی میں خواہ ان کے بعد وہ سب لوگ پوشیدہ اور خوف کی حالت میں رہتے تھے۔ دین مسیح کی خفیہ طور پر دعوت دیتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنا چہرہ ملت مسیح کی دعوت دینے کے لیے کھول نہ سکتا تھا اور نہ ان کے دین کو ظاہر کرتا تھا۔

ان میں سے جس کسی پر قابو پاتے اسے قتل کردیتے،

یا سنگسار کرڈالتے، جیسا کہ یعقوب بن یوسف النجار کو اور اس اشطبین کو جس کو یہ لوگ سب سے پہلا شہید کہتے ہیں اور دوسروں کو قتل کیا گیا،

یا صلیب پر چڑھاتے جیسا کہ باطرہ اور اندریاس اور اس کے بھائی اور شمعون برار یوسف النجار اور فلیش اور بولس وغیرہم کو مصلوب

کیا گیا۔

یا تلوار سے قتل کرتے جیسا کہ یعقوب برادر یوحنا اور طوما اور برتلوما اور یہوذا ابن یوسف النجار اور متی کو قتل کیا گیا۔

یا زہر دے کے مار ڈالتے جیسا کہ یوحنا بن سیذائی کو قتل کیا گیا۔

مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے بعد تین سو برس تک تمام عیسائی اسی حالت پر رہے کہ نہ تو کبھی ظاہر ہوتے تھے اور نہ ان کا کوئی ایسا ٹھکانا تھا جس میں امن سے رہتے۔

اسی درمیان وہ انجیل جاتی رہی جو اللہ عزوجل کی جانب سے اتاری گئی تھی سوائے اس کی چند فصلوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر حجت قائم کرنے کو اور ان کے رسوا کرنے کو باقی رہنے دیا۔ بادشاہ قسطنطین کے نصرانی ہونے تک یہ لوگ اسی حالت پر رہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ قسطنطین کے عیسائی ہونے کے بعد سے نصاریٰ ظاہر ہوئے اپنے دین کو آشکارا کیا، اکھٹے ہوئے اور امن سے رہنے لگے۔

بادشاہ قسطنطین کے نصرانی ہونے کا سبب یہ ہوا کہ اس کی ماں ہلانی (ہیلن) ایک نصرانی کی لڑکی تھی۔ اس پر اس بادشاہ کا باپ عاشق ہو گیا اور اس سے شادی کر لی۔ جس سے قسطنطین پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے خفیہ طور پر اسے نصرانیت کی تربیت کی۔ جب اس کا باپ مر گیا اور وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی سلطنت کے سالہا سال کے بعد نصرانیت ظاہر کی۔ اس کے باوجود وہ اس کے اظہار پر قادر نہ ہوا تاوقتیکہ وہ رومیہ سے ایک ماہ کی مسافت پر قسطنطنیہ منتقل نہ ہو گیا اور قسطنطنیہ کو بنا نہ لیا۔

بااین ہمہ اریوسیا خود اور ان کے بعد ان کا بیٹا اسی کے قائل تھے کہ مسیح خدا کے بندے اور پیدا کیے ہوئے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔

جس دین کی یہ حالت ہو تو محال ہے کہ اس میں نقل متصل ثابت ہو۔ اس لیے کہ جو چیز خفیہ طور پر محض تلوار کے نیچے حاصل کی جاتی ہے اس میں بکثرت غلط باتیں داخل ہو جاتی ہیں۔ اس کے ماننے والے اس کی حمایت پر قادر نہیں ہوتے اور نہ اس کے بدلنے کو روک سکتے ہیں۔

جب قسطنطین کے نصرانی بننے سے ان لوگوں کا دین ظاہر ہو گیا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ تو اچانک ان میں گروہ مانیہ (یعنی ایرانی فیلسوف ''مانی'' کا فرقہ) کا داخل ہونا پھیل گیا۔ ان میں جو غیر مانیہ تھے وہ دھوکا دیتے تھے اور ان لوگوں سے چھپاتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں موقعہ مل گیا کہ ان لوگوں میں جو گمراہی چاہیں داخل کر دیں۔ ان لوگوں کو قطعاً اس کی قدرت نہ ہوئی کہ شمعون باطرہ سے یا یوحنا سے یا متی سے مارقش سے یا لوقا سے یا بولس سے کوئی کھلی ہوئی علامت یا واضح معجزہ نقل کرتے۔ اس لیے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ خفیہ و پوشیدہ رہتے تھے اور زندگی بھر دین یہود کی سبت وغیرہ کی پابندی سے ظاہر کرتے رہتے۔ یہانتک کہ ان پر بھی قابو پا لیا گیا اور یہ سب قتل کر دیے گئے۔

وہ تمام معجزات جو نصاریٰ ان لوگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ سب جھوٹی اور گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔ کہ اس قسم کی باتوں کا دعوی کرنے سے کوئی بھی عاجز نہیں۔ یہ انہیں معجزات کی طرح ہیں جو یہود اپنے احبار و صاحب قوت لوگوں کے متعلق دعوی کرتے ہیں اور انہیں کے مثل ہیں جیسا کہ مانیہ مانی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بالکل برابر سرابر اور جیسا کہ روافض اپنے بزرگوں کے لیے دعوی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بعض گروہ صالحین کی ایک جماعت کے لیے دعوی کرتے ہیں۔ مثلاً ابراہیم بن ادہم ابومسلم الخولانی وشیبان الراعی وغیرہم کے لیے حالانکہ یہ سب جھوٹ اور تہمت اور پیدا کی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لیے کہ ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ان کی نقل ایسے شخص کی طرف رجوع کرتی ہے جس کو کوئی نہیں جانتا اور نہ اس کے کلام سے حجت قائم ہوتی ہے اور نہ کوئی ایسی دلیل عقلی یا سماعی ثابت ہوئی جو اس کی تصدیق کرتے

اور یہی حالت اصحاب مانی کی مانی کے ساتھ تھی۔ سوائے اسکے کہ وہ تین مہینے تک ظاہر رہا کیونکہ اس کے ساتھ بہرام بن بہرام بادشاہ نے مکر کیا اور اسے اس وہم میں ڈالا کہ یہ بھی اس پر ایمان لے آیا ہے۔ یہانتک کہ وہ اس کے تمام اصحاب پر قابو پا گیا۔ پھر مانی کو اور اس کے تمام اصحاب کو مصلوب کر کے اللہ کی لعنت کی طرف بھیج دیا گیا۔

ہر وہ معجزہ جو ایک گروہ سے دوسرا گروہ اس طور پر نقل نہ کرے جو علم ضروری ویقینی کا موجب ہو یہانتک کہ وہ (سلسلہ روایت ونقل کسی ایک گروہ کے) مشاہدے تک پہنچ جائے تو اس سے کسی پر بھی حجت قائم نہیں ہوتی اور نہ اس کے بنانے سے کوئی ایسا شخص عاجز ہے جس کے لیے حجت قائم نہ ہو۔

تثلیث کی بنیاد:

نصاریٰ کے قول تثلیث کا اور اس کا کہ مسیح بھی خدا اور خدا کے بیٹے ہیں اور لاہوت کے ناسوت کے ساتھ متحد ہونے کا اور لاہوت کے ناسوت میں شامل ہو جانے کا کل دارومدار ومعتمد صرف ان کی اناجیل پر اور ان الفاظ پر ہے جو کتب یہود میں ہیں جن سے ان کا تعلق ہے مثلاً زبور وکتاب اشعیا وکتاب ارمیا اور توریت کے چند کلمات اور کتاب سلیمان وکتاب زکریا۔ مگر ان کے معانی وتاویل میں یہود ان سے سخت اختلاف کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دعوے کے مقابلے میں دوسرا دعویٰ ہے اور جو اس طرح ہو وہ باطل ہے۔

نصاریٰ نے یہ فریب کاری ہے کہ توریت وکتب انبیاء جو ان کے اور یہود کے ہاتھوں میں ہیں وہ برابر ہیں ان میں ان لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہود کی ان تمام کتابوں کی نقل کو صحیح ثابت کر دیں، ان الفاظ کو جو ان کتابوں میں ہیں اپنے دعوے وتاویل میں انہیں حجت بنائیں کہ اس کے سوا ان لوگوں کے ہاتھوں میں قطعاً کوئی حجت نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی جملہ۔ حالانکہ ہم اللہ کی مدد وقوت سے بعینہ انہیں کتابوں کا فساد واضح کر چکے ہیں اور یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ ان میں جھوٹ کی کثرت کی وجہ سے یہ سب بنائی اور بدلی ہوئی ہیں۔ نیز ان کتابوں کی نقل کا فساد اور ان لوگوں تک ان کا سند کا منقطع ہونا کہ جن کی طرف یہ منسوب کی گئی ہیں ایسے طور پر واضح کر چکے ہیں کہ کسی کو کسی طرح بھی اس کا جواب دینا ممکن نہیں:

نصاریٰ کی تمام نقل کا فساد اور ان کا یہ اقرار کہ ان کی اناجیل اللہ کی نازل کی ہوئی نہیں ہیں، اللہ کی مدد وقوت سے ابھی بیان کر چکے ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں چند مولفین نے تالیف کیا ہے لہذا ان کا یہ تعلق اور سہارا بھی باطل ہو گیا۔ **والحمد لله رب العالمين۔**

انشاء اللہ ہم ان کے اس دعوے کی تکذیب بیان کریں گے کہ جو توریت یہود کے پاس ہے اور ان کے پاس ہے وہ برابر ہے اور وہ بھی بیان کریں گے جس میں یہ اس توریت کی نص کے مخالف ہیں جو یہود کے پاس ہے کہ ان کے ہر شخص کے نزدیک ان کے کھلے ہوئے جھوٹے دعوے کا کذب ظاہر ہو جائے جو انہوں نے اس توریت کی نصوص کی تصدیق میں کیا ہے جو یہود کے پاس ہے اور ان کی نصوص توریت کی تکذیب کو بھی دیکھ لے۔ کہ اس سے ان کا وہ استدلال باطل ہو جائے جو نقل یہود توریت سے ہے کیونکہ اپنی جھٹلائی ہوئی چیز کو صحیح بتا کر اس سے استدلال کرنا کسی کے لیے بھی صحیح نہیں۔

اللہ عزوجل کی مدد سے ہم اناجیل کے مناقضات واختلافات اور کھلا ہوا رسوا کن جھوٹ جو ان تمام میں موجود ہے بیان کریں گے **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اس طرح بالکل اشکال رفع ہو جائیں گے اور ہر شخص خواہ وہ ہم میں کا ہو یا ان میں کا یا کسی اور مذہب کا خواص کا یا عوام کا یکساں

طور پر وہ بھی ان دونوں گروہوں کے ہاتھوں میں جو کتابیں ہیں ان کے بطلان کو جان جائے گا جس کو یہ ایسی باتیں چھپا کر دھوکا دیتے ہیں جن سے ہم انہیں رسوا کرتے ہیں۔

ہر اس شخص کے نزدیک جو ہمارے اس کلام کا مطالعہ کرے گا یہ ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے اناجیل لکھیں اور انہیں تالیف کیا وہ لوگ بڑے جھوٹے تھے، علانیہ جھوٹ بولتے تھے۔ اس لیے کہ ان کتابوں میں جو واقعات ان لوگوں نے بیان کیے ہیں ان میں باہم یہی لوگ ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں، نیز یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ یہ لوگ دین سے برگشتہ کرنے والے اور ان کے فریب میں آ جانے والوں کے ہلاک کرنے والے تھے اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے کہ اس لئے ہمیں وہ دین اسلام دیا ہے جو ہر کھوٹ سے محفوظ اور ہر ایجاد و ساخت سے بری ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے نہ اس کے سوا کسی اور کی طرف سے۔

☆☆

مضامین جو توریت کے خلاف نصاریٰ ثابت کرتے ہیں

نصوص توریت کی تکذیب جو یہود کے پاس ہے

ادعائے نصاریٰ کہ وہی توراۃ معتمد علیہ ہے جو ستر مشائخ نے بطلیموس کے لیے عزرا کی کتابوں سے ترجمہ کی ہے

یہود و نصاریٰ میں اختلافات:

اس توریت یہود میں ہے جس میں یہود کے ربانیہ اور عانانیہ اور عیسویہ فرقوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب آدم نے زندگی کے ایک سوتیں برس گزار دیے تو ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جو انہیں کا سا تھا اور اسی قسم کا تھا، اس کا نام انہوں نے شیثؑ رکھا۔ نصاریٰ کے نزدیک بغیر ان میں کسی کے اختلاف کے اور بغیر ان کے تمام فرقوں کے اختلاف کے یہ ہے کہ جب آدم دو سوتیں برس کے ہو گئے تب ان کے یہاں شیث پیدا ہوئے جو توریت یہود کے پاس ہے اس میں ویسا ہی ہے جیسا ہم نے بیان کیا۔

جب شیثؑ ایک سو پانچ برس کے ہو گئے تو اینوش پیدا ہوئے اور تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ جب شیثؑ دو سو پانچ برس کے ہو گئے تو انیوش پیدا ہوئے۔ جو توریت یہود کے پاس ہے اس میں اس طرح ہے جو ہم نے بیان کیا۔

اینوش جب نوے برس کے ہو گئے تو قینان پیدا ہوئے اور تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ اینوش جب ایک سو نوے (۱۹۰) برس کے ہو گئے تو قینان پیدا ہوئے۔ جو توریت یہود کے پاس ہے اس میں اسی طرح ہے جو ہم نے بیان کیا۔

جب قینان ستر برس کے ہو گئے تو مہلال پیدا ہوئے تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ جب قینان ایک سو ستر برس کے ہو گئے تو مہلال پیدا ہوئے جو توریت یہود کے پاس ہے اس میں ایسا ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

مہلال جب پینسٹھ برس کے ہو گئے تو یارد پیدا ہوئے۔ تمام نصاریٰ کے نزدیک مہلال جب ایک سو پینسٹھ برس کے ہو گئے تو یارد پیدا ہوئے۔

یارد کی عمر میں جب ان کے یہاں خنوخ پیدا ہوئے دونوں گروہ متفق ہیں اور توریت یہود میں اسی طرح ہے جو ہم نے بیان کیا۔

خنوخ جب پینسٹھ برس کے ہو گئے تو ان کے یہاں متوشالخ پیدا ہوئے خنوخ کی پوری عمر تین سو پینسٹھ برس کی تھی۔ تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ جب خنوخ ایک سو پینسٹھ برس کے ہو گئے تو ان کے یہاں متوشالخ پیدا ہوئے اور خنوخ کی تمام عمر پانچ سو پینسٹھ برس تھی۔

اس فصل میں دونوں فرقوں کے درمیان میں دو مقام پر ایک کی طرف سے دوسرے کی تکذیب ہے پہلے تو خنوخ کی عمر میں کہ جب ان کے یہاں متوشالخ پیدا ہوئے اور دوسرے عمر خنوخ کی مقدار میں دونوں گروہ متوشالخ کی عمر پر متفق ہیں جب ان کے یہاں لامخ پیدا

ہوئے اور لامخ کی عمر پر جب ان کے یہاں نوح پیدا ہوئے اور نوح کی عمر پر جب ان کے یہاں سام و حام و یافث پیدا ہوئے اور سام کی عمر پر جب ان کے یہاں ارفخشاذ پیدا ہوئے۔

توریت یہود میں ایسا ہی ہے جیسا ہم نے بیان کیا کہ ارفخشاذ جب پینتیس برس کے ہوئے تو ان کے یہاں شالخ پیدا ہوئے اور ارفخشاذ کی عمر چار سو پینتیس برس تھی تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ ارفخشاذ جب ایک سو پینتیس برس کے ہو گئے تب ان کے یہاں قینان پیدا ہوئے ارفخشاذ کی عمر چار سو پینسٹھ برس تھی اور قینان جب ایک سو تیس برس کے ہو گئے تو ان کے یہاں شالخ پیدا ہوئے۔

ان دونوں گروہوں میں صرف اسی ایک فصل میں تین مقام پر اختلاف ہے۔ ایک تو ارفخشاذ کی پوری عمر میں دوسرے ارفخشاذ کی اس عمر میں جب ان کے یہاں ان کا بیٹا پیدا ہوا۔ تیسرے ارفخشاذ و شالخ کے درمیان نصاریٰ کا قینان کا اضافہ اور یہود کا قینان کو نکال ڈالنا۔

یہود کی توریت میں ایسا ہی ہے جیسا ہم نے بیان کیا کہ شالخ جب تیس برس کے ہو گئے تو ان کے یہاں عابر پیدا ہوئے اور شالخ کی عمر چار سو تیس برس تھی اور تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ شالخ کی عمر جب ایک سو تیس برس کی ہو گئی تو ان کے یہاں عابر پیدا ہوئے۔ شالخ کی پوری عمر چار سو ساٹھ برس تھی۔

اس فصل میں دونوں فریق کی باہمی تکذیب دو مقام پر ہے، ایک تو اس سن شالخ میں جب ان کے یہاں عابر پیدا ہوئے۔ دوسرے عمر شالخ کی مقدار میں۔

یہود کے نزدیک جیسا ہم نے بیان کیا توریت میں ہے کہ فالغ جب تیس برس کے ہوئے تو ان کے یہاں راغو پیدا ہوئے اور تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ فالغ جب ایک سو تیس برس کے ہوئے ان کے یہاں راغو پیدا ہوئے۔

توریت یہود میں جیسا کہ ہم نے بیان کہ راغو جب بتیس برس کے ہوئے تو ان کے یہاں شاروع پیدا ہوئے اور تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ راغو جب ایک سو بتیس برس کے ہوئے تو ان کے یہاں شاروع پیدا ہوئے۔

توریت یہود میں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ شاروع جب تیس برس کے ہوئے تو ان کے یہاں ناحور پیدا ہوئے شاروع کی تمام عمر دو سو تیس برس تھی اور تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ شاروع جب ایک سو تیس برس کے ہوئے تو ان کے یہاں ناحور پیدا ہوئے اور شاروع کی تمام عمر تین سو تیس برس تھی۔

اس فصل میں بھی دونوں فرقوں میں دو مقام پر باہمی تکذیب ہے ایک تو پوری عمر شاروع میں اور دوسرے اس سن شاروع میں جب ان کے یہاں ناحور پیدا ہوئے۔

توریت یہود میں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ناحور جب انتیس برس کے ہوئے تو ان کے یہاں تارخ پیدا ہوئے اور ناحور کی پوری عمر ایک سو اڑتالیس برس تھی اور تمام نصاریٰ کے نزدیک یہ ہے کہ ناحور کی عمر جب اناسی برس کی ہوئی تب ان کے یہاں تارخ پیدا ہوئے اور ناحور کی تمام عمر دو سو آٹھ برس تھی۔

اس فصل میں بھی دونوں فرقوں میں دو مقام پر باہمی تکذیب ہے ایک تو ناحور کی پوری عمر میں۔ دوسرے اس عمر ناحور میں جب ان کے یہاں تارخ پیدا ہوئے۔

توریت یہود میں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ تارخ کی پوری عمر دو پانچ برس تھی اور تمام نصاریٰ کے نزدیک تارخ کی پوری عمر دو

سو آٹھ برس تھی۔ چنانچہ ان دونوں گروہوں کے درمیانی اختلاف مذکور سے اس حساب سے جو یہود کے نزدیک دنیا کی تاریخ میں ہے نصاریٰ کے نزدیک تاریخ دنیا میں ساڑھے تیرہ سو برس کا اضافہ ہو گیا اور یہ انیس مقام ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ان کے نزدیک بھی توریت کا اختلاف واضح ہو گیا اس قسم کی باہمی تکذیب کا اللہ عزوجل کی جانب سے ہونا قطعاً ناممکن ہے نہ یہ قطعاً کسی نبی کا کلام ہو سکتا ہے اور نہ عامۃ الناس میں سے کسی عالم صادق کا لہذا اس سے بلاشک توریت کا اور ان کتب کا اس طور پر منقول ہونا باطل ہو گیا جو علم صحیح کا موجب ہو۔ یہ نقل فاسد ہے جس میں آمیز ہے اور اختلاف ہے اور لامحالہ نصاریٰ کو ان پانچ میں سے کوئی وجہ ماننا پڑے گی کہ ان میں سے سب سے نکلنے کی انہیں کوئی گنجائش نہیں۔

یا تو وہ یہود کی نقل توریت کی اور اس کی کہ وہ موسیٰ سے اور موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے اور ان کی تمام کتب کی تصدیق کریں اور حجت قائم کرنے اور مناظرہ کرنے میں ان کا یہی طریقہ ہے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہوں نے اپنے اوپر اور اپنے ان بزرگوں پر جن سے انہوں نے اپنا دین نقل کیا ہے۔ کذب کا اقرار کر لیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام اور موسیٰ علیہ السلام کے قول کی مخالفت کی۔

یا یہ موسیٰ علیہ السلام کی ان اخبار میں تکذیب کریں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں اور وہ لوگ یہ نہیں کرتے۔

یا یہ لوگ یہود کی نقل توریت کی اور ان کی کتب کی تکذیب کریں تو پھر ان کا تعلق ان اخبار سے باطل ہو جائے گا جو ان کتب میں ہیں جن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ مسیح علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی ہے کیونکہ یہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسی خبر سے احتجاج کرے جس کی نقل کو وہ صحیح نہ مانتا ہو۔

یا یہ لوگ یہ کہیں جیسا کہ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس میں انہوں نے ان ستر مشائخ کے ترجمے پر اعتماد کیا ہے جنہوں نے بطلیموس کے لیے توریت و کتب انبیا علیہم السلام کا ترجمہ کیا ہے اگر وہ یہ کہیں تو وہ مشائخ لامحالہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوں گے یا تو وہ لوگ اس (ترجمے) میں سچے ہوں گے یا اس میں جھوٹے ہوں گے اگر وہ اس میں جھوٹے ہیں تب ان کی بات خود ہی گر گئی **والحمد لله رب العالمين** کیونکہ تب تو کھلم کھلا کذب ہی کی طرف ان کا رجوع ہوا اور اگر وہ مشائخ اس (ترجمے) میں سچے تھے تو وہ تو دو توریتیں ہو گئیں جو آپس میں ایک دوسرے کی مخالف ایک دوسرے کی جھٹلانے والی اور ایک دوسرے کے معارض ہیں۔ ایک توریت ستر مشائخ کی اور ایک توریت عزرا کی اور یہ باطل و ناممکن ہے کہ یہ دونوں کی دونوں اللہ کی طرف سے ہوں اور حق ہوں۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ سب کے سب ان دونوں توریتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور دونوں پر ایمان رکھتے ہیں سوائے توریت سامریہ کے (کہ اسے عیسائی نہیں مانتے) لامحالہ ضروری ہے کہ ان دونوں میں سے ایک سچی ہو اور دوسری جھوٹی۔ بہر حال جو بھی جھوٹی ہو نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں گروہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اس امت میں کوئی خیر نہیں جو یقین باطل کے ساتھ ایمان رکھے۔

اگر ان ستر مشائخ کی توریت ہی جھوٹی ہے تو یہ مشائخ بہت برے، بڑے جھوٹے اور ملعون ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے کلام اللہ کو گڑھا اور بدلا اور جس کی صفت یہ ہو اس سے نہ دین کا حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی کسی نقل کا قبول کرنا۔

اگر عزرا ہی کی توریت ہی جھوٹی ہے تو وہ کذاب تھا کیونکہ اس نے کلام اللہ کو بدل دیا اور کذاب سے دین کی کوئی شے لینا جائز نہیں دو میں سے ایک بات ضروری ہے۔

یا یہ ہو کہ دونوں ہی توریتیں جھوٹی ہوں اور یہی وہ حق اور یقین ہے جس میں کوئی شک نہیں اس وجہ سے کہ ہم ان کا وہ کذب پہلے ہی

بیان کر چکے ہیں جو رسوا کن ہے اور اس امر کا موجب ہے کہ یہ یقین کر لیا جائے کہ یہ بدلی ہوئی ہے اور بنائی ہوئی ہے۔ **و نعوذ بالله من الخذلان**

صرف اسی فصل میں غور کرو تو اسی میں ان دونوں فرقوں کے دین کے بطلان کا یقین کرنے کے لیے کافی وجوہ ہیں۔ چہ جائیکہ وہ تمام امور جو ہم نے بیان کیے ہیں جب اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ توریت یہود و توریت نصاریٰ میں اور اختلافات بھی ہیں مگر اسی قدر کافی سمجھا گیا۔ ہم اللہ رب العالمین کا بہت شکر کرتے ہیں کہ اس نے اسلام کی نعمت سے ہم پر بڑا احسان کیا ہے جس کو بڑی بڑی جماعتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بذریعہ نقل پہنچایا ہے آپ معصوم ہیں اور ہر کذب سے اور ہر محال سے بری ہیں۔ آپ کی سچائی کی عقول شہادت دیتی ہیں۔ **والحمد لله رب العالمين۔**

اناجیل کے مناقضات اور ان میں جو کھلا ہوا جھوٹ پایا جاتا ہے

خلق کی ابتداء سے انجیل متی اللاوانی کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ تالیف و مرتبے میں سب سے پہلی ہے۔

اس کے سب سے پہلے کلمے میں ہے کہ ''یہ مصحف ہے نسبت یسوع مسیحؑ بن داؤدؑ بن ابراہیمؑ کا۔

ابراہیم کے یہاں اسحاق پیدا ہوئے اور اسحاق کے یہاں یعقوبؑ پیدا ہوئے اور یعقوبؑ کے یہاں یہوذا اور ان کے بھائی پیدا ہوئے اور یہوذا کے یہاں مسماۃ ثامار سے فارص و تارخ پیدا ہوئے۔ فارص کے یہاں حضروم پیدا ہوئے اور حضروم کے یہاں آرام پیدا ہوئے اور آرام کے یہاں عمیناذاب پیدا ہوئے عمیناذاب کے یہاں نحشون پیدا ہوئے جو مصر سے نکلنے والوں میں اور زوجہ ہارون علیہ السلام کے بھائی تھے۔ نحشون کے یہاں شلمون پیدا ہوئے اور شلمون کے یہاں مسماۃ راحاب سے بوعز پیدا ہوئے بوعز کے یہاں مسماۃ راعوث سے عوبیذ پیدا ہوئے عوبیذ کے یہاں یشائی پیدا ہوئے یشائی کے یہاں داؤدؑ بادشاہ پیدا ہوئے داؤدؑ بادشاہ کے یہاں شلمون پیدا ہوئے شلمون کے یہاں رجعام پیدا ہوئے رجعام کے یہاں ابیو پیدا ہوئے ابیو کے یہاں آشا پیدا ہوئے آشا کے یہاں یہوشافاط پیدا ہوئے یہوشافاط کے یہاں یہورام پیدا ہوئے یہورام کے یہاں احزیاہو پیدا ہوئے احزیاہو کے یہاں یوثام پیدا ہوئے، یوثام کے یہاں احاز پیدا ہوئے، احاز کے یہاں احزیا پیدا ہوئے۔ احزیا کے یہاں منشا پیدا ہوئے۔ منشا کے یہاں آمون پیدا ہوئی، آمون کے یہاں یوشیا پیدا ہوئے یوشیاہو کے یہاں بابل کی روانگی کے وقت یخنیا اور ان کے بھائی پیدا ہوئے اس کے بعد یخنیا کے یہاں صلتئیل پیدا ہوئے صلتئیل کے یہاں روبابیل پیدا ہو جائے، روبابیل یہاں ابیوذ پیدا ہوئے ابیوذ کے یہاں الیاخیم پیدا ہوئے الیاخیم کے یہاں آزور پیدا ہوئے آزور کے یہاں صادوق پیدا ہوئے صادوق کے یہاں اخیم پیدا ہوئے، اخیم کے یہاں الیوذ پیدا ہوئے، الیوذ کے یہاں الیعزار پیدا ہوئے۔ الیعزار کے یہاں متان پیدا ہوئے، متان کے یہاں یعقوبؑ پیدا ہوئے۔ یعقوبؑ کے یہاں یوسفؑ پیدا ہوئے جنہوں نے ابن مریمؑ کو پیام نکاح دیا تھا جن کے یہاں یسوع پیدا ہو ہوئے اور وہ مسیحؑ کہلاتے ہیں۔

ابراہیم سے داؤدؑ تک چودہ باپ دادا ہوئے اور داؤدؑ سے رحلت کے وقت تک چودہ باپ دادا ہوئے اور وقت رحلت سے مسیحؑ تک چودہ باپ دادا ہوئے اور ابراہیمؑ سے مسیحؑ تک بیالیس اولاد ہوئیں۔

اس فصل میں بھی توریت کی طرح نقل میں اس توریت وکتب یہود کے خلاف ہے جو یہود کے پاس ہیں اور وہ دونوں کتاب ملاخیم و کتاب براہیامیم ہیں۔ یہاں تو تارخ بن یہوذا کہا ہے اور توریت میں زارح بن یہوذا ہے یہ نام میں اختلاف ہے اور دونوں خبروں میں سے ایک جھوٹ ہے حالانکہ انبیاءؑ جھوٹ نہیں بولتے۔

یہاں کہا ہے احزیاہو بن یہورام اور کتب یہود میں احزیا بن یورام ہے یہ بھی ناموں میں اختلاف ہے حالانکہ وحی الٰہی میں اس کا بھی احتمال نہیں ہے۔ لہٰذا بلاشک دو میں سے ایک نقل کاذب ہے۔

یہاں یوثام بن احزیاہو کہا ہے اور کتب مذکورہ یہود میں یوثام بن عزیا بن امصیا بن اش بن احزیا ہے جو کتب یہود میں ہے اس کے لحاظ سے یہاں تین باپ دادا کو نکال دیا گیا اور یہ بہت بڑی بات ہے۔

اگر یہ لوگ کتب یہود کو سچا کہیں (اور وہ ان کتب کی تصدیق کرتے ہیں) تو پھر متی جھوٹا اور جاہل تھا اور اگر وہ متی کو سچا کہیں تو پھر کتب یہود جھوٹی ہیں ان میں سے ایک کا جھوٹا ہونا لازم ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک شے اور اس کی ضد کی ساتھ ہی ساتھ تصدیق کردی۔

اس جگہ کہا ہے کہ احزیاہو ابن احاز بن یوثام۔ اور کتب مذکورہ یہود میں ہے کہ حزقیا بن احاز بن یوثام۔ یہ بھی نام میں اختلاف ہے جس کا وحی میں احتمال نہیں۔ دو میں سے ایک نقل بیشک جھوٹی ہے۔

اس جگہ یخنیا بن یوشیاہو بن امون کہا ہے اور ان کتب یہود میں جن کا ہم نے ذکر کیا یخنیا بن الیاقیم بن موشیا بن اموز ہے متی نے الیاقیم کو نکال ڈالا اور یوشیا بن امون کے نام میں اختلاف کردیا۔ یہ بھی بہت بڑی بات ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ان کا جھوٹ بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ایک شے اور اس کی ضد کی ساتھ ہی ساتھ تصدیق کرتے ہیں۔

یہ لوگ اس میں اختلاف نہیں کرتے متی رسول معصوم تھا اور اللہ کے نزدیک موسیٰ اور بقیہ تمام انبیاء سے بزرگ تر تھا وہی اپنی انجیل کے سب سے پہلے کلمہ میں کہتا ہے کہ یہ مصحف ہے نسبت مسیح بن داؤد بن ابراہیم کا وہ محض یوسف النجار کا نسب لایا ہے جو ان لوگوں کے نزدیک مریم کے شوہر ہیں یہی ان کے خدا کی ماں کے شوہر اور ان کے خدا کے پرورش کرنے والے ہیں پھر وہ کیسے کہتا ہے کہ نسبت مسیح بیان کرے گا پھر نسبت یوسف النجار کو لاتا ہے۔ حالانکہ اس کے نزدیک بھی مسیح وہ قطعاً نہیں ہیں جو یوسف کا بیٹا تھا اس ناپاک نے وہ جھوٹ بولا ہے جس میں کوئی خفاء نہیں اور کسی طور پر بھی اس نسب میں مسیح کا قطعاً کوئی دخل ہی نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ انہیں یوسف النجار کا بیٹا بنائیں۔ حالانکہ نہ وہ اس کے قائل ہیں اور نہ ہم اور نہ جمہور یہود۔

وہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے تھے جو مریم سے پیدا ہوئے تھے وہ خدا تھے جو خدا اور ایک عورت کے بیٹے تھے اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔

ہم لوگ اور ہمارے ساتھ یہود کے فرقہ عیسویہ اور نصاریٰ کے اریوسیہ و بولقانیہ ومقدونیہ کہتے ہیں کہ وہ بندہ و آدمی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے شکم میں بغیر مرد کے پیدا کیا تھا اور جمہور یہود (خدا ان پر لعنت کرے) یہ کہتے ہیں کہ ان کی ولادت ناجائز طریقے سے ہوئی۔ معاذ اللہ۔ یہود کے کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ یوسف النجار کے بیٹے تھے۔

ہم تو متی کو بھی یہود ہی کے قول کا شاہد اور اسی کا ماننے والا دیکھتے ہیں ورنہ وہ کیونکر اس طرح شروع کرتا کہ ''نسب مسیح داؤد تک بیان کرے گا'' پھر صرف یوسف النجار کا نسب داؤد تک بیان کرتا ہے اگر وہ ان کی والدہ مریم کا نسب بیان کرتا تو بھی اس کے قول کے لیے ایک

ظاہری مخرج ہوتا۔ اس نے قطعاً مریم کا نسب بھی بیان نہیں کیا۔ اس کمینے کو شرم نہ آئی کہ اس نے جو چیز شروع کی تھی اس کی تحقیق کرتا۔

اس نے یوسف النجار کا نسب تمام کرنے کے بعد کہا ہے کہ رحلت سے مسیح تک چودہ باپ دادا ہوئے اور ابراہیم سے مسیح تک تمام لڑکے بیالیس ہوئے اس ملعون نے اپنے کذب کو موکد و مستحکم کر دیا اور اس کو بھی کہ مسیح یوسف کے بیٹے ہیں لامحالہ دو میں سے ایک بات ہے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا کہ رحلت سے مسیح تک چودہ باپ دادا ہوں۔ مسیح نہ تو کسی کے بیٹے ہوں نہ کسی کے باپ دادا کس طرح ابراہیم سے مسیح تک بیالیس لڑکے ہو سکتے ہیں جب کہ مسیح کو ان ولادات میں کوئی دخل نہ ہو سوائے اس قسم کے دخل کے جو انہیں اہل چین واہل ہند واہل طلحة وسقرو سقرال کی ولادت میں دخل ہے اور کوئی فرق نہیں۔ یہ زمانے بھر کی رسوائیاں ہیں جن کا وہی مرتکب ہو سکتا ہے جو تمام مخلوق میں ناپاک ترین ہو۔ **و نعوذ بالله من الخذ لان۔**

ایک دوسرا کذب اور مزید جہل بھی ہے اور وہ اس کا یہ قول کہ ابراہیم سے داؤد تک چودہ باپ دادا ہوئے۔

یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے یہ (باپ دادا) تیرہ تھے۔ (۱) ابراہیم، (۲) اسحاق، (۳) یعقوب (۴) یہوزا (۵) زارح (۶) حضروم (۷) ارام۔ (۸) عمینا ذاب۔ (۹) نحشون۔ (۱۰) شلمون۔ (۱۱) بوعز۔ (۱۲) عوبید۔ اور (۱۳) یشائی۔ یہ تیرہ باپ دادا ہوئے پھر داؤد ہوئے۔ یہ نا جائز ہے کہ خود داؤد کو اپنے باپ دادا میں شمار کیا جائے اور انہیں خود اپنا باپ بنایا جائے یہ بیان کی غلطی ہے۔

اس کے بعد کہا ہے کہ داؤد سے رحلت تک چودہ باپ دادا ہوئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ متی کی تصریح کے مطابق رحلت کرنے والے یخنیا تھے اور اسی کے قول کے مطابق صلنتیل ان کے یہاں رحلت کے بعد ہی پیدا ہوئے اور وہ (باپ دادا) یہ تھے۔ شلمون۔ رجعام۔ آشنا۔ یہوشافاط یہورام۔ احزیا ہو۔ یوثام احاز۔ احزیا ہو۔ منشا۔ آمون۔ یوشیا ہو۔ اور یخنیا داؤد پہلے شمار کیے جا چکے ہیں۔ اگر انہیں یہاں بھی شمار کریں تو یہ لوگ اس سے پہلی فصل میں کذب کو ثابت کریں گے اور اگر انہیں وہاں شمار کریں گے تو وہ اس دوسرے میں جھوٹ بولیں گے۔ یا یخنیا کو خود اپنا ہی باپ بنائیں گے اور یہ بدحواسی ہے۔

اس کے بعد کہا ہے کہ رحلت سے مسیح تک چودہ باپ دادا تھے۔ یہ وہ فصل ہے جس نے دو بڑے بڑے جھوٹ جمع کر لیے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب صلنتیل کو شمار کر لیا جائے تو پھر ان کے بعد سے یوسف النجار تک صرف بارہ ہی آدمی ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) صلنتیل، (۲) روبائیل، (۳) ابیوذ، (۴) الیاخیم، (۵) آزور، (۶) صادوق، (۷) اخیم، (۸) الیوذ، (۹) العازار، (۱۰) ماثان، (۱۱) یعقوب اور (۱۲) یوسف۔ اگر ان میں یخنیا کو بھی شمار کیا جائے تو یہ لوگ تیرہ ہوئے۔ حالانکہ وہ چودہ کہتا ہے۔ لہذا اس حماقت و گمراہی پر تعجب کرو اور اس شخص کی شیخی پر تعجب کرو جس کے نزدیک یہ جائز ہے اور وہ اسے دین سمجھتا ہے۔

اگر اس کی مراد یہ ہو کہ یہ لوگ مسیح کے باپ دادا تھے۔ تو یوسف مسیح کے والد ہوئے۔ حالانکہ ان کے نزدیک یہ کافر ہونے کے لیے کافی ہے (کہ مسیح کو بجائے ابن اللہ کے ابن یوسف کہا جائے) تو پھر متی کافر ہوا یا جھوٹا اور جاہل ہوا۔ ان میں سے ایک بات ضروری ہے۔

پھر اس کا یہ کہنا کہ ابراہیم سے مسیح تک بیالیس بچے ہوئے۔ یہ بھی کھلا ہوا جھوٹ اور شدید جہل ہے۔ اس لیے کہ جب ابراہیم کو شمار کیا جائے اور ان کے بعد سے یوسف تک اور یوسف کو بھی شمار کیا جائے تو بھی یہ لوگ صرف چالیس ہوتے ہیں۔ لہذا اس شخص سے تعجب کرو جو اس حماقت کو دین الٰہی بتائے اور اپنی سلامتی پر اللہ کی حمد کرو۔

یہ وہ رسوا کن جھوٹ ہے جو نسب داؤد علیہ السلام میں نحشون بن عمینا ذاب تک ہے اس لیے کہ ان کی توریت کی تصریح کے مطابق

نحشون ہی وہ ہیں جو مصر سے نکلے تھے اور یہی بنی یہوذا کے مقدم وپیشوا تھے۔ نص توریت کے مطابق یہ بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ مصر سے نکلنے والوں میں جو لوگ بیس سال زیادہ عمر کے تھے وہ سب کے سب وادی تیہ میں مر گئے۔

جب ولادات کو شلمون بن نحشون سے جو سرزمین بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے داؤد علیہ السلام تک شمار کیا جائے تو یہ لوگ صرف چار پائے جائیں گے اور وہ داؤد بن یشای بن عوبیذ بن بوعز بن شلمون ہیں۔ داؤد وہ ہیں جو مصر مذکور میں داخل ہوئے تھے یہود و نصاریٰ ساتھ ہی ساتھ اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ شمعون مذکور کے یوشع و بنی اسرائیل کے ہمراہ ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے داؤد علیہ السلام کی ولادت تک پانچ سو تہتر برس کا زمانہ تھا۔

اس بنا پر یہ کہنا پڑے گا کہ شمعون جب ارض مقدسہ میں داخل ہوئے ان کی عمر ایک سال سے بھی کم تھی۔

یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ان میں سے کسی کا بھی مذکورہ بالا لڑکا اس کی ایک سو پچاس برس کی عمر سے کم میں پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ ان کی کتابیں مثلاً کتاب ملاخیم وکتاب براہیامیم وغیرہ شہادت دیتی ہیں اور اس امر کا یقین دلاتی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص ایک سو تیس برس بھی زندہ نہ رہا۔ سوائے یہوراع کاہن ہارونی کے یہ کس قدر جھوٹ اور کیسی رسوائی اور کس قدر عظیم الشان بدنامی ہے۔ کہ یہ لوگ ایک جھوٹ سے فرصت نہیں پاتے کہ دوسرے میں پھنس جاتے ہیں اور ایک خرابی سے بچنے نہیں پاتے کہ دوسری خرابی میں آجاتے ہیں۔ **و نعوذ باالله من البلاء** (امتحان ومصیبت سے خدا کی پناہ) تعجب کرو کہ اس جھوٹے نے اپنی کتاب وتالیف کس غرض کے لیے شروع کی تھی اور جمع کیا کر دیا۔ یہ فصل باوجود اپنے اختصار کے اور چند سطریں ہونے کے کذب وجہل سے بھری پڑی ہے۔

احسن مافی خالد وجهه   فقس علی الغائب بالشاهد

(خالد میں جو چیز سب سے اچھی ہے وہ اس کا چہرہ ہی ہے (جو بہت ہی خراب ہے) لہٰذا حاضر سے غائب پر قیاس کر لو) (کہ جو اس کی اچھی سے اچھی چیز ہے یعنی چہرہ ہی جب وہی اچھا نہیں تو بھلا اس کے اور اعضا کیا اچھے ہوں گے اسی طرح انجیل کی جب ابتدا ہی جھوٹ سے ہوئی ہے اور وہ بھی تاریخی وبدیہی واقعات وانساب میں تو پھر عقائد واعمال مذہب کا کیا حال ہوگا)۔

لوقا طبیب نے اسی کے باب ثالث میں مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ گمان کیا جاتا تھا کہ وہ یوسف النجار کے بیٹے تھے جن (یوسف) کا نسب عالی سے تھا عالی کا ماثان سے ماثان کا لاوی ہے لاوی کا ملکی سے ملکی کا متاع سے متاع کا یوسف سے یوسف کا متاثیا سے متاثیا کا حاموص سے حاموص کا ماحوم سے ماحوم کا اشلا سے اشلا کا ابحا سے ابحا کا ماہات سے ماہات کا منیشا سے منیشا کا شمعی سے شمعی کا مصداق سے مصداق کا یہندع سے یہندع کا یوحنا سے۔ یوحنا کا ایشا سے ایشا کا ذربائیل سے ذربائیل کا صلتمئیل سے صلتمئیل کا یزی سے یزی کا ملکی سے ملکی کا اوی سے ادی کا اریع سے اریع کا قرصام سے قرصام کا المودان سے المودان کا ہار سے ہار کا یشوع سے یشوع کا یونا سے یونا کا الیاخیم سے الیاخیم کا ملکا ایاز سے ملکا ایاز کا یمتاع سے یمتاع کا متاثا سے متاثا کا ناثان سے ناثان کا نسب داؤد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ پھر لوقا نے داؤد کا نسب حرف بحرف وہی بیان کیا ہے جو متی نے بیان کیا ہے۔

ذرا اس مصیبت پر غور کرو جوان لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے کہ وہ کیسی بیہودہ کیسی وحشتناک کیسی گندی کیسی ناپاک کسی رذیل اور کیسی ذلیل ہے۔ متی کذاب مسیح کو یوسف النجار کی طرف منسوب کرتا ہے۔ پھر یوسف کو ان بادشاہوں کی طرف منسوب کرتا ہے جو سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے تھے۔ لوقا یوسف النجار کو ان باپ دادا کی طرف منسوب کرتا ہے جو متی کے بیان کے علاوہ ہیں یہاںتک کہ وہ یوسف کو

ناثان بن داؤد تک نکال لے جاتا ہے جو سلیمان بن داؤد کے بھائی تھے۔

لامحالہ یہ ضروری ہے کہ دو میں سے ایک نسب غلط ہو اور متی یا لوقا جھوٹا ہو۔

یا یہ ہے کہ دونوں نسب جھوٹے ہیں تو یہ دونوں ملعون جھوٹے ہیں۔

یہ قطعاً ناممکن ہے کہ دونوں نسب سچے ہوں۔ حالانکہ ان لوگوں کے نزدیک (اللہ ان کے چہرے درست کرے، ان کی صورتیں ٹھیک کرے، ان پر مصیبت لائے، اور ہلاکت ولعنت نازل کرے) لوقا بھی بزرگی میں تمام انبیاء سے بڑھ کر ہے۔

ان کی اناجیل کا یہ حال ہے۔ بس اے مومنین سلامت وحفاظت پر اللہ کا شکر کرو۔

ان کے گمراہ کرنے والے اکابر میں سے جو گزر چکے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں نسبوں میں سے ایک تو نسب ولادت ہے اور دوسرا نسب اس شخص کا ہے جس نے انہیں متبنی بنالیا تھا۔ جیسا کہ زمانہ قدیم میں بنی اسرائیل میں ہوا کرتا تھا کہ جو شخص لاولد مر جاتا تھا اور اس کی عورت سے کوئی دوسرا شادی کر لیتا تھا تو اس عورت کے یہاں اس زندہ شوہر سے جو اولاد ہوتی تھی وہ مردہ شوہر کی طرف منسوب ہوتی تھی۔

ان میں سے جو بھی ہمارے سامنے یہ مجنونانہ جواب پیش کرے گا ہم اس سے کہیں گے اس جواب کو کس نے تم سے کہا اور تم نے لوقا یا متی سے کے لیے اسکو کہاں پایا۔ دعوی کرنے سے تو کوئی بھی عاجز نہیں اگر دلیل سے اس کی تائید نہ ہو تو وہ باطل ہوتا ہے۔

ان دونوں نسبوں میں کونسا نسب ولادت ہے اور کونسا نسب اضافت۔ وہ جو بھی جواب دے اس پر اس کے قول کو واپس کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ دعوی بھی بلا دلیل ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ لوقا نے یہ نہیں کہا کہ فلاں کے یہاں فلاں پیدا ہوا جیسا کہ اسے متی نے کہا ہے۔ بلکہ لوقا نے کہا ہے کہ وہ ''وہ منسوب ہے عالی کی طرف'' ہم کہیں گے کہ اس نے اسی طرح عالی کی باپ دادا کے متعلق بھی کہا ہے۔ ایک باپ سے دوسرے باپ تک یہانتک کہ داؤد تک پھر ابراہیم تک پھر نوح تک پھر آدم تک۔ برابر برابر، نام بنام، ایک باپ کے بعد دوسرا باپ کوئی فرق نہیں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ داؤد کا ابراہیم سے ابراہیم کا نوح سے نوح کا آدم سے نسب بھی اضافی ہی ہے حقیقی نہیں ہے۔ جیسا کہ تم یوسف سے عالی تک کہتے ہو۔ یہ عجیب بات ہے۔

جب انہیں اس دعوے کے صحیح ثابت کرنے کی گنجائش نہیں تو یہ کذب ہے اور دو میں سے ایک نسب میں کذب کھلم کھلا واضح ہو گیا۔

والحمد لله رب العالمين۔

ایک ہی واقعے میں متی کا بیان اور ہے:

انجیل متی کے تیسرے باب میں ہے کہ پھر یسوع یعنی مسیح بیابان میں چلے گئے اور وہاں انہیں روح القدس لے گئے اور وہیں ٹھیرے رہے کہ ابلیس ان کا اپنے طور پر امتحان کرے۔ پھر جب چالیس دن رات گزر گئے تو وہ بھوکے ہوئے جس اس ان کے پاس آ کے کھڑا ہوا اور ان سے کہا کہ اگر تم اللہ کے بیٹے ہو تو ان پتھروں کو حکم دو یہ تمہارے لیے روٹی بن جائیں گے۔ یسوع نے کہا کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ انسان کی زندگی صرف روٹی ہی سے نہیں ہے۔ ہر اس کلمے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے منہ سے نکلے۔ اس کے بعد ابلیس مدنیہ مقدسہ میں آیا وہ (یسوع) اس کی عمارت کے بالائی حصے پر کھڑے ہوئے تھے، اس نے ان سے کہا کہ اگر تم اللہ کے بیٹے ہو تو تم اوپر سے گرا دیے جاؤ گے کیونکہ لکھا ہوا ہے کہ فرشتے بھیجے جائیں گے جو تم کو روک لیں گے اور تمہاری حفاظت کریں گے۔ یہانتک کہ تمہارے قدم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ یسوع نے اسے جواب دیا اور اس سے کہا کہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ کوئی شخص بندے کو اس کے خدا پر قیاس نہ کرے گا دوبارہ ابلیس ان کے پاس آیا اور وہ ایک بلند پہاڑ کے بالائی حصے پر تھے، اس نے ان کے سامنے تمام دنیا کی زینت اور اس کا شرف ظاہر کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم مجھے سجدہ کرو تو

میں تمہیں اس سب کا مالک بنادوں گا جو تم دیکھتے ہو۔ یسوع نے اسے جواب دیا کہ اے مناق الٹے قدم چلا جا۔ کیونکہ یہ لکھ دیا گیا ہے کہ کوئی شخص سوائے آقا کے جو اس کا خدا ہے کسی کی عبادت نہ کرے اور نہ اس کے سوا کسی کی خدمت کرے۔ بس اسی وقت ابلیس ان سے مایوس ہو گیا۔ ان کے پاس سے ہٹ گیا، ملائکہ آ گئے اور انہوں نے ان کی خدمت اپنے ذمے لے لی۔

لوقا کا بیان اور ہے:

انجیل لوقا کے باب چہارم میں ہے کہ یسوع اردن سے اس طرح روانہ ہوئے کہ روح القدس ان کے اندر سمایا ہوا تھا۔ روح القدس انہیں پٹ پر میدان لے گیا۔ وہ اس میں چالیس روز ٹھیرے ابلیس نے اپنے طور پر ان کا امتحان لیا' یسوع نے ان چالیس دنوں میں کچھ نہیں کھایا، جب انہوں نے اس (چلہ) کو پورا کرلیا تو انہیں بھوک لگی۔ ابلیس نے ان سے کہا کہ اگر تم اللہ کے بیٹے ہو تو اس پتھر کو حکم دو کہ روٹی بن جائے، یسوع نے اسے جواب دیا اور اس سے کہا کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ آدمی کی زندگی صرف روٹی میں نہیں ہے۔ ہر اس کلمے میں ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ ابلیس نے انہیں ایک بلند و عالی پہاڑ کا راستہ بتایا، اسی وقت ایک فرشتے نے ساری دنیا ان کے آگے پیش کی اور ان سے کہا کہ میں تمہیں اسی سلطنت کا مالک بنادوں گا اور تمہیں اس کی بزرگی دیدوں گا اس لیے کہ میں اس کا مالک ہوں اور میں اس کو دوں گا جو میری موافقت کرے۔ اگر تم مجھے سجدہ کرو تو پھر یہ سب تمہارا ہی ہوگا۔ یسوع نے اسے جواب دیا کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ تم اپنے آقا کی جو تمہارا خدا ہے عبادت کرنا اور اسی کی خدمت کرنا۔ وہ انہیں برشام لے گیا اور انہیں اس پر چڑھا دیا اور گھر کے بالائی حصے پر ایک پتھر پر انہیں کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ اگر تم اللہ کے بیٹے ہو تو یہاں سے گرو۔ اس لیے کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ تمہارے بچانے اور ہاتھوں میں اٹھانے کے لیے فرشتے بھیجے گا یہاںتک کہ تمہارے قدم میں پتھر کی چوٹ بھی نہ لگے گی اور نہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے گی یسوع نے اسے جواب دیا کہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ تم اپنے معبود آقا کا امتحان نہ لینا۔

شیطان نے خدا کے بیٹے کی رہنمائی کی:

اس فصل میں چند عجائب ہیں کہ ان سے زیادہ عبرتناک سننے میں نہیں آئے۔ سب سے پہلے ایک ایسے شخص کا جو ان لوگوں کے نزدیک سچا ہے یہ تسلیم کرنا ہے کہ ابلیس نے مسیح کی رہنمائی کی اور وہ اس کے مطیع ہو گئے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ ایک مرتبہ بلند پہاڑ کی طرف اور دوسری مرتبہ اس نے بیت المقدس کی ایک بلند چٹان کی طرف ان کی رہبری کی ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ جب ابلیس نے مسیح کی رہنمائی کی تو انہوں نے اس کی اطاعت کی۔ اس سے خالی نہیں کہ جب اس نے ان کی رہنمائی کی تو انہوں نے مطیع و سامع ہو کر اس کی رہنمائی قبول کی۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہ شیطان کے حکم کے ماتحت گھوم رہے تھے۔ واللہ یہ مرتبہ تو بڑا ہی ذلیل مرتبہ ہے۔ یا یہ ہو کہ اس نے زبردستی ان کی رہنمائی کی ہو تو یہ مرتبہ بھی ان پچھاڑے ہوئے لوگوں کا ہے جنہیں شیطان دیوانہ بنا دیتا ہے انبیاء ان دونوں حالتوں سے بری ہیں چہ جائیکہ جو ان کے دعوے کے مطابق خدا اور خدا کا بیٹا ہو۔ اس بدحواسی سے زیادہ احمقانہ بات کبھی سننے میں نہ آئی ہوگی۔ ہم اللہ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

پروردگار سے سجدے کا مطالبہ:

پھر دوسری قیامت بھی ہے۔ ان انتہائی حماقت والوں کے نزدیک ابلیس کیسے طمع کرسکتا ہے کہ اس کا خالق اسے سجدہ کرے گا، اس کا رب اس کی عبادت کرے گا اور وہ اس کے آگے جھکے گا جس میں لاہوت کی روح ہے۔ ابلیس اپنے رب اور اپنے خدا کو کیسے اس کی دعوت

دے سکتا ہے کہ وہ اس کی عبادت کرے واللہ میں تو یقین کرتا ہوں کہ ابلیس کا کفر اور اس کی حماقت کبھی اس درجے کو نہیں پہنچ سکتی۔ یہ ایک دائمی مصیبت ہے۔

پروردگار کو للچانا:

ایک اور تعجب ہے کہ ابلیس دنیا کے رب کو اس کے خالق کو اس کے اور اپنے مالک کو اس کے اور اپنے معبود کو کیسے یہ امید دلا سکتا ہے کہ وہ اسے زینت دنیا کا مالک بنا دے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا ہمارے عوام کہیں کہ اسے اپنی روٹی کا ایک ٹکڑا دیدے۔ یہ وہ وساوس ہیں کہ جس کی زبان سے جاری ہوں وہ شفاخانے (شاید پاگل خانہ مراد ہے) میں رہنے کا مستحق ہے۔ یا وہ نفس پرست کافر احمقوں کی قوم کو دین سے برگشتہ کرنے والا ہے۔ جو انہیں گراتا ہے اٹھاتا نہیں۔ جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ ابلیس نے محض ناسوت کو دعوت دی اور اس نے صرف اسی کو مراد لیا۔ تو ہم کہیں گے کہ تمہارے نزدیک لاہوت و ناسوت متحد ہیں یعنی یہ دونوں ملکر شے واحد بن گئے ہیں۔ مسیح تو تمہارے نزدیک خدائے معبود ہیں۔ یہاں تم کہتے ہو کہ ابلیس نے مسیح کی رہنمائی کی اور مسیح اس کے مطیع ہو گئے۔ ابلیس نے انہیں اپنی عبادت اور اپنے سجدے کی دعوت دی سلطنت دنیا کا شوق دلایا مسیح سے اس نے کہا اور مسیح نے اس سے کہا یا یسوع سے اس نے کہا اور یسوع نے اس سے کہا بقول تمہارے ابلیس نے محض ناسوت کو خطاب کیا، یعنی نصف، اس نے صرف نصف یسوع و نصف مسیح کو خطاب کیا اور اس نے زینت دنیا کا صرف نصف مسیح کو شوق دلایا۔ تو لوقا و متی بہر حال جھوٹے ہوئے اور اہل کذب یہی دونوں ہو گئے اور کیونکر نہ ہوں حالانکہ ان دونوں کے کلام کی تصریح نے ان کی زبانوں کو قطع کر دیا ہے کہ اس سے جہنم میں روکا جائے گا یہ لازم آتا ہے کہ ابلیس نے لاہوت ہی کو دعوت دی تھی اس لیے کہ اس نے ان سے یہ کہا تھا کہ ”اگر تم ابن اللہ ہو تو ایسا کرو“

اگر اناجیل میں صرف یہی ایک تاریک فصل ہوتی جب بھی کافی ہوتا چہ جائیکہ اس میں اس کے بہت سے نظائر ہیں اور ہم سلامت پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

صفات مشترکہ پر فخر کیسا؟

اسی فصل میں ہے جس پر ہم نے کلام کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام روح القدس سے بھر گئے اور انجیل لوقا کے شروع باب میں ہے کہ یحییٰ بن زکریا شکم مادر میں روح القدوس سے بھر گئے اور والدہ یحییٰ بھی روح القدس سے بھر گئیں۔ ہم تو مسیح کے لیے روح القدس سے کوئی خاص بات نہیں سمجھتے سوائے اس کے جو یحییٰ والدہ یحی کے لیے روح القدس سے ہے اور کوئی فرق نہیں۔ تو پھر مسیح کو ان دونوں پر کونسی فضیلت ہوئی۔

متی بخلاف مرقس:

انجیل متی کے باب ثالث میں ہے کہ جب مسیح کو یحیی بن زکریا کے قید کی خبر پہنچی تو ہو جلجال میں چلے گئے اور شہر ناصرہ کو خالی کر دیا، سمندر کے کنارے کوہ ناحوم میں زابلون ونفثالی کے ساتھ سکونت اختیار کر لی کہ اشعیا نبی کی پیشگوئی کو پورا کریں، کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ سر زمین زابلون ونفثالی اور سمندر کا وہ راستہ جو اردن کے پیچھے ہے اور جلجال الاجناس اور وہاں جو لوگ تاریکی میں ہوں گے وہ سب نور عظیم دیکھیں گے اور جو وہاں موت کی تاریکیوں میں رہتا ہو گا ان سب پر نور نمودار ہو گا۔ اسی مقام سے یسوع نے نصیحت شروع کی اور کہا کہ توبہ کرو۔ کیونکہ آسمان کی سلطنت قریب ہے۔ جس وقت وہ بحر جلجال کے کنارے جا رہے تھے کہ یکا یک انہوں نے دو بھائیوں کو دیکھا جن میں

ایک کا نام شمعون باطرہ تھا اور دوسرے کا اندریاس یہ دونوں شکاری تھے اور سمندر میں اپنے جال ڈال رہے تھے۔ یسوع نے ان دونوں سے کہا کہ تم لوگ میرے ساتھ ہو تو میں تم دونوں کو شکاری آدمی بنا دوں گا۔ ان دونوں نے اسی وقت اپنے جال چھوڑ دیے اور دونوں ان کے ساتھ ہو لیے۔ یسوع نے اس مقام سے حرکت کی انہوں نے اور دو بھائیوں کو دیکھا یہ دونوں یعقوب و یوحنا بن سیذائے تھے جو ایک کشتی میں اپنے والد کے ہمراہ تھے اور اپنے جال تیار کر رہے تھے یسوع نے ان دونوں کو بلایا، اسی وقت ان دونوں نے اپنے جال اور اپنے والد اور اپنے سامان کو چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ہو لئے یہ حرف بحرف کلام متی کی تصریح ہے جو اس کی انجیل میں ہے۔

مرقس بخلاف متی:

انجیل مارقس کے شروع باب میں ہے کہ اس نے کہا ہے کہ یحیٰی پر مصیبت آنے کے بعد یسوع اللہ کی سلطنت میں جلیجال میں آئے اور کہا کہ زمانہ پورا ہو گیا اور اللہ کی سلطنت قریب آ گئی۔ لہذا توبہ کرو اور انجیل کو قبول کرو جب وہ بحر جلیجال کے قریب سے گزرے تو انہوں نے شمعون و اندریاس کو دیکھا یہ دونوں سمندر میں اپنے جال ڈال رہے تھے اور دونوں شکاری تھے۔ ان سے یسوع نے کہا کہ میرے ساتھ ہو لو تو میں تم دونوں کو دو آدمیوں کے لیے شکاری بنا دوں گا ان دونوں نے اسی وقت جال چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ہو لیے۔ اس کے بعد یسوع کچھ ہی ٹھیرے تھے کہ انہوں نے یعقوب بن زبدی اور ان کے بھائی یوحنا کو دیکھا۔ یہ دونوں کشتی میں اپنے جال درست کر رہے تھے۔ یسوع نے ان دونوں کو بلایا تو ان دونوں نے اپنے بچوں کو دو مزدوروں کے ہمراہ اجرت پر کشتی میں چھوڑ دیا اور یسوع کے ساتھ ہو لیے۔

یہ مارقش کے کلام کی حرف بحرف تصریح ہے جو اس کی انجیل میں ہے۔

لوقا بخلاف ہر دو:

انجیل لوقا کے باب چہارم میں کہا ہے کہ اور جس وقت چند جماعتیں اکھٹی تھیں کہ ان پر کلام اللہ سننے کے شوق کا غلبہ ہوا۔ اور وہ (یسوع) اس وقت بحر بشیرات کے کنارے کھڑے ہوئے تھے کہ یکایک انہوں نے سمندر میں دو کشتیاں دیکھیں جن سے ان کے بیٹھنے والے اپنے جال دھونے کے لیے اترے۔ ان میں سے ایک کشتی میں جو شمعون کی تھی۔ یسوع داخل ہوئے انہوں نے شمعون سے خواہش کی کہ وہ انہیں ساحل سے تھوڑی دور لیجائیں۔ وہ کشتی میں بیٹھ گئے اور ان جماعتوں کو نصیحت کرنے لگے۔ جب انہوں نے نصیحت بند کر دی تو شمعون سے کہا کہ گہرائی سے ہٹ جاؤ اور تم لوگ شکار کے لیے اپنا جال ڈال دو۔ شمعون نے ان سے کہا کہ اے معلم (استاد) ہم لوگوں نے ساری رات مشقت اٹھائی اور کچھ نہ پایا، پھر بھی تمہارے حکم اور تمہارے کہنے سے جال ڈالتے ہیں۔ جب انہوں نے اسے ڈالا تو بہت سی بڑی بڑی مچھلیاں پھنس گئیں کہ قریب تھا ان کی کثرت کی وجہ سے جال پھٹ جائے ان لوگوں نے دوسری کشتی والوں سے مدد مانگی اور ان سے درخواست کی کہ اس کے نکالنے میں مدد کریں یہ سب لوگ اس پر اکھٹا ہو گئے اور ان سے دونوں کشتیاں بھر دیں یہانتک کہ قریب تھا کہ دونوں غرق ہو جائیں۔ جب شمعون باطرہ نے اسے دیکھا تو یسوع کو سجدہ کیا اور کہا کہ اے میرے آقا آپ میری طرف سے نکال دیجئے اس لیے کہ میں ایک گناہگار انسان ہوں اور یہ اور ان کے تمام ساتھی بکثرت مچھلیاں پانے کی وجہ سے حیرت میں تھے اور یعقوب و یوحنا فرزندان زبدی بھی حیران تھے۔ یسوع نے شمعون سے کہا کہ تم نہ ڈرو تم آج دو آدمیوں کا شکار کرو گے۔ یہ سب لوگ اپنی کشتی سے ساحل کے دوسرے کنارے پر نکل آئے اور ان لوگوں کا جو کچھ تھا سب چھوڑ دیا اور یسوع کے ساتھ ہو لیے۔

یہ کلام لوقا کی حرف بحرف تصریح ہے جو انجیل میں ہے۔

یوحنا سب کے خلاف:

انجیل یوحنا بن سیذای کے باب اول میں کہا ہے کہ دوسرے روز یحیی بن زکریا المعمد ان کھڑے تھے اور ان کے شاگردوں میں سے دو شاگرد بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے یسوع کو پیادہ چلتے دیکھا تو کہا کہ یہ (یعنی یسوع) اللہ کا بچہ ہے۔ ان کے اس کلام کو دونوں شاگردوں نے سنا اور وہ دونوں یسوع کے ساتھ ہو لیے۔ یسوع نے جب انہیں اپنے ساتھ آتے دیکھا تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم دونوں کیا ڈھونڈتے ہو۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ اے معلم آپ کا ٹھکانا کہاں ہے۔ یسوع نے کہا کہ آؤ اور دیکھو۔ یہ دونوں ان کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ ان دونوں نے ان کا ٹھکانہ دیکھا اور اس دن رات کو یہ دونوں انہیں کے پاس رہے اور یہ دونوں دس بجے تک رہے دونوں شاگردوں میں سے جو یسوع کے ساتھ ہو لیے تھے ایک اندریاس برادر شمعون باطرہ تھے جو بارہ میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے یحیی سے سنا تھا اور ان کے ساتھ ہو لیے تھے جبکہ انہوں نے یسوع کو دیکھا اور ان سے کہا تھا کہ ہم نے مسیح کو پالیا۔ پھر وہ انہیں اپنے پاس لے گئے۔ جب مسیح نے انہیں دیکھا تو ان سے کہا کہ تم شمعون بن یوثا ہو۔ اور تمہارا نام صفا ہے۔ اس (صفا) کا ترجمہ پتھر ہے۔

یہ حرف بحرف کلام یوحنا کی تصریح ہے جو اس کی انجیل میں ہے۔

کیا کیا حماقتیں ہیں:

ذرا ان رسوائیوں پر غور اور تعجب کرو۔ متی اور مارقس اس پر متفق ہیں کہ شمعون باطرہ اور ان کے بھائی اندریاش فرزندان یوثا کی مسیح سے سب سے پہلی ملاقات یحیی بن زکریا کے قید ہونے کے بعد ہوئی۔ جب کہ مسیح نے ان دونوں کو اس حالت میں پایا کہ یہ دونوں شکار کے لیے سمندر میں اپنے جال ڈال رہے تھے۔

لوقا کہتا ہے کہ یسوع نے سب سے پہلے ان دونوں کو اس وقت پایا جب یہ دونوں ان کے ساتھ ہوئے جس وقت مسیح نے انہیں اس طرح پایا کہ وہ دونوں کشتی سے اپنے جال دھونے کے لیے اترے تھے اور دونوں کے دونوں رات بھر کے تھکے ہوئے تھے اور انہیں کوئی شکار نہ ملا تھا۔

یوحنا کہتا ہے کہ سب سے پہلے جب یہ دونوں ان کے ساتھ ہو گئے وہ وقت تھا کہ جب اندریاش برادر شمعون باطرہ نے انہیں دیکھا تھا اور وہ (اندریاش) یحییٰ بن زکریؑا کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور وہ یحییٰ کے شاگرد تھے۔ یحییٰ اس زمانے میں لوگوں کے لیے ستون کھڑا کر رہے تھے۔ جب اندریاش نے یحییؑ کو مسیح کو دیکھنے کے وقت یہ کہتے سنا کہ یہ اللہ کا بچہ ہے تو انہوں نے یحییؑ کو چھوڑ دیا اور مسیحؑ کے ساتھ ہو لیے۔ یہ دس بجے کا وقت تھا۔ اس شب کو انہیں کے پاس رہے۔ پھر اپنے بھائی شمعون باطرہ کے پاس گئے اور انہیں خبر دی اور انہیں بھی مسیحؑ کے پاس لائے اور وہ بھی مسیح کے ساتھ رہے اور یہ ان کی مسیح کے ساتھ سب سے پہلی صحبت تھی۔

ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ باطرہ اور ان کے بھائی اندریاش کی مسیح کے ساتھ سب سے پہلی ملاقات یحییٰؑ بن زکریاؑ کے قید ہونے کے بعد ہوئی اور یہ متی و مارقس کا قول ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ شمعون باطرہ اور اندریاش کی مسیحؑ سے سب سے پہلی ملاقات یحییٰؑ کے قید ہونے سے پہلے ہوئی اور یہ یوحنا کا قول ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ باطرہ و اندریاش کی مسیحؑ سے سب سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب کہ مسیحؑ نے ان دونوں کو شکار کے لیے اپنے جال سمندر میں ڈالتے دیکھا اور ان دونوں نے جال چھوڑ دیے اور دونوں اسی وقت سے مسیحؑ کے ساتھ ہو گئے اور یہ قول متی و مارقش کا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ باطرہ واندریاش کی مسیحؑ سے سب سے پہلی ملاقات جب ہوئی کہ جب اندریاش نے انہیں دیکھا اور وہ یحییٰؑ کے ساتھ کھڑے تھے اور وہ اس زمانے میں یحییٰؑ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے مسیحؑ کو پیادہ جاتے دیکھا تو یحییٰؑ نے کہا کہ یہ اللہ کا بچہ ہے۔ اندریاش نے یحییٰؑ کو چھوڑ دیا اور اسی وقت سے مسیحؑ کے ساتھ ہو گئے۔ پھر وہ اپنے بھائی شمعون کے پاس گئے اور انہیں آگاہ کیا کہ انہوں نے مسیحؑ کو پالیا ہے اور وہ انہیں بھی مسیحؑ کے پاس لائے اور وہ بھی اسی وقت سے مسیحؑ کے ساتھ ہو گئے اور یہ قول یوحنا کا ہے۔

یہ چار جھوٹ ہیں جو ایک ہی واقعے میں ہیں۔

پہلا جھوٹ تو اس وقت کے بارے میں ہے کہ سب سے پہلے جس میں ان دونوں کی مسیحؑ سے ملاقات ہوئی۔

دوسرا جھوٹ اس مقام میں ہے جہاں سب سے پہلے ان لوگوں کو مسیحؑ سے ملاقات ہوئی ہے۔

تیسرا جھوٹ ان لوگوں کا مسیحؑ سے ملاقات کی ترتیب میں ہے کہ آیا وہ دونوں ساتھ ساتھ ملے یا پہلے ایک ملا پھر دوسرا۔

چوتھا جھوٹ اس حالت کی صفت میں ہے جس پر مسیحؑ نے ان دونوں کو سب سے پہلی ملاقات میں پایا۔

ہم یہ بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ یہ چاروں اختلافات بلاشک کذب ہیں۔ اس قسم کی بات کا اللہ عزوجل کی جانب سے ہونا یا کسی نبی کی طرف سے ہونا یا کسی مرد صادق کی طرف سے ہونا قطعاً ناممکن ہے یہ کسی کذاب ونفس پرست کی طرف سے ہے جو اس کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا کہتا ہے۔

اس میں سب سے زیادہ عجیب وغریب ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یوحنا بن سیدای نے انجیل متی کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا جب یوحنا انجیل متی میں یہ قصے اس کے خلاف دیکھے ہوں گے جو اس کے پاس تھے تو لامحالہ یہ سمجھ گیا ہوگا کہ متی کا قول جھوٹا ہے یا یہ سمجھا ہوگا کہ وہی سچ ہے۔ دو میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے۔

اگر متی کا قول جھوٹا تھا تو یوحنا نے اسے جائز سمجھا کہ وہ اپنے ایسے بزرگ ساتھی کا جو ان کے یہاں موسیٰؑ و بقیہ انبیاء (علیہم السلام) سے بھی بڑا ہے کہ کذب بیان کرے۔

اگر متی کا قول حق ہے تو یوحنا نے ان واقعات میں جن کو اس نے اپنی انجیل میں بیان کیا کذب لانے کا قصد کیا۔ ان دو میں سے ایک بات ضروری ہے اور صرف یہی ایک بات اس امر کے واقع کرنے کے لیے کافی ہے کہ کذابین وملعونین کی بنائی ہوئی یہ انجیلیں جن کے چہرے برے ہوں اور انہیں اللہ کی لعنت گھیرے رہے۔

ادعائے تکمیل تورات وصحف انبیاءؑ:

انجیل متی کے باب چہارم میں ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ میں توریت کو اور کتب انبیاء کو توڑنے کے لیے آیا ہوں میں تو ان سب کے پورا کرنے کو آیا ہو۔ کیوں کہ میں حق ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ آسمان وزمین کے فنا ہونے تک توریت کی ایک باء (ب) اور نہ کوئی اور حرف فنا ہوگا۔ یہانتک کہ سب مکمل ہو جائیگا۔ جو شخص ایک چھوٹا سا عہد بھی حلال کرے گا اور لوگوں کو اس کے حلال کرنے پر آمادہ کرے گا تو آسمانوں کی سلطنت میں اسے حقیر پکارا جائے گا جو اسے پورا کرے گا اور لوگوں کو اس کے پورا کرنے پر آمادہ کرے گا اسے آسمانوں کی سلطنت میں عظیم پکارا جائے گا۔

انجیل متی کے سولھویں باب میں ہے کہ زمین وآسمان بدل جائیں مگر میرا کلام نہیں بدلے گا۔

کیا خوب تکمیل کی:

یہ وہ نصوص ہیں جو توریت کے قیام و دوام کو چاہتی ہیں اور نسخ سے بالکل روکتی ہیں۔

نقض تورات:

فصل اول مذکور کی چند ہی سطر گزری تھیں کہ متی نے بیان کیا ہے کہ مسیح نے لوگوں سے کہا کہ یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی عورت کو طلاق دے اسے چاہیے کہ وہ طلاق نامہ لکھ دے'' اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو اپنی عورت کو طلاق دے گا وہ زنا ہی کے لیے طلاق دے گا کیونکہ اس نے اس عورت کے لیے زنا کی راہ بنا دی اور جو مطلقہ عورت سے نکاح کرے گا وہ زنا کرے گا'' حالانکہ یہ اس توریت کے حکم کا توڑنا ہے جس کے متعلق بیان کیا تھا کہ وہ اسے توڑنے نہیں آئے بلکہ اسے پورا کرنے آئے ہیں۔

پھر یہ لوگ بولس ملعون سے حکایت کرتے ہیں کہ اس نے ختنہ کرنے سے منع کیا حالانکہ وہ شرائع توریت میں سب سے زیادہ تاکیدی حکم ہے۔

شمعون باطرہ سے جس پر خدا کا غضب ہے حکایت کرتے ہیں کہ اس نے سور کو اور ہر جانور کو اور ہر کھانے کو جسے توریت نے حرام کیا تھا حلال کر دیا۔

ان لوگوں نے اول سے آخر تک توریت کے تمام شرعی احکام جو سبت اور یہود کی عیدوں اور دوسرے امور کے متعلق تھے سب توڑ ڈالے۔ حالانکہ اس عمل کے باوجود وہ لوگ اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ مسیح اور ان کے بعد ان کے تمام شاگرد سبت اور اعیاد یہود اور ان کے فصح کے مرتے دم تک پابند رہے۔

(سبت = یوم شنبہ کو کہتے ہیں۔ یہ دن یہود کے لیے ایسا ہی محترم تھا جیسے ہمارے لیے جمعہ۔ اس میں انہیں شکار و جنگ و جدل کی ممانعت تھی۔ فصح = یہود کی وہ عید ہے جس میں بنی اسرائیل کی مصر سے فرعون کے پنجہ ظلم سے رہائی کی یادگار خوشی منائی جاتی ہے۔ نیز فصح = نصاری کے یہاں اپریل کے پہلے جمعے سے دوشنبے تک کی عید ہے اس میں ان کا عقیدہ ہے کہ مسیح کو قتل کے بعد دوسری زندگی ملی ہے اہل اسلام ان کے قتل کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ وہ شرعی و تاریخی شہادت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کے گرفتار کرنے والوں کو جب ان پر قابو نہ ملا تو انہوں نے اپنے انعام کے لالچ میں جھوٹ موٹ ان کا قتل مشہور کر دیا اور مسیح کے آسمان پر اٹھ جانے سے یہود کو اس خبر کا یقین بھی آ گیا، اگر تلاش کا مطالبہ کیا ہوتا تو ان کا فریب اسی وقت کھل جاتا)۔

اسی مسیح کو شب عید فصح ہی میں گرفتار کیا گیا تھا اور وہ بھی یہود کے طریقے اور شریعت کے مطابق عید فصح منایا کرتے تھے پھر مسیح کا یہ کہنا (کہ وہ توریت توڑنے نہیں آئے) کیسے صحیح ہوگا؟

اب ان لوگوں کو مسیح کی طرف کھلم کھلا جھوٹ منسوب کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے یہ خبر دی تھی کہ وہ توریت کو توڑنے نہیں آئے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو توڑ دیا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ اسی کے لیے آئے تھے جس کے متعلق انہوں نے خبر دی تھی کہ وہ اس کے لیے نہیں آئے یعنی اس کے توڑنے کے لیے۔

یہ وہ جھوٹ ہے جس سے بچنا ممکن نہیں۔ لامحالہ انہیں یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ مسیح پر بھی خدا کا غضب ہے آسمانوں کی سلطنت میں انہیں حقیر پکارا جائے گا نہ کہ عظیم۔ اس لیے کہ خود انہیں نے یہ خبر دی ہے کہ جو شخص عہود توریت کے ایک چھوٹے سے عہد کو بھی حلال کرے گا تو

ایسا ہوگا۔ حالانکہ انہوں نے اس کے بڑے بڑے عہود کو حلال کر دیا۔

انہوں نے طلاق کو حرام کر دیا حالانکہ توریت نے اسے حلال کیا تھا۔

اس قصاص کو منع کر دیا جسے توریت لائی تھی اور کہا کہ کہا گیا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت'' اور میں کہتا ہوں کہ کسی کو بھی برائی سے بدلہ نہ دو بلکہ جو تمہارے داہنے کلے پر تھپڑ مارے تم بایاں بھی اسکے سامنے کر دو۔''

ان لوگوں کو اس کے بغیر چارہ نہیں کہ یہ لوگ اول سے آخر تک اور بڑے سے چھوٹے تک سب سے پہلے خود اپنے ہی اوپر اللہ کی اور مسیح کی نافرمانی ومخالفت کی شہادت دیں۔ یہ لوگ آسمان کی سلطنت میں حقیر پکارے جائیں گے کیونکہ ان لوگوں نے اول سے آخر تک توریت کے حکم کو توڑ دیا۔

نسخ ممکن نہیں:

یہاں ان لوگوں کو نسخ کا دعوی کرنا قطعاً ممکن نہیں۔ اس لیے کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ان لوگوں نے مسیح سے یہ حکایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ''میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ آسمان وزمین کے فنا ہونے تک توریت کی ایک با (ب) اور اس کا ایک حرف بھی فنا نہ ہوگا یہاںتک کہ پوری کی پوری تمام ومکمل ہوگی''۔ انہوں نے نسخ کو تو بالکل ہی روک دیا۔ اس میں ایک عجیب بے نظیر بات اور حماقت وگمراہی ہے، اگر ہم ان لوگوں کا مشاہدہ نہ کر چکے ہوتے تو ہم کبھی نہ مانتے کہ کسی کا یہ مذہب بھی ہے۔ خدا سے ہم سلامت کی دعا کرتے ہیں۔''

حلال وحرام میں کلام:

انجیل متی کے اٹھارھویں باب میں ہے کہ مسیح نے اپنے سب بارھواں حواریوں سے کہا، جن میں یہوذا الاسخر یوطی بھی تھا جس نے تیس درہم کی رشوت پر یہود کو مسیح کا پتا بتا دیا تھا کہ ''تم نے جن چیزوں کو زمین میں حرام کرلیا ہے یہ آسمان میں بھی حرام ہوں گی اور تم نے جن چیزوں کو زمین میں حلال کرلیا ہے یہ آسمان میں بھی حلال ہوں گی'' انجیل متی کے سولھویں باب میں ہے کہ انہوں نے یہ قول صرف باطرہ سے کہا۔

یہ حق کہاں سے ملا؟

یہ تناقض عظیم کی تصریح ہے بھلا حواریین یا باطرہ کو تحلیل وتحریم کا حق کیسے ہو سکتا ہے؟ باوجود مسیح کے اس کہنے کے کہ وہ تبدیل توریت کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ اس کے پورا کرنے کے لیے آئے ہیں اور جو اس کے عہود میں سے ایک چھوٹا سا عہد بھی توڑے گا اسے آسمانوں کی سلطنت میں حقیر پکارا جائے گا اور توریت کی ایک با (ب) یا ایک حرف فنا ہونے سے پہلے آسمان وزمین فنا ہو جائیں گے۔

نص توریت میں ہے، بشرطیکہ یہ سچ کہا گیا ہو کہ اس پر اللہ کی لعنت ہے جسے تختہ دار پر کھینچا جائے۔ حالانکہ یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح کو تختہ دار پر کھینچا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ باطرہ، شمعون، برادر یوسف اور اندریاش برادر باطرہ اور فلیش اور بولس کو تختہ دار پر کھینچا گیا۔ مسیح کے قول کی بناء پر کہ توریت فنا نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ سب کی سب پوری نہ ہو جائے یہ سب لوگ اللہ کی لعنت میں ملعون ہوئے۔ لہذا اس بدنصیب فرقے کی گمراہی پر تعجب کرو۔ کیونکہ ان رسوا کن باتوں سے زیادہ مصیبت ناک باتیں کبھی نہیں سنی گئیں۔

تکلیف مالا یطاق:

انجیل متی کے چودھویں باب میں ہے کہ مسیح نے ان لوگوں سے کہا کہ میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ جو شخص بے سبب اپنے بھائی پر

ناراض ہو تو وہ مستوجب قتل ہے۔ اگر تمہاری داہنی آنکھ تمہیں تکلیف پہنچائے تو اسے نکال ڈالو اور اپنے سے دور کر دو۔ کیونکہ تم سے اس کا چلا جانا تمہارے بدن کے دوزخ میں ڈالنے سے بہتر ہے۔ اگر تمہارا داہنا ہاتھ تمہیں تکلیف دے تو تم اس سے بھی الگ ہو جاؤ کیونکہ تم سے اس کا چلا جانا تمہارے بدن کے آگ میں ڈالنے سے بہتر ہے۔

عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت میں:

یہ وہ شرائع ہیں کہ وہ لوگ بغیر کسی باہمی اختلاف کے اس اقرار کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے ان پر عمل کرنے کا حکم دیا یہ لوگ ان پر عمل کرنے سے رکے ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی کو پورا کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے خود اپنے اقرار کے مطابق مسیحؑ کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔

ختنہ کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے حالانکہ ختنہ کرنا ان کے مسیحؑ کا مذہب ہے اور وہ خود بھی ختنہ شدہ تھے۔

مسیحؑ اور ان کے شاگرد مرتے دم تک برابر یہود کے سے روزے رکھتے تھے۔

یہود کی عید فصح مناتے تھے۔

یوم سبت کی پابندی کرتے تھے۔

نصاریٰ نے ان تمام امور کو بدل دیا اور شنبے کے بجائے یکشنبہ مقرر کر لیا۔ مسیحؑ کے اٹھنے کے سو سال سے بھی زائد بعد ایک دوسرا روزہ ایجاد کر لیا۔ لہٰذا اتنا ہی کفر و گمراہی کے لیے کافی ہے ان میں سے کسی کو بھی اس سے انکار کی مجال نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مسیحؑ ہی نے انہیں ان کے بزرگوں کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ ہم کہیں گے کہ وہ تم پر لازم نہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ آج تمہارے بطریق (مذہبی پیشوا) ان امور کے مٹانے پر اتفاق کر لیں جو تمہارے پہلے بطارقہ نے مسیحؑ کے اٹھنے کے سو برس بعد ایجاد کیے تھے اور تمہارے لیے دوسرے روزے ایجاد کیے اور شنبے کے علاوہ ایک دوسرا دن مقرر کیا اور ایک دوسری عید فصح بنائی اور تمہیں اسی تعظیم سبت (شنبہ) وصوم یہود عید فصح یہود کی طرف واپس کر دیں جس پر خود مسیحؑ تھے؟ تو کیا تم پر ان لوگوں کی پیروی لازم ہوگی؟

اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ تو ہم کہیں گے کیوں اور کونسا فرق ہے ان کی پیروی میں جنہوں نے ان امور کی مخالفت کی ہے جن کی تصریح خود مسیحؑ اور ان کے حواریین نے کی ہے اور ان کی ان امور میں پیروی کرنے میں جو انہوں نے ابھی ایجاد کیے ہیں؟

اگر وہ کہیں کہ ان لوگوں کو تو جو شریعت بتائی گئی تھی اس کے بدلنے سے ممانعت کی گئی تھی اور اس پر ان پر لعنت کی گئی تھی۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ کونسی لعنت اور کونسی ممانعت مسیحؑ کی تبدیل عہود توریت کی ممانعت سے زیادہ بڑی ہے؟ جن لوگوں کی تبدیل کو تم لوگ مانتے ہو انہوں نے اس (شریعت) کو بدل دیا ہے تو پھر مسیحؑ کے بعد والوں کا منع کرنا خود مسیحؑ کے منع کرنے سے زیادہ قوی ہو گیا۔

اگر وہ لوگ کہیں کہ ہاں ہم انہیں (بعد والوں) کی پیروی کریں گے تو انہوں نے (گویا) مان لیا کہ ان کے دین کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور وہ محض انہیں امور کا اتباع ہے جو ان کے اکابر نے اس شریعت کو بدل کر مقرر کیے ہیں جن پر وہ خود تھے۔

ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تمہارے بعض بطریق ایک شریعت ایجاد کریں اور دوسرے بطریق دوسری شریعت ایجاد کریں اور ان کے ہر گروہ پر غیر مشروع عمل کی وجہ سے ان پر لعنت کی جائے تو پھر کیا حال ہوگا؟ پھر کونسا دین زیادہ گندہ زیادہ گمراہ کن اور زیادہ فاسد اس دین سے ہوگا جس کی حالت یہ ہوگی۔ اگر انہیں ذرا سی بھی عقل ہو تو جو کچھ ہم نے اس فصل میں بیان کر دیا ہے وہ اس دین کے

بطلان کے لیے جس پر وہ ہیں کافی ہے۔ ہر وہ دین جس کا مرجع متی رذیل کی طرف اور یوحنا دھوکا دینے والے کی طرف اور مارقش مرتد کی طرف اور لوقا زندیق کی طرف اور باطرہ ملعون کی طرف اور بولس بہکانے والے کی طرف ہو کہ وہ ان لوگوں کو ان کے دین میں گمراہ کرے وہ اسی کا مستحق ہے کہ اس کی یہی صفت ہو۔ ہم اللہ کے بڑے احسان کا جو ہم پر ہے شکر کرتے ہیں۔

نسبت ابن اللہی:

انجیل متی کے پانچویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ تمہاری دعا اس طرح ہونا چاہیے جس طرح میں تم سے بیان کرتا ہوں ''اے ہمارے آسمانی باپ تیرا نام مقدس ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ تمہارا باپ جانتا ہے کہ تم لوگ ان تمام چیزوں کے محتاج ہو گے۔

آخر انجیل میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کے پاس جو میرا اور تمہارا معبود ہے جانے والا ہوں۔''

ہم تو مسیحؑ کی فرزندی الٰہی میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھتے جو اور لوگوں کے لیے نہ ہو اور کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ کہاں سے صرف مسیحؑ ہی کو اللہ کی فرزندی میں منحصر کرتے ہیں اور تمام لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ مسیحؑ کو اس قول میں جھوٹا کہیں۔

لامحالہ دو میں سے ایک بات اختیار کریں۔ (یعنی یا تو اوروں کو بھی اللہ کا بیٹا مانیں یا مسیحؑ کو جھوٹا کہیں)۔ ان لوگوں نے جو لوگ مسیحؑ کے سوا ہیں انہیں کہاں سے اس امر میں مخصوص کر دیا کہ اللہ انہیں کا خدا ہے اور یہ نہیں کہا کہ اللہ مسیحؑ کا بھی خدا ہے۔ جیسا کہ خود مسیحؑ اپنی زبان سے کہتے ہیں۔

لامحالہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ ہی مسیحؑ کا بھی خدا ہے اور بقیہ لوگ بھی اللہ کے فرزند ہیں یا یہ کہ یہ لوگ مسیحؑ کو ان کے نصف کلام میں جھوٹا کہیں۔ اور تمہیں فساد و گمراہی میں یہی کافی ہے اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ وہ کسی کا باپ ہو یا کوئی اس کا بیٹا ہو یا مسیحؑ اس کے بیٹے ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ مسیحؑ و غیر مسیحؑ سب کا یکساں طور پر معبود و خدا ہے۔

خدا اور انسان کا بیٹا!!:

یہ لوگ تمام اناجیل کے ایک سے زیادہ مقامات میں حکایت کرتے ہیں کہ جب مسیحؑ خود اپنے متعلق کوئی خبر دیتے ہیں تو وہ اپنے کو انسان کا بیٹا بتاتے ہیں اور یہ ناممکن اور حماقت ہے کہ خدا انسان کا بیٹا ہو۔ یا اکٹھا خدا اور انسان کا بیٹا ہو اور انسان کے یہاں خدا پیدا ہو۔ اس سے زیادہ کیا حماقت و کفر و محال ہوگا۔ ہم گمراہی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

کیفیت احیائے موتٰے:

انجیل متی کے نویں باب میں ہے کہ جس وقت یسوع یہ کہہ رہے تھے تو یکایک اس مقام کے شرفاء میں سے ایک شخص ان کے سامنے آیا اور ان سے کہا کہ میری بیٹی مر گئی ہے اور میں آپ سے یہ خواہش کرتا ہوں کہ آپ اس کے پاس چلیں اور اسے اپنا ہاتھ لگائیں کہ وہ زندہ ہو جائے۔ پھر بیان کیا ہے کہ جب وہ اس سردار کے مکان میں داخل ہوئے اور انہوں نے نوحہ کرنے والیوں اور رونے والیوں کو دیکھا تو ان سے کہا کہ چپ رہو۔ کیونکہ یہ لڑکی مری نہیں ہے بلکہ سو رہی ہے۔ ساری جماعت نے ان کا مضحکہ اڑایا۔ جب وہ جماعت اس لڑکی کے پاس چلی گئی تو مسیحؑ وہاں گئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے زندہ کھڑا کر دیا۔

یہی قصہ انجیل لوقا کے ساتویں باب میں مذکور ہے سوائے اس کے کہ اس نے اس قصے میں یہ کہا ہے کہ لڑکی کے باپ نے مسیحؑ سے یہ

کہا کہ وہ قریب مرگ ہے اور وہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ راستے میں اسے ایک قاصد ملا جس نے یہ خبر دی کہ لڑکی مرگئی اب مسیح کو ساتھ نہ لو۔ مسیحؑ نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ تم نہ ڈرو اور مطمئن رہو وہ زندہ ہو جائے گی۔ پھر جب یہ دونوں گھر پر پہنچے تو مسیح کے ساتھ اس گھر میں صرف باطرہ و یوحنا و یعقوبؑ لڑکی کے والد اور اندر گئے۔ وہاں ایک جماعت رو رہی تھی اور اپنا سینہ اور منہ پیٹ رہی تھی۔ مسیح نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ نہ روؤ۔ کیونکہ یہ سو رہی ہے۔ مری نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اس کی موت سے واقف ہونے کی وجہ سے مسیح کا مضحکہ اڑایا مسیح نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اسے پکارا اور کہا کہ اے لڑکی اٹھ کھڑی ہو۔ چنانچہ اس کی روح اس میں واپس آ گئی اور لڑکی اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسیح نے حکم دیا کہ اسے کھانا کھلایا جائے۔ اس کے والدین کے پاس آئے اور حکم دیا کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس کو کسی سے نہ بتائیں۔ ایسا ہی انجیل مارقش کے پانچویں باب میں بیان کیا گیا ہے۔

روایت پر تبصرہ:

اس فصل میں بہت سے مصائب ہیں جن میں سے ایک بھی اس کے لیے کافی ہے کہ یہ انجیل موضوع اور جھوٹی ہے۔

علانیہ جھوٹ بولے:

اول یہ ہے کہ وہ لوگ مسیح سے یہ حکایت کرتے ہیں کہ وہ علانیہ جھوٹ بولے کیونکہ انہوں نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ لڑکی مری نہیں وہ زندہ ہے سو رہی ہے مری نہیں ہے۔ اگر وہ اس میں سچے ہیں کہ وہ مری نہیں تو پھر نہ وہ کوئی معجزہ لائے نہ عجیب چیز اور معاذ اللہ نبی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ چہ جائیکہ جو خدا بھی ہو اور ان لوگوں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہی معجزہ ہے کہ وہ بیہوشی سے صحت یاب ہوگئی۔ اس لیے کہ ان کی انجیل میں تصریح ہے کہ مسیح نے اس کے باپ سے کہا کہ تم مطمئن رہو تمہاری لڑکی زندہ ہو جائے گی۔ لہذا دو میں سے ایک قول میں کذب ضرور ہے۔

دونوں روایتوں میں تناقض:

دوم یہ کہ متی نے یہ بیان کیا ہے کہ لڑکی کا باپ اس وقت مسیح کے پاس آیا ہے جب وہ مر چکی تھی۔ اس نے مسیح کو اسکی موت کی خبر دی اور انہیں بلایا کہ وہ اسے زندہ کر دیں۔

لوقا کہتا ہے کہ اس کا باپ مسیح کے پاس اس وقت آیا جب وہ بیمار تھی اور مری نہ تھی اور انہیں لایا کہ وہ اسے اچھا کر دیں۔ راستے میں قاصد ملا کہ ان کو ساتھ نہ لے چلو کیونکہ وہ مر گئی۔ ان دونوں کمینوں میں سے ایک بلاشک جھوٹا ہے۔ ان دونوں پر خدا کی لعنتیں اور اس کا غضب ہو۔ لہذا اکذاب سے دین حاصل کرنا جائز نہیں۔

اخفائے اعجاز:

سوم یہ کہ مسیح کا اس معجزے کے لانے کے وقت اور لوگوں سے تنہا ہونا سوائے لڑکی والدین کے اور اپنے تین اصحاب کے پھر مسیح کا ان لوگوں سے اس کے پوشیدہ رکھنے کی خواہش کرنا عجیب ہے۔ حالانکہ معجزات کے لیے نہ تنہائی تلاش کی جاتی ہے اور نہ وہ لوگوں سے چھپائے جاتے ہیں۔

معجزے سے عجز:

اناجیل میں اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں کہ مسیح بعض اوقات ایک معجزے پر بھی قادر نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ بلاطس کے سامنے اور

ایک مرتبہ یہود کے سامنے اور جن لوگوں نے ان سے معجزہ طلب کیا تھا انہوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ کوئی معجزہ نہ دیکھو گے سوائے معجزہ یونس کے جو تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ جس کی یہ حالت ہو تو وہ محض مشکوک خبریں اور بنائے ہوئے جھوٹ ہیں اور ایسے لوگوں کی روایات ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

غلط بخشی:

انجیل متی کے دسویں باب میں ہے کہ مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو اپنے پاس جمع کیا اور انہیں یہ طاقت دی کہ وہ ناپاک ارواح کو دور کر دیں اور ہر مرض سے اچھا کر دیں۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں (۱) شمعون باطرہ۔ (۲) اندریاش برادر شمعون۔ (۳) یعقوب بن سیذای۔ (۴)۔ یوحنا برادر یعقوب۔ (۵) فیلبس۔ (۶) برثلوما۔ (۷) طوما۔ (۸) متی الجابی۔ (۹) یعقوب۔ (۱۰) یہوذ برادر یعقوب (۱۱) شمعون کنعانی۔ (۱۲) یہوذ االاسخر یوطی جس نے اس کے بعد مسیح کا پتا بتا دیا تھا۔ یسوع نے ان بارہ شاگردوں کو بھیجا اور ان سے کہا کہ ”ہم جنسوں کے راستے میں نہ چلنا اور نہ سامریین کے شہروں میں داخل ہونا۔ مگر بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑ کے پاس حاضر ہونا“

کافر کے لیے کرامت:

اس فصل میں دو بڑی مصیبتیں ہیں۔ ایک تو اس کا یہ کہنا ہے کہ مسیح نے ان بارہ آدمیوں کو جنہیں نامزد بھی کر دیا ارواح نجسہ پر اور ہر مرض کے اچھا کرنے کی قدرت عطا کی۔ ان لوگوں میں یہوذا کا بھی نام لیا اور انکار کے لیے کوئی وجہ بھی نہ چھوڑی بلکہ تصریح کر دی کہ یہ وہی یہوذا تھا جس نے اس کے بعد یہود کو مسیح کا پتا بتا دیا تھا۔ یہاں تک کہ یہود نے انہیں گرفتار کر لیا اور اپنے گمان کے مطابق انہیں مصلوب بھی کر دیا کوڑے اور تھپڑ بھی مارے اور انہیں خوب رسوا کیا۔ حالانکہ یہ لوگ جھوٹے تھے۔ خدا ان پر لعنت کرے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقرب بنائے اور اسے جن پر اور ہر مرض سے اچھا کرنے پر قدرت دے جس کو وہ جانتا ہو کہ یہ وہی شخص ہے جو مسیح کا پتا بتائے گا اور اس کے بعد کافر ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی اپنی انجیل میں یوحنا کا یہ قول بھی ہے کہ یہوذا مذکور چور تھا۔ اور مسیح کو جو ہدیہ بھیجا جاتا تھا اسے اچک لیتا اور لیجاتا تھا لہٰذا دو میں سے ایک وجہ ضروری ہے کہ تیسری وجہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یا تو مسیح کو یوحنا کے خبر دینے کے مطابق یہوذا کی چوری اور اس کی بدباطنی کی اطلاع تھی اور اس کے باوجود انہوں نے اسے آیات و معجزات عطا کر دیے اور اسے اپنے اور لوگوں کے درمیان میں واسطہ بنایا اور اسے تحلیل و تحریم کا حق دے دیا اور وہ جو کچھ حلال یا حرام کرے گا وہ آسمانوں میں بھی حرام و حلال ہو جائے گا۔ یہ ایک مصیبت ہے اور کفار کی وقعت بڑھانا ہے۔ غیر مستحق کو مقدم و پیشوا بنانا ہے دین کے ساتھ تمسخر ہے۔ یہ خدا کی صفت نہیں ہے اور نہ ایسے شخص کی صفت ہے جس میں نیکی ہو۔

الزام غفلت:

یا یہ ہو کہ یہوذا کی بدنیتی جس سے اور لوگ واقف تھے مسیح پر پوشیدہ ہو تو یہ بھی ایک بڑی مصیبت ہے کہ خدا نے جسے پیدا کیا وہ اسی کے حال سے غافل ہو۔ کیا ان قصوں سے زیادہ احمقانہ اور ان کے حق سمجھنے والوں سے زیادہ احمق بھی کبھی کوئی سنا گیا ہوگا؟

دوسری مصیبت عظمیٰ اس کا یہ کہنا ہے کہ ہم جنسوں کے راستے میں نہ چلنا اور سامریین کے شہروں میں نہ گھسنا اور خاندان بنی اسرائیل کی کھوئی اور منتشر ہونے والی بھیڑ کے پاس حاضر ہونا۔

مخالفت ونافرمانی:

مسیحؑ نے انہیں فقط بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑ کے پاس بھیجا تھا اور ان کے اقرار کے مطابق مسیحؑ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس کو ان کے اٹھنے کے بعد پورا کریں۔ کیونکہ مسیحؑ کے زمین پر رہنے کے زمانے تک کسی نے بھی انہیں نہ چھوڑا۔ اور نہ وہ قطعاً کسی دوسرے شہر میں تبلیغ کے لیے گئے۔ پھر ان لوگوں نے مسیحؑ کی مخالفت ونافرمانی کی کیونکہ یہ ہم جنسوں ہی کے راستے پر چلا کیے۔ چنانچہ یہ لوگ خود اپنے اقرار کے مطابق اللہ کے نافرمان اور فاسق تھے۔

ترغیب فرار:

اسی باب میں ان لوگوں کے اقرار کے مطابق یہ ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ جب تم لوگ تلاش کیے جاؤ تو دوسرے امن والے شہر میں بھاگ جانا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم لوگ بنی اسرائیل کے شہروں کا احاطہ نہ کرو گے تاوقتیکہ انسان کا بیٹا نہ آجائے۔

بظاہر خود مسیحؑ کا آسمان پر اٹھنے کے بعد سب لوگوں کے پاس دنیا کی طرف لوٹنا مراد ہے۔

جھوٹا وعدہ:

انجیل مارقش کے ساتویں باب میں اور انجیل لوقا کے نویں باب کے شروع میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ ان ٹھہرنے والوں میں بعض وہ جماعتیں ہیں جو موت نہ چکھیں گی تاوقتیکہ اللہ کے فرشتے کو قدرت کے ساتھ آتا نہ دیکھ لیں۔

جھوٹ کا ظہور:

اس قول کا کذب تو علانیہ ظاہر ہو گیا کیونکہ ان لوگوں نے بنی اسرائیل کے اور دوسروں کے شہروں کا بھی احاطہ کرلیا اور ان لوگوں نے وہ بھی نہیں دیکھا جو مسیحؑ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اس روز جو لوگ ان کے سامنے موجود ہیں ان میں سے ہر شخص کے مرنے سے پہلے مسیحؑ قدرت کے ساتھ علانیہ واپس آئیں گے۔

معاذ اللہ کوئی نبی ہی نہیں جھوٹ بول سکتا چہ جائیکہ جو خدا بھی ہو۔

تنہا یہی فصل اگر اس جگہ کوئی عاقل ہوتا تو اسے یہ سمجھنے کے لیے کافی ہوتی کہ جن لوگوں نے یہ انجیلیں لکھی ہیں وہ بڑے جھوٹے اور بدکار تھے۔

دفع دخل:

اگر وہ کہیں کہ تمہاری صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور بنی النجار کے ایک لڑکے کی طرف اشارہ فرمایا جو آپ کے سامنے تھا کہ اگر یہ لڑکا اپنی عمر پوری کرے گا تو یہ قیامت کو پالے گا پھر وہ لڑکا بچپن ہی میں مر گیا اور اعراب جب آپ سے پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ان کے بچے کی طرف اشارہ فرماتے تھے کہ اس کے اپنی عمر پوری کرنے تک اسے موت نہ آئے گی تاوقتیکہ قیامت نہ قائم ہوئے۔

غلط فہمی:

ہم کہیں گے یہ لفظ غلط ہے اس حدیث میں قتادہ اور معبد بن ہلال ہیں انہوں نے اس کو انس سے اس معنی حدیث کے اعتبار سے

روایت کردیا جوان کے وہم میں آئے اور اسی کو ثابت بن اسلم البنانی نے انس سے بلفظہ اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم پر تمہاری قیامت ہوگئی۔

کیا فرمایا تھا، اور کیا سمجھے:

اسی طرح اس کو ثقہ راویوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے جیسا کہ اس کو ثابت نے اس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اپنی عمر پوری نہ کرنے پائے گا کہ اس پر تم لوگوں کی قیامت قائم ہو جائے گی۔ یعنی ان مخاطبین کی وفات اس کے سامنے ہوگی۔

یہ وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ ثابت البنانی بہ نسبت قتادہ ومعبد کے الفاظ روایت کے زیادہ ماہر وحافظ ہیں چہ جائیکہ ام المومنینؓ بھی ان سے موافقت کریں ہم راویوں کی غلطی کا انکار نہیں کرتے جب کہ اس پر برہان قائم ہو کہ یہ خطا وغلط ہے۔ قرآن میں ان روایات میں یہ جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند وغیرہ کے طریق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی بھی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔

اگر یہود ونصاریٰ بھی اپنی کتابوں کے ناقلین کے بارے میں اسی طرح کی بات کہیں تو ہم ان پر سختی نہ کریں اور نہ ہم ان کی نقل میں غلطی پائے جانے کو برا سمجھیں۔ ہم تو محض انہیں اس پر برا سمجھتے ہیں کہ وہ اس کذب خالص کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

نصاریٰ کی اس بات کو ہم برا سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ جس کا کذب ثابت ہو چکا اسے بھی معصوم بناتے ہیں اس سے اپنا دین بھی اخذ کر تے ہیں اور اس کو برا سمجھتے ہیں کہ وہ ہر متناقض خبر اور ہر ایسے قضیے کو کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تکذیب کرتا ہے حق مانتے ہیں۔ ونعوذ بالله من الخذلان .

عداوت کی پیغام بری:

خود اسی باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ میں اہل زمین کے درمیان بجائے تلوار کے صلح پیدا کراؤں گا۔ میں محض اس لیے آیا ہوں کہ آدمی اور اس کے بیٹے۔ بیٹی اور اس کی ماں میں بہو اور اس کی ساس میں تفریق کرادوں کہ آدمی اپنے خاص لوگوں سے عداوت کرے''

خصومت کی تبلیغ:

انجیل لوقا کے بارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ میں محض اس لیے آیا ہوں کہ زمین میں آگ ڈالوں۔ محض میرے ہی لیے اس کے مشتعل ہونے اور تمام روئے زمین میں پیاس کی شدت نے ارادہ کیا ہے اور اس کے مکمل کرنے تک میں اسی پر مامور ہوں۔ کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ اہل زمین کے درمیان میں صلح کراؤں گا۔ نہیں میں تو اس لیے آیا ہوں کہ ان میں مخالفت پیدا کراؤں گا۔ جو پانچ ہوں گے وہ جدا جدا ہو کر ایک گھر میں تین دو کے خلاف ہوں گے اور دو تین کے خلاف۔ باپ بیٹے کے خلاف بیٹا باپ کے خلاف بیٹی ماں کے خلاف۔ ماں بیٹی کے خلاف ساس بہو کے خلاف اور بہو ساس کے خلاف۔

یہ دونوں فصلیں جیسی کچھ ہیں تم بھی دیکھتے ہو۔

آشتی کی تبلیغ:

انجیل لوقا کے نویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ میں جانیں ضائع کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ ان کے سلامت رکھنے کے لیے۔

انجیل یوحنا کے دسویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ جو میرا کلام سنے اور اسے یاد نہ رکھے تو میں اس کے خلاف حکم نہیں دیتا۔ کیونکہ میں اس لیے نہیں آیا کہ دنیا کے خلاف حکم دوں اور اسے سزا دوں لیکن میں اہل دنیا کو تبلیغ کرنے آیا ہوں۔

اجتماع ضدین:

یہ دونوں فصلیں اپنے قبل کی دونوں فصلوں کی ضد ہیں اور دونوں معنی میں سے ہر ایک صراحۃ دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ان کی مراد صرف یہ ہے کہ وہ ان جانوں کے تلف کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے جو ان پر ایمان لائیں۔ تو ہم کہیں گے کہ انہوں نے عام رکھا ہے۔ خاص نہیں کیا ہے۔

سخن سازی:

یہ تاویل کہ ''ان کی مراد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر ایمان لانے والے لوگوں کے تلف کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے'' اس کے بطلان کی دلیل یہ ہے کہ انجیل لوقا کے نویں باب میں اس فصل کی تصریح ہے جیسا کہ انشاءاللہ ہم بیان کریں گے۔ اس نے مسیحؑ کا قول بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنے آگے چند قاصد روانہ کیے۔ ان لوگوں نے سامریہ کی طرف سے اپنا راستہ اختیار کیا کہ وہ سامریہ میں مسیحؑ کے لیے تیاری کریں اور مسیحؑ کے یرشلام جاتے وقت وہ لوگ انہیں قتل نہ کریں۔ جب یوحنا و یعقوب نے یہ حالت دیکھی تو مسیحؑ سے عرض کی کہ اے ہمارے آقا۔ کیا آپ اس رائے سے متفق ہیں کہ آپ ان لوگوں کے لیے بد دعا کریں، ان پر آسمان سے آگ گرائیں اور ان کے اکثر لوگوں کو جلا دیں، جیسا کہ الیاس نے کیا تھا۔ مسیحؑ نے انہیں جواب دیا اور ڈانٹا اور کہا کہ وہ ذات کہ تم لوگ جس کی ارواح ہو اس نے اس انسان کو جانیں ضائع کرنے کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ ان کے سلامت رکھنے کے لیے بھیجا ہے۔ پھر یہ لوگ دوسرے قلعے کی طرف روانہ ہو گئے۔

بات بنائے نہ بنی:

اب تو اشکال رفع ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ مسیحؑ جن جانوں کے سلامت رکھنے کے لیے بھیجے گئے ہیں انہوں نے ان سے بعض جانوں کو چھوڑ کر بعض جانیں مراد نہیں لیں۔ تمام جانیں مراد لی ہیں خواہ وہ ان کے ساتھ کفر کریں یا ان پر ایمان لائیں۔ نہ یہ کہ جیسا یہ لوگ سنتے تھے۔ مسیحؑ نے یہ اس وقت کہا تھا جب ان کے اصحاب نے ان لوگوں کے ہلاک کرنے کی خواہش کی تھی جنہوں نے مسیحؑ کو قبول نہیں کیا۔ لہٰذا پہلے کلام سے اس کلام کا باہمی تناقض ثابت ہو گیا۔ معاذاللہ مسیح رسول علیہ السلام جھوٹے نہ تھے۔ بے شک یہ جھوٹ ان چاروں فاسقوں کا ہے کہ یہ گھڑی ہوئی اور بدلی ہوئی انجیلیں لکھیں۔

اثبات نبوت مسیحؑ:

اس فصل میں نص جلی اور کھلی ہوئی تصریح ہے کہ مسیحؑ معبود نہیں مامور تھے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ وہ اہل حق کے کہ قول کے

مطابق نبی تھے۔ بشرطیکہ اس فصل میں یہ لوگ سچ بولے ہوں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

پیغمبر کے برابر ثواب:

اسی باب میں ہے کہ مسیحؑ نے فرمایا کہ جو کسی نبی کو قبول کرے اور نبی کے نام پر ہو تو اسے اس نبی کے اجر کے برابر جزا دی جائے گی۔

ادعائے محال:

یہ کذب ومحال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں جو لوگوں کی باہمی فضیلت ہے وہ محض ان کے اجر وثواب کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں عطا کرے گا نہ کہ کسی اور وجہ سے جس شخص کا اجر دوسرے شخص سے زائد ہوگا تو وہ بلاشک اس سے افضل ہوگا اور دوسرا بلاشک اس سے کم ہوگا۔ جس کا اجر دوسرے کے اجر کے برابر ہو تو بلاشک یہ دونوں فضیلت میں برابر ہوں گے۔ یہ بات اتنی بدیہی ہے کہ حس سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر ان تمام لوگوں کا اجر جو اپنے نبی کی پیروی کریں اس نبی کے اجر کے برابر ہوگا تو پھر تمام اہل ایمان قیامت میں برابر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک کو ایک پر فضیلت نہ ہوگی۔ یہ بھی بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کذب ومحال ہے اور اگر ایسا ہو تو لازم آئے گا کہ تمام نصاریٰ کا اجر باطرہ اور تمام شاگرد اور بولس ومارقش ولوقا کے اجر کے برابر ہو۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ اور نہ یہ امکان میں داخل ہے۔ لہذا یہ سب متفق ہوئے کہ ان کے خدا نے جھوٹ کہا اور معاذ اللہ نہ کوئی نبی جھوٹ بولے گا اور نہ کوئی مومن صادق و **باللہ تعالیٰ التوفیق۔**

یحییٰ نبی سے بڑھ کے تھے:

انجیل متی کے بارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا اور وہ یحییٰ بن زکریاؑ کا ذکر کر رہے تھے، کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ نبی سے بڑھ کر تھے اور انہیں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ”میں تمہارے سامنے اپنا فرشتہ بھیجنے والا ہوں کہ وہ تمہارے لیے تمہارا راستہ تیار کرے“

نبی سے بڑھ کے ہونا ممکن نہیں:

اس فصل میں دو مقام پر کذب ہے اول تو یحییٰؑ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نبی سے بڑھ کر تھے اور یہ محال ہے اس لیے کہ اس سے خالی نہیں کہ یحییٰؑ وغیر یحییٰ جو اور لوگ ہیں یا تو ان کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے یا وحی نہیں بھیجی جاتی۔ کوئی تیسری قسم ممکن نہیں۔ اگر انہیں وحی بھیجی جاتی ہے تو وہ نبی ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ انسانوں میں کوئی ایسا شخص پایا جائے جو نبی سے بڑھ کر ہو۔ سوائے اس کے کہ وہ رسول نبی ہو اور یحییٰؑ ان لوگوں کے اجماع کے مطابق رسول اللہ تھے۔ اگر اس کے پاس وحی نہیں بھیجی جاتی تو یہ مرتبہ ہے جس میں کافر ومومن برابر ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ جس پر وحی نہ بھیجی جاتی ہو اس کے مثل ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے لیے منتخب کرلیا۔ چہ جائیکہ وہ اس سے بڑھ کر ہو۔

انسان کو فرشتہ بنا دیا:

دوسرا جھوٹ ان کا یہ کہنا ہے کہ ”یحییٰؑ وہی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ میں اپنا فرشتہ تمہارے سامنے بھیجنے والا ہوں“ اس قول کی بنا پر یحییٰؑ فرشتہ ہوئے اور یہ کذب خالص ہے اس لیے کہ وہ انسان تھے جو ایک مرد اور ایک عورت کے بیٹے تھے۔ زندہ رہے یہاں تک کہ قتل کر دیے گئے یہ فرشتے کی صفت نہیں ہے اور یحییٰؑ فرشتہ نہ تھے۔ اسی فصل میں اس کے بعد یہ ہے کہ مسیحؑ نے فرمایا کہ یحییٰؑ آدمی تھے۔ لہذا یہ

قول ہر حال میں جھوٹا ہوا۔ اور معاذ اللہ نبی یا اور کوئی بزرگ شخص جھوٹ نہیں بولتا۔ ثابت ہو گیا کہ یہ متی پاجی اور رذیل ہی کا جھوٹ ہے۔ لہذا اس پر وہی ہو جو اسکے سے کذابین پر ہو۔

تعریف مع تنقیص:

باب مذکور میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ میں امین ہوں تم سے کہتا ہوں کہ انسانوں میں کوئی شخص یحییٰ المعمد ان سے اشرف پیدا نہیں کیا گیا۔ لیکن جو آسمانوں کی سلطنت میں چھوٹا ہے وہ بھی یحییٰ سے بڑا ہے۔

وہی افضل وہی ارذل:

اس فصل میں غور کرو گے تو تمہیں ان لوگوں میں ایک دائمی مصیبت اور دشمنوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک نظر آئے گی یہ ناممکن ہے کہ مسیحؑ اس بات کو کہیں یا کوئی بچہ جو اپنی فلاح کا امیدوار ہے یا کوئی امت جو احمق ہے اس بات کو کہے۔ سوائے اس کے کہ اس کی عقل ہی میں فتور ہو۔ یہ بڑا سخت دعویٰ ہے کہ آدمیوں میں یحییٰ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔ جب ایسا ہو جیسا کہ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ آسمانی سلطنت کا چھوٹے سے چھوٹا بھی یحییٰ سے بڑا ہے تو لامحالہ ہر وہ شخص جو آسمانی سلطنت میں داخل ہو گا وہ یحییٰ سے بڑا ہو گا اس سے یہ لازم آیا کہ بنی آدم کا ہر مومن یحییٰ سے افضل ہے اور یحییٰ ہر مومن سے چھوٹے اور کمتر ہیں۔ بھلا یہ نفس پرستی تا بکے۔ یہ کذب تا بکے۔ دین میں یہ بدترین حماقت تا بکے؟ اور یہ تناقض تا بکے۔ واللہ مسیحؑ نے ہرگز یہ بات نہیں کہی۔ اس کو کذاب متی اور اس کے معاصرین نے کہا ہے اور ان سب پر اللہ کی لعنت بلا شک یہ لوگ نہایت بیحیا اور دین سے برگشتہ کرنے والے تھے۔

انتہائی کتاب و نبوت:

اسی باب میں مذکور ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہر کتاب اور ہر نبوت کی انتہا یحییٰ پر ہے۔

ایک دروغ کے دو فروغ:

اس فصل میں باوجود اس کے مختصر ہونے کے دو جھوٹ ہیں۔

پہلا فروغ:

ایک تو ان کا یہ کہنا کہ یحییٰ نبی سے بڑھ کر ہیں اس کے ساتھ ہی انجیل میں یہ بھی ہے کہ یحییٰ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نبی ہیں تو انہوں نے کہا کہ نہیں'' اور اس جگہ یہ کہا ہے۔ ہر نبوت کی انتہا یحییٰ پر ہے۔ چنانچہ کبھی تو وہ نبی نہیں ہوتے اور کبھی وہ ایسے نبی ہو جاتے ہیں جو آخر انبیا ہیں اور کبھی وہ نبی سے بڑھ کر ہو جاتے ہیں۔ تبارک اللہ یہ بدحواسی یہ کھلا ہوا جھوٹ تا بکے؟

پچھلا فروغ:

دوسرا جھوٹ ان کا یحییٰ کے بارے میں یہ کہنا کہ ہر نبوت کی انتہا یحییٰ پر ہے، حالانکہ انتہا کے بعد کچھ نہیں ہوتا اور وہ اس بنا پر آخر الانبیاء ہوئے۔

انجیل متی کے چودھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ ''میں تمہارے پاس انبیاء علما کو بھیجنے والا ہوں۔ تم لوگ ان میں

سے بعض کو سولی دو گے اور قتل کرو گے تو انہوں نے اس قول کی تکذیب کر دی کہ یحییٰ آخر الانبیا ہیں اور نبوت کی انتہا نہیں پر ہے"

نصاریٰ اقرار کرتے ہیں کہ یحییٰ کے بعد بھی انبیاء ہوئے ایک بنی بولس کے پاس آئے اور انہوں نے پیشگوئی کی کہ بولس کو سولی دی جائے گی اس کو لوقا نے الافرکسیس میں بیان کیا ہے ان لوگوں نے مسیح کے قول کی اور مسیح کی تکذیب کر دی۔ اس میں سے کچھ بھی ہوتا جب بھی (اس مذہب سے بدگمان ہونے کو) کافی تھا۔

نصاریٰ کا مخالفت کا گلہ:

باب مذکور میں ہے کہ مسیح نے ان لوگوں سے کہا کہ تمہارے پاس یحییٰ آئے۔ وہ کھاتے پیتے نہ تھے تم نے کہا کہ وہ مجنون ہیں۔ پھر تمہارے پاس انسان کا بیٹا (یعنی خود مسیح) آیا جو کھاتا پیتا ہے۔ تم نے کہا کہ یہ صاحب خوان ہے۔ بڑا شرابی ہے۔ آزاد منش ہے۔ گناہ گاروں اور خراج مانگنے والوں کا دوست ہے۔

کذب اور مخالفت:

اس فصل میں کذب اور نصاریٰ کی مخالفت ہے۔ کذب تو یہ ہے کہ یہاں یہ کہا ہے کہ یحییٰ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے یہاں تک کہ انہیں اسی وجہ سے مجنون کہا گیا اور انجیل مارقش کے باب اول میں ہے کہ انہیں یحییٰ بن زکریا کی غذا ٹڈی (ملخ) اور صحرائی شہد تھا۔ یہ تناقض ہے اور دو میں سے ایک خبر بلاشک جھوٹی ہے۔

قول نصاریٰ کی مخالفت یہ ہے کہ بیان کیا ہے یحییٰ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے اور مسیح کھاتے پیتے تھے۔ بلاشک جس شخص کو انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے بے نیاز کر دے تو اس نے اس کا درجہ ان لوگوں سے بلند کر دیا جن کو اس نے کھانے پینے سے بے نیاز نہیں کیا ہے اس بنا پر بلاشک مسیح سے یحییٰ افضل ہوئے۔

کھاتا پیتا خدا!!

تیسرا قصہ یہ ہے کہ مسیح کا اپنے متعلق خود اقرار ہے کہ وہ کھاتے پیتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کے نزدیک ان کے خدا ہیں۔ پھر خدا کیونکر کھاتا پیتا ہے؟ نفس پرستی بھی اس سے زیادہ کیا ہوگی؟

اگر وہ کہیں کہ مسیح میں جو ناسوت کا حصہ تھا وہ کھاتا پیتا تھا تو ہم کہیں گے کہ بہر حال یہ بھی تمہارا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ جب تمہارے نزدیک ساتھ ساتھ لاہوت و ناسوت ہیں۔ جب وہ دو چیزیں ہیں تو اگر صرف ناسوت کھاتا ہے تو دو میں سے صرف ایک چیز نے کھایا اور دوسری نے نہیں کھایا۔

اس وقت تمہیں قائل ہونا پڑے گا کہ آدھے مسیح نے کھایا پیا ورنہ تم ہر حال میں جھوٹے ہوئے اور تمہارے بزرگ بھی اپنے اس قول میں جھوٹے ہوئے کہ مسیح نے کھایا اور تم نے مسیح کی طرف جھوٹ منسوب کیا کہ انہوں نے اپنے متعلق یہ خبر دی کہ وہ کھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ آدھے مسیح کھاتے تھے نہ کہ پورے مسیح۔ بہر حال یہ قوم کی قوم کمینہ ہے۔

کوئی نہیں جانتا:

باب مذکور میں ہے کہ مسیح نے کہا کہ بیٹے کو باپ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور باپ کو بیٹے کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

نہیں جانتے اور جاننے کا دعوی کرتے ہیں:

یہ نہایت عجیب بات ہے۔ اس لیے کہ بغیر ان میں کسی کے اختلاف کے مسیحؑ ان کے نزدیک خدا کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ جوان کے کفر سے بلند و برتر ہے وہ مسیحؑ کا والد اور باپ ہے۔ کمینہ باطرہ اپنے تمام گندے رسائل میں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ یہی کہتا ہے کہ ''ہمارے رب مسیحؑ کے والد اللہ نے یہ کہا اور یہ کیا وغیرہ وغیرہ'' پھر یہاں کہا ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ باپ کو سوائے بیٹے کے کوئی نہیں جانتا اور بیٹے کو سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا۔ لہذا بدیہی طور پر لازم آیا کہ تمام شاگرد اور تمام نصاریٰ نہ تو قطعاً اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور نہ مسیحؑ کو بالکل پہنچانتے ہیں وہ سب خدا اور بیٹے سے ناواقف ہیں جو خدا کو نہ جانے اور اسے نہ پہچانے وہ کافر ہے۔ لہذا یہ سب کے سب اور ان کے اگلے پچھلے سب کافر ہوئے۔

یا پھر مسیحؑ نے اس کلام میں جھوٹ بولا یا متی کمینہ جھوٹ بولا۔ واللہ اس میں سے ایک بات ضروری ہے۔ اللہ نے اپنے بندے و رسول مسیحؑ کو کذب سے بچایا ہے۔ اب دو ہی رہ گئے، اور وہ دونوں قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان کو بلندی دی حق ہے، بیشک نصاریٰ اللہ سے ناواقف ہیں اور پاجی متی ہی فریب کار اور جاہل ہے بس ان سب پر اللہ کی طرف سے وہی نازل ہو جس کے یہ مستحق ہیں۔

اس ملعون کلام میں جسے ان لوگوں نے مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اس امر کا قطعی فیصلہ ہے کہ ملائکہ اور کل انبیائے سابقین میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا۔ لہذا احمق متی کی اس بڑی بدکاری اور اس کے دین میں اس کی پیروی کرنے والوں پر تمہیں تعجب کرنا چاہیے اور ہم سلامت رہنے پر اللہ کا بہت شکر کرتے ہیں۔

اظہار معجزہ سے انکار:

باب مذکور میں ہے کہ بعض حواریین نے مسیحؑ سے کہا کہ اے معلم و استاد۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس کوئی معجزہ لائیں۔ تو مسیحؑ نے انہیں جواب دیا کہ اے نسل بدی و نسل زنا۔ تم معجزہ طلب کرتے ہو۔ حالانکہ تم سوائے معجزہ یونسؑ نبی کے اس میں سے کوئی معجزہ نہ دیکھو گے۔ بس جس طرح یونس نبی تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہے اسی طرح انسان کا بیٹا زمین کے شکم میں تین دن رات رہے گا۔

ابطال نصرانیت کے لیے اسی قدر کافی ہے:

اگر ان کی انجیل میں صرف یہی ایک ملعون فصل ہوتی تب بھی بیشک ان کی تمام اناجیل اور ان کے تمام دین کے بطلان میں کفایت کرتی۔ کیونکہ اس نے دو بہت بڑی باتوں کو جمع کر لیا ہے۔

ایک تو اس کا ثابت کرنا ہے کہ مسیحؑ اپنے مخالفین کے پاس کبھی کوئی معجزہ نہیں لائے اور ان لوگوں کے دعوے کے مطابق مسیحؑ کا اس کے متعلق اقرار کہ وہ معجزات مسیحؑ جن کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں وہ محض خفیہ و پوشیدہ تھے کہ محض اس مختصر و قلیل جماعت کے سامنے ہوئے جو مسیحؑ کے پیرو تھے۔ اس قسم کی نشانی سے مخالف پر حجت قائم نہیں ہوتی۔

یا اس کا ثابت کرنا ہے کہ مسیحؑ پر بہتان باندھا گیا اس امر میں کہ انہوں نے یہ بتایا کہ یہ لوگ کوئی معجزہ نہ دیکھیں گے حالانکہ مسیحؑ انہیں معجزات دکھایا کرتے تھے۔ دو میں سے ایک بات ضروری ہے۔

فصل ثانی جو قیامت عظیمہ ہے وہ ان لوگوں کا مسیحؑ کی جانب سے یہ حکایت کرنا ہے کہ مسیحؑ نے اپنے متعلق یہ کہا کہ جس طرح یونسؑ

مچھلی کے پیٹ میں تین شبانہ روز رہے اسی طرح وہ بھی شکم زمین میں تین شبانہ روز رہیں گے۔ حالانکہ یہ بدترین جھوٹ ہے جس میں کسی حیلے کی بھی گنجایش نہیں۔ اس لیے کہ ان سب کا اس پر اجماع ہے اور ان کی تمام اناجیل میں بھی ہے کہ وہ غروب آفتاب کے قریب یوم جمعہ کو جب شنبے کی رات ہو رہی تھی دفن کر دیے گئے یک شنبے کی شب کو قبل فجر قبر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لہذا وہ صرف ایک رات اور کچھ حصہ دوسری رات اور ایک دن اور کچھ حصہ دوسرے دن شکم زمین میں رہے۔ یہ وہ جھوٹ ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ یا تو یہ مسیحؑ ہی کا ہے نعوذ باللہ یا اصحاب اناجیل کا کذب ہے اور یہی لوگ اہل کذب ہیں۔ و حسبنا الله۔

ملکوت عز و جل بقدر خردل:

انجیل متی کے تیرھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ آسمان کی سلطنت اس رائی کے دانے کے مشابہ ہے جسے ایک شخص اپنے کھیت میں ڈال دیتا ہے حالانکہ وہ تمام بیجوں میں سب سے باریک ہوتا ہے مگر جب اگتا ہے تو وہ تمام روئید گیوں سے بلند ہو جاتا یہاںتک کہ آسمان کا پرندہ اس کی شاخوں پر اترتا ہے اور اس پر رہنے لگتا ہے۔

رائی سے بھی آگاہ نہ تھے:

مسیح علیہ السلام یہ کلام کہنے سے بری ہیں۔ جس کمینے نے اسے کہا ہے اس فن زراعت میں بہت کم تجربہ ہے۔ حالانکہ ہم نے رائی کا درخت دیکھا ہے اور ہم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا ہے جنہوں نے اسے دور کے ملکوں میں دیکھا ہے مگر نہ تو ہم نے کبھی دیکھا اور نہ ہمیں اس کے دیکھنے والوں نے بتایا کہ اس کے کسی حصے پر بھی پرندے کا ٹھہرنا ممکن ہے۔ اس قسم کی فرد گذاشت نبی سے ہرگز نہیں ہوئی۔ چہ جائیکہ اللہ عز و جل سے۔

وطن میں بے قدری کی شکایت:

باب مذکور کے آخر میں ہے کہ مسیحؑ اپنے وطن واپس آئے اور ان کی جماعتوں کو ایسی نصیحتیں کرنے لگے۔ جن سے وہ لوگ تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انہیں یہ علوم اور یہ قدرت کہاں سے دیدی گئی۔ کیا یہ لوہار کے بیٹے نہیں کیا ان کی ماں مریم نہیں کیا ان کے بھائی یعقوبؑ و یوسفؑ و یہوذا نہیں۔ ان کے بھائی کیا یہ سب لوگ نہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ پھر انہیں کہاں سے یہ دیدیا گیا۔ یہ لوگ ان کے بارے میں شک کرتے تھے۔ یسوع نے ان لوگوں سے کہا کہ نبی سوائے اپنے گھر اور وطن کے کہیں اپنی حرمت نہیں کھوتا۔ ان لوگوں کے شک کرنے اور کفر کرنے کی وجہ سے اس مقام پر انہوں نے بہت سے عجائب کی اطلاع نہیں دی۔

انجیل مارقش کے پانچویں باب میں ہے کہ جماعت مسیحؑ کی بات سنتی تھی اور ان کی نصیحت پر سخت تعجب کرتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ مسیحؑ کو یہ کہاں سے دیا گیا۔ جو حکمت ان کی عطا کی گئی یہ کیسی ہے؟ یہ عجائب جو ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے یہ کہاں سے ہیں؟ کیا یہ لوہار کے اور مریم کے بیٹے اور یوسفؑ و یعقوبؑ یہوذا و شمعون کے بھائی نہیں ہیں۔ کیا وہی لوگ ان کے بھائی نہیں ہیں جو یہاں ہمارے ساتھ ہیں۔ یسوع ان لوگوں کو جواب دیتے تھے کہ سوائے اپنے وطن اور اہل قبیلہ اور اپنے اہل بیت کے اور کہیں نبی بے حرمت نہیں ہوتا۔ مسیحؑ کو اس جگہ کسی معجزے کے کرنے کی قوت نہ تھی۔ لیکن انہوں نے چند مریضوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور انہیں اچھا کر دیا۔

انجیل لوقا کے آٹھویں باب میں ہے کہ ''جب مسیحؑ کے والد اپنے گھر میں داخل ہوئے'' اور اس کے کچھ ہی بعد کہا ہے کہ مسیحؑ سے ان

کے ماں باپ تعجب کرتے تھے'' اور اس کے کچھ ہی بعد ان کی ماں مریم کا ان سے کلام ہے کہ ''تمہیں تمہارے باپ ڈھونڈ رہے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ تھی۔ اسی کے ساتویں باب میں ہے کہ مسیحؑ کی ماں اور مسیحؑ کے بھائی مسیحؑ کے سامنے آئے'' اور انجیل یوحنا کے اٹھارھویں باب میں ہے کہ ''اس کے بعد وہ کفرناحوم میں اترے اور ان کے ہمراہ ان کی والدہ اور ان کے بھائی اور ان کے شاگرد بھی تھے'' انجیل یوحنا کے نویں باب میں ہے کہ مسیحؑ کے بھائی مسیحؑ پر ایمان نہیں لائے تھے''۔

مصائب تثلیث:

ان فصول میں تین مصیبتیں ہیں جنہیں ہم انشاءاللہ تعالیٰ ایک ایک مصیبت کر کے بیان کریں گے۔

خدا کے باپ ماں اور بھائی:

سب سے پہلی مصیبت چاروں انجیلوں کا اس پر متفق ہونا ہے کہ مسیحؑ کے انسانوں میں سے ایک والد تھے جو مشہور تھے اور بھائی اور بہنیں تھیں بھائیوں کے نام بھی بتائے کہ وہ چار مرد تھے اور بہنیں ان کے علاوہ تھیں۔ اس معاملے میں کوئی دشواری نہیں ہے سوائے ان کی والدہ کے اس قرار کے کہ والد مسیحؑ نے والدہ مسیحؑ کے ہمراہ تلاش کیا والد یوسفؑ الحداد (لوہار) یا یوسف النجار (بڑھئی) تھے۔ لیکن والدہ مسیحؑ کے متعلق ہم اور یہود اور جمہور نصاریٰ اس پر متفق ہیں کہ وہ اسی طرح مسیحؑ کو اپنے حمل میں لیے ہوئے تھیں جس طرح عورتوں کا حمل ہوتا ہے اور اسی طرح ان کے یہاں مسیحؑ پیدا ہوئے جس طرح عورتوں کے یہاں ان کی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ سوائے ایک گروہ نصاریٰ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ مریم کے حمل میں نہ تھے۔ وہ ایک ہی وقت ان کے کان میں داخل ہوئے اور مقام ولادت سے نکل آئے۔ جس طرح پانی پرنالے میں (کہ اوپر سے داخل ہوتا اور نیچے سے نکلتا ہے)۔ ہمارے لیے یہ امر باقی رہ گیا ہے کہ مسیحؑ کی والدہ علیہا السلام کیسے کہتی ہیں کہ حداد یا نجار مسیحؑ کے باپ اور والد تھے؟ اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ ماں کے شوہر کو لغت میں باپ کہا جاتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اچھا مان لو کہ یہ ایسا ہی ہے۔ مگر ان لوگوں کے بارے میں کیسا عمل ہوگا جن لوگوں کے بارے میں تمام اناجیل متفق ہیں کہ وہ مسیحؑ کے بھائی اور بہنیں ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ یوسف النجار یا الحداد ہی کی اولاد ہیں۔

ایک گروہ نصاریٰ قائل تھا کہ مسیحؑ یوسف نجار کے بیٹے ہیں:

عبرانی زبان میں ایسا ہرگز نہیں پایا گیا کہ سوتیلے باپ کے اس لڑکے کو جو دوسری ماں سے ہے بھائی کہا جائے۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ سب مریمؑ کے یہاں نجار سے پیدا ہوئے تھے چنانچہ ان کے متقدمین کے ایک گروہ نے یہی کہا ہے جن میں یلیان۔ مطران۔ طلیطلہ ہیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس سے براءت ظاہر کرتے ہیں جو یہ کافر کہتے ہیں کہ خدائے معبود کے لیے ماں یا ماموں ہو یا خالہ یا خالہ کا بیٹا ہو یا سوتیلا باپ یا بھائی یا بہن ہو۔ ان عقول کی تباہی ہو جن میں یہ سماتا ہے کہ اللہ کے لیے سوتیلا باپ ہو سکتا ہے جو اس کی ماں کا شوہر ہو۔

بندش سبیل تاویل:

ان لوگوں کو یہ کہنا ممکن نہیں کہ کتاب انجیل کی مراد محض یہ ہے کہ وہ لوگ مسیحؑ کے دینی بھائی بہن تھے۔ اس لیے کہ یوحنا نے اس اشکال کو بھی رفع کر دیا اور کہا ہے کہ مسیحؑ کے ہمراہ ان کے بھائی اور شاگرد تھے۔ اس نے ان (ہمراہیوں) کے دو طبقے قرار دیے ہیں۔ وہ نیز یوحنا کے کہا ہے کہ مسیحؑ کے بھائی ان پر ایمان نہیں لائے تھے۔

واللہ اگر ہم نے خود نصاریٰ کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو ہم تو کبھی نہ مانتے کہ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اپنے فضلے سے اور اپنے حصہ زیرین سے خارج ہونے والی چیز سے (یعنی پاخانہ پیشاب وغیرہ) سے کھیلتا ہے (یعنی بالکل ہی پاگل ہوگیا ہے) وہ بھی اس حماقت (یعنی دین نصاریٰ) کی تصدیق کرے گا۔ لیکن بابرکت ہے وہ ذات جس نے ہمیں اس سے یہ دکھادیا کہ کوئی شخص نہ اپنی آنکھ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے نہ اپنے کان سے اور نہ اپنی عقل سے بجز اسکے کہ ہدایت وگمراہی کا پیدا کرنے والا ہی اس کی رہنمائی فرمائے اور ہم اسی اللہ سے درخواست کرتے ہیں جس نے ہمیں ملت اسلام کی رہنمائی فرمائی جو روشن وواضح اور ہر ایسی چیز سے محفوظ ہے جس سے عقل نفرت کرے کہ جب اس نے ہمیں ہدایت دے دی تو اس کے بعد وہ ہمیں بھٹکنے نہ دے۔ یہاںتک کہ ہم اس سے اسی ملت حق اور اسی مذہب حق اور اسی دین حق پر ملیں اور ہم خلل کفر اور گمراہی کے دینوں اور غلط مذہبوں سے بچے رہیں۔ ہم نے جو کچھ بیان کردیا ہے اس میں اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ جن لوگوں نے انجیلیں تالیف کی ہیں یہ لوگ برے نفس پرست اور دین کو کھیل بنانے والے اور اپنی پیروی کرنے والوں کو بہکانے والے تھے۔

سلب قدرت اعجاز:

دوسری مصیبت ان لوگوں کا یہ اقرار ہے کہ اس مقام پر مسیحؑ کو کسی معجزے کی قدرت وقوت نہ تھی۔ اگر ان لوگوں کو عقل ہوتی تو وہ ضرور جانتے کہ یہ خدا کی صفت نہیں ہے۔ وہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلکہ یہ صفت تو اس بندہ مخلوق و مدبر کی ہے جو اپنے معاملات پر بالکل قادر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ **قل انما الآيات عند الله**' (آپ کہہ دیجئے کہ معجزات اور نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں)۔

آہنگر زادگی:

تیسری مصیبت ان لوگوں کا یہ اقرار ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے سنا کہ یہ مسیحؑ کو حداد کی نسل کی طرف منسوب کرتے ہیں حداد کو ان کا باپ بناتے ہیں اور مسیحؑ ان لوگوں کو اس بات سے منع نہیں کرتے۔ حالانکہ اس میں خود ان سب لوگوں کے قول کی جو مخالفت ہے وہ ظاہر ہے لیکن یہ امر کہ مسیحؑ نے اس کذب وباطل کو سنا اور اس کو قائم رکھا اور اس سے منع نہ کیا۔ یہ ایک بری صفت اور دین میں فریب دہی ہے۔

حق برزبان جاری:

ان فصول میں وہ حق بات بھی ہے جس کی تبدیل پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھوں کو آزادی نہیں دی اور وہ یہ قول ہے کہ ''سوائے اپنے وطن واہل بیت کے نبی کہیں اپنی حرمت نہیں کھوتا'' اے بچوں کی سی سمجھ والو اور اے چڑیوں کے سے دماغ والو اگر تمہیں عقل ہوتی تو کیا یہ تمہارے لیے کافی نہ تھا کہ تم بھی مسیحؑ کے بارے میں وہی کہتے جو خود انہوں نے اپنے بارے میں کہا ہے۔ جس کی سچائی اور صحت کی معائنہ و مشاہدہ شہادت دیتا ہے اور اس رعونت اور شیخی کو ترک کردیتے کہ ایک ہزار برس سے جس کے ثابت کرنے پر قادر نہ ہوئے جس کا اپنے دلوں میں اعتقاد رکھتے ہو اور نہ زبانوں سے اس کے تعبیر کرنے پر قادر ہوسکے۔ تم نے جب کبھی ان کمینوں کے وجود میں کسی وجہ کا بھی قصد کیا تو تم پر اس سے ایک ایسا دروازہ کھل گیا جس کی تمہیں طاقت نہ تھی و **نعوذ بالله من الضلال** (اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)۔

آسمان کی کنجی:

انجیل متی کے سولھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے باطرہ سے کہا کہ میں آسمانوں کی کنجیاں تمہارے حوالے کرکے بری ہوتا ہوں لہذا اب

جس چیز کو تم زمین میں حرام کر دو گے وہ آسمانوں میں بھی حرام ہو جائے گی اور جس چیز کو تم زمین میں حلال کر دو گے وہ آسمانوں میں بھی حلال ہو جائے گی۔

اس کلام کے چار سطر بعد ہے کہ مسیح نے خود باطرہ سے کلام مذکور کے متصل ہی کہا کہ ''اے مخالف میری پیروی کر۔ اور میری مخالفت نہ کر۔ کیونکہ تو اللہ کی مرضی سے ناواقف ہے اور تو صرف آدمیوں ہی کی مرضی جانتا ہے''

دو خرابیاں:

اس فصل میں باوجود اس کے اختصار اور نجاست کے جیسی کہ وہ بعض فصلیں ہیں کہ اسی کے مشابہ ہیں جن کا ذکر بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ دو بہت بڑی خرابیاں ہیں۔

خدا کی بادشاہی بندے کے سپرد کر دی:

ایک تو یہ کہ مسیح باطرہ کمینے کو آسمانوں کی کنجیاں سپرد کر کے بری الذمہ ہو گئے اور انہوں نے اسے ایک ایسے خطہ الوہیت کا مالک بنا دیا کہ وہ سوائے خدائے وحدہ ولاشریک کے اور کسی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ جو کچھ زمین میں حرام کر دے گا وہ آسمانوں میں بھی حرام ہو جائے گا اور جو کچھ زمین میں حلال کر دے گا وہ آسمانوں میں بھی حلال ہو جائے گا۔

آپ بری الذمہ ہو گئے:

دوسری خرابی یہ ہے کہ مسیح نے اپنے بری الذمہ ہونے اور آسمانوں کی کنجیاں باطرہ کے حوالے کرنے اور اسے خطہ ربوبیت کا بادشاہ بنانے کے بعد ہی، خواہ اس طرح کہ وہ تحریم وتحلیل میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہو خواہ اس طرح کہ وہ اللہ عزوجل سے الگ اور اس صفت میں منفرد و یکتا ہو، اسی وقت اس سے فرمایا کہ وہ ان کا مخالف ومقابل ہے، اللہ عزوجل کی مرضیوں سے جاہل ہے۔ وہ صرف آدمیوں کی مرضیاں جانتا ہے۔

واللہ اگر اس قول کے قائل آخری بات میں سچے ہیں تو انہوں نے پہلی بات میں حماقت کی کیونکہ انہوں نے وہ کام جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لیے مناسب نہیں ایک ایسے جاہل کے سپرد کیا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں جانتا، جو خود مسیح کا مخالف ہے اور جو صرف آدمیوں کی مرضی جانتا ہے۔ یہ دائمی خرابی ہے کیونکہ جو شخص اس صفت کا ہو وہ اس کا بھی اہل نہیں کہ اس کو کسی پاخانے یا گھوڑے کی کنجیاں سپرد کی جائیں۔

اگر مسیح نے سچ کہا اور پہلی بات ان کی درست تھی تو بے شبہ وہ دوسری بات میں جھوٹ بولے۔ واللہ پہلی بات جو ان لوگوں نے مسیح کے متعلق بیان کی ہرگز مسیح نے نہیں نہیں کہی۔ اس لیے کہ وہ ایسے کافر کا کلام ہے جو اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر ہے یہ بعید نہیں کہ مسیح نے دوسرا کلام ہے اس سے کہا ہو۔ واللہ وہ کلام حق ہے جس پر خود باطرہ ملعون ومنافق شاہد ہے۔ خدا اس کا چہرہ بگاڑدے اور اس پر اللہ کا غضب و عذاب ہو۔

پھر کیا ہوگا؟

تیسری عجیب بات یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انجیل متی کے بارھویں باب میں ہے مسیح نے اس خطے میں جو یہاں تنہا باطرہ کو دیا ہے بقیہ بارہ شاگردوں کو بھی شریک کیا تھا جن میں وہ چور اور کافر بھی تھا جس نے یہود سے تیس درہم رشوت لے کر انہیں مسیح کا پتا دیا تھا اور مسیح نے ان سب سے کہا تھا کہ تم لوگ جو چیز زمین پر حرام کر دو گے وہ آسمانوں بھی حرام ہو جائے گی اور جو چیز زمین میں حلال کر دو گے ہو

آسمانوں میں بھی حلال ہو جائے گی اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اگر ان لوگوں میں اس کام میں باہم اختلاف ہو جو مسیح نے ان کے سپرد کیا ہے کہ ان میں سے بعض ایک شے کو حلال کریں اور بعض حرام کریں تو کیسا ہوگا؟ زمین اور آسمانوں میں صورت حال کیسی ہوگی بلا شک اہل زمین و آسمان ان کمینوں کے ساتھ ایک مصیبت میں پڑ جائیں گے جو ایک ہی چیز کی حلت و حرمت کے متعلق ہوگی۔

اگر کہا جائے کہ ان کا اختلاف ناممکن ہے تو ہم کہیں گے کہ سبحان اللہ۔ اس سے بڑا کونسا اختلاف ہوگا جو یہوذا نے اپنا اسلام حلال سمجھ کر یہود کے حوالے کر دیا (یعنی مسیح کو) اور اس پر اس نے تیس درہم بطور رشوت لے لیے سوائے اس کے کہ مسیح نے اسے خطۂ الٰہیت سے معزول کر دیا ہو جس کا پہلے اسے مالک بنایا تھا۔

میری جان کی قسم جو شخص اس پر قادر ہے کہ وہ اسے اس کا مالک بنا دے تو وہ اس پر بھی ضرور قادر ہے کہ وہ اسے اس سے معزول کر دے یہ مرتبہ بھی ان رذیلوں کے پاس جا کر واقعی ذلیل ہو گیا۔ کیونکہ چور اور بے خبر لوگ اس کے مالک بنتے ہیں۔ پھر بغیر کسی دشواری کے اس سے معزول ہو جاتے ہیں اللہ اس سے برتر ہے۔

واللہ اگر پہاڑ اور زمین پارہ پارہ ہو جائیں اور بلند آسمان گر پڑیں اور ہر ذی روح ان کمینوں کا کفر سن کر چلا اٹھے تو یہ بہت بڑی بات نہ ہوگی۔ **وحسبنا الله ونعم الوکیل۔**

یہ قول بھی دو وجہ سے خالی نہیں ہو سکتا جن کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔ یا تو مسیح کی مراد یہ ہو کہ باطرہ اور کل شاگرد یہ خطہ جن کے سپرد کیا گیا ہے۔ بغیر اللہ عزوجل کی وحی کے نہ تو کوئی چیز حلال کریں گے نہ حرام کریں گے اگر یہ ہے تو پھر وہ قول جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے جھوٹا ہے کہ ہر نبوت کی انتہا یحییٰ بن زکریا پر ہے۔ اس لیے کہ اس قول کی بنا پر یہ سب شاگرد انبیاء ہوئے۔

یا ان کی مراد یہ ہو کہ انہوں نے باطرہ اور اس کے ساتھیوں کو شروع حکم ہی میں بغیر اللہ تعالیٰ کی وحی کے یہ حق دیدیا ہے کہ وہ لوگ اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کے مختار ہیں۔

اس قول پر یہ لازم آئے گا کہ یہ لوگ جب کوئی چیز حرام کریں اللہ تعالیٰ بھی ان کی تحریم کے اتباع میں اس چیز کو حرام کر دے اور یہ لوگ جس چیز کو حلال کریں اللہ تعالیٰ بھی ان کی تحلیل کے اتباع میں اس چیز کو حلال کر دے۔

اگر اس طرح ہو تو بلا شک وہ بڑا ذلیل خطہ ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کمینہ باطرہ اور اس کے احمق ساتھی خدائے قدوس پر حاکم ہوں گے اور خدائے عزوجل ان کے تابع ہوگا اللہ تعالیٰ ان سب سے بری و برتر ہے۔

آسمانی سلطنت پانے والوں کا حشر:

ہم تو نہیں دیکھتے کہ گندے باطرہ اور اس کے کمینے ساتھیوں نے آسمانوں کی کنجیاں اور خطہ الہیہ حاصل کیا ہو سوائے اس کے کہ ان کو یہی ملا کہ ان کی ڈاڑھیاں نوچی گئیں اور کوڑے مارے گئے اور سولیاں دی گئی۔ باطرہ کی تو یہ حالت ہوئی کہ اس کا پاخانے کا مقام اوپر کیا گیا اور اس کا سر نیچے کیا گیا۔ **والحمد لله رب العالمین۔**

پاخانے کا مقام، کیسے حواری تھے؟:

ہر مسلمان کو جاننا چاہیے کہ یہ لوگ جن کو نصاریٰ مسیح کا حواری بتاتے ہیں مثلاً باطرہ اور پاجی متی اور کمینے یوحنا و یعقوب و یہوذا ہرگز مومن نہ تھے چہ جائیکہ حواری یعنی مددگاران رسول ہوں۔ یہ لوگ کذاب اور اللہ تعالیٰ سے برگشتہ کرنے والے تھے۔ الوہیت مسیح علیہ السلام کو

جواقرار کرتے ہیں اوراس کے معتقد ہیں وہ ان کے بارے میں غلو کرنے (حد سے بڑھنے) والے ہیں جس طرح فرقہ سبائیہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حد سے بڑھ گیا جیسا کہ خطابیہ کا قول ابوالخطاب کے خدا ہونے کے متعلق ہے اور حسین بن منصور الحلاج کے ساتھیوں کا قول حلاج کی الہیت کے بارے میں ہے اور جیسا تمام کفار باطنیہ کا قول ہے۔ ان سب پر اللہ کی لعنت وغضب ہو۔

وہ لوگ جنہیں یہود کی جانب سے فریب دیا گیا ہے جیسا کہ خود یہود کا دعوی ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کا دین تباہ کریں اور انہیں گمراہ کر دیں جیسے عبداللہ بن سبا الحمیر ی کا مقرر کیا جانا اور مختار بن ابی عبید اور ابی عبداللہ العجانی اور ابی زکریا الخیاط اور علی النجار اور علی بن الفضل الجندی اور تمام قرامطہ ومشارقہ کے مبلغین تا کہ وہ شیعہ علی رضی اللہ عنہ کو گمراہ کریں۔ یہ لوگ اس میں اس حد تک کامیاب ہو گئے جو مشہور ہے۔ اللہ نے اس سے ان لوگوں کو محفوظ رکھا جو شیعہ نہ تھے۔

لیکن وہ حواریین جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے وہ لوگ سچے اولیاء اللہ تھے ہم اللہ عزوجل سے ان کی محبت کے طالب ہیں۔ ہم ان کے نام نہیں جانتے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے نام نہیں بتائے۔ مگر ہم یہ مانتے ہیں اور یقین کرتے ہیں اور قطعی جانتے ہیں کہ باطرہ کذاب اور متی پاجی اور یوحنا بہکانے والا اور یہوذ اور یعقوب کمینے اور مارقش فاسق اور لوقا فاجر اور بولس جاہل ہرگز ہرگز حواری نہ تھے۔ یہ اس گروہ میں تھے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وکفرت طائفه" (ایک گروہ نے مسیح کے ساتھ کفر کیا)۔ وباللہ التوفیق۔

سب کچھ بتا دیا:

انجیل متی کے سولھویں باب کے آخر میں ہے کہ اسی وقت سے یسوع نے اپنے شاگردوں کو وہ بتا دیا جو یسوع مناسب سمجھتے تھے۔ یعنی یرشلام میں داخل ہونا۔ وہاں کے باشندوں کے اکابر وعلماء سے عذاب کا اٹھانا اور ان لوگوں کا مسیح کو قتل کرنا تیسرے روز مسیح کا اٹھنا۔

باطرہ ان سے تنہائی میں ملا اور ان سے کہا کہ "اے میرے آقا آپ اس کو معاف کر دیجئے اور آپ کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی"

انجیل متی کے سترھویں باب میں ہے کہ مسیح نے اپنا شاگردوں سے کہا کہ عنقریب انسان کے بیٹے کا لوگوں کے ہاتھوں میں امتحان لیا جائے گا اور اسے قتل کیا جائے گا اور وہ تیسرے روز زندہ ہوگا۔ یعنی خود مسیح ان شاگردوں کو اس سے انتہائی غم ہوا۔

انجیل مارقش کے آٹھویں باب کے شروع میں ہے کہ مسیح نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ عنقریب انسان کا بیٹا آدمیوں کے ہاتھوں میں آزمایا جائے گا۔ لوگ اسے قتل کر دیں گے۔ جب وہ قتل کر دیا جائے گا تو تیسرے روز اٹھ کھڑا ہوگا۔ مگر یہ لوگ اس کلام سے ان کی مراد کو نہ سمجھے۔

انجیل لوقا کے آٹھویں باب کے ختم کے قریب ہے کہ مسیح نے بارہ شاگردوں سے کہا کہ میں یرشلام کی طرف چڑھنے والا ہوں اور ان تمام امور کو مکمل کروں گا جن کی انسان کے بیٹے کے متعلق انبیاء نے خبر دی ہے لوگ اسے ہم جنسوں کے پاس لے چلیں گے۔ اس سے تمسخر کریں گے۔ اسے کوڑے ماریں گے۔ اس کے منہ پر تھوکیں گے کوڑے مارنے کے بعد قتل کر دیں گے اور وہ تیسرے روز زندہ ہو جائے گا۔ مگر مسیح نے ان لوگوں کو جو کچھ تعلیم دی وہ اسے نہ سمجھے یہ ان کے نزدیک راز سربستہ تھا۔

تین کھلے جھوٹ:

ان فصول میں تین کذب ہیں جو بڑے ہیبت ناک کذب ہیں۔ ایک تو اناجیل مذکورہ کا اس پر متفق ہونا جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ مسیح نے اپنے متعلق انہیں خبر دی کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے۔ حالانکہ چاروں انجیلیں سب کی سب مسیح کی سولی کے بیان کے وقت سب کی سب

اس پر متفق ہیں کہ وہ تختہ دار پر اپنی موت سے مرے اور ہرگز قتل نہیں کیے گئے۔ سوائے اس کے کہ بعض اناجیل میں ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ایک بدمعاش نے ان کے پہلو میں اپنا نیزہ مارا تھا اور نیزہ مارنے سے خون اور پانی نکلا تھا۔ اس میں خود مسیحؑ کا جھوٹ ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ سب اس پر متفق ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ مسیحؑ نے انہیں خبر دی کہ وہ قتل کیے جائیں گے حالانکہ ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ قتل نہیں کیے گئے۔ یہ بہت بڑی خرابی ہے۔ معاذ اللہ نہ تو کوئی نبی جھوٹ بولتا ہے اور نہ جھوٹی پیشگوئی کرتا ہے۔ یہ تو جھوٹ بولنے والوں کی علامت ہے نہ کہ اہل صدق کی علامت۔

دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا تمام اناجیل مذکورہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ وہ تیسرے دن اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر تمام اناجیل اس پر متفق ہیں کہ وہ دوسری ہی شب میں زندہ ہو گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ وہ یوم جمعہ کو ہفتے کی شب کے آتے ہی دفن کر دیے گئے۔ تمہیں یہ کافی ہے کہ ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ان کے حنوط (عطر میت) بھی عجلت کی وجہ سے نہیں لگایا گیا تا کہ ان لوگوں پر شنبے کی رات نہ آ جائے اور وہ شب یک شنبہ کو قبل فجر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے جسے انہوں نے مسیحؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ وہ اس قسم کی باتوں سے بری ہیں۔

تیسرا جھوٹ متی کا یہ خبر دینا ہے کہ یہ لوگ مسیحؑ کے قول کی مراد سمجھ گئے اور وہ اس خبر سے بے حد غمگین ہوئے۔ باطرہ نے ان سے عرض کیا کہ اے میرے آقا آپ اس کو معاف کر دیجیے اور آپ کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ مارقش ولوقا کا یہ خبر دینا کہ وہ لوگ مسیحؑ کے اس کلام کی مراد نہیں سمجھے یہ کھلم کھلا ایک دوسرے کو جھوٹا بنانا ہے جو بچوں ہی سے سرزد نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ معصومین سے؟ لہذا یقیناً ان لوگوں کا عظیم الشان کذب روشن ہو گیا جنھوں نے یہ انجیلیں بنائی اور گھڑی ہیں اور یہ لوگ فاسق تھے اور ان میں ذرا بھی نیکی نہ تھی۔ **وباللہ التوفیق۔**

ایمان ہوتا تو پہاڑ ہٹ جاتا:

انجیل متی کے سترھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا تو تم ضرور ضرور پہاڑ سے کہتے کہ اس جگہ سے ہٹ جاؤ وہ ہٹ جاتا اور کوئی چیز تمہاری نافرمانی نہ کرتی۔”

اس کے قبل اسی کے متصل یہ ہے کہ مسیحؑ کے شاگرد ایک شخص کے اچھا کرنے سے جس پر جن تھا عاجز رہے۔ مسیحؑ نے اسے اچھا کر دیا۔ شاگردوں نے ان سے کہا کہ ہم لوگ اس کے اچھا کرنے سے کیوں عاجز رہے۔ مسیحؑ نے کہا کہ اپنے شک کرنے کی وجہ سے۔

انجیل متی کے گیارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے انجیر کے ایک سبز درخت کو بد دعا دی تو وہ اسی وقت خشک ہو گیا۔ ان کے شاگردوں نے تعجب کیا تو مسیحؑ نے ان سے کہا کہ میں امین ہوں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ ایمان لاتے اور شک نہ کرتے تو تم نہ صرف درخت انجیر میں یہی کر سکتے بلکہ جب تم اس پہاڑ سے کہہ دیتے کہ اکھڑ جا اور سمندر میں گر جا تو تمہاری بات پوری ہوتی۔

انجیل یوحنا کے گیارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ جو مجھ پر ایمان لائے گا وہ وہی افعال کر سکے گا جو میں خود کر سکتا ہوں بلکہ وہ ان سے بھی بڑے افعال کر سکے گا۔

جھوٹ کے اقانیم ثلاثہ:

ان فصول میں تین بڑے بڑے جھوٹ کے مصائب میں شاگردان مذکور اور ان کے بعد آج تک کے یہ تمام اشقیاء اس سے خالی نہیں کہ یا تو یہ مسیحؑ کے مومن ہیں یا غیر مومن۔ کسی تیسری قسم کی گنجائش نہیں۔

اگر یہ سب مومن ہیں تو پھر مسیحؑ نے ان فصول میں ان لوگوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ علانیہ جھوٹا ہے۔ حالانکہ وہ کذب سے بری ہیں ان میں سے ایک بھی کبھی اس پر قادر نہ ہوا کہ ایک پتا بھی ان کا حکم مانتا چہ جائیکہ ان کو پہاڑ کے اکھیڑنے اور اسے سمندر میں ڈالنے کی قدرت ہوتی؟۔

اگر یہ لوگ مسیحؑ کے غیر مومن ہیں تو یہ سب لوگ خود اپنے اس اقرار کے مطابق کفار ہیں اور کافر میں کوئی خیر نہیں۔ نہ کافر کی تصدیق جائز ہے اور نہ کافر سے دین کا حاصل کرنا جائز ہے۔

جب ہم ان سے سوال کریں تو انہیں جواب دینا ضروری ہے کہ آیا تمہارے دلوں میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے یا نہیں۔ اور تم مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں؟۔

اگر وہ کہیں کہ ہاں ہم مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان ہمارے دلوں میں بھی ہے تو ہم کہیں گے کہ مسیحؑ نے یقیناً جھوٹ کہا جو انہوں نے یہ خبر دی کہ جس کے دول میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ پہاڑ کو اکھڑ جانے کا حکم دے گا تو وہ اکھڑ جائے گا واللہ تم میں سے ایک شخص بھی اپنی بدعا سے ایک درخت کے خشک کرنے پر بھی قادر نہیں اور نہ پہاڑ کے اپنے مقام سے اکھاڑنے پر۔

اگر وہ کہیں کہ ہمارے دلوں میں نہ تو ایک روائی کے دانے کے برابر ایمان ہے اور نہ ہم مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہیں، تو ہم کہیں گے کہ واللہ تم نے واقعی سچ کہا۔ ''**انطر کیف کذبو اعلی انفسهم و ضل عنهم ما كا نو ا يفترون** ''(دیکھ تو کہ ان لوگوں نے خود اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور ان سے وہ گم ہو گیا جس کا افتراء کیا کرتے تھے)۔ اللہ عزوجل اور اس کے انبیاء سچے ہیں۔ متی و باطرہ و یوحنا و مارقش ولوقا اور تمام نصاریٰ جھوٹے ہیں اور یہی لوگ کذاب ہیں۔

میں نے بعض علمائے نصاریٰ سے یہ بیان کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس سے مسیحؑ کی مراد رائی کا درخت ہے جو تمام کھیتوں سے بلند ہوتا ہے یہاںتک کہ اس میں پرندے رہ سکتے ہیں میں نے اس سے کہا کہ اناجیل میں رائی کے درخت کی مثل نہیں کہا۔ رائی کے دانے کی مثل کہا ہے۔ ان لوگوں کے اقرار کے مطابق خود مسیحؑ ہی نے اس کی صفت بھی بیان کردی ہے کہ وہ تمام بیجوں میں سب سے زیادہ باریک ہوتا ہے۔

نیز وہ یا تو مومن ہے یا کفر۔ لیکن جو شک کرنے والا ہے تو جب اس کے ایمان میں شک داخل ہوا وہ باطل ہو گیا اور صاحب شک کفر میں رہ گیا۔ چہ جائیکہ خود مسیحؑ ہی نے ان کے اقرار کے مطابق ہمیں اس تاویل فاسد کے متعلق کسی شک میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسیحؑ نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کے شک کرنے کی وجہ سے البتہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی تمہارا ایمان ہوتا تو تم ضرور بالضرور پہاڑ سے کہتے ہیں۔

انجیل یوحنا میں کہا ہے کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ''اگر تم لوگ ایمان لاتے اور شک نہ کرتے'' یقیناً ان نصوص سے صرف وہ تصدیق ہی مراد لی ہے جو شک کے خلاف ہے نہ کہ انتہائی عمل صالح۔

انجیل یوحنا میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہا ہے کہ جو مجھ پر ایمان لائے گا وہ وہی افعال کر سکے گا جو میں خود کر سکتا ہوں ہم اسی ایمان بالمسیحؑ کو تم سے پوچھتے ہیں کہ آیا وہ تمہارے دلوں میں ہے یا نہیں جو تمہیں مناسب معلوم ہو جواب دو۔

میں تو اگر یہ قول کسی مدعی نبوت سے سن لیتا تو یقیناً میں کبھی اس کے کذاب ہونے میں تردد نہ کرتا واللہ اس کو مسیحؑ نے ہرگز نہیں کہا۔ اس جھوٹ کے موجد صرف یہی کمینے متی و یوحنا وغیرہما ہیں اور پورا تعجب فصل مذکور میں متی کے اس اقرار پر ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ مسیحؑ نے

اس سے اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ آسیب زدہ کے اچھا کرنے سے محض اپنے شک کی وجہ سے عاجز رہے۔ مسیحؑ نے ان کے شک کی اور اس کی شہادت دی کہ اگر ان کے ایمان ہوتا تو اس سے عاجز نہ رہتے۔

یہ لوگ مسیحؑ سے جس شک کی حکایت کرتے ہیں مسیحؑ بھی اس سے خالی نہیں کہ وہ یا تو کاذب تھے یا صادق۔ اگر کاذب تھے تو یہ بری صفت ہے اور کاذب نبی ہی نہیں ہوتا چہ جائیکہ خدا ہو۔ اگر صادق تھے تو وہ لوگ جن سے نصاریٰ نے اپنا دین لیا ہے اور انہیں شاگرد اور انبیاء سے بالاتر بتاتے ہیں یہ لوگ کفار اور شک کرنے والے تھے۔ تو یہ لوگ اپنا دین شک کرنے والے کفار سے کیسے اخذ کرتے ہیں؟ ان دونوں میں سے ایک سے بھی نکلنے کی ان کو گنجائش نہیں۔ اگر ان کی تمام اناجیل میں صرف یہی ہوتا جب بھی وہ ان اناجیل کے اور جس گندے دین پر وہ ہیں اس کے ابطال کے لیے کافی تھا۔

تعجب ہے کہ مسیحؑ ان کے متعلق شک کی کیونکر شہادت دیتے ہیں حالانکہ انہیں جیسا کہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کو خطۃ آلہیہ د خطہ ربوبیت کا اس امر میں مختار بتایا کہ وہ جس چیز کو زمین میں حرام کر دیں گے وہ آسمان میں بھی حرام ہو جائے گی اور جسے زمین میں حلال کر دیں گے وہ آسمان میں بھی حلال ہو جائے گی۔ پھر یہ بات اس کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے۔ کیا اس تناقض کو وہ شخص لا سکتا ہے جس کا دماغ صحیح ہو یا وہ جس میں تھوڑی سی خرابی ہو۔ واللہ یہ تہمت لگانے والے کذاب کی گھڑی ہوئی بات اور نفس پرست کھلنڈرے کی ایجاد ہے۔و **نعوذ باللہ عزوجل من الخذ لان** (ہم بدنصیبی وترک نصرت سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگتے ہیں)۔

دودلوں کی یک دلی:

انجیل متی کے اٹھارھویں باب کے آخر کے قریب ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ جب تم میں سے دو آدمی کسی امر پر متفق ہو جائیں گے تو وہ روئے زمین کی جس چیز کی بھی دعا کریں گے میرا آسمانی باپ ان کی دعا قبول کرے گا اور جس جگہ دو یا تین آدمی میرے نام پر متفق ہوں گے تو میں ان میں کا درمیانی ہوں گا۔

یہ کیسی یکدلی تھی:

یہ فصل بے حد مضحکہ خیز ہے اور ایسا کذب ہے جس کا ظہور بھی ٹل نہیں سکتا۔ اس سے خالی نہیں کہ یا تو اس پیام سے انہوں نے خاص اپنے شاگرد مراد لیے ہیں۔ یا اپنے تمام مومنین۔ دو میں سے جو امر بھی ہو وہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس میں کوئی شک نہ کرے گا کہ ان کے شاگردوں نے یہ دعا مانگی کہ وہ جس کو اپنے دین کی دعوت دیں وہ ان کی دعوت کو قبول کر لے اور جو اصحاب مسیحؑ فتنے میں مبتلا ہیں وہ اس سے رہا ہو جائیں۔ مگر اس نے جس کا نام مسیحؑ نے آسمانی باپ رکھا اس میں سے کچھ بھی انہیں نہ دیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان لوگوں نے کبھی اس میں سے کسی چیز کی دعا نہیں کی۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ ایک دوسری مصیبت ہے۔ اگر ایسا ہے تب تو یہ لوگوں کے لیے دغاباز اور ان کی بھلائی نہ چاہنے والے بلکہ ان کی تباہی میں کوشش کرنیوالے ہوئے۔ یہ بعید از عقل ہے۔ یہ مرتبہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں کیونکہ آپ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ آپ کے پروردگار نے آپ سے فرمایا کہ "**سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم**" (ان منافقین کے لیے برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں یا ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہ کرے گا)۔

آپ نے ہمیں خبر دی کہ آپ نے دعا فرمائی کہ آپ کے بعد ہماری قوت ہمارے ہی درمیان کر دی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق آپ کی دعا قبول نہیں فرمائی۔ یہی وہ حق ہے جس میں کوئی اضافہ نہیں ہے اور یہی وہ قول ہے کہ صدق جس کے ساتھ ہے و الحمد للہ رب العالمین۔ نہ تو آپ نے اس چیز پر فخر کیا جو آپ کو نہیں دی گئی اور نہ آپ نے اپنی ذات کو اس کے مرتبے سے گرایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر کوئی مومن بدی کرے:

باب مذکور میں ہے کہ مسیح نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تمہارے ساتھ تمہارا کوئی مومن بھائی بدی کرے تو تم اپنے اور اس کے درمیان تنہا اس پر عتاب کرو۔ اگر وہ تمہاری بات سن لے تو تم نے اسے نفع پہنچا دیا اور اگر نہ سنے تو اپنے ساتھ ایک یا دو شخصوں کو لے لو کہ تم ہر بات کو دو یا تین گواہوں کی شہادت سے ثابت کر سکو۔ اگر وہ نہ سنے تو اس کی خبر سے جماعت کو مطلع کرو۔ اگر وہ جماعت کی بھی نہ سنے تو وہ تمہارے نزدیک مجوسی یا مرتد کا سا ہونا چاہیے۔

اس کے چند سطر بعد کہا ہے کہ اس وقت باطرہ ان کے قریب آیا کہ اے میرے آقا اگر میرے ساتھ میرا بھائی برائی کرے تو آپ مجھے یہ حکم دیتے ہیں کہ میں اسے سات مرتبہ معاف کروں۔ یسوع نے جواب دیا کہ میں تجھ سے سات بار نہیں کہتا بلکہ ستر سات میں یعنی ۷۰*۷=۴۹۰ بار۔

معاف بھی کرتے ہیں اور کافر بھی بناتے ہیں:

تیسری بار جو کہا ہے اس قول کی ضد ہے کہ وہ تیرے نزدیک بمنزلہ مجوسی و مرتد ہونا چاہیے اور دونوں میں جمع کی کوئی صورت نہیں۔

خدامی دہاند خدامی دہد:

انجیل متی کے بیسویں باب میں ہے کہ سبدی کے دونوں بیٹوں کی ماں اپنے دونوں لڑکوں کے ساتھ مسیح کے پاس آئی۔ ان کی طرف متوجہ ہوئی اور رغبت ظاہر کی مسیح نے اس سے کہا کہ تو کیا چاہتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ میرے ان دونوں لڑکوں میں سے ایک کو اپنی داہنی طرف اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف اپنی سلطنت میں بٹھا لیں۔ یسوع نے دونوں لڑکوں سے کہا تم دونوں سوال کرنا بھی نہیں جانتے۔ کیا تم دس پیالے کے پینے پر قناعت کرو گے جو میں پیتا ہوں۔ دونوں نے کہا کہ ہم صبر کریں گے۔ یسوع نے ان سے کہا کہ تم دونوں کو میرا پیالہ پلایا جائے گا۔ تم دونوں کو اپنے داہنے اور بائیں بٹھانے کا مجھے حق نہیں سوائے اس کے کہ جس کو میرا باپ مجھ سے یہ حق دلائے۔

خود مسیح میں قدرت نہیں:

اس فصل میں اس امر کا بیان ہے کہ کوئی کام میں مسیح کے سپرد نہیں۔ وہ باپ کے مغایر ہیں جیسا کہ یہ لوگ اپنے دین کے خلاف کہتے ہیں جب وہ باپ کے مغایر ہیں اور دونوں خدا ہیں تو یہ دونوں دو جداگانہ خدا ہوں گے جن میں ایک قوی اور دوسرا ضعیف ہے۔ اس لیے کہ یسوع کے اقرار کے مطابق یسوع کو کسی کے مقرب بنانے کی قدرت نہیں ہے سوائے اس کے جس کو یہ حق و فضیلت وہ ذات عطا کرے جس کو یہ لوگ باپ کہتے ہیں۔

کاش مجھے علم ہوتا کہ یہ دونوں باتیں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔

ایک تو یسوع کا وہ اعتراف وہ اقرار جو یہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اپنے داہنے یا بائیں طرف کسی کو بٹھانا

ان کے اختیار میں نہیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں کمینے سے کمینے کو یعنی باطرہ کو دینے پر قادر ہو گئے اور وہ وہی کرتے ہیں جو باپ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حکومت ان کے سپرد کر کے سبکدوشی حاصل کر لی اور اس کے بعد اب تک اللہ تعالیٰ کسی پر بھی حکم نہیں کرتا۔ اسی قسم کی دوسری رسوا کن و مہلک باتیں کہ باہم ایک دوسری کو جھٹلا رہی ہیں اور اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ وہ قطعاً اللہ کی طرف سے نہیں نہ کسی نبی کی طرف سے ہیں۔ بلکہ کسی کذاب کافر کی بنائی ہوئی ہیں۔ **و نعوذ باللہ تعالیٰ۔**

خرِ عیسیٰ:

انجیل متی کے اکیسویں باب میں ہے کہ جب مسیح اورشلیم کے قریب پہنچے اور اس مقام میں تھے جس کا نام بیت فاجی ہے جو کوہ زیتون کے قریب ہے تو انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے دو کو بھیجا اور ان سے کہا کہ اس قلعے تک چلے جاؤ جو تمہارے سامنے ہے۔ وہاں تمہیں ایک گدھی ملے گی اپنے بچے کے ساتھ بندھی ہوئی ہوگی ان دونوں کو کھول دینا اور میرے پاس لے آنا۔ اگر کوئی تمہیں روکے تو کہنا کہ آقا ان دونوں کو چاہتے ہیں تو اسی وقت وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔ یہ اس لئے کہ تھا کہ اس سے پیشگوئی کرنیوالے نبی کا قول پورا ہو جنہوں نے کہا تھا کہ دختر صیہون سے کہدو کہ تیرا بادشاہ متواضع ہو کر ایک گدھی اور خچر کے بچے پر تیرے پاس آئے گا۔

دونوں شاگرد روانہ ہوئے اور انہوں نے وہی کیا جیسا انہیں حکم ملا تھا۔ گدھی اور اس کے بچے کو لے آئے۔ اپنی چادریں ان پر ڈالدیں اور یسوع کو ان پر بٹھا دیا۔

انجیل مارقش کے آخر میں نویں باب میں ہے کہ جب مسیح بیت فاجی متصل کوزیتون پہنچے تو انہوں نے اپنے دو شاگردوں کو بھیجا اور ان سے کہا کہ اس قلعے تک چلے جانا جو تمہارے قرب وجوار میں ہے۔ جب تم (بستی میں) داخل ہو گے تو ایک ایسا گدھے کا بچہ بندھا ہوا پاؤ گے جس پر اب تک کوئی آدمی سوار نہ ہوا ہوگا۔ اسے کھول کر میرے پاس لے آؤ اگر کوئی تم سے کہے کہ یہ کیا کرتے ہو تو اس سے کہنا کہ آقا مسیح کو اس کی ضرورت ہے تو وہ اس کو تمہارے لیے چھوڑ دے گا۔ یہ دونوں شاگرد روانہ ہوئے۔ انہوں نے ایک گدھے کا بچہ پایا جو مشک بنانے والوں میں دروازے کے صحن کے سامنے بندھا ہوا تھا۔ اسے کھولا تو ان سے وہاں کے کسی کھڑے ہونے والے نے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم گدھے کا بچہ کھولتے ہو۔ ان لوگوں نے اسی وہی جواب دیا یسوع نے حکم دیا تھا ان لوگوں نے بچے کو چھوڑ دیا۔ یہ اس بچے کو یسوع کے پاس ہنکا لائے۔ اپنی چادریں لا دیں اور اس اس پر یسوع سوار ہو گئے۔

گدھی یا گدھا؟

یہ دو واقعات ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے متی کہتا ہے کہ یسوع گدھی اور اس کے بچے پر سوار ہوئے اور مارقش کہتا ہے کہ بچے پر سوار ہوئے تعجب اس پر ہے کہ یہ نبی کے اس قول سے استشہاد کرتے ہیں کہ تیرے پاس تیرا بادشاہ آئے گا جو گدھی اور گدھے کے بچے پر سوار ہوگا" حالانکہ مسیح کبھی یروشلیم کے بادشاہ نہیں ہوئے۔ یہ دوسرا جھوٹ ہے۔

سب سے زیادہ مضحکہ خیز ان لوگوں کا استشہاد ہے جو انہوں نے یسوع کے واقعے کی صحت ثابت کرنے کے لیے ان کے گدھی پر سوار ہونے سے کیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یروشلیم میں سوائے مسیح کے گدھی پر سوار ہو کے کوئی انسان کبھی داخل نہ ہوا ہوگا۔ واللہ یہ تو احمقوں کی ہنسی آنے والی باتوں میں سے ایک بات ہے۔

مجھے میرے دوست حسین بن بقی نورّ اللہ وجھہ نے خبر دی کہ انہوں نے ایک نصرانی عالم کو اس فصل سے آگاہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ تو محض ایک رمز (راز) ہے اور حمارہ (گدھی) سے مراد توریت ہے۔ میرے دوست نے کہا کہ مجھے اس کی بات سے ہنسی آئی۔ اور اس سے کہا کہ تو پھر فلو (گدھی کا بچہ) انجیل ہوگی۔ وہ خاموش ہوگیا اور جان گیا کہ یہ ایسی باتیں کرتے ہیں جس سے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

جب مردے اٹھیں گے:

انجیل متی کے تیرھویں باب میں ہے یسوع نے ان لوگوں سے کہا کہ جب (قیامت میں) مردے اٹھیں گے تو نہ شادی کریں گے نہ نکاح کریں گے۔ وہ اللہ کے ان ملائکہ کے مثل ہوں گے جو آسمان میں ہے۔

انجیل متی کے چھبیسویں باب میں اور نیز انجیل مارقش کے بارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ جس شب میں گرفتار کئے گئے انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اس کے بعد میں نے انگور سے پیدا ہونے والی چیز نہیں پی یہانتک کہ میں اسے جبکہ وہ نئی ہوگی تمہارے ساتھ آسمانی سلطنت میں پیوں گا۔

انجیل لوقا کے چودھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے بارہ حوارین سے کہا کہ تم وہ لوگ ہو جنہوں نے میرے ساتھ میرے تمام مصائب میں صبر کیا۔ میں تم سے مختصراً اس وصیت کو بیان کرتا ہوں جو مجھ سے مختصراً میرے باپ نے بیان کی کہ تم لوگ میری سلطنت میں میرے دستر خوان پر ضرور کھاؤ پیو گے اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں پر حاکم بن کے تخت پر بیٹھو گے۔

اقرار و انکار:

فصل اول میں ہے کہ لوگ آخرت میں نکاح نہ کریں گے اور اس کے بعد کی تینوں فصول میں ہے کہ جنت میں دستر خوانوں پر روٹی اور شراب کا کھانا پینا ہوگا حالانکہ نصاریٰ ان سب باتوں کے منکر ہیں اور انہیں مسیحؑ کی تکذیب میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ وہ مسیحؑ کو اپنا رب اور اپنے کو مسیحؑ کا بندہ مانتے ہیں خاص کر جو فصل اول میں ہے کہ لوگ جنت میں فرشتوں کی طرح ہوں گے۔

فرشتے بھی کھاتے پیتے ہیں:

جس توریت کی یہ لوگ تصدیق کرتے ہیں اس میں بھی ہے کہ ملائکہ نے لوط کے یہاں گوشت روٹی اور گھی دودھ کھایا۔ جب ملائکہ کھاتے ہیں انسان جنت میں انہیں کے مثل ہوں گے تو بموجب توریت و انجیل بلاشک لوگ کھائیں پئیں گے۔

خدا نے بھی کھایا پیا:

خاص کر جب ان لوگوں نے یہ خبر دی کہ مسیحؑ جب مر چکے اور وہ دنیا میں واپس آئے اور اپنے شاگردوں سے ملے تو انہوں نے ان سے کچھ کھانے کو مانگا۔ وہ لوگ ان کے پاس بھونی ہوئی مچھلی لائے۔ تو مسیحؑ نے اپنی موت کے بعد وہ مچھلی ان لوگوں کے ساتھ کھائی اور شہد کا شربت پیا۔ جب خدا بھونی ہوئی مچھلیاں کھا سکتا ہے اور اس پر سے شہد پی سکتا ہے تو جنت میں انسان کے کھانے پینے میں کونسی فکر کی بات ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے نزدیک ایک عورت سے جس کا اس نے انتخاب کیا ایک بیٹا بنا لیا تو انسان کے جنت میں بیویاں بنانے میں کونسا تعجب ہوگیا؟ حالانکہ یہ انسان کی اس فطرت کے مطابق ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے۔ سوائے اس کے کہ ان کمینوں

کی حماقت میں البتہ عبرت حاصل کرنے والے کے لیے عبرت ہے والحمد للہ رب العالمین۔

ایک اور تعجب کی بات ہے اور وہ بارہ شاگردوں سے مسیحؑ کا وعدہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے حاکم بن کر تخت پر بیٹھیں گے۔

ان شاگردوں میں یہوذا الاسخر یوطی کا ہونا بھی ضروری ہے یہ ناممکن ہے کہ اس پیشگوئی کے مخاطب اس کے ساتھی ہوں اور وہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ مسیحؑ نے واضح کر دیا ہے کہ بارہ شاگرد بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں پر حاکم ہوں گے۔ لہذا یقینی طور پر اس کا بھی ان میں ہونا لازم ہوگیا۔ حالانکہ یہی وہ شخص ہے جس نے تیس درہم رشوت لے کے یہود کو مسیحؑ کا پتا بتا دیا تھا۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ اسنے اس فعل میں کوئی گناہ نہیں کیا۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے اس لیے کہ کسی دوسرے مقام پر کیا ہے کہ ”اس انسان کی خرابی ہے جس کو یہ پسند تھا کہ کاش وہ پیدا نہ ہوتا“ یا اس وعدہ مذکور میں مسیحؑ نے جھوٹ کہا۔ دو میں سے ایک بات ضروری ہے۔

مسیح کا استدلال:

انجیل متی کے تیسویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے علمائے بنی اسرائیل کو اطلاع دی اور پوچھا کہ تم لوگ مسیحؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟۔ وہ کس کا بیٹا ہے انہوں نے کہا کہ وہ داؤدؑ کا بیٹا ہے۔ مسیحؑ نے ان سے کہا کہ تو پھر داؤدؑ روح القدس کے ساتھ اس کو خدا کیسے کہتے تھے۔ کیونکہ داؤدؑ نے لکھا ہے کہ اللہ نے میرے خدا سے فرمایا کہ میری داہنی طرف بیٹھ جا کر میں تیرے دشمنوں کو تیرے قدموں کی کرسی بنا دوں“۔ اگر داؤد سے خدا پکارتے تھے تو وہ ان کا بیٹا کیونکر ہوسکتا ہے؟ کسی سے بھی مسیحؑ کا جواب بن نہ پڑا۔

ابن داؤد ہونے سے انکار:

یہ سچ ہے اور مسیح علیہ السلام کا قول ہے اور مسیح علیہ السلام نے منکر پر صحیح اعتراض کیا ہے اور تعجب یہ ہے کہ کمینے جو اپنے آپ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین میں منسوب کرتے ہیں اس فصل مذکور سے احتجاج واستدلال کرنے میں باہم اختلاف نہیں کرتے۔ حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مسیحؑ ابن داؤدؑ ہونے سے انکار کیا ہے اور یہ لوگ تمام اناجیل میں انہیں ابن داؤدؑ کہتے ہیں پس تعجب کرنا چاہیے۔

سب کا آسمانی باپ:

باب مذکور میں ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم سب بھائی بھائی ہو اور تم اپنے کو کسی زمین کے باپ کی طرف منسوب نہ کرو۔ کیونکہ تمہارا ایک ہی آسمانی باپ ہے۔

سب خدا کے بیٹے:

اس فصل میں دو بہت بڑی شرمناک باتیں ہیں۔ ایک تو ان کا یہ خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ ہی شاگردوں کو بھی مسیحؑ کے مثل اور برابر سرابر سمجھنا چاہیے۔ نصاریٰ مسیحؑ کو کیوں مخصوص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ بغیر اس کے کہ جب وہ شاگردوں کا ذکر کرتے ہیں تو انہیں اللہ کا بیٹا نہیں کہتے اللہ تعالیٰ اس سے بری و برتر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا وہ کسی کا باپ ہو۔

نفی سبب:

دوسری شرمناک بات مسیحؑ کا شاگردوں سے یہ کہنا ہے کہ تم لوگ کسی زمین کے باپ کی طرف اپنا انتساب نہ کرو۔ حالانکہ نصاریٰ د

اناجیل ''شمعون بن یونا و یعقوب و یوحنا بن سبندای و یہوذا و یعقوب بن یوسف'' بولتے ہیں۔ لہذا انہوں نے مان لیا کہ یہ لوگ مسیح کی نافرمانی پر قائم ہیں۔ کیونکہ مسیح نے تو انہیں منع کیا تھا کہ وہ اپنے کو زمین کے باپ کی طرف منسوب نہ کریں اور یہ لوگ اس بارے میں مسیح کے حکم کی مخالفت کے پابند ہیں اور ان کی نافرمانی ہی کو دین بنائے ہوئے ہیں۔

مصائب کی پیشگوئی:

انجیل متی کے چوبیسویں باب میں ہے کہ مسیح نے اپنے شاگردوں سے آخر زمانے میں ہونے والے زلازل و مصائب کے بارے میں پیشگوئی کی اور ان سے کہا کہ دعا کرو کہ تمہارا بھاگنا جاڑے میں اور شنبے کے روز نہ ہو۔

یوم سبت:

یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ان لوگوں پر شنبے کی حفاظت ان کی حکومت کے ختم ہونے تک اور ان پر زلزلے آنے تک لازم تھی۔ حالانکہ یہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ یہ وہ امت ہے جنہیں عقل ہی نہیں۔

جھوٹے نبی:

باب مذکور میں ہے کہ مسیح نے ان لوگوں سے کہا کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور وہ عجائب عظیم اور معجزات دکھائیں گے۔ یہانتک وہ غلطی کرے گا جو ان کی نیکی کا گمان کرے گا۔

انجیل مارقش کے تیرھویں باب میں ہے کہ جھوٹے انبیاء ہوں گے اور وہ معجزات اور نادر امور لائیں گے کہ ماننے والوں کو اگر ممکن ہو دھوکا دیں۔

توریت کی نقل:

یہ فصل توریت یہود کی سفر خامس کی فصل اخیر کے ساتھ ہے جس کی نص (تصریح) یہ ہے کہ ''اگر تم میں کوئی نبی ظاہر ہو اور وہ دعوی کرے کہ اس نے خواب دیکھا اور وہ تمہیں ہونیوالی بات کی خبر دے اور وہ اسی طرح ہو بھی جائے جس طرح اس نے بیان کیا اس کے بعد تم سے یہ کہے کہ اپنے ہم جنس خداؤں کی پیروی کرو تو اس کی بات نہ سننا۔

توریت کی اس فصل کے ساتھ ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ ساحرین نے بھی وہی کیا جو موسیٰ نے کیا تھا کہ موسیٰ نے عصا کو سانپ اور پانی کو خون بنادیا اور بہت سے مینڈک لے آئے'' یہ موسیٰ و مسیح علیہما السلام کے اور ہر نبی کے جس کی نبوت کو یہ مانتے ہیں'' لائے ہوئے معجزات کے باطل کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ جب یہ ممکن ہے کہ نبی کاذب بھی معجزات لاسکتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ نبی صادق جھوٹی پیشگوئی کرسکتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ ساحرین بھی وہ شے لاسکتے ہیں جو نبی کے معجزے کے مثل ہو تو پھر حق باطل کے ساتھ مل گیا اور ایک دوسرے سے پہچاننے کا بالکل کوئی طریقہ نہ رہا۔ حالانکہ یہ حقائق کا فاسد کرنا اور دلیل حق کا باطل کرنا اور حواس کا جھٹلانا ہے۔

جب یہود و نصاریٰ کے نزدیک وہ ممکن ہے جو ہم نے توریت اور ان کی اناجیل سے بیان کیا تو پھر وہ کونسی چیز ہے جس سے ان لوگوں کو یہ اطمینان ہے کہ موسیٰ و مسیح علیہما السلام اور ان کے تمام انبیاء ساحر و کاذب نہ تھے۔

ہم تو اللہ کے سامنے اس امر کی سچی شہادت دیتے ہیں کہ یہ فصول مذکورہ کسی برہمن کی بنائی ہوئی ہیں جو بالکل نبوت ہی کا منکر ہے۔

یا مانی کی ہیں جو انبیائے مذکورین علیہم السلام کی نبوت کی تکذیب کرتا ہے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نے ہرگز ان باتوں میں سے کچھ نہیں فرمایا جو ان ناپاک وملعون فصول میں ہے۔

ہم لوگ تو اسے قطعاً جائز نہیں رکھتے کہ کوئی نبی جھوٹ بولے یا غیر نبی معجزہ لا سکے یا ساحر و کذاب یا صالح معجزے کی سی صنعت کر سکے۔

اگر کہا جائے کہ تم لوگ تو کہتے ہو کہ دجال معجزات لائے گا ہم کہیں گے ہم تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ دجال تو صرف صاحب عجائب ہوگا جیسے ابو العجائب تھا اور کوئی فرق نہیں وہ تو ایک حیلہ گر شعبدہ باز ہوگا جو معمولی حیلے کرے گا جو ان کو جانتا ہے وہ بھی ویسے ہی حیلے کر سکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا دجال کے ساتھ پانی کی نہر اور روٹی وغیرہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا کہ وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہت زیادہ ذلیل ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ دجال صاحب شبہ ہوگا (یعنی اس کے پاس جو چیزیں ہوں گی وہ حقیقی نہ ہوں گی جیسے مٹی کے کھلونے) **وباللہ التوفیق**۔

اقرار لاعلمی:

باب مذکور میں ہے کہ مسیح نے کہا کہ اس وقت اور اس دن کو سوائے باپ کے کوئی شخص نہیں جانتا اور نہ ملائکہ وغیرہ اس دن اور اس وقت کو جانتے ہیں۔

انجیل مارقس کے تیرھویں باب میں ہے کہ مسیح نے فرمایا کہ زمین وآسمان جاتے رہیں گے اور میرا کلام کبھی فنا نہ ہوگا۔ لیکن وہ دن اور وہ ساعت اس کو سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ انسان کا بیٹا نہ اور کوئی۔

لاعلم خدا نہیں ہوسکتا:

یہ فصل بدیہی طور پر یہ ثابت کرتی ہے کہ مسیح اللہ تعالیٰ کے مغایر ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے خود خبر دی کہ اس جگہ ایک شے ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور وہ اسے نہیں جانتے اور جب ان کی نص انجیل میں ہے کہ بیٹا نہیں جانتا کہ وہ ساعت کب ہے اور باپ جانتا ہے کہ وہ کب ہے۔ تو بدیہی ویقینی وقطعی طور پر ہم جانتے ہیں کہ بیٹا باپ کے مغایر ہے۔ جب ایسا ہے تو یہ دو ہیں جو باہم مغایر ہیں۔ ایک ان میں سے اس چیز سے ناواقف ہے جس سے دوسرا واقف ہے۔ یہ وہ شرک ہے جس کی یہ لوگ حمایت کرتے ہیں۔ حالانکہ عقل بھی اس کا ابطال کرتی ہے کہ دو خدا ہوں جن میں ایک ناقص ہو۔

بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے مغایر ہے وہ مخلوق ہے جس کی پرورش کی جاتی ہے (مربوب) اور ان لوگوں کی خام خیالی و بدحواسی باطل ہو گئی۔ **والحمد للہ رب العالمین**۔ ورنہ اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس فصل میں یہ لوگ مسیح کو جھوٹا بنائیں۔

مسیح کا انکار تین تین بار:

انجیل متی کے چھبیسویں باب میں ہے کہ مسیح نے اپنی گرفتاری کی شب میں باطرہ سے فرمایا کہ میں امین ہوں۔ تجھ سے کہتا ہوں کہ اس شب کو مرغ کی بانگ سے پہلے تو تین مرتبہ میرا انکار کرے گا۔ باطرہ نے کہا کہ ایسا نہ ہوگا خواہ مجھے قتل ہی ہونا پڑے۔

انجیل مارقش کے چودھویں باب میں ہے کہ مسیح نے باطرہ سے فرمایا کہ میں امین ہوں تجھ سے کہتا ہوں کہ بلاشک تو آج کے دن اسی شب میں قبل اس کے کہ مرغ دومرتبہ اپنی آواز بلند کرے تو تین بار میرا انکار کرے گا۔ باطرہ بار بار کہہ رہا تھا کہ یہانتک کہ اگر مجھے آپ کے ساتھ مرنا پڑے گا تب بھی میں آپ کا انکار نہ کروں گا۔

انجیل لوقا کے بائیسویں باب میں ہے کہ مسیح نے باطرہ سے فرمایا کہ میں تجھے آگاہ کرتا ہوں کہ اس شب میں تاوقتیکہ تو تین بار میرا انکار نہ کرلے مرغ بانگ نہ دے گا۔ بیشک تو نے مجھے نہیں پہچانا۔

انجیل یوحنا کے گیارہویں باب میں ہے کہ مسیح نے فرمایا کہ میں امین ہوں تجھ سے کہتا ہوں کہ مرغ بانگ نہ دے گا تاوقتیکہ تو تین بار میرا انکار نہ کردے۔

متی ومرقش ویوحنا ولوقا سب اس پر متفق ہیں کہ مسیح نے باطرہ سے کہا کہ مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا ان میں سے ہرایک نے باطرہ کے متعلق بیان کیا کہ اس نے غلام کے سامنے اور امت کے سامنے اوران لوگوں کے سامنے جو آگ سے تاپ رہے تھے ایسا ہی کیا (کہ مسیح کا انکار کیا)۔

مارقش نے کہا کہ مسیح نے باطرہ سے کہا تھا کہ قبل اس کے کہ مرغ دومرتبہ بانگ دے تو تین مرتبہ میرا انکار کرے گا اور مارقش نے باطرہ کے متعلق ایسا ہی بیان کیا اور اس نے اس رات کو یہی کیا۔

کاہن کی خادمہ نے اس سے کہا کہ تو یسوع کا ساتھی ہے تو اس نے انکار کیا۔ اس کے بعد مرغ نے بانگ دی خادمہ نے ان حاضر سے کہا جو وہاں کھڑے تھے کہ یہ شخص انہیں (مسیح کے ساتھیوں) میں سے ہے تو اس نے دوبارہ انکار کیا جو لوگ وہاں کھڑے تھے انہوں نے اس سے کہا کہ سچ مچ تو انہیں میں سے ہے تو اس نے تیسری بار بھی انکار کیا۔ پھر مرغ نے دوبارہ بانگ دی۔

مارقش کے قول پر متی ولوقا ویوحنا جھوٹ بولے۔ اس لیے کہ مرغ نے باطرہ کے تین بار مسیح کا انکار کرنے سے پہلے بانگ دی۔ یا اگر یہ لوگ سچے ہیں تو پھر مسیح اس واقع کے متعلق خبر دینے میں جھوٹے ہیں۔ لامحالہ دو میں سے ایک بات ہے۔

متی ولوقا و یوحنا کے قول کے مطابق مارقش بھی اسی طرح جھوٹا ہے اس لیے کہ مرغ نے باطرہ کے تین بار انکار مسیح سے پہلے بانگ دے دی۔

یا مسیح جھوٹے ہیں۔ دو میں سے ایک بات ضرور ہے۔ ایک خبر میں لامحالہ کذب ضرور ہے۔

پھر ایک اور مصیبت ہے اور وہ یہ کہ متی و مارقش کا اس پر اتفاق ہے کہ مسیح نے باطرہ کو خبر دیدی تھی کہ اس شب میں وہ مسیح کا انکار کرے گا۔ اور باطرہ نے ان کی خبر کو رد کیا اور کہا کہ یہ نہیں ہوگا۔

اگر باطرہ کے نزدیک مسیح ان لوگوں میں سے نہ ہوتے جو اپنی خبر میں جھوٹے ہوتے ہیں تو باطرہ روبرو بار باران کی تکذیب نہ کرتا۔

یا باطرہ ہی کافر تھا کہ اس نے اپنے رب یا نبی کی تکذیب کی۔ بہرحال دو میں سے ایک بات ضروری ہے۔

اگر باطرہ ہی کافر تھا تو پھر مرتد کافر اور خدا یا کسی نبی کی علانیہ تکذیب کرنے والے کو آسمانوں کی کنجیاں کیسے دے جاسکتی ہیں۔

یا کسی طرح مرتبہ تحلیل وتحریم پر وہ شخص فائز ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ یا اس کے نبی کی تکذیب کرے۔

یا کیونکر ایسے شخص سے دین اخذ کیا جاسکتا ہے جو علانیہ اپنے رب کی تکذیب کرے یا نبی کی ایسی خبر کی تکذیب کرے جو اللہ کی طرف

سے آئی ہو۔ تکذیب بھی ایسی آخر ساعت میں کرے کہ وہ اس ساعت میں اس نبی کے ہمراہ ہو اور اسی سے اس نبی کا عمل بھی ختم ہو گیا ہو ہم نے تو ایسی گندی عقل کی کوئی امت نہیں سنی جن کے دین کی کتاب اور ائمہ کی یہ صفت ہو **و نعوذ باللہ من الخذ لا ن**۔

انجیلوں میں اختلافات:

انجیل متی کے ستائیسویں باب میں ہے کہ ”جس تختے پر مسیح کو سولی دی گئی ہے اس کے اٹھانے کے لیے سیمون کو بطور بیگار کے پکڑا گیا تھا“ انجیل مارقش کے پندرھویں باب میں ہے کہ ”وہ تختہ جس پر یسوع کو سولی دی گئی اس کے اٹھانے کے لیے سیمون القیر وانی کو پکڑا گیا جو الکسندرس وروفس کا باپ تھا“۔

انجیل لوقا کے بیسویں باب میں ہے کہ اس تختے کے اٹھانے کے لیے شمعون القیر وانی کو بطور بیگار پکڑ لیا گیا۔

انجیل یوحنا کے انیسویں باب میں ہے کہ یسوع خود ہی اس تختے کو اٹھا لائے جس میں انہیں سولی دی گئی۔

یہ اس کے خلاف ہے جو اس کے ساتھیوں نے بیان کیا۔

میں نے بعض علمائے نصاریٰ کے سامنے اس پر تقریر کی تو اس نے مجھ سے کہا کہ وہ تختہ بہت لمبا تھا اس لیے اسے خود یسوع اور شمعون مذکور نے اٹھایا تھا۔ (سیمون۔ سمعان۔ شمعون۔ باطرہ۔ ایک ہی شخص کے مختلف نام ہیں)۔

میں نے اس سے کہا کہ تمہیں یہ کہاں سے ثابت ہوا اور تم نے اسے کہاں پایا۔ حالانکہ مولفین انجیل کی خبروں کا سیاق وسلسلہ اس پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر تم کہو کہ ان دونوں کو اس تختے کے تھوڑی تھوڑی دور لے چلنے کے لیے بطور بیگار پکڑ لیا گیا تھا تو سیاق خبر میں اس کا دخل زیادہ ہوگا۔

انجیل متی کے ستائیسویں باب میں ہے کہ یسوع کے ساتھ دو چوروں کو بھی سولی دی گئی۔ ایک کو ان کی داہنی طرف اور ایک کو بائیں طرف یہ دونوں یسوع کو گالیاں دے رہے تھے۔ اپنے سر ہلا رہے تھے اور مسیح کو کہہ رہے تھے کہ اے وہ شخص جو بیت المقدس کو منہدم کرتا ہے اور تین دن میں اسے بناتا ہے اگر تو اللہ کا بیٹا ہے تو اپنے آپ کو بچا لے اور تختہ دار سے اتر آ۔

انجیل مارقش کے پندرھویں باب میں ہے کہ ان کے ساتھ دو چوروں کو بھی سولی دی گئی ایک کو ان کے داہنی طرف اور دوسرے کو بائیں طرف جن دونوں کو مسیح کے ساتھ سولی دی گئی وہ دونوں انہیں عاجز سمجھتے تھے۔

انجیل لوقا کے بیسویں باب میں ہے کہ اور دو سولی دیے ہوئے چوروں میں سے ایک مسیح کو گالی دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر واقعی تم ہی مسیح ہو تو اپنی بھی جان بچا لو اور ہماری بھی جان بچا لو دوسرے چور نے اسے جواب دیا اور اس پر دانت نکالے اور کہا کہ کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا حالانکہ تو اپنی آخر عمر میں ہے اور اس عذاب میں ہے۔ ہم دونوں کو تو وہی سزا دی جا رہی ہے جس کے ہم مستحق ہیں اور اس شخص کا تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ پھر اس نے یسوع سے کہا کہ اے میرے آقا جب آپ اپنی سلطنت میں پہنچ جائیں تو مجھے بھی یاد رکھیے گا یسوع نے اس سے کہا کہ میں امین ہوں آج تجھ سے کہتا ہوں کہ تو جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

دو میں سے ایک قصہ ضرور جھوٹا ہے:

متی و مارقش نے تو دونوں چوروں کے متعلق یہ بیان کیا کہ وہ دونوں مسیح کو گالی دے رہے تھے۔ لوقا بتاتا ہے کہ دو میں سے ایک گالی دے رہا تھا دوسرا اس گالی دینے والے پر ناخوش ہو رہا تھا اور مسیح پر ایمان رکھتا تھا۔ صادق اس قسم کے واقعات میں جھوٹ نہیں بولتا۔

اس مقام پر یہ دعوی ممکن نہیں کہ ایک ہی چور نے ایک وقت انہیں گالی دی اور دوسرے وقت ان پر ایمان لے آیا۔ اس لیے کہ لوقا کی خبر کا سیاق اس سے روکتا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھی کے گالی دینے پر اس طرح انکار و اعتراض کیا جو ایسے شخص کا سا اعتراض تھا جس نے کبھی اس پر اس کی مدد نہ کی ہو۔ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ یہ دونوں چور اور تیسرے حضرت مسیحؑ سب کے سب تختہ دار پر لٹکا دیے گئے لہذا بدیہی طور پر واجب ہوگیا کہ لامحالہ یا تو لوقا جھوٹا ہے یا وہ جھوٹا ہے جس نے اسے خبر دی۔ یا متی اور اور مارقش جھوٹے ہیں یا جس نے انہیں خبر دی۔

مرنے کے بعد جی اٹھے:

آخر انجیل متی میں مسیحؑ کو سولی اور یوسف الرامادی کی خواہش پر ان کے تختہ دار سے اتارنے اور پتھر کی چٹان میں نئی کھودی ہوئی قبر میں ان کے دفن کرنے کے ذکر کے بعد ہے کہ یوسف نے انہیں بہت بڑی پتھر کی سل سے ڈھانک دیا۔

آخر انجیل مارقش میں مسیحؑ کی سولی اور چودھری یوسف الرامادی کی خواہش پر ان کے اتارنے کے ذکر کے بعد ہے اور جمعے کی عشا کے وقت کہ ہفتہ داخل ہوگیا تھا یوسف نے انہیں ایک قبر میں دفن کر دیا۔

آخر انجیل لوقا میں مسیحؑ کی سولی کے ذکر کے بعد ہے کہ یوسف الرامادی اول شب میں آئے اور انہوں نے اس میں رغبت ظاہر کی پھر بلاطش نے ان کے اتارنے کو منظور کر لیا اور یوسف نے انہیں (تختہ دار سے) اتارا اور ایک نئی قبر میں دفن کر دیا۔

آخر انجیل یوحنا میں مسیحؑ کی سولی کے ذکر کے بعد ہے کہ یوحنا الرامادی نے اس میں رغبت ظاہر کی اور انہیں اتارا اور ایک باغ کے اندر قبر میں دفن کر دیا۔

اس کے بعد متی نے کہا کہ عشاء کے وقت ہفتے کی رات کو جس کی صبح کو اتوار تھا مریم المجد لانیہ اور ایک دوسری مریم قبر کے معائنے کو آئیں تو اس مقام میں ان دونوں عورتوں کے ساتھ سخت زلزلہ آیا۔ پھر بادشاہ آقا آسمان سے اترے اور سامنے آئے اور انہوں نے قبر کا پتھر اٹھایا اور اس پر بیٹھ گئے ان کا منظر برق کا منظر تھا اور ان کے کپڑے برف سے بھی زیادہ سفید تھے۔ پہرہ داران کے خوف سے چیخ اٹھے اور مثل مردوں کے ہو گئے۔ بادشاہ نے ان دونوں عورتوں سے کہا کہ تم نہ ڈرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں سولی دیے ہوئے یسوع کو چاہتی ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے اس لیے کہ وہ زندہ ہے اور وہ تم سے پہلے جلجال پہنچ جائے گا جیسا کہ اس نے کہا ہے لہذا تم دونوں اس مقام کی طرف نظر ڈالو جس میں آقا کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا اور اس کے شاگردوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ زندہ ہے اور وہ ابھی تم سے پہلے جلجال پہنچے گا اور اسی مقام میں تم لوگ اسے دیکھو گے۔ یہ دونوں عورتیں بڑی خوشی خوشی تیزی کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ شاگردوں کے پاس آئیں اور انہیں واقعہ بتایا۔ یسوع نے ان دونوں عورتوں سے ملاقات کی اور کہا کہ السلام علیکما'' دونوں ٹھہر کے یسوع کے قدموں سے چمٹ گئیں اور انہیں سجدہ کیا یسوع نے ان دونوں سے کہا کہ تم دونوں نہ ڈرو اور جاؤ اور میرے بھائیوں کو خبر کرو تا کہ وہ جلجال روانہ ہو جائیں وہیں وہ مجھے دیکھیں گے۔

پھر کوئی پہرہ دار شہر میں آیا اور اس نے پیشوایان یہود کے سرداروں کو اس واقعے کی اطلاع دی جو ان لوگوں کو پیش آیا تھا ان لوگوں نے سپاہیوں کو بہت سا مال رشوت میں دیا کہ پہرہ دار یہ کہیں کہ مسیحؑ کے شاگرد رات کو ان (پہرہ داروں) کے پاس آئے اور مسیحؑ کو چرا کر لے گئے اور وہ (پہرہ دار) سو رہے تھے۔ پہرہ داروں نے یہی مشہور کیا پھر اسی دن یہ خبر یہود میں پھیل گئی۔

گیارہ شاگرد جلجال یعنی اس پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے جو یسوع نے انہیں بتایا تھا جب انہوں نے یسوع کو دیکھا تو عاجزی کے

ساتھ ان کے آگے جھک گئے۔ بعض نے یسوع میں شک کیا۔

مارقش نے کہا ہے کہ جب ہفتے کا دن گزر گیا تو مریم المجد لانیہ اور مریم والدہ یعقوب وشلوما نے عطر خریدا کہ وہ اسے لائیں اور مسیحؑ کے لگائیں اتوار کو بہت تڑکے وہ قبر کے پاس آئیں اور اس مقام پر پہنچ گئیں۔ آفتاب نکل چکا تھا اور وہ کہہ رہی تھیں کہ ہمارے لیے پتھر کو قبر سے کون ہٹا دے گا۔ اتنے میں کیا دیکھتی ہیں کہ پتھر قبر سے ہٹ گیا ہے۔ وہ قبر میں داخل ہوئیں۔ دیکھا کہ داہنی جانب ایک جوان سفید چادر اوڑھے بیٹھا ہے اس نے ان سے کہا کہ تم نہ گھبراؤ کیونکہ یسوع ناصری جسے سولی دی گئی ہے وہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اور وہ یہاں نہیں ہے لہذا تم جاؤ اور اس کے شاگردوں سے اور باطرہ سے کہو کہ وہ زندہ ہو گیا ہے اور تم سے پہلے جلجال پہنچ جائے گا۔ وہیں تم لوگ اس سے ملو گے۔

وہ اتوار کو تڑکے اٹھ کھڑا ہوا اور مریم المجد لانیہ کو نظر آیا وہ گئی اور اس نے ان لوگوں کو خبر دی جو یسوع کے ساتھ رہتے تھے۔ مگر ان لوگوں نے مریم کی تصدیق نہیں کی۔ اس کے بعد کسی اور حالت میں یسوع انہیں شاگردوں میں سے دو کو نظر آئے اور یہ دونوں کسی گاؤں کا سفر کر رہے تھے۔ ان دونوں نے بقیہ شاگردوں کو خبر دی پھر بھی ان لوگوں نے تصدیق نہیں کی۔ آخر کار جس وقت یہ بارہ شاگرد تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ یکا یک وہ ان سب کو نظر آئے اور انہوں نے ان لوگوں کو ان کے کفر اور ان کے دلوں کو سختی پر ڈانٹا۔

لوقا نے کہا ہے کہ جب اتوار کو صبح ہو گئی تو بہت تڑکے چند عورتیں قبر کے پاس آئیں جو عطر لیے تھیں۔ دیکھا کہ پتھر قبر سے ہٹا ہوا ہے وہ اس میں داخل ہوئیں مگر انہوں نے اس میں آقا کو نہیں پایا تو انہیں حیرت ہوئی وہ آدمی جو سفید کپڑوں میں تھے ان کے پاس آ کھڑے ہو گئے اور ان سے کہا کہ زندوں کو مردوں میں نہ ڈھونڈو۔ وہ اٹھ چکا ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ یہ واپس گئیں اور انہوں نے گیارہ شاگردوں کو اور اس کو جوان کے ساتھ تھا اطلاع دی مگر ان لوگوں نے ان عورتوں کی تصدیق نہیں کی۔ باطرہ اٹھ کر تیزی کے ساتھ قبر کی طرف گیا۔ خالی کفن دیکھا تو اسے تعجب ہوا اور واپس ہو گیا۔

مسیحؑ انہیں میں سے دو شخصوں کو نظر آئے جو قلعہ امادس جا رہے تھے کہ یروشلیم سے ساڑھے سات میل ہے۔ ان دونوں نے مسیحؑ کو نہیں پہچانا یہاںتک کہ وہ اٹھ گئے اور غائب ہو گئے۔ یہ دونوں اسی وقت یروشلیم واپس آئے اور گیارہ شاگردوں کو اپنے احباب کے ساتھ اکٹھا پایا۔ دونوں نے ان کو اس واقعے کی خبر دی۔

یہ لوگ اس واقعے میں غور کر رہے تھے کہ یسوع ان کے درمیان کھڑے ہو گئے اور کہا کہ السلام علیکم۔ میں وہی ہوں لہذا نہ ڈرو اور نہ گھبراؤ۔ ان لوگوں نے انہیں شیطان سمجھا تھا۔ مسیحؑ نے ان سے کہا کہ تم کیوں ڈر گئے۔ میرے قدموں اور ہاتھوں کو دیکھو میں وہی ہوں۔ کیونکہ شیطان کے تو نہ گوشت ہوتا ہے نہ ہڈیاں۔ اس کے بعد کہا کہ کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ وہ لوگ بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا شربت لائے۔ انہوں نے کھایا اور بقیہ ان کی طرف چھوڑ دیا۔ پھر انہیں نصیحت کی اور ان کے پاس سے اٹھ گئے۔

یوحنا نے کہا کہ اتوار کے روز صبح کو کہ تاریکیاں ابھی دور نہ ہوئی تھیں مریم قبر کے پاس آئی۔ دیکھا کہ پتھر قبر سے ہٹا ہوا ہے۔ وہ شمعون باطرہ اور دوسرے شاگرد یعنی خود اسی یوحنا کے پاس واپس آئی اور ان دونوں سے کہا کہ میرے آقا قبر سے نکال لیے گئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ لوگوں نے انہیں کہاں رکھا ہے باطرہ اور دوسرے شاگرد قبر تک گئے اور انہوں نے کفن رکھا ہوا پایا۔ پھر یہ دونوں واپس گئے۔

مریم قبر کے پاس کھڑی ہو کے رونے لگی۔ اس نے دو فرشتوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں۔ پھر انہوں نے اس سے کہا کہ تم کسے چاہتی ہو یہ اسے باغ والا سمجھی اس سے کہا کہ اے میرے سردار اگر تم نے مسیحؑ کو لے لیا ہے تو مجھے بتا دو کہ انہیں کہاں رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ اے مریم۔ مریم متوجہ ہوئی اور کہا کہ اے میرے استاد۔ اس سے یسوع نے کہا کہ مجھے نہ چھونا۔ میں ابھی تک اپنے باپ کے پاس نہیں چڑھا تو

میرے بھائیوں کے پاس جا اور ان سے کہنا میں اپنے اور تمہارے باپ کے پاس جو میرا اور تمہارا خدا ہے چڑھنے والا ہوں۔ مریم نے کہا کہ میں نے ان لوگوں کو خبر کر دی۔

جس وقت سب شاگرد جمع تھے یسوع نمودار ہوئے۔ سب کے بیچ میں کھڑے ہوگئے اور کہا کہ السلام علیکم۔ سامنے اپنے ہاتھ اور پہلو کو پھیلا دیا۔

اس کے بعد (یوحنا نے) بیان کیا ہے کہ طوما جو بارہ شاگردوں میں سے ایک تھا اس ظہور میں ان لوگوں میں موجود نہ تھا جب وہ آیا اور ان لوگوں نے اسے خبر دی تو اس نے کہا کہ اگر میں ان کے ہاتھوں میں کیلوں (میخوں) کی پٹیاں نہ دیکھوں گا اور ان کے پہلو میں میخوں کے مقام میں اپنی انگلی نہ داخل کروں گا میں ایمان نہ لاؤں گا۔

جب آٹھ دن گذر گئے یہ سب لوگ اکٹھا ہوئے دروازے بند تھے کہ یسوع نمودار ہوئے اور ان کے بیچ میں کھڑے ہوگئے طوما سے کہا کہ اپنی انگلی ڈال اور میری ہتھیلی دیکھ اپنا ہاتھ لا اور اسے میرے پہلو میں داخل کر۔ کافر نہ ہو بلکہ مومن بن طوما نے ان سے عرض کیا کہ اے میرے آقا اور میرے خدا۔

اس کے بعد وہ بحیرہ طبریہ میں شمعون باطرہ کو اور طوما و نتمائیل کو اور سبدی کے دو لڑکوں کو اور ان کے سوا دو شاگردوں کو نظر آئے یہ سب لوگ کشتی میں سوار ہو کر دریا میں شکار کھیل رہے تھے۔

عجائب احوال:

اس قصے پر اور اس میں جتنا جھوٹ اور خرابی ہے اس پر تعجب کرنا چاہیے متی کہتا ہے کہ مریم اس ہفتے کی شب کی عشاء کے وقت جس کی صبح کو اتوار تھا قبر کے پاس آئیں اور انہوں نے مسیح کو اٹھا ہوا پایا۔

مارقس کہتا ہے کہ مریم اتوار کو طلوع آفتاب کے بعد قبر کے پاس آئیں تو انہوں نے مسیح کو اٹھا ہوا پایا اب تک تاریکی چھٹی نہ تھی ان لوگوں کے یہ جھوٹ عورتوں کے قبر تک پہنچنے کے وقت میں ہیں۔

جو لوگ قبر تک آئے آیا وہ صرف ایک مریم تھی یا ایک مریم اور اس کے ساتھ دوسری مریم بھی تھی۔ یا یہ دونوں تھیں اور ان کے ساتھ اور عورتیں بھی تھیں۔

متی کہتا ہے کہ مریم و مریم نے بادشاہ کو دیکھا جب وہ آسمان سے اترے اور انہیں دونوں کے سامنے ایک سخت زلزلے سے پتھر اٹھ گیا۔ پہرہ دار چیخ اٹھے۔ فرشتے نے ان دونوں عورتوں سے کہا کہ تم نہ ڈرو۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

مارقس کہتا ہے کہ ان عورتوں نے پتھر کو اکھڑا ہوا پایا۔ دو سفید پوش شخص ان کے پاس آ کے کھڑے ہوگئے اور انہیں ان کو مسیح کا اٹھ کھڑا ہونا بتایا۔

یوحنا کہتا ہے کہ تنہا مریم آئی اور اس نے دیکھا کہ پتھر اکھڑا ہوا ہے اس نے کسی کو نہیں دیکھا اور وہ حیران ہو کے واپس آ گئی۔ اس نے شمعون اور یوحنا کو جو اس قصے کا حکایت کرنے والا ہے خبر دی یہ دونوں ساتھ ساتھ قبر تک گئے۔ مگر انہوں نے اس میں کسی کو نہ پایا تو واپس آ گئے۔ یہ عورت پلٹی تو اس نے خود مسیح کو کھڑا دیکھا۔ مسیح نے اسے سلام کیا اور اپنے اٹھنے کی خبر دی۔

یہ دوسرا جھوٹ ہے جو پتھر کے اکھڑنے کے وقت میں ہے۔

آیا قبر کے پاس ایک فرشتہ پایا گیا یا دو یا اس میں قطعاً کوئی فرشتہ پایا ہی نہیں گیا؟

متی کہتا ہے کہ دو عورتیں ان لوگوں کے پاس مسیحؑ کی وصیت لائیں۔ ان لوگوں نے ان کی تصدیق کی۔ سب کے سب جلیجال روانہ ہو گئے اور وہاں مسیحؑ کے ساتھ جمع ہو گئے۔

مارقس کہتا ہے کہ مسیحؑ مریم کو نظر آئے اور اس نے ان لوگوں کو خبر دی اور انہوں نے اس کی تصدیق نہیں کی پھر دو آدمیوں کو نظر آئے اور ان دونوں نے بھی انہیں خبر دی مگر ان لوگوں نے ان دونوں کی بھی تصدیق نہیں کی۔ پھر مسیحؑ ان سب کے پاس اترے۔

لوقا کہتا ہے کہ ان لوگوں نے عورتوں کی تصدیق نہیں کی۔ باطرہ قبر تک گیا اور اس نے وہاں کچھ نہ پایا اور نہ کسی کو دیکھا۔ مسیحؑ یروشلیم میں ان لوگوں میں اترے۔ اس وقت ان لوگوں نے انہیں دیکھا اور انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ بھونی ہوئی مچھلی کھائی۔

یہ اس شخص کی صفت ہے جس کا مقصد ان لوگوں کے پاس جانے سے محض بھوک اور کھانے کی طلب ہو۔

یوحنا کہتا ہے کہ وہ بجز طوما کے دس شاگردوں کو نظر آئے اور طوما کو اور شاگردوں کو نظر آئے۔

اختلاف دلیل دروغ:

ایک ہی مقام کے ایک ہی قصے میں اس قسم کا اختلاف بلا شک کذب ہے جو معصومین سے سرزد نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ کذاب تھے۔ نہ اپنی تقریر میں صدق کی کوشش کرتے تھے نہ اپنی تحریر میں۔

اسی قصے میں مارقش نے مسیحؑ کا قول بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کے کفر اور ان کی سنگدلی و قساوت قلب کی مذمت کی۔ جب مسیحؑ خود اپنے اٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں کے کفر و قساوت قلب کی شہادت دیں تو ان لوگوں سے دین کا حاصل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ یا یہ کیسے ممکن ہے کہ کافر و سنگدل کو خدا آسمانوں کی کنجیاں دیدے اور اسے تحلیل و تحریم کے مرتبے پر فائز کر دے۔ لہذا یہ تمام امور اس امر کی برہان واضح ہیں کہ اناجیل ایسی کتابیں ہیں جو کذابین و کفار کی گھڑی ہوئی ہیں۔

اسی قصے میں ہے کہ مریم اور تمام شاگرد مسیحؑ کے بعد حفاظت سبت (احترام یوم شنبہ) اور اس کی تعظیم اور اس میں کام نہ کرنے کی پابندی کرتے تھے۔

اسی طرح ایک دوسری خرابی ہے کہ ان کے پاس عطر لیجایا جاتا ہے جب اتوار آتا ہے۔ یقیناً ثابت ہو گیا کہ یہ بدنصیب دین مسیحؑ پر نہیں ہیں اور نہ اس دین پر ہیں جس پر مسیحؑ کے شاگرد گزر گئے۔ بلکہ ایک دوسرے دین پر ہیں۔ لہذا ان کی بربادی و دوری ہو۔ اللہ رب العالمین کا بہت بہت شکر ہے کہ اس نے ہم اہل اسلام کو نعمت عظمیٰ دی ہے۔

مسیحؑ کی بیزاری دولتمندوں سے:

انجیل مارقش کے دسویں باب میں ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا صاحب ثروت کے اللہ کی سلطنت میں داخل ہونے سے آسان ہے۔

مسیحی پھر بھی دولتمند ہیں:

یہ قطعاً ان کا کلام ہے کہ کوئی غنی کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ حالانکہ ان کے متبعین میں بکثرت امرا ہیں۔ میں نے ہر وقت ہر

کنیسہ اور ہر دیر اور ہر شہر میں اساقفہ و قسیسین و رہبان سے زیادہ حریص کبھی کوئی قوم نہیں دیکھی۔ کہ یہ لوگ مال کے جمع کرنے اور دولت کے ذخیرہ کرنے اور اس میں بخل کرنے میں بغیر اس کے کہ یہ خود اس سے کوئی نفع اٹھائیں یا دوسروں کو فائدہ پہنچائیں سب سے زیادہ حریص ہیں۔ لہٰذا بموجب ان کے خدا کے کلام کے یہ لوگ جنت ہیں داخل نہ ہوں گے تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ داخل ہو۔ واللہ یہ حق ہے اور میں بھی تم لوگوں کے خلاف گواہ ہوں۔

جھوٹا وعدہ:

انجیل مارقش کے دسویں باب میں ہے کہ باطرہ نے یسوع مسیحؑ سے کہا کہ دیکھئے ہم لوگوں نے تو سب کو چھوڑ دیا اور آپ کے ساتھ ہو گئے۔ یسوع نے جواب دیا کہ میں امین ہوں۔ تم سے کہتا ہوں کہ جس شخص نے گھر یا بھائی بہنیں یا والد و والدہ یا بیوی یا اولاد یا کھیتیاں میری وجہ سے چھوڑیں تو اسے اب اسی زمانے میں سوگونہ زائد مکانات بھائی بہنیں ماں اولاد اور کھیتیاں مع ضروری اشیاء کے دی جائے گی اور عالم آئندہ میں حیات جاودانی ملے گی۔

پورا ہو سکتا ہی نہیں:

یہ وعدہ جس کی ذمہ داری کی گئی ہے جھوٹا ہے جس کا پورا کرنا غیر ممکن ہے۔ یہی کافی ہے کہ یہ لوگ اس کو اس موقع پر لاتے ہیں کہ جو مسیحؑ کے دین پر ہوگا اولاد و بھائی بہن مائیں اسے عوض میں دیا جائے گا۔ مسیحؑ کے وعدے میں حیلہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو مسیحؑ پر ایمان لائے اور اپنا مال ترک کرے اسے اس کھیت کے عوض میں جو وہ ترک کرے اسی کے مثل سو کھیت ملیں گے گھر کے بدلے سو گھر اب اسی وقت اور اسی دنیا میں فوراً جو اس مال کے علاوہ ہوں گے جو آخرت میں ہے۔ یہ جیسا کچھ ہے تم بھی دیکھتے ہو۔

صالح اللہ ہے مسیحؑ چرواہے صالح ہیں:

انجیل مارقش کے دسویں باب میں ہے کہ ایک شخص نے مسیحؑ سے کہا کہ اے معلم صالح؟ مسیحؑ نے اس سے کہا کہ تو مجھے صالح کیوں کہتا ہے۔ صالح تو صرف اللہ ہے اور انجیل یوحنا کے نویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ میں صالح چرواہا ہوں۔

ایک مرتبہ تو وہ اپنے صالح ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی صالح نہیں اور ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ وہ صالح ہیں۔ حالانکہ یہ سب ان پر جھوٹ باندھا گیا ہے جو انہیں کمینوں کا بنایا ہوا ہے۔ انجیل مارقش کے آخر میں ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ ساری دنیا کے پاس جاؤ اور تمام مخلوق کو انجیل کی خوشخبری سناؤ۔ جو ایمان لائے گا اور اعتماد کرے گا وہ سلامت رہے گا اور جو ایمان نہ لائے گا اس پر عذاب کیا جائے گا۔ یہ نشانیاں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گی جو مجھ پر ایمان لائیں گے اور یہی ان کی علامت ہوگی۔ وہ میرے نام سے جن کو بھگا دیں گے اور لغات جدیدہ میں کلام کریں گے۔ اژدہوں کو اکھاڑ دیں گے۔ اگر وہ کوئی ہلاک کرنیوالی (زہریلی) چیز پی لیں گے تو انہیں ضرر نہ کرے گی۔ مریضوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیں گے تو وہ تندرست ہو جائیں گے۔

مسیحؑ کی انجیل اور تھی:

اس فصل میں دو تعجب خیز کذب ہیں جن میں سے ایک تو ان کا یہ کہنا ہے کہ "انجیل کی خوشخبری سناؤ" یہ اس انجیل پر دلالت کرتا ہے جو مسیحؑ ان کے پاس لائے تھے اور اب وہ ان کے پاس نہیں ہے۔ ان کے پاس جو چار اناجیل ہیں وہ اس سے جداگانہ ہیں جو چار مشہور شخصوں کی

تالیف ہیں جن میں سے ہر انجیل مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے سالہا سال بعد اور زمانہ طویل کے بعد تالیف کی گئی۔ لہذا ثابت ہو گیا وہ انجیل جس کے متعلق مسیح نے خبر دی کہ وہ اسے ان کے پاس لائے اور انہیں اس کی دعوت دینے کا حکم دیا وہ ان کے پاس جا چکی۔ اس لیے کہ وہ لوگ اسے قطعاً پہچانتے تک نہیں اور یہ بغیر اس کے ہو نہیں سکتا۔

غیر ممکن وعدے:

یہ کہنا کہ مسیح نے وعدہ کیا کہ جو لوگ شاگردوں کی دعوت پر ایمان لائیں گے تو وہ ایسی لغات (زبانوں) میں بات کریں گے جنہیں وہ جانتے نہ ہوں گے۔ آسیب زدہ لوگوں سے جنون کو دور کر دیں گے۔ مریضوں پر ہاتھ رکھ دیں گے تو وہ اچھے ہو جائیں گے۔ اژدہوں کو اکھاڑ دیں گے اور زہریلی اور مہلک چیز پئیں گے تو وہ انہیں ضرر نہ پہنچائے گی۔

یہ ایسا وعدہ ہے جس کا کذب علانیہ ظاہر ہے۔

ان میں سے ایک بھی ایسی زبان میں کلام نہیں کرتا جس کو وہ نہ جانتا ہو۔

نہ ان میں سے کوئی شخص جن کو دور کرتا ہے۔

نہ کوئی بھی مریض پر ہاتھ رکھ کر اسے اچھا کرتا ہے۔

نہ ان میں سے کوئی اژدہے کو اکھاڑتا ہے۔

نہ ان میں سے کوئی زہر پیتا ہے کہ وہ اسے ایذا نہ پہنچائے حالانکہ وہ سب اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یوحنا مؤلف انجیل زہر ہی سے قتل کیا گیا۔

اللہ اس سے بری ہے کہ کوئی نبی ناکام جھوٹے وعدے لائے۔ چہ جائیکہ جو خدا ہو۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ جن کمینوں نے یہ اناجیل لکھیں انہیں مسیح کی طرف کذب کا منسوب کرنا سب سے آسان تھا۔

خدا کے داہنے پہلو:

اس فصل کے بعد اور اسی کے متصل ہے کہ جب رب نے اس کو بیان کیا تو آسمان پر اٹھا لیے گئے اور اللہ کی داہنی طرف بیٹھ گئے یہ احمقانہ شرک ہے۔ رب کی روح قبض کر لی جائے۔ یہ بلاشک تعجب خیز ہے۔ رب اللہ کی داہنی طرف بیٹھے یہ دو رب اور دو خدا ہوئے کہ ایک بزرگ ہے دوسرے سے اس لیے کہ بلاشک جس کو داہنی طرف بٹھا لیا گیا ہے وہ ارفع و اعلیٰ ہے اس سے جس نے داہنی طرف بٹھایا ہے۔

ونعوذ بالله من الخذلان۔

انجیل کی تصنیف کا ثبوت:

مثل انجیل لوقا کے شروع میں ہے کہ ”ہم سے پہلے ایک جماعت نے ان اشیاء کا حال بیان کرنے کا ارادہ کیا جو ہم میں کامل تھیں۔ اس گروہ کے جس نے ہمیں اس کی راہ بتائی۔ یہ ایسے لوگ تھے کہ حالات کا معائنہ کیا۔ وہ حاملین حدیث تھے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے شروع ہی سے خوبی کے ساتھ انہیں کے نقش قدم پر چلوں۔ اے کریم تیرے لیے اسے لکھوں کہ تو اس کلام کے حق کو سمجھے جسے تو جانے اور جس پر تو خبردار ہو اور تو اس کا ماہر ہو“

اس بیان سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ انجیلیں اصل میں انسانی تالیف ہیں۔ جناب الٰہی سے نازل نہیں ہوئی ہیں۔ جیسا کہ تم نص کلام لوقا میں دیکھتے ہو۔

مشکوک سلسلۂ نسب:

اول انجیل لوقا میں جو اخبار مسیحؑ میں اسی کی تالیف کی ہوئی تاریخ ہے، لوقا نے کہا ہے کہ ہردوس والی ملک یہود کے بعد ایک کاہن ہوا ہے جس کا نام زکریا تھا جو دولت ابجا کا تھا اور اس کی بیوی بنات ہارون میں سے تھی جس کا نام ایشبات تھا۔

اس کے بعد ایک کلام ذکر کیا ہے جس میں جبرئیل ملک علیہ السلام کا مریم علیہا السلام والدہ مسیح علیہ السلام کے پاس آنا بیان کیا ہے۔ جبرئیل نے بہت سی باتوں میں مریم سے کہا کہ ایشبات جو آپ کی رشتہ دار ہے باوجود عمر میں بڑی ہونے اور بانجھ ہو جانے کے حاملہ ہو گئی۔

اس نے بیان کیا کہ ایشبات ہارونیہ ہے اور مریم کی رشتہ دار ہے اس بناء پر مریم بھی ہارونیہ ہوئیں۔ حالانکہ تمام نصاریٰ اور تمام اناجیل اس پر متفق ہیں کہ مسیح داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں اناجیل بہت سے مقامات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے باپ داؤد کی سلطنت کا وارث بنائے گا۔ نابینا اور پیٹ کی بیماری والے اور مریض اور آسیب زدہ لوگ اور جن انہیں ''یا ابن داؤد'' کہا کرتے تھے۔ مسیحؑ ان لوگوں کے سامنے اس کا انکار نہیں کرتے تھے۔ نصاریٰ و یہود اس امر میں بھی اختلاف نہیں کرتے کہ جن مسیحؑ کا انتظار ہے وہ داؤد کی اولاد میں ہوں گے۔ حالانکہ مسیحؑ نے ان تمام امور کے باوجود انجیل متی کے تیرھویں باب میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسیحؑ نے اپنے اولاد داؤدؑ میں ہونے سے انکار کیا ہے۔

یہ بدحواسی وتلون تابکجا؟

ان تمام امور کے باوجود جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ نصاریٰ انہیں یوسف النجار داؤدی ہی کی اولاد میں منسوب کرتے ہیں جن کے متعلق وہ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مریم کے شوہر تھے۔ یہ بہت بڑی مصیبت اور خرابی ہے جس کی کوئی وجہ بھی نہیں گھڑی جا سکتی کہ وہ مسیحؑ کو ایسے شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں جن کے یہاں وہ پیدا نہیں ہوئے۔ اس کذب کا کمترین صلہ جو دنیا میں ہے وہ عار و شرم ہے۔ گمراہی کی فضیحت ہے اور آخرت میں دوزخ و نعوذ بالله من الخذ لا ن۔

انجیل لوقا کے دوسرے باب میں ہے کہ جب مسیحؑ کے والدین مسیحؑ کو بیت المقدس میں لائے کہ ان کی طرف وہ قربانی ادا کریں جس کا ان دونوں کو حکم دیا گیا ہے۔ شمعون نے مسیحؑ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

اس کے بعد اسی باب میں ہے کہ ان کے والدین ہر سال ایام فصح (عید یہود) میں یروشلیم آیا جایا کرتے تھے۔ جب مسیحؑ بارہ برس کے ہو گئے تو وہ والدین کی عادت کے مطابق یوم عید میں یروشلیم گئے۔ اس کے ختم ہونے پر واپس آ کر یسوع یروشلیم میں رہ گئے۔ ان کے والدین اس کو نہ جانتے تھے۔ وہ یہ سمجھے کہ وہ راستے میں آ رہے ہوں گے۔ دونوں دن بھر چلتے رہے۔ عزیزوں اور بھائیوں کے یہاں یسوع کو ڈھونڈتے رہے۔ جب انہیں نہ پایا تو ان کی تلاش میں یروشلیم واپس گئے۔ تیسرے روز انہوں نے یسوع کو بیت المقدس میں علماء کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا وہ ان کی باتیں سنتے تھے اور انہیں جواب دیتے تھے۔ ان کی بات کی اور جواب کی خوبی سے ہر سننے والا اور دیکھنے والا تعجب کرتا تھا۔ یسوع سے ان کی والدہ نے کہا کہ اے میرے پیارے فرزند تم ہمیں کیوں نہیں لے گئے حالانکہ تمہارے والد اور ان کے ساتھ میں بھی بہت رنج کے ساتھ تمہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ پھر یسوع نے انہیں جواب دیا کہ تم دونوں نے مجھے کیوں تلاش کیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مجھے اپنے باپ کے حکم کی پابندی

ضروری ہے۔ یہ دونوں ان کے جواب کو نہ سمجھے۔ یسوع اپنے والدین کے ساتھ ناصرہ چلے گئے اور دونوں کی اطاعت کرتے رہے۔

والد مسیحؑ:

لوقا جوان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام سے بھی بزرگ تر ہے کس طرح جابجا کہتے ہیں کہ یوسف النجار والد مسیحؑ تھے اور اس کو اس طرح دہراتا رہتا ہے کہ گویا یہ ایک طے شدہ بات ہے۔

یا مریم اپنے بیٹے سے کس طرح کہتی ہیں کہ تمہیں تمہارے باپ نے تلاش کیا اور بزعم نصاریٰ مسیحؑ کے باپ سے وہ اپنا شوہر مراد لیتی ہیں یوسف ان کے باپ کس طرح ہو سکتے ہیں حالانکہ ان کا تو کوئی باپ ہی نہ تھا۔ سوتیلے باپ پر اس قسم کا اطلاق (یعنی اس کو باپ کہنا) محض اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے جس کا باپ معلوم ہو۔ اس سوتیلے باپ یعنی کفیل کو کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا باپ ہے۔ اس لیے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں (نہ نسب کا نہ میراث کا) لیکن وہ شخص کہ بنی آدم میں جس کا کوئی بھی باپ نہ ہو اس کے بارے میں اس کی ماں کے شوہر پر ابوت (پدری) کا اطلاق کرنا اشکال۔ تلبیس (دغا و فریب) اور مصیبت تک رہبری کرنا ہے۔

یا ان کے دعوے کے مطابق "وہ خدا ان سب کے منہ توڑے، مریم کنواری کیسے رہ سکتی ہیں باوجودیکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ تیرہ سال سے زائد رہیں جس طرح ایک مرد اپنی عورت کے ساتھ رہتا ہے دونوں ایک دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتے ہیں۔

یا اس کے باوجود ان لوگوں کے نزدیک یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ بغیر مرد کے پیدا کیے گئے؟ کہاں یہ گھڑا ہوا جھوٹ اور کہاں وہ شفاف نور جو اللہ تعالیٰ کا اپنی بولنے والی وحی میں سچا قول ہے جو اس نے اپنے رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے کہ باطل نہ تو اس کے آگے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے فرماتا ہے۔

واذكر فى الكتاب مريم . اذا نعبذت من اهلها مكاناً شرقيا. فاتخذت من دونهم حجابا فار سلنا اليهار وحنا فتمثل لها بشر اسويا . قالت انى اعوذبالرحمن منک ان كنت تقيا . قال انما انا رسول ربک لا هب لک غلاما زكيا . قالت انى يكون لى غلم و لم يمسسنى بشر ولم اک بغيا . قال كذالک . قال ربک هو على هين. ولنجعله آيةللناس و رحمة منا . و كان امر امقضيا . فحملته فا نتبذ ت به مكانا قصيا . فا جاء ها المخاض الى جذع النخلة . قالت يا ليتنى مت قبل هذا و كنت نسيا منسيا فنا د ها من تحتها الا تخزنى قد جعل ربک تحتک سريا . وهزى اليک بجذع النخلة تسقط عليک ر طبا جنيا . فكلى و اشربى و قرى عينا فا ما ترين . من البشر احد افقولى انى نذرت اللرحمن صو ما فلن اكلم اليوم انسيا . فا تت به قومها تحمله . قا لو ايمر يم لقد جئت شياء فريا يااخت هارون ما كان ابوک امر اسوء و ما كانت امک بغيا . فا شارت اليه .قالوا كيف نكلم من كان فى المهد صبيا . قال انى عبد الله . اتنى الكتب و جعلنى نبيا . وجعلنى مباركا اين ما كنت . واو صانى بالصلواة والزكوة ما دمت حيا . وبر ابو الدتى و لم يجعلنى جبار اشقيا .و السلام على يوم ولدت و يوم اموت و يوم ابعث حيا . ذلک عيسى بن مريم قول الحق الذى فيه يمترون . ما كان الله ان يتخذمن ولد سبحانه اذا قضى امرافا نما يقول له كن فيكون . وان الله ربى ور بكم فا عبد وه هذا صراط مستقيم . (سوره مريم پاره ١٦)

اس کتاب میں ذرا مریم کو بھی یاد کیجئے۔ جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ایک شرقی مکان میں گئیں اور غسل کے لیے انہوں نے ان

لوگوں کی آڑ کے لیے پردہ ڈال لیا۔ پھر ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا اور ان کے سامنے بالکل آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ وہ کہنے لگیں کہ اگر تجھے خدا کا خوف ہے تو میں تجھ سے رحمت والے خدا کو پناہ مانگتی ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔ تا کہ تم کو ایک پاک لڑکا عطا کروں۔ وہ کہنے لگیں کہ میرے یہاں لڑکا کہاں سے ہوگا۔ حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ ایسا ہی ہوتا ہے (مگر) تمہارا رب کہتا ہے کہ وہ مجھے آسان ہے۔ تا کہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانی اور لوگوں کے لیے باعث رحمت بنائیں اور یہ طے شدہ امر ہے پھر انہیں لڑکے کا حمل رہ گیا اور وہ اسے لیے ہوئے کسی دور مقام پر چلی گئیں پھر دردزہ کی تکلیف انہیں ایک کھجور کے تنے تک لائی۔ وہ کہنے لگیں کہ اے کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بالکل فراموش ہو جاتی۔ پھر فرشتے نے ان کے پائینتی سے انہیں آواز دی کہ غم نہ کرو۔ تمہارے رب نے تمہارے پائینتی نہر جاری کر دی ہے اور تم کھجور کے اس (سوکھے ہوئے بے برگ و بار) تنے کو اپنی طرف جھکاؤ تو یہ تم پر تازہ تازہ کھجوریں گرائے گا۔ پھر تم کھانا پینا اور (فرزند سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ پھر اگر تمہیں کوئی آدمی نظر آئے تو کہنا کہ میں نے رحمت والے کے لیے نذر کا روزہ رکھا ہے لہٰذا آج میں ہرگز کسی بشر سے نہ بولوں گی۔ پھر وہ بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اے مریم تم نے عجیب بات کی۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارے باپ کوئی برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں پھر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا (کہ واقعہ اس سے پوچھو) تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی گہوارے میں بچہ ہے بچے نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور میں جہاں کہیں ہوں مجھے بابرکت بنایا ہے اور مجھے تازیست نماز و زکوٰۃ کی نصیحت فرمائی ہے اور مجھے اپنی ماں کا فرمانبردار بنایا ہے اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا ہے اور مجھ پر یوم ولادت سے ہی سلام ہے اور اس دن بھی جس دن مروں گا اور اس دن بھی جس روز زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ اسی سچی بات میں یہ لوگ شک کرتے ہیں (کہ کوئی تو انہیں معاذ اللہ خدا کا بیٹا بناتا ہے اور کوئی یوسف نجار کا)۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کو طے کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ بس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے)۔

امر حق:

یہی وہ واضح حق ہے جس کا ہر جزو دوسرے جزو کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ وہ کذب کہ جس کا ہر جزو متناقض ہے اور یہی وہ امر ہے جس کے سوا کچھ اور ممکن نہیں۔ اگر مریم کے شوہر ہوتے تو کوئی بھی ان کے یہاں ولادت پر اعتراض نہ کرتا۔

اگر مسیحؑ کے گہوارے کے اندر کلام کرنے پر برہان قائم نہ ہو تو نہ ہمارے نزدیک اور نہ کسی اور کے نزدیک یہ ممکن ہوتا کہ بغیر اس کے بچہ ان کے حمل میں آ جاتا۔ بلاشک یہ ایک جھوٹا دعویٰ ہوتا جس کی تصدیق کسی کو بھی جائز نہ ہوتی۔

خاص کر ان لوگوں کے اس دعوے کے ساتھ کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ تیرہ سال سے زائد ایک ہی گھر میں رہیں اور ان کی ولادت کے وقت والدین نے قربانی کی جیسا کہ بحکم توریت یہودی والدین اپنے بیٹوں کی طرف سے قربانی کرتے ہیں۔

خصوصاً اس حالت میں کہ خود ان کی والدہ ان سے کہتی ہیں کہ یہ ''تمہارے باپ ہیں'' اور ''تمہارے باپ نے یہ کیا''

اس سے بھی زیادہ مصیبت ناک ان لوگوں کا یہ اقرار ہے کہ مسیحؑ کے چار بھائی تھے۔ (۱) شمعون، (۲) یہوزا، (۳) یوسف (۴) یعقوب اور بہنیں تھیں۔ نجار کی سوائے مریم کے کوئی اور بیوی بھی نہیں بتاتے کہ نجار کی یہ اولاد اسی سے ہوتی۔ یہ تو ہمیشہ کی جگ ہنسائی اور کمر

توڑنے والی بات ہے۔ کہنے والوں کی زبان کو آزادی دینا ہے جو یہ کہیں کہ مریم کے یہاں مسیح شوہر سے پیدا ہوئے یا (خدانخواستہ) زناکاری سے۔ معاذ اللہ۔ اللہ اس سے بری ہے۔ یہ تمام امور اس کو ثابت کرتے ہیں کہ نصاریٰ کو ان کا مذہب تباہ کرنے کے لیے یہود کی طرف سے فریب دیا گیا ہے۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان .**

بڑھئی کا بیٹا:

انجیل لوقا کے باب چہارم میں ہے کہ عام لوگ مسیح کی نصیحت پر جو وہ لوگوں کو کرتے تھے اور مسیح کے قول پر تعجب کرتے تھے اور ان کی شہادت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا یہ یوسف النجار کا بیٹا نہیں۔ (نجار بڑھئی کو کہتے ہیں) مسیح ان سے کہتے تھے کہ ہاں۔ ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ عنقریب میرے لیے کہو گے کہ اے طبیب تو اپنا آپ علاج کر۔ تو اپنے مقام میں وہی کر جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جو تو نے کفر ناحوم میں کیا ہے میں امین ہوں تم سے کہتا ہوں کہ کوئی نبی اپنے مقام میں قبول نہیں کیا جاتا۔

برہان تثلیث جس سے تثلیث کا ابطال ہوتا ہے:

اس فصل میں تین بہت بڑی باتیں ہیں۔

اول ان کا مسیح کو یہ کہنا کہ یہ یوسف کا بیٹا ہے اور مسیح کا فرمانا کہ ہاں۔ یہ اس امر کا صحیح مان لینا ہے کہ نجار کے بیٹے ہیں معاذ اللہ۔

دوم یہ مسیح کا اعتراف اور ان لوگوں سے اس امر پر اتفاق کہ وہ جماعت کے سامنے کوئی معجزہ نہیں لائے اور صرف یہی بیان کیا کہ وہ بیابان میں معجزات لائے۔

سوم اور یہی حق بھی ہے مسیح کا ان لوگوں سے یہ کہنا کہ وہ نبی ہیں۔ یہی وہ مضمون ہے جو ان لوگوں کی تبدیل و تحریف سے بچ گیا اور اللہ عزوجل نے ان پر حجت کے لے باقی رکھا۔ **والحمد للہ رب العالمین۔**

جس کے لیے معافی ہے اور جس کے لیے نہیں ہے:

انجیل لوقا کے بارھویں باب میں ہے کہ مسیح نے کہا کہ جو انسان کے بیٹے کے بارے میں کچھ کہے گا اسے معاف کر دیا جائے گا اور جو روح القدس کو گالی دے گا اسے نہیں بخشا جائے گا۔

انسانیت کی بحث:

ان لوگوں کے قول کا کافی ابطال ہے اس لیے کہ ان لوگوں کے نزدیک ''انسان کا بیٹا'' خود روح القدس ہے اس مقام پر کلام مسیح کی نص اسے واضح کرتی ہے کہ انسان کا بیٹا اور روح القدس دو جداگانہ شخص ہیں جن میں سے ایک کا گالی دینے والا بخشا جائے گا اور دوسرے کا گالی دینے والا نہیں بخشا جائے گا۔ یہ بیان ہر اشکال کا اٹھانے والا ہے کیونکہ اگر مسیح ابن الانسان ہیں تو وہ روح القدس ہرگز نہیں جیسا کہ کلام مسیح کی تصریح ہے اور اگر وہ روح القدس ہیں تو اسی طرح وہ ابن الانسان نہیں۔ اگر ابن الانسان ہی روح القدس ہو تو پھر مسیح جھوٹے ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے دونوں میں فرق کیا ہے اور دونوں میں سے ایک کو ایسا بنایا ہے کہ اس کا گالی دینے والا بخشا جائے گا اور دوسرے کو ایسا کہ اس کا گالی دینے والا نہیں بخشا جائے گا اس مذہب کے باطل سمجھنے کے لیے اسی میں کفایت ہے۔

دعائے مغفرت:

انجیل لوقا کے بیسویں باب میں ہے کہ لوگ جب اس مقام تک پہنچ گئے جس کا نام اجرد ہے تو وہیں انہوں نے مسیح کو سولی دی۔ ان کے ساتھ داہنے اور بائیں دونوں خیانت کرنے والے چوروں کو بھی سولی دی۔ یسوع نے کہا کہ اے باپ ان کی مغفرت کر کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے ناواقف ہیں اور اپنے فعل کو جانتے نہیں ہیں۔

اس فصل میں نصاریٰ پر دو بہت بڑی خرابیاں ہیں جو ان کے دین کے گندے ہونے اور ان کے مذہب کے علانیہ فساد کے واضح ہونے میں کافی ہیں۔

اول ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ مسیح تمہارے نزدیک خدا ہیں یا نہیں۔ ان کے ہاں کہنے پر ان سے کہا جائے گا کہ پھر مسیح نے کس سے دعا مانگی اور کس کے آگے اپنی طلب پیش کی۔

اگر انہوں نے کسی دوسرے سے دعا کی تو وہ خدا ہو کے دوسرے خدا کو پکارتے ہیں اور یہ شرک اور خداؤں کے درمیان تغایر ہے اور یہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔

اگر انہوں نے خود اپنے ہی سے دعا کی تو یہ ایک جنونی حرکت ہے ان کی مثال تو یہی تھی کہ وہ کہہ دیتے کہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی حالانکہ یہ لوگ اناجیل میں تصریح کرتے ہیں کہ مسیح جس کے گناہ چاہیں گے بخش دیں گے۔ پھر اس وقت وہ اس صفت سے کہاں چلے گئے تھے جب انہوں نے ایک دوسرے خدا سے دعا کی۔

دوم یہ کہ ان سے کہا جائے کہ آیا مسیح کی یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں اگر وہ کہیں کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ تو ہم کہیں گے کہ پھر اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ ایک خدا دعا کرے اور وہ قبول نہ ہو اور نہ کوئی اس سے زیادہ نحوست ہوگی اور اس بنا پر ربوبیت والوہیت میں سے ان کے ہاتھ میں سوائے اس کے کچھ نہیں جس طرح کھیت کی مینڈوں سے میں بھاگنے والے بیل کی دم۔ جیسا کہ تمام مخلوق ہیں کہ وہ دعا کرتے ہیں جو کبھی قبول ہوتی ہے اور کبھی قبول نہیں ہوتی۔

اگر وہ کہیں کہ ان کی دعا قبول ہوگئی تو ہم ان سے کہیں گے کہ تمہیں جاننا چاہیے کہ تم نے اور تمہارے تمام بزرگوں نے جو مسیح کے سولی دینے والے یہود کو قید کیا تو ان پر بڑا ظلم کیا وہ اس قوم کا قید کرنا کیسے حلال سمجھتے تھے جسے ان کے خدا نے معاف کر دیا تھا اور اپنے سولی دینے کی ملامت کو ان سے دور کر دیا تھا۔ کیا تم لوگوں کو عقل نہیں جس سے تم اپنے مذہب کی گمراہیوں میں سے اس گمراہی کو پہچانو کہ دنیا میں اس کی سی گمراہی پر کوئی نہ ہوگا۔ بلکہ ہر گمراہی اس سے کم ہے۔

اگر کہا جائے کہ تم لوگ اس پر کیا اعتراض کرتے ہو حالانکہ تم خود کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں وہ نافرمان و گنہگار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ارادہ نہیں کیا۔ انہیں اس نے محض اختیاری حکم دیا مگر تم تو ہمیں بتاؤ کہ وہ کون تھا جسے ان لوگوں کے لیے دعوت دی گئی تھی کہ وہ ان لوگوں کو بخش دے۔ پھر ہم اسے قبول کریں یا اس کی نافرمانی کریں۔ اس اعتراض سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

جاہل جو نبی کی بات سمجھنے سے عاجز ہیں:

انجیل لوقا کے آخر میں ہے کہ مسیح سولی دیے جانے کے بعد اپنے دو شاگردوں کو نظر آئے اور وہ دونوں مسیح کو نہیں پہچانتے تھے۔ مسیح نے

ان سے کہا کہ وہ کون سی چیز ہے جس میں تم دونوں غور کر رہے ہو اور کس کے لیے غمگین ہو۔ دونوں شاگردوں میں سے ایک نے جس کا نام کلوباش تھا کہا کہ صرف تمہیں یروشلیم میں ایک مسافر ہو کیونکہ تم اس سے ناواقف ہو کہ اس زمانے میں وہاں کیا ہوا۔ مسیحؑ نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ ان دونوں نے ان سے مسیحؑ ناصری کی خبر بیان کی جو نبی تھے اور اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے نزدیک اپنے افعال واقوال میں باعزت تھے تسیسین کے سرداروں کے ان کے قتل پر اور سولی دینے پر متفق ہونے کی ساری کیفیت بیان کی۔ مسیحؑ نے ان دونوں سے کہا کہ اے جاہلو اور اے نادان لوگو جن کے قلوب انبیاء کی گفتگو سمجھنے سے عاجز ہیں، کیا یہ واجب نہ تھا کہ مسیحؑ اس سے ملتے اور اس کے بعد اپنی عظمت تک پہنچ جاتے۔

یہی اصحاب مسیحؑ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک اور انسانوں کے نزدیک نبی تھے اور مسیحؑ خود ان کے دعوے کے مطابق سنتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے مسیحؑ کے بارے میں اسی طرح کیوں نہ کہا (یعنی بجائے نبی کے خدا کیوں نہ کہا)۔ البتہ شیطان نے ان کے دلوں کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور ان کی زبانوں کو یہ کہنے سے لپیٹ دیا۔ زمانے بھر میں ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ یہ لوگ اس کی شدید تکذیب کرتے رہتے ہیں **وحسبنا اللہ و نعم الوکیل** ۔

جناب باری بحالت دعا وزاری (!):

انجیل متی ولوقا ومارقش میں ہے کہ ”مسیحؑ نے اپنی گرفتاری سے پہلے سجدہ کیا۔ دعا مانگی اور کہا کہ اے میرے باپ تیرے نزدیک ہر چیز ممکن ہے۔ بس مجھے اس (موت کے) پیالے سے معاف رکھ۔ لیکن میں تجھ سے اپنی مراد نہیں مانگتا بلکہ تیری مراد مانگتا ہوں۔“ لوقا نے اپنی انجیل میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ”انہیں آقا کا فرشتہ نظر آیا جو انہیں تسلی دے رہا تھا مسیحؑ نے اپنی دعا کو دراز کر دیا یہاںتک کہ ان کے پسینہ بہنے لگا۔ اس کے قطرے گرنے لگے جس طرح خون کے قطرے گرتے ہیں جب وہ زمین پر بہتا ہے“ انجیل متی ومارقش میں ہے کہ وہ سولی کی حالت میں بڑی زور سے چلا رہے تھے کہ الہی۔ الہی تو نے مجھے کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ پھر ان کا دم نکل گیا۔

بدحواسی کی باتیں:

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا خدا کی یہی صفت ہوتی ہے۔ کیا خدا فرشتے کا محتاج ہوتا ہے کہ وہ اسے تسلی دے کیا خدا دعا کرتا ہے کہ اس سے کاسہ موت کو ہٹا دیا جائے۔ کیا حال کی سختی سے خدا کو پسینہ آتا ہے جب اسے موت کا یقین ہو جاتا ہے کیا خدا کو خدا زندہ رکھتا ہے؟ کیا حماقت میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہوگی؟۔

اگر وہ ہم سے کہیں کہ یہ تمام امور طبیعت ناسوتیہ کی خبر ہیں۔ تو ہم ان سے کہیں گے تم ان تمام امور میں یہ کہتے ہو کہ مسیحؑ نے کیا اور مسیحؑ نے کہا۔ حالانکہ مسیحؑ تمہارے نزدیک دو طبیعتیں ہیں۔ ناسوتیہ ولاہوتیہ تمہارے فرقہ یعقوبیہ کے نزدیک ایک ہی طبیعت ہے۔ تم سب یہ کہتے ہو کہ لاہوت ناسوت کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ تو تم جھوٹ بولے اور تم نے یہ تمام امور لاہوت کی طرف منسوب کر دیے۔ تمہارے اس ملعون قاعدے کے مطابق حق یہ تھا کہ تم کہتے ہو کہ آدھے مسیحؑ نے کیا اور آدھے مسیحؑ نے کہا۔ بہرحال تم جھوٹ بولے اور ذلیل حرکت کی صاحب عقل کے لیے یہی کافی ہے۔

کلمے پر کلام:

انجیل یوحنا کے شروع میں ہے۔ جو کفر میں تمام انجیلوں سے بڑی، تناقض میں سب سے شدید اور رعونت وشیخی میں سب پر بھاری ہے۔ اس میں سب سے پہلا جملہ یہ ہے کہ ابتدا میں کلمہ تھا اور کلمہ اللہ کے پاس تھا اور اللہ کلمہ تھا کہ اسی کلمے سے تمام اشیاء پیدا کی گئی۔ بغیر اس

کلمے کے کوئی شے پیدا نہیں کی گئی۔ وہ ذات جس نے پیدا کیا وہی اس (کلمے) میں حیات ہے۔

انتہائے تناقض:

کسی نے اس کلام سے زیادہ تناقض میں بڑھا ہوا اور اس سے زیادہ احمقانہ کلام کسی نے سنا ہوگا۔ بھلا کلمہ کیونکر اللہ ہوسکتا ہے اور اللہ کے پاس ہوسکتا ہے کیونکہ اس وقت اللہ خود اپنے ہی پاس ہوگیا۔ پھر اس کا یہ کہنا کہ جس نے کلمے سے پیدا کیا وہی کلمے میں حیات ہے تو اس بنا پر اللہ کی حیات مخلوق ہوئی اور روح القدس بھی اس شخص کے کلام کی تصریح کے مطابق مخلوق ہے اس لیے کہ ان سب کے نزدیک روح القدس ہی اللہ کی حیات ہے۔ حالانکہ یہ تمام نصاریٰ کے قول کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ نص کلام یوحنا کے مطابق وہ حیات جو کلمے میں ہے مخلوق ہوئی اور نص کلام یوحنا کے مطابق اللہ ہی کلمہ ہے اور یہ ملت نصاریٰ کا منہدم کرنا ہے۔

پھر اس سب سے زیادہ مصیبت ناک یہ امر ہے کہ جب حیات کلمہ مخلوق ہوئی اور کلمہ ہی اللہ ہوا تو اللہ ان اعراض کا حامل ہوا جو اس میں پیدا کی گئی ہیں۔ لہٰذا تعجب کرنا چاہیے پھر تعجب کرنا چاہیے۔ اس فصل کے بعد جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالےٰ بیان کریں گے کہ کلمہ بشر تھا۔ باوجود اس کے اس قول کہ کلمہ ہی اللہ ہے۔ تو اللہ بشر ہوا جیسا کہ اس کمینے یوحنا کے کلام کی نص ہے اس پر اللہ کی طرف سے متواتر لعنتیں ہوں۔

شاعری:

اس کے بعد اس نے مسیحؑ کا ذکر کیا ہے کہ وہ دنیا میں تھے۔ دنیا انہیں کی وجہ سے پیدا کی گئی اور اہل دنیا نے انہیں کو نہیں پہچانا۔

آراستہ حماقت:

یہ جھوٹ سے آراستہ کی ہوئی حماقت ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ دنیا میں ہو اور انہیں کی وجہ سے دنیا پیدا کی جائے۔ اگر وہ خدا تھے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو خود انہیں نے دنیا کو پیدا کیا۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ ان کی وجہ سے پیدا کی جائے۔ اگر وہ ایسے ہی تھے کہ دنیا ان کی وجہ سے پیدا کی گئی اور خود انہوں نے اسے پیدا نہیں کیا تو نہ وہ خدا ہوئے نہ خالق دنیا محض آلات میں سے وہ ایک آلہ ہوئے جس سے دنیا پیدا کی گئی۔ معاذ اللہ۔ اللہ اس سے برتر ہے کہ وہ آلے کی مدد سے کچھ پیدا کرلے۔ وہ اس طرح پیدا کرتا ہے جو اس نے اپنی اس وحی ناطق میں فرمایا ہے کہ اپنے رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی ہے جس کے کلام میں تناقض نہیں اور جس کی اخبار میں تعارض نہیں کہ ''**انما امره اذاار ادشیا ان یقول له کن فیکون**'' (اس کا کام محض اسطرح ہے کہ جب وہ کسی چیز کا رادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہو جاتی ہے)۔ اس کا یہ قول یہاں کہاں جمع ہوسکتا ہے کہ مسیحؑ کے ذریعے سے دنیا پیدا کی گئی باوجود اس کے جو یہ لوگ مسیحؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کے دعوے کے مطابق کہ ''مسیحؑ نے کہا کہ میں بھی پیدا کرتا ہوں اور میرا باپ بھی پیدا کرتا ہے۔ اگر میں ویسا نہ کروں جیسا میرا باپ کرتا ہے تو تم لوگ میری تصدیق نہ کرنا''۔ معاذ اللہ بھلا نبی یہ حماقت کیوں کرنے لگا اور ایسا جھوٹ کیوں بولنے لگا۔ تب تو دو متغایر جداگانہ خدا ہو جائیں گے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا غیر ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک اسی طرح پیدا کرتا ہے جس طرح دوسرا کبھی تو مسیحؑ خدا بن کے پیدا کرتے ہیں اور کبھی آلہ بن جاتے ہیں جن کے ذریعے سے پیدا کیا جاتا ہے۔ خبردار۔ یہی کھلی ہوئی گمراہی اور شدید فساد ہے۔

خدا کی اولاد:

اس کے بعد کہا ہے کہ ان میں سے (یعنی اہل دنیا میں سے) جو مسیحؑ کو قبول کرے گا اور ان کے نام پر ایمان لائے گا تو وہ انہیں ایسی

قدرت دیں گے کہ یہ سب اللہ کی اولاد بن جائیں گے اور یہی ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جو نہ تو خون سے پیدا ہوئے نہ گوشت کی خواہش سے اور نہ مرد کی باہ سے بلکہ یہ اللہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ کلمہ ہی گوشت بن گیا۔ کلمہ ہی بشر ہو گیا۔ اس نے ہم میں سکونت اختیار کی۔ ہم نے اس کی عظمت ایسی ہی سمجھی جیسی عظمت اللہ کے لڑکے کی ہے۔

بت کریں آرزو خدائی کی:

اس فصل میں تو وہ باتیں ہیں کہ اگر ان سے پہاڑ منہدم ہو جائیں تو تعجب خیز نہیں۔ ہم اللہ سے عافیت مانگتے ہیں۔ لوگوں اس کمینے کے قول میں غور کرو کہ مسیحؑ پر ایمان لانے والے اللہ کے لڑکے ہیں۔ تب تو تمام نصاریٰ اللہ کے لڑکے ہوئے۔

شان ہے تیری کبریائی کی:

مسیحؑ کو تمام مسیحیوں پر کونسی فوقیت رہی۔ وہ اللہ کے بیٹے ہیں تو یہ لوگ بھی اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس دین سے برگشتہ کرنیوالے اور ان کمینوں سے تمسخر کرنے والے کے قول پر تعجب کرو جن کمینوں نے اسی کی طرح دین نصاریٰ کی تقلید کی ہے کہ مسیحؑ پر ایمان لانے والے نہ خون سے پیدا ہوئے نہ گوشت کی خواہش سے اور نہ مرد کی باہ سے بلکہ یہ لوگ اللہ سے پیدا ہوئے وغیرہ۔ وغیرہ پھر یوحنا زندہ سیدائی اور اس کی زندہ عورت سے کیسے پیدا ہو گیا۔ یہ تو کھلم کھلا محض کذب و باطل کا اعلان ہے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ یہ مجاز ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ مجاز کا ہے۔ یہ تو خالص اور لچر جھوٹ اور حماقت ہے۔ بعینہ یہی بات تم لوگ مسیحؑ کے متعلق کہتے ہو۔ پھر دونوں قولوں میں فرق کیا ہوگا۔ شاید یہ بھی مجاز ہو جیسا کہ وہ مجاز ہے۔ میں نے ان لوگوں سے زیادہ احمق کبھی نہیں دیکھا اور نہ ان کے رخساروں سے زیادہ بے شرم ہے۔

اس قول پر تعجب کرو کہ کلمہ گوشت بن گیا اور ہم میں رہنے لگا کلمہ گوشت کیونکر ہو جائے گا حالانکہ اس نے کہا ہے کہ کلمہ ہی اللہ ہے۔ تب تو اللہ گوشت اور خون ہو گیا اور ان ناپاکوں میں رہنے لگا **حسبنا الله و نعم الوكيل** ۔

انکار رویت الٰہی:

اسی کے بعد کہا ہے کہ اللہ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ اس کے متعلق اسکے بیٹے نے جو حال بیان کر دیا جو اپنے باپ کے آغوش میں ہے۔

یہ ایک دوسری تعجب خیز بات ہے۔ ابھی اس نے کہا ہے کہ کلمہ ہی اللہ ہے اور کلمہ ہی گوشت بن گیا اور کلمہ ہی خون و گوشت بن گیا اور ان لوگوں میں اس نے سکونت اختیار کر لی۔ تو ان کے قول کے مطابق اللہ عزوجل گوشت بن گیا اور ان میں سکونت اختیار کر لی پھر کیسے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کا یہ کہنا کہ سوائے اس کے کہ جو اس کے اکلوتے بیٹے نے حال بیان کر دیا جو اپنے باپ کے آغوش میں ہے۔ اس سے لازم آیا کہ بیٹا باپ کے مغایر ہے۔ اس لیے کہ یہ تو محال و ناممکن ہے کہ اللہ خود ہی اپنے آغوش میں ہو۔ بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک ان کی اناجیل کی تصریحات کے مطابق بیٹا باپ کے مغایر ہے۔ حالانکہ وہ لوگ اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ کبھی باپ اور بیٹا ان کے نزدیک ایک ہو جاتے ہیں تمام امور ان کی اناجیل میں منصوص ہیں۔ ان میں کا ہر واقعہ دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ بلاشک سب جھوٹ ہے۔ گمراہی سے خدا کی پناہ۔

یحییٰ کا اپنی نبوت سے انکار:

انجیل یوحنا کے باب اول میں یحییٰ بن زکریاؑ کی شہادت کا ذکر کیا ہے کہ جب یہود نے یروشلیم سے ان کے پاس کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا اور ان لوگوں نے ان سے مناظرہ کیا تو یحییٰ نے اقرار کیا۔ انکار نہیں کیا اور ان سے کہا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا الیاسؑ آپ کو دیکھتے ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کہ کیا آپ نبی ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں۔

جس پر نبوت کی انتہا تھی وہی نبی نہ رہا:

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ باوجود اس قول مسیح کے جو انجیل متی۔ و مارقش میں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہر نبوت اور ہر کتاب کی انتہا یحییٰ پر ہے۔ ان کے بارے میں مسیح کا قول ہے کہ وہ نبی سے بڑھ کر ہیں۔

کبھی تو وہ نبی ہوتے ہیں اور ہر نبوت ان پر ختم ہوتی ہے۔

کبھی وہ نبی سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔

کبھی وہ خود اپنے متعلق کہتے ہیں کہ نبی نہیں ہیں۔

ان اقوال میں سے کسی ایک میں کذب ضرور ہے۔ معاذ اللہ نہ مسیح جھوٹ بول سکتے ہیں نہ یحییٰ علیہما السلام۔ واللہ دونوں کمینے متی پاجی اور یوحنا نفس پرست جھوٹے ہیں۔

خدائی بھیڑ کا بچہ:

اس کے بعد اسی باب میں کہا ہے کہ ایک اور روز یحییٰ نے مسیح کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا کہ یہ اللہ کا خروف ہے (خروف = بھیڑ کے بچے کو کہتے ہیں)۔

کیا سے کیا ہو گئے:

یہ ایک اور مصیبت ہے کہ جہاں وہ اللہ کا کلمہ اور اللہ کا بیٹا اور ایسے خدا تھے جو پیدا کرتا ہے وہیں وہ اللہ کا بھیڑ بچہ بن گئے۔ اللہ اس سے برتر ہے کہ اس کی طرف بھیڑ بچہ منسوب کیا جائے بجز خلق و ملک کی حیثیت کے بھیڑ بچہ صرف اس شخص کی طرف منسوب ہوتا ہے جو اسے کھانے یا ذبح کرنے کے لے لیتا ہے۔ یا اس کے لیے لیتا ہے جو اس کو بچھڑا بنانے کے لیے پالتا ہے یا بچے کے لیے لیتا ہے جو اس سے کھیلتا ہے اور اسے رنگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے برتر ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ نفس پرست اور بہکانے والے کی بنائی ہوئی بات ہے۔ ونعوذ باللہ من الضلال۔

خالص بیٹا:

اسی باب میں اس کے کچھ ہی بعد ہے کہ یحییٰ بن زکریا نے عیسیٰؑ کے متعلق کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا خالص بیٹا ہے۔

میں اپنی جان عقل اور بدن سے اللہ تعالیٰ کے سامنے شہادت دیتا ہوں کہ یہ وہ جھوٹ ہے جو یوحنا لعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے رسول کے فرزند یحییٰ بن زکریاؑ پر باندھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ اس کے بچہ ہو۔ سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسے یحییٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا کہ انہوں نے مسیح کے بارے میں کہا کہ یہ اللہ کا خروف (بھیڑ بچہ) اور اللہ کا سلیل

(خاص بچہ) ہے حالانکہ خروف بھیڑ اور مینڈھے کا بچہ ہوتا ہے۔ اے اللہ ان گندوں پر لعنت کر۔ ہم نے ان لوگوں سے زیادہ اللہ اور اس کے رسولوں کی توہین کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

خدا سب کچھ دے کے خود بری الذمہ ہو گیا:

انجیل یوحنا کے تیسرے باب میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے مسیح کے متعلق کہا کہ باپ بیٹے سے راضی ہو گیا اور تمام اشیاء اس کے حوالے کر کے خود بری الذمہ ہو گیا۔

انجیل یوحنا کے پانچویں باب میں ہے کہ یہود یحییٰ کو قتل کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ انہوں نے نہ صرف یہی کیا تھا کہ ان کے تعظیم سبت کے طریقے کو فسخ کر دیا تھا بلکہ وہ اللہ کو باپ پکارتے تھے اور اپنے آپ کو اس کے مساوی کہتے تھے۔

اس کے کچھ بعد ہے مسیح نے کہا کہ جس طرح باپ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ان کو اٹھاتا ہے اسی طرح بیٹا بھی اس کو زندہ کرتا ہے جو اس کی موافقت کرے اور باپ کسی پر حکومت نہیں کرے گا اس لیے کہ حکومت اس کے بیٹے کے سپرد کر دی جائے گی۔

خدا کی کنارہ کشی:

یہ وہ مصیبت ہے جس نے ہر گذشتہ مصیبت کو ملا لیا۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔ اس کھلے ہوئے بدترین کفر پر کیسے کسی کی زبان چل سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت سے کنارہ کش ہو گیا لہٰذا وہ کسی پر حکومت نہ کرے گا۔ اس لیے کہ وہ حکومت اور تمام اشیاء اپنے بیٹے کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو گیا۔ معاذ اللہ اللہ اس سے بری ہے۔ ہم نے یہ بات صرف بادشاہوں کو کرتے دیکھا ہے کہ جب وہ بوڑھے اور کمزور ہو جاتے ہیں اپنی لذت وراحت کے لیے الگ ہونا چاہتے ہیں اور حکومت کو اپنی اولاد کے لیے ترتیب دینا چاہتے ہیں کہ ان کے بعد کوئی دوسرا حکومت میں ان سے جھگڑا نہ کرے اس وقت وہ لوگ ظاہر میں حکومت ان لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں مگر باطن میں نہیں۔ یہ وہ کفر ہے کہ ہم تو یوحنا کافر سے پہلے کسی شخص کو پا نہ سکے جس کی زبان اس پر چلتی یہاں تک کہ ہم اسے سنتے۔ خدا اس پر لعنت کرے۔ اللہ کا شکر ہے اس کی کثیر و عظیم نعمت پر جو ہم پر ہے۔

قبضہ حیات اپنی ذات میں:

انجیل یوحنا کے پانچویں باب میں اس کے کچھ بعد ہے کہ مسیح نے کہا کہ جس طرح باپ نے اپنی ذات میں حیات کو جمع کر لیا اسی طرح اس نے اپنے بیٹے کو اپنی ذات میں حیات کے جمع کرنے کا مالک بنا دیا اور اسے سلطنت دے دی اور اسے حکومت وسلطنت وحیات کا مالک بنا دیا جیسی کہ وہ باپ کے لیے تھی۔ اس لیے کہ وہ انسان کا بیٹا ہے۔

اس سے زیادہ احمقانہ گفتگو بھی کسی نے سنی ہو گی کہ بیان کرتا ہے اس لیے کہ مسیح انسان کے بیٹے ہیں اللہ نے انہیں اپنے مساوی کر لیا۔ یہ سب اس کو ثابت کرتا ہے کہ مسیح غیر اللہ تھے اس لیے کہ یہ بدیہی ہے کہ بلا شک دینے اور مالک بنانے والا اس کے مغایر ہے جس کو دیا اور مالک بنایا گیا۔

جسے خدا سمجھتے تھے وہی بندگی کر رہا ہے:

اسی باب میں اس کے کچھ ہی بعد ہے کہ مسیح نے کہا کہ مجھے قوت نہیں ہے کہ میں اپنی ذات سے کچھ کر سکوں۔ میں وہی حکم دیتا ہوں جو

سنتا ہوں اور میرا حکم عین عدل ہوتا ہے اس لیے کہ میں اپنا ارادہ نافذ نہیں کرتا سوائے اپنے باپ کے ارادے کے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ پھر اگر میں خود اپنے لیے شہادت دوں تو میری شہادت غیر مقبول ہے لیکن میرا غیر میرے لے شہادت دیتا ہے۔

انجیل یوحنا کے چھٹے باب میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ میں محض اس لیے آسمان سے نازل ہوا ہوں کہ اپنے اس باپ کا ارادہ پورا کروں جس نے مجھے بھیجا ہے نہ کہ اپنا ارادہ۔

انجیل یوحنا کے ساتویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ میرا علم میرے لیے نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔

نیز انجیل یوحنا کے گیارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تم لوگ مجھ سے محبت کرتے تو ضرور باپ کے پاس میرے جانے سے خوش ہوتے اس لیے کہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔

درس عبرت:

کیا عبودیت اور اللہ کے سامنے سچے تذلل میں اس زیادہ ہوسکتا ہے؟ یہ کلام اپنے سے چند سطر پہلے والے کلام کے ساتھ کیونکر جمع ہو سکتا ہے کہ مسیحؑ اللہ کے مساوی ہیں۔ اللہ اب کسی پر حکومت نہیں کرتا۔ وہ تمام حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو گیا۔ ان احمقانہ مناقضات واختلافات میں اس کے لیے عبرت ہے جو عبرت حاصل کرنا چاہے۔

ایک اور عجیب بات یہاں اس کا یہ کہنا ہے کہ اگر میں اپنے لیے شہادت دوں تو میری شہادت غیر مقبول ہے۔ مگر انجیل یوحنا کے ساتوں باب کے آخر میں کہا ہے کہ اگر میں خود اپنے لیے شہادت دوں تو میری شہادت حق ہے۔ اس بدحواسی پر تعجب کرنا چاہیے۔

اسی طرح انجیل یوحنا کے چھٹے باب میں مذکور ہے کہ مسیحؑ کے شاگردوں کی ایک جماعت نے جب یہ بدحواسی کی باتیں سنیں تو وہ مرتد ہو گئے اور مسیحؑ سے جدا ہو گئے جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان کریں گے۔

پیٹ بھرا تو پیمبر مان لیا:

انجیل یوحنا کے چھٹے باب میں ہے کہ مسیحؑ نے جب پانچ ہزار آدمیوں کو پانچ روٹی اور دو مچھلیوں میں کھلایا اور ان کے شکم سیر ہونے کے بعد بارہ ٹوکری روٹی بچ گئی تو ساری جماعت نے کہا کہ یہ واقعی نبی ہیں۔

وائے تعجب۔ ان لوگوں نے مسیحؑ کے بارے میں ایسی ہی بات کیوں نہ کہی۔ اگرچہ ایک ہی مرتبہ کہتے۔

اپنے خون اور گوشت کی دعوت:

اس کے بعد اسی چھٹے باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ایسی بہت سی باتیں بیان کیں جو عقل میں نہ آتی تھیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ مسیحؑ نے ان سے کہا کہ میں امین ہوں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ انسان کے بیٹے کا گوشت نہ کھاؤ اور اس کا خون نہ پیو گے تو ہرگز تم اپنے اندر حیات دائمی نہ حاصل کرو گے۔ جو میرا گوشت کھائے گا اور میرا خون پیے گا وہ حیات دائمہ حاصل کرے گا میں اسے قیامت کے روز اٹھاؤں گا۔ میرا گوشت طعام صادق اور میرا خون شراب صادق ہے۔ جو شخص میرا گوشت کھائے گا اور میرا خون پیے گا وہ میرے اندر ہوگا اور میں اس کے اندر ہوں گا‘‘۔

یوحنا نے بیان کیا کہ ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ کلام سخت ناگوار ہے۔ اسی لیے شاگردوں کی ایک جماعت مرتد ہوگئی اور ان کے پاس سے چلی گئی۔

یہ کلمات واقعی وساوس ہیں جنہیں سوائے پاگل کے کوئی نہ کہے گا اللہ نے اپنے نبی کو اس سے محفوظ رکھا ہے۔

مسیحؑ اپنے معجزے چھپاتے تھے:

انجیل یوحنا کے ساتویں باب میں ہے کہ مسیحؑ کے بھائیوں نے کہا کہ تم یہوذا کے شہر میں جاؤ۔ یہاں سے نکل جاؤ وہ عجائب جو نمودار ہوتے ہیں اپنے شاگردوں کو دکھاؤ کیونکہ کوئی شخص اس فعل کو نہیں چھپاتا جس کے متعلق وہ چاہتا ہے کہ آگاہی ہو۔ اگر تم بھی یہی چاہتے ہو تو بجائے اپنے اہل دنیا کو آگاہ کرو۔ مسیحؑ کے بھائی مومن نہ تھے۔

اس میں یہ نمایاں ہے کہ مسیحؑ اپنے معجزات چھپاتے تھے جیسا کہ تم بھی دیکھتے ہو۔

زانیہ کو رہا کر دیا:

انجیل یوحنا کے ساتویں باب میں ہے کہ ایک زانیہ عورت کو مسیحؑ کے پاس لایا گیا مگر مسیحؑ نے اس کے خلاف کچھ نہ کیا اور رہا کر دیا۔ حالانکہ یہ لوگ اس کے خلاف ہیں (یعنی زانیہ کو سزا دیتے ہیں) تو انہوں نے مسیحؑ پر بہتان لگایا اور ظلم کیا۔ یا پھر انہیں اپنے اوپر ظلم و جور کی شہادت دینا چاہیے۔

مسیحؑ کسی کے حاکم نہیں:

انجیل یوحنا کے ساتویں باب کے آخر میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ میں کسی پر حکومت نہیں کرتا۔ اگر میں حکم دوں تو میرا حکم عدل ہے۔ اس لیے کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ لیکن میں ہوں اور میرا باپ ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور تمہاری توریت میں کہا گیا ہے کہ دو مردوں کی شہادت مقبول ہے۔ میں اپنے متعلق شہادت دیتا ہوں اور میرے لیے وہ شہادت دیتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ فصل اس فصل کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے جو ہم انجیل یوحنا ہی کے تیسرے باب میں لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اب کسی پر حکومت نہیں کرتا اس لیے کہ وہ تمام حکومت اپنے بیٹے مسیحؑ کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو گیا۔

اقرار آدمیت:

انجیل یوحنا کے آٹھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ میں آدمی ہوں۔ تمہارے پاس وہی حق لایا ہوں جو میں نے اللہ سے سنا ہے۔

خدا اور نبی:

یہ خود مسیحؑ کا اقرار ہے کہ وہ آدمی ہیں۔ جو سنتے ہیں فقط اسی کو پہنچا دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے سامنے وہ شہادت بھی ہے جو انجیل متی کے بارھویں باب میں مسیحؑ کے بارے میں شعیا نبی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرا چنا ہوا غلام اور میرا وہ حبیب ہے جسے میں نے چھانٹ لیا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ مسیحؑ بھی انبیاء میں سے نبی اور اللہ کا بندہ ہیں۔

مسیحؑ پر سنگباری کا سبب:

انجیل یوحنا کے نویں باب میں ہے کہ یہود نے مسیحؑ سے کہا کہ ہم تم پر تمہارے عمل صالح کی وجہ سے سنگباری نہیں کرتے بلکہ محض تمہاری

گالی کی وجہ سے اور تمہارے دعوئے خدائی کی وجہ سے حالانکہ تم انسان ہو مسیحؑ نے انہیں جواب دیا کہ کیا تمہاری کتاب زبور میں مرقوم نہیں ہے جہاں کہتا ہے کہ کیا تم لوگوں نے نہیں کہا کہ تم لوگ سب کے سب خدا ہو اور علی کے بیٹے۔ اگر اللہ نے جس نے ان سب کو خدا بتایا ہے اور اس کتاب کی تبدیل و تحریف ناممکن ہے تو اس شخص کے بارے میں جس پر اللہ نے برکت کی اور اسے دنیا کی طرف مبعوث کیا یہ کیوں کہتے ہو کہ اس نے گالی بکی جبکہ میں نے کہا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوا گر میں اپنے باپ کے سے افعال نہ کروں تو میری تصدیق نہ کرو۔

انجیل میں یہانتک بیان کیا ہے "تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے"۔

انجیل یوحنا کے گیارھویں باب میں ہے کہ "بلش حواری نے مسیحؑ سے کہا کہ اے ہمارے آقا ہمیں باپ کو دکھا دیجئے اور یہ ہمیں کافی ہو گا مسیحؑ نے اسے جواب دیا کہ اتنے زمانے تک میں تم لوگوں کے ساتھ رہا اور تم لوگوں نے مجھے نہ پہچانا۔ اے بلش جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا۔ پھر تو کیسے کہتا ہے کہ ہمیں باپ کو دکھا دیجیے۔ کیا تو ایمان نہیں لایا کہ میں ہی باپ میں ہوں اور باپ ہی مجھ میں ہے۔"

یہ سب یوحنا کے اس قول کے ساتھ کیونکر جمع ہوگا جو ہم نے اس کی اول انجیل میں ذکر کیا کہ باپ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

اندر ہی اندر:

یوحنا مذکور کی انجیل کے گیارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں اپنے باپ کے اندر ہوں اور تم لوگ میرے اندر ہو اور میں تمہارے اندر ہوں۔

کیا فوقیت رہی:

جب وہ باپ کے اندر ہوئے اور باپ ان کے اندر ہوا۔ وہ شاگردوں کے اندر ہوئے اور شاگرد ان کے اندر ہوئے تو لامحالہ باپ شاگردوں کے اندر ہوا اور شاگرد باپ کے اندر ہوئے۔ پھر مسیحؑ کو شاگردوں پر کونسی فوقیت رہی۔ مسیحؑ اور شاگردوں کے اللہ کے اندر ہونے میں اور اللہ کے مسیحؑ اور شاگردوں کے اندر ہونے میں مسیحؑ اور شاگرد مساوی ہی ہوئے۔ اس کلام سے سوائے کفر و توہین دین کے اور کوئی بات نہ سمجھ میں آتی ہے نہ عقل میں۔ اس لیے کہ اگر اللہ ان میں اپنی ذات سے ہے تو یہ لوگ اسکے لیے مکان ہوئے اور اللہ تعالیٰ محدود ہو گیا۔ یہ صفت مخلوق و حادث کی ہے۔

اگر اللہ ان میں اپنی تدبیر سے ہے (یعنی ان سب کا مدبر ہے) تو وہ تو اسی طرح ہر زندہ و مردہ اور ہر جماد اور ہر عرض کی تدبیر کرتا ہے اس میں قطعاً کوئی فرق اور کوئی فضیلت نہیں۔

عیسائی بندے نہیں:

انجیل یوحنا کے بارھویں باب میں ہے کہ مسیحؑ نے شاگردوں سے کہا کہ میں اب سے تم کو بندہ نہ کہوں گا۔ اب تو بندہ وہ ہے جو نہیں جانتا کہ اس کا آقا کیا کرتا ہے میں نے تمہارے نام بھائی رکھا ہے۔

باب مذکور کے آخر میں ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ میں اللہ ہی سے نکلا ہوں اور باپ ہی سے صادر ہوا ہوں۔" ان دو فصلوں میں سے ایک میں یہ ہے کہ شاگرد لوگ عبودیت باری سے آزاد کر دیے گئے۔ وہ مسیحؑ کے بھائی ہیں اور مسیحؑ اللہ سے نکلے اور اسی سے صادر ہوئے۔ تو پھر شاگرد بھی ایسے ہی ہوئے۔ مسیحؑ کو شاگردوں پر کونسی فوقیت ہوئی۔ اس کلام کے احمقانہ ہونے کے باوجود اس کے پھوٹنے کے معنی بھی قطعاً نہیں

معلوم ہوسکتے۔ پھوٹ نکلنا تو محض اجسام میں ہوتا ہے (مثلاً پہاڑ سے چشمے کا نکلنا)۔

خدا کو شرف بخشنے والے:

انجیل یوحنا کے تیرھویں باب کے شروع میں ہے کہ مسیحؑ نے آسمان کی طرف نظر اٹھانے کے کہا کہ ”اے باپ وقت آگیا ہے لہذا تو اپنے بیٹے کو شرف دے کر تیرا بیٹا تجھے شرف دے“ اس کے کچھ ہی بعد ہے کہ ”مسیحؑ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں نے روئے زمین پر تجھے شرف دیا۔“

خدا سے بھی بڑھا دیا:

یہ بھی ہمیشہ کی مصیبت ہے۔ ان لوگوں نے مسیحؑ کے اللہ کے نبی ہونے پر قناعت نہ کی یہاںتک کہ انہوں نے مسیحؑ کو اللہ کی مساوات کے ساتھ موصوف کیا۔ پھر مسیحؑ کی اللہ کے ساتھ مساوات پر بھی قناعت نہ کی یہاںتک کہ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ مسیحؑ کے حق میں پوری سلطنت و حکومت سے دستبردار ہو کر معزول ہوگیا۔ پھر اس کی معزولی وضعف پر بھی قناعت نہ کی یہاںتک کہ مسیحؑ کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو شرف دیتے ہیں۔ کبھی تم نے اس کفر سے بھی بڑھ کر سنا ہے واللہ کبھی کسی اللہ پر ایمان لانے والے نے یہ کلام نہیں کہا۔ یہ لوگ محض دہریے تھے جو دین سے کھیلنے والے۔ بہروپ بھرنیوالے تھے لہذا ان پر ان تمام لعنتوں کی دوچند ہوں جو اللہ تعالیٰ ان کے سوا دوسرے کفار پر نازل کرے۔

قدرت حیات وممات:

انجیل یوحنا میں ہے کہ ”مسیحؑ نے کہا کہ میں ہی اپنے نفس کو مارتا ہوں اور میں ہی اسے جلاتا ہوں“۔ اے کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ مردہ ہو کر اپنے آپ کو زندہ کرلیں۔

بازگشت نظر:

عیسائی انجیلوں کی یہ ستر فصلیں ہیں جن میں کذب خالص اور مناقضات ہیں جن میں کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔ ان میں ایسی فصول بھی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک فصل تین تین جھوٹوں کی جامع ہے۔ باجود ان کی اناجیل کی قلت مقدار کے کم از کم ان کو کا پورا عقیدہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہ ہے کہ کبھی تو وہ حسب تصریح اناجیل ابن اللہ ہیں اور کبھی ابن یوسفؑ کبھی ابن داؤدؑ اور کبھی ابن الانسان کبھی خدائے رازق وخالق اور کبھی اللہ کا بھیڑ بچہ۔ کبھی وہ اللہ کے اندر اور اللہ ان کے اندر ہوتا ہے کبھی وہ اپنے شاگردوں کے اندر اور شاگردان کے اندر ہوتے ہیں۔ کبھی وہ اللہ کا علم وقدرت بن جاتے ہیں۔ کبھی وہ کسی کے حاکم نہیں رہتے اور نہ اپنا ارادہ نافذ کرتے ہیں۔ کبھی وہ نبی اور اللہ کے غلام ہوجاتے ہیں۔ کبھی اللہ ان کو ان کے دشمنوں کے حوالے کردیتا ہے کبھی اللہ ان کے لیے سلطنت سے معزول ہوجاتا ہے اور انہیں والی بنا دیتا ہے وہ اللہ کو شرف دینے لگتے ہیں۔ باطرہ کو آسمانوں کی کنجیاں عطا کرتے ہیں اور اپنے شاگردوں کو زمین وآسمان کے خطہ تحلیل وتحریم کا والی بنا دیتے ہیں۔ کبھی وہ بھوکے ہوتے ہیں کچھ کھانے کو تلاش کرتے ہیں۔ پیاسے ہوتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ خوف سے پسینہ پسینہ ہو جاتے ہیں۔ درخت پر لعنت کرتے ہیں جب کھانے کو اس میں انجیر نہیں پاتے۔ بزدلی کرتے ہیں۔ پھر گدھی پر سوار ہوتے ہیں اور گرفتار کر لیے جاتے ہیں۔ ان کے منہ پر تھپڑ مارے جاتے ہیں سر پر لاٹھی ماری جاتی ہے۔ چہرے کھال اتاری جاتی ہے۔ پیٹھ پر کوڑے مارے جاتے ہیں۔ بدمعاش انہیں مار ڈالتے ہیں۔ ان کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ انہیں ایلوا ملا کر سرکہ پلایا جاتا ہے چوروں کے بیچ میں سولی دی جاتی ہے۔ ہاتھوں میں میخیں ٹھونکی جاتی ہیں۔ وہ اسی وقت مرگئے اور دفن کردے گئے۔ پھر موت کے بعد وہ زندہ ہوجاتے ہیں۔ جب وہ موت کے بعد زندہ ہوئے انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو جمع کیا کہ کچھ کھانے کو مانگیں۔ ان لوگوں نے انہیں روٹی اور بھونی ہوئی مچھلی

کھلائی اور شہد پلایا۔ پھر وہ (مسیحؑ) اپنے کام کو چلے گئے۔

یہ تمام ان کی اناجیل کی تصریحات ہیں اور انہوں نے اپنے دین کو ان تمام امور میں سے صرف اسی پر منحصر کر دیا ہے کہ وہ صرف خدائے معبود تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور اور خدا کی نفی کرتے ہیں ان کی اناجیل و امانات واجب کرتی ہیں کہ اللہ کے علاوہ ایک دوسرے خدا تھے بلکہ وہ اللہ کی داہنی طرف بیٹھے تھے۔ اس سے بڑے تھے۔ وہ پیدا کرتے تھے جس طرح اللہ پیدا کرتا ہے زندہ کرتے تھے جس طرح اللہ زندہ کرتا ہے۔ بداہت اس کو واجب کرتی ہے کہ یہ لوگ دو خداؤں کے قائل ہیں اور لامحالہ وہ دونوں متغایر و جداگانہ ہیں۔

ونعوذ بالله من الخذلان .

☆☆

انجیلوں کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کے کذب و کفر و جنون کا تذکرہ

خدا کی اولاد:

یوحنا ابن سیدائی نے اپنے تین رسائل میں سے ایک میں کہا ہے کہ اے میرے دوستوں ہم اب اللہ کی اولاد ہیں۔ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا کہ ہم لوگ کیا ہونے والے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جب ظاہر ہوگا تو ہم اس کے (یعنی اللہ کے) مثل ہوں گے اس لیے کہ ہم اسے اسی طرح دیکھتے ہیں جیسا کہ وہ ہے۔

کیا اس کذاب کے کفر سے بڑا بھی کوئی کفر ہوگا۔ کہ یہ لوگ اللہ کی اولاد ہیں اور یہ لوگ اللہ کے مثل ہو جائیں گے جب وہ ظاہر ہوگا۔

بوڑھا خدا:

اس لعین نے کتاب الوحی والاعلان میں کہا ہے کہ اس نے اللہ عزوجل کو دیکھا جو بوڑھا ہے۔ سر اور ڈاڑھی سفید ہے مسیح اس کے سامنے ایک سونے کی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ ملائکہ کہہ رہے ہیں کہ یہ رب کا بھیڑ بچہ ہے اس کے آگے بازار قائم ہیں اور گیہوں فی قفیز (پیمانہ) اتنے دینار میں اور شراب اتنے اتنے قسط فی دنیار اور تیل اتنے اتنے قسط فی دینار

یہ سوائے ہزل دل لگی نفس پرستی اور بدحواسی کے کچھ اور بھی ہے؟

جیسے چور آتا ہے:

شمعون نے اپنے ایک رسالے میں کہا ہے کہ ”اس روز پروردگار اس طرح آئے گا جس طرح چور آتا ہے“ میری جان کی قسم اس نے اپنے رب کو وہ تشبیہ دی ہے جس کے لیے یہ خود اولی ہے۔ ان دونوں کتوں کو اور یہودا لعین و یعقوب لعین کو اپنے ان رسائل میں جو ہر قسم کی خیر سے خالی لچر اور ہر کفر و جنون سے بھرے پڑے ہیں یہ کہنا ذرا بھی دشوار نہیں معلوم ہوتا کہ ”اللہ نے کہا جو ہمارے رب مسیح کا والد ہے“۔ ”اللہ“ گویا واللہ یہ لوگ نسبوں میں سے کوئی نسب یا ولادت میں سے کوئی ولادت بتا رہے ہیں۔

ختنہ کرنے والے:

بولس ملعون اپنے ایک رسالے کے چھٹے باب میں کہتا ہے جو اس نے اہل غلاریہ کو بھیجا تھا کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہر وہ انسان جو ختنہ کرائے اسے لازم ہے کہ وہ توریت کی تمام شرائع کی حفاظت کرے۔

نیز اس کے قبل کہا ہے کہ ”اگر تم نے ختنہ کرایا تو مسیح تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے“۔

تعجب کرنا چاہیے اور جاننا چاہیے کہ اس نے لوگوں پر دو دین لازم کیے ہیں۔ جس نے ختنہ کرایا ہو اس پر توریت کی تمام شرائع لازم ہیں اور مسیح اسے نفع نہ پہنچائیں گے۔

جس نے ختنہ نہیں کرایا اس پر توریت کی شرائع لازم نہیں اور اسے مسیح نفع پہنچائیں گے۔ حالانکہ یہ خود اور مسیح کے تمام شاگرد نصاریٰ کے اجماع کے مطابق ختنہ کئے ہوئے تھے۔ لہذا لازم آیا کہ مسیح انہیں نفع نہیں پہنچائیں گے اور یہود کی تمام شرائع ان لوگوں کو لازم ہیں۔ اس زمانے میں بھی جو نصاریٰ مسلمانوں میں رہتے ہیں ان میں اکثر ختنہ کیے ہوئے ہیں۔ اگر بولس سچا ہے تو مسیح انہیں نفع نہ پہنچائیں گے اور توریت کی تمام شرائع انہیں لازم ہیں۔ اگر بولس اس میں جھوٹا ہے تو یہ لوگ کذاب سے اپنا دین کس طرح لیتے ہیں دو میں سے ایک بات ضروری ہے۔

نیز اس نے اپنے ایک رسالے میں کہا ہے کہ یوحنا بن سیذائی یعقوب بن یوسف النجار و باطرہ نے اسے حکم دیا کہ یہ تو لوگوں کو ختنہ ترک کرنے کی دعوت دیتا رہے اور وہ تینوں ختنہ کرنے کی دعوت دیتے رہیں۔

دین کی دعوت کا جو حقیقی طریقہ ہے اس کے خلاف ہے۔ یہ تو محض دعوت فریب اور کھلم کھلا گمراہی میں ڈالنا ہے جس میں کوئی حقانیت نہیں۔

بولس نے کہا ہے کہ یعقوب بن یوسف النجار ریاکار تھا جو یہود کے سامنے لوگوں کے آنے سے پرہیز کرتا تھا۔ انطاکیہ میں بولس اس کے روبرو گیا اور اسے اس پر ملامت کی۔

تو کیا دین کے چھپانے والے ریاکار سے دین کا لینا جائز ہے؟

یہی ملعون بولس اپنے ایک رسالے میں کہتا ہے کہ یسوع جس زمانے میں اللہ کی صورت میں تھے تو انہوں نے اللہ کے مساوی ہونے کو غنیمت نہ سمجھا کہ بلکہ اپنے آپ کو ذلیل کر دیا اور بندے کی صورت میں اپنے کو چھپایا۔

کیا اس کفر سے زیادہ وحشت خیز۔ اس کلام سے زیادہ احمقانہ اور اس انتخاب سے زیادہ مجنونانہ کبھی کسی نے سنا ہوگا۔ دنیا میں انسان جو ذلت و عاجزی اختیار کرتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے وہ محض اس لیے کہ اللہ کی خوشنودی تک رسائی حاصل کرے۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کی مساوات اور برابری تک پہنچنے کے بعد ان ناپاکوں کے نزدیک وہ کونسا مرتبہ ہے جو تلاش کیا جا سکتا ہے کہ مسیح اس کو چھوڑتے ہیں کہ اس سے بلندتر مرتبہ حاصل کریں۔ اے اللہ۔ شاید وہ مرتبہ ہوگا جو ہم نے اس کے پہلے بیان کیا اور وہ وہی ہے جو یوحنا لعین نے اپنی انجیل میں بیان کیا ہے کہ ''اللہ (جو ان کے کفر سے بلند و برتر ہے)۔ سلطنت و حکومت سے علیحدہ ہو گیا۔ اس نے یہ دونوں چیزیں مسیح کے سپرد کر دیں اور خود ہر شے سے مسیح کے حق میں دستبردار ہو گیا پھر مسیح نے اسے شرف دیا۔ (اللہ اس سے برتر ہے) اے اللہ ایسی عقول پر لعنت کر جن میں یہ حماقت جائز ہو۔

اس کمینے نے اپنے بعض رسائل میں کہا ہے کہ میں تمنا کیا کرتا تھا کہ مسیح سے محروم رہوں۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ مسیح کے ساتھ کفر کرنے سے اس کو کونسی رکاوٹ تھی اور کونسا مانع تھا کہ یہ اپنی مراد کو پہنچ جاتا اور مسیح سے محروم ہو جاتا۔ حالانکہ واللہ بلاشک وہ ان سے محروم ہی ہے۔

نیز اسی کمینے بولس نے اپنے بعض کمینہ رسائل میں کہا ہے کہ یہود معجزات طلب کرتے ہیں اور یونانی حکمت طلب کرتے ہیں اور ہم

حق ظاہر کرتے ہیں کہ مسیحؑ کو سولی دی گئی۔ یہ قول یہود کے نزدیک فتنہ ہے۔ ہم جنسوں کے نزدیک جہل و نقص ہے۔ ختنہ کرنے والے یہود اور یونانیوں کے نزدیک اللہ کا علم اور اس کی قدرت ہیں۔ اس لیے کہ جو چیز اللہ کے نزدیک جہل ہے وہ لوگوں کے نزدیک زائد سے زائد حکمت ہے اور جو چیز اللہ کے نزدیک ضعیف ہے وہ لوگوں کے نزدیک زائد سے زائد قوی ہے۔

اس کمینے کے خالص کمینہ پن کے بیان میں اور اپنے متبعین کے ساتھ اس کے تمسخر میں اور یہود کے اس دعوے کے ثابت کرنے میں کہ یہود کے بزرگوں نے اس رذیل بولس کو رشوت دی تھی کہ یہ مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کو گمراہ کرے آیا اس قول سے بڑھ کر معجزات مسیحؑ وحکومت کے باطل کرنے میں اور کیا ہوگا؟ اس کا یہ کہنا کہ جو انسان کے نزدیک جو زائد سے زائد حکمت ہے وہی اللہ کے نزدیک جہل ہے اس کلام کا خلاصہ وحاصل یہ ہوا کہ عقل اور اس کے موجبات کو ترک کر دو اور حماقت کی تلاش کرو اور اسی کو دین بناؤ۔ ہم ان بیہودگیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جن میں اس نے ان لوگوں کو مبتلا کیا۔

نیز بولس اپنے بعض رسائل میں کہتا ہے کہ دین کی جھوٹی دعوت تیس سال سے زائد باقی نہیں رہتی۔

یہ شخص ان لوگوں کے یہاں خدا ان سب پر لعنت کرے۔ موسیٰ بن عمران سے بھی زیادہ سچا مانا جاتا ہے۔ اگر یہ (بولس) سچا ہے کہ تو دین اسلام و نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے سوائے اس (مذکورہ بالا بیان) کے ان لوگوں کے ساتھ کسی برہان کی حاجت نہیں۔ کیونکہ اس دعوے کے لیے علانیہ چار سو انسٹھ برس ہو چکے **ولحمد اللہ رب العالمین**۔ لہذا انہیں لازم ہے کہ یہ حق کی طرف رجوع کریں یا اپنے خوشخبری سنانے والے بولس کی تکذیب کریں ان کے بعض ان بزرگوں نے جن کی یہ تعظیم کرتے ہیں، وہ یوحنا ہے جو قسطنطیہ کا زرین دہن بڑا پادری تھا، اس نے اپنی مشہور کتاب میں کہا ہے کہ ''وہ درخت جس کا پھل حضرت آدم نے کھایا اور اس کے سبب سے جنت سے نکالے گئے اور وہ انجیر کا درخت تھا۔ بعینہ اسی درخت کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر نازل کر دیا۔ اسی درخت کے لیے مسیحؑ نے بددعا کی اور وہ خشک ہو گیا۔ جس وقت مسیحؑ نے اپنے کھانے کے لیے اس میں انجیر کو تلاش کیا اور نہیں پایا اسی درخت کا تختہ تھا جس پر مسیحؑ کو سولی دی گئی'' یہ بھی کہا ہے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ ''تم کوئی غار ایسا نہ پاؤ گے جس کے منہ پر انجیر کا درخت اگا ہوا نہ ہو'' لہذا اس ہزل و بیہودہ گوئی اور حماقت اور نایاب دلیل پر تعجب کرنا چاہیے۔

تصویر اور اس کی تعظیم:

جاننا چاہیے کہ تمام نصاریٰ متفقہ طور پر اپنی چادروں میں تصاویر بناتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ صورت باری تعالیٰ کی ہے۔ دوسری مسیحؑ کی صورت ہے تیسری مریم کی صورت ہے ایک صورت باطرہ کی ہے ایک صورت بولس وصلیب کی ہے۔ ایک صورت جبریلؑ ومیکائیلؑ کی ہے اور ایک صورت اسرافیلؑ کی ہے۔ پھر تصویر کو سجدہ عبادت کرتے ہیں اور اس کے لیے مذہبی روزہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ بلا شک یہ بت پرستی او رخالص شرک ہے۔ یہ لوگ بت پرستی کو برا کہتے ہیں کہ پھر علانیہ بت پرستی بھی کرتے ہیں۔ اس میں ان کی حجت وہ ہے جو خود حجت عبادت ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تصویروں سے اہل تصویر کا تقرب حاصل کرتے ہیں نہ کہ خود تصویروں کا۔

''گمراہی'' اور ''کفر'':

مسیحؑ کے بعد سے سو برس سے زائد تک یہ لوگ عید جیج کے بعد ہی ماہ کانون آخر میں (جو تقریباً کچھ جنوری اور کچھ فروری میں پڑتا ہے) مسلسل چالیس روز تک روزہ رکھتے تھے، پھر افطار کرتے تھے، پھر یہود کے ساتھ مسیحؑ کے فدیہ بننے میں عید فصح مناتے تھے۔ یہانتک کہ

اس کو ان کے پانچ بطریقوں نے مٹا دیا جس پر ان لوگوں نے اجماع کرلیا۔ انہوں نے اپنے روزے اور اپنی عید فصح کو ادھر منتقل کرلیا کہ اس زمانے میں جدھر یہ لوگ ہیں تم اس دین کو اور اس دین والوں کے اس دین کے ساتھ کھیلنے کو اور ان کے اس حکم کو کہ ”مسیح علیہ السلام اور حواریین جس عمل پر گذر گئے وہ گمراہی کفر تھا“ کیا سمجھتے ہو کیا کوئی شخص جسے ذرا سی بھی عقل ہے وہ اس سے خوش ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے دین پر ایک ساعت کیلئے بھی باقی رہے جس کی صفت یہ ہو پھر ایسے دین پر اللہ تعالیٰ سے کیسے ملے گا جس کے متعلق زبان سے بھی اقرار کرتا ہے اور دل سے بھی جانتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے نہیں ہے اور نہ اسے کوئی نبی لایا ہے۔ **ونعوذ بالله من الخذ لان۔**

مسئلہ کفارہ:

ان کا یہ کہنا بہت بڑی ہوس ہے کہ مسیحؑ اس لیے آئے کہ اپنے زخمی ہونے سے ہمارے مصائب اور اپنے زخموں سے ہمارے گناہ لے لیں“۔ یہ انتہائی حماقت کی بات ہے کاش مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کونسی تکلیف تھی جو مسیحؑ نے اپنے زخمی ہونے سے لے لی یا لوگوں کے گناہ مسیحؑ کے زخموں سے کیونکر لیے جاسکتے ہیں۔ ہم تو برابر ان لوگوں کو تکلیف میں بھی دیکھتے ہیں اور گناہ کرتے بھی دیکھتے ہیں جیسا کہ غیر نصاریٰ تکلیف میں ہوتے ہیں، اور کوئی فرق نہیں ہے۔

مسیحی تبرکات:

ان کی رسوائیوں میں سے ان کا یہ دعوی ہے کہ ہلانی (ہیلن) والدہ قسطنطین نے جو شاہان روم میں سب سے پہلی نصرانیہ تھی، یہ مسیحؑ کے اٹھنے کے تین سو سال سے بھی زائد بعد ہوئی۔ اس نے وہ تختہ پایا جس پر مسیحؑ کو سولی دی گئی تھی وہ کانٹے پائے جو مسیحؑ کے سر میں ٹھونکے گئے تھے، وہ خون پایا جو ان کی پیشانی سے اڑا تھا، وہ کیلیں پائیں جو مسیحؑ کے ہاتھ میں ٹھونکی گئی تھیں۔

اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ یہ تمام ظلمانی اشیاء کہاں سے پا گئے حالانکہ اس دین والے سب کے سب نکالے جارہے تھے جہاں کہیں پائے جاتے تھے قتل کیے جاتے تھے یہ شہر دو سو سال سے زائد اس طرح خالی رہا کہ اس میں ایک بھی ہمدرد نہ تھا۔ پھر انہیں کون شخص مل گیا جس نے یہ کہا کہ یہ وہی اشیاء ہیں۔ ایسے خالی اور ویران شہروں میں اتنی بڑی مدت تک خون کا نشان۔ کیلیں۔ کانٹے اور تختہ کہاں رہا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے قول کے مطابق مسیحؑ کو سولی دی گئی مسیحؑ کے شاگرد پوشیدہ تھے اور مسیحؑ کے دشمن ان کے حال کی طرف التفات نہ کرتے تھے (جو یہ چیزیں بطور تبرک جمع کرتے) کیا حماقت میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی بات ہوگی۔ ان کی عقلیں بھی انہیں لوگوں کی عقل کی طرح ہیں جو عنقاء اور ہر ناممکن چیز کی تصدیق کرتے ہیں۔

”معجزات“

یہ لوگ (۱) باطرہ و (۲) یوحناو (۳) مرقش و (۴) بولس کے جن معجزات کا دعوی کرتے ہیں یہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی کہانیاں ہیں۔ اس لیے کہ مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے سے بولس کے نصرانی ہونے تک یہ لوگ تلاش کیے جاتے تھے۔ بھاگتے پھرتے تھے۔ مارے جاتے تھے۔ زندیقوں کی طرح چھپتے پھرتے تھے بولس نے خود اپنے متعلق بیان کیا ہے کہ اسے یہود نے پانچ بار چھڑیوں سے مارا اور ہر مرتبہ انتالیس کوڑے مارے۔ اسے ایک بہت بڑے مجمع میں پتھر مارے گئے۔ وہ قتل کے خوف سے دمشق کی دیوار شہر پناہ سے ایک ٹوکرے میں گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی یہ لوگ دین یہود ظاہر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں سولی دی گئی انہیں قتل کیا گیا اور اللہ کی لعنت کے حوالے کردیا گیا۔

معجزے کا بغیر اس کے ثابت ہونا ممکن نہیں کہ اسے تمام لوگ ایسے تمام لوگوں سے روایت کریں جنہوں نے اس کو کھلم کھلا دیکھا ہے۔

لیکن نصاریٰ کا مذکورہ بالا اشخاص اور اپنے دوسرے اسلاف کے حق میں معجزے کا دعویٰ کرنا بالکل اس دعویٰ کے مساوی ہے جو مانیہ مانی کے لیے کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ بھی برابر پوشیدہ رکھا گیا سوائے ان چندہ ماہ کے جن میں اسے بہرام بن بہرام پادشاہ نے دھوکا دیا یہانتک کہ اس کے اور اس کے شاگردوں پر قابو پا کے ان سب کو قتل کر دیا۔

اور مثل یہود کے جو اپنے احبار و علمائے سابقین و رؤسائے سبت کے لیے مختلف صنعتوں میں معجزات کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اور جیسا کہ ابن منصور الحلاج کے ساتھی حلاج کے لیے دعویٰ کرتے ہیں۔

اور جس طرح مسلمانوں کے چند گروہ اسی قسم کے معجزات کا (۱) شیبان الراعی و (۲) ابراہیم بن ادہم و (۳) ابی مسلم الخولانی و (۴) عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے صالحین کے لیے کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ سب جھوٹ اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ یہ سب نظر سے اوجھل چیزوں کا حوالہ دینا ہے کہ اس قسم کا دعویٰ کرنے سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

مذکورہ بالا جماعتوں میں سے ہر گروہ اپنے دعوے کا دوسرے گروہ کے دعوے سے مقابلہ کرتا ہے حالانکہ ان تمام دعووں کے محض بے اصل اور بے دلیل ہونے میں کوئی بھی فرق نہیں۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ معجزے کا وجود سوائے نبیؑ کے کسی اور کے لیے قطعاً ممکن نہیں وہ بھی بغیر ایسی نقل و روایت کے ثابت نہیں ہوتا جو عذر و حیلے کو قطع کر دے اور کافر و مومن دونوں کو یقین کرنے پر مجبور کر دے۔ سوائے اس شخص کے جو اپنے حواس ہی سے جھگڑتا ہے اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سحر ہے۔

رہبانیت:

اسی طرح وہ بڑی مشقت و ریاضت و مجاہدہ ہے جس سے نصاریٰ کے بہت سے جہلاء دھوکے میں آ گئے جو ان کے راہب اور اہل صومعہ و اہل دیر اور ان کے لیے حجروں کے دروازوں کے آراستہ کرنے والے کیا کرتے ہیں اس کے متعلق جاننا چاہیے کہ ان لوگوں کے یہاں جو مجاہدہ و عبادت ہے وہ مانیہ کے مجاہدے اور ان کی شدت کے مقابلے میں اجزائے کثیرہ میں سے محض ایک جزو ہے۔ صابئین کے یہاں تو ان سے بھی بڑھ کر مجاہدہ و ریاضت ہے۔ اس کی شدت نے ان لوگوں کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو خصی کر ڈالتا ہے، ایک شخص بطور مجاہدہ عبادت کے خود اپنی دونوں آنکھوں کے ڈھیلے نکال ڈالتا ہے جو مجاہدہ ہنود کے نزدیک ہے وہ اس سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ہنود اپنے آپ کو قربانی کے لیے برابر آگ میں جلاتے رہتے ہیں اور اسی طرح برابر اپنے آپ کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گراتے رہتے ہیں۔ اس مجاہدے کے مقابلے میں ان کا مجاہدہ کہاں سے آیا۔ ہنود عبادت گزار محض برہنہ چلتے ہیں اور دنیا کی کسی شے سے قطعاً تعلق نہیں رکھتے پھر کہاں یہ اور کہاں وہ (یعنی راہبوں کا مجاہدہ ہنود ریاضت کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے)۔

جاہل مقلد سے زیادہ شدید گناہگار کبھی نہیں دیکھا گیا۔ خاص کر جبکہ اتفاق سے وہ سوداوی اور ضعیف ہو۔ اگر تم چاہو تو نصاریٰ کے اسقف قسیس اور جاثلیق (یعنی ان کے عابدوں زاہدوں) کے حالات میں غور کرو تو تم ان سب کو ساری مخلوق میں سب سے زیادہ فاسق سب سے زیادہ زانی اور سب سے زیادہ مال جمع کرنے والا پاؤ گے۔ یہ ممکن نہیں کہ تم ان میں سے ایک کو بھی اس کے خلاف پا سکو۔

اسی طرح اگر جاہل نصاریٰ اس دھوکے میں ہیں کہ ان لوگوں نے شروع میں اپنے دین پر قتل کیے جانے پر صبر کیا ہے یہانتک کہ اس زمانے تک شائنات (یعنی عیب لگانے والی یادگاریں) بنائیں۔ مانوی فرقے نے قتل کیے جانے پر جیسا صبر کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ ایک حصہ بھی نہیں۔ نیز فرقہ قرامطہ کے دعوت دینے والوں کے بھی قتل پر صبر کرنے کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔ ان تمام باتوں سے وہی فریفتہ ہوسکتا ہے کہ جاہل احمق، مقلد، دیدہ ودانستہ ہلاکت میں جانے والا ہو۔

حق تو صرف اسی میں ہے جسے ایسے عقلی دلائل ثابت کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے بنایا ہے کہ ہم میں حق و باطل کی تمیز پیدا ہو اور جن کے ذریعے سے بہائم سے بچا جائے۔ اس کے بعد حق اس میں ہے جس میں اعتدال و استقامت ہو اور اس کا انحصار اس پر ہو جو ایسے صاحب شریعت لائے ہوں جن کی شریعت کی صحت پر برہان قائم ہو کہ وہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور اس کا مجموعہ وہ ہو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد عمل کرتے ہوں۔

دو اعتراض:

نصاریٰ کے دو اعتراض باقی رہ گئے جن کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کریں گے

ایک تو یہ کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ عزوجل نے تمہاری کتاب میں مسیح علیہ السلام کی حکایت کے طور پر فرمایا کہ "**من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ فامنت طائفة من بنی اسرائیل و کفرت طائفة . فاید نا الذین آمنو اعلی عدوھم فاصبحوا ظاھرین** " (مسیحؑ نے کہا کہ اللہ کی جانب میرا مددگار کون ہے۔ حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمن کے مقابلے میں مدد کی اور وہ غالب ہوگئے)۔

نیز اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا **انی متوفیک ور افعک الی و مطھرک من الذین کفر واو جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفر و االی یوم القیمة** (اے عیسیٰؑ میں تم کو پورا (مع جسد وروح) لے لوں گا اور اپنے پاس اٹھالوں گا اور تمہیں کفر کرنے والوں سے پاک کروں گا اور جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے قیامت تک انہیں ان لوگوں سے برتر رکھوں گا جنہوں نے کفر کیا)۔

ہم کہیں گے کہ ہاں یہ خبر حق اور وعدہ صادقہ ہے اللہ تعالیٰ نے محض مومنین کے متعلق خبر دی ہے اور ان کا نام نہیں بتایا ہے بلاشک (۱) باطرہ (۲) یوحنا (۳) متی و (۴) یہوذ او (۵) یعقوب جن کا کذب ثابت ہو چکا ہے مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ کفار ہیں جو مسیحؑ کے لیے کذب وکفر کے طور پر ربوبیت کے مدعی ہیں لیکن جن لوگوں سے قیامت تک مدد کا وعدہ کیا گیا ہے وہ وہی لوگ ہیں جو مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ ہم مسلمان لوگ ہیں کہ واقعی ان کی نبوت ورسالت پر ایمان رکھتے ہیں نہ وہ لوگ جنہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا اور یہ کہا کہ مسیحؑ کذاب تھے۔ اور یہ کہا کہ وہ خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ تمہاری کتاب میں ہے کہ "**وجاء ربک و الملک صفا صفا** " (یعنی قیامت میں) آپ کا رب اور فرشتے صف بہ صف آئیں گے اور اسی کتاب میں ہے کہ "**ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام و الملئکة وقضی الامر** " (کیا یہ لوگ بدعا سے بچنے میں) اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس ابر کے سایوں میں اللہ تعالیٰ اور فرشتے آجائیں اور معاملے کا فیصلہ کردیا جائے؟) تم جو توریت وانجیل میں ہے اس کے بارے میں ویسا ہی کیوں نہیں کہتے جیسا کہ تم اپنی کتاب کے

بارے میں کہتے ہو؟

ہم کہیں گے کہ دونوں امور میں ایسا ہی فرق ہے جیسا فلک کے دونوں قطبوں میں۔ جو کچھ قرآن میں ہے ظاہر ہے محتاج تاویل نہیں ہے'' وجاء ربک و یا تیھم اللہ '' کے معنی صرف یہی ہیں کہ یہ ایک امر معلوم ہے اسی لغت میں ہے جس قرآن نازل ہوا ہے جس کی شہادت یہ ہے کہ تم بھی کہتے ہو کہ ''جاء الملک '''' واتا نا لملک '' (یعنی بادشاہ آ گیا اور ہمارے پاس بادشاہ آ گیا) حالانکہ محض اس کا لشکر اس کی طاقت اور اس کا حکم آیا۔ تم نے جو کچھ تلاوت کیا اس میں کوئی امر قابل انکار نہیں۔ ہم نے جو تمہاری توریت وانجیل کے باہمی اختلافات تناقض وتکاذب اور جھوٹ لکھے وہ ایسے نہیں ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

صحت نقل کلام اللہ:

ان لوگوں نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ تم لوگ اپنی کتاب (قرآن) کی نقل کو کیسے صحیح کہہ سکتے ہو حالانکہ اس کی قرات میں باہم شدید اختلاف رکھتے ہو۔ تم میں سے بعض لوگ بہت سے حروف بڑھاتے ہیں اور بعض انہیں نکال ڈالتے ہیں۔ یہ تو اختلاف کا ایک باب ہوا۔

دوسری شق:

تم لوگ ایسی اسانید سے جو تمہارے یہاں انتہائی صحت کو پہنچی ہوئی ہیں روایت کرتے ہو کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے چند گروہوں نے ان کے ایسے تابعین نے جن کی تم تعظیم کرتے ہو اور اپنا دین ان سے اخذ کرتے ہو، قرآن کو ایسے الفاظ زائدہ ومبدلہ میں پڑھا ہے کہ تم لوگ ان الفاظ میں پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف (قرآن مجید) تمہارے مصحف کے خلاف تھا۔

تیسری شق:

نیز تمہارے علماء کے چند گروہ جن کی تم تعظیم کرتے ہو اور ان سے اپنا دین اخذ کرتے ہو کہتے ہیں کہ عثمان بن عفان نے بہت سی صحیح قراتوں کو نکال ڈالا جب انہوں نے وہ مصحف لکھا جس پر تم لوگوں کو انہوں نے جمع کیا اور ان سات حرفوں میں سے جن میں تمہارے نزدیک قرآن نازل کیا گیا ہے اسے صرف ایک حرف پر کر دیا۔

تیسری شق:

نیز روافض یہ دعوی کرتے ہیں کہ تمہارے نبیؐ کے اصحابؓ نے قرآن کو بدل دیا اور اس میں گھٹا بڑھا دیا۔

احقاق حق:

ان سب باتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ ہم ایسے طریقے سے بیان کریں گے جس میں کسی کو کوئی اشکال نہ ہوگا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اختلاف قرات:

تم لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم اپنی کتاب کی قرات میں باہم مختلف ہیں، بعض چند حروف بڑھاتے ہیں، بعض چند حروف گھٹاتے ہیں، تو یہ کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ وہ بھی ہمارا اتفاق ہے اور صحیح ہے۔ اس لیے کہ ان حروف کی اور ان تمام قراتوں کی انتہا پوری پوری جماعتوں کی

روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے کہ وہ سب آپ پر نازل ہوئیں۔ اس لیے ان تمام قراتوں میں سے ہم جو بھی پڑھیں وہ صحیح ہے اور وہ سب قراتیں شمار کی ہوئی محفوظ اور یاد کی ہوئی معلوم ہیں جن میں نہ کوئی زیادت ہے نہ کمی۔ لہذا اس فصل سے جو تمہارا اعتراض وتعلق تھا وہ باطل ہو گیا۔ **وللہ تعالیٰ الحمد**۔

قرات متروکہ:

تمہارا یہ کہنا کہ اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک گروہ سے اور ان تابعین سے کہ جن کی ہم تعظیم کرتے ہیں اور ان سے اپنا دین اخذ کرتے ہیں باسانید صحیح مروی ہے کہ انہوں نے قرآن کو ایسی قراتوں میں پڑھا کہ ہم لوگ ان قراتوں میں پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ تو یہ صحیح ہے۔

ہم لوگ اگر چہ اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضوان اللہ علیہم کی تعظیم میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہمارا تقرب ان کی محبت کی وجہ سے ہے۔ مگر صحابہؓ کو وہم خطاء سے ہم بعید نہیں سمجھتے اور نہ کسی ایسی چیز میں ان کی تقلید کرتے ہیں جس کو انہوں نے کہا ہے۔

ہم تو محض وہ چیز صحابہؓ سے لیتے ہیں جس کے متعلق ہمیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی ہے جس کا انہوں نے خود مشاہدہ کیا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ ان کی عدالت۔ ثقاہت اور صدق ثابت ہو چکا ہے لیکن ان امور میں ان کا خطا وہم سے معصوم ہونا جو وہ اپنی رائے وظن وقیاس سے کہیں تو ہم اس کے قائل نہیں۔

اگر تم لوگ بھی اپنے ان احبار واساقفہ کے ساتھ جو تمہارے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان ہوئے ہیں ایسا ہی کرتے تو ہم تم پر ملامت نہ کرتے۔ بلکہ تم لوگ بھی صواب وہدایت پر ہوتے، نازل شدہ حق کے پیرو اور خطائے مہمل سے دور ہو جاتے۔ لیکن تم لوگوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے تمہارے لیے جو شریعت بنائی تم نے ان کی تقلید کر لی اور دنیا وآخرت میں ہلاک ہوئے۔

وہ قراتیں جن کا تم نے ذکر کیا وہ محض صحابیؓ یا تابعی پر موقوف ہیں (ان کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا) لہذا لامحالہ وہ صحابی یا تابعی کا وہم ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد وہم سے کوئی خالی نہیں۔

مصحف ابن مسعود:

تمہارا یہ کہنا کہ عبداللہ بن مسعود کا مصحف ہمارے مصحف کے خلاف ہے یہ کذب وباطل اور تہمت ہے۔ مصحف عبداللہ بن مسعود میں بلاشک محض انہیں کی قرات ہے مگر ان کی قرات وہی ہے جو عاصم کی قرات ہے کہ دنیائے مشرق ومغرب میں تمام اہل اسلام کے یہاں مشہور ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ہم اس کو بھی پڑھتے ہیں اور دوسرے قرات کو بھی کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ کل قرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔ لہذا اس کے متعلق بھی ان کا اعتراض باطل ہو گیا **والحمد للہ رب العالمین**۔

مصحف عثمانیؓ:

تمہارا یہ کہنا کہ ’’علماء کی ایک جماعت نے جن سے ہم اپنا دین اخذ کرتے ہیں، بیان کیا ہے کہ عثمانؓ بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب وہ مصحف لکھا جس پر انہوں نے لوگوں کو جمع کر لیا تو اس میں نازل شدہ حروف میں سے چھ حروف نکال ڈالے اور صرف ایک حرف رہنے دیا‘‘ تو

یہ انہیں اغلاط میں سے ہے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے یہ وہ گمان ہے جس کے قائل نے خطا کی واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا اس نے کہا بلکہ یہ سب مثل آفتاب روشن کے برہان سے باطل ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ ایسے وقت ہوئے ہیں کہ تمام جزیزہ العرب مسلمانوں۔ قرآنوں۔ مسجدوں اور قاریوں سے بھرا ہوا تھا۔ قاری بچوں عورتوں اور ہر موجود اور دور سے آنے والے کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ تمام یمن جوان کے زمانے میں متعدد شہروں اور قریوں پر مشتمل تھا۔ اسی طرح بحرین اسی طرح عمان جس کی وسیع آبادی میں متعدد شہر اور دیہات تھے اور بڑا ملک تھا اسی طرح تمام مکہ طائف مدینہ اور شام۔ اسی طرح جزیرہ۔ اسی طرح تمام مصر اور اسی طرح کوفہ و بصرہ کہ ان تمام آبادیوں میں اس قدر قرآن وقاریان قرآن تھے کہ ان کا شمار سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں اگر عثمانؓ اس کا قصد بھی کرتے تو ہر گز اس پر قادر نہ ہوتے۔

یہ کہنا کہ عثمانؓ نے لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کر یا تو یہ بھی باطل ہے۔ مذکورہ بالا وجوہ سے عثمانؓ اس پر بھی قادر نہیں ہو سکتے تھے اور نہ کبھی عثمان رضی اللہ عنہ اس طرف گئے کہ لوگوں کو اپنے لکھے ہوئے مصحف پر جمع کریں۔ انہیں محض یہ اندیشہ ہوا کہ کوئی فاسق آ کے دین میں مکر کی کوشش کرے یا اہل خیر ہی میں سے کوئی وہم کرنے والا وہم کرے اور قرآن کا کچھ حصہ بدل دے۔ تو وہ فاسق تو اس کو عمداً کرے گا اور اس خیر طلب سے بر بنائے وہم ایسا ہوگا۔ نتیجے میں ایسا اختلاف ہوگا جو گمراہی تک پہنچا دے گا۔ انہوں نے متفق ہو کر چند قرآن لکھے اور ہر سمت ایک قرآن بھیج دیا کہ اگر کوئی وہم کرنیوالا وہم کرے یا کوئی بدلنے والا بدل دے تو اس متفق علیہ قرآن کی طرف رجوع کر لیا جائے لہذا حق ثابت وواضح ہو گیا اور کید ووہم باطل ہو گیا۔

یہ کہنا کہ عثمانؓ نے چھ حرف مٹا دیے تو جو یہ کہتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ اگر عثمانؓ ایسا کرتے ہیں یا ایسا کرنے کا ارادہ کرتے تو اسلام سے خارج ہو جاتے اور ایک ساعت بھی نہ ٹھیرتے۔ یہ ساتوں حروف ہمارے یہاں موجود ہیں۔ جیسے تھے ویسے ہی قائم ہیں مشہور و منقول و ماثور قراتوں میں محفوظ ثابت ہیں۔ **والحمدلله رب العالمين۔**

روافض کے تبدیل قرات کے دعوے کے بارے میں کہنا تو روافض تو مسلمانوں میں سے نہیں ہیں یہ تو وہ چند فرقے ہیں جن میں سے سب سے پہلا فرقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس سال بعد پیدا ہوا۔ اس کی بنیاد اس طرح پڑی کہ جن لوگوں نے اسلام کو دھوکا دیا ان کی دعوت کو ان لوگوں نے قبول کر لیا جن کی نصرت ومدد اللہ تعالیٰ نے ترک کر دی تھی۔ یہ وہ فرقہ ہے جو کذب وکفر میں یہود ونصاریٰ ہی کا قائم مقام ہے۔ یہ چند فرقے ہیں جن میں سب سے زیادہ غالی (یعنی کٹر) وہ لوگ ہیں جو علیؓ بن ابی طالب کی اور ان کے ہمراہ ایک جماعت (آئمہ دوازدہ) کی الوہیت کے قائل ہیں۔ ان میں سے کم غلو رکھنے والے (یعنی جو زیادہ کٹر نہیں ہیں) وہ اس کے قائل نہیں کہ دو مرتبہ آفتاب کو (بعد غروب) علی بن ابی طالب کے لیے لوٹایا گیا۔ یہ تو ان کی وہ قوم ہے کہ جس کا مرتبہ کذب میں ان سب سے کم ہے کیا ان سے کسی جھوٹ کے لانے کو قبیح سمجھا جا سکتا ہے؟ ہر وہ شخص جسے اس کا منہ یا اس کے نفس کی صفائی کذب سے نہ روکے تو وہ جتنا چاہے جھوٹ بولے جس دعوے پر کوئی برہان نہ ہو کوئی عاقل اس سے استدلال نہیں کرتا، خواہ وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ایسے واضح برہان لائیں گے جو روافض کے کذب کو جو اس بارے میں انہوں نے اختیار کیا ہے رسوا کر دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تک اسلام پھیل چکا تھا اور تمام جزیرہ عرب میں اختتام بحر قلزم سے گذر کر تمام سواحل یمن تک اور وہاں سے بحر فارس تک اس کے اختتام سے گذرتا ہوا فرات تک، اس کے بعد ساحل فرات پر وہاں سے شام کے اختتام تک وہاں

سے بحرقلزم تک ظاہر ہو چکا تھا۔ اس جزیرے میں (یعنی عرب میں) جس قدر شہر اور دیہات ہیں ان کی تعداد سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً یمن۔ بحرین۔ عمان۔ نجد۔ طے کے دونوں پہاڑ۔ بلاد مضر۔ بلاد ربیعہ۔ بلاد قضاعہ۔ طائف۔ مکہ کے یہاں کے تمام باشندے اسلام لے آئے تھے اور مسجدیں بنالی تھیں کہ ان میں سے کوئی شہر کوئی قصبہ یا اعراب کی کوئی منزل ایسی نہ تھی جہاز نمازوں میں قرآن نہ پڑھا جاتا ہو اور وہاں کے بچوں عورتوں اور مردوں کو اس کی تعلیم نہ دی جاتی ہو۔

قرآن لکھ لیا گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تک مسلمان اسی حالت پر رہے کہ ان میں کسی چیز میں قطعی کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ سب کے سب امت واحدہ اور دین واحد اور مقالہ واحدہ (یک زبان) تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ڈھائی برس خلیفہ رہے۔ انہوں نے فارس وروم سے جہاد کیا اور یمامہ کو فتح کر لیا۔ قرات قرآن میں اضافہ ہو گیا اور لوگوں نے قرآن جمع کر لیے۔ کوئی شہر ایسا نہ رہا جس میں متعدد قرآن نہ ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور مسلمان اسی طرح رہے جس طرح تھے کہ ان میں کسی چیز میں بھی کوئی اختلاف نہ تھا کہ امت واحدہ و مقالہ واحدہ تھے۔ سوائے اس فتنے کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانہ حیات اور اول خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ میں پیدا ہوا جو اسود عنسی کا بجانب صنعا اور مسیلمہ کا یمامہ میں ظہور تھا۔ یہ دونوں نبوت کے مدعی تھے اور اس حالت میں بھی یہ دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مقر تھے اور اس کا اعلان کرتے تھے۔

اگر آپ کی وفات کے بعد عرب وغیرہ کو تقسیم کیا جائے تو یہاں کے باشندوں کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔

ایک وہ گروہ جو حسب سابق اسلام پر ثابت قدم رہا۔ اس نے کوئی تغیر نہیں کیا اور حضرت ابوبکر کی اطاعت کا پابند رہا۔ یہ جمہور ہیں اور سب سے زیادہ یہی لوگ ہیں۔

ایک وہ گروہ جو اسلام پر تو باقی رہا مگر کہا کہ ہم نماز و شرائع اسلام کو قائم کرتے ہیں سوائے اس کے کہ ہم زکوٰۃ ابوبکرؓ کو نہ دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی طاعت کا عہد نہ کریں گے۔ یہ لوگ بھی کثیر تھے البتہ ان لوگوں سے کم تھے جو طاعت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر باقی تھے۔ حطیئۃ العبسی کے اشعار ذیل اس کو ظاہر کرتے ہیں۔

۱. اطعنا رسول اللہ اذ کان بیننا + فیا لھفنا ما بال دین ابی بکر

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع رہے جب تک آپ ہم میں رہے۔ وائے حسرت ہم پر، دین میں ابوبکر کی کیا شان تھی۔

۲. ایورثھا بکرا اذا مات بعدہ + فتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظھر

مرنے کے بعد کیا وہ اپنے فرزند اکبر کو وارث خلافت بنائیں گے؟ پھر تو بخدا یہ پیٹھ توڑنے والی چیز ہے

۳. وان التی طالبتم فمنعتم + فکالتمر او احلی لدی من التمر

تم نے جس چیز کا مطالبہ کیا اور وہ تم سے باز رکھی گئی بیشک وہ مثل کھجور کے تھی بلکہ میرے نزدیک کھجور سے زیادہ شیریں تھی۔

یعنی زکوٰۃ کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم نہ دیں گے مگر یہ قبول نہ ہوا پھر ان قبائل کا ذکر کرتا ہے جو طاعت پر باقی رہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

۴۔ فباست بنی سعد واستاہ طیّء + واست بنی دو دان حاشی بنی النضر

لیکن واللہ بنی نضر اور حطیہ (شاعر) ہی پر مصیبت آ گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

روہ ثالث وہ ہے جس نے کفر وارتداد کا اعلان کر دیا۔ مثلاً طلیحہ وسجاح کے ساتھی اور وہ لوگ جن کو انہوں نے مرتد کر لیا تھا یہ لوگ مذکورہ بالا اشخاص (زکوۃ کے منکرین) کے نسبت کم تھے سوائے اس کے کہ ہر قبیلے میں مومنین میں سے وہ لوگ تھے جو مرتدین کا مقابلہ کرتے تھے۔ یمامہ میں تمامہ بن اثال الحنفی مسلمانوں کے کئی گروہوں کے ہمراہ مسیلمہ سے جنگ کر رہے تھے۔ اسود عنسی کی قوم میں بھی ایسا ہی تھا۔ بنی تمیم و بنی اسد میں جمہور مسلمین تھے۔

چوتھا گروہ وہ تھا جس نے توقف کیا۔ یہ لوگ مذکورہ بالا گروہوں میں سے کسی ایک میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ یہ منتظر رہے کہ کس کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً مالک بن نویرہ وغیرہ۔ ابوبکرؓ نے ان لوگوں کی طرف لشکر روانہ کیے۔ مسیلمہ قتل کر دیا گیا اور فیروز وزاذ دیہ رضی اللہ عنہما دونوں فارسی بزرگ تھے۔ ان دونوں نے اسود عنسی کو قتل کیا۔ ایک سال بھی نہ گذرا کہ اول سے آخر تک سب اسلام کی طرف واپس آ گئے اور سجاح وطلیحہ وغیرہم بھی اسلام لے آئے۔ یہ تو محض شیطان کی طرف سے ایک حملہ تھا جو آگ کی طرح مشتعل ہو گیا پھر اللہ نے بروقت اسے ٹھنڈا کر دیا۔

ابوبکر کی وفات ہو گئی۔ عمر خلیفہ ہوئے اور اہل فارس کے تمام شہر طول سے عرض تک سب فتح ہو گئے اور پورا شام جزیرہ اور تمام مصر فتح ہو گیا۔ مشرق سے مغرب تک کوئی شہر باقی نہ رہا جس میں مساجد نہ بنائی گئی ہوں۔ قرآن نہ لکھے گئے ہوں۔ آئمہ قرآن نہ پڑھتے ہوں اور مکاتب میں بچوں کو اس کی تعلیم نہ دیتے ہوں حضرت عمر اسی حالت کے ساتھ دس سال اور چند ماہ زندہ رہے اور تمام مومنین کے درمیان کبھی کسی چیز میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ بلکہ وہ سب ملت واحدہ ومقالہ واحدہ رہے۔

حضرت عمر کی وفات کے وقت اگر مسلمانوں کے پاس مصر سے عراق تک وہاں سے شام تک اور وہاں سے یمن تک پھر ان شہروں کے درمیان ایک لاکھ قرآن نہ ہوں گے تو اس سے کم بھی نہ ہوں گے۔

حضرت عثمان خلیفہ ہوئے۔ فتوحات میں اضافہ ہوا اور حکومت اور وسیع ہو گئی۔ اگر کوئی شخص اہل اسلام کے قرآنوں کے شمار کا قصد کرتا تو قادر نہ ہوتا۔ حضرت عثمان انہیں حالات میں بارہ سال زندہ رہے یہانتک کہ ان کی وفات ہوئی اور ان کی وفات سے اختلاف شروع ہوا اور امر روافض کی ابتدا ہوئی۔

آج اگر کوئی نابغہ یا زہیر کے شعر میں کوئی کلمہ گھٹانا یا بڑھانا چاہے تو قادر نہ ہو گا۔ اس لیے کہ اسی وقت اس کا عیب کھل جائے گا اور ثابت شدہ نسخے اس کی مخالفت کریں گے۔ تو پھر قرآن جو مصاحف میں ہے کیونکر تغیر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ آخر اندلس اور بلاد بربر اور بلاد سوڈان سے آخر سندھ و کابل وخراسان و ترک وصقلاب و بلاد ہند تک پھر ان تمام ملکوں کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ لہذا روافض کی حماقت اور ان کا کھلم کھلا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔

اس معاملے میں جس امر سے روافض کا جھوٹ اچھی طرح واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو ان میں سے اکثر کے نزدیک خدائے خالق اور بعض کے نزدیک نبی ناطق اور بقیہ سب کے نزدیک امام معصوم (یعنی وہم وخطا تک سے بری۔ بھلا گناہ کا تو وہاں تصور بھی نہیں ہو سکتا) اور ان کی اطاعت سب پر فرض۔ اولوالامر (وہ صاحب حکومت جس کی طاعت کو قرآن میں فرض قرار دیا گیا ہے)

اور ملک یعنی بادشاہ تھے۔ وہ پونے چھ سال تک خلیفہ رہے۔ ان کی طاعت کی جاتی تھی اور کھلم کھلا ان کی حکومت تھی۔ کوفے میں رہا کرتے تھے سوائے شام اور فرات تک مصر کے باقی پوری اسلامی دنیا کے مالک تھے۔ قرآن ہر جگہ کی تمام مساجد میں پڑھا جاتا تھا۔ وہ بھی اسی قرآن کے ساتھ لوگوں کی امامت کرتے تھے اور تمام مصاحف ان کے ہمراہ اور ان کے سامنے تھے۔ اگر اس میں وہ کوئی تبدیل وتغیر دیکھتے جیسا کہ روافض کہتے ہیں تو کبھی لوگوں کو اس پر قائم نہ رہنے دیتے۔

پھر خلافت ان کے فرزند حسن کی طرف منتقل ہوئی اور وہ بھی روافض کے نزدیک اپنے والد ہی کی طرح (امام معصوم وغیرہ) تھے۔ وہ بھی اسی (قرآن) پر چلتے رہے۔

ان احمقوں کو باوجود اس کے یہ کہنے کی کیسے گنجائش ہے کہ قرآن میں کوئی حرف زائد یا کم یا تبدیل شدہ ہے؟ حالانکہ قرآن میں تغیر یا اسلام میں تبدل کی وجہ سے ان پر جہاد اہل شام کے قتال سے زیادہ ضروری تھا جنھوں نے بہت معمولی سی رائے میں ان سے اختلاف کیا جس کو ان لوگوں نے مناسب سمجھا اور علی نے اس کے خلاف کو مناسب سمجھا۔ لہذا روافض کا کذب ایسے برہان سے ثابت ہو گیا جس سے ہٹنے کی گنجائش نہیں۔ **والحمدلله رب العالمین۔**

ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان وجوہ نقل وروایت کا حال بیان کریں گے جو مسلمانوں کے یہاں ان کی کتاب اور ان کے دین کے لیے ہے جس کو انہوں نے اپنے آئمہ سے نقل کیا ہے۔ یہاںتک کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے مومن وکافر عالم وجاہل کھلم کھلا واقف ہو جائے گا اور سب جان جائیں گے کہ بھلا اور ادیان کی نقل کا ان کی نقل سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

صحت نقل:

ہم کہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ کہ مسلمانون کی مذکورہ بالا امور کی نقل چھ قسموں پر منقسم ہے۔

اول وہ شے ہے جسے اہل مشرق ومغرب نے اپنے ہم جنسوں سے گروہوں نے گروہوں سے نقل کیا ہے جس میں نہ مومن اختلاف کرے گا نہ منصف کافر۔ سوائے اس کے جو مشاہدے ہی کی مخالفت کرے اور وہ قرآن ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے دنیا کے مشرق میں بھی۔ مغرب میں بھی جس میں لوگ نہ شک کرتے ہیں نہ اختلاف کرتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے لائے اور انہوں نے یہ خبر دی کہ اللہ عزوجل نے بذریعہ وحی اس کو ان کے پاس بھیجا ہے۔ جس نے ان کی پیروی کی اس نے اس کو انہیں اسی حالت میں لیا ہے۔ پھر ان لوگوں سے لیا گیا یہاںتک کہ ہم تک پہنچ گیا۔

اسی میں سے پانچوں نمازیں ہیں کہ کوئی مومن یا کافر نہ اختلاف کرتا ہے اور نہ کوئی شک کرتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے اصحاب کے ہر روز شب ان کے اوقات مقررہ میں پڑھی ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے آپ کے دین پر آپ کی پیروی کی جہاں کہیں بھی وہ تھے وہ روزانہ پڑھی ہے اور اسی طرح آج تک۔ اس میں کوئی شک نہ کرے گا کہ اس کو اہل سندھ بھی اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اہل اندلس پڑھتے ہیں اور اہل ارمینیہ بھی اسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اہل یمن پڑھتے ہیں۔

مثلاً ماہ رمضان کے روزے کہ اس میں نہ کوئی کافر اختلاف کرتا ہے نہ مومن اور نہ کوئی شک کرتا ہے کہ یہ روزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے اور آپ کے ساتھ آپ کے ہر متبع نے ہر شہر میں اور ہر سال رکھے پھر اسی طرح گروہ در گروہ ہمارے زمانے تک لوگ رکھتے چلے آئے۔

مثلاً حج کہ اس میں نہ کوئی کافر اختلاف کرتا ہے نہ مومن اور نہ کوئی شک کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ہمراہ حج کیا اور مسائل و احکام حج قائم فرمائے۔ پھر اطراف عالم میں سے ہر سمت کے مسلمانوں نے ہر سال اور ایک ہی شہر یعنی کمے میں حج کیا اور ابتک کرتے ہیں۔

انہیں سب کی طرح زکوۃ ہے اور وہ بقیہ شرائع جو قرآن میں ہیں مثلاً بعض رشتہ داروں سے نکاح کا حرام ہونا۔ مردار اور سور کا حرام ہونا۔ اور تما شرائع اسلام اور مثلاً آپ کے معجزات شق قمر اور یہود کو تمنائے موت کی دعوت اور وہ تمام امور جو نص قرآن میں ہیں جو پڑھا جاتا ہے اور نقل کیا جاتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے یہاں اس طرح کی نقل قطعاً کوئی بھی نہیں ہے کیونکہ شریعت سبت اور اپنی بقیہ شرائع کی نقل میں یہ لوگ صرف اپنی توریت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کو (یعنی نقل شریعت کو) اور نقل توریت کو ان سب کا اس پر متفق ہونا قطع کر دیتا ہے کہ ان کے اوائل کے گروہ سب کے سب کافر ہو کے دین موسیٰ سے علیحدہ ہو گئے تھے اور زمانہ دراز و مدت طویل تک بت پرستی کرتے رہے۔ یہ محال ہے کہ بادشاہ کافر بت پرست ہو اور اس کے ساتھ اس کی ساری رعایا بھی ایسی ہی ہو جو انبیاء کو قتل کرتے ہوں، ان کا گلا گھونٹتے ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اسے قتل کر ڈالتے ہوں، ایسے لوگ سبت میں مشغول ہوں یا اس شریعت میں مشغول ہوں جو اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس غیر مشکوک کذب سے برتر ہے۔ نصاریٰ کی نقل کو اس قسم کے امور بھی قطع کر دیتے ہیں اور یہ ابھی کہ ان کی نقل صرف پانچ آدمیوں سے ہے اور ان پانچوں کا کذب اس کذب کے ساتھ واضح ہو چکا ہے جو ہم نے توریت و انجیل میں واضح کیا ہے جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں بلاشک بدل دی گئی ہیں۔

وہ شے جسے پورے گروہ نے اپنے ہی جیسے پورے گروہ سے نقل کیا یہانتک یہ صورت ایسی ہی نقل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ مثلاً آپ کے بہت سے علامات و معجزات جو غزوہ خندق و تبوک میں لشکر کے سامنے ظاہر ہوئے اور مثلاً کثیر مناسک و احکام حج اور مثلاً کھجور کی اور گیہوں اور جو اور چاندی اور اونٹ اور سونے اور گائے اور بکری کی زکوٰۃ اور آپ کا اہل خیبر سے معاملہ اس کے علاوہ وہ بہت سے امور جو عوام سے پوشیدہ ہیں اور انہیں صرف اہل علم کے متعدد پورے پورے گروہ جانتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے یہاں اس قسم کی نقل میں بھی کچھ نہیں۔ اس لیے کہ وہ امر ان کے درمیان نقل کو قطع کر دیتا ہے جو ہم نے اس کے قبل بیان کیا کہ یہ لوگ زمانہ دراز تک کفر پر متفق رہے اور کسی پوری جماعت کا سلسلہ نقل عیسیٰ علیہ السلام تک نہیں پہنچتا۔

سوم جس کو ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے اسی طرح نقل کیا ہو یہانتک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔ کہ ان میں سے ہر شخص اس کا نام و نسب بھی بتائے کہ جس نے اسے خبر دی ہے۔ سب کی حالت و شخصیت و عدالت و زمانہ و مقام معلوم ہو۔ علاوہ اس کے کہ اس بیان کرنیوالے کی اکثر روایات ایسی ہوں جو منقول اس طور پر ہوں کہ پوری پوری جماعتوں نے یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے طرق (سند) سے نقل کیا ہو یا ایک صحابی تک یا ایک تابعی تک یا ایک ایسے امام تک جس نے تابعی سے لیا ہے، نقل کیا ہو جس کو وہ جانتا ہے جو اس شان (فن رجال) کو جانتا ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

یہ وہ نقل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے تمام اہل مذاہب کے مقابلے میں مسلمانوں کو مخصوص کیا ہے۔ اس نے ان کے یہاں ساڑھے چار سو برس کے زمانہ قدیم سے ایک جدید نعمت مشرق و مغرب جنوب شمال میں قائم کر دی ہے جس کی طلب میں ممالک بعیدہ تک

اتنے آدمی سفر کرتے ہیں جن کی تعداد کا سوائے ان کے خالق کے کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ جو پر کھنے والا اس کے قریب ہوتا ہے وہ برابر اسے ضبطِ تحریر یا حفظ میں لے آتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت پر مامور فرمایا ہے **والحمدلله رب العالمين**۔

نقل میں ایک کلمے کی غلطی یا اس سے بھی اگر کسی سے واقع ہو جائے تو وہ ان سے چھوٹتی نہیں (وہ اس غلطی کو بھی بتا دیتے ہیں) نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی فاسق کوئی بنایا ہوا کلمہ اس میں داخل کر سکے **ولله تعالىٰ الشكر**۔

یہ وہ تینوں اقسام ہیں جن سے ہم اپنا دین اخذ کرتے ہیں۔ ان کے سوا ہم کسی اور طرف نہیں بڑھتے۔ **والحمد لله رب العالمين**۔

چہارم وہ ہے جسے اہل مشرق و مغرب نے یا ایک پوری جماعت نے یا ایک ثقہ نے اپنے ہی جیسوں سے نقل کیا یہاں تک کہ یہ سلسلہ ایسے شخص تک پہنچ گیا کہ اس کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک شخص یا ایک سے زیادہ ہے (یعنی وہ تابعی یا تبع تابعی ہے جہاں پر روایت ختم ہوتی ہے اور وہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے اور اپنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا ذکر نہیں کرتا تو یہ احتمال ہے کہ وہ درمیانی شخص صحابی بھی ہو سکتا ہے اور اسی جیسا تابعی بھی ہو سکتا ہے۔ تابعی میں ثقہ و غیر ثقہ دونوں کا احتمال ہے) وہ شخص جس تک یہ سلسلہ روایت پہنچا ہے وہ اس کا نام بتانے سے خاموش ہے جس نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی ہے (اس روایت کو مرسل کہتے ہیں) معلوم نہ ہوا کہ وہ کون ہے۔ یہ وہ قسم ہے جس سے بہت سے مسلمان اخذ کرتے ہیں اور ہم قطعاً اس سے اخذ نہیں کرتے اور نہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ کس نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کبھی وہ غیر ثقہ ہوتا ہے اور اس کے متعلق جو چیز معلوم ہو جاتی ہے وہ اس کے خلاف ہوتی ہے جو اس سے روایت کی گئی جو اس شخص کے متعلق بھی مشہور نہیں ہوتی جس سے روایت کی گئی ہے۔

یہ قسم روایت نقل یہود میں بکثرت ہے بلکہ جو ان لوگوں کے یہاں ہے وہ اس قسم میں اعلیٰ درجے کا ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ اس نقل میں موسیٰ علیہ السلام کے قریب نہیں ہیں جیسا کہ ہم اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہیں۔ بلکہ وہ لوگ بیچ میں رک جاتے ہیں اس لیے کہ ان کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تیس زمانے سے زائد حائل ہیں جو ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ ہیں لوگ اپنی نقل محض ہلال و شمانی و شمعون و مرعقیبا اور ان کے ہم جنسوں تک پہنچاتے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کا صرف ایک ہی مسئلہ ہے جو ان کے احبار میں سے ایک حبر (یعنی عالم یہود) انبیائے متاخرین میں سے ایک نبی سے روایت کرتا ہے کہ اس نے اس مسئلے کو نبی سے بالمشافہ اخذ کیا جو اپنی بیٹی کے نکاح کے بارے میں ہے جبکہ اس کا بھائی اس عورت کو چھوڑ کر مر گیا ہو۔ مگر نصاریٰ کے پاس اس نقل کی سی بھی کوئی چیز نہیں ہے سوائے محض تحریم طلاق کے علاوہ اسکے کہ اس مسئلے کا راوی بھی ان انتہائی جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے جن کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔

پنجم وہ شے جو اسی طرح نقل کی گئی ہو جس طرح ہم نے بیان کیا۔ یا تو اسے اہل مشرق و مغرب نے نقل کیا ہو یا پوری جماعت نے پوری جماعت سے نقل کیا ہو۔ ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے نقل کیا ہو یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے سوائے اس کے کہ طریق (سند کے رجال) میں کوئی ایسا راوی آ گیا ہو جو مجروح ہو یا تو کذب کے ساتھ یا غفلت کے ساتھ یا مجہول الحال ہو۔ بعض مسلمان اس نقل کے بھی قائل ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک نہ تو اس کا قائل ہونا جائز ہے، نہ اس کی تصدیق اور نہ اس سے کسی مسئلے کا اخذ کرنا درست ہے۔ یہ صفت نقل یہود و نصاریٰ کی ہے جس کو انہوں نے اپنے انبیاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ بلاشک کفار ہیں اس میں کوئی شبہہ نہیں۔

ششم وہ نقل ہے جو ایسے وجوہ میں سے کسی ایک طریقہ مذکورہ سے منقول ہو کہ یا تو اہل مشرق و مغرب کی نقل سے یا پوری جماعت سے یا ثقہ سے منقول ہو یہاں تک کہ یہ صحابی یا تابعی یا کسی امام تک جو ان دونوں سے (یعنی صحابی و تابعی سے درجے میں) کم ہے پہنچے کہ اس نے کہا یا ایسا حکم دیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو مثلاً ابوبکرؓ کا فعل مرتدین کے قیدیوں کے بارے میں (یعنی چمن کے زکوٰۃ نہ دینے والے لوگ) اور مثلاً نماز جمعہ دن کے اول حصے میں۔ اور مثلاً عمرؓ کا خراج مقرر کرنا اور ان کا لکڑ ہارے غلام کی دو چند قیمت مقرر کرنا وغیرہ جو بہت ہے بعض اہل اسلام اس سے استدلال کرتے ہیں اور بعض اس سے استدلال نہیں کرتے ہم بھی اس سے بالکل استدلال نہیں کرتے۔ اس لیے کہ کسی کے فعل میں کوئی حجت (و دلیل) نہیں بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اتباع کا حکم دے اور اسے اپنا دین بیان کرنے کے لیے ہمارے پاس بھیجے۔ کوئی بزرگ وہم سے خالی نہیں۔ اس میں کوئی حجت نہیں جو وہم کرتا ہو اور اس کے وہم کے بیان میں وحی نہ آتی ہو۔

نقل کی یہی قسم ہے کہ یہود نے اپنی شرائع نقل کی ہیں جن پر وہ اب قائم ہیں جو توریت میں نہیں ہیں وہ سب نقل کی اسی قسم میں داخل ہیں۔

نصاریٰ کے تمام منقولات کی بھی یہی صفت ہے۔ سوائے تحریم طلاق کے البتہ یہود کو اس کا امکان نہیں کہ وہ اس نقل کو کسی نبی کے صحابی تک پہنچا سکیں یا اس کے تابعی تک۔

سب سے اعلیٰ درجے کا شخص جس پر نصاریٰ کی شریعت موقوف ہے شمعون باطرہ (بطرس) ہے اس کے بعد بولس۔ اس کے بعد ان کے تمام اسقف زمانہ بزمانہ۔ یہ وہ امر ہے کہ اس کے یا اس میں سے کسی جزو کے انکار پر ان میں سے کوئی قادر نہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی اس کے کذب کا دعوب کرے اور سمجھے کہ مخاطب عیسائیوں کی شریعت سے واقف نہیں۔ مگر جب ایسا شخص تقریر کرے کہ ان کی کتابوں سے واقف ہو تو پھر انہیں انکار کی بالکل گنجایش نہیں ہوتی۔

صحت اعجاز نبویؐ:

نقل قرآن اور اس میں جو معجزات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں مثلاً غیب کی باتوں کی پیشگوئی کرنا۔ شق قمر۔ یہود کو تمنائے موت کی دعوت دینا۔ نصاریٰ کو مباہلے کے لیے بلانا۔ تمام عرب کو قرآن کا مثل لانے کو کہنا اور انہیں اس سے عاجز ہونے پر للکارنا۔ یہود کو للکارنا کہ وہ موت کی تمنا نہ کریں گے پرندہ ابابیل کا قصہ اور ان کا اصحاب فیل پر مٹی کی کنکریاں پھینکنا اور بہت سی شرائع اور بہت سی عادات۔

ان سب امور کو یمانی و مضری و ربیعی و قضاعی نے نقل کیا ہے کہ باہم دشمن تھے، باہم مخالف تھے، آپس میں جنگ کیا کرتے تھے، ان میں سے بعض کو بعض قتل کر دیتا تھا۔ یہاں کوئی ایسی شے نہ تھی جو نقل قرآن میں انہیں چشم پوشی و درگذر کی دعوت دیتی۔ ان لوگوں سے ان لوگوں نے اسے نقل کیا جو مشرق و مغرب کے درمیان تھے۔

عرب ایک آزاد قوم تھی جن کا کوئی بادشاہ نہ تھا جیسے مضر و ربیعہ و ایاد و قضاعہ یا ان کے ملک میں بادشاہ تھے وہ سلسلہ بہ سلسلہ سلطنت اپنے بڑوں سے میراث میں پاتے تھے۔ مثلاً شاہان یمن و عمان۔ شہر بن نارام بادشاہ صفا۔ منذر بن ساوی بادشاہ بحرین۔ نجاشی بادشاہ حبشہ۔ جعفر و عیاذ فرزندان الجلندی بادشاہان عمان۔ یہ سب لوگ حق ظاہر ہونے اور اس کے روشن ہونے کے وقت مطیع ہو گئے اور بخوشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ یہ لاکھوں آدمی تھے۔ سب کے سب اس طرح بھائی بھائی بن گئے جیسے ایک ہی ماں باپ کی اولاد۔ ان میں سے ہر وہ شخص جسے اپنی سلطنت سے علیحدہ ہونا ممکن تھا وہ محض برضا و رغبت بلا خوف جنگ و بدون طمع مال و جاہ اسے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لوگوں کے حق میں دستبردار ہوگیا، حالانکہ یہ سب کے سب آپ کے لشکر سے زیادہ قوی لشکر والے اور زیادہ مالدار اور زیادہ ہتھیار والے تھے۔ ان کا ملک بھی آپ کے ملک سے بہت وسیع تھا۔

مثلاً ذوالکلاع کہ یہ تاج پوش بادشاہ اور تاج پوش بادشاہوں کی اولاد میں تھے۔ انہیں ان کی تمام رعیت سجدہ کرتی تھی۔ یہ سوار ہوتے تھے تو ان کے جلو میں ایک ہزار غلام ہوتے تھے جوان کے چچا کے خاندان والوں کے علاوہ ہوتے تھے چچا کے خاندان والے جوان کے جلوس میں شامل ہوتے تھے وہ حمیر۔ ذی ظلیم۔ ذی ذود، ذی مراد۔ ذی عمر۔ وغیرہم تھے کہ سب کے سب اپنے ملکوں میں صاحب تاج بادشاہ تھے۔ یہ تمام امور وہ ہیں جن سے حاملین تاریخ میں سے ایک بھی ناواقف نہیں۔ یہ اسی طرح منقول ہے جس طرح ان کے شہروں کا اپنے مقامات میں ہونا منقول ہے۔

اسی طرح (یعنی برضا و رغبت) تمام عرب کا اسلام تھا جن میں سب سے پہلے مثل اوس وخزرج تھے۔ پھر رفتہ رفتہ تمام عرب جیسا جیسا ان کے نزدیک آپ کی علامات ثابت ہوتی گئیں اور آپ کے معجزات روشن ہوتے گئے اسلام لاتے گئے اوس وخزرج تو اس وقت آپ پر ایمان لائے کہ آپ محض تنہا تھے اور ہر جگہ سے بے ٹھکانے کیے جا رہے تھے کہ آپ کی قوم نے محض آپ کے ساتھ حسد کی وجہ سے نکال دیا تھا۔

جب آپ بے زر تھے آپ کے پاس کوئی مال نہ تھا۔

آپ یتیم تھے۔ نہ باپ زندہ تھے نہ کوئی بھائی نہ بھتیجا نہ بیٹا۔

آپ امیؐ تھے کہ نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔

آپ جہالت کی بستی میں پیدا ہوئے۔

آپ اپنی قوم کی بکریاں اجرت پر چرایا کرتے تھے جس سے آپ اپنی غذا حاصل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معلم کے آپ کو حکمت کی تعلیم دی اور آپ کو ان لوگوں سے کہ آپ کی تلاش میں تھے بغیر سپاہی بغیر دربان بغیر چوبدار اور بغیر کسی قلعے کے جس میں آپ پناہ لیتے محفوظ رکھا۔ عرب کے بہادروں میں سے بڑے بڑے بہادر اور دلیر بکثرت آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مثلاً عامر بن الطفیل، واربد بن جزر و غورث بن الحارث وغیرہم۔ باوجود اس کے آپ کے دشمن بھی آپ کی نبوت کا اقرار کرتے تھے۔ مثلاً مسیلمہ وسجاح وطلیحہ واسود حالانکہ آپ ان سب کی تکذیب فرماتے تھے۔ تو کیا اس کے بعد بھی کسی برہان کی حاجت ہے؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کی اس کفایت کے بعد بھی کسی اور کفایت کی ضرورت ہے۔

آپ دنیا نہیں چاہتے تھے اور نہ وہ لوگ دنیا کی آرزو کرتے تھے جو آپ کی پیروی کرتے تھے۔ بلکہ آپ نے اپنے ناصرین کو ڈرایا تھا کہ میرے بعد دنیا کو اپنے اوپر مسلط نہ کر لینا اور ان سب نے بڑے استقلال سے اسی پر آپ کی پیروی کی۔ آپ کے لیے آپ کے اصحاب (بطور تعظیم) قدم پر کھڑے ہوئے تو آپ نے انہیں روکا ان کے اس فعل کو ناپسند فرمایا اور انہیں آگاہ کر دیا کہ قیام محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے نہ کہ اس کی مخلوق کے لیے۔ وہ لوگ آپ کے لیے سجدہ پسند کرتے تھے مگر آپ نے اس کو بہت برا جانا اور سوائے اللہ تعالیٰ سب کے لیے انکار فرمایا۔

کوئی شک نہیں کہ یہ صفت ہرگز ہرگز کسی طالب دنیا کی نہیں ہوسکتی۔ نہ کسی غلبے کے خواہشمند کی یہ صفت ہوسکتی اور نہ کسی ایسے کی یہ صفت ہوسکتی ہے کہ دور تک شہرت کا طلبگار ہو جس کی ادنی سی بھی فہم ہو اس کے لیے نبوت خالصہ کی یہی حقیقت ہے۔ لہذا حق یہی ہے نہ وہ

جس کا نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں جو خالص کذب ہے کہ بادشاہ خوشی سے ان کے دین میں داخل ہوئے۔ حالانکہ وہ اس میں جھوٹے ہیں۔ جو بادشاہ سب سے پہلے نصرانی ہوا وہ قسطنطین بانی قسطنطینیہ تھا کہ مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے تقریباً تین سو برس بعد ہوا۔ اس مدت کے بعد اسکے سامنے کونسا معجزہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اسے تو محض اس کی ماں نے نصرانی بنالیا اس لیے کہ وہ نصرانیہ اور نصرانیہ کی بیٹی تھی قسطنطین کا باپ اس پر عاشق ہوگیا اور اس نے اس سے شادی کرلی یہ وہ امر ہے۔ جس میں باہم نصاریٰ میں بھی انکار نہیں ہے تربیت انسان میں جیسی موثر ہوتی ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں جب آپ کے معجزات کی خبر پہنچی جو آپ کے تمام اصحاب کے سامنے آپ سے ظاہر ہوتے تھے تو ان سب نے آپ کی پیروی کی۔

آنحضرتؐ کے معجزے:

مثلاً اعجاز قرآن۔ شق قمر۔ یہود کو تمنائے موت کی دعوت اور انہیں یہ بھی بتا دینا کہ وہ اس سے عاجز رہیں گے اور ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے امور غیب کی پیشگوئی چشمہ تبوک کا نکلنا جو ابتک اسی حال میں موجود ہے۔ لشکر کے سامنے آپ کی انگلیوں سے پانی نکلنا۔ تھوڑے سے کھانے میں کئی مرتبہ کر کے سب کے سامنے بہت سی جماعتوں کو پیٹ بھر کھلانا۔ یہ خبر دینا کہ جو عہد نامہ بنی ہاشم و بنی المطلب کے خلاف لکھا گیا ہے اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے نام کے باقی سب دیمک کھا گئی ہے۔ لشکر کے روبرو کفار اہل بدر کے ہر شخص کہ پچھڑنے کی ایک ایک جگہ کا بتانا۔ مثلاً وہ روشنی جو طفیل بن عمر والدوسی کے کوڑے میں پیدا ہوگئی۔ تمام اصحاب کے سامنے کھجور کے خشک تنے کی آواز۔ آپ کی وجہ سے قحط کا دور ہونا۔ جابر کے قرض خواہوں کو تھوڑی سی کھجور میں ادا کر دینا جو آپ نے ان کی طرف سے عطا فرمائیں۔ عمر کو مع چار سو سواریوں کے ان تھوڑی سی کھجوروں سے زاد راہ دیدینا جو آپ کے پاس باقی رہ گئی تھیں آپ کا ایک مٹھی بھر مٹی پھینکنا پھر اس کا تمام کفار کی آنکھوں میں پہنچ جانا۔ قریش کے سینکڑوں آدمیوں کے سامنے اس طرح نکلنا کہ وہ آپ کو نہیں دیکھتے تھے غار میں داخل ہونا۔ کفار اسی غار پر کھڑے تھے اور آپ کو نہیں دیکھتے تھے غار کے پہلو میں ایک سخت پتھر میں دروازہ کھولنا جو کبھی اس میں نہ تھا۔ اگر اس زمانے میں وہ دروازہ وہاں ہوتا تو ہرگز آپ کو اس میں پوشیدہ ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے کہ دونوں دروازوں کے درمیان صرف آٹھ ہاتھ کا فاصلہ ہوتا اور وہ آج تک ظاہر ہے ہر سال اور ہر زمانے میں روئے زمین کے مسلمان اس کی زیارت کرتے ہیں اگر اہل زمین اس پتھر میں دوسرا دروازہ کھولنے کا قصد کرتے تو اسے اس کے مقام سے سالم نہ ہٹا سکتے۔ اگر وہ دروازہ اس زمانے میں وہاں ہوتا تو آپ کے تلاش کرنے والے یقیناً بہت آسانی سے آپ کو دیکھ لیتے اس لیے کہ وہ سب قریش ہی کی جماعتیں تھیں اور شاید وہ سینکڑوں ہوں گے اس پتھر میں آپ کے سر مقدس کے نشان اور آپ کی دونوں ہتھیلیوں اور کلائی اور کھلے ہوئے ہاتھوں کے نشان آج تک باقی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو منقول ہے جس کو بڑی بڑی پوری پوری جماعتیں ایک جماعت سے دوسری جماعت نقل کرتی چلی آتی ہے رمی جمار (منیٰ مین ایام حج میں تین مقامات پر روزانہ تین روز تک سات کنکریاں پھینکنا صرف دسویں ذی الحجہ کو ایک جگہ پھینکنا اور گیارھویں بارھویں کو دو جگہ پھینکنا اسی کو رمی جمار کہتے ہیں) جن پر سالانہ اتنے آدمی کنکریاں مارتے ہیں جن کی تعداد بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بایں ہمہ اس مقام میں اس کا حجم نہیں بڑھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سال ولادت میں ہاتھی والے بادشاہ ابرہہ پر جب اس نے مکے کی جنگ کی اللہ تعالیٰ کا کنکریاں مارنا کہ عجیب وغریب قسم کی تھیں اور عجیب وغریب چڑیوں کے ذریعے سے پھینکی گئی تھیں۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے (آپ کی ولادت سے پچپن روز پہلے) ہوا اس کے متعلق قرآن کی

سورۃ نازل ہوئی جس کی تلاوت آج تک کی جاتی ہے یعنی الم تر کیف فعل ربک با صحاب الفیل الآیۃ آپ کی پیشگو ئیاں آپ سے اونٹ کا شکایت کرنا۔ جماعتوں کے سامنے ایک ساعت میں آشوب چشم سے علیؓ کی آنکھوں کا اچھا کر دینا۔ سراقہ کے گھوڑے کے قدموں کا زمین میں دھنس جانا جبکہ اس نے (سفر ہجرت میں) آپ کا تعاقب کیا تھا بارہا ایسی بکری کا دودھ دینا جس کے دودھ ہو ہی نہیں سکتا تھا کھانے کا تسبیح پڑھنا۔ بھیڑیے کا کلام کرنا اور آپ کا آنا۔ حکم نے جب آپ سے بھیڑیے کا آنا بیان کیا تو آپ کا حکم سے فرمانا کہ تم بھی ایسے ہو جاؤ۔ وہ مرتے دم تک برابر خوفزدہ رہے۔ آپ کا بارش کے لیے دعا کرنا اور فوراً اس کا ہونا۔ آپ کا ابر کھلنے کی دعا کرنا اور اسی وقت کھل جانا۔ دو مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کا ظاہر ہونا ایک مرتبہ بصورت دحیہ۔ پھر دحیہ کو لوگوں کے سامنے لایا جانا۔ دوبارہ جبریلؑ کا ایسے شخص کی صورت میں آنا کہ انہیں کسی نے نہیں پہچانا اور نہ اس کے بعد انہیں دیکھا گیا۔ جس وقت آپ نے دختر ابن عوف بن الحارث بن عوف ابی حارستہ المزنی کے ساتھ پیام نکاح دیا تو آپ سے لڑکی کے باپ نے کہا کہ اس کے سفید داغ ہیں (حالانکہ غلط کہا تھا) آپ کا فرمانا کہ ایسا ہی ہو جائے۔ فوراً اس لڑکی کے برص ہو گیا۔ یہ مشہور شاعر شبیب بن البرصاء کی والدہ تھیں۔ اس کے علاوہ بے انتہا معجزات ہیں۔

باوجود اس کے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ سب سے پہلے بادشاہوں میں جو شخص نصرانی ہوا وہ قسطنطین تھا جو مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے قریب تین سو سال بعد نصرانی ہوا۔ مگر واللہ وہ نصرانیت کے اظہار پر قادر نہ ہوا تا کہ وقتیکہ رومیہ سے بقدر ایک ماہ کی مسافت کے چلا نہیں گیا۔ اس نے بزنطیہ بنایا جو قسطنطنیہ ہے۔ لوگوں کو تلوار اور مال سے نصرانیت پر مجبور کیا۔ اس کی محفوظ یادگاروں میں سے ہے کہ وہ صرف اسی شخص کو سلطنت کا کوئی عہدہ دیتا تھا جو نصرانی ہو جاتا تھا لوگوں کی حالت یہی ہے کہ وہ ادنی حالت سے بھاگتے ہیں اور دنیا کی طرف دوڑتے ہیں۔ ان سب امور کے باوجود وہ آریوس کے مذہب پر تھا۔ تثلیث پر نہ تھا۔

یہ نصاریٰ کا دعوی ہے اور ان کا جھوٹ ہے جو انہوں نے اپنے دعوی کے ساتھ ملا لیا ہے کہ اس مدت طویلہ کے بعد بیت المقدس کے بار بار ویران ہونے اور لٹنے کے بعد تقریباً دو سو ستر برس تک اس طرح ویران رہنے کے بعد کہ اس میں ایک بھی باشندہ نہ تھا، انہوں نے وہ کانٹے پائے جو ان کے دعوے کے مطابق مسیح کے سر میں ٹھونکے گئے تھے وہ کیلیں (میخیں) پائیں جو ان کے ہاتھوں میں ٹھونکی گئی تھیں۔ وہ خون پایا جو ان کی پیشانی سے اترا تھا۔ وہ تختہ پایا جس پر انہیں سولی دی گئی تھی۔

معلوم نہیں کہ تعجب کس پر کیا جائے۔ آیا اس شخص پر جس نے اس قسم کے رسوا کن بیہودہ جھوٹ ایجاد کیے ہیں یا اس پر جس نے اس کو قبول کیا، اس کی تصدیق کی، اس کے اعتقاد پر قائم ہو گیا اور اپنے چہرے کو اس کے بیان کرنے کے لیے بے شرم بنا لیا۔

کاش معلوم ہو جاتا کہ یہ کانٹے اور یہ خون صحیح سالم اور یہ میخیں اور یہ تختہ اس طویل مدت تک کہاں رہا۔ حالانکہ اس مذہب والے نکال دیے گئے تھے اور اس طرح قتل کیے جاتے تھے جس طرح آج وہ شخص قتل کیا جاتا ہے جو بد دینی کو چھپاتا ہے۔ یہ شہر بھی مدت دراز تک اس طرح ویران رہا کہ اس میں سوائے درندوں اور وحشیوں کے ایک بھی باشندہ تھا۔ ہم نے ان بادشاہوں کا مشاہدہ کیا ہے جن کے پیرو اور اولاد اور گروہ نکال دیے گئے اور انہیں سولی دی گئی تو ایک قلیل مدت بھی نہ گذرے پائی کہ ان تختوں کا نشان تک نہ رہا بھلا وہ چیز جس کا کوئی طالب بھی نہ ہو کیسے رہ سکتی ہے خاص کر ان سلطنتوں میں جو ختم ہو چکیں اور ان شہروں میں جو ویران ہو چکے خالی ہو گئے اور ان کے واقعات فراموش ہو گئے۔

وہ چادر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور آپ کا پیالہ اور تلوار باوجود اس کے کہ الحمد للہ سلطنت مسلسل چلی آتی ہے کہ اس زمانے سے اب تک منقطع نہیں ہوئی پیالے اور تلوار میں شبہہ پیدا ہو گیا یہاںتک کہ ہمارے نزدیک آج ان دونوں میں سے کسی پر بھی یقین نہیں۔ اگر خلفاء

یکے بعد دیگرے ہمیشہ چادر کو استعمال نہ کرتے اور اسی طرح ممبر کو بھی اور اسے گروہ سے گروہ نقل نہ کرتے تو ہم ان دونوں پر بھی یقین نہ کرتے۔ لیکن ان دونوں کا ایک امت کے بعد دوسری امت کے ہاتھوں میں برابر گشت کرتے رُہنا اور ان کا لوگوں کے لیے قائم رہنا اور ظاہر ہونا ان کے یقینی ہونے کو واجب کرتا ہے۔ ان میں سے شک کو اٹھاتا ہے اور اسی طرح جو چیز بھی اس طریقے پر جاری رہے۔

پھر دین نصاریٰ کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ قسطنطین جو دنیا کے بادشاہوں میں سب سے پہلا نصرانی تھا مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین (ثانی) بھی مر گیا۔ ایک ایسا بادشاہ جس نے نصرانیت ترک کر دی اور بت پرستی کی طرف پلٹ گیا یہانتک کہ وہ بھی مر گیا پھر قسطنطین کے اقارب میں سے ایک شخص بادشاہ ہو گیا اور وہ نصرانیت کی طرف پلٹ گیا۔ لیکن مذہب یہود کا تو حال یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی نیتیں جب موسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان زندہ موجود تھے جب ہی درست نہ تھیں اور وہ برابر بت پرستی کے اظہار کی طرف مائل رہے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنی سلطنت کے اختتام تک ایک طبقے کے بعد دوسرا طبقہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد سب کے سب اس شریعت کی تکذیب کرتے رہے جو ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام لائے تھے، تو بھلا غیر لوگ اس دین کی کیسے پیروی کر سکتے ہیں۔

ایک محسوس برہان:

ایک برہان ضروری بلکہ غور کرنے والے کے لیے حسیّ ہے جس سے مفر نہیں وہ یہ ہے کہ یہود نصاریٰ بلکہ تمام اہل مذاہب میں اس میں اختلاف نہیں ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں ایسے شدید ترین عذاب میں مبتلا تھے جو عالم امکان میں تھے۔ ان کی اولاد کا ذبح کرنا۔ ان سے مار مار کے بیگار میں اینٹیں پتھوانا وہ وہ ذلتیں جن پر ایک خالی کتا بھی صبر نہ کر سکے۔ پھر ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے کہ انہیں اس گرفتاری کو جس سے قتل ہو جانا آسان ہے چھوڑ کر حریت اور غلبہ و سلطنت و امن کی دعوت دی۔ جو اس سے کمتر حال میں بھی تھا تو اس کی یہ کیفیت تھی کہ ہر ایسے شخص کی طرف دوڑتا تھا جس کے ہاتھوں اسے کشادگی کی امید ہوتی تھی۔ وہ اس کی ہر دعوت کو قبول کر لیتا تھا جو لوگ اس مصیبت میں تھے ان میں سے اکثر اس کی غلامی اختیار کر لیتے تھے جو انہیں اس مصیبت سے نکالتا تھا۔ خاص کر جو نکال کر عزت و حرمت کی طرف لے جاتا تھا۔ نیز یہ لوگ اہل لشکر تھے جو مجتمع تھے اور ایک ہی بستی والے تھے کہ انہیں کسی امر پر متفق ہو جانا ممکن تھا۔ اس کے بعد وہ بہت ہی چھوٹے سے شہر کے باشندے ہو گئے کہ دشمن انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے تھے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین تو بارہ مشہور آدمی اور چند عورتیں تھیں ان کے متبعین کی کل تعداد جن میں بارہ شاگرد بھی شامل تھے ایک سو بیس ہی تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح ان کی انجیل میں تصریح ہے یہ لوگ بھی بھاگتے پھرتے تھے۔ نکالے جاتے تھے۔ ظاہر نہ ہو سکتے تھے اور اس قسم کے لوگوں سے بدیہی طور پر علم یقین نہیں ہوتا۔

برکات نبوت:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشرق سے مغرب تک کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ آپ ایک ایسی بہادر قوم میں مبعوث ہوئے جو نہ کسی بادشاہ کو مانتی تھی۔ نہ یہ لوگ کسی کی اطاعت کرتے تھے اور نہ کسی رئیس کے فرمانبردار بنتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد و اسلاف نے ہزاروں برس سے اسی آزادی پر نشو ونما پایا تھا۔ فخر۔ عزت نخوف۔ کبر۔ ظلم و عار ان کی طبیعتوں میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ یہ بہت بڑی تعداد میں تھے جزیرہ عرب ان سے بھرا پڑا تھا۔ جو اتنا بڑا تھا جتنا دو شہر سے دو شہر کا مربع طبیعتیں درندوں کی سی ہو چکی تھیں۔ یہ لاکھوں قبیلے اور خاندان تھے جن میں بعض سے بعض تعصب کیا کرتے تھے۔

عرب کو آپ نے بدون مال و دولت اور بغیر ساتھ دینے والوں کے دعوت دی۔ آپ کی قوم نے آپ کی حمایت ترک کر دی۔ یہانتک

کہ یہ لوگ اس عزت سے ادائے زکوٰۃ کی طرف اتر آئے اور حریت وظلم سے محکومیت کی طرف اور اس دست درازی سے کہ جس کو چاہتے قتل کر دیتے تھے اور جس کا چاہتے تھے مال لے لیتے تھے، قصاص میں اپنی جان دینے اور اعضاء کٹوانے اور ایک حقیر سے حقیر غیر عرب مسافر کی وجہ سے جو ان میں آ گیا اس کی وجہ سے طمانچہ کھانے کی طرف۔ عار وفخر ساقط اور دور کرنے کی طرف۔ پیٹھوں پر کوڑوں سے مارے جانے کی طرف بشرطیکہ شراب پییں یا کسی شخص کو زنا کی تہمت لگائیں۔ کوڑے مارے جانے اور اتنے پتھر مارے جانے کی طرف کہ مر جائیں بشرطیکہ زنا کریں ان میں سے اکثر نے ان تمام امور کو بخوشی بغیر کسی طمع یا غلبے یا خوف کے مان لیا اور سوائے مکہ وخیبر کے آپ نے اور کسی کو غلبے سے حاصل نہیں کیا۔

آپ نے کبھی خود کوئی جنگ نہیں کی جس میں آپ قتال فرماتے سوائے نو غزوات کے کہ بعض آپ کے خلاف ہوئے اور بعض موافق۔ یہ امر بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ محض خوشی سے آپ پر ایمان لائے نہ کہ جبر سے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کی طبیعتیں بدل گئیں۔ ظلم سے عدل کی طرف جہل سے علم کی طرف فسق وقساوت سے اس عدل عظیم کی طرف جس کی حد تک بڑے بڑے فلاسفہ بھی نہ پہنچ سکے سب نے اول سے آخر تک طلب انتقام ترک کر دیا اور ان میں سے انسان اپنے بیٹے اور باپ کے قاتل اور اپنے بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ باہم محبت کرنے والے بھائیوں کی طرح دوست ہو گیا یہ سب بغیر کسی خوف کے تھا کہ انہیں جمع کرتا اور بغیر کسی ریاست کے جو صرف انہیں کو ملتی ہو اور جو اسلام نہ لائے اسے نہ ملتی ہو۔ بغیر کسی مال کے جو انہیں فوراً ملجاتا ہو۔

لوگ جانتے ہیں کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کیسی تھی اور پھر بغیر کسی رزق وعطا اور غلبے کے ان دونوں حضرات کے ساتھ عرب کی اطاعت کیسی تھی؟ کیا یہ بغیر اس کے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں پر ان دونوں کو غلبہ دیدیا گیا تھا اور ان لوگوں کی طبیعتوں کو مجبور کر دیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ ''**لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلو بھم ولکن اللہ الف بینھم**'' (یعنی اے نبیؐ اگر آپ روئے زمین کی ساری دولت خرچ کر ڈالتے تو آپ ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے ان کے آپس میں الفت پیدا کر دی)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لوگوں کے درمیان بغیر کسی پہرے والے۔ بدون کسی محافظ دستے کے اور بلا کسی بیت المال کے محفوظ و مامون رہے اور اسی طرح (حفاظت کے ساتھ) آپ کے علامات نبوت ومعجزات نقل کیے گئے۔ کیونکہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے بھی جو معجزات ثابت ہیں وہ وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں۔

آپ کے متبعین میں اسباب کذب وتعصب سب معدوم ہیں کیونکہ ان میں اکثر مسافر ہیں جو آپ کی قوم کے نہیں ہیں۔ آپ نے انہیں کبھی دنیا کی آرزو نہیں دلائی اور نہ ان سے کسی سلطنت کا وعدہ فرمایا ان امور کا کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔

سیرۃ نبوی خود معجزہ ہے:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی اس میں غور کرنے کو آپ تصدیق پر مجبور کرتی ہے اور اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ آپ درحقیقت اللہ کے رسول ہیں۔ سوائے آپ کی سیرت کے اگر کوئی اور معجزہ نہ ہوتا تو تب بھی کافی ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں جہل کی بستی میں پیدا ہوئے کہ آپ نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے اور نہ کبھی آپ ان بستیوں سے باہر نکلے سوائے دو مرتبہ کے۔ ایک مرتبہ اپنے چچا کے ساتھ بچپن میں اوائل ملک شام تک جا کے واپس آ گئے۔ دوبارہ بھی ملک

شام ہی گئے مگر وہاں زیادہ قیام نہ فرمایا۔ کبھی آپ اپنی قوم سے جدا نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام عرب کی گردنیں آپ کے قدموں کے نیچے کر دیں۔ مگر آپ کے نفس میں نہ کوئی تغیر ہوا اور نہ آپ کی سیرت بدلی یہاںتک کہ اس حالت میں آپ کی وفات ہوئی کہ آپ کی زرہ چند صاع جو کے بدلے جو بہت نہ تھے اور اپنے متعلقین کی خوراک کے لیے تھے، رہن تھی۔ کبھی درہم و دنیار نے آپ کی ملک میں رات نہ گذاری جو کچھ میسر آجائے آپ اسے زمین پر نوش فرماتے تھے نعل مبارک کو اپنے دست مبارک سے سی لیتے تھے۔ اپنے کپڑے میں پیوند لگا لیتے تھے۔ دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔

آپ کے یہودی دشمنوں کے درمیان آپ کے ایک بہت بڑے صحابی قتل کر دیے گئے کہ ان جیسوں کا نہ ہونا ایک لشکر کو کمزور کر دیتا ہے۔ مگر آپ نے اس کو اپنے دشمنوں کی ایذا رسانی کا سبب نہیں بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ کے لیے واجب نہیں کیا تھا۔ آپ نے اس کے ذریعے سے ان لوگوں کے خون تک رسائی نہیں کی نہ کسی ایک کے خون تک اور نہ ان کے اموال تک بلکہ آپ نے ان صحابی کے فدیے میں اپنے پاس سے سو اونٹ ادا فرمائے حالانکہ اس حال میں آپ خود ایک ایک اونٹ کے حاجت مند تھے کہ اس سے قوت حاصل کرتے تھے۔

یہ وہ امر ہے کہ نہ تو روئے زمین کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ اور نہ اصحاب بیت المال میں سے کوئی شخص کسی طور پر اس طرح کی درگذر و سخاوت کرے گا اور نہ ظاہری سیاست و سیرت ہی اس کی مقتضی ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ آپ اسی کے پیرو تھے جو آپ کو اللہ عزوجل حکم دیتا تھا۔ خواہ وہ آپ کی دنیا میں آپ کے لیے انتہائی مضر ہو یا غیر مضر ہو۔ یہ غور کرنے والے کے لیے عجیب بات ہے۔

پھر آپ کی وفات کا وقت آیا۔ موت کا یقین آ گیا اس وقت آپ کے ایک چچا تھے جو والد کے بھائی تھے اور وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ ایک چچا کے بیٹے تھے۔ جو آپ کے مخصوص ترین لوگوں میں تھے اور آپ کی ان بیٹی کے شوہر بھی تھے جن کے سوا اس وقت آپ کی کوئی اولاد موجود نہ تھی۔ ان بیٹی کے دو بیٹے بھی تھے یہ دونوں شخص یعنی چچا اور چچا کے بیٹے آپ کے نزدیک فضل و دین و سیاست دنیا و خوف و حلم و خصائل خیر کے اعتبار سے ان میں سے کوئی بھی پورے عالم کی سیاست کے قابل نہ تھا۔ آپ نے ان دونوں کو پسند نہ فرمایا حالانکہ یہ دونوں آپ کے نہایت جاں نثار و محبّ تھے اور آپ بھی ان دونوں کے سب سے زیادہ محبّ تھے۔

ان دونوں کے علاوہ ایک اور شخص فضیلت میں ان دونوں سے بڑھے ہوئے تھے اگرچہ رشتہ داری میں آپ سے دور تھے۔ بلکہ آپ نے حکومت انہیں کے سپرد کر دی۔ اس لیے کہ آپ کا ارادہ امر حق کی اطاعت اور حکم کے اتباع کا تھا۔ اپنے ورثے میں سے بیٹی اور بیویوں کو اور اپنے چچا کو ایک تانبے کے پیسے تک کا بھی وارث نہیں بنایا حالانکہ یہ سب لوگ سب سے زیادہ آپ کے محبوب اور سب سے زیادہ آپ کے محبوب اور سب سے زیادہ آپ کے مطیع تھے۔

یہ وہ امور ہیں کہ جو ان میں غور کرے گا اسے کافی ہوں گے اس امر میں اسے اور دلائل سے بے نیاز کرنے والے ہوں گے کہ آپ نے جو کچھ تصرف کیا وہ محض اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا نہ سیاست کے تحت کیا نہ اپنی خواہش سے کیا۔ الحمدللہ مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت حق ہے اور آپ کی شریعت جسے آپ لائے ہیں دلائل نے اسے واضح کر دیا اور براہین نے اس کی تصدیق پر مجبور کر کے یقین دلایا کہ یہی شریعت حق ہے جس کے سوا کوئی حق نہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے کہ عالم میں اس کے سوا کوئی دین نہیں۔ پروردگار عالم کا شکر ہے بقدر تعداد اس کی مخلوق کے اور بمقدار اس کی رضا کے اور بقدر اس کے عرش کے وزن کے بقدر اس کے کلمات کی روشنائی کے اس پر کہ اس نے ہمیں ملت اسلامیہ کی توفیق دی۔ پھر اس پر کہ اس نے سنت و جماعت کا مذہب عطا کیا پھر اس پر کہ اس نے ہمیں ا

سکو دین بنانے کی اور ظاہر قرآن اور ظاہر حدیث پر جو آپ سے اور آپ کے مبعوث کرنے والے عزوجل کی طرف سے ہے ہدایت فرمائی۔ ہمیں ان لوگوں میں نہیں بنایا جو اپنے اسلاف واحبار کی بغیر کسی برہان قاطع کے اور بغیر کسی حجت قاہرہ کے تقلید کرتے ہیں۔ نہ ان لوگوں میں شامل کیا جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکلام الٰہی کے مخالف گمراہ کرنے والی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ نہ ان لوگوں میں بنایا جو محض اپنی رائے اور گمان سے اللہ ورسول کی ہدایت کے بغیر حکم دیتے ہیں اے اللہ جس طرح تو نے ہماری ابتدا اس نعمت جلیلہ سے فرمائی اسی طرح اس کو ہم پر تمام کرنا۔ اسی کو ہمارے شریک حال رکھنا۔ ہم سے اس کی مخالفت نہ کرانا یہانتک کہ ہمیں اپنے پاس اٹھالینا ہم اسی کو پکڑے ہوئے تجھ سے ملاقات کریں نہ اس کو بدلیں نہ اس میں تغیر کریں اللھم آمین۔ اے اللہ محمدؐ پر جو تیرے بندے اور رسول وخلیل اور تیرے انبیاء کے خاتم ہیں خاص طور پر اور اپنے تمام انبیاء پر عام طور سے رحمت نازل فرما اور اپنے تمام ملائکہ پر رحمت نازل فرما۔ **ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔**

اعتراضات

جو کمزور مسلمانوں پر کیے جاتے ہیں

جب ہم نے دو گروہوں کے حال میں غور کیا جن کا خود ہم نے اس زمانے میں مشاہدہ کیا ہے دونوں کی یہ کیفیت پائی کہ ایک بڑی بیماری نے ان میں گھر کر لیا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کے اندر اور اس کے ساتھ بہت بڑی مصیبت ہے۔ یہ وہ قوم ہے جنہوں نے اپنی جدید فہم کا آغاز کیا اور علم عدد اس کی باریکی اور اس کی طبائع کی تلاش سے معارف تک رسائی حاصل کرنا شروع کر دی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ تعدیل کواکب وہیت افلاک وکیفیت قطع شمس وقمر کواکب نورانی خمسہ تقاطع فلکین نیرین تک انہوں نے ترقی کی۔ اجرام علویہ وکواکب ثابتہ میں اور ہر ایک کے ابعاد میں کلام کیا۔ اس کے علاوہ طبیعیات وعوارض فضا ومطالعہ کتب متقدمین میں اور ان حدود میں جو علم کلام میں مقرر کر دی گئی ہیں کلام کیا۔ قضا نجوم میں ہم نے فلاسفہ کی جو آرا بیان کی تھیں اس میں جو کچھ شامل ہو گیا اس میں بھی کلام کیا یہ نجوم ناطق یعنی صاحب عقل وادراک ہیں مدبر ہیں اور اسی طرح فلک بھی ہے۔

یہ گروہ مذکورہ بالا امور کے اکثر مطالعے کی بنا پر صحیح اشیاء سے آگاہ ہو گیا جن کے دلائل بدیہی وروشن ہیں۔ حالانکہ ان کے ساتھ قوت فکر وجودت طبیعت وصفائے نظر نہ تھی جس سے انہیں یہ معلوم ہوتا کہ مثلاً جو شخص دس ہزار مسائل میں صواب وصحت تک پہنچ سکتا ہے ممکن ہے کہ وہ ایک مسئلے میں خطا وغلطی بھی کرے۔ شاید وہ مسئلہ بھی ان تمام مسائل سے سہل ہو جس میں وہ صواب کو پہنچا ہے مگر اس گروہ نے کوئی فرق نہیں کیا اس امر میں جو ثابت ہو گیا جس کو فلاسفہ نے حجت برہانیہ سے دریافت کیا ہے اور اس میں جو اسی کے درمیان ہے اور اس کے تضاعیف پر جن کا متقدمین نے ذکر کیا ہے۔ سوائے اقناع یا شور وشغب کے کوئی دلیل نہیں لائے۔ اکثر تو محض تقلید ہے جس پر مذکورہ بالا طریقے کی بھی دلیل نہیں ہے۔

ان لوگوں کو جو کچھ آگاہی [illegible] صرف ایک ہی مجمل پر محمول کر لیا (یعنی بالکل صحیح مان لیا اور یہ خیال نہ کیا کہ خطا کا بھی احتمال ہے)

اسے پورے طور پر قبول کرلیا۔ ان میں عجب سرایت کر گیا اور ان کے اندر باطل داخل ہوگیا۔ یہ گمان کرلیا کہ انہیں اس امر میں دنیا سے امتیاز و عظمت حاصل ہوگئی ہے۔ حالانکہ شیطان کے اندر گھسنے کے طریقے خفیہ اور داخل ہونے کے مقامات باریک ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ابن آدم کے خون جاری ہونے کے مقامات (یعنی رگوں میں) رواں ہوتا ہے اس نے بڑے گھیرے دروازے سے ان لوگوں میں رسائی حاصل کرلی ہے نعوذ باللہ منہ۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ لوگ ان علوم دیانت سے خالی ہیں جو ہر صاحب عقل کی غایت مقصودہ ہیں۔ یہی ان علوم کا نتیجہ ہیں جن کا ان لوگوں نے مطالعہ کیا بشرطیکہ یہ ان کے راستے اور مقاصد سمجھتے۔ ان لوگوں نے کتاب اللہ کی کسی آیت کی طرف التفات نہ کیا جو علوم اولین و آخرین کی جامع ہے جس میں کوئی شے کم نہیں کی گئی ہے اور جو اس شان کی ہے کہ جو اسے سمجھ لے اسے کافی ہے۔ نہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کی طرف رخ کیا جو حق کی روشن کرنے والی اور عقول میں نور پیدا کرنے والی ہیں نہ یہ مذکورہ بالا گروہ حاملین دین سے ملا۔ ملے بھی تو صرف ان اقوام سے جنہیں ان امور میں سے کسی شے کے ساتھ توجہ نہیں جو ہم نے پہلے بیان کیے وہ اقوام شریعت کی طرف بھی متوجہ ہوئیں تو صرف تین طریقوں سے۔

یا تو محض الفاظ کے ساتھ کہ جن کے ظاہر کو نقل کر دیتے ہیں معانی نہیں سمجھتے اور نہ ان کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یا احکام کے مسائل کے ساتھ۔ کہ نہ ان کے نتیجے میں مشغول ہوتے ہیں اور نہ ان کے مخرج ہیں۔ بس انہیں ان میں اتنا ہی کافی ہے جس سے وہ اپنے جاہ وحال کو قائم کرلیں۔

یا ان خرافات کے ساتھ جو ہر ضعیف و کذاب و ساقط راوی سے منقول ہیں کہ انہوں نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ ان میں سے صحیح کو سقیم سے اور مرسل کو مسند سے پہچانیں۔ نہ اس کی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس میں اور جو کعب احبار و وہب بن منبہ اہل کتاب سے منقول ہے اس میں فرق کریں۔

پہلے گروہ نے دوسرے گروہ کو جاہل سمجھ کر حقارت و ذلت کی نظر سے دیکھا۔ پھر شیطان نے ان پر قابو پالیا اور جہاں چاہا ان میں داخل ہوگیا۔ یہ لوگ ہلاک اور گمراہ ہوئے اور انہوں نے یہ اعتقاد کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی کوئی چیز ثابت نہیں اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہے۔ اکثروں نے الحاد و تعطیل کا عقیدہ اختیار کرلیا۔ ان میں سے بعض نے استخفاف و اہمال و اسقاط تکالیف شرعیہ اور فرائض و عبادات کے معمولی سمجھنے کا راستہ اختیار کیا۔ راحتوں کو اور ارتکاب لذات کو پسند کرلیا جو طرح طرح کی حرام فواحش میں سے ہیں مثلاً شرابیں۔ زنا۔ لواطت واغلام اور اجرت پر زنا کاری وغیرہ۔ نماز و روزہ و حج زکوٰۃ اور غسل کو ترک کردیا۔ مال حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا خواہ وہ کسی طور پر بھی حاصل ہو۔ بندوں پر ظلم اور بیہودہ باتوں کا استعمال اور تحقیقی و پاکیزہ باتوں کا ترک اختیار کیا۔ ان کی ایک قلیل ترین جماعت نے تعظیم کواکب کا مذہب اختیار کرلیا۔

ملت و اہل ملت کے خیر خواہ مسلمان کو ان مساکین کی ہلاکت پر اور ان کے مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جانے پر افسوس ہے کہ انہوں نے اسلام کے سینے سے غذا پائی اور اہل اسلام کے آغوش میں پیدا ہوئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور اپنے بیٹوں کے اور اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے گمراہی سے محفوظ رکھنے کی التجا کرتے ہیں اور اسی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جس کا قدم پھسل گیا اور گر گیا اس کا تدارک کرے۔ کیونکہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کرنا شروع کیا۔ مگر عالی اسناد کی طلب اور غریب احادیث کے جمع کرنے سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ بغیر اس کے کہ جو کچھ لکھا تھا اس میں سے کسی شے کا اہتمام کرتے یا اس پر عمل کرتے۔ ان لوگوں نے محض ایک بوجھ اٹھالیا ہے جس کی قرات سے زیادہ کچھ نہیں کرتے نہ اس کے معانی سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ یہ بھی اس کے مخاطب ہیں اور یہ حدیث بیکار نہیں آئی ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فضول فرمایا ہے۔ بلکہ آپ نے ہمیں اس میں سمجھ حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس گروہ کے اکثر لوگوں کے یہاں انہیں روایات پر عمل کیا جاتا ہے جو مقاتل بن سلیمان وضحاک بن مزاحم کے طریق سے آئی ہیں اور جو تفسیر کلبی وکتب البذی میں ہے کہ محض خرافات وموضوعات اور جھوٹی اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں جن کو زندیقوں نے اسلام واہل اسلام کو فریب دینے کے لیے بنایا ہے۔

اس گروہ نے ہر آمیزش کو جو ثابت نہیں ہے چھوڑ دیا ہے مثلاً یہ کہ زمین مچھلی پر قائم ہے اور مچھلی گائے کے سینگ پر اور گائے پتھر پر اور پتھر فرشتے کے کندھے پر اور فرشتہ ظلمت (تاریکی) پر اور ظلمت اس چیز پر قائم ہے جس کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عالم کا جرم (جسم) غیر متناہی ہو۔ حالانکہ یہی بعینہ کفر ہے۔

اس طبقے نے ہر برہان سے نفرت کی ہے اور ان کے پاس زیادہ سے زیادہ یہی کہنے کو ہے کہ ہمیں جدال سے منع کیا گیا ہے کاش مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں کس نے جدال سے منع کیا ہے۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے فرماتا ہے کہ "وجادلهم بالتی هی احسن" (اے نبیؐ کفار سے اس طریقے سے جدال کیجئے جو بہتر ہو) اور اللہ تعالیٰ نے قوم نوحؑ کے متعلق خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "یا نوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا" (اے نوحؑ آپ نے ہم سے جدال کیا ہے اور بہت زیادہ جدال کیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک سے زائد مقامات پر اصول براہین کی تصریح فرمائی ہے اپنی اسی کتاب کے ایک سے زائد مقامات پر ہمیں اس سے آگاہ کیا ہے اور ہمیں آسمان وزمین کی پیدائش میں غور کرنے کی ترغیب دی ہے ان دونوں کی پیدائش کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا بغیر اس کے کہ ان کی ہیئت اپنے افلاک میں کواکب کا منتقل ہونا مغرب ومشرق میں ہوتے ہوئے ان کی حرکات کا اختلاف۔ ان کی گردش کے افلاک۔ ان گردشوں اور دوروں کا جبکہ یہ ایک ہی مرتبے پر ہوں باہمی تعارض کی معرفت حاصل ہو۔

اسی طرح دوائر ومنطقہ ومیل واستوا کی معرفت حاصل ہو۔

اسی طرح طبائع اور امتزاج عناصر اربعہ اور ان کے عوارض اور اعضائے حیوان کی ترکیب کی معرفت حاصل ہو جو اس کے اعصاب (پٹھوں) عضلات (پنڈلی اور ہاتھ کی مچھلیوں) عظام (ہڈیوں) عروق (خون کی رگوں) اور شریانات (ہوا کی متحرک رگوں) سے ہے۔ اعضا کا بعض کا بعض سے اتصال اور اس کے قوائے مرکبہ کی معرفت حاصل ہو۔

جو ان امور سے واقف ہوگا اور اسے جانے گا وہ اللہ کی قدرت عظیمہ کو جاننے لگا اور یقین کرے گا کہ یہ سب ظاہری صنعت ہے اور خالق مختار کا ارادہ ہے۔ اس لیے کہ ان حرکات کا اختلاف یہ سمجھنے پر مجبور کرتا ہے کہ ان میں سے ایک شے بھی بغیر کسی روکنے والے مدبر کے خود قائم نہیں رہ سکتی اور وہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ اسکے سوا کوئی مدبر نہ اس کے سوا کوئی فاعل موجد۔

اس کے بعد ان کی ایک جماعت نے اور اضافہ کیا وہ لوگ ایسی جھوٹی باتیں لائے جن سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ انہوں نے

بیان کیا ہے کہ دین کسی دلیل سے نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ انہوں نے ملحدین کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا اور اس امر کی شہادت دی کہ دین محض دعاوی و غلبے سے ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے "**قل ھا تو ابر ھا نکم ان کنتم صادقین** " (یعنی تم لوگ اپنی برہان لاؤ اگر تم سچے ہو) اور دوسرا ارشاد "**فانفذو الا تنفذون الا بسلطان** " (یعنی اے گروہ جن وانس اگر تم سے ہو سکے تو زمین و آسمان کے درمیان سے نکل جاؤ۔ تم لوگ بغیر غلبے وقدرت کے نہیں نکل سکتے)۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اسکے بعد ہر کہنے والے کے قول سے کفایت و بے نیازی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے محاجہ کیا ہے (یعنی بذریعہ حجت ودلیل انہیں قائل کیا ہے) ہم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے احتجاج سے منع کیا ہو۔ اس کی رائے کے کوئی معنی نہیں جو ان حضرات کے بعد آیا ہے۔

اس گردہ کا کلام پہلے گروہ کے لیے اس کے کفر کا ابھارنے والا اور اس کے شرک کا باقی رکھنے والا ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مقابلہ کرنے والوں میں اکثر ایسے ہی لوگوں کو دیکھا جن کی یہی صفت تھی۔

یہ دوسرا گروہ جنون میں اور ترقی کر گیا۔ انہوں نے ہماری ان کتابوں پر نکتہ چینی کی ہے جن کا انہیں ذرا بھی علم نہیں۔ نہ انہوں نے ان کا مطالعہ کیا۔ نہ ان کا کوئی کلمہ دیکھا نہ انہیں پڑھا اور نہ انہیں کسی ثقہ نے بتایا کہ ان کتب میں کیا ہے۔ جس طرح انہیں وہ کتابیں بتائی گئیں جن میں ہیئت افلاک ومجاری نجوم ہیں اور وہ کتابیں جنہیں ارسطا طالیس نے حدود کلام میں جمع کیا ہے (یعنی منطق کی تعریفات میں)۔

یہ تمام کتابیں صحیح وسالم ہیں۔ مفید ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ وتوحید پر دلالت کرتی ہیں جو تمام علوم کے تبصرے میں نافع ہیں۔ سب سے بڑی منفعت ان کتابوں میں ہے جو ہم نے حدود (تعریفات) میں بیان کی ہیں۔ مسائل احکام شرعیہ میں انہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ استنباط تک کیسے پہنچا جائے۔ کیونکہ الفاظ کو ان کے مقتضا پر رکھا جائے۔ کیونکر خاص کو عام سے اور مجمل کو مفسر سے پہچانا جائے۔ حالانکہ بعض الفاظ کی بنا بعض پر ہوتی ہے۔ کیونکر قابل تقدیم امور کو مقدم کیا جائے۔ کس طرح نتائج اخذ کیے جائیں حالانکہ ان میں سے وہ بھی نتیجہ بھی ہوتا ہے جو ہمیشہ اور بدیہی طور پر صحیح ہوتا ہے وہ بھی ہوتا ہے جو کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی باطل ہوتا اور وہ بھی ہوتا ہے جو کبھی صحیح نہیں ہوتا۔ ایسی حدود کا مقرر کرنا کہ جو ان سے نکل جائے وہ اپنی اصل ہی سے خارج ہے۔ دلیل خطاب ودلیل استقراء وغیرہ۔ یہ وہ امور ہیں جن سے فقیہ مجتہد کو خود اپنے لیے اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے لیے بے نیازی نہیں ہے۔

پھر ہم نے غور کیا کہ جو امور ان دونوں گروہوں میں پیدا ہو گئے ہیں ان میں بہت بڑی محنت ہے تو ہم نے سمجھا کہ اس مشکل باب کے واضح کرنے میں اللہ کی قدرت وقوت وتائید سے اجر عظیم ہے اور یہ افضل عمل ہے۔

ہم کہتے ہیں اور وہی بزرگ و برتر ہمارا مددگار ہے اور ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں کہ ہر وہ شے جو کسی برہان سے ثابت ہے خواہ وہ کوئی شے بھی ہو تو وہ قرآن وحدیث میں مصرح اور ان کی سطور میں موجود ہے۔ اس کو ہر وہ شخص جانے گا جو گہری نظر سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ فہم سے اس کی مدد کرے گا۔ لیکن جو اس کے ماسوا ہو کہ کسی برہان سے ثابت نہ ہو اور وہ محض اقناع اور شغب ہو تو قرآن وحدیث اس سے خالی ہیں۔

والحمدللہ رب العالمین۔

معاذ اللہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کلام اللہ یا حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز بیان کرے جس کو مشاہدہ یا برہان باطل کرتا ہو۔ اس کو تو وہی شخص قرآن وحدیث کی طرف منسوب کرے گا جو ان پر ایمان نہ رکھتا ہو اور ان کے مٹانے میں کوشاں ہو۔ "**ویا بی اللہ الا ان یتم نو رہ و**

لو کرہ الکافرون'' (اللہ تعالیٰ کو اس سے کے سوا منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو تمام کرے اگر چہ کفار کو ناگوار ہو) ہم کذاب کلبی کی تفسیر کے ساتھی نہیں۔ نہ ہم اس کے ساتھی ہیں جو اسی کے قائم مقام ہو۔ نہ ہم ان کی روایت کے ساتھی ہیں جو کسی طور پر بھی مہتم ہیں۔ ہم تو محض ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن کی بصورت مسند و مرفوع ائمہ ثقات و اثبات نے روسائے محدثین سے نقل کیا ہے چنانچہ جو شخص حدیث صحیح کی تفتیش کرے گا اس میں وہی پائے گا جو ہم نے بیان کیا **و الحمد للہ** رب العالمین۔

تاثیرات کواکب:

باطل تو وہی ہے جو گروہ اول نے دعویٰ کیا ہے کہ کواکب ناطق (صاحب فہم و ادراک) ہیں اور عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کفر ہے۔ ان لوگوں کے پاس جو یہ کہتے ہیں اس پر اس سے زیادہ کوئی حجت نہیں کہ جب ہمیں عقل ہے اور کواکب ہماری تدبیر کرتے ہیں تو وہ ہم سے زائد عقل کے مستحق ہیں۔

یہ جو کچھ ان لوگوں نے بیان کیا کوئی چیز نہیں۔ اس لیے اگر چہ عالم میں کواکب کے لیے تاثیر ظاہر ہے مگر ان کی تاثیر اختیار و ملک کی تاثیر نہیں ہے۔ اس پر وہ دلائل دلالت کرتے ہیں جو ہم نے اپنی اسی کتاب میں بیان کیے ہیں کہ کواکب مضطر (مجبور و بے اختیار) ہیں مختار نہیں۔ ان کی تاثیر ایسی ہی ہے جیسی آگ کی تاثیر جلانے کی۔ پانی کی تاثیر ٹھنڈا کرنے کی زہر کی تاثیر مزاج کے فاسد کرنے کی۔ کھانے کی تاثیر غذا پہنچانے کی مرچ کی تاثیر زباں سکیڑنے کی۔ ہڑتال کی تاثیر منہ کو اور جو جاری ہوا اس کو بند کرنے کی اور اسی طرح تمام چیزیں جو عالم میں ہیں۔ یہ تمام اشیاء غیر ناطق ہیں کواکب و افلاک بھی اسی قاعدے پر جاری ہیں اس لیے کہ ان کی تاثیر بھی ایک ہی تاثیر ہے جس میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اور ان کی حرکت بھی ایک ہی حرکت ہے جس میں اختلاف نہیں ہوتا۔ حالانکہ صاحب اختیار ایسا نہیں ہوتا۔

ایک شخص نے جس سے میں نے اس دلیل سے معارضہ کیا تھا کہا کہ جو مختار فاضل و برتر ہوتا ہے تو وہ سب سے افضل حرکت کو لازم کر لیا ہے اور اس سے تجاوز نہیں کرتا اور یہ حرکت دوریہ ہی تمام حرکات سے افضل ہے۔ میں نے کہا کہ اس پر تمہاری کیا دلیل ہے کہ یہ حرکت تمام حرکات سے افضل ہے۔ یہ حرکت جو مشرق سے مغرب کی طرف یا مغرب سے مشرق کی طرف ہے یہ کہاں سے اس حرکت سے افضل ہوگئی جو شمال سے جنوب کی طرف یا جنوب سے شمال کی طرف ہو۔ تمہارے یہاں افضل حرکات کا تعین کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ آٹھ آسمان تو غرب سے شرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور نواں آسمان شرق سے غرب کی طرف حرکت کرتا ہے۔ ان دونوں حرکتوں میں سے کس حرکت کو افضل کہتے ہو اور دوسرے کو یہ کہتے ہو کہ اس نے جو حرکت اختیار کی ہے وہ افضل نہیں ہے۔ اس دعوے کا فاسد ہونا بھی یقیناً واضح ہوگیا۔ یہ محض دعاوی ہیں جن پر کوئی برہان نہیں۔ جو دعویٰ ایسا ہو وہ ساقط ہے۔ تمہارے اور اس شخص کے درمیان کوئی فرق نہیں جو یہ کہتا ہے کہ حرکت علوی افضل ہے یا خط مستقیم پر چلنے والے اور واپس آنیوالی افضل ہے۔ حالانکہ ہم تو ان تمام اجرام کی یہ حالت پاتے ہیں کہ یہ اپنی بعض گذرگاہوں میں اسفل میں (نیچے) جاتے ہیں۔ بعض میں بلند ہوتے ہیں اور بعض میں ساقط ہوتے ہیں تمہارے قول کی بناء پر اور تمہارے خیال کے مطابق بعض کے ساتھ نحس و تاریک روح ہے اور بعض کے ساتھ سعید و روشن بعض افلاک غرب سے شرق کی طرف حرکت قطع کرتے ہیں اور سوائے فلک اعلیٰ کے تمام افلاک کی یہی حرکت ہے۔ فلک اعلیٰ کی حرکت شرق سے غرب کی طرف ہے یہ سب افضل حرکات نہیں ہیں۔ **و الحمد للہ** رب العالمین۔

جن لوگوں نے اسے بیان کیا ہے اسی طرح انہوں نے ہزار ہا سال کے ختم ہونے کے وقت واپس ہونا بیان کیا ہے۔ کواکب ثابتہ کا

اپنے فلک میں اسی طرح نصب ہونا جس طرح وہ نصب ہوتا ہے جو اس (فلک) کو قطع (یعنی حرکت) کرتا ہے دکھایا ہے۔

یہ بھی خالص کذب اور ایک دعویٰ ہے جو ساقط ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اس قسم کے دعوے سے کوئی بھی نہیں تھکتا۔ ان امور پر تو یہ لوگ کوئی شغب یا اقناع بھی نہیں لائے چہ جائیکہ کوئی برہان لاتے۔ یہ محض بعض قدمائے صابئین (کواکب پرست) کی تقلید ہے۔ اسی قسم کی خرافات وحماقات کو شریعت اسلامیہ دفع اور باطل کرتی ہے مگر جس چیز پر برہان قائم ہے وہ قرآن حدیث میں نصا و استدلالاً بدیہی طور پر موجود ہے۔ والحمدلله رب العالمين۔

کرویت زمین

اب وقت آگیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان لوگوں کے بعض اعتراضات کا ذکر شروع کریں۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ براہین سے ثابت ہے کہ زمین کروی (گول) ہے اور اکثر لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں۔ ہمارا جواب اللہ کی توفیق سے یہ ہے کہ آئمہ مسلمین میں سے کسی ایسے شخص نے جو امام علم کے نام کا مستحق ہے زمین کے کروی ہونے کا انکار نہیں کیا ہے اور نہ ایک کلمہ بھی اس کے خلاف ان میں سے کسی سے یاد کیا گیا ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث کی براہین تکویر زمین ہی کو بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**يكور الليل على النهار و يكور النهار على الليل**“ (رات کو گھما کے دن میں اور دن کو گھما کے رات میں داخل کر دیتا ہے) بعض کے بعض کے ساتھ تکویر میں یہ واضح ترین بیان ہے جو کور العمامہ سے ماخوذ ہے (یعنی عمامے کے پیچ سے) ”کور“ عمامے کو گھمانا اور گول کرنا ہے۔ یہ نص ہے تکویر زمین کی اور اسی طرح دوران شمس کی اس دوران شمس سے اس کی روشنی سے اور طلوع ہونے سے دن کی روشنی ہوتی ہے اور اس کے غائب ہو جانے سے رات کی تاریکی اور یہ حسب تصریح قرآن دن کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وجعلنا آية النهار مبصرة** (ہم نے دن کی نشانی کو واضح بنایا ہے)۔

جو شخص اپنے جہل کی وجہ سے اس کا انکار کرے اس سے کہا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ فرض نہیں کیا ہے کہ ہم ظہر کی نماز اس وقت پڑھیں جب زوال شمس ہو جائے یعنی آفتاب ڈھل جائے۔ ”ہاں“ کہنا ضروری ہے پھر دریافت کیا جائے کہ زوال شمس کے کیا معنی ہیں۔ یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ آفتاب کا اس شخص کے مقابلے سے منتقل ہونا ہے جو قرص کو اپنے چہرے کے مقابل کرے اور اپنا چہرہ اور ناک اس کے سامنے کرے جبکہ وہ مقام طلوع و مقام غروب کے مسافت کے وسط میں ہو، ہر جگہ اور ہر زمانے میں۔ آفتاب کو اپنی اس ابرو کی جانب کرلے جو مقام غروب کی طرف ہے یہ موقع اسی وقت ہوگا جب دن کے دوسرے نصف حصے کا شروع ہو۔

ہمیں معلوم ہے کہ آباد زمین کے تمام شہر مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک سب روئے زمین پر قائم ہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ زمین نصب کی ہوئی ہے مگر غیر کروی شکل پر تو اسے یہ لازم آئے گا کہ جو شخص اول مشرق کا باشندہ ہے وہ یقیناً نماز ظہر اول نہار (روز) میں پڑھے گا اور لامحالہ نماز صبح کے کچھ ہی دیر بعد پڑھے گا۔ اس لیے کہ بلا شک آفتاب کا لامحالہ ان میں سے ہر شخص کی ابروؤں کے مقابلے سے اول نہار میں زوال ہو جائے گا۔ اگر تم لوگوں کے کہنے کے مطابق معاملہ ہوگا (یعنی زمین غیر کروی ہوگی) تو لامحالہ ایسا ہی ہوگا۔ حالانکہ کسی مسلم کے لیے اس کا قائل ہونا جائز نہیں کہ نصف النہار سے پہلے نماز ظہر پڑھنا جائز ہے۔

ان لوگوں کو یہ بھی لازم آئے گا کہ جو شخص آخر مغرب میں سکونت رکھتا ہو ان میں سے ہر شخص کی ابروؤں کے مقابلے سے آخر نہار میں

آفتاب کا زوال ہو۔ یہ لوگ ظہر ایسے وقت میں پڑھیں گے جس میں نماز عصر کی گنجائش نہ ہوگی یہانتک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ حالانکہ یہ دین اسلام کے حکم سے خارج ہے۔

جو تکویر زمین کا قائل ہے تو روئے زمین پر جو شخص بھی ہے وہ نماز ظہر لامحالہ اپنے نصف نہار ہی کے بعد ہمیشہ پڑھے گا۔ ہر حال میں ہر مکان میں ہر زبان میں یہ ظاہر ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **سبع سموات طباقا**' (اس نے تہ بتہ سات آسمان بنائے) اور فرماتا ہے ''**ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق** '' (ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کیے) اسی طرح سورج اور چاند کے گہن اور بعض روشن سیاروں کے بعض سیاروں کے گہن سے بھی اس پر برہان قائم ہے کہ وہ سات آسمان ہیں اور اس پر بھی وہ راہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا طرائق فرمانا اس امر کو چاہتا ہے کہ ان میں راستہ چلا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**وسع کرسیہ السموات والارض** '' (اللہ کی کرسی زمین وآسمان سے بہت بڑی ہے)۔ یہ اسی کی نص ہے جس پر برہان قائم ہے کہ بعض آسمان بعض پر منطبق ہیں۔ کرسی ساتوں آسمانوں اور زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ سے فردوس اعلیٰ مانگو کیونکہ یہی وسط جنت اور اعلیٰ جنت ہے۔ اسکے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**الرحمن علی العرش استوی** '' (رحمٰن عرش پر قائم ہے) ان دونوں نصوص نے یہ خبر دی کہ جو کچھ عرش کے اوپر ہے وہ منتہائے خلق وانتہائے عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب و حفظا من کل شیطان مارد**۔ (ہم نے آسمان زیرین کو کواکب کی زینت سے آراستہ کیا اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا)۔ یہ بھی اس کی نص ہے جس پر برہان قائم ہے کہ وہ کواکب جن کے ذریعے سے شیطان کو مارا جاتا ہے وہ آسمان زیرین سے نیچے ہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ آسمان میں ہوتے تو شیاطین آسمان تک پہنچ سکتے یا وہ آسمان سے نکلتے ہوتے ورنہ اسی وجہ سے یہ شہاب ان تک نہ پہنچتے۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ شیاطین بذریعہ رجوم (پتھر مارنے کے) آسمانوں تک جانے سے روک دیے گئے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ رجوم آسمان سے نیچے ہوتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ رجوم قطعاً ستارے نہیں ہیں جنہیں ہم ستارہ جانتے ہیں۔ بلکہ یہ محض آگ کی شہاب اور نیزے کی شکل کی بجلیاں ہیں جو روشن ہوتی ہیں، بھڑکتی ہیں اور بجھ جاتی ہیں۔ آسمان میں قطعاً آگ نہیں ہے۔ ہم محض ناموں میں اختلاف پاتے ہیں جو اختلاف لغت کی وجہ سے ہے قاضی منذر بن سعید نے اس میں اعتراض کیا ہے اور انہوں نے افلاک کو آسمان کے علاوہ قرار دیا ہے۔

قاضی صاحب نے جو بیان کیا اس پر کوئی برہان نہیں سوائے اس کے کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ آسمان وہی ہیں جو زمین کے اوپر ہیں اگر آسمان زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہوں تو بعض آسمانوں زمین کے نیچے ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ دلیل کوئی چیز نہیں ہے اس لیے کہ تحت وفوق (نیچے اوپر) باب اضافت (امور اضافی ونسبتی) میں سے ہیں کیونکہ جس چیز کو تحت کہا جاتا ہے وہ لامحالہ کسی کی فوق بھی ہے۔ سوائے مرکز زمین کے کہ وہ تحت مطلق ہے جس کے لیے قطعاً کوئی اور تحت نہیں۔ اسی طرح جس چیز کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ فوق ہے تو وہ کسی شے کے لیے تحت بھی ہوگی۔ سوائے فلک اعلیٰ کی بالائی سطح کے کہ جس فلک کو بروج میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ ایسا فوق ہے کہ اس کے لیے قطعاً کوئی فوق نہیں۔ اس مشاہد برہان کی بنا پر زمین لامحالہ آسمانوں کے تحت کی جگہ۔ آسمان جس حیثیت سے بھی ہوگا وہ زمین کا فوق ہی ہوگا اور جس حیثیت سے بھی زمین اس کے مقابل ہوگی تو وہ آسمان کی تحت ہی ہوگی اور ضرور ہوگی۔ جہاں کہیں آدمی ہوگا تو اس کا سر آسمان کی طرف اور قدم زمین کی طرف ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**الم یرو اکیف خلق اللہ سبع سموات طباقا و جعل القمر فیھن نورا و جعل الشمس سراجا** '' (کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے سات آسمان کس طرح تہ بتہ پیدا کیے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کی چراغ بنایا) ۔

نیز فرمایا ہے ''**جعل فی السماء بروجا و جعل فیھا سراجا و قمرا منیرا** '' (اس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں چراغ اور نورانی چاند بنایا) اللہ تعالیٰ نے وہ خبر بتائی جسے سوائے کافر کے کوئی رد نہ کرے گا کہ قمر بھی آسمان میں ہے اور شمس بھی آسمان میں ہے ۔ اس پر برہان ضروری قائم ہے جس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ یہ مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک زمین کے گرد دورہ کرتے ہیں ۔ اگر جہلاء کے گمان کے مطابق ہوتا تو شمس و قمر جب زمین کا دورہ کرتے اور زمین کے اس سطح کے مقابل ہو جاتے جس پر ہم نہیں ہیں تو آسمان سے نکل جاتے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے لہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ ناممکن ہے کہ شمس و قمر آسمانوں سے جدا ہو جائے اور ان سے نکل جائیں اس لیے کہ یہ دونوں خواہ کسی طرح دورہ کریں آسمانوں ہی میں رہیں گے لہذا ثابت ہو گیا کہ آسمان زمین کے مطابق تہ بتہ ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ شمس و قمر و نجوم آسمانوں میں ہیں ۔ پھر فرمایا کہ ''**و کل فی فلک یسبحون** '' (اور سب کے سب کسی آسمان میں دورہ کرتے ہیں) یہ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ ایک جرم وقت واحد میں دو مکانوں میں ہو ۔ اگر افلاک سموات کے مغایر ہوں اور شمس و قمر حسب تصریح قرآن سموات و فلک میں ہیں تو لامحالہ یہ دونوں ایک ہی وقت میں ایسے دو مکانوں میں ہوں گے جو دونوں مکان آپس میں متداخل (ایک دوسرے کے اندر) نہیں ہیں یہ محال و ناممکن ہے ۔ محال کے قائل ہونے کو وہی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا جو کوردل ہو گا ۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ شمس ایک ہی مکان میں ہے اور وہ سما ہے اور وہی فلک ہے ۔ یہی کلام قمر و نجوم میں بھی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''**کل فی فلک یسجون** '' دورہ کرنے پر نص جلی ہے ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ شمس و قمر و نجوم فلک میں گشت کرنے والے ہیں اور یہ نہیں بتایا کہ یہ ساکن ہیں اگر یہ دورہ نہ کریں تو مدت ہائے دراز کے بعد بلکہ بہت ہی قلیل زمانے میں اگر وہ ایک ہی راہ پر اور ایک ہی خط مستقیم پر یا ترچھے خط پر جو گول نہ ہو چلتے رہیں تو لامحالہ وہ ہم سے غائب ہو جائیں گے یہانتک کہ ہم انہیں کبھی نہ دیکھیں گے لیکن ہم ہمیشہ ان کے آگے ہوں گے اور یہ باطل ہے ۔ لہذا ہم ان کا دورہ شرق سے غرب کی طرف اور غرب سے شرق کی طرف جو دیکھتے ہیں اس سے ثابت ہو گیا یہ یقیناً دورہ کرنے والے ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس آیت کو پوچھا گیا تو آپ نے اسی طرح فرمایا ''**الشمس تجری لمستقر لھا** '' (شمس اپنے مستقر کی طرف چلتا ہے) ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ۔ اس لیے وہ قیامت تک ہمیشہ عرش کے نیچے ہی رہے گا ۔ ہمیں معلوم ہے کہ کسی شے کا مستقر اس کا وہی مقام ہوتا ہے جس میں ہو پابندی سے رہتی ہے اور اس سے نکلتی نہیں اگرچہ وہ اسی کے اندر ایک جانب سے دوسری جانب آتی جاتی رہے ۔

ایاس بن معاویۃ المزنی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آسمان اسی طرح زمین پر گنبد کے طور پر ہے ۔

سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ کیا آپ نے اس آیت میں غور کیا ''**سبع سموات و من الارض مثلھن** '' (اللہ نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی انہیں کی طرح بنائی) ابن عباس ؓ نے کہا کہ وہ ساتویں زمینیں بعض کے اوپر بعض (پیاز کی طرح) لپٹی ہوئی ہیں ۔

یعقوبؒ بن عتبہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ جانیں مصیبت میں ہیں۔ عیال ضائع ہو گئے۔ مال تباہ ہو گئے۔ جانور ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیے۔ حدیث طویل ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے تجھے معلوم ہے کہ اللہ کیا ہے اس کا عرش آسمانوں پر ہے۔ اس کی زمین اس طرح ہے آپ نے اپنی انگلیوں کو قبے کی شکل میں پھیر دیا۔

سعیدؒ بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا کہ "**کل فی فلک یسبحون**" (سب کے سب ایک آسمان میں دورہ کرتے ہیں) فلک اس طرح ہے جس طرح دھنکی کی گول لکڑی۔

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو جو ذوالقرنین کے متعلق ہے بیان کیا ہے کہ "**وجدها تغرب فی عین حمئة**" (ذوالقرنین نے سورج کو کالی کیچڑ والے چشمے میں غروب ہوتے دیکھا) ایک قرأت میں بجائے "**حمئة**" کے "**حامية**" ہے۔ یعنی گرم بلاشک یہ حق ہے ذوالقرنین ہی تھے جو کیچڑ والے یا گرم چشمے میں تھے۔ جیسا کہ تم کہو کہ میں نے تمہیں دریا میں دیکھا۔ اور تمہاری مراد یہ ہو کہ جب تم نے اسے دیکھا تم دریا کے اندر تھے۔ برہان یہ ہے کہ آفتاب غروب ہونے کے مقام کی مقدار سے سوائے جاہل کے کوئی بھی ناواقف نہیں کہ اس کی مقدار کی بہت بڑی پیائش ہے اور آفتاب کے سرمائی مقام غروب کے ابتدائی حصے سے جبکہ وہ جدی کے آخری سرے سے شروع ہوتی ہے اس کے گرمائی مقام غروب کے آخر تک کی درمیانی مقدار جبکہ وہ سرطان کے سرے سے ہوتی دکھائی دیتی ہے اور مشاہدے میں ہے۔ اس کی مقدار سے چوالیس درجے ہے اور وہ بذریعہ برہان ہندسی پوری زمین کے چھٹے حصے سے کم ہے۔ میلوں سے تقریباً تین ہزار میل سے زائد ہے۔ اس پیائش پر لغت میں عین یا چشمے کا لفظ قطعاً نہیں آتا۔ خاص کر وہ چشمہ بھی کیچڑ والا گرم ہو۔

ہمیں لغت عربیہ ہی میں خطاب کیا گیا ہے جب ہم نے اللہ عزوجل کے خبر دینے سے جو ایسی سچی خبر ہے کہ نہ باطل اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ یقین کر لیا کہ وہ چشمہ ہے تو ہم نے یقیناً جان لیا کہ ذوالقرنین کو رفتار نے اس سمت مغرب میں جس میں وہ چل رہے تھے چشمہ مذکور تک پہنچایا اور اس کے بعد اس مقام پر ان کے لیے سمندروں کے حائل ہونے سے چلنے کا امکان ختم ہو گیا۔

ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ ذوالقرنین اور دوسرے لوگ زمین کا اتنا ہی حصہ روک سکتے ہیں جتنی ان کے جسم کی پیائش ہے۔ خواہ کھڑے ہوں خواہ بیٹھے خواہ لیٹے جس کی یہ صفت ہو یہ ناممکن ہے کہ اس کی نظر زمین کی اس مقدار کا احاطہ کر لے جو پورے مقامات غروب کی جگہ کا احاطہ کر لے۔

اگر آفتاب کے غائب ہونے کی جگہ زمین کے ایک چشمے میں ہوتی جیسا کہ جہلاء کا گمان ہے اور یہ ضروری ہوتا کہ اس کا خط نظر زمین کی گولائی سے یا کسی ایسی بلندی زمین سے ملے جو خط کو بڑھنے سے روکے۔ یہاں تک کہ کوئی کہنے والا کہے کہ وہ چشمہ یہی سمندر ہے تو یہ ناجائز ہے کہ لغت میں سمندر کو چشمہ کہا جائے۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ شمس فلک میں چلتا ہے اور شمس ہی فلک کا چراغ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہی وہ صدق ہے جس میں اختلاف وتناقض ناممکن ہے۔

اگر آفتاب زمین کے چشمے میں غروب ہوتا جیسا کہ جہلاء گمان کرتے ہیں یا سمندر میں تو لامحالہ آفتاب آسمان سے ہٹ جاتا اور فلک سے نکل جاتا اور یہ بالکل باطل اور کلام اللہ کے مخالف ہے۔ **نعوذ باللہ من ذلک**۔

یقیناً بلاشک ثابت ہو گیا کہ ذوالقرنین جب خشکی کے آخر تک مغارب میں پہنچے تو وہ ایک کیچڑ والے چشمے میں تھے۔ وباللہ التوفیق۔

خاص کر اس برہان کے ساتھ جو اس پر قائم ہے کہ آفتاب کا جرم زمین کے جرم سے بڑا ہے **و باللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ایک دوسری قطعی دلیل اور بھی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ **وجدھا تغرب فی عین حمیۃ** (حامیۃ) **و وجد عندھا قوما**" (ذوالقرنین نے ایک کیچڑ والے چشمے میں آفتاب کو غروب ہوتے پایا اور اس کے پاس ایک قوم کو پایا)۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ انہوں نے قوم کو چشمے کے پاس پایا نہ کہ آفتاب کے پاس۔

آسمان ہی جنت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**جنة عرضها السموات والارض**" (اس جنت کی طرف بڑھو جس کی کشادگی زمین و آسمان کے برابر ہے) اجماع و نص سے ثابت ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام جنت میں ہیں سوائے ان لوگوں کے عقیدے کے جن کا شمار اہل اسلام میں نہیں جو فنائے ارواح کے قائل ہیں اور انہیں اعراض کہتے ہیں اور اسی طرح ارواح شہدا بھی جنت میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرماتا ہے کہ آپ نے شب معراج میں ان حضرات کو ایک ایک آسمان پر دیکھا آدم کو سب سے نیچے والے آسمان میں عیسیٰ و یحییٰ کو دوسرے آسمان میں یوسف کو تیسرے میں اور ادریس کو چوتھے میں۔ ہارون کو پانچویں میں اور موسیٰ و ابراہیم کو چھٹے اور ساتویں میں صلی اللہ علیہ علی جمیعہم وسلم۔ لہٰذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ آسمان ہی جنتیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح شہدا سبز پرندے ہیں جو جنت کے میووں میں لٹکے ہیں یہ محال و ناممکن ہے جس کا کوئی مسلمان خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کہ ارواح شہدا تو جنت میں سبز پرندے ہوں اور ارواح انبیاء غیر جنت میں ہوں جبکہ وہ ہر فضیلت کے سب سے زیادہ مستحق بھی ہوں اور جنت سے افضل کوئی مکان بھی نہ ہو؟

صفوان بن یعلی نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے ایک دریا کو جہنم کے پردے گھیرے ہوئے ہیں۔

کعب سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ بحر مسجور بھرتا ہے تو جہنم ہو جاتا ہے۔

بشر بن سعاف سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم جمعے کے روز عبداللہ بن سلام کے ساتھ مسجد میں تھے تو انہوں نے کہا کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں اور بہت سا کلام بیان کیا۔

سعیدؒ بن المسیب سے مروی ہے کہ علیؓ بن ابی طالب نے ایک یہودی سے کہا کہ جہنم کہاں ہے۔ اس نے کہا سمندر میں۔ علیؓ بن ابی طالب نے کہا کہ میں تو اس کو سچا ہی سمجھتا ہوں۔

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس روز (یعنی قیامت میں) تمام زمین جہنم ہو گی۔ جنت اس کے پیچھے ہو گی اور اولیاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایے میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر و لا اللیل سابق النهار**" (نہ آفتاب کے لیے مناسب ہے کہ وہ ماہتاب کو پا لے اور نہ رات دن سے آگے بڑھنے والی ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ شمس قمر سے سست رفتار ہے۔ اسی

طرح رصد سے برہان بھی قائم ہے کہ آفتاب آسمان کو ایک سال میں طے کرتا ہے اور قمر سے اٹھائیس دن میں طے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تصریح فرمائی کہ رات دن سے نہیں بڑھتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فلک کلی کی حرکت ثانیہ کا حکم ظاہر فرمایا۔ یہ وہ حرکت ہے جو ایک شبانہ روز کی گردش میں پوری ہوتی ہے اور اس میں جملہ سیارات اور شمس وقمر ونجوم مساوی ہیں۔

ارشاد ہے ''فضرب بينهم بسور له باب باطنه فيه الرحمة و ظاهره من قبله العذاب'' (پھر اہل جنت و دوزخ کے درمیان میں ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا دروازے کے اندر رحمت ہوگی اور اس کی ظاہری جانب میں عذاب ہوگا)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ''لاتفتح لهم ابواب السماء ولا يد خلون الجنة'' (ارواح کفار کے لیے جنت کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی) لہٰذا ثابت ہوا کہ جس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے وہی جنت میں داخل ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ گرمی کی شدت جہنم کے شعلے سے ہوتی ہے اس کی دو سانسیں ہیں۔ ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں۔ ہم جو سخت سردی یا سخت گرمی محسوس کرتے ہیں یہ اسی کی ہوتی ہے۔ ہماری آگ جہنم کی آگ سے ننانوے درجے سرد ہے۔ ہم آسمانی برق کا ایسا ہی مشاہدہ کرتے ہیں کہ جلانے اور ایذا پہنچانے میں ایک لمحے میں وہ اس مقدار کو پہنچ جاتی ہے کہ ہماری آگ زمانہ دراز میں بھی اس مقدار کو نہیں پہنچتی۔

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ سے نکلنے کے بعد جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اسے دنیا کا دہ چند ملے گا۔

یہ بھی صحیح ومسند ومرفوع روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا آخرت میں ایسی ہی ہے جیسے سمندر میں ایک انگلی۔

ایک ہی نہیں، دو جنتیں:

یہ محض مسافت وبعد میں نسبت ہے نہ کہ مدت کی نسبت میں۔ اس لیے کہ آخرت کی مدت غیر متناہی ہے اور جو غیر متناہی ہو اس سے کوئی شے قطعاً کسی وجہ سے بھی منسوب نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ نسبت سرور ولذت میں ہے نہ غم ومصیبت میں ہے۔ اس لیے کہ دنیا کا سرور بھی الم آمیز اور متناہی اور ختم ہوجانے والا ہے۔ آخرت کا سرور اور اس کا حزن وغم دونوں خالص اور غیر متناہی ہیں۔

اسی طرح ہماری روایات میں آسمان کے ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بھی برہان قائم ہے۔ علاوہ اس کے کہ زمین کو آسمان کے مقابلے میں نہ کوئی نسبت ہے اور نہ قدر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''جنة عرضها السموات والارض'' (وہ جنت جس کی وسعت آسمان وزمین ہیں) پھر ارشاد ہے جنة عرضها كعرض السموات و الرض (جنت جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کی سی ہے) اور ارشاد ہے ''وجنى الجنتين دان'' (اور دونوں جنتوں یا باغوں کے میوے نزدیک نزدیک ہوں گے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے، ہوں گے۔ فرمایا کہ اللہ سے فردوس اعلیٰ مانگو کیونکہ یہ وسط جنت اور اعلیٰ جنت ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے لہٰذا ثابت ہوگیا کہ یہ دو جنتیں ہیں جن میں سے ایک کی وسعت آسمان وزمین ہے اور دوسری کی وسعت مثل وسعت آسمان وزمین کے ہے۔

ساتوں آسمان جنت ہیں:

ارشاد ہوتا ہے ''ولمن خاف مقام ربه جنتان'' (جو اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے سے ڈرے اسکے لیے دو جنتیں ہیں یہ

تو سب کے متعلق خبر ہے کہ ان کے لیے یہ دونوں جنتیں ہیں ۔ وہ جنت جس کا عرض آسمان وزمین ہیں وہ ساتوں آسمان ہی ہیں اس لیے کہ بلاشک کسی شے کا عرض بھی اسی شے کا جزو ہوتا ہے ۔ ہر جرم (جسم) کرسی ہے کیونکہ اس کے تمام ابعاد (یعنی طول وعرض اور عمق) عروض ہی ہیں یہاں زمین کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ وہ تمام آسمانوں کی مساحت میں داخل ہے۔ اس لیے کہ آسمان اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

کرسی:

وہ جنت کہ جس کا عرض آسمان وزمین کے عرض کے مثل ہے یہ کرسی ہے جو آسمانوں اور زمین کی محیط ہے ارشاد ہے ''**وسع کرسیه السموات والارض** '' (اللہ کی کرسی آسمانوں اور زمین سے زیادہ وسیع ہے)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ کرسی کا عرض آسمان اور زمین ہیں کہ بعض ان میں سے بعض کی طرف منسوب ہیں۔

جنت کے دروازے:

یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ہر آسمان میں ایک دروازہ ہے اور کرسی میں ایک دروازہ ہے۔ ثابت ہوگیا کہ عرش اعلیٰ جنت کے اوپر ہے اور وہ ملائکہ کا محل ومقام ہے اور وہ کوئی جنت نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر ہے۔

عرش کے اوپر:

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے ''**الذین یحملون العرش ومن حوله** '' (وہ لوگ جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور وہ جو اس کے گرد ہیں) یہ بیان جلی ہے کہ عرش کے اوپر ایک اور جرم ہے جس میں ملائکہ ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ برہان اسی کو ثابت کرتی ہے مگر ان کے لیے جو علم ہیئت میں گہری نظر رکھتا ہو۔ یہ تمام نصوص جلی وظاہر ہیں جن میں تاویل کا تکلف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''**کعرض السماء** '' (مثل عرض آسمان کے) یہ جنس سموات کا ذکر ہے اس لیے کہ سموات جنس کا نام ہے جس پر یہ کلام الٰہی دلالت کرتا ہے ''**وسع کرسیه السموات والارض** '' (اس کی کرسی زمین وآسمان سے زیادہ وسیع ہے)۔

اس قسم کی بہت سی آیت واحادیث ہیں کہ جب کوئی غور کرنیوالا غور کرے گا تو یہ اسے ہمارے قول کی صحت تک رہبری کریں گی چیز برہان سے ثابت ہے وہ کلام الٰہی وکلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی منصوص ہے۔

دنیا کی مدت میں کسی معین عدد کا دعوی

تاریخ دنیا میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ یہود دنیا کے لیے کچھ اوپر چار ہزار اور نصاریٰ پانچ ہزار برس بتاتے ہیں۔ ہم لوگ کوئی یقینی عدد نہیں بیان کرتے جو ہمارے یہاں مشہور ہو جو اس میں سات ہزار برس یا کم وبیش کا دعوی کرتا ہے وہ جھوٹا ہے وہ ایسی بات کا قائل ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لفظ بھی ثابت نہیں۔ بلکہ آپ سے اس کے خلاف ثابت ہے۔

ہم دنیا کی مدت کے لیے اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ اس کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ فرماتا ہے ”**اشهدتهم خلق السموات والارض ولا انفسهم**“ (ہم ان کو زمین وآسمان کے پیدا کرتے وقت حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرتے وقت)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جو امتیں تم سے پہلے گذری ہیں ان میں تم ایسے ہی ہو جیسے سیاہ بیل میں ایک سفید بال یا کالے بیل میں ایک سفید بال“ آپ کا یہ ارشاد ثابت ہے۔ آپ جو فرمائیں گے وہ عین حق ہوگا۔ آپ باطل کے کسی جزو سے ذرا بھی چشم پوشی نہیں فرماتے تھے۔ یہ نسبت (مثال) ہے جو اس میں غور کرے گا اور اہل اسلام کے اعداد کی مقدار اور جو آبادز میں ان کے قبضے میں ہے اس کی نسبت معلوم کرے گا اور یہ جانے گا کہ وہ سب سے زیادہ ہے تو جان لے گا کہ دنیا کے (وجود) کے عدد کا شمار سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا جو خالق ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے اپنی مقدس کلمے کی اور بیچ والی انگلی ملائی۔ حالانکہ نص آ گئی ہے کہ ”قیامت کب آئے گی اس کو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض شدت قرب مراد لیا ہے نہ کہ درمیانی انگلی کی کلمے کی انگلی سے درازی کی زیادت۔ اس لیے کہ اگر آپ اس کی زیادت مراد لیتے تو ضرور دونوں انگلیوں کے درمیان نسبت کی جاتی ہے اور اس کو درمیانی انگلی کے طول سے نسبت دی جاتی اور اس سے معلوم ہو جاتا کہ قیامت کب قائم ہو گی اور یہ باطل ہے اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم لوگوں کو ہمارے پہلے لوگوں کے ساتھ نسبت دینا کہ ”جیسے بیل میں بال“ غلط ہو جاتا ہے۔ معاذ اللہ۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض شدت قرب مراد لیا ہے۔ آپ جب سے مبعوث ہوئے ہیں کچھ اوپر چار سو برس ہوئے ہیں۔ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے دنیا کی عمر میں کتنی مقدار باقی ہے۔ اس عدد عظیم قلت وکمی کے باعث گذشتہ کے ساتھ نسبت کرنے میں کوئی مناسب نہیں۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ گزشتہ لوگوں میں مثل بیل میں بال یا گدھے کی ران میں مثل نشان کے ہیں۔

میں نے امیر ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الناصر رحمتہ اللہ کا نوشتہ دیکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے محمد بن معاویۃ القرشی نے کہا کہ انہوں نے ہند میں دیکھا کہ انہیں (دنیا کے) بہتر ہزار برس معلوم ہوئے اور محمود بن سبکتگین نے ہند میں ایک ایسا شہر پایا لوگ جس کی تاریخ چار لاکھ برس بیان کرتے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے لیے اول وابتدا و مبدا ہے اور نہایت وانتہا بھی ضروری ہے۔ عالم کی کوئی شے قبل سے موجود نہ تھی اللہ ہی کا حکم پہلے بھی تھا اور بعد کو بھی رہے گا۔

جنت میں مادیات کا وجود:

بعض نے جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ اہل جنت کھائیں گے پئیں گے، عورتوں سے ہمبستری کریں گے۔ دوشیزہ کنیزیں ہیں جو اہل جنت کے لیے پیدا کی گئی ہیں وہاں نہ کوئی خرابی ہوتی ہے اور نہ تغیر ہوتا ہے اور نہ مزاجی کیفیت ہے حالانکہ یہ تمام اشیاء موجود ہونے والی اور بگڑنے والی ہیں تو پھر یہ صورت کیسے ہوگی۔

حق الامر:

اس مقام پر تین جواب ہیں۔ پہلا جواب تو ایک برہان ضروری یقینی و بدیہی اور سماعی ہے دوسرا جواب نظری (یعنی استدلالی) اور ازروئے مشاہدہ ہے تیسرا جواب اقناعی (یعنی قابل تسلی) ہے جو ہمارے معترض کے اصول کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔

پہلا جواب تو یہ ہے اور اسی پر اعتماد بھی ہے اور وہ برہان ضروری ہے کہ ہم نے اسے پہلے بیان کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام اشیاء کو پیدا کیا اور بنایا وہی ان اشیاء کا بغیر کسی شے کے اور بغیر کسی قاعدہ سابقہ کے موجد ہے۔ جب اس میں کوئی شک نہیں تو پھر کوئی شے خواہ اس کا وہم کیا جا سکے، یا دریافت کی جا سکے، ایسی نہیں جو خالق کی قدرت کو دشوار ہو۔ اس لیے اس نے جس چیز کو موجود کرنا چاہا موجود کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے میں کسی چیز میں فرق نہیں، خواہ وہ اس دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ جس پر براہین ضروریہ بھی قائم ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو ہماری طرف مبعوث کیا۔ آپ کو اپنی جانب سے تبلیغ کا واسطہ بنایا۔ آپ کے صدق پر بھی برہان ضروری قائم ہے جن باتوں کے متعلق آپ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہاں اکل وشرب ولباس ودہی ہے۔ یہ وہ خبر ہے جو ہمیں صادق علیہ السلام نے دی ہے جو ممکن کی حد میں داخل ہے ناممکن نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے خبر دی ہے تو بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ ہمیں اس کا یقین کرنا واجب ہے اور ظاہر ہو گیا کہ وہ حد کے اندر ہے۔

جواب ثانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفوس کو پیدا کیا اور ان کے جواہر و طبائع کو ایسے طور پر ترتیب دیا کہ وہ طعام وشراب اور خوشبو اور اچھے مناظر اور پاکیزہ آوازوں اور پسندیدہ لباسوں سے اس قدر لذت حاصل کرنے میں جو ہمارے جو ہر نفوس کے موافق ہو متغیر نہیں ہوتے۔ اس میں کوئی اعتراض نہیں اور نہ کوئی شک ہے کہ مذکورہ بالا اشیا سے لذت حاصل کرنے والے نفوس ہی ہوتے ہیں اور جسمانی حواس جو ایسے منفذ یا گذرگاہ ہیں کہ ان لذات کو نفوس تک پہنچا دیتے ہیں اور اسی طرح تمام ناگوار چیزیں بھی مگر خود جسد وجسم کو قطعاً کوئی حس نہیں ہے۔ یہی طبیعت ہمارے نفوس کی جوہر ہے کہ بغیر اس کے وجود کے نفوس کا وجود بھی ممکن نہیں۔

جب قیامت میں اللہ تعالیٰ ہمارے نفوس کو ہمارے اجساد مرکبہ کے ساتھ جمع کرے گا اور وہ ایسے ہی ہو جائیں گے جیسے پہلے تھے تو وہاں انہیں جزا دی جائے گی۔ اس کی لذتوں سے انہیں انعام دیا جائے گا اور وہ چیزیں انعام کی جائیں گی جن کی وہ طبائع نفوس طلب کریں گی جو ہمیشہ اسی حالت پر پائی جاتی ہیں اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی لذت نہیں ہوتی۔

البتہ جو کھانا وہاں ہو گا وہ آگ سے تیار کیا ہوا نہ ہو گا۔ نہ وہ آفت والا ہو گا (کہ بدہضمی یا بیماری پیدا کرے) نہ وہ فضلہ وخون کی شکل میں منتقل ہونے والا ہو گا نہ وہاں ذبح ہو گا۔ نہ تکالیف نہ موت۔ نہ تغیر وفساد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**لا یصدعون عنها و لا ینزفون**“ (نہ ان نعمتوں سے انہیں روکا جائے گا اور نہ انہیں نشہ ہو گا) لباس بھی بنے ہوئے نہ ہوں گے۔ نہ فنا ہوں گے نہ متغیر ہوں گے۔ نہ پرانے ہوں گے۔ اجسام میں نہ تو گندلا پن ہو گا نہ کوئی خلط نہ خون اور نہ نجاست۔ ان نفوس میں بھی نہ تو کوئی بری خصلت ہو گی، نہ کینہ، نہ حسد، نہ حرص

ارشاد ہے ’’**ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا**‘‘ (ہم ان کے دلوں کا کینہ نکال کر بھائی بھائی بنا دیں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق خبر دی جو دوزخ سے نکالے جائیں گے کہ ان لوگوں کو جنت کے دروازے پر ایک نہر میں ڈالا جائے گا تب وہ صاف و پاکیزہ ہو جائیں گے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ تنقیہ وصفائی کے بعد اس وقت وہ جنت میں جائیں گے لہذا ثابت ہو گیا کہ وہاں ان اشیاء اور عطیات کی لذت جیسا وجود نفس کا ان اشیاء کے لیے ہو گا اس اختلاف کے مطابق ہو گی اور ان سے لذت حاصل کرنے کی انواع کے تغایر کے اعتبار سے ہو گا ہمیں معنی و مراد سمجھانے کے لیے ان پر چند نام لائے گئے ہیں۔ حالانکہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جنت میں وہ کوئی چیز نہیں جو دنیا میں ہے سوائے ناموں کے یہ نہایت صحیح سند کی روایت ہے اور یہ حدیث وکیع کے قطعہ مشہورہ میں پہلی حدیث ہے۔

لذت نفس جنت میں:

وطی (مجامعت) وہاں بھی اسی طرح ہو گی جس طرح ہمارے یہاں ہے۔ نہ اس میں کوئی دشواری ہے اور نہ کوئی محال یہ تو محض نفس کا بعض ایسے حصہ جسد سے جو اس کے ساتھ ہے دوسرے جسد میں داخل کر کے لذت اٹھانا ہے۔

جواب ثالث اقناعی ہے اور وہ ان کے اصول کے موافق ہے حالانکہ ہم خود اس پر اعتماد نہیں کرتے وہ یہ ہے کہ قدمائے ہند نے اپنے کلام میں جو افلاک و بروج و وجوہ مطالع کے بارے میں ہے بیان کیا ہے کہ بروج کے چہروں میں سے ہر چہرے کے ساتھ صورتیں ہیں جن کی ان لوگوں نے تعریف کی ہے اور بیان کیا ہے کہ عالم ادنیٰ (دنیا) میں کوئی صورت ایسی نہیں ہے جو عالم اعلیٰ (بالا) میں نہ ہو۔

یہ ان لوگوں کا تسلیم کرنا ہے کہ وہاں بھی لباس و طعام و شراب و وطی و نہر و درخت وغیرہ ہیں۔

نصرانی سے مناظرہ:

ایک نصرانی نے جو قرطبہ کے نصاریٰ کا قاضی تھا ایک روز اسی مسئلے میں مجھ سے بحث کی وہ بارہا میری مجلس میں آیا کرتا تھا میں نے اسے جواب دیا کہ کیا تمہارے یہاں انجیل میں یہ نہیں ہے کہ یوم فصح کی شام کو جب مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ کھانا کھایا اسی شب کو وہ ان کے دعوے کے مطابق گرفتار کر لیے گئے۔ مسیح نے شاگردوں کو شراب کا پیالہ پلایا اور کہا کہ میں اسے تمہارے ساتھ کبھی نہ پیوں گا یہاں تک کہ تم اسے ملکوت میں اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب میرے ساتھ پیو گے۔

ایک فقیر مسمی عاذار کے قصے میں بیان کیا ہے کہ وہ ایک امیر کے دروازے پر پڑا ہوا تھا اور اس کے زخموں کو کتے چاٹ رہے تھے۔ اس امیر نے اس فقیر کو جنت میں دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے آغوش میں لیٹا ہوا ہے۔ امیر نے جو دوزخ میں تھا انہیں پکارا کہ اے باپ اے ابراہیم عاذار کے ہمراہ میرے پاس تھوڑا سا پانی بھیج دیجئے کہ اس سے میری زبان تر ہو۔

یہ اس امر کی تصریح ہے کہ جنت میں پانی بھی ہے اور شراب بھی۔

وہ نصرانی خاموش اور لاجواب ہو گیا۔ جو توریت یہود کے ہاتھوں میں ہے اس میں تو آخرت کی نعمت کا اور جزا بعد موت کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔

بالکل اسی کے برابر ہمارا جواب اہل دوزخ کے کھانے پینے کے بارے میں بھی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

طبقات ارض:

زمین کے بھی سات طبقے ہیں جو ایک دوسرے پر تہ بتہ منطبق ہیں اس لیے کہ ہمارے خالق نے ہمیں اس کے متعلق خبر دی ہے اس خبر سے پہلے بھی یہ امر ممتنع یا محال کی حد میں نہ تھا بلکہ ممکن کی حد میں تھا۔

ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کیا ہے ”یوم تبدل الارض غیر الارض و السموات“ (جس روز زمین ایک دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں تہ کیے ہوں گے)۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وفتحت السماء فکانت ابوابا“ (اور آسمان کھول دیے جائیں گے پھر دروازے ہو جائیں گے)۔

آخر میں کیا ہوگا:

ارشاد ہے ”یوم تکون السماء کا المهل و تکون الجبال کا لعهن“ (جس روز آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے)۔

فرمایا ہے ”وحملت الارض و الجبال فدکتا دکة و احدة یو مئذ و قعت الواقعة وانشقت السماء فهی یومئذ واهية والملک علی ارجائها“ (اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی مرتبہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ اسی روز قیامت واقع ہوگی اور آسمان پھٹ جائے گے اور وہ اس روز کمزور ہو جائیں گے اور سلطنت اپنے کناروں پر ہوگی۔

ارشاد ہے ”اذا السماء انشقت“ (جب آسمان پھٹ جائے گا) فرمایا ہے ”واذا الا رض مدت و القت ما فیها و تخلت و اذنت لربها وحقت“ (اور جب زمین دراز کی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے نکال کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم سنے گی اور وہ اسی کے قابل ہے)۔

ارشاد ہے ”اذالسماء انفطرت واذا الکواب انتثرت واذاالبحار فجرت“ (جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب تمام دریا بہا دیے جائیں گے)۔

فرمایا ہے ”اذا اشمس کو رت واذا النجوم انکدرت اذا الجبال سیرت“ (جب سورج تاریک کر دیا جائے گا اور جب ستارے گر پڑیں گے اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے)۔

فرماتا ہے ”ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنا هما“ (آسمان وزمین درستی کے ساتھ ایک گول کرہ تھے ہم نے دونوں کو توڑ دیا)۔

فرماتا ہے ”کما بدانا اول خلق نعیده وعد اعلینا انا کنا فا علین“ (جیسا کہ ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اس کو دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ یہ وعدہ ہمارے ذمے ہے۔ ہم ضرور یہی کرنیوالے ہیں)۔

اہل جنت کے ذکر میں فرماتا ہے ”خالدین فیها ما دامت السموات والارض الا ماشاء ربک عطاء غیر مجذوذ“ (اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہے سوائے اس کے کہ جو آپ کا پروردگار چاہے۔ یہ عطا ختم ہونے والی نہ ہوگی)۔ یہ اس کا تمام کلام حق ہے۔ اس میں بعض کو چھوڑ کر بعض پر کمی کرنا جائز نہیں۔

تبدیل احوال اعدام نہیں ہے:

یقیناً ثابت ہوگیا کہ تبدیل آسمان وزمین محض ان کے احوال کی تبدیل ہے نہ کہ ان کا معدوم کرنا صرف شمس وقمر ونجوم وکواکب سے خالی کرنا اس میں دروازے کھولنا۔ ان کا پگھلے ہوئے تانبے کے مانند ہو جانا۔ پھٹنا اور کمزور ہونا۔ پارہ پارہ ہونا۔ ریزہ ریزہ ہونا زمین اور پہاڑوں کا دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جانا۔ جگہ سے ہٹ جانا اور دریاؤں کا بھر جانا ہوگا۔ اس سے تمام آیات بھی بھری پڑی ہیں۔ اس سے تجاوز جائز نہیں جو صرف آیت تبدیل پر قناعت کرے گا وہ ہماری ذکر کی ہوئی آیت کی تکذیب کرے گا اور یہ اس کا کفر ہوگا جو ایسا کرے گا جو سب کو جمع کرے گا وہ سب سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام اقوال میں سچا ہے اور یہ اسی کو واجب کرتا ہے جو ہم نے کہا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بعد تکمیل:

الحمد للہ کہ ہم نے مخالف اسلام تمام مذاہب پر مکمل کلام کر دیا دین اسلام ہی اللہ کا دین ہے جو اس کے بندوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے جس کے سوا روئے زمین پر قیامت تک کوئی اور دین نہ ہوگا۔ اللہ کی مدد اور اس کی تائید سے اثبات اشیاء ووجود اشیاء پر براہین ضرور یہ واضح کر دیں۔ ان تمام کے حدوث پر بھی جواہر کے بھی اور اعراض کے بھی کہ یہ نہ ہونے کے بعد وجود میں آئیں۔ اس پر بھی کہ ان کا کوئی موجد واحد مختار ہے جو ہمیشہ سے ہے تنہا ہے اس کے ساتھ کوئی شے نہیں، اس نے جو کچھ کیا وہ بغیر کسی علت کے کیا اور جو ترک کیا وہ بھی بغیر کسی علت کے بلکہ جیسا چاہا کیا سوائے اسکے کوئی معبود نہیں۔ پھر تمام نبوتوں کی صحت پر۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت پر اور اس پر کہ آپ ہی کی ملت حق ہے اور اسکے سوا ہر ملت باطل ہے اور اس پر کہ آپ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی ملت بھی آخر الملل۔ لہٰذا اب ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید سے مسلمانوں کے مذاہب اور اس میں ان کے افتراق کو بیان کرنا شروع کرتے ہیں اور سب میں سے مذہب حق کو واضح کریں گے ہم اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی افتراقات

جب ہم نے اللہ کی مدد سے ملل وادیان میں کلام کو مکمل کر دیا تو اب ہمیں چاہیے کہ اہل اسلام کے مذاہب اوران کے افتراق کو شروع کریں اوران میں سے جس نے اپنے مذہب میں غلطی کی ہے اسے بیان کریں اوران تمام مذاہب میں سے مذہب حق کے واضح کرنے پر ضروری براہین لائیں۔ جیسا کہ ہم نے ملل میں کیا۔ **والحمد لله رب العلمين كثيرا . ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔**

پانچ فرقے:

ملت اسلام کے ماننے والوں کے پانچ فرقے ہیں۔ (۱) اہل سنت۔ و(۲) معتزلہ۔ (۳) مرجیہ۔۴ (۴) شیعہ۔ (۵) خوارج۔ ان میں سے ہر فرقے کے بہت سے فرقے ہو گئے۔

اہل سنت کا اکثر افتراق فتوے میں ہے (عقائد میں نہیں) اعتقادات میں بہت ہی قلیل اختلاف ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس پر تنبیہ کریں گے۔

جو فرقہ حق کے قریب ہے:

بقیہ فرقے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں وہ بھی ہیں جو اہل سنت سے بہت دور کا اختلاف رکھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو قریب کا اختلاف رکھتے ہیں۔

ان میں اہل سنت سے قریب تر فرقہ مرجیہ ہے جو اس امر ابوحنیفہ فقیہ کے مذہب پر گیا ہے کہ ایمان زبان ودل دونوں سے تصدیق کرتا ہے اور اعمال محض شرائع وفرائض ایمان ہیں۔

جو حق سے دور جا پڑے:

ان میں اہل سنت سے بعید تر جہم بن صفوان کے ساتھی اور اشعری اور محمد بن کرام السجستانی ہیں۔

جہم واشعری کہتے ہیں کہ ایمان صرف قلب کا معاملہ ہے اگرچہ وہ زبان سے کفر وتثلیث کو ظاہر کرے اور دارالاسلام میں بغیر تقیے کے صلیب پرستی کرے۔

محمد بن کرام کا قول ہے کہ ایمان زبان سے کہنا ہے اگرچہ دل میں کفر کا اعتقاد رکھے۔

معتزلہ کے فرقوں میں اہل سنت سے قریب تر حسین بن محمد النجار وبشر بن غیاث المریسی کے ساتھی ہیں۔ ان کے بعد ضرار بن عمرو کے

ساتھی ان میں بعیدتر ابوالہذیل کے ساتھی ہیں۔

شیعہ قریب:

مذاہب شیعہ میں اہل سنت سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو اپنے کو فقیہ حسین بن صالح بن حی الہمزانی کے اصحاب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ امامت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہے۔ حالانکہ حسین بن صالح رحمہ اللہ سے جو ثابت ہے وہ ہمارا ہی قول ہے کہ امامت تمام قریش میں ہے حسین بن صالح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے تھے۔ سوائے اس کے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو سب پر فضیلت دیتے تھے۔

شیعہ بعید:

ان میں بعیدتر (اہل سنت سے) فرقہ امامیہ ہے۔

خارجی قریب:

خوارج کے فرقوں میں اہل سنت سے قریب تر فرقہ عبداللہ بن یزید الاباضی الفزاری الکوفی کے اصحاب ہیں۔

خارجی بعید:

ان میں بعیدتر ازارقہ ہیں۔

جو مسلمان نہیں:

اصحاب احمد بن حابط و احمد بن مالوس، وفضل الحرانی اور غالی روافض و متصوفین، وبطیحیہ یعنی اصحاب ابی اسماعیل البطیحی اور اجماع سے علیحدہ ہو جانے والے عجاردہ وغیرہم تو یہ اہل اسلام میں سے نہیں ہیں بلکہ باجماع امت یہ سب کفار ہیں و نعوذ باللہ من الخذلان۔

قدر مشترک

مخصوصات جن پر ہر فرقے نے اعتماد کیا ہے

مرجیہ کا تو جس پر ان کا اعتماد ہے جس سے وہ تمسک کرتے ہیں وہ ایمان و کفر میں کلام ہے کہ یہ دونوں کیا ہیں اور ان دونوں کا نامزد کرنا ہے (کہ کیا کفر ہے کیا ایمان ہے) اور وعید میں۔ اس کے سوا امور میں غیر مرجیہ کی طرح ان میں بھی باہم اختلاف ہے۔

معتزلہ کے یہاں جس پر ان کا اعتماد ہے اور جس سے یہ تمسک کرتے ہیں وہ کلام ہے توحید اور صفات باری تعالیٰ میں۔ بعض معتزلہ تقدیر میں کلام کا اضافہ کرتے ہیں اور کلام فسق و ایمان و وعید کے نامزد کرنے میں ہے۔ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں کلام میں جہم بن

صفوان ومقاتل بن سلیمان اور اشعریہ اور مرجیہ اور ہشام بن الحکم اور شیطان الطاق جس کا نام محمد بن جعفر الکوفی تھا اور داؤد الحواری بھی صفات باری تعالیٰ کے کلام میں معتزلہ کے شریک ہیں۔ یہ سب کے سب شیعہ ہیں بجز اس کے کہ ہم نے معتزلہ کو اس اصل میں مخصوص کر دیا ہے اس لئے کہ جس نے اس اصل میں کلام کیا ہے وہ قول اہل سنت یا قول معتزلہ سے خارج ہے سوائے ان مذکورہ بالا مرجیہ وشیعہ کے کیونکہ یہی لوگ تنہا ان امور کے قائل ہیں جو قول اہل سنت ومعتزلہ سے خارج ہیں۔

شیعہ کا معتمد علیہ ان کا کلام امامت کے بارے میں اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت دینے میں ہے۔ بقیہ امور میں ان میں بھی اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اوروں میں۔

خوارج کے مذہب کا معتمد علیہ کلام ایمان وکفر میں ہے کہ یہ کیا ہیں اور ان دونوں کے نامزد کرنے میں اور وعدہ وامامت میں ہے۔ بقیہ امور میں ان میں باہمی اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اوروں میں ہے۔

جو ''مرجی'' نہیں:

ہم ان گروہوں کو ان معانی میں محض اس لئے مخصوص کیا کہ جو یہ کہے کہ اعمال جسد (بدن) ایمان ہیں کیونکہ ایمان طاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے اور مومن کوئی بھی گناہ کا کام کرے گا تو اس کو کافر کہا جائے گا اور زبان ودل سے ایمان لانے والا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا تو وہ مرجی نہیں ہے۔

جو ''مرجی'' ہے:

جو شخص ان کے ان اقوال کی موافقت کرے جو یہاں بیان کئے گئے اور ان کے علاوہ جن میں مسلمانوں نے ان سے اختلاف کیا ہے ان میں ان سے اختلاف کرے تو وہ مرجی ہے۔

جو معتزلی نہیں:

جو خلق قرآن۔ رویت باری اور مسئلہ تقدیر میں اور اس میں کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ فاسق سے معتزلہ کی مخالفت کرے تو وہ ان میں سے نہیں ہے۔

جو معتزلی ہے:

جو امور مذکورہ میں ان کی موافقت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ اگر چہ وہ ان مذکورہ بالا امور کے علاوہ امور میں ان سے اختلاف کرے جن میں مسلمان ان سے اختلاف کرتے ہیں۔

جو شیعی ہے:

جو اس میں شیعہ کی موافقت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل اور سب سے زیادہ مستحق امامت وخلافت اور علیؓ کے بعد ان کی اولاد تو وہ شیعی ہی ہے اگر چہ وہ اور مسائل میں جن میں مسلمان ان سے اختلاف کرتے ہیں ان سے اختلاف کرے۔

جو شیعی نہیں:

جو مذکورہ بالا عقائد میں ان کی مخالفت کرے تو وہ شیعی نہیں ہے۔

جو خارجی ہیں اور جو نہیں ہیں:

جو انکار تحکیم اور تکفیر مرتکبین کبائر میں اور ظالم بادشاہوں کے خلاف جنگ کرنے کے جواز میں اور اس میں کہ مرتکبین کبائر دوزخ میں ہمیشہ رکھے جائیں گے اور امامت غیر قریش میں بھی جائز ہے خوارج کی موافقت کرے تو وہ خارجی ہے۔ اگرچہ وہ دوسرے مسائل میں جن میں مسلمانوں نے ان سے اختلاف کیا ہے یہ بھی ان سے اختلاف کرے اگر مذکورہ بالا عقائد میں ان کی مخالفت کرے تو وہ خارجی نہیں۔

جو حق پر ہیں:

اہل سنت جن کو ہم بیان کریں گے وہی اہل حق ہیں اور ان لوگوں کے علاوہ جتنے ہیں سب اہل بدعت ہیں کیونکہ یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ بہترین تابعین رحمتہ اللہ علیہم ہیں جو ان حضرات کے راستے پر چلے ہیں۔ پھر اصحاب حدیث اور ان کے متبعین فقہا ہیں جو گروہ در گروہ ہمارے زمانے تک پہنچے ہیں اور مشرق و مغرب کے وہ عوام ہیں جنہوں نے ان حضرات کی اقتدا و پیروی کی ہے۔ رحمت اللہ **علیہم اجمعین۔**

جو مسلمان کہلاتے ہیں:

اسلام کے تمام فرقوں نے اپنے کو اسلام کے نام سے نامزد کیا ہے باوجودیکہ وہ سب مسلمان نہیں ہیں۔

مثلاً خوارج کے چند گروہ جو حد سے بڑھ گئے ہیں اور وہ اس کے قائل ہیں کہ نماز صرف ایک رکعت صبح اور ایک رکعت شام کو ہے۔ دوسروں نے پوتیوں نواسیوں اور بھتیجے اور بھانجے کی بیٹیوں سے نکاح کو حلال سمجھا ہے اور کہا ہے کہ سورہ یوسف قرآن کا جزو نہیں ہے۔ انہیں میں سے اوروں نے کہا ہے کہ زانی اور چور کو حد لگائی جائے گی۔ پھر انہیں کفر سے توبہ کرائی جائے گی۔ پھر اگر توبہ کرلیں تو خیر ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

چند گروہ جو معتزلہ میں سے تھے انہوں نے غلو کیا اور تناسخ ارواح کے قائل ہو گئے۔ انہیں میں سے دوسروں نے کہا ہے کہ سور کی چربی اور بھیجا حلال ہے۔

چند گروہ مرجیہ کے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ ابلیس نے کبھی اللہ سے مہلت کی دعا نہیں مانگی اور نہ اس کا اقرار کیا اسے اللہ نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔

دوسرے مرجیہ اس کے قائل ہیں کہ نبوت اعمال صالحہ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

دوسرے لوگ جو اہل سنت میں سے تھے انہوں نے بھی غلو کیا اور کہا کہ صالحین میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انبیاء و ملائکہ علیہم السلام سے افضل ہوتے ہیں جس نے اللہ کی اتنی معرفت حاصل کرلی جتنا معرفت کا حق ہے تو اس سے اعمال و شرائع ساقط ہو جاتے ہیں۔

ان میں بعض لوگ اپنی مخلوق کے اجسام میں باری تعالیٰ کے حلول کے قائل ہیں جیسے حسین منصور حلاج وغیرہ۔

غُلاۃ شیعہ:

چند گروہ شیعہ میں سے تھے پھر انہوں نے غلو کیا۔ ان میں سے بعض علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اور ان کے بعد کے ائمہ کی الوہیت کے قائل ہو گئے۔

بعض وہ بھی ہیں جو علی کی نبوت اور تناسخ ارواح کے بھی قائل ہیں مثلاً سید الحمیر ی شاعر وغیرہ۔

ایک گروہ ابوالخطاب محمد بن ابی زینب مولائے بنی اسد کی الوہیت کا قائل ہے۔

ایک گروہ مغیرہ بن ابی سعید مولائے بنی بجلہ اور ابی منصور العجلی اور بزیع الحائک اور بیان بن سمعان التمیمی وغیرہم کی نبوت کا قائل ہے۔

ایک گروہ علیؓ کے دنیا میں واپس آنے کا قائل ہے۔ انہیں ظاہر قرآن کے ماننے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ظاہر قرآن کے لئے تاویلات ہیں۔

تاویلات غلاۃ:

تاویلات یہ بیان کی ہیں کہ ”السماء“ سے مراد محمدؐ اور ”الارض“ سے مراد ان کے اصحاب ہیں۔

”ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو) کہتے ہیں کہ بقر (گائے) سے مراد فلاں ہے یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

کہا ہے کہ ”العدل والاحسان“ سے مراد علیؓ ہیں اور ”الجبت و الطاغوت“ (بمعنی بت وگمراہی میں ڈالنے والا) سے مراد فلاں فلاں ہیں یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

کہتے ہیں کہ نماز سے مراد امام کو پکارنا ہے اور زکوٰۃ وہ ہے جو امام کو دیا جائے۔ حج امام کے پاس جانا ہے۔

انہیں غلاۃ میں خناقین ورضاخین ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرقے کا کسی دلیل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ ان کے قبضے میں سوائے مجرد دعویٰ الہام کے اور کھلم کھلا جھوٹ کے کچھ بھی نہیں ہے نہ یہ کسی مناظرے کی طرف التفات کرتے ہیں۔ ان کے رد کے لئے ان سے یہ کہنا کافی ہے کہ تم میں اور اس میں کیا فرق ہے جو تمہارے قول کے باطل ہونے کے الہام کا دعویٰ کرے اس سے بچنے کی انہیں کوئی صورت نہیں۔ اسلام کے تمام فرقے ان لوگوں سے بیزار ہیں اور ان کی تکفیر کرتے ہیں اور اس پر متفق ہیں کہ یہ لوگ مخالف اسلام ہیں۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان۔**

ایرانی اثر:

ان گروہوں کے مذہب اسلام سے خارج ہونے کی زیادہ تر بنیاد یہ ہوئی کہ اہل فارس وسعت سلطنت اور تمام اقوام پر بالا دست ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بہت ہی بزرگ و برتر سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو احرار و ابناء بناتے تھے اور بقیہ لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ جب وہ عرب کے ہاتھوں اپنی سلطنت کے زوال کے امتحان میں ڈالے گئے۔ حالانکہ اہل فارس کے نزدیک عرب ایک حقیر ترین قوم تھی۔ تو انہیں اس امر نے غصے میں ڈالا اور ان کے نزدیک دو چند مصیبت ہوگئی (یعنی زوال سلطنت اور حقیر قوم کی غلامی) انہوں نے بصورت

جنگ مختلف اوقات میں اسلام کو فریب دینا چاہا۔ مگر ان تمام صورتوں میں اللہ سبحانہ حق کو غالب کرتا رہا۔

ایرانی سازشگر:

ان لوگوں کے رہنماؤں اور مدبروں میں سے ستقادہ۔ استاسیس۔ مقنع اور بابک وغیرہ ہم تھے۔ کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اور عمار نے جس کا لقب خداش تھا اور ابوسلم السراج نے اس کا ارادہ کیا۔ مگر مناسب سمجھا کہ اسلام کو کسی حیلے سے فریب دینا زیادہ بااثر ہوگا۔ ان میں سے ایک جماعت نے اسلام ظاہر کیا اور محبت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار اور علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کی مذمت سے اہل تشیع کو پھسلا کے مختلف راہوں پر لے گئے۔ یہاں تک کہ انہیں اسلام ہی سے نکال دیا۔ ان کی ایک جماعت کو انہوں نے اس عقیدے میں داخل کر دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کے منتظر ہیں جس کو ان کے یہاں مہدی کہا جاتا ہے۔ حقیقی دین اسی کے پاس ہے۔

ان کفار سے دین کا اخذ کرنا جائز نہیں جبکہ انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر کی طرف منسوب کر دیا۔

ایک قوم ان لوگوں کی نبوت کی قائل ہوگئی جن کی نبوت کا ان لوگوں نے دعوی کیا تھا۔

ایک قوم اہل فارس کے ساتھ اسی مسلک پر چلی جو ہم نے بیان کیا کہ اللہ کے حلول کا قائل ہونا اور شرائع کا ساقط ہو جانا تھا۔

دوسروں نے کھیل کیا۔ ان پر شبانہ روز میں پچاس نمازیں واجب کر دیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ اس طرح واجب ہیں کہ سترہ وقت کی نمازیں ہیں اور ہر وقت میں پندرہ رکعتیں ہیں اور یہ قول عبداللہ ابن عمرو بن الحرث الکندی کا اس کے ذلیل خارجی بننے سے پہلے کا ہے۔

عبداللہ بن سبا یہودی الحمیری بھی اسی مسلک پر چلا کیونکہ (خدا اس پر لعنت کرے) اس نے اہل اسلام کو دھوکا دینے کے لئے اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لوگوں کے حملہ کرنے کا بانی یہی تھا۔ علی رضی اللہ عنہ سے انہیں چند گروہوں کو جنہوں نے الوہیت علی کا اعلان کیا تھا جلا دیا اور انہیں اصول ملعونہ سے اسماعیلیہ و قرامطہ پیدا ہوگئے۔ یہ دونوں گروہ بالکل علانیہ ترک اسلام ظاہر کرتے ہیں اور خالص مجوسیت کے قائل ہیں۔

پھر مردک (مزدک) موبذ کا مذہب ہے جو نوشیرواں بن قیماد (قباد) شاہ فارس کے عہد میں تھا۔ یہ عورتوں سے اور مال سے لوگوں کی مدد کرنے کے وجوب کا قائل تھا۔

اسلام کے خلاف سازش:

جب وہ لوگ ان دو شعبوں تک پہنچ گئے تو انہیں جس طرح چاہا اسلام سے ان لوگوں نے خارج کر لیا۔ کیونکہ صرف یہی ان لوگوں کی غرض تھی۔ بس اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اے اللہ کے بندو اپنے دلوں میں خدا سے ڈرو۔ تمہیں اہل کفر الحاد سے اور اپنے کلام پر بغیر ملمع کرنے والے سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ جس کے پاس کوئی برہان نہیں مگر فریب و ملمع کاری اور وعظ ہے جو تمہارے رب کی کتاب کہ جس کو تمہارے پاس لائے ہیں اور تمہارے نبی کے کلام کے خلاف ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہذا ان دونوں (یعنی کلام الہی و کلام نبی) کے سوا میں کوئی خیر نہیں۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا دین ظاہر ہے جس میں کوئی باطن نہیں ہے۔ علانیہ ہے جس کے نیچے کوئی خفیہ راز نہیں۔ سب کا سب برہان ہے جس میں کسی قسم کی کی درگذر اور چشم پوشی نہیں ہے۔ جو بغیر برہان کے پیروی کرنے کو بلائے اسے متہم سمجھو۔ جو دین کے لئے راز یا

باطن کا دعویٰ کرے تو یہ بھی محض دعوے اور جہل وحماقت کی باتیں ہیں۔

تمہیں جاننا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شریعت کا ایک کلمہ یا اس سے کم کو بھی نہیں چھپایا۔ نہ کبھی ایسا کیا کہ آپ نے کسی امر شریعت کی اطلاع دینے میں اپنے خاص لوگوں کو مثلاً زوجہ یا دختر یا چچا یا چچازاد بھائی یا اور کسی ساتھی یا دوست کو مخصوص کیا ہو کہ سرخ یا سیاہ یا بکری کے چرواہوں تک سے چھپایا ہو۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سر (راز) یا رمز یا باطن تھا۔ بجز اس کے جس کی آپ تمام لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔ اگر آپ لوگوں سے کچھ بھی چھپاتے تو ہرگز آپ وہ تبلیغ نہ کرسکتے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا جو اس کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ لہٰذا تم ہر ایسے قول سے بچو جس کی راہ کھلی ہوئی نہیں ہے۔ نہ اس کی دلیل واضح ہے اور نہ اس راہ سے کجی کرو جس پر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم گذر گئے۔

رد بدعات کی مستقل کتاب:

ہم نے ان تمام فرقوں کی برائی اپنی ایک پاکیزہ کتاب میں واضح کی ہے جس کا نام ''النصائح المنجیہ من الفضائح المخزیہ والقبائح المرویہ'' ہے جس میں اہل بدعت کے چار فرقوں ''معتزلہ۔ مرجیہ۔ خوارج اور شیعہ'' کے اقوال ہیں ہم نے اپنی اسی کتاب کے آخر میں مذاہب پر کلام کے سلسلے میں اس کا اضافہ کردیا ہے۔ پوری پوری خیر یہی ہے کہ تم اسی کے پابند رہو جس پر تمہارے پروردگار نے قرآن میں نہایت واضح زبان عربی میں تصریح فرمائی ہے جس میں کوئی شے (از قبیل ہدایت) نہیں چھوڑی۔ ہدایت کی ہر شے کا واضح بیان ہے۔ اس کے پابند رہو جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ومسنداً بذریعہ روایت ثقات آئمہ حدیث رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے بس یہ دو راستے ہیں جو تمہیں تمہارے پروردگار کی رضا تک پہنچائیں گے۔

مسائل مختلف فیہا:

ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان مضامین کی ابتدا کرتے ہیں جن میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا ہے اور وہ ہر فرقے کے معتمد علیہ ہیں وہ توحید۔ قدر یعنی تقدیر۔ ایمان۔ وعید۔ امامت اور مفاضلت (یعنی صحابہ میں باہمی فضیلت) ہیں پھر وہ اشیاء بیان کریں گے جن کو متکلمین لطائف کہتے ہیں اور وہ تمام دلائل بیان کریں گے جن سے یہ لوگ احتجاج کرتے ہیں انشاء اللہ بدیہی دلائل کے ذریعے سے ہم وجہ حق کو واضح کریں گے جیسا کہ ہم نے گذشتہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد تائید سے کیا ہے۔ **ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ ان میں سب سے پہلے توحید ہے۔

توحید ونفی تشبیہ

ایک گروہ کا مذہب یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے۔ اس میں ان کی دلیل یہ ہے کہ عقل میں وہی قائم ہوسکتا ہے جو جسم ہو یا عرض (صفت) ہو۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا عرض (دوسرے کی صفت) ہونا باطل ہوگیا تو ثابت ہوگیا کہ وہ جسم ہے۔ کہتے ہیں کہ فعل بغیر جسم کے ثابت وموجود نہیں ہوسکتا۔ باری تعالیٰ فاعل ہے لہذا واجب ہوگیا کہ وہ جسم ہے۔ اس میں انہوں نے ان آیات قرآن سے بھی احتجاج کیا ہے جن میں۔ ید۔ یدین۔ ایدی۔ اور آنکھ اور چہرہ اور پہلو کا ذکر ہے۔ اور اس آیت سے بھی **''وجاء ربک''** (اور آپ کا رب آئے گا) اور **''یاتیھم**

اللہ فی ظلل من الغمام و الملائکۃ "(جب ان کے پاس ابر کے سائے میں اللہ اور ملائکہ آئیں گے)۔ اس کی تجلی سے اور احادیث جبل سے جن میں قدم اور داہنے ہاتھ اور پاؤں اور انگلیوں کا اور اترنے کا ذکر ہے احتجاج کیا ہے۔

ایسی نصوص کے لئے ایسی وجوہ ظاہرہ وواضحہ ہیں جو ان کے گمان وتاویل کے خلاف ثابت کرتی ہیں۔ یہ دونوں (یعنی معقول و منقول) استدلال فاسد ہیں۔

یہ کہنا کہ عقل میں وہی قائم ہوسکتا ہے جو جسم ہو یا عرض ہو۔ تو یہ تقسیم ناقص ہے۔

موجودات کی حقیقت:

درست یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ جسم یا عرض ہے۔ یہ دونوں اپنی طبیعت کے اعتبار سے بالبداہت اپنے محدث وموجد کے وجود کو چاہتے ہیں لہذا معلوم ہوگیا کہ اگر ان دونوں کا محدث بھی جسم یا عرض ہوگا تو لامحالہ وہ بھی کسی فاعل کو چاہے گا جس نے اسے بنایا ہو۔ یہ بدیہی طور پر لازم وواجب ہوگیا کہ جسم وعرض کا فاعل ومحدث جسم وعرض نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ برہان ہے جس کی طرف ہر ذی حس عقل کی بداہت سے مجبور ہوتا ہے۔

نفی تجسم باری:

اگر باری تعالیٰ (جو ان کے الحاد سے بالاتر ہے) جسم ہوتا تو وہ لامحالہ اس کو بھی چاہتا کہ اس کے لئے زمان ومکان ہو۔ یہ دونوں چیزیں اس کے مغائر ہوں۔ یہ توحید کا ابطال ہے اور اس کے ساتھ ایسی دو چیزوں کی شرکت کا واجب کرنا ہے جو اس کے سوا ہیں اور اس کے ساتھ ایسی اشیاء کا لازم کرنا ہے جو غیر مخلوق ہوں۔ حالانکہ یہ کفر ہے۔ ہم پہلے اس کو فاسد کرچکے ہیں۔

کوئی جسم بغیر اس کے عقل میں نہیں آتا کہ وہ مرکب ہو اور طویل وعریض وعمیق ہو۔ حالانکہ ان کے ماہرین اس کے قائل نہیں ہیں۔ اگر وہ اس کے قائل ہوں تو انہیں لازم آگئے گا کہ اس کا کوئی ترکیب دینے والا جامع موجد اور فاعل بھی ہو اگر وہ اس سے انکار کریں تو انہیں لازم آئے گا کہ عالم میں کسی مرکب کے لئے بھی کوئی ترکیب دینے والا اور جامع نہ مانیں۔ اس لئے کہ مرکب جس کیفیت میں بھی پایا جائے گا وہ ترکیب دینے والے کے وجود کو ضرور چاہے گا۔

اگر وہ کہیں کہ وہ جسم غیر مرکب ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ البتہ یہ وہ بات ہے کہ واقعی عقل میں نہیں آسکتی اور نہ ذہن میں اس کی کوئی شکل آسکتی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہمارے اس قول میں کوئی فرق نہیں کہ شے کہیں یا جسم کہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اس لغت کے مطابق یہ دعوی جھوٹا ہے جس میں وہ بات چیت کرتے ہیں۔ نیز یہ باطل بھی ہے اس لئے کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر شے اور جسم ایک معنی میں ہو تو لامحالہ عرض بھی جسم ہوگا۔ اس لئے کہ وہ بھی شے ہے اور یہ باطل ہے اور مسلم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ان اقوال میں کوئی فرق نہیں۔ شے۔ موجود۔ حق۔ حقیقت اور مثبت۔ یہ تمام کلمات اسماء مترادفہ ہیں ایک ہی معنی میں ہیں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان میں سے کوئی اسم اس سے زائد کسی صفت کا متقاضی نہیں کہ اس لفظ کا مسمی حق ہے اور نہ اس سے زیادہ۔ لیکن لفظ جسم سے تو لغت میں اس شے کو تعبیر کیا جاتا ہے جو طویل عریض عمیق اور قابل تقسیم ہو اور چھ جہات میں سے کوئی جہت رکھتا ہو۔ وہ چھ جہات یہ ہیں۔ اوپر۔ نیچے۔ پیچھے۔ آگے۔ داہنے۔ بائیں۔ کبھی کبھی ان میں سے ایک جہت نہیں پائی جاتی اور وہ فوق (اوپر ہے) ہے۔ جس لغت کے یہ اسماء ہیں اسی لغت میں ان اسماء کا یہی حکم ہے جو شخص یہ چاہے کہ ان میں سے کسی ایسی شے پر واقع کرے جس کے لئے یہ اسم

لغت میں وضع نہیں کیا گیا ہے تو یہ مجنون وبیجیا ہے اور اس شخص کے مثل ہے جو یہ چاہے کہ حق کا نام باطل رکھ دے اور باطل کا نام حق رکھ دے اور یہ چاہے کہ سونے کا نام لکڑی رکھ دے۔ یہ انتہائی جہل وحماقت ہے سوائے اس کے کہ ایک اسم کے اپنے معنے موضوع سے دوسرے معنی کی طرف منقول ہونے کی کوئی نص آئی ہو تو اس وقت ترک کر دیا جائے گا ورنہ نہیں ہر مُناظر کو جو حقائق کو پہچاننا چاہے گا یا ان کی تعریف کا ارادہ کرے گا اسے لازم ہوگا کہ وہ پہلے ان معانی کی تحقیق کرے جن پر وہ اسم واقع ہے اس کے بعد وہ ان معانی کا حال بیان کرے یا ان کے متعلق واجب کی خبر دے۔ اشیاء کا مخلوط کرنا اور ان کا ان کے لغوی موضوع سے بدلنا یہ جاہل بیجیا سوفسطائیہ کا فعل ہے جو اپنے آپ کو اور اپنی عقول کو خسارے میں ڈالنے والے ہیں۔

اگر یہ لوگ ہم سے یہ کہیں کہ تم کہتے ہو کہ اللہ عزوجل حیؔ ہے نہ احیاء کی طرح۔ علیم ہے نہ علماء کی طرح۔ قادر ہے نہ قادرین کی طرح اور شے ہے نہ اشیاء کی طرح۔ تو تم یہ کہنے سے کیوں روکتے ہو کہ وہ جسم ہے نہ اجسام کی طرح ان سے کہا جائے گا کہ (باللہ تعالیٰ التوفیق) اگر اس کے اس نام سے نص وارد نہ ہوئی ہوتی کہ وہ حی ہے۔ قدیر ہے اور علیم ہے۔ تو ہم ان میں سے اس کا کوئی بھی نام نہ رکھتے۔ لیکن نص پر ٹھہرنا فرض ہے۔ اسکے جسم کے نام پر کوئی نص نہیں آئی اور نہ اس کے جسم کے نام پر کوئی برہان قائم ہے بلکہ برہان اس کا یہ نام رکھنے سے مانع ہے۔ اگر ہمارے پاس اس کے جسم کے نام کے متعلق کوئی نص آئی ہوتی تو ہم پر اس کا قائل ہونا بھی واجب ہوتا اور اس وقت ہم کہتے کہ وہ جسم ہے نہ اجسام کی طرح۔ جیسا کہ ہم نے حیؔ وقدیر وعلیم میں کہا اور کوئی فرق نہ ہوتا۔ لیکن لفظ شے کے متعلق نص آئی ہے اور برہان نے بھی اسے ثابت کر دیا ہے جیسا ہم اسے انشاءاللہ تعالیٰ بعد کو بیان کریں گے۔

ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نور ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے ”**اللہ نور السموات والارض** “(اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)۔

نور دو وجہ میں سے ایک سے خالی نہیں۔ وہ یا تو جسم ہوگا یا عرض ہوگا اور جو بھی ہو تو اس پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”**اللہ نور السموات والارض** “ تو اس کے معنی یہی ہیں کہ اللہ نے نفوس کو منور کر کے اس نور الٰہی تک پہنچا دیا جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ برہان یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس جملے میں زمین کو بھی داخل کیا ہے جس میں اس نے خبر دی ہے کہ وہ اس کا نور ہے۔ اگر یہ امر ہوتا کہ وہ وہی روشن کرنے والا مشہور نور ہے تو قطعاً رات یا دن میں ایک ساعت کے لئے بھی روشنی گل نہ ہوتی۔ مگر جب ہم نے امر اس کے خلاف دیکھا تو معلوم ہوا کہ معاملہ ان کے گمان کے خلاف ہے۔

اس شخص کا قول باطل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس سے موصوف کرتا ہے کہ وہ جسم ہے اور اس کا قول بھی باطل ہے جو اسے حرکت سے موصوف کرتا ہے (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے) بیشک ضرورت اسے واجب کرتی ہے کہ ہر متحرک صاحب حرکت ہوگا اور حرکت اس کے لئے ہوگی جو حرکت کی وجہ سے متحرک ہوگا یہ امور اضافی میں سے ہے صورت اس میں ہوگی جو صاحب صورت بنایا گیا ہے اس لئے وہ صورت والا ہے۔ یہ بھی باب اضافت میں سے ہے۔ اگر ہر صورت بنانے والا صاحب صورت ہو اور ہر حرکت دینے والا صاحب حرکت ہو تو بیشک ایسے افعال کا ہونا لازم آئے گا جن کی ابتدا نہ ہو۔ اس کو ہم اپنی کتاب کے گذشتہ اوراق میں باطل کر چکے ہیں (اللہ کی مدد اور اس کی تائید سے) لہٰذا ایسے محرک کا وجود لازم آئے گا جو خود متحرک نہ ہو اور ایسے مصور کا وجود لازم آیا جو خود متصور (صاحب صورت) نہ ہو اور یہ بدیہی وضروری ہے۔ وہ باری تعالیٰ ہے جو تمام متحرکات کا محرک اور تمام صورت والوں کا مصور ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ہر جسم صاحب صورت ہے اور ہر متحرک (صاحب حرکت) وہ صاحب عرض ہے جس میں وہ عرض (صفت) سمائی ہوئی ہے اور جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ متحرک وباللہ تعالی التوفیق۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حرکت وسکون مدت ہیں اور مدت زمانہ ہے ہم اپنی کتاب کے گذشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ زمانہ بھی حادث ہے اور حرکت بھی حادث ہے اور سکون بھی۔ باری تعالیٰ کو حدوث لاحق نہیں۔ کیونکہ اگر اسے حدوث لاحق ہوگا تو پھر اسے محدث بھی لاحق ہوگا۔ لہذا باری تعالیٰ نہ متحرک ہے نہ ساکن اجسام میں جسم آثار کو پیدا کرے گا اور اجسام عالم کا بنانے والا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے انتہا برتر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ تم لوگ بھی تو اس کا نام فاعل رکھتے ہو اور اپنے آپ کو بھی فاعل بتاتے ہو۔ اور یہی تشبیہ ہے۔

ہم ان سے کہیں گے (و باللہ تعالیٰ التو فیق)۔ یہ تشبیہ کو واجب نہیں کرتا۔ اس لئے کہ تشبیہ تو محض ان معانی سے ہوتی ہے جو دونوں مشتبہین میں موجود ہوں نہ کہ ناموں سے یہ نام رکھنا محض عبارت میں اشتراک ہے۔ اس لئے کہ فاعل وہ ہے جو متحرک باختیار ہو یا باضطرار۔ یا عارف ہو یا شاک (یعنی غیر عارف شک کرنے والا اور نہ جاننے والا ہو) یا مرید (یعنی قصد وارادہ کرنے والا۔ جو اپنے ارادے سے کوئی کام کرے) یا وہ (متحرک) اسی طرح باختیار تھا۔ یا بہ ضمیر یا بہ اضطرار تھا ہم میں سے ہر فاعل متحرک وصاحب ضمیر ہے۔ متحرک صاحب حرکت ہے جس کا متحرک ہونا اور اعراض ضمائر انفعالات ہیں جو متحرک ہے وہ منفعل ہے۔ ہر منفعل (یعنی فعل کا اثر قبول کرنے والا) ضرور کسی فاعل کی وجہ سے ہے لیکن باری تعالیٰ فاعل باختیار وباختراع ہے۔ نہ کہ فاعل بحرکت وضمیر یہ اختلاف ہوا نہ کہ اشتباہ۔ وباللہ تعالیٰ التو فیق۔

اسی طرح عرض جسم نہیں ہے۔ اور جسم عرض نہیں ہے۔ باری تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض۔ یہ دونوں حکم بھی ہرگز اشتباہ کا موجب نہیں۔ بلکہ یہ تو عین اختلاف ہے۔ اشتباہ تو محض یہ ہوتا ہے کہ ایسے معنی دونوں مشتبہین میں ہوں جن کی وجہ سے وہ مشتبہ ہوئے ہوں۔ جو ہم نے بیان کیا اگر وہ موجب اشتباہ ہوگا تو واجب ہوگا کہ وہ جسمیت میں جسم کے مشابہ ہو اس لئے کہ وہ عرض نہیں۔ وہ عرض کے عرضیت میں مشابہ ہو اس لئے کہ وہ جسم نہیں۔ تو یہ ہوگا کہ جسم جسم نہ ہو عرض عرض نہ ہو اور یہ محال ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ نفی اشتباہ سے ہرگز اشتباہ لازم نہیں آتا۔ وباللہ تعالیٰ التو فیق۔

جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے نہ اجسام کی طرح تو وہ تشبیہ دینے والا نہیں بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کیا اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا وہ نام رکھا جو نام خود اس نے اپنا نہیں رکھا۔ جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ مثل اجسام کے ہے تو وہ اللہ کے ناموں میں ملحد ہونے کے ساتھ ہی تشبیہ دینے والا بھی ہے۔

لفظ صفات کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ کے لئے محال و ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کئے ہوئے کلام میں ہرگز لفظ صفات یا لفظ صفت کی تصریح نہیں فرمائی اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی روایت محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت ہے یا صفات ہے نہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے منقول ہے نہ تابعین کے برگزیدہ لوگوں سے نہ تبع تابعین کے برگزیدہ لوگوں سے۔ جو لفظ اس طرح ہو تو کسی کو اس کا کہنا جائز نہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اجماع نے اس لفظ کے ترک پر یقین کر لیا ہے تو ہم سچ کہیں گے۔ لہذا کسی کو لفظ صفات کا کہنا اور اس کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ناپسندیدہ بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان ھی الا اسماء سمیتو ھا انتم و اباؤ کم ما انزل

اللہ بھا من سلطان . ان یتبعون الا الظن و ما تھوی الا نفس ولقد جا ھم من ربھم الھدی ’’(یہ محض وہ نام ہیں جو ان لوگوں نے اور ان کے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے متعلق کوئی سند نہیں نازل کی۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی جو ان کا جی چاہتا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے)۔

لفظ صفات کے موجد معتزلہ و ہشام اور اس کے ہم مذاق روسائے روافض ہیں۔ متکلمین کی ایک جماعت نے انہیں کا مسلک اختیار کر لیا جو سلف صالح کے مسلک کے خلاف ہے۔ یہ لوگ نہ قابل نمونہ ہیں نہ لائق پیروی ’’**وحسبنا اللہ و نعم الوکیل** ’’(اور ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے)’’ **و من یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ** ’’(اور جو اللہ کی حدود سے بڑھا اس نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا)۔ اکثر اس لفظ کا متاخرین آئمہ فقہا نے اطلاق کیا ہے جنھوں نے اس میں تحقیق نظر نہیں ڈالی۔ یہ فاضل کی کمزوری اور عالم کی لغزش ہے۔ دین میں حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تصریحاً آیا ہو۔ یا اس پر تمام امت کا اجماع ثابت ہو جو اس کے علاوہ ہے وہ گمراہی ہے اور ہر نئی بات بدعت ہے۔

اگر یہ لوگ اس حدیث سے اعتراض کریں جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے کہ ہر رکعت میں ایک اور سورۃ کے ساتھ ’’**قل ھوا للہ احد** ’’پڑھا کرتا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس سے اس کو دریافت کیا جائے تو اس نے کہا کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے لہذا میں اس سے محبت کرتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرتا ہے۔

اللہ کی توفیق سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ لفظ ہے جس میں سعید بن ابی ہلال راوی تنہا ہے اور وہ قوی نہیں ہے اس کے بھولنے کو یحییٰ (ابن معین) واحمد بن حنبل نے بیان کیا ہے۔

ہمارے مقابلین کو اپنے اصول کے مطابق اس سے استدلال کرنے کی گنجائش بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ خبر واحد ہے جو ان کے یہاں موجب علم ویقین نہیں۔ اگر یہ ثابت بھی ہو تو بھی ہمارے قول کے مخالف نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے تو محض اس شخص کے قول کو انکار کیا ہے جو کہتا ہے کہ اسمائے الٰہی اس کی صفات ذات سے مشتق ہیں۔ اسی لئے اس نے علم وقدرت وکلام وقوت پر یہ اطلاق کیا کہ یہ صفات ہیں اور اس پر انکار کیا جس نے ارادہ۔ سمع۔ بصر وحیات کا اطلاق اور کہا کہ یہ صفات ہیں تو اس پر تو ہم نے بیجد انکار کیا۔

حدیث مذکور یا اور کسی میں اس قسم کی قطعاً کوئی چیز نہیں ہے۔ اس میں محض یہ ہے کہ خاص ’’**قل ھو اللہ احد** ’’صفت رحمٰن ہے ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ تو ان کے قول کے خلاف ہے اور ان پر حجت ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ بقیہ قرآن کلام وعلم وغیرہ کو مستثنیٰ کرنے کے صرف **قل ھو اللہ احد** ہی کو اس کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے۔ حالانکہ اس روایت میں۔ اس شخص کے صرف ’’**قل ھو اللہ احد** ’’ کہنے کی تصریح ہے اور ’’**قول ھو اللہ احد** ’’اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر ہے جو سچی اور واقعی خبر ہے۔ ہم بھی اس میں یہی کہتے ہیں کہ یہ صفت رحمٰن ہے۔ اس معنی میں کہ یہ اس کے متعلق ایک سچی خبر ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ روایت ان پر ہماری حجت ہے۔

یہ نہایت تعجب خیز باطل ہے کہ اس روایت سے ایسی چیز میں احتجاج کرے جس میں کا کچھ بھی اس روایت میں نہ ہو اور جو احتجاج کرے وہ خود اس کی مخالفت کرے اور اس حکم کی نافرمانی کرے جس کے بارے میں یہ روایت وارد ہوئی۔ یعنی ’’**قل ھو اللہ احد** ’’ کی ہر رکعت میں ایک دوسری سورۃ کے ساتھ قراءت کا مستحسن ہونا لہذا ان رسوا کن باتوں پر اہل عقول کو تعجب کرنا چاہئے۔

وہ صفت جس کا یہ لوگ اطلاق کرتے ہیں وہ لغت میں اس عرض کو کہتے ہیں جو کسی جوہر کے اندر واقع ہو۔ نہ اس کے سوا۔ اللہ تعالیٰ

نے کہا ہے ”سبحان ربک رب العزة عما یصفون “ (آپ کا رب جو رب عزت ہے جو صفت یہ لوگ بیان کرتے ہیں اس سے پاک ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے تمام صفات کا انکار فرمایا ہے لہذا اس کی ملمع کاری باطل ہوگئی جو حدیث مذکور سے فریب دینا چاہتا تھا کہ اس کے ذریعے سے لفظ صفات کے اطلاق کو جو حلال نہیں ہے حلال بنالے کیونکہ لفظ صفات کے اطلاق کے بارے میں نہ تو کوئی نص آئی ہے اور نہ اجماع ہے اور نہ سلف سے کوئی روایت۔ تعجب تو یہ ہے کہ یہ لفظ صفات ہی پر اقتصار کرتے ہیں اور یہ کہنے سے باز رہتے ہیں کہ نعوت سمات (علامات) ہیں حالانکہ ان الفاظ میں کوئی فرق نہیں نہ لغت میں نہ معنی میں، نہ نص میں، نہ اجماع میں۔

مکان واستواء

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر مکان میں ہے انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے ”مایکون من نجویٰ ثلثه الا هورا بعهم “ (تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی نہیں جس میں وہ (اللہ) ان کا چوتھا نہ ہوتا ہو)۔ ”ونحن اقرب الیه من حبل الورید “ (اور ہم انسان کے اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں) ” و نحن اقرب الیه منکم و لکن لا تبصرون “ (اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے)۔

کلام الٰہی کو اس وقت تک اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے جب تک اسے اس کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی دوسری نص یا اجماع یا ضرورت حس مانع نہ ہو۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو شے کسی مکان ہوگی تو وہ اس کی مشغول کرنے والی اور اس کی بھرنے والی اور مکان کی شکل میں یا تو وہ خود متشکل ہونے والی یا مکان خود اس کی شکل میں متشکل ہونے والا ہوگا۔ دونوں امور میں سے ایک سے خالی نہ ہوگا۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو چیز کسی مکان میں ہوگی وہ بھی مکان کے متناہی ہونے سے متناہی ہوگی۔ وہ چھ یا پانچ جہات والی ہوگی جو (جہات) اس (چیز) کے مکان میں متناہی ہوں گے۔ یہ تمام صفات جسم کے ہیں۔

جب یہ صحیح ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ کلام الٰہی کی تینوں آیات میں صرف اس کی تدبیر واحاطہ مراد ہے نہ کہ کچھ اور اس لئے کہ اس کے سوا تمام امور کا منتفی ہونا ضروری وبدیہی ہے۔

نیز ان کا ہر مکان میں کہنا ہی غلط ہے۔ اس لئے کہ بموجب اس قول کے یہ لازم آئے گا کہ وہ تمام مکانات کو بھر دے۔ اور تمام مکانات میں جو بھی ہو وہ اللہ ہو۔ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے) یہ محال ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ مکان میں اس کے خلاف ہے جس طرح متمکن اس میں ہوتا ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ نہ یہ عقل میں آتا ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ کسی اسم کا اس کے موضوع لغوی کے خلاف پر اطلاق کرنا جائز نہیں سوائے اس کے کہا کے متعلق کوئی نص آئی ہو تو اسے مانا جائے گا اور اس وقت ہم یہ جان لیں گے کہ وہ دوسرے معنی کی طرف نقل کرلیا گیا ہے۔ ورنہ نہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا تو یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے نہ تاویل کے ساتھ جائز ہے نہ بغیر تاویل۔ اس لئے کہ یہ حکم واثبات ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ مکانات میں ہے۔

یہ کہنا جائز ہے کہ ''**ان اللہ معنافی کل مکان** '' (یعنی اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہمارے ساتھ ہے) کیونکہ اس وقت ہمارا ''**فی مکان** '' کہنا (اس ضمیر کا صلہ ہوگا جو نون۔ الف'' (نا) ''معنا'' میں ہیں۔ (یعنی ہم جس مکان میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی ہمارا مدبر ہے اور اپنے علم سے ہمارا احاطہ کئے ہوئے ہے) نہ کہ اس کا صلہ جو اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر ہے یہی معنی اس آیت کے بھی ہیں ''**ھو معھم اینما کانوا. وھو معکم اینما کنتم** '' کے (یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہوں اور اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو)۔

لامکان:

ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مکان میں ہے جو مکان کے سوا ہے اور ان کے اس قول کو ہمارا ابھی کا مذکورہ بالا بیان فاسد کرتا ہے اور کوئی فرق نہیں ہے ان لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ''**الرحمن علی العرش استوی** '' (اللہ عرش پر موجود ہے)۔

عرش پر استواء:

اس آیت میں مسلمانوں نے چار تاویلات کی ہیں۔ ایک تو فرقہ مجسمہ کا قول ہے اللہ تعالیٰ کی قوت سے اس کا فساد واضح ہو چکا ہے۔

دوسرے وہ ہے جو معتزلہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی ''استولیٰ'' ہیں۔ یعنی عرش پر اللہ کا قبضہ وغلبہ ہے انہوں نے استشہاد میں یہ شعر پڑھا ہے ع **قد استوی بشر علی العراق** '' (بشر عراق پر غالب آ گیا) یہ فاسد ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو بقیہ مخلوقات کے مقابلے میں استیلاء وغلبے وقبضے کا عرش ہی زیادہ مستحق نہ ہوتا اور ہمیں یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ '' **الرحمن علی الارض استوی** '' (رحمٰن کا زمین پر قبضہ و غلبہ ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی غالب ومتسلط ہے اور اپنی تمام مخلوق پر بھی۔ حالانکہ اس کو کوئی بھی نہیں کہتا۔ لہذا یہ قول محض دعویٰ بلا دلیل اور ساقط ہے۔

ابن کلاب کے بعض شاگردوں نے کہا ہے کہ استوا صفت ذات ہے۔ اس کے معنی کجی کی نفی کے ہیں۔

یہ قول بچند وجوہ نہایت ہی فاسد ہے۔

اول اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام مستوی نہیں بتایا۔ کسی کو جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نام رکھے جو اس نے خود اپنا نام نہ رکھا ہو۔ اس لئے کہ جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے ناموں میں اللہ کی حدود سے الحاد کرے گا یعنی حق سے ہٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام رکھنے میں حدود مقرر کر دی ہیں اور فرمایا ہے۔ ''**ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ** '' (جو اللہ کی حدود سے بڑھے گا وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرے گا)۔

دوم یہ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی یوں دعا نکرے کہ ''**یا مستوی ارحمنی** '' (اے مستوی مجھ پر رحم کر) اور نہ اپنے بیٹے کا نام عبدالمستوی رکھے۔

سوم یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کی نفی اللہ عزوجل سے کی جائے اس کی ضد کو اس پر واجب وثابت کرنا واجب ہو۔ اس لئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سکون کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اللہ کو متحرک کہا جائے۔

ہم اس سے حرکت کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اسے ساکن کہا جائے۔

ہم اس سے جسم کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اسے عرض کہیں۔

ہم اس سے نوم (سونے) کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اسے جاگتا ہوا اور بیدار کہا جائے۔ نہ یہ کہ (منحنی) ٹیڑھے ہونے کی

نفی کے ساتھ اسے (مستقیم) سیدھا کہا جائے۔ اسی طرح ہر وہ صفت جس کے متعلق نص نہ آئی ہو۔ اسی طرح استواء و اعوجاج (سیدھا ہونا ٹیرھا ہونا) دونوں اس سے منفی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے برتر ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام صفات اجسام کی صفات اور اعراض میں سے ہیں اور اللہ اعراض سے بری و برتر ہے۔

چہارم یہ کہ جو شخص اس قول فاسد کا قائل ہوگا اسے لازم آئے گا کہ وہ عرش کو بھی ازلی کہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے استواء کو عرش کے متعلق کیا ہے۔ اگر استواء ازلی ہے تو عرش بھی ازلی ہوگا اور یہ کفر ہے۔

پنجم یہ کہ اگر یہاں پر استواء کے معنی نفی اعوجاج (نفی کجی) کے ہوں تو اس کو عرش کی جانب مضاف کرنے کے کوئی معنی نہ ہوں کے اور ایک ایسا کلام فاسد ہو جائے گا جس کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔

اگر یہ کہیں کہ تم بھی تو اسے سمیع وبصیر کہتے ہو اور ایسا ہی وہ ازلی ہے تو اس بناء پر تمہیں بھی یہ لازم آئے گا کہ مسموعات (آوازیں) اور مبصرات (رنگ اور الوان وغیرہ) بھی ازلی ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی تائید سے انہیں یہ جواب دیں گے کہ یہ ہمیں لازم نہیں آتا اس لئے کہ ہم اس کے سوا اس کا کوئی نام نہیں رکھتے جو خود اس نے اپنا نام رکھا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو سمیع وبصیر کہا ہے تو ہم بھی اسے کہتے ہیں کہ وہ ازلی ہے اور وہ سمیع وبصیر بالذات ہے جیسا کہ وہ خود ہے ہم نہیں کہتے کہ وہ نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا۔ جس کے متعلق نص آگئی ہے اس پر ہم ذرا بھی اضافہ نہیں کرتے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مسموعات کا سمیع اور مبصرات کا بصیر ہے (مسموعات وہ چیزیں جو سننے سے محسوس ہوں اور مبصرات وہ چیزیں جو دیکھنے سے محسوس ہوں) وہ دکھائی دینے والی اشیاء کو دیکھتا ہے اور سنائی دینے والی اشیاء کو سنتا ہے، معنی یہ ہیں کہ وہ ان تمام چیزوں کا عالم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے "**اننی معکما اسمع واری**" اے موسیٰؑ و ہارونؑ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) یہ سب علم کے معنی میں ہے جو معلومات ازلی کے وجود کو نہیں چاہتا۔ لیکن جو کچھ ہوگا وہ اس کی حقیقت کے مطابق جانتا ہے کہ ہوگا اور وہ جیسا ہوگا ویسا ہی اسے جانتا ہے جو کچھ ہو چکا ہے وہ اسے ایسا ہی جانتا ہے جیسا وہ ہو چکا ہے۔

ہم اسے حس ومشاہدے میں پاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اپنے آپس میں جانتے ہیں کہ زید مر جائے گا حالانکہ ابھی وہ مرا نہیں ہوتا۔ استواء میں ان لوگوں کا قول اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ عرش کے ساتھ مرتبط اور متعلق ہے۔

اگر وہ کہیں کہ سمیع وبصیر کے معنی اب وہ ہوں گے جو علیم کے معنی ہیں لہذا یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ مسموعات کو دیکھتا ہے اور مرئیات کو سنتا ہے۔ بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ نہ اس سے کوئی روکتا ہے اور نہ ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ صحیح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ہے کہ "**اسمع واری**" (میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) یہ خود اس کا اطلاق ہر شے پر اس کے عموم کے ساتھ ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

قول چہارم معنی استواء میں یہ ہے کہ "**علی العرش استوی**" کے معنی یہ ہیں کہ اس نے عرش میں اپنا فعل کیا۔ عرش وہ ہے جس پر اس کی مخلوق کی انتہا ہوتی ہے۔ عرش کے بعد کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واضح کرتا ہے کہ آپ نے جنتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ سے فردوس اعلیٰ مانگو کیونکہ وہ وسط جنت اور اعلیٰ جنت ہے اس کے اوپر رحمٰن ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ عرش کے اس طرف کوئی مخلوق نہیں ہے اور وہ جرم مخلوقات کی وہ حد و انتہا ہے جس کے پیچھے نہ خلاء ہے نہ ملاء جو شخص عالم کی نہایت وحد یعنی مساحت و پیمائش اور زمان

ومکان کا منکر ہے وہ دہریے کے قول کے ساتھ ہے اور اسلام سے جدا ہو گیا ہے۔

استواء لغت میں انتہا پر واقع ہوتا ہے۔ کلام الٰہی ہے ”**فلما بلغ اشده و استوی اتیناه حکما و علما ای فلما انتهی الی القوة والخبر**“۔ (پھر جب وہ سن تمیز کو اور انتہا کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے حکومت و علم عطا کیا) اور فرماتا ہے۔ **ثم استوی الی السماء وھی دخان**“ (پھر جب وہ آسمان تک پہنچا جو دھویں کی حالت میں تھا) یعنی اس کا فعل و خلق زمین کے اس حالت پر ترتیب دینے کے بعد کہ وہ جس حالت پر ہے اس کا فعل و خلق آسمان تک پہنچ گیا۔ **و باللہ التوفیق**۔

یہی قول چہارم حق ہے اور اسی پر برہان کے ثابت ہونے اور اس کے ماسوا کے باطل ہونے کی وجہ سے ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

لیکن مکان کے بارے میں قول ثالث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قطعاً نہ مکان میں ہے نہ زمان میں۔ یہ قول جمہور اہل سنت کا ہے اور اسی کے ہم بھی قائل ہیں۔ یہی وہ قول ہے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت جائز نہیں۔ اس وجہ سے کہ اس کے ماسوا باطل ہے کلام الٰہی ہے کہ ”**الا انه بکل شئی محیط**“ (خبردار۔ وہ ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے) لہذا یہ آیت بدیہی طور پر اس کو واجب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان میں نہیں ہے کیونکہ اگر وہ مکان میں ہوتا تو لامحالہ مکان سے کسی ایک جہت یا چند جہات سے محیط ہوتا۔ اور یہ آیت مذکورہ کی نص کی وجہ سے باری تعالیٰ سے منتفی ہے بلاشک مکان بھی ایک شے ہے۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ ایک شے مکان کے اندر بھی ہو اور اپنے مکان کی محیط بھی ہو۔ یہ عقلا محال ہے اور اس کا ناممکن ہونا بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

نیز مکان میں وہی ہوگا جو جسم ہو یا ایسا عرض کہ جسم کے اندر ہو یہ وہ امر ہے جس کے سوا ناممکن ہے۔ نہ اس کے علاوہ قطعاً کوئی اور صورت عقل یا وہم میں آسکتی ہے جب اللہ عزوجل کے جسم یا عرض ہونے کی نفی ہو چکی تو اس کے کسی مکان میں ہونے کی بھی قطعاً نفی ہو گئی اور اللہ ہمارا مددگار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ”**ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیه**“ (اور آپ کے رب کا عرش اس روز آٹھ فرشتے اٹھائیں گے) تو اس کا قول حق ہے ہم اس پر یقیناً ایمان لاتے ہیں۔ اس قول میں اللہ ہی اپنی مراد کو زیادہ جانتا ہے۔ شاید اللہ عزوجل نے سات آسمانوں اور کرسی کو مراد لیا ہو۔ یہ آٹھ اجرام ہوئے جو اس روز بھی اور آج بھی ہمارے اور عرش کے درمیان ہیں یا شاید وہ آٹھ فرشتے ہوں۔ واللہ اعلم۔ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پروردگار نے کہا اور پورا یقین کرتے ہیں کہ وہ حق ہے اپنے ظاہر پر ہے اور وہی اس کے معنی و مراد کو زیادہ جانتا ہے۔ لیکن خرافات تو ہم اس قسم کی چیزوں میں نہیں پڑتے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ غیوب ہیں ان کی مراد پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ سب حق ہے اس میں سے کوئی شے عقل کے منافی نہیں۔ بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے پہلے بھی ہمارے نزدیک حد امکان میں تھا جب اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی تو وہ واجب و حق و یقین ہو گیا۔

ارشاد ہے ”**الذین یحملون العرش و من حوله**“ (وہ جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور اس کے گرد ہیں)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ عرش کے لئے اٹھانے والے ہیں اور وہ ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے فرمانبردار ہیں۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ”**احمل ھذا الامر**“ (میں اس کام کو اٹھاؤں گا) یعنی ”**اقوم به و اتولاه**“ (میں اس کو قائم کروں گا اس اور اس کا انتظام کروں گا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**انھم یفعلون ما یومرون**“ (ملائکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے)۔ وہ حکم سے اترتے ہیں لیکن سب کا حامل (اٹھانے والا) اور سب کا رد کنے

والاتووہ اللہ ہی ہے وہ فرماتا ہے۔ ''ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزو لا ولئن زالتا ان امسکھما احد من بعدہ'' (بیشک اللہ آسمانوں کو اور زمین کو ہٹنے سے روکتا ہے اور اگر وہ ہٹیں تو خدا کے سوا کوئی ان کا روکنے والا نہیں۔

علم الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''انزلہ بعلمہ'' (اس نے اس کو اپنے علم سے نازل کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اسے علم ہے۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔

جمہور معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے علم کا اطلاق مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔ اس کے معنی محض یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جاہل نہیں ہے۔ بقیہ لوگ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علم ہے۔ حقیقی طور پر نہ کہ مجازی طور پر۔ ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

جہم بن صفوان وہشام بن الحکم ومحمد بن عبداللہ بن سبرہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اللہ تعالیٰ کے مغایر ہے اور وہ حادث ومخلوق ہے۔ یہ ہم نے ان سے سنا جو ان میں سے ہمارے ساتھ مجلس میں شریک ہوئے اور ہم نے اس پر ان لوگوں سے مناظرہ کیا۔

اہل سنت کے چند گروہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر مخلوق ہے ازلی ہے نہ وہ خود اللہ ہے اور نہ وہ غیر اللہ ہے۔

اشعری نے اپنے ایک قول میں کہا ہے کہ نہ یہ کہا جائے گا کہ وہ اللہ ہے اور نہ کہا جائے گا کہ وہ غیر اللہ ہے اور اپنے ایک دوسرے قول میں کہا ہے جس میں باقلانی اور ان کے اکثر اصحاب نے ان کی موافقت کی ہے کہ اللہ کا علم غیر اللہ اور اللہ کے خلاف ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ غیر مخلوق ازلی ہے۔

ابوالہذیل العلاف اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور وہی اللہ ہے۔

اہل سنت کے چند گروہوں نے کہا ہے کہ وہ غیر مخلوق ہے اور وہ غیر اللہ نہیں ہے۔ مگر ہم نہیں کہتے کہ وہی اللہ ہے۔

ہشام بن عمر القوطی جو مشائخ معتزلہ میں سے ہیں وہ اس قول کا اطلاق نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے ہونے سے پہلے ان کا عالم تھا اس لئے کہ قبل ہونے کے وہ نہیں جانتا کہ کیا ہوگا بلکہ وہ کہتے تھے کہ وہ اس امر کا عالم ہے کہ اشیاء ہوں گی جب ہوں گی۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کا انکار کیا ہے ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالی کے لئے علم ہوگا تو اس سے خالی نہیں کہ وہ یا تو غیر اللہ ہوگا یا وہی اللہ ہوگا۔ اگر وہ غیر اللہ ہوگا تو اس سے خالی نہیں کہ وہ مخلوق ہوگا یا ازلی ہوگا۔ اس میں سے جو بھی ہو وہ فاسد ہے۔ اگر وہی اللہ ہے تو اللہ علم ہوا اور یہ بھی فاسد ہے۔

ان لوگوں کا صرف یہ کہنا کہ اللہ کے لئے علم نہیں۔ یہ قرآن کے مخالف ہے۔ جو چیز قرآن کے خلاف ہو وہ باطل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تصریح کردی ہو اس کا انکار کسی کے لئے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کردی ہے کہ اس کے لئے علم ہے۔ جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے۔ ان لوگوں کے وہ تمام اعتراضات جو ہم نے بیان کئے تو یہ سب کے سب فاسد ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جہمیہ و اشعریہ کے اقوال کے فساد کے ساتھ ان کا فساد بھی واضح کریں گے اس لئے کہ یہ اعتراضات بھی انہیں دونوں گروہوں کے اعتراضات ہیں۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق

جہم بن صفوان نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہوگا تو اس سے خالی نہ ہوگا کہ یا تو وہی اللہ ہو یا وہ غیر اللہ ہو۔ اگر اللہ کا علم غیر اللہ ہے تو وہ ازلی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اور اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی ازلیت کا ثابت کرنا ہے اور یہ کفر ہے۔ اگر وہی اللہ ہے تو اللہ علم ہوا اور یہ الحاد (یعنی اللہ کے ناموں میں راہ حق سے ہٹنا) ہے۔

جہم نے کہا ہے کہ ہم اس شخص سے دریافت کریں گے جو اللہ کے علم کے غیر اللہ ہونے سے انکار کرتا ہے کہ ہمیں بتاؤ کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ وہ علیم ہے تو آیا تم ہمارے علیم کہنے سے کوئی ایسی زائد چیز سمجھے جو اس کے علاوہ ہو جو تم ہمارے لیے اللہ کہنے سے سمجھے تھے یا نہیں سمجھے۔ اگر تم کہو گے کہ نہیں سمجھے تو تم نے ایک محال بات کہی اور اگر ہاں کہو گے تو تم نے ایک دوسرے معنی ثابت کر دیے جو غیر اللہ ہیں اور وہ اس کا علم ہے۔ اسی طرح انہوں نے قدیر وقوی اور بقیہ الفاظ میں جن کے صفات ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہا ہے۔

یہ بھی کہا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ عالم بنفسہ ہے (یعنی اپنی ذات کا جاننے والا) یہ نہیں کہتے کہ قادر علی نفسہ (اپنی ذات پر قدرت رکھنے والا ہے)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اس کا علم اس کی قدرت کے مغایر ہے۔ جب وہ قدرت کے مغایر ہے تو یہ دونوں (یعنی علم وقدرت) غیر اللہ ہوئے۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کو قادر جانتا ہے جو اسے عالم نہیں جانتا اور وہ شخص اسے عالم جانتا ہے جو اسے قادر نہیں جانتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں معانی متغایرہ ہیں۔

ان لوگوں نے بھی انہیں تمام دلائل سے احتجاج کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور اسکے باوجود وہ غیر اللہ ہے اور اس کی قدرت کے بھی مغایر ہے۔ قرآن کی چند آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً ''**ولنبلونکم حتی نعلم المجاهدین منکم و الصابرین**'' (اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کہ تم میں سے مجاہدین اور بہادروں کو معلوم کریں)۔

جو حدوث علم کا قائل ہے تو یہ نہایت ہی نازیبا قول ہے۔ اس لئے کہ اس نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کو نہیں جانتا تھا تاوقتیکہ اس نے اپنے لئے علم کو پیدا نہ کیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اب اشیاء کو جانتا ہے تو اس سے یقیناً ان اشیا کا جہل منتفی ہو گیا۔ اگر زمانے بھر میں سے ایک دن بھی ایسا ہو کہ وہ ایک شے بھی جو ہو گی نہ جانتا ہو تو اس شے میں اس کا جہل ثابت ہو گیا۔ یہ نہایت بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جہل کا ثابت کرنا کفر ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نقص سے موصوف کرنا ہے اور اس کا موصوف کرنا اس کے حدوث کا مقتضی ہے اور یہ ان دلائل سے باطل ہے جو ہم نے صفات حدوث کے اللہ تعالیٰ سے منتفی ہونے کے متعلق پہلے بیان کئے ہیں۔ یہ اس باب سے نہیں ہے جس میں اس سے ضدین کی نفی کی گئی ہو جن سے ہم نے اس سے حرکت وسکون کی نفی کی ہے۔ اس لئے کہ اس چیز میں تمام ضدین سے نفی پائی جاتی ہے جس میں ضدین میں کی نہ ایک ضد نہ دونوں ہوں۔ لیکن جب موصوف کے لئے صفات کی کوئی نوع بھی ثابت ہو جائے اور اس نوع کے بعض کی اس سے نفی کی جائے تو پھر ضروری ہے کہ یہاں اس کی ضد کو ثابت کیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پتھر سے علم وجہل دونوں منتفی ہیں۔ لیکن جب انسان کے لئے کسی شے کا علم ثابت ہے اور اس سے دوسری شے کا علم منتفی ہے تو بدیہی طور پر اس کے لئے اس چیز سے جہل لازم آئے گا جس کو وہ نہیں جانتا۔ اسی طرح ہر شے میں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ان لوگوں کے استدلال کے فاسد کرنے میں غور کرنا چاہیے۔

یہ کہنا کہ اگر اللہ کا علم ازلی ہے اور وہ غیر اللہ ہے تو یہ شرک ہو گا۔ یہ قول صحیح ہے اور کوئی اعتراض نہیں وارد ہوتا۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ اگر وہی اللہ ہے تو اللہ علم ہوا۔ یہ لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ اس کے بعد بیان کریں گے۔

اجمال یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا وہی نام لیتے ہیں جو خود اس نے اپنی ذات کا نام رکھا ہے اس نے اپنا نام نہ علم رکھا نہ قدرت رکھا۔ لہذا کسی کو بھی جائز نہیں کہ وہ اس کا یہ نام رکھے۔

یہ کہنا کہ آیا کسی کے اللہ کہنے سے وہی ذات سمجھی جاتی ہے جو اس کے عالم کہنے سے یا اس کے عالم کہنے سے کوئی دوسرے معنی سمجھے جاتے ہیں جو اسکے اللہ کہنے سے سمجھے جاتے ہیں اس کے خلاف ہیں۔

اللہ کی مدد سے ہمارا جواب یہ ہے کہ جس وقت ہم قدیر یا علیم کہتے ہیں اور اس سے ہم اللہ تعالیٰ کو مراد لیتے ہیں تو اس سے بھی وہی سمجھتے ہیں جو ہم اللہ کہنے سے سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اسماء عَلَم ہیں جو ہرگز کسی صفت سے مشتق نہیں۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علیم ہے اور اسے غیب کا علم ہے تو ان سب سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے معلومات ہیں اور اس پر کوئی شے پوشیدہ نہیں یہ اس سے قطعاً نہیں سمجھا جاتا کہ اس کے لئے علم ہے جو اس کے مغایر ہے۔ اسی طرح ہم ''یقدر'' (قدرت رکھتا ہے) میں اور دوسرے تمام افعال میں کہتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ''ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس کا عالم ہے مگر یہ نہیں کہتے ہیں کہ اپنے نفس پر قادر ہے''۔ جس نے یہ کہا جھوٹ کہا اور تہمت لگائی۔ بلکہ یہ سب مساوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر قادر ہے جس طرح وہ اپنی ذات کا عالم ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ پورا سوال ہی ساقط ہوگیا۔

ہم نے اس کے بعد اس سوال کی تفصیل پر کلام کیا ہے۔ ان لوگوں کو بدیہی طور پر یہ لازم آتا ہے کہ جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس پر غیر قادر ہے تو وہ اپنے نفس سے عاجز ہے۔ اس لفظ کا اطلاق صریح کفر ہے۔

یہ کہنا کہ کبھی ایک شخص اللہ تعالیٰ کو قادر جانتا ہے جو اسے عالم نہیں جانتا اور کبھی ایک شخص اسے عالم جانتا ہے جو اسے قادر نہیں جانتا۔ اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اس شخص کا جہل جو حق کو نہ جانے حق پر حجت نہیں۔ حالانکہ ہم ایسے لوگ بھی پاتے ہیں جو اللہ عزوجل کو جانتے ہیں اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ جسم ہے۔ خیالات وگمان حق کے باطل کرنے میں یا باطل کے ثابت کرنے میں حجت نہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حق ہے اس کی قدرت حق ہے اس کی قوت حق ہے ان میں سے کوئی شے نہ غیر اللہ ہے نہ علم قدرت کے مغایر ہے اور نہ قدرت علم کے مغایر۔ کیونکہ اس کے خلاف نہ کوئی دلیل معقول ہے نہ منقول۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جہم بن صفوان سمرقندی کی کنیت ابومحرز تھی۔ یہ قبیلہ اَزد کے بنی راسب کا آزاد کردہ غلام تھا۔ حارث بن شریح التیمی کا اس کے زمانہ قیام خراسان میں کاتب تھا۔ اسی زمانے میں مسلم بن اخوز التیمی جہم پر قابو پا گیا اور اس نے اس کی گردن ماردی۔

ان تمام آیات کے معنی جو قرآن میں آئی ہیں جن کو ان لوگوں نے بیان کیا ہے وہی ہیں جو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی قوت سے بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب اللہ عزوجل نے ہمیں خبر دی کہ اہل دوزخ کو **لورد و العاد و المانهو عنه** (اگر دوبارہ دنیا میں واپس کر دیا جائے تو یہ پھر وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے)۔ اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس نے اہل جنت و دوزخ کے کہنے سے پہلے ہی ہمیں خبر دی ہے کہ وہ کیا کہیں گے۔ وہ اخبار صادقہ جو قرآن میں ہیں ان امور کے متعلق ہیں جو اب تک نہیں ہوئے۔ ہم نے ان سے یہ جان لیا کہ بدیہی طور پر اللہ تعالیٰ کا ان تمام اشیاء کا علم ان اشیاء کے وجود کے پہلے سے ہے ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کے کلام میں نہ تناقض ہے نہ اختلاف۔ اس کے اس کلام کی مراد کہ ''**حتی نعلم المجاهدین منکم**'' (تا کہ ہم تمہارے مجاہدین کو جان

لیں) اس قسم کے تمام مضامین کی مراد جو قرآن میں ہیں یہ ہے کہ یہ محض اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ اس میں کسی تاویل کے تکلف کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ اسی طور پر ہے جس طرح ہمارے یہاں قاعدہ ہے۔ جیسے یہ آیت ہے۔ ''**فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی**'' (یعنی اے موسیٰ و ہارونؑ تم دونوں فرعون سے نرم گفتگو کرنا۔ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈرے) یہ سب محض مخاطب کے ادراک (اور ہمارے محاورے) کے مطابق ہے۔

معنی یہ ہیں کہ ہم مجاہد ہونے کی حالت میں تمہارے مجاہد کو جانیں اور یہ جان لیں کہ کون تم میں سے بہادر بنتا ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا جس وقت وہ جہاد میں مشغول ہوں اور جس وقت وہ بہادری دکھائیں قبل اس کے کہ وہ جہاد کریں تو اس کا علم ان کے متعلق اس حالت میں ہے کہ وہ نہ مجاہد ہیں نہ بہادری دکھا رہے ہیں۔ اسے یہ علم ہے کہ وہ جہاد کریں گے اور بہادری دکھائیں گے۔ جب انہوں نے جہاد کیا تو اس وقت اس نے انہیں بحالت مجاہدین جانا۔ ان سب میں زمانہ محض معلوم کے لئے ہے مگر اس کا علم غیر زمانی ہے۔ اس جگہ علم نہیں بدلا۔ صرف معلوم بدلا۔ علم تو ان تمام امور کے متعلق ازلی و غیر متبدل ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ نے زید کو مردہ کب جانا؟ اگر تم یہ کہو کہ وہ ہمیشہ سے اسے مردہ جانتا تھا تو لازم آئے گا کہ زید ہمیشہ سے مردہ ہو۔ یہ محال ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ اس نے اسے مردہ نہیں جانا تاوقتیکہ وہ مر گیا۔ تو یہ ہمارا قول ہے نہ کہ تمہارا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہم اس میں سے کچھ نہیں کہتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے یہ جانتا تھا کہ وہ زید کو بھیجے گا اور وہ اتنا زندہ رہے گا اور فلاں وقت مر جائے گا۔ ان سب امور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم ایک ہی ہے جس میں تبدیل و تغیر نہیں۔ نہ اس میں معلوم کے احوال کے تبدیل سے کچھ بڑھا۔ نہ ان احوال کے معدوم ہونے سے اس کے علم سے کچھ گھٹا۔ نہ اس کے پیدا ہونے سے کوئی ایسا علم پیدا ہوا جو نہ تھا۔ صرف معلومات میں تغیر ہوا۔ نہ علم میں نہ علیم میں اور نہ قدرت میں نہ قدیر میں۔

ان دونوں قولوں میں کہ ''اللہ نے کب زید کو مردہ جانا''۔ اور ''میں نے کب زید کو مردہ جانا'' فرق ہے اور بیّن فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ میرا یہ علم کہ ''زید مر گیا'' یہ ایک عرض ہے جو زید کی موت کے حدوث سے میرے نفس میں حادث ہوا۔ یہ میرے اس علم کے کہ ''زید زندہ ہے'' اور ''وہ مر جائے گا'' مغایر ہے۔ اس لئے کہ میرا یہ علم کہ ''زید مر جائے گا'' یہ محض اس امر کا علم ہے ایک ایسا حال پیدا ہوگا جو ایک روز زید کی موت کا مقتضی ہوگا جس روز وجود موت کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ میرا یہ علم کہ ''زید مردہ ہے'' وجود موت کا علم ہے جو علم اول کے مغایر ہے دونوں علم عرض ہیں اور نفس کے اندر پیدا ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا علم ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر اللہ کا علم حادث ہوتا تو یقیناً یہ لازم آتا کہ وہ بھی بقیہ حادث اشیاء کی طرح ہو۔ ہم عقل سے بالبداہت جانتے ہیں کہ علم ایک کیفیت عرض ہے اور عرض جسم ہی میں قائم ہوتا ہے۔ یہ محال ہے کہ علم غیر عالم میں محمول ہو (یعنی جو عالم ہوگا اس کا علم اسی میں ہوتا دوسرے میں نہ ہوگا) اس قول سے تجسیم کا (خدا کے جسم کا) قائل ہونا پڑے گا۔ یہ قول ان دلائل و براہین سے باطل ہو چکا ہے۔ جو ہم پہلے ہی ہر جسم و عرض کے حدوث کے ضروری ہونے پر بیان کر چکے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ علم عرض ہے جو معلوم کے اندر حادث ہے اور معلوم ہی کے ساتھ قائم ہے۔ نہ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے نہ اپنی ذات کے ساتھ۔

ہم بتوفیق الٰہی اس سے کہیں گے کہ ہمیں نص قرآن سے یہ معلوم ہے کہ اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اس چیز کا بھی علم ہے جو

کبھی نہ ہوگی کہ وہ اگر ہوتی تو کیونکر ہوتی۔ وہ فرماتا ہے ’’**ولو ر دو العاد و الما نھو ا عنه**‘‘ (اور اہل دوزخ اگر واپس کر دیے جائیں تو یہ پھر وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے)۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا نوح علیہ السلام سے فرمانا کہ ’’**انه لن یو من من قومک الا من قد آمن**‘‘ (ہرگز تمہاری قوم میں سے کوئی ایمان نہ لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ ’’**انهم مغرقون**‘‘ (یہ لوگ غرق کر دیے جائیں گے)۔ اگر اللہ تعالیٰ کا علم عرض اور معلوم میں قائم ہوتا اور معلوم وہی ہے جو قیامت ہے جو ابتک موجود نہیں اور علم یقیناً موجود ہے تو لامحالہ دو میں سے ایک امر ضروری ہے جن کے لئے تیسرا امر نہیں ہے۔

یا تو معلوم اس کے علم کے وجود کے ساتھ موجود ہوگا اور یہ بدیہی ہی وحسی طور پر باطل ہے اس لئے کہ معلوم تو معدوم ہے جس کو ہم نے بیان کیا (یعنی قیامت) تو پھر یہ ہوگا کہ معدوم ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جہت سے موجود ہوگا۔

یا یہ ہوگا کہ علم موجود معلوم معدوم کے ساتھ قائم ہوگا۔ پھر یہ ہوگا کہ عرض موجود حال معدوم میں محمول ہوگا اور یہ قطعاً بدحواسی ومحال و فاسد ہے۔

یہ کلام ہمارے ان ہم مذہبوں کے ساتھ ہے۔ جو قرآن کا اقرار کرتے ہیں۔ دوسرے اہل مذاہب کے ہم اس میں کلام نہیں کرتے۔ اس لئے کہ یہ مقدمات سابقہ کا نتیجہ ہے اور نتیجے میں کلام جب ہی ہوسکتا ہے کہ پہلے مقدمات کو ثابت کر دیا جائے اگر مقدمات ثابت ہو جائیں تو نتیجہ بھی ثابت ہو جائے گا۔ برہان کے کوئی برہان معارض نہیں جو چیز برہان سے ثابت ہو اس کا کسی اور چیز سے معارضہ کیا جائے تو یہ محض شغب (ہٹ دھرمی) ہے۔ اگر مقدمات ثابت نہ ہوں تو پھر نتیجہ بغیر اس کے کہ دلیل لانے کا تکلف کیا جائے باطل ہے۔

ہم نے جو بیان کیا اس کے مقدمات یہ ہیں۔

اثبات توحید۔

حدوث عالم۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت۔

قرآن کو پورے پورے گروہوں اور جماعتوں کا نقل کرنا۔

اگر یہ لوگ قرآن کی اس قسم کی آیات بیان کریں ’’**لعله یتذکر او یخشی**‘‘ (شاید وہ فرعون نصیحت حاصل کرے یا خدا سے ڈرے) ’’**لعلکم تو منون. لعلکم تشکرون . لعلکم تذکرون**‘‘ (شاید تم لوگ ایمان لے آؤ۔ شاید تم لوگ شکر کرو۔ شاید تم لوگ نصیحت حاصل کرو) اور اسی طرح کی آیات تو یہ سب کے سب ’’**لام عاقبت**‘‘ کے معنی میں ہیں یعنی ’’**لیتذکر او لیخشی**‘‘۔ (تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے۔ تاکہ وہ خدا سے ڈرے)۔ **لتو منوا . لتشکروا . لتذکروا**۔ (تاکہ تم ایمان لاؤ۔ تاکہ تم شکر کرو۔ تاکہ تم نصیحت کرو) جو ہمارے ظاہر حال کے مطابق ہے کہ ان میں سے ہر چیز کا ہمیں امکان ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ’’**لیبلو کم ایکم احسن عملا**‘‘ (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون سب سے اچھے عمل والا ہے) اور فرمایا ’’**ثم لتکونو اشیو خا**‘‘ (پھر تاکہ تم لوگ بوڑھے ہو جاؤ) یہ اس امکان کی بناء پر ہے کہ جو زندہ رہے گا اور امر اول سب لوگوں سے خطاب وتبلیغ کے وقت ممکن ہے اور اسی طرح وہ تمام آیات جو قرآن میں آئی ہیں۔

یا پھر یہ دو میں سے ایک طریقے پر ہے۔

یا تو مخاطبین کے شک کی بناء پر ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے شک کی بناء پر۔

یا یہ معنی ہیں کہ ان تمام امور میں مخاطب کو تخییر یعنی اختیار دینا ہے (کہ وہ شکر نصیحت وخوف خدا میں سے جسے چاہے اختیار کر لے)۔ مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ ”**جالس الحسن او ابن سیرین**“ (حسن کی مجلس میں بیٹھو یا ابن سیرن کی)۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے ”**ولا یضل ربی ولا ینسی**“ (میرا رب نہ تو بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اسے یہ معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا تاوقتیکہ عذاب نہ دیکھ لے گا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ”**لن یو من من قومک الا من قد آمن**“ (اے نوح۔ تمہاری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں) اس پر تمام نصوص متفق ہیں۔

جو لوگ حدوث علم کے قائل ہیں ان کے لئے کوئی چیز نہ رہی سوائے اس کے کہ وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی جو اس کے علم قیامت کی حامل ہے۔

یہ تمسخر ہے علم نہیں ہے۔ اس لیے کہ عالم کا علم غیر عالم کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ نہ اس کے سوا کوئی اور اس کا حامل ہوتا ہے یہ وہ امر ہے جو بداہت وحس سے معلوم ہوتا ہے۔ جو کوئی ایسا دعویٰ کرے جس پر کوئی دلیل نہ لا سکے وہ باطل ہے۔ خاص کر جسے حس وضرورت عقل بھی باطل کرتی ہو۔

ہمارے قول کو کلام الٰہی تصریحاً ثابت کرتا ہے جو اس نے اپنے نبی موسیٰ علیہ اسلام سے بطور حکایت بیان کیا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ ”**عسی ربکم ان یھلک عدو کم و یستخلفکم فی الا رض فینظر کیف تعملون**“ (عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو) اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ”**وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتٰب لتفسدن فی الارض مر تین ولتعلن علوا کبیرا فاذا جاء وعد اولیھما بعثنا علیکم عباد النا اولی باء س شدید فجا سوا خلال الدیار و کان و عدا مفعولا و ثم رد د نا لکم الکرۃ علیھم و امددنکم با موال و بنین و جعلنکم اکثر نفیرا ان احسنتم احسنتم لا نفسکم وان اساتم فلھا فاذا جاء وعدا لا خرۃ لیسوء اوجو ھکم ولید خلوالمسجد کماد خلوہ اول مرۃ ولیتبر و اما علوا تتبیراہ عسی ربکم ان یرحمکم و ان عدتم عدنا ، وجعلنا جھنم للکفرین حصیر ا**) (بنی اسرائیل رکوع ۱ پارہ ۱۵) (اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو حکم بھیج دیا تھا کہ تم ملک شام میں دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کا وقت آئے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو بھیجیں گے جو بڑے طاقت ور جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس جائیں گے اور یہ وعدہ ہے جو پورا کیا جائے گا پھر ہم دوبارہ تمہیں ان لوگوں پر غلبہ دیں گے اور مال واولاد سے تمہاری مدد کریں گے۔ اور تمہاری جماعت کو اکثریت میں کر دیں گے۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنی ذات کے لئے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو اپنے لئے کرو گے۔ پھر جب دوسری بار کا وقت آئے گا تو وہ اس لئے آئے گا تاکہ وہ لوگ تمہاری صورتیں بگاڑ دیں اور جس طرح وہ پہلی مرتبہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تھے اسی طرح پھر داخل ہوں اور جس پر قابو پائیں اسے تباہ کر دیں۔ عنقریب تمہارا رب تم پر رحم کرے گا۔ اگر تم دوبارہ سرکشی کرو گے تو ہم دوبارہ سزا دیں گے۔ اور جہنم کو ہم نے کفار کا محاصرہ کرنے کے لئے بنایا ہے)۔

یہ ہمارے قول کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ لوگ کیا کریں گے اور اس نے اس کے متعلق خبر دیدی۔ اس کے باوجود اس نے

خطاب لفظ ”**عسی**“ و ”**فینظر**“ سے فرمایا جو قاعدہ ہم لوگوں میں مقرر ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قائل کا یہ کہنا کہ اللہ نے کب جانا کہ زید مردہ ہے۔ بدیہی طور پر سوال فاسد ہے اس لئے کہ ”متی“ یعنی ”کب“ زمانے کے متعلق سوال ہے اور اللہ کا علم قطعاً کسی زمانے میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ علم الٰہی غیر اللہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ زمان میں ہے نہ مکان میں۔ بدلائل مذکورہ بالا زمان و مکان صرف معلوم کے لئے ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اگر کوئی معترض اس آیت سے اعتراض کرے ”**ولا یحیطون بشئی من علمه الا بماشاء**“ (اور لوگ اس کے علم کے کسی حصے کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ وہ جو چاہے) معترض یہ ہے کہے کہ ”من“ ”تبعیض کے لئے ہے اور تبعیض (یعنی حصے کرنا) صرف حادثات و مخلوق کے لئے ہے اور احاطہ بھی صرف مخلوق و حادث کا کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس کے علم میں سے جس کا وہ چاہے گا احاطہ کیا جا سکے گا۔ لہذا لازم آیا کہ اس کا علم مخلوق ہے اس لئے کہ اس کا بعض حصہ قابل احاطہ ہے اور وہ قابل تبعیض و تقسیم ہے۔

بتوفیق الٰہی اس کا جواب یہ ہے کہ کلام الٰہی کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے۔ اسے ظاہر سے ہرگز نہ پھیرا جائے گا سوائے اس کے کہ کوئی نص آئی ہو یا اجماع ہو یا ضرورت حس ہو کہ اس میں کا کوئی حصہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور وہ اپنے ظاہر سے دوسرے معنی کی طرف نقل کر لیا گیا ہے تو اس کا ماننا واجب ہے جس کو نص یا اجماع یا حس نے واجب کیا ہو۔ کلام الٰہی اور اس کی خبریں اور احکام مختلف نہیں ہوتے اور اجماع بھی صرف حق پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی کچھ فرماتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے جس کو کوئی برہان ضروری باطل ٹھہرائے وہ حق نہیں ہوتا۔ احاطہ و تبعیض کا مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔

بدیہی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم نہ عرض ہے نہ جسم نہ اللہ کے اندر محمول اور نہ غیر اللہ میں۔ نہ وہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی اور چیز ہے۔

اس آیت کے معنی بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ”**ولا یحیطون بشئی من علمه**“ میں جو علم ہے اس سے مراد محض وہ علم ہے جو مخلوق ہے اور جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کیا ہے۔ یہ علم عرض ہے جو اہل علم میں محمول ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت بطور ملک کے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے کہ ہمیں وہی علم حاصل ہوا جو اللہ نے تعلیم فرمایا ارشاد ہے ”**و ما او تیتم من العلم الا قلیلا**“ (اور تمہیں صرف قلیل حصہ علم کا دیا گیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اس نے جو علوم پیدا کئے اور انہیں اپنے بندوں میں شائع کیا (اس میں سے بہت قلیل حصہ بندوں کو دیا اور انہیں علوم کے بغیر اس کی مشیت کے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا چہ جائے کہ اس کا علم ذاتی) جیسا کہ خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں اللہ کے علم سے ایسے علم پر ہوں جسے آپ نہیں جانتے اور آپ اللہ کے علم سے ایسے علم پر ہیں جسے میں نہیں جانتا میرے اور آپ کے علم نے اللہ کے علم سے اتنا بھی کم نہ کیا جتنا اس چڑیا نے سمندر سے۔

یہ اضافت ملک کی ہے اور ایسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ روح اللہ ہیں اور یہ سب اضافت ملک کی ہے۔ ”**ولا یحیطون بشئی من علمه الا بماشاء**“ کے یہی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے خود اپنا احاطہ کرنے کی نفی کر دی ہے۔ فرمایا کہ ”**ولا یحیطون به علما**“ (لوگ بطور علم کے بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتے)۔

یہ معنی بھی اپنے ظاہر کے مطابق واضح ہیں اور خوب واضح ہیں جو بغیر کسی تاویل و تکلف کے ہیں۔ معنی آیت ”**ولا یحیطون بشئی**

من علمه الا بما شاء'' کے یہ ہیں کہ ''من علمه'' بمعنی ''من العلم باللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو جاننا اور اس کا علم ہونا۔ یہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ ہم اس کے متعلق علم کا اتنا ہی احاطہ کر سکتے ہیں جتنا اس نے ہمیں بتا دیا ہے۔ اس نے فرمایا ہے ''ولایحیطون به علما'' (بطور علم کے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) اب ''من علمه'' کے معنی ''من معرفة'' کے ہوں گے یعنی اس کا معرفت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہوا کہ لوگ اس کی معرفت کا اتنا ہی احاطہ کر سکتے ہیں جتنا وہ خود چاہے۔

دعا سے کیا فائدہ؟:

اگر لوگ کہیں کہ کہ پھر اللہ سے دعائے مغفرت و رحمت کے کیا معنی ہوں گے۔ رحمت کے متعلق اسے پہلے سے علم ہو چکا ہے کہ آیا وہ کرے گا یا نہ کرے گا۔ اگر کرے گا تو دعا کی ضرورت نہیں۔ نہیں کرے گا تو دعا بیکار ہے جو چیز لامحالہ ہوگی اس میں دعا کے کیا معنی۔ کیا یہ ایسی ہی دعا نہیں ہے جیسے کوئی یہ دعا کرے کہ قیامت نہ آئے۔ یا لوگ انسان نہ رہیں۔

دعا کا عمل:

بتوفیق الٰہی انہیں جواب دیا جائے گا کہ دعا ایک عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا نہ اس بناء پر کہ وہ تقدیر کو رد کر دے گا۔ نہ یہ کہ دعا کی وجہ سے وہ ہو جائے گا جو نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سابق میں اس دعا کو جو اس کے علم میں پہلے سے تھی اس کے قبول کا سبب بنا دیا تھا اس لئے کہ اس کے علم میں اس کا ہونا پہلے سے تھا جیسا کہ اس نے اپنے علم سابق میں غذائے آب و دانہ کو اس مدت تک پہنچنے کا سبب بنا دیا جس مدت تک پہنچنا اس کے علم میں پہلے سے تھا۔ یہی حال تمام اعمال کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ بندوں کی عمروں کی مدت جانتا ہے فرماتا ہے ''فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون'' (پھر جب ان کی اجل آئے گی نہ اس میں ایک ساعت کی تاخیر ہوگی نہ تقدیم) اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو اس مقدار کے پورا کرنے کا سبب بنا دیا ہے۔ یہ سب اس کے علم میں پہلے سے ہے۔ دعا بھی اسی طرح ہے اور معالجہ بھی اسی طرح ہے جو بطور طب کے ہوتا ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں بھی آپ پر درود و دعائے رحمت کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے ''قل رب احکم بالحق'' (کہیے کہ اے میرے رب حق کے مطابق فیصلہ کر) اس نے ہمیں اس کی دعا کا حکم دیا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ حق کے مطابق ہی فیصلہ کرے گا۔ لہذا جو ہم نے کہا وہ ثابت ہو گیا کہ دعا ایک عمل ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ہم اس پر وہاں عمل کرتے ہیں جہاں اس نے ہمیں حکم دیا ہے اور وہاں دعا نہیں کرتے جہاں اس نے ہمیں حکم نہیں دیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

جب اللہ کی مدد و تائید سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے تھے کہ اللہ کا علم غیر اللہ اور مخلوق ہے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے ان لوگوں کے قول پر بھی کلام کرنا چاہئے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر اللہ اور اس کے مغایر و خلاف ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازلی ہے۔

علم الٰہی غیر الٰہی؟:

یہ وہ قول ہے جو اپنے رد میں اس سے زیادہ کا محتاج نہیں کہ شرک خالص و ابطال توحید ہے۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شے جو غیر اللہ ہے ہوگی اور اس کے ساتھ ازلی ہوگی تو یہ باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ واحد تھا۔ بلکہ ازلی ہونے میں اس کا ایک شریک ہو گیا اور یہ کفر

خالص اور صریح نصرانیت ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ دعویٰ ساقط وغیر معتبر ہے جو قطعاً بے دلیل ہو۔ اس فرقے سے پہلے جو تین سو سال کے بعد پیدا ہوا اہل اسلام میں سے کبھی کوئی شخص اس کا قائل نہیں ہوا اور یہ دائرہ اسلام سے خارج ہونا اور اجماع متیقن کا ترک کرنا ہے۔

میں نے ان میں سے بعض سے کہا کہ جب تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور شے بھی ازلی ہے اور وہ غیر اللہ ہے اور س کے خلاف ہے اور اس کے ساتھ ازلی ہے۔ تو پھر نصاریٰ پر کیوں انکار کرتے ہو جو وہ کہتے ہیں ''ان اللہ ثالث ثلثة'' (اللہ تین میں کا تیسرا ہے)۔

اس نے مجھ سے تصریحاً کہا ہم نے نصاریٰ پر محض اس لئے انکار کیا کہ انہوں نے صرف تین پر اقتصار کر دیا اور اللہ کے ساتھ اس سے زیادہ (شریک) نہیں بنائے۔ میں اس سے باز آ گیا کہ اس نے تصریح کر دی کہ ان کا قول نصاریٰ کے قول سے زیادہ شرک میں گھسا ہوا ہے۔

ان لوگوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس قول کا رد ہے **قل ھو اللہ احد** (آپ کہیے کہ اللہ ایک ہے) اگر اللہ کے ساتھ غیر اللہ ہوتا تو اللہ احد نہ ہوتا۔

ہم تصدیق نہ کرتے کہ جو شخص اپنی نسبت اسلام کی طرف کرے گا وہ یہ بات کہے گا۔ بشرطیکہ ہم نے ان لوگوں کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا۔ ان سے مناظرہ نہ کیا ہوتا اور تصریحاً ان کی کتابوں میں نہ دیکھ لیا ہوتا۔

مثلاً سمنانی قاضی موصل کی کتاب جو ہمارے اسی زمانے میں موجود ہیں اور وہ ان کے اکابر میں سے ہیں اور اشعری کی کتاب المجالس میں اور ان لوگوں کی دوسری کتابوں میں۔

اس کے ساتھ ہی بڑا تعجب باقلانی و ابن فورک کی تصریح پر ہے جو ان دونوں نے اپنی ان کتابوں میں کی ہے جو اصول وغیرہ میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہمارے علم کے ساتھ ایک ہی حد کے تحت میں واقع ہے یہ جنون آمیز حماقت ہے کیونکہ ان لوگوں نے ایک ازلی کو محدثات کے طور پر محدود کر دیا۔ وہ دلائل جو ہم نے منانیہ و نصاریٰ و منکرین توحید کے خلاف قائم کئے ہیں حرف بحرف وہی اس فرقے کے بھی خلاف ہیں۔ انہیں دلائل کے حوالے نے ہمیں اس سے بے نیاز کر دیا کہ ہم مکرر بیان کریں۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان۔**

یہ مضمون ان کے اس قول کے ساتھ ہے کہ تغایر صرف انہیں اشیاء میں ہو سکتا ہے جن میں یہ جائز ہو کہ دو میں سے ایک پائی جائے۔

کیا مخلوق بھی خالق کے مغایر نہیں؟:

یہ انتہائی حماقت ہے اس لئے کہ یہ وہ دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ نہ قرآن کی حدیث کی۔ نہ معقول کی نہ لغت کی جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ اس قاعدے پر انہیں یہ لازم آتا ہے کہ خلق بھی خالق کے مغایر نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ خلق بغیر خالق کے پایا جائے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ تو جائز ہے کہ بغیر خلق کے خالق پایا جائے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں مگر۔ تمہیں کہاں سے معلوم ہو گیا کہ تغایر میں سے ایک وہی ہو گا کہ دونوں میں سے کسی ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ناجائز ہو گا۔ یہ وہ ہے جس کے جواب کی انہیں گنجائش نہیں۔ انہیں یہ بھی لازم آتا ہے اور اس طرح لازم آتا ہے جس سے نجات نہیں ہو سکتی کہ اعراض جواہر کے مغایر نہ ہوں۔ اس لئے کہ قطعاً ناجائز اور ناممکن ہے اور وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دو میں سے ایک وجود بغیر دوسرے کے ہو سکے۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان۔**

تغایر کی صحیح تعریف:

یہ ہے جس کی لغت ضرورت حس اور عقل شہادت دیتی ہے تغایر وہ ہے کہ ہر دو نامبرد اشیاء میں سے ایک کے لئے ایسی خبر دینا جائز ہو جو دوسری کے متعلق نہ [illegible] وہ دونوں غیر ہیں۔ بغیر اس کے چارہ نہیں۔ حاصل یہ کہ جو شے ایسی ہو کہ شے کا غیر خود وہی نہ ہو تو وہ اس

کا غیر ہے اور جو شے ایسی ہو کہ شے کا غیر نہ وہ تو وہ خود ہی شے ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جب اللہ کی مدد و تائید سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے تھے کہ اللہ کا علم غیر اللہ ہے۔ پھر انہوں نے اسے مخلوق بنایا اسے ازلی بنایا۔ تو اب ہمیں اس مسئلے میں بقیہ اقوال بھی بیان کرنا چاہیے۔ **انشاء اللہ تعالیٰ ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

صفت ذات ازلی:

جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا علم نہ تو اللہ ہے اور نہ غیر اللہ ہے مگر یہ صفت ذات ازلی ہے۔ تو یہ کلام فاسد۔ محال و متناقض ہے کہ ایک حصہ دوسرے حصے کو باطل کرتا ہے۔ اس لئے کہ جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ کا علم اللہ نہیں تو انہوں نے بدیہی طور پر اس قول سے یہ واجب کر دیا کہ وہ غیر اللہ ہے۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ وہ غیر اللہ بھی نہیں تو انہوں نے غیریت کو باطل کر دیا اور اس قول سے بدیہی طور پر یہ واجب کر دیا کہ وہ علم ہی اللہ ہے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کہنے والے کا یہ قول کہ ”وہ وہی ہے نہ کہ غیر“ اور کہنے والے کا یہ قول کہ ”وہ وہی ہے اور اس کا غیر بھی ہے“ مساوی ہے کیونکہ ان دونوں جملوں کے معنی ایک ہی ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں دونوں عبارتیں باطل ہیں۔ متناقض ہیں اکٹھا نفی و اثبات عقل میں نہیں آ سکتا۔ اور یہ صفراوی مریضوں کی سی بدحواسی ہے۔ **نعوذ باللہ من الخذلان۔**

اس باطل پر بعض افراد کے اس استدلال سے تعجب ہے کہ طول نہ تو طویل ہے نہ غیر طویل۔

یہ عظیم الشان جہل اور مکابرہ ہے کیونکہ اس کا قائل یہ نہیں جانتا کہ طویل۔ جوہر ہے جسم ہے قائم بالذات ہے اور اپنے طول کا اور اپنے تمام اعراض کا حامل ہے۔ طول اعراض میں سے ایک عرض ہے جو طویل میں محمول ہے۔ قائم بالذات نہیں ہے۔ جو شخص اس سے ناواقف ہو کہ محمول حامل کا غیر ہوتا ہے اور قائم بالذات غیر قائم بالذات کے خلاف ہوتا ہے تو وہ عدیم الحس ہے اور اسے مناسب ہے کہ وہ بکنے سے پہلے علم حاصل کر لے۔ ہم اسے طویل گیلی مٹی دکھائیں گے جو گھومتی ہے پھر طول اور مربع ہوتا جاتا رہتا ہے اور تدویر (گولائی) آ جاتی ہے جو طویل تھا وہ اس کی حس میں باقی ہے۔ تو کیا صاحب تمیز سے یہ پوشیدہ ہے کہ جانے والا غیر ہے آنے والے کا۔ فانی غیر ہے باقی کا ہم ضرور جانتے ہیں کہ طول غیر ہے طویل کا جو اس عبارت فاسدہ سے استدلال کرتا ہے ہم اس سے کہیں گے کہ ہمیں بتاؤ کہ آیا دو اسم متغایر ایسی دو وجہ میں سے جن کے لئے کوئی تیسری وجہ نہ ہو ایک سے خالی ہیں یا نہیں کہ یا تو دونوں اسم اکٹھا ایک ہی شے پر اس طرح واقع ہوں گے کہ ان دونوں اسموں سے اس شے کو تعبیر کیا جائے گا جس پر وہ شے معلق ہے اور یا یہ ہوگا کہ یہ دونوں اسم جداگانہ اشیاء پر اس طرح واقع ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک اسم سے علیحدہ اس شے کو تعبیر کیا جائے گا جس پر وہ اسم معلق ہے۔ ان دونوں میں سے ایک ہر دو اسم کے لئے ضروری ہے۔ ان میں سے جو صورت بھی ہوگی وہ اس بدحواسی کو باطل کرنے والی ہوگی جو یہ کہتا ہے کہ نہ تو علم اللہ ہے اور نہ غیر اللہ۔

ان میں سے بعض اس فریب کاری۔ سفسطہ اور افساد حقائق میں اضافہ کیا ہے وہ ایک فاسد دعویٰ لایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ شے غیر شے نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ جب یہ ممکن ہو کہ دو میں سے ایک شے دوسری شے سے جدا ہو سکے۔

یہ محض دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر صرف اتنا ہی ہوتا تب بھی یہ فریب کاری ختم ہو جاتی چہ جائے کہ یہ تو ایک قضیہ و جملہ فاسدہ بھی ہے یہ اسے واجب کرتا ہے کہ اعراض کی کلیت جواہر کی کلیت کے غیر نہیں ہے اس لئے کہ نہ تو جواہر کا اعراض سے خالی ہونا ممکن ہے اور نہ اعراض کا جواہر سے۔ جو ہذیان اس قسم کی بدحواسی تک پہنچائے اس کے فاسد ہونے کو یہی کافی ہے۔

دو غیر میں باہمی تغایر کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ شے جس کے متعلق ایسی خبر سے خبر دی جائے کہ اس وقت وہ خبر دوسری شے کے متعلق نہ

ہوتو وہ غیر ہے جو اس خبر اس شے کی شریک نہیں ہے جو اشیاء معلوم موجود ہیں ان میں کوئی دو چیزیں ایسی نہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے اس وصف سے خالی ہوں۔ لغت۔ لفظ غیر کا متقضا یہی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ امر ضرورت وحس وعقل سے معلوتا ہے۔ غیریت کے مقابلے میں ہوّیت کی تعریف یہ ہے جو شے شے کی غیر نہ ہوتو وہ بعینہ وہی ہے۔ کیونکر ہوّیت وغیریت کے درمیان کوئی اور واسطہ نہیں ہے جو کسی کی عقل میں آسکے۔ جو شے ان دو میں سے کسی ایک سے خارج ہوگی اور وہ دوسرے میں لامحالہ داخل ہوگی۔ ہر دو اسم جو مختلف ہوں ان دو میں سے کسی ایک کے مسمی کے متعلق جو خبر دی جائے وہی خبر دوسرے اسم کے مسمی کی بھی ہوا اور ایسا ہی ہمیشہ ہوا اور ضروری ہو تو بلاشک ان دونوں کا مسمی ایک ہی ہوگا جب اس قول کا فساد ثابت ہوگیا تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے اشعری کی دوسری عبارت میں بھی کلام کرنا چاہئے اور وہ اشعری کا یہ قول ہے کہ ''وہ وہی ہے اور یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اس کا غیر ہے'' ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے اس عبارت میں اس سے زیادہ نہیں کہا کہ اس میں کچھ نہ کہا جائے گا۔

ہوّیت وغیرّیت:

یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ان دو قولوں میں سے ایک ضروری وبدیہی ہے لہذا یہ قول بھی جاتا رہا اس لئے کہ اس میں بیان حقیقت نہیں ہے۔

ابوالہذیل کا یہ قول کہ اللہ کا علم ہی اللہ ہے۔ تو یہ بذریعہ استدلال ہذیل کی طرف ہے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنا ہے۔ یہ قطعاً ناجائز ہے کہ بذریعہ استدلال اللہ تعالی کے متعلق خبر دی جائے یا اس کا نام رکھا جائے۔ اس لئے کہ وہ اپنی تمام مخلوق کے مغایر ہے۔

کوئی دلیل ایسی نہیں جو ان ناموں میں سے اس کا کوئی نام رکھنے کی موجب ہو جو نام اس کی مخلوق کے رکھے جاتے ہیں۔ یا کسی ایسی صفت سے اسے موصوف کیا جائے جس سے اس کی مخلوق کو موصوف کیا جاتا ہے یا اس کے متعلق کوئی ایسی خبر بیان کی جائے جو اس کی مخلوق کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے متعلق کوئی نص آجائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ جو شخص کسی ایسی صفت کے ساتھ جس سے مخلوق کو موصوف کیا جاتا ہے محض مخلوق پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کو موصوف کرے یا اسے کسی ایسے نام سے نامزد کرے جس سے اس کی مخلوق کو نامزد کیا جاتا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی۔ اس کے ناموں میں الحاد وکجروی کی۔ جھوٹا بہتان لگایا۔

یہ ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام رکھا جائے یا اس کے متعلق کوئی خبر دی جائے بجز اس کے کہ اس نے خود ہی اپنا جو نام رکھا ہے یا اپنے متعلق جو خبر دی ہے۔ خواہ وہ اس کی کتاب میں ہو۔ خواہ اس کے رسول زبان پر خواہ تمام اہل اسلام کے اجماع متیقن میں ہو۔ اس سے زائد جائز نہیں یہاں تک کہ اگرچہ معنی صحیح ہوں۔ مگر اس پر لفظ کا اطلاق کرنا جائز نہیں۔

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آسمان بنایا۔ وہ خود فرماتا ہے ''**والسماء بنینا ھا باید**'' (آسمانوں کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا)۔ مگر یہ جائز نہیں کہ اس کا نام ''بناء'' (بنانے والا) رکھا جائے۔ اس نے نبات وحیوان میں مختلف رنگ پیدا کئے اور اس نے ''**صبغة الله**'' (اللہ کا رنگنا) بھی فرمایا۔ مگر یہ جائز نہیں کہ اس کا نام صباغ (رنگنے والا) رکھا جائے۔ اسی طرح تمام اشیاء جن سے اس نے اپنے آپ کو نامزد نہیں کیا۔ ناواجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس طرح نام رکھا جائے کہ وہی اپنا علم ہے۔ اگرچہ یہ یقیناً صحیح ہے کہ اس کے لئے جو علم ہے وہ اس کا غیر نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی غیر نہیں ہے۔ نہ اس کا وجہ اس کا غیر ہے اور نہ اس کا نفس اس کا غیر ہے۔ ان تمام اسماء سے

اللہ تعالیٰ ہی کو تعبیر کیا جاتا ہے نہ کہ کسی اور کو۔ حالانکہ یہ کہنا ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات ہے یا نفس ہے یا وجہ ہے یا علم ہے یا قدرت ہے یا قوت ہے۔ اس لئے کہ ہم اس کا امتناع بیان کر چکے ہیں کہ اس کا وہ نام رکھا جائے جو نام اس نے خود اپنا نہ رکھا ہو۔

مخلوق کا علم بلا شک ان کے مغایر ہے اس لئے کہ وہ جاتا رہتا ہے اور اس کے بعد جہل آ جاتا ہے۔ باری تعالیٰ کے ان اشیاء میں اس کی مخلوق میں سے ہرگز کوئی اس کے مشابہ و مثل نہیں۔ بلکہ وہ ہر وجہ میں اپنی مخلوق کے خلاف ہے۔ لہذا لازم آیا کہ اس کا علم اس کا غیر نہ ہو (جیسا کہ مخلوق کا علم مخلوق کا غیر ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''**لیس کمثله شئی**'' (اس کے مثل کی سی کوئی شے نہیں)۔

قوت وقدرت و علم کی عبادت:

اگر کوئی معترض ہم سے کہے کہ تمہارے نزدیک اللہ کا علم غیر اللہ نہیں اور نہ اس کی قدرت و قوت اس کی غیر ہے تو تم لوگ قوت و قدرت و علم کی عبادت کرتے ہو۔

صرف اللہ کی عبادت:

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم تو محض اس عمل سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کے متعلق اس نے ہمیں حکم دیا نہ اس کے سوا کسی اور عمل سے نہ ہم اسے پکارتے ہیں سوائے اس کے جس طرح اس نے ہمیں حکم دیا۔ وہ فرماتا ہے ''**وللہ الاسماء الحسنی فادعوه بها و ذر واالذین یلحدون فی اسمائه**'' (اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔ بس اسے انہیں ناموں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں اور فرماتا ہے ''**و ما امر و االا لىعد واالله مخلصين له الدين**'' (اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ یہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور خالص اسی کی عبادت کریں) ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ اس نے ہمیں حکم دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم علم کی عبادت کرتے ہیں' اس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا کہ ہم اس لفظ کو کہیں اور اس کا اعتقاد کہیں۔

ہم ان لوگوں سے بعینہ وہی سوال کرتے ہیں جو انہوں نے ہم سے کیا۔ ان سے کہتے ہیں کہ تم لوگ یہ مانتے ہو کہ وجہ اللہ۔ عین اللہ۔ ید اللہ و نفس اللہ میں سے کوئی شے بھی غیر اللہ نہیں بلکہ یہ سب تمہارے نزدیک اللہ ہی ہیں۔ تو پھر تم بھی وجہ ۔ ید عین و ذات و نفس کی عبادت کرتے ہو۔

اگر وہ ہاں کہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ تم لوگ اپنی دعا میں یوں کہا کرو کہ اے ید اللہ ہم پر رحم کر اور اے عین اللہ ہم سے راضی ہو جا اور ذات اللہ ہماری مغفرت کر کیونکہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور یہ کہا کرو کہ ہم وجہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہم عین اللہ کے بندے ہیں۔

اگر وہ اس پر جسارت و جرات کریں تو ہم تو اس امر پر پیش قدمی کو جائز نہ کریں گے جس کی ہمیں اللہ نے اجازت نہیں دی اور نہ ہم اس کی حدود سے تجاویز کریں گے اگر وہ شہادت دیں تو ہم ان کے ساتھ شہادت نہ دیں گے ''**ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه**'' (اور جو اللہ کی حدود سے بڑھا اس نے آپ اپنے اوپر ظلم کیا)۔ جو الزام انہوں نے دیا تھا وہ خود انہیں کو لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ سوال ہے جس سے وہ راضی ہیں اور انہوں نے اس کو صحیح مانا ہے جو شخص کسی شے سے راضی ہوگا وہ اسی کو لازم ہوگی۔ ہم نہ اس سوال سے راضی ہیں اور نہ ہم نے اسے صحیح مانا ہے لہذا یہ ہمیں لازم نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التو فیق**۔

☆☆

سمیع وبصیر وقدیم کے معنی

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے جس پر نص قرآن آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر (سننے والا۔ دیکھنے والا) ہے۔ بعد میں اختلاف ہوا۔ اہل سنت کے ایک گروہ اور اشعریہ ومعتزلہ میں سے جعفر بن حرب اور ہشام بن الحکم اور تمام مجسمہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو مجسم ماننے والوں) نے کہا ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کان سے سننے والا اور آنکھ سے دیکھنے والا ہے۔

اہل سنت کے چند گروہ اس طرح گئے ہیں جن میں شافعی وداؤد بن علی وعبدالعزیز بن مسلم الکنانی رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر (سننے والا۔ دیکھنے والا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نہیں کہا۔ لیکن وہ بذات خود سمیع وبذات خود بصیر ہے۔

اسی کے ہم بھی قائل ہیں۔ کان اور آنکھ کا اطلاق جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق کوئی نص نہیں آئی۔ اس لئے ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی خبر دی جائے جو اس نے خود اپنے متعلق نہ دی ہو۔

جس نے آنکھ کان کا اطلاق کیا ہے اس کا استدلال یہ ہے کہ سمع (سننے والا) بغیر سمیع (کان) کے اور بصیر (دیکھنے والا) بغیر بصر (آنکھ) کے عقل میں نہیں آتا۔ اس کو بصیر کہنا جائز نہیں جس کے بصر نہ ہو اور اسے سمیع کہنا جائز نہیں جس کے سمع نہ ہو۔

انہوں نے اس مسئلے میں جو احتجاج کیا ہے اور جس کی طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ صفات متغایر ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ کہنا جائز نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ مبصرات (دیکھنے کی چیزوں) کو سنتا ہے اور مسموعات سننے کی چیزوں کو یعنی آوازوں کو دیکھتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ یہ عقل میں نہیں آتا۔

یہ دونوں دلیلیں فریبی اور فاسد ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ سمیع بغیر سمع کے اور بصیر بغیر بصر کے عقل میں نہیں آتا۔ تو ان سے کہا جائے گا اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان تو یہ بات ٹھیک ہے اور قطعاً ایسا ہی ہے جس عالم میں ہم لوگ ہیں ہم نے اس میں ہرگز کبھی کوئی سمیع بغیر سمع کے اور کوئی بصیر بغیر بصر کے نہیں پایا۔ مگر اس عالم میں تو ہرگز کوئی سمیع ایسا نہیں پایا گیا جو بغیر عضو سماعت کے ہو اور نہ کبھی کوئی عالم پایا گیا جو بغیر ضمیر کے ہو۔ انہیں لازم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر ان اوصاف کو بھی جاری کریں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف سے بہت بلند وبرتر ہے۔ یہ لوگ اس کو تو کہتے ہیں اور اسے جائز نہیں سمجھتے مجسمے نے تو اس کا بھی اطلاق کیا ہے اور اس کو انہوں نے جائز رکھا ہے۔ ان کے قول کا رد اللہ کی مدد وتائید سے گذر چکا۔

ان ہر دو گروہ کو لازم آتا ہے کہ جب انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سمع وبصر ہے اس لئے کہ وہ سمیع وبصیر ہے اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی بغیر سنے اور دیکھے سمیع وبصیر ہو سکے۔ خاص کر نص بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عین (آنکھ) ہے۔ تو وہ یہ بھی کہیں کہ اس کے ڈھیلے بھی ہیں۔ آنکھ میں پتلی اور پپوٹے بھی ہیں۔ پلکیں اور بھویں بھی ہیں۔ اس لئے کہ ہم عالم میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی آنکھ جو ایسی آنکھ ہو کہ اس سے دکھائی دیتا ہو یا دیکھا جاتا ہو وہ ایسی نہ ہو۔ ورنہ وہ آفت رسیدہ آنکھ ہوگی یا بعض حیوانات کی سی آنکھ ہوگی جو بند نہیں ہوتی اسی طرح نہ رواج میں ہے اور نہ قطعاً یہ ناممکن ہے کہ اس عالم میں کوئی سمیع وبغیر سوراخ دار کان کے ہو۔ لہذا انہیں لازم ہے کہ ان تمام اشیاء کو ثابت کریں۔ ورنہ انہوں نے خود ہی اپنا استدلال باطل کر دیا۔ حالانکہ اپنے استدلال کو معہود ومعقول سے قوت دی تھی۔ اگر وہ ان

تمام اشیاء کا اطلاق کریں تو انہوں نے اپنا مذہب چھوڑ دیا اور مجسمے کے بدترین قول کی طرف چلے گئے۔ حالانکہ ان کے قول کا فساد اس کے قبل بیان کر چکے ہیں۔ **والحمد لله رب العلمين**۔

جب انہوں نے یہ جائز کر دیا کہ باری تعالیٰ سمیع و بصیر عضو کے ہے۔ حالانکہ یہ اس کے خلاف ہے جو وہ عالم میں پاتے ہیں اور انہوں نے یہ جائز کر دیا کہ اس کی آنکھ بغیر ڈھیلے اور پتلی اور پپوٹے اور بھون اور پلکوں کے ہے۔ حالانکہ یہ بھی اس کے خلاف ہے جو وہ عالم میں پاتے ہیں۔ تو انہیں ان لوگوں کے قول کا انکار نہ کرنا چاہئے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ سمیع ہے بغیر سمیع کے اور بصیر ہے بغیر بصر کے۔ اگر چہ یہ اس کے خلاف ہے جو وہ عالم میں پاتے ہیں۔

دونوں باتوں میں واضح فرق بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کا التزام نہیں کرتے کہ جیسا کہ عالم میں پاتے ہیں اس پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنا حلال جانیں۔ بلکہ یہ حرام و ناجائز اور غیر حلال ہے۔ اس لئے کہ عالم میں کوئی شے نہیں ہے جو اللہ عزوجل کے مشابہ ہو اور اس پر اسے قیاس کیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**ليس كمثله شي و هو السميع البصير**'' (کوئی شے اس کے مثل کی سی نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے)۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں وہ سمیع و بصیر ہے مگر نہ اس طرح جس طرح عالم میں سمیع و بصیر ہوتے ہیں۔ عالم میں جو سمیع و بصیر ہے وہ صاحب سمع و بصر ہے۔ مگر جب تصریح قرآن اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہے۔

اللہ سمیع ہے جیسا کہ اس نے فرمایا مگر وہ سامعین کی طرح نہیں سنتا۔

اللہ بصیر ہے جیسا کہ اس نے فرمایا۔ مگر وہ مبصرین کی طرح نہیں دیکھتا۔

ہمارے رب کا صرف وہی نام رکھا جا سکتا ہے جو اس نے خود اپنا نام رکھا۔ اس کے متعلق صرف وہی خبر دی جا سکتی ہے جو اس نے خود اپنے متعلق دی۔ جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سمیع و بصیر ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں وہ سمیع و بصیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے لئے سمع و بصر ہے اس لئے کہ کسی کو بھی یہ کہنا حلال نہیں کہ اس کے سمع و بصر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بہتان لگانے والا نہ بن جائے۔ یہ ناجائز ہے اور ہم اللہ ہی سے پناہ مانگتے ہیں۔

ہمارے مخالفین نے اس کا اطلاق کیا ہے کہ کوئی سمیع و بصیر جیسا کہ وہ پاتے ہیں ایسا نہ ہوگا جو صاحب سمع و بصر نہ ہو۔ لہٰذا انہیں یہ ضرور لازم آئے گا جیسا کہ وہ عالم میں ہر سمیع و بصیر کو پاتے ہیں کہ وہ بھی صاحب عضو ہو جس سے سنے اور دیکھے اور اگر یہ عضو نہ ہو تو عالم میں نہ کوئی سمیع کہلائے نہ بصیر اور نہ کوئی کچھ دیکھ سکے۔

اگر یہ لوگ اس آیت کو بیان کریں کہ ''**لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها و لهم آذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل و اولئك هم الغفلون**'' (ان کے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ غافل ہیں)۔

بتوفیق الٰہی ہم انہیں جواب دیں گے کہ یہ آیت تو تمہارے خلاف سب سے بڑی حجت ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس امر پر تصریح فرمائی ہے کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے وہ چیز نہیں دیکھتے جس سے نصیحت حاصل کریں۔ نہ اپنے کانوں سے ہدایت کی باتیں سنتے ہیں جن کو قبول کریں۔ جب کوئی آنکھوں اور کانوں سے نفع نہ اٹھائے تو وہ مذمت و عذاب کا مستحق ہے۔ اگر آنکھ اور کان ہی سے سمع و بصر نہ ہو نہ کہ کسی اور سے تو وہ شخص مذمت کا مستحق نہ ہوتا جس کو صحیح و سالم کان اور آنکھ دی گئی مگر اسنے ان سے وہ چیز نہ سنی نہ دیکھی جس سے اسے اللہ

عز وجل کی مدد سے ہدایت ہوتی۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ سمع و بصر بغیر ان دونوں (کان اور آنکھ) کے ہوتے تو اللہ عز وجل کے آنکھ اور کان کو سمع و بصر کے معنی میں ذکر کرنے کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ لہٰذا ان کا قول قرآن سے بداہت سے حس سے اور عقل سے باطل ہو گیا۔ **والحمد لله رب العلمین**۔

انہوں نے اپنے جس قول سے فریب دیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس کے لئے سمع و بصر نہ ہوتی تو ضرور یہ کہنا جائز ہوتا کہ وہ الوان (رنگوں) کو سنتا ہے اور اصوات (آوازوں) کو دیکھتا ہے۔ مگر یہ وہ کلام ہے جو عام طور پر نہیں بولا جاتا۔ ہمیں تو لغت عرب میں خطاب کیا گیا ہے لہٰذا ہمیں یہ جائز نہیں کہ ہم اس لغت کے خلاف استعمال کریں جس میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے۔ تم نے جو الوان کا سننا اور اصوات کا دیکھنا بیان کیا ہے تو یہ ہمارے آپس میں اس لغت میں جس میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے بولا نہیں جاتا۔ لہٰذا ہمیں حق نہیں کہ ہم لغت میں وہ شے داخل کریں جو اس میں نہیں ہے سوائے اسکے کہ اس کے متعلق کوئی نص آجائے تو ہم اسے لغت کے مطابق بدل دیں گے۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ آواز کا دیکھنے والا اور رنگ کا سننے والا ہے۔ تو ہم کہیں گے یہ اس معنی میں جائز ہے کہ وہ ان اشیاء کا جاننے والا ہے۔ جب کوئی برہان مانع ہو تو ہم کہتے ہیں کہ میں نے اللہ عز وجل کو یہ کہتے سنا اور ہم نے اللہ عز وجل کو یہ فرماتے دکھا اور یہ حکم دیتے دیکھا اور یہ کرتے دیکھا۔ اس معنی میں کہ ہم نے جانا۔ اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا اس میں اور اس میں جو ان لوگوں نے دریافت کیا کوئی فرق نہیں۔

اللہ عز وجل فرماتا ہے ”**اولم یروا الی الطیر فو قھم صافات و یقبضن ما یمسکھن الا الرحمن انه بکل شئی بصیر**“ (کیا یہ لوگ اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھتے جو پر پھیلاتے ہیں اور سمیٹتے ہیں۔ انہیں سوائے اللہ کے کون روکتا ہے۔ بیشک وہ ہر شئے کا نگران ہے) یہ تمام شئے کے لئے عموم ہے جیسا کہ ہم نے کہا (یعنی وہ ہر شے کا بصیر (دیکھنے والا) ہے اور ہر شئے میں آواز بھی ہے)۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ اس میں ایک شئے کو چھوڑ کر دوسری شئے کو خاص کیا جائے۔ سوائے اسکے کہ دوسری نص ہو یا اجماع ہو یا ضرورت ہو اور ان میں سے ایک شئے تک بھی رسائی نہیں لہٰذا وہی ثابت ہو گیا جو ہم نے کہا تھا۔ **وباللہ تعالیٰ التو فیق**۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**یعلم السرو اخفی**“ (وہ راز اور پوشیدہ تر بات کو جانتا ہے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سمیع و بصیر و علیم ایک ہی معنی میں ہیں۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں (**باللہ تعالیٰ التو فیق**) کہ اس پر ہمارا تمہارا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے وہ احد (ایک) ہے متکثر نہیں ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ سمیع ہے رنگوں کا بصیر ہے آوازوں کا۔ مگر اس طور پر اور اس وجہ سے ہم نے بیان کی۔ یہ اس امر کو واجب نہیں کرتا کہ سمیع غیر بصیر ہو۔ لہٰذا تم نے جو الزام دینا چاہا تھا وہ ساقط ہو گیا اختلاف تو محض اس کے معلومات میں ہے۔ وہ خود محض واحد ہے اور ان تمام معلومات کے متعلق اس کا علم بھی واحد ہے وہ ان سب کو بذات خود جانتا ہے اور اس کو غیر اللہ قطعاً نہیں جانتا۔ **و باللہ تعالیٰ التو فیق**۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازلی سمیع و بصیر ہے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ ازلی سمیع۔ و بصیر۔ عفو۔ غفور۔ عزیز۔ قدیر و رحیم ہے اور یہ سب قرآن میں لفظ ”**کان اللہ**“ سے آیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے ”**کان اللہ سمیعا بصیرا**“ (اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے) اور اسی قسم کی آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ”**کان**“ فرمانا ازلی چیز کی خبر دینا ہے۔ جبکہ وہ اس لفظ سے اپنے متعلق خبر دے نہ کہ اپنے ماسوا کے متعلق۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ کیا تم کہتے ہو کہ اللہ ہمیشہ سے خالق۔ خلاق اور رازق ہے۔ ہم کہیں گے ہم یہ نہیں کہتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے

اس پر تصریح نہیں فرمائی کہ وہ خالق وخلاق ورازق تھا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ وہ ازلی خلاق ورزاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے نہ پیدا کرتا تھا نہ رزق دیتا تھا پھر اس نے پیدا کیا اور جس کو پیدا کیا اس کو رزق دیا۔ یہ بدیہی طور پر اس کو واجب کرتا ہے کہ یہ اسماء اعلام ہیں۔ اسماء مشتقہ نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اگر ''خالق ورزاق'' خلق ورزق سے مشتق ہوتے تو وہ ہمیشہ سے صاحب خلق ہوتا کہ مخلوق کو پیدا کرتا اور رزق دیتا۔

اگر کہا جائے کہ سمیع۔ بصیر۔ رحمٰن رحیم۔ غفور۔ ملک۔ یہ تمام اوصاف اس امر کے مقتضی ہیں کہ کوئی مسموع۔ مبصر۔ مرحوم۔ مغفور۔ عفو کردہ۔ قابل مغفرت (اور)۔ مملوک ہو۔

ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمیع وبصیر کہ وہی معنی ہیں جو علیم کے ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔ ایسا نہیں ہے جو اہل علم گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سمع وبصر بھی اس کی مخلوق کی طرح مسموع ومبصر کے ساتھ مخصوص ہیں۔ سوائے اس کے علم کے اور ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح نہیں فرمائی جو ہم پر اس کا قائل ہونا لازم ہوتا۔ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی خبر دی جائے جو خود اس نے اپنے متعلق نہ دی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**لیس کمثله شي و هو السميع البصير** '' (اس کے مثل کی سی کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے)۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسا سمیع ہے کہ سامعین میں سے کوئی اس کے مثل نہیں ایسا بصیر ہے کہ بصراء (دیکھنے والوں) میں سے کوئی اس کے مثل نہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ عزوجل ازل سے سنتا دیکھتا اور ادراک کرتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ ''**انني معكما اسمع وارى** '' (اے موسیٰ وہارون بیشک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سنتا اور دیکھتا ہوں) اور فرماتا ہے ''**وهو يدرك الا بصار** '' (وہ نگاہوں کا ادارک کرتا ہے) اور فرماتا ہے ''**والله يسمع تحاور كما**'' (اور اللہ تم دونوں کی باہمی گفتگو سن رہا تھا) اور **سمع الله لمن حمده** (اللہ سنتا ہے جو اسکی تعریف کرتا ہے) کہنے پر اجماع ثابت ہے۔ یہ نص (حدیث) ثابت ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ایسی اجازت کسی چیز کے لئے نہیں دی جیسی کہ اس نے نبی کو خوش آوازی کی دی کہ آپ قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھیں''

ہم کہتے ہیں کہ ''**يسمع و يرى . واسمع وارى ويدرك** '' یہ سب ایک ہی معنی میں ہیں اور وہ معنی ''**يعلم** '' کے (یعنی جانتا ہے) اور کوئی فرق نہیں۔ نبی کو خوش آوازی کی اجازت دینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ ''اذن'' بمعنی قبول سے مشتق ہے۔ جیسا کہ دربان اس کو اجازت دیتا ہے جس کو اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ اس ''اذن'' سے ماخوذ نہیں جو ایک عضو (کان) ہے۔ اگر ایسا ہوتا جیسا تمہارا گمان ہے تو پھر اسکا مبصرات کو دیکھنا اور مسموعات کو سننا حادثات ہوتا۔ وہ تاوقتیکہ نہ سنے سمیع نہ ہوتا۔ تاوقتیکہ نہ دیکھے بصیر نہ ہوتا اور ادراک نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے لہذا یہ سب بمعنی علم ہے اور اس سے زائد نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''**وربك يخلق ما يشاء و يختار** '' (آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے) ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا یہ اس کا ایک فعل ہے جو حادث ہے اور اس کا اختیار کرنا یہی اس کا پیدا کرنا ہے نہ کچھ اور یہ ذرا بھی از قبیل ''**يسمع و يبصر ويرى ويدرك** ''نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان تمام الفاظ کے اور علم کے ایک ہی معنی ہیں اور ''**يخلق و يختار** '' کا علم کے معنی میں ہونا جائز نہیں لیکن عفوو غفور حلیم ورحیم وملک میں سے ایک بھی اپنے ساتھ وجود مرحوم وعفو کردہ۔ ومغفور مملوک وحلم کردہ شدہ کا مقتضی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بذات خود رحیم وعفوو غفور وملک ہے۔ اس کے ساتھ ہی نص بھی وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہے۔ یہ سب اللہ عزوجل کے اسمائے اعلام ہیں۔

اگر یہ لوگ وہ حدیث بیان کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ''ان لوگوں کے اور کوان کے دیکھنے کے درمیان میں صرف ایک کبریائی کی چادر ہوگی جو اس کے چہرے پر ہوگی کہ اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار وہاں تک جلا دیں جہاں تک اس کی بصر (نظر) پہنچتی ہے''

اس روایت میں انہیں لوگوں کے قول کا ابطال ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ ہے کہ اس کی بصر ذو نہایت ہے۔ حالانکہ ہر ذی نہایت محدود و حادث ہے اور وہ لوگ اس کے قائل نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بصر کبھی لغت میں حفاظت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ نابغہ (شاعر) کہتا ہے۔

رایتک تر عانی بعین بصیرة و تبعث حُرّاسا علی و ناظرا

(تجھے دیکھتا ہوں کہ تو حفاظت کی آنکھ سے میری حفاظت کرتی ہے اور مجھ پر محافظ و نگہبان مقرر کرتی ہے)۔

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اس پردے کو کھول دے جو اس نے اپنی قدرت کے نیچے رکھا ہے تو بلا شک اس کی عظمت وہاں تک جلا دے جہاں تک اس کی حفاظت و رعایت اس کی مخلوق تک ہے۔ ایسا ہی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ''سب تعریفیں اسی اللہ کیلئے ہیں جس کا سمع آوازوں سے زیادہ وسیع ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کا علم ان سب سے وسیع ہے۔ وہ راز اور مخفی تر امور کو جانتا ہے۔

ہم اللہ کی مدد سے ایک اور بیان کا اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ سمیع و بغیر سمع کے اور بغیر بصر کے عقل میں نہیں آتا۔ اگر یہ صحیح ہے تو لازم آئے گا کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سمع و بصر ہے کیونکہ یہ بھی عقل میں نہیں آتا کہ جس کے لئے مکر ہو وہ ماکر نہ ہو اور جو ماکرین میں سے ہو وہ خود ماکر نہ ہو۔ نہ کسی کی عقل میں ایسا شخص آئے گا جو استہزاء کرے اور وہ مستہزی نہ ہو۔ نہ کسی کی عقل میں ایسا شخص آئے گا جو کید کرے اور کیاد نہ ہو۔ نہ کسی کی عقل میں یہ آئے گا کہ کوئی شخص کید و مکر کرے اور وہ کیاد و مکار نہ ہو اور خادع (فریب دینے والا) نہ ہو گا مگر اسی کو خادع کہا جائے گا جو خداع (فریب دہندہ) صاحب خدائع ہو اور ایسا شخص بھی عقل میں نہ آئے گا جو بھولے اور اسے نسیان ہو اور وہ ناسی (بھولنے والا) اور ذو نسیان نہ ہو۔ یہ وہ امور ہیں کہ عالم میں اس کے خلاف پائے جانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**واکید کیدا** '' (اور میں کید کرتا ہوں) اور فرماتا ہے ''**اللہ یستھزئ بھم** '' (اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے) اور فرماتا ہے ''**وھو خادعھم** '' (وہ ان کا خادع (فریب دینے والا ہے) اور فرماتا ہے۔ **افا منو امکر اللہ** '' (کیا یہ لوگ اللہ کے مکر سے مطمئن ہو گئے۔ اور فرماتا ہے ''**و مکرو اومکر اللہ واللہ خیر الماکرین** '' (اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا اور اللہ ماکرین سے بہتر ہے) اور فرماتا ہے ''**قل للہ المکر جمیعاً** '' (آپ کہہ دیجئے کہ تمام مکر اللہ ہی کے لئے ہے) اور فرماتا ہے ''**نسوا اللہ فنسیھم** '' (یہ خدا کو بھول گئے خدا انہیں بھول گیا) اور فرماتا ہے ''**سخر اللہ منھم** '' (خدا نے ان سے تمسخر کیا)۔

ان لوگوں کو لازم ہے کہ جب وہ اپنے رب کو سنیں اور اپنے استدلال کے طریقے سے اس کا وصف بیان کریں۔ ان کے پاس جو حاضر ہے اس میں جو کچھ مشاہدہ کیا ہے ان کا قیاس اسی پر ہے۔ تو یہ اللہ کا نام ماکر رکھیں اور کہیں کہ یا ماکر ہم پر رحم کر۔ آپس میں عبد الماکر نام رکھیں۔ اور یہی کلام کیاد۔ مستہزی۔ خداع۔ ناسی اور ساخر میں بھی ہے۔ ورنہ یہ اپنے قول کے خود ہی مخالف ہوں گے۔ اپنے رب کی صفات اور اپنے دین کے ساتھ کھیل کریں گے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ صفات تو مذمت وعیب ہیں۔ ہم تو اسے صرف صفات مدح سے موصوف کرتے ہیں تو انہیں دو بہت بڑی مصیبتیں لازم آئیں گی۔

ایک تو ان کا یہ اطلاق کرنا ہے کہ ان آیات میں اللہ عزوجل نے اپنے متعلق صفات ذم وعیب سے خبر دی ہے اور یہ کفر ہے۔

دوسری مصیبت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو ہر ایسی صفت سے موصوف کریں جو ان لوگوں میں مدح وحمد ہے۔ اگرچہ اس کے متعلق نص نہ آئی ہو ورنہ یہ خود اپنے قول کے خلاف کریں گے اور کوتاہی کریں گے وہ اسے یوں موصوف کریں کہ وہ عاقل ہے۔ شجاع ہے بہادر۔ ہے۔ سخی ہے خوش اخلاق ہے پاک نفس ہے بامروت ہے صاحب فضائل کاملہ ہے۔ شریف صورت ہے اچھا شخص ہے کہیں کہ وہ ”تیاہ “(متکبر) ہے اس پر قیاس کرلیں کہ وہ جبار ومتکبر ہے یہ کہیں کہ وہ مستکمر ہے کیونکہ لغت میں متکبر ومستکمر مساوی ہیں۔ ذی تیہ (ذی تکبر) وذی عجب (ذو غرور) وذی فلاں اور میں ان میں اور مکر وکبریا، میں ہم لوگوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کریں تو بالا جماع اسلام سے خارج ہو جائیں سوائے اس کے کہ شدت جہل اور اس کی تاریکی ونابینائی کا عذر کریں اور اگر اس سے بھاگیں اور اس دین کو چھوڑ دیں جو اللہ تعالیٰ کا نام رکھتے ہیں اور اسے صاحب سمع وبصر سے موصوف کرتے ہیں وہ تمام صفات جن سے وہ محض اپنی آرائے فاسدہ سے موصوف کرتے ہیں۔ جن کے متعلق کوئی نص نہیں آئی ہے۔ مثلاً ان کا متکلم وقدیم کہنا اور مرید کہنا۔ حالانکہ اس کے لئے ازل سے ارادہ ہے اور تمام وہ صفات کہ جن پر ان لوگوں نے بغیر اللہ کی جانب سے برہان کے جرات کی ہے۔ نیز یہ وہی صفات ہیں جن سے یہ منع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کے گمان کے مطابق صفات ذم ہیں کیونکہ سمع وبصر وحیات بھی صفات نقص ہیں۔ اس لئے کہ یہ اعراض ہیں جو اس شخص کے اندر حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں جن میں یہ ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ یہ صفات اللہ کے لیے اس طرح نہیں ہیں (یعنی اعراض وحوادث نہیں ہیں) تو ان سے کہا جائے گا کہ وہ صفات بھی (ایسی نہیں یعنی ذم نہیں) جب تم ان کا اطلاق اللہ پر کرو تو یہ بھی صفات ذم ہیں اور کوئی فرق نہیں۔

ان میں سے بعض نے مجھ سے کہا ہے کہ ہم لوگ تو محض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو کید کرتا ہے استہزاء کرتا ہے۔ مکر کرتا ہے اور بھولتا ہے اور وہ ان کا فریب دینے والا ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان لوگوں کو ان کے انہیں افعال پر جو ان سے صادر ہوتے ہیں ایسی جزا دیتا ہے جس کو اس نے ان ناموں سے نامزد کیا ہے میں نے کہا کہ ہاں۔ ہم بھی یونہی قائل ہیں۔ اس میں ہم تم سے جھگڑا نہیں کرتے کہ تمہیں اس سے راحت مل جائے۔ بلکہ ہم نے تم سے یہ کہا ہے کہ تم اس کا نام مستہزی۔ کیاد۔ خداع ماکر۔ ناسی وساخر رکھو۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ان لوگوں کو ان کے انہیں افعال پر جو جزاء دیتا ہے اس کو اس نے انہیں ناموں سے نامزد کر دیا ہے جیسا کہ تم نے ”یکید“ (کید کرتا ہے) ویستھزی (استہزا کرتا ہے) وینسی (بھولتا ہے)”وھو خادعھم ‘ ‘(وان کا فریب دینے والا ہے) میں کہا ہے بالکل برابر برابر ہے اور کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ تم نے کہا ہے کہ افعال اپنے فاعل کے لئے وہی نام واجب کرتے ہیں جو نام ان کے فعل کے ہوتے ہیں۔ وہ شخص شرمندہ ہو کے خاموش ہو گیا۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے انہیں چھٹکارا نہیں۔

اس دلیل سے اور جو ہم نے بیان کیا اس سے اس شخص کا معارضہ کیا جا سکتا ہے جو کہتا ہے کہ ہم نے جہل کی نفی کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام عالم رکھا ہے۔ عجز کی نفی کے لئے قادر نام رکھا ہے۔ گونگے پن کی نفی کے لئے متکلم نام رکھا ہے۔ موت کے نفی کے لئے حیّ نام رکھا ہے یہ لوگ اس اعتراض سے ہرگز بچ نہیں سکتے۔ ہم لوگ تو اگر نص نہ وارد ہوئی ہوتی کہ وہ علیم ہے قدیر ہے عالم الغیب والشہادہ ہے اس پر قادر ہے کہ ان

لوگوں کے مثل پیدا کر دے اور حیؔ ہے، تو ہرگز جائز نہ رکھتے کہ ان میں سے کوئی بھی نام اللہ تعالیٰ کا رکھا جائے۔ نہ یہ جائز ہوتا کہ یہ کہا جائے کہ وہ حیات کے سبب سے حیؔ ہے۔

اگر وہ کہیں کہ حیؔ بغیر حیات کے کیونکر ہوسکتا ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ حیؔ غیر حساس اور غیر متحرک بالا رادہ اور غیر ساکن بالا رادہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ یہ بھی تو وہی بات ہے جو ہرگز عقل میں نہیں آتی نہ عرف میں ہے نہ وہم میں آتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر حسؔ ولا حرکت ولا سکون کے اوصاف جاری کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ ہمارا اس کا حکیم نام رکھنا عاقل سے بے نیاز کرتا ہے کریم نام رکھنا سخی سے بے نیاز کرتا ہے۔ جبار و متکبر نام رکھنا متجبر و مستکبر وتیاہ وزاہی سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ قوی نام رکھنا شجاع وجلد سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ہم کہیں گے کہ یہ تمہاری طرف سے اپنے بنائے ہوئے اصول کا ترک کرنا ہے جو اس پر سمع و بصر و حیات و ارادے و تکلم کا اطلاق کرنے کے متعلق تھا۔ تمہاری دلیل یہ تھی کہ جو سمیع ہوگا اس کے لئے سمع ضروری ہے جو بصیر ہوگا اس کے لئے بصر ضروری ہے۔ جو حیؔ ہوگا کہ اس کے لئے حیات ضروری ہے۔ جو مرید ہوگا اسکے لئے ارادہ ضروری ہے۔ جس کے لئے کلام ہوگا وہ متکلم ہوگا۔ تم نے ان تمام امور کا بغیر کسی برہان کے اللہ عزوجل پر اطلاق کیا تھا۔ اگر تمہارے نزدیک وہ اوصاف جن کے متعلق نص وارد ہوئی ہے یعنی حکیم۔ قوی۔ کریم۔ متکبر۔ جبار۔ ان اوصاف کے قائم مقام ہیں یعنی عاقل۔ شجاع و سخی و متجبر و مستکبر وتیاہ وزاہی کے تو پھر تم کیوں اجازت دیتے ہو کہ باری تعالیٰ کا ان میں سے کوئی نام رکھا جائے تم بھی وہی کہو جو ہم لوگ کہتے ہیں کہ سمیع۔ بصیر۔ حیؔ۔ ولہ کلام۔ و یرید'' ذکر سمع و بصر و ارادے و متکلم کے جائز کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

تمہارا یہ کہنا کہ ''قوی بے نیاز کرتا ہے شجاع سے'' غلط ہے۔ کیونکہ اکثر قوی غیر شجاع ہوتا ہے اور اکثر شجاع غیر قوی ہوتا ہے۔ اسی طرح رحمٰن بھی رحیم سے بے نیاز کر دیتا ہے اور خالق باری و مصور سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ جن کے متعلق نص آئی ہے ان میں سے بعض پر مقصور و محدود کر دینا جائز نہیں اور نہ وہاں تک بڑھانا جائز ہے جہاں تک نص نہ آئی ہو۔ ہم ان سے کہیں گے کہ اب تم ہدایت پا گئے اور تمہیں راہ راست کی توفیق مل گئی اور تم اپنے رب سے اس امر کی زبردست دلیل کے ساتھ مل گئے کہ تم نے اس کی حدود سے تجاوز نہ کیا۔ نہ تم نے اس کے اسماء میں کجروی اختیار کی۔ نہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اس کے ساتھ ہی ہم نے انہیں جو الزام دیا ہے وہ جن امور کا انہوں نے التزام کیا ہے ان کی وجہ سے ان پر لازم ہے۔ اس لئے یقینی طور پر ہم اور وہ جانتے ہیں کہ فعل بذات خود قائم نہیں ہوتا۔ اسے کسی فاعل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فاعل بھی فعل کی طرف منسوب کیا جائے اس کے معنی وصف کی بناء پر کہ اس کا یہ فعل وہ ہے کہ عالم میں کسی شے کا وجود اس رتبے کے خلاف عقل میں قائم نہیں ہوتا۔ عالم میں ہم کثیر اشیاء پاتے ہیں جن کے وصف میں ایسی صفت کی حاجت نہیں ہوتی کہ اس سے اس صفت کی ضد کی نفی کی جائے۔ مثلاً آسمان و زمین۔ کہ ان میں سے کسی کو بھی نابینائی کی نفی کے لئے بصر سے موصوف کرنا جائز نہیں اور نہ بصر کی نفی کے لئے نابینائی سے موصوف کرنا جائز ہے جب ہم ان اشیاء کے وصف میں جو ہمارے درمیان ہیں۔ اس پر مجبور نہیں ہیں تو انکا باری تعالیٰ کو بعض موجودات عالم پر قیاس کرنا باطل ہوگیا۔ تمام صفات میں سے کسی صفت کا خالق صفات و موصوفین پر اطلاق کرنا جس سے اس نے خود اپنے کو نامزد نہ کیا ہو

نہایت بعید اور شدید ممتنع ہے ہم اس اقرار کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اس کو اس کے ماسوا تک نہیں بڑھاتے۔

جو شخص یہ التزام کرنے سے نہیں شرماتا کہ جب وہ اشیائے عالم کو پائے تو انہیں موت کی نفی کے لئے حیات سے موصوف کیا جائے۔ نابینائی کی نفی کے لئے بصر سے موصوف کیا جائے اور وہ اپنے اس قیاس فاسد کو جاری نہیں کرتا کہ وہ اس کو مستہزی و کیاد سے نامزد کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انه یستهزی ویکید" وہ استہزاء کرتا ہے کید کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسے یہاں پر اس فعل کی گردان سے باز رہنے کی توفیق دی تو وہ کیوں نہ اسی توفیق پر چلا کہ اللہ تعالیٰ کی نص کے مطابق سمیع و بصیر وحی پر قطعاً کچھ اضافہ نہ کرتا۔ اس شخص سے اختلاف بیانی سہل ہے جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھامے اپنے دین میں اور ان اسماء واوصاف میں جو وہ اللہ تعالیٰ پر جاری کرتا ہے اپنی رائے وقیاس پر عمل کرے۔ نعوذ بالله من الضلال و الخذلان۔ اسی سے معتزلہ کا وہ الزام بھی باطل ہو گیا جو انہوں نے ہمیں دینا چاہا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا سیئات (برائیاں) پیدا کرنے کی وجہ سے مسیئی (برائی کرنے والا) نام رکھیں اور شر پیدا کرنے کی وجہ سے اس کا نام شریر رکھیں۔

ان میں سے بعض نے یہ دعویٰ کرنے میں فریب وہی کی ہے کہ ہر وہ صفت جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اس کی بقیہ صفات کے مغایر ہوتی ہے۔ اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اس سے موصوف ہے کہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے اور وہ اس سے موصوف نہیں کہ وہ اپنی ذات پر قادر ہے۔ اگر علم وقدرت ایک ہی شے ہوتے تو دونوں اطلاق کرنے میں ایک ہی طریقے پر جاری ہوتے۔

ہم اللہ کی مدد سے اپنے کلام سابق میں اس کا بطلان واضح کر چکے ہیں اللہ کی مدد سے ایک اور بیان کا اضافہ کرتے ہیں ہم اسی کی تائید سے کہتے ہیں کہ تغایر محض معلومات ومقدورات میں واقع ہوتا ہے نہ کہ قادر و عالم میں۔ اس میں ہمارے اور ان کے نزدیک کوئی شک نہیں کہ علیم وقدیر واحد ہے۔ وہ علیم بذات خود ہے۔ ان کے نزدیک یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اپنی ذات پر قادر ہے۔ جب یہ حکم اس کا باعث نہ ہوا کہ قدیر غیر علیم ہو تو بلا شک یہ اس کا باعث بھی نہ ہوگا کہ علم غیر قدرت ہو۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا حیات زید کا علم زید کی موت کے قبل اور اس کے ایمان کا علم اس کے کفر کے قبل آیا یہ وہی اس کے کفر وموت کا علم ہے یا اس علم کے مغایر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ موت زید کا علم مغایر ہے حیات زید کے علم کے اور کفر زید کا علم مغایر ہے ایمان زید کے علم کے۔ تو انہیں تغایر علم لازم آئے گا اور حدوث علم کا قائل ہونا پڑے گا۔ حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ایمان زید کے متعلق وہی علم ہے جو کفر زید کے متعلق ہے اور اس کا علم حیات زید کے متعلق وہی ہے جو اس کا علم موت زید کے متعلق ہے تو کہا جائے گا کہ علم کے تحت میں جب معلوم کا تغایر ہو تو تمہارے نزدیک یہ ذات علم میں موجب تغایر نہیں ہوتا۔ تم نے یہ کہاں سے واجب کر دیا کہ تغایر معلوم مقدور تغایر علم وقدرت کا موجب ہوگا۔ ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے خالق اور اس کے خلق کے قطعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اپنے جس وصف پر اور جن اسماء پر اللہ تعالیٰ نے تصریح نہیں فرمائی کسی کو جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان سے خبر دے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے جن اسماء کی تصریح فرمائی اور جس چیز سے اپنے متعلق خبر دی وہی حق ہے۔ ہم اس کا اقرار کر کے اسے اللہ تعالیٰ کا دین سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان سب سے مراد اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ان تمام اسماء سے اس کی ذات کو تعبیر کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی شے بھی قطعاً غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتی اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ اس کے ہمراہ کوئی اس کا غیر ہو۔

ان میں سے بعض نے میرے سامنے اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سترہ اشیاء ہیں جو متغائر ہیں سب کی سب قدیم وازلی ہیں اور سب غیر اللہ ہیں میں نے انہیں میں سے کسی کی کتاب میں دیکھا ہے کہ وہ پندرہ ہیں (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے) بیان کیا ہے کہ وہ اشیاء یہ ہیں۔ (۱) سمع۔ (۲) بصر۔ (۳) عین۔ (۴) ید۔ (۵) وجہ۔ (۶) کلام۔ (۷) علم۔ (۸) قدرت۔ (۹) ارادہ۔ (۱۰) عزت۔ (۱۱) رحمت۔ (۱۲) امر۔ (۱۳) عدل۔ (۱۴) حیات۔ (۱۵) صدق۔

از روئے نص واز روئے عقل بھی ان لوگوں نے اپنے اصول سے کوتاہی کی ہے یہ ان اوصاف کو چھوڑ کر کہاں چلد یے؟ نفس۔ جلال۔ اکرام۔ جبروت۔ کبریاء۔ یدین۔ اعین۔ ایدی۔ قدم۔ حمد۔ قوت۔ یہ تمام الفاظ تصریح کے ساتھ آئے ہیں جس طرح علم وقدرت۔ یہ لوگ ان اوصاف کو چھوڑ کے کہاں رہ گئے حلیم سے حلم کریم سے کرم۔ عظیم سے عظمت۔ تواب سے توبہ۔ وہاب سے ہبہ۔ قریب سے قرب۔ لطیف سے لطف۔ واسع سے وسعت۔ شاکر سے شکر۔ مجید سے مجد۔ ودود سے ود۔ قیوم سے قیام۔ یہ بے انتہا ہیں جو ان اعداد کے کئی گونہ سے بھی متجاوز ہیں جن پر اقتصار کر کے انہوں نے اپنی گمراہی اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کجروی کا فیصلہ کر دیا۔ ان میں سے بعض نے جن صفات ذات کا دعویٰ کیا ہے ان میں ان کا ضافہ کیا ہے۔ استواء۔ تکلیم۔ قدم۔ وبقاء۔

میں نے اشعری کی مشہور کتاب ''موجز'' میں دیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''انک باعیننا'' (اے نوح تم ہمارے آنکھوں کے سامنے ہو) تو اس نے دونوں آنکھیں ہی مراد لی ہیں۔ الحاصل جو شخص اللہ عزوجل سے نہ ڈرے کہ وہ کیا کہتا ہے اور باطل سے نہ شرمائے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہم تو کہہ چکے ہیں کہ لفظ صفت کے متعلق ہرگز کوئی نص کس طریقے سے بھی نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس کے لئے علم وقوت وکلام وقدرت ہے۔ اس کے قائل ہیں کہ یہ سب حق ہے اور ان میں سے کوئی شے غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتی اور ہمارا وہی مددگار ہے۔

اس شخص سے کہا جائے جس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام علیم محض اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس کے لئے علم ہے۔ حکیم اس لئے کہ اس کے لئے حکمت ہے۔ اسی طرح اس کے بقیہ اسماء میں بھی۔ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بداہت وضرورت اس کو اجب کرتی ہے کہ عالم صرف اسی کا نام رکھا جائے گا جس کے لئے علم ہوگا۔ اسی طرح بقیہ صفات میں جب غائب کی تقسیم تمہارے گمان کے مطابق کی جاتی ہے۔ تم اللہ عزوجل کو اپنے حاضر کے مقابلے میں مراد لیتے ہو۔ لہٰذا بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو دل میں گذرنے والے کے اور صاحب فکر کے ضمیر میں ہوتا ہے جس سے وہ اشیاء کو جس حالت پر وہ ہیں پہچانتا ہے۔ اگر تم نے اپنے رب کو بھی اسی سے موصوف کیا (یعنی اپنی طرح اسے بھی صاحب ضمیر کہا) تو تم نے الحاد کیا اور کجروی کی۔ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں تم نے اپنے اقوال کو ترک کمر دیا۔ اگر تم نے اس سے منع کیا تو تم لے اپنے اس قاعدے کو ترک کر دیا جو تم نے اللہ تعالیٰ کے صفات سے اس کے اسماء مشتق کرنے کے متعلق بنایا ہے۔

علیم، حکیم، رحیم، قدیر اور جو اسی قسم کے الفاظ ہیں ان کا نام لغت میں صرف نعوت واوصاف ہے اور قطعاً ان کا نام اسماء نہیں جب انسان کا نام بھی حلیم حکیم رحیم رکھ دیا جائے اور یہ اس کا نام ہو جائے تو اس وقت یہ بھی اسمائے اعلام وغیر مشتق ہیں جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ حالانکہ یہ تمام الفاظ بہ نص قرآن وحدیث وباجماع جمیع اہل اسلام اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ولله الا سماء الحسنی فادعوہ بھا وذر ولذین یلحدون فی اسماء سیجزون ماکانوا یعملون

"(اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں بس انہیں ناموں سے اسے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجری کرتے ہیں انہیں چھوڑ و۔ جو وہ کیا کرتے تھے انہیں اس کی جزا دی جائے گی) اور فرماتا ہے "قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایاماتد عو افلہ الا سماء الحسنی "(آپ کہہ دیجئے کہ اللہ پکارو یا رحمٰن پکارو۔ جو بھی پکارو یہ اس کے اچھے اچھے نام ہیں) اور فرماتا ہے "ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون. ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الا سماء الحسنی "(وہ اللہ ہی ہے کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں۔ جو ملک، قدوس، سلام، مومن، مہیمن، عزیز، جبار، و متکبر ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ وہ اللہ خالق، باری و مصور ہے اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو جس نے انہیں یاد کر لیا وہ جنت میں جائیگا۔ وہ فرد ہے اور فرد ہی کو پسند کرتا ہے۔ (یعنی وہ واحد و غیر منقسم ہے) اہل اسلام میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں اور نہ اس میں کسی کا اختلاف ہے کہ یہ نہیں کہا جائیگا یہ اللہ عزوجل کے لغوت و اوصاف ہیں۔ اگر متاخرین میں سے کوئی ایسا شخص پایا گیا ہے جو یہ کہتا ہے تو البتہ یہ قول باطل ہے اور کلام الٰہی کے خلاف ہے۔ دین میں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کے اقوال حجت نہیں۔ جب ہمارے قول میں کوئی شک نہ رہا تو یہ اسماء ہرگز صفت سے مشتق نہیں۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم لوگ یہ کہتے ہو کہ یہ اسماء مشتق ہیں تو ہمیں بتاؤ کہ ان کا اشتقاق کس نے کیا۔ اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ان کا اشتقاق کیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ پر ایک کذب کا بنانا ہے جس نے اپنے متعلق اس کی خبر نہیں دی۔ اس میں تم ان امور کے درپے ہو گئے جن کے متعلق تمہارے پاس کوئی علم نہیں آیا۔ اگر وہ کہیں کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتق کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کرنے سے پہلے ہی ان اسماء سے اپنے کو نامزد کیا تھا اور صرف ان کے متعلق آپ کو وحی بھیج دی لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کہنا کہ یہ اسمائے مشتقہ ہیں یہ اللہ تعالیٰ پر افترا و کذب ہے۔ ونعوذ باللہ من ذلک۔

اس واضح برہان سے یہ ثابت ہو گیا کہ اب نہ تو علیم علم پر دلالت کرتا ہے۔ نہ قدیر قدرت پر اور نہ حی حیات پر اور اسی طرح بقیہ الفاظ بھی ہم جو علم قدرت و قوت و عزت کے قائل ہو گئے ہیں وہ دوسری نصوص سے قائل ہوئے ہیں جن کی طاعت اور ان کا قائل ہونا واجب ہے۔

ہم نے متاخرین اشعریہ مثلاً باقلانی و ابن فواک کو یہ کہتے ہوئے پایا ہے کہ یہ اسماء اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء نہیں ہیں۔ یہ اس کے لئے تسمیات (نامزدگیاں) ہیں۔ اللہ کے لئے صرف ایک ہی نام ہے۔

یہ ملحدانہ قول ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت ان آیات کی تکذیب کے ذریعے سے جو ہم نے تلاوت کی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بھی مخالفت ہے جس میں آپ نے اسماء کی تعداد کی تصریح فرمائی ہے اور اہل اسلام کے اجماع عام و خاص کا توڑنا ہے قبل اس کے کہ یہ فرقہ پیدا ہو اہل اسلام نے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام "قدیم" ایجاد کیا ہے۔

یہ قطعاً جائز نہیں اس لئے کہ کسی نص سے ثابت نہیں۔ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا نام رکھا جائے جو خود اس نے اپنا نام نہ رکھا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کا لعرجون القدیم "(اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے) ثابت ہو گیا کہ قدیم صفات مخلوقات میں سے ہے لہذا جائز نہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا

نام رکھا جائے۔ لغت میں تو قدیم بمعنی قدمیۂ زمانیہ معروف ہے۔ یعنی یہ شے اسی شے سے ایک مدت معینہ کے بقدر اقدم (یعنی پہلے) ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے منفی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لفظ سے نام رکھے جانے سے لفظ اول کی وجہ سے بے نیاز ہے یہ اس کا وہ نام ہے (یعنی اول) کہ اس میں کوئی غیر اس کا شریک نہیں اور وہ ازلی کے معنی میں ہے۔

ہم برہان سے ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا استدلال سے نام رکھنا جائز نہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ ایک شخص تو اپنے رب کا نام جسم رکھے۔ وجود ثابت کرنے اور عدم کی نفی کرنے کے لئے اور ایک شخص اس کا نام قدیم رکھے اس لئے کہ وہ ازلی ہے اور حدوث اس سے منفی ہے۔ یہ دونوں لفظ کسی نص میں نہیں آئے۔

اگر کوئی کہے کہ جس نے اس کا نام جسم رکھا اس نے الحاد کیا اس لئے کہ اس نے اللہ کو مثل اجسام کے کر دیا۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ جس نے اس کا نام قدیم رکھا اس نے بھی الحاد کیا اس لئے کہ اس نے اسے مثل قدماء کے بنا دیا۔

اگر وہ کہے کہ عالم میں بہت سے قدماء نہیں ہیں۔ تو قرآن کی وہ آیت اسے جھٹلائے گی جو ہم نے بیان کی اور اسے وہ زبان بھی جھٹلائے گی جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس لئے کہ علم لغت میں ہر صاحب لغت یہ کہتا ہے کہ یہ شے اس سے اقدم ہے یہ امر قدیم ہے زمانہ قدیم ہے شیخ قدیم ہے عمارت قدیم ہے اور اسی طرح ہر شے میں۔

ایمان کے پیدا کرنے کی نفی کرنا تو یہ لوگ یہ بھی عجیب بات لائے۔ ایمان ہے ہی کیا۔ مومن کا فعل ہے جو اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو گھٹتا ہے اور بڑھتا ہے اور چلا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہ خود صفات حدوث میں سے ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ بھی تو مومن ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ ہاں وہ مومن مہیمن مصور ہے۔ مگر اس کے یہ سب نام علم ہیں۔ ایسی صفات سے مشتق نہیں جو اس میں محمول ہوں۔ اللہ اس سے برتر ہے سوائے اس کے جو اس کے کسی فعل کی وجہ سے اس کا نام رکھ دیا جائے تو یہ ظاہر ہے مثلاً خالق و مصور۔ اگر تم ان میں بھی کہو کہ یہ بھی صفات ازلی ہیں تو تم کو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی ازلی تصویر کا مصور ہے اور یہ خالص وہریسین کا قول ہے۔ **وبالله تعالىٰ التو فيق۔**

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ قول کہ سمیع سمع سے ہے۔ بصیر بصر سے ہے۔ حی حیات سے ہے۔ تشابہ کو واجب نہیں کرتا اور ایک شے دوسری شے کے مشابہ جب ہی ہو سکتی ہے جب وہ اس کے قائم مقام ہو سکے۔

یہ کلام بھی انتہائی احمقانہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دعویٰ بلا برہان ہے نہ تو شریعت کی طرف سے کوئی برہان ہے اور نہ طبیعت سے نہ تو لغات میں کوئی اختلاف ہے نہ طبائع میں اور نہ اقوام میں کہ مشبہات کے (یعنی جن میں تشبیہ دی جاتی ہے اور ایک کا دوسرے کو مشابہ کہا جاتا ہے) درمیان جو نسبت ہوتی ہے وہ محض ان کے صفات جسمانی و اعراض ذاتی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**ومامن دابة فی الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم**" (اور کوئی زمین میں چلنے والا اور کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہے ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح امتیں نہ ہوں)۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ آیا کسی ذرا سی عقل رکھنے والے نے بھی کہا ہے کہ گدھے کتے اور کیڑے مکوڑے ہمارے قائم مقام ہیں یا ہمارے ہمسر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا قول بیان فرمایا ہے "**ان نحن الا بشر مثلكم**" (ہم لوگ تو محض تمہاری ہی طرح بشر ہیں) آیا کبھی کسی مسلمان نے کہا ہے کہ کفار انبیاء کے قائم مقام ہیں اور ان کے جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے "**كانهن اليا قوت و**

المرجان ” (گویا کہ وہ حورعین یاقوت ومرجان ہیں)۔ کیا کسی ذرا سی عقل والے نے بھی کہا ہے کہ یاقوت حورعین کا قائم مقام اور جانشین ہے۔ اس قسم کی تشبیہات کلام الٰہی اور ہر امت کے کلام میں بکثرت ہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ اتنی بڑی بات کہتے کے بعد ان لوگوں نے اپنے آپ کو بھلا دیا انہوں نے بعض احوال میں باہمی مشابہت کو محض قیاس سے شریعت بنانے کا موجب قرار دے دیا۔ یہ وہ دین ہے جس کی اللہ نے کبھی اجازت نہیں دی۔ وہ ہمیشہ سے ایک شے اور اس کی ضد میں ہیں اور تعمیر کرنے اور منہدم کرنے میں ہیں۔ **ونعوذ باللہ من الخذ لان۔**

تماثل وتشابہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دو جسم جو مشابہ ہوتے ہیں تو وہ صرف ایسی صفت میں مشابہ ہوتے ہیں جو ان دونوں میں محمول ہوتی ہیں اور ہر دو عرض جب مشابہ ہوتے ہیں تو وہ صرف اس طرح کہ دونوں ایک نوع کے تحت میں واقع ہوتے ہیں مثلاً حمرت (سرخی) و حمرت۔ یا حمرت وخضرت (سبزی) اور یہ وہ امر ہے جو معائنے و اول حس وعقل سے سمجھ میں آتا ہے۔ **وباللہ التوفیق۔**

حیات سے کیا مراد ہے؟

لوگوں نے کہا ہے کہ دلیل اس امر کو واجب کرتی ہے کہ باری تعالیٰ حیؔ ہے۔ اس لئے کہ افعال حکمت حیؔ ہی سے صادر ہو سکتے ہیں۔ نیز وہ عقل میں صرف حیؔ (زندہ) یا میت (مردہ) ہی آتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ جس فعل کا وقوع حیؔ سے ثابت ہونیت سے بھی اس کے وقوع کا امکان ہے۔

ان لوگوں کی دو قسمیں ہوگئی ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیؔ ہے مگر حیات سے نہیں۔ دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ وہ حیؔ ہے حیات کے ساتھ۔ اس گروہ نے استدلال یہ کیا ہے کہ حیؔ بغیر حیات کے کسی کی عقل میں نہیں آ سکتا۔ حیؔ بھی محض اس لئے حیؔ ہوتا ہے کہ اس کے لئے حیات ہے اگر یہ نہ ہو تو وہ حیؔ ہی نہ ہو۔ اگر یہ جائز ہو کہ حیؔ بغیر حیات کے ہو تو یہ بھی جائز ہو کہ حیات بھی بغیر حیؔ کے ہو۔ پہلے گروہ نے کہا ہے کہ حیؔ اس لئے حیؔ نہیں ہوتا کہ اس کے لئے حیات ہے بلکہ وہ اس لئے حیؔ ہوتا ہے کہ وہ فاعل ہے عالم ہے قادر ہے اور عالم و قادر و فاعل حیؔ ہی ہوتا ہے۔

یہ دونوں قول نہایت فاسد ہیں اس لئے کہ یہ دونوں گروہ بطریق استدلال اپنے رب کا نام حیؔ رکھنے پر متفق ہیں۔ یا تو اس سے موت و جمادیت کی نفی کر کے۔ یا اس لئے کہ وہ فاعل ہے قادر ہے عالم ہے اور فاعل و قادر و عالم صرف حیؔ ہی ہو سکتا ہے۔ انہیں لازم ہے کہ وہ اپنے اس استدلال کو رد کر دیں ورنہ وہ اختلاف بیانی کے مرتکب ہوں گے جب وہ اپنے اس استدلال کو رد کر دیں گے تو انہیں لازم ہوگا کہ وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے۔ اس لئے کہ کبھی کوئی فاعل، عالم، قادر، حکیم، بجز جسم کے ان کی عقل میں نہ آیا ہوگا۔ جب یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ جسم ہے تو یہ اس پر بھی دلیل نہیں ہے کہ وہ حیؔ ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس پر ان دونوں کا اتفاق گروہ اول پر واجب کرتا ہے کہ وہ بھی اپنے استدلال کو رد کر دیں۔ ورنہ وہ بھی فاسد ہے۔

ہمارے درمیان قادر و عالم وہی ہوتا ہے جو صاحب حیات ہو اور بغیر حیات کے کوئی حیؔ نہیں ہوتا۔ اس کے سوا قطعاً کوئی اور بات عقل میں نہیں آ سکتی۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم میں اور ان میں کیا فرق ہے جو تمہارے قول کا عکس کر دیں اور کہیں کہ جب یہ ضروری نہیں کہ یہ کہا جائے کہ حیؔ کے لئے حیات ہے اس لئے کہ وہ حیؔ ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جب کوئی حیؔ ہوگا تو اس کے لئے حیات بھی ہوگی اور نہ حیؔ کو حیؔ اس لئے کہا جائے گا کہ اس کے لئے حیات ہے تو اسی طرح یہ بھی واجب نہیں کہ فاعل اس لئے فاعل ہو کہ اس کے لئے حیات ہے بلکہ وہ محض اس وجہ سے فاعل ہے کہ اس کے لئے فعل ہے۔ نہ یہ واجب ہے کہ فاعل اس لئے فاعل ہے کہ وہ عالم و قادر ہے بلکہ وہ اس لئے فاعل ہے کہ اس کے لئے فعل۔ نہ یہ واجب ہے کہ مرکب اس ترکیب کی وجہ سے حادث ہو جو اس میں ہے۔

جو ان قضایا میں سے چند کا قائل ہے اس کا قول بہ نسبت اس کے صحیح ہے جو یہ کہتا ہے کہ حیؔ کا حیؔ ہونا اس استدلال کی رو سے یہ نہیں چاہتا کہ اس کیلئے حیات ہو۔ اس لئے کہ ہم نے کبھی کوئی حیؔ بغیر حیات کا نہیں پایا۔ نہ ہم اس کا وہم کر سکتے ہیں۔ نہ عقل میں اس کی کوئی صورت آ سکتی ہے اور نہ یہ کسی دلیل سے ممکن ہی ہے۔ حالانکہ ہم مکڑی۔ شہد کی مکھی اور بھجنگے کو اس حالت میں پاتے ہیں کہ یہ اپنے افعال اور گارے اور

موم کی عمارت جو مسدس ہوتی ہے ایک ہی ترتیب سے ہوتی ہے اور بناوٹ کے ذریعے سے ہوتی ہے حکمت کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کو بھی حکیم کہنا جائز نہیں۔

اگر وہ کہے کہ ہم تو اسے حی محض استدلاً کہتے ہیں کہ وہ نہیں مرے گا۔ یہ قول تو اور بھی بیہودہ ہے اور اس پر اسے یہ کہنا لازم ہے کہ ہم لوگ احیاء نہیں ہیں اس لئے کہ ہم مریں گے اور عالم میں کوئی بھی حی نہیں۔ اس لئے کہ اس قائل کا یہ بھی قول ہے کہ ملائکہ بھی مریں گے۔ لہذا اس کے قول پر عالم میں کوئی بھی حی نہیں۔

ان میں سے بعض نے عجب مضحکہ خیز ہذیان بکا ہے اور کہا ہے کہ ہم نے ایسی چیزیں پائی ہیں جن میں حیات ہے مگر وہ حی نہیں اور وہ انسان کے ہاتھ پاؤں ہیں۔

جس شخص کے جہل کی یہ مقدار ہو اسے مناسب ہے کہ وہ کلام کرنے سے پہلے علم حاصل کرے کیا اسے علم نہیں کیا وہ جاہل ہے کہ حیات محض نفس کے لئے ہوتی ہے نہ کہ جسد کے لئے۔ کیا اس نے یہ کلام ابھی نہیں سنا ”**فانها لا تعمى الابصار و لكن تعمى القلوب التى فى الصدور**“ (بیشک آنکھیں نابینا نہیں ہوتی بلکہ وہ دل نابینا ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں)۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اگر اس حماقت کا اسی پر عکس کر دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ انسان کا ہاتھ حیّ ہے اور اس میں حیات نہیں ہے، تو وہ اس جنون سے جو اسی کے جنون کے مطابق ہے کیسے بچے گا۔

جب ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا تو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد و قوت سے دوسرے گروہ سے جو حاضر موجود پر استدلال کر کے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیات کے ساتھ حیّ ہے کہتے ہیں کہ تم میں اور اس میں کیا فرق ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، اس لئے کہ افعال جسم ہی سے صادر ہوتے ہیں۔ تمہارے اصول کے مطابق بجز اس کے عقل میں نہیں آتا کہ فاعل جسم ہو یا عرض ہو مگر جب فعل کا امکان عرض ہے۔ باطل ہے تو اس کا صدور صرف جسم سے ثابت ہو گیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ عالم وہی ہو گا جو جسم ہو صاحب ضمیر ہو تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جسم و صاحب ضمیر ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ قادر ہے اور قادر بھی جسم ہی ہوتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ جسم ہے پھر کس چیز سے انہوں نے اس سے بچنے کا ارادہ کیا ہے جو ان کے استدلال میں مساوی اور برابر طور پر اور اسی کے مثل ان پر عکس کر دیا جائے جس کا انہوں نے التزام کیا ہے ان کو وہی لازم آئے گا۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر تو دی ہے کہ وہ حیّ ہے مگر اس نے یہ خبر نہیں دی کہ وہ جسم ہے تو ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی تو نہیں دی کہ اس کے لئے حیات ہے۔

اگر وہ کہیں کہ حی خود اپنے لئے حیات کا مقتضی ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ حیّ اس کا مقتضی ہے کہ وہ جسم ہو اور اسی طرح ہمیشہ

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**وتوكل على الحىّ الذى لا يموت**“ (اور اسی حیّ پر بھروسہ کیجئے جو نہیں مرے گا) لہذا واجب ہے کہ وہ حی بحیات ہو تو ان سے کہا جائے گا کہ اگر یہ واجب ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**لا تاخذه سنة ولا نوم**“ (اسے نہ غنودگی آتی ہے نہ نیند) تو کہا کرو کہ وہ بیدار ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح نہیں فرمائی کہ وہ بیدار ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس نے یہ بھی تصریح نہیں فرمائی کہ اس کے لئے حیات ہے۔

اگر وہ کہیں کہ حی مقتضی ہے حیات کا تو ان سے کہا جائے گا کہ جو نہ خواب میں ہو نہ غنودگی میں تو وہ بیدار ہے اور کوئی فرق نہیں۔

ان سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ تم نے اس کے لئے حیات ضروری ٹھہرا کے اس سے کس چیز کی نفی کی۔ کیا تم نے اس کے ذریعے سے اس سے موت معہود و وفات معہود کی نفی کی یا موت و وفات غیر معہود کی کسی تیسری قسم کی گنجائش نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے اس سے موت و وفات معہود کی نفی کی۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ موت و وفات معہود سوائے حیات معہودہ کے جو حس و حرکت و سکون ارادی کا نام ہے منتفی نہیں ہوتی حالانکہ یہ تمہارے قول کے خلاف ہے۔ اگر تم اسی کے قائل ہو گے تو ہم تمہارے قول کو انہیں دلائل سے باطل کریں گے جن سے ہم نے مجسمہ کے قول کو باطل کیا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ ہم ان سے صرف موت و وفات غیر معہود کی نفی کی ہے تو ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ یہ عقل میں نہیں آتا، نہ وہم میں آتا ہے، نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا (یعنی موت و وفات غیر معہود) وہ اس حیات سے منتفی ہو جائے جس کا حی معقول کا نام مقتضی ہے۔

اسی طرح ہم اس میں بھی کہیں گے جو انہوں نے کہا ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا سمیع نام بہرے پن کی نفی کے لئے اور بصیر نابینائی کی نفی کے لئے اور متکلم گونگے پن کی نفی کے لئے رکھا ہے۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا ان سب کلمات سے تم نے معمولی گونگے پن اور معمولی بہرے پن اور معمولی نابینائی کی نفی کی ہے یا غیر معمولی گونگے پن اور غیر معمولی بہرے پن اور غیر معمولی نابینائی کی۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے ان سب معمولی عیوب کی نفی کی ہے تو ہم کہیں گے کہ معمولی بہرے پن کی نفی صرف اس سمع (سننے) سے ہوتی ہے جو معمولی اور مقرر ہے اور جو تندرست کان سے ہوتا ہے۔ معمولی نابینائی بغیر معمولی بصر کے منتفی نہیں ہوتی اور وہ تندرست آنکھ ہے۔ معمولی گونگا پن بھی بجز اس کلام معہود کے منتفی نہیں ہوتا جو زبان اور تالو اور ہونٹوں کی آواز ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان سب کلمات سے غیر معمولی عیوب کی نفی کی ہے تو ہم کہیں گے کہ نہ یہ معقول ہے نہ موہوم اور نہ کسی دلیل سے ثابت۔ اس سے اس کی نفی بھی نہیں ہو سکتی جس کی نفی تم چاہتے ہو۔

اگر باری تعالیٰ ایسا ہوتا کہ وہ ازلی حیات سے حیّ ہوتا اور وہ ازلی حیات اس کی غیر ہوتی تو لامحالہ یہ لازم آتا کہ باری تعالیٰ مرکب ہوتا اپنی ذات اور اپنی حیات اور بقیہ صفات سے وہ کثیر ہوتا واحد ہوتا اور یہ اسلام کا ابطال ہے۔ **نعوذ باللہ من الخذلان۔**

یہ کہنا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسے امور سے خطاب کیا ہے جو ہماری عقل کے موافق ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ظاہری عقول میں ہے کہ فاعل بجز اس کے نہیں ہوتا کہ وہ عالم بہ علم ہو اور علم اس کے مغایر ہو۔ حیّ بہ حیات ہو اور حیات اس کے مغایر ہو۔ قادر بہ قدرت ہو اور قدرت اس کے مغایر ہو۔ متکلم بہ کلام ہو اور کلام اس کے مغایر ہو۔ سمیع بہ سمع ہو اور سمع اس کے مغایر ہو۔ بصیر بہ بصر ہو اور بصر اس کے مغایر ہو۔

ہم اللہ کی مدد سے کہتے ہیں کہ یہ قضیہ جیسا کہ انہوں نے بیان کیا جب تک اس پر کوئی برہان قائم نہ ہو اس کے خلاف ہے۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا کبھی تمہاری عقل یا وہم میں ایسی جلانے والی آگ آئی ہے جو پھل دار درخت میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت اس جہنم کی ہے جس کا تم انکار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ کبھی تمہاری عقل میں ایسی چڑیا بھی آئی ہے جو بغیر مرے یا بغیر آگ میں بھونے ہوئے کھائی جائے۔ یہ اس جنت کی صفت ہے جس کا انکار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اس قسم کا مضمون بہت ہے۔

حق صرف یہ ہے کہ ہم تو جو رواج و معہود ہے اور جو ہماری عقل میں آتا ہے اس سے باہر نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ کوئی برہان

(اس کے خلاف) آجائے۔ اگر وہ صرف اسی قدر دعوے پر قناعت کریں تو انہیں مجسمہ کے اسی قسم کے دعوے پر بھی قناعت کرنا چاہئے۔ کیونکہ انہوں نے بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف انہیں امور سے خطاب کیا ہے جو ہم سمجھیں اور ہماری عقل میں آئیں نہ کہ ان امور سے جو عقل میں نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس کے لئے آنکھ چہرہ اور ہاتھ ہے۔ وہ اترتا ہے اور ابر کے سایوں میں آتا ہے۔ یہ تمام امور انہیں پر محمول ہوں گے جو ہماری عقل میں آتے ہیں کہ یہ اعضاء حرکات وجسم ہے۔

وہ اس کو بھی پسند کریں جو مجسمہ نے کہا ہے کہ ہم نے عقلی بداہت اور ابتدائی عقل سے معلوم کیا اور ضروری ہے کہ فاعل جسم ہو اور مکان میں ہو۔ ضرورت عقل سے ہم نے جانا کہ کوئی شے اس کے سوا نہیں کہ وہ یا جسم ہے یا عرض ہے۔ جو ایسی نہ ہو وہ عدم ہے۔ جو چیز عرض نہ ہو وہ جسم ہے اور باری تعالیٰ عرض نہیں ہے لہذا وہ جسم ہے۔

وہ اس کو بھی پسند کریں جو اس قسم کی بات معتزلہ نے کہی ہے جبکہ انہوں نے ابطال رؤیت باری میں کہا ہے کہ ہم نے ضرورت عقل سے معلوم کیا ہے کہ سوائے رنگین جسم کے اور جو مکان واحاطے میں ہو کوئی شے دکھائی نہیں دیتی۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ بداہت وضرورت عقل سے ہم نے جانا ہے کہ جو شخص کوئی فعل کرے گا تو وہ اسی کے ساتھ موصوف کیا جائے گا اور وہ اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ شر وظلم پیدا کرتا تو یہ ضرور اس کی طرف منسوب ہوتا اور اسے ان دونوں سے موصوف کیا جاتا۔

دہریہ کی بھی اسی بات کو پسند کریں جبکہ انہوں نے کہا ہے کہ ضرورت عقل سے ہم نے جانا ہے کوئی شے یا تو کسی شے سے ہوگی یا کسی شئے میں ہوگی۔

ان میں سے ہر گروہ عقول پر باطل کا الزام لگاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی شے کے بارے میں بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اسے عقلی بداہت اور ابتدائی عقل سے پہچانتا ہے وہ اپنے اس دعوے میں غور کرے اگر وہ ان امور میں ہے ہو جو حواس و مشاہدے کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ دعویٰ کاذب وفاسد ہے اس لئے کہ عقول ان اشیاء کو واجب ٹھہراتی ہیں جو حواس میں متشکل ومتصور نہیں ہوتیں۔

مثلا وہ رنگ جس کا اندھا نہ وہم کرسکتا ہے، نہ کسی حاسے سے دریافت کرسکتا ہے اور وہ اپنی ضرورت عقل سے اس کو یقین کرتا ہے، اس لئے کہ اس کے وجود پر خبر صحیح اور تواتر ہے۔

مثلا وہ آواز جس کا قطعاً کوئی پیدائشی گونگا جس کی چندیا کے بال بھی اڑے ہوں نہ وہم کرسکتا ہے، نہ اس کی کوئی شکل سمجھ سکتا ہے اور وہ اپنی عقل سے آوازوں کے وجود پر یقین رکھتا ہے اس لئے کہ اس پر تواتر اور صحیح خبریں موجود ہیں۔ اگر یہ دعویٰ بلاتوسط حواس (پنجگانہ) عقل کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ دعویٰ سچا ہے۔

وہ تمام دعاوی جو ہم نے اشعریہ۔ مجسمہ۔ معتزلہ ودہریہ کے بیان کئے ہیں۔ ان میں ان لوگوں نے غلطی کی ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کا یہ حواس سے ادراک کرسکتے تھے اسے انہوں نے ابتدائی عقل کی طرف منسوب کردیا ہم کہہ چکے ہیں کہ عقل تو لامحالہ ان اشیاء کی معرفت واجب کرتی ہے جو حواس سے محسوس نہیں ہوتے۔ خاص کر دہریہ کے دعوے کا تو اسی قسم کے دعوے سے معارضہ کیا جاسکتا ہے کہ ضرورت عقل و اول عقل سے ہم نے جانا ہے کہ کسی جسم یا عرض کا ایسے زمانے میں وجود ناممکن ہے جس کا اول نہ ہو اور یہی حق ہے نہ کہ ان کا وہ دعویٰ جس کو انہوں نے ان اشیاء کی طرف پھیر دیا جن کا صرف اپنے حواس سے مشاہدہ کیا تھا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ان سے کہا جائے گا کہ جب تم نے اس سے موت ووفات کی نفی کرنے کے لئے اس کا نام حیّ اور عجز کی نفی کے لئے قادر اور جہل کی نفی

کے لئے عالم رکھا تو تمہیں لازم ہے کہ تم اس سے حس کی نفی کے لئے اس کا نام حساس جسم کی نفی کے لئے سمام (لطیف) جمادیت وسکون کی نفی کے لئے متحرک، حماقت کی نفی کے لئے عاقل اور بزدلی کی نفی کے لئے شجاع رکھو۔ اگر وہ اس سے باز رہے تو انہوں نے اسے حیّ۔ عالم وقادر و جواد نامزد کرنے میں اپنے استدلال میں اختلاف بیانی کی۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے جو اشیاء بیان کی ہیں ان میں سے اس کا کوئی نام رکھنا جائز نہیں اس لئے کہ اس کے متعلق نص نہیں آئی۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اسی طرح اس کے متعلق بھی کوئی نص نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حیات ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی نص آئی ہے کہ اس کا نام حیّ وقادر و عالم محض ان صفات کی اضداد کی اس سے نفی کے لئے رکھا گیا لیکن جب اس کے متعلق نص آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کا نام حیّ وقادر عالم رکھا جائے تو ہم نے بھی اس کے یہ نام رکھ دیے۔ اگر نص نہ ہوتی تو کسی کو بھی جائز نہ ہوتا کہ وہ ان میں سے کوئی نام اللہ تعالیٰ کا رکھے۔ اس لئے کہ وہ اسے اس کی خلق کے ساتھ تشبیہ دینے والا ہوتا۔

لفظ حیّ لغت میں عالم حقائق کے پہچاننے والے پر واقع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**لینذر من کان حیاً و یحق القول علی الکافرین**'' (تا کہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کفار پر حجت قائم کرے)۔ یہاں پر حیّ سے عالم۔ ایمان کا پہچاننے والا اس کا اقرار کرنیوالا۔ مراد لیا ہے۔

یہ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ تشبیہ کے منکر ہیں پھر پورے طور پر اسی کا ارتکاب کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جبکہ ہمارے نزدیک فاعل حیّ و عالم وقادر ہی ہوتا ہے تو واجب ہے کہ باری تعالیٰ بھی جو تمام اشیاء کا فاعل ہے حیّ و عالم وقادر ہو۔ یہ ان لوگوں کے اللہ کو مخلوق پر قیاس کرنے اور مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے کی تصریح ونص ہے قیاس کے ماننے والوں کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں کہ کسی شے کو سوائے اس کی نظیر کے قیاس کر لیا جائے۔ لیکن کسی شے کو ایسی چیز پر قیاس کرنا جو ہر حیثیت سے اس کے خلاف ہو اور ایسی چیز پر قیاس کرنا جو قطعاً کسی شے میں بھی اس کے مشابہ نہ ہو یہ قطعاً کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ قیاس تو کل کا کل باطل ہے جو جائز نہیں۔

وہ حیات جسے کوئی بھی عقل سے نہیں جانتا کہ وہ سوائے اس حیات کے کوئی اور شے ہے جو صرف حس و حرکت ارادیہ ہے اور کوئی شخص حیّ کو سوائے اس کے نہیں جانتا کہ وہ حساس و متحرک بالارادہ ہے یہ وہ امر ہے جو بداہت سے معلوم ہوتا ہے جو اس کا انکار کرے تو اس نے حس مشاہدے و بداہت کا انکار کیا۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس سے کلام کیا جائے۔

اگر ان میں سے کوئی معترض یہ کہے کہ غیر ذی روح بھی کبھی حرکت کرتا ہے تو اس شخص نے اپنی قوت جہل کے اظہار سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ اس لئے کہ ہم نے تو صرف حرکت ارادیہ کو کہا ہے جب یہ جاہل حرکت ارادیہ و حرکت اضطراریہ میں فرق نہ کر سکے تو اسے مناسب یہ ہے کہ کلام کرنے سے پہلے علم حاصل کرے۔

جو حرکت غیر حیّ سے ظاہر ہوتی ہے وہ اس کی حرکت ارادیہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کے کسی محرک کی تحریک ہوتی ہے خواہ وہ (محرک) باری تعالیٰ ہو یا اور کوئی اس سے کم ہو۔ جس دلیل سے ان کا قول بدیہی طور پر باطل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام حی محض اس لئے رکھا گیا کہ وہ عالم وقادر ہے۔ حالانکہ ہم بہت سے ایسے احیاء پاتے ہیں جو نہ عالم ہیں نہ قادر۔ مثلاً بچے اپنی ولادت کے وقت، یا وہ جو نیند کی بیماری میں مبتلا ہو، یا وہ مجنون جو سن ہو گیا ہو، یا کمزور کیڑے اور صوداب (سداب) جو اپنی جگہ سے منتقل نہ ہو سکے مثلاً بدن کا کوئی کٹا ہوا حصہ وغیرہ یا جیسے ہر حیوان کے مریض کہ یہ سب کے سب احیاء ہیں مگر ان میں سے نہ کوئی عالم ہے نہ قادر لہذا ثابت ہو گیا کہ حیات کے کوئی ایسے

معنی نہیں جو علم وقدرت کے ساتھ ربط و تعلق رکھتے ہوں۔

حق اس میں یہ ہے کہ بعض احیاء عالم قادر ہوتے ہیں اور ہر حیّ عالم وقادر نہیں ہوتا۔ مگر ایسے حیّ کا وجود ناممکن ہے جو غیر متحرک بالارادہ یا غیر حساس ہو۔

اگر یہ اس کو بیان کریں جس پر غشی طاری ہو۔ تو یہ انہیں پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نہ وہ عالم ہے نہ قادر (حالانکہ حیّ ہے)۔ مگر حس تو اس میں بدیہی طور پر موجود ہے۔ اگر اسے زور سے مارا جائے تو اس کے درد ہوگا اور ہوشیار ہونے کے وقت ضرور اس کو بتائے گا۔ اسی طرح حس وحرکت ارادیہ لامحالہ سن ہونے والے عضو میں اور بیہوش ہونے والے شخص میں باقی رہتی ہے۔

جو ضروری امر ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بطور استدلال نہ تو اللہ کا نام رکھ سکتے ہیں اور نہ اسکے متعلق کوئی خبر دے سکتے ہیں، جو نام ایسا ہو کہ اس کی مخلوق میں سے بھی کوئی اس میں شریک ہو اور خبر ایسی ہو کہ اس کی مخلوق میں ہے بھی کوئی اس میں اس کا شریک ہو۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قطعاً کسی شے سے جاہل نہیں ہے اور یہ وہ صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ وہ قطعاً غافل نہیں ہوتا، نہ وہ بھٹکتا ہے نہ اسے سہو ہوتا ہے نہ سوتا ہے، نہ حیران ہوتا، نہ کسی میں حلول کرتا ہے، نہ کوئی وہمی سے وہمی شے بھی اس سے پوشیدہ ہوتی ہے، نہ کسی درخواست سے عاجز ہے اور نہ وہ بھولتا ہے ان تمام امور کا سوائے اس کے مخلوق میں سے کوئی بھی مستحق نہیں۔

ہم ان امور کو مانتے ہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں اور جس طرح آئے ہیں نہ ہم بڑھاتے ہیں نہ اس سے گھٹاتے ہیں اور نہ کوئی حیلہ کرتے ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اس لفظ کے اطلاق میں جو اس کی مخلوق پر واقع ہوتا ہے خلاف معہود ہے (یعنی جس طرح ہمارے یہاں اس لفظ کا استعمال ہے اس طرح اس پر نہیں ہوا ہے)۔

لفظ صفت لغت عربیہ اور تمام لغات میں ایسے معنی سے عبارت ہے جو اپنے موصوف میں محمول ہوں۔ اس کے سوا صفت کے قطعاً کوئی اور معنی نہیں یہ وہ امر ہے جس کی اضافت ونسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز نہیں۔ سوائے اس کے کہ کسی نص میں جس سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق خبر دی ہو۔ تو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ اسم علم ہے اور ہرگز کسی صفت سے مشتق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر ہے جس سے غیر اللہ مراد نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی جزو سوائے اس کے کسی دوسرے کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا حیّ نام رکھتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے کوئی فعل سوائے حیّ کے کسی سے سرزد ہوتے نہیں دیکھا پھر کہتے ہیں کہ وہ احیاء کے مثل نہیں ہے۔ یہ اپنی دلیل کی طرف ایسے پلٹے کہ اسے فاسد کر دیا۔ اس لئے کہ جب انہوں نے فعل کا صدور ایسے حیّ سے ضروری ٹھہرایا جو مثل ان احیاء کے نہیں ہے جن سے افعال سرزد ہوتے ہیں تو انہوں نے اس کو باطل کر دیا کہ ظہور افعال اس امر کی دلیل ہو کہ وہ کسی حیّ سے سرزد ہوئے ہیں جیسا کہ انہوں نے پایا تھا۔

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس عالم میں ہر قادر کی قدرت محض عرض ہے جو اس کے اندر ہے حیّ معہود میں حیات بھی بضرورت عقل ایک عرض ہے جو اس میں ہے۔ علم بھی اس عالم میں ہر عالم کے اندر اسی طرح عرض ہے ان لوگوں نے اس پر ہم سے اتفاق کر لیا ہے کہ باری تعالیٰ اس کے خلاف ہے (یعنی اس میں عرض نہیں ہے) چونکہ یہ باطل ہو چکا ہے کہ یہ اس صفت قادر سے موصوف ہو جو قادر ہم لوگوں میں ہے اور اس صفت عالم سے موصوف ہو جو ہم میں سے ہے جو وہ صفت ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو نہ عالم عالم ہو نہ قادر قادر۔ کیونکہ ہمارے یہاں فعل اسی سے

سرزد ہوتا ہے جو اس صفت والا ہو۔ ضروری طور پر یہ باطل ہو چکا ہے کہ باری تعالیٰ کا ازروئے استدلال قادر و عالم وحیّ نام رکھا جائے۔ اس طور پر کہ ہمارے درمیان کوئی فعل بجز عالم و قادر کے سرزد نہیں ہوتا۔

جب ایسے علم وحیات کا وجود ان لوگوں نے مان لیا ہے جو عرض نہیں ہیں اور یہ امر قطعاً غیر معقول ہے، تو پھر انہیں ایسے حیّ وسمیع وبصیر کا بھی انکار نہ کرنا چاہئے جو بغیر حیات وسمع وبصر کے ہو۔ یہ سب معہود ورواج سے باہر ہے اور کوئی فرق نہیں ہے معہود ورواج سے باہر ہونے کی صرف اس وقت اجازت دی جاسکتی ہے جبکہ اس کے متعلق خالق عزوجل کی جانب سے کوئی نص آئی ہو یا اس پر کوئی برہان ضروری قائم ہو۔ ورنہ نہیں لفظ حیات وارادہ وسمع وبصر وحیات کے متعلق قطعاً کوئی نص نہیں آئی۔

بعض لوگوں نے اس قائل کے بالمقابل احتجاج کیا ہے جو کہتا ہے کہ حیّ تو حساس ومتحرک بالا رادہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے قطعاً کسی ایسے حیی کا مشاہدہ نہیں کیا جو حساس ومتحرک بالا رادہ نہ ہو۔ اس معترض نے کہا ہے کہ جس شخص کو یہ اتفاق ہوا ہو کہ اس نے گھاس سبزی دیکھی ہو اور جو چیز سبز دیکھی ہو وہ بھی گھاس ہی ہو، پھر اس نے یہ یقین کرلیا کہ جو چیز سبز ہوگی وہ گھاس ہی ہوگی تو اس نے غلطی کی۔

سب سے پہلے اس سے یہی کہا جائے گا کہ اپنے استدلال میں یہ بات اپنے دل سے کہو کہ تم نے کبھی کوئی فاعل نہیں دیکھا جو حیّ وعالم وقادر نہ ہو اور کوئی فرق نہیں ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے انہوں نے دھوکا دیا ہے۔ دھوکا یہ ہے کہ اس میں اور جس پر یہ واقع ہوا اس میں فرق نہیں سمجھتے۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ اعراض دو قسموں پر منقسم ہیں۔

ایک ذاتی ہے جس کے حامل کے بطلان سے اس کا بطلان وہم میں نہیں آتا۔ مثلاً حیّ کی حس وحرکت ارادیہ۔ اسی طرح انسان کے لئے احتمال موت اور اس کے لئے علوم کی تمیز کا اور صناعات میں تصرف کا ممکن ہونا اور جو اس کے مشابہ ہوا نہیں اعراض سے اشیاء کی وہ فصول و حدود قائم ہوتی ہیں جن سے ان میں اور ان کے غیر انواع میں جو ایک ہی جنس کے ماتحت ہوں فرق ہو جاتا ہے یہ قسم ہر اس شے میں قطعاً موجود ہوگی جس پر اس کے حامل کا نام واقع ہو۔

قسم ثانی غیری ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کے بطلان کا وہم ہو سکے اور وہ شے اس سے باطل نہ ہو جس میں یہ ہے۔ مثلاً اونٹ کا جگالی کرنا۔ شہد کی مٹھاس۔ کوے کی سیاہی۔ اگر تلخ شہد پایا جائے اور ہم نے اسے پایا ہے، تو اس سے اس کا شہد ہونا باطل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی سفید کوا پایا جائے اور پایا گیا ہے تو اس سے اس کا کوا ہونا باطل نہ ہوگا۔ اس قسم پر یقین نہیں کیا جاسکتا کیا وہ موجود ہے اور ہمیشہ اس کا ہونا ضروری ہے۔ اس نے جو گھاس سے دھوکا دیا ہے اس کے درمیان یہی فرق ہے۔ اس لئے کہ اگر سرخ یا زرد گھاس وہم میں آئے تو اس کا گھاس نام رکھنا باطل نہ ہوگا۔ ہاں اگر یہ وہم کیا جائے کہ گھاس زمین سے اگنے والی نہ ہو نہ وہ رطوبات زمین سے غذا لینے والی ہو۔ نہ ہوا کی حرارت ورطوبت کو جذب کرنے والی ہو تو یہ قطعاً گھاس نہ ہوگی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ باری تعالیٰ کو وہ بھی حیّ سمجھتا ہے جو اسے حساس ومتحرک بالا رادہ نہیں سمجھتا۔ اس سے کہا جائے گا کہ اسے وہ بھی حیّ سمجھتا ہے جو اس کے لئے حیات نہیں سمجھتا۔ وہ شخص اسے جسم سمجھتا ہے جو اسے مرکب وحادث نہیں سمجھتا۔ جہلا نے جن حماقتوں کا توہم کرلیا ہے وہ اہل عقل وعلم پر حجت نہیں ہیں۔ والحمدللہ رب العلمین۔

برہان ضروری

ہر صفت جو اس عالم میں ہے وہ لامحالہ عرض ہے جو دو طرفوں کے درمیان ہے یا ان دونوں طرفوں میں سے ایک طرف کے درمیان ہے جو عرض صاحب ضد ہے تو اس کا حامل (موصوف) لامحالہ اضداد کے قابل ہے۔ اس عالم میں کوئی عالم ایسا نہیں کہ اس کے جہل کا گمان نہ کیا جائے۔ نہ اس عالم میں کوئی قادر ایسا ہے کہ اس کے عجز کا گمان نہ ہو سکے۔ نہ کوئی حیّ اس عالم میں ایسا ہے کہ حرکت وسکون وحس واحتیاط کا اس سے وہم نہ کیا جا سکے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقی ارحم الراحمیں ہے نہ کہ مجازی۔ جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ اس کا خون و مال حلال ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بچوں کو چیچک میں، بدن کی کھانے والی جاریوں میں، آسیب میں، حلق کے درد میں اور مختلف دردوں میں مبتلا کرتا ہے، بھوک میں مبتلا کرتا ہے یہاںتک کہ وہ مر جاتے ہیں۔ بیٹوں کا باپ کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ اسی طرح ماؤں کو اور دوستوں کو، یہاںتک کہ وہ غم میں روتے روتے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح چڑیوں کو ان کے بچوں کا۔ حالانکہ ہمارے یہاں یہ رحمت کی صفت نہیں ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں جو اس نے اپنے رکھ لئے ہیں جو کسی ایسی صفت سے مشتق نہیں ہیں کہ اس میں محمول ہو۔ وہ اس سے برتر ہے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ عالم۔ قادر۔ حیّ۔ اول ورحیم اس کے خلاف ومغایر ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا۔ یہ تو تمہارا خود اپنے استدلال کو ایک ایسے شاہد سے باطل کرنا ہے جو باری تعالیٰ کے نام رکھنے اور اس کی صفات کے خلاف ہے۔

ہمارا بطریق استدلال باری تعالیٰ کو موصوف کرنا کہ وہ واحد اول حق خالق ہے تو اس میں ہم پر ان الزامات میں سے کوئی الزام نہیں آتا جو ہم نے اپنے مخالفین کو دیے ہیں۔ اس لئے کہ اس پر برہان قائم ہے کہ وہ اپنے ماسوا کا خالق ہے اور عالم میں قطعاً کسی وجہ سے بھی کوئی خالق نہیں ہے۔

اس پر بھی برہان قائم ہے کہ وہ واحد ہے اور اس کے سوا عالم میں قطعاً کسی وجہ سے بھی کوئی واحد نہیں۔ جو چیز عالم میں ہے وہ مکان میں ہونے اور احتمال تقسیم کی وجہ سے کثیر ہے۔

اس پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اول ہے اور عالم میں قطعاً کسی وجہ سے بھی کوئی اول نہیں جو کچھ عالم میں ہے وہ اول کے منافی ہے۔

اس پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ حق (ثابت موجود) بالذات ہے اور جو کچھ عالم میں ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محقق وموجود ہے اور محض باری جل وعز کی وجہ سے حق وثابت وموجود ہے۔ اور اگر وہ (باری) نہ ہوتا تو یہ بھی موجود نہ ہوتا۔ یہ وہ برہان صحیح وثابت ہے جو کسی دوسری برہان کے قطعاً معارض نہیں۔ یہی نفی تشبیہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے تمام صفات عالم کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہرگز جہل نہیں ہوتا۔ وہ قطعاً غفلت نہیں کرتا۔ اسے سہو نہیں ہوتا۔ وہ سوتا نہیں۔ وہ محسوس نہیں کرتا۔ اور کوئی وہمی سے وہمی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ وہ کسی درخواست کے قبول کرنے سے عاجز نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے اپنی اسی کتاب کے گذشتہ اوراق میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وجہ سے اپنی مخلوق کے مغایر ہے۔ جب یہ ایسا ہے تو علی العموم ہر ایسی شے کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا واجب ہے جس سے اس عالم کی کوئی شے بھی موصوف کی جائے۔

وصف کا ثابت کرنا یا اس کا نام رکھنا بغیر کسی نص کے جائز نہیں ہم جو اللہ تعالیٰ کے افعال کی خبر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ محیّ الموتیٰ (یعنی مردوں کا زندہ کرنے والا) اور ممیت الاحیاء (زندوں کا موت دینے والا) ہے۔ تو اگر اس میں سے کسی شے کی اباحت وہ اجازت پر اجماع ثابت نہ ہوتا اور اس جگہ ان میں سے بعض کے اطلاق کی اباحت پر اجماع نہ ہوتا تو ہم ہرگز اسے جائز نہ رکھتے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علیم ہے اور ازلی اور ہمیشہ سے ایسا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ازل سے جانتا ہے کہ وہ اشیاء پیدا

کرے گا جو ہر مخلوق کی حسب ہیت ہوں گی۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اشیاء ازل سے اس کے علم میں موجود تھیں۔ **معاذ اللہ منہا**۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ وہ ہر وہ شے پیدا کرے گا جو ہوگی جب کہ وہ اسے پیدا کرے گا تو وہ اس ہیت پر ہوگی جبکہ وہ ہوگی۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اسمائے الٰہی توقیفی ہیں:

انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس جگہ اس شخص پر رد کریں گے جس نے بغیر نص کے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنے کا اقدام کیا۔ یہ اقدام محض اس کی عقل و گمان کی رہنمائی سے ہے کہ وہ خوب ہے، مدح ہے، یا اس پر استدلال کر کے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا نام رکھا ہے، یا اسی کی گردان کر کے ہے کہ کہیں مصدر نکال لیا اور کہیں مشتق کر لیا یا اس کی مخلوق میں مشاہدہ کیا اس پر قیاس کر کے ہے۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام رحمٰن و رحیم رکھا ہے تو تم اس کا نام رقیق رکھو کہ رقت نفس سے ہے جس کے معنی رحمت کے ہیں۔

اگر کوئی کہے رحیم اس سے بے نیاز کر دیتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی اصل (قاعدے) کو توڑ دیا۔ اس لئے کہ اس بناء پر حی بھی اس سے بے نیاز کر دیتا ہے کہ اس کے لئے حیات کہی جائے۔ نیز رحمٰن بھی رحیم سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس کے متعلق تو نص وارد ہوئی ہے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا۔ اس سے تجاوز نہ کرو جس کے متعلق نص آئی ہے۔ اس کے ماسوا سے باز رہو۔ اس نے اپنا نام علیم رکھا تو تم اس کا نام داری (درایت والا جاننے والا) حبر (عالم) فہم (جلد سمجھنے والا) زکی (لائق) عارف (پہچاننے والا) نبل (فاضل) رکھو۔ کیونکہ یہ سب مدح ہے لغت میں اس کے معنی بھی وہی ہیں جو علیم کے معنی ہیں اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اس نے اپنا نام کریم رکھا ہے تو تم اس کا نام سخی رکھو۔

اس نے اپنا نام حکیم رکھا ہے تو تم اس کا نام ناقد (پرکھنے والا) عاقل رکھو۔

اس نے اپنا نام عظیم رکھا ہے تو تم اس کا نام فخم (بڑا) ضخم (موٹا) رکھو۔

اس نے اپنا نام علیم رکھا تو تم اس کا نام محتمل (صابر) متانی (نرمی کرنیوالا) صابر۔ رکھو۔

اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ قریب ہے۔ تو تم اس کا نام دانی (نزدیک ہونے والا) مجاور (ہم سایہ) مباشر (پاس ہونے والا) رکھو۔

اس نے اپنا نام واسع رکھا۔ تو تم اس کا نام رحب (کشادہ) عریض (چوڑا) رکھو۔

اس نے اپنا نام عزیز رکا ہے تو تم اس کا نام رئیس رکھو۔

اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ شاکر و شکور ہے تو تم اس کا نام حامد و حماد رکھو۔

اس نے اپنا نام قہار (غالب) رکھا تو تم اس کا نام ظافر (فتح پانے والا) رکھو۔

اس نے اپنا نام آخر رکھا تو تم اس کا نام ثانی۔ تالی (پیچھے آنے والا) خاتم رکھو۔

اس نے اپنا نام ظاہر رکھا تو تم اس کا نام عارف و داری رکھو۔

اس نے اپنا نام کبیر رکھا تو تم اس کا نام رئیس و متقدم رکھو۔

اس نے اپنا نام قدیر رکھا تو تم اس کا نام مطیق (طاقتور) و مستطیع رکھو۔

اس نے اپنا نام علی رکھا تو تم اس کا نام عالی ور فیع و سامی (بلند) رکھو۔

اس نے اپنا نام بصیر رکھا تو تم اس کا نام معاین (معائنہ کرنے والا) رکھو۔

اس نے اپنا نام جبار رکھا تو تم اس کا نام متجبر ۔ زاہی ۔ و تیاہ (متکبر) رکھو۔

اس نے اپنے نام متکبر رکھا تو اسم کا نام مستکبر و متعاظم و متنحی (علیحدہ رہنے والا) رکھو۔

اس نے اپنا نام برّ (نیکوکار) رکھا تو تم اس کا نام زاکی و متواصل (نیکی و احسان کرنے والا) رکھو۔

اس نے اپنا نام متعالی رکھا تو تم اس کا نام متعظم و مترفع رکھو۔

اس نے اپنا نام غنی رکھا تو اس کا نام موسر (مالدار) ملی (بھرا ہوا) مکثر و وافر (مالدار) رکھو۔

اس نے اپنا نام ولی رکھا تو تم اس کا نام صدیق و مصادق و والی و حبیب (دوست) رکھو۔

اس نے اپنا نام قوی رکھا تو ہم اس کا نام جلد و نجد و شجاع و جلید و شدید و باطش (بہادر، قوی، مضبوط، و طاقتور) رکھو۔

اس نے اپنا نام حی رکھا اور بتایا کہ اس کے لئے نفس ہے تو تم اس کا نام متحرک و حساس رکھو اور یہ یقین کر لو کہ اس کے لئے روح ہے جو نفس کے معنی میں ہیں۔

اس نے اپنا نام سمیع و بصیر رکھا تو تم تم اس کا نام شامّ (سونگھنے والا) اور ذوّاق (چکھنے والا) رکھو۔

اس نے اپنا نام مجید رکھا تو تم اس کا نام شریف و ماجد رکھو۔

اس نے اپنا نام حمید رکھا تو تم اس کا نام محمد و محمود و ممدوح رکھو۔

اس نے اپنا نام ودود رکھا تو تم اس کا نام واد (محبت کرنے والا) محبّ و حبیب و دید رکھو۔

اس نے اپنے نام صمد (یعنی سب کا حاجت روا اور سب سے بے نیاز) رکھا تو تم اس کا نام مصمت (بے نیاز بے پروا) رکھو۔

اس نے اپنا نام حق رکھا تو تم اس کا نام صحیح و ثابت رکھو۔

اس نے اپنا نام لطیف رکھا تو تم اس کا نام خفیف رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اس کے لئے مکر و کید ہے تو تم کہو کہ اس کے لئے ماکر و حس و تحلیل و خدائع ہیں (یعنی مکر و فریب و دغا و حیلہ سازی) کیونکہ یہ سب لغت میں اور ہمارے درمیان برابر ہیں۔

اس نے اپنا نام مبین رکھا تو تم اس کا نام واضح و بینّ و لائح و بادی (روشن و ظاہر) رکھو۔

اس نے اپنا نام مومن رکھا تو تم اس کا نام مسلم و مصدق رکھو۔

اس نے اپنا نام باطن رکھا تو تم اس کا نام خفی و غائب و متغیب رکھو۔

اس نے اپنا نام ملک و ملیک (پادشاہ) رکھا تو تم اس کا نام سلطان رکھو۔

حدیث سے ثابت ہے کہ اس کا نام جمیل ہے تو تم اس کا نام صبیح (خوبصورت) و حسن رکھو۔

اگر وہ ان سب سے انکار کرے تو اس نے اپنی اصل توڑ دی۔ اسی طرح اگر وہ کہے کہ اس میں سے بعض نام بعض ناموں سے بے نیاز

کر دیتے ہیں تو اسے حیات کا ساقط کر دینا بھی لازم ہوگا اس لئے حیؔ اس قاعدے کی بناء پر ذکر حیات سے بے نیاز کر دیتا ہے اسے لازم ہوگا کہ وہ یہ نہ کہے کہ وہ متکلم ہے۔ اس لئے کہ کلام اس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ نیز اسے سمع وبصیر کا ساقط کرنا بھی لازم ہوگا اس لئے کہ سمیع وبصیر سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسے ان کلمات کو بھی ساقط کرنا ہوگا جو نص میں آئے ہیں اور ان میں سے بعض کلمات بعض سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ ملک ملیک سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ احد۔ واحد سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ جبار۔ متکبر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ خالق۔ باری سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام قدیم رکھے۔ نہ حنان۔ نہ منان۔ نہ فرد نہ دایم۔ نہ باقی۔ نہ خالد۔ نہ عالم نہ دانی۔ نہ رانی۔ نہ سامع۔ نہ معتلی۔ نہ عالی۔ نہ متبارک۔ نہ طالب۔ نہ غالب۔ نہ ضار۔ نہ نافع۔ نہ مدرک نہ مبدی۔ نہ معید۔ نہ ناطق۔ نہ قادر۔ نہ وارث۔ نہ باعث۔ نہ قاہر۔ نہ جلیل۔ نہ معطی۔ نہ منعم۔ نہ محسن۔ نہ حکم۔ نہ حاکم۔ نہ واہب۔ نہ غفار۔ نہ مفضل نہ ہادی۔ نہ عدل۔ نہ راضی۔ نہ صادق۔ نہ متطول۔ نہ متفضل۔ نہ منان۔ نہ خبیر۔ نہ حافظ۔ نہ بدیع۔ نہ الہ۔ نہ مجتمل۔ نہ محی۔ نہ ممیت۔ نہ منصف اور نہ اور کوئی ایسا نام جو خود اس نے کبھی اپنا نہ رکھا ہو اگر چہ وہ ہمارے نزدیک انتہائی مدح میں ہو۔ ایا اس کے افعال (کے الفاظ) میں تصرف کر کے نکالا گیا ہو (اور اس کے صیغے بنالئے گئے ہوں) یہانتک کہ مذکورہ بالا الفاظ کو ان الفاظ کی طرف اضافت کر کے جو ہم بیان کریں گے ہم ان سب کے ذریعے وصف کے ساتھ اس وقت خبر دیں اور اس کے فعل کی خبر دینا تو اب یہ جائز ہے۔ یہ کہنا جائز ہے کہ وہ عالم الخفیات (پوشیدہ امور کا جاننے والا) ہے۔ عالم بکل شے (ہر شے کا جاننے والا) ہے۔ عالم الغیب والشہادہ (حاضر وغائب کا جاننے والا) ہے اور غالب علی امرہ (اپنے امر پر غالب ہے) غالب علی کل من طغی (ہر سرکشی کرنے والے پر غالب)۔ اسی طرح القادر علی مایشا (جو چاہے اس پر قادر ہے) القاہر للملوک (پادشاہوں کو غالب کرنے والا ہے)۔ وارث الارض ومن علیہا (زمین کا اور جو زمین پر ہیں ان کا وارث ہے) المعطی لکل ما بایدینا (جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے سب کا دینے والا ہے) الواہب لنا کل ما عندنا (جو کچھ ہمارے پاس ہے وہی ہمیں اس سب کا دینے والا ہے) المنعم علی خلقہ (اپنی مخلوق کا نعمت دینے والا ہے) المحسن الی اولیاہ، (اپنے دوستوں پر احسان کرنے والا ہے) الحاکم بالحق (سچا فیصلہ کرنے والا ہے) المبدی لخلقہ (اپنی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے) المعید لہ (اپنی مخلوق کا عدم میں واپس کرنے والا ہے) المضل لاعداءہ (اپنے دشمنوں کو گمراہی میں چھوڑنے والا ہے) الہادی لاولیاءہ (اپنے دوستوں کا ہدایت کرنے والا ہے) العدل فی حکمہ (اپنے حکم میں عدل کرنے والا ہے) الصادق فی قولہ (اپنے کلام میں سچا ہے) الراضی عمن اطاعہ (جو اس کی اطاعت کرے اس سے خوش ہونے والا ہے) الغضبان علی من عصاہ (جو اس کی نافرمانی کرے اس پر غضبناک ہونے والا ہے) الساخط علی اعداءہ (اپنے دشمنوں سے ناراض ہونے والا ہے) الکارہ لما نہی عنہ (جس امر سے منع کیا اس کا ناپسند کرنے والا ہے) بدیع السموات والارض (آسمان وزمین کا ایجاد کرنے والا ہے) الہٰ الخلق (مخلوق کا معبود ہے)۔ محیی الاحیاء والموتی (زندہ مردہ کا زندہ کرنے والا ہے) ممیت الاحیاء والموتی (زندہ ومردہ کا موت دینے والا ہے) المنصف ممن ظلم (جو ظلم کرے اس کے ساتھ انصاف کرنے والا ہے) بانی الدنیا وادحیہا ومسویہا (دنیا کا بنانے والا اس کا بچھانے والا، اور برابر کرنے والا ہے) اور اسی طرح کے افعال۔ اسلئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فعل کی خبر دینا ہے اور یہ بالا جماع ہمارے لئے مباح ہے اور وہ اس کی تعظیم سے ہے اور اس کی دعا میں سے ہے ہمیں اس کا حق نہیں ہے کہ ہم بغیر نص کے اس کا نام رکھیں۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کید ومکر و کبریاء (بڑائی) ہے۔ یہ ہمارے درمیان مدح نہیں ہے۔ بلکہ مذمت ہے۔ ہمیں یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ عقل وشجاع وعفت (پرہیز گاری) دہاء (صائب الرائے ہونا) وفہم وذکاء ہے حالانکہ ہمارے درمیان یہ انتہائی مدح

ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دینے میں اس کی رعایت کرنا جو ہمارے یہاں مدح ہے یا اس کی رعایت کرنا جو ہمارے یہاں مذمت ہے باطل ہو گیا صرف نص کی رعایت کرنا چاہئے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اس پر ایک برہان یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں۔ جو انہیں حفظ کریگا جنت میں جائے گا۔ جن ناموں سے ہم نے منع کیا اگر ان کا اطلاق جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نام ڈیڑھ سو سے بھی زائد ہوتے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ننانوے فرما دینا اس سے زائد ہونے سے مانع ہے۔ اگر یہ جائز ہوتا آپ کا ارشاد غلط ہوتا اور یہ اس کا کفر ہے جو اسے جائز رکھے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے” **وعلم آدم الاسماء کلھا** “(اور آدم کو تمہارے نام بتا دیے) اس کے اسماء بلاشک اتنے ہی میں جتنے آدم علیہ السلام کے تعلیم میں داخل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تخصیص جائز نہیں چونکہ یہ ایسا ہے تو وہ کون ہے جس نے انکو صفات سے مشتق کیا ہے اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مشتق کیا ہے تو انہوں نے علانیہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا کیونکہ انہوں نے اس کے متعلق ایسے امر کی خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق نہیں دی اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ **نعوذ باللہ منه** اور یہ تمام براہین اس کے لئے کافی ہیں جسے عقل ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق. والحمد للہ رب العلمین۔**

☆☆

متشابہات

وجہ، ید، عین، جنب، قدم، تنزل، عزت، رحمت، امر، نفس، ذات، قوت قدرت اور اصابع

وجہ:

اللہ عزوجل نے فرمایا ہے ”**ویبقی و جه ربک ذوالجلال والاکرام**“ (اور آپ کے رب کی بزرگ و برتر ذات باقی رہے گی) مجسمہ نے اس سے اپنے مذہب پر استدلال کرنے کا راستہ نکال لیا۔ اور دوسروں نے کہا کہ ”**وجه الله**“ سے مراد اللہ ہی ہے۔ یہی وہ حق ہے جس کی صحت پر برہان قائم ہے۔ اس لئے کہ ہم تجسیم کے قول کو پہلے باطل کر چکے ہیں اور ابوالہذیل نے کہا ہے کہ وجہ اللہ۔ اللہ ہی ہے۔

یہ کہنا بھی مناسب نہیں اس لئے کہ یہ تسمیہ (نام رکھنا) ہے۔ اور بغیر نص کے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنا جائز نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وجہ اللہ غیر اللہ نہیں ہے اور نہ ہم اس سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور شے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ برہان خود اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے ایک پسندیدہ قول کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے ”**انما نطعمکم لوجه الله**“ (ہم تو تمہیں محض اللہ کے لئے کھلاتے ہیں) لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں نے غیر اللہ کا قصد نہیں کیا اور فرماتا ہے ”**اینما تو لوا فثم وجه الله**“ (تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کو علم ہے) اس کے معنی یہی ہیں کہ ادھر اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ذریعے سے ہے اور جو شخص اس کی طرف توجہ کرے اس کے قبول کے ذریعے سے ہے۔

ید:

فرماتا ہے ”**ید الله فوق ایدیهم**“ (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا) اور فرماتا ہے ”**لما خلقت بیدی**“ (اس وجہ سے کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا) اور فرماتا ہے ”**مما عملت ایدینا انعاماً**“ (اس میں سے ہے جو ہمارے ہاتھوں نے چوپائے بنائے) اور فرمایا ”**بل یداه مبسوطتان**“ (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”**عن یمن الرحمن و کلتایدیه یمین**“ (رحمٰن کے داہنے ہاتھ سے اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں) اس میں مجسمہ تو اس میں اس طرف گئے جس کے متعلق ان کے قول بطلان گذر چکا۔

معتزلہ اس طرف گئے کہ ید نعمت ہے۔ حالانکہ اس کے بھی کوئی معنی نہیں۔ اس لئے کہ یہ بغیر کسی برہان کے ایک دعوی ہے۔

اشعری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ”ایدینا“ فرمانے سے مراد یدین ہی ہے (یعنی بہت سے ہاتھ کے معنی دو ہاتھ ہیں) اور عین کے معنی بھی عینین، ہیں (یعنی بہت سی آنکھوں کے معنی بھی دو آنکھیں ہیں) یہ باطل ہے مجسمہ کے قول میں داخل ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے متعلق خبر دینا ہے۔ یہ بیان کرنے سے سوائے اللہ کے کسی اور شے کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اقرار کرتے ہیں کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے لئے۔ ید۔ یدین۔ ایدی (ہاتھ۔ دو ہاتھ دو سے زائد ہاتھ) ہیں۔ عین واعین (آنکھ۔ دو سے زائد آنکھیں) ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے "**لتصنع علی عینی**" (تا کہ تم میری آنکھ کے سامنے بناؤ) اور فرمایا "**انک باعیننا**" (تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو) یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ عزوجل کو موصوف کرے کہ اس کے لئے دو آنکھیں ہیں۔ اس لئے کہ اس کے متعلق نص نہیں آئی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سب سے مراد اللہ عزوجل ہے نہ کہ کوئی اور شے اس کی غیر۔ اللہ تعالیٰ کسی کا قول بطور حکایت بیان کرتا ہے "**قال یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ**" (کہے گا کہ اس پر وائے حسرت جو میں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی کی) اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کا اللہ کی طرف اور اس کی عبادت کی جانب قصد کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ رحمٰن کا داہنا ہاتھ مثل کلام الٰہی کے ہے "**وما ملکت ایمانکم**" (جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوں) مراد یہ ہے کہ جس کے تم مالک ہو۔ یمین (داہنے) سے لغت عرب میں جو حصہ افضل کے لئے ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شماخ (شاعر) کہتا ہے۔

اذا ما رایة رفعت لمجد   تلقاها عرابة بالیمین

عظمت و سربلندی کا جہاں کہیں جھنڈا بلند کیا گیا تو اسے عرابۂ اَوسی نے داہنے ہاتھ سے لے لیا۔

مراد یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کی سعی سے اسے لے گیا۔ گویا آپ کا فرمانا کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یعنی اس کا جو عضو اور جوڑ ہے وہ اعلیٰ درجے کا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم اس وقت تک نہ بھرے گی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم نہ رکھ دے۔ ایک حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس میں اپنا رِجل (پاؤں) نہ رکھ دے۔ اس کے معنی وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث صحیح میں بیان فرمائے ہیں۔ جس میں آپ نے خبر دی ہے کہ روز قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا جن کو جنت میں داخل کرے گا اور جنت و دوزخ سے کہے گا کہ تم میں سے ہر ایک کے لئے بھرتی ہے۔ حدیث مذکور میں قدم کے وہی معنی ہیں جو اس آیت میں ہیں "**ان لھم قدم صدق عند ربھم**" (بیشک ان کے لیے ان کے رب کے پاس قدم صدق ہے) مراد اس سے گذشتہ صدق ہے۔ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ امت پہلے سے اس کے علم میں ہے جس سے وہ جہنم کو بھرے گا۔ اس کے رجل کے معنی بھی اسی قسم کے ہیں اس لئے کہ رجل لغت میں جماعت کو کہتے ہیں یعنی وہ اس جماعت کو جہنم میں رکھے گا جو پہلے سے اس کے علم میں ہے کہ وہ ان سے جہنم کو بھرے گا۔

اسی طرح صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا قلب اللہ عزوجل کو دو اصابع (انگلیاں) کے درمیان ہے۔ یعنی اللہ کی تدبیروں اور نعمتوں میں سے دو نعمتوں اور دو تدبیروں کے درمیان میں ہے (اور وہ دونوں) یا تو ہر شے سے کفایت ہے جو اسے خوش رکھتی ہے یا ایک مصیبت ہے جس پر اسے اجر ملتا ہے۔ اصابع (انگلی) لغت میں نعمت کو بھی کہتے ہیں۔ ہر ایک کا قلب اللہ کی توفیق و جلال کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ دونوں اسکے حکم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومن کے لئے اس صورت کے خلاف ظاہر ہوگا جس میں وہ اسے جانتا تھا۔ یہ ظاہر و واضح ہے کہ لوگ خوف و ہول کی صورت حال کو اس کے خلاف دیکھیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں خیال کرتے تھے۔ اس قول

کے صحت کی برہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے "جو اس صورت کے غیر ہو گی جیسا کہ تم دنیا میں اسے جانتے تھے" یقیناً ہم جانتے ہیں کہ ہم اللہ عزوجل کے لئے دنیا میں ہرگز کوئی صورت نہیں جانتے لہذا جو کچھ ہم نے کہا یقیناً وہ ثابت ہو گیا۔

آدم کی صورت:

انہی کلام حدیث ثابت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا یہ اضافتِ ملک ہے مراد وہ صورت ہے جس کو حق سبحانہ تعالیٰ نے انتخاب کر لیا تا کہ آدم کو اس صورت پر بنایا جائے ہر وہ شے جو اپنے طبقے میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے جیسا کہ ہم کعبے کو بیت اللہ کہتے ہیں کہ۔ حالانکہ تمام بیوت (مکانات) اللہ کے بیوت ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی پر بھی اس نام کا اطلاق نہیں ہوتا جیسا کہ مسجد حرام پر ہوتا ہے اور جیسا کہ ہم جبریلؑ و عیسٰی علیہما السلام کے بارے میں روح اللہ کہتے ہیں۔ حالانکہ تمام ارواح اللہ عزوجل کی ہیں۔ اسی کی ملک ہیں اور جیسا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بارے میں قول ہے کہ ناقہ اللہ اللہ کی اونٹنی۔ حالانکہ تمام اونٹنیاں اللہ کی ہیں۔ انہیں معنی کی بنا پر صورت رحمٰن کہا گیا ہے۔ حالانکہ تمام صورتیں اللہ ہی کی ہیں۔ اسی کی ملک ہیں اور اسی کی مخلوق ہیں۔

میں نے ابن فورک اور دوسرے اشعریہ کا کلام اس حدیث میں دیکھا ہے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے معنی میں کہا ہے کہ "**ان الله خلق آدم علی صورته**" (اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) وہ صفت رحمٰن پر ہیں۔ حیات و علم و اقتدار میں اور اپنے اندر صفات کمال رکھتے ہیں۔ اس نے ملائکہ سے انہیں سجدہ کرایا جس طرح اس نے ان سے اپنے کو سجدہ کرایا اور انہیں اپنی ذریت پر امر و نہی کا اختیار دیا جیسا کہ یہ سب اللہ کے لئے تھا۔

اشاعرہ کی غلط فہمی:

ابو جعفر سمعانی نے جو کچھ اپنے مشائخ سے نقل کیا ہے یہ اس کی حرف بحرف تصریح ہے۔ یہ کفر خالص ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور آدم علیہ السلام کو حیات و علم و اقتدار دونوں میں اجتماع صفات کمال میں برابر کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**لیس کمثله شئی**" (اللہ کی مثل کی سی کوئی شے نہیں)۔

آدمؑ کو سجدہ:

ان لوگوں نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ ملائکہ کے آدمؑ کو سجدہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے مثل بنا دیا۔ اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ ملائکہ کا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا سجود عبادت ہے اور آدم کو سجدہ کرنا سجود تحیت و اکرام (بطور سلام کے) ہے۔ جو یہ کہے ملائکہ نے اسی طرح آدم کی عبادت کی جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کی تو اس نے شرک کیا۔

آدم کے لئے اپنی ذریت پر حق امر و نہی کا اضافہ کیا جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہے۔ حالانکہ یہ شرک ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ ہم بھی جانتے کہ وہ صفات کمال کیا ہیں۔ جن کا اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ وہ آدمؑ میں اسی طرح مجتمع ہو گئیں جس طرح اللہ تعالیٰ میں مجتمع ہیں۔ یہ الحاد اور اللہ تعالیٰ کی توہین کرنا ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ شخص کیسے کہے گا کہ اور کیونکر اس کی زبان چلے گی جو یہ جانتا ہے کہ "**لم یکن له کفوا احد**" (اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہے)۔ واللہ جو صفات کمال ملائکہ میں ہیں۔ ان میں سے اکثر آدمؑ میں ہیں ان دونوں کی وہ صفات جن میں سب لوگ آدم علیہ السلام کے شریک ہیں مثل صفات جن کے ہیں حیات و علم و قوت و تناسل وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس بناء پر یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی صورت پر ہوئیں۔ یہ وہ قول ہے جس کا قائل ملعون ہے اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

کشف ساق:

اسی طرح قیامت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل پنڈلی (ساق) کھول دے گا پھر لوگ سجدہ میں گر پڑیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایا ہے۔ "**یوم یکشف عن ساق و یدعون الی السجود**" (جس روز پنڈلی (ساق) کھول دی جائے گی اور لوگوں کو سجدے کی دعوت دیجائے گی)۔ یہ صرف واقع کی شدت کی خبر دینا ہے اور وہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں "**قد شمرت الحرب عن ساقها**" (جنگ نے اپنی پنڈلی سے پائچہ چڑھالیا)۔

جریر کہتا ہے۔

الا دب سامی الطرف من آل مازن **اذا شمرت عن ساقها الحرب شمرا**

قبیلہ مازن کے بلند نظر کا یہ حال ہے کہ جنگ نے جہاں پائچہ چڑھایا کہ وہ بھی پائچہ چڑھا کے کمربستہ ہوگیا۔

تعجب ان لوگوں سے ہے جو ان صحیح روایات کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت تو وہی مضمون لائی ہے جسے تصریحاً قرآن لایا ہے لیکن جس کا علم تنگ ہوتا ہے وہ اس چیز کا انکار کردیتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے "**بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه و لما یاتهم تاویله**" (بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کو یہ علم میں احاطہ نہ کرسکے اور ابتک ان کے پاس اس کی تاویل نہیں آئی)۔

امر و رحمت و عزت:

لوگوں نے ان میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم نے تو یہ کہا ہے کہ یہ صفات ذاتی ہیں جو ازلی ہیں۔ دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے بالذات عزیز و رحمٰن و رحیم ہے۔ لیکن رحمت و امر دونوں مخلوق ہیں۔

اختلاف کے وقت صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**فان تنازعتم فی شئی فردوه الی الله والرسول ان کنتم تومنون بالله و الیوم الآخر**" (پھر اگر تم میں کسی شے کے بارے میں اختلاف ہو تو تم اسے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو) ہم نے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد پایا **و کان امر الله مفعولا** (اللہ کا امر مفعول ہے) اور مفعول بغیر کسی اختلاف کے مخلوق ہے اور فرماتا ہے "**والله غالب علی امره**" (اور اللہ غالب ہے اپنے امر پر) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مغلوب علیہ (جس پر غلبہ پایا جائے) مخلوق ہے اور اپنے اوپر غالب آنے والے کے مغایر ہے اور فرماتا ہے "**لا تدری لعل الله یحدث بعد ذلک امرا**" (تو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے بعد کوئی امر پیدا کردے)۔ یہ اس امر کا واضح و روشن بیان ہے جس میں کوئی اشکال نہیں کہ امر حادث و مخلوق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **ان الله یحدث من امره ماشاء** (اللہ تعالیٰ اپنے امر میں سے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) لہٰذا یقین کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا امر حادث و مخلوق ہے۔

اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر شخص کا جس کو اس نے امر کیا (حکم دیا) آمر (حکم دینے والا) ہے کہ جب وہ موجود ہوگا تو وہ اسے اس چیز کا (حکم دے گا) امر کرے گا۔

یہ یقیناً باطل ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ازل سے ہمیں بیت المقدس کی جانب نماز کا حکم دینے والا ہوتا اور ازل سے

ہمیں حکم دینے والا ہوتا کہ ہم بیت المقدس کی طرف نماز نہ پڑھیں بلکہ کعبے کی طرف پڑھیں۔ وہ ایک ہی شے کا ساتھ ہی ساتھ کرنے اور چھوڑنے کا حکم دینے والا ہوتا۔ یہ بدحواسی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔

ان کو اللہ تعالیٰ کی نہی میں بھی یہی لازم آئے گا کہ اس نے جس شے سے منع کیا وہ بھی ازلی ہو۔ اس لئے کہ اللہ کے امر ونہی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اس کی نہی حادث ہے اور اس کا امر قدیم ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ تم اسے کیا جواب دو گے جو تم پر تمہارے قول کا عکس کر دے اور یہ کہے کہ اس کی نہی قدیم ہے اور امر حادث ہے۔ حالانکہ دونوں قول بدحواسی ہیں۔

وہ لوگ اس کے مقر ہیں کہ قدیم نہ متغیر ہوتا ہے نہ باطل وفنا ہوتا ہے اور یہ ثابت ہے کہ پہلے ہمیں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا اس کا امر تھا پھر اس امر کے متعلق یہ امر باطل ہو گیا فنا ہو گیا اور ختم ہو گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا امر ازلی ہوتا تو واجب تھا کہ نہ باطل ہوتا نہ معدوم ہوتا۔ جو اسے جائز رکھے یہ اس کا کفر خالص ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہمیں بیت المقدس کی جانب نماز پڑھنے کا اس کا امر ہمیشہ باقی ہے وہ ساقط نہیں ہوا نہ منسوخ ہوا۔ نہ باطل ہوا اور نہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی دوسرے امر سے بدلا تو انہوں نے بلا کسی اختلاف کے کفر کیا۔ اس قول فاسد پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**قل الروح من امر ربی**“ (کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے) اگر امر غیر مخلوق اور ازلی ہوتا تو روح بھی ایسی ہوتی اس لئے کہ وہ بھی امر ہی ہے۔ ومعاذ اللہ۔ مسلمانوں میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی ارواح مخلوق ہیں اور وہ کیونکر ایسی نہ ہوں جبکہ دوزخ میں ان پر عذاب کیا جائے گا کہ اور جنت میں انہیں نعمت دی جائے گی۔ فرماتا ہے۔ ”**یوم یقوم الروح و الملائکة صفا لا یتکلمون الا من اذن له الرحمن و قال صوابا**“ (جس روز روح وملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے وہ کچھ نہ بولیں گے سوائے اس کے کہ جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ مناسب ودرست بات کہے گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے ”**سبوح قدوس رب الملائکه و الروح**“ (ہر عیب سے پاک ہے مقدس ہے ملائکہ وروح کا رب ہے)۔

مربوب (یعنی رب جس کی تربیت کرے) بلاشک مخلوق ہے۔ اگر کوئی معترض اس آیت سے اعتراض کرے ”**الا له الخلق و الامر**“ (خبردار۔ خلق وامر اسی کا ہے) اور اس سے یہ ثابت کرنے کا ارادہ کہ خلق امر کے مغایر ہے۔ تو اس کے لئے اس میں کوئی حجت ودلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**یا ایها الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوک فعدلک فی ای صورة ماشاء رکبک**“ (اے انسان تجھے اپنے کریم پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکا دیا جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا پھر برابر کیا تجھے جس صورت میں چاہا مرکب کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خلق وتسویہ وتعدیل وتصویر (پیدا کرنے۔ درست کرنے برابر کرنے اور صورت بنانے) میں فرق کیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سب خلق ومخلوق ہیں۔ فرمایا ہے کہ ”**خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم**“ (تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا۔ پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے ”رزق۔ اماتت واحیاء“ کو خلق پر لفظ ثم سے عطف کیا۔ اگر امر کا خلق پر عطف کرنا اسکی دلیل ہوتا کہ امر خلق کے مغایر ہے تو لامحالہ واجب ہوتا کہ رزق واماتت واحیاء وتصویر سب کے سب خلق ومخلوقات کے غیر ہوں۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ لہذا اس پر استدلال باطل ہو گیا کہ امر اس لئے غیر مخلوق ہے کہ اس کا عطف خلق پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کا ملائکہ پر عطف کیا ہے کیونکہ کسی شے پر کسی کا عطف کرنا اسے اس شے

سے خارج نہیں کرتا۔ خاص کر جبکہ اس پر برہان قائم ہو کہ وہ اس میں داخل ہے۔ اس پر نص سے برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر مخلوق ہے اور وہ قدر (مقدار) مقدور (قدرت کے اندر) مفعول (خدا کا بنایا ہوا) ہے۔ لیکن جب کوئی برہان نہ آئے جو معطوف کو معطوف علیہ میں داخل کرے تو وہ (معطوف) بلاشک اس (معطوف علیہ) کا غیر ہے اور یہ لغت کا حکم ہے **و باللہ تعالیٰ التوفیق**۔

عزت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**سبحان ربک رب العزة عما یصفون**“ (آپ کا رب جو رب عزت ہے اس سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں)۔

مربوب (جس کا رب ہو) وہ بلاشک مخلوق ہے اور یہ کلام الٰہی ”**فللہ العزة جمیعا**“ (عزت تو سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے) اس کو واجب نہیں کرتا کہ عزت بھی ازلی ہو۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے ”**فللہ المکر جمیعا**“ (ہمارا مکر بھی اللہ ہی کے لئے ہے) اور فرماتا ہے ”**قل للہ الشفاعة جمیعا**“ (کہہ دیجئے کہ سب کی سب شفاعت اللہ ہی کی ہے) یہ دونوں نصوص بلا اختلاف اس کی موجب نہیں ہیں کہ شفاعت غیر مخلوق ہے۔ سوائے اس کے یہاں جو عزت ہے وہ غیر اللہ نہیں ہے اور وہ غیر مخلوق ہے۔ یہ وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلق جنت ودوزخ کی حدیث میں ثابت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس کی قسم کھائی اور کہا ”**وعزتک**“ (قسم ہے تیری عزت کی)۔

یہ باطل ہے کہ جبریل علیہ السلام غیر اللہ کی قسم کھائیں۔

رحمت مخلوق ہے:

رحمت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا کیں جن میں سے ایک اپنے بندوں میں تقسیم کر دی کہ اسی میں وہ لوگ باہم رحم کرتے ہیں اور ننانوے روز قیامت کے لئے اٹھا رکھیں کہ انہیں سے وہ اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔ یا آپ نے جیسا فرمایا ہو۔

یہ پورے طور پر اس سے اشکال کو دور کرتا ہے کہ رحمت مخلوق ہے اور امت میں سے کسی میں بھی اس میں اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھی جنت میں داخل کرے گا اس کو محض اپنی رحمت سے اس میں داخل کرے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو آپ پر ایمان لائے اور یہ سب (رحمت) بلاشک مخلوق ہے۔

قدرت وقوت خداوندی:

قدرت وقوت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**الم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھو اشد منھم قوة**“ (کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے بہت زیادہ قوی ہے)۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو استخارہ تعلیم فرمایا کرتے تھے (جابر نے حدیث بیان کی اور اس میں ہے) ”**اللھم انی استخیرک بعلمک و استقدرک بقدرتک و اسألک من فضلک**“ (اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم سے استخارہ کرتا ہوں (کہ تو اپنے علم سے میرے لئے راہ عمل منتخب کر دے) اور تجھ سے تیری قدرت سے خیر چاہتا ہوں (کہ تو اپنی قدرت سے میرے لئے خیر کو مقدر کر دے) اور تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔

قوت وقدرت میں بعینہ وہی کلام ہے جو علم میں تھا۔ ان اقوال ودلائل میں لوگوں کے بالکل ویسی ہی اختلافات بھی ہیں۔ ہمارا قول اس میں بھی وہی ہے جو وہاں ہم نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے قدرت وقوت کا ہونا حق ہے اور یہ دونوں غیر اللہ نہیں ہیں اور یہ نہیں کہا جائے گا

کہ وہ دونوں اللہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”**کتب علی نفسه الرحمة**“ (اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت لکھ دی یعنی اپنے ذمے رحمت کرلی) اور فرمایا ”**ویحذرکم الله نفسه**“ (اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے نفس سے (یعنی خود اپنے سے ڈراتا ہے) اللہ تعالیٰ کا نفس خود وہی ہے نہ کہ کوئی دوسری شے۔

نفس سے علم مراد ہے:

اگر کوئی معترض عیسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب سے عرض کریں گے ”**تعلم مانی نفسی ولا اعلم مانی نفسک انک انت علام الغیوب**“ (جو میرے نفس میں ہے تو جانتا ہے اور جو تیرے (نفس) علم میں ہے میں نہیں جانتا۔ بیشک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے)۔

ہم کہیں گے کہ یہ آیت اپنے ظاہر و حقیقی معنی پر ہے۔ اس لئے کہ ہر غیب اللہ تعالیٰ کے علم میں معلوم ہے جو ہر شے کا جاننے والا ہے مگر یہ کلام اس طور پر جاری ہوا ہے جس طور پر لوگ باہم خطاب کرتے ہیں کہ وہ بغیر اس عبارت کے اس مقصد تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ محاورہ ہے کہ کہنے والا ”**نفس شئی و حقیقت شئی**“ کہتا ہے اور اس سے وہی شے مراد ہوتی ہے نہ کہ اس کے سوا۔ اسی طرح ذات کا بھی مطلب ہوتا ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عرض کرنا کہ جو تیرے نفس میں ہے میں نہیں جانتا اس کے معنی بلا شک یہی ہیں کہ جو تیرے پاس اور تیرے علم میں ہے۔

آسمان دنیا تک نزول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شب کو جب ثلث شب باقی رہتی ہے آسمان دنیا تک نزول فرماتا ہے۔

یہ ایک فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا میں کرتا ہے جو قبول دعا کا فتح باب ہے یہ ساعت مجاہدہ کرنے والوں اور مغفرت طلب کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے لئے قبول واجابت و مغفرت کے گمان کی ہے اور یہ لغت میں معہود و مشہور و مقرر ہے۔ تم کہتے ہو ”**نزل فلاں عن حقه**“ (فلاں اپنے حق سے اتر آیا) یعنی اس نے مجھے دے دیا اور مجھ پر احسان کیا اور اس پر کہ یہ (نزول۔ اترنا) صفت فعل ہے نہ کہ صفت ذات۔ برہان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنزل مذکور کو وقت محدود کے ساتھ معلق فرمایا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ فعل اسی وقت حادث ہوتا ہے اور اسی وقت کیا جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جو ازلی ہوگا وہ قطعاً کسی زمانے سے متعلق نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے بعض الفاظ حدیث مذکور میں واضح فرما دیا ہے کہ وہ فعل کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دیتا ہے جو اس وقت اس مضمون کی ندا کر دیتا ہے۔

نیز ثلث شب بھی مختلف شہروں میں طلوع و غروب کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے اور وہ شخص اسے بخوبی جانتا ہے جس نے اس کی تفتیش کی ہے لہذا پورے طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ ایک فعل ہے جسے ہمارا پروردگار اس وقت تمام اہل جہاں کے لئے کرتا ہے۔

نزول سے منتقلی مراد نہیں:

جس نے اس (نزول) کو نقل (منتقل ہونا) قرار دیا ہے تو ہم اللہ کی مدد و تائید سے اس کے قول کو قول جسم میں پہلے ہی باطل کر چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ منتقل ہوتا تو وہ محدود و مخلوق و مرکب اور مکان کے اندر ہوتا۔ اور یہ مخلوقات کی صف ہے جس سے اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔

افول:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خلیل ورسول ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح فرمائی ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے انتقال قمر کو بیان کیا کہ وہ رب نہیں۔ فرمایا ہے ’’**فلما افل قال لا اجب الا فلین**‘‘ (پھر جب وہ غائب ہوگیا تو انہوں نے کہا کہ میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔ مکان سے ہر ایک منتقل ہونے والا اس مقام سے آفل ہے (یعنی غائب ہونے والا ہے) اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔

خدا کی آمد:

یہی کلام اس آیت میں بھی ہے ’’**وجاء ربک و الملک صفا صفا**‘‘ (اور آپ کا رب اور ملائکہ صف بہ صف آئیں گے) اور اس آیت میں ’’**هل ينظرون الا ان يا تيهم الله فى ظلل من انعمام و الملئكة و قضى الا مر**‘‘ (کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سایوں (میں) اور ملائکہ آجائیں اور معاملے کا فیصلہ کردیا جائے؟) جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ سب آنا قیامت کے روز یہ ایک فعل ہے جسے اللہ تعالیٰ اس روز کرے گا جس کا نام مجی واتیان (آنا) رکھا جائے گا۔

حکم مراد ہے:

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ ’’رب آیا‘‘ اس کے معنی ’’رب کا حکم آیا‘‘ ہیں

جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اور تمام لغات میں صفت وصفات عقل وحس کے نزدیک اعراض ہی ہیں جو موصوفین میں محمول ہیں مگر جب ان لوگوں نے خلاف معہودان (صفات) کو غیر اعراض تجویز کردیا تو انہوں نے بلا دلیل ایک فیصلہ کردیا۔ اس قسم کے امور میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جس میں نص آئی ہو اور لفظ صفت یا صفات کے متعلق کوئی نص نہیں آئی۔ اس لئے یہ محال ہے کہ کوئی ایسا لفظ لایا جائے جس کے بارے میں کوئی نص نہ ہو اور اس سے خلاف معہود تعبیر کیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’**للذين لا يومنون بالآخره مثل السوء ولله المثل الا على و هو العزيز الحكيم**‘‘ (جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے بہت بری مثل ہے اور اللہ ہی کے لئے اعلیٰ درجے کی مثل ہے اور وہی عزیز وحکیم ہے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’**فلا تضربو الله الا مثال ان الله يعلم و انتم لا تعلمون**‘‘ (اللہ کے واسطے مثلیں نہ بیان کرو۔ بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) اگر یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے لفظ مثل بیان کرنے کی وجہ سے بجائے صفات کے امثال کہتے ہیں تو بہتر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی طور پر واضح کردیا اور فرمایا کہ اللہ کے لئے امثال نہ بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اس کے لئے مثل اعلیٰ ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اس کے لئے صرف وہی مثل بیان کی جائے گی جو خود اس نے اپنے متعلق بتائی ہے اس پر اضافہ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ماہیت کی تحقیق

معتزلہ کے چند گروہ اسطرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ماہیت نہیں (یعنی یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ وہ کیا ہے)۔

اہل سنت وضرار بن عمرو اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ماہیت ہے اور ضرار نے کہا کہ اسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

بتوفیق الٰہی ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کے لئے ماہیت ہے جو خود اس کی انیت ہی ہے۔ جو شخص سوال کرے کہ باری تعالیٰ کیا ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال پر کہ ’’وما رب العلمین ‘‘ (رب العلمین کیا ہے) دیا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر کوئی جواب نہیں نہ اللہ کے علم میں اور نہ ہمارے پاس ہے سوائے اس کے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جواب کی مدح کی ہے اور اس کی تصدیق فرمائی ہے اگر وہ جواب صحیح وتام و بے نقص نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی تعریف نہ کرتا۔

انکار ماہیت:

جس نے ماہیت کا انکار کیا ہے اس نے اس قول سے استدلال کیا ہے اس سے خالی نہیں کہ ماہیت یا تو اللہ ہے یا غیر اللہ ہے اگر وہ غیر اللہ ہے اور ماہیت ازلی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ بھی ازلی ہے اور یہ شرک وکفر ہے۔ اگر وہ (اللہ) ہی ماہیت ہے اور ہم اسے جانتے نہیں۔ تو ہم اللہ عزوجل کا علم نہیں رکھتے اور یہ اس امر کا اقرار ہے کہ ہم اس سے جاہل ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جہل اسکے ساتھ کفر ہے اگر اس کے لئے ماہیت کا امکان ہوتا تو لامحالہ اللہ کے لئے کیفیت ہوتی۔

اقرار ماہیت:

یہ ان لوگوں کے علم کلام کی تعریفات اور اسماء کے مسمیات پر واقع کے نہ جاننے سے ہے کیونکہ کسی شے کی ماہیت وہی ہے جو اس سوال کا جواب ہو کہ وہ کیا ہے اور یہ سوال حقیقت وذات شے کے متعلق ہے۔ جو شخص ماہیت کو باطل کرتا ہے وہ حقیقت شے کو باطل کرتا ہے جس کو بذریعہ ماہو (وہ کیا ہے) دریافت کیا گیا ہے۔

ہمارے درمیان اثبات کا سب سے پہلا مرتبہ انیت ہے اور وہ صرف وجود شے کا اثبات ہے یہ وہ امر ہے جس کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے احاطے میں ہے۔ اس سے علم تقسیم نہیں ہوتا کہ اس کا بعض معلوم ہو اور بعض نامعلوم رہے۔

انیت کے بعد ہی جو ہم میں سوال ’’ھل ‘‘ (یعنی آیا وہ موجود ہے؟) کا جواب ہوتی ہے سوال بذریعہ ’’ماھو ‘‘ (وہ کیا شے ہے) ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ میں سوال بذریعہ ’’ماھو ‘‘ وبذریعہ ’’ھل ‘‘ ایک ہی ہے اور دونوں کا جواب بھی ایک ہے۔ جواب میں کہتے ہیں کہ وہ حق ہے واحد، اول ہے، خالق ہے اس کی مخلوق میں کوئی اس کے مشابہ نہیں۔

غیر اللہ میں جو چیز دریافت کی جاتی ہے اختلاف اعراض کی وجہ سے اس میں اِنّیت وماہیت جداگانہ ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے اور نہ وہ حامل اعراض ہے۔ ہم یہیں رک جاتے ہیں اور اس سے زیادہ نہیں جانتے۔ نہ یہاں سوائے اس کے ان اسماء کے کوئی اور شے ہے جو

ہمارے پروردگار نے ہمیں بتادیے ہیں مثلاً علیم قدیر، مومن، مہیمن اوراس کے تمام نام۔ اس نے ہمیں اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے خبردی کہ اس کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں اور فرمایا ہے کہ ''**لا یحیطون به علما**'' (لوگ علم میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے)۔

احاطہ علم:

یہ کلام صحیح ہے، اپنے ظاہر پر ہے، کیونکہ علم جس چیز کا احاطہ کرے گا وہ چیز متناہی ومحدود ہوگی۔ اوراللہ تعالیٰ سے یہ امر منفی ومعدوم ہے اور غیراللہ میں یہ ضروری ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ تعالیٰ پر عدد واقع ہوتا ہے جس سے اس کا احاطہ ہوجاتا ہے اور جس کے لئے نہ حدود ہوں نہ کوئی عدد ہو اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ ہم واقعی اللہ عزوجل کو جانتے ہیں اور جیسا کہ اس نے فرمایا علم میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق اِنّیت ہی ماہیت ہے:

ان لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے جو حقائق امور وقرآن وحدیث سے جاہل ہیں۔ ہم اللہ عزوجل کی حمد کرتے ہیں کہ اس نے ہم پر احسان کیا کہ ہمیں اپنی کتاب کا اتباع اوراس کوخور اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طلب آسان کردی۔ اس نے ہمیں انہیں دونوں (کتاب وسنت) پڑھنے کی اور یہ سمجھنے کی توفیق دی کہ عقل سے خالق عقل پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کو سمجھا جاسکتا ہے اوراس کی مخلوقات کی حقائق کو پہچانا جاسکتا ہے۔ ہمیں تو صرف اللہ ہی کی توفیق ہے۔

ماہیت کے ساتھ کیفیت لازم نہیں:

یہ کہنا کہ اگر اس کے لئے ماہیت ہوتی تو اس کے لئے کیفیت ضرور ہوتی۔ یہ کلام بھی اس قوم کا ہے جو حقائق سے جاہل ہو۔ ہم بیان کر چکے ہیں اور ہر صاحب عقل کے لئے بھی واضح ہے کہ یہ سوال کہ شے کیا ہے اس سوال کے مغایر ہے کہ شے کیسی ہے۔ جو چیز ان میں سے ایک لفظ سے دریافت کی جائے گی وہ اس کے مغایر ہوگی جو دوسرے لفظ سے دریافت کی جائے گی۔ جواب جو ایک کا ہوگا وہ دوسرے کے جواب کے مغایر ہوگا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ یہ سوال کہ ''**ماهو**'' وہ کیا ہے۔ یہ اس کی ذات واسم کا سوال ہے اور یہ سوال کہ ''**کیف هو**'' وہ کیسا ہے یہ اس کے حال واعراض کا سوال ہے اور یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے موصوف کیا جائے۔ فرق ظاہر ہوگیا۔ **وباللہ تعالیٰ التو فیق**۔

☆☆

سخط (ناراضی)۔ رضا۔ عدل۔ صدق۔ ملک۔ خلق (پیدا کرنا)۔

جود۔ سخاء۔ ارادہ اور کرم

وہ مسائل جن کی نسبت اللہ کی قدرت کی خبر دیجائے

ان سب میں سوال کیونکر صحیح ہوگا؟

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اس امر کا عالم ہے کہ وہ کفار سے ناراض ہوگا اور مومنین سے راضی ہوگا۔ اس پر دوزخ کا عذاب کرے گا جو اس کی نافرمانی کرے گا اور اس پر جنت کا انعام کرے گا جو اس کی اطاعت کرے گا۔ جب حکم کرے گا عدل کرے گا اور جب خبر دے گا سچ کہے گا وہ ازل سے اس کا عالم ہے کہ جو پیدا کرنا ہے پیدا کرے گا جن تمام عالموں کو پیدا کرے گا ان کا رب (تربیت و پرورش کرنے والا) ہوگا ہر شے کا اور روز قیامت کا مالک ہوگا۔ جو کچھ پیدا کرے گا وہ اسی کی ملک ہوگا۔ یہ تمام امور جو ہم نے بیان کئے یہ ان تمام چیزوں کے وجود کے مقتضی ہیں جن کے ساتھ ان کا تعلق ہے اور جو چیزیں ان کے ساتھ متعلق میں وہ سب حادث ہیں جو پہلے نہ تھیں پھر ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ان سب کا علیم (جاننے والا) ہے وہ جانتا ہے کہ ہر ایک ہونے والی چیز جس طور پر ہے جب وہ اسے وجود میں لائے گا موجود ہو جائے گی۔

کیا ارادہ صفات ذات میں ہے:

ایک قوم نے ارادے کو صفات ذات میں کہا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ازلی ہے اور ارادہ بھی ازلی ہے یہ غلط ہے اس کے لئے دو ضروری و بدیہی برہان ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالے نے اس پر تصریح نہیں فرمائی کہ وہ مرید ہے یا اسکے لئے ارادہ ہے۔ ہم اپنی کتاب کے گذشتہ حصے میں اس پر برہان لا چکے ہیں کہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء وصفات مشتق کئے جائیں۔ اس کے متعلق ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ متبارک ہے اور یہ کہا جائے گا کہ ''تبارک اللہ'' یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ مستہزی ہے اور یہ کہا جائے گا ''اللہ یستھزی بھم'' اور نہ یہ کہا جائے گا کہ وہ عاقل ہے اسی طرح یہ بھی کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ باقی ہے۔ دائم ثابت سخی اور جواد ہے اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ نام نہیں رکھا لیکن متعالی کہا جائے گا جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ وہ کریم وغنی ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ موسر ہے یہ کہا جائے گا کہ وہ قوی ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ جلد ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ وہ لم یزل۔ لایزال ہے۔ وہ اول۔ آخر۔ ظاہر و باطن ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ خفی وغائب اور بارز و مشتہر ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے امر پر غالب ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ ظافر ہے۔ حالانکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا از روئے لغت معنی سب کے ایک ہی ہیں۔ جو شخص ان میں سے بعض الفاظ وصفات کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرے اور بعض سے منع کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کیا (یعنی کجروی کی) اور اس نے بڑی زبر

دست پیشقدمی کی کہ جس سے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہوتا تو حسب تصریح قرآن مراد (جس کا ارادہ کیا گیا ہے) بھی ازلی ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**انما امره اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون**" (اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کا اس شخص کے قول کے صواب ہونے پر اجماع جو "**ما شاء الله کان**" کہتا ہے (یعنی جو اللہ نے چاہا وہ ہوا) مشیت بھی ارادہ ہی ہے۔

ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا ارادہ نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر**" (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ دشواری کرنا نہیں چاہتا) اور فرماتا ہے "**اولئک الذین لم یرد الله ان یطهر قلوبهم**" (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا)۔ "**واذ اراد الله بقوم سوء**" (اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے) اور فرماتا ہے "**فمن یر د الله ان یهد یه یشرح صدره للاسلام و من یر دان یضله یجعل صدره ضیقا حرجا**" (اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے)۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "**اراد . یرید . لم یرد . ولا یرید**" ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ اس کے لئے ارادہ ہے اور نہ یہ کہ وہ مرید (ارادہ کرنے والا) ہے۔ اس لئے کہ اس کے متعلق نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نص آئی۔ نہ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور نہ یہ سلف رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ماثور ہے۔

اطلاق فاحش:

یہ متاخرین کی ایک جماعت سے آیا ہے جن کا نام متکلمین ہے۔ ان پر خوف ان کے سلامت کی امید سے زیادہ قوی ہے۔ اسلام و تقوی و اجتہاد خیر و علم قرآن و حدیث میں ان کا کوئی سچا قدم نہیں ہے۔ نہ اس میں کوئی سچا قدم ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور جس میں مسلمانوں کا اختلاف ہے۔ نہ اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں۔ نہ حدود و تعریفات کلام میں اور نہ حقائق ماہیات مخلوقات میں اور نہ ان کی کیفیات میں وہ اسی کی پیروی کرتے ہیں جو انہیں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بغیر اللہ عزوجل کی ہدایت کے ہلاکت کے مقامات میں گھس جاتے ہیں۔ **نعوذ بالله من ذلک**۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ولو ردوه الی الرسول والی اولی الا مر منهم لعلمه الذین یستنبطو نه منهم** (اور اگر یہ لوگ اس (خبر خوف و امن) کو رسول اور جو ان میں سے صاحب بصیرت ہیں ان کے حوالے کرتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی تحقیق کر لیتے ہیں وہ اس کو جان لیتے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرما دی کہ جس نے مختلف فیہ مسئلے کو کتاب وسنت واجماع علماء صحابہ تابعین اور ان کے بعد ان کے راہ پر چلنے والوں کے حوالے نہ کیا تو اس نے اسے نہ جانا جو اس نے اپنی رائے وقیاس میں دریافت کر لیا۔

بقصد اظہار و ظہور حق ہم باہم بحث کو برا نہیں کہتے بلکہ یہ تو عمل صالح و خوب ہے ہم تم تو صرف توحید و نبوت کے برہان حس و بداہت عقل اور ایسے نتائج سے ثابت ہونے کے بعد جو مقدمات عقلیہ سے ثابت ہوں دین میں کسی ایسی پیش قدمی کو برا کہتے ہیں جو قرآن وحدیث واجماع کے برہان سے ثابت نہ ہو۔ جب توحید و نبوت اس طور پر ثابت ہو گئی جو ہم نے بیان کیا تو ضرورت عقل اس کو واجب کرتی ہے کہ ان

تمام امور کو جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسول نے ہمیں بتائے اور اللہ نے ہمیں اس رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہم مانیں اور اس پر جھوٹے گمانوں اور غلط رایوں اور بیہودہ قیاسوں اور ہلاک کرنے والی تقلید سے اعتراض نہ کیا جائے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ ہمیں یہ کہنے سے کونسا امر مانع ہے کہ اللہ ازل سے اس چیز کا مرید ہے جس کے ہونے کا اس نے ارادہ کیا کہ وہ اسے جب موجود کرے گا (موجود ہو جائے گی)۔

ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ اس سے اللہ تعالیٰ مانع ہے۔ اس نے تصریحاً ہمیں خبر دی کہ جب وہ کسی شے کے ہونے کا ارادہ کرے گا تو وہ ہو جائے گی۔ اگر وہ ازل سے مرید ہوتا تو وہ شے بھی ازل سے ہوتی جس کا وہ ارادہ کرتا اور یہ الحاد (کجروی) ہے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم میں اور اس میں جو تمہارے قول کا عکس کر دے کیا فرق ہے؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تاوقتیکہ پیدا نہ کیا وہ ازل سے پیدا کرنے کا مرید نہ تھا۔ اس کا کوئی جواب نہ ہو سکے گا۔

اگر کوئی معترض یہ کہتا کہ خلق (پیدا کرنا) وہ ہے جس کے ہونے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارادہ کیا گیا ہے لہذا یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہوئی اور یہی مراد خود ارادہ ہے۔ اس کا ارادہ بجز اس کے کچھ نہیں جو اس نے پیدا کیا۔ تو ہم اس کا انکار نہ کرتے۔

ہم تو اس کے قول کا انکار کرتے ہیں جو ارادے کو صفت ذات و ازلی قرار دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایسی صفت سے موصوف کرتا ہے جس سے خود اس نے اپنے آپ کو موصوف نہیں کیا۔

ہم اس کے قول کا بھی انکار کرتے ہیں جو اس کو صفت فعل قرار دیتا ہے اور اس کو غیر خلق بتاتا ہے۔ اس لئے کہ اسے لازم آئے گا کہ یہ ارادہ یا تو مراد مخلوق ہے یا غیر مراد و غیر مخلوق ہے۔ اگر وہ کہے کہ مراد مخلوق ہے تو اسے سے کہا جائے گا کہ آیا یہ مراد اس ارادے سے ہے جو اس مراد کا غیر ہے اور مخلوق اس خلق سے ہے جو اس مخلوق کا غیر ہے یا بغیر ارادہ و بغیر خلق کے ہے۔ اگر وہ کہے کہ یہ مراد بلا ارادہ ہے تو یہ ایسے محال کو لایا جس کو عقل باطل کرتی ہے اور اسکے متعلق کوئی نص بھی نہیں آئی جس کا ماننا ضروری ہوتا اسی طرح اس کا یہ کہنا بھی ہے کہ وہ مخلوق بغیر خلق ہے۔

اگر کہے کہ وہ مراد اس ارادے سے ہے جو اس مراد کا غیر ہے اور مخلوق اس خلق سے ہے جو اس مخلوق کا غیر ہے تو اسے ارادے کے ارادے اور اس (ارادے) کے خلق میں وہی لازم آئے گا جو الزام ہم نے اسے ارادے اور اس کے خلق میں دیا تھا اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا اور ایسے محدثات کے وجود کو واجب کرے گا جن کے عدد کی کوئی نہایت و حد نہ ہو۔ یہی قول دہریہ کا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ضرورت عقل ونص سے باطل کر دیا ہے جیسا کہ ہم بتوفیق الٰہی اپنی کتاب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ارادہ مراد نہیں اور نہ مخلوق ہے تو ایسے قول کو لایا جسے ضرورت عقل باطل کرتی ہے اس لئے کہ ارادہ غیر مراد کا قائل ہونا محال ہے جو نہ تو ہمارے درمیان میں بذریعہ حس موجود ہے اور نہ دلیل سے کسی ایسی جگہ موجود ہے جو ہم سے غائب ہے۔ یہ محض ایک دعوے کا قائل ہونا ہے جو بداہتہ باطل ہے۔

اسی طرح اگر وہ کہے کہ وہ محدث و غیر مخلوق ہے تو اسے وہی لازم آئے گا جو اس شخص کو لازم آئے گا جو یہ کہے کہ عالم محدث ہے جس کا کوئی محدث نہیں اور بتوفیق الٰہی براہین ضروریہ سے اس قول کا بطلان پہلے گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ تعالیٰ کا جواد و سخی نام رکھنا یا اس کی یہ صفت بیان کرنا کہ اس کے لئے جود و سخاء ہے تو یہ قطعاً جائز نہیں اگر ان معتزلہ کو جنہوں نے اپنے رب کا جواد نام رکھنے میں پیش قدمی کی ہے لغت عرب کا یا حقیقت اسماء کا اور ان کے مسمیات پر واقع ہونے کا یا معانی اسماء و صفات کا

علم ہوتا تو وہ ایسی بڑی بات کی طرف پیش قدمی نہ کرتے اور نہ وہ ان کفار کی پیروی میں پڑتے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ کے مخلوق کو پیدا کرنے کی علت جود و کرم ہے۔ یہاں تک کہ انہیں اس قول نے اس میں ڈالا کہ عالم ازلی ہے۔ معتزلہ تو جہل کی وجہ سے معذور ہیں جو انہیں کفر سے دور رکھنے میں معین ہے اور انہیں ایمان سے نہیں نکالتا ہے۔ مگر ایسا معین نہیں جو ان سے ملامت کو بھی دور کر دے۔ اس لئے کہ انہیں علم حاصل کرنا ممکن اور گنجائش میں ہے۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ گمراہ رہنے دے اس کا کوئی رہبر نہیں۔ **ونعوذ بالله من الخذلان۔**

دو وجوہ اس سے مانع ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کو اس نام سے نہ موسوم کیا نہ موصوف کیا اور یہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھے۔ خاص کر ان امور میں کہ جن میں سوائے نص کے اور کوئی دلیل نہ ہو۔

جود و سخا کے معنی:

وجہ ثانی یہ ہے کہ جس لغت عرب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا اور جس میں ہم لوگ باہم اپنی مراد کو سمجھتے ہیں کہ اس لغت میں جود و سخاء کے الفاظ جو حاجت سے زائد ہو اس کے خرچ کر دینے پر واقع ہوتے ہیں۔ جود و سخاء سے صرف یہی معنی تعبیر کئے جاتے ہیں اور یہ معنی اللہ تعالیٰ سے بہت ہی بعید ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کا محتاج نہیں کہ اسکے لئے زائد ہو اور وہ اسے خرچ کرے اور اس زائد کے خرچ کرنے کی وجہ سے اس کا نام سخی و جواد رکھا جائے یا اس کے خرچ کرنے کی وجہ سے اسے جود و سخاء سے موصوف کیا جائے۔ یا اس کے روکنے کی وجہ سے وہ بخیل یا شحیح (لالچی) ہو یا بخل (وشح (لالچ) کے ساتھ موصوف ہو۔

عالم میں جس قدر لوگ ہیں ان میں سے وہ بھی اس امر میں اختلاف نہ کریں گے کہ ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس شیریں پانی موجود ہے جس کی اسے حاجت نہیں۔ ضرورت سے زائد بہت سا کھانا ہے جس کی اسے کوئی حاجت نہیں۔ اس نے ایک معمولی آدمی کو یا اپنے کسی غلام کو دیکھا کہ وہ بھوک اور پیاس سے مر رہا ہے۔ اسے نہ پانی پلایا نہ کھانا کھلایا۔ تو یہ انتہا درجے کا بخیل و حریص و سنگدل اور ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے بندوں کو اور ان کے بچوں کو جن کا کوئی گناہ نہیں ہوتا دیکھتا ہے کہ وہ بھوکے پیاسے مر رہے ہیں۔ اسکے پاس آسمانوں کے تہہ خانے اور زمین کے خزانے ہیں اور وہ ایک قطرہ پانی اور ایک لقمہ کھانے سے بھی ان پر رحم نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ لوگ اسی حالت میں مر جاتے ہیں۔ اسکے سبب سے اسے بخل حرص سنگدلی و ظلم کے ساتھ موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ وہ ارحم الراحمین رحمٰن۔ رحیم۔ کریم اور ایسا ہے جو نہ ظلم کرتا ہے نہ ستم کرتا ہے جیسا کہ خود اس نے اپنے متعلق بیان کیا ہے۔

صفات کے بارے میں ان کو وہ قیاس فاسد و باطل ہو گیا جو انہوں نے اپنے سے غائب کا اپنے پاس موجود و حاضر پر کیا تھا۔ ان صفات میں سے کسی کے ساتھ اللہ کا موصوف کرنا باطل ہو گیا کسی کو اس کا حق نہیں کہ وہ اسمائے لغویہ کو ان کے اس مقام سے پھیرے جو لغت میں ان کے لئے ہے سوائے اس کے کہ ان کے پھیرنے کے متعلق کوئی نص آئے تو اس وقت اسے مانا جائے گا۔ جو شخص اس حکم کو متعدی کرے گا وہ آپس میں تمام سمجھنے سمجھانے کو باطل کرے گا۔ بیشک وہ تمام حقائق کو باطل کر دے گا۔ سوائے اس کے کہ اس سے تو کوئی بھی عاجز نہیں کہ باطل کا نام حق رکھ دے اور حق کا نام باطل اور تمام اسماء کو ان کے مقامات سے بدل دے۔ یہ شرائع و معقول سے باہر ہونا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا۔ ہم سے یہ بھی بعید نہیں کہ ہم اس طرح اسے نامزد کریں کہ از روئے کرم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کریم ہے ہم اس کے اطلاق کو اچھا سمجھتے ہیں اور اسی کو ہم فضل بھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ذلک فضل الله**" (یہ اللہ کا فضل و کرم ہے) اور اس پر نص ہے کہ اللہ کے لئے کرم ہے۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں برابر لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کہ کچھ اور ہے یہاں تک کہ رب العلمین اپنا قدم (یعنی ایک نئی جماعت) اس میں رکھ دے گا اور وہ کہے گی کہ بس بس تیرے عزت و کرم کے طفیل میں۔

جمع اند پریشانے چند:

لوگ چند اشیاء کے سوال میں پریشان ہیں جن کو انہوں نے بیان کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان پر قادر ہے یا نہیں اور اس کے جواب میں بھی پریشان ہیں۔

ازالہ اضطراب:

ہم اللہ کی مدد و قوت سے اس کے متعلق سوال کی تحقیق کی وجہ اور اس میں جواب کی تحقیق بیان کریں گے جس میں غلطی کی آمیزش نہ ہو گی۔ **ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم**

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ جب سوال کی ایسے لفظ سے تحقیق کی جائے کہ خود سائل اس سے اپنی مراد سمجھے اور مسئول (یعنی جس سے سوال کیا جائے) اس سے سائل کی مراد سمجھے تو وہ سوال صحیح ہے۔ اس کا جواب لازم ہے۔ جو اس کا یہ جواب دے کہ یہ سوال فاسد ہے اور یہ محال ہے تو وہ خود جواب سے جاہل۔ عاجز اور اس سے جان چرانے والا ہے جو سوال ایسا ہو کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو فاسد کرتا ہو یا اس کا آخر اس کے اول کی مخالفت کرتا ہو تو یہ سوال فاسد ہے جس کی ابتک تحقیق نہیں کی گئی۔ جس شے کے سوال کی تحقیق نہ کی جائے اسکے متعلق سوال بھی نہیں کیا جا سکتا اور جس سے سوال نہیں کیا جا سکتا تو اسی کی طرح اس کا جواب بھی لازم نہیں۔ بس یہ دو قضیے ہیں جو اس معنی میں کافی و جامع ہیں جن سے اس معنی کی کوئی شے نہیں چھوٹتی۔ سوائے اس کے ایسا جواب ضروری ہے جو اسکے حوالے بیان کے ساتھ ہو۔ جو نہ اس کے حق ماننے پر مبنی ہو نہ اس کی شکل تصور کرنے پر اور نہ اس کا وہم کرنے پر۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ہم اس باب کے متعلق سوال کی اللہ کی مدد و قوت سے ایک ایسی جامع تعریف بیان کرتے ہیں جس سے انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلے میں اشکال (اعتراض) اٹھ جائے گا۔

بتوفیق و تائید الٰہی ہم کہتے ہیں کہ اس باب میں وہ شے جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے اگر یہ ہو کہ سائل نے صرف یہ دریافت کیا ہو کہ کسی فعل ابتدائی کے وجود میں لانے پر یا اس کے معدوم کرنے پر قدرت ہے یا نہیں ہے۔ جس شے کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس پر قدرت ہے اور وہ مقدور سے بعید نہیں ہے اور سوال صحیح ہے اور اس کا جواب بھی ”ہاں“ میں ہے۔ اگر وہ شے جس کے متعلق کیا گیا ہے اس کی کوئی ابتداء نہیں ہے تو اس کی تغیر یا وجود میں لانے یا معدوم کرنے کے متعلق سوال ہی فاسد ہے۔ اس کے دریافت کرنے والے کو اپنے سوال کے معنی کا سمجھنا اور اپنے سوال کی تحقیق ہی ممکن نہیں۔ جو اس طرح ہو تو اس کا جواب نہ تو اس کی تحقیق کی بناء پر لازم ہے نہ اس کے تشکل کی بناء پر۔ اس لئے کہ جواب جو تشکل کے متعلق ہوتا ہے وہ سوال ہی کے متعلق ہوتا ہے اور یہاں قطعاً سوال ہی نہیں ہے۔

محال کیا ہے؟:

ہم بتائید الٰہی کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ اللہ کی مدد و قوت سے یہ بیان کر دیں کہ محال کیا ہے اور یہ لفظ کسی معنی پر واقع ہوتا ہے اور وہ کیا چیز ہے جس کو اس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو شخص کوئی شے قائم کرے اور خود اس کے معنی کی تحقیق سے ناواقف ہو تو وہ خود جہل کی تاریکیوں میں ہے۔

محال کی قسمیں:

ہم بتائید الٰہی کہتے ہیں کہ محال کی صرف چار قسمیں ہیں اس کی کوئی پانچویں قسم نہیں ہے۔

اول محال بالاضافتہ ہے۔

دوم محال فی الوجود ہے۔

سوم وہ محال ہے جو ہمارے آپس میں ہمارے نزدیک عقل کی بنیاد میں ہے۔

چہارم محال مطلق ہے۔

محال بالاضافتہ تو اس طرح کا ہے کہ تین سال کے بچے کے ڈاڑھی نکلنا اور اس کا کسی عورت کا حاملہ کر دینا۔ کسی کند ذہن احمق کا منطق کے دقیق مسائل میں کلام کرنا اور اس کا اعلیٰ درجے کا شعر کہنا اور اسی قسم کے امور۔ عالم میں یہ معانی ان لوگوں سے پائے جاتے ہیں جن سے یہ ممکن ہیں اور دوسروں سے ناممکن ہیں۔

محال فی الوجود اس طرح ہے جیسے جماد (پتھر) کا حیوان بن جانا اور ایک حیوان کا جماد بن جانا یا کوئی اور حیوان بن جانا۔ مثلاً پتھر کا بولنا اور اجسام کا بتانا وغیرہ۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے نزدیک ممکن نہیں اور نہ موجود ہے۔ لیکن عقل میں اس کا توہم ہے اور دل میں متشکل بھی ہے کہ اگر ہوتا تو کیسا ہوتا۔ انہیں دونوں قسموں میں انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات لاتے ہیں جو ان کے صدق نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

وہ محال جو ہمارے یہاں بنیاد عقل میں ہے وہ اس طرح کا ہے مثلاً ایک ہی وقت اور ایک ہی مرتبے میں انسان کا کھڑا ہونا اور بیٹھنا اور مثلاً کسی سائل کا یہ دریافت کرنا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ آدمی کو ساتھ ہی ساتھ قاعد غیر قاعد (بیٹھنے والا نہ بیٹھنے والا) کر دے، اگر وہ تمام امور جن کا عقل میں تشکل نہیں ہوتا جن میں تاثیر واقع ہوتی ہے کہ اگر وہ غیر باری تعالیٰ سے ممکن بھی ہوں۔

یہ تینوں وجوہ وہ ہیں کہ جو شخص ان کے متعلق یہ دریافت کرے کہ اللہ تعالیٰ ان پر قادر ہے تو یہ سوال صحیح ہے۔ سمجھ میں آتا ہے اس کی وجہ بھی معلوم ہے اس کا جواب ''ہاں'' میں لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر قادر ہے۔ یہ سوائے اس کے کہ جو محال ہمارے درمیان بنیاد عقل میں ہے وہ قطعاً اس عالم میں نہیں ہو سکتا نہ کسی نبی کے معجزے کے طور پر اور نہ کسی اور طور پر۔ یہ دل میں بدیہی طور پر واقع ہے اور یہ بعید بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوسرے عالم میں یہ کرتا ہو۔

محال مطلق ہر وہ سوال ہے جس سے ذات باری میں تغیر لازم آتی ہو۔ یہی وہ محال بعینہ وبذاتہ ہے جس کا بعض حصہ بعض کے خلاف اور اس کا اول حصہ آخر حصے کو فاسد کرتا ہے۔ یہ قسم ازل سے اللہ کے علم میں محال ہے اور اس کا سمجھنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں۔ جو اس قسم کا وہ سوال ہی نہیں اور نہ سائل نے قطعاً کسی معنی کا سوال کیا ہے۔ جب اس نے سوال ہی نہیں کیا تو وہ اس کی تحقیق یا توہم کے طور پر اس کے جواب کو نہیں چاہتا لیکن یہ ہاں۔ نہیں۔ کا جواب چاہتا ہے کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کو اس عدم قدرت کے وصف کی طرف منسوب نہ کر دے جو کسی وجہ سے عجز ہے۔ اگرچہ ہم بضرورت عقل اس کو یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ اس کو کبھی کیا اور نہ ہرگز کبھی کرے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس پر یا اپنے جہل پر یا اپنے عجز پر یا اپنا مثل پیدا کرنے پر یا ایسی چیز پیدا کرنے پر جس کا اول نہ ہو قادر ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن میں کا بعض حصہ بعض کو فاسد کرتا ہے اور جو پاگلوں اور مجنوؤں اور ان لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ یہ وہ قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عقل کے پیدا کرنے سے پہلے اور اس کے پیدا کرنے کے بعد ہمیشہ سے ازل سے محال ممتنع اور باطل جانتا ہے۔

محال فی العقل وہ تیسری قسم ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ عقل مخلوق و حادث ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہ ہونے کے بعد پیدا کیا۔ وہ قوائے نفس میں سے ایک قوت ہے جو عرض ہے جو نفس میں محمول ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ جن مراتب پر وہ ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار و مرضی سے پیدا کیا ہے۔ ہم بضرورت عقل جانتے ہیں کہ جو کوئی ایسی چیز ایجاد کرے گا جو کبھی نہ تھی کسی گذشتہ مثال پر بھی نہ ہو اور نہ کسی ایسی ضرورت سے ہو جس نے اس پر اس کا ایجاد کرنا ضروری کر دیا ہو۔ محض اس نے اپنے اختیار و مرضی سے اسے کر دیا۔ تو وہ اس کی ایجاد کے ترک پر بھی قادر ہے۔ اس کی جیسی دوسری چیز کے ایجاد پر بھی قادر ہے اور اس کے خلاف چیز کی ایجاد پر بھی قادر ہے۔ ان میں سے بعض پر اس کے قادر ہونے میں اور اس کے ان میں سے تمام پر قادر ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے صرف عقل میں محال پیدا کیا ہے تو وہ صرف اسی وقت سے محال تھی جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے محال بنایا اور جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے صورت عقل پیدا کی نہ کہ اس کے قبل سے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ اسے محال نہ بنائے تو وہ محال نہ ہوتی۔

اسی طرح جو شخص یہ سوال کرے کہ آیا اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں ساتھ ساتھ کسی شے کے موجود و معدوم کرنے پر قادر ہے یا کسی ایک جسم کے دو مکانوں میں یا دو جسموں کے ایک مکان میں کر دینے پر قادر ہے؟ اور اسی طرح کے امور پر قادر ہے؟ یہ سوال صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب پر قادر ہے اگر وہ چاہتا کہ اس کو پیدا کرے تو وہ ضرور اس کو پیدا کرتا برہان وہ ہے جو ہم لوگ اپنے خوابوں میں دیکھتے ہیں کہ بلاشک حالت بیداری میں محال و ناممکن ہے۔ حالانکہ ہم اسکو خواب میں ممکن و محسوس دیکھتے ہیں جو دل کی آنکھ سے دکھائی دیتی اور اسی کے کان سے سنائی دیتی ہے۔ لامحالہ ہر صاحب حس جانتا ہے کہ جس نے خواب میں محال کو ممکن بنا دیا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اسے بیداری میں بھی ممکن بنا دے۔

اسی طرح جو یہ سوال کرے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ بیٹا بناتے تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے "**لوار اد الله ان يتخذ ولدا لا صطفى فما يخلق ما شاء**" (اگر اللہ چاہتا کہ بیٹا بنائے تو وہ جن کو پیدا کرتا تھا ان میں سے جسے چاہتا انتخاب کر لیتا) اور اسی طرح فرمایا ہے "**لوار دنا اتخذ لهو ا لا تخذ نا ہ من لد ناان كنا فاعلين**" (اگر ہم چاہتے کہ فضول بات اختیار کریں تو ہم اپنے پاس سے اختیار کر لیتے اگر ہم کرنے والے ہوتے)۔

جس نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور اس نے اپنے قول کو اچھا جانا کہ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو ان امور کی قدرت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا تو اس نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں کوئی درمیانی درجہ نہیں ہے کہ کسی کو کسی شے کی قدرت کے ساتھ موصوف کیا جائے پھر اسے دوسری شے کے بارے میں اس طرح موصوف کیا جائے کہ وہ اس پر قادر نہیں۔ جب یہ ضروری ہو گیا کہ وہ قادر نہیں تو ثابت ہو گیا کہ لامحالہ وہ اس شے سے عاجز ہے جس پر وہ قادر نہیں ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کو عجز کے ساتھ موصوف کیا اس نے کفر کیا۔ نیز جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو محال پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔ تو اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو متناہی کر دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی قوت کو منقطع و محدود کر دیا۔ اس سے بدیہی طور پر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قوت محدود ہے اور عرض ہے اور اللہ تعالیٰ جو فاعل ہے تو وہ اس طبیعت کی وجہ سے ہے جو اس کے اندر ہے اور محدود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محدود کرنا اور اس کے ساتھ محض کفر ہے اور اسے مخلوقات میں داخل کرنا ہے۔

معدوم و محال پر قدرت کے معنی:

ہمارے اس قول کے معنی کہ اللہ تعالیٰ معدوم و محال پر قادر ہے وہی ہیں جو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

وہ یہ ہے کہ سائل کا سوال محال و معدوم کے متعلق بلا شک سوال ہے جو موجود ہے جو سننے اور بولنے میں آتا ہے ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس لفظ کے لئے معنی پیدا کر دے اور ایجاد کر دے۔ یہ معقول اور صحیح جواب ہے اور یہی ہمارا قول ہے اور صرف یہی قول ہے اور ایک قول ہے جو اسواری (شیخ معتزلہ) کے خلاف ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء پر قادر نہیں جو اس کے علاوہ ہیں جن کے متعلق معلوم ہے کہ وہ کرے گا۔ مگر جو ہمارا اور اسواری کا مخالف ہے تو اسے بھی لامحالہ ہمارے ہی قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا یا اسواری کے قول میں داخل ہونا پڑے گا اگرچہ وہ غلط ہی کہے۔ اس لئے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی شے پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف کیا جو اس نے نہیں کی مثلاً مریض کا صحت دینا۔ یا کسی شے کا پیدا کرنا یا کسی ساکن چیز کا متحرک کرنا تو اس نے اسے اپنے علم کے بدلنے اور اپنے حکم کی تکذیب کرنے کی قدرت کے ساتھ موصوف کر دیا اور یہ محال ہے لہٰذا لامحالہ وہ ہمارے قول کا یا اسواری کے قول کا قائل ہو گیا۔

وہ سوال جو اس کی ذات کے بارے میں کلام کرنے تک پہنچا دے تو ہم کہیں گے کہ جس چیز کو سائل نے دریافت کیا ہے ہم کسی شے کو مستثنیٰ نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اس سے عاجز نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں کہ نہ ان کا سننا جائز ہے نہ ان کا زبان پر لانا نہ وہاں پر بیٹھنا جائز ہے جہاں وہ بیان کیے جاتے ہوں وہ تمام ایسے سوالات ہیں۔ جن میں باری تعالیٰ کے ساتھ کفر ہو۔ اس کی توہین ہو یا اس کے کسی نبی کی توہین ہو یا اس کے کسی فرشتے کی توہین ہو۔ یا اس کی کسی آیت کی توہین ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**اذا سمعتم آیات الله یکفر لها و یستهزاء بها فلا تقعد و امعهم حتی یخو ضوافی حدیث غیره انکم اذا مثلهم** ''(جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر اور ان کے ساتھ تمسخر کیا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو تاوقتیکہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہوں۔ کیونکہ تم بھی اسی وقت انہیں کے مثل ہو گے) اور فرماتا ہے ''**قل ابا لله و آیا ته ورسوله کنتم تستهز ون لا تعتذرو ا قد کفر تم بعد ایمانکم** '' (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ اللہ اور اس کی آیات اور اسکے رسول کے ساتھ تمسخر کیا کرتے تھے۔ معذرت نہ کرو تم نے تو اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔

تبدیل شکل:

اگر کوئی سائل ہم سے یہ سوال کرے کہ آیا اللہ اس پر قادر ہے کہ اس کافر کی شکل بگاڑ کر بندر اور کتے کی صورت بنا دے تو ہم کہیں گے کہاں۔ اگر وہ یہ چاہے کہ ہم سے یہی سوال ان لوگوں کے بارے میں کرے جن کی تعظیم ہم پر لازم ہے مثلاً فرشتے یا نبی یا صحابی یا اور کوئی بزرگ مسلم کے تو ہمیں اس کا سننا بھی جائز نہیں۔ لیکن ہم اسے ایسا جواب دیں گے جو کافی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں پر قادر ہے جن کے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔ ہم کسی شے کو مستثنیٰ نہیں کرتے جو اس کافی جواب کے بعد بھی اڑا رہے تو اس کی غرض محض بدگوئی اور ملمع کاری ہے یہ دونوں باتیں مناظرے سے عاجز ہونے اور لاجواب ہونے کے دلائل میں سے ہے۔ **ولحمد لله رب العلمین**۔

اس باب میں لوگوں کی مختلف اقسام ہیں۔ مگر اس کی بنیاد اس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو وہ کرے گا اس کے خلاف پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا یہی قول ہے جو اسواری کے خلاف ہے جو معتزلہ کے مشائخ میں سے ہے۔ تمہیں جاننا چاہئے کہ جو شخص اس سے روکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محال پر قادر ہے یا اس شے پر قادر ہے جس کے متعلق سائل سوال کرتا ہے تو لامحالہ اسے یا تو اس قول کی طرف رجوع کرنا ہو گا یا اس کے قول کا تناقض و اختلاف و فساد ظاہر ہو گا اور وہ ایک ایسے خالص محال کی طرف چلا جائے گا جس سے وہ اپنے گمان کے مطابق بھاگا تھا۔ جیسا کہ ہم اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

ایک اور گروہ نے بھی اسی قول کے معنی کے مطابق کہا ہے سوائے اس کے کہ اس نے اسواری کی عبارت کو برا سمجھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے کہ لیکن گر کوئی سائل ہم سے سوال کرے اور کہے کہ آیا اللہ تعالیٰ فلاں امر پر قادر ہے باوجودیکہ وہ پہلے سے جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا۔

اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے کہ انہوں نے ایک ہی شے پر اس کی قدرت کو واجب بھی کیا اور معدوم بھی کر دیا اور یہ کھلم کھلا باطل ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے جو اسنے نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ اسے اس سے زیادہ بہتر پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا جو اس نے اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہے۔ یہ قول جمہور معتزلہ کا ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے جو اس نے نہیں کیا۔ سوائے اسکے کہ وہ ظلم و جور اور اپنا بیٹا بنانے پر اور کسی کذاب کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنے پر اور کسی امر محال پر توحید کے منسوخ کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ یہ قول نظام اور ان کے ساتھیوں کا اور اشعریہ کا ہے اگر چہ ان لوگوں میں ماہیت ظلم میں اختلاف ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے جو اس نے نہیں کیا اور جور و ظلم و کذب پر بھی قادر ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ محال پر قادر نہیں مثل اس کے کہ وہ شے کو ساتھ ہی ساتھ معدوم و موجود کر دے اور ساتھ ہی ساتھ قائم و قاعد کر دے (یعنی کھڑا ہوا اور بیٹھا ہوا) یا ساتھ ہی ساتھ دو مکانوں میں کر دے۔ یہ قول بلخی کا اور معتزلہ کے کئی گروہوں کا ہے۔

وہ قول جس پر تمام اہل اسلام اور صحابہ اور ان کے بعد کے حضرات ہیں جو ان گمراہیوں کے پیدا ہونے کے اور اس بدترین پیشقدمی کے پہلے کا ہے جو اگر اس شخص کی گمراہی نہ ہوتا جو اسے گمراہ ہوا تو ہماری زبانیں اسے بیان نہ کرتیں اور ہمارے ہاتھ اس کی کتابت میں ہماری مدد کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو گمراہوں کی گمراہی کی حکایت بیان کی ہے ہم بھی اسی کی نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (کفار نے یہ کہا کہ) مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ غنی ہیں اور جبکہ انسان سے کہا کہ کفر کر۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ لوگ آپس میں سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے کہ اسی اللہ نے خلق کو پیدا کیا پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا۔

اہل اسلام کے عام و خاص کا مذکورہ بالا گمراہیوں کے پہلے سے یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اس کا کرنے والا اور ہر شے پر قادر ہے اسی کو قرآن لایا ہے جس شے کو بھی دریافت کیا جائے اگر چہ وہ محال کی انتہا کو پہنچتی ہوئی ہو۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اللہ اس پر قادر ہے۔

حدود قدرت:

ان میں سے بعض نے مجھ سے کہا کہ قرآن تو صرف یہی بات لایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہم لوگ اس کا انکار نہیں کرتے۔ ہم تو محض اس سے روکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان امور کی قدرت کے ساتھ موصوف کیا جائے جو وہ نہ چاہے اور ان امور کی قدرت ساتھ کہ جو کچھ بھی نہیں۔

میں نے اسے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یرزق من یشاء و یقدر" (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور قادر ہے) اور اللہ تعالیٰ نے عام رکھا ہے۔ خاص نہیں کیا ہے لہذا یہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس کی قدرت کی تخصیص کر دے۔ وہی فرماتا ہے "قل

ان اللہ قادر علی ان ینزل آیة" (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نشانی (آیت) نازل کرنے پر قادر ہے) اور فرماتا ہے "**و لو تقول علينا بعض الا قاويل لا خذ نا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين**" (اور اگر ہمارے اوپر کوئی بات یہی بنا لیتے تو ہم آپ کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے پھر ہم آپ کی رگ گردن کاٹ دیتے) اور فرماتا ہے "**انا لقادر ون على ان نبدل امثالكم و ننشئكم فيما لا تعلمون**" (بیشک ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم تمہارے جیسوں کو بدل دیں اور تمہیں ان لوگوں میں پیدا کریں جنہیں تم لوگ نہیں جانتے) اور فرماتا ہے "**ولو لا ان يكون الناس امة واحدة لجعلنا لمن يكفر با لرحمن لبيو تهم سقفا من فضة و معارج عليها يظهرون**" (اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ ایک امت ہو جائیں گے تو ہم ان لوگو کے لئے جو رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھت اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے جن پر چڑھ کر یہ لوگ ظاہر ہوتے) اور فرماتا ہے "**او ليس الذى خلق السموات و الارض بقادر على ان يخلق مثلهم بلى**" (کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کے مثل پیدا کر سکے۔ ہاں۔ بیشک قادر ہے)۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کی طرف سے فرماتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ "**استغفروا ربكم انه كان غفارا . يرسل السماء عليكم مدرارا ويمددكم باموال و بنين و يجعل لكم جنت و يجعل لكم انها را**" (اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو۔ بیشک وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے تمہارے اوپر آسمان کو برسنے والا بنا کر بھیجے گا اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنا دے گا)۔ باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ فرماتے کے کہ "**انه لن يو من من قومک الا من قد آمن**" (اے نوحؑ بیشک تمہاری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا سوائے اسکے کہ جو ایمان لا چکے ہیں) اور فرماتا ہے "**قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابا من فوقكم او من تحت ارجلكم**" (آپ کہہ دیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے) اور فرماتا ہے "**عسى ربه ان طلقكن ان يبدله ازواجا خيرا منكن**" (اے ازواج مطہرات اگر نبی تمہیں طلاق دیں تو قریب ہے کہ ان کا رب بدلے میں انہیں ایسی ازواج دیدے جو تم سے بہتر ہوں گی)۔

یہ سب اس امر پر نص و تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہے جو اس کے علم میں پہلے سے موجود ہے مثلاً اس شخص کو ہدایت ہونا جس کو وہ جانتا ہے کہ اسے ہدایت نہ کرے گا۔ اس پر عذاب کرنا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس پر کبھی عذاب نہ کرے گا ارواح کا بدلنا جن کو وہ جانتا ہے کہ کبھی نہ بدلے گا۔ یہ سب اس کی قدرت پر نص ہے جو اس کے علم ازلی کے ابطال کی بناء پر ہے اور اس کے اس قول کی تکذیب کی بناء پر ہے جو کبھی جھوٹ نہیں۔ اس قسم کا مضمون قرآن میں بہت ہے۔

اس سے زیادہ عجیب قول کس کا ہوگا اور اس سے زیادہ کامل گمراہ کون ہوگا جو اپنے قول کی وجہ سے اس امر کو واجب کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کہا اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کذب پر غیر قادر ہے باوجود اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے کہ "**عند مليک مقتدر**" (ایک قدرت والے بادشاہ کے پاس) اور فرماتا ہے "**هو العليم القدير**" (وہ جاننے والا قدرت والا ہے) اور فرماتا ہے "**و كان الله عليما قديرا**" (اور اللہ علم والا قدرت والا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے قدرت کا اطلاق کیا اور عام کیا۔ خاص نہیں کیا۔ لہذا کسی وجہ سے بھی اس کی قدرت کی تخصیص کسی کے لئے جائز نہیں۔

ظلم و کذب و محال پر قدرت:

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ پھر تمہیں اس سے کیا چیز مطمئن کرے گی جب وہ ظلم و کذب و محال پر قادر ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ کیا ہو

(یعنی جھوٹ) یا شاید آیندہ کرے (یعنی ظلم۔ تو تمام حقائق (سزا و جزاء وغیرہ) باطل ہو جائیں گے اور کوئی چیز صحیح نہ رہے گی۔ جو کچھ اس نے ہمیں بتایا ہے سب جھوٹ ہو کے رہ جائے گا۔

مسائلہ کی تحقیق:

ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس سے جس چیز نے مطمئن کیا ہے وہ اس معرفت کی بداہت و ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفوس (دلوں) میں رکھدی ہے جو ہماری اس معرفت کی طرح ہے کہ تین دو سے زائد ہوتے ہیں۔ صاحب تمیز صاحب تمیز ہی ہے اور احمق احمق ہی ہے کھجور کے درخت میں زیتون نہیں پیدا ہوتا۔ گدھی اونٹ سے حاملہ نہیں ہوتی۔ خچر علم نحو و شعر اور ان تمام چیزوں کے متعلق جن کا علم دلوں میں جاگزین ہوتا ہے کلام نہیں کر سکتا۔ ورنہ یہ لوگ ہمیں بتائیں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے کس چیز نے انہیں مطمئن کیا۔ شاید یہ ہو چکا ہو یا آئندہ ہو جائے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

جب ان تمام مذاہب کے لوگوں کو جو اللہ کو مانتے ہیں اس پر اتفاق ثابت ہو چکا کہ اس عالم کی بنیاد میں نہیں ہے کہ محال مذکور کا اس میں وجود ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی اکثر ہمارے مخالفین اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سب پر قادر ہے لیکن وہ اسے کرے گا نہیں۔ لہذا جس چیز نے انہیں اس کا اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کرے گا اسی نے ہمیں اس کا اطمینان دلایا کہ ہم اس میں کلام کریں گے جو انہوں نے ہم سے کہا ہے کہ اللہ نے کیا ہو یا آئندہ کرے اور کوئی فرق نہیں۔

یہ عالم ایسا ہے کہ اس کی بنیاد میں محال مذکور کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا اور نہ جھوٹ کہتا ہے واجب کرنے والی ضرورت سے ہم جانتے ہیں کہ عالم حادث ہے اور اس کا کوئی صانع ہے جو ازلی ہے اور کوئی اس کے مشابہ نہیں ہے۔ جو معجزات انبیاء علیہ السلام سے ظاہر ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ معجزات ان کی تصدیق کو واجب کرنے والے ہیں۔ انہوں نے ہمیں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نہ جھوٹ کہتا ہے نہ ظلم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ **"قد تمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماته"** (آپ کے پروردگار کے کلمات صدق و عدل کے اعتبار سے مکمل ہیں۔ اس کے کلمات کا کوئی بدلنے والا نہیں) اللہ تعالیٰ قادر ہے اور ہر وہ شے جس پر وہ قادر ہے اسے کرے گا نہیں۔ اگر اس سوال کا سوال کرنے والا دین اسلام یا دین نصاریٰ یا یہود یا مجوس یا صابئین یا براہمہ کا پابند ہے یا ہر وہ شخص جس کا مذہب یہ ہے کہ اللہ حق و موجود ہے تو یہ سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ جھوٹ کہتا ہے نہ ظلم کرتا ہے ہر وہ شخص جو خالق کی نفی کرتا ہے ان میں سے بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ وہ ظلم کرتا ہے۔ یا جھوٹ کہتا ہے لہذا قدیم و جدید تمام باشندگان روئے زمین کا جن میں سے ہم کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے اس پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نہ ظلم کرتا ہے نہ جھوٹ کہتا ہے اور وہ لوگ اس کے ماننے پر مجبور نہ ہوتے تو ان میں کوئی تو پایا جاتا خواہ وہ ایک ہی ہوتا جو اسکے خلاف کا قائل ہوتا۔ یہ محال ہے کہ ان تمام سب کی طبائع اس پر بغیر اس ضرورت کے متفق ہو جائیں جو اللہ عزوجل نے ان کے دلوں میں رکھ دی ہے جو بالکل اسی طرح ہے جس طرح اس چیز کی معرفت ضروری ہے جس کو یہ اپنے حواس سے ادراک کرتے ہیں اور عقل کے سمجھنے سے جانتے ہیں۔

جو یہ سوال کرتا ہے ہم اس سے کہتے ہیں کہ آیا یہ ممکن ہے کہ لوگوں میں کوئی ایسا انسان ہو کہ وہ وسوسہ کرے یا اسے جھوٹے گمان و وہم میں ڈالیں اور تخیل فاسد اور اپنی ہوس سے وہ یہ سمجھے کہ اشیاء اس شکل کے خلاف ہیں جس پر کہ وہ ہیں۔ لوگ بھی اس کے خلاف ہیں جس پر کہ

وہ ہیں۔ وہ اپنے اس گمان فاسد کو اپنے نزدیک حق سمجھے اور اس میں کوئی شک نہ کرے۔ یا یہ ناممکن ہے کہ عالم میں ایسا کوئی شخص ہو۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ناممکن ہے کہ عالم میں کوئی ایسا ہو تو وہ خالص محال کو لائے اور انہوں نے عقل کی مخالفت کی۔

اور اگر کہیں کہ ہاں ممکن ہے۔ لوگوں میں ایسے بہت ہیں جن کی یہ صفت ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کونسا امر اطمینان دلاتا ہے کہ تم اس صفت کے نہیں ہو۔

ان میں سے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے ہم اس سے کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہارے حواس کو بدل دے جیسا وہ اس صاحب صفراء کے ساتھ کرتا ہے جس کو شہد ایسا تلخ محسوس ہوتا ہے جیسے ایلوہ اور جیسا وہ اس شخص کے ساتھ کرتا ہے جس کی آنکھوں میں پانی اتر رہا ہو وہ ایسی خیالی چیزیں دیکھتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جیسے وہ شخص جس کی کان میں کوئی مرض ہو تو وہ باریک آواز سنتا رہتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یا قادر نہیں ہے پھر اگر کہیں کہ قادر ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تجھے کس نے اطمینان دلایا کہ تو اس صفت کا نہیں ہے۔ اگر وہ کہے کہ جو لوگ میرے پاس موجود ہیں کہتے ہیں کہ میں اس صفت کا نہیں ہوں۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ اسی طرح یہ وسوسہ کرنے والا بھی گمان کرتا ہے اور کوئی فرق نہیں کیونکہ اسے یہ کہنا ضروری ہے کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میں یقیناً بلا شک وشبہ اس صفت کے خلاف ہوں۔ تو ہم اس سے بالکل اسی کے مساوی کہیں گے کہ ہم بھی اس سے مطمئن ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرے یا جھوٹ کہے یا غیر نبی کے لئے ماہیت کی طبیعت کو بدلے یا محال کو کرے باوجود اس کے وہ اس پر قادر ہے اور کوئی فرق نہیں۔

سوائے اس کے جو اسواری کے مطابق کہتا ہے ان تمام فرقوں سے کہا جائے گا کہ آیا تم اسواری کر برا جانتے ہو۔ اس لئے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ وصف بیان کیا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کر دیا وہ اس کے خلاف پر قادر نہیں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کو عجز کے ساتھ موصوف کر دیا۔ اسکا جواب ''ہاں'' ضروری ہے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ خود یہی امر تمہارے اس قول میں بھی تمہارے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم و کذب ومحال پر اور اپنی ذات پر قادر نہیں ہے یا اس سے زیادہ بہتر پر قادر نہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے کر دیا۔ وہ لوگ اس اعتراض سے بچ نہیں سکتے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ ہمیں لازم نہیں آتا۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اسواری کو بھی یہ کہنا دشوار نہیں کہ یہ مجھ پر لازم نہیں آتا اس اعتراض سے مفر نہیں۔

کہا جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ قیامت قائم کرے گا اور فلاں دن زید کو موت دے گا تو آیا وہ اس پر قادر ہے کہ وہ اس روز اسے موت نہ دے اور اس پر قادر ہے کہ اس دن سے پہلے اسے موت دیدے یا قادر نہیں ہے اگر وہ کہیں کہ قادر نہیں تو وہ اسواری کے قول میں شامل ہو گئے اور اگر وہ کہیں کہ ہاں قادر ہے تو انہوں نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے قول کی تکذیب پر قادر ہے اور یہی وہ کذب پر قدرت ہے جس کو ان لوگوں نے باطل کیا تھا۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا اور بعض وہ دعا بھی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کے دعا کرنے والے کی دعا قبول نہ کرے گا۔ تو آیا اس نے جو ہمیں اس کی دعا کا حکم دیا ہے تو جس چیز میں اس کی استطاعت ہے اور جس پر اسے قدرت ہے اس کا حکم دیا ہے یا جس میں اس کی استطاعت نہیں ہے اور نہ اسے اس پر قدرت ہے اس کا حکم دیا۔

اگر وہ کہیں کہ جس میں اسے قدرت نہیں ہے تو وہ اسواری کے ساتھ شامل ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ پر لازم کر دیا کہ اس نے امر محال کو کہا۔ کیونکہ ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس سے ایسا کام کرنے کی خواہش کریں جس پر وہ قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ

اس سے برتر ہے۔

اور اگر وہ کہیں کہ ہاں اس چیز میں دعا کرنے کا حکم دیا جس پر وہ قادر ہے تو انہوں نے مان لیا کہ وہ اپنے علم کے باطل کرنے پر قادر ہے۔ اس پر جو کچھ کفر خالص مثلاً ابطال دلائل توحید وابطال ایجاد عالم ومخالفت اجماع لازم آتا ہے وہ کم نہیں ہے۔

اگر وہ اسواری کے مطابق یہ کہے کہ مجھے نفی قدرت سے اثبات عجز لازم نہیں آتا بلکہ میں تو اس سے دونوں امور کی نفی کرتا ہوں جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ تمہارے اس سے حرکت کی نفی کرنے سے اسے سکون لازم نہیں آتا اور نفی سکون سے اسے حرکت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ تم اس سے ضدین کی نفی کرتے ہو مثلاً شجاعت وبزدلی کی اور ان تمام صفات اور ان کی اضداد کی جن کی تم نے نفی کی ہے۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ یہ بہت کمزور ملمع کاری ہے۔ اس لئے کہ ہم تو ان صفات کی اس سے نفی کرنے میں ایک ہی طریقے پر قائم ہیں جو اس سے مخلوقات کی تمام صفات کی نفی کرنے میں ہے۔ تم نے اس کے لئے چند اشیاء پر قدرت ثابت کی اور ان پر اشیاء کے غیر پر اس کی قدرت کی نفی کر دی۔ لہٰذا بدیہی طور پر ان اشیاء میں جن کے متعلق تم نے اسے ان پر قادر نہ ہونے کے ساتھ موصوف کیا اس کے عجز کا اثبات ہو گیا۔

ہم لوگ اگر اسے کسی شے میں شجاعت کے ساتھ موصوف کریں گے یا کسی وجہ سے بھی حرکت کے ساتھ اسے موصوف کریں گے یا کسی شے میں اسے عقل کے ساتھ موصوف کریں گے پھر اس سے دوسری وجہ میں صفات کی نفی کریں گے تو جس وقت ہم اسے ان میں سے کسی کے ساتھ موصوف کریں گے تو ہمیں اس کی ضد کی نفی لازم ہوگی اور جب ہم اس کی ضد کی اس سے نفی کریں گے تو ہمیں اس کا اثبات اس کے لئے لازم ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے رحمت وسخط (ناراضی) میں کیا۔ جب ہم نے اسے ابوبکرؓ صدیق کے لئے رحمت کے ساتھ موصوف کیا تو ہم نے ان پر سخط (ناراضی) کی نفی کر دی۔ اور جب ہم نے ابوجہل کے لئے اس سے رحمت کی نفی کر دی تو ہم نے اسی سے اس کے لئے ابوجہل پر سخط (ناراضی) ثابت کر دی۔ یہ ایک برہان ضروری ہے۔

اگر کوئی ملمع کاری کرنے والا ملمع کاری کرے اور کہے کہ کیا تم لوگ یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ نہیں جانتا تو کیا تم اس جگہ اس سے علم (یعنی عروہ مردہ جاننے) کی نفی کر کے اس کے لئے جہل ثابت کرتے ہو۔ ہم اس سے کہیں گے کہ یہ ایک دوسری ملمع کاری ہے بلکہ ہم نے اس سے اس کے لئے حقیقۃً علم ثابت کیا ہے۔ اس لئے کہ جب ہم نے اس سے اشیاء کے علم کی نفی کی تو ہم نے اس کے لئے حقیقت اشیاء کے علم کو ثابت کیا۔ کیا یہاں قطعاً کوئی شے ہے کہ وہ اس سے جاہل ہے کسی شے سے جہل صرف یہی ہے کہ حقیقۃً اس سے جاہل ہو۔

ہم نے ان میں سے جن لوگوں سے مناظرہ کیا ہے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے علم ازلی کی نسبت کرتے ہو۔ لہٰذا ہمیں بتاؤ کہ آیا اللہ تعالیٰ آج اسے موت دے سکتا ہے جس کو وہ جانتا ہے کہ کل اسے موت دے گا اور آیا تمہارا رب اس پر قادر ہے کہ ایک مکان کی بنیاد کو ابھی ہٹا دے جس کو وہ جانتا ہے کہ وہ کل اس سے ہٹے گی اور آیا جو مشرک مر گیا اس پر رحمت کرنے پر قادر ہے باوجودیکہ اس نے یہ کہا ہے کہ وہ مشرک پر ہرگز رحمت نہ کرے گا یا اس پر قادر نہیں۔

ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے میں نے اس سے کہا کہ تم نے یہ اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی کے احاطے پر اور اپنے کلام کی تکذیب پر قادر ہے اور یہ صریحاً تمہارے قول کا ابطال ہے۔

چند کہنے والوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور اگر وہ اس کو کرے گا تو پہلے سے اس کے علم میں ہوگا کہ یہ ہوگا جیسا کہ اس نے

کیا میں نے ان سے کہا کہ ہم نے تم سے صرف یہی دریافت کیا ہے کہ آیا پہلے سے اسے اس کا علم ہونے کے باوجود کہ وہ نہیں ہوگا آیا وہ اس (کے ہونے) پر قادر ہے وہ گھبرا گئے اور لاجواب ہو گئے۔ بعض نے تو اسواری کے قول کے مطابق یقین کر کے پناہ لے لی۔ کہ وہ اس پر قادر نہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی شے پر قادر نہیں جو اس کی غیر ہو جو اس نے کیا اور نہ بنیاد کو بنیاد کے مقام سے منتقل کرنے پر قادر ہے تو وہ مضطر و مجبور ہے یا ایسی طبیعت والا ہے جو ایک طریقے پر جاری ہے۔

اسواری کو اور اسے جو اسواری کے قول کا قائل ہے، لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ کی استطاعت اپنے فعل سے پہلے قطعاً نہیں ہے اور یہ محض اس کے ساتھ ہے اس لئے کہ اگر وہ قبل فعل مستطیع ہوتا تو وہ ضرور اس وقت میں بھی اسکے کرنے پر قادر ہوتا جس وقت میں وہ جانتا ہے کہ اس وقت وہ نہیں کرے گا۔ یہ اس کے صریحی قول کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان فعل کے قبل مستطیع ہے۔ تو انسان قدرت و طاقت میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ گیا۔ نیز اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو حادث کہنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اگر اس کی قدرت ازلی ہوتی تو وہ کرنے سے پہلے فعل پر قادر ہوتا اور یہ اس کے قول کے خلاف ہے اور یہ خالص کفر ہے کیونکہ کہتا ہے کہ انسان تو اس کے خلاف پر قادر ہے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے ان لوگوں نے اپنے رب کے عاجز بنانے میں اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ یہ لوگ اس سے زیادہ قوی ہیں اور یہ شدید ترین کفر و شرک و حماقت ہے۔

یہ سب لوگ اس مضمون کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ سب کے سب کہتے ہیں کہ ہر مخلوق ہر شے پر جس کو وہ کرتا ہے مثلاً بیٹا بنانا اور حرکت و سکون وغیر قادر ہے اور باری تعالیٰ ان میں سے کسی شے پر قادر نہیں۔ یہ نہایت ذلیل کفر ہے۔

ہم نے ان سے دریافت کیا کہ آیا تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازل سے پیدا کرنے پر قادر ہے یا تم یہ کہتے ہو کہ وہ ازل سے پیدا کرنے پر قادر نہیں تھا پھر قادر ہو گیا۔ تمام اہل اسلام کا قول یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

وہ لوگ بھی اور تمام اہل اسلام بھی ان اہل الحاد پر انکار کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہے یہ یقین کرتے ہیں کہ ازل سے پیدا کرتا ہے ماننا محال و فاسد ہے۔

یہ لوگ اس بات میں سچے ہیں۔ سوائے اس کے کہ جب انہوں نے یہ مان لیا کہ یہ کہنا کہ وہ ازل سے پیدا کرتا ہے محال ہے اور اقرار کر لیا کہ وہ ازل سے اس پر قادر ہے تو انہوں نے ہمارے قول کی صحت کا اقرار کر لیا اور اس کا بھی کہ اللہ تعالیٰ محال پر قادر ہے اور اس سے مفر نہیں ہے یہ کہنا کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے غیر قادر ہے اور **الحمدللہ** کہ اس نے ہمیں حق کی ہدایت کی۔

ہم نے ان سے سوال کیا کہ آیا تمہارے نزدیک یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کام کے کرنے کی دعا کی جائے جس کے سوا پر وہ قادر نہیں ہے۔ یا اس سے یہ دعا کی جائے کہ وہ ایسا کام نہ کرے جس کے کرنے پر وہ قادر نہیں ہے اگر وہ ہاں کہیں تو محال کو لائے اور اگر کہیں کہ یہ ناجائز ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے دعا کریں اور کہیں کہ " **رب احکم بالحق** " (اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ کر) " **ولا تحملنا مالا طاقة لنا به** " (اور ہم پر وہ بوجھ نہ لاو کہ جس کی ہمیں طاقت نہ ہو)۔ حالانکہ وہ تمہارے نزدیک خلاف حق حکم پر قادر نہیں اور نہ اس پر قادر ہے کہ ہم پر وہ بوجھ لادے جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ یہ دنیا کے عجائب میں سے ہے کہ یہ لوگ کلام الٰہی سنتے ہیں کہ " **وقالت اليهود عزير ابن الله** " (یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں) " **وقالت النصارى المسيح ابن الله** " (اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں) " **و ان الله ثالث ثلاثة** " (اور اللہ تین میں کا تیسرا ہے) " **وان الله**

هو المسیح بن مریم ''(اللہ ہی مسیح بن مریم ہے'' والله فقیر و نحن اغنیاء ''(اور اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ غنی ہیں)'' وید الله مغلولہ ''(اور اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے)۔'' و کمثل الشیطان اذقال اللانسان اکفر ''(اور مثل شیطان کے کہ جب کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر)۔ کوئی مسلمان بھی شک نہ کرے گا کہ یہ سب کذب ہے پھر اس سے زیادہ بدترین حماقت اس کے قول سے زیادہ کیا ہوگی جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے بطور حکایت کہنے پر قادر ہے اور اس پر قادر نہیں کہ وہ ان اقوال کو بغیر دوسروں کی طرف منسوب کئے ہوئے کہدے اور یہ وہ قول ہے کہ اس کا ذکر اور اس کی حماقت اس کے ردکی تکلیف اٹھانے سے بے نیاز کرتی ہے۔

ہم نے ان سے دریافت کیا اور ان سے کہا کہ تم نے کہاں سے جانا کہ اللہ تعالیٰ کذب پر یا محال پر یا ظلم پر یا جو کیا اس کے خلاف پر قادر نہیں۔ ان کے لئے قطعاً کوئی حجت و دلیل نہ تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس میں سے کسی شے پر قادر ہو گیا تو ہمیں اس سے اطمینان نہ ہوگا کہ اس نے یہ کیا ہے یا آئندہ اسے کرے گا۔ ہم نے ان سے کہا کہ تم کہاں سے اس سے مطمئن ہو گئے کہ اس نے کیا ہے یا شاید اسے آئندہ کرے گا۔ تو ان کے لئے کوئی حجت نہ تھی یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ وہ اس کے کرنے پر قادر نہیں۔

حاصل کلام:

اس سے حاصل یہ ہوا کہ ان کی حجت کہ اللہ تعالیٰ ظلم و کذب و محال اور جو کیا ہے اس کے خلاف پر قادر نہیں ہے یہی ہے کہ وہ ان میں سے کسی شے پر قادر نہیں ہے تو انہوں نے اپنے قول پر خود اپنے ہی قول سے استدلال کیا۔ یہ پورا سفسطہ۔ کھلی حماقت اور کامل جہل ہے جسے اپنے لئے سوائے پاگل اور کمزور دین والے کے کوئی پسند نہ کرے گا۔ لہذا انہیں کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ہمارے قول کی طرف رجوع کریں کہ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کوئی شے نہ کرے گا جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ انگور کے بیج سے بادام نہیں نکلے گا اور گھوڑے کی منی سے اونٹ نہیں پیدا ہوگا۔

ہمارے قول کی صحت پر برہان یہ ہے کہ اس پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے کسی طور پر بھی مشابہ نہیں اور خلق بہت سے امور سے عاجز ہے اور عجز مخلوقین کی صفت ہے لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے بالکل منفی ہے اور مخلوق ہر اس شے پر جس کے متعلق سوال کیا جائے بالذات قادر نہیں لہذا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہو جو ہر اس شے پر قادر ہو جس کے متعلق سوال کیا جائے۔ اسی طرح کذب و ظلم و صفات مخلوقین میں سے ہیں لہذا یقیناً واجب ہو گیا کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ سے منفی ہوں۔ یہی وہ امر ہے جس نے ہمیں اس سے اطمینان دلا دیا کہ وہ ظلم کرے گا یا جھوٹ کہے گا یا اس کے خلاف کرے گا جو وہ جانتا ہے کہ کرے گا۔ اگر چہ وہ اس پر قادر ہے۔

ہم نے ان سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کے ابطال پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا تو پھر اسے اس شخص کے آج موت دینے پر قادر ہونے کے ساتھ بھی اسے موصوف نہ کیا جائے گا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ وہ اسے کل ہی موت دے گا۔ اس لئے کہ اسے اس پر کوئی قدرت نہیں ہے۔ اگر اس کے لئے اس پر قدرت ہوتی تو ضرور اسے اس کے ساتھ موصوف کیا جاتا۔ پھر جب کل کا دن آیا اور اس نے اسے موت دی تو اسے وقت اسے اس کو موت دینے پر قدرت ہوئی۔ تو پھر قدرت پیدا ہوئی جو پہلے نہ تھی۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کی قدرت حادث ہے۔ حالانکہ یہ ان کے قول کے خلاف ہے۔

اس میں بھی ایک دوسرا محال ہے اور وہ یہ کہ جب نہ ہونے کے بعد اس کے لئے قدرت حادث ہو گئی تو پھر کس نے اسے اس کے لئے حادث (پیدا) کیا۔ آیا خود اس نے اسے اپنے لئے پیدا کیا یا کسی دوسرے نے اسے اس کے لئے پیدا کیا۔ یا وہ بغیر کسی محدث کے حادث

ہوگئی۔

اگر وہ کہیں کہ اس نے خود اسے اپنے لئے پیدا کرلیا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ بلا قدرت کے اس نے اپنے لئے قدرت کو پیدا کرلیا یا دوسری قدرت سے اگر وہ کہیں کہ اس نے اپنے لیے بلا قدرت کو پیدا کرلیا تو وہ محال کو لائے۔

اگر وہ کہیں کہ قدرت سے انہوں نے اپنے قول کے خلاف ازلی قدرت کو ثابت کردیا۔

اگر وہ کہیں کہ کسی اور نے اس کے لئے قدرت کو پیدا کردیا یا وہ بلا کسی محدث کے پیدا ہوگئی تو وہ دہریے کے کلام میں مل گئے اور کفر کیا اور ان کے اس قول میں وہ خلاف معقول اور خلاف قرآن اور خلاف برہان ہے جس سے مومنین کے دم گھٹتے ہیں۔ الحمد للہ کہ اس نے ہمیں اس سے عافیت دی جس میں ان لوگوں کو مبتلا کیا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ سب کرے تو پھر اس کا نام کس طرح رکھا جائے گا۔

ہم کہیں گے کہ یہ اس شے کے متعلق احمقانہ سوال ہے جو کبھی نہ ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ اگر انسان اڑے تو اس کے پر کتنے ہوں گے اور جو اسی قسم کے امور ہوں کہ جن کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ نہ ہوں گے۔ باری تعالیٰ کا نام رکھنا خود اس کے ذمے ہے نہ کہ ہمارے ذمے۔ **و باللہ تعالیٰ التو فیق۔**

علاف کا فلسفہ:

ابو الہذیل العلاف نے کہا ہے کہ ہر وہ شے جس پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اس کے لئے کل ہے اور آخر ہے جیسا کہ اس کے لئے اول ہے۔ اگر اس کا آخری حصہ فعل کی طرف نکلا حالانکہ نہیں نکلتا تو اللہ تعالیٰ قطعاً کسی شے پر نہ کسی فعل پر کسی وجہ سے بھی قادر نہ ہوگا۔ عبداللہ بن احمد بن محمود الکعبی نے کہا ہے کہ ہم کسی کو بھی نہیں جانتے کہ وہ آج اس کا معتقد ہو سوائے یحییٰ بن بشر الارجانی کے انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ابو الہذیل نے اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔

یہ خالص کفر ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ اس لئے کہ یہ اپنے رب پر یہ تجویز کرتا ہے کہ وہ صفت جمادات میں ہو یا مخدور میں ہو (یعنی جو سن ہوگیا ہو) یا صفت مفلوج میں وہ باوجودیکہ اجماع اس قول فاسد کے خلاف ثابت ہے اور یہ قرآن و بداہت کے خلاف بھی ہے جیسا کہ اس کے نزدیک بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسنے اللہ تعالیٰ کو مخلوقین کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

اسواری نے تو اپنے رب کو مثل جمادات کے مضطر بنا دیا تھا اور کوئی فرق نہ رکھا تھا کہ اسے جو کچھ کرچکا اس کے خلاف پر قدرت نہیں یہ وہ حال ہے جو شل اور مینڈک کے حال سے بھی کمتر ہے۔ لیکن ابو الہذیل نے اپنے رب کی قدرت کو محدود و متناہی کردیا جس طرح اس کی مخلوق کے بااختیار لوگوں کی ہے۔ یہ حقیقی تشبیہ ہے (اللہ کی مخلوق کے ساتھ)۔

نظام و اشعریہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی محدود و متناہی کردیا کہ وہ ایک شے پر قادر ہے اور دوسری شے پر قادر نہیں ہے۔ یہ ناقص لوگوں کی صفت ہے۔

بقیہ معتزلہ نے اسے اس سے موصوف کیا کہ اس کی قدرت شر پر تو غیر متناہی ہے اور خیر پر متناہی ہے۔ یہ نہایت شریر اور خبیث طینت کی صفت ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ سوائے بشر بن المعتمر کے کہ اس میں ان کا قول ایسا ہی ہے جیسا اہل حق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہرگز متناہی نہیں ہے۔ **والحمدللہ رب العلمین۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزو ثالث

رویت باری تعالےٰ

معتزلہ اور جہم بن صفوان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار آخرت میں بھی نہ ہوگا۔ مجاہد سے بھی یہی قول مروی ہے ان کا عذر یہ ہے کہ اس کے متعلق انہیں حدیث نہیں پہنچی۔ یہی قول حسن بصری و عکرمہ سے بھی مروی ہے عکرمہ و حسن سے دیدار الٰہی کا اثبات بھی مروی ہے۔

مجسمہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دنیا میں بھی دیدار ہوسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔

جمہور اہل سنت و مرجیہ اور معتزلہ میں سے ضرار بن عمرو کا مذہب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور دنیا میں ہرگز اسے نہیں دیکھا جاسکتا۔ حسن بن محمد النجار نے کہا ہے کہ یہ ممکن ہے اور انہیں اس کا یقین نہیں ہے۔ مجسمہ کا قول تو ہمارے اسی کلام سے فاسد ہے جو ہماری اسی کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

جو لوگ منکر دیدار ہیں ان کا اعتماد اس پر ہے کہ ہمارے نزدیک دیدار کا عام طریقہ یہ ہے کہ نظر صرف رنگوں پر پڑتی ہے نہ اس کے سوا کسی اور شے پر اور یہ (یعنی رنگ) باری تعالیٰ سے بالکل بعید ہے۔ منکرین رویت نے بعینہ اسی حجت سے ہمارے خلاف احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی بدترین ایجاد ہے۔ اس لئے کہ ہم لوگ باری تعالیٰ کی اس قسم کی رویت کے ہرگز قائل نہیں۔ ہم تو صرف اس کے قائل ہیں کہ آخرت میں باری تعالیٰ کو ایک ایسی قوت سے دیکھا جائے گا کہ جو اس قوت کے خلاف ہوگی جو آج ہماری آنکھوں میں رکھی گئی ہے۔ لیکن وہ قوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوگی۔ اس قول کے بعض ماننے والوں نے اس کا نام حاسۂ سادسہ رکھا ہے۔

حس ششم کیا ہے:

اس کی توضیح یہ ہے کہ بیشک ہم لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنے قلوب سے بطور علم صحیح کے جانتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اللہ تعالیٰ آنکھوں میں ایک ایسی قوت پیدا کردے گا جس سے وہ اللہ کا مشاہدہ کریں گی اور اسے دیکھیں گی جو اسی قوت کی طرح ہوگی جو دنیا میں قلب میں پیدا کی گئی ہے اور جو مثل اسی قوت کے ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پیدا کردی تھی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کیا اور اسے اپنے سے بات کرتے سنا۔

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ''**لا تدرکه الا بصار**'' (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں)۔ اس میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ادراک کی نفی کی ہے اور ہمارے نزدیک لغت میں ادراک کے معنی نظر و رویت سے زائد ہیں اور وہ احاطے کے معنی میں ہے۔ یہ معنی نظر و رویت میں نہیں ہیں۔ لہذا ادراک تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے منفی

ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی برہان میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''**فلما تری الجمعان قال اصحاب موسی انا لمدركون قال كلا ان معی ربی سیهدین** '' (پھر جب دونوں جماعتوں (یعنی لشکر فرعون واصحاب موسیٰ) نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اصحاب موسیٰ نے کہا کہ بیشک ہم گھیر لئے جائیں گے (یعنی گرفتار کر لئے جائیں گے) موسیٰ نے کہا کہ ہرگز نہیں بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے ہدایت کرے گا) اللہ تعالیٰ نے ادراک ورویت میں جلی وواضح فرق کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے ''**فلما ترای الجمعان** '' رویت ثابت کی اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے بعض نے بعض کو دیکھا لہذا ان کا بنی اسرائیل کو دیکھنا ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ان لوگوں سے یہ کہنے سے کہ '' **كلا ان معی ربی سیهدین** '' ادراک کی نفی کر دی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اصحاب فرعون نے بنی اسرائیل کو دیکھا اور وہ لوگ ان کا ادراک واحاطہ نہ کر سکے (یعنی گرفتار نہ کر سکے) اس میں کوئی شک نہیں کہ جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے وہ اس چیز کے مغایر ہے جس کو اس نے ثابت کیا ہے۔ لہذا ادراک رویت کے مغایر ہوا۔

ہمارے قول کی حجت اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے ''**وجوه يومئذ ناضرة الی ربها ناظرة** (اس روز چہرے تروتازہ ہوں گے۔ اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے)۔ اس پر بعض معتزلہ نے اعتراض کیا ہے اور وہ ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الجبائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس جگہ ''الی '' حرف جر نہیں ہے بلکہ وہ اسم ہے اور وہ ''الا '' کا واحد ہے جس کے معنی ''**نعمتين** '' ہیں۔ یہ (الی) مقام مفعول میں ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے پروردگار کی نعمتوں کے منتظر ہوں گے۔

یہ مطلب دو وجہ سے بعید ہے اول تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ان چہروں کی تروتازگی حاصل ہو گی جو خود نعمت ہے اور نعمت نعمت ہی ہے۔ جب انہیں نعمت حاصل ہو گئی تو یہ بعید ہے کہ وہ اسی چیز کا انتظار کریں جو انہیں حاصل ہو چکی ہے۔ انتظار تو اسی چیز کا کیا جائے گا جو اب تک واقع نہیں ہوئی۔ دوم اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر روایات ہیں جو اس بیان میں ہیں کہ نظر سے مراد رویت ہے نہ کہ وہ جو تاویل کرنے والوں نے تاویل کی ہے۔

بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ چہرے اپنے رب کے ثواب کی طرف تکتے ہوں گے ''**الی ثواب ربها ناظرة** '' اے منتظرۃ۔ یعنی منتظر ہوں گے۔

یہ تو بے حد فاسد ہے اس لئے کہ لغت میں ''میں نے فلاں کی طرف نظر کی'' اس کے یہ معنی نہیں آتے کہ ''میں نے فلاں کا انتظار کیا۔

کلام کو اس کے اسی ظاہر پر محمول کرنا چاہئے جو اس کے لئے لغت میں وضع کیا گیا ہے۔ یہ فرض ہے اس سے گذرنا سوائے نص یا اجماع کے جائز نہیں۔ اس لئے کہ جو اس کے خلاف کرے گا وہ تمام حقائق تمام شرائع اور کل معقول کو فاسد کر دے گا۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ لفظ کو معہود ومحاورہ عام پر محمول کرنا اس سے اولی وبہتر ہے کہ اسے غیر معہود پر محمول کیا جائے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ اس میں اولی یہی ہے کہ امور کو معہود لغوی پر محمول کیا جائے تاوقتیکہ نص یا اجماع یا کوئی ضرورت اس سے مانع نہ ہو۔ ہم نے نظر کے معنی میں جو کچھ بیان کیا نہ تو اس سے کوئی نص روکتی ہے نہ اجماع نہ ضرورت۔

معتزلہ نے اس امر میں ہم سے موافقت کی ہے کہ ہمارے یہاں جو عالم ہوتا ہے وہ ضمیر ہی سے ہوتا ہے اور جو فعال (فاعل) ہوتا ہے وہ مشقت کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ جو رحیم ہوتا ہے وہ رقت ونرمی قلب ہی سے ہوتا ہے۔ اس پر بھی انہوں نے ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہونے والی شے کا بغیر ضمیر کے عالم ہے اور وہ بلا معاناۃ ومشقت کے فعال ہے اور بلا رقت کے رحیم ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کو وہ

جائز رکھتے ہیں اور ایک ایسی قوت سے رویت ونظر و دیدار کو جو اس مقررہ قوت کے علاوہ ہوگی جائز نہیں رکھتے حالانکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بشرطیکہ بدنصیبی اور مخالفت قرآن وحدیث انہیں منظور نہ ہوتی۔ **نعوذ باللہ من ذلک** ۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ جب باری تعالیٰ نظر آئے گا کہ تو بتاؤ کہ وہ کل نظر آئے گا یا بعض۔؟

یہ وہ سوال ہے جو ان لوگوں نے ملحدین سے اس وقت سیکھا ہے جب ان لوگوں نے ہم سے اور معتزلہ سے دریافت کیا تھا تو معتزلہ نے کہا تھا کہ جب تم باری تعالیٰ کو جانتے ہو تو آیا کل کو جانتے ہو یا بعض کو۔

یہ سوال ہی فاسد ہے جس سے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس مقام پر کل وبعض ثابت کر دیا جہاں نہ کل ہے نہ بعض کل وبعض تو محدود ومتناہی میں واقع ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ تو خود نہایت ومتناہی کا خالق ہے اور وہ غیر متناہی و بے نہایت ہے لہذا نہ اس کے لئے کل ہے نہ بعض۔

آیت مذکورہ واحادیث صحاح ماثورہ جو قیامت میں دیدار الٰہی کے بارے میں ہیں ان کا قبول کرنا اس لئے واجب ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور ان کے ناقلین ورواۃ کے شہروں میں کافی بعد وفاصلہ ہے۔ قیامت میں دیدار الٰہی مومنین کے لئے بطور کرامت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس سے محروم نہ رکھے۔ یہ محال ہے کہ یہ رویت رویت قلب ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام عارفین دنیا میں اسے اپنے قلوب سے دیکھتے ہیں اور آخرت میں بلاشک کفار بھی اسی طرح (قلوب سے) دیکھیں گے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ خبر دی ہے کہ رویت وجہ یعنی چہرے سے ہوگی (نہ کہ آنکھ سے) تو بتوفیق الٰہی کہا جائے گا کہ جس لغت میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے اس میں معروف ومقرر ہے کہ رویت کو وجہ (چہرے) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس سے مراد عین (آنکھ) ہوتی ہے۔ ایک عرب کہتا ہے۔

انا فس من ناجاک مقدار لفظة وتعتاد نفسی ان نات عن معینها

(تجھ سے ایک بات بھی کوئی کرتا ہے تو مجھے اس پر رشک آتا ہے۔ نقطہ نظر سے جدا ودور ہونے کی صورت میں میری طبیعت اسی کی خوگر ہو جاتی ہے)۔

وان وجوها یصطحبن بنظرة الیک لمحسود علیک عیونها

(جو چہرے کہ تجھے ایک نظر بھی دیکھ لیتے ہیں ان کی آنکھوں پر حسد آتا ہے)۔

☆☆

قرآن کا بیان

کلام اللہ میں کلام

تمام اہل اسلام کے اس پر متفق ہونے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی طرح تمام کتب منزلہ مثلاً توریت وانجیل وزبور وصحف۔ اس سب میں اہل اسلام میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف کیا ہے۔ معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فعل مخلوق کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ اس نے درخت میں پیدا کر دیا تھا اہل سنت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کا علم ہے جو ازلی ہے اور وہ غیر مخلوق ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل وغیرہ کا ہے۔ اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام صفت ذات ہے جو ازلی وغیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے مغایر وخلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ایک ہی کلام ہے۔

اہل سنت نے چند دلائل سے استدلال کیا ہے۔

منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ کا کلام اگر غیر اللہ ہوتا تو اس سے خالی نہ ہوتا کہ وہ جسم ہو یا عرض ہو۔ اگر وہ جسم ہوتا تو ضرور ایک ہی مکان میں ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو بالضرور اللہ تعالیٰ کا کلام ہم تک نہ پہنچتا اور اسی طرح وہ ہر ہر شہر میں ہمارے پاس اس کا مجموعہ نہ ہوتا اور یہ کفر ہے۔ اگر وہ عرض ہوتا تو وہ کسی حامل کا مقتضی ہوتا اور بالضرور جو اللہ کا کلام ہمارے پاس ہوتا وہ اس کلام الٰہی کے مغایر ہوتا جو ہمارے غیر کے پاس ہوتا۔ اور یہ محال ہے اور نیز اس کے حامل کے بے نیاز ہونے سے کفایت ہو جایا کرتی حالانکہ وہ لوگ اس کے قائل نہیں۔ **وبا للہ تعالیٰ التوفیق۔**

اہل سنت نے کہا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام غیر اللہ سے سنا ہوتا تو بالضرور موسیٰ علیہ السلام کو اس امر میں ہم پر کوئی فضیلت نہ ہوتی اس لئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام غیر اللہ سے سنا کرتے ہیں لہذا ثابت ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ماسوا پر کوئی فوقیت ہے اور وہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے ماسواء کے خلاف اللہ کا کلام سنا ہے۔ نیز اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں کہ کسی وجہ اور کسی معنی کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں۔ پھر جب ہمارا کلام ہمارے مغاتر ہے اور مخلوق ہے تو ضروری ولازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ مخلوق ہو اور نہ غیر اللہ ہو۔ بالکل اسی کے مساوی جو ہم نے علم کے بارے میں کہا ہے۔

اشعریہ کو ان کے اس کہنے پر کہ اللہ کا کلام غیر اللہ ہے وہ الزام آتا ہے جو ہم نے انہیں علم وقدرت کے بارے میں دیا ہے۔ بالکل اسی طرح اور مساوی جس کے متعلق ہم اس کے قبل پوری بحث کر چکے ہیں ہیں۔ **ولحمد الله رب العالمین۔**

ان کا یہ کہنا کہ اللہ کے لئے ایک ہی کلام ہے تو یہ اللہ تعالیٰ اور جمیع اہل اسلام کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

''**قل لو کان البحر مداد الکلمات ربی لنفدر البحر قبل ان تنفد کلما ت ربی**'' (کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر روشنائی بن جائے تو قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں سمندر ضرور ختم ہو جائے گا)۔ ''**ولو ان مافی الارض من**

شجرة اقلام و البحر یمده من بعده سبعت ابحر مانفدت کلمات الله "(اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور ایک سمندر کے بعد سات سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں)۔

اس سے زیادہ کیا گمراہی ہوگی، اس سے زیادہ کیا بیحیائی ہوگی اس سے زیادہ کیا ہٹ دھرمی ہوگی، اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کیا تکذیب ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنے جس میں کسی مسلم کو شک نہ ہو کہ "**لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه**" (یہ ایسا کلام ہے کہ جس میں نہ آگے سے باطل کا گذر ہے نہ پیچھے سے) کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات ایسے ہیں جو ختم نہیں ہوتے پھر وہ اپنی کمینہ رائے سے کہے کہ اللہ کے لئے صرف ایک ہی کلام ہے۔ اگر وہ لوگ یہ دعویٰ کریں کہ وہ اس سے بھاگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کثرت کریں۔ تو ان کا یہ قول انہیں جھٹلاتا ہے کہ اس مقام پر پندرہ اشیاء ہیں جو سب کی سب باہم متغایر ہیں اور سب کی سب غیر اللہ اور اللہ کے خلاف ہیں اور سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے ہیں۔ اللہ ان ظالموں کے قول سے بیحد بلند و برتر ہے۔

اس گروہ نے جو اشعریہ کی طرف منسوب ہے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو جبریل علیہ السلام نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کیا اور انہوں نے تو ایک دوسری ہی شے نازل کی تھی جو کلام اللہ سے عبارت ہے۔ جو چیز ہم لوگ قرآن میں پڑھتے لکھتے ہیں ان میں سے کوئی چیز کلام اللہ نہیں ہے۔ اللہ کا کلام وہی ہے جو نہ تھا پھر ہوگیا۔ حالانکہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ یہ کہے ہم نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے باری ہے (خالق ہے) اپنے غیر سے قائم نہیں ہے مکانات میں حلول نہیں کرتا نہ وہ منتقل ہوتا ہے نہ اس کے حدود اور کنارے ہیں جو ملے ہوئے ہوں۔ نہ اسکا بعض بعض سے بہتر و افضل ہے نہ بعض بعض سے بڑا ہے، ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جہنم سے یہ کہہ رہا ہے کہ "**ھل امتلات**" (کیا تو بھر گئی) اور ازل سے کفار سے کہہ رہا ہے کہ "**اخسئوا فیھا ولا تکلمون**" (اسی جہنم میں دفان رہو اور مجھ سے بات نہ کرو) اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے موجود کرنے کا ارادہ کیا ازل سے اس سے کہہ دیا ہے کہ "**کن**" (یعنی ہوجا یا موجود ہوجا)۔ بغیر کسی تاویل کے خالص کفر ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم ان سے قرآن کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آیا وہ اللہ کا کلام ہے یا نہیں اگر وہ کہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو باجماع امت انہوں نے کفر کیا۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں یہ اللہ کا کلام ہے تو ہم ان سے قرآن کے متعلق دریافت کریں گے کہ آیا یہ وہی ہے جس کی مساجد میں تلاوت کی جاتی ہے اور جو مصاحف میں لکھا جاتا ہے اور سینوں میں حفظ کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ کہیں کہ نہیں تو انہوں نے باجماع امت کفر کیا اور اگر کہیں کہ ہاں تو انہوں نے اپنا قول فاسد ترک کر دیا اور مان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مصاحف میں ہے اور قراء سے سنا جاتا ہے اور سینوں میں حفظ کیا جاتا ہے جیسا کہ تمام اہل اسلام کہتے ہیں۔

ایک جماعت نے قرآن کے تلفظ کرنے کے متعلق خود کہا ہے اور اسے اہل سنت کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ آواز و خط غیر مخلوق ہے۔

یہ باطل ہے اور ہرگز کسی مسلم نے نہیں کہا کہ آواز جو کہ ہوا ہے غیر مخلوق ہے اور خط غیر مخلوق ہے۔

بتوفیق ہم لوگ جس چیز کے قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہم اس پر ذرا سا بھی اضافہ نہیں کرتے اور وہ یہ ہے کہ کسی کا قرآن کہنا اور کلام اللہ کہنا۔ ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور دونوں لفظ مختلف ہیں اور حقیقۃً نہ کہ مجازاً قرآن ہی کلام اللہ ہے جو اس کا قائل نہ ہو ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے اسی قرآن کو قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا جو حقیقتاً کلام اللہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین**"

(اس کو روح الامین نے آپ کے قلب پر اتارا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں ہو جائیں)۔

ہمارا قرآن کہنا اور کلام اللہ کہنا لفظ مشترک ہے جس سے پانچ اشیاء کو تعبیر کیا جاتا ہے ہم اس آواز کا جو سنی جاتی ہے اور جس کا تلفظ کیا جاتا ہے قرآن نام رکھتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ یہ حقیقۃ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''**وان احد من المشرکین استجارک فاجره حتی یسمع کلام الله**'' (اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو آپ اسے پناہ دیجئے تا کہ وہ اللہ کا کلام سن لے اور فرماتا ہے ''**وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرفو نه من بعد ما عقلوه**'' (اور ان میں سے ایک جماعت کے لوگ کلام اللہ کو سنتے ہیں پھر اسے سمجھ لینے کے بعد اسے بدل ڈالتے ہیں)۔ اور فرماتا ہے ''**فاقر اوا ما تیسر من القرآن**'' (قرآن پڑھو جو سہل ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے کفار پر ناراضی ظاہر فرمائی ہے اور مومنین جن کے قول کی تصدیق فرمائی ہے **انا سمعنا قرآن عجبا یهدی الی الرشد**'' (ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا راستہ بتاتا ہے) لہذا ثابت ہو گیا کہ جو چیز سنی جاتی ہے اور وہ وہی آواز ہے جس میں تلفظ کیا جاتا ہے یہی قرآن ہے اور وہی کلام اللہ ہے جس نے اس کی مخالفت کی اس نے قرآن کی مخالفت کی اس آواز سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے اسی کا نام قرآن و کلام اللہ ہے۔

جب ہم زکوۃ کی جو قرآن میں بیان کی گئی ہے اور نماز و حج وغیرہ کی تفسیر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان سب کے بارے میں کلام اللہ وارد ہے اور وہی قرآن ہے۔ ہم ہر مصحف کا نام قرآن و کلام اللہ رکھتے ہیں اور اس پر برہان اللہ کا کلام ہے ''**انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون**'' (بیشک یہ ضرور قرآن مجید ہے جو کتاب محفوظ میں ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ جبکہ آپ نے قرآن کے ساتھ دارالحرب میں سفر کرنے کو منع فرمایا کہ اسے دشمن نے لے لے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''**لم یکن الذین کفرو امن اهل الکتاب و المشرکین منفکین حتی تیهم البینه رسول من الله یتلو صحفا مطهرة فیها کتب قیم**'' (کفار، اہل کتاب و مشرکین باز آنے والے نہ تھے تا وقتیکہ ان کے پاس شہادت نہ آتی یعنی اللہ کا رسول جو ان کو نہایت پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جس میں نہایت صحیح کتابیں ہیں) کتاب اللہ یا جماع امت یہی قرآن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصحف کا نام قرآن رکھا۔ قرآن با جماع امت کلام اللہ ہے تو مصحف بھی کلام اللہ ہوا۔

برہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جب آپ نے ہمیں قرآن کا دورہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ رہنے کے لئے اس سے بھی زیادہ ہے جو کوئی چوپائے کو باندھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**بل هو ایات بینات فی صدور الذین اوتو االعلم**'' (بلکہ یہ نہایت واضح آیات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں) جو چیز سینوں میں ہے وہ قرآن ہے اور حقیقۃ نہ کہ مجازاً وہی کلام اللہ ہے۔

ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیۃ الکرسی قرآن میں سب سے بڑی آیت ہے اور فاتحۃ الکتاب ام القرآن ہے نہ قرآن میں نہ توریت میں نہ انجیل میں اس کے مثل کوئی سورۃ نازل نہیں ہوئی اور **قل هو الله احد** ثلث قرآن کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ماننسخ من آیة اوننسها نات بخیر منها اومثلها** (ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس سے بہتر یا برابر آیت لے آتے ہیں)۔

اگر وہ کہیں کہ اس کے پڑھنے پر ثواب بھی گھٹتا بڑھتا ہو گا تو ہم ان سے کہیں گے کہ ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں جن چیزوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی ہوتی ہے وہ وہی صفات ہوتی ہے جو اعراض ہیں اور اپنے موصوف کے اندر ہوتی ہیں۔ ذوات میں تفاضل نہیں ہوتا۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن ہی کلام اللہ ہے اور یہی اس کا علم ہے اور وہ باری تعالیٰ کا غیر نہیں ہے برہان اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’**لو لا کلمة سبقت من ربک الی اجل مسمی لقضی بینھم**‘‘ (اور اگر پہلے سے آپ کے رب کا کلام ایک مدت معینہ کے متعلق نہ گذر چکا ہوتا تو ضرور ان کا فیصلہ کر دیا جاتا) اور فرماتا ہے ’’**وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماته**‘‘ (اور آپ کے رب کا کلام از روئے صدق وعدل مکمل ہو چکا۔ اس کے کلمات کا بدلنے والا کوئی نہیں)۔ بالیقین ہر صاحب فہم جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وہی علم سابق مراد لیا ہے جو گذر چکا جس کو وہ نافذ کرتا ہے اور جس کے مطابق وہ حکم جاری کرتا ہے۔

یہ پانچ معانی ہیں جن میں سے ہر ایک کے متعلق یہ تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن وکلام اللہ ہے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق خبر صحیح کے طور پر اور اس قرآن وحدیث کی تصریح کے مطابق جس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ یہ خبر دیجاتی ہے کہ وہ قرآن اور کلام اللہ ہے۔

آواز ایک ہوا ہے جو حلق سینے، تالو زبان، دانتوں اور ہونٹوں سے نکل کر سننے والوں کے کانوں تک جاتی ہے اور وہ حروف ہجاء اور ہوا ہے اور بغیر کسی اختلاف کے حروف ہجاء وہوا مخلوق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’**وماارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لھم**‘‘ (ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی کی قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ ان کے لئے بیان کرے) اور فرماتا ہے ’’**بلسان عربی مبین**‘‘ (واضح عربی زبان میں) اور زبان عربی اور ہر قوم کی زبان وہی ہے۔ جو ان کی لغت ہو اور زبان ولغات بلاشک سب کے سب مخلوقات ہیں اور وہ معانی جن سے ایسے کلام کے ذریعے سے تعبیر کیا جاتا جو حروف مرکبہ سے مرکب ہوتا ہے جو معانی یہ ہیں اللہ تعالیٰ ملائکہ۔ انبیاء۔ سماوات۔ ارض۔ جو اشیاء ان دونوں کے درمیان ہیں۔ نماز ز کوٰۃ اقوام گذشتہ کا ذکر اور جنت ودوزخ۔ تمام عبادات واعمال دین۔ سوائے اللہ وحدہ لاشریک لہ کے یہ سب مخلوق ہیں۔ اللہ اپنے ماسوا سب کا خالق ہے۔

مصحف جانوروں کی کھالوں کا ورق ہے (اور ہمارے زمانے میں کاغذ کا) اور وہ ورق اور روشنائی سے مرکب ہے اور روشنائی گوند اور پھٹکری اور بلوط اور پانی سے مرکب ہے۔ یہ سب مخلوق ہیں۔ اسی طرح اس کے لکھنے میں ہاتھ کی حرکت اور اس کے پڑھنے میں زبان کی حرکت ان کا دلوں میں جم جانا یہ سب اعراض ہیں جو مخلوق ہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں اور کلمہ بلاشک مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’**بکلمة منه اسمه المسیح**‘‘ (جس کا نام مسیح ہے اللہ کے ایک کلمے سے پیدا ہوا)۔

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور وہ کلام اللہ اور وہی قرآن ہے۔ اور وہ غیر مخلوق ہے اور وہ قطعاً غیر اللہ نہیں ہے۔ جو یہ کہے کہ کوئی شے جو غیر اللہ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے ہے تو وہ اللہ کے ساتھ شریک بناتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے لئے حقیقتہ کلام ہے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام اور بعض انبیاء وملائکہ علیہم السلام سے حقیقتہ کلام کیا ہے نہ کہ مجازاً۔ البتہ یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اس لئے کہ اس نے خود اپنے کو اس نام سے نامزد نہیں کیا اور جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کا مکلم ہے تو ہم اس کا انکار کریں گے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے فعل کی خبر دیتا ہے جو پہلے نہ تھا پھر ہو گیا۔

یہ کہنا کسی کو جائز نہیں کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کلام ہے تو اس سے گونگے پن کی نفی کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اس کے قبل بیان کر چکے ہیں کہ معمولی گونگے پن کی نفی معمولی طریقے کے کلام سے ہو سکتی ہے جو زبان اور ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے اور اگر کسی غیر معمولی گونگے پن کی نفی کی جاتی ہے تو یہ ہرگز عقل میں نہیں آتا اور نہ سمجھ میں آتا ہے۔

نیز اسے لازم آئے گا کہ یہ اللہ سے ناک کی بیماری کی نفی کے لئے جس سے سونگھنے کی طاقت جاتی رہتی ہے اس کا نام شمام (سونگھنے

والا) رکھے اور اس سے اپاہج پن کی نفی کے لئے اس کا نام متحرک رکھے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کجروی اختیار) کرنا ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے لئے کلام ہے تو ہم بھی اس کے قائل ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہیں اگر وہ خود اس کو نہ کہتا تو کسی کو اس کا کہنا جائز نہ ہوتا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جب اسم قرآن پانچ اشیاء پر صحیح ومساوی طور پر واقع ہوتا ہے جن میں سے چار مخلوق اور ایک غیر مخلوق ہے تو ہرگز کسی کو یہ کہنا جائز نہیں کہ قرآن مخلوق ہے نہ یہ کہا جائے گا کہ کلام اللہ مخلوق ہے اس لئے کہ اس کا کہنے والا کاذب ہے کیونکہ اس نے اس چیز پر صفت خلق کو واقع کیا جس پر وہ واقع نہیں ہوتی جو وہ چیز ہے جس پر اسم قرآن واسم کلام اللہ واقع ہوتا ہے یہ کہنا ضروری واجب ہے کہ نہ تو قرآن کا کوئی خالق ہے اور نہ وہ مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نہ خالق ہے۔ نہ مخلوق۔ اس سے کہ قرآن میں سے وہ چاروں معانی جن کا نام لیا گیا ہے خالق نہیں ہیں اور ہمیں قرآن وکلام اللہ پر اسم خالق کا اطلاق کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ پانچویں معنی غیر مخلوق ہیں اور یہ جائز نہیں کہ ہم صفت بعض کو اس کل پر رکھ دیں کہ جس کو وہ صفت شامل بھی نہیں ہے۔ واجب یہ ہے کہ کل پر اس صفت کی نفی کا اطلاق کیا جائے جو بعض کی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی معترض کہے کہ تمام اشیاء مخلوق ہیں یا حق کو کہے کہ وہ مخلوق ہے یا یہ کہے کہ ہر موجود مخلوق ہے تو بیشک اس نے غلط کہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بھی شے موجود اور حق ہے جو مخلوق نہیں۔

لیکن جب یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یہ اظہار کر دیا کہ اس کے کلام میں مخلوق مراد ہے۔ ہمارے یہاں اس کی مثال یہ ہے کہ پانچ کپڑے ہیں جن میں سے چار سرخ ہیں اور پانچواں غیر سرخ جو شخص یہ کہے کہ یہ سب کپڑے سرخ ہیں وہ جھوٹا ہے اور جو یہ کہے کہ یہ سب کپڑے سرخ نہیں ہیں وہ سچا ہے۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ ہر انسان طبیب ہے وہ جھوٹا ہے اور جو یہ کہے کہ ہر انسان طبیب نہیں وہ سچا ہے۔ اسی طرح یہ اطلاق کرنا جائز نہیں کہ حق مخلوق ہے اور نہ یہ کہ علم مخلوق ہے۔ اس لے کہ اسم حق اللہ تعالیٰ پر اور ہر موجود پر واقع ہوتا ہے اور اسم علم بھی ہر علم پر اور اللہ کے علم پر جو غیر مخلوق ہے واقع ہوتا ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ حق غیر مخلوق ہے اور علم غیر مخلوق ہے۔ اسی طرح تمام امور۔

جب یہ واضح ہو گیا تو کہا جائے گا کہ اللہ کے سوا ہر حق مخلوق ہے اور اللہ کے سوا ہر علم مخلوق ہے اور یہ کلام صحیح ہے۔

اسی طرح یہ کہنا جائز نہیں کہ کلام اللہ مخلوق ہے یا قرآن مخلوق ہے یہ کہا جائے گا کہ اللہ کا علم غیر مخلوق ہے کلام اللہ غیر مخلوق ہے قرآن غیر مخلوق ہے۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اللہ مخلوق ہے اور وہ اس سے اپنی وہ آواز مراد لے جو سنائی دیتی ہے یا الف۔ لام۔ ہاء مراد لے یا وہ روشنائی مراد لے جس سے یہ کلمہ لکھا گیا تو وہ اپنے ظاہر قول میں تمام امت کے نزدیک کافر ہو جائے گا تاوقتیکہ بیان نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میری آواز یا خط مخلوق ہے۔

اس مسئلے میں حقیقت یہ ہے کہ جس میں ہم نے اس میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ جو کچھ اللہ نے فرمایا تھا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جس پر تمام امت نے اجماع کیا اور جس کو ضرورت وعقل نے واجب کیا۔ **والحمدللہ رب العلمین۔**

اگر کوئی سائل قرآن کے تلفظ کرنے کو دریافت کرے تو ہم اس سے کہیں گے کہ تمہارا یہ سوال اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ تلفظ جو سنائی دیتا ہے۔ وہ غیر قرآن ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ جو لفظ سنا جاتا ہے خود وہی قرآن وکلام اللہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**حتی یسمع کلام اللہ**" (یہاں تک کہ وہ کلام اللہ کو سن لے) بوجوہ مذکورہ بالا کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ جو شخص صرف آواز وحروف ہجا وروشنائی کو دریافت

کرے تو یہ سب بلاشک مخلوق ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کہا ہے جس کی اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے اسے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اب تک نہیں کہا جس کے متعلق اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ مستقبل میں کہے گا۔ جو اس سے آگے بڑھے گا تو وہ جہل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے گا۔

جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر اس شے کے لئے ”کن“ (ہوجا) کہہ رہا ہے، جس کو اس نے موجود کیا یا جس کے موجود کرنے اور تکوین کا ارادہ کیا۔ یہ قول بیہودہ ہے اور اس کو واجب کرتا ہے کہ عالم ازلی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ ”**اذا ارا دشیئا فانما امره ان یقول له کن فیکون** “ (وہ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی شان یہ ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے کہ ”ہوجا“ وہ ہوجاتی ہے) لہذا ثابت ہوگیا کہ ہر مکون و موجود اللہ تعالیٰ کے اس سے ”کن“ کہتے ہی بلا مہلت کے ہوجاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ازل سے ہر موجود مکون کے لئے ”کن“ کہہ رہا ہوتا تو ضرور ہر مکون و موجود ازل سے ہوتا اور یہ قول اس کے ہے جو عالم کو ازلی کہتا ہے اور اس کے مدبر و خالق کو بھی ازلی کہتا ہے۔ حالانکہ یہ خالص کفر ہے۔ **نعوذ باللہ منه**۔ اللہ تعالیٰ کا قول (کہنا) اس کی تکلیم (کسی کو کلیم بنانے یا اسے اپنا کلام سنانے) کے مغایر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تکلیم جس سے بھی ہو بہت بڑی فضیلت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**منهم من کلم الله** “ (بعض انبیاء وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے) لیکن اس کا قول کبھی ناخوشی و ناراضی سے بھی ہوتا ہے۔ اس نے فرمایا ہے کہ وہ اہل دوزخ سے کہے گا کہ "**اخسئوا فیما ولا تکلمون** “ (اسی میں دفان رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو) اور ابلیس سے کہا کہ ”**مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی** “ (تجھے کس نے روکا کہ تو اسے سجدہ نہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا)۔ ”**قال اخرج منها** “ (اللہ نے کہا کہ جنت سے نکل جا) یہ کہنا جائز نہیں کہ ابلیس کلیم اللہ ہے اور نہ یہ کہ اہل دوزخ کلیم اللہ ہیں۔

اللہ کا قول نص کے مطابق حادث و مخلوق ہے۔ برہان اللہ کا کلام ہے ”**ان الذین یشترون بعهد الله و ایمانهم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لهم فی الاخرة ولا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم** “ (جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنے ایمان کے عوض میں تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت میں ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے) پھر فرماتا ہے کہ وہ ان سے کہے گا کہ ”**اخسئوا فیها ولا تکلمون** “ (اسی میں دفان رہو اور مجھ سے بات نہ کرو) اور فرمایا کہ یہ لوگ کہیں گے کہ ”**ربنا هئو لاء اضلونا فاٰتهم عذابا ضعفا من النار قال بکل ضعف ولکن لا تعلمون** “ (اے ہمارے رب یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ لہذا انہیں دو چند عذاب دوزخ دے اللہ تعالیٰ کہے گا کہ ہر ایک کے لئے دو چند ہے۔ لیکن تم نہیں جانتے)۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ وہ ان سے کلام نہ کرے گا اور ان سے قول کرے گا (یعنی کہے گا) لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اس کے کلام و تکلیم کے مغایر ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہر کلام و تکلیم تو قول ہیں لیکن قرآن کے مطابق ہر قول اللہ کا کلام و تکلیم نہیں ہے۔

اس کے بعد ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے موسیٰ سے اور ملائکہ علیہم السلام سے کلام کیا۔ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس نے شب معراج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا فرمایا ہے ”**تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلمه الله** “ (یہ رسول ہیں ہم نے ان سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا)۔ اللہ تعالیٰ

نے جیسا کہ تم دیکھتے ہو بعض انبیاء کے مقابلے میں بعض کو اپنی تکلیم میں مخصوص کیا۔ فرمایا ہے ”**و ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب اویر سل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء**“ (اور کسی بشر کو یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے۔ سوائے اس کے کہ بطور وحی ہو یا پردے کی آڑ سے ہو یا کوئی قاصد بھیجے پھر وہ اس کے حکم سے جو وہ چاہتا ہے وحی سنا دے) الحمدللہ ان آیات میں جو کچھ ہم نے اس مسئلے میں کہا ہے اس کی صحت پر نص اور ہمارا توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے اور اس آیت میں اللہ نے ہمیں خبر دیدی کہ وہ ان تین وجوہ میں سے صرف کسی ایک وجہ سے بشر سے کلام کرتا ہے۔

پھر ہم نے اس میں غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ ہمارے پاس لائے ہیں اس کا نام اللہ تعالیٰ نے تکلیم رکھا جو اللہ سے بشر کے لئے منتقل ہوا۔ لہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ جو چیز انبیاء علیہم السلام ہمارے پاس لائے ہیں وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے سے جس کو اس کے انبیاء ہمارے پاس لائے ہم سے کلام کیا اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو بلا شک سنا جو قرآن ہے اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا ہے۔ **والحمدلله رب العلمین** اور ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو وحی انبیاء علیہ السلام کے پاس بھیجی اس کا نام اس نے تکلیم رکھا اور ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تیسری وجہ بیان کی ہے جو وہی تکلیم ہے جو پردے کی آڑ سے ہوتی ہے اور یہی وہ تکلیم ہے جس سے اس نے اپنے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہی وہ وجہ ہے جس پر اللہ کی بلا واسطہ وصلہ تکلیم کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے ”**من شاطی الوادالا یمن فی البقعة المبارکة من الشجرة**“ (مبارک وادی کنارے مبارک جگہ میں خاص درخت سے) کلام کیا۔ لیکن پہلی دونوں قسموں پر بواسطہ وصلہ نہ کہ خالص و بے واسطہ تکلیم اللہ کا اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء سے اس وحی کے ذریعے سے کلام کیا جو اس نے ان کے پاس بھیجی اور قسم ثانی میں ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی زبان پر بذریعہ وحی جو اس نے انہیں بھیجی قرآن میں ہم سے کلام کیا اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے فرمایا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور اس وحی میں جو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی موسیٰ و عیسیٰ و جنت و دوزخ کے بارے میں ہمیں خبر دی اور اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ و جنت و دوزخ کا حال اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ہم سے بیان کیا تو یہ صحیح قول ہوگا۔ اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**ومن اصدق من الله حدیثا**“ اللہ سے زیادہ سچی حدیث (بات) والا کون ہے اسی طرح یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں امتوں کے احوال ہم سے قصہ بیان کیا تو یہ بھی صحیح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک هذا القرآن**“ (ہم اسی وحی میں کہ جس میں ہم نے آپ کو قرآن بھیجا ہے ہم آپ کو ایک نہایت عمدہ قصہ سناتے ہیں)۔ ہم حقیقۃ نہ کہ مجازاً یہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن میں کلام اللہ سنا۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو ہم پر بذریعہ وجہ ثانی کے فضیلت دی۔

وجہ ثانی ان لوگوں سے بذریعہ وحی بلا واسطہ بذریعہ وحی بواسطہ ملائکہ خواب یا بیداری میں کلام کرنا ہے اس نے تمام ملائکہ کو اور بعض انبیاء کو تمام انبیاء علیہ السلام پر بذریعہ وجہ ثالث کے فضیلت دی۔

وجہ ثالث بلا واسطہ فرشتہ پردے کے پیچھے سے کلام کرنا ہے لیکن وہ ایسا کلام ہوتا ہے جو کانوں سے سنا جاتا ہے قلب سے معلوم ہوتا ہے اس وحی سے بڑھ کر ہوتا ہے جو صرف قلب سے معلوم ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے سے سنی جاتی ہے۔ یہی وہ وجہ ہے جس میں

موسیٰ علیہ السلام کو درخت سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں اس مقام استواء سے مخصوص کیا گیا جس میں آپ نے قلموں کے لکھنے کی آواز سنی اور وہ تمام ملائکہ وانبیاء جن سے اللہ تعالیٰ نے اسی طور پر کلام کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجات** (ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور ان میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں بعض کے درجات بلند کئے) اور فرمایا "**واذ قال ربک للملائکه انی جاعل فی الارض خلیفة**" (اور جبکہ آپ کے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں)۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ اس میں سے کوئی کلام بھی آواز کے ساتھ ہو۔ اس لئے کہ اس وقت یہ ہوگا کہ اللہ کے سوا کسی اور کلام کرنے والے کے واسطے سے فائدہ پہنچے گا۔ اس وقت یہ آواز ابر کی گرج کے طور پر ہوگی جو زمین وآسمان کے درمیان میں پیدا ہوتی ہے۔ اس مارنے کے طور پر ہوگی جو اجسام میں پیدا ہوتی ہے۔ وحی کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے۔ نص قرآن کے مطابق تکلیم جو پردے کی آڑ سے ہوتی وہ بقیہ اقسام وحی سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام تفضیل رکھا۔ جیسا کہ ہم نے تلاوت کی۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سب کا نام اگرچہ تکلیم ہے مگر تکلیم مطلق فضیلت میں تکلیم موصل (بواسطہ) بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ ملکیت کی بناء پر ہر روح اللہ تعالیٰ کی روح ہے لیکن جب ہم مطلقاً روح اللہ کہتے ہیں تو اس سے جبریلؑ یا عیسیٰ علیہما السلام مراد لیتے ہیں تو یہ ان دونوں کے لئے بہت بڑی فضیلت ہوتی ہے۔

جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو حقیقتہً نہ کہ مجازاً ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام کلام اللہ ہے۔ یہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میرا یہ کلام کلام اللہ نہیں ہے۔ جو ایسا کہے اللہ تعالیٰ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی ہے "**سارهقه صعودا انه فکر و قدر فقتل کیف قدر ثم نظر . ثم عبس و بسر . ثم ادبر و استکبر . فقال ان هذا الا سحر یوثر ان هذا الا قول البشر سا صلیه سقر**" (میں اس کو سخت عذاب کی مشقت میں ڈالوں گا۔ اس نے سوچا اور اندازہ کیا۔ پھر اس پر خدا کی مار ہو اس نے کیسا اندازہ کیا۔ پھر بھی خدا کی مار ہو اس نے کیسا اندازہ کیا۔ پھر نظر کی پھر ترش روئی کی اور منہ بنایا۔ پھر پشت پھیری اور تکبر کیا اور کہا کہ یہ تو وہی جادو ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ یہ تو بشر ہی کا قول ہے میں اسے عنقریب دوزخ میں ڈالوں گا)۔

اسی طرح ہم میں سے کوئی شخص کہتا ہے کہ میرا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے جب اس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کو سنت نے واجب کیا ہے تو کہتا ہے کہ میرا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کسی مسلمان کو یہ کہنا جائز نہیں کہ میرا دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مغائر ہے۔ اگر یہ کہے گا تو مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا قتل کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح اسے یہ کہنے کا بھی کا حق نہیں جب وہ کوئی ایسا عمل کرے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لائی ہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مغائر ہے۔ اگر کہے گا تو اسے درست کیا جائے گا اور وہ جھوٹا ہوگا۔ اسی طرح ہم میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ میرا دین وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور مراد یہ لیتا ہے کہ جس دین کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اگر یہ کہے کہ میرا دین اللہ تعالیٰ کے دین کے مغایر ہے تو مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا قتل کرنا واجب ہے اسی طرح جب ہم میں سے کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہے۔ تو صحیح طور پر یہ کہتا ہے کہ میرا یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام ہے۔ اگر یہ کہے کہ میرا کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے مغایر ہے تو جھوٹا ہوگا۔ یہ وہ اسماء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی ملت نے واجب کیا ہے اور ان پر اہل اسلام کا اجماع ہے۔

یہ نہ ہم سے مخفی ہے اور نہ ان مسلمانوں سے جو گذر گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کی حرکت ہم لوگوں کی زبانوں کی

حرکت کے مغائر ہے، اسی طرح عمل میں ہمارے اجسام کی حرکت، اسی طرح وہ علم جس سے دلوں کو موصوف کیا جاتا ہے (کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہے ہمارا اور)۔ لیکن شریعت میں نام رکھنا ہمارے ذمے نہیں ہے۔ یہ محض اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ہے۔ جو اس کی مخالفت کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ فرعون و ابوجہل مومن تھے اور موسیٰ و محمدؐ کافر (نعوذ باللہ) جب اسکے بارے میں اس پر اعتراض کیا جائے تو کہے کہ کیا فرعون و ابوجہل کفر پر ایمان نہیں لائے تھے اور محمدؐ و موسیٰ طاغوت (بت) کا کفر نہیں کرتے تھے۔ یہ اگرچہ اس کا کلام ہے جو ظاہر کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ شخص اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے اس لئے کہ شریعت نے نام رکھنے کے متعلق جو کچھ اس پر واجب کیا تھا یہ اس سے بڑھ گیا۔ حالانکہ عقول اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں واجب کیا ہے اسی کے پاس رہنا واجب ہے۔ جو شخص اس سے بڑھے گا اور یہ گمان کرے گا کہ اس نے اس کی مخالفت کرنے میں اپنی عقل کی دلیل کی پیروی کی ہے تو اسے جاننا چاہئے کہ اس نے ایسے قضیہ عقل سے جدائی اختیار کی ہے اس نے مومنین کی مخالفت کی ہے اور ان کی راہ کے خلاف راہ اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى و يتبع غير سبيل المومنين نوله ماتولى و نصله جهنم و ساء ت مصيرا**" (اور جو شخص اس کے بعد بھی کہ ہدایت اسے واضح ہو چکی رسول کو ستائے گا اور مومنین کی راہ کے خلاف اختیار کرے گا تو اسے اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے)۔ **نعوذ بالله من ذلک۔**

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جب ہم بھی کلام اللہ سنتے ہیں اور اسے موسیٰ علیہ والسلام نے بھی سنا ہے تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے ہم کہیں گے بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ نے تو اللہ تعالیٰ کو خود اپنے سے کلام کرتے سنا اور ہم اللہ کا کلام غیر اللہ سے سنتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود کو حکم دیا کہ وہ آپ کو قرآن پڑھ کر سنائیں تو ابن مسعود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بھلا آپ کو سناؤں۔ آپ پر تو نازل ہی ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسے کسی اور سے سننا چاہتا ہوں۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ وہی قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سے سنا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ تب تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہمارے اندر حلول کر آئے گا (یعنی سما جائے گا)۔ ہم کہیں گے یہ تو بہت ہی سست اور بودی دھمکی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے کلام کو جب ہم پڑھتے ہیں اپنا کلام بتایا ہے تو ہم اسی کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہمارے سینوں میں ہے۔ ہماری زبانوں پر جاری ہے اور ہمارے مصاحف میں موجود ہے۔ ہم اس شخص سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو اپنے قول فاسد کی وجہ سے جو اسے اسلام سے خارج کر دینے والا ہے اس کا انکار کرے **و نعوذ بالله من الخذلان۔**

☆☆

اعجاز قرآن

ہم اس پر برہان قائم ہونا بیان کر چکے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے مثل نظم (بندش الفاظ) سے تمام عرب وغیرہ جن وانس کو عاجز کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مثل لانے سے مذکورہ بالا گروہوں کو ان کی محفلوں میں عاجز وخاموش کر دیا ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کا نہ کوئی مومن منکر ہے نہ کافر اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اس کے بعد متکلمین نے اس مسئلے میں پانچ قسم کا اختلاف کیا ہے۔

قسم اول وہ ہے جو اشعری سے مروی ہے۔ وہ یہ ہے کہ معجزہ وہ تحدی۔ برانگیختہ کرنا اور عار دلانا ہے کہ وہ اس قرآن کا مثل لائیں جو ازل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوا۔ نہ ہم پر نازل کیا گیا اور نہ ہم نے سنا۔

یہ کلام نہایت ناقص و باطل ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز کا مثل لانے کی تکلیف دی جائے جس کو نہ وہ پہچانتا ہے اور نہ اس نے کبھی اس کو سنا ہے۔ انہیں بدیہی طور پر یہ لازم آئے گا بلکہ یہی ان کا قول بھی ہے کہ جب معجزہ وہی ہوا (جو اللہ کے ساتھ ہے) تو جو سنا جاتا ہے اور جس کی ہمارے یہاں تلاوت کی جاتی ہے یہ معجزہ نہ ہوا بلکہ اسکے مثل پر قدرت ہوئی یہ ایسا کفر خالص ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ قرآن کے بھی یہ خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی ایک سورۃ یا اس کی دس سورتوں سے الزام دیا ہے (کہ بھلا اس کے مثل ایک ہی سورۃ یا دس سورتیں ہی بنا لاؤ) وہ کلام الٰہی جو اشعری کے نزدیک معجزہ ہے اس کی متعدد سورتیں نہیں ہیں اور نہ وہ کثیر ہے بلکہ وہ صرف واحد ہے۔ لہٰذا یہ قول تو الحمدللہ یونہی ختم ہو گیا (کیونکہ دس سورتیں تو اسی قرآن میں ہیں) اشعری کا ایک قول تمام مسلمانوں کے قول کے مثل بھی ہے کہ یہی معجزہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

قسم ثانی یہ ہے کہ آیا یہ ہمیشہ کے لئے معجزہ ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس سے حجت قائم ہو جانے کے بعد اعجاز ختم ہو گیا۔ بعض متکلمین نے تو کہا ہے کہ تمام عرب کے اس کے مقابلے سے عاجز ہونے کی وجہ سے حجت قائم ہو چکی۔ اگر اب اس کا مقابلہ کیا جائے تو اس سے وہ حجت باطل نہ ہوگی جو ثابت ہو چکی۔ جیسا کہ عصائے موسیٰ۔ کیونکہ اس کے سانپ بن جانے سے ان کی حجت قائم ہو چکی۔ اس کے پھر عصا کی شکل میں آ جانے سے جیسا کہ وہ پہلے تھا ان کی حجت ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان کا گریبان سے چمکتا ہوا ہاتھ نکالنا پھر اس کا اسی شکل میں ہو جانا جیسا کہ وہ تھا اور اسی طرح تمام معجزات۔

جمہور اہل اسلام نے کہا ہے کہ اعجاز قیامت تک باقی رہے گا اور اس سے نشانی جیسی کہ تھی قیامت تک باقی رہے گی۔

یہی وہ حق ہے کہ اس کے سوا کوئی عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے ’’قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو ابمثل هذا القران لایاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا‘‘ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام جن وانس متفق ہو کر بھی اس قرآن کا مثل لانا چاہیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگر چہ ان میں سے بعض بعض کے مددگار بن جائیں)۔ یہ اس پر نص جلی ہے اور صیغہ مستقبل میں ہے کہ وہ لوگ اس کا مثل نہ لاسکیں گے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے اور مستقبل میں ہے۔ جو یہ دعوی کرے کہ اس سے مراد ماضی ہے وہ جھوٹا ہے اس لئے کہ لغت کا بدلنا اور لفظ مستقبل کو معنی ماضی کی طرف منتقل کرنا بغیر کسی دوسری نص جلی کے جو اس سے متعلق ہو یا بغیر [illegible] یقینی [illegible] کے ظاہر کے خلاف ہے۔ یا ضرورت کے

جائز نہیں۔ اس مسئلے میں ان وجوہ میں سے کسی ایک تک بھی رسائی نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بھی کہ ''**قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یا تو** '' (کہد یجئے کہ اگر تمام جن وانس متفق ہو کر اس کا مثل لانا چاہیں) عام ہے ہر جن وانس کے لئے اور ہمیشہ کے لئے اس میں بھی کسی چیز کی تخصیص وبغیر ضرورت یا اجماع کے جائز نہیں۔

جو وقف کا قائل ہے اور اس کا کہ عموم کے لئے کوئی صیغہ نہیں ہے اور نہ ظاہر کے لئے۔ تو یہاں گروہ مذکورہ پر اس کے لئے کوئی حجت نہیں قائم ہوتی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اعجاز قرآن قیامت تک باقی رہے گا۔ **والحمدللہ رب العلمین** ۔

قسم ثالث یہ ہے کہ قرآن کی کیا چیز معجزہ ہے آیا اس کا نظم (بندش الفاظ) یا جو اس کی آیات میں غیب کے متعلق پیشنگو ئیاں ہیں۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ اس کا نظم معجزہ نہیں۔ اس میں معجزہ صرف غیب کی پیشنگو ئیاں ہیں۔ بقیہ اہل اسلام کا قول ہے کہ دونوں امور معجزہ ہیں یعنی نظم کلام بھی اور اخبار بالغیب بھی۔ یہی وہ حق ہے کہ اس کی مخالفت گمراہی ہے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**فاتو ابسورۃ من مثلہ** '' (لہذا ایک ہی سورۃ لے آؤ جو اسکے مثل ہو)۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرما دی کہ وہ لوگ اس کی سورتوں میں سے کسی ایک سورۃ کے مثل بھی نہیں لاسکیں گے اور اس کی اکثر سورتیں ایسی ہیں جن میں غیب کی خبریں نہیں ہیں۔ جو شخص قرآن کی اخبار غیب کو معجزہ بناتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس تصریح کے مخالف ہے یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ لہذا یہ تمام اقوال فاسدہ ختم ہو گئے۔ **وللحمد اللہ رب العلمین**۔

قسم رابع یہ ہے کہ اس کے اعجاز کی وجہ کیا ہے۔ ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ اس کے معجزہ ہونے کی وجہ اس کا مراتب بلاغت کی انتہا کو پہنچنا ہے دوسرے گروہوں نے یہ کہا کہ اس کے اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس کے مقابلے کی قدرت سے روک دیا ہے وہ گروہ کہ جس نے وہ کہا کہ اس کا معجزہ ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے۔ انہوں نے اس میں اس طرح تزویر کی ہے کہ اس کی اس قسم کی آیات کا ذکر کیا ہے۔ **ولکم فی القصاص حیاۃ** (تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے) ان میں سے بعض نے اس طرح فریب کاری کی ہے اور کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا جیسا تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے سے روک دیا ہے تو ضرور واجب ہوتا کہ یہ کلام زیادہ سے زیادہ جتنا ردی ہو سکتا ہے ہو۔ پھر یہ ہو کہ اس کے ذریعے سے جو حجت ہو وہ پوری ہو۔

ہمیں ان دو باتوں کے سوا ان لوگوں کی اور کوئی دیدہ دلیری دفریب نہیں معلوم۔ ان دونوں امور میں ان لوگوں کے لئے حجت ددلیل نہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ ہم لوگوں نے کہا تو واجب آتا کہ کلام جس قدر زیادہ سے زیادہ ردی ہو سکتا ہے اتنا ہی ردی ہو۔ پھر اس سے جو حجت قائم ہو وہ انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔

چند وجوہ سے درحقیقت یہی کلام ردی ہے۔ جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ قول بلا دلیل ہے۔ اس لئے کہ بعینہ یہی قول ان پر پلٹا جا سکتا ہے اس سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کا اعجاز اس کے بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہونے کی وجہ سے ہوتا تو اس میں کوئی حجت ودلیل نہ ہوتی اس لئے کہ یہ تو ہر اس شخص میں ہوتا ہے جو کسی اعلیٰ طبقے میں بھی ہو لیکن معجزات انبیاء معمول ومعہود سے باہر ہیں۔ یہ ان کی دیدہ دلیری و فریب سے بہت قوی ہے۔

دوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔ نہ اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تو نے اسی نظم سے کیوں عاجز کر دیا کسی اور سے کیوں نہ کیا۔ تو نے اس رسول کو کیوں بھیجا کسی اور کو کیوں نہ بھیجا۔ تو نے عصائے موسیٰؑ کو سانپ کیوں کر دیا اسے شیر کیوں نہ بنا دیا۔ یہ محض اس کی حماقت ہے جو یہ سب ہے کہ جس کو ہرگز عقل واجب نہیں کرتی۔ آیت کے مطابق اس کا معمول سے باہر ہونا ہے فقط۔

سوم۔ ان لوگوں نے جب اس سوال فاسد کے ذریعے سے اپنے رب سے دریافت کیا تو انہیں یہ کہنا بھی لازم ہے کہ یہ اعجاز ایسے کلام میں کیوں نہ ہوا جس میں تمام لغات (زبانیں) جمع ہوتیں اور اس کے اعجاز کے سمجھنے میں عرب وعجم مساوی ہوتے اس لئے کہ عجم تو اعجاز قرآن کو نص عرب کے بتانے سے سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ بیہودہ فریب بھی باطل ہو گیا **و الحمدلله رب العمین**۔

ان کا ''**ولکم فی القصاص حیاۃ**'' (تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے) کو اور اسی قسم کی آیات کو ذکر کرنا۔ ان میں بھی ان کے لئے کوئی حجت ودلیل نہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ (**معاذ الله من ذالک**) اگر ایسا ہوتا جیسا تم لوگ کہتے ہو قرآن میں سے صرف یہی آیات خاص طور پر معجزہ ہوتیں اور بقیہ قرآن معجزہ نہ ہوتا اور یہ کفر ہے۔ جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہوسکتا۔

اگر وہ کہیں کہ معجزہ ہونے میں پورا قرآن ان آیات کے مثل ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر تم نے خاص طور پر ان آیات کا ذکر کیوں کیا اور ان آیات کا ذکر کیوں نہ کیا۔ یا تو یہ تمہاری ہی غلطی ہے یا ان جاہلوں کو دھوکا دینا ہے جو قرآن کے معجزہ وغیر معجزہ ہونے کو نہیں جانتے۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ کلام الٰہی کی یہ آیت معجزہ ہے یا نہیں ''**واوحینا الی ابراھیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب و الاسباط و عیسی و ایوب و یونس و ھارون و سلیمان و اتینا داؤد زبورا**'' (اور ہم نے ابراہیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب و اسباط وعیسی وایوب ویونس وہارون وسلیمان کو وحی بھیجی اور داؤد کو ہم نے زبور دی) اگر وہ کہیں کہ معجزہ نہیں تو کافر ہو گئے۔ اور اگر کہیں کہ معجزہ ہے تو سچ کہا ان سے دریافت کیا جائے گا کہ آیا تمہاری شرائط کے مطابق یہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے؟ اگر یہ کہیں کہ ہاں ہے تو انہوں نے بداہت وظاہر کی مخالفت کی اور اپنی دشواری کے ذمہ دار ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ تو صرف چند لوگوں کے نام نہیں۔ جو ان کی شرائط کے مطابق بلاغت میں نہیں ہے۔

اگر قرآن کا اعجاز اس لئے نہ ہوتا کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے تو وہ حسن وسہل بن ہرون وجاحظ کے کلام کے اور امرأ القیس کے شعر کے مرتبے میں ہوتا۔ **معاذ اللہ من ھذا**۔ اس لئے کہ جو چیز اپنے طبقے میں سبقت لے جاتی ہے وہ اس سے محفوظ نہیں ہوتی کہ جو اس کا مماثل ہے وہ بھی اسے لا سکے گا۔ لہذا انہیں یا تو اس خطاء سے مفر نہیں یا انہیں ہمارے قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے ومعارضے سے روک دیا ہے۔

اگر اس کا اعجاز یہی ہوتا کہ وہ بلاغت معہودہ کے اعلیٰ درجے میں ہے تو یہ ضرور لازم آتا ہے کہ وہ ایک آیت ہو اور ایک آیت سے ہرگز کم نہ ہو اور یہ ان کے اس قول کے خلاف ہے کہ قرآن کی تین آیات معجزہ ہیں نہ ان سے کم۔

اگر وہ ہم سے کہیں کہ اچھا تم بتاؤ کہ قرآن کی یہ صفت ہے یا نہیں کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ اگر اس نے تمہاری مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی مراد کو پہنچا دیا۔ ہاں اس معنی میں وہ اس انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ کوئی شے اس سے بڑھ کر نہیں ہے۔

اگر تمہاری مراد یہ ہو کہ وہ مخلوق کے کلام میں بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے تو نہیں اس لئے کہ وہ کلام مخلوق کی قسم میں سے نہیں ہے نہ اس کی قسم اعلیٰ میں نہ ادنیٰ میں نہ اوسط میں۔

برہان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے رسالے یا خطبے یا تالیف یا موعظت میں حروف مقطعات داخل کرے تو بلاشک یہ معمولی بلاغت سے بالکل خارج ہو جائے گا اور یہ صحیح ہوگا کہ وہ قطعاً انسانی بلاغت کی قسم میں سے نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے امر سے اپنی مخلوق

کو روک دیا ہے اور اسے اعجاز کا لباس پہنایا ہے اور تمام مخلوق کے کلام سے جدا کر دے اہے۔ برہان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کی ایک قوم سے نقل کیا ہے کہ جب ان سے دوزخ میں ڈالے جانے کا سبب دریافت کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ''**لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین و کنا نخوض الخائضین و کنا نکذب بیوم الدین حتی اتنا الیقین** ''(ہم نمازیوں میں نہ تھے اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم باتیں بنانے والوں کے ساتھ باتیں بنایا کرتے تھے اور روز قیامت کی تکذیب کیا کرتے تھے یہاں تک کہ (اسی حال میں) ہمیں موت آ گئی اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کافر سے نقل فرمایا ہے جس نے یہ کہا تھا کہ ''**ان ھذا الا سحر یوثر ان ھذا الا قول البشر** ''(یہ تو وہی سحر ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے یہ تو بشر ہی کا کلام ہے)۔ دوسرے کفار سے نقل کیا ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ''**لن نومن لک حتی تفجر لنا من الا رض ینبوعا اوتسقط السماء کمازعمت علینا کسفااوتاتی باللہ و الملائکۃ قبیلا ویکون لک بیت من زخرف اوترقی فی السماء ولن نومن لر قیک حتی تنزل علینا کتا بانقراہ**'' (ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ آپ ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ جاری کر دیں۔ یا جیسا کہ آپ کا گمان ہے آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ گرا دیں یا اللہ کو اور ملائکہ کو سامنے نہ لے آئیں۔ یا آپ کے لئے ایک شیشے کا مکان نہ ہو۔ یا آپ آسمان پر نہ چڑھ جائیں اور ہم ہرگز آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی نہ مانیں گے تاوقتیکہ آپ ہم پر ایک کتاب نہ نازل کریں کہ جس کو ہم پڑھیں)۔ یہ سارا کلام جب کہ اسے غیر اللہ نے کہا تھا بغیر کسی اختلاف کے غیر معجزہ تھا۔ اس لئے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں کہ کسی غیر اللہ کا کلام بھی معجزہ ہے لیکن جب اللہ نے اسے کہہ دیا اور اسے اپنا کلام بنا دیا تو اسے معجزہ بنا دیا اور اس کی مماثلت سے روکدیا۔ یہ کافی برہان ہے کہ اس کے سوا کسی ور برہان کی ضرورت نہیں **والحمدللہ**۔

قسم خامس یہ ہے کہ قرآن کی کونسی مقدار معجزہ ہے اشعریہ اور ان کے موافقین نے کہا ہے کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کے برابر معجزہ ہے اور اس سے زیادہ بھی۔ مثلاً ''**انا اعطینا ک الکوثر** ''(جو اس سے کم ہو وہ معجزہ نہیں۔ اس کے متعلق انہوں نے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے ''**قل فا تو ابسورۃ من مثلہ** ''(آپ کہہ دیجئے کہ قرآن کی سی کوئی ایک ہی سورۃ لے آؤ) ان لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے کم پر برانگیختہ نہیں کیا۔

بقیہ اہل اسلام کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کا قلیل و کثیر سب کا سب معجزہ ہے اور یہی وہ حق ہے جس کی مخالفت جائز نہیں ''**فا توا بسورۃ من مثلہ** ''میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک سورۃ سے کم معجزہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ''اس قرآن کا مثل لانے پر'' متفق ہو جائے تو نہ لا سکیں گے اور کوئی دو آدمی بھی اس میں اختلاف نہ کریں گے کہ قرآن کی ہر شے قرآن ہے۔ لہذا قرآن کی ہر شے معجزہ ہے۔

ان لوگوں کا معجزے کو ایک سورۃ میں محدود کرنے سے تعارض و اختلاف کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ کہ تمہاری اس قول سے کیا مراد ہے کہ ''معجزہ بقدر ایک سورۃ کے ہے'' آیا پوری سورۃ نہ کہ اس سے کم یا آیات میں بقدر سورۃ کوثر۔ یا کلمات میں بقدر سورۃ کوثر۔ یا حروف میں بقدر سورۃ کوثر۔ کسی پانچویں صورت کا امکان نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ پوری ایک سورۃ نہ کہ اس سے کم تو انہیں لازم آئے گا کہ سورۃ بقرہ ایک آیت کم یا اس کے اول یا آخر سے ایک کلمہ کم کر کے معجزہ نہ ہو اور اسی طرح ہر سورۃ کم کر کے معجزہ نہ ہو۔ حالانکہ بغیر کسی پوشیدگی کے یہ خالص کفر ہے کیونکہ انہوں نے قرآن کی ہر سورۃ کے مثل کو بجز اس کے ایک کلمے کے خواہ وہ اول کا ہو یا درمیان کا یا آخر کا بشر کی قدرت کے اندر کر دیا اور

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ نہیں۔ سورۃ کوثر کی آیات کی مقدار معجزہ ہے تو انہیں لازم آئے گا کہ آیت دین معجزہ نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ تین آیتیں نہیں ہیں اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی لازم آتا ہے کہ **والفجر . ولیال عشر . والشفع و الوتر** معجزہ ہو جیسا کہ آیۃ الکرسی اور اس کے ساتھ دو آیتیں ملا کر معجزہ ہوئیں۔ اس لئے کہ یہ تین آیتیں ہیں۔ حالانکہ یہ ان کے قول کے خلاف اور مکابرہ یعنی بداہت کی مخالفت ہے نیز یہ لازم آئے گا کہ یہ کلمات معجزہ ہوں۔ سوائے اس کے کل کے غیر معجزہ ہوں۔ یہ بھی لازم آئے گا کہ "**والفجر والضحی . والعصر**" صرف یہی تین کلمات معجزہ ہوں۔ اس لئے کہ یہ تین آیتیں ہیں۔ اگر وہ کہیں کہ یہ تو متفرق آیتیں ہیں متصل نہیں ہیں تو انہیں لازم آئے گا کہ وہ ایک ہزار متفرق آیتوں کو معجزہ ہونے سے نکال دیں اور ان کے مثل لانے کا امکان بھی لازم آئے گا۔ جو اس کو ممکن قرار دے تو وہ مشاہدے کا منکر ہے اسلام سے خارج اور قرآن سے اعجاز کا باطل کرنیوالا جو شخص اپنا خیر خواہ ہو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے یہ بھی لازم آئے گا کہ "**ولکم فی القصاص حیاة**" معجزہ نہ ہو اور یہ خود ان کے اس قول کے خلاف ہے کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے اسی طرح ہر وہ تین آیتیں جن میں سے ایک کلمہ کم ہو اور یہ اسلام سے بھی باہر ہوتا ہے اور معقول سے بھی۔

اگر وہ کہیں کہ کلمات کے عدد میں یا حروف کے عدد میں معجزہ ہے تو انہیں دو ایسی چیزیں لازم آئیں گی جو ان کے قول کی ساقط کرنے والی ہوں گی۔ ایک تو خود ان کا اس کلام الٰہی سے استدلال کر "**فا تو ابسورة من مثله**" اس لئے کہ انہوں نے جو ایک سورۃ نہیں ہے اسے معجزہ بنا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مقدار کے متعلق نہیں کہا۔ لہٰذا ان کی فریب کاری روشن ہو گئی۔ دوم۔ سورۃ کوثر کے دس کلمات اور بیالس حروف۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**واوحینا الی ابراهیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب والا سباط و عیسی و ایوب و یونس و هارون و سلیمان** یہ بارہ کلمات اور بہتر حروف ہیں۔ اگر ہم صرف ناموں ہی پر اقتصار کریں تو دس کلمات اور باسٹھ حروف ہوں گے۔ یہ آیت کلمات و حروف میں سورہ کوثر سے زائد ہے۔ تو مناسب ہے کہ یہ بھی تمہارے یہاں معجزہ ہو اور "**ولکم فی القصاص حیاة**" معجزہ نہ ہو۔

اگر وہ کہیں کہ یہ آیت معجزہ نہیں تو انہوں نے اپنا یہ قول ترک کر دیا کہ "جو چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کے کلمات و حروف کی تعداد میں ہو وہ معجزہ ہے"

اگر وہ کہیں کہ نہیں یہ معجزہ ہے تو انہوں نے اپنا یہ قول ترک کر دیا کہ معجزہ وہ ہے جو بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہو نیز انہیں لازم آئے گا کہ اگر ہم ان ناموں میں سے دو نام اور سورہ کوثر میں سے چند کلمات ساقط کر دیں تو ان میں سے کوئی بھی معجزہ نہ رہے۔ لہٰذا ان کے کلام کا ساقط ہونا اور اس کی فریب آمیزی اور فساد ظاہر ہو گیا۔ نیز جب قرآن کی ایک آیت یا دو آیتیں معجزہ نہیں ہیں اور ان کے مثل لانے پر بشر کو مقدور ہے اور جب ایسا ہے تو پھر پورے قرآن کے مثل لانے پر بشر کا مقدور ہے اور یہ کفر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ جب تین آیتیں جمع ہو جائیں پھر وہ مقدور کے باہر ہو جائیں گی۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اس قول کے خلاف ہے کہ قرآن کا اعجاز صرف طریق بلاغت سے ہے۔ اس لئے کہ طریق بلاغت ایک آیت میں بھی ایسا ہی ہے جیسا تین آیتوں میں اور کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ اس میں حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**قل لئن اجتمعت الا نس والجن علی ان یا تو ابمثل هذا القرآن لا یا تون بمثله**" (آپ کہہ دیجئے اگر تمام انس و جن اس پر متفق ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کا مثل لائیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے)۔

ہر وہ کلمہ جو معنی کا قائم کرنے والا ہو جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن کا ہے اور وہ معجزہ ہے کبھی کوئی

اس کا مثل لانے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس سے روک دیا ہے۔

مثلاً کوئی یہ کہے کہ علامت نبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کھلے ہوئے راستے میں چلنے دے گا جس میں میرے سوا کبھی یا مدت معینہ تک کوئی نہ چل سکے گا۔ جو علامات ہوسکتی ہیں انہیں یہ بڑی سے بڑی علامت نبوت ہے۔ کلمہ مذکورہ جب کسی خبر میں بیان کیا جائے جو قرآن نہیں ہے تو وہ معجزہ نہیں ہے یہی وہ چیز ہے جس کو نص لائی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے چار سو چالیس برس سے روئے زمین کے لوگ عاجز ہیں۔

ہم قرآن میں ایسے دو معنی کے درمیان ایک اور معنی کا داخل کرنا پاتے ہیں کہ وہ معنی ان دونوں کے درمیان نہیں ہوتے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "و ما نتنزل الا با مرربک له ما بین ایدینا و خلفنا و ما بین ذلک" (اور ہم تو محض آپ کے رب کے حکم سے اترتے۔ اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان میں ہے)۔ یہ انسانی بلاغت میں سے نہیں ہے نہ ظاہر میں نہ باطن میں قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ **والحمدلله رب العلمین۔**

قدرت الٰہی

اس باب میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال پر مجبور ہے اور اسے قطعاً کوئی استطاعت نہیں ہے۔ یہی قول جہم بن صفوان کا اور ازارقہ کے ایک گروہ کا ہے۔

ایک دوسرے گروہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے۔ انہوں نے اس کے لئے قوت و استطاعت ثابت کی ہے جس سے وہ اپنے لئے جو کچھ پسند کرتا ہے کرتا ہے یہ فرقہ دو گروہ پر تقسیم ہوگیا۔

ان میں سے ایک نے تو یہ کہا ہے کہ وہ استطاعت جس سے فعل سرزد ہوتا ہے وہ فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور اس سے پہلے قطعا نہیں ہوتی۔ یہی قول متکلمین کے چند گروہوں کا اور ان کے موافقین کا ہے مثلاً نجار و اشعری و محمد بن عیسیٰ برعوث الکاتب و بشر بن غیاث المریکی و ابی عبدالرحمٰن العطوی اور مرجیہ و خوارج کی ایک جماعت اور ہشام بن الحکم و سلیمان بن جریر اور ان دونوں کے ساتھی۔

دوسرے گروہ نے یہ کہا کہ وہ استطاعت کہ جس سے فعل سرزد ہوتا ہے وہ فعل سے پہلے انسان میں موجود ہوتی ہے۔ یہی قول معتزلہ کا اور مرجیہ کے چند گروہوں کا ہے مثلاً محمد بن شید و مونس بن عمران و صالح قیدو الناسی اور خوارج کی ایک جماعت اور شیعہ کا۔ یہ لوگ چند فرقوں پر تقسیم ہوگئے۔

ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ فعل و ترک فعل کے لئے استطاعت قبل فعل بھی ہوتی ہے اور فعل کے سات بھی یہی قول بشر بن المعتمر البغدادی و ضرار بن عمرو الکوفی و عبداللہ بن غطفان و معمر بن عمرو العطار البصری اور دوسرے معتزلہ کا ہے ابوالہزیل محمد بن الہزیل العبدی البصری العلاف نے کہا ہے کہ استطاعت فعل کے ساتھ قطعاً نہیں ہوتی۔ وہ لامحالہ اس کے قبل ہی ہوتی ہے اور وجود فعل کے اول ہی میں ختم ہو جاتی ہے ابو اسحاق بن ابراہیم بن سیار النظام و علی الاسواری و ابوبکر بن عبدالرحمٰن ابن کیسان الاصم نے کہا ہے کہ سوائے نفس مستطیع کے استطاعت اور کوئی شے نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے عجز کے بارے میں بھی کہا ہے کہ سوائے نظام کے عاجز اور کوئی شے نہیں ہے کیونکہ اس نے کہا کہ عجز ایک آفت ہے جو مستطیع پر آگئی ہے۔

جو لوگ اجبار (یعنی انسان کے مجبور ہونے) کے قائل ہیں انہوں نے استدلال کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فعال ہے اور مخلوق میں سے

کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں تو ضروری ہے کہ اس کے سوا کوئی فعال نہ ہو۔ انہوں نے کہا ہے کہ انسان کی طرف کسی فعل کے منسوب کرنے کے صرف یہی معنی ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو کہ زید مر گیا۔ حالانکہ اسے اللہ ہی نے موت دی اور عمارت قائم ہوگئی حالانکہ اسے اللہ ہی نے قائم کیا۔

یہ کلامِ غلط ہے جو حس و نص اور اس لغت سے ظاہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب کیا اور اسی میں ہم سمجھتے سمجھاتے ہیں نص تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعدد مقامات میں فرمایا ہے کہ "**جزاء بما کنتم تعملون**" (یہ اس کی جزا ہے جو تم کیا کرتے تھے)۔ اور "**لم تقولون ما لا تفعلون**" (وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں) اور "**وعملو الصلحت**" (اور اعمال صالحہ کئے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ہم لوگ عمل کرتے ہیں۔ فعل کرتے ہیں۔ کام کرتے ہیں۔

حس یہ ہے کہ حواس و ضرورت و بداہت عقل سے ہم یقینی طور پر ایسے علم کے ساتھ جانتے ہیں جس میں ذرا سا بھی شک کا خلجان نہیں ہوتا کہ صحیح اعضا والے اور غیر صحیح اعضاء والے میں کھلا ہوا فرق ہے اس لئے کہ صحیح اعضاء والا قیام و قعود (نشست و برخاست) اور تمام حرکات اپنے اختیار سے بغیر کسی مانع کے کرتا ہے اور جس کے اعضاء صحیح نہیں ہیں اگر وہ اس کا قصد کرے گا تو اسے دشوار ہوگا اور وہ اسے ہرگز نہ کر سکے گا۔ اس فرق سے زیادہ واضح کوئی بیان نہیں ہو سکتا۔ مُجبرَ (مجبور) لغت میں وہ شخص ہے جس سے فعل اس کے قصد و اختیار کے خلاف واقع ہو۔ جس شخص کا فعل اس کے اختیار و قصد سے واقع ہو تو اسے لغت میں مجبور مجبر نہیں کہا جائے گا۔ اور "**لا حول ولا قوۃ الا باللہ**" (باز رہنا اور قوت اللہ ہی سے ہے) پر تمام امت کا اجماع ہے جو مجبور ماننے والوں کے قول کا باطل کرنے والا ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے لئے حول (باز رہنے کی طاقت) اور قوت ہو۔ لیکن یہ ہمارے لئے محض اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اگر جہمیہ کا مذہب صحیح ہوتا تو "**لا حول ولا قوۃ الا باللہ**" کے کوئی معنی نہ ہوتے اور اسی طرح اس آیت کے بھی "**لمن شاء منکم ان یستقیم و ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العلمین**" (یہ قرآن اس کے لئے نصیحت ہے جو تم میں سے درست ہونا چاہے اور تم نہ چاہو گے سوائے اسکے کہ اللہ رب العلمین ہی چاہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ہمارے لئے مشیت ہے۔ سوائے اسکے کہ بغیر اللہ کی مشیت کے ہماری مشیت نہیں ہوتی اور یہ ہمارے قول کی تصریح ہے۔ **والحمدللہ رب العلمین۔**

جو لوگ اشیاء کے عناصر و اصول یعنی واجب و ممتنع و ممکن کو جانتے ہیں وہ صحیح اعضاء والے اور غیر صحیح اعضاء والے کے درمیان فرق کو یقین کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حرکت اختیاری کا اول حس سے حرکت اضطراریہ کے مغایر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اعضائے آفت رسیدہ سے فعل اختیاری کا صدور ناممکن ہے اور یہ صاحب اعضائے صحیحہ سے ممکن ہے۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اگر اپاہج پوری مشقت کے ساتھ بھی کھڑے ہونے کا ارادہ کرے گا تو بھی یہ اس کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ ہمیں قطعی یقین ہے کہ وہ کھڑا نہ ہو سکے گا۔ صحیح اعضاء والے کو جب ہم بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کھڑا ہو جائے گا یا لیٹ جائے گا یا برابر بیٹھا ہی رہے گا۔ یہ سب باتیں اس کے لئے ممکن ہیں۔ لیکن بطریق لغت اجبار۔ اکراہ۔ اضطرار۔ اور غلبہ سب اسماء مترادفہ (ہم معنی) ہیں اور سب کے سب ایک ہی معنی پر واقع ہوتے ہیں۔

وقوع فعل اس شخص سے ناممکن ہے جو اسے پسند نہ کرے اور اختیار نہ کرے۔ اس کے خلاف کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص ان حرکات و اعتقادات کو جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں پسند کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے اور اسے اس کی رغبت و خواہش اس کی طرف مائل کرتی ہے تو اس پر اسم اجبار و اضطرار واقع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ مختار ہے اور اس سے جو فعل سرزد ہوا ہے وہ اس کے ارادے۔ قصد اور خواہش سے سرزد ہوا

ہے۔ اس معنی کے متعلق اس قسم کی عبارات اس لغت عربیہ میں ہیں جس میں ہم سمجھتے سمجھاتے ہیں۔

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ یہاں تم نے لفظ اضطرار کے اطلاق کرنے سے انکار کیوں کیا حالانکہ معارف میں تم نے اس کا اطلاق کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اضطرار سے حاصل ہوتے ہیں تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ان سب کو انسان میں پیدا کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دونوں امور میں کھلا ہوا فرق ہے۔ فاعل سے اپنے فعل کے ترک کا وہم کیا جا سکتا ہے اور یہ اس سے ممکن ہے۔ لیکن یہ برہان سے ثابت ہے کہ جس چیز کی اس نے معرفت حاصل کر لی ہے وہ یقیناً ایسی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا معرفت و علم سے ہٹنا وہم میں بھی نہیں آ سکتا اور نہ یہ اس سے ممکن ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ اس پر مضطر ہے نیز اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کی مدح فرمائی ہے جو یہ دعا کرے اور کہے کہ **”ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به** “(اے ہمارے رب ہم پر اس چیز کا بار نہ ڈالنا جس کی ہمیں طاقت نہ ہو)۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ لغت عربیہ میں طاقت۔ استطاعت۔ قدرت اور قوت الفاظ مترادفہ ہیں جو ایک ہی معنی پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ اس شخص کی صفت ہے جس سے فعل اپنے اختیار سے اور اس کا ترک بھی اپنے اختیار سے ممکن ہو۔ اس میں بھی شک نہیں کہ اس قوم کو جنہوں نے یہ دعا کی تھی طاعات و اعمال و اجتناب معاصی کا پابند کیا گیا تھا۔ یہاں اگر ایسی اشیاء نہ ہوتیں جن کی انہیں طاقت ہو تو یہ دعا حماقت ہوتی اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ اللہ سے اس امر کی دعا کر رہے ہیں کہ وہ انہیں ان اشیاء کی تکلیف نہ دے جن کی انہیں طاقت نہیں۔ تو ان کی دعا اس امر کی ہوتی کہ انہیں اس امر کی تکلیف نہ دیجائیے جس کی انہیں تکلیف نہیں دے گئی۔ یہ کلام محال ہے۔ اللہ تعالیٰ محال کی مدح نہیں کرتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہاں پر افعال کی طاقت موجود ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ان لوگوں کا یہ استدلال کہ چونکہ اللہ تعالیٰ فعال ہے تو واجب ہے کہ اس کے سوا کوئی فعال نہ ہو۔ چند وجوہ سے یہ قول بھی غلط ہے۔

اول تو اس لئے کہ نص وارد ہوئی ہے کہ انسان کے لئے اعمال ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے **”کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون** “(یہ لوگ اس بدکاری سے بچتے نہ تھے جس کو انہوں نے کیا۔ یہ لوگ بلا شک بہت برا کام کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فعل کو ثابت کیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ انسان کام کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے متعلق نص وارد ہوئی ہے۔ اگر نص نہ ہوتی تو ہم اس میں سے کسی شے کا بھی اطلاق نہ کرتے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **”وفاکھة مما یتخیرون** “(اور وہ میوے کہ جن میں سے وہ خود انتخاب کریں گے) یعنی اہل جنت کو ان کی پسند کے میوے ملیں گے)۔ تو ہم نے جان لیا کہ انسان کے لئے اختیار ہے۔ اس لئے کہ اہل دنیا و اہل جنت اس امر میں برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کے افعال کا خالق ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **”وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ** “(اور آپ کا رب جو چاہتا اور پسند کرتا ہے پیدا کرتا ہے ان لوگوں کو اختیار نہیں) ہم نے جانا کہ وہ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہی فعل ہے اور وہ اس کے ماسوا سے منفی ہے اور یہ اس اختیار کے مغائر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف منسوب کیا اور جس سے انہیں موصوف کیا۔ نیز ہم نے اسے از روئے حس پایا۔

وہ اختیار جس میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے وہ یہ ہے کہ وہ جو چاہے جیسا چاہے اور جب چاہے کرے۔ یہ اس کی مخلوق میں سے کسی کی صفت نہیں۔ لیکن وہ اختیار جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف منسوب کیا ہے وہ وہی ہے جو اس نے اپنی مخلوق کے اندر پیدا کیا ہے اور جو صرف کسی شے کی طرف میلان اور اس کے غیر کے مقابلے میں اسے ترجیح دینا ہے۔ بتوفیق الٰہی یہاں نہایت واضح فرق ہے کہ ناموں میں اور مشترک ہونے کی وجہ سے تشابہ نہیں واقع ہوتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم کہتے ہیں ”اللہ حیّ“ اور انسان حیّ ہے اور انسان حلیم و کریم و علیم ہے،

اور اللہ تعالیٰ حلیم وکریم وعلیم ہے‘‘ بغیر کسی اختلاف کے یہ اشتراک تشابہ کا سبب نہیں ہے اشتباہ صرف ان صفات سے واقع ہوتا ہے جو دو موصوفوں میں موجود ہیں۔

جو فعل اللہ سے واقع ہوتا ہے اور جو فعل ہم سے واقع ہوتا ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایجاد کیا ہے اور اسے جسم یا عرض یا حرکت یا سکون یا معرفہ یا ارادہ یا کراہیت بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب ہمارے اندر بغیر اپنی کسی مشقت وعمل کے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی علت کے فعل کیا ہے لیکن ہمارا جو فعل ہے وہ کسی علت سے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے اور اس کے لئے ہمارا اختیار پیدا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع حاصل کرنے یا مضرت سے بچنے کے لئے اس فعل کو بطور صفت ومحمول ہمارے اندر ظاہر کیا ہے اور خود ہم نے اسے ایجاد نہیں کیا ہے۔

جو لوگ فعل سے قبل استطاعت وقدرت کے قائل ہیں۔ ان کی سب سے قابل اعتماد حجت یہ ہے کہ کافر دو میں سے ایک امر سے خالی نہیں۔ یا تو وہ بھی ایمان پر مامور ہے (یعنی اسے بھی ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے) یا وہ اس پر مامور نہیں ہے۔ اگر تم کہو کہ وہ ایمان لانے پر مامور نہیں ہے تو یہ خالص کفر اور مخالف قرآن واجماع ہے اور اگر یہ کہو کہ وہ ایمان لانے پر مامور ہے پھر اگر وہ ایمان لانے پر مامور ہے اور یہی تمہارا قول بھی ہے تو دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ یا تو اسے اس حالت میں حکم دیا گیا ہے کہ جو حکم اسے دیا گیا ہے وہ اس کے کرنے پر قادر ومستطیع ہے۔ تو یہ ہمارا قول ہے تمہارا قول نہیں اور یا اسے اس حالت میں حکم دیا گیا ہے کہ جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف یہ منسوب کیا کہ اس نے ایسی چیز کی تکلیف دی جس کی اسے استطاعت نہیں۔ تمہیں یہ بھی لازم آتا ہے کہ تم نابینا کی دیکھنے کی تکلیف کو جائز رکھو اور اپاہج کو چلنے یا آسمان پر نمودار ہونے کی تکلیف دینے کو جائز رکھو اور یہ سب جور وظلم ہے جو اللہ تعالیٰ سے منفی ہے۔

ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب انسان جو فعل کرتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی استطاعت وقدرت سے کرتا ہے اور اس سے خالی نہیں کہ یہ استطاعت آدمی کو اسی وقت دی گئی ہو کہ فعل بھی موجود ہو۔ یا اس وقت دی گئی ہو کہ فعل موجود نہ ہو۔ اگر اسے وہ استطاعت اس وقت دی گئی ہو کہ فعل موجود ہے تو اسے اس استطاعت کی حاجت نہیں۔ کیونکہ اس سے وہ فعل تو موجود ہو گیا جس کے لئے وہ استطاعت کا محتاج تھا تا کہ وہ فعل اس استطاعت سے وجود میں آئے اور اگر اسے وہ استطاعت اس وقت دی گئی ہے کہ فعل موجود نہیں ہے تو یہ ہمارا قول ہے کہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ‘‘ (اللہ کے واسطے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جن کو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت ہو) اگر استطاعت فعل سے پہلے نہ ہوا کرتی تو حج کرنے سے پہلے کسی پر حج فرض نہ ہوتا۔ اور فرماتا ہے ’’وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين‘‘ (اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے) اور فرمایا ہے۔ ’’ ومن لم يستطع فا طعام ستين مسكينا ‘‘ (اور جو شخص اس کی استطاعت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے)۔ اگر روزے کی استطاعت روزے سے پہلے نہ ہوا کرتی تو کسی پر اس کا کفارہ واجب نہ ہوتا اور فرمایا ہے۔ ’’يحلفون بالله لو استطعنا لخرجنا معكم يهلكون انفسهم والله يعلم انهم لكاذبون‘‘ (منافقین اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم بھی جہاد میں تم لوگوں کے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ تو جانتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں) ثابت ہو گیا کہ باوجود نہ چلنے کے بھی چلنے کی استطاعت موجود تھی اور فرمایا ہے۔ ’’ فاتقوا الله ما استطعتم ‘‘ (تمہیں جہاں

تک استطاعت ہو خدا سے ڈرو) نیز ان لوگوں کو خدا کے افعال کا خالق ہونے میں بھی اعتراض ہے جس کو ہم بتوفیق الٰہی بیان کریں گے۔

والحمدلله رب العلمین۔

استطاعت کیا ہے ؟

کسی لفظ کے حکم پر کلام کرنا قبل اس کے کہ اس کے معنی کی تحقیق کی جائے اس کی مراد کو جانا جائے۔ اس سے کیا چیز تعبیر کی جاتی ہے جب تک اس کا تعین نہ ہو جائے اس کی حقیقت پر نقاب ڈالنا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم پہلے استطاعت سے آگاہ کر دیں۔ جب ہم اس پر کلام کریں گے اور اللہ کی مدد و قوت سے اس پر تقریر کریں گے تو پھر اللہ کی مدد و تائید سے یہ معلوم کرنا سہل ہو جائے گا کہ ان اقوال میں کون صواب ہے اور کون خطا۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں اور وہی ہمارا مددگار ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ استطاعت خود مستطیع ہی ہے تو یہ قول انتہائی فاسد ہے اگر اس کے قائل کو لغت عربیہ کا حقائق اسماء مسمیات کا، ماہیت جواہر و اعراض کا علم ہوتا تو وہ اس حماقت کا قائل نہ ہوتا۔ لغت تو یہ ہے کہ استطاعت اصل میں ”**استطاع یستطیع استطاعۃ**“ کا مصدر ہے اور مصدر جو ہوتا ہے وہ فاعل کا فعل وصفت ہے۔ جیسے ضرب کہ یہ ضارب کا فعل ہے اور حمرۃ (سرخی) کہ یہ احمر (سرخ) کی صفت ہے اور احمرار (سرخ ہونا) کہ محمر (یعنی سرخ) کی صفت ہے اور جو اس کے مشابہ ہوں صفت و فعل بلا شک یہ دونوں عرض ہیں جو ہمارے فاعل و موصوف میں ہوتے ہیں۔ مصادر بھی ان مسمیات کے احداث وصفات ہوتے ہیں جو ان مصادر سے نامزد کئے جاتے ہیں۔ اس پر ہر صاحب زبان کا اجماع ہے جب استطاعت اس لغت میں جس میں ہماری اور ان کی بول چال ہے ایک صفت ہے جو مستطیع میں ہوتی ہے پھر بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ صفت اور چیز ہے موصوف اور چیز ہے۔ صفات تو موصوف پر یکے بعد دیگرے آتی جاتی رہتی ہیں۔ ایک صفت جاتی ہے اور دوسرے آجاتی ہے اگر صفت ہی موصوف ہوتی تو ان صفات میں سے جو گذر جانے والی ہے وہی وہ موصوف ہوتی جو باقی موجود ہے اس کے سوا کوئی اور صورت قطعاً ناممکن ہوتی۔ اس میں خشک نہیں کہ جو ماضی (یعنی گذر جانے والی ہے)وہ باقی (یعنی موجود) کے مغائر ہے۔ لہٰذا صفات بھی اپنے موصوف کے مغائر ہوئیں اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ محال و بدحواسی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ استطاعت نہ ”استطاعت“ کا مصدر ہے اور نہ مستطیع کی صفت تو انہوں نے مکابرہ کیا (یعنی بداہت کی مخالفت کی) اور ایک نیا لغت لائے جو اس لغت کے خلاف ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور جس میں یہ لفظ استطاعت ہے جس میں ہمارا منازعہ ہے۔ یہ استطاعت اسی لغت کا ایک کلمہ ہے۔ جو شخص الفاظ لغویہ کو ان کی وضع لغوی سے بغیر کسی نص کے یا بغیر اہل شریعت کے اجماع کے بدل دے تو وہ اہل عقل و حیاء کے حکم سے جدا ہو گیا ہے اور ایسے مرتبے میں ہے کہ اس کے ساتھ کلام نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کہنے سے کوئی بھی عاجز نہیں کہ ”صلوٰۃ (نماز)“ سے وہ چیز مراد نہیں جو تم لوگ اس لفظ سے مراد لیتے ہو اور یہ تو فلاں کام ہے اور پانی ہی شراب ہے اس میں تمام حقائق کا بطلان ہے۔

ہم ایک آدمی کو مستطیع پاتے ہیں پھر اسے فالج کی وجہ سے جو اس کے اعضاء میں عارض ہو جاتا ہے یا اس کی مشکیں کس دینے اور گرفتاری کی وجہ سے یا اس کی بیہوشی و غشی کی وجہ سے ہم اسے غیر مستطیع پاتے ہیں حالانکہ وہ بعینہ قائم ہوتا ہے اور اس میں سے کچھ کم نہیں ہوتا لہٰذا

بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ وہ استطاعت جو معدوم ہو گئی وہ اس مستطیع کے مغائر ہے جو موجود ہے اور وہ معدوم نہیں ہوا ہے یہ وہ امر ہے جو مشاہدے و حواس سے معلوم ہوتا ہے اسی سے ہم نے یقین کیا کہ استطاعت بھی ایک عرض ہے جو اشد و اضعف (یعنی کمی بیشی) کو قبول کرتی ہے ہم کہتے ہیں کہ ایک استطاعت ایک استطاعت سے اشد (زیادہ) ہے اور ایک استطاعت ایک استطاعت سے اضعف (یعنی کم) ہے۔

استطاعت کی ضد بھی ہے اور وہ عجز ہے اضداد جو ہوتی ہیں وہ اعراض ہوتی ہیں جو بُعد کے طرفین میں منقسم ہوتی ہیں مثلاً سبزی و سفیدی۔ علم و جہل۔ یاد و فراموشی اور جو اسی کے مشابہ ہو یہ وہ امر ہے جو مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے اور جس کا سوائے نابینائے قلب و حواس کے یا معاند و مکابر (مخالف) بداہت کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مستطیع جوہر ہے اور جوہر کی کوئی ضد نہیں ہوتی۔ لہذا ابداہۃً ثابت ہو گیا کہ بلا شک استطاعت مستطیع کے مغائر ہے۔

اگر استطاعت ہی مستطیع ہوتی تو عجز بھی عاجز ہی ہوتا اور عاجز وہ ہے جو کل مستطیع تھا لہذا اس پر لازم آئے گا کہ عجز ہی مستطیع ہے۔ اگروہ لوگ اسی پر اڑے رہے تو انہیں یہ بھی لازم آئے گا کہ کسی امر سے عاجز ہونا ہی اس امر کی استطاعت ہے اور یہ کھلا ہوا محال ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ عجز مستطیع کے مغایر ہے اور وہ ایک آفت ہے جو مستطیع پر آ گئی ہے تو ان سے وہ فرق دریافت کیا جائے گا جس کی وجہ سے انہوں نے یہ کہا ہے کہ استطاعت ہی مستطیع ہے اور عجز کے عاجز ہونے منع کیا ہے۔ اس میں کسی فرق کے وجود کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی کلام سے بالکل مساوی طور پر ان کا قول بھی باطل ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ استطاعت بعض مستطیع ہے۔ اسلئے کہ عرض جسم کے لئے بعض نہیں ہوتی۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ استطاعت وہی چیز ہے جس کے ذریعے سے فعل تک رسائی حاصل کی جائے مثلاً سوئی۔ ڈول۔ رسی۔ اور جو اس کے مشابہ ہو۔ یہ قول بھی فاسد ہے جس کو مشاہدہ باطل کرتا ہے اس لئے کہ کبھی یہ آلات پائے جاتے ہیں اور اعضاء کی صحت معدوم ہوتی ہے تو فعل ناممکن ہوتا ہے اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ کبھی یہ آلات معدوم ہوتے ہیں اور اعضاء کی صحت موجود ہوتی ہے اور فعل ناممکن ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں تم نے سچ کہا۔ ان آلات کے وجود سے فعل پورا ہوتا ہے مگر لفظ استطاعت کہ جس کے معنی میں نزاع ہے یہ وہ لفظ ہے جو اس لغت میں جس میں ہم باہم سمجھتے سمجھاتے ہیں اور اپنی مراد کو تعبیر کرتے ہیں وہ اس عرض پر وضع کیا گیا ہے جو مستطیع کے اندر ہوتی ہے یہ کسی کو حق نہیں کہ وہ بغیر نص یا اجماع کے محض اپنی رائے سے اس لفظ کو اس معنی سے بدل دے جو لغت میں اس کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو تمام حقائق باطل ہو جاتے اور باہم سمجھنا سمجھانا کبھی درست نہ ہوتا۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس لغت میں جس میں باہم سمجھتے سمجھاتے ہیں لفظ استطاعت ہرگز رسی یا سوئی یا مہمیز پر واقع نہیں ہوا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ آئمہ زبان مثلاً ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ استطاعت (حج) زاد (توشہ) و راحلہ (سواری) ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ ہاں یہ ثابت ہے اور کسی کو بھی جس کو لغت کی فہم ہے اس میں اختلاف نہیں کہ ان دونوں حضرات نے اس سے زاد و راحلہ مہیا کرنے کی قوت مراد لی ہے۔ برہان یہ ہے کہ زاد و راحلہ عالم میں بکثرت موجود ہے۔ ان دونوں حضرات کی مراد یہ نہیں ہے کہ ان اشیاء کا عالم میں ہونا ان کے نزدیک اس شخص پر بھی فرض حج کا موجب ہو گا جو ان اشیاء کو نہ پائے۔ لہذا ابداہۃ ثابت ہو گیا کہ اس سے ان حضرات کی مراد وہ قوت ہے جس سے زاد و راحلہ مہیا ہو سکے۔ اس کی قوت جو ہے وہ عرض ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہی کلام ہو گا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بیان کریں گے کہ ”واعدوا لهم ما ستطعتم من قوة و من رباط الخيل تر

هبون به عدو الله و عدو کم" (اور جہاں تک تمہیں استطاعت ہو تم کفار کے لئے قوت اور سواروں کے لشکر تیار کرو جو دشمن کی سرحد پر جمے رہیں جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف دلاؤ)۔ اس لئے کہ یہ ہمارے قول کی نص ہے کہ قوت بھی عرض ہے اور رباط خیل (لشکروں کا دشمن کی سرحد پر پابندی ساتھ رکھنا) بھی عرض ہے لہذا یہ قول بھی ساقط ہو گیا۔ **والحمدلله رب العلمین**۔

جب یہ تمام اقوال ساقط ہو گئے اور یہ ثابت ہو گیا کہ استطاعت بھی عرض ہے تو ہم پر ان اعراض کی معرفت و شناخت واجب ہوئی ہم نے اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے اس میں نظر ڈالی تو ہم نے بداہۃ یہ پایا کہ فعل اختیار و ارادے سے صرف اسی شخص سے واقع ہوتا ہے جس کے وہ اعضاء صحیح ہوں جن سے یہ فعل واقع ہو لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ سلامت اعضاء و ارتفاع موانع استطاعت ہے۔ ہم نے صحیح اعضاء والے کو دیکھا کہ وہ کوئی فعل اختیار سے نہیں کرتا تاوقتیکہ اس کے ساتھ ارادہ فعل کا اضافہ نہ کرے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ارادہ بھی استطاعت کا محرک ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ارادہ استطاعت ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ شخص جو حرکت سے عاجز ہے وہ اس کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ اسے (حرکت کی) استطاعت نہیں ہوئی۔

یہ بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ جو فعل سے عاجز ہوتا ہے اس میں فعل کی استطاعت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہ دونوں ضدیں ہیں اور ضدیں کبھی ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ ارادہ بعض استطاعت ہو۔ اس لئے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ ارادہ کرنیوالے عاجز میں کچھ استطاعت ہے اس لئے کہ بعض استطاعت بھی استطاعت ہے اور بعض عجز بھی عجز ہے اور یہ قطعاً محال ہے کہ وہ شخص جو کسی فعل سے عاجز ہے اس میں اسی کی استطاعت ہو لہذا استطاعت عجز نہیں ہے جس شخص کو کسی شے کی استطاعت ہے اور وہ اسی کے اکثر حصے سے عاجز ہے تو اس میں اسی کی استطاعت ہے جس پر اسے وہ استطاعت ہے کہ اس استطاعت کے مغایر ہے جو اس شخص کے اندر اس شے پر ہے جس پر اسے استطاعت ہے۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق**۔

ہم نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ جس کے اعضاء سالم ہیں اور وہ فعل کا ارادہ کرتا ہے کبھی اسکے فعل کے لئے کوئی مانع پیش آ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ قطعاً فعل پر قادر نہیں ہوتا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں ایک اور چیز بھی ہے جس سے استطاعت مکمل و تام ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے فعل پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شے چونکہ یہی استطاعت کی تکمیل ہے اور اس کے بغیر استطاعت ہی ثابت نہیں ہوتی وہ یقیناً ایک قوت ہے چونکہ استطاعت بھی قوت ہے تو معلوم ہوا کہ یہ وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے لائی گئی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام قوتوں کا عطا کرنے والا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کے لئے ممکن نہیں۔ لہذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ استطاعت۔ اعضا کی صحت و سلامت ہے اور موانع کا معدوم ہونا ہے یہ دونوں وجوہ فعل سے پہلے ہوتی ہیں ایک دوسری قوت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے یہ وجوہ فعل کے ساتھ ہوتی ہے جن دو وجوہ کے جمع ہونے کے سبب سے فعل ہوتا ہے۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق**۔

اس قول کی صحت پر برہان یہ ہے کہ تمام امت اجماع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا کرتی ہے اور خذلان (یعنی بے یار و مددگار چھوڑ دینے) سے پناہ مانگتی ہے۔ وہ قوت جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے پر نازل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ خیر کرتا ہے اس کا نام توفیق اور عصمت و تائید ہے۔

وہ قوت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے اور بندہ اس کے ذریعے سے شر کرتا ہے بالاجماع اس کا نام خذلان (ترک نصرت) ہے۔

وہ قوت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے اور بندہ اس کے ذریعے سے وہ فعل کرتا ہے جو نہ معصیت ہے۔ نہ طاعت اس کا نام عون (مدد) یا حول (گناہ سے باز رہنے کی طاقت) یا قوت ہے۔ اسی کی صحت سے مسلمانوں کے اس قول کی صحت واضح ہوتی ہے "**لا حول ولاقوۃ الا باللہ**" (بغیر اللہ کے نہ گناہ سے باز رہنے کی طاقت ہے اور نہ قوت نیک کام کرنے کی)۔

یہ قطعی ویقینی ہے کہ جو شخص کوئی فعل کرتا ہے وہ قوت ہی کی وجہ سے کرتا ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ "**لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**" اسی طرح اس کا نام تیسیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "**کل میسر لماخلق لہ**" (ہر ایک وہ شے سہل کر دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے) اس امر میں تمام معتزلہ نے ہم سے اتفاق کیا ہے کہ استطاعت اللہ کا فعل ہے۔ جو شخص کوئی خیر یا شر کرتا ہے وہ اسی قوت سے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے۔ سوائے اسکے کہ ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس قوت سے خیر وشر کا ساتھ ساتھ اتفاق ہوتا ہے۔

اجمالی بیان یہ ہے کہ اخبار کے عناصر واصول تین ہیں۔ (۱) ممتنع (۲) یا واجب (۳) یا ان دونوں کے درمیان ممکن ہیں۔ یہ امر ضرورت حس وتمیز سے ثابت ہے۔ جب حال یہ ہے کہ تو جب اعضاء وجوارح کی صحت معدوم ہوگی تو اس شخص کے لئے فعل تک پہنچے کے لئے ایک مانع ہوگیا لیکن جس کے اعضاء وجوارح صحیح ہیں اور موانع مرتفع ومعدوم ہیں تو کبھی اس سے فعل سرزد ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ یہی وہ استطاعت ہے جو فعل سے پہلے موجود ہوتی ہے برہان اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے چند کہنے والوں کی حکایت کے طور پر بیان کیا ہے کہ "**لو استطعنا لخرجنا معکم یھلکون انفسھم واللہ یعلم انھم لکاذبون**" (اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم ضرورت تمہارے ساتھ (جہاد میں) چلتے۔ یہ لوگ اپنے کو آپ ہی ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جہاد میں نکلنے سے پہلے ہی نکلنے کی استطاعت کے انکار میں انہیں جھوٹا قرار دیا ہے اور ارشاد ہے "**واللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا**" لوگوں پر اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے جسے راہ حج کی استطاع ہو)۔ اس جگہ اگر آدمی کے فعل حج سے پہلے استطاعت نہ ہوتی محض حج کرنے ہی سے حج لازم ہوتا اور ترک حج سے کوئی عاصی وگناہگار نہ ہوتا۔ اس لئے کہ جب وہ تاوقتیکہ حج نہ کرلے حج کی استطاعت ہی نہیں رکھتا تو اس پر حج ہی فرض نہیں اور نہ اسے حج کے لئے خطاب کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا**" (پھر جو شخص (غلام آزاد کرنے کو نہ) پائے تو (ظہار یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کا کفارہ) مسلسل دو مہینے کے روزے ہیں۔ پھر جس کو اس کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)۔ اپنے قول سے رجوع کرنے والے مظاہر (یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے والے) کو اگر روزہ رکھنے سے پہلے روزے پر استطاعت نہ ہوتی تو ہرگز اسے خطاب نہ کیا جاتا کہ جب وہ غلام نہ پائے تو اس پر روزہ واجب ہے اور غلام نہ ہونے پر صرف کھانا ہی کھلانے کا اسے حکم ہوتا اور یہ باطل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے یہ فرمانا جنہوں نے آپ سے بیعت کی تھی کہ جسے (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی) استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور جسے (بیٹھ کر پڑھنے کی بھی) استطاعت نہ ہو تو وہ لیٹ کر پڑھے۔ یہ اجماع یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر لوگ قیام سے پہلے قیام کی استطاعت نہ رکھتے تو ہرگز کسی کو نماز پڑھنے سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم نہ ہوتا۔ اگر وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر پڑھتا تو ہر وجہ سے معذور سمجھا جاتا۔ اسلئے کہ جب اس نے اسی طرح نماز پڑھی تو وہ قیام کا مستطیع نہ ہوا اور یہ بھی باطل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”**اذا امر تک بشیی فا توا بہ ما استطعم**“ (جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تمہیں استطاعت ہو اسے بجالاؤ) یہاں اگر ہمیں اس شے کی استطاعت نہ ہوتی جس کے کرنے کا آپ نے ہمیں حکم تو ہم نے جو چیز نہیں کی اسمیں سے ہمیں کوئی شے بھی لازم نہ ہوتی۔ ترک سے ہم گناہگار بھی نہ ہوتے اس لئے کہ از روئے نص ہم صرف اسی چیز کے مکلّف ہیں جس کی ہمیں استطاعت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ”**تستطیع ان تصوم شھرین**“ (کیا تمہیں استطاعت ہے کہ تم دو مہینے روزے رکھو؟) (یعنی یہ سوال آپ نے ان صحابی سے کیا تھا جنہوں نے ظہار کیا تھا) اگر کسی کو بغیر روزہ رکھے روزے کی استطاعت نہ ہوتی تو آپ کا ان سے یہ سوال ہی محال ہوتا۔ آپؐ اس سے برتر ہیں (کہ خلاف عقل و محال بات کسی سے دریافت فرمائیں)

جس چیز سے اس کی صحت اور مذکورہ بالا آیات و احادث میں استطاعت سے مراد صرف جوارح و اعضاء کی صحت و ارتفاع موانع ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”**ویدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعۃ ابصارھم ترھقھم ذلۃ و قد کانوا یدعون الی السجود وھم سالمون**“ (اور قیامت میں کفار کو سجدہ کرنے کی دعوت دیجائیگی مگر انہیں استطاعت نہ ہوگی) ان کی نظریں نیچی ہوں گی ذلت انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں (دنیا میں) سجدے کی دعوت دیجاتی تھی حالانکہ وہ صحیح و سالم تھے (مگر اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے تھے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرما دی کہ سلامت نہ ہونے میں استطاعت کا بطلان ہو جاتا ہے اور سلامت کا وجود اس (یعنی استطاعت) کے خلاف و مغائر ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ سلامت اعضا جوارح استطاعت ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ سلامت و جوارح ہی وہ چیز ہے جس سے فعل ضد فعل و ترک عمل طاعت و معصیت سرزد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ سب صحت جوارح سے ہوتے ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ سلامت جوارح عرض ہے اور عرض دو وقتوں میں باقی نہیں رہتی۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ اس دعوے پر کوئی برہان نہیں ہے آیات مذکورہ اس دعوے کی باطل کرنے والی اور اس امر کو واجب کرنے والی ہیں کہ یہ استطاعت جو سلامت جوارح و ارتفاع موانع ہے فعل سے قبل موجود ہوتی ہے اگر ایسا ہوتا جو تم نے بیان کیا تو اس میں اس کا جواب نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا۔

ہم نے یہ بھی معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ”**کانوا لا یستطیعون سمعا**“ (اور ان لوگوں کو سننے کی استطاعت نہ تھی) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے خضرؑ کے کلام کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ **انک لن تستطیع معی صبرا**“ (اے موسیٰؑ آپ کو میرے ساتھ ہرگز صبر کی استطاعت نہ ہوگی) اور فرمایا **ذلک تاویل مالم تستطع علیہ صبراً** (اس کی تاویل یہ ہے کہ جس پر آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوئی) ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تعارض و اختلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا**“ (اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے) ہمیں یقین ہے کہ وہ استطاعت جسے اللہ تعالیٰ نے فعل سے قبل ثابت کیا ہے وہ اس استطاعت کے مغایر ہے جس کی اس نے فعل کے ساتھ نفی کی ہے اس کے علاوہ قطعاً ناممکن ہے۔

جب یہ اس طرح ہے کہ استطاعت قبل فعل اور ہے اور استطاعت مع الفعل اور۔ تو استطاعت جیسا کہ ہم نے کہا دو چیزیں ہیں ایک تو ان میں سے قبل فعل ہے اور وہ سلامت جوارح و ارتفاع موانع ہے اور دوسری فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور وہ وہی قوت ہے جو اللہ تعالیٰ کی

جانب سے بذریعہ عون وخذلان وارد ہوتی ہے یہی اللہ تعالیٰ کا اس شخص کے اندر فعل کا پیدا کرنا ہے جس سے وہ فعل ظاہر ہوا ہے۔ اسی لئے کہ اس سے یہ فعل ظاہر ہوا اس کا نام فاعل رکھ دیا گیا۔ کیونکہ اس کے سوا قطعاً کسی اور معنی کے وجود کا امکان نہیں ہے۔ اس استطاعت کے بارے میں حقیقت کلام یہی ہے جس کو نصوص قرآن واحادیث اور جماعت وضرورت حس وبداہت عقل لائی ہے۔ اسی تقسیم کے مطابق ہم نے اس باب میں کلام کو بیان کیا ہے۔

جب ہم فعل سے پہلے وجود استطاعت کی نفی کرتے ہیں تو اس سے وہی استطاعت مراد لیتے ہیں جس سے فعل واقع ہوتا ہے اور ضروری طور پر اس کا وجود ہو جاتا ہے اور وہ فاعل کے اندر اللہ تعالیٰ کا فعل کو پیدا کرنا ہے جب ہم فعل سے پہلے وجود استطاعت کو ثابت کرتے ہیں تو ہم اس سے وہی صحت جوارح وارتفاع موانع مراد لیتے ہیں جس سے فعل ممکن ومتوہم ہو جاتا ہے اور ضروری نہیں ہوتا اور نہ غیر ممکن ہوتا ہے اور اسی استطاعت سے انسان مخاطب۔ مکلّف۔ مامور ومنہی ہوتا ہے اور ان دونوں کے معدوم ہونے سے اس سے خطاب وتکلیف ساقط ہو جاتے ہیں اور اس سے فعل ناممکن ہو جاتا ہے اور وہ فعل سے عاجز ہوتا ہے۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ جبکہ یہ واضح ہو گیا کہ استطاعت کیا چیز ہے تو ہم اللہ کی مدد سے معتزلہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں جو پوری استطاعت کو قبل فعل واجب کرنے والا ہے۔ چنانچہ بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہمیں یہ بتاؤ کہ جو کافر ایمان لانے پر مامور ہے تو آیا وہ ایسی چیز پر مامور ہے جس کی اسے استطاعت نہیں ہے یا ایسی چیز پر کہ جس کی اسے استطاعت ہے چنانچہ بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ صحت جوارح وارتفاع موانع استطاعت ہے اور جو اس صفت کا حامل ہے وہ اپنے ظاہر حال کے اعتبار سے اور اس وجہ وصورت سے مستطیع ہے اور اس وقت تک غیر مستطیع ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں وہ چیز نہ کرے جس سے اس کی استطاعت کی تکمیل اور فعل کا وجود ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک وجہ سے مستطیع ہے اور دوسری وجہ سے غیر مستطیع ہے اور یہ باوجود اس کے کہ یہی نص قرآن بھی ہے جیسا کہ ہم نے وارد کیا ہے یہ مشاہدے میں بھی ہے مثلاً کسی بلند عمارت کا تعمیر کرنیوالا کہ وہ اپنے ظاہر حال اور فن تعمیر کی واقفیت کی وجہ سے مستطیع ہے اور ان آلات کی وجہ کہ جن کے بغیر عمارت کا وجود نہیں ہو سکتا وہ غیر مستطیع اور ایسا ہی تمام اعمال میں ہے اور نیز کبھی ایک آدمی ایک وجہ میں اللہ تعالیٰ کا عاصی ونافرمان ہوتا ہے۔ اور دوسری وجہ میں اس کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے۔ اللہ کا مومن ہوتا ہے طاغوت وبت کا کفر ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ یہ کہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کی تکلیف دینے کو منسوب کر دیا جس کی طرف استطاعت نہ ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ باطل ہے۔ ہم نے تو اس کی طرف وہی منسوب کیا ہے جس کی اپنے متعلق اس نے خود خبر دی ہے کہ وہ ہر شخص کو اسی کی تکلیف دیتا ہے جس کی سلامت جوارح کے سبب سے اسے استطاعت ہو اور کبھی وہ اسے اس چیز کی بھی تکلیف دیتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علم میں اسے استطاعت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ استطاعت کہ جس کے سبب سے فعل ہوتا ہے ابتک اس میں نہیں ہے۔ یہ ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ پر (استطاعت) کی دونوں قسموں میں سے بغیر دوسری قسم کے کسی ایک قسم کا اطلاق کیا جائے۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ یہ ایسا ہے جیسا اپاہج کو چلنے کی تکلیف دینا یا نابینا کو دیکھنے کی تکلیف دینا اور رنگوں کے سمجھنے کی تکلیف دینا یا آسمان پر اٹھ جانے کی تکلیف دینا۔ کیونکہ یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں استطاعت کی دونوں قسموں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا انہیں تو قطعاً استطاعت ہی نہیں۔ لیکن جس کے جوارح صحیح ہیں اس میں استطاعت کی ایک قسم موجود ہے اور وہ سلامت اعضاء ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اس قول سے اطمینان نہ دلایا ہوتا کہ ''ما جعل علیکم فی الدین من حرج'' (اس نے دین میں

کوئی تنگی تم پر مقرر نہیں کی) تو ہرگز ناپسندیدہ نہ ہوتا اگر وہ نابینا کو رنگ پہچاننے کی اور اپاہج کو چلنے کی اور آسمان پر نمودار ہونے کی تکلیف دیتا۔ پھر ان امور کے نہ ہونے پر ان لوگوں کو عذاب دیتا۔ اللہ تعالیٰ کو تو حق ہے کہ جس کو چاہے بغیر تکلیف کے بھی عذاب دے اور جس کو چاہے بغیر تکلیف کے انعام دے۔ جیسا کہ اس نے جس کو چاہا عقل عطا فرمائی اور جمادات پتھر اور بقیہ حیوانات کو اس سے محروم کر دیا۔ عیسیٰ بن مریم کو گہوارے میں ولادت کے وقت ہی نبی بنا دیا اور فرعون کے قلب پر گرہ لگا دی کہ وہ ایمان نہ لایا۔ وہ فرماتا ہے ”**لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون**“ (وہ کچھ کرے اس کے متعلق اس سے دریافت نہیں کیا جا سکتا اور ان لوگوں سے باز پرس کی جائے گی)۔ یہ ابتدائے عقل میں بھی نہ حُسن ہے اور نہ قبیح لعینہٖ ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ جب انسان کو استطاعت دے دی گئی تو وہ وجود فعل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر وہ (استطاعت) وجود فعل سے پہلے ہے تو معتزلہ کہتے ہیں یہی ہمارا قول ہے۔ اگر وجود فعل کے وقت ہے تو ہمیں اس کی حاجت ہی نہیں ہے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کی استطاعت تو قبل فعل ہوتی ہے اور وہ سلامت جوارح وارتفاع موانع ہے۔ دوسری قسم کی استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ فاعل کے اندر اللہ تعالیٰ کا فعل کو پیدا کرنا ہے اگر یہ دونوں استطاعتیں نہ ہوں تو فعل واقع نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر استطاعت فعل سے قبل اور فعل کے ساتھ ہی نہ ہوا کرتی جیسا کہ ابوالہذیل کا دعویٰ ہے تو فاعل جب فعل کرتا تو وہ معدوم الاستطاعۃ ہوتا اور وہ ایسے فعل کا فاعل ہوتا کہ جس وقت وہ اس فعل کو کرتا اسے اس کی استطاعت نہ ہوتی اور جب اسے اس پر استطاعت نہ ہوتی تو وہ اس سے عاجز ہوتا اور وہ ساتھ ہی ساتھ فاعل بھی ہوتا اور جو فعل کرتا اس سے عاجز بھی ہوتا اور یہ تناقض اور کھلا ہوا محال ہے۔

ان لوگوں کے اور بھی بوسیدہ الزامات ہیں جو بالکل مساوی طور پر انہیں بھی لازم ہیں جس طرح یہ غیروں کو الزام دیتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہنا کہ جب آگ نے لکڑی کو جلایا تو آیا اس نے اسے اس کی سلامت کے حال میں جلایا یا اس حال میں جلایا کہ وہ جلنے والی تھی۔ اگر اسے اس کی سلامت کے حال میں جلایا تو وہ اس وقت جلانے والی اور نہ جلانے والی ہوئی اور اگر اسے اس حال میں جلایا کہ وہ جلی ہوئی تھی تو وہ کون سا فعل ہے جو آگ نے اس میں کیا۔

اسی طرح ان کا یہ سوال کہ جب آدمی نے لکڑی توڑ دی تو آیا اس نے اسے اس وقت توڑا ہے جب وہ درست تھی۔ تب تو وہ ٹوٹی اور درست ہوئی۔ یا اسے اس وقت توڑا ہے کہ ٹوٹی ہوئی تھی تو وہ کیا چیز ہے جو اس نے اس میں پیدا کی۔

اسی طرح ان کا یہ سوال کہ جب آدمی نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو آیا اسے اس کی غلامی کی حالت میں آزاد کیا۔ تب تو وہ آزاد بھی ہے اور غلام بھی۔ یا اسے اس کی آزادی کی حالت میں آزاد کیا ہے۔ تو پھر اس کے اسے آزاد کرنے کے کیا معنی ہوئے۔

جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو آیا اسے اس نے اس وقت طلاق دی کہ جب وہ غیر مطلقہ ہے؟ تو وہ ساتھ ہی ساتھ مطلقہ بھی ہے اور غیر مطلقہ بھی۔ یا اس نے اسے اس وقت طلاق دی جب وہ مطلقہ تھی تو پھر وہ کیا چیز ہے جس میں اس کی طلاق نے اثر کیا۔ مرد جب مرا تو آیا وہ اپنی حیات میں مرا یا وہ مردہ تھا اور اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں۔

یہ سب سفسطہ اور فریب آمیز ہیں ان میں حق یہ ہے کہ آگ کا ان اجزاء کو متفرق کرنا جن میں اس نے عمل کیا ہے اسی کا نام احراق (جلانا) ہے اور اس کے سوا احراق کوئی اور چیز نہیں ہے۔ مگر ان کا یہ کہنا کہ آیا اس نے اس حال میں جلایا کہ وہ جلانے والی نہ تھی، یہ فریب و

بدحواسی ہے۔ اس لئے کہ اس میں اسکا ایہام ہے کہ احراق غیر احراق ہے اور یہ بیہودگی ہے۔

اسی طرح لکڑی کا توڑنا بھی اس کو درستی کے حال سے نکال دینا ہے اور یہی توڑنا ہے جو اس وقت لکڑی کا حال ہے۔

اسی طرح غلام کا غلامی سے اس کی آزادی کی طرف نکالنا۔ یہی اس کا آزاد کرنا ہے اور کوئی شے زائد نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی دوسرا حال نہیں ہے۔

اسی طرح عورت کا زوجیت سے طلاق کی طرف نکلنا ہی اس کا مطلقہ کرنا ہے۔

اسی طرح جسد کے لئے روح کا فراق ہی موت دینا اور موت ہے اور کوئی امر مزید نہیں ہے اور نہ اس جگہ کوئی دوسرا حال ہے کہ فعل اس میں واقع ہوا ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

مکمل استطاعت فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے، قبل فعل نہیں ہوتی

جو یہ کہتا ہے کہ پوری استطاعت فعل کے قبل ہی ہوتی ہے اور وہ فعل سے پہلے مکمل ہوتی ہے اور فعل کے ساتھ بھی ہوتی ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ آیا کافر ایمان لانے سے پہلے اپنے کفر کی حالت میں ایمان لانے پر پورے طور پر قادر ہے یا نہیں۔ تارک صلوٰۃ آیا ترک صلوٰۃ کی حالت میں پورے طور پر صلوٰۃ پر قادر ہے یا نہیں۔ آیا زانی حالت زنا میں ترک زنا پر اس طور پر کہ اس سے قطعاً زنا سرزد نہ ہو قادر ہے یا نہیں۔

اجمال یہ ہے کہ تمام اوامر میں یا تو حرکت کا امر ہے، یا سکون کا امر ہے، یا اعتقاد میں کسی شے کے ثابت کرنے کا امر ہے یا اعتقاد میں کسی شے کے باطل کرنے کا امر ہے۔ ان سب کا جامع فعل یا ترک ہے۔ لہٰذا اب ہمیں بتاؤ کہ وہ ساکن جس کو حرکت کا امر ہے آیا حالت سکون میں حرکت پر قادر ہے یا نہیں۔ یا وہ متحرک جس کو سکون کا امر ہے حالت حرکت میں سکون پر قادر ہے یا نہیں۔ جو شخص کسی شے کے ابطال کا معتقد ہے حالانکہ اسے اپنے اعتقاد میں اسکے اثبات کا امر ہے تو آیا وہ اپنے عقیدہ ابطال کی حالت میں اس شے کے عقیدہ اثبات پر قادر ہے یا نہیں۔ جو شخص کسی شے کے اثبات کا معتقد ہے حالانکہ اسے اپنے اعتقاد میں اسکے ابطال کا امر ہے تو آیا اپنے عقیدہ اثبات شے کی حالت میں اسکے عقیدہ ابطال پر قادر ہے یا نہیں۔ جو شخص کسی شے کے ترک پر مامور ہے اور وہ اسی کا فاعل ہے جس کے ترک کا اسے امر ہے تو آیا وہ حالت فعل میں اسے ترک پر قادر ہے تا کہ وہ ساتھ ساتھ ایک ہی شے کا فاعل اور اسی شے کا تارک ہو جائے یا نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ ہاں اس پر قادر ہے تو یہ انکا مکابرے اور مشاہدے اور عقل و حس کی مخالفت ہے۔ انہوں نے ہر طاعت کو جائز رکھا ہے کہ آدمی کا ساتھ ہی ساتھ بیٹھنا اور کھڑا ہونا اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کا مومن ہونا اور اس کا کافر ہونا اور جو محال و ممتنع ہو سکتا ہے اس میں یہ سب

سے بڑھ کر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ پوری قدرت نہیں رکھتا جس کی وجہ سے وہ ایک شے کا فاعل ہو اور وہی اس کے خلاف کا فاعل ہو۔ تو حق کہا اور انہوں نے اسی طرف رجوع کر لیا کہ کوئی شخص استطاعت تامہ نہیں رکھتا کہ جس سے فعل واقع ہوتا ہے۔ سوائے اسکے کہ تاوقتیکہ وہ اسے نہ کرے۔ اس مقام پر جواب جو ان لوگوں نے دیا ہے وہ ایہام واستتار اور روح کی مدافعت ہے۔ اس لئے کہ یہ الزام بدیہی وضروری ویقینی وحسی ہے جس سے مفر نہیں۔ **و باللہ تعالیٰ التو فیق۔**

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ ہم اس کے قائل نہیں کہ کوئی اس پر قادر ہے کہ وہ دو متضاد افعال کو ساتھ ساتھ جمع کر سکے۔ ہم تو اس کے قائل ہیں کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ جس فعل میں ہے اسے ترک کر دے اور وہ فعل کرے جس کا اُسے حکم دیا گیا ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ یہی تو وہ چیز ہے جو ہم تم سے چاہتے تھے۔ وہ یہی ہے کہ وہ قدرت تامہ واستطاعت تامہ کسی فعل پر نہیں رکھتا جب تک کہ وہ ایسے فعل کا فاعل ہے جو اسے اس سے روکے۔ جب اس نے ان سب کو ترک کر دیا اور اسے شروع کر دیا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو اس وقت اس کی قدرت واستطاعت تام ومکمل ہو گئی۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس سے انہوں نے اپنے سوال میں ہمیں فریب دیا تھا کہ آیا اللہ تعالیٰ نے بندے کو اس چیز کا حکم دیا تھا جس پر اسے اس کے کرنے سے پہلے استطاعت ہے یا اس چیز کا حکم دیا تھا جس پر اسے اس وقت تک استطاعت نہیں تاوقتیکہ وہ اسے نہ کرے۔ یہ انہیں کو لازم ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کو برا بتایا تھا۔ بہت بڑی بات کہی تھی اور اس کا انکار کیا تھا۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہم اس کو صحیح الزام مانتے ہیں۔ اس کی قباحت انہیں پر عائد ہوتی ہے جو کسی شے کی تصحیح کرتا ہے اسی پر وہ لازم ہوتی ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التو فیق۔**

اس مسئلے میں عبداللہ بن احمد الکعبی البلخی نے جو معتزلہ کے بڑے روساء میں ہے جواب دیا ہے کہ ہم لوگ اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ساکن کے متحرک کرنے اور متحرک کے ساکن کرنے پر قادر ہے اور اسے اس کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ کسی کو ساتھ ہی ساتھ ساکن ومتحرک کر دے۔

اس جاہل ملحد نے اللہ تعالیٰ کے موصوف کرنے کے بارے میں جو کچھ کہا ہے ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ایک ہی شے کو ایک ہی وقت میں ایک ہی وجہ سے ساتھ ہی ساتھ ساکن ومتحرک کر دے بلخی کے اس کلام سے اس پر الزام آتا ہے جس نے اس کا الزام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محال پر قادر ہونے کی ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اسے اس پر قادر ہونے کے ساتھ کیوں نہ موصوف کیا جائے گا آیا اس لئے کہ اسے اس پر قدرت ہے اور اسے اس کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔ یا اس لئے کہ اسے اس پر قدرت نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اس سے مفر نہیں۔ یہ وہ گروہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود ومتناہی کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے یقین کر لیا ہے کہ وہ کسی شے پر قادر نہیں ہے ہوتا تاوقتیکہ وہ اسے نہ کرے اور یہ خالص کفر ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان۔**

معتزلہ سے بھی کہا جائے گا کہ تم بھی ہمارے ساتھ اس امر کا اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر اس شے کا علیم ہے جو ہونے والی ہے کہ وہ اسی طرح ہو گی جس طرح وہ اب ہے جبکہ وہ ہو گئی۔ اور ازل سے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص فلاں عورت سے فلاں وقت جماع کرے گا پھر وہ عورت اس مرد سے ایک بچے کی حاملہ ہو جائے گی جس کو اللہ تعالیٰ انہیں دونوں کی اس منی سے پیدا کرے گا جو اس شخص کے اس عورت سے جماع کے وقت انہیں دونوں سے نکلے گی۔ وہ اسی برس زندہ رہے گا مالک ہو گا، یہ کرے گا اور یہ یہ کام اس کے ہوں گے۔ جب تم

نے یہ کہا کہ یہ شخص اس پر قدرت تامہ رکھتا ہے کہ وہ اس جماع کو ترک کر دے جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ ہوگا اور وہ اس بچے کو اس سے پیدا کرے گا تو تم نے یقین کرلیا کہ وہ شخص اس پر قادر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس شے کے پیدا کرنے سے روک دے جس کو وہ جانتا تھا کہ وہ اسے پیدا کرے گا اور وہ شخص پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے علم کے ابطال پر قادر ہے حالانکہ جو اسے جائز رکھے یہ اس کا کفر خالص ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ بیان کرتے ہو کہ آدمی فعل سے پہلے صحت اعضاء کی وجہ سے مستطع ہے۔ تو یہ الزام تم پر ہے۔

ہم کہیں گے کہ یہ الزام ہم پر نہیں اس لئے کہ ہم لوگ یہ نہیں کہتے کہ اسے اس پر قدرت تامہ ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اسے قطعاً اس پر قدرت تامہ نہیں۔ ہمارے یہ کہنے کے معنی کہ وہ اپنے اعضاء کی صحت کی وجہ سے مستطیع ہے یہ ہیں کہ اگر یہ ہو تو اس سے اس کا تو ہم د خیال کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے محض اسی وجہ پر استطاعت کا اطلاق کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اطلاق کیا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب امور پر قادر ہے اور اسے اپنے علم ازلی کے فسخ کرنے کی قدرت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا۔

ہم کہیں گے ہم اس پر بھی ابھی کلام کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخلاف اپنی مخلوق کے ان سب امور پر قادر ہے جیسا کہ اس کے بارے میں ہمارا کلام گذر چکا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التو فیق** ۔

قرآن کی شہادت:

جو کچھ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس پر تصریح فرمائی ہے۔ "**سیحلفون باللہ لو استطعنا لخر جنا معکم یھلکون انفسھم واللہ یعلم انھم لکاذبون**" (اللہ کی قسم کھائیں گے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور جہاد میں تمہارے ساتھ چلتے یہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں)۔ آگے چل کر فرماتا ہے "**ولو ارادوا الخروج اعدوا لہ عدۃ و لکن کرہ اللہ انبعا ثھم فثبطھم و قیل اقعد و امع القاعدین**" (اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو وہ اس کے لئے تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کا جانا ناپسند کیا تو انہیں مشغول کر دیا اور ان سے کہد یا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھتے رہو)۔ ان لوگوں نے جو اپنی اس استطاعت کی نفی کی تھی جو صحت جوارح وارتفاع موانع ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میں جھوٹا بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یہ امر تکوین ہے نہ کہ امر قعود۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیٹھنے پر ان سے ناخوش ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تصریح فرمائی کہ "**انما امرہ اذا ارادشیئا ان یقول لہ کن فیکون**" (اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے) لھذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ وہ بظاہر حال صحت جوارح وارتفاع موانع کے سبب سے مستطیع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ان کے قعد (یعنی بیٹھنے) کی تکوین کر دی (یعنی اسے موجود اور پیدا کر دیا) لھذا یہ باطل وہ گیا کہ ان کیا استطاعت اپنے اس فعل کے خلاف تام و مکمل تھی جو ان سے ظاہر ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**من یھد اللہ فھو المھتدو من یضلل فلن تجدلہ و لیا مر شدا**" (اللہ جس کو ہدایت کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے اور جس کو گمراہ رہنے دیتا ہے تو اس کے لئے ہرگز کوئی راہ بتانے والا دوست نہ پائے گا) اللہ تعالیٰ نے بیان جلی سے واضح کر دیا کہ جس کو وہ ہدایت دیتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ رہنے دیتا ہے تو وہ ہدایت نہیں پاتا۔ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے لئے ہدایت واقع ہونے کی وجہ سے کہ جس کو توفیق کہا جاتا ہے بندہ وہ فعل کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ مہتدی (ہدایت یافتہ) ہو جاتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اضلال (گمراہی کا باقی رکھنا) واقع ہونے کی وجہ سے اور یہی خذلان ہے اور بندے کے ضلال وگمراہی کا پیدا کرنا ہے بندہ وہ فعل کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ضال وگمراہ ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اس کے یہی معنی ہیں جس کو اللہ نے مہتدی نامزد کیا اور جس کو اللہ نے ضال نامزد کیا۔

اس سے کہا جائے گا کہ یہ باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ جس کو اللہ نے گمراہ رہنے دیا اس کے لئے تو کوئی راہ بتانے والا دوست نہ پائے گا۔ اگر اللہ نے اس کا تسمیہ اور نامزد کرنا ہی مراد لیا ہوتا کہ جیسا کہ تم نے دعوی کیا ہے تو اللہ کا یہ قول غلط ہو جاتا۔ اس لئے کہ ہر گمراہ اس کی گمراہی پر دوست ہوتے جو اس کا مہتدی وراشد (راہ یاب) رکھ دیتے اور اللہ تعالیٰ غلطی وکذب سے برتر ہے۔ لہذا ان کی تاویل فاسد (و) باطل ہوگئی اور ہمارا قول ثابت ہوگیا۔ **والحمدلله رب العلمين**۔

خضر وموسیٰ علیہما السلام:

اللہ تعالیٰ نے اُن خضرؑ کے متعلق خبر دیتے ہوئے جن کو اللہ نے علم وحکمت ونبوت عطا کی تھی موسی علیہ السلام اور ان کے رفیق سفر کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا ''**فوجدا عبدا من عبادنا اتيناه رحمة من عند نا و علمناه من لدنا علما**'' (موسیٰؑ اور ان کے رفیق نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اسے علم کی تعلیم دی تھی) اللہ تعالیٰ نے خضرؑ ہی کے متعلق خبر دیتے ہوئے اور ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے ''**وما فعلته عن امری**'' (میں نے اسے اپنی رائے سے نہیں کیا ہے (یعنی بچے کا قتل وغیرہ۔ ثابت ہوگیا کہ جو کچھ خضر علیہ السلام نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی تھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ خضرؑ نے موسی علیہ السلام سے کہا کہ ''**انک لن تستطيع معی صبرا**'' (اے موسیٰؑ میرے ساتھ ہرگز آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوگی) نہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کلام کا انکار فرمایا اور نہ (موسیٰ علیہ السلام نے اس کا انکار کیا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یہ جواب دیا کہ ''**ستجدنی انشاء الله صابرا ولا اعصی لک امرا**'' (آپ مجھے انشاءاللہ صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کروں گا) موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ نہیں کہا کہ مجھے صبر کی استطاعت ہے بلکہ اس بارے میں ان کے قول کی تصدیق کی کیونکہ اس کا اقرار کیا انکار نہیں کیا او رامید کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں صبر کی استطاعت عطا کر دے گا پھر وہ صبر کریں گے۔ موسی علیہ السلام نے صبر کو اپنے لئے واجب نہیں کیا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے۔ اس کے بعد بھی خضرؑ نے بار بار ان سے کہا کہ انہیں صبر کی استطاعت نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے صبر نہیں کیا تھا مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کا انکار نہیں کیا۔

یہ تین انبیاء محمدؐ وموسیٰؑ وخضرؑ صلی اللہ علیہم وسلم کی شہادت ہے اور ان کی شہادت سے بڑی شہادت اللہ تعالیٰ کی ہے جو اس بارے میں ان حضرات کی تصدیق میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس کی تصریح فرمائی ہے جس میں اس کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ ان سب کی تصدیق فرمائی ہے اور اس کو سوائے مخذول وبدنصیب کے کوئی رد نہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**وعرضنا جهنم يومئذ للكافرين عرضا الذين كانت اعينهم فی غطاء عن ذكری وكانوا لا يستطيعون سمعا**'' (اور ہم اس روز ان کافروں کے لئے جہنم پیش کریں گے جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور ان کی حالت یہ تھی کہ وہ سننے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے تھے) اللہ تعالیٰ نے نص جلی سے اس پر تصریح فرمائی کہ ان کی حالت یہ تھی کہ انہیں

اس چیز کے سننے کی استطاعت نہ تھی جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں بھی ذکر الٰہی سے پردے میں تھیں۔ اس کے باوجود وہ اس پر جہنم کے مستحق ہوئے۔ وہ ظاہر حال میں اپنے صحت جوارح کی وجہ سے مستطیع تھے۔ یہ ہمارے قول کی بلا تکلف نص ہے اللہ نے جو ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور توفیق دی اس پر اسکی بیحد حمد و شکر ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**اذیقول الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا . انظر کیف ضربو الک الا مثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا**" (جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو محض ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے دیکھئے تو کہ ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسی مثالیں بیان کیں چنانچہ یہ گمراہ ہو گئے اور اب انہیں راستہ پانے کی استطاعت نہیں ہے) اللہ تعالیٰ نے سوائے راہ گمراہی کے بقیہ تمام راہوں کی استطاعت کی ان سے نفی فرمادی۔ عاقل کے لئے یہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**وما کان لنفس ان تو من الا باذن اللہ**" (اور کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کی اجازت کے ایمان لائے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو ایمان کی اجازت نہیں دی وہ ایمان نہیں لایا اور جس کو ایمان کی اجازت دی وہ ایمان لایا۔ یہ اذن و اجازت وہی توفیق ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ لامحالہ اسی سے ایمان ہوتا ہے۔ عدم اذن ہی وہ خذلان (ترک مدو) ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ **نعوذ باللہ منه**۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حکایت وتصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے "**والا تصرف عنی کید ھن اصب الیھن و اکن من الجاھلین. فاستجاب له ربه فصرف عنه کیدھن**" (اور اگر تو ہی مجھ سے ان عورتوں کے مکر کو نہ دفع کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کے مکر کو ان سے دفع کر دیا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی۔ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر وہ عورتوں کے مکر کو دفع کر کے مدد نہ فرماتا، تو وہ مائل (و) جاہل ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مکر کو دفع کر دیا تو وہ محفوظ رہے۔ یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ جب اللہ نے انہیں توفیق دی تو وہ محفوظ رہے اور ہدایت پائی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکایت وتصدیق کرتے ہوئے فرمایا "**لئن لم یھدنی ربی لا کو نن من القوم الضالین**" (البتہ اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرے گا تو میں گمراہ قوم میں ہوں گا) یہ اس پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو قوت ایمان عطا کرتا ہے وہ ایمان لاتا اور ہدایت پاتا اور جس سے یہ قوت روک لیتا ہے وہ گمراہوں میں رہتا ہے۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔

والحمدللہ رب العلمین۔

فرمایا ہے "**واصبر و ما صبرک الا باللہ**" (آپ صبر کیجئے مگر آپ کا صبر اللہ ہی کے وسیلے سے ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے آپ کو صبر کا حکم دیا پھر آپ کی خبر دی کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے آپ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ جب اس نے بذریعہ صبر آپ کی اعانت کی تو آپ نے صبر کیا۔

فرمایا ہے کہ "**ان تحرص علی ھدی ھم فا ن اللہ لا یھدی من یضل**" (اگر آپ کو ان کی ہدایت کا شوق ہے تو آپ کو علوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں کرتا جسے وہ گمراہی پر باقی رکھتا ہے)۔ یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے بذریعہ خذلان لمراہی پر باقی رکھتا ہے تو وہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔

فرمایا ہے "**واذا قرأت القران جعلنا بینک و بین الذین لا یو منون بالآخرۃ حجابا مستورا و جعلنا علی**

قلوبھم اکنہ ان یفقھوہ و فی اذا نھم و قرا" (اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیتے ہیں)۔ یہ تو وہ نص ہے جس میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کے سمجھنے سے روک دیا ہے)۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہی فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ایسا کرتا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور اسی لئے اس نے فرمایا ہے "**و ما یضل بہ الا الفا سقین**" (اور وہ اس سے صرف نافرمان لوگوں ہی کو گمراہ کرتا ہے اور "**ویطبع اللہ علی قلوب الکافرین**" (اور اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر کفر کو پختہ کر دیتا ہے)۔

بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے گا کہ اگر تمہاری یہ تاویل صحیح ہوتی تو تمہارے ہی اوپر حجت ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق سے روک دیا ہے۔ ان پر خذلان کو مسلط کر دیا ہے۔ انہیں گمراہ رہنے دیا اور ان کے دلوں پر کفر کو پختہ کر دیا۔ لہٰذا تم اسے جیسا چاہو کر دو مگر یہ کیسے ہوگا حالانکہ وہ تمہاری تاویل کے مطابق ہے۔

آیات کا ظاہر اور بغیر کسی تکلف کے ان کے الفاظ کا اقتضاء وہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ رہنے دیا تو وہ ضال و فاسق (یعنی گمراہ و نافرمان) ہو گئے اور اس وقت ہو گئے جس وقت اللہ نے انہیں گمراہ رہنے دیا نہ کہ اس کے قبل کہ انہیں گمراہی پر باقی رکھے اسی طرح وہ غیر مومن ہو گئے جب کہ ان لوگوں کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حجاب کر دیا اور جب کہ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا نہ کہ اس کے قبل وہ اسی وقت کافر ہوئے جبکہ ان کے دلوں پر کفر کو پختہ کر دیا نہ کہ اس کے قبل۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولو لا ان ثبتناک لقد کدت تر کن الیھم شیئا قلیلا**" (اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا تو آپ تھوڑا بہت ان لوگوں کی طرف جھک گئے ہوتے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اگر وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ توفیق ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ کفار کی طرف جھک جاتے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت ثابت قدم رکھا جس وقت اس نے آپ کو ثابت قدم رکھا نہ کہ اس کے قبل۔ اگر وہ آپ کو تثبیت (ثابت قدمی) نہ عطا کرتا اور بغیر مدد کے چھوڑ دیتا تو آپ ضرور کفار کی طرف مائل ہو جاتے۔ گمراہ ہو جاتے اور اس پر مستحق عذاب ہوتے زندگی سے بھی دو چند اور موت سے بھی دو چند۔

یہ اس بدقسمت و بے یار و مددگار کی تباہی ہے جو اپنے ناپاک دل میں یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس توفیق و تثبیت سے مستغنی ہے جس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم محتاج تھے اور اس نے ہدایت کو اتنا مکمل حاصل کر لیا ہے کہ اب اس پر اضافے کی گنجائش نہیں رہی۔ جو کچھ اس کے رب نے اسے دیدیا ہے اب اس کے پاس اس سے افضل و بیشتر نہیں رہا ہے حالانکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا ہے "**ایاک نعبدو ایاک نستعین**" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں) "**اھدنا الصر اط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**" (ہمیں راہ راست کی ہدایت فرما جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کی کہ جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان کی جو گمراہ ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس حکم پر جو ہمیں اس سے مدد طلب کرنے کے متعلق ہے۔ تصریح فرمائی۔ اور ہمارے قول کی نص ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین**۔

یہاں پر اگر کوئی خاص مدد نہ ہوتی کہ وہ جس کو اللہ تعالیٰ عطا کرے گا ہدایت پائے گا اور جس کو اس سے محروم بے نصیب کرے گا وہ گمراہ ہوگا تو اس دعا کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ اس لئے کہ لوگوں کی یہ حالت ہوتی کہ وہ اعانت و مدد یافتہ و انعام یافتہ و ہدایت یافتہ ہوتے۔

حالانکہ یہ نص مذکور کے خلاف ہے۔

فرمایا ہے ”ختم الله علی قلوبهم و علی سمعهم و علی ابصارهم غشاوة و لهم عذاب عظیم“ (اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے کفار کے دلوں پر مہر کردی اور ان کی آنکھوں اور کانوں پر پردے ہیں جو ان کے اور قول حق کے درمیان حائل ہیں ان پردوں کا آنکھوں اور کانوں پر کرنے والا اس کے سوا کون ہے جس نے ان کے دلوں پر مہر کردی اور یہی وہ خذلان ہے کہ جس کو ہم نے بیان کیا ہے ونعوذ بالله منه۔ یہ اس امر پر نص ہے کہ انہیں ایمان پر استطاعت نہ ہوگی جب تک کہ یہ مہر ان کے دلوں پر اور پردے ان کی آنکھوں اور کانوں پر رہیں گے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ انہیں زائل کردے گا تو وہ ضرور ایمان لائیں گے۔ سوائے اس کے وہ لوگ اپنے رب کو اس کے زائل کرنے سے عاجز کردیں۔ مگر یہ خارج از اسلام ہونا ہے۔

فرمایا ہے ”ولو لا فضل الله علیکم و رحمته لا تبعتم الشیطان الا قلیلا“ (اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم لوگ ضرور شیطان کی پیروی کرتے مگر بہت کم لوگ) جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کردی کہ جس پر وہ فضل نہ کرے گا اور جس پر وہ رحم نہ کرے گا۔ وہ ضرور شیطان کی پیروی کرے گا لہذا ثابت ہو گیا کہ توفیق ہی سے ایمان ہوتا ہے اور خذلان ہی سے کفر اور نافرمانی ہوتی ہے اور یہی اتباع شیطان ہے اور اس کے کلام ”الا قلیلا“ (مگر تھوڑے سے) کے مطابق ظاہر کے ہیں اور وہ ان منعم علیهم (انعام یافتہ) مرحومین سے استثناء ہے جنہوں نے اللہ کی رحمت کے سبب سے شیطان کی پیروی نہیں کی۔ یعنی تم ضرور شیطان کی پیروی کرتے سوائے ان چند کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحمت نہیں کی تو انہوں نے شیطان کی پیروی کی۔ چونکہ تم پر رحم کیا اس لئے تم نے اس کی پیروی نہیں کی اور یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ ولله تعالیٰ الحمد۔

فرمایا ہے ”فما لکم فی المنا فقین فئتین والله ارکسهم بما کسبوا . اتر یدون ان تهدو امن اضل الله ومن یضلل الله فلن تجد له سبیلا“ (منافقین کے بارے میں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم دو گروہ ہو گئے۔ حالانکہ اللہ نے ان اعمال کی وجہ سے انہیں ان کی پہلی حالت پر واپس کردیا ہے۔ کیا تم اسے ہدایت کرنا چاہتے ہو جس اللہ نے گمراہ رکھا اور جسے اللہ گمراہ رکھتا ہے تو آپ ہرگز اس کیلئے کوئی راہ ہدایت نہ پائیں گے) یہ ہمارے ہی قول کی نص ہے کہ جسے اللہ نے گمراہ رہنے دیا اس کے لئے ہدایت تک کوئی سبیل نہیں ضلال (گمراہ ہونا) کا فر و فاسق کے لئے اللہ تعالیٰ کے اضلال (گمراہ رہنے دینے) سے واقع ہوا۔

فرمایا ہے کہ ”ذلک هدی الله یهدی به من یشاء من عباده“ (یہ اللہ کی ہدایت ہے اس سے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کے پاس ہدایت ہے جس سے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے اور یہ تخصیص ظاہر ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

فرمایا ہے ”فمن یرد الله ان یهدیه یشرح صدره للاسلام و من یر دان یضله یجعل صدره ضیقا حر جا کا نما یصعد فی السماء“ (پھر اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اتنا تنگ و سخت کردیا ہے کہ گویا وہ آسمان پر (اسلام سے بھاگ کے) چڑھ جائے گا۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ کہتے ہوئے تصریح کردی کہ وہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ وہ بلاشک ایمان لے آتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا

چاہتا ہے اور اس کو ہدایت کرنا نہیں چاہتا تو اس کے سینے کو تنگ اور اتنا تنگ کر دیتا ہے کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہو یہ قطعاً ایمان نہیں لاتا اور نہ اسے استطاعت ہوئی ہے حالانکہ وہ اپنے ظاہر میں اپنے صحت جوارح کے سبب مستطیع ہوتا ہے۔

البتہ وہی گمراہ ہے جو ہمارے ان نصوص کے ذکر کرنے کے بعد بھی گمراہ ہے جن میں کسی تاویل کا احتمال نہیں اور پانچ انبیاء ابرہیم و موسیٰ وخضر و یوسف ومحمد علیہم السلام کی شہادت کے بعد بھی کہ انہیں قطعاً کسی خیر کی استطاعت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے اگر وہ انہیں توفیق نہ دیتا تو سب کے سب گمراہ ہوتے ساتھ ہی اس کے ہم نے وہ براہین ضرور یہ بھی وارد کر دیں جو حس وبداہت عقل سے سمجھی جاتی ہیں۔

احاطۂ قدرت انسانی:

جو شخص اخلاق محمودہ ومذمومہ کی تراکیب کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی شخص اس کے سوا پر استطاعت نہیں رکھتا جو وہ کرتا ہے اور جس کو اللہ نے اس کے اندر پیدا کر دیا ہے۔ تم حافظ کو پاؤ گے کہ وہ اپنے حفظ کو ہٹا دینے پر قادر نہ ہوگا۔ کند ذہن کو پاؤ گے کہ وہ حفظ پر قادر نہ ہوگا۔ فہیم کند ذہنی وغباوت پر قادر نہ ہوگا۔ غبی وبدفہم تیز فہمی پر استطاعت نہ رکھے گا۔ حاسد ترک حسد پر قادر نہ ہوگا۔ پاک نفس حسد پر قادر نہ ہوگا۔ حریص ترک حرص پر قادر نہ ہوگا بخیل خرچ کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ بزدل بہادری پر قادر نہ ہوگا۔ جھوٹا اپنے آپ کو کذب سے روکنے پر قادر نہ ہوگا۔ یہ لوگ اپنے بچپن سے اسی حالت پر پائے جائیں گے۔ بدخلق حلم پر قادر نہ ہوگا۔ حیادار بے شرمی پر قادر نہ ہوگا۔ بے شرم حیاء پر قادر نہ ہوگا۔ جاہل بیان پر قادر نہ ہوگا۔ صاحب طیش صبر پر قادر نہ ہوگا صاحب غضب حلم پر قادر نہ ہوگا۔ صاحب صبر طیش پر قادر نہ ہوگا۔ حلیم غضب پر قادر نہ ہوگا۔ خوددار اور اپنے نفس کی عزت کرنے والا ذلت وتوہین پر قادر نہ ہوگا۔ ذلیل وصاحب اہانت عزت نفس وخودداری پر قادر نہ ہوگا۔ اسی طرح ہر شے میں ہے یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی شخص بھی قادر نہیں بجز اس کے کہ وہ اس وقت کے سبب سے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے فعل کی اس میں مکمل کر دی ہے۔ اگرچہ اس کے خلاف کا بھی ان سے وہم وخیال کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ان کے اعضاء صحیح ہیں اور مانع نہیں ہے۔

ملائکہ وحور وجن اور تمام حیوان استطاعت میں برابر ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے صحت جوارح کے سبب سے ظاہری استطاعت پیدا کی ہے ان سے کوئی فعل بجز اللہ کی مدد کے نہیں ہوتا۔ جب مدد وارد ہوتی ہے تو فعل اس کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے لامحالہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اختیار و ارادہ وحرکت وسکون پیدا کیا ہے۔ ملائکہ وحور معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں قطعاً معصیت ونافرمانی پیدا نہیں کی وہ ذات جو اس پر قادر ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے ہمیشہ سے ہر اس شے پر قادر ہے جو دل میں گذر سکے۔ تو وہ وہی واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے کہ اس کے مثل جیسی بھی کوئی شے نہیں اور نہ کوئی اسکا ہمسر ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

☆☆

ہدایت وتوفیق

معتزلہ نے ان آیات سے استدلال کیا ہے"**واما ثمود فهدينهم فا ستحبو العمٰى على الهدى**"(اور لیکن ثمود۔ تو ہم نے انہیں ہدایت کی تھی مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں نابینائی کو پسند کیا)

اور اس آیت سے"**انا خلقنا الا نسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا . اناهد ينا السبيل اما شاكرا واما كفورا . انا اعتد نا للكافرين سلاسلاً وَ اغلا لا و سعيرا** "(بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا تا کہ ہم اسکا امتحان کریں چنانچہ ہم نے سننے اور دیکھنے والا بنایا اور بیشک ہم نے اسے راہ بتا دی۔ (اور اسے اختیار دیدیا کہ) تا کہ وہ یا تو شکر گذار بنے یا ناسپاس۔ بیشک ہم نے کفار کے لئے زنجیر اور طوق اور جہنم تیار کی ہے)۔

اور یہ حق ہے اور فرمایا ہے"**ولقد بعثنا فى كل امة رسو لا ان اعبد وا الله واجتنبوا الطاغوت فمنهم من هدى الله و منهم من حقت عليه الضلالة** "(وربیشک ہم نے ہر قوم مین رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور بت سے بچو۔ پھر ان میں سے بعض وہ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت کردی اور بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت رہی) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس نے جن کو ہدایت کی وہ بعض لوگ تھے سب نہ تھے۔

فرمایا ہے"**ان تحرص على هدهم فا ن الله لا يهدى من يضل** "(اگر آپ کو ان کی ہدایت کا شوق ہے تو آپ کو معلوم رہے کہ) بیشک اللہ اسے ہدایت نہیں کرتا ہے جسے وہ گمراہی پر باقی رکھنا چاہتا ہے) یہ عاصم کی مشہور قرات ہے جو یھدی میں یا کے فتحہ اور دال کے کسرہ سے ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ بعض وہ لوگ بھی ہیں جنہیں اس نے ہدایت نہیں کی۔

فرمایا ہے"**ومن يضلل الله فلا هادى له**"(اور اللہ جس کو گمراہ رکھے تو اسکا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جن لوگوں کو اس نے گمراہ رکھا انہیں کسی نے ہدایت نہیں کی۔

فرمایا ہے"**فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام ومن ير دان يضله يجعل صدره ضيقا حرجا كا نما يصعد فى السماء**"(پھر اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ اور ایسا تنگ کردیتا ہے کہ گویا وہ (اسلام سے بھاگ کر) آسمان پر چڑھ جائے گا) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جس کو اس نے ہدایت کی وہ اور ہے اور جس کو گمراہ رکھا وہ اور ہے اور اس طرح کا کلام بہت ہے۔ یہ سب کلام اللہ ہے اور سب حق ہے جس میں تعارض نہیں ہے اور نہ اس کا بعض حصہ بعض حصے کو باطل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"**ولو كان من عند غير الله لو جد و افيه اختلافا كثير ا** "(اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں یہ لوگ بہت اختلاف پاتے)۔ یہ یقیناً صحیح ہے کہ ہم جو آیات لائے ہیں وہ سب کی سب متفق ہیں نہ کہ مختلف۔

ہم نے آیات مذکورہ [illegible] اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے ثمود کو ہدایت کی مگر وہ

ہدایت یافتہ نہ بنے اور سب لوگوں کو راہ کی ہدایت کی پھر اس کے بعد وہ شکر گذار ہو گئے یا ناسپاس۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں خبر دی ہے کہ اس نے ایک قوم کو ہدایت کی اور وہ ہدایت یافتہ بن گئے اور دوسروں کو ہدایت نہیں کی اور وہ ہدایت یافتہ نہیں بنے۔ تو ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ وہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو عطا فرمائی وہ اس ہدایت کے مغایر ہے جو اس نے بعض لوگوں کو عطا فرمائی اور بعض سے روک لی انہیں یہ نہیں عطا فرمائی یہ وہ امر ہے جو ضرورت و بداہت عقل سے معلوم ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے لہذا یہ امر واضح ہو گیا۔

ہدایت کے معنی:

لغت عربیہ میں ہدایت اسمائے مشترکہ میں سے ہے اور وہ بھی وہی ہے جس کا ایک اسم دو ایسے مسمی پر واقع ہوتا ہے کہ اپنی نوع میں مختلف ہوتے ہیں۔ اور دو سے زائد پر بھی واقع ہوتا ہے۔ ہدایت بمعنی دلالت ہوتی ہے (یعنی راستہ بتا دینا اور دکھا دینا) تم کہتے ہو کہ ''**ھدیت فلا نا الطریق**'' **بمعنی اریتة ایا ہ** میں نے فلاں کو راستے کی ہدایت کر دی یعنی اسے راستہ دکھا دیا۔ اسے اس پر مطلع کر دیا۔ آگاہ کر دیا خواہ وہ اس پر چلے یا اسے ترک کرے اور تم کہتے ہو ''**فلان ھاد بالطریق**'' **ای دلیل فیہ**۔ فلاں راستے کا ہادی ہے یعنی اس کا بتانے والا ہے۔ یہی وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ثمود اور تمام جن و ملائکہ اور تمام انسانوں کو کافر کو بھی مومن کو بھی فرمائی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں طاعات و معاصی کا راستہ بتا دیا۔ انہیں وہ بھی معلوم کرا دیا جس سے وہ ناخوش ہوتا ہے اور وہ بھی جس سے وہ خوش ہوتا ہے یہ ایک معنی ہوئے۔

کبھی ہدایت توفیق اور خیر پر مدد کرنے اور اس کے لئے آسان کرنے کے اور قبول خیر کے لئے دلوں میں اس کی استعداد پیدا کرنے کے معنی میں ہوتی ہے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو اور ہدایت یافتہ انسانوں اور جن کو عطا فرمائی اور دونوں گروہ کے کفار و فاسقین کو جن امور میں وہ نافرمانی کرتے تھے ان میں انہیں اس ہدایت سے روک دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ یہی ہدایت انہیں بھی عطا فرماتا تو وہ ہرگز نہ کفر کرتے نہ فسق کرتے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

جس سے یہ مضمون خوب واضح ہوتا ہے وہ یہ آیت ہے ''**انا ھد ینا ہ السبیل**'' (ہم نے اسے راستہ بتایا) اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ وہ چیز جس کی اس نے ہدایت کی وہ صرف راستہ تھا۔

اسی طرح یہ آیت ہے ''**الم نجعل لہ عینین و لسانا و شفتین وھدینا ہ النجدین**'' (کیا ہم نے انسان کے لئے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور ہم نے اسے دونوں راستوں کی ہدایت کی چنانچہ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ **والحمدللہ رب العالمین**۔

اسی طرح یہ کلام الٰہی۔ **ولو شئنا لا تینا کل نفس ھدھا و لکن حق القول منی لا ملئن جھنم من الجنة و الناس اجمعین** ''(اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کی اس کی ہدایت عطا کر دیتے۔ لیکن میرا یہ قول سچا ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو جن وانسان دونوں سے بھروں گا) اور فرمایا ہے ''**ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی**'' (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا) یہ ہدایت بے شک اس ہدایت کے مغائر ہے جو اس نے ان سب کو عطا فرمایا اور وہ دلالت یعنی راہ دکھانا اور حق کو باطل سے واضح کر دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''**ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم و لا لیھد یھم طریقا الا طریق جھنم**'' (جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کی مغفرت کرے اور انہیں سوائے جہنم کی راہ کے کوئی راہ بتائے۔

یہ ہمارے قول پر نص جلی و بیان ہے کہ انہیں جہنم کی راہ بتانا جس میں وہ جہنم کی طرف لادیے جائیں گے انہیں اس راستے کی ہدایت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان سے سوائے جہنم کے راستے کے تمام راستوں کی ہدایت کی نفی کردی۔ **و نعوذ باللہ من الضلال۔**

ایک شخص نے جو قول کو بلا علم کے صحیح معنی سے پھیر دیتا ہے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا’’ **و اما ثمود فھد ینھم فا ستحبو العمی علی الھدی** ‘‘(اور لیکن ثمود۔ تو ہم نے انہیں ہدایت کی مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں نابینائی کو پسند کیا) اور یہ فرمانا’’ **انا ھدینا ہ السبیل** ‘‘(بیشک ہم نے اسے راہ بتائی) اور یہ فرمانا’’ **وھدینا ہ النجدین** ‘‘ اور ہم نے اسے دونوں راستے بتادیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف مومنین ہی کو مراد لیا ہے۔

یہ دو وجوہ سے باطل ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ بغیر برہان کے آیات کی تخصیص ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے اور دوسرے یہ کہ لامحالہ نص آیات تخصیص سے مانع ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ’’ **و اما ثمود فھد ینھم فا ستحبو العمی علی الھدی** ‘‘(اور لیکن ثمود۔ تو ہم نے انہیں ہدایت کی۔ مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں نابینائی کو پسند کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے’’ **فاسبتحو العمی علی الھدی** ‘‘ کی ضمیر کو خود مہدین (جن کو ہدایت کی گئی ہے) کی طرف پھیرا ہے لہذا یہ ثابت ہوگیا کہ جنہیں ہدایت کی گئی تھی انہوں نے ہدایت نہیں پائی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ’’ **لیس علیک ھدی ھم و لکن اللہ یھدی من یشاء** ‘‘(آپ کے ذمے ان کی ہدایت نہیں ہے مگر اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اور آپ ہی سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے’’ **وانک لتھدی الی صراط مستقیم** ‘‘(اور بیشک آپ راہ راست کی ہدایت کرتے ہیں)۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جو ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے وہ دلالت یعنی راستہ بتا دینا اور دین کی تعلیم ہے اور وہ اس ہدایت کے مغایر ہے جو آپ کے ذمہ نہیں ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے

اگر کوئی معترض یہ آیت پیش کرے’’ **ولو علم اللہ فیھم خیر الا سمعھم ولو اسمعھم لتو لو اوھم معرضون** ‘‘(اور اگر اللہ کو ان میں خیر کا علم ہوتا تو وہ ضرور انہیں سناتا (یعنی قبول کراتا) اور اگر انہیں سناتا (اور منواتا) تو ضرور وہ (کفر سے) پھر جاتے اور ہمیشہ پھرے رہتے۔ یہ آیت اس شخص کے گمان کے مطابق نہیں ہے جس نے گہری نظر نہیں ڈالی کہ اللہ تعالیٰ اگر انہیں سناتا تو وہ اس کو نہ سنتے۔ بلکہ ظاہر آیت اس گمان کو باطل کرنے والا ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ’’ **ولو علم اللہ فھیم خیر الاسمعھم** ‘‘(اگر اللہ کو ان میں خیر کا علم ہوتا تو ضرور انہیں سناتا) لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کو جس میں خیر کا علم تھا اسے اس نے سنایا اور ثابت ہوگیا کہ اس میں خیر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے’’ **ولو اسمعھم لتو لو اوھم معرضون** ‘‘(اور اگر وہ انہیں سناتا تو وہ ضرور پھر جاتے اور ہمیشہ پھرے رہتے)۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اس کی مراد بلا شک یہ ہے کہ وہ اگر انہیں سناتا تو وہ لوگ ضرور کفر سے پھر جاتے اور وہ ہمیشہ کفر سے پھرے رہتے۔ اس کے سوا اور کچھ ممکن نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سنانا صرف اسی کے لئے ہوتا ہے جس میں اسے خیر کا علم ہوتا ہے۔ یہ محال و باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جس میں خیر کا علم ہو وہ خیر سے پھر جائے اور اس سے اعراض کرے ان لوگوں نے اپنے گمانوں سے جو تحریف کلام اللہ میں کی تھی وہ باطل ہوگئی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول’’ **انا ھدنیاہ السبیل اما شا کرا واما کفورا** ‘‘(بیشک ہم نے اسے راستے کی ہدایت کردی یا تو وہ شکر گذار رہے یا ناسپاس) اللہ تعالیٰ نے جس کو راستے کی ہدایت کی اس کی دو قسمیں کیں۔ ناسپاس و شکر گذار لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ ناسپاس کو بھی راستے کی ہدایت کی گئی ہے۔ لہذا جس باطل کا ان لوگوں کو وہم تھا وہ باطل ہوگیا اور وہ ثابت ہوگیا جو ہم نے کہا۔ **وللہ تعالیٰ الحمد۔**

اضلال ①

ابومحمد کہتے ہیں کہ ہم نے اس باب میں جواس کے قبل ہے اوراس باب میں جو اسکے بھی قبل اوراسی کے متصل کلام اللہ کی تلاوت کی ہے جس میں اس امر کی بہت سی نصوص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا گمراہ کردیا اور ان کے سینوں کو تنگ اور بیحد تنگ کردیا۔

اگر لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ”**وما اضلنا الا المجر مون**“ (اور ہمیں تو صرف مجرمین ہی نے گمراہ کیا)۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل و حجت نہیں ہے جس کے کئی وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ قول کفار کا ہے جو انہوں نے جھوٹ کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ہی یہ حکایت بیان کی ہے ”**واللہ ربنا ما کنا مشر کین . انظر کیف کذبو اعلی انفسھم و ضل عنھم ما کانوا یفترون**“ (اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم لوگ مشرک نہ تھے دیکھئے تو یہ اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولے اور جو افترا کیا کرتے تھے وہ ان سے کھو گیا) اگر وہ نہ مانیں اور قول کفار ہی سے استدلال کریں تو انہیں چاہئے کہ وہ اسے قول ابلیس کے پہلو میں کردیں جو یہ ہے ”**رب بما اغویتنی لا زینن لھم فی الارض**“ (اے میرے رب اس سبب سے کہ تو نے مجھے بہکایا میں زمین میں ضرور ضرور انسانوں کے لئے آرائش کروں گا (جس سے وہ گمراہ ہوں)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم مجرمین کے گمراہ کرنے کا اور لوگوں کو ابلیس کے گمراہ کرنے کا انکار نہیں کرتے لیکن یہ اور اضلال (گمراہ کرنا) ہے جو اللہ تعالیٰ کا ان کو اضلال (گمراہ کرنا) نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ کسی کو اس میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا کہ اللہ نے اسے گمراہ کردیا اور نہ اس بارے میں خالق پر کوئی ملامت ہوسکتی ہے۔ لیکن جس کو اللہ کے سوا کسی دوسرے نے گمراہ کیا وہ قابل ملامت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو وہ گمراہ کرتا ہے اپنے گمراہ کرنے کی خود تفسیر کردی ہے کہ وہ کیسا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گمراہ کرنے کی بھی ایسی تفسیر کردی ہے جس کے سبب سے اس نے ہمیں بیہیاؤں اور ہوا پرستوں کی تفسیر سے بے نیاز کردیا ہے۔ مثلاً۔ نظام۔ علاف۔ ثمامہ۔ بشر بن المعتمر۔ جاحظ۔ ناشی اور وہاں جو گروہ ہیں اور جو جاہل ان کے پیرو ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نص قرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اس کا اس شخص کا گمراہ کرنا جس کو اس نے اپنے بندوں میں سے گمراہ کیا وہ صرف یہ ہے کہ اس کا سینہ قبول ایمان سے تنگ وغیر وسیع کردیتا ہے کہ وہ اس کے سمجھنے اور اس کی طرف جھکنے کی رغبت نہ کرے اور ایمان پر استقلال کے ساتھ قائم نہ رہے اور اسے حق کی طرف رجوع مشکل ہوجائے یہاں تک کہ اس کی یہ کیفیت ہوجائے کہ جیسے وہ آسمان پر چڑھنے کی مشقت گوارا کررہا ہے ایک دوسری آیت میں بھی اس کی تفسیر کی ہے جس کی تلاوت ہم نے ابھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے قلوب پر پردے ڈال دیتا ہے جو ان کے دلوں کے درمیان میں حائل ہوکر انہیں فہم قرآن سے اور اس کے بیان کے سننے سے اور اس کی ہدایت سے اور اس کے سمجھنے سے انہیں روک دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے درمیان میں ایک حجاب و پردہ قائم کردیا ہے جو ان کے لئے ہدایت سے مانع ہے۔ اس کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کی ہے اس نے ان کے دلوں پر مہر کردی اور ان پر کفر کو پختہ کردیا کہ جس کی وجہ سے وہ ہدایت تک رسائی حاصل کرنے سے باز رہے۔

اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کے ذریعے سے گمراہ کرنے کی بھی تفسیر فرمائی ہے۔ فرمایا ہے کہ اللہ نے انہیں مقتدا و امام بنادیا ہے جو دوزخ کی

---

① اضلال: (۱) گمراہ کرنا (۲) گمراہ رہنے دینا

طرف بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوت کی تفسیر بھی فرمائی ہے جو اس نے مومنین کو عطا فرمائی اور کفار کو اس سے محروم کر دیا اور وہ قوت یہ ہے کہ قبول حق پر ثابت قدم رکھتا ہے اللہ نے ان کے سینے حق کے سمجھنے حق پر اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس نے مکر شیطان کو اور اس کے فتنے کو ان لوگوں سے باز رکھا ہم بھی اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس عطیے سے ہماری بھی مدد کرے اور اپنے کرم و احسان سے اضلال کو ہم سے علیحدہ رکھے اور ہم کو خود ہمارے سپرد نہ کرے۔ کیونکہ وہ تباہ و برباد ہوا جس نے اپنے دل میں یہ گمان کیا کہ اس نے اپنے قوی کو مکمل کر لیا یہاں تک کہ وہ اب اس سے بے نیاز ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مزید توفیق و عصمت عطا فرمائے اور اسے اپنے خالق کو کوئی حاجت نہیں رہی کہ وہ اس سے اپنے فتنہ و کید کو دفع کرے اور خاص کر وہ شخص جس نے اپنے آپ کو اپنے خالق سے زیادہ اس پر قوی سمجھ لیا اور اپنے خالق کے پاس کوئی ایسی قوت نہیں سمجھی جس کے ذریعے سے وہ اس سے کید شیطان کو دفع کرے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس سے اس نے ان لوگوں کو امتحان لیا اور ہم ہر قوت و طاقت سے اللہ کے آگے اپنی تہی دستی ظاہر کرتے ہیں سوائے اس کے کہ جو اس نے ہمیں ہم پر فضل و کرم کر کے اس میں سے عطا کر دیا۔

شیطان کیسے گمراہ کرتا ہے؟

یہ جو قرآن میں آیا ہے کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی یاد سے غافل کرتے ہیں اور انہیں فریب دیتے ہیں اور بہکاتے ہیں اور یہی کام بعض انسان بعض کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو یہ بھی جیسا کہ قرآن میں آیا ہے بلا تکلف صحیح ہے یہ سب امور مذکورہ بالا کو لوگوں کے دلوں میں ڈالنا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں ان سب باتوں کو پیدا کرنا ہے اور وہی ان گمراہ کرنے والے جن و انس کے افعال کا خالق ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ”**حسـد امن عند انفسهم** “ (اس حسد کی وجہ سے جو خود ان کے نفوس کی طرف سے ہے) اس لئے کہ یہ ایک فعل ہے جس کی اضافت اس لئے نفس کی طرف کی گئی ہے کہ اس کا ظہور نفس ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نفس میں پیدا کیا ہے۔

اگر یہ لوگ یہ آیت پیش کریں ”**و ما کان اللـه لیضل قوما بعدا ذ هدیهم حتی یبینلهم ما یتقون** “ (اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو جب کہ انہیں ہدایت کر چکا ہے گمراہ کر دے تاوقتیکہ ان سے وہ چیزیں نہ بیان کر دے جن سے وہ بچیں) ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ معتزلہ پر حجت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک گمراہ نہیں کرتا تاوقتیکہ انہیں وہ ان امور کو صاف صاف نہ بتا دے جن سے ہو بچیں اور جو انہیں لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا اس لئے کہ انسان قبل اس کے کہ اس کے پاس رسول کی خبر آئے وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں قطعاً گمراہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف بندے کے اندر اپنے فعل کو اس کے پاس بیان پہنچ جانے کے بعد نہ کہ اس کے قبل اضلاع سے نامزد کیا **و باللـه تعالیٰ التو فیق** ۔ لہذا اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح بیان کرنے کے بعد انہیں گمراہ کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے اضلال کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لطف و کرم کو روک لیا جس کے سبب سے ایمان واقع ہوتا ہے۔ حالانکہ نصوص قرآن بلاشک اس معنی پر اضافہ کرتی ہیں اور اس کو واجب کرتی ہیں کہ اضلال کے کوئی زائد معنی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے کفار اور نافرمانوں کو دیے ہیں اور وہ وہی دل کی تنگی اور دلوں پر مہر اور قلوب پر کفر کا پختہ کر دیا اور قلوب کو پردے میں رکھنا ہے کہ وہ حق کو نہ

سمجھیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ بھی اگر اللہ تعالیٰ نفوس کی بذریعہ توفیق مدد نہ کرے تو یہ تمام نفوس کا فعل ہے تو ہم ان سے کہیں گے اس خلقت مفسدہ کو کس نے پیدا کیا پھر اگر اس نے بذریعہ توفیق اس کی مدد نہیں کی۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے ایسا پیدا کیا تو انہوں نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مصیبت عطا کی اور اسی نے اس میں اس ہلاک کرنے والی صفت کو ترکیب دیا۔ اگر وہ قول جاحظ و معمر کی طرف فرار کریں کہ یہ سب طبیعت کا فعل ہے تب بھی وہ ہمارے سوال سے نہ بچیں گے۔

ہم ان سے کہیں گے کہ پھر نفس کو کس نے پیدا کیا اور کس نے اس میں اس طبیعت کو پیدا کیا جو ان افعال کی موجب و باعث ہے اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو انہوں نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے یہ ایسی صفت دی جو اسے ہلاک کرنے والی ہے بشرطیکہ وہ لطف و توفیق سے اس کی مدد نہ کرے۔ اسی طرح اگر وہ یہ کہیں کہ نفس ہی نے ایسی طبیعت بنائی جو ان ہلاکتوں کی موجب ہے۔ تو باوجود اس کے کہ وہ اس قول سے خارج از اسلام ہو جائیں گے وہ محال ظاہر کے بھی لانے والے ہوں گے۔ اس لئے کہ اگر نفس ہی نے اپنی یہ طبیعت بنائی تو یا تو نفس اپنے فعل کا مختار ہے یا وہ جس صورت پر ہے اس صورت پر اپنے فعل پر مجبور و مضطر ہے۔ اگر وہ مختار ہے تو واجب آئے گا کہ اس کی طبیعت بارہا اس کے خلاف واقع ہو جس پر وہ ہمیشہ پائی جاتی ہے۔ اگر وہ مضطر ہے تو اسے اس فعل پر مضطر کس نے پیدا کیا۔ تو لامحالہ یہی ہوگا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مضطر کیا۔ انہوں نے بداہتہ اسی طرح رجوع کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے ایسی طبیعت عطا کی جو ہلاک کرنے والی ہے جس کے سبب سے معصیت ہوتی ہے۔ باوجودیکہ اہل اسلام میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ نفس نے اپنی طبیعت پیدا کی۔ اس کے ساتھ ہی یہ وہ قول ہے جسے مشاہدہ و حس اور ضرورت عقل باطل کرتی ہے۔

وہ معتزلہ جو اصلح کے قائل ہیں یہاں پر وہ بھی لاجواب ہیں انہوں نے کہا ہے کہ ہم لوگ نہیں جانتے کہ اضلال کے کیا معنی ہیں اور دلوں پر مہر لگانے اور ان پر کفر کو پختہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ضالین (گمراہ) نام رکھا اور ان پر یہ حکم کیا کہ وہ ضالین (گمراہ) ہیں۔

بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ ''**اضلھم**'' (انہیں گمراہ کیا) کے معنی یہ ہیں کہ ''**اتلفھم**'' (انہیں تلف کر دیا) حالانکہ سب دعوے ہیں جو بغیر برہان کے ہیں۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں معتزلہ کی قطعاً کوئی تاویل نہیں پائی جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کو حکایت کیا ہے ''ان ھی الا فتنتک تضل بھا من تشاء'' (یہ محض تیرا فتنہ ہے کہ اس سے جس کو چاہتا ہے تو گمراہ کرتا ہے)۔

اصلی گمراہی:

یہی حقیقی ضلال (گمراہی) ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں سرکشی و عناد و نابینائی کسی ایسے اصل کی پابندی پر آمادہ کرے جس کا فساد ظاہر ہو اور ان اسلاف کی تقلید جن میں کوئی خیر نہیں ہے۔

معتزلہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے کہ اضلال اور دلوں پر مہر لگانے اور کفر کو پختہ کرنے اور پردہ ڈالنے کے کیا معنی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نہایت واضح تفسیر کر دی ہے۔ یہ تو الفاظ عربیہ ہیں جن کے معنی اس لغت میں جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، معلوم ہیں۔ لہذا جس لفظ کے معنی لغت میں معلوم ہیں اسے ان معنی سے بدلنا جو اس کیلئے اس لغت میں وضع کئے گئے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں

خطاب کیا ہے۔ بدل کردہ معنی مراد لینا جس کے لئے وہ لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے جائز نہیں۔ سوائے اس کے کہ نص قرآن آئی ہو، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام آیا ہو یا علمائے امت کا اجماع ہو گیا ہو کہ یہ لفظ اس معنی سے بدل کر دوسرے معنی میں کر دیا گیا ہے، یا ضرورت حس یا بداہت عقل اس کے بدلنے کو واجب کرے تو اس وقت ان میں سے کسی ایک بات کو مانا جائے گا۔ ان الفاظ میں جن میں اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کر دیا او رشیطان نے انہیں ان کے سمجھنے سے عاجز کر دیا نہ تو کوئی نص ہے نہ اجماع ہے اور نہ کوئی اور ضرورت ہے کہ یہ اپنے مقام لغوی سے بدل دیے گئے ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کے لئے وہی آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ ہدایت و توفیق ہی اللہ تعالیٰ کی وہ تیسیر خیر ہے جس کے لئے اس نے پیدا کیا اور خذلان (ترک نصرت) فاسق کے لئے اللہ کی تیسیر شر ہے جس کے لئے اس نے اسے پیدا کیا۔ یہ لغت وقرآن و براہین ضروریۂ عقلیہ کے موافق ہے اور جس پر فقہاء و آئمۂ محدثین وصحابہ وتابعین اور ان کے بعد کہ عامۂ مسلمین ہیں ان سب کے موافق ہے۔ سوائے ان کے جن کو باوجود علم کے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اور جو ہوا پرست اور نفس پرست لوگوں کے پیرو ہیں مثل نظام وثمامہ وعلاف وجاحظ کے۔

قول فیصل:

اللہ کی مدد وتائید سے ہم اس شخص کے سامنے جسے علم نفس اور اس کے اخلاق اور اس کی ایجاد کی قدرت کے متعلق ادنی سی بصیرت بھی ہے ایسا واضح وضروری وطبعی بیان پیش کرتے ہیں جس میں کوئی خفاء نہ رہے گا۔

ہم بہ توفیق الٰہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کو صاحب تمیز وعقل، اشیاء کی ماہیت کا سمجھنے والا جو خطاب اس کو کیا جائے اس کا سمجھنے والا بنایا، اس قابل بنایا کہ اسے امر ونہی کی جائے، اسے کام کرنے والا بنایا اور اس قابل بنایا کہ اس پر انعام کیا جائے اور عذاب کیا جائے اسے لذت والم وتکلیف برداشت کرنا پڑے اور اسے صاحب حس بنایا۔ اور اس میں دو ایسی قوتیں پیدا کیں جو ایک دوسری سے برسر پیکار اور تاثیر میں باہم ایک دوسری کی ضد ہیں۔ یہ دونوں تمیز وہوا یعنی خواہش نفس ہیں کہ ان میں سے ہر ایک قوت آثار نفس میں دوسری پر غلبہ چاہتی ہے۔

تمیز تو وہ ہے جو انسان جن اور ملائکہ کے لئے مخصوص ہے کہ اس حیوان کے لئے جو مکلف نہیں اور جو ناطق (صاحب ادراک وعقل) نہیں۔

ہوا وہ ہے جس میں نفوس انسان کے ساتھ نفوس جن بھی شریک ہیں اور ان حیوانات کے نفوس بھی شریک ہیں جو ناطق نہیں مگر لذت وغلبے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ قوت سوائے ملائکہ کے ہر جاندار میں ہے کیونکہ ملائکہ میں صرف قوت تمیز ہے۔ اسی لئے ان سے کسی طرح بھی قطعاً معصیت سرزد نہیں ہو سکتی جب اللہ تعالیٰ کسی نفس کو معصوم کرتا ہے تو اللہ کی جانب سے خاص قوت کی وجہ سے تمیز غالب ہو جاتا ہے اور یہی قوت مدد واعانت ہے طاعات کے کرنے میں نفس کے افعال اسی قوت کے مطابق جاری ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے تمیز میں رکھ دی ہے اور اسی کا نام عقل ہے اور جب اللہ تعالیٰ نفس کو مخذول (بے یار ومددگار) کر دیتا ہے تو ہوا کو اس قوت سے مدد دیتا ہے جو اضلال ہے۔ افعال نفس یعنی شہوات وخواہش غلبہ وحرص وسرکشی وحسد اور بقیہ اخلاق رذیلہ، معاصی اسی قوت کے مطابق جاری ہوتے ہیں جو اللہ نے اس کی ہوا میں رکھ دی ہے۔

اس پر براہین قائم ہیں کہ نفس مخلوق ہے اور اسی طرح اس کے وہ تمام قوی بھی مخلوق ہیں جو اسی کی دونوں ابتدائی قوتوں یعنی تمیز وہوا

سے پیدا ہوتے ہیں کہ یہ سب مخلوق ہیں اور نفس کے اندر مرکب ہیں اور اپنی حیثیت کے مطابق نفس کے اندر مرتب ہیں۔ ہر ایک اپنی طبیعت پر پیدا کیا گیا ہے جو جاری ہے کہ اس کی کیفیات اسی کے مطابق نفس کے اندر جاری ہوں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا تو پھر بعض کو بعض پر غالب کرنے والا سوائے خالق کل وحدہ لاشریک لہ کے کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کے نہ مذموم ہونے پر تصریح کی ہے۔ سوائے اس کے کہ جس پر اللہ نے رحم کیا اور اسے معصوم کیا۔ ارشاد فرمایا کہ ''ان النفس لا مارة بالسوء الا من رحم ربی'' (بیشک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے سوائے اس کے کہ جس پر میرا رب رحم کرے) اللہ تعالیٰ نے ہمارے قول کی نص کے مطابق خبر دی۔

ثابت ہو گیا کہ جس نفس پر رحمت ہوتی ہے وہ مستثنیٰ ہے جو برائی کا ہے حکم نہیں دیتا۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فا ن الجنة هي الماوى'' (لیکن جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے نفس کو ہوا سے روکا تو بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک سے زائد مقام پر ہوا کی مذمت کی ہے اور یہی ہمارے قول کی نص ہے۔ و حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

قضاء وقدر

مسلمانوں کے ان دونوں لفظوں کے کثرت استعمال کی وجہ سے بعض نے یہ گمان کر لیا کہ ان دونوں لفظوں میں اجبار و اکراہ کے معنی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔

قضاء کے معنی اس لغت میں جس میں اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کیا ہے اور اسی میں ہم بھی باہم خطاب کرتے اور اپنی مراد کو سمجھتے ہیں، صرف حکم کے ہیں اور اسی لئے قاضی بمعنی حکم کہتے ہیں ''قضى الله عزوجل بكذا اى حكم'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس طرح قضاء کیا یعنی حکم دیا۔

امر کے معنی میں بھی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے ''وقضى ربك الا تعبدوا الا ايا ه'' (اور آپ کے رب نے امر فرمایا ہے کہ سوائے اس کے تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو)۔ اس کے معنی بغیر کسی اختلاف کے یہی ہیں کہ ''امر الا تعبدوا الا اياه'' (اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو) نیز بمعنی اخبر (یعنی خبر دی) بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''و قضينا اليه ذلك الا مران دا بر هؤلاء مقطوع مصبحين'' (اور ہم نے انہیں اس امر کی خبر دی کہ صبح کے وقت ان لوگوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا) اور فرمایا ''وقضينا الى بنى اسرائيل فى الكتاب لتفسدن فى الارض مر تين و لتعلن علوا كبيرا'' (اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں خبر دی کہ تم لوگ زمین میں دو مرتبہ ضرور بالضرور فساد برپا کرو گے اور زبردست تکبر اختیار کرو گے)۔

نیز بمعنی اراد (چاہا اور ارادہ کیا) بھی ہے جو حکم کے معنی کے قریب ہے۔ فرمایا ہے ''اذا قضى امرا فا نما يقول له كن فيكون'' (جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس سے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے) یعنی جب اسے وجود میں آنے کا حکم دیا تو اسے موجود کر دیا۔

قدر کے معنی لغت عربیہ میں ترتیب اور اس حد کے ہیں جس پر کوئی شے ختم ہو۔ جب بنیاد کو مرتب و محدود کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ "قدرت البناء" یعنی میں نے بنیاد کو مقدر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وقدر فیھا اقواتھا" (اور زمین میں اس کی قوتیں مقدر کیں یعنی مرتب و محدود کیں) اور فرمایا ہے "انا کل شئی خلقناہ بقدر" (ہم نے ہر شے کو قدر کے ساتھ یعنی رتبے وحد کے ساتھ پیدا کیا) قضی و قدر کے معنی "حکم و رتب" ہیں یعنی حکم دیا اور مرتب کیا۔ قضا قدر کے معنی اللہ تعالیٰ کا کسی شے کے بارے میں اس کے محمود یا مذموم ہونے کا حکم دینا اور اس کے وجود ترتیب کے فلاں صفت اور فلاں وقت پر ہونے کا حکم دینا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بدل ①

ان لوگوں نے جو فعل کے ساتھ استطاعت کے قائل ہیں کہا ہے کہ جب یہ سوال کیا جائے کہ آیا کافر کو اس ایمان کی استطاعت ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے یا اسے اس کی استطاعت نہیں ہے انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کافر کو بطور بدل کے ایمان کی استطاعت ہے یعنی کفر میں ہمیشہ نہ رہے گا لیکن اسے قطع کر دے گا اور اس کو ایمان سے بدل دے گا۔

جواب صحیح:

اس کا جواب جو دینا واجب ہے وہ وہی جواب ہے جس کی صحت اللہ کی قوت و مدد سے ہم اپنے کلام دربارہ استطاعت میں بیان کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ بظاہر حال اپنے سلامت اعضاء اور وارتفاع موانع کی وجہ سے مستطیع ہے۔ ایمان و کفر کے جمع کرنے پر جب تک کہ وہ کافر ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ اسکی مدد نہ کرے غیر مستطیع ہے۔ جب اس کی مدد کر دی تو اس کی استطاعت مکمل ہوگئی اور اس نے فعل کیا۔

اگر کہا جائے کہ تب تو وہ مکلف و مامور ہوا۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔

اگر کہا جائے کہ آیا وہ اس سے عاجز ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور اس کے کرنے کا مکلف ہے ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ وہ اپنی ظاہر فطرت میں اپنے سلامت اعضاء وارتفاع موانع کی وجہ سے عاجز نہیں ہے اور وہ فعل اور اس کی ضد کے جمع کرنے سے عاجز ہے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے مدد نہ نازل کرے۔ نزول مدد کے بعد اس سے ارتفاع عجز مکمل ہو جائے گا اور فعل پایا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ عجز لغت میں اس پر واقع ہوتا ہے جو اعضا پر کسی آفت کی وجہ سے روک دیا گیا ہو یا کوئی ظاہری مانع حواس پر ہو اور جس کو فعل کا حکم دیا گیا ہے وہ اپنے ظاہر حال میں عاجز نہیں ہے کیونکہ نہ تو اس کے اعضاء پر کوئی آفت ہے اور نہ اس کے لئے کوئی ظاہری مانع ہے وہ درحقیقت فعل اور اس کی ضد کے جمع کرنے سے اور فعل اور اس کے ترک سے اور اس فعل سے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد نہ کی ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس علم کی تکذیب سے کہ جو ازل سے اس امر کے متعلق ہے کہ وہ وہی کر سکے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے کہ یہ شخص یہ کریگا۔ اس باب میں حقیقی جواب یہ ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین**۔

اگر کہا جائے کہ تب تو وہ جو کچھ کرتا ہے اس کا مختار ہوا۔ تو ہم کہیں گے ہاں اور اختیار بھی حقیقی ہے نہ کہ مجازی۔ اس لئے کہ وہ اس فعل کے اپنے سے سرزد ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے چاہتا ہے اور اس کے ترک پر اس کے وجود کو ترجیح دیتا ہے درحقیقت لفظ اختیار کے یہی معنی ہیں۔ وہ نہ مضطر ہے نہ مکرہ نہ مجبور اس لئے کہ یہ الفاظ لغت میں اس شخص پر واقع ہوتے ہیں جو اس حال میں جو کچھ اس سے ہوتا ہوا سے ناپسند

---

① بدل ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل دیے جانے کا امکان یا وقوع

کرتا ہو۔ کبھی انسان ایک ہی حالت میں مضطر و مختار و مکرہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً وہ شخص جس کے پاؤں میں وہ بیماری ہو جس میں سوائے پاؤں کاٹنے کے کوئی علاج نہ ہو تو یہ شخص اپنے مددگاروں کو اپنے اختیار سے اس کے کاٹنے کا اور کاٹنے کے بعد آگ سے داغ دینے کا حکم دے گا اور لوگوں کو یہ حکم دے گا کہ وہ اس کو پکڑے اور روکے رہیں اور اس کے شور و غل کی پروا نہ کریں جب وہ درد محسوس کرے اور انہیں اپنے چھوڑنے کا حکم دے اور اس کی کوتاہی پر مارنے اور سخت عذاب کرنے کی دھمکی دے تب بھی وہ پروا نہ کریں وہ لوگ اس کے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ وہ اپنا پاؤں کٹوانے کا مختار ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے پورے طور پر ناپسند کرتا تو بے شک اسے اس پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ وہ بلا شک اسکے کٹنے کو پسند کرتا ہے اور اس کے لئے مجبور ہے۔ کیونکہ اگر موت کے علاوہ اسے کسی وجہ سے بھی کوئی ایسی سبیل ملتی کہ جس سے پاؤں نہ کٹتا تو وہ اسے نہ کاٹتا۔ وہ اپنے مددگاروں کے پکڑنے کی وجہ سے مجبور و مکرہ ہے تاکہ کاٹنا اور داغ دینا مکمل ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر وہ لوگ اسے نہ روکیں اسے تنگ نہ کریں اس پر غلبہ نہ کریں اس پر زبردستی نہ کریں اور اس کو مجبور نہ کریں تو اس کا کاٹنا قطعاً ناممکن ہے۔ یہ مثال ہم محض اس لئے لائے ہیں کہ جہلاء اس کا انکار نہ کر سکیں کہ ایک ہی شخص ایک وجہ سے مختار ہو سکتا ہے اور دوسری وجہ سے مکرہ و مجبور ایک وجہ سے عاجز ہوتا ہے اور دوسری وجہ سے مستطیع۔ ایک وجہ سے قادر ہوتا ہے اور دوسری وجہ سے ممنوع اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے افعال پیدا کرتا ہے

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے افعال پیدا کرنے کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

تمام اہل سنت اور وہ تمام لوگ جو فعل کے ساتھ استطاعت کے قائل ہیں مثلاً مریسی و ابن عون و نجاریہ و اشعریہ جہمیہ اور خوارج کے چند گروہ اور مرجیہ و شیعہ اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کے تمام افعال مخلوق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان افعال کے کرنے والوں میں پیدا کر دیا ہے۔

معتزلہ میں سے ضرار بن عمرو اور اس کے ساتھی ابو یحییٰ حفص الفرد نے بھی ان لوگوں کی پوری پوری موافقت کی ہے۔

بقیہ معتزلہ اور خوارج و مرجیہ و شیعہ میں سے معتزلہ کی موافقت کرنے والے اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کے افعال حادث ہیں جن کو ان کے فاعلین نے بنایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں پیدا کیا۔ یہ اس بناء پر ہے کہ ان کی جانب سے ماہیت افعال نفس میں بدحواسی ہوئی ہے سوائے بشر بن المعتمر کے کہ یہ پلٹ گیا اور اس نے کہا کہ بندوں کے افعال میں سے کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں بطور حکم و اسم اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو۔ اس سے بشر بن المعتمر کی مراد یہ ہے کہ بندوں کا کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم اس طور پر نہ ہو کہ وہ فعل صواب ہے یا خطاء اور اس کا نام رکھنا اس طور پر کہ وہ حسن ہے یا قبیح۔ طاعت ہے یا معصیت۔

اسی حیا سوز و ملعون قول نے معتزلہ کے ایک بہت بڑے شخص عباد شاگرد ہشام بن عمرو الفوطی کو اس حد تک پہنچا دیا کہ اس نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو پیدا نہیں کیا اس لئے کہ یہ لوگ تو انسان و کفر کا مجموعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے اجسام کو پیدا کیا نہ کہ ان کے کفر کو۔ اس شخص کو خود اسی کے مثل مومنین اور تمام ملائکہ اور جن میں بھی لازم آئے گا اس لئے کہ کافر و مومن کے سوا کوئی نہیں۔ مومن انسان اور اس کا ایمان ہے۔ یا فرشتہ اور اس کا ایمان ہے اور جن اور اس کا ایمان اور اس کا کفر ہے۔ اس بدکار و نالائق کے قول کے مطابق یہ کہنا جائز نہیں کہ انسانوں اور ملائکہ اور جن میں سے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق سعید ہے بلکہ اس کا قائل ہونا ہی جھوٹ ہو جائے گا اور اس قول کا خلاف

قرآن و مسلمین ہونا ہی تمہارے لئے کافی ہے۔

معمر و جاحظ نے کہا ہے کہ بندوں کے تمام افعال میں سے کوئی فعل بھی ان کا نہیں ہے۔ ان کا ظہور چونکہ انسان سے ہوتا ہے اس لئے یہ مجازاً اسکی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں۔ یہ تمام افعال سوائے ارادے کے طبیعت کا فعل ہیں۔ سوائے ارادے کے انسان کا کوئی فعل نہیں ہے۔

جو اس قول میں غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ قول جہم اور تمام مجبرہ (انسان کو مجبور ماننے والوں) کے قول سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے بندوں کے افعال کو اس طرح طبیعت اضطرار یہ بنا دیا جس طرح آگ کا فعل اپنی طبیعت سے جلانا ہے۔ برف کا فعل اپنی طبیعت سے ٹھنڈا کرنا ہے۔ اور سقمونیا (دوا کا نام ہے) کا فعل اپنی طبیعت سے مادہ صفرا کا خارج کرنا ہے۔ یہ صفت تو اموات کی ہے نہ کہ ذی اختیار احیاء کی جب ان دونوں شخصوں کے قول کے مطابق انسان کے لئے سوائے ارادے کے کوئی فعل نہ رہا تو ہم نے ارادے کو بھی اس طرح پایا کہ انسان نہ تو کسی طرح بھی اس کے بدلنے پر قادر ہے نہ پھیرنے پر نہ اس کے پلٹنے پر۔ انسان سے محض اس کے حرکات وسکون کی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے ارادے میں اس کے لئے کوئی حیلہ نہیں ہوتا۔ مردوں میں سے ہر قوی مرد اگر تقوی نہ ہو تو ہر حسینہ و جمیلہ سے جماع کرنا اور اس سے لذت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جاڑے کی راتوں میں اور گرمی کی دو پہروں میں نماز سے سو رہنا چاہتا ہے روزے کے زمانے میں کھانا چاہتا ہے اور اپنے مال کو زکوۃ سے روکنا چاہتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے اس کے خلاف کرتا ہے اپنے ارادے پر غلبہ کرتا ہے اور اس پر زبر دستی کرتا ہے ارادے کا پھیرنا اسے ممکن نہیں ہوتا۔ لہذا ان دونوں شخصوں کے قول کے مطابق اجبار و اکراہ صحیح و ثابت ہو گیا۔ **حسبنا اللہ و نعمُ الوکیل** ۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے بندوں کے تمام افعال پیدا کئے ان کے قول پر برہان قرآن کی نصوص ہیں۔ وہ براہین ضرور یہ بھی ہیں جو عقل و حس کا نتیجہ ہیں جن سے سوائے جاہل کے کوئی غافل نہیں۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "**ھل من خالق غیر اللہ**" (کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟) جسے عقل و تقوای ہو اس کے لئے یہ کافی ہے۔

بعض لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو محض اس کا انکار کیا ہے کہ یہاں کوئی ایسا خالق ہو جو ہمیں رزق عطا کرے جیسا کہ نص آیت میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جیسا اس معترض نے گمان کیا ہے بلکہ "**غیر اللہ**" پر جملہ پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے انعامات کو شمار کرنا شروع کیا ہے اس نے ہمیں خبر دی کہ وہ ہمیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے۔

فرمایا ہے "**فاقم جھلک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا . لا تبدیل لخلق اللہ . ذلک الدین القیم**" (اے نبی یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو دین کے لئے قائم کیجئے۔ جو اللہ کی وہی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی فطرت کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ یہی صحیح و درست دین ہے) یہ اس پر برہان جلی ہے کہ دین بھی مخلوق ہے۔ فرمایا ہے "**والذین تدعون من دون اللہ لا یخلقون شیاء و ھم یخلقون و لا یملکون لا نفسھم ضرا و لا نفعا و لا یملکون موتا و لا حیاۃ و لا نشورا**" (اور وہ لوگ کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی پیدا کئے جاتے ہیں اور نہ خود انہیں اپنے ہی ضرر و نفع پر قابو ہے اور نہ انہیں موت و حیات اور دوبارہ زندگی پر قابو ہے)۔

ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو مسیحؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ ملائکہ نے کہا اور سچ کہا کہ یہ لوگ جن کی عبادت کیا کرتے تھے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ہر وہ شے جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اور جن میں مسیحؑ و جن بھی ہیں کوئی شے پیدا نہیں کر سکتے اور نہ انہیں اپنے نفع و ضرر ہی پر قابو ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ تصرف و تدبیر کرنیوالے ہیں اور ان کے افعال کسی اور کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

فرمایا ہے ''**افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون**'' (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے ایسا ہی ہے جو نہیں پیدا کرتا کیا یہ لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے (اور غور نہیں کرتے کہ خالق و غیر خالق مساوی نہیں ہو سکتے)۔

یہ اس امر کے ابطال پر نص جلی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی کوئی شے پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس جگہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہوتا جو پیدا کر سکتا تو جو پیدا کر سکتا ہے۔ وہ موجود و جنس ہوتا جو ایک حیز (مکان) میں ہوتا اور جو نہیں پیدا کر سکتا وہ دوسری جنس ہوتا اور شبہ و مثل جو پیدا کر سکتا ہے اس کے درمیان میں موجود ہوتا اور جو نہیں پیدا کر سکتا ہے وہ اس کے مشابہ نہیں ہے جو پیدا کر سکتا ہے یہ الحاد عظیم ہے۔ لہذا اس آیت کی نص سے ثابت ہوگیا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے اور جو اس کے سوا ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے مثل نہیں ہے جو پیدا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے مثل نہیں ہے۔ جو نہیں پیدا کر سکتا اور وہ اس کے سوا ہیں (جو پیدا نہیں کر سکتے)۔

فرمایا ہے ''**ولکل وجهة هو مو لیها**'' (اور ہر سمت کا وہی بدلنے والا ہے) یہ نص جلی ہے جو اس کی تکذیب کرے گا کافر ہو جائے گا ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان تمام جہات کا حکم نہیں دیا بلکہ ان میں کفر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا۔ جب کہ وہی ہر سمت و جہت کا بدلنے والا ہے تو اس کے سوا کچھ نہ رہا کہ وہی ہر جہت کا خالق ہے نہ کہ اور کوئی یہ اس شخص کے لئے کافی ہے جو عاقل ہو اور اپنا خیر خواہ ہو۔

ان نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''**هذا خلق الله فارونی ماذا خلق الذین من دونه**'' (یہ تو اللہ کی مخلوق ہے تم لوگ مجھے دکھاؤ کہ وہ کیا چیز ہے جسے اللہ کے ماسوا نے پیدا کیا۔ یہ الزام ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ عالم میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ تمام اشخاص و اشیاء جو اس کے سوا ہیں قطعاً کوئی شے پیدا نہیں کر سکتے اور اگر یہاں اشیاء میں سے کسی شے کا بھی خالق اللہ کے سوا کوئی اور ہوتا تو ان تقریر کرنے والوں کا جواب ایک قطعی جواب ہوتا۔ ضرور یہ لوگ اللہ سے کہتے کہ ہاں ہم تجھے اپنے افعال دکھاتے ہیں کہ جنہیں تیرے ماسوا نے پیدا کیا ہے اور ہاں یہاں بہت سے خالق ہیں۔ اور وہ خالق ہم لوگ ہیں جو اپنے افعال کے خالق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''**ام جعلو الله شر کاء خلقو اکخلقه فتشا به الخلق علیهم قل الله خالق کل شئی**'' (کیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے شرکاء بنا دیے کہ جنہوں نے اللہ ہی کی طرح مخلوق پیدا کی پھر خلق کے پیدا کرنے سے انہیں شبہ ہوگیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے) یہ ایسا بیان واضح ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے اس لئے کہ تمام خلق جواہر و اعراض ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جواہر کو سوائے اللہ کے کوئی بھی پیدا نہیں کر سکتا اس کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے اب صرف اعراض رہ گئے۔ اگر بعض اعراض کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا اور بعض کے خالق انسان ہوتے لامحالہ یہ لوگ بھی پیدا کرنے میں شریک ہوتے۔ ان کی بھی یہی شان ہوتی کہ انہوں نے بھی اللہ ہی کی طرح پیدا کیا۔ اللہ نے بھی اعراض پیدا کئے اور انہوں نے بھی اعراض پیدا کئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور قرآن کا خالص ابطال ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کوئی شے پیدا نہیں کر سکتا۔

خلق ایجاد کرنے (بنانے اور پیدا کرنے) کو کہتے ہیں۔ تمام اعراض کی طرح اللہ ہی ہمارے افعال کا مخترع (موجد و خالق) ہے اور

کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تمام اعراض کے پیدا کرنے کی نفی کریں تو انہیں لازم آئے گا کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ غیر فاعل کے افعال ہیں یا یہ جن اجسام جمادیہ وغیرہ سے ظاہر ہوا ہے ان کا فعل ہے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ غیر فاعل کے افعال ہیں تو تصریحاً یہی قول دہریین کا ہے اور اس وقت ان سے وہی کلام کیا جائے گا جو دہریین سے کیا جاتا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ اجرام (اجسام) کے افعال ہیں تو یہ جمادات کو فاعل و موجد بنا دیں گے۔ یہ باطل و محال ہے۔ نیز یہ ان کا قول بھی نہیں ہے کیونکہ طبیعت کوئی ایسی شے نہیں کرتی کہ وہ جس کی موجود ہو اور اس کا فاعل جس سے یہ ظاہر ہوا ہے وہی طبیعت کا خالق ہے جو طبیعت سے اس چیز کا ظاہر کرنے والا ہے جو اس سے ظاہر ہوئی ہے۔ لامحالہ وہ سب کا خالق ہے۔

منجملہ ان نصوص کے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**اتعبدون ما تنحتون و الله خلقكم و ما تعملون**'' (کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جن کو گھڑتے ہو۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور اسے بھی جو تم عمل کرتے ہو) بیشک اس نے ہمیں بھی پیدا کیا اور لکڑیاں بھی پیدا کیں اور وہ کانیں بھی پیدا کیں جن میں کام کیا جاتا ہے۔ یہ اس امر کی نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اعمال بھی پیدا کئے۔

ان میں سے بعض نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ''**والله خلقكم و ما تعملون منها الا وثان**'' (اور اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور اسے بھی پیدا کیا جس سے تم لوگ بت بناتے ہو)۔

یہ کلام اپنے قائل کے جہل اور ہٹ دھرمی اور اس کے لاجواب ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ جس لغت میں ہمیں قرآن میں خطاب کیا گیا ہے اور جس میں ہم لوگ آپس میں سمجھتے سمجھاتے ہیں اس میں کوئی یہ نہ کہے گا کہ انسان لکڑی اور پتھر کا عمل کرتا ہے یعنی بناتا ہے۔ یہ نہ تو لغت ہی میں جائز ہے اور نہ عقل میں۔ اس کا استعمال موصولا ہوتا ہے (یعنی لکڑی اور پتھر کے سوا کوئی اور لفظ بھی ملایا جاتا ہے) اس طرح کہا جاتا ہے ''**عملت هذا العود صنما**'' (میں نے اس لکڑی کو صنم بنا دیا) ''**وعملت هذا الحجر و ثنا**'' (اور میں نے اس پتھر کو بت بنا دیا)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف اپنے اس صنمیت کے پیدا کرنے کو بیان کیا جو صنم کی شکل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے اس قول سے تصریح فرمائی کہ ''**اتعبدون ما تنحتون و الله خلقكم و ما تعملون**'' ہم نے حسب تصریح آیت و مشاہدہ نحت کا عمل کیا (نحت کے معنی گھڑنے کے ہیں یعنی پتھر یا لکڑی کو گھڑ کر بت کی شکل میں کر دیا) یہی چیز ہے جو ہم نے کی اور اسی عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے اسے پیدا کیا۔

ان کے ایک بڑے شخص محمد بن عبداللہ الاسکافی سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عود۔ طنبورہ۔ مزمار (باجے) پیدا نہیں کئے معتزلہ کو لازم ہے کہ وہ اس پر اس کی موافقت کریں۔ اسلئے کہ تختے کا نام نہ عود ہے نہ طنبورہ۔ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ طنبورہ نہ خریدے گا پھر اس نے تختہ خریدا تو وہ حانث نہ ہوگا (یعنی اس کی قسم نہ ٹوٹ گی) اسی طرح اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ تختہ نہ خریدے گا پھر اس نے طنبورہ خریدا تو اسکی بھی قسم نہ ٹوٹے گی۔ لغت میں طنبورے پر تختے کا اطلاق نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **خلق السموات والارض** (اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا)۔ یہ تصریح قرآن یہ مخلوق ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ کہا ہے کہ ''**خلق السموات والارض و ما بينهما فی ستة ايام**'' (اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اسے چھ دن میں پیدا کیا) لوگوں کے اعمال انہیں ایام میں مخلوق ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی نہیں کی کہ وہ ان چھ ایام کے بعد کچھ پیدا نہ کرے گا بلکہ اس نے یہ فرمایا ہے "**یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقا من بعد خلق**" (وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا ہے)۔

اور فرمایا ہے "**لقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلنا ہ نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظا ما فکسو نا العظام لحماثم انشاناہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین**" (اور ہم نے انسان کو گارہ کے خلاصے سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا جو ایک مستقر میں مقیم رہا۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنادیا پھر ہم نے اس گوشت کو ہڈیاں بنایا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنادیا۔ چنانچہ اللہ بڑا برتر ہے جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔

یہ سب کچھ ان چھ ایام کے سوا میں ہوا۔ کیونکہ یہ نص اس مضمون کو لائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ایام کے بعد ہمیشہ پیدا کرے گا اور دنیا کے شروع ہونے کے بعد سے برابر پیدا کرتا رہے گا۔ پھر اہل جنت کی نعمتیں اور اہل جہنم کا عذاب ہمیشہ بلانہایت پیدا کرتا رہے گا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا عموم خلق آسمان وزمین اور ان کے درمیان اشیاء کا ہر موجود پر باقی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے اعمال آسمان وزمین کے درمیان ہیں اس لئے کہ یہ زمین وآسمان کو مس نہیں کرتے۔

یہ محض جنون ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں مماسۃ کی شرط نہیں کی۔ فرمایا ہے "**والسحاب المسخر بین السماء والارض**" (اور وہ ابر پیدا کیا جو زمین وآسمان کے درمیان میں تابع حکم ہے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ابر آسمان وزمین کو مس نہیں کرتا۔ پھر وہ اس جاہل کے قول کے مطابق غیر مخلوق ہوگا۔ نیز یہ بھی لازم آئے گا کہ یہ قول معمر وجاحظ کے مطابق یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ رنگوں کو پیدا کیا نہ مزوں کو نہ خوشبوؤں کو نہ موت کو اور نہ حیات کو۔ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں نہ زمین کو مس کرتی ہیں نہ آسمان کو۔

طبیعت کے معنی:

معمر وجاحظ کا یہ کہنا کہ یہ سب طبیعت کا فعل ہے۔ شدید کند ذہنی اور طبیعت سے ناواقفی ہے۔ حالانکہ لفظ طبیعت کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ شے کی وہ قوت ہے کہ جن کیفیات پر وہ شے ہے وہ کیفیات اس کے سبب سے جاری ہوتی ہیں یہ ضروری طور پر ہم جانتے ہیں کہ یہ قوت عرض ہے جو صاحب عقل نہیں ہے۔ ہر وہ جسم یا عرض مثلاً پتھر اور تمام جمادات کہ جن کو کوئی قدرت واختیار نہیں ہے تو جو شخص ان اشیاء سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اس کو یہ کہے کہ یہ ان کے افعال ہیں جن کی موجد یہ خود ہیں وہ انتہائی جہل میں ہے۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ ان افعال کو ان اشیاء کے ماسوا کسی نے پیدا کیا ہے اور یہاں سوائے خالق کل کے کوئی اور خالق نہیں اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جو اس مقام تک پہنچ گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس جہل عظیم وکفر خالص کو جس میں دہر میں اس کے موافق ہیں اور اسکی تکذیب قرآن کو آشکارا کرنے میں ہماری کارسازی کی ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ "**الذی خلق الموت و الحیٰوة لیبلو کم ایکم احسن عملا**" (اللہ وہ ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہارا امتحان کرے کہ تم سب سے اچھے عمل والا کون ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "**تسقی بماء واحد و نفضل بعضھا علی بعض فی الاکل**" (ایک ہی پانی سے سینچا جاتا ہے اور ہم ذائقے میں بعض کو بعض سے بڑھا دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کا مزوں میں ایک دوسرے سے بڑھنا اللہ کا فعل ہے ہم اللہ کی پناہ

مانگتے ہیں اس سے کہ جس میں اس نے ان لوگوں کو مبتلا کیا اور جس میں انہیں ڈبو دیا۔

معمر نے کہا کہ موت وحیات کے پیدا کرنے کے معنی اماتت واحیاء (موت دینا اور زندہ کرنا) ہیں۔

مگر اس نے اس سے زیادہ نہ کیا کہ اس نے اپنا پورا جہل ظاہر کر دیا جس کی دو کھلی ہوئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا اپنے رب کے کلام کی نص کو بلا دلیل بدلنا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ اس سے نہ ہٹا جو اس کو لازم آیا ہے۔ کیونکہ موت وحیات بلاشک اماتت واحیاء، ہی ہیں اس لئے کہ حیات واحیاء یہ ہے کہ نفس یا روح کو اس جسد کے ساتھ جمع کرنا ہے جو اجزائے زمین سے مرکب ہے اور موت واماتت بھی ایک ہی قبیل سے ہے اور وہ نفس وجسد مذکورہ کے درمیان جدائی کر دینا ہے۔ جب نفس وجسد کا جمع وتفریق دونوں چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں تو یہ ثابت ہو گیا کہ موت وحیات بھی یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں اور اس مجنون کی فریب کاری باطل ہو گئی۔

اس بارے میں نصوص قاطعہ میں سے یہ آیت ہے ''**انا کل شئی خلقنا ہ بقدر** '' (بیشک ہم نے ہر شے کو اندازے سے پیدا کیا) ان میں سے بعض نے اس دعوے کی طرف پناہ لی ہے کہ اسمیں خصوص ہے (عموم نہیں ہے) اس نے یہ آیت بیان کی ہے ''**تدمر کل شئی ما بر مرربھا فا صبحو الا یری الا مسا کنھم** '' (وہ ہوا ہر شئی کو اپنے رب کے حکم سے اکھاڑ پھینکتی تھی جب ان لوگوں نے صبح کی تو ان کے مکانوں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی (یعنی سب کے سب ہوا کے عذاب سے ہلاک ہو چکے تھے) اور یہ آیت بیان کی ہے ''**واوتیت من کل شئی** '' (اور بلقیس کو ہر شئی دی گئی ہے) اور یہ آیت بیان کی ہے ''**ففتحنا علیھم ابواب کل شئی حتی اذافرحوابما اوتوا**'' (پھر ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اس پر اترا گئے جو انہیں دیا گیا تھا)۔

ان تمام آیات میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل وحجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر شے کو تباہ کر دیتی تھی۔ یہ اس امر کا بیان جلی ہے کہ اسنے ہر اس شے کو تباہ کر دیا۔ جس کے تباہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اسے دیا تھا نہ کہ اس کو جس کے تباہ کرنے کا اسے حکم نہیں دیا تھا۔ یہ ہر اس شے کے لئے عموم ہے جس کے متعلق اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''**اوتیت من کل شئی** '' (بلقیس کو ہر شے میں سے کچھ دیا گیا تھا) تو ''من'' تبعیض کے لئے ہے (یعنی یہ حرف جس پر داخل ہوا ہے اس کے بعض اجزاء مراد ہیں۔ کل اجزاء مراد نہیں) اللہ نے جس کو اشیاء میں سے کوئی شے بھی دی تو اسنے اسے تمام اشیاء میں سے دی۔ اس لئے کہ اس نے اسے بعض اشیاء دیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیے۔ تو حق ہے ہم اس کھولنے (فتح) کی کیفیت کو نہیں جانتے۔ مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا صحیح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ بعض اشیاء عطا فرمائیں جن کے دروازے ان پر کھول دیے۔ اگر ان عموم میں سے کسی میں کوئی برہان ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور اس سے صرف خصوص مراد لیا گیا ہے تو بھی اس سے یہ واجب نہ ہوگا کہ ہر عموم کو اس کے ظاہر کے خلاف محمول کیا جائے بلکہ ہر عموم اپنے ظاہر پر محمول ہوگا تاوقتیکہ کوئی برہان اس امر پر قائم نہ ہو کہ وہ مخصوص ہے یا منسوخ ہے۔ اس وقت اس برہان کو مانا جائے گا اور تخصیص یا نسخ کو اس عموم تک متعدی نہ کیا جائے گا جس پر برہان قائم نہ ہو کہ یہ منسوخ یا مخصوص ہے۔ اگر اس کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی خبروں میں سے کوئی واقعہ بھی ثابت نہ ہوتا اور نہ کبھی کوئی شریعت ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ کوئی شخص بھی اللہ کے احکام واخبار میں سے کسی حکم یا خبر کے متعلق یہ کہنے سے عاجز نہیں ہے کہ وہ اسے اس کے غیر ظاہر پر محمول کرے یا عموم جن کا مقتضی ہے ان کے بعض پر محمول کرے اور یہ محض سفسطہ کفر اور حماقت ہے۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان** ۔ اللہ تعالیٰ کے

اس قول کی تخصیص پر کوئی برہان قائم نہیں ہے ”انا کل شئی خلقناہ بقدر“ (بیشک ہم نے ہر شے اندازے سے پیدا کی)۔ (لہذا یہ اپنے عموم ہی پر محمول ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا خالق ماننا پڑے گا خواہ وہ عرض ہو خواہ جوہر۔ خواہ ہمارے اجسام ہوں خواہ ہمارے افعال)۔

منجملہ ان کے یہ آیت ہے ”ما اصاب من مصیبة فی الارض ولافی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذلک علی اللہ یسیر ۔ لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتکم“ (جو مصیبت کہ ملک میں یا تمہاری جانوں میں آئی وہ ایک کتاب میں تھی قبل اس کے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں۔ یہ لکھنا اللہ کو نہایت آسان ہے (اور مصیبت کیوں آئی) اس لئے کہ تا کہ تم اس سے مایوس نہ ہو جو تم سے فوت ہوگیا اور اس پر اتراؤ نہیں جو تمہیں اس نے عطا کر دیا)۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمادی کہ اس نے تمام مصائب پیدا کئے وہ ان سب کا باری ہوا۔ اور باری ہی خالق ہے جس میں کوئی شک نہیں لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے کیونکہ وہ ہر اس شے کا خالق ہے جو زمین کو پہنچے یا جانوں کو پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بیان کا اضافہ کیا جو تمام اشکال کو رفع کر دیتا ہے جو یہ قول ہے ”لکیلا تا سوا علی ما فا تکم ولا تفرحوا بما آتاکم“ (تا کہ تم اس سے مایوس نہ ہو جو تم سے فوت ہوگیا اور اس پر اتراؤ نہیں جو تمہیں اس نے عطا کیا) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جو مصائب جان و مال پر آتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور کبھی یہ مصائب ظالمین کے افعال سے ہوتے ہیں جو مال تلف کر دیتے ہیں اور جان کو اذیت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کر دی کہ یہ سب مصائب و افعال اسی کی مخلوق ہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے (یہ استدلال تو منقول سے تھا)۔

عقلی استدلال:

بطور معقول کے یہ ہے کہ حرکت ایک نوع ہے جو چیز پوری نوع پر بولی جائے گی وہ اس نوع کے اشخاص پر بھی بولی جائے گی اگر نوع مخلوق ہے تو اس کے اشخاص بھی مخلوق ہیں۔ نیز اگر عالم میں کوئی شے ایسی ہو جو اللہ کی مخلوق نہ ہو تو جو شخص یہ کہے کہ عالم مخلوق ہے اور اشیاء مخلوق ہیں اور ماسوی اللہ مخلوق ہے تو وہ کاذب ہوگا۔ اس لئے کہ ان سب میں ان لوگوں کے نزدیک وہ چیز بھی ہے جو مخلوق نہیں ہے۔ جو یہ کہے کہ عالم غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو پیدا نہیں کیا وہ صادق ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہر ایسے قول سے پناہ مانگتے ہیں جو یہاں تک پہنچا دے۔

ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ الٰہ عالم اور ہر شے کا رب ہے یا نہیں اگر یہ کہیں کہ ہاں۔ تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ عموماً ہے یا خصوصاً۔ اگر یہ کہیں کہ عموماً ہے تو انہوں نے سچ کہا۔ انہیں اپنے قول کو ترک کرنا لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا بھی الٰہ ہو جن کو اس نے پیدا نہیں کیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ خصوصاً۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر اس وقت عالم میں وہ بھی ہوا کہ اللہ جس کا الٰہ نہیں ہے اور نہ اس کا رب ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے وہ کاذب ہوگا۔ وہ شخص جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ الٰہ العلمین ورب العلمین نہیں ہے وہ سچا ہوگا۔ یہ اسلام سے خروج اور اللہ تعالیٰ کے خالق کل شئی ورب العلمین کہنے کی تکذیب ہے۔ حالانکہ اس امر میں ان لوگوں نے ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ذی اختیار حیوان کے سوائے ملائکہ وانس وجن کے حرکات کا خالق ہے۔ ہم ضرور یہ جانتے ہیں کہ حرکات اختیاریہ نوع واحد ہیں۔ لہذا یہ محال و باطل ہے کہ بعض نوع مخلوق ہو اور بعض نوع غیر مخلوق۔

غلط استدلال:

ان لوگوں نے قرآن کی چند چیزوں سے اعتراض کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”فویل للذین یکتبون الکتاب

بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا "(پھر خرابی ہے ان لوگوں کو جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تا کہ اسکے ذریعے سے قلیل قیمت حاصل کریں)۔

اور فرمایا ہے "**لتحسبو ہ من الکتاب و ما ھو من الکتاب و یقولون ھو من عند اللہ و ما ھو من عند اللہ** "(تا کہ تم لوگ اس کو کتاب الٰہی میں سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب الٰہی میں سے نہیں ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے)۔

اور فرمایا ہے "**فتبارک اللہ احسن الخالقین**" (اللہ بڑا برتر ہے جو تمام خالقوں سے بہتر ہے)

اور فرمایا "**وتخلقون افکا**" (اور تم لوگ تہمت پیدا کرتے ہو)

اور فرمایا ہے "**صنع اللہ الذی اتقن کل شئی** " (یہ اسی اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شئے کو مستحکم کیا)

اور فرمایا ہے "**الذی احسن کل شئی خلقہ**" (اللہ وہ ہے جس نے ہر شئے کی پیدائش کو اچھا کیا)

اور فرمایا ہے "**ما تر ی فی خلق الرحمن من تفا وت**" (تم رحمٰن کے پیدا کرنے میں کوئی فرق نہ دیکھو گے)

ان لوگوں نے چند اعتراضات عقلی کئے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر اللہ نے بندوں کے اعمال پیدا کئے ہیں تب تو وہ اسی چیز سے غصہ ہوتا ہے جو اس نے پیدا کیا اور اسی کو ناپسند کرتا ہے جو اسنے کیا اور اپنے ہی فعل سے ناخوش ہوتا ہے اور جو کچھ اس نے کیا اور جس کی اس نے تدبیر کی اسی سے راضی نہیں ہوتا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو شخص جو کرتا ہے وہی اس کے ساتھ نامزد کیا جاتا ہے اور اسی کی طرف وہ شے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے سوا عقل کے خلاف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے خطاء وکذب وظلم وکفر پیدا کیا تو یہ سب اسی کی طرف منسوب ہونا چاہئے۔ حالانکہ ان سب سے بری و برتر ہے۔

نیز ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ایک فعل کا دو فاعلوں سے ہونا عقل کے خلاف ہے کہ یہ فعل پورا اس کا ہے یا یہ فعل پورا اس کا ہے۔

یہ بھی کہا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ فعل کا خالق ہے اور اس کا کاسب (حاصل کرنے والا) بندہ ہے۔ لہٰذا ہمیں تم اس کسب کے متعلق بتاؤ بندہ جس میں منفرد و تنہا ہے کہ یہ کسب بھی مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر تم کہو کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے تو تمہیں یہ لازم آئے گا اللہ تعالیٰ ہی اسکا کاسب ومکتسب ہے کیونکہ کسب ہی خلق ہے۔ اگر تم کہو کہ کسب غیر مخلوق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہے تو تم نے اپنا قول ترک کر دیا اور ہمارے قول کی طرف رجوع کرلیا۔

یہ کہا ہے کہ جب تمہارے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور تم کہتے ہو کہ تم ان کے کرنے اور ترک کرنے کی استطاعت رکھتے ہو تو تم نے یہ لازم کر دیا کہ تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی بعض مخلوق کو پیدا نہ کرے۔

یہ کہا ہے کہ جب تمہارا فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور وہ تمہارے فعل کی وجہ سے تم پر عذاب کرے تو وہ اس پر عذاب کرے گا جو اس نے پیدا کیا ہے۔

یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے کہ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہم اس پر راضی ہوں۔ اگر ظلم وکفر وکذب بھی اللہ کی مخلوق میں سے ہے تو ہم پر فرض ہے کہ ہم ظلم وکفر وکذب سے راضی ہوں۔

یہ ان کے وہ اعتراضات ہیں جن میں سے ان کی کوئی تفریع وجزئی نہیں چھوٹتی۔ حالانکہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی حجت ودلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اسی کی مدد وقت وطاقت سے بیان کرتے ہیں۔ **ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**۔

ہم کہتے ہیں کہ اور اللہ ہی سے مدد کے طالب ہیں، کہ یہ آیت کہ " **و یقولون من عند الله و ما هو من عند الله** "(اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے) تو اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی بھی حجت ودلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ آیت کا اول حصہ اس قوم کے بارے میں ہے جنہوں نے ایک کتاب لکھی اور کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس معاملے میں اللہ نے ان کو جھوٹا بنایا اور خبر دیدی کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے اور نہ اس میں سے ہے جس کے لکھنے کا اللہ نے حکم دیا۔ اس قوم نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ کتاب اللہ کی مخلوق ہے پھر اللہ نے اس معاملے میں اسے جھوٹا کہا ہو اور یہ کہا ہو کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہے۔ لہذا ان کا اس آیت سے اعتراض کرنا بالکل باطل ہو گیا۔

اس امر میں نہ معتزلہ کے نزدیک کوئی شک ہے اور نہ ہمارے نزدیک کہ وہ کتاب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس لئے کہ وہ کاغذ یا چمڑا اور روشنائی ہے اور یہ سب بلا شک مخلوق ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ قول کہ " **فتبارک الله احسن الخالقین** "(اللہ بڑا برتر ہے جو تمام خالقوں سے بہتر ہے) تو ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تعارض نہیں ہوتا اور نہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو رد کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **ولو کان من عند غیر الله لو جدوا فیه اختلافاً کثیرا** "(اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں کثیر اختلاف پاتے) کوئی شک نہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (اس آیت (**احسن الخالقین** میں) کفار پر ردوانکار فرمایا ہے۔ فرمایا ہے کہ " **ام جعلوا لله شر کاء خلقوا کخلقه فتشابه الخلق علیهم قل الله خالق کل شئی و هو الواحد القهار** " (کیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے جو شریک بنائے انہوں نے اللہ ہی کی طرح پیدا کیا اور پیدا کرنے سے یہ لوگ شبہے میں پڑ گئے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہ واحد وقہار یعنی غلبہ وقدرت والا ہے) اس آیت نے اسے واضح کر دیا جس سے معتزلہ نے اعتراض کیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ ایک قوم نے اللہ کے لئے شرکاء بنائے کہ جنہوں نے اللہ کی طرح پیدا کیا پھر ان لوگوں نے ان (شرکاء) کو خالقین بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا اور اسی پر اللہ کا یہ قول ظاہر ہوا " **تبارک الله احسن الخالقین** "(یعنی اللہ ان فرضی خالقین سے بہتر ہے) جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے " **یکیدون کیدا و اکید کیدا** "(یہ لوگ کید کرتے ہیں اور میں کید کرتا ہوں یعنی ان کو کید کی سزا دیتا ہوں) اور فرمایا " **ومکرو او مکر الله** "(انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا)۔

اس آیت میں معتزلہ کے گمانوں کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد باطل کر دیتا ہے " **ویوم ینادیهم این شر کائی قالو ا آذناک ما منا من شهید** " (اور جس روز وہ ان لوگوں کو ندا دے گا کہ کہاں ہیں میرے شرکائی تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم تجھے بتاتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی واقف نہیں) کیا کوئی مسلمان ایسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ان کفار سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ جنہوں نے اس کے لئے شرکائی بنا دیے تھے کہ " **این شر کاء** " کہاں ہیں میرے شرکاء) اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء واجب کر دے گا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خطاب ان لوگوں کو اللہ کے لئے شرکاء واجب کرنے کے جواب میں ظاہر ہوا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری وبرتر ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " **ذق انک انت العزیز الکریم** " (وہ اہل دوزخ سے کہے گا کہ) چکھیے آپ تو بڑے معزز و مکرم ہیں) ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ پورا کلام اس بنا پر ہے کہ یہ گرفتار عذاب دنیا میں اپنے آپ کو معزز و مکرم بتاتا تھا۔ ہم بضرورت عقل جانتے ہیں اور نص سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ وہی عالم کی ہر شے کا خواہ وہ عرض ہو یا جوہر خالق ہے اور اسی سبب سے اس کا یہ قول ظاہر ہوا ہے " **احسن الخالقین** " جو اس کے اس قول کے ساتھ ہے " **افمن یخلق کمن لا یخلق** " (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے مثل ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا) اگر ممکن ہوتا کہ عالم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہوتا جو کچھ بھی پیدا کر سکتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز اسکو رد نہ فرماتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وجود موجودات کا انکار نہیں کرتا وہ تو صرف باطل کا انکار کرتا ہے۔ لہذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا جس میں کوئی شک نہ رہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں جب اس میں کوئی شک نہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے کلام " **احسن الخالقین** " میں اثبات خالقین نہیں ہے۔ اس لئے کہ عالم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی خالق نہیں جو کچھ بھی پیدا کر سکے۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق**۔

یہ کلام الٰہی " **و تخلقون افکا** " (اور تم لوگ تہمت پیدا کرتے ہو) اور اللہ تعالیٰ کا مسیح علیہ السلام کا یہ قول بیان کرنا کہ " **انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر** " (میں تمہارے لئے گارے سے پرندے کی شکل کا سا جانور پیدا کرتا ہوں) اور زہیر بن ابی سلمی المزنی کا یہ شعر ہے۔

واراک تخلق ما فریت وبعض القوم یخلق ثم لا یفری

(میں سمجھتا ہوں کہ تو جو بہتان لگاتی ہے وہ تو ہی پیدا کرتی ہے۔ حالانکہ بعض قوم پیدا کرتی ہے پھر بہتان نہیں لگاتی)

ہم کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **افمن یخلق کم لا یخلق** " (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے مثل ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا)۔ اور فرمایا ہے " **ام اتخذوا من دون اللہ الھۃ لا یخلقون شیئا و ھم یخلقون** " (کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود بنا لئے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہی خود پیدا کئے جاتے ہیں)

ہر صاحب عقل یقین کے ساتھ یہ جانتا ہے کہ انہیں میں سے جن کو کفار نے معبود بنا لیا ہے ملائکہ جن اور مسیح علیہ السلام بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** " (بیشک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں) اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے قول کی حکایت کی ہے جو وہ کفار کے متعلق قیامت میں کہیں گے کہ " **بل کانوا یعبدون الجن** " (بلکہ یہ لوگ جن کی عبادت کیا کرتے تھے)۔ اس آیت کی نص سے یہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ ملائکہ و جن و مسیح علیہ السلام ہرگز کوئی شے بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ کوئی وہ آدمی بھی اس امر میں اختلاف نہ کریں گے کہ تمام انسان اپنے فعل میں ایسے ہی ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اگر یہ لوگ اپنے افعال پیدا کر سکتے ہیں تو تمام انسان اپنے افعال پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے افعال میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے تو تمام انسان بھی اپنے افعال میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس میں اور کلام اللہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

پیدا کرنے میں خدا اور بندے کا فرق:

وہ خلق (پیدا کرنا) جس کو اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کے پرندہ پیدا کرنے میں اور کفار کے تہمت پیدا کرنے میں ثابت کیا ہے وہ اس خلق (پیدا کرنے) کے علاوہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے اور تمام مخلوق سے نفی کی ہے اس کے سوا قطعاً ناممکن ہے۔ چونکہ یہی

یقیناً حق ہے تو وہ خلق (پیدا کرنا) کہ جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے لازم کیا ہے اور اپنے غیر سے اس کی نفی کی ہے تو وہ اختراع وابداع (یعنی ایجاد) اور لاشے سے شے کا احداث (پیدا کرنا) ہے جس کے معنی عدم سے وجود میں لانے کے ہیں۔ وہ خلق (پیدا کرنا) جسے اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے وہ محض ان لوگوں (مسیح وکفار) سے صرف فعل کا ظاہر ہونا اور اس ظہور فعل میں ان کا منفرد وتنہا ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس فعل کا ان لوگوں کے اندر پیدا کرنے والا ہے۔

برہان یہ ہے کہ عرب کذب کو اختلاق (پیدا کرنا) اور قول کاذب کو مختلق کہتے ہیں۔ یہ قول (کاذب) بلاشک لفظ ومعنی (سے مرکب) ہے اور لفظ حروف ہجاء سے مرکب ہے۔ ان سب کی نوع موجود تھی قبل اس کے کہ ان مختلقین کے اشخاص وافراد کا وجود ہو۔ یہ باطل اس آیت کے مثل ہے "افرأیتم ما تحرثون انتم تزرعون ام نحن الزارعون" (کیا تم نے غور کیا ہے جو تم کھیتی کرتے ہو آیا تم اُگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں) اور جیسے یہ آیت فلم تقتلو هم و لکن الله قتلهم و مارمیت اذرمیت و لکن الله رمی" (پھر تم نے کفار کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا اور جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی) ہر صاحب حس جو اللہ تعالیٰ اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ زرع (اگانا) اور قتل کرنا اور رمی (خاک جھونکنا) جس کی اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے اور مومنین سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی وہ اس زرع وقتل ورمی کے مغایر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف منسوب کیا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حق کے سوا کچھ نہیں فرماتا۔

وہ خلق جس کی مذکورہ بالا اشخاص سے اس نے نفی کی ہے وہ ہر شے کا خلق کرنا اور اس کا اختراع وابداع (ایجاد اور پیدا کرنا اور بنانا) اور اس کو وجود میں لانا اور اس کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا ہے۔

وہ خلق جو اس نے ان کے لئے ثابت کیا ہے وہ ان لوگوں کے اندر اس کا ظاہر ہونا ہے اور ان سب کی ان لوگوں کی طرف نسبت محض اسی طرح ہے۔ وبالله تعالیٰ التوفیق۔

اور قول زہیر "و اراک تخلق ما فریت" تو جس کی عربیت کی ذرا سی بھی فہم ہے وہ اس میں شک نہ کرے گا کہ اس نے نہ ابداع (پیدا کرنا بنانا) مراد لیا ہے اور نہ مخلوق کا عدم سے وجود کی طرف نکالنا۔ اس نے صرف تمام امور میں دخل دینا مراد لیا ہے۔

واضح ہو گیا کہ لفظ خلق مشترک ہے جو دو معنی پر واقع ہوتا ہے ان میں سے ایک معنی تو اللہ کے لئے ہیں نہ کہ اس کے سوا اور کے لئے اور وہ عدم سے وجود کی طرف لانا اور بنانا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو واقعہ نہیں ہوا اس میں کذب یا ایسے فعل کا ظہور جو اس کے قبل دوسرے کے لئے نہیں ہوا۔ یا حیلے کا جاری کرنا ہے یہ سب حیوان میں پایا جاتا ہے اور ان سب کا پیدا کرنا اللہ کے لئے ہے۔ و بالله تعالیٰ التوفیق۔ اس سے تمام نصوص بھری پڑی ہیں۔

یہ آیت کہ "صنع الله الذی اتقن کل شئی" (اللہ کی وہ صفت ہے کہ جس نے ہر شئی کو مستحکم کیا) تو یہ معتزلہ کے خلاف ہے نہ کہ ان کے موافق۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اسی کے بنانے سے ہر شئی مستحکم ہوئی اور یہ اپنے عموم وظاہر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا صانع ہے اور ہر شے کا اتقان اسی کے لئے ہے کہ اگر اس نے اس کو ہر عرض پیدا کیا تو یہ دونوں ہمیشہ اپنے رتبے پر جاری رہیں گے (یعنی جوہر جوہر ہی رہے گا اور عرض عرض ہی رہے گا) اور یہی اتقان ہے۔

اور یہ آیت کہ "احسن کل شئی خلقه" (اس نے ہر شے کی پیدائش کو اچھا کیا) تو اس میں مسلمانوں کی دو مشہور قراءتیں ہیں۔

ایک تو سکون لام کے ساتھ ''**احسن کل شئی خلقه** '' پھر اس صورت میں (**خلقه**) بدل ہوگا کل شئی سے جو بدل البیان ہوگا۔ یہ قرات ان لوگوں پر حجت ہے اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی خلقت کو اچھا کیا اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شے کا پیدا کرنا اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کے پیدا کرنے میں اچھائی کرنے والا ہے۔

دوسری قرات خَلَقَهٗ کی فتح لام کے ساتھ ہے۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے (اس صورت میں معنی یہ ہیں کہ اللہ نے ہر شے کو اچھا کیا جو اس نے پیدا کیا)۔ اس لئے کہ اس میں اس کا ایجاب (اثبات) نہیں ہے کہ یہاں کوئی ایسی شے بھی ہے جس کو اللہ نے پیدا نہیں کیا۔ جو اس کا دعویٰ کرے کہ یہ آیت کے اقتضاء میں ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ آیت کا لفظ جس چیز کو چاہتا اور اقتضاء کرتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہر شے کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔ جیسا کہ تمام آیات میں ہے اللہ نے اسے اچھا کیا کیونکہ اس نے اسے پیدا کیا اور یہی ہمارا قول ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ انسان کوئی شے نہیں کرتا سوائے حرکت و سکون و اعتقاد ارادہ و فکر کے یہ سب کیفیات و اعراض ہیں جن کا اللہ کی طرف سے پیدا کرنا اچھا ہے۔ اس نے ان کی ترتیب کو اور نفوس و اجسام میں ان کے واقع کرنے کو اچھا کیا ہے ان میں سے برا وہی ہے جو انسان سے برا ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے یا ان میں سے بعض کے وقوع کا یہ جس شخص سے واقع ہوں قبیح نام رکھا ہے اور ان میں سے بعض کا نام حسن رکھا ہے جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز ایک حرکت حسنہ و ایمان تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا نام قبیح و کفر رکھ دیا۔ حالانکہ یہ خود وہی حرکت ہے (جو پہلے ایمان تھی اور اب کفر ہے) لہذا ثابت ہوگیا کہ عالم میں ایسی کوئی شے نہیں جو حسن لعینہ ہو اور نہ ایسی کوئی شے ہے جو قبیح لعینہ ہو (یعنی کوئی شے نہ اپنی ذات سے اچھی نہ اپنی ذات سے بری بلکہ اس کی اچھائی برائی کسی سبب سے ہے) لیکن وہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**ان احسنتم احسنتم لا نفسکم** '' (اگر تم اچھا کرو گے تو اپنے لئے اچھا کرو گے) اور فرمایا ہے **ھل جزاء الا حسان الا الا حسان** '' (احسان (یعنی اچھا کرنے) کا بدلہ تو احسان ہی ہے)۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے قبیح نامزد کیا وہ حرکت قبیحہ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عالم میں اپنے ہر شے کے پیدا کرنے کا نام حسن رکھا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ سے حسن ہے اور ان میں سے اس کے بندوں سے جو کچھ واقع ہوتا ہے اس اس نے اس کا جیسا چاہا نام رکھا ان میں سے بعض کو اس نے قبیح بتایا۔ وہ قبیح ہے۔ بعض کو حسن بتایا وہ حسن ہے۔ کسی کو قبیح بتایا پھر اسے حسن بتایا تو وہ قبیح ہوا پھر حسن ہوا۔ حسن بتایا پھر اسے قبیح بتایا تو وہ حسن تھا پھر قبیح ہوگیا جیسا کہ نماز کعبہ کی طرف قبیح تھی اس کے بعد حسن ہوگئی۔ اسی طرح انسانوں کے وہ تمام افعال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر پیدا کردیے ہیں مثلاً جماع قبل نکاح و بعد نکاح اور جیسے عہد کے توڑنے والے کا گرفتار کرنا اور بقیہ تمام شریعت۔

معتزلہ نے اس امر میں ہمارے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شراب اور سور اور اس کا پتھر کا پیدا کرنا جس کی خدا کے سوا پرستش کی جاتی ہے بلاشک حسن ہے حالانکہ اسی نے ان کو قبائح۔ ارجاس۔ حرام۔ نجس۔ سیّ۔ و خبیث کے ناموں سے نامزد کیا ہے یہی قول بندوں کے اندر اعراض و کیفیات پیدا کرنے کے بارے میں بھی ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح اکثر معتزلہ نے اس امر میں ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے فساد دماغ اور اس سے پیدا ہونے والے جنون اور جذام اور نابینائی اور بہرا پن اور فالج اور کبڑے پن اور خصیے کے حد طبعی سے بڑھ جانے کو پیدا کیا ہے یہ سب اللہ کی مخلوق میں سے ہے جو اس کے لئے حسن ہے اور یہ سب ہمارے درمیان میں قبیح اور بیحد روی ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کی ہے کہ اسی نے تمام مصائب کو پیدا۔ فرمایا ہے ''**ما اصاب من مصیبة فی الارض و لا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأ ھا**

ان ذلک علی اللہ یسیرا ”(جوکوئی مصیبت ملک میں یا تمہاری جانوں میں آتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ کتاب میں ہوتی ہے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے)۔ اللہ نے تصریح کردی کہ تمام مصائب اسی نے پیدا کیں۔ ”بـدا“ کے معنی خلق کے ہیں جس میں کسی اختلاف نہیں ہے۔

انہوں نے جو الزام ہمیں دیا ہے کہ جب اللہ نے کفر وظلم وکذب وجور کو پیدا کیا ہے تو اس نے اچھا کیا ہے۔ ان کے اس الزام میں اور ان کے ہمارے ساتھ اس اقرار میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور سور اور خون اومردار اور نجاست اور ابلیس کو اور اس کو جو یہ کہتا ہے کہ میں خدا ہوں اور ان بتوں کو جو اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں۔ اور تمام مصائب وامراض وآفات کو جب اللہ نے پیدا کیا ہے تو اچھا کیا ہے۔ ان اشیاء کے بارے میں وہ لوگ جو کچھ کہیں وہی اللہ تعالیٰ کے اپنے ساتھ کفر اور اپنے برا کہنے اور ظلم وکذب کو پیدا کرنے کے بارے میں ہمارا قول ہوگا اور کوئی فرق نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی پیدائش کو اچھا کیا ہے کیونکہ وہ حرکت ہے یا سکون ہے یا نفس کے اندر کوئی پوشیدہ صفت۔ اس نے بندے سے اس کے ظہور کو جبکہ انسان اس کے ساتھ موصوف ہو قبیح بتایا ہے۔

تفاوت کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ”**ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت**“ (تو رحمٰن کی خلقت میں کوئی فرق یا تفاوت نہ دیکھے گا) تو اس میں بھی معتزلہ کے لئے کوئی حجت ودلیل نہیں ہے اس لئے کہ وہ تفاوت جو ہم میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ جس سے دل نفرت کریں یا مقررہ حد سے باہر ہو۔ ہم صورت مضطربہ کو کہتے ہیں کہ اس میں تفاوت ہے۔ یہ وہ تفاوت نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت (پیدا کرنے) سے نفی کی ہے جب یہ وہ تفاوت نہیں جس کو لوگ تفاوت کہتے ہیں تو اب سوائے اس کے کچھ نہ رہا کہ وہ تفاوت کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے جس کی نفی ہے وہ اس (مخلوق) میں قطعاً موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی خلق میں کوئی تفاوت پایا جائے گا تو اللہ کا یہ کلام غلط ہو جائے گا ”**ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت**“ اللہ تعالیٰ کی تکذیب سوائے کافر کے کوئی نہ کرے گا معتزلہ کا یہ گمان باطل ہوگیا کہ کفر وظلم وجور وکذب تفاوت ہے۔ اس لئے اس میں سے ہر چیز اللہ کی خلق میں موجود ہے جو نظر آتی اور دکھائی دیتی ہے۔ لہذا ان کا استدلال باطل ہے

فالحمد للہ رب العلمین۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ وہ کونسا تفاوت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اس کے خلق میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ ہاں۔ **و باللہ التوفیق**۔ یہ وہ اسم ہے جو ایسے مسمی پر واقع نہیں ہوتا جو عالم میں موجود ہو۔ بلکہ وہ بالکل معدوم ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی شے عالم میں موجود ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی خلق میں ضرور تفاوت پایا جاتا اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ وہ اسکی خلق میں نہیں دیکھا جا سکتا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے سارا عالم سب کا سب اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کے اجسام واعراض سب کے سب جس میں سے ہم کسی شے کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے۔ جب کوئی غور کرنے والا تقسیم انواع اعراض عالم وانواع اجسام عالم میں غور کرے تو وہ یہ دیکھے گا کہ یہ تقسیم اس کے اجناس وانواع میں مع ان حدود وفصول کے جو ان کے درمیان میں تمیز وتفریق کرنے والی ہیں ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی ہیئت پر برابر سے جاری ہے۔ یہاں تک کہ یہ تقسیم ان اشخاص وافراد تک پہنچ جاتی ہے جو انواع کے تابع ہیں کہ ان میں سے کسی میں کسی قسم کا اور کسی طرح کا بھی تفاوت نہیں ہے اور نہ اس میں کسی طرح کا اختلاف ہے۔

جواس سے واقف ہوگا اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ صورت جو ہمارے نزدیک قبیح سمجھی جاتی ہے اور وہ صورت جو ہمارے یہاں اچھی سمجھی جاتی ہے یہ دونوں کی دونوں نوع شکل وتخطیط کے تحت میں (تخطیط یعنی خط وخال جس سے چہرے کی تمیز ہوتی ہے) اس کے بعد نوع کیفیت کے تحت میں اس کے بعد اسم عرض کے تحت میں بالکل مساوی طور پر اس طرح واقع ہیں کہ ان میں باہم کوئی کمی بیشی نہیں ہے اور نہ کسی وجہ سے تقسیم کا کوئی تفاوت ہے۔

اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ زبان سے ایمان وکفر کا ظاہر کرنا یہ دونوں بھی ایک نوع کے تحت میں واقع ہیں جو اس ہوا کی فرع ہے کہ آلات واعضائے کلام سے پیدا ہوتی ہے۔ نوع حرکت کے تحت میں اور نوع کیفیت کے تحت میں اور اسم عرض کے تحت میں صحیح ومساوی طور پر واقع ہیں کہ جس میں نہ کوئی تفاوت ہے نہ اختلاف۔ اسی طرح کا کلام ظلم وانصاف عدل وجور اور صدق وکذب اور زنا وجماع حلال میں ہے۔ اسی طرح عالم کی ہر شے میں ہے۔ یہاں تک کہ تمام موجودات ان رؤس اولی کی طرف رجوع کر لیں جس کے اوپر سوائے ان کے اللہ کی مخلوق ہونے کے اور کوئی راس نہ ہو کہ ان سب کا جامع ہو اور روس اولی جوہر کم۔ کیف اور اضافت ہیں جیسا کہ ہم نے کتاب التقریب میں بیان کیا ہے **والحمد لله رب العلمین**۔

اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق سے تفاوت کی نفی ہوگئی اور یہ آیت الٹی معتزلہ ہی پر حجت ہوگئی جس سے بچ کر وہ نکل نہیں سکتے اور وہ یہ ہے کہ اگر وجود کفر وظلم وکذب تفاوت ہوتا جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے تو پھر خلق رحمٰن میں تفاوت موجود ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کی ہے اور خلق میں تفاوت کے نظر آنے کی نفی کی ہے۔

معتزلہ کا جو اعتراض عقلی طور پر ہے وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کفر ومعاصی کو پیدا کیا ہے تو وہ اپنے ہی فعل سے غصہ ہوتا ہے۔ اپنے ہی پیدا کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ اپنے ہی بنانے سے ناخوش ہوتا ہے۔ اپنے ہی کیے سے خفا ہوتا ہے۔ اپنے ہی کیے کو ناپسند کرتا ہے۔ اور اپنی ہی تدبیر وتقدیر سے بیزار ہوتا ہے تو یہ نہایت کمزور فریب کاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خبر دیدی تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ کفر وظلم وکذب سے ناراض ہوتا ہے اور اس سے خوش نہیں ہوتا۔ وہ ان تمام امور کو ناپسند کرتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے سوائے اللہ کے قول کے ماننے کے اور کوئی صورت نہیں ہے۔

ہم اسی سوال کو معتزلہ پر پلٹائے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس وفرعون وشراب وکفار کو پیدا نہیں کیا۔ اس کا جواب لامحالہ اثبات میں ہوگا۔ ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے یا ناخوش۔ تو اسکا جواب بھی لامحالہ یہی ہے کہ وہ ان سب سے ناخوش ان سب کو ناپسند کرنے والا۔ ان سب پر غضب کرنے والا۔ اور ان سب سے ناراض ہے۔ ہم ان سے کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جس کا تم نے انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہی تدبیر سے ناراض ہے۔ اپنے ہی فعل سے غضبناک ہے۔ اپنی ہی مخلوق کو ناپسند کرتا اور اس پر لعنت کرتا ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نہ کافر کی ذات ناپسند ہے۔ نہ وہ ابلیس کی شخصیت سے ناراض ہے اور نہ اسے شراب بذات خود ناپسند تو ہم ان کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ اس نے ابلیس وکفار پر لعنت کی ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک ملعون و مکروہ ہیں۔ اللہ کا ان پر غضب وغصہ ہے۔ اسی طرح بتوں اور شراب پر بھی۔ اس نے فرمایا ہے کہ "**انما الخمر و الميسر و الا نصاب والا زلا م رجس من عمل الشيطان فا جتنبوه**" (بیشک شراب اور جوا اور پتھر کے بت اور لاٹری کے تیر ناپاک ہیں جو شیطان کا کام ہے لہذا اس سے بچو) اور فرمایا "**ولحم الخنزير فانه رجس**" (اور سور کے گوشت سے بچو کیونکہ یہ ناپاک ہے) اللہ تعالیٰ نے ان سب کو

نجس فرمایا پھر اس سے بچنے کا حکم دیا اور اس کو عمل شیطان کی طرف منسوب کیا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے۔ وہ نص کے مطابق نجس کا خالق ہوا اور عقل کے نزدیک نجس کے پیدا کرنے اور کفر و کذب و ظلم کے پیدا کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ قول ہے "**ونفس و ما سواها فالهمها فجورها و تقوها**" (قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے درست کیا پھر اسے اس کی بدکاری و پرہیزگاری کا الہام کیا) ان بدنصیبوں کے قول کی بنا پر تو اللہ تعالیٰ اسی چیز سے ناراض ہوتا ہے جو اس نے الہام کیا اور اسی کو نا پسند کرتا ہے بلاشک بدیہی طور پر الہام اسی کا فعل ہے لہذا وہی چیز ان لوگوں پر ثابت ہوگئی جس کی انہوں نے مذمت کی تھی کہ وہ اپنے ہی فعل سے ناراض ہوتا ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ ظالم کو مظلوم سے روکے اور ان کے روکنے پر جنہوں نے انبیائے مرسلین صلی اللہ علیہم وسلم کو قتل کیا اور اس پر کہ وہ کافر اور اس کے کفر کے درمیان رکاوٹ پیدا کردے اور بالغ ہونے سے پہلے ہی اسے موت دیدے۔ اور زانی اور اس کے زنا کے درمیان کہ اس کے عضو کو کمزور کردے یا اسے اور کسی کام میں لگادے یا کافر و زانی پر کسی اور انسان کو قابو دیدے جو ان دونوں کے اعمال کو روکدے۔ آیا اللہ تعالیٰ قادر ہے یا ان سب سے عاجز ہے۔ یا اس میں سے بعض پر قادر ہے۔ کوئی تیسری صورت ناممکن ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ ان میں سے کسی پر بھی قادر نہیں تو انہوں نے اپنے رب کو عاجز مانا اور کفر کیا اور ان لوگوں کا عالم کے ایجاد کرنے کا آلہ ہی باطل ہوگیا کیوں کہ انہوں نے اس کی قدرت کو اس سہل و آسان سے بھی کمزور مان لیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ نہیں۔ وہ ان سب پر قادر ہے تو ان لوگوں نے اس کا اقرار کرلیا کہ اللہ تعالیٰ نے منکر و کفر و ظلم و زنا کو دیکھا اور اسے برقرار رکھا اور اسے بدلا نہیں۔ کفار کے ہاتھوں کو کھلا رہنے دیا تاکہ وہ اس کے رسولوں کو قتل کریں اور ماریں۔ باوجود ان سب کے برقرار رکھنے کے اس نے ان سب کا کوئی انتظام نہ کیا بلکہ ان لوگوں کو ان کے اعضاء و آلات سے اور ہر مانع کے روکنے سے قوت پہنچائی۔ یہ ان لوگوں کے قول کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر کی پسندیدگی اور ان تمام بدکاریوں کا قبول کرنا ہے اور یہ خالص کفر ہے۔

یا یہ ہے کہ وہ اسی چیز سے ناراض ہوتا ہے جسے اس نے برقرار رکھا اور اس پر اسے غصہ آتا ہے جس چیز پر اس نے اعانت کی اور وہ خود اپنے ہی ان لوگوں کو ان سب امور پر برقرار رکھنے کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ وہی ہے جس کی ان لوگوں نے مذمت کی تھی۔ ان دو میں سے ایک وجہ کا لازم آنا ضروری ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ان کے قول کے خلاف ہیں سوائے اس کے کہ یہ الزام ان لوگوں پر ان کے اصول کی بنا پر ہے اور ہم لوگوں پر اس میں سے کوئی الزام بھی نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہم لوگ تو صرف اسی کو قبیح سمجھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے قبیح بتایا اور اسی کو حسن سمجھتے ہیں جسے اس نے حسن بتایا۔

اگر یہ کہیں کہ اس نے اسے اس لئے برقرار رکھا تاکہ اس سے انتقام لے اور اگر اسے ہمیشہ برقرار رکھے تو یہ نادانی و عبث ہوگا تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کفر و ظلم و کذب کو ایک ساعت برقرار رکھنے میں اور اس کو ساعت بہ ساعت برقرار رکھنے میں اور اسی طرح ہمیشہ غیر متناہی وقت تک باقی رکھنے میں یا متناہی وقت تک باقی رکھنے میں حسن و قبیح میں کونسا فرق ہے ورنہ ہمیں وہ مدت بتادو جس مدت تک کفر و کذب و ظلم کا برقرار رکھنا حکمت و حسن ہے اور جب اس مدت سے بڑھے گا تو وہ عبث و عیب و نادانی ہو جائے گا۔ اگر وہ تکلف کر کے اس میں کوئی حد معین کریں تو وہ جنون و حماقت و کذب اور ایسے دعوے کو لائیں گے کہ جس سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نہیں جانتے اور اس کے بارے میں معاملہ اللہ کے سپرد کردیں تو یہ سچ کہیں گے اور یہی ہمارا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

ہر فعل خواہ وہ تکلیف مالا یطاق ہو اور اس پر اسکا عذاب کرنا اور اس کا کافر وظالم کے اندر کفر وظلم کا پیدا کرنا اور اس کا ان سب کو برقرار رکھنا پھر ان امور پر لوگوں کو اس کا عذاب کرنا اور اس کا کفر کو پیدا کرنا اور اس سے ناخوش وناراض ہونا یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے لئے عدل وحکمت وحق ہیں اور غیر اللہ کے لئے نادانی وظلم وحماقت وباطل ہیں۔ وہ جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں ہو سکتی اور لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ جو کوئی کچھ کرے تو واجب ہے کہ اسی کو اس کی طرف منسوب کیا جائے اور خود اسی کو اس سے نامزد کیا جائے اور اس کے سوا نہ تو معقول ہے اور نہ موجود۔

اس استدلال سے وہ لوگ یہ واجب کرنا چاہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو ظالم نامزد کیا جائے اس لئے کہ اس نے ظلم پیدا کیا اور اسی طرح کفر وکذب سے بھی۔

اس قاعدے کو ان کے خلاف دو وجہ سے توڑا جا سکتا ہے ایک تو یہ کہ یہ محض تشبیہ ہے (یعنی اللہ کو اسکی مخلوق کے مشابہ بناتا ہے) اس لئے کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس حکم کے مطابق حکم لگائیں جو اس کی مخلوق میں موجود و جاری ہے۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم مشاہدے میں فاعل جسم ہی کو پاتے ہو اور عالم کو اس علم کے سبب سے (عالم پاتے ہو) کہ جو اس کے مغایر ہے اور حیؔ (زندہ) کو محض اس حیات کے سبب سے جو اس (حیؔ) کے اندر عرض (صفت) ہے اس شے کو جس کے متعلق کوئی خبر بیان کی جاتی ہے وہ جسم یا عرض ہی ہوتا ہے۔ جو ایسا نہ ہو وہ معدوم ہے۔ نہ وہ عقل میں آتا ہے نہ وہم میں پھر باری تعالیٰ کے امور تم نے ان تمام امور کے خلاف دیکھا اور ان پر وہ حکم نہیں لگایا جو ان چیزوں میں ہے کہ تم نے پائیں بدیہی طور پر واجب آیا کہ اس امر میں اس پر وہ حکم نہ لگایا جائے گا کہ جو حکم ہم پر ہے کہ اسے اس کے افعال سے نامزد کیا جائے اور اسی طرح اس کی طرف منسوب کیا جائے جس طرح ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بحیثیت موجد کے اپنے غیر میں ایک کیفیت پیدا کر دی۔ بس اسی طرح یہ اللہ کی مخلوق میں اللہ کا فعل ہے۔ اس کے بندوں نے جو کچھ کیا تو اس معنی یہی ہیں کہ یہ فعل بحیثیت عرض کے اپنے فاعل میں محمول ہو کر ظاہر ہوا۔ اس لئے کہ وہ فعل یا تو حرکت ہے جو کسی متحرک کے اندر ہے یا سکون ہے جو کسی ساکن کے اندر ہے یا اعتقاد ہے جو کسی معتقد میں ہے، یا فکر ہے جو کسی متفکر میں ہے یا ارادہ ہے جو کسی مرید وقاصد میں ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ دونوں امور میں (یعنی اللہ کے خلق فعل اور بندے کے کسب فعل میں) اختلاف شدید ہے جو کم از کم فہم رکھنے والے سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اس فعل پر مدح یا مذمت یا اس کے فعل سے اسم فاعل کا اشتقاق بھی ایسا نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے۔ حق یہ ہے کہ نہ کوئی شخص مدح کا مستحق ہے نہ مذمت کا سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ مدح کرے یا مذمت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی حمد وثناء کا حکم دیا ہے۔ لہذا وہ اپنے ہر فعل پر محمود اور ہر فعل سے محبوب ہے۔ جو اللہ کے سوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے اس فعل کی مدح کی ہے جو اس نے اس میں ظاہر کیا ہے تو وہ شخص محمود وممدوح ہے اور جس کے اس فعل کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے جو اس نے اس میں ظاہر کیا ہے تو وہ مذموم ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اہل اسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ حمد ومدح کا صرف وہی شخص مستحق ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور مذمت کا صرف وہی مستحق ہے جو اس کی نافرمانی کرے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اگر ایک فعل کرے تو اس کی وجہ سے آج وہ مطیع ومحمود ہے اور اگر اسی فعل کو کل کرے تو وہ کافر ومذموم ہے۔

مثلاً ایام حج میں حج کرنا اور غیر ایام حج میں حج کرنا۔

عیدالفطر و عیدالاضحیٰ میں روزہ رکھنا اور رمضان میں روزہ رکھنا۔ نماز وقت پر اور نماز وقت سے پہلے اور بعد اور اسی طرح تمام شرائع اسلام۔ ہم نے ایسے شخص کو بھی پایا ہے جو کذب کا فاعل اور اس کا قائل ہے اور کفر کا فاعل اور اس کا قائل ہے یہ دونوں کے دونوں نہ مذموم ہیں کہ نہ کافر و کاذب۔ یہ دونوں ایک تو حکایت کرنیوالا ہے اور دوسرا مجبور و مکرہ ہے۔

معتزلہ کا یہ دعوی باطل ہو گیا کہ جو فاعل کذب ہو گا وہ کاذب ہو گا اور جو فاعل کفر ہو گا وہ کافر ہو گا اور جو فاعل ظلم ہو گا وہ ظالم ہو گا یہ ثابت ہو گیا کہ کاذب و کافر و ظالم صرف وہی ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ کاذب و کافر و ظالم بتائے۔ کفر و کذب و ظلم وہی ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ کفر و کذب و ظلم بتائے کہ اور اس ضرورت و بداہت کے ساتھ جس سے کوئی مفر نہیں یہ ثابت ہو گیا کہ عالم میں کوئی شے نہ تو ممدوح و محمود لعینہ ہے اور نہ مذموم لعینہ۔ نہ کفر لعینہ ہے نہ ظلم لعینہ ہے۔ جس پر نہ طاعت و معصیت کا اسم واقع ہوتا ہے نہ اس کا حکم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس پر حمد یا مدح یا مذمت بغیر اسی نص کے جو اس کے پہلے سے ہو واقع کی جائے ہم اس کی مدح اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ''الحمدللہ رب العلمین'' لیکن ماسوا اللہ میں جو ایسے ہیں۔ جنہیں نہ طاعت لازم ہے نہ معصیت۔ مثلاً ملائکہ و حورعین وانس و جن کے علاوہ جو حیوانات ہیں اور مثلاً جمادات۔ تو نہ یہ حمد کے مستحق ہیں نہ ذم کے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اس کا حکم نہیں دیا۔ اگر ان میں سے کسی کی مدح یا ذم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم پایا جائے گا تو اسے مانا جائے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کعبے و مدینے و حجر اسود و ماہ رمضان و نماز کی مدح کا حکم۔ یا اللہ تعالیٰ کا شراب، سور اور مردار اور زگر جا اور کفر و کذب اور انہیں کے مشابہات کی مذمت کا حکم۔ لیکن ان دو قسموں کے علاوہ نہ حمد ہے نہ ذم۔

لیکن اس کے فعل سے اسم فاعل کا اشتقاق تو یہ بھی ایسا ہی ہے (کہ جہاں اس نے خود اشتقاق کیا ہے وہاں کیا جائے گا ورنہ نہیں) اور کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ کسی کو بھی حق نہیں کہ وہ اس کا کوئی بھی نام رکھے جو اس کے سوا ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں یا اس لغت میں کہ جس میں ہمیں باہم خطاب کرنے کا حکم دیا ہے مباح کر دیا ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اس کے لئے کید و مکر ہے اور وہ مکر و کید کرتا ہے۔ استہزاء کرتا ہے۔ اپنے بھولنے والے کو بھلا دیتا ہے۔ اس کا معتزلہ بھی انکار نہیں کرتے۔ اگر اس کا انکار کریں تو نص قرآن کو رد کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ اس پر اجماع کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان میں سے کسی کے اسم مشتق کے ساتھ نامزد نہ کیا جائے گا۔ اس کے لئے مکر ہونے سے اسے ماکر نہ کہا جائے گا نہ اس لئے کہ وہ کید کرتا ہے یا اس کے لئے کید ہے اسے کیاد کہا جائے گا۔ نہ کفار کے ساتھ استہزا کرنے کی وجہ سے اسے مستہزی کہا جائے گا۔ اس نے معتزلہ کے اس اصول کو باطل کر دیا کہ ہر فعل سے اسے نامزد کیا جائے گا اور اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

یہاں پر کوئی فریب دینے والا اسے فریب نہ دیدے جو اچھی طرح مناظرہ نہیں جانتا اور یہ کہے کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کید کرتا ہے اور استہزاء کرتا ہے اور مکر کرتا ہے اور بھلا دیتا ہے تو اسی کے معارضہ یعنی (باب مقابلے) کے طور پر کہتے ہیں۔ اس شخص سے کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اور ہم اس میں تمہارے مخالف نہیں۔ لیکن ہم نے تو تمہیں بطور معارضے کے بھی اللہ تعالیٰ کا نام کیاد۔ ماکر۔ و مستہزی رکھنے پر الزام دیا تھا جیسا کہ تم خود کہتے ہو۔

اگر وہ اس کا انکار کرے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی اپنے کو نامزد نہیں کیا تو اس نے حق کی طرف رجوع

کرلیا اور اس امر میں ہم سے اتفاق کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس کے ظالم وکفر وکذب کے پیدا کرنے کی وجہ سے ظالم وکافر کاذب نہیں رکھا جائے گا اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس نام سے اپنے کو نامزد نہیں کیا۔

اور اگر وہ اس کا انکار کرے تو اس نے تناقض اختیار کیا (یعنی اپنی ہی بات کی مخالفت کی) اور اس کے مذہب کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

معتزلہ نے اس امر میں ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) اور حبل نساء (عورتوں کا حمل) پیدا کیا ہے مگر اسے خمار ومحبل (شراب بنانے والا اور حمل رکھانے والا) کہنا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قمریوں، ہدہدوں اور چکوروں کے رنگ اور ہر قسم کے رنگ پیدا کئے۔ مگر اسے صباغ (رنگریز) کہنا جائز نہیں۔

اس نے آسمان وزمین بنایا مگر اسے بناء (معمار) کہنا جائز نہیں۔

ہمیں ابر اور زمین کے پانی سے سیراب کیا مگر اسے سقاء یا ساقی کہنا جائز نہیں۔

شراب سور ابلیس اور سرکش شیاطین کو پیدا کیا اور اسی طرح ہر بدی و بدکار و خبیث ونجس وشر کو پیدا کیا مگر اس کی وجہ سے اسے مسیئ (بدکار) وشریر نہ کہا جائے گا۔

پھر ان سب میں اور اس میں کونسا فرق ہے کہ وہ شر وظلم وکفر وکذب ومعاصی عباد پیدا کرے اور اس کی وجہ سے اسے مسیئ وظالم وکافر و کاذب وشریر و فاحش نہ کہا جائے۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ اس نے ہدایت وتوفیق سے احسان کیا اور اسی سے مزید فضل کی درخواست ہے۔ **لا الہ الا ھو۔**

معتزلہ سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تم لوگ اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس قوت کو پیدا کیا جس سے ظلم وکفر وکذب ہوتا ہے اور اسی نے قوت کو اپنے بندوں کے لئے مہیا کیا۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ اسے یہ نہیں کہتے کہ وہ کفر پر برانگیختہ کرنے والا ہے اور کافر کا اس کے کفر میں معین ہے اور کفر کا مسبب ہے اور کفر کا واہب (عطا کرنے والا) ہے اور یہ بعینہ وہی ہے جس کو تم نے عیب کہا اور انکار کیا۔

نیز ان سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ تو کہ اللہ تعالیٰ جو اہل جہنم کو دوزخ کا عذاب کرے گا تو اس سے وہ ان لوگوں کے ساتھ محسن (اچھائی کرنے والا) ہوگا یا مسیئ (برائی کرنیوالا) پھر اگر وہ یہ کہیں کہ ان کے ساتھ محسن ہوگا۔ تو انہوں نے جھوٹ کہا اور خود اپنی اصل کی مخالفت کی۔ ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ لوگ خود اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے اسی احسان کی درخواست کریں۔ اگر وہ کہیں کہ وہ ان کیساتھ مسیئ (برائی کرنے والا) ہوگا تو انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اگر وہ یہ کہیں کہ وہ ان کے ساتھ مسیئ نہیں ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ پھر وہ لوگ اسائت میں ہیں یا احسان میں۔ اگر وہ کہیں کہ وہ اسائت میں نہیں ہیں تو انہوں نے مشاہدے کی مخالفت کی اور مکابرہ کیا۔ اگر کہیں کہ وہ اسائت میں ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ اسی کا تو تم نے انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کے ساتھ کوئی ایسا حال واقع ہو جو انتہائی اسات (بدی) ہو اور نہ اس کی وجہ سے اسے مسیئ کہا جائے گا۔

ہم انہیں یہ جواب دیں گے کہ یہ لوگ (یعنی اہل جہنم) انتہائی بدحالی واسائت اور سخت ناخوشی وناگواری وغضب میں ہیں اور غضب اس شخص کے لئے جس پر غضب کیا جائے احسان نہیں ہے۔ اسی طرح لعنت بھی ملعون کے لئے احسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ علی الاطلاق (ہر حال میں) محسن ہے اور ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ مسیئ ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اصل اس میں وہی ہے جو ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اسی نام سے نامزد کرنا جائز ہے جو اس نے خود اپنا نام رکھا اور اس کے متعلق

صرف وہی خبر دینا جائز ہے جو اس نے خود دی۔ اس سے زیادہ جائز نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جب تم نے یہ جائز رکھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا فعل کرتا ہے جو ہمارے یہاں ظلم ہے اور اس فعل سے وہ ظالم نہیں ہوتا۔ تو ہم نے بھی یہ جائز رکھا کہ ہم اس کے متعلق ایسی چیز کی خبر دیں جو واقعے کے خلاف ہو اور وہ اس سے کاذب نہ ہو۔ جو ہو گا وہ اسے نہ جانے اور اس سے وہ جاہل نہ ہو کسی شے پر وہ قادر نہ ہو اور اس سے وہ عاجز نہ ہو۔ تو بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ یہ دو وجہ سے محال ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ عالم ظلم لعینہ و بذاتہ کا وجود ہی نہیں اور ظلم محض اضافی ہے۔ قتل زید کو جب اللہ تعالیٰ منع کرے تو ظلم ہوگا اور جب اسکے قتل کا حکم دے تو عدل ہوگا۔ لیکن کذب تو لعینہ وبذاتہ کذب ہے۔ جو شخص ایسی خبر دے جو واقع کے خلاف ہو تو وہ کاذب ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ اس وقت تک گناہ مذموم نہ ہوگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں گناہ و مذمت کو واجب نہ کرے فقط اسی طرح کا کلام جہل و عجز کے بارے میں بھی ہے کہ یہ دونوں بھی لعینہ جہل اور لعینہ عجز ہیں۔ جو شخص کسی چیز کو نہ جانے تو لامحالہ وہ اس چیز سے جاہل اور جو شخص کسی چیز پر قادر نہ ہو تو لامحالہ وہ اس چیز سے عاجز ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس ضرورت کے سبب سے ہم نے یہ جانا کہ کھجور کی گٹھلی سے زیتون نہیں نکلتا اور گھوڑے سے اونٹ نہیں پیدا ہوتا اسی ضرورت سے ہم نے یہ بھی جانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کاذب ہو سکتا ہے نہ جاہل نہ عاجز۔ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں مخلوقین کی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ سے منفی ہیں۔ سوائے ان صفات کے جن کے اس پر اطلاق کرنے کے بارے میں کوئی نص آئی ہو کہ خاص ان صفات کے اسماء کا اس پر اطلاق کیا جائے تو اس کو مانا جائے گا۔

اکثر معتزلہ کذب وظلم پر بھی باری تعالیٰ کی قدرت کو ثابت کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے ان دونوں کے صدور کو جائز نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر ماننا اس کا موجب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے وقوع کا بھی امکان ہو۔ وہ ہم پر کیوں معترض ہیں اگر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چند ایسے افعال کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے تو عدل وحکمت ہیں اور وہی افعال ہم ظلم وعبث ہیں۔ حالانکہ اس کے ساتھ ہی ہم پر یہ لازم بھی نہیں آتا کہ ہم اس کے قائل ہوں کہ اس سے کذب سرزد ہوتا ہے یا اس سے جہل واقع ہوتا ہے۔ لہذا یہ الزام بھی باطل ہو گیا۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

ہم نے یہ نہیں کہا کہ وہ ظلم کرتا ہے یا وہ ظالم ہے۔ نہ ہم نے یہ کہا کہ وہ کفر کرتا ہے یا اس کا نام کافر ہے۔ نہ ہم نے یہ کہا کہ وہ کذب کا مرتکب ہوتا ہے یا اس کا نام کاذب ہے۔ کہ ہم پر وہ الزام آئے جس الزام کا انہوں نے ارادہ کیا ہے۔ ہم نے تو صرف یہ کہا ہے کہ اس نے ظلم و کفر و کذب وشر وحرکت وطول وعرض وسکون کو بطور عرض (صفت) کے اپنی مخلوق کے اندر پیدا کیا۔ لہذا واجب ہے کہ اسے ان تمام امور کا خالق کہا جائے جیسا کہ اس نے بھوک پیاس۔ شکم سیری و سیرابی اور فربہی ولاغری کو اور لغات کو پیدا کیا۔ یہ جائز نہیں کہ اس کا نام ظالم کاذب و کافر وشریر رکھا جائے جیسا کہ ہمارے اور ان کے نزدیک مذکورہ بالا امور کے پیدا کرنے کی وجہ سے یہ جائز نہیں کہ اسے متحرک وساکن وطویل و عریض وعطشان (پیاسا) وریان (سیراب) وجائع (بھوکا) وشابع (شکم سیر) وسمین (موٹا) وہزیل (دبلا) ولغوی (زبان کا ماہر) کہا جائے۔ اسی طرح ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کے متعلق صرف یہ خبر دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے۔ مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی شے کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کو موصوف نہ کیا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ اسی کو موصوف کیا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے بطور عرض کے پیدا کی ہیں۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ ایک فعل دو فاعلوں سے سرزد نہیں ہوسکتا کہ یہ پورا اس کا فعل ہے اور یہ اس کا فعل ہے۔ تو یہ تحکم تقسیم کا نقص ہے جس میں انہیں ان کے جہل و تناقض نے ڈالا۔

حاضر سے غائب پر استدلال:

ان کا یہ قول ہے کہ حاضر ہی سے غائب پر استدلال کیا جاتا ہے، یہ وہ قول ہے کہ جس کا فاسد ہونا بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب میں جو اصول احکام میں ہے ثابت کر دیا ہے یہاں بھی ہم مختصراً اس کا فساد بیان کرتے ہیں۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ عقل سے جو تمیز ہے ہرگز کوئی شے غائب نہیں ہے اور بعض اشیاء صرف حواس سے غائب ہیں۔ ہر وہ شے جو عالم میں ہے وہ عقل مذکور کے مشاہدے میں ہے اس لئے کہ سارا عالم جوہر حاصل اور عرض محمول ہے (قائم بالذات وقائم بالغیر) یہ دونوں چیزیں ایک ایسے خالق کو چاہتی ہیں جو اول و واحد ہو اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو ذرا سی بھی کسی طور پر بھی اس سے کوئی مشابہت نہ ہو۔ اگر وہ لوگ غائب سے باری تعالیٰ کو مراد لیتے ہوں تو باری تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ تشبیہ لازم آئے گی۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے غائب کی حاضر کے ساتھ تشبیہ کا حکم کر دیا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ تمام وجوہ سے اپنی مخلوق کے مغائر و خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو۔ بلکہ وہ عقل میں حاضر ہے۔ جس طرح ہم ہر حاضر کا حواس سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جو عقل کے مشاہدے سے ہماری معرفت الٰہی ثابت ہے اور جو ان تمام اشیاء کے متعلق ہماری معرفت ثابت ہے جن کا ہم خود (حواس سے) مشاہدہ کرتے ہیں۔

دو فاعل سے ایک فعل:

اس کے بعد ہم انشاء اللہ ان لوگوں کے دو فاعلوں سے ایک فعل کے صدور کے انکار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے درمیان بھی اکثر حالات میں ناممکن ہے مگر عام طور پر ناممکن نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ اکثر حالت میں ایک حرکت دو متحرکوں کے لئے نہیں ہوتی، نہ ایک اعتقاد دو معتقدوں کے لئے ایک ارادہ دو مریدوں کے لئے اور ایک فکر دو متفکروں کے لئے نہیں ہوتا۔ اگر دو آدمی ایک تلوار یا ایک نیزہ لے لیں اس سے کسی کو مار دیں اسے کاٹ دیں یا مجروح کر دیں تو یہ ایک ہی حرکت ہوگی جو دو متحرکوں میں منقسم نہ ہوگی اور ایک ہی فعل ہوگا جو دو فاعلوں میں منقسم نہ ہوگا۔ یہ وہ امر ہے جو حس و ضرورت کے مشاہدے میں ہے اور یہ قرآن میں بھی منصوص ہے، جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن میں قراءت مشہورہ یہ ہے ''انما انا رسول ربک لا ھب لک غلاما زکیا'' دوسری قرأت یہ ہے ''انما انا رسول ربک لیھب لک غلاما زکیا (اے مریمؑ میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں، اس لئے آیا ہوں تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ بچہ دوں ''اے مریمؑ میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں اور تا کہ وہ آپ کو ایک پاکیزہ غلام عطا کرے) یہ دونوں قرأتیں پوری پوری بڑی بڑی جماعتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے جبریل علیہ السلام سے نقل کی ہیں۔ جب ہمزہ کے ساتھ (یعنی لاھب) پڑھا جائے تو یہ اللہ کے قاصد روح الامین جبریل علیہ اسلام کا خبر دینا ہے کہ وہی حضرت مریمؑ کو عیسیٰ علیہ السلام کا عطیہ دیں گے اور ہبہ کریں گے اور جب یاء کے ساتھ (یعنی لیھب) پڑھا جائے تو وہ جبریل علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خبر دینا ہے کہ حضرت مریمؑ کو عیسی علیہ السلام کا عطا کرنے والا اور واہب (ہبہ کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہبہ اس لئے منسوب ہے کہ وہ اس ہبہ کا خالق ہے اور نیز یہی ہبہ جبریل علیہ السلام کی طرف اس لئے منسوب ہے کہ ان سے ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ

وہی اسے لائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے۔ ''**ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی**'' (اور جب غزوہ حنین میں کفار کی آنکھوں میں آپ نے خاک جھونکی تو وہ آپ نے نہیں جھونکی بلکہ وہ اللہ نے جھونکی) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے خاک جھونکی اور اس کے نبیؐ نے خاک جھونکی۔

ایجاب وسلب:

اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی ساتھ اپنے نبیؐ کے لئے خاک جھونکنا ثابت بھی کیا اور آپ سے اس کی نفی بھی کی۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تناقض نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمیں معلوم ہوا کہ وہ رمی (خاک جھونکنا) جس کی اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی ہے وہ اور ہے اور جس رمی کو اس نے آپ کیلئے ثابت کیا ہے وہ اور ہے۔ اس کے سوا کوئی مسلمان گمان بھی نہیں لا سکتا لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رمی کی نسبت اس لئے ہے کہ اس نے اسے پیدا کیا وہی اس حرکت کا خالق ہے جو رمی ہے وہی رمیہ (پھینک) کا جاری کرنے والا ہے، وہی رفتار رمی کا خالق ہے اور اسی کی رامی (پھینکنے والے) سے نفی کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ثابت ہو گیا کہ وہ رمی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا ہے وہ صرف حرکت رمی کا آپ سے ظہور ہے اور بلا تکلف یہی ہمارے قول کی نص ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**ولم تقتلو هم و لکن الله قتلهم**'' (اے مومنین کفار بدر کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا) اس میں بھی بعینہ وہی کلام ہے جو کلام رمی میں ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**زینا لکل امة عملهم**'' (ہر امت کے لئے ان کے عمل کو ہم نے پسندیدہ و آراستہ بنا دیا)۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**فزین لهم الشیطان ما کا نو ا یعملون**'' (پھر جو کچھ وہ لوگ کیا کرتے تھے شیطان نے ان کے لئے پسندیدہ و آراستہ بنا دیا تھا)۔ یہ بدیہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر امت کے لئے اس کے عمل کو مزید و آراستہ کرنا صرف اس کا ان کے دلوں میں ان کے اعمال کی محبت پیدا کرنا ہے۔ شیطان کا ان لوگوں کے لئے ان کے اعمال کا مزین کرنا وہ صرف ان اعمال کی طرف ان کے دعوت دینے کا اس سے ظہور اور وسوسہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے بطور حکایت بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا تھا ''**انی اخلق لکم من الطین کهیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیرا باذن الله و ابرئ الاکمه و الابرص و احیی الموتی باذن الله**'' (بیشک میں تمہارے لئے چڑیا کا سا پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادر زاد نابینا اور میں اللہ کے حکم سے سفید داغ والے کو اچھا اور مردے کو زندہ کرتا ہوں) تو کیا یہ نص آیت کے مطابق ایک فعل دو فاعلوں سے یعنی اللہ تعالیٰ اور مسیح علیہ السلام سے نہیں ہے اور کیا پرندے کا خالق اور نابینا اور سفید داغ والے کا صحت دینے والا اللہ کے سوا کوئی اور ہے حالانکہ عیسی علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ پیدا کرتے اور صحت دیتے ہیں۔ بلا شک یہ ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق خبر دی ہے کہ ''**انه یحیی ویمیت**'' (وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے) اور عیسی علیہ السلام نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے مردوں کو جلایا۔ بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ وہ مردہ جسے عیسیٰ علیہ السلام نے زندہ کیا اور وہ پرندہ جسے

بنص قرآن انہوں نے پیدا کیا، بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے جلایا اور اسے پیدا کیا اور بنص قرآن عیسیٰ علیہ السلام نے اسے جلایا اور اسے پیدا کیا۔ یہ سب ایک ہی فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے و باللہ تعالیٰ التو فیق۔

اسی طرح کا کلام اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ”واحلو قو مهم دار البوار جهنم “ (اوران لوگوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے مکان یعنی جہنم میں گھسیٹر دیا) حالانکہ ہم یقیناً یہ جانتے ہیں کہ بلا شک وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انہیں جہنم میں ڈالا۔ لیکن جب ان لوگوں سے اس سبب کا ظہور ہوا جس کی وجہ سے وہ لوگ ہلاکت کے مکان جہنم میں داخل ہوئے تو اس کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق فرمایا ہے ”کما اخرج ابویکم من الجنة “ (جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکال دیا)۔ حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان دونوں کو اور ان کے ساتھ ابلیس کو نکالا۔ لیکن ان دونوں کے نکلنے کا سبب ابلیس سے ظاہر ہوا تو اس کو اس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”لتخرج الناس من الظلمات الی النور “ (تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لیجائیں) ہم کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا اور ہم جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا تاریکیوں سے نکالنے والا اللہ ہی ہے لیکن اس امر میں سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوا فعل کو آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

یہ تمام امور لوگوں کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں شرکت کو واجب نہیں کرتے جیسا کہ معتزلہ نے دھوکا دیا ہے اور یہ سب ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے اور اسی طرح وہ تمام افعال بھی جو لوگوں سے ظاہر ہوتے ہیں اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”انما نملی لهم لیز داد وا اثما “ (ہم محض اس لئے انہیں عذاب سے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کریں)۔

اور فرمایا ہے ”واملی لهم ان کیدی متین (اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بہت زبردست ہے)۔

اور فرمایا ہے ”الشیطان سوّل لهم و املی لهم ‘ (شیطان نے کفار کے لئے سہل کر دیا اور انہیں مہلت اور ڈھیل دیدی) ہم نے یقیناً جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا املاء (مہلت دینا) انہیں محض اس کا بغیر تعجیل عذاب کے چھوڑ دینا ہے بلکہ انہیں دنیا کی فراغت دینا اور ان کی عمر کا دراز کرنا ہے جو ان کے لئے کفر و معاصی پر مدد ہوگئی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ شیطان کا املاء (مہلت یا ڈھیل دینا) صرف بذریعہ وسوسہ ہے اور عذاب کا بھلا دینا اور لوگوں کو کفر پر برانگیختہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”افر ا یتم ما تحر ثون ااتم تزرعونه ام نحن الزارعون “ (کیا کبھی تم نے غور کیا جو تم بوتے ہو آیا تم اس کی زراعت کرتے ہو یا ہم زراعت کرنے والے ہیں)۔ بدیہی طور پر یہ بھی ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس لئے منسوب ہے کہ اس نے ایجاد کیا اور اسے پیدا کیا اور اسے بڑھایا۔ ہماری طرف اس لئے منسوب ہے کہ ہم نے اس کی زراعت میں حرکت کی چنانچہ وہ حرکت جو مخلوق ہے ہم میں ظاہر ہوئی۔ یہ تمام افعال ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور اپنے بندوں میں انہیں ظاہر کیا۔ فقط اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

افعال کی حقیقت:

یہ قول جو افعال کے بارے میں ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اس کو صرف دو قسموں میں پیدا کیا، جو ہر حامل و

عرضِ محمول۔ ناطق وغیر ناطق۔ جو غیرحیؔ (غیر ناطق) ہے وہ تمام جمادات ہیں اور جو ناطق ہے وہ صرف ملائکہ وہ حورعین وجن وانس ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے حیوانات ہیں ہو سب غیر ناطق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جمادات میں اور حیؔ غیر ناطق میں اور حیؔ ناطق میں حرکت وسکون وتاثیر پیدا کی جس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ فلک متحرک ہے۔ بارش نازل ہوتی ہے۔ وادی میں سیلاب آتا ہے۔ پہاڑ ساکن ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ برف ٹھنڈا کرتی اور اسی طرح ہر شے میں اسی کو قرآن لایا ہے اور تمام زبانیں یہی لائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**تلفح و جو ھھم النار** '' (ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی) اور فرمایا ''**فسالت اودیة بقدر ھا فا حتمل السیل زبدا** '' (وادیاں اپنی مقدار کے مطابق بہہ نکلیں پھر سیلاب نے بلند جھاگ اٹھائے)۔

اور فرمایا ''**فاما الزبد فیذھب جفاء و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض** '' (پھر جھاگ تو دور چلا جاتا ہے لیکن جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتا ہے)۔

اور فرمایا '' **والفلک تجری فی البحر بامرہ** '' (اور کشتی اسی کے حکم سے دریا میں جاری ہے) ''**والفلک تجری فی البحر بما ینفع الناس** '' (اور دریا میں کشتی وہ اشیاء لیجاتی ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں)۔ اس قسم کی آیات بہت کثرت سے ہیں۔

ان افعال کو جو جمادات میں ظاہر ہوتے ہیں۔ محض ان کے جمادات میں ظاہر ہونے کی وجہ سے ان کو جمادات کی طرف منسوب کرنے کو لغات بھی لائی ہیں (یعنی جو افعال جن جمادات سے ظاہر ہوتے ہیں عام محاورے میں انہیں جمادات کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے) اس امر میں کسی زبان میں بھی اختلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے بطور حکایت فرمایا ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ''**رب اجنبنی و بنیّ ان نعبد الا ضام رب انھن اضللن من الناس** '' (اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ اے میرے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا) حضرت ابراہیم نے یہ بیان کیا کہ اصنام گمراہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''**تذر وہ الریاح** '' (ہوائیں اس کو اڑاتی ہیں) اور یہ تو حد شمارے سے بھی زائد ہے۔

اعراض بھی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا فعل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''**والعمل الصالح یر فعہ**'' (اور عمل صالح اسے بلند کرتا ہے) ''**وذلکم ظنکم الذی ظننتم بر بکم ار دیٰ کم**'' (اور تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ قائم کیا تم کو ہلاک کر دیا)۔ عمل بلند کرتا ہے اور گمان ہلاک کرتا ہے۔ اس کلام کی صحت میں کسی قوم نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ ''**اعجبنی عمل فلان و سرنی خلق فلان** '' (فلان کے عمل نے مجھے خوش کیا اور فلاں کے اخلاق نے مجھے مسرور کیا)۔ اس کی مثالیں بھی بہت ہیں '' ہم نے حرارت کو دیکھا کہ وہ تحلیل کرتی ہے اور اوپر لے جاتی ہے اور برودت جماتی ہے '' اس کی مثالیں بھی بہت ہیں اور ہم انہیں بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

حیؔ ناطق وحیؔ غیر ناطق کی حرکت وسکون وتاثیر بھی ظاہر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیؔ ناطق وحی غیر ناطق میں قصد ومشیت پیدا کی جو جمادات میں نہیں پیدا کی۔ مثلاً حیوان کا چرنے کا ارادہ کرنا اور اس کا ترک کرنا۔ اور کھانا اور اس کا ترک اور جو اس کے مشابہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حی ناطق میں تمیز کو پیدا کیا جو اس نے حیؔ غیر ناطق و جمادات میں نہیں پیدا کیا۔ اور یہ علوم و معارف میں تصرف ہے، یہ سب وہ امر ہے جو مشاہدے میں ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے جس کے اندر پیدا کیا ہے۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے صرف فعل کو اس کی طرف

منسوب کیا ہے جس سے اس نے اس کو ظاہر کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا اللہ تعالیٰ نے حیّ ناطق میں فعل و اختیار و تمیز کو پیدا کیا اور حی غیر ناطق میں صرف فعل و اختیار کو پیدا کیا اور جمادات میں صرف فعل کو پیدا کیا اور یہ حرکت و سکون ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے ایک تو وہ جو مکابرہ و مجاہرہ کرے (یعنی مشاہدہ و حس کی مخالفت کرے) مطبوع (صاحب طبیعت) کے فعل طبعی کا انکار کرے اور کہے کہ یہ اس کا فعل نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ نے اس میں فعل کیا ہے اور ایک وہ جو مکابرہ و مجاہرہ کرے مختار (صاحب اختیار) کے فعل اختیاری کا انکار کرے اور کہے کہ یہ اس کا فعل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس میں فعل کیا ہے یہ دونوں امور حس سے محسوس ہوتے اور اول عقل و ضرورت سے معلوم ہوتے ہیں کہ یہ اس کا فعل ہے جس سے ظاہر ہوا ہے۔ یہ سب برہان ضروری سے معلوم ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے مطبوع و مختار کے اندر پیدا کیا ہے۔

اگر وہ اس قول کی طرف فرار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مختار کے فعل کو پیدا نہیں کیا اور وہ صرف مختار کا فعل ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہم پہلے ہی اس کا بطلان واضح کر چکے ہیں۔ لیکن ہم اس مقام پر تم سے اس امر سے معارضہ کرتے ہیں کہ تم میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطبوع کا فعل بھی پیدا نہیں کیا اور وہ صرف مطبوع کا فعل ہے۔ مثلاً معمر وغیرہ جو اکابر معتزلہ میں سے ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جس نے یہ کہا اس نے غلطی کی اور کفر کیا تو ہم ان سے کہیں گے کہ اس نے بھی غلطی کی اور کفر کیا جس نے یہ کہا کہ مختار کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور کوئی فرق نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جس طبیعت و مطبوع کی طرف جو لوگ فعل کو منسوب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کا خالق ہے لہذا وہ اس فعل کا بھی خالق ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی مختار کا بھی خالق ہے اور اس کے اختیار کا بھی خالق ہے اور اس کی قوت کا بھی خالق ہے اور وہ لوگ جو فعل کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس فعل کا بھی خالق ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اضافت تاثیرات و افعال:

یہ جو ہم نے بیان کیا کہ تاثیرات اور تمام افعال کی اضافت ہر اس شخص کی طرف ہے جس سے یہ ظاہر ہوں خواہ وہ جمادات ہوں یا عرض ہو یا ناطق ہو یا غیر ناطق ہو۔ تو اسی کی شریعت بھی شہادت دیتی ہے، یہی قرآن اور تمام احادیث میں آیا ہے اور اسی کی مشاہدہ بھی شہادت دیتا ہے۔ یہ امر محسوس و مشاہد ہے اور اسی کی تمام روئے زمین کی زبانیں بھی شہادت دیتی ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ صرف زبان عرب شہادت دیتی ہے۔ بلکہ ہر زبان کہ جس میں ہم کسی کو مستثنٰی نہیں کرتے اور جو اس طرح ہو تو اس سے زیادہ صحیح کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ کیا تم لوگ جماد و عرض کو کاسب کہتے ہو۔ تو ہم کہیں گے۔ نہیں۔ اس لئے کہ ہم اس سے نہیں بڑھتے جو لغت میں آیا ہے۔ جو شخص اپنی رائے سے اس لغت کو بدلے جس میں قرآن نازل ہوا ہے تو وہ اس گروہ میں داخل ہو گیا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یحرفون الکلم عن مواضعه" (کلمات کو اس کے مقامات سے بدل دیتے ہیں) اور آپس کے سمجھنے سمجھانے کو بگاڑنے میں وہ سوفسطائیہ میں شامل ہو گیا۔ اگر یہ لغت میں آیا ہوتا تو ہم بھی یہی کہتے (یعنی جماد کو کاسب کہتے) جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا فاعل ہے اور ہم اس کو کاسب نہیں کہتے۔

اگر کہا جائے کہ کیا تم جمادات و عرض کو عامل کہتے ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس لئے کہ یہ لغت میں آیا ہے اور اسی لئے ہم یہ کہتے

ہیں کہ "**الحدید یعمل و الحر یعمل فی الا جسام**" (لوہا عمل کرتا ہے اور حرارت اجسام میں عمل کرتی ہے) اسی طرح اس کے علاوہ بھی ہے۔

اگر کہا جائے کہ کیا تم کہتے ہو کہ جماد و عرض کے لئے استطاعت و قوت و طاقت و قدرت ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہم تو صرف لغت کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جمادات و اعراض کے لئے قُوی ہیں جن سے وہ افعال ظاہر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کئے ہیں اور ان میں ان افعال کی طاقت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان میں قدرت ہے اور ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہتے کہ ان میں طاقت ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**وانزلنا الحدید فیه باس شدید**" (اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے) ہم کہتے ہیں کہ لوہا سخت طاقت والا اور بڑی قوت والا اور صاحب طاقت ہے تم سے کہہ چکے ہیں کہ ہم نام رکھنے اور تعبیر کرنے میں بالکل اس سے نہیں بڑھتے جو لغت میں آیا ہے اور نہ ہم اللہ کے نام رکھنے اور اس کے متعلق خبر بیان کرنے میں اس سے بڑھتے ہیں جو قرآن میں آیا ہے اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے اور یہی وہ ہے جو برہان سے ثابت ہے اور اس کے سوا باطل و گمراہی۔ **و باللہ تعالیٰ التو فیق**۔

خلق کیا ہے:

یہ اعتراض کہ آیا خلق ہی کسب ہے یا غیر کسب۔ تو ہاں۔ ہمارا ہر شے کا کسب جو ہم سے ظاہر ہے یا باطن، اور ہمارا ہر کام اور ہمارے تمام اعمال و افعال۔ ضرور ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر پیدا کیا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس لئے کہ یہ سب امور شے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**انا کل شئی خلقناہ بقدر**" (بیشک ہم نے ہر شے کو اندازے سے پیدا کیا) لیکن ہم اسم کسب کو اس جگہ سے آگے نہیں بڑھاتے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمیں یہ خبر دینے کے لئے واقع کیا ہے کہ ہمیں اس کی جزا دی جائے گی جو ہمارے ہاتھ کسب کریں گے یا جو ہم کسب کریں گے اور یہ قرآن مجید میں ایک سے زائد مقام پر ہے۔

یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کسب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نہیں کہا اور نہ اس کے کہنے کی اجازت دی اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ وہ (کسب) ہماری مخلوق ہے۔ اس لئے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو کہا اور نہ اس کے کہنے کی اجازت دی ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے جیسا کہ اس نے تصریح کی ہے کہ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وہ ہمارا کسب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت**" (نفس کو اسی کی جزا ملے گی جو اس نے کسب کیا اور اسی کی سزا ملے گی جو اس نے کسب کیا)۔ ہم نے تو یہ شریعت میں اس (اللہ) کا نام رکھتے ہیں اور نہ ان امور میں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق بیان کئے جائیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان زبانوں کا پیدا کرنے والا ہے جو اسماء کو بولتی ہیں، وہی اسماء کا پیدا کرنے والا ہے، اپنے سوا تمام مسمیات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اس ہوا کا پیدا کرنے والا ہے جو حروف ہجاء پر منقسم ہو جاتی ہے پھر اس سے اسماء مرکب ہو جاتے ہیں جب اسماء اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کے سوا تمام مسمیات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور تمام اسماء کا تلفظ کرنے والے جو اپنے آلات و اعضاء سے نطق کرتے اور بولتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو کسی کو اس کا حق نہیں کہ وہ کوئی ایسا اسم کسی مسمی پر واقع کرے جو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں اس پر واقع نہ کیا ہو یا اس (اسم) کے اس (مسمی) پر واقع کرنے کو اس طور پر مباح کیا ہو کہ اس نے اس لغت میں کلام کرنے کو مباح کر دیا ہو جس میں اللہ تعالیٰ نے آپس میں سمجھنے سمجھانے کا حکم دیا ہے، اس طور پر کہ ہم اس میں اپنے دین کا علم حاصل کریں اور اس میں اسکی تعلیم دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس قول پر اس طرح تصریح کی ہے کہ اس نے ایک ایسی قوم پر انکار کیا ہے جنہوں نے چند اسماء کو مسمیات پر واقع کر لیا

تھا جن اسماء کی نہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی تھی اور نہ ان کے ان مسمیات پر واقع کرنے کی اجازت دی تھی ''ان ھی الا اسماء سمیتمو ھا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطن . ان یتبعون الا الظن و ماتھوی الا نفس و لقد جاء ھم من ربھم الھدی ام للانسان ما تمنی '' (یہ تو محض وہ اسماء ہیں جو تم لوگوں نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی سند نہیں نازل کی۔ یہ لوگ محض گمان کی اور اپنی ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کے یہاں سے ہدایت آچکی ہے انسان کے لئے نہیں ہوتا جس کی وہ آرزو کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جو شخص کوئی ایسا اسم کسی مسمی پر واقع کرے جس کو نص نے واجب نہ کیا ہو یا شریعت نے اس کی اجازت نہ دی ہو یا وہ مجملۂ لغت نہ ہو تو وہ شخص محض ظن (گمان) کی پیروی کرتا ہے اور ظن سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ وہ محض اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اتباع ہوا کو حرام کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ اس کے پاس سے ہدایت آچکی ہے۔

اور فرمایا ہے ''وربک یخلق ما یشاء و یختار . ما کان لھم الخیرۃ*'' (اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے ان لوگوں کو اختیار نہیں) لہذا کسی کو یہ حق نہیں کہ اس قرآن و حدیث سے تجاوز کرے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہیں اور توفیق اسی کی طرف سے ہے۔

ثابت ہو گیا کہ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہمارے افعال ہمارے مخلوق ہیں یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسب ہیں۔ وہ حق جس کی مخالفت جائز نہیں یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور ہمارا کسب ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت میں آیا ہے جو قرآن ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلق تو ابداع و اختراع (ایجاد کرنا) ہے اور یہ ہمارے لئے قطعاً نہیں ہے۔ ہمارے افعال ہماری مخلوق نہیں ہیں۔

کسب یہ ہے کہ شے کو اپنی مشیت سے کرنے اور جمع کرنے والے کی طرف منسوب کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہمارے افعال میں اس امر کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اس کا کسب ہے اور وہی ہمارا مددگا ہے۔

تمام معتزلہ اس امر میں ہمارے موافق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خالق اجسام کے ساتھ نامزد کرتے ہیں۔ سوائے معمر و عمرو بن بحر الجاحظ کے تمام معتزلہ باری تعالیٰ کو سوائے افعال مختارین کے خالق اعراض کہنے میں بھی ہمارے موافق ہیں۔ اور تمام معتزلہ اور معمر و جاحظ بھی باری تعالیٰ کو خالق اماتت و احیاء کہنے میں ہمارے موافق ہیں۔ یہ سب کے سب اس امر میں ہمارے موافق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات کا خالق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے اس کو ایجاد کیا اور یہ اس کے پہلے نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کا ان تمام اعراض کا پیدا کرنا جن میں ان لوگوں نے ہم سے اختلاف کیا تھا برہان سے ثابت ہو گیا تو واجب ہے کہ اس کی مخلوق کہا جائے اور اسے اس کا خالق کہا جائے۔

خلق افعال میں کلام:

یہ اعتراض کہ جب ہمارے افعال اللہ کی مخلوق ہوں گے اور ہم سے اس کا خیال کیا جا سکتا ہے اور ہمارے ظاہر حال سے ہماری سلامت اعضاء کی وجہ سے اس پر استطاعت بھی ہے کہ وہ افعال نہ ہوں تو ہم اس امر کے مدعی ہوں گے کہ ہمیں بظاہر حال اپنے سلامت اعضاء کی وجہ سے ہمیں اس پر استطاعت ہے اور ہم سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان افعال کے پیدا کرنے سے روک دیا جائے اور جو اس کو جائز رکھے گا یہ اس کا خالق کفر ہوگا۔

یہ الزام لا یلزم ہے:

درحقیقت یہ الزام معتزلہ پر ہے نہ کہ ہم پر۔ اس لئے کہ وہی اس کے قائل ہیں کہ وہ درحقیقت ترک افعال پر اور اس وطی کے ترک پر جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ضرور ہوگی اس وطی سے اللہ تعالیٰ بچہ پیدا کرے گا اور اس مار کے ترک پر جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ضرور ہوگی اور اسی سے موت ہوگی اور وہ مدت ختم ہوگئی جو اس کے نزدیک مقرر ہے اور اس کھیتی اور زراعت کے ترک پر جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ضرور ہوگی اور اس سے وہ سبزی پیدا ہوگی جس سے خوراک و زندگی ہوگی۔ قدرت و استطاعت رکھتے ہیں۔ تو لامحالہ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کے روکنے پر قادر ہوئے جس کے متعلق اسے علم ہے اور اس نے کہا ہے کہ وہ کرے گا۔

جو یہاں تک پہنچ جائے تو ضروری ہے کہ یا تو تائب ہو کر رجوع کرے اور اپنی جان پر احسان کرے یا برباد و گمراہ اور مقلد اور جماعت سے منقطع رہے یا اپنے قول کی پابندی پر قائم رہے تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی اسے ضرورت حس و مشاہدہ و ضرورت عقل و قرآن کی مخالفت بھی لازم آئے گی۔ **و باللہ تعالیٰ التو فیق۔**

ہمارا جواب اس جگہ یہ ہے کہ ہم ہرگز اس فعل پر قادر نہیں ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا کہ ہم اسے کریں گے اور نہ اس فعل کے ترک پر قادر ہیں جس کے متعلق اللہ کو علم ہے کہ ہم اسے کریں گے۔ نہ ہم اللہ تعالیٰ کے علم کے فسخ کرنے پر قادر ہیں نہ کسی ایسے فعل میں اس کی تکذیب پر قادر ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اگرچہ ہم بظاہر حال اس استطاعت کا اطلاق کرتے ہیں جس کا اللہ نے اطلاق کیا ہے جس استطاعت سے وہی افعال ہو سکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ہوں گے اور اس سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ استطاعت اضافی ہے نہ کہ علی الاطلاق۔ لیکن ہم یہ جو کہتے ہیں کہ وہ اپنے اعضاء کی وجہ سے مستطیع ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سے فعل کے سرزد ہونے کا وہم کیا جا سکتا ہے۔ اور بس۔

اگر وہ یہ کہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے قول کی تکذیب اور اس کے علم کا ابطال کرو۔ کیونکہ اس نے تمہیں ایسے فعل کا حکم دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ تم نہ کرو گے تو ہم امر کے متحقق ہونے کے وقت کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا ایسے شخص کو امر کرنا کہ جس کو وہ جانتا ہے کہ اسے جو امر کیا جائے گا نہ کرے گا امر تعجیز ہے (یعنی وہ امر ہے جس کے ذریعے سے اس کی عاجزی کا اظہار مقصود ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "**کونو احجارۃ او حدیدا**" (تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ) اور جیسے اس کا یہ فرمانا "**من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ فلیمد دبسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر ھل یذھبن کیدہ ما یغیظ**" (جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں ہرگز مدد نہ کرے گا تو اسے چاہئے کہ وہ آسمان تک ایک رسی دراز کرے پھر اسے چاہئے کہ (وہاں پہنچ کر سلسلہ وحی کو) منقطع کر دے۔ پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر اس چیز کو لیجاتی ہے جس پر اسے حسد ہے) یعنی اول تو یہ تدبیر ہی ناممکن ہے اور دوسرے ممکن بھی ہو تو اس سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و نصرت بند ہوگی نہ وحی)۔

معتزلہ کی حیرت:

اس مقام پر معتزلہ حیران ہیں بعض نے تو یہانتک کہدیا کہ اگر زید قتل نہ کیا جاتا تو ضرور زندہ رہتا۔ ابوالہذیل نے کہا کہ وہ اگر قتل نہ کر دیا جاتا تو ضرور مر جاتا۔ جو اسکے قائل ہیں کہ اگر زید قتل نہ کیا جاتا تو ضرور زندہ رہتا انہوں نے قرآن کی اس آیت سے دھوکا دیا ہے "**وما یعمر من معمر و لا ینقص من عمرہ الا فی کتاب**" (اور جس عمر والے کو عمر دے جاتی ہے اور جس کی عمر کم کیجاتی ہے تو یہ سب کتاب

میں ہے)اوراس حدیث سے ''من سره ان ینساء فی اجله فلیصل رحمه '' (جواس نے خوش ہو کہ اس کی اجل میں تاخیر کر دیجائے تو اسے صلہ رحم کرنا چاہئے یعنی محرم قرابت داروں کے ساتھ کر نیکی کرنا چاہئے)۔

کوئی دلیل نہیں:

ان میں سے کسی میں بھی ان کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے ان کے اوپر حجت ہے۔ اس لئے کہ جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں لفظ نقص باب اضافت میں سے ہے (یعنی ایک ہی شے کسی شے کی طرف منسوب ہو تو اس میں نقص معلوم ہو اور وہی شے دوسری شے کی طرف منسوب ہو تو بجائے نقص کے اس میں کمال معلوم ہو۔ یہی اضافت ہے) اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جس شخص کی عمر سو برس کی ہو اور دوسرے کی عمر اسی برس کی ہو تو جس کی عمر اسی برس کی ہے اس میں دوسرے کی عمر کے عدد سے بیس برس کا نقص ہے۔ یہی ظاہر آیت اور اس کا مقتضا ہے۔ نہ کہ وہ جس کا بے عقل لوگوں نے گمان کیا ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احکام کے تحت میں چلتا ہے کہ اگر وہ زید کو ماریں گے تو وہ اسے موت دے گا اور اگر لوگ اسے نہ ماریں گے تو وہ اسے موت نہ دے گا۔

یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محقق وغیر ثابت ہے کہ کبھی وہ زید کو سو برس زندہ رکھتا ہے اور کبھی اسے اس سے کم زندہ رکھتا ہے بعینہ یہی بداء ہے اور اس قول سے اللہ کی پناہ ہے۔

تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم وعلم کے تحت میں اور تصرف میں ہے کوئی بھی اس سے تجاوز کرنے پر قادر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہوگا۔ اس کے سوا قطعاً نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے کہ ہوگا۔ قتل تو انواع موت میں سے ایک نوع ہے۔

جو شخص یہ سوال کرے کہ مقتول کو اگر قتل نہ کیا جاتا تو وہ مرتا یا زندہ رہتا تو اس کا سوال ہی لغو ہے۔ اس لئے کہ وہ یہی سوال کر رہا ہے کہ یہ مردہ اگر نہ مرتا تو آیا مرتا یا نہ مرتا اور یہ نہایت حماقت ہے اس لئے کہ قتل تو موت مقتول کی علت ہے۔ جیسا کہ مہلک بخار و بدہضمی اور تمام امراض مہلکہ اس موت کے لئے علت ہوتے ہیں جو ان سے پیدا ہوتی ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''جو اس سے خوش ہو کہ اس کی اجل میں تاخیر کر دیجائے تو اسے صلہ رحم کرنا چاہئے'' (تو یہ صحیح ہے اور قرآن کے موافق اور مشاہدے کے مطابق ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ زید صلہ رحم کرے گا اور یہ اس کا سبب ہوگا کہ وہ عمر کے فلاں فلاں سال تک پہنچے۔ دنیا میں جو بھی زندہ ہے وہ اسی طرح ہے اس لئے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ وہ اسے اتنے اتنے زمانے تک کی عمر دے گا تو اسے اس کا بھی علم ہے اور اس نے اس کا بھی اندازہ کیا ہے کہ وہ شخص کھانے اور پانی سے غذا حاصل کرے گا ہوا سے سانس لے گا اور اس مدت تک جس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے آفات مہلکہ سے بھی محفوظ رہے گا۔

مسبب وسبب دونوں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے اس طرح سے ہیں کہ ان میں کوئی تبدیل وتغیر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ما یبدل القول لدی '' (میرے یہاں قول بدلا نہیں جاتا)۔ اگر اس کے خلاف ہوتا تو پھر بداء لازم آتا۔ لامحالہ جو ہونے والا ہے اس کا وہ علیم (جاننے والا) نہ ہوتا۔ اس میں متشکک (شک کرنے والا) ہوتا کہ ہوگا کہ نہ ہوگا۔ اس سے بالکل جاہل ہوتا اور یہ مخلوقین کی صفت ہے نہ کہ خالق کی اور یہ اس کا کفر ہے جو اسکا قائل ہو اور معتزلہ بھی اسکے قائل نہیں۔

اللہ گواہ ہے:

جو کچھ ہم نے کہا ہے نص قرآن اسی کی صحت کی شہادت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**لو کنتم فی بیو تکم لبر ز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم** " (اگر تم اپنے گھروں ہی میں رہتے جب بھی جن کے لئے قتل لکھدیا گیا ہے ان کی خواب گاہوں ہی میں اس کا ظہور ہوتا)۔

فرمایا ہے "**قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل** " (آپ کہد یجئے کہ بھاگنا ہرگز تمہیں مفید نہ ہوگا اگر تم موت یا قتل سے بھاگے)

فرمایا ہے "**اینما تکو نوا یدر ککم الموت و لو کنتم فی بروج مشیّدہ** "(تم کہیں بھی ہو۔ موت تمہیں پا جائے گی اگر چہ تم پختہ اور بند گنبدوں ہی میں ہو)۔ اس قوم کے قول کے رد میں فرماتا ہے جس کے میدان میں معتزلہ چل رہے ہیں "**الذین قالوا لاخوانھم و قعد و الو اطاعونا ما قتلو ا . قل فادر اء وا عن انفسکم الموت ان کنتم صادقین** " (وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائیوں کے لئے کہا اور وہ خود بیٹھے رہے (یعنی جہاد کے لئے نہیں گئے) کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ آپ کہد یجئے کہا گر تم سچے ہو تو اپنے ہی کو موت سے بچالو)۔

فرمایا ہے "**یا ایھا الذین امنوا لا تکو نو ا کا لذین کفر و اوقالو ا لا خوانھم ا ذا ضربو افی الارض او کانو ااغز الو کانو اعند نا ما ما تو ا و ما قتلو الیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبھم واللہ یحیی و یمیت** "

(اے مومنین تم ان کے مثل نہ بنو جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے لئے کہا جب انہوں نے سفر کیا یا انہوں نے جہاد کیا تھا کہ اگر یہ ہمارے پاس رہتے نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کو انہیں کے دلوں میں حسرت بنادے اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے)۔

فرمایا ہے "**و ماکان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا**" (اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو بغیر حکم الٰہی مر سکے۔ جو لکھا ہوا ہے اور اس کا زمانہ معین ہے)

یہ وہ نصوص وآیات ہیں کہ ان کو سننے کے بعد جو نہ مانے وہ کفر سے الگ نہیں رہ سکتا۔ **نعوذ باللہ من الخذلان** ۔

بعض معتزلہ نے اس طرح دھوکا دیا ہے کہ اس نے اس آیت کو بیان کیا ہے "**ثم قضی اجلا و اجل مسمی عندہ** "(پھر اس نے ایک مدت کا حکم دیا۔ اور مدت اس کے یہاں نامزد ہے)۔

یہ آیت ان لوگوں پر حجت ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے ایک مدت کا حکم دیا اور اس نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک شے کے لئے نہ کہ دوسری شے کے لئے۔ لیکن اس سب پر فرمایا ہے اور مدت اس کے یہاں معین ہے" وہ مدت جو اس کے یہاں معین بلاشک وہی مدت ہے جس کا اسے نے حکم دیا۔ کیونکہ اگر اس کے علاوہ ہوتی تو جب اس سے کم وبیش کرنا ممکن ہوتا تو دو میں سے ایک مدت نہ ہوتی۔ لیکن باری تعالیٰ باطل کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس نے اس کا نام اجل و مدت رکھا ہے اور یہ کفر ہے جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہوسکتا۔ اور شے کی اجل و مدت اس کی وہی میعاد ہے جس سے وہ تجاوز نہ کرے ورنہ اس کا نام اجل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے یہاں جو مدت معین ہے وہ اس مدت کے مغایر ہے جس کا اس نے حکم دیا۔

ہر شے کی اجل و مدت اس شے کے ختم ہونے کا وقت ہے۔ ہم بدیہی طور پر اس کو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی اسے واضح کرتا

ہے ’’فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعة و لا یستقدمون ‘‘ (پھر جب ان کی اجل آجاتی ہے تو نہ وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹتے ہیں نہ آگے بڑھتے ہیں) اور فرمایا ’’ولن یؤ خر اللہ نفساً اذا جاء اجلھا ‘‘ (اور جب کسی کی اجل آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہرگز مہلت نہیں دیتا) ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسکے متعلق بھی خبر دی ہے اور فرمایا ہے ’’وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتاب موجلا ‘‘ (اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو بغیر حکم الٰہی مر سکے جو لکھا ہوا ہے اور اس کی مدت معین ہے) ان تمام آیات نے اس حق کو ظاہر کر دیا جو ہمارا قول ہے اور جو اس کے خلاف کہتا ہے اس کی تکذیب کر دی۔ و باللہ تعالیٰ التو فیق ۔

ارزاق کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے اور فرمایا ہے ’’اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحیکم ‘‘ (اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا) اور فرمایا ہے ’’و خلقنا کم ازواجا ‘‘ (ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے)۔ ہر مال حلال کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا اور ہر حلال عورت کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارا جوڑا بنایا یا ہمیں اس کا مالک بنایا۔ جو مال ہم ناحق لے لیں اور جو عورت ناحق لے لیں تو ہمیں یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ مال اللہ نے ہمیں رزق دیا، یا اللہ نے ہمیں اس کا مالک بنایا یا اللہ نے ہمیں وہ عطا کیا اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ اس عورت کو اللہ نے ہمارا جوڑا بنایا اور نہ یہ کہ اللہ نے ہمیں اس کا مالک بنایا اور نہ یہ کہ اللہ نے اس سے ہمارا نکاح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہنے کی اجازت نہیں دی۔ اس لئے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ ہم کو ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مال اور اس عورت میں مبتلا کیا ان دونوں سے ہمارا امتحان کیا اور ان دونوں سے ہمیں گمراہ کیا۔ اس نے ہمارے ان دونوں کے مالک بننے کو اور اس عورت سے ہمارے نکاح کو اور ہمارے ان دونوں کے استعمال کو پیدا کیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس نے ہمیں حرام کھلایا یا ہمارے لئے حرام کو مباح کیا ہمیں حرام کو ہبہ کیا اور ہمیں حرام عطا کیا۔ جیسا کہ ہم نام رکھنے کو بیان کر چکے ہیں۔ و باللہ تعالیٰ التو فیق ۔

افعال میں شرکت:

معتزلہ کا یہ اعتراض کہ جب تمہارے افعال تمہارے لئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں گے تو لازم آئے گا کہ ان افعال میں تم لوگ اس کے شریک ہو۔ اس کا جواب یہ ہے، و باللہ التو فیق، کہ ان لوگوں نے جس قدر ملمع کاری کی ہے یہ ان میں سب سے زیادہ لغو ہے۔ یہ انہیں لوگوں پر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اس کے قائل ہیں کہ یہ لوگ اپنے فعال کے موجد و خالق ہیں جو اعراض میں سے ایک حصہ اور بعض ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام اعراض کا فاعل و موجد و خالق ہے تو یہ عین شرک اور حقیقت معنی میں تشبیہ ہے اور وہ معنی اختراع و ایجاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے حد بلند و برتر ہے۔

ہم لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا شرک لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ شرک جب لازم آتا ہے کہ دونوں مشترک جس چیز میں ان کا اشتراک ہے دونوں متفق ہوں۔ برہان یہ ہے کہ ہمارے اموال ہماری ملک میں اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں۔ اس پر ہمارا اور معتزلہ کا اجماع و اتفاق ہے یہ اس کو واجب نہیں کرتا کہ ہم اس میں اس کے شریک ہوں۔ اس لئے کہ جہات ملک میں اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ تو اس لے کہ اس کا مالک ہے کہ وہ اس کی مخلوق ہے اور وہی اس میں ہم پر تصرف کرنے والا اور جس طرح چاہے اسے ہم سے اور ہمیں اس سے منتقل کرنے والا ہے۔

ہماری ملک اس لئے ہے کہ وہ کسب ہے اور ہم اس کے احکام کے پابند کئے گئے ہیں اور ان وجوہ سے اس میں ہمارے لئے تصرف

مباح ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مباح کر دی ہیں۔

ہم اسکے عالم ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس کا عالم ہے۔ یہ اس امر کا موجب نہیں ہے کہ ہم اس علم میں اس کے شریک ہوں اس لئے کہ اس علم میں بھی امر مختلف ہے ہمارا علم تو ایک عرض ہے جو ہمارے اندر محمول وقائم ہے جو ہمارے مغایر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم اس کا غیر نہیں ہے۔ اس کی مثالیں اس قدر کثرت سے ہیں کہ ایک زمانہ دراز میں بھی ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ تفصیل کے ساتھ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی ان کا شمار نہیں کر سکتا۔ معتزلہ کے نزدیک یہ کیسے ہو گیا کہ ان تمام وجوہ میں ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اشتراک لازم نہیں آیا اور ایک ایسی شے میں اس کا شریک ہونا لازم آ گیا جس میں اشتراک کا قطعاً کوئی دخل نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے افعال کا پیدا کرنا ہے کہ وہ تو ان معنی میں ان افعال کا فاعل ہے کہ وہ ان کا موجد ہے اور ہم ان معنی میں ان کے فاعل ہیں کہ ان کا ظہور ہمارے ہی اندر ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ان افعال میں فعل کے خلاف ہے۔

ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ تمام افعال بجہت خلق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور بجہت کسب ہمارے ہیں۔

میں نے شیخ ابوالحسن طرابلسی معتزلی سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ افعال کی بھی جہات ہیں اور بعض معتزلہ نے اضافہ کیا اور کہا یہ افعال اعراض نہیں ہیں۔ عرض عرض کی حامل نہیں ہوتی اور نہ صفت صفت کی حامل ہوتی ہے۔

یہ اس کے قائل کا جہل اور ایک قضیہ فاسدہ ہے جو متکلمین کی ہزلیات ولغویات میں سے ہے۔ یہ وہ قول ہے جسے قرآن اور عقل اور تمام لغات کا اجماع اور مشاہدہ رد کرتا ہے۔

قرآن تو اس طرح رد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**عذاب عظیم**" (بڑا عذاب) "**عذاب الیم**" (دکھ دینے والا عذاب) "**ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون العذاب الا کبر**" (اور ضرور بالضرور ہم انہیں عذاب اکبر کے علاوہ عذاب ادنی چکھائیں گے) اور فرمایا ہے "**وانبتها نباتا حسنا**" (اور زکریا نے مریمؑ کی اچھی طرح پرورش کی) اور فرمایا ہے "**ان کید الشیطان کان ضعیفا**" (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے) اور فرمایا ہے "**ومکرو امکر اکبارا**" (اور ان لوگوں نے (حضرت نوحؑ کے ساتھ) بہت بڑا مکر کیا) اور فرمایا ہے "**ان کید کن عظیم**" (بیشک تم عورتوں کا مکر بہت بڑا ہے) اور فرمایا ہے "**وجا و بسحر عظیم**" (اور فرعون والے ساحروں نے بہت بڑا جادو کیا) اور فرمایا ہے "**صفراء فاقع لونها**" (وہ گائے (جس کی قربانی کی جائے) زرد رنگ کی ہو جس کا رنگ دیکھنے والوں کو (اچھا معلوم ہو) اور فرمایا ہے "**قدبدت البغضاء من افواههم**" (ان کے مونہوں سے عداوت ظاہر ہو رہی ہے) اور فرمایا ہے "**الیه یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یر فعه**" (کلام طیب اسی کے پاس چڑھ جاتا ہے اور عمل صالح کو وہ بلند کرتا ہے) اور فرمایا ہے "**وذالکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردکم**" (اور تمہارے اس گمان نے تم کو ہلاک کیا جو تم نے اپنے رب کے ساتھ قائم کیا) اور فرمایا ہے "**اتبعو اما اسخط الله**" (ان لوگوں نے اس کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا) اور فرمایا ہے "**فلما اضاعت ما حوله**" (پھر جب برق نے اس کے ارد گرد کو روشن کر دیا) اور فرمایا ہے "**تلفح وجوههم النار**" (آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی) اور فرمایا ہے "**فاخذتکم الصاعقة**" (پھر انہیں کڑکنے والی بجلی نے پکڑ لیا) اور فرمایا ہے "**مماتنبت الارض**" (ان چیزوں میں سے دیکھئے جو زمین اگاتی ہے) اور فرمایا ہے "**لما یتفجر منه الانهار**" (بعض پتھر وہ ہیں جن سے پھٹ کر نہریں جاری ہیں) اور فرمایا ہے "**فسالت اودیة بقدرها فاحتمل السیل زبدا رابیا فاما الزبد فیذهب جفاء و اما ما ینفع الناس فیمکث فی**

الارض ‘‘ (پھر وادیاں بقدر پانی وسعت کے بہ نکلیں پھر سیلاب نے بلند جھاگ کو اٹھالیا۔ لیکن جھاگ تو دور چلا جاتا ہے لیکن جو پانی لوگوں کے لئے مفید ہوتا ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتا ہے) اور فرمایا ہے ’’و الفلک تجری فی البحر بما ینفع الناس‘‘ (اور دریا میں کشتی ان چیزوں کو لیجاتی ہے جو لوگوں کو فائدہ دیتی ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب کو عظم و ایلام کے ساتھ موصوف کرنا اور اس کے ساتھ کہ اس میں اکبر و ادنی ہے۔ نبات کو حسن کے ساتھ کید شیطان کو ضعف کے ساتھ۔ کید نسوان کو عظم کے ساتھ مکر کو کبر کے ساتھ سحر کو عظم کے ساتھ۔ لون یعنی رنگ کو فقوع یعنی اچھا معلوم ہونے کے ساتھ موصوف کرنا یہ بیان کرنا کہ عداوت ظاہر ہوتی ہے۔ کلام طیب اللہ تعالیٰ کے پاس چڑھ جاتا ہے۔ اعمال صالحہ کو کلام طیب بلند کرتا ہے۔ گمان ہلاک کرتا ہے۔ خراب عمل اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اور اس قسم کی مثالیں قرآن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں اس سے بھی زیادہ ہیں کہ وہ کسی بڑی بھاری کتاب میں سما سکیں پھر اللہ تعالیٰ کے اس شہادت کے بعد جو ہم نے بیان کی کسی مرد مسلم کی زبان ان میں سے کسی شے کے انکار پر کیسے اس کی مدد کرتی ہے۔

لغت میں کوئی بھی اس قول کا انکار نہیں کرتا کہ ’’صورت حسنہ۔ صورت قبیحہ۔ حمرت مشرقہ۔ (چمکدار سرخی) حمرت مضیئہ۔ (روشن سرخی) حمرت کدرہ (گندلی سرخی) اور یہ کہنے میں بھی اہل دنیا میں سے کوئی اختلاف نہیں کرتا کہ ’’مجھ سے فلاں عمل بیان کرو۔ یہ عمل موصوف ہے اور عمل کی یہ یہ صفت ہے اور بعینہ یہی وہ چیز ہے جس کا معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ حالانکہ یہ شمار سے بہت زائد ہے۔

لیکن حس و عقل اور معقول تو ہر صاحب فہم یقیناً جانتا ہے کہ کیفیات اشد و اضعف کو قبول کرتی ہیں (یعنی صفت کبھی شدید ہوتی ہے کبھی ضعیف) یہ خاصہ اس صفت کا ہے جو اپنے غیر میں پائی جائے اور یہ سب عرض ہے جو عرض کی حامل ہے اور صفت ہے جو صفت کی حامل ہے۔

معتزلہ سے مقابلہ:

بعض معتزلہ نے مجھ سے اس امر میں معارضہ و مقابلہ کیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا کہ عرض عرض کی حامل ہوتی تو اس اعراض کی ایک دوسری عرض حامل ہوتی اور اسی طرح ہمیشہ اور یہ ایسے اعراض کے وجود کو واجب کرتا ہے جن کی انتہا نہ ہو اور یہ باطل ہے۔

اعراض کی تحقیق:

میں نے کہا کہ ایسے فاسد دعوے سے مشاہدات کا انکار نہیں ہوسکتا اور یہ جو تم نے بیان کیا ہے لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ ہر عرض کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ ہمیشہ حامل ہوگی ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض اعراض ایسی بھی ہیں جو اعراض کی حامل ہوتی ہیں مثلاً وہ اعراض جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ بعض اعراض وہ ہیں جو اعراض کی حامل نہیں۔ ہر ایک اس مرتبے پر جاری ہے جس پر اللہ نے اسے ترتیب دیا اور پیدا کیا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے حد و نہایت ہے جس کے پاس وہ ٹھہر جاتی ہے اور زائد نہیں ہوتی۔ ہم لوگ تو جب ہمارے درمیان کوئی ایسا جسم پایا جائے جو دوسرے جسم سے اپنے طول یا عرض میں کچھ زیادہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زیادت اس قدر موجود ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ یہ زیادت وہاں ختم ہو جاتی ہے اور رک جاتی ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے اسے ترتین دیا ہے۔ علم صرف اشیاء کا اس حالت پر جان لینا ہے جس پر وہ ہیں۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ سیب کی سرختی شفتالو کی سرخی سے مختلف ہے یا نہیں۔ لامحالہ نہیں یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس سے صفت میں قدرے مختلف ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ مشاہدے ہی کا انکار کریں ہم ان سے کہیں گے کہ آیا سرخی زردی سے مختلف ہے یا نہیں۔ اب تو ہاں

کہنا ہی پڑے گا۔ ہم ان سے کہیں گے کہ آیا سرخی کا سرخی سے اختلاف وہی ہے جو سرخی کا زردی سے اختلاف ہے یا نہیں۔ اس کا جواب نفی میں ضروری ہے۔ اگر وہ بجائے ”نہیں“ کے ”ہاں“ کہیں تو انہیں یہ لازم آئے گا کہ زردی ہی سرخی ہے کیونکہ زردی سے سرخی صرف اسی چیز میں مختلف ہے جس چیز میں ایک سرخی سے دوسری سرخی اور سبزی۔ اس وقت سرخی و زردی میں دو صفتیں ہوں گی جن کی وجہ سے یہ دونوں مختلف ہیں سوائے اس کے صفت کے جس کی وجہ سے ایک سرخی دوسری سرخی اور سبزی کے خلاف ہوتی ہے۔ لہذا یقیناً ضروری مشاہدے سے ثابت ہو گیا کہ صفت کبھی صفت کی اور عرض کبھی عرض کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ترتیب دیا ہے اور یہ سب لامحالہ متناہی و محدود ہیں۔

عرض و جوہر کی تحقیق:

ان معانی اور ان کے متناہی ہونے میں تحقیق کلام یہ ہے کہ تمام عالم جوہر حامل (موصوف) اور عرض محمول (صفت) ہے اس سے زیادہ نہیں ہے جوہر اجناس وانواع ہیں اور عرض بھی اجناس وانواع ہیں۔ اجناس محصور و محدود ہیں جس پر براہین قائم ہیں۔ ہم نے ان براہین کو کتاب التقریب میں بیان کیا ہے جن میں عمدہ یہ ہے کہ اجناس کی تعداد بلاشک ان انواع سے کم ہے جو ان اجناس کے تحت میں منقسم ہیں۔ انواع کی تعداد اجناس سے زائد ہے۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ہر جنس کے تحت میں دو یا دو سے زائد انواع ہوں۔ یہ بدیہی ہے کہ کثرت وقلت صرف اسی شے کے تحت واقع ہوتی ہیں جو اپنے مبداع ومنتہا میں ذی نہایت و متناہی و محدود ہو۔ اس لئے کہ جس کی نہایت نہ ہو گی یہ ناممکن ہے کہ کوئی شے اس سے زائد یا کم یا اس کے مساوی ہو کیونکہ یہ چیز حد نہایت کی موجب ہے۔ عالم ذو نہایت و محدود ہوا اسلئے کہ عالم سوائے اجناس وانواع کے کوئی اور شے نہیں ہے اور اجناس وانواع لامحالہ جواہر واعراض ہیں اور بس۔

معانی صرف وہی ہیں جو ان اشیاء کے لئے ہوتے ہیں جنہیں الفاظ کے ذریعے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جب یہ اسی طرح ہے جیسا ہم نے بیان کیا تو ہم تو اشیاء کا محض ان کی انہیں صفات سے اندازہ کرتے ہیں جن سے ان کے حدود قائم ہوتے ہیں۔

مثلاً ہم کہتے ہیں کہ انسان کیا ہے؟ پھر جواب دیتے ہیں کہ وہ ایک جسم ہے جو ملون (رنگین) ہے اس میں ایک ایسا نفس ہے جس کا علوم وصناعات میں متصرف ہونا ممکن ہے اور وہ جسم حیات وموت کو قبول کرتا ہے۔ پھر کہا جائے کہ جسم کیا ہے، نفس کیا ہے، لون کیا ہے، صناعات کیا ہیں علوم کیا ہیں، حیات کیا ہے اور موت کیا ہے۔ جب ان تمام الفاظ کی تفسیر کی جائے اور ہر اس شے کا پتہ دیا جائے جس پر یہ واقع ہوتے ہیں اور ایسا ہی تمام اجناس وانواع میں کیا جائے تو معانی تمام ہو گئے اور ختم ہو گئے۔ غیر متناہی تک بڑھانا قطعاً ممکن نہیں۔ اس لئے کہ جس شے کو بولا جائے یا عقل سے ادراک کیا جائے تو وہ اجناس وانواع کی حد سے ہرگز نہ بڑھے گی۔ اجناس وانواع جیسا کہ ہم نے بیان کیا محصور و محدود ہیں۔ جو شے افراد واشخاص میں سے حد فعل وجود میں آجائے گی تو عدد اس کا حصر کرلے گا اس لئے کہ وہ صاحب مبداء ہے (یعنی کہیں سے اسکی ابتدا ہوئی ہے) اور جس شے کا عدد حصر کرے تو وہ ضرور متناہی ہے۔ تمام معانی جو اعراض سے ہوں یا غیر اعراض سے ہوں وہ ہماری بیان کی ہوئی برہان صحیح کے مطابق محصور محدود ہوں گے۔

برہان صحیح یہ ہے کہ ہر وہ شے جو عالم میں ہے جس کا وجود زمانے میں ہو گیا ہے جب سے عالم کا وجود ہے وہ جنس ہو یا عرض ہو تو ان سب کا عدد محصور ہے مدت متناہی ہے اپنی ذات میں اور اپنے مبداء ومنتہا میں اور اپنے عدد میں ذو غایت و محدود ہے **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ہم اپنے اجسام کے بالوں کے شمار کرنے سے عاجز ہیں حالانکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ سب بلاشک عدد والے اور متناہی ہیں جو کچھ

عالم میں ہے اس کی تعداد کے شمار کرنے سے ہمارے قول کا قاصر ہونا اس امر کے لئے پیش نہیں کیا جا سکتا کہ عالم کے جواہر و اعراض کے تمام اشخاص میں حدود و نہایت کا وجود ضروری ہے۔

عذاب و عقاب:

معتزلہ کا یہ کہنا کہ جب ہمارا فعل اللہ کا پیدا کیا ہوا اور مخلوق ہے پھر اس پر وہ ہم پر عذاب کرے تو وہ اپنے ہی پیدا کئے ہوئے اور مخلوق پر عذاب کرے گا۔

بتوفیق الٰہی جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں آتا۔ اگر ہمیں لازم آئے گا تو انہیں بھی لازم آئے گا جب کہ (ان کے نزدیک) اللہ تعالیٰ ہمارے اس ارادہ و حرکت پر جو ہم سے واقع ہوں ہم پر عذاب کرے گا تو وہ ہماری ہر حرکت یا ہمارے ہر ارادے پر عذاب کرے گا بلکہ ہر حرکت و ارادے پر جو عالم میں ہو عذاب کرے گا۔

اگر یہ کہیں کہ وہ تو صرف ہماری اس حرکت و ارادے سے ہم پر عذاب کرے گا جو اس کے حکم کے خلاف ہم سے واقع ہو۔ ایسا ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ ہم پر صرف اپنی اسی مخلوق کی وجہ سے عذاب کرے گا جو ہمارے اندر اس کے حکم کے خلاف ظاہر ہو گی اور وہ ہماری طرف منسوب ہو گی اور ہمارے اس شے کو اختیار کرنے کی وجہ سے جو ہمارے اندر پیدا کی گئی وہ ہماری مکتسب (حاصل کی ہوئی) ہو گی۔ نہ کہ ہر اس شے پر وہ عذاب کرے گا جو ہمارے اندر یا ہمارے غیر میں اس نے پیدا کی ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ خبر دیتا کہ وہ اس پر بھی عذاب کرے گا جو اس نے ہمارے غیر کے اندر پیدا کی تو ہم ضرور اس کے بھی قائل ہوتے اور ضرور اس کی تصدیق کرتے۔ جیسا کہ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ بعض قوموں پر اس چیز کی وجہ سے عذاب کرے گا جو انہوں نے کبھی نہیں کی ہے اور نہ انہوں نے اس چیز کا مشورہ دیا ہے۔ لیکن اس چیز پر عذاب کرے گا جو ان کے غیر کریں گے کہ ان کے ایک ہزار برس بعد آئیں گے اس لئے کہ یہ لوگ سب سے پہلے لوگ تھے جنہوں نے اس قسم کا فعل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولیحملن اثقالھم مع اثقالھم**" (اور ضرور ضرور یہ لوگ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے) حضرت آدم کے ایک بیٹے نے جو کچھ کہا تھا اس کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے "**انی ارید ان تبؤ باثمی و اثمک فتکون من اصحاب النار**" (میں یہ چاہتا ہوں کہ تو ہی میرا اور اپنا گناہ برداشت کرے اور اہل دوزخ میں سے ہوئے)۔ اور فرمایا ہے "**لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیمۃ و من اوزار الذین یضلونھم بغیر علم الا ساء مایزرون**" (تا کہ قیامت کے روز یہ لوگ اپنے بوجھ بھی پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جن کو یہ لوگ غیر علم سے گمراہ کرتے ہیں۔ یہ دیکھو تو یہ کیسے برے بوجھ اٹھاتے ہیں)۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معارض نہیں ہے "**وما ھم بحاملین من خطایا ھم من شیٔ**" (اور وہ لوگ ان کے گناہوں میں سے کسی چیز کے بھی اٹھانے والے نہ ہوں گے)۔ بلکہ یہ دونوں آیتیں آپس میں متفق ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن گناہوں کی نفی کی ہے کوئی کسی کی طرف سے اٹھائے گا تو یہ اس معنی میں ہے کہ اس شخص کا ان گناہوں کا اٹھانا ان گناہوں کے عامل کے عذاب میں سے کچھ گھٹا دے گا۔ تو یہ نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی نفی کر دی لیکن مرتکب معاصی کے سے عذاب کو برداشت کرنا جو خود اس کے عذاب کے ساتھ شامل کر کے دو چند اور زائد کر دیا جائے گا اس مرتکب معاصی کے عذاب میں سے کچھ بھی گھٹانے والا نہ ہو گا۔ یہی ضرور موجود ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالے گا تو جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے بوجھ کے

برابراس پر بھی ہمیشہ بوجھ ہوتا رہے گا کہ اس کا بوجھ اس طریقہ بد پر عمل کرنے والوں کے بوجھوں سے بھی کچھ کم نہ کرے گا۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہوتی کہ وہ ہم پر ہمارے غیر کے فعل پر بھی بغیر اس کے کہ ہم اس کا طریقہ نکالیں عذاب کرے گا اور وہ ہم پر جو فعل ہم نے کیا ہے اس فعل کے غیر پر عذاب کرے گا یا طاقت پر عذاب کرے گا تو یہ سب حق وعدل ہوتا اور اس کو ماننا واجب ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اپنے اس ارشاد سے ہمیں اس سے اطمینان دلا دیا ہے ''**لا یضر کم من ضل اذا اهتدیتم** '' (تمہیں نقصان نہ پہنچائیگا جو شخص گمراہ ہوگا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے)۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے کہ ہمیں صرف اسی کی جزادی جائے گی جو ہم کریں گے یا ہم جس کی ابتداء کرنے والے ہوں گے ہمیں اس سے مطمئن کر دیا ہے۔ **و الحمد لله تعالیٰ**۔

ہمیں اس کا بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر اجر دے گا جو اس نے ہمارے اندر مرض ومصائب کو پیدا کیا اور ہمارے غیر کے اس فعل پر بھی کہ جس میں ہمارا کوئی اثر نہیں مثلاً کسی غیر کا ہمیں ظلماً مارنا اور ان کا ہمیں ستانا اور قاتل کے قتل پر جس کو وہ ظلماً قتل کرے اور یہاں مقتول کی طرف سے نہ صبر ہوا ور نہ قطعاً کوئی عمل۔ تو وہ صرف اپنے غیر کے فعل پر ہی اجر پائے گا جبکہ وہ غیر اس کے اندر وہ پیدا کرے گا اور اسی طرح وہ شخص جس کا مال کوئی اور لے لے اور جس کا مال لیا جائے وہ اپنے مرنے تک بھی اس کو نہ جانے۔

ان دونوں میں کونسا فرق ہے کہ وہ ہمارے غیر کے فعل پر ہمیں اجر دے اور خود اپنے فعل پر اجر دے کہ اور خود اپنے فعل پر اجر دے کہ وہ کسی کے مال میں آگ لٹکا دے جو اپنے مال میں آگ لگنے کو نہ جانتا ہو اور اس میں کہ وہ اگر چاہے تو ان سب امور پر ہم پر عذاب کرے۔

رضا بقضاء :

معتزلہ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جو حکم دے اور جو پیدا کرے اس پر راضی رہنے کو اس نے فرض کیا ہے۔ اگر اس نے کفر وزناء وظلم پیدا کیا ہے تو کیا ہم پر ان امور پر بھی راضی رہنا فرض ہے ؟

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہم پر مذکورہ بالا امور سے جو کچھ اس نے پیدا کیا اور حکم دیا اس پر راضی رہنا لازم نہیں (کیا)۔ بلکہ اس نے جان یا مال کی جس مصیبت کا ہم پر حکم دیا اس پر راضی رہنا فرض ہے۔ جو ان کے اس فریب کا ظاہر کرنے والا ہے جو وہ لوگ اس شبہے کے ذریعے سے کر رہے ہیں۔

اگر وہ لوگ اس آیت سے احتجاج واستدلال کریں کہ ''**ما اصابک من حسنة فمن الله و ما اصابک من سیئة فمن نفسک** '' (اے نبی آپ تک جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ آپ کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے) جواب یہ ہے کہ بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ یہ آیت اصحاب اصلح پر تین وجوہ سے بہت بڑی حجت ہے اور یہ لوگ جمہور یعنی اکثر معتزلہ ہیں اور دو وجہ سے تمام معتزلہ پر حجت ہے۔

اس آیت میں یہ ہے کہ انسان پر جو بھلائی آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو برائی آتی ہے وہ اس کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے حالانکہ یہ سب لوگ ان دونوں امور میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ بلکہ انسان کے افعال میں سے حُسن وقبیح ان کے نزدیک سب انسان کے نفس کی طرف سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی فعل حُسن یا قبیح پیدا کیا ہے اس باب میں یہ آیت ان سب کے قول کی باطل کرنے والی ہے۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ یہ سب کے سب اس کے قائل ہیں کہ انسان جو فعل بھی کرتا ہے خواہ وہ حُسن ہو یا قبیح وہ محض اس قوت کی وجہ سے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فعل خیر وشر وطاعت ومعصیت پر بالکل یکساں قابو دیتا ہے اور یہی استطاعت

ہے۔ علاوہ اس کے کہ ان میں اس امر میں اختلاف بھی ہے وہ اس پر متفق ہیں کہ باری تعالیٰ اس قوت کا خالق اور اس کا عطا کرنے والا ہے خواہ وہ قوت عین مستطیع ہو یا اس کا بعض اس کے اندر عرض ہو۔ حالانکہ اس آیت میں حَسَن سیئی کے درمیان میں جیسا کہ تم دیکھتے ہو فرق ہے۔

وجہ ثالث وہ ہے جس میں اصلح کے قائلین نے اختلاف کیا ہے خاص کر یہ آیت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو اپنی طرف سے فاعل حسنہ کی کوئی تائید کی اور نہ فاعل سئیہ کی۔ حالانکہ یہ آیت اس کے خلاف خبر دیتی ہے۔ یہ آیت ان کے اوپر کھلی ہوئی حجت اور ان کے قول کی باطل کرنے والی ہے۔

ہمارا عقیدہ اس باب میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بغیر کسی فصل کے اسی آیت کے متصل فرماتا ہے ”**قل کل من عند الله فما لهو لاء القوم لا يكا دون يفقهون حد يثا ما اصابک من حسنة فمن الله و ما اصابک من سئية فمن نفسک**“ (آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر اس قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے جو اچھائی آپ کی پہنچی وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی آپ کو پہنچی وہ خود آپ کے نفس کی طرف سے ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہی تھوڑے ہی کلام کے بعد فرمایا ہے ”**افلا يتد برون القر آن لو كان من عند غير الله لو جد و افيه اختلافا كثير ا**“ (تو کیا یہ لوگ قرآن کو سوچتے نہیں کہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس کے اندر اختلاف کثیر پاتے) ہم نے جو بیان کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ پورا کلام متفق ہے نہ کہ مختلف۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے اسے بیان کیا کہ ہر شے اس کی طرف سے ہے لہذا نص سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خالق خیر و شر ہے اور جو مصیبت انسان پر آتی ہے اس کا خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جو اچھائی ہم تک پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی اور حق یہی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے لئے کوئی شے اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں چنانچہ وہ حسنات جو ہم سے صادر ہوتے ہیں وہ اس کا فضل خالص ہے اس میں ہمارا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور اس کا ہم پر احسان ہوتا ہے کہ ہم ہرگز اس سے اس کے مستحق نہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کے بعد کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے ہمیں خبر دی ہے کہ جو مصیبت ہمیں پہنچتی ہے وہ خود ہماری طرف سے ہوتی ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہم سے گناہ کے ظہور کی وجہ سے ہم مستحق عذاب ہیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر حکم کیا ہے ہم اس ظہور گناہ کی وجہ سے عاصی ہیں اس کا حکم حق و عدل ہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے **و باللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے افعال کا خالق ہے تو تم اور جمادات برابر ہوئے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر علم پیدا کیا ہے اس کی وجہ سے ہمارے نفوس حقائق اشیاء کو پہچانتے ہیں۔ ہمارے اندر ہر اس شئے کی مشیئت پیدا کی جو شئے ہمارے اندر پیدا کی جس کا نام ہمارا فعل ہے اس میں اس کے اچھا سمجھنے کی قوت پیدا کی جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے اور اس کے برا سمجھنے کی قوت پیدا کی جس کو وہ برا سمجھتا ہے۔ صناعات و علوم میں تصرف کرنے کی قوت پیدا کی اور اس میں سے کچھ بھی جمادات میں پیدا نہیں کیا۔ ہم مختار قصد کرنے والے ارادہ کرنے والے اچھا یا برا سمجھنے والے علمی تصرف کرنے والے ہیں۔ بخلاف جمادات کے اگر کہا جائے کہ کیا تم لوگ اپنے امور کے مالک ہو۔ تمہارے اعمال تمہارے سپرد ہیں۔ تم اپنے افعال کے موجد ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ نہیں۔ اس لئے کہ ملک و اختراع (ایجاد) اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ جو کچھ عالم میں ہے کہ کل کا کل اللہ کا ایجاد کیا ہوا اور اسی کی ملک ہے اور تفویض میں

استغنا کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے کسی کو بھی غنا (بے نیازی) نہیں ہے۔ اسی سے ہماری مدد ہوتی ہے۔

عالم میں یا جوہر ہے یا عرض:

ہم نے اللہ کی مدد وقوت سے معتزلہ کے ہر فریب جو وہ بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے مخلوق نہ ہونے میں دیتے تھے باطل کر دیا ہے اب ہمیں انشاء اللہ تعالیٰ اس قول کی صحت پر ضروری برہان لانا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ ہم اسی کی تائید سے کہتے ہیں کہ سارا عالم سوائے اللہ تعالیٰ کے دو قسموں پر منقسم ہے۔ جوہر دو عرض۔ ان کے لئے کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ جوہر اجناس وانواع کی طرف منقسم ہے۔ ان میں سے ہر نوع کے لئے فصل ہے جو اس کو ان دوسری انواع سے تمیز دیتی ہے جو اسی کی جنس کے تحت میں ہیں۔

یہ بھی ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جو چیز جنس اعلیٰ کے لئے لازم ہوگی وہ اس کے ہر ماتحت کے لئے لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ آگ گرم نہ ہو یا ہوا اپنی طبیعت سے نیچے آنے والی ہو یا انسان اپنی طبیعت سے ہنہنانے والا ہو اور جو اس کے مشابہ ہو۔

ہم یہ بھی بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ انسان سوائے حرکت وسکون فکر وارادے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سب کیفیات ہیں جو لون (رنگ) وطعم (مزہ) ومحبت واشکال کے ساتھ جنس کیفیت کے تحت میں ہیں۔

محال وناممکن ہے کہ ایک ہی نوع اور ایک ہی جنس کے تحت اشیاء میں سے بعض مخلوق ہوں اور بعض غیر مخلوق۔ یہ وہ امر ہے جس کو ہر وہ شخص باطل جانتا ہے جسے حدود عالم اور اس کے انقسام کا ذرا علم بھی ہے۔

ہماری حرکت اور ہمارا سکون ہر حرکت وسکون کے ساتھ جو عالم میں ہے نوع حرکت ونوع سکون کے تحت میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ حرکت اضطراریہ وحرکت اختیاریہ۔ سکون اختیاری وسکون اضطراری۔ یہ سب حرکت ہے جس کی حد (تعریف) حد حرکت سے کی جائے گی اور سکون ہے جس کی حد (تعریف) حد سکون سے کی جائے گی یہ محال ہے کہ بعض حرکات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں اور بعض غیر مخلوق۔ اسی طرح سکون بھی۔

اگر یہ لوگ معمر کے قول میں پناہ لیں کہ یہ تمام اعراض ہیں جس کو اس شخص نے اس شے کی طبیعت کے مطابق (پیدا) کیا جس کے اندر وہ ظاہر ہوئیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کا معاملہ سہل ہو جائے گا اور یہ اس طرح ہے کہ جب انہوں نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ مطبوعات کا (یعنی جن میں طبیعت پیدا کی گئی ہے) خالق ہے اور وہی طبیعت کا اس کیفیت پر جس پر وہ ہے ترتیب دینے والا ہے تو وہی اس کا بھی خالق ہوا جو طبیعت سے ظاہر ہوا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے وجود ظہور کو جیسا کہ وہ ہوا ایک ایسے رتبے پر مرتب کیا کہ اس کے خلاف نہیں پایا جاتا۔ بعینہ یہی خلق (پیدا) کرنا ہے۔

یہ لوگ وہ قوم ہیں جو تاریکیوں میں چلنے والے کی طرح نہیں جانتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے “**کلما اضاء لھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا**” (جب کبھی ان کے لئے روشنی کر دی تو وہ اس میں چلنے لگے اور جب ان پر تاریکی کر دی تو کھڑے ہو گئے)۔ **نعوذ باللہ من الخذلان۔**

نوع حرکات تو انسان کی پیدائش سے پہلے سے موجود ہے۔ لہذا یہ کھلا ہوا محال ہے کہ انسان وہ چیز پیدا کر سکے جس کی نوع اس کے پہلے سے موجود ہو۔

جو لوگ عالم کو ازلی وقدیم کہتے ہیں ان کے مقابلے میں معتزلہ کی سب سے عمدہ دلیل یہی ہے کہ اعراض جواہر کے مقارن وہمراہ

ہوتے ہیں اور حرکات کا ظہور متحرک سے وابستہ ہوکر ہی ہوتا ہے جب یہ حدوث جواہر پر اور اس پر روشن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے تو اس امر سے کون مانع ہے کہ یہی حدوث اعراض پر بھی اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے روشن دلیل ہو۔ بشرطیکہ فرقہ قدریہ کی عقول کمزور نہ ہوتیں اور ان کا علم قلیل نہ ہوتا۔ ہم اس چیز سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس سے اس نے ان لوگوں کا امتحان لیا اور اس سے توفیق کی دعا کرتے ہیں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اذا لذهب کل اله بما خلق" (یعنی اگر متعدد خدا ہوتے، تو ہر خدا اسے لیجاتا جسے اس نے پیدا کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کر دیا کہ جس نے جو شے پیدا کی تو وہ اس شے کا خدا ہے۔ بداہتۃً یہ لازم آئے گا کہ یہ لوگ بھی اپنے ان افعال کے خدا ہوں جن کو انہوں نے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اس کو جاری کریں تو یہ خالص کفر ہے ورنہ انہیں انقطاع اور اپنے قول فاسد کا ترک لازم آئے گا۔

جو شخص کوئی شے پیدا کرتا ہے تو کوئی اور اس پر اس کی مدد نہیں کرتا۔ وہ اپنے پیدا کرنے میں منفرد و تنہا ہوتا ہے وہ ضرور جانتا ہے کہ جو کچھ اس نے پیدا کیا اس میں وہ تصرف کرتا ہے جیسا کہ وہ جب چاہے اسے کرتا ہے۔ جب چاہے اسے ترک کر دیتا ہے۔ جب چاہے اسے حسن (اچھا) کرتا ہے اور جب چاہے اسے قبیح (برا) کرتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے حرکات و ارادے کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ یہ اس کے پیدا کرنے میں منفرد ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اس کو ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر کریں کہ ہم اسے دیکھیں یا چھوئیں یا اس کی مقدار میں اضافہ کر دیں۔ انہیں چاہئے کہ انہیں ان کے رتبے و ترتیب کے خلاف کر دیں۔

اگر کہیں کہ ہم لوگ اس پر قادر نہیں ہیں تو انہیں جاننا چاہئے کہ اپنے ان دعاوی میں جھوٹے ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اتنا ہی کر سکتے ہیں جتنا ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان کے کرنے کی قوت دی۔ تو انہیں جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے جو خیر و شر کرنے کی قوت دینے والا ہے۔ بیشک اسی سے خیر و شر ہے اگر وہ نہ ہوتا تو نہ خیر ہوتی نہ شر۔ اسی سے یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اسی نے ان دونوں کو موجود کیا اور ان دونوں پر مدد کی۔ ان دونوں کو ظاہر کیا اور ان دونوں کو ایجاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے خیر و شر پیدا کرنے کے یہی معنی ہیں

و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو اس نے ساحرین فرعون سے بطور حکایت نقل کیا ہے اور اس پر ان کی مدح و تصدیق کی ہے یہ بھی برہان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوق کے افعال کا خالق ہے "ربنا افرغ علینا صبرا" (اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈالدے)۔ ثابت ہوگیا کہ وہی اس صبر کا خالق ہے جس کو وہ ڈالے گا جس کو اگر وہ صابر پر نہ ڈالتا تو اسے صبر نہ ہوتا۔ جنس حرکات تمام و سکون تمام و معارف تمام ایک جنس ہیں اور جو چیز کل پر بولی جائے گی اس کے تمام اجزاء پر اور اس کے ابعاض کے ہر بعض پر بولی جائے گی ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ حیوان غیر ناطق کی حرکات و سکون اور وہ معرفت جس سے وہ اپنے کھانے پینے وغیرہ کے منافع و مضار کو سمجھتا اور پہچانتا ہے آیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں یا غیر مخلوق ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ یہ سب مخلوق ہیں تو انہوں نے ان ایسے مقدمات کو توڑ ڈالا جنکی تصدیق کی عقل و حس شہادت دیتی ہے اور اس تفریق میں ان کے قول کا فساد ظاہر ہوگیا جو انہوں نے ہماری معرفت اور تمام حیوانات کی اس معرفت میں کی جس سے وہ پہچانتے ہیں اور ہماری اور تمام حیوانات کی حرکات و سکون میں کی۔ یہ کھلا ہوا مکابرہ ہے (یعنی مشاہدہ اور اعیان کا انکار) اور دعوی بغیر برہان کے ہے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ سب غیر مخلوق ہیں تو ہم انہیں بقیہ تمام اعراض میں اسی قسم کا الزام دیں گے۔ اگر انہوں نے اپنے قول کے خلاف کہا تو وہ خود ہمارے لئے کافی ہو گئے۔ اور اگر وہ اسی پر اڑے رہے تو ان پر یہ الزام آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اعراض میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور یہ کھلا ہوا الحاد اور خلق کا ابطال ہے اور اضلال (یعنی اللہ کی طرف سے کسی کے گمراہ رکھنے) کے لئے یہی کافی ہے۔ ہم بے توفیقی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس سے یہ کافی ہوتا ہے کہ اعراض فاعل کی صفات کے مطابق جاری ہیں۔ حالانکہ ہم حکیم کو اس طرح پاتے ہیں کہ وہ طیش (خفیف و ذلیل حرکات) پر اور بیہودہ گوئی پر قادر نہیں ہوتا اور مصائب طیش و بیہودہ و فحش کو حیاء و صبر پر قادر نہیں ہوتا۔ بداخلاق حلم پر قدر نہیں ہوتا۔ حلیم و بردبار غصہ اور جلد بازی پر قادر نہیں ہوتا۔ سخی مال روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بخیل اور لالچی جود و کرم پر قادر نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**ومن یوق شح نفسه فاؤلئک هم المفلحون**“ اور جو لوگ اپنے نفس کے لالچ سے بچائے گئے تو یہی لوگ کامیاب اور فلاح پانے والے ہیں۔

ثابت ہو گیا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جن کو نفس کے لالچ سے بچایا گیا ہے اور کامیاب ہیں جن کو نہیں بچایا گیا ہے نہیں کامیاب ہیں۔

اسی طرح ذکی (تیز فہم والا) بلادت و کند ذہنی پر قادر نہیں ہوتا۔ بلید ذکا پر قادر نہیں ہوتا۔ حافظ (یاد رکھنے والا) نسیان (بھولنے) پر قادر نہیں ہوتا۔ ناسی (بھولنے والا) حفظ قائم رکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ شجاع و بہادر بزدلی پر قادر نہیں ہوتا۔ بزدل شجاعت پر قادر نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمام اخلاق ہیں جن سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جن میں سے کسی کے بھی احاطے پر انسان قطعاً قادر نہیں۔

یہاں تک کہ اپنی آواز کے مخرج و صفت کلام کے بدلنے پر جیسی کہ وہ پیدا کر دی گئی ہے ہم میں سے کوئی بھی قادر نہیں ہے خواہ وہ آواز موٹی اور بھاری ہو خواہ ہلکی خواہ پاکیزہ و نرم۔

اسی طرح انسان کا خط (یعنی چہرے کی ہیئت) ہے کہ جس طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے مرتب کر دیا ہے اس سے اس کا پھیرنا ناممکن ہے۔ اگرچہ کوشش کی جائے۔

یہی حال انسان (کی) تمام حرکات کا ہے یہاں تک کہ اس کے قدم کا پڑنا اور اس کا چلنا بھی۔ اگر وہی ان سب کا خالق ہوتا تو وہ جیسا چاہتا ضرور اسے بدل سکتا۔ جب اس میں ان میں سے کسی کے اپنی ہیت سے بدلنے کی قوت نہیں ہے تو بداہت سے ثابت ہو گیا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے اندر پیدا کر دیا ہے جس کی طرف لغت میں یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ اس کا فاعل ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

معتزلہ تولد (پیدا ہونے اور نتیجہ ظاہر ہونے) میں بہت زیادہ حیران ہیں۔ ایک گروہ نے تو یہ کہا ہے کہ انسان کے فعل سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے مثلاً قتل اور وہ اذیت جو تیر اندازی سے پیدا ہوتی ہے اور وہ امور جو اسی کے مشابہ ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ بعض معتزلہ نے کہا کہ یہ طبیعت کا فعل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اسی شخص کا فعل ہے جس نے وہ فعل کیا ہے جس سے یہ پیدا ہوا۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ فعل ہے جس کا کوئی فاعل نہیں ہے۔

اور تمام اہل حق نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کی مخلوق ہے اور اس میں بھی وہی برہان ہے جو برہان خلق افعال میں ہے اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

تعدیل وتجویر

خدا کو عادل یا ظالم قرار دینا

یہی باب معتزلہ کی اصل ضلالت وگمراہی ہے۔ **نعوذ بالله من ذالک** ہم نے ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو اس معاملے میں ان لوگوں کے قول سے راضی نہیں ہیں۔ ان کے جمہور نے کہا ہے کہ ہم یہ پاتے ہیں کہ جو بظاہر جور کرتا ہے وہ جائر (یعنی ظالم) ہے۔ جو ظلم کرتا ہے وہ ظالم ہے جو کسی فاعل کی اس کے فعل پر اعانت کرے پھر اسے اس فعل پر سزا دے تو یہ جائر (ستم کرنے والا) اور عابث (بیہودہ حرکت کرنے والا) ہوگا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ عدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور ظلم اور جور اس سے منتفی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**وما ربک بظلام للعبید**" (اور آپ کا رب اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے) اور فرمایا ہے "**وما ظلمو نا ولکن کا نوا انفسم یظلمون**" (کفار نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے)۔ اور فرمایا ہے "**فما کان الله لیظلمهم**" (چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے۔ اور فرمایا ہے "**لاظلم الیوم**" (آج (قیامت میں) کوئی ظلم نہ ہوگا)۔

عدل الٰہی :

مسلمان جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عدل (عادل) ہے نہ وہ ظلم کرتا ہے نہ جور وستم کرتا ہے۔ اور جو اسے ظلم وجور کے ساتھ موصوف کرے وہ کافر ہے۔ لیکن یہ ایسا نہیں ہے جیسا ان جہلا نے گمان کرلیا ہے کہ انھیں کی عقول اللہ تعالیٰ کے متعلق اس امر کا فیصلہ کرنے والی ہیں کہ اس سے وہی شے اچھی ہے جس کو ان کی عقول اچھا سمجھیں اور وہی شے اس سے بری ہے جس کو ان کی عقول برا سمجھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ خالص تشبیہ ہے۔ ان لوگوں نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس سے بھی وہی شے اچھی ہے جو ہم سے اچھی ہے اور اس سے بھی وہی شے بری ہے جو ہم سے بری ہے۔ عقل میں وہی حکم اس پر بھی کیا جائے گا جو حکم ہم پر کیا جاتا ہے۔

یہ وہ مذہب ہے کہ جو اس کا قائل ہوا سے یہ لازم آئے گا کہ جبکہ بظاہر حی (زندہ) حیات ہی سے ہوتا ہے تو واجب ہے کہ باری تعالیٰ بھی حیات ہی سے حی ہو۔ دونوں قولوں میں کوئی فرق نہیں۔ ان میں سے جو ایک قول کو مانے اسے دوسرا بھی لازم ہے حالانکہ دونوں قول اضلال وخطا ہیں۔ حق صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرے خواہ وہ کچھ ہی ہو وہ اس سے حق وعدل وحکمت ہے۔ اگر اس میں سے بعض امور ہم سے ہوں تو وہ جور وناوانی ہی ہوں۔ ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کی تو وہ ظلم وباطل وعبث (لغو وبیہودہ) وتفاوت (فرق) ہے۔

ان لوگوں کا باری تعالیٰ پر اس قسم کا حکم جاری کرنا جو ہم میں سے بعض لوگ بعض پر جاری کیا کرتے ہیں یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے اور وہ قول ہے جس کی اصلی دہریے کے نزدیک ہے، منانیہ کے نزدیک ہے براہمہ کے نزدیک پہلے سے ہے۔

دہریے نے کہا ہے کہ جب ہم اپنے آپس میں حکیم کو اس طرح پاتے ہیں کہ وہ جو فعل کرتا ہے وہ محض نفع حاصل کرنے کے لیے یا ضرر دور کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اس شخص کو عابث (فضول و رائیگاں کام کرنے والا) پاتے ہیں جو ایسا کام کرے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہ وہ امر ہے کہ اس کے سوا عقل میں نہیں آتا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جبکہ ہم عالم میں تکلیف اور شر اور عبث اور نجاسات اور کیڑے مکوڑے اور ریگستان اور مفسدین کو پاتے ہیں تو اس سے اس کی نفی ہوتی ہے کہ اس کا فاعل کوئی حکیم ہو۔

ان میں سے ایک گروہ نے بالکل اسی کے مساوی کہا ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ ہمیں اس سے معلوم ہوا کہ عالم کے لیے باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور فاعل بھی ہے جو نادان وسفیہ ہے اور وہ نفس ہے۔ باری حکیم نفس کو موقع دیتا ہے کہ وہ اس (عبث و بے فائدہ کام) کو کرے کہ باری تعالیٰ اسے اس کے تخیل کا فساد دکھاوے۔ جب یہ امر نفس کے لیے واضح ہو جاتا ہے تو اس وقت اسے باری تعالیٰ حکیم فاسد و باطل کر دیتا ہے اور اس کے بعد نفس کسی شے کی طرف دوبارہ رخ نہیں کرتا۔

اس قول کا ابطال بھی بالکل مساوی طور پر اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے جس سے معتزلہ کا قول باطل ہوتا ہے اور کوئی فرق نہیں۔

منانیہ نے بھی بالکل مساوی طور پر وہی کہا ہے جو دہریے نے کہا ہے۔ سوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کو پیدا کیا جو اس مخلوق کو گمراہ کرے تو وہ ظالم و عابث ہے۔ جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دیا اور اپنی مخلوق کے مقدر میں فساد برپا کر دیا تو وہ ظالم و عابث ہے۔ لہٰذا ہمیں معلوم ہوا کہ خالق و فاعل شر اور ہے اور خالق خیر اور۔

یہی معتزلہ کے قول کی بھی نص ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے ایک اور قباحت کا اضافہ کیا کہ یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے افعال عباد کو پیدا ہی نہیں کیا نہ خیر کو نہ شر کو۔ افعال حسنہ و قبیحہ کا خالق غیر اللہ ہے۔ ہر ایک خود اپنے فعل کو پیدا کرتا ہے۔ پھر ایک تناقض کا اضافہ کیا اور کہا کہ عنصر شر کا خالق ابلیس اور سرکش شیاطین ہیں اور اس کا ہر فعل شر ہے۔ ان شیاطین کی طبیعت کو ان کے تضاد پر پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

براہمہ نے کہا کہ یہ عبث و خلاف حکمت اور کھلا ہوا جور و ستم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس چیز کے لئے پیش کرے جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس کے یہاں ان لوگوں پر سخت عتاب ہوگا اور اگر یہ اس میں پڑ گئے تو عذاب کے مستحق ہوں گے۔ یہ لوگ اس سے رسالت و نبوت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ شر کے پیدا کرنے میں اور اس وقت کے پیدا کرنے میں کہ جس کے بغیر شر ہو ہی نہیں سکتا کوئی فرق نہیں ہے اور نہ اس میں اور اس کے پیدا کرنے میں جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ سوائے شر کے وہ اور کچھ نہ کرے گا اور ابلیس اور قیامت تک انہیں کے مثل و نظیر پیدا کرنے میں اور اسے بندوں کے بہکانے کی قدرت دینے اور بندوں کے گمراہ کر دینے میں اور اس کی اسے قوت دینے میں اور اسے بندوں کے گمراہ کرنے کے لیے چھوڑ دینے میں سوائے اس کے کہ بندوں میں سے جسے اللہ ہی محفوظ رکھے کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو اور قوائے شر کو اور فاعل شر کو پیدا کرنا خیر و عدل و حُسن ہے تو انھوں نے سچ کہا اور اپنی اصل فاسد کو ترک کر دیا اور انھیں اس امر میں حق کی طرف رجوع کرنا لازم آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا شر و خیر اور تمام افعال عباد کا پیدا کرنا اور ان میں سے جسے چاہے ہدایت نہ کرنا اور اس پر عذاب کرنا اور وہ جسے گمراہ کرے اس کا گمراہ کرنا اور جسے ہدایت کرے اس کا ہدایت کرنا یہ سب حق و عدل و حسن ہے بیشک ہمارے احکام اس پر جاری نہیں ہیں لیکن اس کے احکام ہم پر جاری ہیں۔ یہی وہ حق ہے جو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے سوائے اس

کے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہیں گمراہ کرے مذکورہ بالا امور میں سے کسی شے میں نہ عقل کے نزدیک کوئی فرق ہے اور نہ کسی برہان ضروری ہیں۔

اس شخص سے کہا جائے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی صرف اسی فعل کا کرنا جائز ہے جو عقل میں ہم سے حسن اور اچھا ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ چیز وہ پیدا کرے جو عقل کے نزدیک ہم لوگوں میں ہم سے قبیح ہے۔ تم نے ایک امر کو اپنے یہاں سے لے لیا پھر تم نے (باری تعالیٰ پر) اسی کا عکس کر دیا اسے لیے تمھاری غلطی بہت بڑھ گئی حالانکہ تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازلی وواحد ہے۔ وہ یکتا وتنہا ہے۔ اس کے ہمراہ کوئی مخلوق ہرگز نہیں ہے اور نہ کوئی شے موجود ہے۔ نہ جسم نہ عرض۔ نہ جوہر نہ عقل نہ معقول نہ حماقت اور نہ اس کے سوا۔

تم لوگوں نے بغیر آپس کے کسی اختلاف کے یہ اقرار کیا کہ اس نے عدم کے بعد نفوس کو پیدا کیا اور ایجاد کیا۔ ان کے لیے عقول پیدا کیں اور بعد اس کے کہ عقول نہ تھیں انکو نفوس میں مرکب کیا۔ تم پر واجب ہی تھا کہ تم باری تعالیٰ پر کوئی ایسا حکم ایجاد نہ کرتے جو اس کے لیے اپنی بعض مخلوق کے پہلے ہی لازم ہوتا۔ کیا اس سے زیادہ بدتر جنون بھی ہو سکتا ہے۔

تم لوگ ہمیں یہ تو بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ تنہا تھا اور کوئی شے اس کے ساتھ موجود نہ تھی تو پھر کس چیز میں صورت حَسَن حسنہ تھی اور صورت قبیحہ تھی! وہاں نہ تو عقل تھی کہ اس میں حَسَن حَسَن ہوتا اور قبیح قبیح ہوتا۔ نہ وہاں نفس عاقل یا غیر عاقل تھا کہ اس کے نزدیک قبیح قبیح اور حَسَن حَسَن ہوتا۔ پھر وہاں کون سی چیز تھی جو تحسین حسن اور قبیح قبیح کی قائل تھی۔ یہ دونوں (یعنی تحسین و تقبیح) عرض ہیں جن کے لیے کسی حامل کی ضرورت ہے۔ نہ قطعاً حامل تھا نہ محمول اور نہ کوئی شے حسن نہ شے قبیح۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کو پیدا کیا۔ ان میں عقول مخلوقہ کو ترکیب دیا اور تمھارے قول کے مطابق ان (عقول مخلوقہ) میں قبیح ہوا جو قبیح ہوا اور حَسَن ہوا جو حَسَن ہوا۔

یہ ناممکن ہے کہ ازل میں باری تعالیٰ کے ساتھ کوئی شے موجود ہو۔ خواہ وہ قبح ہو خواہ حَسَن اور خواہ عقل جس میں کوئی شے قبیح یا حَسَن ہوتی ہے تو یقیناً واجب ہوا کہ جس شے کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرے اس شے کے قبح کی وجہ سے اس کا پیدا کرنا اس کی قدرت وفعل میں ناممکن نہیں۔ یہ بھی واجب ہوا کہ کوئی شے اس شے کے حُسن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے لازم نہیں۔ کیونکہ ازل میں نہ حُسن تھا نہ قبیح۔ لہذا ابداہۃً واجب ہو گیا کہ جو شے اب ہمارے نزدیک قبیح ہے۔ وہ بغیر اول کے قبیح نہ تھی بلکہ وہ اول کے نزدیک قبیح ہونے کی وجہ سے اس کے قبل موجود نہ تھی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے پہلے قبیح ہو یہی قول حسن میں بھی ہے اور کوئی فرق نہیں۔

یہ بالکل محال وناممکن ہے کہ باری تعالیٰ سے اس زمانے میں کسی شے کا کرنا ممکن ہو اس کے بعد ناممکن ہو جائے۔ اس لیے کہ یہ صورت یا تو تبدل وتغیر طبیعت کو واجب کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ومنزہ ہے۔ اور یا اس پر کسی حکم کے حادث ہونے کو واجب کرتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ معبد ومحکوم بن جائے گا اور یہ ذلیل کفر ہے۔ **نعوذ باللہ منہ۔**

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ قبیح ازل سے اللہ کے علم میں قبیح ہے اور حَسَن ازل سے اللہ کے علم میں حَسَن ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اچھا ٹھہرو۔ بیشک یہ ایسا ہی ہے جیسا تم نے کہا۔ مگر اس میں تم پر دو حکم لازم آئیں گے۔ جو تمھارے قول فاسد کے باطل کرنے والے ہیں۔

اول تو یہ کہ اس میں تم نے حکم کو اس کے لئے کیا ہے جو عقل میں ہے نہ کہ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے۔ تم نے جو قبیح کے کرنے کو منع قرار دیا تو وہ محض اس لیے قرار دیا کہ عقول نے اسے قبیح سمجھا۔ تم نے اس میں غلطی کی۔

ثانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ازل سے جانتا ہے کہ جو شخص مومن مرے گا وہ کفر نہ کرے گا اور ازل سے جانتا ہے کہ جو کافر مرے گا وہ

مومن نہ ہوگا۔ پھر تم نے یہ کیوں جائز رکھا کہ وہ اس کے متعلق جو کچھ علم رکھتا ہے اس کے پھیرنے اور بدلنے پر قادر ہے اور یہ جائز نہیں رکھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو قبیح جانتا ہے اس کے متعلق اپنے علم کو حُسن کی طرف اور جس کو حُسن جانتا ہے اس کے متعلق اپنے علم کو قبیح کی طرف پھیرنے پر بھی قادر ہے۔ حالانکہ دونوں امور میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

ثابت ہو گیا کہ نہ لعینہ قبیح ہے نہ لعینہ حَسن۔ قبیح صرف وہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ قبیح فرمائے۔ حَسن بھی وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حَسن فرمائے اور اس سے زائد نہیں۔

تمھارا یہ دعویٰ کہ قبیح ازل سے اللہ کے علم میں قبیح ہے اس پر تمھاری دلیل کیا ہے۔ بلکہ شائد اللہ تعالیٰ ازل سے اس کا علیم ہو کہ فلاں امر ایک خاص زمانے تک حَسن رہے گا پھر وہ اسے قبیح کر دے گا۔ جب وہ اسے قبیح کر دے گا تو وہ قبیح ہو جائے گا نہ کہ اس کے قبل۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مذاہب منسوخہ کے متعلق کیا۔ اور یہ تمھارے قول سے زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اس قول کی براہین زیادہ واضح ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اللہ تعالیٰ ازل سے علیم ہے کہ کفر کا عقیدہ اور اس کا زبان سے کہنا بندے کے لیے قبیح ہے جبکہ وہ ان دونوں کو ان کا معتقد ہو کر کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو قبیح کر دیا ہے نہ اس لیے کہ یہ دونوں حرکت یا عرض ہیں جو نفس کے اندر قائم ہیں۔ اور یہی حق ہے اس لیے کہ اس کی براہین بھی ظاہر ہیں۔ نہ اس لیے کہ یہ قبیح لعینہ ہے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ حَسن کو عقول میں حَسن اور قبیح کو عقول میں قبیح کس نے کیا۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے جب اس مرتبے کو ترتیب دیا تھا تو وہ اس کے عکس کرنے پر قادر تھا کہ اسے اس کے خلاف ترتیب دیتا جس رتبے پر اس نے اسے ترتیب دیا کہ اس میں جو قبیح تھا اسے حَسن کر دیتا اور حَسن تھا اسے قبیح کر دیتا۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو انھوں نے یہ واجب کر دیا کہ جو شے قبیح ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے قبیح بتانے کے بعد قبیح ہوئی اور جو شے حَسن وہ اللہ تعالیٰ کے حَسن بتانے کے بعد حَسن ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اختیار تھا کہ وہ اسکے خلاف کرے جو اس نے کیا۔ یہ اختیار اسے اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کا متعبد و محکوم ہو اور اپنے اوپر وہ چیز واجب کرنے والا ہو کہ اگر اس کے خلاف کرے تو ظالم ہو جائے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی قدرت کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا (کہ وہ حسن کو قبیح اور قبیح کو حسن کر سکے) تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنا دیا اور انھیں بھی علی الاسواری کے قول کے مثل لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف پر قادر نہیں ہے جو اس نے کیا۔

اس بدتر دین و عقل والے کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے زیادہ قادر و قوی ہے اس لیے کہ وہ اپنے کمینے نفس کے نزدیک اس پر بھی قادر ہے جو اس نے کیا اور اس پر بھی قادر ہے جو اس نے نہیں کیا۔ مگر اس کا پروردگار صرف اس پر قادر ہے جو اسنے کیا اگر مجنون کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ اسی نے اپنے رب کو ان جمادات میں کر دیا جو اسی شے کی طرف مضطر ہوتی ہیں کہ ان سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ان سے جو ظاہر ہوتا ہے اس کے خلاف ظاہر ہو سکے۔ تو ضرور اس کی آنکھ رو پڑتی اور اس کی مصیبت عظیمہ پر ضرور اس کی فریاد بلند ہوتی۔ ہم بے توفیقی سے اور اس مصیبت عظیمہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جو جہل و نابینائی کی گفتگو کرنے والے قدریہ پر نازل ہوئی۔ اللہ کی بیحد اور ایسی حمد ہے جس کا وہ اہل ہے کہ اس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی۔

ان سے کہا جائے گا کہ اچھا جانے دو۔ قبیح میں تو تم نے اس لیے برا جانا کہ وہ قبیح ہے۔ مگر تم نے اللہ تعالیٰ سے تمام خیر کے پیدا کرنے

کی اور تمام حسن کے پیدا کرنے کی نفی کیوں کی تم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو ایمان پیدا کیا نہ اسلام۔ نہ نماز نہ زکوۃ۔ نہ نیت حسنہ اور نہ اعتقاد خیر۔ نہ عطائے زکوۃ و صدقہ۔ نہ نیکی و احسان۔ کیا تم نے اس لیے نفی کی کہ اس کا پیدا کرنا بھی قبیح ہے یا کیسا معاملہ ہے۔ خلق شر کے ذکر کرنے سے تمھاری ملمع کاری ظاہر ہوگئی۔ حالانکہ اس امر میں خیر و شر تمھارے نزدیک یکساں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ لہٰذا اپنی کمزور ملمع کاری ترک کرو۔

میں نے ابو ہاشم عبدالسلام بن ابی علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی رئیس و ابن رئیس معتزلہ کے مسائل میں اس کا ایک کلام پڑھا ہے جس میں وہ بغیر حیاء و خوف کے بار بار دہراتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ'' پر واجب ہے کہ ایسا کرے'' جیسے کوئی مجنون اپنے متعلق خبر دے رہا ہے یا کسی ایسے شخص کے متعلق خبر دے رہا ہے جو عام لوگوں میں سے ہو۔

اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اسے عقل یا حس نہ تھی جس سے یہ خود اپنے نفس سے پوچھتا اور کہتا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ پر کس نے وہ چیز واجب کی جس کے اللہ پر واجب ہونے کا اس نے فیصلہ کر دیا۔ حالانکہ بدیہی طور پر ہر وجوب و ایجاب کے لیے کسی موجب واجب کرنے والے کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ ایسا فعل ہوگا جس کا کوئی فاعل نہ ہو۔ اور جو اسے جائز رکھے یہ اس کا کفر ہے۔ وہ شخص کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کسی حکم کا واجب کرنے والا (موجب) ہے۔

دو وجوہ میں سے ایک سے خالی نہیں۔ جن کے لیے کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

یا تو اس کو اللہ تعالیٰ پر اس کی کسی مخلوق نے واجب کیا ہوگا یا عقل نے یا عاقل نے۔ اگر یہ ہے تو اس شخص سے قلم اٹھا لیا گیا۔ (یعنی اس کے پاگل ہونے کی وجہ سے اس کے نامہ اعمال میں اس کفر کو درج نہ کیا جائیگا) ہر ایسی عقل پر تف ہے جو اس میں کھڑی ہو کہ وہ اپنے خالق پر اور اپنے اس ایجاد کرنیوالے پر کہ اس نے عدم کے بعد ایجاد کیا، اور اپنے اس حالت پر ترتیب دینے والے پر جس حالت پر وہ ہے، اور اپنے اس تصرف کرنے والے پر کہ وہ جو کچھ چاہے تصرف کرے حاکم ہے۔

یا یہ ہوگا کہ اس کے بعد کہ وہ ازل ہے اس کو اپنے اوپر واجب کرنے والا نہ تھا اسے اپنے اوپر واجب کر لیا اگر وہ یہ کہے تو اس سے کہا جائے گا کہ جب تک اس نے اسے اپنے اوپر واجب نہیں کیا یہ اس پر واجب نہ تھا۔ یہ ایسا ہے تو پھر اس کے لیے یہ مباح ہوا کہ وہ اس شخص پر عذاب کرے جو اس شے کے ترک پر قادر نہ ہو جس پر اس نے اس شخص پر عذاب کیا۔ اور ان تمام امور کے خلاف پر عذاب کرے جو بیان کئے گئے ہیں کہ یہ اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اور جبکہ اس کے اوپر واجب نہ تھا اس کے بعد اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے تو اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس وجوب کو اپنی ذات سے ساقط کر دے۔

یا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے اس کو اپنے اوپر واجب کرنے والا ہو۔ اگر وہ اس کا قائل ہوگا تو اسے دو بڑی مصیبتیں لازم آئیں گی جو اسے اسلام اور تمام شرائع سے نکالنے والی ہوں گی اور وہ یہ ہیں کہ باری تعالیٰ ازل سے فاعل ہے اور ازل سے اس کا فعل اس کے ساتھ ہے اس لیے کہ ایجاب (واجب کرنا) ایک فعل ہے اور وہ ازل سے موجب (واجب کرنے والا) ہے تو وہ ازل سے فاعل ہے اور یہی قول بعینہ دہریے کا ہے۔

تمام معتزلہ میں اس جنون سے روکنے والا کوئی بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ یہ کرے اور ''اللہ تعالیٰ کو لازم ہے کہ وہ یہ کرے'' اس کفر خالص پر تعجب کرنا چاہیے۔ اسی سے اس تاویل کا بطلان واضح ہو جاتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے قول میں کرتے ہیں ''وکان

حقاعلینا نصر المومنین (اورہم پر مومنین کی مدد کرنے کا حق تھا)۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول میں ''**کتب علی نفسہ الرحمت** ''(اس نے اپنے اوپر رحمت لکھ لی اور واجب کر لی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ''**حق العباد علی اللہ ان لا یعذبھم** '' (بندوں کا حق ہے اللہ پر کہ وہ ان پر عذاب نہ کرے) یعنی جب وہ **لاالہ الا اللہ** کے قائل ہوں۔ اور ''**حق علی اللہ ان یسقیہ من طینت الخبال** ''(اللہ پر حق ہے کہ وہ شراب پینے والے کو ہلاکت کی کیچڑ پلائے گا) یہ سب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم دیا ہے۔ اس کو یقینی و واجب بنا دیا ہے اور اسے حق کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ اس کی طرف سے واجب ہے نہ کہ اسکے اوپر واجب ہے۔ ''**من**'' کو ''**علی**'' سے بدل دیا گیا ہے۔ اور حروف جر کو بعض کو بعض سے بدل دیا جاتا ہے۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ ابلیس کو اور سرکش شیاطین کو اور شراب اور سوروں کو اور ان پتھروں کو جن کی پرستش کیجاتی ہے اور جوے کو لاٹری کے تیروں کو اور ان اشیاء کو جو غیر اللہ کے نام پر نامزد کی جاتی ہیں اوان جانوروں کو جو بتوں پر بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں کس نے پیدا کیا ان کا قول اور ہر مسلمان کا قول یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کا خالق ہے۔ ہمیں ان سے یہ پوچھنا چاہیے کہ آیا یہ سب کوئی اچھی چیز ہیں اور حسن ہیں یا نجس وقبیح وشر ہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نجس قبیح وشر ہیں اور ناپاک وفسق ہیں تو انھوں نے سچ کہا اور اس کا اقرار کر لیا کہ اللہ نے نجاسات۔ ناپاکی اور شروفسق کو اور جو حسن نہ تھا اسے پیدا کیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ تمام امور اس اعتبار سے حسن ہیں کہ ان کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس اعتبار سے شرونجس وفسق وناپاکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی نام سے نامزد کیا ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اور ہم بھی یہی کہتے کہ کفر ومعاصی اس اعتبار سے کہ یہ اللہ کی مخلوق کے اعراض وحرکات ہیں اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے سب کے سب حسن ہیں اور یہی امور نافرمانوں کی طرف منسوب کرنے سے قبیح ونجس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''**انما الخمر و المیسر و الا نصاب والا زلام رجس من عمل الشیطان** ''(شراب جوا۔ بت۔ لاٹری کے تیر۔ ناپاک ہی ہیں جو شیطان کا عمل ہیں) اور فرمایا ہے ''**ولحم خنزیر فانہ رجس** ''(اور سور کا گوشت (اللہ نے حرام کیا ہے) کیونکہ وہ ناپاک ہے) اب یہ لوگ ہمیں بتائیں کہ ان اشیاء کے کس گناہ کی وجہ سے یہ واجب ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو اور انھیں نجس قرار دیا اور دوسری اشیاء کو پاک قرار دے۔ کیا یہاں اس کے سوا کچھ اور ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا تھا وہ اس نے کیا۔

ان امور میں کونسا فرق ہے وہ جس کسی ایسی چیز سے چاہے ناراض ہو جو عقل نہیں رکھتی اور اس پر لعنت کرے اور اسی قسم کی جس کسی چیز سے چاہے راضی وخوش ہو اور اس کی قدر بلند کرے اور اس کی تعظیم کا حکم دے۔ مثلاً حضرت صالح کی اونٹنی۔ اور بیت حرام۔

اور اس میں کہ وہ یہی برتاؤ اس کے ساتھ کرے جو عقل رکھتا ہے بعض کو مقرب بنائے جیسا چاہیے اور بعض کو جیسا چاہے دور کر دے یہ وہ امور ہیں جس میں کبھی کسی فرق کے وجود کی گنجائش نہ ملے گی۔ ان سے دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جسے ممالک اسلام میں۔ ایسی جگہ پیدا کیا جہاں اسے وہی ملتا ہے کہ اسے دین کی دعوت دے اور اس کے ساتھ احسان کرے آیا اللہ نے اسے اس شخص پر ترجیح دی۔ جسے اس نے ملک زنجبار وچین وروم میں ایسی جگہ پیدا کیا جہاں وہ صرف اسی کو سنتا ہے جو دین اسلام کی مذمت کرتا ہے اور اس کو باطل بتاتا ہے اور اس سے روکتا ہے۔ اور آیا انھوں نے کبھی کسی بد اخلاق کو دیکھا ہے اور اس شخص کو سنا ہے جو ان ممالک سے اس لیے نکلا ہے کہ وہ دین پر برہان کی صحت کو دریافت کرے۔ جو اس کا انکار کرے وہ عیاں وحس کا منکر ہے اور جو اس کا یقین کرے اس نے معتزلہ کے قول فاسد کو ترک کر دیا۔

قول صحیح جس کی صحت کو عقل صحیح بداہت کے ساتھ جانتی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماسوا ہر شے پر حاکم ہے اور وہ کسی کا محکوم نہیں ہر وہ

شئے جو اللہ کے ماسوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ خواہ وہ جوہر حامل ہو یا عرض محمول۔ کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ وہ جس پر عذاب کرنا چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور جس پر رحم کرنا چاہتا ہے رحم کرتا ہے۔ کسی کو کوئی شے لازم نہیں سوائے اس کے جس کو اللہ لازم کرے۔

کوئی قبیح نہیں سوائے اس کے اللہ قبیح کر دے۔ نہ کوئی حسن ہے سوائے اس کے جسے اللہ حسن کر دے۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا نہ کوئی حق ہے نہ حجت۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے سوا ہر شخص اور ہر شے پر کسی کا نہ کوئی حق ہے نہ حجت بالغہ ہے۔ اگر وہ تمام فرمانبرداروں اور وملائکہ اور انبیاء پر ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال کر عذاب کرے تو بیشک اسے اس کا حق ہے اور یہ اس سے عدل وحق ہوگا۔ اور اگر ابلیس اور کفار کو ہمیشہ کے لئے جنت میں رکھ کر انعام کرے تو اسے اس کا حق ہے اور یہ اس سے حق وعدل ہوگا۔ ان تمام امور سے اللہ تعالیٰ نے انکار کیا ہے اور یہ خبر دیدی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اس لیے یہ امور باطل وجور وظلم ہوگئے۔ کوئی ہدایت نہیں پا سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسے ہدایت کرے اور کوئی گمراہ نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسے گمراہ کرے۔ عالم میں خیر یا شر وغیرہ کچھ نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے ہونے کا ارادہ کرے۔ وہ جس کے ہونے کا ارادہ نہ کرے وہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ہم جانور کی یہ حالت پاتے ہیں کہ اس میں اس میں ایک کی دوسرے پر زبردستی وستم کو نہ قبیح کہا جاتا ہے نہ ظلم۔ نہ اس پر اس حرکت پر ملامت کی جاتی ہے۔ اور نہ اس پر ملامت کی جاتی ہے جو ایسے جانور کو پالے جو دوسرے پر زبردستی وستم کرے۔ اگر یہ نوع **قبیح لعینہ یا ظلم لعینہ** ہوتی تو یہ جب کبھی پائی جاتی قبیح ہی ہوتی۔ مگر جب یہ ایسی نہیں ہے تو ثابت ہوگیا کہ ہرگز کوئی شے قبیح لعینہ نہیں ہے لیکن صرف جب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبیح کر دے۔

معتزلہ کا قول ایسے برہان کلی سے جو ان کے قاعدہ فاسدہ کی جامع ہے باطل ہوگیا تو اب ہمیں اللہ کی مدد وقوت سے ان کے مسائل کے اجزا کے باطل کرنے میں کلام کرنا چاہیے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کے طالب ہیں۔

سب سے پہلے ہم ان سے یہ دریافت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم سے اس کی تعریف کرو کہ عقل کے نزدیک قبیح کیا چیز ہے۔ کیا قبیح علی الاطلاق ہے۔ (یعنی جو قبیح ہے کہ ہر حال میں قبیح ہے) ان کے بعض رؤسا نے جن میں حارث بن علی الوراق بغدادی اور عبداللہ بن احمد بن محمود الکعبی البلخی وغیرہ بھی ہیں کہا کہ ہر شے کسی نہ کسی وجہ سے حسن بھی ہے۔

میں نے کہا کہ اس قسم کی چیز کا واقع ہونا اللہ تعالیٰ سے ناممکن ہے۔ اس لیے کہ اس وقت وہ حسن ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ ہر حال میں قبیح نہیں ہے۔ جو چیز ہر حال میں قبیح ہے تو وہ ہرگز حسن نہ ہوگی۔ یہ چیز ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے منفی ہے۔

ان لوگوں نے کہا کہ وہ چیز ہر حال میں قبیح ہے کہ تم غیر کیساتھ وہ کام کرو جس کا اپنے ساتھ کیا جانا تم نہ چاہو۔ وہ تکلیف جس کی طاقت نہ ہو پھر اس پر عذاب کرنا کیا۔

اہل باطل نے جب اس حماقت کو پیش کیا تو یہ سمجھے کہ انھوں نے نادر بات کہی اور نشانے پر پہنچ گئے۔ حالانکہ درحقیقت انھوں نے ہذیان بکا اور بیہودہ بات کہی۔ اور یہ عین خطا وغلط ہے۔ نوع میں سے صرف بعض قبیح ہیں کیونکہ انھیں اللہ نے قبیح کر دیا ہے اور بعض حسن ہیں کیونکہ اللہ نے انھیں حسن کر دیا ہے۔ تعجب تو ان کے بہتان تراشنے پر ہے جو انھوں نے اپنے دعوے میں کیا ہے کہ ہمارے آپس میں محاباۃ (کسی کی تخصیص کرنا یا کسی کو ترجیح دینا) ظلم ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے کون سی شریعت میں یا کونسی عقل میں پایا کہ محاباۃ ظلم ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو مباح کیا ہے سوائے اس کے کہ جہاں اس نے چاہا (مباحاۃ کو مباح نہیں کیا) اور وہ یہ ہے کہ مرد کو تو یہ حق ہے کہ وہ دو

تین اور چار بیویوں سے نکاح کرے اور یہ اس کے لیے مباح وحسن ہے۔ اور اسے حق ہے کہ وہ اپنی کنیزوں میں سے جتنی کنیزوں کے ساتھ چاہے مباشرت کرے اور یہ اس کے لیے مباح وحُسن ہے۔ عورت کو ایک سے زائد کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور وہ شخص (جس سے یہ عورت نکاح کرے) اس عورت کا غلام نہ ہو۔ اور عورت کے لیے یہی حُسن ہے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ عورتوں کے دلوں میں بھی ویسی ہی غیرت ہے جیسی ہمارے دلوں میں ہے۔ اور غیروں کی شریعت میں یہ حرام ہے ۔بعض حیوانوں میں بالطبع اس کی نفرت موجود ہے۔

حر مسلم کو (یعنی آزاد مسلمان کو جو کسی کا غلام نہ ہو) یہ حق ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو غلام بنائے۔ شاید وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے دین میں اور اپنے اخلاق میں اور اپنی عبادت میں اپنے آقا سے بہتر ہو۔ یہ حق ہے کہ وہ اسے فروخت کرے یا ہبہ کرے خدمت لے اور یہ جائز نہیں کہ اس (حر وآقا) کو کوئی شخص یا اس کا یہی غلام یا اور کوئی اسے اپنا غلام بنائے اور اس شخص سے یہ حسن ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدس کے لئے یہ چاہا اور اللہ نے بھی اسی کے ذریعے سے آپ کو بزرگی عطا فرمائی کہ آپ کے بعد آپ کی ازواج رضوان اللہ علیہن سے جو ہماری مائیں ہیں کوئی اور نکاح نہ کرے۔ آنحضرت علیہ السلام نے بیویوں کے شوہروں کے بعد ان سے نکاح کرنا پسند فرمایا۔ اور یہ سب حسن وجمیل وصواب ہے۔ اگر کوئی غیر یہی چاہتا تو وہ غلط ارادے والا قبیح وظالم ہوتا۔ اس کی مثالیں اگر تلاش کی جائیں تو بہت کثرت سے ہیں۔ کیونکہ یہ عالم میں اور اکثر شریعت میں پھیلا ہوا ہے۔ معتزلہ کا یہ قول فاسد بھی باطل ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی اباحت پر تصریح فرمائی ہے جو معتزلہ کے نزدیک عدل نہیں ہے۔ بلکہ علی الاطلاق اور بطور محاباۃ جیسا چاہا مباح کردیا اور یہ سب اس سے عدل ہے۔ فرمایا ہے ''**ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ان حرصتم فلا تمیلوا کل المیل**'' (اور تم ہرگز یہ نہ کرسکو گے کہ عورتوں میں عدل کروا اگرچہ تم چاہو۔ لہذا تم پورے طور پر (کسی کی طرف) نہ جھکو۔)

اور فرمایا ہے۔ ''**فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم**'' (پھر اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تم (بیویوں میں) عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک کردیا اپنی کنیز پر قناعت کرو) اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ مباح کردیا کہ ہم اپنی کنیزوں میں عدل نہ کریں اور ہمارے لیے ان میں سے کسی کے ساتھ جسے ہم چاہیں محاباۃ (ترجیح وتخصیص) جائز کردی۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ عدل صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ عدل بتائے جو شے اللہ تعالیٰ کرے وہ عدل ہے اور اس کے سوا کوئی عدل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو تو میراث میں سے دو حصے عطا فرمائے اگرچہ وہ غنی اور کمانے والا ہو۔ اور بیٹی کو ایک حصہ دیا اگرچہ وہ چھوٹی اور فقیر ہو۔ لہذا معتزلہ کا قول باطل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے ترجیح وتخصیص کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رد کردیتا ہے۔ اور یہی عدل ہے نہ وہ جسے معتزلہ نے اپنی جہالت اور اپنی عقول کے ضعف سے عدل سمجھا ہے۔

تکلیف مالا یطاق اور اس پر عذاب کرنا یہ صرف ہم لوگوں کے درمیان قبیح ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہم پر حرام کردیا ہے۔ معتزلہ بھی ان لوگوں کی کثرت تعداد کو جانتے ہیں جو اس امر میں معتزلہ کے مخالف ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے قبیح نہیں جس کے اوپر کوئی حکم نہیں اور نہ وہ ہماری عقول کے حکم کا پابند ہے۔ اس مسئلے میں ان کا اپنے مخالفین پر یہ دعوی کہ انھوں نے عقل کے بدیہی فیصلے کی مخالفت کی ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو مجسم ماننے والے کا دعوی ان لوگوں پر ہے کہ انھوں نے عقل کے بدیہی فیصلے کی مخالفت کی کیونکہ انھوں نے فعل کو اس ذات سے جائز رکھا جو جسم نہیں۔ اور بلا حیات کے حی اور بغیر علم کے عالم مان لیا۔

یہ دونوں دعوے کاذب ہیں اور ہم اپنی اسی کتاب کے گذشتہ حصے میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ اس شخص کی غلطی ہے جو عقل میں اس کا دعوی کرے جو عقل میں نہ ہو۔ ہم نے بیان کیا ہے کہ عقل کے ذریعے سے اس اللہ پر حکم نہیں کیا جا سکتا جس نے عقل کو پیدا کیا اور اسے اس طور پر مرتب کیا جس طور پر وہ ہے۔ اور اس سے زائد نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ منعم کی نعمت کی ناشکری اور والد کی نافرمانی ہر حال میں قبیح اور عقل میں ہر وجہ سے ناجائز ہے۔

یہ انتہائی غلطی ہے اس لیے کہ معاملات و حالات میں تمیز رکھنے والا عقلمند جب اس کو سوچے گا تو وہ یقیناً یہ جانے گا کہ سوائے اللہ وحدہ لاشریک لہ کے کوئی اس کا منعم نہیں جو اس کو عدم سے وجود میں لایا اس کے لیے تمیز و حواس بنائے روئے زمین کی ہر شے کو اور آسمان کی اکثر اشیاء کو مسخر و تابع بنایا اور اس کو عطائے مال سے مشرف کیا۔ یہ بھی جانے گا کہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو منعم ہے وہ اگر مال کا منعم ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ ہی کے مال میں سے دیا ہے تو نعمت اللہ تعالیٰ کی ہوئی نہ کہ اس شخص کی۔ اور اگر وہ منعم معالج یا معتق (یعنی اس کا آزاد کرنے والا) یا کسی مصیبت پر ہمدردی کرنیوالا ہے تو اس معاملے میں بھی اس نے اسی میں سے صرف کیا جو اللہ تعالیٰ نے اسکو کلام قوت۔ حواس اور اعضا عطا فرمائے تھے۔ اس نے ان اشیا کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ملک میں اور ان اشیاء میں تصرف کیا جن کی ملک میں اللہ تعالیٰ اس سے مقدم و اولی ہے۔ تو یہ نعمت بھی اللہ کی ہوئی نہ کہ اس شخص کی۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہی ہر نعمت کا ولی و مالک ہے۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہذا سوائے اس کے کوئی منعم نہیں جسے اللہ تعالیٰ ہی منعم بتائے۔ اور کسی منعم کا شکر واجب نہیں بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسکے شکر کو واجب کرے تو اس وقت اس کا شکر واجب ہوگا ورنہ ہوگا۔ اور اس وقت وہ شخص جو اس منعم کا شکر نہ ادا کرے گا وہ اس امر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنے کی وجہ سے گناہ گار فاسق اور مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا۔

ہمارے اپنے والدین کی منی سے پیدا ہونے میں اور خاک سے پیدا ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خاک کے ساتھ نیکوکاری ہمارے ذمے لازم نہیں ہے اور نہ اس کا ہم پر کوئی حق ہے۔ یہ محض اس لیے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس کا کوئی حق مقرر نہیں کیا۔ کبھی بچے کو بکری دودھ پلاتی ہے۔ مگر اس بکری کا اس بچے پر کوئی حق واجب نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بکری کے لیے مقرر نہیں کیا۔ اس نے اس حق کو والدین کے لیے مقرر کیا اگرچہ وہ کافر و مجنون ہوں اور انھوں نے ہماری پرورش کو اپنے ذمے نہ لیا ہو بلکہ ہمیں چھوڑ کے اپنی لذتوں میں مشغول رہے ہوں۔ یہاں (نیکی کو واجب کرنے والا) محض اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

دوسرا برہان یہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے جو اس کو حرام جانتا ہو یا اسکو حرام جاننے والا نہ ہو تو ان لوگوں میں سے ہو کہ اس مباشرت سے جو نطفہ نازل ہو اور اس سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس شخص کے ساتھ شامل نہ ہو تو اس شخص کے ساتھ نیکوکاری و حسن سلوک اس بچے کے ذمے قطعاً لازم نہیں اور اسے اپنی ماں کے ساتھ نیکوکاری لازم ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے ساتھ اس کا حکم دیا اور اس کے بارے میں اس کا حکم نہیں دیا جس کے نطفے سے یہ پیدا ہوا ہے۔ عقل کے نزدیک اس معاملے میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں۔ نہ معقول میں فرق ہے اور ولادت میں بچے کے اپنی ماں کے یہاں مباشر، مجامع کے نطفے سے پیدا ہونے میں عقل کے نزدیک اولاد زنا میں اور اولاد صحیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن اولاد صحیحہ پر جو عقد نکاح یا ملک یمین (یعنی کنیزی سے) پیدا ہوں خواہ یہ دونوں (نکاح و ملک یمن) صحیح ہوں یا فاسد اللہ تعالیٰ نے لازم کر دیا ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ نیکی کریں اور ان کا شکر کریں۔ ان کی نافرمانی کو کبائر میں کر دیا ہمیں اس کی پابندی ضروری ہے۔ چونکہ اسے اولاد زانیہ پر اللہ نے لازم نہیں کیا اس لیے انھیں لازم نہیں ہے۔

ہم بھی اور معتزلہ بھی یقیناً جانتے ہیں کہ اگر دو مسلمان مرد کسی سفر میں روانہ ہوں۔ ان میں سے ایک مسلمان دارالحرب کے کسی گاؤں پر حملہ کرے اور اس گاؤں کے ہر بالغ مرد کو قتل کر دے۔ ان لوگوں کا تمام مال لے لے۔ ان کے بچوں کو گرفتار کر لے۔ پھر امام عادل کے حکم سے اس کو پانچ حصوں پر تقسیم کرے اور اسکے حصے میں وہ بچے پڑیں جن کے باپ کو اس نے خود قتل کیا ہے اور ان کی ماؤں کو گرفتار کیا ہے اور وہ بھی ازروئے تقسیم صحیح اس کے حصے میں پڑی پھر یہ ان سے نکاح کر لے۔ اور ان کی اولاد کو اپنے باغوں کی جھاڑو دینے میں اور اپنے مواشی کی خدمت میں اور اپنی کھیتی میں اور اس کے کاٹنے میں لگا دے اور اس کی انھیں اتنی ہی تکلیف دے جتنی وہ طاقت رکھتے ہوں۔ اور انھیں دستور کے مطابق جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کپڑا پہنائے اور ان پر خرچ کرے تو اس شخص کا حق ان بچوں پر بغیر کسی اختلاف کے واجب ہے اگر یہ انھیں آزاد کر دے تو وہ ان کا منعم ہے اور اس کا شکران لوگوں پر فرض ہے۔ اسی طرح اگر یہی برتاؤ اس غلام کے ساتھ کرے جس کو اس نے خریدا ہے اور اب وہ مسلمان ہے۔

دوسرا مسلمان (جو سفر میں نکلا تھا) مسلمان کے کسی گاؤں پر حملہ کرے اور ان کے کچھ بچے گرفتار کر کے انھیں فقط غلام بنا لے۔ نہ کسی کو قتل کرے نہ ان کی عورتوں کو گرفتار کرے۔ پھر ان بچوں کی بہترین طریقے پر پرورش کرے اور وہ بچے مصیبت سختی مشقت اور تنگ زندگی اور بدحالی والے گاؤں میں ہوں۔ یہ ان کی زندگی کو بافراغت کر دے۔ انھیں علم واسلام کی تعلیم دے۔ مال کثیر عطا کرے پھر انھیں آزاد کر دے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس شخص کا ان بچوں پر کوئی حق نہیں۔ اس شخص کی مذمت وعداوت ان بچوں پر فرض ہے۔ اگر اس نے ان میں سے کسی عورت سے مباشرت کی اور یہ شخص شادی شدہ بھی ہے اور ان بچوں میں سے کوئی شخص صاحب حکومت بھی ہو گیا ہے تو اس کو لازم ہے کہ وہ اس شخص کا پتھروں سے سر پھوڑ دے یہاں تک کہ یہ مر جائے۔

کیا اہل اسلام میں سے ہر صاحب عقل کو واضح نہیں ہوتا کہ سوائے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے نہ کوئی منعم ہے نہ محسن مگر وہ شخص کہ جسے اللہ شخص کہ جسے اللہ تعالیٰ ہی محسن یا منعم بتائے۔ نہ کسی کو کسی کا شکر لازم ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کے شکر کو لازم کر دے اور نہ کسی کا کسی پر کوئی حق ہے سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے لیے کوئی حق مقرر کر دے۔ تو واجب ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے واجب کر دیا ہے ورنہ واجب کر دیا ہے ورنہ واجب نہ ہوتا۔

معتزلہ نے اس امر میں ہم سے اتفاق کیا ہے کہ جس کسی نے دنیا کے لیے کسی انسان پر احسان کیا کہ اللہ نے اسے حرام کر دیا ہے تو اس شخص کو اس کا شکر لازم نہیں۔ ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ انتہائی احسان کیا پھر اس شخص نے (جس کے ساتھ احسان کیا گیا تھا) اس کی کسی ایسی چیز سے اعانت کی جو دین میں جائز نہیں تو اس کے ساتھ بدی کرنیوالا (مسیئ) اور ظالم ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ نہ کوئی شے واجب ہے نہ حسن ہے نہ قبیح ہے سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے دین میں واجب کیا ہے یا دین میں حسن قرار دیا ہے یا دین میں قبیح بتایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگا ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ۔ کذب ہر حال میں قبیح ہے۔

یہ بھی مثل سابق (غلط) ہے۔ یہ لوگ اس قول کے بطلان پر اور کذب کے حسن (اچھا) کہنے پر پانچ مقامات میں چونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے حسن بتایا ہے ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ یہ اس طرح ہے کہ مثلاً ایک مسلم انسان ظالم بادشاہ سے جو اس شخص پر ظلم کرتا ہے اور اس کو تلاش کرتا ہے پوشیدہ ہے۔ پھر اس ظالم نے اس شخص سے جس کے پاس وہ شخص مطلب پوشیدہ ہے دریافت کیا، نیز ہر اس شخص کی خبر اور اس

کے مال کو دریافت کیا جو اس کے پاس ہے تو تمام مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس امر میں اختلاف نہیں کہ اگر اس نے اس بادشاہ سے سچ کہا اور اسے اس پوشیدہ شخص کا مقام و مال بتا دیا تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کا نافرمان۔ فاسق ظالم اور فعل قبیح کا مرتکب ہے۔ اور اگر یہ شخص بادشاہ سے جھوٹ کہے کہ نہ مجھے اس کا ٹھکانا معلوم ہے نہ اس کے مال کا تو اسے ثواب ہوگا اور اس کا مرتکب محسن و فعل حسن کا مرتکب ہوگا۔ اسی طرح آدمی کا جھوٹ اپنی بیوی سے ان امور میں جن سے وہ اس کی محبت اور حسن صحبت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور جنگ مشرکین میں ان امور میں جھوٹ بولنا جس سے ان کے ہلاک کرنیکی اور مسلمانوں کی ان سے رہائی کی گنجائش نکلے۔ واجب ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ کذب بھی صرف وہیں قبیح ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو قبیح کر دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو عقل میں ہرگز قبیح نہ ہوتا۔ (کذب کا قبیح ہونا) ضرورت عقل سے واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کوئی چیز اس عالم میں اس ترتیب سے بدل جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے عقل کے اندر مرتب کیا ہے۔ لہذا ان لوگوں کا عقول پر بہتان و کذب ثابت ہوگیا۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ ظلم قبیح ہے یہ بھی مثل اول کے ہے۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ ظلم کے کیا معنی ہیں۔ یہ اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکیں گے کہ انسانوں کا قتل کرنا ان کے اموال کا لے لینا۔ ان کی ایذا رسانی، خودکشی۔ یا اپنے نفس کو عیب دار بنانا یا اپنی عورتوں کا لوگوں کے لیے مباح کر دینا کہ وہ ان سے نکاح کریں۔ حالانکہ اسمیں سے کوئی شے قبیح لعینہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خراسان کی اس قوم کا مال لینا حلال کر دیا ہے۔ جن کے بھتیجے نے اندلس میں ایک شخص کو غلطی سے بغیر قتل کے ارادے کے قتل کر دیا۔ مگر اس نے ایک تیر مارا جو اس کے لیے مباح تھا (وہ غلطی سے کسی کے لگ گیا) یا جنگ میں کسی کافر کو تیر مارا وہ کسی مسلمان کے جو پہاڑ کے پیچھے سے نکل رہا تھا لگ گیا اور وہ مر گیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا خون مباح کر دیا ہے جس نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ ہے۔ اس نے کبھی کسی عورت سے سوائے اپنی زوجہ کے کسی سے مباشرت نہیں کی جو بوڑھی تھی۔ بال بھی سفید تھے۔ اس سے ایک ہی مرتبہ مباشرت کی پھر وہ مر گئی۔ اسے نہ نکاح کے لیے کوئی عورت ملتی ہے نہ کنیز بنانے کے لیے یہ شخص جوان اور عورت کا حاجتمند ہے۔ اس بوڑھے شخص کا خون حرام ہے جس نے زنا کیا اور اس کی سو کنیزیں جو ستاروں کی طرح حسین ہیں۔ سوائے اس کے کہ کبھی اس کی کوئی منکوحہ بیوی نہیں رہی۔

لیکن انسان کی خودکشی تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اللہ کی راہ میں قتل کے لیے اپنی جان پیش کرنے کی اور ان جماعتوں کے دفع کرنے کی تحسین و تعریف کی ہے کہ یہ یقین کرتا ہے کہ اپنے اس فعل (یعنی دفع کرنے) میں قتل کر دیا جائے گا) اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے (بنی اسرائیل کو) خودکشی کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے ”فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذلکم خیرلکم عند بارئکم فتاب علیکم “ (پھر اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہ تمھارے لئے تمھارے خالق کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر اس نے تمھیں معاف کر دیا) اگر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اسی قسم کا حکم دیتا تو اس کا حکم یقیناً حسن ہوتا جیسا کہ اسکا حکم بنی اسرائیل کو اس کے متعلق حسن تھا۔

لیکن نفس کو عیب دار بنانا تو ختنہ واحرام (حج میں) اور رکوع و سجود۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق حکم نہ ہوتا اور اس نے اس کی خوبی نہ بیان کی ہوتی تو بلا شک اس کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ اور اصول معتزلہ پر یہ ضرور تشویہ (عیب دار بنانا) ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑا ہو پھر بغیر نماز کے لوگوں کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھدے تو بلا شک وہ ایک عبث و فضول حرکت کا مرتکب ہے اور اس پر جنون کا یقین کیا جائے گا اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر حج یا عمرے کے مجمع کے سامنے اپنے کپڑے اتار دے اور اپنا سر کھول دے اور کنکریاں پھینکے اور کسی گھر کے اردگرد دوڑ دوڑ کے اور گھوم گھوم کے طواف کرے تو بلا شک ضرور وہ مجنون ہوگا۔ خاصکر اگر وہ جوئیں مارنے سے اور اپنے سر سے جوئیں دیکھنے

اور اپنے ناخن اور مونچھیں کترنے سے باز رہے۔ لیکن جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق جو کچھ حکم دینا تھا وہ دیدیا تو یہ فرض وواجب وحسن ہو گیا اور اسکا ترک قبیح اور انکار کفر ہو گیا۔

لیکن آدمی کا اپنی عورتوں کو نکاح کے لیے مباح کرنا۔ تو جو امور انھوں نے پیش کئے یہ ان میں عجیب تر ہے۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور بندیوں کو آزاد کر دیا ہے کہ بعض بعض کے ساتھ بدکاری کریں۔ حالانکہ وہ ان کے اس سے روکنے پر قادر ہے۔ مگر اس نے یہ نہیں کیا بلکہ اس نے ان کے آلات اور ان کی شہوات کو اس پر طاقت دی جس کا معتزلہ کو بھی اقرار ہے۔ یہ فعل اللہ تعالیٰ سے حسن ہے اور اس کے بندوں سے قبیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبیح کر دیا ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو حسن کر دیتا تو یہ ضرور حسن ہوتا۔ کیا معتزلہ نے اسکا مشاہدہ نہیں کیا کہ لوگ مردوں سے اپنی بیٹیوں کا نکاح کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو دوسرے سے نکاح ہوتا ہے پھر تیسرے سے ہو جاتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح جب شوہر اسے چھوڑ کے مر جائے۔ تو پھر عقول کے نزدیک ان دونوں میں کونسا فرق ہے کہ ایک شخص عورت کی مباشرت کو اس لفظ سے مباح کرتا ہے کہ میں نے تیری بیوی بنا دیا یا تیرے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور اس میں کہ اس کی مباشرت کے لئے کوٹھری بنائی جائے اور اس پر یہ لفظ بولا جائے کہ اٹھ اور اس سے مباشرت کر۔ لہذا اس مقام پر بھی صرف وہی قبیح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قبیح بتایا اور وہی حسن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حسن بتایا۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ کفر ہر حال میں قبیح ہے۔ یہ بھی مثل سابق ہے۔ کفر بھی محض اسی وجہ سے قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبیح کر دیا اور اس سے منع کیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ قبیح نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے تقیہ (خوف) کے وقت کلمہ کفر کو مباح کر دیا ہے۔ اگر تقیہ نہ ہو تو اس کے سبب سے خون کو مباح کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتقاد کرے کہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی وہ حرام تھی تو کافر ہو جائے گا۔ اگر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شراب کے مباح کرنے کا علم ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہوگا۔ پھر یہی کفر ایمان ہو گیا۔ اب جو اس کے حلال ہونے کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے اور اس کا تحلیل شراب کا اعتقاد کفر ہے۔

ثابت ہو گیا کہ نہ کوئی چیز کفر ہے نہ ایمان سوائے اسکے جسے اللہ تعالیٰ ہی کفر و ایمان بتائے۔ کفر جو قبیح ہے تو اللہ تعالیٰ کے قبیح بتانے کے بعد ہے اور ایمان جو حَسَن ہے تو اللہ تعالیٰ کے حَسَن بتانے کے بعد ہے۔ لہذا وہ سب باطل ہو گیا جو معتزلہ نے کفر و جور ظلم کے بارے میں کہا تھا۔ اور ثابت ہو گیا کہ نہ کوئی چیز ظلم ہے نہ جور سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا اور نہ کوئی عدل ہے سوائے اس کے کہ جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا یا اسے مباح کر دیا خواہ وہ کچھ بھی ہو۔ **وبا للہ تعالیٰ التوفیق۔**

جب یہ ایسا ہی ہے جیسا ہم نے بیان کیا تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل کسی شے میں بھی ظلم نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص پر عذاب کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس طاعت پر قادر نہیں ہوا جس کا اس نے اسے حکم دیا تھا تو ہرگز یہ عذاب ظلم نہ ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظلم نہیں بتایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ان افعال کا پیدا کرنا ظلم نہیں ہے جو اس کے بندوں سے سرزد ہوں تو وہ کفر و ظلم و جور ہیں اس لیے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر کوئی امر و حکم کرنے والا ہے اور نہ منع کرنے والا۔ بلکہ امر بھی اسی کا امر ہے اور سلطنت بھی اسی کی سلطنت ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ تکلیف مالا یطاق پھر اس پر عذاب کرنا عقول کے نزدیک بالکل قبیح ہے۔ جو ہم لوگوں میں کسی طور پر بھی حسن نہیں ہے تو وہ باری تعالیٰ سے بھی ہرگز حسن نہ ہوگا۔

یہ لوگ وہ چیز بھول گئے جسے بھولنا نہ چاہیے تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ آیا ہمارے آپس میں کسی کا یہ کہنا کہ ”میری عبادت کرو۔ مجھے سجدہ کرو“ قبیح نہیں ہے جو کسی وجہ سے اور کسی حال میں بھی حسن نہیں ہے اس کے جواب میں ”ہاں“ ضروری ہے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ آیا یہی قول اللہ تعالیٰ سے حق وحسن نہیں ہے۔ اس کا جواب بھی لامحالہ ”ہاں“ ہی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ تو محض ہم لوگوں سے قبیح ہے اس لئے کہ ہم اسکے مستحق نہیں ہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اسی طرح ہمیں سے تکلیف مالا یطاق اور اس عذاب کرنا قبیح ہے اس لیے کہ ہم اس صفت کے مستحق نہیں ہیں وہ لوگ جو فرق بھی بیان کریں گے وہ تکلیف مالا یطاق کے بارے میں ان کی طرف رجوع کرے گا اور کوئی فرق نہ ہوگا۔

اسی طرح اپنے احسان کا جتانے والا جبار متکبر۔ صاحب کبریا ہم لوگوں میں ہر حال میں قبیح ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ سے حسن وحق ہے۔ اور اس نے خود ہی اپنے کو جبار ومتکبر کہا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے لئے کبریا ہے اور وہ اپنا احسان بھی جتاتا ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ اس سے حسن ہے اس لیے کہ سب اسی کو مخلوق ہیں تو ان سے کہا جائے گا کہ اسی طرح اس سے شخص کو تکلیف دینا جو استطاعت نہیں رکھتا پھر اس پر عذاب کرنا حسن ہے اس لیے کہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔ اور اسی طرح ہمارے درمیان۔ جو شخص جانور کو پر نوچنے مارنے کا عذاب دے پھر اسے اچھی طرح چارہ دے اور فراغت سے کھلا ہے تو یہ ہر طور پر قبیح ہے اور اس کا مرتکب لغو حرکت کرنیوالا ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کی تکلیف مالا یطاق یعنی اسکے کھانے اور ذبح کرنے کو مباح کر دیا ہے پھر اس پر اسے عوض دیدے۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ فعل حسن ہے۔ سوائے اس کے کہ معتزلہ مجبوراً یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر حیوان کو ایذا پہنچائے اور عذاب کئے اس کے عوض دینے پر قادر نہیں ہے تو یہ بدترین قول کھلا ہوا جھوٹ نہایت واضح بزدلی، پورا کفر، اور باری تعالیٰ کی بہت بڑی مذمت ہوگی **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔**

اگر وہ یہ کہیں کہ حیوان کا ایذا دینا کبھی ہم لوگوں میں حسن ہوتا ہے۔ مثلاً انسان جس سے محبت کرتا ہے اسے بدمزہ دواؤں کا عرق پلاتا ہے اس کے پچھنے لگاتا ہے اور اسے داغ دیتا ہے کہ اسکے ذریعے سے اسے منافع تک پہنچا دے۔ اگر یہ ناگوار چیز نہ ہوتی تو وہ ان فوائد تک نہ پہنچ سکتا۔

یہ وہ فریب کاری ہے جس کی وجہ سے انھیں اس مسئلے میں اس سوال سے رہائی نہیں ہوسکتی جو ہمارے اصحاب نے ان سے دریافت کیا ہے۔ ہم نے ان سے اس شخص کے متعلق دریافت نہیں کیا جس کے نفع پہنچانے پر صرف اس ایذا رسانی کے بعد ہی قدرت ہو جو اس نفع سے جو اس ایذا کے بعد پہنچے گا کم ہے۔ ہم تو ان سے صرف اس شخص کے متعلق سوال کیا ہے کہ ایذا پہنچانے سے پہلے جس کے نفع پر قدرت ہو تاوقتیکہ اسے ایذا نہ پہنچے اس کو نفع بھی نہ پہنچے۔

اسی طرح اس شخص کو تکلیف دینا جسے آدمی جانتا ہے کہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور جب وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر عذاب کرتا ہے، تو ہم لوگوں میں قبیح ہے۔

معتزلہ میں سے ایک معترض نے کہا کہ یہ امر کبھی ہم میں بھی حَسَن ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ آدمی چاہتا ہے کہ اپنے دوست کے سامنے اس کے غلام کی نافرمانی ثابت کر دے تو وہ اسے حکم دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت نہ کرے گا تو اس شخص کا اسے منع کرنا حسن ہے۔

یہ بھی مثل اول کے ہے اور کوئی فرق نہیں۔ ہم نے ان سے اس شخص کے متعلق سوال نہیں کیا ہے جو اپنی نافرمانی کرنے والے کے روکنے پر نہی اور منع کرنے سے زیادہ پر قدرت نہیں رکھتا۔ ہم تو صرف اس شخص کے متعلق اس سے سوال کرتے ہیں جس کا اس میں کوئی نفع نہیں ہے کہ وہ زید کو اس کے غلام کی اپنے ساتھ نافرمانی سے آگاہ کرے۔ اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو اس پر قادر ہے کہ زید کو اس کے متعلق آگاہ کرے اور اس کو زید کے نزدیک بھی ثابت کر دے بغیر اس کے کہ اس غلام کو حکم دے جو اسکی اطاعت نہ کرے گا۔ اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو غلام کو نافرمانی سے روکنے پر قادر ہے مگر ایسا نہیں کرتا۔ سوائے اسکے کہ معتزلہ اپنے رب کو عاجز مانیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو یہ باوجود کفر ہونے کے کھلا ہوا جھوٹ بھی ہے اس لیے کہ اہل دوزخ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر یہ لوگ پھر دنیا میں واپس کر دیئے جائیں تو یہ وہی کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک تو یہ امر اتنا ہی ثابت ہے کہ اگر ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے تو اس کی صحت کے متعلق ہمارے علم میں کوئی اضافہ نہ ہوتا اسی طرح ہم نے دوسری اقوام کا مشاہدہ کیا ہے جنھوں نے مختلف اقسام کے معاصی کا ارادہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اور معاصی کے درمیان میں طرح طرح کی رکاوٹیں حائل کر دیں۔ (جس سے وہ معاصی سے بچ گئے) ایک دوسری اقوام کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے اور معاصی کے درمیان میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں کرتا بلکہ ان معاصی کے اسباب کو قوی کر دیتا ہے۔ اسکے موانع کو بالکل رفع کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ انکا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہٰذا معتزلہ کا کذب ان کا اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے کا اقدام عظیم ان کے مشاہدے کی شدید مخالفت، ان کی عقل سے مخالف ان کے جہل کی قوت اور ان کی اپنے ہی قول کی مخالفت روشن ہوگئی۔ **نعوذ باللہ من الخذلان**۔

ان تمام امور کے بعد اس میں ہمارا کونسا نفع ہے کہ ہمیں آگاہ کیا جائے کہ فرعون نافرمانی کرے گا اور ایمان نہ لائے گا۔ وہ کونسی چیز تھی جو بچوں کے لیے مضر تھی کہ وہ یہ جاننے سے پہلے ہی مر گئے کہ کون فرمانبردار ہے اور کون نافرمان۔

ہم معتزلہ سے اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے کسی کو تلواریں خنجر اور بیلچے دیئے کہ وہ مارے اور زخمی کرے۔ یہ تمام اشیاء جہاد کے لیے بھی مناسب ہیں اور رہزنی اور چوری کرنے کے لیے بھی۔ وہ جانتا ہے کہ یہ شخص ان اشیاء کو جہاد میں استعمال نہ کرے گا بلکہ صرف رہزنی اور چوری کرنے میں استعمال کرے گا۔

اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے کسی شخص کو شراب پر اور بدکار و زانیہ عورت پر قابو دیا۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ اس کے لیے ایک مقام آراستہ کر دیا۔ آیا یہ شخص بلا کسی اختلاف کے بیہودہ حرکت کرنیوالا اور ظالم نہیں ہے اس کا جواب "ہاں" ہی ہے ہم اور معتزلہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو وہ قوتیں عطا فرمائیں جن سے وہ لوگ اسکی نافرمانی کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ان قوتوں سے اس کی نافرمانی کریں گے۔ اس نے شراب پیدا کی اور اسے لوگوں کے سامنے کر دیا۔ انکے اور شراب کے درمیان کوئی رکاوٹ بھی پیدا نہیں کی۔ (اس پر بھی) نہ وہ ظالم ہے نہ عابث (عبث و فضول کام کرنیوالا) اگر معتزلہ اللہ تعالیٰ کو ان امور کے روکنے سے عاجز بتائیں تو وہ کفر کی انتہا کو پہنچ گئے۔ کیونکہ ہم میں سے جو شخص شراب پینے والے سے شراب کو نہ روک سکے۔ اور وہ روکنے پر قادر ہو تو وہ انتہائی کمزوری و ذلت میں ہے۔

یا اللہ تعالیٰ ان امور کے ہونے کا اپنی مشیئت کے مطابق قصد کرتا ہے جس کے حکم کی کوئی باز پرس کرنیوالا نہیں۔ تو یہ قول ہمارا ہے۔ نہ کہ معتزلہ کا۔

اس نوبت پر وہ لا جواب ہو گئے۔ انھیں کوئی جواب بن نہ پڑا سوائے اس کے کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ تو محض ہم لوگوں سے قبیح ہے اس لیے کہ مصالح سے ناواقف اور عوض دینے سے عاجز ہیں۔ اور اس لیے کہ یہ ممنوع ہے اور یہ ہم پر حرام ہے۔ اگر ہم میں سے کسی شخص کے غلام ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے اس کے نزدیک یہ ثابت ہو کہ یہ غلام کبھی ایمان نہ لائیں گے مگر ان کا کھلانا پہنانا اس کے لیے مباح ہے۔

یہ معتزلہ کے مخالف ہے نہ کہ ان کے موافق۔ ان کی طرف سے اس کا اقرار ہے کہ یہ ہم سے محض اس وجہ سے قبیح ہے کہ وہ ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اسی طرح ان غلاموں کو کپڑا پہنانا جن کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ ایمان نہ لائیں گے یہ محض اس لیے حسن ہے کہ ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم غلاموں کے ساتھ احسان کریں۔ اگر چہ وہ کافر ہوں۔ اگر ہم یہی دار الحرب والوں کے ساتھ کریں گے تو گنا ہگار ہونگے اس لیے کہ ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس مقام پر نہ کوئی شے حسن ہے نہ قبیح سوائے اس کے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

معتزلہ کا یہ کہنا ہے کہ یہ ہم سے محض اس لیے قبیح ہے کہ ہم مصالح سے ناواقف ہیں۔ تو انھیں چاہے کہ اسی پر قناعت کریں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے تکلیف مالا یطاق دینے اور اسکے اسپر عذاب کرنیکے حسن ہونے میں اور اسی کے ہم سے قبیح ہونے میں فرق کر کے بعینہ یہی جواب معتزلہ کو دیدے (تو اسے بھی ماننا چاہیے) کہ یہ فعل ہم سے محض اس لیے قبیح ہے کہ ہم مصالح سے ناواقف ہیں۔

ہم لوگوں کے نزدیک تو دونوں جواب فاسد ہیں۔ اس امر میں کوئی مصلحت نہیں جو دوزخ تک اور اس میں ہمیشہ بغیر کسی حد کے رہنے تک پہنچادے۔ لیکن ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم سے وہی قبیح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا اور وہی ہم سے حسن ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا اور ہمارا پروردگار جس کے اوپر کوئی حاکم نہیں جو کچھ بھی کرے تو وہ عدل وحسن ہے۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ہمارے اصحاب نے معتزلہ سے سوال کیا تو انھیں نے کہا کہ ہمارے یہاں یہ مسلم ہے کہ حکیم جو فعل کرتا ہے وہ یا تو نفع حاصل کرنے کے لیے یا ضرر دفع کرنیکے لیے کرتا ہے۔ جو بغیر اس غایت کے کچھ کرے وہ سفیہ و نادان ہے۔ باری تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ نہ تو نفع حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے نہ مضرت دفع کرنے کے لیے وہ حکیم ہی ہے۔

معتزلہ کے ایک گروہ نے کہا کہ باری تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے بندوں کے نفع پہنچانے کے لیے اور انھیں ضرر سے بچانے کے لیے کرتا ہے۔ ان کے ایک گروہ نے کہا کہ ہم لوگوں میں جو حکیم ہوتا ہے۔ وہ حکیم نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے منافع حاصل کرنے کے لیے اور مضر دفع کرنے کے لیے کرتا ہے ہر قسم کی لذت حاصل کرنے والا اور تشفّی کرنیوالا (غصہ بجھانے والا) ہوتا ہے اگر چہ وہ حکیم نہیں ہوتا۔ حکیم کو اس لیے حکیم کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عمل اور کام کا احکام و پختگی کرتا ہے۔

یہ سب کچھ بھی نہیں اس لیے کہ حیوان بھی اپنے عمل کا احکام وانتظام کرتا ہے مثلاً بیا۔ مکڑی۔ شہد کی مکھی۔ اور ریشم کا کیڑا۔ حالانکہ ان میں سے کسی کو بھی حکیم نہیں کہا جاتا۔ درحقیقت حکیم کو حکیم محض اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ فضائل (اچھی خصلتوں) کی پابندی کرتا ہے اور رذائل (بری اور حقیر خصلتوں) سے پرہیز کرتا ہے۔ یہی عقل و حکمت ہے جس کے فاعل کو عاقل و حکیم کہا جاتا ہے۔ شریعت میں بھی اس طرح ہے۔ اس لیے کہ تمام فضائل صرف اللہ تعالیٰ کی طاعت ہیں اور تمام رذائل صرف اللہ تعالیٰ کے معاصی ہیں۔ حکیم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے معاصی سے پرہیز کرے اور وہی کام کرے جس کا اسے اس کے رب نے حکم دیا ہے۔ باری تعالیٰ کو جو حکیم کہا جاتا ہے تو وہ اس سبب سے نہیں کہا جاتا۔ اسے محض اس لیے حکیم کہا جاتا ہے کہ اس نے خود اپنے آپ کو حکیم بتایا۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو حکیم نہ بتاتا تو ہم اس کا نام

حکیم نہ رکھتے۔ جیسا کہ ہم اس کا نام عاقل نہیں رکھتے اس لیے کہ اس اپنا یہ نام نہیں رکھا۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ تمھارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا نام حکیم محض اس لیے رکھا گیا کہ اس کا فعل حکمت ہوتا ہے۔ تو تم اس امر کے مقر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو کفر کو قوت دی اور اس کے باوجود اس کا نام مقوی علی الکفر نہیں رکھا گیا۔ معتزلہ کا جو گروہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے بندوں کی نفع رسانی اور ضرر سے انکی حفاظت کے لیے کرتا ہے تو اگر اس کو عام کہا جائے تو یہ کلام فاسد ہے۔ اس لیے کہ ہر ضرر رسیدہ کو اس کی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اسطرح (پیدا) کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اس مضرت کو دفع نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ دفع کرنے پر قادر تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ لوگ اسے اس سے عاجز بتا دیں اور کفر کریں۔

ہمارے اصحاب نے ان سے دریافت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو ہم لوگوں میں عدل ہے تو اس نے ایسے شخص کو کیوں پیدا کیا جسے وہ جانتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کفر کرے گا اور وہ اسے دوزخ کے طبقوں میں ہمیشہ کے لیے رکھے گا۔ معتزلہ نے اس کے متعدد جوابات دیے۔ ان میں جو اس کے ساتھ کفر کرے اور وہ اسے عذاب دوزخ میں ہمیشہ کے لیے رکھے تو ہرگز کوئی بھی مستحق عذاب نہ ہوتا اور نہ دوزخ میں داخل ہوتا۔

اس جاہل کا یہ جواب اس کے ضعف عقل پر دلالت کرنے لیے کافی ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ یہی تو ہم بھی چاہتے ہیں۔ کیا کل خیر ہمارے درمیان یہی نہیں ہے کہ انسان کو عذاب دوزخ نہ کیا جائے۔ کیا ہمارے یہاں مقررہ حکمت وعدل یہ نہیں ہے جس کے سوا کوئی عدل نہیں کہ تمام لوگوں کی نجات ہو اور وہ سب نعمت دائم میں مجتمع ہوں۔ لیکن معتزلہ وہ قوم ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔

بعض معتزلہ نے اسکا یہ جواب دیا کہ اگر یہ ہوتا تو سب کے سب ملامت سے محفوظ رہتے۔ اور تمام امتوں کا عقل کی فضیلت پر اتفاق ہے۔ اگر یہ جاہل عقل کے معنی سمجھتا تو اس حماقت کا جواب نہ دیتا اس لیے کہ درحقیقت عقل یہی ہے کہ طاعت پر عمل اور معاصی سے پرہیز کیا جائے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ عقل نہیں بلکہ حماقت و نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ قیامت میں کہیں گے ''**لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر** ''(اگر ہم نے (دنیا میں) سنا ہوتا یا عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے)۔ اللہ تعالیٰ ان کے کلام کی تصدیق کی اور فرمایا'' **فاعترفوا بذنبھم فسحقا لا صحاب السعیر** ''(وہ اپنے گناہ کا اقرار کرلیں گے۔ بس اہل دوزخ کے لیے (رحمت وعزت سے) دوری ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ جس نے اس کی نافرمانی کی اسے عقل نہیں ہے۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ وعطیہ سے زیادہ رذیل وذلیل وحقیر کوئی مرتبہ وعطیہ نہیں جو دوامی دوزخ تک پہنچادے۔ وہ عقل ہو یا غیر عقل۔ تمھارا قول عقل کے بارے میں ہے۔ اگر انسان مکوڑا یا کیڑا یا کتا ہوتا تو اس کے لیے اب بھی اور آئندہ بھی زیادہ خوش نصیبی و مناسب و افضل ہوتا اور صاحب عقل و صاحب تمیز کے نزدیک جسکے دماغ میں خلل نہ ہو یہی بہتر ہوتا۔ جب اس قوم (معتزلہ) کے نزدیک وہ عقل جو عطیہ ہے اپنے صاحب پر وبال اور اس کے لیے ان امور کی تکلیف کا سبب ہوگئی جن کا اس نے ارتکاب نہیں کیا اور وہ مستحق دوزخ ہوگیا تو ہر صاحب حس سلیم کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا عدم اس کے وجود سے بہتر ہے۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ تکلیف (یعنی کسی حکم کے ضروری ٹھہرائے جانے) نے اس پر دخول دوزخ واجب نہیں کیا۔ تو ہم کہیں گے ہاں مگر وہی تو اس کی سبب ہوئی۔ اگر تکلیف نہ ہوتی تو کبھی دوزخ میں نہ جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی قول کی صحت کی ایسی شہادت دی ہے جو کسی

مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ اس کا یہ قول ہے ''**انا عرضنا الا مانت علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الا نسان انه کان ظلموما جهولا**'' (ہم نے امانت یعنی تکلیف شرعی کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور یہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا بیشک یہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے) اللہ تعالیٰ نے جمادات کے اس تمیز کے قبول کرنے سے جس سے تکلیف شرائع واقع ہوئی اور امانت شرائع کے تحمل سے انکار کرنے کی، تعریف فرمائی اور انسان کے اسکے تحمل کو اختیار کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی۔ انسان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے ظلم و جہل و جور بتایا۔ اور یہ امر عقل کی فطرت و تمیز میں مسلم و معروف ہے وہ سلامت جو شامل حال رہے وہ تغریر و غفلت اس کے مساوی نہیں جو ہلاکت یا غنیمت تک پہنچادے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو جو کفر کرے اور ایسے شخص کو جسے وہ جانتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیگا اس لیے پیدا کیا کہ تا کہ اس کے ذریعے سے ملائکہ وحور عین کو نصیحت کرتے۔

یہ وہ خبط ہے کہ ہمیں کبھی اس قسم کے خبط سے سابقہ نہیں پڑا۔ یہ انتہائی نادانی و عبث و ظلم ہے۔ عبث (لغو اور بیکار) تو اس لئے ہے کہ یہ ہماری عقول میں ہے کہ جو شخص ایک پر عذاب کرے کہ دوسرے کو اس سے نصیحت ہو تو بیحد عبث و حماقت ہے لیکن جور و ظلم تو ہمارے یہاں اس سے بڑا کونسا ظلم ہوگا کہ ایسی قوم کو پیدا کرے کہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ اس پر اس لیے عذاب کرے گا کہ اس سے اپنی دوسری مخلوق کو جو ہمیشہ کے لیے نعمت میں ہیں نصیحت کرے۔ پھر اس نے ملائکہ وحور عین کو کیوں نہ عذاب کیا کہ ان سے جن وانس کو نصیحت ہوتی۔ کیا یہ ان کے اصول کی بناء پر انتہائی محاباۃ (ترجیح و تخصیص) اور ظلم و عبث نہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔ وہ جو چاہے کرے اس کے حکم پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں۔

ہمارے اصحاب نے معتزلہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ بچوں کو اور جانور کو اذیت و درد دیتا ہے اور اس نے جانور کے ذبح کرنے کو مباح کردیا ہے۔ یہ لوگ ڈر کے خاموش ہوگئے۔ بعض نے یہ کہا کہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس پر عوض وثواب دے۔

ہم لوگوں میں یہ انتہائی عبث ولغو ہے اور عبث و ظلم میں اس سے زیادہ کامل کون ہوگا جو بچے پر ظلم کرے کہ اس کے بعد اس پر احسان کرے۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ بچے کو چیچک اور امراض کی مصیبت کے بعد عوض دینا بغیر مصیبت کے راحت دینے سے زیادہ لذیذ ہے۔

اس جواب میں ان پر دو جواب لازم ہوں گے۔ اول تو ان سے یہ کہا جائے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بچوں اور حیوان کو بغیر دکھ اور درد دیے ہوئے اس نعمت کو پورا دیدے یا اس پر قادر نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ وہ قادر نہیں ہے تو انھوں نے کفر کے ساتھ جنون کو بھی جمع کرلیا اس لیے کہ یہ ضرورت عقل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ نعمت کی کوئی مقدار درد دینے کے بعد ان کو عطا کرے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ نعمت کی وہی مقدار بغیر پہلے درد دینے کے بھی عطا کردے۔ عقل میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ نہ تو یہاں قدرت کا کوئی زائد مرتبہ ہے اور نہ دو مختلف فعل ہیں۔ بلکہ دونوں صورتوں میں ایک ہی شے کی اور ایک ہی عطا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ وہ اس پر قادر ہے (کہ بغیر درد دیئے نعمت عطا فرمادے) تو ان کے اصول کی بنا پر عبث لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ چیز جو ان کو انتہائی آزار و درد پہنچانے کے بعد اس نے دی وہ انھیں بغیر درد والم کے دیدیتا۔

جواب ثانی یہ ہے کہ ہم معتزلہ کو ایسے بچے اور حیوان دکھائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر درد والم کے اچھی حالت میں موت دی۔ یہ محاباۃ

(ترجیح وتخصیص) ہے اور ان میں سے جس کو درد والم میں مبتلا کیا گیا اس کے لیے ظلم ہے۔

معتزلہ نے کہا کہ جس کو درد میں مبتلا کیا گیا اس کی نعمت میں درد میں مبتلا کرنے کی وجہ سے اضافہ ہوا۔ ہم نے ان سے کہا کہ یہ تو مبتلائے درد کے بذریعہ اضافہ نعمت محاباۃ ہے۔ تو اس نے سب کو کیوں نہ مبتلائے درد کیا کہ سب کی نعمت میں اور سب میں مساوات رکھتا یا اس طرح ان سب میں اور سب کی نعمت میں مساوات رکھتا کہ اس میں سے کسی کو بھی مبتلائے درد نہ کرتا۔ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ناممکن ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ یہ اس نے اس لیے کیا کہ اس کے ذریعے سے دوسروں کو نصیحت کرے۔

ہم لوگوں میں یہ انتہائی ستم ہے اور اس سے بڑھ کر عبث ولغو نہ ہوگا کہ کسی انسان پر جس کا کوئی گناہ نہیں اس لیے عذاب کیا جائے تا کہ اس کے ذریعے سے دوسرے گناہگار اور بیگناہوں کو عبرت ہو۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے **"لا تکسب کل نفس الا علیھا ولا تزر وازرۃ و زر اخری "** (جو شخص جو کچھ کرے گا اس کا بار اسی پر ہوگا اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا) اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس ظلم کی قطعاً نفی ہوگئی۔ حالانکہ انکے اصول فاسدہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا سرکشوں پر عذاب کرنا اور باغیوں کو مبتلائے درد کرنا کہ اس کے ذریعے سے غیروں کو عبرت ہو بہ نسبت اس کے زیادہ عدل وحکمت میں داخل ہوتا کہ کسی بیگناہ بچے یا حیوان کو دکھ دیا جائے کہ اس کے ذریعے سے دوسروں کو عبرت ہو۔ بلکہ شاید یہی وجہ بہت لوگوں کے کفر کا سبب بن گئی (یعنی بچوں اور حیوان کی تکلیف)۔

بعض معتزلہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کیساتھ یہ اس لیے کیا کہ ان کے والدین کو اجر دے۔

یہ بھی ظلم میں مثل ماقبل کے ہے اور بالکل اسی کے مساوی ہے کہ کسی بیگناہ کو اس لیے ایذاء دیجائے کہ اس کے ذریعے سے گناہگار یا بیگناہ کو اجر وثواب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔ اس کے علاوہ۔ اس میں یہ اور زیادہ ہے کہ تناقض بھی ہے اس لیے کہ یہ علت ان اولاد کفار و اولاد زنا میں ان کے خلاف ٹوٹ جاتی ہے جن کی ماں مرجائے اور ان یتامی میں جو اپنے والدین سے جدا ہو جائیں۔ اکثر بچے وہ ہوتے ہیں جن کے ماں باپ کو کفار یا فساق قتل کر دیتے ہیں اور وہ مقام ہلاکت میں رہ جاتا ہے یہاں تک کہ مفت مرجاتا ہے یا اسے درندے کھا جاتے ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس بچے سے کس کو نصیحت کی گئی یا اس کی وجہ سے کس کو اجر دیا گیا۔ باوجود اس کے یہ ان امور میں سے ہے جس کو ہمارے یہاں وہ لوگ کسی طور پر بھی حسن نہیں پاتے۔ یعنی ہم کسی بیگناہ انسان کو اس لیے آزار پہنچائیں کہ اس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فعل کیا لہذا احسن وحکمت ہوگیا۔ بعض نے تو اس قول کی پناہ لی کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا حکمت وعدل کا راز ہے جس کو یقین کیا جائے گا اگر چہ ہم یہ نہ جانیں کہ وہ کیوں ہے اور کس طرح ہے۔

وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے ہیں اس لیے ان کا معاملہ اللہ کی مدد کے قریب آ گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انھیں اس کی تصدیق بھی لازم ہے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر مستطیع کو تکلیف دینے میں پھر اس پر عذاب کرنے میں حکمت کا کوئی راز ہے جس کو یقین کیا جائے گا حالانکہ ہم اسے نہیں جانتے۔

مگر ہم لوگ اس کے قائل نہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ قطعاً کوئی راز نہیں۔ بلکہ یہ سب جیسا کہ ہے اللہ تعالیٰ سے عدل ہے نہ کسی اور سے **"وللہ الحجۃ البالغۃ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون "** (اور اللہ کے لیے حجت ہے جو سب پر نافذ ہے۔ اس سے اس کے

فعل کی باز پرس نہیں ہوسکتی۔ اور سب سے باز پرس کی جائے گی)۔

ان میں سے دو گروہوں نے دو امور کی پناہ لی۔ ایک تو بکر بن اخت عبدالواحد بن زید کا قول ہے کہا اس نے کہا کہ بچوں کو ہرگز دکھ درد محسوس نہیں ہوتا۔

ہمیں معلوم نہیں شاید یہی بات حیوان کے بارے میں بھی کہتا ہو۔

یہ تو انتہائی عجز کے ساتھ لاجواب ہونا۔ بری طرح باطل میں غوطہ کھانا اور حس و مشاہدہ کا انکار ہے۔ حالانکہ ہم میں سے ہر شخص بچہ رہ چکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ہم لوگ اتنا سخت درد محسوس کیا کرتے تھے جس کے اوپر ہمیں صبر کی بھی طاقت نہ تھی۔

دوسرا قول احمد بن حافظ البصری و فضل حربی کا ہے۔ یہ دونوں نظام کے شاگرد ہیں ان دونوں نے کہا کہ بچوں کی اور حیوان کی ارواح گناہگاروں کے اجسام میں ہیں۔ لہذا انھیں اس طرح سزا دی گئی کہ انھیں بچوں اور حیوان کے اجسام میں مرکب کر دیا گیا کہ انھیں بطور سزا کے درد میں مبتلا کیا جائے۔

جو حق کے ماننے سے یا اپنے لاجواب ہونے کے اقرار سے کفر و خروج اسلام کی طرف بھاگے تو وہ ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ ہم تو نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس حالت تک پہنچ جائے۔ لیکن جب اس نے کفر کو ترجیح دی تو وہ اللہ کی لعنت اور اس کی دوزخ کی گرمی کے حوالے ہے۔ اور ہم بے توفیقی و خذلان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہمارا کلام تو صرف اس شخص کے ساتھ ہے جو مخالفت اسلام سے ڈرتا ہے۔ لیکن اہل کفر سے تو **الحمدللہ** ہم ان کے اقوال کا مکمل ابطال کر چکے ہیں اور **الحمد للہ** ہم اپنی اسی کتاب کے شروع میں اہل تناسخ کے قول کو باطل کر چکے ہیں۔ جس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ جب ہمارا مخالف جس کی مخالفت یا مفارقت اسلام تک پہنچ گیا تو وہ لاجواب ہو گیا اور اس کا قول باطل ظاہر ہو گیا **وللہ تعالیٰ الحمد**۔

اگر یہ لوگ معمر و جاحظ کے قول کا سہارا لیں اور کہیں کہ بچوں کے مصائب و آلام فعل طبیعت ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کا فعل تو اس سے بھی لاجواب ہونے سے نہ بچیں گے۔

ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس طبیعت کے معارضہ و مقابلے پر قادر ہے جو چیچک سے اور آکلہ سے اور خنازیر سے جو اسے ہلاک کرنے والا ہے اور سنگ مثانہ سے اور پیشاب یا پاخانہ بند ہو جانے سے یا دست آنے سے اس بچے کے گوشت کو کھا لے۔ یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اور سنگدل دشمن بھی اس پر رحم کرتا ہے اور اس کی اس عظیم الشان تڑپ اور دردوں کو دیکھ کر باز آ جاتا ہے۔ اس قوت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس غریب بچے سے جس پر عذاب کیا گیا تھا اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔

یا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اس پر قادر نہیں ہے تو پھر دنیا میں اس سے زیادہ عاجز کون ہوگا جس پر وہ طبیعت بھی غالب آ جائے جس کو اس نے پیدا کیا اور اسے اس شخص کے اندر جس میں وہ ہے رکھا اور عادت و خصلت بنایا۔ حالانکہ اس (طبیعت) پر کبھی کبھی وہ کمزور طبیب جس کو اس نے پیدا کیا ایک معمولی اور کمزور جڑی بوٹی سے جس کو اس نے پیدا کیا غالب آ جاتا ہے۔ تو کیا اس قول سے بڑھ کر بھی کوئی جنون و کفر ہوگا کہ جس نے طبیعت کو پیدا کیا ہو اور اسے صاحب طبیعت کے اندر رکھا ہو پھر وہی اس طبیعت کے اس عمل کو روکنے پر قادر نہ ہو جو خود اسی نے اس (طبیعت) کے اندر رکھا ہو۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ قادر ہے کہ طبیعت کو بدل دے اور اسے عمل سے روک دے مگر اس نے نہیں کیا۔ تو یہ کہنے والا خود اسی میں چلا گیا جس سے اس نے انکار کیا تھا۔ اس نے اپنے اصول فاسدہ کے مطابق اپنے رب کے عبث وظلم کا اقرار کرلیا حالانکہ ہم ضرور جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بچے کو آگ یا پانی میں دیکھے اور وہ بغیر کسی دشواری کے اسکے بچانے پر قادر ہوا اور نہ بچائے تو وہ عابث (بیہودہ حرکت والا اور ظالم ہے لیکن اللہ تعالیٰ یہ کرتا ہے) حالانکہ وہ حکمت والا اور اپنے حکم میں عدل کرنے والا ہے نہ کہ عابث وظالم۔ یہ وہی بات ہوگئی جس کو ان لوگوں نے گراں جانا تھا کہ وہ کفار کی ہدایت پر قادر ہو اور نہ کرے۔

بعض معتزلہ نے اس قول کی پناہ لی کہ اگر وہ بچہ زندہ رہتا تو ضرور سرکش و نافرمان ہوتا۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم نے تم سے ابھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جو بچہ ہی مر گیا ہم نے تو تم سے قبل بلوغ اس کے ایذا رسانی کے متعلق دریافت کیا ہے۔

ہم انھیں ان کے اس قول کا جواب دیتے ہیں جو انھوں نے مرنے والے بچوں کے متعلق کہا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو سرکش و نافرمان ہوتا۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ یہ تو نہایت سخت ظلم ہے کہ وہ اس پر ایسے فعل پر عذاب کرے جو بچے نے اب تک نہیں کیا۔

ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حیوانات کا ذبح کرنا واجب کردیا ہے۔ پھر ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ تو کہ اس جانور نے کیا گناہ کیا تھا جس کا ذبح کرنا کھال کھینچنا آگ میں پکانا اور کھانا مباح کردیا گیا۔ اس جانور کا کونسا گناہ تھا جس میں یہ تمام امور حرام کردیے گئے یہاں تک کہ وہ اس عوض سے محروم ہوگیا جس کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ اس جانور کا کونسا حق تھا جس کی ایذا رسانی حرام کردی گئی۔

ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانور کے بچوں کے ذبح کرے کو مباح کردیا ہے باوجود اس کے کہ وہ ان کی ماؤں کے لیے رنج کی آواز اور انتہائی غم پیدا کردیتا ہے۔ مثلاً اونٹ اور گائے۔

اس میں کونسا فرق ہے کہ ہم اپنی مصالح کے لیے یا اس لیے ذبح کریں کہ اسے عوض ملے اور اس میں جو ہمارے بچوں کا اور ہمارے دشمنوں کے بچوں کا ذبح کرنا ہمارے مصالح کے لیے یا اس لیے کہ انھیں عوض دیا جائے حرام کردیا گیا ہے اگر انھوں نے اپنا یہ دعویٰ وسیع کردیا جو انھوں نے اپنے رب کی مصلحت کے بارے میں کیا ہے کہ جس کسی کی دوسرے کے قتل کرنے میں کوئی مصلحت ہو تو اسے اس کا قتل کرنا جائز ہے۔ تو اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ سوائے وہاں کے جائز نہیں جہاں اللہ ہی نے جائز کردیا ہے تو انھوں نے اپنا قول ترک کردیا اور حق کی موافقت کرلی۔

ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی قوم کا قتل حرام کردیا ہے جو اس کے لیے بیوی اور بیٹا بناتے ہیں اور یہود و مجوس کا جبکہ یہ لوگ ہمیں سالانہ ایک دینار یا چار دینار دیا کریں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فاصل مسلم کا قتل مباح کردیا ہے جس نے توبہ بھی کرلی اور عمل صالح بھی کرنے لگا اس زنا کی وجہ سے جو اس نے شادی شدہ ہونے کی حالت میں کیا تھا۔ ہمارے لیے ان مشرکین عرب کا باقی رکھنا مباح نہیں کیا جو بت پرستی کرتے ہوں سوائے اس کے کہ وہ اسلام ہی لے آئیں۔ تو پھر ان کفار عرب میں اور ان کفار میں کونسا فرق ہے جن کا باقی رکھنا ہم پر اس سونے کی وجہ سے فرض کردیا گیا ہے جو ہم سالانہ ان سے لیا کریں گے۔

معتزلہ نے ہم سے دریافت کیا کہ آیا اللہ تعالیٰ کے افعال میں عبث وضلال ونقص ومذموم ہے۔ بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کسی عبث کا ہونا جس سے اسے موصوف کیا جائے یا عیب جس کی اضافت اس کی طرف ہو یا ضلال جس سے اسے موصوف

کیا جائے یا نقص جسے اس کی طرف منسوب کیا جائے یا اس کا جور و ظلم تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال عدل و حکمت و خیر وصواب اور کل کے کل اس سے حسن و محمود ہیں۔ ان افعال میں عیب اس شخص کا ہے جس سے یہ فعل ظاہر ہوا اور عبث و ضلال و ظلم و مذموم بھی اسی شخص سے ہے۔

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ کے افعال میں نادانی و جنون و حماقت و فضائح (یعنی موجب رسوائی امور) ومصائب و قبح اور تاریکیاں۔ اور میل کچیل۔ اور بدبوئیں۔ اور نجس اور آنکھوں کی ناگواری اور روسیاہی ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان کی تکذیب کردی ہے "**ما اصاب من مصيبة فی الارض ولا فی انفسكم الا فی كتاب من قبل ان نبراها**" (روئے زمین میں اور تمھاری جانوں میں جو مصیبت بھی آتی ہے وہ قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے)۔ انبیاء و فرعون و ابلیس کی موت اور یہ سب مخلوق ہیں۔ اگر معتزلہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی شے اللہ تعالیٰ کی طرف مذموم طریقے سے منسوب نہیں کی جائے گی بلکہ بطریقہ محمود منسوب کی جائے گی۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے جو سوال ہم سے کیا ہے اس میں ہمارا یہی جواب ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ آیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے افعال وقضا (احکام) پر راضی ہو تو ہم کہیں گے ہاں۔ ان معنی میں ہم اس کے فعل وقضا کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے فعل وقضا پر رضا ہی ہے اگر ہم اس چیز کو مکروہ و ناپسند و ناگوار سمجھیں جس نے اسے ہمیں مکروہ بتایا۔ فرمایا ہے "**وكرّه اليكم الكفر و الفسو ق والعصيان**" (وہ اس نے تمھیں کفر و نافرمانی و گناہگاری سے متنفر کردیا)۔

ہم بالکل یہی سوال معتزلہ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیا تم لوگ اللہ کے فعل وقضا پر راضی ہو۔ اگر وہ ہاں کہیں تو انھیں لازم آئے گا کہ وہ لوگ انبیاء کے قتل پر اور شرابوں پر اور بتوں پر اور لاٹری کے تیروں پر اور ابلیس پر راضی ہوں انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ جو لوگ دوزخ میں ہمیشہ رکھے جائیں گے ان کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے پر بھی راضی ہوں۔ اور اس میں جو کچھ ہے وہ ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ہمارے بعض اصحاب نے بعض معتزلہ سے سوال کیا کہ جبکہ تمھارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے کہ کفار ایمان نہ لائیں گے اور وہ انھیں دوزخ کے طبقوں میں ہمیشہ کے لیے رکھ کر ان پر عذاب کرے گا انھیں محض اس لیے پیدا کیا کہ ان کے ذریعے سے ملائکہ وحور عین کو نصیحت کرے تو یہ مقصد تو ان میں سے صرف ایک کافر کے پیدا کرنے سے بھی پورا ہو سکتا تھا۔ معتزلہ نے یہ جواب دیا کہ وہ مومنین جو جنت میں داخل ہوں گے اور ملائکہ وحور عین اور وہ تمام لوگ جن پر عذاب نہ ہوگا اور بچے وہ سب کفار سے زیادہ اور بیحد زیادہ ہوں گے۔

اس جواب سے وہ سائل کے الزام سے عہدہ برآ نہ ہوا۔ اس لیے کہ نصیحت و موعظت تو اس ایک کے پیدا کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔ اگر ہماری حکمت میں ایسے شخص کے پیدا کرنے سے جس پر عذاب کیا جائے۔ کہ اس سے دوسرے کو نصیحت ہو کوئی وجہ ہے (تو وہ ایک سے پوری ہو سکتی ہے) اگر وہ ملائکہ کا ذکر نہ کرتا تو یہ اس کے گمان کو مانع ہوتا کہ جنت میں جانے والے انسانوں کی تعداد دوزخ میں جانے والوں سے زائد ہے۔ اس لیے کہ معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**فابی اکثر الناس الا کفورا**" (مگر اکثر لوگوں نے کفر کے سوا کچھ نہ مانا)۔ اور فرمایا ہے "**وما اکثر الناس ولو حرصت بمو منین**" (اور اکثر لوگ خواہ آپ کتنا ہی چاہیں مومن نہ ہوں گے)۔ اور فرمایا ہے "**وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله**" (اور اگر آپ زمین کے اکثر لوگوں کی پیروی کریں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے)۔ اور مرمایا ہے "**الا الذین عملوا الصلحت وقلیل ماهم**" (مگر وہ لوگ جنھوں نے

نیک کام کئے اور وہ بہت کم ہیں)۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ انھوں نے اپنی یا ہماری کونسی حکمت میں یا کونسے عدل میں پایا کہ ان جہلا کے اصول کے مطابق ایسے لوگ پیدا کیے جائیں جن کی اکثریت ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

لیکن ہم لوگ تو اگر وہ تمام اہل آسمان اور تمام زمین کے باشندوں پر بھی عذاب کرے تو یہ بھی اس کا عدل وحکمت وحق ہوگا کہ اگر وہ دوزخ کو نہ پیدا کرتا اور اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کرتا تب بھی یہ اس سے حق و عدل وحکمت ہوتا۔ عدل وحکمت وحق تو وہی ہے جو وہ کرے اور جس کے کرنے کا حکم دے۔

معتزلہ کی ایک قوم نے اس قول کی پناہ لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ کون کفر کرے گا اور کون ایمان لائے گا ان لوگوں نے یہ مان لیا ہے کہ اگر وہ اسے جانتا جو کافر مرے گا تو اس شخص کو اس کا پیدا کرنا ظلم و جور ہوتا۔

اس کے باوجود بھی کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو جاہل بنا کر بہت بڑے کفر کا ارتکاب کیا انھوں نے اس الزام سے نجات نہ پائی جو ہمارے اصحاب نے انھیں دیا تھا اس لیے کہ ایسے شخص کو پیدا کرنا حکمت نہیں ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ آیا وہ کافر مرے گا اور اس پر عذاب کیا جائے گا یا نہیں۔ یہ ان لوگوں کو فریب دینا ہے جن کو پیدا کیا گیا اور جہالت کی بنا پر انھیں ہلاکت کے لیے پیش کرنا ہے۔ یہ امر ہمارے یہاں اس شخص کے لیے نہ عدل ہے نہ حکمت جسے یہ ممکن ہو کہ وہ فریب نہ دے۔ باری تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ پیدا ہی نہ کرے جیسا کہ وہ ازل سے پیدا نہیں کر رہا تھا پھر اس نے پیدا کیا۔ سوائے اس کے کہ اس کی پناہ لی جائے کہ باری تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ نہ پیدا کرے تو انھوں نے اسے مضطر و صاحب طبیعت غالبہ بنا دیا۔ یہ خالص و محض کفر ہے۔ و نعوذ باللہ من الخذلان۔

جب معتزلہ نے یہ مان لیا کہ تمام نبی آدم کے بچے مشرکین و مسلمین کے بچے بغیر کسی عذاب کے اور بغیر کسی تکلیف کے مقرر کرنے کے جنت میں ہوں گے تو وہ اپنے اس قول فاسد کو بھول گئے کہ عقل افضل ہے عدم عقل سے بلکہ ہم تو ان کے قول کے برعکس سلامت اور اس کا باقی رہنا اور آخرت میں بغیر تکلیف کے مقرر ہوئے دائمی نعمت کا حاصل ہونا عدم عقل ہی میں دیکھتے ہیں۔ پھر انھوں نے اس استدلال کو کیسے ترک کر دیا۔

ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سعادت مند بنایا۔ انھیں کسی فتنے کے لیے پیش نہیں کیا اور ان کی یہ حالت ان کے علاوہ تمام تمام مخلوق سے بہتر و برتر ہے۔ انکے بعد ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا اور انھیں معاصی سے (محفوظ) کر دیا۔ پھر ان مومنین جن وانس کا درجہ ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے ہی سے نیکی کا حکم تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ اور وہ حور عین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سوائے حور عین کے مذکورہ بالا حضرات پر کل زمانہ قیام دنیا میں اور روز حشر میں جن امور سے آگاہ کیا گیا ہے اس کی دہشت سے اور اس مقام حشر کی خرابی سے جس سے سوائے اللہ کی سلامت کے کوئی شے نہ بچا سکے گی، حالت خوف طاری تھی جس کی وجہ سے عیش ناخوشگوار تھا تاوقتیکہ اس (حشر) سے رہائی نہ ہو جائے۔ بکثرت صالحین عقلا و فضلا نے یہ تمنا کی ہے کہ اگر وہ دنیا ہی ہیں نسیا منسیا (یعنی ختم) ہو جاتے اور ان امور کے لیے (حشر میں) پیش نہ کئے جاتے جن کے لیے پیش کیے جائیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ حضرات اس کامل ذمہ داری (عصمت) پر ایمان رکھتے ہیں جو کسی نظر سے بھی نہ بدلے گی۔ انھوں نے یہ جو کچھ کیا مناسب کیا۔ کیونکہ سلامت کے برابر کوئی چیز نہیں۔ مگر معتزلہ کے نزدیک (سلامت قدر کی چیز نہیں) جو اس کے قائل ہیں کہ ثواب و نعمت جنت کوڑے مارنے اور طرح طرح کے عذاب کی تنگیاں برداشت کرنے اور ہر مصیبت کیلئے پیش کیے

جانے کے بعد زیادہ لذیذ اور زیادہ پاکیزہ وافضل ہے اس سالم نعمت سے جو مصیبت میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی مل جائے۔

پھر ان بچوں کا درجہ ہے جو بغیر تکلیف وعذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور وہ بالغ لوگ جن کو عقل وتمیز نہیں ہے۔ پھر ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو دوزخ میں داخل ہوگے اور اس کا عذاب اٹھانے کے بعد اس سے نکالے جائیں گے۔ **نعوذ بالله منه** ۔ لیکن جو لوگ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھے جائیں گے۔ تو ہر صاحب حس سلیم اس کا دل ضروری امور کی طرح اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ کتا کیڑا اور بندر اور تمام حشرات (زمین کے سوراخوں میں رہنے والے) اس شخص سے دنیا وآخرت میں حالت میں بہتر ہیں اور مرتبے میں اعلی اور سعادت میں مکمل اور صفت میں افضل اور اللہ تعالیٰ کی عنایت میں بزرگ تر ہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا ہی کافی ہے جو فرماتا ہے ''**ویقول الکافریالیتنی کنت ترابا** '' (اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ حالت جمادیت اس کی حالت سے بہتر ہے۔ لہذا معتزلہ پر تعجب کرنا چاہیئے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت میں اس شخص کو اپنے پاس سے بہترین عطیہ عنایت فرمایا جو قیامت میں خاک ہونے کی تمنا کرے گا۔ اور اس کی قدرت میں کوئی ایسا عمل نہ چھوڑا جو اس سے زیادہ بہتر ہوتا جس پر اس نے عمل کیا۔ اللہ کا اسے پیدا کرنا اس کے لیے بہتر ہونا بہ نسبت اس کے کہ اسے پیدا نہ کرتا۔ ہم لوگ تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ وہ برتاؤ کرے جو اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا۔

معتزلہ کے عجائب میں سے ان کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی شے پیدا نہیں کی جس کا مکلفین میں سے کوئی شخص اندازہ نہ کر سکے۔

ہم انھیں جواب دیتے ہیں کہ اس پر تمھاری دلیل کیا ہے حالانکہ ہم بضرورت حس جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کے گڑھوں اور زمین کی گہرائیوں میں بہت سی ایسی چیزیں پیدا کی ہیں جنھیں انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔ سوائے اس کے کہ یہی باقی رہ گیا کہ کوئی ملائکہ اور جن کے بدلے پہاڑوں کے غاروں میں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں دعوی کرے تو یہ دعوی بھی محتاج دلیل ہے ورنہ یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين** '' (اے نبی آپ کہد تیجئے کہ اگر تم لوگ سچے ہو تو اپنی برہان ودلیل لاؤ)۔ یہ بھی انھیں امور میں سے ہے جن سے ان قائلین کا وہ دعوی جو انھیں نے علمی سے اللہ پر کیا ہے باطل ہوتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زید کو پیدا کیا اور اس کا طول اتنا اتنا تھا تو اگر وہ اسے اس طول سے ایک انگل کم پیدا کرتا تو اسکے پیدا کرنے کا اندازہ واعتبار اسی کے مساوی ہوتا جیسا کہ اب ہے۔ اور اس سے زائد نہ ہوتا۔ اسی طرح مقدارات کی ہر مقدار کا یہی حال ہے۔

اگر وہ یہ دعوی کریں کہ عدد کی زیادت عبرت واندازے کی زیادت ہے تو انھیں یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنے رب پر یہ لازم کر دیں کے وہ اپنی تمام مخلوق کی طول کی مقدار میں زیادت کر دے اس لیے کہ یہ اعتبار وانداز ے میں زیادت ہے۔ ورنہ کمی کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ تقسیم ہے جس کا حصر صرف وہی کرسکتا ہے جس نے انھیں پیدا کیا۔ اور جس میں یہ لوگ مبتلا ہوئے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

معتزلہ اسکا اقرار کرتے ہیں کہ عقول اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہیں۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا اللہ نے اپنے ان بندوں میں جن کو اس نے عقول عطا فرمائیں کوئی کمی بیشی کی یا نہیں۔ اگر ان لوگوں نے کہا کہ نہیں تو انھوں نے حس کی مخالفت کی اور اس کے ساتھ ہی انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل اور آپ کا امتیاز اور عیسی وابراہیم وموسی وایوب اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی عقل وتمیز اور مریم بنت عمران کی عقل وتمیز بلکہ جبریل ومیکائیل اور تمام ملائکہ کی تمیز پھر ابوبکر صدیق وعمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب کی تمیز

اوران کی عقول اورامہات المومنین وبنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ورضوان اللہ علیہم اجمعین کی تمیزاوران کی عقول ان کے بعد سقراط وافلاطون و ارسطاطالیس کی تمیزاوران کی عقول میں سے کوئی بھی اس عقل وتمیز سے افضل نہیں ہے جواس بدمعاش مہندی لگانے والے مخنث کواوراس زانیہ عورت کو جو بال کھولنے والی بے پردہ پھرنے والی رحمت سے دور ہونے والی ہےاور جواس بڈھے کودی گئی ہے جوسرایوں میں بچوں کے ساتھ گٹے کھیلتا ہے اور جب قابو پاتا ہےتو انھیں فریب دیدیتا ہے۔ جوشخص اس حدتک پہنچ گیا ہواوراس نے مذکورہ بالا تمام اشخاص کوعقل وتمیز میں برابر کردیا ہوتواس نے اپنے مقابل ومناظرکی مشقت کو بچادیا۔

محاباۃ :۔

اگرمعتزلہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کوعقل وتمیز عطا فرمائی ان میں باہم کمی بیشی کی توان سے کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا۔ یہی تو محاباۃ (ترجیح وتخصیص) ہےاورتمھارے اصول کے مطابق جوروستم ہے۔اوردرحقیت اس سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ ہمارے نزدیک حق اوراللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ وہ جوچاہے کرلےاس سے پوچھ گچھ نہیں ہوسکتی۔

ان لوگوں میں ایک اورعجیب بات ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کووہی دیا ہے جواس نے اپنی تمام مخلوق کودیا ہے۔ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو یہ سب کے سب اپنی قوت جدال ومناظرہ وباریک بینی ودقت نظر ہیں ابراہیم نظام وابوالھذیل علاف وبشیر بن المعتمر وجبائی کے مساوی کیوں نہ ہوئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز ان اشخاص کوعطا فرمائی اس میں سب کے سب مساوی ہیں۔ چونکہ اس مرتبے تک پہنچنے سے ان لوگوں کے عاجز رہنے میں کوئی شک نہیں تو اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ نے جسے جو عطا کیا ہےوہ شخص اس میں زیادہ کرنے پرقادرنہیں ہے۔

ان لوگوں کااس مقام پر یہ دعوی کرنا بھی قطعاً ناممکن ہے کہ یہ سب کے سب ذہن کی تیزی۔ نظرکی گہرائی۔ فہم کی قوت حفظ کی خوبی اوردقیق حجت کے قطع کرنے پرقادر ہیں۔ اگرچہ اس کاظہورنہ ہوا۔ جیسا کہ انھوں نے اعمال صالحہ کے بارے میں دعوی کیا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے محاباۃ (ترجیح وتخصیص) یقیناً وعیاناً اس طرح ثابت ہوگئی جس سے مفرکی گنجائش نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر یہ لوگ یہ اقرارکریں کہ عقول وفہم وقبول علم وتیزی ذہن وباریک فہمی اللہ تعالیٰ کا عطیہ نہیں ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ پھر انھیں کس نے پیدا کیا۔ اگروہ یہ کہیں کہ یہ سب طبیعت کافعل ہےتو ہم ان سے کہیں گےاس طبیعت کوکس نے پیدا کیا جس نے خودعقول کواور ان تمام اشیاء کوکمی بیشی کے ساتھ پیدا کیا۔ اگروہ یہ کہیں کہ اس طبیعت کواللہ تعالیٰ نے پیدا کیا توان سے کہا جائے گا کہ پھر اللہ تعالیٰ ہی محاباۃ کا موجب وباعث ہے۔ کیونکہ اس نے طبیعت کومحاباۃ کے طریقے پر ترتیب دیا۔ اگروہ یہ کہیں کہ نہ تو اللہ نے طبیعت کو پیدا کیا نہ عقول کوتو وہ دہریوں میں شامل ہوگئے اوروہاں پہنچ گئے جہاں انکوپہنچانا مقصود نہ تھا۔ یہ وہ اشکال ہےجس سے انھیں ہرگز رہائی نہیں سکتی۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم بدیہی طورپر جانتے ہیں کہ جس کی قوت تمیزی مکمل ہوگی اس کاہدایت پانا اورگناہ سے محفوظ ہونا بھی مکمل طورپر ہوگا۔ ان کے اصول پر یہی وہ محاباۃ ہے جس کاانھوں نے انکارکیا ہےاورجس کاظلم وجورنام رکھا ہے۔

معتزلہ کوکسی شے میں بھی جواب دینا اوربچیائی کرنا جب ممکن ہوگیا توانھیں اس میں ہرگزکوئی اعتراض ممکن نہیں کہ مسیح ابن مریم علیہ الصلوۃ والسلام پراوریحیی بن زکریا علیہ الصلوۃ والسلام پراللہ تعالیٰ کافضل ہے۔ کیونکہ اس نے عیسی کوگھوارے میں نبی ناطق وعاقل اوراپنی ماں

کے پیٹ سے نکلتے ہی رسول بنا دیا۔ یحیی کو بچپن ہی میں نبوت وحکومت عطا فرمائی۔ فضل بھی ایسا جو مکمل واعلی درجے کا ہے اوراس کے اس فضل سے بہت زیادہ ہے جو اسنے اس شخص پر کیا جو ممالک خرز دزنج کے انتہائی بعید حصوں میں پیدا ہوا۔ جہاں اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کبھی نہیں سنا اور جو سنا تو اس طرح کہ آپ کی بدترین تکذیب کا پیرو بن کے سنا اور وہ بھی یہی خیال کرتا رہا۔ بلا شک اس فضل سے بھی بہت زیادہ ہے جو فرعون پر تھا جبکہ موسی علیہ السلام نے اسے دعوت دی اور کہا کہ "**ربنا انک آتیت فرعون وملأ ہ زینۃو اموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلو اعن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم و اشد د علی قلو بھم فلا یو منوا حتی یروا العذاب الالیم قال قداجیبت دعو تکما**" (اے ہمارے رب تو نے فرعون کو اور اس کے گروہ کو دنیاوی زندگی میں آرائش ومال عطا کر دیا ہے اے ہمارے رب تا کہ یہ لوگ تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب ان کے مالوں کو فنا کر دے اور ان کے دلوں پر گرہ لگا دے کیونکہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ دردناک عذاب کو نہ دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے موسی وہارون) تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی)۔

جو اس کے بعد بھی بھٹکے وہ ضرور گمراہ ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وعطا جو موسیٰ وعیسیٰ ویحییٰ ومحمد صلی اللہ علیہم وسلم کے لیے تھا اور اس کا ان حضرات کو معصوم بنانا ایسا ہی تھا جیسا کہ اس کا فضل وعطا اور معصوم بنانا فرعون اور اس کے گروہ کے لیے تھا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ اس نے ان کے دلوں پر ایسی گرہ لگا دی جس نے انھیں ایمان سے روک دیا یہاں تک کہ یہ عذاب دردناک کو دیکھتے تھے اور اس وقت ان کا ایمان ان کے کام نہ آتا تھا۔

ایسا کہنے والا بیشک ضعیف العقل وقلیل العلم ہے اور اس کا یقین وایمان ڈانواں ڈول ہے۔ اس امر میں کوئی بیان اس آیت سے زیادہ واضح نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو بعض مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ بعض مخلوق کو ہدایت ورحمت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور بعض کو نہیں کیا ہے ان میں سے جسے چاہا اس کے ساتھ محاباۃ کی اور جسے چاہا گمراہ رہنے دیا۔

یہ لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کثیر مخلوق پر بنی آدم کو فضیلت دی۔ فرمایا ہے "**تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ و رفع بعضھم درجات**" (انھیں رسولوں کو ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ انھیں میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کئے) اور فرمایا "**ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض**" (اور بیشک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ اور فرمایا ہے "**ولقد کرّمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البصر والجر و رزقناھم من الطیبت و فضلنا ھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا**" (اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے انھیں خشکی وتری میں سواری دی اور ہم نے انھیں پاکیزہ رزق دیے۔ اور ہم نے انھیں اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت دی۔ اور کھلی ہوئی فضیلت دی)۔ بعینہ یہ وہی محاباۃ ہے جو معتزلہ کے نزدیک جور وظلم ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ تمھارے قاعدہ فاسدہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو عقل کیوں نہ دی کہ اسکے سبب سے انھیں بھی ان مراتب عالیہ کے لیے پیش کرتا کہ جن کے لیے اس نے بنی آدم کو پیش کیا۔ ہم میں اور حیوانات میں اس نے مساوات کیوں نہ کی کہ ہمیں بھی وہ ہم سب کو بھی ہلاکت کے مقامات وفتنہ وامتحان میں پیش نہ کرتا۔ کیا یہ خالص محاباۃ نہیں ہے اور کیا یہ اپنی خواہش کے مطابق فعل نہیں ہے کہ اس کے حکم کی کوئی گرفت کرنیوالا نہیں ہے وہ جو چاہے کرے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی۔

بعض معتزلہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی عقول میں اس چیز کے کھانے کو جوان کو نہیں دی ہے اور غیر کا مال کھانے کو قبیح

بنادیا ہے۔ حیوان کی عقول میں اس کو قبیح نہیں بنایا ہے۔

اللہ نے جو پیدا کیا وہ قبیح نہیں، ہم سے جو خطا ہوتی ہے وہ قبیح ہے :

اس جاہل نے اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی قبیح بنانے والا اور حسن بنانے والا ہے۔ چونکہ یہ اسی طرح ہے لہٰذا کوئی قبیح نہیں سوائے اس کے جسے اللہ نے قبیح کر دیا اور کوئی حسن نہیں سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا اس کا پیدا کرنا قبیح نہیں ہے۔ جو معاصی اس نے ہمارے اندر پیدا کیے ان کا ہم سے ظاہر ہونا ہی قبیح ہے **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ اور یہ مضمون اس سے بہت زیادہ واضح ہے۔

کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کو پیدا کیا پھر بعض کو بغیر کسی عمل کے بعض سے افضل کر دیا۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو تمام اونٹنیوں پر فضیلت دی۔ بلکہ ان تمام انبیاء کی اونٹنیوں پر فضیلت دی جو صالح علیہ السلام سے افضل ہیں۔ ہم اس مضمون کو اس لیے لائے ہیں کہ وہ یہ نہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی کو محض صالح علیہ السلام کی فضیلت کی وجہ سے فضیلت دی۔

اللہ تعالیٰ نے کتے کو ایسا بنایا کہ رذالت وخساست میں اس کی مثال دی جاتی ہے۔ بندر اور سور کو ایسا بنایا کہ اس نے اپنے بعض نافرمانوں کو انکی صورت میں کر کے عذاب دیا۔ اگر ان کی صورت عذاب ووبال نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی صورت میں نافرمانوں کو نہ بدلتا جو دنیا کا شدید ترین عذاب ووبال ہے۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے :

بعض حیوان کو اس طرح بنایا کہ ان کے ذبح کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب ملتا ہے۔ بعض کا ذبح کرنا حرام کر دیا۔ بعض کا ٹھکانا باغوں درختوں اور سبزہ زار کو بنایا۔ بعض کا ٹھکانا نخلستان یا کیچڑ اور دریا کے اندر کے ٹیکرے کو بنادیا۔ بعض حیوان کو قوی اور بعض کو ضعیف بنایا بعض کو وادیوں میں اس طرح بنایا کہ ان سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور بعض کو زہر قاتل بنادیا۔ بعض کو اس طرح بنایا کہ جو انھیں پکڑنا چاہے تو انھیں اڑ کر یا بھاگ کر یا تیر کر اپنے بچانے کی قوت ہے۔ بعض کو ایسا کمزور بنایا کہ وہ ایسے وقت بچ نہیں سکتے۔ بعض حیوان کو گھوڑا بنایا جن کی پیشانیوں میں خیر ہے، جن پر سوار ہو کے دشمن سے جہاد کیا جاتا ہے۔ بعض حیوان کو درندہ بنایا جو حملہ کرنیوالا۔ تمام حیوانات پر غلبہ کرنے والا سب کو ڈرانے والا۔ سب کا قاتل اور سب کا کھانے والا ہے۔ بعض حیوان کو ایسا بنایا جو ان سے بچ نہیں سکتا۔ بعض کو ایسا بنایا کہ انکی زندگی عادت کے مطابق ہوتی ہے اور انھیں موت آجاتی ہے بعض کو ایسا بنایا کہ وہ ہر حال میں کھائے جاتے ہیں۔

بعض حیوانات کا کونسا گناہ تھا کہ ان پر دوسرے حیوان کو مسلط کر دیا گیا کہ اس نے اسے کھایا اور قتل کیا اور اس کے ذبح کرنے کو مباح کر دیا گیا اور اگر نہ کھایا گیا تو اس کے قتل کو مباح کر دیا گیا ع مثلاً جوں۔ مچھر۔ کھٹل۔ چھپکلی۔ اور تمام کیڑے۔ شہد کی مکھی کے مارنے کو منع کر دیا اور راور حرمین اور حالت احرام میں شکار کرنے قتل کو حرام کر دیا اور غیر حرمین وغیر احرام میں مباح کر دیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن حیوانات کے قتل وذبح کو مباح کر دیا انھیں عوض دے گا۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اس نے اس کو ان حیوانات میں کیوں نہ مباح کیا جن کے قتل کو اس نے حرام کر دیا کہ وہ انھیں بھی عوض دیتا۔ بلاشک یہ یہی محاباۃ ہے۔ دستور کے مطابق عقل کے نزدیک یہ محض عبث بھی ہے، سوائے اس کے کہ وہ، یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ایذا رسانی سے پہلے نعمت دینے پر قادر نہیں ہے۔ تو وہ اس سے بھی ان حیوانات کی ان حیوانات پر محاباۃ سے نہیں چھوٹتے جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مباح نہیں کیا اس کے ساتھ ہی یہ اللہ تعالیٰ کا عاجز بنانا بھی ہے۔ ان سے یہ کہا جائے گا کہ وہ کیا چیز ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو اس سے عاجز کر دیا اور ان کے نعمت دینے پر قادر بنا دیا جن کو دنیا میں پہلے

ایذاء دی گئی آیا اس کے اندر کوئی طبیعت ہے۔ جو اپنی فطرت کے مطابق جاری ہے یا اس سے بالاتر کوئی اسے اس قدرت کا عطا کرنے والا ہے ان دو میں سے ایک قول ضروری ہے۔ حالانکہ یہ دونوں قول خالص کفر ہیں۔ نیز ان کا قول اللہ تعالیٰ کے ان بچوں کے نعمت دینے سے بھی باطل ہو جاتا ہے جو زندہ پیدا ہوئے اور بغیر کسی پہلی تکلیف اور عذاب کے فوراً اسی وقت مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اصول کے مطابق تمام حیوانات کے ساتھ ایسا ہی کیوں نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ ہماری غذا غیر حیوان میں رکھتا۔ نباتات اور پھلوں میں کھتا۔ جس طرح بہت لوگ دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں جو گوشت نہیں کھاتے اور یہ ان کی زندگی کے لئے کچھ بھی مضر نہیں ہوتا۔ بس اس مقام پر صرف یہی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال پر اس قسم کا حکم لگانا جائز نہیں جس طرح ہمارے افعال پر لگایا جاتا ہے اس لیے کہ ہم لوگ امر و نہی کے پابند و ماتحت ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا آمر (حاکم) ہے نہ کہ مامور و منہی۔ (نہ اسے کسی امر کا حکم دیا جا سکتا ہے نہ منع کیا جا سکتا ہے)۔ لہذا وہ جو کچھ کرے وہ عدل و حکمت و حق ہے اور ہم جو کچھ کریں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے تو وہ عدل و حق ہے اور اگر اس کے حکم کے خلاف ہے تو ظلم و جور ہے

حیوان کے بارے میں ہمارا وہی قول ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”**وما من دابّة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم مافر طنافی الکتب من شی ثم الی ربهم یحشرون**“ (روئے زمین کے تمام چلنے والے اور اپنے بازوں سے تمام اڑنے والے تمھاری ہی طرح قومیں ہیں۔ ہم نے کسی چیز کے لکھنے میں کوتاہی نہیں کی پھر یہ سب زندہ کر کے اپنے رب کے آگے کھڑے کئے جائیں گے)۔

اور فرمایا ہے ”**واذا الوحوش حشرت**“ (اور جب وحوش کو جمع کیا جائیگا)۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام وحوش۔ زمین کے تمام چلنے والے اور پرندے جس طرح اور جس غرض کے لیے اللہ چاہے گا اٹھائے جائیں گے۔ لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ ایسا کیوں ہوگا۔ اور اللہ ہر شے کا زیادہ جاننے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روز بے سینگ والی بکری کا انتقام سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور اس کا بھی کہ اس روز بس سینگ کی بکری سے انتقام لیا جائے گا۔

حیوان عذاب دوزخ سے محفوظ ہیں :

یہ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد ان دونوں بکریوں کے ساتھ کیا کرے گا۔ مگر یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اسے دوزخ کا عذاب نہ ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**لا یصلیها الا الا شقی الذی کذّب وتولی**“ (دوزخ میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا) ہم یقین کیساتھ جانتے ہیں کہ یہ صفت خاص طور پر صرف جن وانس میں ہے۔ اور ہمیں اسے کے سوا کوئی علم نہیں جو اللہ نے ہمیں بتایا۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ سوائے ملائکہ و حور و جن وانس کے تمام حیوان جو اس عالم میں ہیں وہ شریعت کے پیرو نہیں بنائے گئے ہیں۔

بہشت حیوانات کے لیے نہیں :

جنت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں سوائے مسلم نفس کے کوئی نہ داخل ہوگا اور حیوان پر سوائے ان کے جن کا ہم نے ذکر کیا ان پر مسلمین کا اسم واقع نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ مسلم وہی ہے جو دیندار اسلام ہو حیوان مذکورہ کسی شریعت کا نہیں۔

سب بچے بہشت میں :

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم کہتے ہو کہ مسلمانوں کے اور مشرکین کے بچے سب کے سب جنت میں ہوں گے تو کیا ان پر مسلمین کا اسم واقع ہوتا ہے۔ بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہاں بلا شک۔ یہ سب اللہ کے ارشاد کے مطابق مسلمین ہوں گے" **واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهور هم ذريتهم واشهد هم على انفسهم الست بربكم قالو ابلى** "(اور جبکہ آپ کے رب نے بنی آدم سے ان کی ذریات کو ظاہر کیا اور انھیں خود اپنے اوپر گواہ بنایا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں تو انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں) اور فرمایا ہے کہ "**فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله** " (اور آپ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ دین کی طرف کیجئے جو اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کے پیدا کرنے کو کوئی بدلنے والا نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**كل مولو د يولد على الفطرة وروى على الملة ،فابواه يهوّ دانه اوينصّرانه اويمجّسانه اويشر كانه**" (ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ملت پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی بنا لیتے ہیں یا مجوسی بنا لیتے ہیں یا مشرک بنا لیتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا کہ "**انى خلقت عبادى حنفاء كلهم فاحتالتهم الشياطين عن دينهم** " (میں نے اپنے بندوں کو سب کو کفر سے یکسو پیدا کیا پھر شیاطین نے انھیں انکے دین سے برگشتہ کر دیا)۔ لہٰذا ان سب کے لیے اسم اسلام ثابت ہو گیا۔ **والحمدلله رب العلمين۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ نے مشرکین وغیرہ ک بچوں کو جنت میں ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔

مجنون اور وہ لوگ جو زمانہ قبل نبوت میں مر گئے۔ انھیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ جن کو اسلام کا زمانہ ملا اور وہ انتہائی بوڑھے اور بہرے ہو چکے تھے جو سن نہ سکے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ان لوگوں کے لیے ایک روشن آگ بھیجی جائے گی اور انھیں اس میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ آگ اس پر سرد ہو جائے گی اور وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یا آپ نے کوئی ایسا کلام فرمایا جس کے یہ معنی ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسکا اقرار کرتے ہیں۔ ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بتایا۔

خلقت جسم ونفس :

کلام اس مقام تک پہنچ گیا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اللہ سے اجر کی خواہش کر کے بیان حق کو ملا دیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تائید سے کہتے ہیں کہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریات کو نکالا۔ یہ اس پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو عہد آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اس کے لیے کہ اس زمانے میں اجسام بلا شک مٹی اور پانی تھے۔ نیز مکلف ومخاطب تو نفس (روح وجان) ہے نہ کہ جسم۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ بلا شک جس وقت اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا قیامت تک ہونے والے تمام بنی آدم کے نفوس موجود تھے اور پیدا کئے جا چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسکے بعد اس نے ہمیں فنا کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تصریح فرمائی کہ اس نے اسی زمانے میں زمین اور پانی پیدا کیا۔ ارشاد ہے "**انه جعل من الماء كل**

شیئی حی "(کہ اس نے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا) اور ارشاد ہے "**خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش** " (اس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوگیا) اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اسنے ہمیں طین یعنی گارے سے پیدا کیا۔ گارہ یہی پانی اور مٹی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اجسام کو پیدا کیا۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ہمارے اجسام کا عنصر اس وقت سے پیدا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان کا پیدا کرنا شروع کیا۔ ہماری ارواح جو ہمارے نفوس ہیں یہ اس وقت سے پیدا ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **ولقد خلقنا کم ثم صور نا کم ثم قلنا للملئکة اسجدوا لادم** "(اور بیشک ہم نے تمھیں پیدا کیا پھر ہم نے تمھاری صورت بنائی پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو)۔ لفظ "**ثم**" (یعنی پھر) اس زبان میں جس میں قرآن نازل ہوا ہے تعقیب بمہلت کا موجب ہے (یعنی جس کلمے یا جملے پر یہ داخل ہوتا ہے اس لفظ کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بعد کا جملہ یا کلمہ اس کے پہلے کے جملے یا کلمے کے بعد ہوا اور مہلت و مدت کے بعد ہوا) اللہ تعالیٰ گارے سے ہمارے اجسام کی صورت بناتا ہے جو گوشت اور خون اور ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اس طور پر اجسام کو بناتا ہے کہ مٹی اور پانی کے اعراض و صفات کو بدل دیتا ہے۔ وہ سبزی اور دانہ اور پھل بن جاتا ہے جس کی غذا بنائی جاتی ہے۔ وہ ہمارے اندر گوشت۔ ہڈی۔ پٹھا۔ کھال۔ کری۔ بال۔ بھیجا۔ گودا۔ رگ۔ مچھلی۔ چربی۔ اور دودھ بن جاتی ہے اسی طرح موت کے بعد ہمارے اجسام مٹی ہوجاتے ہیں اور اس کی آبی رطوبات اڑ جاتی ہیں۔

حیات اُولیٰ:

جان اور جسم جدا ہونے کے بعد کہ یہ موت اول ہے دونوں کا جمع کرنا یہی حیات اولیٰ ہے۔ یہ جانیں اجسام کے ساتھ جب تک اللہ چاہے گا اسی طرح اس عالم دنیا میں رہیں گی جو عالم امتحان و ابتلاء ہے۔

برزخ :

پھر ہمیں اللہ تعالیٰ بذریعہ موت ثانی جو دوبارہ جانوں کا اجسام سے جدا ہونا ہے اس برزخ کی طرف منتقل کردے گا جس میں قیامت تک ارواح مقیم رہیں گی۔ ہمارے اجسام مٹی ہوجائیں گے جیسا کہ ہم نے کہا۔

حیات ثانیہ :

پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہماری ارواح اور ہمارے ان اجسام کو جمع کردے گا کہ جو اس کے دوبارہ بنانے سے موجود ہوں گے۔ اور انھیں قبور سے اٹھا ہے گا جو وہ مقامات ہیں کہ جن میں اجزائے اجسام قرار پذیر ہیں جن کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور نہ اس کے سوا کوئی ان کو اکھٹا کرسکتا ہے۔ **لاالہ الا ھو** ۔ یہی وہ حیات ثانیہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ انس و جن کے مومنین بغیر کسی حد و نہایت کے ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ ان کے کافر بغیر کسی حد و نہایت کے دوزخ میں رہیں گے۔

فرشتے اور حور :

ملائکہ و حور عین۔ یہ سب کے سب جنت میں ہیں۔ اسی میں نور سے پیدا کیے گئے اور اسی میں ہمیشہ بغیر کسی حد و نہایت کے رہیں گے۔ نہ اس سے کبھی منتقل ہوئے اور نہ ہوں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کلام کی نص ہے جو فرماتا ہے "**کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا**

فاحیا کم ثم یمیتکم ثم یحییکم "(تم لوگ اللہ کے ساتھ کیونکر کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پھر اس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں موت دے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا)۔ وہ کہنے والوں کی تصدیق کے طور پر فرماتا ہے" **ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین** " (اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ کیا) اس سے کوئی نہیں چھوٹتا سوائے اس کے جس کو اللہ نے کسی معجزے کی وجہ سے جو اس کے معجزے کے طور پر زندہ کر دیا ہو۔ جیسے مسیح علیہ السلام کے لیے وہ لوگ جو موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ مر جاؤ (اور وہ مر گئے) پھر انھیں زندہ کر دیا۔ یہ لوگ اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے سو برس تک مردہ رکھا پھر اسے زندہ کر دیا (یعنی حضرت عزیز علیہ السلام تو یہ سب تین موتوں سے مرے اور تین بار زندہ ہوئے۔

صاعقۃ الموت:

جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بیہوشی جو قیامت کے روز ہو گی موت ہے تو اس نے قرآن کے اس حصے میں غلطی کی جو ہم نے بیان کیا اس لیے کہ اس وقت ہر شخص کے لیے تین موتیں اور تین احیاء ہو جائیں گے اور یہ کذب و باطل اور خلاف قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تصریحا بیان کیا ہے۔ فرمایا ہے" **یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ** " (اور جس روز صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں پریشان ہو جائیں گے سوائے ان کے کہ جنھیں اللہ چاہے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ یہ بیہوشی محض فزع و پریشانی ہے نہ کہ موت۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں سورۂ زمر میں بیان فرمایا ہے۔

"**و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذاھم قیام ینظرون ۔ و اشرقت الارض بنور ربھا و وضع الکتاب و جئی بالنبیین و الشھداء** " (اور صور پھونکا جائے گا پھر زمین و آسمان کے سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے سوائے انکے کہ جنھیں اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یہ سب لوگ یکا یک کھڑے ہو کر دیکھتے ہوں گے۔ اور تمام زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ اور کتاب رکھی جائے گی اور انبیاء کو اور گواہوں کو لایا جائے گا) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ یہ بیہوشی جس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جنھیں اللہ چاہے گا اور اسکی تفسیر اس آیت سے کر دی جو ہم سے پہلے بیان کی۔ اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہ فزع و پریشانی ہوگی نہ کہ موت۔

نبی علیہ السلام نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح فرمائی ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اٹھیں گے اور دیکھیں گے وہ موسیٰ علیہ السلام ہوں گے جو کھڑے ہوں گے۔ مگر انھیں۔ یہ خبر نہ ہوگی کہ آیا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بیہوش ہو گئے ہو گئے پھر انھیں افاقہ ہوا یا انھیں طور کی بیہوشی کی جزا دی گئی۔ آنحضرت نے اس کا نام افاقہ رکھا۔ اگر یہ موت ہوتی تو آپ اسے افاقہ نہ فرماتے بلکہ احیاء فرماتے۔ اسی طرح طور کے روز کی موسیٰ علیہ السلام کی بیہوشی بھی پریشانی تھی موت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **و خر موسی صعقا فلما افاق قال سبحانک تبت الیک** " (اور موسیٰ بیہوش ہو کے گر پڑے پھر جب انھیں افاقہ ہوا تو کہا کہ تو پاک ہے میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں)۔

یہ وہ آیت ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

سات دور:

مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہو گیا کہ سات [illegible] (ساتوں دور) عالم ہیں جن میں سے ہر عالم قائم بالذات ہے۔

سب سے پہلا دور دارالابتداء اوراس کا عالم ہے۔ یہ وہ عالم ہے جس میں پروردگار عالم نے تمام ارواح کو ایک ہی مرتبے میں پیدا کردیا اوران سے (اپنی بندگی کا) عہدلیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ ارواح تھیں۔ ''**واشهد هم على انفسهم الست بربكم**'' (اورانھیں اپنی ارواح ونفوس پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں) یہ ایک ہی دار مقام ہے اس لیے کہ اس مقام میں سب کے سب مسلمین ہیں۔ یہ دار سب سے آخری روح کے لیے تو بیحد طویل ہے مگر جو پہلے مخلوقین ہیں ان کے لیے بیحد مختصر ہے۔

دورثانی :

دارالابتلاء (مقام امتحان) اوراس کا عالم ہے۔ یہ وہ عالم ہے جس میں ہم لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ عالم ابتداء سے اسی عالم کی طرف ارواح کو بھیجتا ہے۔ وہ اپنے اجسام واجساد میں قیام کرتی ہیں اور جب تک مقیم رہتی ہیں بندگی کی پابند رہتی ہیں یہاں تک کہ آگے پیچھے ایک ایک گروہ اس عالم کو چھوڑتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام ارواح مخلوقہ اس عالم میں اپنی اس سکونت کو پورا کرلیتی ہیں جو ان کے لیے مناسب قراردی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ عالم بھی ختم ہوجاتا ہے اور ہرروح کی ذات کے اعتبار سے یہ عالم نہایت مختصر ہے اس لیے کہ اس میں انسان کی مدت عمر قلیل ہے۔ اگرچہ اسے ہزار برس کی عمر بھی ملے چہ جائیکہ عام انسانوں کی وہ عمریں جو ایک ساعت سے سوسال کی حدود تک ہوتی ہیں۔

اس کے بعد برزخ کے دو دور یا عالم ہیں۔ یہ دونوں وہ ہیں کہ اروح کے اس عالم سے نکلنے اوران کے اجسام سے جدا ہونے کے وقت ارواح انھیں دونوں عالموں کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ یہ دونوں عالم (برزخ) آسمان دنیا کے پاس ہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ شب معراج میں آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا میں دیکھا۔ ان کے داہنی جانب کچھ گروہ تھے اور بائیں جانب کچھ گروہ تھے۔ دریافت کیا تو آدم علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ان کی اولاد کی ارواح ہیں جو لوگ داہنی جانب ہیں وہ اہل سعادت کی ارواح ہیں او جو لوگ ان کی بائیں جانب ہیں وہ اہل شقاوت کی ارواح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر تصریح فرمائی ہے ''**وكنتم ازواجا ثلثة فاصحاب الميمنة مااصحاب الميمنة واصحاب المشأمة مااصحاب المشأمة والسابقون اولئك المقربون فى جنت النعيم ثلة من الاولين وقليل من الاخرين**'' (اور تمھاری تین قسمیں ہوجائیں گی۔ چنانچہ جو داہنی جانب والے ہوں گے تو داہنی جانب والے کیسے اچھے ہوں گے اور جو بائیں جانب والے ہوں گے تو بائیں جانب والے کیسے برے ہوں گے اور اور جو سبقت کرنیوالے اور اعلیٰ درجے والے ہیں وہ تو سبقت کرنے والے ہیں ہی۔ اور یہ خاص مقرب لوگ ہیں جو جنت کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔) اور فرمایا ہے ''**فاما ان كان من المقربين فروح وريحان وجنة نعيم و اما ان كان من اصحاب اليمين فسلام لك من اصحاب اليمين واما ان كان من المكذبين الضالين فنزل من حميم وتصلية حجيم ان هذا لهوا لحق اليقين**'' (پھر جو مقربین میں سے ہوگا تو اس کے لیے تو راحت اور غذائیں جنت کا آرام ہے۔ اور جو شخص داہنی جانب والوں میں سے ہوگا تو تیرے لیے امن وسلام ہے تو داہنی جانب والوں میں ہے۔ لیکن جو گمراہوں اور تکذیب کرنے والوں میں سے ہوگا تو کھولتے پانی سے اس کی ضیافت ہوگی اوراس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ بیشک یہ یقینی وتحقیقی ہے) اور فرمایا ہے ''**ثم كان من الذين آمنوا وتوا صوابا لصبر وتوا صوابا لمرحمة اولئك اصحاب الميمنة والذين كفروا باياتنا هم اصحاب المشأمة عليهم نار مؤصدة**'' (پھر وہ شخص اہل ایمان میں سے ہوگیا اور انھوں نے باہم صبر واستقلال کی فہمائش کی اور باہم رحم کی فرمائش کی۔ یہی لوگ داہنی جانب والے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی

تکذیب کی یہ لوگ بائیں جانب والے ہیں جن پر وہ آگ ہوگی جو ان کا محاصر کیے ہوئے ہوگی)۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ ارواح شہداء جنت میں ہیں۔ اور اسی طرح بلا شک انبیاء بھی۔ کیونکہ یہ باطل ہے کہ شہداء تو کسی فضل میں کامیاب ہوں اور انبیاء اس سے محروم رہیں۔ حالانکہ یہی وہ مقربین ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " **فاما ان کا ن من المقربین فروح وریحان وجنة نعیم** "(لیکن جو مقربین میں ہوں گے تو ان کے لیے راحت وغذا اور آرام کی جنت ہے)۔ یہ دونوں دار (مقام وعالم) قائم ہیں جن میں بنص قرآن وحدیث اب تک انکے اہل داخل نہیں ہوئے نہ جنت میں نہ دوزخ میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"**النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا** " (صبح وشام یہ لوگ دوزخ پر پیش کئے جائیں گے)و **یوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب** " (اور جس روز قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں داخل کرو) اللہ تعالیٰ نے کفار کے قول کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ قیامت میں کہیں گے کہ "**یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا** "(ہائے ہماری خرابی ہے۔ ہمیں کس نے ہمارے مرقد سے اٹھادیا)۔ لہذا ثابت ہوا کہ ان لوگوں کو ابتک عذاب دوزخ نہ ہوا ہوگا۔

اسی طرح تمام احادیث ہیں کہ سب لوگ سوائے انبیاء وشہدا کے قیامت کے روز جنت ودوزخ میں جائیں گے نہ کہ اس کے قبل۔ اور انبیاء وشہدا کے حساب میں حاضر ہونے کے لئے نکلنے سے انکار نہیں کیا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہوئے پھر اس سے نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ولقد راہ نزلة اخری عند سدرة المنتھی عندھا جنة الماوی** "(آپ نے جبریل کو دوبارہ سدرة المنتھی کے پاس دیکھا ہے جس کے پاس جنة الماوی ہے) یہ دونوں دار بھی پہلی ارواح کے لیے بیحد طویل ہیں۔ سوائے آخری مخلوق کے۔ کہ ان پر بہت ہی مختصر ہیں کفار نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا محض اس لیے ان دونوں کو مختصر کہا کہ یہ لوگ اسی عالم سے عذاب دوزخ کی طرف منتقل کئے جائیں گے۔ **نعوذ باللہ منھا** ۔ وہ اس مدت کو قلیل سمجھیں گے اگرچہ وہ طویل ہوگی۔ یہاں تک کہ بعض کفار جس سختی میں جائیں گے اس کی وجہ سے اس مدت کو ایک دن یا ایک دن سے بھی کم گمان کریں گے۔ بعض تو کہیں گے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے۔

پچاس ہزار برس کا دن :

اس کے بعد دار پنجم ہے۔ یہ عالم حشر ہے۔ یہی قیامت کا روز ہے اور یہی عالم حساب ہے۔ اس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے" **فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة فاصبر صبر اجمیلا انھم یر ونہ بعیدا ونراہ قریبا یوم تکون السماء کالمھل وتکون الجبال کالعھن. ولا یسئل حمیم حمیما . یبصر و نھم یود المجرم. لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیة** " (یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ بس آپ خوبی کے ساتھ صبر کیجئے۔ یہ لوگ اس دن کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب سمجھتے ہیں۔ جس روز آسمان مثل راکھ کے ہوجائے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین روئی کی طرح ہوجائیں گے اور کوئی دوست دوسرے دوست کو نہ پوچھے گا۔ دوست کو دوست دکھا بھی دیے جائیں گے (اس پر بھی ایک دوسرے کو نہ پوچھے گا)۔ اگر اس روز کے عذاب کے بدلے وہ اپنے بیٹوں وغیرہ کو فدیہ میں دے تب بھی عذاب سے نہ چھوٹے گا) لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ (پچاس ہزار برس والا دن) قیامت کا دن ہوگا۔ اسی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث آئی ہیں۔

ہزار برس کا دن :۔

لیکن وہ دن جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک دن ایک ہزار برس کا ہے تو یہ دوسرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **یدبر الا مر من السماء الی الار ض ثم یعر ج الیه فی یوم کان مقداره الف سنة مماتعدو ن** " (وہ آسمان سے زمین تک معاملات کی تدبیر کرتا ہے پھر اس روز آسمان کی طرف متوجہ ہوگا جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوگی)۔ اور فرمایا ہے" **وان یو ماعـنـدربک کا لف سنة مما تعدو ن** " (اور آپ کے رب کے یہاں کا ایک روز تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے) نص قرآن کے مطابق یہ دوسرے ایام ہیں۔ نص کو اس کے ظاہر سے بدلنا بغیر دوسری نص یا اجماع یقینی یا ضرورت حس کے ناجائز ہے۔

اس کے بعد دار ششم وہفتم ہیں۔ یہ دونوں دار جزاء کے لیے ہیں اور یہ جنت و دوزح ہیں۔ یہ دونوں دار ایسے ہیں جن کا خاتمہ ہے نہ فنا اور نہ ان کے باشندوں کا۔ اور ہم اللہ کی اس ناراضی سے پناہ مانگتے ہیں جو دوزخ کا سبب ہو۔ اس سے اس کی وہ خوشنودی مانگتے ہیں کہ جنت کا موجب ہو۔ ہماری توفیق تو رحیم وکریم اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن کے بارے میں جو ارشاد ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اور اس حساب کا انتظام کرے تو وہ پچاس ہزار برس کی مقدار ہوگی۔ تو یہ قول اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنیوالا اور مخالف قرآن اور اس روز کی درازی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہے۔ ہم بضرورت عقل جانتے ہیں کہ اگر تمام اہل زمین کو تکلیف دیجائے کہ وہ ایک ہی زمانے کے لوگوں کے امور کا حساب کریں جو ان لوگوں نے دل میں رکھے اور جو کئے اور ان سب کا موازنہ کریں تو وہ اس کو دس لاکھ برس میں بھی پورا نہ کرسکیں گے۔ لہذا یہ قول کاذب یقیناً باطل ہوگیا جس میں کوئی شک نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

ابطال اعتزال :۔

معتزلہ کے اس قول کو ہم باطل کر چکے ہیں جس میں انھوں نے اپنے رب پر حکم لگایا تھا، اس پر کچھ واجب کیا تھا اور یہ سب محض اپنی بیہودہ رائے سے کیا تھا۔ جو چیز ان سے قبیح یا حسن ہے اس میں انھوں نے اس کو اپنے ساتھ تشبیہ دی تھی اور جو کچھ اس نے کیا یا حکم دیا یا مقدر کیا اس میں ان لوگوں نے جور وستم کو اس کی طرف منسوب کیا تھا۔

اب ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے یہ بیان کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جور وستم کے منسوب کرنیوالے درحقیقت یہ لوگ ہیں نہ کہ ہم لوگ۔ پھر ہم وہ آیات بیان کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے جو ہمارے قول کی تصدیق اور ان کے قول کی تکذیب کرتی ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

خود معتزلہ اللہ کی جانب ظلم منسوب کرتے ہیں :

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل کھلا ہوا محال ہے جو معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جور وستم کو منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعاً جور نہیں کرے گا اور نہ کبھی اس نے جور کیا۔ اس نے جو کچھ کیا یا کرے گا خواہ وہ کچھ بھی ہو تو وہ درحقیقت عدل وحق وحکمت ہے جس میں کوئی شک نہیں جور وظلم صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جور بتایا وہ وہی ہے جو اس کے جن وانس میں سے نافرمان بندوں سے ظاہر ہوا جو اسکے حکم کے مخالف ہے حالانکہ وہی ان کے اندر اپنی مشیت کے مطابق اس فعل کا پیدا کرنے والا ہے۔ بھلا جس کا یہ کلام ومقیدہ ہو وہ کس طرح اپنے رب کی طرف جور وستم کا منسوب کرنیوالا ہوسکتا ہے حالانکہ اپنے رب کی طرف جور وستم کا منسوب کرنیوالا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے

یہ بیان کرنے پر کہ اس نے اس شے کو پیدا کیا، یہ کہتا ہے کہ یہ ظلم وجور ہے۔ بیشک اس قول کا قائل دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی۔

یا تو وہ اپنے رب کی اس خبر کی تکذیب کرتا ہے جو اس نے قرآن میں دی ہے کہ اسی نے تمام مصائب کو بنایا۔ پیدا کیا۔ اسی نے ہمیں اور ہمارے اعمال وافعال کو پیدا کیا اور اس نے ہر شے کو اندازے سے پیدا کیا۔

یا وہ اپنے رب کے اس کلام کو جو انتہائی واضح ہے اس کے مقامات سے بدلنے والا ہے اور یہ سننے کے بعد کہ اس کی نص (یعنی موضوع ومطلب) کیا ہے اسے بدلتا ہے۔ جو اس کی پابندی کرے یہ کفر کی سرحد ہے۔

وجہ دوم۔ اللہ تعالیٰ کی اس خبر کے متعلق (کہ اس نے مصائب کو اور ہمارے افعال کو پیدا کیا) اس کی تصدیق کرنا اور اسکے اس فعل میں اسے ظلم وجور کی طرف منسوب کرنا۔ اس کے سوا اسے چارہ کار نہیں۔ یہ بھی اگر اس کی پابندی کرے تو سخت کفر ہے۔ یا حق سے منقطع ہونا اور تناقض یعنی اپنے ہی قول کی مخالفت کرنا اور بلا دلیل اعتقاد باطل پر قائم رہنا ہے جو ہوا پرستوں خبیثوں اور فاسقوں کی تقلید ہے مثلاً نظام۔ علاف۔ بشر۔ نحاس الرقیق۔ اور معمر جس کے دین میں خود ان لوگوں کے نزدیک بھی شبہ ہے۔ ثمامۃ الخلیع جو بداطواریوں میں مشہور ہے۔ جاحظ جو بیہودگی ہوا پرستی وآزادی میں مشہور ہے۔ یہ سب لوگ ان کے بہترین پیشواء ہیں۔ ہم تو اس قسم کے امور سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اصناف معتزلہ :

اس کے بعد ان کی دو قسمیں ہوگئی ہیں۔ اصحاب اصلح (۱)۔ واصحاب لطف (۲)۔ اصحاب لطف کے متعلق اصحاب اصلح یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جور کو منسوب کرنیوالے اور اسے جاہل ماننے والے ہیں۔

اصحاب لطف اصحاب اصلح کے متعلق یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز ماننے والے اور اسے اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والے ہیں۔ ایک دوسرے کی ملامت کے درپے ہیں۔ حالانکہ معتزلہ کے قول کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فرمایا ہے ''**كذلك يضل الله من يشاء ويهدى من يشاء**'' (اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعا کرنے کا حکم دیا ہے ''**ربنا لاتؤاخذنا ان نسينا او خطانا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به**'' (اے ہمارے پروردگار ہم سے مواخذہ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ لادنا جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر لادا اے ہمارے پروردگار۔ اور نہ ہم پر وہ بوجھ لادنا جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔

تکلیف مالا یطاق :

یہ اس امر کا نہایت واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ ہمیں ایسے امور کی تکلیف دے جن کی ہمیں طاقت نہیں۔ اگر وہ یہ چاہے تو یہ اس کا حق ہوگا۔ اگر اسے اس کا حق نہ ہوتا تو وہ ہمیں اسکی دعا کا حکم نہ دیتا کہ وہ اس کو ہم پر نہ لادے۔ یہ بلاشک ان کے اصول کے مطابق اس کے متعلق یہ دعا ایسی ہی ہوتی جیسے الہ وخالق ہونے کی دعا۔ جیسا کہ ہم نے تلاوت کی اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے ہم سے قبل والوں پر ''اصر'' (بارگراں) لادا۔ یہ اس ثقل وبار کو کہتے ہیں جس کی طاقت نہ ہو۔ ہمیں اس نے یہ حکم دیا کہ ہم اس سے دعا کریں کہ وہ ہم پر اس کو نہ لادے۔

اسی آیت میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس سے یہ دعا کریں کہ وہ ہم سے ان امور میں مواخذہ نہ کرے جو ہماری بھول چوک سے سرزد ہوں۔

یہی تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لیے کہ نسیان (یعنی بھول) وہ چیز ہے جس سے بچنے پر کوئی بھی قادر نہیں۔ نہ اس سے محفوظ رہنا وہم ہی میں آ سکتا ہے۔ نہ کسی کو اپنے سے اس کا دور رکھنا ممکن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس کا حق نہ ہوتا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نسیان کی وجہ سے مواخذہ کرے تو وہ ہمیں ہرگز اس سے نجات کی دعا کا حکم نہ دیتا۔ ہم تو انبیاء علیہم السلام کو پاتے ہیں کہ نسیان کی وجہ سے ان سے مواخذہ کیا گیا ہے جن میں سے ہمارے باپ آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولقد عهدناالی ادم من قبل فنسی**" (اور بیشک ہم نے پہلے سے آدم سے عہد لے لیا تھا مگر وہ بھول گئے)۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی یہ ہے کہ جس عداوت ابلیس سے انھیں اللہ تعالیٰ نے ڈرا دیا تھا وہ اسے بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر مواخذہ کیا۔ انھیں جنت سے نکال دیا۔ پھر معاف کر دیا۔ معتزلہ کے اصول پر یہ سب ظلم و جور ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولو شاء الله مااشرکوا**" (اور اگر اللہ چاہتا تو لوگ شرک نہ کرتے)۔ جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں "**لو**" وہ حرف ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک شے اس لیے ممتنع و ناممکن ہے کہ اسکے علاوہ ممتنع و ناممکن ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ مشرکین سے ترک شرک اس لیے ناممکن ہے کہ اسکے ترک کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت ناممکن ہے فرمایا ہے "**وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن الله**" (اور کسی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کے اذن و اجازت کے ایمان لائے) اللہ کے اذن کی تفسیر اللہ کی مشیت ہی ہے فرمایا ہے "**ولو اننا نزلنا الیهم الملئکة و کلمهم الموتی وحشرناعلیهم کل شی قبلاما کانو الیئومنوا الا ان یشاء الله**" "اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو نازل کر دیتے اور مردوں سے ان سے کلام کرا دیتے اور ہر شے کو ان کے روبرو جمع کر دیتے تو بھی وہ ایسے نہیں ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ایمان لے آتے)۔

بدون مشیٔت الٰہی ایمان بھی ممکن نہیں :

یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ ناممکن ہے کہ کوئی ایمان لائے بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا اذن دے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ ہر شخص جو ایمان لایا تو وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ جو شخص ایمان نہیں لایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کا اذن نہیں دیا اور نہ چاہا کہ اسے ایمان واقع ہو۔ ان دونوں آیتوں کی یہی وہ نص ہے کہ اسکے سوا کسی اور معنی کی تاویل کا ان میں احتمال ہی نہیں۔

کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ایمان پر مجبور کرنا ہے اور اکراہ مراد لیا ہے اس لیے کہ نص آیت اس تاویل فاسد سے مانع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان لایا تو وہ محض اللہ کے اذن سے ایمان لایا اور جو ایمان نہیں لایا تو اللہ نے نہیں چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ اس تاویل پر معتزلہ کو یہ لازم آئے گا کہ عالم میں جو مومن بھی ہے وہ ایمان پر مجبور و مکرہ ہے۔ اور یہ جہمیہ کے قول سے بھی بدتر اور سخت ہے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ اس مقام پر اللہ کے اذن سے محض اس کا حکم مراد ہے تو لامحالہ انھیں دو میں سے ایک وجہ لازم آئے گی جس سے چارہ کار نہ ہوگا کہ یا تو وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے کہ نص میں وارد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں اذن دیتا تو وہ

ضرور ایمان لاتے۔ اور یا یہ کہیں کہ عالم میں جس قدر لوگ ہیں وہ سب مومن ہیں۔ کیونکہ معتزلہ کے نزدیک انھیں ایمان کا اذن دیدیا گیا ہے۔ جبکہ اذن کے معنی امر کے ہوں۔ اور یہ دونوں قول خالص کفر اور عیان ومشاہدے کے خلاف ہیں۔ **ونعوذبالله من الضلال۔**

اذن اور مشیئت کے معنی :

اس مقام پر اذن ومشیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مومن کے اندر ایمان کو پیدا کر دینا اور اس کے ایمان سے اس کا ''کن'' یعنی (ہوجا) کہدینا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور عدم اذن ایمان وعدم مشیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اندر ایمان کو پیدا نہ کرے تو وہ ایمان نہ لائے گا۔ اس کے سوا قطعاً ناممکن ہے۔ چونکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہاں اذن سے مراد امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**ولقد بعثنافی کل امةٍ رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت فمنهم من هدى الله ومنهم من حقت علیه الضلالة**'' (اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور بت پرستی سے بچو۔ ان میں سے بعض وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت کروی اور بعض وہ تھے جن پر گمراہی قائم رہی۔) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے بعض کو ہدایت دی اور بعض کو نہیں دی۔ معتزلہ کے دنزدیک یہ جور ہے۔ اور فرمایا ہے ''**ولقد ذرأنا لجهنم کثیرا من الجن والانس**'' (اور بیشک ہم نے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے انھیں اس لیے پیدا کیا کہ دوزخ میں داخل کرے **نعوذ بالله من ذالک** ۔ اور فرمایا ہے ''**ولو شاء الله لجعلهم امة واحدة ولکن یضل من یشاء ویهدی من یشاء**'' (اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان سب کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے دعا کریں اور کہیں کہ ''**ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا**'' (اے ہمارے رب بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت کی ہمارے دلوں کو کج نہ کرنا)۔ تصریح کردی کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو ہدایت نہیں کی ان کے قلوب کی کجی اس طرح ہوئی کہ جب اللہ نے ان کے قلوب کو کج کر دیا تو وہ کج ہوگئے۔ اور فرمایا ہے ''**کذلک حقت کلمة ربک علی الذین فسقوا انهم لا یومنون**'' (اسی طرح ان لوگوں پر جنھوں نے نافرمانی کی آپ کے رب کا کلام صادق آگیا کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے) اللہ تعالیٰ نے طے کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات فاسقین پر صادق آگئے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ جس نے ان پر یہ ثابت کردیا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ وہ سوائے اللہ کے کون ہے۔ اور یہ معتزلہ کے نزدیک جور ہے۔

معتزلہ پر حجت :

ہر آیت جو ہم نے باب استطاعت میں بیان کی ہے وہ اس باب میں معتزلہ پر حجت ہے۔ ہر آیت جو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس باب کے بعد والے باب میں بیان کریں گے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر وفسق کے ہونے کا ارادہ کیا وہ اس باب میں بھی معتزلہ پر حجت ہے۔ اسی طرح ہر وہ آیت بھی جو انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان لوگوں کے قول کے ابطال میں تلاوت کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل وابولہب وفرعون کو جو کچھ دیا اس کے پاس اس سے بہتر کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ایمان کی طرف بلاتی۔ یہ آیات اس باب میں بھی معتزلہ پر حجت ہیں۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق۔**

اہل اعتزال کا استدلال :

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ''**وما خلقنا السموات والارض وما بینهما لاعبین ماخلقنا هما الا بالحق**'' (اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے فضول پیدا نہیں کیا ہم نے ان دونوں کو حق کے مطابق ہی پیدا کیا

ہے)۔ اوراس آیت سے بھی ''**وما ربک بظلام للعبید** ''(اورآپ کارب اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے)۔ اوراس آیت سے بھی کہ **وما ظلمنا هم ولكن كانوا انفسهم يظلمون** '(ہم نے ان پرظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرر ہے تھے)اوراس آیت سے بھی کہ ''**وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون** '' (اور میں نے جن وانس کومحض اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ میری ہی عبادت کریں)۔ اوراس آیت سے بھی ''**ان شر الدوآب عند الله الصم البكم الذين لا يعقلون ولو علم الله فيهم خيرا لا سمعهم ولو اسمعهم لتولوا وهم معرضون** '' (زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جو سمجھتے نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کوان میں خیر کا علم ہوتا تو وہ ضرور انھیں سناتا (اور بہرہ پن دور کرتا) اوراگر انھیں سناتا تو وہ ضرور منہ پھیرتے۔ اور یہ منہ پھیرنے ہی والے لوگ ہیں)۔

لنا ولاعلينا:

ان کے خلاف یہ ہماری حجت ودلیل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ انھیں سنائے۔ اس مقام پر سنانے کے معنی بلاشک ہدایت کرنا ہیں۔ اس لیے کہ ان لوگوں کے کان درست تھے۔ اور ''**ولو اسمعهم لتولو اوهم معرضون** '' کے معنی یہی ہیں کہ وہ ضرور کفر سے منہ پھیر لیتے اور وہ اس سے اعراض کرتے۔ اس کے سوا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت کرے اوران کے دلوں میں خیر کو جانے پھر وہ ہدایت نہ پائیں۔ یہ تو تناقض ہوا جس سے اس کا کلام پاک ہے۔ لہذا یقیناً وہی ثابت ہوگیا جوہم نے بیان کیا۔

بقیہ آیات میں بھی کسی میں اس کے لیے کوئی دلیل وحجت نہیں بلکہ وہ اس کے خلاف ہماری حجت ہے اور یہ ہمارے قول کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ پیدا کیا۔ بلاشک بندوں کے افعال بھی آسمان وزمین کے درمیان ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اس حق کے ساتھ پیدا کیا جو اس کا انھیں ایجاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا حق ہے۔ وہ جسے گمراہ کرے اس کا اسے گمراہ کرنا اس کا حق ہے اور یہ اس سے حق ہے۔ جس کو اس نے ہدایت کی اس کا اسے ہدایت کرنا اللہ تعالیٰ سے حق ہے۔ اس کی محاباۃ وترجیح وتخصیص جس کی اس نے نبوت وطاعت سے محاباۃ وتخصیص کی یہ بھی اس سے حق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سب سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شے بغیر حق کے پیدا کی یا اللہ تعالیٰ نے کوئی شے فضول پیدا کی۔ یا اس نے کسی پر ظلم کیا۔ بلکہ اس کا فعل عدل وصلاح ہے۔ ہر صاحب فہم کے لیے ظاہر ہوگیا کہ ہم لوگ تو ان آیات کے انکی نص وظاہر کے مطابق قائل ہیں۔ پھر ان کی ان نصوص۔ میں ہم پر کونسی حجت ہے۔ کاش انھیں عقل ہوتی۔

معتزلہ کا قول کہ بعض چیزیں اللہ نے پیدا نہیں کیں:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کے درمیان کی بہت سے چیزیں پیدا نہیں کیں۔ خاص کر ان میں سے عباد بن سلیمان جو ہشام بن عمرو الفوطی کا شاگرد ہے وہ اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خشک سالی بھوک اور امراض اور کفار وفساق کو پیدا نہیں کیا۔ محمد بن عبداللہ الاسکافی شاگرد جعفر بن حرب اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوبی باجے آلات طرب اور طنبورے پیدا نہیں کیے۔ یہ سب اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں نہیں ہیں۔ (جو کچھ یہ ظالم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبرتر ہے)۔

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ محاباۃ (ترجیح وتخصیص) کرتا تو ضرور وہ اس کے غیر کے لیے ظالم ہوتا۔ حالانکہ یہ

ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسی وابراہیم ویحیٰی ومحمد صلوات اللہ علیہم کے ساتھ محاباۃ کی جوانکے غیر کے ساتھ نہیں کی اور نہ ابولہب وابوجہل اور اس فرعون کے ساتھ کی جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ معتزلہ کے قول پر یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ظلم کیا جن کے غیر کوان پر ترجیح دی اور محاباۃ کی۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے بغیر اپنا قول فاسد ترک کئے انھیں مفر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "وماخلقت الجن والا نس 'الا لیعبدون "(میں نے جن وانس کواس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری ہی عبادت کریں) اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کے بندے بنیں کہ اس کا حکم ان کے اندر متصرف ہواور وہ جوتدبیران کے لئے کرے اس کے وہ مطیع ہوں۔ اور عبادت کی حقیقت یہی ہے اور اطاعت بھی عبادت ہے۔

عبادت بمعنی تذلّل:

اللہ تعالیٰ نے کہنے والوں کا قول بیان کیا ہے" انؤمن لبشرین مثلنا و قوم هما لنا عابدون "(کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں یعنی موسی وہارون پر ایمان لائیں۔ حالانکہ ان دونوں کی قوم ہماری عبادت گذار ہے)۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ قوم موسی علیہ السلام نے فرعون کی کبھی عبادت تدیّن نہیں کی۔ لیکن ان لوگوں نے عبادت تذلّل کے طور پر اس کی عبادت کی۔ وہ لوگ اس کے عبد (غلام) اور اس کے عابد ہوگئے۔ اسی طرح ملائکہ علیہم السلام کا یہ کہنا کہ" بل کانوا یعبدون الجن "(بلکہ یہ لوگ جن کی عبادت کیا کرتے تھے)۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ان لوگوں نے جن کی عبادت نہیں کی تھی۔ البتہ اس طور پر جن کی عبادت کی تھی کہ انکے حکم واغوا کے تصرف کے یہ پرستار تھے۔ اس کی وجہ سے وہ ان کے عبد وغلام ہوگئے تھے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور یہ بالکل واضح ہے۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اس لیے پیدا کیا کہ انھیں عبادت کا حکم دے۔ ہم اس کے قائل نہیں کیونکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کبھی اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا۔ مثلاً بچے اور مجنون۔ پھر بغیر کسی دلیل کے آیت کی تخصیص ہوگئی۔ جو ہم نے کہا یہی وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ وہ مشاہدے میں ہے اور یقینی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو شامل وعام ہے۔

اس آیت میں معتزلہ کا جو گمان ہے وہ باطل ہے ان کے اس دعوے کی تکذیب اس سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے ہمارے ساتھ اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے عالم ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اس کی عبادت نہ کریں گے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ یہ خبر دیدے کہ اس نے انھیں ایک ایسے امر کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ امر ان سے نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ وہ اس شخص کے قول کی طرف رجوع کریں جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شے کو نہیں جانتا تاوقتیکہ وہ ہو نہ جائے۔ تو جو اس قول کی پناہ لے گا اس کا کفر مکمل ہو جائے گا۔ اس کے باوجود انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف عبث کی نسبت سے نجات نہ ہوگی اس لیے کہ اس نے مخلوق سے اس امر میں دھوکا کھایا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ اس میں ہلاک ہوں گے یا کامیاب ہوں گے اور معتزلہ جو اصلح کے اور ابطال محاباۃ کے قائل ہیں وجہ عدل کو سولہ باب میں تقسیم کرنے میں متحیر ہیں۔

عدالات شانزدہ گانہ:

عدل کی سولہ قسمیں حسب ذیل ہیں۔

۱ عدل عذاب کو دوامی بنانے میں۔

۲ عدل حیوان کی ایذاء رسانی میں۔

۳ عدل اس کی تبلیغ میں جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ کفر کرے گا۔

۴ عدل مخلوق میں۔

۵ عدل استطاعت عطا کرنے میں۔

۶ عدل ارادے میں۔

۷ عدل بدل میں۔

۸ عدل امر میں۔

۹ عدل عذاب اطفال میں۔

۱۰ عدل استحقاق عذاب میں۔

۱۱ عدل معرفت میں۔

۱۲ عدل اختلاف احوال مخلوقین میں۔

۱۳ عدل لطف میں۔

۱۴ عدل اصلح میں۔

۱۵ عدل شرائع کے منسوخ کرلے میں۔

۱۶ عدل نبوت میں۔

☆☆

آیا اللہ تعالیٰ نے کفر وفسق کو چاہا یا نہیں چاہا

کافر وفاسق سے کفر وفسق سرزد ہونے کا ارادہ کیا کہ نہیں

معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ کوئی کافر کفر کرے یا کوئی فاسق فسق کرے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو گالی دے نہ یہ کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو قتل کرے۔ انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ”**ولا یرضی لعبادہ الکفر**“ (اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر سے خوش نہیں ہے)۔ اور اس آیت سے کہ ”**اتبعو اما اسخط اللہ و کرھوا رضوانہ فاحبط اعما لھم**“ (ان لوگوں نے ان امور کی پیروی کی جنھوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انھوں نے اللہ کی رضامندی کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا)۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ جو شخص ایسا کام کرے جو اللہ نے چاہا ہو تو اسے اجر ملے گا وہ نیکوکار ہے اگر اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ کافر کفر کرے اور فسق کرے تو ان دونوں نے وہی کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے ارادہ کیا تھا لہذا یہ دونوں نیکوکار اور مستحق ثواب ہوئے۔

ارادے اور مشیت کی تحقیق :

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ لفظ ”شاء“ (یعنی چاہا) ”اراد“ (یعنی ارادہ کیا) مشترک ہیں۔ دو معنی پر واقع ہوتے ہیں۔ ایک ان میں سے ”رضاء“ (یعنی خوش ہونا) اور استحسان (یعنی اچھا سمجھنا) ہے یہ معنی اللہ تعالیٰ سے منفی ومنہی ہیں کہ اس نے جس چیز سے منع کیا ہو اسی کو چاہا یا ارادہ کیا ہو۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ کہا جائے کہ ”ارادو شاء“ کے معنی ”**ارادکونہ وشاء وجودہ**“ (یعنی اس نے اس کے ہونے کا ارداہ کیا اور اس کا وجود چاہا) ہیں۔ یہی وہ معنی ہیں کہ عالم میں جو کچھ خیر وشر موجود ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دیتے ہیں۔ معتزلہ نے تو ان الفاظ مشترکہ کے متعلق کرنے میں جو دو یا زائد معنی پر واقع ہوتے ہیں سفسطہ کی راہ اختیار کی اور اس فریب کاری کی کہ جب اس کی تفتیش کیجائے تو وہ کمزور ہو جاتی ہے اور جب اس سے بحث کی جائے تو وہ رسوا ہو جاتی ہے۔ یہ ان جہلاء کا طریقہ ہے جن کے ہاتھوں میں سوائے خرافات کے اور کوئی حیلہ نہ ہو۔

اہل سنت نے کہا ہے کہ کوئی شخص اس کام کے کرنے سے محسن ونیکوکار نہیں ہوتا جو اللہ نے چاہا یا ارادہ کیا۔ اور محسن وہی ہوتا ہے جو وہ کام کرے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور وہ اس کام سے راضی ہے۔

باز رکھنے کی قدرت :

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ آیا اللہ تعالیٰ کافر کو کفر سے اور فاسق کو فسق سے روکنے پر جو اسے گالی دے اس کی زبان بند کرنے پر اس کے دل میں گذارتے پر، جنھوں نے اس کے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو قتل کیا ان کو قتل سے روکنے پر قادر ہے یا ان امور کے روکنے سے عاجز ہے اگر وہ کہیں کہ وہ ان میں سے کسی شے کے روکنے پر بھی قادر نہیں تو انھوں نے بداہتہ اس کے لیے معنی عجز کے ثابت

کر دیے۔ اور یہ خالص کفر اور اس کی خداوندی کا ابطال اس پر نقص وضعف کا فیصلہ کرنا، اس کی قوت کا محدود کرنا اور قدرت کا نا تمام ماننا ہے ساتھ ہی یہ کھلا ہوا تناقض بھی ہے اس لیے کہ وہ لوگ اس کے مقر ہیں کہ کفار کو اللہ تعالیٰ ہی نے وہ قوت عطا فرمائی ہے جس سے کفر وفسق ہوتا ہے اور اسے گالی دیجاتی ہے۔ اور اس کے انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کو قتل کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں وہ قوت عطا نہ کرنے پر قادر نہ ہو جو اس نے انھیں عطا کی یہ صفت تو مضطر ومجبور کی ہے۔

اگر یہ کہیں کہ وہ ان لوگوں کو ان تمام امور سے روکنے پر قادر ہے تو انھوں نے بداہتہ اس کا اقرار کر لیا کہ وہ کفار کے کفر پر باقی رہنے کا ارادہ کرنے والا ہے، وہی کافر وکفر کا باقی رکھنے والا ہے اور اس زمانے کا پیدا کرنے والا ہے جس میں کافر اپنے کفر پر اور فاسق اپنے فسق پر مدت گذارنے والا ہے یہی وہ ہے جو ہمارا قول ہے کہ اس نے کفر وفسق اور اپنی گالی اور قتل انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ارادہ کیا اور ان میں سے کسی شے سے بھی راضی نہیں بلکہ وہ اس سے سخت ناراض اور اسکے فاعل پر غضبناک ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان امور کے ہونے کا ارادہ کیا تو وہ اسی سے ناراض ہے جس کا اس نے رادہ کیا۔

ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شے کے کسی سے سرزد ہونے کا ارادہ کیا ہو اس کے فاعل سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر ہم بعینہ یہی سوال معتزلہ پر پلٹتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ تمھارے نزدیک منکر وناپسندیدہ ہے اور تم اس کے مقر ہو کہ وہ اس کے روکنے پر قادر ہے تو پھر وہ تمھارے نزدیک اس شے پر ناراض ہوتا ہے جس کو اس نے برقرار رکھا اور اسی سے ناخوش ہوتا ہے جس کو برقرار رکھتا ہے اور اسے بدلتا نہیں اور اسی کو قائم رکھتا ہے جس سے راضی نہیں۔ اسی امر کو انھوں نے اللہ کے لیے برا جانتا تھا۔ اور وہ اس کے جواب پر قادر نہیں ہیں خرابی اور برائی انھیں کی طرف پلٹنے والی ہے اس لئے کہ جو چیز انھیں لازم آئی اسی کو انھوں نے منکر وناپسندیدہ جانا تھا۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جو کسی شے کے روکنے پر قادر ہے اور اس نے نہیں کیا اور نہ اس سے روکا تو اس کے وجود کا اور ہونے کا ارادہ کیا۔ اگر وہ کسی سے اس کے سرزد ہونے کا ارادہ نہ کرتا تو ضرور اس سے روکدیتا۔ اور ہرگز اسے کرنے نہ دیتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ حکیم ہے اور اس نے جو انھیں آزاد رکھا اور نہیں روکا تو اس میں اس کی حکمت کا کوئی راز ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا۔ کہ بس تو پھر اسی قسم کے جواب پر اس شخص سے بھی قناعت کرو جو تم سے یہ کہے کہ اس نے اس کے ہونے کا اس لیے ارادہ کیا کہ وہ حکیم کریم عزیز ہے اور اس میں اس کی حکمت کا کوئی راز ہے۔

ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب امور کے ہونے کا ارادہ کیا اور یہاں کوئی راز نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کرے وہی حکمت وحق ہے۔ ان کا یہ قول خود ان کے اس مقدمۂ فاسدہ کا منہدم کرنے کا والا ہے کہ باری تعالیٰ سے بھی وہی فعل قبیح ہے جو ہم سے اور ہمارے آپس میں قبیح ہے۔ کسی صاحب عقل کو ہرگز علم نہ ہوگا کہ کسی نے اپنے دشمن کے ہاتھ کو اپنے دوست ومحبوب پر آزادی کے ساتھ چھوڑ دیا ہو کہ ہوا سے قتل کرے عذاب کرے تھپڑ مارے اس کی توہین کرے، اسے اپنے لونڈی غلاموں پر آزاد کر دے کہ وہ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ خوشی و ناخوشی بدکاری کرے۔ آقا موجود ہو دیکھتا اور سنتا رہے ان امور کے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے اور نہ صرف ان کے آزاد رکھنے ہی پر قناعت کرے بلکہ اپنے دشمن کو ان امور کے ارتکاب کی قوت اور ایسے آلات بھی عطا کرے جو اس کے مددگار رہوں۔ اور رفتہ رفتہ اس کے قویٰ کو مدد بھی پہنچاتا رہے ایسا شخص نہ حکیم ہے نہ حلیم۔ بلکہ عابث (بیہودہ حرکت کرنے والا) اور ظالم اور ستم کرنے والا ہے۔ لہذا معتزلہ کے اپنے اصول فاسدہ کی بنا پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ان تمام امور کا حکم کریں۔ یہ ہمیں لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

جو چاہتا ہے کرتا ہے اور امور مذکورہ بالا یا اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ سے حکمت وعدل وحق ہے۔ اس سے اس کے فعل کی باز پرس نہیں ہوسکتی۔ اور لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ لہذا ابضر ورت مشاہدہ معتزلہ کا یہ قول باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر یا فسق یا اپنی گالی اور اپنے انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے قتل ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ اگر وہ اس کے ہونے کا ارادہ نہ کرتا تو وہ اس سے ضرور رک دیتا جیسا کہ اس نے ہر اس شے سے روکدیا جس کے ہونے کا اس نے ارادہ نہیں کیا۔

اس کی تائید میں اس مقولے پر تمام امت کا اجماع کافی ہے کہ " **ماشاء الله كان وما لم يشاء لم يكن** " (جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا نہیں ہوا)۔ (یہ حدیث بھی ہے) یہ مقولہ اپنے عموم کی بناء پر اس کا موجب ہے کہ جو کچھ عالم میں ہوا یا ہوگا خواہ وہ کوئی شے بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے چاہا۔ اور جو نہیں ہوا یا نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نہیں چاہا۔ یہ اس امر پر ایسی نص ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے ہونے کا ارادہ کیا۔ منجملہ اس کے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "**لمن شاء منكم ان يستقيم وما تشاؤن الا ان يشاء الله رب العلمين** " (یعنی یہ قرآن اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو تم میں سے درست ہونا چاہے اور تم نہیں چاہو گے بغیر اس کے کہ اللہ رب العلمین چاہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کھلی ہوئی تصریح فرمائی کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت پر استقامت نہیں چاہے گا بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا مستقیم ہونا چاہے۔ اگر معتزلہ کا قول صحیح ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مکلّف کا مستقیم ہونا چاہا تو بنص قرآن ہر مکلّف ضرور مستقیم ہوتا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اس کو چاہا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ **نعوذبالله من مثله** لہذا یقیناً ثابت ہو گیا جس کے ثبوت وصحت میں شک کا دخل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے خلاف استقامت کو چاہا اور بنص قرآن اس نے یہ نہیں چاہا کہ یہ مستقیم ہوں۔

فرمایا ہے "**وما جعلنا اصحاب النار الا ملئكة وما جعلنا عدتهم الا فتنة للذين كفرو اليستيقن الذين اوتوا الكتاب ويزدا دالذين آمنو ا ايمانا ولا يرتاب الذين اوتو الكتاب و المو منون و ليقول الذين فى قلو بهم مرض والكا فرون ماذا اراد الله بهذا مثلا . كذلك يضل الله من يشا ء و يهدى من يشاء** " (اور ہم نے دوزخ کا منتظم صرف ملائکہ ہی کو بنایا ہے۔ اور ہم نے ان کی تعداد محض کفار کو فتنے میں ڈالنے کے لیے مقرر کی ہے (یعنی تا کہ وہ یہ اعتراض کریں کہ اس تعداد سے کم یا بیش کیوں نہیں اور اسی گستاخی سے مستحق عذاب بنیں) کہ اہل کتاب یقین کریں اور مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو۔ اور اہل کتاب و مومنین شک نہ کریں۔ اور تا کہ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ لوگ یعنی منافقین اور کفار یہ کہیں کہ اس مثل سے اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔)

یہ آیت اس امر میں انتہائی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ دوزخ کی تعداد کفار کے فتنے کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ لوگ یہ کہیں کہ اللہ کا اس مثل سے کیا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے کفار کو فتنے میں ڈالنے اور ان کے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تو وہ گمراہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اضلال (گمراہ کرنے) کا ارادہ کیا اور اسی کا حکم دیا جیسا کہ اس نے مومنین کی ہدایت کا قصد وارادہ کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولو جعلنا قرآنا اعجميا لقالو الو لا فصلت ايا ته ااعجمى وعربى . قل هو للذين امنو ا هدى و شفا ء . والذين لايؤمنون في اذا نهم و قر و هو عليهم عمى** " (اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ ضرور کہتے کہ کاش اس کی آیات کی تفصیل نہ کی جاتی کہ عجمی ہے اور عربی ہے۔ آپ کہد یجئے کہ وہ اہل ایمان کے لیے ہدایت وشفاء ہے۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان

کے کانوں میں ٹھیٹھی ہے اور وہ (قرآن) ان پر دل کی نابینائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے قرآن کو مومنین کی ہدایت اور کفار کی گمراہی و نابینائی کے لیے نازل کیا۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا تھا تو اس نے جیسا کہ کہا یہ کہنے کا ارادہ کر لیا تھا کہ یہ کفار کے لیے نابینائی اور مومنین کے لیے ہدایت ہے۔

فرمایا ہے "**ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا . افانت تکرہ الناس حتی یکو نوامومنین . وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ . و یجعل الرجس علی الذین لا یعقلون**" (اور اگر آپ کا رب چاہتا جو لوگ روئے زمین پر ہیں وہ سب کے سب ضرور ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے تا کہ وہ مومن ہو جائیں۔ اور کسی شخص کو یہ ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کے اذن کے ایمان لائے۔ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر نجاست قائم رکھتا ہے جو عقل نہیں رکھتے)۔ اسی طرح یہ تمام آیت ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام جن و انس ایمان لے آتے۔ اور یہی سب اہل زمین ہیں۔

اور جس لغت عرب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا ہے کہ وہ ہمیں سمجھائے اس میں "لو" وہ حرف ہے جو ایک شے کے ممتنع و ناممکن ہونے کی وجہ سے دوسری شے کے ممتنع و ناممکن ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ اہل زمین کا ہر شخص ایمان لائے۔ چونکہ اس میں شک نہیں لہذا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس نے ان لوگوں سے خلاف ایمان کو چاہا اور لامحالہ وہ کفر و فسق ہے۔

اگر معتزلہ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان کا اذن دیا ہوتا تو ہر وہ شخص جو زمین پر ہے ضرور ایمان لاتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ بغیر اس کے اذن کے کوئی ایمان نہیں لاتا۔ یہ معتزلہ کا وہ امر ہے جس کی مشاہدہ تکذیب کرتا ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ معتزلہ کاذب ہیں اور اللہ تعالیٰ صادق ہے۔

جو کفر کی حالت میں مر گیا اللہ تعالیٰ نے اسے ہرگز ایمان کا اذن نہیں دیا۔ اور جو اس امر سے نابینا و جاہل ہے وہ ضرور قلب کا نابینا ہے۔ وہ شخص نابینائے قلب کیونکر نہ ہو جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نابینا کر دیا۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول حق ہے "**و ما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ**" (اور کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کے اذن کے ایمان لائے)۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کا اذن نہیں دیا تو اس نے یہ نہیں چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ چونکہ اس نے یہ نہیں چاہا کہ وہ ایمان لائے لہذا بلاشک اس نے یہ چاہا کہ وہ کافر رہے۔ یہ وہ دلیل ہے جس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

فرمایا ہے "**ونذرھم فی طغیا نھم یعمھون . ولو اننا نزلنا الیھم الملئکۃ و کلمھم الموتی و حشر نا علیھم کل شی قبلاً ماکا نو الیؤ منوا الا یشاء ان اللہ**" (اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑتے ہیں۔ اور اگر ہم ان کے پاس ملائکہ کو نازل کرتے اور مردوں سے ان سے بات چیت کروا دیتے اور ان کے روبرو ہر شے کو اٹھا کے کھڑا کر دیتے تب بھی یہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے سوائے اس کے کہ اللہ ہی چاہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورے طور پر واضح کر دیا کہ نہ تو نشانیاں کافی ہوتی ہیں اور نہ ڈرانیوالے یعنی رسول۔ بیشک ان امور سے کوئی ایمان نہیں لاتا سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کے ایمان کو چاہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ وہی ایمان لاتا ہے جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور وہی کفر کرتا ہے جس کے کفر کو اللہ چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے قول کو بیان فرمایا ہے "**وان لا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من**

الجاهلين . فاستجاب له ربه فصرف عنه كيدهن " (اور اگر تو ہی مجھ سے ان عورتوں کے مکر کو نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ان کے رب نے انکی دعا قبول کر لی۔ اور ان سے ان عورتوں کے مکر کو پھیر دیا) ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جس نے طفلانہ حرکت اور جہالت کی اللہ تعالیٰ نے اس سے اس مکر کو نہیں پھیرا جس کو اس نے اپنی رحمت سے اس شخص سے پھیر دیا جس نے طفلانہ حرکت و جہالت نہیں کی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو بعض سے پھیرا اور بعض سے نہیں پھیرا تو اس نے اس کے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا جس نے طفلانہ حرکت و جہالت کی۔

فرمایا ہے" **وجعلنا على قلو بهم اكنة ان يفقهوه وفى اذا نهم و قرا** " (اور ہم نے دلوں پر پردے ڈال دیے تا کہ اس کو نہ سمجھیں اور انکے کانوں میں ٹھیٹھی لگا دی) اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس نے کافروں کے دلوں کو پردوں میں کر دیا۔ کہ قرآن نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹھیٹھی لگا دی تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ آیا اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ قرآن کو سمجھیں یا یہ ارادہ کیا کہ قرآن کو نہ سمجھیں۔ یہ کسی کی عقل میں کیسے سما سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خبر دے کہ اس نے کوئی ایسی شے کی کہ اس نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ اسے کرنے اور نہ اس نے اس کے ہونے کا ارادہ کیا اور نہ اسے موجود کرنا چاہا۔ یہ وہ بدحواسی ہے کہ جس کی کوئی شکل ذرا سی عقل رکھنے والے کی عقل میں بھی نہیں آ سکتی۔ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں میں ٹھیٹھی کے ہونے کا اور ان کے دلوں پر پردوں کا ارادہ کیا۔

فرمایا ہے "**و لو شاء الله لجعلكم امة واحدة ولكن يضل من يشاء ويهدى من يشاء**" (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے اسپر تصریح فرمائی کہ اس نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ ہمیں ایک امت بنا دے۔ البتہ اس نے یہ ارادہ کیا کہ ایک قوم کو گمراہ کرے اور ایک قوم کو ہدایت کرے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو گمراہ ہوا اللہ نے اس کو گمراہ کرنا چاہا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے قول کی تصدیق وثناء کے طور پر فرمایا ہے " **قد افترينا على الله كذبا ان عدنا فى ملتكم بعد اذنجانا الله منها وما يكون لنا ان نعود فيها الا ان يشاء الله ربنا** " (اگر ہم بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی تمھارے مذہب میں واپس آ جائیں تو (گویا) ہم نے اللہ پر جھوٹ موٹ افترا کیا۔ ہمارے لیے ناممکن ہے کہ ہم اس میں واپس ہوں سوائے اس کے کہ اللہ جو ہمارا رب ہے چاہے۔ انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین نے وہ قول حق کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی شہادت دی کہ یہ لوگ محض اس لیے کفر سے بچے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے نجات دی۔ اور کفار کو اس سے نجات نہیں دی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ یہ لوگ کفر میں واپس جائیں تو ضرور اس میں واپس جائیں گے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو کفر میں واپس گیا اللہ تعالیٰ نے اس سے یہی چاہا۔

معتزلہ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ" مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں بتوں کی تعظیم کا حکم دے جیسا کہ اس نے ہمیں حجر اسود و کعبے کی تعظیم کا حکم دیا۔

یہ معنی انتہائی فاسد ہیں اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا حکم دیتا تو یہ ملت کفر میں واپس ہونا نہ ہوتا۔ بلکہ یہ تو ایمان پر ثابت رہنا اور اس میں ترقی کرنا ہوتا۔

فرمایا ہے "**فى قلو بهم مرض فزا دهم الله مرضا**" ۔ (منافقین کے دلوں میں مرض تھا۔ پھر اللہ نے ان کا مرض اور بڑھا دیا) ۔ اے کاش مجھے علم ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انکا مرض بڑھا دیا) ۔ اے کاش مجھے علم ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض بڑھا دیا تو کیا تم یہ

سمجھتے ہو کہ اس نے انکے دلوں میں جو اضافہ مرض کیا اور وہ شک وکفر ہے تو کیا اس نے اس کو نہیں چاہا اور اس کا ارادہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ وہ کام کیسے کرے گا جس کے کرنے کا وہ ارادہ نہ کرے۔ اور جو اس کا قائل ہو کیا یہ اس کا الحاد خالص نہیں ہے؟

فرمایا ہے "**ولو شاء الله مااقتتل الذين من بعد هم من بعد ماجاء تهم البينات و لكن اختلفوا فمنهم من آمن ومنهم من كفر . ولو شاء الله مااقتتلو اولكن الله يفعل مايريد** " (اور اگر اللہ چاہتا تو بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آ چکیں ان کے بعد والے لوگ جنگ نہ کرتے۔ لیکن انھوں نے باہم اختلاف کیا۔ پھر ان میں سے بعض مومن ہو گئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ جنگ نہ کرتے۔ لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اگر وہ چاہتا تو یہ لوگ جنگ نہ کرتے۔ لہذا بدیہی طور پر واجب ہوا کہ اس نے چاہا اور ارادہ کیا کہ یہ لوگ جنگ کریں۔ جنگ کرنیوالوں کے جنگ کرنے میں بلا شک گمراہی ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی نص کے مطابق گمراہی کا ہونا اور اس کا وجود چاہا۔

فرمایا ہے "**ومن یرد الله فتنته فلن تملک له من الله شيئا**" "(اور اللہ تعالیٰ جس کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو آپ ہر گز اس کے لیے اللہ پر کچھ قابو نہیں رکھتے) اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ اس نے فتنے میں پڑنے والوں کے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کیا۔ وہ لوگ کفار ہیں اور ان کا وہ کفر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جانب سے ان پر کچھ قدرت نہیں ہے۔ یہ اس پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے کفر کے ہونے کا ارادہ کیا۔

فرمایا ہے "**اولئک الذين لم يرد الله ان يطهر قلو بهم . لهم فی الدنيا خزی ولهم فی الا خرة عذاب عظيم**" (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں زبردست عذاب ہے)۔

یہ اس امر میں نہایت واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے قلب کے پاک کرنے کا ارادہ نہ کرے تو اس نے اس کے اس فساد دین کا ارادہ کیا جو طہارت قلب کی ضد ہے۔

فرمایا ہے "**ولو شاء الله لجمعهم على الهدى**" (اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا) یہ اس امر کا واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا۔ جب اس نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا تو اس کفر کا ارادہ کیا جو ہدایت کی ضد ہے۔

فرمایا ہے "**ولو شئنا لاتينا كل نفس هديها ولكن حقّ القول منى لا ملئن جهنم من الجنة و الناس اجمعين**" (اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اسکی ہدایت عطا کر دیتے۔ لیکن مجھ سے یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو جن وانس دونوں سے بھروں گا)۔

یہ بھی اس امر میں واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہدایت نہیں چاہی لیکن اس کا یہ قول حق ہے کہ وہ لوگ لامحالہ کفر کریں گے اور جہنمی بنیں گے۔

فرمایا ہے "**من يشاء الله يضلله و من لم يشا ء يجعله على صراط مستقيم**" (اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو نہیں چاہتا اسے راہ راست پر کر دیتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اسے نے جسے گمراہ کرنا چاہا گمراہ کر دیا اور جسے ہدایت کرنا چاہا اسے راہ راست پر کر دیا۔ بلا شک یہ ان لوگوں کے مغایر ہیں جن کو اس نے راہ راست پر نہیں کیا اور انھیں فتنے میں ڈالنے کا اور ان کے دلوں کے پاک

نہ کرنے کا اور ان کے دوزخی ہونے کا ارادہ کیا۔ **نعوذ باللہ من ذلک** ۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے قول کی حکایت بیان فرمائی ہے "**لئن لم یهدنی ربی لا کونن من القوم الضالین**" (اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ کی تو میں ضرور گمراہوں کی قوم میں ہو جاؤں گا۔ خلیل علیہ السلام نے اس کی شہادت دی کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ جو گمراہ ہے اسے اللہ نے ہدایت نہیں کی جس کو اللہ نے ہدایت نہیں کی حالانکہ وہ اس کی ہدایت پر قادر ہے تو بیشک اس نے اس کے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا۔

فرمایا ہے "**ولو شاء اللہ ما اشر کوا**" (اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے)۔ لہٰذا بغیر کسی اشکال کے یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ لوگ شرک کریں کیونکہ اس پر اس نے تصریح فرمائی کہ اگر وہ چاہتا کہ یہ لوگ شرک نہ کریں تو وہ لوگ شرک نہ کرتے۔

فرمایا ہے "**یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا و لوشاء ربک مافعلوه**" (ان میں سے بعض لوگ بعض کو آراستہ باتوں سے دھوکا دیتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے، یہ اس پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ایسا کریں۔ کیونکہ اس نے یہ خبر دی ہے کہ اگر وہ چاہتا کہ یہ لوگ ایسا نہ کریں تو وہ ایسا نہ کرتے۔

فرمایا ہے "**وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادهم شرکاؤهم لیردوهم ولیلبسو اعلیهم دینهم ولو شاء اللہ مافعلوه** (اور اسی طرح ان مشرکین کے معبودوں نے اکثر مشرکین کے نزدیک اپنی اولاد کا قتل خوشگوار بنا دیا ہے تاکہ وہ انھیں تباہ کریں اور تاکہ ان کے دین کو ستیاناس کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کر دی کہ اگر وہ نہ چاہتا کہ بعض لوگ بعض سے جھوٹی باتیں دھوکا دینے کے لیے نہ بنائیں تو وہ نہ بناتے۔ اگر وہ یہ چاہتا کہ ان میں بعض بعض کے دین کو نہ بگاڑیں اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں تو نہ تو کوئی ان کے دین کو بگاڑتا اور نہ یہ اپنی اولاد کو قتل کرتے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جس کا دین بگڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کا دین بگڑ جائے۔ اس نے ارادہ کیا کہ ان کی اولاد کا قتل ہو اور بعض لوگ بعض سے دھوکا دینے کے لیے جھوٹی باتیں بنائیں۔

فرمایا ہے "**ولو شاء اللہ لسلّطهم علیکم**" (اور اگر اللہ چاہتا تو ان لوگوں کو ضرور تم پر غالب کر دیتا)۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ کفار نے جن انبیاء علیہم السلام و صالحین کو قتل کیا اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے ہاتھوں کو قوی و غالب بنایا۔

فرمایا ہے "**فمن یرد اللہ ان یهدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیّقا حرجا کأنما یصعد فی السماء**" (پھر اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے سینے کو ایسا تنگ اور غیر کشادہ کر دیتا ہے کہ گویا وہ (گھبرا کر) آسمان پر چڑھ جائے گا۔ تصریح فرمائی کہ وہ جس قوم کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو انھیں ہدایت کر دیتا ہے اور ان کے دلوں کو ایمان کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جن لوگوں کی گمراہی کا اردہ کرتا ہے تو انہیں اس طور پر گمراہ کرتا ہے کہ ان کے دلوں کو تنگ کر دیتا ہے۔ ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ گویا انھیں آسمان پر چڑھنے کی تکلیف دی گئی ہے۔ (یعنی وہ اسلام و ایمان کا نام سنکر بھڑک اٹھتے ہیں جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنے کو کہا جائے تو وہ بھڑک اٹھیگا اور ناخوش ہوگا)۔ تو وہ کفر کرتے ہیں۔

فرمایا ہے "**واصبر و ما صبرک الا باللہ**" (اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر محض اللہ کے وسیلے سے ہوگا)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جس نے صبر کیا تو اللہ ہی نے اسے صبر عطا کیا اور جس نے صبر نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے صبر عطا نہیں کیا۔

فرمایاہے''**ولا تنا زعوا**'' (اورآپس میں جھگڑانہ کرو)۔ اس نےہمیں تنازع ومجادلت سے منع فرمایا۔

فرمایاہے ''**ولو شاء ربک لجعل الناس امۃواحدۃ ولا یزا لون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم**'' (اوراگرآپ کارب چاہتاتووہ سب لوگوں کوایک امت بنادیتا۔ اوریہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گےسوائے اس کے کہ جس پر آپ کارب رحم کرے۔ اوراس نےاسی کے لیےانھیں پیدا کیاہے)۔ اللہ تعالیٰ نےاس پرتصریح فرمائی کہ اس نےلوگوں کواختلاف کے لیے پیدا کیا۔ سوائے ان میں سےجن پراللہ تعالیٰ رحم کرے۔ اوراگروہ چاہتاتو یہ لوگ اختلاف نہ کرتے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس اختلاف سے انھیں منع کیا اسی کے لیےانھیں پیدا کیااوران میں اختلاف ہونے کاارادہ کیا۔

فرمایاہے ''**تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعزمن تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شی قدیر**'' (توجس کوچاہتاہےسلطنت دیتاہےاورجس سےچاہتاہےسلطنت چھین لیتاہے۔ اورتوجس کوچاہتاہے عزت دیتاہےاورجس کوچاہتاہےذلت دیتاہے۔ خیرتیرےہی قبضے میں ہے۔ بیشک توہرشے پرقادرہے۔)

فرمایاہے''**بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدیدفجا سوا خلال الدیا روکان وعدا مفعولا**'' (ہم نےتم پراپنے ایسے بندوں کوبھیجاجوبڑی طاقت والےاورجنگجوتھےچنانچہ وہ شہروں میں گھسےاوریہ ایک کیاہواوعدہ تھا)۔ اسی مضمون کابقیہ حصہ اس طرح ارشادہے ''**ولید خلوا المسجد کمادخلوہ اول مرۃ**'' (اورتاکہ وہ مسجداقصی میں داخل ہوں جس طرح پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے) اللہ تعالیٰ نےاس پرتصریح فرمائی کہ اسی نےکفارکوملک میں مومنین کےلوٹنے پربرانگیختہ کیااوراسی نےان لوگوں کوبھیجاجومسجداقصیٰ میں داخل ہوئے۔ حالانکہ اس میں داخل ہونابلاشک اللہ تعالیٰ کی ناراضی کاموجب ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ ہرایک کواللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اوراس کےہونےکاارادہ کیا۔

فرمایاہے ''**الم ترالی الذی حاجّ ابراھیم فی ربہ ان آتاہ اللہ الملک**'' (کیاتم نےاس شخص کی طرف خیال نہیں کیا جس نےابراہیم سےان کےرب کےبارے میں جھگڑاکیاکہ اللہ تعالیٰ نےاسے ملک عطافرمایا)۔ یہ اس امرپرنص جلی ہےکہ اللہ تعالیٰ نے اس کافرکوعطافرمایا۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیاکہ اللہ تعالیٰ نےاسے ملک دینےکافعل کیااوراسےاہل ایمان پربادشاہ بنایا۔ امت میں کسی کوبھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ امراللہ تعالیٰ کوناراض اورغضبناک کرتاہےاوروہ اس سےراضی نہیں ہے۔ اوریہی وہ بات ہےجس کامعتزلہ نے انکارکیاتھااوراس کوبراجانتاتھا۔

اعانت کفاربمقابلہ مومنین :

معتزلہ سےہم اس کےمتعلق سوال کرتےہیں جس پردنیااول سےہمارےزمانےتک گزری کہ وہ مددجومشرک بادشاہوں پرنازل ہوئی اورجوستم کرنیوالےاورظالم سلاطین کی کی گئی اوروہ غلبہ جوان لوگوں کوایسےلوگوں پرعطاکیاگیاجواہل اسلام واہل فضل تھےجن سےیہ لوگ دوررہےاورایسےلوگوں کااحترام ہوتارہاجنھوں نےان (اہل اسلام ایک قوس دس ہے کی موت کاارادہ کیایاان میں اضطراب پیدا کرنےکاارادہ کیا۔ اوران لوگوں کےلیےکامیابی کی وجوہ کےساتھ مددآتی رہی جس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کافاعل ہےاور جوان اہل فضل کےدشمنوں کی موت اوران کی دشمنوں کےمقابلےمیں تائیدہے۔ اس سےمعتزلہ کورہائی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نےاس کے ہونےکاارادہ کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نےفرمایاہےکہ ''**ولکن کرہ اللہ انبعا ثھم فثبطھم و قیل اقعد وامع القاعدین** (جہادسے

جان چرانے والوں کا بھیجنا اللہ کو پسند نہ تھا اس لیے اس نے انھیں روکدیا اور کہدیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو) اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسی صاف تصریح فرمائی جو کسی تاویل کا بھی احتمال نہیں رکھتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ناپسند کیا کہ منافقین اس جہاد میں روانہ ہوں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہونا اللہ نے ان پر فرض کیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسی کو ناپسند کیا جس کے ہونے کا ارادہ کیا اور اس نے اس پر تصریح کردی کہ اس نے ان لوگوں کو جہاد میں جانے سے روکدیا پھر وہ ان پر اس رک جانے کی وجہ سے عذاب کرے گا جس کے متعلق اس نے خبر دی کہ یہ اسی کا فعل ہے۔ اس نے تصریح کردی کہ اسی نے کہا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یہ یقینی ہے کہ یہ (بیٹھنے کا) امر الزام نہیں ہے (جس کا پورا کرنا ہر شخص کا فرض ہوتا ہے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کو چھوڑ کے بیٹھ رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ جبکہ وہ بیٹھ رہے تو ان پر لعنت کی اور ان پر غصہ کیا۔ چونکہ اس میں شک نہیں ہے لہذا یہ بدیہی طور پر امر تکوین ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے اس قعود اور بیٹھنے کو پیدا کیا جو اس کا غضبناک کرنے والا اور باعث ناراضی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہی نے ایک امر پر تصریح کردی تو کسی کو بھی اس پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔

فرمایا ہے "**فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم بھافی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون**" (اے نبی آپ کو کفار کے مال و اولاد کی کثرت پر تعجب نہ کرنا چاہیے (اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ ان سے راضی ہے اس لیے انھیں نوازا گیا ہے بلکہ) اللہ کا صرف یہ ارادہ ہے تاکہ ان پر اس کی وجہ سے دنیا میں عذاب کرے (یعنی اس کی وجہ سے ایمان نہ لائیں اور جہاد میں مغلوب ہوں) (اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں نکلیں) (تاکہ آخرت میں بھی ان پر عذاب ہو) یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ لوگ کافر ہونے کی حالت میں مریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کا ارادہ کیا۔ تزہق کا قاف مفتوح ہے جس میں قراء میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ "**ان یعذبھم بھا فی الدنیا**" پر (جس کا کہ اللہ نے ارادہ کیا ہے) معطوف ہے۔ "واو" معطوف کو معطوف علیہ کے حکم میں داخل کر دیتا ہے۔ اس میں بھی اس زبان میں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا کسی کا اختلاف نہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے سے بیٹھ رہے تھے یہ فرمایا ہے "**لوخرجوا فیکم مازادوکم الا خبالا و لا وضعوا خلالکم یبغونکم الفتنة و فیکم سماعون لھم**" (اگر وہ لوگ تمھارے ساتھ روانہ ہوتے تو یہ تم میں فساد کے سوا اور کچھ نہ بڑھاتے۔ اور ضرور تمھارے درمیان میں نقصان پہنچاتے اور تمھارے درمیان میں فتنہ پردازی کرتے۔ اور تم میں ان کی بات سننے والے لوگ ہیں) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو روکدیا۔

ہم کہیں گے کہ نہیں۔ تمھارے ذمے ہے کہ تم جواب دو کہ آیا انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہونے کا حکم تھا اور اگر وہ بلا عذر بیٹھ رہیں تو انھیں دوزخ کا خوف دلایا گیا تھا؟ یا ان لوگوں کو اس کا حکم نہ تھا۔ چونکہ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ مامور تھے اور انھیں حکم دیا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی کام سے روکدیا جس کا اس نے انھیں حکم دیا تھا اور اسی پر انھیں عذاب دیا اور جس چیز کا اس نے انھیں حکم دیا تھا اس سے بیٹھ رہنے کو اسی نے پیدا کیا۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا یا نہیں کہ اگر وہ اہل اسلام کے ساتھ روانہ ہوتے تو وہ انھیں اہل اسلام میں فتنہ و فساد برپا کرنے سے روکدیتا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اس پر قادر نہ تھا تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا۔ اور اگر وہ کہیں کہ وہ اس پر قادر تھا تو انھوں نے حق کی طرف رجوع کر لیا اور اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں روکدیا اور اس چیز کا ہونا ناپسند کیا جو ان پر فرض کیا تھا۔ اور ان کے اس قعود (بیٹھ رہنے) کو پیدا کیا جس پر جیسا اس نے چاہا ان پر عذاب کیا اور ملامت کی۔ اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جیسا کہ ہم نے بیان کیا تمام نصوص باہم مددگار ہو کر جس میں کسی تاویل کا بھی احتمال نہیں اس امر کے متعلق آئی ہیں کہ جو گمراہ ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی کا ارادہ کیا اور جس نے کفر کیا اس کے کفر کو چاہا ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شے کی نفی کی وہ ضرور اس کے مغایر ہے جس کا اثبات کیا۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے جس شے کی نفی کی ہے وہ کفر پر رضا و خوشنودی کی ہے۔ اور جس چیز کو ثابت کیا ہے وہ اس شے کے ہونے کا ارادہ اور اس کے وجود کی مشیت ہے۔ یہ نص قرآن و حکم لغت کے مطابق یہ دونوں معنیٰ (یعنی (۱) رضا و (۲) ارادہ) باہم متغایر ہیں۔ اگر معتزلہ اپنے رب کا کلام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور ابراہیم و یوسف و شعیب اور تمام انبیاء علیہم السلام کا کلام قبول کرنے سے انکار کریں اور نیز لغت کے اور اس کے قبول کرنے سے بھی انکار کریں جس کو براہین ضرور یہ نے واجب کیا ہے اور جس کی عقول و حواس شہادت دیتے ہیں کہ جو کچھ موجود و ہست ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کے وجود کا اور ہونے کا ارادہ نہ کرتا تو وہ ضرور اس کے موجود کرنے سے باز رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**الذین کذبو اشعیبا کانوا ھم الخاسرین** '' (جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی وہی نقصان اٹھانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تکذیب کی شہادت دی۔

منانیہ یعنی پیروان فلسفۂ مانی ایرانی کے اس اصول کے مطابق کہ حکیم ظلم کے ہونے کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ وہ اس کو پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے اس کا عوض مانگنا یہی ہے کہ '' **فلبئس ماشروا بہ انفسھم لو کا نوایعلمون** '' (وہ بہت بری چیز ہے جس کے عوض ان لوگوں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا۔ کاش یہ لوگ جانتے) بعض معتزلہ نے اس قول کی پناہ لی ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے معنی و مراد کو ہم نہیں جانتے۔

یہ کھلا ہوا تجاہل ہماری طرف بھی رجوع کرنے والا ہے کہ ہم ان کے مقابلے میں بالکل اسی طرح یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے افعال پیدا کئے پھر وہ ان افعال پر ان لوگوں پر عذاب کرے گا تو ہم بھی اس امر میں اس کے معنی و مراد کو نہیں جانتے کوئی فرق نہیں۔ اور فرق کیسے ہو حالانکہ اس سب کے کوئی معنی نہیں۔ بلکہ تمام آیات حق ہیں۔ اپنے ظاہر پر ہیں۔ جس سے ان کا پھیرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا** '' (تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ یا ان کے دلوں پر اس کے قفل ہیں)۔ اور فرمایا ہے کہ'' **قرا ناعربیا** ''(ہم نے قرآن عربی نازل کیا جس میں کجی نہیں) اور فرمایا ہے'' **تبیانالکل شی** ''(ہر شے کا واضح بیان ہے) اور فرمایا ہے'' **اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتب یتلی علیھم** '' (کیا یہ ان لوگوں کے لیے کافی نہیں ہوا کہ ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے)۔ اور فرمایا ہے'' **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم** '' (اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اسی کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ لوگوں کے لیے واضح بیان دے) اللہ تعالیٰ نے تو یہ خبر دی کہ قرآن مجید ہر شے کا واضح بیان ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسے کوئی نہیں سمجھتا اور وہ واضح بیان نہیں ہے۔ ہم اللہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

آیات میں کوئی فرق نہیں :

ہم نے جو آیات تلاوت کی ہیں جن میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر و گمراہی کا ہونا چاہا ان میں اور ان آیات میں کوئی فرق نہیں

''**قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء وتذل من تشاء**

بیدک الخیر “(آپ کہا کیجئے کہ اے اللہ تو ہی ملک کا مالک ہے تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے تو عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تو ذلت دیتا ہے۔ خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے) اور اس آیت میں ”**ان اللہ یفعل مایشاء**“ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور فرمایا ہے ”**یجتبی من رسلہ من یشاء**“ (وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے)۔ اس کا یہ قول ہے ”**یرزق من یشاء** جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے“ ”**یختص برحمۃ من یشاء**“ (وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں مخصوص کر لیتا ہے)۔ اس کا یہ قول ہے۔ ”**فعال لمایرید**“ (وہ جو ارادہ کرتا ہے اس کا کرنے والا ہے)۔ یہ عموم ان آیات کے معانی کا جامع ہے۔ اور اس پر قرآن کی نص اور امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو حلف کرے اور قسم کھائے اور کہے کہ ”**ان شاء اللہ**“ (اگر اللہ چاہے) یا یہ کہے کہ ”**الا ان یشاء اللہ**“ (مگر یہ کہ اللہ چاہے) تو خواہ وہ کسی شے پر بھی حلف کرے۔ وہ اس شے کو کرے جس پر اس نے حلف کیا یا اسے نہ کرے تو اس پر حنث (یعنی قسم توڑنے کی ذمہ داری) نہیں اور نہ اس پر کفارہ لازم ہے۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور اس شخص کو (قسم کے مطابق) گزار دیتا۔ اور فرمایا ہے ”**ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ**“ (اور آپ ہرگز کسی شے کے لیے نہ کہیے کہ میں کل اس کو کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے)۔

معتزلہ کا اعتراض :

اگر معتزلہ اس آیت سے اعتراض کریں اور کہیں کہ ”**لو شاء الرحمن ماعبدناھم. ما لھم بذلک من علم ان ھم الا یخرصون**“ (اگر رحمن چاہتا ہوتو ہم ان (بتوں) کی پرستش نہ کرتے اس کے متعلق ان کو کوئی علم نہیں۔ یہ لوگ محض انکل اسے کہتے ہیں)۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تناقض نہیں ہوتا بلکہ اس کا بعض کلام بعض کی تصدیق کرتا ہے۔

اعتراض کی تحلیل :

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ چاہتا کہ یہ لوگ ایمان لائیں تو یہ ضرور ایمان لاتے اور اگر وہ نہ چاہتا کہ یہ شرک کریں تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اس نے ان کا گمراہ کرنا چاہا۔ وہ ان کے دلوں کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ محال و ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کی تکذیب کرے جس کے متعلق اس نے خبر دی اور جس کی تصدیق کی۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہٰذا اس آیت میں جو معتزلہ نے بیان کی ہے نہایت واضح برہان سے ان کے اعتراض کا صاف بیان ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنے اس قول میں کہ ”اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے“ جھوٹے ہیں کہ معتزلہ کو اس آیت سے اعتراض کا کوئی موقع ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف بتایا کہ ان لوگوں نے یہ جو کہا تو ان کے پاس اس کا کوئی علم نہیں ہے بلکہ انھوں نے محض انکل سیک ہہ دیا ہے۔ اس آیت میں قطعاً اس کے سوا کوئی معنی نہیں۔ یہ حق ہے اور یہ ہمارا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یا دوسری آیت میں ہرگز ان کے اس قول کا انکار نہیں کیا کہ ”اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے“ بلکہ اس نے دوسری آیات میں اس قول کی تصدیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اس کا انکار کیا ہے اور برا بتایا ہے جو انھوں نے یہ مقولہ بغیر علم کے لیکن تخمینے اور انکل سے کہہ دیا ہے۔

قائل حق کی تکذیب :

اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جھوٹا کہا ہے جس نے وہ حق کہا ہے کہ کوئی حق اس سے زیادہ حق نہیں۔ کیونکہ اس شخص نے اس حق کو بغیر اس کے اعتقاد کے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ. واللہ یعلم انک**

لرسولہ. واللہ یشھد ان المنا فقین لکاذبو ن "(اے نبی جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ بیشک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بیشک یہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں)۔

جب ان لوگوں نے سب سے سچا کلام کہا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت ہے مگر اس کے معتقد ہو کے نہیں کہا تو اللہ "اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے" اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے جبکہ ان لوگوں نے یہ کلام جو حق ہے بغیر اس کی صحت کا علم رکھتے ہوئے کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انکار کیا کہ وہ اس کو تخمینے اور اٹکل سے کہیں۔ برہان اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو خود اسی آیت کے بعد ہے" ام آتینا ھم کتا با من قبلہ فھم بہ مستمسکون بل قالوا انا وجدنا آباء نا علی امۃ وانا علی آثار ھم مھتدون " (یا ہم نے انھیں اس کے قبل کوئی کتاب دی ہے کہ جس سے وہ استدلال کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا۔ اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چل کر ہدایت پانیوالے ہیں) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان لوگوں نے اس کو بغیر کسی ایسی کتاب کے علم کے کہا جو ان کے پاس آئی ہو۔ انھوں نے جس بات کو معتقد ہو کر کہا وہ یہ تھا کہ یہ لوگ صرف اپنے باپ دادا کے نقش قدم کی پیروی کرنے سے ہدایت پا گئے۔ یہی وہ بات تھی جس پر ان لوگوں کا اعتقاد تھا اور ان کی اسی بات کا اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا نہ کہ ان کے اس قول کا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ لہذا یہ تو باطل ہو گیا کہ اس آیت میں معتزلہ کے لیے کوئی بھی گنجائش ہو۔ والحمد للہ رب العلمین ۔

دوسرا اعتراض :

اگر وہ لوگ اس آیت سے اعتراض کریں کہ "وقال الذین اشر کو الوشا ء اللہ ماعبدنامن دونہ من شئ نحن ولا آباؤ نا ولا حر منا من دونہ من شئ . کذلک فعل الذین من قبلھم. فھل علی الرسل الا البلاغ المبین " (اور جو لوگ شرک کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرتے اور نہ اس کے سوا کسی شے کا احترام کرتے۔ ایسا ہی ان لوگوں نے کیا جو ان کے قبل تھے۔ مگر کیا رسولوں کے ذمے سوائے کھلی ہوئی تبلیغ کے کچھ اور بھی ہے)۔

اسی کے متصل جواب ہے :

اگر وہ یہیں پر خاموش ہو جائیں تو یہ فریب کاری انھیں کامیاب نہ ہونے دے گی۔ اور ہم ان سے کہیں گے کہ قراءت کو ملاؤ اور آیت کے معنی کو پورا کرو۔ کیونکہ اس کلام الہٰی کے بعد کہ "فھل علی الرسل الا البلاغ المبین "اسی کے متصل یہ ہے" ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ و اجتنبوا الطاغوت . فمنھم من ھدی اللہ و منھم من حقت علیھم الضلالۃ " (اور بیشک ہم نے ہر امت میں ایک رسول (یہ پیام دے کے) بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے بچو۔ مگر ان میں وہ بھی تھے جن کو اللہ نے ہدایت کر دی اور ان میں وہ بھی تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی)۔

آخر نے اول کی توضیح کردی :

اس آیت کا آخری حصہ اس کے اول حصے کو واضح کرتا ہے۔ وہ یہ کہ ان لوگوں نے جو کچھ کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس میں ان کی تکذیب

نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکایت کی کہ انھوں نے یہ کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا نہ کسی کی پرستش کرتے اور نہ احترام کرتے)۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قطعاً ان کی تکذیب نہیں کی بلکہ اس قول کی ان سے اسی طرح حکایت کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی بھی حکایت کی ہے ’’**ولئن سألتهم من خلق السموات والا رض ليقولن اللّٰه**‘‘ (اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ لوگ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے) اگر اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کا انکار کرتا تو ضرور انھیں جھوٹا کہتا۔ چونکہ اس نے انھیں جھوٹا نہیں کہا تو بیشک اس نے اس قول میں ان کی تصدیق کی۔ **والحمدللّٰه رب العلمين**۔

تیسرا اعتراض :۔

اگر وہ لوگ اس کلام الٰہی سے اعتراض کریں کہ **سيقول الذين اشركو الوشاء اللّٰه ماشركنا ولاٰ اباؤنا ولاحرمنا من دونه من شيء كذلك كذب الذين من قبلهم حتى ذاقوا باسنا. قل هل عندكم من علم فتخر جوه لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخر صون** ’’ **قل فللّٰه الحجة البالغت. فلو شاء لهد يكم اجمعين . قل هلم شهد اء كم الذين يشهدون ان الله حرمر هذا فان شهد وا فلا تشهد معهم ولا تتبع اهوا ء الذين كذبوا بآ يتنا والذين لا يومنون بالآخرة وهم بربهم يعدلون قل تعالوا اتل ماحرم ربكم عليكم ان لا تشر كوابه شئيا** ’’ (عنقریب وہ لوگ کہ جو شرک کرتے ہیں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔ اور نہ ہم اس کے بغیر کسی شے کو حرام کرتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی تکذیب کی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ آیا تمھارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہو) تو اسے ہمارے لئے ظاہر کرو۔ تم لوگ تو محض خیال کی پیروی کرتے ہو اور تم لوگ تو محض اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اثر کرنے والی اور حد کو پہنچنے والی حجت تو اللہ ہی کی ہے۔ چنانچہ وہ اگر چاہے تو تم سب کو ہدایت کر دے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اپنے ان گواہوں کو بلاؤ جو یہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کر دیا ہے۔ پھر اگر وہ شہادت دیں تو آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دیجئے اور نہ ان لوگوں کے خیالات کی پیروی کیجئے جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو اپنے رب کی عدول حکمی کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ آؤ۔ تاکہ میں تمھارے سامنے تلاوت کروں کہ تمھارے رب نے تم پر کیا چیز حرام کی ہے۔ وہ یہی ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو)۔

احقاق وازہاق :

ہم نے اس خوف سے پوری آیت کی اس کی اسی ترتیب کے مطابق جو قرآن میں ہے اور اس کے اتصال کی تلاوت کر دی ہے تاکہ کہیں معتزلہ اسی آیت سے اعتراض کریں اور ’’تخرصون‘‘ کے پاس سکوت کریں۔ کیونکہ جو اللہ سے نہیں ڈرتا ہمیں اس کی فریب کاری کی وجہ سے اکثر اس کی حاجت ہوئی ہے کہ ہم بجائے آیت کے بعض حصے کی تلاوت کے اور بعض کو چھوڑ دینے کے اس طریقے پر کل آیت کو بیان کر دیں۔

قدریہ پر حجت :

یہ آیت قدریہ پر بڑی زبردست حجت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے اس قول کا انکار نہیں کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم لوگ شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم بغیر اس کے کچھ حرام کرتے‘‘ اگر ان کے اس قول کا انکار کرتا تو اس میں ضرور ان کی تکذیب کرتا۔ اور ان

کے بغیر علم کے ایسی بات کہنے کو ناپسند کیا ہے اور اس کا انکار کیا ہے۔ اگر چہ وہ لوگ اتفاق سے حق وصدق کے موافق ہو گئے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت ہی میں اپنے اس قول سے اس کو واضح کر دیا ہے کہ اس نے صرف ان کے یہ کہنے کا انکار کیا ہے کہ تم لوگ محض گمان وخیال کی پیروی کرتے ہو اور تم لوگ محض تخمینے اور اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ہم کو کسی شبہے میں نہیں چھوڑا بلکہ اسی کے بعد ایک ہی سلسلے میں اس طرح فرمایا کہ حد کو پہنچنے والی اور اثر کرنے والی حجت اللہ ہی کی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اس قول کی تصدیق فرمائی کہ اگر وہ چاہتا تو نہ وہ لوگ شرک کرتے نہ ان کے باپ دادا اور نہ وہ ان چیزوں کو حرام کرتے جو انھوں نے حرام کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اگر وہ چاہتا تو انھیں ضرور ہدایت کرتا تو وہ ضرور ہدایت پاتے۔

یہ بھی واضح کر دیا کہ اس بارے میں ان لوگوں پر اس کی حجت ہے اور کسی کی حجت اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند کیا ہے اور انکار فرمایا ہے کہ اگر یہ اس کو ظاہر کریں تو ان کے لئے عذر ظاہر ہو یا انبیا علیہم السلام پر حجت کا قائم ہونا ظاہر ہو۔ جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کر دیا کہ اس نے ان لوگوں کے اس کے اپنے رسولوں کی تکذیب کو بھی ناپسند کیا ہے جس کو اس نے اپنے اس قول میں واضح کیا ہے ”**کذلک کذب الذین من قبلھم**“ (اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جو ان کے پہلے تھے)۔ ”کذّب“ ”ذال مشدد“ کے ساتھ ہے جس میں قراء میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔

ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ جس چیز کی تحریم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ نے اسے حرام کیا ہے حالانکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس قول میں واضح کیا ”**قل ھلم شھداء کم الذین یشھدون ان اللہ حرم ھذا**“ (آپ کہیے کہ تم اپنے ان گواہوں کو بلاؤ جو یہ شہادت دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے)۔

اعتراض کا ابطال واضح ہو گیا :

مذکورہ بالا بیان سے جاہل معتزلہ کے قول کا بطلان اور ہمارے قول کی صحت واضح ہو گئی کہ عالم میں جو کچھ شرک وایمان اور ہدایت وگمراہی ہے اس سب کا ہونا اللہ نے چاہا اور اللہ ہی نے ان سب امور کے ہونے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کا کہ ”اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے“ کیونکر انکار کر سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق تصریحا خود اسی سورۃ میں ہمیں خبر دی ہے کہ ”**اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الہ الا ھو . واعرض عن المشرکین . ولو شاء اللہ ما اشرکوا**“ (اے نبی آپ اس وحی کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو بھیجی جاتی ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مشرکین سے علیحدہ رہیے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے)۔ یقیناً ہمارے قول کا صدق روشن ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب نہیں کی کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔ اور نہ ہم بغیر اس کے کوئی چیز حرام کرتے۔

یہ بھی ان کے اسی قول کے مثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے ”**انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ**“ (کیا ہم اسے کھلائیں کہ اگر

اللہ چاہے تو اسے کھلا دے) اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو تکذیب کے لیے وارد نہیں کیا ہے۔ بلکہ بلا شک اس میں ان کی تصدیق کی گئی ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو فقراء کو اور بھوکوں کو کھلاتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ معتزلہ اس کا انکار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو محض اس لئے وارد کیا ہے کہ ان لوگوں نے صدقہ نہ دینے اور بھوکوں کو نہ کھلانے میں اس سے استدلال کیا ہے۔ محض اسی قول سے معتزلہ نے اپنے رب پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ وہ ہمیں اس چیز کی تکلیف دیتا ہے بس پر ہم قادر نہیں۔ اس کے بعد اسی چیز پر کہ جس کے ہم سے سرزد ہونے کا اس نے ارادہ کیا ہم پر عذاب کرتا ہے۔ یہ لوگ بھی انھیں کے راستے پر چلے جو کہتے ہیں کہ اس بھوکے کے کھلانے کا ارادہ کرتا تو خود اسے کھلا سکتا تھا۔

اس کی بربادی ہے جو اپنے رب کے حکم کی مخالفت کرے۔ اور اس پر حجت پیش کرے پہنچنے والی حجت تو اللہ ہی کی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو بیشک اسے کھلاتا جس کا کھلانا ہم پر لازم کیا۔ اگر وہ چاہتا تو کفار کو ہدایت کرتا اور وہ ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ اس نے یہ ارادہ کیا کہ جو مسکین کو نہ کھلائے اس پر عذاب کرے اور ان کفار پر کہ جنھیں وہ خود گمراہ کرے۔ وہ جو چاہے کرے اس سے باز پرس نہیں ہو سکتی۔ اور ان لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔**

بے دلیل دعوے :

معتزلہ نے کہا کہ اس آیت کے ’’**ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ**‘‘ (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا)۔ ’’**ولآمن من فی الارض** ‘‘ (اور جو لوگ زمین پر ہیں ضرور ایمان لے آتے)۔ اور ان تمام آیات کے جو میں نے انھیں پڑھکر سنائیں‘‘ معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایمان پر مضطر و مجبور کر دیتا تو وہ مضطر ہو کے ایمان لاتے اور جزائے جنت کے مستحق نہ ہوتے۔

تحلیل و تجزیہ :

یہ وہ تادیل ہے جس میں انھوں نے بہت سی بلائیں جمع کر لی ہیں۔ ان میں سب سے پہلے تو یہ ہے کہ یہ قول بلا برہان اور دعوی بلا دلیل ہے۔ جو ایسا ہے وہ ساقط و غیر معتبر ہے۔ ان سے کہا جائے کہ تمھارے نزدیک اس ایمان ضروری (اضطراری) کی صفت و تعریف کیا ہے جس پر ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔

تمھارے نزدیک اس ایمان غیر ضروری (غیر اضطراری) کی صفت و تعریف کیا ہے جس پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ لوگ قطعاً فرق بیان کرنے پر قادر نہ ہونگے سوائے اس کے کہ یہ کہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو فرماتا ہے۔ ’’**یوم یاتی بعض ایات ربک لا ینفع نفسا ایمانھالم تکن آمنت من قبل اوکسبت فی ایمانھا خیرا** ‘‘(جس روز آپ کے رب کی بعض علامات (قیامت) آجائیں گی تو کسی شخص کو اس کا ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو اس نے اپنے ایمان کی حالت میں خیر نہ حاصل کی ہو)۔ مثل اس کلام الٰہی کے ہے ’’**ویقولون متی ھذا الفتح ان کنتم صادقین .قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم ولا ھم ینظرون** ‘‘ (اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی۔ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ فتح کے روز کفار کو ایمان لانا مفید نہ ہوگا اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی) یہ قریب مرگ کی اس حالت کے مثل ہے جو عالم غیب کے معاینے کے وقت ہوتی ہے کہ اس میں اس کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا (یعنی مرتے وقت کسی کافر کو عذاب کے فرشتے یا دوزخ نظر آئے اور وہ اس کے خوف سے ایمان لائے تو یہ

ایمان قبول نہیں)۔ جیسا کہ فرعون سے کہا گیا کہ ’’ **الآ ن وقد عصیت قبل** ‘‘ (تو اب ایمان لاتا ہے (جب دریا میں ڈوب رہا ہے) حالانکہ پہلے تو نافرمانی کر رہا تھا)۔

اَین المفرُّ :

معتزلہ سے کہا جائے گا کہ یہ تمام آیات حق ہیں اور ملائکہ نے ان آیات واحوال کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور اس سے ان کے ایمان کا قبول کرنا باطل نہیں ہوا۔ تو پھر تمھارے اصول کی بنا پر ان کا ایمان ایمان اضطراری کیوں نہ ہوا جس پر وہ جزائے جنت کے مستحق نہ ہوتے یا اس پر ان کی جزا ہر مومن سے جو ان کے علاوہ ہیں افضل ہوتی۔ یہ وہ سوال ہے جس سے انھیں رہائی نہیں ہوسکتی۔

ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ ان مومنین کے ایمان کے متعلق بتاؤ جن کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق مشاہدہ معجزات سے ثابت ہے۔ مثلاً شق قمر سے۔ تھوڑے کھانے سے جماعت کثیر کے شکم سیر کرنے سے۔ انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہونے سے۔ دریا کے پھٹنے سے اور مردوں کے زندہ کرنے سے یہ سب اس تواتر کی روایت ونقل سے ثابت ہوا ہے جس سے ہم سے پہلے کے واقعات اور بادشاہ وغیرہ ثابت ہوتے ہیں جس میں اس شخص کی جسے یہ واقعہ پہنچے ایسی ہی حالت یقین ہوتی ہے کہ جیسے اس شخص کی جو اس کا مشاہدہ کرے۔ اس کے ہونے کے صحت یقین میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۱) کیا ان کا ایمان محض ایمان یقین ہے؟ جو ان کے نزدیک ثابت ہے اور یہ حق ہے اور اس میں انھیں کسی شک نے خلجان میں بھی نہیں ڈالا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق ان کا علم ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کا یہ علم کہ تین دو سے زائد ہوتے ہیں۔ مثلاً ان کا اس چیز کا علم جس کا انھوں نے اپنے حواس سے مشاہدہ کیا ہے کہ یہ سب حق ہے اور اسے انھوں نے اضطراری وضروری طور پر جانا ہے۔

(۲) یا ان کا یہ ایمان یقینی نہیں کہ جس پر ایمان لائے اس کی صحت ان کے نزدیک یقینی ہو کہ جیسے ان کا اس چیز کی صحت کو قطعی جاننا جس کا انھوں نے اپنے حواس سے مشاہدہ کیا ہے۔ کسی تیسری قسم کی گنجائش نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اب یقین ہے۔ ان کا علم اس کے متعلق ثابت ہے کہ وہ حق ہے جس میں ان کے نزدیک شک کو داخل نہیں جو ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کے نزدیک اس چیز کی صحت کا تیقن کہ جس کا انھوں نے اپنے حواس سے مشاہدہ کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ بعینہ یہی ایمان اضطراری ہے۔ ورنہ تم فرق بیان کرو۔ اور یہی وہ ایمان ہے جس کے متعلق تم نے یہ ملمع کاری کی تھی کہ وہ اس پر اسی طرح جزا کا مستحق نہیں جس طرح اس کے غر (یعنی غرور) پر بحمد اللہ تعالیٰ یہ تمھاری ہر فریب کاری کے متعلق ہے کیونکہ تم نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی ’’ **لجمعھم علی الھدیٰ** ‘‘ (اگر چاہے تو سب کو ہدایت پر جمع کردے) ’’ **ولا من من فی الارض** ‘‘ (اور جو زمین پر ہیں ضرور ایمان لے آتے) یہ ہیں کہ وہ اس سب کو ایمان پر مضطر کر دیتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مومنین کا ایمان اس قسم کا نہیں ہے اور نہ ان کا توحید ونبوت کی صحت کا علم یقین وضرورت کی بناء پر ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے یہ واجب کر دیا کہ مومنین اپنے ایمان میں شک پر ہیں اور اپنے اعتقاد میں عدم یقین پر ہیں۔ حالانکہ یہ ایمان نہیں ہے بلکہ جس کا دین اس قسم کا ہو یہ اس کا خالص کفر ہے۔ اگر معتزلہ کے ایمان کی صفت یہی ہے تو وہ اپنے آپ کے زیادہ جاننے والے ہیں۔

الحمد للہ ہمارا ایمان تو ایمان ضروری واضطراری ہے جس میں کسی شک کا گذر نہیں۔ جیسا کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ تین زائد ہیں دو سے بیشک ہر بنا بنائی گئی ہے۔ ہر وہ شخص جو معجزہ لائے وہ اپنی نبوت کا ثابت کرنیوالا ہے۔ ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہمارا ابتدائی علم استدلالی تھا

یا حواس سے اس کا ادراک کیا گیا تھا۔ کیونکہ جس شے کی صحت کا عقیدہ کیا گیا ہے اس کے یقین کرنے میں دونوں صورتوں کا نتیجہ یکساں ہے۔

وبا للّٰہ تعالیٰ التوفیق ۔

ہم معتزلہ سے ان لوگوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جو ہمارے رب کی بعض علامات دیکھیں گے جس روز کسی شخص کو اس کا ایمان مفید نہ ہوگا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انھیں اسی ایمان سے نفع پہنچائے اور انھیں اس پر اپنی جزا دے جیسی کہ اور مومنین کو دے گا۔ یا وہ اس پر قادر نہیں ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ اس پر قادر ہے تو انھوں نے حق وتسلیم کی طرف رجوع کرلیا اور یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا روک لیا اور جسے چاہا عطا کردیا۔ اس نے بعض کے ایمان کو جو بعض آیات وعلامات دیکھنے کے بعد ایمان لائے باطل کردیا۔ ان لوگوں کا ایمان باطل نہیں کیا جو کسی دوسری آیت وعلامت دیکھنے کے وقت ایمان لائے۔ حالانکہ باب اعجاز میں دونوں مساوی ہیں۔ معتزلہ کے نزدیک یہی خالص محاباۃ اور کھلا ہوا جور ہے۔

اگر انھوں نے اپنے رب کو اس سے عاجز کہا تو وہ پھر گئے اور کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کو مضطر وصاحب طبیعت ومحکوم علیہ بنادیا جس سے وہ برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**فلو لا کا نت قریۃ آمنت فنفعھا ایما نھا الا قوم یونس . لما آمنو اکشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا و متعنا ھم الی حین** '' (پھر کیوں نہ کوئی بستی ایمان لائی اور اسے اس کے ایمان نے نفع دیا سوائے قوم یونس کے کہ جب یہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیاوی زندگی میں ان سے ذلت دینے والے عذاب کو ہٹا دیا اور انھیں ایک مدت تک مستفید کرتے رہے) اسی قوم یونس علیہ السلام نے جب عذاب کو دیکھا تو وہ ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے ایمان کو قبول کرلیا۔ اور فرعون اور بقیہ امم جن پر عذاب کیا گیا ہے جب انھوں نے عذاب دیکھ لیا تو وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔

معتزلہ کے اس قول کا فساد بھی ظاہر ہوگیا کہ ایمان اضطراری پر بالکل جزا کا مستحق نہیں ہوتا۔ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ایمان کو چاہتا ہے قبول کرتا ہے اور جس کے ایمان کو چاہتا ہے نہیں قبول کرتا۔ اور اس سے زیادہ نہیں۔ بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے کہ اچھا ٹھہرو اگر تمھارے لیے یہ باطل و بے ہودہ امر ثابت ہوجائے جس کی تمھیں ہدایت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ '' **لجمعھم علی الھدی** '' (انھیں ہدایت پر جمع کردیتا) معنی یہی ہیں کہ البتہ انھیں ایمان کی طرف مضطر کردیتا۔ تو ہمیں بتاؤ کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس میں جن و انسان کا کونسا ضرر ہوجاتا۔ بلکہ اس میں تو پوری خیر ہوتی۔ جیسا کہ تم گمان کرتے ہو بچوں کا کونسا نقصان ہوا۔ کیونکہ ان کا ایمان بھی اختیاری نہیں ہے۔ حالانکہ انھیں بہترین انعامات حاصل ہوں گے جو دوزخ سے بالکل محفوظ رہنا ہے اور جس ہول کی خبر دی گئی ہے اس سے اور حساب کی سختی سے اور ان تمام مقامات کی پریشانی سے نجات ہوگی یہ سب کے سب امن وسلامت کے ساتھ اور آرام اور چین کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اور وہ پریشانی نہ دیکھیں گے جو دوسرے لوگ دیکھیں گے۔

ان لوگوں نے اپنے اس دعوے میں جس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان لگایا، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ مراد بیان کی جس کو اس نے نہیں کہا۔ قرآن ولغت کی بھی مخالفت کی ہے۔ اس لیے کہ ہدایت وایمان کا اطلاق سوائے ان معنی کے جو قرآن ولغت میں مقرر ہیں اور کسی معنی پر قطعاً نہیں ہوتا۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طاعات ہیں اور ان پر عمل کرنا اور ان کا قائل ہونا اور ان سب کی تصدیق کرنا نص قرآن کے

مطابق یہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا و جنت کے موجب ہیں جمادات اور حیوان غیر ناطق اور مجنون اور بچے کو مومن نہیں کہا جاتا اور نہ مہتدی (ہدایت پانے والا) سوائے اس کے کہ محض ان معنی کے اعتبار سے مومن کہہ دیا جاتا ہے جن میں مجنون اور بچے پر خاص احکام جاری ہوتے ہیں۔

جو کچھ ہم نے کہا اس پر برہان اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”**ولو شئنا لآتینا کل نفس ھدیھا ولکن حق القول منی لا ملئن جھنم من الجنة و الناس اجمعین** “ (اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور ہر نفس کو اس کی ہدایت دیدیتے لیکن میرا یہ قول سچا ہے کہ میں ضرور ضرور جن وانس دونوں سے جہنم کو بھروں گا)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ ہدایت کہ اگر اللہ چاہتا تو اس پر سب لوگوں کو جمع کر دیتا۔ یہی دوزخ سے نجات دلانے والی ہے اور وہ ہدایت وہی ہے جس کے پانے والوں سے اللہ تعالیٰ جہنم کو نہ بھرے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ ”**وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ** “ (اور کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت کے ایمان لے آئے)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ہر طرح کا ایمان ایک ہی شے ہے اور وہی دوزخ سے بچانے والا اور جنت کا واجب کرنیوالا ہے۔ اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**من یھدی اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا**“ (جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کرتا ہے تو ہرگز تو اس کے لیے کسی دوست کو راہ بتانے والا نہ پائے گا)۔

فرماتا ہے ”**انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء** “ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے مگر اللہ جس کو چاہے ہدایت کر سکتا ہے)۔

یہ تمام آیات اس پر مبنی ہیں کہ ہدایت مذکورہ معتزلہ کے نزدیک اختیاری ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ”**ولو شاء ربک لامن من فی الا رض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکو نوا مؤمنین** “(اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور وہ سب کے سب لوگ ایمان لے آتے جو روئے زمین پر ہیں۔ تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں)۔

فرمایا ہے ”**لا اکراہ فی الدین** “ (دین میں کسی قسم کا اکراہ و زبردستی نہیں ہے)۔ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ”**لجمعھم علی الھدی و لآمن من فی الارض** “ میں وہ ایمان ہرگز مراد نہیں جس میں اکراہ اور زبردستی ہو۔ لہذا معتزلہ کا ہذیان باطل ہو گیا۔ **والحمدللہ رب العلمین**۔

اگر معتزلہ ہم سے کہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفر و گمراہی کے ہونے کا ارادہ کیا تو تم لوگ بھی اسی چیز کا ارادہ کرو جس کا ارادہ اللہ نے کیا۔

ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ ہمیں اس چیز کے کرنے کا حق نہیں جس کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اور نہ ہمارے لئے اس چیز کا ارادہ کرنا حلال ہے جس کے ارادے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ ہم اس چیز کو محبوب سمجھتے ہیں جس کے محبوب سمجھنے کا ہمیں حکم دیا گیا۔ اسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں جس کے ارادے کا ہمیں حکم دیا گیا۔

ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیمار ڈالنے کا ارادہ کیا یا نہیں کیا ؟ جب آپ کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دینے کا ارادہ کیا یا نہیں کیا۔ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم کی جب وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کا ارادہ کیا یا نہیں کیا۔ لامحالہ یہ کہنا پڑے گا ان سب امور کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا۔ تو انھیں لازم آئے گا کہ وہ بھی نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری و وفات اور آپ کے فرزند کی وفات کا ارادہ کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب امور کا ارادہ کیا، اگر وہ اس کو مان کر ایسا کریں تو انھوں نے بغیر کسی اختلاف کے بد دینی کی اور اللہ و رسول کی نافرمانی کی اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو جو الزام انھوں نے ہمیں دینے کا ارادہ کیا تھا وہ باطل ہوگیا۔ سوائے اس کے کہ ان کے اصول فاسدہ کی بنا پر یہ انھیں کے لیے لازم ہے نہ کہ ہمارے لیے اس لیے کہ انھوں نے اس مسئلے کو صحیح مانا ہے (کہ جو اللہ ارادہ کرے وہ ہمیں بھی کرنا چاہے) اور ہم نے اس کو صحیح نہیں مانا ہے۔ اور جو کسی شے کو صحیح مانے وہ اسی کو لازم ہے۔

ہم انکار نہیں کرتے :

بتوفیق الٰہی معتزلہ سے ہم کہتے ہیں کہ کسی حال میں بھی ہم اس کا انکار نہیں کرتے جو ہمارے لیے بعض لوگوں کے کافر رہنے کا ارادہ اور خواہش کرنے کو مباح کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرزند آدم کی اس بات کی تعریف کی ہے جو انھوں نے اپنے بھائی سے کہی تھی ''**انی ارید ان تبو أ باثمي واثمک فتکون من اصحاب النار وذلک جزا ء الظلمین** '' (میں ارادہ کرتا ہوں کہ تو ہی میرا اور اپنا گناہ کمائے تاکہ تو ہی دوزخی بنے۔ اور ظلم کرنیوالوں کی یہی سزا ہے) ان بزرگ فرزند آدم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان کا بھائی دوزخی ہو اور وہ ان کے گناہ کو اپنے گناہ کے ساتھ کمائے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے اس قول کی تصحیح فرمائی'' **ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم قال قدا جیبت دعوتکما** '' (اے ہمارے رب ان کے مالوں کو تباہ کردے اور ان کے دلوں پر گرہ لگا دے کیونکہ یہ ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ درد دینے والے عذاب کو نہ دیکھ لیں)۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے ارادہ کیا ہے اور یہ چاہا ہے کہ فرعون ایمان نہ لائے اور کافر ہونے کی حالت میں مر کے دوزخ میں جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت آئی ہے کہ آپ نے عتبہ بن ابی وقاص کے لیے یہ دعا کی کہ وہ کافر ہونے کی حالت میں مر کے دوزخ میں جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اس نفس کی طرف سے سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ اس کا علم رکھتا ہے کہ میرے نفس میں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک مجھے عقبہ بن ابی معیط کے کافر مرنے سے بڑی مسرت ہے اور یہی حال ابولہب کا بھی ہے اس لئے کہ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتے تھے تاکہ ان دونوں پر کلمۂ عذاب تام و مکمل ہو جائے۔ انسان اس شخص کی موت سے خوش ہوتا ہے جو ظلماً اس کی اذیت میں گھسا ہوا ہو کہ یہ بہت ہی بری طرح مرے۔ ہمیں بعض صالحین کے متعلق بعض ظالموں کے بارے میں یہی روایت پہنچی ہے۔ اس شخص پر کوئی حرج نہیں جو محمد و موسیٰ علیہما السلام اور بزرگ فرزند آدم علیہ السلام کی پیروی کرے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کافر و ظالم پر لعنت کرنے اور اس کے لیے عذاب دوزخ کی دعا کرنے میں اور اس کے لیے یہ دعا کرنے میں کہ یہ کافر اور بغیر بخشے ہوئے مرے اور دونوں امور پر مسرت کرنے میں کونسا فرق ہے۔ **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل**۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**ولو شاء اللہ لسلّطھم علیکم** '' (اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا) اور فرمایا ہے ''**وما النصر الا من عنداللہ** '' (اور مدد تو محض اللہ ہی کے پاس سے ہوتی ہے)۔ اور فرمایا ہے'' **اذھم قوم ان یبسطو االیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم** '' (جبکہ ایک قوم نے ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے ہاتھ تمھاری طرف دراز کریں۔ مگر اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روکا) اور فرمایا ہے ''**ھو الذی کف ایدھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن ،مکۃ** '' (وہ ذات کہ جس نے مکے کے اندر ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا (یعنی فتح مکہ کے موقع پر جنگ نہیں ہونے دی)۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جن کفار کو انبیا پر اور اہل بیر معونہ

پر اور غزوۂ احد کے روز مسلط کیا وہ اللہ ہی نے مسلط کیا اور اس نے انھیں مہلت دینے کے لیے اور مومنین کو آزمانے کے لیے ان کی مدد کی۔

جو اس کا انکار کرے اس سے کہا جائے گا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے روکنے سے عاجز تھا۔ پھر اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو انھوں نے کفر کیا اور تناقض اختیار کیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ جب اس نے چاہا کفار کے ہاتھوں کو مومنین سے باز رکھا اور جب چاہا اس نے ان کے ہاتھوں کو مومنین پر مسلط کر دیا اور ان کے ہاتھوں کو نہیں روکا۔

معتزلہ کے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان انبیاء کا سپرد کرنا جن کو اس نے ان کے دشمنوں کے سپرد کیا پھر ان کو ان لوگوں نے مقتول و مجروح کیا اور ان بچوں کا سپرد کرنا جن کو اس نے ان کے دشمنوں کے سپرد کیا کہ وہ انھیں برانگیختہ کریں اور بدکاری کے ارتکاب سے جبکہ ہو سکے تو ان پر غلبہ کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین ثواب عطا کرے تو یہ خذلان یعنی ترک نصرت و بے یاری و مددگاری نہیں ہے۔

ہم کہیں گے کہ لفظ خذلان سے تو ہمیں بھی چھوڑ دو کیونکہ ہم اسے جائز نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اس کو بیان نہیں کیا۔ لیکن ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ جب انبیاء علیہم السلام کا قتل بڑے سے بڑا کفر و ظلم ہے اور تمھارے قول کے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیا کہ انھیں بہترین عوض دے تو تم نے اپنے گمان کے مطابق اس کا اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے انکے دشمنوں کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا اور تمھارے اقرار کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ کیا تو تمھارے ہی اقرار کے مطابق اس نے بڑے سے بڑے کفر کے ہونے کا ارادہ کیا اور بڑی سے بڑی گمراہی کا واقع ہونا چاہا۔ اس نے اسے اپنے انبیاء علیہم السلام کے لیے اس وجہ سے پسند کیا جو تم کہتے ہو خواہ وہ کوئی وجہ بھی ہو۔ اس اعتراض سے ان کو کبھی رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم اسی قائل سے کہتے ہیں کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے حوالے کرنا کہ وہ انھیں قتل کریں۔ تمھاری اس توجیہ و تاویل کے مطابق جو اس امر میں تمھارے اصول کی توڑنے والی ہے کہ اس نے زائد سے زائد جزا تک پہنچا دیا اس لیے وہ خذلان نہیں رہا، اسی طرح مسلمان کا اس کے دشمن کے حوالے کرنا کہ وہ اسے برانگیختہ کرے اور اس کے ساتھ بدی کا ارتکاب کرے، یہ بھی تمھارے اصول کے مطابق خیر و عدل ہے تو اس توجیہ کے مطابق تم پر لازم آتا ہے کہ تم بھی اس کی تمنا کرو جن انبیاء کیساتھ اس کام میں کفار کو کامیابی ہوئی اس پر مسرت کرو اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ حالانکہ یہ تمھارے قول کے بھی خلاف ہے اور اجماع اہل اسلام کے بھی خلاف ہے۔ اور اس اعتراض سے بھی انھیں رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم کو یہ لازم نہیں آتا اس لیے کہ ہم اس کے سوا کسی چیز سے مسرور نہیں ہوتے کہ جس پر مسرور ہونے کا ہمیں اللہ نے حکم دیا۔ ہم صرف اسی کی تمنا کرتے ہیں جس کے لیے دعا کرنا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جائز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل اگرچہ وہ اس سے عدل و خیر ہے مگر اسی فعل کو جو اس کے غیر سے سرزد ہو تو اس کا نام اس نے ظلم رکھا ہے اور اس نے ہم پر فرض کیا ہے کہ ہم اسے برا جانیں۔ اس سے بیزاری ظاہر کریں اور کسی مسلمان کے لیے اس کی تمنا نہ کریں۔ ہم تو صرف اسی کی پیروی کرتے ہیں جو نصوص سے ثابت ہو۔ **وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق۔**

نابینائی کا الزام :

معتزلہ میں سے ایک معترض نے کہا کہ جب تم نے کلام الٰہی پر عمل کیا اور اس کو سیکھا اور جانا " **والذین لایؤمنون فی آذانهم وقرو هو علیهم عمی** " (اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ٹھیٹھی ہے اور یہی ان پر نابینائی ہے) تو تمھیں کیا معلوم کہ شاید

تمھارے ہی اوپر نابینائی ہو۔

مومن نابینا نہیں ہوسکتا :

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ نابینائی صرف ان لوگوں پر ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ **الحمدللہ** ہم تو مومن ہیں۔ اس لیے ہم اس سے امن میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت کی ہے جو قرآن کو اس کے ظاہر کے خلاف محمول کرتے ہیں فرمایا ہے کہ ''**یحرفون الکلم عن مواضعه** (کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں)۔ درحقیقت تمھاری یہی صفت ہے جو علانیہ تم میں موجود ہے۔ جو قرآن کو اس لغت عربیہ پر محمول کرے جس کے ذریعے سے مخاطب بنایا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی پیروی کرے تو قرآن اس کے لیے ہدایت وشفا ہے جو اس کے کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دے۔ اپنی رائے سے اس میں دعویٰ کرے۔ اس کے باطن کے راز واسرار کا دعویٰ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے منہ پھیرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اسی کے حکم سے بیان کیا گیا ہے منانیہ کے قول کی طرف مائل ہو، تو یہی شخص ہے جس پر قرآن نابینائی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

معتزلہ کی ''شہادت'' :

معتزلہ کے عجائب اور ان کے بہت بڑے جہل وحماقت اور پیشقدمی میں سے یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ وہ شہادت جس کا اللہ تعالیٰ نے شہداء کو رشک دلایا اور جس کی وجہ سے ان کے لیے بہترین جزا واجب کردی اور جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور مسلمانوں کے بزرگوں نے تمنا کی ہے وہ یہ قتل نہیں ہے جو مومن کو کافر کرتا ہے اور نہ وہ قتل ہے جو بیگناہ مسلمان کو ظالم کرتا ہے۔

معتزلہ کا جنون وجہل وہذیان سرائی ووساوس حد قیاس سے بھی زائد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہو جائے وہ اسی کا مستحق ہے جو یہ کہے کہ وہ اس چیز پر قادر ہے جس پر اس کا رب قادر نہیں۔ اور جو یہ کہے کہ اس کی عقل بالکل انبیا علیہم السلام کی عقول کے مثل ومساوی ہے۔ تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس قسم کے خذلان سے خاذل کرے (یعنی اس طرح کی بے یاری ومددگاری سے بے یار ومددگار کردے اور ایسی بے توفیقی سے توفیق سے دور کردے) ہم اللہ سے اس کے خذلان سے پناہ مانگتے ہیں اور اس سے پناہ وحفاظت کی دعا کرتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی بچانیوالا نہیں ہے۔

کیا ان لوگوں نے یہ کلام الٰہی نہیں سنا کہ '' **اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة . يقاتلون فی سبيل الله فيقتلون ويقتلون وعدا عليه حقا** '' (اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کے جان ومال کو خریدا ہے بعوض اس کے کہ ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ یہ سچا وعدہ ہے جو اس کے ذمے ہے)۔ اور فرمایا ہے '' **ولا تقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات. بل احياء** '' (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انھیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں)۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنی عقول کے مطابق شہادت کی تفسیر کی ہے۔ کہا ہے کہ شہادت یہی ہے کہ ان زخموں پر صبر کرنا جو قتل تک پہنچادیں اور جنگ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرنا۔

اس کلام میں تین قسم کا جنون ہے۔

اول یہ کہ یہ کلام نو ایجاد ہے جسے انکے خیر سے محروم ہونے والے متاخرین سے پہلے کسی نے نہیں کہا۔

دوم یہ کہ جو کچھ انھوں نے بیان کیا اگر اسے واضح کیا جائے تو لامحالہ شہادت زندگی میں ہوگی نہ کہ موت کے سبب سے۔ اس لیے کہ زخموں پر صبر اور آگے بڑھنے کا قصد تو صرف زندگی ہی میں ہو سکتا ہے حالانکہ نص قرآن وصحیح احادیث واجماع امت کے مطابق شہادت فی سبیل اللہ صرف قتل سے حاصل ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ جس چیز سے یہ لوگ بھاگے تھے بعینہ اسی میں گر پڑے۔ وہ یہ ہے کہ جس شہادت کی مسلمانوں نے تمنا کی ہے اگر وہ جنگ کی طرف بڑھنے کا قصد اور قتل تک پہنچا دینے والے زخموں پر صبر ہے تو یہ ان امور سے حاصل ہے مسلمانوں کو کفار کے قتل کرنے کی تمنا اور اس کی تمنا کہ وہ مسلمانوں کو اتنا مجروح کریں کہ یہ زخم قتل تک پہنچا دیں اور کفار کے کفر پر قائم رہنے کی تمنا کہ وہ اہل اسلام کو ایسے زخمی کریں جو قاتل ہوں۔ حالانکہ کفار کا مسلمانوں سے جنگ کرنا اور ان کا مسلمانوں کے لیے ثابت قدم رہنا اور ان کا مسلمانوں کو مجروح کرنا بلا شک معصیت وکفر ہے۔ لہٰذا انھوں نے معاصی کی تمنا حاصل کی۔ حالانکہ یہ وہی چیز ہے جسے ان لوگوں نے برا جانا تھا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

لہٰذا وہ تمام امور باطل ہو گئے جنھیں معتزلہ نے برا جانا تھا۔ **والحمد للّٰہ رب العلمین۔**

☆☆

لطف واصلح

جمہور معتزلہ قدر (مسئلہ تقدیر) کی ایک فصل میں بہت دور کی گمراہی میں پڑ گئے۔ سوائے ضرار بن عمرو وحفص الفرد و بشر بن المعتمر اور ان کے چند متبعین کے سب نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو خواہ وہ کافر ہوں یا مومن جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے پاس اس سے اصلح یعنی زیادہ درست ومناسب کوئی چیز نہیں ہے۔ نہ اس کے پاس اس سے زیادہ ہدایت کرنیوالی کوئی ہدایت ہے جس سے اس نے کافر ومومن کو مساوی طور پر ہدایت کر دی ہے۔ نہ وہ کسی ایسی شے پر قادر ہے جو اس سے اصلح یعنی زائد درست ومناسب ہو جو اس نے کفار مومنین کے ساتھ کی ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں میں اختلاف ہے۔ ان کے جمہور نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو صلاح و درستی کر چکا ہے اس کی غیر محدود مثالوں پر وہ قادر ہے۔

ان کے سب سے چھوٹے گروہ نے جو عباد اور اس کے موافقین کا ہے یہ کہا ہے کہ جمہور کا قول باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی اور صلاح کے کرنے کی وجہ سے کسی صلاح کو جس پر وہ قادر ہے ترک کر دے۔

اس کفر میں جس کو یہ لوگ لائے ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس اس سے افضل واصلح کوئی جو اس نے لوگوں کے ساتھ کی اور وہ اسے لوگوں سے روک لیتا تو بیشک وہ بخیل اور لوگوں کے لیے ظالم ہوتا۔ اگر وہ اپنے فضل سے کوئی چیز بعض لوگوں کو دیتا اور بعض کو نہ دیتا تو وہ محابی وظالم ہوتا (محابی یعنی تخصیص کرنے والا) اور محاباۃ جور وستم ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی کہ وہ اس کو کفار کو عطا کرتا تو وہ اسکے سبب سے ایمان لے آتے۔ وہ اس چیز کو کفار سے روکتا تو وہ کفار کے لیے انتہائی ظلم کرنے والا ظالم ہوتا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر ایک انسان بہت سے اموال کا مالک ہو جو اس کی حاجت سے زائد ہوں اور وہ ان کا محتاج نہ ہو۔ پھر اس کے ایک فقیر ہمسائے نے جس کے لیے صدقہ لینا حلال ہے اس کا قصد کیا اور اس سے ایک درہم مانگا کہ اس سے اپنی جان کو زندہ رکھے، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ شخص اس کا محتاج ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اس کی جان روکنے کا تدارک کر سکتا ہے پھر بھی اس نے بغیر کسی مقصد کے اس سے روکا تو یہ شخص بخیل ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اسے یہ معلوم ہے کہ یہ جب اسے درہم ویدے گا تو اسے وہ افعال سہل ہو جائیں گے جنھوں نے اسے تکلیف دی ہے پھر بھی اس نے اسے اس سے روکا تو یہ بخیل وظالم ہے۔ اگر اسے یہ علم ہے کہ یہ اس کی تکلیف کا صلہ وتدارک بغیر اس درہم کے نہیں کر سکتا پھر بھی اس نے اسے روکا تو یہ بخیل وظالم ونادان ہے۔ یہ ان کے کل دلائل ہیں جن سے انھوں نے استدلال کیا ہے۔ اس کے سوا ان کے پاس قطعاً کوئی اور حجت نہیں ہے۔

ضرار بن عمرو وحفص الفرد و بشر بن المعتمر اور ان کے موافقین جو بہت ہی قلیل ہیں اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس الطاف کثیرہ ہین جن کی کوئی حد نہیں ہے۔ اگر وہ یہ الطاف کفار کو عطا کر دیتا تو وہ ضرور ایمان لے آتے جو ایمان اختیاری ہوتا جس سے وہ ثواب جنت کے مستحق ہوتے۔ ابو علی الجبائی اور اسکے بیٹے ابو الہاشم نے بھی اسی کے قریب قریب مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس نے اس کو

ثابت نہیں کیا ہے۔ بشر بن المعتمر اس کی تکفیر کرتا تھا جو اصلح کا قائل ہو، اس زمانے کے معتزلہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ بشر نے لطف کے قول سے توبہ کرلی اور اصلح کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔

ان لوگوں کی حجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ وہ کیا کہ اس کے نزدیک اگر یہ لوگ چاہتے تو ایمان لے آتے۔ اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ نہ اسے اس سے زیادہ کچھ لازم ہے۔ اصلح کے ماننے والوں نے ان لوگوں کی اس طرح مخالفت کی ہے کہ کہا ہے کہ اختیار یہ ہے کہ جس کا فعل بھی ممکن ہو اور ترک بھی ممکن ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ان الطاف کے عطا کرنے کے بعد کفار کو ایمان کا اختیار تھا تو ضرور انھیں اس کے کرنے کا بھی امکان تھا اور اس کے نہ کرنے کا بھی۔ لہذا جو حالت تھی وہی باقی رہی۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ لوگ لامحالہ مومن ہو جاتے تو یہ اللہ تعالیٰ کیجانب سے ان کے لیے ایمان پر اضطرار ہے نہ کہ اختیار۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم لوگ اس کا انکار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انھیں ایمان پر مضطر کردے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے "**یو م یاتی بعض ایا ت ربک لا ینفع نفسا ایمان لھا لم تکن آمنت من قبل**" (جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی شخص کو اس کا ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو۔) ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان لوگوں کے ساتھ کیا وہی افضل و اصلح ہے۔

یہ اس شخص کے لئے لازم ہے جو یہ نہ کہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ایسا لازم ہے جس سے اسے رہائی نہیں ہوسکتی۔ ہم لوگوں کو یہ لازم نہیں۔ ہم نے ان لوگوں سے یہی سوال کیا تھا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ کفار کو ایسے الطاف عطا کردے جن کے بعد لامحالہ انھیں ایمان اختیاری حاصل ہو جائے اس ایمان پر انھیں وہ ثواب عطا کرے جو اپنے کسی اور بندے کو عطا کرے یا اس پر قادر نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ قادر نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اصلح کے ماننے والے یا تو اس عالم سے غائب ہیں یا اس میں حاضر ہیں تو گویا ان کی عقول سلب کرلی گئی ہیں اور انکے حواس مٹا دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ اس نے اس قسم کی باتوں پر آگاہ کیا کیونکہ وہ فرماتا ہے "**لھم قلوب لا یفقھون بھا و لھم آذان لا یسمعون بھا**" (ان کے ایسے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کے ایسے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں)۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ ان لوگوں نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو اموال سے محروم رکھا اور وہی مال دوسروں کو عطا کردیا۔ ایک قوم کو نبی بنا کر اپنے بندوں کی طرف بھیجا اور ایک دوسری قوم کو زنگیوں کے ملک کے دور دراز مقامات میں پیدا کیا جو بت پرستی کرتے رہے۔ اس نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کی ایک جماعت کو پیاسا مار دیا حالانکہ اس کے پاس آسمانوں کی جھڑیاں تھیں۔ اور دوسروں کو شیریں پانی سے سیراب کیا۔ تو کیا یہ کھلی ہوئی محاباۃ نہیں ہے۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ اس نے یہ جو کچھ بھی کیا اس نے جس کے ساتھ اس کو کیا وہی اس کے لیے اصلح تھا۔ تو ہم ان سے یہ دریافت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کفار کو موت دی اور وہ دوزخ کی طرف جاتے ہیں اور اس نے ایک قوم کو مال و ریاست دی تو وہ اترا گئے اور ہلاک ہوئے۔ حالانکہ وہ کمی مال اور کمزوری کے ساتھ صالح و نیک تھے۔ ایک قوم کو محتاج بنا دیا۔ تو انھوں نے چوری کی اور قتل کئے گئے۔ حالانکہ وہ تونگری کی حالت میں نیک و صالح تھے۔ ایک قوم کو تندرست کیا اور خوبصورت بنایا تو یہ ان سے معاصی سرزد ہونے کا سبب بن گیا۔ جب ان کو مجبور کردیا گیا تو انھوں نے معاصی کو ترک کردیا۔ چند قوموں کو بیمار کردیا تو انھوں نے دیدہ ودانستہ نماز ترک کردی اور رنجیدہ ہوگئے

اور برا بھلا کہنے لگے اور وہ باتیں کہیں جو کفر یا قریب کفر تھیں۔ حالانکہ یہ لوگ اپنی صحت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے شکر گزار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ کیا یہی سب جو اللہ نے ان کے ساتھ کیا ان لوگوں کے لئے اصلح ومناسب تھا۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو انھوں نے حس ومشاہدے کی مخالفت کی۔ اور اگر یہ کہیں کہ اگر وہ زندہ رہتے تو اور زیادہ کرتے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ پھر تو ان کے لیے اصلح وانسب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بالغ ہونے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا یا کفر کی حالت میں ان کی عمروں کو طویل کر دیتا اور انھیں لشکروں کا مالک بنا دیتا تا کہ وہ ان کے ذریعے سے ملک اسلام کو ہلاک کرتے اور ان کے جسموں اور دماغوں کو قوی کر دیتا کہ ان کے ذریعے سے ایک جماعت کو گمراہ کرتا۔ جیسا کہ اس نے سعید الفیومی یہودی اور اباریط الیعقوبی النصرانی اور یہود ونصاری ومجوس ومنافیہ ودہریے کے محققین علم کلام کے لیے کیا۔ کیا ان لوگوں کے لیے اور جوان سے گمراہ ہوئے ان کے لیے یہ اصلح نہ تھا کہ وہ انھیں بچپن ہی میں مار ڈالتا۔

وہ لاجواب ہوگئے۔ اور بعض نے اس قول کی پناہ لی کہ شاید اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہو کہ اگر وہ انھیں بچپن میں مار ڈالے گا تو مومنین میں سے ایک مخلوق کافر ہو جائے گی۔

اس جواب میں حماقت وناد انی کے بہت سے وجوہ ہیں۔

اول یہ کہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

دوم یہ کہ یہ لوگ اس جواب سے اس الزام سے بری نہیں ہو سکتے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ انھیں موت دیدیتا اور ان کی موت کو کسی کے کفر کا موجب نہ بناتا اگر وہ کہیں کہ قادر نہ تھا تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا۔ اگر وہ کہیں کہ بلکہ وہ اس پر قادر تھا تو انھوں نے اپنے اصول کے مطابق اس پر ظلم وجور کا الزام لگا دیا۔ اور دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔

سوم یہ کہ دنیا میں اس کے قول سے زیادہ احمقانہ بات نہ سنی جائے گی جو یہ کہے کہ کوئی انسان مومن اس بچے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا جو مر جائے۔ یہ وہ امر ہے جس کا کبھی عالم میں مشاہدہ نہیں کیا گیا اور نہ اس کا وہم کیا گیا اور نہ یہ امکان میں داخل ہے نہ عقل میں۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا کی ہے کتنے ہی بچے قیامت تک مرتے رہیں گے تو آیا اس بچے کی موت کی وجہ سے کبھی کسی نے کفر کیا ہے ہم تم محض ان وجوہ سے لوگوں کو کفر کرتے دیکھتے ہیں ایک تو جب وہ اس غصے وغضب میں آجاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طبائع میں پیدا کر دیا ہے اس تعصب کی وجہ سے جس کے اسباب اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کئے ہیں۔ اس سلطنت کی وجہ سے کہ جو اللہ نے انھیں عطا کی ہے جبکہ اس میں کوئی عارض ان کا معارضہ ومقابلہ کرے۔

چہارم یہ کہ جور۔ عبث۔ ظلم اور محاباۃ میں اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ بچے کو باقی رکھا جائے تا کہ وہ کفر کے دوامی دوزخ کا مستحق بنے اور صلاح قوم اور جماعت کی مصلحت کے لیے اسے بچپن میں موت نہ دیجائے کہ وہ دوزخ سے بچے۔ اگر اس منحوس کا کفر نہ ہوتا تو یہ لوگ ضرور کفر کرتے۔ اس سے بدتر ظلم ومحاباۃ نہ ہوگی کیا یہ ایسا ہی نہیں ہے کہ جیسے کسی نے ایک انسان کو قتل کے لئے ٹھہرایا پھر اس نے بیچ راستے سے ایک دوسرے شخص کو پکڑ لیا پھر اس کے بجائے اسے قتل کر دیا۔ اس ملعون اور مہمل قول کا فساد ظاہر ہوگیا۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اس کی پشت سے مومنین ظاہر ہوں گے، کبھی کافر بغیر پس ماندہ چھوڑے مر جاتا ہے کبھی کافر کے یہاں ایسے کفار پیدا ہوتے ہیں جو اس سے زیادہ اسلام کے لیے مضر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ اس جواب کے لیے بھی لازم ہے۔ کبھی مومن کی پشت سے بھی کافر سرکش ظالم باغی ظاہر ہوتا ہے جو کھیتی اور نسل کو تباہ کر دیتا ہے، ظلم کو ابھارتا ہے، حق کو مٹاتا ہے

جنگوں اور منکرات یعنی شریعت کے ناپسندیدہ امور کی بنیاد ڈالتا ہے جن سے ایک خلق کثیر گمراہ ہوتی ہے یہاں تک کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہی حق وسنت ہے۔ معتزلہ کے گمراہ کن اصول کے مطابق ان لوگوں کے پیدا کرنے میں کونسی وجہ مصلحت ہے۔ اور کونسا مقصد اور کونسی مصلحت ابلیس اور سرکش شیاطین کے پیدا کرنے میں ہے ہمارے یہاں حکمت کا جو دستور ہے اس کے مطابق ان شیاطین کو انسانوں کے گمراہ کرنے کی قوت عطا کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کے لیے آلات شکار راہوں میں نصب کرے اور ان کے گزرگاہ میں کانٹے ڈالدے تو وہ ہم لوگوں میں عیب دار اور احمق ہے۔ حالانکہ معتزلہ کے اقرار کے مطابق ان تمام مذکورہ بالا اشخاص واشیاء کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہ حکیم وعلیم ہے۔

ہم پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ایک خاص درخت کے نیچے (حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) بیعت کی تھی شہادت دی ہے کہ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا وہ اسے معلوم تھا، اس نے ان پر سکینہ (تسکین) نازل فرمائی۔ اس کے بعد اس نے ان میں سے ان لوگوں کو بہت جلد موت دیدی جو مسلمانوں کے امور کے منتظم ووالی تھے اور ان میں سے بعض کے قوی کمزور کر دیے۔ ان پر زیاد اور حجاج اور خوارج کے باغیوں کو مسلط کر دیا۔ اس میں حجاج اور قطری اور بقیہ مسلمانوں کے لیے کونسی مصلحت تھی کاش معتزلہ کو عقل ہوتی۔ لیکن حق وہی ہے جو ہمارا قول ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے عدل وحق وحکمت ہے۔ اور غلبہ کرنے والے حجاج وقطری اور انکے ہم جنسوں کے لیے ہلاک دتباہی اور گمراہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سے آخرت میں ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ **ونعوذ بالله من الخذ لان .**

ہم معتزلہ سے سوال کرتے ہیں کہ تم لوگ کیا کہتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے حُرّہ کو زنا میں سوتا زیانے مارنے کا حکم دیا اور کنیز کو اس کے نصف مارنے کا۔ کیا یہ کنیز کے لیے محاباۃ نہیں ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو کثیر اموال عطا فرمائے کہ اس میں انھوں نے اسراف کیا۔ اور دوسروں کو اس نے محروم کر دیا۔ کیا یہ ان کے اس قاعدہ فاسدہ کی بنا پر انھوں نے اس شخص کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اپنے فقیر ہمسایے سے مال کو روکنے میں بیان کیا ہے کہ اپنے فقیر ہمسائے سے مال کو روکے عین محاباۃ اور جور نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ اپنے قول کو ترک کر دیں اور اس کے قول کی طرف چلے جائیں جس نے بیان کیا ہے کہ بیشک یعنی اللہ تعالیٰ مساوات کے ساتھ عورتوں اور مالوں میں لوگوں کی غم خواری کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ جو نفی تشبیہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ ہم اس قوم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والا کسی کو نہیں جانتے۔ یہ لوگ اس پر حکم لازم کرتے ہیں اور اس پر امر ونہی جاری کرتے ہیں اور جو چیز مخلوق سے حُسن وقبیح ہے اس میں اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اس کے بعد انھوں نے اپنے اصول کو توڑ ڈالا۔ کیونکہ ان کا قول ہے کہ جو امور کسی وجہ سے ہمارے درمیان مصلحت ہیں تو ہم انھیں باری تعالیٰ سے نہیں روکتے۔

ہم لوگ اپنے آپس میں ایسے لوگ پاتے ہیں جو اپنے ایک غلام کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے اور محاباۃ کرتا ہے۔ ان میں سے ایک کو اپنے مال وعیال کا محافظ بناتا ہے اور اپنے بچوں کا ضامن مقرر کرتا ہے۔ اس کے لیے اسے اس کے بچپن ہی سے منتخب کر لیتا ہے کہ اسے حساب کتاب سکھاتا ہے۔ دوسرے غلام کو اپنے گھوڑوں کا چابک سوار اور اپنے باغ کے لیے گوبر جمع کرنے والا اور اس کی گھاس کا صاف کرنے والا بناتا ہے اور اس کے بچپن ہی سے اسے اس کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ اسی طرح کنیزوں کو بھی کہ ان میں سے ایک کو اپنا محرم راز اور

اپنی اولاد کی امید گاہ بنالیتا ہے۔ دوسری کنیز کو پکانے اور نہلانے میں اسی کنیز کا خادم بنا دیتا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق عدل ہے۔ یہ لوگ اس کا کیوں انکار کرتے ہیں جو باری تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے ساتھ چاہے اور جس تفصیل کے ساتھ چاہے محاباۃ کرے۔ حالانکہ یہ لوگ مشاہدے میں ایسا شخص پاتے ہیں جو محتاجوں کو اپنا مال دیتا ہے۔ کسی کو تو اتنا دیتا ہے جو اسے فقر سے نکال دیتا ہے اور اسے غنی بنا دیتا ہے اور یہ تقریباً ایک ہزار دینار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے کو بھی اسی کی طرح ایک ہزار دینار دیتا ہے اور اسے ہزار دینار زائد دیتا ہے۔ تو یہ شخص اگرچہ اس نے محاباۃ کی مگر یہ محسن ہے قابل ملامت نہیں ہے۔ پھر کیوں یہ لوگ اپنے رب کو اس سے روکتے ہیں اور جب وہ اس کو کرے تو اسے ظالم بتاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہم سے زیادہ ان تمام اشیا کو مالک کامل ہے جو عالم میں ہیں اور جن املاک کو وہ عطا کرتا ہے۔

انھوں نے اپنے اس قاعدے کو توڑ دیا ہے کہ جو کچھ کسی وجہ سے ظاہر میں حسن ہے تو باری تعالیٰ سے اس کے واقع ہونے کو ان لوگوں نے نہیں روکا۔ انھوں نے ظاہر میں ایسا شخص پایا جو بڑے بڑے مالوں کا ذخیرہ کرتا ہے اور اس کے تمام ضروری حقوق ادا کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے سامنے کوئی محتاج باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد اس سب کو روک دیتا ہے مگر اسے بخیل نہیں کہا جاتا۔ پھر کس لیے انھوں نے اپنے رب کو اس قسم کے افعال سے روکا اور اسے ظالم و بخیل بنایا جبکہ اس نے اپنے پاس سے بہترین شے نہیں دی۔ یہ سب واضح ہے جس میں کوئی اشکال و دشواری نہیں ہے۔

ہم ان سے ان کے ایک عجیب قول کے متعلق دریافت کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ جائز رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضعیف تر شے کو پیدا کرتا ہے، اس کے بعد اس سے ضعیف پر قادر نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ قادر اور صالح تر شے کا فاعل ہے اس کے بعد وہ اس سے بھی صالح تر شے پر قادر نہیں ہوتا۔ وہ صغیر تر شے پر قادر ہے اور وہ جزلا یتجزیٰ (وہ حصہ کہ پھر جس کا حصہ نہ ہو سکے) ہے۔ اور اس سے صغیر تر پر قادر نہیں ہے۔

یہ ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود و متناہی ثابت کرنا اور اسے عاجز جاننا ہے اس کے حدوث کا ثابت کرنا اور اس کی الوہیت کا باطل کرنا ہے۔ کیونکہ قوت میں متناہی و محدود ہونا یہ حادث کی صفت ہے جو مخلوق ہوتا ہے نہ کہ اس خالق کی صفت جو ازلی ہے۔ یہ قرآن و اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور مخلوق کی قدرت کے محدود و متناہی ہونے میں اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔

یہی ہر اس شخص کو بھی لازم ہے جو جزء لا یتجزیٰ کا قائل ہے اور ایسا صحیح لازم ہے جس سے رہائی نہیں ہو سکتی ہم ایسے ہلاکت میں ڈالنے والے مقالات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ البتہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو شے بھی پیدا کی خواہ وہ صغیر ہو یا ضعیف یا کبیر ہو یا قوی یا باعث مصلحت ہو تو وہ ہمیشہ بلا حد و نہایت اس پر قادر ہے کہ اس سے صغیر تر۔ ضعیف تر۔ اور قوی تر اور اصلح یعنی زائد باعث مصلحت پیدا کرے۔

ہم معتزلہ سے سوال کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ ایسی چیز پر قادر ہے کہ اگر وہ اسے کرتا تو تمام لوگ کافر ہو جاتے۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو وہ علی الاسواری کے ساتھ شامل ہو گئے اور وہ لوگ اس کے قائل بھی نہیں ہیں۔ اگر اس کے قائل بھی ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جھوٹا بنا دیا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے ’’ **ولو بسط اللّٰہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض** ‘‘ (اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق کو کشادہ کر دیتا تو یہ ضرور ملک بھر میں بغاوت کرتے)۔ اور فرمایا ہے ’’ **ولو لا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفربا لرحمٰن لبیو تھم سقفامن فضۃ** ‘‘ (اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ضرور ان کے مکانوں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے)۔

اگر وہ کہیں کہ ہاں وہ اس پر قادر ہے تو تم نے فیصلہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ شر پر قادر ہے اور خیر پر قادر نہیں۔ یہ ان کے اصول کے مطابق ایک مصیبت ہے۔ نیز ان کے اس قاعدے کا فساد بھی لازم آئے گا جو وہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی شے پر قادر ہوتا ہے وہ اس کی ضد پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز پر قادر ہے کہ اس کے ہونے سب لوگ کافر ہو جائیں اور ایسی چیز پر قادر نہیں ہے کہ اس کے ہونے پر سب لوگ مومن ہو جائیں۔

معتزلہ میں سے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو صلاح (درستی) کر چکا بغیر کسی حد و انتہا کے اس کی سی صلاح پر قادر ہے نہ کہ اس سے زائد پر۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے اصول کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ظالم و جائز بنانے سے بچ نہیں سکتے اس لئے کہ ہم بضرورت جس جانتے ہیں کہ جب مصالح آپس میں ایک دوسری کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں تو یہ زیادہ باعث مصلحت و اصلح اس سے ہوتی ہیں کہ ایک مصلحت دوسری مصلحت سے جدا مد ہے۔ جب تمھارے نزدیک وہ اس پر قادر ہے اور اس نے اپنے بندوں کے ساتھ اس کو نہیں کیا تو اسے وہ لازم آ گیا جو الزام تم نے اسے دیا کہ اگر وہ اس سے زائد باعث مصلحت و اصلح پر قادر ہوتا جو اس نے کر دیا اور اس نے اسے نہیں کیا تو وہ ظالم ہوتا۔

ان لوگوں نے کہا کہ یہ مثل دوا اور کھانے پینے کے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک مقدار ہوتی ہے جو اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے جس کو وہ دیجاتی ہے۔ جب اس کے ساتھ اس کے برابر اور شامل ہو جاتی ہے تو وہ مضر ہو جاتی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہرگز کسی صاحب عقل اور حقائق امور کے جاننے والے نہیں کہا کہ فلاں خال ہر حال میں مصلحت ہے۔ نہ یہ کہ کھانا بالکل اور ہمیشہ مصلحت ہے اور پینا ہر طرح اور ہمیشہ مصلحت ہے۔ حق یہی ہے کہ دوا کی ایک مقدار صرف فلاں بیماری کے لیے مصلحت ہے۔ اگر وہ مقدار بڑھے یا گھٹے یا اس کی وجہ سے وہ بیماری بڑھے تو ضرر ہوگا۔ اسی طرح کھانا پینا ہے کہ یہ دونوں کسی حال اور کسی مقدار میں مصلحت ہیں۔ جو بڑھے یا اس کی وجہ سے اس کا وقت بڑھے تو ضرر ہوگا۔ جو بقدر کفایت سے کم رہے تو ضرر ہوگا۔ ان میں سے کسی پر بھی صلاح کے نام کا اطلاق کرنا ضرر کے نام کے اطلاق کرنے سے اولی و بہتر نہیں ہے۔ اس لیے کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ان میں دونوں امر (یعنی صلاح وضرر) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کے لیے جو صلاح ہے اور اسکے لیے ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو خیر ہے وہ ایسی نہیں ہے۔ بلکہ وہ علی الاطلاق اور بالکل اور ہر حال میں (صلاح و ہدایت و خیر ہی) ہے۔ جب کبھی صلاح زائد و کثیر ہو اور ہدایت زائد و کبیر ہو اور خیر زائد و کبیر، ہو تو وہ افضل ہے۔

اگر معتزلہ یہ کہیں کہ ہم تو نماز و روزے کی بھی یہ کیفیت پاتے ہیں کہ یہ دونوں ایک وقت میں گناہ ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں باعث اجر و ثواب۔ تو ہم کہیں گے کہ ان امور میں سے جو منہی عنہ یا ممنوع ہو وہ قطعاً صلاح نہیں اور نہ وہ ہدایت و خیر ہے۔ بلکہ وہ گناہ و خذلان و گمراہی ہے۔ ہم نے اس کے بارے میں تم سے کلام نہیں کیا ہے بلکہ اس کے بارے میں کیا ہے جو حقیقۃ صلاح اور فی الواقع ہدایت اور دراصل خیر ہو۔ یہ وہ سوال ہے جس سے انھیں خلاص نہیں ہو سکتا۔

اصلح کے ماننے والوں میں سے بعض نے کہا ہے کہ جس بچے کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو ایمان لائے گا اور جس کافر کو وہ جانتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو ایمان لائے گا اور جس فاسق کو وہ جانتا ہے کہ اگر زندہ رہے گا تو توبہ کرے گا تو یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے قبل موت دے۔ اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ اگر زندہ رہے گا تو خیر کرے گا تو یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اسکے کرنے سے پہلے موت دے۔ اللہ تعالیٰ جس کو موت دیتا ہے یہ جان کر موت دیتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے پلک جھپکنے تک یا اس سے بھی کم زندہ

رہیگا تو یہ قطعاً کوئی خیر نہ کرے گا بلکہ ضرور کفر یا فسق کرے گا۔

یہ ان کے ان مصائب عظیمہ میں سے ہے جنھوں نے کفر وہلاکت کو جمع کر لیا ہے۔ جس چیز سے باری تعالیٰ کو ظالم ماننا پڑتا تھا یہ اس سے بھاگے تھے مگر یہ اس سے بچ نہ سکے۔ مگر کفر تو یہ انھیں اس طرح لازم آتا ہے۔ کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر بالغ ہوتے تو کافر یا فاسق ہو جاتے۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ جب تمھارے نزدیک یہ ایسا ہے جیسا کہ تم نے دعوی کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض بچوں کو ولادت کے بعد ہی کیوں موت دی پھر کسی کو ایک گھنٹے کے بعد کسی کو ایک دن کے بعد کسی کو دو دن کے بعد اور کسی کو ماہ بماہ اور کسی کو سال بسال یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو بلوغ سے کچھ ہی قبل موت دی۔ حالانکہ معتزلہ کے نزدیک یہ سب کے سب اس امر میں مساوی تھے کہ اگر زندہ رہتے تو سب کے سب کفر یا فسق کرتے جب اس نے ان کے ساتھ یہ عنایت کی تو بعض بچوں کو جن کو وہ جانتا تھا کہ وہ کفر یا فسق کریں گے کیوں زندہ رکھا۔ انھیں قوی اور ذہن وفہم کی باریک بینی بھی دیتا رہا۔ مثلاً الفیومی سعید بن یوسف اور المعمس داؤد بن قزوان اور ابراہیم البغدادی اور ابوکثیر الطبرانی کو جو یہود کے متکلمین میں سے تھے اور ابو ربطۃ الیعقوبی مقرونیش الملکی کو جو نصاری کے متکلمین میں سے تھے۔ اد رقردان بخت الشانی کو۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے شبہات۔ فریب کاری وخرافات سے بہتوں کو گمراہ کیا۔ کسی فرق کے وجود کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔ ان کے اصول پر یہ محاباۃ وجور ہے۔

اس کے بعد ہم یہ پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بعض بچوں پر یتیمی اور جوؤں اور برہنگی اور سردی اور بھوک اور خواب گاہ کی خرابی اور نابینائی اور دردوں اور تباہی کا عذاب کرتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ اسی حالت میں مرجاتے ہیں۔ ان میں سے بعض خوشحال۔ مخدوم اور صاحب آرام ہوتے ہیں یہاں تک وہ اسی حالت میں مرجاتے ہیں۔ شائد یہ دونوں لڑکے ایک ہی ماں باپ کے بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ ابوبکر وعمر وعثان وعلی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ وعیسیٰ وابراہیم اور تمام رسل علیہم الصلوۃ والسلام میں سے ہر ایک جس وقت پر مرا ہے اس سے پلک جھپکنے تک بھی اگر زندہ رہتا تو (نعوذ باللہ) ضرور کفر یا فسق کرتا۔ انھیں اسی طرح جبریل ومیکائیل وحاملان عرش علیہم السلام کے بارے میں بھی لازم آئے گا۔ بشرطیکہ اس کے قائل ہوں کہ یہ بھی مریں گے۔ اگر وہ اس پر اڑے رہے تو انھوں نے کفر کیا۔ ان میں سے بعض نے علانیہ اس کی تصریح کی ہے۔ اگر انکار کیا تو تناقض واختلاف بیانی اختیار کی۔ اور انھیں یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے مارتا ہے جس کو وہ جانتا ہے کہ خیر میں ترقی کرے گا اور اسے زندہ رکھتا ہے جسے جانتا ہے کہ وہ کفر کرے گا۔ ان کے نزدیک ان کے اصول کے مطابق عین ظلم وعبث ہے۔

ان میں سے بعض معتزلہ نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی محنت میں ڈالا اور امتحان لیا کہ اس میں آپ کی طاعت کی بنا پر اس کا ثواب اس مقدار کو پہنچ گیا کہ اگر آپ قیامت تک زندہ رہتے اور آپ سے وہ طاعت ہوتی رہتی تو اس کا اتنا ہی ثواب ہوتا۔

یہ وہ جنوں ہے جو تمھیں کافی ہے۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

اول یہ کہ یہ اوروں کے مقابلے میں آپ کی خالص محاباۃ ہے۔ یہ اس نے آپ کے غیر کے ساتھ کیوں نہ کیا اور کیوں نہ انھیں دنیا اور اس کی مصائب سے فوراً راحت دیدی۔

دوم یہ کہ یہ قول کذب خالص ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں امتحانات مقرر ہیں۔ وہ یا تو جسم میں بیماریوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا مال میں

تلف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا جانوں کے خوف و ذلت سے ہوتا ہے۔ اہل وعیال واحباب کی فکر وغم سے ہوتا ہے اور امید کے منقطع ہونے سے ہوتا ہے۔ عالم میں کوئی امتحان ایسا نہیں جو ان وجوہ سے خارج ہو۔ سوائے امتحان دین کے۔ **نعوذ باللہ من ذلک۔**

لیکن آپ کا جسم میں امتحان تو معتزلہ جھوٹے ہیں آپ کی وفات کے وقت آپ کے سب اعضاء بالکل صحیح وسلامت تھے اور آپ تمام اہل مصیبت اور ایوب علیہ السلام کے سے امتحان سے معاف کر دیا گیا تھا۔ **نعوذبالله منه ۔**

رہا آپ کا امتحان مال میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنے مال میں مشغول ہی نہیں کیا جس کا زائد حصہ آپ کے امتحان کا مقتضی ہوتا۔ نہ آپ کو کسی اور کا محتاج کیا۔ بلکہ بقدر حاجت دیکر حد تونگری وغنا پر قائم رکھا زائد کو اس میں خرچ کرنے کی توفیق دیدی جو آپ کو آپ کے رب سے قریب کرے۔

جان کا امتحان تو بھلا اس کا کیا امتحان ہوسکتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرمائے "**واللّٰہ یعصمک من الناس**" (اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) جس کے لیے اس کے ذکر کو بلند کرے جس کے دین کو تمام دینوں پر غالب کرنے کا ذمہ لے اگرچہ آپ کے دشمن ناخوش ہوں۔ آپ کے غصہ دلانے والے دشمن کو بے اولاد کر کے مارے، آپ کو نصرت سے ہر دشمن پر غالب کرے تو بھلا کس خوف یا کمزوری کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوتا۔

لیکن آپ کے اہل وعیال واحباب تو بعض کو اللہ تعالیٰ نے موت دیدی اور انکے بارے میں آپ کو اجر دیا۔ مثلاً آپ کے فرزند ابراہیم اور خدیجہ وحمزہ وجعفر وزینب وام کلثوم ورقیہ جو آپ کی صاحبزادیاں تھیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے بعض کو باقی رکھ کر صلاح و بہتری سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، مثلاً حضرت عائشہ اور تمام امہات المومنین۔ اور آپ کی دختر حضرت فاطمہ اور علی وعباس وحسن وحسین و اولاد عباس وعبداللہ بن جعفر وابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہم اجمعین یہ یہاں بھی آپ کا کونسا امتحان ہوا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قسم کے امتحان سے پناہ نہیں دی جو امتحان حبیب بن عدی کا لیا گیا رضی اللہ عنہم۔ کیا وہ انبیاء علیہم السلام نہیں ہوئے جو قتل کئے گئے۔ جو آرے سے چیرے گئے جو آگ سے جلائے گئے، کیسا عظیم الشان امتحان تھا۔ کیا وہ انبیا نہیں ہوئے جن کی مخالفت ان کی قوم نے کی اور ان میں سے معدودے چند کے سوا کسی نے ان کی پیروی نہیں کی۔ اکثر پر اس نے عذاب کیا۔ مثل ہود وصالح ولوط وشعیب وغیرہم کا کیسا عظیم الشان امتحان ہوا۔ یہ محض مکابرہ (مشاہدے کی مخالفت) اور حماقت و بے شرمی ہے۔

اسکا کونسا امتحان ہوسکتا ہے جن وانس پر جس کی طاعت کو اللہ نے واجب کر دیا ہو۔ اپنی رسالت سے جسے سرفراز کیا ہو، جسے تمام انسانوں سے بے خوف کر دیا ہو۔ جس کے دشمن کو اس کے آگے سرنگوں کر دیا ہو اور جس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہوں۔ کیا یہ محض انعامات وخصائص وفضائل وکرامات اور تمام جن وانس کے مقابلے میں خالص محاباۃ نہیں ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر اس کا حق رکھتے تھے کہ اس نے اس عظیم الشان نعمت کی آپ کے ساتھ ابتدا کی حالانکہ آپ کے قبل زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی العدوی اور قیس بن ساعدۃ الابادی وغیرہما نے بت پرستی ترک کردی تھی مگر ان میں سے کسی نعمت سے بھی یہ لوگ سرفراز نہیں کئے گئے۔ مگر معتزلہ کی حماقت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

جو سوال ان لوگوں سے کیا جائے ان سے یہ کہا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو علم نہ تھا کہ فرعون اور کفار کو اگر وہ زندہ رکھے گا تو یہ کفر کریں گے۔ اگر وہ ہاں کہیں تو ان سے کہا جائے کہ انھیں اس نے کیوں زندہ رکھا جو انھوں نے کفر کیا۔ حالانکہ اس نے ان کے قول کے مطابق اس کو

موت دیدی جسے اس نے یہ جانا کہ یہ اگر زندہ رہا تو کفر کرے گا۔ یہ وہ بدحواسی ہے کہ جو عقل میں نہیں سماتی۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ آیا سب کے لیے اصلح یہی تھا اور خاص کر اہل دوزخ کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت ہی میں پیدا کرتا جیسا کہ اس نے ملائکہ وحورعین کے ساتھ کیا یا یہ اصلح تھا جو اس نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا اور اس میں ہمیں بلاء اور دوامی دوزخ کے لیے پیش کیا۔

اس سوال کے وقت وہ خاموش ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا کہ اس نے اب تک جنت پیدا نہیں کی۔ تو ہم نے ان سے کہا کہ اچھا ٹھہرو اگر بات یہی ہے جیسا تم نے کہا تو سب کے لیے اصلح یہی تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ جنت کو پیدا کرتا پھر اس میں ہمیں پیدا کرتا یا ہمارے پیدا کرنے میں اتنی تاخیر کرتا کہ اسے پیدا کر دیتا پھر اس میں ہمیں پیدا کر دیتا۔ یا جب ہی اسے پیدا کرتا جب ہمیں پیدا کیا تھا۔ اگر انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور اسے صاحب طبیعت اور محدود قدرت والا اور اپنی مخلوق کے مشابہ بنایا تو انھوں نے اس کی الہیت کا ابطال کر دیا اور اسے حیز ومکان والا اور ضعیف بنا دیا اور یہ خالص کفر ہے۔ اس کے ساتھ ہی سوال کی نفی اس کے مطابق اس میں بھی ہو جائے گی کہ وہ ہم سب کو مثل ملائکہ کے بناتا یا ہم سب کو انبیا بنا دیتا جیسا کہ اس نے عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام کیساتھ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ ہم اس بارے میں اُس وجہ مصلحت سے ناواقف نہیں ہیں جو اس امر کو حکمت سے خارج کر دے، ہم نے ان سے کہا کہ بعینہ اسی قسم کے جواب پر تم لوگ بھی قناعت کرو کہ جو یہ کہتا ہے کہ ہم اس وجہ مصلحت وحکمت سے ناواقف نہیں ہیں جو اس میں ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے افعال کو پیدا کیا۔ اور کافر وفاسق کو اس چیز کی تکلیف دی جس کی انھیں طاقت نہیں۔ اس کے بعد اسی پر ان دونوں پر عذاب کرے گا جو اس امر کو حکمت سے خارج کر دیتے ہیں۔ یہ وہ سوال ہے جس سے انھیں رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم لوگ اس جواب سے راضی نہیں ہیں۔ ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہی عین حکمت وعدل ہے۔ لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے افعال کو اس حکمت وعدل کے مطابق جاری کرنے کا ارادہ کیا جو ہم لوگوں میں مقرر ہے تو اسنے الحاد کیا اور خطا کی اور گمراہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی۔ اس لیے کہ ہمارے یہاں عدل وحکمت صرف اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی عدل ہے نہ حکمت۔ سوائے اس کے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ جس شے کا حکم دے۔ خواہ وہ کوئی شے بھی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر کسی کی بھی طاعت نہیں ہے لہذا یہ باطل ہو گیا کہ اس کے افعال بندوں کے احکام پر جاری ہوں مامور ومحکوم ہیں اور جن کی پرورش کی جاتی ہے اور جن سے وہ کچھ کریں گے اس کی باز پرس کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے افعال عزت وقدرت وجبروت کبریا کی بنا پر جاری ہیں، جس کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ وہ جو چاہے کرے اس سے باز پرس نہیں ہو سکتی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی مخالف کی وہ نقصان میں رہا، اس سب کے باوجود بھی یہ لوگ اپنے اصول کے مطابق اپنے رب پر ظالم ہونے اور عبث کام کرنے کے الزام لگانے سے بچ نہیں سکتے جس سے اللہ بری وبرتر ہے۔

ان کے متکلمین نے کہا کہ اگر وہ ہمیں جنت میں پیدا کرتا تو اس صورت میں ہمیں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہم پر کس قدر نعمت ہے نیز ہم بغیر کسی عمل کے کئے ہوئے اس نعمت کے مستحق نہ ہوتے۔ جنت کے استحاق کے بعد ہمارا اس میں داخل کیا جانا کامل تر نعمت اور بیش از بیش لذت کا باعث ہے اگر وہ ہمیں جنت میں پیدا کرتا تو جو چیز ہم پر حرام کی جاتی اس پر سزا کی دھمکی بھی ضروری تھی اور جنت دھمکی کا مقام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں سے بعض کفر کریں گے تو اس پر جنت سے نکلنا واجب ہوتا۔

یہ سب جس پر انھوں نے اندازہ کیا ہے نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت وقدرت سے یہ سب ہماری طرف سے ان پر عائد ہوتا

ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ وہ اگر ہمیں جنت میں پیدا کرتا تو ہم اس میں نعمت کی مقدار نہ جانتے جو ہم پر ہوتی۔ ہم بتائید الٰہی کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ ہمیں جنت میں پیدا کرتا اور ہم میں ایسی قوت وطبیعت پیدا کرتا جس سے ہم اس میں اپنے اوپر نعمت کی قدر اس سے زیادہ جانتے جتنا کہ ہم قیامت کے روز اس میں دخول کے بعد جانیں گے یا جیسا کہ ہم اسے جانتے ہیں یا وہ اس پر قادر نہ تھا۔

اگر وہ کہیں کہ خدا اس پر قادر نہ تھا تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور اس کی قوت کو محدود کر دیا کہ وہ ہمارے ایک امر پر قادر ہے اور دوسرے پر قادر نہیں۔ یہ یا تو محض کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے جو اندر ہو یا کسی ایسی طبیعت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی قوت محدود ہو۔ اور یہ خالص کفر ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ نہیں کیا جو اس کے پاس سب سے اصلح وبہتر تھا اور جو کچھ اس نے ان کے ساتھ کیا اس کے پاس اس سے اصلح وبہتر تھا۔ نیز اگر ان کی مراد اس سے یہ ہو کہ بلا وتعب کے بعد لذت میں نہایت مسرت ہوتی ہے تو انھیں یہ لازم آئے گا کہ جنت کی تمام نعمتوں کو باطل کر دیں اس لیے کہ اس کی کسی نعمت میں قطعاً کسی درد و مصیبت کی آمیزش نہیں ہے اور درد و تکلیف کا جب زمانہ گزر چکتا ہے تو اسکے بعد وہ فراموش ہو جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

كان الفتى لم يعر يوما اذا اكتسى ولم يفتقر يوما اذا ماتموّلا

(پوشاک پہن لی تو گویا اس سے پہلے کسی دن برہنہ تن تھے ہی نہیں۔ متمول ہو گئے تو ایسا سمجھنے لگے کہ کبھی محتاج ہی نہ تھے)۔

اس قاعدے پر یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لیے جنت میں کچھ آلام ومصائب قائم کر دے کہ اس کی وجہ سے ان کے لیے وجود لذت تازہ ہوتا رہے اور یہ اسلام سے باہر ہونا ہے۔ انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ انبیاء وصلحا کو پہلے دوزخ میں داخل کیا جائے پھر نکال کر جنت میں داخل کیا جائے کہ اس کی وجہ سے لذت وسرور دو چند ہو جائے۔

ان سے کہا جائے گا کہ ہم لوگ بھی مثل ملائکہ وحور عین کے ہوتے اگر ملائکہ وحور عین کو یہ علم ہوتا کہ جس لذت ونعمت میں وہ ہیں اس کی مقدار کیا ہے تو ہم لوگ بھی ایسے ہی ہوتے۔ اگر وہ لوگ جس نعمت ولذت میں ہیں اس کی مقدار سے ناواقف ہیں تو اللہ نے یہ مصلحت و خوبی انھیں کیوں نہ عطا فرمائی اور اس فضیلت کو جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ان سے کیوں روکا حالانکہ وہ تو اس کے ایسے فرمانبردار ہیں جن کی فرمانبرداری میں کبھی کسی نافرمانی کی آمیزش نہیں ہوئی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ملائکہ وحور عین نے کفار پر عذاب دوزخ کا مشاہدہ کر لیا ہے یہ ان کے لیے ترہیب (خوف دلانے) کا قائم مقام ہو گیا ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ کیا محاباۃ و جور اس کے سوا ہے کہ ایک قوم کو ہلاکت گاہوں کے لیے پیش کیا جائے اور انھیں زندہ رکھا جائے کہ وہ کفر کریں اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائیں کہ ان کے ذریعے سے ایک دوسری قوم کو نصیحت کی جائے جو جنت اور ابدی وسرمدی راحت میں پیدا کی گئی ہے۔ کیا یہ اصول معتزلہ کے مطابق ہماری معاشرت میں عین ظلم نہیں ہے۔

کیا یہ ایسا ہی نہیں ہے جیسے کوئی سرکش کہے کہ دو ثلث کی صلاح ومصلحت کے لیے ایک ثلث کا قتل کرنا صلاح ومصلحت ہے۔ کیا حاضر و موجودہ حالت میں اس سے بڑھ کر کوئی حماقت ولغویت ہو گی کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ آ، میں تجھے تازیانے ماروں پہاڑ سے گراؤں، چپتیں لگاؤں، مونچھیں اکھاڑوں، تجھے خاردار راستے میں چلاؤں جس میں نہ کوئی راحت ہے نہ کوئی نفع۔ لیکن اس کے بعد میں تجھے بہت بڑی

سلطنت دونگا۔ شائد کہ اس دوران میں کہ میں تجھے مار رہا ہوں تجھے تکلیف پہنچے اور تو کسی گندے کنوئیں میں گر پڑے جس سے کبھی کوئی نکل نہیں سکتا۔ تو اس حال میں صاحب عقل کے نزدیک بھلا کونسی مصلحت ہے خاص کر جب وہ شخص اس پر قادر بھی ہو کہ بغیر اس مصیبت میں ڈالے ہوئے یہ سلطنت اسے عطا کرسکتا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ہوئی۔ جس عدل وحکمت کے ساتھ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو موصوف کرتے ہیں یہ خود اس کے مستحق ہیں کہ اپنے آپ کو اس کے ساتھ موصوف کریں۔ ابومحمد کہتے ہیں کہ اور ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ خبر دیتا کہ وہ بعینہ یہی سب کرے گا تو ہم اس کا انکار نہ کرتے اور ضرور یہ یقین کرتے کہ یہ سب اس سے عدل وحکمت وحق ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایسا ہو کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی مخلوق کی حالت میں پیدا کرے کہ نہ تو ہمیں کبھی بھوک لگے نہ پیاس نہ پیشاب آئے نہ ہم بیمار پڑیں نہ مریں جو کینہ ہمارے دلوں میں ہو اسے بھی وہ دور کردے پھر وہ اس پر قادر نہ ہو کہ ہمیں جنت میں پیدا کرے اور نہ اس پر قادر ہو کہ ہمیں ایسی مخلوق بنا کے پیدا کرے کہ ہم اس خلقت کے ساتھ اپنی ابتدائے آفرینش ہی سے اس میں لذت حاصل کرسکیں جیسا کہ طویل تنگ حالی کے بعد اس میں داخل ہونے پر لذت حاصل کریں گے۔ آیا اس میں کوئی شخص فرق کرسکتا ہے۔ سوائے اس کے جسے عقل نہ ہو یا جو باری تعالیٰ اور دین کے ساتھ تمسخر کرتا ہو۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت ہی میں پیدا کرتا تو ہم لوگ اس نعمت کے مستحق نہ ہوتے تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کہ وہ اعمال جن کی وجہ سے تم اپنے نزدیک اپنے کو جنت کا مستحق سمجھتے ہو آیا تم نے بضرورت عقل جانا ہے کہ جو شخص ان اعمال کو کرے گا وہ اللہ تعالیٰ پر بطور دین واجب کے جنت کا مستحق ہوگا، یا تم نے اس کو نہیں جانا اور نہ یہ واجب ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں آگاہ کرے کہ وہ ایسا کرے گا۔ اور جنت کو ان اعمال کی جزا قرار دے گا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان اعمال پر جنت کا استحقاق عقل سے جانا ہے تو انھوں نے مکابرہ کیا (یعنی مشاہدے کی مخالفت کی) اور عقل پر بہتان لگایا اور کفر کیا۔ اس لیے کہ یہ لوگ اس قول سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے بے نیازی کو واجب کررہے ہیں۔ انھیں لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو ان اعمال کی جزا نہیں بنایا بلکہ یہ اس پر ضروری طور پر بغیر اس کے اختیار کے واجب ہوگیا۔ اگر وہ اس کے خلاف کرنا چاہے تو اسے اس کا حق نہیں۔ اور یہ خالص کفر ہے۔ نیز موسی علیہ السلام کی شریعت میں یوم سبت (شنبہ) کی تعظیم اور چربی حرام ہے اور اس کے علاوہ امور بھی ہیں۔ اسی شریعت پر عمل کرنے کی جزا میں جنت ہوگی۔ اب اسی پر عمل کرنے پر جہنم جزا ہوگی۔ تو کیا یہاں اس کے سوا کوئی اور امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے ارادہ کیا۔ اگر وہ اس کا ارادہ نہ کرتا تو اس میں سے کچھ بھی واجب نہ ہوتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان اعمال پر جنت کا استحقاق محض اللہ تعالیٰ کے خبر دینے ہی سے جانا کہ اسی نے اس کا حکم دیا ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ وہ ہمیں یہ خبر دیتا کہ اس نے جنت کو ہمارا حق بنایا اسی میں وہ ہمیں پیدا کرتا جیسا کہ اس نے ملائکہ وحورعین کے ساتھ کیا۔

ان کا یہ دعوی بھی جھوٹا ہے کہ یہ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت کے مستحق ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی ایسا نہیں جسے اس کا عمل نجات دلائے یا جنت میں داخل کرائے۔ عرض کیا گیا اور آپ۔ یارسول اللہ۔ تو آپ نے فرمایا کہ اور نہ میں۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی مجھے اپنی رحمت میں چھپالے۔ (یا آپ نے ایسا کلام فرمایا جس کے معنی یہی ہیں)۔

نیز بضرورت عقل ہم جانتے ہیں کہ ہم لوگوں میں جزا میں مساوات وہمسری سے جو کچھ زیادہ ہو تو وہ نیکی واحسان کی صورت

میں تو محض فضل ہے اور اساءت وبدی کی صورت میں جور ہے۔ عقل میں یہی حکم دستور کے مطابق ہے۔ مگر معتزلہ کے اصول پر انھیں لازم آئے گا کہ ہم میں سے کسی کا جنت یا دوزخ میں اس کی نیکی یا بدی سے زائد اس کے گذشتہ اعمال کی جزا کے طور پر رہنا خالص فضل اور مقدار جرم سے زائد عذاب ہے۔ حالانکہ بلاشک اللہ تعالیٰ یہی کرے گا اور وہ عدل وحکمت وحق ہے۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ بطور جزائے عمل کے جنت میں داخل ہونا اعلیٰ درجے اور بہت بڑے رتبے کی بات ہے بہ نسبت اس کے کہ محض فضل سے دخول ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ یہ محض غلط ہے اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ حکم محض برابر والوں اور ہم جنسوں میں واقع ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا تو کوئی بھی ہمسر نہیں ہے۔ جو دوسرے کا غلام ہو تو اس پر اس کے آقا کا احسان وفضل واختصاص ومحاباۃ کے ساتھ متوجہ ہونا اس کے لیے مبارک تر اور اس کے رتبے کے لیے اعلیٰ واشرف اور اس کے درجے کے لیے ارفع اور بلند کرنے والا ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے جو کچھ دے وہ اتنا ہی ہو جتنا وہ اپنی خدمت کے مطابق مستحق ہے۔ سوائے دیدہ دلیری کے اسکا کوئی انکار نہ کرے گا چہ جائیکہ کسی کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق بھی نہ ہو۔ اس وقت جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے انبیا وملائکہ علیہم السلام میں سے کسی کو کچھ عطا کرے اور وہ بھی جو اس نے بتایا ہے کہ اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا اور لکھ لیا ہے اور اسے اپنے بندوں کا حق بنا دیا ہے تو یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور بغیر کسی سبب کے اختصاص ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ انعام نہ عطا کرے تو اس میں سے اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔ اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا سوائے بد دین یا فاسد العقل کے۔

ملائکہ انبیاؑء سے افضل ہیں :

معتزلہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، اور وہ اس میں سچے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے اس قاعدے کو اپنے اس بیہودہ قاعدے سے توڑ دیا کہ انھوں نے کہا ہے کہ جو شخص امتحان میں پیش کئے جانے کے بعد جنت میں داخل ہوگا تو وہ اس سے افضل ہے جس کو شروع ہی سے نعمت دی جائے اور مقرب بنایا جائے۔ ان کے اس قول کے مطابق ہم سب لوگ ملائکہ علیہم السلام سے افضل ہیں انھوں نے کہا ہے کہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو اس تقریب کی بنا پر اور اس حساب سے یہ ہوگا کہ ہم ملائکہ سے ایک درجہ افضل ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام سے دو درجے افضل ہوں گے اور یہ خالص کفر اور کھلا ہوا تناقض ہے۔

انکا یہ کہنا کہ اگر ہم جنت میں پیدا کئے جاتے تو ہمارے لئے ڈرانے دھمکانے کی ضرورت ہوتی۔ ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ اگر یہی ہوتا جو یہ لوگ کہتے ہیں تو یہ امر بھی ہرگز اس سے مانع نہ تھا کہ یہ لوگ جنت ہی میں پیدا کئے جاتے پھر انھیں اس سے جھنکایا جاتا (یا جھانکنے کا حکم دیا جاتا) کہ یہ دوزخ کو دیکھتے اور اس کی وحشت وہول وخرابی اور لوگوں کے اس سے بھاگنے کا معائنہ کر لیتے اس شخص کی طرح جو غیر کے جاننے پر ہمارے لیے پیش کیا جاتا ہے کہ اندھا کنواں تاریک ہے اگر چہ ہم اس میں قطعاً نہیں پڑے اور نہ اس کا مشاہدہ کیا جو اس میں پڑا ہو۔ بلکہ بغیر دکھائے صرف اس کا حال بیان کرنے سے خوف دلانے میں یہ زیادہ موثر ہوتا۔ لیکن جیسا ملائکہ وحورعین کے ساتھ کیا گیا تو ان کے لیے یہ زیادہ باعث شکر وحمد ہوتا اور ان کے مرتبے پر زیادہ رشک دلانے کا سبب ہوتا۔ اور جو پا چکتے اس کے چھن جانے کے خوف سے جو کچھ انھیں منع کیا جاتا یا اس سے بچنے کے لیے زیادہ موثر ہوتا۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ آیا دخول جنت کے بعد ان کے لیے یہ مباح ہوگا کہ کفر کریں یا آپس میں مار پیٹ اور گالی گلوچ کریں یا ان پر حرام وممنوع ہوگا۔ اگر ممنوع ہوگا تو انھیں لازم ہوگا کہ وہاں پر بھی ہمیشہ ڈرانے دھمکانے کی ضرورت رہے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ

اگر ہم اس میں پیدا کیئے جاتے تو ہم اسی حال پر ہوتے جس حال پر قیامت کے روز ہوں گے۔ اور کوئی فرق نہ ہوتا۔ ہم سب کے لیے بلاشک اصلح یہی ہوتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ دنیا ہی کے لیے طاعت کا حکم ہو چکا تھا تو ان سے کہا جائے گا اسی طرح جو لوگ ان میں سے جنت میں ہیں ان کے لئے بھی پہلے سے حکم ہو چکا ہے جیسے ملائکہ، اور بالکل یکساں ہے۔ یہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں کہ جنت میں معاصی اور آپس میں مار پیٹ تھپڑ۔ لات۔ اور گالی گلوچ انکے لیے مباح ہوگی۔ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ اس قول کے رد کی ضرورت ہو۔

اگر وہ ابوالہذیل کے قول کی طرف پناہ لیں کہ اہل جنت مجبور و مضطر ہوں گے مختار نہ ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ ہم لوگ بھی اس میں اسی طرح ہوتے۔ جیسا کہ ہم قیامت کے روز اس میں ہوں گے تو بلاشک سب کے لیے یہی اصلح تھا۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے انھیں رہائی نہیں ہو سکتی۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ کفر کریں گے اور ان پر جنت سے نکلنا واجب ہوگا۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ کو جو علم ہے وہ اس کے خلاف پر قادر ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں قادر ہے مگر کرے گا نہیں تو انھوں نے اقرار کر لیا کہ اس نے شروع ہی سے جو ہمیں جنت میں پیدا کرنا ترک کیا وہ محض اپنے علم سابق کے جاری کرنے کے لیے تھا جو بلاشک ہمارے لئے اصلح نہ تھا۔ انھوں نے اس حق کی طرف رجوع کر لیا جو ہمارا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سابق کے مطابق تکلیف مالا یطاق دی اور کفر و ظلم کو پیدا کیا اور اس وحدہ لاشریک لہ نے جس پر چاہا انعام کیا۔ اور ان لوگوں نے اپنا قول جو اصلح کے بارے میں ہے ترک کر دیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اس کے خلاف کرنے پر قادر نہیں ہے جو اسے علم ہے تو انھوں نے اسے مُحیّز (مکانی) مضطر و عاجز محدود القوۃ ضعیف القدرۃ حادث بنا دیا اور اپنے سے بھی زیادہ بری حالت میں کر دیا۔ اور یہ کفر ہے اور قرآن و اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

نعوذ باللہ من الخذلان ۔

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ زمین کے کیڑے مکوڑے درندے کتے بلی کھٹل کیڑوں میں کونسی مصلحت تھی جو انھیں حشرات پیدا کیا، انسان پیدا نہیں کیا کہ مکلف ہوتے اور دخول جنت کے لیے پیش کیئے جاتے۔ اگر وہ کہیں کہ انھیں آدمی بناتا تو وہ کفر کرتے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس نے کفار کو تو آدمی بنایا ہے اور انھوں نے کفر کیا۔ اس کے لیے اس نے کیوں نہ غور کر لیا جیسا کہ کیڑوں مکوڑوں کے لیے غور کر کے انھیں کیڑا مکوڑا بنایا تا کہ وہ کفر نہ کریں۔ تمھارے قول کے مطابق انکے لیے اصلح ہوتا۔ اور اس سے بھی رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تم نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لطف (مہربانی) پر قادر نہیں کہ اگر وہ اسے کفار پر کر دے تو وہ سب ایسا ایمان لے آئیں کہ اس سے جنت کے مستحق ہو جائیں۔ لیکن وہ اس پر قادر ہے کہ انھیں ایمان پر مضطر و مجبور کر دے۔ تو آیا تمھارے نزدیک اس میں شک کی آمیزش ہے یا کسی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ وہ تمھارے نزدیک باطل ہو۔ تو انھوں نے خود اپنے اوپر کفر کا اقرار کر لیا۔ اور ہمیں اپنی مشقت سے بے نیاز کر دیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ نہ تو اس میں شک کی آمیزش ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ باطل ہو، تو ہم ان سے کہیں گے کہ بعینہ یہی تو اضطرار ہے۔ عالم میں ضرورت اس کے سوا کوئی چیز نہیں۔ جو صرف ایسی معرفت ہے جس میں شک کی آمیزش نہ ہو جس چیز کو اس کے ذریعے سے پہچانا ہے اس میں اختلاف ممکن نہ ہو۔ علم ضرورت خود یہی ہے۔ اور جو اس کے علاوہ ہے وہ ظن و شک ہے۔

اگر وہ کہیں کہ ضروری تو وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو یا اول عقل سے معلوم ہو، جو اس کے علاوہ ہے وہ استدلال سے معلوم ہوتا ہے، ہم کہیں

گے کہ یہ دعویٰ فاسد ہے۔ اس لئے کہ بغیر برہان کے ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ ہماری تقسیم تو وہ حق ہے جو ضرور معلوم ہوتی ہے۔ **وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق۔**

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا عالم کے لیے کیا اصلح تھا کہ وہ درندوں سانپوں اور موذی جانوروں سے بری رہے یا یہ کہ یہ اس میں رہیں جیسا کہ وہ اب لوگوں جانوروں اور بچوں پر مسلط ہیں، اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سانپوں اور درندوں کو ایسا ہی پیدا کیا ہے جیسے کنواں اور کھیت۔ اور یہ کفار کو تنبیہ کرنے والے ہیں۔

یہ عجیب جنون ہے جس کے پیدا ہونے سے نامراد اور مخذولین کی جماعت جو معتزلہ کے نقش قدم پر چلتی ہے اس امر میں گمراہ ہوگئی کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے فعل کی اسی طرح گرفت کی ہے جس طرح ان منانیہ ومجوس نے کی ہے جنہوں نے معبود خالق کو غیر حکیم اور غیر عادل بنایا ہے۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ جیسا کہ تم کہتے ہو اگر یہی مصلحت تھی تو مصلحت کا بکثرت ہونا ہی اصلح اور زجر وتخویف میں زیادہ موثر ہے۔ معتزلہ کے یہ سب دعوے حماقت ومکابرہ ہیں جو بغیر برہان کے ہیں۔ اس کے بارے میں ان لوگوں کے جوابات منانیہ ومجوس اصحاب تناسخ سے زیادہ صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک ہی میدان میں جاری ہیں کہ سب کے سب فاسد دعوے ہیں جو بغیر برہان کے ہیں بلکہ برہان سے ٹوٹ جاتے ہیں سب کے سب ایک ہی اصل کی طرف راجع ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی علت بیان کرنا ہے جن کے لیے کوئی بھی علت نہیں اور اس پر اسی طرح حکم لگانا ہے جس طرح اس کی مخلوق پر نیک و بد کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اللہ اس سے برتر ہے۔

خاص طور پر اصلح کے ماننے والوں سے کہا جائے گا کہ تم جو عصمت کی دعا کرتے ہو تو اس کے کیا معنی ہیں۔ تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو بھی اسی طرح محفوظ کیا جس طرح مومنین کو محفوظ کیا۔ مگر کفار نہ بچے۔

تم جو خذلان ونامرادی سے بچانے کی اور رغبت وتوفیق کی دعا کرتے ہو تو اس کے کیا معنی ہیں حالانکہ تم کہتے ہو کہ اللہ نے جو کچھ تمھیں عطا کر دیا اب اس سے بہتر اس کے پاس نہیں ہے اور جو کچھ وہ تمھارے ساتھ کر چکا اب اس پر اضافہ کرنا اس کی قدرت سے باہر ہے۔

تم جو توبہ کی دعا کرتے ہو تو اس کے کی معنی ہیں حالانکہ تم اس پر یقین رکھتے ہو کہ اس بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو کچھ عطا کر دیا ہے اس سے ایک بال بھر زائد تمھاری اعانت کرنے پر وہ قادر نہیں ہے تو کیا اس معاملے میں تمھاری دعا ضلال (رائیگاں) اور ہزل (بیہودہ) اور ہذیان نہیں ہے۔ جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ وہ اسے اولاد آدم میں کر دے (حالانکہ وہ پہلے ہی سے اولاد آدم میں ہے) یا نبی کو نبی کر دے یا پتھر کو پتھر کر دے۔ کیا ان دونوں امور میں۔ کوئی فرق ہے؟

اگر وہ کہیں کہ دعا تو وہ عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام بھی بلاشک اس کے افعال کے منجملہ ہیں۔ تمھارے نزدیک اس کے افعال اسی قاعدے پر جاری ہیں جو عقل کے نزدیک حسب دستور ہم لوگوں میں اچھا برا ہے اور اس پر جاری ہیں جو تمھارے نزدیک حکمت ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ بظاہر یہ کسی طور پر بھی اچھا نہیں ہے کہ کوئی کسی کو یہ حکم دے کہ وہ اس سے اس چیز کی خواہش کرے جو اس کے قبضے میں نہیں ہے یا جو چیز وہ اسے دے چکا ہے۔ یہ دونوں صورتیں عبث وحماقت ہیں۔ حالانکہ وہ متفقہ طور پر اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا فعل یعنی اس کا انھیں اپنے سے دعا کا حکم دینا یا تو اس چیز کے متعلق ہے جس میں ان کے نزدیک اسے قادر نہ کہا جائے گا یا اس چیز کے متعلق ہے جو وہ انھیں دے چکا ہے۔ یہ حکم ان کے نزدیک عدل و

حکمت ہے انھوں نے بلاشک اپنے قاعدہ فاسدہ کو توڑ ڈالا۔ ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ دعا وہ عمل ہے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جو اس چیز کا حکم ہے جس پر وہ قادر ہے۔ اگر وہ چاہے ہمیں عطا کر دے اگر چاہے تو ہم سے اسے روک لے اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ نہ اس سے اس کے فعل کی باز پرس ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں جو اس نے ہم پر نازل کی ہے اپنے اس قول سے ابتدا کی ہے اس میں ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ کہیں جس سے وہ ہم سے راضی ہوگا کہ " **اھدنا الصراط المستقیم . صراط الذین انعمت علیھم . غیر المغضوب علیھم و لا الضالین** " (اے اللہ راہ راست کی ہدایت کر۔ جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تو نے فضل و انعام کی ہے۔ جو ان کی راہ نہیں ہے جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ ان کی ہے جو گمراہ ہیں) اس نے اپنی کتاب کو اسی طرح ختم کیا ہے کہ ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ کہیں جس سے وہ راضی ہوگا۔ **قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس** " (کہو کہ میں انسانوں کے رب سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں کا بادشاہ ہے لوگوں کا معبود ہے شیطان کے بہکانے کے شر سے جو لوگوں کا بادشاہ ہے لوگوں کا معبود ہے شیطان کے بہکانے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جن وانس کے بہکانے سے) یہ بیان ان کہنے والوں کی تکذیب میں نہایت واضح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کر دیا اس کے پاس اس سے اس اصلح و بہتر نہیں ہے اور وہ شیطان کا وسوسہ روکنے پر اور کفار کی اس ہدایت پر قادر نہیں ہے جس سے یہ ایسے ثواب کے مستحق ہو سکیں جیسا کہ اس نے ہدایت یافتہ لوگوں سے وعدہ کیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ وہ خود چاہتا ہے کہ ہماری مدد کرے اور اس راہ کی ہدایت کرے جو ان لوگوں کی ہے جن کو اس نے اپنی نعمت سے مخصوص کیا ہے اور وہ گمراہ نہیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت مذکورہ پر قادر نہ ہوتا اور اس کے پاس اسکے لیے ایسی مدد نہ ہوتی جو وہ اسی کو عطا کرتا جس کو چاہتا نہ کہ اس شخص کو جسے نہ چاہتا اس نے ایک قوم پر بذریعہ ہدایت انعام نہ کیا ہوتا اور دوسروں کو انعام سے محروم نہ کیا ہوتا تو وہ ہرگز ہمیں حکم نہ دیتا کہ اس سے وہ چیز مانگیں کہ جس پر وہ قادر نہیں ہے یا جو عطا کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ وسوسہ شیطان کے پھیر دینے پر قادر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے جس سے چاہے نہ پھیر سکتا تو ہرگز ہمیں یہ حکم نہ دیتا کہ ہم اس سے ایسی چیز سے پناہ مانگیں جس پر وہ قادر نہیں ہے یا جس سے وہ ہمیں اب تک پناہ دے چکا ہے۔

اس سے انھیں ہرگز رہائی نہیں ہو سکتی۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ گنہگاروں کے لئے اس میں کونسی مصلحت ہے کہ اس نے انکی بعض حرکات و سکون کو تو کبائر قرار دیا ہے جس پر وہ دوزخ کے مستحق ہوں گے اور ان کے بعض حرکات و سکون کو صغائر قرار دیا تا کہ وہ معاف کر دیئے جاتے اگر وہ یہ کہیں کہ یہ زیادہ معاصی سے روکنے اور ڈرانے والا ہے اور اصلح ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ جب یہ ایسا ہے جیسا تم کہتے ہو تو پھر سب کو کیوں نہ کبائر قرار دیا جو روکنے اور ڈرانے والے ہوتے اور یہ زجر و خوف میں زیادہ موثر ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیات کثیرہ کی تصریح فرمائی ہے جن میں کسی تاویل کا احتمال نہیں ہے جو ان لوگوں کی تکذیب میں ہیں جو اپنے رب کو عاجز بنانے والے ہیں۔ انھیں ہرگز کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں مل سکتی جس سے وہ استدلال کر سکیں۔ منجملہ ان کے یہ آیت ہے۔ "**ان ھی الا فتنتک تضل بھا من تشاء و تھدی من تشاء** " (یہ محض تیرا فتنہ (امتحان) ہے کہ اس سے تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) کیا اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے فتنے سے اصلح و بہتر کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ اپنی بعض مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کفر اور عاجز بنانے سے بری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین جن کے قول کی حکایت فرمائی اور ان کی تعریف فرمائی ہے کہ انھوں

نے کہا کہ "وانا لاندری اشرار ید بمن فی الارض ام ارا دبھم ربھم رشدا "(اور ہم یہ نہیں جانتے کہ روئے زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا یا ان کے رب نے ان کے ساتھ نیکی وہدایت کا ارادہ کیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں جن کی تصدیق فرمائی کیونکہ اگر وہ اس کا انکار کرتا تو ان کے اس قول کو ان کی تعریف کے ساتھ نہ بیان کرتا۔ یہ ایسی انتہائی صراحت میں ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے گا ہلاک ہوگا۔ اس سے ان گمراہ ملحدین کا قول باطل ہو گیا جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون و ابلیس کی ہدایت ورشد کا ارادہ کیا۔ اور یہ کہ اس کے پاس اصلح و بہتر نہیں ہے۔ اور وہ ان دونوں کی ہدایت پر ہرگز قادر نہیں ہے۔

فرمایا ہے "ولقد ذرأ نا لجھنم کثیر امن الجن والا نس "(اور بیشک ہم نے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے)۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان لوگوں کے لیے کونسی مصلحت تھی کہ اس نے انھیں جہنم کے لیے پیدا کیا۔ ایسی مصلحت سے اللہ کی پناہ۔

فرمایا ہے۔ "و قھم السیئات ومن تق السیئات فقد رحمته "(اور انھیں بدیوں سے بچانا۔ اور اس روز جسے تو بدیوں سے بچائے گا تو تو اس پر رحم کرے گا)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سیئات (بدیوں) سے بچاتا ہے۔ اس لیے کہ جس کو اس نے سیئات سے نہیں بچایا تو اس پر اس نے رحم نہیں کیا۔ بلاشک جس کو اس نے سیئات سے بچایا تو اس نے اس کے ساتھ بہ نسبت اس کے اصلح و بہتر کیا کہ جسے اس نے ان سے نہیں بچایا۔

یہ اس کے اس قول کے ساتھ ہے "ولو شئنا لآ تینا کل نفس ھدیھا "(اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ضرور اس کی ہدایت دید یتے)"ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا "(اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ضرور ایمان لے آتے) جس شخص کے دماغ میں تھوڑی سے بھی سلامت ہے یا اس کے چہرے پر ذرا سی بھی حیا کی چادر ہے وہ اس میں شک نہ کرے گا کہ کفار کے لیے یہی اصلح و بہتر تھا اس سے کہ انھیں اس ہدایت کے عطا نہ کرنے سے دوزخ میں داخل کیا جائے اگر چہ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں وہ جنت میں بلا استحقاق ہی داخل ہو جاتے۔

فرمایا ہے " وحبّب الیکم الایمان وزیّنه فی قلو بکم وکرّہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان . اولئک ھم الراشدون .فضلا من اللہ ونعمت. واللہ علیم حکیم " (اور اس نے تمھارے نزدیک ایمان کو محبوب بنادیا اور تمھارے دلوں میں اسے آراستہ بنادیا۔ اور تمھیں کفر وفسق و نافرمانی سے متنفر بنادیا۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔ ان پر اللہ کا فضل وانعام ہے۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے)۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کجا اللہ تعالیٰ کا فعل ان لوگوں کے ساتھ کہ ہم بھی اس سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی انھیں میں کر دے۔ کجا اس کا فعل ان لوگوں کے ساتھ جن کے بارے میں اس نے فرمایا ہے کہ اس نے ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی۔ ان کے نزدیک ان کے اعمال بد کو آراستہ بنادیا۔ اور انکے دلوں کو تنگ و تاریک بنادیا۔ جو شخص ان دونوں امور کو برابر کرے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان لوگوں کو دیا وہی ان لوگوں کو دیا۔ اس نے جو ہدایت واختصاص محمد وابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ویحییٰ وملائکہ علیہم السلام کو عطا فرمائی وہی ابلیس وفرعون وابوجہل وابولہب کو اور اس کو جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا اور یہود ونصاری ومجوس و متقبلین و شرط وبغائیین وعوہر کو، اور ان ثمود کو جنھوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں کاٹیں اور اس فرعون کو اور اس کی قوم کو بھی عطا فرمائی جنھوں نے مومنین کے ہاتھوں میں میخیں ٹھونکیں جنھوں نے شہروں میں سرکشی و نافرمانی پھیلائی اور ان میں کثیر فساد برپا کیا۔ بلکہ ان سب میں توفیق کے

بارے میں مساوات کا برتاؤ کیا اور انکے لیے اس سے زائد صلاح پر قادر نہ تھا۔ تو ایسا شخص بے حیا و بد دین ہے اور اس کا جواب صرف یہی آیت ہے ''**ان ربک لبا لمر صاد**'' (بیشک آپ کا رب گھات میں ہے)۔

فرمایا ہے ''**کان الناس امة واحدة فبعث الله النبیین مبشرین و منذ رین**'' (سب لوگ ایک ہی قوم تھے۔ پھر اللہ نے نبیوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا بنا کے بھیجا)۔

کیا چیز ان کفار کے لیے جو دائمی عذاب دوزخ میں رہیں گے اصلح ومناسب تھی؟ آیا یہ کہ وہ مومنین کے ساتھ ایک ہی امت رہیں جن پر کوئی عذاب نہ ہو۔ یا ان کی طرف رسولوں کا مبعوث کرنا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہ ان کے ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کا سبب ہوگا۔

فرمایا ہے'' **واملی لھم ان کیدی متین** '' (اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں اور بیشک میرا کید وتدبیر بہت پختہ ہے)۔

فرمایا ہے '' **ولا یحسبن الذین کفر واانما نملی لھم خیر الا نفسم انما نملی لھم لیز داد و اثماو لھم عذاب مھین** '' (اور وہ لوگ کہ جنھیں ہم مہلت دیتے ہیں ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو محض اس لیے انھیں مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ میں ترقی کریں اور انکے لیے توہین کرنے والا عذاب ہے)۔

فرمایا ہے **سنستد رجھم من حیث لایعلمون** '' (ہم انھیں اس طرح مہلت دیتے ہیں کہ وہ جانتے بھی نہیں)۔

یہ نہایت واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے ساتھ اس چیز کا ارادہ کیا اور وہ فعل کیا جس میں ان کے دینوں کی بربادی اور انکی وہ ہلاکت تھی جو صلاح کی ضد ہے۔ ورنہ انکے لیے اس میں کونسی مصلحت تھی کہ انھیں شہروں میں اس طرح مہلت وید یجاتی کہ انھیں علم بھی نہ ہوتا اور اس میں کون سے مصلحت تھی کہ انہیں مہلت دیجاتی کہ وہ گناہ میں ترقی کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ یہ سب کچھ جو اس نے ان کے ساتھ کیا تو اس میں ان کے ساتھ فوری نیکی نہیں ہے۔ لہذا ان سب آفت زدہ لوگوں کا قول باطل ہوگیا۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

فرمایا ہے '' **واذا اردنا ان نھلک قریة امر نا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرنا ھاتدمیرا** '' (اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس بستی مین نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ بستی حکم عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے پھر ہم اسے ایسا تباہ کر دیتے ہیں جیسا تباہ کرنا چاہتے) کیا اس کے بعد اس امر کوئی اور بیان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکی ہلاکت و بربادی کا ارادہ کیا اور اس نے ان کی صلاح کا ارادہ نہیں کیا پھر اس نے اس کے خوشحال لوگوں کو کچھ احکام دیئے جنکی انھوں نے مخالفت کی اور نافرمانی کی پھر جیسا تباہ کرنا چاہیے۔ تباہ کر دیے گئے۔ تو ان کے لیے کون چیز اصلح ومناسب تھی آیا یہ کہ انھیں حکم ہی نہ دیا جائے کہ یہ سلامت رہیں یا یہ کہ انھیں حکم دیا جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ حکم کو نہ مانیں گے۔ اور دوزخ میں جائیں گے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ'' **امر نامترفیھا** '' (اسی بستی کے خوشحال لوگوں کو ہم نے حکم دیا) کو اس کے ظاہر پر محمول کرو۔ تو ہم کہیں گے کہ اچھا ہم یہی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس نے انھیں فسق ونافرمانی کرنے کا حکم دیا تھا۔ بلکہ اس نے صرف یہی فرمایا کہ ہم نے انھیں حکم دیا تھا (اور غالبا یہ حکم طاعت وفرمانبرداری کا تھا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ بیہودہ باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ لہذا ہمارا ہی قول ثابت ہوگیا۔

فرمایا ہے"وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لایکونوا امثا لکم" (اور اگر تم لوگ پشت پھیرو گے تو وہ ایک دوسری قوم سے بدل دے گا جو تمھارے سوا ہوں گے پھر وہ لوگ تمھاری طرح سے نہ ہوں گے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پشت پھیریں گے تو ضرور ایک دوسری قوم کو وہ بدل دے گا جو ان کے سوا ہوگی جو ان جیسے نہ ہوں گے۔ ہم ضرور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے بہتر اشخاص کو مراد لیا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اصلح وبہتر لوگ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

فرمایا ہے"انا لقادرون علی ان نبدل خیرا منهم" (بیشک ہم اس پر قادر ہیں کہ ان سے بہتر لوگوں سے بدل دیں) اور اتنا ہی کافی ہے۔ فرمایا ہے"عسی ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجاً خیراً منکن" (اگر ہمارے نبی تمھیں طلاق دیں گے تو ان کا رب ان کو ایسی ازواج بدل دیگا جو تم بیویوں سے بہتر ہوں گی)۔ کیا اس امر میں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ جو کچھ کر چکا اس سے اصلح وبہتر کرے اور یہ کہ اس نے جو کچھ اپنی مخلوق کو عطا کیا اس کے پاس اس سے اصلح وبہتر موجود ہے۔ کوئی اور بیان اللہ تعالیٰ کے اس خبر دینے سے زیادہ واضح صریح اور صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اپنے ان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اسے اپنی تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں ان ازواج سے بہتر ازواج عطا کر سکتا ہے جو اس نے انھیں عطا کیں۔ حالانکہ وہ ازواج بھی انبیا علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے بہتر ہیں۔

بطلان قول اصلح :

اصلح کے ماننے والے بھٹکے ہوئے بیلوں کا یہ قول باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ جو کچھ کر دیا وہ اس سے اصلح وبہتر پر قادر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس بلا میں انھیں مبتلا کیا ہم اس سے عافیت کی دعا کرتے ہیں اور اس سے وہ ہدایت مانگتے ہیں کہ جس سے اس نے انھیں محروم کر دیا۔ حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ ان پر بھی اسی ہدایت سے فضل کرے۔ مگر اس نے ارادہ نہیں کیا۔ اور ہماری توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔ وحسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

ہماری مذکورہ بالا اشیا میں سے کسی میں بھی کسی نے اللہ کی قدرت کو روکا تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ اس نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور تمام اہل اسلام کی مخالفت کی۔

کیا خدا ایسا جسم ہے کہ مخلوق کے مشابہ نہیں ؟ :

معتزلہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے اصلح وبہتر ہے جو اس نے ہمارے ساتھ کیا مگر اس نے وہ ہمیں عطا نہیں کیا۔ وہ بخیل نہیں ہے اس نے اپنے بندوں کے افعال پیدا کیے۔ ان افعال پر وہ ان پر عذاب کرے گا اور ظالم نہ ہوگا۔ تو پھر اس پر انکار و اعتراض نہ کرو جو کہتا ہے کہ وہ جسم ہے اور اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں۔ اور وہ خلاف حق کہتا ہے اور کاذب نہیں ہوتا۔

نہیں، یہ مغالطہ ہے :

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ جسم ہے۔ اگر وہ اسے کہتا تو ہم بھی اسے ضرور کہتے۔ یہ اس کی مخلوق کے ساتھ اسے تشبیہ دینا نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ خلاف حق کہتا ہے بلکہ اس نے اسے باطل کیا ہے اور یقین دلایا ہے کہ اس کا قول حق ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہے جو اس نے نہیں کہی تو وہ ملحد ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے والا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے ہر شے پیدا کی اور ہمیں اور ہمارے عمل کو بھی پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو ہر کافر کو ہدایت کر دے۔ وہ نہ ظالم ہے نہ بخیل اور نہ ممسک۔ ان امور میں جو اس نے کہا وہی ہم کہتے ہیں ہم وہ نہیں کہتے جو اس نے نہیں کہا۔ ہم وہی کہتے ہیں جس پر برہان عقلی قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر موجود کا خالق ہے اور اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگا جائے وہ اس پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی کسی صفت کا بھی موصوف نہیں ہے نہ ظلم کا نہ بخل وغیرہ کا۔ ہم وہ نہیں کہتے جس پر برہان عقلی قائم ہے کہ وہ باطل ہے یعنی یہ کہ وہ جسم ہے یا خلاف حق کہتا ہے۔

عقیدۂ اصلح کے ماننے والے ابن بدذالغزال شاگرد محمد بن شبیب شاگرد نظام نے کہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے الطاف (مہربانیاں) ہیں کہ اگر وہ انھیں کفار کے پاس لے آئے تو اس کے ساتھ ایسا ہی ایمان لے آئیں جس سے ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ مگر وہ ثواب جس کے وہ اس پر مستحق ہوں گے جو ان کے ساتھ کر دیا وہ بہت بڑا اور بہتر ہے اس لیے اس نے انھیں ان الطاف سے محروم رکھا۔

یہ ایک کمزور ملمع کاری وفریب ہے۔ اس لیے کہ ہم نے تو ان سے صرف یہ سوال کیا تھا کہ آیا اللہ تعالیٰ ان الطاف پر قادر ہے کہ جب انھیں کفار کے پاس لے آئے تو وہ ایسا ایمان لے آئیں جس کے سبب سے وہ اس قسم کے ثواب کے مستحق ہو جائیں جس قسم کا ثواب وہ ان لوگوں کو دیگا جو اب ایمان پر ہیں یا اس سے بھی زائد ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ تو لامحالہ یا تو انھیں اپنا قول ترک کرنا پڑے گا یا اپنے رب کو عاجز کہنا پڑے گا۔

ہم بتوفیق الٰہی تمام اصلح کے ماننے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں یہ بتاؤ کہ ایسے شخص جس نے براہین انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کیا اور ایمان نہیں لایا اور جس کے نزدیک یہ براہین تواتر کے نقل کرنے سے ثابت ہوئیں تو آیا معتزلہ کے نزدیک یہ ایسے ثبوت و صحت سے ثابت ہوئیں جن میں شک کی مجال نہیں کہ یہ ایسے شواہد ہیں جو ان حضرات کی نبوت کے صدق کو واجب کرنے والے ہیں۔ یا ان کے نزدیک یہ صرف ظن غالب اور ایسی صفت سے ثابت ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ تخییل یا سحر ہو یا روایت میں کوئی خرابی ہوئی ہو۔ دو میں سے ایک وجہ ضروری ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ ان کے نزدیک ایسی صحت سے ثابت ہیں جس میں شک کی مجال نہیں اور یہ ان کی عقول میں بغیر کسی شک کے ثابت ہیں۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ خود یہی وہ اضطرار ہے کہ عالم میں اس کے سوا اضطرار اور کچھ نہیں۔ اور ہر ایسے شخص کی یہی صفت ہوتی ہے جس کے نزدیک کوئی شے یقینی ثبوت سے ثابت ہو مثلاً وہ شخص جو ایسی خبر پر یقین کرتا ہے جو موت فلاں کا علم واجب کر دیتی ہے۔ مثلاً جمل وصفین کا ہونا۔ اسی طرح سے عام کی وہ تمام اشیا جن کا انسان نے اپنے حواس سے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہذا یہ سب لوگ اسی بنا پر ایمان پر مضطر ہوئے۔ اس کے مختار نہ ہوئے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ ان کے نزدیک ان میں سے کوئی شے بھی صحت کے اس درجے کو نہیں پہنچی۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ پھر ان لوگوں پر حجت نبوت ہرگز قائم نہیں ہوئی اور نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت ان پر ثابت ہوئی۔ اور جو اس حالت میں ہو اس کا ایمان کو اختیار کرنا محض مستحب ہے اور اس کی تقلید واتباع ہے جس کی طرف اس کا نفس مائل ہو گیا۔ اور جس پر اس کا گمان غالب ہو گیا۔ اس صورت میں تمام شرائع کا بطلان اور اللہ تعالیٰ کی حجت کا ساقط ہونا ہے۔ اور یہ خالص کفر ہے۔

کفار پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے یا نہیں

اس مسئلے میں متکلمین کا اختلاف ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دین و دنیا کی نعمتیں کفار پر بھی ایسی ہی ہیں جیسی کہ مومنین پر۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ قول فاسد ہے۔ اور بحمد للہ ہم اس کو ابھی رد کر چکے ہیں۔

ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت نہیں ہے نہ دین کی نہ دنیا کی۔

ایک اور گروہ نے کہا ہے کہ کفار پر دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے مگر دین کی کوئی نعمت ان پر نہیں ہے۔

اصل الاصول :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**فان تنا زعتم فی شئی فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الآخر**" (پھر اگر تم لوگ آپس میں کسی شے میں اختلاف کرو تو (فیصلے کے لیے) اسے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ تم لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو)۔

انعام الٰہی عام ہے :

ہم نے یہ پایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنو افیہ و النھا ر مبصرا . ان اللہ لذو فضل علی الناس و لکن اکثر الناس لایشکرون**" (اللہ ہو وہ ہے جس نے تمھارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور ان کو روشن۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر صاحب فضل ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے)۔ اور فرمایا ہے "**الذی جعل لکم الارض قرار او السماء بناء و صور کم فاحسن صور کم و رزقکم من الطیبات ذلکم اللہ ربکم**" (جس نے تمھارے لئے زمین کو سکون و قرار دیا اور آسمان کو تعمیر بنایا اور تمھیں صورت عطا کی اور تمھیں کیسا خوبصورت بنایا اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ یہی ہے اللہ جو تمھارا رب ہے۔)

خطاب میں عموم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انعام اس کی ہر مخلوق پر ہے۔ اور بلا شک ان لوگوں کے لئے عموم ہے جو لوگ اس کا شکر کرتے ہیں اور جو کفار ہیں کہ یہ سب منجملہ مخلوق الٰہی ہیں۔ لیکن اسلام تو سب کے سب اس کا اقرار کر کے اس کے شکر گزار ہیں۔ اس کے بعد شکر گزاری میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (یعنی کوئی کم شکر گزار ہے کوئی زیادہ)۔

مخلوق میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے شکر کی اس حد تک پہنچ جائے جو اس پر واجب ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ دنیا میں کفار پر اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی نعمتیں ہیں جیسی مومنین پر اور اکثر بعض کفار پر بعض اوقات مومنین سے بھی زیادہ نعمت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "**بدلوا نعمۃ اللہ کفرا واحلوا قومھم دار البوار جھنم یصلو نھاو بئس القرار**" (انھوں نے کفر کر کے اللہ کی نعمت کو بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا جس میں وہ خود جائیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے)۔ یہ اس پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کفار پر نعمت ہے اور انھوں نے کفر کر کے اسے بدل دیا۔ لہذا کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی رائے فاسد سے کلام الٰہی کا مقابلہ کرے۔

لیکن دین میں اللہ تعالیٰ کی نعمت تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسول بھیجے جو انھیں اللہ کی مرضی کی طرف ہدایت کرنے والے تھے۔ یہ نعمت بھی بلاشک عام ہے۔ جب ان لوگوں نے کفر کیا اور اس بارے میں اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو انھیں اس نے زوال نعمت ومصیبت کی سزا دی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے "لا یغیر مابقوم حتی یغیر واما بانفسھم" (بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کے ساتھ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہی اسے بدل دیتے ہیں جو ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے اور وہی ہمیں کافی ہے۔ اور کیسا اچھا کارساز ہے۔

ایمان وکفر وطاعت ومعاصی ووعدہ ووعید

ایمان کی ماہیت :

ماہیت ایمان میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف اللہ تعالیٰ کا قلب سے پہچاننا ہے۔ فقط اگرچہ وہ یہودیت ونصرانیت اور تمام قسم کے کفر اپنی زبان اور اپنی عبادت سے ظاہر کرے۔ مگر جب وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب سے پہچان لے تو وہ مسلم ہے اور جنتی ہے۔ یہ قول ابومحرز الجہم بن صفوان وابوالحسن الاشعر البصری اور ان دونوں کے اصحاب کا ہے۔

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ ایمان۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا ہے اگرچہ وہ اپنے دل میں کفر کا اعتقاد رکھے۔ جب اس نے ایسا کیا تو وہ مومن اور جنتی ہے۔ یہ قول محمد بن کرام السجستانی اور انکے اصحاب کا ہے۔

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ ایمان۔ دل سے پہچاننا اور ساتھ ہی ساتھ زبان سے بھی اقرار کرنا ہے۔ جب کسی شخص نے دین کو اپنے قلب سے پہچان لیا اور اپنی زبان سے اقرار کرلیا تو وہ کامل ایمان واسلام والا مسلم ہے۔ اعمال کا نام ایمان نہیں ہے۔ وہ شرائع ایمان ہیں یہ قول ابوحنیفہ نعمان بن ثابت فقیہ اور فقہا کی ایک جماعت کا ہے۔

بقیہ فقہا واصحاب حدیث اور معتزلہ وشیعہ اور تمام خوارج کا مذہب یہ ہے کہ ایمان قلب سے دین کا پہچاننا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا اور اعضاء سے عمل کرنا ہے۔ ہر طاعت وعمل خیر خواہ فرض ہو یا نفل وہ ایمان ہے۔ انسان جس قدر خیر میں ترقی کرے گا اسی قدر اس کے ایمان میں ترقی ہوگی۔ جب معصیت کرے گا اس کا ایمان کم ہو جائے گا۔

محمد بن زیاد الحریری الکوفی نے کہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرے تو نہ وہ علی الاطلاق مومن ہے اور نہ علی الاطلاق کافر۔ لیکن وہ ساتھ ساتھ مومن بھی ہے اور کافر بھی۔ مومن اس لیے کہ وہ اللہ پر ایمان لایا۔ اور کافر اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔

ایمان صرف تصدیق ہے :

جہمیہ اور کرامیہ اور اشعریہ اور جن کا مذہب ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق ہے ان سب کی ایک ہی حجت ودلیل ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن بالکل واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اور لغت عرب ہی میں ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کیا ہے۔ لغت میں ایمان صرف تصدیق ہے۔ اعضا سے عمل کرنے کا نام لغت میں تصدیق نہیں ہے لہذا وہ ایمان نہیں ہے۔ ایمان

توحید ہے۔ اعمال کا نام توحید نہیں ہے۔ لہٰذا وہ ایمان نہیں ہیں۔ اور اگر اعمال توحید و ایمان ہوتے تو جو شخص ان میں سے کچھ بھی ترک کرتا تو وہ ایمان کو ترک کرتا۔ ایمان سے جدا ہو جاتا اور لازم آتا کہ وہ مومن نہ ہو۔ یہ حجت خاص طور پر اصحاب حدیث کو لازم آتی ہے۔ خوارج و معتزلہ کو لازم نہیں آتی اس لیے کہ یہ لوگ اعمال کے ضائع کرنے سے بالکل ایمان چلے جانے کے قائل ہیں۔

سوائے دلیل مذکورہ بالا کے ان کے لیے اور کوئی حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا اس میں ان کے لیے قطعاً کوئی حجت نہیں اس لیے کہ ہم انشاء اللہ بیان کرتے ہیں۔

تصدیق کی تکذیب :

لغت میں ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں۔ یہ اشعریہ وجہمیہ وکرامیہ پر حجت ہے جو پورے طور پر ان کے اقوال کی باطل کرنے والی اور کافی ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور دلیل کی حاجت نہیں۔ ان کا یہ قول کہ جس لغت میں قرآن نازل ہوا اس میں ایمان تصدیق ہے مگر جیسا انھوں نے کہا علی الاطلاق ایسا نہیں ہے اور بغیر تصدیق زبان کے تصدیق قلب کا نام لغت عرب میں ہرگز ایمان نہیں رکھا گیا۔ اور کبھی کسی عربی نے نہیں کہا کہ جو شخص اپنے قلب سے کسی چیز کی تصدیق کرے اور زبان سے اس کی تکذیب کرے تو ہرگز اسے اس چیز کا تصدیق کرنے والا اور اس پر ایمان رکھنے والا نہ کہا جائے گا اور نہ علی الاطلاق صرف تصدیق زبان کا نام بغیر تصدیق قلب کے لغت عرب میں ایمان رکھا گیا۔ لغت عرب میں تصدیق و ایمان مطلقاً اسی کا نام رکھا جائے گا جو کسی چیز کی تصدیق اپنے دل و زبان دونوں سے کرے۔ لہٰذا اشعریہ وجہمیہ کا جو تعلق لغت عرب سے تھا وہ بالکل باطل ہو گیا۔

جو ابوحنیفہ کے اس مذہب پر چلتے ہیں کہ ایمان صرف زبان و دل دونوں سے تصدیق کرنا ہے اور اس میں لغت سے استدلال کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ تمھارا لغت سے جو استدلال ہے اس میں تمھارے لیے ہرگز کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ لغت میں تو بداہتہ یہ واجب ہے کہ جو شخص کسی شے کی تصدیق کرے تو وہ اس پر ایمان لانے والا ہے۔ تم اور اشعریہ اور جہمیہ اور کرامیہ سب کے سب ایمان کا نام ہر اس شخص پر واقع کرتے اور اطلاق کرتے ہو جو کسی شے کی بھی تصدیق کرے۔ اس کا اطلاق تمام صفات کو چھوڑ کر صرف صفت محدود پر کرتے ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہر اس چیز کی جسے قرآن نے بیان کیا ہے اور دوبارہ زندہ ہونے کی اور جنت دوزخ کی اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کی جس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ جو ان سب کی تصدیق نہ کرے وہ مومن نہیں۔ حالانکہ یہ لغت کے بالکل خلاف ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اس کو شریعت نے ہم پر واجب کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا، اس جگہ لغت سے استدلال نہ کرو جہاں شریعت نے کسی اسم کو اس کے لغت کے موضوع سے منتقل کر لیا ہے۔ جیسا کہ تم نے ابھی کیا بالکل اسی طرح اور کوئی فرق نہیں۔

ان لوگوں نے جو کہا اگر یہ صحیح ہوتا تو لازم آتا کہ اسم ایمان کا اطلاق ہر اس شخص پر کیا جائے جو کسی شے کی بھی تصدیق کرے اور جنھوں نے الوہیت ابن منصور حلاج کی اور الوہیت مسیح کی اور الوہیت اصنام کی تصدیق کی وہ سب ضرور مومن ہوتے۔ اس لیے کہ یہ سب لوگ اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جس کی انھوں نے تصدیق کی ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کا کوئی ایسا شخص قائل نہیں جو اسلام کی طرف منسوب ہے بلکہ اس کا قائل سب کے نزدیک کافر ہے اور قرآن نے اس شخص کے کفر پر تصریح کی ہے جو اس کا قائل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض ویرون ان یتخذو ابین ذلک سبیلا . اولئک ھم الکافرون حقا" (اور یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق کریں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض

پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار و کفر کرتے ہیں۔ اور وہ یہ جانتے ہیں کہ اس کے درمیان میں راستہ اختیار کریں۔ یہ لوگ حقیقی کافر ہیں) اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت دی کہ ایک قوم کے لوگ بعض رسولوں پر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ لہذا اس کے ہوتے ہوئے ان پر اسم ایمان کا اطلاق کرنا بالکل جائز نہیں بلکہ قرآن کی تصریح کے مطابق ان کے لیے اسم کفر واجب کر دیا ہے۔

محمد بن زیاد الحریری کا قول ان تمام جماعتوں کو بمقتضائے لغت و بموجب لغت لازم آتا ہے جس سے وہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ وہ قول ہے جس کے کفر خالص ہونے اور خلاف قرآن ہونے میں دو مسلمانوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ان تمام گروہوں کا لغت سے جو استدلال تھا وہ بالکل باطل ہو گیا۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ اگر عمل کا نام ایمان رکھا جائے تو جو شخص اس میں سے کچھ بھی ترک کرے گا تو وہ ایمان کو ضائع کرے گا۔ اور لازم آئے گا کہ وہ مومن نہ ہو۔

ان میں سے بعض سے جنھوں نے مجھے یہ الزام دیا تھا میں نے ایک بات کہی جس کی تفسیر و تفصیل یہ ہے کہ ہم لوگ شریعت کی کسی چیز کا نام نہیں رکھتے بجز اس کے کہ یا تو اللہ تعالیٰ ہی ہمیں اس کا نام رکھنے کا حکم دے یا بذریعہ نص ہمارے لئے اس کا نام رکھنا مباح کر دے۔ اس لیے کہ ہم بغیر اس وحی کے جو اس کے پاس سے وارد ہوئی یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جو شخص شریعت کی کسی شے کا نام بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے رکھے اس کے قول کے انکار کے طور پر فرماتا ہے "**ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و آباؤکم ماانزل اللہ بھا من سلطان ان یتبعون الا لظن و ما تھوی الانفس . ولقد جائھم من ربھم الھدی . ام للانسان ماتمنیٰ** " (یہ تو محض وہ نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ یہ لوگ محض اپنے خیال و ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔ انسان کے لیے وہ چیز (لازمی) نہیں ہے جس کی وہ تمنا کرے)۔ اور فرمایا ہے "**وعلم آدم الا سماء کلھاثم عرضھم علی الملئکة فقال انبئو نی باسماء ھو لاء ان کنتم صادقین . قالو سبحانک لا علم لنا الا ماعلمتنا** " (اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام تعلیم فرما دیے پھر ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان اشیاء کے نام بتاؤ۔ ملائکہ نے کہا کہ تو پاک ہے ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جس کی تجھی نے ہمیں تعلیم دی)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ تو کسی فرشتے کو نام مقرر کرنا جائز ہے نہ کسی انسان کو۔ او جو اس کی مخالفت کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور جھوٹ کہا اور قرآن کی مخالفت کی۔ چنانچہ ہم لوگ تو صرف اسی کو مومن کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مومن بتایا۔ اور ایمان کے ثابت ہونے کے بعد ہم اس کو صرف اسی سے ساقط کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے ساقط کیا۔ اور ہم پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن بعض اعمال کا نام ایمان رکھا ہے ان کے تارک سے اسم ایمان کو ساقط نہیں کیا ہے۔ لہذا ہمیں بھی جائز نہیں کہ ہم اس کی وجہ سے اس سے اسے ساقط کریں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے بعض ایمان ضائع کر دیا اور کل ایمان ضائع نہیں کیا۔ جیسا کہ نص آئی ہے جس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ ابو محمد کہتے ہیں کہ ان گروہوں نے جو فریب کاری کی تھی جب وہ بالکل ساقط ہو گئی اور ان کے لیے قطعاً کوئی حجت نہیں رہی تو اب ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے اس قول صحیح کی حجت کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیے جو جمہور اہل اسلام کا اور اہل سنت کا اور اصحاب آثار کا مذہب ہے کہ ایمان عقد (اعتقاد) و قول و عمل ہے۔ اور اس اجمال کی وہی تفصیل ہے جس سے ہم نے مرجیہ کے قول کی تنقید کی ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔ ابو محمد کہتے ہیں کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ایمان کی اصل لغت میں یہ ہے کہ کسی شے کی دل و زبان دونوں سے تصدیق کرنا۔ خواہ یہ تصدیق کرنیوالا کسی شے کی بھی تصدیق کرے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر لفظ ایمان کو اس پر واقع کیا ہے۔ دل سے محدود مخصوص ومعروف اشیاء کا اعتقاد ہے نہ کہ ہر شے کا اعتقاد۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو خاص ان اشیاء کے زبان سے اقرار کرنے پر بھی واقع کیا ہے۔ نہ کہ ان کے ماسواء پر۔ اور نیز اعضا کے اعمال پر بھی اسے واقع کیا ہے جو صرف اس کی طاعت کے متعلق ہوں۔ لہذا کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اور جو حکم دیا ہے اس میں اس کے خلاف کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ لغت واہل لغت کا خالق ہے اور وہی اس کے بدلنے پر اور اس کے اسما کو جس پر چاہے واقع کرنے پر پورے طور پر مختار و مالک ہے۔ اور اس شخص سے زیادہ عجیب کوئی نہیں جو امرالقیس یا زہیر یا جریر یا حطیئہ یا طرماح کا یا کسی اسدی یا سلمی یا تمیمی اعرابی کا یا بقیہ اہل عرب میں سے کسی ایسے شخص کا جو اپنے پس پشت موتنے والا ہے کوئی لفظ کسی شعر یا نثر میں پاتا ہے تو اسے لغت میں داخل کر لیتا ہے اور اس کا یقین کر لیتا ہے اور اس میں کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کا جو خالق لغات واہل لغات ہے کوئی کلام پاتا ہے تو اس کی طرف التفات نہیں کرتا اور نہ اسے حجت قرار دیتا ہے۔ اور اسے اس کے ظاہر سے پھیرنے لگتا ہے اور اس کے مقامات سے بدل دیتا ہے اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے اسے واقع کیا ہے اس سے اسے بدلنے میں حیلے کرتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کلام پاتا ہے تو اس کے ساتھ بھی یہی کرتا ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبوت سے سرفراز کرے مکے میں اپنی نوجوانی کے زمانے میں بلاشک ہر تھوڑی سی بھی عقل رکھنے والے کے نزدیک بھی اپنی قوم کی لغت کے سب سے زیادہ عالم اور اس لغت میں سب سے زیادہ فصیح تھے۔ اور اس کے زیادہ مستحق تھے کہ آپ اس لغت کے متعلق جو کچھ بھی کلام کریں وہ ہر خندفی وقیسی وربیعی وایادی وتیمی وقضاعی وحمیری سے زیادہ حجت ہو۔ چہ جائیکہ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ڈرانے کے لیے مخصوص فرمایا۔ اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان میں واسطہ ہونے کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ کی زبان پر اپنا کلام جاری فرمایا اور اس کی اور جو کچھ آپ بتائیں سب کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ پھر اس کی گمراہی سے زیادہ کس کی گمراہی ہوگی جو لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب کو یہ کہتے سنے۔

فعلت فروع الا یھقان واطفلت　　لجلھتین ظباؤھا ونعامھا
(ایھقان کی شاخیں کام کر کے ہٹ گئیں۔ اب وہاں جانوران صحرائی پھر رہے ہیں)

اور اس کو حجت قرار دے۔ حالانکہ ابو زیاد الکلابی کہتا ہے کہ میں نے کبھی نہیں جانا کہ عرب نے ''**الا یھقان**'' کہا ہو۔ حالانکہ یہ وہی ''**اللھق**'' ہے جو مشہور مکان ہے۔ اور ابن احمر کا قول سنیئے کہ'' **کنا ہ نقلق عن ماموست الحجر** '' (ہم پتھر کی آگ۔ ماموسہ۔ سے اسے نکالتے تھے) حالانکہ علمائے لغت کہتے ہیں کہ عرب میں سوائے ابن احمر کے کوئی بھی ایسا شخص نہ معلوم ہو سکا جس نے آگ کو ماموسہ کہا ہو۔ مگر یہ شخص اسے حجت قرار دیتا ہے اعراب میں سے اس شخص کے قول کو جو یہ کہے کہ'' **ھذا حجر من خوب** ''اور تمام وہ الفاظ جو لغات معہودہ مقررہ میں شاذ و نادر ہیں ان کو جائز رکھتا ہے۔ اگر ہم ان کے ذکر کی تکلیف گوارا کریں اور ان میں سے ہر ایک سے استدلال کریں تو ایسے لغات بہت ہوں گے پھر یہ شخص لفظ ایمان کے اس پر واقع کرنے سے باز رہتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ القرشی نے واقع کیا جن کی رضاعت بنی سعد بن بکر میں ہوئی۔ اس میں ہر باطل اور ہر حماقت اور ہر مخالف مشاہدہ امر سے مکابرہ کرتا ہے۔ **نعوذ باللہ من الخذلان۔**

ایمان بمعنی اعمال دیانت وامانت :

ان آیات میں سے کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اسم ایمان کو اعمال دیانت وعبادت پر واقع کیا ہے ایک یہ آیت ہے'' **ھو الذی انزل**

السکینة فی قلو ب المومنین لیز داد و ایمانا مع ایما نهم ’’(اللہ وہی ہے جس نے مومنین کے قلوب میں سکینہ اوراطمینان نازل کیا تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ ایمان زیادہ ہو)۔

ایمان میں کمی وبیشی ممکن نہیں :

کسی شے کی تصدیق میں، خواہ وہ کوئی شے بھی ہو، کمی بیشی کا واقع ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ اسی طرح توحید ونبوت کی تصدیق ہے کہ اس میں بھی کمی بیشی ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ اس لیے کہ ہر وہ شخص جو اپنے قلب میں کسی شے کا معتقد ہے یا اپنی زبان سے اس کا مقر ہے خواہ کسی شے کا بھی اعتقاد ہو اور خواہ کسی شے کا بھی اقرار ہو اس کی تین صورتیں ہیں جس کے لیے چوتھی صورت ناممکن ہے۔ یا وہ جس کا معتقد ہے اس کی تصدیق کرتا ہے یا اس کی تکذیب کرتا ہے۔ یا ان دونوں کی درمیانی حالت میں ہے جس کا نام شک ہے۔

یہ محال ہے کہ انسان اس چیز کی تکذیب کرے جس کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ یہ بھی محال ہے کہ کوئی شخص اسی میں شک کرے جس کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ لہذا صرف یہی ایک صورت رہ گئی کہ وہ بلا شک اس چیز کا تصدیق کرنے والا ہے۔ جس کا وہ معتقد ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک کی تصدیق دوسرے کی تصدیق سے زیادہ ہو۔ اس لیے کہ دو میں سے کسی ایک تصدیق میں جب کوئی خلل آ جائے گا تو ہر صحیح الحواس یہ جانتا ہے کہ وہ تصدیق کی حد سے نکل جائے گی۔ اور شک ہو جائے گی۔ اس لیے کہ تصدیق کے یہی معنی ہیں کہ اس شے کے وجود کی صحت وثبوت کا یقین کرے اور قطعی جانے جس کی اس نے تصدیق کی ہے، اس صفت میں ایک کے دوسرے سے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اگر وہ اس صحت کو قطعی ویقینی نہ جانے تو اس نے اس میں شک کیا اور وہ اس کا تصدیق کرنے والا نہ ہوا۔ پھر وہ اس کا مومن نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان میں جس زیادت وبیشی کا ذکر کیا ہے وہ زیادت وبیشی ہرگز ایمان میں نہیں ہے۔ اور نہ وہ قطعاً اعتقاد میں ہے، بس وہ لامحالہ غیر تصدیق میں ہے۔ اور یہاں اعمال کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اعمال نیک بھی بنص قرآن ایمان ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ” **فا ما الذین آمنو ا فزادتهم ایمانا** “ (لیکن جو لوگ ایمان لائے ہیں قرآن ان کے ایمان میں بیشی وزیادت کرتا ہے) اور یہ قول ہے ” **الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعو الکم فاخشو اهم فزاد هم ایمانا** “ (غزوہ احد کی شکست کے بعد) جن لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ (کافر) لوگ تمھارے لیے جمع ہوئے ہیں تو تم ان سے ڈرو مگر اس سے ان کا ایمان بڑھ گیا)۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ یہاں زیادت ایمان کے یہی معنی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان لوگوں نے اس کی تصدیق کی لہذا اس کے نزول نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا جو ایک ایسی آنے والی شے کی تصدیق ہے کہ ان کے پاس نہ تھی۔ بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ یہ محال ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے ابتدائے اسلام ہی میں یہ اعتقاد کر لیا تھا کہ وہ ہر اس شے کی تصدیق کرنے والے ہیں جو ان کے پاس ان کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام لائیں گے۔ لہذا نزول آیت نے ان میں کسی ایسی تصدیق کی زیادت نہیں کی جس کے وہ معتقد نہ تھے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ان کا وہ ایمان جسے آیات نے بڑھایا ان آیات پر وہ عمل ہے جس کو انہوں نے کبھی نہیں کیا تھا اور نہ اسے جانا تھا اور نہ اس کی تصدیق کی تھی۔ نہ یہ ان کے لیے جائز تھا کہ اس کا اعتقاد کریں اور اس پر عمل کریں۔ بلکہ ان پر فرض تھا کہ اسے ترک کریں اور اس کے وجوب کی تکذیب کریں۔ زیادت تو صرف کمیت (مقدار) عدد میں ہوتی ہے نہ کہ کسی اور شے میں۔ اعتقاد کے لئے نہ کمیت ہے نہ عدد (ہاں اس کے لئے کیفیت ہے) کمیت وعدد صرف اعمال واقوال میں ہے۔

اگر وہ کہیں کہ تمھارا ان آیات کی تلاوت کرنا ہی زیادت ایمان ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اور یہی ہمارا قول ہے۔ تلاوت تو عضو زبان کا عمل ہے۔ جس کا اعتقاد کیا گیا ہے۔ اس کا اقرار نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک قسم کا ذکر ہے جو تسبیح وتہلیل کے ذریعے سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**وما کان اللہ لیضیع ایما نکم**“ (اور اللہ ایسا نہیں ہے جو تمھارے ایمان کو ضائع کر دے)۔ جہمیہ و اشعریہ وکرامیہ اور تمام مرجیہ سے پہلے تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کی وہ نماز مراد لی ہے جو پہلے بیت المقدس کی طرف تھی اور کعبے کی طرف والی نماز سے منسوخ نہ ہوئی تھی۔

فرمایا ہے ”**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الا سلام دینا**“ (آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام ومکمل کر دی اور تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا)۔

فرمایا ہے ”**وما امر واالا لیعبد واالله مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوة ویؤ توا الزکوة و ذلک دین القیمة**“ (اور انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ دین کو خالص اللہ کے لیے کر کے یکسوئی کے ساتھ (کہ جس میں بت پرستی کی آمیزش نہ ہو) اسی کی عبادت کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی سچا دین ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جو دین کو اس کے لیے خالص کرنے کی حالت میں ہو اور نماز کا قائم کرنا اور زکوۃ کا ادا کرنا جو دونوں شریعت میں وارد ہیں یہ سب دین قیم ہیں۔

فرمایا ہے ”**ان الدین عنداللہ الا سلام**“ (دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے)۔

فرمایا ہے ”**ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الأخرة من الخاسرین**“ (اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ دین اسلام ہی ہے۔ اس کے قبل اس پر تصریح فرمائی کہ تمام عبادت اور نماز وزکوٰۃ ہی دین ہے لہذا اس سے یقیناً یہ نتیجہ نکلا کہ عبادات ہی دین ہیں اور دین ہی اسلام ہے۔ لہذا عبادات ہی اسلام ہوئیں۔

فرمایا ہے ”**یمنون علیک ان اسلمو اقل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان هدا یکم للا یمان ان کنتم صادقین**“ (یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجے کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم (اپنے دعوے) میں سچے ہو)۔

فرمایا ہے ”**فاخر جنا من کان فیها من المو منین فما و جدنا فیها غیر بیت من المسلمین**“ (چنانچہ اس بستی میں جو مومنین تھے ہم نے انھیں (عذاب امت لوط کے وقت) نکالدیا مگر ہم نے اس میں مسلمانوں کے سوائے ایک گھر کے نہیں پایا)۔ یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اسلام ہی ایمان ہے۔ پہلے ہم نے جو ذکر کیا اس سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام اعمال نیک اسلام ہیں اور اسلام ہی ایمان ہے۔ لہذا تمام اعمال نیک ایمان ہوئے۔ یہ وہ بدیہی برہان ہے جس سے انحراف نہیں ہوسکتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

فرمایا ہے ”**فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم . ثم لا یجد وافی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلمو اتسلیما**“ (قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ یہ لوگ ان امور میں آپ کو حکم نہ بنائیں جن میں یہ آپس میں جھگڑا کریں۔ اور اس کے بعد یہ لوگ آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں۔ تنگی دنا خوشی نہ محسوس کریں۔ اور ماننے کے طور پر مان لیں) اللہ تعالیٰ نے تصریح کی اور اپنی ذات کی قسم کھائی کہ بجز اس کے کوئی مومن نہ ہوگا کہ وہ ہر جھگڑے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم بنا

ئے پھر اسے اپنے دل سے مان لے۔ اور اپنے دل میں آپ کے فیصلے سے تنگی نہ محسوس کرے لہذا ثابت ہوگیا کہ تحکیم (حکم بنانا) اور شے ہے اور تسلیم بالقلب (دل سے مان لینا) اور شے ہے۔ یہی تسلیم وہ ایمان ہے کہ جو اس پر عمل نہ کرے اس کا ایمان نہیں ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اسم ایمان ان تمام اعمال پر واقع ہوتا ہے جو شریعت میں ہوں۔

فرمایا ہے " **ویقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض ویریدون ان یتخذو ابین ذلک سبیلا . او لئک هم الکافرون حقا** " (اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں راستہ اختیار کریں۔ یہ لوگ حقیقی کافر ہیں)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ مطلقاً تصدیق ایمان نہیں ہے تاوقتیکہ اس کے ساتھ وہ چیز نہ شامل ہو جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کفر کلام میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " **ودخل جنته وهو ظالم لنفسه قال ماظن ان تبید هذه ابدا . وما اظن الساعة قائمة ولئن رددت الی ربی لا جدن خیر امنها منقلبا. قال له صاحبه وهویحاوره اکفرت بالذی خلقک من تراب ثه من نطفة ثم سوّاک رجلا . لکنا هوالله ربی ولاا شرک بربی احدا . ولولا اذد خلت جنتک قلت ماشا ء الله لا قوة الا بالله . ان ترن انا اقل منک مالا وولدا . فعسی ربی ان یوتین خیرا من جنتک ویر سل علیها حسبانا من السماء فتصبح صعید ازلقا . اویصبح ماؤها غور افلن تستطیع له طلبا . واحیط بثمره فاصبح یقلب کفیه علی ماانفق فیها وهی خاویة علی عروشها ویقول یلیتنی لم اشرک بربی احدا** " (کہف رکوع ۵۔ پ ۱۵)۔ (اور وہ شخص جو اپنے اوپر ظلم کرنیوالا تھا۔ (یعنی مشرک) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ میرے خیال میں تو یہ باغ کبھی بھی فنا نہ ہوگا۔ اور نہ میرے خیال میں قیامت قائم ہوگی۔ اور بالفرض مجھے اپنے رب کے پاس لوٹنا ہی پڑا تو مجھے ضرور اس سے بہتر جگہ ملے گی۔ اس سے اس کے ساتھی نے کہا جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہ تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا اس کے بعد نطفہ اس کے بعد تجھے آدمی بنا دیا۔ مگر میرے نزدیک وہی اللہ ہے جو میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ "**ماشاء الله**" (جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے)۔ بغیر اللہ کی مدد کے قوت نہیں ہوتی۔ اگر تیرا خیال یہ ہے کہ میں مال و اولاد میں تجھ سے کمتر ہوں تو (یقین رکھ کہ) عنقریب میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے گا۔ اور (جس باغ پر تو اتراتا ہے) اس پر آسمان سے اولہ اور بجلی کی آفت بھیجے گا تو وہ چٹ پر میدان بن کے رہ جائے گا۔ یا اسکا پانی اتنی گہرائی میں چلا جائے گا کہ تو ہرگز اسے طلب نہ کر سکے گا۔ اور اس شخص کے پھل کو گھیر لیا گیا۔ پھر اس نے جو کچھ اس باغ میں صرف کیا تھا اس پر کف افسوس مل رہا تھا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر اوندھا پڑا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ (تو یہ سزا کیوں پاتا) اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے اپنے رب کے اقرار کے باوجود اس کے کفر و شرک کو ثابت کیا کیونکہ اس نے دوبارہ زندگی اور قیامت میں شک کیا تھا۔

فرمایا ہے " **افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض** " (تو کیا تم لوگ کتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا کفر کرتے ہو)

لہذا ثابت ہوگیا کہ جو بعض دین پر ایمان رکھے اور اس کے کسی حصے کا بھی کفر کرے تو وہ کافر ہے باوجودیکہ اس نے جتنے دین کی تصدیق کی ہے وہ تصدیق صحیح ہے۔

اصطلاحات شرعیہ :

اکثر اسمائے شرعیہ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے مسمیات کے لیے وضع کیے گئے ہیں جن کو عرب ہرگز نہیں جانتے۔ یہ وہ امر ہے جس سے روئے زمین کا کوئی ایسا شخص ناواقف نہیں جو لغت عربیہ کو بھی جانتا ہے اور اسمائے شرعیہ کو بھی جانتا ہے۔ مثلاً صلوۃ کہ یہ لفظ عرب میں صرف دعا کے لیے موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرکات محدودہ و معدودہ پر اور خاص قسم کے قیام پر جو خاص جہت کی طرف ہو جس سے تجاوز نہ ہو۔ اسی طرح خاص طور کے رکوع و سجود پر اور اسی طرح خاص طریقے کے قعود و قرات و ذکر پر واقع کیا ہے جو اوقات محدود میں ہو اور طہارت محدودہ اور لباس محدودہ کے ساتھ ہو کہ جب اس طریقے پر کوئی چیز نہ ہوگی تو نماز نہ ہوگی اور وہ باطل ہو جائے گی۔ عرب ان تمام امور میں سے ایک کو بھی نہ جانتے تھے بھلا اس کا نام رکھنا تو بڑی چیز ہے۔ یہاں تک کہ ان تمام امور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ یہ ہے۔

صلوٰۃ :

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ صلوٰۃ (نماز) میں دعا ہے اس لیے اس کی وجہ سے اس کا نام موضوع لغت سے نہیں نکلا۔

یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ اس امت کے کسی شخص کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ جو رکعات کی پوری تعداد ادا کرے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مع قرآن کے پڑھے اور اس کے بعد رکوع سجود و جلوس قیام و تشہد کو ادا کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور دو سلام پھیرے تو اس نے اسی طرح نماز پڑھ لی جس طرح اسے حکم دیا گیا تھا اگرچہ اس نے قطعاً کوئی دعا نہیں کی۔ حالانکہ بعض فقہاء یہ بھی کہتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے پھر وہ نہ تو قطعاً قرات کرے نہ تشہد پڑھے اور نہ قطعاً دعا کرے تو اس نے اسی طرح نماز ادا کی جس طرح اسے حکم دیا گیا تھا۔

نیز یہ دعا جو نماز میں ہوتی ہے امت کے کسی شخص کو اس میں اختلاف نہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں اور نہ اہل اسلام کے نزدیک اس کا نام صلوٰۃ ہے سب پر اللہ تعالیٰ نے اسم صلوٰۃ واقع کیا ہے جو ایسے اعمال پر ہے کہ سوائے دعا کے ہیں۔ اور جو دعائے محدود پر ہے جس کو عرب ہرگز نہ جانتے تھے اور نہ وہ کسی معین دعا پر بقیہ دعاؤں کے علاوہ لفظ صلوٰۃ واقع کرنے کو جانتے تھے۔

زکوٰۃ :

منجملہ ان کے زکوٰۃ ہے۔ یہ لغت میں بڑھنے اور زیادہ ہونے کے لیے موضوع ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال محدود و معدود کے دینے پر واقع کیا ہے جو کسی ایسے مال میں سے ہو جس کی صفت بتا دی گئی ہے اور جو محدود و معدود و معین ہے نہ کہ تمام اموال میں سے۔ جو ایسی قوم کے لیے محدود ہیں جس کے دینے کے اوقات بھی محدود ہیں کہ اگر وہ شخص اس سے بڑھے گا تو اس کے اس فعل پر اسم زکوٰۃ واقع نہ ہوگا۔ عرب ہرگز یہ صفات نہ جانتے تھے۔

صیام :

لغت عرب میں وقوف (یعنی ٹھہرنے) کو صیام کہتے ہیں۔ جب دن طویل ہو جائے تو صام النھار کہا جاتا ہے۔ کہ گویا وہ اپنے طول و درازی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے جیسے ٹھہرنے اور کھڑا ہونے والا۔ امرؤ القیس کہتا ہے۔ ''اذا صام النھار و ھجرا'' اور نابغۃ الذبیانی

کہتا ہے۔

خیل صیام و خیل غیر صائمة   تحت العجاج و خیل تعلک اللجما

(کچھ گھوڑے کھڑے ہیں اور کچھ گھوڑے نہیں کھڑے ہیں۔ جو غبار کے نیچے ہیں۔ اور کچھ گھوڑے باگیں چباتے ہیں)

مگر اللہ تعالیٰ نے اسم صیام وقت محدود پر کھانے پینے جماع کرنے اور عمداً قے کرنے سے باز رہنے پر واقع کیا ہے۔ وہ وقت محدود۔ فجر ثانی کے ظاہر ہونے سے غروب آفتاب تک سال کے محدود زمانے میں ہے۔ اگر کوئی اس سے بڑھائے گا تو اسکا نام صیام نہیں رکھا جائے گا یہ وہ امر ہے جسے عرب ہرگز نہیں جانتے تھے۔ لہذا اس شخص کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جس نے کہا ہے کہ شریعت میں اسما کو ان کے موضوع لغت سے منتقل نہیں کیا جاتا۔ اور ثابت ہو گیا کہ ان کا قول بدترین حماقت کا اعلان ہے۔

ایمان میں نقص :

جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق ہے ان کے قول کے خلاف یہ واضح ہو چکا ہے کہ ایمان میں زیادت کا وجود ہے تو ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ لامحالہ زیادت نقص کی مقتضی ہے اس لیے زیادت کے یہی معنی ہیں کہ وہ ایک عدد ہے جو دوسرے عدد کی طرف مضاف و منسوب ہے اور جب ایسا ہے تو وہ عدد جس کی طرف یہ مضاف ہے اس میں زیادت نہ ہونے کی حالت میں وہ یقیناً ناقص (کم) ہے۔

نقص کا ذکر نص میں آیا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور قول ہے جس کو بڑی بڑی جماعتوں نے نقل کیا ہے کہ آپ نے عورتوں سے فرمایا کہ میں نے عقل و دین میں نقص والیوں میں تم سے زیادہ مرد ہشیار کا لوٹنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے دین کا نقصان کیا ہے آپ نے فرمایا کہ کیا چند شبانہ روز عورت اس طرح نہیں رہتی کہ نہ وہ روزہ رکھتی ہے نہ نماز پڑھتی ہے۔ یہی اس کا نقصان ہے۔

تصدیق کے اجزا نہیں ہوتے :

اگر تصدیق میں کچھ کمی ہو تو اس کا تصدیق ہونا ہی باطل ہو جائے اس لیے کہ تصدیق کے اجزا نہیں ہوتے۔ اور وہ شک ہو جائے گی **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ حالانکہ یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن کی کسی آیت یا اس کی کسی سورۃ کی تصدیق نہ کرے اور بقیہ سب کی تصدیق کرے تو اس کا ایمان باطل ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہرگز تصدیق کے اجزا نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پہنچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہنچانتے ہیں۔ وہ آپ کو اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے" **ولکن الظلمین بآیٰت اللہ یجحدون** " (بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ "**ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ**" (اور اگر آپ ان سے یہ دریافت کریں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ لوگ آپ کے صدق کو جانتے ہیں اور آپ کو کاذب نہیں کہتے۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ امت میں بغیر کسی کے اختلاف کے کافر ہیں۔ جو شخص ان کے کفر کا انکار کرے تو اس کے کفر و خروج اسلام میں کسی کا اختلاف نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق تصریح فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے ملائکہ کا رسولوں کا اور قیامت کا جاننے والا ہے اور اس

نے درخواست کی ہے کہ ”رب فانظر ني الى يوم يبعثون “(اے میرے رب مجھے اس روز تک کی مہلت دے جس روز یہ لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے) اسی نے کہا ہے کہ ”خلقتني من نار و خلقته من طين “(تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو گارے سے) اور کہا ہے کہ ”لم اكن لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حماء مسنون “(میں ایسے بشر کو سجدہ کرنیوالا نہیں ہوں جسے تو نے بدبو دار کیچڑ کی خشک مٹی سے پیدا کیا)۔ بھلاوہ کیوں نہ ان تمام اشیا کی تصدیق کرنیوالا ہوتا۔ حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کی ابتدا کا مشاہدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بکثرت اس سے کلام کیا ہے۔ اور اس سے دریافت کیا ہے کہ تجھے سجدہ کرنے سے کون امر مانع ہوا۔ اسے جنت سے نکلنے کا حکم دیا ہے۔ اسے خبر دی ہے کہ اسے روز جزا تک کی مہلت دی گئی اسے ان لوگوں کے بہکانے سے روکدیا گیا ہے جن کے لیے پہلے سے ہدایت کا حکم ہو چکا ہے۔ وہ ان تمام امور کے باوجود بغیر کسی اختلاف کے کافر ہے۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس نے آدم کے متعلق یہ کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں۔ یا اس وجہ سے کہ وہ سجدہ کرنے سے باز رہا۔ کہ ان میں کسی کو بھی شک نہیں۔

اگر ایمان محض تصدیق واقرار سے ہو جاتا تو تمام دائمی دوزخ والے کفار یہود و نصاری سب کے سب مومن ہوتے۔ اس لیے کہ یہ سب لوگ ان تمام امور کی تصدیق کریں گے جن کی انھوں نے دنیا میں تکذیب کی تھی اور ان سب کا اقرار کریں گے۔ ابلیس و یہود و نصاری تو دنیا میں بھی مومن ہوتے۔ جو اسے جائز رکھے یہ اس کا خالص کفر ہے۔ اور اہل دوزخ محض اعمال سے باز رہنے کی وجہ سے کافر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”يوم يدعون الى السجود فلا يستطيعون “ (جس روز انھیں سجدہ کرنے کو کہا جائے گا تو یہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ (یعنی قیامت میں)۔

ان نامرادوں نے اس امر کی پناہ لی کہ یہود و نصاری نے ہرگز نہیں جانا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور اس آیت کے معنی کہ ”يعرفونه كما يعرفون ابنائهم “(یہ لوگ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو) کہ وہ آپ کی صورت پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب الہاشمی ہیں۔ اور اس آیت کے معنی کہ ”يجدونه مكتوبا عندهم في التوراة والانجيل“ (وہ آپکو اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) یہی ہیں کہ وہ (کاغذ کی) سفیدی میں (روشنائی کی) ایک سیاہی پاتے ہیں کہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا چیز ہے اور نہ اس کے معنی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان کیا کہ ابلیس نے یہ کہا ہے تو اس نے ان میں سے کوئی بات بھی جد اور واقع کے طور پر نہیں کی بلکہ اس نے اسے ہزل وخلاف واقعہ کے طور پر کہا ہے۔

ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ روئے زمین پر نہ کوئی کافر اب ہے اور نہ کبھی ہوا جو یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ حق و موجود ہے اور فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ہرگز واضح نہیں ہوا کہ وہ نبی ہیں۔

ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب کافر اس کی تصدیق کرتا ہو کہ اللہ حق ہے اور تصدیق ہی لغت میں ایمان ہے تو وہ مومن ہو یا اس میں ایسا ایمان ہوا جس کی وجہ سے وہ مومن نہیں ہے۔ اور یہ دونوں قول محال ہیں۔

یہی ان کے اقوال کی وہ تصریحات ہیں جو ہم نے ان کی کتابوں میں دیکھیں اور ان سے سنیں۔ منجملہ ان دلائل کے جن سے انھوں نے اس کفر خالص پر استدلال کیا ہے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا اشخاص کو کافر و مشرک نامزد کیا ہے۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کے قلوب میں کفر و شرک وانکار ہے۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ ورسول کو برا کہنا کفر نہیں مگر یہ اس کی دلیل ہے کہ اس شخص کے دل میں کفر ہے۔

ان لوگوں کا قول جو اللہ تعالیٰ کی یہود کے متعلق خبر میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو۔ اور ان کا قول جو یہود و نصاری کے متعلق خبر میں ہے کہ وہ لوگ آپ کو اپنے یہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں تو ان کا قول محض باطل اور ایسا اعلان ہے جس کیساتھ حیاء نہیں۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا جیسا ان لوگوں نے بیان کیا تو اس میں ان لوگوں پر ہرگز اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت نہ ہوتی۔ اس کے کیا معنی اور اس میں کیا فائدہ ہوتا کہ وہ لوگ آپ کی صورت کو پہچانتے اور یہ جانتے ہیں کہ آپ صرف محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ یا اس میں کونسا فائدہ تھا کہ وہ لوگ ایک ایسا نوشتہ پاتے جس کے معنی نہ سمجھتے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ خود نص آیت ان لوگوں کی تکذیب کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **" الذین آتینا هم الکتب یعر فونه کما یعر فون ابناء هم وان فریقا منهم یکتمون الحق و هم یعلمون "** (وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی آپ کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو۔ اور بیشک ان میں سے ایک فریق حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ یہ لوگ اس حق کو جانتے ہیں جو آپ کی نبوت کے بارے میں ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے **" یجد ونه مکتوباعند هم فی التوراة و الا نجیل یا مرهم بالمعروف وینها هم عن المنکر ویحل لهم الطیبت ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والا غلال التی کا نت علیهم "** (وہ آپ کو اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوتا پاتے ہیں۔ آپ انھیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں اور انکے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں اور انکے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے اور ان سے اس بار گراں کو اور ان گردن کے طوقوں کو ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے۔) اللہ تعالیٰ نے انکی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اس لیے وارد کیا ہے کہ اس سے ان پر حجت قائم کرے۔ نہ یہ کہ وہ اس میں سے ایسے کلام کو لایا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ہزل شیطانی :

ان لوگوں کا جو قول ابلیس کے بارے میں ہے تو یہ وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور قرآن مجید کی توہین میں داخل ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ عقل وامکان میں محال اور ممتنع ہے کہ ابلیس اپنی ہزل میں عین حقیقت کے موافق ہو جائے جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس پر برتری دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سجدے کا حکم دیا اور وہ باز رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو گارے سے پیدا کیا اور اسے آگ سے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خبر میں بھی اس کی ہزل حقیقت کے مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک خاص درخت سے منع کیا۔ اس کے جنت میں داخل ہونے اور نکلنے میں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی مہلت کی دعا کرنے میں۔ اس کے اس دن کے ذکر کرنے میں کہ جس دن بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اس کے اس خبر دینے میں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اور ذریت آدم علیہ السلام کو ان کے ہونے سے پہلے اس کے دھمکی دینے میں (اس کی ہزل حقیقت کے مطابق ہے)۔ اس نے ملائکہ اور جنت اور ابتدائے آفرینش آدم کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہزل کرنے والے کو تو دو صحیح معنی کے کہ جن کو وہ جانتا نہ ہو موافق ہونے کی گنجائش نہیں۔ چہ جائیکہ ایسے امور عظیمہ میں ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے کہ وہ کسی ہازل کی دعا اس شکل میں قبول کرے جس کے مقتضی اس کی ہزل کے معنی ہوں۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا پھر اس سے دریافت کیا کہ اسے سجدہ کرنے سے کس نے روکا۔ پھر اس نے اس کی

اس مہلت کو قبول کرلیا جس کی اس نے دعا کی تھی۔ پھر اسے جنت سے نکالدیا اور خبر دیدی کہ ذریت آدم میں سے جس کو خدا چاہے گا اس کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ تمام وہ معانی ہیں کہ جو ان کا انکار کریگا وہ تکذیب اسلام کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو جائے گا اور ان محالات کو جائز رکھنے کی وجہ سے معقول سے الگ ہو جائے گا۔ اور بے حیاء مجنونوں میں شامل ہو جائے گا۔

ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی ہے کہ یہ سب کے سب کفار ہیں۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ ان کے قلوب میں کفر تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کو برا کہنا کفر نہیں۔ لیکن اس پر دلیل ہے کہ اس کے قلب میں کفر ہے۔ کافر نے ہرگز اللہ تعالیٰ کو نہیں جانا۔

یہ سب ان لوگوں کے جھوٹے اور گھڑے ہوئے دعوے ہیں جن پر نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان نہ قرآن سے نہ حدیث صحیح یا ضعیف سے نہ حجت عقل سے نہ اجماع سے نہ قیاس سے اور نہ ملعون جہم بن صفوان سے قبل کے سلف میں سے کسی سے۔ اور جو ایسا ہو تو وہ باطل تہمت اور جھوٹ ہے۔ لہذا ان کا یہ قول تو نزدیک ہی سے ساقط ہو گیا۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ قرآن و حدیث و اجماع و معقول و حس و مشاہدہ ضرور یہ اس دعوے کے باطل کرنے پر قائم ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’**ولئن سالتهم من خلق السموات والارض و سخر الشمس والقمر ليقولن الله**‘‘ (اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مطیع کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے)۔

اور فرمایا ہے ’’**وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهم مشركون**‘‘ (اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر یہ کہ وہ مشرک ہوتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ اسکے باوجود مشرک ہیں۔

اور فرمایا ہے ”**وان الذين اوتوا الكتب ليعلمون انه الحق من ربهم**“ (اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے جو ان گمراہوں کے قول کی تکذیب کرتی ہے جس کو ہرگز کوئی مسلم رد نہیں کرسکتا۔

ان میں سے بعض کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ اس نے اس آیت کے بارے میں کہ ’’**يعرفونه كما يعرفون ابناءهم**‘‘ (آپ کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو) کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امر کا انکار ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو صحیح طور پر جانتے تھے۔ اس لیے کہ مرد درحقیت اپنے بیٹوں کی صحت کو نہیں جانتے اور یہ محض ان کا ایک گمان ہوتا ہے۔

یہ کفر ہے اور کلمات کا ان کے مقامات سے بدلنا ہے۔ اس کو امور ذیل رد کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اہل کتاب کے مردوں اور عورتوں کے لیے عام ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اس میں عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کو مخصوص کرلیا جائے۔ جو یہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے والا ہوگا۔ ہر مسلم یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح عورتوں کی طرف بھی بھیجا گیا ہے جس طرح آپ مردوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ جو خطاب جمع مذکر سے ہوتا ہے اس میں بغیر اختلاف اہل لغت کے عورتیں اور مرد دونوں شامل ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ عورتیں درحقیقت اپنے بیٹوں کو یقین کے ساتھ پہچانتی ہیں۔

وجہ دوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا ان کو پہچانتے ہیں جن کو ہم نے ان کے نطفے سے پیدا کیا ہے۔ کہ اس وقت اس جاہل کے لئے باوجود مکروہ سمجھنے کے بھی اس فریب کاری کی گنجائش ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ جیسا

کہ یہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں نبوت یعنی فرزندی کو ان کی طرف منسوب کیا جو شخص اس کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کا بیٹا قرار دیا یہ نہ کہے کہ وہ ان کے بیٹے ہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی کے نطفے سے پیدا ہوتا ہو وہ اسکا بیٹا ہی ہو۔ والد الزنا جس انسان کے نطفے سے پیدا ہے شرعاً وہ انسان اس کا باپ نہیں ہوتا ہمارے بیٹے تو صرف وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا بیٹا قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو مومنین کی ماں قرار دیا ہے۔ جو ہماری مائیں ہیں اگرچہ انھوں نے ہمیں نہیں جنا۔ اور ہم ان کے بیٹے ہیں اگرچہ ہم ان کے شکم سے نہیں نکلے چاہے اس کا کوئی انکار کرے مگر ہم تو اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اس وقت مومن نہ ہوگا تو نہ وہ اس کی مائیں ہوں گی اور نہ یہ ان کا بیٹا ہوگا۔

وجہ ثالث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اہل کتاب کے ساکت کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے نہ کہ ان کا عذر قبول کرنیکے لیے۔ لیکن یہ خبر دیتے ہوئے کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت کو آپ کے معجزات سے اور اس مضمون سے جو یہ توریت وانجیل میں پاتے ہیں قطعی ویقینی طور پر پہچانتے ہیں جس میں کوئی شک نہیں ہے جیسا کہ یہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ یہ لوگ حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ یہ اس کا علم رکھتے ہیں۔ لہذا اس جاہل نامراد کا ہزیان باطل ہو گیا **والحمدلله رب العلمين**۔

فرمایا ہے "**لا اكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي**" (دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے گمراہی وہدایت واضح ہو چکی ہے)اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ گمراہی وہدایت عام طور پر واضح ہو چکی ہے۔

فرمایا ہے "**ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المو منين نوله ماتولى**" (اور جس نے رسول کو ستایا بعد اس کے کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہو گئی اور اس نے مومنین کی راہ کے خلاف راہ کی پیروی کی تو ہم اسے ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ پھر گیا)۔

فرمایا ہے "**الذين كفروا وصدوا عن سبيل الله و شاقوا الرسول من بعد ماتبين لهم الهدى لن يضروا الله شيئا**" (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کو ستایا بعد اس کے کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو گئی تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہ کر سکیں گے) یہ اس امر میں ایک نص جلی ہے۔ جو اس کی مخالفت کرے گا کافر ہوگا کہ کفار کے لیے وہ حق وہدایت جو توحید ونبوت کے بارے میں ہے واضح ہو چکی تھی ہر صاحب حس سلیم یقیناً جانتا ہے کہ جس کے لئے حق واضح ہو جائے گا تو بلاشک وہ اپنے قلب سے اس کا تصدیق کرنیوالا ہوگا۔

فرمایا ہے " **فلما جاء تهم آيا تنا مبصرة قالو اهذا سحر مبين . و جحد وابها و استيقنتها انفسهم ظلما وعلوا**" (پھر جب ہماری نشانیاں ان کے پاس نظم میں آ گئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا سحر ہے۔ اور انھوں نے ظلم وتکبر سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کو یقین کر رہے تھے) یہ بھی اس امر پر نص جلی ہے جس میں کسی تاویل کا بھی احتمال نہیں، کہ کفار نے ان معجزات کا جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ان کے پاس لائے تھے اپنی زبانوں سے انکار کیا اور اپنے دلوں میں انھوں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ حق ہیں۔ انھوں نے ان کے وجود کا ہرگز انکار نہیں کیا انکار صرف اس کا کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ انھوں نے انھیں معجزات کا انکار کیا تھا کہ جن کو انھوں نے یقین کر لیا تھا۔ یہ اس گروہ کے قول کو باطل کرتا ہے جو کہتا ہے کہ ان لوگوں نے ان معجزات کے وجود کا یقین نہیں کیا تھا اور یہ ان کے نزدیک حیلے اور شعبدے تھے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول غلط ہوتا۔ جس سے اللہ

تعالیٰ بلند و برتر ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے ان کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ انکار صرف اس کا کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں بہ تصریح آیت جس چیز کا انھوں نے انکار کیا تھا وہی چیز تھی کہ جس کا انھوں نے یقین کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی حکایت فرمائی ہے کہ انھوں نے فرعون سے کہا کہ ’’**لقد علمت ما انزل ھولاء الا رب السموات و الارض بصائر**‘‘ (تو جانتا ہے کہ ان معجزات کو آسمان وزمین کے ہی رب نے بصیرت ونصیحت کے لیے نازل کیا ہے)۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ فرعون کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور نہ اسے یہ علم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حق ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ تو یہ شخص اپنے رب کی تکذیب کرتا ہے اور یہ خالص کفر ہے۔

بعض لوگوں نے اس طرح دیدہ دلیری کی ہے کہ اس آیت میں ’’**لقد علمت**‘‘ میں تا کو ضمہ ہے۔ (یعنی تجھے بتایا گیا ہے کہ یہ معجزات الخ) یہ دونوں قراتیں حق ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی رد کیا جائے۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کا علم تھا اور فرعون کو بھی اس کا علم تھا (کہ یہ معجزات الخ)۔

یہ تو قرآن کی نصوص وتصریحات ہوئیں۔ لیکن بطریق معقول ومشاہدہ ونظر وفکر تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی براہین کے کفار کے لیے واضح ہو جانے سے کفار پر بھی اللہ تعالیٰ کی حجت اسی طرح قائم ہوئی جس طرح وہ مومنین پر قائم ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت کبھی ان پر قائم نہیں ہوئی کیونکہ حق کسی کافر کے لیے کبھی واضح ہی نہیں ہوا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت کبھی کسی کافر پر قائم نہیں ہوتی کیونکہ کفار کے لیے حق واضح ہی نہیں ہوا۔ تو بدون کسی اختلاف کے یہ خود کافر ہو گئے۔ انھوں نے کفار کو معذور جانا اور اجماع کی مخالفت کی۔ اگر انھوں نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی حجت کفار پر اس طور پر قائم ہو چکی کہ ان کے لیے حق واضح ہو گیا تو انھوں نے سچ کہا اور انھوں نے حق اور قول اہل اسلام کی طرف رجوع کر لیا۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جب سے ہمیں عقل آئی ہے ہم برابر یہود و نصاریٰ کا مشاہدہ کر رہے ہیں کسی نے بھی ان سے سوائے اس کے نہیں سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور نبوت موسیٰ علیہ السلام کا اور اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر ہفتے کے روز عمل اور چربیاں حرام کر دی ہیں۔ لہذا یہ باطل ہے کہ مشرق سے مغرب تک کے تمام یہود نے بلا کسی سبب کے جو انھیں اس کی دعوت دے اپنے عقیدے کے خلاف اعلان کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ کے بہت سے گروہوں کا مشاہدہ کیا ہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ اسلام لائے اور انکا اسلام بھی خالص تھا۔ کہ یہ لوگ اول سے آخر تک اپنی زندگی بھر ہر اس شخص کو بتاتے رہے جو ان سے پوچھتا تھا کہ یہ لوگ اپنے اسلام میں اسی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور نبوت موسیٰ ہارون حق ہے۔ جیسا کہ یہ لوگ اس کو اپنے زمانہ کفر میں جانتے تھے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ جو اس کا انکار کرے اس نے اپنی عقل وحس کی مخالفت کی اور ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو بات کیے جانے کے اہل نہیں۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ یہ لوگ اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ نقل تواتر علم ضروری کو واجب کرتی ہے۔ لہذا اس حکم سے یہ لازم ہو گیا کہ وہ یہود و نصاریٰ کہ جن سے وہ تمام معجزات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے نقل تواتر سے نقل کیے گئے تو اس سے ان کے لئے ان معجزات کے سبب سے آپ کی صحت نبوت کا علم ضروری واقع ہو گیا۔ اس برہان سے گریز کی ان لوگوں کو قطعاً گنجائش نہیں۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کو برا کہنا کفر نہیں اور اسی طرح رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو برا کہنا بھی کفر نہیں تو یہ ایک دعوی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **یحلفون باللہ ماقالو ا ولقدقالو ا کلمة الکفر و کفر و ابعداسلامھم** " (یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا۔ حالانکہ انھوں نے کلمہ کفر ضرور کہا۔ اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ بعض کلام وہ ہے جو کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **واذا سمعتم آیا ت اللہ یکفربھا ویستھزأ ابھا فلا تقعدوامعھم حتی یخوضوافی حدیث غیرہ. انکم اذاً مثلھم** " (اور جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ تمسخر کیا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ کیونکہ اس وقت تم انھیں جیسے ہو گے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ بعض کلام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں سنے جائیں تو وہ بعینہ کفر ہیں۔

فرمایا ہے " **قل اباللہ و آیاته ورسوله کنتم تستھزؤن. لاتعتذر واقد کفر تم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفة منکم نعذب طائفة** " (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزا کیا کرتے تھے۔ عذر نہ کرو تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمھارے ایک گروہ سے درگزر کریں گے تو دوسرے گروہ پر عذاب کریں گے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اسکی آیات کے ساتھ یا اس کے کسی رسول کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اور ایمان سے خارج ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تمھارے دلوں میں کفر ہے بلکہ اس نے صرف استہزاء کی وجہ سے انھیں کافر قرار دیا۔ جو اس کے خلاف دعوی کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی بات منسوب کرتا ہے جو اس نے نہیں کہی۔ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے۔

فرمایا ہے " **انما النسئی زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا ویحلو نه عاما و یحرّ مونه عاما لیوا طئوا عدة ماحرم اللہ** " (بیشک نسیٔ یعنی تاخیر (یعنی لوند کا مہینہ) کفر میں زیادت و ترقی ہے جس کے سبب سے وہ لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں جنھوں نے کفر کیا۔ ایک سال میں اس کو حلال کر لیتے ہیں اور وہ ایک سال اسے حرام کر دیتے ہیں تا کہ اس میعاد پر متفق ہو جائیں جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے)۔

اس زبان کے حکم کے مطابق جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔

یہ ہے کہ کسی شے میں جو زیادت ہوتی ہے وہ اسی شے سے ہوتی ہے نہ کہ کسی اور شے سے لہذا ثابت ہو گیا کہ نسی (تاخیر یا لوند کا مہینہ) کفر ہے جو اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ یہ اس چیز کا حلال کر لینا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ جو شخص کسی چیز کو حلال سمجھے جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور اسے یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے تو وہ خود اس فعل سے کافر ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کو حرام سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہے تو اس نے بھی اس چیز کو حلال سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حرام کر دیا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو حرام سمجھیں جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہے۔

رہی مخالفت اجماع۔ تو تمام اہل اسلام اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ جو شخص اللہ کے انکار کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا اعلان کرے تو قطعا اس کے لئے حکم کفر کے مطابق حکم دیا جائیگا یا قتل کرنا یا جزیہ لینا اور بقیہ احکام کفر ہر گز کبھی کسی نے اس میں شک نہیں کیا

کہ آیا ان لوگوں کی باطنی حالت کیا ہے۔ یہ لوگ مومن ہیں یا کافر۔ نہ کبھی لوگوں نے اس میں غور کیا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی نے اور نہ انکے بعد والوں میں سے کسی نے۔ یہ قول کہ جب کفار اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ہیں اور جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں تصدیق ہی ایمان ہے تو بلا شک ان لوگوں میں ایمان ہے۔ لہذا یہ لازم ہے کہ وہ لوگ اپنے اس ایمان کی وجہ سے مومن ہوں۔ یا ان میں وہ ایمان ہو کہ جس کے ان میں ہونے سے وہ مومن نہ ہوں۔ ان دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔

یہ ملمع کاری فاسد ہے۔ اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نام رکھنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ اس کے سوا کسی اور کا ہم اس امر پر براہین کو واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسم ایمان کو شریعت میں اس کے موضوع لغت سے ایک دوسرے معنی کی طرف منتقل کرلیا ہے۔ اس نے شریعت میں اسم ایمان کو مطلق تصدیق پر واقع کرنے کو حرام کر دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے لفظ ایمان کو منتقل نہ کرلیا ہوتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو البتہ یہ لازم آتا کہ روئے زمین کے ہر کافر کا نام مومن رکھا جائے۔ اور ان کے متعلق یہ بیان کیا جائے کہ ان میں ایمان ہے اس لیے کہ وہ مومن ہیں۔ لامحالہ عالم میں ایسی اشیاء بکثرت ہیں جن کی وہ تصدیق کرتے ہیں۔ یہ وہ امر ہے کہ ایک تھوڑی سی عقل رکھنے والا بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ جب اس امر پر ہمارا اجماع اور ان کا اجماع اور ان تمام لوگوں کا اجماع جو اسلام کی طرف منسوب ہیں ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ اگرچہ بہت سی اشیا کی تصدیق کرتے ہیں مگر کسی کو بھی یہ جائز نہیں کہ وہ ان کو علی الاطلاق مومن کہے یا یہ کہے کہ ان کے لئے مطلقاً ایمان ہے۔ اور نہ کسی کو اس کافر کے بارے میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ مومن ہے یا اس میں ایمان ہے جو دل وزبان سے تصدیق کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور صرف دل سے تصدیق کرتا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ سوائے اس کے کہ تاوقتیکہ وہ وہی نہ ادا کرے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسم ایمان کو منتقل کرلیا ہے جو دل وزبان سے اس کی تصدیق ہے کہ" **لاالله الا الله . وان محمد ارسول الله** ۔

اور یہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ سب حق ہے اور میں سوائے آپ کے دین کے ہر دین سے بری ہوں۔ پھر برابر ان امور کا اقرار کرتا رہے جن کے اقرار کے بغیر ایمان تام وکامل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ مر جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کافر میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ وہ مومن ہے اور نہ اس میں ایمان ہے۔ جیسا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جیسا کہ جہم واشعری نے حکم دیا ہے۔

یہ قول جس کے قائل کی تکفیر متفق علیہ ہے باطل ہوگیا۔ ابوعبید القاسم نے اپنی ایک کتاب میں جو رسالۃ الایمان کے نام سے مشہور ہے ان لوگوں کی تکفیر پر تصریح کی ہے اور دوسروں نے بھی کی ہے۔ ہماری ایک بڑی کتاب ہے جس میں ہم نے اسی مقالہ فاسدہ والوں کی اسی بات کو رد کیا ہے جو ہم نے انھیں میں کے ایک شخص کو لکھ کر بھیجی تھی جس کا نام عطاف بن دوناس تھا اور جو افریقہ کے قیروان کا باشندہ تھا۔

وبالله التوفيق ۔

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا ہے تو انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے سب لوگوں کا اجماع اس امر پر ثابت ہے کہ جو شخص اپنی زبان سے شہادت اسلام کا اعلان کرے گا تو وہ ان کے نزدیک مسلم ہے۔ اس کے لئے حکم اسلام کے مطابق حکم کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ جو سوداء کے بارے میں تھا کہ انھیں آزاد کردو کیونکہ یہ مومنہ ہیں۔ اور اس سے استدلال کرتے ہیں جو آپ نے اپنے

چچا ابو طالب سے فرمایا کہ تم ایک کلمہ کہہ دو جس کی وجہ سے میں تمھارے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں حجت کروں گا۔

ان تمام امور میں ان لوگوں کے لئے کوئی بھی دلیل و حجت نہیں ہے اجماع مذکور صحیح ہے۔ ہم بھی ان لوگوں کے لیے ظاہر میں حکم ایمان ہی کے مطابق حکم دیتے ہیں اور یہ یقین نہیں کرتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مومن ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مجھے جن امور کا رسول بنایا گیا ہے ان پر ایمان لائیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اپنی جان و مال کو محفوظ کرلیں گے سوائے اس کے کہ جان و مال میں جو حق ہوگا (وہ دینا ہوگا۔ مثلاً قصاص وزکوٰۃ) ان سب کا حساب (کہ یہ باطن میں بھی مومن ہیں یا محض ظاہر میں) اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اپنے قلب کے اخلاص سے **لا اله الا الله** کہے گا۔ وہ مومن ہوگا۔

آنحضرت صلی الہ علیہ وسلم کا سوداء کے بارے میں فرمانا کہ یہ مومنہ ہیں۔ تو جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظاہر حال ایسا ہی تھا۔ کیونکہ خالد بن الولید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ بہت سے نمازی اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو انکے دل میں نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں کہ لوگوں کے دل چیروں۔

آپ کا اپنے چچا سے فرمانا کہ میں اس کلمے کی وجہ سے اپنے رب کے یہاں تمھارے لئے حجت کروں گا۔ تو آپ ظاہر حال کے مطابق اس کلمے کی وجہ سے حجت کرتے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوتا لہذا وہ سب باطل ہوگیا جس سے ان لوگوں نے ملمع کاری کی تھی۔

اب انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کے قول کا بطلان واضح کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ان لوگوں کے قول کے بطلان کو واضح کرتا ہے ”**ومن الناس من يقول آمنا بالله و باليوم الآ خر وما هم بمؤمنين . يخادعون الله والذين آمنوا . وما يخدعون الا انفسهم وما يشعرون . فى قلوبهم مرض فزاد هم الله مرضا . ولهم عذاب اليم بما كا نوا يكذبون**“ (اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں فریب دیتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔ ان کے دلوں میں مرض ہے۔ اور اللہ نے بھی ان کے مرض میں اضافہ کردیا۔ اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب سے ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہی ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”**یا ایها الرسول لایحزنک الذین یسا رعون فی الکفرمن الذین قالوا آمنا بافواهم ولم تؤمن قلوبهم**“ (اے رسول آپ کو ان لوگوں سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے جو کفر میں تیزی کرتے ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے مونہوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ حالانکہ انکے قلوب ایمان نہیں لائے)۔

اور یہ قول ہے ”**قالت الاعرب آمنا قل لم تومنو اولکن قولوا اسلمنا ولما ید خل الا یمان فی قلو بکم**“ (اعرابی کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لائے۔ اور ایمان ابتک تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا)۔

اور فرمایا ہے ”**انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلو بهم واذا تلیت علیهم آیا ته زاد تهم ایمانا .**

وعلی ربهم یتو کلون . الذین یقیمون الصلوة و مما رزقناهم ینفقون . اولئک هم المو منون حقا " (مومن تو صرف وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں۔ اور جب اسکی آیات تلاوت کر کے انھیں سنائی جائیں تو یہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں۔ اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی حقیقی مومن ہیں)۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ آیت تو صرف ان معنی میں ہے کہ یہ افعال اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ دل میں ایمان ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر یہی ہوتا جو تم نے کہا تو لامحالہ یہ لازم آتا کہ جو شخص ان افعال میں سے کچھ ترک کر دے تو اس کا یہ ترک اس امر کی دلیل ہو کہ اس کے قلب میں ایمان نہیں ہے۔ حالانکہ تم لوگ قطعاً اس کے قائل نہیں ہو۔ اس کے باوجود آیت کا اپنے ظاہر سے بدلنا ہے اور یہ بغیر کسی برہان کے جائز نہیں۔ ان کا یہ قول ایک دعویٰ ہے جو بغیر کسی برہان کے ہے۔

اورفرمایا ہے "**انما المؤمنون الذین آمنوا اباللہ ورسولہ و جاھد وا با موالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون** " (مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور انھوں نے اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں)۔

اورفرمایا ہے " **والذین آمنو اولم یھا جروا مالکم من ولا یتھم من شیٔ حتی یھا جروا** " (اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تو تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں تمہیں ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں ہے) اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کے لئے وہ ایمان ثابت کیا جو تصدیق ہے پھر ہم سے ان کی دوستی کو ساقط کر دیا کیونکہ انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اس سے انکے ایمان مطلق کو باطل کر دیا۔

فرمایا ہے " **والذین آمنو اوھا جرواوجا ھد وافی سبیل اللہ والذین آوو او نصروا اولئک ھم المومنون حقا** " (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی مومن ہیں۔ (یعنی مہاجرین و انصار)۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ یہ اعمال حقیقی ایمان ہیں اور ان اعمال کا معدوم ہونا ایمان نہیں ہے۔ اور یہ نہایت واضح ہے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اورفرمایا ہے۔ " **اذا جاءک المنافقون قالو انشھد انک لرسول اللہ . واللہ یعلم انک لرسولہ . واللہ یشھد ان المنافقین لکا ذبو ن** " (جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ بیشک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ بیشک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تصریح فرمائی کہ جو شخص اپنی زبان سے ایمان لائے اور اپنے قلب میں ایمان کا معتقد نہ ہو وہ کافر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ مومنین کون لوگ ہیں۔ وہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اپنی زبان و دل دونوں سے یقین کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ یہی لوگ سچے (مومن) ہیں۔

ان لوگوں کو یہ لازم آتا ہے کہ منافقین بھی اپنی زبان سے ایمان کا اقرار کرنے کی وجہ سے مومن ہوں۔ یہ وہ قول ہے جو اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **ان اللہ جامع المنافقین والکا فرین فی جھنم جمیعا** "(بیشک اللہ تعالیٰ منافقین و

کافرین کوجہنم میں جمع کرنیوالا ہے)۔ اورفرمایا ہے" **اذا جاء ک المنا فقون قالو ا نشهد انک لرسول الله و الله یعلم انک لرسوله و الله یشهد ان المنافقین لکاذبو ن** " (یہاں تک کا ترجمہ اوپر گزرچکا) **اتخذوا ایمانهم جنة فصد و اعن سبیل الله انهم ساء ما کا نوا یعملون . ذلک بانهم آمنو اثم کفر وافطبع علی قلو بهم فهم لایفقهون** " (انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا اور اللہ کی راہ سے باز رہے۔ بیشک یہ جو کچھ کررہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ایمان لائے اس کے بعد انھوں نے کفر کیا پھر وہ ان کے دلوں پر پختہ کردیا گیا۔ چنانچہ وہ نہیں سمجھتے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کا قطعی فیصلہ کردیا۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ اس لئے کہ انھوں نے باطن میں کفر رکھا۔

برہان ثانی یہ ہے کہ بغیر اعتقاد قلب کے زبان سے اقرار کرنیکا کوئی حکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمیں سے کوئی شخص بطور حکایت کے یا قرآن کی قراءت کے طور پر کفر کے الفاظ کہتا ہے تاوقتیکہ وہ یہ اقرار نہ کرے کہ اس کا یہی عقیدہ ہے وہ کافر نہیں ہوتا۔

اگر اس سے مقالہ اُولیٰ والے استدلال کریں اور کہیں کہ یہ اس امر کی شہادت ہے کہ اعلان کفر کفر نہیں ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ نام رکھنے کا ہمیں حق نہیں۔ اس کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلاوت قرآن کا حکم دیا اور اس میں اس نے ہم سے اہل کفر کے قول کی حکایت بیان کی اور اس نے ہمیں یہ بھی بتادیا کہ وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے قاری قرآن کفر سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی رضا و ایمان کی طرف آ گیا اس لئے کہ اس نے اسی کی حکایت کی جس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے کی اس لئے کہ اس نے شہادت کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **الا من شهد بالحق وهم یعلمون** " (مگر جو لوگ سچی شہادت دیں اور وہ جانتے ہوں)۔ اس سے وہ شاہد (گواہ جو کافر کے کفر کی خبر دیے رہا ہے کافر ہونے سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی رضا و ایمان کی طرف آ گیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **الا من اکره و قلبه مطمئن بالا یمان . ولکن من شرح بالکفر صدرا** "(مگر وہ شخص جس پر جبر و کراہ کیا جائے اور اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ کافر نہیں) مگر (وہ کافر ہے) جو کفر سے اپنا سینہ کشادہ کرے)۔ اللہ تعالیٰ نے جس کا مجبور و مکرہ ہونا ثابت ہوا سے اس سے نکال دیا کہ وہ اظہار کفر سے کافر ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رخصت و اجازت ثبات ایمان پر ہے۔ جو کفر کو اس طرح ظاہر کرے کہ نہ تو وہ قاری ہو۔ نہ شاہد ہو۔ نہ حاکی (حکایت بیان کرنے والا)۔ نہ مکرہ و مجبور ہو۔ تو اسے کفر لازم ہوگا۔ اجماع امت کے مطابق اس کے کفر کا حکم ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بھی اس کے کفر کا حکم ہوگا۔ قرآن نے بھی تصریح کی ہے کہ جو کلمہ کفر کہے وہ کافر ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام" **ولکن من شرح بالکفر صدرا** "صرف اعتقاد کفر کے متعلق نہیں ہے بلکہ جو شخص وہ کلام کہے کہ اہل اسلام کے نزدیک جس کے کہنے والے کے کفر سے سینہ کھول لیا۔ یعنی اس نے اپنا سینہ اس کفر کے قبول کرنیکے لیے کشادہ کرلیا جس کا قائل ہونا اہل اسلام و اہل کفر دونوں پر حرام کیا گیا ہے۔ خواہ وہ اس کا اعتقاد کرے۔ یا نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ اعلان کفر کا عمل جو ان وجوہ کے مطابق نہ ہو جن میں کفر کے بیان کرنے کو مباح کردیا گیا ہے تو یہ کفر سے سینہ کھولنا اور اسکے ساتھ شرح صدر ہے۔ لہٰذا اس آیت کے ذریعے سے ان لوگوں کی جو فریب کاری تھی وہ بتوفیق الٰہی باطل ہوگئی۔

ایک اور برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے" **انما المو منون الذین آمنوا بالله ورسوله ثم لم یر تابو اوجا هد وابامو ا لهم وانفسهم فی سبیل الله اولئک هم الصادقون** " (مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ایمان وہ

شے ہے جوشک نہ ہونے سے پہلے ہے۔ شک نہ ہونے کا وجود محض قلب ہی سے ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ایمان چونکہ شک نہ ہونے سے پہلے ہے اس لئے وہ کوئی دوسری ہی شے ہے جوشک نہ ہونے کے سوا ہے۔ وہ چیز جوشک نہ ہونے سے پہلے ہے وہ زبان سے کہنا ہے۔ پھر دل سے تصدیق کرنا ہے۔ اوراس کے ساتھ ہی بدن اور جان و مال سے جہاد کرنا ہے۔ لہذا حسب تصریح کلام اللہ ایمان بغیران تمام اقسام کے مکمل وتام نہیں ہوتا۔ لہذا اس نص سے اس کا قول باطل ہوگیا جو یہ دعوی کرتا ہے کہ ایمان صرف دل سے تصدیق کرنا ہے۔ یا صرف زبان سے کہنا ہے۔ یا صرف دونوں باتیں ہیں بغیر بدن کے عمل کے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہمیں ان اہل دوزخ کے متعلق بتاؤ جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جن کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے کہ آیا یہ لوگ جس وقت دوزخ میں ہوں گے تو یہ لوگ اپنے دلوں میں اس توحید ونبوت کی صحت کو پہچانتے ہوں گے کہ جن کا انکار کرنے کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ میں ڈالے گئے اور آیا اس وقت یہ لوگ اپنی زبانوں سے ان امور کا اقرار کرتے ہوں گے یا نہیں۔ دو میں سے ایک بات ضروری ہے۔

اگر کہیں کہ وہ لوگ ان سب امور کو دل سے پہچانتے اور زبان سے انکا اقرار کرتے ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ تو کیا وہ مومن ہوں گے یا غیر مومن ہوں گے۔

اگر وہ کہیں کہ غیر مومن ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ تم نے اپنا قول ترک کر دیا کہ ایمان معرفت قلب ہے یا اقرار زبان ہے یا دونوں ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ یہ آخرت کا حکم ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ چونکہ تم نے اسماء کو ان کے موضوع لغت سے آخرت میں منتقل کرنے کو جائز رکھا ہے تو پھر دنیا میں تم اسے کہاں سے منع کرتے ہو اور تم نے آخرت میں اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے کیوں تجویز کیا۔ حالانکہ اس سے زیادہ حماقت نہ ہوگی۔

اگر وہ کہیں کہ وہ مومن ہوں گے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ تب تو دوزخ مومنین کے لیے تیار کی گئی نہ کہ کافرین کے لیے۔ اور وہ مومنین کا مقام ہوئی۔ یہ خلاف قرآن واحادیث ہے اور متفق اہل اسلام کے اجماع کے خلاف ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ دوزخ میں ہونے کی حالت میں نہ توحید کو جانتے ہوں گے۔ نہ صحت نبوت کو تو قرآن کی تصریحات ان کی تکذیب کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے رب کی اس خبر کی تکذیب کی کہ یہ سب کے سب ان تمام امور کو پہچانیں گے۔ اس کو اپنی زبانوں سے ادا کریں گے۔ اس کی خواہش کریں گے۔ کہ انھیں پھر دنیا میں بھیج دیا جائے اور واپس کر دیا جائے اور اپنے گذشتہ اعمال پر شرمندہ ہوں گے۔ ان لوگوں نے معقول کی تصریحات کی بھی تکذیب کی اور علی الاعلان محال بات کہی۔ کیونکہ انھوں نے اس شخص کو جو قیامت و جزا و حساب کا مشاہدہ کرے گا اسے اس کے وجود کا نہ جاننے والا قرار دیا۔ لہذا اس سے ثابت ہوگیا کہ ایمان و کفر و شرک وہی ہے اللہ تعالیٰ جس کا نام کفر و شرک و ایمان رکھدے اللہ کے نام رکھے بغیر کوئی مومن یا مشرک یا کافر نہیں یہ یا تو قرآن میں ہوگا یا حدیث میں۔

جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان اعتقاد قلب و اقرار زبان بغیر عمل اعضاء کے ہے تو اس مقالے کے کہنے والے کی ہم تکفیر نہیں کرتے۔ اگرچہ یہ خطا و بدعت ہے۔ ان لوگوں نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ ہمیں اس کے متعلق بتاؤ جو ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ کہتا ہے۔ اسلام کے سوا ہر دین سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ ان تمام امور کی تصدیق کرتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ ان سب کا دل سے اعتقاد کرتا ہے اور اسکے بعد ہی وہ مرجاتا ہے تو آیا یہ مومن ہے یا نہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ بلا شک وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ہمارے

نزدیک مومن ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں بتاؤ کہ آیا وہ ناقص الایمان ہے یا کامل الایمان۔ اگر تم کہو کہ وہ کامل الایمان ہے تو یہ ہمارا قول ہے۔ اور اگر کہو کہ وہ ناقص الایمان ہے تو ہم تم سے سوال کریں گے کہ اس کے ایمان کو کس نے ناقص کیا اور کتنا ایمان اس کے ساتھ ہے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ اس شخص کی طرف اضافت و نسبت کرنے سے ناقص الایمان ہے جس کا ایمان ان اعمال کی وجہ سے زائد ہے جو اس شخص نے نہیں کئے ہر شخص اس شخص کی طرف نسبت و اضافت کرنے سے ناقص الایمان ہے جو اس سے اعمال میں افضل ہے۔ یہاں تک کہ یہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا کہ کوئی شخص بھی آپ سے زیادہ تام و کامل ایمان والا نہیں ہے۔ یعنی آپ سے زیادہ اچھے عمل والا کوئی نہیں۔ ان کا یہ سوال کہ اس کے ایمان کو کس نے ناقص کیا ہے۔ تو اسے ان اعمال نے ناقص کیا ہے جو اسکے غیر نے کئے ہیں اور جن کی مقدار کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

کفر کے معنی :

جس چیز سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اسم ایمان و کفر شریعت میں ان کے موضوع لغت سے منتقل کر لئے گئے ہیں۔ یہ ہے کہ لغت میں کفر ڈھانکنے اور چھپانے کو کہتے ہیں۔ کاشت کار کو اس لیے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ غلے کو چھپاتا ہے۔ رات کو اسی لئے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ ہر شے کو چھپا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع**“ (پھر وہ درخت موٹا ہو گیا اور اپنے تنے پر قائم ہو گیا جو کاشتکاروں کو بھلا لگنے لگا۔ اور فرمایا ہے ”**کزرع اعجب الکفار نباته**“ (مثل اس کھیتی کے جس کا اگنا کفار یعنی کاشتکاروں کو خوش کرتا ہے)۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے کہ ”**یمینها القت زکاة فی کافر**“ یعنی فی اللیل۔ (محبوبہ کے داہنے ہاتھ نے زکاۃ کافر میں یعنی رات میں ڈالدی) اللہ تعالیٰ نے اسم کفر کو شریعت میں ربوبیت کے انکار اور کسی بھی نبی کی نبوت کے انکار کے لئے نقل کر لیا ہے جس کی نبوت قرآن میں ثابت ہو اور کسی ایسی شے کے انکار کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جو منکر کے نزدیک بھی بڑی بڑی جماعتوں کے نقل کرنے سے ثابت ہے یا کسی ایسے عمل کے لئے جس پر برہان قائم ہے کہ اس پر عمل کرنا کفر ہے جس کو **الحمدلله** ہم نے اپنی کتاب الایصال میں بیان کیا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کافر ہیں۔ اور یہ کہہ کر سکوت کرے اور مراد اس کی یہ ہو کہ یہ لوگ طاغوت و بت کے کافر و منکر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **فمن یکفر بالطا غوت و یومن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقٰی لاانفصام لها**“ (پھر جو شخص طاغوت یعنی بت کے ساتھ کفر کرے۔ اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک ایسے مستحکم کڑے کو پکڑ لیا جو چھوٹ نہیں سکتا) تو اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہ ہوگا کہ اس قول کے کہنے والے کے کفر کا حکم دیا جائے گا اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابلیس و فرعون و ابوجہل مومن ہیں۔ تو اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہ ہوگا کہ اس قول کے کہنے والے پر بھی کفر کا حکم دیا جائے گا حالانکہ اس کی مراد یہ ہے کہ یہ لوگ دین کفر کے مومنین یعنی ماننے والے ہیں۔

ہر صاحب فہم کے نزدیک بھی یہ ثابت ہو گیا کہ یقیناً اسم ایمان و کفر شریعت میں اپنے موضوع لغت سے منتقل کر لئے گئے ہیں جسمیں کوئی شک نہیں۔ اسم ایمان مطلق کا ایسی تصدیق کے معنی پر واقع کرنا جائز نہیں کہ انسان خواہ کسی شے کی بھی تصدیق کرے۔ نہ اس میں کفر کا ڈھانکنے کے معنی پر واقع کرنا جائز ہے خواہ انسان کسی شے کو بھی ڈھانکے۔ اسی شے پر اسم ایمان و کفر واقع کرنا جائز ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے واقع کیا۔ اور اس سے زائد نہیں۔ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے اور قرآن و حدیث اور اول سے آخر تک کے اہل

اسلام کے اجماع کے خلاف ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

تصدیق کا حکم اسی حال پر باقی رہا جو لغت میں ہے کہ اس میں نہ کسی انسان کو اختلاف ہے نہ جن کو۔ نہ کافر کو نہ مومن کو۔ جو کسی شے کی شے کی تصدیق کرے تو وہ اس کا مصدق ہے۔ جو شخص اللہ و رسول کی تصدیق کرے اور اسکی تصدیق نہ کرے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا تو وہ اللہ و رسول کا مصدق یعنی تصدیق کرنیوالا ہے اور نہ مومن ہے نہ مسلم، لیکن وہ بوجوہ مذکورہ بالا کافر ذمشرک ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق .**

والحمد للہ رب العلمین

مُرجیہ کے تینوں طبقات کے اعتراضات

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا کفر ایمان کی ضد نہیں ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہاں۔ اس قول کا اطلاق خطا ہے اس لئے کہ ایمان اسم مشترک ہے جو چند معنی پر واقع ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ان معانی میں سے کوئی شے ایسی ہوگی کہ کفر اس کی ضد ہوگا کوئی شے ایسی ہوگی کہ فسق اس کی ضد ہوگا نہ کہ کفر۔ کوئی شے ایسی ہوگی کہ اس کا ترک اس کی ضد ہوگا نہ کفر نہ فسق۔

وہ ایمان جس کی ضد کفر ہے وہ اعتقاد قلب و اقرار زبان ہے۔ کیونکہ کفر اسی ایمان کی ضد ہے۔

وہ ایمان جسکی ضد فسق ہے نہ کہ کفر تو وہ فرض اعمال کے متعلق ہے کیونکہ کہ اس کا ترک اس کے عمل کی ضد ہے۔ اور وہ فسق ہے نہ کہ کفر۔

وہ ایمان کہ ترک جس کی ضد ہے وہ نفل اعمال ہیں کیونکہ اسکا ترک اس پر عمل کرنے کی ضد ہے اور یہ نہ فسق ہے نہ کفر۔ برہان وہی نصوص ہیں جن میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال نیک کو ایمان نامزد کیا ہے، کسی کو کفر کسی کو فسق اور کسی کو مباح اور کسی کو معصیت نامزد کیا ہے اور اس کو بھی نامزد کیا ہے جو نہ کفر ہے نہ ایمان ہم کہہ چکے ہیں کہ نامزد کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے نہ کسی اور کو اگر ان میں سے کوئی معترض یہ کہے کہ کیا اللہ کا انکار جو زبان سے نہ ہو صرف دل ہی سے ہو کفر نہیں ہے تو لامحالہ ہاں کہنا پڑے گا۔ تو اس پر لازم آئے گا کہ صرف زبان سے تصدیق کرنا ہی ایمان ہو۔ ہمارا جواب بتوفیق الٰہی یہ ہے کہ اگر تصدیق صرف قلب سے ہو یا صرف زبان سے ہو تو یہ تمھارے نزدیک ایمان ہو جائے گی۔ حالانکہ ہم ابھی واضح کر چکے ہیں کہ ان میں سے کوئی شے جداگانہ ایمان نہیں ہے اور ایمان و کفر صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و کفر بتایا۔

گروہ سوم میں سے کوئی معترض اگر یہ کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا انکار دل و زبان دونوں سے کفر نہیں ہے تو اسی طرح لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اقرار جو دل و زبان دونوں سے ہو وہ ایمان ہو۔ تو ہم بتائید الٰہی کہیں گے کہ جو کچھ تم نے کہا یہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ کسی ایسی شے کا انکار کفر ہے جو برہان سے ثابت ہو کہ بغیر اس کی تصدیق کے ایمان نہیں ہوتا۔ کسی ایسی بات کا کہنا کفر ہے جس پر برہان قائم ہو کہ اسکا کہنا کفر ہے۔ کوئی ایسا عمل کرنا کفر ہے جس پر برہان قائم ہو کہ یہ عمل کرنا کفر ہے۔ کفر زائد ہوتا ہے اور جو چیز اس میں زائد ہوتی ہے وہ بھی کفر ہوتی ہے۔ کفر کم ہوتا ہے اور اس کے باوجود جو کچھ اس میں کم ہو جاتا اور بقیہ رہ جاتا ہے وہ سب کفر ہوتا ہے۔ اور بعض کفر دوسرے بعض کفر سے بڑا اور شدید اور برا ہوتا ہے اور سب کفر ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض کفر کے متعلق خبر دی ہے کہ "تکاد السموات یتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال هدا "

(یعنی کفار کے اللہ کے لئے بیٹے کا دعوی کرنے سے) ممکن ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ اڑا کے گر پڑیں) اور فرمایا ہے ''**ھل تجزون الا ما کنتم تعملون**'' (تمھیں صرف اسی کی جزا دیجائے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔ پھر فرمایا ہے'' **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار**'' (بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے)۔ اور فرمایا ہے ''**ادخلوا ال فرعون اشد العذاب**'' (فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ایک قوم پر دو چند عذاب کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہے اور اس کا قول حق ہے۔ لہٰذا اجزا نص کے مطابق بقدر کفر ہوگی۔ اور نصوص کے مطابق بعض جزا بعض سے سخت تر ہوگی۔ ایمان بھی ان صحیح نصوص کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وارد ہیں کم وبیش ہوتا ہے۔ اور بغیر کسی اختلاف کے اس کی جزائے جنت میں بھی کمی بیشی ہوگی۔

اگر طبقہ اول ودوم میں سے کوئی اعتراض کرے کہ کیا یہ تمھارا قول نہیں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانے اور صرف دل سے دونوں کا اقرار کرے مگر وہ اپنی زبان سے ان دونوں کا یا کسی ایک کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔ اسی طرح کیا تمھارا یہ قول نہیں ہے کہ جو شخص اللہ ورسول کا صرف زبان سے اقرار کرے مگر دل سے دونوں کا یا کسی ایک کا منکر ہو تو وہ کافر ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ ہاں ہم اسی طرح کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ تو پھر تمھارے قول سے لازم آئے گا کہ جو شخص اس سبب سے جو ہم نے بیان کیا کافر ہو تو لامحالہ اس کا یہ فعل بھی کفر ہو کیونکہ کافر تو محض اپنے کفر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا تمہارے قول کی بنا پر لازم آئے گا کہ اللہ ورسول کا دل سے اقرار کفر ہو۔ اور نیز اللہ ورسول کا زبان سے اقرار بھی کفر ہو۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ یہ دونوں ایمان ہیں۔ لہٰذا تمھارے قول کی بنا پر لازم آیا کہ کفر وایمان دونوں ساتھ ساتھ ہوں اور ان کا مرتکب کافر مومن ساتھ ساتھ ہو۔ اور یہ جیسا کچھ ہے تم خود سمجھ سکتے ہو۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ ایک کمزور فریب دہی اور جھوٹا الزام ہے جس کو تم نے نامزد کیا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ جو شخص صرف دل سے اللہ ورسول کی تصدیق کرے اور زبان دونوں کا یا ایک کا انکار کرے تو اس کا یہ اعتقاد اس تصدیق کی وجہ سے کفر ہے اور وہ شخص اس کی وجہ سے کافر ہے۔ ہم نے صرف یہی کہا ہے کہ اس نے زبان سے اسکا اقرار ترک کر کے کفر کیا۔ یہی کفر ہے اور اسی کی وجہ سے وہ کافر ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ نے اس کا خون یا اس سے جزیہ لینا حلال کر دیا ہے۔ اس میں ہمارے ساتھ تمھارا اور تمام اہل اسلام کا اجماع ہے محض قلب سے تصدیق لغو اور اکارت اور رائیگاں ہے اور ایسی ہے کہ گویا نہیں ہوئی۔ کہ نہ ایماں ہے نہ کفر۔ نہ طاعت نہ معصیت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **لئن اشرکت لیحبطن عملک**'' (اگر تو شرک کرے گا تو ضرور ضرور تیرا عمل رائیگاں ہو جائے گا)۔ اور فرمایا ہے'' **یاایھا الذین آمنو الا تر فعوا اصوا تکم فوق صوت النبی ولا تجھلہ واْربالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعما لکم وانتم لاتشعرون** ''(اے ایمان والو۔ اپنی آوازیں نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور نہ آپ سے اس طرح پکار کے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ (اس گستاخی سے) تمھارے اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو) ہر مسلمان بدیہی طور پر جانتا ہے کہ جسکا عمل رائیگاں اور باطل ہو جائے تو اس عمل کا حکم اور اس کی تاثیر ساقط ہو جائے گی اور اس کا کوئی نشان نہ رہے گا۔

اسی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ جو شخص صرف اپنے قلب سے اللہ ورسول کا اقرار کرے اور اپنی زبان سے اس کا انکار کرے تو اس کے متعلق اس کا زبان سے اقرار کرنا کفر ہے۔ اور وہ اس کی وجہ سے کافر ہے۔ لیکن اس نے ان امور کا جو دل سے انکار کیا ہے وہ اپنے اس انکار کی

وجہ سے کافر ہے۔ اس کا ان امور کا اقرار زبان لغو اور رائیگاں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ نہ ایمان ہے نہ کفر۔ نہ طاعت ہے نہ معصیت و **بالله التوفيق**۔ لہذا یہ ایہام فاسد بھی ختم ہو گیا۔

اگر کوئی معترض انھیں میں سے یہ کہے کہ کیا بعض ایمان ایمان نہیں ہے اور بعض کفر کفر نہیں ہے اور اس سے ہمیں الزام دینا چاہے کہ اعتقاد قلب واقرار زبان وعمل اعضا جب یہ کل ایمان ہے تو اس کے اجزا جب جداگانہ ہوں گے تو وہ بھی ایمان ہوں گے۔ یا ہم یہ کہدیں کہ اجزائے ایمان ایمان نہیں ہیں تا کہ وہ اس سے فریب دہی کرے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ایمان کا بعض حصہ ہرگز ایمان نہیں۔ بلکہ ایمان چند اشیا سے ترکیب پاتا ہے کہ جب وہ جمع ہوتی ہیں تو ایمان ہوتا ہے۔ مثلاً رنگ ابلق۔ کہ نہ تو صرف سیاہی ابلق ہے نہ صرف سفیدی ابلق ہے۔ جب سیاہی وسفیدی جمع ہوں گی تو ابلق ہو جائے گا۔ مثلاً دروازہ۔ کہ نہ تو صرف لکڑی دروازہ ہے نہ صرف کیلیں دروازہ ہیں۔ جب یہ دونوں چیزیں ایک خاص شکل پر جمع ہوں گی تو اس وقت دروازہ کہلائے گا۔ مثلاً نماز کہ نہ صرف قیام نماز ہے اور نہ صرف رکوع نماز ہے اور نہ صرف جلوس نماز ہے اور نہ صرف قرات نماز ہے اور نہ صرف ذکر نماز ہے اور نہ صرف قبلے کا رخ کرنا نماز ہے۔ مگر جب یہ سب چیزیں جمع ہوں گی تو اس وقت اس مجموعے کا نام نماز رکھا جائے گا۔ ایسا ہی روزہ فرض ومستحب۔ کہ دن کی ہر ساعت کا روزہ جداگانہ۔ روزہ نہیں ہے۔ جب دن کی تمام ساعتوں کے روزے جمع ہوں گے تو ان سب کا نام روزہ رکھا جائے گا۔ کبھی بھولے سے دن میں کھانا پینا اور جماع واقع ہو جاتا ہے تو یہ اس کے روزے کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے۔ نام رکھنے کا حق جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور کو۔ ایمان میں سے وہ شے ہے کہ جب وہ جدا ہو تو کفر ہو جائے مثلاً کوئی شخص اپنے قلب کی تصدیق کے ساتھ یہ کہے کہ ”**لا اله الا الله محمد رسول الله**“ تو یہ ایمان ہے۔ مگر جب تنہا ”**لا اله**“ کہے اور سکوت کرے تو بغیر کسی اختلاف کے کفر کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس کے بعد ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جب کسی کا روزہ یا نماز تنہا ہو، بغیر ایمان کے ہو تو کیا یہ طاعت ہے۔ اگر یہ کہیں کہ نہیں تو یہ اسی میں چلے جائیں گے جس سے انھوں نے ہمارے خلاف فریب دینا چاہا تھا کہ اجزائے طاعات جب جداگانہ ہوں تو وہ طاعت نہیں بلکہ معصیت ہیں اور جب وہ اکٹھا ہوں تو طاعت ہوتے ہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جب زبان سے کہنا تمھارے نزدیک ایمان ہے تو لازم ہے کہ جب کہنا نہ ہو کہ آدمی اپنے اقرار کے بعد خاموش ہو جائے تو اسکا یہ سکوت کفر ہو۔ اور وہ اپنے سکوت کی وجہ سے کافر ہو۔ ہم کہیں گے کہ بیشک تمھارے نزدیک ہمیں یہ لازم آتا ہے۔ مگر تم کیا کہو گے اگر محمد بن کرام کے اصحاب تم سے دریافت کریں کہ جب تمھارے نزدیک اعتقاد قلب ہی ایمان ہے تو واجب ہے کہ جب وہ اعتقاد کو بھول جائے یا اسکی یاد کو حاضر رکھنے سے غفلت ہو جائے جو یا تو اس حالت میں ہو کہ یہ کسی اور سے بات کرنے میں مشغول ہو یا اس کی فکر کی حالت میں ہو یا اسکے سونے کی حالت میں ہو تو یہ کافر ہو اور یہ سہو کفر ہو۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ سہو اسی اقرار زبان پر محمول ہوگا جو اس سے ثابت ہو چکا ہے۔

ہم جہمیہ واشعریہ سے کہتے ہیں کہ اللہ ورسول کا انکار اور انکا برا کہنا جب کہ یہ سب زبان سے ہو تو کفر نہیں ہے مگر یہ اس کی دلیل ہے کہ دل میں کفر ہے۔ ہمیں اس دلیل کے متعلق جو تم نے بیان کی ہے بتاؤ کہ کیا تم اس کو قطعی ویقینی جانتے ہو اور اس کو ثابت مانتے ہو اور اس میں شک نہیں کرتے کہ اس کے دل میں ربوبیت ونبوت کا انکار ہے یا یہ ایسی دلیل ہے جو جائز ہے (یعنی ان کی جانب مخالف کا ہونا ضروری

نہیں) اوراس میں شک کا دخل ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے قلب میں کفر نہ ہو۔ دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ ایسی دلیل ہے کہ ہم اسے قطعی نہیں سمجھتے اور نہ ہم اسے یقینی مانتے ہیں۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ تمھارا کیا حال ہے کہ تم اس گمان سے استدلال کرتے ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ان یتبعون الا الظن و ان الظن لایغنی من الحق شیئا '' (یہ لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ گمان حق سے قطعاً بے نیاز نہیں کرتا) اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ تم صرف یہ کہتے ہو کہ ہم نے اعلان کفر کو اس وجہ سے کہا ہے کہ یہ اس کی دلیل ہے کہ قلب میں کفر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا نام کفار رکھا۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی شہادت کا نہ ماننا ناممکن ہے۔ تو یہی مصیبت تم پر رجوع کرے گی۔ اس لئے کہ تم نے یہ قطعی سمجھ لیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے۔ اس کے بعد تم نے اللہ تعالیٰ کی شہادت کی تصدیق نہیں کی اور نہ اس کو یقینی جانا بلکہ تم نے اس میں شک کیا اور یہ تکذیب ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔

ہم لوگ معاذ اللہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں یا اعتقاد رکھ سکتے ہیں کہ کبھی اللہ تعالیٰ نے اسکی شہادت دی۔ جو یہ دعوی کرے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ جو شخص کفر کا اعلان کرے تو وہ اپنے قلب سے بھی منکر ہے۔ تو اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا اور افترا کیا۔ یہ تو اس شیطان کی شہادت ہے۔ جس نے اس کے ذریعے سے اپنے احباب کو گمراہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی ضد کی شہادت دی ہے۔ کہ یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں اور اس کو چھپاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کا رسول ہونا حق ہے۔ اور اپنی زبانوں سے اس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں صرف اسی کی وجہ سے کافر بتایا ہے جو ان کی زبانوں یا ان کے افعال سے ظاہر ہوا۔ جیسا کہ اس نے ابلیس و اہل کتاب وغیرہ کے ساتھ کیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے اور ہم اس کو قطعی جانتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ جو شخص ایسی چیز کا اعلان کرے جو اس کی موجب ہو کہ شریعت میں اس پر اسم کفر کا اطلاق کیا جائے تو بیشک وہ اپنے قلب میں بھی منکر ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ یہ بہ چند وجوہ باطل ہے۔

(۱) اول یہ کہ یہ بغیر کسی برہان کے دعوی ہے۔

(۲) دوم یہ کہ یہ علم غیب ہے جسے اور اس کو کہ جسے وہ اپنے دل میں پوشیدہ رکھتا ہے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اس لئے معبوث نہیں کیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دل چیر کے دیکھوں۔ لہذا جو اس کا مدعی ہے وہ علم غیب کا مدعی ہے۔ اور جو علم غیب کا مدعی ہے وہ کاذب ہے۔

(۳) سوم یہ کہ قرآن و احادیث جیسا کہ ہم نے بیان کیا ان میں جو نصوص آئی ہیں وہ اس کے خلاف ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے تلاوت کی ہے۔

(۴) چہارم یہ کہ اگر واقعہ یونہی ہوتا جیسا تم کہتے ہو تو پھر کہاں سے تم نے ایمان کو صرف اعتقاد قلب تک مختصر کر دیا اور تم نے اقرار زبان کی رعایت نہیں کی۔ حالانکہ تمھارے نزدیک ان میں سے ہر ایک دوسرے کیساتھ اس طرح وابستہ ہے کہ دونوں کا جدا ہونا غیر ممکن ہے۔ یہ تمھارے اس قول کو باطل کرتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے دل میں ایمان کا اعتقاد کر لے تو وہ اپنے اعلان کفر کی وجہ سے کافر نہ ہوگا۔ تم نے یہ جائز رکھا کہ جو شخص باطن میں ایمان رکھتا ہے وہ ظاہر میں کفر کر سکتا ہے لہذا تمھارے مذہب کا تناقض و فساد عظیم ظاہر ہو گیا۔

(۵) پنجم یہ کہ ان لوگوں کو یہ لازم آ رہا تھا کہ جب زبان سے کفر کرنے کا اعلان انکار قلب کی اور کفر قلب کی دلیل ہے تو زبان سے

اعلان ایمان سے بھی لازم آئے گا کہ یہ بھی دلیل قطعی و یقینی اس امر کی ہو کہ دل میں ایمان و تصدیق ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مومنین کہا جس طرح اس نے ان لوگوں کو کفار بتایا اور دونوں شہادتوں میں کوئی فرق نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے متعلق خبر دی ہے جو ایمان کا اعلان کرتے تھے اور کفر وانکار کو دل میں چھپاتے تھے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ کیا اور ہمیں خبر دی کہ ابلیس واہل کتاب ومنکرین نبوت کفر کا اعلان کرتے ہیں اور تصدیق کو دل میں چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اس کا رسول حق ہے اسے ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو۔ اور کوئی فرق نہیں۔ جس کذب و باطل سے تم نے ان لوگوں کے بارے میں فریب دہی کی کرامیہ کے لیے منافقین کے بارے میں بالکل ایسا ہی اور اسی کے مساوی ممکن ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ یہ لوگ اپنے دل میں کفر کے پوشیدہ کرنے کی وجہ سے ہرگز کافر نہیں ہوئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح بتایا کہ یہ ایمان لائے پھر انھوں نے کفر کیا تو ہمیں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شہادت سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد ان لوگوں نے کفر وانکار کو زبان سے ادا کیا۔ جیسا کہ تم نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت اس پر ہے جو کفار کے دلوں میں ہے اور کوئی فرق نہیں۔

یہ دونوں شہادتیں جو ان دونوں گروہوں کی طرف سے ہیں اللہ تعالیٰ پر بہتان وافترا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس واہل کتاب کے متعلق صرف اسی کفر وتوہین نبوت وآدم ونبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دی ہے جس کا ان لوگوں نے اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اسی کفر کی شہادت دی ہے جو ان لوگوں نے دلوں میں چھپایا۔ یہ تو کلمات کو ان کے مقامات سے بدلنا ہے اور بہتان وافترا ہے۔

ونعوذ باللہ من الخذلان۔

ان لوگوں نے اپنے قول پر غور کیا اور کہا کہ یہ اسی کے مثل ہے کہ ہم یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آج اس گھر میں کافر ہی داخل ہوگا۔ یا یہ کہ جو آج اس گھر میں داخل ہوگا وہ کافر ہوگا۔ تو اس مکان میں داخل ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ شخص کفر کا معتقد ہے کیونکہ گھر میں داخل ہونا کفر ہے۔

یہ کذب اور کمزور فریب دہی ہے کہ اس روز اس گھر میں داخل ہونا خالص ومحض کفر ہے۔ کبھی ممکن ہے کہ احیانا جو اس گھر میں داخل ہو وہ اللہ ورسول کی تصدیق کرنے والا ہو۔ سوائے اس کے کہ اسکی یہ تصدیق اس گھر میں داخل ہونے کی وجہ سے رائیگاں ہوگئی ہے۔ برہان یہ ہے کہ دو اہل اسلام کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اس مکان میں داخل ہونا نہ عائشہ کے لئے حلال ہے نہ ابوبکر کے لئے نہ علی کے لئے نہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے لئے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ انکے دلوں میں جو کچھ ہے خدا کو اس کا علم ہے اور اللہ نے ان پر سکینہ واطمینان نازل فرمایا۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہذا بدیہی طور پر واجب ہے کہ یہ تمام حضرات رضی اللہ عنہم اس مکان میں داخل ہوتے تو محض اپنے اس میں داخل ہونے ہی سے بلا شک کافر ہو جاتے اور ان کا ایمان رائیگاں ہو جاتا ہے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ اگر یہ حضرات اس میں داخل ہوتے تو کافر نہ ہوتے۔ تو خود یہی لوگ کافر ہو جائیں گے اس لئے کہ اس قول سے وہ اس کا یقین کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول غلط ہے کہ اس مکان میں وہی داخل ہوگا جو کافر ہوگا۔

بعض مرجیہ نے اس مقام پر اخطل نصرانی ملعون کے قول سے استدلال کیا ہے جو کہتا ہے۔

ان الکلام لفی الفؤاد وانما　　　جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

(بیشک کلام تو دل ہی میں ہوتا ہے۔ اور زبان کو صرف دل پر دلیل بنایا گیا ہے)

اس استدلال پر ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس شعر کا کہنے والا ملعون ہے، ملعون ہے۔ جس نے اللہ کے دین میں اس کو حجت قرار دیا وہ بھی ملعون ہے، ملعون ہے۔ یہ مسئلہ لغت کا نہیں ہے جس میں عربی سے استدلال کیا جائے گا اگرچہ وہ کافر ہو۔ یہ تو محض قضیہ عقلیہ ہے۔ اور عقل وحس تکذیب کرتیں ہیں کہ یہ بیت قضیہ شرعیہ ہو، اللہ تعالیٰ ملعون نصرانی سے زیادہ سچا ہے جو فرماتا ہے ”**یقولون بافواهم مالیس فی قلو بهم**“ (یہ لوگ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بعض لوگ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی جو اخطل ملعون کے اس قول کے خلاف ہے کہ کلام دل میں ہوتا ہے اور زبان دل پر دلیل ہے۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور اخطل کی اور اس ملعون کی تکذیب کرتے ہیں جو اللہ کے دین میں اخطل کو حجت قرار دے۔

وحسبنا الله و نعم الو کیل ۔

اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ” **ولتعرفنهم فی لحن القول** “ (اور آپ ضرور ضرور ان کو لہجہ کلام میں پہچان لیں گے) تو ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کو نہ پہچنوایا اور آپ کو ان کا لہجہ کلام نہ بتایا ہوتا تو ان کا لہجہ کلام ان لوگوں پر دلیل نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے اس کا اطلاق ہر شخص پر نہیں کیا بلکہ ان خاص لوگوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں پر اس کے خلاف تصریح کی ہے۔ فرماتا ہے ”**وممن حولکم من الا عراب منافقون ومن اهل المدينه مردو اعلی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم**“ (اور جو تم لوگوں کے اطراف میں اعراب ہیں ان میں منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق میں مبتلا ہیں جنھیں آپ نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں) یہ منافقین جو اہل مدینہ میں سے نفاق میں مبتلا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے لہجہ کلام سے ہرگز نہیں جانا۔ اگر لوگ اپنے رب کے کلام کے بعض حصے کو بعض پر نہ مارتے اور اسکے کل کو اس کے مقتضا کے مطابق لیتے تو ضرور ہدایت پاتے لیکن ”**من یهده الله فهو المهتد ومن یضلله فلن تجدله ولیا مرشدا**“ (اللہ جس کو ہدایت کرتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو تو ہرگز اس کے لئے کسی دوست کو راستہ بتانے والا نہ پائے گا)۔

فرمایا ہے ”**ان الذین ارتد و اعلی ادبارهم من بعد ماتبین لهم الهدی الشیطان سول لهم واملی لهم . ذلک بانهم قالو ا للذین کرهوا ما انزل الله سنطیعکم فی بعض الا مر والله یعلم اسرا رهم .فکیف اذا تو فتهم الملئکت یضربون وجو ههم وادبارهم ذلک بانهم اتبعو اما اسخط الله وکر هو ارضوانه فاحبط اعمالهم**“ (جو لوگ کہ ہدایت ان کے لئے واضح ہو چکنے کے بعد اپنے پس پشت پلٹ گئے شیطان نے انھیں بہکایا ہے اور دھوکا دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے ان لوگوں سے کہا جنھوں نے اسے ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا کہ ہم بعض امور میں تمھاری اطاعت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے راز کو جانتا ہے۔ پھر اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب ملائکہ ان کی روح قبض کریں گے تو ان کے چہروں اور پشتوں پر ماریں گے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کیا۔ اور اس کی رضامندی کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال کو رائیگان کردیا)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف ان کے کفر سے کچھ کہنے کی وجہ سے جو انہوں نے حق کا علم ہونے اور ہدایت ان کے پاس آنے کے بعد کیا مرتد اور کافر قرار دیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ وہ ان کے راز کو جانتا ہے۔ اس نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ راز انکار ہے یا تصدیق۔ بلکہ یہ ثابت ہوگیا کہ ان کے باطن میں تصدیق تھی۔ اس لئے کہ ہدایت ان کے لئے واضح ہو چکی تھی۔ جس کے لئے کوئی چیز واضح ہو جائے تو یہ قطعا ناممکن ہے کہ وہ دل میں اس

کا منکر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے ان کے اعمال کو اس لیئے رائیگاں کر دیا ہے کہ انھوں نے ان امور کی پابندی کی جنھوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی رضامندی کو ناپسند کیا۔

فرمایا ہے ''**یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون** '' (اے ایمان والو اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور نہ ان سے اس طرح چیخ کے بات کرو جس طرح تم آپس میں چیخ کر بولتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو)۔ اس نص جلی میں مومنین کو خطاب ہے کہ ان کا ایمان بالکل باطل ہو جائے گا اور انکے اعمال رائیگاں ہو جائیں گے اگر وہ اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند کریں گے۔ (یہ بلند آوازی) ان کی طرف سے بطور انکار نبوت کے قطعاً نہ تھی۔ اگر ان سے بطور انکار کے ہوتی تو وہ اسے ضرور جانتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ بلند آوازی اس طرح سرزد ہوتی ہے کہ وہ جانتے بھی نہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ بعض اعمال جسمانی ایسے ہوتے ہیں جو کفر اور فاعل کے ایمان کے باطل کرنے والے ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہوتے ہیں جو کفر نہیں ہوتے۔ لیکن دونوں صورتوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم کہاں سے کہتے ہو کہ تصدیق میں کمی وبیشی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ایک سبزی دوسری سبزی سے زیادہ تیز ہوتی ہے اور ایک شجاعت دوسری شجاعت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ خاص کر شجاعت وتصدیق کہ یہ دونوں چیزیں صفات نفس کی کیفیات میں سے ہیں۔

بتوفیق الٰہی جواب یہ ہے کہ جو چیز کیفیت شدت وضعف کو قبول کرتی ہے تو وہ صرف اس مزاج کی وجہ سے ان دونوں کو قبول کرتی ہے جو ایک دوسری کیفیت سے اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہ صرف اسی چیز میں ہوتا ہے جس کے اور اس کی ضد کے درمیان میں اسی چیز کے وسائط ہوتے ہیں کہ ضدین میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتا ہے۔

یا صرف اسی چیز میں ہوتا ہے جس میں ضدین کی آمیزش جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سبزی وسفیدی کے درمیان سرخی وزردی کے وسائط پاتے ہیں جو ان دونوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور اس وقت آمیزش کی وجہ سے شدت وضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ صحت کہ تندرست آدمی کے مزاج کا اعتدال ہے۔ جب اس اعتدال میں کچھ زائد شامل ہو جائے جو اس تندرست کا مرض ہو کہ شدت وضعف میں اس میں شامل رہے۔ شجاعت نفس کا ثبات واستقلال ہے کہ مقابلے کے وقت باہم ملنے میں پیش قدمی کو سہل جانتا ہے۔ جب دو شخص ثابت قدم رہیں۔ دونوں یکساں ثابت قدم رہیں اور یکساں پیش قدمی کریں تو یہ دونوں شجاعت میں برابر ہیں جب ان میں سے ایک ثابت قدم رہا اور دوسرے کی ثابت قدمی اور پیش قدمی سے زیادہ اس نے پیش قدمی کی تو یہ اس سے زائد شجاع ہے۔ دوسرے کی ثابت قدمی وپیش قدمی میں بزدلی شامل ہو گئی ہے۔ لیکن کیفیات میں سے وہ چیز جو مزاج کو قطعاً قبول نہ کرے تو اس میں قطعاً کمی وبیشی کی گنجائش نہیں۔ یہ تمام اشیا بالکل اسی کے مطابق رہیں گی جیسا اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ مثلاً لون یعنی رنگ۔ کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ رنگ رنگ ہونے میں دوسرے رنگ سے زیادہ شامل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر صدق میں کسی اور چیز کی آمیزش ہو جائے تو وہ لامحالہ اسی وقت کذب ہو جائے۔ اگر تصدیق میں کچھ اور ملجائے تو وہ اسی وقت شک بن جائے اور تصدیق بالکل باطل ہو جائے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق نہیں ہے بلکہ تصدیق کے ساتھ بہت سی اشیا ہیں۔ کمی وبیشی جو داخل ہوتی ہے وہ صرف ان اشیا کی کثرت وقلت میں اوران کے وارد کرنے کی کیفیت میں داخل ہوتی ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں جو کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ پھر وہ شخص جس کے قلب میں گیہوں کے برابر ایمان ہوگا۔ پھر وہ شخص جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ پھر اس سے کم اوراس سے کم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ جس کسی شے کے عمل کا قصد کیا یا اس کی ہمت کی اوراس پر عمل نہیں کیا۔ اوروہ پہلے سے اپنے دل میں اسلام کی تصدیق کرتا تھا اور زبان سے اس کا اقرار کرتا تھا۔ جیسا کہ حدیث مذکور میں ہے کہ جس نے ”**لاالہ الا اللہ**“ کہا اوراس کے دل میں فلاں فلاں چیز کے برابر ایمان ہے۔

ان نصوص میں سے جو اعمال کے ایمان ہونے پر دلالت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”**فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجامما قضیت ویسلمو اتسلیما**“ (قسم ہے آپ کے رب کی۔ کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ یہ آپکو اپنے آپس کے اختلافات میں حکم نہ بنائیں۔ پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اوراسے تسلیم کرلیں جیسا تسلیم کرنے کا حق ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسی صاف تصریح فرمائی جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں اوراللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھائی کہ کوئی شخص بغیر اس کے مومن نہ ہوگا تاوقت کہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم وثالث نہ بنائے پھر آنحضرت صلی اللہ عیلہ وآلہ وسلم جو حکم دیں اسے تسلیم کرے اورآپ کے فیصلے سے اپنے دل میں تنگی وناگواری نہ محسوس کرے۔ اور یہ تمام اعمال ہیں جو زبان واعضاء سے ادا ہوتے ہیں جو بلاشک تصدیق کے مغایر ہیں اور یہ عاقل کے لئے کافی ہے۔

ان لوگوں کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ نماز روزہ اورزکوۃ ایمان نہیں ہے۔ لیکن یہ شرائع ایمان ہیں۔ (یعنی ایمان کے احکام)۔ یہ وہ نام مقرر کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ رضی اللہ عنھم نے اجازت نہیں دی۔ بلکہ اسلام ایمان ہے۔ اورایمان شرائع ہیں اورشرائع ایمان واسلام ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

کفر وشرک میں اختلاف :۔

لوگوں نے کفر وشرک کے بارے میں اختلاف کیا ہے ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ دو اسم ہیں جو دو معنی پر واقع ہوتے ہیں ہر شرک کفر ہے اور ہر کفر شرک نہیں ہے۔ صرف اس شخص کا قول شرک ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک بنائے۔ اور یہود ونصاری کفار ہیں مشرک نہیں ہیں۔ بقیہ مذہب والے کفار ومشرکین ہیں۔ یہی قول ابوحنیفہؒ وغیرہ کا ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ کفر وشرک یکساں ہیں ہر کافر مشرک ہے اور ہر مشرک کافر یہ قول شافعیؒ وغیرہ کا ہے۔

پہلے گروہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے ”**لم یکن الذین کفرو امن اھل الکتاب والمشرکین منفکین**“ (وہ لوگ جو اہل کتاب ومشرکین میں سے کافر ہیں وہ باز آنے والے نہ تھے)

اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین میں فرق کیا ہے۔

اور شرک شریک سے لیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک نہ بنائے تو یہ شرک نہ ہوگا۔

یہ ان کی قابل اعتماد و بہترین حجت و دلیل ہے۔ ان دو کے سوا ہمیں اس کی کسی اور دلیل کا علم نہیں۔

لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین " سے استدلال روا ہوتا اگر اسی معنی میں کوئی اور آیت نہ آئی ہوتی۔ بیشک ان کی یہ حجت ظاہر ہوتی۔ لیکن جس نے یہ آیت نازل فرمائی وہی یہ فرماتا ہے " اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ و المسیح ابن مریم .وما امروا الا لیعبدوا الھا واحدا " (انھوں نے اللہ کے سوا اپنے علما و عابدین کو اور مسیح ابن مریم کو رب بنا لیا۔ حالانکہ انھیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ الہ واحد ہی کی عبادت کریں)۔ اور فرمایا ہے ''یا عیسی بن مریم اانت قلت للناس اتخذونی و امی الھین من دون اللہ ''(اے عیسی بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو (الہ بنا لینا) اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ''ان اللہ ثالث ثلثۃ ''(اللہ تین الہ میں سے تیسرا ہے) یہ سب ایسی ظاہر تشریک ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ چونکہ قرآن میں یہود و نصاری کا شرک و تشریک ثابت ہے تو ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ مشرکین ہیں۔ اور شرک و کفر ایک معنی کے لئے دو اسم ہیں۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنے کا حق اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ ہمیں لہذا اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین '' ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''ان اللہ جامع المنافقین و الکافرین فی جھنم جمیعا ''(بیشک اللہ تعالیٰ منافقین و کفار سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے)۔

اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ منافقین کفار ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''قل من کان عدو اللہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل و میکائیل فان اللہ عدو للکافرین ''(آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ کافرین کا دشمن ہے) اس میں بھی اختلاف نہیں کہ جبریل و میکائیل منجملہ ملائکہ ہیں۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ ''فیھا فاکھۃ و نخل و رمان ''(جنت میں میوہ کھجور کا درخت اور انار ہوگا) حالانکہ انار میوہ ہی ہے۔ قرآن عرب کے اہل بلاغت پر نازل کیا گیا ہے۔ عرب ایک شے کا اس کے نام سے اس کی شان کی تاکید کے لئے اعادہ کرتے ہیں اگرچہ اجمالی طور پر اس شے کا ذکر ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے کفار و مشرکین کے لفظ میں فرق کرنے سے استدلال کرنے والے کا جو استدلال تھا وہ باطل ہوگیا۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ استدلال کہ لفظ شرک شریک سے لیا گیا ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنے کا حق اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ اس کے سوا کسی اور کو۔ اسے یہ حق ہے کہ جس اسم کو جس مسمی پر چاہے واقع کرے۔ برہان یہ ہے کہ جو شخص اپنے دو غلاموں میں کسی عمل میں شرک کرے یا دو شخصوں کو کوئی چیز ہبہ کرے اور اس میں دونوں کو شریک کرے تو اس شخص پر اسم مشرک (کا) اطلاق نہ کیا جائے گا اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ فلاں شخص نے شرک کیا یا اس کے عمل میں شرک ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ لفظ بھی اپنے موضوع لغت سے منتقل کرلیا گیا ہے۔ جیسا کہ لفظ کفر کو بھی اللہ تعالیٰ نے جن معنی پر واقع کیا ان کی طرف اسے اس کے موضع لغت سے منتقل کرلیا ہے۔

اس مقالے والوں پر اور ان کے اس قول پر تعجب ہے کہ نصاری مشرکین نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کا شرک اس سے زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے کہ کوئی اس سے ناواقف ہو اس لئے کہ یہ سب کے سب باپ بیٹے اور روح القدس کی عبادت کے قائل ہیں اور مسیح کو الہ حق مانتے ہیں۔ یہ لوگ برہمنوں کو مشرک قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ لوگ سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں مانتے۔ اس مقالے والوں کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ

اس کے سوا کسی کو کافر قرار نہ دیں جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ یہود و نصاریٰ نے کس طرح رب بنا لیے حالانکہ وہ لوگ اس کے منکر ہیں۔ ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے نام رکھنا اللہ ہی کا حق ہے۔ جب یہود و نصاریٰ اسی کو حرام سمجھتے ہیں جس کو ان کے علماء و مجاہدین نے حرام کر دیا اور اسی کو حلال سمجھتے ہیں جس کو ان لوگوں نے حلال کر دیا۔ تو یہی ربوبیت صحیحہ و عبادت صحیحہ ہے جسے انھوں نے دین بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کا نام اللہ کے سوا رب بنانا اور ان کی عبادت کرنا رکھا ہے۔ بغیر کسی اختلاف کے یہی ہے جو شرک ہے۔ (یعنی کسی اور کو رب بنانا اور اسکی عبادت کرنا شرک ہے) جس طرح اس نے ان کے کفر کا اس طرح نام رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کے ناسخ (یعنی منسوخ کرنیوالے) ہیں جس دین پر یہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق کو رائیگاں کر دیا تو اس کا حکم بالکل ساقط ہو گیا۔

اگر معترضین یہ کہیں کہ تم کیسے کہتے ہو کہ کفار اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنے والے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**لا یصلھا الا الاشقی الذی کذب وتولی**'' (جہنم میں وہی گرے گا جو بڑا بدبخت ہوگا جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا)۔ اور فرمایا ہے ''**واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم و تصلیت جحیم**'' (لیکن جو تکذیب کرنیوالے گمراہوں میں ہوگا تو کھولتے پانی سے اس کی ضیافت ہوگی اور جہنم میں گرنا پڑے گا)۔

ہم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگار ہے کہ جو شخص کسی طور پر بھی کفر کی طرف نکل آئے گا تو لامحالہ اس کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ کسی ایسی شے کی تکذیب کرے گا جس کے بغیر اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ یا وہ اللہ کے امور میں سے کسی ایسے امر کو رد کرے گا جس کے بغیر اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ تو یہ شخص اس چیز کا کہ جسے اس نے رد کیا ہے یا تکذیب کی ہے مکذب یعنی تکذیب کرنے والا اور جھٹلانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنیوالے والے گمراہوں میں صرف یہی فرمایا کہ جو تکذیب کرنے والے گمراہوں میں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے امور میں سے کسی امر کی بھی تکذیب کرے جس کے بغیر اسلام صحیح نہ ہوتا ہو تو وہ علی الاطلاق مکذب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بتایا۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی اور بعض امور کی تصدیق ہی کرتا ہو۔

اگر وہ کہیں کہ تم کیونکر کہتے ہو کہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے " **قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ و لا بالیوم الاخر ولا یحرمون ماحرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب**'' (اور ان اہل کتاب سے جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت پر۔ اور نہ اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جس کو اللہ و رسول نے حرام کیا۔ اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں)۔ بتوفیق الٰہی ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنا اللہ ہی کے سپرد ہے۔ نہ کہ اس کے سوا کسی اور کے۔ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ لفظ ایمان اپنے موضوع لغت بمعنی تصدیق خالص سے ایک دوسرے معنی کی طرف منتقل کر لیا گیا ہے جو تصدیق کے ساتھ ایک شے زائد ہے۔ جب ان لوگوں نے ان معانی کو پورا نہ کیا تو ان کی تصدیق بالکل باطل ہو گئی۔ یہ اس کے بطلان کی وجہ سے اس کے مستحق ہو گئے کہ ان کا نام غیر مومنین۔ اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ رکھنے والا رکھا جائے۔

اگر کہا جائے کیا وہ اللہ اور قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں؟ ہم کہیں گے کہ ہاں۔

اگر کہا جائے کہ ان میں تو اللہ تعالیٰ کے واحد جاننے والے بھی ہیں تو ہم کہیں گے کہ ہاں اگر کہا جائے کہ ان میں اللہ و رسول اور قیامت پر ایمان رکھنے والے ہیں تو ہم کہیں گے کہ نہیں۔ اس لئے کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ لوگ اللہ کو پہچانتے ہیں۔ اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہیں اور یہ بھی کہ آپ نبی ہیں۔ ہم اس کو مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسم ایمان کو ساقط کر دیا ہے اس لئے ہم نے بھی ساقط کر دیا ہے۔ جو اس طریقے سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے پروردگار کی تکذیب اور قرآن کی مخالفت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عناد کرے گا۔ اہل اسلام کے اجماع کو توڑے گا اور اس کے ساتھ اپنی حس و عقل کی بھی مخالفت کرے گا۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اسی طرح ہم اس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جو مسلم ہو پھر اس نے اس چیز کا اطلاق و اعتقاد کیا جو اسلام سے خارج ہونے کی موجب ہے۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی انسان کی نبوت کا قائل ہونا۔ یا شراب کا حلال سمجھنا وغیرہ۔ یہ شخص اللہ و رسول کی تصدیق کرنے والا موحد ہے۔ ان سب امور کا جاننے والا ہے۔ یہ نہ مطلق مومن ہے اور نہ اللہ و رسول اور قیامت پر ایمان رکھنے والا ہے۔ جس کی وجہ ہم نے ابھی بیان کی ہے۔ پوری امت کے اجماع کے لئے اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس شخص کا ہم نے ذکر کیا یہ اسم کفر کا مستحق ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ **وصلی اللہ علی محمد وعلی الہٖ وسلم تسلیما ۔ والحمدللہ رب العلمین۔**

مومن و مسلم

اسلام و ایمان کیا ایک معنی کے دو اسم ہیں یا دو اسم اور دو معنی کے لئے ہیں ؟

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ اسلام و ایمان دو اسم ہیں جو دو معنی پر واقع ہوتے ہیں۔ کبھی مسلم غیر مومن ہوتا ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے ”**قالت الاعراب آمنا قل لم تو منوا ولکن قولوا اسلمنا ولما ید خل الا یمان فی قلوبکم**“ (اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لائے آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ مگر یہ کہو کہ ہم اسلام لائے۔ ایمان ابھی تک تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے)۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے کہ جب آپ سے سعد نے کہا کہ ”**ھل لک یا رسول اللہ فی فلان فانہ مؤمن فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اومسلم**“ (یارسول اللہ کیا آپکو علم ہے کہ فلاں شخص مومن ہے تو آپ نے فرمایا کہ یا مسلم ہے)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے کہ جس وقت آپؐ کے پاس جبریل علیہ السلام ایسے شخص کی شکل میں آئے جسے کوئی نہیں پہچانتا تھا پھر انھوں نے آپ سے اسلام کو پوچھا تو آپ نے جواب میں چند اشیاء بتائیں جن میں نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور دوسرے وہ اعمال تھے جو اسی حدیث میں مذکور ہیں۔ انھوں نے آپ سے ایمان کو دریافت کیا تو آپ نے جواب میں انھیں چند اشیاء بتائیں جن میں یہ بھی تھا کہ تم اللہ پر اور اس کے ملائکہ پر ایمان لاؤ۔ اور ایک ایسی حدیث سے جو صحیح نہیں ہے کہ آدمی ایمان سے نکل کر اسلام کی طرف آ جاتا ہے۔

دوسرے لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ ایمان و اسلام دو مترادف الفاظ ہیں جو ایک ہی معنی پر واقع ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے" **فاخر جنا من كان فيها من المو منين فما و جدنا فيها غير بيت من المسلمين** "(پھر ہم نے اس بستی سے انھیں نکال دیا جو مومن تھے اور ہم نے اسی بستی میں سوائے ایک گھر کے مسلمین کا کوئی گھر نہیں پایا)۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یمنون **عليك ان اسلمو اقل لا تمنو اعلى اسلامكم بل الله يمن عليكم ان هد يكم للا يمان ان كنتم صادقين** " (یہ لوگ آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی۔ اگر تم سچے ہو)۔

اسلام سے کیا مراد ہے ؟ :

بتوفیق الٰہی جو بات ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اصل ایمان لغت میں اس خاص طریقے کی تصدیق ہے جو ہم نے پہلے بیان کی پھر اللہ تعالیٰ نے شریعت میں اس کو تمام طاعات پر اور معاصی سے بچنے پر واقع کیا جبکہ ان سب کے عمل و ترک عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کرے۔ اور اسلام کی اصل لغت میں بری ہونا ہے۔ کہا جاتا ہے" **اسلمت امر كذالى فلان اذا تبرأت منه اليه** "(یعنی میں نے فلاں کام فلاں کے سپرد کر دیا۔ یہ جب کہا جائے گا جب تم اس کے سپرد کر کے خود بری الذمہ ہو جاؤ۔ مسلم کا نام مسلم اسی لئے رکھا گیا کہ وہ ہر شے سے بری ہو کے اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو جاتا یہی معنی تصدیق کے بھی ہیں اس لیے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسم اسلام کو تمام طاعات کی طرف بھی منتقل کر دیا۔ ہر شے سے بری ہو کے اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہ کرے اس وقت تک کوئی بھی ہر شے سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کے سپرد نہ ہوگا جب اسلام سے وہ معنی مراد لئے جائیں جو کفر و فسق کے خلاف ہیں تو اسلام اور ایمان ایک ہی شے ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **لاتمنوا على اسلامكم بل الله يمن عليكم ان هديكم للايمان** "(مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی)۔

کبھی اسلام سے استسلام (فرمانبرداری) مراد لیتے ہیں۔ یعنی ایک شخص قتل کے خوف سے مذہب کا مستسلم اور مطیع ہو گیا حالانکہ وہ اس کا معتقد نہیں ہے۔ جب اسلام سے یہ معنی مراد ہوں گے تو یہ ایمان کے مغایر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے یہی معنی مراد لئے ہیں" **لم تو منو اولكن قولوا سلمنا ولما يد خل الا يمان فى قلو بكم** "(تم ایمان نہیں لائے) مگر یہ کہو کہ ہم اسلام لائے یعنی فرمانبردار بن گئے۔ اور ایمان ابتک تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ قرآن و حدیث کی نصوص مذکورہ بالا اسی معنی سے بھری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه** "(اور جو غیر اسلام کو بطور دین حاصل کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سوائے نفس مسلمہ کے جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہی اسلام وہ ہے جو ایمان ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اسلام لفظ مشترک ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

برہان کہ لفظ اسلام اپنے موضوع لغت سے منتقل کر لیا گیا ہے یہ ہے کہ اسلام لغت میں بری ہونا ہے۔ آدمی جس شے سے بھی برات ظاہر کرے تو اس نے اس شے سے اسلام کیا اور وہ مسلم ہے جس طرح کسی شخص نے کسی شے کی بھی تصدیق کی تو وہ اس پر ایمان لایا اور وہ اس کا مومن ہے۔ اسے یقین کے ساتھ ہر شخص جانتا ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کافر جو روئے زمین پر ہے وہ اپنی دنیا کے بہت سے امور کا مصدق یعنی تصدیق کرنے والا ہے اور بہت سی اشیاء سے برات ظاہر کرنے والا ہے۔ دو اہل اسلام کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اس کی

وجہ سے کافر پر اس کا اطلاق جائز نہیں کہ وہ مومن و مسلم ہے، لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ لفظ ایمان و اسلام اپنے موضوع لغت سے معانی معدودہ و مشہورہ کی طرف منتقل کر لئے گئے ہیں جن کو عرب ہرگز نہ جانتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ جو ان کو ادا کرے گا وہ اسم ایمان و اسلام کا مستحق ہوگا۔ اور مومن و مسلم کہلائے گا اور جو ان کو نہ ادا کرے گا اس کا نام نہ مومن رکھا جائے گا نہ مسلم اگر چہ وہ ان کے سوا ہر شے کی تصدیق کرے اور اس کے سوا جس سے شریعت نے برات ظاہر کرنا واجب کیا ہے ہر شے سے براءت ظاہر کرے۔

اسی طرح کفر و شرک بھی دو لفظ ہیں جو اپنے موضوع لغت سے منتقل کر لئے گئے ہیں۔ کیونکہ کفر لغت میں ''ڈھانکنا'' ہے اور شرک یہ ہے کہ تم کسی شے کو دوسری کے ساتھ شریک کر دو خواہ کسی معنی میں بھی دونوں کو جمع کیا جائے۔ اہل تمیز میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ روئے زمین کا ہر مومن بہت سی اشیا کو ڈھانکتا ہے۔ اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ اس کی وجہ سے اس پر کفر و شرک کا اطلاق کرنا اور اس کو کافر و مشرک بنانا جائز نہیں۔ یقیناً ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسم کفر و شرک کو ان اشیا کے انکار کی طرف جنھیں عرب نہیں جانتے تھے اور ان اعمال کی طرف جنھیں عرب ہرگز نہیں جانتے تھے منتقل کر لیا ہے۔ مثلاً جو شخص نماز یا صوم رمضان یا اور ایسی شرائع کا انکار کرے جنھیں عرب ہرگز نہ جانتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اپنی وحی نازل کی۔ یا اس شخص کی طرح جو بت پرستی کرے کہ جو شخص ان میں سے کسی شے کا ارتکاب کریگا تو اسے کافر یا مشرک نہ کہا جائے گا۔ جو اس کی مخالفت کرے تو اس نے حس کی مخالفت کی اور معاینے کا انکار کیا اور اللہ و رسول و قرآن و حدیث و اجماع مسلمین کی مخالفت کی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

لوگوں نے مسلم کے یہ کہنے میں کہ میں مومن ہوں اختلاف کیا ہے۔ ابن مسعود اور ان کے فاضل شاگردوں سے اور ان کے بعد والے فقہاء سے مروی ہے کہ ابن مسعود نے اس کو مکروہ سمجھا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ میں مومن ہوں **انشاء اللہ تعالیٰ** ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ جو یہ کہے کہ میں مومن ہوں تو اسے یہ بھی کہنا چاہیے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔

ابن مسعود اور ان کے اصحاب لغت میں بھی حجت ہیں۔ جاہل مرجیہ کی کیا حقیقت ہے جو اپنی بدعت کی تائید میں فریب دہی کیا کرتے ہیں۔

انا مؤمن حقّا :

ہمارے نزدیک اس مسئلے میں قول یہ ہے کہ یہ صفت ہے جسے آدمی اپنے دل کے متعلق جانتا ہے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ وہ اللہ و رسول کی اور رسول کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کرتا ہے اور اپنی زبان سے ان سب کا اقرار کرتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس کا اعتراف کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ''**واما بنعمت ربک فحدث**'' (اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کیجئے) کوئی نعمت اسلام سے زیادہ مستحکم ہے نہ افضل ہے نہ شکر کی مستحق ہے۔ لہذا اس پر واجب ہے کہ یہ کہے کہ میں اپنے اسی وقت میں قطعاً اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن و مسلم ہوں۔

یہ کہنے میں کہ میں مومن و مسلم ہوں اور اس کہنے میں کہ میں سیاہ یا سفید ہوں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح اس کی وہ تمام صفات جن میں اسے شک نہ ہو (وہ بیان کر سکتا ہے)۔ یہ باب مدح سرائی و خود پسندی میں سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر فرض ہے کہ وہ توحید کی شہادت سے اپنے خون کی حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''**قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسماعیل**

و اسحاق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن له مسلمون "(تم لوگ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب پر نازل کیا گیا اور خاندان یعقوب موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور جو انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا کہ ہم کسی نبی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے مسلم و مطیع ہیں)۔

ہمارے نزدیک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ہے۔ کیونکہ اسلام و ایمان اپنے موضوع لغت سے تمام نیکی و طاعات کی طرف منتقل کر لئے گئے ہیں۔ ابن مسعود نے جو مومن و مسلم کہنے سے منع کیا وہ اسی معنی میں منع کیا کہ یہ شخص تمام طاعات کا پورا کرنے والا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ جو اپنے لئے اس کا دعویٰ کرے گا وہ بلا شک کاذب ہے۔ انھوں نے مومن بمعنی مصدق (تصدیق کرنے والا) کہنے سے منع نہیں کیا اور وہ کیسے منع کرتے حالانکہ وہ خود فرماتے تھے کہ کہو کہ " **آمنت باللہ و رسلہ** " (میں ایمان لاتا ہوں یعنی تصدیق کرتا ہوں اللہ کی اور اس کے رسولوں کی)۔

جنھوں نے یہ کہا کہ یہ کہو کہ تم جنت میں ہو گے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس وقت ہم جس دین پر ہیں اگر ہمارا خاتمہ اسی پر ہو تو بلا شک ہمارے لئے جنت ضروری ہے۔ برہان یہ ہے کہ یہ تو نصوص قرآن و حدیث اور اس پر جو آپ لائے اور جو بوجہ کفر ہونے کے آپ نہیں لائے ایمان لائے تو وہ جنت میں ہوگا۔ سوائے اس کے کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ نہ ہم اللہ تعالیٰ کے اضلال سے اور کید شیطان سے بے خوف ہیں۔ اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم کل کیا حاصل کریں گے۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان۔**

گناہ گار :۔

ہمارے اہل مذہب کو مذنب (گناہگار) کہنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ مرجیہ نے کہا ہے کہ وہ کامل ایمان والا مومن ہے۔ اگرچہ اس نے کبھی کوئی عمل خیر نہ کیا ہو اور نہ کبھی کسی شر سے باز رہا ہو۔

بکر بن اخت عبدالواحد بن زید نے کہا ہے کہ وہ ایسا ہی کافر و مشرک ہے جیسے بت پرست۔ خواہ کوئی گناہ اس سے سرزد ہو۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ اگرچہ وہ اسے مزاح و خوش طبعی ہی کے طور پر کرے۔

صعریہ نے کہا ہے کہ گناہ اگر کبائر میں سے ہو تو وہ بت پرست کی طرح مشرک ہے۔ اگر وہ گناہ صغیرہ ہو تو وہ کافر نہیں ہے۔

اباضیہ نے کہا کہ اگر وہ گناہ کبائر میں سے ہے تو وہ کافر نعمت (یعنی نعمت کی ناشکری کرنے والا) ہے اور اس کو وارث بنانا اور اس کا وارث بننا اور اس سے نکاح کرنا حلال ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

اور وہ علی الاطلاق نہ مومن ہے نہ کافر ہے۔

حسن بصری و قتادہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرتکب کبیرہ منافق ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر وہ گناہ کبائر میں سے ہے تو وہ فاسق ہے۔ نہ وہ مومن ہے نہ کافر اور نہ منافق۔ انھوں نے اس کی موارثت و مناکحت کو اور اس کا ذبیحہ کھانے کو جائز بتایا ہے۔ اگر وہ گناہ صغائر میں سے ہے تو وہ مومن ہے اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اہل سنت کے فقہا و اصحاب حدیث کا مذہب یہ ہے کہ وہ مومن ہے فاسق ہے ناقص الایمان ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان اس کے عقیدے کا اور اس کے اقرار کا اور اس کے عمل صالح کا نام ہے۔ اور فسق اس کے عمل بد کا نام ہے۔ سوائے اس کے کہ ان کے سلف و خلف میں

اس میں اختلاف ہے کہ جو دیدہ ودانستہ نماز کو ترک کرے، یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے۔ اور اسی طرح اگر روزہ ترک کرے اور وقت گذر جائے۔ اور اسی طرح حج کو ترک کرے اور جو مسلمان کو دیدہ ودانستہ قتل کرے۔ اور جو شراب پیے۔ اور جو کسی نبی کو برا کہے۔ اور جو کسی حدیث کو رد کرے جو اس کے نزدیک بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ومعاذ بن جبل وابن مسعود وجماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور ابن المبارک واحمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم سے اور تمام سترہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے ہمیں روایت پہنچی ہے کہ جس نے فرض نماز کو دیدہ دانستہ اور یاد رکھتے ہوئے ترک کردیا یہاں تک کہ اس کا وقت نکل گیا تو وہ کافر ومرتد ہے۔ مالک کے شاگرد عبداللہ بن الماجشون بھی اسی کے قائل تھے۔ عبدالملک بن حبیب الاندلسی وغیرہ بھی اسی کے قائل تھے۔ تارک حج کے بارے میں بھی ہمیں عمر رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت پہنچی ہے۔ ابن عباس وغیرہ سے تارک زکوٰۃ وصیام وقاتل مسلم عمدا کے بارے میں بھی ایسی ہی روایت پہنچی ہے۔ ابوموسیٰ الاشعری وعبداللہ بن عمرو بن العاص سے میخوار کے بارے میں ایسی ہی روایت پہنچی ہے۔ اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے کہ جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حدیث کو رد کرے جو اس کے نزدیک بھی صحیح ہے تو یہ کافر ہے۔

جو لوگ گناہگاروں کی تکفیر کرتے ہیں انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ”**ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون** “(اور جس نے اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیا تو یہی لوگ کافر ہیں)۔ اور اس آیت سے ”**فانذرتکم نارا تلظی لایصلھا الا الا شقی الذی کذب و تولی** “(میں نے تمھیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرادیا۔ جس میں سوائے اس بدبخت کے کوئی نہ گرے گا جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا)۔ یہ سب کے سب وہی ہیں جنھوں نے تکذیب کی اور منہ پھیرا اور مکذب (تکذیب کرنے والا) اور متولی (منہ پھیرنے والا) کافر ہے تو یہ لوگ بھی کافر ہوئے۔

تعجب تو یہ ہے کہ ان مرجیہ نے بھی جنھوں نے مسلمانوں سے وعید کو بالکل ساقط کردیا ہے خود اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ دوزخ میں وہی بدبخت گرے گا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے۔ لہذا ثابت ہوا کہ جو تکذیب نہ کرے اور منہ نہ پھیرے وہ اس میں نہ گرے گا۔ اور ہم ان سب کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے نہ تکذیب کی نہ منہ پھیرا۔ بلکہ یہ سب کے سب تصدیق کرنیوالے اور ایمان کا اعتراف کرنے والے ہیں لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ اس میں نہ گریں گے۔ آیات منصوصہ میں وعید مذکور سے مراد صرف یہ ہے کہ ان افعال کا کرنا کفار کا خاصہ ہے۔

مذکورہ بالا اشخاص کی جن لوگوں نے تکفیر کی ہے انھوں نے احادیث کثیرہ سے بھی استدلال کیا ہے جن میں سے یہ ہے کہ مسلم کو گالی دینا برا بھلا کہنا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ اور زانی جس وقت زنا کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور چور جس وقت چوری کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور میخوار جس وقت شراب پیتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور شروالی لوٹ کا لوٹنے والا جس وقت لوٹتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور ترک نماز شرک ہے اور اپنے ماں باپ سے بے اعتنائی نہ کرو کیونکہ یہ تمھارے لئے کفر ہے۔ اور اسی طرح بہت سی نصوص ہیں۔

جو لوگ اسے منافق کہتے ہیں ہمیں ان کی کسی دلیل کا علم نہیں۔ نہ ان کی دلیل کا جو کہتے ہیں کہ وہ کافر نعمت ہے۔ سوائے اسکے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی کھینچ تان کریں ”**الم ترالی الذین بدلو انعمت اللہ کفر او احلوا واقومھم دار البوار جھنم . یصلو نھا وبئس القرار** “(کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت (اسلام) کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے مقام یعنی جہنم میں اتار دیا۔ جس میں وہ خود داخل ہوں گے۔ اور بڑا بُرا ٹھکانا ہے۔

اس میں ان کے لئے کوئی بھی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ کفران نعمت ایک عمل ہے جو مومن وکافر دونوں سے واقع ہوتا ہے اور وہ نہ کوئی ملت ہے نہ کسی دین کا نام جو یہ دعوی کرے کہ کسی دین وملت کا نام غیر ایمان مطلق اور غیر کفر مطلق ہے تو وہ ایسی چیز لایا جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

جو کہتے ہیں کہ وہ فاسق ہے۔ نہ مومن نہ کافر۔ تو ان کے لئے بھی قطعا کوئی دلیل نہیں۔ سوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہا کہ اس کے فاسق ہونے پر اجماع ثابت ہے۔ اس لئے کہ خوارج نے کہا ہے کہ وہ کافر فاسق ہے اور غیر خوارج نے کہا ہے کہ وہ مومن فاسق ہے۔ فسق پر یہ سب متفق ہیں۔ لہذا اسی کا قائل ہونا واجب ہے۔ اس کے کفر یا ایمان پر یہ لوگ متفق نہیں ہیں لہذا اس کا قائل ہونا جائز نہیں۔

جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ ان کے اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ ان میں سے کسی نے بھی اس کے دین کا نام فسق نہیں رکھا۔ انھوں نے صرف اس کے عمل کو اس نام سے نامزد کیا ہے۔ اجماع ونصوص سب سے یہی ثابت ہے کہ دین صرف اسلام یا کفر ہے۔ جو ان دو میں سے کسی سے نکلے گا وہ دوسرے میں داخل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ان دونوں یعنی کفر واسلام کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نہ مسلم کافر کا وارث ہے نہ کافر مسلم کا۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اور اس کے مطابق قائل ہونے پر وہ تمام فرقے متفق ہیں جو اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر واسلام کے سوا کوئی اور دین قرار نہیں دیا اور آپ نے یہاں قطعاً کوئی تیسرا دین نہیں مقرر کیا۔

معتزلہ نے بھی اس طرح اس آیت سے استدلال کیا ہے’’**افمن کا ن مؤمنا کمن کان فاسقا . لا یستوون** ‘‘(کیا جو مومن ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا فاسق۔ دونوں برابر نہیں ہیں)۔

اس میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ’’**افنجعل المسلمین کا لمجرمین مالکم کیف تحکمون** ‘‘(تو کیا ہم مسلمین کو مثل مجرمین کے کر دیں گے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو) لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ نے مجرمین وفساق نام رکھا اور انھیں تصریحا مومنین سے خارج کیا تو یہ لوگ دین اسلام پر نہیں ہیں۔ جب یہ دین اسلام پر نہ ہوئے تو بلا شک یہ کفار ہوئے۔ کیونکہ یہاں ان دو کے سوا قطعاً کوئی اور دین نہیں ہے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے’’ **فانذر تکم نارا تلظی لا یصلھا الا الا شقی الذی کذّب و تولی** ‘‘(ہم یقیناً جانتے ہیں کہ سوائے جنت یا دوزخ کے اور کوئی مقام نہیں ہے جنت میں صرف مومنین ومسلمین داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ دوزخ میں سوائے مکذب ومتولیؔ (تکذیب کرنے والے اور منہ پھیرنے والے) کے کوئی داخل نہ ہوگا۔ مکذب ومتولیؔ بلا کسی اختلاف کے کافر ہے۔ سوائے کافر کے کوئی بھی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اور سوائے مومن کے جنت میں کوئی نہ داخل ہوگا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ سوائے ایمان وکفر کے اور کوئی دین نہیں ہے۔ یہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے مجرمین و فاسقین کے نام سے نامزد کیا ہے اور انھیں مومنین سے خارج کیا ہے تو یہ کفار مشرکین ہوئے۔ اس کے سوا اور کچھ جائز نہیں۔

کہا ہے کہ مومن محمود (قابل ستائش) محسن (نیکوکار) اللہ تعالیٰ کا ولی و دوست ہے۔ اور مذنب (گناہگار) مذموم (قابل مذمت) مسیئ (بدکار) اور اللہ تعالیٰ کا عدو یعنی دشمن ہے۔ یہ محال ہے کہ ایک ہی انسان بیک وقت محمود و مذموم۔ محسن ومسیئ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ولی وعدو ہو۔

یہ چیز جس کا ان لوگوں نے انکار کیا ہے اور اس میں کوئی بات قابل انکار نہیں۔ یہ امر تو موجود ہے اور مشاہدے میں ہے۔ جو شخص ایک

صورت سے نیکی کرے اور دوسری صورت سے بدی کرے۔ مثلاً جو نماز پڑھے پھر زنا کرے تو اس نے جو نماز کی نیکی کی ہے اس میں وہ محسن و محمود اور اللہ کا ولی ہے اور اس نے جو زنا کی بدکاری کی ہے اس میں وہ مذموم و مسیئی اور اللہ کا عدو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**و آخــرون اعتـرفوا بذنو بهم خلطو اعملا صالحا و اخر سيئاً** " (اور دوسرے لوگ جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ جنھوں نے عمل صالح و عمل بد کو ملا دیا)۔ ہم ضرور جانتے ہیں کہ وہ عمل جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ وہ بد اور مسیئی ہے۔ بیشک اس کا عامل اس عمل میں مذموم و مسیئی اور اللہ تعالیٰ کا عاصی و نافرمان ہے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم کیا کہو گے اگر مرجیہ خود تمھارے ہی کلام سے تمھارا معاوضہ و مقابلہ کریں کہیں کہ یہ محال ہے کہ بیک وقت ایک ہی انسان محسن و مسیئ۔ محمود و مذموم۔ اللہ تعالیٰ کا عدو و ولی ہو۔ اس کے بعد وہ حمد و احسان و ولایت کو غالب کرنا چاہیں اور ذم و اساءت و عداوت کو ساقط کرنا چاہیں جیسا کہ خود تم نے اسی قضیے سے ذم و اساءت و عداوت کو غالب کرنا چاہا اور حمد و احسان و ولایت کو ساقط کرنا چاہا تو یہ لوگ ان سے کیونکر بری ہوں گے۔

اگر معتزلہ یہ کہیں کہ اس کی حمد و احسان و ولایت میں شرط یہ ہے کہ کبائر سے پرہیز کیا جائے تو ہم ان سے کہیں گے کہ۔ اگر مرجیہ تمھارے معارضے و مقابلے میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ذم و اساءت و لعنت و عداوت میں شرط یہ ہے کہ وہ شہادت توحید کو ترک کر دے۔

اگر معتزلہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاصی کی مذمت کی ہے۔ اور ان پر وعید سنائی ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ مرجیہ تم سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حسنات کی حمد کی ہے اور ان پر ثواب کا وعدہ کیا ہے اور ان سے اس نے حمد کو غالب کرنا چاہا ہے جیسا کہ تم نے ذم کو غالب کرنا چاہا ہے۔ اگر تم آیات وعید (عذاب) بیان کرو گے تو وہ آیات رحمت بیان کریں گے۔

اس سے نہ معتزلہ کو رہائی ہو سکتی ہے نہ مرجیہ کو۔ لہذا اسی سے واضح ہو گیا کہ یہ دونوں گروہ خطا کار ہیں۔ حق یہی ہے کہ ان دونوں گروہوں نے قرآن و حدیث کی جن نصوص سے استدلال کیا ہے انھیں جمع کیا جائے اور ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے "**انی لا اضیــع عـمـل عامل منكم من ذكر او انثى** " (میں تمھارے مرد و عورت میں سے کسی عمل کرنیوالے کا کوئی عمل ضائع نہ کروں گا) اور یہ قول کہ "**اليو م تـجزى كل نفس بما كسبت** " (آج ہر نفس کو اس کی جزا دیجائے گی جو اس نے حاصل کیا اور یہ قول کہ "**فـمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره . و من يعمل مثقال ذرة شرا يره** " (جس نے ذرہ بھر خیر کی وہ اسے دیکھے اور جس نے ذرہ بھر بھی شر کیا وہ اسے دیکھے گا) اور یہ فرمایا ہے "**مـن جـاء بـالـحسنه فله عشر امثا لها و من جاء بالسئه فلايجزى الا مثلها** " (جو ایک نیکی کرے گا تو اسے اس جیسی دس نیکیاں ملیں گی۔ اور جو بدی کرے گا تو اسے اسی کے برابر جزا دیجائیگی)۔

اور فرمایا ہے "**ونـضـع الـمـوازيـن القسط ليوم القيامته فلا تظلم نفس شيئا . و ان كا ن مثقال حبت من خردل اتيـنـا بها و كفى بنا حاسبين** " (اور ہم قیامت کے روز انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا تو ہم اسے لائیں گے۔ اور حساب کے لئے ہم کافی ہیں) ان سب سے ثابت ہو گیا کہ اسم ایمان سے صرف کفر ہی خارج کرتا ہے اور اسم کفر سے ایمان ہی خارج کرتا ہے۔ اعمال حسنہ حسن و ایمان ہیں۔ جو اعمال قبیحہ ہیں وہ قبیح ہیں اور ایمان نہیں ہیں۔ موازنہ اور باہم مقابلہ کرنا ان سب کا فیصلہ کرتا ہے۔ صرف شرک ہی اعمال کو رائیگاں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**لــئـن اشركت ليحبطن عملك** " (اگر تو شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور تیرا عمل رائیگاں کر دے گا)۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ جب تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ تمام اعمال حسنہ ایمان ہیں اور معاصی ایمان نہیں ہیں تو وہ تمھارے نزدیک مومن غیر مومن ہوا۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس میں کوئی عیب نہیں کہ وہ عمل صالح کی وجہ سے مومن ہو اور عمل بد کی وجہ سے غیر مومن ہو۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں اس نے جو عمل حسن کیا اس میں وہ محسن ہے اور جو عمل بد اس نے کیا اس کی وجہ سے وہ مسیئ و بدکار ہے تو وہ بیک وقت محسن و مسیئی (نیکو کار و بدکار) ہوا۔ ہمارے نزدیک ایمان صرف تصدیق ہی نہیں ہے کہ ہمیں تناقض لازم آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے یہی معنی ہیں کہ زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اپنے اس زنا میں مطیع نہیں ہے (بلکہ عاصی ہے) اور وہ اپنے بقیہ حسنات میں مومن ہے۔

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ”**و کذلک حقت کلمت ربک علی الذین فسقوا انهم لا یو منون** “ (اور اسی طرح آپ کے رب کا کلمہ ان لوگوں پر ثابت ہو گیا جنھوں نے فسق کیا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فسق و ایمان میں فرق کیا ہے۔

ہاں۔ اور ہم واضح کر چکے ہیں کہ ایمان کل عمل صالح ہے۔ فسق کو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں ہے۔ جس نے فسق کیا تو وہ اس عمل فسق میں مومن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنے تمام اعمال میں بالکل مومن نہیں۔ یہ فرمایا ہے ”**انما المؤمنین الذین آمنو ا باللہ و رسولہ ثم لم یر تابوا وجاهد وابا موالهم و انفسهم** “ (صرف وہ لوگ مومنین ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لائے اس کے بعد انھوں نے شک نہیں کیا اور اپنے جان و مال سے جہاد کیا) چنانچہ یہ لوگ ہیں کہ جن کے ایمان کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ جب ان سے فسق واقع ہو گا کہ تو وہ ایمان نہ ہو گا۔ یہ محال ہے کہ اس کا فسق اس کے تمام اعمال کے ایمان کو باطل کر دے اور اس کا ایمان اس کے تمام اعمال کے فسق کو باطل کر دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی جہاد کے متعلق اس کے ایمان کی شہادت حق ہے اور یہ شہادت بھی حق ہے کہ وہ اپنے فسق میں مومن نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**ومن لم یحکم بما انزل اللہ فا و لئک هم الکا فرون . و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الفا سقون . و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الظالمون** “ (جنھوں نے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیا تو وہ کافر ہیں۔ فاسق ہیں ظالم ہیں) لہذا معتزلہ کو لازم ہے کہ وہ ہر عاصی و فاسق و ظالم کے کفر کی تصریح کریں۔ اس لئے کہ جو عامل معصیت ہے اس نے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔

ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جس نے کفر کیا تو وہ فاسق و ظالم و عاصی ہے۔ ہر فاسق ظالم عاصی۔ کافر نہیں ہے بلکہ وہ کبھی مومن ہوتا ہے۔

و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**وان ربک لذو مغفرة للناس علی ظلمهم** “ (اور بیشک آپ کا رب لوگوں کے ظلم پر صاحب مغفرت ہے)۔ بنص قرآن بعض ظلم قابل مغفرت ہیں۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ فساق و ظالمین پر لعنت کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**الا لعنت اللہ علی الظالمین** “ (خبردار۔ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) مومن سے محبت کرنا اور اس کے لئے دعائے رحمت کرنا واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور پر اور جو اپنے باپ کو برا کہے اس پر اور جو زمین کے نشان کو بدلے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ لہذا تمھیں لازم آتا ہے۔ کہ تم ایک ہی شخص کے لئے بیک وقت لعنت و مغفرت کی دعا کرو۔

ہم کہتے ہیں کہ مومن فاسق کے دین وملت واعتقاد واقرار کو دوست رکھا جاتا ہے اور اس کے عمل فسق سے براءت و بیزاری ظاہر کی جاتی ہے۔ براءت وولایت (بیزاری ومحبت) محض ذات انسان سے نہیں۔ یہ اس کے عمل صالح یا فاسد کی وجہ سے اس کے لئے یا اس سے ہے۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ جو مومن اپنے بعض افعال میں محسن ونیکوکار ہے تو ہم اس سے اس کے ان افعال کی وجہ سے محبت کرتے ہیں جن میں وہ محسن ونیکوکار ہے۔ اور اس کے عمل بد سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو جو اس کے نزدیک عمل صالح ہے اس سے محبت کرتا ہے اور اس کے عمل فاسد سے نفرت کرتا ہے۔

بیک وقت دعائے لعنت ورحمت سے ہم منکر نہیں ہیں بلکہ اس کے صحیح معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کی ممانعت نہیں آئی کہ عاصی کی معصیت پر لعنت کیجائے اور اس کی نیکوکاری کی وجہ سے اس کے لئے رحمت کی دعا کی جائے۔ اور اگر کوئی آدمی زنا کرے یا چوری کرے اور اس کے مال پر ایک سال گزر جائے اور وہ جہاد کرے تو اسے زنا اور چوری کی سزا دیجائے گی۔ اور اگر اس پر لعنت کی جائے گی تو اس کا لعنت کرنے والا اچھا کرے گا اور اس شخص کو (جس نے ایسے بدکام کئے) مال غنیمت سے اس کا حصہ دیا جائے گا۔ ہم اس کے مال کی زکوٰۃ لیں گے اور ہم اس پر اس کے لئے دعا کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**خذ من اموالهم صدقت تطهرهم و تزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم**“ اے نبی آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لیجئے تاکہ آپ اس کے سبب سے انھیں پاک وصاف کردیں۔ اور انکے لئے دعا کیجئے کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے سکون ہے)، ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے صدقات لیتے تھے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے ان لوگوں میں گناہگار ونافرمان بھی تھے۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ سارا جزیرہ عرب عاص وگناہ گار سے خالی ہو۔ اسی طرح جو شخص آنحضرت علیہ السلام کے زمانے میں مرگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ہمراہ مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور جو آپ کے بعد مرگیا۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ان میں بھی بلاشک گناہگار تھے۔ جب آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے دعائے رحمت کی۔

اس کے عمل قبیح کو یاد کیا تو لعنت ومذمت کی۔

ہم خود اسی سوال کو مرتکبین صغائر کے بارے میں معتزلہ پر پلٹتے ہیں جن پر معتزلہ اسم ایمان واقع کرتے ہیں۔ یہ تمام سوالات معتزلہ کو بھی لازم آتے ہیں۔ کیونکہ صغائر بھی بلاشک ذنوب ومعاصی (گناہ) ہیں۔ سوائے اس کے کہ جب یہ کبائر سے علیحدہ ہیں تو ہم ان پر اسم فسق وظلم واقع نہیں کرتے۔ اس لئے کہ جو شخص کبائر سے بچے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی ذمہ داری فرمائی ہے جس کے گناہ کی مغفرت کی جائے اس پر اسم فاسق وظالم واقع کرنا محال ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں اسم قبول شہادت کو ساقط کردیتے ہیں کبائر سے بچنے والا اگرچہ صغائر کو چھپائے ہوئے ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

معتزلہ پر ہمارے اور بھی الزامات ہیں جو انھیں اور تکفیر کرنے والے خوارج دونوں کو شامل ہیں جن پر ہم انشاء اللہ تعالیٰ تکفیر کرنیوالوں کے اقوال رد کرنے کے وقت تنبیہ کریں گے۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

جو کہتا ہے کہ صاحب کبیرہ کافر ہے اس سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**يـا ايها الـذين آمنو اكتب عليكم القصاص فى القتلى الحر بالحر و العبد بالعبد والا نثى بالا نثى فمن عفى له من اخيه شيئ فاتباع بالمعروف واداء اليه باحسان . ذلك تخفيف من ربكم و رحمت . فمن اعتدى بعد ذلك باحسان . فله عذاب اليم**“ (اے ایمان

والوتم پر مقتولین کے بارے میں قصاص وانتقام فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے بدلے اور غلام غلام کے بدلے اور عورت عورت کے بدلے۔ پھر جسے اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو دستور کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہیے اور خوبی ونیکی کے ساتھ اسے ادا کرنا چاہیے، یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف ورحمت ہے۔ پھر جو شخص اے کے بعد زبردستی وسرکشی کریگا تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے)۔ ان میں جو قاتل یا مقتول ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اہل ایمان کے خطاب سے شروع کیا ہے۔ تصریح فرمائی ہے کہ قتل عمد کا مرتکب اور مقتول کا وارث دونوں بھائی بھائی ہیں۔ فرمایا ہے۔ ”**انما المؤ منون اخوة**“ (صرف مومنین ہی بھائی بھائی ہیں) ثابت ہو گیا کہ نص قرآن کے مطابق مرتکب قتل عمد مومن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اخوت ایمان (برادری ایمانی) کا حکم دیا ہے۔ کافر کی مومن کے ساتھ یہ اخوت نہیں ہوتی فرمایا ہے۔ ”**وان طائفتان من المو منين اقتتلو ا فاصلحو ابينهما فان بغت احدٰ هما على الا خرىٰ فقاتلوا التى تبغى حتى تفيئى الىٰ امر الله . فان فائت فاصلحو ابينهما بالعدل و اقسطوا ان الله يحب المقسطين . انما المومنو ن اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله**“ (اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں پھر ایک گروہ دوسرے پر ظلم کرے تو جو ظلم کرتا ہے اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر وہ رجوع کرے تو دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے مومنین تو بھائی ہی بھائی ہیں۔ لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان میں صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو)۔ (یعنی جب دو فریق لڑتے ہیں تو بسا اوقات ان میں ایک غالب اور ایک مغلوب ہوتا ہے اور غالب کے ساتھی بہت سے ہو جاتے ہیں اور اس کے خوف سے صلح کرانے میں بھی اسی کی رعایت کرتے ہیں اور مغلوب کو دباتے ہیں۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی اس شک کو پورے طور پر رفع کرنیوالی ہے جو اس آیت میں تھا کہ وہ ”باغی گروہ“ جو مومنین کے دوسرے گروہ پر چڑھائی کرتا ہے اور بقیہ مومنین کو جس سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف رجوع کرے“ جنگ کرنے والے مومنین کے بھائی ہیں۔ یہ وہ امر ہے جس سے سوائے گمراہ کے کوئی نہیں بہک سکتا یہ دونوں آیتیں معتزلہ پر حجت قاطعہ ہیں جو قاتل سے اسم ایمان کو ساقط کرتے ہیں اور ان سب پر بھی جو صاحب کبائر سے اسم ایمان ساقط کرتے ہیں ان لوگوں کو یہ کہنے کی ہرگز گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس صورت میں ہمارا بھائی قرار دیا ہے جب وہ توبہ کر لیں اس لئے کہ نص آیت یہی ہے کہ وہ لوگ حالت بغی وسرکشی میں اور حق کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ہی بھائی ہیں۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ جنگ باہم مار پیٹ کرنا ہے (نہ کہ قتل کرنا)۔

یہ کئی وجوہ سے خطائے فاحش ہے۔ (۱) اول اس لئے کہ یہ بغیر کسی برہان کے دعوی ہے۔ اور بلا دلیل کے آیت کی تخصیص ہے۔ اور جو اس طرح ہو وہ بلا شک باطل ہے۔ (۲) ثانی اس لئے کہ مسلمان مسلمان کا ظلم وبغی وسرکشی سے مارنا فسق ومعصیت ہے۔ (۳) ثالث اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قتال معہود مراد نہ لیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس شخص کے قتال کا ہرگز حکم نہ دیتا جو طمانچہ بازی سے زائد نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بغی کے نام سے ہر بغی کو عام کر دیا ہے وہ اس حکم کے تحت میں داخل ہے۔

ان لوگوں نے یہ آیت بھی پیش کی ہے ” **وما كان لمؤمن ان يقتل مؤمنا الا خطأ** “ ۔ (اور مومن کو مومن کے قتل کرنے کا حق نہیں۔ سوائے خطا کے)۔

یہ آیت اپنے ظاہر کے اعتبار سے بغیر کسی تاویل کے ہمارے لئے ان لوگوں پر حجت ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ نہیں ہے کہ عمداً قتل کرنیوالا مومن نہیں ہے۔ اس میں مومن کے مومن کو عمداً قتل کرنے کی صرف ممانعت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”الا خطاء“

(اللہ تعالیٰ نے مومن کے مومن کو قتل کرنے کو جو حرام کیا ہے اس میں سے قتل خطا کو مستثنیٰ فرما دیا۔ اس چیز کی نہی ناممکن ہے جس سے باز رہنا ممکن نہ ہو اور نہ اس پر قدرت ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس چیز کی تکلیف دینے سے امن دیدیا ہے جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ جو فعل خطا سے ہوا ہے اس نے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا ''**لیس علیکم جناح فیھا اخطأ تم به ولکن ماتعمدت قلوبکم** ''(اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم خطا سے کرو لیکن گناہ اس میں ہے جو تمھارے دل عمداً کریں)۔ لہٰذا اس آیت سے ان لوگوں کا استدلال باطل ہوگیا۔ اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ''**لا ترجعو ابعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض** ''(میرے بعد تم لوگ کفار بن کے آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا) یہ بھی اپنے ظاہر پر ہے۔ اس لفظ میں صرف اس کی ممانعت ہے کہ آپ کے بعد کفر کی طرف پلٹ کر کفر کے بارے میں باہم جنگ نہ کریں۔ یہ نہیں ہے کہ قاتل کافر ہے۔ نہ اس میں محض قتل کی ممانعت ہے اس کی ممانعت قرآن و حدیث کی دوسری نصوص میں ہے جیسا کہ اس لفظ میں زنا اور چوری کی بھی ممانعت نہیں ہے۔ ہر حدیث میں پوری شریعت کا حکم نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس حدیث سے بھی ان کا استدلال باطل ہوگیا۔

اسی طرح آنحضرت علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ'' **سباب المؤمن فسوق و قتاله کفر** ''(مومن کو گالی دینا برا کہنا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر) یہ بھی اپنے عموم پر ہے۔ اس لئے کہ یہاں پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلم (مومن) فرمانا جنس کے لئے عموم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص تمام مسلمانوں کو ان کے اسلام کی وجہ سے برا کہے اور ان سے جنگ کرے وہ کافر ہے۔ برہان وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نص قرآن میں ہے کہ قاتل و مقاتل (جنگ کرنیوالا) دونوں مومن ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تناقض و ختلاف نہیں ہوتا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ''**لا ترغبو اعن آبا ئکم فانه کفر لکم ان ترغبو اعن آبائکم** ''(اپنے والدین سے بے اعتنائی نہ کرو کیونکہ یہ تمھارے لئے کفر ہے کہ تم اپنے والدین سے بے اعتنائی کرو)۔ کیونکہ آنحضرت علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ''**کفر منکم** '' (تم سے کفر ہے یا تمھارا کفر ہے)۔ نہ فرمایا کہ ''**انه کفر بالله تعالیٰ** ''(یہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کفر ہے)۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ جس نے اپنے باپ سے بے اعتنائی کی تو اس نے اپنے باپ کے ساتھ کفر کیا اور اس کا انکار کیا۔

جو کہتا ہے کہ صاحب کبیرہ مومن نہیں ہے بلکہ کافر یا فاسق ہے اس سے کہا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا'' **ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولا مة مؤمنة خیر من مشرکة ولوا عجبتکم . ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنو اولعبد مومن خیر من مشرک و لوا عجبکم** '' (اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں اور بیشک مومن کنیز بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ وہ تمھیں اچھی ہی لگے۔ اور مشرکین سے نکاح نہ کرتا وقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اور مومن غلام بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تمھیں اچھا ہی لگے۔) اور فرمایا ہے ''**فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن** '' (پھر اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ ہجرت کرنے والی عورتیں مومن ہیں تو انھیں کفار کے پاس واپس نہ کرو۔ نہ یہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں) اور فرمایا ہے'' **ولا تمسکو ابعصم الکوافر** '' (اور کافروں کی عورتوں کو نہ روکو)۔ اور فرمایا ہے'' **الیوم احل لکم الطیبت و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم والمحصنت من المومنت و المحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا آیتتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین** '' (آج تمھارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا طعام یعنی ذبیحہ تمھارے لئے حلال ہے پاک چیزیں۔ اور اہل کتاب کا طعام یعنی ذبیحہ تمھارے

لئے حلال ہے اور تمھارا طعام یعنی ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے۔ اور پاکدامن مومنہ عورتیں اور وہ پاکدامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب عطا کی گئی ہے جبکہ تم ان کے مہر ادا کر دو (تمھارے لئے حلال ہیں) پاکدامنی کے ساتھ نہ کہ آشناہی کے ساتھ) اور سورہ نسا میں ہے **"محصنت غیر مسافحات"** (پاکدامن عورتیں ہوں جو آشنائی کرنے والی نہ ہوں) یہ آیات اس امر میں نہایت واضح ہیں کہ روئے زمین پر سوائے مومن یا کافر یا مومنہ یا کافرہ کے کوئی تیسرا دین موجود نہیں ہے اور مومنہ کا نکاح مومن سے حلال اور کافر سے حرام ہے۔ اور کتابیہ مومن کے لئے اور کافر کے لئے حلال ہے۔

بتاؤ کہ جب عورت زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ ہے یا جب وہ چوری کرے یا شراب پیے یا اسے زنا کی تہمت لگانے کی سزا دی جائے یا وہ یتیم کا مال کھا جائے یا وہ عمداً غسل کو ترک کرے یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے اور وہ اسے جانتی ہو یا وہ اپنے مال کی زکوٰۃ نہ نکالے تو وہ تمھارے نزدیک ان امور کی وجہ سے کافرہ ہے یا اسلام سے بری ہے یا ایمان سے خارج ہے یا مومنین کی جماعت سے خارج ہے۔ تو کیا بزرگ مومن کے لئے اس سے نکاح کرنا یا اس کے ساتھ زوجیت پر باقی رہنا اگر اس نے اس سے پہلے نکاح کر لیا ہے حلال ہے یا اس کے بزرگ باپ یا نیک بھائی پر اس کا ولی نکاح بننا حرام ہے۔

بتاؤ کہ جب مرد زنا کرے یا چوری کرے یا اسے تہمت زنا کی سزا دی جا ہے یا وہ مال یتیم کھا جائے یا میدان جہاد سے بھاگے یا عمداً نماز ترک کرے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے یا اپنے مال کی زکوٰۃ نہ نکالے تو ان وجوہ سے تمھارے نزدیک وہ کافر یا اسلام سے بری اور ایمان اور مومنین کی جماعت سے خارج ہو جائے گا تو کیا اس پر شروع ہی سے مومنہ عورت کا نکاح یا مومنہ کنیز سے جماع حرام ہو جائے گا یا اس پر اس کی وہ مومنہ بیوی حرام ہو جائے گی جو اس کی حفاظت میں ہے۔ اس عورت کا نکاح اس مرد سے فسخ ہو جائے گا یا اس پر اپنی مومنہ بیٹی یا مومن بہن کا ولی نکاح بننا حرام ہو جائے گا۔ کیا مذکورہ بالا عورت اور مذکورہ بالا مرد پر اپنے اپنے ولی مومن کی میراث حرام ہو جائے گی اور کیا ان دونوں کی میراث ان کے ولی مومن پر حرام ہو جائے گی یا اس مرد کا ذبیحہ حرام ہو جائے گا اس لئے کہ یہ تمھارے گمان کے مطابق اسلام کو چھوڑ چکا ہے۔ اور جماعت مومنین سے خارج ہو چکا ہے۔

یہ لوگ ان میں سے کسی امر کے بھی قائل نہیں۔ ان کا اختلاف محض اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنہ کو اس شخص پر حرام کرتا ہے جو مومن نہیں مگر یہ لوگ اسے حلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیر مومنہ و غیر کتابیہ عورت کو مومن پر حرام کرتا ہے مگر یہ لوگ اسے حلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومن و غیر مومن کے درمیان میں ولایت نکاح کو منقطع کرتا ہے مگر یہ لوگ اسے باقی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیر مومن و غیر کتابی کے ذبیحہ کو حرام کرتا ہے مگر یہ لوگ اسے حلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومن و غیر مومن کے درمیان میراث کو منقطع کرتا ہے مگر یہ لوگ اس کو قائم کرتے ہیں۔ جو شخص قرآن کی مخالفت کرے اور اس پر حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی اسی پر قائم رہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسے شخص سے اپنی برات ظاہر کرتے ہیں۔

اکثر امور مذکورہ بالا میں نہ تو اہل اسلام میں سے کسی میں اختلاف ہے اور نہ کسی ایسے فرقے میں ہے جو اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور بعض امور مذکورہ بالا میں اختلاف ہے جس کی طرف ہم اشارہ کریں گے تا کہ کوئی یہ بدگمانی نہ کرے کہ ہم نے اس سے غفلت برتی۔

من جملہ اختلافات کے زانی و زانیہ کے بارے میں اختلاف ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نزدیک زوجین میں سے کسی سے

بھی زنا صادر ہو تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے جس میں دخول یا رخصتی کی نوبت نہیں آئی۔ حسن بصری اور دوسرے سلف زانی یا زانیہ کا نکاح مسلمہ یا مسلم سے جائز نہیں بتاتے سوائے اس کے کہ یہ دونوں توبہ کرلیں۔ اسی کے ہم بھی قائل ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ یہ دونوں مسلم نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں مسلم ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شریعت یہی ہے جو اسکے بارے میں قرآن میں وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ صاحب احرام پر جب تک کہ وہ احرام میں ہے نکاح کرنا حرام ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

وہ شریعت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”**الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة والزانیة لا ینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المومنین**“ (زانی زانیہ یا مشرکہ ہی سے نکاح کرے گا۔ اور زانیہ زانی یا مشرک ہی سے نکاح کرے گی۔ اور مومنین پر یہ حرام کردیا گیا ہے)۔

اس آیت میں اس پر بھی نص جلی ہے کہ زانی و زانیہ مشرک نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں ایسا فرق کیا ہے جس میں ہرگز اس کا احتمال نہیں کہ وہ بطور تاکید کے ہو۔ بلکہ اس بنا بر فرق کیا ہے کہ یہ دو مختلف صفتیں ہیں جب یہ دونوں مشرک نہ ہوئے تو لامحالہ مسلم ہوئے اس لئے کہ ہم اس کے قبل بیان کر چکے ہیں کہ ہر کافر مشرک اور ہر مشرک کافر ہے اور جو کافر مشرک نہ ہو تو وہ مومن ہے کیونکہ کسی تیسرے دین کی گنجائش نہیں **و باللہ تعالیٰ التوفیق**۔

بعض مذکورہ بالا امور کے اختلاف میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و ابراہیم النخعی کا قول ہے کہ مسلم جب مرتد ہو جائے اور مسلمہ جب اس کا شوہر اسلام نہ لائے تو یہ اسی طرح اس کی بیوی رہے گی جیسی کہ تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس سے جماع نہ کر سکے گا۔ حضروت عمر سے یہ بھی مروی ہے کہ اس عورت کو اختیار ہے کہ خواہ اس کے ساتھ رہے یا اس سے جدا ہو جائے۔ ان روایات میں کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ حجت و دلیل تو صرف نص قرآن میں ہے یا اس حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمام مشرکین کے قتل کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے بچوں کے ساتھ صرف اس کتابی کو مستثنیٰ کیا ہے کہ جزیہ برداشت کرے یا قاصد ہو یہاں تک کہ وہ پیام رسانی سے فارغ ہو جائے اور اپنی امن کی جگہ تک پہنچ جائے۔ یا وہ امن و پناہ حاصل کرنے والا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے اس کے بعد اپنے امن کے مقام تک پہنچ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا ہے۔ جو اپنا دین بدل دے۔ جو اس کے قائل ہیں کہ صاحب کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے دین میں داخل ہو جاتا ہے جو کفر ہے یا فسق ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب زانی۔ قاتل عمد۔ سارق۔ میخوار زنا کی تہمت لگانے والا۔ میدان جہاد سے بھاگنے والا اور مال یتیم کا کھا جانے والا اسلام سے خارج ہوگیا اور اس نے اپنا دین ترک کر دیا تو کیا یہ لوگ اس شخص کو قتل کریں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا ہے یا اسے قتل نہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کریں گے۔ یہ سب کے سب معتزلہ و خوارج دونوں اسی کے قائل ہیں کہ اسے قتل نہ کریں گے۔ لیکن ان میں سے بعض کی سزائیں تو مقرر ہیں مثلاً ہاتھ کاٹنا یا سو یا اسی کوڑے مارنا۔ اور بعض میں صرف ادب و تنبیہ ہے۔ ان میں سے کسی پر بھی سزائے موت حلال نہیں ہے۔ اور یہ کھلم کھلا اپنے اصول سے ہٹنا اور اپنے قول کا باطل کرنا ہے۔ جس میں کوئی خفا نہیں۔

یہ اجماع یقینی اور قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”**والذین یرمون المحصنت ثم لم یأتوا باربعة شہداء فاجلد و ھم ثمانین جلدة ولا تقبلو الھم شھادة ابداو اولئک ھم الفسقون . الا الذین تابو ا**“

(اوروہ لوگ جو پاکدامن بیویوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔ اور بدکار تو یہی لوگ ہیں مگروہ لوگ جو توبہ کرلیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قتل حرام کردیا ہے۔ باوجود ان کے اصرار کے ان کا زندہ رکھنا فرض کردیا ہے۔ اور صرف ان کی شہادت کا رد مقرر کردیا ہے۔ اگر ان کا قتل جائز ہوتا تو وہ کس طرح ایسی شہادت دیتے جو ان کے قتل کے بعد قبول نہ کی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا** " (دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے۔ کیونکہ ہدایت وگمراہی واضح ہوچکی ہیں۔ پھر جو بت پرستی کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایک مستحکم کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا)۔

ہم میں اور ان لوگوں میں۔ نہ امت کے کسی اور شخص میں۔ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جو بت پرستی کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور ایسی مستحکم کڑی کو پکڑے جو ٹوٹ نہ سکے تو وہ مومن ومسلم ہے۔ اگر وہ فاسق غیر مومن ہوتا تو لامحالہ کافر ہوتا۔ اگر کافر ہوتا تو لامحالہ مرتد ہوتا جس کا قتل واجب ہوتا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم** " (مشرکین کا کام نہیں ہے کہ وہ اپنے کفر کے شاہد ہوتے ہوئے اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں ہیں)۔

اور فرمایا ہے " **انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر و اقام الصلوۃ و آتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین** " (اللہ کی مساجد کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے اور زکوۃ دیتا ہے اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ تو قریب ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں) اللہ تعالیٰ کے حکم سے یقیناً لازم آیا کہ صرف مومنین ہی کو اللہ کی مساجد کو بذریعہ نماز آباد کرنے دیا جائے گا۔ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ اس پر متفق ہیں کہ صاحب کبائر کو بذریعہ نماز مسجد کے آباد کرنے کی دعوت دیجائے گی اور اس پر لازم کیا جائیگا اور اسے اس پر مجبور کیا جائے گا اس امر پر تمام امت کے اجماع میں اور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے دینے میں اور انھیں ادائے زکوۃ کا پابند کرنے اور ان سے زکوۃ لینے میں اور انھیں صوم رمضان و حج بیت اللہ کا پابند کرنے میں اس امر پر برہان واضح ہے جس میں کوئی بھی اشکال نہیں کہ وہ دین مومنین سے خارج ہوا اور وہ مومن ومسلم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **یا ایھا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام یبتغون فضلاً من ربھم ورضوانا. واذا حللتم فاصطادوا. ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا. وتعاونوا علی البر والتقوی. ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ. ان اللہ شدید العقاب. حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والمتردیۃ والموقوذۃ والنطیحۃ و ما اکل السبع الا ماذکیتم. وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام. ذلکم فسق. الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون** " (سورہ مائدہ رکوع نمبر ۱ پارہ نمبر ۶)۔ (اے ایمان والو۔ بے حرمتی نہ کرو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی اور محترم مہینے کی اور حرم میں ہونے والی قربانی کی اور ان قربانیاں کی جن کے گلے میں نشانیاں پڑی ہوں کہ یہ حرم کی قربانیاں ہیں۔ اور نہ بیت الحرام کا قصد رکھنے والوں کی جو اپنے رب کے فضل و رضامندی کے طالب ہوں، اور جب تم احرام کھولدو تو شکار کرسکتے ہو۔

اور تمھیں کسی قوم کی یہ بد خلقی و عداوت کہ اس نے تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا اس پر ہرگز نہ آمادہ کرے کہ تم بھی حد انصاف سے نکل جاؤ۔ اور باہم نیکی و تقوی میں مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور زبردستی میں باہم مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ تم پر حرام کیا گیا مردار۔ اور خون اور سور کا گوشت۔ اور جس کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا جائے اور گلا گھونٹا جانور اور چوٹ سے مرا ہوا اور بلندی سے گر کے مرا ہوا اور صدمہ اور ٹکر سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو۔ مگر وہ جانور کہ جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو۔ اور جس جانور کو بتوں کی عبادت گاہوں پر ذبح کیا جائے۔ اور جس کو تیر اندازی کے قرعوں سے تقسیم کرو۔ یہ سب فسق و گناہ ہے آج سے کافر تمھارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں۔ لہذا ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔) اللہ تعالیٰ نے مومنین کو خطاب کر کے بتایا کہ کفار انکے دین سے مایوس ہو گئے ہیں۔ اور کسی تیسرے دین کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور فرمایا ہے" **ومن یبتغ غیر الا سلام دیناًفلن یقبل منه** " (اور جو شخص غیر اسلام کو دین بنائے گا تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ سوائے دین اسلام کے کوئی دین نہیں ہے۔ اور جو اس کے سوا ہے وہ غیر مقبول شے ہے اور اس کا ماننے والا قیامت میں نقصان اٹھانے والا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اور فرمایا ہے" **المؤ منون والمو منات بعضھم اولیا ء بعض** " (مومنین و مومنات بعض بعض کے دوست ہیں)۔

اور فرمایا ہے" **والذین کفر وابعضھم اولیا ء بعض** " (اور جو کافر ہیں وہ بعض بعض کے دوست ہیں)۔

اور فرمایا ہے " **ومن یتو لھم منکم فانه منھم** " (اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا وہ انھیں میں سے ہے)۔

اور فرمایا ہے" **ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن. واللہ بما تعملون بصیر** " (اللہ وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا پھر تم میں سے بعض کافر ہو گئے اور تم میں سے بعض مومن۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ دیکھتا ہے)۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جن و انس میں صرف مومن ہیں یا کافر جو ان میں سے ایک سے نکلے گا وہ دوسرے میں داخل ہو جائے۔ ہم ان لوگوں سے اس مسلمان کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو فسق کرے۔ علی الاعلان کبائر کا ارتکاب کرے۔ اس کی دو بہنیں ہوں۔ ان میں سے ایک نصرانیہ ہو اور دوسری صاحب فضل مسلمہ۔ یہ فاسق مسلمان ان دونوں عورتوں میں سے کس کا ولی نکاح و وارث ہوگا۔ اور اس عورت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جو چوری کرے۔ زنا کرے اس کے دو چچا زاد بھائی ہوں جن میں ایک یہودی ہو اور دوسرا مسلم فاضل۔ ان دونوں میں سے کسی کے لئے اس عورت سے نکاح حلال ہوگا۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں نہ کوئی خفا ہے نہ اختلاف۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ صاحب کبائر مومن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **ان الصلوة کانت علی المومنین کتا با مو قوتا** " (بیشک نماز مومنین پر لکھدی گئی ہے اور وقت مقرر کر دیا گیا ہے)۔

اور فرمایا ہے" **انما یتقبل اللہ من المتقین** "(اللہ تعالیٰ متقین ہی کا عمل قبول کرتا ہے)۔

ہمیں بتاؤ کہ کیا تم زانی و سارق کو اور زنا کی تہمت لگانے والے اور قاتل کو نماز کا حکم دو گے اور اگر وہ نہ پڑھے تو اسے تنبیہ کرو گے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں نہیں۔ تو اجماع یقینی کی مخالفت کریں گے، ہم ان سے کہیں گے کہ آیا تم اسے اس چیز کا حکم دیتے ہو جو اس پر فرض ہے یا اس چیز کا جو اس پر فرض نہیں اور اس چیز کا حکم دیتے ہو جسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کر لے یا اس چیز کا کہ جس کے متعلق یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہ کرے گا۔ اگر وہ کہیں کہ ہم اسے ایسی چیز کا حکم دیتے ہیں جو اس پر فرض نہیں تو ان کا تناقض ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ناجائز ہے کہ

کسی کو اس چیز کا پابند کیا جائے جو اس پر لازم نہیں۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اس چیز کا اسے حکم دیتے ہیں جو اس پر فرض ہے تو انھوں نے فیصلہ کر دیا کہ وہ مومن ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ نماز وقت مقررہ پر مومنین پر فرض کی گئی ہے۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اسے ایسی چیز کا حکم دیتے ہیں جس کا اس سے قبول ہونا ناممکن ہے تو انھوں نے بدل دیا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی کو ایسے عمل کا حکم دیا جائے جو یقیناً اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اسے ایسے عمل کا حکم دیتے ہیں جس کے متعلق امید ہے کہ وہ اس سے قبول کر لیا جائے گا۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اس سے ثابت ہو گیا کہ فاسق اپنے عمل صالح میں متقین میں شمار ہے اور اپنے عمل معاصی میں فاسقین میں شمار ہے۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا مرتکب کبیرہ۔ اگر بیوی کو طلاق دے تو اس کے متمتع ہونے کا حکم دیں گے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہم اسے اس کا حکم دیں گے تو لازم آئے گا کہ وہ محسنین و متقین میں سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمتع میں ''**حقا علی المحسنین . حقا علی المتقین**'' فرمایا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جو عمل صالح کرے اس میں محسن ہے اور جو عمل بد کرے اس میں مسیئی و بدکار۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اس پر نماز اسی طرح فرض ہے جس طرح تمھارے نزدیک تمام کفار پر فرض ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ مساوی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ کافر و بے وضو اور بے غسل شخص کو نماز کا حکم ہے اور اس کے ترک پر انھیں عذاب ہوگا مگر ہم انھیں بالکل نماز نہ پڑھنے دیں گے بلکہ اس سے روکیں گے تاوقتیکہ کافر اسلام نہ لے آئے اور بے وضو وضو نہ کر لے اور بے غسل نہ کر لے اور وضو یا تیمم نہ کر لے۔ فاسق ایسا نہیں ہے۔ ہم اسے نماز قائم کرنے پر مجبور کریں گے۔

اس مسئلے میں سوائے جبائی معتزلی اور محمد بن طیب باقلانی کے اور کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ تمام امت میں سے صرف انھیں دونوں کا یہ مذہب ہے اور اس میں ایک قلیل جماعت نے ان کی پیروی کر لی ہے کہ جس شخص کے گناہ ہوں تو اس شخص کی توبہ بعض گناہوں کے متعلق قبول نہ کی جائے گی تاوقتیکہ سب گناہوں سے توبہ نہ کرے۔ ہم نے ان میں بعض سے اس مسئلے میں مناظرہ کیا ہے اور انھیں یہ الزام دیا ہے کہ وہ ہر گنہگار پر جو ایک بھی گناہ کرے یہ واجب کر دیں کہ وہ فرض نماز۔ زکوۃ۔ صوم رمضان۔ جمعہ۔ حج و جہاد ترک کر دے۔ اس لئے کہ ان سب امور کا قائم کرنا ان کے ترک سے اللہ کے آگے توبہ کرنا ہے۔ جب اس کی توبہ ذرا بھی قبول نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ اپنے ہر گناہ سے توبہ نہ کرے تو پھر اس کی ترک نماز و ترک صوم و ترک زکوۃ کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی تاوقتیکہ اپنے ہر گناہ سے توبہ نہ کرے اگر وہ اس کے قائل ہوں تو یہ تمام امت کے خلاف ہے۔ وہ اگر قائل نہ ہوں تو تناقض ہے۔

یہ وہ قول ہے جس کی تصحیح پر ان کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں۔ اور جو ایسا ہو تو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**'' (آپ کہہ دیجئے کہ اپنی برہان لاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔) اور فرمایا ہے'' **واشھدوا ذوی عدل منکم**'' (اور اپنے میں سے دو صاحب عدل کو گواہ بنا لو) اور فرمایا ہے'' **وصالح المومنین**'' (اور مومنین میں سے صالح ہمارے نبی کے مددگار ہوں گے)۔ لہٰذا اس لفظ سے یقیناً ثابت ہو گیا کہ ہم میں غیر عادل و غیر صالح بھی ہیں اور وہ ہمیں میں سے ہیں۔ ہم مومن ہیں تو بلاشک وہ بھی مومن ہیں۔ اور فرمایا ہے'' **فان تابوا**'' (یعنی پھر اگر وہ شرک سے توبہ کریں)۔ '' **واقاموا الصلوۃ و آتو الزکوۃ فاخوانکم فی الدین**'' (اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں) یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ جو شہادت اسلام کا ادا کرنے

والا شخص نماز پڑھے اور زکوۃ دے تو وہ دین میں ہمارا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ ہم میں سے ہے اگر چہ وہ کبائر کا ارتکاب کرے۔

اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کریں" **مذبذبین بین ذلک لا الی ھو لاء ولا الی ھو لا ء** " (یہ لوگ اس کے درمیان میں متردد ہیں نہ ان کی طرف ہیں تو نہ انکی طرف)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول " **الم ترالی الذین تو لو اقوما غضب اللہ علیھم ماھم منکم ولا منھم** " (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ کا غضب ہے۔ نہ تو یہ لوگ تم لوگوں میں ہیں اور نہ ان لوگوں میں) اس سے اس امر کے ثابت کرنے کا قصد کریں کہ وہ نہ مومن ہے نہ کافر تو اس میں بھی ان لوگوں کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ان منافقین کا حال بیان کیا ہے جو کفر کو پوشیدہ کرنے والے اور اسلام کے ظاہر کرنے والے تھے۔ وہ نہ تو کفار کے ساتھ تھے۔ نہ ان میں تھے اور نہ ان لوگوں کی طرف تھے۔ یہ لوگ اسلام ظاہر کرتے تھے اور وہ لوگ اسلام ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے ساتھ تھے اور نہ ان میں سے تھے۔ یہ کفر کو اپنے اندر چھپائے ہوئے تھے۔ ان دونوں آیتوں میں یہ تو نہیں ہے کہ یہ کافر نہ تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **ومن یتو لھم منکم فانہ منھم** " (تم میں سے جو شخص کفار سے دوستی کرے گا تو وہ انھیں میں ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ یہ کفار تھے مومنین نہ تھے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جو کہتا ہے کہ صاحب کبیرہ منافق ہے اس سے کہا جائے گا کہ اس کلمے کے کیا معنی ہیں۔ ان کا یہ جواب ہوگا جو اس مسئلے میں کسی کا اس کے سوا کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ منافق وہ ہے جس کی صفت نفاق ہو شریعت میں نفاق کے معنی ہیں ایمان کا ظاہر کرنا اور کفر کا چھپانا۔ بتوفیق الہی اس سے کہا جائے گا کہ جو دل میں ہو اسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس دل کو بھی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا جس میں یہ شے ہے۔ یہ ناجائز ہے کہ ہم کسی کے معتقد کفر ہونے کا بغیر اس کے کہ وہ کفر کا اپنی زبان سے اقرار کرے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آئے فیصلہ کر دیں۔ جسے دلوں کی بات کا علم حاصل ہو گیا تو اسے علم غیب حاصل ہو گیا۔ یہ یقینی خطا ہے جو بداہتہً معلوم ہوتی ہے۔ تمھیں کسی قول کے ساقط و غیر معتبر ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ یقینی محال تک پہنچا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ بہت سے نمازی اپنی زبان سے وہ کہتے ہیں جو انکے دل میں نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں اس لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھا کروں۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ" **وممن حولکم من الا عراب منافقون لا تعلمھم نحن نعلمھم** " (اور جو اعراب تمھارے اطراف میں ہیں ان میں منافقین بھی ہیں جن کو اے نبی آپ نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو نہیں پہچانتے تھے حالانکہ وہ لوگ آپ کے ساتھ تھے اور آپ انھیں دیکھتے تھے اور ان کے افعال کا مشاہدہ فرماتے تھے تو آپ کے بعد اور کون ہے جو اس کے لائق ہو کہ وہ انھیں جان لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زانی بھی تھے۔ چور بھی تھے۔ میخوار بھی تھے۔ فرض نماز کی جماعت کے کھونے والے بھی تھے قاتل عمد بھی تھے۔ اور زنا کی تہمت لگانے والے بھی تھے۔ مگر آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کبھی کسی کو منافق نہیں فرمایا بلکہ ان امور پر سزائیں دیں۔ مکانات کے جلا دینے کی دھمکی دی۔ خون بہا اور معافی کا حکم دیا۔ ان سب کو مومنین کی جماعت میں باقی رکھا اور ان پر ایمان کا حکم واسم رہنے دیا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ شریعت میں نام رکھنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ اور کسی کو۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صاحب کبیرہ کو منافق کہنے کا کبھی کوئی حکم نہیں آیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح حدیث ہے کہ آپ نے چند خصلتیں بیان فرمائیں کہ جس شخص میں یہ ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں مسلم ہوں۔ آپ نے یہ خصلتیں بیان فرمائیں۔ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب اسے امانت دیجائے تو خیانت کرے اور جب معاہدہ کرے تو اسے توڑ ڈالے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ فرمایا کہ ان میں کی ایک خصلت بھی جس میں ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی تاوقتیکہ وہ اسے ترک نہ کردے۔

ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ہم تمھیں بتا چکے ہیں کہ منافق وہ ہے جو ایک شے کو ظاہر کرے اور اس کے خلاف باطن میں رکھے۔ یہ اصل لغت میں ''نافقاء الیربوع'' (خرگوش کے سوراخ) سے ماخوذ ہے۔ یہ اس کے سوراخ اور بل کا ایک کھلا ہوا دروازہ ہے جسے اس نے مٹی یا اور کسی چیز سے ڈھانک دیا ہو۔ یہ تمام خصائل جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا یہ سب ان خصلت والے کا باطن ہیں کہ جن کے خلاف وہ ظاہر کرتا ہے تو وہ اس قسم نفاق کا منافق ہے اور یہ وہ نفاق نہیں ہے جس کا رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے کفر کو باطن میں رکھتا ہے۔

برہان وہی ہے جو ہم نے ابھی ان امور پر اجماع امت کا ذکر کیا کہ ہر ایسے شخص سے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفاق سے موصوف فرمایا مال کی زکوٰۃ لیجائے گی۔ اس مرد سے اور اس عورت سے نکاح کیا جائیگا۔ اس سے اور اس کو میراث لی اور دیجائے گی۔ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔ اسے مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے دیجائے گی اور اس کی جان و مال کا احترام کیا جائے گا۔ اگر ہمیں یقین ہو جائے گا کہ یہ دل میں کفر رکھتا ہے تو اس کا قتل واجب ہے۔ اس مرد وعورت کا نکاح کرنا حرام ہے۔ اس کی موارثت اور اسکے ذبیحہ کا کھانا حرام ہے۔ اور ہم اسے مسلمان کے ساتھ نماز نہ پڑھنے دیں گے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کو منافق بیان کیا تو آپ کا نام رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا کاشتکاروں کا نام کفار رکھنا (یعنی چھپانیوالے)۔ جو فرماتا ہے ''کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ'' (مثل اس بارش کے جس کا اگانا کفار یعنی کاشتکاروں کو اچھا لگتا ہے)۔ اس لئے کہ لغت میں کفر کے اصل معنی ڈھانکنا ہیں۔ جو کسی شے کو بھی پوشیدہ کرے گا تو وہ اسی شے کا کافر ہوگا۔ نفاق کی اصل لغت میں یہ ہے کہ ایک شے کا پوشیدہ کرنا اور اس کے خلاف کا ظاہر کرنا۔ جو کسی شے کو پوشیدہ کرے اور اس کے خلاف کو ظاہر کرے تو وہ اس شے میں منافق ہے، یہ دونوں نہ کفر دینی ہیں نہ نفاق شرعی۔ اس سے تمام آیات واحادیث بھری پڑی ہیں۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جو شخص اس قول کا قائل ہے ہم اس سے کہتے ہیں کہ آیا تم نے کبھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر وہ کہے کہ نہیں۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ یہی کہنا کبیرہ ہے۔ اس لئے کہ یہ تزکیہ ہے (یعنی اپنے آپ کو پاک صاف کہنا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے ''فلا تزکوا انفسکم'' (اپنے کو پاک صاف بے گناہ نہ کہو)۔ ہم جانتے ہیں کہ سوائے انبیاء وملائکہ علیہم السلام کے کوئی شخص بھی گناہ سے خالی نہیں۔ جو لوگ ان کے سوا ہیں وہ غیر معصوم ہیں۔ بلکہ لوگوں نے تو ملائکہ وانبیا علیہم السلام کی معصومیت میں بھی اختلاف کیا ہے۔ اگر ہم اس شخص کی خطا کو یقین کرتے ہیں جو ملائکہ یا انبیاء کے لیے گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً یا خطاءً کو ممکن کہے۔ ہم نے یہ بات بتا دی کہ وہ اس مسئلے میں ہمارے ساتھ ہرگز متفق نہیں ہے۔

اگر وہ کہے کہ ہاں بیشک مجھ سے گناہ کبیرہ ہوا ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ آیا اس حالت میں جب تم سے گناہ کبیرہ صادر ہو رہا تھا تمھیں

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں شک تھایاتمھیں ان دونوں کا انکار تھایاتمھیں ان دونوں کا انکار تھایا تمھیں اللہ ورسول کا اور آپ کی لائی ہوئی ہر شے کا یقین تھا اور اس کا بھی یقین تھا کہ تم اپنے گناہ کی وجہ سے خطاوار و بدکار ہو۔ اگر وہ کہے کہ وہ منکر یا شک کرنیوالا تھا تو وہ اپنے دل کا زیادہ علم رکھتا ہے۔ اسے یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنی زوجہ وکنیز مسلمہ کو جدا کردے اور جو مسلمان مریں ان کا وارث نہ بنے۔ اس کے بعد اس کے لئے یہ ناجائز ہے کہ وہ دوسرے گنہگاروں کے متعلق اپنے جیسے اعتقاد کفر سے فیصلہ کرے ہم تو یقیناً اس کے دعوے کا جھوٹ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ جس زمانے میں ہم سے کوئی گناہ ہوتا ہے ہم اللہ ورسول کے مومن ہوتے ہیں۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں اپنے گناہ کی حالت میں بھی اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مومن تھا تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ تو خود تمھاری ہی طرف اسکا ابطال ہے جو تم نے گناہگاروں کے نفاق کا فیصلہ کیا تھا۔

بغیر کسی کے اختلاف کے پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ صاحب کبیرہ کو مسلمانوں کے ساتھ نماز کا۔ رمضان کے روزے کا۔ اس کے مال سے زکوٰۃ لینے کا۔ حج کا۔ اس سے نکاح کے مباح ہونے کا میراث کا۔ اس کا ذبیحہ کھانے کا اس سے نیک مسلمان عورت سے نکاح کرنے دینے کا نیک مسلمان کنیز کے بغرض جماع خریدنے کا اور اسکے جان و مال کے احترام کا حکم ہے۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ نہ اس سے جزیہ لیا جائے گا اور نہ اسے ذلیل کرکے رکھا جائے گا۔ یہ اجماع برہان صحیح ہے کہ وہ مسلم ومومن ہے۔ اس پر پوری امت کا بغیر کسی کے اختلاف کے اجماع ہے کہ اس کی شہادت وخبر کا قبول کرنا حرام ہے اور یہ اجماع برہان ہے کہ وہ فاسق ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ وہ مومن ہے۔ فاسق کہتے ہیں مومن کے مقابلے میں ناقص الایمان ہے جو فاسق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**یاایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبو اقوما بجھالت فتصبحو اعلی مافعلتم نادمین**" (اے ایمان والو۔ اگر تمھارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلو۔ ایسانہ ہوکہ تم ناواقفی سے کسی قوم پر مصیبت نازل کردو پھر تمھیں اپنے فعل پر نادم ہونا پڑے)۔

جو یہ کہتا ہے کہ وہ کافر نعمت ہے تو کوئی بھی دلیل نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے بعض نے اس آیت میں کھینچ تان کی ہے "**الذین بدلوا نعمة الله كفر اوا حلوا قومهم دار البوار جهنم . يصلونها وبئس القرار**" (جن لوگوں نے کفر کرکے اللہ کی نعمت کو بدل دیا۔ اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں ڈال دیا۔ وہ لوگ اسی میں گریں گے اور بہت برا ٹھکانا ہے)۔

اس میں ان لوگوں کی کوئی دلیل یا حجت نہیں۔ نص آیت انکے قول کی باطل کرنیوالی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسی کلام کے متصل فرماتا ہے "**وبئس القرار . وجعلو الله اندادا ليضلوا عن سبيله**" (اور بہت برا ٹھکانا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنائے تاکہ اسکی راہ سے گمراہ کریں)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ آیت بلاشک مشرکین کے بارے میں ہے۔ نیز انسان کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کفر (کفران) کرتا ہے اور وہ کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا مومن اور اپنے معاصی کی وجہ سے اس کی نعمتوں کا کافر ہوتا ہے نہ کہ علی الاطلاق کافر۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

☆☆

کس کی تکفیر کیجا ئیگی اور کس کی تکفیر نہیں کیجا ئیگی

کافر کون ہے :

اس باب میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور (۱) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جو مسائل اعتقاد میں یا مسائل فتوٰی میں سے کسی میں بھی ان کی مخالفت کرے تو وہ کافر ہے۔

(۲) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں فاسق ہے کافر نہیں اور بعض مسائل میں کافر ہے جیسا کہ انھیں ان کی عقلوں اور گمانوں نے پہنچایا انھوں نے اس کے مطابق فیصلہ کردیا۔

(۳) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جو مسائل اعتقاد میں ان کا مخالف وہ کافر ہے اور جو مسائل احکام و عبادات میں مخالف ہے وہ نہ کافر ہے نہ فاسق بلکہ وہ مجتہد ہے معذور ہے۔ اگر خطا کرے تو اسے اس کی نیت کا اجر و ثواب ہے۔

(۴) ایک گروہ نے جو مسائل عبادات میں ان کا مخالف ہو اس کے بارے میں یہی کیا ہے۔ اور جو مسائل اعتقادات میں ان کا مخالف ہو تو اگر اختلاف اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے تو وہ کافر ہے اور اگر اس کے ماسوا میں ہو تو وہ فاسق ہے۔

(۵) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی مسلم کی اس کے کسی قول کی وجہ سے جو وہ اعتقاد کے بارے میں کہے یا فتوے کے بارے میں تکفیر نہ کیجا ئیگی اور نہ اسے فاسق کہا جائے گا۔ ان امور میں سے جس میں وہ اجتہاد کرے اور جو حق سمجھے اس کے مطابق مذہب اختیار کرے تو اسے ہر حال میں ثواب ملیگا۔ اگر وہ حق تک پہنچ گیا تو اسے دو اجر ہیں اور اگر اس نے غلطی کی تو اسے ایک اجر ہے۔ یہ قول ابن ابی لیلی اور ابو حنیفہ اور شافعی اور سفیان الثوری اور داؤد بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے اس مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق جہاں تک معلوم ہوا ہے ان کا بھی یہی قول ہے۔ ہمیں ان حضرات کے کسی اختلاف کا علم نہیں ہوا سوائے اس کے جو ہم نے اس شخص کی تکفیر کے بارے میں بیان کیا ہے کہ عمداً نماز کو ترک کرے۔ یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے یا ادائے زکوٰۃ کو ترک کرے یا حج کو ترک کرے یا صیام رمضان کو ترک کرے یا شراب پیے۔ جنھوں نے اعتقادات میں اختلاف کی وجہ سے تکفیر کی ہے انھوں نے چند اشیا سے استدلال کیا ہے جنھیں انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ قدریہ و مرجیہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اور ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ اس امت کے ستر سے زیادہ فرقے ہو جائیں گے۔ یہ سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے کہ جنت میں جائے گا۔

یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے قطعاً صحیح نہیں ہیں۔ جو روایت ایسی ہو وہ اس شخص کے نزدیک بھی حجت نہیں جو خبر واحد کا قائل ہو چہ جائیکہ جو اس کا بھی قائل نہ ہو۔ (اس کے نزدیک تو یہ محض بیکار ہے)۔ انھوں نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس نے اپنے بھائی سے کہا کہ اے کافر۔ تو اس نے دو میں سے ایک کے لئے کفر کا اقرار کرلیا۔

اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں ہے اس لئے کہ اس کے لفظ کا مقتضایہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی نسبت کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہے۔

اس حدیث سے استدلال کرنے والوں میں سے اکثر اور جمہور کسی مسلم کی تکفیر نہیں کرتے جو آپس کی گالی گلوچ میں کسی مسلم کو کافر کہدے۔ اس قول سے انھوں نے اس حدیث کی مخالفت کی جس سے انھوں نے استدلال کیا تھا۔

حق یہ ہے کہ جس کا معتقد اسلام ہونا ثابت ہو وہ اس سے بغیر ص یا اجماع کے زائل نہ ہوگا۔ مگر دعویٰ وافتراء سے زائل نہ ہوگا۔ لہذا واجب ہے کہ کسی شخص کی اس کے کسی قول کی وجہ سے تکفیر نہ کیجائے۔ سوائے اس کے کہ وہ اس قول سے اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اقوال کی مخالفت کرے جو اس کے نزدیک بھی ثابت ہیں اور اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کو جائز سمجھے۔ خواہ یہ مخالفت عقیدہ دینی میں ہو یا ملت میں یا فتوے میں اور خواہ اس حدیث میں ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجماع وتواتر سے منقول ہے یا اخبار آحاد کے طور پر منقول ہے۔ مگر جو شخص اس اجماع یقینی کی مخالفت کرے جس کی صحت قطعی ہو تو وہ اپنی حجت ودلیل کے منقطع ہونے میں اور اس کی تکفیر کے واجب ہونے میں زیادہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اجماع کے ماننے پر اور اس کی مخالفت کی تکفیر پر سب کا اتفاق ہے۔ ہمارے قول کی صحت کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**و من یشا قق الرسول من بعد ماتبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی و نصله جهنم . وسا ء ت مصیر ا** '' (اور جس نے اس کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستایا کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہو چکی تھی اور مومنین کی راہ کے خلاف راستہ اختیار کیا تو ہم اسے اسی طرف پھیریں گے جدھر وہ پھرا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے)۔

یہ آیت اس شخص کی تکفیر میں نص ہے جو ایسا کرے۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جس نے مومنین کے خلاف راہ اختیار کی وہ تو مومنین میں سے نہیں ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہر وہ شخص جو مومنین کے خلاف راہ اختیار کرے کافر نہیں ہے۔ اس لئے کہ زنا وشراب خواری اور ناحق یتیم کا مال کھا جانا مومنین کی راہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جو اس راہ پر چلے گا وہ مومنین کے خلاف راہ پر چلے گا اور وہ اس کے باوجود کافر نہیں ہے۔ برہان۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ '' **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم . ثم لا یجد واافی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما** '' (قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ مومنین نہ ہوں گے تا قتیکہ یہ آپ کو ان امور میں حکم نہ بنائیں جن میں یہ آپس میں جھگڑا کریں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اور مان لیں جس طرح ماننا چاہیے۔

یہ وہ نص ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ نہ کوئی اور نص آئی ہے جو اسے اس کے ظاہر سے نکالدے اور نہ بعض وجوہ ایمان میں اسکی تخصیص کے بارے میں کوئی برہان وارد ہے۔

کوئی حجت مخالف حق کے خلاف خواہ وہ کسی شے میں بھی ہو قائم نہیں ہوئی لہذا وہ کافر نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اس کی تکفیر کے متعلق کوئی نص آئی ہو تو اسے مانا جائے۔ مثلاً کسی شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پہنچے اور وہ زنج وحبشے کے انتہائی دور مقامات میں ہو اور وہ آپ کی خبر کی تفتیش سے باز رہے تو وہ کافر ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (صلی اللہ

علیہ وسلم) اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ قریشی ہیں یا تمیمی یا فارسی۔ نہ یہ جانتا ہوں کہ آیا وہ حجاز میں ہوئے یا خراسان میں۔ نہ یہ جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ اور نہ جانتا ہوں کہ شائد وہ یہی شخص حاضر ہوں یا اور کوئی۔

جواب میں کہا جائے گا کہ اگر یہ شخص جاہل ہے جسے اخبار و سیر کا بالکل علم نہیں تو یہ اس کے لئے بالکل مضر نہیں۔ اور اس کو بتانا واجب ہے۔ جب اسے علم ہو جائے اور اسکے نزدیک حق ثابت ہو جائے پھر اگر وہ مخالفت کرے تو وہ کافر ہے اور اسکا خون و مال حلال ہے اور اس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا۔ ہمیں ایسے بہت سے لوگوں کا علم ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے دین میں فتویٰ لیا جاتا ہے۔ بہت سے صالحین ہیں جنھیں یہ نہیں معلوم کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو کتنا زمانہ گزرا اور نہ یہ معلوم کہ آپ کی وفات کہاں اور کس شہر میں ہوئی۔ ان سب میں ان کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے دل و زبان سے اس کا اقرار کریں کہ ایک شخص جن کا نام محمد ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس دین کے ساتھ ہمارے طرف رسول بنا کے بھیجا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

اسی طرح وہ شخص جو یہ کہے کہ اس کا رب جسم والا ہے۔ اگر وہ شخص جاہل ہے یا تاویل کرتا ہے۔ تو وہ معذور ہے۔ اس پر کچھ گناہ نہیں اور اسے تعلیم دینا واجب ہے اگر اس پر قرآن وحدیث کی حجت قائم ہو جائے پھر وہ سرکشی سے ان دونوں کی مخالفت کرے تو وہ کافر ہے اس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن جو شخص یہ کہے کہ فلاں انسان اللہ تعالیٰ ہے یا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے جسم میں حلول کرتا ہے، یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سوائے عیسی بن مریم کے کوئی اور نبی ہے، تو اس کی تکفیر میں دو آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ ہر شخص پر ان تمام امور کے متعلق حجت ثابت ہے۔ اگر ممکن ہے کہ کوئی ایسا شخص پایا جائے جو اس کو دین بنا لے اور اسے اس کے خلاف نہ معلوم ہوا ہو تو تاوقتیکہ اس پر حجت نہ قائم ہو جائے اس کی تکفیر واجب نہیں۔

تکفیر میں بہت احتیاط لازم ہے :

جو لوگ ان اقوال پر لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جو اقوال کفر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ غلطی ہے۔ اس لئے کہ یہ مقابل پر بہتان اور اس پر ایسی بات بنانا ہے جو اس نے نہیں کہی ہے۔ اگرچہ اسے لازم آ جائے۔ تو صرف اسے تناقض لازم آ گیا۔ اور تناقض کفر نہیں۔ بلکہ اس نے اچھا کیا اگر کفر سے بچ گیا۔ لوگوں کا کوئی قول ایسا نہیں ہے کہ اس قول کا مخالف اپنے قول کے فاسد ہو جانے اور رد ہو جانے کی صورت میں اپنے مقابل پر کفر نہ لازم کرتا ہو معتزلہ ہماری طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظالم و جابر مانتے ہیں اور اسے اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ بالکل اسی کے مساوی ہم انکی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز مانتے ہیں۔ یہ لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ بھی اسی طرح پیدا کرتے ہیں جس طرح اللہ پیدا کرتا ہے۔ اور پیدا کرنے میں اللہ کے شرکاء ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہیں۔

جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت کرتا ہے وہ ان کی نفی کرنیوالے کو باقیہ کہتا ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے کہا ہے کہ تم لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی کوئی صفت نہ ہو۔

جو صفت کی نفی کرتے ہیں وہ صفت کے ثابت کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اشیاء کو بھی ازلی قرار دیتے ہو۔ اور اسکے ساتھ اس کے غیر کو شریک کرتے ہو۔ اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی شے ازل میں اس کے ہمراہ تھی۔ تم لوگ اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو چند ازلی چیزوں میں سے ہے۔

اسی طرح ہر مختلف مسئلے میں ہے یہاں تک کہ کون (وجود) وجزء میں بھی۔ حتیٰ کہ مسائل احکام وعبادات میں بھی۔ اصحاب قیاس ہم پر خلاف اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ہمارے اصحاب ان پر اجماع کی مخالفت اور ان شرائع کا پیدا کرنا ثابت کرتے ہیں جن کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ ہر فرقہ اسکی نفی کرتا ہے جس سے دوسرا فرقہ اسے نامزد کرتا ہے اور جو اس میں سے کسی چیز کا قائل ہو اس کی تکفیر کرتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ کسی شخص کی تکفیر بجز اس کے نہ کیجائے گی کہ خود اسی کا قول ہو یا اس کے عقیدے کی تصریح ہو۔ کوئی شخص اس سے فائدہ نہ اٹھائے گا کہ وہ اپنے عقیدے کو ایسے لفظ سے تعبیر کرلے جو اس کی قباحت کو اچھا ظاہر کرے۔ حکم اسی پر لگایا جائے گا جو اس کے قول کا مقتضاء ہوگا۔

ترک صلوٰۃ کی حدیثیں :

وہ احادیث جو ترک نماز کے شرک ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں تو بطور اسناد کے وہ صحیح نہیں ہیں۔

کلمہ طیبہ کس طرح موجب دخول جنت ہے :

وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ جس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا وہ جنت میں جائے گا۔ تو دوسری احادیث بھی آئی ہیں جن میں اس حدیث پر اضافہ ہے اور اس اضافے کا چھوڑنا جائز نہیں۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ کہیں ''لا الہ الا اللہ . محمد رسول اللہ'' اور اس پر ایمان لائیں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے کہ بغیر اس کے کسی کا ایمان پورا نہیں ہوسکتا۔

سب صحابہ پر تکفیر :

صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کی جو لوگ تکفیر کرتے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے استدلال کیا ہے۔ ''محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا . يبتغون فضلا من الله ورضوانا. سيماهم في وجوهم من اثر السجود . ذلك مثلهم في التوراة ومثلهم في الانجيل . كزرع اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار'' . (محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ہمراہ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں آپس میں ہیں سب رحمدل' دیکھنے والے تو انھیں دیکھے گا تو رکوع وسجدے میں پائے گا۔ وہ لوگ اللہ کے فضل ورضا کی جستجو میں رہتے ہیں ان کے چہروں میں سجدے کے نشان ہیں جو انکی پہچان ہیں۔ انکی یہ علامت توریت میں ہے۔ اور انکی علامت انجیل میں یہ ہے کہ یہ مثل اس کھیتی کے ہیں جس نے اپنا اکھوا نکالا پھر اس نے اسے قوی کردیا پھر وہ اور موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر قائم ہوگئی۔ جو کاشتکاروں کو اچھی لگنے لگی۔ تاکہ اس سے کفار کا جی جلائے) اس استدلال کرنے والے نے کہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے غیظ وغصے میں آئے وہ کافر ہے (گالی سے بھی غیظ ہوتا ہے اس لئے گالی غیظ کا سبب اور کفر ہوئی)۔

باایں ہمہ تکفیر نہ چاہیے :

جس نے اس آیت کو اس پر محمول کیا اس نے غلطی کی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ جس کا کسی صحابی پر غیظ ہوگا تو وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں محض یہ خبر دی ہے کہ وہ صحابہ کے ذریعے سے کفار کو غیظ دلائے گا۔ اور ان کا جی جلائے گا یہ حق ہے۔ اس کا کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ جو مسلمان ہے وہ کفار کو غیظ دلاتا ہے کسی صاحب حس سلیم کو اس میں شک نہ ہوگا کہ علی نے معاویہ کو غیظ دلایا۔ معاویہ وعمرو

بن العاص نے علی کو غیظ دلایا۔ عمار نے ابو العادیہ کو غیظ دلایا۔ اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے جنھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو غیظ دلایا۔ تو اس بنا پر مذکورہ بالا حضرات کی تکفیر لازم آئے گی۔ جس سے اللہ کی پناہ۔

جو شخص کسی انسان کی محض اس کی گفتگو پر تکفیر کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس پر کوئی حجت قائم ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے اور بغیر اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حکم دیا ہے اس سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی کوئی ایسی بات چھوڑی ہے کہ اگر اسکا کوئی قائل نہ ہو تو اس کی تکفیر کیجائے گی جسے آپ نے واضح طور پر بیان نہ کر دیا ہو اور تمام مخلوق کو اس کی دعوت نہ دے دی ہو۔ لامحالہ ہاں کہنا پڑے گا۔ اور جو اس کا انکار کریگا وہ بغیر کسی کے اختلاف کے کافر ہے۔

جب وہ اس کا اقرار کر لے گا تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ آیا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کوئی ایسی حدیث آئی ہے کہ آپ نے کسی بستی یا محلے والے یا کسی انسان کا جو آزاد ہو یا غلام ہو یا عورت ہو اور جو آپ کے پاس آیا ہو بجز اس کے اس کا ایمان نہ قبول کیا ہو تاوقتیکہ اس نے یہ اقرار نہ کر لیا ہو کہ استطاعت قبل فعل ہوتی ہے یا فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا قرآن مخلوق ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا یا دیدار نہ ہوگا۔ یا اس کے لئے سمع و بصر و حیات ہے، یا اس کے علاوہ متکلمین کی اور فضول باتیں جو شیطان نے ان کے درمیان ڈالیں کہ ان میں آپس میں بغض و عداوت ڈلوادے۔

اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اسلام نہ لانے دیا تاوقتیکہ آپ نے اسے ان معانی سے آگاہ نہ کر دیا تو وہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق جھوٹ بولتا ہے۔ اور وہ بات کہتا ہے جس میں وہ خود بھی جانتا ہے کہ جھوٹا ہے، اور اس امر کا دعویٰ کرتا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان معانی کے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر کیا چھپانے پر اتفاق کر لیا۔ اور یہ محال اور طبیعت کے نزدیک ناممکن ہے۔ اس میں ان حضرات کی طرف کفر کی نسبت بھی ہے کیونکہ انھوں نے وہ چیز چھپائی جس کے بغیر کسی کا اسلام مکمل نہیں ہوتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز کسی کو ان امور کی دعوت نہیں دی۔ آپ نے صرف قرآن کی دعوت دی تھی۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر ان تمام امور سے ناواقف رہنا کفر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز اس کے بیان کو آزاد۔ غلام اور بیوی اور کنیز سے ترک نہ فرماتے۔ جو اسکو تجویز کرے تو وہ یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا آپ کو حکم ہوا تھا اس کے مطابق تبلیغ نہیں فرمائی۔ اور جو یہ جائز رکھے گا یہ اس کا خالص کفر ہوگا۔ ضرور ثابت ہو گیا کہ ان تمام امور سے ناواقف رہنا مضر نہیں۔ انکے متعلق اس وقت ضروری ہے جب لوگ ان میں گھسنے لگیں۔ اس وقت قرآن و حدیث سے حق کا واضح کر دینا ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”کو نوا قو امین لله شهدا ء بالقسط “ (اللہ کے لئے کارگزار بنو اور انصاف کے ساتھ گواہ بنو) اور فرمایا ہے ”لتبینه للناس ولا تکتمونه “ (لوگوں کے لئے ضرور ضرور واضح طوز پر بیان کر دو اور اس کو چھپاؤ نہیں)۔ اس وقت بیان حق کے بعد جو مخالفت کرے وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم نہیں بنایا اور نہ آپ کے فیصلے کو تسلیم کیا۔

خوف خدا کا انجام :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کبھی کوئی عمل خیر نہیں کیا تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے

اپنے متعلقین سے کہا ہے کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا ڈالنا۔ جس روز آندھی چلے تو میری راکھ آدھی دریا میں چھوڑ دینا اور آدھی خشکی میں۔ کیونکہ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو پا جائے گا تو مجھ پر ایسا سخت عذاب کرے گا جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کبھی کسی پر نہ کیا ہوگا۔ (چنانچہ وہ مرگیا اور اس کے متعلقین نے اس کی وصیت پر عمل کیا) اور اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کو جمع کیا۔ پھر اسے زندہ کیا اور اس سے دریافت کیا کہ تجھے اس حرکت پر کس نے آمادہ کیا، اس نے کہا یارب تیرے خوف نے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قول کی وجہ سے اس کی مغفرت کردی۔

یہ وہ انسان ہے جو اپنے مرنے تک اس سے ناواقف رہا کہ اللہ تعالیٰ اس کی راکھ جمع کرنے اور اس کے زندہ کرنے پر قادر ہے اور اس کے اقرار وخوف وجہل کی وجہ سے اس کی مغفرت ہوگئی۔

ان لوگوں میں سے جو کلمات کو ان کے مقامات سے بدلتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی کہ ’’لئن قدر اللہ علی‘‘ یہی ہیں کہ وہ مجھے تنگ کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے’’ واما اذاما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ ‘‘ (لیکن جب انسان کو آزماتا ہے تو اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے)۔

یہ تاویل باطل وناممکن ہے اس لئے کہ اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر تنگی کرے گا تو وہ ضرور ضرور مجھ پر تنگی کریگا۔ اگر یہ ہوتا تو اس کی اس وصیت کے کوئی معنی نہ ہوتے کہ اس کو جلا دیا جائے اور اس کی راکھ پھینک دی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے یہ وصیت محض اس لئے کی کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے۔

اس مسئلے میں سب سے زیادہ واضح بیان اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے’’**واذ قال الحواریون یاعیسی بن مریم هل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدة من السماء**‘‘ (اور جبکہ حواریین نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کرسکتا ہے) (یعنی اسے اس کی استطاعت وطاقت وقدرت ہے)۔ ’’**قال اتقوا اللہ ان کنتم صادقین**‘‘ (عیسیٰ نے کہا کہ خدا سے ڈرو اگر تم سچے ہو) ’’**قالوا نرید ان ناکل منها و تطمئن قلوبنا و نعلم ان قدصدقتنا و نکون علیها من الشهدین**‘‘ (حواریین نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے۔ اور ہم اس کے گواہ ہو جائیں)۔ یہ وہی حواریین ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے جنھوں نے جہالت سے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آیا آپ کے باپ کو اس کی استطاعت ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے خوان نازل کرے۔ اس سے ان کا ایمان زائل نہیں ہوا۔ یہ وہ دلیل ہے جس سے مفر نہیں۔ وہ لوگ کافر تو جب ہو جاتے کہ قیام حجت کے بعد اور اس کے ان سے واضح طور پر بیان کر دینے کے بعد بھی یہی کہتے۔

ایک برہان ضروری جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ ہے کہ تمام امت کا بغیر کسی ایک کے اختلاف اس پر اجماع ہے کہ جو شخص عمداً قرآن کی کوئی آیت بدل دے اور وہ جانتا ہو کہ قرآن میں اس کے خلاف ہے۔ یا اسی طرح عمداً کسی کلمے کو نکال ڈالے۔ یا عمداً اس میں کسی کلمے کا اضافہ کردے۔ تو وہ باجماع امت کافر ہے۔ اس کے بعد آدمی تلاوت میں غلطی کرتا ہے کبھی کوئی کلمہ بڑھا دیتا ہے۔ کبھی گھٹا دیتا ہے۔ جہالت سے اپنے کلام کو دہراتا ہے اور یہ اندازہ کرتا ہے کہ وہ درستی پر ہے حالانکہ اس میں وہ مکابرہ ودیدہ دلیری کرتا ہے قبل اس کے کہ اسے حق واضح ہو وہ مناظرہ کرتا ہے، ان امور سے وہ امت میں سے کسی کے نزدیک بھی نہ کافر ہوتا ہے نہ فاسق اور نہ گناہگار۔ جب وہ قرآن سے واقف ہو جائے یا اسکے متعلق اسے کوئی ایسا قاری خبر دے جس کی خبر سے حجت قائم ہو جائے اس پر اگر غلطی پر اصرار کرے تو وہ لامحالہ اس کی وجہ سے تمام امت کے نزدیک کافر ہے۔ اور یہی حکم پوری دیانت ومذہب میں جاری ہے۔

بعض نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **قل هل انبئكم بالا خسرين اعمالا . الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا** "(آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمھیں بتادوں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ ونقصان میں کون ہے وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیاوی زندگی میں برباد ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ وہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔

اس آیت کا آخری حصہ ان کی تاویل کا باطل کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام " **يحسنون صنعا** " کو اپنے اس کلام سے ملادیا ہے " **اولئک الذين كفروا اباٰيت ربهم و لقائه فحبطت اعما لهم . فلا نقيم لهم يو م القيامة وزنا . ذلک جزاؤهم جهنم . واتخذوا آياتي ورسلي هزوا** " (یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور (قیامت میں) اس کی ملاقات کا کفر کیا تو ان کے اعمال رائیگاں ہو گئے۔ ہم قیامت کے روز ان کے لئے وزن قائم نہ کریں گے۔ ان کی جزا جہنم ہے۔ اور انھوں نے میری آیات اور میرے رسولوں سے تمسخر کیا) یہ امر کو واضح کرتا ہے کہ آیت کا اول حصہ ان کفار کے بارے میں ہے جو بالکل اسلام کے مخالف ہیں۔ یہ آیت ان تاویل کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اہل اسلام ہیں جیسا کہ تم دعوی کرتے ہو تو البتہ اس کے کلیے میں ہر وہ تاویل کرنیوالا داخل ہو جاتا جو اپنے فتوے کی تاویل میں غلطی کرتا ہے۔ جس کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر لازم ہوتی کہ جب ایسا قول واضح ہو جائے جو زیادہ صحیح ہو تو وہ اپنے پہلے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کر لے۔ سوائے اس کے کہ وہ مقلد ہو اور یہ بہت برا ہے اس لئے کہ تقلید بالکل خطا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ جو اس حد تک پہنچ گیا ہو تو اس کے قول کی جہالتیں واضح ہو گئیں۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقرار کیا ہے کہ انھوں نے آیت کلالہ نہیں سمجھی (یعنی وہ آیت جس میں لاولد مرنے والے کی میراث کا بیان ہے۔) مگر اس سے آپ نے نہ ان کی تکفیر فرمائی۔ نہ انھیں فاسق فرمایا۔ اور نہ انھیں یہ بتایا کہ وہ اس کی وجہ سے گناہ گار ہو گئے۔ البتہ اس کے متعلق ان کے بار بار سوال کرنے پر آپ نے سختی فرمائی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے فتوے میں غلطی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی مگر آپ نے اس کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں فرمائی۔ نہ فاسق فرمایا اور نہ اس کی وجہ سے آپ نے کسی کو گناہگار قرار دیا۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کی۔

اسکی مثال ابوالسنابل بن بعکک کا وہ فتوی ہے جو دو مدتوں میں سے ایک کے بارے میں تھا۔ وہ لوگ جنھوں نے غیر شادی شدہ زانی کے سنگسار کرنے کا فتوای دیا تھا۔ اور ہم نے اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں اس کی بحث کی ہے۔ آیت مذکورہ بغیر حذف کے ہمارے مخالفین کے قول پر دلالت نہ کرے گی اور وہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ " **الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا** " میں "**الذين**" مبتدائے مضمر کی خبر ہے اور یہ جب ہی ہوگا جب مبتدا کو محذوف مانا جائے۔ گویا یہ فرمایا ہے "**هم الذين** " اور کسی شخص کو جائز نہیں کہ وہ قرآن میں حذف کا قائل ہو بغیر اس کے کہ اس کے متعلق کوئی دوسری نص جلی ہو یا اس پر اجماع ہو یا ضرورت حس ہو لہذا ان کا قول باطل ہو گیا۔ اور بلا دلیل دعوی رہ گیا۔ ہمارے نزدیک "**الذين** " بغیر کسی حذف کے اپنے موضوع پر ہے۔ یہ "**للا خسرين** " کی صفت ہے۔ اور یہ خبر ہوگی اس مبتدا کی جو "**اولئک الذين كفروا** " ہے اسی طرح یہ کلام الہی ہے "**ويحسبون انهم على شي الا انهم هم الكا ذبون** "(یہ

گمان کرتے ہیں یہ کسی چیز پر ہیں خبردار بیشک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ اس قوم کی صفت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اول آیت میں سے اس کے ساتھ موصوف کیا اور ضمیر کو انکی طرف پھیرا ہے۔ یہ اول آیت کی نص کے مطابق کفار ہیں۔

ایک معترض نے یہ بھی کہا جب مجتہدین خطا کریں تو تم انھیں معذور سمجھتے ہو تو یہود ونصاریٰ و مجوس اور تمام اہل ادیان کو معذور سمجھو۔ کیونکہ یہ لوگ بھی مجتہد (تلاش حق کی کوشش کرنیوالے) اور طالب خیر ہیں۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم نے جن کو معذور سمجھا انھیں اپنی رائے سے معذور نہیں سمجھا اور نہ ہم نے جن کی تکفیر کی اپنے گمان سے اور اپنے خیال سے کی۔ یہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کو نہیں دیا۔ نہ کوئی کسی کو جنت و دوزخ میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا اس میں داخل کرے گا۔ ہم کسی کو بھی اسم ایمان سے نامزد نہیں کرتے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ ہی اس سے نامزد کردے اور یہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ہے۔ اور روئے زمین کے دو آدمی بھی اس میں اختلاف نہیں کرتے۔ ہم مسلمان ہی اسے نہیں کہتے بلکہ ہر مذہب والا کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اہل مذہب پر کفر کا فیصلہ کیا سوائے اسلام کے جس کے ماننے والے ہر ملت سے بری ہیں سوائے اس کے جس کا انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا۔ اس وقت ہم واقف ہو گئے۔

اس میں بھی دو شخص بھی اختلاف نہ کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم ایمان کا ہر اس شخص پر فیصلہ کیا جس نے آپ کی پیروی کی اور جو کچھ آپ لائے اس کی تصدیق کی اور اس کے سوا ہر دین سے بری ہو گیا۔ اسی وقت ہم اس سے بھی واقف ہوئے اور اس سے زیادہ نہیں کہ جس شخص کو اسم اسلام حاصل ہونے کے بعد کوئی نص اس کے اسلام سے خارج کرنے کے بارے میں آئی تو ہم نے اسے اس سے خارج کر دیا۔ خواہ اس کے خارج ہونے پر اجماع ہو یا اجماع نہ ہو۔ اسی طرح جس کے خروج اسلام پر اہل اسلام نے اجماع کر لیا ہو تو اس معاملے میں اجماع کا اتباع واجب ہے۔ لیکن جس کا اسلام ثابت ہونے کے بعد اس کے خروج اسلام پر نہ کوئی نص ہو اور نہ اجماع تو اسلام سے اس کا خارج کرنا جائز نہیں جس کا حصول اس کے اندر ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے" **ومن یبتغ غیر الا سلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآ خر ة من الخاسرین** " (اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین حاصل کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا)۔ اور فرمایا ہے" **یر یدون ان یفر قوا بین الله ورسله ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض . ویریدون ان یتخذو ابین ذلک سبیلا . اولئک هم الکا فرو ن حقا**" (اور لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق کریں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں راستہ اختیار کریں۔ یہی لوگ ہیں جو واقعی کافر ہیں)۔

اور فرمایا ہے" **قل اباللہ و آیا ته ورسله کنتم تستهزؤ ن . لاتعتذر واقد کفر تم بعد ایما نکم** " (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کے ساتھ اور اسکی آیات کے ساتھ اور اسکے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا کرتے تھے۔ معذرت نہ کرو۔ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے)۔ یہ سب لوگ نص کے مطابق کافر ہیں اور اس پر اجماع ثابت ہے کہ جو کسی ایسی شے کا انکار کرے جو ہمارے نزدیک اجماع سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو لائے ہیں تو وہ کافر ہے۔ نص سے ثابت ہے کہ حجت پہنچ جانے کے بعد جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا کسی فرشتے یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یا قرآن کی کسی آیت کے ساتھ یا کسی فریضہ دینی کے ساتھ کہ یہ سب فرائض اللہ تعالیٰ کی

آیات ہیں، تمسخر کرے تو وہ کافر ہے۔ جو شخص نبی علیہ السلام کے بعد کسی نبی کا قائل ہو یا کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو اسکے نزدیک ثابت ہو کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے اور اپنے مقابل کے جھگڑے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہیں بنایا۔

اصحاب کلام نے تشقیق کی ہے (یعنی شقیں اور شاخیں نکالی ہیں) اور کہا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ اٹھو نماز پڑھو۔ اور وہ کہے کہ میں نہیں پڑھتا۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ فرمائیں کہ مجھے یہ تلوار دیدو کہ میں اس سے اپنی جان کی حفاظت کروں اور وہ آپ سے کہے کہ میں نہیں دیتا۔

یہ وہ امر ہے جس کے واقع ہونے سے یہ لوگ بے فکر ہیں اور اس سے زیادہ فضول کوئی شے نہ ہوگی کہ جو ایسی شے میں مشغول ہو کہ اسے یقین ہو کہ یہ کبھی نہ ہوگی لیکن یہ وہ شے ہے جو ہوگئی اور واقع ہوچکی۔ ہم اس میں کلام کرتے ہیں۔ **و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روئے زمین کے بزرگترین افراد کو جو اہل حدیبیہ تھے حکم دیا کہ وہ سر منڈا دیں اور قربانی کر دیں ان لوگوں نے توقف کیا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین مرتبہ حکم دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور آپ نے ام سلمہؓ سے اس کی شکایت کی۔ مگر یہ لوگ اس کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے۔ یہ ایک معصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ سے اس کا تدارک کر دیا۔ ہرگز کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے نہ آپ کی مخالفت کی نہ تکذیب کی۔ سعد بن عبادہ نے کہا کہ یا رسول اللہ واللہ اگر کوئی فاحشہ اس طرح پائی جائے کہ کوئی مرد اس کی ران پر ران رکھے ہو تو میں ان دونوں کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ چار گواہ لاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ انھوں نے کہا کہ تب تو واللہ وہ اپنی حاجت پوری کر لے گا۔ واللہ میں تو ان دونوں پر تلوار سے غلبہ حاصل کروں گا۔ مگر وہ اس کی وجہ سے کافر نہ ہوئے کیونکہ وہ نہ مخالف تھے اور نہ مکذب (تکذیب کرنیوالے)۔ بلکہ انھوں نے اقرار کیا کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے۔

ان لوگوں نے اس شخص کے متعلق سوال کیا ہے جو یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ مکے کا حج فرض ہے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ مکہ حجاز میں ہے یا خراسان میں یا اندلس میں۔ اور میں یہ تو جانتا ہوں کہ سور حرام ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آیا وہ یہی ہے جس کے دو سینگ بیان کئے جاتے ہیں یا وہ ہے جس سے کھیتی کی جاتی ہے۔

ہمارا جواب یہی ہے کہ جس نے یہ کہا ہے (۱) اگر وہ جاہل ہے اسے تعلیم دیجائے گی اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ شروع کرنے والے جب اسلام لاتے ہیں تو وہ اسے نہیں جانتے تاوقتیکہ انھیں بتایا نہ جائے۔

(۲) اگر وہ عالم اور جاننے والا ہے تو بے ہودہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تمسخر کرتا ہے تو وہ کافر و مرتد ہے۔ اس کی جان و مال حلال ہے۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگائے وہ تکذیب قرآن کی وجہ سے کافر ہے۔ حالانکہ ان پر مسطح وحمنہ نے بہتان لگایا تھا مگر یہ دونوں کافر نہیں ہوئے۔

اس لئے کہ یہ دونوں اس وقت اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے نہ تھے۔ جو آیت نازل ہونے کے بعد ان پر بہتان لگائے گا وہ کافر ہے۔ لیکن جو شخص کسی صحابی کو برا کہے گا تو اگر وہ جاہل ہے تو وہ معذور ہے۔ اگر اس پر حجت قائم ہوچکی ہے پھر اگر وہ بغیر عناد و مخالفت کے اس پر

قائم رہے تو وہ اسی طرح فاسق ہے جس طرح زانی وسارق۔ اگر وہ اس میں اللہ و رسول کی مخالفت وعناد کرے تو وہ کافر ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاطب کے متعلق کہا حالانکہ حاطب مہاجر و بدری تھے کہ مجھے اس منافق کی گردن مار دینے دیجئے مگر عمر حاطب کی تکفیر کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے بلکہ وہ غلطی وخطا کرنے والے اور تاویل کرنے والے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انصار سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اور علی سے فرمایا کہ جو منافق ہوگا وہی تم سے بغض کرے گا۔ جو شخص انصار سے اس لئے بغض کرے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تھی تو وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اللہ و رسول نے ان حضرات کے ہاتھوں سے دین کے غالب کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا اس فیصلے سے یہ شخص اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہے۔ جو ایسی ہی وجوہ سے علی سے عداوت کرے تو وہ بھی کافر ہے۔ اسی طرح جو شخص اس شخص سے عداوت کرے جو اسلام کی مدد کرتا ہے۔ اس کی نصرت اسلام کی وجہ سے نہ کہ اور کسی وجہ سے تو وہ بھی کافر ہے۔

ان میں سے بعض نے اختلاف فتوٰی واختلاف اعتقاد میں یہ فرق کیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم فتوے میں اختلاف کیا ہے مگر ان میں سے بعض نے بعض کی نہ تکفیر کی نہ فاسق کہا۔

یہ کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ صحابہ ہی کے زمانے میں انکار قدر (تقدیر) پیدا ہوا مگر اکثر صحابہ نے ان لوگوں کی تکفیر نہیں کی۔ حالانکہ انھوں نے فتوے میں اختلاف کیا اور اس پر باہم جنگ کی اور خونریزی ہوئی۔ مثلاً قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو ڈھیل دینے میں علی کی بیعت کے مقدم کرنے پر ان کا اختلاف۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو چاہے میں اس سے حجر اسود کے پاس مباہلہ کروں گا کہ جس ذات نے جمع کرنے والے کی ریت کا شمار کرلیا ہے۔ اس نے ایک فریضے میں نصف ونصف اور ثلث نہیں مقرر کیا۔

یہاں بہت سے عجیب اقوال ہیں جو فاسد ہیں جن میں سے یہ ہے کہ خوارج کی چند جماعتوں نے کہا ہے کہ جس معصیت میں حد ہو تو وہ کفر نہیں ہے اور جس معصیت میں کوئی حد نہ ہو وہ کفر ہے۔

یہ بغیر کسی برہان کے حکم اور بغیر کسی دلیل کے دعویٰ ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے’’**قل ھاتو ابر ھا نکم ان کنتم صادقین**‘‘ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی برہان لاؤ) لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جس کے قول پر برہان نہ ہو تو وہ اس قول میں سچا نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ کہا اس سے ثابت ہوگیا کہ جو شخص غیر اسلام پر ہے اور اسے امر اسلام پہنچ گیا ہے تو وہ کافر ہے۔

اہل اسلام میں سے جو شخص تاویل کرے پھر خطا کرے تو اگر اس پر حجت قائم نہیں ہوئی اور نہ اس کے لئے حق واضح ہوا تو وہ معذور ہے اور طلب حق وتلاش حق کی وجہ سے اسے ایک ثواب ہے۔ اور اس کی خطا معاف ہے کیونکہ اس نے عمداً اس کو نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے’’**ولیس علیکم جنا ح فیما اخطأ تم بہ و لکن ماتعمد ت قلوبکم**‘‘ (اور اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم خطا سے کرو۔ مگر وہ جو تمھارے دل عمداً کریں)۔

اگر وہ تاویل کرنے میں صواب کو پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں ایک اجر اصابت اور صواب کو پہنچنے کا اور دوسرا اجر حق کے تلاش کرنے کا اگر اس پر حجت قائم ہوگئی اور حق واضح ہوگیا پھر اس نے حق سے اختلاف کیا اور اللہ و رسول کی مخالفت نہیں کی تو وہ فاسق ہے اس لئے کہ اس

نے فعل حرام پر اصرار کر کے اللہ تعالیٰ پر جرات کی ہے اگر اس نے حق سے اختلاف کیا اور اللہ و رسول کا مقابلہ و معارضہ کیا تو وہ کافر و مرتد ہے اور اس کی جان و مال حلال ہے۔ خطا خواہ شریعت کے کسی اعتقاد میں بھی ہو یا کسی فتوے میں بھی ہو تو ان احکام میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

انشاءاللہ ہم اس مقام پر اسے مختصر و واضح کرتے ہیں جس میں ہم نے طول دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**وما كنا معذبين حتي نبعث رسولا**“ (ہم عذاب نہیں کرتے تھے تاوقتیکہ کوئی رسول نہیں بھیجد یتے تھے) اور فرمایا ہے ”**لا نذر كم به ومن بلغ**“ (تمھیں اس نے اس سے ضرور ڈرایا اور جس کو یہ پہنچا)۔ اور فرمایا ہے ”**فلا و ربک لا یومنون حتي يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلمو اتسليما**“ (قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے اختلافات میں یہ آپ کو حکم نہ بنائیں۔ پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اور مان لیں جیسا ماننا چاہیے)۔ ان آیات میں ان تمام صورتوں کا بیان ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ کوئی شخص کافر نہ ہوگا تاوقتیکہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال نہ پہنچے۔ اگر اسے پہنچے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔ اگر وہ آپ پر ایمان لے آیا پھر اس نے وہی اعتقاد رکھا جو مذہب و فتوے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا او وہی عمل کیا جو عمل کرنا اللہ نے چاہا بغیر اس کے کہ اسے اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم پہنچے جو اس کے خلاف ہو جو اس نے اعتقاد کیا یا کہا کیا عمل کیا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں تاوقتیکہ اسے حکم نہ پہنچے۔ پھر اگر اسے حکم پہنچ گیا اور وہ اس کے نزدیک ثابت ہو گیا پھر بھی اگر اس نے اس کی مخالفت اس طور پر کی کہ اس میں جو وجہ حق اس کے لئے ظاہر نہیں ہوئی یہ اس میں اجتہاد کر رہا تھا۔ تو یہ خطاوار ہے۔ معذور ہے۔ اور اسے ایک بار اجر ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب حاکم اجتہاد کرے۔ اگر وہ صواب کو پہنچے تو اسے دو ثواب ہیں اور اگر خطا کرے تو اسے ایک ثواب ہے۔ ہر معتقد یا قائل یا عامل اس شے میں حاکم ہے۔ اگر وہ اپنے عمل سے اس کی مخالفت کرے۔ حق کی مخالفت کرے۔ اعتقاد اس کے خلاف رکھے جو عمل کر رہا ہے۔ تو وہ مومن ہے۔ فاسق ہے۔ اگر وہ حق سے اختلاف کرے اور اس کا مخالف ہو جائے خواہ قلب سے یا اپنی زبان سے تو وہ کافر و مشرک ہے۔ اس میں اعتقاد و فتوی دونوں برابر ہیں ان نصوص کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیں۔ یہی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ملائکہ وحور ومخلوق جدید کی عبادت

کیا کوئی فرشتہ بھی گناہ کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ ملائکہ عبادت کرتے ہیں۔ ''**ویفعلون مایؤمرون** ''(ملائکہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم دیا تھا۔ اور فرمایا ہے '' **وقالو ااتخذالرحمن ولدا سبحانہ بل عباد مکر مون لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون** '' (اور لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو بیٹا بنالیا۔ سبحان اللہ۔ بلکہ وہ بزرگ بندے ہیں جو اللہ کے پہلے بات نہیں کرتے۔ اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں)''**یعلم مابین ایدیھم و ما خلفھم ولا یشفعون الا لم ارتضی وھم من خشیتہ مشفقون . ومن یقل منھم انی اللہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم. کذلک نجزی الظلمین** ''(اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔ اور اگر ان میں سے کوئی یہ کہدے کہ اللہ کے علاوہ میں خدا ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔ اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں) اور فرمایا ہے''**وللہ یسجدما فی السموات وما فی الارض من دابت والملئکت وھم لا یستکبرون . یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون مایؤمرون** ''(اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں چلنے والے اور ملائکہ ہیں۔ اور ملائکہ تکبر نہیں کرتے۔ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں۔ اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ملائکہ مامور بھی ہیں۔ یعنی انھیں کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور منہی بھی ہیں۔ یعنی روکا اور منع کیا جاتا ہے۔ انھیں دھمکی اور خوف بھی دلایا جاتا ہے اور ان کا اکرام و مدارات بھی ہوتی ہے۔ ان سے ہمیشہ کرامت پہنچتی رہنے کا وعدہ کیا جاتا ہے اور یہ اعمال کے لکھنے میں ارواح کے قبض کرنے میں اور انبیاء علیہم السلام تک پیام پہنچانے میں مشغول کئے جاتے ہیں۔ عالم اعلیٰ وادنیٰ میں جو کچھ ہے وہ انھیں کے سپرد ہے۔ اور اسکے علاوہ بھی جس کو انکا خالق جانتا ہے۔ اور فرمایا ہے''**انہ لقول رسول کریم ذی قوتہ عندذی العرش مکین مطاع ثم امین** ''(بیشک یہ ایک بزرگ قاصد اور صاحب قوت کا کلام ہے جو مالک عرش کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے۔ وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے وہ صاحب امانت ہے (یعنی جبریل علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جبریل علیہ السلام کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے وہاں وہ امین ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہاں اوامر احکام و تدبیر و انتظام و امانت و طاعت و مراتب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تصریح فرمائی ہے کہ یہ سب کے سب معصوم ہیں''**عبادمکرمون لا یسبقونہ با لقول و ھم بامرہ یعملون** '' (بزرگ و مکرم بندے ہیں۔ اس کے آگے کلام میں سبقت نہیں کرتے اور یہ لوگ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں)۔ اور اس قول میں''**ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون سبّعون اللیل و النھار ولا یفترون** ''(اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں اللہ کی عبادت سے انکار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن تسبیح کیا کرتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے) اور اس قول میں''**فالذین عندربک سبّعون لہ باللیل والنھار وھم لایسأمون** ''(جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ

اکتاتے نہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ وہ سب کے سب کسی ساعت اور کسی وقت بھی عبادت سے نہیں اکتاتے اور نہ تسبیح و طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ اس سے تھکتے ہیں۔ اور یہ ہمیشگی و دوام کے متعلق خبر ہے جو کبھی نہ بدلے گی۔ واجب ہے کہ اس کے سبب سے ان کو نعمتیں دیجائیں ان کا اکرام کیا جائے اور ان پر فضل کیا جائے کہ وہ اس حال سے اور ان نعمتوں سے لذت اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ یہ سب کے سب معصوم ہیں جن کے لئے انکے پروردگار کی ولایت ہمیشہ کے لئے اور غیر متناہی مدت کے لئے ثابت ہے۔ فرمایا ہے "**من کان عدو الله وملئکته ورسله وجبریل و میکال فان الله عدو للکفرین** " (جو اللہ کا اور اسکے ملائکہ کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکفیر کی ہے جو ان میں سے کسی سے بھی عداوت کرے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ وہ نافرمانی کیوں نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**ومن یقل منهم انی اله من دونه فذلک نجزیه جهنم** " (اور ملائکہ میں سے جو یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میں خدا ہوں تو ہم اسے جزائے جہنم دیں گے) تو ہم کہتے ہیں کہ ہاں انھیں گناہوں پر دھمکی دی گئی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھمکی دی گئی ہے کہ " **لئن اشرکت لیحبطن عملک و لتکونن من الخاسرین** " (اگر آپ شرک کریں تو آپ کا عمل رائیگاں ہو جائے اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شرک نہ کریں گے اور ملائکہ میں سے کوئی کبھی نہ کہے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ خدا ہوں۔

ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " **یا نساء النبی من یات منکن بفا حشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین** " (اے نبی کی بیویو۔ تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کر یگی تو اسے دوچند عذاب کیا جائے گا)۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں اس آیت سے بری کیا ہے اور اسے علم ہے کہ ان میں سے کبھی کوئی بیحیائی نہ کر یگی۔ **والطیبت للطیبین والطیبون للطیبت اولئک مبرؤن مما یقولون** " (پاک بیویاں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک بیویوں کے لئے ہیں۔ یہ لوگ اس سے بری ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ جو چاہے کہے اور جو چاہے حکم دے اور جو چاہے کرے اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ نہ اس سے اس کے فعل کی باز پرس ہو سکتی ہے۔ اور ان لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور کے حکم کی اگر یہ سرزد ہوں خبر دیدی حالانکہ اسے علم ہے کہ یہ امور نہ ہوں گے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے۔ " **لوار دنا ان نتخذ لهو الا تخذ نامن لدنا انا کنا فاعلین** " (اگر ہم چاہتے کہ کھیل بنائیں تو ہم ضرور اپنے پاس بناتے۔ بیشک ہم کرنے والے تھے)۔ اور جیسا فرمایا ہے " **لو ارا دالله ان یتخذو لدا لا صطفی مما یخلق ما یشاء** " (اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا انتخاب کر لیتا)۔ اور جس طرح فرمایا ہے " **ولو ردوا لعادوا لما نهو اعنه** " (اور اگر انھیں واپس کر دیا جائے تو یہ دوبارہ بھی وہی کریں جس سے انھیں منع کیا گیا ہے)۔ اور جس طرح اس نے فرمایا ہے " **قل لو کان فی الا رض ملئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السما ملکا رسولا** " (آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں ملائکہ اطمینان کے ساتھ چلتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کے نازل کرتے)۔ ان سب امور کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ نہ ہوں گے۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق**۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ملائکہ مامور ہیں اور منہی نہیں ہیں۔ (یعنی انھیں کرنے کے احکام تو ہیں مگر نہ کرنے کا کوئی حکم نہیں)۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ جو کسی شے کے کرنے پر مامور ہے وہ اس کے ترک سے منہی بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ

"**ویخافون ربهم من فوقهم** " (اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے)۔ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چند اشیا سے روکے گئے ہیں جن کے کرنے سے وہ ڈرتے ہیں۔ اور فرمایا ہے "**وما ننزل الملئکة الا بالحق وما کانوا اذاً منظرین** " (اور ہم ملائکہ کو حق ہی کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت لوگوں کو مہلت نہیں دیجاتی)۔

ہاروت و ماروت :

یہ آیت ان لوگوں کے گمان کی باطل کرنے والی ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے انھوں نے شرب خواری و زنا و قتل سے نافرمانی کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اس قسم کی صفت سے پناہ دیدی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان کے متعلق یہ خبر دیدینے سے کہ وہ اس کی طاعت سے اکتاتے نہیں۔ کوتاہی نہیں کرتے۔ تھکتے نہیں۔ یقیناً یہ واجب ہے کہ ملائکہ میں ہرگز کوئی ایسا نہیں ہے جو عمداً یا خطا سے یا بھولے سے بھی نافرمانی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**جاعل الملئکة رسلا اولی اجنحة مثنی و ثلاث وربا ع** " (ملائکہ کا رسول بنانے والا ہے جو دو دو۔ تین تین اور چار چار بازو والے ہیں)۔ بنص قرآن تمام ملائکہ رسول ہین اور رسول معصوم ہوتے ہیں لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ ہاروت و ماروت جن کا ذکر قرآن میں ہے ان کا حال دو وجہ سے خالی نہیں جن کے لئے کوئی تیسری وجہ نہیں ہے۔

یا تو وہ زندہ جن میں سے دو جن تھے جیسا کہ ہمیں خالد بن ابی عمران وغیرہ سے روایت پہنچی ہے۔ اس وقت ان دونوں کا مقام جو فضا وخلا میں ہوگا اور یہ "**من الشیا طین** " سے "بدل" ہوگا۔ گویا اسطرح فرمایا" **لکن الشیاطین کفر وا ھاروت وماروت** " (لیکن شیطانوں نے ہاروت و ماروت کا کفر کیا) اور وقف اس قول پر ہوگا "**ماانزل علی الملکین ببابل** " اور یہیں پر کلام تمام ہو جائے گا۔

یا وہ دونوں فرشتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر شریعت حقہ نازل کی ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا ہو پھر وہ کفر بن گئی ہو۔ جیسا کہ اس نے شریعت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ کیا۔ شیاطین اسی شریعت کی تعلیم پر قائم ہوں جو اب کفر ہو چکی تھی گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا" **ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحروما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت** " (لیکن شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اور وہ بابل میں دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر نہیں نازل کیا گیا تھا) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ بیان کیا ہے جو یہ دونوں فرشتے کیا کرتے تھے "**وما یعلمان من احد حتی یقولا انما نحن فتنة فلا تکفر . فیتعلمون منهما مایفرقون به بین المرأوزوجه . وما هم بضارین به من احدالا باذن الله . ویتعلمون ما یضرهم ولا ینفعهم . ولقد علموالمن اشتراه ماله فی الاخرة من خلاق** " (اور وہ کسی کو تعلیم نہ دیتے تھے تاوقتیکہ یہ نہ کہدیں کہ ہم تو محض فتنہ ہیں تو کفر نہ کر۔ مگر لوگ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے میاں اور بیوی کے درمیان میں تفریق کر دیں۔ اور یہ لوگ اس کے ذریعے سے بھی بغیر اللہ کی اجازت کے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اور وہ چیز سیکھتے تھے جو ان کے لئے مضر ہو اور مفید نہ ہو۔ اور وہ لوگ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خریدا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں)۔

دونوں فرشتوں کا یہ کہنا کہ ہم فتنہ ہیں تو کفر نہ کر۔ قول صحیح ہے اور نہی عن المنکر ہے۔ لیکن فتنہ۔ تو کبھی گمراہی ہوتی ہے اور کبھی ہدایت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ " **اتھلکنا بما فعل السفھا ء منا ، ان ھی الافتنتک . تضل بھا من تشاء و تھدی من تشاء** " (کیا ہمارے کمینوں کے کرتوت پر تو ہمیں ہلاک کر دے گا یہ محض تیرا فتنہ ہے

کہ اس کے ذریعے سے تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ اور ثابت ہو گیا کہ وہ فتنے سے جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور فرمایا ہے " **انما اموالکم واولادکم فتنة** " (تمھارے اموال واولاد تو فتنہ ہی ہیں)۔ حالانکہ ہر شخص اپنے مال واولاد سے گمراہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی مال واولاد تھی۔ اور اسی طرح بہت سے رسولوں کے لئے اور فرمایا ہے " **وما جعلنا اصحاب النار الا ملئكة وما جعلنا عدتهم الا فتنه للذين كفروا . ليستيقن الذين اوتوا الكتاب ويزداد الذين آمنوا ايمانا** " (اور ہم نے ملائکہ ہی کو دوزخ کا منتظم بنایا ہے اور ہم نے ان کی تعداد کو محض فتنہ بنایا ہے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے کفر کیا، تاکہ اہل کتاب یقین کریں۔ اور اہل ایمان کے ایمان میں ترقی ہو)۔ اور فرمایا ہے " **وان لو استقاموا علی الطريقة لا سقينا هم ماء غدقا لنفتنهم فيه** " (اور یہ کہ اگر یہ لوگ خاص طریقے پر ثابت قدم رہتے تو ہم ضرور ان کو بافراط شیریں پانی سے سیراب کرتے تاکہ ہم اس میں انھیں فتنے میں ڈالیں)۔ یہ پانی کی سیرابی جو استقامت و ثابت قدمی کی جزا ہے اللہ تعالیٰ نے اسکا نام بھی فتنہ رکھا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ فتنہ خیر وہدایت بھی ہوتا ہے اور گمراہی وکفر بھی۔ مذکورہ بالا دونوں فرشتے بھی اسی طرح فتنہ تھے کہ جو ان کے اس حکم کی پیروی کرتا تھا کہ کفر نہ کرنا وہ ہدایت پاتا تھا اور جو اس میں ان کی نافرمانی کرتا تھا وہ گمراہ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ " لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دیں " حق ہے۔ اس لئے کہ رسولوں کی پیروی کا یہی حال ہوتا ہے کہ شوہر ایمان لاتا ہے اور اس کا ایمان اس کے اور اس کی اس بیوی کے درمیان تفریق کر دیتا ہے جو ایمان نہ لائی ہو۔ زوجہ ایمان لاتی ہے۔ اور اس کا ایمان اس کے اور اس کے اس شوہر کے درمیان دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور ولایت میں بھی تفریق کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتا اللہ تعالیٰ نے شیاطین کی خبر کی طرف رجوع فرمایا کہ " وہ کسی کو بھی اس کے ذریعے سے بغیر اللہ کی اجازت کے ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے " یہ حق ہے۔ اس لئے کہ شیاطین اس شریعت کی تعلیم دینے میں جسے اللہ تعالیٰ نے منسوخ و باطل کر دیا تھا اسی کو ضرر پہنچاتے تھے جس کے ضرر پہنچانے کی اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی تھی۔ اسی طرح آخر آیت تک۔ اللہ تعالیٰ نے ہرگز نہیں فرمایا کہ ہاروت و ماروت نے سحر وکفر کی تعلیم دی۔ یا ان دونوں نے نافرمانی کی۔ یہ سب محض خرافات وموضوعات میں بیان کیا گیا ہے جو ازروئے سند صحیح نہیں۔ اس کے باوجود بھی ان کی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں پر موقوف ہیں جو آپ کے نیچے ہیں۔ لہذا ان سے استدلال ساقط ہو گیا۔ اور وہی ثابت ہو گیا جو ہم نے کہا۔ **الحمد لله رب العلمين.**

یہ تفسیر اخیر نص آیت ہے جس میں نہ کسی تاویل کا تکلف ہے نہ تقدیم وتاخیر کا۔ نہ آیت میں یا آیت سے زیادت ونقص کا۔ بلکہ یہی آیت کا ظاہر ہے۔ اور یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی حق ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

اگر کہا جائے کہ یہ ترجمہ یا تفسیر اخیر کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ ملائکہ کو اور شیاطین کو سوائے نبی کے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تو پھر ملائکہ نے کیونکر انسانوں کو تعلیم دی۔ یا جن نے کیونکر انسانوں کو تعلیم دی۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ ملائکہ تو خاص طور پر صرف انبیاء کے پاس بھیجے جاتے ہیں اور انھیں کفر سے منع کر دیتے ہیں جیسا کہ نص قرآن میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کفر سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالکر اور باطل کو مزین وآراستہ کر کے لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں یا انسان کی شکل بدل لیتے ہیں جس طرح غزوہ بدر کے روز وہ سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہے’’ **واذزین لھم الشیطان اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم فلما تراء ت الفئتان نکص علی عقبیه وقال انی بری منکم انی اری مالا ترون انی اخاف الله** ‘‘ (اور جبکہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آرستہ بنا دیا تھا اور کہا کہ آج کوئی آدمی تمھارے لئے غالب آنیوالا نہیں۔ اور میں تمھارا ساتھی ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ پچھلے پیروں پلٹ گیا اور کہا کہ میں تم لوگوں سے بری ہوں میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

حورعین :

یہ بزرگ عورتیں ہیں کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے پیدا کی گئی۔ عاقلہ اور صاحب تمیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہیں جنت ہی میں پیدا کی گئی ہیں اور ہمیشہ بیحد زمانے کے لئے اسی میں رہیں گی۔ ہرگز نافرمانی نہیں کرتیں۔ جنت میں جب اہل جنت ہمیشہ کے لئے داخل کئے جائیں گے تو وہ معصیت کا مقام نہ ہوگی۔ اسی طرح اہل جنت بھی قطعاً اس میں نافرمانی نہ کریں گے۔ بلکہ وہ نعمت میں وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وذکر میں اور کھانے پینے اور لباس و جماع کی لذت میں ہوں گے۔ اس میں اہل اسلام کے دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں۔ اور اسی کو قرآن لایا ہے۔ **والحمدلله رب العلمین**۔

غلمان :

’’**وِلدان مخلّدین** ‘‘(وہ بچے جو ہمیشہ رہیں گے) جو انسانوں کی وہ اولاد ہیں جو بلوغ سے پہلے مر گئے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کرے گا جن سے جنت کو بھرے گا۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ عبادت و طاعت کرنے والے ہوں گے یا شروع ہی سے جنت میں پیدا کر دیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرے اور اختیار کرے اور لوگوں کو کوئی اختیار نہیں۔

جنّ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین اسلام کے ساتھ قوم جنّ کی طرف بھی بھیجا گیا ہے۔ اس میں امت میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ جو ان کے کافر ہوں گے وہ ہمارے کافر کے ساتھ دوزخ میں ہوں گے اور جو ان کے مومن ہوں گے انکے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ ان کے لئے کوئی ثواب نہ ہوگا۔ ابن ابی لیلی اور ابو یوسف اور اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ یہ جنت میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی وجہ سے ہم بھی اسی کے قائل ہیں’’ **اعدت للمتقین** ‘‘(کہ وہ متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے جو اس نے جنوں میں سے کسی کہنے والے کی تصدیق کے طور پر فرمایا ہے۔’’ **انا لما سمعنا الھدی امنا به** ‘‘(جب ہم نے ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لائے)۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کے قول کی حکایت بیان فرمائی ہے " **قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فامنابه** " (آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ جن کی ایک جماعت نے سنا تو کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کی ہدایت کرتا ہے پھر ہم اس پر ایمان لائے) اور اس قول کی وجہ سے کہ’’ **ان الذین آمنوا و عملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریة. جزاؤھم عندر بھم جنت عدن تجری من تحتھا الا نھار**

خالدين فيها ابدا . رضي الله عنهم ورضوا عنه ذلک لمن خشي ربه " (بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے یہاں عدن کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہوں گے، یہ انعام اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے)۔ یہ وہ صفت ہے کہ جن وانس دونوں کو عام ہے یہ ناجائز ہے کہ اس میں دونوعوں میں سے ایک کو خاص کر دیا جائے۔ اس کا فاعل اللہ پر اس چیز کا کہنے والا ہو جائے جس کا اسے علم نہیں۔ یہ حرام ہے اور محال و ممتنع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک خبر عام کی خبر دے اور اس کی مراد اس میں سے صرف بعض ہوں۔ پھر وہ اس کو ہم سے بیان بھی نہ کرے۔ حالانکہ یہ اس بیان کی ضد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنے ذمے لیا ہے۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ ایمان لائے۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ بھی انھیں مومنین میں سے ہوں جو جنت میں داخل ہوں گے۔

جن بھی عبادت گزار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے چھ امور میں انبیا پر فضیلت دی گئی ہے، ان میں آپ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ مجھے اسود واحمر (سیاہ و سرخ) کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور آپ کے قبل جو انبیاء ہوئے وہ صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ اور آپ نے اس پر بھی تصریح فرمائی کہ آپ کو جن کی طرف بھی مبعوث کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

" قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فآمنابه . ولن نشرک بربنا احدا . وانه تعالیٰ جدربنا مااتخذ صاحبة ولا ولدا . وانه کان یقول سفیهنا علی الله شططاوانا ظننا ان لن تقول الا نس والجن علی الله کذبا . وانه کا ن رجال من الا نس یعوذون برجال من الجن فزا دوهم رهقا . وانهم ظنوا کماظننتم ان لن یبعث الله احدا وانا لمسنا السماء فوجدنها ملئت حرساشد یداوشهبا . وانا کنا نقعدمنها مقاعد للسمع . فمن یستمع آلان یجدله شها بارصدا . وانا لاندری اشرارید بمن فی الا رض أم ار اد بهم ربهم رشدا . وانا مناالصلحون ومنا دون ذلک کنا طرائق قددا . وانا ظننا ان لن نعجز الله فی الارض ولن نعجزه هربا . وانا لما سمعنا الهدیٰ امنا به فمن یومن بربه فلا یخاف بخسا ولا رهقا . وانا منا المسلمون ومنا القاسطون . فمن اسلم فأولئک تحروا رشدا . واما القا سطون فکا نوالجهنم حطبا "

(آپ کہیے کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جن میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کی ہدایت کرتا ہے پھر ہم اس پر ایمان لائے۔ اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہمارے رب کی شان بہت بلند و برتر ہے اس نے بیوی اور بیٹا نہیں اختیار کیا، اور ہمارے نادان لوگ اللہ تعالیٰ پر حد سے زائد بڑھی ہوئی باتیں کہا کرتے تھے۔ اور ہم خیال کرتے تھے نہ جن و انس ہرگز اللہ پر جھوٹ نہ بولیں گے، اور انسانوں کے کچھ لوگ جنوں کے آدمیوں کی پناہ مانگا کرتے تھے پھر انھوں نے ان جنوں کی بددماغی بڑھادی اور تمھاری طرح ان کا بھی خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔ اور ہم نے آسمان کی جانچ کی تو ہم نے اس کو سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا پایا۔ اور ہم آسمان کے سننے کے مقامات پر بیٹھا کرتے تھے۔ مگر اب جو سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک شعلہ تیار پاتا ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ اہل زمین کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے انکی ہدایت کا ارادہ کیا ہے اور ہم میں بعض نیک ہیں اور بعض اس کے سوا ہیں اور ہم مختلف طریقوں پر تھے۔ اور ہمارا خیال تھا کہ ہم زمین میں ہرگز اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ہم ہرگز اسے بھاگ کر عاجز نہیں کر سکتے۔ اور ہم نے جب ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لائے۔ اور جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے کمی وبیشی کا خوف نہ ہوگا۔ اور ہم

میں بعض مسلمان ہیں اور بعض کوتاہی کرنیوالے پھر جو اسلام لے آیا اس نے نیکی کی راہ تلاش کر لی۔ لیکن جو کوتاہی کرنے والے ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں)۔

جبکہ معاملہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو ہرگز کبھی کوئی انسان نبی جن کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث نہیں کیا گیا اس لئے کہ جن قوم انس میں سے نہیں ہیں۔ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ انھیں بھی عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ان کے پاس جو انبیاء آئے وہ انھیں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"**یا معشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم**" (اے گروہ جن وانس کیا تمھارے پاس تمھیں میں سے رسول نہیں آئے)۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزو رابع

کیا انبیاء علیہم السلام معصیت کرتے ہیں؟

لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا انبیا علیہ السلام معصیت و نافرمانی کرتے ہیں یا نہیں؟

(۱) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول سوائے تبلیغ میں جھوٹ نہ بولنے کے بقیہ تمام صغائر و کبائر میں عمداً۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ قول مرجیہ میں سے کرامیہ کا اور اشعریہ میں سے ابن الطیب الباقلانی اور اس کے متبعین کا ہے۔ اور یہی قول یہود و نصاریٰ کا ہے۔ میں نے بعض کرامیہ کے متعلق یہ بھی بیان کرتے کسی کو سنا ہے کہ وہ لوگ تبلیغ میں جھوٹ بولنے کو بھی رسولوں کے لئے جائز تجویز کرتے ہیں۔ لیکن یہ باقلانی تو ہم نے اسکے ایک شاگرد ابوجعفر السمنانی قاضی موصل کی کتاب میں دیکھا ہے کہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر گناہ خواہ خفی ہو یا جلی وہ رسولوں سے ممکن ہے سوائے کذب تبلیغ کے۔ اور انکا کافر ہونا بھی ممکن ہے۔ جب نبی علیہ السلام کو ایک شے سے منع کیا گیا اس کے بعد انھوں نے اس شے کو کیا تو یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ نہی و ممانعت منسوخ ہوگئی۔ اس لئے کہ کبھی اسے اللہ تعالیٰ کا عاصی و نافرمانی کرنا ہے۔ اور اس کے ساتھیوں کو اس کا حق نہیں ہوتا کہ وہ اس کے اس فعل پر اعتراض کریں۔ اس نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے شخص ہو سکتے ہیں جو آپ کی بعثت سے اور وفات تک کے حالات میں آپ سے افضل ہوں۔

یہ سب خالص کفر اور محض شرک اور اسلام سے ردت اور دوستی کو ختم کرنے والا اور اس مذہب والے کے خون اور مال کو حلال کرنیوالا ہے اور اس کا موجب ہے کہ دنیا میں بھی اس سے علیحدگی و بیزاری اختیار کی جائے اور اس روز بھی جس روز شاہد قائم ہوں گے (یعنی قیامت)

(۲) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کے رسولوں سے کسی کبیرہ گناہ کا صادر ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ ان سے صغائر کا عمداً صادر ہونا ممکن ہے یہ ابن فورک الاشعری کا قول ہے۔ اہل اسلام میں سے سب اہل سنت و معتزلہ و نجاریہ و خوارج و شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی نبی سے قطعاً عمداً کسی معصیت کا صادر (ہونا) خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ناممکن ہے۔ یہی قول ابن مجاہد الاشعری کا ہے جو مذکورہ بالا ابن خورک و باقلانی کے استاد تھے۔

یہ قول جس کو ہم اللہ تعالیٰ کا دین مانتے ہیں کسی کو اس کے خلاف عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ انبیاء سے بغیر قصد کے سہو واقع ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی واقع ہوتا ہے کہ وہ ایک شے کا قصد کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی و تقریب کا ارادہ کرتے ہیں مگر وہ اتفاق سے اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو ان دونوں وجوہ پر قطعاً باقی نہیں رکھتا اور انھیں اس سے آگاہ

کر دیتا ہے اور اس کے دوبارہ ان سے صادر ہونے کا موقع نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بندوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے اور ان کے لئے خوب واضح کر دیتا ہے جیسا کہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سلام وقیام کے بارے میں کیا۔ کبھی اس کے بارے میں کلام میں ان پر عتاب کرتا ہے جیسا کہ اس نے نبی علیہ السلام کے ساتھ ام المومنین زینب اور زید کے انھیں طلاق دینے کے معاملے میں کیا (رضی اللہ عنہما) اور ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے قصے میں کیا۔ کبھی ناگوار چیز سے دنیا میں عوض دیدیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے آدم ویونس علیہما السلام کو مصیبت پہنچائی۔ اس معاملے میں انبیاء علیہم السلام ہم سے مختلف ہیں کیونکہ ہم لوگوں سے جس امر میں سہو ہو جائے اس میں ہم سے مواخذہ نہیں ہے اور نہ اس امر میں ہم سے مواخذہ ہے کہ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کریں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مراد تک نہ پہنچے۔ بلکہ ہمیں اس صورت میں ایک اجر بھی ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے شیطان کے مقابلے میں آپ کی مدد کی ہے تو وہ اسلام لے آیا۔ اور اب وہ آپ کو صرف خیر ہی کا مشورہ دیتا ہے۔

ملائکہ :

ان تمام امور (صغیرہ کبیرہ۔ سہو ونسیان وخطا) سے بری ہیں اس لئے کہ وہ خالص نور سے پیدا کئے گئے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں ہے۔ اور نور خیر محض ہے جس میں ذرا سی بھی کدورت نہیں۔ حضرت عائشہ رضی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے اور جن آگ کے شعلے سے اور آدم اس سے جسے بیان کیا گیا ہے (یعنی گارے سے)۔

پہلے گروہ نے قرآن کی چند آیات واحادیث واردہ سے استدلال کیا ہے ہم انشاءاللہ ان کا ذکر کریں گے اور براہین ضروریہ واضحہ سے ان میں ان کے غلط کو واضح کریں گے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

آدم علیہ السلام کے متعلق کلام

ان لوگوں نے جن امور سے استدلال کیا ہے ان میں یہ آیت ہے ''**وعصی آدم ربه فغوی**'' (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گئے) اور یہ آیت ہے ''**ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظلمين**'' (اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا تاکہ ظالم نہ جاؤ)۔ آدم اس کے نزدیک گئے اور ظالم ہو گئے اور نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے اور فرمایا ہے ''**فتاب علیه**'' (پھر اللہ نے ان سے رجوع کر لیا) جس سے رجوع کیا جاتا ہے وہ شخص وہی ہوتا ہے جو گناہ کرے اور فرمایا ہے ''**فازلهما الشيطان**'' (پھر شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا) شیطان کا پھسلا دینا معصیت ہے۔ اور ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے ''**فلما آتاهما صالحا جعلا له شركاء فيما آتاهما**'' (پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں یعنی والدین کو پسندیدہ وصالح عطا کر دیا تو ان دونوں نے اس چیز میں اس کے لئے شرکا تجویز کئے جو اس نے ان دونوں کو عطا کیا تھا) ان لوگوں نے جو کچھ آدم علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا ہے سب یہی ہے۔

یہ سب ان کے دعویٰ وگمان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''**وعصی آدم ربه فغوی**'' (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے) تو ہمیں معلوم ہے کہ حاکم کے حکم کی ہر مخالفت کی صورت معصیت ونافرمانی کی صورت ہوتی ہے اور اسی لئے اس کا نام معصیت وغوایت ہوتا ہے۔

بعض معصیت قصد و یاد سے ہوتی ہے اور درحقیقت معصیت یہی ہے۔ اس لئے کہ اس کے فاعل کا معصیت کا قصد ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ معصیت ہے اور یہی وہ معصیت ہے جس سے ہم انبیاء علیہم السلام کو پاک سمجھتے ہیں۔

بعض معصیت وہ ہوتی ہے جو ماموربہ کے خلاف قصد کرنے کیلئے ہوتی ہے اور وہ اس میں خیر کی تاویل کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا ہے کہ وہ اس سے عاصی ہو جائے گا بلکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہے یا یہ اس کے لئے مباح ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ تایل کرتا ہے کہ اس پر جو امر وارد ہے وہ نہ ایجاب (واجب کرنے) کے معنی میں ہے نہ تحریم (حرام کرنے) کے معنی میں۔ بلکہ وہ اگر بصیغہ امر ہے تو مستحب کے معنی میں ہے اور اگر بلفظ نہی ہے تو مکروہ کے معنی میں ہے، یہ وہ شے ہے جس میں علما و فقہا و افاضل بکثرت مبتلا ہیں۔ یہی وہ شے ہے جو انبیاء علیہم السلام سے بھی واقع ہوتی ہے اور جب ان سے واقع ہوتی ہے تو ان سے اس کا مواخذہ کیا جاتا ہے۔ آدم نے اسی طریقے پر درخت میں سے کھایا۔ **فتکونا من الظلمین** " (پھر تم دونوں ظالم ہو جاؤ گے) کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے لئے ظالم ہو جاؤ گے۔ ظلم کے معنی لغت میں کسی شے کا اس کے غیر مقام میں رکھ دینے کے ہیں، جس نے امر یا نہی کو مقام مستحب و مکروہ میں رکھ دیا تو اس نے شے کو اس کے غیر مقام میں رکھ دیا۔ یہ ظلم جو اس نوع کا ظلم ہے بغیر قصد کے واقع ہوتا ہے اور یہ معصیت نہیں ہے۔ نہ کہ وہ ظلم جو معصیت کا قصد ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ معصیت ہے۔ برہان وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت سے اسی وقت کھایا جب ابلیس نے ان سے قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو اس درخت کے کھانے سے منع کیا ہے وہ بطور تحریم کے نہیں ہے اور یہ اس کی وجہ سے کسی سزا کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ جزائے خیر اور دوامی کامیابی کے مستحق ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے قول کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے" **قال لهما مانهما كمار بكماعن هذه الشجرة الا ان تكونا ملكين اوتكونا من الخالدين . وقاسمهما انى لكما لمن النا صحين . فدلا هما بغرور**" (ابلیس نے آدم وحواء سے کہا کہ تم کو تمھارے رب نے اس درخت سے محض اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ اور ان دونوں سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ پھر اس نے ان دونوں کو دھوکے میں ڈال دیا)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **ولقد عهد ناالى آدم من قبل فنسى و لم نجد له عزما** " (اور ہم نے پہلے سے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے۔ اور ہم نے ان کا عزم و ارادہ نہیں پایا)۔

جب آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے ابلیس کے بارے میں لیا تھا کہ وہ ان کا دشمن ہے تو انھوں نے اس کی قسم کی وجہ سے اس کے ساتھ حسن ظن قائم کر لیا۔

قصد معصیت سے سلامت رہنا اور بری ہونا اور گناہوں پر جرات و دلیری سے دور رہنا اس کے حال سے بڑھکر نہیں ہے جو کسی شخص کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹی قسم نہیں کھاتا۔ آدم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا بنص قرآن انھوں نے جو اس درخت سے کھایا جس کو اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کر دیا تھا تو محض بھولکر اور تاویل کر کے اور خیر کا ارادہ کر کے کھایا ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے یہ اندازہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔ اور وہ فرشتہ مقرب یا جس نعمت میں ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو جائیں گے۔ اس خیال نے انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت تک پہنچا دیا۔ حالانکہ ان پر واجب یہ تھا کہ وہ اپنے رب کے حکم کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے لیکن انھوں نے تاویل کی اور خیر کا ارادہ کیا مگر خیر تک دسترس نہ ہو سکی۔ اگر یہی فعل علمائے مسلمین میں سے کوئی کرتا تو اسے ضرور اجر ملتا۔ لیکن جب آدم علیہ السلام سے اس کا وقوع ہوا اور اس کے باعث وسعت آباد بہشت سے تنگنائی زمین پر لائے گئے تو اس کی وجہ سے وہ خود اپنی ہی ذات پر ظالم بن گئے۔ اللہ تعالیٰ

نے خطا سے قتل کرنیوالے کا نام بھی قاتل ہی رکھا ہے جیسا کہ اس نے عمداً قتل کرنے والے کا نام قات رکھا ہے۔ قتل خطا کرنے والے نے کسی معصیت کا ارادہ نہیں کیا۔ خطا میں یہ کفارہ مقررہ کر دیا۔ کہ غلام آزاد کرے اور جسے یہ ممکن نہ ہو پے در پے دو مہینے تک روزے رکھے۔ اس نے کسی گناہ کا قصد نہیں کیا۔

آدمؑ کی تکفیر :

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "**لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین .فلما آتا ھما صالحا جعلا لہ شر کا ء فیما آتاھما**" (اگر تو ہمیں صالح عطا کر دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ پھر جب اس نے ان دونوں والدین) کو صالح عطا کر دیا تو ان دونوں نے اسی میں اس کے شریک بنائے جو اس نے انھیں عطا کیا تھا) یہ تو آدم علیہ اسلام کی تکفیر ہے اور جو آدم علیہ السلام کی طرف کفر و شرک منسوب کرے یہ اس کا خالص کفر ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ اور ہم تو اس پر اعتراض کرتے ہیں جو مسلمانوں کے گناہ گاروں، محصول لینے والوں قتل کرنے والوں، بدمعاشوں اور فاسقوں کی تکفیر کرتا ہے۔ بھلا اس کا کیا ٹھکانا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تکفیر کرے۔

عبدالحارث کی کہانی :

یہ وہی ہے جو آدم علیہ السلام کی طرف لوگوں نے منسوب کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا جو محض بیہودہ، موضوع، غلط اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی بات ہے جن کے پاس نہ دین ہے نہ حیا اور نہ اس کی سند قطعاً صحیح ہے۔

آدم سے کچھ علاقہ نہیں :

یہ آیت صرف مشرکین کے بارے میں ہے جیسا کہ ظاہر آیت سے واضح ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا کہ یہ آدم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے تو بھی اس میں مخالف کے لئے کوئی دلیل نہ ہوتی۔ اس لئے کہ یہ شرک اور شرکاء جن کا آیت میں ذکر ہے اس وقت اس شرک کے مغایر ہوتا جو کفر ہے۔ معنی یہ ہوتے کہ ان دونوں نے اپنے توکل کے ساتھ اس کی حفاظت کو شریک کیا۔ ایسے ہی جیسے یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا کہ "**یابنی لا تدخلوا من باب واحد واد خلوا من ابوابْ متفر قة وما اغنی عنکم من اللہ من شیٔ ان الحکم الا للہ علیہ تو کلت وعلیہ فلیتو کل المتو کلو ن . ولما دخلوا من حیث امر ھم ابو ھم ما کان یغنی عنھم من اللہ من شی الا حا جة فی نفس یعقوب قضا ھا وانہ لذو علم لما علمنا ہ ولکن اکثر الناس لایعلمون**" (اے میرے بیٹو۔ تم ایک دروازے سے نہ داخل ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز سے تمھیں بے نیاز نہیں کر سکتا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور بس اسی پر سب کو بھروسہ کرنا چاہیے اور جب یہ لوگ اس طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے والد نے انہیں حکم دیا تھا۔ وہ اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو ان لوگوں سے ٹال نہ سکتے تھے سوائے اس کے کہ یعقوب کے جی کا ایک ارمان تھا جسے انھوں نے پورا کر لیا۔ اور بیشک وہ صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے انھیں علم دیا تھا۔ لیکن اکثر لوگ صاحب علم نہیں ہوتے)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ یعقوب علیہ السلام نے انھیں محض ان پر شفقت کے طور پر یہ حکم دیا تھا کہ وہ متفرق دروازوں سے مصر میں داخل ہوں۔ یہ حکم یا تو نظر لگنے کے خیال سے تھا یا دشمن کے روک ٹوک سے بچنے کے لئے تھا۔ یا انکے متفق ہو جانے کے شک سے تھا۔ یا اور کسی ایسے سبب سے تھا جس کا آں جناب علیہ السلام کو اندیشہ تھا۔ حضرت اس کے معترف تھے کہ ان کا یہ فعل اور انکا ان

لوگوں کو اس امر کا حکم دینا اللہ تعالیٰ کے ارادے کو جو اس نے ان کے ساتھ کیا ہو ٹال نہیں سکتا۔ لیکن طبیعت بشریہ یعقوب علیہ السلام اور تمام انبیاء میں جاری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا قول بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ" **ان نحن الا بشر مثلکم** "(ہم لوگ تو محض تمھارے ہی طرح بشر ہیں) اس نے انھیں قدرے غور وفکر پر آمادہ کیا جو نفس کی حاجت وخواہش کی اور نفس کے اصرار و نزاع کی اور اس کے محبوب کی سلامت کی رغبت کی تخفیف کرنے والی ہے۔ اگر چہ یہ امر کسی چیز سے بے نیاز نہیں کرتا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فال نیک کو پسند فرماتے تھے۔ اس بنا پر معنی شرک وشرکاء کے یہی ہوئے کہ وہ حفاظت اور تعویذ بنے یا اور اسی قسم کا خیال۔ چہ جائیکہ آیت ہی صرف کفار کے بارے میں ہو اور اس کا کوئی تعلق آدم علیہ السلام سے نہ ہو۔

نوح علیہ السلام

ان لوگوں نے نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ آیت بیان کی ہے۔"**فلا تسالن مالیس لک به علم انی اعظک ان تکون من الجاهلین** "(مجھ سے وہ چیز نہ مانگو جس کا تمھیں علم نہیں۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہل نہ بنو)۔

اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدے میں کہ وہ انھیں اور ان کے اہل کو نجات دیگا۔ تاویل کی اور ظاہری قرابت کی بنا پر یہ گمان کیا کہ ان کا بیٹا بھی ان کے اہل میں ہے۔ یہ وہ امر ہے جو اور کوئی کرتا تو اسے ثواب ہوتا۔ نوح علیہ السلام نے ان کی رہائی کی درخواست نہیں کی جن کے متعلق انھیں یقین تھا کہ وہ ان کے اہل میں سے نہیں ہے اسی پر یہ نہی وارد ہوئی کہ وہ جاہل نہ بنیں۔ نوح علیہ السلام اس سے نادم ہوئے اور باز آگئے یہاں معصیت کا ارادہ ہرگز نہیں ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

ابراہیم علیہ السلام

دروغ گوئی :

ان لوگوں نے وہ روایات بیان کی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام تین بار جھوٹ بولے۔ ستاروں میں نظر کر کے فرمایا کہ میں بیمار ہونیوالا ہوں۔ ستاروں اور شمس وقمر کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ میرے رب ہیں۔ اپنی زوجہ سارہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ میری بہن ہیں۔ جب بتوں کو توڑ ڈالا تو یہ فرمایا کہ ان کے بڑے بت نے انھیں توڑا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ سے مردے زندہ کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ایمان نہیں رکھتے تو عرض کیا کیوں نہیں رکھتا۔ لیکن یہ درخواست محض اس لئے ہے کہ میرے قلب کو اطمینان ہو جائے۔

یہ سب جیسا کہ انھوں نے گمان کیا ہے ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہماری ہی دلیل وحجت ہے۔ **والحمد لله رب العلمین** ۔

دروغ کا اَحیانی فروغ :

آنحضرت علیہ السلام کی یہ حدیث کہ حضرت ابراہیم نے تین جھوٹ بولے۔ تو ہر جھوٹ معصیت نہیں۔ بلکہ بعض جھوٹ تو طاعت و

فرض واجب ہوتا ہے کہ جو اسے ترک کرے گا گنہگار ہو گا۔ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کذاب (جھوٹا) نہیں ہے جو لوگوں میں صلح کرانا چاہے۔ اور خیر کو منسوب کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں شوہر کے کذب کو جائز فرمایا ہے جن میں وہ اپنی زوجہ کی محبت کا طالب ہو اسی طرح جنگ میں کذب روا ہے۔ اہل اسلام کا اجماع ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ سنا کہ ایک مظلوم پر بادشاہ نے ظلم کیا ہے اور تلاش کر رہا ہے کہ ناحق قتل کر کے اس کا مال غصب کر لے۔ یہ مظلوم اس شخص کے پاس چھپ گیا۔ اور اس نے سنا کہ بادشاہ اس مظلوم کو اس ارادے سے تلاش کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اس شخص سے مظلوم اور اس کے مقام کو دریافت کیا۔ اس نے جو کچھ سنا اگر اسے چھپایا اور اس کی خبر سننے سے انکار کیا۔ حالانکہ یہ اس اور اس کے مال کا ٹھکانا جانتا ہے تو یہ محسن اور نیکوکار اور مستحق ثواب اور اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے اگر سچ بولا اور جو کچھ اس کے متعلق سنا وہ بھی اور اس کے مال کا اور اس کا ٹھکانا بتا دیا تو یہ فاسق ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا عاصی و گناہگار اور مرتکب کبیرہ اور قابل مذمت اور چغل خور ہو گا۔ خوف کے وقت بھی اظہار کفر میں کذب کو مباح کیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے جو یہ جھوٹ روایت کئے گئے ہیں تو یہ قابل ستائش صفت میں داخل ہیں نہ کہ اس کذب میں جس سے منع کیا گیا ہے۔

بیوی کو بہن کہنا :

سارہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ یہ میری بہن ہیں تو آپ نے سچ فرمایا۔ وہ دو وجہ سے آپ کی بہن تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**انما المومنون اخوة**" (مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کے پیام نکاح پر پیام نکاح نہ دے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کی قوم کی تھیں اور آپ کی دعوت و رسالت کے قبول کرنے والوں میں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**والی مدین اخاهم شعيبا**" (اور ہم نے شعیب کو ان کے بھائیوں کے پاس مدین بھیجا)۔ جو شخص اس کو ابراہیم علیہ السلام کا کذب مذموم شمار کرے تو وہ اسے اپنے رب کا بھی کذب شمار کرے۔ اور یہ خالص کفر ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام سارہ کو اپنی بہن کہنے میں سچے ہیں۔

تاثیرات نجوم :

معترض کا یہ کہنا کہ آپ نے ستاروں میں نظر ڈالی اور یہ فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ تو یہ بھی کذب نہیں۔ اور ہم ستاروں کے صحت و مرض کے اور بعض حوادث عالم کے دلائل ہونے کے منکر نہیں ہیں۔ جس طرح برق دریا میں جوش آنے پر دلالت کرتی ہے۔ رعد یعنی بادل کی گرج کماۃ کے پیدا ہونے پر دلالت کرتی ہے جس طرح مد و جزر کا پیدا ہونا (سمندر کا چڑھنا اترنا) طلوع و غروب قمر پر اور اس کے ارتفاع و امتلا و نقص پر دلالت کرتا ہے قابل اعتراض اس شخص کا قول ہے جو یہ کہے کہ ستارے ہی اس کے فاعل و مدبر ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ یا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کام میں شریک ہیں جو ان کا قائل ہو یہ اس کا کفر ہے۔ آنجناب علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ بلکہ یہ فعل بڑے بت نے کیا ہے تو یہ محض ان لوگوں کی سرزنش و ملامت کے طور پر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہے کہ (اہل جہنم سے کہا جائے گا) "**ذق انک انت العزيز الكريم**" (نوش فرمایئے آپ تو بڑے معزز و مکرم ہیں) حالانکہ درحقیقت وہ شخص قابل توہین، ذلیل، کمینہ اور دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہو گا۔ دونوں قول اس شخص کی سرزنش و ملامت کے لئے ہیں جس سے وہ کہے جائیں۔ یہ ان لوگوں کے گمان کے خلاف ہے کہ خیر و شر بت کرتے ہیں۔ مبتلائے عذاب کے اس خیال کے خلاف ہے جو وہ دنیا میں اپنے دل میں سمجھتا تھا کہ وہ معزز و مکرم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طور پر نہیں فرمایا کہ وہ اسے صحیح جان کر فرما رہے ہیں اور اسے ثابت کر رہے ہیں کہ بڑے بت نے یہ فعل کیا ہے کہ وہ کذب ہوتا۔ یہ تو محض

ایک شے کے متعلق جس طور پر وہ ہے اس کے خلاف خبر دینا ہے جس سے اس شے کی تحقیق کا قصد ہے۔

ربوبیت شمس وقمر :

چاند سورج کو دیکھکر یہ فرمانا کہ یہ میرا رب ہے۔ تو ایک جماعت نے تو یہ کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے غار سے نکلتے ہی اسے بطور تحقیق فرمایا۔ یہ محض خرافات۔ موضوع۔ جھوٹ اور صاف بہتان ہے۔ محال وممتنع ہے کہ جو شخص تمیز اور اس قسم کے کلام کی حد تک پہنچ جائے اس نے کبھی سورج اور چاند اور ستاروں کو نہ دیکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط گمان کو اپنے اس قول صادق سے جھوٹا بنایا ہے ''**ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنابہ عالمین** ''(اور ہم نے ابراہیم کو پہلے سے رشد وتمیز عطا کر دیا تھا اور ہمیں انکے متعلق علم تھا)۔ یہ محال ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے رشد وتمیز عطا کر دے۔ اس کی عقل میں یہ آئے کہ ستارے اس کے رب ہیں یا آفتاب اس کا رب ہے اس لیے کہ اس کا جسم چاند سے بڑا ہے۔ یہ گمان تو محض وہی کرے گا جس کی عقل میں جنون پیدا ہو گیا ہو۔ جس کی عقل صحیح ہوگی وہ تو یہی سمجھے گا کہ آپ نے محض اپنی قوم کو سرزنش وملامت کے لئے یہ فرمایا جس طرح آپ نے بڑے بت کے متعلق فرمایا تھا۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وہ لوگ صابئین کے دین پر تھے جو ستارہ پرستی کرتے تھے۔ اپنی عبادتگاہوں میں بتوں کو ستاروں کی صورت پر بناتے تھے۔ انھیں کے نام پر ان کا نام رکھتے تھے۔ ان کی عیدیں کرتے تھے۔ ان کے لئے جانور ذبح کرتے تھے۔ چڑھاوے چڑھاتے۔ قربانیاں کرتے اور دھونی دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ سمجھتے ہیں۔ تدبیر کرتے ہیں اور نفع ونقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ستارے کے لئے ایک محدود شریعت قائم کرتے تھے۔ خلیل (اللہ) علیہ السلام نے اس پر انھیں توبیخ وملامت کی۔ تمسخر کیا۔ اور انھیں آفتاب کا جسم بڑا ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کا مشورہ دینے لگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون** ''(آج (قیامت میں) مومنین کفار سے ہنسی کریں گے) حضرت خلیل نے ستاروں کی تعظیم میں جو اجسام جمادیہ اور تابع ہیں جو ان کی عقول کی کمزوری تھی وہ انھیں دکھا دی۔ واضح کر دیا کہ وہ غلطی پر ہیں، یہ ستارے غروب ہونے والے اور مختلف مقامات میں منتقل ہونے والے ہیں۔ معاذ اللہ حضرت خلیل ایسے کیوں ہوتے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے یا فلک کے اور اس کے اندر کی تمام اشیا کے مخلوق ہونے میں شک کرتے۔

برہان یہ ہے کہ جو کچھ انھوں نے بیان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر ان پر نہ عتاب فرمایا اور نہ سختی فرمائی۔ بلکہ اپنے کلام میں ان کی تصدیق فرمائی ''**وتلک حجتنا آتینا ھا ابراھیم علی قومہ نرفع درجات من نشاء** ''(اور یہ ہماری حجت ودلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں)۔ ثابت ہو گیا کہ یہ واقعات اس کے خلاف ہیں جو حضرت آدم وغیرہ سے سرزد ہوئے۔ انھوں نے ان امور کے متعلق جو کچھ کہا اور کیا وہ سب اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق ہوا۔

کیفیت احیائے اموات :

آپ کا یہ کہنا کہ اے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ'' کیا تم ایمان نہیں رکھتے'' انھوں نے عرض کیا کہ'' کیوں نہیں رکھتا۔ عرض اس لئے ہے کہ میرے دل کو اطمینان ہو'' ہمارے رب نے اس کی تقریر اس طرح نہیں فرمائی کہ اسے اپنے بندہ وخلیل ورسول ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا ثابت کرنا مقصود ہے۔ اگرچہ انھوں نے مردے زندہ کرنے کی کیفیت نہیں دیکھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے متعلق خبر دی کہ وہ مومن ومصدق ہیں۔ ان کا مقصد صرف زندہ کرے کی کیفیت کا دیکھنا اور اس سے عبرت حاصل کرنا ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردے زندہ کرنے میں ہرگز شک نہیں کیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زندہ کرنے کی ہیئت کو دیکھیں۔

مثلاً جس طرح ہمیں ہاتھی۔ مگر مچھ۔ چاند گرہن۔ نہر زبیدہ اور خلیفہ کے وجود میں شک نہیں۔ اس کے بعد بھی ہم میں سے جس نے ان امور کو نہیں دیکھا وہ ان کے دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ حالانکہ اسے انکے وجود میں شک نہیں ہوتا۔ کہ وہ اس عجیب چیز کی شکل دیکھے جس پر کبھی اس کی نگاہ نہیں پڑی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو یہ روایت کی گئی ہے کہ ہم ابراہیمؑ سے زیادہ شک کے مستحق ہیں۔ تو جو یہ گمان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنے پروردگار کے مردے زندہ کرنے کی قدرت میں شک کیا تو اس نے کفر کیا۔ یہی حدیث ہماری حجت ہے جس سے ابراہیم علیہ السلام کا کلام بطور شک ہوتا تو جس شخص نے اس قدرت کا مشاہدہ نہیں کیا جس کا ابراہیم نے کیا تھا تو وہ شک کا زیادہ مستحق ہوتا جب وہ شخص جس نے اس قدرت کا مشاہدہ نہیں کیا جس کا ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ شک کرنے والا نہیں ہے تو ابراہیم علیہ السلام بھی شک سے دور ہیں۔

اس مقام پر جو شخص خلیل علیہ السلام کی طرف شک منسوب کرے تو اس نے ان کی طرف کفر کو منسوب کیا۔ جس نے کسی نبی کی طرف کفر کو منسوب کیا تو اس نے کفر کیا۔ اگر یہ ابراہیم علیہ السلام کا شک ہوتا تو ہم لوگ تو آپ سے زیادہ شک کے مستحق تھے۔ اس وقت ہم لوگ شک کرنے والے۔ منکر۔ اور کافر ہوتے۔ یہ وہ کلام ہے کہ الحمدللہ ہم اپنے متعلق اس کے بطلان کو جانتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے ہم لوگ مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کی ہر شے پر قدرت کی کہ جسے سائل دریافت کرے تصدیق کرنے والے ہیں۔

کافر کے لئے استغفار :

ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کا قول اپنے والد کے بارے میں اور ان کے لئے ان کی استغفار کو بیان کیا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت کو اس سے منع نہیں کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلما تبین له انه عدو لله تبرا منه " (پھر جب انہیں واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو گئے) اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدح کی ثابت ہو گیا کہ ابراہیم کا استغفار کرنا اپنے والد کے لئے اس کی مدت حیات میں اس کے ایمان کی امید پر تھا۔ جب وہ کافر مر گیا۔ تو اس سے بری ہو گئے اور اس کے بعد اس کے لئے استغفار سے قطعاً باز رہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کلام تمام ہوا۔

لوط علیہ السلام

دیوار کی پناہ سے خدا کی پناہ :

ان لوگوں نے لوط علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کلام بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "لو ان لی بکم قوة او آوی الی رکن شدید " (اے کاش مجھے تم لوگوں پر قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط دیوار کی پناہ لیتا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحمت کرے جو مضبوط دیوار کی پناہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوط علیہ السلام پر اعتراض ہے۔

دعوة الی البنات :

یہ قول بھی ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "هولاء بناتی هن اطهر لکم " (یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمھارے

لئے نہایت پاکیزہ ہیں)۔

اس میں بھی ان لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں۔ لوط علیہ السلام کا فرمانا کہ اے کاش مجھے تم لوگوں پر قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط دیوار کی پناہ لے لیتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخالف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ لوط پر رحمت کرے کہ وہ مضبوط دیوار کی پناہ لیا کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے دونوں قول حق و متفق علیہ ہیں۔ اس لئے کہ لوط علیہ السلام نے ایسی فوری قوت جو قرابت داری اور کنبے سے یا مومنین کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے مراد لی ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنی قوم کو ان بدکاریوں سے روک سکیں جن میں وہ مبتلا تھے۔ لوط علیہ السلام اس سے ناواقف نہ تھے کہ وہ اپنے رب کی پناہ لے سکتے ہیں جو سب سے زبردست قوت والا اور سب سے مضبوط دیوار والا ہے۔ لوط علیہ السلام نے جو لوگوں کی قوت طلب کی اس سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض** '' (اگر اللہ تعالیٰ کا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے دفع کرنا نہ ہوتا تو تمام زمین میں فساد برپا ہو جاتا) یہی قوت جو لوط علیہ السلام نے طلب کی یہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین سے طلب کی تھی کہ آپ اپنے رب کے کلام کی تبلیغ کر سکیں۔ لوط علیہ السلام پر اس امر کی وجہ سے کیسے اعتراض کیا جا سکتا ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو برا نہیں جانا۔ آپ نے یہی خبر دی کہ لوط علیہ السلام مضبوط دیوار کی پناہ لیا کرتے تھے جو بذریعہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی نصرت و مدد تھی لوطؑ کو اس کا علم نہ ہوتا تھا جس کا یہ اعتقاد ہو کہ لوط علیہ السلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکن شدید اور مضبوط دیوار نہیں ہے۔ تو وہ خود کافر ہے کیونکہ اس نے اس کفر کو ایک نبی کی طرف منسوب کیا۔ یہ بھی ایک بیہودہ گمان ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ جس شخص کو اس کا رب معجزات دکھائے اور وہ شخص ہمیشہ اسی کی طرف دعوت دیتا ہو اور وہ اپنے رب کے ساتھ یہ گمان رکھے۔

تزویج مراد تھی :

لوط علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ یہ میری بیٹیاں زیادہ پاکیزہ ہیں۔ اس سے ان کا مطلب نکاح کر دینے کا اور محل مباح میں جماع کرنے کا ہے۔ لہذا جو ہم نے کہا وہ ثابت ہو گیا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ وہ جس منکر و فعل بد سے انھیں منع کریں اسی کی انھیں دعوت دیں۔ لوط علیہ السلام کے بارے میں کلام ختم ہوا۔

برادران یوسف علیہ السلام

ان لوگوں نے برادران یوسف علیہم السلام کے فعل سے اور ان کے اپنے بھائی کے فروخت کرنے سے اور ان کے اپنے والد سے جھوٹ بولنے سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام انبیاء نہ تھے :

اس بارے میں کہ یہ لوگ انبیاء تھے۔ نہ کوئی نص قرآن ہے۔ نہ حدیث۔ نہ اجماع۔ نہ کسی صحابی کا قول۔ یوسف علیہ السلام بیشک بنص قرآن اللہ کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **و لقد جاء کم یوسف من قبل بالبینت فما زلتم فی شک مما جاء کم به . حتی اذاھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا''** (اور اس کے قبل یوسف علیہ السلام تم لوگوں کے پاس معجزات لیکر

آ چکے ہیں۔ وہ جو کچھ لائے تھے تم لوگ برابر اس میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب انکی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ ہرگز کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے افعال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کبائر سے بچتے نہ تھے تو پھر وہ انبیا کیسے ہو سکتے ہیں۔ دونوں رسولوں نے یعنی انکے باپ اور بھائی نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی تھی اور ان سے ملامت ترک کردی تھی۔

جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ لوگ انبیاء تھے اور ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ جھوٹ ہے، برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے جو اس نے ان کے بھائی (یوسف) علیہ السلام کے قول کی حکایت کے طور پر بیان کیا ہے کہ انھوں نے ان لوگوں سے فرمایا کہ ''انتم شر مکانا'' (تم لوگ بدترین درجے کے ہو)۔ یہ جائز نہیں کہ وہ اسے انبیاء میں سے کسی نبی سے کہتے۔ نہ صالحین کی جماعت سے یہ کہنا جائز ہے۔ کیونکہ انبیاء کی توقیر وتعظیم تمام انسانوں پر فرض ہے اور اس لئے کہ صالحین بھی بدترین درجے کے لوگ نہیں ہوتے۔ حضرت نوح کے بیٹے نے اپنے والد کی جتنی نافرمانی کی وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو برادران یوسف نے اپنے والد کی نافرمانی کی۔ مگر برادران یوسف نے کفر نہیں کیا۔ کسی مسلم کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو انبیا میں داخل کرے جس کی صحت نبوت کے متعلق کوئی نص یا اجماع یا جماعت عامہ کی روایت نہ ہو۔ جس کی نبوت ثابت نہ وہ اس کی نبوت کی تصدیق میں اور جس کی نبوت ثابت ہو اس کی نبوت کی تکذیب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر یہ لوگ اس بارے میں وہ روایت بیان کریں جو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات محض اس لئے ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہونیوالا نہ تھا اور انبیاء کے بیٹے بھی انبیا ہوتے ہیں۔ تو یہ شدید غفلت اور عالم کی زلت ولغزش ہے۔ جس کے چند وجوہ ہیں۔

اولاً۔ یہ وہ دعویٰ ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔

دوم۔ اگر ایسا ہوتا جو انھوں نے بیان کیا تو ضرور یہ ممکن تھا کہ ابراہیم بھی گہوارے ہی میں نبی بنا دیے جاتے۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی بنا دیئے گئے۔ اور جیسا کہ حضرت یحییٰ کو طفلی ہی میں حکم عطا کر دیا گیا۔ اس قول کی بنا پر تو ممکن ہے کہ ابراہیم نبی ہی ہوں۔ اور وہ دو ماہ کم دو برس زندہ رہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

سوم۔ فرزند نوح کافر تھا۔ قرآن میں تصریح ہے کہ اس کے عمل صالح نہ تھے۔ اگر انبیاء کے بیٹے انبیا ہی ہوتے تو یہ کافر بھی جس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ تھا نبی ہوتا۔ **معاذ اللہ منها**۔

چہارم۔ اگر ایسا ہوتا تو لامحالہ یہ لازم آتا کہ آج تک کے تمام یہود انبیاء ہوں۔ بلکہ روئے زمین کے تمام انسان انبیاء ہوں۔ اس لئے کہ ان سب کے باپ نبی تھے۔ اور آدم کی اولاد کی اولاد بھی انبیاء ہوں اس لئے کہ ان لوگوں کے باپ انبیا تھے اور یہ لوگ انبیاء کی اولاد ہیں اور اسی طرح ہمیشہ ہو۔ یہاں تک کہ معاملہ ہم تک پہنچ جائے گا۔ اس میں وہ کفر ہے جس پر حجت و دلیل قائم ہے۔ اور اس پر وہ چیز ثابت ہوتی ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ازالۂ اشتباہ :

جو جاہل ہے شاید دو مرتبہ وہ ہمارے متعلق یہ کہے کہ یہ برادران یوسفؑ کی نبوت کے تو منکر ہیں اور مجوس کے نبی کی اور والدۂ موسیٰ اور والدۂ عیسیٰ والدۂ اسحاق علیہم السلام کی نبوت کو ثابت کرتے ہیں۔ بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں اور اسی کا دامن پکڑتے ہیں کہ ہم اسکی نبوت کا اقرار

نہیں کرتے جس کی نبوت کی اللہ تعالیٰ نے خبر نہ دی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی نبوت پر تصریح نہ فرمائی ہو اور جماعت عامہ نے جماعت عامہ سے علی الاتصال جس کے معجزات نبوت ہے ہم سے نقل نہ کئے ہوں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوا ہو۔ اس لئے کہ جس کی یہ صفت ہو اس کی نبوت کی تصدیق کرنا اللہ تعالیٰ پر افتراء و بہتان ہے جس پر کوئی مسلم پیشقدمی نہیں کرسکتا ہم اس شخص کی نبوت کا انکار نہیں کرتے جس کے متعلق قرآن میں آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نبی بنایا۔

والدات موسیٰ وعیسیٰ واسحاق کی نبوت :(علیہم السلام)

والدہ موسیٰ وعیسیٰ واسحاق علیہم السلام کے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ ان میں بعض سے تو بذریعہ وحی خطاب کیا گیا اور بعض کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والی بات کی پہلے سے خبر دے دی گئی۔ یہی نبوت ہے جس کے سوا نبوت اور کوئی چیز نہیں۔ لہذا ان بیویوں کی نبوت نص قرآن سے ثابت ہوگئی۔

نبی مجوس :

یہ تو ثابت ہے کہ مجوسی بھی اہل کتاب ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جزیہ لیا ہے اللہ تعالیٰ نے سوائے اہل کتاب کے آپ کو اور کسی سے جزیہ لینے کی اجازت نہیں دی۔ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ منسوب کرے کہ آپ نے غیر اہل کتاب سے جزیہ لیا تو اس نے یہ منسوب کر دیا کہ آپ نے اپنے رب کی مخالفت کی۔ اور ایسے بڑے کام کی طرف پیشقدمی فرمائی جس سے مومنین کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم اس یقین پر ہیں کہ وہ لوگ اہل کتاب ہیں لہذا یہ تو قطعاً ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب غیر نبی پر نازل ہوئی ہو کہ وہ اس کتاب کی تبلیغ کرے۔ لہذا برہان ضروری سے ثابت ہوگیا کہ ان لوگوں کے لئے بھی یقیناً کوئی نبی مرسل تھا اور اسکے باوجود بھی اس رسول سے بڑی بڑی عام جماعتوں نے معجزات انبیاء نقل کئے ہیں۔

جو چیز جماعت عامہ اس شرط پر بیان کرے کہ اس چیز پر انکا متفق ہونا ممکن نہ ہو تو اس نقل و بیان کا قبول کرنا واجب ہے، اس میں کوئی فرق نہیں جو امور کفار کی جماعتیں نقل کریں جو مسلمین کی جماعتیں نقل کریں جن کا ان کے حواس نے مشاہدہ کیا ہے۔

جو یہ کہے کہ ہم تو صرف اسی کی تصدیق کریں گے جن کو مسلمین کی جماعتیں نقل کریں۔ تو ہم اس سے دریافت کریں گے کہ اس کے نزدیک بادشاہان روم کی موت کیسے صحیح ہے جن کے پاس ایک بھی مسلم موجود نہ تھا۔ اس کو صرف یہود نے نصاری سے نقل کیا ہے۔ اس قسم کے واقعات بہت ہیں۔ اگر وہ اس کی تکذیب کرے گا تو خود اپنے آپ کو اور اپنی عقل کو مغالطہ دے گا اور اپنے حواس کی مخالفت کرے گا۔

ہمیں معلوم ہے کہ مسلمین بھی جماعت عامہ کی نقل و روایت کو انکے ہاتھوں میں جو دین ہے اس کی صحت کی تحقیق کو ثابت مانتے ہیں۔ ہم نے جماعت عامہ کے نقل کرنے سے مسلمین کا ہدایت پر ہونا معلوم کیا۔ ہم اسلام کے سبب سے جماعت عامہ کی نقل و روایت کی صحت کو نہیں جانتے بلکہ یہ تو دلیل واضطرار عقل سے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگلوں نے لکھا ہے۔ اور فرمایا ہے ’’**ورسلا قد قصصنا هم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك**‘‘ (اور اے نبی ہم نے کچھ رسولوں کے حالات آپ سے بیان کئے ہیں اور کچھ رسولوں کے حالات آپ سے بیان نہیں کئے ہیں)۔ اور یہی کافی ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

* * *

یوسف علیہ السلام

ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائی کو پکڑ لینا اوراس کی وجہ سے اپنے والد علیہ السلام کو پریشانی و وحشت میں ڈالنا بھی بیان کیا ہے، کہ وہ ایک ایسی مدت تک مقیم رہے جس میں انھیں اس کی قدرت تھی کہ وہ اپنے والد کو اپنی خبر سے آگاہ کردیتے۔ جانتے تھے کہ ان کے والد کو ان کا کس قدر شدید صدمہ ہے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ ان کے اور ان کے درمیان صرف دس رات کے سفر کی مسافت تھی۔ انھوں نے بادشاہ کا پیمانہ اپنے بھائی کے بیگ میں رکھوا دیا اور ان کے دوسرے بھائیوں کو اس کا علم نہیں ہوا کسی کو حکم دیا کہ وہ یہ پکارے کہ اے قافلے والو تم لوگ چور ہو۔ حالانکہ ان لوگوں نے کچھ بھی نہیں چرایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ''**ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه** ''(اور بیشک زلیخا ان کے ساتھ ارادہ کر چکی تھیں۔ اور اگر یوسف اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو یہ بھی ضرور ان کے ساتھ ارادہ کر لیتے)۔

انھوں نے فرعون کی خدمت کی۔ اور جو شخص قید خانہ میں ان کیساتھ تھا اس سے کہا کہ اپنے رب کے یہاں ہمارا ذکر کرنا۔

ان تمام امور میں سے کسی میں بھی ان کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں۔ ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے بیان کرتے ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی ہماری مدد کرتا ہے۔

بھائی کو روک لینا :

یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائی کو پکڑ لینا اور اسکے سبب سے اپنے والد کو پریشانی میں ڈالنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ محض اس لئے تھا کہ اپنے بھائی کے ساتھ مہربانی کریں اور تاکہ ان کے بھائی ان کے پاس واپس آئیں۔ اور شاید یہ لوگ اگر برادر یوسف کو لے جاتے تو دوبارہ یوسفؑ کے پاس نہ آتے۔ یہ ایک دوسری سلطنت میں رہتے تھے جہاں یوسف علیہ السلام کی اور بادشاہ مصر کی حکومت نہ تھی۔ غرض یہ تھی کہ یہ طریقہ حضرت یوسفؑ کے اور ان سب کے اکٹھا ہونے کا سبب بنے۔

جس کو علم و معرفت تاویل دی گئی ہے اسے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے بہترین وجوہ کے کوئی اور گمان کرے۔ اور ہمارے مخالف کے پاس ہمارے مذکورہ بالا بیان کے خلاف کوئی نص نہیں ہے۔ کسی بزرگ مسلمان کے متعلق اپنے والد کی نافرمانی کا گمان کرنا جائز نہیں۔ بھلا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

دلیل بے خبری :

یہ گمان کہ حضرت یوسفؑ اتنی مدت تک مقیم رہے جس میں انھیں اپنے والد کو اپنی خبر سے آگاہ کرنے کا پورا موقع تھا۔ اور انھوں نے یہ نہیں کیا۔ تو یہ اس گمان کرنے والے کا شدید جہل ہے۔ اس لئے کہ حضرت یعقوب شہر کنعان میں تھے جو فلسطین کا علاقہ تھا اور ایک ایسی قوم میں رہتے تھے جو کجاوہ بنانے والوں اور جھونپڑیوں میں رہنے والوں کی تھی۔ جہاں کی زبان بھی دوسری تھی۔ حکومت بھی دوسری تھی دین بھی دوسرا تھا۔ اور قوم و امت بھی دوسری تھی۔ جس طرح اس زمانے میں ہمارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو ہمارے مضافات

میں نصاری کے شہروں میں رہتے ہیں۔ مثلا فالیش وغیرہ یا مثلا صحرائے بربر۔

یوسف علیہ السلام کو اپنے والد سے جدا ہونے کے بعد اس کا علم نہ تھا کہ ان کے والد کیا ہوئے۔ نہ یہ معلوم تھا کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔ زائد سے زائد انھیں اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بھائیوں کو ان کے اس برتاؤ سے آگاہ کرے گا جو انھوں نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت یوسف کو کوئی ایسا معتبر شخص نہ ملا جسے وہ مذکورہ بالا اختلاف کی وجہ سے والد کے پاس بھیجتے۔ وہی شخص اسے آسان سمجھتا ہے جو اس زمانے میں دیکھتا ہے کہ ملک شام و مصر ایک ہی امیر اور ایک ہی مذہب اور ایک ہی قوم وامت اور ایک ہی زبان رکھتا ہے۔ راستہ بھی ایسا ہے جس میں لوگ بکثرت چلتے ہیں۔ تجار کی آمد ورفت رہتی ہے اور ہمسفر جاتے آتے رہتے ہیں، اس زمانے میں حالت ایسی نہ تھی۔

دلیل یہ ہے کہ جیسے ہی امکان کی سبیل نظر آئی انھوں نے اس میں تاخیر نہیں کی۔ جس وقت لوگوں کو ان کی ضرورت ہوئی۔ اس قحط کی وجہ سے لوگ ان کے مطیع ہو گئے جو ملک میں پھیل گیا تھا اور ان کے پاس سے غلہ لیجاتے تھے تو انہوں نے اپنے والد کو اور اپنے تمام خاندان کو بلوالیا۔ وہ اپنے رب کے اس وعدے کے منتظر رہے جو اس وقت کیا تھا جب ان لوگوں نے انھیں کنویں میں ڈالا تھا۔ یہ لوگ حضرت یوسف کے پاس عاجزی ورغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے مطابق آئے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کے خواب میں ان لوگوں کے آنے سے پہلے کیا تھا۔ ہم نے بشاکس وافرنج کے اکثر رئیسوں کا مشاہدہ کیا ہے کہ اگر اسے اپنے والدین کے بلانے کی قدرت ہوئی تو اس نے اس میں سب سے زائد عجلت کی۔ لیکن جب انھیں کوئی ایسی دشواری پیش آگئی جو ممکن سے ممتنع کی طرف لے گئی تو باز رہے۔ یہی حالت یوسف علیہ السلام کی بھی تھی۔

پیمانے کی چوری :

یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں سے یہ فرمانا کہ بیشک تم لوگ چور ہو۔ حالانکہ انھوں نے پیمانہ نہیں چرایا تھا۔ بلکہ خود حضرت یوسفؑ ہی نے اسے ان لوگوں کو چھوڑ کے اپنے بھائی کے بیگ میں رکھوادیا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے سچ فرمایا اس لئے کہ ان لوگوں نے حضرت یوسف کو ان کے والد سے چرا کے فروخت کر ڈالا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگوں نے پیمانہ چرایا صرف یہی فرمایا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں ملتا۔ وہ یہ کہنے میں سچے تھے۔ اس لئے کہ وہ اس کے پانے والے نہ تھے۔ اور وہ پیمانہ ان کے پاس موجود نہ تھا۔ لہذا بلا شک وہ اس کے گم کرنیوالے اور نہ پانے والے تھے۔

خدمت فرعون :

حضرت یوسفؑ کا فرعون کی خدمت کرنا تو آپ نے محض خوف سے اس کی خدمت کی اور اس حق کے سبب سے کی جو اللہ تعالیٰ نے ان کی حسن تدبیر سے آزاد کرادیا۔ ممکن ہے کہ بادشاہ یا اس کے بعض خاص ارکان ان پر ایمان لے آئے ہوں۔ سوائے اس کے کہ آپ کا اس کی خدمت کرنا ہر حال میں بہتر اور فعل خیر اور باپ کے اکٹھا کرنے کا اور عدل وانصاف کا اور جانوں کی زندگی کا ذریعہ تھا۔ اس لئے کہ حضرت یوسف کو باہمی مقابلے میں اس پر غالب آنے کا امکان نہ تھا۔ اور نہ اس خدمت کے سوا اور کوئی چیز ممکن تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری شریعت کے برخلاف یہ ان کی شریعت میں مباح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا" (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کر دیا ہے)۔

سجدۂ والدین :

ان کے والدین کا سجدہ کرنا تو یہ بھی ان دونوں حضرات کی شریعت میں ممنوع نہ تھا۔ بلکہ یہ کار نیک تھا اور انکے سچے خواب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت کرنا تھا۔ شاید یہ سجدہ کرنا بطور تحیت وسلام کے ہو۔ جیسا کہ ملائکہ کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا۔ جس امر میں کوئی شک نہیں وہ یہ ہے کہ یہ عبادت وتذلل کا سجدہ نہ تھا اور بلا شک محض کرامت ومداراۃ کا سجدہ تھا۔

غیر رب سے توسل اور اس کو رب کہنا :

یوسف علیہ السلام کا اپنے قید خانے والے ہمراہی سے یہ فرمانا کہ اپنے رب کے یہاں میرا ذکر کرنا۔ تو ہمیں تو معلوم نہ ہوا کہ قید سے رہائی کی خواہش کرنا کسی پر بھی حرام ہے۔ آپ کے اس قول میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں غفلت کی۔ اپنے قید خانے والے ہمراہی کو ایک فعل خیر کی ترغیب دی اور اسے اس پر آمادہ کیا۔ یہ دو وجہ سے فرض تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اپنے سے ظلم کے روکنے کی سعی کرنا واجب ہے۔ دوم اس لئے کہ اسے خیر وحسنات کی دعوت دینا تھی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''**فانساه الشيطان عن ذكر ربه**'' (پھر شیطان نے اس قیدی کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا) تو وہ ضمیر جو ''انساہ'' میں ہے اور وہ ''ہ'' ہے وہ اس نوجوان کی طرف راجع ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ قید خانے میں تھا۔ یعنی شیطان نے اسے یہ بھلا دیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کے حال کا اپنے رب سے ذکر کرتا۔ اس کا احتمال بھی ہے کہ شیطان نے اسے اللہ کا ذکر بھلا دیا ہو۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا تو یوسف علیہ السلام کی حاجت بھی ضرور یاد کرتا۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**وادكر بعد امة**'' (اور اس نوجوان نے ایک زمانے کے بعد یاد کیا) لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو چیز ایک زمانے کے بعد یاد آئی وہ وہی چیز تھی جس کو اس کے رب سے ذکر کرنے کو شیطان نے بھلا دیا تھا یہاں تک کہ اس نے یاد کیا۔

اگر ''**انساه**'' کی ضمیر یوسف علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہو تو اس میں نہ کوئی نقص ہے نہ گناہ۔ اس لئے کہ جو نسیان سے ہوتا ہے وہ انبیاء سے بعید نہیں ہے۔

یوسف وزلیخا کے ارادے :

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''زلیخا نے یوسفؑ کے ساتھ ارادہ کر لیا تھا اور وہ بھی زلیخا کے ساتھ ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھتے''۔

ایسا نہیں ہے جیسا گہری نظر نہ ڈالنے والے نے گمان کیا ہے۔ یہاں تک کہ متاخرین میں سے ایک شخص نے کہہ دیا کہ وہ زلیخا کے اس مقام پر بیٹھ گئے جو مقام مرد کے عورت کے پاس بیٹھنے کا ہے۔ **معاذ الله**۔ یہ گمان تو مسلمانوں کے مرد صالح یا مستور الحال کے متعلق بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے کیا جا سکتا ہے۔

تحقیق اثر ابن عباسؓ :

اگر کہا جائے کہ اس کو تو نہایت صحیح اور عمدہ سند سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ سوائے اس کے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو اور کسی کے قول میں حجت نہیں اس روایت میں جو شخص ابن عباس سے نیچے ہے بلا شک اس کا وہم

ہے۔ شاید ابن عباسؓ نے بھی اس کا یقین نہ کیا ہو۔ کیونکہ انھوں نے بھی اسے اس شخص سے لیا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ وہ چیز ہے جس کو ابن عباس نے سن کر بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس واقع کے وقت موجود نہ تھے۔ انھوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان نہیں کیا ہے۔ یہ محال ہے کہ ابن عباس اس چیز کا یقین کر لیں جس کا انھیں علم نہ ہو۔

آیت کے معنی :

دو میں سے ایک وجہ سے آیت کے معنی تجاوز نہیں کر سکتے۔ یا تو انھوں نے زلیخا کے گرا دینے اور مارنے کا ارادہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**وھمت کل امت برسولھم لیا خذوہ**" (ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لیں) جس طرح کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ میں تمھارے ساتھ ارادہ کر چکا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وجہ سے اس سے باز رہے جو انھیں اللہ تعالیٰ نے دکھا دی تھی جس کے باعث وہ زلیخا کو مارنے سے بے نیاز ہو گئے۔ انھوں نے جان لیا کہ بھاگنا ان کے لئے زیادہ مناسب اور ان کی براءت کو زیادہ ظاہر کرنے والا ہے۔ جیسا کہ بعد کو شاہد کے قمیص پھٹنے کی حالت سے فیصلہ کرنے سے ظاہر ہوا۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ "**ولقد ھمت بہ**" پر کلام تام ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری خبر شروع کی اور فرمایا "**وھم بھا لو لا ان رای برھان ربہ**" (اور اگر یوسف برہان ربانی نہ دیکھتے تو وہ بھی زلیخا کے ساتھ ارادہ کر لیتے) یہ بلا تکلف تاویل ظاہر آیت ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "**ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب**" (یہ اس لئے ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں خیانت نہیں کی ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تو جبریل نے ان سے کہا کہ اپنے قصد اور ارادے کو یاد کرو یوسف نے کہا کہ "**وما ابرئ نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء**" (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔ کیونکہ نفس تو برائی ہی کا حکم دینے والا ہے)۔

اس حدیث میں کسی معنی کے طور پر بھی بدکاری کے قصد کا ثبوت نہیں ہے۔ اس میں یہ ہے کہ انھوں نے کسی امر کا قصد کیا تھا۔ اور یہ صحیح ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ لہذا یہ اعتراض بھی رد ہو گیا۔ اور وجہ اول وثانی دونوں ثابت ہو گئیں۔ سوائے اس کے کہ بدکاری کا قصد باطل ہے جو ہر حال میں قطعی ہے۔

یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قصد اپنے آقا اور سیدہ کا مارنا تھا۔ یہ بھی اپنے آقا و مولی کی خیانت تھی۔ کیونکہ اس کی بیوی کے مارنے کا قصد تھا۔ یہاں برہان رب نبوت اور اللہ تعالیٰ کا انھیں بچانا ہے۔ اگر یہ برہان نہ ہو تو وہ بھی ضرور بدکاری کا قصد کرتے۔ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ شاید جو شخص نبی مقدس یوسف کی طرف اسے منسوب کرتا ہے وہ آپنے رذیل نفس کو اس قسم کے مقام سے پاک بتائے اور ہلاک ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی ہلاکت کا اندیشہ کیا ہے جو آپ کی نسبت اس قسم کا گمان کرے۔ کیونکہ جب آپ کو دو انصاری ملے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ صفیہؓ ہیں۔

ارادۂ زنا :

یہ باطل و ممتنع ہے کہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ یوسف علیہ السلام نے زنا کا قصد کیا تھا۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنتا ہے کہ "**کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء**" (اسی طرح تاکہ ہم بدی و فحش کو یوسف سے دور رکھیں)۔ ہم اس سے دریافت

کرتے ہیں جو قصد زنا کے متعلق ہمارا مخالف ہے کہ یہ بدی ہے یا بدی نہیں ہے۔ بدی کہنا ضروری ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ بدی نہیں ہے تو وہ اجماع کا مخالف ہے۔ چونکہ یہ بدی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بدی کو دور رکھا تو اس نے یقیناً اس قصد کو دور رکھا۔

زلیخا نے کہا تھا کہ جو تیری بیوی کے ساتھ بدی کا ارادہ کرے اس کی کیا سزا ہے یوسف تے اس کا انکار کیا۔ پھر ایک سچے اور سچا بتانیوالے نے شہادت دی کہ اگر یوسف کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹی اور وہ سچے ہیں۔ لہذا نص قرآن سے ثابت ہوگیا کہ زلیخا جھوٹی تھیں۔ اور جب بنص قرآن وہ جھوٹی ہوئیں تو ہرگز یوسف نے ان کے ساتھ بدی کا ارادہ نہیں کیا۔ لہذا انھوں نے ہرگز زنا کا ارادہ نہیں کیا۔ اگر وہ زلیخا کیساتھ زنا کا ارادہ کرتے تو وہ سچی ہوتیں۔ یہ بہت ہی واضح ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کیطرف سے یہ فرمانا کہ انھوں نے کہا کہ ''**والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین . فاستجاب له ربه فصرف عنه کیدھن**'' (اور اگر تو ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور نہ کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں ہو جاؤں گا۔ پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان سے ان عورتوں کے مکر کو دور کر دیا) لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ کبھی زلیخا کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں کلام تمام ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ

فارغاً کے معنی :

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا قول بیان کیا ہے '' **واصبح فواد ام موسیٰ فارغا. ان کادت لتبدی به لولاان ربطنا علی قلبھا** '' (اور والدہ موسیٰ کا دل فارغ و بےفکر ہوگیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کو مطمئن نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ (مارے خوشی کے) اس کو ظاہر کر دیتیں۔ (کہ موسیٰ دریا میں غرق نہ ہوں گے بلکہ فرعون انھیں نکال کے ان کی پرورش کرے گا)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ موسیٰ کی فکر سے فارغ ہوگیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ موسیٰ کو ان کے پاس واپس کر دے گا۔ فرمایا تھا کہ ''**انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین** '' (بیشک ہم موسیٰ کو تمھارے پاس واپس کر دیں گے اور انھیں رسول بنائیں گے)۔ یہ محض باطل ہے کہ جس بیوی سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ان کے پاس واپس کر دینے کا ذمہ لیا ہو اس کے بعد وہ ان بیوی کے قلب کو موسیٰ کے حال کی فکر میں مشغول کرے۔ یہ بات تو کسی صاحب عقل کے گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی یہی ہیں کہ وہ خوشی کے مارے اسے ظاہر کر دیتیں جو اللہ نے اپنے فضل سے انھیں عطا فرمایا تھا۔ ان کی بہن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وہ کیفیت دکھائیں جو موسیٰ علیہ السلام کے اپنے دشمن فرعون کے ہاتھ لگنے کے بعد اس کے ہاتھوں سے ان کے رہا کرانے میں ظاہر ہوئی ہے۔ کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو جو اس نے موسیٰ کے ان کے پاس واپس کرنے کا کیا تھا۔ والدۂ موسیٰ نے موسیٰ کی بہن کو وحی کی وجہ سے بھیجا کہ وہ موسیٰ کو واپس لائیں۔

حضرت ہارونؑ پر غیظ وغضب :

ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کے اپنی طرف گھسیٹا تو ہارونؑ نے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑو۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اپنے بھائی کی داڑھی اور ان کے بال پکڑنا

معصیت ہے، حالانکہ وہ بھی انھیں کی طرح نبی تھے۔ عمر میں بھی ان سے بڑے تھے اور ان کی کوئی خطا بھی نہ تھی۔ یہ ایسا نہیں ہے جیسا ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ یہ دو وجوہ سے خارج نہیں۔

(۱) اولاً موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی کے سر کو پکڑنا اس لئے تھا کہ وہ ان کے چہرے کو اپنے سامنے کریں۔ اور ان پر عتاب کریں کیوں کہ لوگوں کو جب دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے جانے اور انھیں تلاش کرنے سے باز رہے۔ موسیٰ نے اپنے بھائی کے بال کبھی نہیں پکڑے کیوں کہ آیت میں یہ ہرگز نہیں ہے۔ جو آیت میں اس کا اضافہ کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا۔

ہارون علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بڑھتا ہی جاتا ہے تو انھیں موسیٰ علیہ السلام کی سبقت اور غلبے کا اندیشہ ہوا اور انھوں نے اس کلام کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو اس امر سے واقف کرنا چاہا جس کا انھیں موسیٰ سے خوف تھا (کہ وہ آکے یہ نہ کہیں کہ تم نے میرا انتظار کیوں نہ کیا اور بنی اسرائیل میں نااتفاقی پیدا کرادی) اس آیت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ہمارے بیان مذکورہ بالا کے خلاف ثابت ہوتا ہو۔ اور نہ موسیٰ نے کبھی اپنے بھائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

(۲) وجہ ثانی یہ ہے کہ جب ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے طور پر جا کے ملنے میں تاخیر کی جس کی وجہ سے وہ موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں قابل اعتراض تھے تو انھوں نے اعتراض کے طور پر ان کا سر پکڑا۔ اگر ایسا ہوا تو اس لئے ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنے رب کی ناراضی کی وجہ سے اور اس فعل سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کر کے کیا۔ ہم اس کو انبیا علیہم السلام سے بعید نہیں جانتے۔ ہم تو محض اس قصد معصیت کو بعید جانتے ہیں جس کو وہ حضرات جانتے ہوں کہ یہ معصیت ہے۔ یہ وہی معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ " **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** (اور اللہ کی وہ ذات ہے جس سے میں آرزو کرتا ہوں کہ وہ روز جزا میری خطاؤں کی مغفرت کر دے گا) اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''**غفر اللہ لک ماتقدم من ذنبک وماتاخر**'' (تاکہ آپ سے جو خطا پہلے یا بعد میں ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے) خطائے مذکور اور وہ گناہ جو معاف کر دیے گئے صرف وہی ہیں جو نسیان اور بھول سے واقع ہوئے یا اللہ تعالیٰ کی طرف ارادۂ خیر سے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے موافق نہ ہوئے۔

خضرؑ پر اعتراض قتل :

ان لوگوں سے موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت خضر سے کہا تھا اسے بیان کیا ہے ''**اقتلت نفس ذکیة بغیر نفس**'' (کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر جان کے قتل کر دیا) موسیٰ علیہ السلام نے ایک شے پر اعتراض کر دیا جسے وہ جانتے نہ تھے حالاں کہ خضرؑ ان سے عہد لے چکے تھے کہ کوئی بات نہ دریافت کریں گے تاوقتیکہ خضر خود ہی ان سے اس کا ذکر نہ کریں۔

اس واقعے میں بھی ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں ہے اس لیے کہ یہ بطور نسیان کے ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے خود ہی اپنے قول میں بیان کیا ہے کہ'' **لا تواخذنی بما نسیت ولا ترهقنی من امری عسرا** '' (جو میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے ساتھ تنگی و دشواری نہ برتیے) موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے یہ خواہش کی کہ وہ ان کے نسیان پر ان سے مواخذہ نہ کریں۔

خضرؑ کا نسیان پر موسیٰؑ سے مواخذہ کرنا ہمارے قول کی صحت کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے نسیان پر بھی مواخذہ کیا جاتا ہے اور اس پر بھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کا قصد کرتے ہیں مگر وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد تک نہیں پہنچتے۔ موسیٰؑ علیہ السلام نے ظاہر حال کی بنا پر گفتگو

فرمائی۔ انھوں نے یہ اندازہ کیا کہ لڑکا بے گناہ ہے کیوں کہ انھیں اس کے کسی گناہ کا علم نہ تھا۔ خضر کے پاس اس لڑکے کے کفر اور اس کے استحقاق قتل کا علم جلی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس معاملے میں اپنے کلام سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور رحمت کا اور اس امر پر اعتراض کا قصد کیا جس کی وجہ کا انھیں علم نہ تھا۔

ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ''**فعلتها و انا من الضالين**'' (میں نے اس کو کیا (یعنی ایک قبطی کو قتل کیا) اور میں گمراہوں میں تھا) یہ قول صحیح ہے ان کا یہ حال قبل نبوت کا ہے۔ کیوں کہ وہ ان امور سے گمراہ تھے جن کی انھیں بعد نبوت ہدایت کی گئی۔

ضلالت کس کو کہتے ہیں :

ضلال کے معنی علم سے غائب رہنا ہیں۔ جیسا کہ تم کہو کہ ''**اضللت بعیری**'' (میں نے اپنا اونٹ گمراہ کر دیا یعنی وہ میرے علم سے غائب ہے)۔ نہ کہ ضلال کے معنی گناہ کا قصد کرنا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے ''**ووجدک ضالا فهدی**'' (یعنی آپ کو ضال وناواقف پایا پھر آپ کو اس نے ہدایت کی) یعنی معرفت سے ضال وناواقف پایا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

خدا بینی کی خواہش :

ان لوگوں نے بنی اسرائیل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول بیان کیا ہے کہ ''**فقد سالوا موسیٰ اکبر من ذلک فقالوا ارنا الله جهرة فاخذتهم الصاعقة بظلمهم**'' (بنی اسرائیل نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑھ کر درخواست کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں کھلم کھلا اللہ کو دکھا دیجئے۔ پھر ان کے ظلم کی وجہ سے انھیں ایک کوندے نے گھیر لیا) موسیٰ نے بھی اپنے رب سے اسی قسم کا سوال کیا تھا کہ ''**رب ارنی انظر الیک . قال لن ترانی**'' (اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں، اللہ نے فرمایا کہ تم ہرگز مجھے نہ دیکھ سکو گے) موسیٰ نے بھی اس امر کی درخواست کی جس پر ان سے پہلے اسی امر کے خواستگاروں کو سزا دی جا چکی تھی۔

اس میں بھی ان کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی دو وجہ کی بنا پر خارج ہے۔ اولاً موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی دیدار الٰہی کی درخواست سے پہلے درخواست کی اور انھیں پہلے سے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی درخواست جائز نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے ایک بڑی فضیلت کی درخواست کی تھی جس سے وہ اپنے رب کے یہاں اپنے مرتبے کی بلندی کے خواہاں تھے۔

(۲) وجہ ثانی یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے تو طعن کے طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود میں شک کر کے اس کی درخواست کی تھی اور موسیٰ نے اس بہتر وجہ کی بنا پر درخواست کی تھی جس کو ہم نے ابھی بیان کیا۔

یونس علیہ السلام

ان لوگوں نے یونس علیہ السلام کا حال اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول بیان کیا ہے ''**وذاالنون اذذهب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیه فنادی فی الظلمت ان لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین**'' (اور مچھلی والے یعنی یونس کو یاد کرو جب کہ وہ ناخوش کر کے گئے اور انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۔ پھر انھوں نے مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں ندا دی کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بیشک میں ظالم تھا)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کیا ہے ''**فلو لا انه کان من المسبحین للبث**

فی بطنه الی یوم یبعثون ''(پھر اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے) اور اپنے نبی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول '' **فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت . اذنادی وھو مکظوم . لولا ان تدارکه نعمة من ربک لنبذبا لعراء وھو مذموم** '' (آپ اپنے رب کے حکم کی وجہ سے صبر کیجئے۔ اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جیے۔ جب کہ انھوں نے ندادی اور وہ تھکے ہوئے تھے اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ان کی دستگیری نہ کرتی تو وہ ایک ایسے میدان میں ڈال دیے جاتے جہاں پناہ کی کوئی جگہ نہ ہوتی اور اس وقت وہ قابل مذمت ہوتے)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''**فالتقمه الحوت و ھو ملیم** '' (پھر انھیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ قابل ملامت حالت میں تھے) ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناخوش کرنے سے بڑھ کر کونسا گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ مذمت کے مستحق تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ان کی دستگیری نہ کرتی۔ اور وہ ملامت کے مستحق تھے۔ انھوں نے خود اپنے متعلق اقرار کیا ہے کہ وہ ظالم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے مثل ہونے سے منع کیا ہے۔

ان تمام باتوں میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔ بلکہ وہ تو ہمارے ہی قول صحت کی اور ہماری حجت ہے۔

والحمد لله رب العلمین۔

یونسؑ کا غضب :

اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا کہ یونسؑ ناخوش کر کے گئے تو انھوں نے اپنے رب کو ہرگز ناخوش نہیں کیا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنے رب کو ناخوش کیا جو اس اضافے کو بڑھائے گا وہ اللہ پر بہتان باندھے گا اور اور قرآن میں وہ اضافہ کرے گا جو قرآن میں نہیں ہے۔ یہ حلال نہیں ہے جس کو ادنیٰ سی بھی عقل ہے اس کے متعلق یہ گمان کرنا جائز نہیں کہ وہ اپنے رب کو ناخوش کرے گا۔ چہ جائے کہ انبیاء میں سے کوئی نبی ایسا کرے۔ لہذا ہمیں یقیناً معلوم ہوگیا کہ انھوں نے اپنی قوم کو ناخوش کیا اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق نہ ہوئے اس لئے اس پر انھیں سزا دی گئی۔ اگر چہ اس سے یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کا قصد کیا تھا۔

کیا یہ بدگمانی نہیں کہ نبی پر خدا قدرت نہ پائے گا :

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ''**فظن ان لن نقدر علیه** '' (کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے)۔ تو جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے یہ وہ بے ہودہ گمان ہے جو کسی بوڑھیا بوڑھے کے ساتھ کرنا بھی جائز نہیں سوائے اس شخص کے جو انتہائی جہالت کو پہنچا ہوا ہو۔ بھلا یہ گمان ایسے نبی کے ساتھ کیسے جائز ہو سکتا ہے جو علم میں لوگوں پر فضیلت رکھتے ہوں۔ محال ہے کہ کوئی نبی ایسا ہو جو یہ گمان کرے کہ جس اللہ نے اسے اپنے دین کا رسول بنایا ہو وہ اس پر قادر نہ ہوگا۔ حالاں کہ وہ اپنے ہی جیسے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اس کو ایک نبی فاضل صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے اگر یہی چیز اس کی یا اس کے بیٹے کی طرف منسوب کی جائے تو وہ مارے غصے کے بھڑک اٹھے گا۔ پھر ایسی بات یونس علیہ السلام کی طرف کیسے منسوب کرتا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ''**لا تفضلو نی علی یونس بن متّٰی** '' (مجھے یونس بن متّٰی سے افضل نہ کہو)۔

اصل معنی کیا ہیں :

بیشک ان لوگوں کا گمان باطل ہوا اور ثابت ہوگیا کہ اس قول کے معنی'' **فظن ان لن نقدر علیه** '' یہ ہیں کہ ''**لن نضیق علیه**'' (یعنی انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**واذا ما ابتلاه فقدر علیه رزقه** '' (لیکن

جب انسان کی آزمائش کرتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے)"**فضیق علیه رزقه**"یونس علیہ السلام نے بھی یہ گمان کیا کہ ان کی اپنی قوم کے ناخوش کرنے پر اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہ کرے گا۔ کیوں کہ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ اپنے اس فعل میں نیکو کار و محسن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مچھلی والے کے مثل ہونے سے منع کیا تو آپ کو اپنی قوم کے ناخوش کرنے سے منع فرمایا اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرنے اور ان کے ساتھ مہربانی کرنے کا حکم دیا۔

استحقاق مذمت و ملامت :

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ مذمت و ملامت کے مستحق تھے اگر اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت نہ ہوتی جس سے اس نے ان کی دستگیری کی تو وہ سزا کی حالت میں مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر دنیا میں ان امور پر مواخذہ ہوتا ہے جن کو وہ خیر اور اللہ تعالیٰ کی قربت سمجھ کے کرتے ہیں مگر وہ ان کے رب کی مراد کے موافق نہیں ہوتے۔ اسی بنا پر یونسؑ نے اپنے متعلق اقرار کیا کہ وہ ظالم تھے ظلم کسی شے کا اس کے غیر مقام میں رکھنا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخوش کرنے کو اس کے غیر مقام میں رکھ دیا تو انھوں نے اس کے بارے میں ظلم کا اعتراف کیا۔ نہ کہ اس پر کہ انھوں نے ایک چیز کا یہ جان کر ارادہ کیا کہ وہ ظلم ہے۔ حضرت یونس کے بارے میں کلام ختم ہوا۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

داؤد علیہ السلام

لا یلزم الزام :

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا وہ قول بیان کیا ہے جو داؤد علیہ السلام کی حکایت کے طور پر ہے"۔ **وهل اتاک نبأ الخصم اذتسوروا المحراب اذدخلوا علی داؤد ففزع منهم قالوا لا تخف خصمٰن بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واهدنا الی سواء الصراط . ان هذا اخی له تسع وتسعون نعجة ولی نعجة واحدة : فقال اکفلنیها وعزنی فی الخطاب.قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الی نعاجه . وان کثیراً من الخلطاء لیبغی بعضهم علی بعض الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت وقلیل ماهم . وظن داؤد انما فتنة فا ستغفر ربه وخررا کعاوا اناب . فغفرناله ذلک وان له عندنا لزلفی وحسن مآب .** (اور کیا آپ کے پاس اہل مقدمہ کی خبر آئی ہے۔ جو دیوار پھاند کر محراب مسجد میں داخل ہوئے۔ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان لوگوں سے گھبرا گئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ خوف نہ کیجیے۔ ہم دونوں اہل مقدمہ ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا ہے لہذا ہم لوگوں کا فیصلہ حق کے ساتھ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے گا اور ہمیں راہ راست کی ہدایت فرمائیے۔ جو میرا بھائی ہے اس کی ننانوے بھیڑیں ہیں اور میری ایک ہی بھیڑ ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ایک بھی مجھ کو دے دو اور میرے ساتھ اس نے سخت کلامی کی۔ داؤد نے کہا کہ اس نے تمھاری ایک بھیڑ کو اپنی بھیڑوں میں ملانے کی درخواست سے تم پر ظلم کیا۔ اور اکثر شرکاء آپس میں ظلم کرتے ہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالحہ کیے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے۔ انھوں نے اپنے رب سے استغفار کی اور سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ تو ہم نے انھیں

معاف کر دیا۔ اور ہمارے یہاں ان کے لیے تقرب اور حسن خاتمہ ہے)۔

ہمسائی سے تعشق کی تحقیق :

اللہ کا قول صحیح وصادق ہے، اس میں کسی چیز پر دلالت نہیں جو تمسخر کرنے والوں جھوٹوں اور خرافات سے استدلال کرنے والوں نے کہا ہے جن کو یہود نے پیدا کیا ہے۔ حالاں کہ بلاشک یہ اہل مقدمہ بنی آدم ہی کی ایک قوم تھی آیت کی نص کے مطابق دو جھگڑنے والے تھے جو درحقیقت آپس میں بھیڑوں کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے۔ جن میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا تھا۔ اور جس نے یہ کہا کہ یہ لوگ ملائکہ تھے جو عورتوں کے معاملے سے ناپسندیدگی ظاہر کرتے تھے۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر ایسے قول کا افتراء کیا جو اس نے نہیں کہا۔ قرآن میں وہ چیز بڑھا دی جو اس میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی۔ اپنے نفس خبیث پر یہ مان لیا کہ ملائکہ جھوٹ بولے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”آیا آپ کے پاس اہل مقدمہ کی خبر آئی ہے“ تو یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ ہرگز دو جھگڑنے والے نہ تھے۔ نہ ان میں سے کسی نے کسی پر ظلم کیا تھا۔ نہ کبھی ان میں سے کسی ایک کی ننانوے بھیڑیں تھیں۔ اور نہ دوسرے کی ایک بھیڑ نہ اس نے اس سے یہ کہا کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو۔ اس سے تعجب کرنا چاہیے جس میں اہل باطل اپنے کو ڈالتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من الخذلان**۔ یہ سب بلا دلیل ہے۔ محض دعویٰ ہے۔ بخدا ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اور اپنے پوشیدہ ہمسائے کو اس سے بچاتا ہے کہ اپنے ہمسایے کی بیوی سے عشق کرے پھر اس کے شوہر کو عمداً قتل کے لیے پیش کرے کہ اس کی بیوی سے شادی کر لے۔ اس سے بھی بچاتا ہے کہ ایک پرندہ دیکھ کر اس کے لیے اپنی نماز ترک کر دے۔ یہ افعال تو بیوقوفوں اور بے پروا لوگوں فاسقوں اور سرکشوں کے ہیں نہ کہ اہل نیکی وتقویٰ کے افعال۔ بھلا اللہ کے رسول علیہ السلام سے یہ افعال کیسے سرزد ہو سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی وحی کی اور ان کی زبان پر اپنا کلام جاری کیا، بیشک اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنا پاک و صاف بنایا تھا کہ اس قسم کے فحش خیالات ان کے دل میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ ایسے افعال کی طرف کیسے منسوب ہو سکتے ہیں۔

استغفار و سجود :

داؤد کا استغفار کرنا اور سجدے میں گرنا اور اللہ تعالیٰ کا ان کی مغفرت کر دینا تو انبیاء علیہم السلام تو سب سے زیادہ ان بزرگ افعال کے مستحق ہیں۔ استغفار تو وہ فعل خیر ہے جو نہ کسی فرشتے سے غیر مانوس و قابل اعتراض ہے نہ کسی نبی سے نہ کسی گناہگار سے نہ بے گناہ سے۔ نبی اور ملائکہ تو اہل زمین کے گناہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”**ویستغفرون للذین آمنو اربنا وسعت کل شئی رحمة و علما فاغفر للذین تابو اوا اتبعو اسبیلک و قهم عذاب الجهیم**“ (اور ملائکہ مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت و علم ہر شے سے وسیع ہے تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی پیروی کی اور ان کو عذاب دوزخ سے بچا)۔

امتحان کا گمان :

اللہ تعالیٰ کا داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ فرمانا کہ داؤد نے یہ خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے“ اور یہ فرمانا کہ ”پھر ہم نے انھیں اس پر معاف کر دیا“ تو داؤد علیہ السلام نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو انھیں سلطنت عظیم کی وسعت عطا فرمائی ہے تو یہ فتنہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو اپنے دین پر قائم رکھے۔ حضرت داؤد جب اس گمان سے برسر استغفار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کو معاف کر دیا۔ کیوں کہ یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا تھا یہ فتنہ نہ تھا۔

سلیمان علیہ السلام

فتنہء سلیمانؑ :

سلیمان علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قول کا ذکر کیا ہے ’’**ولقد فتنّا سلیمان و القینا علیٰ کرسیّہ جسد اثم اناب** ‘‘(اور بیشک ہم نے سلیمان کو فتنے میں ڈالا تھا اور ان کی کرسی پر ایک بدن ڈال دیا۔ پھر انھوں نے رجوع کیا)۔

ان لوگوں کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں۔ کیونکہ ’’**فتنا سلیمان** ‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں سلطنت دی جس سے ہم نے ان کی طاعت کا اندازہ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ’’**ان ھی الا فتنتک تضل بھا من تشاء و تھدی من تشاء** ‘‘(یہ محض تیرا فتنہ ہے کہ اس سے جسے چاہتا ہے تو گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) بعض فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

فرمایا ہے ’’**الم . أحسب الناس ان یتر کو اان یقولو ا آمنا وھم لا یفتنون . ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا و لیعلمن الکذبین** ‘‘ (کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں ’’ہم مومن ہیں‘‘ کہنے سے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور وہ فتنہ و امتحان میں نہ ڈالے جائیں گے۔ اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو بھی فتنے میں ڈالا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ پس ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور ضرور بالضرور انھیں معلوم کرے گا جو کاذب ہیں)۔

فتنہ بمعنی اندازہ :

یہ فتنہ اندازہ کرنا ہے کہ ہدایت یافتہ و گمراہ ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی فتنہ سلیمان علیہ السلام کے لیے جو تھا تو یہ محض ان کا اندازہ کرنا اور معلوم کرنا تھا یہیں تک کہ ان کا فضل ظاہر ہو گیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ خرافات ہیں جن کو یہود کے بددینوں نے اور ان کے ہم جنسوں نے پیدا کیا ہے۔

کرسی پر جسم :

وہ جسد و بدن جو ان کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی اس سے جو بھی مراد ہو وہ صحیح و درست ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں وہ جیسا کچھ بھی ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ سب ہمارے رب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر کوئی نص صحیح اس جسد کی تفسیر کے بارے میں کہ یہ کیا تھا قرآن میں آئی ہوتی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوتی تو ہم اس کے قائل ہوتے۔ مگر چوں کہ اس کی تفسیر میں کہ یہ کیا تھا نہ کوئی نص ہے۔ نہ حدیث صحیح۔ لہذا کسی کے لیے بھی اس گمان سے کہنا جائز نہیں جو اس میں جھوٹی روایت ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے والا ہو جائے گا۔

’’جن‘‘ کی روایت جھوٹی ہے :

ہمیں اس شخص کے قول کے باطل ہونے میں مطلق شک نہیں جس نے یہ کہا ہے کہ وہ جسد ایک جن تھا جو حضرت سلیمان کی شکل میں

ہو گیا تھا۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ کذب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس طرح کی پردہ دری نہیں کرتا۔

ابر میں لڑکے کی پرورش :

اسی طرح ہم اس کے قول کو بھی بعید جانتے ہیں جس نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان کا ایک لڑکا تھا جس کو انھوں نے ابر میں بھیج دیا تا کہ وہ اس کی تربیت کرے۔

سلیمان علیہ السلام اس سے زیادہ جانتے تھے کہ وہ دودھ اور کھانے کو ترک کر کے ایسی چیز سے پرورش کرتے جس پر اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی کو پیدا نہیں کیا یہ سب خرافات ہیں جو موضوع اور جھوٹی ہیں جن کی اسناد قطعاً صحیح نہیں۔

گھوڑوں پر دست شفقت :

ان لوگوں نے سلیمان علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کیا ہے ’’**انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب . ردو ھا علی فطفق مسحا بالسوق والا عناق** ‘‘ (میں نے اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے حب خیر کو پسند کیا یہاں تک کہ وہ گھوڑے حجاب میں (یعنی اصطبل وغیرہ میں) چھپ گئے۔ ان کو میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر وہ پنڈلیوں اور گردنوں کو مالش کرنے لگے)۔

یعنی جہاد کے گھوڑے حضرت سلیمان نے ملاحظے کے لیے منگائے اور اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ خدام انھیں واپس لے گئے اور اصطبل میں باندھ دیا۔ فارغ ہو کے واپس بلوایا اور ازراہ شفقت وقدردانی ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ آیت کا بالکل صاف وصریح یہی ترجمہ اور یہی مطلب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے حضرت سلیمان کی مدح میں ’’**نعم العبد . انہ اواب**‘‘ ۔ فرمایا گیا ہے۔ یعنی وہ بڑے اچھے بندے اور اللہ کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ خدا کے ذکر سے غافل ہو گئے تھے تو پہلی آیت کی تکذیب لازم آئے گی۔

اس آیت کی ان لوگوں نے وہ تاویل کی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک ذرا سی عقل رکھنے والے کو بھی خواہ وہ ہمارے زمانے کا ہو یا کوئی اور ہو پاک رکھا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک نبی معصوم جو صاحب فضیلت ہو وہ گھوڑوں کو قتل کرے جب کہ وہ اس کی وجہ سے نماز سے غافل ہو جائے۔

یہ خرافات موضوع جھوٹی بیہودہ ہیں جن میں کلام کے مختلف اقسام اکٹھا ہیں ظاہر ہے کہ بلاشک یہ کسی بددین کی ایجاد ہے۔ اس لیے کہ اس میں ان گھوڑوں کو سزا دینا اور مثلہ کرنا (یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹنا) ہے جن کا کوئی گناہ نہیں اور فضول مفید مال کا ضائع کرنا ہے۔ نماز کے ضائع کرنے کو ایک نبی مرسل کی طرف منسوب کرنا ہے جو اپنی خطا پر گھوڑوں کو سزا دیتے ہیں نہ کہ گھوڑوں کی خطا پر۔ یہ وہ امر ہے جسے ایک سات برس کا بچہ بھی جائز نہ سمجھے گا چہ جائے کہ جو نبی مرسل ہو۔

اس آیت کے معنی ظاہر وواضح ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ انھیں حب خیر سے اپنے رب کے ذکر کی بنا پر محبت تھی یہاں تک کہ آفتاب حجاب میں چھپ گیا یا وہ اصیل گھوڑے اپنے حجاب (یعنی اصطبل) میں چھپ گئے۔ اس کے بعد حضرت نے انکے واپس لانے کا حکم دیا۔ پھر ان کی مدارات اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کے لیے اپنے ہاتھ سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کی مالش کرنے لگے۔ آیت کا یہی وہ ظاہر ہے جس کے ماسوا کا احتمال بھی نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی بیان کی ہوئی ترک نماز اور گھوڑوں کے قتل

کا اشارہ تک نہیں۔ حالاں کہ ان تمام باتوں کو مسلمانوں کے ثقہ لوگوں نے کہا ہے مگر کیا کیا جائے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کے قول میں حجت نہیں۔

عورتوں میں شب گشت :

ان لوگوں نے ایک حدیث بھی بیان کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج شب کو بیوی کے پاس گشت کروں گا کہ ان میں سے ہر عورت کے یہاں ایک شہسوار پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ اور انشاء اللہ نہیں کہا۔

اس میں بھی ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ جو ان مومنین کے بڑھانے کی کوشش کرے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں تو اس نے کار خیر کیا۔ حضرت سلیمانؑ کے متعلق یہ گمان جائز نہیں کہ وہ اس سے ناواقف تھے کہ یہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے نہیں ہوسکتا اور نص حدیث مذکور میں آیا ہے کہ انھوں نے ''**انشاء اللہ**'' محض نسیان سے ترک کر دیا۔ اس معاملے میں نسیان کی وجہ سے ان سے مواخذہ کیا گیا۔ اور ان کا قصد خیر کا تھا۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ **والحمدللہ رب العلمین**۔ سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کلام تمام ہوا۔

خدا کی آیت کے بعد غوایت :

ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے ''**واتل علیهم نبأ الذی آتیناه آیتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطان فکان من الغاوین** '' (آپ انھیں اس شخص کی خبر سنائیے کہ جسے ہم نے اپنی نشانیاں عطا کیں۔ مگر وہ ان سے علیحدہ ہوگیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ پھر وہ گمراہ ہوگیا)۔

اس میں بھی ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں اس لیے کہ نہ تو نص آیت میں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ یہ شخص مذکور کوئی نبی تھے۔ شخص مذکور کو اللہ تعالیٰ کا اپنی آیات کی خبر دینا اس طرح ہوا ہوگا کہ اس نے اپنے کسی رسول کی معرفت اپنی آیات بھیجی ہوں گی۔ جیسا کہ اس نے فرعون وغیرہ کے ساتھ کیا۔ پھر یہ شخص تکذیب کے سبب سے ان آیات سے خارج ہوگیا۔ اور گمراہ ہوگیا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ کوئی نبی اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں کرتا تو یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر اسے سزا دے جو اس نے نہ کیا ہو۔ نبوت سے ہٹا دینے سے زیادہ کوئی سزا نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی کو اس پر سزا دی جائے۔ اس لیے کہ اس سے وہ چیز ہوتی ہی نہیں جس پر وہ اس عذاب کا مستحق ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ یہ خارج ہونے والا ہرگز نبی نہ تھا۔

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کی ہے جو یہی ہے یا اس کے معنی یہی ہیں کہ ''سوائے یحییٰ بن زکریا کے کوئی شخص ایسا نہیں جسے خطا پر ایذاء دی گئی ہو یا قریب ایذاء کے نہ ہوگیا ہو۔''

یہ صحیح ہے اور ہمارے قول کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ انبیا علیہم السلام سے نسیان اور ایک شے کا قصد واقع ہوتا ہے جسے وہ اللہ کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ اس سے سوائے یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے کوئی نہ بچا۔ آپ فرماتے تھے کہ یحییٰ کبھی کسی ایسی چیز کو نہیں بھولے جو ان پر واجب ہو اور نہ انھوں نے کوئی فعل ایسا کیا جس میں وہ اپنے رب کی مراد کے موافق نہ ہوئے ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال بیان کیے ہیں "**لولا کتاب اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم** " (اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لے لیا ہے اس میں تم لوگ عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے)۔

"**عبس و تولی ان جاءہ الا عمی وما یدریک لعلہ یزکی او یذکر فتنفعہ الذکری امامن استغنی فانت لہ تصدی وما علیک الا یزکی . واما من جاءک یسعی وھو یخشی فانت عنہ تلھی** " (ایک نابینا کے آ جانے سے آپ چین بجبیں ہوئے اور بے رخی کی۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت قبول کرتا اور نصیحت سے اس کو فائدہ ہوتا۔ لیکن جو پروا نہیں کرتا آپ اس کے درپے ہیں۔ حالاں کہ آپ اس کے پاکیزہ نہ بننے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑ کے آتا ہے اور وہ خوف رکھتا ہے آپ اس سے بے التفاتی کرتے ہیں)۔

وہ جھوٹی حدیث بیان کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "**والنجم اذاھوی** " کی قرات میں ہرگز ثابت نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اس میں اس بنائے ہوئے اضافے کا ذکر کیا ہے جو اپنے وضع کرنے والے ہی کے مشابہ ہے اور وہ یہ ہے "**وانھا لھی الغرانیق العلی . وان شفا عتھالترتجی** " (اور بیشک یہ بڑے بلند مرتبہ بت ہیں اور بیشک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) (ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ والنجم کی تلاوت میں ان الفاظ کو شریک فرما دیا۔ جس کی وجہ سے آپ کے ساتھ روسائے مشرکین بھی سجدے میں گر پڑے)۔

ان لوگوں نے یہ آیت بیان کی ہے "**وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ . فینسخ اللہ مایلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ** " (اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی نبی و رسول ایسا نہیں بھیجا کہ جب اس نے کوئی آرزو کی ہو تو شیطان نے اس کی آرزو میں آمیزش نہ کر دی ہو۔ پھر شیطان جو آمیزش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے منسوخ کر دیتا ہے پھر وہ اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے)۔

یہ آیت پیش کی ہے "**ولا تقولن لشیئ انی فاعل ذلک غداالاان یشاء اللہ** " (اور ہرگز کسی شے کے لیے نہ کہیے گا کہ میں اس کو کل کروں گا بغیر اس کے کہ انشا اللہ) اور یہ بیان کیا ہے کہ جب یہود نے آپ سے روح و ذوالقرنین واصحاب کہف کو دریافت کیا ہے تو آپ سے انشاء اللہ ترک ہو جانے کے باعث وحی رک گئی تھی۔

یہ آیت بھی پیش کی ہے کہ "**وتخفی فی نفسک مااللہ مبدیہ تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ** " (اور آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپاتے ہیں اللہ جس کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ آپ اس سے ڈریں)۔

اس روایت سے بحث کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب غزوہ بدر کے قیدیوں کا قتل ترک فرما دیا اور فدیہ قبول فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا عذاب میرے سامنے پیش کر دیا گیا تھا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔ آپ نے فرمایا اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا اس لیے کہ عمر نے ان قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدیہ قبول

فرمانے اور ان لوگوں کے زندہ رکھنے میں حضرت ابوبکر کی رائے کی طرف مائل ہوگئے۔

اور اس آیت سے ’’ليغفر لك الله ماتقدم من ذنبك وما تأخر‘‘ (تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خطا کو معاف کر دے جو پہلے ہوئی یا بعد کو) تو اگر آپ کی کوئی خطا نہ تھی تو پھر آپ کی کون (سی) شے معاف کی گئی۔ اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر کس بات کا احسان جتایا۔

اور اس حدیث سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف کو جس چیز کی دعوت دی گئی اگر مجھے دی جاتی تو میں تو ضرور قبول کر لیتا۔ یہ وہی دعوت ہے جو یوسف کو قید خانے سے نکلنے کی دی گئی تھی مگر انھوں نے نکلنے کو منظور نہ کیا۔ یہاں تک کہ قاصد سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ ’’مابال النسوة اللاتي قطعن ايديهن ان ربي بكيدهن عليم‘‘ (ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ بیشک میرا ربّ ان کے مکر سے خوب واقف ہے)۔ وہ قید خانے سے نکلنے سے رکے حالاں کہ انھیں اس سے نکلنے کی دعوت دی گئی تھی کہ عورتیں اپنے گناہ کا اور ان کی برات کا اعتراف کر لیں۔ انھیں اس کا یقین تھا۔ اس میں کچھ بھی شک نہ تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ اگر آپ کو قید خانے سے نکلنے کی دعوت دی جاتی تو آپ ضرور قبول کر لیتے۔ یہ تفسیر خود حدیث ہی میں منصوص ہے جیسا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام بیان کیا ہے کہ اگر میں قید خانے میں رہتا جتنا یوسف علیہ السلام رہے پھر مجھے دعوت دی جاتی تو میں ضرور داعی کی دعوت کو قبول کر لیتا۔ یا آپ نے جو کچھ فرمایا اس کے معنی یہی ہیں۔

غفران ذنوب :

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ’’ليغفر لك الله ماتقدم من ذنبك وما تأخره‘‘ تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ذنوب وگناہ وہی ہوتے ہیں جو نسیان سے ان سے واقع ہوں یا وہ اپنے گمان کے مطابق خیر کا ارادہ کرتے ہیں اور وہ بعض وقت اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق نہیں ہوتے یہی دونوں وجوہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا۔ لیکن یہ آیت کہ

مس عذاب :

آیت ’’لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم‘‘ میں صرف مسلمین کو خطاب ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب ہوا ہے کہ ان لوگوں نے غنائم بدر میں باہم جھگڑا کیا۔ خطاوار یہی لوگ تھے جو آپ کے مقابلے میں اختلاف کر رہے تھے۔ اس کو یہ آیت واضح کرتی ہے ’’يسئلونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول فاتقوا الله واصلحو اذات بينكم‘‘ (یہ لوگ آپ سے غنائم کا حکم دریافت کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ غنائم اللہ ورسول کے ہیں پس اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔) اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو خود اسی سورۃ میں ہے جو اس معنی میں نازل ہوئی ہے۔ ’’يجادلونك في الحق بعد ماتبين كأنما يساقون الى الموت وهم ينظرون‘‘ (حق کے واضح ہو جانے کے بعد آپ سے اس طرح جھگڑا کرتے ہیں کہ گویا یہ موت کی طرف لے جائے جارہے ہیں اور یہ اسے دیکھ رہے ہیں) اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو اس نے اس وعید عذاب سے پہلے بیان کیا ہے جس سے ہمارے مخالفین نے استدلال کیا ہے ’’تريدون عرض الدنيا والله يريدا لآخرة‘‘ (تم لوگ سامان دنیا چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے) (یعنی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام آیات عتاب کے مومنین ہی مخاطب ہیں جنھوں نے غنائم کی تقسیم میں اختلاف کیا تھا) یہی نص قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حاصل کیے ہوئے مال غنیمت کا معاملہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمادیا تھا۔

حدیث مذکورہ بالا جس میں یہ ہے کہ "تمھارا عذاب میرے سامنے پیش کر دیا گیا تھا جو اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک تھا۔ اور اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا" یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنی روایت میں تنہا ہے وہ وہی عکرمہ ابن عمار الیمامی ہے کہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر حدیث کا وضع کرنا یا حافظے کی خرابی یا وہ غلطی ثابت ہے کہ ان دونوں امور کے ساتھ اس شخص سے روایت کرنا ہی جائز نہیں۔ اگر صحیح بھی ہوتی تو اس میں بھی وہی کلام ہوتا جو ہم نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینے میں بھی خیر ہی کا ارادہ فرمایا تھا۔

اعمیٰ سے بے التفاتی:

یہ آیات "**عبس وتولی**" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کا ایک بہت بڑا آدمی بیٹھا ہوا تھا اور آپ کو اس کے اسلام لانے کی امید تھی آپ جانتے تھے کہ اگر یہ اسلام لے آیا تو اس کے اسلام کی وجہ سے بہت لوگ اسلام لے آئیں گے اور دین کو غلبہ ہو جائے گا۔ اور آپ جانتے تھے کہ یہ نابینا جو آپ سے چند امور دین دریافت کر رہا ہے یہ اس سے فوت نہ ہوں گے کیوں کہ وہ آپ کے پاس حاضر رہتا ہے۔ آپ نے اس نابینا سے بے التفاتی فرمائی۔ اور ایک ایسی چیز میں مشغول ہو گئے جو بہت بڑی خیر تھی اور جس کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اور اس چیز کو ترک کر دیا جس کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ یہ دین کے لیے انتہائی غور وفکر ہے اور بظاہر قرآن کی مدد کرنے میں انتہائی جدو جہد ہے اور اللہ تعالیٰ کے انتہائی تقرب کا باعث جسے آج ہم میں سے کوئی کرتا تو وہ ضرور ثواب پاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس امر پر آپ پر عتاب فرمایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیٰ یہی تھا کہ آپ اس بزرگ فاضل نیکوکار متقی نابینا کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور یہ وہی ہے جو ہم نے کہا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو اور تین رکعتوں سے سہو ہوا۔ آپ دو رکعتوں سے کھڑے ہو گئے۔ اور یہ قطعاً ناممکن تھا کہ آپ ان میں سے کوئی فعل عمداً کرتے۔ ہاں ہم میں سے کوئی ایسا انسان بھی عمداً نہ کرتا جس میں خیر ہوتی۔

غرانیق علی:

وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ "**وانهن الغرانيق العلى وان شفا عتها لترتجى**" یہ تو خالص کذب اور بالکل موضوع ہے، اس لیے کہ یہ طریق روایت کے اعتبار سے قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اور نہ اس میں مشغول ہونے کے کوئی معنی ہیں۔ کیوں کہ کذب کے وضع کرنے سے تو کوئی بھی عاجز نہیں۔

القائے شیطان:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "**وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان في امنيته . الآية**" اس آیت میں بھی ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں ہے اس لیے کہ جو آرزوئیں دل میں پیدا ہوتی ہیں ان کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے اسلام کی آرزو کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ وہ آرزوئیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے وہ اس کے سوا نہیں ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی نبی کسی معصیت کی تمنا کرے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ یہ جو ہم نے کہا بغیر کسی مزید تکلف کے یہی ظاہر آیت ہے۔ اور بغیر کسی دوسرے ظاہر کے ایک ظاہر کے خلاف مراد لینا جائز نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

حوالت برمشیت، وذکرالٰہی :

یہ آیت کہ " **ولا تقولن لشئی انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ . واذکر ربک اذا نسیت** "(اورآپ بغیر انشاءاللہ کے کسی شے کے لیے ہرگز نہ کہا کیجیے کہ میں اس کوکل کروں گا۔ اور جب بھول جایئے تو اپنے رب کو یاد کیجیے)۔ اللہ تعالیٰ نے آخر آیت میں یہ جو بیان کردیا کہ یہ آپ کا نسیان تھا اس بیان نے ہمیں اس میں کلام کرنے سے بے نیاز کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی نسیان کے بارے میں عتاب کیا گیا۔

اخفا وخشیت :

یہ آیت کہ ’’ **وتخفی فی نفسک مااللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ** ‘‘ تو ہم اس سے براءت ظاہر کرچکے ہیں۔ کیوں کہ اس میں ہرگز کوئی معصیت نہ تھی۔ جس چیز کا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ یہ یہی تھا کہ آپ نے ایک ایسے نکاح کا ارادہ کیا تھا جس کا کرنا بھی آپ کے لیے مباح تھا اور نہ کرنا بھی مباح تھا۔ اس کا پوشیدہ رکھنا بھی مباح تھا اور ظاہر کرنا بھی مباح تھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اس معاملے میں لوگوں سے خوف کیا وہ یہی خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ کچھ کہیں اور کوئی گمان کریں پھر ہلاک ہوں۔ جیسا کہ آپ نے دونوں انصاریوں سے فرمایا تھا کہ یہ صفیہؓ ہیں۔ تو ان دونوں نے اس کو بہت بڑا سمجھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بتایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں شیطان تمھارے دلوں میں (میری طرف سے) کوئی بات نہ ڈال دے۔ یہی وہ چیز تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے ڈرے کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ کوئی بدگمانی کرکے کہیں اپنے دین کو ہلاک نہ کردیں۔ یہی وہ چیز ہے کہ جو بدنصیب اس معاملے میں ہمارے مخالف ہیں اسے ثابت کررہے ہیں۔ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف عمداً ارتکاب معاصی کو منسوب کیا اور انکے دین تباہ ہوگئے اور یہ گمراہ ہوگئے۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان** ۔ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو کچھ ہے وہ اسے ظاہر کردیں اس لیے کہ ہماری ماں زینب رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سعادت اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھی۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ بکثرت ان آیات سے استدلال کیا کرتے ہو۔ **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** "(اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات اپنے دل سے نہیں کہتے۔ وہ ایک وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کے پاس بھیجی جاتی ہے)۔

’’ **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم . ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما** ‘‘ (آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں یہ آپ کو حکم نہ بنائیں۔ پھر آپ جو کچھ فیصلہ کریں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اور مان لیں جیسا ماننا چاہیے۔

" **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا** " (بیشک تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر بہترین نمونہ ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور قیامت سے ڈرتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے کہ آپ نے فرمایا کہ بیشک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور میں جو (احکام) لاتا ہوں انھیں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں تم لوگ انھیں نصوص کی وجہ سے کہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ

اللہ تعالیٰ کی وحی ہی سے فرمایا۔ اور آپ نے جو عمل کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم و رضا مندی سے کیا۔ تو اب ہمیں بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو دو اور تین رکعت پر سلام تھا اور دو رکعت پر قیام تھا اور آپ نے جو ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھی تھیں اور آپ نے یہ خبر جو دی تھی کہ آپ بظاہر حق کے مطابق حکم دیتے ہیں لیکن اس شخص کے لئے اس پر عمل کرنا جائز نہیں جو یہ جانتا ہو کہ باطن کا معاملہ اس کے خلاف ہے جو آپ نے حکم دیا ہے۔ تو آیا یہ تمام امور آپ نے اللہ کی وحی و رضا مندی سے کیے یا تم لوگ کیا کہتے ہو۔ اور کیا مدعی و مدعا علیہ پر آپ کے اس حکم کا ماننا ضروری ہے حالاں کہ وہ دونوں یہ جانتے ہیں کہ حقیقت امر آپ کے فیصلے کے خلاف ہے۔ یا نہیں لازم ہے۔

قول فیصل :

یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ نے کیا۔ ہر شخص جو یہ اندازہ کرے اور اس میں شک نہ کرے کہ اس نے اپنی نماز پوری کر لی ہے تو اللہ تعالیٰ کا اسے حکم ہے کہ وہ سلام پھیر دے جب اسکے بعد یہ معلوم ہو کہ اسے سہو ہو تو اتمام کی شریعت (یعنی پورا کرنے کا شرعی حکم) اور سجدہ سہو لازم ہے۔ برہان یہ ہے کہ اگر وہ اسی پر قائم رہے اور سلام نہ پھیرے اور یہ اندازہ کرتے ہوئے کہ وہ اپنی نماز پوری کر چکا ہے نماز میں اضافے کا قصد کرے تو اس کی پوری نماز بلا شک ظاہر و باطن میں باطل ہو جائے گی اور وہ اسم فسق و معصیت کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح جو یہ اندازہ کرے کہ اس نے صرف ایک ہی رکعت پڑھی ہے اور اس نے اپنی نماز پوری نہیں کی ہے تو اللہ تعالیٰ کا اسے حکم ہے کہ وہ یقیناً اپنی نماز میں اضافہ کرے یہاں تک کہ مکمل ہونے میں اسے کوئی شک نہ رہے اور اس رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے جو اس کے نزدیک دوسری ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہو کہ معاملہ اس کے خلاف تھا تو اس کی نماز پوری ہوگئی اور اس وقت اسے سجدہ سہو کی شریعت لازم ہے۔ برہان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ہی رکعت پر جو اس کے نزدیک بھی ایک ہی ہے دیدہ و دانستہ تمسخر کے طور پر بیٹھ جائے یا دانستہ تین رکعت پر جو اس کے نزدیک بھی ایک ہی ہے دیدہ و دانستہ تمسخر کے طور پر بیٹھ جائے یا دیدہ و دانستہ تین رکعت پر جو اس کے نزدیک تین ہیں سلام پھیر دے تو اس کی نماز بالکل باطل ہو جائے گی۔ اور وہ اسم فسق و معصیت کا مستحق ہوگیا۔ اس لیے کہ اس نے اس کے خلاف کیا جو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیں ایسی شہادت پر جو ہمارے نزدیک صاحب عدل ہے اور مدعا علیہ کے حلف اور مُقر کے اقرار پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے اگر چہ وہ شہادت ہمارے علم کے خلاف دیدہ و دانستہ جھوٹی ہی ہو۔ اور حلف و اقرار بھی باطن میں جھوٹا ہو۔ اور اسی شہادت وغیرہ سے ہم پر وہ خون ریزی فرض کر دی ہے کہ اگر ہمیں باطن کا علم ہوتا تو وہ ہم پر حرام ہوتی۔ اور اسی طرح طلاق و نکاح اور مال و جائیداد وغیرہ میں بھی۔ برہان یہ ہے کہ اگر کسی حاکم کے یہاں ایسی شہادت گزری جو اس کے نزدیک عادل ہے مگر اس نے اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا اور قسم سے مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ کیا تو بغیر کسی اختلاف کے یہ قاضی فاسق اور اللہ تعالیٰ کا عاصی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا تو اس نے اس کے خلاف کیا۔ اگر چہ وہ اس حق کے موافق ہو جس کا اسے علم نہیں۔ مدعی و مدعا پر فرض ہے کہ وہ اسی فیصلے کو قبول کریں جو شہادت و قسم کے مطابق ہے۔ اگر چہ وہ حق کے لینے دینے میں اپنے دلوں میں اپنے صحیح علم تک پہنچ جائیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

نصرت الٰہی نا امیدی کے بعد :

ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے ”حتیٰ اذا استیأس الرسل و ظنو اانهم قد كذبوا جائهم نصرنا “ (یہاں تک کہ

جب رسول مایوس ہو گئے اور انھیں یہ گمان ہو گیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو ہماری مدد ان کے پاس آ گئی) یہ اس طور پر نہیں ہے جیسا جہلا نے بیان کیا ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ رسل علیہم السلام کی قوم نے ان سے جو نصرت و مدد کا وعدہ کیا تھا انھیں گمان ہو گیا کہ ان لوگوں نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ اور یہ کھلا ہوا محال ہے کہ ایک ذرے سے بھی کم عقل والے کو یہ خیال آئے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ لوگ یہ خیال کریں جو اللہ کی مخلوق میں اس کے برگزیدہ ہوں اور علم میں سب سے مکمل اور اللہ کی معرفت میں سب سے زائد ہوں۔ اور جو اسے کسی نبی کی طرف منسوب کرے تو اس نے اس کی طرف کفر کو منسوب کیا۔ اور جس نے کسی نبی کی طرف کفر کو منسوب کیا تو بلا شک وہ خود کافر و مرتد ہے۔ ہم نے جو کہا یہی ظاہر آیت ہے اور اس میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جھوٹ کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

یہود و نصاری کا اعتراض :

ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے۔ ''**فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فاسئل الذین یقرأون الکتب من قبلک لقد جاءک الحق من ربک** '' (پھر جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا اگر اس سے آپ شک میں ہوں تو ان لوگوں سے دریافت کیجئے جو آپ کے پہلے سے کتاب پڑھتے ہیں۔ بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آیا ہے)۔

امر حق :

ہم نے صرف اہل کتاب سے اس اعتراض کو پایا ہے۔ کسی ایسے شخص سے نہیں پایا جو مسلم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ نہ یہ کسی طرح ممکن ہے کہ کوئی مسلمان ہو کر یہ گمان کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وحی میں شک تھا جو آپ کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ اس آیت کے بارے میں ہمارا ایک مشہور رسالہ ہے۔ اس شک کا اجمالی حل یہ ہے کہ اس آیت میں ''ان'' اس ''ما'' کے معنی میں ہے جو نفی و انکار کے لیے ہوتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں ''**وما کنت فی شک مما انزلنا الیک** '' (جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا اس سے آپ شک میں نہیں ہیں)۔ یہ جو آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اہل کتاب سے دریافت کریں تو یہ اس بنا پر اہل کتاب کو یقین دلانا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ وہی نبی مرسل ہیں کہ ان کے نزدیک جن کا ذکر توریت و انجیل میں ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

یہی امور ہیں جن سے ان لوگوں نے ملمع کاری کی ہے جن کو ہم نے اکٹھا اور واضح کر دیا اور دکھا دیا کہ یہ سب ہمارے قول کے موافق ہیں۔ ان میں سے ایک چیز بھی ہمارے مخالف کے لیے شہادت نہیں دیتی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** اب ہم اللہ تعالیٰ کی مدد و قوت سے اپنے قول کی صحت اور اپنے مخالف کے قول کے بطلان پر براہین ضروریہ واضحہ لانا شروع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**وما کان لنبی ان یغل . ومن یغلل یات بماغل یوم القیمة**'' (نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی چیز چھپا کے لے لے۔ اور جو چھپا کے کچھ لے لے گا تو قیامت کے روز اسے لائے گا جو اس نے چھپا کے لیا ہے)۔ اور فرمایا ہے ''**وما کان لبشر ان یوتیه الله الکتب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادالی من دون الله**'' (اور کسی بشر کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب و حکومت و نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کے میرے بندے ہو جاؤ)۔ اللہ تعالیٰ جو سب سچوں سے زیادہ سچا ہے اس نے انبیاء علیہم السلام سے غلول (چھپا کے لے لینے اور خیانت کرنے) کی اور کفر کی اور جبراً اپنا محکوم بنانے کی نفی کی ہے۔ امت میں سے اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ غلول و خیانت کا حکم ایسا ہی ہے جیسا اور تمام گناہوں کا۔ اس کے متعلق اجماع ثابت ہے جو انبیاء علیہم السلام پر عمداً ارتکاب گناہ کو تجویز کرے تو اس نے ان پر غلول کو تجویز کیا اور جس نے ان سے غلول کی نفی کی اس نے ان

سے تمام گناہوں کی نفی کر دی۔ غلول کی نفی اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہے لہٰذا ان سے عمداً ارتکاب گناہ کی نفی بھی لازم ہو گئی اس لیے کہ اس پر اجماع ثابت ہے کہ یہ سب غلول کے مساوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمایا ہے " **ام حسب الذین اجترحوا السیأت ان نجعلهم کالذین آمنوا و عملوا الصلحت سواء محیاهم و مماتهم ساء مایحکمون** " (کیا وہ لوگ جو بدکاریوں کا ارتکاب کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالحہ کیے۔ ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہے۔ یہ لوگ بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں)۔

ہمارے وہ مخالفین جو یہ جائز رکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے سیئات (بدکاریوں) کا ارتکاب کیا ہے وہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی تیسری وجہ نہیں ہے۔

یا تو وہ یہ کہے کہ تمام لوگوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے نہ معصیت کی اور نہ کسی بدی کا ارتکاب کیا۔ اس سے کہا جائے گا کہ پھر وہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کی ہے کہ وہ ان جیسے ہوں جنھوں نے بدی کا ارتکاب کیا ہے۔ جب کہ یہ لوگ عالم میں موجود نہ تھے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کلام اللہ فضول و بے معنی ہے اور جو اس کا قائل ہو یہ اس کا کفر ہے۔

یا یہ کہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ اگر وہ یہ کہے گا تو اس کے قول کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول رد کر دے گا جو خود اسی آیت میں ہے **سواء محیاهم و مماتهم ساء مایحکمون** (ان کا جینا اور انکا مرنا برابر ہے یہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں) اس پر نہ کوئی نص ہے نہ اجماع کہ ملائکہ مریں گے۔ اگر اس کے متعلق کوئی نص آئی ہوتی تو ہم ضرور اس کے قائل ہوتے۔ برہان سے بداہتہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہیں مریں گے۔ اس لیے کہ جنت وہ مقام ہے جس میں موت نہیں ہے۔ اور ملائکہ جنتوں کے باشندے ہیں، وہ اسی میں پیدا کیے گئے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور اسی طرح حورعین بھی۔

موت تو روح کا جسم مرکب سے جدا ہونا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان میں کوئی چیز بھی نہیں جو کسی چیز سے جدا ہو اور اس کو موت کہا جائے۔

اگر کوئی معترض اس آیت سے اعتراض کرے کہ ”**کل نفس ذائقة الموت** “ (ہر جان موت چکھنے والی ہے) تو اگر وہ اس آیت کو اس کے عموم پر محمول کرے تو لازم آئے گا کہ حورعین بھی مریں گی۔ پھر وہ جنت کو مقام موت قرار دے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو موت سے دور رکھا ہے۔ فرماتا ہے " **ان الدار الاخرة لهی الحیوان لو کانو ایعلمون** اور بیشک دار آخرت ہی صاحب حیات ہے کاش یہ لوگ جانتے) ہمیں اس نص سے یہ معلوم ہوا کہ ”**کل نفس ذائقة الموت** “ سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ جو جنت میں نہیں ہیں اور انس و جن اور وہ حیوان ہیں جو مرکب ہیں جن کی روح انکے بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اگر وہ اس کا قائل ہو تو اس کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی رد کرتی ہے " **مامن احد الا وقد الم او کاد الا یحیی بن زکریا** " (کوئی ایسا نہیں جسے درد دیا گیا ہو یا قریب درد کے ہوا ہو سوائے یحیٰی بن زکریا کے)۔

یا یہ کہے کہ لوگوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور جنھوں نے بدی کا ارتکاب نہیں کیا وہ ان لوگوں کے مساوی نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر وہ یہ کہے تو انبیاء علیہم السلام تو ان کے نزدیک بدی کا ارتکاب کرتے ہیں اور لوگوں میں ایسے لوگ ہوں جو انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوں۔ اور یہ کفر ہے۔

ہم یہی سمجھتے تھے کہ جو شخص اپنے کو اہل اسلام یا اہل کتاب کی طرف منسوب کرے اس کی زبان سے یہ مضمون جاری نہیں ہوسکتا۔ یہیں تک کہ ہم نے ابن الباقلانی کے متعلق اس کے شاگرد ابوجعفر السمنانی قاضی موصل سے سنا کہ لوگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کبھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو آپ کی بعثت سے وفات تک آپ سے افضل ہوتے ہیں۔ ہم نے اس کو بہت بڑا بول سمجھا۔ یہ خالص شرک اور نبوت میں عیب لگانا ہے جس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔

صوفیہ کی ایک جماعت کے متعلق سنتے تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے ہم اس کو کسی ایسے شخص کے متعلق یقین نہ کرتے تھے جو دین اسلام کو مانتا ہو یہاں تک کہ ہم نے اس کلام کو پایا جس کو ہم نے بیان کیا۔ **فنعوذ باللہ من الا رتد اد۔**

اگر یہ گمراہ وگمراہ کن جانتا ہوتا کہ لفظ افضل کے کیا معنی ہیں اور فضیلت نبوت کو جانتا ہوتا تو تو اس کفر پر اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تکذیب پر (اس کی) زبان نہ چلتی۔ کیوں کہ آپ فرماتے ہیں کہ بیشک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور بیشک میں تمھاری ہیئت کی طرح نہیں ہوں اور بیشک میں تمھارے مثل نہیں ہوں۔ چوں کہ یہ نص سے ثابت ہے کہ لوگوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے بدی کا ارتکاب نہیں کیا اور جنھوں نے بدی کا ارتکاب کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کے مساوی نہیں ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق اہل اسلام میں سے بغیر کسی کے اختلاف کے انبیاء علیہم السلام اس درجے اور فضیلت کے سب سے زیادہ مستحق ہوئے" **اللــــه يـصـطفي من الملئكة رسلا ومن الناس** " (اللہ تعالیٰ ملائکہ اور انسانوں میں سے رسول منتخب کر لیتا ہے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ رسول اس کی مخلوق کے بہترین ومنتخب لوگ ہوتے ہیں۔

بعض مخالفین نے ہم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ جو بالغ ہوا، ایمان لایا، بار بار اس نے اللہ کو یاد کیا اور اسکے بعد ہی مر گیا۔ یا اس کافر کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اسلام لایا اور اس نے جہاد کیا اور قتل کر دیا گیا۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ جو کافر تھا پھر اسلام لایا اس نے تو اپنے کفر کے سبب سے ایسے سیئات کا ارتکاب کیا ہے جو آسمان و زمین سے بھی بڑے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کے سبب سے اسکی مغفرت کر دی ہے۔ لیکن بلاشک وہ منجملہ انکے ہے جنھوں نے سیئات کا ارتکاب کیا۔ لیکن جو بالغ ہوا، ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر مر گیا۔ تو یہ طبیعت عالم اور اس کی فطرت میں ممکن تھا اگر یہ ارشاد نہ ہوتا کہ "کیا وہ جنھوں نے بدکاریوں کا ارتکاب کیا ہے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں کے مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے۔ ان کا مرنا جینا برابر ہے۔ یہ لوگ کب برا فیصلہ کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ نے اس کا ایسا قطعی فیصلہ کر دیا جس کا سوائے کافر کے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ وہ مرتکبین سیات کو غیر مرتکبین کے مثل نہ کرے گا ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں ان میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے کسی نہ کسی بدی کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اس معترض کے قول پر یہ لازم آئے گا کہ جو شخص اپنے بلوغ کے بعد ہی اسلام لایا اور مر گیا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہو۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے خلاف ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص کوہ احد کے برابر سونا بھی خیرات کرے تو وہ کسی صحابی کے ایک مد (یعنی تقریباً آدھ سیر) جو کے بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں پہنچتا۔ جب یہ ایسا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تو اللہ تعالیٰ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے ساتھ کہ "**مامن احدالا الم بذنب او کادالا یحیی بن زکریا** " (کوئی ایسا نہیں جو کسی گناہ پر درد نہ دیا گیا ہو یا درد کے قریب نہ ہو گیا ہو سوائے یحیٰی بن زکریا کے) امور مذکورہ بالا کی وجہ سے ہم یقین کرتے ہیں کہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص حد تکلیف تک پہنچ جائے (یعنی بالغ ہو جائے) اور

وہ ارتکاب سیئات سے بچا رہے جن کو اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

انبیاء معصیت نہیں کرتے :

یہ برہان کہ کوئی نبی ہرگز معصیت نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ ''کسی نبی کے لیے یہ نہیں ہوتا کہ اس کی آنکھ خیانت کرے'' یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے قصے میں ایک انصاری نے کہا کہ آپ نے آنکھ سے میری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء سے دزدیدہ نگاہی کی نفی فرمادی۔ جو باطن ظاہر کے خلاف ہوتا ہے اور جو گناہ ہوتے ہیں دزدیدہ نگاہی ان میں بہت خفیف گناہ ہے۔ اس لیے اس میں تمام گناہ داخل ہو گئے خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ باطن ہوں یا ظاہر۔

امر بہ اقتدائے انبیاء :

ہم لوگ انبیا علیہم السلام کی اقتداء کے اور ان کے تمام افعال میں ان کی پیروی کے لیے مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا للہ والیوم الا خر** '' (بیشک تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ سے اور قیامت سے ڈرتا ہے) اور فرمایا ہے ''**اولٓئک الذین ھدی اللہ فبھدیھم اقتدہ** '' (یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی۔ بس آپ انھیں کی ہدایت کی پیروی کیجئے) ثابت ہو گیا کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی نبی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ صادر ہو سکتا تو یہ ہوتا کہ اللہ نے ہمیں معاصی پر برانگیختہ کیا اور ہمیں گناہوں کی دعوت دی۔ جو اسے جائز رکھے تو یہ اس کا خالص کفر ہوگا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ انبیا جو افعال قصداً کرتے ہیں وہ خیر وحق ہی ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذوالخویصرہ پر (اللہ اس پر اور اس جیسوں پر لعنت کرے) انکار عظیم ثابت ہے۔ جب کہ اس کافر نے کہا کہ ''اے محمد عدل کیجئے کیوں کہ یہ تو وہ تقسیم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد نہیں کیا گیا ہے'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ''تجھ پر افسوس ہے۔ میں عدل نہ کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو مجھ پر بھروسا کرتا ہے اور تم لوگ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے۔

یا آپ کا ام المومنین ام سلمہؓ سے فرمانا (جب ام سلمہؓ نے آپ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا جو رمضان میں اپنی بیوی کا بوسہ لے) ''کیا میں نے یہ خبر نہیں دی کہ میں نے یہ کیا ہے''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ناراض ہوئے جس نے آپ سے کہا کہ آپ ہمارے مثل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ناگوار ہوا کیوں کہ اس شخص نے اس کو آپ کے لیے قصد وارادے سے گناہ قرار دیا اگرچہ صغیرہ ہی سہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ کا جاننے والا (ہوں)۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم نے اسی دلیل سے انبیاء علیہم السلام سے سہو کی نفی کیوں نہیں کی کہ ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ جو ثابت ہے اس کا انکار اور جو ثابت نہیں اس کی اجازت دونوں برابر ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ ان حضرات سے سہو یقیناً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیں ان کی اقتداء اور پیروی کا حکم دینا اس سے مانع نہیں ہے کہ ان سے سہو واقع نہ ہو۔ اس لیے کہ سہو میں پیروی کرنا بھی ممکن ہے کہ ہم سے بھی سہو ہی سرزد ہو۔ اور یہ محال ہے کہ ہمیں سہو کی دعوت دی جائے یا ہم سہو کے مکلف بنائے جائیں۔ اگر ہم اس کا قصد کریں گے تو

اس وقت وہ سہو نہ ہوگا۔ نہ یہ ممکن ہے کہ ہمیں سہو سے منع کیا جائے اس لیے کہ سہو سے باز رہنا ہماری فطرت میں نہیں ہے اور نہ ہماری وسعت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا**" (اللہ تعالیٰ کسی کو سوائے اسکی وسعت کے مکلف نہیں کرتا)۔

ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ جب ہم سے سہو ہو تو وہی کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہو میں کیا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو سہو پر قائم نہیں رکھتا بلکہ اسی وقت انھیں آگاہ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو یہ ہوتا کہ اس نے ہمارے لیے واضح نہیں کیا کہ وہ دین میں ہم سے کیا چاہتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ تو فرماتا ہے کہ "**تبیانا لکل شیٔ**" (قرآن ہر شے کا واضح بیان ہے) اور فرماتا ہے "**الیوم اکملت لکم دینکم**" (آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا)۔ اور فرماتا ہے "**وقد فصل لکم ماحرم علیکم**" (اس نے تم پر جو حرام کیا اس کی تفصیل بیان کر دی)۔

اس شخص کا قول ساقط ہو گیا جو انبیاء علیہم السلام کی طرف عمداً کسی قسم کا گناہ بھی منسوب کرتا ہے۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ جب کہ ان لوگوں کا کوئی شبہ باقی نہ رہا جس سے وہ فریب دہی کر سکیں۔ اور چوں کہ اس کے بطلان پر براہین قائم ہیں لہذا یہ لوگ ذوالخویصرہ کے ساتھ مل گئے اگر انبیاء علیہم السلام سے کسی معصیت کا ہونا ممکن ہوتا اور ہمیں ان کی اور انکے افعال کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ تو گویا ہمارے لیے معاصی مباح کر دیے گئے تھے اور ہم نہیں جان سکتے تھے کہ شاید ہمارا سارا دین ہی گمراہی و کفر ہو اور شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ہر عمل معصیت ہو۔ **نعوذ باللہ منہ**۔

ایک دن میں نے ایک شخص سے جو انبیاء سے عمداً صغائر کے صدور کو ممکن کہتا تھا کہا کہ کیا غیر عورت کا بوسہ لینا اور اس کی چٹکی لینا گناہ صغیرہ نہیں ہے اس نے کہا کہ ہاں ہے تو میں نے کہا کہ تو تم جائز سمجھتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی یہ گمان ہو سکتا ہے کہ آپ نے عمداً غیر عورت کا بوسہ لیا ہو۔ تو اس نے کہا **معاذ اللہ**۔ اس نے اسی وقت حق کی طرف رجوع کر لیا **والحمدللہ رب العلمین**۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**انا فتحنا لک فتحا مبینا . لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تأخر ویتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیما**" (بیشک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی۔ تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی لغزش معاف کرے اور آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کرے اور آپ کو راہ راست کی ہدایت فرمائے)۔

یہ باطل و محال ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے پر مکمل انعام کرے وہ اللہ تعالیٰ کا صغیرہ و کبیرہ گناہ کرے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہرگز تام نہ ہوتا بلکہ ناقص ہوتا۔ اس لیے کہ اس نے اسے ان امور میں بے توفیق چھوڑ دیا جس میں اس نے معصیت کی۔

فرمایا ہے "**انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ**" (بیشک ہم نے آپ کو شاہد اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور تعظیم کرو۔

فرمایا ہے "**قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم**" (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کے اور اسکی آیات کے اور اس کے رسول کے ساتھ تمسخر کیا کرتے تھے۔ معذرت نہ کرو تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے)۔

ایسے شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر و تعظیم نہ کی اور وہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کی آخری حد کو پہنچ گیا جس نے یہ تجویز کی کہ انبیا علیہم السلام چور، زانی، لوطی اور باغی ہو سکتے ہیں۔ واللہ اس سے بڑا کوئی کفر ہمارے علم میں نہیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور اسکے دین کے ساتھ کوئی تمسخر اس قول والوں کے کفر سے زائد ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ پھر کیسے یہ اطمینان ہو گا کہ یہ حضرات تبلیغ

میں کذب نہیں اختیار کرتے۔ اس لیے کہ ہم تو نہیں جانتے ہیں کہ انھوں نے شاید اللہ تعالیٰ کے نام سے ہم تک جھوٹ کی تبلیغ کردی ہو۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ شاید ان کے وہ افعال جن کی ہم اقتداء کرتے ہیں وہ بھی دین کا تبدیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کے معاصی ہوں اور کوئی فرق نہیں۔

ہم نے روافض سے اور اس قول والوں سے زیادہ کسی کو اسلام کے تباہ کرنے میں ساعی نہیں پایا۔ ان دونوں ملعون فرقوں نے دین کے بدل جانے سے تحریف ہو جانے کو ممکن کہا۔ اس گروہ نے تو انبیا علیہم السلام پر معاصی کا اطلاق کرنے کے ساتھ ہی اس کی بھی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف ہمارے گمان کے مطابق فرماں بردار بنایا ہے۔ اور وہی اللہ کا حکم ہے جو ہم میں سے کسی کا گمان غالب ہو اگرچہ وہ مختلف و متناقض ہو۔ ہمیں اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ ان ناواقف مسلمانوں کے تباہ کرنے کے درپے ہیں جو ان سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

انبیاء سے مواخذہ :

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام سے اس کا بھی مواخذہ کیا جاتا ہے جو وہ بطور سہو کے کریں یا خیر کے قصد سے کریں مگر اس میں اللہ کی مراد کے موافق نہ ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی نماز میں سہو ہونے سے مواخذہ کیوں نہیں کیا گیا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کردی ہیں اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اسی طرح حدیث شفاعت فضیلت ہے جس میں آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اسی طرح حدیث شفاعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ قیامت کے روز لوگ ہر نبی کے پاس جائیں گے اور ہر ایک اپنی خطا بیان کرے گا یا خاموش رہے گا۔ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کریں گے تو ان میں کوئی شخص کہے گا کہ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کردی ہیں۔ چنانچہ یہ باطل ہے کہ جو معاف کردیا گیا اس پر مواخذہ کیا جائے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نبی اپنے نبی بنائے جانے سے پہلے کسی معصیت کا ارتکاب کرے۔ ہم کہیں گے کہ یہ دو وجہ سے خالی نہیں اور کوئی تیسری صورت نہیں ہوسکتی۔ کہ یا تو وہ نبی کسی ایسے نبی کی شریعت کا پرستار ہوگا جو اس سے پہلے ہوگا۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور یا وہ ایسی قوم میں پیدا ہوگا کہ جن کی شریعت برباد ہوچکی اور مٹ چکی اور فراموش ہوچکی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہے کہ جو ایسی قوم میں ہوئی جو اسماعیل و ابراہیم علیہم السلام کی شریعت کو فراموش کرچکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ووجدک ضالا فھدی** "(اور ہم نے آپ کو ناواقف پایا پھر ہم نے آپ کو ہدایت کی)۔ اور فرمایا ہے "**لتنذر قوما ما انذر آبائھم** "(تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے)۔ چنانچہ اگر نبی کسی شریعت کا پرستار ہے تو ہم ابھی یہ باطل کرچکے ہیں کہ کوئی نبی اپنے رب کی کبھی معصیت کرے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں پیدا ہوا ہے کہ جن کی شریعت مٹ چکی ہے تو نہ وہ پرستار ہے اور نہ وہ ایسی چیز پر مامور ہے جس کو اب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں لایا ہے۔ لہٰذا وہ جو کچھ بھی کرے یا نہ کرے اسمیں اللہ تعالیٰ کا عاصی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو پاک کیا ہے اور انھیں ہر ایسی چیز سے بچایا ہے جس پر لوگوں پر عیب گیری کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ عیب گیری

بھی اذیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ایذاء دینے کو حرام کر دیا ہے ''ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرہ و اعدلھم عذابا مھینا'' (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت والا عذاب تیار کیا ہے) ابو محمد کہتے ہیں کہ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ کسی زانیہ کے ہوں یا زانی یا زانیہ کی اولاد سے ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی قوم کے حسب و نسب میں معبوث کیا ہے پھر چوں کہ اس میں کوئی شک نہیں لہذا ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت سے پہلے ہی ان امور سے محفوظ رکھا جن سے بعد نبوت انھیں ایذا دی جاتی۔ چنانچہ اس میں چوری اور ظلم اور سنگدلی اور زنا اور اغلام اور لوگوں کو ان کی عورتوں مالوں اور جانوں میں ایذا دینا بھی داخل ہے۔ اور وہ بھی داخل ہے جو انسان کے لیے معیوب ہو اور قابل شکایت ہو اور اس کے ذکر سے اذیت ہوتی ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بھی اس حدیث میں ثابت ہے جو ہم سے بیان کی گئی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اہل جاہلیت جو بری باتیں کیا کرتے تھے عمر بھر میں میں نے صرف دو مرتبہ ان کا ارادہ کیا اور دونوں مرتبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا۔ ایک نوجوان اعلیٰ مکے میں میرے ساتھ تھا وہ اپنی بکریوں کے ساتھ تھا جو چر رہی تھیں میں نے اس سے کہا کہ مجھے اپنی کوئی بکری دکھاؤ تا کہ میں آج کی رات مکے میں اسی طرح باتیں کروں جس طرح نوجوان کیا کرتے ہیں تو اس نے کہا اچھا۔ جب میں نکلا اور مکے کے سب سے قریب کے مکان تک آیا تو مجھے گانے اور باجوں کی آواز سنائی دی میں نے کہا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں نے قریش کے فلاں شخص کی بیٹی سے شادی کی ہے۔ میں اس گانے اور آواز میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی جب دھوپ لگی تو آنکھ کھلی۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم کیا کرتے رہے۔ میں نے اسے واقعہ بتایا۔ میں نے اس سے دوسری رات کو بھی اسی طرح کہا اس نے منظور کر لیا۔ میں نکلا اور میں نے اسی طرح کی آواز سنی اور مجھ سے اسی طرح کہا گیا جو کہا گیا تھا۔ پھر میں نے جو سنا تھا اسی میں مشغول ہو گیا۔ یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں دھوپ لگنے سے بیدار ہوا۔ پھر میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آیا تو اس نے کہا کہ تم کیا کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر واللہ اس کے بعد میں نے کبھی کسی ایسی بدی کا ارادہ نہیں کیا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز کیا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔ نہ قبل نبوت نہ بعد نبوت۔ اور نہ کبھی کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا قبل نبوت یا بعد نبوت ارادہ کیا۔ البتہ آپ نے دو مرتبہ شب کو کہانی سنی ہے جو غالباً اس وقت تک ممنوع بھی نہ تھی۔ اور اس وقت کہانی سے بدی مقصود نہ تھی بلکہ اس چیز کا قصد تھا جس سے مخلوق کی طبیعت خوبصورتی سے حظ اٹھاتی ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کلام تمام ہوا۔

ملائکہ علیہم السلام

اس کے قبل ہم ہاروت و ماروت کا حال بیان کر چکے ہیں اور بتوفیق الٰہی ہم یہاں اسی میں ایک بیان کا اضافہ کرتے ہیں۔ کہ ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسی چیز کو منسوب کر دیا ہے جو کسی ایسی روایت میں نہیں ہے جس کو قبول کرنا ضروری ہو۔ اور وہ محض کذب و افترا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر دو فرشتوں کو اتارا اور وہ دونوں ہاروت و ماروت تھے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ شراب پی۔ جھوٹا فیصلہ کیا۔ خون کیا، زنا کیا اور زانیہ کو اللہ کا اسم اعظم بتا دیا جو اس کی وجہ سے آسمان پر اڑ گئی اور ستارے کی شکل میں تبدیل کر دی گئی۔ وہی زہرہ

ہے۔ اوران دونوں فرشتوں کو بابل کے ایک غار میں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں لوگوں کو سحر سکھایا کرتے ہیں۔

قصہ ہاروت و ماروت کی دلیل :

یہ لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں جو بطریق عمیر بن سعید ہم کو پہنچی ہے۔ یہ شخص مجہول ہے کبھی تو اس کو نخعی کہا جاتا ہے اور کبھی حنفی ہمیں سوائے اس جھوٹ کے اس کی اور کسی روایت کا علم نہیں۔ یہ روایت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ اس نے اسے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ شراب کی سزا (حد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے جسے صحابہ نے کیا ہے۔ حالانکہ وہ حضرات اس سے بری ہیں۔

ان سب کے بطلان میں اللہ تعالیٰ کا وہ قول ہے کہ " **الذی لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید** " (جس میں باطل کا نہ آگے سے گزر ہے نہ پیچھے سے یہ حکیم وحمید کا نازل کیا ہوا ہے) "**ماننزل الملئکۃ الا بالحق وما کانوا اذا منظرین** " (ہم ملائکہ کو حق ہی کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت لوگوں کو مہلت نہیں دی جاتی) اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ ملائکہ حق ہی کے ساتھ نازل کیے جاتے ہیں۔ اور شراب خوری وزنا وقتل بے گناہ اور فاحشہ عورتوں کو اسم اعظم سکھانا جس کی وجہ سے وہ آسمان پر اٹھ جائیں۔ اور سحر کی تعلیم دینا حق نہیں ہے بلکہ یہ سب کے سب باطل ہیں۔

ہم شہادت دیتے ہیں کہ ملائکہ کبھی کسی بدکاری وباطل کے لیے نازل نہیں کیے گئے۔

جب وہ اس کے لیے نازل کیے گئے تو یہ باطل ہے کہ وہ اس کو کریں۔ اس لیے کہ وہ اگر اس کو زمین میں کرتے تو وہ اس کے لیے نازل ہوتے اور یہ باطل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ اگر وہ ہم پر ملائکہ نازل کرتا تو ہمیں مہلت نہ دی جاتی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہرگز کوئی فرشتہ ظاہر ہو کے نہیں نازل ہوا۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی نبی کی وحی لے کے آیا ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ظہور ملائکہ :

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " **ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا** " (اگر ہم فرشتے کو رسول بناتے تو ہم لامحالہ اسے بھی مرد ہی بناتے) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سامنے فرشتے کے ظاہر ہونے کے امکان کو باطل کر دیا۔ اور فرمایا ہے " **ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون** " (اور اگر ہم کسی فرشتے کو نازل کرتے تو بات ختم کر دی جاتی پھر لوگوں کو مہلت نہ دی جاتی) اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کر دی جو یہ کہے کہ کبھی ظاہر میں کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہوا سوائے انبیاء علیہم السلام کے کہ ان پر حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو نازل کیا گیا۔ اور فرمایا ہے " **وقال الذین لایرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملئکۃ اونری ربنا لقد استکبروا فی انفسہم وعتوا عتوا کبیرا . یوم یرون الملئکۃ لابشری یومئذ للمجرمین.** " (اور ان لوگوں نے کہا کہ جنھیں ہم سے ملنے کا ڈر نہیں ہے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم کیوں نہیں اپنے رب کو دیکھتے۔ ان لوگوں نے اپنے جی میں اپنے کو بڑا سمجھا اور حد سے بڑھ گئے جس روز یہ ملائکہ کو دیکھیں گے۔ اس روز مجرمین کے لیے خوشخبری نہ ہوگی)۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں اشکال کو رفع کر دیا۔ دنیا میں نزول ملائکہ کو اپنے دیدار کے ساتھ ملا دیا۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ دنیا میں غیر انبیاء کے پاس ملائکہ کا اترنا ممتنع ونا جائز ہے۔ جو اس کا قائل ہو وہ ممتنع اور محال کا قائل ہوا۔ اسی سے اس کا کذب ظاہر ہو گیا جو یہ دعوی کرتا ہے کہ دو فرشتے لوگوں کے پاس نازل کئے گئے جنھوں نے لوگوں کو سحر سکھایا۔ حالانکہ جن لوگوں نے ملائکہ نازل کرنے کی خواہش کی اللہ تعالیٰ نے اسکو بہت بڑا سمجھا اور اس فعل کا نام " استکبار "

و ’عتوا ‘‘ کہا (یعنی تکبر اور حد سے بڑھنا) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہم لوگ قیامت تک کبھی فرشتوں کو نہیں دیکھیں گے۔

اور اس روز مجرمین کے لیے خوشخبری نہ ہوگی۔

چونکہ ان تمام امور میں کوئی شک نہیں ہے تو ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ یہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یا تو ہاروت و ماروت فرشتے نہ تھے۔ اور ’’**ما انزل علی الملکین** ‘‘میں ’’ما ‘ ‘اس امر کی نفی ہے کہ فرشتوں پر کچھ نازل کیا جائے۔ اور اس وقت ’’**ھاروت وماروت** ‘‘الشیاطین سے بدل ہوگا۔ گویا یہ فرمایا کہ ’’**لکن الشیطین ھاروت و ماروت** ‘‘(لیکن شیاطین ہاروت و ماروت ہیں)۔

ہاروت و ماروت قبائل جن کے دو قبیلے ہوں گے۔ جو لوگوں کو سحر سکھایا کرتے تھے۔ یہ قول خالد بن ابی عمران وغیرہ سے روایت کیا گیا ہے۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ ’’**علی الملکین** ‘‘لام کے کسرے سے پڑھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ہاروت و ماروت دو غیر عربی کافر بابل کے باشندے تھے۔ اس قول کی بنا پر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں فرشتے نہ تھے۔

بعض جہلاء نے اعتراض کیا کہ یہ تو شیطان کی انتہائی مہربانی ہے کہ جو سحر سیکھے اس سے کہے کہ کفر نہ کرنا۔

میں نے اس سے کہا کہ یہ اعتراض تین وجوہ سے باطل ہے۔

اول ہم تم سے کہتے ہیں کہ شیطان کے یہ کہنے سے کون مانع ہے۔ یا تو اس نے تمسخر سے کہا ہو یا اس سے کہا ہو جس کے لیے اللہ نے چاہا ہو۔ مگر تمھیں کوئی ایسی دلیل پیش کرنا ضروری ہے جو اس سے مانع ہو۔

دوم اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ شیطان نے کہا ہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **واذزین لھم الشیطن اعمالھم وقال لاغالب لکم الیوم من الناس وانی جارلکم . فلما تراء ت الفئتان نکص علی عقبیه وقال انی بریٔ منکم انی اری مالا ترون انی اخاف الله . والله شدید العقاب** " (اور جب کہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں پسندیدہ بنا دیا اور کہا کہ آج تم پر کوئی بھی غالب نہیں آسکتا اور میں تمھارے ساتھ ہوں۔ پھر جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ تو وہ پچھلے پیر بھاگا اور کہا کہ میں تم سے الگ ہوں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے)۔

اور فرمایا ہے۔ **کمثل الشیطن اذقال للانسان اکفر. فلما کفر قال انی بریٔ منک انی اخاف الله رب العلمین** (شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر۔ پھر جب اس نے کفر کیا تو اس نے کہا کہ میں تجھ سے الگ ہوں۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالموں کا رب ہے) شیطان نے انسان کو کرنے کا حکم دیا پھر اس سے الگ ہو گیا۔ اور اسے خبر دی کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔ پہلے تو کفار کو دھوکا دیا پھر ان سے الگ ہو گیا اور کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ شیطان نے انسان کو کفر کرنے کا حکم دیا پھر اس سے الگ ہو گیا اور کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ شیطان انسان سے کہے کہ کفر کر اور اسے دھوکا دے پھر اس سے الگ ہو جائے اور کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسے سحر کی تعلیم دے اور اس سے کہے کہ کفر نہ کرنا ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے۔

سوم بنص آیت سحر سکھانے والے نے سحر سیکھنے والے سے کہا کہ کفر نہ کرنا۔ خواہ وہ فرشتہ ہو یا شیطان۔ تمھارے قول کی بنا پر اس نے وہ چیز سکھائی جو حلال نہ تھی۔ اور اس سے کہا کہ کفر نہ کرنا۔ مگر تم اس کے شیطان سے سنکر نہیں اور نہ اپنے دعوے کے مطابق فرشتے سے اس کے

منکر ہو۔ تم اس کی طرف یہ منسوب کرتے ہو کہ وہ وہی سحر سکھاتا تھا جو تمھارے نزدیک گمراہی و کفر ہے۔

یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہوں جو شریعت حقہ کے ساتھ نازل ہوئے ہوں، لوگوں کو دین کی تعلیم دی ہو اور تاکید کی ہو کہ کفر نہ کرنا۔ اور واقع کفر سے منع کرنا ہی مقصود بھی ہو۔ اور انھیں بتادیا ہو کہ وہ فتنہ ہیں۔ انکے ذریعے سے اور جو چیز دونوں لائے ہیں اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو گمراہ کرے گا جو کفر کرے گا اور ان دونوں کے ذریعے سے اسے ہدایت کرے گا جو اس پر ایمان لائے گا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کیا ہے کہ " **ان ھی الا فتنتک . تضل بھا من تشاء و تھدی من تشاء** "(یہ محض تیرا فتنہ ہے کہ اس سے جسے تو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ" **الم ٥. احسب الناس ان یتر کوا ان یقولو آمنا وھم لایفتنون** "(الم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ "ہم ایمان لائے" کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو فتنے میں (یعنی امتحان میں) نہ ڈالا جائے گا۔ وہ دین جو ان دونوں فرشتوں پر نازل ہوا تھا منسوخ ہو گیا ہو اور وہ ایمان ہونے کے بعد کفر بن گیا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل کی شرائع منسوخ کر دیں۔ اور جن اسی منسوخ کی تعلیم پر باقی رہے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ نہ تو اس آیت میں کوئی نص ہے اور نہ اور کوئی اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں فرشتوں نے سحر کی تعلیم دی۔ بلکہ یہ تو کذب و بہتان کو زبردستی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اس آیت میں بیان ہے کہ وہ سحر نہ تھا " **ولکن الشیطین کفر وا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببا بل ھاروت و ماروت** " (لیکن شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اور وہ سکھاتے تھے جو بابل میں ہاروت و ہاروت اور فرشتوں پر نازل کیا گیا) یہ جائز نہیں کہ بغیر برہان نص یا اجماع یا ضرورت کے معطوف اور معطوف علیہ کو شے واحد کر دیا جائے۔

بابل تو یہی کوفہ ہے جو مشہور شہر ہے۔ اس کے نزدیک بھی جو کچھ ہے وہ محدود و معلوم ہے۔ اس میں کوئی غار ایسا نہیں جس میں کوئی فرشتہ ہو۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ محض خرافات اور موضوعات ہیں کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ان دونوں کا مقام اہل کوفہ سے پوشیدہ نہ ہوتا۔ لہذا ہاروت و ماروت سے جو استدلال تھا وہ باطل ہو گیا۔ **والحمدللہ رب العلمین۔**

ابلیس کون تھا :

ایک قوم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا۔ اس نے نافرمانی کی۔ اس سے اللہ کی پناہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس قول کی تکذیب کی ہے" **الا ابلیس کان من الجن** "(مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا جو جن میں سے تھا)۔ اور اس آیت میں" **افتتخذونہ و ذریتہ اولیاء من دونی** "۔ (تو کیا تم مجھے چھوڑ کے شیطان کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو)۔ اور ملائکہ کی کوئی ذریت نہیں۔ اور اس آیت میں" **انہ یریکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم** "(وہ اور اس کی جماعت تمھیں اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح تم انھیں نہیں دیکھتے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے اسے جلتی ہوئی آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور بلاشک نور اور ہے، نار اور ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جن اور ہیں ملائکہ اور ہیں۔ بنص قرآن ملائکہ سب کے سب بزرگ و بہتر ہیں۔ جن و انس میں اچھے برے دونوں ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ ملائکہ نے کہا تھا کہ" **اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک** "(کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد و خوں ریزی برپا کرے۔ حالاں کہ ہم

لوگ تیری حمد کی تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کیا کرتے ہیں)۔ اور یہ اپنے نفس کا پاک صاف بتانا ہے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''**فلاتزکوا انفسکم**'' (اپنے آپ کو پاک صاف نہ کہو)۔

تزکیۂ نفس کی شکلیں :

اللہ کی توفیق سے ہم کہیں گے کہ انسان کی خود اپنی مدح کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس سے آدمی اپنے افتخار کا اور دوسرے کے گھٹانے کا قصد کرے تو یہی وہ تزکیہ ہے جو بیحد مذموم ہے۔ دوسری شکل وہ ہے جو سچی خبر اور حق کے اظہار کے طور پر جاری ہوئی ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا کہ ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے''۔ اور ''مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی'' اور جیسے یوسف علیہ السلام کا فرمانا کہ '' **اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** '' (مجھے ملک کے خزانوں پر مامور کو دیجیے۔ بیشک میں محافظ ہوں اور جاننے والا ہوں)۔ اس کا نام تزکیہ نہیں ہے۔ یہاں پر ملائکہ کا قول بھی اسی باب سے ہے۔

برہان یہ ہے کہ اگر ملائکہ کا قول مذموم ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اعتراض کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند نہیں کیا تو وہ سچائی ہے۔ اسی باب سے ہمارا یہ کہنا بھی ہے کہ ہم مسلمین ہیں ہم بہترین امت ہیں جو لوگوں کے لیے ظاہر کیے گئے ہیں۔ اور جیسے حواریین کا قول کہ ''**نحن انصار اللہ**'' (ہم لوگ اللہ کے مددگار ہیں) ان تمام امور سے جب خیر پر برانگیختہ کرنا مقصود ہو اور فخر مقصود نہ ہو تو یہ خیر ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو یہ جواب دیا کہ ''**انی اعلم مالا تعلمون** '' (میں وہ امور جانتا ہوں جو تم لوگ نہیں جانتے)۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ ملائکہ کو بھی اس میں ہرگز شک نہ تھا کہ جو اللہ جانتا ہے وہ نہیں جانتے۔ یہ انکار و اعتراض ناپسندیدگی کا اظہار نہیں ہے جن تو اسلام کے پرستار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ لید اور ہڈیاں ہمارے جن بھائیوں کی غذا ہے اور یہ ہمارے حکم کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے احکام کے ساتھ مخصوص کیا ہے جو ہمارے احکام کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ عورتوں کے لیے حیض و ترک نماز وغیرہ کے جو احکام ہیں وہ مردوں کے لیے نہیں ہیں۔ اور جیسا کہ قریش کے لیے امامت و سلطنت ہے اور دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ سب دین اسلام ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق . وحسبنا اللہ ونعم الوکیل**۔

☆☆

جو اسلام کا بغیر استدلال کے معتقد ہو کیا وہ مومن ہے

کیا مومن و مسلم وہی ہو سکتا ہے جو استدلال کرے

محمد بن جریر الطبری اور سوائے سمنانی کے تمام اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ جو استدلال کرے گا وہی مسلم ہوگا اور جو نہ کرے گا وہ مسلم نہ ہوگا۔ طبری نے کہا ہے کہ جو احتلام یا موئے زیر ناف کی حد کو پہنچ گیا خواہ مرد ہو یا عورت۔ یا عورت حیض کی حد تک پہنچ گئی اور اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام اسماء وصفات کو استدلال کے طریقے سے نہ پہچانا تو وہ کافر ہے۔ اس کی جان و مال حلال ہے۔ جب لڑکا یا لڑکی سات برس کے ہو جائیں تو ان کو ان امور کی تعلیم وتلقین بہ طور استدلال کے واجب ہے۔ اشعریہ نے کہا کہ ان دونوں کو بلوغ سے پہلے اس پر استدلال لازم نہیں۔

تمام اہل اسلام نے کہا ہے کہ جو شخص دل سے دین اسلام کا ایسے طور پر معتقد ہو جس میں شک نہ کرے، زبان سے ''**لا الـه الا الله محـمـد رسـول الله**'' کہے، جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں اسے حق جانے اور سوائے دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دین سے بری ہو تو وہ مسلم و مومن ہے، اس پر اس کے سوا اور کچھ ضروری نہیں۔

پہلے گروہ نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس پر سب متفق ہیں کہ تقلید مذموم ہے اور جو چیز استدلال سے نہ پہچانی جائے تو وہ تقلید ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ انھوں نے یہ آیات پیش کی ہیں ''**انـا وجـدنـا آباء نا علی امة و انا علی آثارهم مقتدون**'' (ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا۔ اور ہم انھیں کے نشانوں کے پیروکار رہے)۔ ''**قـل اولـو جـئـتـكم باهدى مما وجدتم عليه آباء كم**'' (آپ کہہ دیجیے کہ کیا (جب بھی نہ مانو گے) اگر میں تمھارے پاس اس سے زیادہ ہدایت کرنے والا دین لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے) ''**اولـو كـان آبـاؤهـم لا يـعقلون شيئا ولا يهتدون**'' (تو کیا (جب بھی وہ نہ مانیں گے) اگر ان کے باپ دادا کسی بات کی بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) ''**وقا لو اربنا انا اطعنا سادتنا و كبر ائنا فاضلونا السبيل**'' (اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تو ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کر دیا)۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ دادا اور رؤسا کی پیروی کرنے کی مذمت کی ہے۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ بغیر دلیل کے کوئی شخص نہیں جانتا کہ دو میں سے کونسا امر زیادہ ہدایت ہے اور آیا اس کے باپ دادا کچھ جانتے ہیں یا نہیں۔ جو چیز دلیل سے ثابت نہ ہو تو وہ دعویٰ ہے۔ اور صادق وکاذب میں محض دونوں کے قول سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دلیل سے دونوں میں فرق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**قـل هاتوا برهانكم ان كنتم صـادقين**'' (تم لوگ اگر سچے ہو تو اپنی برہان لاؤ) جس کے پاس کوئی برہان نہ ہو تو وہ اپنے قول

میں صادق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو چیز علم نہ ہو تو وہ ظن وشک ہے اور کسی شے کا استدلال سے یا ضرورت جس سے اس طور پر اعتقاد کرنا کہ جس طور پر وہ شے ہے۔ علم ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ دیانات میں صحیح کی صحت اور باطل کا بطلان جو اس سے قطعاً معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ استدلال ہی کے طریقے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جب استدلال نہ ہوگا تو آدمی اس چیز کا عالم بھی نہ ہوگا جس پر اس نے استدلال نہیں کی ہے۔ جب وہ عالم (جاننے اور یقین کرنے والا) نہ ہوگا تو شاک (شک کرنے والا) اور گمراہ ہوگا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ قول بیان کیا ہے کہ فرشتہ قبر میں سوال کرے گا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ مومن یا موقن (یقین کرنے والا) کہے گا کہ یہ محمد ہیں اللہ کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیکن منافق یا شک کرنے والا کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا وہی میں نے بھی کہہ دیا۔ ان لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر ربوبیت ونبوت پر استدلال بیان کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور اس کے علم کو واجب کیا ہے اور علم بغیر دلیل کے نہیں ہوتا جیسا کہ تم نے کہا۔

ان لوگوں نے جن دلائل سے ملمع کاری کی ہے وہ کل یہی ہیں جن کو ہم نے انتہائی جستجو سے جمع کر دیا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ لاالہ الا هو۔ اللہ کی مدد وقوت سے بیان کریں گے۔

قبل اس کے کہ بیان کریں ہم ایک بات کہتے ہیں جسے مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ اس فرقے کے اکثر لوگ ہر اس چیز سے بہت دور ہیں جو اس بحث واستدلال کی طرف منسوب ہے کہ دلایل کی صحت معلوم کرنے کے لیے ہو۔ لہذا اس پر تعجب کرنا چاہیے۔ یہ لوگ اپنے اوپر خود ہی گواہ ہیں کہ یہ سب کافر ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ تقلید مذموم ہے اور جو چیز استدلال سے نہیں جانی جاتی تو یہی تقلید کا اختیار کرنا ہے۔ کیوں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تو ان لوگوں نے اس امکان میں فریب دہی اور عجلت کی ہے۔ تقسیم صحیح کو ترک کر دیا ہے۔

تقلید کیا ہے :

ہم مانتے ہیں کہ تقلید قطعاً جائز نہیں۔ اور تقلید صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی ایسے شخص کے قول کو اختیار کرنا جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہرگز حکم نہیں دیا ہے اور نہ اس کے قول کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ ہم پر اسے حرام کر دیا ہے اور ہمیں اس سے منع کر دیا ہے۔ انسان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کو اختیار کرنا جن کی طاعت ہم پر فرض کر دی گئی ہے، جن کا اتباع وتصدیق ہم پر لازم کر دیا گیا ہے جن کے حکم کی مخالفت سے ہم کو ڈرایا گیا ہے، اور جس پر ہمیں نہایت سخت وعید سنائی گئی ہے۔ تو یہ تقلید نہیں ہے بلکہ یہ ایمان وتصدیق اتباع حق وطاعت اللہ وادائے فرض ہے۔ اس گروہ نے یہ فریب دیا کہ اس حق پر جو اتباع حق ہے اس تقلید کے نام کا اطلاق کیا جو باطل ہے۔

برہان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی شخص کے قول کا اس لیے اتباع کرے کہ فلاں نے اس کو کہا ہے اور اس کا اعتقاد یہ ہو کہ اگر فلاں شخص نے یہ قول نہ بیان کیا ہوتا تو یہ بھی اس کا قائل نہ ہوتا تو اس قول کا کہنے والا مقلد وخطاوار اور اللہ ورسول کا عاصی وظالم وآثم ہے۔ خواہ اس کا یہ قول اللہ ورسول کے موافق ہو یا مخالف۔ یہ شخص فاسق ہے اس لیے کہ اس نے ایسے شخص کی پیروی کی جس کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور اس نے اس کے خلاف کیا جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ اگر کوئی شخص اللہ ورسول کے

قول کی پیروی کرے تو وہ محسن ومطیع وماجور وغیر مقلد ہوگا خواہ وہ حق کے موافق ہو یا وہم کر کے خطا کرے۔

یہ ہم نے محض اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ یہ واضح کر دیں کہ ہمیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور جو چیز ہم پر فرض کی گئی ہے وہ صرف اس چیز کی پیروی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں۔ اور جو چیز ہم پر حرام کی گئی ہے وہ آپ کے علاوہ کسی اور کا اتباع ہے یا کسی ایسے عقیدے کی ایجاد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کبھی اجازت نہیں دی۔ یہ ثابت ہے کہ تقلید باطل ہے ناجائز ہے، لہٰذا یہ ممتنع و باطل ہے کہ وہ حق و باطل دونوں ہو، اور ایک ہی وجہ واعتبار سے محسن و مسیئ (نیکوکار و بدکار) دونوں ہو۔ چونکہ یہ ایسا ہے اور نہ تو جو شخص اس کا متبع ہے جس کے اتباع کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ مقلد نہیں ہے۔ اور نہ اس کا یہ فعل تقلید ہے۔ مقلد صرف وہ ہے جو اس کا اتباع کرے جس کے اتباع کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے لہٰذا مذمت تقلید کے متعلق ان لوگوں کی جو فریب کاری تھی وہ ساقط ہوگئی۔ اور ثابت ہوگیا کہ انھوں نے اس کو دوسرے مقام میں رکھ دیا اور اس چیز پر تقلید کا نام دھرا جو تقلید نہیں ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اللہ تعالیٰ نے جو آباو اجداد اور بزرگوں کے اتباع کی مذمت فرمائی ہے اس سے جو انکا استدلال ہے تو ہم اس کے متعلق ابھی جو کچھ کہہ چکے ہیں یہ وہی ہے اس لیے کہ باپ دادا اور بزرگوں کا اور اس کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ہے۔ اتباع وہی تقلید ہے جو حرام ہے اور اس کا فاعل قابل مذمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء** " (اس کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوستوں کی پیروی نہ کرو) یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ **وللہ الحمد۔**

یہ استدلال کہ بغیر دلیل کے معلوم نہیں ہو سکتا کہ دو میں سے کونسا امر زیادہ ہدایت ہے اور آیا باپ دادا کچھ جانتے تھے یا نہیں۔ اور جو چیز دلیل سے ثابت نہ ہو تو وہ دعوی ہے۔ اور صادق وکاذب میں محض ان کے قول سے فرق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**" (آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی برہان لاؤ)۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔

جو ایسا ہو کہ اس کا نفس اس سے برہان کے لیے جھگڑتا ہو اور اس کا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ لائے ہیں اس کی تصدیق پر قائم نہ رہتا ہو تاوقتیکہ دلائل نہ سن لے تو اس شخص پر دلایل کا تلاش کرنا فرض ہے۔ اس لیے کہ یہ اگر اس برہان کے سننے سے پہلے جو اس کے دل کو ٹھنڈا کرے شک یا انکار کی حالت میں مر گیا۔ تو یہ کافر مرا اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ اسی شخص کے درجے میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ کر کے بھی ایمان نہیں لایا۔ تاوقتے کہ اس نے معجزات نہ دیکھ لیے۔ یہ بھی اگر مر جائے تو کافر مرا۔ اس میں اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

جس کی یہ حالت ہو ہم نے اس پر برہان کا طلب کرنا اس لیے واجب کیا ہے کہ اس پر اس چیز کا طلب کرنا واجب ہے جس سے اسے کفر سے نجات ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ**" (اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچائے۔ ایک قسم یہ ہے۔ اور اس قسم کے بہت کم لوگ ہیں۔

قسم ثانی یہ ہے کہ نفس جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں اس کی تصدیق پر قائم ہو، قلب ایمان سے مطمئن ہو۔ طبیعت

طلب دلیل پر اس سے جھگڑتی نہ ہو، یہ اللہ کی طرف سے اس کے لیے بطور توفیق کے ہو اور جو خیر و نیکی اس نے اس کے لیے پیدا کر دی ہے اسے اس کے لیے سہل کرنے کے طور پر ہو۔ یہ لوگ نہ کسی برہان کے محتاج ہیں نہ کسی استدلال کی تکلیف کے۔ یہ لوگ اکثر ہیں جو عام لوگوں میں سے اور عورتوں اور تاجروں اور کاریگروں اور کاشتکاروں اور غلاموں میں سے ہیں اور وہ اصحاب حدیث آئمہ ہیں جو دین میں شک و گفتگو و مناظرے کی مذمت کرتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **ولکن حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفرو الفسوق والعصیان . اولئک هم الراشدون . فضلا من الله . ونعمة . والله علیم حکیم** " (لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں پسندیدہ و آراستہ بنا دیا۔ اور تمھیں کفر و فسق و معصیت کی نفرت دے دی۔ یہی لوگ راشدین و ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ اللہ کا فضل و انعام ہے۔ اور اللہ بڑا حکمت والا علم والا ہے)۔ اور فرمایا ہے " **فمن یرد الله ان یهدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء** " (پھر جس کو اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت کرے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ ایسا تنگ و تاریک کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ جائے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا نام راشدین رکھا جن کے قلوب میں اس نے ایمان کو آراستہ بنا دیا۔ ان کے نزدیک اسے محبوب کر دیا۔ کفر و معاصی سے انھیں منفرد کر دیا۔ اور یہ سب اپنے فضل و انعام سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ابتداء دلوں میں اور زبان پر ایمان کا پیدا کرنا یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں استدلال کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

یہ لوگ اپنے باپ دادا اور بزرگوں کی تقلید کرنے والے نہیں ہیں اس لیے کہ یہ لوگ اپنی زبانوں سے اقرار کرنے والے اور اپنے دلوں میں ثابت کرنے والے ہیں کہ اگر ان کے باپ دادا اور رؤسا کفر کرتے تو یہ ہرگز کفر نہ کرتے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے باپ دادا اور رؤسا کا قتل کرنا اور ان سے الگ رہنا حلال سمجھتے۔ یہ لوگ جو کچھ خلاف شریعت امور سنتے ہیں اس سے اپنے دلوں میں زبردست نفرت محسوس کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک آگ میں جلنا مخالفت اسلام سے سہل ہے۔ یہ وہ امر ہے جسے ہم خود اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور یقیناً اپنے اندر اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ہم سالہا سال اس طور پر رہے کہ استدلال اور اس کے وجوہ کو جانتے تک نہ تھے۔ اور بحمد اللہ ہم دین اسلام کے متعلق انتہائی یقین میں تھے۔ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں۔ اس میں ہم اپنا انتہائی اطمینان و سکون محسوس کرتے تھے۔ اور اس میں جو شک پیش کیا جاتا تھا اس سے انتہائی نفرت کرتے تھے۔ اس درمیان میں اگر ہمارے دلوں میں برے خیالات پیدا ہوتے تھے۔ جنھیں شیطان ڈال دیتا تھا۔ تو ہم ان سے سخت نفرت کی وجہ سے اپنے قلوب کے خفقان کے باوجود اس کی ناگواری کے سننے کے قریب ہوتے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جب ان امور کے متعلق کوئی سوال کرے تو اس سے یہ کہو کہ ہم میں سے کسی کے دل میں کوئی ایسی بات پیدا ہوا اور وہ اسکا اقدام بھی کرے تو اس کی گردن ماری جائے تو اس سے یہ بات بہتر ہے اس سے کہ وہ اس میں کلام کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ یہ خالص ایمان ہے آپ نے یہ بتایا کہ وہ شیطانی وسوسہ ہے، اس کے بارے میں آپ نے ہمیں تعوذ (اعوذ باللہ) اور قرات اور بائیں جانب سے منتقل ہونے کا حکم دیا ہے۔

اس کے بعد ہم نے استدلال کے طریقے سیکھے اور انھیں پختہ کیا۔ **وللہ الحمد** ۔ مگر ہمیں جو یقین پہلے تھا اس سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ بلکہ معلوم ہوا کہ حق ہمارے لیے آسان کر دیا گیا تھا اور ہم ایسے ہی ہو گئے۔ جیسے وہ شخص جو سن کر جانتا اور یقین کرتا ہو کہ ہاتھی موجود ہے اور اس نے اسے دیکھا نہ ہو۔ اس کے بعد اسے دیکھے تو اسکے صحت وجود کے یقین میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا۔ لیکن اس نے ہمیں استدلال صحیح کا راستہ بتا دیا ہے جس نے ہماری ان بعض غلط رایوں کو توڑ دیا جن پر ہم نے نشو ونما پایا تھا۔ مثلاً قیاس سے دین میں عقیدہ اختیار کرنا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم اس معاملے میں خطا کے مقتدی و پیرو کار تھے۔ **وللہ تعالیٰ الحمد**۔

ہمارے مخالفین جیسا کہ ہم نے بیان کیا خود ہی جانتے ہیں مگر لا محالہ انھیں یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنے خلاف اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اپنے استدلال سے پہلے کفر پر تھے۔ لہذا جو کچھ ہم نے کہا اس سے ثابت ہو گیا کہ جو شخص خلوص قلب سے حق کا اعتقاد کرے اور اسے زبان سے بھی کہے تو یہ لوگ مومن اور حق کے ماننے والے ہیں اور مقلد نہیں ہیں۔ مقلد جب ہوتے کہ یہ کہتے اور عقیدہ رکھتے کہ ہم دین میں اپنے باپ دادا اور بڑوں ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر ہمارے باپ دادا اور بزرگ دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک کر دیتے تو ہم بھی اسے ترک کر دیتے۔ اگر وہ یہی کہیں اور اسی کا اعتقاد کریں۔ تو بیشک وہ مقلد کافر وغیرہ مومن ہوں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے انھیں باپ دادا اور اپنے بزرگوں کی پیروی کی جن کے اتباع سے انھیں منع کیا گیا تھا۔ اور ان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نہیں کیا جن کے اتباع کا انھیں حکم دیا گیا تھا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں برہان لانے کی تکلیف دی اگر یہ سچے ہوں تو اس سے مراد وہ کفار ہیں جو اس کے مخالف تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ یہ نص آیت ہے۔ مسلمین کو ہرگز برہان لانے کا حکم نہیں دیا۔ ورنہ برہان لانے تک ان کا اتباع ہی ساقط ہوتا۔ دونوں امور میں فرق واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف ہے اس کے لیے ہرگز کوئی برہان نہیں ہے۔ اس لیے انھیں خاموش اور عاجز کرنے کے لیے برہان لانے کی تکلیف دی گئی اگر وہ سچے ہیں۔ اور وہ بغیر برہان کے سچے نہیں ہیں۔

جس نے ان امور کی پیروی کی جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں تو اس نے اس حق کی پیروی کی جس کی صحت پر براہین قائم ہیں اور اس نے اس سچے دین کو اختیار کیا جس کے وجوب پر حجت بالغہ قائم ہے۔ خواہ وہ اس برہان کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اسے یہی کافی ہے کہ وہ اس حق پر ہے جو برہان سے ثابت ہے اور جو اس دین کے سوا ہے اس پر کوئی برہان نہیں۔ **والحمد للہ رب العلمین**۔

یہ کہنا کہ جو علم نہ ہو وہ شک ہے اور ظن ہے، علم یہ ہے کہ شے کا اس حالت پر اعتقاد کریں جس پر وہ ہے یہ اعتقاد خواہ ضرورت حس سے ہو یا استدلال سے۔ امور دینی کی صحت بغیر استدلال کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر آدمی استدلال نہ کرے تو وہ عالم نہ ہوگا۔ اور جب عالم نہ ہو گا۔ تو وہ جاہل شک یا گمان کرنے والا ہوگا۔ اور جب دین کا اسے علم نہ ہوگا تو وہ کافر ہوگا۔

یہ واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا یہ سمجھے۔ اس لیے کہ انھوں نے ایک قضیہ باطلہ فاسدہ سے مدلل جس پر استدلال کی بنیاد رکھی۔ وہ قضیہ علم کی تعریف میں ”استدلال سے یا ضرورت حس سے“ داخل کرنا ہے۔ اس اضافہ فاسدہ میں ہمیں ان سے اتفاق نہیں ہے۔ نہ اس کی صحت پر قرآن آیا۔ نہ حدیث نہ اجماع، نہ لغت، نہ طبیعت، نہ کسی صحابی کا قول۔

درحقیقت علم کی تعریف یہ ہے کہ شے کا اسی حالت پر اعتقاد کرنا جس پر وہ ہے۔ جس نے کسی شے کا اعتقاد کیا کہ وہ شے اس حالت پر ہے اور اس میں شک کی وجہ سے اسے خلجان نہ ہو تو وہ اسکا عالم ہے۔ خواہ یہ ضرورت حس سے ہو، خواہ بداہت عقل سے یا برہان استدلالی سے۔

یا اللہ تعالیٰ کے اس کے لیے سہل کرنے سے اور اسکے اس معتقد کے دل میں پیدا کرنے سے ہو اور اس سے زیادہ نہیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی شخص کسی شے کو اسی حالت میں اپنے اعتقاد میں حق جانتا ہو کہ جس حالت میں وہ شے ہے اور وہ اسکا عالم اور یقین کرنے والا نہ ہو۔ یہ تناقض وفساد وتعارض ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں جو فرشتے کے سوال کے بارے میں ہے انکی کوئی حجت نہیں۔ بلکہ وہ ان کے خلاف حجت ہے، جیسا کہ مجرد حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں یہی فرمایا کہ مومن یا موقن تو کہے گا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں) ہمیں مومن وموقن فرمادینا کافی ہے۔ موقن کا ایمان ویقین خواہ کیسا ہی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لیکن منافق یا مرتاب'' (یعنی شک کرنے والا) آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''غیر مستدل'' یہ کہے گا کہ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا وہی میں بھی کہتا ہوں۔ یہی ہمارا قول ہے۔ اس لیے کہ منافق ومرتاب نہ موقن (یقین کرنے والے) ہیں نہ مومن ہیں۔ یہ صفت اس کی ہے جو انسانوں کا مقلد ہوتا ہے اور محقق نہیں ہوتا۔ لہذا ظاہر ہوگیا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر کافی حجت ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات میں استدلال کا ذکر کیا ہے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اس کا علم حاصل کرنا واجب کیا ہے۔ اور علم بغیر استدلال کے نہیں ہوتا۔ یہ بھی اضافہ وزیادت ہے جس کو انھوں نے داخل کردیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ''اور اس کا حکم دیا ہے'' تو اس کو یہ لوگ کبھی نہ پائیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے استدلال کا ذکر کیا ہے اور اس پر ابھارا ہے ہم استدلال کا انکار نہیں کرتے بلکہ یہ فعل حسن ہے جس کی دعوت دی گئی ہے جس پر ابھارا گیا ہے جس کو اس کی طاقت ہو۔ اس لیے کہ یہ زادراہ خیر ہے اور ہر ایسے شخص پر فرض ہے جس کا نفس تصدیق پر مطمئن نہ ہو۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ بلا میں نہ ڈالے۔ ہم صرف اس دعوے کا انکار کرتے ہیں کہ ''استدلال ہر شخص پر فرض ہے کہ بغیر اس کے کسی کا اسلام ہی صحیح نہ ہو'' یہ محض باطل ہے۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم حاصل کرنا واجب کردیا ہے تو ہاں درست ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ علم بغیر استدلال کے نہیں ہوتا تو یہ وہ جھوٹا دعویٰ ہے جس کو ہم نے ابھی باطل کردیا ہے۔ اور اسکا سب سے پہلا بطلان یہ ہے کہ یہ دعویٰ بغیر برہان کے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عزیز حکیم ہی ہمارا مددگار رہے۔ بس کل یہی تھا جس سے انھوں نے خرابی پیدا کی تھی کہ جسے ہم نے رد کردیا۔ **و الحمد للہ رب العلمین** ۔ لہذا ان کا قول ساقط ہوگیا کیوں کہ یہ برہان سے خالی ہے۔ یہ ان کا دعویٰ ہے جو انھیں کا افترا کیا ہوا ہے جس کو نہ کوئی نص لائی نہ اجماع۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

اب ہم انشاء اللہ اللہ کی مدد وتوفیق وتائید سے ان کے قول کے بطلان پر براہین کا ذکر کرتے ہیں۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** ۔

جو یہ کہتا ہے کہ مسلم وہی ہوسکتا ہے جو استدلال کرے اس سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ اس پر استدلال کا فرض کب واجب ہوتا ہے۔ آیا قبل بلوغ یا بعد بلوغ۔ دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔ طبری کا جواب تو یہ ہے کہ یہ قبل بلوغ واجب ہے۔

یہ غلط ہے، کیوں کہ جو بالغ نہ ہو نہ وہ مکلف ہے نہ مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے'' (یعنی ان پر کچھ فرض نہیں) آپ نے بیان کیا کہ ''بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو'' طبری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب باطل ہوگیا۔

اشعریہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے اہل اسلام کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، کان کھڑے ہوتے ہیں اور ان امور کے قائل کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ دلائل کا حاصل کرنا بلوغ کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔ اسی

جملے پر انھوں نے قناعت نہیں کی۔ کہ ہمیں مشقت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اس چیز کی تصریح کر دی جس کا الزام ہم ان کو دینا چاہتے تھے۔ انھوں نے علانیہ یہ کہا کہ کسی کا اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بلوغ کے بعد شک کرنے والا اور تصدیق نہ کرنے والا رہتا ہے۔

ہم نے کفر میں اور اسلام سے خارج ہونے میں اس قوم کے قول سے زیادہ بدتر قول کبھی نہیں سنا کہ کوئی شخص مسلم نہیں ہوتا تاوقتے کہ وہ اللہ تعالیٰ میں اور صحت نبوت میں اور اس میں شک نہ کرے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں یا کاذب ہوا پرستی و تناقض اور حقایق کی توہین میں کسی سننے والے نے ان لوگوں کے قول سے بدتر قول نہ سنا ہوگا کہ بغیر کفر کے ایمان صحیح نہیں ہوتا اور بغیر انکار کے تصدیق صحیح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا تک رسائی جب ہی ہو سکتی ہے کہ جب اللہ میں شک کرے۔ جو شخص اپنے دلی یقین کے ساتھ اعتقاد کرے اور اپنی زبان سے کہے ”اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور دین اسلام وہ دین ہے جس کے سوا کوئی دین نہیں“ تو وہ کافر و مشرک ہے، اے اللہ ہم تجھی سے بے توفیقی سے پناہ مانگتے ہیں۔ واللہ اگر اللہ تعالیٰ کا وہ خذلان و بے توفیقی جو اس کے حال پر غالب ہے نہ ہوتی تو کسی صاحب ہوش کی زبان اس بڑی بات پر نہ چلتی۔ اور اس ملعون مقالے کے رد کے تکلف سے یہی کافی ہے، اور جو اس حد تک پہنچ گیا ہو اس سے خاموش ہی رہنا اچھا ہے۔ اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس کے بعد ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ اس کے متعلق بتاؤ جس پر تم نے فرض میں شک یا صحت نبوت و رسالت میں شک واجب کیا ہے وہ مدت کتنی ہوگی۔ جس میں تم نے اس پر اس کا صاحب شک و صاحب استدلال و طالب دلایل رہنا واجب کیا ہے۔ اور کیا ہوگا گر وہ اپنے گاؤں یا اپنے شہر یا اپنے ملک میں دلائل کا اچھا جاننے والا نہ پائے گا۔ تو وہ دلائل کی تلاش میں سفر کرے گا پھر اسے پریشانیاں اور خوفناک امور پیش آئیں گے۔ اور وہ ڈر یا یا مرض کی وجہ سے معذور ہوگا۔ پھر یہی حالت اس کے لیے گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں برابر رہی تو اس کے بارے میں تمھارا کیا قول ہے۔

اگر انھوں نے کوئی مدت مقرر کی ایک یا دو یا تین دن کی یا اس سے زیادہ کی تو یہ بلا دلیل فیصلہ کرنے والے اور بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے قائل ہونے والے ہوں گے۔ اس سے تو کوئی بھی عاجز نہیں کہ وہ اس مدت کی حد مقرر کرنے میں زیادہ کہے یا کم کہے۔ اور جو یہاں تک پہنچ گیا اس کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم اس کے بارے میں کوئی حد نہیں مقرر کرتے تو ہم ان سے کہیں گے کہ پھر اگر وہ مدت اس طور طویل ہو جائے یہاں تک کہ اس کی عمر ختم ہو جائے اور وہ اپنے استدلال کی اسی مدت کے اندر مر جائے جو تم نے اس کے لیے محدود کی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اور نبوت کے بارے میں شک ہی کرتا ہو تو آیا وہ مومن مرے گا۔ اور اس کے لیے جنت واجب ہوگی یا کافر مرے گا اور اسکے کے لیے دوزخ واجب ہوگی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مومن مرے گا اور اس کے لیے جنت واجب ہوگی تو یہ بہت بڑی مصیبت لے آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان شک کرنے والوں کو جو ان کے نزدیک بھی شک کرنے والے ہیں مومن و جنتی قرار دیا۔ اور یہ خالص کفر اور وہ تناقض ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ سن چکے ہیں کہ انسان عمر بھر اسی حال میں رہ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور نبوت و رسالت کے بارے میں شک کرتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ کافر مرے گا اور اس کے لیے دوزخ واجب ہوگی۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ تم نے ایسی چیز کا حکم دیا ہے جس میں اس

کی ہلاکت ہے اور تم نے وہ چیز اس پر واجب کی ہے جسمیں اسکی بربادی ہے۔ شیطان بھی اس کے معاملے میں یہی کرتا ہے۔ جو اسے دوامی دوزخ تک پہنچا دے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ اہل فترت کے حکم میں ہے (فترت وہ زمانہ ہے جو ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک خالی گزرتا ہے)۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ اہل فترت کے پاس تو رسالت نہیں پہنچی اور نہ انھیں نبوت کی خبر پہنچی۔ نص صرف اہل فترت کے بارے میں آئی ہے۔ جو شخص خبر میں ایسی چیز کا اضافہ کرے جو اس میں نہ ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا۔

ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ تمھارے نزدیک اس استدلال کی کیا تعریف ہے جس سے آدمی کو مومن کہا جا سکے۔ وہ ایک دلیل سنتا ہے جس پر کوئی اعتراض ہے تو آیا یہ دلیل اسے کافی ہے یا نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اسے کافی ہے۔ تو ان سے کہیں گے کہ یہ کہاں سے لازم آیا کہ وہ اسے کافی ہے حالاں کہ وہ ایسی دلیل ہے جس میں اعتراض کیا گیا ہے۔ ان دلائل کی یہ صفت نہیں ہوتی جو جہل سے نکال کر علم میں لے آتی ہیں۔ بلکہ یہ اسی جہل تک پہنچانے والی ہیں جن پر وہ قبل استدلال تھا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ اسے کافی نہیں تا وقتیکہ اسے یقین نہ ہو جائے۔ کہ ایسی دلیل مل گئی ہے جس میں اعتراض ممکن نہیں۔ تو انھوں نے ایسی چیز کا تکلف کیا جو اکثر لوگوں کی وسعت میں نہیں ہے۔ وہ چیز ہے جہاں تک بہت کم لوگ اور بہت طویل زمانہ اور کثیر بحث سے پہنچ سکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس ناپاک وملعون مقالے والے اس کے علم سے بالکل خالی ہیں۔

اس مقالہ خبیثہ کے بطلان پر برہان یہ ہے کہ مسلمین و یہود و نصاری و مجوس و مانیہ و دہریے میں سے جو شخص تاریخ و سیر سے کچھ بھی واقف ہے وہ اس میں شک نہ کرے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سے مبعوث ہوئے برابر لوگوں کی بڑی سے بڑی جماعتوں کو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو آپ خود لائے ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے۔ روئے زمین کے جو مخالفین آپ سے جنگ کرتے تھے آپ ان سے جنگ کرتے رہے۔ آپ ان کی خوں ریزی ان کی عورتوں اور بچوں کے قید کرنے اور ان کے مال ضبط کرنے کو حلال اور تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے رہے اور ذلت کے ساتھ ان سے جزیہ لیتے رہے۔ جو ایمان لاتا تھا اس کے ایمان کو قبول فرماتے تھے اور اسکی جان و مال اور بیوی بچوں کو حرام کر دیتے تھے اور اس پر اسلام کا حکم لگاتے تھے۔ ان لوگوں میں دیہاتی عورتیں اور بکریوں کے چرانے والے مرد و عورت اور جنگلی وحبشی اور قیدی اور مال غنیمت کی حبشی عورت اور رومی و رومیہ اور احمق و جاہل اور کم فہم بھی ہوتے تھے۔ آپ نے کبھی ان لوگوں سے اور نہ دوسروں سے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمھارا اسلام قبول نہیں کرتا اور تمھارا دین صحیح نہ ہوگا تا وقتے کہ میں جس امر کی تمھیں دعوت دیتا ہوں اس کی صحت پر تم استدلال نہ کرو گے۔

ہم یہی نہیں کہتے کہ ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات کسی سے فرمائی ہو بلکہ ہم اور تمام اہل زمین یقین کرتے ہیں اور یقین بھی ایسا کہ جس یقین سے ہم آپ کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے یہ نہیں فرمایا اور آپ نے کسی کے اسلام کو تا وقتے کہ وہ استدلال نہ کرے رد نہیں فرمایا۔ اول سے آخر تک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طریقے پر چلے۔ اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ پھر تمام اہل زمین ہمارے زمانے تک اسی طریقے پر رہے۔ اہل اسلام کے نزدیک یہ محال و ممتنع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے ایسی چیز کے بیان کرنے میں غفلت فرمائیں جس کے بغیر کسی کا بھی اسلام صحیح نہیں ہوتا ہو۔ اس

کے بعد اس سے غافل رہنے پر یا عمداً اس کے ذکر نہ کرنے پر تمام اہل اسلام متفق ہو جائیں اور یہ بد بخت لوگ اس کو لوگوں سے بیان کریں۔ اور جو یہ گمان کرے کہ اسے دین کا وہ حصہ مل گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل نہ تھا تو وہ بلا اختلاف کے کافر ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ مقالہ اجماع کے اور اللہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور تمام اہل اسلام کے بالکل خلاف ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ لوگوں کو نشانیوں کی اور معجزات کی اور اللہ تعالیٰ کے ان پر قرآن میں حجت قائم کرنے کی اور قرآن کے اعجاز کی اور یہود کو تمنائے موت کی دعوت کی اور نصاریٰ کو مباہلے کی دعوت کی اور شق قمر کی کیا حاجت تھی۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ لوگوں کی دو قسمیں تھیں۔

ایک وہ کہ ان کے قلوب کو اسلام سے تسکین نہ ہوئی اور انکے دلوں میں تصدیق داخل نہیں ہوئی۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہین طلب کیں تو آپ نے انھیں معجزات دکھائے۔ ان کی بھی دو قسمیں ہوگئیں ایک گروہ تو وہ تھا جو ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے مخالفت کی اور علانیہ کفر پر قائم رہا۔ اس صفت کے لوگوں کو آج بھی استدلال کرنا فرض اور ضروری ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

ایک دوسری قسم وہ ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی توفیق دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان پیدا کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **بل اللہ یمن علیکم ان ھدیکم للایمان ان کنتم صادقین** '' (بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو)۔ یہ لوگ بغیر کسی تکلیف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔

اس مقالے والوں کو یہ بھی لازم آتا ہے کہ سوائے چند کے تمام روئے زمین کے لوگ کافر ہوں ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ وہ استدلال کرنیوالے لوگ ہیں۔

یہ وہ علانیہ جہالت ہے کہ یہ شخص جانتا ہے کہ وہ اس میں کاذب ہے اور جو سنے گا وہ بھی جانے گا کہ یہ اس میں کاذب ہے اس لیے کہ شہری و دیہاتی عوام میں سے اکثر یہ بھی نہیں جانتے کہ استدلال کے کیا معنی ہیں۔ بھلا وہ اسے استعمال کیسے کر سکتے ہیں۔

جو اس مقالے کا قائل ہو اسے لازم ہے کہ وہی گوشت کھائے جسے وہ خود ذبح کرے یا وہ ذبح کرے جسے یہ جانتا ہو کہ یہ متدل (استدلال کرنے والا) ہے۔ اور اسی عورت سے نکاح کرے جسے یہ جانتا ہو کہ یہ متدلہ ہے۔ اسے یہ بھی لازم ہے کہ وہ قبل استدلال و مدت استدلال کے زمانے کے متعلق اپنے اوپر کفر کی شہادت دے۔ اور اس بیوی کو چھوڑ دے جس سے اس مدت میں نکاح کیا ہے۔ اپنے ماں باپ اور بھائی کا وارث نہ بنے اگر وہ لوگ متدل نہ ہوں۔ ان باغیوں کا سا عمل کرے جو دھوکے سے قتل کر دیتے ہیں۔ جس کو پائے اس کے قتل کرنے میں وہی عمل کرے جو وہ لوگ کرتے ہیں جن کو خوں بہا دیا جاتا ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے۔ تمام روئے زمین کے مال کو حلال سمجھیں۔ ان میں سے کسی شے سے باز رہنا انھیں جائز نہیں اس لیے کہ کفار سے جہاد فرض ہے۔

یہ سب اس وقت ہے کہ یہ اپنے اصول کو جاری رکھنے کا التزام کر لیں۔ اور اپنی تکفیر کریں۔ اگر وہ ان امور کے قائل نہ ہوں تو انھوں نے تناقض و اختلاف بیانی اختیار کی، لہذا ثابت ہو گیا کہ جو اپنے دل سے اسلام کا اعتقاد کرے اور اس کی زبان بھی اسی کو ادا کرے تو وہ اللہ کے نزدیک مومن ہے اور جنتی ہے خواہ یہ اسلام اس کا قبول کردہ ہو یا وہ اسی میں پیدا ہوا ہو استدلال سے ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے جن اقوال کو اپنا دین سمجھتے ہو ان میں جو تمھارے مخالفین ہیں تمھارے سوا ان مخالفین میں سے کبھی کسی نے استدلال کیا یا نہیں کیا۔ لامحالہ اقرار کریں گے کہ ان کے مخالفین نے بھی استدلال کیا ہے۔ حالاں کہ وہ لوگ ان کے نزدیک ایسے ہی غلطی

کرنے والے ہیں جیسے وہ لوگ جنھوں نے استدلال نہیں کیا تم لوگ بھی ان کے نزدیک غلط کار وخطا وار ہو۔

اگر وہ کہیں کہ ہمیں دلائل نے مطمئن کردیا ہے کہ ہم غلطی پر نہیں ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ بعینہ یہی قول تمھارے مخالفین کا بھی ہے وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے دلائل انکے قول کے درست ہونے پر اور تمھارے قول کے غلط ہونے پر تمھارے قول کے غلط ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور کوئی فرق نہیں ہے وہ لوگ جب سے ہیں برابر ہمارے زمانے تک اسی دعوے پر قائم ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اپنے استدلال سے سوائے اس کے کیا پایا جو اس نے پایا جس نے استدلال نہیں کیا دونوں برابر نہیں ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر یہ کہیں کہ تمھارے اس قول پر تو استدلال بھی بالکل باطل ہوجاتا ہے اور دلیل بھی کل کی کل باطل ہوجاتی ہے تو ہم کہیں گے کہ اس سے اللہ کی پناہ ہم نے تمھیں یہ دکھادیا کہ کبھی استدلال وہ شخص کرتا ہے جو خطا پر ہوتا ہے اور کبھی استدال وہ کرتا ہے جو بتوفیق الٰہی صواب پر ہوتا یہ کبھی ہوا استدلال نہیں کرتا جو خطا پر ہوتا ہے کبھی وہ استدلال نہیں کرتا جو بتوفیق الٰہی صواب پر ہوتا ہے اور جس پر اس صواب کو سہل کردیا جاتا ہے جس کے لیے سے پیدا کیا گیا ہے اور اس برہان اور دلائل صحیحہ کو جن میں کسی مغالطے کی آمیزش نہیں ہے آسان کردیا جاتا ہے جو اس حق کے موافق ہو جس کی صحت پر اسکے غیر کے نزدیک براہین صحیہ قائم ہوں تو وہ مصیب (یعنی صواب پر ہے) ومحق (حق پر ہے) ومومن ہے۔ خواہ استدلال کرے یا استدلال نہ کرے جس کے لیے اس باطل کو سہل کردیا گیا ہے جس کے بطلان پر اسکے خیر کے نزدیک تو وہ اہل باطل وخطا وار یا کافر ہے خواہ وہ استدلال کرے یا استدلال نہ کرے یہ وہ امور ہے جس کی صحت پر برہان قاہم ہے۔ **والحمدللہ رب العلمین وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

وعدہ ووعید

وعدہ ووعید میں لوگوں کو اختلاف ہے ہر گروہ کا مذہب ایک قول ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ صاحب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر۔ بلکہ فاسق ہے۔ جو کسی کبیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہوا مرگیا تو وہ مسلم نہیں مرا۔ جب مسلم نہیں مرا تو وہ دوامی دوزخ میں رہے گا جو اس حالت میں مرا کہ اس کا کوئی کبیرہ گناہ نہیں۔ یا اس نے مرنے سے پہلے کبائر سے توبہ کرلی تو وہ مومن وجنتی ہے۔ وہ کبھی دوزخ میں نہ جائے گا۔

بعض نے کہا ہے کہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ ایمان واسلام سے خارج کرنے والا ہے اگر کوئی اس پر مرجائے تو وہ غیر مسلم ہے۔ اور غیر مسلم ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ مقالات خوارج ومعتزلہ کے ہیں۔ سوائے اسکے کہ ابن بکر ابن اخت عبدالواحد بن زید نے طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا ہے کہ یہ دونوں کافر ہیں اور جنتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے لیے فرمایا کہ تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمھاری مغفرت کردی ہے۔ اس لیے اہل بدر اگر کفر بھی کریں تو انکی مغفرت ہوجائے گی۔ برخلاف دوسروں کے۔

بعض مرجیہ نے کہا ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے کوئی بدکاری مضر نہیں۔ جیسا کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی مفید نہیں۔ مسلم چاہے کسی معصیت کو پہنچے اہل جنت میں سے ہے۔

دوزخ کونہیں دیکھے گا، دوزخ صرف کفار کے لیے ہے۔ یہ دونوں گروہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ کوئی شخص دوزخ میں اس طرح داخل نہ ہوگا۔ کہ پھر اس سے نکالا جائے۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہوگا۔ اور جو جنتی ہوگا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا اہل سنت اور حسین نجار اور ان کے اصحاب اور بشر بن غیاث المریسی اور ابوبکر ابن عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم البصری اور غیلان بن مروان الدمشقی القدری اور محمد بن شبیب اور یونس بن عمران اور ابوالعباس الناشی اور اشعری اور ان کے اصحاب اور محمد بن کرام اور انکے اصحاب نے کہا ہے کہ کفار ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھے جائیں گے اور مومنین سب کے سب جنت میں ہوں گے۔ اگرچہ وہ صاحب کبائر ہوں اور ان پر اصرار کرکرنے کی حالت میں مرگئے ہوں۔

ان کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔

ایک گروہ تو وہ ہے جو دوزخ میں داخل کرتے ہیں پھر اس سے نکال کے جنت میں لے جاتے ہیں۔

ایک گروہ سوائے مذکورہ بالا اشخاص کے کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کرتا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ کبیرہ کے مرتکب مومنین میں سے جس کو چاہے دوزخ کا عذاب کرے پھر انھیں جنت میں داخل کرے۔ اسے اختیار ہے کہ وہ ان کی مغفرت کردے اور بدون عذاب کیے انھیں جنت میں داخل کردے۔

اس کے بعد انکے فرقے ہوگئے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقے نے کہا ہے اور وہ محمد ابن شبیب و یونس و ناشی کا فرقہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل کبائر میں سے کسی ایک پر بھی عذاب کرے گا۔ تو لامحالہ وہ سب پر عذاب کرے گا پھر انھیں جنت میں داخل کرے گا اور اگر ان میں سے کسی ایک کی مغفرت کرے گا تو لامحالہ سب کی مغفرت کرے گا۔

ایک فرقے نے کہا ہے کہ وہ جس پر چاہے گا عذاب کرے گا اور جس کی چاہے گا مغفرت کردے گا اگرچہ ان کے گناہ بہت ہوں برابر ہوں۔ کبھی وہ بہت بڑے گناہ والے کو بخش دے گا۔ اور اس پر چھوٹے گناہ والے پر عذاب کرے گا۔ ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ سوائے عمداً قاتل کے کہ یہ تو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھا جائے گا اس کے علاوہ وہ جس مرتکب کبیرہ کی چاہے گا مغفرت کردے گا اور چاہے گا تو عذاب کرے گا۔

ایک فرقے نے کہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ مسلم ہو اور ہر کبیرہ سے تائب ہو یا اس نے کبھی کبیرہ کیا ہی نہ ہو تو اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔ وہ جنتی ہوگا اور دوزخ میں نہ جائے گا۔ اگرچہ اس کے گناہ اس حد تک پہنچ گئے ہوں جہاں تک اللہ چاہے کہ وہ پہنچیں۔ جس نے ایک یا زیادہ کبیرہ گناہ کیے اور ان سے توبہ نہیں کی اور اسی حالت میں وہ اللہ سے ملا تو حکم یہ ہے کہ موازنہ ہوگا۔ جس کے حسنات اس کے کبائر و سیئات پر غالب ہوں گے اس کے تمام کبائر ساقط ہو جائیں گے اور وہ جنتی ہوگا دوزخ میں نہ جائے گا۔ اگر اس کے حسنات اس کے کبائر وسلیات کے مساوی ہوں گے تو یہ لوگ اہل اعراف ہوں گے اور انھیں ٹھہرایا جائے گا۔ یہ دوزخ میں نہ جائیں گے۔ اس کے بعد یہ جنت میں داخل ہوں گے۔ جس کے کبائر و سیئات اس کے حسنات پر غالب ہوں گے۔ تو ان لوگوں کو بقدر ان گناہوں کے سزا دی جائے گی۔ جو حسنات سے غالب ہوں گے۔ یہ سزا دوزخ کے ایک شعلے سے لے کر اس کے پچاس ہزار برس کے قیام تک ہوگی۔ اس کے بعد یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیے جائیں گے مذکورہ بالا اشخاص کو جنت میں اس کے فاضل حسنات کے مطابق جزا دی جائے گی جن کے حسنات فاضل نہ ہوں گے جو اہل

اعراف اوران سے کمتر ہوں گے اور جو دوزخ سے شفاعت ورحمت سے نکلیں گے تو یہ سب جنت میں ان لوگوں کے مساوی ہوں گے جنکی ایک یا زیادہ نیکی غالب ہے۔

جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب کبیرہ اور اسی طرح گناہگار بھی ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا تو ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے ’’**الا ان اولیا ء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون** ‘‘(خبردار جولوگ اللہ کے دوست ہیں ان پر کوئی اندیشہ نہیں۔ اور نہ وہ پریشان ہوں گے)اور یہ کلام الٰہی ہے ” **ومن جاء بالحسنة فله خیرمنها وهم من فزع یومئذ امٰنون . ومن جاء بالسیئة فکبت وجوهم فی النار** “ (جو نیکی کرے گا اس کے لیے اس سے بہتر ہے۔ اور یہ لوگ اس روز کی پریشانی سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو بدی کرے گا تو انھیں اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور یہ کلام الٰہی ہے’’ **والذین کسبو االسیئات جزا ء سیٴة بمثلها وترهقهم ذلة. مالهم من الله من عاصم . کانما اغشیت وجو هم قطعا من اللیل مظلما . اولئک اصحاب النار هم فیها خلدون** “ (جو لوگ برائیاں کریں گے تو ہر بدی کا بدلہ اس کے مثل ہوگا اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا ان کے چہروں کو شب تاریک کے ایک ٹکڑے سے ڈھانک دیا گیا ہے۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔ اور یہ کلام الٰہی ہے ’’**ومن یعص الله و رسوله ویتعد حدوده یدخله نارا خالدا فیها** “ (اور جو اللہ کی اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی حدود سے بڑھے گا تو وہ اسے ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا)۔ اور یہ کلام الٰہی ہے’’**ومن یقتل مؤمنا متعمدافجزاو ہ جهنم خالدا فیها وغضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما**“ (اور جو عمداً کسی مومن کو قتل کرے گا تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس پر اس کی لعنت ہے۔ اور اس نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے)۔ اور یہ کلام الٰہی ہے’’ **ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثا ما . یضا عف له العذاب یوم القیمة ویخلد فیها مهانا . الامن تاب وامن** “ (اور جو لوگ زنا نہیں کرتے۔ اور جو اس کو کرے گا وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ قیامت کے روز اسے دوچند عذاب ہوگا۔ اور ذلت کے ساتھ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ قیامت کے روز اسے دوچند عذاب ہوگا۔ مگر وہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے۔)اور یہ کلام الٰہی ہے’’**ان الذین یا کلون اموال الیتمی ظلما انما یا کلون فی بطو نهم نارا . وسیصلون سعیرا** “ (بیشک جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ اور وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے)۔ اور یہ کلام الٰہی ہے’’**ان الذین یرمون المحصنت الغفلت المومنت لعنوا فی الدنیا والا خرة ولهم عذاب عظیم** “ (بیشک جو لوگ پاک دامن ایسی باتوں سے ناواقف مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے)۔ اور اس کلام الٰہی سے ’’**ومن یولهم یومئذدبره الا متحرفاالقتال اومتحیزاالی فئة فقد باء بغضب من الله . وما واه جهنم وبئس المصیر** “ (اور جو بروز جنگ کفار سے پشت پھیرے گا بجز اس کے کہ وہ پیترا بدل رہا ہو یا اپنی جماعت کی پناہ میں آرہا ہو تو اس نے اللہ کا غضب حاصل کیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے)۔ اور اس کلام الٰہی سے’’**انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الا رض فساد اان یقتلو اویصلبو اوتقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف اوینفو امن الارض . ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الا خرة عذاب عظیم** “ (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا انھیں سولی دی جائے یا انکے ہاتھ پاؤں مختلف رخ سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں قید کر دیا

جائے۔ یہ انکے لیے دنیا کی ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے)۔ اور اس کلام الٰہی سے " **الذین یا کلون الربو الا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا. واحل الله البیع وحرم الربوا . فمن جاء ہ موعظة من ربه فانتهی فله ماسلف . و امر ہ الی الله . ومن عادفاو لئک اصحب النار . هم فیها خالدون** . (جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت میں وہ اسی طرح بدحواس کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر بدحواس کردے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا ہے کہ بیع بھی تو مثل سود ہی کے ہے۔ حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ پھر جس کے پاس اسے کے رب کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ باز آ گیا تو گزشتہ سود جو وہ لے چکا اسی کا ہے۔ اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے۔ اور جو پھر لے گا تو وہ دوزخی لوگ ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

انھوں نے چند احادیث بیان کی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں کہ شراب خور اور بلی کے قاتل اور اس شخص کے بارے میں ہیں جو اپنے آپ کو زہر سے ہتھیار سے قتل کرے یا پہاڑ سے گرے تو اس کے ساتھ جہنم میں ہمیشہ یہی کیا جاتا رہے گا۔ جو خودکشی کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اسکے لیے دوزخ واجب کردی ہے۔

ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ گناہ کبیرہ اسم ایمان کو زائل کردیتا ہے۔ ان میں سے بعض نے کبیرہ کو شرک کہا اور بعض نے کفران نعمت کہا اور بعض نے نفاق کہا اور بعض نے فسق کہا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جب وہ مومن نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اس لیے کہ جنت میں صرف مومنین ہی داخل ہوں گے۔ کل یہی ہے جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے امور مذکورہ بالا کے سوا ہمیں ان کی کسی اور دلیل کا علم نہیں ہے۔

جن لوگوں نے قاتل کو داومی دوزخ کے لیے مخصوص کیا ہے تو انھوں نے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے "**ومن یقتل مؤمنا متعمدا** " (جو عمداً کسی مومن کو قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا) جو لوگ ہر مسلم سے وعید کو ساقط کرتے ہیں انھوں ے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے " **لا یصلٰها الا الا شقی الذی کذب وتولی** " (دوزخ میں وہی بدنصیب گرے گا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے)۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قتل یا زنا یا سود یا اور کسی چیز پر جن لوگوں کو وعید عذاب سنائی ہے تو یہ صرف کفار مراد ہیں نہ کہ اور لوگ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جو شخص خلوص قلب سے **لا الٰه الا الله** کہے گا وہ جنت میں جائے گا اگرچہ وہ چوری کرے شراب پیئے، چاہے ابوذر ناک بھی رگڑ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے "**ان رحمت الله قریب من المحسنین** " (بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے)۔ جو **لا الٰه الا الله محمد رسول الله** کہے تو وہ محسن (نیکی کرنے والا) ہے۔ لہٰذا اللہ کی رحمت اس کے قریب ہے۔ اور اللہ جس پر رحمت کرتا ہے اس پر عذاب نہیں کرتا۔ جس طرح کفر ہر نیکی کو برباد کردیتا ہے اسی طرح ایمان ہر بدی کا کفارہ ہے۔ رحمت وعفو اللہ تعالیٰ کے زیادہ لائق ہے۔

کل یہی امور ہیں جن سے انھوں نے استدلال کیا ہے۔ ہمیں ان کے سوا ان کی کسی اور دلیل کا علم نہیں۔ یا انھیں مذکورہ بالا دلائل میں داخل ہے اور اس سے خارج نہیں ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخش دے اور جس پر چاہے عذاب کرے۔ جس پر عذاب کیا جاتا ہے کبھی وہ اس شخص سے

کم گناہگار رہوتا ہے جس کی مغفرت کی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے ’’ **ان اللہ لا یغفران یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** ‘‘ (اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے گا جو اس کے ساتھ شرک کیا جائے گا اور اس کے سوا کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا)۔ اور اس کلام الٰہی کے عموم سے ’’ **یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء** ‘‘ (جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس پر چاہے گا عذاب کرے گا)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے ’’اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں کو بندے پر فرض کیا ہے جو انھیں بجالائے گا کہ ان کے حدود سے کچھ کم نہ کرے گا تو اللہ کے یہاں اس کے لیے کوئی عہد نہیں۔ اگر چاہے گا اس پر عذاب کرے گا اور چاہے گا تو اس کے لیے اللہ کا عہد ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور جو ان کو نہ بجالائے گا اور چاہے گا تو اسے بخش دے گا‘‘ انھوں نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں کو ان تمام آیات پر جن سے دوسرے فرقوں نے استدلال کیا ہے فیصلہ کن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حکم سب اللہ ہی کا ہے۔ اس کے حکم کے ! یکوئی حکم دینے والا نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سوائے مذکورہ بالا دلیل کے ہمیں ان کی کسی اور دلیل کا علم نہیں۔

جن لوگوں نے اسی کے مثل کہا ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ان میں سے ایک پر عذاب کرے گا تو سب پر عذاب کرے گا اور اگر بخشے گا تو سب کو بخشے گا تو یہ لوگ قدریہ ہیں جو اس قول سے عدل کی طرف جھکے ہیں اور انھوں نے یہ سمجھا کہ ایک کی مغفرت اور دوسرے اسی کے سے گناہ والے پر عذاب جو (ظلم) ومحاباۃ (ترجیح وتخصیص) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

جو لوگ موازنے کے قائل ہیں تو انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ وہ آیات واحادیث وعید جن سے مذہب معتزلہ پر چلنے والوں اور خوارج نے استدلال کیا ہے تو یہ ناجائز ہے کہ استدلال کرنے میں انھیں مخصوص کیا جائے اور ان آیات واحادیث عضو کو ترک کردیا جائے جن سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جنھوں نے وعید کو ساقط کردیا ہے۔ حالاں کہ ان آیات کو چھوڑ کر کہ جن سے وعید ثابت کرنے والوں نے استدلال کیا ہے صرف ان آیات وعید سے استدلال کرنا بھی جائز نہیں، بلکہ واجب یہی ہے کہ ان تمام آیات واحادیث کو جمع کیا جائے۔ یہ سب حق ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ سب مجمل ہیں جن کی تفصیل آیات موازنہ اور ان احادیث شفاعت سے ہوتی ہے کہ ان آیات واحادیث کے عموم کا بیان ہے اور یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’ **یا ویلتنا ما لھذا الکتب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصا ھا ووجد واما عملوا حاضرا . ولا یظلم ربک احدا** ‘‘ (رائے برحال ما۔ کہ یہ عجیب کتاب ہے جو چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سی بڑی بات کو بغیر احاطہ کیے نہیں چھوڑتی۔ اور ان لوگوں نے جو اعمال کیے ہیں انھیں موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا)۔ اور فرمایا ہے ’’ **ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ فلا تظلم نفس شیئا. وان کان مثقال جبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین** ‘‘ (اور ہم روز قیامت کے لیے انصاف کی ترازو میں رکھیں گے۔ پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز ہو تو ہم اسے لائیں گے اور ہمارا حساب واں ہونا کافی ہے)۔ اور فرمایا ہے ’’ **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر ایرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** ‘‘ (جو ایک ذرے کے برابر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرے کے برابر بھی بدی کرے گا اسے دیکھے گا) اور فرمایا ہے **وما کان اللہ لیضیع ایمانکم** ‘‘ (اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمھارے ایمان ضائع کردے)۔ اور فرمایا ہے ’’ **فاذا ھم جمیع لدنیا محضرون . فالیوم لا تظلم نفس شیا ولا تجزون الا ماکنتم تعملون** ‘‘ پھر جب وہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے۔ تو آج کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور تمھیں اس کے سوا کوئی جزا نہ ملے گی جو تم کرتے ہو) اور فرمایا ہے ’’ **لیجزی اللہ کل نفس ماکسبت ان اللہ سریع الحساب** ‘‘

(تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کی جزا دے جو اس نے کیا ہے۔ بیشک اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے)۔ اور فرمایا ہے ”**وتو فی کل نفس ماکسبت وھم لا یظلمون**“ (اور ہر شخص کو جو اس نے حاصل کیا ہے پورا دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا)۔ اور فرمایا ہے ”**یجزی کل نفس بماتسعی**“ (تاکہ ہر ایک کو جو وہ کوشش کرتا ہے اس کی جزا دی جائے)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**وان لیس للانسان الا ماسعی . وان سعیه سوف یری .ثم یجزاه الجزا ء الا وفی**“ (اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں سوائے اس کے کہ جو وہ خود سعی کرے اور بیشک اس کی سعی اسے دکھائی جائے گی۔ پھر اسے پوری جزا دی جائے گی)۔ اور فرمایا ہے ”**وان للذین ظلمواعذابادون ذلک**“ (اور بیشک ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا ہے اس کے علاوہ بھی عذاب ہے)۔ اور فرمایا ہے ”**لیجزی الذین اساؤ ابما عملو ا ویجزی الذین احسنو ا بالحسنی**“ (تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنھوں نے بداعمالیاں کیں۔ اور ان لوگوں کو جزا دے جنھوں نے نیکوکاریاں کیں)۔ اور فرمایا ہے ”**ھنالک تبلو کل نفس ما اسلفت**“ (اس جگہ ہر ایک کو وہ بھگتنا پڑے گا۔ جو اس نے پہلے بھیج دیا ہے۔ اور فرمایا ہے ”**وان کلا لما لیو فینھم ربک اعمالھم انه بما یعملون خبیر**“ (اور بے شک تمام سب کو آپ کا رب ان کے اعمال کی جزا ضرور دے گا۔) بیشک یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ اس سے باخبر ہے)۔ اور فرمایا ہے ”**وما تقد موالا نفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ ان اللہ بما تعملون بصیر**“ (اور تم لوگ جو نیکی اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ بیشک تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے)۔ اور فرمایا ہے ”**لیس باما نیکم ولا امانی اھل الکتب من یعمل سواء یجزبه ولا یجد له من دون اللہ ولیا ولا نصیرا**“ (نہ تمھاری تمناؤں کے مطابق ہوگا نہ اہل کتاب کی تمناؤں کے مطابق جو شخص کچھ بھی بدی کرے گا اسے اس کی جزا دی جائے گی۔ اور اللہ کے علاوہ وہ کسی کو اپنا دوست و مددگار نہ پائے گا)۔ اور فرمایا ہے ”**وما تفعلو امن خیر فلن تکفروہ**“ (اور تم جو نیکی کرو گے تو ہرگز اسے چھپایا نہ جائے گا)۔ اور فرمایا ہے ”**ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضا عفھا ویوتی من لدنه اجر اعظیما**“ (بیشک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہ کرے گا اور اگر کوئی نیکی ہوگی۔ تو وہ اسے بڑھا دے گا اور اپنے پاس سے ثواب عظیم عطا کرے گا)۔ اور فرمایا ہے ”**انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر اوانثی**“ (میں تمھارے عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہ کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت)۔ اور فرمایا ہے ”**وجا ءت کل نفس معھا سائق و شھید لقد کنت فی غفلة من ھذا فکشفنا عنک غطا ءک فبصرک الیوم حدید . وقال قرینه ھذا مالدی عتید . القیافی جھنم کل کفار عنید منا ع للخیر معتد مریب الذی جعل مع اللہ الھا ٰآخر فالقیاہ فی العذاب الشدید .قال قرینه ربنا ما اطغیته ولکن کان فی ضلال بعید . قال لا تختصموالدی وقد قدمت الیکم بالوعید . ما یبد ل القول لدی وما انا بظلام للعبید**“ (اور قیامت میں ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ہمراہ ہنکانے والا اور گواہ ہوگا۔ تو اس سے غفلت میں تھا چنانچہ ہم نے تیری آنکھ کا پردہ کھول دیا۔ آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔ اور اس کا ساتھی فرشتہ کہے گا کہ یہ وہ نامہ اعمال ہے جو میرے پاس تیار ہے۔ تم دونوں فرشتے ہر کفر کرنے والے اور حق کی مخالفت کرنے والے کو جہنم میں ڈال دو۔ جو نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا۔ شک کرنے والا ہو۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بنا لیے تو اس شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس شخص کا ہمراہی شیطان کہے گا کہ اے ہمارے رب میں نے اس سے سرکشی نہیں کرائی۔ لیکن یہ خود ہی بڑی دور کی گمراہی میں تھا۔ حکم ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑا مت کرو اور میں تمہارے سامنے پہلے ہی وعید بھیج چکا تھا۔ میرے یہاں کہی ہوئی بات بدلی نہیں جاتی۔ اور نہ میں اپنے بندوں کے لیے ظالم ہوں)۔ اور فرمایا ہے ”

فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیة . وامامن خفت موازینه فامه هاویه . وما ادراک ماهیه نار حامیه ‘‘ (پھر جن کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوں گے۔ اور جن کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو ہاویہ۔ (یعنی خاص جہنم) ان کا ٹھکانا ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہاویہ کیا چیز ہے۔ یہ دہکتی ہوئی آگ ہے)۔ اور فرمایا ہے’’ **ان الحسنت یذهبن السیئات** ‘‘ (بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں)۔ اور فرمایا ہے’’ **ومن یرتد د منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاؤلئک حبطت اعمالهم** ‘‘ (اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہے۔ تو ان لوگوں کے اعمال رائیگاں ہیں)۔ اور فرمایا ہے’’ **من جاء بالحسنة فله عشرا مثالها . ومن جاء با لسیئة فلا یجزی الا مثلها** ‘‘ (جو نیکی کرے گا تو اس کے لیے اس کا دس گنا ثواب ہے اور جو بدی کرے گا تو اسے بدی کے مطابق ہی سزا دی جائے گی)۔ اور فرمایا ہے’’ **الیوم تجزی کل نفس بما کسبت لا ظلم الیوم** ‘‘ (آج ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کی جزا دی جائے گی۔ آج کوئی ظلم نہ ہوگا)۔ یہ روز قیامت کے متعلق اس کے کلام کی تصریح ہے۔ اور یہی ہر مجمل کا فیصلہ کرنے والی ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ انصاف کی ترازوئیں قائم کرے گا۔ کسی پر کوئی ظلم نہ کرے گا نہ ایک رائی کے دانے برابر نہ ایک ذرے کے برابر نہ خیر میں نہ شر میں۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ بدی نیکی کو رائیگاں نہ کرے گی۔ ایمان گناہ کبیرہ کو ساقط نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ ہر شخص کو اس کی جزا دی جائے گی۔ جو اس نے حاصل کیا۔ اور جو عمل کیا اور جو سعی کی۔ کسی کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں۔ جو اس نے سعی کی۔ اسے اس کے متعلق جزا دی جائے گی۔ جو اس نے بد اعمال کیے ان کی بھی، اور جو نیک اعمال کیے ان کے بھی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کی پوری جزا دے گا۔ اس میں خیر و شر دونوں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر خیر اور ہر شر اور ہر عمل کی جزا دے گا۔ یہ سب ان کے قول کو باطل کرتا ہے جو دوامی عذاب کے قائل ہیں۔ اور ان کے قول کو بھی باطل کرتا ہے جو وعید کو ساقط کرتے ہے۔ اس لیے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ایمان ضائع و رائیگاں ہو جاتا ہے اور یہ اس کلام الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ ہمارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ اور نہ ہمارے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ خیر ایک بدی سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حسنات سیئات کو دور کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ سیئات حسنات کو دور کر دیتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اعمال کو صرف شرک اور بحالت شرک مرجانا ہی رائیگاں کرتا ہے، فرمایا ہے’’ **من جاء بالسیئة فلا یجزی الا مثلها** ‘‘ (جو کوئی بدی کرے گا تو اسے اسی کے مطابق جزا دی جائے گی)۔ تو ہر بدی اور یا کبیرہ گناہ دوامی جہنم کا سبب ہوتا اور اعمال حسنہ کو رائیگاں کر دیتا تو ہر بدی اور ہر کبیرہ کفر ہوتا۔ اور تمام سیئات آپس میں مساوی ہیں۔ اور یہ نصوص کے خلاف ہیں۔ اور ہمیں مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ نہ انھیں قیامت میں کوئی خوف ہوگا اور نہ یہ پریشان ہوں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے حسنات ان کے سیئات پر غالب ہیں۔ وہ بدی ساقط ہو جائے گی جو انھوں نے پہلے کی ہے۔ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ’’ جو بدی کرے گا وہ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ انھیں لوگوں کے بارے میں ہے۔ جن کے کبائر ان کے حسنات پر غالب ہوں گے۔ وہ بدی جو دوامی دوزخ کا سبب ہے وہ کفر ہے، اس لیے کہ نصوص میں سیئات کی تقسیم بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیئا تکم** ‘‘ (اگر تم ان کبائر سے باز رہو جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمھارے سیئات کا کفارہ کر دیں گے)۔ یہ وہ سیات ہیں جو کبائر سے پرہیز

کرنے کی وجہ سے بخش دیے جائیں گے۔ فرمایا ہے" **وجزاء سيئة سيئة مثلها** (اور بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے)۔ اور فرمایا ہے " **ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره** " (اور جو ایک ذرہ بھر بھی بدی کرے گا اسے دیکھے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ جن سیئات کی جزا دی جائے گی۔ وہ وہی ہیں جن کی مقدار ایک ذرہ ہوگی۔ اور ان میں وہ بھی ہوگا جو اس سے بڑا ہوگا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کفر سیئات میں سب سے بڑا ہے۔ اگر ہر سیئہ وبدی کی جزا خلود (یعنی دوامی دوزخ) ہو تو لامحالہ تمام سیات کفر ہوں گے اور سب مساوی ہوں گے۔ حالاں کہ از روئے نص ایسا نہیں ہے۔

قاتل وغیرہ کے بارے میں جو خلود کی وعید ہے تو اگر نصوص میں صرف یہی بیان ہوتا تو اسی پر ٹھیرنا واجب ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" **لا يصليها الا الاشقى الذى كذب وتولى** " (جہنم میں صرف وہی داخل ہوگا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے)۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف وتناقض نہیں ہوتا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نہ قاتل کافر ہے نہ زانی کافر ہے۔ ان گناہوں کے مرتکب جن پر وعید کی گئی ہے کافر نہیں ہیں اس لیے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کے لیے مسلمان عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ انھیں نماز کا حکم دیا جائے گا۔ ان کے اموال کی زکوۃ لی جائے گی۔ انھیں قتل نہیں کیا جائیگا۔ اگر اس کے قتل کو معاف کر دیا جائے پھر اسے کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس مسلمان کو اس کے بدلے (میں) قتل کیا جائے گا۔ وہ وارث بھی ہوگا اور اس کے بھی وارث ہوں گے۔ اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔ چوں کہ یہ کافر نہیں ہے ۔لہذا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس کا خلود یہی ہے کہ ایک خاص مدت تک جہنم میں قیام ہوگا۔ جس دخول جہنم کی اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے شخص سے نفی کی ہے جو تکذیب نہ کرے اور منہ نہ پھیرے تو وہ دوامی دخول جہنم ہے اس کے سوا نہیں ہوسکتا۔ اسی سے نصوص بھری پڑی ہیں اور متفق ہیں۔ ہمارے روزمرہ کی بول چال میں یہ داخل ہے کہ ایک شخص ایک شہر سے دوسرے شہر کا قصد کرے اور پھر وہ اس میں کسی ایسے سبب سے قید کر دیا جائے جو ایک مدت تک اس کے قید رکھنے کو ضروری کر دے۔ تو یہ شخص اس شہر کے باشندوں میں سے نہ ہوگا جس میں یہ قید کیا گیا ہے جو شخص دوزخ میں داخل ہوگا پھر وہاں سے نکالا جائے گا تو اس سے اس کا دخول منقطع ہو جائے گا۔ وہ اس کے اہل اور باشندوں میں نہ ہوگا۔ اس کے اہل دوزخ و باشندہ دوزخ علی الاطلاق اور بالکل اس کے اہل و خول صرف وہی کفار ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رکھے جائیں گے۔ ایسا ہی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا پھر اس سے نکالا جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ اہل دوزخ کہ وہی اس کے اہل ہیں یعنی کفار تو وہ ہمیشہ کے لیے اس میں رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **وان منكم الا واردها كان على ربک حتما مقضيا ثم ننجي الذين اتقوا ونذر الظلمين فيها جثيا** " (اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر سے (بذریعہ پل صراط) گزرنے والا نہ ہو۔ یہ آپ کے پروردگار پر ایک فیصل شدہ امر کی حیثیت سے ضروری ہے۔ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے۔ اور ظالمین کو چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل اس میں گر پڑیں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث صحیح میں اسی کو بیان فرمایا کہ جہنم کے درمیان راستہ (صراط) قائم کیا جائے گا۔ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ لوگوں کے میدان حشر سے جنت تک ان کی گذرگاہ وہی ہوگی جس میں وہ وسط جہنم میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اس کی گرمی سے نجات دے گا۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جن کا کوئی کبیرہ گناہ نہ ہوگا یا ہوگا۔ تو اس سے انھوں نے توبہ کرلی ہوگی۔ ان کے کبائر پر ان کے حسنات غالب ہوں گے یا ان کے کبائر وسیئات ان کے حسنات کے مساوی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اسے پاک کر دے گا جس کے کبائر وسیئات اس کے حسنات پر غالب ہوں گے ایمان کی وجہ سے انھیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل

کرے گا اللہ تعالیٰ کفار کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رکھ کر انھیں برباد کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**ولیمحص اللہ الذین آمنوا و یمحق الکفرین**'' (اور تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو پاک کرے اور کفار کو برباد کرے)۔

ہر وہ آیت وعید و حدیث وعید جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو گناہ گاروں کو ہمیشہ کے لیے جہنمی بتاتے ہیں تو یہی لوگ جو ان نصوص سے استدلال کرنیوالے ہیں خود ہی ان نصوص کے سب سے پہلے مخالف ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو ان کبائر کا ارتکاب کرے گا پھر توبہ کرلے گا تو اس سے وعید ساقط ہو جائے گی۔ تو ان لوگوں نے ان نصوص کے ظاہر کو ترک کر دیا ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم دوسری نصوص کی وجہ سے اس کے قائل ہوئے ہیں جنھوں نے اس کو ضروری ٹھہرایا ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اچھا۔ اور اسی طرح ہم نے بھی دوسری نصوص کی وجہ سے کیا ہے اور وہ آیات موازنہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل خیر یا شر کو ضائع نہ کرے گا۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

جو آیات وعید کو بالکل ساقط کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کفار کے بارے میں ہیں اس سے کہا جائے گا کہ یہ باطل ہے اس لیے کہ قرآن نے جو لشکر سے بھاگنے والے پر وعید کی تصریح کی ہے وہ یقیناً نص آیت کے مطابق جو اس کلام الٰہی میں ہے مومن ہی پر ہے ''**ومن یولھم یومئذ دبرہ**'' (اور جو شخص جنگ کے روز کفار سے اپنی پشت پھیرے گا)۔ اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ یہ کافر کے بارے میں ہو۔ لہٰذا اس کا قول بھی ساقط ہو گیا جو تخلید (یعنی گنہگار مومن کے ہمیشہ کے لیے جہنم میں رکھے جانے کا)۔ قائل تھا۔ اور اس کا قول بھی ساقط ہو گیا جو وعید کے ساقط کرنے کا قائل تھا۔ اسی کا قول باقی رہ گیا جس نے امکان مغفرت و امکان عذاب کو اکھٹا کر دیا۔

ہم نے اس قول کو مجمل پایا جس کی آیات موازنہ نے تفسیر کر دی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ ''**ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء**'' (اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے گا جو اس کے ساتھ شرک کیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ اور جسے چاہے گا بخش دے گا) تو یہ حق ہے، اپنے ظاہر اور اپنے عموم پر ہے۔ ان کے اقرار کے مطابق دوسری آیات نے اس کی تفسیر کر دی ہے۔ اس لیے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کرنے پر بھی اس شخص کو بخش دے گا جو شرک سے توبہ کرلے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے کہ ''**ویغفر مادون ذلک لمن یشاء**'' (وہ اسکے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا)۔ یہ سب حق ہے سوائے اس کے کہ اس نے بیان کر دیا ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے کہ جن کی وہ مغفرت کرنا چاہے گا۔

اگر تم اللہ تعالیٰ کے بیان کی طرف رجوع کرو تو یہی حق ہے۔ اور اگر تم مجمل پر قائم رہنے پر اصرار کرو تو ہمیں ان آیات کے متعلق بتاؤ ''**یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا**'' (اے میرے وہ بندو جو خود اپنے اوپر حد سے بڑھ گئے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے)۔ اور یہ آیت ''**بل انتم بشر ممن خلق یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء**'' (بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک بشر ہو۔ وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے)۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عموم جس کے تم قائل ہو تو کیا تم جائز رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کفر کو بھی بخش دے گا اس لیے کہ وہ بھی ایک گناہ ہے یا نہیں بخشے گا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتاؤ جو اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت میں فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے روز ان سے فرمائے گا

''**یاعیسی بن مریم انت قلت للناس اتخذونی و امی الھین من دون اللہ ۔ قال سبحانک مایکون لی ان**

اقول مالیس لی بحق . ان کنت قلته فقد علمته . تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک . انک انت علام الغیوب . ماقلت لهم الا ما امرتنی به ان اعبدوا الله ربی وربکم . وکنت علیهم شهید اما دمت فیهم . فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم وانت علی کل شی شهید . ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفر لهم فانک انت العزیز الحکیم . قال الله هذایوم ینفع الصدقین صدقهم . لهم جنت تجری من تحتها الا نهر خالدین فیها ابدا . رضی الله عنهم ورضوا عنه . ذلک الفوزا لعظیم "

(اے عیسٰی بن مریم۔ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا۔ وہ عرض کریں گے کہ سبحان اللہ۔ مجھے کیا بن پڑی تھی کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ اگر میں کہتا تو آپ کو علم ہوتا۔ آپ تو میرے دل کی بات جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہوا سے نہیں جانتا۔ بیشک آپ ہی تمام غیبی امور کے جاننے والے ہیں۔ میں نے تو ان سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم لوگ اسی اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ اور میں جب تک ان میں رہا ان کا نگران رہا اور پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا۔ آپ ہی ان کے نگہبان رہے۔ اور آپ ہر شے کے خبر دار ہیں۔ اگر آپ ان پر عذاب کریں تو یہ آپ کے بندے ہیں۔ اور اگر آپ انھیں بخش دیں تو بیشک آپ بڑی قدرت وحکمت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی۔ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ سے خوش اور اللہ ان سے خوش۔ اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی۔

کیا وہ نصاریٰ جنھوں نے عیسٰی اور ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بنا لیا وہ بھی جواز مغفرت میں داخل ہیں؟ اس لیے کہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول سچا ہے کہ اسے ان کی مغفرت وعذاب میں اختیار ہے۔

ہمیں اس آیت کے متعلق بھی بتاؤ "**قال عذابی اصیب به من اشاء ورحمتی وسعت کل شیئ . فساکتبهاللذین یتقون ویوتون الزکوٰة**" (اللہ نے فرمایا کہ میں جس پر چاہوں گا اپنا عذاب کروں گا۔ اور میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے تو میں اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو متقی ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں)۔ ان کا یہ کہنا کہ جو کفر کرے اور کافر ہی مرے اس کی مغفرت ہرگز نہ ہوگی اور یہ لوگ اس عموم اور اس کل سے خارج ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ان اللـه لا یغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشاء**" (اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے گا جو اس کے ساتھ شرک کیا جائے گا کہ تم نے اس نص سے اس کل کو کیوں خاص کر دیا۔ اور اس کو کہ وہ اس کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا" ان آیات کی وجہ سے خاص نہیں کیا کہ "**فامامن ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیة. واما من خفت موازینه فامه هاویه**" (لیکن جس کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔ اور جس کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا)۔ اور اس سے "**هل تجزون الا ماکنتم تعملون**" (تمھیں صرف اسی کی جزا ملے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔ اور اس سے "**الیوم تجزی کل نفس بما کسبت**" (آج ہر شخص کو اس کی جزا دی جائے گی جو کچھ اس نے کمایا ہے)۔ حالاں کہ یہ خبر ہے جس میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ مگر اللہ جن کی مغفرت کرنا چاہے کرے گا۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ وہ اس کو نہیں چاہے گا اس لیے کہ اس نے بتا دیا ہے کہ آج ہر شخص کو اس کی جزا دی جائے گی جو اس نے کمایا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آدمی قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کا صدقہ وروزہ ونماز سب کچھ ہوگا مگر معلوم ہوگا کہ اس نے اس کا خون کیا تھا اور اس کو گالی دی تھی تو اس کے تمام حسنات لے لیے جائیں گے اور ان میں سے ان لوگوں کو قصاص میں دے دیے جائیں گے۔ جب اس کی کوئی نیکی نہ بچے گی تو ان لوگوں کی برائیاں ان پر ڈال دی جائیں گی اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قوم کے بارے میں خبر دی ہے جو دوزخ سے نکالے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ پاک صاف اور آراستہ کر دیے جائیں گے تو جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو واضح طور پر فرمایا ہے کہ دوزخ سے وہ بھی نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں جو کے دانے برابر بھی نیکی ہے وہ بھی نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی نیکی ہے پھر وہ بھی نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں ذرے کے برابر بھی نیکی ہے۔ یہاں تک کہ اس سے کمتر اور کمتر سے بھی کمتر نکال لیا جائے گا۔ پھر وہ نکالا جائے گا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی مگر صرف اسلام کی شہادت دیتا رہا۔ لہذا ان تمام نصوص پر کہ جانا چاہیے جو نص مجمل کی تفسیر کر رہی ہیں۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ ہمیں اس شخص کے متعلق بتاؤ جس نے سوائے صغیرہ کے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور جس نے گناہ کا قصد کیا مگر اسے کیا نہیں۔ اہل حق کا یہ قول سے کہا اس کی بالکل مغفرت کر دی جائے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**الا اللمم** '' (مگر صغیرہ گناہ تو آپ کا رب بڑی مغفرت والا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے ان خیالات سے درگزر فرمایا ہے جو ان کے دل میں گزریں تا وقتے کہ وہ اسے قول یا عمل میں ظاہر نہ کریں''

اس کی چند قسمیں ہیں :۔

اول وہ شخص جو کسی بدی کا خواہ وہ کسی قسم کے سیئات میں سے ہو ارادہ کرے پھر وہ اسے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اختیار سے چھوڑ دے تو اس شخص کے لیے نیکی لکھی جائیں گی۔ اگر وہ اسے مغلوب ہو کے ترک کرے نہ کہ اختیار سے تو اس کے لیے محض اللہ کے فضل سے نہ بدی لکھی جائے گی نہ نیکی۔ اگر وہ اسے کرلے گا تو اس کے لیے ایک بدی لکھی جائے گی۔ اگر کسی نیکی کا قصد کیا اور اسے نہیں کیا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اگر اسے کر دیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گے۔ ان سب صورتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔

میں نے بعض منکرین سے مناظرہ کیا ہے۔ وہ اس طرف گیا کہ بدی کا قصد کرنا بھی اس پر اصرار ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ غلط ہے۔ کیوں کہ اصرار تو صرف اسی فعل پر ہوتا ہے جس کو برابر کرتے رہنے کے بعد آدمی نے کیا ہے۔ جس نے ایسے فعل کا قصد کیا جسے اس نے اب تک نہیں کیا تو وہ اصرار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **ولم یصر واعلی مافعلو اوھم یعلمون** "(اور انھوں نے اس پر اصرار نہیں کیا جو انھوں نے کیا اور وہ جانتے ہیں)۔

اس کے بعد ہم اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے سوائے کبائر کے بڑی تعداد میں گناہوں کا ارتکاب کیا اور کبھی کوئی کبیرہ نہیں کیا اور اسی حالت پر مر گیا تو کیا یہ لوگ یہ تجویز کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سیئات کے سبب سے اس پر عذاب کرے گا یا یہ کہتے ہیں کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور یہی کہیں گے تو انھوں نے سچ کہا اور گویا انھوں نے اس آیت کو خاص کر دیا

”**ویغفر مادون ذالک لمن یشاء**“ (اس کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا)۔ اور اس آیت کو اس کے عموم پر محمول کرنا ترک کر دیا۔ پھر انھیں چاہیے کہ اس شخص پر بھی اعتراض نہ کریں جو اس آیت کو دوسری نص سے خاص کرے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ بلکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ان لوگوں پر عذاب کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام میں اس کی تکذیب فرمائی ہے ”**ان تجتنبو اکبائر ماتنھون عنه نکفر عنکم سیا تکم و ند خلکم مد خلا کریما**“ (اگر تم ان کبائر سے بچو جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تم سے تمھارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تمھیں باعزت مقام میں داخل کریں گے)۔ اور ہم اللہ کی تکذیب سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔

ہم ان سے اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے کبائر کا ارتکاب کیا اور اسی پر مر گیا۔ اس نے حسنات بھی کیے جو موازنے کے وقت اس کے کبائر سے زائد ہیں۔ آیا ان کبائر کے سبب سے جو اس نے کیے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر عذاب کرے یا یہ کبائر اس سے معاف و ساقط ہو جائیں گے؟۔ اگر یہ کہیں کہ وہ گناہ اس سے معاف و ساقط ہو جائیں گے تو انھوں نے سچ کہا اور آیت ”**ویغفر مادون ذلک لمن یشاء**“ کے عموم کو خاص کر دیا اور ان لوگوں کو ”**الممن یشا ء**“ میں داخل کر دیا۔ (یعنی جس کی مغفرت وہ چاہے گا کر دے گا)۔ اور ضروری ہے کہ ان کی مغفرت ہو جائے گی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ بلکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کرے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام میں ان کی تکذیب کی ہے ”**فاما من ثقلت موازینه فهوفی عیشة راضیة**“ (لیکن جن کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوں گے)۔ ”**ان الحسنات یذهبن السیئات**“ (بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں)۔

یہی قول اس شخص کے بارے میں بھی ہے جس کے حسنات و کبائر مساوی ہوں۔ یہ لوگ اہل اعراف ہوں گے۔ ان پر بھی بالکل عذاب نہ ہوگا۔ ثابت ہو گیا کہ یہی چار طبقات ہیں کہ بلا شک اللہ تعالیٰ نے جن کی مغفرت کرنا چاہی اب وہ رہ گئے جن کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہیں چاہی۔ ان طبقات میں سے اس کے سوا کوئی نہ رہا کہ موازنے میں جس کے کبائر حسنات پر غالب ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو بقدر ان کے گناہوں کے جزا دی جائے گی پھر شفاعت اور اللہ کی رحمت سے یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ان میں وہ بھی ہوں گے جن کی اللہ تعالیٰ مغفرت کر دے گا اور وہ بھی ہوں گے جن پر عذاب کرے گا۔ ہم ان سے کہیں گے کہ کیا اس بیان کے متعلق تمھارے پاس کوئی نص ہے۔ حالاں کہ وہ لوگ کبھی کوئی نص نہ پائیں گے۔ لہذا ان کا بغیر کسی برہان کے فیصلہ کرنا ظاہر ہو گیا۔ اور ان کی ان تمام آیات سے مخالفت بھی ظاہر ہو گئی جن سے انھوں نے استدلال کیا تھا۔ کیوں کہ یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مخصوص ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**ان اللہ لا یغفران یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشا ء**“ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو ایمان لے آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے شرک کو بخش دے گا، لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ آیات مجمل ہیں۔ بقیہ آیات و احادیث ان کی تفصیل کرتی ہیں۔ اسی طرح یہ حدیث عبادت بھی مجمل اس ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جو انھیں اس طرح ادا کرے گا کہ ان کے حدود میں کچھ کمی نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا عہد ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور جو نہ ادا کرے تو اسکے لیے اللہ کے یہاں کوئی عہد نہیں، اگر وہ چاہے تو اسے بخشے گا اور اگر چاہے تو اس پر عذاب کرے گا۔ یہ لوگ اس پر متفق ہیں کہ جس نے انھیں اس طرح ادا کیا کہ انکے حدود میں سے کچھ کم نہ کیا مگر ان نے قتل کیا اور زنا کیا اور

چوری کی تو اس پر عذاب کیا جائے گا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ انہیں نہ ادا کرے تو اس پر دائمی عذاب نہ ہو بلکہ اس پر عذاب کیا جائے گا اور پھر اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

یہ بھی ان کا ظاہر حدیث کر ترک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں ہے (۱) **فاما من ثقلت موازینه فهوفی عیشة راضیه** (۲) **واما من خفة موازینه فامه هاویه** " (۱) لیکن جن کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔ (۲) اور جس کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو اس کا ٹھکانا ہاویہ نام کی دوزخ ہے)۔ یہ دونوں خبریں ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کا ابطال جائز ہوگا تو دوسری کا ابطال بھی جائز ہوگا۔ اور اس قول سے اللہ کی پناہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول سے اپنے اس کلام میں منع کیا ہے ''**لا تختصمو الدی وقد قد مت الیکم بالو غید . مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید** '' (میرے سامنے جھگڑا نہ کرو۔ اور میں نے پہلے سے تمھیں وعید سنادی تھی۔ میرے یہاں قول بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں کے لیے ظالم ہوں)۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا عذاب کرے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کریگا۔ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا مغفرت کر دے گا اور ہر ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے کہ وہ کس کی مغفرت کرے گا اور کس پر عذاب کرے گا۔ میزان حق ہے۔ موازنہ حق ہے۔ اور شفاعت حق ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکی تفسیر میں مروی ہے کہ '' **وانا لمو فوھم نصیبھم غیر منقوص** '' (اور بیشک ہم ان لوگوں کے حصے پورے پورے بغیر کسی کمی کے دیں گے)۔ ابن عباس نے فرمایا کہ خیر وشر میں سے جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ انھیں پورا پورا ملے گا۔ اور یہی ہمارے قول کی نص ہے۔

ایک قوم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وعید کے خلاف کرنا عرب کے نزدیک بہتر ہے اور انھوں نے یہ شعر پڑھا ہے۔

وانی وان واعدته او وعدته　　لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

(میں نے اگر اس سے وعدہ کیا یا اسے وعید سنائی۔ تو بیشک میں اپنی وعید کے خلاف کروں گا اور اس سے اپنے وعدے کو پورا کروں گا)۔

یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نے ایک احمق کافر لڑکے کے فخر کو اللہ تعالیٰ پر حجت قرار دیا ہے۔ حالانکہ عرب تو ظلم پر بھی فخر کرتے ہیں۔

ایک رجز خواں کہتا ہے۔

احیا اباه هاشم بن حرمله　　تری الملوک حوله مغربله
یقتل ذاالذنب　　ومن لا ذنب له

(اس کے باپ کو ہاشم بن حرملہ نے زندہ چھوڑ دیا۔ تو اس کے گرد بادشاہوں کو مقتول دیکھے گا۔ وہ گنا ہگار و بے گناہ سب کو قتل کر ڈالتا ہے)۔ حالاں کہ عرب نے وعید کے خلاف کرنیوالے کو کاذب قرار دیا ہے۔ ابوعبیدہ معمر ابن المثنی شاعر نے کہا ہے۔

اتوعدنی وراء بنی رباح　　کذبت لتقصرن یداک دونی

(کیا تو مجھے بنی رباح کے پیچھے وعید سناتا ہے تو جھوٹا ہے تو ضرور ضرور میرے درمیان اپنے ہاتھ کو کوتاہ رکھے گا)۔

اگر وہ یہ کہیں کہ انھوں نے وعید شرک کو آیت موازنہ سے خاص کر دیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ ناجائز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ اس نے فرمایا ہے " **ومن یرتد دمنکم عن دینه فیمت وهو کا فر فاؤلئک حبطت اعما لھم** " (تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا پھر اسی حالت میں وہ مرا کہ وہ کافر ہے تو ان لوگوں کے اعمال رائیگاں ہیں)۔ لہٰذا جس کا عمل رائیگاں ہو گیا تو اس میں کوئی خیر نہیں۔

اہل دوزخ میں عذاب دوزخ کی کمی بیشی ہوگی۔ سب سے کم عذاب والے ابو طالب ہوں گے۔ کہ وہ چنگاریاں آگ کی ان کے دونوں تلوں میں رکھ دی جائیں گی۔ یہاں تک کہ معاملہ اس کلام الٰہی تک پہنچے گا" **ادخلو آل فرعون.اشد العذاب** " (فرعون والوں کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے " **ان المنافقین فی الدرک الا سفل من النار** " (بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقے میں ہوں گے)۔ جو اشد (یعنی سخت ترین) ہوگا وہ ادون (یعنی کمترین) ہی کے پہلو میں ہوگا۔ فرمایا ہے " **ولنذیقنھم من العذاب الا دنی دون العذاب الا کبر** (اور ہم ضرور ضرور عذاب اکبر کے علاوہ انھیں نزدیک تر عذاب چکھائیں گے)۔

کفار پر کفر کے علاوہ بھی وہ جو گناہ کریں گے ان پر عذاب کیا جائے گا۔ برہان یہ آیت ہے " **ما سلککم فی سقر .قالو لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین و کنا نخوض مع الخائضین و کنا نکذب بیوم الدین حتی اٰتا نا الیقین** " (تمھیں دوزخ میں کیا چیز لائی۔ وہ کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں سے نہ تھے اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور ہم مشغلے والوں کے ساتھ مشغلے میں رہتے تھے۔ اور قیامت کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ کفار کو ترک نماز پر اور مسکین کو کھانا نہ دینے پر عذاب ہوگا۔

کفار میں سے جو شخص غلام آزاد کرے گا یا صدقہ دے گا یا اور اسی قسم کا کوئی عمل خیر کرے گا تو اس کا یہ سب عمل رائیگاں ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کفر کی حالت میں مرے گا تو اس کا عمل رائیگاں ہے۔ اللہ تعالیٰ عذاب صرف اسی عمل پر کرے گا جو کیا ہے نہ کہ اس پر جو نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **ھل تجزون الا ما کنتم تعملون** " (تمھیں صرف اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے) جو کافر مسکین کو کھانا نہ کھلائے گا اس پر اسے مزید عذاب کیا جائے گا اور جس نے اپنے کفر کے باوجود مسکین کو کھانا کھلایا تو اس پر یہ مزید عذاب نہ ہوگا اس کا عذاب کم ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے وہ عمل شر نہیں کیا جو اس سے زیادہ عذاب والے نے کیا بلکہ عمل خیر کیا۔

ہر کافر جس نے عمل خیر و شر کیا پھر وہ اسلام لایا۔ اس نے جو عمل خیر کیا ہے یہ لکھ لیا گیا ہے۔ جنت میں اسے اس کی جزا دی جائے گی۔ جو عمل شر کیا پھر اس نے کفر سے توبہ کے ساتھ ساتھ اس سے توبہ کر لی تو یہ اس سے ساقط ہو گیا۔ اگر وہ اس پر قائم رہا تو اس سے اس عمل کا بھی مواخذہ کیا جائے گا جو اس نے حالت کفر میں کیا اور اس کا بھی جو اس نے اپنے اسلام کے زمانے میں کیا۔ برہان حکیم بن حزام کی حدیث ہے کہ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ چند چیزیں ایسی ہیں جو میں زمانہ جاہلیت میں بھی کیا کرتا تھا۔ مثلاً غلام آزاد کرنا۔ صدقہ اور صلہ رحم یعنی قرابتداروں کے ساتھ احسان۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اپنی گزشتہ نیکیوں پر رہتے ہوئے اسلام لائے؟ (اگر ایسا ہے) تو آپ نے انھیں بتایا کہ یہ خیر ہے اور جب وہ اسلام لے آئے تو یہ ان کے لیے مفید ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ نے ابن جدعان کی حالت پر غور فرمایا ہے۔ کیوں کہ وہ صلہ رحم اور مہمان نوازی کیا کرتا تھا۔ تو کیا۔ اسے مفید ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس لیے کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ " **رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین** "۔ (اے میرے رب روز جزا میں میرے گناہ بخش دینا) آپ نے بتادیا کہ اسے اس سے نفع نہ پہنچے گا اس لیے کہ وہ اسلام نہیں لایا۔

تمام احادیث اس پر متفق ہیں کہ اگر کافر اسلام لاتا تو اسے یہ نیکیاں مفید ہوئیں۔ لیکن اس کے اعمال پر اس سے مواخذہ ہونا تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے ہمارے قول کی نص ہے جیسا کہ ہم اس کے قائل ہیں۔

معترض اگر اس کلام الٰہی سے اعتراض کرے کہ" **لئن اشرکت لیحبطن عملک** " (البتہ اگر تو شرک کرے گا تو ضرور ضرور تیرا عمل رائیگاں ہوجائے گا)۔ ہم کہیں گے کہ یہ صرف اس شخص کے بارے میں ہے جو مشرک ہونے کی حالت میں مرجائے۔ برہان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **لئن اشرکت لیحبطن عملک و لتکونن من الخسرین** " (البتہ اگر تو شرک کرے گا تو ضرور ضرور تیرا عمل رائیگاں ہوجائے گا اور بیشک تو ضرور ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا)۔ جو اسلام لے آیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں نہیں ہے۔ اور اسے اپنے اس کلام میں واضح کردیا" **ومن یرتد د منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاؤلئک حبطت اعما لھم** " (اور تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہوجائے۔ پھر وہ کافر ہونے ہی کی حالت میں مرجائے تو ان لوگوں کے اعمال رائیگاں ہوگئے۔

اگر وہ اس پر اس کلام الٰہی سے اعتراض کریں جو ہم نے بیان کیا ہے کہ حالت کفر کے عمل پر مواخذہ کیا جائے گا" **قل للذین کفروا ان ینتھو ایغفر لھم ماقد سلف** " (آپ کفر کرنے والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ باز آجائیں تو ان کے گزشتہ اعمال کو معاف کردیا جائے گا)۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ یہ تو ہماری حجت ودلیل ہے۔ اس لیے کہ جو شخص کفر سے باز آئے گا اس کے لیے کفر کو معاف کیا جائے گا۔ جو زنا سے باز آئے گا تو اس کے پہلے زنا کو معاف کیا جائے گا اور اگر زنا سے باز نہ آئے گا تو اس کے لیے زنا کو معاف نہ کیا جائے گا پس اس کے لیے وہی معاف کیا جائے گا جس سے وہ باز آئے گا۔ وہ جس چیز سے باز نہ آئے گا وہ چیز اس کے لیے معاف بھی نہیں کی جائیگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ کفر سے باز آئیں گے تو ان کے تمام گناہوں کو معاف کردیا جائے گا۔ آیت پر بڑھانا اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا ہے۔ اور یہ جداگانہ اعمال ہیں جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ بعض سے توبہ کرنا بقیہ سے توبہ کرنا نہیں ہے کیوں کہ ہر ایک کے لیے ایک حکم ہے۔

اگر یہ لوگ وہ حدیث بیان کریں جو حضرت عمرو بن عاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اسلام اپنے ماقبل کو قطع کردیتا ہے۔ تو ہم کہہ چکے ہیں کہ اسلام تمام طاعات کا نام ہے جو شخص ایک معصیت پر اصرار کرے تو اس کا یہ عمل معصیت جس پر اصرار کررہا ہے اسلام نہیں ہے۔ اور نہ ایمان ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن** " (زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا) ثابت ہوگیا کہ اسلام وایمان تمام طاعات ہیں۔ جب وہ کفر سے اسلام لے آیا اور اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلی تو یہی وہ اسلام ہے جو اپنے ماقبل کو قطع کردیتا ہے۔ جب اس نے اپنے معاصی سے توبہ نہیں کی تو اسلام کو اچھا نہیں برتا۔ لہٰذا اسے اگلے پچھلے گناہوں پر مواخذہ ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور اسی پر تمام احادیث متفق ہیں اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ " **الھجرۃ تجبّ ماقبلھا** " (ہجرت اپنے ماقبل کے اعمال کو

قطع کر دیتی ہے) کیوں کہ آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ "المهاجر من هجر مانهاه الله عنه" (مہاجر وہ ہے جو ان امور سے ہجرت کرے جن سے اللہ نے اسے منع کیا ہے) جو شخص ان تمام معاصی سے توبہ کرے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں تو اس نے اس سے ہجرت کی جس سے اللہ نے اسے منع کیا ہے۔ یہی وہ ہجرت ہے جو اپنے ماقبل کے اعمال کو قطع کر دیتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "والحج يجبّ ماقبله" (اور حج اپنے ماقبل کے اعمال کو قطع کر دیتا ہے) تو حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ "ان العمرة الى العمرة كفارة لما بينهما والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة" (ایک عمرے سے دوسرے عمرے تک ان دونوں کے درمیان کے اعمال کا کفارہ ہے اور حج مقبول کی جزا تو سوائے جنت کے کچھ ہے ہی نہیں)۔ یہ اس موازنے کے موافق ہوگا جس کے مراتب اور مقداروں کو ہمارا رب جانتا ہے۔ ہم تو وہیں ٹھہریں گے جہاں ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹھہرایا ہے۔ وبالله تعالىٰ التوفيق۔

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو جو خودکشی کرنے والے کے بارے میں ہے کہ اس پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ آپ کی اس حدیث کے ساتھ ملا دیا ہے کہ جو شخص اپنے قلب کے خلوص سے لا اله الا الله کہے اس پر دوزخ حرام اور جنت واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وما ينطق عن الهوى ان هوا لا وحى يوحى" (آپ اپنے دل سے کچھ نہیں فرماتے وہ وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کے پاس بھیجی جاتی ہے) لہذا ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی ہے۔ فرمایا ہے "ولو كان من عند غير الله لوجدو افيه اختلافا كثيرا" (اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں کثیر اختلاف پاتے)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی کسی چیز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور وہ سب متفق علیہ ہے۔ چوں کہ یہ ایسا ہے۔ لہذا بعض احادیث کو بعض سے ملانا واجب ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد و قوت سے حق واضح ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے معنی جو خودکشی کرنے والے کے بارے میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس پر دوزخ واجب کردی" یہ ہیں کہ یہ موازنے پر مبنی ہے۔ اگر خودکشی کرنے والے کے حسنات پر کبائر غالب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے یہاں تک کہ بطور جزائے فعل اس سے بذریعہ دوزخ انتقام لیا جائے گا جو اس پر واجب کردی گئی ہے۔ برہان اس شخص کی حدیث ہے جو اسلام لایا، اور اس نے عمرو بن الحمیتہ الدوسی کے ساتھ ہجرت کی۔ پھر ایک زخم کی وجہ سے جو اس کے لگ گیا تھا اور اس سے اس کے درد تھا خودکشی کرلی، اپنے ہاتھ کی رگیں کاٹ ڈالیں، اتنا خون بہا کہ مرگیا۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے خواب میں دیکھا کہ وہ سوائے اپنے ہاتھ کے باقی سب اچھے حال میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا کہ اس سے کہا جا رہا ہے کہ جسکو تو نے بگاڑ دیا وہ ہرگز درست نہیں ہوگا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ اس کے ہاتھوں کی مغفرت فرما دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے معنی کہ "جو خلوص قلب سے لا اله الا الله کہے گا اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ حرام کردی اور جنت واجب کردی"۔

اس میں دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ یہ حدیث جداگانہ حالت میں اپنے ظاہر پر نہیں ہے۔ اس میں کچھ اور بھی شامل

ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور دین اسلام کے علاوہ تمام مذاہب سے علیحدگی ہے، اس وقت اسکے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے لامحالہ اس کے لیے جنت واجب کردی ہے۔ یا تو انتقام کے بعد اور یا بغیر انتقام کے جیسا کہ اسے موازنہ واجب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھا جائے اور اس کے دائمی باشندوں میں سے ہو جیسا کہ ہم اس کے قبل اس کو اس آیت سے بیان کرچکے ہیں ”**انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکراوا نثی**“ (میں تمھارے کسی عمل کرنے اولے کے عمل خواہ وہ مرد ہو یا عورت ضائع نہ کروں گا)۔ ”**ومن یعمل سوء یجزبہ .وما کان اللہ لیضیع ایمانکم .وما تفعلو ا من خیر فلن تکفروہ**“ (اور جو شخص بدی کرے گا اسے اس کی جزا دی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ وہ تمھارے ایمان کو ضائع کردے۔ اور تم جو خیر کروگے تو تمھاری خیر کو ہرگز چھپا نہ جائے گا) اور فرمایا ہے ”**یرید ون ان یخرجوا من النار رما ھم بخارجین منھا**“ (وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں حالاں کہ وہ اس سے نکل نہ سکیں گے) نص آیت یہی ہے کہ یہ کفار کے بارے میں ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے۔

لیکن کفارہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**ان تجتنبو اکبائر ماتنھون عنہ نکفر عنکم سینا تکم وند خلکم مد خلا کریما**“ (اگر تم ان کبائر سے بچو جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمھارے سیات کا کفارہ کردیں گے۔ اور تمھیں باعزت مقام میں داخل کریں گے)۔

یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کو ہم پر حرام کرے اور اپنے احکام میں فرق کرے کہ بعض امر کو بعض سے بچنے کی وجہ سے معاف کردے۔ اور بعض امر پر اگر وہ دوسرے بعض سے پرہیز نہ کرے تو مواخذہ کرے۔ اس کے بعد ہم سے وہ ہلاک کرنے والے امور نہ بیان کرے جو ان کے علاوہ ہیں۔ ہم نے اس میں غور کیا تو ایک ایسی قوم کو پایا جو کہتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ ہی ہے۔

حالاں کہ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ جیسا کہ ہم نے کہا نص قرآن کبائر کے درمیان میں فرق و تقسیم کررہی ہے اور ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جس گناہ کو کبیرہ کہا جاتا ہے وہ اس سے چھوٹے گناہ کی طرف نسبت کرکے کہا جاتا ہے۔ اور کبائر بھی آپس میں کم وبیش ہوتے ہیں۔ مشرک اپنے کمتر سے بڑا ہے اور قتل غیر قتل سے بڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”**انما یعذبان ولا یعذبان فی کبیر**“ (یعنی آپ کا دو قبروں پر گزر ہوا) تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہورہا ہے۔ اور عذاب بھی کسی بڑے گناہ پر نہیں ہورہا ہے)۔ ”**وانہ لکبیر**“ (اور بیشک وہ بڑا بھی ہے)۔ ”**اما احد ھما فکان لا یستبرٔی من بولہ**“ (لیکن ان میں سے ایک شخص اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا)۔ ”**واما الا خر فیمشی بالنمیمۃ**“ (لیکن دوسرا شخص چغلخوری کیا کرتا تھا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ یہ دونوں گناہ کبیر (بڑے) ہیں۔ حالاں کہ یہ کبیر بڑے نہیں ہیں۔ یہ نہایت واضح ہے اس لیے کہ یہ دونوں ان صغائر کی طرف نسبت کے اعتبار سے جو کبائر سے پرہیز کرنے کی وجہ سے بخشے جائیں گے کبیر یعنی بڑے ہیں۔ اور کفر وقتل کی طرف نسبت کے اعتبار سے کبیرہ نہیں ہیں۔

لہذا قول مذکور باطل ہوگیا۔ ہم نے اس میں غور کیا تو دیکھا کہ گناہ کبیرہ کو غیر کبیرہ سے ممتاز کرنا اور پہچاننا بغیر اس نص کے نہیں ہوسکتا جو اس میں وارد ہوئی ہو۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں سے ہے جسے بغیر اس کے بتائے ہوئے نہیں جانا جاسکتا۔ ہم نے اس کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ گناہوں پر تو قرآن میں وعید کی تصریح فرمائی ہے اور کچھ گناہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی زبان مبارک پر ہمیں کچھ ایسے گناہ بھی معلوم ہوئے جن پر کسی وعید کی تصریح نہیں فرمائی۔ ہم نے یقیناً جان لیا کہ جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ کی وعید سنائی تو وہ کبیرہ ہے اور جس گناہ کے بڑا سمجھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے تو وہ بھی کبیرہ ہے۔ مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ سات ہلاک کرنے والے امور سے بچو۔ شرک سحر، قتل، زنا وغیرہ۔ اور مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ والدین کی نافرمانی کبائر میں سے ہے کہ جس کے بڑا سمجھنے کے متعلق کوئی نص نہ ہو اور اس پر کوئی دوزخ کی وعید نہ آئی ہو تو وہ کبیرہ نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تنہا کبائر پر دوزخ کی وعید ہو۔ اس لیے کہ یہ تو کبائر سے بچنے کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ لہذا وہی ثابت ہو گیا جو ہم نے کہا تھا **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

موافات

متکلمین میں ان معنی میں اختلاف ہے جنھیں انھوں نے لفظ موافات سے تعبیر کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا ہے جو مومن صالح عبادت میں کوشش کرنے والا ہو پھر وہ مرتد و کافر ہو کے مر جائے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو کافر وسرکش یا فاسق ہے پھر وہ تائب و مسلمان ہو کر مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے اس حالت پر منتقل ہونے سے پہلے جس پر وہ مرا ہے کیا حکم ہے۔

ہشام بن عمرو القوطی اور تمام اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ جو مسلمان اور تائب ہو کے مرا وہ ازل سے اس سے راضی ہے۔ اور جو کافر یا فاسق ہو کے مرا وہ ازل سے اس سے ناخوش ہے۔ اس امر میں انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر نہیں ہوتا جس سے وہ ناراض ہے اس سے راضی نہیں ہوتا اور جس سے راضی ہے اس سے ناراض نہیں ہوتا۔

اشعریہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں تغیر نہیں ہوتا۔ اس کی صفات ذات اس سوال سے برتر ہیں کہ ''کمال ہیں'' اور ''اس لیے نہیں''۔

بقیہ مسلمین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر و فاسق سے ناراض تھا پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو گیا جب کہ کافر مسلمان ہو گیا اور فاسق نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ مسلم سے اور صالح سے راضی ہے۔ جب مسلم کافر ہو گیا اور صالح فاسق تو وہ ان دونوں سے ناراض ہو گیا۔

اس مقام پر اشعریہ کا وہی استدلال ہے جو یہود و نصاری کا ابطال نسخ میں ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے ہم بتوفیق الٰہی ان کے استدلال و قول کا بطلان بیان کرتے ہیں۔

بتائید الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ متغیر نہیں ہوتا تو یہ صحیح ہے لیکن اس کے معلومات میں تغیر ہوتا ہے۔ ہم نے نہیں کہا کہ اس کا علم متغیر ہوتا ہے۔ **معاذاللہ منہ** ۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازل سے ایک ہی ہے۔ وہ ہر شے کو اس کے تمام حالات میں تصرف و تغیر کے مطابق جانتا ہے۔ وہ ازل سے جانتا ہے کہ زید بچہ ہوگا، پھر جوان ہوگا پھر ادھیڑ ہوگا، پھر بوڑھا ہوگا۔ پھر مر جائے گا، پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا پھر جنت یا دوزخ میں جائے گا اور ازل سے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ایمان لائے گا۔ پھر کافر ہو جائے گا۔ یا وہ کافر ہو گا۔ پھر ایمان لائے گا یا وہ کافر ہو گا اور ایمان نہ لائے گا، یا وہ ایمان لائے گا اور کافر نہ ہو گا۔ اسی طرح کا کلام فسق و صلاح (نیکی) میں بھی ہے۔ ان امور میں اللہ تعالیٰ کے معلومات متغیر و مختلف ہوتے رہتے ہیں جو اس کی مخالفت کرے تو اس نے معائنہ و مشاہدہ کی مخالفت کی۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوتا ہے اس سے ناراض نہیں ہوتا اور جس سے ناراض ہوتا ہے اس سے راضی نہیں ہوتا، تو یہ باطل و

کذب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کو ہفتے کے روز کی حفاظت کا اور چربیوں کے حرام سمجھنے کا حکم دیا ہے اور ان سے اسی امر سے راضی ہے اور اسکے خلاف کرنے سے ناراض ہے۔ اسی طرح زمانہ اسلام میں سے ایک قلیل زمانے کے لیے اس نے ہمارے لیے شراب حلال رکھی، ہمیں روزہ و نماز کا پابند نہیں کیا۔ ہماری میخواری پر اور رمضان کے دن میں کھانے پر اور نماز نہ پڑھنے پر راضی رہا۔ ان امور کے حرام سمجھنے سے بلا شک وہ ناراض رہا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے" **ولا تعجل بالقران من قبل ان یقضی الیک وحیہ** " (اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کیجئے قبل اس کے کہ اس کی پوری وحی آپ پر نازل ہو چکے)۔ اس کے بعد اس نے ہم پر نماز روزہ فرض کر دیا اور شراب حرام کر دی۔ پھر وہ ہمارے ترک نماز و روزہ اور شراب خواری پر ناراض ہوا اور ان چیزوں کے خلاف کرنے سے راضی ہوا۔ یہ وہ امر ہے جس کا کوئی مسلمان منکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ازل سے اس کا علم ہے کہ وہ اتنی مدت تک ان امور کو حلال رکھے گا اور اس سے راضی رہے گا۔ اسے اس کا بھی ازل سے علم ہے کہ اس نے ان میں سے جو کچھ حرام کر دیا وہ اسے ایک مدت تک حرام کرے گا اور اس سے ناراض ہوگا۔ اس کے بعد وہ اسے حلال کر دے گا اور اس سے راضی ہوگا۔ جیسا کہ جس کو اس نے زندہ کیا اسے معلوم تھا کہ وہ اسے اتنی مدت تک اسے باعزت رکھے گا اس کے بعد ذلیل کر دے گا۔ اسی طرح اس کی صنعت کے جتنے آثار اس عالم میں ہیں سب کا یہی حال ہے جو کسی ادنیٰ سی حس رکھنے والے سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ اسی طرح جو مومن مرتد ہو کے مرے یا جو کافر مسلم ہو کے مرے تو اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم ہے کہ جب تک وہ کافر ہے وہ اسکے فعل کفر سے ناراض رہے گا۔ جب وہ اسلام لے آئے گا۔ تو اس سے راضی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ مسلم کے افعال سے اور افعال نیکوکار سے راضی ہوگا۔ اس کے بعد جب وہ مرتد یا فاسق ہو جائے گا تو وہ اس کے افعال سے ناراض ہو جائے گا، نص قرآن اسی کی شہادت دیتی ہے" **ولا یرضی لعبادہ الکفروان تشکروا یرضہ لکم** " (اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں۔ اور اگر تم شکر کرو تو وہ تمھارے اس فعل سے راضی ہوگا)۔ ثابت ہو گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جس کام میں شکر کرے وہ اس سے راضی ہے۔ جو شخص کفر کرے۔ جب کفر کرے جس وقت کفر کرے۔ وہ کفر سے راضی نہیں ہے۔ خواہ یہ احوال ایک ہی انسان سے منتقل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ " **ومن یرتد دمنکم عن دینہ فیمت وھو کا فر فاؤلئک حبطت اعمالھم** " (اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا پھر کافر ہونے کی ہی حالت میں مر جائے گا تو ان لوگوں کے اعمال رائیگاں ہو جائیں گے)۔ تو یقیناً ہر صاحب حس سلیم جانتا ہے کہ کسی عمل کا رائیگاں ہونا بغیر اس کے ناممکن ہے کہ وہ پہلے رائیگاں نہ تھا۔ یہ محال ہے کہ کوئی ایسا عمل رائیگاں ہو جائے جو کبھی محسوب نہ ہوا ہو لہذا ثابت ہو گیا کہ اس مومن کا عمل جو مرتد ہو جائے پھر کافر ہونے کی حالت میں مر جائے تو وہ محسوب تھا۔ پھر جب وہ مرتد ہو گیا تو رائیگاں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے" **یمحوا اللہ مایشاء ویثبت . وعندہ ام الکتب** " (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے) ثابت ہو گیا کہ وہ اسی کو مٹاتا ہے جس کو اس نے لکھ دیا تھا۔ یہ محال ہے کہ وہ مٹایا جائے جو لکھا ہوا نہ ہو۔ یقیناً یہ ان کے قول کا بطلان ہے۔ **وللہ الحمد** ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے" **اولئک یبدل اللہ سیٔا تھم حسنات** " (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے سیات کو اللہ تعالیٰ حسنات سے بدل دے گا)۔ یہ ہمارے قول کی نص اور ان کے قول کا بطلان ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے گزشتہ افعال کو سیئات فرمایا۔ اور بلا شک سیئات اس کے نزدیک مذموم ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے ان سیئات کو پلٹ دیا اور انھیں پسندیدہ حسنات سے بدل دیا۔ جو اس کا انکار کرے وہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آدم کو اس درخت میں سے کھانے سے اور یونس کے غصہ ہو کے

جانے سے ناراض ہوا اس کے بعد اس نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو معاف کر دیا اور یونس کو ملامت کرنے کے بعد برگزیدہ بنا دیا، کسی صاحب عقل کو اس میں شک نہیں کہ ملامت اور چیز ہے اور برگزیدگی واجتباء اور چیز۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ آیا کافر میں جب کہ وہ کافر تھا ایمان لانے سے پہلے کفر تھا اور فاسق میں توبہ کرنے سے پہلے فسق تھا۔ اور مومن میں مرتد ہونے سے پہلے ایمان تھا یا نہ تھا۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تھا تو انھوں نے مشاہدے کا انکار کیا اور بدل دیا۔ اور اگر کہیں کہ ہاں تھا تو ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ کفر وفسق سے ناراض ہوگا یا ان دونوں سے راضی ہوگا۔ اگر وہ کہیں کہ وہ ان دونوں سے ناراض ہوگا، تو انھوں نے اپنا قول ترک کر دیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ وہ کفر وفسق سے راضی ہوگا تو یہ کافر ہو جائیں گے۔ وحشی نے جو حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا ہم اس کے متعلق ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ کی رضامندی تھی۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں تھی تو کافر ہو جائیں گے۔ اگر کہیں کہ نہیں، ناراضی ہی تھی تو ہم دریافت کریں گے کہ جب وحشی اسلام لے آئے تو آیا اب بھی اللہ تعالیٰ ان سے اس پر مواخذہ کرے گا۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ اور اسی طرح ہر نیکی وبدی میں سوال ہوگا، تو ان کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا **وباللہ تعالیٰ التوفیق ۔ وصلی اللہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔**

جسے دعوت نہیں پہنچی

جس نے گناہ یا کفر سے توبہ کر لی اور پھر وہی کیا جس سے توبہ کی تھی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**لا نذرکم بہ ومن بلغ**" (بیشک اس نے قرآن کے ذریعے سے تمھیں ڈرایا اور اسے کہ جس کو یہ پہنچا) اور فرمایا "**وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**" (اور ہم عذاب نہیں کرتے تاوقتیکہ رسول نہ بھیج دیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ نذارت یعنی ڈرانے سے اسی پر الزام آئے گا جس کے پاس تک وہ نذارت پہنچے نہ کہ اس پر جس کے پاس یہ نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر عذاب نہیں کرتا تاوقتے کہ اس کی جانب سے اس شخص کے پاس رسول نہ آ جائے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جس کو کبھی اسلام نہ پہنچے تو اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نص آئی ہے کہ قیامت کے روز سٹھیائے ہوئے بوڑھے کو، گراں گوش بہرے کو، مجنون کو اور اس کو جو زمانہ فترت میں تھا (یعنی دو انبیاء کے درمیانی زمانے میں تھا) لایا جائیگا۔ مجنون کہے گا یا رب اسلام میرے پاس ایسی حالت میں آیا تھا کہ مجھے عقل نہ تھی۔ بوڑھا اور گونگا اور فترت کے زمانے والا بھی جو کچھ کہے گا اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔

ان لوگوں کے لیے آگ سلگائی جائے گی اور انھیں حکم دیا جائے گا کہ اس میں داخل ہو جو اس میں داخل ہوگا وہ اسے سرد وسلام پائے گا۔

وہ شخص جسے واجبات دین کی تفصیل نہ پہنچے وہ بھی معذور ہے۔ اس پر کوئی ملامت نہیں۔ جعفر بن ابی طالب وصحابہ رضی اللہ عنہم ملک حبشہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں تھے۔ قرآن نازل ہوتا تھا اور احکام شریعت مقرر ہوتے تھے۔ مگر مدینے سے ملک

حبشہ کا راستہ بالکل بند ہونے کی وجہ سے وہ جعفر اور آپ کے اصحاب تک بالکل نہیں پہنچے تھے۔ یہ لوگ چھ برس تک اسی حالت میں رہے مگر اس سے ان کے دین کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا باوجودیکہ یہ حرام کے مرتکب اور فرض کے تارک رہے۔

میں نے ایک جماعت کو دیکھا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ احکام شریعت جاہل کو اور جس کو نہ پہنچیں لازم نہیں ہیں۔ یہ باطل ہے بلکہ یہ جاہل کو بھی لازم ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انس وجن کی طرف مرسل ہوئے اور اس کی طرف بھی جو پیدا ہوا اور پیدا ہونے کے بعد بالغ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ ''انی رسو ل اللہ الیکم جمیعا'' (میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں) یہ عام ہے اس میں سے کسی کو خاص کرنا جائز نہیں۔ اور فرمایا ہے '' ایحسب الا نسان ان یترک سدی '' (کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار و مہمل چھوڑ دیا جائے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے ''سدی'' (مہمل و بیکار) ہونے کو باطل کر دیا ''سدی'' اس بیکار و مہمل کو کہا جاتا ہے جسے نہ کسی کام کا حکم دیا جائے نہ کسی بات سے منع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو باطل کر دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جاننے سے اور آپ کی معرفت سے دور ہونے کی وجہ سے معذور ہے۔ جس شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہنچ جائے خواہ وہ روئے زمین کے کیسے ہی دور دراز مقامات میں سے کہیں ہو تو اس پر آپ کی جستجو فرض ہے۔ ''جب اسے آپ کی نذارت پہنچ جائے تو اس پر آپ کی تصدیق واتباع فرض ہے۔ طلب دین لازم ہے۔ اپنے وطن سے نکلنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ بنص قرآن کفر ودائمی دوزخ وعذاب کا مستحق ہوگا

اس بیان سے خوارج کا یہ قول باطل ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں اس شخص پر بھی آپ پر ایمان لانا اور آپ کے احکام شریعت کو معلوم کرنا فرض ہے جو دور دراز ملک میں ہو۔ اگر وہ اسی حال میں مریں گے تو کافر مریں گے اور دوزخ میں جائیں گے۔ اس کو یہ آیت بھی باطل کرتی ہے۔ ''لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ماکسبت وعلیھا مااکتسبت'' (اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ اس کے لیے وہی ہے جو اس نے حاصل کیا اور اس کے ذمے بھی وہی ہے جو اس نے حاصل کیا)۔ اور علم غیب کسی کی بھی وسعت میں نہیں۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ یہ دلیل تو اس گروہ کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ احکام شریعت کسی کو بھی لازم نہیں تاوقتیکہ وہ اس تک نہ پہنچ جائیں۔ ہم کہیں گے کہ اس میں ان کی کوئی بھی حجت و دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسانوں کو جس چیز کی تکلیف دی گئی وہ ان کی وسعت اور فطرت کی برداشت میں ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ ان احکام کے ان کے پاس سے غائب ہونے کی وجہ سے معذور ہیں۔ انھیں ان احکام کی ایسی تکلیف نہیں دی گئی ہے کہ یہ اگر اسکو نہ کریں تو اس کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ انھیں عذاب نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ احکام پہنچ نہ جائیں۔

جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجمالی طور پر اتنا معلوم ہو جائے کہ آپ کا کوئی حکم ہے اور اسے اس کی نص وتصریح نہ پہنچے تو اس پر اس حکم کی تلاش میں کوشش کرنا اور اپنے کو مشقت میں ڈالنا فرض ہے۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کا گناہگار رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''فسالوااھل الذکران کنتم لا تعلمون'' ۔(اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھو)۔ اور فرمایا ہے'' فلو لا نفر من کل فرقة منھم طائفة لیتفقھو افی الدین و ینذزرو قومھم اذار جعو االیھم لعلھم یحذرون '' (پھر کیوں نہ ان کے ہر فرقے کا

ایک گروہ روانہ ہوا تا کہ یہ لوگ دین میں فہم حاصل کرتے۔ اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹتے تو انھیں ڈراتے۔ تا کہ یہ لوگ بھی خوف کرتے)۔

جس نے کسی گناہ یا کفر سے توبہ کر لی اور پھر اسی کی طرف رجوع کیا جس سے توبہ کر لی تھی تو اور اگر اس کی یہ توبہ اس حالت میں تھی کہ اس کا قصد دوبارہ کرنے کا تھا تو یہ شخص فعل عبث کرنے والا۔ تمسخر کرنے والا۔ اور اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

''یخادعون اللہ والذین آمنوا . وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون . فی قلوبھم مرض فزاد ھم اللہ مرضا. ولھم عذاب الیم . بما کانوا یکذبون'' (منافق لوگ اللہ کو اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صرف اپنے آپ ہی کو دھوکہ دیتے ہیں ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر اللہ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا۔ اور ان کے لیے نہایت تکلیف دہ عذاب ہے اس وجہ سے کہ یہ جھوٹ بولا کرتے تھے)۔

جس کی توبہ سچی اور پختہ ہو اور وہ اپنے اس قصد پر قائم ہو کہ دوبارہ نہ کرے گا تو یہ توبہ صحیح اور مقبول ہے اور از روئے نص بلا شک ان تمام گناہوں کی ساقط کرنے والی ہے جن سے اس نے توبہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''انی لغفار لمن تاب و آمن وعمل صالحا'' (اور بیشک میں اس کی مغفرت کرنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے)۔

اگر اس کے بعد یہ اسی گناہ کی طرف رجوع کرے جس سے اس نے توبہ کی ہے تو وہ گناہ اس پر کبھی نہ پلٹے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ اگر یہ مرتد ہو جائے اور کافر ہونے ہی کی حالت میں مر جائے تو اس کا عمل رائیگاں ہو جائے گا۔ خاص اسی شخص پر اس کا وہ عمل پلٹے گا (جس سے اس نے توبہ کی ہے) لیکن جس نے اسلام کی طرف رجوع کیا اور اسی پر مر گیا تو اس سے کفر وغیرہ ساقط ہو جائے گا۔

توبہ صرف ندامت۔ استغفار اور اس فعل کے دوبارہ کرنے اور نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے سے اور اگر حقوق العباد سے توبہ کی ہے تو اس سے صاحب حق سے برات حاصل کرنے سے ہوتی ہے، خواہ یہ برات معاف کرنے سے ہو یا ادا کرنے سے۔

میں نے ابو بکر احمد بن علی بن بجور کی ایک کتاب میں ایک قول دیکھا ہے کہ توبہ صرف ندامت ہے۔ اگر چہ وہ اس کے ساتھ دوبارہ اس کبیرہ کے ارتکاب کو ترک کرنے کی نیت نہ کرے۔ ابو بکر کا عرف ابن الاخشید ہے۔ یہ معتزلہ کے ارکان میں سے ہیں۔ ان کے والد ملوک فرغانہ کے جو ترک تھے، شہزادوں میں سے تھے اور سرحدوں کے والی اور گورنر تھے۔ یہ ابو بکر جو ان کے بیٹے تھے مذہب شافعی کے فقیہ تھے۔

یہ تو مراجعت (یعنی دوبارہ گناہ کرنے) کے قائل ہونے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ اس لیے کہ جو اسلام کا معتقد ہے بلا شک ہم جانتے ہیں کہ وہ جو گناہ کرتا ہے اس پر نادم ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ برا کر رہا ہے اور اس سے اسے نفرت ہوتی ہے۔ جو اس صفت کے خلاف ہو اور اپنے فعل کو اچھا سمجھتا ہو اور اس پر نادم نہ ہو تو وہ مسلم نہیں ہے۔ مگر ابن الاخشید کے قول کے مطابق کسی صاحب کبیرہ سے مواخذہ نہ ہو گا اس لیے کہ وہ اس سے تائب ہے۔ حالاں کہ یہ وعید کے خلاف ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ تو مومن کے ایمان کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہو تو کیا تم تائب کی توبہ اور عمل خیر کرنے والے کے عمل کے متعلق بھی یہ یقین رکھتے ہو کہ وہ مقبول ہے۔ اور کیا تم اس کا بھی یقین رکھتے ہو کہ جس کے سیئات بکثرت ہوں گے وہ دوزخ میں ہو گا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ اعمال کے لیے بھی شرطیں ہیں جو حق نیت ادا کرنا اور حق عمل ادا کرنا ہے۔ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ عمل اسی طرح کامل واقع ہوا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو ہم یقین کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے قبول کرے گا۔ توبہ جب پختہ و

خالص واقع ہو تو ہم اس کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔

خیر ظاہر کرنے والے کے متعلق اس امر کا یقین کہ وہ جنت میں جائے گا اور شر ظاہر کرنے والے کے متعلق اس امر کا یقین کہ وہ دوزخ
میں جائے گا یہ غلط وخطا ہے۔ اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ دلوں میں کیا ہے۔ ممکن ہے کہ خیر ظاہر کرنے والا کفر کو اپنے اندر پوشیدہ کیے ہوئے
ہو یا ایسے کبائر کو پوشیدہ کیے ہوئے ہو جنھیں ہم نہ جانتے ہوں۔ لہذا واجب ہے کہ ہم ان امور کی وجہ سے اس پر کسی امر کا بھی یقین نہ کریں۔ اسی
طرح جو کبائر کا ظاہر وعلانیہ کرنے والا ہے ممکن ہے کہ وہ اپنے باطن میں کفر کو چھپائے ہوئے ہو۔ جب موت کے قریب ہو تو ایمان لے آئے
اور مستحق جنت ہو جائے۔ یا ممکن ہے کہ اس کے باطن میں کچھ ایسے حسنات ہوں جو اس کے سیئات پر غالب آ جائیں اور وہ جنتی بن جائے لہذا
واجب ہے کہ ہم کسی معین شخص پر نہ جنت کا یقین کریں نہ دوزخ کا۔ بجز ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے۔ جن کے بارے میں نص آ گئی ہے کہ وہ
جنت میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو انکے دلوں کی کیفیت کا علم ہوا تو اس نے ان پر سکینہ (اطمینان وسکون) نازل کیا اور اہل بدر کے اور اہل سوابق
کے (اہل سوابق وہ مہاجرین ہیں جو مکے میں اسلام لائے)۔ ہم ان سب کے لیے جنت کا یقین کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس کی خبر دے دی ہے۔ بجز اس شخص کے جو علانیہ کفر کرتے ہوئے مر گیا۔ کہ ہم اسکے لیے دوزخ کا
یقین کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور لوگوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم صفات پر یقین رکھتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ جو علانیہ یا خفیہ کفر کی حالت میں مرے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور اس میں ہمیشہ رہے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کے یہاں
اس کیفیت سے جائے گا کہ اسکے حسنات اس کے سیئات وکبائر پر غالب ہوں گے یا دونوں مساوی ہوں گے تو وہ جنت میں جائے گا اس
پر عذاب دوزخ نہ ہوگا۔ اور جو اس کیفیت سے اللہ تعالیٰ سے ملے گا کہ اس کے کبائر حسنات پر غالب ہوں گے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور
بسبب شفاعت کے اس سے نکل کر جنت میں جائے گا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

شاہد حال :

میں نے اپنے بعض اصحاب کو ایک اور شے کی طرف جاتے دیکھا ہے جس کا نام انھوں نے ''شاہد حال'' رکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو
شخص عبادات میں سے کسی چیز کا ظاہر کرنے والا ہو اور اس میں اذیت کا برداشت کرنیوالا ہو اور اس اذیت سے جو اسے لاحق ہو کسی حال کا طالب
نہ ہو تو اس کے باطن وظاہر پر یقین کیا جائے گا اور اس میں کوئی شک نہ ہوگا۔ مثلاً عمر ابن عبدالعزیز وسعید بن المسیب وحسن بصری وابن سیرین
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جو ان حضرات کی راہ پر چلنے والے ہوں خواہ ان کے قبل یا انکے ساتھ یا ان کے بعد۔ کیوں کہ ان حضرات نے دنیا سے ایسا
ترک تعلق کیا کہ اگر یہ اسے استعمال کرتے تو ان کی وجاہت سے کچھ بھی کم نہ ہوتا۔ وہ مصیبت برداشت کی کہ اگر اس میں تخفیف کر دیتے تو با
عث عیب نہ ہوتا ان کے اسلام وفضل وخیر کے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کا یقین کیا جائے گا۔ اور اسی طرح یہ یقین کیا جائے گا کہ عمر بن عبید کا
بلا شک باطن میں بھی ابطال قدر کا عقیدہ تھا اور ابو حنیفہ وشافعی رضی اللہ عنہما اپنے باطن میں بھی قیاس کو دین الٰہی سمجھتے تھے احمد بن حنبلؒ بلا شک
اپنے باطن میں بھی حدیث کے مطابق دین اختیار کرنے کو اور قرآن کو غیر مخلوق سمجھنے کو دین الٰہی سمجھتے تھے۔ داؤد بن علی بلا شک اپنے باطن میں بھی
ابطال قیاس کو دین الٰہی سمجھتے تھے۔ اسی طرح ہر وہ شخص ہے جس کے احوال کسی خاص عقیدے کے مددگار رہوں، اس میں اس کی کوشش ظاہر ہو۔
اس کے بارے میں چشم پوشی ودرگذر ترک کردی ہو اور اسکی وجہ سے مصیبت واذیت برداشت کرتا ہو۔

یہ قول صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ کیوں کہ فطرت طبائع میں یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی شخص بغیر کسی موجودہ یا آئندہ فائدے کے

اذیت ومشقت برداشت کرے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ ہر صاحب عقیدہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے عقیدے کا شاہد اس پر شہادت دے جس سے اس کا عقیدہ ظاہر ہو کہ اس سے کتنی مسامحت و کمزوری اس باب میں ہوئی اور کس قدر صبر وثبات رہا۔ جو شخص بغیر اس صفت کے ہو تو ہم اس کے عقیدے پر یقین نہیں کرتے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

شفاعت ومیزان وحوض وعذاب قبر وکاتبین کرام

شفاعت :

اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک قوم نے اس کا انکار کیا ہے اور وہ لوگ معتزلہ اور خوارج اور ان کے پیرہ میں کہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی اس سے نہ نکلے گا۔

اہل سنت واشعریہ وکرامیہ وبعض روافض کا مذہب یہ ہے کہ شفاعت حق ہے۔

منکرین نے ان آیات سے استدلال کیا ہے" **فما تنفعهم شفاعة الشافعين** " (پھر انھیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت مفید نہ ہوگی)" **يوم لا تملک نفس لنفس شيئاوالا مريو مئذ لله** " (جس روز کسی کا کسی کے لیے کچھ قابو نہ ہوگا اور اس روز پوری حکومت اللہ ہی کی ہوگی)۔" **قل انی لا املک لکم ضراولا رشدا** " (آپ کہہ دیجیے کہ میں تمھارے ضرر یا ہدایت پر قادر نہیں ہوں)۔" **واتقوايوما لا تجزی نفس عن نفس شيئا ولا يقبل منها شفاعة** " (اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا اور نہ اس کی شفاعت قبول کی جائے گی)۔" **من قبل ان ياتی يوم الابيع فيه ولاخلة ولا شفاعة** " (قبل اس کے کہ وہ دن آئے کہ جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی نہ دلی دوستی نہ شفاعت)" **فمالنا من شافعين ولا صديق حميدی** " (ہمارا نہ تو کوئی شفاعت کرنے والا ہے اور نہ مخلص دوست)" **ولا يقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة ولاهم ينصروج** " (اور کسی شخص سے نہ تو بدل قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی شفاعت مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کی مدد کی جائے گی)۔

جو لوگ شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں ان کا کلام یہ ہے کہ بعض قرآن کو چھوڑ کر بعض قرآن پر رک جانا اور بعض حدیث کو چھوڑ کر بعض پر رک جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کو چھوڑ کر قرآن پر رک جانا جائز نہیں حالاں کہ آپ سے آپ کے رب نے فرمایا ہے۔" **لتبين للناس مانزل اليهم** " (تا کہ آپ لوگوں سے اس کو واضح کر دیں جو ان پر نازل کیا گیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صحت شفاعت پر تصریح کی ہے۔ فرمایا ہے" **لا يملكون الشفاعة الا من اتخذعند الرحمن عهدا** " (لوگوں کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے اس کے کہ جس نے رحمٰن سے اجازت لے لی ہو)۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے شفاعت کو ضروری کر دیا ہے جس نے اس کے یہاں سے اجازت لے لی ہو۔ اس کے متعلق احادیث متواترہ ثابت ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں جن کو پوری پوری جماعتوں نے نقل کیا ہے۔

اور فرمایا ہے" **يومئذلا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضی له قولا** " (جس روز شفاعت مفید نہ ہوگی سوائے اس شخص کی شفاعت کے کہ جسے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اس کے قول کو پسند کیا ہو)۔ اور فرمایا ہے" **ولا تنفع الشفاعة عنده الا**

لمن اذن له ''(اوراسکے یہاں شفاعت مفید نہ ہوگی مگراس شخص کی کہ جسے اسنے اجازت دے دی ہو)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ قیامت کے روز اللہ کے یہاں شفاعت اسی شخص کی مفید ہوگی جسے وہ شفاعت کی اجازت دے گا اور اس کے قول سے راضی ہوگا۔ اور اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اولی کوئی بھی نہیں۔ اس لیے کہ آپ اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے افضل ہیں۔ اور فرمایا ہے ''من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ ''(کون ہے جو اس کے یہاں بغیر اس کی اجازت کے شفاعت کر سکے)۔'' وکم من ملک فی السموات لا تغنی شفاعتهم شيئا الا من بعد ان یاذن الله لمن یشا ء ویرضی ''۔ (اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ جن کی شفاعت کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور جس سے راضی ہوا سے اجازت دے دے)۔ ''ولا یملک الذین یدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق وهم یعلمون '' (اور ان لوگوں کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا جس کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ مگر اسے ہوگا جو حق کی شہادت دے۔ اور یہ لوگ جانتے ہیں)۔ '' مامن شفيع الا من بعد اذنه ''(کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا مگر اللہ کی اجازت کے بعد)۔

شفاعت اس قرآن کی نص سے ثابت ہوگئی جس میں باطل کا گزر نہیں ہوسکتا نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ وہ شفاعت جسے اللہ تعالیٰ نے باطل کیا ہے وہ اس شفاعت کے علاوہ ہے جسے ثابت کیا ہے۔ چوں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہذا وہ شفاعت جسے اللہ تعالیٰ نے باطل کیا ہے وہ ان کفار کے لیے شفاعت ہے جو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے '' لا یخفف عنهم من عذابها و لا یقضی علیهم فیموتو ا ''(اس کے عذاب کو ان لوگوں سے کم نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے لیے یہ حکم دیا جائے گا کہ یہ مرجائیں)۔ نعوذ بالله منها۔ ثابت ہوگیا کہ وہ شفاعت جسے اللہ نے اس شخص کے لیے واجب کیا ہے جس کو وہ اجازت دے اور وہ شخص اس کے یہاں سے اجازت لے لے اور وہ اس کے قول سے راضی ہو تو وہ شفاعت وہی ہے جو اہل اسلام کے گناہگاروں کے لیے ہوگی۔ اور اسی طرح حدیث صحیح آئی ہے۔

دو شفاعتیں :

مسلمانوں کے لیے شفاعتیں دو ہوں گی۔ ایک تو ٹھہرنے کے مقام میں۔ اور یہ وہی مقام محمود ہے جس کے متعلق قرآن کی اس آیت میں نص آئی ہے'' عسی ان یبعثک ربک مقاما محمود ا ''(عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا)۔ اسی طرح نص وتصریح کیساتھ حدیث صحیح آئی ہے۔

دوسری شفاعت وہ ہے جو اہل کبائر کے ایک ایک طبقے کے دوزخ سے نکالنے میں ہوگی جیسا کہ اسی حدیث میں ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ'' قل لا املک لکم ضراو لا رشدا ''(آپ کہہ دیجیے کہ میں ضرر و ہدایت پر قادر نہیں ہوں)۔'' ولا تملک نفس لنفس شيئا (کسی کو کسی کے لیے کچھ قابو نہ ہوگا) تو ہم اس میں قطعا ان لوگوں کے مخالف نہیں ہیں کہ یہ تو ذرا بھی شفاعت کے بارے میں نہیں ہے۔ آپ کسی کے نفع وضرر اور رشد وہدایت پر قادر نہیں ہیں۔ شفاعت تو صرف اللہ تعالیٰ سے خواہش اور عاجزی وزاری ودعا ہے۔

بعض منکرین شفاعت نے کہا ہے کہ شفاعت صرف نیکوکاروں کی ہوگی۔ انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے'' ولا یشفعون الا لمن ارتضی ''(اور وہ صرف اسی کی شفاعت کریں گے جو پسندیدہ ہوگا)۔

حالانکہ اس میں ان لوگوں کی کوئی بھی دلیل وحجت نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس کے دوزخ سے نکالنے کا حکم دے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا اور شفاعت کرنے والے کو اس امر میں اس کی شفاعت کی اجازت دے گا تو اس نے اسے پسندیدہ بنا دیا۔ اور یہی حق ہے۔ اس شخص پر اللہ کا فضل ہے جس کی وہ اس سبب سے مغفرت کردے گا کہ اس کے حسنات اسکے کبائر پر غالب ہوں گے یا اس کا ایک بھی گناہ کبیرہ نہ ہوگا یا اس نے اس سے توبہ کرلی ہوگی۔ چنانچہ وہی اسے ہر شفاعت کرنے والے کی شفاعت سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ یہ رحمت وکامیابی اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوئی ہے۔ اس نے اس کے جنت میں داخل کرنے کا حکم دے دیا ہے تو پھر کس بات میں اس کی شفاعت کی جائے گی۔ محتاج شفاعت تو وہی شخص ہوگا جس کے کبائر اس کے حسنات پر غالب ہوں اور وہ دوزخ میں داخل کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بغیر شفاعت کے اس کے دوزخ سے نکالنے کا حکم نہ دے گا۔ اسی طرح تمام مخلوق کھڑے ہونے کے مقام میں ہوگی۔ یہ لوگ بھی ایک برے مقام میں ہوں گے اور شفاعت کے بھی محتاج ہوں گے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ اور ہم تو اسی کے قائل ہیں، جو احادیث سے اس باب میں ثابت ہے۔

میزان :

ایک قوم نے میزان کا بھی انکار کیا ہے۔ انھوں نے جرات وپیشقدمی سے کلام اللہ کی مخالفت کی ہے۔ دوسروں نے اس طرح کوتاہی کی ہے کہ وہ میزان سونے کے دو پلڑوں سے ہے۔ یہ ایک دوسری پیشقدمی ہے جو حلال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” **تقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم و تحسبو نہ ھینًا وھو عند اللہ عظیم** “ (اور تم لوگ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ اور تم اسے ہلکا سمجھتے ہو حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری ہے۔

امور آخرت بغیر قرآن میں آئے اور بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوئے نہیں معلوم ہو سکتے۔ صفت میزان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی ایسی روایت نہیں آئی ہے جو صحیح ہو۔ اگر اس کے بارے میں آپ سے کوئی بات ثابت ہوتی تو ہم ضرور اس کے قائل ہوتے۔ جب اس معاملے میں آپ سے کوئی چیز ثابت نہیں تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسی بات کہے جس کی اللہ نے ہمیں خبر نہیں دی۔ ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” **ونضع الموازین بالقسط لیو م القیمۃ فلا تظلم نفس شیاء . وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا . وکفی بنا حاسبین** “ (اور قیامت کے روز ہم انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور رائی کے دانے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لائیں گے اور ہمارا حساب داں ہونا کافی ہے۔ “ **والوزن یومئذ الحق** “ (اور اس روز وزن کا ہونا حق ہے). ” **فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ** “ (جس کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا اور جسکی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو اس کا وہ جہنم ہے جس کا نام ہاویہ ہے) ہم یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز بندوں کے اعمال کے وزن کے لیے ترازوئیں قائم کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے کہ ” **فلانقیم لھم یوم القیمۃ وزنا** “ (قیامت کے روز ہم ان کے لیے وزن نہیں قائم کریں گے)۔ یہ اس بنا پر نہیں ہے کہ ان کے اعمال وزن نہ کیے جائیں گے۔ بلکہ وزن کیے جائیں گے مگر ان کے اعمال کا پلہ اٹھ جائے گا اور ان کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کیوں کہ وہ فرماتا ہے ” **ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسم فی جھنم خالدون** “ (اور جس کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے) “ **تلفح وجوھھم**

النار وهم فيها كالحون " (ان کے چہروں کو آگ جھلتی ہوگی اور یہ لوگ اس میں (منہ) ہسورتے ہوں گے)۔ " **الم تكن آياتي تتلى عليكم فكنتم بها تكذبون** " (کیا میری آیتیں تمھیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں پھر تم ان کی تکذیب کیا کرتے تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ لوگ جو اسکی آیات کی تکذیب کرتے ہیں ان کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والے بلا شک کفار ہیں۔

ہم اس کا یقین کرتے ہیں کہ یہ ترازوئیں وہ اشیا ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذرہ برابر تک اعمال خیر و شر کی مقداریں ظاہر کرے گا۔ ذرے کی مقدار تو وہ مقدار ہے جس کا وزن ہماری ترازوؤں میں ہرگز محسوس نہیں ہوسکتا۔ ذرہ بھر بھی اور جو ذرے سے کم و بیش ہوگا وہ بھی۔

ہم ان ترازوؤں کی کیفیت نہیں جانتے، سوائے اس کے کہ ہم اتنا جانتے ہیں کہ وہ ترازوئیں ہماری دنیا کی ترازوؤں کے خلاف ہیں اس شخص کی ترازو جو ایک دینار یا ایک موتی تصدق کرے وہ اس شخص سے بھاری ہوگا جو ایک حقیر چیز تصدق کرے۔ حالاں کہ یہ وزن نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ قتل کرنے والے کا گناہ طمانچہ مارنے والے کے گناہ سے بڑا ہے۔ فرض نماز پڑھنے والے کی میزان نفل نماز پڑھنے والے کی میزان سے بڑی ہے۔

بعض فرائض بعض سے بڑے ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو شخص صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے تو وہ اس شخص کے مثل ہے جو رات بھر نماز پڑھتا رہا۔ اور جس نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا وہ نصف شب عبادت کرتا رہا۔ حالاں کہ دونوں نمازیں فرض ہیں۔ اسی طرح تمام اعمال ہیں۔ بندے کا عمل خیر شر سے وزن کیا جائے گا۔ اگر اپنے خیر خواہ ہوتے تو وہ ضرور جانتے کہ یہ عین عدل ہے۔

جو ایسی چیز کا قائل ہوا ہے جس کو نہیں جانتا کہ یہ میزان دو پلڑے والی ہوگی تو وہ صرف دنیا کی ترازوؤں پر قیاس کر کے اس کا قائل ہوا ہے۔ اس نے اپنے قیاس میں غلطی کی ہے، کیوں کہ دنیا میں ایسی ترازئیں بھی ہوتی ہیں جن میں پلڑا نہیں ہوتا۔ مثلاً قرسطون۔ ہم لوگوں نے اس بارے میں صرف ان نصوص کا اتباع کیا ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ہم صرف اسی کے قائل ہیں جو قرآن میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث میں آیا ہے۔ اور صرف اسی کے منکر ہیں جو قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ اور صرف اسی کی تکذیب کرتے ہیں جس کا قرآن و حدیث میں ابطال ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفيق۔**

حوض :

اس کے بارے میں احادیث ثابت ہیں۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اس پر جو امتی وارد ہوگا اس کی کرامت ہے۔ ہمیں اس کے منکر کی کسی دلیل کا علم نہیں۔ اس میں یا کسی اور چیز میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو اس کی مخالفت جائز نہیں **وباللہ تعالیٰ التوفيق۔**

صراط :

ہم اس کے قبل کے باب سے پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صراط جہنم کے درمیان میں رکھا جائے گا۔ لوگ اس سے گزریں گے بعض تو گر کر جل جائیں گے بعض نجات پا جائیں گے۔ اور بعض مشکیں

کس کے آتش دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ بیشک لوگ بقدر اپنے اعمال کے اس پر سے اس طرح گزریں گے جس طرح پلک جھپکتی ہے، اور اس سے بھی کم زمانے میں۔ یہاں تک کہ کوئی دوزخ میں گر پڑے گا۔ یہ اہل جنت کا جنت تک راستہ ہے جو زمین محشر سے آسمان تک ہے، اس آیت کے یہی معنی ہیں " **وان منکم الا وارد ھا کان علی ربک حتما مقضیا . ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظلمین فیھا جثیا** " (اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس (صراط) پر وارد نہ ہو۔ یہ آپ کے رب کے نزدیک ضروری و طے شدہ ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو متقی ہوں گے۔ اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے)۔

کاتبین اعمال :۔

ملائکہ کا ہمارے اعمال کا لکھنا بھی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **وان علیکم لحافظین کراما کاتبین** " (بیشک تم پر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں جو بزرگ لکھنے والے ہیں)۔ اور فرمایا ہے " **انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون** ") بیشک ہم لکھوالیا کرتے تھے جو کچھ تم کیا کرتے تھے)۔ اور فرمایا ہے " **وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقه . ونخرج له یوم القیمة کتابا یلقاہ منشورا . اقراء کتابک** " (اور ہم نے انسان کے مقدر کو اس کی گردن میں وابستہ کر دیا ہے۔ اور ہم قیامت کے روز اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جس کو وہ بکھرا ہوا پائے گا۔ اپنی کتاب کو پڑھ) اور فرمایا ہے " **اذیتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید . ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید** " (جب کہ دو لینے والے داہنی اور بائیں جانب بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ کوئی بات بولتا نہیں کہ ایک نگہبان تیار ہے)۔

ان تمام امور میں بھی ان لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوا جو اسلام کی طرف منسوب ہیں۔ مگر اس لکھنے کی کیفیت کوئی نہیں جانتا۔

عذاب قبر :

معتزلہ کے ایک شیخ ضرار بن عمرو الغطفانی نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔ جن خوارج سے ہم ملے ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے۔ اہل سنت اور بشر بن المعتمر والجبائی اور بقیہ معتزلہ عذاب قبر کے قائل ہیں۔ ہم بھی اسی کے قائل ہیں اس لیے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث ثابت ہیں۔

جس نے اسکا انکار کیا ہے اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے " **ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین** " (اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور تو نے ہمیں دو مرتبہ زندہ کیا) اور اس آیت سے " **کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم . ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیه ترجعون** " (تم کس طرح اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ حالاں کہ تم مردہ تھے۔ پھر اس نے تمہیں زندہ کیا، اس کے بعد تمہیں موت دے گا۔ پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ پھر تمھیں اسی کے پاس واپس کیا جائے گا)۔

یہ حق ہے اور عذاب قبر کو رد نہیں کرتا۔ اس لیے کہ فتنہ وعذاب وسوال قبر تو صرف روح سے ہوگا جب وہ جسم سے جدا ہو جائیگی جو روح کے نکلنے کے بعد ہوگا خواہ اسے قبر میں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ برہان یہ آیت ہے " **ولو تری اذا لظلمون فی غمرات الموت والملئکة باسطوا ایدیھم . اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاته تستکبرون** " (اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہیں۔ کہ اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ اس سبب سے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں بتاتے تھے۔ اور اس کی آیات سے تکبر کرتے

تھے)۔ بلاشک یہ قبل قیامت وبعد موت ہوگا اور یہی عذاب قبر ہے۔ اور فرمایا ہے " **انما توفون اجورکم یوم القیمة** " (تمھارے پورے اجر وثواب تو قیامت ہی کے روز دیے جائیں گے)۔ فرعون والوں کے متعلق فرمایا ہے " **النار یعرضون علیها غد و اوعشیا . ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب** " (ان لوگوں کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی (تو حکم دیا جائے گا کہ) فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو)۔

یہ آگ پر پیش کرنا عذاب قبر ہے۔ اس کو عذاب قبر محض اس لیے کہا گیا اور قبر کی طرف منسوب کیا گیا کہ اکثر مردوں میں دستور یہی ہے کہ انھیں قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ ہم جانتے ہیں کہ ان مردوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جنھیں درندے کھا جاتے ہیں۔ اور جو غرق ہو جاتے ہیں اور انھیں دریائی جانور کھا جاتے ہیں۔ اور جو جل جاتے ہیں اور جو سولی پر چڑھائے اور لٹکا دیے جاتے ہیں۔ اگر واقعہ اس شخص کے اندازے کے مطابق ہوتا جو یہ گمان کرتا ہے کہ عذاب اسی مقررہ ومعمولی قبر میں ہوتا ہے تو ان مردوں کے لیے نہ فتنہ ہوتا نہ عذاب قبر اور نہ سوال۔ **نعوذ بالله من هذا**۔ بلکہ ہر میت کے لیے فتنہ وامتحان سوال ضروری ہے اور اس کے بعد قیامت تک کے لیے سرور ہے یا تنگی۔ پھر قیامت کے روز ان کو ان کے اجر دیے جائیں گے اور یہ لوگ جنت یا دوزخ میں منتقل ہوں گے۔

کسی نہ کسی دن ہر انسان کے جسم کا خاک میں پلٹنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **منها خلقنا کم وفیها نعید کم ومنها نخرجکم تارة اخری** " (اسی خاک سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمھیں واپس کر دیں گے۔ اور اسی سے ہم تمھیں دوبارہ نکالیں گے)۔ مذکورہ بالا مردے جو سولی دیے گئے ہوں یا لٹکائے گئے ہوں یا درندے یا اور جانور کے کھائے ہوئے ہوں۔ یا جلے ہوئے ہوں تو وہ راکھ یا فضلہ بن کر یا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین کی طرف ضرور پلٹیں گے۔ روح بدن سے نکلنے کے بعد قیامت تک جس مقام میں مقیم ہوتی ہے وہی اس کی قبر ہے۔

جو یہ گمان کرتا ہے کہ میت کو اس کی قبر میں زندہ کیا جاتا ہے تو یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ بالا آیات اس سے روکتی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ زندہ کیا اور تین مرتبہ موت دی۔ اور یہ باطل اور خلاف قرآن ہے۔

وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے معجزے کے طور پر زندہ کیا ہے۔" **والذین خرجوا من دیارهم وهم الوف حذر الموت فقال لهم الله موتوا ثم احیا کم** " (اور وہ لوگ جو موت کے خوف سے اپنے شہروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ مرجاؤ۔ اس کے بعد انھیں زندہ کر دیا)" **الذی مرعلی قریة وهی خاویة علی عروشها قال انیٰ یحیی هذه الله بعد موتها فاما لة الله ماته عام ثم بعثه** " (وہ شخص جس کا گزر ایک بستی پر ہوا۔ جو اپنی چھتوں پر اوندھی ہوئی تھی تو کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی موت کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے سو برس تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھایا)۔ اسی طرح یہ آیت ہے " **الله یتوفی الا نفس حین موتها والتی لم تمت فی منا مها . فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی** . (اللہ ہی جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان جانوں کو بھی ان کے سونے کے وقت جن کو موت نہیں آئی)۔ پھر جن کی موت کا حکم دیتا ہے انھیں روک لیتا ہے اور دوسری جانوں کو ایک مدت معینہ تک روک لیتا ہے)۔ نص قرآن سے ثابت ہوگیا کہ جو مرتا ہے اس کی روح سوائے ایک مقررہ مدت کے جو یوم قیامت ہے اس کے جسد کی طرف نہیں پلٹتی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ شب معراج میں آسمان دنیا کی قریب آپ نے آدم علیہ السلام کی داہنی طرف اہل سعادت کی ارواح اور بائیں طرف اہل شقاوت

کی ارواح کو ملاحظہ فرمایا۔ غزوہ بدر کے روز جس وقت آپ نے مقتولین سے خطاب فرمایا اور قبل اس کے کہ ان کے لیے قبریں بنائی جائیں آپ نے خبر دی کہ ان سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس کو انھوں نے سچا پایا۔ مسلمانوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ان لوگوں سے گفتگو فرماتے ہیں جو گل سڑ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ان سے زیادہ میرے کلام کو سننے والے نہیں ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اس قول کا انکار نہیں فرمایا کہ یہ ”گل سڑ گئے“ آپ نے انھیں یہ بتایا کہ یہ سنتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ بیشک یہ صرف ان کی ارواح کے لیے تھا۔ لیکن جسم کو کوئی حس نہیں ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صحیح حدیث میں یہ ہرگز نہیں آیا کہ مردوں کی ارواح سوال کے وقت ان کے اجسام میں واپس کر دی جاتی ہیں۔ اگر یہ آپ سے ثابت ہوتا تو ہم ضرور اس کے قائل ہوتے۔ چوں کہ یہ ثابت نہیں لہذا کسی کو اس کا قائل ہونا جائز نہیں۔ اس اضافے کو کہ ارواح بدن کی طرف پلٹتی ہیں صرف منہال ابن عمرو نے روایت کیا ہے جو قوی راوی نہیں ہے۔ اس کو شعبہ وغیرہ نے ترک کر دیا ہے۔ تمام صحیح احادیث اسکے خلاف ہیں۔ جو ہم نے کہا صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی ثابت ہے، اس کے خلاف کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں۔

صفیہ بنت شیبہ سے مروی ہے کہ ابن عمر مسجد (حرام) میں داخل ہوئے اور انھوں نے سولی دیے جانے سے پہلے ابن زبیر کو پڑا ہوا دیکھا۔ ان سے کہا گیا کہ اسماء بنت ابی بکر الصدیق یہ ہیں۔ وہ انکی طرف متوجہ ہوئے۔ انھیں تسلی دی اور تعزیت کی۔ اور فرمایا کہ یہ جثہ اور دھڑ کوئی چیز نہیں۔ ارواح اللہ تعالیٰ کے یہاں ہیں۔ اسماء نے کہا کہ مجھے کون روک سکتا ہے حالاں کہ یحییٰ بن زکریا کا سر بنی اسرائیل کی ایک زانیہ کو بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ ”ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین“ (اے ہمارے رب تو نے ہمیں دومرتبہ موت دی اور تو نے ہمیں دومرتبہ زندہ کیا)۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ یہی مضمون سورہ بقرہ میں ہے۔

” وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحیکم “ (اور تم لوگ مردہ تھے۔ پھر اس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں موت دے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا)۔ انھیں ابن مسعود واسماء بنت ابی بکر الصدیق وابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں جن کا صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی مخالف نہیں۔ اسماء وابن عمر نے فیصلہ کر دیا کہ ارواح اللہ کے یہاں ہیں اور دھڑ کوئی چیز نہیں ہیں۔ اور ابن مسعود فیصلہ کرتے ہیں کہ حیات وموت دو مرتبہ ہے اور یہی ہمارا قول ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے یہ بھی خبر دی کہ آپ نے انھیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں دیکھا۔ کوئی شک نہیں کہ آپ نے محض ان کی روح دیکھی ان کا جسم بلاشک خاک میں پوشیدہ ہے۔ لہذا اس بنا پر ہر روح کا مقام قبر کہلاتا ہے۔ وہیں اس پر عذاب کیا جاتا ہے اور وہیں سوال ہوتا ہے جہاں وہ ہوتی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

مستقر ارواح :

ارواح کے مستقر کے بارے میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے، ہم اپنی اسی کتاب کے شروع میں اصحاب تناسخ کے قول کا بطلان بیان کر چکے ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

روافض کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ کفار کی روحیں برہوت میں رہتی ہیں جو حضر موت میں ایک کنواں ہے۔ مومنین کی ارواح

ایک دوسرے مقام میں رہتی ہیں۔ جو میرے خیال میں جابیہ ہے۔ یہ قول فاسد ہے اس لیے کہ اس پر قطعاً کوئی دلیل نہیں۔ جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ساقط وغیر معتبر ہے۔ کوئی شخص بھی اس سے عاجز نہیں کہ وہ ارواح کے لیے کسی اور مقام کا دعویٰ کرے جو اس مقام کے علاوہ ہو جس کا ان لوگوں نے دعویٰ کیا ہے۔ جس کی یہ حالت ہو اس پر وہی شخص عقیدہ رکھتا ہے جو بدنصیب و بے توفیق ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

عام اصحاب حدیث کا مذہب یہ ہے کہ ارواح اپنے قبور کے میدانوں میں رہتی ہیں۔ اس قول کی بھی قطعاً کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ جو اس کی تصحیح کرے۔ سوائے ایک ضعیف روایت کے کہ اس جیسی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ وہ بے حد گری ہوئی حالت میں ہے۔ جس میں علمائے حدیث میں سے کوئی مشغول نہیں ہوتا اور جو روایت ایسی ہو وہ بھی ساقط وغیر معتبر ہے۔

ابوالہذیل العلاف واشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ ارواح اعراض (وصفات) ہیں جو فنا ہو جاتی ہیں اور دو وقت باقی نہیں رہتیں۔ جب انسان مرتا ہے تو وہاں قطعاً کوئی روح نہیں رہتی۔

اس مقالہ فاسدہ والوں کے عجائب میں سے اس کا یہ کہنا ہے کہ انسان کی روح جو اب ہے وہ اس روح کے علاوہ ہے جو اس کے قبل تھی۔ برابر اس کے لیے ایک روح پیدا ہوتی ہے پھر وہ فنا ہو جاتی ہے، پھر ایک روح پیدا ہوتی ہے پھر وہ فنا ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ ایک گھنٹے سے بھی کم زمانے میں انسان دس لاکھ روحوں سے بھی زیادہ بدل ڈالتا ہے۔ یہ تو اس شخص کی بدحواسی کے مشابہ ہے۔ جس کو نمونیا کا دورہ ہو۔

بعض نے اضافہ کیا ہے اگر عذاب ارواح کے بارے میں احادیث صحیح ہوں تو حیات جسم کے اس کم از کم جز کی طرف واپس کی جاتی ہے جس کا تجزیہ اور حصے علیحدہ نہ ہو سکیں۔۔ اور اسی حصے پر عذاب کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ دوسری حماقت ہے اور یہ ایسے دعوے ہیں جو انتہائی فسادی ہیں۔

بعض کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ حیات سرین کے گوشت کے آخری حصے میں واپس کی جائے گی اور اسی پر عذاب یا انعام ہوگا۔ اس نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ ہر ابن آدم کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے اس کے دمگزے کے گوشت کے آخری حصے کے کہ وہ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی میں اسے ترکیب دی جائے گی۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اس میں ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں اس لیے کہ اس میں یہ نہیں ہے کہ دمگزے کے گوشت کے آخری حصے کو زندہ کیا جائے گا، نہ یہ ہے کہ اس میں حیات کی ترکیب کی جائے گی اور نہ یہ ہے کہ اس پر عذاب کیا جائے گا اور نہ یہ ہے کہ اس سے انتقام لیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ان تمام امور سے خاموش ہے، حدیث میں صرف یہ ہے کہ دمگزے کا آخری حصہ خاص کر ایسا ہے جس کو مٹی نہیں کھاتی اور وہ مٹی نہیں بنتا۔ اسی سے انسان کی آفرینش کی انتہا ہوئی اور اسی سے اس کی دوبارہ پیدائش کی ابتدا ہوگی یہ بیان نہایت خوبی کے ساتھ ہے اور اپنے ظاہر پر ہے۔ بلاشک دمگزے کے آخری حصے کے اجزا متفرق ہوتے ہیں۔ یہ وہ ہڈیاں ہیں جنھیں تم دیکھتے ہو۔ یہ مٹی نہیں بنتیں۔ اللہ تعالیٰ پیدائش ثانی ان کے جمع کرنے سے کرے گا۔ اسی پر انسان کی پوری پیدائش کی ترکیب کرے گا اور یہی وہ چیز ہے جو جسم انسان میں سب سے پہلے پیدا کی گئی۔ پھر اسی پر اس کے بقیہ جسم کی ترکیب کی گئی۔ اگر نص اس کے متعلق نہ بھی آتی جب بھی یہ ممکن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر تو سب خبروں سے زیادہ مستحق تصدیق ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس نے فرمایا ہے " **هو اعلم بكم اذ انشا كم من الا رض و اذا نتم اجنة في بطون امها تكم** ".(وہ تمھیں خوب جانتا ہے جب کہ اس نے

تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم اپنی ماؤوں کے پیٹوں کے اندر بچے تھے)۔ اور فرمایا ہے ''ماشهد تم خلق السموات و الارض و لا خلق انفسهم'' (تم نہ آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت موجود تھے۔ اور نہ خوددان کی پیدائش کے وقت)۔

ابوبکر بن کیسان الاصم نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ روح کیا ہے۔ جسد کے علاوہ کچھ ثابت نہ ہوا۔

انشاء اللہ تعالیٰ ہم اللہ کی مدد وقوت سے اپنی اسی کتاب کے اس باب میں جس میں روح ونفس کے بارے میں کلام ہوگا ان دونوں فاسد مقالات کا فساد واضح کریں گے۔

مستقر ارواح کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اسکے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے تجاوز نہیں کرتے اور وہی برہان واضح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **و اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهور هم ذريتهم واشهد هم على انفسهم الست بربكم قالو ابلى شهد نا ان تقولو ايوم القيمة انا كنا عن هذا غافلين** " (اور جب کہ آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا۔ اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ ہم سب گواہ ہیں کہ تم لوگ قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے (یعنی تیرے رب ہونے سے) بے خبر تھے)۔ اور فرمایا ہے **لقد خلقنكم ثم صورنكم ثم قلنا للكمنكة اسجد و الآدم فسجد وا** " (اور بیشک ہم نے تمھیں پیدا کیا اس کے بعد تمھاری صورت بنائی۔ اس کے بعد ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا) لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو پیدا کر دیا تھا اور یہی نفوس ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خبر دی ہے کہ ارواح ایک مجتمع لشکر ہیں پھر ان میں سے جن جن میں تعارف ہو گیا باہم دوستی ہو گئی۔ اور جن میں باہم بیگانگی رہی اختلاف ہو گیا۔

روح میں حس وعقل ہے :

ارواح عقل وحس والی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس سے عہد وشہادت لی ہے جب کہ وہ پیدا ہو چکی تھی اس کی صورت بن چکی تھی۔ عقل والی تھی۔ ملائکہ کو آدم کو سجدہ کرنے کے حکم سے پہلے وہ پیدا ہو چکی تھی۔ اسے اجسام میں داخل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اجسام اس زمانے میں مٹی اور پانی تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاں چاہا اسے ٹھہرایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ ''**ثم**'' سے ذکر فرمایا ہے جو تعقیب و مہلت کو واجب کرتا ہے۔ (یعنی یہ لفظ جس کلمے یا جملے پر داخل ہوتا ہے اس کے متعلق یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے پہلے والے کلمے یا جملے کے کچھ دیر بعد یہ ہوا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے جہاں چاہا اسے ٹھہرایا اور وہ برزخ ہے جہاں موت کے بعد ارواح واپس کر دی جاتی ہیں۔ ان اجسام میں پھونک دیا جاتا ہے جو اس منی سے پیدا ہوتے ہیں کہ مردوں کی پشت سے عورتوں کے رحموں میں گر جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **الم يک نطفة من منى يمنى ثم كان علقة فخلق فسوىٰ** " (کیا انسان منی کے نطفے سے نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا۔ پھر اسے پیدا کیا پھر درست کر دیا)۔ اور فرمایا ہے '' **ولقد خلقنا الا نسان من سلا لة من طين ثم جعلنا ه نطفة في قرار مكين . ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما . ثم انشانه خلقا آخر . فتبرك الله احسن الخالقين** '' (اور بیشک ہم نے انسان کو گارے کے خلاصے سے پیدا کیا ہے پھر ہم نے اسے نطفے کی حالت میں ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے اس ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک اور خلق بنا کر پیدا کر دیا۔ تو اللہ کیسی برکت والا ہے جو تمام صناعوں سے بہتر و

برتر ہے)۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ابن آدم کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک ہوتی رہتی ہے، پھر وہ اسی طرح خون کا لوتھڑا ابنتا رہتا ہے پھر اسی طرح گوشت کا ٹکڑا ابنتا رہتا ہے۔ پھر فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے الحمد للہ یہ ہمارے قول کی نص ہے پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دنیا میں جس طرح چاہتا ہے امتحان لیتا ہے پھر انھیں وفات دیتا ہے۔ پھر اسے اسی برزخ کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے جس میں آپ نے شب معراج میں آسمان دنیا کے پاس ارواح کو اس طرح دیکھا کہ اہل سعادت کی ارواح آدم علیہ السلام کی داہنی طرف اور اہل شقاوت کی ارواح ان کے بائیں طرف تھیں۔ یہ عناصر سے سلسلہ منقطع ہونے کے بعد ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام اور شہدا کی ارواح فوراً جنت میں چلی جاتی ہیں۔ اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے کہ جو کچھ ہم نے کہا بعینہٖ یہی قول انھوں نے بھی بیان کیا۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

یہی قول تمام اہل اسلام کا ہے۔ یہاں تک کہ جس کا ہم نے ذکر کیا اس نے مخالفت کی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا قول ہے فرمایا ہے ”**فاصحاب الميمنة مآاصحب المينة واصحاب المشئمة مااصحاب المشئمة. و السابقون السا بقون اولئک المقربون في جنت النعيم** “ (پھر جو داہنی جانب والے ہیں تو داہنی جانب والے کیسے اچھے ہیں۔ اور جو بائیں جانب والے ہیں تو بائیں جانب والے کیسے برے ہیں۔ اور جو اعلیٰ درجے والے ہیں وہ تو اعلیٰ درجے والے ہیں یہی لوگ مقرب ہیں آرام والے باغوں میں ہیں)۔ اور فرمایا ہے ”**فاما ان كان من اصحاب اليمين فسلام لک من آصب اليمين . واما ان کان من المكنو بين الضآ لين فنزل من حميم . وتصلية جحيم ان هذا لهو حق اليقين** “ پھر اگر داہنی جانب والوں میں سے تھے تو اے داہنی جانب والے تیرے لیے سلام ہے۔ اور اگر تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہے تو کھولتے پانی سے اور جہنم میں داخل کرنے سے مہمانداری ہوگی یہ قطعی وضروری طور پر حق ویقین ہے)۔

ارواح برابر وہاں رہیں گی یہاں تک کہ تمام ارواح کی تعداد ان کے جسموں میں پھونک دینے سے اور ان کے برزخ مذکور کی طرف واپس کرنے سے پوری ہو جائے گی تو قیامت قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ ارواح کو اجسام میں واپس کرے گا اور یہی حیات ثانیہ ہے۔ خلق کا حساب کیا جائے گا۔ پھر ایک فریق ہمیشہ کے لیے جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔

بعض اشعریہ کا یہ قول کہ جس عہد کے لیے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ”**واذا خذ ربک من بني آدم من ظهور هم ذريتهم واشهد هم علي انفسهم** “ اس میں ”**اذ**“ **بمعنی اذا** ‘‘ ہے۔ یہ قول پانچ وجوہ سے نہایت غیر معتبر و ساقط ہے۔

اول۔ بلا کسی دلیل کے دعویٰ ہے۔

دوم۔ ”اذ“ بمعنیٰ ”اذا“ لغت میں معروف نہیں۔

سوم۔ اگر اس کی یہ تاویل فاسد صحیح ہوتی۔ حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے، تو یہ ایک ایسا کلام ہوتا جو نہ عقل میں آتا نہ فہم میں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہم پر حجت کے طور پر وارد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ احتجاج و استدلال اسی سے کرتا ہے جو فہم میں آئے نہ کہ اس سے جو فہم میں نہ آئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مشقت و دشواری کو ہم سے ساقط کر کے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور اس سے زیادہ بڑی مشقت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ایسی چیز کے سمجھنے کی تکلیف دی جائے جس کا سمجھنا ہماری فطرت میں نہ ہو۔

چہارم۔ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ اس نے دعویٰ کیا ہے تو ضرور روئے زمین پر سوائے مومن کے کوئی نہ ہوتا۔ حالاں کہ مشاہدہ اس کو باطل

کرتا ہے۔ اس لیے کہ ہم بکثرت ایسے لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو کفر پر پیدا ہوئے اور اس پر ان کا نشو ونما ہوا، جنھوں نے کبھی یہ نہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے یہاں تک کہ وہ مر گئے اور وہ بھی اللہ کو رب نہیں کہتے جو کہتے ہیں کہ عالم ازلی ہے اور اس کا کوئی موجد نہیں ہے۔ یہ لوگ متقدمین و متاخرین دونوں میں گزرے ہیں۔

پنجم۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے محض اس کام کی خبر دی ہے جو اس نے کیا ہے اور اس کے ذریعے سے اس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ روح کے جسم سے جدا ہونے کے بعد اس واقعے کی یاد اسی طرح واپس آ جائے گی جس طرح روح کے بدن میں داخل ہونے سے پہلے تھی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے اس شاہد بنانے کے ذریعے سے ہم پر حجت قائم کی ہے اور اس کے ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ ہم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دیں کہ ہم اس شاھد بنانے کے واقعے سے بے خبر تھے دلیل بنایا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ اشھاد (گواہ بنانا) اس مقام سے پہلے ہوا ہے جس میں ہم موجود ہیں اور جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس واقعے کے متعلق خبر دی ہے اور نیز قیامت سے پہلے ہوا ہے۔ لہذا اس سے بعض اشعریہ وغیرہ کا قول باطل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ ہمارا ہی قول نص آیت ہے۔ **فالحمد لله رب العلمين**۔

ان میں سے جو مخالفین ہیں وہ اس کے قریب پہنچ گئے کہ انھوں نے چند اقوال پر عقیدہ قائم کر لیا ہے اس کے بعد اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو اس کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ باطل ہے جو حلال نہیں۔ **الحمد لله** ہم لوگ تو صرف اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی طرف آئے اور اسی کے قائل ہو گئے۔ اس بارے میں ہم نے جہالت، تکبر ونفسانیت سے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہم نے کلام خدا اور رسول کو کسی کے قول کی طرف پھیرا۔ بلکہ تمام اقوال کو نصوص قرآن و احادیث پر پھیر دیا۔'' **والحمد لله رب العلمين كثيرا** ''یہی وہ حق ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

ارواح انبیاء وشہدا :

انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ یہ مقرب ہیں، آرام والے باغوں میں ہیں اور **اصحاب اليمين** (یعنی داہنی جانب والوں) کے علاوہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح خبر دی ہے کہ آپ نے شب معراج میں ان کو ایک ایک آسمان میں دیکھا۔ اسی طرح شہدا بھی جنت میں ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون** '' (جو لوگ راہ خدا میں قتل کیے گئے انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ اپنے رب کے پاس ہیں انھیں رزق دیا جاتا ہے)۔ یہ رزق بلاشک ارواح کے لیے ہے جو بجز جنت کے کہیں نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں جو روایت کی گئی ہے واضح کر دیا ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے میووں میں لٹکتا ہے پھر ان قندیلوں میں رہتا ہے جو عرش کے نیچے ہیں۔ یہ حدیث واضح ہم سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقے سے روایت کی گئی ہے۔ اور یہ شہدا ہیں اور اس سے احادیث و آیات بھری پڑی ہیں۔ **والحمد لله رب العلمين**۔

اگر کوئی معترض کہے کہ قیامت کے روز کھڑے ہونے کے مقام پر حاضری کے لیے انبیاء علیہم السلام کو اور شہداء کو کیسے نکالا جائے گا۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے گا کہ تم قبل قیامت جنت میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کی شہادت قرآن و حدیث صحیح کا انکار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی میں آدم و حوا کو پیدا کیا، پھر ان دونوں کو اس سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا۔ ملائکہ بھی جنت میں ہیں اور اس سے نکل کر دنیا میں اللہ تعالیٰ کے پیام انبیاء و رسل کے پاس لاتے ہیں۔ جو چیز نص قرآن یا حدیث میں آ چکی ہے اس کا انکار تو صرف جاہل یا غافل یا بددین ہی

کرے گا جس چیز کا انکار کیا جاتا ہے اور جو ناممکن ہے وہ کسی شخص کی روح کا جو جنت میں داخل ہو چکی نکل کر دوزخ میں جانا ہے۔ اس سے انکار پر تمام امت کا اجماع ہے اور یہ قطعی و یقینی ہے۔ اس طرح جو شخص قیامت کے روز بطور جزا کے اور اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہوگا تو نص کے مطابق کبھی اس سے اس کا نکلنا نہ ہوگا۔ **وللہ تعالیٰ التوفیق۔**

مسلمین و مشرکین کی نابالغ مرنے والی اولاد

مسلمین و مشرکین کے لڑکے اور لڑکیاں جو مرتے ہیں ان کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ خوارج میں سے ازارقہ نے کہا ہے کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں ہوں گے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کے لیے آگ روشن کی جائے گی اور ان لوگوں کو اس میں گھسنے کا حکم دیا جائے گا، جو اس میں داخل ہوگا وہ جنت میں بلا (لیا جائے) گا اور جو داخل نہ ہوگا وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ دوسروں کا مذہب یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے گا۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ جنت میں ہوں گے اور اسی کے ہم بھی قائل ہیں۔

ازارقہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو اس نے حضرت نوحؑ کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انھوں نے عرض کیا کہ **”رب لاتذر علی الا رض من الکفرین دیا را . انک ان تذرھم یضلوا عبادک و لا یلدوا الا فاجر اکفارا“** (اے میرے رب روئے زمین پر کسی بھی کافر کو آباد نہ رکھ۔ بیشک تو اگر ان کو چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور ان کے یہاں بدکار اور کفر کرنے والے ہی پیدا ہوں گے)۔

ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے وہ بچے کہاں ہیں جو آپ سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں۔ پھر کہا کہ یارسول اللہ میرے وہ بچے کہاں ہیں جو اور سے ہیں آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں۔ خدیجہ نے دوبارہ آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمھیں ان کا شور وغل سنا دوں۔ ایک دوسری حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ ہے کہ ”زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخ میں ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر مشرکین کے بچے تمھارے نزدیک جنت میں ہیں تو یہ مومن ہوئے۔ اس لیے کہ جنت میں صرف مسلم روح ہی داخل ہو سکتی ہے۔ اگر وہ مومن ہیں تو تمھیں لازم ہے کہ تم مشرکین کے بچوں کو مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا کرو۔ اور اسے اس کا موقع نہ دو کہ وہ بالغ ہو کر اپنے باپ کا دین اختیار کرے اور یہ ردت اور اسلام سے خروج و کفر ہو جائے۔ تمھیں مناسب ہے کہ تم اس کے وارث بنو۔ اور اس کے مسلم اقارب کا اسے وارث بناؤ۔

تمام امور جن سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے یہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی اور کوئی دلیل معلوم نہ ہو سکی۔ ان میں ہرگز ان کی کوئی حجت نہیں۔

نوح علیہ السلام کا قول :

یہ ہر کافر کے متعلق نہیں فرمایا تھا بلکہ خاص اپنی قوم کے کفار کے متعلق تھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرما دیا تھا کہ **”انہ لن یؤمن من قومک الا من قد آمن“** (تمھاری قوم میں سے اب ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا۔ سوائے ان کے جو ایمان لا چکے)۔ نوح علیہ السلام نے اس وحی سے یہ یقین کر لیا تھا کہ ان لوگوں میں کبھی کوئی مومن پیدا نہ ہوگا ہر وہ شخص جو ان کے ہاں پیدا ہوگا کافر ہی ہوگا۔ یہی وہ

مضمون ہے جو نص آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکایت بیان کی کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ ”**رب لا تذر علی الا رض من الکفرین دیارا**“ اس سے ان کی مراد صرف وہی کفار تھے جو اس زمانے میں زمین پر آباد تھے۔

ازارقہ کو اگر ذرا سا بھی علم وفہم ہوتا تو وہ ضرور جانتے کہ نوح علیہ السلام کا یہ کلام ہر کافر کے متعلق نہیں ہے بلکہ خاص قوم نوح کے متعلق ہے اس لیے کہ ابراہیم ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کافر ومشرک تھے حالاں کہ ان کے یہاں مومنین جن وانس میں سب سے بہتر اور ایمان میں سب سے کامل تر پیدا ہوئے۔ ازارقہ اعراب وجاہل تھے جو چوپایوں کے مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بطریق اسود بن سریع التمیمی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کیا تمھارے بہترین اشخاص مشرکین کی اولاد نہیں ہیں۔

کیا وہ بزرگ ترین صحابہ رضی اللہ عنہم جن سے ازارقہ بھی محبت کرتے ہیں مثلاً ابن ابی قحافہ وعمر بن الخطاب وام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہم کفار کی اولاد نہ تھے۔ تو کیا یہ اپنے باپوں کے یہاں کافر پیدا ہوئے۔ اور کیا یہ صاحب ایمان صریح نہیں پیدا ہوئے۔ پھر ازارقہ کے باپ بھی۔ مثلاً نافع ابن الازرق اور ان کے دوسرے مشائخ مشرکین کی اولاد نہ تھے۔ لیکن اللہ جس کو گمراہ کرے اس کے لیے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

حدیث خدیجہ ساقط غیر معتبر اور گری ہوئی ہے، اس کو ہرگز کسی ایسے شخص نے روایت نہیں کیا ہے جس میں خیر ہو۔

زندہ درگور کرنے والی کی حدیث اس طرح آئی ہے جس طرح ہم بیان کرتے ہیں۔ المعتمر بن سلیمان التیمی سے اور داؤد بن ابی ہند سے اور عامر الشعبی سے اور علقمہ ابن قیس سے اور سلمہ بن یزید الجعفی سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں اور میرے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے پھر ہم نے آپ سے عرض کیا کہ ہماری ماں زمانہ جاہلیت میں مرگئی اور وہ مہمانوں کی مدارات کیا کرتی تھی اور قرابتداروں کے ساتھ احسان کیا کرتی تھی تو آیا اسکے اس عمل میں سے اس کے لیے کچھ مفید ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ ہماری ماں نے زمانہ جاہلیت میں ہماری ایک بہن کو جو بالغ نہیں ہوئی تھی زندہ درگور کردیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زندہ درگور کی ہوئی اور زندہ درگور کرنے والی دوزخ میں ہے سوائے اس کے کہ زندہ درگور کرنے والی اسلام پائے اور اسلام لے آئے

یہ لفظ کہ ”وہ بالغ نہیں ہوئی تھی“ بلاشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔ یہ سلمہ بن یزید الجعفی اور ان کے بھائی کا کلام ہے۔ کیوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر دے دی کہ وہ زندہ درگور ہونے والی دوزخ میں ہے تو یہ ان دونوں کے اس قول کا کہ وہ بالغ نہیں ہوئی تھی انکار وابطال ہے اور اس کی تصحیح ہے اس لیے کہ وہ ان دونوں کے گمان کے خلاف بالغ تھی۔ اس قول کے سوا اور کوئی بات ممکن نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں تناقض واختلاف نہیں ہوتا اور نہ آپ کا ایک کلام دوسرے کلام کی تکذیب کرتا ہے۔ اور نہ آپ کا کلام اپنے رب کے کلام کے خلاف ہوتا ہے بلکہ آپ کا کلام دوسرے کلام کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے رب کے اخبار کے موافق ہوتا ہے۔ اس کے سوا سے اللہ کی پناہ۔

اس امر کے متعلق آپ سے احادیث ثابت ہیں کہ اطفال مشرکین جنت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**واذا الموؤدة سئلت بای ذنب قتلت**“ (اور جب کہ زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی)۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی کہ زندہ درگور لڑکی کا کوئی جرم نہ تھا۔ یہ واضح بیان ومبین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ وہ زندہ درگور لڑکی دوزخ میں ہے اس کہ متعلق

یہ خبر دینا ہے کہ وہ اپنے دونوں بھائیوں کے گمان کے برخلاف بالغ تھی۔

یہ حدیث داؤد بن ابی ہند محمد بن عدی سے روایت کی گئی ہے۔ یہ المعتمر کے علاوہ نہیں ہیں۔ انھوں نے اس میں یہ بیان نہیں کیا کہ وہ بالغ نہ تھی۔ نیز اس حدیث کو داؤد بن ابی ہند سے عبیدۃ بن حمید نے بھی روایت کیا ہے، مگر انھوں نے اس لفظ کو بیان نہیں کیا جس کو معتمر نے بیان کیا ہے۔

حدیث عبیدہ کو ہم سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عبیدہ بن حمید نے داؤد بن ابی ہند سے شعبی سے علقمہ بن قیس سے سلمہ بن یزید سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں اور میرے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہماری ماں مہمان کی مدارات اور قرابتداروں کے ساتھ احسان کیا کرتی تھی کیا اس سے اسے نفع پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اس نے زمانہ جاہلیت میں ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا تو کیا اس سے ہماری بہن کو کچھ نفع پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخ میں ہیں سوائے اس کے کہ وہ اسلام کو پاتی پھر اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا۔

حدیث ابن عدی کو ہم سے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ محمد بن عدی سے داؤد بن ابی ہند سے شعبی سے علقمہ سے سلمہ بن یزید الجعفی سے مروی ہے کہ میں اور میرے بھائی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملیکہ قرابتداروں کے ساتھ سلوک کیا کرتی تھی اور مہمان کی مدارات کیا کرتی تھی اور یہ کرتی تھی اور وہ کرتی تھی۔ وہ زمانہ جاہلیت میں مرگئی تو کیا یہ اعمال اس کے لیے کچھ مفید ہوں گے آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اس نے زمانہ جاہلیت میں اپنی ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا تو کیا اس سے اس کی بہن کو کچھ نفع پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخ میں ہیں۔ سوائے اس کے کہ زندہ درگور کرنے والی اسلام کو پاتی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا۔

ہم سے اسی طرح ''**اختنالھا**'' ''**ھا**'' کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس بنا پر کہ وہ زندہ درگور کرنے والی کی بہن تھی۔

یہی حدیث ہم سے مختصراً بھی روایت کی گئی ہے جیسا کہ اسے عبداللہ ابن ربیع التمیمی نے روایت کیا ہے کہ عامر الشعبی سے مروی ہے کہ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی گئی دونوں دوزخ میں جائیں گی۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق کے بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی روایت کیا گیا ہے۔ یہ مختصر ہے۔ اور یہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہی ہے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی زندہ درگور لڑکی مراد لی ہے جو بالغ تھی۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کہ ''مشرکین کے اطفال اپنے باپ سے متعلق ہیں'' تو آپ نے اسے حکم کے بارے میں فرمایا نہ کہ دین کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں کے احکام میں فرق کرے، وہ جو چاہے کرے۔ اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ نیز اس لفظ سے ان لوگوں کا ذرا سا بھی تعلق نہیں اس لیے کہ اس میں یہی تو ہے کہ ''**انھم من آبائھم**'' (یہ لوگ اپنے باپ سے ہیں)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اپنے باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اپنے باپ کے دین پر ہیں۔

یہ کہنا کہ تمھیں مناسب ہے کہ تم اطفال مشرکین کی نماز جنازہ پڑھو، انھیں وارث بناؤ، ان کے وارث بنو، انھیں اپنے باپ کا دین نہ اختیار کرنے دو جب وہ بالغ ہو جائیں۔ کیوں کہ یہ ارتداد ہے۔ تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیوں کہ ہمارا ان کی

نماز جنازہ ترک کرنا اس کا موجب نہیں ہے کہ وہ مومنین نہیں ہیں۔ کیوں کہ یہی شہدا جو مومنین کے بزرگ ترین لوگ ہیں ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ ہمارے اور ان کے درمیان میراث کا بند ہونا بھی اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مومن نہیں ہیں اس لیے کہ غلام مومن فاضل وارث نہیں بنایا جاتا اور مسلم اپنے کافر غلام کا مال جب وہ مرجائے تو لے لیتا ہے۔ اکثر فقہا کافر کو اپنے اس غلام کا وارث بناتے ہیں جو اسلام لے آئے اور قبل اس کے کہ اسے حالت اسلام میں فروخت کیا جائے مرجائے۔ اکثر فقہا مسلم کو مرتد کے مال کا وارث بناتے ہیں جبکہ وہ کافر و مرتد ہونے کی حالت میں مرجائے یا ارتداد کی بنا پر قتل کردیا جائے۔ معاذ ابن جبل و معاویہ بن ابی سفیان و مسروق بن الاجدع رضی اللہ عنہم اور دوسرے آئمہ مسلمین مسلمانوں کو ان کے کافر اقارب سے میراث دلاتے تھے جب کہ وہ مرجائیں۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنے جن بندوں کے درمیان میں چاہے اپنے احکام میں فرق کرے۔ ہم تو وہیں پر ٹھہرتے ہیں جہاں نص نے ہمیں ٹھہرادیا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اسی طرح اپنے آبائی قبرستان میں ان کا دفن ہونا بھی ہے۔ اسی طرح بالغ ہونے کے بعد انھیں اپنے آبائی دین کی طرف نکل جانے دینا بھی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب کردیا ہے کہ ہم انھیں اور اس کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہم اعتراض نہیں کرتے۔ اس سے اس کے فعل کی باز پرس نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بچہ ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے والدین اسے یہودی نصرانی و مجوسی و مشرک بنادیتے ہیں۔

امور مذکورہ بالا سے ان لوگوں کا تعلق ہونا تو باطل ہوگیا۔ یہ صرف ہٹ دھرمی ہے جس سے ان لوگوں نے فریب کاری کی ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ صرف خالص احکام ہیں۔ ان استدلالات میں اس پر ذرا بھی نص نہیں کہ اطفال مشرکین کفار ہیں اور نہ اس پر کہ وہ غیر کفار ہیں یہی دو نکتے ہیں جن کا ہم نے اس کلام سے قصد کیا تھا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

اطفال مشرکین کے بارے میں توقف کرنے والوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان بچوں کو دریافت کیا گیا جو مرجاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو کچھ عمل کرنے والے تھے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے جو آپ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جب انصار کا ایک بچہ مرگیا تو ام المومنین نے کہا یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ تمھیں کس نے بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق دوزخ کے لیے پیدا کی ہے اور وہ اپنے آباء کی پشتوں میں ہیں۔

ان دونوں حدیثوں میں ان لوگوں کی ذرا سی بھی حجت نہیں۔ ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل اس کے کہ آپ کے پاس یہ وحی بھیجی جائے کہ یہ لوگ جنت میں ہیں فرمایا تھا۔ اور قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ خبر دے کہ اس نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کردی ہیں آپ کو یہ کہنے کا حکم دیا تھا کہ ”مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ نے اس کو اللہ تعالیٰ کے یہ خبر دینے سے پہلے فرمایا تھا کہ جو بدر میں موجود تھا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی بات فرماتے تھے جو وحی میں آجاتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہنے کا حکم دیا ہے کہ **”ان اتبع الا مایوحی الی“** (میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو وحی مجھے بھیجی جاتی ہے)۔ لہٰذا ہر امر دین کا حکم یہی ہے کہ جس کے متعلق وحی نہ آئی ہو آدمی اس میں توقف کرے۔ جب بیان آجائے تو جو چیز نص میں آجائے اس کے قائل ہونے میں توقف جائز نہیں۔

اجماع سے ثابت ہے کہ بچے اپنے بلوغ سے پہلے جو افعال بھی کریں خواہ قتل یا زنا یا شراب خواری یا بہتان طرازی۔ یا ترک نماز و روزہ تاوقتیکہ وہ بالغ نہ ہوں آخرت میں ان میں سے کسی چیز پر بھی مواخذہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی سے اس عمل پر مواخذہ نہ کرے گا جو اس نے نہیں کیا ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو کسی گناہ کا ارادہ کرے پھر اسے نہ کرے تو وہ اس پر نہیں لکھا جائے گا۔ لہٰذا یہ محال و منفی ہے کہ اللہ تعالیٰ اطفال سے ان اعمال پر مواخذہ کرے جو انھوں نے نہیں کیے مگر اس کے بعد زندہ رہتے تو کرتے، حالاں کہ ان سے ان اعمال پر مواخذہ نہ ہوگا جو انھوں نے کیے ہیں۔ اس میں دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ جو انسان بالغ ہو گیا ہے اگر وہ زندہ رہتا تو زنا کرتا، اس شخص سے اس زنا پر جو اس نے نہیں کیا ہے مواخذہ نہ ہوگا۔ جو یہ گمان کرے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول صادق سے اس کی تکذیب کی ہے "**الیوم تجزی کل نفس ماعملت**" (آج ہر ایک کو اس کی جزا ملے گی جو اس نے کیا ہے) اور اس قول سے "**ھل تجزون الا ما کنتم تعملون**" (تمھیں صرف اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ کسی کو اس کی جزا نہ دی جائے گی جو اس نے نہیں کیا یا جس کا رواج اس نے نہیں ڈالا۔ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اطفال مشرکین کیا کرنے والے تھے" یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہیں نہ یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ اور نہ یہ ہے کہ ان سے اس پر مواخذہ کیا جائے گا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو اسے کرتے جو انھوں نے اب تک نہیں کیا۔ اسی میں ہمارا باہمی اختلاف ہے نہ کہ اس کے ماسوا میں۔ اس میں صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو نہیں ہوا اور جو نہ ہوگا۔ اگر ہوتا تو وہ کس طرح ہوتا۔ ہاں یہ حق ہے اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔ لہذا یہ باطل ہو گیا کہ توقف کرنے والوں کے لیے ان دونوں حدیثوں میں کچھ بھی سند و حجت ہو۔ کیوں کہ اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بیان ثابت نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان پر بھی اپنے باپ کا عذاب کیا جائے گا، تو یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "**لا تکسب کل نفس الا علیھا ولا تزرو ازرة وزرا خرىٰ**" (اور ہر شخص جو کچھ حاصل کرے گا اس پر اس کا عذاب ہوگا اور کسی اٹھانے والے کو دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا)۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لیے آگ روشن کی جائے گی، تو یہ بھی باطل ہے۔ اس لیے کہ جس حدیث میں یہ قصہ ہے وہ صرف مجنونوں کے اور ان بالغ لوگوں کے بارے میں آئی ہے جن کو اسلام کا ذکر نہ پہنچے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ اس کے بعد بیان کریں گے۔

جب یہ تمام اقوال باطل ہو گئے تو ان صحیح نصوص میں نظر کرنا واجب ہو گیا جو اس مسئلے کے حکم کے متعلق ہیں۔ ہم نے نظر کی اور غور کیا تو یہ پایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**فاقم وجھک للدین حنیفا . فطرة الله التی فطر الناس علیھا . لا تبدیل لخلق الله . ذلک الدین القیم**" (بس آپ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ دین کے لیے قائم کیجئے جو اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کے پیدا کرنے کا کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہی سچا دین ہے۔ اور فرمایا ہے "**قولوا آمنا بالله وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم . لا نفرق بین احدمنھم . ونحن له مسلمون**" (تم لوگ کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب و اسباط یعنی اولاد یعقوب پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ اور انبیاء کو انکے رب کی طرف سے دیا گیا ہم سب پر ایمان لاتے ہیں اور ہم ان انبیاء میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرماں برادر ہیں) "**صبغة الله ومن احسن من الله صبغة . ونحن له عابدون**" (یہ اللہ کا رنگ ہے اور کس کا

رنگ اللہ سے اچھا ہوسکتا ہے اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے لوگوں کو ایمان کی فطرت پر بنایا اور ایمان ہی اللہ تعالیٰ کا رنگ ہے۔ فرمایا ہے" **واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھور ھم ذریتھم واشھد ھم علٰی انفسھم الست بربکم قالو ابلی** " (اور جب کہ آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکالا اور ان سے اقرار کیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں تو ان لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں)۔

ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو بنی آدم وجن وملائکہ سے پیدا کیا وہ سب کے سب عقل کے اعتبار سے مومن اور تمیز کرنے والے ہیں۔ چوں کہ یہ ایسا ہے تو سب کے سب اپنے ایمان کی وجہ سے جنت کے مستحق ہیں۔ سوائے ان کے جنھوں نے اس عہد وفطرت ورنگ کو بدل دیا اور اس سے نکل کر اس کے غیر کی طرف چلے گئے۔ اور اس تبدیل پر مر گئے۔

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ بچوں نے اس میں سے کسی چیز کو نہیں بدلا اس لیے وہ اہل جنت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ملت پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی ونصرانی ومجوسی ومشرک بنالیتے ہیں جیسا کہ چوپائے کے یہاں چوپایہ پیدا ہوتا ہے اور کیا تم ان میں کوئی نکلا جانور پاتے ہوتا وقتے کہ تمھیں انھیں نکلا نہ کردو۔ آیات مذکورہ کی تفسیر یہ ہے۔ حجاج بن منہال سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حماد بن سلمہ سے اس حدیث کی تفسیر سنی کہ "ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے" انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے نزدیک اس وقت کا واقعہ ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے آباء کی پشتوں میں یہ عہد لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں تو ان لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریق عیاض بن حمار المجاشعی ثابت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا کہ اس نے فرمایا کہ میں نے اپنے سب بندوں کو یکسو وحنیف پیدا کیا۔ پھر شیطان نے انھیں ان کے دین سے پھیر دیا۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جو شخص اس سے پہلے مرجائے کہ شیطان اسے اس کے دین سے گھمائے تو وہ حنیف ویکسو مرا۔ اور اس حدیث میں ملائکہ وجن وانس سب داخل ہیں اس لیے کہ یہ سب اس کے بندے اور مخلوق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے قول کی خبر دی ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ وہ لوگوں کو بہکائے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ" **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین** " (بیشک میرے بندوں پر تیرا قابو نہ ہوگا۔ سوائے ان بہکنے والوں کے جو تیری پیروی کریں) لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ غوایت (یعنی بہکنا اور گمراہی) ایمان پر داخل ہوتی ہے اور ہر شخص کی اصل ایمان ہی ہے اور ہر مومن جنت میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **فانذرتکم نارا تلظی لا یصلھا الا الا شقی الذی کذب وتولی** " (پھر میں نے تمھیں اس آگ سے ڈرایا جو بھڑکتی ہے، اس میں سوائے اس بدبخت کے کوئی نہ داخل ہوگا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے)۔ یہ بچوں کی صفت نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ دوزخ میں داخل نہ ہوں گے اور سوائے جنت یا دوزخ کے کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ مگر جب وہ دوزخ میں داخل نہ ہوں گے تو بلاشک جنت میں داخل ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک بڑا خواب دیکھا جس میں ابراہیم علیہ السلام کو ایک سبز باغ میں دیکھا کہ وہ فخر کر رہے ہیں اور اس باغ میں ہر قسم کی خوبصورت سبزی اور نعمت ہے اور آنحضرت کے ارد گرد خوبصورت بچے ہیں اور بکثرت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بچوں کو دریافت کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے بتایا کہ یہ لوگوں کے وہ بچے ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے مرگئے ہیں آپ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ کیا مشرکین کے بچے بھی تھے تو آپ نے فرمایا کہ مشرکین کے بچے بھی تھے۔

لہذا اشکال رفع ہوگیا اور ثابت وصحیح حدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمین ومشرکین کے وہ تمام بچے جو بالغ نہیں ہوئے وہ سب جنت میں ہوں گے۔ کسی کو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں جو قرآن واحادیث سے ثابت ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ دوزح مقام جزا ہے تو جنت بھی تو ایسی ہی ہے۔ اور بچوں کے لیے کوئی جزا نہیں ہے تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہم تو اسی کے پاس ٹھہرتے ہیں جس کو نصوص شریعت نے بیان کیا ہے۔ یہ نص آئی ہے کہ دوزخ مقام جزا ہے اور جنت مقام جزا و محل فضل وکرم ہے۔ وہ صاحب اعمال کے لیے بقدر ان کے اعمال کے مقام جزا ہے اور جس کا کوئی عمل نہیں ہے اس کے لیے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا مقام ہے۔

ایک قوم نے کہا ہے کہ بچے ہی اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر **ولدان مخلدون** (یعنی ہمیشہ رہنے والے بچوں) کا ذکر کیا ہے۔ یہی اہل جنت کے خدام ہیں۔ شاید یہی لوگ خدام ہوں۔ **واللہ اعلم۔**

وہ مجانین جو عقل نہیں رکھتے یہاں تک کہ مرجاتے ہیں، تو جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ لوگ ملت پر یک سو اور مومن پیدا کیے جاتے ہیں انھوں نے کوئی تغیر نہیں کیا اور نہ بدلا۔ یہ مومن ہونے ہی کی حالت میں مرگئے تو یہ لوگ جنت میں ہوں گے۔

اسود بن سریع التمیمی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ اس بہرے کو جو کچھ نہ سنتا ہو اور احمق کو اور بیحد بوڑھے کو اور اس شخص کو جو دو انبیا کے درمیانی خالی زمانے میں مرگیا ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو بہرا کہے گا یارب اسلام ایسی حالت میں آیا تھا کہ میں کچھ سن نہیں سکتا تھا۔ احمق کہے گا کہ اسلام ایسی حالت میں آیا کہ میں کسی چیز کی بھی عقل نہ رکھتا تھا۔ اور جو نبوت سے خالی زمانے میں مرگیا وہ کہے گا کہ ہمارے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا۔ اس حدیث کے درمیانی راوی بزاز نے کہا ہے کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ چوتھا شخص کیا کہے گا۔ وہ ان کے عہد لے گا کہ کمزوریوں پر نکتہ چینی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کہلا بھیجے گا کہ انھیں آگ میں داخل کردو۔ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہوجائیں تو یہ ان پر ٹھنڈک اور سلامت ہوجائے۔

قیامت اور تبدیل اجسام

تمام اہل قبلہ باوجود اپنے فرقوں کے مختلف ہونے کے قیامت میں دوبارہ زندگی کے عقیدے پر اور اس کے منکر کی تکفیر پر متفق ہیں۔

اس قول کے معنی یہ ہیں کہ اس دار ابتلا وامتحان میں جس کا نام دنیا ہے لوگوں کے ٹھہرنے کی اور ان کے توالد تناسل کی ایک مدت وانتہا ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہوجائے گی تو روئے زمین پر جتنے لوگ ہیں سب مرجائیں گے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جو مرچکا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے جاندار کو پیدا کیا ہے مدت مذکورہ کے ختم ہونے تک سب کو زندہ کردے گا اور ان کی ان ارواح کو واپس کردے گا جو سب کی سب اور بعینہ ایک ہی مقام میں موجود ہیں۔ ان کے تمام اعمال کا حساب لے گا اور انھیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر جن وانس کا ایک گروہ جنت میں جائے گا۔ اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا۔ یہی مضمون قرآن واحادیث میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **" من یحیی العظام وھی رمیم. قل یحیھاالذی انشأ ھااول مرة . وھو بکل خلق علیم "** (ان ہڈیوں کوکون زندہ کرے گا جب وہ گل سڑ چکیں گی۔ آپ کہہ دیجیے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہ ہر مخلوق کا جاننے والا ہے)۔ **"ان اللہ یبعث من فی القبور "** (اور بیشک اللہ تعالیٰ انھیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ انھوں نے عرض کی تھی کہ **رب ارنی کیف تحیی الموتی . قال اولم تؤمن قال بلی . ولکن لیطمئن قلبی . قال فخذ اربعة من الطیر فصر ھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینک سعیا . واعلم ان اللہ عزیز حکیم "** (اے میرے رب مجھے دکھادے کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا، اس نے کہا کہ کیا تم ایمان نہیں لائے۔ انھوں نے عرض کی کہ کیوں نہیں۔ مگر اس لیے تا کہ میرے قلب کو تسلی ہو۔ فرمایا چار چڑیاں لے لو پھر انھیں اپنے سے سدھالو۔ اس کے بعد ہر پہاڑ پر انکا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انھیں بلاؤ تو وہ تمھارے پاس دوڑتی چلی آئیں گی۔ اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور حکمت والا ہے)۔ **"الم تر الی الذین خوجوا من دیار ھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیا ھم "** (کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف خیال کیا جو موت سے بچنے کے لیے اپنے شہروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ تم مرجاؤ۔ اس کے بعد انھیں زندہ کردیا)۔ **'فاماتہ اللہ مائة عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائة عام .فانظر الی طعامک و شرابک لم یتسنہ وانظر الی حمارک . ولنجعلک آیة للناس . وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسو ھا لحما . فلما تبین لہ . قال اعلم ان اللہ علی کل شی قدیر "** (پھر اللہ تعالیٰ نے ان (عزیر) کو موت دے دی اور سو برس تک مردہ رکھا پھر انھیں زندہ کیا۔ اور کہا کہ تم کتنی مدت رہے۔ انھوں نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہا۔ فرمایا بلکہ تم سو برس رہے۔ اچھا اپنے کھانے پینے کو تو دیکھو کہ وہ سڑا نہیں۔ اور اپنے گدھے کو دیکھو، اور تا کہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں۔ اور گدھے کی ہڈیوں کو تو دیکھو کہ ہم کس طرح انھیں اٹھا کر جوڑتے ہیں اس کے بعد ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پھر جب ان کے لیے واضح ہوگیا۔ تو انھوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی جانب سے فرمایا کہ انھوں نے کہا کہ **" واحیی الموتی باذن اللہ '** (میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں)۔

ان تمام آیات میں مردوں کا زندہ کرنا اس کے سوا قطعاً ناممکن ہے کہ روح کو جسد کی طرف لوٹایا جائے اور اس حس وحرکت ارادیہ کو واپس کیا جائے جو روح کے اس سے معدوم ہوجانے کے بعد نہ رہی تھی۔ مگر قاضی ابوالعاص حکم بن المنذر بن سعید نے مجھے اسماعیل بن عبداللہ الرعینی کے متعلق خبر دی کہ وہ اجساد واجسام کے اٹھنے کا انکار کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ روح جسد سے جدا ہونے کے بعد اپنے لوٹنے کے مقام جنت یا دوزخ میں چلی جاتی ہے اور اسماعیل کے بعض شناساؤں کو اس قول سے آگاہ کیا تو ان میں سے چند ثقہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے اسماعیل کو کہتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجساد میں سے ان کا جزوحیات لے لے گا۔

یہ قول بنالیا گیا ہے۔ حکم بن المنذر نے ان کے متعلق جو حکایت مجھ سے بیان کی اس میں انھوں نے اس کو ظاہر نہیں کیا۔ اس لیے کہ اجساد میں سوائے ایک روح کے کوئی جزوحیات نہیں ہے۔

اسماعیل الرعینی سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ باوجودیکہ میں نے ان کا زمانہ پایا ہے۔ حالانکہ وہ میرے ساتھ اندلس کے ایک شہر بجایہ میں مدت تک رہے۔ لیکن وہ اپنے کو چھپاتے تھے۔ بہت بڑے صاحب مجاہدہ وریاضت وصاحب حج وعبادت وصاحب نماز وروزہ

تھے۔ واللہ اعلم۔ حکم بن المنذر ثقہ اور اپنے قول میں کذب سے دور تھے۔ حکم بن المنذر ان سے بیزار ہو گئے تھے حالانکہ اس سے قبل یہ
دونوں مسلۂ قدر میں ابن مسروق ہی کا مذہب رکھتے تھے۔ ابراہیم بن سہل الاریواتی نے بھی ان سے بیزاری ظاہر کی تھی۔ یہ المریہ کے رؤسا
میں سے تھے۔ نیز ان کے خویش احمد طبیب اور المریہ کی ایک جماعت بھی جدا ہو گئی تھی۔ اگر چہ دوسری جماعت ان سے موالات بھی رکھتی تھی۔
مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے اس قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا کرتے تھے کہ جب آپ کسی میت کے پاس
کھڑے ہوتے تھے تو فرماتے تھے کہ اس کی تو قیامت قائم ہو گئی۔ نیز اس حدیث سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعراب
قیامت کو دریافت کرتے تھے تو آپ ان میں سب سے چھوٹے کی طرف نظر ڈالتے تھے اور انھیں بتاتے تھے کہ یہ اپنی عمر پوری کرے گا اور
مرے گا یہاں تک کہ ان لوگوں کی قیامت قائم ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے صرف قیام موت کو لیا ہے جو اس کے بعد حشر کے دن تک رہے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے "**ثم انکم یوم القیمة تبعثون**" (اس کے بعد تم لوگ قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ "ثم" سے جو
مہلت کے لیے آتا ہے اس پر تصریح فرمائی کہ قیامت کے روز کا اٹھنا موت کے بعد ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ
وہ روز قیامت میں کہیں گے کہ "**یاویلنا من بعثنا من مرقد نا هذا**" (وائے ہماری خرابی۔ ہمیں ہمارے اس مرقد سے کس نے اٹھا دیا)۔
وہ ایک ایسا دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ وہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا جو لوگ قبر میں ہیں انھیں اٹھائے گا۔ یہ مضمون قرآن
میں بہت جگہ آیا ہے۔

ایک برہان ضروری یہ ہے کہ جنت و دوزخ دونوں مقام و مکان ہیں۔ ہر مقام و مکان و مساحت (پیمائش) اپنی حدود میں محدود ہے۔
برہان وہی ہے جو ہم اجسام کے متناہی ہونے پر اور ہر عدد والی چیز کے متناہی ہونے پر پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**جنة عرضها السموات والارض**" (جنت کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے)۔ اگر مخلوق کی ولادت کے لیے کوئی حد نہ ہوتی تو یہ بغیر
آخر کے ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ یہ محال و ممتنع و غیر ممکن ہے کہ محدود مکانات میں غیر
محدود چیز سما سکے۔ ضروری طور پر لازم آ گیا کہ مخلوق کے لیے حد و تناہی ہے لہذا عالم توالد و تناسل کا متناہی ہونا لازم ہے۔

یہ کلام صرف اس شخص سے ہے جو قرآن و نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور اسلام کا مدعی ہے۔ جو منکر اسلام ہے
اس سے ہمارا کلام اس طور پر ہوگا جو ہم نے اپنے اسی دفتر میں مرتب کیا ہے جو اہل الحاد کا رد ہے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت
اور آپ کے لائے ہوئے دین کی صحت ثابت کی جائیگی پھر ہم بتوفیق الٰہی تنازع کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ ہڈیوں کو دوبارہ پیدا کرے گا اور انہیں زندہ کرے گا جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ تھیں۔ گوشت تو ایک
لباس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين. ثم جعلنا لانطفة في قرار مكين. ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظمافكسونا العظام لحما. ثم انشاناه خلقا آخر. فتبارک الله احسن الخالقين**" (اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے بطور نطفے کے اسے ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو جما
ہوا خون بنایا پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا۔ پھر ہم نے ہڈیاں کو گوشت کا
لباس پہنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر پیدا کر دیا۔ چنانچہ اللہ بابرکت ہے اور سب صناعوں سے بہتر ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انسان کا عنصر صرف وہ ہڈیاں ہیں جو مٹی کے خلاصے سے نطفے کی طرف پھر جمے ہوئے خون کی طرف، پھر گوشت کے لوتھڑے کی طرف۔ اور پھر ہڈیوں کی طرف منتقل ہوئیں۔ گوشت ہڈیوں کا لباس ہے۔ یہ امر مشاہدے میں ہے۔ اس لیے کہ گوشت تو مرض کے سبب سے جاتا رہتا ہے یہاں تک کہ اتنا بھی نہیں رہتا جس کا اندازہ ہو سکے۔ اس کے بعد اس پر گوشت کی کثرت ہو جاتی ہے جب جسم کو کافی غذا ملتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آخرت میں مخلوق کو بدل دے گا۔ اس نے فرمایا ہے کہ ”**کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب**“ (جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم انہیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں) صحیح احادیث میں ہے کہ کفار کی کھال اتنی موٹی ہو جائے گی کہ ستر گز سے زاید ہو جائے گی۔ دوزخ میں اس کی ڈاڑھ مثل کوہ احد کے ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم اس کے گوشت کو پاتے ہیں جو انسان کے جسم میں ہوتا ہے جس کو دوسرا حیوان غذا بناتا ہے اور وہ اس حیوان کا گوشت بن جاتا ہے اس لیے وہ کیڑا بن جاتا ہے۔ لہذا نص قرآن سے ثابت ہو گیا کہ ہڈیاں ہی قیامت کے روز زندہ کی جائیں گی۔ جو کچھ قرآن میں آیا ہے اس کا جو شخص انکار کرے اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان.**

جنت ودوزخ کی پیدائش

معتزلہ وخوارج کے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جنت ودوزخ ابھی پیدا نہیں ہوئیں جمہور مسلمین کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں پیدا ہو چکیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اب تک پیدا نہیں ہوئیں ہمیں اس سے زیادہ ان کی کسی دلیل کا علم نہیں کہ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے چند اعمال نیک کے تذکرے میں فرمایا کہ جو اس عمل کو کرے گا اس کے لیے جنت میں ایسا ایسا درخت بویا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ”**رب ابن لی صندک بیتا فی الجنة**“ (اے میرے رب اپنے پاس جنت میں میرے لیے ایک گھر بنا)۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر جنت پیدا ہو چکی ہوتی تو دعا میں جواز سر نو درخت لگانے اور عمارت بنانے کا ذکر ہے اس کے کوئی معنی نہ ہوتے۔

ہم صرف اس کے قائل ہیں کہ یہ دونوں اجمالی طور پر پیدا ہو چکی ہیں جیسا کہ زمین پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس میں جو تعمیریں چاہتا ہے کرتا رہتا ہے۔

چھٹا آسمان ہی جنۃ الماویٰ ہے:

یہ برہان کی دونوں پیدا ہو چکی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بعد یہ ہے کہ آپ نے شب معراج میں جنت کو دیکھا۔ اور خبر دی کہ چھٹے آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے (پارہ ۲۷ سورہ نجم میں) بتایا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ چھٹا آسمان ہی جنۃ الماوی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خبر دی ہے کہ یہی وہ جنت ہے جس میں قیامت کے روز مومنین داخل ہوں گے۔ فرمایا ہے "**لهم جنت الماوی نزلا بما کانوا یعملون**" (ان کے لیے جنات ماویٰ ہیں جو ان کے گزشتہ اعمال کا صلہ ہیں) لہذا کسی کو اس کے بعد یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ جنت جنت خلد کے علاوہ ہے۔

آسمان ہی جنت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ نے ایک ایک آسمان میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جنت میں ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہی آسمان جنتیں ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنت کا اعلیٰ درجہ فردوس ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہمیں اسے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ عرش جنت کے بعد پیدا کیا گیا ہے۔ لہذا جنت بھی پیدا ہو چکی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی تو اس نے اسے دو سانسوں کی اجازت دے دی اور وہ یہی شدید سردو گرمی ہے جو ہم محسوس کرتے ہیں۔

قاضی منذر بن سعید کا مذہب بھی یہی تھا کہ بہشت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں۔ مگر وہ کہتے تھے کہ یہ وہ جنت نہیں ہے جس میں آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی تھیں۔ اس میں انہوں نے چند دلایل سے استدلال کیا ہے جس میں یہ ہے کہ اگر وہ جنت خلد ہوتی تو آدم علیہ السلام اس امید پر درخت میں سے نہ کھاتے کہ وہ ہمیشہ رہنے والوں میں ہو جائیں گے۔ اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جنت خلد میں کذب (جھوٹ) نہ ہوگا۔ اس میں ابلیس جھوٹ بولا ہے۔ اور کہا ہے کہ جو جنت میں داخل ہوگا اس سے نکلے گا نہیں۔ اور آدم و حوا علیہما السلام اس سے نکل گئے۔ ان میں سے کسی میں بھی ان کے لیے دلیل نہیں۔

یہ کہنا کہ آدم علیہ السلام نے درخت سے اس امید پر کھایا تھا کہ وہ بھی ہمیشہ رہنے والوں میں ہو جائیں۔ تو ہمیں معلوم ہے کہ درخت سے کھانے میں ان کا گمان صواب و صحیح نہ تھا اور نہ ان کا اس کا کھانا صواب و درست تھا۔ یہ محض ان کا ایک گمان تھا جس کی یہ صفت ہے کہ اس میں کوئی دلیل و حجت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جنت میں ہمیشہ کے لیے رکھے گئے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ انہیں اس سے نکال دے گا۔ انہوں نے اس درخت سے جس دوامی قیام کی امید سے کھایا نہ تو اس کی ذمہ داری کی گئی تھی اور نہ انہیں اپنے لیے اس کا یقین تھا۔

یہ کہنا کہ جنت میں کذب نہیں ہوتا اور جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ اس سے نہیں نکلتا۔ ابلیس اس میں جھوٹ بولا اور آدمؑ اور ان کی بیوی اس سے نکلے۔ تو اس میں بھی ان کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔ ایسا صرف اسی وقت ہوگا جب کہ جنت اہل جنت کو بطور جزا کے ملے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے "**لا تسمع فیها لاغیة**" (جنت میں لغویات کوئی نہ سنے گا)۔ یہ خبر آیندہ کے لیے ہے نہ کہ گزشتہ کے لیے۔ ان کے پاس نہ تو اس دعوے پر کوئی نص ہے نہ اجماع۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے بھی استدلال کیا ہے جو اس نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ "**ان لک لا تجوع فیها ولا تعری**" (تمہارے لیے یہ ہے کہ تم اس (جنت) میں نہ بھوکے ہو گے اور نہ برہنہ ہو گے) اور آدم علیہ السلام اس جنت میں برہنہ ہو گئے

تھے۔

اس میں تو کوئی حجت نہیں بلکہ یہ تو ان کے اوپر حجت ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جنت میں آدم علیہ السلام کو ٹھیرایا تھا اس کی تعریف یہ کی کہ وہ ایسی تھی کہ نہ اس میں بھوک لگتی تھی اور نہ اس میں برہنگی ہوتی تھی اور نہ پیاس لگتی تھی اور نہ دھوپ کی گرمی لگتی تھی اور بلاشک جنت کی یہی صفت ہے۔ آسمان کے سوا کوئی مکان ایسا نہیں جس کی صفت یہ ہو۔ بلکہ آسمان کے سوا ہر مقام میں بھوک لگنا، برہنگی ہونا، پیاس لگنا اور دھوپ کی گرمی لگنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ آدم علیہ السلام ایسے مکان میں ٹھیرے تھے جس کی صفت یہ تھی اور یہ مقام جنت کے سوا اور نہیں ہوسکتا۔ آدم علیہ السلام نے جس وقت درخت سے کھایا تو وہ محض بطور سزا کے برہنہ ہوگئے اور اتار دیے گئے۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**لایرون فیھا شمسا ولانه مھریوا**“ (لوگ جنت میں نہ تو سورج دیکھیں گے نہ شدت کی سردی۔ اور آدم علیہ السلام کو خبر دی گئی تھی کہ وہ دھوپ کی گرمی نہ پائیں گے)۔

یہ ان کے خلاف سب سے بڑی حجت ہے۔ اس لیے کہ جس مقام میں وہ تھے اگر اس میں آفتاب ہوتا تو وہ ضرور دھوپ کی گرمی محسوس کرتے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ جنت جس میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا ایسی تھی جس میں آفتاب نہ تھا۔ تو وہ بلاشک جنت خلد ہی تھی۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ”**اسکن انت وزوجک الجنة**“ (اے آدمؑ تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو)۔ الف ولام سے اشارہ ہے اور الف ولام سے اشارہ صرف معہود و مقرر ہی کی طرف ہوتا ہے اور اس طور پر (یعنی مع الف ولام) جنت کا اطلاق جنت خلد ہی پر ہوتا ہے اور اس اسم (یعنی جنت) کا اطلاق غیر جنت خلد پر اضافت کے ساتھ ہوتا ہے۔

نیز اگر آدم علیہ السلام زمین کی کسی جنت میں ٹھیرائے جائے تو اس سے انہیں دوسری زمین کی طرف نکال دینے میں کوئی سزا نہ ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کردیا ہے کہ وہ زمین میں نہ تھی ”**اطبطوا منھا جمیعا بعضکم بعض عدو. ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین**“ (تم سب لوگ اس جنت سے اس طرح اتر جاؤ کہ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور زمین میں ایک مدت تک تمہارا قیام وسامان ہوگا)۔ اس نص سے یقیناً ثابت ہوگیا کہ وہ جنت سے زمین کی طرف اتار دیے گئے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ جنت زمین میں ہرگز نہ تھی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق.**

اہل جنت و دوزخ کے لیے بقائے دوام

امت کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ نہ جنت اور اس کی نعمتوں کو فنا ہے اور نہ دوزخ کو اور اس کے عذاب کو بجز جہم بن صفوان و ابو الہذیل العلاف اور روافض کی ایک جماعت کے۔

جہم نے کہا ہے کہ جنت و دوزخ اور ان کے اہل سب فنا ہو جائیں گے۔

ابو الہذیل نے کہا ہے کہ نہ تو جنت و دوزخ فنا ہوں گی اور نہ ان کے اہل فنا ہوں گے۔ بجز اس کے کہ ان کی حرکات فنا ہو جائیں گی اور یہ لوگ جمادات کی طرح غیر متحرک ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی حالت میں زندہ رہیں گے لذت اٹھاتے ہوں گے یا عذاب۔

روافض کے گروہ نے کہا ہے کہ اہل جنت جنت سے اور اہل دوزخ دوزخ سے جہاں اللہ چاہے گا نکال دیے جائیں گے۔

یہ قول تو انتہائی ردی ہے اور ایسی چیز سے بھی خالی ہے جس سے ہٹ دھرمی اور فریب کاری کی جاتی ہے چہ جائیکہ وہ اقناع یا برہان ہو۔ جو قول ایسا ہو وہ ساقط ہے۔ ابوالہذیل کا قول بھی ایسا ہے جس کی کوئی حجت نہیں ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ عدد جس چیز کا احاطہ کرے گا وہ متناہی ہوگی۔ اور حرکات بھی عدد والی ہیں لہذا وہ متناہی ہیں۔

ابوالہذیل نے علم کلام کی تعریفات اور طبایع موجودات نہ جاننے کی وجہ سے یہ گمان کرلیا ہے کہ جو چیز (قوت سے) فعل کی طرف نہیں نکلی اس پر عدد واقع ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ کھلی ہوئی غلطی ہے۔ اس لیے کہ جو چیز فعل کی طرف نہیں نکلی وہ شے ہی نہیں اور عدد کا سوائے شے کے اور کسی پر واقع ہونا جائز نہیں۔ عدد اہل جنت ودوزخ کی صرف ان حرکات پر واقع ہوتا ہے جو فعل کی طرف ظاہر ہوں گی اور جب تک وہ ظاہر ہوں گی محدود ومتناہی ہوں گی اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ ہم اپنی اسی کتاب کے شروع میں موجودات کے متناہی ہونے اور حدوث عالم کے ضروری ہونے کے باب میں اسی مضمون کو بیان کر چکے ہیں جس نے ہمیں دوبارہ بیان کرنے سے بے نیاز کر دیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق.** لہذا ابوالہذیل کی فریب کاری باطل ہوگئی۔ **واللہ الحمد۔**

اابوالہذیل کا یہ قول اجماع یقینی کے خلاف ہے۔ حرکات کے بارے میں وہ جس چیز سے بھاگے تھے وہی چیز ان لوگوں کے سکون و لذت وعذاب اٹھانے کی مدتوں میں ابوالہذیل کو لازم آئے گی۔ اس لیے کہ ہواس کے مقر ہیں کہ یہ لوگ اس حالت میں باقی رہیں گے کہ یہ ساکن ہوں گے اور لذت یاب ہوں گے یا عذاب میں مبتلا ہوں گے یہ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ سکون وراحت وعذاب کی بھی مدتیں ہیں۔ جو اسی طرح شمار ہوں گی جس طرح حرکت اور اس کی مدتوں کا شمار ہوتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ابوالہذیل نے جو کچھ کہا اگر یہ صحیح ہوتا تو لامحالہ اہل جنت ایک دائمی عذاب میں ہوتے اور اس کیفیت میں ہوتے جو سن ہونے والے کی اور فالج والے کی اور اس کی ہوتی ہے جس کو کابوس (مرض بے حسی) ہو جائے اور جو بھنگ پی لے۔ یہ انتہائی فاسد اور شقاوت ہے۔ **ونعوذ باللہ من ھذا الحال.**

جہم بن صفوان نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "**واحصی کل شیئ عددا**" (اور اللہ نے ہر شے کو عدد میں محصور کر دیا ہے) اور اس آیت سے کہ "**کل شیئ ھالک الا وجھہ**" (سوائے اللہ کی ذات کے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے) اور کہا ہے کہ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی ایسی شے پائی جائے جو ازل سے ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ایسی شے پائی جائے جو ہمیشہ رہے۔

ہمیں اس کے سوا اس کی کسی اور دلیل کا بالکل علم نہیں اور اس سب میں اس کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "سوائے اللہ کی ذات کے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے" تو اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف یہ ہے کہ ایک شے کا دوسری شے کی طرف اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف مستحیل ومنتقل ہونا ہے۔ یہ سوائے اللہ کے تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔ اسی طرح جنت میں نعمتوں کی مدتیں اور دوزخ میں عذاب کی مدتیں ہیں کہ جب ایک مدت فنا ہوگی تو اللہ تعالیٰ دوسری مدت پیدا کر دے گا اور اسی طرح ہمیشہ بیحد و بے آخر ہوتا رہے گا۔ اس پر وہ دلایل دلالت کرتے ہیں جو جنت ودوزخ اور ان کے اہل کے ہمیشہ رہنے پر ہم بعد میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''اور اللہ نے ہر شے کو عدد میں محصور کر دیا ہے''۔ تو اسم شے صرف موجود پر واقع ہوتا ہے۔ اور احصار وحصرو احاطہ بھی جیسا کہ ہم نے بیان کیا اسی پر واقع ہوتا ہے جو فعل کی طرف نکلے۔ اور اس کے بعد موجود ہو جب فعل کی طرف نہ نکلے تو وہ اب تک لا شے ہے اور لا شے کو شمار کرنا جائز نہیں جنت و دوزخ اور ان کے اہل کے بقا کی جو مدت فعل کی طرف نکلے گی تو لامحالہ وہ بلاشک محدود اور شمار میں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے لیے دوسری مدتیں پیدا کر دے گا۔ اور ایسا ہی ہمیشہ بیحد و بلا آخر ہوتا رہے گا۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے علم میں جنت و دوزخ کی تمام مدت کا احاطہ کر لیا ہے یا نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ نہیں تو تم نے اللہ تعالیٰ کو جاہل بنایا۔ اور اگر کہو کہ ہاں۔ تو تم نے ان کی مدت کو محصور اور احاطے میں کر دیا۔ اور خود یہی متناہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو اسی طور پر جانتا ہے جس طور پر وہ ہیں۔ اس لیے کہ جو شخص شے کو اس کے خلاف طور پر جانے کہ جس طور پر وہ ہے تو وہ اس شے سے جاہل۔ اپنے اعتقاد میں غلطی کرنے والا اور باطل کا گمان رکھنے والا ہے۔ نہ یہ علم ہے نہ حق ہے اور نہ وہ اس شے کا عالم ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم حق و یقین ہے اور اسی طور پر ہے جس طور پر اس کی معلومات ہیں۔ جو چیز ونہایت ومحدود ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ذونہایت ومحدود ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کی گنجائش نہیں۔ جنت و دوزخ کے لیے غیر متناہی مدتیں نہیں ہیں جن کا احاطہ نہ کیا گیا ہو بیشک ان دونوں کے لیے مدتیں ہیں کہ ان میں سے جو مدت فعل کی طرف نکلے گی تو وہ عدد میں محصور اور احاطہ کی جائے گی۔ اور جو فعل کی طرف نہ نکلے گی تو وہ محصور اور احاطے میں نہ ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم نے اس کا احاطہ کر لیا ہے کہ ان دونوں کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ جیسا کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی شے پائی جائے جو بے نہایت ہو اور ازل سے ہو۔ تو یہ قضیۂ فاسدہ وقیاس فاسد ہے جو صحیح نہیں ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایسی عدد والی اشیاء جن کا کوئی اول نہ ہو اور وہ ازل سے ہوں تو ان کا وہم کو شک میں آنا بھی غیر ممکن ہے۔ بلکہ اس کا وجود ہی محال ہے جیسا کہ ہم نے اس شخص کے رد میں بیان کیا ہے جس نے کہا ہے کہ عالم ازلی ہے۔ اس بیان نے ہمیں یہاں دوبارہ اس کے بیان کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ہمارا یہ قول کہ جنت و دوزخ ہمیشہ رہیں گی۔ یہ قول ایسا نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک شے کے بعد ہمیشہ بغیر کسی حد ونہایت کے پیدا کرتے رہنا وہم و امکان میں ہے جس میں کوئی محال نہیں ہے۔ لہذا قائلین قیاس کے نزدیک بھی ممکن ومستوہم کا قیاس ایسے ممتنع و محال پر جو وہم میں بھی نہ آ سکے باطل ہے تو بھلا جو قیاس کے قایل ہی نہیں وہ اسے کب مانیں گے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جس کا اول ہوتا ہے اس کا آخر بھی ہوتا ہے تو ہم اس سے کہیں گے کہ یہ قضیۂ فاسدہ اور صرف دعویٰ ہے۔ نہ تو یہ کسی قضیۂ عقلیہ سے لازم آتا ہے اور نہ کسی خبر سے۔ کیوں کہ موجودات کے لیے اوایل کا ہونا تو بداہت وضرورت سے معلوم ہے۔ جو اب تک موجود ہے تو اسے اس کے زمانہ وجود کے عدد نے محصور کر لیا ہے اور جس کو عدد نے محصور کر لیا ہے تو اس عدد کے لیے اول ضرور ہے۔ یہی ہمارا ایک قول ہے اس کے بعد عدد ہمیشہ رہتا ہے اور بغیر کسی حد ونہایت کے زیارت اور موجود کا باقی رہنا ممکن ہوتا ہے۔ بخلاف مبدأ کے (اس مقام کے جہاں سے ابتدا ہوئی ہے) اس لیے کہ جب وہ ایک وقت تک باقی رہا تو ممکن ہے کہ وہ دو وقت تک باقی رہے اور اسی طرح ہمیشہ بغیر کسی حد ونہایت کے ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شے جو بقا کی مدتوں سے حد فعل کی طرف نکل آئی تو وہ بلاشک ذونہایت ومحدود ہے۔ اسی طرح عدد

بھی۔ ہم جو اس کے قایل ہیں کہ اس دنیا میں لوگوں کی بقا کی حدونہایت ہے تو وہ صرف نص کی وجہ سے قایل ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق خبر دیتا تو ضرور ممکن و جائز تھا کہ دنیا بھی ہمیشہ بغیر کسی حد کے باقی رہتی۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا۔ لیکن نص کے خلاف جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی خبریں نہ ہوتیں تو اس کا احترام حلال ہوتا۔ **وباللہ التوفیق.**

جنت و دوزخ کے غیر محدود وقت تک باقی رہنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "**خالدین فیھا مادامت المسوات والارض الامشاء ربک عطاء غیر مجذوذ**" (جنت میں لوگ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین رہیں گے۔ مگر جس کو آپ کا رب چاہے گا۔ یہ عطا منقطع ہونے والی نہ ہوگی) قرآن میں متعدد مقامات پر یہ ارشاد ہے "**خالدین فیھا ابدا**" (کہ جنت میں لوگ ہمیشہ رہیں گے) اور یہ ارشاد ہے "**لایذوقون فیھاالموت الاالموتۃ الاولی**" (سوائے پہلی موت کے جنت میں موت کو نہ چکھیں گے)۔ ساتھ ہی اس کے متعلق اجماع بھی ثابت ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق.**

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہم سے روایت کی گئی ہے کہ اگر اہل دوزخ دوزخ میں اتنا قیام کریں گے جتنا کہ اللہ تعالیٰ ان کا رہنا چاہے گا تو اس پر ان کے لیے ضرور ایک ایسا دن ہوگا جس میں وہ اس سے نکلیں گے۔

یہ صرف ان اہل اسلام کے بارے میں ہوگا جو اپنے کبائر کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پھر شفاعت کے ذریعے سے اس سے نکلیں گے۔ اور وہ مقام خالی رہ جائے گا کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ بزرگ صالحین کے بارے میں قرآن کے خلاف اس کا گمان کرے۔ وہ لوگ اس سے بری ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق.** بحمداللہ کتاب ایمان و وعید اور اس کے توابع مکمل و تمام ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین تائید و مدد پر اس کا شکر ہے۔ **وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم. تمت**

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لاالہ الا اللہ عدَّةً لِلِقَائِہ

تحقیق امامت ومفاضلت صحابہؓ

تمام اہل سنت اور تمام مرجیہ اور تمام شیعہ اور تمام خوارج وجوب امامت پر متفق ہیں کہ امت پر ایک ایسے امام عادل کی اطاعت واجب ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم کرے اور ان کی سیاست ان احکام شریعت کے مطابق کرے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں۔ بجز خوارج کی جماعت نجدات کے۔ کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ لوگوں کو امامت کا فرض لازم نہیں ہے۔ ان پر صرف یہی لازم ہے کہ یہ آپس میں حق کی تلقین کرتے رہیں۔ یہ وہ فرقہ ہے کہ ہمارے خیال میں تو ان میں سے اب کوئی باقی نہیں ہے۔ یہ لوگ نجدۃ بن عمیر الحنفی کی طرف منسوب ہیں جو یمامہ میں رہتا تھا۔

اس فرقے کا قول ساقط ہے، اس کے رد وابطال کے لیے وہ اجماع کافی ہے جو ہم نے اس کے بطلان پر بیان کیا ہے قرآن وحدیث بھی امام کے ضروری ہونے کے متعلق وارد ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم**'' (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول وصاحب حکومت کی اطاعت کرو) اس کے ساتھ ہی بکثرت صحیح احادیث ہیں جو ائمہ کی اطاعت اور امامت کے ضروری ہونے پر دال ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا**'' (اللہ تعالیٰ جس کو تکلیف دیتا ہے اس کی وسعت کے اندر ہی دیتا ہے) لہذا اس کا یقین واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایسی تکلیف نہیں دیتا جو ان کی فطرت میں نہ ہو اور ان کی برداشت کے قابل نہ ہو۔

بداہت عقل سے معلوم ہے کہ لوگوں کا اموال وجنایات ودماء ونکاح وطلاق اور بقیہ تمام احکام اور ظالم کے روکنے اور مظلوم کے انصاف کرنے اور قصاص لینے کے وہ احکام جو اللہ نے ان پر واجب کئے ہیں ان کا قائم کرنا باوجود ان کے اطراف کے دور دراز ہونے کے اور ان کے مختلف مشاغل کے اور ایسے شخص کے دشوار ہونے سے جو ان سب میں لائق ہو، ممتنع وغیر ممکن ہے۔ کیونکہ کبھی ایک شخص یا جماعت یہ چاہتی ہے کہ ایک انسان ان کا فیصلہ کرے دوسرا شخص یا دوسری جماعت یہ چاہتی ہے کہ وہ شخص ان کا فیصلہ نہ کرے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ یا اپنے اجتہاد میں اس جماعت کی رائے ان لوگوں کے خلاف ہوتی ہے یا صرف ان سے اختلاف ہی ہوتا ہے۔ یہ وہ امر ہے جو بدیہی ہے۔ ان شہروں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے جن میں کوئی رئیس نہیں ہوتا۔ اس مقام پر نہ کوئی حکم حق قائم ہوتا ہے اور نہ کوئی حد (یعنی شرعی سزا) یہاں تک

کہ ایسے اکثر مقامات میں دین رخصت ہو جاتا ہے۔ لہذا دین کا قیام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک یا ایک سے زائد کے سپرد کیا جائے۔ چونکہ ان دو وجوہ میں سے ایک ضروری ہے تو دو یا دو سے زائد کے درمیان وہی صورت ہوگی جو ہم نے بیان کی۔ (یعنی اختلاف رائے) تو کوئی امر مکمل نہ ہوگا۔ لہذا سوائے اس کے کوئی ایسی وجہ نہیں رہی جس سے انجام امور کے لیے ناچار ضرورت پڑے گی۔ کہ کسی ایک فاضل، عالم، ماہر سیاست، اور نفاذ احکام کی قوت رکھنے والے کے سپرد کر دیا جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ شخص ان صفات کے خلاف ہو جو ہم نے بیان کیں تو ظلم اور شریعت کا بیکار کرنا جتنا ایک شخص کے ساتھ ہوگا تو وہ بہ نسبت اس ایک شخص کے دو یا زائد اشخاص کے ساتھ کم ہوگا۔

اور چونکہ یہ اس طرح ہے لہذا ہر شخص پر فرض و لازم ہے کہ وہ حتی الامکان ظلم کو روکے۔ اگر وہ پورے ظلم کے روکنے پر قادر ہوں تو انھیں ہی لازم ہے۔ ورنہ جتنے مظالم اور بے تدبیریاں اس ایک سے ہوں گی ان سے کہیں زیادہ دو یا زائد کریں گے۔ اس بنا پر تمام لوگوں کے لیے لازم ہے کہ بقدر امکان ظلم سے بچیں، اگر تمام مظالم سے بچنا ممکن ہو تو سب سے بچیں ورنہ جس قدر ہو سکے، چاہے ایک ہی معاملے میں دفع ظلم کر سکیں۔

جو امامت کو فرض سمجھتے ہیں وہ اس پر متفق ہیں کہ عالم میں ایک وقت میں دو اماموں کا ہونا جائز نہیں۔ مگر محمد بن کرام السجستانی وابوالصباح السمرقندی اور ان کے اصحاب نے وقت واحد میں دو اور دو سے زائد ائمہ کا ہونا جائز رکھا ہے۔ ان لوگوں نے اس قول سے استدلال کیا ہے جو بعض انصار نے سقیفہ کی گفتگو کے روز مہاجرین سے کہا تھا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ اس امر سے بھی استدلال کیا ہے جو علی و حسن رضی اللہ عنہما کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزرا تھا۔

اس میں ان لوگوں کے لیے کچھ بھی حجت نہیں اس لئے کہ انصار رضی اللہ عنہم کا قول مذکور صواب نہ تھا بلکہ خطا تھا۔ یہ بات انھوں نے بربنائے خطائے اجتہادی کہی تھی مگر مہاجرین نے اس باب میں ان سے اختلاف کیا تھا۔ جب دو کہنے والے دو قولوں میں اختلاف کریں جو باہم متنافی ہوں تو ضروری ہے کہ دو میں سے ایک حق ہو اور دوسرا خطا ہو۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہذا واجب ہے کہ جس امر میں وہ نزاع کریں اسے اس چیز کی طرف رجوع کریں جس کی طرف رجوع کرنے کو بحالت اختلاف اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ وہ فرماتا ہے ’’**فان تنازعتم فی شیی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر** ‘‘ (پھر اگر تم لوگ کسی چیز میں باہم اختلاف کرو تو اسے اللہ ورسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو)۔

ہم نے اس میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ’’ **اذ ابویع لا مامین فاقتلو االا خرمنهما** (جب دو اماموں سے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے’’ **ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا** ‘‘ (تم لوگ ان لوگوں کے مثل نہ ہو جانا جو متفرق و مختلف ہو گئے)۔ اور فرمایا ہے’’ **ولا تنازعو افتفشلو او تذهب ریحکم** ‘‘ (اور آپس میں نزاع نہ کرنا کیونکہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا جاتی رہے گی)۔ اللہ تعالیٰ نے تفریق و تنازع کو حرام کر دیا۔ جب دو امام ہوں گے تو وہ تفرق پیدا ہو جائے گا جو حرام ہے پھر تنازع پایا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی معصیت واقع ہوگی۔ اور ہم نے وہی کہا ہے جو ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔

غور و تدبر و مصلحت کے رو سے بھی اگر یہ جائز ہو کہ عالم میں دو امام ہوں تو یہ بھی جائز ہوگا کہ اس میں تین یا چار ہوں۔ اور زیادہ ہوں۔ اگر کوئی منع کرنے والا اس کو منع کرے تو وہ بدون برہان کے حکم دینے والا اور بے دلیل کے دعویٰ کرنے والا ہے اور یہ وہ باطل ہے جس

سے کوئی بھی عاجز نہیں۔ اگر وہ اسے جائز رکھے تو حکومت بڑھ جائے گی یہاں تک کہ عالم میں ایک امام ہوگا، یا ہر شہر میں ایک امام ہوگا یا ہر گاؤں میں ایک امام ہوگا۔ یا ہر شخص اپنے گھر میں امام وخلیفہ ہوگا، اور یہ فساد محض اور دین ودنیا کی ہلاکت ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ انصار رضی اللہ عنہم کا قول غلط وخطا تھا جس سے انھوں نے حق کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اس پر باقی رہنے سے بچا دیا۔

رہا علی وحسن ومعاویہ رضی اللہ عنہم کا معاملہ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے امت کے دو گروہوں میں سے ایک جماعت کے نکلنے کی پیشین گوئی فرمائی تھی جن کو دونوں گروہوں میں سے حق کے قریب تر گروہ قتل کرے گا۔ اس گروہ کے قتل کرنے والے علی رضی اللہ عنہ تھے، لہٰذا بلاشک وہ صاحب حق تھے۔

اسی طرح حضرتؐ نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ علیؓ ہی صاحب حق تھے اور علیؓ ہی پہلے امام ہوگئے تھے۔ ان کے صاحب امامت ہونے کے بعد جو اس میں نزاع کرے وہ خطاوار ہے۔ لہٰذا معاویہ رضی اللہ عنہ خطاوار اور ایک اجر کے مستحق ہیں اس لیے کہ وہ مجتہد ہیں۔ مجتہد کی خطا میں کسی کے لئے حجت ودلیل نہیں ہوتی لہٰذا اس گروہ کا قول باطل ہوگیا۔

انصار رضی اللہ عنہم کا یہ قول کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے ہو اس طور پر ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ان میں سے ایک والی ہوجائے پھر جب وہ مرجائے تو مہاجرین میں سے دوسرا والی ہوجائے اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے نہ یہ کہ ایک ہی وقت میں دو امام ہوں ان کے کلام سے یہی زیادہ ظاہر ہے۔

علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما میں سے ایک نے دوسرے کو کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ ان دونوں میں ہر ایک اس کا مدعی تھا کہ وہی صاحب حق ہے۔ اسی طرح حسن رضی اللہ عنہ بھی تھے یہاں تک کہ پوری حکومت معاویہؓ کے سپرد کردی گئی۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہٰذا ابن کرام وابی الصباح کے قول کے بطلان پر اجماع ثابت ہوگیا۔ اور کسی شے سے بھی ان کا تعلق ہونا باطل ہوگیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

وجوب امامت کے قائلین نے قریش پر اختلاف کیا ہے۔ اہل سنت اور تمام شیعہ اور بعض معتزلہ اور اکثر مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ امامت صرف انھیں قریش میں جائز ہے جو فہر بن مالک کی اولاد میں ہوں۔ ان لوگوں میں جائز نہیں جن کے باپ بنی فہر بن مالک میں سے نہ ہوں اگرچہ ان کی ماں قریش میں سے ہو۔ نہ امامت حلیف قریش میں جائز ہے نہ مولائے قریش میں۔

تمام خوارج اور اکثر معتزلہ اور بعض مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ خلافت ہر ایسے شخص میں جائز ہے جو کتاب وسنت کو قائم کرے خواہ وہ قریشی ہو یا عربی یا غلام کی اولاد۔ ضرار بن عمرو الغطفانی نے کہا ہے کہ جب کہ قریشی وحبشی دونوں اکٹھا کتاب وسنت کے قائم کرنے والے ہوں تو واجب یہ ہے کہ حبشی کو مقدم کیا جائے اس لئے کہ جب وہ جادہ حق سے ہٹے گا تو اس کا معزول کرنا زیادہ آسان ہوگا۔

خاص اولاد فہر بن مالک میں وجوب امامت کے ہم بھی قائل ہیں۔ اس لیے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص ہے کہ ائمہ قریش سے ہوں۔ اور اس پر کہ امامت قریش میں ہو۔ یہ وہ روایت ہے جو تواتر کے طور پر آئی ہے اور اسے انس بن مالک وعبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب ومعاویہؓ نے روایت کیا ہے۔ جابر بن عبداللہ وجابر بن سمرہ وعبادۃ بن الصامت نے اس کے معنی روایت کئے ہیں۔ جو چیز اس روایت کی صحت پر دلالت کرتی ہے وہ یوم سقیفہ میں انصار رضی اللہ عنہم کا مان لینا ہے۔ حالانکہ وہ لوگ صاحب وطن صاحب قوت وحفاظت، وصاحب تعداد کثیر تھے اور انھیں اسلام میں تقدم بھی حاصل تھا۔ یہ محال ہے کہ وہ دوسروں کے اجتہاد کے لیے اپنا اجتہاد ترک کردیتے اگر ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص سے حجت قائم نہ ہوتی کہ اس امر میں حق اور کے لیے ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں کہ ائمہ قریش میں سے ہوں۔ حلیف ومولی وفرزند خواہر (بھانجے) بھی داخل ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مولائے قوم انھیں میں سے ہے جیسا اس شخص کا حکم ہے جس کا حلیف ومولی وخواہرزادہ کا حکم ایسا ہی ہے جیسا اس شخص کا حکم ہے جس کا حلیف ومولی وخواہرزادہ نہ ہو۔ جو شخص امامت کو ان لوگوں کے غیر میں جائز رکھتا ہے وہ ان لوگوں میں بھی جائز رکھتا ہے اور جو اسے غیر قریش سے روکتا ہے وہ اسے حلیف ومولی وخواہرزادے سے بھی روکتا ہے جب برہان سے یہ ثابت ہوگیا کہ امام قریش ہی میں سے ہوگا نہ کہ غیر قریشی تو اجماع سے ثابت ہوگیا کہ قریش کا حلیف ومولی وخواہرزادہ اسی شخص کے حکم میں ہے جو قریشی نہ ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ایک قوم نے کہا ہے کہ امامت کا اسم کبھی فقیہ وعالم اور مسجد کی نماز کے متولی پر بھی واقع ہوتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں واقع تو ہوتا ہے مگر بغیر اضافت کے اور علی الاطلاق واقع نہیں ہوتا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص دین میں امام ہے اور فلاں شخص فلاں خاندان کا امام ہے۔ امت میں سے بغیر کسی اختلاف کے اسم امامت کا اطلاق صرف اسی شخص پر ہوتا ہے جو تمام امور اہل اسلام کا متولی ہو۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ امیر کا اسم تو بغیر کسی کے اختلاف کے اس شخص پر واقع ہوتا ہے جو مسلمین کی کسی سمت کا والی بنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمین کی کسی سمت پر یا سریے یا لشکر پر جس کسی کو والی بنایا تو آپ نے اسے امیر کے نام سے نامزد فرمایا ہے۔ اور یہ سب مومنین تھے۔ تو اس سے کون امر مانع ہے کہ ہر شخص پر امیر المومنین کا اسم واقع کیا جائے۔ بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ بغیر کسی کے اختلاف کے کذب حرام ہے جن کو ہم نے بیان کیا ہے وہ بعض مومنین کے امیر تھے نہ کہ کل مومنین کے اگر ہر ایک کا نام امیر المومنین رکھا جائے تو اس نام سے نامزد کرنے والا کاذب ہوگا۔ کیونکہ یہ لفظ (امیر المومنین) تمام مومنین کے عموم کو چاہتا ہے اور وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو صرف بعض مومنین کا امیر ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اسم امامت واسم امیر المومنین کا مطلقاً اطلاق سوائے قریشی کے جو تمام امور مومنین کا متولی ہو یا اس کے لئے یہ واجب ہو، کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اگرچہ بکثرت مومنین اس قریشی کی نافرمانی کریں اور اس کی جو اطاعت ان پر واجب ہے اس سے اور اس کی بیعت سے جو انؓ پر فرض ہے نکل جائیں اور اس کی وجہ سے باغی گروہ میں ہو جائیں اور ان سے جنگ وقتال حلال ہو جائے اسی طرح علی الاطلاق اسم خلافت کا اطلاق بھی صرف اسی کے لئے جائز ہے جس کی صفت یہی ہو۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ان لوگوں میں اختلاف ہوا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ خلافت صرف قریش کے ہی خاندان میں ہونا چاہیے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ صرف فہر بن مالک کی تمام اولاد میں جائز ہے۔ یہ قول اہل سنت کا اور تمام مرجیہ کا اور بعض معتزلہ کا ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ خلافت صرف عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں جائز ہے یہ قول راوندیہ کا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ خلافت صرف علی بن ابی طالب کی اولاد میں جائز ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔

ہمیں بعض اولاد حارث بن عبدالمطلب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ خلافت صرف اولاد عبدالمطلب میں جائز ہے وہ خلافت کو تمام اولاد عبدالمطلب میں جائز سمجھتے تھے۔ اور اولاد عبدالمطلب یہ لوگ تھے۔ ابو طالب۔ ابولہب۔ حارث۔ عباسؓ۔

ایک شخص کے متعلق معلوم ہوا جو اردن میں تھا کہ خلافت صرف بنی امیہ بن عبد شمس میں جائز ہے اور اس مضمون میں اس کی ایک تالیف بھی تھی۔

ہم سے ایک کتاب کی روایت کی گئی ہے۔ جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص کی تالیف تھی جس میں انھوں نے استدلال کیا ہے کہ خلافت صرف اولاد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں ہوسکتی ہے۔

ہم نے ان چاروں فرقوں کے سوائے بے وجہ جھوٹے دعاوی کے اور کوئی ایسا شبہہ بھی نہیں پایا جو اس کا مستحق ہو کہ اس کے ساتھ توجہ کی جائے۔ البتہ کلام ان لوگوں کے ساتھ ہے جو خلافت کو صرف اولاد عباسؓ یا اولاد علیؓ کا حق سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی تعداد کثیر ہے۔

جن کا مذہب یہ ہے کہ خلافت صرف اولاد عباسؓ کا حق ہے انکا استدلال یہ ہے کہ ان کی اولاد میں خلفاء ہیں۔ اور لیکن ان میں جو خلفاء نہیں ہیں اور انھیں علم سے حصہ ملا ہے وہ اسے پسند نہیں کرتے اور نہ اس کے قائل ہیں اس گروہ نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عصبہ وارث تھے۔

یہ کوئی چیز نہیں۔ اس لیے کہ اگر عباس رضی اللہ عنہ کے لیے میراث واجب بھی ہوتی تو یہ صرف مال میں ہوتی۔ مرتبے کے متعلق مذاہب میں ہرگز نہیں آیا ہے کہ یہ چیز میراث میں ملتی ہے۔ لہذا یہ ملمع کاری بالکل باطل ہوگئی۔ **وللہ الحمد**۔ اگر مراتب کا میراث میں ملنا جائز ہوتا تو ضرور ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کو کسی مقام کا والی بنایا تھا جب وہ مر گئے تو واجب تھا کہ ان کا عصبہ ووارث اس ولایت کا وارث ہوتا۔ خود یہ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے حالانکہ سوائے روافض کے تمام اہل قبلہ کے اجماع سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "**لا نورث ما ترکناه صدقة**" (ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے)۔

اگر کوئی معترض اس کلام الٰہی سے اعتراض کرے کہ "**وورث سلیمن داؤد**" (اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے)۔ اور اس کلام الٰہی سے جو اس نے زکریا علیہ السلام کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ "**فهب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله رب رضیا**" (پھر مجھے اپنے پاس سے ایسا جانشین عطا فرما جو میرا اور آل یعقوبؑ کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ بنانا)

اس میں کوئی بھی حجت نہیں ہے اس لئے کہ تمام راوی اور حاملان اخبار اور تمام تواریخ قدیمہ اور بنی اسرائیل کے تمام گروہ بغیر کسی اختلاف کے اس طور پر روایت کرتے ہیں جس سے یقین آ جاتا ہے کہ علاوہ سلیمان علیہ السلام کے حضرت داؤد علیہ السلام کے اور بھی متعدد بیٹے تھے، لہذا ثابت ہوگیا کہ حضرت سلیمان نبوت کے وارث ہوئے تھے۔ برہان یہ ہے کہ ان تمام مورخین وغیرہم کا اس پر اجماع ہے کہ سلیمان علیہ السلام بارہ برس کے بھی نہ تھے جب اپنے والد کے قائم مقام ہوئے تھے۔ حالانکہ داؤد علیہ السلام کے سب چھوٹے بڑے چوبیس بیٹے تھے۔

یحیی بن زکریا علیہما السلام کی میراث میں بھی اسی طرح کا کلام ہے۔ اور نص آیت میں خود زکریا علیہ السلام کا یہ قول کہ "**یرثنی ویرث من آل یعقوب**" (وہ میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وراث ہو)۔ حالانکہ وہ (آل یعقوبؑ) لاکھوں تھے۔ یہ برہان ہے کہ وہ صرف ان سے نبوت کے وارث ہوئے تھے۔

محال ہے کہ زکریا علیہ السلام اپنی اولاد کے بارے میں ایسی دعا کریں جو ان کے عصبہ کو میراث سے روک دے۔ کیونکہ ایسے امر کی تو دنیا اور اس کے ساز وسامان کی حرص رکھنے والا ہی رغبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو جو ان کی کفالت میں تھیں بہ سبب معجزات

کے ذریعے منزہ و پاک کیا ہے۔ فرمایا ہے ’’کلما دخل علیھا زکریا فی المحراب وجد عندھا رزقا . قال یا مریم انی لک ھذا. قالت ھو من عند اللہ . ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب . ھنالک دعا زکریا ربہ . قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبت . انک سمیع الدعاء ‘‘ (جب کبھی زکریا مریم کے پاس محراب میں جاتے تھے تو ان کے پاس رزق پاتے تھے تو فرماتے تھے کہ اسے مریم یہ رزق تمھارے پاس کہاں سے آیا۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ اسی وقت زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔ اور کہا کہ اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بیشک تو دعا کا بہت سننے والا ہے)۔ حضرت زکریا نے اس معنی کے مطابق یہ دعا کی کہ ’’ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب . واجعلہ رب رضیا ‘‘ (مجھے اپنے پاس سے جانشین عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا (روحانی) وارث ہو۔ اور اے میرے رب اسے پسندیدہ بنا)۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دھوکے میں ہو جو اس نے زکریا علیہ السلام کی حکایت کے طور پر فرمایا کہ انھوں نے کہا تھا کہ ’’وانی خفت الموالی من ورائی ‘‘ (اور مجھے اپنے بعد اپنے اہل وعیال کا اندیشہ ہے)۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ اس گمان کا بطلان یہ ہے کہ حضرت زکریا کو ایسا بیٹا ہی نہیں دیا تھا جس کے پس ماندہ ہوتے اور ان کی میراث کا سلسلہ جاری ہوتا۔ بلکہ انھیں ایسا بیٹا دیا تھا جو حصور (تارک لذات) تھا کہ عورتوں کے قریب نہ جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’وسیداو حصور او نبیا من الصلحین (وہ سردار اور حصور یعنی تارک لذات اور نبی اور نہایت نیک ہوں گے) لھذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے محض ایسے بیٹے کی دعا کی تھی جو نبی ہو نہ کہ ایسے بیٹے کی جو مال کا وارث ہو۔

حضرت عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری میراث کے احاطہ کرنیوالے بھی نہ تھے۔ میراث ہوتی بھی تو ان کے لیے کل متروکے میں سے صرف تین ثمن ہوتے (یعنی کل متروکے میں سے نصف یعنی چار ثمن تو صاحبزادی کے ہوتے، بقیہ نصف یعنی چار ثمن میں سے ایک ثمن یعنی آٹھواں حصہ ازواج مطہرات کا ہوتا اور بقیہ تین ثمن یعنے چھ آنے حضرت عباس کے ہوتے)۔

مرتبے کی میراث جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو عباس رضی اللہ عنہ زندہ موجود تھے مگر انھوں نے نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد کبھی بھی اس میں اپنے کسی حق کا مطالبہ کیا۔ جب شوریٰ قائم ہوا ہے تو اس میں بھی انھوں نے ذکر نہیں کیا اور خود انھوں نے اور کسی اور نے شوریٰ میں ان کے ذکر نہ کرنے کو برا بھی نہیں جانا، لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ رائے فاسد نو ایجاد ہے۔ جس میں توجہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور ان کی اولاد میں سے خلفاء اور وہ غیر خلفاء جو بزرگ و فاضل تھے وہ اس دعوے کو اس کے کہنہ و غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور خود کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے، و باللہ تعالیٰ التوفیق وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں کہ امامت صرف اولاد علی ہی میں ہو سکتی ہے۔ وہ دو قسموں پر تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ کے بعد علی بن ابی طالب خلیفہ ہونگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ علی پر ظلم کرنے پر اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کے چھپانے پر متفق ہو گئے۔ یہ مسلمان لوگ روافض ہیں۔

ایک گروہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کے لیے تصریح نہیں فرمائی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ سب لوگوں سے افضل اور حکومت کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ یہ لوگ زیدیہ ہیں جو زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف منسوب ہیں۔

زیدیہ کے چند فرقے ہوگئے ہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ صحابہؓ نے علیؓ پر ظلم کیا اور جن صحابہ نے علی کی مخالفت کی وہ کافر ہوگئے۔ یہ لوگ جارودیہ ہیں۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے علیؓ پر ظلم نہیں کیا۔ علیؓ نے خوشدلی سے اپنا حق ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیا۔ اصل میں وہی امام برحق تھے۔ ان میں بعض نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں توقف کیا ہے۔ اور بعض ان سے محبت کرتے ہیں۔ ایک گروہ نے بیان کیا ہے کہ یہ فقیہ حسن بن صالح بن حی الهمدانی کا مذہب ہے۔

یہ غلط ہے۔ میں نے ہشام بن حکم رافضی کوفی کی ایک کتاب میں جس کا نام میزان تھا دیکھا ہے۔ اس نے حسن بن حی کا ذکر کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ ان کا مذہب یہی تھا کہ امامت فہر بن مالک کی تمام اولاد میں ہے۔

یہی وہ امر ہے جس کے سوا حسن بن حی کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک امام دین تھے۔ ہشام بن الحکم ان سے بہ نسبت اس کے زیادہ واقف ہے جس نے ان کی طرف اسکے سوا دوسرے قول کو منسوب کیا ہے۔ اس لئے کہ ہشام کوفے میں ان کا ہمسایہ تھا اور سب سے زیادہ ان سے واقف تھا، اس نے ان کا زمانہ پایا تھا اور ان کا مشاہدہ کیا تھا۔ حسن بن حی معاویہ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا کرتے تھے اور یہ بات ان کی کتابوں میں اور ان کی ان تمام روایات میں مشہور ہے جو ان سے کی گئی ہیں۔

زیدیہ اس امر میں اختلاف نہیں کرتے کہ امامت تمام اولاد علیؓ بن ابی طالب میں ہے۔ ان میں سے جو شخص کتاب وسنت کی دعوت کے لئے نکلے اس کے ہمراہ تلوار سونتنا واجب ہے۔

روافض نے کہا ہے کہ علیؓ کے لئے نص ہونے کی وجہ سے امامت صرف انھیں کے لئے ہے ان کے بعد حسن کے لیے ان کے بعد حسین میں ہے۔ ان دونوں کے لئے روافض نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور نص کا دعویٰ کیا ہے۔ حسین کے بعد علی بن حسین کے لیے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''**واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله**'' (اور اللہ کی کتاب میں بعض رشتہ دار بعض سے اولی ومقدم ہوتے ہیں)۔ لہٰذا حسینؓ کی اولاد حسینؓ کے بھائی سے زیادہ مستحق ہوئی۔ ان کے بعد محمد بن علیؓ بن حسینؓ ان کے بعد جعفرؒ بن محمد بن علیؓ بن حسینؓ ہیں ان کے تمام متکلمین کا یہ مذہب ہے۔ جیسے ہشام بن الحکم وہشام الجوالیقی وداؤد الحواری وداؤد الرقی وعلی بن منصور وعلی بن ہیثم وابوعلی السکاک شاگرد ہشام بن الحکم ومحمد بن جعفر بن النعمان جو شیطان الطاق کہا جاتا تھا۔ اور ابوملک الحضرمی وغیرہم۔ اس کے بعد مذکورہ بالا متکلمین اور جعفر بن محمد کے مرنے کے بعد روافض میں اختلاف ہوگیا۔ ایک گروہ اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا اور ایک گروہ محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا یہ بہت کم لوگ ہیں (جو محمد بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں) ایک گروہ نے کہا کہ جعفر زندہ ہیں۔ مرے نہیں۔ جمہور واکثر روافض ان کے بیٹے موسیٰ بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں۔ ان کے بعد علیؓ بن موسیٰؒ کے ان کے بعد محمد بن علی ؒبن موسیٰؒ کے ان کے بعد علیؓ بن محمد بن علیؓ بن موسیٰؒ کے۔ اس کے بعد حسینؓ بن علیؓ کے، حسنؓ بغیر کوئی پس ماندہ چھوڑے مرگئے تو روافض کے چند فرقے ہوگئے اور ان کے جمہور واکثر اس پر قائم ہیں کہ حسنؓ بن علیؓ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا مگر انھوں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنؓ کی وفات کے بعد ان کے یہاں ان کی ایک کنیز سے جس کا نام صقیل تھا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور یہ بہت مشہور ہے۔ بعض روافض نے کہا کہ صقیل سے نہیں بلکہ ان کی ایک اور کنیز سے پیدا ہوا جس کا نام سوسن تھا۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اسکا نام صقیل تھا۔ اس لئے کہ اسی صقیل نے اپنے آقا حسنؓ بن علیؓ کی وفات کے بعد حمل کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی وجہ سے سات برس تک حسنؓ کی میراث کو روکا گیا۔ اس معاملے

میں اس کنیز سے حسنؓ کے بھائی جعفر بن علیؓ نے جھگڑا کیا تھا۔ اور ارباب دولت کی ایک جماعت اس کنیز کی مددگار تھی اور دوسرے لوگ جعفر کے مددگار تھے۔ اس کے بعد وہ حمل پچک گیا اور جھوٹا ہو گیا اور حسنؓ کے بھائی جعفر نے میراث لے لی۔ ان حسن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی۔ روافض کا فتنہ صقیل کی وجہ سے اور بڑھ گیا۔ روافض صقیل کو یہاں تک چھوڑے رہے کہ اس کے آقا کی وفات کے انتیس برس بعد اسے خلفیہء معتضد نے قید کر دیا۔ معتضد کو اس کے متعلق یہ غیرت دلائی گئی تھی کہ وہ حسن بن جعفر النوبختی کاتب کے مکان میں ہے۔ چنانچہ وہ اس مکان میں پائی گئی۔ اسے قصر معتضد میں لایا گیا۔ وہ وہیں رہی۔ یہاں تک کہ خلیفہ مقتدر کے زمانے میں اسی قصر میں مرگئی۔ روافض ایک سو اسی برس سے آج تک ایک کھوئی ہوئی چیز کے منتظر ہیں۔

ایک اور قدیم گروہ تھا جو ہلاک ہو گیا جن کے رئیس مختار بن ابی عبید و ابوعمرہ کیسان وغیرہم تھے۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ حسینؓ کے بعد ان کے بھائی محمد ابن الحنفیہ تھے اور سید الحمیر ی وکثیر شاعر اسی گروہ سے تھے۔ یہ لوگ اس کے قائل تھے کہ محمد ابن الحنفیہ کوہ رضوی میں زندہ ہیں، ان کی اس قدر بدحواسی ہے کہ جس سے دفتر بھی تنگ ہیں۔

ان تمام فرقوں نے استدلال میں جس چیز پر اعتماد کیا ہے وہ بنائی ہوئی اور جھوٹی احادیث ہیں کہ ان جیسی احادیث کے پیدا کرنے سے کوئی بے دین و بے حیا عاجز نہیں ہے۔

ہم اپنی روایات سے ان کے مقابلے میں استدلال کریں تو اس کے کوئی معنی نہ ہوں گے کیونکہ وہ ہماری تصدیق نہیں کرتے۔ ان کا ہمارے خلاف اپنی روایات سے استدلال کرنا، اس کے بھی کوئی معنی نہیں کیونکہ ہم ان روایات کی تصدیق نہیں کرتے۔ صرف یہی ضروری ہے کہ باہم مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسی دلیل سے استدلال کریں جس کی وہ شخص تصدیق کرتا ہو جس پر حجت قائم کی جاتی ہے خواہ یہ استدلال کرنے والا اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے۔ اس لئے کہ جو شخص کسی شے کی تصدیق کرے گا اسے اس کا قائل ہونا پڑے گا۔ یا یہ کیا جائے کہ ایسی دلیل سے استدلال کیا جائے جو علوم بدیہی کو واجب کر دیتی ہو، اس وقت ہمارا مقابل اگر اپنی ہی بات پر قائم رہا تو مشاہدے کا مخالف اور لاجواب ہو جائے گا۔ مگر بعض امور جن سے یہ لوگ فریب دہی کرتے ہیں صحیح احادیث بھی ہیں جن کی صحت پر ہم بھی ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا ہے کہ "**انت منی بمنزلة ها رون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی**" (تمھارا مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون کا موسیٰ سے تھا۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)۔

یہ حدیث دوسرے صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے استحقاق خلافت وامامت کو۔ اس لئے کہ حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت نہیں پائی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون صاحب حکومت ہوئے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے خادم اور وہ ساتھی تھے کہ حضرت خضر کی تلاش میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر کیا تھا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے وہ یار غار صاحب حکومت ہوئے جنھوں نے آپ کے ہمراہ مدینے تک سفر کیا تھا۔ جب کہ علی رضی اللہ عنہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح نبی نہ تھے اور نہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پر خلیفہ ہوئے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت علی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس منزلت میں ہونا جس میں ہارون موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تھے یہ صرف قرابت و رشتہ داری میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات اس وقت فرمائے تھے جب آپ نے غزوہ تبوک کے وقت انھیں مدینے پر اپنا خلیفہ و

جانشین بنایا تھا منافقین نے کہا کہ آپ نے انھیں حقیر سمجھا اس لیے چھوڑ دیا۔ حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور آپ سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت ان سے یہ فرمایا کہ ''**انت منی بمنزلت ہارون من موسیٰ**'' جس سے مراد یہ تھی کہ آپ نے محض نائب بنانے ہی کے ارادے سے انھیں مدینے پر قائم مقام بنایا جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانے ہی کے ارادے سے خلیفہ بنایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سفروں کے وقت تبوک سے پہلے بھی اور بعد بھی مدینے پر علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے اشخاص کو نائب بنایا ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اس سے علی کی دوسروں پر کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور نہ آپ کے بعد آپ کی خلافت کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ علی کے سوا دوسرے جانشینوں کے لیے اس سے کوئی فضیلت وخلافت ثابت نہیں ہوتی۔

سب سے عمدہ دلیل جس سے امامیہ نے استدلال کی ہے یہ ہے کہ ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے (یعنی معصوم وہ ہے جو ہر صغیرہ وکبیرہ بلکہ ان کے یہاں خطا ونسیان سے بھی بری ہو) جس کے پاس شریعت کا پورا علم ہو کہ احکام دین میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں کہ جن احکام میں وہ اس کی اطاعت کریں وہ یقین پر ہوں۔

یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ہستی اپنی واضح براہین وعلامات معجزہ ونشانات روشن کی وجہ سے معروف ومشہور ہے۔ وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اللہ کے رسول ہو کر ہماری طرف آئے ہیں اور آپ کا وہ دین جس کا آپ نے ہمیں پابند بنایا ہے نہایت واضح ہے۔ آپ کا کلام، آپ کے عہود اللہ تعالے کا وہ کلام جو آپ نے پہنچایا، حجت نافذہ ہے اور ہر آفت سے معصوم ومحفوظ ہے جو ان تمام جن وانس کے لئے ہے کہ آپ کے پاس حاضر تھے اور ان کے لئے بھی ہے جو آپ کی بارگاہ سے غائب تھے مگر آپ کی حیات میں تھے۔ اور ان کے لیے بھی ہے جو آپ کی وفات کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہم اولیاء**'') اسی کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کیا گیا۔ اور اس کے سوا دوستوں کی پیروی نہ کرو)۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور کے اتباع کا ابطال ہے۔ ہمیں امامت کے مقرر کرنے کی ضرورت محض اس لیے ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو جو ہماری طرف وارد ہوئے ہیں ان لوگوں پر نافذ کرے جو لوگ اس کے معاند ومخالف ہیں۔ نہ اس لیے ہے کہ لوگ اس دین کی معرفت میں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں وہ کام کریں جس کو وہ نہیں چاہتے۔ ہم یہ امر پاتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ کو (جنگ صفین میں) قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دی گئی ہے تو انھوں نے قبول کرلی کہ قرآن کو حکم بنانا صحیح وحق ہے۔ اگر علیؓ نے اچھا کیا تو یہی ہمارا قول ہے۔ اگر انھوں نے امر باطل کو قبول کرلیا تو یہ ان کی صفت کے خلاف ہے (اللہ ان سے راضی رہے) اگر امام کے ہوتے ہوئے اور اس کے سامنے قرآن کا حکم بنانا جائز ہوتا تو اس زمانے میں حضرت علیؓ ضرور یہ کہتے کہ تم لوگ قرآن کے حکم بنانے کا مطالبہ کیسے کرتے ہو حالانکہ میں امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے مبلغ ہوں۔

اگر یہ کہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو چکی تو اب ایسے امام کی ضرورت ہے جو دین کی تبلیغ کرے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ باطل اور دعویٰ بلا برہان اور ایسا قول ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ چیز جس کے لوگ محتاج ہیں وہ صرف آپ کا بیان اور آپ کی تبلیغ ہے۔ اس میں سب برابر ہیں خواہ وہ ہوں جو آپؐ کے حضور میں ھوں، خواہ وہ ہوں جو آپ سے غائب ہوں اور خواہ وہ ہوں جو آپ کے بعد آئیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک کلام نہ فرمائیں خود آپ کے چہرہ مبارک میں دین کی کسی چیز کا بیان نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی جو چیز مطلوب ومراد ہے وہ آپ کا ہمیشہ باقی رہنے والا

کلام ہے جو اہل زمین کو پہنچایا گیا ہے۔

اگر ان کے کہنے کے مطابق امام موجود کی ہمیشہ حاجت ہوتی تو ان کا یہ قاعدہ اس شخص سے ٹوٹ جائے گا کہ امام کے سامنے سے غائب ہو جو ملک کے اطراف میں ہو۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ تمام اہل زمین جو مشرق و مغرب میں ہوں، جو فقیر و ضعیف اور عورت اور مریض ہوں جو اپنی ایسی معاش میں مشغول ہوں کہ اگر اس سے غفلت کریں تو وہ ضائع ہو جائے امام کا مشاہدہ کر سکیں۔ لامحالہ امام کی طرف سے تبلیغ ہی ہوگی۔ جو تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو وہ زیادہ لائق اتباع ہے بہ نسبت اس تبلیغ کے اتباع کے جو آپ سے کمتر ہو، یہ وہ سوال ہے جس سے یہ لوگ کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔

خاص کر ان کے وہ تمام ائمہ جو علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بعد ہوئے ہیں کہ انھوں نے بجز اپنے سکونتی مکانات کے اور کہیں کبھی حکم نہیں دیا اور نہ کبھی انھوں نے ایک گاؤں یا اس سے بھی کم پر حکومت نہیں کی پھر ان لوگوں کی کیا حاجت ہے خاص کر ایک سو اسی برس سے تو یہ لوگ ایک ایسے کھوئے ہوئے امام کا دعویٰ کرتے ہیں جو عنقائے مغرب کی طرح پیدا نہیں ہوا۔ یہ لوگ فحش و بے شرمی و بہتان اور جھوٹے دعوے کر رہے ہیں کہ اس قسم کے امور سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

امام کا معصوم ہونا یا تو صرف ایسے معجزے سے معلوم ہو سکتا ہے جو اس سے ظاہر ہو یا ایسی نص سے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علماء نقل کریں کہ ہر امام پر اسکی ذات و اسم و نسب کے متعلق ہو، ورنہ یہ بھی ایسا ہی دعویٰ ہے جس قسم کے دعوے سے کوئی بھی خود اپنے لیے یا اس کے لئے جسے وہ چاہے عاجز نہیں۔ ہر صاحب عقل سلیم کو یہ لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس جہل سے جو فاسد بیہودہ اور سست ہے اور جس سے بچوں کی عقلیں بھی بلند ہیں بچائے ہماری توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

ایک اور برہان بدیہی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سوائے ان کے جو اطراف و جوانب میں تھے لوگوں کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علیؓ کی طرف کسی ایسے کلمے سے اشارہ نہ کیا جس میں یہ ذکر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کی امامت کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور نہ حضرت علیؓ ہی نے اس کا کبھی دعویٰ کیا۔ نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد نہ کسی اور نے انکے لئے اس کا دعویٰ کیا نہ اس وقت نہ اس کے بعد۔ یہ محال اور ممتنع اور قطعاً غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ ایسے بیس ہزار سے زائد انسان جن کے مقاصد بھی جداگانہ ہوں، نیتیں بھی الگ الگ ہوں، نسب و خاندان بھی مختلف ہوں اور ان میں اکثر ایسے ہوں جنھیں زمانہ جاہلیت کے اپنے ساتھی کے خون کا انتقام نہ ملا ہو۔ یہ لوگ کسی ایسے عہد کے ترک کرنے پر اتفاق کر لیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے لیا ہو۔

اس نص کے متعلق جس کا دعویٰ کیا گیا ہے ہم نے کسی سے بھی کوئی روایت نہیں پائی بجز ایک واہی روایت کے جو چند مجہول لوگوں سے شروع ہو کر ایک مجہول شخص ابو حمراء پر ختم ہو گئی ہے، اس کو کوئی بھی نہیں پہچانتا کہ یہ شخص مخلوق میں کون ہے۔ ہم نے علی رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت پائی کہ انھوں نے حضرت صدیق کی بیعت سے چند مہینے تاخیر کی مگر ابو بکرؓ نے انھیں اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا یہاں تک کہ انھوں نے رجوع کر کے خوشی خوشی بغیر جبر و اکراہ کے ان کی بیعت کی۔ پھر ان کمینوں کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ کے لیے کیونکر حلال ہو گیا کہ وہ بخوشی و رغبت ایسے شخص کی بیعت کر لیں جو یا تو کافر ہے یا فاسق، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کی نافرمانی کرنے والا ہے۔ کیسے حلال ہو گیا کہ وہ ایسے شخص کی اس کے کام میں مدد کریں، مجالس میں اس کے ساتھ بیٹھیں اور اس کی وفات تک اس سے دوستی رکھیں۔ اس کے بعد عمر بن الخطاب سے از خود

سبقت کر کے بغیر ایک ساعت یا اس سے بھی کم کے تردد کے بغیر کسی جبر و اکراہ کے بخوشی و رغبت بیعت کر لیں۔ انکی صحبت میں رہیں، ان کے کام میں ان کی مدد کریں، اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیں، اس کے بعد چھ اشخاص کے شوریٰ میں اپنا داخل کرنا قبول کر لیں۔ ان جہلاء کے نزدیک علی کے لیے یہ کیونکر حلال ہو گیا کہ وہ گمراہ شوریٰ اور کفر میں اپنے آپ کو شریک کر کے امت کو اس طرح کا دھوکا دیں۔ اسی امر نے ابو کامل کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تکفیر تک پہنچا دیا۔ اس لئے کہ اس کے گمان میں علیؓ نے کفار کی ان کے کفر میں اعانت کی، دین کے چھپانے میں ان کی تائید کی اور اس چیز کے پوشیدہ کرنے میں اُن کی مدد کی جس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔

یہ ناممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ وہ اپنے متعلق نص کے بیان کرنے سے موت کے خوف سے باز رہے۔ حالانکہ وہ شجاعت کے اعتبار سے شیر تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بارہا اپنے آپ کو موت کے لیے پیش کیا تھا۔ جنگ جمل و صفین میں موت کا مقابلہ کیا تھا۔

وہ کونسی چیز تھی جس نے انھیں ان دونوں حالتوں میں (یعنی حضرت صدیق و فاروق کی خلافت میں) بزدل بنا دیا تھا، وہ کیا چیز تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک لوگوں کی عقلوں کو علیؓ کے حق چھپانے پر اور اس شخص کے روکنے پر جو اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا متفق رکھا۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے ان لوگوں کی عقلوں سے پردہ اٹھا کر ان کو علیؓ کا مددگار بنا دیا جب علیؓ نے انھیں خود اپنی بیعت کی دعوت دی۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کے بڑے بڑے گروہ اٹھ کھڑے ہوئے ان کے پیچھے اپنی جانیں نثار کر دیں، اس شخص کے مقابلے میں جس نے ان سے جھگڑا کیا تھا۔ اس وقت انھوں نے علیؓ کو صاحب حکومت اور حق کے قریب تر سمجھا۔

وہ کونسی چیز تھی جس نے علیؓ کو اور ان مسلمانوں کو اس نص کے ظاہر کرنے اور کلام کرنے سے روکا جس کا یہ کذاب لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ اس وقت جب عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور لوگ تین روز تک بغیر کسی رئیس کے رہے۔ یا یوم سقیفہ میں۔

زیادہ ستم ظریفی یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے رکے رہتے ہیں ان سے نہ اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے نہ انھیں اس پر مجبور کیا جاتا ہے نہ تکلیف دی جاتی ہے حالانکہ وہ انھیں لوگوں میں رہ کر اپنے معاملات میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر علی کی رائے میں حق اس میں نہ ہوتا، انھوں نے اپنے معاملے کو سمجھ نہ لیا ہوتا اور انھیں بیعت کرنے سے اپنے حصہ دین کی طلب اور حق کی طرف رجوع مقصود نہ ہوتا تو وہ ہرگز بیعت نہ کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے چھ مہینے کے بعد باطل کی طرف رجوع کرنے کو مناسب سمجھا تو درحقیقت خود یہی خیال باطل ہے نہ کہ علی رضی اللہ عنہ کا فعل۔ اسکے بعد علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے احکام میں سے کسی حکم کو نہیں بدلا اور نہ ان کے عہود میں سے کسی عہد کو باطل کیا۔ اگر یہ ان کے نزدیک باطل ہوتا تو اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ باطل کو جاری رکھیں اور اس کو نافذ رہنے دیں حالانکہ ان سے (بوجہ اپنی خلافت کے) تقیہ بھی اٹھ چکا تھا۔ انصار رضی اللہ عنہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا تھا انھوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی تھی۔ مہاجرین رضی اللہ عنہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی تھی۔ علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھے رہے۔ نہ ادھر گئے نہ ادھر گئے۔ ان کے ہمراہ سوائے زبیر بن عوام کے کوئی نہ تھا۔ زبیر رضی اللہ عنہ پر حق واضح ہو گیا تو انھوں نے فوراً بیعت کر لی۔ علیؓ اس طرح تنہا رہ گئے کہ نہ تو ان کی نگرانی کی جاتی تھی نہ انھیں لوگوں کی ملاقات سے روکا جاتا تھا۔ اور نہ کسی کو ان کی ملاقات سے روکا جاتا تھا۔

تمام انصار کا ابوبکرؓ کی بیعت کی طرف رجوع کرنا ان امور سے خالی نہیں کہ یا تو یہ غلبے کی وجہ سے ہو۔ یا ان کے نزدیک ابوبکر کا حق ظاہر ہو گیا ہو۔ اور اس نے انھیں ابوبکرؓ کی بیعت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ یا انھوں نے اس کو محض بے معنی دل لگی کے طور پر کیا ہو۔ کوئی چوتھی قسم کسی طور پر بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ انصار نے غلبے کی وجہ سے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی، تو یہ جھوٹے ہیں اس لیے کہ وہاں نہ جنگ تھی نہ آپس کی مار پیٹ نہ گالی گلوچ نہ کوئی دھمکی۔ نہ اتنا طویل وقت تھا جو دھمکی کے لیے کافی ہوتا اور نہ کوئی ہتھیار رلیا گیا تھا۔ محال ہے کہ دو ہزار سے زائد سواروں کو ترک کر دیا جائے جو نہایت دلیر اور بڑے بہادر اور سب کے سب ایک ہی قبیلے کے ہوں جن کی شجاعت ایسی ظاہر ہو چکی ہو جس کے بعد کوئی نکتہ چینی نہ کی گئی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ مسلسل آٹھ برس تک اپنے وطن کے اطراف میں تمام عرب سے جنگ کرتے رہے۔ موت پر آمادہ رہے، ساتھ ہی قیصر دروم سے اور بصری میں اہل فارس سے بھی غذا کے ساتھ اور بغیر غذا کے جنگ کی چھیڑ چھاڑ کرتے رہے، جس کو مخاطب کرتے اس کو اتباع اسلام کی دعوت دیتے کہ وہ بھی انھیں کے جیسا ہو جائے۔

یہ انصار کی وہ صفت تھی جس کا سوائے اس احمق بے حیا کے کوئی انکار نہ کرے گا جو علانیہ کذب اختیار کرنے والا ہو۔ لہذا یہ محال و ممتنع ہے کہ انصار ابوبکر اور صرف ان دو شخصوں سے ڈر گئے ہوں جو ابوبکر کے ہمراہ تھے۔ ابوبکر کی مدد پر نہ تو کوئی بڑا خاندان تھا نہ احباب نہ کنبے والے نہ مال کہ انصار نے ابوبکر کی طرف رجوع کیا حالانکہ ان کے نزدیک وہ ایک باطل کا ارتکاب کر رہے ہوں اور انھوں نے بلا تردد بغیر تطویل کے ان سے بیعت کر لی ہو۔

یہ بھی باطل ہے کہ انصار بغیر حق ظاہر ہوئے اپنے قول سے رجوع کر لیں اور اس سے رجوع کر لیں جو انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ حق تو انھیں لوگوں کا ہے اور وہ اپنے چچازاد بھائی کی بیعت سے بخوشی بلا کسی خوف کے باز آ جائیں، محال ہے کہ اپنی بڑی تعداد کے خیالات ایسی چیز پر متفق ہو جائیں جس کو وہ باطل سمجھتے ہوں حالانکہ نہ تو کوئی ایسا خوف ہو جو انھیں اس پر مجبور کرے اور نہ کوئی جاہ و مال کا طمع ہو جو انھیں فوراً ملنے والا ہے۔

انصار جدھر جا رہے تھے اس میں دنیا و عزت و ریاست کا ترک تھا اور یہ چیزیں ایک ایسے شخص کے حوالے کرنا پڑتی تھیں جس کا نہ تو کوئی قبیلہ تھا نہ حفاظت نہ چوبدار، نہ اس کے دروازے پر کوئی دربان، نہ کوئی قصر نہ احباب، نہ مال، اس وقت علی کہاں تھے حالانکہ وہ ایسے شخص تھے کہ شجاعت میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا، ان کے ساتھ بنی ہاشم و بنی المطلب کی جماعت بھی تھی کہ اس بوڑھے کو جوان کے نزدیک ظالم ہوتا اور جس کا کوئی بچانے والا اور اس کی طرف سے علی کا رد کئے والا اور ملامت کرنے والا بھی نہ تھا ضرور قتل کر سکتے تھے۔

واللہ علی رضی اللہ عنہ نے جان لیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور ان کا مخالف باطل پر۔ لغزش کے بعد انھوں نے حق کو مان لیا اسی طرح انصار رضی اللہ عنہم نے بھی کیا۔

ان مدعیوں کے سب دعوے جب باطل نکلے تو اب یہی ایک صورت رہ گئی کہ علی و انصار رضی اللہ عنہم نے محض اس لیے بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کہ ان سب کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ایک حقیقی برہان سے ثابت ہو گیا تھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ ان لوگوں کے اجتہاد کا سا اجتہاد تھا۔ یا ان لوگوں کے گمانوں کا سا گمان تھا یہ تو باطل ہو چکا تھا کہ حکومت و خلافت انصار میں ہو، اور ان سے ریاست زائل ہو چکی تھی تو پھر وہ کونسی چیز تھی جس نے شروع سے آخر تک تمام انصار کو اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نص کی نافرمانی پر متفق ہو جائیں جو علی کی امامت کے متعلق تھی۔

یہ محال ہے کہ تمام انصار کی رائیں اس شخص کی اعانت پر متفق ہو جائیں جس نے ان پر ظلم کیا ہو اور ان کے حق کو غصب کیا ہو۔ سوائے اس کے کہ روافض یہ دعویٰ کریں کہ اتفاق سے وہ سب لوگ اس عہد کو بھول گئے تھے تو یہ ایک اعجوبہ و محال و غیر ممکن ہے اگر یہ ممکن ہو تو پھر ہر شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے اس کے بارے میں اسی قسم کے محال کا دعویٰ کرے کہ ایسا ہوا ہے اور سب لوگ اس کو بھول گئے ہیں۔ اس صورت میں تمام حقائق کا ابطال لازم آئے گا۔

اگر تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نص کے نہ ماننے اور چھپانے پر اتفاق کر لیا تھا اور ان سب کی طبیعتیں اس کے بھول جانے پر متفق ہو گئی تھیں تو پھر روافض کو اس کا حال کہاں سے معلوم ہوا اور کس نے اس واقعے کو ان تک پہنچایا۔ یہ سب محض نفس پرستی اور محال ہے۔ لہٰذا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نص کا دعویٰ تو یقیناً اس طرح باطل ہو گیا کہ اس میں کوئی اشکال نہیں رہا۔ **و الحمد لله رب العالمين** ۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اصحاب کے اقارب کو قتل کیا تھا اس لئے صحابہ کی ایک جماعت کے دلوں میں اس کی وجہ سے کینہ پیدا ہو گیا تھا اور اسی لیے وہ علی سے منحرف ہو گئے تھے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ بہت کمزور اور جھوٹی ملمع کاری ہے۔ اس لیے کہ اگر تمھارے لئے اس کی گنجائش ہے تو بنی عبد شمس و بنی مخزوم و بنی عبد الدار و بنی عامر میں ہے کہ ان قبائل میں سے ہر قبیلے کے ایک یا چند اشخاص کو انھوں نے قتل کیا ہے۔ بنی عامر بن لوئی میں سے صرف ایک شخص کو قتل کیا اور وہ عمرو بن ود تھا۔ بنی مخزوم و بنی عبد الدار کے چند آدمی قتل کئے۔ اور بلا شک بنی عبد شمس میں سے ولید بن عقبہ و عاص ابن سہل کو اور عتبہ بن ربیعہ کے قتل میں شریک رہے۔ کہا جاتا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا۔ اور کہا جاتا کہ اسے کسی اور نے قتل کیا اور وہ عاصم بن ثابت الانصاری تھے۔ اور اس سے زیادہ نہیں کیا۔ جسے تاریخ کا ذرا سا بھی علم ہے وہ جانتا ہے کہ یوم السقیفہ میں ان قبائل کے کسی شخص کو بھی نہ حل تھا نہ عقد نہ رائے تھی نہ امر تھا یا اللہ۔ مگر اس وقت میں بھی ابو سفیان بن حرب بن امیہ محض قرابت کے تعصب سے نہ کہ تدین سے علی ہی کی طرف مائل تھے اور ان کے بیٹے یزید اور خالد بن سعید بن العاص و حارث بن ہشام بن المغیرہ المخزومی تدین سے انصار کی طرف مائل تھے حالانکہ انصار نے حارث بن ہشام کے حقیقی بھائی ابو جہل کو قتل کیا تھا۔ اور محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ (جن کے دادا عتبہ بن ربیعہ کے قتل میں حضرت علی شریک تھے) حضرت عثمان کے قصے کے وقت اور اس کے بعد بھی حضرت علی کی طرف بے حد میلان رکھتے تھے یہاں تک کہ اسی پر معاویہؓ نے انھیں قتل کر دیا۔ تو ہمیں بتاؤ کہ علی نے بنی تیم بن مرہ میں سے کسے قتل کیا یا بنی عدی بن کعب میں سے کسے قتل کیا (یہی لوگ یوم السقیفہ میں حضرت صدیق کی خلافت کے موید تھے) کہ یہ بے حیا لوگ یہ گمان کر سکیں کہ ان دونوں (قبیلے والوں کو) علی سے کینہ تھا۔

ہمیں بتاؤ کہ علیؓ نے انصار میں سے کسے قتل کیا تھا یا کس کو زخمی کیا تھا یا کس کو اذیت پہنچائی تھی۔ کیا یہ انصار تمام مشاہد و مقامات جہاد میں علی کے ہمراہ اس طرح نہ تھے کہ بعض تو علی سے بڑھے ہوئے تھے اور بعض ان کے مساوی تھے اور بعض ان سے پیچھے تھے۔ پھر انصار کے دلوں میں علی کے لئے کونسا کینہ تھا کہ ان سب نے علی کے متعلق جو نص تھی اس کے نہ ماننے پر اتفاق کر لیا، وہ سب ان کے حق کے باطل کرنے، ان کے نام کا ذکر بالکل ترک کرنے، سعد بن عبادہ کے ان پر ترجیح دینے، سعد کے بعد ابو بکر و عمر کو علی پر ترجیح دینے علی کو چھوڑ کے فوراً ابو بکرؓ کی بیعت پر سبقت کرنے پر متفق ہو گئے۔ حالانکہ علیؓ انھیں کے ساتھ اور انھی میں رہتے تھے وہ لوگ رات دن ان کو دیکھا کرتے تھے علیؓ اور انکے درمیان میں کوئی حائل بھی نہ تھا۔

بتاؤ کہ علیؓ نے عرب مہاجرین کی اولاد میں سے یعنی مضر و قضاعہ و یمن ربیعہ میں سے کس کو قتل کیا تھا کہ ان سب نے ان کی ولایت و

حکومت کے ناپسند کرنے پر اتفاق و اجماع کر لیا اور ان کے متعلق جو نص تھی سب کے سب اس کے خلاف پر متفق ہو گئے۔ یہ سب ایسے عجائب ہیں کہ عالم میں اس قسم کے عجائب کا اتفاق ناممکن ہے۔ طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص سے بھی مشرکین کا اتنا ہی قتل ہوا تھا جتنا علیؓ سے ہوا تھا وہ کونسی چیز تھی جس نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے تو دلوں میں کینہ پیدا کر دیا اور ان لوگوں کی طرف سے نہیں۔

اسلام کی دعوت دینے کی وجہ سے ابوبکر رضی تعالیٰ عنہ سے قریش کی اس قدر مخالفت تھی جو حضرت علی سے ہرگز نہ تھی مگر اس مخالفت نے انھیں ابوبکر کی بیعت سے نہ روکا حالانکہ کفار قریش میں سب سے برا اثر انھیں کا تھا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کفار قریش سے مقابلہ کرنے اور ان لوگوں کی امید کے خلاف حضرت عمر کے اسلام کا اعلان کرنے کی وجہ سے ان سے اور کفار قریش سے جو مخالفت تھی وہ حضرت علیؓ سے ہرگز نہ تھی۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کونسی چیز تھی جو اس امر کی موجب ہوئی کہ یہ لوگ ان کے گذشتہ واقعات کو تو فراموش کر دیں اور ان سب میں سے صرف علی سے عداوت کریں۔ کاش روافض میں اتنی بے حیائی و بے شرمی نہ ہوتی کہ اس حالت نے انھیں یہاں تک پہنچا دیا کہ سعد بن ابی وقاص۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اسامہ بن زید مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ رافع بن خدیج الانصاری۔ محمد بن مسلمہ الانصاری۔ زید بن ثابت الانصاری۔ ابو ہریرہ۔ ابوالدرداء اور دوسرے مہاجرین پر جب علی کے خلاف ہونے پر انھوں نے ان سے بیعت نہیں کی۔ معاویہؓ سے بیعت کی اور جس نے ان کے بیٹے یزید کا زمانہ پایا یزید سے بیعت کی، تو روافض نے ان پر یہ حملہ کر دیا کہ انھیں کینوں نے ان حضرات کو اس پر آمادہ کیا۔

روافض کی حماقت اور ان کے جہل کی شدید تاریکی اور بے حیائی اور رسوائیوں سے بے پروائی انھیں ہلاکت بربادی اور ذلت اور دوزخ میں گرانے والی ہے۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ ان سب لوگوں سے اور علیؓ سے یا ان میں سے کسی ایک سے اور علیؓ سے وہ کونسی سخت کلامی ہوئی تھی۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ یہ لوگ اور جو لوگ ان کے طریقے پر چلتے تھے فرقہ بندی کی حالت میں بیعت کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ پھر جب تمام مسلمان ایک چیز پر متفق ہو گئے خواہ وہ کچھ بھی تھی تو سب لوگ جماعت میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی کیا جنھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم کا زمانہ پایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں سے الگ بیٹھے رہے۔ جب عبدالملک بن مروان تنہا خلیفہ ہو گئے تو ان لوگوں میں سے جس نے ان کا زمانہ پایا۔ عبدالملک سے بیعت کر لی۔ لیکن نہ وہ عبدالملک سے راضی تھے، نہ ابن زبیرؓ سے عداوت تھی، اور نہ وہ عبدالملک کو ابن زبیر سے افضل سمجھتے تھے۔ وجہ یہی تھی جو ہم نے بیان کی۔ یہی حالت ان لوگوں کی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی تھی۔ لہذا ان مجنونوں کا کمینہ پن ظاہر ہو گیا۔ **والحمدللہ رب العالمین** ۔

انھیں زید بن حارثہ نے غزوہ بدر میں حنظلہ بن ابی سفیان کو قتل کیا، انھیں زبیر بن العوام نے غزوہ بدر میں عبیدہ بن سعید بن العاص کو قتل کیا، انھیں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الخطاب نے اسی روز عاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کیا۔ ان مقتولین کے اعزہ نے ان لوگوں سے کیوں نہ عداوت کی۔ وہ کونسا سبب تھا کہ ان مقتولین کے اعزہ نے ان حضرات کو چھوڑ کے عداوت کے لیے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو خاص کر لیا۔ کاش روافض میں جنون اور بے حیائی و بے غیرتی نہ ہوتی۔

جو کچھ روافض نے بیان کیا اگر یہ صحیح ہوتا تو پھر وہ کیا چیز تھی جس نے عمر رضی تعالیٰ عنہ کو اس کی دعوت دی کہ انھوں نے شوریٰ میں جن لوگوں کو داخل کیا ان کے ساتھ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس میں داخل کریں۔ اگر وہ انھیں نکال دیتے جس طرح انھوں نے (باوجود عشرہ مبشرہ میں ہونے کے)۔ سعید بن زید کو نکال دیا، یا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی اور کا قصد کرتے اور اسے مقرر کر دیتے تو اس معاملے

میں کوئی ایک کلمہ بھی ان پر اعتراض نہ کرتا۔

اس بیان سے بدیہی طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ قوم نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے مرتبے میں رکھا، نہ انھیں بڑھایا نہ گھٹایا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) بے شک انھوں نے مستحق تر کو پھر اس کے بعد مستحق تر کو اور افضل کو پھر اس کے بعد افضل کو مقدم کیا، انھوں نے علی کو صحابہ میں سے جو ان کے برابر والے اور نظیر تھے ان کے مساوی رکھا۔

روافض کی دروغ بیانیوں کے باطل کرنے میں سب سے کھلی ہوئی دلیل اور سب سے زیادہ واضح بیان یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد جب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف بلایا تو مہاجرین وانصار کے چند گروہوں نے ان کی بیعت کی طرف سبقت کی، کیا کسی شخص نے یہ بیان کیا کہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی گذشتہ بیعت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان سے معذرت کی، یا کسی نے ان میں سے امامت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نص کی نافرمانی سے توبہ کی۔ یا کسی نے یہ کہا کہ مجھے یہ نص یاد آ گئی جو اس شخص کے بارے میں تھی اور جسے میں بھول گیا تھا۔ بے شک بہت سی عقول سے یہ امر مخفی ہے جو ایسے بدنصیب گروہ کی عقول کے لئے ظاہر واضح ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا نہیں چاہتا۔

اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی اور وہ خلافت کو ان چھ صحابہ کے شوریٰ میں چھوڑ گئے جن میں سے ایک شخص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ان تین دنوں میں نہ کوئی سلطان تھا جس کا خوف ہوتا، نہ کوئی رئیس تھا جس سے تقیہ کیا جاتا، نہ کسی سے کوئی اندیشہ تھا، اور نہ دباؤ ڈالنے کے لئے کوئی لشکر مہیا کیا گیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی کھلا ہوا حق ہوتا جس میں وہ مخصوص ہوتے، خواہ وہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نص ہوتی یا کوئی ایسی فضیلت ہوتی جس سے وہ اپنے ساتھیوں سے فائق ہوتے اور جس کی وجہ سے وہ ان سب سے ممتاز ومنفرد ہوتے، تو کیا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب نہ تھا کہ وہ یہ کہتے کہ اے لوگو۔ میرے لئے یہ ظلم کب تک۔ میرے حق کا یہ اخفاء کب تک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کی یہ نافرمانی کب تک۔ اور میری اس فضیلت سے انکار کب تک جو ان سب معاصرین سے فائق ہے۔ جب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں کیا تو یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ کیوں نہیں کیا۔ کیا بنی ہاشم میں ایک بھی دیندار نہ تھا جو یہی کلام بیان کرتا کیا ان کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کی تعظیم وتوقیر پر تمام عالم متفق تھا یہاں تک کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز استسقاء کے موقع پر سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انھیں وسیلہ بنایا تھا۔ کیا ان کے لڑکوں میں بھی کوئی نہ تھا۔ کیا ان کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ نہ تھے، کیا ان کے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے بھی کوئی نہ تھا۔ جب بنی ہاشم میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور ضمیر کشی ومداہنت کے سبب سے قول حق شروع کرتا تو کیا تمام اہل اسلام یعنی مہاجرین وانصار میں سے بھی کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا کہ اے گروہ مسلمین نگرانی جاتی رہی۔ یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں نص کی وجہ سے جن کا حق واجب ہے ان کی فضیلت فائق وظاہر ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، لہذا ان سے بیعت کرو۔ کیونکہ ان کا معاملہ واضح ہے۔

اول سے آخر تک تمام امت کا برقہ سے سرحد خراسان تک اور جزیرے سے انتہائے یمن تک جب کہ انھیں یہ خبر پہنچ جاتی سب کا اس شخص کے حق سے سکوت کرنے پر متفق ہو جانا اور ان سب کا اس کے ظلم پر اور اسے اسکے حق سے محروم کرنے پر متفق ہو جانا۔ درآنحالیکہ وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہ ہو جس سے لوگ اظہار حق سے ڈرتے ہوں ایک عجیب امر محال وممتنع ہے۔ حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی جب کہ اس حق کے وہی مستحق ہو گئے تھے۔ اور ان کے پیچھے اپنی جانیں کھپائیں، تو یہ لوگ اس حق

کے ظاہر کرنے سے کہاں سو گئے تھے جس کے لئے یہ کمینے روافض بیدار ہوئے۔

عجب ہے کہ جب ان لوگوں کا علی رضی اللہ عنہ پر اس قدر غیظ وغصہ تھا اور علی رضی اللہ عنہ کے حق کے انکار پر ان سب میں ایسا اتفاق تھا تو انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیونکر پرہیز کیا کہ علی رضی اللہ عنہ سے فرصت پا جاتے، یا کیسے انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی مدارات کی، ان کے ساتھ نیکی کی اور انھیں شوری میں داخل کیا۔

ہشام بن الحکم نے کہا ہے کہ صحابہ کے ساتھ کیسے حسن ظن قائم کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نص کو نہ چھپایا ہوگا حالانکہ انھوں نے باہم جنگ کی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا۔ تو کیا اس بارے میں ان کے ساتھ حسن ظن قائم کیا جا سکتا ہے۔

اگر اس فاسق کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ تو اس کے خلاف سب سے بڑی حجت ہے تو اس بیہودہ بات پر اس کی زبان کبھی نہ چلتی۔ اس لئے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص تھے جب کہ مسلمانوں کے فرقے ہو گئے تو انھوں نے قتال کیا۔ لہذا ان میں سے باہم قتال کرنے والوں کے ساتھ جو حسن ظن یا سوئے ظن قائم کیا جا سکتا ہے تو وہ علی رضی اللہ عنہ پر بھی ان کے قتال پر عائد ہوتا ہے، علی رضی اللہ عنہ میں اور دوسرے تمام صحابہ میں اس معاملے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔** اگر کوئی زبردستی کا فیصلہ کرنے والا علی رضی اللہ عنہ کو مخصوص کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی صحابہ میں سے کسی اور کو زبردستی کے فیصلے سے مخصوص کرے اور کوئی فرق نہیں۔

ان حضرات رضی اللہ عنہم کا باہم قتال کرنا اس امر پر زبردست برہان ہے کہ ان لوگوں نے جس کو باطل سمجھا اس پر صبر نہیں کیا۔ ان میں سے ہر فریق نے اس پر قتال کیا جس کو انھوں نے حق سمجھا۔ جو ان کے نزدیک خلاف حق تھا اس پر صبر کرنے کے مقابلے میں انھوں نے موت کو پسند کیا۔ ایک گروہ نے جو قتال کو حق نہ سمجھا وہ الگ بیٹھا رہا۔ اس سے اس پر دلالت ہوتی ہے کہ اگر ان سب کے پاس یا ان میں سے کسی ایک کے پاس علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی نص ہوتی تو وہ ایک شخص یا وہ سب لوگ ضرور اس کو ظاہر کرتے۔ جیسا کہ انھوں نے اس کا اظہار کیا۔ جس کو انھوں نے حق سمجھا اس کے پیچھے اپنی جانیں کھپا دیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ تم مانتے ہو کہ امام کا ہونا ضروری ہے۔ تو پھر کیسے امام کو پہچانا جائے۔ خاص کر تم اہل ظاہر بالخصوص نص قرآن یا نص حدیث صحیح کے سوا قبول نہیں کرتے۔ اسے ہم نے اصحاب قیاس ورائے سے بھی دریافت کیا ہے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ وجوب امامت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص ہے اور اس پر بھی کہ ایک شب بھی بغیر بیعت کے رہنا جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص حدیث سے ہم پر ایک ہی قریشی امام کی اطاعت فرض ہے جس سے امامت میں نزاع نہ کی جائے گی بشرطیکہ وہ کتاب اللہ کے مطابق ہماری رہنمائی کرے۔ لہذا انھیں نصوص سے اس امام کی صفت پر نص ثابت ہوگئی جس کی اطاعت واجب ہے۔ جیسا کہ احکام میں گواہوں کی صفت پر نص ثابت ہے اور ان مساکین وفقراء پر نص ثابت ہے جن کے لیے زکوۃ واجب ہے اور اس کی صفت ثابت ہے جو نماز کی امامت کرے اور اس کی صفت ثابت ہے جس سے عورتوں کا نکاح جائز ہے۔ اسی طرح بقیہ تمام شریعت پر نص ثابت ہے۔

ائمہ کے نام بیان کرنے کے ہم محتاج نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی تکلیف نہیں دی۔ ہر قریشی عاقل بالغ جو ایسے امام کی موت کے بعد جس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا ہے آگے بڑھے اور اس سے ایک یا زائد بیعت کر لیں تو وہ امام ہے جس کی اطاعت واجب ہے جب تک کہ وہ اس کتاب الٰہی وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حکومت ورہنمائی کرے جن کے اتباع کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ اگر

وہ کتاب وسنت سے ذرا سی بھی کجی اختیار کرے تو اسے اس سے روکا جائے گا اور اس پر حد (شرعی سزا) قائم کی جائے گی اور حق کو قائم کیا جائے گا اگر وہ سزا کی تکلیف بغیر اپنی معزولی کے نہ برداشت کرے تو اسے معزول کر دیا جائے گا اور لوگوں میں سے کسی دوسرے کو والی بنایا جائے گا۔

اگر کہیں کہ قرآن وحدیث کی تاویل اور معنی بیان کرنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور بغیر کسی دوسری نص کے ان کی تاویل کی ممانعت کی گئی ہے۔ ہم کہیں گے کہ وہ تاویل جس پر کوئی برہان قائم نہ ہو تحریف ہے اور کلمات کا اپنے مقامات سے بدل دینا ہے۔ اسی قسم کی تاویل کی ممانعت میں نص آئی ہے، اختلاف کوئی حجت نہیں ہے۔ حجت صرف قرآن واحادیث کی نص میں ہے اور ان دونوں کے ان معانی میں ہے جو ان کے الفاظ کے مقتضا ہوں جن میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے۔ شریعت نے اسی کو ہم پر لازم کیا ہے۔

ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ تمھارا اپنی اس امامت کے ثابت کرنے میں جس کے تمھارے تمام فرقے مدعی ہیں عمدہ استدلال صرف دو وجوہ ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ پر ان کے نام کے ساتھ نص ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شریعت کے واضح کرنے کے لیے اس کی شدید حاجت ہے۔ کیونکہ شریعت کا علم اسی کے پاس ہے نہ کہ کسی اور کے پاس اس سے زائد تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

بتاؤ کہ محمد بن علی رضی اللہ عنہ بن حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں، زید وعمر وعبداللہ وعلی رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ سے کس چیز کی بنا پر امامت کے زیادہ لائق ہو گئے۔

وہ لوگ ان کے متعلق ان کے والد کی یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کا دعویٰ کریں کہ وہ باقر تھے (یعنی علوم کو گہرائی سے نکالنے والے) تو یہ کوئی ان کا نیا کذب نہ ہوگا۔ اس دعوے میں ''یہ کیسانیہ'' سے بہتر نہ ہوں گے جو محمد ابن الحنفیہ کے حق میں نص آنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ وہ اپنے بھائیوں سے افضل تھے، تو یہ دعویٰ بھی بغیر کسی برہان کے ہے۔ انسان سے جو کچھ ظاہر ہو اس سے اللہ کے یہاں اس کی فضیلت کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی انسان کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے۔

یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ موسیٰ بن جعفر کو ان کے بھائی محمد یا اسحاق یا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں زیادہ مستحق امامت کس چیز نے بنایا، یہ اس کے جواب میں بھی بجز دعوے کے کوئی سبیل نہ پائیں گے۔

پھر دریافت کیا جائے گا کہ علی بن موسیٰ کو ان کے بھائیوں کے مقابلے میں امامت کے لئے کس چیز نے مخصوص کر دیا حالانکہ وہ سب سترہ بھائی تھے۔ جواب میں یہ لوگ بجز دعوے کے کچھ نہ پائیں گے۔

پھر دریافت کیا جائے گا کہ محمد بن علی بن موسیٰ کو کس چیز نے ان کے بھائی علی بن محمد کو ان کے بھائی موسیٰ بن محمد سے زیادہ مستحق امامت بنایا۔ اور کس چیز نے حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ بن محمد بن علی رضی اللہ عنہ بن موسیٰ کو ان کے بھائی جعفر بن علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مستحق امامت بنا دیا۔

کیا یہاں بجز ایسے جھوٹے دعوے کے جس کے کرنے والے کو حیا نہیں ہوتی کچھ اور بھی ہے۔ اگر اس قسم کا دعویٰ کوئی مدعی حسن رضی اللہ عنہ بن حسین رضی اللہ عنہ، یا عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ یا ان کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ بن حسن رضی اللہ عنہ یا ان کے بھتیجے علی رضی اللہ

عنہ بن حسن رضی اللہ عنہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ جو مدینے میں تھے، یا ان کے بھائی ابراہیم کے لئے کرے، یا عباس کی اولاد میں سے کسی کے لیے کرے، یا بنی امیہ میں سے، یا اور لوگوں میں سے کسی کے لیے کرے تو بے شک حماقت میں وہ انھیں لوگوں کے مساوی ہوگا۔ اس قسم کی خرافات میں وہ مشغول نہ ہوگا جسے ذرا سی بھی عقل ہوگی یا اسے دین ملا ہوگا اگرچہ قلیل ہو، یا حیا ہی کا کوئی جز و ملا ہوگا۔ لہذا وجہ اول جو نص کے متعلق تھی یہ تو باطل ہوگئی۔

وجہ ثانی جو بیان شریعت کے لئے امامت کی حاجت کے متعلق ہے۔ تو ان کے اکثر ائمہ سے ان امور میں ہرگز کوئی بیان ظاہر نہیں ہوا جن میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اس کے متعلق بھی ان کے ہاں بجز جھوٹے دعوؤں کے کچھ نہیں ہے، ان جھوٹے دعووں میں بھی انھوں نے باہم اسی طرح بالکل برابر برابر اختلاف کیا ہے جس طرح ان کے سوا دوسرے فرقوں نے۔ مگر اس میں ان کی حالت دوسروں سے بدتر ہے۔ اس لیے کہ جو شخص کسی کی تقلید کرتا ہے مثلاً ابوحنیفہ کی حنفی اور مالک کی مالکی اور شافعی کی شوافع اور احمد بن حنبل کی حنبلی۔ تو ان مذکورہ بالا مقلدین کے مشہور اصحاب ہیں جن سے ان کے امام کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اور ان اصحاب نے ان اقوال کو ان امام سے نقل کیا ہے (جن کے وہ مقلد ہیں)۔

روافض کے یہاں ناممکن ہے کہ کوئی روایت متصل، ظاہر اور کھلی ہوئی ہو کہ فریق مقابل یہ ماننے پر مجبور ہو کہ یہ موسیٰ بن جعفر کا قول ہے، یہ علی رضی اللہ عنہ بن موسیٰ کا قول ہے، یہ محمد بن موسیٰ کا قول ہے، یہ علی بن محمد کا قول ہے اور یہ حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کے بعد تو بالکل ہی عدم اور کھلی ہوئی حماقت ہے۔ لیکن موسیٰ بن جعفر سے پہلے اگر ان تمام روایات کو جمع کیا جائے جو انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ سے فقہ میں روایت کی ہیں تو وہ چند ورق بھی نہ ہونگے۔

یہ لوگ اپنی امامت میں جس مصلحت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تو ظاہر ہوتی دکھائی نہیں دی۔ نہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ کسی کو اس امامت سے علم یا عمل کا کوئی نفع پہنچایا۔ ان لوگوں نے جن ائمہ کو نامزد کیا ہے حسین رضی اللہ عنہ کے بعد نہ ان میں سے کوئی ظاہر ہوا نہ ان ائمہ میں سے کبھی کسی نے علانیہ امر بالمعروف کیا۔

ہم نے ان بدنصیبوں کی جو امامیہ کی طرف منسوب ہیں ایک صفت پڑھی ہے کہ یہ اس کے قائل ہیں کہ دین ان کے ائمہ کے پاس ہے۔ مگر بودے اور سست دعوؤں اور ایسی بیہودہ رایوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا جو حد سے زیادہ احمقانہ ہیں۔

یہ ائمہ جن کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں یا تو یہ سکوت پر مامور ہیں یا انہیں سکوت کی گنجائش دی گئی ہے۔ اگر یہ لوگ سکوت پر مامور ہیں تو پھر لوگوں کو گمراہی میں رہنا مباح ہوگیا، سب لوگوں سے شریعت میں حجت ساقط ہوگئی، دین باطل ہوگیا اور فرض اسلام لازم نہ رہا۔ اور یہ خالص کفر ہے اور وہ لوگ بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔

یا یہ ائمہ کلام و بیان پر مامور ہیں، تو جب سکوت اختیار کیا تو اللہ کی معصیت و نافرمانی کی اور انکی امامت باطل ہوگئی۔

ان میں بعض سے جب ان کے دعویٰ امامت کا ثبوت مانگا گیا تز انھوں نے مجبوراً اس میں الہام کا دعویٰ کر دیا۔ جب یہ لوگ اس ہٹ دھرمی میں چلے گئے تو یہ تو کسی شخص کو بھی دشوار نہیں اور نہ ان کے مقابلہ کرنے والے اس سے عاجز ہیں کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ انھیں ان لوگوں کے دعوے کے بطلان کا الہام کیا گیا۔

ہشام بن الحکم (متکلم فرقہ ء امامیہ) نے کہا ہے کہ امام کے بھائیوں میں ایسی آفتوں کا ہونا ضروری ہے جن سے واضح ہو جائے کہ وہ

لوگ مستحق امامت نہیں ہیں۔
اجمعین میں ایسی علی بن حسین عنھم و علی بن حسن وعبداللہ عمرو و زید کہ جانتے نہیں ہم۔ ہے کرتا اضافہ میں حماقت جو ہے دعویٰ مردود وہ یہ
آفتیں تھیں جو مانع تھیں۔ بجز اس کے کہ حسن برادر زید و محمد لنگڑے تھے۔ ہم نہیں جانتے کہ لنگڑا پن کوئی ایسا عیب ہے کہ امامت سے مانع ہو۔ یہ تو
صرف ان غلاموں کے لیے عیب ہے جو پیادہ چلنے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ روافض کے مخالفین بھی اس سے عاجز نہیں ہیں کہ وہ محمد بن علی
رضی اللہ عنہ و جعفر بن محمد اور ان کے بقیہ ائمہ میں انھیں آفتوں کا دعویٰ کریں جن کا دعویٰ ہشام نے ان کے بھائیوں کے لیے کیا ہے۔

بعض ائمہ مذکورین کے باپ ایسے وقت مرے کہ وہ تین برس کے بچے تھے، ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بچے نے
تمام علم شریعت کہاں سے سیکھا۔ حالانکہ بچپن کی وجہ سے ان کے والدان علوم سے آگاہ نہ کر سکے۔ یہی رہ گیا کہ یہ لوگ ان کے لیے وحی کا دعویٰ
کریں تو یہ نبوت ہوئی جو صریح کفر ہے۔ وہ ابھی اس حد تک نہیں پہنچے ہیں کہ ان کے لئے نبوت کا یا کسی معجزے کا دعویٰ کریں جو ان کے قول کی
تصیح کر سکے، ایسے دعویٰ باطل سے کیا ظاہر ہوا۔ ان کے لئے الہام کا دعویٰ کریں تو اس دعوے سے کوئی بھی عاجز نہیں۔ ہر امت کے لیے اس کا
عمل آسان ہے۔ ایسے شخص کا وجود جو ان بیہودہ اقوال کا معتقد ہو بڑی زبردست حجت اور نہایت واضح برہان ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے کوئی
عقل ایسی پیدا نہیں کی جس میں یہ حماقتیں سما سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا جو احسان عظیم ہم لوگوں پر ہے اس پر اس کا بہت بہت شکر و حمد ہے اور اس سے
دعا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے اس احسان کو ہمیشہ باقی رکھے۔ آمین۔
اگر امامت کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا یہ احمق کہتے ہیں تو حسن رضی اللہ عنہ کیلئے اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ امامت کو حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے گمراہی و ابطال حق و بربادی دین میں ان کی مدد کریں، ہر ظلم میں معاویہؓ کے شریک ہو جائیں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے عہد کو باطل کر دیں اور اس پر ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ ان سے موافقت کریں ان دونوں نے حضرت معاویہؓ کی بیعت
کبھی نہیں توڑی یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کی وفات ہوگئی۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما برضا و رغبت و بدون جبر و اکراہ اس عہد کے
توڑنے کو کیونکر حلال سمجھ لیا جو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا۔ جب معاویہؓ کی وفات ہوگئی۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنا حق
طلب کرنے اٹھے۔ کیونکہ انھوں نے یہ سمجھا کہ بیعت یزید بیعت گمراہی ہے۔ اگر وہ معاویہؓ کی بیعت کو حق نہ سمجھتے تو ہرگز اسے اپنے لئے
قبول نہ کرتے۔ ضرور وہی کرتے جو یزید کے والی ہونے پر اس کے بالمقابل کیا۔ اس میں کوئی صاحب انصاف شک نہ کرے گا۔
حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک لاکھ سوار ان کے پیچھے مرنے کو تیار تھے۔ بخدا، حسن رضی اللہ عنہ کو اگر یہ علم نہ ہوتا کہ انھیں اس
خلافت کو معاویہؓ کے سپرد کر دینے کی بھی گنجائش ہے اور سپرد نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے تو وہ ہرگز دونوں امور کو جمع نہ کرتے کہ اسے چھ مہینے
اپنے لیے روکتے حالانکہ وہ ان کا حق تھا اور اس کے بعد وہ اسے بلا ضرورت معاویہؓ کے سپرد کر دیتے۔ یہ ان کے لیے مباح بلکہ بلا شک افضل
تھا اس لیے کہ ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق تمام مسلمانوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور حسن رضی اللہ عنہ کو
اپنے ساتھ منبر پر لوگوں کر دکھایا اور فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سید (سردار) ہے۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو
بہت بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ بطریق بخاری ہم سے اس کی روایت کی گئی ہے۔ اسی روایت میں ہے کہ ابو بکرہؓ راوی اول کہتے تھے
کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا اور میں نے اسے آپ سے سنا ہے۔ یہ آپ کے علامات نبوت میں سے ان غیب کی
باتوں کی پیشین گوئی ہے جو بغیر وحی کے معلوم نہیں سکتیں۔

ابن زیاد معاویہ ؓ کی بیعت سے باز رہا حالانکہ وہ مواشی کی پامال زمین کی حیثیت میں تھا جس کا نہ کوئی کنبہ تھا نہ نسب نہ کوئی کارگزاری نہ طاقت۔ حضرت معاویہ ؓ کو بجز مدارات ومہربانی کے اس کے مقابلے کی طاقت نہ ہوئی یہاں تک کہ اسے انھوں نے راضی کیا اور والی اور گورنر بنایا۔

اگر روافض یہ دعویٰ کریں کہ حسن رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی عہد تھا تو یہ کافر ہو جائیں گے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو یہ حکم نہ دے سکتے کہ وہ بے ضرورت و بدون جبر واکراہ نور اسلام کو کفر سے گل کر دے اور اللہ کے عہود کو باطل سے توڑ دے۔ روافض کے نزدیک حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی یہی صفت ہے۔

بعض امامیہ اور تمام زیدیہ نے علی رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ مستحق امامت ہونے میں استدلال کیا ہے کہ ان کے فضائل سب سے فائق اور دوسروں سے زائد تھے۔ اس کے بارے میں انشاءاللہ اس باب میں کلام کیا جائے گا جس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باہمی فضیلت کی کمی بیشی کی تحقیق ہوگی۔ یہاں صرف امامت کے بارے میں کلام ہے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ اچھا تم مان لو کہ تم نے علی رضی اللہ عنہ کے لئے فضائل معلومہ پائے مثلاً اسلام کی طرف سبقت کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا۔ وسعت علم وزہد۔ تو کیا تم نے ایسے ہی فضائل حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کے لئے بھی پائے کہ ان کے سبب سے فضائل مذکورہ بالا میں سے کوئی فضیلت سعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن العباس (رضی اللہ عنہم) پر بھی ان دونوں کے لئے ثابت کردی۔ اس پر کوئی بھی قادر نہیں کہ ان دونوں کے لئے اس بارے میں ایک آدھ کلمے کا بھی دعویٰ کر سکے۔ یعنی کسی ایسے کلمے کا دعویٰ کر سکے جس کی وجہ سے یہ دونوں مذکورہ بالا صحابہ سے ان فضائل میں فائق ہو جائیں لہٰذا ان دونوں کے متعلق صرف نص کا دعویٰ ہی رہ گیا۔ اور اس قسم کے دعوے سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

اگر خوارج بھی عبداللہ بن وہب الراھی کے متعلق نص کے جھوٹے دعوے کی بے شری گوارا کرلیں تو اس معاملے میں بالکل اور برابر روافض ہی کے مثل ہوں گے۔ اگر امویہ بھی حضرت معاویہ ؓ کے متعلق نص کے کھلم کھلا جھوٹے دعوے کو حلال سمجھ لیں۔ تو اس بارے میں ان لوگوں کی حالت روافض سے زبردست ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’**ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا** ‘‘(اور جو بحالت مظلومی قتل کردیا جائے تو ہم نے اس کے ولی وارث کے لئے غلبہ وسلطنت مقرر کردی ہے، مگر اسے قتل میں حد سے نہ بڑھنا چاہیے۔ بیشک اس کی مدد کی جائے گی)۔ سوائے روافض ونصاریٰ کے ہر امت جن امور سے شرماتی اور اپنے آپ کو بچاتی ہے نصاریٰ وروافض اپنے آپ کو ان امور سے نہیں بچاتے یعنی کذب سے اور اپنی لائی ہوئی باتوں میں بے حیائی سے۔ **ونعوذ بالله من الخذلان**۔

اسی طرح یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ بن حسین رضی اللہ عنہ کی علم وعمل میں کوئی برتری وفضیلت (۱) سعید بن المسیب، (۲) قاسم بن محمد، (۳) سالم بن عبداللہ بن عمر، (۴) عروۃ بن الزبیر، (۵) ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام، اور ان کے چچازاد بھائی (۶) حسن بن حسن رضی اللہ عنہما پر نہیں پائیں گے۔ یہ لوگ علم وعمل وتقویٰ میں محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد پر اور نہ محمد بن عمر بن ابی بکر بن المنکدر پر، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف پر ان کے بھائی زید بن علی پر عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہا پر اور نہ عمر بن عبدالعزیز ؒ پر کوئی برتری وفضیلت نہ پائیں گے اسی طرح یہ لوگ جعفر بن محمد کی کوئی برتری فضیلت علم میں، دین میں عمل میں محمد بن مسلم

الزہری پر، ابن ابی ذویب پر، عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر، عبیداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ پر اوران کے دونوں چچازاد بھائی محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ عنہم اور علی بن حسن بن حسن رضی اللہ عنہم پر نہ پائیں گے۔ بلکہ جن لوگوں کا ہم نے ذکر کیا وہ علم وزہد میں ان سے برتر تھے اور یہ سب کے سب فقہ وحدیث میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے جن کا ان میں سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی فقہ بیس کتابوں میں جمع کی ہے اور اگر تلاش کی جائے تو ان کی حدیث بھی قریب قریب اسی حد تک پہنچے گی۔ حالانکہ حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کی فقہ دو ورق تک بھی نہیں پہنچتی اوران دونوں کی حدیث ایک یا دو ورق تک پہنچتی ہے۔ یہی حال علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ محمد بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث وفقہ ایک چھوٹے سے جزو تک پہنچی ہے۔ اوراسی طرح جعفر بن محمد کی بھی۔ حالانکہ روافض کا دعویٰ یہ ہے کہ امام کے پاس شریعت کا کل علم ہوتا ہے۔

ان ائمۃ کا کیا حال ہوگا کہ انھوں نے اس (کل علم شریعت) کے بعض کو ظاہر کیا جو بالکل قلیل وناقص ہے اوراس کے بقیہ کو پوشیدہ رکھا جو بہت زیادہ اور بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر ان ائمہ کا فرض پوشیدہ رکھنا تھا تو انھوں نے جو کچھ اعلان کیا اسکے اعلان کرنے سے حق کے خلاف کیا، اوراگر بیان کرنا ان کا فرض تھا تو جو کچھ پوشیدہ رکھا اس کے پوشیدہ رکھنے سے حق کی مخالفت کی۔

جعفر بن محمد کے بعد تو ہمیں ان ائمہ کے علم کا بالکل پتا نہ چلا، نہ حدیث میں، نہ فقہ میں۔ باوجودیکہ ان لوگوں کا زمانہ ہمارے زمانے کے قریب ہے۔ اگر ان لوگوں کے پاس اس میں کچھ ہوتا تو وہ ضرور مشہور ومعروف ہوتا جیسا کہ محمد بن علی رضی اللہ عنہ اوران کے بیٹے جعفر وغیرہ سے جو انھیں ائمہ میں سے ہیں مشہور ومعروف ہے جس کو لوگ ان (محمد بن علی رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں۔ لہذا ان کا وہ دعویٰ تو باطل ہوگیا جو کھلم کھلا لغو جھوٹا، شبانہ قصہ گوئی کے خرافات میں، بیہودہ لوگوں کی ہنسانے والی باتوں میں سے تھا۔

اگر یہ لوگ رجوع کرکے ائمہ کے لیے معجزات کا دعویٰ کریں تو ہم کہیں گے کہ معجزات صرف نقل تواتر سے ثابت ہوتے ہیں نہ کہ نقل آحاد ثقات سے۔ چہ جائیکہ جو نقل ان جھوٹے بے شرموں کی اولاد کی ہو جن کے متعلق یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کون تھے۔ ہم نے ایسے لوگ پائے ہیں جو بشر حافی وشیبان راعی اور رابعہ عدویہ کے لئے اس سے بدرجہا زائد جھوٹ کا دعویٰ کرتے ہیں جو روافض اپنے ائمہ کے لئے کرتے ہیں۔ یہ سب ظاہر اور بخوبی شائع ہیں۔ حالانکہ سب حماقت ہے جس میں کوئی صاحب عقل وصاحب دین کبھی مشغول نہ ہوگا۔ ہم اس سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر کرتے ہیں۔ بحمد اللہ جس چیز کا یہ لوگ دعویٰ کرتے تھے جب وہ سب باطل ہوگیا تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت کے متعلق برہان سے کلام کرنا چاہیے۔ اور ہماری تائید اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

امامت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھی خلیفہ نہیں بنایا۔ پھران لوگوں میں بھی اختلاف ہوا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ جب آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں خلیفہ بنادیا تو یہ اس امر کی دلیل تھی کہ وہی تمام امور کی خلافت و امامت میں سب سے اولیٰ ومستحق تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ نہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ فضیلت میں سب سے فائق تر تھے اسی لئے سب نے انھیں کو آگے کیا۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد لوگوں کے امور پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر نص جلی

سے تصریح فرمائی تھی۔

ہم بھی اسی کے قائل ہیں جس کے لیے چند براہین ہیں۔

اول سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہی (صحابہ) وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے "**للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديار هم واموالهم يبتغون فضلا من الله و رضوانا . وينصرون الله ورسوله اولئک هم الصادقون**" (یعنی فدک کی آمدنی) ان فقرائے مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے شہروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔ جو ہمیشہ اللہ کے فضل و رضا کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں) ان تمام مہاجرین نے جن کے صدق کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے اور ان کے تمام برادران انصار رضی اللہ عنہم نے متفق ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔

زبان میں خلیفہ کے معنی یہی ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جسے کوئی اپنا قائم مقام کر جائے وہ نہیں کہ کسی کے پیچھے بغیر اس کے قائم مقام بنائے رہ جائے۔ لغت میں اس کے سوا قطعاً ناجائز ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "**استخلف فلا ن فلانا يستخلفه فهو خليفة و مستخلفه**" (فلاں نے فلاں کا استخلاف کیا تو وہ اس کا خلیفہ و مستخلف ہے)۔ اگر وہ اس کا قائم مقام اس طور پر ہو کہ اس نے اس کا استخلاف نہ کیا ہو تو یہ کہا جائے گا کہ "**خلف فلان فلانا يخلفه فهو خالف**" (فلاں نے فلاں کو پیچھے چھوڑا وہ اس کا خالف ہے)۔ یہ محال ہے کہ صحابہ اس سے نماز پر استخلاف مراد لیں (یعنی خلیفہ نماز)۔ جس کی دو ضروری وجوہ ہیں۔

اول:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ابوبکرؓ اس نام کے علی الاطلاق مستحق نہ تھے۔ وہ اس زمانے میں آپ کے خلیفہ نماز تھے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا۔ کہ ان کی وہ خلافت جس کی وجہ سے ان کا نام خلیفہ رکھا گیا وہ ان کی خلافت نماز کے علاوہ ہے۔

دوم:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کسی کو اپنی حیات میں خلیفہ بنایا۔ مثلاً علی رضی تعالیٰ عنہ کو غزوہ تبوک میں ابن ام مکتوم کو غزوہ خندق میں، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عفان کو غزوہ ذات الرقاع میں اور وہ تمام لوگ جنھیں آپ نے یمن و بحرین و طائف وغیرہا کے شہروں پر خلیفہ بنایا تو امت میں بغیر کسی کے اختلاف کے ان میں سے کوئی بھی اس کا مستحق نہ تھا کہ اسے علی الاطلاق خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا، لہذا یقیناً ایسی ضرورت ہے جس سے مفر نہیں، ثابت ہو گیا کہ یہ (لفظ خلیفہ) آپ کے بعد آپ کی امت کی خلافت کے لئے ہے۔ محال و ممتنع ہے کہ صحابہ کرام خبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نص و تصریح کے ساتھ خلیفہ بنائے ہوئے اس (لفظ خلیفہ) پر اجماع کر لیں اور یہاں پر اگر صرف آپ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز ہی کا خلیفہ بنانا ہوتا تو ابوبکرؓ مذکورہ بالا دوسرے صحابہ سے اس نام کے زیادہ مستحق نہ ہوتے۔ یہ وہ برہان بدیہی ہے جس سے ہم تمام مخالفین کا مقابلہ کریں گے۔

یہ روایت ثابت ہے کہ ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں واپس آؤں اور آپ کو نہ پاؤں، گویا اس کی مراد آپ کی وفات تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے پر نص جلی ہے۔ صحیح اسناد سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ تمھارے والد اور بھائی کو بلا بھیجوں ایک فرمان لکھا دوں اور ایک عہد لے لوں کہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں زیادہ مستحق ہوں۔ یا کوئی آرزو کرنے والا آرزو نہ کرے۔ حالانکہ اللہ اور مومنین بجز ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کسی کو نہ مانیں گے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ

اللہ بجز ابو بکرؓ کے کسی کو تسلیم نہ کرے گا۔ یہ اس پر نص جلی ہے کہ آپ نے اپنے بعد امت پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔

اگر ہم تدلیس اور اس امر کو جائز سمجھتے جس پر ہمارے مخالفین قابو پا جاتے تو اس سے مارے خوشی کے اڑنے لگتے یا مارے غم کے ناامید ہو جاتے تو ہم ضرور اس روایت سے استدلال کرتے کہ ''اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر و عمر'' (میرے بعد ان ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمرؓ کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے) لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں غیر صحیح حدیث سے استدلال کرنے سے پناہ میں رکھے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو عبداللہ بن عمر سے اور ان کے والد سے منقول و مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ''اگر میں خلیفہ بنا دوں تو (گنجائش ہے کیونکہ) جو مجھ سے بہتر تھے، یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ انھوں نے خلیفہ بنایا ہے۔ اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو (مجھے اس کی بھی گنجائش ہے کیونکہ) جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا''۔ اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو خلیفہ بناتے''؟

مگر یہ محال ہے کہ صحابہ کے مذکورہ بالا اجماع کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں صحیح و مرفوع حدیثوں کا جو آپ کے الفاظ میں ہیں اس قسم کی دو روایتوں سے معارضہ و مقابلہ کیا جائے جو عمر و عائشہ رضی اللہ عنہما پر موقوف ہیں۔ کہ ان امور میں سے ہیں جن سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ وجہ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر عمر رضی اللہ عنہ پر مخفی رہا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے امور ان سے مخفی تھے، مثلاً استئذان وغیرہ (یعنی کسی کے گھر میں اجازت لے کے جانا چاہیے) یا یہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریری فرمان کے ذریعے سے خلیفہ بنانا مراد لیا ہو۔ ہم اسے مانتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کسی تحریری فرمان کے ذریعے سے نہیں ہوئی۔ جو روایت حضرت عائشہؓ سے ہے وہ تو نصاً و تصریحاً ایسی ہی ہے۔ کبھی حضرت عائشہؓ کا کلام سائل کے سوال پر ظاہر ہوتا تھا۔ حجت تو صرف ان کی روایت میں ہے نہ کہ ان کے قول میں۔

جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو محض اس لئے مقدم کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو انھیں نماز کے لئے مقدم فرمایا تھا اسی پر قیاس کر لیا گیا۔ تو یہ یقیناً باطل ہے۔ اس لئے کہ ایسا تو نہیں ہے کہ جو شخص امامت نماز کا مستحق ہو وہ امامت خلافت کا بھی مستحق ہو۔ کیونکہ جماعت میں سب سے زیادہ قرآن کا جاننے والا (قاری) مستحق امامت ہوتا ہے۔ خواہ وہ عربی ہو یا عجمی۔ ادر خلافت کا مستحق صرف قریشی ہی ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ قیاس تو بالکل باطل چیز ہے۔

نص قرآن میں ابو بکر و عمر رضی و عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے ثبوت پر اور ان کی اطاعت کے وجوب پر دلیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعراب کے بارے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ'' **فان رجعک اللہ الی طائفة منھم فاستاذنوک للخروج فقل لن تخرجو امعی ابدا ولن تقاتلو امعی عدوا**'' (پھر اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے کسی گروہ تک واپس پہنچا دے گا تو یہ لوگ آپ سے (جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں گے۔ تو آپ کہہ دیجیے گا کہ اب میرے ساتھ تم لوگ ہرگز بھی نہ چل سکو گے اور نہ ہرگز میرے ہمراہ دشمن سے جنگ کر سکو گے) سورۂ براءۃ جس میں یہ حکم ہے بلاشک اس کا نزول اس غزوہ تبوک کے بعد ہوا تھا جس میں تین معذرت کرنے والے پیچھے رہ گئے تھے جن کی توبہ کو اللہ تعالیٰ نے سورہ براۃ میں قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے بعد سے اپنی وفات تک کوئی غزوہ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ " **سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتا خذوھا ذرونا**

نتبعکم یرید ون ان یبد لوا کلام الله قل لن تتبعو نا کذلکم قال الله من قبل " (جب تم لوگ اموال غنیمت کی طرف روانہ ہو گئے تا کہ انھیں حاصل کرو تو پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ کلام الٰہی کو بدل دیں۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اسی طرح فرما دیا ہے)۔

بیان کر دیا کہ اس وجہ سے تبوک کے بعد اعراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد نہیں کرنے پائیں گے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد سے روکنے اور ان پر توبہ کا دروازہ بند کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر رحمت فرمائی کہ "**قل للمخلفین من الا عراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلو نهم اویسلمون فان تطیعو ایؤتکم الله اجرا احسنا . وان تتولوا کما تو لیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما**" (آپ پیچھے رہ جانے والے اعراب سے کہہ دیجئے تمھیں ایک نہایت طاقتور اور جنگجو قوم کے مقابلے کے لئے بلایا جائیگا۔ یا تو تم ان سے جنگ کرو گے یا وہ صلح کر لیں گے۔ پھر اگر تم نے (بلانے والے کی) اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمھیں بہترین اجر دے گا۔ اور اگر تم نے پشت پھیری جیسا کہ تم اس کے قبل پشت پھیر چکے ہو تو تم پر دردناک عذاب کرے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بیشک ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص ایک قوم کی طرف بلائے گا جن سے یا تو یہ لوگ جنگ کرینگے یا وہ لوگ صلح کر لیں گے۔ اس جنگ کی دعوت دینے والے کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت ثواب کا وعدہ فرمایا اور جو انھیں اس جنگ کی دعوت دے گا اس کی نافرمانی پر دردناک عذاب کی دھمکی دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کے انھیں اور کسی نے ایسی قوم کے مقابلے کی دعوت نہیں دی جس سے یہ جنگ کرتے یا وہ لوگ صلح کرتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں مرتدین عرب کے قتال کی دعوت دی جو بنی ضیفہ اور اصحاب اسود وسجاح وطلیحہ تھے۔ روم واہل فارس وغیرہم کے قتال کی بھی دعوت دی حضرت عمرؓ نے بھی انھیں روم وفارس کے قتال کی دعوت دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں قتال روم وفارس وترک کی دعوت دی۔ لہذا اس نص قرآن سے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں، ابوبکرؓ وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی اطاعت واجب ہوئی۔ جب اطاعت فرض وواجب ہوئی تو ان کی امامت وخلافت ثابت ہوگئی۔ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کا حکم نہیں دیا تو یہ (امامت) اس میں ان کی تقلید واجب نہیں کرتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا۔ صرف اس قوم کے قتال کے لئے ان کی دعوت کی اطاعت کا حکم دیا اور ان تمام امور میں اطاعت کا حکم دیا جن میں ائمہ کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے جو فتاویٰ دیئے ہیں ان میں ہرگز اپنے اقوال کے اتباع کو واجب نہیں کیا۔ انکے علاوہ اور کون ان کے اقوال کو واجب کر سکتا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اور نیز یہی تمام امت کا اجماع ہے۔ کیونکہ اہل علم میں سے کوئی بھی نہیں ہے جس نے ان ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعض فتاویٰ کے خلاف نہ کیا ہو۔ لہذا جو ہم نے بیان کیا وہ ثابت ہو گیا۔ **والحمد لله رب العلمین**۔

اہل قبلہ کے تمام فرقوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے عورت یا نابالغ بچے کی امامت کو جائز رکھا ہو بجز روافض کے یہ لوگ نابالغ بچے کی بلکہ اس حمل کی بھی جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہو امامت جائز رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ جو بالغ نہ ہوگا وہ خود مخاطب و مکلّف نہیں ہے اور امام تو دین کے قائم کرنے کا مخاطب ہے۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق**۔

الباقلانی نے کہا ہے کہ امام کا افضل امت ہونا واجب ہے۔

دو برہانوں کی وجہ سے یقیناً یہ بھی غلط ہے۔

برہان اول یہ ہے کہ افضل کی شناخت بجز اس کے نہیں ہے کہ اس کے ظاہر حال میں گمان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''ان الظن لا یغنی من الحق شیئا'' (بیشک ظن وگمان ذرا بھی حق سے بے نیاز نہیں کرتا)۔

برہان ثانی یہ ہے کہ قریش اس قدر کثرت سے ہیں اور انھوں نے زمین کو بھر دیا ہے کہ انتہائے مشرق سے انتہائے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک پھیلے ہوئے ہیں کسی طرح ممکن نہیں کہ اس قوم کے فرد افضل کو شناخت کیا جائے جس کی تعداد اس حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ یہ بالکل ناممکن ہے۔ اس قول کے باطل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کے باطل ہونے پر اجماع امت ہے۔ اس زمانے میں جتنے صحابہ اور جتنے مسلمین تھے سب کا حسنؓ یا معاویہؓ کی امامت کی صحت پر اجماع تھا۔ حالانکہ لوگوں میں وہ بھی موجود تھے جو بلاشک ان دونوں سے افضل تھے۔ مثلاً سعد بن ابیؓ وقاص وسعید بنؓ زید وابن عمرؓ وغیرہم۔ تو اگر باقلانی کا کہنا صحیح ہوتا تو بلاشک معاویہؓ وحسنؓ کی امامت باطل ہوتی۔ اس سے اللہ کی پناہ۔

یہ قول جس کو اس شخص مذکور نے کہا ہے کہ یہ ایک دعویٰ فاسد ہے۔ جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔ نہ قرآن سے نہ صحیح حدیث سے نہ ضعیف حدیث سے۔ نہ کسی صحابی کے قول سے اور نہ قیاس ہی سے۔ بڑا تعجب تو یہ ہے کہ یہ شخص اس کا قائل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے وفات تک کے زمانے میں اس امت میں ایسے شخص کا ہونا ممکن و جائز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو۔ اس کے بعد یہ شخص اسے جائز نہیں رکھتا کہ کوئی شخص امام سے افضل ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا یہ قول خالص کفر ہے جو مخفی نہیں۔ اور اس میں اہل اسلام کی مخالفت ہے۔ بس صرف یہی واجب ہے کہ امام قریشی ہو۔ مرد ہو۔ بالغ ہو۔ صاحب تمیز ہو۔ ظاہری معاصی سے بری ہو۔ قرآن وحدیث سے حکم دیتا ہو۔ جب تک ظلم سے روکنا ممکن ہو اس کا معزول کرنا جائز نہیں۔ مگر جب یہ بغیر اس کے معزول کئے ہوئے ممکن نہ ہو تو ان وسائل کا قائم کرنا فرض ہے جن سے دفع ظلم تک رسائی ہو سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان'' (اور باہم نیکی وتقوی پر مدد کرو اور باہم گناہ وظلم پر مدد نہ کرو)۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

☆☆

وجوہ فضیلت

صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت باہمی

اس امر میں لوگوں میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کون سب سے افضل ہے۔

بعض اہل سنت اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ اور تمام شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب افضل امت ہیں۔ یہی قول تصریحاً و نصاً ہم سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور تابعین اور فقہاء کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے۔

تمام خوارج اور بعض اہل سنت اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ افضل صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جعفر بن ابی طالب ہیں۔ عاصم نبیل اور ضحاک بن مخلد و عیسی بن حاضر بھی اسی کے قائل ہیں۔ عیسی نے کہا ہے کہ جعفر کے بعد حمزہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔

تقریباً بیس صحابہ سے ہم سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب و زبیر بن العوامؓ تھے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہم سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی ہے کہ تین شخص ایسے تھے جن پر کسی کی فضیلت شمار نہیں کی جا سکتی۔ وہ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور عباد بن بشر ہیں۔

ام المومنین ام سلمہ سے ہم سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فضیلت کا اور اس کا کہ سب سے بہتر کون ہے ذکر کیا کہ اور وہ کون ہے جو ابو سلمہ سے بہتر ہو جو سب سے پہلے گھر والے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔

ہم سے مسروق بن الاجدع اور تمیم بن حذلم اور ابراہیم النخعی وغیرہم سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد سب سے افضل عبداللہ بن مسعود ہیں۔ تمیم نے جو کبار تابعین میں سے تھے کہا ہے کہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا ہے مگر میں نے عبداللہ بن مسعود کا مثل ہرگز نہیں دیکھا۔

ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پانے والے بعض راویوں سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمر بن الخطاب ہیں اور وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں۔ مجھے محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ ان کا مذہب بھی یہی قول تھا۔

فقیہ داؤد بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ انبیاء کے بعد سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ صحابہ میں سب سے افضل سب سے پہلے مہاجرین ہیں پھر سب سے پہلے انصار ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں۔ ہم ان میں سے کسی خاص شخص کے متعلق یہ یقین

نہیں کر سکتے کہ وہ دوسرے کے طبقے سے افضل ہے۔ متقدمین اہل علم میں سے بعض ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کا مذہب یہی قول تھا۔ مجھ سے یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر النمیری نے بارہا کہا ہے کہ ان کا بھی یہی قول اور یہی عقیدہ ہے۔

جس کے ہم قائل ہیں اور جس کو ہم دین الٰہی سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہی اللہ کے نزدیک حق ہے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مسلمانوں میں سے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں سے افضل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**کنتم خیر امة اخرجت للناس**“ (تم بہترین امت ہو جنھیں لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہے)۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول کا فیصلہ کرنے والی ہے جو بنی اسرائیل کے لئے ہے کہ ”**وفضلتکم علی العلمین**“ (ہم نے تمھیں تمام عالموں پر فضیلت دی ہے)۔ یہ آیت واضح کرنے والی ہے۔ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد سوائے اس امت کے تمام عالم امم ہے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ بیشک وہ مہمل کلام جو بغیر اس تحقیق کے ہو کہ اس کلام کے معنی و مراد کیا ہیں۔ یہ معانی کا مٹانا۔ صحیح امر کے سمجھنے سے روکنا، حق سے ہٹانا فہم سے دور کرنا اور بدحواسی و نابینائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے ہمیں پہلے ان وجوہ فضل کو بیان کرنا چاہیے جن کی وجہ سے باہمی فضیلت کی کمی بیشی کا حق پیدا ہوتا ہے۔ جب فضل کے معنی اور یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہ لفظ کس پر واقع ہوتا ہے تو پھر ضروری طور پر اس وقت ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ جس میں یہ صفات سب سے زیادہ پائی جائیں گی بلاشک وہ سب سے افضل ہوگا۔

ہم کہتے ہیں ”**ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**“ فضل کی دو قسمیں ہیں۔ کوئی تیسری قسم نہیں ہو سکتی۔

ایک فضل اختصاص ہے یعنی وہ فضل جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی عمل کے کسی کو مخصوص کرنا ہے۔

ایک فضل مجازات ہے یعنی وہ فضل جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عمل کی جزا ہے۔

جو فضل اختصاص بغیر عمل کے ہوتا ہے۔ اس میں تمام مخلوقات شریک ہیں خواہ وہ حیوان ناطق ہوں یا حیوان غیر ناطق۔ خواہ جمادات ہوں مثلاً ملائکہ کا فضل ان کی ابتدائے خلقت میں بقیہ تمام مخلوق پر۔ انبیاء کا فضل ان کی ابتدائے آفرینش میں بقیہ تمام انس و جن پر۔ ابراہیم بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل بقیہ تمام بچوں پر۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا فضل تمام اونٹنیوں پر۔ ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا فضل تمام ذبائح پر۔ مکے کا فضل بقیہ تمام شہروں پر۔ مدینے کا فضل مکے کے بعد تمام دوسرے شہروں پر۔ مساجد کا فضل بقیہ دوسری تمام جگہوں پر حجر اسود کا فضل بقیہ تمام پتھروں پر۔ ماہ رمضان کا فضل بقیہ تمام مہینوں پر۔ یوم جمعہ و عرفہ و عاشوراء و عشر کا فضل بقیہ تمام ایام پر۔ شب قدر کا فضل بقیہ تمام راتوں پر۔ نماز فرض کا فضل نوافل پر۔ نماز عصر و فجر کا فضل بقیہ تمام نمازوں پر۔ سجود کا فضل قعود پر۔ بعض اذکار کا فضل بعض پر۔ یہ سب محض فضل اختصاص ہے جو بغیر کسی عمل کے ہوتا ہے۔

فضل مجازات جو عمل کی وجہ سے بطور جزا کے ہوتا ہے وہ صرف ملائکہ و جن و انس ناطق وحی (زندہ) کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وہ قسم ہے جس میں اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ ابھی ہم اس میں کلام کریں گے کہ کون اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ واجب ہے کہ ہم اس قسم کے ان اقسام میں بھی نظر کریں جن کی وجہ سے اور جن میں فضل و تقدم کا استحقاق ہوتا ہے۔ ہم انکا حصر و احاطہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد و قوت سے انھیں بیان نہ کرتے ہیں پھر ہم اس وقت نظر کریں گے کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے اور اس میں ترقی کرنے کی وجہ سے کون سعید تر ہے، تو بلاشک یہی شخص اس سے افضل ہوگا جس کا حصہ اس میں اس سے کم ہوگا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ہم کہتے ہیں کہ اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کے خواستگار ہیں کہ ایک عامل دوسرے عامل سے سات وجوہ سے افضل ہوتا ہے، کوئی آٹھویں وجہ نہیں ہو سکتی۔ وہ وجوہ یہ ہیں۔

(۱) ماہیت۔ اور وہ عین عمل و ذات عمل ہے۔

(۲) کیت اور یہ عرض (یعنی صفت) ہے جو عمل میں ہوتی ہے۔

(۳) کیفیت۔

(۴) کم۔

(۵) زمان۔

(۶) مکان۔

(۷) اضافت۔

ماہیت تو یہ ہے کہ دو شخصوں میں سے ایک کے تمام فرض اعمال پورے ادا ہوں اور دوسرا شخص اپنے بعض فرائض ضائع کر دیتا ہو مگر اس کے نوافل ہوں۔ یا یہ ہو کہ دونوں اپنے تمام فرائض میں مساوی ہوں۔ اور دونوں نوافل زیادہ ادا کرتے ہوں۔ مگر ایک کے نوافل دوسرے کے نوافل سے زیادہ ہوں۔ دو میں سے ایک شخص نماز میں ذکر کی کثرت کرتا ہو اور دوسرا اپنے بیٹھنے کی حالت میں بکثرت ذکر کرتا ہو۔ اور اس طرح کی اور مثالیں۔ مثلاً دو انسان ہیں کہ ان میں سے ایک نے معرکہ اور مقام خوفناک میں جنگ کی اور دوسرے نے ارتداد میں جنگ کی۔ یا ایک نے جہاد کیا اور دوسرا نفل نماز روزے میں مشغول رہا۔ یا دونوں کوشش کریں۔ اور ایک کامیاب ہو جائے اور دوسرا اس سے محروم رہے۔ ان وجوہ میں ایک کو دوسرے پر محض اپنے عمل کی وجہ سے فضیلت ہوتی ہے۔ یا اس طور پر ہوتی ہے کہ اس کی ذات عمل دوسرے کی ذات عمل سے افضل ہو۔ یہی ماہیت عمل میں تفاضل (باہمی فضیلت کی کمی بیشی) ہے۔

کیت جو عرض ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دو میں سے ایک شخص تو اپنے عمل سے محض وجہ اللہ اور اللہ کی رضامندی و خوشنودی کا قصد کرے کہ اس میں قطعاً کسی اور چیز کی آمیزش نہ کرے۔ اور دوسرا شخص بھی اس کے تمام عمل میں اس کے مساوی ہو مگر یہ شخص کبھی کبھی کوئی اور چیز ملا دے مثلاً یہ چاہتا ہو کہ دنیا میں اس کے ساتھ نیکی کی جائے یا اس کی وجہ سے اپنی اذیت کو دفع کرنا چاہتا ہو۔ کبھی وہ اس میں قدرے ریا کی آمیزش کر دیتا ہو۔ پہلے شخص کو اس پر اپنے عمل کے عرض (یعنی صفت و کیفیت) کی وجہ سے فضیلت ہے۔

کیفیت یہ ہے کہ دو میں سے ایک شخص اپنے عمل کے تمام حقوق پورے کرتا ہو۔ اور بغیر کمی بیشی کئے ہوئے اسے اس کے مرتبے میں رکھتا ہو۔ دوسرا شخص اکثر اس عمل کے بعض مراتب و سنن میں کمی کر دیتا ہو اگرچہ اس کا کوئی فرض نہ چھوڑتا ہو۔ یا یہ ہو کہ دو میں اسے ایک شخص اپنے عمل کو کبائر سے پاک رکھتا ہو اور دوسرا شخص کبھی کبھی بعض کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔ تو اس شخص کو اپنے عمل کی کیفیت کی وجہ سے دوسرے پر فضیلت ہے۔

کم یہ ہے کہ دو شخص ادائے فرض میں مساوی ہوں۔ ان میں سے ایک شخص نوافل میں بڑھا ہوا ہو۔ اس کی فضیلت اپنے نوافل کی کثرت تعداد کی وجوہ سے ہے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دو شخص اسلام لائے اور دونوں نے ہجرت کی۔ ان میں سے ایک شہید ہو گیا۔ اور دوسرا اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہا پھر وہ اپنے بستر پر (یعنی موت طبعی سے) مر گیا۔ بعض

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دوسرے شخص کو جو آخر میں مرا تھا خواب میں دیکھا کہ یہ شخص اس شہید سے بہتر حال میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس شخص کا وہ نماز وروزہ کہاں چلا جائے گا جو اس نے اس شہید کے بعد ادا کیا ہے۔ ایک کی فضیلت دوسرے پر اس زیادت کی وجہ سے ہے جو اس نے اس کے اعمال کی تعداد سے زائد کیا ہے۔

زمان یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ابتدائے اسلام میں کوئی عمل کیا یا قحط سالی کے زمانے میں کیا۔ یا مسلمانوں پر مصیبت کے وقت کیا۔ دوسرے شخص نے قوت اسلام اور فراخی وامن کے زمانے کے بعد ہی عمل کیا۔ کیونکہ اول اسلام میں کلمہ اور ایک کھجور اور اس زمانے کا صبر اور اس وقت میں ایک رکعت بعد کے زمانہ ہائے طویلہ کی مشقت اور جہاد اور بکثرت مال ودولت خرچ کرنے کے برابر ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''میرے اصحاب کو میرے لئے چھوڑ دو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کسی کے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور وہ اسے راہ خدا میں خرچ کردے تو صحابہ کے ایک یا نصف مد جو کے برابر بھی نہ پہنچے گا'' (مد تقریباً ایک سیر ہوتا ہے)۔ اس وقت کی ایک کھجور اس کوہ احد کے برابر سونے سے افضل ہے جسے ہم لوگ اس وقت کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل . اولئک اعظم درجت من الذین انفقو امن بعد وقاتلوا . وکلا وعد اللہ لحسنی**''۔

تم میں سے کوئی بھی اس کے مساوی نہیں ہے جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا۔ اور جہاد کیا۔ یہ لوگ ان لوگوں سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد میں صرف کیا اور جہاد کیا۔ اور سب سے اللہ کا نیکی کا وعدہ ہے)

یہ تو خود صحابہ میں ان کے مابین ہے۔ بھلا ان حضرات رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان لوگوں کا کیا مقابلہ ہے جو بعد کو ہوئے۔

یہ آیت ابو ہاشم محمد بن علی الجباہی اور محمد بن الطیب الباقلانی کے قول کی تکذیب کرتی ہے۔ کیونکہ جبائی نے کہا ہے کہ اگر کسی کی عمر دراز ہو تو اسے ایسا عمل کرنا ممکن ہے جو کسی نبی کے عمل کے مقابل ہو۔ اور باقلانی نے کہا ہے کہ لوگوں میں ایسے شخص کا ہونا ممکن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت کے زمانے سے وفات تک کے زمانے میں آپ سے افضل ہو۔

یہ خالص کفر وارتداد اور بلا شبہ اسلام سے خروج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تکذیب ہے کہ ہم لوگ آپ کے کسی صحابی کو نہیں پا سکتے۔ اور آپ کی ان احادیث میں ہے جو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں کہ صحابہ کے مثل کوئی نہیں۔ اور وہ لوگ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور سب سے زیادہ ان امور کے عالم ہیں جو کرنا چاہیے اور جو نہ کرنا چاہیے۔

اسی طرح خوارج وشیعہ بھی جبائی ہی کے ہمنوا ہیں۔ شیعہ ابوبکر وعمر وعثمان وطلحہ وزبیر وعائشہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بجز علی وحسن وحسین وعمار بن یاسر اپنے کو افضل سمجھتے ہیں۔ خوارج جو بدترین مخلوق الٰہی اور دوزخ کے کتے ہیں اپنے آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ وطلحہ وزبیر پر فضیلت دیتے ہیں۔ بیشک وہ نامراد رہا جس نے کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔

شدائد اور مصائب کے زمانے میں تھوڑا سا جہاد وصدقہ قوت ووسعت کے وقت کے بہت سے جہاد وصدقے سے افضل ہے۔ اسی طرح انسان کا اپنی محتاجی وتندرستی کے اس زمانے میں کہ اسے زندگی کی امید نہ ہو محتاجی کا اندیشہ ہو، ایک درہم خیرات کرنا اس بوڑھے سے افضل ہے جو اسے اپنی تونگری کے ایک گوشے میں سے خیرات کردے اور اس کے بارے میں اپنی موت کے بعد کے متعلق اس کی وصیت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس دو درہم تھے اور اس نے ان دو میں سے ایک کو خیرات کردیا۔ دوسرے نے اپنے مال کے ایک گوشے کی طرف قصد کیا اور اس میں ایک لاکھ درہم

خیرات کر دیئے۔

انسان کا اپنے مرض وخوف کی حالت میں ادائے فرائض کی پابندی کرنا اور اپنے مرض وخوف کے زمانے میں تھوڑے ہی نوافل کا ادا کرنا اس شخص کے زمانہ صحت وامن کے عمل اور کثیر نوافل سے افضل ہے۔ مذکورہ بالا اشخاص کی فضیلت دوسروں پر انکے زمانہ عمل کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح جس شخص کو اس کے زمانہ آخر میں عمل خیر کی توفیق ملے وہ اس شخص سے افضل ہے جو اپنے زمانہ آخر میں بدحواس ہو جائے۔

مکان ومقام مثلاً مسجد حرام میں نماز یا مسجد مدینے میں نماز۔ تو یہ دونوں نمازیں دوسرے مقام کی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہیں۔ مسجد حرام کی نماز کی فضیلت مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو درجے زیادہ ہے۔ مثلاً دشمن کے شہر میں یا جہاد میں روزے ان روزوں سے افضل ہیں جو غیر جہاد میں ہوں۔ جو شخص فضیلت کے مکاں ومقام میں کوئی عمل کرے تو اس کو مکان ومقام عمل کی وجہ سے اس دوسرے شخص پر فضیلت ہے جو یہی عمل کسی دوسرے مکان ومقام میں کرے۔ اگرچہ دونوں عمل مساوی ویکساں ہوں۔

اضافت (یعنی عمل کا کسی کے طرف منسوب ہونا) تو نبی کی ایک رکعت یا نبی کے ساتھ ایک رکعت نبی کا صدقہ یا نبی کے ساتھ صدقہ یا نبی کا ذکر ویاد الٰہی یا نبی کے ساتھ ذکر۔ اور نبی کے تمام اعمال خیر یا نبی کے ساتھ تمام اعمال خیر۔ تو ان اعمال کا قلیل حصہ بھی ان کثیر اعمال سے افضل ہے جو نبی کے بعد ہوں اس کو وہ آیت واضح کرتی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی ہے یعنی ”**لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل**“ (تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص کوہ احد کے برابر سونا بھی خیرات کرے تو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سیر آدھ سیر جو خیرات کرنے کے برابر نہ ہوگا۔

اسی سے ہم نے یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ان حضرات نے ازخود جو عمل کیا وہ اس کار خیر کے مقابلے میں نہیں ہے۔ جو انھیں صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا، اور نہ وہ عمل ہے جسکو ان صحابی کے علاوہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا۔ اگر اس کے سوا ہوتا تو ضرور جائز ہوتا کہ انس وابو امامتہ الباہلی وعبداللہ بن ابی اوفی وعبداللہ بن بسر وعبداللہ بن الحارث بن جزء وسہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہم، ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ ابوعبیدہ وزید بن حارثہ وجعفر بن ابی طالب ومصعب بن عمیر وعبداللہ بن جحش وسعد بن معاذ وعثمان بن مظعون اور بقیہ تمام سابقین مہاجرین وانصار متقدمین رضی اللہ عنہم سے افضل ہوتے۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض نے بعض کی وفات کے بعد اور بعض نے بعض کی وفات کے بعد نوے سال سے پچاس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔ حالانکہ اس بنا پر ان کی برتری کا کوئی قابل اعتبار ولائق شمار شخص قائل نہیں۔

اسی سے ہم نے یقین کر لیا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے وہ دوسرے صحابہ سے افضل ہیں کیونکہ یہ مفضول (یعنی جس پر دوسرے کو فضیلت حاصل ہے)۔ فاضل کے اس زمانے کے درجے کو اپنے لئے کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اگرچہ مفضول کی عمر طویل ہو اور فاضل کی موت فوراً ہو جائے۔ ہم نے ان میں سے کسی ایک کی فضیلت کا فیصلہ ویقین نہیں کیا۔ بجز ان کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں وفات پا گئے اور انکے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص وارد ہوئی ہے۔ بلکہ ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کو انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں بیان کریں گے۔

جو فضائل بذریعہ اعمال حاصل ہوتے ہیں ان کے یہی وجوہ ہیں، ان کے سوا اور کسی طور پر کوئی صاحب عمل دوسرے صاحب عمل پر

فضیلت نہیں رکھتا۔ ان تمام وجوہ کے نتیجے وثمرے اور خالص فضل اختصاص کے بغیر عمل کے نتیجے وثمرے کی بھی دو ہی وجوہ ہیں۔ تیسری وجہ قطعاً نہیں ہوسکتی۔ ان دو میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کا دنیا میں فاضل کی تعظیم کا مفضول پر واجب کرنا ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ شخص جسے عمل سے فضیلت حاصل ہو یا بلا عمل کے خالص اختصاص سے حاصل ہو، عوارض و جمادات وحیوانات ناطق وغیر ناطق سب اس میں شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کعبہ ومساجد و یوم جمعہ و ماہ حرام (شوال و ذیقعدہ وذی الحجہ) وماہ رمضان، صالح کی اونٹنی ابراہیم فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ذکر الٰہی و ملائکہ وانبیاء علیہم السلام وصحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم کا حکم دیا ہے کہ ہماری اس تعظیم وتوقیر سے بہت زیادہ ہے جو ہم مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ دوسرے حضرات کی کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ جن مقامات ایام واطفال وکلام اور اونٹنیوں اور لوگوں کی ہم تعظیم کرتے ہیں ان سے بہت زیادہ مذکورہ بالا مقامات وغیرہ کی تعظیم کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ خاصہ ہر فضل کا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ خاصہ ہر فاضل کا ہے جس سے کوئی فاضل ہرگز خالی نہیں۔ بغیر اس کے قطعاً کوئی فاضل نہیں ہوتا۔

وجہ ثانی۔ اللہ تعالیٰ کا فاضل کے لئے جنت میں کسی ایسے درجے کا واجب کر دینا ہے جو مفضول کے درجے سے اعلیٰ ہو۔ کیونکہ اللہ کی مخلوق میں سے یہ کسی کے نزدیک بھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ فاضل سے زیادہ مفضول کی تعظیم کا حکم دے، نہ یہ ممکن ہے کہ جنت میں مفضول کا درجہ فاضل سے اعلیٰ ہو۔ اگر یہ جائز ہوتا تو فضل کے معنی بالکل باطل ہو جاتے وہ ایک ایسا لفظ ہوتا جس کی کوئی حقیقت نہ ہوتی۔ اور تحیۃ وتعظیم کے کوئی معنی ہی نہ ہوتے۔ وجہ ثانی کہ جنت میں اعلی درجے کا حاصل ہونا ہے جو صرف ہر ایسے فاضل کا خاصہ ہے جو کہ عمل کرے اور ملائکہ وجن وانس میں سے ہو۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

وہ شخص یا شے جس کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے وہ فاضل وصاحب فضیلت ہے ہر فاضل وصاحب فضیلت کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ احسان ونیکی وتوقیر جو کافر والدین کے لئے فرض کی گئی ہے وہ ذرا بھی تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ انسان اس شخص کے ساتھ بھی احسان کرتا ہے جس کی تعظیم نہیں کرتا اور اس کی توہین نہیں کرتا۔ مثلاً انسان کا اپنے غلام وہمسایہ وملازم کے ساتھ احسان کرنا۔ حالانکہ یہ تعظیم نہیں ہے۔ کبھی انسان اپنے ہمسایہ اور اپنے بوڑھے مزدور کے ساتھ نیکی کرتا ہے اور اس کو تعظیم نہیں کہا جاتا۔ کبھی انسان اس کی توقیر کرتا ہے جس کے ضرر سے ڈرتا ہے، اس کو بھی تعظیم نہیں کہا جاتا۔ کبھی انسان غلبہ کرنے والے ظالم کے آگے جھکتا ہے اور عاجزی وانکساری کرتا ہے۔ اس کو بھی تعظیم نہیں کہا جاتا۔

ہر مسلم پر اپنے کافر والدین سے بیزاری اور اللہ کے لئے ان سے عداوت فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الا خر یوادون من حاداللہ ورسولہ ولو کا نوا آبا ئھم او ابنا ھم او اخوا نھم او عشیر تھم اولئک کتب فی قلو بھم الا یمان وایدھم بروح منہ**" (اے نبی آپ اس قوم کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ ورسول کو ناراض کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا قرابت دار ہوں۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے اور اپنی روحانی امداد سے ان کی مدد کی ہے)۔ اور فرمایا ہے "**قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذقالو القومھم انا برآء منکم و مما تعبدون من دون اللہ کفر نا بکم وبدا بینا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداحتی تو منوا باللہ وحدہ**"۔ (تمھارے لئے ابراہیم اور ان کے ہمراہیوں میں بہترین نمونہ تھا۔ جو کہ ان لوگوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اللہ کے سوا تمھارے معبودوں سے بری و بیزار ہیں۔ ہم تم سے ناراض ہیں اور ہمیشہ

کے لئے ہمارے اور تمھارے درمیان میں عداوت وبغض پیدا ہوگیا ہے تاوقتیکہ تم لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ)۔ اور فرمایا ہے "**وما کان استغفار ابراهيم لابيه الاعن موعدة وعدها ايا ه فلما تبين له انه عدو لله تبرأمنه ان ابراهيم لا وّاه حليم**" (اور ابراہیم کا اپنے والد کے لئے دعائے مغفرت کرنا محض اس وعدے کی وجہ سے تھا جوانھوں نے اس سے کیا تھا۔ پھر جب ابراہیم کواچھی طرح واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہوگئے۔ بیشک ابراہیم بڑے دردمند اور بردبار تھے)۔

ثابت ہوگیا کہ جونیکی واحسان وتواضع کافر والدین کے لئے واجب ہے یہ وہ تعظیم نہیں ہے جو اس شخص کے لئے واجب ہے جس کو اللہ تعالیٰ فضیلت دے۔ اس لئے کہ جو تعظیم اس شخص کے لئے واجب ہے جس کو اللہ تعالیٰ فضیلت دے وہ تو اللہ کے لئے اس سے محبت و مودت وولایت ودوستی ہے۔ وہ نیکی واحسان وتواضع جو کافر والدین کے لئے واجب ہے تو اللہ کے لئے عداوت اور بیزاری اور ترک محبت کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نص قرآن میں فرمایا۔ **وبالله تعالیٰ التوفيق**۔

کبھی بغیر کسی عمل کے خالص اختصاص سے جنت کا دخول ہوجاتا ہے یہ بچوں کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے ہمارا پہلا بیان بدون کسی اختلاف کے یقیناً ثابت ہو چکا ہے اس لئے ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ہم پر انبیاء علیہم السلام کی جو تعظیم واجب ہے۔ اس کے بعد دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے کسی ایسی تعظیم کا مستحق نہیں ہے کہ اس تعظیم سے زیادہ ضروری وموکد ہو جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازاوج مطہرات کے لئے ہم پر اس آیت میں واجب ولازم کی ہے "**النبی اولی بالمو منين من انفسهم وازواجه امها تهم**" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے ساتھ خود ان سے بھی زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہر مسلم پر ماں ہونے کا حکم واجب کردیا۔ جو ان کی اس صحبت کے حق تعظیم کے سوا ہے جو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان بیویوں کو بھی آپ کی صحبت کی وجہ سے وہ حق حاصل ہے جو اور تمام صحابہؓ کو ہے۔ لیکن انہیں صحبت میں بھی اختصاص وخصوصیت ہے آنخضرت علیہ السلام کا زبردست ساتھ ہے آنخضرت علیہ السلام کے نزدیک ان کی بڑی پاکیزہ قدر ومنزلت ہے آپ سے قرب ہے آپ کے نزدیک ان کی وہ عزت ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی نہیں۔ صحبت میں ان کا درجہ تمام صحابہؓ سے اعلیٰ ہے۔ پھر ایک حق زائد کی وجہ سے انھیں تمام صحابہ پر فضیلت ہے جو ماں ہونے کا حق ہے کہ بنص قرآن ان کے لئے واجب ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حق جس کی وجہ سے صحابہ فضیلت کے مستحق ہوئے اس میں ازواج مطہرات انکی شریک ہیں اور اس حق میں بھی صحابہ پر فضیلت رکھتی ہیں اور ایک حق زائد کی وجہ سے بھی ان پر فضیلت رکھتی ہیں، اور وہ ماں ہونے کا حق ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ خیرات اور شرکت جہاد غرض کوئی عمل بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں کسی صحابی نے سبقت کی ہو اور یہ اس میں نہ ہوں۔ یہ سب اپنی معاشرت کی تنگی کے باوجود صدقہ وعتق (آزادی غلام) میں بھی انتہائی سعی فرماتی تھیں۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتی تھیں یہ کھلی ہوئی کافی دلیل ہے کہ یہ ہر صحابی سے افضل تھیں۔ بلا شک ہر مسلم کے نزدیک اور بنص قرآن یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا اور آخرت واللہ ورسول کے درمیان اختیار دیا تو انہوں نے اللہ ورسول ودار آخرت کو اختیار کیا، یہ یقیناً آخرت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی۔ جب یہ ایسی ہوں گی تو بلا شک یہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت کے ایک ہی درجے میں ہوں گی اور آپ کے سرور اور آپکے محلات میں آپ کے ساتھ ہوں گی، ناممکن ہے کہ آپ کے اور ان کے درمیان میں جنت

میں کوئی چیز حائل ہو۔ نہ یہ ممکن ہے کہ آپ جنت کے کسی ایسے درجے میں اتر جائیں جس میں آپ اپنے کسی صحابی سے نیچے ہوں۔ اس کا تو کوئی مسلمان خیال بھی نہیں کر سکتا۔ اس مرتبے کے حاصل کرنے میں جب ان کے لئے کوئی شک نہیں تو ہم نے نص واجماع سے جان لیا کہ یہ سب بطور اختصاص مجرد کے بغیر کسی عمل کے نہیں دیا گیا ہے بلکہ انکے ان امور کے استحقاق کی وجہ سے دیا گیا ہے جو انھیں اس سے حاصل ہوا کہ اللہ ورسول ودار آخرت کو اختیار کیا تھا۔ جب اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ انھیں اختیار دیں تو انھوں نے اللہ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو تمام بشر سے افضل ہیں اختیار کیا۔ جو سات وجوہ ہم نے پہلے بیان کی ہیں ان میں بھی انھیں افضل اعمال حاصل ہیں۔ کہ اعمال میں جو تفاضل ہوتا ہے وہ صرف انہیں سات وجوہ میں ہوتا ہے اس کے بعد انھیں دنیا میں نہایت زبردست تعظیم کا حق حاصل ہے۔ آخرت میں بلندترین درجات حاصل ہیں، فضیلت کی جتنی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ بلاشک ان میں ان سب کے اعلیٰ درجے کے حصے ہیں۔ حضرت ماریہ مادر ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان فضائل میں انکے ساتھ شامل ہیں اس لئے کہ بلاشک وہ جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے ان فرزند کے ساتھ ہوں گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوئے تھے۔ جب منکر کے برخلاف یہ سب ثابت ہو گیا تو ضروری طور پر واجب ہو گیا کہ ملائکہ وانبیاء علیہم السلام کے بعد یہ شہادت دی جائے کہ ازواج مطہرات سب کی سب تمام خلق سے افضل ہیں۔ اور کیوں نہ ہو حالانکہ ہمارے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص ہے۔

انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو سب لوگوں سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عائشہؓ سے۔ عرض کیا کہ مردوں میں تو آپ نے فرمایا کہ انکے والد (ابوبکرؓ) سے۔

عثمان النہدی سے مروی ہے کہ مجھے عمرؓو بن العاص نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں (غزوہ) ذات السلاسل میں بھیجا عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے میں نے عرض کیا کہ سب لوگوں سے زیادہ آپ کو کس سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عائشہؓ سے۔ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے والد (ابوبکرؓ) سے میں نے عرض کیا کہ پھر کس سے تو آپ نے فرمایا کہ عمرؓ سے۔ پھر آپ نے چند لوگوں کو شمار کرایا۔ یہ دونوں یعنی انسؓ وعمرؓو بن العاصؓ عادل ہیں جو شہادت دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ آپ کو عائشہؓ سے سب سے زیادہ محبت ہے اور ان کے بعد ان کے والد سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی '' (اور آپ اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے) لہذا ثابت ہو گیا کہ آپ کا یہ کلام کہ عائشہؓ آپ ؐ کو سب سے محبوب ہیں یہ ایک وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپکو بھیجی ہے تا کہ آپ ایسے ہی ہو جائیں اور اس کے متعلق خبر کر دیں۔ یہ آپ نے از خود نہیں فرمایا ہے۔ جو یہ گمان کرے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے گا۔ آپ کو جو عائشہؓ سے سب سے زیادہ محبت ہے وہ محض اس لئے ہ کہ وہ دین میں اس فضل کی مستحق تھیں اور اس میں انھیں سب پر تقدیم حاصل تھی جو اس کی باعث تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاشک انھیں ان کے والد اور عمرؓ وعلیؓ وفاطمہؓ پر بالکل کھلی ہوئی اور ظاہر فضیلت دی۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا تم مانتے ہو کہ ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمان وعلیؓ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اس لئے کہ وہ اپنے والد علیہ اسلام کے ساتھ جنت کے ایک ہی درجے میں ہوں گے۔

بتوفیق الٰہی ہم اس سے کہیں گے کہ ابراہیم ابن رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم اپنے کسی عمل سابق کی وجہ سے اس مرتبے کے مستحق نہیں

ہوئے۔ یہ محض اختصاص ہے۔ دو فاضلوں کے درمیاں مفاضلت جب ہوتی ہے کہ دونوں کی فضیلت ایک ہی وجہ سے ہو اور اس میں باہم ان دونوں میں تفاضل ہو۔ اگر فضیلت دو جداگانہ وجوہ سے ہو تو دونوں میں مفاضلت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ معترض کے اس قول کا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے مطلب صرف یہ ہے کہ ان دونوں میں سے اس باب میں کس کے اوصاف زیادہ ہیں جس میں یہ دونوں مشترک ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ کون افضل ہے آیا ناقہ حضرت صالح یا ماہ رمضان۔ نہ یہ کہا جاتا ہے کہ کون افضل ہے آیا کعبہ یا نماز۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ کون افضل ہے مکہ یا مدینہ۔ اور دونوں میں سے کون افضل ہے آیا رمضان یا ذی الحجہ۔ نماز یا زکوٰۃ۔ ناقۂ صالح یا کسی اور نبی کی ناقہ۔

ثابت ہو گیا کہ تفاضل صرف اسی وجہ میں ہوتا ہے جس میں وہ دونوں جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے مشترک ہوں۔ جو اس وجہ میں بڑھ جائے وہی افضل ہوتا ہے۔ ابراہیم کی فضیلت قطعاً کسی عمل کی بنا پر نہیں ہے۔ یہ محض اختصاص مجرد اور ان کے والد صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے لئے اور ان اصحاب کے لئے ان کے اعمال کی جزاء ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ”**جزاء ُبما کا نوایعملو ن** “(اس کی جزا کے طور پر جو یہ لوگ کیا کرتے تھے) اور فرمایا ہے ”**وعداللہ الذین آمنواو عملوا الصلحت منھم مغفرۃ واجر اعظیماً** (اللہ تعالیٰ نے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان سے مغفرت و اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ازواج نبی علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”**ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین** “(اور تم میں سے جو بیوی اللہ و رسول کی اطاعت کرے گی اور عمل خیر کریگی تو اسے ہم دو چند اجر دیں گے یہی ہمارے قول کی نص ہے۔ **وللہ الحمد**۔ اور فرمایا ہے ”**وتلک الجنۃ التی اور ثتمو ھا بما کنتم تعملون** “(اور اس جنت کے جو تم وارث بنائے گئے ہو اس عمل کے عوض میں ہے جو تم کیا کرتے تھے)۔ اور فرمایا ہے ”**غرف من فوقھا غرف مبنیۃ** (بنے بنائے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے ہیں۔) اور فرمایا ہے ”**وان لیس للا نسان الا ماسعی وان سعیہ سوف یری ثم یجزاہ الجزاء الا وفی** “(اور انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے سعی کی ہے۔ اور بیشک اسے اس کی سعی دکھائی جائیگی۔ پھر اسے پوری جزا دی جائے گی)۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں کیا کہو گے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ اور آپ۔ فرمایا اور نہ میں۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی مجھے اپنے دامن رحمت و فضل میں چھپا لے گا“۔

ہم کہیں گے کہ یہ حق ہے اور آیات مذکورہ کے موافق ہے۔ اسی طرح ہم بھی قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ساری عمر کوئی عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمے کچھ نہیں ہے جس کا وہ مستحق ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں۔ کیونکہ جو اشیاء واجب ہیں ان کا واجب کرنے والا بھی سوائے اس کے کوئی نہیں ہے۔ اس لئے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہے اس کا شروع کرنے اور پیدا کرنے والا وہی ہے لہذا اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت نہ کرتا اور یہ حکم نہ دیتا کہ بندے جو اس کی طاعت کریں گے تو وہ اس کے عوض میں انھیں جنت عطا کرے گا تو یہ ہرگز اس کے ذمے واجب نہ ہوتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جنت میں کوئی شخص محض اپنے عمل سے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے داخل نہ ہوگا۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے داخل ہوگا جس کی وجہ سے اس نے جنت کو ان کے اعمال کی جزا بنا دیا ہے جن اعمال کے ذریعے سے ان لوگوں

نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے۔ آیات اس حدیث سے متفق ہوگئیں۔ **و الحمدللہ رب العلمین** ۔

ان تمام امور میں جب کوئی شک نہیں ہے لہذا یہ یقیناً ناممکن ہے کہ جو فضیلت میں کمتر ہوا سے بہتر وافضل جزا دی جائے اور جو فضیلت میں پورا ہوا سے کمتر جزا دی جائے۔

بدیہی طور پر ثابت ہوگیا کہ صاحب اعمال کو جنت میں جو جزا دی جائے گی وہ محض اس عمل کی جزا کے طور پر ہوگی جس کا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اور جس چیز سے چاہے انعام وفضل کرے۔ ممکن ہے کہ اسے بلند اعمال والوں سے مقدم کردے اس نے فرمایا ہے کہ " **ویختص برحمته من یشاء** " (اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں مخصوص کردیتا ہے)۔ اور فرمایا ہے "**ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء** " (یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتے ہے)۔ لہذا ان نصوص کی مخالفت کسی کو بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ جو ان کی مخالفت کرے گا وہ قرآن کی تکذیب کرے گا۔ اگر یہ نصوص نہ ہوتیں تو ہم ہرگز اسے بعید نہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طاعت پر عذاب کرے گا اور اپنی معصیت پر انعام دے گا، افضل کو ناقص جزا ملے گی اور ناقص کو افضل۔ اس لئے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی مملوک اور مخلوق ہے۔ سوائے اس کے کسی شے کا کوئی مالک نہیں۔ نہ کوئی اس پر حکومت کرنے والا ہے اور نہ اس پر کسی کا کوئی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے کے ہمیں ان تمام امور سے مطمئن کردیا ہے کہ وہ کسی صاحب عمل کو محض اس کے عمل کے مطابق ہی جزا دے گا اور وہ جس پر چاہے گا فضل وکرم کرے گا۔ لہذا ان تمام امور کا اقرار لازم ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جنت میں کون افضل و عالی مرتبت ہے۔ آیا ابراہیمؓ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ یا ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ کا مرتبہ ہم کہیں گے کہ بلاشک ابراہیمؒ کا مرتبہ اعلی ہے۔ لیکن یہ مرتبہ ابراہیم مذکور کے لئے اختصاص مجرد ہے جس کے وہ اپنے عمل کی وجہ سے مستحق نہیں ہوئے۔ نہ وہ اس کے مستحق ہوئے کہ انھیں اس سے گھٹایا جائے۔ مذکورہ بالا حضرات کے مقامات انکے فضل واعمال سابقہ کی جزا کے طور پر اور اس کے مطابق ہیں۔

اسی طرح آپؐ کی ازواجؓ کا مرتبہ بھی بقدر ان کے فضل واعمال سابقہ بطور جزا کے ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابراہیمؒ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکرؓ وعمرؓ سے افضل ہیں نہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں۔ مفاضلت صحابہؓ اور آپ کی ازواجؓ کے درمیان ہے۔ ان سب کے اعمال وگذشتہ افعال کے مراتب ہیں جو بلاشک باہم نسبت رکھتے ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ بیویاں اس درجے کو کو نہ حاصل کرسکتیں۔ یہ درجہ محض آنحضرت علیہ السلام کا ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہاں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو تمام صحابہؓ نے جو درجہ حاصل کیا ہے وہ بھی اس میں نہ ہوتے۔ یہ مراتب بھی تمھارے قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوئے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ازواج کا فضل وتقدم ان تمام امور میں جیسا کہ تھا باقی رہا۔ کوئی فرق نہیں۔

ازواجؓ مطہرات کی فضیلت دختران نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بنص قرآن واضح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**یانساء النبی لستن کا حد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول** " (اے نبی کی بیویو تم لوگ تمام عورتوں میں سے کسی کے مثل نہیں ہو۔ اگر تم (دوسروں کی تہمت سے) بچنا چاہو تو (کسی اجنبی سے) خوش اخلاقی سے بات نہ کرو)۔ یہ قطعی بیان ہے جس سے جاہل رہنے کی کسی کو گنجائش نہیں۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے معارضہ کرے کہ ''**خیر نساء ھافاطمته بنت محمد** ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جنت کی عورتوں میں سب سے بہتر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) ہم بتوفیق الہٰی اس سے کہیں گے کہ اس حدیث میں جو ہم نے کہا ہے اسی کا بیان جلی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''**خیر النساء فاطمة** ''(تمام عورتوں سے بہتر فاطمہؓ ہیں)۔ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ'' **خیر نسائھا** (اس کی عورتوں سے بہتر) آپ نے (بذریعہ اضافت) خاص کر دیا۔ عام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ازواجؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عورتوں پر جو فضیلت بیان فرمائی ہے وہ عموم ہے، خصوص نہیں ہے۔ جس سے بغیر دوسری نص کے کسی کو مستثنیٰ کرنا جائز نہیں۔ ثابت ہوگیا کہ آنحضرت علیہ السلام نے حضرت فاطمہؓ کو ازواج مومنین پر جو فضیلت دی ہے وہ اپنی ازواجؓ کے بعد دی ہے۔ لہذا آیت حدیث کے ساتھ متفق ہوگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے۔ جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ یہ بھی عموم ہے اور آیت کے موافق ہے۔ واجب ہے کہ اسے مستثنیٰ کر دیا جائے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد'' **نسا ئھا** '' سے اس عموم سے خاص کر دیا ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ آپؐ کی ازواجؓ تمام عورتوں سے افضل ہیں، بجز ان خواتین کے جنھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے مثلاً والدۂ حضرت اسحاق ووالدۂ حضرت موسیٰ ووالدۂ حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول صادق سے اس پر تصریح فرمائی ہے **یا مریم ان اللہ اصطفک وطھرک واصطفک علی نساء العلمین** '' (اے مریم اللہ تعالیٰ نے تمھیں برگزیدہ کیا اور تمھیں پاک کیا اور تمھیں تمام عالموں کی عورتوں پر فضیلت دی)۔

مسلمانوں میں اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء میں سے ہر نبی ہر ایسے شخص سے افضل ہے جو نبی نہ ہو جو اس کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ فاطمہؓ کل مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اس کل میں آپؐ نے اپنے آپؐ کو داخل نہیں فرمایا۔ اپنے علاوہ دوسرے مومنین کے متعلق خبر دی ہے۔ برہان ثانی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے جو اس نے انھیں ازواجؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے''**ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین** ''(اور تم میں سے جو بیوی اللہ ورسول کی اطاعت کرے گی اور عمل خیر کرے گی اسے ہم اس کا اجر دو چند عطا کریں گے)۔

یہ فضیلت ظاہر اور بیان روشن ہے کہ ازواج مطہرات تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اس آیت سے یقینی ثبوت ہے جس میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و فاطمہؓ اور تمام صحابہؓ میں سے کوئی ایک عمل کرے تو وہ اس پر ایک خاص مقدار اجر کا مستحق ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ میں سے کوئی بیوی اگر بعینہ ویسا ہی عمل کریں تو ان کے لئے اس مقدار اجر سے دو چند اجر ہوگا۔ جب صحابی وفاطمہؓ کا نصف حصہ ان کے بعد والے سے کوہ احد کے برابر سونے سے زیادہ پورا کرلے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہؓ کے لئے کوہ احد جیسے دو پہاڑ بھر سونے سے زیادہ ان کے نصف حصے میں ہوگا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد بجز ان کے اور کسی کے لئے نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ کو آپؐ کے دو اصحابؓ کے برابر بخار ہوتا تھا اور اس پر آپ کو دو حصے اجر ملتا تھا۔

ازواجؓ مطہرات کے تمام صحابہؓ سے افضل ہونے میں اس کے بعد کوئی بیان نہیں ہو سکتا مگر جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے حق سے نابینا کر دیا ہو۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان**۔

اس مقام پر ہمارے بعض اصحاب نے ہم پر اس آیت سے اعتراض کیا ہے جو اہل کتاب کے متعلق ہے جب کہ وہ ایمان لے آئیں

''اولئک یؤتون اجرهم مرتین بماصبروا'' (یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھیں دومرتبہ ان کا اجر دیا جائے گا اس لئے کہ انھوں نے صبر کیا)۔ معترض نے کہا کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ یہ لوگ ہم سے افضل ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ یہ آیت اور وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ تین آدمیوں کو دومرتبہ اجر دیا جائیگا۔ پھر آپؐ نے مومن اہل کتاب کا ذکر کیا۔ اور خیر خواہ غلام کا اور اس آزاد کرنے والے کا جو اپنی کنیز کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ آیت و حدیث میں اس وجہ کا بیان ہے جس کی وجہ سے انھیں دومرتبہ اجر دیا گیا۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور نبی اول پر جو کتاب اول کے ساتھ مبعوث کئے گئے ایمان لانا ہے۔ ہم بھی اس سب پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ وہ لوگ ایمان لائے۔ ہم ان دونوں ایمانوں میں مومنین اہل کتاب کے شریک ہیں۔

خیر خواہ غلام کو اپنے آقا کی اطاعت کی وجہ سے ایک اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے ایک اجر ملے گا۔ اس شخص کو جو اپنی کنیز کو آزاد کرے پھر اس سے نکاح کرے تو اسے اس کے آزاد کرنے پر ایک اجر ملے گا پھر جب اس سے نکاح کرے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو دوسرا اجر اس پر ملے گا۔ لہذا نص سے ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو ان کے خاص اعمال کا دومرتبہ اجر دیا جائے گا نہ کہ ان کے تمام اعمال میں۔

کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ان کے علاوہ دوسروں کو دوسرے اعمال میں ان لوگوں کے اجر سے زیادہ اجر دیا جائے۔ ان کے طبقے والے جو عمل کریں گے صرف اسی پر انھیں زائد اجر ملے گا اور ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجر کا دو چند ہونا اس قسم سے نہیں ہے۔ نہ شروع میں نہ آخر میں۔ اس لئے کہ اجر کا دو چند ہونا بنص قرآن ان ازواج کے ہر عمل میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' ومن یقنت منکن لله ورسوله و تعمل صالحا نؤتها اجر ها مرتین '' (اور تم میں سے جو اللہ ورسول کی اطاعت و عمل خیر کرے گی اسے ہم دو چند اس کا اجر دیں گے)۔ صحابیؓ جو عمل کریں اس میں انھیں ایک اجر ہوگا، یہی عمل کوئی زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریں گی تو انھیں اس میں دو اجر ملیں گے۔ ان کے لئے اجر کا مزید ہونا محض اس عمل پر ہوگا جو ان کے طبقے کے صحابہؓ کریں۔ ہمیں معلوم ہے کہ صحابیؓ کے عمل اور غیر کے عمل کے درمیان اتنا بڑا فرق ہے۔ جتنا بڑا فرق کوہ احد کے برابر سونے اور سیر آدھ سیر جو میں ہے۔ ازواجؓ مطہرات کو اس کا بھی دو چند اجر ہے۔ یہ وہ امر ہے جو کسی صاحب حس سلیم پر مخفی نہیں، لہذا معارضہ باطل ہو گیا۔ والحمد لله رب العلمین۔

بعض لوگوں نے اس حدیث میں بھی اعتراض کیا ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور مردوں میں ان کے والد معترض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اسامہؓ بن زیدؓ کے لئے فرمایا کہ ان کے والد مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ ان کے بعد یہ (اسامہؓ) مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے انصار سے فرمایا کہ تم لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (انکم احبّ الناس الیّ)۔

یہ لفظ جو حدیث اسامہؓ بن زیدؓ میں ہے کہ'' انهم احب الناس الیه علیه السلام '' (وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں)۔ یہ روایت بطریق حماد بن سلمہ، موسیٰ بن عقبہ سے ان کو سالم سے سالم کو ان کے والد سے ملی ہے، وہ روایت جس میں اسامہؓ وزیدؓ کا ذکر ہے اسے عمر بن حمزہ نے سالم بن عبداللہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ عمر بن حمزہ ضعیف ہیں۔ اس حدیث میں صحیح وہ ہے جسے عبداللہ بن دینار نے ایسی اسناد سے روایت کی ہے جس میں کوئی طعن و عیب و جرح نہیں ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے زیدؓ بن حارثہ کے لئے فرمایا کہ بخدا وہ امارت کے اہل تھے۔ اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھے ان کے بعد یہ (اسامہؓ) میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔ (وایم اللہ ان کا ن لخلیق بالا مارۃ وان کان لمن احب الناس الی وان ھذا من احب الناس الی بعد ہ) یہ روایت حدیث موسیٰ بن عقبہ کا فیصلہ کرتی ہے اس لیے کہ وہ عبداللہ بن دینار ہی کی حدیث کا مختصر ہے، اسی سے وہ تعارض اٹھ جاتا ہے جو ان دونوں روایتوں میں ہے کہ ابن عمرؓ سے اور انسؓ وعمرؓ سے مروی ہیں ورنہ ان دونوں میں کوئی ایک۔ دوسرے سے اولی ومقدم نہیں۔ حدیث انصار کو لوگوں نے اس طرح روایت کیا ہے جس طرح اسے ہشام بن زید نے انس سے روایت کیا ہے۔ عبدالعزیز بن صہیب نے انس سے اور انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے انصار سے فرمایا کہ " انتم من احب الناس الی " (تم لوگ میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو)۔ یہ ایک ہی حدیث ہے اور راوی عادل کی زیادت واضافہ قابل قبول ہے۔ لہذا عادل راویوں کی سند سے حدیث میں "من" کے اضافے سے یہ ثابت ہوگیا کہ انصار وزید واسامہ رضی اللہ عنہم من جملہ اس قوم کے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں، یہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ یہ لوگ آپ کے اصحاب میں سے ہیں۔ اور بلا شک آپؐ کے اصحابؓ آپ کو سب سے زائد محبوب تھے۔ لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس قسم کا جواب نہیں ہوسکتا۔

آپ سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ "من احب الناس الیک" (آپ کو سب سے زائد محبوب کون ہے)۔ تو آپ نے فرمایا کہ عائشہؓ پھر کہا گیا کہ مردوں میں تو آپ نے فرمایا ان کے والدؓ۔ اس لئے کہ یہ اس بیان کے مطابق جواب ہے جس کو سائل نے دریافت کیا کہ وہ اس شخص کو پہچاننا چاہتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تنہا و یکتا ہے۔

بعض اشعریہ نے۔ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء " بے شک آپؐ اسے ہدایت نہیں کرسکتے جس سے آپ محبت کریں مگر اللہ جس کو چاہے ہدایت کرسکتا ہے)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ آنحضرت علیہ السلام جس سے محبت کریں آپ کی محبت اس کے لئے فضیلت نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے چچا سے محبت کی اور وہ کافر تھے۔

ہم نے کہا کہ یہ آیت اس طرح نہیں ہے جیسا کہ گمان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد آیت " انک لا تھدی من احببت " سے یہ ہے کہ "من احببت ھداہ " (بیشک آپؐ اسے ہدایت نہیں کرسکتے آپؐ جس کی ہدایت سے محبت وخواہش کریں)۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ " ولکن اللہ یھدی من یشاء " (لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت کرسکتا ہے)" ای من یشاء ھداہ " (یعنی جس کی ہدایت چاہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ہم پر فرض ہے کہ ہر کافر کی ہدایت سے محبت اور اس کی خواہش کریں نہ یہ کہ ہم کافر سے محبت کریں۔

اگر یہ صحیح ہوتا کہ آیت " من احببت " کے معنی وہی ہیں جیسا کہ اس معترض نے گمان کیا ہے تو بھی ہم پر اس سے کوئی حجت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ یہ آیت مکی ہے جو ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مدینے میں یہ آیت نازل فرمائی " لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاداللہ ورسولہ ولو کانوا آبائھم اوابنا ئھم اواخوانھم اوعشیرتھم " (آپ اس قوم کو ایسا نہ پائیں گے۔ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جنھوں نے اللہ ورسول کو ناراض کیا ہے۔ اگرچہ وہ (ناراض کرنے والے) لوگ ان کے باپ ہوں خواہ بیٹے ہوں خواہ بھائی ہوں خواہ کنبے والے ہوں)۔ اللہ

تعالیٰ نے مدینے میں نازل فرمایا ہے کہ " **لقد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذقالو لقو مھم انا برآء منکم و مما تعبدون من دون اللہ کفر نا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضا ء حتی تؤمنوا باللہ وحدہ** " (بیشک تمھارے لئے ابراہیم میں اوران کے ہمراہیوں میں اچھانمونہ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ بیشک ہم لوگ تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے جو اللہ کے علاوہ ہیں بیزار و بری ہیں۔ ہم تمھارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمھارے درمیان میں بغض وعداوت کھل گئی ہے۔ تاوقتیکہ تم لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ)، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب سے محبت بھی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اس محبت کو آپ پر حرام کردیا۔ ان کی محبت سے منع کردیا۔ اور آپؐ پر انکی عداوت فرض کردی۔ ہر صاحب حس سلیم بدیہی طور پر جانتا ہے کہ محبت وعداوت اکھٹا نہیں ہوسکتیں۔

جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں مودت کے معنی محبت کے ہیں جس میں کسی اہل لغت کا اختلاف نہیں ہے۔ لہذا باطل ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غیر مومن سے محبت کریں۔ نصوص واجماع سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس سے محبت کریں آپ کی محبت اس کے لئے فضیلت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا آپؐ نے حضرت علیؓ کے لئے فرمایا کہ ’’میں کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ ورسول اُس سے محبت رکھتے ہیں‘‘ چونکہ اس میں نہ کوئی شک ہے نہ اختلاف کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اہل جہل وکذب کے قول کے برخلاف ہے لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جو شخص فضیلت میں کامل ترین حصہ رکھتا ہے وہ اس شخص سے افضل ہے کہ اس فضیلت میں قلیل حصہ رکھتا ہے۔ یہ وہ شے ہے جو بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے، لہذا جب عائشہؓ اس محبت میں کامل ترین حصہ رکھتی ہیں جو کامل ترین فضیلت ہے تو وہ اس سے افضل ہوئیں جس کا حصہ اس فضیلت میں ان کے حصے سے کم ہے، اسی لئے جب آنحضرت علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ مردوں میں آپؐ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ عائشہ کے والد پھر عمرؓ۔ یہ ابوبکرؓ کی پھر عمرؓ کی فضیلت کو بقیہ تمام صحابہؓ پر واجب کرتا ہے لہذا یہ قضیہ باطل ناجائز ہے کہ ابوبکرؓ پر پھر عمرؓ پر فضیلت میں کسی کو مقدم کیا جائے کیونکہ یہ دونوں محبت میں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمیں سوائے اس ایک حدیث کے ابوبکرؓ وعمرؓ کے تمام صحابہؓ سے فضیلت میں مقدم ہونے کے بارے میں کسی اور نص کا علم نہیں ہے جو اس کے قائل ہونے کو واجب کرتی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صفات کا ذکر فرمایا جن کی وجہ سے عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ آپ نے خاندان۔ مال۔ جمال۔ اور دین کا ذکر فرمایا۔ اپنے اس ارشاد میں تاکید فرمائی کہ " **فعلیک بذات الدین تربت یداک** " (تمھیں دیندار کو اختیار کرنا چاہیے۔ تمھارے ہاتھ گرد آلود ہوں)۔ یہ محال و ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف دین کی وجہ سے عورتوں کے نکاح وانتخاب کی ترغیب دیں اس کے بعد آپ خود اس کی مخالفت فرمائیں کہ عائشہؓ سے بغیر دین کے محبت کریں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے کسی مسلمان کو یہ گمان کرنا جائز نہیں کہ اس حدیث میں بھی سوائے فضیلت دین کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اور فضیلت مراد ہے۔ کیونکہ مردوں کے سامنے اپنی بیوی کی خوبی بیان کرنے پر وہی شخص خوش ہوسکتا ہے جو کمینہ ذلیل وحقیر ہو جسے ادنیٰ سی بھی عقل ہے اسے یہ جائز نہیں کہ کسی بزرگ انسان کے متعلق اپنے دل میں اس قسم کا خیال لائے۔ چہ جائیکہ اس مقدس ومطہر ترین ہستی کے متعلق جس کی فضیلت تمام انسانوں پر فائق ہو۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اگر ہمیں یہ اس شخص کے متعلق معلوم نہ ہوا ہوتا جو ہمارے زمانے میں اشاعت علم کا صدر بن گیا ہے اور وہ شخص المھلب بن ابی صفرۃ

التمیمی ہے کہ عبداللہ بن ابراہیم الاصیل کا شاگرد ہے۔ اس نے اس بدترین معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کی تصریح کی ہے تو اس کی طرف اشارہ کرنے میں ہماری زبان بھی نہ چلتی۔ لیکن جب کسی منکر (بری بات) کا ظہور ہو تو مسلمانوں پر ان کی طاقت کے مطابق اس کا بدلنا فرض و واجب ہے۔ **و حسبنا الله ونعم الوكيل۔**

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی ولادت سے پہلے ایک فرشتے کا انھیں ایک حریر کی تھیلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کرنا اور آپ سے یہ کہنا کہ یہ آپؐ کی زوجہ ہیں۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے گا۔ آیا اس کے بعد بھی حضرت عائشہؓ کی انتہائی فضیلت میں کوئی کسر ہے۔

مکی بن ابی طالب المقری نے ہم پر اعتراض کیا ہے کہ اس پر تو یہ لازم آتا ہے کہ ابوبکرؓ کی زوجہ علیؓ سے افضل ہوں۔ اس لئے کہ زوجہ ابوبکرؓ ابوبکرؓ کے ساتھ جنت کے ایک ہی درجے میں ہوں گی۔ اور وہ درجہ علیؓ کے درجے سے اعلیٰ ہوگا۔ تو زوجہ ابوبکرؓ کا مرتبہ علیؓ سے بلند ہوا اور وہ علیؓ سے افضل ہوئیں۔

بتائیدِ الٰہی ہم نے انھیں اس طرح جواب دیا کہ یہ اعتراض بچند وجوہ کوئی چیز نہیں۔

اول ابوبکرؓ کے اور علیؓ کے درجے کے درمیان اس فضیلت میں جو علیؓ کے درجے پر ابوبکرؓ کے درجے کی بلندی کی موجب ہے اس طرح کا تباین و تضاد نہیں ہے جس طرح کا فرق و تباین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکرؓ کے درجے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجے کی بلندی کی موجب ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم میں سے کم از کم فضیلت والے شخص کا درجہ صحابہؓ کے اعلیٰ سے اعلیٰ فضیلت والے درجے سے نسبت کرنے میں بمقابلہ اسکے قریب تر ہے جو اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ و فضیلت صحابیؓ کے درجے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجے سے نسبت ہے۔

ابوبکرؓ و علیؓ کے درمیان فضیلت میں ایسی مباینت و فرق نہیں ہے۔ جو اس امر کی موجب ہو کہ زوجہ ابوبکرؓ جو ابوبکرؓ کے تابع ہوں گی وہ علیؓ سے افضل ہو جائیں۔ بلکہ ان مہاجرین اولین کی منازل جنھیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایذائیں دی گئیں۔ باہم قریب قریب ہوں گی۔ اگرچہ وہ باہم فضیلت میں کم و بیش ہوں گی۔ اسی طرح اہل سوابق (یعنی سبقت کرنے والوں) کے درجات ایک ایک مشہد اور ایک ایک میدان جہاد کے اعتبار سے باہم قریب قریب ہوں گے۔ اگرچہ یہ بھی باہم فضیلت میں کم و بیش ہونگے۔ سب سے پہلے انصار کی منازل باہم قریب قریب ہوں گی۔ اگرچہ وہ باہم فضیلت میں کم و بیش ہوں گی۔ اسی طرح ان کی منازل بھی ہوں گی جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اسی طرح مشاہد کی حاضری میں تمام شرکت والے اس کی جزاء کے طور پر افضل کے بعد افضل کا درجہ بڑھتا رہے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ زوجہ ابوبکرؓ جو اپنے عمل کی وجہ سے ابوبکرؓ کے ساتھ ان کے درجے میں رہنے کی مستحق ہوگئیں، مثل ام رومان کے ہم نہیں جانتے کہ آیا وہ افضل ہیں یا علیؓ اس لئے کہ اس معاملے میں ہمارے پاس کوئی نص نہیں۔ اور تفصیل بغیر نص کے نہیں معلوم ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "**خير كم القرن الذى بعثت فيه . ثم الذين يلو نهم . ثم الذين يلو نهم او كماقال عليه السلام**"۔

(تم میں سب سے بہتر میرا وہ زمانہ ہے جس میں میں مبعوث ہوا ہوں۔ پھر وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے متصل ہیں۔ پھر وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے متصل ہیں یا جیسا فرمایا ہو) آپؐ نے فضل و خیر میں جو ان لوگوں کے طبقات بنا دیے۔ لہذا بلا شک وہ لوگ جنت کی جزا میں بھی اسی طرح ہوں گے۔ ورنہ پھر تو فضیلت کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**هل تجزون الا ما كنتم**

تعملون ''(تمھیں بجز اس کے کوئی جزا نہ ملے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی خواتین جو سب سے پہلی مہاجرات ہیں وہ فضیلت میں صحابہؓ کی شریک ہیں۔ خواتین میں بھی کوئی کسی پر فضیلت رکھتی ہیں اور صحابہؓ میں بھی کوئی کسی پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ان خواتین میں وہ بھی ہیں جو بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ مردوں میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو ان خواتین میں بہتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضیلت کا جو مرتبہ بیان کیا ہے اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی ملا دیا ہے مثلاً'' **ان المسلمین و المسلمات** '' آخر آیت تک بجز جہاد کے کہ یہ مردوں پر فرض ہے نہ کہ عورتوں پر۔

ہم اس کے منکر نہیں کہ ابو بکرؓ کے ایسے محلات و منازل ہوں گے۔ جو تمام صحابہؓ سے بڑھے ہوں گے۔ ابو بکرؓ کی ازواج میں اس زوجہ کے لئے جو اس مرتبے کی اہل نہ سمجھی جائیں گی جنت میں ایسی منازل ہوں گی۔ جو ان صحابہؓ کی منازل سے کم ہوں گی کہ ان خواتین سے افضل ہیں۔ کیونکہ صحابہؓ نے صحابیاتؓ کے بعد اور صحابیاتؓ کے اوپر تابعیات سے بھی نکاح کیا ہے۔ یہ منازل ان کے صحابیؓ شوہروں کی فضیلت میں اضافہ کریں گی۔ یہ صحابہؓ ان بیویوں کے پاس رہیں گے پھر ان بیویوں کے منازل عالیہ کی طرف واپس ہوں گے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور آپؐ نے ایسا کلام فرمایا ہے جس کے معنی یہی ہیں اور زیادہ تر یہی ہے۔

آنحضرت علیہ السلام نے تصریح فرمائی کہ کسی گھر کا سردار جنت کے احاطے میں اور جنت کے وسط میں اور جنت کے اعلیٰ درجے میں ہوگا۔ یہ اس شخص کے لئے ہوگا جس نے فلاں امر کیا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفصیل بیان فرمائی۔ ہمارے قول کی نص ثابت ہوگئی کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم درجے کے ہیں ان کے لئے متعدد منزلیں ہوں گی، کچھ بلند اور کچھ ان سے نیچی یہ لوگ نیچی منزلوں میں اتریں گے پھر بلند منازل میں چڑھ جائیں گے۔

یہ صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید ہے جس کی دو وجوہ ہیں۔

ایک یہ کہ آپؐ کی تمام ازواجؓ کے لئے وہ حق صحبت ہے جس میں وہ تمام صحابہؓ کی شریک ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب خاص کی وجہ سے وہ حق صحبت میں بھی سب صحابہؓ سے فضیلت لے گئیں۔ آپ کی تمام ازواجؓ سے یا کسی ایک زوجہؓ سے کسی کو اس صحبت کی وجہ سے جس کی وجہ سے یہ حضرات دوسروں پر فوقیت لے گئے۔ فضیلت نہیں ہے۔ ہم نے اس باب کو کافی بیان کر دیا ہے۔

وجہ دوم یہ ہے کہ بعض مقامات میں بعض صحابہؓ کا بعض صحابہؓ سے پیچھے رہ جانا پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بعض مقامات میں متاخر (پیچھے رہ جانے والے) کسی دوسرے مقام میں متقدم (آگے ہوں اور بڑھے ہوئے) ہوں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بلالؓ کو جیسی تکالیف پہنچائی گئیں وہ علیؓ کو نہیں پہنچائی گئیں۔ اور علیؓ نے جیسا قتال و جہاد کیا وہ بلالؓ نے نہیں کیا۔ عثمانؓ نے فی سبیل اللہ جیسا خرچ کیا وہ بلالؓ نے خرچ کیا نہ علیؓ نے جس پر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو یہ شخص جس پر فضیلت حاصل ہے کہیں نہ کہیں اس شخص سے متقدم اور بڑھا ہوا ہوگا جس کو اپنے بعض فضائل میں اس شخص پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ان لوگوں کے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان یہ صورت پائی جائے۔ ممکن نہیں کہ اولاد آدم علیہ السلام میں سے کوئی شخص اول سے آخر تک کے فضائل میں سے کسی میں بھی آپ سے بڑھ سکے اور نہ یہ ممکن ہے کہ بنی آدم علیہ السلام میں سے کوئی شخص فضائل کے کسی جزو میں آپ کو پا سکے اور آپؐ کے ساتھ ہو سکے۔ لہٰذا اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے درجے میں اتریں جس میں آپؐ کے کوئی صحابیؓ آپ کے برابر ہوں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی صحابیؓ آپؐ سے بلند درجے میں ہو جائیں۔ یہ وہ امر ہے جس سے مومنین کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ

عنہ نے اسی کو نا گوار سمجھا ہے کہ وہ کسی ایسے مکان کے بالا خانے پر قیام کریں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکونت ہو۔ یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ دار الجزاء میں ایسا ہو سکے گا۔ جب وہ صحابیؓ جو اپنے اکثر منازل میں بلند و عالی ہوں گے بعض منازل میں جوان حضرات کے اعمال میں باہمی فضیلت کی کمی بیشی کی مقدار کے مطابق دوسرے صحابیؓ سے پست و کمتر بھی ہوں گے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ صائمین۔ (روزہ داروں) کو جنت کے باب الریاّ ان سے بلایا جائے گا، مجاہدین کو باب الجہاد سے، متصدقین کو باب الصدقہ سے اور ابو بکرؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امید ہے کہ انھیں ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی وجہ میں کوئی صحابیؓ ابو بکرؓ سے افضل ہوا اور اس باب سے تنہا ہی بلائے جائیں مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ابواب خیر کے کسی جزو میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ جائے۔ لہذا یہ اعتراض بالکل باطل ہو گیا۔ **والحمد لله رب العلمین۔**

مکی بن ابی طالب نے ہم پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام اور ہر نبی سے افضل ہیں اور آپ تمام انبیاء سے اعلیٰ درجہ جنت میں ہونگے اور آپکی ازواج آپکے ہمراہ اسی درجہ جنت میں ہونگی تو جنت میں ان خواتین کے درجات موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کے درجات سے افضل ہونگے اور یہ سب اس حکم کی بنا پر موسیٰ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوں گی۔

ہم نے انھیں جواب دیا کہ یہ اعتراض بھی ہم پر لازم نہیں آتا۔ **وللہ الحمد** ۔اس لئے کہ جنت ملک یعنی سلطنت و طاعت و علوئے منزلت و ریاست اور تابع کی متبوع کے اتباع و پیروی کا مقام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **واذا رایت ثم رائت نعیما و ملکا کبیرا** " (اور جب آپ وہاں دیکھیں گے تو نعمت اور بڑی سلطنت دیکھیں گے)۔ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے " **وکان عند الله وجیھا** " (اور وہ اللہ کے یہاں صاحب وجاہت ہیں)۔ جبریل علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ " **ذی قوۃ عندذی العرش مکین مطاع ثم امین** (وہ صاحب قوت ہیں مالک عرش کے یہاں صاحب مرتبہ ہیں وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ امانت دار ہیں)۔

معلوم ہوا کہ دنیا کی سلطنت و ملک دھوکا اور فریب ہے اور آخرت کی سلطنت حقیقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کو مع ان کے اتباع اور ماننے والوں کے دیکھا۔ نبی کے ہمراہ ایک۔ دو۔ تین۔ اور تین سے زائد اور جماعت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس مقام پر بڑی سلطنت اور طاعت اور وجاہت اور اتباع اور مشورہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ملک و سلطنت کا تھوڑا سا حصہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے کہ ہم اس سے اس ملک و سلطنت کو جان لیں جو دار الجزاء میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے لذت میں سے ہمارے سامنے حریر و دیباج (ریشمی لباس) اور شراب اور سونا چاندی اور مشک اور کنیزیں اور ہر طرح کے زیور پیش کئے ہیں اور ہمیں بتایا ہے کہ وہاں یہ تمام چیزیں صرف ہمارے لئے ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو شخص سب سے آخر جنت میں داخل ہوگا وہ دینا میں جس بڑی سے بڑی سلطنت کو جانتا ہے اس سے بھی بڑھ جائے گا پھر وہ اپنی سلطنت کے برابر کی سلطنت کی تمنا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے دس گنا زیادہ عطا کرے گا۔

جب یہ ثابت ہے۔ اور ملائکہ کا ایک ہی طبقہ ہے، بجز اس کے کہ اس میں ان میں باہم فضیلت کی کمی بیشی ہے۔ اور انبیائے مرسلین کا ایک طبقہ اور انبیائے غیر مرسلین کا ایک طبقہ ہے اس لئے کہ یہ حضرات بھی باہم فضیلت میں کم و بیش ہیں، اور تمام صحابہؓ کا ایک طبقہ ہے بجز اس کے کہ باہم ان میں بھی فضیلت میں کمی بیشی ہے۔ تو بلا شک واجب و لازم ہے کہ مرسلین کے تابع خواہ وہ ان کی عورتیں ہوں یا ان کے ساتھی وہ ان

متبوعین یعنی مرسلین کے مثل و برابر نہ ہوں۔ اس لئے کہ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ اعلیٰ کا تابع اپنے متبوع کی نظیر و مساوات کو بھی نہیں پہنچتا تو بھلا اس سے اعلیٰ کیسے ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ وہ ازواج صحابہؓ جو تابعیات ہوں گی وہ اپنے صحابیؓ شوہروں کے برابر نہ ہوں گی اس لئے کہ وہ ایک ہی طبقے میں ان (صحابہؓ) کے ساتھ نہ ہوں گی، دیکھا یہ جائے گا کہ یہ کن کے طبقے ہیں اور ان میں کون لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجؓ کا صحابہؓ کے ساتھ ایک ہی طبقہ ہوگا۔ لہذا ان لوگوں کے درمیان باہمی فضیلت کی کمی بیشی ثابت ہوگئی۔ ازواجؓ مطہرات میں سے کوئی بیوی اور صحابہؓ میں سے کوئی صحابیؓ انبیاء کے ساتھ ایک ہی طبقے میں نہ ہوگا۔ یہ جائز نہ ہوا کہ ان کے درمیان مساوات کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں الگ الگ ایک ایک آسمان میں دیکھا۔ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ ان نبی کی منزلت جو آسمان دنیا میں متبوع ہیں وہاں انکے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اس شخص کی منزلت سے اعلیٰ ہے جو ساتویں آسمان میں وہاں کے نبی کے تابع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے ساتھ آئے گا۔ ہم لوگ بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔

ملی نے جو ہم پر لازم کیا ہے اگر یہ ہم پر لازم ہو تو اسی طرح ہم لوگوں کے بارے میں ملی کو بھی لازم ہے کہ ہم بھی تمام انبیاء سے افضل ہوں۔ حالانکہ یہ لازم نہیں ہے اس لئے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ فضیلت میں مساوات صرف انھیں لوگوں کے درمیان ہوتی ہے جو ایک ہی طبقے کے ہوں۔ جو ان میں سے دوسرے سے اعلیٰ مرتبے کا ہو تو وہ بلاشک اس سے افضل ہے۔ اور یہ مختلف طبقات میں نہیں ہوتا۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ کسی کا ایک مقام میں مالک وخازن دوزخ ہونا جو مقام خازن جنت و مقام جبرئیل کے علاوہ ہو اس کے درجے کو ان لوگوں کے درجے سے کم نہیں کرتا جو جنت میں ہیں جن سے ملائکہ بالکل افضل ہیں۔ اس لئے کہ دوزخ کے مالک و متبوع و مقدم و مطاع کو اسکی وجہ سے بلاشک جنت کے خدام و تابعین پر فضیلت حاصل ہے لہذا یہ شور وغوغا بھی باطل ہوگیا۔

اس جواب کو مختصراً جمع کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جنت کے ہر طبقے کے رؤسا و متبوعین اپنے تابعین سے افضل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجؓ اور آپ کے تمام اصحابؓ آپ کے تابع و ماتحت ہیں۔ تمام انبیاء متبوع و مقتدا و پیشوا ہیں۔ متبوعین کے درمیان برابری کی جائیگی کہ ان میں سے کون افضل ہے۔ اور تابعین کے درمیان بھی کی جائے گی کہ ان میں کون افضل ہے۔ ہر فاضل (صاحب فضیلت) کے اپنے سے کمتر فضیلت والے سے درجے کی بلندی میں اسکی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ ناجائز ہے کہ تابعین اور ان متبوعین کے درمیان میں برابری کی جائے جو درجے میں ہرگز تابعین سے کم نہیں ہوتے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم حورعین کے بارے میں کیا کہو گے۔ کیا وہ انسان و انبیاء سے افضل ہیں جیسا کہ تم نے ملائکہ کے بارے میں کہا۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ فضیلت بغیر کسی ایسی برہان کے نہیں معلوم ہوسکتی جو اللہ تعالیٰ سے قرآن میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں سنی جائے۔ ہم نے نہیں پایا کہ اللہ تعالیٰ نے حورعین کی فضیلت پر کوئی ایسی تصریح فرمائی ہو جیسی اس نے ملائکہ کی فضیلت پر فرمائی۔ البتہ صرف اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ پاک صاف ہوں گی حسین ہوں گی خوبصورت سینے والی، شوہر سے محبت کرنے والی اور تمام لذات میں اپنے شوہروں کے ساتھ شریک و جمع ہوں گی۔ وہ صرف اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ مومنین ان سے لطف اندوز ہوں۔ جب حال اس طرح ہے تو حورعین کا وہی محل ہوا جو اس کا محل ہو کہ جس کے لئے ہیں یہ ان کے لئے بغیر عمل و تکلیف کے اختصاص ہے اور وہ اس امر

میں ملائکہ سے مختلف ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جس آیت سے ہمارے قول کی تاکید وتائید ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**ان اصحب الجنة الیوم فی شغل فاکھون ھم وازواجھم فی ظلال علی الارائک متکئون**'' (بیشک اہل جنت آج میوہ خوری میں مشغول ہوں گے۔ وہ اوران کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے) یہ نص چونکہ صحیح ہے لہذا اس کا اقرار واجب ہے۔ اگر ہم ان اعتراضات کے بعض اقسام کی تفصیل سے عاجز ہوتے تو بھی اس میں ہم پر کوئی نقص لازم نہ آتا، کیونکہ اس نص پر اعتراض جائز نہیں۔ جب یقین کے ساتھ ثابت ہوگئی تو کسی دوسرے یقین سے اس کا معارضہ ناجائز ہے۔ ایک برہان کو دوسری برہان سے باطل نہیں کر سکتے۔

ہم واضح کر چکے ہیں کہ جنت مکلفین کے اعمال کی جزاء کا مقام ہے۔ جن کا درجہ اس میں اعلی ہے ان کی فضیلت بھی اعلی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجؓ تمام صحابہؓ سے اعلی درجے کی جنت میں ہوں گی تو وہ ان سب سے افضل ہوں گی۔ جو اس کا انکار کرے اسے ہم کو بتانا چاہیے کہ فضیلت کے کیا معنی ہیں۔ کیونکہ ضروری ہے کہ اس کلمے کے کوئی معنی ہوں۔ اگر وہ کہے کہ اس کے کوئی معنی نہیں تو اس نے ہمیں اپنی مشقت سے بے نیاز کر دیا۔ اور اگر کہے کہ اس کے کوئی معنی ہیں تو ہم اس سے پوچھیں گے کہ وہ کیا ہیں۔ وہ بھی اس کے سوا نہ پائے گا جو ہم نے کہا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ اور کیوں نہ ہو۔ اس باب میں ہم پر جو اعتراض کیا گیا تھا ہم اس پر وہ آیات لائے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ہماری تائید کی ہے۔ اس بارے میں وجہ واضح طور پر روشن ہوگئی **والحمد للہ رب العلمین۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں جو حضرت فاطمہؓ کے بارے میں ہے کہ وہ نسائے مومنین کی یا اس امت کی خواتین کی سیدہ ہیں ایک مزید بیان دریافت ہوا ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ الفاظ حدیث کا لحاظ رکھنا واجب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں سیادت (سرداری) بیان فرمائی ہے، آپ نے فضیلت ذکر نہیں فرمائی۔ حدیث عائشہؓ میں آپ نے تصریحاً **فضل عائشةؓ علی النسآء کفضل الثرید علی سائر الطعام**" (عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر)۔

سیادت اور ہے، فضیلت اور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے تمام عالموں کی عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں سیادت باب شرف (بزرگی) سے تو ہے مگر باب فضل (یعنی فضیلت و برتری) سے نہیں ہے۔ حدیث کے درمیان قطعاً کوئی تعارض نہیں رہا۔ **والحمدللہ رب العلمین**۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو لغت عربیہ میں بھی معتبر و حجت ہیں کہا ہے کہ " **کان ابوبکر خیرا وافضل من معاویة وکان معاویة اسود من ابی بکر** "(ابوبکرؓ معاویہؓ سے خیر و افضل تھے اور معاویہؓ ابوبکرؓ سے اسود یعنی سیادت میں زیادہ تھے) ابن عمرؓ نے جیسا کہ تم بھی دیکھتے ہو سیادت اور فضل و خیر میں فرق کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ خیر ہی فضل و فضیلت ہے۔ اس لئے کہ جب ایک شے دوسری شے سے خیر (بہتر) ہے تو بے شک وہ اس سے افضل ہے۔

اس مسئلے میں جو ہمارے مخالفین ہیں ان میں سے ایک معترض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ'' **ولیس الذکر کاالانثی**'' (اور مرد مثل عورت کے نہیں ہے)۔

بتوفیق الٰہی ہم نے کہا کہ اس بناء پر تم اپنے نزدیک مریمؓ و عائشہؓ و فاطمہؓ سے افضل ہوئے۔ اس لئے کہ تم مرد ہو اور یہ عورتیں ہیں۔ اس سے کہا جائیگا کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد مثل عورت کے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ مثل عورت کے ہوتا تو عورت ہی ہوتا۔ اور عورت بھی مثل مرد کے نہیں ہے اس لئے کہ یہ عورت ہے اور وہ مرد ہے۔ یہ تو ہرگز کسی طرح کی بھی فضیلت

نہیں ہے۔ اسی طرح سرخی سبزی کے مغایر ہے اور سبزی مثل سرخی کے نہیں ہے۔ اور یہ باب فضیلت میں سے نہیں ہے۔

اگر کوئی معترض اس آیت سے اعتراض کرے ''للرجال علیهن درجة '' (اور مردوں کے لئے عورتوں پر ایک درجہ ہے) اس سے کہا جائے گا کہ یہ آیت صرف شوہروں کے حقوق کے بارے میں ہے جو ازواج پر ہوتے ہیں جو اس آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا چاہے تو اسے لازم آئے گا کہ ہر یہودی و مجوسی و فاسق مرد والدۂ موسیٰ و والدۂ اسحاق بو والدۂ عیسیٰ علیہم السلام اور ازواج و بنات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہو۔ اگر کوئی اس کا قائل ہو تو یہ باجماع امت کفر ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اومن ینشاء فی الحیلت وهوفی الخصام غیر مبین '' (کیا جو بناؤ سنگار میں پرورش پائے اور جوابدہی و بحث میں بیان نہ کر سکے)۔ یہ محض عورتوں کی اس کمی کے بارے میں ہے جو ان کے ذریعے کی قلت کی وجہ سے بحث و مباحثے میں اکثر انھیں ہوتی ہے۔ اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو کسی صاحب فضیلت کی فضیلت میں کوئی کمی کر سکے۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق وہ خلفائے صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے۔ ''اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر امنکم ''(اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو)۔ بتوفیق الٰہی جواب یہ ہے کہ یہ چند وجوہ کی بناء پر غلط ہے۔ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی منجملہ ان صاحبان حکومت کے ہیں جو ہم میں سے ہوں۔ جن کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے یہ جو چیز ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہنچا ئیں اس میں یہ بالکل ائمہ صحابہؓ کے مساوی و برابر اور کوئی فرق نہیں۔

وجہ دوم۔ خلافت کسی کے فضیلت دینی کے امور میں سے نہیں ہے،، یہ جس کے لئے بھی واجب ہو جائے اس کے لئے واجب ہو جاتی ہے۔ یہی حال امارت کا بھی ہے۔ اس لئے کہ امارت تو کبھی ایسے شخص کی ہو جاتی ہے کہ دوسرا شخص اس سے افضل ہوتا ہے۔ غزوہ ذات السلاسل میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن العاص کو امیر بنایا تو عمر رضی اللہ عنہ، ان کی اطاعت پر مامور تھے۔ لہذا یہ باطل ہو گیا کہ طاعت افضل کے بعد افضل ہی کی واجب ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکثرت عمروؓ بن العاص و خالدؓ بن الولید کو امیر بنایا ہے اور ابوؓذر کو امیر نہیں بنایا۔ حالانکہ ابوذر بلاشک ان دونوں سے بہتر و افضل تھے۔

خلفائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوامر کی طاعت اس وقت سے واجب ہوئی جب سے وہ والی بنائے گئے۔ نہ کہ اسکے قبل۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس خلافت نے انکی اس فضیلت میں کوئی اضافہ نہیں کیا جو انھیں حاصل تھی۔ البتہ وہ دوران خلافت میں انکے عدل نے ان کی فضیلت میں اضافہ کیا نہ کہ خود خلافت نے۔ ان کا عدل ان کے ان اعمال میں داخل ہے جن کی وجہ سے یہ فضیلت کے مستحق ہوئے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ حضرت معاویہؓ و حضرت حسنؓ جب خلیفہ ہوئے تو ان دونوں کی اطاعت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص پر واجب ہو گئی۔ حالانکہ حضرت سعدؓ ان دونوں سے بے حد افضل تھے۔ وہ ان دونوں کے ہمراہ زندہ رہے اور ان دونوں کی اطاعت کے مامور و پابند تھے۔ اسی طرح کا کلام حضرت جابر و انس بن مالک و ابن عمر رضی اللہ عنہم پر عبدالملک بن مروان کی اطاعت واجب ہونے کے بارے میں ہے۔ وہ فرق جو جابرؓ و انسؓ و ابن عمرؓ کی اور عبدالملک بن مروان کی فضیلت میں ہے وہ اتنا ہی ہے جتنا نور و ظلمت کے درمیان ہے۔ لہذا خلفاء و حکام کی طاعت کا واجب ہونا ان کی فضیلت جنت کا موجب نہیں ہے۔

اگر کوئی معترض اس کلام الٰہی سے اعتراض کرے کہ'' والذین آمنو اواتبعهم ذریتهم بایمان الحقنابهم ذریتهم وما

التناهم من عملهم من شیئ کل امرئ بما کسب رھین ’’(اور جولوگ ایمان لائے اوران کی ذریت نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی ذریت کوان کے ساتھ ملادیں گے اور ان کے عمل میں کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص جو حاصل کرے وہ اسی میں گروہے)۔ اس کے اعتراض کا بیان آخر آیت میں ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ اولاد کا باپ کے ساتھ ملانا اس کا مقتضی نہیں کہ وہ ان کے ساتھ ایک ہی درجے میں ہوں۔ اور نہ یہ نص آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بنص آیت ذریت کا باپ سے جنت میں الحاق انھیں امور میں ہوگا جن میں یہ لوگ ان کے مساوی ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس کلام سے واضح کردیا اور ہمیں کسی شک میں نہیں چھوڑا ’’**کل امری بما کسب رھین**‘‘ ہر اس میں رہن وگرو ہے جو اس نے حاصل کیا ہے)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ باپ بیٹوں میں سے ہرایک کو اس کے مناسب جزادی جائے گی جو اس نے حاصل کیا ہے۔

ازاوج مطہرات کا حکم ایسا نہیں ہے بلکہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ آپ کے محلات اور آپ کے تختوں پر ہوں گی آپ ان سے اوران کے ساتھ لطف اندوز ہوں گے۔ یہ سب ان کے اعمال خیر وصدقہ وصبر اور اللہ رسول اور دار آخرت کے اختیار کرنے کی وجہ سے بطور جزا کے ہوگا یہ وہ مرتبہ ہے جس میں انبیاء مرسلین کے بعد بجز ان کے کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہ سب کی سب تمام انبیاء علیہم السلام کے علاوہ سب سے افضل ہوئیں۔

اگر کوئی فریب دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے فریب دے کہ ’’میں نے تم عورتوں سے زیادہ ناقص عقل ودین اور ہوشیار آدمی کی عقل کو لوٹنے والا کوئی نہیں دیکھا‘‘ ہم بتوفیق الٰہی اس سے کہیں گے کہ اگر اس حدیث کو تم اس کے ظاہر پر محمول کروگے تو لازم آئے گا کہ یہ کہو کہ تمھاری عقل والدہ اسحاقؑ ووالدہ موسیٰؑ ومریم وعائشہؓ وفاطمہؓ سے زیادہ کامل ہے۔ اگر وہ اسی بات پر اڑار ہے تو اس سے گفتگو ختم ہوگئی۔ اور وہ کفر سے دور نہ رہا۔ اگر وہ مان لے تو اس نے خود اپنے اعتراض کو ساقط کردیا۔

یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ بعض مرد بھی ایسے ہوتے ہیں جو بہت سی عورتوں سے عقل ودین میں ناقص ہوتے ہیں۔ اگر وہ اس حدیث کے معنی دریافت کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نقص کی وجہ بیان کردی ہے۔ اور وہ عورت کی شہادت کا مرد کی شہادت سے نصف ہونا ہے اور حالت حیض میں عورت کا نماز روزے کا ترک کرنا ہے۔ یہ نہ تو نقصان فضیلت کا موجب ہے اور نہ ان دونوں وجوہ کے علاوہ نقصان دین وعقل کا موجب ہے۔ کیونکہ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ عورتوں میں وہ بھی ہیں جو بہت سے مردوں سے افضل اور سوائے وجوہ مذکورہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مردوں سے عقل ودین میں کامل تر ہوتی ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہی فرماتے ہیں۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ تعبیر فرمایا ہے اسے خود اسی حدیث میں بیان کردیا ہے اور وہ شہادت وحیض ہے، اور یہ وہ چیز نہیں جس سے فضیلت کم ہوجائے۔ ہم جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ وعمرؓ وعلیؓ اگر زنا کے بارے میں شہادت دیں تو ان کی شہادت پر فیصلہ نہ کیا جائے گا (اس لئے کہ شہادت زنا کے لئے کم ازکم چار مرد ہونا چاہیے۔ اور یہ تین ہی ہوئے) اگر ہم میں سے چار شخص جو بظاہر عادل ہوں اس کے متعلق شہادت دیں تو ان کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ حالانکہ یہ اس امر کا موجب نہیں کہ ہم لوگ مذکورہ بالا حضرات سے افضل ہوجائیں۔

اسی طرح کا کلام عورتوں کی شہادت کے بارے میں بھی ہے۔ کیونکہ شہادت بھی نہ آنے میں نہ جانے میں باب تفاضل سے نہیں ہے لیکن ہم اس میں بھی وہیں ٹھہرتے ہیں جس کی حد نص ہے۔ کسی مسلم کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی صحابیات میں سے جو آپ

کی بیویاں اور بیٹیاں ہیں مثلاً خدیجہؓ و عائشہؓ و ام سلمہؓ و فاطمہؓ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں دین و مرتبے میں ہر اس تابعی سے افضل ہیں جو ان کے بعد آپ اور ہر اس شخص سے افضل ہیں جو اس امت میں قیامت تک آئے۔ لہذا جو اعتراض حدیث مذکورہ سے تھا وہ باطل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اس کا مطلب ہمارے بیان و تفسیر ہی کے مطابق ہے، **والحمد لله رب العلمين**۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ " **يانساء النبى لستن كاحد من النسآء** " (اے ازواج نبی تم لوگ اور کسی عورت جیسی نہیں ہو) ان کو مذکورہ بالا اعتراض اور اس قسم کے شبہات سے تمام عورتوں سے مستثنٰی کرنے اور نکالنے والا ہے۔

اگر کوئی معترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے اعتراض کرے کہ "مردوں میں تو بہت سے کامل ہوئے۔ اور عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران و زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی" تو ہم کہیں گے کہ یہ کمال صرف رسالت و نبوت ہے جس میں تنہا مرد کامل ہوئے (اور بعض عورتیں نبوت میں ان کی شریک ہو گئیں۔ اور لوگ نبوت کی فضیلت میں بھی کم و بیش ہوتے ہیں۔ بعض انبیاء بعض سے کامل تر اور بعض رسول بعض سے کامل تر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **تلک الرسل فضلنا بعضهم على بعض . منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات** " (ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجات بلند کئے) اس حدیث میں صرف ان کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنے طبقے میں انتہائی کمال کو پہنچے اور ان کے طبقے میں سے کوئی ان سے آگے نہ بڑھا۔ **وبالله تعالىٰ التوفيق**۔

اگر کوئی معترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اعتراض کرے کہ "وہ قوم فلاح نہیں پاتی جو اپنے امور عورت کے سپرد کر دے" (**لايفلح قوم اسند واهم الى امراة**) تو اس حدیث سے بھی اس کی حاجت روائی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ عورتوں میں حکومت کا ممنوع ہونا ان کی فضیلت کی کمی کا موجب نہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ابن مسعود بلال و زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کا خلافت میں کچھ بھی حصہ نہ تھا اور یہ اس کا موجب نہیں کہ حسنؓ و ابن زبیرؓ و معاویہؓ ان سے افضل ہو جائیں۔ حالانکہ ان لوگوں میں خلافت تھی۔ فضیلت میں ان کا وہ حصہ ہے جس سے کوئی مسلمان ناواقف نہیں۔

آپ کی ازواج میں سب سے افضل عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس لئے کہ ان کے بڑے بڑے فضائل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کو عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور تمام عورتوں پر ان کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ بنت خویلد کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اپنے طبقے کی عورتوں میں سب سے افضل مریم بنت عمران (والدہ حضرت عیسیٰؑ) تھیں۔ اور اپنے طبقے کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ اس کے باوجود اسلام میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پیشقدمی اور ان کا ثبات استقلال بھی تھا۔ ام سلمہؓ و سودہؓ و زینبؓ بنت جحش و زینبؓ بنت خزیمہ و حفصہؓ کی اسلام میں عظیم الشان پیش قدمیاں تھیں ان لوگوں نے اللہ و رسول کے بارے میں مشقتیں برداشت کیں غریب الوطنی اختیار کی اسلام کی طرف دعوت دیتی رہیں اور اللہ اور رسول کے بارے میں مصیبت اٹھائی۔ اسکے بعد ان سب کے لئے کھلی ہوئی فضیلت ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اس مسئلے میں ہمیں یقین ہے کہ اللہ کے نزدیک ہمیں حق پر ہیں اور جو ہمارا مخالف ہے بلاشک وہ اللہ کے نزدیک غلطی پر ہے یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں قطعاً کسی شک کی گنجائش ہو۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم سے پہلے بھی کوئی اس کا قائل ہوا ہے؟ بتوفیق الٰہی ہم اس سے کہیں گے کہ اب جو ہمارا مخالف ہے آیا اس

سے پہلے بھی کسی نے اس کے سوا کہا ہے۔ ہمیں ضروری طور پر معلوم ہے کہ ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بلاشک فضیلت میں خاص مرتبہ ہے۔ لہذا اس سے بحث کرنا ضروری ہے۔

ہمارے مخالف کو بتانا چاہیے کہ ہم ازواج مطہراتؓ کو کس مرتبے میں رکھیں۔ آیا تمام صحابہؓ کے بعد۔ اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ یا صحابہؓ کے ایک گروہ کے بعد۔ تو اس پر کیا دلیل ہے۔ اور اس کی دلیل کے وجود کا امکان نہیں۔ چونکہ یہ دونوں قول باطل ہو گئے۔ ایک تو اس پر اجماع سے کہ یہ باطل ہے۔ اور دوسرا اس لیے کہ یہ ایک دعویٰ ہے جس پر نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان۔ اب صرف ہمارا ہی قول رہ گیا۔ **والحمد اللہ رب العلمین الموفق للصواب بفضلہ** ۔ (سب تعریفیں اسی اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں جو اپنے فضل سے صواب و درستی کی توفیق دینے والا ہے)۔

ہم کہتے ہیں، اور اللہ ہی سے مدد کے طالب ہیں، کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ہوئے تو انھوں نے لوگوں کو خطبہ سنایا فرمایا کہ ''اے لوگو میں تمھارا والی بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں'' لہذا ثابت ہو گیا کہ انھوں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اس کا اعلان کر دیا کہ وہ ان سے بہتر نہیں ہیں۔ اور ان میں سے کسی صحابیؓ نے اس قول کا انکار نہیں کیا۔ اس نے اس پر دلالت کی کہ سب نے ابوبکرؓ کی بات مان لی۔ جو لوگ ان کے خطبے میں حاضر تھے ان میں سے بجز علیؓ و ابن مسعودؓ و عمرؓ کے اور کسی کے بارے میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ وہ ابوبکرؓ سے بہتر ہے۔ اہل سنت و مرجیہ و معتزلہ میں سے وہ تمام جو اس مسئلے میں ہمارے مخاطب ہیں، اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علیؓ و ابن مسعود و عمر رضی اللہ عنہم سے افضل و بہتر ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہی رہ گئیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ابوبکرؓ نے محض تواضع سے یہ کہا ہے۔ تو ہم اس سے کہیں گے کہ یہ تو یقیناً باطل ہے۔ اس لئے کہ وہ صدیق جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نام سے نامزد کیا ناممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولیں۔ وہ اس سے بری ہیں۔ وہ حق و صدق ہی کہتے تھے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ صحابہؓ زیادہ تر اس بارے میں ان کی تصدیق پر متفق تھے۔ چونکہ یہ ایسا ہے اور یہ تو واضح برہان سے رد ہو چکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص ابوبکرؓ سے بہتر ہو تو صرف ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی باقی رہ گئیں۔ اور واضح ہو گیا کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس مسئلے پر جمہور صحابہ کا اجماع ہے تو یہ صدق سے بعید نہ ہوگا۔

مروی ہے کہ عمار بن یاسر و حسن بن علی علیؓ کو ابوبکرؓ صدیقؓ و عمرؓ پر فضیلت دیتے تھے۔ اور مروی ہے کہ جس وقت ام المومنین حضرت عائشہ مکے سے بصرے روانہ ہوئیں تو علیؓ بن ابی طالب نے عمار بن یاسر و حسنؓ بن علیؓ کو کوفے بھیجا۔ جب یہ دونوں کوفے پر پہنچے تو لوگ مسجد میں انکے پاس جمع ہو گئے۔ عمار نے انھیں خطبہ سنایا اور ان سے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بصرے کی روانگی کا ذکر کر کے کہا کہ میں تم لوگوں سے کہتا ہوں اور واللہ میں خوب جانتا ہوں کہ عائشہؓ بیشک جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں جیسا کہ وہ دنیا میں آپ کی زوجہ ہیں۔ لیکن اللہ نے ان کے ذریعے سے تمھارا امتحان لیا ہے کہ یا تو تم عائشہؓ کی اطاعت کرو یا علی کی عمار سے مسروق یا ابوالاسود یا ابو الیقظان نے کہا کہ ہم تو ان کے ساتھ ہیں جن کے لئے آپ نے جنت کی شہادت دی ہے نہ کہ ان کے ساتھ جن کے لئے آپ نے جنت کی شہادت نہیں دی تو عمارؓ خاموش ہو گئے حسنؓ نے ان سے کہا کہ ''تم اپنی خیر مناؤ ہم سے سروکار نہ رکھو'' (**اغن نفسک عنا**) یہی عمارؓ و حسن اور حاضرین صحابہؓ و تابعین کہ اس زمانے میں کوفہ ان حضرات سے بھرا ہوا تھا، علیؓ پر عائشہؓ کی تفضیل کو سنتے ہیں۔ عمارؓ و حسنؓ کے نزدیک علیؓ

ابوبکرؓ وعمرؓ سے بہتر ہیں۔ مگراس کا انکار نہیں کرتے اور نہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ انھیں اس کے انکار کی سخت ضرورت تھی۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ سب حضرات اس پر متفق تھے کہ حضرت عائشہؓ اور آپ کی تمام ازواجؓ انبیاء کے بعد سب لوگوں سے افضل تھیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا تھا کہ میں تمھارا والی وخلیفہ بنادیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں۔ یہ حق وصدق کے طور پر فرمایا تھا نہ کہ تواضع کے طور پر کہ وہ اس امر میں غلط بیانی کرتے۔ حالانکہ وہ اس سے بری ہیں۔ اس کی دلیل ابوسعید الخدری کی روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں سب سے زیادہ مستحق خلافت نہیں ہوں۔ کیا مین سب سے پہلا مسلم نہیں ہوں۔ کیا میں فلاں امر کا اہل نہیں ہوں، وغیرہ۔

یہی ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے فضائل بیان کرتے ہیں اور وہ اس میں سچے ہیں۔ اگر وہ ان سب سے افضل ہوتے تو ضرور اسے ظاہر کرتے اور نہ چھپاتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کذب سے پاک رکھا ہے۔ لہذا ہمارا قول نصاً وتصریحاً ثابت ہوگیا۔ **والحمد لله رب العلمين**

اس کے بعد اس شخص کے بارے میں کلام ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے بعد تمام صحابہؓ میں کون افضل ہے۔ جو لوگ ابن مسعودؓ یا عمرؓ یا جعفر بن ابی طالب یا ابوسلمہؓ کو یا تینوں اہلیتین کو تمام صحابہ فضیلت دیتے ہیں ہم نے ان کی کوئی ایسی حجت نہیں پائی جس پر اعتماد کیا جائے۔

جو لوگ توقف کرتے ہیں ہم نے ان کی اس سے زیادہ حجت نہیں پائی کہ ان کے لئے کوئی برہان واضح نہیں کہ یہ لوگ افضل ہیں۔ اگر انھیں تشفی ہوتی تو ضرور اس کے مطابق قائل ہوتے۔

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ علیؓ افضل ہیں ہم نے ان میں معارضہ واختلاف اور ان کی تعداد زیادہ پائی۔ لہذا ضروری ہوا کہ میں وہ سب امور لاؤں جن سے ان لوگوں نے فریب کاری کی ہے کہ اس میں جو حق ہے وہ واضح ہوجائے۔ **وبالله تعالىٰ توفيق**۔

ہم نے انھیں استدلال کرتے پایا کہ علیؓ کا جہاد اور کفار میں نیزہ بازی وتیغ زنی سب صحابہ سے زیادہ ہے۔ اور جہاد افضل اعمال ہے۔

یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ جہاد بھی تین قسموں پر منقسم ہے۔

اول۔ زبان سے اللہ کی طرف دعوت دینا۔

دوم۔ جنگ کے وقت رائے وتدبیر سے جہاد۔

سوم۔ ہاتھ سے جہاد۔ نیزہ بازی وتیراندازی وشمشیرزنی۔

زبانی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم کسی کو بھی نہیں پاتے جو اس میں ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ شامل ہوسکے۔ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اکابر صحابہؓ اسلام لائے۔ یہ عمل افضل ہے۔ اور اس میں علیؓ کا حصہ زیادہ نہیں ہے۔

عمرؓ جس روز سے اسلام لائے اسلام کو غلبہ وعزت حاصل ہوئی۔ مکے میں علانیہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونے لگی۔ انھوں نے مکے میں اپنے ہاتھوں سے مشرکین سے جہاد کیا مارا بھی اور خود بھی مار کھائی۔ یہاں تک کہ کفار اکتا گئے اور انھیں چھوڑ دیا۔ انھوں نے علانیہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اور یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔ ان دونوں جہادوں میں یہی دونوں حضرات یکتا وتنہا ہیں۔ ان دونوں کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور اس میں علیؓ کا بالکل کوئی حصہ نہیں ہے۔

رہ گئی دوسری قسم وہ رائے ومشورہ ہے۔ ہم نے اس کو خالص ابوبکرؓ کے لئے پایا، اس کے بعد عمرؓ کے لئے۔

تیسری قسم۔ نیزہ بازی وشمشیر زنی اور باہمی جنگ ہے۔ ہم نے اسے ایک بدیہی برہان سے مراتب جہاد میں نہایت ادنیٰ پایا۔ وہ برہان یہ ہے کہ کسی مسلم کے نزدیک کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فضیلت میں مخصوص ہیں۔ اکثر اعمال واحوال میں ہم نے آپ کے جہاد کو پہلی دونوں قسموں میں پایا۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت وتبلیغ۔ اور دوسرے تدبیر وارادہ نیزہ بازی وتیغ زنی وباہمی جنگ آپ کا قلیل ترین عمل تھا۔ یہ بزدلی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین میں یقیناً سب سے زیادہ بہادر وشجاع تھے۔ اپنی ذات سے بھی اور ہاتھ سے بھی۔ آپ تمام انسانوں سے زیادہ بہادری کے ساتھ دشوار سے دشوار امور کے انجام دینے والے تھے۔ لیکن آپ فعل افضل کو اس کے بعد فاضل کو اختیار فرمایا کرتے، اسی پر پیشقدمی فرماتے، اور اسی میں مشغول ہوتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ بدر وغیرہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کو ان کے لئے پسند فرمایا تھا۔ جنگ میں آپ ان کی رائے سے مدد لیتے تھے۔ ان کے موجود رہنے سے آپ کی دل بستگی رہتی تھی۔ عمرؓ بھی اکثر اس میں شریک کر لئے جاتے تھے۔ بجز شاذ ونادر حالات کے اس مقام میں بغیر علیؓ اور بغیر تمام صحابہؓ کے ابو بکرؓ ہی منفرد و یکتا تھے۔

ساتھ ہی ہم نے اس قسم جہاد میں غور کیا جو نیزہ بازی وشمشیر زنی وباہمی جنگ ہے۔ ہم نے علی رضی اللہ عنہ کو اس کی فضیلت میں بھی یکتا نہیں پایا۔ بلکہ اس میں بھی دوسرے لوگ ان کے برابر کے شریک ہیں۔ مثلاً طلحہؓ وزبیرؓ وسعدؓ۔ اور وہ لوگ جو شروع اسلام میں قتل کر دیئے گئے مثلاً حمزہؓ و عبیدہؓ بن الحارث بن المطلب ومصعبؓ بن عمیر۔

ادر انصار میں سے سعدؓ بن معاذ وسماکؓ بن خرسہ وغیرہما۔ اس میں بھی ابو بکرؓ وعمرؓ کو ایک اچھے خاصے حصے کے ساتھ علیؓ کا ہم شریک پاتے ہیں۔ اگر چہ دونوں حضرات ان تمام حضرات کے حصوں میں شامل نہیں ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی ومعیت اور جنگ کے وقت حالات کے اندازہ کرنے میں مشغول رہتے تھے جو افضل عمل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو لشکروں پر امیر بنا کر اس سے بہت زیادہ بھیجا ہے جتنا آپ نے علیؓ کو بھیجا ہے۔ آپ نے ابو بکرؓ کو بنی فزارہ کی طرف بھیجا اور عمرؓ کو بنی فلاں کی طرف۔ ہمیں علیؓ کے بھیجنے کا علم نہ ہوا بجز خیبر کے ایک قلعے کے جسے علیؓ نے فتح کیا۔ اس کے قبل آپ ابو بکرؓ وعمرؓ کو بھیج چکے تھے مگر یہ غیر مفتوح رہا تھا۔ ابو بکرؓ وعمرؓ کو جہاد کی چاروں قسمیں حاصل تھیں، اور جہاد کی کمترین قسم میں بھی وہ علیؓ کے شریک تھے جس میں اور جماعت بھی علیؓ کی شریک تھی۔ قائل نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ علیؓ کا علم سب صحابہؓ سے زیادہ تھا۔

یہ جھوٹا ہے۔ صحابیؓ کا علم صرف دو ہی وجوہ سے معلوم ہو سکتا ہے جس کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

ایک ان کی روایت وفتاویٰ کی کثرت۔

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت انھیں عامل بنانا۔ کیونکہ یہ محال ہے و باطل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے کو عامل بنائیں جسے علم نہ ہو۔ یہ اس کے وسعت علم کی بہت بڑی شہادت ہے۔

ہم نے اس میں غور کیا تو یہ پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے زمانہ مرض میں اپنے سامنے ہی ابو بکرؓ کو خلیفہ نماز بنایا۔ حالانکہ تمام اکابر صحابہؓ موجود تھے۔ مثلاً علیؓ وابن مسعودؓ وعمرؓ وابیؓ بن کعب وغیرہم۔ اس امر میں آپ نے ابو بکرؓ کو سب پر ترجیح دی۔ یہ ویسا نہیں ہے کہ آپ نے جب کوئی غزوہ کیا تو کسی کو نائب بنایا۔ اس لئے کہ غزوے کے موقع پر آپ نے جس کو نائب بنایا وہ صرف عورتوں اور معذوروں پر نائب ہوتا تھا۔ لہذا ضروری طور پر لازم آ گیا کہ ہم یہ جان لیں کہ ابو بکرؓ نماز واحکام نماز کے سب سے بڑے عالم تھے اور

اصحابؓ مذکورہ بالا سے زیادہ عالم نماز تھے۔ حالانکہ یہ دین کا ستون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو عامل صدقات بنایا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ ابوبکرؓ کو علم صدقات بھی اتنا ہی تھا جتنا دوسرے علمائے صحابہ کو نہ کہ اس سے کم۔ اور اکثر تو وہ زیادہ ہی علم رکھتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت علیہ السلام نے اوروں کو بھی عامل صدقات بنایا ہے۔ آنحضرت کسی کو عامل بناتے تھے تو عالم ہی کو بناتے تھے۔

نماز کے بعد زکوٰۃ بھی ارکان دین میں سے ہے۔ یہ برہان کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، علم صدقات کے مکمل عالم تھے، وہ احادیث ہیں جو زکوٰۃ کے بارے میں آئی ہیں جن میں صحیح ترین حدیث جس سے علم ضروری حاصل ہو جاتا ہے اور جس کے خلاف جائز نہیں، وہ حدیث ابوبکرؓ ہے پھر وہ حدیث ہے جو عمرؓ کے طریق سے آئی ہے، لیکن جو علیؓ کے طریق سے آئی ہے وہ مضطرب ہے (حدیث مضطرب وہ حدیث ہے جس میں ایک ہی حدیث کے متعلق روایوں کے بیان مختلف ہوں) اور اس حدیث کی سند میں وہ عیب ہے جس کی وجہ سے اسے فقہاء نے بالکل ترک کر دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پچیس اونٹ کی زکوٰۃ پانچ بکریاں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو عامل حج بنایا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ حج کے بھی سب صحابہ سے زیادہ عالم تھے، اور یہ ارکان اسلام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں لشکروں پر عامل بنایا ہے، لہذا ثابت ہو گیا کہ ابوبکرؓ کو بھی اتنا ہی احکام جہاد کا علم تھا جتنا کہ ان صحابہ کو جن کو آپ نے جہاد کے لشکروں پر عامل بنایا تھا۔ کیونکہ آپ کسی کام پر بجز اس کام کے عالم کے کسی کو عامل نہیں بناتے تھے۔ لہذا ابوبکرؓ کو بھی جہاد کا اتنا ہی علم تھا جتنا علیؓ کو اور تمام امرائے لشکر کو تھا نہ کم نہ زیادہ۔ چونکہ ابوبکرؓ کا نماز و زکوٰۃ و حج کے علم میں علیؓ وغیرہ پر تقدم و شرف ثابت ہو چکا اور وہ علم جہاد میں علیؓ کے مساوی تھے تو ظاہر ہے کہ علم ابی بکرؓ عمدہ و بہترین علم ہوا۔

ہم نے پایا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے اٹھتے بیٹھتے، سفر و حضر میں اپنے ساتھ ابوبکرؓ کو اس طرح رکھا کہ وہ آپ کے احکام و فتاوی کا اس سے زیادہ مشاہدہ کرتے رہے جتنا کہ علیؓ نے اس کا مشاہدہ کیا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ابوبکرؓ اس کے بھی سب سے بڑے عالم تھے۔ کیا علم کا اب کوئی حصہ ایسا رہ گیا ہے کہ ابوبکرؓ اس میں سب سے بڑھے ہوئے نہ ہوں جن کے ساتھ نہ کوئی شامل ہو نہ شریک ہو اور نہ آگے ہو۔ لہذا علم کے بارے میں ان کا جو دعویٰ تھا وہ باطل ہو گیا و **الحمد للہ رب العلمین**۔

روایت و فتویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف ڈھائی برس زندہ رہے سوائے حج یا عمرے کے انھوں نے کبھی مدینہ نہیں چھوڑا۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت تھی لوگ اس کے محتاج بھی نہ تھے اس لئے کہ جو لوگ ابوبکرؓ کے آس پاس تھے ان سب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تھا۔ ان تمام امور کے باوجود ابوبکرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو بیالیس مسند حدیثیں روایت کی ہیں۔

علیؓ نے صرف پانچ سو چھیاسی مسند حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے تقریباً پچاس صحیح ہیں۔ حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تیس برس سے زیادہ زندہ رہے۔ لوگوں کی بکثرت ان سے ملاقات ہوئی۔ اعیان صحابہ رضی اللہ عنہم کے گذر جانے کی وجہ سے جو علم ان کے پاس تھا لوگوں کو اسکی بہت ضرورت تھی اور اطراف عالم کے لوگوں نے بکثرت ان کے علوم سنے کبھی صفین میں، سالہا سال کوفے میں کبھی بصرے اور مدینے میں۔

جب ہم ابوبکرؓ کی مدت حیات کا تناسب دیکھتے ہیں اور علیؓ کا ایک ایک شہر کے گشت کو اور لوگوں کے بکثرت ان سے سننے کو ابوبکرؓ کے

مدینہ نبوی سے وابستہ رہنے اور ان کے آس پاس والوں کے انکی روایت سے بے نیاز ہونے پر نظر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم عدد حدیث کا عدد حدیث سے اور فتاوی کا فتاوی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ہر ایسا شخص جسے علم کا کچھ بھی حصہ حاصل ہے وہ جان لے گا کہ جو علم ابو بکرؓ کا تھا وہ بدرجہا علیؓ کے علم سے زائد تھا۔ برہان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جنھیں تھوڑی ہی عمر دی گئی ان سے نقل وروایت بھی تھوڑی ہی ہے۔ جن کی عمر طویل ہوئی ان کی نقل بھی کثیر ہے، بجز معدودے چند کے جو کسی اور کو لوگوں کی تعلیم کے لئے نائب بنا کر بے نیاز ہو گئے تھے۔

عمرؓ بن الخطاب کے بعد علیؓ چند ماہ کم سترہ برس زندہ رہے۔ مسند عمر پانچ سو پچیس حدیثیں ہیں جن میں سے بالکل علیؓ کے برابر سرابر تقریباً پچاس حدیثیں صحیح ہیں۔ اس مدت طویلہ میں علیؓ کی حدیث کا عمرؓ کی حدیث پر جو کچھ اضافہ ہوا وہ صرف پچاس حدیثیں ہیں۔

حدیث صحیح میں عمرؓ کی حدیث سے صرف ایک یا دو حدیث کا اضافہ ہوا۔

ابواب فقہ میں عمرؓ کے فتاوی علیؓ کے فتاوی کے ہم وزن ہیں۔

جب ہم نے ایک مدت کو دوسری مدت سے نسبت دی، مسافروں کی طرح شہروں میں سفر کیا، حدیث کو حدیث سے اور فتاوی کو فتاوی سے نسبت دی، تو ہر صاحب حس کو بدیہی طور پر معلوم ہو گیا کہ عمرؓ کا جو علم تھا وہ علیؓ کے علم سے بدرجہا زائد تھا۔

اس کے بعد ہم نے یہ حالت پائی کہ (جوں جوں) زمانہ دراز ہوتا گیا لوگوں کو صحابہ کے علوم کی حاجت بھی بڑھتی گئی۔ ہم نے مسند عائشہؓ میں دو ہزار دو سو دس حدیثیں پائیں۔ مسند ابو ہریرہ میں پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں۔ مسند ابن عمرؓ و مسند انسؓ دونوں میں ہر ایک کی قریب قریب عائشہ کے برابر حدیثیں پائیں۔ مسند جابر بن عبداللہ و مسند عبداللہ بن عباس میں ہر ایک کی پندرہ پندرہ سو سے زائد حدیثیں اور ابن مسعود کی آٹھ سو نو حدیثیں پائیں۔ مذکورہ بالا حضرات کے سوائے ابو ہریرہ و انس بن مالک کے فتاوی بھی علیؓ کے فتاوی سے زائد یا برابر ہیں۔ لہذا اس بے حیا جاہل گروہ کا قول باطل ہو گیا۔

اگر کوئی ہٹ دھرمی کرنے والا اس باب میں ہم سے جھگڑا کرے تو وہ جاہل یا بے حیا ہے اس کا کذب و جہل روشن ہو چکا ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں پر نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اس کے مرتبے سے گرانے کی تہمت ہے اور نہ کسی کو اس کے مرتبے سے بڑھانے کی۔ معاذ اللہ اگر ہم علیؓ رضی اللہ عنہ سے منحرف ہوتے تو لامحالہ ان کے بارے میں خوارج کا مذہب اختیار کرتے۔ اللہ تعالی نے ہمیں اس تعصب کی گمراہی سے پاک کیا ہے۔ اگر ہم ان کے بارے میں غلو کرتے۔ اور حد سے بڑھتے تو مذہب شیعہ اختیار کرتے۔ اللہ تعالی نے ہمیں تعصب کی اس تہمت سے بھی پناہ دی ہے۔

اغیار جو یا تو علیؓ سے منحرف ہیں یا ان کے معاملے میں غلو و مبالغہ کرنے والے ہیں ان کے بارے میں وہی متہم و مشتبہ ہیں کہ یا تو وہ انکی موافقت میں ہیں یا مخالفت میں۔ ان تمام امور کے بعد کوئی ایسا شخص جو اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے اس پر قادر نہیں کہ وہ اس استدلال کی مخالفت کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض امور دین پر بعض صحابہ کے عامل بنانے سے ان صحابہ کے کثرت علم پر کیا گیا ہے۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؓ کو اخماس (مال غنیمت کے پانچویں حصوں) پر اور قضائے یمن (یعنی عدالت یمن) پر عامل بنایا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ لیکن ابو بکرؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کا مشاہدہ کرنا ہی زبردست

علم تھا۔ اور اس سے زیادہ پائدار تھا جو علیؓ کے پاس تھا جب وہ یمن میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو لشکروں پر عامل بنایا ہے۔ جس میں اخماس بھی تھے۔ لہذا بلا شک احکام اخماس میں بھی ابوبکرؓ کا علم علیؓ کے علم کے مساوی ہوگیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شخص کو کسی چیز پر عامل بناتے تھے۔ اس کے عالم ہی کو بناتے تھے۔

یہ بھی ثابت ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے ہی میں فتوی دیا کرتے تھے اور آپ بھی اس کو جانتے تھے۔ یہ محال ہے کہ آپ اس کو اس حالت میں بھی ان کے لئے جائز رکھتے کہ ان دونوں کے سوا دوسرے لوگ ان سے زیادہ عالم ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے یمن پر علیؓ کے ساتھ معاذ بنؓ جبل وابوموسیٰؓ الاشعری کو بھی عامل بنایا ہے۔ علیؓ کے تو اس میں بہت سے شرکاء ہیں جن میں ابوبکرؓ وعمرؓ بھی ہیں، مگر ابوبکرؓ اکثر و بیشتر علوم میں منفرد و یکتا ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

قائل نے یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ سب صحابہ سے زیادہ قرآن جانتے تھے۔ اور سب سے بڑے قاری تھے۔

یہ قصہ بھی (صدق سے) خالی اور بہتان ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔

اول یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رد ہے اس لئے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "قوم کی امامت وہ کرے جو سب سے بڑا قاری ہو۔ اگر سب مساوی ہوں تو جو سب سے زیادہ عالم فقہ ہو۔ اگر سب مساوی ہوں تو جو ہجرت میں سب سے مقدم ہو"۔ ہم پاتے ہیں کہ آنخضرت علیہ السلام نے اپنے زمانہ مرض کی پوری مدت بھر ابوبکرؓ کو نماز کا امام رکھا۔ حالانکہ علیؓ بھی موجود تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں رات دن دیکھا کرتے تھے۔ مگر آنخضرت علیہ السلام نے نماز کے لئے ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کو اس کا مستحق نہیں سمجھا۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ابوبکرؓ ہی سب سے زیادہ قاری سب سے زیادہ فقیہ، اور سب سے پہلے ہجرت کرنے والے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو پورے قرآن کا حافظ نہیں ہوتا وہ اس سے زیارہ قاری ہوتا ہے جو پورے قرآن کا حافظ ہو۔ وہ الفاظ قرآن خوب ادا کرتا ہے۔ اور اس کی ترتیل سب سے اچھی ہوتی ہے۔ یہ اس کے علاوہ ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ وعلیؓ میں سے کسی نے بھی بظاہر پورے قرآن کی سورتوں کے پورے حصے حاصل نہیں کئے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکرؓ کو نماز کے لئے بڑھانے سے حالانکہ علیؓ موجود تھے۔ یقیناً واجب ہوگیا کہ ابوبکرؓ ہی علیؓ سے زیادہ قاری تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہ تھے کہ امامت کے لئے زیادہ قاری سے کم قاری کو مقدم کر دیتے یا کم فقیہ کو زائد فقیہ پر مقدم کر دیتے۔ لہذا اس باب میں بھی ان لوگوں کا فریب باطل ہوگیا و الحمدلله رب العلمین۔

ان میں سے کسی قائل نے یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ سب صحابہ سے زیادہ متقی تھے۔

یہ تہمت لگانے والا جھوٹا ہے۔ بیشک علی رضی اللہ عنہ تقی و متقی تھے مگر فضائل میں لوگ باہم کم و بیش ہوتے ہیں۔ صحابہؓ میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ سے ڈرنے والا اور اتقی ابوبکرؓ ہی تھے۔ برہان یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے کبھی ایک حرف سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناخوش نہیں کیا۔ نہ کبھی آنخضرتؐ کے کسی ارادے کی مخالفت کی نہ آپ کی تصدیق میں تاخیر کی۔ اور نہ واقعہ حدیبیہ میں آپ کا حکم ماننے میں تردد کیا جب کہ بعض لوگوں نے تردد کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب علیؓ نے دختر ابوجہل سے نکاح کا ارادہ کیا ہے، تو منبر پر ان کی جو شکایت کی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

ہم نے ابوبکرؓ کا کسی ایسی چیز سے توقف نہیں پایا جس کا انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو۔ پھر ایک مرتبہ کے۔ کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرمالیا اور ان کے فعل کو جائز رکھا۔ وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا سے

تشریف لائے تو آپ نے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے پایا۔ جب ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا تو وہ (مصلے سے) پیچھے ہٹے مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو۔ ابوبکرؓ نے اس پر الحمد للہ کہا پھر پیچھے ہٹ گئے اور صف میں مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمھیں اس سے کس نے روکا تھا کہ جب میں نے تمھیں حکم دیا تھا۔ تو تم قائم رہتے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ ابن ابی قحافہ (یعنی ابوبکرؓ) کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے بڑھ جائے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی تعظیم وفرمانبرداری اور آپ کے سامنے تواضع وانکسار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس امر سے ابوبکرؓ پر اعتراض وانکار نہیں فرمایا۔ چونکہ یہ برہان ضروری سے ثابت ہو گیا کہ ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سب سے زیادہ عالم تھے لہذا لازم آیا کہ وہی سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''**انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء**'' (اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں)۔ تقی کے معنی اللہ سے خشیت رکھنے اور ڈرنے والے کے ہیں۔

کہنے والوں نے کہا ہے کہ علیؓ سب سے زیادہ زاہد تھے۔

اس جاہل نے جھوٹ کہا۔ برہان یہ ہے کہ زاہد وہی ہے جو اپنے آپ کو حب جاہ ومال ولذات سے اور اہل وعیال ومتعلقین کی رغبت ومیلان سے دور رکھنے والا ہو۔ زاہد جو اسم زہد سے مشتق ہے اس کے یہی معنی ہیں۔

اپنے آپ کو حب مال سے بچاتا۔ جسے گذشتہ تاریخ میں ذرا سی بھی بصیرت ہے وہ جانتا ہے کہ ابوبکرؓ جس وقت اسلام لائے ہیں ان کے پاس بہت مال تھا۔ جس کی مقدار چالیس ہزار درہم بیان کی جاتی ہے۔ یہ سب کا سب ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا، ان کمزور مومن غلاموں کو آزاد کرایا۔ جن پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنے کی وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا ایسے غلاموں کو آزاد نہیں کرایا تھا جو طاقتور اور بہادر ہوں کہ وہ ابوبکرؓ کی حفاظت کریں۔ بلکہ ہر مظلوم غلام اور مظلومہ کنیز کو آزاد کرایا جس پر دین الٰہی کی وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا۔ یہاں تک جس وقت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہے تو انکے پاس صرف چھ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے کہ ان سب کو بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ لے گئے اور ان کے بچوں کے لئے ان میں سے ایک درہم بھی نہ رہا۔ بعد میں یہ سب بھی فی سبیل اللہ خرچ کر دیا یہاں تک کہ ان کے پاس سوائے ان کی ایک عباء کے کچھ نہ رہا جسے وہ کھونٹی میں لٹکا رکھتے تھے کہ جب سفر کرتے تھے تو پہن لیتے تھے اور جب منزل میں قیام کرتے تھے تو اسے بچھا لیتے تھے۔ جب کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم متمول ہو گئے اور انھوں نے حق وحلال طریقے سے بڑی بڑی جائیدادیں اور بڑے بڑے باغ بنا لئے۔ مگر جس نے اس کے مقابلے میں اللہ کی راہ کو ترجیح دی وہ اس سے زیادہ زاہد ہے جس نے خرچ کیا اور جمع کیا۔

ابوبکرؓ والی خلافت ہوئے تو انھوں نے ایک کنیز بھی نہ لی اور نہ مال میں وسعت حاصل کی۔ اپنی وفات کے وقت اس مال کا شمار کیا جو اپنے اور اپنے اہل وعیال پر بیت المال سے خرچ کیا تھا جس سے انھوں نے اپنے حق کا کچھ حصہ پورا کیا تھا اور انھوں نے اپنے اس ذاتی مال سے اس کے بیت المال میں واپس کرنے کا حکم دیا جو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوات اور تقسیموں میں حاصل ہوا تھا۔ مال ولذات کا زہد یہ تھا جس میں صحابہ میں سے کوئی ان کے قریب بھی نہ تھا نہ علیؓ نہ اور کوئی۔ بجز ابوذرؓ وابوعبیدہؓ کے کہ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ یہ دونوں اسی طریقے پر رہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا تھا۔ ان کے سوا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مباح

وجائز میں وسعت حاصل کی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کر دیا تھا۔ مگر جس نے اللہ کی سبیل کو اپنے اوپر اختیار کیا وہ افضل ہے۔ ابوذرؓ کا اس کے سوا اور کوئی کارنامہ نہ تھا۔ ہوتا تو وہی ان سے بڑھتا جوان کے برابر ہوتا۔ یہ تو لذات و مال میں زہد تھا۔ بے شک اس زہد میں عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکرؓ کی پیروی کی ہے۔ وہ بھی اس میں یعنی مال ولذات سے نفرت کرنے میں علیؓ سے بالاتر تھے۔

علیؓ رضی اللہ عنہ نے اس باب میں حلال طریقے سے وسعت حاصل کی۔ اپنی وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس کنیزیں (ام ولد چھوڑ گئے۔ (ام ولد وہ کنیزیں ہیں جن کے یہاں اپنے آقا سے اولاد پیدا ہو جائے)۔ اور بہت سے خادم وغلام ان کے علاوہ تھے۔ وفات کے وقت وہ چوبیس بیٹے بیٹیاں چھوڑ گئے جن کے لئے اتنی جائداد اور باغات چھوڑ گئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے اغنیاء میں ہو گئے۔ یہ وہ امر ہے جس کے انکار پر ہر وہ شخص قادر نہیں جسے تاریخ کا کچھ بھی علم ہے۔

منجملہ ان کی اس جائداد کے جسے انھوں نے وقف کیا تھا ایک جائداد ایسی بھی تھی جس کی آمدنی ایک ہزار وسق کھجور تھی (وسق ٦٠ صاع کا اور صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) جو اس کی زراعت کے علاوہ تھی۔ پھر کہاں وہ اور کہاں یہ۔

جب اولاد اور ان کی اور متعلقین کی طرف رغبت ومیلان اس میں بھی معاملہ نہایت واضح ہے جو ذرا سا بھی تاریخ کا علم رکھنے والے سے مخفی نہیں۔ ابوبکرؓ کے رشتہ دار اور بیٹے تھے۔ مثلاً طلحہ بن عبیدؓاللہ جو مہاجرین اولین اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے اور اسلام کی فضیلت کے ہر باب میں سے عظیم الشان فضیلت والے تھے۔ مثلاً ان کے فرزند عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحبت قدیمہ حاصل تھی، سابق الہجرۃ بھی تھے' اور ان کا علم وفضل بھی ظاہر تھا۔ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کسی کو بھی کسی سمت کا عامل وعہدہ دار نہیں بنایا۔ حالانکہ یمن کی تمام بستیاں اپنی پوری وسعت اور کثیر علاقوں کے ساتھ اور عمان وحضر موت وبحرین ویمامہ وطائف ومکہ وخیبر اور حجاز کے تمام علاقے ان کے قبضے میں تھے۔ اگر وہ ان لوگوں کو عامل بناتے تو بیشک وہ لوگ اس کے اہل تھے۔ لیکن وہ ترجیح سے ڈرتے تھے اور انھیں اندیشہ تھا کہ طبعی محبت ان کی طرف مائل نہ کر دے۔

عمرؓ بھی اس معاملے میں ابوبکرؓ ہی کے راستے پر چلے۔ انھوں نے شہروں کی وسعت وکثرت کے باوجود بنی عدی بن کعب میں سے کسی کو عامل نہیں بنایا۔ حالانکہ وہ شام ومصر اور خراسان تک تمام ملک فتح کر چکے تھے۔ بجز اس کے کہ نعمان بن عدی کو تو میسان کا عامل بنایا تھا پھر فوراً ہی انھیں معزول کر دیا۔ حالانکہ ان (بنی عدی کے) لوگوں میں ہجرت اس قدر تھی کہ قریش نے بھی اختیار نہیں کی تھی۔ اس لئے کہ بنی عدی میں سے مکے میں ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جس نے ہجرت نہ کی ہو۔

ان میں مثل سعید بن زید تھے (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) جو مہاجرین اولین میں سے تھے اور ان کے بہت سے کارنامے تھے۔ ابوالجہم بن حذیفہؓ تھے۔ خارجہ بن حذافہؓ ومعمر بن عبداللہؓ اور خود ان کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ تھے۔ ابوبکرؓ نے اپنے فرزند عبدالرحمٰنؓ کو خلیفہ نہیں بنایا حالانکہ وہ صحابی تھے۔ نہ حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبداللہؓ کو والی خلافت بنایا حالانکہ وہ منتخب فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ لوگ انھیں پسند کرتے تھے اور وہ اس کے اہل بھی تھے۔ اگر وہ انھیں خلیفہ بناتے تو کوئی بھی اس سے اختلاف نہ کرتا۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

ہم علی رضی اللہ عنہ کو پاتے ہیں کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو اپنے اقارب کو عامل بنایا۔ مثلاً عبدالملک بن عباس کو بصرے پر، عبداللہ بن عباس کو یمن پر، قثم ① بن عباس ومعبد بن عباس کو مکے ومدینے پر، جعدہ بن نمیرہ کو خراسان پر۔ یہ ان کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے بیٹے تھے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر پر۔ یہ ان کی بیوی کے بیٹے اور بچوں کے بھائی تھے (یعنی حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے تھے)۔ اپنے فرزند حضرت حسنؓ

---

① اصل میں ''خثعم بن عباس'' ہے۔ عباس بن عبدالمطلب کے فرزند ''قثم'' کے علاوہ کیا کوئی ''خثعم'' بھی تھا

ہیں کہ عبداللہؓ بن عباس بھی
کی بیعت خلافت سے خوش تھے۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ حسنؓ خلافت کے مستحق تھے اور نہ اس کا انکار کرتے
مستحق خلافت تھے چہ جائیکہ بصرے کی امارت۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص خلافت میں بھی عبداللہ بن عمرؓ وعبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جیسے
فرزندوں میں زہد اختیار کرے حالانکہ لوگ اس پر متفق ہوں، اور طلحہؓ بن عبیداللہ وسعیدؓ بن زید جیسوں کے امیر بنانے میں زہد اختیار کرے تو
اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس کے مقابلے میں کامل زاہد اور اپنے آپ کو تمام معانی دنیا سے دور رکھنے والا ہے جو اس میں سے اتنا حصہ لیے
جس کا لینا اس کے لئے مباح ہے لہذا اس برہان ضروری سے ثابت ہو گیا کہ ابوبکرؓ تمام صحابہ سے زاہد تھے اور ان کے بعد عمرؓ بن الخطاب تھے۔

اسی کہنے والے نے یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ سب صحابہ سے زیادہ وقف وصدقہ وخیرات کرنے والے تھے۔
میں بھی کوئی نمایاں شرکت نہیں ہے۔
یہ تو علانیہ باطل کو ظاہر کرنا ہے۔ اس لئے کہ (ابوبکرؓ کے ساتھ) علیؓ کو مال (خرچ کرنے)
ابوبکرؓ کا فی سبیل اللہ مال کا خرچ کرنا اس قدر زیادہ مشہور ہے کہ یہود ونصاریٰ پر بھی مخفی نہیں۔ چہ جائیکہ مسلمین پر۔ اس کے بعد اس معنی میں یہ
مرتبہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے لئے ہے جو کسی اور کے لئے نہیں ہے کہ انھوں نے جیش عسرت کو سامان دیا تھا (یعنی غزوہ تبوک کے لیے)
لہذا ثابت ہو گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ اسلام میں اپنے مال سے شرکت کرنے والے اور نفع پہنچانے والے اور سب
سے بڑے صدقہ دینے والے تھے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ علیؓ ہی سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔ اور انھوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔
کہ علیؓ کی جب وفات
سابقہ یعنی اسلام میں سبقت کرنا اور سب سے پہلے اسلام لانا۔ کوئی ایسا شخص جو قابل شمار ہو اس کا قائل نہیں
ہوئی تو ان کی عمر تریسٹھ برس سے زیادہ تھی۔ بلا شک ان کی وفات سنہ ۴۰ھ میں ہوئی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے رحلت فرمائی ہے تو علیؓ تیئیس برس کے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکے میں زمانہ نبوت میں تیرہ برس قیام رہا۔ جس وقت آپ
مبعوث ہوئے علیؓ دس برس کے تھے۔ دس برس والے کا اسلام ودعوت اسلام ایسا ہی ہے جیسے انسان کا اپنے چھوٹے بچے کو دین کا خوگر بنانا۔
کہ نہ تو اس وقت کچھ نفع ہے نہ اس کے انکار سے کوئی گناہ۔ اگر اس معاملے کو اس کے قول کے مطابق اختیار کیا جائے جو کہتا ہے کہ علیؓ کی

وفات اٹھاون برس کی عمر میں ہوئی تو پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت پانچ ہی برس کے تھے۔
جو بالغ نہ ہوا نہ وہ مکلّف ہے نہ

ابوبکرؓ کا اسلام اڑتیس برس کی عمر میں ہوا۔ یہ وہی اسلام ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔

مخاطب لہذا ابوبکرؓ وعمرؓ کا سابقہ بلا شک علیؓ کے سابقہ سے بہت پیشتر وبیشتر ہے۔

عمرؓ کا اسلام بعثت کے چھ برس بعد ہوا مگر ان کا نفع ان کے قبل کے بہت سے اسلام لانے والوں سے بہت زیادہ ہوا۔
جب کہ بہت سے صحابہ مرد وعورت اسلام لا

علیؓ حد تکلیف وحد بلوغ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کے چند سال بعد پہنچے۔
چکے تھے ان پر اللہ کے بارے میں سخت ترین مظالم ہو چکے تھے اور دین کے بارے میں انھیں عظیم الشان مصائب سے سابقہ پڑ چکا تھا۔ علیؓ کا
بت پرستی نہ کرنا۔ ہم نے اور ہمارے ان بچوں نے جو اسلام میں پیدا ہوئے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ لیکن عمار ومقداد وسلمان وابوذر وحمزہ وجعفر
رضی اللہ عنہم نے بت پرستی کی ہے۔ کیا تمھاری رائے میں ہم لوگ اس سبب سے ان حضرات سے معاذ اللہ افضل ہیں۔ اس کا تو کوئی مسلم بھی
قائل نہیں۔ لہذا یہ باطل ہو گیا کہ یہ امر علیؓ کی کسی مزید فضیلت کا باعث ہو۔ ورنہ عائشہ رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ سے اس فضیلت میں مقدم
ہوں گی۔ اس لئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ان کی عمر آٹھ برس اور چند ماہ کی تھی۔ اپنے والد کے اسلام کے چند
سال بعد پیدا ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت سے چند سال پہلے علیؓ اپنے والد کی بت پرستی کی حالت میں پیدا ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ کے والد بھی جب اسلام لائے ہیں تو عبداللہ کی عمر چار سال کی تھی۔ انھوں نے بھی کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اس فضیلت میں وہ بھی علیؓ کے شریک ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ علیؓ تمام صحابہ سے زیادہ سیاست داں تھے۔

یہ تو ایسا باطل ہے جو کسی کافر سے پوشیدہ ہے نہ مومن سے۔ سارے عالم کے قریب و بعید و عالم و جاہل و مومن و کافر سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب ایک ملک والے کافر ہو گئے اور سوائے ابوبکرؓ کے سب نے بقیہ عرب کی بات مان لی اور اسے قبول کر لیا جس کی عرب نے دعوت دی تھی۔ تو آیا کوئی تھا جو ابوبکرؓ کی طرح دشمن کی ایذا پر اور شدت خوف پر ثابت قدم رہتا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اسی طرح اسلام میں فوج کی فوج داخل ہو گئے جس طرح اس سے نکلے تھے اور خوشی و ناخوشی انھوں نے زکوۃ دیدی۔ ابوبکرؓ کو ان کی جماعتوں نے اور انکے باہم ایک دوسرے کے مددگار ہونے اور اہل اسلام کی قلت نے دہشت وھول میں نہیں ڈالا یہانتک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو روشن اور غالب کر دیا۔ اس کے بعد بجز ابوبکرؓ کے پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے کسی نے کسریٰ و قیصر کی ان کے تخت سلطنت پر مدافعت کی ہے یہاں تک کہ انھوں نے حدود فارس و روم کو مطیع کر لیا، ان کے لشکروں کو شکست دیدی، ان کے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیا۔ اطراف زمین میں اسلام ظاہر ہو گیا اور کفر و اہل کفر ذلیل ہو گئے مسلمانوں کے بھوکے شکم سیر ہو گئے۔ ان کے ذلیل لوگ باعزت ہو گئے فقیر غنی بن گئے۔ اس طرح بھائی بھائی بن گئے کہ ان میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ انہوں نے قرآن پڑھا اور فقہ دینی حاصل کیا ان تینوں حضرات کے بعد لوگوں نے ان سب امور کے خلاف دیکھا، مومنین میں افتراق ہو گیا، بعض مسلمان بعضوں پر تلواریں مارنے لگے، بعض مسلمانوں نے بعض مسلمانوں کے قلوب تیروں سے زخمی کر دیئے۔ بعض نے بعض کو دس دس ہزار کی تعداد میں قتل کر دیا۔ اس کی وجہ سے وہ اس سے قاصر رہے کہ کفر کی بستیوں کا ایک گاؤں بھی فتح کرتے یا ان سے کوئی لشکر خوف کرتا، یا ان میں سے کوئی جہاد کرتا۔ یہاں تک کہ وہ بہت سے کافر جو مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تھے، ان کی بستیوں سے واپس چلے گئے پھر مسلمان قیامت تک مجتمع و متفق نہ ہوئے۔ تو وہ سیاست جو سیاست ہے کہاں رہی۔

ان جاہلوں نے جو کچھ دعویٰ کیا تھا چونکہ وہ سب باطل ہو چکا اور ان لوگوں کو سوائے ان دعووں کے کچھ نہ حاصل ہوا جن کا کذب کھلا ہوا ہے اور جن میں سے کسی چیز کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا برہان سے ثابت ہو گیا کہ ابوبکرؓ ہی ہیں جو علم و قرآن و جہاد و زہد و تقویٰ و خشیت و خوف و صدقہ و عتق و مشارکت و طاعت و سیاست میں نہایت بلند پایہ کھلی .وئی سبقت اور نہایت روشن حصے سے کامیاب ہوئے۔ وجوہ فضیلت کل یہی ہیں تو بلاشک وہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام صحابہؓ سے افضل ہوئے۔

ان لوگوں کے مقابلے میں احادیث سے استدلال نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ نہ یہ لوگ ہماری احادیث کو مانتے ہیں اور نہ ہم ان کی احادیث کو ہم نے صرف ان براہین بدیہی پر محدود رکھا جن کو بڑے بڑے گروہوں نے (تواتر کے ساتھ) نقل کیا ہے۔ اگر امامت کا استحقاق فضائل میں سب سے بڑھنے کی وجہ سے ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یقیناً ابوبکرؓ ہی سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ چہ جائیکہ ان کی خلافت پر نص بھی ثابت ہو۔ چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت صحیح تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے میں ان کی اطاعت بھی فرض ہوئی۔ لہذا عمرؓ کی امامت بھی ہماری بیان کی ہوئی دلیل سے اور اجماع اہل اسلام سے جس پر قطعاً کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے ضروری و واجب ہو گئی۔ اسکے بعد تمام امت نے امامت عثمانؓ پر بھی اجماع کر لیا، ان کی امامت کی صحت اور اس کے ماننے پر امت میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہوا۔

خلافت علیؓ بھی حق ہے مگر نہ نص سے نہ اجماع سے۔ بلکہ ایک برہان ضروری سے جسے ہم انشاء اللہ ان کی جنگوں کے بارے میں کلام کے سلسلے میں بیان کریں گے۔

ابوبکرؓ کے مشہور فضائل میں سے یہ آیت ہے " **اذا خرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذهما في الغار اذيقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا** " (جب کہ آپ کو کفار نے اس حالت میں نکال دیا کہ آپ اپنے رفیق اور ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تم پریشان نہ ہو۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) یہ وہ فضیلت ہے جسے پوری جماعت نے نقل کیا ہے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ یہ ابوبکرؓ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کے بھی نکالے جانے کی فضیلت ثابت کردی کیونکہ ابوبکرؓ کو اس نے آپ کی صحبت کے نام سے مخصوص کیا اور اس سے کہ وہ غار میں آپ کے دوسرے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ تھا۔ یہ وہ فضیلت ہے جس میں کوئی بھی ابوبکرؓ کے ساتھ شامل نہیں۔

بعض بے حیاؤں نے اس میں اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **اذقال لصاحبه و هو يحاوره انا اكثر منك مالا و ولدا** " (جب کہ اس کافر نے اپنے ساتھی مومن بھائی سے جو اس سے بات کررہے تھے۔ یہ کہا کہ میرا مال واولاد تم سے بہت زیادہ ہے)۔ معترض نے کہا کہ ابوبکرؓ پریشان ہوئے تو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا۔ لہذا اگر یہ حزن و پریشانی اللہ کی پسندیدہ ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اس سے منع نہ کرتے۔

یہ باطل کا شور مچانا ہے۔ لیکن اس آیت میں یہ فرمانا کہ" **لصاحبه وهويحاوره** "(اپنے صاحب سے جو اس سے بات کررہے تھے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان میں سے ایک مومن تھے اور دوسرا کافر تھا۔ اس کی بھی خبر دی کہ دونوں میں اختلاف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف بات چیت اور ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے اسے صاحب اور ساتھی فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **والی مدين اخاهم شعيبا** " (اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا) اللہ تعالیٰ نے انھیں (یعنی شعیب کو) ان لوگوں کا دین میں بھائی نہیں بنایا۔ وطن اور قوم میں بھائی بنایا۔ یہ کلام الٰہی ایسا نہیں ہے" **اذيقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا** " (جب کہ آپ اپنے رفیق وصاحب اور ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تم گھبراؤ نہیں۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین میں ہجرت میں نکالے جانے میں غار میں اللہ تعالیٰ کے دونوں کی مدد کرنے میں کہ دونوں سے کفار کو خوفزدہ کردیا، اور اللہ تعالیٰ کے دونوں کے ہمراہ ہونے میں، صاحب ورفیق اور ساتھی بنایا۔ یہ صحبت انتہائی فضیلت ہے اور وہ دوسری صحبت بنص قرآن انتہائی نقص ہے۔

ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کا حزن پریشانی اور گھبراہٹ جو قبل اس کے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں اس سے منع کریں، یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی رضا تھی۔ اس لئے کہ یہ حزن و پریشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شفقت کی وجہ سے تھی اور اسی لئے اللہ ان کے ساتھ تھا اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے ساتھ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو حزن سے منع کردیا اس کے بعد سے انہیں کبھی حزن نہیں ہوا۔ اگر ان کمینوں کو حیا ہوتی یا علم ہوتا تو وہ اس طرح کا اعتراض نہ کرتے کیونکہ ابوبکرؓ کا حزن اگر ان کے لئے عیب ہوتا تو یہ محمد و موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی عیب ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے کہ "**سنشد عضدك باخيك و نجعل لكما سلطانا فلا يصلون اليكما باٰتينا انتما ومن تبعكما الغالبون** " (ہم تمھارے بازو کو تمھارے بھائی سے قوت دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے پھر فرعون والے تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں ہی کی وجہ

سے تم دونوں اور تمھارے پیرو غالب رہیں گے)۔ اللہ تعالیٰ نے ساحرین کے متعلق فرمایا ہے کہ انھوں نے موسیٰ سے کہا کہ '**اما ان تلقی واما ان نکون اول من القی . قال بل القوا . فاذاحبا لهم و عصیهم یخیل الیه من سحرهم انها تسعی. فاوجس فی نفسه خیفة موسیٰ . قلنا لا تخف انک انت الاعلی**'۔ (یا تو آپ شروع کیجئے یا ہم ہوں جو سب سے پہلے شروع کرے۔ موسیٰ نے کہا کہ بلکہ تمھیں شروع کرو۔ پھر ناگاہ ان لوگوں کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے سحر کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ پھر موسیٰ نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا، تو ہم نے کہا کہ تم خوف نہ کرو۔ بیشک تمھیں غالب و برتر رہو گے)۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے کلیم ہیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ فرعون اور اس کے لشکر کی ان کے پاس تک رسائی نہ ہو سکے گی اور موسیٰ اور ان کے پیرو ہی غالب رہیں گے۔ اس کے بعد بھی جب موسیٰ نے ساحرین کا معاملہ دیکھا تو اپنے جی میں ڈر گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی بھیجی کہ نہ ڈرو۔ یہ معاملہ تو ابو بکرؓ کے معاملے سے زیادہ سخت ہے۔ جب یہ فاسق جو کچھ کہتے ہیں ابو بکرؓ کو لازم آئے گا حالانکہ اللہ نے اس کے لازم آنے سے انھیں بری کیا ہے کہ ابو بکرؓ کا حزن اگر اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز اس سے منع نہ کرتے۔ اس سے زیادہ سخت موسیٰ علیہ السلام کو لازم آئے گا کہ ان کا اپنے جی میں خوف کا محسوس کرنا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتا تو اللہ تعالیٰ انھیں اس سے منع نہ کرتا۔ **معاذاللہ منها**۔

موسیٰ علیہ السلام کا اپنے جی میں خوف کا محسوس کرنا محض گزشتہ وعدے کے بھول جانے کی وجہ سے تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حزن اللہ تعالیٰ کی رضا تھا جو اس کے قبل تھا کہ انھیں اس سے منع کیا جائے اور انھیں پہلے سے حزن کی کوئی ممانعت نہ تھی۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" **ومن کفر فلا یحزنک کفره** "(اور جنھوں نے کفر کیا ہے تو آپ کو ان کے کفر پر حزن و غم نہ کرنا چاہیے)۔ اور فرمایا ہے" **ولا تحزن علیهم ولا تک فی ضیق** " اور آپ ان لوگوں پر حزن نہ کیجئے اور آپ تنگی و پریشانی میں نہ پڑیئے)۔

اور فرمایا ہے " **ولا یحزنک قولهم . ان العزة لله جمیعا** "(آپ کو ان کفار کے قول سے حزن نہ کرنا چاہیے۔ بیشک ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے)۔ اور فرمایا ہے" **ولا تذهب نفسک علیهم حسرات** "(آپ حسرتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو فراموش نہ کیجئے)۔ اور فرمایا ہے " **فلعلک باخع نفسک علی آثارهم ان لم یو منو ابهذالحدیث اسفا** " (پھر شاید مارے افسوس کے آپ ان کے پیچھے جان دیدیں گے اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے)۔ ہم پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے " **ولقد نعلم انه لیحزنک الذی یقولون** " (اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس سے آپ کو حزن ہوتا ہے)۔ اسی کو سورہ انعام میں بھی فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ کفار کہتے ہیں اس سے حزن و ملال ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تصریحاً اس سے آپ کو منع کیا ہے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حزن میں بھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع کیا بالکل مساوی طور پر وہی لازم آئے گا جس کا انھوں نے ابو بکرؓ کے حزن میں ارادہ کیا۔

کفار کی کفر کی باتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حزن بھی قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے منع کرے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھا۔ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے حزن سے منع کر دیا تو اس کے بعد آپ کو کبھی حزن نہیں ہوا۔ جیسا کہ ابو بکرؓ کا حزن بھی اللہ تعالیٰ کے منع

کرنے سے پہلے طاعت تھا۔ ابوبکرؓ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کر دینے کے بعد کبھی حزن نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس روز ابوبکرؓ نے حزن کیا ہی نہ ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (پہلے سے احتیاطاً) انھیں منع کر دیا ہو کہ انھیں حزن نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا ہے۔ ''**ولا تطع منهم آثما او كفورا**'' (ان میں سے جو گناہگار یا ناشکر گزار ہیں۔ ان کی پیروی نہ کیجئے)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کی اطاعت سے منع کیا حالانکہ آپ سے ان لوگوں کی اطاعت سرزد نہیں ہوئی تھی۔ اس پر تو صرف جاہل وبیہودہ لوگ ہی اعتراض کرتے ہیں۔ **و نعوذ بالله من الضلال۔**

بعض جہلاء نے ہم پر اس واقعے سے اعتراض کیا ہے کہ جس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کرانے کو ابوبکرؓ کو بھیجا تھا، ان کے پیچھے ہی آپ نے علیؓ ابن ابی طالب کو روانہ کیا کہ وہ سورہ براءۃ (توبہ) کو ابوبکرؓ سے لے لیں آپ نے علیؓ کو اس پر مامور فرمایا تھا کہ وہ سورہ براءۃ کی اہل موسم (یعنی حجاج) میں تبلیغ کر دیں اور انھیں پڑھ کر سنا دیں۔

یہ واقعہ ابوبکرؓ کے عظیم ترین فضائل میں سے ہے۔ اس لئے کہ وہ علیؓ بن ابی طالب اور دوسرے اہل موسم یعنی حجاج پر امیر تھے کہ لوگ بغیر ان کی روانگی کے روانہ نہیں ہو سکتے تھے، نہ بغیر ان کے وقوف وقیام کر سکتے تھے۔ تو لوگ خاموش رہتے تھے۔ اسی طرح علیؓ بھی ان سب لوگوں میں تھے۔ سورہ براءۃ وتوبہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس میں غار کے حالات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے نکلنے کا اور اللہ تعالیٰ کا ان دونوں حضرات کے ساتھ ہونے کا ذکر ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کا اس کو پڑھ کر سنانا اس امر کا اعلیٰ درجے کا اعلان ہے کہ ابوبکر علیؓ اور دوسرے صحابہ سے افضل تھے۔ یہ ابوبکرؓ کے لئے ایک قطعی حجت ودلیل ہے۔ **وبالله تعالىٰ التوفيق۔**

روافض انکار قرآن اور اس میں کمی بیشی کے دعوے کی طرف رجوع کریں۔ تو یہ وہ امر ہوگا جس سے ہر عالم وجاہل کے نزدیک ان لوگوں کی بے حیائی جہالت اور بیہودگی ظاہر ہوگی۔ کسی کافر یا مومن کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہی کتاب جو دونوں تختیوں اور جلد کے درمیان ہے،۔ یہ وہی کتاب ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور آپ نے اس کے متعلق یہ بتایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجی ہے جس نے اس سے کجی کی اس نے اپنے دشمن کی آنکھ کو ٹھنڈا کیا۔

یہ عیبی (یعنی عیب لگانے والے) لوگ جو ابوبکرؓ کی امامت پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر ہے جو آپ نے اہل اسلام کی نماز کے لئے ابوبکرؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جس میں یہ ارادہ ہے کہ جس مقام پر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑا کیا اس سے انھیں ہٹا دیا جائے۔

ہم ان میں نہیں ہیں جو اس آیت کی تاویل میں جھوٹ بولتے ہیں'' **و يطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما و اسيرا**'' (اور وہ لوگ جو کھانے کو محبوب ہونے کے باوجود، مسکین ویتیم وقیدی کو کھلاتے ہیں)۔ کہ اس سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ آیت اپنے عموم وظاہر پر ہے جو ہر ایسے شخص کی مدح میں ہے جو ایسا کرے۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان وبراہین مذکورہ سے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت ثابت ہوگئی۔

اس بارے میں احادیث بھی بہت ہیں۔ مثلاً ابوبکرؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''میرے لئے میرے صاحب (یعنی ابوبکرؓ) کو چھوڑ دو'' کیونکہ لوگوں نے (واقعہ، معراج کے بارے میں) آپ سے کہا تھا کہ آپ نے غلط فرمایا اور ابوبکرؓ نے عرض

کیا تھا کہ آپ نے صحیح فرمایا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے انھیں صدیق کا خطاب عطا فرمایا)۔

آپ کا یہ فرمانا کہ ''اگر میں کسی کو خلیل (یعنی ولی دوست) بناتا تو میں ضرور ابو بکرؓ ہی کو خلیل بناتا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور صاحب ہیں'' یہ وہ وصف ہے جو سوائے ابو بکرؓ کے کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔

علیؓ کی اخوت و برادری صرف سہل بن حنیف کے ساتھ ثابت ہے۔ منجملہ روایات فضیلت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوائے ابو بکرؓ کی کھڑکی کے مسجد کے اندر کے ہر دروازے اور ہر کھڑکی کے بند کرنے کا حکم دینا ہے۔ یہ وصف بھی کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔

منجملہ ان کے آپ کا ان لوگوں پر ناراض ہونا ہے جنھوں نے ابو بکرؓ کو بیرونی قرار دیا تھا اور جنھوں نے امامت نماز کے لئے بجائے ابو بکرؓ کے کسی اور کا مشورہ دیا تھا۔

منجملہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا ہے کہ اپنے مال میں سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکرؓ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے بعد ابو بکرؓ کے پھر عمرؓ کے تمام صحابہ سے افضل ہونے میں ہماری سب سے عمدہ دلیل یہ حدیث ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو کون سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا کہ عائشہؓ پھر عرض کیا گیا کہ مردوں میں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان کے والد۔ پھر عرض کیا گیا کہ ان کے بعد آپ نے فرمایا کہ عمرؓ۔

ہم نے اسی حدیث کے مطابق یقین کر لیا۔ پھر ہم رک گئے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے مزید بیان فرماتے تو ہم بھی بڑھتے۔ لیکن ہم تو دین کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو نص میں وارد ہوا ہو۔

لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا کہ علی رضی اللہ عنہ۔

جو چیز ہمارے دل میں آتی ہے بغیر اس کے کہ ہم اس پر یقین کریں۔ یا اس بارے میں اپنے مخالف کو خطاوار کہیں، یہ ہے کہ علیؓ سے عثمانؓ افضل ہیں۔ **واللہ علم**۔ اس لئے کہ اکثر ان دونوں کے فضائل باہم ایک ہی قدر و قیمت کے ہیں۔

عثمانؓ قراءت میں بڑھے ہوئے تھے۔ اور علیؓ فتوی و روایت میں علیؓ کا قراءت میں بھی بڑا حصہ تھا اور عثمانؓ کا بھی روایت و فتوی میں زبردست حصہ تھا۔

اپنی جان سے جہاد کرنے میں علیؓ کے بہت بڑے بڑے مقامات ہیں اور عثمانؓ کے لئے اسی طرح کے مقامات اپنے مال سے جہاد کرنے کی وجہ سے ہیں۔

عثمانؓ اس فضیلت میں علیؓ سے یکتا ہیں کہ بیعت رضوان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بائیں دست مبارک سے عثمانؓ کے داہنے ہاتھ کی طرف سے بیعت فرمائی۔

انھوں نے دو ہجرتیں کی تھیں (حبشے کی اور مدینے کی)

ان کا سابقہ قدیمہ ہے (یعنی بہت پہلے اسلام لائے)

وہ بڑے بزرگ و قابل ستائش داماد تھے۔

بدر میں شریک نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے کامل اجر اور مال غنیمت کے حصے سے اہل بدر میں شامل کر دیا اور ان کا شمار انھیں

میں ہے۔

اس کے بعد اسلام میں ان کی وہ فتوحات عظیمہ تھیں جو علیؓ کی نہ تھیں۔

ان کے سیرت سے اسلام کی ہدایت ہوتی ہے وہ کسی مسلم کی خونریزی کا سبب نہیں بنے۔

ان کا فضائل میں صحیح احادیث آئی ہیں۔

ملائکہ ان سے شرماتے تھے۔

وہ اوران کے پیرو حق پر تھے۔

فضائل علیؓ میں جو صحیح روایت ہے وہ حدیث یہ ہے کہ تمھارا میرے ساتھ وہ مرتبہ ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون علیہ السلام کا تھا۔ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اور یہ حدیث ہے کہ کل صبح کو میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ صفت ہر فاضل مومن کے لئے ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد کیا ہے کہ علیؓ سے مومن ہی محبت کرے گا اوران سے منافق ہی بغض کرے گا۔ اور اسی طرح کی ایک صحیح روایت انصار رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی آئی ہے کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے بغض نہ کرے گا۔

یہ روایت کہ'' **من كنت مولاه فعلى مولاه** ''(جس کا میں مولی ہوں تو علیؓ بھی اس کے مولی ہیں) یہ بطریق ثقات ہرگز ثابت نہیں

۔ وہ تمام احادیث جن سے روافض استدلال کرتے ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ جسے فن حدیث و رجال کا ذرا سا بھی علم ہے وہ اسے جانتا ہے۔

عمرؓ بن الخطاب کے بعد مہاجرین اولین کی قطعی فضیلت کے ہم قائل ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کی اپنے ساتھی کی فضیلت کا فیصلہ نہیں کرتے۔ مثلاً عثمانؓ بن عفان۔ عثمانؓ بن مظعون۔ علیؓ۔ جعفرؓ۔ حمزہؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ مصعبؓ بن عمیر۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ زیدؓ بن حارثہ۔ ابوعبیدہؓ بن الجراح۔ بلالؓ۔ سعیدؓ بن زید۔ عمارؓ بن یاسر۔ ابوسلمہؓ۔ عبداللہؓ بن جحش۔ اور دوسرے جو انھیں کے سے تھے۔ ان لوگوں کے بعد اہل عقبہ۔ پھر اہل بدر۔ پھر وہ اہل مشاہد جو تمام مشاہد میں ہر ہر مشہد میں تھے (یعنی ہر غزوے میں)۔ ہر مشہد والے ان لوگوں سے افضل ہیں جو اس مشہد کے بعد ہوں۔ یہاں تک کہ نوبت حدیبیہ تک پہنچ جائے۔ وہ سب مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم جن کا ذکر گذرا جو بیعت رضوان کے اختتام تک رہے۔ ہم ان کے قلوب کے غیبی پوشیدہ ایمان پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کے سب مومنین صالحین تھے، ان کا خاتمہ ایمان و نیکی و ہدایت پر ہوا۔ یہ سب کے سب جنتی تھے۔ ان میں سے ہرگز کوئی دوزخ میں نہ جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **والسابقون السابقون اولئك المقربو ن فى جنت النعيم** "(اور جو لوگ پہلے ایمان لانے والے ہیں وہ تو پہلے اور سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ مقرب ہیں نعمت والے باغوں میں ہیں) جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول " **لقد رضى الله عنها المومنين اذيبا يعونك تحت الشجرة فعلم مافى قلو بهم فانزل السكينة عليهم** " (بے شک اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جب کہ انھوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔ پھر اللہ نے ان پر سکینہ (یعنی اطمینان) نازل کیا۔)۔

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اسے ان کے دلوں کی حالت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ اور اللہ نے ان پر سکینہ

نازل کیا۔ ان کے معاملے میں کسی کو توقف کرنا اور انکے بارے میں شک کرنا ہرگز جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے بھی کہ ''کوئی ایسا شخص دوزخ میں نہ جائے گا جس نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ بجز ایک سرخ اونٹ والے کے'' آپ کی اس خبر کی وجہ سے کہ ''کوئی ایسا شخص دوزخ میں نہ جائے گا جو بدر میں حاضر ہوا''۔ اس کے بعد ہم ہر ایسے شخص کے متعلق یقین رکھتے ہیں جس نے سچی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی اگرچہ وہ ایک ہی ساعت ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے جو عذاب کے لئے دوزخ میں نہ جائے گا۔ مگر یہ لوگ ان میں شامل نہ ہوں گے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہے '' **لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل . اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا وقاتلوا من بعد وکلا و عداللہ الحسنی** '' (تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور اللہ نے ہر ایک سے نیکی کا وعدہ کیا ہے)۔ اور فرمایا ہے'' **وعداللہ لا یخلف اللہ وعدہ** '' (اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا) اور فرمایا ہے۔ '' **ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون لا یسمعون حسیسھا وھم فیما اشتھت انفسھم خالدون. لا یحزنھم الفزع الا کبر و تتلقھم الملئکة ھذا یو مکم الذی کنتم تو عدون** '' (بیشک وہ لوگ جن کے لئے پہلے سے ہماری جانب سے نیکی مقرر ہو چکی ہے وہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی من مانی مرادوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان لوگوں کو سب سے بڑی گھبرانے والی (یعنی قیامت) بھی پریشان نہ کرے گی۔ اور فرشتے انھیں تسلی دیتے ہوں گے کہ یہ تمھارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔

ضروری طور پر ثابت ہو گیا کہ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا، جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کے ان کو فضیلت دینے کی وجہ سے انکے باطن پر بھی یقین کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سوائے مومن فاضل کے کسی کی فضیلت نہیں بیان کرتا۔ لیکن جو لوگوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان میں منافقین بھی تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نہیں جانتے تھے تو بھلا ہم کیسے جان سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''**وممن حو لکم من الا عراب منفقون و من اھل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم** '' (اور تم لوگوں کے اطراف میں جو اعراب ہیں ان میں سے کچھ منافق بھی ہیں۔ اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق میں پختہ ہیں۔ اے نبی جنھیں آپ نہیں جانتے۔ ہم انھیں جانتے ہیں۔ ہم ان پر دوبار عذاب کریں گے۔ اس کے بعد وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے)۔

اسی لئے ہم نے ان میں سے کسی شخص کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن ہم اس کے قائل ہیں کہ ان میں سے جو منافق نہیں ہے وہ یقیناً جنتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔ اور اس نے خبر دی ہے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ جس کے لئے اللہ کی طرف سے پہلے سے نیکی مقرر ہو چکی وہ دوزخ سے دور رکھا جائے گا۔ اس کی آہٹ بھی نہ سنے گا، نہ اسے سب سے بڑی پریشان کرنے والی چیز پریشان کرے گی، وہ اپنی من مانی مرادوں میں ہمیشہ رہے گا۔ اور یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ **و الحمدللہ رب العلمین**۔

بیشک وہ تباہ و برباد ہوا جس نے اپنے رب کے اس قول کو رد کیا کہ ''اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے راضی ہو گیا۔ اور اسے ان کے دلوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے ان پر سکینہ واطمینان نازل کیا''۔ جسے ذرا سا بھی علم ہے وہ جانتا ہے کہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحہ و زبیر وعمار ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اس صفت کے اہل ہیں۔ خوارج وروافض کے دونوں گروہ، جن پر اللہ کی لعنت ہے، جو ان حضرات سے

بری و بیزار ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس سے سرکشی کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان.**

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارا یہ قول و عقیدہ ہے۔ تابعینؒ و تبع تابعینؒ میں سے ہم ایک ایک کے متعلق ان کے باطن پر قطعی فیصلہ نہیں کرتے۔ بجز ان لوگوں کے جن سے دین کے لئے صبر کرنے میں مشقت برداشت کی اور بغیر کسی فوری غرض کے ترک دینا ظاہر ہوا۔ مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ ان کا خاتمہ کس چیز پر ہوا۔ اگر چہ ہم ان کی تعظیم و توقیر اور ان کے لئے دعائے مغفرت و رحمت و رضائے الٰہی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم سب سے قطعاً محبت و دوستی رکھتے ہیں ان میں سے ہر شخص سے ہم اس کے ظاہر کے مطابق محبت رکھتے ہیں۔ لیکن کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے۔ ہم ان کے لئے جنت کی امید کرتے ہیں اور ان پر عذاب کا خوف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی خاص شخص کے لئے اسی کے پاس نص آنا ضروری ہے۔ ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا بہترین قرن و زمانہ وہ ہے جس میں مجھے بھیجا گیا، پھر وہ زمانہ ہے، جس میں ان لوگوں کے متصل ہوں گے، پھر وہ زمانہ ہے جس میں ان متصلین کے متصل ہوں گے۔'' اس حدیث کے معنی یہی ہیں، اس کے سوا نہیں ہو سکتے کہ ان قرون میں سے ہر قرن کی جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا اجمالی طور پر اس قرن سے زیادہ فضیلت ہے جو اس کے متصل اور اس کے بعد ہے۔

برہان یہ ہے کہ تابعین کے زمانے میں وہ لوگ بھی تھے جو فسق میں تمام فاسقوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ مثلاً مسلم بن عقبۃ المری۔ حبیش بن دلجہ القصی۔ حجاج بن یوسف الثقفی۔ و قاتلان عثمان، قاتلان زبیر۔ قاتلان حسین رضی اللہ عنہم **و لعن قتلتهم و من بعثهم۔** (خدا ان کے قاتلون پر اور ان کے قاتلوں کو ابھارنے والوں پر لعنت کرے)۔

اس حدیث کے بارے میں جو ہمارا قول ہے اس کی مخالفت جو کرے گا اسے لازم آئے گا کہ وہ اس کا قائل ہو کہ یہ فاسق و خبیث ترین لوگ قرن ثالث اور اس کے بعد کے ہر فاضل و بزرگ مومن سے افضل ہوں۔ مثلاً سفیان الثوری۔ فضیل بن عیاض، مسعر بن کدام۔ شعبہ۔ منصور بن المعتمر۔ مالک۔ اوزاعی۔ لیث۔ سفیان بن عیینہ۔ وکیع۔ ابن المبارک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ داؤد بن علی رضی اللہ عنہم سے۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بعید نہیں کہ ہمارے زمانے میں یا ان لوگوں میں جو ہمارے بعد آئیں گے ایسے لوگ ہوں جو اللہ سے نزدیک تابعین سے افضل ہوں۔ اس لئے کہ اس سے روکنے کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے اور نہ کوئی دلیل ہے۔

جو حدیث اویس القرنی کے بارے میں آئی ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس کا مدار اُسید بن جابر پر ہے جو قوی راوی نہیں۔ شعبہ نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے عمرو بن مرہ سے اویس القرنی کو دریافت کیا۔ یہ عمرو کوفی قرنی مرادی ہیں قبیلہ مراد کے شریف تر اور بہت بڑے عالم ہیں، وہ اویس القرنی کے بارے میں سب سے زیادہ جانتے ہیں، مگر وہ اپنی قوم میں اویس القرنی کو نہیں پہچانتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال اس کے خلاف ہے۔ ناممکن ہے کہ روئے زمین کا کوئی انسان ان میں سے کم از کم درجے والے کے ساتھ بھی شامل ہو سکے۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق۔**

بعض روافض کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کی محض آپ کی قرابت کی وجہ سے فضیلت ہے۔ اور اس آیت سے استدلال کیا ہے '' **ان اللہ اصطفی آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العلمین ذریۃ بعضھا من بعض** '' (بیشک اللہ نے آدم و نوح و آل ابراہیم و آل عمران کو تمام عالموں پر برگزیدہ بنایا ہے کہ ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں)۔ اور

اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ ”**قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ**“ (آپ کہہ دیجیے کہ میں اس پر تم سے اجرت نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تقرب الٰہی کی محبت چاہتا ہوں)۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ”**وابعث فیهم رسولا منهم**“ (اے اللہ ان لوگوں میں ایسے رسول کو بھیج جو انھیں میں سے ہو)۔

ان سب میں کوئی بھی حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا کہ اس نے آل ابراہیم و آل عمران کو تمام عالموں پر برگزیدہ کیا، تو یہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی۔

یا تو اس نے ہر مومن کو مراد لیا ہو۔ بعض علماء اسی کے قائل ہیں۔

یا اس نے ابراہیم و عمران کے اہل بیت کے مومن مراد لیے ہوں۔ اس کے سوا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ آزر والد ابراہیم علیہ السلام کافر اور اللہ کا دشمن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف دوزخ میں داخل کرنے کے لئے اس کا انتخاب کیا تھا۔

اگر اس نے وہ وجہ مراد لی ہے جو ہم نے بیان کی تو ہم اسے نہ روکتے ہیں اور نہ اس سے اس بارے میں جھگڑا کرتے ہیں کہ موسیٰ و ہارون آل عمران میں سے تھے اسماعیل و اسحاق و یوسف و یعقوب آل ابراہیم میں سے تھے۔ جو تمام عالموں پر منتخب و برگزیدہ کیے گئے۔ مگر یہاں بنی ہاشم کے لئے کونسی حجت ہوئی۔

اگر روافض اس دعا کو بیان کریں جس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے ” **اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد و بارک علی محمد وعلی آل محمد** “ تو اس میں بھی وہی کلام ہے جو ہم کہہ چکے ہیں، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ دعا ہر مومن کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزکیهم بها و صل علیهم ان صلوتک سکن لهم** “ (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر لیجئے تاکہ آپ انھیں اس کے ذریعے سے پاک وصاف کر دیں۔ اور ان کے لئے دعا کیجیے آپ کی دعا ان کے سکون کا باعث ہوگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”اے اللہ آل ابی اوفی پر صلاۃ نازل فرما“۔ بلا کسی اختلاف کے یہ وہی دعائے رحمت ہے جو ہر مومن و مومنہ کے لئے ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ دعا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے ہر نماز کے تشہد میں لازم ہے کہ ” **السلام علینا و علی عباد الله الصالحین** “ یہ سلام بھی ہر مومن و مومنہ کے لئے ہے۔ بنی ہاشم وغیر بنی ہاشم بغیر کسی قید کے سب پر دعائے صلوۃ و سلام میں مساوی ہوئے۔ اور کوئی فرق نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” **وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا الله وانا الیه راجعون اولئک علیهم صلوات من ربهم ورحمت واولئک هم المهتدون** “ (اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ” **انا لله وانا الیه راجعون** “ کہتے ہیں یعنی ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کے پاس پلٹنا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں ہیں اور مہربانی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں)۔ ہر مومن صابر کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت وصلوۃ واجب ہوگئی۔ کل بنی ہاشم۔ قریش۔ عرب۔ عجم اور جو اس صفت کے ہوں سب برابر ہوگئے۔

جو اس آیت سے استدلال کرتا ہے ” **ان الله اصطفی آدم و نوحا و آل ابرهیم و آل عمران علی العلمین** “ اسے لازم آئے گا کہ یہ بھی کہے کہ جو ہارونی یہود اسلام لائے وہ بنی ہاشم سے افضل واشرف ہیں اور امامت وتقدیم کے زیادہ مستحق ہیں، اس لئے کہ یہ آل ابراہیم و آل عمران ہیں اور انھیں کے بارے میں یہ نص وارد ہوئی ہے۔

ثابت ہوگیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے صرف انبیاء علیہم السلام کو مراد لیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول نے بیان جلی کے طور پر فرمایا ہے '' **قال و من ذریتی قال لا ینال عھدی الظلمین** " (ابراہیم نے کہا کہ اور میری اولاد میں سے بھی امام بنانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں کو نہ پہنچے گا'' (یعنی بناؤں گا مگر گناہ گاروں کو نہیں)۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کے ظالم ایسے ہی ہیں جیسے غیر ابراہیم کی ذریت کے ظالم۔ اور فرمایا ہے'' **ان اولی الناس بابر اھیم للذین اتبعوہ و ھذاالنبی و الذین آمنوا** " (بیشک سب سے زیادہ قریب تر ابراہیم کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی ولایت ومحبت وقرب میں ان لوگوں کو مخصوص کر دیا جو ابراہیم کی پیروی کریں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اس میں ہر مومن ومومنہ داخل ہے اور کسی کو کوئی فضیلت نہیں۔

یہ کلام الٰہی **قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المو دۃ فی القربیٰ** " (آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے رسالت کا اجر نہیں مانگتا۔ صرف قرابتداری کی محبت چاہتا ہوں) یہ حق ہے اور اپنے ظاہر پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش سے صرف یہ خواہش تھی کہ وہ آپ کی ان لوگوں سے قرابتداری کی وجہ سے آپ سے محبت کریں۔ امت میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے کبھی اس کی خواہش نہیں کی کہ وہ آپ کے چچا ابولہب سے محبت کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے مسلمانوں سے بلالؓ وعمارؓ صہیبؓ وسلمانؓ وسالمؓ مولائے ابی حذیفہؓ سے محبت کرنے کی خواہش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے یہ فرمانا کہ'' **وابعث فیھم رسولا منھم** " (ان میں ایسا رسول بھیج جو انھیں میں سے ہو)۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر**'' (کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا یعنی نبی نہ گذرا ہو)۔ اور فرمایا ہے " **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم** " (اور ہم نے جو رسول بھیجا وہ اسکی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تا کہ وہ انھیں سمجھا سکے)۔ حضرت ابراہیم کی اس دعاء میں بھی تمام قومیں مساوی ہیں کیونکہ ان سب میں جو رسول بھیجا جاتا تھا وہ انھیں میں سے ہوتا تھا اور اسی قوم کا ہوتا تھا۔

اگر کوئی معترض اس حدیث صحیح سے استدلال کرے جس میں یہ ہے کہ'' اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیلؑ میں کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ میں سے قریش کو قریش میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا'' تو اس کے معنی ظاہر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا بنی ہاشم میں سے ہونا پسند کیا، اور بنی ہاشم کا قریش میں سے ہونا، قریش کا کنانہ میں سے ہونا کنانہ کا بنی اسماعیل میں سے ہونا پسند کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کا بن لاوی میں سے ہونا پسند کیا۔ بنی لاوی کا بنی اسحاق علیہ السلام میں سے ہونا پسند کیا۔ ہر نبی کا اسی خاندان میں سے ہونا پسند کیا جس میں وہ ہوا۔ اس کے سوا نہیں ہوسکتا۔

جو شخص اس حدیث کو دوسرے معنی پر محمول کرنا چاہتا ہے ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا بنی ہاشم یا قریش یا کنانہ یا بنی اسماعیل میں سے کوئی دوزخ میں جائے گا یا نہیں۔ اگر وہ اس کا انکار کریں تو کفر کریں گے اور اجماع وقرآن وحدیث کے بھی مخالف ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک شخص سے) فرمایا تھا کہ'' میرے اور تیرے باپ دوزخ میں ہیں۔ اور ابوطالب دوزخ میں ہیں۔'' قرآن میں آیا ہے کہ ابولہب دوزخ میں ہے۔ اور تمام کفار قریش دوزخ میں ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **تبت یدا ابی لھب و تب ما اغنی عنہ مالہ وما کسب سیصلی نارا ذات لھب** " (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں۔ اور ٹوٹ گئے۔ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کام نہ آئے گی۔ وہ شعلہ والی آگ میں گر پڑے گا)۔ اگر معترض اس کا اقرار کرلے کہ ان میں سے بھی وہ لوگ دوزخ میں جائیں گے جو

دوزخ میں جانے کے مستحق ہوں گے تو ان لوگوں میں (یعنی بنی ہاشم میں) اور دوسرے تمام لوگوں میں مساوات ثابت ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس گمان فاسد کی تکذیب کرتا ہے کہ ''اے فاطمہؓ بنت محمد میں کچھ بھی تمھارے کام نہیں آ سکتا۔ اے صفیہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپی۔) میں کچھ بھی تمھارے کام نہیں آ سکتا۔ اے عباسؓ بن عبدالمطلب میں کچھ بھی آپ کے کام نہیں آ سکتا۔ اے اولاد عبدالمطلب میں کچھ بھی اللہ سے تمھیں بے نیاز نہیں کر سکتا''۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ان سب سے زیادہ واضح ہے " **یا ایھا الناس انا حلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفواان اکر مکم عنداللہ اتقیکم**". (اے لوگو میں نے تمھیں اس لئے مختلف شاخوں اور قبیلوں میں کر دیا تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم و بزرگ وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول " **لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیمة یفصل بینکم** " (تمھاری قرابتیں اور تمھاری اولاد ہرگز تمھیں نفع نہ دیں گی۔ قیامت کا دن تم میں جدائی ڈال دے گا)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''**واخشو ایو ما لا یجزی والدعن ولدہ و لا مولود عن والدہ شیئا**'' (اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آ سکے گا اور نہ بیٹا اپنے والد کے) اللہ تعالیٰ نے عاد وثمود وقوم لوط کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ " **اکفار کم خیر من اولئکم ام لکم براء ة فی الزبر** " (کیا تمھارے کفار ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمھاری برات کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں)۔ ثابت ہو گیا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی قرابت کی وجہ سے نفع نہ اٹھا سکے گا۔ اگرچہ اس کا بیٹا یا باپ یا ماں نبی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرزند نوح ووالد ابراہیم وعم محمد علیہم السلام کے بارے میں جو تصریح فرمائی ہے وہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے قبل فتح مکہ خرچ کیا، جہاد کیا وہ ان لوگوں سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور جہاد کیا۔ لہذا بداہتہ ثابت ہو گیا کہ بلال وصہیب ومقداد وعمار وسالم وسلمان۔ عباس وفرزندان عباس عبداللہ وفضل وقثم ومعبد وعبیداللہ وعقیل بن ابی طالب وحسن وحسین رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مطابق افضل ہیں۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں آخرت میں صرف عمل ہی پر جزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں قرابتوں اور پدری وپسری سے کوئی نفع نہ ہوگا اور دنیا مقام جزا نہیں ہے۔ تو پھر ہاشمی وقرشی وعربی وعجمی وحبشی اور کسی حبشی عورت کے بیٹے میں باہم کوئی فرق نہیں۔ بزرگی وکامیابی اسی کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا متقی ہو۔ عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے کہ ''انسان کی بزرگی اس کا دین ہے اس کا خاندان اس کی پیدائش نہیں ہے خواہ وہ فارسی ہو یا نبطی''۔

علیؓ مرتضٰے کی جنگ اور جن صحابہؓ نے ان سے جنگ کی

اس جنگ کے بارے میں تین فرقے ہو گئے ہیں۔ کل شیعہ اور بعض مرجیہ اور اکثر معتزلہ اور بعض اہل سنت نے کہا ہے کہ علیؓ اپنی جنگ میں حق پر تھے اور ان کے مخالف غلطی پر۔

واصل بن عطاء وعمرو بن عبید وابو الہذیل اور معتزلہ کے چند گروہوں نے کہا ہے کہ علیؓ معاویہؓ سے اور اہل نہر (یعنی خوارج) سے جنگ کرنے میں حق پر تھے۔ لیکن ان لوگوں نے حضرت کی اہل جمل سے جنگ کے بارے میں توقف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت خطا پر تھی مگر ہم نہیں جانتے کہ وہ کونسی تھی۔

خوارج نے کہا ہے کہ اہل جمل واہل صفین سے جنگ کرنے میں حضرت علیؓ حق پر تھے مگر اہل نہر (یعنی خوارج) سے جنگ کرنے میں خطا پر تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص وعبداللہ بن عمرؓ اور اکثر صحابہ نے علیؓ اور اہل جمل وصفین کی جنگ کے بارے میں توقف کا مذہب اختیار کیا ہے اکثر اہل سنت وابوبکرؒ بن کیسان بھی اسی کے قائل ہیں۔

صحابہ ؓ کی ایک جماعت اور بہترین تابعین وتبع تابعین کے چند گروہ اس طرف گئے ہیں کہ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں اہل جمل وصفین حق پر تھے یہ وہی لوگ تھے جو یوم جمل ویوم صفین میں حضرت علیؓ سے جنگ کرنے آئے تھے۔

ابوبکرؒ بن کیسان نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

خوارج اوران کے اسلاف کی خطا تو ہم اپنی اسی کتاب کے گذشتہ حصے میں واضح کر چکے ہیں سوائے اس استدلال کے جوانھوں نے دوحکموں کے حکم بنانے کے انکار پر کیا ہے، اس میں بھی ہم انشاء اللہ اسی طرح کلام کریں گے۔ جس طرح ان کے تمام احکام پر کلام کیا ہے۔

والحمد لله رب العلمين۔

جن لوگوں نے توقف کیا ہے ان کے پاس اس سے زیادہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ انھیں حق واضح نہیں ہوا۔ جسے حق واضح نہ ہوا اس سے مناظرے کی اس سے زیادہ گنجائش نہیں کہ ہم اس کے لئے وجہ حق بیان کریں تاکہ اسے بھی حق نظر آجائے۔ ان لوگوں نے اختلاف کی صورت میں ترک قتال کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں۔ وہ بھی بیان کی ہیں۔ انشاء اللہ ہم ان سب کو بیان کریں گے۔ اب وہی گروہ رہ گیا جو تمام جنگوں میں حضرت علیؓ کو حق پر سمجھتا ہے اور وہ گروہ رہ گیا جو اہل جمل وصفین والوں کو جنھوں نے علیؓ سے جنگ کی حق پر سمجھتا ہے۔

جن لوگوں نے جمل وصفین میں علیؓ سے جنگ کرنے والوں کو حق پر سمجھنے کا طریقہ اختیار کیا ہے انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو بحالت مظلومی قتل کیا گیا ہے لہذا ان کے قاتلوں سے قصاص لینے کا مطالبہ فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا** " (اور جو شخص بحالت مظلومی قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے لئے اختیار مقرر کردیا ہے)۔ اور فرمایا ہے " **وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونو اعلى الا ثم والعدوان** "(اور آپس میں نیکی وپرہیزگاری پر مدد کیا کرو اور گناہ وظلم پر مدد نہ کیا کرو) ان لوگوں نے کہا ہے کہ جس نے ظالموں کو پناہ دی وہ یا تو ان کا شریک ہے اور یا ان سے حق وصول کرنے سے کمزور ہے۔ یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ جوانکو کرے اس کی امامت کے ساقط کرنے اور اس سے جنگ واجب کرنے میں حجت ہیں۔

حضرت عثمانؓ پر جو ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ انھوں نے چند چیزیں جاری کردیں جن کا انھیں علم نہ تھا۔ تو اس قسم کی چیزیں تو خفیہ طور پر بھی جاری ہو جاتی ہیں۔ جن کو بغیر ظاہر ہوئے کوئی نہیں جانتا۔ بالفرض حضرت عثمانؓ کے جن امور پر اعتراض کیا گیا ہے وہ سب صحیح ہوں تب بھی امت میں بغیر کسی اختلاف کے ان امور سے کسی کا خون وقتل حلال نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے ان پر یہی اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے زائد اور بچے ہوئے اموال میں سے بہت ہی قلیل حصہ پوشیدہ کردیا تھا جو کسی خاص شخص کے حق وحصے کا نہ تھا۔ عثمانؓ نے اس مال کو روک لیا۔

اس پر اعتراض ہے کہ انھوں نے اپنے اقارب کو حکومت کے عہدے دیدیے تھے۔ جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے ان اقارب کی (جو عہدوں پر مامور تھے) شکایت کی تو انھوں نے ان کو معزول کردیا اور جو سزا کے مستحق تھے انھیں سزا بھی دی۔

یہ اعتراض ہے کہ انھوں نے حکم بن ابی العاص کو مدینے واپس بلالیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم کو شہر بدر کرنا نہ تو حد واجب کے طور پر تھا اور نہ کوئی دوامی شرعی حکم تھا۔ یہ محض ایک جرم کی سزا تھی جس کی وجہ سے وہ مستحق جلائے وطنی ہو گیا تھا۔ توبہ میں بڑی گنجائش ہے۔ پھر جب اس نے توبہ کر لی تو اہل اسلام میں سے بغیر کسی کے اختلاف کے وہ سزا اس سے ساقط ہو گئی اور ساری زمین اس کے لئے مباح ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ نے عمار کے پانچ کوڑے مارے اور ابوذر کو ربذہ میں جلائے وطن کر دیا۔ یہ تمام امور خون کو مباح نہیں کرتے۔

خوارج نے کہا ہے کہ بڑے بڑے حوادث برپا کرنے والوں کو پناہ دینا یعنی خون حرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں بہانا، اور خاصکر امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کا بہت ہی بڑا حادثہ ہے، یہ حوادث پیدا کرنے والے جس امر کے نفاذ کے مستحق تھے اسے باز رہنا بلاشک امور مذکورہ بالا سے (جو حضرت عثمانؓ پر قابل اعتراض بتائے جاتے ہیں) زیادہ شدید ہے۔

خوارج نے کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا بیعت حضرت علیؓ سے باز رہنا ایسا ہی ہے جیسا حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے باز رہنا۔ مگر ابوبکرؓ نے نہ تو ان سے جنگ کی اور نہ انھیں مجبور کیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ پر بہ نسبت حضرت علیؓ کے حضرت معاویہؓ پر زیادہ قادر تھے۔ معاویہؓ بیعت علیؓ سے اپنی تاخیر میں بہ نسبت علیؓ کے بیعت ابوبکر سے تاخیر میں زیادہ معذور تھے اور انھیں گفتگو کی زیادہ گنجائش تھی۔ اس لئے کہ انصار اور حضرت زبیرؓ کے ابوبکرؓ سے بیعت کرنے کے بعد بجز علیؓ کے کوئی مسلمان ابوبکرؓ کی بیعت سے نہیں رکا۔ لیکن علیؓ کی بیعت سے اکثر صحابہؓ باز رہے یا تو ان کے خلاف ہونے کی وجہ سے یا غیر جانبداری کی وجہ سے۔

صحابہؓ میں جن لوگوں نے علیؓ کی پیروی کی وہ بہت ہی قلیل اور ان ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کے علاوہ تھے جو شام عراق مصر اور حجاز میں تھے کہ یہ سب کے سب ان کی بیعت سے باز رہے۔ تو اس معاملے میں معاویہؓ بھی انھیں میں سے مثل ایک کے تھے۔

بیعت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولیعہدی کی بناء پر نہ تھی جیسی کہ ابوبکرؓ کی بیعت (ولیعہدی کی بناء پر) تھی۔ نہ اجماع امت سے تھی جیسی کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت تھی۔ نہ کسی واجب الاطاعت خلیفہ کی ولیعہدی سے تھی جیسی کہ حضرت عمرؓ کی بیعت تھی، نہ فضیلت میں کسی ایسی ظاہری فوقیت کی وجہ سے تھی جو کسی اور میں نہ ہوتی۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اور نہ شوریٰ سے تھی لہذا جو لوگ ان کی بیعت سے علیحدہ رہے اور معاویہؓ بھی بہ نسبت حضرت علیؓ کے زیادہ معذور ہیں جو چھ مہینے تک بیعت ابوبکرؓ سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ انھیں بصیرت پیدا ہو گئی اور انھوں نے اس معاملے میں جو ان پر حق تھا اس کی طرف رجوع کیا۔

خوارج نے کہا ہے کہ اگر تم لوگ یہ کہو کہ ابوبکرؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نص تھی وہ علیؓ سے مخفی رہی۔ تو ہم تم سے کہیں گے کہ بلاشک وہ اس سے بھی نہ ڈرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دیا اور علیؓ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اسکے بعد بھی ان کا بیعت ابوبکرؓ سے پیچھے رہنا ان کی طرف سے ابوبکرؓ کو اس مقام سے ہٹانے کی کوشش تھی جس مقام پر ابوبکرؓ کے حق کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مقرر کیا تھا۔ ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کو جو ابوبکرؓ کو نماز کے لئے آگے بڑھانے پر تھی فسخ کرنے کی کوشش تھی۔ یہ فعل کسی ایسے شخص کو واپس بلانے سے زیادہ سخت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جرم کی وجہ سے شہر بدر کر دیا۔ پھر اس نے اس فعل سے توبہ کر لی۔

حضرت علیؓ نے توبہ کر لی اور اپنی خطاء کا اعتراف کر لیا۔ ان چھ مہینوں کے بعد جن میں وہ بیعت ابوبکرؓ سے باز رہے جب ان سے

بیعت کر لی تو ضروری طور پر یہ دو حال سے خالی نہیں۔

یا تو یہ کہ وہ بیعت سے رکنے میں حق پر ہوں۔ پھر جب انھوں نے بیعت کر لی تو یہ خطا ہوئی۔

یا یہ کہ بیعت کرنے میں وہ حق پر ہوں اور جب انھوں نے اس میں تاخیر کی تو یہ خطا تھی۔

بیعت علیؓ سے پیچھے رہنے والوں نے بیعت سے پیچھے رہنے میں کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا۔ اگر ان کا یہ فعل خطا بھی تھا تو یہ اس خطا سے بہت خفیف ہے جو بیعت ابوبکرؓ میں تاخیر کرنے سے علیؓ سے سرزد ہوئی۔ اور اگر ان لوگوں کا فعل حق وصواب تھا تو یہ سب خطا سے بری ہیں وہ فرق جو طلحہؓ وزبیرؓ وسعدؓ بن ابی وقاص وعلیؓ میں تھا وہ نہایت خفی وباریک تھا۔ کیونکہ یہ سب لوگ شوری میں علیؓ کے ساتھ تھے اور علیؓ کی کوئی فضیلت وفوقیت ان سب پر یا ان میں سے کسی ایک پر ظاہر نہ تھی۔ لیکن وہ فرق جو علیؓ وابوبکرؓ میں تھا نہایت واضح وظاہر تھا۔ لہذا یہ لوگ علیؓ کی بیعت سے باز رہنے میں زیادہ معذور ہیں اس لئے کہ باہمی فضیلت کی کمی بیشی پوشیدہ تھی۔

علیؓ نے قاتلان عثمانؓ کے بارے میں وہی کیوں نہ کیا جو انھوں نے قاتلان عبداللہؓ بن خباب بن الارتؓ کے ساتھ کیا تھا، کیونکہ حرام ہونے میں دونوں قصے مساوی ہیں۔ پھر قتل عثمانؓ کی مصیبت اسلام میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں کے نزدیک بہت بڑا جرم اور بہت وسیع رخنہ اور بدترین گناہ اور نہایت ہولناک فسق ہے بہ نسبت اس مصیبت کے جو قتل عبداللہؓ بن حباب میں ہے۔ جو لوگ علیؓ کے متعلق یہ تاویل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ علیؓ کی رائے میں ایک شخص کے بدلے ایک جماعت کا قتل جائز نہ ہو۔ تو علیؓ کا یہ فعل جو انھوں نے عبداللہؓ بن خباب کے خون کے مطالبے میں کیا حجت قاطعہ ہے۔

کل یہی دلائل ہیں جن سے اس گروہ کا استدلال ممکن ہے جن کو ہم نے اکٹھا کر دیا ہے۔ انشاء اللہ ہم ان میں سے ہر گروہ کے مذہب پر کلام کریں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد وتائید سے اس مسئلے میں حق واضح ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے خوارج کے انکار تحکیم سے شروع کرتے ہیں۔ (یعنی جنگ صفین میں جو فریقین نے دو حکم بنائے تھے اس پر خوارج کو اعتراض ہے)۔

خوارج نے کہا یہ کہ علیؓ نے دین الٰہی کے بارے میں لوگوں کو حکم بنا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس کلام سے حرام کیا ہے'' **ان الحکم الا لله** '' (حکم صرف اللہ ہی کے لئے ہے) اور اس قول سے '' **وما اختلفتم فيه من شيئ فحکمه الى الله** '' (اور جس چیز میں تم لوگ اختلاف کرو تو اس کا حکم وفیصلہ اللہ کے سپرد کرو)۔

علی رضی اللہ عنہ نے ہرگز اللہ تعالیٰ کے دین میں کسی آدمی کو حکم نہیں بنایا۔ وہ اس سے بری ہیں۔ انھوں نے صرف کلام اللہ کو حکم بنایا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تھی۔ جب قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے اور لوگوں نے ان احکام کے مطابق باہم فیصلے کی دعوت دی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کئے ہیں، تو ساری قوم متفق ہوگئی۔ یہی وہ حق ہے کہ کسی کو اس کے سوا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' **فان تنازعتم فى شيئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تومنون بالله واليوم الاخر** '' (پھر اگر تم میں کسی بات میں آپس میں اختلاف ہو تو اسے اللہ ورسول کی طرف رجوع کرو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو)۔ علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہی کو حکم بنایا تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جانب سے حجت کو ظاہر کرے، یہ دونوں صاحب ان دونوں گروہوں کی جانب سے مباحثہ کریں، قرآن جس کے لئے حکومت کو واجب کرے اس کے لئے فیصلہ وحکم کر دیں۔ جب یہ ایسا محال وممتنع

تھا۔ کہ دونوں لشکروں کے شوروغل کو سمجھا جائے یا تمام اہل لشکر اپنی حجت کو بیان کریں تو لامحالہ علیؓ کا حق وصواب ظاہر ہو گیا جو ان سے دونوں حکموں کے حکم بنانے میں اور قرآن نے جو کچھ واجب کیا ہے اس کی طرف رجوع کرنے میں ظاہر ہوا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

خوارج کے اسلاف اعراب وبدوی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے سمجھنے سے پہلے قرآن پڑھ لیا، ان میں کوئی فقیہ نہ تھا، نہ کوئی ابن مسعودؓ کے شاگردوں میں سے تھا، نہ عمرؓ کے نہ علیؓ کے، نہ عائشہؓ کے، نہ ابوموسیٰ کے، نہ معاذ بن جبلؓ کے، نہ ابو الدرداؓ کے نہ سلمانؓ کے، نہ زید وابن عباسؓ وابن عمرؓ کے، اسی سے تم ان لوگوں کی یہ کیفیت پاؤ گے کہ جب کسی باریک ومختصر فتوے کی ان پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو یہ آپ میں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگتے ہیں۔ لہذا اس قوم کا ضعف اور ان کے جہل کی قوت واضح ہو گئی۔ اور یہ ظاہر ہو گیا کہ انھوں نے اس کا انکار کیا ہے جس کے حق ہونے پر ہم برہان لائے ہیں۔

کاش، یہ لوگ قرب زمانہ ہی کے باعث واقعۂ یوم سقیفہ سے اور انصار کے مہاجرین کے ساتھ اطاعت کرنے سے بے خبر نہ ہوتے کہ حکومت وخلافت قریش میں قرار پذیر ہوئی نہ کہ انصار وغیرہم میں۔ ان لوگوں کا زمانہ بقدر پچیس سال اور چند ماہ کے قریب تھا۔ ان میں سے اکثروں نے اس کو ایک ہی سال میں پایا۔ سب کے نزدیک یہ واقعہ ایسا ہی ثابت ہے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جن لوگوں نے ان لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال نقل کیا اور قرآن واحکام شریعت کو نقل کیا۔ انھیں نے یہ سب امور بھی نقل کیے۔ سب نے مان لیا کہ ان میں نہ کوئی بڑھا نہ کم ہوا۔ انھیں لوگوں نے ان سے واقعۂ سقیفہ اور انصار کا اس طرف رجوع کرنا نقل کیا کہ حکومت صرف قریش ہی میں ہوگی۔

خوارج اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پڑھتے اور مانتے ہیں کہ " **لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقو امن بعد و قاتلوا وکلا وعد الله الحسنی** " (تم میں سے کوئی ان لوگوں کے برابر نہیں ہے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ لوگ ان سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور ہر ایک سے اللہ نے نیکی کا وعدہ کیا ہے)۔

اور فرمایا ہے:۔

" **محمد رسول الله . والذین معه اشداء علی الکفا ر رحما ء بینهم تراهم رکعا سجداً یبتغون فضلامن الله ورضوانا . سیما هم فی وجوههم من اثرا لسجود . ذالک مثلهم فی التوراة . ومثلهم فی الا نجیل . کزرع اخرج شطأه فآزره فا ستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغظ بهم الکفاروعدالله ، الذین آمنوا و عملوا الصلحت منهم مغفره واجراً عظیما** "۔

(محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں۔ آپس میں مہربان ہیں۔ تو انھیں جب دیکھے گا رکوع و سجدے میں دیکھے گا۔ جو اللہ کے فضل ورضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ سجدے کے نشان ان کے چہروں میں نمایاں ہیں۔ ان کا یہی حال توریت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور انجیل میں انکا یہ حال ہے کہ یہ مثل اس کھیتی کے ہیں کہ جس نے اپنا اکھوا نکالا ہو۔ پھر اسے توانا کر دیا ہو پھر وہ موٹا ہو گیا ہو پھر اپنے تنے پر قائم ہو گیا ہو جس کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہوتے ہوں۔ تاکہ ان کی ترقی سے کفار کا دل دکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں سے مغفرت وثواب عظیم کا وعدہ کیا ہے)۔ اور فرمایا ہے " **لقد رضی الله عن المؤمنین**

اذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریباً ۔ (مومنین جس وقت درخت کے نیچے (حدیبیہ میں) آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ بیشک اللہ ان سے راضی ہوا۔ اور ان کے دلوں میں جو کچھ (خوف) تھا اسے وہ معلوم ہوا تو اس نے ان پر سکینہ واطمینان نازل کیا اور انھیں ایک نزدیک والی فتح (یعنی فتح خیبر دیدی)۔

باایں ہمہ شیطان نے خوارج کو نابینا کر دیا اور باوجود علم ہونے کے اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسا گمراہ کر دیا کہ علیؓ جیسے کی بیعت توڑ دی، سعیدؓ بن زید وسعدؓ وابن عمرؓ جیسوں سے منہ پھیر لیا جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا تھا، ان تمام صحابہؓ سے منہ موڑ لیا جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے نیکی کا وعدہ کیا تھا۔ ان سب کو چھوڑ دیا جن کے متعلق یہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو انکے دلوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے ان پر سکینہ واطمینان نازل کیا، ان سے راضی ہوا۔ اور ان لوگوں نے اللہ سے بیعت کی۔

خوارج نے ان تمام صحابہؓ کو چھوڑ دیا جو کفار پر سخت اور آپس میں مہربان تھے۔ رکوع وسجدے کیا کرتے تھے، اللہ کے فضل ورضا کے طالب تھے۔ ان کے چہروں میں سجدے کے نشان تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت وانجیل میں جن کی مدح کی گئی ہے جن کی ترقی سے اللہ نے کفار کا دل دکھایا، جن کے متعلق یہ یقینی ہے کہ ان کا باطن بھی خیر میں مثل ان کے ظاہر کے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شہادت دی ہے۔

خوارج نے ان میں سے تو کسی سے بیعت نہیں کی۔ شیث بن ربعی موذن سجاح سے اس زمانے میں بیعت کی جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا دعوی کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تدارک فرمایا تو وہ خود ان لوگوں کے پاس سے بھاگا انھیں اپنی گمراہی واضح ہوئی۔ تو ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب الراسبی کا انتخاب کیا جو اپنے پس پشت موتنے والا اعرابی تھا۔ جس کا نہ کوئی پہلا کارنامہ تھا، نہ یہ صحابی تھا، نہ فقیہ وعالم اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خیر کی شہادت دی تھی۔ اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جس کی یہ سیرت د خصلت اور یہ انتخاب ہو، وہ شخص اسی کا مستحق ہے جس کا دست راست ذوخویصرہ جیسا شخص ہو جس کے ضعف عقل وقلت دین نے اسے یہاں تک پہنچا دیا ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو ظلم وجور وخطا بتائے۔ اور اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ متقی وپرہیزگار سمجھے۔ اس کے باوجود وہ یہ بھی مانتا ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہو کر اس کے پاس آئے ہیں آپ ہی سے اس نے ہدایت پائی آپ ہی سے اس نے دین کی معرفت حاصل کی اور اگر آپ نہ ہوتے تو وہ گدھا بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہوتا۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان**۔

وہ گروہ جو قاعدین کو (یعنی جنگ علیؓ ومعاویہؓ میں شرکت نہ کرنے والوں کو) حق پر سمجھتے ہیں، ان میں سے جسے حق نہ واضح ہوا ہو اس سے کلام کیا جائے گا کہ حق واضح ہو جائے اور وہ اسے اس کی طرف رجوع کرنا لازم ہو جائے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ایجاب امامت کے بیان میں جو کچھ اس کے قبل کہہ چکے ہیں اس سے ثابت ہے کہ امامت واجب ہے۔ یہ واجب ہے لہذا واجب کا کھونا جائز نہیں۔ ایک امام کی موت پر دوسرے امام کو پیشوا بنانے میں سبقت کرنا واجب ہے اور ہم امام کی پیروی کرنے کے وجوب کو بیان کر چکے ہیں۔

جب عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور وہ امام تھے تو ایسے امام کا قائم کرنا واجب ہوا جس کی لوگ پیروی کریں۔ کہ لوگ بغیر امام کے نہ رہیں۔ جب حضرت علیؓ نے سبقت کی اور ان سے کسی ایک مسلمان یا زیادہ نے بیعت کر لی تو وہ امام ہو گئے۔ اور ان کی اطاعت فرض

ہوگئی۔ خاصکر ان کی بیعت سے پہلے کسی اور کی بیعت نہیں ہوئی نہ ان سے امامت میں کسی نے جھگڑا کیا۔ یہ نہایت واضح ہے، اور ان کی امامت کے وجوب اور انکی بیعت کی صحت اور ان کے حکم کے مسلمانوں پر لازم ہونے کے لئے لازم ہے۔ وہ امام برحق ہوئے اور ان سے انکی وفات تک کبھی کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جو ان کی بیعت توڑنے کو واجب کرتی۔ ان سے ہمیشہ نیکی وتقوی وعدل وخوبی ہی ظاہر ہوئی۔ اسی طرح اگر طلحہؓ یا زبیرؓ یا سعدؓ یا سعیدؓ یا کسی اور مستحق امامت کی بیعت پہلے ہو جاتی تو یہ بھی بیعت حق ہوتی اور علیؓ اور دوسروں کو لازم ہوتی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا حضرت علیؓ اپنی طرف اور اپنی امامت کے تحت میں داخل ہونے کی دعوت دینے میں حق بجانب تھے۔ یہ وہ برہان ہے جس سے مفر نہیں۔

ام المومنین وزبیر وطلحہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ہمراہیوں نے امامت علیؓ کو کبھی باطل نہیں کیا، نہ اس میں کوئی اعتراض کیا، نہ کسی ایسی جرح کا ذکر کیا جو انھیں امامت سے ہٹا دیتی۔ نہ کوئی دوسری امامت بنائی اور نہ کسی اور کی بیعت کی تجدید کی۔ اس کا تو کوئی شخص کسی طرح بھی دعوی نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہر صاحب علم اس کا یقین رکھتا ہے کہ اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

بدیہی طور پر ثابت ہو گیا جس میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ سب حضرات بصرہ میں نہ تو علی سے جنگ کرنے گئے تھے نہ ان کی مخالفت کے لئے اور نہ ان کی بیعت توڑنے کے لئے۔ اگر یہ لوگ اس کا ارادہ کرتے تو ضرور علیؓ کی بیعت کے سوا کوئی نئی بیعت کرتے۔ یہ وہ امر ہے جس میں نہ کوئی شک کرتا ہے اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ فوراً اس لئے بصرہ گئے تھے کہ اس رخنے کو بند کریں جو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلماً قتل سے پیدا ہو گیا ہے۔

برہان یہ ہے کہ یہ لوگ اکٹھا ہوئے مگر انھوں نے نہ خونریزی کی اور نہ جنگ کی۔ جب رات ہوئی تو قاتلان عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی تلاش ہے اور ان کے خلاف تدبیر ہو رہی ہے۔ یہ لوگ لشکر طلحہؓ وزبیرؓ میں ظاہر ہوئے ان لوگوں میں تلوار چلنے لگی تو اس جماعت نے مدافعت کی دعوت دی، یہاں تک کہ یہ لوگ لشکر علیؓ سے مل گئے۔ پھر ان کے اہل لشکر نے مدافعت کی۔ ہر گروہ بغیر کسی شک کے یہ گمان کرتا تھا کہ دوسرے گروہ نے اس کے ساتھ جنگ کی ابتدا کی ہے۔ معاملہ ایسی الجھن میں پڑ گیا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ قادر نہ ہو سکا کہ مدافعت کرے۔ وہ فاسق جو قاتلان عثمانؓ تھے، جنگ کو مشتعل کرنے میں سرگرم تھے۔ دونوں گروہ اپنے اس غرض ومقصد، یعنی مدافعت میں حق پر تھے زبیرؓ جنگ کو اس کی حالت پر چھوڑ کے واپس چل دیے۔ طلحہؓ کو ایک نامعلوم شخص کا تیر لگا۔ وہ کھڑے تھے، انھیں اس الجھن کی حقیقت کا پتا نہ چلا تھا کہ وہ تیر ان کی پنڈلی کے اس زخم میں لگا جو غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان کو لگ چکا تھا۔ وہ بھی واپس ہوئے اور اسی وقت ان کی وفات ہوگئی۔ حضرت زبیرؓ کو وادی السباع میں جو بصرے سے ایک روز سے بھی کم کی مسافت پر ہے قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا۔ اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل بھی تھا۔ مصریوں نے اور جو ان سے وابستہ تھے آپ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اصرار تھا کہ آپ مروان کو ان کے حوالے کر دیں، آپ اس سے انکار کرتے تھے، اور جانتے تھے کہ اگر مروان کو حوالے کر دیں گے تو وہ بغیر تحقیق وتفتیش کے قتل کر دیا جائے گا۔

یہ حالت اسی طرح رہی۔ صحابہؓ کی ایک جماعت جن میں حسنؓ وحسینؓ فرزندان علیؓ وعبداللہ بن الزبیر ومحمد بن طلحہ وابو ہریرہ وعبداللہ بن عمرؓ وغیرہم تقریباً سات سو صحابہؓ کے ساتھ ان کے ہمراہ اسی مکان میں ان کی حفاظت کر رہے تھے اور ان سے جنگ کے لئے اصرار کر رہے تھے مگر حضرت عثمانؓ سنجیدگی کے ساتھ تنبیہ کر رہے تھے یہاں تک کہ محاصرہ کرنے والے ان کے ہمسایہ ابن حزم انصاری کے مکان کی ایک

کھڑکی سے دھوکا دے کے دیوار پھاند کران کے پاس پہنچ گئے اور انھیں قتل کر دیا جس کی کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔ (قتل کرنے والوں پر اور قتل سے خوش ہونے والوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے)۔ صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کے قتل سے خوش نہ تھا اور نہ ان لوگوں کو یہ علم تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا تھا جو خون حرام کو حلال کر دے۔

یہ کہنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین دن تک گھوڑے پر پڑے رہے۔ یہ خالص کذب اور بنائی ہوئی تہمت اور کسی بے حیا کی ایجاد ہے۔ وہ شام کو قتل کیے گئے اور اسی شب کو دفن کر دیے گئے۔ دفن میں صحابہؓ کی ایک جماعت موجود تھی۔ کہ جبیر بن مطعم و ابوالجہم بن حذیفہ و عبداللہ بن الزبیر و مکرم بن نیار تھے اور ایک اور جماعت بھی تھی۔ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی ایسا شخص شک نہ کرے گا جسے اخبار و تاریخ کا علم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم بدر میں حکم دیا تھا کہ کفارِ قریش کی لاشیں گڑھے میں ڈال دی جائیں اور ان پر مٹی ڈال دی جائے۔ حالانکہ یہ لوگ بدترین خلائق تھے۔ آپ نے یہود قریظہ کے مقتولین کے لئے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے تھے۔ حالانکہ یہ لوگ ان سب میں بدترین تھے جنھیں زمین نے چھپایا ہے، لہذا مومن و کافر کا چھپانا مسلمانوں پر فرض ہے۔ بھلا کسی حیادار کو کس طرح زیبا ہے کہ وہ علی کی طرف جو امام تھے اور ان صحابہؓ کی طرف جو مدینے میں تھے یہ منسوب کرے کہ یہ سب حضرات ایک مردے کو جوان کے درمیان میں گھورے پر پڑا ہو بغیر دفن کئے چھوڑ دیں۔ ہم اس کا خیال نہ کریں گے کہ وہ مومن ہے یا کافر۔ مگر اللہ تعالیٰ تو جھوٹوں کو ان کی زبانوں ہی سے رسوا کرنا چاہتا ہے اگر علیؓ ایسا کرتے تو اعتراض ہوتا اس لئے کہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو حضرت عثمانؓ کافر و فاسق تھے یا مومن۔ اگر وہ حضرت علیؓ کے نزدیک کافر یا فاسق تھے تو علیؓ پر فرض تھا کہ ان کے ان احکام کو منسوخ کر دیتے جو مسلمانوں میں جاری تھے۔ جب انہوں نے نہیں کیا تو ثابت ہوگیا کہ وہ ان کے نزدیک مومن تھے کسی حیادار کو یہ کیونکر زیبا ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف یہ منسوب کرے کہ انھوں نے ایک مومن کی میت کو گھورے پر اس طرح پڑا ہوا چھوڑ دیا کہ اس کے چھپانے کا حکم نہیں دیتے۔ یا یہ کیونکر زیبا ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ انھوں نے کافر یا فاسق کے احکام کو مسلمانوں پر نافذ رکھا۔ ان جھوٹے بدکاروں سے زیادہ علیؓ کی ہجو کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

برہان یہ ہے کہ یہ رسوا کن جہالت ہے کہ کوئی یہ گمان کرے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے احکام میں تناقض و اختلاف اور اپنے دین میں خواہش نفسانی کی پیروی کی حد تک پہنچے ہوئے تھے یہ جہل ہے کہ سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن عمرؓ۔ اسامہ بن زید۔ رافع بن خدیج۔ محمد بن مسلمہ۔ کعب بن مالک و زید بن ثابت۔ حسان بن ثابت اور ان تمام صحابہ کو جنھوں نے علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی وہ ان کو چھوڑ دیتے اور علیؓ ان لوگوں پر حملہ نہ کرتے حالانکہ یہ لوگ وہ ان کے ساتھ مدینے میں تھے۔ البتہ خوارج اپنی بلند آوازوں سے مسجد کے اطراف میں حضرت علی کے سامنے جب وہ مسجد کوفہ کے منبر پر تھے چلا رہے تھے کہ "سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ ان سے کہہ رہے تھے کہ "ہم پر تمھارے تین حقوق ہیں۔

ہم تمھیں مساجد میں آنے سے نہ روکیں گے۔

غنیمت میں سے تمھارا حق بند نہ کریں گے۔

تمھارے ساتھ جنگ کی ابتداء نہ کریں گے۔

حضرت علیؓ نے خوارج سے جنگ شروع نہیں کی تاوقتیکہ انھوں نے عبداللہؓ بن خباب کو قتل نہ کر دیا۔ اس کے بعد بھی انھوں نے ان سے جنگ نہیں کی تاوقتیکہ اس کی دعوت نہ دیدی کہ وہ لوگ قاتلان عبداللہؓ بن خباب کو ان کے حوالے کر دیں۔ جب ان لوگوں نے کہا کہ ہم

سب نے انھیں قتل کیا ہے تو اس وقت ان لوگوں سے جنگ کی۔

ان تمام امور کے بعد بھی جاہل لوگ ان کے متعلق یہ گمان کریں کہ حضرت علیؓ نے اپنی بیعت سے باز رہنے کی وجہ سے لوگوں سے جنگ کی تو یہ کھلی ہوئی تہمت ہے جھوٹ ہے اور خالص کذب ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس کے برخلاف ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اس لئے جنگ نہیں کی کہ وہ ان کی بیعت سے باز رہے۔ اس لئے کہ معاویہؓ کو بھی اس میں وہی گنجائش تھی جو ابن عمرؓ وغیرہ کو تھی۔ ان سے اس لئے جنگ کی کہ ملک شام میں حضرت علیؓ کے احکام کو نافذ کرنے سے روکتے تھے۔

حالانکہ علیؓ امام تھے اور ان کی اطاعت واجب تھی۔ اس لئے علیؓ اس میں حق پر تھے۔ معاویہؓ نے علیؓ کی فضیلت و استحقاق خلافت کا کبھی انکار نہیں کیا۔ البتہ ان کے اجتہاد نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کو بیعت پر مقدم سمجھے۔ اپنے آپ کو خون عثمانؓ کے مطالبے میں اور اس میں گفتگو کرنے میں اولاد عثمانؓ و اولاد حکم بن ابی العاص سے زیادہ مستحق و مناسب سمجھا۔ اس لئے کہ ان کا سن بھی ان لوگوں سے زیادہ تھا اور انھیں اس کی قوت بھی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں عبدالرحمٰن بن سہل برادر عبداللہ بن سہل مقتول کو خاموشی کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ وہ مقتول کے حقیقی بھائی تھے اور ان سے فرمایا تھا کہ ''بڑا۔ بڑا'' (یعنی کوئی بڑا اور سن رسیدہ آدمی بولے) عبدالرحمٰن خاموش ہو گئے اور محیصہ وحویصہ فرزندان مسعود نے گفتگو کی، حالانکہ یہ دونوں۔ مقتول کے چچازاد بھائی تھے۔ اس لیے کہ یہ دونوں مقتول کے بھائی سے عمر میں زیادہ تھے۔ معاویہؓ نے جو مطالبہ کیا تو انھیں اس کے مطالبے کا حق تھا۔ اس مطالبے میں انھوں نے حدیث مذکورہ بالا پر عمل کیا۔ البتہ ان سے غلطی یہ ہوئی کہ مطالبے کو بیعت پر مقدم کر دیا، مگر اس میں بھی انھیں ایک ثواب ہی ہے کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ حق تک رسائی سے محروم رہے۔ جس طرح ان تمام لوگوں کو ایک ثواب ہوتا ہے جو اپنے اجتہاد میں خطا کرتے ہیں۔ مجتہد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ان کو ایک ثواب ہے اور حق کو پہنچنے والے کو دو ثواب ہیں۔

اس شخص سے زیادہ عجیب کون ہوگا جو خون۔ عورت۔ نسب مال اور امور شرعیہ کے حرام۔ حلال اور واجب کرنے میں اجتہاد کو جائز رکھتا ہے ان امور میں خطا کرنے والوں کو معذور سمجھتا ہے اور اس کو لیث وبتی وابو حنیفہ وثوری ومالک وشافعی واحمد وداؤد واسحاق وابوثور وغیرہم مثل زفر وابو یوسف ومحمد بن الحسن وحسن بن زیاد وابن القاسم واشہب وابن الماجشون والمزنی کے لئے مباح سمجھتا ہے کہ ان مجتہدین میں سے ایک شخص اس انسان کے خون کو مباح کرتا ہے اور ان میں سے دوسرا مجتہد اسے حرام کر دیتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص جنگ کرے اور قتل نہ کرے۔ یا کوئی شخص قوم لوط کا سا عمل کرے اسی طرح بہت سی باتیں ہیں۔

ایک مجتہد اس عورت کو حلال بتاتا ہے دوسرا اسے حرام کہتا ہے۔ مثلاً ایک دوشیزہ عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کے والد نے بغیر اس کی مرضی واجازت کے کر دیا۔ اس قسم کے مسائل بھی بہت ہیں اسی طرح شرائع واحکام وانساب میں بھی مجتہدین کے اختلافات ہیں۔ ایسا ہی معتزلہ نے اپنے مشائخ کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً واصل وعمرو اور ان کے تمام فقہاء ومشائخ۔ ایسا ہی خوارج نے اپنے مفتی وفقہاء کے ساتھ کیا ہے۔ بایں ہمہ یہ لوگ اسی اجتہاد کو ان لوگوں پر تنگ کر دیتے ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور فضیلت وعلم وتقدم واجتہاد حاصل ہے۔ مثلاً معاویہؓ وعمرؓو بن العاص اور ان دونوں کے ساتھ والے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ان صحابہ نے بھی خون کے مسائل میں اجتہاد کیا ہے

جس طرح دوسرے مفتیوں نے کیا ہے۔

دو مفتیوں میں سے ایک وہ ہے جو ساحر کے قتل کو حلال سمجھتا ہے دوسرا مفتی اس کو حلال نہیں سمجھتا۔ ایک مفتی غلام کے عوض میں آزاد کے قتل کو حلال سمجھتا ہے دوسرا مفتی اسے حلال نہیں سمجھتا ایک مفتی کافر کے بدلے مومن کے قتل کو جائز سمجھتا ہے دوسرا مفتی اسے جائز نہیں سمجھتا۔ ان اجتہادات میں اور معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ وغیرہ کے اجتہاد میں کونسا فرق ہے۔ اے کاش جہل و نابینائی و بے علمی کی بدحواسی نہ ہوتی۔

ہمیں معلوم ہے کہ جس پر کوئی حق واجب لازم ہو اور وہ اس کے ادا کرنے سے باز رہے اور اس کے لئے جنگ و قتال کرے تو امام پر اس سے قتال کرنا واجب ہے اگر چہ وہ ہمیں میں سے ہو (یعنی مسلمان ہو) یہ اس (امام) کی عدالت و فضیلت میں موثر نہ ہوگا اور نہ اس کے لئے موجب فسق ہوگا۔ بلکہ اسے اس کے اجتہاد اور طلب خیر کی نیت کی وجہ سے ثواب ہوگا۔ اسی سے ہم نے علی رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے اور ان کی امامت کے برحق ہونے کا یقین کیا کہ وہ صاحب حق تھے اور ان کے لئے دو اجر ہیں ایک اجر اجتہاد، اور دوسرا اجر حق رسی۔ ہم نے یہ بھی یقین کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور انکے ہمراہی خطا پر تھے اور سب مجتہد تھے جن کو ایک ایک اجر ملے گا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ ایک فساد انگیز جماعت ظاہر ہوگی جو آپ کی امت کے دو گروہوں میں فساد برپا کرائے گی۔ اسے ان دونوں گروہوں میں سے حق کے قریب تر گروہ قتل کر دے گا۔ اسی فساد انگیز جماعت نے فساد برپا کیا، یہ لوگ وہی خوارج تھے جو اصحاب علیؓ و اصحاب معاویہؓ میں سے تھے جنھیں علیؓ اور ان کے اصحاب نے قتل کیا۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اصحاب علیؓ دونوں گروہوں میں سے زیادہ حق کے قریب تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ عمارؓ کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی۔

خطا کرنے والا مجتہد جب اس امر پر جنگ کرے جسے وہ حق سمجھتا ہے اپنی نیت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کرے، یہ نہ جانتا ہو کہ وہ خطادار ہے۔ تو وہ گروہ باغی میں ہے۔ اگر چہ اسے اس پر اجر ملے گا اور اس پر کوئی حد یعنی شرعی سزا نہ ہوگی۔ جب وہ جنگ ترک کرے گا اور نہ اس پر قصاص ہوگا لیکن جب وہ یہ جان کر جنگ کرے کہ وہ خطا کر رہا ہے تو محارب اور جنگجو ہے، محاربت (باہمی جنگ کرنے) کا خمیازہ اور قصاص لازم آئے گا۔ اور اسے فاسق و باغی کہا جائے گا نہ کہ خطا اور مجتہد۔ اس کا بیان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ " **وان طائفتان من المومنين اقتتلو ا فاصلحو ابينهما فان بغت احدٰی هما علی الا خری فقا تلو التی تبغی حتی تفئ الی امر الله . فان فاء ت فاصلحو ابينهما بالعدل و اقسطوا ان الله يحب المقسطين انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخو يكم واتقوا الله لعلكم ترحمون** " (اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان دونوں میں صلح کرادو۔ مگر اگر ان دونوں میں سے کوئی دوسرے پر ظلم و زبردستی کرے تو اس سے جنگ کرو جو زبردستی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر وہ رجوع کرلے تو عدل کے ساتھ دونوں میں صلح کرادو۔ اور انصاف کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں۔ لہذا اپنے بھائیوں میں صلح کرادو۔ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے)۔

بغیر کسی تاویل و تکلف کے یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ ظاہر آیت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کی رد کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں باغی مومن نامزد کیا ہے۔ دوران جنگ میں بھی بعض کو بعض کا بھائی بتایا ہے۔ جن پر ظلم و زبردستی کی جائے انھیں اہل عدل بتایا ہے اور انھیں کو اپنے اور ان کے درمیان صلح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس باہمی خونریزی کی وجہ سے ان میں سے کسی کو نہ فسق سے

موصوف کیا نہ نقص ایمان سے۔ صحابہؓ محض خطاوار باغی تھے۔ ان میں سے ایک بھی دوسرے کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

عمار رضی اللہ عنہ کو ابو العادیہ یسار بن سبع السلمی نے قتل کیا جو بیعت رضوان میں موجود تھے۔ وہ ان لوگوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ اسے ان کے دل کا حال معلوم ہے اس نے ان پر سکینہ واطمینان نازل کیا ہے اور ان سے راضی ہوا ہے۔ ابو العادیہ رضی اللہ عنہ تاویل کرنے والے مجتہد ہیں اور اس میں خطاوار ہیں، عمارؓ پر ظلم وزبردستی وبغاوت کرنے والے ہیں۔ اور اس پر ایک اجر کے مستحق ہیں۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ نہ انھوں نے کسی کو قتل کیا، نہ باہم حرب وجنگ کی، نہ قتال کیا، نہ مدافعت کی، نہ زنا کیا اور نہ مرتد ہوئے کہ حرب وجنگ کرنے والوں کو کسی تاویل کی گنجائش ہو، یہ حرب وجنگ کرنے والے، عمداً بغیر کسی تاویل کے محض ظلم وزبردستی کے طور پر ایک حرام خون کے بہانے والے تھے، اس لئے یہ سب کے سب فاسق وملعون تھے۔

اس امر کے بطلان سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ علیؓ ہی صاحب حق تھے تو وہ احادیث جن میں گھروں میں رہنے اور جنگ ترک کرنے کی تاکید ہے یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جنھیں یقینی حق واضح نہ ہوا ہو کہ وہ کہاں ہے۔ ہم اسی کے قائل ہیں۔ جب حق واضح ہوجائے۔ تو باغی جماعت سے جنگ کرنا بنص قرآن فرض ہے۔ اسی طرح اگر دونوں گروہ باغی ہوں۔ تو ان دونوں سے جنگ کرنا واجب ہے۔ اللہ کا کلام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے معارض نہیں ہوتا۔ کلام نبی بھی اللہ ہی کے طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**" (آپ اپنے دل سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ صرف وحی ہوتی ہے۔ جو آپ کو بھیجی جاتی ہے)۔ اور فرمایا ہے "**ولو کان من عند غیر اللہ لوجد و افیہ اختلا فا کثیرا**" (اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں یہ لوگ کثیر اختلافات پاتے)۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ جب یہ ایسا ہے تو ایسی کوئی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور اس میں اختلاف ہو۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

اب صرف ان وجوہ پر کلام کرنا رہا۔ جن سے ان لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کو درست سمجھتے ہیں۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا فرض تھا جو اللہ ورسول سے جنگ کرنے والے زمین میں فساد برپا کرنے والے اور اسلام وحرم امامت وہجرت وخلافت وصحبت وسابقہ کی حرمت کے توڑنے والے تھے۔ تو ہاں۔ علیؓ نے اس میں اور قاتلوں سے بیزاری ظاہر کرنے میں کبھی ان لوگوں سے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن ان لوگوں کی بہت بڑی اور زبردست تعداد تھی کہ علیؓ کو ان پر قدرت نہ تھی۔ لہذا علی رضی اللہ عنہ سے وہ چیز ساقط ہوگئی جو ان کی استطاعت میں نہ تھی۔ جیسا کہ علیؓ سے اور ہر مسلمان سے جو عاجز ہو نماز میں قیام اور حج وروزہ ساقط ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "**لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا**" (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جب تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو تم اس میں سے اتنا ہی کرو جتنی تمھیں استطاعت ہو۔

اگر معاویہؓ علیؓ سے بیعت کر لیتے تو وہ ان کی وجہ سے قاتلان عثمانؓ سے حصول حق میں ضرور طاقتور ہوجاتے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اختلاف ہی نے قاتلان عثمانؓ پر حق نافذ کرنے میں علیؓ کے ہاتھ کو کمزور کردیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ ضرور ان لوگوں پر حق کو نافذ کرتے جس طرح انھوں نے قاتلان عبداللہؓ بن خباب پر اس کو نافذ کیا، کیونکہ وہ ان کے قاتلون سے مطالبہ کرنے پر قادر تھے۔

معاویہؓ کا بیعت علیؓ سے باز رہنے میں علیؓ کے ابوبکرؓ کی بیعت میں تاخیر کرنے کے نمونے کی تقلید کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ خطا میں نمونہ نہیں ہوتا۔ علیؓ نے رجوع کرلیا اور کچھ زمانے کے بعد ہی بیعت کرلی۔ اگر معاویہؓ بھی ایسا ہی کر لیتے تو وہ حق کو پہنچتے۔ اس وقت بلاشک وہ تمام صحابہؓ بھی بیعت کر لیتے جنھوں نے تفریق کی وجہ سے بیعت نہیں کی تھی۔ علیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ وسعدؓ کا تقارب یعنی ایک ہی پایہ کا ہونا تو مسلم ہے مگر پہلے جس کی بیعت ہوگئی وہی اہل و مستحق خلافت ہے وہی امام ہے جس کی ان امور میں اطاعت واجب ہے جن میں اللہ کی اطاعت ہو، خواہ وہاں پر اس کے برابر یا اس سے افضل لوگ موجود ہوں۔ جس طرح بیعت عثمانؓ پہلے ہوگئی تو ان کی اطاعت وامامت دوسروں پر واجب ہوگئی۔ اگر اس مقام پر اسی زمانے میں شوریٰ کے وقت علیؓ یا طلحہؓ یا زبیرؓ یا عبدالرحمٰنؓ یا سعدؓ سے بیعت کر لی جاتی تو بلاشک وہی امام ہو جاتے اور لامحالہ انھیں کی اطاعت عثمانؓ کو بھی لازم ہوتی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ علیؓ ہی صاحب حق اور امام تھے جن کی اطاعت فرض تھی۔ معاویہؓ خطاوار مجتہد تھے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صاحب علم پر کسی ایسے امر دین میں جو اس سے بھی زیادہ صاف واضح ہوتا ہے حق وصواب مخفی ہو جاتا ہے۔ اکثر تو جب اس پر حق واضح ہو جاتا ہے وہ اس سے رجوع کر لیتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حق واضح نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس پر اس کی وفات ہو جاتی ہے۔ ہماری توفیق تو محض اللہ ہی کی طرف سے اسی سے ہدایت اور خطا سے بچانے کی درخواست ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

علیؓ نے اپنا حق طلب کیا اور اس پر جنگ کی۔ ان کا باغیوں کو چھوڑ دینا اس لئے تھا کہ مسلمانوں کی بات متحد رہے۔ جیسا کہ ان کے بیٹے حسنؓ نے کیا۔ اس کی وجہ سے انھیں بہت بڑی فضیلت حاصل ہوگئی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی نے پہلے ہی بیان کر دیا تھا کہ ”میرا یہ فرزند سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے میری امت کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا“۔ اس فضیلت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں قابل رشک قرار دیا، جو شخص مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی خواہش میں اپنا حق چھوڑ دے۔ اس نے تو وہ فضیلت حاصل کی کہ اس سے زیادہ نہیں اس پر کوئی ملامت نہیں اور وہ اس میں حق پر ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

امامت مفضول

خوارج ومعتزلہ ومرجیہ کے چند گروہوں کا جن میں محمد بن الطیب الباقلانی اور ان کے متبعین اور گروہ شیعہ کے تمام روافض کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی امامت جائز نہیں جب لوگوں میں اس سے افضل موجود ہو۔ خوارج ومعتزلہ ومرجیہ، تمام شیعۂ زیدیہ اور تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی امامت بھی جائز ہے کہ دوسرا اس سے افضل موجود ہو۔

روافض نے تو یہ کہا ہے کہ عالم میں صرف ایک ہی امام ہوتا ہے جو مقرر رہوتا ہے اور شخص معین ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے ان کے ان اقوال کو بیان کر چکے ہیں جن کا ابطال بھی ہو چکا ہے والحمد للہ رب العلمین۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کی امامت جائز نہیں جس سے افضل موجود ہو۔ ہمیں ان کی کسی قسم کی کسی حجت ودلیل کا علم نہیں ہوا۔ نہ قران سے نہ حدیث سے۔ نہ اجماع سے۔ نہ صحت عقل سے۔ نہ قیاس سے۔ نہ قول صحابی سے۔ جو ایسا ہو تو وہ قول پھینک دیئے جانے کا مستحق ہے۔ یوم سقیفہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں تمھارے لئے ان دو میں سے ایک شخص کو پسند کرتا ہوں، یعنی ابوعبیدہؓ اور عمرؓ کو۔

حالانکہ ابو بکرؓ بلاشک ان دونوں سے افضل تھے۔ مگر کسی مسلمان نے بھی یہ نہ کہا کہ ابو بکرؓ نے وہ بات کہی جو دین میں حلال نہیں۔ انصار نے سعدؓ بن عبادہ کی بیعت کی دعوت دی تھی۔ حالانکہ مسلمانوں میں ایک کثیر تعداد ایسی موجود تھی جو بلاشک سب کے سب سعدؓ بن عبادہ سے افضل تھے۔ مذکورہ بالا بیان سے تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع ثابت ہو گیا کہ مفضول کی امامت (فاضل و افضل کے ہوتے ہوئے) جائز ہے۔

عمرؓ رضی اللہ عنہ نے امر خلافت کو چھ شخصوں کے سپرد کر دیا۔ لامحالہ ان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت تھی اس زمانے میں تمام اہل اسلام کا اجماع تھا کہ ان چھ میں سے جس کی بیعت کی جائے گی وہی امام ہو گا اور اسی کی اطاعت واجب ہو گی۔ اس واقع میں بھی ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ مفضول کی امامت جائز ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اور حسنؓ سے بیعت کی گئی۔ حسنؓ نے خلافت معاویہؓ کے سپرد کر دی۔ جو صحابہؓ موجود تھے ان میں وہ بھی تھے جو معاویہؓ و حسنؓ دونوں سے افضل تھے، جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا او قتال کیا تھا مگر اول سے آخر تک سب نے معاویہؓ سے بیعت کر لی اور انکی امامت کو حق سمجھا۔ یہ ایک اجماع کے بعد اس پر دوسرا اجماع یقینی ہے کہ اس کی امامت بھی جائز ہے جس سے دوسرا شخص ایسے یقین کے ساتھ افضل ہو جس میں کوئی شک نہ ہو۔

یہاں تک کہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن کا اللہ کے نزدیک کوئی وزن نہیں، ان لوگوں نے اپنی فاسد رایوں سے بغیر کسی دلیل کے اس اجماع کو توڑ ڈالا۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان۔**

تعجب تو یہ ہے کہ باقلانی کا یہ قول کہ ''اس شخص کی امامت جائز نہیں جس سے افضل لوگ موجود ہوں'' کیونکر جمع ہو گا حالانکہ اس نے تو نبوت و رسالت کو ایسے شخص کے لئے جائز رکھا ہے جس سے افضل لوگ موجود ہوں اس کے شاگرد ابو جعفر السمنانی نابینا قاضی موصل نے اس سے جو کچھ نقل کیا ہے اس میں تصریح کی ہے کہ ممکن و جائز ہے کہ امت میں ایسا شخص ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے زمانہ بعثت سے زمانہ وفات تک میں افضل ہو۔

ان دونوں قضیوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بے توفیقی و ترک مدد کی کوئی چیز مستحق نہیں۔ خاص کر جب دونوں قضیے جمع ہو جائیں۔ اسلام پر اللہ کی حمد و شکر ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم یہاں انصار رضی اللہ عنہم کے اس قول سے کیسے استدلال کر سکتے ہو جو سعد بن عبادہ کی طرف بلانے کے لیے تھا۔ حالانکہ تمھارے نزدیک وہ قول خطا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کے خلاف ہے۔ نیز اس معاملے میں تم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کیسے استدلال کر سکتے ہو کہ میں تمھارے لئے ان دو میں سے ایک کو پسند کرتا ہوں۔ حالانکہ تمھارے نزدیک ابو بکرؓ کی خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کی توجہ سے تھی۔ ابو بکرؓ کو یہ کیسے جائز تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کو ترک کر دیتے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ انصار رضی اللہ عنہم کا فعل دو حکموں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک تو ایسے شخص کو آگے کرنا ہے جو قرشی نہ تھا اور یہ خطا ہے۔ اس میں مہاجرین نے ان سے اختلاف کیا تھا۔ لہذا یہ قضیہ تو ختم ہو گیا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کے آگے بڑھانے کا جواز کہ دوسرا شخص اس سے افضل ہو۔ یہ درست ہے جس پر ابو بکرؓ وغیرہ نے انصار سے اتفاق کر لیا تھا لہذا یہ اجماع ہو گیا اور اس سے حجت قائم ہو گئی۔ اس شخص کی خطا جو ایک قول میں خطا کرے اور ایسے شخص کی مخالفت کرے جو حق تک پہنچ گیا ہو۔ اس امر کی موجب نہیں کہ اس کے صواب و حق سے استدلال نہ کیا جا سکے جس میں وہ اہل حق کے موافق ہو گیا ہو۔ اس

امر میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ابوبکرؓ کا معاملہ یہی ہے کہ بذریعہ نص حق انھیں کا تھا لیکن انسان کو اس کا حق ہے کہ جب اپنے حق کے ترک کرنے میں مسلمانوں کی باہمی اصلاح دیکھے تو اپنے حق کو ترک کردے۔ اس عطیہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو عطا فرمائیں اور اس مرتبے میں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو فائز فرمائیں کوئی فرق نہیں۔ ابوبکرؓ کو اس کا حق تھا کہ وہ کسی اور کے لئے اس مرتبے کے حق سے دست بردار ہو جائیں۔ کیونکہ اس سے نہ کوئی نص انھیں مانع تھی نہ اجماع۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اس شخص کے قول کی صحت جو یہ کہتا ہے کہ ایسے کی امامت جائز ہے جس سے افضل کوئی دوسرا موجود ہو، اور اس شخص کے قول کا بطلان جو اس (جواز امامت مفضول) کا مخالف، ہے یہ ہے کہ افضل کی شناخت بغیر ظہور نص یا اجماع یا معجزے کے ناممکن ہے۔ معجزہ تو یہاں ناممکن ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ اسی طرح اجماع بھی اور اسی طرح نص بھی۔ برہان ثانی یہ ہے کہ افضل کی جس شناخت کی ان کو تکلیف دی گئی ہے یہی محال و ناممکن ہے اس لئے کہ قرشی انتہائے سندھ سے انتہائے اندلس تک اور انتہائے یمن اور بربر کے صحراؤں کے آخری حصوں تک اور انتہائے ارمینیہ واذربیجان (آذربائیجان) وخراسان تک کے شہروں میں اور ان کے درمیانی شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے نام ہی معلوم ہونا محال ہے تو بھلا ان کے احوال کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔ جب اسماء واحوال نہیں معلوم ہو سکتے تو افضل کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم لوگ حس ومشاہدے سے جانتے ہیں کہ کسی شخص کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد دوسرے سے افضل ہونا محض گمان ہی سے جان سکتے ہیں۔ ظن وگمان سے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "**ان نظن الا ظنا و ما نحن بمستیقنین** " (ہم تو صرف گمان ہی کرتے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں)۔ اور فرمایا ہے "**مالھم بذلک من علم ان ھم الا یخرصون** " (انھیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ یہ لوگ محض اٹکل کی باتیں کرتے ہیں) اور فرمایا ہے **ان یتبعون الا الظن وما تھویٰ الا نفس ولقد جاء ھم من ربھم الھدی . ام للانسان ماتمنی** " (یہ لوگ محض ظن وگمان کی اور اس کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے جی چاہتے ہیں حالانکہ بلاشک ان کے پاس ان کے رب کے پاس سے ہدایت آچکی ہے۔ انسان کو وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جس کی وہ آرزو کرتا ہے) اور فرمایا ہے" **ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً** " (یہ لوگ محض ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان حق سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کرتا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"**ایاکم والظن فات الظن اکذب الحدیث**" (تم لوگ گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ فضائل میں جدا جدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص زیادہ زاہد ہوتا ہے دوسرا زیادہ متقی، تیسرا زیادہ سیاست داں چوتھا زیادہ بہادر پانچواں زیادہ عالم ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ فضائل میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہوتے ہیں جن میں فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ لہذا افضل کی شناخت باطل ہوگئی۔ اور ثابت ہوگیا کہ یہ قول فاسد اور تکلیف مالایطاق ہے اور ایسی چیز کا لازم کرنا ہے جس کی استطاعت نہ ہو۔ اور یہ باطل وناجائز ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کی حکومت اور ان تمام احکام کے نافذ کرنے کا تصرف جنھیں ائمہ نافذ کرتے ہیں، ایسی قوم کے سپرد فرمائی کہ بلاشک دوسرے ان سے افضل تھے۔ آپ نے یمن کے علاقوں پر معاذ بن جبلؓ وابوموسیٰ اشعریؓ وخالدؓ بن ولید کو عمان پر عمرؓو بن العاص کو، بحرین پر علاء بنؓ حضرمی کو، نجران پر ابوسفیانؓ کو مکے پر عتابؓ بن اسید کو، اور طائف پر عثمانؓ بن ابی العاص کو

عامل بنایا۔ حالانکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحہ وزبیر وعمار بن یاسر وسعد بن ابی وقاص وعبدالرحمٰن بن عوف وابوعبیدہ وابن مسعود بلال وابوذر رضی اللہ عنہم مذکورہ بالا عاملین سے افضل تھے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جن صفات کی وجہ سے امامت وخلافت کا استحقاق ہوتا ہے اس میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ فضائل میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔

فضائل تو بے حد ہیں ان میں سے ورع وتقوی ہے زہد ہے علم ہے شجاعت ہے سخاوت ہے حلم ہے عفت وپاک دامنی ہے صبر ہے کرامت واستقلال ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی ہیں ایسا کوئی شخص نہیں پایا جا سکتا کہ ان تمام فضائل میں فوقیت رکھتا ہو۔ بعض میں فوقیت رکھتا ہوگا اور بعض میں اوروں سے پیچھے ہوگا۔ جو شخص مفضول کی امامت کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ کن صفات میں فضیلت کا لحاظ کرے گا۔ اگر بعض صفات پر محدود کردے گا تو بغیر دلیل کے مدعی ہوگا۔ اور اگر تمام صفات کو شامل کردے گا۔ تو ایسی چیز کی تکلیف دے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جس کے وجود کی کوئی سبیل نہیں۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہذا امامت مفضول کا ماننا ثابت ہوگیا۔ اور جو قول اس کے خلاف ہے وہ باطل ہوگیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

باقلانی نے شروط امامت میں ذکر کیا ہے کہ یہ گیارہ شرطیں ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی بلا دلیل ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ ضروری ہوا کہ ان شرائط امامت میں غور کیا جائے کہ جس میں یہ شرائط نہ ہوں اس کی امامت جائز نہ ہو۔ ہم نے وہ شرائط یہ پائے کہ۔

قریش کے خاندان سے ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہیں کہ امامت انھیں میں ہو۔

بالغ وصاحب تمیز ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، (یعنی انھیں معاف کردیا گیا ہے) بچہ تاوقتیکہ بالغ نہ ہو، مجنون تاوقتیکہ اسے افاقہ نہ ہو۔ اور سونے والا تاوقتیکہ بیدار نہ ہو۔

مرد ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ قوم کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کردیا۔

مسلم ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " **ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا** " (اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مومنین پر ہرگز کوئی سبیل نہ کرے گا) خلافت تو سب سے بڑی سبیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اہل کتاب کو حقیر کرنے اور ان سے جزیہ لینے کے حکم کی وجہ سے اور جو اہل کتاب نہ ہوں تاوقتیکہ وہ اسلام نہ لائیں ان کے قتل کرنے کے حکم کی وجہ سے اس سبیل کی بزرگی ظاہر ہے۔

اپنے امر کا بڑھانے والا ہو یعنی بارعب ہو۔

جو فرائض دین اسے لازم ہیں ان کا عالم ہو۔

متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔

کم از کم ملک میں علانیہ فساد نہ کرتا ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** " (باہم نیکی وپرہیزگاری میں مدد کیا کرو اور گناہ وظلم میں باہم مدد نہ کیا کرو)۔

جو شخص ایسے کو آگے کردے گا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہ ہو نہ اس میں یہ صفات ہوں ملک میں علانیہ فساد کرتا ہو، تو اس سے اطمینان نہیں۔ یا جو شخص کسی حکم کو نافذ وجاری نہ کر سکے۔ یا جو اپنے دین میں سے کچھ نہ جانتا ہو تو اس نے گناہ وظلم پر مدد کی۔ نیکی وتقوی پر مدد نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا کوئی حکم نہیں ہے وہ رد ہے۔ اور فرمایا کہ اے ابوذرؓ بیشک تم کمزور ہو۔ تم ہرگز دو آدمیوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کرنا اور نہ مال یتیم کے والی بننا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **فان کان الذی علیہ**

الحق سفیھا او ضعیفاً اولا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ با لعدل"۔ (پھر اگر وہ شخص جس پر حق واجب ہے احمق یا کمزور ہے یا وہ لکھوانا نہیں جانتا ہے تو عدل کے ساتھ اس کے ولی کو لکھوا دینا چاہیے) ثابت ہو گیا کہ سفیہ یعنی احمق اور ضعیف یعنی کمزور اور وہ شخص جو کسی چیز پر قادر نہ وہ تو اس کے لئے ولی و کارکن ضروری ہے جس کو خود ولی کی ضرورت ہو اس کے لئے مسلمانوں کا ولی بننا جائز نہیں۔ لہذا اس شخص کی ولایت جس میں یہ آٹھوں شرطیں پوری نہ ہوں باطل ہے نا جائز ہے، اور ہرگز منعقد نہ ہو گی۔

اس کے بعد منتخب یہ ہے کہ وہ ان امور دین کا عالم ہو جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً عبادات و سیاست و احکام۔ تمام فرائض کا ادا کرنے والا ہو۔ ان میں سے کسی کو ترک نہ کرتا ہو۔ ظاہر و باطن میں کبائر سے پرہیز کرنے والا ہو۔ صغائر کا چھپانے والا ہو اگر اس سے سرزد ہوتے ہوں۔ یہ چار صفات ہیں کہ جس میں یہ نہ ہوں اس کا والی امت بننا مکروہ ہے اگر ایسا شخص والی بن جائے تو اس کی ولایت صحیح ہے مگر ہم اسے مکروہ سمجھتے ہیں جن امور میں وہ اللہ کی اطاعت کرے ان میں اس کی اطاعت واجب ہے اور جن امور میں وہ اللہ کی اطاعت نہ کرے۔ ان سے اسے روکنا واجب ہے۔ اس سے اس امر کی انتہائی امید ہے کہ بغیر کسی کمزوری کے لوگوں کیساتھ نرمی و رحم کرے اور بدی و خلاف شریعت امور کے انکار میں بغیر سختی و زبردستی کے سختی کرے۔

جتنا واجب و ضروری ہے اس سے آگے نہ بڑھے۔ بیدار رہے غافل نہ ہو۔ دلیر ہو مال کو اس کے حق میں خرچ کرنے میں بخل نہ کرے۔ ناحق مال کا اسراف نہ کرے۔ ان تمام شرائط کا جامع صرف یہ ایک جملہ ہے کہ امام احکام قرآن و سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائم کرنے والا ہو۔ بس یہ ہر فضیلت کا جامع ہے۔

امام کی خلقت و پیدائش میں کسی عیب کا ہونا اس کی امامت کے لئے مضر نہیں۔ مثلاً نابینا۔ بہرا۔ نکٹا۔ جذامی۔ کبڑا ہونا۔ ہاتھوں کا نہ ہونا۔ پاؤں کا نہ ہونا۔ یا جو بیحد بوڑھا ہو جائے بشرطیکہ عقل باقی رہے خواہ وہ سو برس کا ہو گیا ہو جسے مرگی کا دورہ آتا ہو پھر افاقہ ہو جاتا ہو۔ وہ شخص جس سے اس کے بلوغ کے بعد ہی بیعت کی جائے اور اس میں شرائط امامت پوری ہوں۔ تو ان تمام لوگوں کی امامت جائز ہے۔ کیونکہ اس سے نہ تو نص قرآن مانع ہے نہ حدیث نہ اجماع نہ عقل، اور نہ کوئی دلیل، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**کونوا قوامین بالقسط**" (انصاف کے قائم کرنے والے بنو)۔ جس نے انصاف کو قائم کیا تو اس نے وہ ادا کر دیا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

اہل اسلام میں سے کسی میں بھی اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ امامت میں میراث جاری کرنا جائز نہیں۔ اس میں بھی اختلاف نہیں کہ نابالغ کی امامت جائز نہیں۔ سوائے روافض کے کہ انھوں نے دونوں امر جائز کر دیے ہیں۔ اس میں بھی کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ امامت عورت کے لئے جائز نہیں۔ اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

عقدِ امامت کس چیز سے صحیح ہوتا ہے

ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مختلف شہروں کے فضلائے امت کے اجماع کے بغیر امامت صحیح نہیں ہوتی۔

دوسروں کا مذہب یہ ہے کہ امامت صرف ان لوگوں کے عقد سے صحیح ہو جاتی ہے جو امام کے پاس موجود حاضر ہوں اور اسی مقام میں ہو جہاں ائمہ کا مستقر ہو۔

ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی کا مذہب یہ ہے کہ امامت پانچ مردوں سے کم کے عقد سے صحیح نہیں ہوتی۔ اس میں کسی نے بھی

اختلاف نہیں کیا ہے کہ مرنے والے امام کے ولی عہد بنانے سے امامت صحیح ہو جاتی ہے، جبکہ اس نے اس (ولی عہد بنانے) میں اپنی موت کے وقت امت کے لئے اچھا انتخاب کیا ہو اور اس سے اپنی خواہش نفسانی مقصود نہ ہو۔ روافض و کیانیہ کے فساد اقوال میں اور جو بعینہ کسی کی امامت کا دعوی کرے تو ظاہر ہے کہ یہ محض دعوے ہیں جن سے کوئی زبان رکھنے والا عاجز نہیں جب وہ اللہ سے نہ ڈرے اور نہ لوگوں سے شرمائے۔ کیونکہ ان میں سے کسی دعوی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

جو یہ کہتا ہے کہ اطراف ملک کے فضلاء کے عقد کے بغیر امامت صحیح نہیں ہوتی تو یہ باطل ہے اس لئے کہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے اور وہ چیز ہے جو وسعت میں نہیں آ سکتی۔ ایسی بات ہے جس میں بہت بڑا حرج ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتا۔ اور اس نے فرمایا ہے کہ ” **وما جعل علیکم فی الدین من حرج** “ (اور اس نے دین کے بارے میں تم پر کوئی حرج مقرر نہیں کیا) (یعنی کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس (تمہیں) سے تنگی و پریشانی ہو)۔

اس سے زیادہ حرج و عاجز کرنا کیا ہو گا کہ ان فضلاء کے اجماع کو معلوم کیا جائے جو مولتان (غالباً ملتان) و منصورہ سے بلاد مہرہ تک ہیں جو عدن تک اور مصامدہ کے انتہائی علاقوں تک ہیں۔ بلکہ طنجہ سے اشبونہ تک اور وہاں سے جزائر بحر تک وہاں سے سواحل شام تک وہاں سے ارمینیہ و کوہ فتح تک وہاں سے اسیجاب و فرغانہ و اشروسنہ تک وہاں سے خراسان کے انتہائی علاقوں تک وہاں سے کابل مولتان (مراد ہے) تک اور وہاں تک جو شہر اور دیہات ان حدود کے درمیان ہیں۔ قبل اس کے کہ ان شہروں کے فضلاء کے سویں حصے کا بھی اجماع ہو سکے مسلمانوں کے بہت سے امور کا ضائع ہو جانا ضروری ہے۔ لہذا یہ قول فاسد بھی باطل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اگر یہ ممکن بھی ہوتا تب بھی لازم نہ تھا اس لئے کہ یہ ایک دعوی ہے جس پر کوئی برہان نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ” **تعاونو اعلی البر و التقوی** “ (باہم نیکی و تقوی پر مدد کیا کرو)۔ ” **و کونوا قوامین بالقسط** “ (اور انصاف کے قائم کرنے والے بنو) ان دونوں امور میں سے ایک تو ہر انسان کی طرف شخصی طور پر متوجہ ہے اور دوسرے کے انتظار میں اس شخص سے انصاف کے قائم کرنے کا وجوب ساقط نہیں ہوتا نیکی و تقوی پر تعاون (یعنی باہم مدد کرنا) یہ حکم دونوں یا زائد کی طرف متوجہ ہے اس لئے کہ تعاون دو فاعلوں کا فعل ہے۔ ایک فاعل کا فعل نہیں ہے تیسرے شخص کا انتظار دو شخصوں سے نیکی و تقوی کے فرض تعاون کو ساقط نہ کرے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ کسی کو انصاف کا قائم کرنا لازم ہوتا نہ نیکی و تقوی میں تعاون اور باہم مدد کرنا واجب ہوتا۔

اس لیے تمام روئے زمین کے باشندوں کا اس پر جمع ہونا ان کے اطراف کے باہمی بعد و دوری کی وجہ سے، اور کسی کے ان امور سے علیحدہ رہنے کی وجہ سے خواہ وہ غدر سے ہو یا بطور معصیت و نافرمانی کے ہونا ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا انصاف کے قائم کرنے اور باہم نیکی و تقوی پر مدد کرنے کا حکم باطل اور بے معنی ہوتا۔ یہ خیال کرنا اسلام سے نکل جانا ہے۔ لہذا قول مذکور ساقط ہو گیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

جو یہ کہتا ہے کہ امامت صرف ان لوگوں کے عقد سے صحیح ہوتی ہے جو امام کے پاس موجود حاضر ہوں اور اسی مقام میں ہوں جہاں ائمہ کا مستقر ہو۔ اہل شام نے اپنے لئے اس کا دعوی کیا تھا یہاں تک کہ اس دعوی نے انھیں اس پر آمادہ کیا کہ مروان سے اور اس کے بیٹے عبدالملک سے بیعت کر لی۔ اسکے ذریعے سے انھوں نے نے اہل اسلام کے خون کو حلال سمجھ لیا۔

یہ قول فاسد ہے اس قول والوں کے پاس کوئی حجت نہیں ہے۔ دین کے بارے میں ہر قول جو قرآن یا حدیث یا یقینی اجماع امت سے خالی ہو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” **قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین** “ (آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اگر سچے ہو تو اپنی برہان پیش کرو) ثابت ہو گیا کہ جس کے پاس اپنے قول کی صحت پر کوئی برہان نہ ہو۔ وہ اس قول میں سچا نہیں ہے۔ لہذا یہ قول بھی ساقط ہو گیا۔

جبائی نے اپنے قول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے جو انھوں نے شوریٰ کے مقرر کرنے میں کیا تھا استدلال کیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اسے چھ اشخاص کے سپرد فرمایا تھا اور انھیں یہ حکم دیا تھا کہ اپنے میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ لہٰذا انتخاب ان میں سے پانچ کے سپرد ہو گیا۔

یہ بھی بچند وجوہ کوئی چیز نہیں۔

اول حضرت عمرؓ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ پانچ سے کم کو انتخاب کا سپرد کرنا جائز نہیں۔ بلکہ ان سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ اگر ان میں سے تین شخص ایک کی طرف مائل ہوں اور تین شخص ایک کی طرف تو ان تین کی پیروی کرنا جن میں عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہوں۔ حضرت عمرؓ نے تین کے عقد کو جائز رکھا۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل تاوقتیکہ نص قرآن وحدیث کے موافق نہ ہو۔ امت پر لازم نہیں، عمرؓ بھی مثل تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہیں جائز نہیں کہ دوسرے صحابہؓ کو چھوڑ کر چھوڑ کر خاص طور پر حضرت عمرؓ کے اتباع کو واجب کر دیا جائے۔

سوم یہ پانچوں حضرات انتخاب سے بری الذمہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنے میں سے ایک شخص یعنی عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ ان کے لئے اور مسلمانوں کے لئے جس کو امامت کا اہل سمجھیں منتخب کر دیں حاضرین صحابہؓ میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا اور غائبین صحابہ کو بھی جب یہ معلوم ہوا تو کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ لہٰذا تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا کہ امامت ایک شخص کے عقد سے منعقد ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ یہ اس لئے جائز ہو گیا کہ فضلائے مسلمین کے پانچ اشخاص نے اس کو عبدالرحمٰنؓ کے سپرد کر دیا تھا تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر تمھارے نزدیک یہ اعتراض ہے تو بالکل اسی طرح اور اسی کے مساوی۔ اعتراض بھی تم پر لازم آتا ہے کہ ان پانچ اشخاص کا عقد صحیح ہو گیا اس لئے کہ مرنے والے امام نے اس کو ان لوگوں کے سپرد کیا تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کا عقد صحیح نہ ہوتا۔

برہان یہ ہے کہ انھیں جو حق انتخاب دیا گیا تھا وہ انھیں میں سے کسی کے لئے تھا نہ کہ غیر کے لئے۔ اگر یہ لوگ غیر میں سے کسی کو منتخب کر لیتے تو ہرگز ان لوگوں کی اطاعت لازم نہ ہوتی۔ پانچ یا زیادہ اشخاص کا عقد بجز اس کے جائز نہیں کہ امام ہی اس کو ان کے سپرد کرے۔ یہ عقد اس لئے صحیح تھا کہ اس زمانے کے فضلا کا اس پر اجماع تھا کہ وہ سب اسے پسند کریں گے جس کا یہ پانچوں انتخاب کریں گے۔ اگر یہ لوگ رضامندی اور پسند کرنے پر اجماع واتفاق نہ کرتے تو ہرگز ان کا عقد جائز نہ ہوتا۔ اور یہ وہ امر ہے جس سے کسی حال میں مفر نہیں۔ لہٰذا یہ قول بھی بغیر کسی اشکال کے یقیناً باطل ہو گیا۔ **والحمدللہ رب العلمین۔**

چونکہ یہ تمام اقوال باطل ہو گئے لہٰذا اس معاملے میں اس پر غور کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور سنت واجماع مسلمین نے واجب کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے جو فرماتا ہے کہ " **واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر** " (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جو صاحب حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم میں باہم کسی امر میں اختلاف ہو تو اسے اللہ و رسول کیطرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو)۔

ہم نے دیکھا کہ عقد امامت چند وجوہ سے صحیح ہو جاتا ہے۔

سب سے اول وافضل وصحیح تر یہ ہے کہ مرنے والا امام اپنے بعد جس کو امام منتخب کرے اسے ولی عہد بنا دے۔ خواہ یہ فعل اپنے زمانہ صحت میں کرے۔ یا زمانہ مرض میں یا موت کے وقت۔ کیونکہ ان میں سے کسی صورت کے ممنوع ہونے پر نہ تو کوئی نص ہے نہ اجماع۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کے ساتھ کیا اور جیسا ابوبکرؓ نے عمرؓ کے ساتھ کیا، اور جیسا سلیمان بن عبدالملک نے عمرؒ بن عبدالعزیز کے ساتھ کیا۔ ہم اس وجہ کو پسند کرتے ہیں اور اس کے ماسوا کو مکروہ سمجھتے ہیں اس لئے کہ اس میں امامت کا اتصال اور امر اسلام واہل اسلام کا انتظام ہے (یعنی ان کے امور کی لڑی ٹوٹنے نہیں پاتی، سلسلہ ملا رہتا ہے) اس اختلاف اور شوروشغب کا ازالہ بھی ہے جس کا اندیشہ دوسری صورت میں کیا جا سکتا ہے جبکہ مسلمانوں کو بغیر کسی امیر کے چھوڑ دیا جائے۔ اس میں پراگندگی وسرکشی وطمع کا انسداد بھی ہے۔

جن صحابہؓ وتابعین نے بیعت یزید بن معاویہؓ وولید وسلیمان سے انکار کیا تھا وہ محض اس وجہ سے کیا تھا کہ یہ لوگ ناپسندیدہ تھے۔ نہ اس لئے کہ امام نے اپنے زمانہ حیات میں انھیں ولی عہد بنا دیا تھا۔

وجہ ثانی (صحت امامت کی) یہ ہے کہ اگر امام مرجائے اور کسی کو ولی عہد نہ بنائے تو جو ایسا شخص سبقت کرے جو مستحق امامت ہو اور اپنے لئے دعوت دے اور اس سے کوئی نزاع کرنے والا بھی نہ ہو تو اس کا اتباع اور اسکی بیعت کا ماننا اور اس کی امامت واطاعت کی پابندی کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے کیا اور جیسا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کیا۔ جب امرائے لشکر زید بن حارثہ وجعفر بن ابی طالب وعبداللہ بن رواحہ قتل کر دیے گئے تو خالد بن ولیدؓ نے یہی کیا تھا۔ خالدؓ نے جھنڈا دوسرے شخص سے لے لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خالدؓ کے اس فعل کی خبر پہنچی تو آپ نے اس کی درستی ظاہر فرمائی۔ تمام مسلمانوں نے خالدؓ کی مدد کی۔

اسی طرح کسی (امام کی) بدکاری وخلاف شرع امر کے ظاہر ہونے پر کوئی شخص اسے دیکھ کر سدباب کے لئے کھڑا ہو تو نیکی وتقوے پر اسکی مدد کرنا لازم ہے اور اس سے پیچھے رہنا جائز نہیں۔ یہ (تاخر یعنی پیچھے رہنا) گناہ وظلم کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" (باہم نیکی وتقوے پر مدد کیا کرو اور باہم گناہ وظلم پر مدد نہ کیا کرو)۔ جیسا کہ یزید بن الولید ومحمد بن ہارون المہدی رحمہم اللہ نے کیا۔

وجہ ثالث (صحت امامت کی) یہ ہے کہ امام اپنی وفات کے وقت انتخاب خلیفہ کا اختیار کسی ایک ثقہ شخص کے یا ایک سے زائد کے سپرد کر دے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت کیا، ہمارے نزدیک اس صورت میں مسلمانوں کو اسی کو تسلیم کرنا پڑے گا جس پر اس زمانے کے مسلمانوں کا اجماع ہو جائے۔ انتخاب کرنے میں تین دن سے زیادہ تردد کرنا جائز نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ جو شخص اس حالت میں کوئی رات بسر کرے کہ اس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہو۔ اور اس لئے کہ مسلمانوں کا اس پر اس سے زائد مدت میں اجتماع نہیں ہوا ہے۔ اس پر زیادہ کرنا باطل ہے جو حلال نہیں۔ علاوہ اس کے کہ اس روز مسلمانوں نے وفات عمر رضی اللہ عنہ کے وقت سے ایک لازم اور ضروری بیعت اپنی گردنوں میں ڈال لی تھی جو۔ بلاشک ان چھ میں سے کسی ایک کے لئے ضروری ولازم تھی وہ اگرچہ کسی معین کو نہیں جانتے تھے مگر بلاشک وہ ان چھ میں سے ایک تھا۔ ان تین وجوہ میں سے کسی ایک سے امامت صحیح ہوتی ہے، بغیر اس وجوہ کے امامت ہرگز صحیح نہیں ہوتی۔

اگر امام مرجائے اور وہ کسی معین شخص کو ولی عہد نہ بنا جائے تو کوئی ایسا شخص جو امامت کی صلاحیت رکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہو اس سے ایک یا زیادہ اشخاص بیعت کر لیں۔ اس کے بعد دوسرا شخص اٹھ کر اس سے نزاع کرے اگرچہ پلک جھپکنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو تو حق پہلے ہی کا ہے

اگر چہ یہ دوسرا شخص اس سے افضل یا برابر یا اس سے کم ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''**قوابیعة الاول فالاول من جاء ینا زعه فاضر بو ا عنقه کائنا من کان** '' (پہلے امام کی بیعت کی حفاظت کرو پھر جو شخص امام اول سے نزاع کرنے آئے تو اس کی گردن ماردو خواہ وہ کوئی بھی ہو)۔

اگر دو یا زیادہ وقت واحد میں اٹھ کھڑے ہوں اور یہ معلوم کرنے سے ناامیدی ہو کہ ان میں سے کس کی بیعت پہلے ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ دونوں میں کون افضل اور زیادہ سیاست داں ہے۔ حق اسی کا ہوگا (جو افضل اور زیادہ سیاست داں ہوگا) دوسرے کا معزول کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **وتعاونو اعلی البرو التقوی ولا تعاونو اعلی الا ثم والعدوان** '' (اور باہم نیکی و تقوے پر مدد کرو اور ظلم وگناہ پر باہم مدد نہ کرو)۔ زیادہ سیاست داں کی تقلید کرنا نیکی ہے یہ پہلے ہونے والی بیعت نہیں ہے جس کو پورا کرنا واجب ہو۔ نہ یہ صاحب بیعت سے جو نزاع کرے اس سے جنگ کرنا ہے۔ اگر چہ وہ فضیلت میں کم ہو۔ جبکہ وہ فرائض وسنن ادا کرتا ہو۔ کبائر سے بچتا ہو صغائر کو چھپاتا ہو۔ اس لئے کہ امامت سے غرض حسن سیاست اور امور کے قیام کرنے کی قوت ہے اگر فضیلت وسیاست میں بھی دونوں مساوی ہوں تو انھیں دونوں میں قرعہ ڈالا جائے گا یا کسی اور میں غور کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ایسی تنگی نہیں کرتا، نہ انھیں ایسے حرج پر قائم کرتا ہے اس لئے کہ اس نے فرمایا ہے'' **وما جعل علیکم فی الدین من حرج** '' (اس نے تم پر دین میں کسی حرج کو مقرر نہیں کیا) اور یہ بہت بڑا حرج ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے بغیر کسی اختلاف کے تمام امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر متفق ہے کہ '' **ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر** '' (اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے) کیفیت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ اہل سنت میں بعض قدمائے صحابہ رضی اللہ عنہم اور انکے بعد بزرگان دین کہتے ہیں یہی قول احمد بن حنبل وغیرہ کا ہے اور یہی قول سعد بن ابی وقاص واسامہ بن زید وابن عمرؓ ومحمد بن مسلمہ وغیرہم کا بھی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دل سے ہے اور ضروری ہے زبان سے بھی ہے بشرطیکہ اس پر قدرت ہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہرگز ہاتھ سے یا تلوار سونتنے سے یا ہتھیار چلانے سے نہیں۔ یہی قول ابوبکر بن کیسان الاصم کا ہے۔

تمام روافض بھی اسی کے قائل ہیں چاہے یہ سب کے سب قتل کر دیے جائیں مگر ہاتھ اور تلوار سے مدافعت جائز نہ رکھیں گے جب تک ناطق (امام غائب) نہ برآمد ہو۔ جب وہ برآمد ہوگا تو اس وقت اس کے ساتھ تلوار سونتنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

اہل سنت نے اس معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اور ہمارے مذکورہ بالا صحابہ رضی اللہ عنہم کی اور ان کی جنھوں نے اہل سنت میں سے خاموش بیٹھنا مناسب سمجھا، پیروی کی ہے مگر اس مقالے کے سب ماننے والے جو اہل سنت میں سے ہیں انھوں نے اس کو اس وقت تک مناسب سمجھا ہے جب تک عادل نہ ہو۔ اگر عادل ہو اور اس کے مقابلے میں فاسق کھڑا ہو جائے تو بلا اختلاف ان کے نزدیک امام عادل کے لئے ہمارا تلوار سونتنا واجب ہے۔ ہم سے ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ باغی گروہ کون ہے۔ اگر ہم جانتے تو اس کے قتال میں تم یا اور کوئی مجھ سے سبقت نہ لے جاتا۔

یہ ایسی بات ہے کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے سوا کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اہل سنت کے چند گروہ اور تمام معتزلہ اور تمام خوارج اور شیعہ زیدیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر مین منکر و بدی کا بغیر تلوار کھینچے ہوئے دفع کرنا ممکن نہ ہو تو تلوار سونتنا واجب ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جب اہل حق ایک ایسی جماعت میں ہوں کہ انھیں (منکر کا) دفع کرنا ممکن ہو اور فتح و کامیابی سے ناامید نہ ہوں تو ان پر یہ فرض ہے۔ اگر وہ ایسی تعداد میں ہوں کہ ان کی قلت اور ضعف کی وجہ سے کسی کامیابی کی امید نہ ہو تو ہاتھ سے منکر کے بدلنے کو ترک کر دینا جائز ہے۔ یہی قول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے صحابہؓ کا ہے۔ ام المومنین عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ ان کے ساتھ صحابہ بھی یہی کہتے ہیں۔ معاویہؓ و عمرؓو بن العاص و نعمانؓ بن بشیر اور ان کے ساتھ صحابہؓ بھی اسی کے قائل ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہی قول عبداللہؓ بن الزبیر و محمد (ابن الحنفیہ) و حسنؓ بن علیؓ اور ان بقیہ مہاجرین و انصار کا ہے جو یوم الحرہ میں (لشکر یزید کے مقابلے میں) کھڑے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہی قول ان سب کا ہے جنھوں نے حجاج پر اظہار حق کیا اور ان صحابہ کا ہے جو حجاج کے قریب تھے۔ مثلاً انس بن مالک اور ان تمام فضلائے تابعین کا ہے جن کا ہم نے ذکر کیا۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ سعید بن جبیر۔ ابن البحتری الطائی۔ عطاء السلمی الازدی حسن بصری۔ مالک بن دینار۔ مسلم بن بشار۔ ابوالحوراء۔ شعبی۔ عبداللہ بن غالب۔ عقبہ بن عبدالغافر۔ عقبہ بن صہبان۔ مابان۔ مطرف بن المغیرہ بن شعبہ۔ ابوالمعد۔ حنظلہ بن عبداللہ۔ ابوسح الہنائی۔ طلق بن حبیب۔ مطرف بن عبداللہ بن الشخیر۔ نصر بن انس۔ عطاء بن السائب۔ ابراہیم بن یزید التیمی۔ ابوالحوساء۔ جبلہ بن زحر۔ وغیرہم۔ اتباع تابعین اور ان کے لاحقین بھی یہی کہتے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عمرؓو محمد بن عجلان۔ ان کا بھی جو محمد بن عبداللہ بن الحسن و ہاشم بن بشر و مطرالوراق کے ساتھ نکلے۔ اور ان کا بھی جو ابراہیم بن عبداللہ کے ساتھ نکلے۔ اور اسی قول پر فقہاء کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ابوحنیفہ۔ حسن بن یحییٰ۔ شریک۔ مالک۔ شافعی۔ داؤد۔ اور ان سب کے شاگرد۔ کیونکہ ہم نے جن قدیم و جدید حضرات کا ذکر کیا ہے یہ سب یا تو اپنے فتوے میں یہی کہتے تھے یا اپنے تلوار سونتنے سے اسی پر عمل کرتے تھے۔ یہ جو منکر دیکھتے تھے اس کا انھیں دو وجوہ سے انکار کرتے تھے۔

سب سے پہلے جس گروہ کا ذکر کیا گیا ہے انھوں نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں یہ مضمون ہے کہ یارسول اللہ کیا ہم ایسے ائمہ سے قتال کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ”جب تک یہ لوگ نماز پڑھیں نہ کرو“۔ بعض احادیث میں ہے کہ ”بجز اس کے کہ تم کھلا ہوا کفر دیکھو جس کے بارے میں اللہ کی طرف سے تمھارے پاس کوئی برہان ہو“۔ بعض احادیث میں یہ ہے کہ ”مارنا واجب ہے“ ”اگر ایسا شخص ہم میں سے کسی کی پشت پر ضرب لگائے یا اس کا مال لے لے“۔ بعض احادیث میں ہے کہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ تمھیں تلوار کی چمک دکھائے گا تو اپنے چہرے پر چادر ڈال لو اور یہ کہو کہ ” **انی ارید ان تبوء باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار** “ (میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ کا تو ہی ذمہ دار بنے اور تو ہی دوزخ والا ہو) بعض احادیث میں ہے کہ ”تم اللہ کے مقتول بندے بنو اور اللہ کے قاتل بندے نہ بنو“۔

ان لوگوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے ” **واتل علیهم نبأ ابنی آدم بالحق اذقربا قربانا فتقبل من احدهما و لم یتقبل من الآخر . قال لا قتلنک . قال انما یتقبل الله من المتقین** “۔

(اور آپ ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر سنا دیجئے۔ جبکہ دونوں نے ایک ایک قربانی چڑھائی۔ پھر وہ ایک کی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی تو اس نے کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔ تو اس نے کہا کہ (اس میں میری کیا خطا ہے) اللہ تو پرہیز

گاروں ہی کا عمل قبول کرتا ہے)۔

اس میں سے کسی میں بھی ان کے لئے کوئی حجت نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے اس کو انتہائی تلاش وجستجو کے ساتھ ایک ایک حدیث کو اس کو سند ومعنی کے ساتھ اپنی کتاب مسمی بہ ”**الا تصال الی فهم معرفة الخصال**“ میں جمع کیا ہے، انشاء اللہ ہم یہاں اس کا مختصر وکافی حصہ بیان کرتے ہیں اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال لے لینے اور پیٹھ پر مارنے پر صبر کرنے کا جو حکم ہے تو یہ جب ہے کہ امام صحیح طور پر اس کا انتظام کرے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پر اس کے لئے صبر فرض ہے اور اگر وہ اس سے باز رہے۔ بلکہ اپنی گردن مارے جانے سے بھی بشرطیکہ اس پر واجب ہو تو وہ فاسق اور اللہ تعالیٰ کا گناہ گار ہے۔ لیکن اگر یہ ناحق ہو تو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر صبر کا حکم کیوں دیتے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”**وتعاونو اعلی البر والتقوی ولا تعاونو اعلی الا ثم والعدوان**“ (اور باہم نیکی وتقوے پر مدد کرو اور باہم ظلم وگناہ پر مدد نہ کرو)۔ ہمیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اپنے رب کے کلام کے خلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**وما ینطق عن الهوی ان هوالا وحی یو حی**“ (آپ اپنی طرف سے بات نہیں کرتے۔ وہ صرف وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کو بھیجی جاتی ہے)۔ اور فرمایا ہے ”**ولو كان من عند غير الله لو جد وافيه اختلا فا كيثرا**“ (اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سے اختلافات پاتے)۔

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہی تھی جس میں نہ اختلاف ہے نہ تعارض۔ جب یہ ایسا ہے تو ہر مسلمان ایسے یقین کے ساتھ جس میں کوئی شک نہیں جانتا ہے کہ مسلم یا ذمی کا ناحق مال لینا یا ناحق اس کی پیٹھ پر مارنا گناہ وظلم وحرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”تمھارے خون۔ تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں تم پر حرام ہیں“ اسمیں نہ کوئی شک ہے اور نہ کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہے وہ مسلمان جس کا مال ظلماً لیا جائے یا ظلماً اس کی پیٹھ پر مارا جائے اور وہ جس وجہ سے بھی ممکن ہو اس سے بچنے پر قادر ہو (اور نہ بچے) تو وہ اپنے ظالم کا ظلم وگناہ میں مددگار ہے۔ اور یہ بنص قرآن حرام ہے۔

وہ تمام احادیث جو ہم نے بیان کیں، اور آدم کے بیٹوں کا قصہ تو ان میں سے کسی میں بھی کوئی حجت نہیں۔ فرزندان آدم کا قصہ ایک دوسری شریعت ہے جو ہماری شریعت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**لكلٍ جعلنا منكم شرعة ومنها جا**“ (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کیا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی منکر وخلاف شریعت امر دیکھے تو اگر ہو سکے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے نہ ہو سکے تو اپنی زبان سے کہے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل میں برا جانے اور یہ کمزور تر ایمان ہے کہ اس کے بعد ایمان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ کسی گناہ میں اطاعت جائز نہیں اور طاعت تو صرف طاعت ہی میں ہے۔ تم میں سے ہر شخص پر سننا اور ماننا واجب ہے جب تک اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا چاہیے نہ طاعت کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کے پیچھے قتل کیا جائے تو وہ شہید ہے۔ جو اپنے دین کے پیچھے قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو کسی اپنے حق کے پیچھے قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تمھیں ضرور ضرور امر بالعروف و نہی عن المنکر کرنا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے پاس کے عذاب میں شامل کردے گا۔

ان احادیث کا ظاہر دوسری احادیث کے معارض وخلاف ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ ان دونوں قسم کی تمام احادیث میں سے ایک قسم کی احادیث دوسری قسم کی احادیث کی منسوخ کرنے والی ہیں۔ جس کے سوا ناممکن ہے۔ اب یہ غور ضروری ہے کہ ان دونوں میں سے کون منسوخ کرنے والی ہیں۔

ہم نے یہ پایا کہ وہ احادیث جن سے قتال کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ زمانہ اصل کے موافق ہیں اور اس حال کے موافق ہیں جو اول اسلام میں تھا۔ یہ دوسری احادیث زائد احکام لانے والی ہیں اور وہ قتال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ان احادیث کے معنی (جو اول اسلام میں تھیں) منسوخ کردیئے گئے اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دوسری احادیث بیان کردیں تو بلاشک ان پہلی احادیث کا حکم اٹھ گیا۔ یہ محال وحرام ہے کہ منسوخ پر عمل کیا جائے اور ناسخ کو ترک کردیا جائے۔ شک کو اختیار کیا جائے اور یقین کو ترک کردیا جائے۔

جو یہ دعوی کرے کہ یہ احادیث پہلے تو ناسخ تھیں۔ اسکے بعد یہی منسوخ ہوگئیں۔ تو اس نے اس شخص کی طرح باطل کا دعوی کیا جس کو اس کا علم نہ وہ۔ اسنے اللہ پر وہ بات کہی جس کا اسے علم نہیں، اور یہ حلال نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اس حکم کو ایسی دلیل وبرہان سے خالی نہ چھوڑتا جس میں یہ بیان کیا جاتا کہ منسوخ کو ناسخ کی طرف رجوع کردیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر شے کا واضح بیان نازل فرمایا ہے۔

برہان ثانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**وان طائفتان من المؤمنین اقتتلو افا صلحوا بینھما . فان بغت احد یھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفئی الی امر اللہ**“ (اگر مومنین کے دوگروہ آپس میں جنگ کریں تو ان دونوں میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے دوسرے پر ظلم وبغاوت کرے اس سے جنگ کرو جو بغاوت کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آجائے)۔ اسمیں دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں کہ اس آیت میں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے یہ محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔

لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ آیت ان احادیث کا فیصلہ کرنے والی ہے جو اس آیت کے موافق ہوگا تو وہ ناسخ وثابت ہوگا اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ منسوخ ومرفوع ہوگا۔

ایک جماعت نے یہ دعوی کیا ہے کہ یہ آیت واحادیث چوروں کے بارے میں ہیں نہ کہ بادشاہ کے بارے میں۔

یہ یقیناً باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ قول بلا برہان ہے، کوئی مدعی بھی ان تمام احادیث میں یہ دعوی کرنے سے عاجز نہیں ہے کہ وہ فلاں قوم کے بارے میں ہیں نہ کہ فلاں قوم کے بارے میں۔ فلاں زمانے کے بارے میں ہیں نہ کہ فلاں زمانے کے بارے میں۔ جو دعوی بلا برہان کے ہو وہ صحیح نہیں ہوتا۔ نصوص کی تخصیص دعوے سے جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ بلا علم کے اللہ تعالیٰ پر حکم لگانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ایک سائل نے آپ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا جو ناحق اس کا مال طلب کرے، آپ نے فرمایا کہ اسے نہ دو۔ اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے جنگ کرے آپ نے فرمایا کہ تم بھی اس سے جنگ کرو۔ اس نے کہا کہ اگر میں اسے قتل کردوں، آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس نے کہا کہ اگر وہ مجھے قتل کردے، آپ نے فرمایا کہ تم جنت میں جاؤ گے۔ یا آپ نے کوئی ایسا کلام فرمایا

جس کے معنی یہی ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو یہ اس کا مال چھینے اور نہ اس پر ظلم کرے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے زکوۃ کے بارے میں فرمایا کہ جس سے صحیح طور پر طلب کی جائے وہ اسے ادا کردے اور جس سے ناحق یا غلط مانگی جائے وہ اسے نہ ادا کرے۔ یہ حدیث ہم سے بطریق ثقات انسؓ بن مالک سے، ابوبکرؓ الصدیق سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے۔ یہ حدیث اس کی تاویل کو باطل کرتی ہے جس نے مال کے متعلق قتال کرنے کی احادیث کو ان چوروں پر پھیر دیا ہے جو زکوۃ نہیں طلب کرتے، اس کو تو حاکم ہی طلب کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی (زکوۃ) پر اقتصار فرمایا (اور صرف زکوۃ ہی کو بیان فرمایا) جب اسے اس قاعدے کے خلاف مانگا جائے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اگر تمام اہل حق متفق ہو جائیں تو اہل باطل کی قوت ان لوگوں پر غالب نہیں آسکتی۔ ہم اللہ سے مدد توفیق کے طالب ہیں۔

ان لوگوں نے فعل عثمانؓ سے جو اعتراض کیا ہے تو انھیں ہرگز اس کا علم نہ تھا کہ وہ قتل کردیئے جائیں گے۔ وہ صرف یہی دیکھتے تھے کہ لوگ ان کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی اس کو امام عادل سے جنگ کرنا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ قتال کو فرض سمجھتے تھے۔ لہذا امر عثمان رضی اللہ عنہ میں ان لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں رہی۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بغاوت میں حرام کی اور خونریزی کی اور مال لے لینے کی اور پردے توڑنے کی اور حالت کے پراگندہ کرنے کی اباحت وجواز ہے۔ دوسروں نے انھیں جواب دیا ہے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ حرام کو چاک کرے اور ناحق مال لے اور اسے چھیڑے جو اس سے جنگ نہیں کرتا۔ اگر وہ اس میں سے کچھ کرے تو اس نے وہی کام کیا جسکو اس سے بدلنا مناسب ہے۔

اہل منکر (ومرتکب بدی) قتل کرنا۔ اس کے قتل کرنے کی نسبت ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ بہت ہیں تو (امام) پر یہ فرض ہے لیکن اہل منکر کا لوگوں کو قتل کرنا اور لوگوں کا مال لینا اور انکی حرمت کا چاک کرنا تو یہ سب کا سب وہی منکر ہے جس کا بدلنا لوگوں کو لازم ہے۔

جو کچھ انھوں نے بیان کیا اگر اس کا خوف منکر کے بدلنے اور امر بالمعروف کرنے سے مانع ہے تو بعینہ یہی امر دارالحرب والوں کے جہاد سے مانع ہوگا۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ نصاری مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کرلیں۔ ان کے مال لے لیں ان کی خون بہائیں اور ان کی حرمت چاک کریں۔ تو مسلمانوں میں اس میں اختلاف نہیں کہ ان تمام امور کے ہونے پر جہاد واجب ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سب جہاد اور قرآن وحدیث کی طرف دعوت ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم اس سلطان کے بارے میں کیا کہتے ہو جو یہود کو حاکم اور نصاری کو صاحب لشکر (فوج وسپاہی) بنادے۔ مسلمانوں پر جزیہ مقرر کردے، مسلمانوں کے بچوں پر تلوار اٹھائے، مسلمانوں کی عورتوں کو زنا کے لئے مباح کرلے جو مسلمان پایا جائے اس پر تلوار اٹھائے انکی عورتوں اور بچوں پر قبضہ کرلے مسلمانوں کے دین کے ساتھ علانیہ تمسخر کرے اور وہ ان تمام امور کے ساتھ اسلام کا اقرار کرے اور اسی کا اعلان کرے اور نماز کو ترک نہ کرے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ اس کے خلاف کھڑا ہونا جائز نہیں تو ان سے کہا جائے گا کہ کسی مسلمان کو وہ بغیر قتل کئے نہ چھوڑے گا۔ اگر اس کو چھوڑ دیا گیا تو لامحالہ یہ لازم آئے گا کہ صرف وہ سلطان اور اس کے ساتھ اہل کفر باقی رہیں۔ اگر ان لوگوں نے اس حالت پر بھی صبر کو جائز

رکھا تو انھوں نے اسلام کی پوری مخالفت کی اور اس سے نکل گئے۔

اگر یہ کہیں کہ اس کے خلاف کھڑے ہوں گے اور اس سے قتال کیا جائے گا۔ اور ان کا یہی قول بھی ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر دس میں سے نو مسلمان یا کل مسلمان قتل کر دیے جائیں صرف ایک باقی رہے اسی طرح ان کی سب عورتیں قید کر لی جائیں۔ مال لے لئے جائیں تو اگر یہ لوگ اس سلطان کے خلاف کھڑا ہونے سے منع کریں تو انھوں نے تناقض اختیار کیا اور خود اپنے ہی بیان کی مخالفت کی۔ اگر انھوں نے مقابلے کو واجب کر دیا تو ہم ان سے اس تعداد سے کم کے متعلق سوال کریں گے اور برابر انکو گھیرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کو صرف ایک مسلم کے قتل پر یا ایک مسلمہ پر یا مال لینے پر یا ظلما ایک تنکے کے لوٹنے پر قائم کریں گے۔ اگر وہ ان میں سے کسی میں بھی فرق کریں گے تو اختلاف بیان و تناقض اختیار کریں گے اور بلا دلیل زبردستی حکم کریں گے اور یہ جائز نہیں۔ اگر وہ ان تمام امور کی مخالفت کو واجب کہیں گے تو حق کی طرف رجوع کریں گے۔

ہم ان سے اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس کا ظالم و بدکار بادشاہ اس کی بیوی یا بیٹی یا بیٹا چھین لے کہ ان کے ساتھ بدکاری کرے یا خود اسی کے ساتھ کوئی بدی کرے، آیا اسے جائز ہے کہ اپنے آپ کو اپنی بیوی کو اپنے لڑکے کو اور اپنی بیٹی کو بدکاری کے لئے سپرد کر دیے یا اس پر فرض ہے کہ جو ان کے ساتھ اس کا ارادہ کرے اس کی مدافعت کرے۔ اگر وہ کہیں کہ اس پر اپنا اور اپنے متعلقین کا حوالے کر دینا فرض ہے تو وہ ایک ایسی بڑی بات لائے جسے کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ اگر یہ کہیں کہ اس پر فرض ہے کہ وہ ان امور سے رکے اور قتال کرے۔ تو انھوں نے حق کی طرف رجوع کیا۔ اور یہ ہر مسلمان کو ہر مسلمان کے بارے میں لازم ہے اور اسی طرح مال کے بارے میں بھی۔

جب کوئی ظلم بھی واقع ہو اگر چہ وہ قلیل ہی ہو، تو واجب ہے کہ اس کے بارے میں امام سے گفتگو کی جائے اور اسے اس سے روکا جائے۔ اگر امام اس سے باز رہے حق کی طرف رجوع کرے جلد یا اعضاء کے متعلق قصاص پر آمادہ ہو اور اس پر حد زنا اور حد قذف (تہمت کی سزا) حد شراب خوری کا اقرار کرے تو اس کے معزول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ امام ہے جیسا کہ تھا اس کا معزول کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ ان امور کے جو اس پر واجب ہیں نافذ کرنے سے باز رہے اور رجوع بھی نہ کرے تو اسکا معزول کرنا اور دوسرے ایسے امام کا قائم کرنا واجب ہے جو حق کو قائم کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **وتعاونوا علی البرّ و التقوی و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان** " (باہم نیکی و پرہیزگاری پر مدد کیا کرو اور گناہ و ظلم پر مدد نہ کیا کرو) واجبات شرائع میں سے کسی چیز کا ضائع کرنا جائز نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

☆☆

فاسق کے پیچھے نماز

فاسق کے ہمراہ جہاد و حج کرنا زکوٰۃ دینا اور اس کے احکام قضاء و حدود کا نفاذ

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز سوائے فاضل و بزرگ کے اور کسی کے پیچھے جائز نہیں۔ یہ قول خوارج شیعہ زیدیہ روافض اور بعض اہل سنت کا ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ سوائے جمعہ وعیدین کے اور سب نمازیں جائز ہیں۔ یہ قول بعض اہل سنت کا ہے۔ تمام گروہ صحابہ کا جن میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اور تمام گروہ تابعین کا، جن میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اور اکثر تبع تابعین اور اکثر اصحابؒ حدیث کا مذہب یہ ہے اور یہی قول احمد و شافعی و ابوحنیفہ و داؤد وغیرہم کا ہے کہ فاسق کے پیچھے جمعہ وغیرہ جائز ہے۔ ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس کے خلاف کہنا بدعت ہے۔ کیونکہ جن صحابہؓ نے مختار بن عبید و حجاج و عبیداللہ بن زیاد و جیش بن دبحہ وغیرہم کو پایا وہ کبھی ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے نہیں رکے۔ حالانکہ یہ لوگ تو فاسقوں میں بھی فاسق تر تھے۔ اور مختار کے دین پر کفر کا گمان وشبہہ تھا۔

جنھوں نے ان کے پیچھے نماز کو منع کیا ہے انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے، ”انما یتقبل اللہ من المتقین “(اللہ تعالیٰ صرف پرہیز گاروں سے قبول کرتا ہے)۔

ان سے کہا جائے گا کہ ہر فاسق نے جب اپنی نماز کی نیت کی تو اللہ نے اس پر رحمت کر دی۔ اور وہ اس بارے میں متقیوں میں ہے۔ لہذا اس کی نماز بھی قبول کی جائے گی۔ اگر متقیوں میں صرف وہی شخص ہوتا جس کا کوئی گناہ نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد متقی کہلانے کا کوئی بھی مستحق نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ماترک علیھا من دابۃ“ (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کے ظلم پر مواخذہ کرتا تو وہ روئے زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا)۔ فاسق کے متعلق یہ یقین کرنا جائز نہیں کہ اس نے اپنی نماز سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا ہے جس نے اس کا یقین کیا وہ ایسی چیز کے درپے ہوا جس کا اسے کوئی علم نہیں اور وہ بات کہی جو وہ نہیں جانتا، اور یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” ولا تقف مالیس لک بہ علم “(اور اس چیز کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں)۔ اور فرمایا ہے ” وتقولون با فواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبو نہ ھیّنا وھو عند اللہ عظیم “(اور تم لوگ اپنے سے وہ بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ اور تم اسے ہلکا سمجھتے ہو حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک گراں ہے)۔

بعض نے کہا ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز سے وابستہ ہے۔

یہ تو انتہائی فساد ہے۔ اس لئے کہ قول بلا دلیل ہے۔ برہان سے اس کا بطلان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” ولا تکسب کل نفس الا علیھا “(اور ہر شخص جو کچھ حاصل کرے گا اس کا ذمہ دار وہی ہوگا)۔ اور فرمایا ہے ” ولا تزر وازرۃ وزر اخری “(کسی بوجھ اٹھانے والے کو دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا)۔ یہاں ارتباط اور وابستہ ہونے کے دعوے پر بھی کوئی برہان نہیں۔ نہ قرآن نہ حدیث، نہ

اجماع نہ معقول۔ حالانکہ اس پر ان سب کا اجماع ہے کہ امام کا وضو مقتدی کے وضو کا قائم مقام نہیں نہ اس کا قیام اس کے قیام کا نہ اس کا قعود اس کے قعود کا نہ اس کا سجود اس کے سجود کا، نہ اس کا رکوع اس کے رکوع کا، اور نہ اس کی نیت اس کی نیت کی۔ اس وقت اس ارتباط و وابستگی کے، جس کا یہ دعوی کرتے ہیں کیا معنی ہونگے جن کے ظاہر میں فضل و بزرگی ہو اس کے باطن کے متعلق یقین کرنا جائز نہیں۔

یہ محض ظن و گمان ہے (کہ اس کا باطن اچھا ہے) لہذا اس بارے میں فاسق و فاضل کا معاملہ یکساں ہوا اور ثابت ہو گیا کہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھتا، ہر ایک اپنی ہی طرف سے نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **اجیبو اداعی الله** "(اللہ کے بلانے والے کی دعوت قبول کرو) اس سے ضروری طور پر واجب ہو گیا کہ جو داعی کسی خیر کی دعوت دے خواہ وہ نماز ہو حج ہو جہاد ہو یا نیکی و تقوی پر باہم مدد کرنا ہو تو اس کی دعوت کا قبول کرنا اور اس کے ساتھ اس کار خیر کا کرنا فرض ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **تعاونو اعلی البر والتقوی ولا تعاونو اعلی الا ثم والعدوان** "(نیکی و تقوے پر باہم مدد کرو اور گناہ و ظلم پر باہم مدد نہ کرو) جو داعی شر کی دعوت دے اس کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اس کی مدافعت اور اس کا روکنا فرض ہے۔ اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

فسق اس شخص کے مقابلے میں نقص کا مرتبہ ہے جو اس سے افضل ہے جس امر میں کوئی شک ہی نہیں وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے فاسق و فاجر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب سے بڑے فاضل و افضل کے درمیان قریب تر نسبت ہے اس نسبت سے جو افضل صحابہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی بھی گناہ و تقصیر کے قصد سے خالی نہیں۔ مسلمانوں میں جو باہمی فضیلت کی کمی و بیشی ہے وہ محض گناہوں کی کثرت و قلت اور کبائر سے بچنے اور اس میں مبتلا ہونے کے اعتبار سے ہے انبیاء علیہم السلام کے بعد صغائر سے تو کوئی بھی نہیں بچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ و عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور اسی سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم کہ" جماعت کا امام وہ شخص ہو جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہو۔ پھر اگر سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ فقیہ و عالم ہو" مستحب ہے فرض نہیں۔ لہذا اس کے بعد کسی فاضل کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے سے انتہائی کمتر کے پیچھے نماز پڑھنے سے رکے۔

لیکن زکوٰۃ کا امام کو ادا کرنا۔ تو اگر امام قرشی فاضل یا فاسق ہو اور اس سے کسی فاضل نے جھگڑا نہیں کیا تو یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی رکھو۔ ہر وہ شخص مصدق (زکوۃ وصول کرنے والا) نہیں ہے جو اپنے کو مصدق کہے۔

مصدق وہ ہے جس کے مصدق ہونے پر یہ برہان قائم ہو کہ اسے ایسے امام نے بھیجا ہے جس کی طاعت واجب ہے۔ ایسا شخص زکوٰۃ مانگے جو امام نہیں ہے یا امام کا مصدق نہیں ہے تو وہ ایک راہ گیر ہے اسے زکوٰۃ لینے کا کوئی حق نہیں۔ لہذا اسے زکوٰۃ کا دینا کافی نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اس نے ایسے شخص کو زکوٰۃ دے دی جس کے دینے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے" جو ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ رد ہے"۔ یہی کلام تمام احکام اور حدود و قصاص وغیرہ میں بھی ہے۔ کہ اگر انھیں ایسا امام قائم کرے جس کی طاعت واجب ہے اور جس کے بغیر چارہ کار نہیں۔ اگر وہ احکام قرآن و حدیث کے موافق ہوں گے تو نافذ ہوں گے ورنہ سب رد ہوں گے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اگر انھیں غیر امام نے یا امام کے والی نے قائم کیا تو یہ سب کے سب رد ہوں گے اور ان کا شمار نہ کیا جائے گا، اس لیے کہ انھیں ایسے شخص نے قائم کیا ہے جسے ان کے قائم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اگر امام ان کے قائم کرنے پر قادر نہ ہو تو اس وقت جو شخص بھی

حق میں سے کچھ بھی قائم کرے گا وہ نافذ ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انصاف کو قائم کریں۔ امت میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ جب امام موجود ہو، صاحب اقتدار ہو یا امام کا امیر یا والی ہو۔ ایسی حالت میں جو شخص کسی ایسے حکم کے نافذ کرنے کی مبادرت کرے جو امام کے متعلق ہے تو وہ مبادرت یا تو کسی ظلم کی نسبت دادخواہی ہوگی جو رد کر دی جائے گی۔ یا کسی کی موقوفی ہوگی تو نافذ نہ ہوگی۔ اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور تمام شہروں میں آپ کے عمال کا عمل جاری رہا جس کو تمام مسلمانوں نے زمانہ بزمانہ نقل کیا ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اسی پر کاربند تھے۔

جہاد ہر امام اور ہر زبردستی غلبہ کر لینے والے اور ہر باغی اور ہر جنگ کرنے والے کے ہمراہ واجب ہے جو مسلمانوں میں سے ہوں۔ اس لیے کہ یہ تو نیکی وتقوے پر باہمی مدد ہے۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اور دین اسلام کی دعوت دے اور اس شخص سے مسلمانوں کی حفاظت کرے جو ان کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد**" (مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور انھیں گرفتار کرو۔ اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کے لئے ہر کمین گاہ میں بیٹھو)۔

یہ حکم ہر مسلم اور ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے عام ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

الحمد لله كتاب الامامت و المفاضلته تمام ہوئی۔

جو باتیں کفر کی طرف لیجاتی ہیں

اہل بدعت یعنی معتزلہ وخوارج ومرجیہ وشیعہ کے محال اقوال

ہم نے اس کتاب میں دین اسلام کے مخالف مذاہب کی ان رسوائیوں کو لکھا ہے جو ان کی کتابوں میں ہیں۔ یعنی یہود ونصاریٰ ومجوس کی۔ کہ اس کے بعد ان لوگوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ جو اس پر واقف ہوگا اسے اس میں کوئی شک نہ رہے گا کہ یہ لوگ گمراہی وباطل

میں مبتلا ہیں۔

انشاءاللہ ہم ان چاروں فرقوں (معتزلہ، خوارج، مرجیہ، شیعہ) کے ایسے فحش اقوال لکھیں گے کہ جو انہیں پڑھے گا اس پر یہ مخفی نہ رہے گا کہ یہ لوگ گمراہی وباطل میں مبتلا ہیں۔ غرض یہ ہے کہ یہ بیان لوگوں کو انکی شرکت یا ان کے اندر باقی رہنے سے روکنے والا ہو جن کی توفیق کا ارادہ اللہ نے کیا ہے **ولا حول ولاقوة الا بالله العلي العظيم**۔

ہماری کتاب کا پڑھنے والا یہ بھی جان لے کہ جس چیز کو وہ لوگ حلال سمجھتے ہیں جن میں خیر نہیں ہے ہم اسے حلال نہیں سمجھتے کہ کسی شخص پر ایسے قول کی تہمت لگائی جائے جو اس نے نصاً وتصریحاً نہیں کہا اگرچہ اس کا قول اسی کی طرف رجوع کرتا ہو۔ کیونکہ کبھی وہ چیز لازم نہیں آئی جو اس کے قول سے بطور نتیجہ نکلتی ہے اور تناقض ہو جاتا ہے۔

کسی کہنے والے پر کسی ایسے قول کی تہمت لگانا خواہ وہ کہنے والا کافر ہو یا بدعتی ہو یا خطا وغلطی کرنے والا ہو جو وہ تصریحاً نہیں کہتا اس پر بہتان لگانا اور جھوٹ بولنا ہے۔ کسی پر بہتان لگانا اور جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ لیکن اکثر یہ لوگ فحش مطلب کو کسی فریب آمیز لفظ میں پوشیدہ کر

دیتے ہیں کہ اسے اہل جہل پر آسان کر دیں اور ان کے پیرو ان پر اچھی نظر رکھیں۔ اور تا کہ ان کے مخالفین کے عام لوگوں سے ان عقدوں کا حل دور رہے۔ مثلاً بدعت ہو۔

مثلاً بعض بدعتی و گمراہ گروہوں کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت محال و قدرت ظلم و قدرت کذب سے موصوف نہ کیا جائے گا یا جو وہ جانتا ہے کہ ہوگا اس کے خلاف کی قدرت سے بھی اسے موصوف نہ کیا جائے گا۔ اس قضیے میں ان لوگوں نے بہت بڑے کفر کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ اس قول سے اپنے جاہل پیرووں کی وحشت کا دور کرنا انھیں اپنا رفیق بنانا ہے۔ اپنے مخالفوں کے جوش کو سکون میں لانا اور اپنے اس مرتج عقیدے کا پردہ چاک ہونے سے بھاگنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر نہیں، اسے کذب پر قدرت نہیں۔ اور نہ اسے محال کی طاقت ہے۔ ان لوگوں نے جو ملمع کاری کی تھی اسے ہم نے واضح کرنے کے لئے اس طرح بدل دیا ہے۔ اور اسے بالکل کھلے ہوئے اور ظاہر الفاظ و عبارت میں بیان کر دیا ہے۔ کہ ان کی فریب کاری کھل جائے ان کے پردے چاک کرنے اور راز کھولنے سے اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمیں تقرب حاصل ہو۔ **و حسبنا الله و نعم الوكيل۔**

شناعت شیعہ

اس فرقے کے بدکار تین گروہ ہیں۔ اول جارودیہ زیدیہ۔ دوم امامیہ رافضیہ۔ سوم غالیہ۔

جارودیہ کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب جو مدینے میں ابو جعفر منصور کے مقابلے کے لئے اٹھے تھے، منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس کو ان کی مدافعت کے لئے روانہ کیا اور محمد بن عبداللہ بن الحسن رحمۃ اللہ قتل کر دیے گئے باایں ہمہ یہ گروہ کہتا ہے کہ محمد مذکور زندہ ہیں، نہ قتل کیے گئے، نہ مرے اور نہ اس وقت تک مریں گے جب تک زمین کو انصاق سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

انھیں کے ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب جو زمانہ خلیفہ ''مستعین'' میں کوفے میں مقابلے کے لئے اٹھے تھے۔ مستعین نے محمد بن عبداللہ بن طاہر بن الحسین کو روانہ کیا جو ان کے چچا حسن بن اسماعیل بن الحسین کا بیٹا تھا اور وہ طاہر بن الحسین کے بھائی کا بیٹا تھا، یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ قتل کر دیے گئے۔ مگر اس گروہ نے کہا ہے کہ یہ یحییٰ بن عمر زندہ ہیں قتل نہیں کیے گئے نہ مرے اور نہ مریں گے تاوقتیکہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہے۔

انھیں کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ محمد بن القاسم بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب جو زمانہ خلیفہ معتصم میں طالقان میں مقابلے کے لیے اٹھے تھے، زندہ ہیں مرے نہیں۔ نہ قتل کیے گئے اور نہ مریں گے تاوقتیکہ زمین کو انصاف سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

کیسانیہ نے کہا ہے جو مختار بن ابی عبید کے ساتھی ہیں اور ہمارے نزدیک یہ لوگ بھی زیدیہ ہی کی ایک شاخ ہیں کہ محمد بن علیؓ بن ابی طالب جو ابن الحنفیہ تھے زندہ ہیں رضوی کے پہاڑوں میں ہیں۔ ان کے داہنی طرف شیر اور بائیں طرف چیتا ہے۔ ان سے ملائکہ باتیں کرتے ہیں۔ صبح و شام ان کے پاس ان کا رزق آتا ہے وہ نہیں مرے اور نہ مریں گے تاوقتیکہ زمین کو عدل سے نہ بھر دیں جس طرح وہ جور سے بھری ہوئی ہے۔

بعض روافض امامیہ نے کہا ہے اور اسی فرقے کو ممطورہ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب زندہ ہیں۔ مرے نہیں۔ اور نہ مریں گے تاوقتیکہ وہ زمین کو عدل سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

انھیں کے ایک گروہ نے جو ناودسیہ ہیں اور ناودس مصری کے ساتھی ہیں، یہی بات ان کے والد جعفر بن محمد کے بارے میں کہی ہے۔

انھیں کے ایک گروہ نے یہی بات ان کے بھائی اسماعیل بن جعفر کے بارے میں کہی ہے۔

سبائیہ نے جو عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے ساتھی ہیں یہی بات علیؓ بن ابی طالب کے بارے میں کہی ہے۔ اور اتنا اضافہ کیا ہے کہ وہ ابر میں ہیں۔

اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ کونسے ابر میں ہیں کیونکہ ابر تو بہت سے ہیں جو ہوا کے اطراف میں زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (ابر کے بارے میں) فرمایا ہے۔

جس وقت عبداللہ بن سبا کو علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ اگر تم لوگ ستر بار بھی ان کا دماغ ہمارے پاس لاتے تب بھی ہم ان کی موت کو نہ مانتے۔ وہ نہیں مریں گے۔ تاوقتیکہ زمین کو عدل سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

بعض کیسانیہ نے کہا ہے کہ ابو مسلم سراج زندہ ہیں۔ مرے نہیں اور وہ ضرور ظاہر ہوں گے۔

بعض کیسانیہ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب زندہ ہیں اب تک اصبہان کے پہاڑوں میں ہیں۔ اور ان کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ یہ عبداللہ وہی ہیں جو زمانہ مروان بن محمد میں فارس میں مقابلے کے لیے کھڑے ہوئے تھے ابو مسلم نے زمانہ دراز تک قید رکھنے کے بعد ان کو قتل کر دیا تھا، یہ عبداللہ بددین آدمی تھے اللہ کو معطل سمجھتے تھے اور (ایک) دہریے کی صحبت میں رہتے تھے۔

یہ سب کے سب یہود کے مددگار ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ ملکصیدق بن عام بن ارفخشد بن سام بن نوح اور وہ غلام جس کو ابراہیم علیہ السلام نے روانہ کیا تھا کہ وہ ریقا بنت بنوائل بن ناخور بن تارح کو ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام کے ساتھ شادی کا پیام دے۔ اور الیاس علیہ السلام اور فنحاس بن العازار بن ہارون علیہ السلام آج تک زندہ ہیں۔ بعض ترکی صوفیہ بھی اسی راستے پر چلے ہیں انھوں نے گمان کیا ہے کہ خضر و الیاس علیہما السلام آج تک زندہ ہیں۔ بعض صوفیہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ جنگلوں میں الیاس سے اور گھاس والے جنگلوں اور باغوں میں خضر سے ملاقات کرتے ہیں۔ جب خضر کو یاد کرتے ہیں تو وہ ان کے یاد کرتے ہی آ جاتے ہیں۔

زمین کے شرق و غرب و شمال و جنوب میں ایک ہی شخص ایک ہی دقیقے میں ہزار بستیوں میں کیسے کام کر سکتا ہے۔ اور کس طرح نمایاں ہو سکتا ہے، حالانکہ ہم ایک مخلوق سے ملے ہیں۔ جن کا یہی مذہب ہے۔ ان سے ہم نے کلام کیا ہے۔ ان میں سے ایک صاحب کا عرف ابن شق اللیل ہے جو طلبیرہ میں محدث ہیں صاحب العناتہ ہیں، اور کثیر الروایہ ہیں انھیں میں سے محمد بن عبداللہ الکاتب بھی ہیں خود انھیں نے مجھ سے کہا کہ میں خضر کا ہم نشین ہوں اور بارہا ان سے گفتگو کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سننے کے باوجود ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے" **ولکن رسول الله و خاتم النبین** "(لیکن آپ اللہ کے رسول اور انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث بھی کہ "**لا نبی بعدی** "(میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)۔ کوئی مسلمان کیسے جائز سمجھتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زمین میں کسی نبی کو ثابت کرے بجز ان نبی کے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستثنیٰ فرمایا ہے جو ان احادیث صحیحہ و مسند میں ہے کہ جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے آخر زمانے میں نازل ہونے کے

بارے میں ہیں۔

برغواطہ کے کفار آج تک اس صالح بن طریف کے منتظر ہیں جس نے ان کے لئے ان کا دین شروع کیا۔

رافضیہ امامیہ کے تمام قطعیہ نے کہا ہے اور یہی جمہور شیعہ ہیں ان میں متکلمین ومناظرین بھی ہیں۔ اور ان کی بڑی تعداد ہے کہ محمد بن الحسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب زندہ ہیں مرے نہیں۔ اور نہ مریں گے تاوقتیکہ وہ نکل کر زمین کو عدل سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔ ان کے نزدیک یہی وہ مہدی ہیں جن کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

ان کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ ان کی ولادت کا زمانہ (جو ہرگز کبھی پیدا نہیں ہوئے) ۲۰۳ھ میں ہے جو ان کے والد کی وفات کا سال ہے۔

ان کے ایک گروہ نے کہا کہ وہ اپنے والد کی وفات کے ایک مدت بعد پیدا ہوئے۔

ان کے ایک گروہ نے کہا کہ وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے۔ اسے ان لوگوں نے حکیمہ بنت محمد بن علی بن موسیٰ سے روایت کیا ہے جو ان کی ولادت کے وقت موجود تھیں، جس وقت وہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلے تو حکیمہ نے انھیں بات کرتے اور قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ ان کی والدہ نرجس تھیں۔ اور یہی حکیمہ قابلہ یعنی دایہ تھیں۔

جمہور شیعہ نے کہا ہے کہ ان کی والدہ صقیل تھیں۔

ان کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ انکی والدہ سوسن تھیں۔ حالانکہ یہ سب ہوسنا کی وہوا بندی ہے۔ حسن مذکور نے اپنا کوئی پس ماندہ نہیں چھوڑا نہ بیٹا نہ بیٹی۔ سفہائے شیعہ کا یہ اولین عقیدہ ان کے سب چھوٹے بڑے امور کی مفتاح ہے اگر چہ وہ چھوٹے بھی ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد جب ان سے ان کے قول کی حجت دریافت کی گئی تو سب نے یہ کہا کہ ہماری حجت الہام ہے۔ اور جو ہمارا مخالف ہے وہ نیکی وہدایت کی بنا پر مخالف نہیں ہے۔

یہ ایک طرف جدت ہے۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان میں اور انھیں جیسے نفس پرست عیار میں کیا فرق ہوگا جو ان کے قول کے ابطال میں الہام کا دعوی کرے اور یہ کہے کہ شیعہ ہدایت ونیکی کی بنا پر نہیں ہیں یہ سب کے سب اپنے زمانے کے بدترین لوگ ہیں جن کے سروں میں جنون کا ایک شعبہ ہے ایسے شخص کو یہ لوگ کیا کہیں گے جو ان میں تھا پھر غیر میں چلا گیا یا جو غیر میں تھا پھر ان میں آ گیا۔ کیا تم یہ سمجھو گے کہ وہ گمراہی کی پیدائش سے ہدایت کی پیدائش کی طرف منتقل ہوگیا اور ہدایت کی پیدائش سے گمراہی کی پیدائش کی طرف آ گیا۔ اگر یہ لوگ یہ جواب دیں کہ حکم اس حالت پر ہوگا جس پر وہ مرے گا۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ ممکن ہے کہ تم لوگ بھی گمراہی کی اولاد ہو۔ کیونکہ اس کا اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ تم میں سے ایک ایک شخص آج جس حالت پر ہے اس کے خلاف کی طرف رجوع کرلے۔ خلاصہ یہ کہ پوری قوم کا دین بھی فاسد ہے عقل میں بھی فتور ہے۔ اور حیاء بھی معدوم ہے، اور اس گمراہی سے اللہ کی پناہ۔

عمرو بن خولۃ الجاحظ کے مزاج پر اگر چہ ہزل غالب تھا، لغویات کا غلبہ تھا اور وہ خود گمراہوں کا ایک گمراہ تھا مگر ہم نے اس کی کتابوں میں یہ نہیں دیکھا کہ کوئی جھوٹی بات بیان کی ہو اور اس کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہو، اگر چہ یہ دوسروں کا جھوٹ بکثرت اپنی کتابوں میں لاتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ مجھے ابو احسان ابراہیم النظام وبشر بن خالد نے خبر دی کہ ان دونوں نے محمد بن جعفر رافضی سے جس کا عرف شیطان الطاق تھا کہا کہ تیری خرابی ہو، تو اللہ سے شرماتا نہیں کہ تو اپنی کتاب امامت میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کبھی یہ نہیں کہا کہ "ثانی

اثنین اذهما فی الغار اذیقول لصاحبه لا تحزن ۔ان الله معنا"(جب کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو میں کے دوسرے تھے۔ جب دونوں غار (ثور) میں تھے جب کہ اپنے رفیق وصاحب سے فرمارہے تھے کہ گھبراؤ نہیں۔ بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے)۔ ان دونوں نے کہا کہ واللہ شیطان الطاق بہت دیر تک ہنستا رہا یہاں تک کہ گویا ہمیں دونوں گناہ گار ہیں (کہ اس آیت کوقرآن میں داخل سمجھتے ہیں)۔ نظام نے کہا کہ ہم لوگ ابن متیم الصابونی اور روافض کے تمام مشائخ و متکلمین سے گفتگو کیا کرتے تھے۔

ہم اس کو دریافت کرتے تھے کہ آیا یہ محض رائے ہے (کہ یہ آیت قرآن میں نہیں ہے) یا ائمہ شیعہ سے یہی سنا گیا ہے۔ ابن متیم انکار کرتا تھا کہ شیطان الطاق نے اسے اپنی رائے سے نہیں کہا ہے (بلکہ ائمہ سے سن کر کہا ہے) اس کے متعلق اس کا جو قول ہے اس نے پہلے ہی اس سے دریافت کرلیا تھا۔ نظام نے کہا کہ واللہ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ شرمایا ہو اور اسے اس فعل سے حیا آئی ہو۔

تمام امامیہ کا خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید یہی قول ہے کہ قرآن بدل دیا گیا ہے اس میں وہ چیز بڑھادی گئی ہے جو نہیں تھی جو کم کردیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے او جو بدل دیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے۔ بجز علی بن الحسن بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب کے۔ حالانکہ یہ بھی امامی تھے اور اعتزال کی مدد کیا کرتے تھے اس کے باوجود وہ اس قول (تحریف قرآن) کے منکر تھے اور اسکے قائل کی تکفیر کرتے تھے، اسی طرح ان کے دونوں شاگرد ابویعلی جوطوس میں پیدا ہوئے تھے اور ابوالقاسم الرازی بھی تحریف قرآن کے قائل نہ تھے یہ کہنا کہ جو دولوحوں کے درمیان ہے وہ بدل دیا گیا ہے۔ کفر صریح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب ہے۔

کیسانیہ کا ایک گروہ تناسخ ارواح کا قائل ہے، سید حمیری شاعر لعنۃ اللہ علیہ بھی اسی کا قائل ہے۔ جن لوگوں کا یہ مذہب ہے ان کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ان میں سے کوئی شخص خچر یا گدھا لیتا ہے اس پر ظلم کرتا ہے مارتا ہے اور بھوکا پیاسا رکھتا ہے اس بنا پر کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی روحیں اس میں ہیں۔ اس بے نظیر حماقت پر تعجب ہی کرنا چاہیے۔ بھلا وہ کیا چیز ہے جس نے تمام خچروں اور گدھوں کو چھوڑ کر اسی بدنصیب خچر یا غریب گدھے کو مخصوص کردیا کہ روحیں اس میں منتقل کردیں۔ یہی برتاؤ یہ لوگ بکری کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس بنا پر کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روح اس کے اندر ہے۔

ان کے جمہور متکلمین مثلاً ہشام بن الحکم الکوفی اور ان کے شاگرد ابوعلی الصکاؔک وغیرہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے وہ کچھ نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے لئے علم پیدا کیا۔ یہ کفر صحیح ہے۔

ہشام نے اسی مقام پر جب کہ وہ ابوالہذیل العلاّف سے مناظرہ کررہے تھے کہا کہ ان کا رب اپنے بالشتوں سے سات بالشت کا ہے یہ بھی کفر صحیح ہے۔

داؤد الجوازی جو انکے بہت بڑے متکلمین میں سے تھے یہ گمان کیا کرتے کہ ان کا پروردگار گوشت اور خون کا ہے اور انسان کی صورت پر ہے۔

اس امر میں یہ لوگ باہم کوئی اختلاف نہیں رکھتے کہ علیؓ بن ابی طالب کے لئے دو مرتبہ آفتاب کو واپس کیا گیا۔ بھلا اتنے قریب زمانے کے اور اتنی کثیر مخلوق کے باوجود کیا کسی کو اس سے زیادہ بے شرمی، بے غیرتی، بے حیائی، اور جھوٹ کی جرأت ہوسکتی ہے۔

ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شے کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عزم کرلیتا ہے پھر اسے نامناسب معلوم ہوتا ہے تو وہ اسے نہیں کرتا یہ عقیدہ کیسانیہ کا ہے۔

امامیہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو نو عورتوں سے نکاح کو جائز بتاتے ہیں۔

ان میں وہ بھی ہیں جو چقندر کو حرام کہتے ہیں اسلئے کہ وہ خون حسینؓ سے اگا ہے۔ اور اس کے پہلے نہ تھا۔ اور یہ بھی بے حیائی میں اپنے ماقبل کے قریب ہے۔

ان میں سے بہت لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ علیؓ سے پہلے کوئی ان کا ہمنام نہ تھا حالانکہ یہ جہل عظیم ہے۔ عرب میں بہت لوگ تھے جن کا یہی نام تھا۔ مثلاً علی بن بکر بن وائل۔ کہ عالم میں جتنے بنی بکر ہیں اپنے نسب میں سب اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قبیلہء ازد میں بھی علی تھا۔ ''بجیلہ'' میں بھی علی تھا۔ اور دوسرے قبائل میں بھی جو سب کے سب زمانہ جاہلیت میں مشہور تھے۔ ان سب سے زیادہ قریب عامر بن الطفیل تھا جس کی کنیت ابو علی تھی۔ اور ان کی علانیہ حماقتیں اس سے بہت زیادہ ہیں جو ہم نے بیان کیں۔

ان میں سے ایک گروہ جنت و دوزخ کے فنا ہونے کا قائل ہے۔

کیسانیہ میں بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ دنیا کبھی فنا نہ ہوگی۔

ان میں ایک گروہ ہے جس کا نام نحلیہ ہے یہ لوگ حسن بن علی بن درصند النخلی کی طرف منسوب ہیں۔ یہ شخص نفطہ کا باشندہ تھا یہ مقام تفصہ وقسطیلیہ کے ضلع میں ہے جو بلاد افریقیہ میں واقع ہے۔ بعد کو یہ کافر سوس چلا آیا جو بلاد مصامدہ کے انتہائی مقامات میں ہے اس نے ان لوگوں کو گمراہ کیا اور امیر سوس احمد بن ادریس بن یحییٰ بن ادریس بن عبداللہ بن الحسین بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب کو بھی گمراہ کر ڈالا۔ اس مقام پر یہ لوگ بہت ہیں۔ جو شہر سوس کے وسط میں رہتے ہیں اور اپنے کفر کا اعلان کرتے ہیں۔ ان کی نماز مسلمانوں کی نماز کے خلاف ہے، یہ لوگ کوئی ایسا پھل نہیں کھاتے جن کی جڑ میں پانس ڈالی گئی ہو۔ یہ کہتے ہیں کہ امامت حسنؓ کی اولاد میں ہے نہ کہ حسینؓ کی اولاد میں۔

ان میں سے کچھ لوگ ابو کامل کے ساتھی ہیں ان کا قول یہ ہے کہ (معاذ اللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کافر ہوگئے۔ کیونکہ ان لوگوں نے امامت علیؓ سے انکار کیا تھا۔ اور علیؓ بھی کافر ہوگئے۔ اس لئے کہ انھوں نے خلافت ابو بکرؓ کے پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے سپرد کر دی۔ ان کے جمہور نے کہا ہے کہ علیؓ اور ان کے متبعین نے اسلام کی طرف رجوع کر لیا۔ کیونکہ انھوں نے قتل عثمانؓ کے بعد اپنی طرف دعوت دی۔ اپنا چہرہ کھول دیا اور تلوار سوت لی۔ اس کے قبل علیؓ اور ان کے متبعین اسلام سے مرتد کافر اور مشرک تھے۔

ان میں سے بعض لوگ اس امر کا گناہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف راجع کرتے ہیں کیونکہ آپ نے اس معاملے کو ایسا واضح نہیں فرمایا جس سے اشکال رفع ہو جاتا۔

ان تمام امور میں بغیر کسی خفاء کے کفر صریح ہے۔ یہ سب ان امامیہ کے مذاہب ہیں جو فرقہ شیعہ میں غلو و مبالغے میں متوسط ہیں۔ جو غالیہ (یعنی مبالغہ کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے) شیعہ ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم شیعہ وہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کے لئے نبوت کو ثابت کیا ہے۔

قسم ثانی وہ ہے جس نے غیر اللہ کے لئے الوہیت کو ضروری ٹھہرایا ہے یہ لوگ یہود و نصاریٰ میں شامل ہو گئے اور بدترین کفر کیا۔

وہ گروہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو ضروری ٹھہرایا ہے اس کے بھی چند فرقے ہیں، ان میں سے ایک فرقہ غرابیہ ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیؓ کے اس سے بھی زیادہ مشابہ تھے۔ جتنا غراب (کوا) غراب (کوے) کے مشابہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو وحی لے کے علیؓ کے پاس بھیجا تھا مگر جبریل سے غلطی ہوگئی۔ کہ محمدؐ کے پاس وحی لے کے چلے گئے۔

جبریل پر اس امر میں کوئی الزام بھی نہیں اس لئے کہ ان سے غلطی ہوگئی۔ ان کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ جبریل نے عمداً ایسا کیا۔ ان لوگوں نے (اللہ ان پر لعنت کرے) جبریل کو کافر کہا ہے اور ان پر لعنت کی ہے۔

اس سے زیادہ ضعیف العقل اور اس سے زیادہ بے حیا کوئی قوم سنی گئی ہوگی جو یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ بن ابی طالب کے مشابہ تھے لوگو چالیس سال کے آدمی کی گیارہ سال کے لڑکے سے کہاں مشابہت ہوسکتی ہے۔ جس کی وجہ سے جبریل علیہ السلام غلطی کریں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درازی قامت میں متوسط قد سے زیادہ تھے اور آپ کا قد سیدھا تھا۔ ڈاڑھی گھنی تھی۔ آنکھیں بالکل سیاہ اور بڑی تھیں۔ پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں۔ بدن میں بہت کم بال تھے۔ سر کے بال خوب گھنے تھے۔

علی رضی اللہ عنہ متوسط قامت سے کم۔ مائل بہ پستی تھے۔ ان کا قد بیحد جھکا ہوا تھا جیسے توڑ کر جوڑ دیا گیا ہو۔ ان کی ڈاڑھی اتنی بڑی تھی کہ جب وہ بڑھتی تھی تو ان کے سینے کو ایک شانے سے دوسرے شانے تک بھر دیتی تھی۔ بھاری آنکھیں باریک پنڈلیاں تھیں۔ اصلع بھی تھے یعنی سر پر بال بالکل نہ تھے بجز اس کے کہ گدی کی طرف تھوڑے سے بال تھے۔ ڈاڑھی بہت گھنی تھی۔ اس لئے اس گروہ کی حماقت پر تعجب کرنا چاہیے۔

اگر یہ ممکن ہو کہ جبریل غلطی کریں۔ حالانکہ روح الامین اس سے بری ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے درست کرنے اور آگاہ کرنے سے تیس برس تک کیسے غفلت کی اور انھیں تیئس (۲۳) برس تک ان کی غلطی پر کس طرح چھوڑے رکھا، اس سب سے زیادہ ظرافت یہ ہے کہ انھیں اس واقعے سے کس نے آگاہ کیا یہ خرافات ان سے کس نے بیان کیں۔ یہ تو وہی جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو جو حکم دیا تھا اس کا مشاہدہ کرے پھر اس کے خلاف کا مشاہدہ کرے۔ ان سب پر اللہ کی اور لعنت کرنے والوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ جب تک اللہ کے عالم میں اس کی کوئی مخلوق یا فرقہ نبوت علیؓ کا قائل رہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ علی بن ابی طالب وحسنؓ وحسینؓ رضی اللہ عنہم اور علی بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وموسیٰ بن جعفر وعلی بن موسیٰ ومحمد بن علی وحسن بن محمد اور حسن کے بیٹے جن کا انتظار کیا جا رہا ہے سب کے سب انبیاء ہیں۔

ایک فرقہ صرف محمد بن اسماعیل بن جعفر کی نبوت کا قائل ہے اور یہ قرامطہ ہی کا ایک گروہ ہے۔

ایک فرقہ علیؓ اور ان کے تینوں بیٹوں حسنؓ وحسینؓ ومحمد ابن الحنفیہ کی نبوت کا قائل ہے۔ اور یہ کیسانیہ ہی کا ایک فرقہ ہے۔

مختار نے بھی اپنے لئے دعوے نبوت کے گرد گشت کیا ہے اس نے مقفی عبارت میں کلام کیا اور اللہ کی طرف سے غیب کی باتوں کی پیشنگوئی کی اور اس پر شیعہ کے چند گروہ اس کے پیرو بن گئے۔ یہ محمد ابن الحنفیہ کی امامت کا قائل تھا۔

اور ایک فرقہ مغیرہ بن سعید کی نبوت کا قائل تھا جو بجیلہ کا مولی (آزاد کردہ غلام) تھا اور کوفے میں رہتا تھا۔ اسی کو خالد بن عبداللہ القسری نے آگ میں جلا دیا، یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ اس کا معبود مرد کی شکل کا ہے اس کے سر پر تاج ہے اور اس کے اعضا کی تعداد حروف ہجاء کے برابر (یعنی ۲۸) ہے۔ الف اس کی دو پنڈلیوں کے لئے۔ اور اسی طرح دوسرے حروف۔ کہ کسی دین دار کی زبان بھی اس کو ادا نہیں کرسکتی۔ یہ کافر جو کچھ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے حد بلند وبرتر ہے۔ اور یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ اس کے معبود نے جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اپنا اسم اعظم پڑھا وہ اس کے تاج پر پیدا ہوگئی۔ پھر اس نے بندوں کے اعمال یعنی معاصی وطاعات اپنی انگلیوں سے لکھے۔ جب معاصی کو دیکھا تو پسینہ آگیا اس نے اپنے پسینے سے دو دریا جمع کئے۔ ایک شور وتاریک اور دوسرا روشن وشیریں۔ دریا میں نظر ڈالی تو اپنا عکس

دیکھا۔ اسے پکڑنے گیا تو وہ اڑا پھر اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے عکس و سایے کی دونوں آنکھیں نکال لیں اور مٹا ڈالیں۔ اس کی دونوں آنکھوں سے یہ سورج اور ایک اور سورج پیدا کیا۔

اس نے کفار کو دریائے شور سے پیدا کیا اور مومنین کو دریائے شیریں سے اسی طرح کے اور بکثرت خرافات ہیں۔ یہ شخص یہ بھی کہا کرتا تھا کہ انبیاء علیہم السلام میں شریعت کے کسی جزو میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جابر بن یزید الجعفی جو شعبی سے روایت کرتا ہے۔ وہ مغیرہ بن سعید کا خلیفہ ہو گیا۔ جب مغیرہ کو خالد بن عبداللہ القسری نے جلا دیا۔ جابر مرا تو اس نے بکر اعور ہجری کو خلیفہ بنا دیا، جب وہ مرا تو ان لوگوں نے اپنا معاملہ اپنے رئیس مذکور عبداللہ بن مغیرہ کے سپرد کر دیا۔ کوفے میں ان لوگوں کی بہت بڑی تعداد تھی۔

سب سے آخری عقیدہ جس پر مغیرہ بن شعبہ نے توقف کیا وہ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین کی امامت کا عقیدہ اور دریائے فرات کے اور ہر نہر یا چشمہ کے اور ہر اس کنوئیں کے پانی کے جس میں نجاست گر پڑے حرام ہوتا ہے جو لوگ اولاد حسین میں امامت کے قائل تھے وہ اس بات پر اس سے بیزار ہو گئے۔

ایک فرقہ بیان بن سمعان التمیمی کی نبوت کا قائل ہے اس کو بھی خالد بن عبداللہ القسری نے ایک ہی روز میں مغیرہ بن سعید کے ساتھ سولی دی اور جلا دیا، مغیرہ بن سعید نے لکڑی کے گٹھے سے بندھنے میں سخت بزدلی دکھائی یہاں تک کہ زبردستی اسے گٹھے میں باندھا گیا۔ بیان بن سمعان خود ہی سے گٹھے کی طرف بڑھ گیا اور بغیر کسی زبردستی کے اس سے لپٹ گیا۔ اس سے کوئی پریشانی ظاہر نہیں ہوئی۔ خالد نے ان دونوں کے ساتھیوں سے کہا کہ "تم لوگ ہر چیز میں پاگل ہو"۔ یہ (بیان بن سمعان) اس قابل تھا کہ تمھارا رئیس ہوتا نہ کہ یہ بزدل (یعنی مغیرہ بن سعید) ملعون بیان کیا کرتا تھا کہ اللہ کے چہرے کے سوا بقیہ سب فنا ہو جائے گا۔ اس پاگل کا گمان یہ تھا کہ اس کے اس کفر کی دلیل یہ آیت ہے "**کل من علیها فان و یبقی وجه ربک**" (ہر شخص جو زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور آپ کے رب کی وجہ یعنی ذات باقی رہے گی)۔ اگر اس کو ذرا سی بھی عقل و فہم ہوتی تو یہ ضرور جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان چیزوں کی فنا کی خبر دی ہے جو زمین پر ہیں جس پر اس نے اپنے اس قول صادق سے تصریح کی ہے "**کل من علیها فان**" (ہر وہ شخص جو زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو فنا سے موصوف نہیں کیا جو زمین پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجہ اللہ ہی ہے، وہ اللہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔ اللہ اس سے بری ہے کہ اسے تبعیض و تجزیے سے موصوف کیا جائے۔ (یعنی معاذ اللہ اس کے اجزا بیان کئے جائیں)۔ یہ صفت مخلوقات محدودہ کی ہے نہ کہ اس کی صفت جس کا نہ کوئی مثل ہو نہ اس کی حد ہو"۔

یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ "**هذا بیان للناس**" (یہ قرآن لوگوں کے لئے بالکل صاف واضح ہے)۔ اس آیت کا مطلب وہ خود ہی ہے (یعنی اس کا نام بیان تھا اور اس آیت میں یہ ہے کہ "یہ بیان لوگوں کے لئے ہے" اس کے معنی وہ یہ لیتا کہ یہی بیان بن سمعان لوگوں کے لئے ہے)

اس کا مذہب یہ تھا کہ ہاشم بن عبداللہ بن محمد ابن الحنفیہ ہی امام تھے، ان کے بعد یہ امامت علیؓ کی تمام اولاد میں ہے۔

ان کا ایک فرقہ منصور المستیر العجلی کی نبوت کا قائل ہے جس کا لقب کسف ہے کہا جاتا تھا کہ کلام الٰہی میں کسف سے یہی شخص مراد ہے "**وان یروا کسفا من السماء ساقطا**" (اگر یہ لوگ آسمان کا ایک ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو) اسے یوسف بن عمرؓ نے کوفے میں سولی دی۔

یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ اس کو (بطور معراج) آسمان پر چڑھایا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اس سے کہا کہ اے

میرے بیٹے جا اور میری طرف سے تبلیغ کر۔ اور اس کے ساتھیوں کی قسم یہ تھی کہ نہیں۔ قسم ہے کلمہ کی‘‘

یہ ملعون کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عیسیٰ بن مریم کو پیدا کیا پھر علیؓ بن ابی طالب کو۔ یہ رسولوں کے جاری رہنے کا قائل تھا۔ اس نے حرام چیزیں حلال کر دی تھیں مثلاً زنا۔ شراب۔ مردار۔ سور خون کہتا تھا کہ۔ یہ تو مردوں کے نام ہیں۔ آج اکثر روافض کا یہی مذہب ہے۔ اور اس نے نماز روزہ حج زکوۃ کو ساقط کر دیا تھا۔ اور اس کے تمام پیرو قتل نہیں کرتے۔ گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ ایسے ہی مغیرہ بن سعید کے پیرو بھی ہیں۔ اسی سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ہتھیار اٹھانا جائز نہیں سمجھتے تاوقتیکہ جس امام کا انتظار ہے وہ نہ برآمد ہو۔ پھر (جب وہ برآمد ہوگا تو) یہ لوگ اور لوگوں کا گلا گھونٹنے سے اور پتھروں سے قتل کریں گے اور فرقہ خشبیہ کے لوگ خشب (یعنی لکڑی) سے قتل کریں گے۔

ہشام بن الحکم رافضی نے اپنی کتاب مسمی میزان میں بیان کیا ہے یہ شخص سب سے زیادہ ان لوگوں کا جاننے والا تھا اس لئے کہ یہ کوفے میں ان کا پڑوسی تھا اور مذہب میں بھی ان کا ساتھی تھا۔ کہ خاص کر کسفیہ اپنے لوگوں کو اور اپنے مخالفین کو قتل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مومن کو جلدی سے جنت میں بھیج دیتے ہیں اور کافر کو دوزخ میں۔

یہ لوگ ابو منصور کے مرنے کے بعد اس مال کا خمس (پانچواں حصہ) جو یہ ان لوگوں سے وصول کرتے تھے جن کا گلا گھونٹتے تھے حسن ابن ابی منصور کو ادا کرتے تھے۔ یعنی ابو منصور کے ساتھی دو فرقے تھے۔

ایک فرقے کا قول تھا کہ محمد بن علی بن حسن کے بعد امامت محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین میں چلی گئی۔

ایک فرقے کا قول ہے کہ امامت ابو منصور کسف ہی کے پاس رہی اور یہ کبھی اولاد علی میں واپس نہ ہوگی۔

ایک فرقہ کوفے کے زبیغ الحائک کی نبوت کا قائل تھا۔ (حائک جولاہہ) اگرچہ ایک ہوشیاری کے سبب سے ایک جولاہے کے متعلق ان لوگوں کا یہ دعوی تھا۔

ایک فرقہ کوفے کے گندم فروش معمر کی نبوت کا قائل تھا۔

ایک فرقہ کوفہ عمیر التبان (بھوسہ والے) کی نبوت کا قائل تھا۔

یہ ملعون اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر میں اس تنکے کو سونا بنانا چاہوں تو ضرور بنا دوں۔ اور کوفے میں خالد بن عبداللہ القسری کے پاس آیا تو بڑی ثابت قدمی سے خالد کو گالیاں دیں۔ خالد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا چنانچہ اسے قتل کر کے اللہ کی لعنت کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ پانچوں فرقے سب کے سب فرقہ خطابیہ سے ہیں۔

شیعہ بنی عباس کا ایک فرقہ انہیں کا ہم عقیدہ تھا جو عماء نبوت کا قائل تھا۔ اسی کا لقب خداش تھا۔ اس شخص کو اسد بن عبداللہ برادر خالد بن عبداللہ القسری نے گرفتار کر لیا اور قتل کر کے اللہ کی لعنت کے سپرد کر دیا۔

شیعہ غالیہ کی قسم ثانی وہ ہے جو غیر اللہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ ان میں سب سے پہلی وہ قوم ہے جو عبداللہ بن سبا حمیری یہودی لعنۃ اللہ علیہ کے ساتھی تھے۔ یہ لوگ علی بن ابی طالب کے پاس آئے اور بالمشافہ کہا کہ آپ ہی ’’وہ‘‘ ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ ’’وہ‘‘ کون۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہی اللہ ہیں۔ حضرت علیؓ نے اسے بہت ہی گراں جانا اور آگ سلگانے کا حکم دیا آگ دھکائی گئی۔ حضرت علیؓ نے ان سب کو آگ میں جلا دیا۔

جب یہ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ اب تو ہمارے نزدیک ثابت ہو گیا کہ یہی اللہ ہیں اس لئے کہ آگ

کا عذاب سوائے اللہ کے کوئی نہیں دیتا (لا یعذب بالنا ر الارب النار) اسی واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ہے۔

لما رایت الامر امر امنکر ا اجحت نارا دعوت قنبرا

(جب میں نے حالت کو ناپسندیدہ وخلاف شریعت دیکھا تو میں نے آگ دہکائی اور قنبر کو بلایا)۔

قنبر سے حضرت کا آزاد کردہ غلام مراد ہے۔ یہی ان لوگوں کے آگ میں ڈالنے پر مامور تھا۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ نہ ہم کسی مخلوق سے فتنے میں مبتلا ہوں اور نہ کوئی مخلوق ہم سے فتنے میں مبتلا ہو۔ خواہ وہ امر چھوٹا ہو یا بڑا۔

اپنے ساتھیوں میں ابو الحسن علی رضی اللہ عنہ کا امتحان ویسا ہی ہوا جیسا کہ اپنے ساتھی رسولوں میں سے عیسی علیہ السلام کا امتحان ہوا تھا۔ یہ فرقہ آج تک باقی ہے۔ پھیلا ہوا ہے، اور کثیر التعداد ہے۔ یہ لوگ علیانیہ کہلاتے ہیں انھیں میں سے اسحاق بن محمد النخعی الاحمر الکوفی ان کے متکلمین میں سے تھا۔ اسی کے بیان میں اس کی ایک کتاب ہے۔

جس کا نام اس نے ''الصراط'' رکھا ہے۔ اس کو البہنکی اور فیاض نے رد کیا ہے۔ یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علیؓ کے رسول ہیں۔

شیعہ کے ایک گروہ کا جو محمد یہ کے نام سے مشہور ہیں یہ قول ہے کہ محمد علیہ السلام ہی اللہ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے برتر ہے)۔

البہنکی وفیاض بن علیؓ انھیں لوگوں میں سے تھے۔ فیاض کی اسی مضمون میں ایک کتاب بھی ہے جن کا نام اس نے ''**القسطاس**'' رکھا ہے۔ اس کا باپ وہی مشہور کاتب ہے جو اسحاق بن کنداج کے زمانہ ولایت میں اس کا کاتب تھا۔ اس کے بعد وہ امیر المومنین معتضد کا کاتب ہو گیا تھا۔ اسی کے بارے میں البحتری نے اپنا مشہور قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

شط من ساکن الغریر مزاره وطو ته البلاد و الله جاره

(غریر کے باشندے سے بستی دور جا پڑی شہروں نے معلوم نہیں کہاں سے کہاں اسکو پہنچا دیا اللہ اسکے ساتھ ہو)

اس فیاض ملعون کو قاسم بن عبد اللہ بن سلیمان بن وہب نے اس لئے قتل کر دیا کہ یہ بھی ان لوگوں میں تھا جنھوں نے معتضد سے قاسم کی چغلخوری کی تھی۔ یہ قصہ مشہور ہے۔

ایک فرقہ آدم علیہ السلام کی اور ان کے بعد محمد علیہ السلام تک تمام انبیاء میں سے ہر نبی کی پھر علیؓ کی پھر حسنؓ کی، پھر حسینؓ کی، پھر محمد بن علی کی، پھر جعفر بن محمد کی الوہیت کا قائل ہے۔ یہ لوگ یہاں پر ٹھہر گئے (جعفر بن محمد کے بعد کسی کو خدا نہیں مانا) عیسی بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس کی ولایت کے زمانے میں ایک روز دن دھاڑے کوفے میں خطابیہ نے اس کا اعلان کیا۔ یہ لوگ روز روشن میں بہت بڑی جماعت کے ساتھ چادروں اور تہمدوں میں اکٹھا ہو کر اپنی بلند آوازوں سے یہ صدا بلند کرتے ہوئے نکلے کہ ''**لبیک جعفر لبیک جعفر**'' ابن عیاش وغیرہ نے کہا ہے کہ گویا میں ان لوگوں کی اس روز کی حالت دیکھ رہا ہوں۔ عیسی بن موسیٰ ان لوگوں کی طرف نکلے تو ان لوگوں نے ان سے قتال کیا۔ عیسی نے ان سب کو قتل کر کے بالکل خاتمہ کر دیا۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس پر ایک اور فرقے نے اضافہ کیا۔ یہ فرقہ محمد بن اسماعیل بن جعفر بن محمد کی الوہیت کا قائل ہوا۔ یہی لوگ قرامط ہیں۔

انھیں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ابو سعید حسن بن بہرام الجبائی اور اسکے بعد اس کے بیٹوں کی الوہیت کے قائل ہیں۔

انھیں میں بعض وہ بھی ہیں جو ابو القاسم النجار کی الوہیت کے قائل ہیں ۔ یہ شخص یمن میں بغاوت کے لئے اٹھا تھا۔ بلا دہمدان میں رہتا تھا اس کا نام منصور تھا۔

ان میں سے ایک گروہ عبید اللہ کی الوہیت کا اس کے بعد اس کی اولاد میں جو لوگ والی ہوئے ان سب کی الوہیت کا قائل ہے اور اب تک ہے۔

ایک گروہ ابو الخطاب محمد بن ابی زینب مولائے بنی اسد کی الوہیت کا قائل ہے جو کوفے میں تھا وہاں ان لوگوں کی بہت تعداد ہے ہزاروں سے بھی متجاوز۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ وہ بھی خدا ہے اور جعفر بن محمد بھی خدا ہے ۔ مگر ابو الخطاب جعفر سے بڑا ہے۔ کہا کرتے تھے کہ حسن کی تمام اولاد اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں ۔ یہ مریں گے نہیں، آسمان پر اٹھا لیے جائیں گے۔ اس شیخ کی وجہ سے جسے تم دیکھتے ہو لوگوں کو شبہہ ہو گیا۔ اس کے بعد ان کا ایک گروہ کوفے کے گندم فروش معمر کی الوہیت کا قائل ہوا۔ اس کی عبادت کی۔ اور یہ شخص ابو الخطاب کے اصحاب میں تھا۔ لعنہم اللہ اجمعین۔

ایک گروہ حسین بن منصور حلاج کی الوہیت کا قائل ہے جو ہوشیار شخص تھا اسے حامد بن العباس رحمۃ اللہ کی کوشش سے مقتدر کے زمانے میں بغداد میں سولی دی گئی۔

ایک گروہ محمد بن علی بن الشلمغانی کاتب کی الوہیت کا قائل ہوا ہے جو خلیفہ راضی کے زمانے میں بغداد میں قتل کیا گیا۔ اس کے پیرووں کا عقیدہ تھا کہ وہ ان میں سے جس کے ساتھ بھی بدکاری کرے گا اسکی قدر بلند ہو جائے گی اس لیے کہ وہ اس میں نور بھر دے گا یہ سب فرقے عورتوں کو شریک کرنا جائز سمجھتے تھے۔ اور ان کا ایک گروہ ہمارے اسی زمانے میں شباس المضیم کی الوہیت کا قائل ہے جو بصرے میں زندہ ہے۔

ان میں سے ایک گروہ ابو مسلم السراج کی الوہیت کا قائل ہے۔ انھیں میں سے ایک گروہ المقنع الاعور (یک چشم برقع پوش) والقصار (دھوبی) کی الوہیت کا قائل ہوا ہے جو ابو مسلم کا انتقام لینے اٹھا تھا۔ اس دھوبی کا نام ہاشم تھا۔ یہ ملعون منصور کے زمانے میں قتل کیا گیا۔ لوگوں نے اس کے متعلق اعلان کیا تو منصور نکلا اور اس نے ان سب کو قتل کر دیا۔ اور فنا کر کے اللہ کی لعنت کے حوالے کر دیا۔ راوندیہ ابو جعفر منصور کی الوہیت کے قائل تھے۔ انھیں کا ایک گروہ عبد اللہ بن الخرب الکندی الکوفی کی الوہیت کا قائل ہوا اور اس کی عبادت کی۔ یہ شخص تناسخ ارواح کا قائل تھا، اس نے ان لوگوں پر رات دن میں انیس نمازیں فرض کی تھیں ۔ جن میں سے ہر نماز میں پندرہ رکعتیں تھیں ۔ صفریہ کے متکلمین میں سے ایک شخص نے اس سے مناظرہ کیا، براہین دین کو جب اس پر واضح کر دیا تو یہ اسلام لے آیا اور اس کا اسلام صحیح تھا۔ اور یہ ان تمام امور سے باز آ گیا۔ جن پر کاربند یا جن کا معتقد تھا۔ اپنے تمام پیرؤوں کو بھی اس سے آگاہ کر کے توبہ کا اظہار کیا۔ لوگ جو اس کی عبادت کیا کرتے تھے اور اس کی الوہیت کے قائل تھے اس سے بیزار ہو گئے ۔ اس پر لعنت کی اور اس سے الگ ہو گئے ۔ سب نے عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کی امامت کے عقیدے کی طرف رجوع کیا۔ عبد اللہ بن الخرب اپنی وفات تک اسلام پر اور مذہب صفریہ پر باقی رہا۔ اور اس کا ایک گروہ آج تک خربیہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ گروہ اس فرقے سبائیہ میں سے ہے جو الوہیت علیؓ کا قائل ہے۔

ایک گروہ ہے جو نصریہ کہلاتا ہے اور جن کا ہمارے اس زمانے میں ملک شام میں جند اردن اور خاص شہر طبریہ پر غلبہ ہو گیا ہے ان لوگوں کا قول یہ ہے کہ ”فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور حسن و حسین فرزندان علی رضی اللہ عنہم پر لعنت ہو“ یہ لوگ ان حضرات کو نہایت فحش گالیاں دیتے ہیں اور ہر مصیبت کے ساتھ کوستے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ جناب سیدہ اور ان کے دونوں فرزند رضی اللہ عنہم

ہیں۔ ان حضرات سے بغض رکھنے والوں پر لعنت ہو جو شیطان ہیں مگر بصورت انسان عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا مقولہ یہ ہے کہ ”علی پر اللہ کی لعنت ہے اور ابن ملجم سے اللہ راضی ہے“ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی تمام زمین والوں سے افضل اور آخرت میں سب سے زیادہ بزرگ و معظم ہے۔ اس لیے کہ اس نے روح لاہوت کو جسد کی اس کدورت وظلمت سے رہا کر دیا جس میں وہ رھائی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس جنون پر تعجب کرنا چاہیے اور اللہ سے ہر بلائے دنیا و آخرت سے پناہ مانگنا چاہیے کیونکہ پناہ ونجات اسی کے ہاتھ میں ہے کسی اور کے نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں پورا حصہ دے۔

ان کفریات فاحشہ کا جن لوگوں نے اظہار کیا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کہ اسلام کی طرف منسوب ہیں ان سب کا عنصر شیعہ و صوفیہ ہیں بعض صوفیہ کا قول ہے کہ جسے اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اس سے احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں بعض صوفیہ نے اتنا اور بڑھایا ہے کہ وہ اللہ سے واصل ہو جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اسی زمانے میں نیشا پور میں ایک شخص ہے جس کی کنیت ابوسعید ابوالخیر ہے صوفیہ میں سے ہے کبھی کمبل پہنتا ہے اور کبھی ریشم جو مردوں پر حرام ہے کبھی ایک دن میں ایک ہزار رکعت پڑھتا ہے اور کبھی کوئی نماز نہیں پڑھتا نہ فرض نہ نفل۔ یہ محض کفر ہے۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

شناعت خوارج

جن لوگوں نے اسلام سے نسبت رکھنے والوں کے مقالات جمع کیے ہیں بیان کیا ہے کہ ایک فرقہ اباضیہ ہے جن کا رئیس زید بن ابی انیسہ ہے۔ یہ وہ زید نہیں ہے جو مشہور محدث تھے۔ یہ زید کہا کرتا تھا کہ اس امت میں اس کے دو شاہد ہیں جن میں ایک وہ خود ہے اور دوسرے کو وہ نہیں جانتا کہ کون ہے اور کب ہوگا۔ نہ یہ جانتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ اس کے قبل ہو چکا ہو۔ یہود ونصاری میں سے جو یہ کہے کہ ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عرب کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نہ کہ ہمارے لئے جیسا کہ یہود کا فرقہ عیسویہ کہتا ہے تو یہ سب کے سب مومن ہیں، اللہ کے ولی ہیں۔ اگرچہ وہ اسی عقیدے پر اور شرائع یہود ونصاری کی پابندی و پیروی پر مریں۔ اور دین اسلام ایک عجمی نبی کے ذریعے سے منسوخ ہو جائے گا جو دین سائبین اور ایک دوسرا قرآن لائے گا کہ ایک دم سے پورا اس پر نازل ہوگا“۔

مگر تمام اباضیہ ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو ان مقالات میں سے کسی چیز کا بھی قائل ہو۔ اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور اس کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں۔

حرث اباضی کے اصحاب کا ایک گروہ اسکا قائل ہے کہ جو زنا یا چوری کرے یا کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قائم کی جائے (یعنی ان جرائم کی جو شرعی سزا ہے وہ اسے دی جائے) جو کچھ اس نے کیا ہے اس فعل سے اسے توبہ کرنے کو کہا جائے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو چھوڑ دیا جائے اور اگر توبہ سے انکار کرے تو مرتد ہونے کی بنا پر قتل کر دیا جائے۔

ہم نے اپنے یہاں اندلس میں اباضیہ کا مشاہدہ کیا ہے یہ لوگ طعام اہل کتاب کو حرام بتاتے ہیں بکرے بیل اور بھیڑ کے عضو تناسل کے کھانے کو حرام بتاتے ہیں جو شخص رمضان میں دن کو سوئے اور اسے احتلام ہو جائے تو اس پر روزے کی قضا واجب کرتے ہیں پانی پینے کے

کنویں پر ہوتے ہیں پھر بھی باستثنائے بعض سب کے سب تیمّم کرتے ہیں وضو نہیں کرتے۔ ابو اسماعیل البطیحی اور اس کے اصحاب کا جو خوارج میں سے تھے یہ قول ہے کہ جو نماز واجب ہے وہ صرف ایک رکعت صبح کو اور ایک رکعت شام کو ہے۔ یہ لوگ سال کے بارہ مہینوں میں حج کو جائز سمجھتے ہیں۔ مچھلی تاوقتیکہ ذبح نہ کی جائے اس کا کھانا حرام سمجھتے ہیں مجوس سے جزیہ لینا جائز نہیں سمجھتے جو شخص عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں خطبہ سنائے اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دوزخ لذت ونعمت میں ہیں اور اسی طرح جنت میں اہل جنت ہیں۔

ابو اسماعیل کی اصل ازارقہ سے ہے مگر اس نے تمام ازارقہ سے زیادہ غلو کیا اور ان سے بڑھا دیا۔ تمام ازارقہ جو نافع بن الازرق کے ساتھی ہیں وہ ایسے زنا کرنے والے کی سنگساری کے باطل ہونے کے قائل ہیں جو شادی شدہ ہو۔ چور کا ہاتھ شانے سے کاٹتے ہیں۔ انھوں نے عورت پر بحالت حیض بھی نماز روزہ واجب کیا ہے۔ مگر بعض نے کہا کہ نہیں۔ وہ جب پاک ہو روزے کی طرح نماز کی بھی قضا کرے۔ ان عورتوں اور بچوں کے قتل وخون کو حلال کہا ہے جو ان کے لشکر میں نہ ہوں۔ ازارقہ اس شخص سے بری الذمہ ہیں جو ضعف یا اور کسی عذر سے جہاد میں نہ نکلے۔ سب سے پہلے جس نے یہ بات کہی اس کے مرنے کے بعد یہ لوگ اس قول کے مخالف کی تکفیر کرتے ہیں۔ اس کی زندگی میں جس نے اس میں اختلاف کیا اس کی ان لوگوں نے تکفیر نہیں کی۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو ان کے اہل لشکر میں سے نہ ہو جب اس سے ملیں تو اسے ٹوکیں۔ جب وہ کہے کہ میں مسلم ہوں تو اسے قتل کردیں۔ اور جو اپنے کو یہود نصاری یا مجوس کی طرف منسوب کرے یہ اس کے قتل کو حرام بتاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی شہادت دی ہے کہ دین سے اس طرح نکل جانے والے ہوں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے“۔ یہ خبر آپ کے علامات نبوت میں سے ہے کیوں کہ آپ نے اسکے متعلق خبر دی کہ جزئیات غیب میں سے ہے وہ اسی طرح تصریحاً ظاہر ہوئی جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔

ازارقہ ہلاک ہوچکے ہیں یہ لوگ صرف ایک ہی لشکر والے تھے۔ ان میں سب سے پہلا شخص نافع بن الازرق تھا۔ اور سب سے آخر عبدۃ بن ہلال العسکری تھا۔ انتیس سال تک مسلسل ان لوگوں کا وجود رہا۔ مگر مجھے صبیح مولائے سوار بن الاسعر المازنی التیمی کے بارے میں شک ہے کہ اس نے جو ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں خروج وبغاوت کی تھی ۔ اس لیے کہ اسکا معاملہ زیادہ طویل نہیں ہوا یہ خروج کرنے کے بعد ہی گرفتار کرلیا گیا اور قتل کردیا گیا۔

نجدات نے جو نجدۃ بن عُویم الحنفی کے پیرو ہیں کہا ہے کہ لوگوں پر امام بنانا واجب نہیں۔ ان پر صرف یہ واجب ہے کہ آپس میں حق کو پھیلاتے رہیں۔ جو کمزور ان کے لشکر تک ہجرت نہ کرسکے وہ منافق ہے قاعدین کی جان ومال کو حلال کہا ہے۔ جو چھوٹا سا جھوٹ بولے یا گناہ صغیرہ کرے اور اس پر اصرار کرے (یعنے اس کو برابر کرتا رہے) تو وہ کافر ومشرک ہے اسی طرح کبائر کے بارے میں بھی کہا ہے جو شخص کبائر کا ارتکاب کرے اور ان پر اصرار نہ کرے تو وہ مسلم ہے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب کرے لیکن وہ عذاب سوائے دوزخ کے ہوگا دوزخ کا نہ ہوگا خوارج میں سے جو کبائر کے مرتکب ہوں وہ کافر نہیں لیکن دوسرے فرقے کبائر کے مرتکب ہوں وہ کافر ہیں۔ نجدات بھی فنا ہوچکے۔

صفریہ کا ایک گروہ اس کا قائل تھا کہ جس کو بھی قتل کیا جاسکے اس کا قتل کرنا واجب ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ یہ لوگ حق کی تاویل باطل سے کرتے تھے۔ یہ فرقہ بھی فنا ہوگیا۔

میمونیہ نے کہ عجاردہ کا ایک فرقہ ہے۔ اور عجاردہ صفریہ کا ایک فرقہ ہے، کہا ہے کہ نواسیوں پوتیوں اور بھتیجوں، بھانجوں کی بیٹیوں سے

نکاح جائز ہے۔ ان لوگوں سے اس مسئلے کو حسین بن علی الکرامی نے نقل کیا ہے جو ائمہ دین و حدیث میں سے تھے۔ اور آج خوارج کے فرقوں سے سوائے اباضیہ و صفریہ کے کوئی باقی نہیں ہے۔

بیہسیہ کے ایک گروہ نے کہا ہے جو ابو بیہس کے ساتھیوں میں سے ہیں اور یہ لوگ صفریہ کے فرقوں میں سے ہیں کہ اگر کوئی شخص صاحب کبیرہ ہے اور وہ کبیرہ ہے جس میں حد (شرعی سزا) ہے تو اس کی اس وقت تک تکفیر نہ کی جائے گی جب تک اسے امام کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ جب امام اس پر حد قائم کر دے گا تو اب اس کی تکفیر کی جائے گی۔

رشیدیہ نے کہا ہے۔ اور یہ ثعالبہ کے فرقوں میں سے ہیں۔ اور ثعالبہ صفریہ کے فرقوں میں سے ہیں۔ کہ اس کھیت کی زکوۃ جس کی آبپاشی نہروں اور چشموں سے کی جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔

عوفیہ نے کہ یہ بھی اسی فرقہ بیہسیہ کا ایک گروہ ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔ یہ کہا ہے کہ امام جب کسی مقدمے کے فیصلے میں ظلم کرے اور وہ خراسان یا غیر خراسان کسی شہر میں بھی ہو تو اسی وقت وہ خود اور اس کی تمام رعیت کافر ہو جائے گی۔ خواہ یہ رعیت کہیں بھی ہو۔ مشرق میں ہو کہ مغرب میں۔ اگرچہ وہ اندلس و یمن میں ہو یا ان کے درمیانی شہروں میں ہو۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر شراب کا ایک قطرہ جنگل کے کنوئیں میں گر پڑے تو جو شخص اس کنوئیں پر گذرے اور اس کا پانی پیے اور اسے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ اس میں کیا پڑ گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کافر ہے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی مومن کو اس سے بچنے کی توفیق دے۔

گروہ صفریہ کے فرقۂ فضیلیہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی زبان سے ''**لاالہ الا اللہ . محمد رسول اللہ**'' کہے اگرچہ اپنے دل میں اس کا اعتقاد نہ کرے بلکہ دل میں دہریت یا یہودیت یا نصرانیت یا کفر کا اعتقاد کرے تو وہ اللہ کے نزدیک مومن و مسلم ہے جب وہ اپنی زبان سے کلمہ حق ادا کرے تو اسے وہ چیز مضر نہیں جس کا وہ اپنے دل میں اعتقاد رکھتا ہو۔

صفریہ کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو جیسے ہی آپ مبعوث ہوئے اسی وقت سے اور اسی روز سے تمام اہل مشرق و مغرب کو آپ پر ایمان لانا فرض ہو گیا، اگرچہ انھیں آپ کی لائی ہوئی تمام شریعت کا علم نہ ہو ان میں سے جو لوگ آپ کی شریعت کا کچھ بھی حصہ پہنچنے سے پہلے مر گئے وہ کافر مرے۔

عجاردہ نے جو عبدالکریم بن عجرد کے پیرو تھے اور وہ صفریہ میں سے تھا۔ یہ کہا ہے کہ ان کے بیٹا بیٹی میں سے جو شخص جوان ہو یہ لوگ اس سے اور اس کے دین سے بری ہیں تاوقتیکہ وہ اسلام کا اقرار نہ کرے۔ اس وقت وہ اس سے محبت کریں گے۔

اس پر یہ لازم آتا ہے کہ اسلام کو زبان سے کہنے سے پہلے اگر اس کو کوئی قتل کرے تو اس پر نہ قصاص ہے نہ خوں بہا۔ اگر وہ مر گیا تو نہ اس کا کوئی وارث ہوگا اور نہ وہ کسی کا وارث ہوگا۔

عجاردہ کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ ہم بلوغ سے پہلے بچوں سے نہ محبت کرتے ہیں۔ نہ بیزاری۔ ہم ان کے بارے میں توقف کرتے ہیں، یہاں تک یہ لوگ بلوغ کے بعد اسلام کو زبان سے ادا کریں۔

عجاردہ وہی لوگ ہیں جو خراسان کے خوارج پر غالب آ گئے ہیں جیسا کہ فرقہ اباضیہ کے ''نکار'' وہی لوگ ہیں جو اندلس کے خوارج پر غالب آ گئے ہیں۔

مکرمیہ نے کہ ابو مکرم کے اصحاب ہیں۔ اور یہ لوگ ثعالبہ یعنے اصحاب ثعالبہ میں سے ہیں جو فرقہ صفریہ میں سے ہے یہ کہا ہے کہ

عبداللہ بن باض نے ثعالبہ ہی کے قول کی طرف رجوع کیا تو اس کے پیرو اس سے بیزار ہو گئے۔ وہ لوگ آج اسے پہچانتے بھی نہیں۔ ہم نے اس سے ان لوگوں کو دریافت کیا جو ان کے علم و مذہب میں ان سب میں بڑھا ہوا ہے مگر اس نے ان میں سے کسی کو بھی نہ بتایا۔ مکرمیہ کا مقولہ ہے کہ جس نے کبیرہ کا ارتکاب کیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ناواقف رہا اور وہ کافر ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ کبیرہ کفر ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ناواقف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کافر ہے۔

خوارج کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ جو ایسے معاصی ہوں جن میں حد (شرعی سزا) ہو مثلاً زنا۔ سرقہ۔ تہمت زنا۔ تو اس کا فاعل نہ مومن ہے نہ کافر نہ منافق۔ لیکن جن معاصی میں کوئی حد (شرعی سزا مقرر) نہ ہو تو وہ کفر ہیں اور انکا فاعل کافر ہے۔

اور حفصیہ نے کہ حفص بن ابی المقدام کے پیرو ہیں جو اباضی تھا، کہا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ مشرک نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے وہ ناواقف یا اس کا منکر ہے تو اس وقت وہ مشرک ہے۔

حرث اباضی کے بعض پیرووں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو منافقین تھے وہ اللہ تعالیٰ کے موحد مگر صاحب کبیرہ تھے۔

خوارج کی حماقتوں میں سے بکر بن ہمشیرۂ عبدالواحد بن زید کا ایک قول ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ ہر گناہ صغیرہ یا کبیرہ اگرچہ وہ ناحق ایک دانہ رائی کا لینا ہو یا بطور مزاح کے بہت ہی خفیف سا جھوٹ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اس کا فاعل کافر و مشرک ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ بجز اس کے کہ وہ اہل بدر میں سے ہو۔ تو وہ کافر و مشرک ہے اور اہل جنت میں سے ہے ان کے نزدیک طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کا یہی حکم ہے۔

ان کی حماقتوں میں سے عبداللہ بن عیسی شاگرد بکر بن ہمشیرہ عبدالواحد بن زید مذکور کا یہ بھی ایک قول ہے کہ مجنون آدمی اور جانور اور بچے جو بالغ نہ ہوئے ہوں ان لوگوں کو کسی بیماری سے جو ان پر آتی ہے تکلیف نہیں ہوتی۔ اس مسئلے میں اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

بخدا اس نے تو معتزلہ ہی کے قاعدے کو جاری کر دیا، اور جس نے اس گندے کی اس کی حماقت میں مخالفت کی وہ تناقض میں گھس گیا۔

شناعت معتزلہ

سوائے ضرار بن عبداللہ الغطفانی الکوفی اور اس کے موافقین، مثلاً حفص الفرد و کلثوم و اصحاب کلثوم، بقیہ تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ بندوں کے تمام افعال یعنے ان کے حرکات و سکنات جو اقوال و اعمال و افعال و خیالات میں ہوں انھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔ پھر ان میں آپس میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ ان افعال کو ان کے فاعلین نے پیدا کیا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ افعال موجود ہیں جن کا ہرگز کوئی خالق نہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ طبیعت کے افعال ہیں۔ اور بلا تکلف یہی قول دہریے کا ہے۔

سوائے ضرار بن عمرو المذکور اور سوائے ابوسہل بشر بن العمیر البغدادی تاجر غلام کے تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کافر پر لطف مہربانی کرنے پر قادر نہیں، جب تک کہ وہ اس طرح ایمان لائے کہ اس کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہم لوگوں کے ساتھ کر دیا ہے اس سے بہتر اس کی قوت میں نہیں ہے۔ اور یہ جو کچھ اس نے کر دیا ہے یہ اس کی انتہائی طاقت اور وہ آخری قدرت

ہے کہ اس سے زیادہ نہ اس کے لیے ممکن ہے اور نہ وہ اس پر قادر ہے۔

باری تعالیٰ کا یہ محض عاجز بنانا اور اسے نقص کے ساتھ موصوف کرنا ہے۔ یہ سب کے سب جن میں سے ہم کسی ایک کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محال پر قادر نہیں۔ نہ وہ اس پر قادر ہے کہ ایک جسم کو ایک ہی حال میں معاً ساکن ومتحرک کر دے۔ نہ اس پر قادر ہے کہ ایک انسان کو معاً دو مکانوں میں کر دے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خالص عاجز بنانا اور اس کے لیے حد وانتہا کا واجب کرنا اور اس کی قدرت کا ان چیزوں سے ختم کر دینا ہے۔

ابوالہذیل بن مکحول العلاف مولائے عبدالقیس بصری نے جو روَساے معتزلہ اور انکے متقدمین میں سے ہے کہا ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اس کا بھی آخر ہے اور اس کی قدرت کی بھی ایک انتہا ہے اگر وہ فعل ووجود میں آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی شے پر بھی قادر نہیں، نہ وہ ایک ذرہ یا اس سے بھی کم کے پیدا کرنے پر قادر ہے، نہ وہ کسی مردہ مچھر کے زندہ کرنے پر قادر ہے، نہ وہ کسی پتے کے یا اس سے بھی کمتر کے حرکت دینے پر قادر ہے اور نہ وہ کسی شے کے کرنے پر قادر ہے۔

ضعف وذلت وعاجزی کی یہ حالت تو ایسی ہے کہ کھٹمل۔ مینڈک اور کیڑے بھی جب تک زندہ ہیں اس اور اس صفت سے بالاتر ہیں۔ اور یہ خالص کفر ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔

۱ ابوالہذیل نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اہل جنت ودوزخ کی حرکات فنا ہو جائیں گی، یہاں تک کہ یہ جماد بن جائیں گے اپنے اعضا کے جنبش دینے پر بھی قادر نہ ہوں گے اور نہ اپنے مقامات سے ہٹنے پر۔ اسی حالت میں یہ لوگ لذت یاب اور درد محسوس کرنے والے ہوں گے سوائے اس کے کہ یہ لوگ اس کے بعد نہ کھائیں گے نہ پئیں گے نہ جماع کریں گے۔

اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ کل اور آخری اور انتہائی ہے اس کے سوا اللہ تعالیٰ کچھ نہیں جانتا۔ معتزلہ کی ایک جماعت نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس نے ان تینوں آفتوں سے توبہ کر لی تھی۔

یہ صحیح نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اس کا دعویٰ محض اس لیے کیا کہ انھیں اپنے امام ضلالت کے ان خالص کفریات سے شرم آئی۔

ابوالہذیل سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مغایر وخلاف نہیں ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ شخص ایسی زبردست پیش قدمی کے باوجود تشبیہ کا منکر ہے۔ حالانکہ یہ عین تشبیہ ہے اس لیے کہ وہ یا تو مخالف ومغایر ہے یا مثل ہے یا ضد ہے جب اس کا مخالف وضد ہونا باطل ہو گیا تو وہ مثل یہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبرتر ہے۔

ابوالہذیل کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے علیم ہے مگر وہ اس کا منکر تھا کہ یہ کہا جائے کہ اللہ ازل سے سمیع وبصیر ہے۔

یہ قرآن کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''وکان اللہ سمیعا بصیرا'' (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سمیع وبصیر ہے) جیسا کہ اس نے یہ فرمایا کہ ''وکان اللہ علیما حکیما'' (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم وحکیم ہے)۔

تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم ہے کہ جو کافر مر گیا وہ کبھی ایمان نہ لائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے حکم دیا اور فرمایا کہ ابولہب اور اس کی بیوی کافر بن کے دوزخ میں داخل ہوں گے اس کے بعد ان سب نے یہ فیصلہ کیا کہ ابولہب اور زوجہ ابولہب اس پر قادر تھے کہ ایمان لاتے اور انھیں دوزخ کی آگ نہ چھوتی۔ ان دونوں کے لیے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کر دیتے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے علم کے باطل کرنے پر اور اس کے قول میں اسے کاذب بنانے پر قادر تھے۔

یہ بغیر کسی تاویل کے انکے اقوال کی تصریح ہے۔ ابراہیم بن سیاد النظام ابواسحاق البصری مولائے بنی بجیر بن الحارث بن عباد الضبعی معتزلہ کا بہت بڑا شیخ اور ان کے علماء میں سب سے مقدم تھا اس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی پر ظلم کرنے پر اور کسی قسم کے شر پر قادر نہیں ہے لوگ ان سب امور پر قادر ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہوتا تو ہمیں کیسے اطمینان ہوتا کہ وہ ہمارے ساتھ ظلم وشر نہ کرے گا یا اس نے نہیں کیا ہے۔ لوگ اس شخص کے نزدیک اللہ سے زیادہ کامل قدرت والے ہیں۔

وہ تصریح کیا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کے جہنم سے نکالنے پر قادر ہے، نہ کسی جنتی کے جنت سے، اور کسی بچے کے جہنم سے علیحدہ رکھنے پر۔ انسان وجن وملائکہ اس پر قادر ہیں۔ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ہر کمزور سے زیادہ عاجز اور اس کی مخلوق کا ہر فرد اس سے زیادہ مکمل قدرت والا ہے۔ یہ وہ خالص کفر ہے جس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

نظام وعلاّف مشائخ معتزلہ کا اس پر متفق ہونا تعجب خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خیر کردی ہے وہ اس سے زیادہ بہتر واصلح پر قادر نہیں ہے یہ دونوں متفق ہیں کہ اس کی قدرت محدود ومتناہی ہے اس کے بعد نظام نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ شر پر بالکل قادر نہیں، اس نے اللہ تعالیٰ کو شر پر عدیم القدرت اور اس سے عاجز قرار دیا ہے۔ علاف نے کہا ہے کہ خدا شر پر بالکل قادر ہے۔ اس نے اپنے پروردگار کی قدرت خیر کو تو محدود ومتناہی کردیا، اور قدرت شر کو غیر متناہی قرار دیا۔ آیا اس سے زیادہ خبیث صفت سنی گئی ہے جس صفت سے علاف نے اپنے پروردگار کو موصوف کیا ہے۔ آیا موصوفین میں کوئی اس سے زیادہ خبیث طبیعت ہوگا جس کے متعلق علاف نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس کا پروردگار ہے۔ ہم اللہ سے اس چیز سے پناہ مانگتے ہیں جس میں اس نے ان لوگوں کو مبتلا کیا۔

ابوالمعتمر معمر بن عمرو العطار البصری مولائے بنی سلیم کہ ان کے مشائخ وائمہ میں سے تھا کہا کرتا تھا کہ عالم میں ایسی اشیا موجود ہیں جن کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ جن کا نہ باری تعالیٰ احاطہ کرسکتا ہے نہ کوئی اور نہ اس کے پاس ان اشیاء کی مقدار ہے نہ عدد۔ یہ قول اس لیے تھا کہ وہ کہتا تھا کہ اشیاء ان معانی کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں جو ان میں ہیں یہ معانی ان دوسرے معانی کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں جو ان میں ہیں۔ اور یہ معانی بھی ان معانی کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں جو ان کے اندر ہیں، اور یہ سلسلہ بغیر کسی حد وانتہا کے ہے۔ حالانکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس قول کی کھلی ہوئی تکذیب ہے" **وکل شی عندہ بمقدار** "(اور اس کے نزدیک ہر شے مقدار کے ساتھ ہے)۔ اور اس قول کی بھی تکذیب ہے" **واحصی کل شی عددا** "(اور اس نے عدد میں ہر شے کا احاطہ کیا ہے)۔

اس قول میں کہ ان اشیا کا وجود ہے جن کی حد نہیں۔ دہریہ نے اس سے موافقت کی ہے۔ اسی قول پر بصرے کے معتزلہ نے معمر کو والی حکومت کے یہاں طلب کرایا مگر یہ بغداد بھاگ گیا اور ابراہیم بن السید بن شاہک بو کے یہاں چھپ کر وہیں مرگیا۔

معمر یہ بھی دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رنگ۔ طول۔ عرض۔ مزہ۔ بو۔ سختی۔ چکنا پن۔ نیکی۔ بدی۔ قوت۔ ضعف۔ آواز۔ موت۔ حیات۔ دوبارہ زندہ ہونا۔ مرض۔ صحت۔ عافیت۔ بیماری۔ نابینائی۔ گونگا پن۔ بینائی۔ سماعت۔ گویائی۔ پھلوں کا سڑنا۔ اچھا ہونا۔ کچھ پیدا نہیں کیا۔ یہ تمام امور ان اجسام کا فعل ہیں جن کے اندر ان کے طبیعت کے سبب یہ اعراض پائے جائیں۔

اس فاسق نے نصف عالم کو اللہ کی مخلوقیت سے نکال دیا ہے۔ اس لیے کہ عالم میں بجز جواہر حاملہ واعراض معمولہ کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس کے نزدیک ایک نصف غیر مخلوق ہے۔ اللہ کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو اس کے قول کی تکذیب کرتے ہیں" **خلق الموت و الحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا** "(اس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں کون سب سے زیادہ نیکوکار ہے)۔

معمر پر اس آیت سے اعتراض کیا گیا تو اس نے کہا کہ اس نے صرف یہ مراد لی ہے کہ اللہ اماتت واحیا کا خالق ہے۔

یہ بھی منقول ہے کہ وہ اس کا منکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کا عالم ہو۔ یہ اس لیے کہ عالم صرف اپنے غیر کو جانتا ہے۔ اپنی ذات کو نہیں جانتا وہ یہ دعوی کرتا تھا کہ نفس نہ جسم ہے نہ عرض۔ نہ وہ کسی مکان میں ہے نہ کسی چیز کے مماس ہے نہ مباین ہے نہ متحرک نہ ساکن۔

خالص یہی قول بلا کسی تاویل کے اہل الحاد کا ہے یعنی ان میں سے ان لوگوں کا جو نفس کے قدیم ہونے کے اور اسکے قائل ہیں کہ یہ انسان کے بعد رہنے والا ہے۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

وہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ اپنی ذات کا عالم ہے نہ جاہل۔ اس لیے کہ عالم معلوم کے مغایر ہوتا ہے اور یہ بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودات پر قادر ہو یا ان کا عالم یا ان کا جاہل ہو۔

ابو العباس عبداللہ بن محمد الانباری نے جس کا عرف الناشی اور لقب شر سیر تھا اپنی "**کتاب فی المقالات**" میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ (جو اس کے کفر سے بلند و برتر ہے) اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسان کی انگلیوں کی پوریں درست کر دے بعد اس کے کہ یہ پہلے سے اس کے علم میں ہو کہ وہ انھیں درست نہ کرے گا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب ہے

"**ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامه . بلی قادرین علی ان نسوی بنا نه**"

(کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے۔ کیوں نہیں ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی پوریں درست کر دیں)۔

میں نے جاحظ کی کتاب البرہان میں دیکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے یہ دریافت کرے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس دنیا نے پہلے ایک دوسری دنیا پیدا کر سکتا۔ جاحظ کا جواب یہ ہے کہ ہاں۔ اس معنے میں قادر ہے کہ وہ اسی دنیا کو اس وقت پیدا کر دیتا جس وقت وہ اس کو پیدا کرتا۔ اور وہ اسی کے مثل ہوتی۔

یہ اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو عاجز ماننا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا سے پہلے اس کے پیدا کرنے کی بجز اس کے قدرت حاصل نہیں جو اس شخص نے بیان کی۔ دوسرے طریقے پر ممکن نہیں۔

اگر کہا جائے کہ تم کیا جواب دو گے تو ہم کہیں گے کہ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہاں، علی الاطلاق وہ قادر ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ سوال کیسے صحیح ہوگا۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ عالم سے پہلے کچھ تھا۔ اس لیے کہ قبل و بعد زمانہ ہے اور اس وقت زمانہ تھا ہی نہیں۔ ہم کہیں گے کہ ہمارے "ہاں" کہنے کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے عالم کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اگر وہ اسے پیدا کر دیتا تو اس کے لیے اس عالم سے پہلے زمانہ ہو جاتا۔ اور اسی طرح ہمیشہ۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ضرار بن عمرو کہا کرتا تھا کہ روئے زمین پر جتنے لوگ بظاہر مسلمان ہیں اور اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہیں ممکن ہے کہ وہ سب کے سب اپنے باطن میں کافر ہوں، اس لیے کہ یہ تمام امور ہر شخص کے لیے اس کی ذات کے اعتبار سے ممکن ہیں۔

ضرار کی حماقتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اجسام اعراض ہیں کہ جمع ہو گئے ہیں آگ میں گرمی نہیں اور برف میں سردی نہیں ہے نہ شہد میں مٹھاس ہے اور نہ ایلوے میں تلخی نہ انگور میں عرق ہے نہ زیتون میں تیل اور نہ رگوں میں خون۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ محض کاٹنے چکھنے، نچوڑنے اور چھونے کے وقت پیدا کر دیتا ہے۔

ابو عثمان عمرو بن الجاحظ القصری الکنانی (خواہ نسب سے یا آزاد کردہ غلام ہونے کی وجہ سے قبیلہ کنانہ سے تعلق رکھتا تھا)۔ یہ نظام کا شاگرد اور معتزلہ کے مشائخ میں سے تھا، یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے فنا کرنے پر قطعاً قادر نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ انھیں رقیق کر دے گا اور ان کے اجزا کو متفرق کر دے گا۔ ان کے فنا و معدوم کرنے پر وہ ہرگز قادر نہیں۔ ابو معمر و ثمامہ بن اشرس النمیری بصری سے جو معتزلہ کے مشائخ و علما میں سے تھا۔ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اپنی طبیعت کے فعل سے پیدا کیا۔ (اللہ تعالیٰ اس بدترین کفر سے بیحد بلند و برتر ہے) دعوی کرتا تھا کہ یہود و نصاری و مجوس و مشرکین کے مقلدین قیامت میں دوزخ میں نہ جائیں گے بلکہ یہ لوگ خاک کر دیے جائیں گے۔ خالص اہل اسلام و اہل ایمان میں سے جو شخص عبادت میں کوشش کرتا ہو وہ اگر گناہ کبیرہ برابر کرتے کرتے مر جائے مثلاً شراب خوری وغیرہ، چاہے عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ کی ہو تو اسے دوزخ کے طبقوں میں فرعون و ابولہب و ابوجہل کے ساتھ ہمیشہ رکھا جائے گا۔

اس شخص کے قول سے زیادہ تعجب خیز کفر کس کا ہوگا جو یہ کہے کہ بہت سے کافر دوزخ میں نہ جائیں گے اور بہت سے مسلمان جنت میں نہ جائیں گے۔

ثمامہ کہتا تھا کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے وہ سب بچے جو قبل بلوغ مرتے ہیں اور اسلام کے تمام مجنون جنت میں کبھی نہ داخل ہوں گے البتہ خاک کر دیے جائیں گے۔

ہشام بن عمرو الفوطی جو معتزلہ کا ایک شیخ تھا کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب ایک شے پیدا کر دیتا ہے تو اس کے مثل پیدا کرنے پر کبھی قادر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس پر قادر ہے کہ وہ اور پیدا کر دے اس کے نزدیک (دو غیر آپس میں مثل نہیں ہوتے۔ وہ کسی کے لیے ”**حسبنا الله و نعم الوكيل**“ (اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیسا اچھا کارساز ہے) کہنا جائز نہیں رکھتا تھا۔ نہ یہ جائز سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کفار پر آگ کا عذاب کرے گا۔ نہ یہ کہ وہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے۔ اس قول کو کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے“ گمراہی و الحاد سمجھتا تھا۔

حالانکہ یہ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ پر رد ہے۔ کہتا تھا کہ ان میں سے کوئی چیز کہنا جائز نہیں بجز تلاوت قرآن کے وقت کے۔

کہتا تھا کہ یہ کہا کرو کہ ”**حسبنا الله و نعم المتو كل عليه**“ (اللہ ہمیں کافی ہے اور بڑا اچھا ہے جس پر بھروسہ کیا جائے)۔

کہتا تھا کہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کفار کو آگ میں عذاب کرے گا۔ بارش نازل ہونے کے وقت وہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس قول کو جائز نہیں رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ نہ یہ کہ قرآن نے کفار کو نابینا کر دیا۔

کہتا تھا کہ جو شخص اس وقت مومن و عابد ہے مگر اللہ کے علم میں یہ ہے کہ وہ کافر مرے گا۔ تو وہ اب بھی اللہ کے نزدیک کافر ہے۔ جو اس وقت کافر و مجوسی یا نصرانی و یہودی یا زندیق ہے مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ مومن مرے گا تو وہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے۔

عباد بن سلیمان شاگرد ہشام الفوطی مذکور یہ دعوی کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو نیکی و بہتری کر چکا اس کے خلاف پر قادر نہیں، نہ یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو پیدا کیا اور نہ یہ کہ اس نے کفار کو پیدا کیا۔ کہنا یہ چاہیے کہ اس نے آدمیوں کو پیدا کیا۔ یہ دعوی اس لیے ہے کہ اس کے نزدیک مومن و انسان و ایمان ہے اور کافر انسان و کفر ہے۔ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو پیدا کیا ہے کفر و ایمان کو پیدا نہیں کیا ہے۔

کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کر دیا اس کے خلاف کے پیدا کرنے پر قادر نہیں جو اس نے پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ بھوک پیدا کی اور نہ قحط۔ یہ سب کے سب یہ دعوی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے حالت کفر میں ایمان لانے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ اس نے مومنین کو ان کی حالت ایمان میں کبھی کفر سے منع کیا۔ اس لیے کہ کوئی بھی دو متضاد افعال کے جمع کرنے پر قادر نہیں۔

یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اسے جانتا ہے جو اپنے کفر کے بعد ایمان لائے گا اور وہ اپنے ایمان لانے تک برابر اپنے کفر میں رہے گا وہ اسے بھی جانتا ہے جو اپنے ایمان کے بعد کفر کرے گا پھر تا وقتیکہ کفر نہ کرے برابر ایمان میں رہے گا۔ اور وہ اسے بھی ازل سے جانتا ہے جو کافر کبھی ایمان نہ لائے گا مرتے دم تک کفر میں رہے گا وہ جانتا ہے کہ جو مومن کفر نہ کرے گا۔ اپنے مرنے تک برابر ایمان میں رہے گا۔ مامورین و مکلفین میں سے کوئی بھی ان چار میں سے کسی ایک وجہ سے نکل نہیں سکتا۔ جب ان کے نزدیک ہرگز کسی کافر کو اس کے کفر کی حالت میں ایمان کا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ کبھی کسی مومن کو اسکی حالت ایمان میں کفر سے منع کیا گیا۔ تو جو شخص اپنے مرنے تک برابر مومن رہے گا اللہ تعالیٰ نے اسے ہرگز کفر سے منع نہیں کیا۔ اور جو شخص اپنے مرنے تک برابر کافر رہے گا تو اللہ تعالیٰ نے ہرگز اسے ایمان کا حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہرگز اسے ایمان کا حکم نہیں دیا جو اپنے کفر کے بعد ایمان لایا بجز اس وقت کے جس وقت کہ وہ ایمان لایا۔ نہ اسنے کبھی اس شخص کو اس کے کفر سے منع کیا جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گیا۔ بجز اس وقت کے جب اس نے کفر کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو کفار و اہل کتاب کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور مومنین کو کفر سے منع کیا ہے اس امر و نہی میں یہ اس کی خالص تکذیب ہے۔

بشر بن المعتمر یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ رنگ پیدا کیا نہ مزہ، نہ بو، نہ حس، نہ شدت، نہ ضعف، نہ بینائی، نہ نابینائی، نہ بصارت، نہ سماعت، نہ بہرا پن، نہ بزدلی، نہ بہادری، نہ شکست، نہ عاجزی، نہ صحت، نہ مرض، یہ تمام امور صرف انسان ہی کرتے ہیں۔

جعفر القصبی (یعنی بانس کا سوداگر) اور اشج کہ دونوں روسائے معتزلہ میں سے تھے کہا کرتے تھے کہ قرآن وہ نہیں ہے جو ان اوراق اور مصاحف میں ہے۔ مصاحف میں تو ایک دوسری ہی چیز ہے اور وہ قرآن کی حکایت و نقل ہے۔

یہ خالص کفر اور تمام قدیم وجدید اہل اسلام کے خلاف ہے۔

علی الاسواری جو معتزلہ کا ایک شیخ تھا کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کر دیا اس کے علاوہ پر قادر نہیں۔ جس کو اللہ یہ جانتا ہے کہ وہ اسی برس کا ہو کے مرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں کہ اسے اسکے قبل موت دیدے۔ نہ اسے اس کے بعد پلک جھپکنے کے برابر بھی زندہ رکھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں کہ اسے اس کے قبل تندرست کر دے نہ اس کے قریب نہ اس سے دور۔ اور نہ پلک جھپکنے کے برابر یا اس سے بھی کم اسکی بیماری بڑھا سکتا ہے انسان ہر وقت اس پر قادر ہیں کہ اسے مار ڈالیں جسکو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ فلاں وقت ہی مرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں۔ یہ کفر ہے اور اس سے زیادہ خوفناک کفر کبھی سننے میں نہیں آیا۔

ابو غفار جو معتزلہ کا ایک شیخ تھا یہ دعوی کرتا تھا کہ سور کی چربی اور مغز حلال ہے یہ بھی صریح کفر ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔

یہ بھی دعوی کرتا تھا کہ مردوں کو جلق لگانا حلال ہے۔ ثمامہ سے بھی یہی منقول ہے۔ حالانکہ یہ سب محض کفر ہے۔

احمد بن خابط بصری و فضل الحربی بصری جو ابراہیم النظام کے شاگرد تھے، یہ دعوی کرتے تھے کہ عالم کے دو خالق ہیں۔ ایک قدیم اور

وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور دوسرا حادث اور وہ کلمۃ اللہ مسیح بن مریم ہیں جن کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا۔ یہ دونوں ملعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نکاح کرنے کی وجہ سے اعتراض کیا کرتے تھے کہ ابوذر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ زاہد تھے۔

احمد بن خابط دعویٰ کرتا تھا کہ قیامت کے روز جو شخص صف بہ صف ملائکہ کے ساتھ ابر کے سایے میں آئے گا وہ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہوں گے جس ذات نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا وہ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی ہیں۔ مسیح ہی وہ شخص ہیں جو قیامت میں لوگوں سے حساب لیں گے۔

یہ ملعون کہتا تھا کہ تمام پرندوں اور مچھلیوں کی انواع میں اور خشکی کے جانوروں میں یہاں تک کہ کھٹمل۔ مینڈک۔ جوں۔ بندر کتے۔ چوہے۔ بکرے۔ گدھے۔ کیڑے۔ بھونرے اور چھپکلیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہیں جو انواع مذکورہ بالا میں سے اپنی اپنی انواع کو اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچاتے ہیں۔

تناسخ ورجوع کا (اور) تکرار خلقت کا بھی قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی ابتدا کی تو سب کو ایک ہی صفت پر پیدا کیا پھر انھیں کوئی امر کیا اور کچھ نہی کی۔ ان میں سے جس نے نافرمانی کی اس کی روح چوپائے کے جسم میں بدل دی گئی۔ جو زیادہ کھانے والے تھے وہ سخت محنت میں مبتلا کیے گئے۔ مثلاً بکری۔ اونٹ۔ گائے۔ مرغی مینڈک وغیرہ۔ جو اکثر قتل کر دیے جاتے ہیں خواہ اپنے فسق وقتل میں انسان کے بالمقابل عفیف ہوں ان کو زور وطاقت کے ذریعے سزا دی گئی۔ مثلاً مینڈھا۔ چڑیا۔ بکرا وغیرہ۔ جو زانی یا زانیہ ہوا سے جماع سے باز رہنے کی سزا دی گئی مثلاً خچر کے نر و مادہ کو، جبر وتکبر کرنے والا جو تھا اسے ذلت وکمزوری کی سزا دی گئی مثلاً کیڑے۔ جوں۔ اسی طرح برابر ان سے بدلہ لیا جاتا رہے گا پھر واپس کیے جائیں گے پھر ان میں سے جو نافرمانی کرے گا اسے اسی طرح دوبارہ کیا جائے گا اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ وہ ایسی طاعت کرے جس کے ساتھ کوئی معصیت نہ ہو۔ اس وقت اسے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ یا کوئی ایسی معصیت کرے جس کے ساتھ کوئی طاعت نہ ہو تو اسے جہنم میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ابن خابط کو اس عقیدے پر صرف اس امر نے آمادہ کیا کہ اس نے معتزلہ کے عدل والے قاعدے کو اختیار کر لیا اور اسے جاری کیا اور اسی کے ساتھ چلا۔

معتزلہ میں سے جو اس قول کا معتقد نہیں ہے وہ تناقض واختلاف بیانی کا مرتکب اور ان کے قاعدہ عدل کا تارک ہے۔ ملعون یہ بھی کہتا تھا کہ ثواب کے بھی دو مقام ہیں۔ ایک وہ ہے جس میں خورد ونوش نہ ہوگا اور یہ دوسرے مقام سے مرتبہ وقدر میں بہت بلند ہے۔ دوسرا مقام وہ ہے جس میں خورد ونوش ہوگا۔ اور یہ مرتبے میں ناقص ہوگا۔ یہ سب خالص کفر ہے۔

کافر احمد بن خابط کا ایک شاگرد تھا جو اسی کے مذہب پر تھا اس کا نام احمد بن سابوس تھا۔ تناسخ میں یہ بھی اپنے معلم کے عقیدے کا قائل تھا اس کے بعد اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ آیت ”**مبشر ابرسول یأتی من بعدی اسمہ احمد**“ سے (یعنی مسیح علیہ السلام نے کہا کہ میں ایک ایسے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہے)۔ مراد وہی (احمد بن سابوس) ہے۔

محمد بن عبداللہ بن مرہ بن نجیح الاندلسی مسئلہ قدر میں معتزلہ کے موافق تھا اور کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت یہ دونوں صفتیں

حادث ومخلوق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دو علم ہیں جن میں سے ایک کو اس نے بالکل پیدا کیا ہے اور یہی علم کتاب وعلم غیب ہے جیسے اس کا یہ علم کہ کفار ومومنین وقیامت وجزا اور اسی قسم کے امور ہوں گے۔ دوسرا علم جزئیات ہے۔ وہ علم شہادت (موجود چیزوں کا علم) ہے، مثلاً زید کا کفر اور عمرو کا ایمان، تاوقتیکہ یہ امور ہو نہ جائیں اللہ تعالیٰ اس میں سے کچھ نہیں جانتا۔ اس نے یہ آیت بیان کی ہے ”**عالم الغیب و الشهادة**“ (اللہ تعالیٰ غیب وشہادت کا عالم ہے)۔

یہ آیت ایسی نہیں ہے جیسا اس نے گمان کیا بلکہ اپنے ظاہر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو کچھ تم کرو گے اگر چہ مخفی رکھو۔ اور اسے بھی جانتا ہے جو تم سے غائب ہے اور وہ ہو چکا یا ہو گا یا ہے۔

اسے اس قول پر محض اس امر نے آمادہ کیا کہ اس نے پورے طور پر اصول معتزلہ کو جاری کر دیا، ان میں سے جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ فلاں شخص کبھی ایمان نہ لائے گا اور فلاں شخص کبھی کفر نہ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو اپنے پروردگار کے کلام کی تکذیب پر اور ازلی علم کے باطل کرنے پر قادر قرار دیا۔ یہ کھلا ہوا تناقض ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔ **و نعوذ بالله من الخذلان**۔

اس کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت تھی جو اس کی تکفیر کیا کرتی تھی جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے ہونے سے پہلے ازل سے جانتا ہے اس کے اہل مذہب میں سے ایک شخص تھا جس کا نام اسماعیل بن عبداللہ الرعینی تھا جو اس وقت سب سے متاخر تھا اور نہایت عبادت گذار اور بڑا زاہد تھا میں نے اس کا زمانہ پایا ہے مگر میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی اس نے سات اقوال ایجاد کیے جن کی بنا پر علاقہ ”المریہ“ کے سب لوگ اس سے بیزار ہو گئے اور اس کی تکفیر کی۔ بجز ان لوگوں کے جو اس کے پیرو تھے۔

جو اقوال ایجاد کیے ان میں سے ایک اس کا یہ قول تھا کہ اجسام کبھی نہ اٹھائے جائیں گے۔ صرف ارواح اٹھائی جائیں گی۔ یہ قول ہمارے نزدیک اس سے ثابت ہے۔ اور اس سے منقول ہے کہ انسان کی موت کے وقت اور اسکی روح کے اسکے بدن سے جدا ہونے کے وقت روح کو حساب سے سابقہ پڑتا ہے اور وہ جنت یا دوزخ میں چلی جاتی ہے۔ وہ صرف اسی طریقے پر بعث وحشر اور دوبارہ زندگی کو مانتا تھا۔

کہتا تھا کہ عالم کبھی فنا نہ ہوگا بلکہ بغیر کسی حد وانتہا کے یہی حال جاری رہے گا۔ مجھ سے فقیہ ابو احمد المعارفی الطلیطلی نے جو ہمارے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذکر میں بہتری کرے۔ کہا کہ مجھے یحیی بن احمد طبیب نے خبر دی۔ اور یہ اسماعیل الرعینی مذکور کا نواسا تھا۔ کہ میرا نانا کہا کرتا تھا کہ عرش ہی مدبر عالم ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بزرگ وبرتر ہے کہ اسے کسی شے کے کرنے سے موصوف کیا جائے۔ یہی قول محمد بن عبداللہ بن مرۃ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور ان کی کتابوں کے چند الفاظ سے اس پر استدلال کیا جاتا تھا۔ میری جان کی قسم ان الفاظ میں اس قول پر کوئی دلیل نہیں۔ وہ تمام المریہ سے کہا کرتا تھا کہ اس شیخ کو تم لوگ ہرگز نہ سمجھو گے۔ تو اس قول پر باشندگان المریہ بھی اس سے بیزار ہو گئے۔ احمد طبیب بھی جو اس کا داماد تھا انھیں میں تھا جو اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اس کی بیٹی انھیں اقوال پر قائم رہی جو اپنے والد کی پیرو اور اپنے شوہر اور بیٹے کی مخالف رہی۔ یہ متکلمہ اور عبادت گزار مجاہدہ کرنے والی تھی۔ اس نے اس قول پر ابو ہارون بن اسماعیل الرعینی سے موافقت کی اور ملی۔ تو اس نے اس کو برا جانا اور اس کے کہنے والے سے بیزار ہو گیا۔ اسکے بھتیجے نے اس کے باپ سے جو کچھ نقل کیا تھا اس میں اس نے اس کی تکذیب کی۔

المریہ میں جو اس کے مخالفین تھے وہ بھی، اور بہت سے اس کے موافقین بھی اس کی طرف یہ قول منسوب کرتے تھے کہ نبوت حاصل کی جاسکتی ہے۔ جو انتہائی نیکی وطہارت نفس کو پہنچ جائے وہ نبوت پاسکتا ہے۔ نبوت کوئی مخصوص چیز نہیں ہے۔ ہم نے ان میں سے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو یہی قول ابن مرہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور اس کی کتابوں کے بہت سے الفاظ سے اس پر استدلال کرتے تھے جو میری جان کی قسم ضرور اس قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے بقیہ لوگوں کو اس قول سے انکار کرتے دیکھا ہے۔ اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میں نے اسماعیل الرعینی مذکور کے بعض اصحاب کو دیکھا ہے جو اس کی صفت یہ بیان کرتے تھے کہ وہ پرندوں کی بولی سمجھتا تھا اور ہونے سے پہلے جن باتوں کی پیشین گوئی کرتا تھا وہ ہو جاتی تھیں۔ لیکن جو بات غیر مشکوک ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے فرقے کے نزدیک امام تھا جس کی اطاعت واجب تھی۔ اسی کو یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ اس کا مذہب یہ تھا کہ حرام تمام زمین پر عام ہے۔ اور انسان جو کچھ صنعت وتجارت یا میراث سے حاصل کرتا ہے اس میں اور جو کچھ مہربانی سے حاصل کرتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ مسلمان کے لیے اس میں سے جو چیز حلال ہے وہ اس کی غذا ہے خواہ وہ اسے کسی طرح بھی حاصل کرے۔ یہ امر ہمارے نزدیک یقیناً اس سے ثابت ہے۔

ہمیں بعض ایسے لوگوں نے خبر دی جو اس کے اندرونی حال سے واقف تھے کہ وہ اندلس کو دارالکفر سمجھتا تھا جس میں بجز اس کے ساتھیوں کے سب کے جان ومال حلال تھے۔

ہمارے نزدیک یہ بھی اس سے ثابت ہے کہ وہ عقد متعہ کا قائل تھا۔ اس سے نہ اس کے ایمان میں کوئی عیب آتا ہے اور نہ اس کی عدالت میں۔ اگر اس نے اسے اجتہاد سے کہا ہو اور اس کے نزدیک اس کے منسوخ ہونے پر حجت قائم نہ ہو۔ بشرطیکہ ان خالص کفریات سے بچے جو ہم نے بیان کیں۔

ہم نے اس کے متعلق جو کچھ بیان کیا محض اس لیے بیان کیا کہ اس کا تذکرہ جاری ہے اور آج یہ قول عجیب وغریب ہے اور بہت کم لوگ اس کے قائل ہیں۔

میں نے ابو ہاشم بن عبدالسلام بن محمد عبدالوہاب الجبائی کو جو معتزلہ کا بڑا آدمی اور معتزلہ کے بڑے آدمی کا بیٹا تھا دیکھا کہ وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے احوال ہیں جو اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ حالانکہ یہ بہت ہی بڑی بات ہے اس لیے کہ اس نے اللہ کو حامل اعراض بنادیا۔ اللہ اس تہمت سے برتر ہے۔ میں نے کثرت سے اس کی کتابوں میں اسے یہ فیصلہ کرتے دیکھا ہے کہ وہ بار بار یہ قول دہراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ ہر چیز میں جس کا اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ ان کی دقتیں زائل کرے۔ وہ اپنی کتابوں میں برابر کہتا رہتا ہے کہ فلاں امر ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔

یہ وہ کلام ہے جس سے مومن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا موجب یعنی واجب کرنے والا اللہ کو اس کا حکم دینے والا اور اس کے لیے لازم کرنے والا کون ہے جس کے لزوم کو اور باری تعالیٰ پر وجوب کو اس کمینے نے بیان کیا ہے اس پر تعجب ہے جو یہ کہے کہ فعل ہی نے اس کو اللہ تعالیٰ پر واجب کیا یا وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز بیان کرے تو اسے اس کی بھی ضرور ضرور تصریح کرنا چاہیے کہ وہ اس کا فرمانبردار ہے جس نے اس پر اسے واجب کیا اور وہ اس کا محکوم اور زیر تدبیر (مدبر) ہے۔ حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔

اگر وہ کہے کہ اسے خود اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے اوپر واجب کیا۔ تو ایجاب بلاشک فاعل کا فعل ہے اگر اللہ تعالیٰ ازل سے اس کا اپنے

اوپر واجب کرنے والا ہے تو وہ ازل سے فاعل ہے۔ پھر افعال بھی قدیم ہیں اور ضرور ازلی ہیں۔ اور یہ خالص دہریت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پہلے ان کا اپنے اوپر واجب کرنے والا نہ تھا، اس کے بعد اس نے انھیں اپنے اوپر واجب کر لیا تو اس قول سے اس کا اپنے قاعدۂ فاسدہ میں نفع اٹھانا باطل ہو گیا اس لیے کہ جو کچھ اس نے بیان کیا وہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہ رہا۔

میں نے بعض معتزلہ کا ایک سوال دیکھا ہے جس کو اس نے ابو ہاشم مذکور سے دریافت کیا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کی شان کیا ہے جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داعی اسلام بنا کر یمن و بحرین وعمان اور بقیہ شہروں میں اور بادشاہوں کے پاس بھیجا۔ ہر وہ شخص جو قیامت تک اس قسم کی بات کی دعوت دے گا اس کا نام رسول اللہ نہیں رکھا جاتا جیسا کہ محمد علیہ السلام کا نام رکھا جاتا ہے۔ کیوں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نے دعوت اسلام کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ ایک ہی بات اور ایک ہی عمل ہے۔

اس پر تعجب کرو کہ اس ملعون فرقے سے شیطان کس طرح کھیل رہا ہے۔ اور اللہ سے پناہ مانگو کہ وہ تمھیں تمھارے نفوس کے حوالے نہ کردے۔ مگر جس کا دین یہ ہو کہ اس کا پروردگار نہ اسے ہدایت کرنے پر قادر ہے نہ گمراہ کرنے پر تو وہ اسی کا مستحق ہے کہ شیطان اس پر ایسا ہی قابو پالے۔ میری جان کی قسم۔ یہ سوال تو خود معتزلہ ہی کے اس قاعدے پر لازم آتا ہے جو ان کا گمراہ کرنے والا ہے اور اسے لازم آتا ہے جو اس قاعدے کا پابند ہو۔ یہ قاعدہ ان سب کو جہنم میں گرانے والا ہے۔

وہ قاعدہ ان کا یہ قول ہے کہ نام رکھنا (تسمیہ) ہمارے سپرد ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے میں نے اس کافر کا ایک کلام دیکھا ہے جس میں اس نے بزعم خود اس شخص کا رد کیا ہے جو یہ کہے کہ کسی کو حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بجز اس کے کوئی نام رکھے جو اس نے خود اپنا نام رکھا ہے، اس کمینے نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا اور کسی کو بجز اسکے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا نام رکھا کوئی اور نام رکھنا جائز نہ ہوتا تو بلاشک اللہ تعالیٰ کو بھی اپنا کوئی نام رکھنا جائز نہ ہوتا تاوقتیکہ وہ یہی نام کسی اور کا نہ رکھ دے۔

کیا کوئی صفراوی مزاج والا اس سے بدتر استدلال لائے گا۔ کیا نام رکھنے میں اس سے کچھ زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے بھر بھی ہمیں ہمارے نفوس کے حوالے کرے اور ہم ہلاک ہوں۔

ابو ہاشم یہ بھی کہتا تھا کہ اگر نیکوکار مسلم کی عمر دراز ہو تو ممکن ہے کہ وہ خیر و حسنات کے عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے بڑھ جائے۔

واللہ نہیں بڑھ سکتا۔ اور نہ اس کہنے والے کی کوئی عزت ہے اگر ہم میں سے کسی کو پیہم طاعات وعبادات میں دوامی عمر دیدی جائے تو وہ کسی ایسے صحابیؓ کے ایک عمل کے برابر بھی نہ ہوگا جو ایک گھڑی بھر بھی یا اس سے بھی کم نہ منافق رہا ہو اور نہ علانیہ کفر کرنے والا۔ اس کے باوجود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور وہ اسے فی سبیل اللہ خرچ کردے تو صحابہؓ کے سیر آدھ سیر جو کے برابر بھی نہ پہنچے گا۔ پھر کوئی صاحب عقل کہاں یہ امید کرسکتا ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی کے مرتبے کو پاسکے گا، چہ جائیکہ یہ قول جس کا ادراک بھی قطعاً ناممکن ہے۔

ابو ہاشم مذکور کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی کسی ایک گناہ سے جس کا وہ ارتکاب کرے توبہ قبول نہیں کرتا خواہ وہ کوئی سا بھی گناہ ہو۔ تاوقتیکہ وہ تمام گناہوں سے توبہ نہ کرے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ جس قاعدے پر تمام معتزلہ نے اتفاق کرلیا ہے رد ہو گیا جو یہ ہے کہ انھوں نے آدمی کو ایک گناہ کی وجہ سے جس کا

وہ ارتکاب کرے اور اس پر اصرار کرے اسے اسلام سے خارج کر دیا ہے اور صرف اسی ایک گناہ کی وجہ سے اس پر دائمی عذاب جہنم کو واجب کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ابو ہاشم ضرور سچا ہوتا کیوں کہ معتزلہ کے نزدیک ابو ہاشم کی اپنے سب گناہ ترک کرنے میں کوئی منفعت نہیں۔ وہ ایک ہی گناہ سے جس پر وہ اصرار کرے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور دوزخ کے طبقوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے رکھا جاتا ہے۔ اس کے اس قول پر معتزلہ میں سے وہی شخص اعتراض کر سکتا ہے جو ان کے اصول سے جاہل ہو یا تناقض کا قصد رکھتا ہو۔

وہ کہتا تھا کہ عمداً تارک زکوٰۃ جس نے اور کچھ نہیں کیا، نہ گناہ کیا نہ نافرمانی کی وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کے طبقوں میں رکھا جائے گا، بغیر کسی فعل کے جو اس نے کیا ہو اور بغیر کسی شے کے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہو۔

آیا ان کے اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ظالم بنانے والا اور علانیہ اسلام کی مخالفت کرنے والا اس بیہودہ قول سے زیادہ بھی کوئی ہوگا اس قول پر جس چیز نے اسے امادہ کیا وہ اس کا یہ قول ہے کہ ''ترک فعل۔ فعل نہیں ہے''۔

سوائے ہشام بن عمرو الفوطی کے تمام معتزلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ معدومات بھی درحقیقت اشیاء ہیں۔ وہ ازلی ہیں اور ان کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔

بغیر کسی توقف کے یہی دہریت ہے۔ وہ اشیاء جن کی حد وانتہا نہ ہو اور ازلی ہوں وہ غیر مخلوق ہیں، عبدالرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط جو بغداد میں اکابر معتزلہ میں سے تھا ان لوگوں میں تھا جو کہتے تھے کہ اجسام معدومہ ازل سے اجسام ہیں جن کی نہ عدد میں حد وانتہا ہے نہ زمانے میں اور وہ غیر مخلوق ہیں۔

ابو محمد عبداللہ الاسکافی رئیس معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طنبورہ سارنگی۔ ستار (باجے) پیدا نہیں کیے۔

اس کفر کا تکملہ یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب۔ سور۔ اور سرکش شیاطین کو پیدا نہیں کیا۔

سوائے بشر بن المعتمر وضرار بن عمرو کے بقیہ تمام معتزلہ کا قول ہے کہ کسی کو شہادت کی تمنا کرنا اور اس کا قصد کرنا اور اس سے خوش ہونا جائز نہیں۔ اس لیے کہ شہادت مسلمان پر کافر کے غالب کرنے سے ہوتی ہے۔ اور مسلمان پر صرف یہ واجب ہے کہ جب اسے زخم لگے تو اس پر صبر کرنے کو پسند کرے۔

یہ دین اسلام وقرآن واحادیث واجماع یقینی کے خلاف ہے۔ سوائے ضرار وبشر کے تمام معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابیؓ اور امہات المومنین کو یہ سمجھ کر موت نہیں دی کہ اگر یہ زندہ رہیں گے تو خیر کریں گے۔ بلکہ ان میں سے جس کو بھی موت دی یہ جان کر موت دی کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو پلک جھپکنے بھر بھی زندہ رکھے گا تو یہ ضرور کفر کرے گا یا فسق کرے گا۔ لامحالہ ان کا یہی قول ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ وفاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعائشہؓ وخدیجہؓ کے بارے میں بھی ہوگا۔ ہاں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وموسیٰ وعیسیٰ وابراہیم علیہم السلام کے بارے میں ہوگا۔ لہٰذا ان وحشت ناک گمراہیوں سے تعجب کرنا چاہیے۔

جعد جو مشائخ معتزلہ میں سے تھا کہتا تھا کہ جب جماع سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اپنے بیٹے کے ہمیں صانع ومدبر وفاعل ہوئے میرے سوا اس کا کوئی فاعل نہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسے اللہ نے پیدا کیا تو یہ مجازاً کہا جاتا ہے نہ کہ حقیقۃً۔

ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی نے کفر کا دوسرا کنارہ پکڑ لیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حمل وموت کو پیدا کیا جس نے جو کچھ کیا وہ اللہ ہی کی طرف منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی عورتوں کا حاملہ کرنے والا ہے اور اسی نے مریم بنت عمران کو حاملہ کیا۔

لامحالہ لازم آتا ہے کہ جب ہماری اولاد اللہ کی مخلوق ہے تو یہ شخص ان کو اللہ ہی کی طرف منسوب کرے اور کہے کہ یہ سب اللہ کے بیٹے ہیں، اور مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

ابوعمرو احمد بن موسیٰ بن حدیر صاحب السکہ نے جو مشائخ معتزلہ میں سے ہے اپنے بعض ان رسائل میں کہا ہے جو اس کے اور قاضی منذر بن سعید رحمہ اللہ کے درمیان مراسلت میں آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ عاقل ہے اس نے اللہ پر اس اسم کا اطلاق کیا ہے۔

بعض مشائخ معتزلہ نے کہا ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اس کے قلب پر جمادی جاتی ہے جس سے نہ اس کے لیے کوئی امر رہتا ہے نہ نہی۔

ابوالہذیل العلاف نے کہا ہے کہ جو پانچ درہم چرائے یا اس کی قیمت تو وہ فاسق اور خارج از اسلام ہے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھا جائے گا۔ بجز اس کے کہ توبہ کرے۔ بشر بن المعتمر نے کہا ہے کہ جس نے ایک حبہ کم دس درہم چرائے نہ اس پر کوئی گناہ ہے نہ عذاب اگر دس درہم پورے چرائے تو اسلام سے خارج ہو گیا اور اس پر دوامی عذاب واجب ہو گیا۔ مگر یہ کہ توبہ کرے۔

نظام نے کہا ہے کہ اگر ایک حبہ کم دوسو درہم چرائے تو اس پر نہ کوئی گناہ ہے نہ وعید۔ اگر اس نے پورے دوسو درہم چرائے تو اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور اس پر دوامی عذاب لازم ہو گیا بشرطیکہ توبہ نہ کرے۔

ابوبکر احمد بن علی بن احور بن الاخشید نے ان کے ان تین روساء میں سے ایک ہے جن پر اس زمانے میں ان کی ریاست ختم ہو گئی اور معتزلہ کے ان کے مذاہب کے مطابق فرقے ہو گئے۔ ان میں دوسرا رئیس ابو ہاشم الجبائی اور تیسرا عبداللہ بن محمد بن محمود البلخی ہے جس کا عرف الکعبی ہے۔ اور احمد بن علی مذکور کا والد فرغانہ کا ایک سردار لشکر تھا اور معتضد و مکلفی (خلفائے عباسیہ) کی طرف سے سرحدوں کا گورنر تھا۔ احمد مذکور کا قول یہ تھا کہ جو شخص دنیا میں جتنے گناہ ہیں سب کا ارتکاب کرے اور اسی طرح ہمیشہ کرتا رہے تو جب دوبارہ اس گناہ کا یا دوسرے گناہ مثلاً قتل وغیرہ کا یا اس سے کم کا ارتکاب کرے۔ مگر یہ کہ اپنے ارتکاب گناہ کے بعد ہی نادم ہو تو اس کی توبہ صحیح ہے اور اس سے وہ گناہ ہمیشہ کو ساقط ہو گیا اسی طرح ہمیشہ ہو گا جب کبھی وہ اس گناہ کو یا دوسرے کو دوبارہ کرے گا۔

یہ وہ قول ہے جس کو اکثر مرجیہ نہیں پہنچے۔ یہ شخص اس کے باوجود وعدہ وعید کے نافذ ہونے کے عقیدے کا بھی دعویٰ کرتا ہے اور روئے زمین پر ایسا کوئی مسلم نہ ہو گا جو اپنے گناہ پر نادم نہ ہو۔

عبدالرحمٰن شاگرد ابوالہذیل نے کہا کہ اخبار میں صرف ایسے پانچ اشخاص کے نقل کرنے سے حجت قائم ہوتی ہے جن میں ایک اللہ کا ولی ہو جسے تعین کے ساتھ میں نہیں پہچانتا۔ ان پانچ اشخاص میں سے ہر ایک سے انھیں کے مثل پانچ اشخاص نقل کریں اور اسی طرح ہوتا رہے۔

صالح شاگرد نظام نے کہا کہ جس نے یہ خواب دیکھا کہ وہ ہندوستان میں ہے یا اسے قتل کر دیا گیا ہے یا اس نے کوئی شے بھی دیکھی تو وہ اس نے جیسی دیکھی حق و یقین ہے اور ایسی ہی ہے جیسی وہ بیداری میں دیکھے۔

عباد بن سلیمان نے کہا کہ حواس سات ہیں۔

نظام نے کہا کہ الوان (رنگ) جسم ہیں۔ اور کبھی دو جسم ایک مکان میں ہوتے ہیں۔

نظام کہا کرتا تھا کہ ہم بذریعہ اخبار اجسام کو ہرگز نہیں جانتے۔ جو شخص کوئی جسم دیکھے خواہ جس کو دیکھے وہ انسان ہو یا غیر انسان تو اس

کے دیکھنے والے نے اس کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا جو دیکھنے والے کے جسم میں شامل ہو گیا۔ اس دیکھنے والے نے اس جسم کے متعلق جسکو بھی خبر دی تو جس کو خبر دی تو اس نے بھی اس ٹکڑے میں سے ایک ٹکڑا لے لیا۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہوگا۔

یہ قصہ ایسا ہے کہ اگر ہم نے اسے اس کے تعظیم کرنے والے ان شاگردوں کے ذریعے سے نہ سنا ہوتا جنھوں نے اس کو اپنی کتابوں میں اس سے نقل کیا ہے تو ہم تو اس کو کسی صاحب عقل کا کلام نہ سمجھتے۔ اس پر اس کے مخالفین نے اسے یہ الزام دیا ہے کہ جبریل و میکائیل علیہما السلام و نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسی وعیسی وابراہیم علیہم السلام کے ٹکڑے (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے۔ اور فرعون و ابلیس و ابولہب و ابوجہل کے ٹکڑے جنت میں ہوں گے۔

اس کا یہ بھی دعوی تھا کہ عالم کی کسی شے میں سکون نہیں ہے۔ بصر کے توسط سے جو سکون معلوم ہوتا ہے وہ بلاشک حرکت ہے۔

معمر یہ دعوی کرتا تھا کہ عالم کی کسی شے میں حرکت نہیں ہے۔ لوگ جس کو حرکت سے نامزد کرتے ہیں وہ سکون ہی ہے۔

عباد بن سلیمان کہتا تھا کہ امت جب متفق ہو جائے اور نیک ہو جائے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے تو اس وقت وہ ایک ایسے امام کی محتاج ہے جو ان کا سیاسی انتظام کرے اور ان کی تدبیر کرے۔ امت جب نافرمانی کرے اور گناہ کرے اور ظلم کرے تو وہ امام سے بے نیاز ہو گئی

ابوالہذیل کہتا تھا کہ انسان اپنی استطاعت کی حالت میں کچھ نہیں کرتا۔ استطاعت کے جانے کے بعد ہی جو کچھ کرتا ہے استطاعت سے کرتا ہے۔ اس کے مخالفین نے اسے یہ الزام دیا ہے کہ انسان جب ہی کچھ کرتا ہے جب وہ مستطیع نہ ہو۔ جب مستطیع ہو تو نہیں کرتا۔ اور میت (مردہ) عالم میں ہر فعل کرتا ہے۔

ان کی حماقتیں اس سے بہت زیادہ ہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

شناعت مرجیہ

مرجیہ کے غالی (حد سے بڑھنے والے) دو فرقوں میں ہیں۔

ایک فرقہ تو اس کا قائل ہے کہ ایمان زبان سے کہنے کا نام ہے۔ اگر چہ اپنے دل میں کفر کا اعتقاد کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن اور اس کا ولی ہے اور اہل جنت میں سے ہے۔ یہ قول محمد بن کرام السجستانی اور اس کے ان ہمراہیوں کا ہے جو خراسان و بیت المقدس میں تھے۔

دوسرا فرقہ اس کا قائل ہے کہ ایمان اعتقاد قلب کا نام ہے اگر چہ بلا تقیہ وخوف و جبر و اکراہ کے اپنی زبان سے کفر کا اعلان کرے۔ بت پرستی کرے یا دارالاسلام میں یہودیت ونصرانیت کو اختیار کرے، صلیب کی پرستش کرے، دارالاسلام میں تثلیث کا اعلان کرے اور اسی حالت پر مر جائے تو وہ اللہ کے نزدیک مومن کامل الایمان اور اللہ کا ولی ہے اور جنتی ہے۔ یہی قول ابومحرز جہم بن صفوان السمرقندی مولائے بنی راسب کاتب حارث بن سریج التمیمی کا ہے۔ یہ کاتب اس زمانے میں تھا جب یہ نصر بن سیار کے پاس خراسان میں مقیم تھا۔ یہی قول ابوالحسن علی بن اسماعیل بن ابی الیسر الاشعری البصری کا ہے اور یہی قول ابومحرز اور ابوالحسن کے ساتھیوں کا ہے۔ جہمیہ خراسان میں تھے اور اشعریہ بغداد و بصرے میں تھے۔ پھر صقلیہ وقیروان واندلس میں اس کی گرم بازاری رہی، اس کے بعد ان کی حالت کمزور ہو گئی۔ والحمد للہ رب العلمین۔

جہمیہ کو رسوا کرنے والی خراب باتوں میں سے ان کا یہ قول ہے کہ اللہ کا علم حادث و مخلوق ہے، اسے کسی چیز کا علم نہ تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے لیے علم پیدا کیا [illegible] نے یہ بھی کہا ہے کہ جنت و

دوزخ فنا ہو جائیں گی۔ اور جو ان میں ہوں گے وہ بھی فنا ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث صحیح کے اور اہل اسلام کے اجماع یقینی کے خلاف ہے۔ بعض کرامیہ نے کہا ہے کہ منافقین مومن وجنتی ہیں۔ المریہ میں اسی قول کو محمد بن عیسی الصوفی الالبیری نے زبان سے ادا کیا۔ اسکے الفاظ اس پر دلالت کرتے تھے کہ تجسم وغیرہ کے مسئلے میں یہ بھی انھیں لوگوں کے مذہب پر چلتا ہے۔ یہ عابد، زاہد، واعظ، متکلم تھا، نہایت فضول گو، بہت کم درست بات کہنے والا اور بہت غلطی کرنے والا شخص تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اسے دیکھا اور یہ کہتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مال کی زکوۃ لازم نہ تھی۔ اس لیے کہ آپ نے کسی کو وارث بنایا اور نہ آپ خود وارث ہوئے۔ میں اس پر اعتراض کرنے اور ٹوکنے سے باز رہا، اس لیے کہ عوام اس کے پاس موجود تھے، مجھے ان کی بدکلامی اور باطل کے ذریعے سے برا کہنے کا اندیشہ ہوا میرے ہمراہ سوائے یحیی بن عبدالکثیر بن واقد کے کوئی نہ تھا۔ میں یحیی کو ہمراہ لے کے اس کے پاس نفرت کے ساتھ جاتا تھا کہ اس کا کلام سنیں۔ مجھے اس کی بری باتوں کا علم ہوا جن میں سے یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جس مخلوق میں چاہتا ہے سما جاتا ہے اور حلول کرتا ہے۔ مجھے اس کی اس بات کے متعلق فقیہ ابو احمد المعافری نے خبر دی اور انھیں ابو علی المقری سے معلوم ہوا۔ اور علی محمد بن عیسی مذکور کا نواسا تھا، اور میں نے اس کے علاوہ بھی سنا ہے۔ **و نعوذ باللہ من الضلال۔**

کرامیہ کے ایک گروہ کا قول ہے کہ منافقین مومن ومشرک ودوزخی ہیں۔

ایک گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کرے تو وہ مومن بھی ہے کافر بھی۔ وہ نہ علی الاطلاق مومن ہے نہ علی الاطلاق کافر۔

مقاتل بن سلیمان نے جو مرجیہ کے بڑے لوگوں میں تھا کہا ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی بدی خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی بالکل مضر نہیں۔ اور شرک کے ساتھ کوئی نیکی بالکل مفید نہیں۔ مقاتل بیک وقت خراسان میں جہم کے ساتھ مسئلہ تجسیم میں اس کا مخالف تھا جہم کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ تو شے ہے نہ لاشے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ شے کا خالق ہے۔ لہذا شے اس کا مخلوق ہے۔ مقاتل کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جسم، گوشت اوخون ہے۔ جو انسان کی صورت پر ہے۔

کرامیہ نے کہا ہے کہ انبیاء سے تمام معاصی کبائر ممکن ہیں بجز اس کے کہ تبلیغ اسلام میں کذب ان سے ممکن نہیں کیوں کہ یہ حضرات اس کذب سے معصوم ہیں۔ مجھ سے سلیمان بن خلف الباجی نے کہ روسائے اشعریہ میں سے تھا، کہا ہے کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ انبیاء ورسول علیہم السلام سے تبلیغ میں بھی کذب ممکن ہے۔

یہ سب محض کفر ہے۔ محمد بن الحسن بن فورک الاشعری نے ان لوگوں سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کرتا ہے اپنی ذات میں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے فنا کرنے پر قادر نہیں کہ وہ اس طرح تنہا رہ جائے جس طرح پیدا کرنے سے پہلے تھا۔

یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آوازیں اور حروف ہجا ہیں جو سب کی سب ہمیشہ اکٹھا رہیں گی اور وہ ہمیشہ سے تھیں اور ہمیشہ رہیں گی

یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اس کے علاوہ کسی چیز پر قادر نہیں۔

یہ بھی کہا ہے کہ وہ متحرک اور گورے رنگ کا ہے۔

ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے سڑنے گلنے کے بعد ان کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ البتہ اس پر قادر ہے کہ ان اجسام کے مثل پیدا کر دے۔

انکی حماقتوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ایک وقت میں دو اور دو سے زائد اماموں کو جائز رکھتے ہیں۔

اشعریہ نے کہا ہے کہ جو شخص اسلام ظاہر کرے اس کا اللہ و رسول کو بدتر سے بدتر گالی دینا، زبان سے بغیر تقیہ و حکایت کے اس کی تکذیب کا ظاہر کرنا، اور اس کا اقرار کرنا کہ اس کا عقیدہ یہی ہے یہ امور کفر نہیں ہیں۔ اس قول کی بنا پر جب تمام اہل اسلام کے ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ ہوا تو کہا کہ یہ امور اس کی دلیل ہیں کہ اس کے قلب میں کفر ہے۔ ہم نے ان سے کہا کہ جس پر یہ دلیل دلالت کرتی ہے کیا تمھیں۔ اس کی صحت کا یقین ہے انھوں نے کہا کہ نہیں۔

اشعریہ نے کہا ہے کہ ابلیس نے کفر کیا۔ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ظاہر کی۔ اس وقت سے ابلیس اللہ تعالیٰ کو حق کے طور پر نہیں پہچانتا، نہ وہ یہ جانتا ہے کہ اسے اللہ نے آگ سے اور آدم کو مٹی اور گارے سے پیدا کیا۔ نہ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے آدم علیہ اسلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ نہ اس کے بعد اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بزرگی دی۔ ان سب کا یہ متفق علیہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بزرگی دی، ان سب کا یہ متفق علیہ قول ہے کہ ابلیس نے ہرگز اللہ سے یہ دعا نہیں کی کہ وہ اسے قیامت تک مہلت دیدے۔ ہم نے ان سے کہا کہ تمھاری خرابی ہو یہ تو اللہ و رسولؐ کی تکذیب اور قرآن کا ابطال ہے، انھوں نے جواب دیا کہ ابلیس نے یہ سب محض تمسخر و بیہودگوئی کے طور پر بے سوچے سمجھے اور بغیر اعتقاد کے کہا تھا۔ غالی روافض کے کفر کے بعد یہ اس سے بھی بدتر ہے جو انھوں نے اس کے رد کے ذریعے سے کفر کیا تھا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ابلیس اس وجہ سے کافر نہیں ہوا کہ اس نے آدم کو سجدہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، نہ اس وجہ سے کہ اس نے یہ کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ وہ صرف اس لیے کافر ہوا کہ اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کا منکر تھا۔

یہ قرآن کے خلاف غیب کی خبر دینا اور کہانت ہے جس کی صحت بغیر اس کے نہیں معلوم ہو سکتی کہ کسی شخص سے خود ابلیس ہی اپنا واقعہ بیان کرے۔ اس کے علاوہ یہ شیخ جو کچھ بیان کرتا ہے اس میں ثقہ نہیں ہے۔

اشعریہ نے بھی کہا ہے کہ حقیقۃً فرعون کو یہ ہرگز معلوم نہ ہوا کہ موسیٰؑ جن معجزات کو لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جو یہود و نصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ انھیں ہرگز یہ معلوم نہ ہوا کہ محمد واقعی رسول اللہ ہیں نہ انھیں یہ علم تھا کہ آپ کا حال توریت و انجیل میں لکھا ہوا ہے۔ ان میں سے اور بنی قریظہ وغیرہم میں سے جو لوگ اس کو جانتے تھے اور وہ اعلان کفر پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے پر اڑے رہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سب مومن اور اللہ کے ولی اور جنتی تھے۔ ہم نے انھیں جواب دیا کہ تمھاری خرابی ہو یہ تو اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ فرماتا ہے کہ ''**یجدونہ مکتو باعندھم فی التوراۃ والانجیل**'' (وہ لوگ اپنے یہاں توریت و انجیل میں آپ کو لکھا ہوا پاتے ہیں)۔ اور ''**یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم**'' (یہ لوگ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو)۔ اور ''**فانھم یکذبو نک**'' (پھر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں)۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہود و نصاری نے اپنے یہاں ایک نوشتہ پایا جس کے معنی یہ لوگ نہیں سمجھتے اور نہ انھیں یہ معلوم ہوا کہ وہ کیا شے ہے۔ صرف اس کی صورت کو تو انھوں نے پہچانا۔ اور یہ جانا کہ آپ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ جس طرح انسان اپنے پڑوسی کو جانتا ہے۔ یہ بالکل کفر ہے، کلام اللہ کا اپنے مقامات سے بدلنا ہے اور بیہودہ مکابرہ ہے، حماقت ہے، و بداہت کا انکار ہے۔ ہم نے اس مقالہ ملعونہ کو اپنی ایک کتاب ''**کتاب الیقین فی النقض علی الملحدین المحتجین عن ابلیس اللعین و سائر الکافرین**'' میں پورے طور پر رد کیا ہے جس میں ان کے ایک

بہت بڑے شخص کا کلام جمع کیا ہے جو قیروان کا باشندہ تھا، ان کا نام عطاف بن دو تاس تھا اس کا یہ کلام اسی کی ایک کتاب میں ہے جو اس نے اسی مقالے کی حمایت میں تالیف کی ہے۔

انکے شیخ اشعری کے اعجاز قرآن کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک تو وہی ہے جیسا مسلمین کہتے ہیں کہ اس کی بندش و ترتیب و نظم معجزہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ معجزہ صرف وہی قرآن ہے جو کبھی اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں ہوا، جو ازلی و غیر مخلوق ہے جو ہم پر نازل نہیں کیا گیا نہ ہم نے اسے کبھی سنا اور نہ اسے جبریل و محمد علیہم السلام نے کبھی سنا۔ جس کو ہم مصاحف میں پڑھتے اور سنتے ہیں وہ معجزہ نہیں۔ بلکہ اس کے مثل پر قدرت حاصل ہے۔ حالانکہ یہ صحیح کفر اور اللہ تعالیٰ اور تمام اہل اسلام کے خلاف ہے۔

ان کے ایک بہت بڑے شخص محمد بن الطیب الباقلانی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پندرہ صفات ہیں جو سب کی سب قدیم اور ازل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں اور وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی مغایر ہیں۔ ان میں سے ہر صفت دوسری بقیہ کل صفات کے مغایر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے مغایر ہے۔

واللہ یہ تو نصاریٰ کے قول سے بھی بڑھ کر اور بہت زیادہ کفر و شرک میں داخل ہے۔ اس لیے کہ نصاریٰ نے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف دو کو شریک کیا جن کا تیسرا وہ خود ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پندرہ کو شریک کیا جن کا سولھواں وہ خود ہے۔ اشعری نے اپنی کتاب ''مجالس'' میں تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ چند اشیا ہیں جو ان کے سوا ہیں اور ازلی ہیں جیسا کہ وہ خود ازلی ہے۔

یہ علانیہ توحید کا ابطال ہے۔ انھیں اس گمراہی پر صرف اس گمان نے آمادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و عزت و کلام کا ثابت کرنا بغیر اس ملعون طریقے کے ناممکن ہے۔ **معاذاللہ من ذالک** ۔ بلکہ یہ تمام امور حق ہیں، ازلی ہیں، غیر مخلوق ہیں، ان میں سے کوئی شے غیر اللہ نہیں ہے۔ نہ اس میں سے کسی شے کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ اللہ ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کا نام رکھنا ہے۔ اور اس کا نام رکھنا بغیر نص کے جائز نہیں۔ ہم نے اس مسئلے میں اپنی اسی کتاب کے شروع میں مفصل کلام کیا ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین**۔

ہم نے اہل بدعت کی خرابی کو محض اس لیے یہاں بیان کیا کہ ناواقف مسلمانوں کو ان سے نفرت دلائیں اور انکے ساتھ انس سے اور ان کے کلام فاسد کے ساتھ حسن ظن رکھنے سے وحشت دلائیں۔

اس مذہب کے بعض معتقدین سے میں نے کہا کہ جب تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ پندرہ صفات ہیں جو سب غیر اللہ ہیں اور سب کی سب ازلی ہیں تو پھر تم نے نصاریٰ پر کیوں اعتراض کیا ہے جنھوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، اس نے مجھے جواب دیا کہ ہم نے صرف اس لیے نصاریٰ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے اللہ کے ہمراہ صرف دو چیزیں مانی ہیں۔ اور اسکے ساتھ زیادہ نہیں مانیں۔

ان میں سے بعض نے مجھ سے کہا ہے جو ہمارا بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم (یعنی لفظ اللہ) ایک عبادت ہے جو ذات باری اور اس کی تمام صفات پر واقع ہوتی ہے نہ کہ بغیر صفات کے صرف ذات پر۔ میں نے اسے جواب دیا کہ تم اللہ کی عبادت کرتے ہو یا نہیں، اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ تب تم اپنے اقرار کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے دوبارہ نفرت ظاہر کی کہ **معاذ اللہ من ھذا**''۔ میں اس مسئلے میں توقف کرتا ہوں۔

ان کے ایک شیخ قدیم عبداللہ بن سعید بن کلاب البصری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ باقی ہیں نہ فانی نہ قدیم ہیں نہ حادث۔ البتہ وہ ازلی و غیر مخلوق ہیں۔ یہ اسکی اس تصریح کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم و باقی ہے۔

اشعریہ کی حماقتوں میں سے ان کا یہ قول ہے کہ انسان کے ایسے احوال و معانی ہیں جو نہ معدوم ہیں نہ موجود نہ معلوم ہیں نہ مجہول۔ نہ مخلوق ہیں نہ غیر مخلوق، نہ ازلی و قدیم ہیں نہ حادث۔ نہ حق ہیں نہ باطل۔ مثلاً عالم کا یہ علم رکھنا کہ وہ صاحب علم ہے۔ یا موجود کا اپنے وجود دریافت کر لینے پر ادراک کرنا کہ وہ صاحب وجود ہے۔

یہ وہ امر ہے جسے ہم نے ان لوگوں سے نصاً و تصریحاً خود سنا ہے اور ان کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ بھلا اس سے زیادہ بھی حماقت ہو سکتی ہے۔ کیا کسی احمق اور وسوسہ رکھنے والے میں اس سے زیادہ بدحواسی ممکن ہے۔ اور انکے ایک بہت بڑے شخص سلیمان بن خلف الباجی نے ایک مجلس میں مجھ سے اس مسئلے کی نسبت گفتگو کی۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا ہمارے یہاں عام لوگ کہتے ہیں کہ میرے پاس انگور ہیں مگر وہ درخت انگور کے نہیں ہیں۔

ان کی بدحواسی میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ حق غیر حقیقت ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ انھوں نے یہ کس لغت میں پایا۔ یا کس شرع میں وارد ہوا ہے، یا کس طبیعت میں یہ اس پر قابو پا گئے۔

انھوں نے کہا ہے کہ کفر حقیقت ہے مگر حق نہیں ہم نے کہا کہ ہرگز نہیں بلکہ اس کا وجود حقیقت ہے اور اس کے معنی باطل ہیں نہ کہ حق و حقیقت۔ ان سب نے کہا ہے اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا اپنی ذات میں حامل ہے۔ یہ ابوجعفر السمنانی المکفوف قاضی موصل کے قول کی نص و تصریح ہے۔ جو باقلانی کے بہت بڑے اصحاب میں سے ہیں اور ہمارے زمانے میں اشعریہ کے مقدم ہیں۔

اسی سمنانی نے کہا ہے کہ جو شخص اس لیے اللہ کو جسم کہے کہ وہ اپنی ذات جس اپنی صفات کا حامل ہے تو وہ صفی میں صواب کو پہنچا۔ صرف نام رکھنے میں غلطی کی۔ اسی سمنانی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں اور قیام بالذات میں جواہر و اجسام کے قیام کی طرح عالم کا شریک ہے اور اس میں بھی شریک ہے کہ وہ ایسی صفات رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ قائم ہیں اور اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں، جیسا کہ یہی چیز ان اجسام و جواہر عالم میں ثابت ہے جو ان صفات سے موصوف ہے۔ یہ حرف بحرف سمنانی کے کلام کی نص ہے۔

میں نے مشبہہ اور غالیہ کو بھی اس پر پیش قدمی کرتے نہیں دیکھا جس کا اطلاق اس بدعتی جاہل ملحد دلیر نے کیا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا شریک و مشارک ہے۔ **حاشا لله من هذا**۔ سمنانی نے اپنے شیوخ اشعریہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے کہ "**ان الله خلق آدم علی صورة**" (اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔) یہ معنی ہیں کہ آدم رحمٰن کی صفت حیات و علم اقتدار پر ہیں، ان میں صفات کمال جمع ہیں ملائکہ سے اسی طرح اس نے آدم کو سجدہ کرایا جس طرح اپنے کو سجدہ کرایا تھا۔ اللہ نے ملائکہ کو بنی آدم پر اسی طرح امر و نہی کا اختیار دیا ہے جس طرح خود اسے حاصل ہے۔

یہ حرف بحرف اس کے کلام کی نص و تصریح ہے۔ اور یہ صریح کفر اور کھلا ہوا شرک ہے کیوں کہ اس نے تصریح کی ہے کہ آدم رحمٰن کی صفت پر ہیں دونوں میں صفات کمال جمع ہیں۔ اس کے نزدیک آدم اور اللہ تعالیٰ میں صفات کمال جمع ہونے سے دونوں آپس میں مماثل و مشابہ ہوئے۔ اسی بدی پر قناعت نہیں کی۔ یہ بھی تصریح کر دی کہ ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا ایسا ہی تھا جیسا اللہ کو سجدہ کرنا۔ **معاذ الله من ذلک**۔ ملائکہ کا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا سجدہ عبادت اور اپنے خالق کی پرستش کے طور پر تھا، آدم کو سجدہ کرنا بطور سلام و تحیت کے تھا ان کی طرف سے آدم کی شرافت و بزرگی کا اظہار اور ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کو سجدہ تھا۔ اس کے بعد اس ملعون نے اس نص و تصریح سے کفر پر کفر کا اضافہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی اولاد پر اسی طرح امر و نہی کا اختیار دیا جس طرح یہ اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور یہ بغیر کسی

خفا کے ایسا ہی شرک ہے جیسا کہ مسیح کے بارے میں نصاری کا شرک ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی سمنانی نے کہا ہے کہ اس کے شیوخ کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں کہ کسی شے کا امر اور حکم دینا خواہ وہ جدید ہو یا قدیم اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ شے حکم دینے والے کو مقصود ہے۔ اسی طرح نہی اور منع کرنا بھی اس کے ناپسند و ناگوار و مکروہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ اس کے کلام کی نص ہے۔ جو خلاف اسلام و اجماع و عقل اور اس امر کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نماز و زکوٰۃ و حج و روزہ و جہاد شہادت اسلام کا حکم دیا ہے تو اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ وہ ان امور کو چاہتا ہے۔ اور جو زنا، بدکاری، سرقہ و قتل ظالمانہ سے منع کیا ہے تو اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ وہ ان امور کو ناپسند کرتا ہے تمام اقوال میں اس سے زیادہ ناپاک کوئی قول نہ ہوگا۔

سمنانی نے کہا ہے کہ اس کا قائل ہونا صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام علوم کے اور اس کی قدرت تمام قدرتوں کے مخالف و مغایر ہے اس لیے کہ یہ سب کی سب ہمارے قول و وصف کے تحت میں داخل ہیں جو ہم قدرتوں اور علوم کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ یہ اس کے کلام ہیں جو ہم قدرتوں اور علوم کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ یہ اس کے کلام کی نص اس امر کا بیان ہے کہ ان لوگوں کا دین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت ہمارے ہی علم وقدرت کی نوع سے ہے۔ اس کے نزدیک جب بات یہ ہوئی تو ہمارا علم وقدرت تو دو عرض (صفات) ہیں جو ہمارے اندر پیدا کردی گئی ہیں لہذا ضروری طور پر واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت بھی دو عرض ہیں جو پیدا کی گئی ہیں۔ (اور پھر معاذ اللہ منہا۔ اللہ بھی حادث ہے) کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ ازلی شے کسی حادث و مخلوق کے ساتھ ایک ہی حد اور ایک ہی نوع کے تحت میں واقع ہو سکے۔

اسی سمنانی اور محمد بن الحسن بن فورک نے کتاب الاصول میں اپنے کلام کے شروع ہی میں تصریح کی ہے کہ قدیم و حادث میں حدود (و تعریفات) میں اختلاف نہیں ہوتا۔ ان لوگوں نے اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں اپنے کلام میں کہا ہے جہاں انھوں نے معنی علم کی حد و تعریف ایسی صفت سے بیان کی ہے جس کے تحت میں اللہ کا علم اور لوگوں کے علوم واقع ہوتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرف سے اس کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے اور ہمارے ہی ساتھ حدود کے تحت میں واقع ہے اور وہ اس کا علم وقدرت ہے۔ ان کے شیخ جہم کا جو قول حقیقت کے متعلق ہے یہ اس سے بھی بدتر ہے۔ یہ روئے زمین کے تمام تشبیہ دینے والوں کے قول سے زیادہ ناپاک ہے۔

اسی سمنانی نے تصریح کی ہے کہ عالم۔ قادر اور مرید خواہ اللہ تعالیٰ ہو یا اس کی مخلوق وہ صرف اس لیے ان صفات کا محتاج ہے کہ ان سے موصوف ہے نہ اس لیے کہ یہ صفات اس پر گذرتی ہیں۔ یہ اس کے کلام کی نص ہے۔ اور یہ بلا تکلف و تاویل ان لوگوں کی طرف سے اس کی تصریح ہے کہ اللہ (جو اس احمق کے کفر سے بلند و برتر ہے)۔ ان صفات کا محتاج ہے اور یہ وہ کفر ہے کہ اس کفر تک پہنچنے والا ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گا۔

اسی سمنانی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب حی و عالم ہے تو وہ ضرور حیات و علم وقدرت و ارادے سے موصوف ہے۔ یہاں تک کہ ان میں جو حال ہے وہ حاضر و غائب میں مختلف نہیں ہوتا۔ یہ اس کے کلام کی نص ہے۔ اور یہ اس کی طرف سے اس امر پر تصریح ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حال ہوتا ہے جس میں اس کی مخلوق اس کے مخالف و مغایر نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اور یہ اس میں برابر ہیں۔

اسی سمنانی نے تصریح کی ہے کہ وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے عالم و قادر ہونے کے لیے ضروری ہیں ان صفات کا اس کے لیے وجوب اور ضرورت اسے اس شے سے بے نیاز نہیں کرتا کہ جو چیز اس صفت کی ثابت و صحیح و موجود کرنے والی ہے۔ مثلاً اس میں حیات کا ہونا۔ جیسا کہ اس کا اس چیز سے بے نیاز ہونا جو اس کے عالم و قادر ہونے کو ضروری کردے، اسے قدرت و علم سے بے نیاز کرنے کی موجب نہیں۔

یہ اس پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز سے بے نیاز نہیں جو غیر اللہ ہے۔ اس لیے کہ ان کے یہاں صفات اس کی غیر ہیں۔ اور ان کے یہاں اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز نہیں۔ جب وہ ان سے غنی و بے نیاز نہ ہوا تو وہ ان کا فقیر ومحتاج ہوا۔ اسی طرح یہود نے بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے) بلکہ وہ اپنے ماسوا سے بالکل غنی و بے نیاز ہے۔ اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ سب اس کے فقیر ہیں۔

سمنانی نے کہا ہے کہ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے اپنی ذات کے لیے مرید (یعنی ارادہ کرنے والا) ہونے کا انکار کیوں کیا۔ جیسا کہ اس کو نجار و جاحظ نے کہا ہے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ ہم نے اس لیے انکار کیا ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مخلوق میں سے جو شخص ارادے سے مرید (یعنی ارادہ کرنے والا) ہوگا وہ اس سے خالی نہیں کہ جس کے لیے ارادہ ہے یا تو وہ درحقیقت مرید ہو (یعنی ارادہ کرنے والا) یا اس کا مرید ہونا اس لیے ہے کہ اس کے لیے ارادے کا وجود ہے۔ ان دو میں سے جو امر بھی ہو اس باب میں غائب وشاہد (حاضر) کا مساوی ہونا لازم آتا ہے۔

یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اس جاہل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ مساوات ہے۔ اور یہ ہر جسم ماننے والے کے قول سے بھی بڑھا ہوا کفر ہے۔ اس لیے تمام مجسمین (معاذ اللہ۔ اللہ کا جسم ماننے والے لوگوں) میں سے کبھی کسی نے اس ملعون فرقے سے پہلے اس قول پر پیش قدمی نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مساوی ہے۔ ان کا یہ فیصلہ تعجب خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ غائب ہے شاہد (حاضر و موجود) نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ اس سے برتر ہے۔ بلکہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور رگ گردن سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ وہ عقول میں حاضر ہے غائب نہیں ہے۔

باقلانی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو تسمیات (نامزدگیاں) پائی جائیں ان کا اطلاق اس پر جائز ہے، اگرچہ خود اس نے اپنے آپ کو اس نام سے نامزد کیا ہو۔ جب تک کوئی شرعی حکم اس سے روکنے والا وارد نہ ہوا ہو۔

یہ اس کی طرف سے اس کی تصریح ہے کہ یہاں چند معانی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ باوجودیکہ یہ اس کے ناموں میں الحاد و بے دینی ہے۔ کیوں کہ اس نے ایسے نام سے اللہ تعالیٰ کو نامزد کرنے کی اجازت دیدی ہے جس سے خود اس نے اپنے آپ کو نامزد نہیں کیا ہے۔

اور اللہ اس سے بیحد بلند و برتر ہے۔

ان سب نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک ہی کلام ہے اس کے بہت سے کلمات نہیں ہیں۔

یہ خالص کفر ہے کیوں کہ اس نے قرآن کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب کی ''**قل لو کان البحر مداد الکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددا**''۔ (آپ کہہ دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے روشنائی ہو جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ ہم اس کے برابر مدد بھی لے آئیں) اور فرماتا ہے ''**ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت کلمت اللہ**'' (اور اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر کو اس کے بعد سات سمندر مدد دیں تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے)۔ باوجود اس کے ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک کلام ہے ایک احمقانہ مقولہ ہے جو عقل میں نہیں آتا اور اس پر کوئی شرعی برہان قائم نہیں۔ نہ کسی تصور کرنے والے

نے اس کا تصور کیا اور نہ عقل اسے ضروری ٹھہراتی ہے۔ بجز اس کے کہ یہ محض ہذیان ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ اس سے خالی نہیں کہ قرآن یا تو ان کے نزدیک کلام الٰہی ہے یا کلام الٰہی نہیں ہے۔ اگر یہ کہیں کہ وہ کلام الٰہی نہیں ہے تو انھوں نے نزدیک ہی سے کفر اختیار کر لیا ار اللہ تعالیٰ نے ان کی مشقت سے بچا دیا۔

اور اگر یہ کہیں کہ وہ کلام الٰہی ہے تو قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں چھ ہزار سے زائد آیات ہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک اس میں سے ہر سورۃ دوسری کے مغایر اور ہر آیت دوسری کے مغایر ہے۔ یہ بدمعاش کیسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک ہی کلام ہے۔ کیا یہ بیہودہ اور بیبا کانہ کفر نہیں ہے۔ **و نعوذ بالله من الضلال۔**

ان سب لوگوں نے کہا ہے کہ "قرآن کو جبریل علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ہرگز نہیں اتارا انھوں نے کسی اور شے کو آپ پر اتارا تھا۔ اور وہی شے کلام الٰہی سے تعبیر کی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن صرف طریقہ مجاز پر ہے، جو چیز ہم دفتروں میں دیکھتے ہیں قاریوں سے سنتے ہیں، نماز میں پڑھتے ہیں اور سینے میں محفوظ رکھتے ہیں وہ ہرگز قرآن نہیں۔ اور نہ اس میں سے کوئی چیز کلام الٰہی ہے۔ بلکہ یہ دوسری شے ہے۔ اور کلام الٰہی ذات الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتا"۔

یہ نہایت زبردست کفر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "**بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ**" (بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے) اور فرمایا ہے "**نزل به الروح الامين على قلبك**" (اس کو روح امین نے آپ کے دل پر نازل کیا)۔ اور فرمایا ہے "فاجرہ حتی لیسمع کلام اللہ (اسے پناہ دیجیے تا کہ وہ کلام الٰہی سن لے) اور فرمایا ہے "**بل آيت بينت في صدور الذين اوتوا العلم**" (بلکہ یہ کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جو اہل علم کو سینوں میں ڈال دی گئی ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "**انی احب ان اسمعه عن غيری**" (میں چاہتا ہوں کہ قرآن کو کسی اور سے سنوں) اور فرمایا ہے کہ "**الذی يقرأ القرآن مع السفرة الكرام البررة**" (جو شخص قرآن پڑھتا ہے وہ بزرگ، نیک اور لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوتا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کے ملک میں قرآن لے جانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس پر عام و خاص و عالم و جاہل تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ فلاں نے قرآن حفظ کیا، فلاں نے قرآن پڑھا۔ فلاں نے مصحف (کاغذ و دفتر) میں قرآن لکھا۔ فلاں سے ہم نے قرآن سنا۔ وہی کلام اللہ ہے جو اول سورۃ فاتحہ سے آخر "**قل اعوذ برب الناس**" تک مصحف میں ہے۔

سمنانی نے یہ بھی کہا ہے کہ باقلانی اور اس کے شیوخ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا یہی قرآن ہے اور یہی کلام اللہ ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ وہ کلام اللہ کی تعبیر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سمجھے جاتے ہیں۔

ان سے کہا جائے کہ ہمیں اپنے اس قول کے متعلق کہ "کتاب ہی مصحف ہے اور جو قراءت مساجد کی محرابوں میں سنی جاتی ہے یہ قرآن کی تعبیر ہے" بتاؤ کہ تمھاری اس سے کیا مراد ہے، کیا یہ محض تمھاری ایک کمزور فریب کاری کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ کیا جو کچھ مصحف میں ہے یہ ان معانی کی تعبیر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے احکام و شریعت میں مراد لئے ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، ایمان وغیرہ اور اخبار امم سابقہ و احوال جنت و دوزخ و حشر وغیرہ کہ ان امور میں سے ہیں جن کے متعلق اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ اس کلام کے ذریعے سے جو چیزیں تعبیر کی گئی ہیں وہ ہرگز کلام الٰہی نہیں ہیں اس لیے کہ جنت کی ذات اور دوزخ کی ذات اور نمازی کی حرکات اور حاجی و روزہ دار کا عمل اور اجسام ثمود و اشخاص عاد میں سے کوئی چیز بھی نہ کلام اللہ ہے نہ قرآن۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ بلاشک قرآن و کلام اللہ صرف

وہی عبارت ہے جو سنی جاتی ہے وہی کلام ہے جو پڑھا جاتا ہے وہی خط ہے جو مصحف میں لکھا جاتا ہے، اب اس کے سوا اور کیا رہ گیا۔ یا کفر اور اللہ و رسول کی اس امر میں تکذیب رہ گئی کہ اس نے قرآن کو رسول پر نازل کیا۔ اور ہم کلام اللہ سنتے ہیں۔

تم نے کمزوروں کو وہم میں ڈالا کہ جو چیز تمام اہل اسلام کے نزدیک قرآن و کلام اللہ ہے وہ قرآن و کلام اللہ نہیں ہے۔ تم نے اپنے استخفاف سے لوگوں کو وہم میں ڈالا کہ متحرکین کی حرکات اور ذات جنت و دوزخ یہی کلام اللہ اور یہی قرآن ہے۔ کیا کمزور مسلمانوں کے ساتھ تمسخر میں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزاء میں اس سے بڑی کوئی بات ہو سکتی ہے۔

مجھے علی بن حمزۃ المرادی الصقلی الصوفی نے خبر دی کہ انھوں نے بعض اشعریہ کو دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں سے قرآن کو کھولتا تھا۔ مجھے یہ بہت ہی گراں معلوم ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ تیری تباہی ہو تو مصحف کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے حالانکہ اس میں کلام اللہ ہے۔ اس نے کہا کہ تم پر افسوس ہے بخدا اس میں بجز روشنائی و سیاہی کے کچھ بھی نہیں۔ کلام اللہ اس میں نہیں ہے۔

قریب قریب اسی قول کے جس کے معنی یہی ہیں مجھے ابو الرجی بن رزدار المصر ی نے لکھا ہے کہ اہل مصر کے بعض ثقہ نے انھیں خبر دی ہے کہ طلبہ حدیث میں سے ایک اشعری نے ان سے کہا کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ ‘‘**قل هو اللہ احد . اللہ الصمد**’’ تو اس پر ہزار لعنت۔

بلکہ اس شخص پر پے در پے ایک لاکھ لعنت جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے انہیں فرمایا اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی پے در پے ایک لاکھ لعنت جو اس سے انکار کرے کہ ہم کلام اللہ سنتے ہیں اور ہم کلام اللہ حفظ کرتے ہیں اور کلام اللہ لکھتے ہیں کیوں کہ اس مسئلے میں اس فرقے کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی کفر اور قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اس فرقہ ملعونہ کے پیدا ہونے سے پیشتر کے تمام اہل اسلام کی مخالفت ہے۔

تمام اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر اس شے کو جس کو اس نے پیدا کر دیا یا جسے وہ مستقبل میں پیدا کرے گا یہ کہنے والا ہے کہ کن (یعنی ہو جا)۔ مگر تمام اشیا صرف اسی وقت ہوئیں جب ان کے ہونے کا وقت ہوا۔

یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ کیوں کہ وہ فرماتا ہے ‘‘**انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون**’’ (اس کی شان یہی ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پھر وہ ہو جاتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ وہ شے سے ‘‘ہو جا’’ محض اسی وقت کہتا ہے جب وہ اس کے موجود ہونے کا ارادہ کرتا ہے جب وہ اس سے ‘‘ہو جا’’ کہتا ہے تو وہ شے اسی وقت بغیر کسی مہلت کے ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ جس لغت عرب میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں حرف ‘‘فا’’ کا یہی مقتضا ہے۔

یہ سب لوگ اللہ کی دونوں خبروں کی تکذیب پر متفق ہو گئے ہیں، ایک تو انھوں نے عالم کے ازلی ہونے کو ضروری کر دیا کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ ازل سے ہونے والی چیز سے ‘‘کن’’ کہہ رہا ہے تو پھر تکوین ازل سے ہے۔ اور یہ محض دہریت ہے۔

سمنانی نے اس کے چند سطر بعد کہا ہے کہ ‘‘اگر اللہ کے قول ‘‘کن’’ کی وجہ سے کسی چیز کا وجود جس وقت میں موجود ہوئی ہے اسی وقت واجب ہوتا تو یہ بھی ضرور واجب ہوتا کہ وہی شے غیر اللہ کے اس شے سے ‘‘کن’’ کہنے سے بھی موجود ہو جاتی کیوں کہ اس معاملے میں اقتضا کی صفت قدیم و حادث میں مختلف نہیں ہے’’

یہ اس ملحد و فاسق کے کلام کی حرف بحرف نص ہے جو محض کفر اور کھلی حماقت ہے۔ کفر تو اس کا یہ باطل کرنا کہ ان اوقات میں اشیاء کا

وجود جن میں وہ پائی گئیں۔ محض اللہ تعالیٰ کے ان سے ''کن'' کہنے کی وجہ سے ہے۔ اور اس کا یہ واجب کرنا کہ اشیا اس وقت نہیں پائی گئیں جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے ''کن'' کہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خالص تکذیب اور اجماع اہل اسلام سے اور سابقین اہل قبلہ کے دائرۂ سواد اعظم سے باہر نکلنا اور علیحدہ ہونا ہے۔

اس ملعون کلام میں اس کا یہ قول بھی کفر صریح ہے کہ اس مسئلے میں صفت اقتضا میں حادث وقدیم میں اختلاف نہیں ہے۔ اس نے اللہ کو اور اسکی مخلوق کو برابر کر دیا۔

حماقت اس کا یہ قول ہے کہ اگر اللہ کے قول ''کن'' کی وجہ سے اشیا کا وجود ہوتا تو ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لفظ ''کن'' سے بھی اشیا کا وجود ہوتا۔

مسلمانو ذرا سنو۔ کسی نے اس شخص سے زیادہ حماقت، بیوقوفی اور بیحیائی کی بات بھی سنی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے ''کن'' کو جب وہ کسی شے کے موجود کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرے لوگوں کے لفظ ''کن'' کو برابر کر دے۔ یہ دہریے کے قول سے زیادہ ناپاک ہے۔ اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اگر حماقت نہ ہوتی تو یہ رذیل بات ایسے شخص کی زبان سے نہ ادا ہوتی جسے گذرگاہوں میں پتھر نہ مارے جائیں۔

اسی کلام کے مشابہ کمینہ ابو الہاشم الجبائی کا یہ کلام بھی ہے کہ ''اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کو کسی نام سے نامزد کرنا جائز نہ ہو، تاوقتیکہ وہ ہمیں نامزد کرنے کی اجازت نہ دے، تو واجب ہے کہ اللہ کو بھی اپنا کوئی نام رکھنا جائز نہ ہو، تاوقتیکہ اسے غیر اللہ اس کی اجازت نہ دے'' یہ وہ اقوال ہیں کہ اگر انھیں بچے کہتے تو ان کی فلاح سے ناامیدی ہو جاتی۔ اللہ کی قسم شیطان ان لوگوں سے جس طرح چاہا کھیلتا رہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

تمام اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی پر ظلم کرنے پر قادر ہے، نہ جھوٹ بولنے پر، نہ یہ کہنے پر قادر ہے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، جب تک کہ پہلے سے کہہ نہ دے۔

نصاریٰ نے کہا ہے کہ اللہ یہ کہنے پر قادر نہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں تاوقتیکہ اس کے قبل نہ کہے۔ یہود نے کہا ہے کہ وہ اولاد اختیار کرنے پر قادر نہیں۔ کسی جھوٹے کے ہاتھ پر جو نبوت کا جھوٹا دعوی کرے معجزہ ظاہر کرنے پر قادر نہیں، اور اگر وہ الوہیت کا دعوی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرنے پر قادر ہے۔ وہ کسی محال پر قادر نہیں، نہ اشیاء کو ان کی حقائق سے بدلنے پر قادر ہے، نہ اجناس کی ماہیت بدلنے پر قادر ہے نہ اس پر قادر ہے کہ جزو لایتجزی کا تجزیہ کر سکے۔ اور نہ اس پر قادر ہے کہ کسی کو غیر توحید کی دعوت دے۔

یہ ان لوگوں کے کلام کی نص اور اعتقاد کی حقیقت ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسا قرار دیا۔ جو عاجز ہے جس کی قوت متناہی اور قدرت محدود ہے کبھی قادر ہوتا ہے کبھی قادر نہیں ہوتا۔ کبھی وہ ایک شے پر قادر ہوتا ہے اور دوسری پر قادر نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ صفت نقص ہے۔ یہ لوگ اس کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ ساحر اشیا کے بدلنے پر قادر ہے انسان کو مسخ کر کے درحقیقت گدھا بنانے پر قادر ہے۔ ہوا اور پانی میں چلنے پر قادر ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں ساحر اللہ سے زیادہ قوی ہے۔

انھیں اس کا اندیشہ ہوا کہ اہل اسلام ان کے برباد کرنے کی کوشش نہ کریں اس لیے یہ لوگ یہ تصریح کرنے سے باز رہے کہ اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے۔ انھوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری مذکورہ بالا اشیاء پر قدرت کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔

اس میں بھی ان کے لیے کوئی راحت نہیں۔ اس لیے کہ ہم ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان امور پر قدرت کے ساتھ کیوں نہ موصوف کریں۔ آیا اس لیے کہ وہ ان سب پر قادر نہیں۔ اور نہ اسے ان میں سے کسی پر قدرت ہے۔ بہ ضرورت عقل ایک بات ضرور کہنا پڑے گی۔ یہیں ان کی کمزور خصلت گمراہ ہو جائے گی۔ انھیں یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ وہ قادر نہیں اور اسے ان پر قدرت نہیں۔ اور چونکہ اس کی انھوں نے تصریح کردی لہذا ضروری طور پر اول عقل اور لغت کی سنی ہوئی باتیں دونوں اسے ثابت کرتی ہیں کہ جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے وہ اس چیز سے عاجز ہے اور جس کو کسی شے پر قدرت نہیں ہے تو صفت عجز وضعف اس کے شامل حال ہے۔ لہذا ان لوگوں کو ضروری ہے کہ یہ اسم عجز کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کریں اور اسے صفت عاجز سے موصوف کریں۔ اور اس کے مذہب کی یقیناً یہی حقیقت ہے۔ مگر یہ لوگ اسے ظاہر کریں تو انھیں ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

اسی باقلانی نے کہا ہے کہ نبی اور جھوٹے مدعی نبوت کے سحر میں جو چیز یہ دونوں ظاہر کرتے ہیں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ نبی دوسرے کو برانگیختہ کرتا ہے اور جو اس کے سامنے ہوتا ہے اس سے کہتا ہے کہ جو میرا سا عمل کرے اسے بلا لاؤ۔ حالانکہ یہ نبوت کا خالص ابطال ہے۔

باقلانی وابن فورک اور ان کے گمراہ وجاہل گروہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نہیں ہیں، اس کے لیے صرف ایک ہی اسم ہے۔ اور اسکا اسم اس کے مغایر نہیں ہے۔ ''**وللہ الا سماء الحسنی فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ** '' (اللہ تعالیٰ کے لیے بہترین اسماء ہیں لہذا اسے انھیں سے پکارو اور انھیں چھوڑ دو جو اسکے ناموں میں الحاد و بے دینی کرتے ہیں) اس میں اللہ تعالیٰ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس کے لیے تسمیات حسنی ہیں۔ لہذا انھیں چھوڑ دو جو اس کے تسمیات میں الحاد کرتے ہیں مگر اس نے یہ کہا کہ ''**للہ الا سماء الحسنی فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ** '' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں۔ آپ کی مراد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے تسمیات ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے ننانوے نام دوسروں کے رکھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اچھے اچھے نام اوروں کے رکھے ہیں) مگر آپ نے ننانوے اسم فرمادیا ہے۔

بے حیائی۔ فساد دین اور جھوٹ کے سہل جاننے پر کوئی برہان اس سے زیادہ نہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ انھیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس بہتان کی کس نے خبر دی۔ اس کے بعد کاش یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ چونکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ تسمیات حسنی کہنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے اسماء حسنی کہہ دیا تو کس لیے اس سے یہ لکنت یا غفلت۔ یا اپنے بندوں کے گمراہ کرنے کا قصد صادر ہوا۔ واللہ کوئی چوتھی بات ممکن نہیں۔ تمھیں اس قوم سے تعجب کرنا چاہیے جس پر ایسی زبردست تباہی و بربادی نازل ہوئی ہے۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ وہ قول ہے کہ ان سے پہلے کبھی کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

ان سب نے یہ کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب آج رسول اللہ نہیں ہیں۔ لیکن وہ رسول اللہ تھے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

چنانچہ انھوں نے قرآن کی اس آیت کی تکذیب کی ''**محمد رسول اللہ** '' اور اذان کی اور اقامت کی تکذیب کی جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہر جماعت پر رات دن میں پانچ مرتبہ فرض کر دیا ہے۔ انھوں نے تمام مسلمانوں کی اس تبلیغ دعوت کی بھی تکذیب کی جس پر وہ سب کفار کو دعوت دینے پر متفق ہیں اور بغیر اس کے دوزخ سے نجات نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے ہر زمانے کے مسلمانوں کو، صحابہؓ وغیر صحابہ کو جس پر ان کے نیک وبد سب متفق ہیں۔ جھوٹا بنایا اور جو اس کا اعلان ہے کہ ''**لاالہ الا اللہ. محمد رسول اللہ** '' ان کے اس ملعون قول پر لازم آتا ہے کہ موذن اور تکبیر کہنے والے اور داعیان اسلام ''**محمد رسول اللہ** '' کہنے میں جھوٹے ہیں۔ یہ کہنا واجب ہے کہ ''**محمد**

كان رسول الله "۔ اسی مسئلے پر امیر محمود بن سبکتگین مولائے امیر المومنین وصاحب خراسان رحمۃ اللہ نے ابن فورک شیخ اشعریہ کو قتل کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ محمود کو اس کی جزائے خیر دے اور ابن فورک اور اس کے پیرووں اور گروہوں پر لعنت کرے۔

اس بیہودہ کفر پر انھیں ان کے ایک دوسرے قول نے آمادہ کیا جو خود انتہائی گمراہی اور اسلام سے باہر ہونا ہے۔ وہ ان کا یہ قول ہے کہ ارواح اعراض (کیفیات) ہیں جو فنا ہو جاتی ہیں اور دو وقتوں میں باقی نہیں رہتیں۔ جو روح ہماری اس وقت ہے وہ پلک جھپکنے سے پیشتر ہماری جو روح تھی اس کے مغایر ہے۔ ہم میں سے ہر شخص زمانے کی ہر ساعت میں ایک ایک لاکھ سے زائد روحیں بدل ڈالتا ہے۔ نفس صرف وہ ہوا ہے جو سرد داخل ہونے کے بعد سانس لینے میں گرم ہو کے نکلتی ہے۔ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کی روح فنا و باطل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے اور نہ کسی اور نبی کی جو موجود ہو اور عیش میں ہو۔ نہ وہاں کوئی نفس قائم ہے جس کی مدارات ہوتی ہو۔

یہ سب اسلام سے باہر ہونا ہے۔ ابو الہذیل علاف سے پہلے کوئی ایسا شخص اس کا قائل نہیں ہوا جو اسلام سے نسبت رکھتا ہو۔ پھر ان لوگوں نے علاف کی پیروی کی، یہ محض مخالفت قرآن اور اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے جو فرماتا ہے کہ " **اخرجوا انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون** " (اپنی جانیں) نکالو۔ آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا) اور جو فرماتا ہے " **لاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء و لكن لا تشعرون** " (جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انھیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔ مگر تم نہیں سمجھتے)۔ اور فرمایا ہے " **ولا تحسن الذين قتلوا في سبيل الله اموات بل احياء عندر بهم يرزقون . فرحين . بما آتهم الله من فضله و يستبشرون بالذين لم يلحقوا امن خلفهم الا خوف عليهم ولا هم يحزنون** " (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں عطا کر دیا ہے اس سے بڑے خوش ہیں۔ اور جو لوگ ان کے بعد ابھی تک ان سے نہیں ملے ان کے متعلق بھی خوش ہیں کہ ان پر بھی کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہیں اور نہ یہ رنجیدہ ہوں گے) اور فرمایا ہے " **الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها فيمسك التي قفى عليها الموت ويرسل الاخرى الى اجل مسمى** " (اللہ ہی ہے جو ارواح کو ان کی موت کے وقت اٹھا لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی ارواح ان کی نیند میں اٹھا لیتا ہے پھر ان ارواح کو روک لیتا ہے جن کی موت کا فیصلہ کر دیتا ہے اور دوسری ارواح کو مدت معینہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے)۔

ان احادیث کے بھی خلاف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھا، فرض نمازوں کی تعداد میں موسیٰ علیہ السلام سے اور آپ سے گفتگو ہوئی۔ یہ کہ شہداء کی ارواح جنت کے پھلوں میں لٹکتی ہیں اور وہ حالات ثابت ہیں کہ جس وقت روح خارج ہوتی ہے تو اسے فتنہ پیش آتا ہے اور قبر میں سوال ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ آپ نے آدم علیہ السلام کے داہنی طرف انکی جنتی اولاد کی ارواح کے گروہ دیکھے اور بائیں طرف دوزخی اولاد کی ارواح کے انبوہ دیکھے۔ اسی طرح کی دوسری حدیثیں بھی ہیں۔

اس کے بعد یہ لوگ اس بڑی بات سے شرمندہ ہوئے اور وہ ابلیس ان سے بیزار ہو گیا جس نے انھیں اس میں ڈالا تھا، جب ان کا تعاقب کیا گیا تو انھوں نے اپنی کتابوں میں کہا کہ " یہ نہ سہی " مگر روح تو اپنے ایک جسم سے نکلنے کے وقت دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے "۔

اسی طرح باقلانی نے بھی اپنی کسی کتاب میں تصریح کی ہے میرے خیال میں وہ اس کا مشہور رسالہ ”الحرہ“ ہے۔ بلا تکلف یہی تناسخ کا مذہب ہے۔

سمنانی نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ باقلانی اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ”یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ شہدا کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں منتقل ہو جاتی ہیں اور میت کی روح اس کی قبر میں اس کے پاس واپس کر دی جاتی ہے اسی طرح کے تمام امور، یعنی روح کا قرب و بعد و حرکت و سکون و انتقال و عذاب کے ساتھ موصوف ہونا، یہ سب اس پر محمول ہے کہ میت یا شہید یا کافر کے اجزاء کا سب سے قلیل ترین جز لے لیا جاتا ہے اور اسی جز میں دوبارہ زندگی پیدا کر دی جاتی ہے“ (پوری میت کے لیے یہ نہیں ہوتا)۔

یہ انتہائی حماقت کا طریقہ اور دین سے کھیل کرنا ہے۔ میرے ایک ثقہ دوست نے مجھے خبر دی ہے کہ انھوں نے ان کے بعض بزرگوں کو کہتے سنا کہ روح صرف سرین کی ہڈی میں باقی رہتی ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کا کل حصہ مٹی کھا لیتی ہے سوائے سرین کی ہڈی کے۔ کہ یہ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی میں اسے ترکیب دی گئی۔

اسکی یہ تاویل اہل اسلام کے اقوال کو ہزل بنانے کے قریب تر ہے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔ یہ محض وہ پردے ہیں جو انھوں نے اپنے اس مذہب خبیث کے درمیان ڈالے ہیں جس کو ہم نے ابھی بیان کیا۔

ان سب نے کہا ہے کہ دلائل اسلام میں غور کرنا فرض ہے اور تاوقتیکہ اس میں غور نہ کرے۔ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو اس میں غور کرے گا اس کے لیے ضروری و مشروط ہے کہ اسے توحید و رسالت میں شک ہو۔ کیوں کہ دلائل توحید رسالت میں ایسے شخص کا غور کرنا درست نہ ہوگا جو انکے ثبوت کا معتقد ہے۔

واللہ اس سے زیادہ کفر میں دخل رکھنے والا قول کسی نے نہ سنا ہوگا جس نے توحید و رسالت میں شک کرنے کو ہر متعلم پر ایسا فرض کر دیا جس کے بغیر اس کی نجات نہیں، جس کے بغیر کسی کا دین ہی نہیں۔ اور صحت توحید و نبوت کا اعتقاد باطل ہے جو حلال و جائز نہیں۔

ان کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ جس نے توحید و رسالت میں شک نہ کیا وہ کافر ہے اور جس نے ان میں شک کیا وہ نیکوکار اور اپنے فرض کا ادا کرنے والا ہے۔ یہ رسوائی و حماقت ہے کہ اے اللہ ہم اس قول سے اور اس کے ہر قائل سے تیری ہی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر ان لوگوں نے زمانہ استدلال کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس قول کی بنا پر کہ جو خود بھی ملعون ہے اور جس کا معتقد اور جس کی طرف داعی بھی ملعون ہے جس نے ان کی اس وصیت کو جو مردود شیطان کی وصیت ہے قبول کر لیا، توحید و رسالت سے شک میں پڑ گیا، استدلال کی مدت میں چند روز اور چند ماہ اور چند ساعت رہا اور اسی حالت میں مر گیا، تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس کا ٹھکانا اور مقام کہاں ہوگا۔ واللہ دوزخ میں ہوگا اور ہمیشہ وہیں رہیگا۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ان اقوال کے قائل سے تجدید اسلام کا مطالبہ ہوگا، ایسا قائل اسلام کے ساتھ مکر کرنے والا، اہل اسلام کی گھات لگانے والا، اور کفر کی طرف بلانے والا ہے۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بار بار ایک صاع (ساڑھے تین سیر یعنی ۳۔۱/۲ کلو)) جو سے (۱۰۰) سو (۱۰۰) سو اور (۱۰) دس (۱۰) دس آدمیوں کو شکم سیر کرنا، اپنی انگلیوں کے درمیان سے ابلنے والے تھوڑے سے پانی سے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو سیراب کرنا، کھجور کے خشک تنہ کا (آپ کے غم جدائی سے) گنگنانا، (آپ کے بلانے سے) درخت کا آنا (خیبر میں بکری کے بھنے ہوئے) دست کا کلام کرنا (کہ مجھ میں زہر ہے)، اونٹ کا فریاد کرنا (کہ میرا مالک مجھے ذبح کیے ڈالتا ہے)، بھیڑیے کا آنا (اور ایک صحابی کو آپ کے ہجرت کے مدینے میں آنے کی خبر دینا)، ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کے اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

اس لیے کہ ان امور سے آپ نے لوگوں کو تحدی نہیں کی (یعنی مقابلے کی دعوت نہیں دی) ان کے یہاں معجزہ جب ہی ہے جب اس سے کفار کو تحدی کی جائے۔ حالانکہ یہ ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب ہے۔ کیوں کہ جب آپ نے یہ کیا تو فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ نیز یہ وہ قول ہے جو ان لوگوں نے اپنی طرف سے تراشا ہے جس میں تمام اہل اسلام کی انھوں نے مخالفت کی ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اشیاء میں سے کسی شے کا نہ نصف ہوتا ہے نہ ثلث (تہائی) نہ ربع (چوتھائی) اور نہ سدس (چھٹا حصہ) اور ثمن (آٹھواں حصہ) اور نہ عشر (دسواں حصہ) اور نہ بعض (یعنی حصہ یا جزو)۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ فردوس کا دسواں حصہ ہے، نہ یہ کہنا جائز ہے کہ وہ پانچ کا بعض حصہ ہے۔ اس میں ان کی حجت یہ ہے کہ اگر یہ کہنا جائز ہو جائے تو وہ اپنا ہی دسواں حصہ اور اپنا ہی بعض حصہ ہو جائے گا۔

یہ شدید جہل ہے۔ اس لیے کہ وہ منجملہ ان کے بعض ہے جس کے بقیہ اجزاء اسکے غیر ہوں گے اور ان کا دسواں حصہ ہے جن سب کے بقیہ دسویں حصے اس کے غیر و مغایر ہوں گئے۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو بھول گئے اور جزو لایتجزیٰ کے قائل ہو گئے اپنے اوپر اسی الزام کو بھول گئے کہ وہ خود اپنا ہی جزو ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ قرآن میں فرماتا ہے کہ "**فلها النصف فلامه الثلث . فلامه السدس و لكم الربع ولهن الثمن** "(یعنی بیٹی کے لیے نصف ہے۔ پھر میت کی والد کے لیے ثلث ہے پھر میت کی والدہ کے لیے سدس ہے، تمہارے لیے ربع ہے اور بیویوں کے لیے ثمن ہے۔ (یعنی میراث میں یہ سب حصے بتائے گئے ہیں اور ان کی صورتیں بھی بتائی گئی ہیں)۔ اور "**بعضهم اولياء بعض** "(ان میں کے بعض دوسرے بعض کے دوست ہیں)۔ یہ حصص و اجزا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ کثرت ثابت ہیں۔ اور اس کے باوجود اس میں ان کی تمام روئے زمین کے مومن و کافر سے مخالفت ہے اور یہ ہر لغت و منطق کے اور طبائع و فطرت کے بھی خلاف ہے۔

ان سب نے کہا ہے کہ جو یہ کہے کہ آگ جلاتی ہے، یا زمین سرسبز ہوتی اور کوئی چیز اگاتی ہے، یا شراب نشہ لاتی ہے، یا روٹی پیٹ بھرتی ہے یا پانی پیاس بجھاتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کھیتی اور درختوں کو پانی سے اگاتا ہے تو اس نے الحاد و بیدینی کی، افترا کیا اور جھوٹی بات بنائی۔ باقلانی نے اپنی کتاب "**الا نتصار فی القرآن** "کے دفتر چہارم کے آخر میں کہا ہے کہ "ہم آگ کے گرم کرنے اور جلانے کے فعل کے منکر ہیں اور برف کے ٹھنڈا کرنے کے فعل کے اور کھانے پینے کے پیٹ بھرنے اور پیاس بجھانے کے فعل کے اور شراب کے نشہ کرنے کے فعل کے۔ یہ سب ہمارے نزدیک باطل و محال ہے جس کا ہم نہایت شدید انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم سنگ (مقناطیس) کے بھی منکر ہیں یعنی کسی شے یا لوہے وغیرہ کا کھینچنا یا دور کرنا یا اس کا پہچاننا یا چھوڑنا۔ یا اور کچھ"۔ اور یہ اس کے کلام کی نص ہے۔

یہ ان لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ جو فرماتا ہے "**تلفح وجوهم النار** "(آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی "**وانزلنا من السماء ماء مبار كا فانبتنا به جنت وحب الحصيد** "(اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس سے ہم نے باغ اور غلے اگائے)۔ اور اس قول کی "**انا نسوق الماء الى الارض الجرز فنخرج به زرعاتا كل منه انعامهم و انفسهم افلا يبصرون** "(کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ہم خشک افتادہ زمین تک پانی پہنچاتے ہیں پھر اس پانی سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جسے یہ اور ان کے مویشی کھاتے ہیں۔ تو کیا یہ دیکھتے نہیں) اور اس قول کی "**فاذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت و انبتت من كل زوج بهيج** "(پھر جب ہم نے زمین پر پانی نازل کیا تو اس نے سرسبزی پیدا کی اور بڑھایا اور ہر خوشنما چیز

اگائی)۔ مناظرے میں ان کے بعض بزرگوں اور مقدموں پر اس استدلال سے منہ پر طمانچہ لگ گیا، گھبرا کے بدحواس ہو گئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی بھی تکذیب ہے کیوں کہ آپ فرماتے ہیں کہ "**كل مسكر حرام. وكل شراب اسكر حرام**" (ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے۔ اور ہر پینے کی چیز جو نشہ کرے حرام ہے)۔ باوجود اس کے انھوں نے ہر لغت کی اور ہر صاحب حس مسلم وکافر کی مخالفت کی، کھلی ہوئی چیز کی دلیری سے مخالفت کی اور مشاہدے کا ابطال کیا۔

اس کے بعد سب سے زیادہ چالاکی اس بڑی مصیبت میں ان کا یہ استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا ہر زندہ صاحب اختیار کا فعل واختیار اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور مخلوق نہیں ہے۔ اس کا جواب لامحالہ ہاں ہی ہے۔ پھر ان سے کہا جائے کہ تم نے فعل کو زندہ لوگوں کی طرف کہاں سے منسوب کیا۔ حالانکہ وہ (فعل) اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے تم نے جمادات کی طرف فعل کی نسبت کرنے کو اس لیے منع کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر یہ قوم ہی بے عقل ہے۔

میں نے ان کے بعض بزرگوں کو کہتے سنا کہ جو پانچوں گناہ یعنی زنا۔ سرقہ۔ ترک نماز۔ وضیاع زکوۃ۔ وغیرہ پر قائم ہو ان میں سے بعض سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے، تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ سمنانی نے تصریح کی ہے کہ یہ باقلانی کا قول ہے اور یہی ابو ہاشم الجبائی کا قول بھی ہے۔ سمنانی نے کہا ہے کہ یہ قول بالکل خلاف اجماع اور دین امت کے خلاف ہے۔ اور یہ سمنانی کی تصریح اپنے شیخ کے بارے میں ہے "**وشهد واعلى انفسهم واقبل بعضهم على بعض يتلاومون**" (انھوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی۔ اور بعض بعض کی ملامت پر متوجہ ہوئے)

یہ قول قرآن واحادیث کے مخالفت ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**فمن يعمل مثقال ذرة خير ايره ومن يعمل مثقال ذرة شر ايره**" (جو ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اسے بھی دیکھے گا اور جو ذرہ بھر بھی بدی کرے گا اسے بھی دیکھے گا)۔ اور فرمایا ہے "**ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلا تظلم نفس شياء . وان كان مثقال حبت من خردل اتينا بها . وكفى بنا حاسبين**" (اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے۔ چنانچہ کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اگر وہ بہ قدر رائی کے دانے کے ہوگا۔ ہم اسے بھی لائیں گے۔ اور ہم کافی حساب لینے والے ہیں)۔ اور فرمایا ہے "**انی لااضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى**" (بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے مرد یا عورت کا عمل ضائع نہ کروں گا)۔ ہر صاحب عقل بدیہی طور پر جانتا ہے کہ زنا سے توبہ کرنا بہت بڑی خیر ہے۔ لیکن یہ جاہل کہتا ہے کہ وہ صاحب خیر نہیں، یہ مسلم مومن کا ایسا عمل ہے جو اللہ کے نزدیک ضائع ہے۔ **ومعاذالله من هذا**۔

اس لعنتی قول کا راز اور اس کی وہ حقیقت جو اس کے قائل کے لیے ضروری ہے یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز وزکوۃ ادا کرنے کے کوئی معنے نہیں جو زنا وشراب خواری پر اصرار کرے۔ گویا یہ شخص نماز پنجگانہ وزکوۃ وروزۂ رمضان وحج کے ترک کا حکم دیتا ہے۔ لہذا اس قول پر اور اس کے قائل پر پے درپے لعنتیں ہوں جب تک کہ شب وروز کا دورہ رہے۔

سمنانی نے اپنے شیخ باقلانی کے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کبائر سے پرہیز کرنے کی وجہ سے صغائر کی مغفرت نہیں کرے گا۔

میں نے ان کے ایک بزرگ کو سنا جو گناہوں میں صغائر کا منکر تھا۔ میں نے اس سے اس آیت سے مناظرہ کیا کہ "**ان تجتنبوا كبائر ماتنهون عنه نكفر عنكم سيئتكم**" (جن گناہوں سے تمھیں منع کیا جاتا ہے ان کے کبائر سے بچو تو ہم تمھاری بدیوں کا

کفارہ کردیں گے) میں نے کہا کہ ہر صاحب فہم یہ ضرور جانتا ہے کہ بغیر اپنے سے صغیر (چھوٹے) کی طرف نسبت کیے ہوئے کبائر (بڑے گناہ) ہو ہی نہیں سکتے۔ صغیرہ وہی گناہ ہیں جو حسب تصریح کلام اللہ کبائر سے پرہیز کرنے کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ تمھارا یہ قول قرآن کے بالکل خلاف ہوا۔ وہ بدحواس ہو گیا اور اس نے غضب و غصے کی پناہ لی۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور بلا تکلف اس کے حکم کا رد ہے۔

ان لوگوں کی ہوس آمیز خرابی اور بے حیائی میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ نہ آگ میں گرمی ہے نہ برف میں سردی۔ نہ شہد میں شیرینی ہے نہ ایلوے میں تلخی۔ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ محض چھونے اور چکھنے کے وقت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ وہ قدیم حماقت ہے جس کی طرف ان کے انکار طبائع نے رہنمائی کی ہے۔ ہم نے اس پر ان سے مناظرہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے شیخ باقلانی کا یہ قول بھی ہے کہ ”انگور کے چھلکوں میں بو ہے اور شیشے اور کنکریوں میں مزہ اور بو ہے“۔ یہ لوگ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئے کہ انھوں نے کہا کہ فلک میں بھی مزہ و بو ہے۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ انھوں نے کب اسے چکھا یا سونگھا یا اس کے متعلق کس نے انھیں خبر دی۔ اسے سوائے اللہ کے اور پھر سوائے ان ملائکہ کے کہ وہاں ہیں کوئی نہیں جان سکتا۔

جو شیشے کا مزہ چکھے اور اس کی بو سونگھے تو وہ قابل اعتراض نہیں ہے اگر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے فلک کو دیکھا اور اسے چھوا سونگھا اور چکھا ہے۔

ان کی خرابیوں میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ آج جو شخص اخلاص کے ساتھ دین اسلام پر ہے دل سے بھی، زبان سے بھی، اور عبادت میں خوب سرگرم بھی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ وہ کافر ہو کے مریگا۔ تو وہ اس وقت بھی اللہ کے نزدیک کافر ہے۔ جو اس وقت کافر ہے، آگ اور صلیب کو سجدہ کرتا ہے۔ یا یہود یا زندیق ہے اور یہ سب کھلم کھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہے کہ وہ مسلم ہو کے مرے گا تو وہ اس وقت بھی اللہ کے نزدیک مسلم ہے۔

ہشام الفوطی سے پہلے اسے کبھی کسی مسلمان نے نہیں کہا۔ یہ مشاہدے کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی خالص تکذیب ہے۔ گویا انھوں نے کبھی یہ کلام الٰہی نہیں۔ سنا ” **ذلک بانهم آمنو اثم كفروا** “(یہ اس لیے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر انھوں نے کفر اختیار کیا) اللہ تعالیٰ نے انھیں مومنین فرمایا اس کے بعد خبر دی کہ یہ لوگ کافر ہو گئے۔

اور نہ یہ کلام الٰہی سنا کہ ” **ومن یر تد د منکم عن دینه فیمت و هو کا فر** “(اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ کافر ہونے کی حالت میں مرجائے)۔ اس نے اسلام کو دین قرار دیا۔ اس لیے کہ وہ اسی دین پر تھا۔ اگر چہ اس سے پھر گیا۔

اور نہ یہ کلام الٰہی سنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلم اصحابؓ کے خطاب میں ہے ” **و لا تقولو المن القی الیکم السلام لست مؤمنا . تبتغون عرض الحیوة الدنیا فعند الله مغانم کثیرة . کذلک کنتم من قبل فمن الله علیکم فتبینو ا** “ (جو تمھیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو۔ تو اللہ کے یہاں بہت سے اموال غنیمت ہیں۔ پہلے تم ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔ لہذا خوب غور کرو)۔

مرجیہ کو یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص کا باپ اسلام لائے اور وہ خود اسلام نہ لائے اس لیے کہ وہ بالغ تھا، پھر اس کا باپ مرجائے تو یہ شخص اپنے کفر کی وجہ سے اس کا وارث نہ ہوگا۔ پھر وہ اسلام لایا تو انھیں لازم ہے کہ یہ اپنے حکم کو فسخ کردیں اور اسے اس کے باپ سے

میراث دلائیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک جب اس کا باپ مرا ہے تو وہ شخص یعنی بیٹا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلم تھا۔ انھیں یہ بھی لازم ہے کہ جو بچہ تھا۔ پھر وہ زندہ رہا یہاں تک کہ بوڑھا ہو گیا تو وہ اللہ کے نزدیک بوڑھا ہی ہو۔ اگر ان کی قابل اعتراض باتیں جمع کی جائیں تو ان سے ایک بڑا دفتر مرتب ہو جائے۔

ان سب نے کہا ہے کہ روئے زمین پر کوئی یہودی یا نصرانی ایسا نہیں ہے جو اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کا اقرار کرتا ہو۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ قرآن مجید کی تکذیب اور مشاہدے کی مخالفت ہے اس لیے کہ ہم لوگ شمار نہیں کر سکتے کہ ان میں سے کتنے اسلام میں داخل ہوئے، ان کا ایمان درست تھا اور وہ عادل ہو گئے۔ ان میں سے کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں کرتا کہ اپنے اسلام سے قبل اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتا اور اسے جانتا تھا۔ جس طرح اپنے اسلام کے بعد کرتا ہے۔ اس کی توحید میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوا۔ ان لوگوں نے مشاہدے کی مخالف اور اپنی حماقت اور بے نظیر بے حیائی سے قرآن کی تکذیب کی۔

باقلانی نے اپنی کتاب ''الانتصار فی القرآن'' میں کہا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے ان اقوال کے معنی کہ'' **لا یر ضی لعبادہ ا لکفر** ''(وہ اپنے بندوں کے لیے کفر سے راضی نہیں) اور ''**لا یحب الفساد**'' (وہ فساد کو پسند نہیں کرتا) اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ اہل صلاح کے لیے فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے مومن بندوں سے راضی نہیں کہ وہ کفر کریں۔ اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ مخلوق میں سے کسی کے کفر سے راضی نہیں اور وہ کسی کا بھی فساد پسند نہیں کرتا''۔ اس کے بعد اس نے کہا ہے کہ ''اگر چہ وہ اہل کفر و اہل فساد کے لیے اس سے راضی ہوا اور اس نے اسے پسند کیا ہے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی محض تکذیب ہے۔ پھر یہ خبر کہ کفار نے جو کفر کیا وہ ایک ایسا امر ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور اس نے اسے ان سے پسند کیا۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے کسی مسلم کی عقل میں کیسے آ سکتا ہے ''**اتبعو اما اسخط اللہ و کر ھو ا رضوانہ فاحبط اعمالھم** ''(ان لوگوں نے ایسے امور کی پیروی کی جنھوں نے اللہ کو ناراض کر دیا۔ اور انھوں نے اللہ کے راضی ہونے کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے)۔ اس کی ظلمت جہل پر تعجب کرنا چاہیے جو ارادہ کفر و مشیت کفر میں اور تخلیق کفر اور رضاء و محبت کفر میں فرق نہ کرے۔

اسی میں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کی سب سے چھوٹی سورۃ بالکل معجزہ نہیں۔ بلکہ اس کے مثل پر قدرت حاصل ہے۔ کتاب مذکور کے دفتر پنجم میں یہ بھی کہا ہے کہ ''اگر کہا جائے کہ تم کیا کہتے ہو۔ آیا اللہ تعالیٰ سے یہ ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرا قرآن تالیف کرے جو اس کے سوا ہو اور اس کے مقابلے سے خلق کو عاجز کر دے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اس قسم کے بے شمار قرآنوں پر قادر ہے اور ایسی کثیر و بے تعداد مقداروں پر قادر ہے جن کا بجز اس کے کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ بجز اس کے کہ تالیف کلام اور نظم الفاظ اس حد و انتہا تک پہنچے کہ کلام میں اسے زیادہ کثرت و وسعت کا احتمال نہ ہو اور ان اعداد کے پیچھے کوئی نص و تصریح نہ باقی رہے۔ وزن ایسی چیز ہے کہ احاطہ قدرت سے خارج نہیں۔

اس نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں ہماری نظر تالیف کلام و نظم اجسام و تصویر اشخاص میں ہے کہ آیا ایسی حد ضروری ہے جس سے مولف و مرکب و منظوم میں اس سے اوپر اور اس سے زائد کا احتمال نہ رہے۔ یا نہیں۔

اس مقام پر اس نے اللہ کی قدرت کے بارے میں شک کی تصریح کر دی کہ آیا وہ محدود ہے جیسا کہ اس کا برادر کفر و گمراہی ابو الہذیل

کہتا ہے۔ یا غیر محدود ہے جیسا کہ اسے اہل اسلام کہتے ہیں۔ **و نعوذ بالله من الضلال۔**

ایک ایسے شخص نے جس کی ان لوگوں میں آمدورفت تھی، ان سے اس کا زبردست تعلق تھا۔ مجھے خبر دی ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا ہے تو اس نے ایک بہت بڑے جسم کو بھی پیدا کیا جو اسے نیچے گرنے سے روکے۔ مگر جب اس نے اس جسم کو پیدا کیا تو اس کو اس وقت بغیر کسی توقف کے فنا کر کے دوسرے جسم کو پیدا کر دیا جو اسے روکے جب اسے پیدا کیا تو پیدا کرنے کے بعد ہی بغیر کسی توقف کے اسے بھی فنا کر کے ایک اور جسم پیدا کر دیا، اسی طرح وہ ہمیشہ کرتا رہے گا"۔ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا کہ اس وسوسے اور اللہ پر بہتان کے متعلق جس کا ان کے قبل کوئی قائل نہیں ہوا اور جس کی حس و مشاہدہ بھی تکذیب کرتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ "زمین کے لیے کسی روکنے والے جسم کی ضرورت ہے ورنہ جھک جائے گی۔ اگر وہ جسم دو وقت باقی رہے یا بہ قدر پلک جھپکنے کے بھی باقی رہے تو خود بھی زمین کے ساتھ گر پڑے لہٰذا وہ پیدا کیا گیا اور اپنی پیدائش کے بعد فوراً" فنا کر دیا گیا اور گرا نہیں"۔ اس لیے کہ "جسم ان کے یہاں اپنی ابتدائی خلقت میں نہ ساکن ہے نہ متحرک"۔

یا استدلال بھی حماقت بالائے بالائے حماقت ہے۔ کبھی کسی کی عقل میں ایسا جسم نہ آیا ہوگا جو نہ ساکن ہو نہ متحرک۔ جسم کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو وہ ایسے مکان میں تھا جو اسے اس کے تمام اطراف و جہات سے گھیرے ہوئے تھا اور بلاشک وہ جسم ابتدائے خلقت میں اپنے مکان میں ساکن تھا اس کے بعد متحرک ہوا۔ جیسے ان لوگوں نے یہ کلام الٰہی سنا ہی نہیں " **ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزو لا** " (بے شک اللہ ہی زمین و آسمان کو ہٹنے سے روکے ہوئے ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہی بغیر تکلف کے جس طرح اس نے چاہا انھیں روکے ہوئے ہے جس کی اس نے ہمیں خبر نہیں دی اور نہ اس نے عقول میں اس پر کوئی دلیل پیدا کی۔ اگر اس حماقت کا قائل حق سے واقف ہوتا اور علم ہیت کے دلائل و براہین کا مطالعہ کرتا تو جس حماقت کو لایا ہے اس سے شرمندہ ہوتا۔

ان کی خرابی میں سے اسی باقلانی کا وہ قول ہے جو اس کی کتاب "الانتصار فی القرآن" میں ہے کہ "آیات قرآن کی تقسیم اور سورتوں کے مقامات کی ترتیب وہ چیز ہے جسے لوگوں نے کیا، وہ نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہے"۔

یہ جاہل جھوٹا ہے اور اس نے تہمت لگائی ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ اس نے قرآن کی یہ آیت نہ سنی ہوگی "**ما ننسخ من آیته او ننسها نات بخیر منها او مثلها** " (ہم کوئی آیت نہ منسوخ کرتے ہیں اور نہ اسے بھلاتے ہیں کہ اس سے بہتر یا برابر آیت نہ لاتے ہوں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد آیت کرسی و آیت کلالہ (لاولد) کے بارے میں نہ سنا ہوگا اور یہ حدیث نہ سنی ہوگی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ کے فلاں مقام میں درج کیا جائے۔ اگر لوگ اس کی سورتوں کو مرتب کرتے تو وہ تین میں سے کسی ایک وجہ سے تجاوز نہ کرتے کہ یا تو نزول کے اعتبار سے اول کو پھر اول کو مرتب کرتے۔ یا اطول پھر اس سے کم طویل کو مرتب کرتے، یا اکثر کو پھر اس سے زائد کو مرتب کرتے مگر چونکہ یہ ترتیب اس طرح کی نہیں ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس کا رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے معارض نہیں ہے۔ اس کے سوا اور کچھ قطعاً ناممکن ہے۔

ان کی خرابیوں میں باقلانی کا وہ قول ہے جو اس کی "کتاب فی مذاہب القرامطہ" میں ہے۔ کتاب کے ختم کے قریب ایک باب ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ "دہریہ و فلاسفہ و ثنویہ کے مقالات کا اجمالی بیان"۔ اس میں باقلانی نے کہا ہے کہ "اجناس حوادث" میں سے جس کا

باقی رہنا محال ہے وہ اعراض ہیں۔ کیوں کہ حدوث کے دوسرے حال میں بغیر کسی معدوم کرنیوالے کے اسکا عدم ضروری ہے اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اسے فنا کرے''۔ یہ اس کے کلام کی نص و تصریح ہے۔

اسی فصل کے متصل اس نے کہا ہے کہ ''ہم تو کہتے ہیں کہ جواہر فنا ہوتے ہیں۔ ہماری مراد ان کی ہستی و وجود کے اس طرح منقطع ہونے سے ہے کہ ان جواہر کا وجود ہی نہ رہے نہ کسی مکان میں نہ کسی ایسی شے میں جس میں مکان کو فرض کیا جا سکے۔ جب ان جواہر میں وجود میں سے کچھ بھی شامل نہ رہا تو وہ چیز معدوم ہو گئی جس میں ان میں سے کوئی ایسی چیز پیدا کی جائے کہ ان کے معدوم ہونے کی موجب ہو''۔ یہ اس کے کلام کی نص ہے۔ اور یہ جواہر و اعراض کے فنا کرنے کا قائل ہونا ہے۔ یہ وہ فنا اور معدوم کرنا ہے جن کا کوئی فاعل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی فنا ہونے والے کو فنا نہیں کیا، ہم اس خالص الحاد و گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان سب نے یہ کہا ہے کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کا کوئی دینی انعام ہرگز نہیں ہے۔ ان کے شیخ اشعری نے کہا ہے کہ کفار پر اللہ کی کوئی دنیوی نعمت بھی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ اس کی اور اس کے گمراہ پیروؤں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ فرمایا ہے کہ **بدلوا نعمة الله كفر اواحلو اقو مهم دار البوار جهنم يصلو نها و بئس القرار** ''(ان لوگوں نے کفر سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدل دیا اور اپنی قوم کو مقام ہلاکت یعنی جہنم میں اتار دیا جس میں خود بھی داخل ہوں گے اور جو بہت برا ٹھکانا ہے)۔ اور فرمایا ہے'' **یابنی اسرائیل اذکر وانعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العلمین** ''(اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں اور میں نے تمھیں تمام عالموں پر فضیلت دی)۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کفار کو لا جواب کرنے کے لیے اس آیت میں خطاب فرمایا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کیا تھا۔

دنیوی نعمتیں بھی بہت ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ'' **قتل الا نسان ما اکفره من ای شیئی خلقه من نطفة . خلقه فقدره ثم السبیل یسره ثم اماته فاقبره . ثم اذا شاء انشره . کلا لما یقض ما امره . فلینظر الانسان الی طعامه انا صببنا الما ء صبا ثم شققنا الارض شقا. فانبتنا فیها حبا و عنبا و قضبا وزیتونا و نخلا وحد ائق غلباو فاکهة وابامتاعا لکم ولا نعامکم** ''(آدمی پر خدا کی مار، یہ کیسا ناشکر گذار ہے۔ اللہ نے اسے کاہے سے پیدا کیا، نطفے سے۔ اسے پیدا کیا پھر اسے اندازے سے بنایا پھر اس کے لیے راستہ سہل کر دیا۔ پھر اسے موت دی پھر اسے قبر میں جگہ دی۔ پھر جب چاہے گا اسے اٹھائے گا۔ اس نے اب تک اس حکم کی بجا آوری نہیں کی جو اس کو دیا تھا۔ پھر انسان کو اپنی خوراک کی طرف نظر ڈالنا چاہیے کہ ہم نے کس طرح پانی برسایا۔ پھر کس طرح زمین کو شق کیا۔ پھر ہم نے کس طرح اس میں غلے انگور ترکاری زیتون کھجور گھنے ہوئے باغ اور میوہ اور چارہ پیدا کیا۔ جو تمھارے اور تمھارے مویشی کے فائدے کے لیے ہے)۔ اس قسم کا مضمون قرآن میں بہت ہے۔

باقلانی نے اپنی کتاب ''الانتصار فی القرآن'' کے اس باب میں کہا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ ''قرآن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ ان لوگوں نے ملحدین کا وہ سوال بیان کیا ہے جس میں مسلمانوں سے اس دعوے کی صحت پر دلیل مانگتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے۔ باقلانی نے کہا کہ انھیں جواب دیا جائے کہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نشانیوں کے معجزہ کہنے کے کیا معنی ہیں۔ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ یہ ان اشیاء میں سے ہے جس پر بندے قادر نہیں اور درحقیقت یہ اس سے عاجز ہیں۔ لیکن قرآن اور رسولوں کی دوسری نشانیاں مثلاً عصائے موسیٰ اور پتھر سے اونٹنی کا نکلنا۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کا شفایاب ہونا اور مردوں کا زندہ کرنا۔ ان امور کو معجزہ کہنا،

اگر چہ کسی عاجز کا عجز ان کے متعلق نہیں ہوا ہے، یہ صرف ان امور کے نام پر نام رکھ لینا ہے جن سے بندوں کا اور ان کی قدرت کا عجز ثابت ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ رسولوں کی نشانیوں کا مقابلہ کرنے سے محض اس لیے عاجز رہے کہ انھیں اس پر قدرت نہ تھی۔ ان امور سے عاجز کہنا ان امور کی مشابہت کی وجہ سے ہے جن سے واقعی عجز ہے۔

باقلانی نے کہا ہے کہ وہ چیز جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ عرب کا قرآن کے مثل لانے سے عاجز ہونا ممکن نہیں اس لیے کہ یہ درست و ثابت ہے کہ عجز جب ہی ہوتا ہے جب عجز موجود سے ہو۔ اگر یہ لوگ اسی قاعدے پر قرآن وعصائے موسیٰ واحیائے موتی سے اور اجسام کے پیدا کرنے اور سنانے سے اور دکھانے سے اور پریشانی ومصائب کے دور کرنے سے عاجز ہیں تو ضروری ہے کہ یہ مثال ان کے اندر موجود ہو اور ان سے صادر ہو۔ جیسا کہ اگر یہ لوگ اس پر قادر ہوتے تو اسکا صادر ہونا ان سے ضروری تھا۔ جب یہ ایسا نہیں ہے تو ثابت ہو گیا کہ درحقیقت بندوں کا قرآن کے مثل سے عاجز ہونا، باوجودیکہ ان سے اس کا صدور معدوم ہے اور انکے لیے اس کا موجود نہ ہونا، اور عصائے موسیٰ کے سانپ بنانے سے اور اس کے مثل سے عاجز ہونا ممکن نہیں۔

کیا اس کفر کے بعد کسی اور کفر کی تصریح کا انتظار کیا جائے گا کہ بندوں کو اور عربوں کو قرآن جیسا مصحف، عصائے موسیٰ جیسی لاٹھی لانے، اور عصا کے سانپ بنانے سے عاجز ہونا غیر ممکن ہے۔ کوئی کمزور بھی یہ کہنے میں دھوکا نہ کھائے گا کہ یہ لوگ ان امور پر قادر نہیں ہیں۔ یہ محض اس کے اس قول کی بنا پر ہے جو مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اور جو اس سے ظاہر ہوا اس کے سوا پر وہ قادر نہ تھا۔ اس فصل میں اس کا یہ قول عظیم الشان محال ہے کہ ”عاجز کا عجز صرف اسی چیز سے ممکن ہے جس پر وہ قادر بھی ہو“۔ اس کے ساتھ ہی اس کا یہ کلام اس امر کا موجب ہے کہ اگر عرب اور بندے قرآن کے مثل سے عاجز رہے تو وہ اس پر قادر تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ بلاشک یہ شخص اسلام کو فریب دینے والا ملحد تھا۔ کیوں کہ یہ وہ اقوال ہیں جنھیں کسی مسلمان کی زبان ادا نہیں کرسکتی۔

باقلانی کے کفر اور دین میں مکاری پر برہان اس کا وہ قول ہے جو باب مذکور فصل مذکور میں ہے کہ ”جو شخص قرآن کو محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے اس پر یہ واجب نہیں کہ فوراً اس کا یقین کر لے کہ یہ آپ کا معجزہ ہے یا آپ پر ظاہر ہوا ہے اور آپ ہی کے متعلق ظاہر ہوا ہے، تاوقتیکہ آس پاس والوں اور واقعات کے نقل کرنے والوں سے دریافت نہ کر لے اور اطراف کے اس زبان کے بولنے والوں سے دریافت نہ کر لے جب تحقیق کے اور غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ آپ سے پہلے اسے کسی نے پیش نہیں کیا تو اس وقت اسے آپ کی نبوت کا اعتقاد لازم ہے۔

اس شخص کو اس کا اندیشہ تھا کہ لوگ اس کو کتے کی طرح پتھر ماریں گے اگر یہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطل ہونے کی تصریح کرے گا، اس لیے اس نے لوگوں سے ایک ایسی چیز بیان کر دی جو قریب ہی سے انھیں اس امر تک پہنچا دے۔ کیوں کہ اس نے یہ ضروری کر دیا کہ کوئی شخص محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہ کرے، نہ اس کا کہ آپ قرآن لائے اور نہ اس کا کہ قرآن آپ کی صحت نبوت کی نشانی ہے تاوقتیکہ وہ اطراف وجوانب کے لوگوں سے دریافت نہ کر لے، خبروں کا انتظار کرے، اور دنیا کے عربی بولنے والوں سے حال دریافت کر لے۔

واللہ، اس نے ایسے کام کا حوالہ دیا ہے جو کبھی ختم ہی نہ ہوگا، اگر چہ انسان کو عمر نوح علیہ السلام دے دی جائے۔ اس لیے کہ اہل اطراف وجوانب کا سوال ایک ہزار برس میں بھی ختم نہ ہوگا اور اخبار کے انتظار کے لیے بھی کوئی حد نہیں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ پردہ

نشین عورت اور طالب معاش انسان اس امر محال کے ایک کنارے تک بھی کب اور کیسے پہنچ سکے گا۔ اہل اطراف وجوانب تو وہ لوگ ہیں جو ابتدائے چین سے آخر اندلس تک، وہاں سے بلادزنج تک وہاں سے صقالیہ تک، اوران ممالک کے درمیان تک ہیں، لہذا اس جاہل ملحد کا کفر اور اسلام کے لیے اس کی مکاری جسے ادنی سی حس ہے اسکے لیے بھی واضح ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس میں اس کا مکر وکید کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’**ان کید الشیطن کان ضعیفا**‘‘ (بے شک شیطان کا مکر وکید کمزور ہے)۔

اس فصل میں جس کا قائل ملعون ہے، وہ جو حماقت لایا ہے اس کے لیے یہ کافی ہے کہ جسے اخبار وعربیت کا زبردست علم ہے، اسے عربوں کا اس وقت سے لے کے اب تک آپ کے مقابلے سے عاجز رہنے کا یقین کافی ہے۔ یہ بدیہی بات ہے کیوں کہ قرآن سب کا سب ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا کہ اس باب میں کسی کا دعوی مقابلہ ممکن ہوتا، قرآن تو ہر واقعے میں فیصلہ کرنے کے لیے نازل کیا گیا جب وہ واقعہ پیش آیا تو اس کے بارے میں قرآن نازل ہوتا تھا، یہ وہ بدیہی بات ہے جو ضروری ٹھہراتی ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس تھا جو اللہ کی وحی کے ذریعے سے کہ آپ کو بھیجی گئی ظاہر ہوا۔ امور غیب کی ان پیشین گوئیاں بھی اس میں تھیں جن کی آپ نے اطلاع دی اور وہ ظاہر ہوئیں۔ لیکن جسے لغت واخبار وتاریخ کا علم نہیں اسے اسی کا خبر دینا کافی ہے جس کے خبر دینے سے علم ویقین ہوجائے کہ عرب اس قرآن کے مثل لانے سے عاجز رہے اور آپ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے لائے جو ان واقعات کے پیش آنے پر اللہ تعالیٰ ایک یا دو آیتوں میں اور قرآن وتوریت کے ایک یا دو کلمات میں نازل فرماتا تھا۔ یہاں تک کہ (تھوڑا تھوڑا) کر کے یہ اس طرح مکمل قرآن ہوگیا جس طرح اب ہے۔ یہی حق ہے اور اس کے سوا محض الحاد اور بیہودہ کلام ہے۔

ان کے خالص کفر میں سے سمنانی کا وہ قول ہے جو اس نے باقلانی کے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ وہ تمام معاصی جن میں سے ہم کسی کو بھی مستثنی نہیں کرتے جن کا بخش دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو، بجز تبلیغ میں کذب کے، بقیہ تمام گناہوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونا ممکن ہے۔ باقلانی نے کہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے منع کیا جائے اس کے بعد آپ اسے کریں تو آپ کا یہ فعل اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ممانعت منسوخ ہوگئی ہے۔ کیوں کہ آپ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے طور پر بھی کر سکتے ہیں۔

باقلانی نے کہا ہے کہ آپ کے اصحاب پر آپ کے اس فعل پر اعتراض کرنا فرض نہیں۔ سمنانی نے کتاب الامامۃ میں کہا ہے کہ اگر اس پر دلالت عقلی نہ ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ میں جھوٹ بولنے سے محفوظ ومعصوم ہیں تو تبلیغ میں بھی آپ کا معصوم ہونا اسی طرح واجب نہ ہوتا جس طرح علاوہ تبلیغ کے آپ اپنے تمام افعال واقوال میں معصوم نہیں ہیں۔

اسی نے ایک دوسرے مقام پر کہا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادائے رسالت کے بعد کفر کریں۔

قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ قول کسی ایسے مسلم کا نہیں ہوسکتا جو آپ کا ناصر اور آپ کی طرف داعی ہو اس کا قائل بجز کافر وملحد کے کوئی نہیں ہوسکتا۔ تمھیں جاننا چاہیے کہ اس نے کفر وزنا واغلام وحرام کاری وسرقہ وتمام معاصی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جائز رکھا ہے۔ اسلام کے لیے اس سے بڑا اور کونسا مکر ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھی ابن فورک نے روکا اور اس کا انکار کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صغایر معاصی کو جائز رکھا ہے، مثلاً عورتوں کی بوسہ بازی، عورتوں کا اپنے تئیں نمایاں کرنا، لڑکوں کا جلق لگانا اور اسی قسم کے گناہ۔

لیکن ان دونوں کے شیخ ابن مجاہد البصری کی پیروی نہیں کی گئی کیوں کہ اس نے ان سب امور سے منع کیا ہے۔ اس سے اللہ کی پناہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عمداً کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ جائز رکھا جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے’’ **لقد کان لکم فی**

رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (بے شک تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بہترین نمونہ ہے)۔ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی عاصی کی معصیت کو خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ نمونہ بنانے کا حکم دے۔

تمھیں اس ملحد کے دین کو اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے سے تعجب کرنا چاہیے کیوں کہ یہ یہاں یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ پر فرض نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے پروردگار کی نافرمانی پر اور اپنے اس حکم کی خود ہی مخالفت پر جو آپ نے صحابہ کو دیا ہے اعتراض کرتے۔ حالانکہ یہی شخص اپنے مسئلہ قیاس کی تائید میں یہ کہتا ہے کہ صحابہؓ میں سے جو قیاس کریں، ان کا قیاس، اور جو اپنے انکار واعتراض سے سکوت کریں ان کا سکوت، اس کی دلیل ہے کہ قیاس سے حکم دینا واجب ہے۔ اس لیے کہ وہ حضرات کسی امر منکر کو باقی نہیں رکھتے تھے مگر اس نے معاذ اللہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل اعتراض فعل پر قائم رہنے کو ثابت کر دیا۔ اور ان کے قیاس پر قائم رہنے کا انکار کر دیا اگر وہ منکر ہوتا۔ اس نے اس میں مناقضہ وکذب کو صحابہؓ پر قیاس کا دعوی کرنے میں، اور اس دعوے میں کہ یہ سب لوگ صحابہؓ کے قیاس سے واقف تھے، اور اس دعوے میں کہ صحابہؓ نے آپ پر اعتراض نہیں کیا، جمع کر دیا، اور جو لوگ کذاب اور دین سے کھیلنے والے ہوتے ہیں ان کی یہی صفات ہیں۔

ان کے زبردست مصائب میں سے وہ ہے جو سمنانی نے باقلانی سے حکایت کی ہے کہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اہل زمانہ سے رسالت کی حالت میں اور اسکے بعد وفات تک آپ کا افضل ہونا ضروری ہے۔ کچھ لوگوں نے آپ کے افضل ہونے کو واجب کہا ہے اور کچھ لوگوں نے اس کو غیر ضروری کہا ہے۔ باقلانی نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

واللہ یہ تو ایسا کفر ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔ کیوں کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد کسی اور کا آپ سے افضل ہونا جائز رکھا۔ حالانکہ ہم نے احمد بن خابط پر جس چیز پر اعتراض کیا ہے وہ اس سے کمتر ہے کیوں کہ اس نے یہ کہا ہے کہ ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زہد میں زیادہ تھے۔ باوجودیکہ اسی ذلیل باقلانی کا ایک قول ہے جسے سمنانی نے اس سے اپنی کتاب "الکبیر" باب الامامتہ میں نقل کیا ہے کہ شرط امامت میں سے ایک یہ ہے کہ امام اپنے زمانے والوں سے افضل ہو۔

دین کے ساتھ کیسی عیاری ہے کہ اس کافر کے نزدیک ایسے لوگوں کا جو نبی ورسول نہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہونا تو جائز وممکن ہے مگر اس کے نزدیک یہ ناجائز ہے کہ کوئی ایسا شخص والی امامت بنے کہ لوگوں میں کوئی اس سے افضل موجود ہو۔ یہ حماقت بھی کھلی ہوئی حماقت ہے۔ اس لیے کہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔ ایک کے دوسرے سے افضل ہونے کا یقین بجز اللہ تعالیٰ کی جانب سے نص و تصریح کے ناممکن ہے۔ قریش کے سب سے افضل کا کیسے احاطہ کیا جائے حالانکہ یہ لوگ اقصائے سندھ و کابل ومکران سے اشبونہ تک وہاں سے ساحل بحر محیط تک، ساحل بحر یمن سے آرمینیہ کی سرحدوں تک، آذربائیجان تک، اور ان ممالک کے درمیان بھی مقیم ہیں۔ اے اللہ اس پر لعنت کر جو نہ شرمائے۔

کمینے باقلانی سے تعجب یہ ہے کہ اس نے خلاف اجماع ابوحنیفہ رضی تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ یقین کر لیا کہ انھوں نے (نماز میں) بزبان فارسی قرات کی اجازت دی ہے۔ باقلانی یہ بھی تصریح کرتا ہے کہ آیات قرآنی کی ترتیب بربنائے نص نہیں۔ بلکہ اجماع پر مبنی ہے۔ امام مالک نے اس شخص کو اس کی اجازت دی ہے کہ جو طلوع وغروب آفتاب کے وقت تلاوت کرے، سجدے کی آیت آجائے تو وہ آیت سجدہ سے پہلے کی آیت کو آیت سجدہ کے بعد کی آیت سے ملا دے۔ اس کے نزدیک امام مالک اجماع کے مخالف ہو گئے۔ اس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ امام

شافعی اپنے اس قول میں اجماع کے مخالف تھے کہ ’’بسم اللہ الرحمن الرحیم ‘‘سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ داؤد نے ابطال قیاس کا قائل ہو کر اجماع کی مخالفت کی ہے۔ یہ جاہل شرماتا نہیں کہ جو صفت جہالت خود اس کی ہے علما کو اس سے موصوف کرتا ہے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ عاصم وابن کثیر اور دوسرے قراء اور صحابہ کا بھی ایک گروہ وہی کہتا ہے جو شافعی کا قول ہے جس کو اس نے خلاف اجماع قرار دیا ہے۔

کبھی کسی صحابی سے کوئی روایت ایسے طریق سے نہیں آئی جو ثابت ہو کہ قیاس سے حکم دینا واجب ہے۔ حالانکہ انکار قیاس کو ابن مسعود و مسروق و شعبی وغیرہم نے کہا ہے، لیکن اللہ ہی جسے گمراہ کرے اسے کون ہدایت کر سکتا ہے۔

اس کے عجائب میں سے اس کا یہ قول ہے کہ عامی کو جب کوئی واقعہ پیش آئے تو اس کا فرض ہے کہ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ وعالم سے دریافت کرے۔ جب وہ اسے فتوی دیدے تو اس پر عمل کرنا اس کا فرض ہے۔ اگر دوبارہ اسے یہی واقعہ پیش آئے تو اسے اس فتوے پر عمل کرنا جائز نہیں۔ البتہ دوبارہ دریافت کرے۔ خواہ اسی فقیہ سے یا دوسرے سے۔ اس دوسرے فتوے پر عمل کرنا اس کا فرض ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ کرتا رہے۔

یہ تکلیف مالا یطاق ہے کیوں کہ اس نے ہر عامی پر یہ واجب کر دیا ہے کہ وہ ہر ضرورت کو جو نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ نکاح۔ بیع وشراء میں پیش آئے، ہمیشہ دریافت کرتا رہے اور ہر چیز کو روز بلکہ ہر گھڑی پوچھتا رہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہوگی۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان .**

ان جماعتوں کی شناعت جن کے فرقے معروف نہیں

صوفیہ کے ایک گروہ نے یہ دعوی کیا ہے کہ اولیاء اللہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام سے افضل ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو شخص ولایت کے انتہائی مرتبے پر پہنچ جاتا ہے اس سے تمام شرائع ساقط ہو جائے، یعنی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ وغیرہ۔ اسکے لیے تمام حرام امور حلال ہو جاتے ہیں۔ یعنی زنا و شراب خواری وغیرہ۔ اسی سے ان لوگوں نے دوسروں کی عورتوں کو مباح کر لیا ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم لوگ اللہ کو دیکھتے ہیں اس سے کلام کرتے ہیں، اور جو کچھ ہمارے دلوں میں ڈالا جاتا ہے وہی حق ہوتا ہے۔

میں نے صوفیہ میں سے ایک شخص ابن شمعون کا کلام دیکھا ہے جس کی نص و تصریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی ماہیت ہے اور ماہیت کے پورا کرنے والے چھتیس حرف ہیں جن میں سے ان حروف ہجاء میں صرف ایک حرف ہے۔ اسی ایک حرف سے اہل مقامات حق تک پہنچتے ہیں

اس نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے ایسے شخص نے خبر دی ہے جس کی حق سے ہم نشینی جاری تھی کہ اس نے ایک روز اپنا پاؤں پھیلایا تو ندا دی گئی کہ بادشاہوں کے ہم نشین ایسے نہیں ہوتے۔ اس کے بعد اس نے اپنا پاؤں نہیں پھیلایا۔ مطلب یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مجالس میں اس کا ہم نشین وندیم تھا۔

ابو حاضر نصیبی باشندہ نصیبین نے اور ابو الصباح السمر قندی نے اور ان دونوں کے اصحاب نے کہا ہے کہ مخلوق ازل سے اللہ تعالیٰ کے

ساتھ ہے۔

ابوالصباح نے کہا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال نہیں۔ اس نے ابو بکرؓ کے قتال مرتدین کے فعل کو غلط کہا ہے اور ان صحابہ کے قول کو درست کہا ہے جو مرتدین کی جنگ میں ابو بکرؓ سے پھر گئے تھے۔

ابوشعیب القلاّل نے کہا ہے کہ اس کا رب ایک جسم ہے بصورت انسان ہے۔ گوشت اور خون ہے، خوش و رنجیدہ رہتا ہے اور بیمار وتندرست ہوتا ہے۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس کا رب گلیوں میں پھرتا ہے، حتیٰ کہ دیوانے کی طرح چلتا ہے، پتھر لے کے بچے اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اس کا پاشنہ خون آلود کر دیتے ہیں۔

تمھیں جاننا چاہیے (اللہ تم پر رحمت کرے) کہ یہ سب خالص کفریات اس قوم کے اقوال ہیں جو اسلام کے ساتھ مکاری کرتی ہے۔

شاعر نے سچ کہا ہے۔

اشهد ت بان ابن المعلّم حازل”   باصحابه و الباقلانی اهزل
(میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن المعلم اپنے پیروؤں سے ہزل کرتا ہے،   اور باقلانی اس سے بھی زیادہ ہزال ہے)۔

وما الجعل الملعون فی ذاک دونه   و کلهم فی الا فک و الکفر منزل
(جعل ملعون بھی اس امر میں باقلانی سے کم نہیں۔ بہتان وکفر میں یہ سب کے سب اترے ہوئے ہیں)۔

واللہ، جو انھیں مقبول مانتے ہیں اور ان کی نسبت حسن ظن رکھتے ہیں وہ اسی طرح دھوکے میں ہیں جس طرح دوسرے شاعر نے کہا ہے کہ۔

وساع مع السلطان یسعی علیهم   ومحترس من مثله وهو حارس
(وہ چغلخور ہے جو سلطان سے ان لوگوں کی چغلی کھاتا ہے۔   ایسے ہی لوگوں سے بچنا چاہیے باوصف اس کے کہ خود ہی وہ نگہبان ہیں)۔

اللہ تم پر رحمت کرے، تمھیں جاننا چاہیے کہ جتنے گمراہ فرقے تھے اللہ نے ان کے ہاتھ سے کوئی خیر نہیں جاری کی، نہ ان کے ذریعے سے کفر کے ممالک میں سے کوئی گاؤں فتح ہوا، اور نہ اسلام کا علم بلند ہوا۔ یہ لوگ برابر مسلمانوں کے نظام کے بگاڑنے کی سعی کرتے رہے، کلمہ مومنین میں پھوٹ ڈالتے رہے۔ اہل دین پر تلوار کھینچتے رہے اور ملک میں فساد پھیلانے کے لیے دوڑتے رہے۔ خوارج وشیعہ کی حالت اس میں اتنی مشہور ہے کہ اس کے بیان کی تکلیف کی بھی ضرورت نہیں۔ باطنیہ بھی اسلام سے مکر کرنے اور کمزوروں کے اسلام سے نکال کر کفر میں لے جانے میں اسی طریقے پر پہنچے جو شیعہ کا تھا مرجیہ بھی اسی طرح رہے۔ حارس بن سریج نے اپنے گمان کے مطابق ظلم کو برا جان کر بغاوت کی پروہ ترکوں میں مل گیا اور ملک اسلام تک اس نے کافر ترکوں کی رہنمائی کی۔ جس کی بنا پر ترکوں نے اسلامی شہروں کو لوٹا اور پردہ دری کی۔ معتزلہ کی بھی یہی سبیل تھی۔ بجز اسکے کہ معتصم و واثق (خلفائے عباسیہ) جہالت کی وجہ سے اور اس گمان کی بنا پر کہ معتزلہ بھی کچھ ہوں گے، ان کے مقلد ہو گئے۔ معتصم کی بہت اچھی فتوحات تھیں۔ بابک و مازیار پر اس کی فتح۔

رہے دوسرے فرقے، تو اللہ، اللہ، مسلمانو، اپنے دین کی حفاظت کرو۔ ہم نے اللہ کی مدد سے اس میں تمھارے لیے کلام کو جمع کر دیا

ہے۔ قرآن کی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندی کرو۔ ان طریقوں پر چلو جن پر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور ہر ہر زمانے کے اہل حدیث تھے کہ حدیث کو تلاش کرتے تھے اور حدیث ہی کی پابندی کرتے تھے۔ اور ہر نئے طریقے کو چھوڑ دیتے تھے جو بدعت ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہوگی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ جو کلام بدعتی نفس پرستوں اور گمراہ مذہب والوں کی خرابیوں میں تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزو خامس

معانی جنھیں اہل کلام لطائف کہتے ہیں

سحر و معجزات سے کیا طبائع بدل جاتے ہیں؟

غیر انبیاء کے لیے یہ ممکن ہے یا نہیں؟

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ سحر اشیاء کا پلٹنا اور طبائع کا بدلنا ہے۔ یہ لوگ آنکھوں کو وہ چیز دکھاتے ہیں جو دراصل دکھائی نہیں دیتی صالحین کے لیے ان لوگوں نے بطور کرامت اشیاء کا پلٹنا، اجسام کا پیدا کرنا، طبائع کا ہر طرح سے بدل جانا، اور انبیاء کا ہر معجزہ جائز رکھا ہے۔

میں نے محمد بن الطیب الباقلانی کا یہ مضمون دیکھا ہے کہ "ساحر در حقیقت پانی اور ہوا پر چلتا ہے، حقیقت میں انسان کو گدھا بنا دیتا ہے اور یہ تمام امور صالحین سے بطور کرامت پائے جاتے ہیں۔ انبیاء کے معجزات میں اور جو کچھ بزرگ انسان اور ساحر سے ظاہر ہوتا ہے ان کے درمیان میں صرف تحدی کا فرق ہے (تحدی یہ ہے کہ نبی کوئی نشانی دکھا کے یہ کہے کہ اس کا مقابلہ کرو) کیوں کہ نبی تو لوگوں کو تحدی کرتا ہے کہ جو کچھ وہ لایا ہے یہ لوگ بھی اس کے مثل لائیں گر کوئی بھی اس پر قادر نہیں ہوتا۔ جس چیز کے متعلق نبی تحدی نہ کرے وہ اس کا معجزہ نہیں ہے"۔ باقلانی نے یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ "اللہ تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوت کی زبان پر کسی معجزے کے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے"۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اپنے انبیاء کے واسطے اور کوئی کسی شے کو نہ بدل سکتا ہے اور نہ کسی طبیعت کو پھیر سکتا ہے۔ خواہ انبیاء اسکے متعلق تحدی کریں یا نہ کریں۔ یہ سب انبیاء علیہ السلام کی آیات و معجزات ہیں، خواہ وہ ان کے متعلق تحدی کریں یا نہ کریں۔ انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے تحدی کے کوئی معنی ہی نہیں۔ نہ صالح کے لیے نہ ساحر کے لیے ان میں سے کسی شے کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے مدعیان نبوت کے ہاتھوں پر بھی معجزات ظاہر کرنے پر قادر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے کرتا نہیں۔ جیسا کہ تمام وہ چیزیں جن پر وہ قادر ہے مگر جن کے کرنے کا وہ ارادہ نہیں کرتا انھیں نہیں کرتا۔

یہی وہ حق ہے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " **وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا. لامبدل لکلماته** " (اور آپ کے رب کا اکلمہ صدق و عدل کے اعتبار سے پورا ہو چکا۔ اسکے کلمات کا بدلنے والا کوئی نہیں)۔ اور فرمایا ہے " **وعلم آدم الا سماء کلها** " (اور آدم کو تمام نام تعلیم کر دیے)۔ اور فرمایا ہے " **انما امره اذا ا راد شیا ء ان یقول له کن فیکون** " (اس کی شان یہی ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے)۔

ثابت ہو گیا کہ ہر وہ شے جو اس عالم میں ہے اس کو اللہ نے ایسی ترتیب پر مرتب کیا ہے جو بدلے گی نہیں۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ

تعالیٰ ہی نے ہر اسم کو اس کے مسمی کے غیر پر واقع کیا۔ لہذا یہ جائز نہیں کہ ان اسماء میں سے کوئی اسم اس مسمی کے پر واقع کیا جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے واقع کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ کلمات اللہ کی وہ تبدیل ہو جائے گی جس کو اللہ تعالیٰ نے باطل کیا اواس کے لیے کسی بدلنے والے کو روکا۔ اگر یہ جائز ہو کہ مسمی کی ان صفات کو بدل دیا جائے جن صفات کے اس مسمی میں پائے جانے سے وہ مسمی اس کا مستحق ہو گیا کہ اس پر یہ اسم واقع کیا جا ہے، تو ضرور واجب ہوگا کہ اس مسمی سے اس اسم کو بھی ساقط کر دیا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پر واقع کیا ہے۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہذا واجب ہے کہ جو کچھ عالم میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی جن فصول ذاتیہ وانواع واجناس پر ترتیب دیا ہے تو ان میں سے قطعاً کوئی شے متبدل و متغیر نہ ہو بجز اس کے کہ جہاں اس تبدل و تغیر پر برہان قائم ہو۔

یہ تبدّل صرف دو میں سے ایک ہی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

یا تو وہ استحالہ (تغیر وتبدل) معہودہ (یعنی عادت وفطرت کے مطابق) ہوگا جو ایک ہی طریقے پر جس پر اللہ نے عالم کی بنیاد رکھ دی ہے، جاری ہے، مثلاً منی کا حیوان سے بدل جانا گھٹلیوں اور بیجوں کا درخت اور سبزی سے بدل جانا، اور اسی طرح کے تغیرات واستحالات معہودہ وعادیہ۔

یا وہ استحالہ و تغیر ہرگز عادت کے موافق اور اس طریقے پر نہ ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے عالم کی بنیاد ڈالی ہے۔ اسی لیے یہ تغیر انبیاء علیہم السلام کی صحت نبوت پر شاہد بن گیا جس کے وجود کا ان لوگوں نے مشاہدہ کیا جو انبیاء کے پاس حاضر تھے۔ اس کو ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے ان مشاہدہ کرنے والوں نے ایسے تواتر کے ساتھ نقل کیا جو علم ضروری کا موجب ہے، لہذا اس کا ماننا واجب ہو گیا۔ انبیاء کے سوا دوسرے لوگوں کا معاملہ ناممکن ہی رہا۔ لہذا اس کا وجود کسی طور پر بھی قطعاً نہ کسی صالح کے لیے ممکن ہے نہ ساحر کے لیے اس لیے کہ اس کے وجود پر کوئی برہان قائم نہیں۔ نہ اسے کسی روایت ونقل نے ثابت کیا ہے۔ اور یہ عقل میں ناممکن ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو لامحالہ ممتنع وممکن وواجب سب مساوی ہوتے اور کل حقائق باطل ہو جاتے۔ حالانکہ یہ سب ممتنع ہے جو اس عقیدے میں شامل ہوا وہ حقیقت میں سوفسطائیوں کیساتھ ہو گیا۔

جو شخص تبدیل طبیعت کو ساحر و بزرگ کے تحت تصرف تجویز کرتا ہے۔ ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا ان دونوں کے سوا ہر ایک کے لیے یہ امور ممکن ہیں یا صرف انھیں دونوں کے لیے ممکن ہیں اور کسی کے لیے ممکن نہیں۔

اگر وہ یہ کہے کہ یہ صرف ساحر و بزرگ ہی کے لیے ہے اور یہی انکا قول بھی ہے تو ہم ان سے دریافت کریں گے کہ ان دونوں میں اور بقیہ لوگوں میں کیا فرق ہے یہ لوگ ان دونوں کا بقیہ لوگوں سے کوئی فرق نہیں بتا سکتے بجز اس دعوے کے جس سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ امور غیر ساحر و غیر بزرگ کے لیے بھی جائز ہیں، تو یہ واقعی سوفسطائیہ میں مل گئے اور انھوں نے کوئی حقیقت قائم نہ رکھی۔ اور اس کی تصدیق بھی جائز ہوگئی جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ آسمان پر چڑھتا ہے ملائکہ کو دیکھتا ہے پرندوں سے باتیں کرتا ہے۔ ارنڈ کے درخت سے انگور اور کھجور توڑتا ہے اور مرد حاملہ ہو گئے اور انھوں نے بچے جنے۔ اسی قسم کی وہ بدحواسی کی باتیں کہ جو ان کی طرف رجوع کرے اس سے وہی معاملہ کیا جائے جس کا وہ اہل ہے بشرطیکہ ممکن ہو۔ ورنہ اس کے جنون و بے حیائی کی وجہ سے اس کی طرف رخ نہ کیا جائے۔

جو شخص کسی بزرگ کے لیے امور مذکورہ بالا کا دعویٰ کرے اس میں اور روافض کے اس دعوے میں کوئی فرق نہیں جو دوبار علیؓ بن ابی طالب پر آفتاب کے واپس کیے جانے کا دعویٰ کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض روافض کا یہ دعویٰ ہے کہ حبیب بن اوس نے یہ اشعار کہے تھے:

ا۔ فردت علینا الشمس واللیل راغم لشمس لھم من جانب الحذر تطلع

(رات کے بررغم انف ہم پر آفتاب لوٹ آیا۔ ایسا آفتاب کہ ان بزرگوں کی برکت سے پردے کے ایک گوشے سے طلوع ہو رہا

تھا)۔

۲۔ نضا ضوء ھا صبغ الدجنة والطوی لبھجتھا فوق السماء المرجع

(اس کی روشنی نے تاریکی کا رنگ بدل دیا ہے اور اس کی تازگی و بہجت کے باعث آسمان کے اوپر رجعت کا عمل طے ہوگیا)۔

۳۔ فو اللہ ما ادری علی بدالنا فردت لہ ام کا ن فی القوم یوشع

(خدا کی قسم، میں نہیں جانتا کہ علی ہمارے سامنے آئے جن کے لیے آفتاب لوٹایا گیا یا لوگوں میں یوشع موجود تھے (کہ انکے لیے بھی اسی کا ادعا کرتے ہیں)۔

نصاریٰ کا دعوی اپنے راہبوں اور پرانے لوگوں کے لیے بھی ایسا ہی ہے۔ یہ لوگ جتنا دعوی کرتے ہیں نصاریٰ اس سے بدرجہا زائد اشیاء کے بدلنے کا دعوی کرتے ہیں۔ اسی طرح یہود اپنے احبار و علماء کے اور سرداروں کے لیے دعوی کرتے ہیں جو ان کے یہاں ثابت ہے کہ ان کا ایک شخص ایک ہی دن مین بغداد سے قرطبہ پہنچ گیا۔ اور اس نے بنی الاسکندرانی کے ایک مسلمان کے جو قرطبہ کے باب الیہود کے پاس رہتا تھا دو سینگ پیدا کر دیے۔ حالانکہ یہ سب باطل و موضوع ہے۔ بنی الاسکندرانی شرفا اور مشہور و معروف لوگ تھے۔ ان میں سے کسی شخص کے لیے بھی اس غیر محدود حماقت کا کوئی جزو بھی کسی کو معلوم نہیں جو اپنا آپ خیر خواہ ہو اس کے لیے یہی برہان کافی ہے۔

سحر کے چند اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو ستاروں سے ہو۔ مثلاً وہ نقش جس پر قمر کے برج عقرب میں ہونے کے وقت بچھو کی تصویر نقش کی جائے۔ اسکا پاس رکھنا۔ بچھو کے ڈنگ مارنے کے لیے مفید ہے۔ طلسمات اسی باب سے ہوتے ہیں۔ یہ طبیعت کا بدلنا اور شے کا پلٹنا نہیں ہے۔ وہ چند قوتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح مرکب کیا اور بنایا ہے کہ دوسری چند قوتوں کو دفع کرتی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا گرمی سردی کو دفع کرتی ہے اور سردی گرمی کو۔ یا مثلاً چاند کا اس جانور کو ہلاک کر دینا جس کی پیٹھ زخمی ہو جب کہ جانور کی پیٹھ کا زخم چاند کے سامنے کھلا ہوا ہو اور اس پر چاندنی پڑ جائے۔ طلسمات کی مدافعت ممکن نہیں۔ اس لیے کہ ہم نے خود اب تک اس کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے۔ مثلاً گاؤں میں ٹڈی نہیں آتی۔ اس میں اولے نہیں پڑتے۔ یا مثلاً علاقہ سرقط کہ اس میں کوئی لشکر نہیں داخل ہوسکتا، البتہ زبردستی کی دوسری بات ہے۔ اسی طرح کی بہت سی باتیں جن کا بجز مشاہدے کی مخالفت کرنے والے کے اور کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ وہ اعمال ہین جن کے اچھی طرح جاننے والے کے اور کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کے اچھی طرح جاننے والے بالکل ہی ختم ہوگئے۔ انکا سلسلہ اس عالم سے نابود ہوگیا اور اب صرف انکی کاریگری کے نشان باقی رہ گئے ہیں۔ متقدمین نے اپنی کتابوں میں جو تذکرہ موسیقی کے بارے میں کیا ہے وہ بھی اسی باب سے ہے۔ اس کے ذریعے سے طبیعتوں میں الفت و نفرت پیدا کرائی جاتی تھی۔

سحر کی دوسری قسم جھاڑ پھونک سے ہوتی ہے۔ وہ ایک کلام ہے جو حروف مقطعہ سے نقوش مقررہ میں جمع کرلیا جاتا ہے کہ اس ترکیب سے ایک قوت پیدا ہوجاتی ہے جس سے طبائع کو برانگیختہ کیا جاتا ہے اور دوسری قوتوں کی مدافعت کی جاتی ہے ہم نے خود مشاہدہ اور ایسے شخص کا تجربہ کیا ہے جو تیز مادے والے اور زبردست اور خوب ظاہر ہونے والے پھوڑے کو اسکے ابتدائے ظہور میں جھاڑتا تھا اور اسی روز سے وہ خشک ہونا اور اس کے ورم کا تحلیل ہونا شروع ہوجاتا تھا تیسرے روز وہ خشک ہونا اور اس کے ورم کا تحلیل ہونا شروع ہوجاتا تھا، تیسرے روز وہ پورے طور پر خشک ہوجاتا تھا اور اسے نوچ ڈالا جاتا تھا جس طرح زخم کا کھرنڈ نوچ ڈالا جاتا ہے جب وہ خشک ہوجائے۔ ہم نے اتنی بار اسکا تجربہ کیا ہے جس کا شمار ہم نہیں کرسکتے۔ ایک ہی شخص کے دو پھوڑوں میں سے یہی عورت ایک کو جھاڑتی تھی اور دوسرے کو نہیں جھاڑتی تھی۔ وہ خشک ہوجاتا تھا جسے وہ جھاڑتی تھی اور جسے نہیں جھاڑتی تھی۔ وہ پورے طور پر ابھرتا تھا جس کے پھوڑا ہوتا تھا وہ اسکی سخت اذیت برداشت کرتا تھا ہم نے ایسے شخص کا بھی مشاہدہ کیا ہے جو ورم خنازیر کو جھاڑتا تھا اس ورم سے جس کا منہ کھل جاتا تھا، زخم بھر جاتا تھا۔ اور جو نہیں کھلتا تھا اس

ورم سے جن کا منہ کھل جاتا تھا زخم بھر جاتا تھا اور جو نہیں کھلتا تھا وہ دب جاتا تھا اور دونوں پورے طور پر اچھے ہو جاتے تھے۔ وہ یہی عمل آدمی اور جانوروں پر ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ ایسی مثالیں بہ کثرت ہیں۔ ہمیں ایسے شخص نے خبر دی ہے۔ جس کی خبر اس کے ثقہ ہونے اور اس کے صدق وفضل کے تجربے کی وجہ سے ہمارے نزدیک ایسی ہی ہے جیسے خود ہمارا مشاہدہ کہ اس نے بے شمار مرتبہ ایسی عورتوں کا مشاہدہ کیا ہے جو ان لوگوں پر کچھ کلام پڑھتی تھیں جو دودھ سے مکھن نکالتے ہیں پھر اس دودھ سے مکھن نہیں نکلتا تھا۔ ان دونوں وجوہ میں اور سقمونیا سے مادہ صفراوی کا تدارک ہونے میں اور کندر سے ضعف قلب کی تلافی ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ یہ تمام معانی ایک ہی طریقے پر جاری ہیں جو تلاش کرے گا وہ اس کو دریافت کرلے گا اسی میں سے وہ اثر ہے جو بالخاصہ ہوتا ہے۔ مثلاً وہ پتھر جو کہ لوہے کو کھینچتا ہے اور اس کو بھی جو لوہے کے مشابہ ہو، اسی میں سے وہ ہے جو ہاتھ کی صفائی پر مبنی ہے، مثلاً شعبدہ بازوں کے وہ شعبدے جن کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ وہ باریک اعمال ہیں جو طبیعت کو ہرگز نہیں بدلتے۔

مذکورہ بالا تمام وجوہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے باب سے نہیں ہیں اور نہ اس باب سے ہیں جس کا جھوٹے لوگ ساحرین و صالحین کے لیے دعویٰ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء کا معجزہ ترتیب سے عالم کی ہر چیز کی طبائع سے، اور بنیاد و فطرت عالم سے خارج ہے یہ کسی قانون کی بنا پر اور معینہ طریقوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ بلکہ شے بدل جاتی ہے اور صفات ذاتیہ میں انقلاب ہو جاتا ہے۔ مثلاً چاند کا شق ہو جانا۔ دریا کا پھٹ جانا (اور اس میں راستہ پیدا ہونا) کھانے اور پانی کا پیدا کرنا۔ لاٹھی کا سانپ بنا دینا۔ بوسیدہ مردے کا زندہ کرنا۔ پتھر کی چٹان سے اونٹنی کا نکالنا۔ لوگوں کو کلام اللہ جیسا کلام لانے سے روک دینا۔ اور اسی طرح جو واقعات اس کے مشابہ ہوں جنمیں صفات ذاتیہ بدل جاتے ہوں جن سے اسماء کا استحقاق ہوتا ہے اور جن سے حدود قائم ہوتی ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کا اہل باطل، ساحر بزرگ کے لیے دعویٰ کرتے ہیں۔

دونوں صورتوں کا فرق اہل علم کو حدود و تعریفات اسماء و مسمیات سے طبائع عالم سے اور عالم کے مبداء ہی سے اجناس اور اجناس اجناس، اس کی انواع، اس کے اشخاص کی طرف منقسم ہونے سے اعراض غیر ذاتی کے استحالہ و تغیر و زوال سے جو فوراً ہو یا دیر میں ہو۔ اور جو اس طرح قائم رہتی ہیں جس طرح اعراض ذاتی، اگرچہ وہ ذاتی نہیں ہوتیں۔ برہان میں جس کو برہان خیال کرتے ہیں، حالانکہ وہ برہان نہیں ہے، فرق یہ ہے (سب تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جس نے ہم کو عطا کیا اور ہم پر انعام کیا۔ کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں) جو حدیث سے واضح ہے۔

بشیر بن عمرو سے مروی ہے کہ غیلانی کا عمر بن الخطاب کے ہاں ذکر ہوا، لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ شکل بدل لیتے ہیں، عمر نے کہا کہ کوئی شخص اپنی اس خلقت کو بدل نہیں سکتا جو اس کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ لیکن تمھارے ساحروں کی طرح انکے بھی ساحر ہیں۔ جب تمھیں اس (سحر) کا کچھ اندیشہ ہو تو اذان دو یہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو طبائع کے بدلنے کو باطل کر رہے ہیں۔ اور یہی ہمارے قول کی نص ہے۔

والحمد لله رب العالمين كثيرا۔

جو کچھ ہم نے کہا اس پر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے "**فاذا حبا لهم و عصيهم بخيل اليه من سحر هم انها تسعى**" (پھر ان کی رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ جس کی طرف ان کے سحر کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دوڑتی ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان جادوگروں کا عمل محض تخیل تھا۔ جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اور فرمایا ہے "**انما صنعو اكيد ساحر ولا يفلح الساحر حيث اتى**" (بے شک ان لوگوں نے جو کچھ کیا وہ ایک ساحر مکر تھا اور ساحر جہاں جائے کامیاب نہیں ہوتا)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ مکر و کید تھا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’**سحر واعین الناس و استر هبو هم وجاؤ ابسحر عظیم**‘‘ (لوگوں کی آنکھوں پر انھوں نے جادو کر دیا اور انھیں ڈرا دیا اور یہ لوگ بہت بڑا جادو لائے) تو ہم کہیں گے کہ ہاں بے شک یہ بہت بڑے حیلے تھے اور بڑا گناہ تھا کیوں کہ اس سے ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول کا مقابلہ کریں۔ لوگوں کی نظروں کو فریب دے کے انھیں اس وہم میں ڈالا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتی ہیں۔ سب آیات متفق ہوگئیں۔ **والحمد للہ رب العالمین**۔

جس نے یہ اندازہ کیا تھا کہ وہ اصلی و یقینی ہے اور یہ گمان کیا تھا کہ وہ دوڑتا ہے وہ ان لوگوں میں تھا جو ساحروں کے حیلے نہیں جانتے، وہ حیلہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے بڑے بڑے کوڑیالے سانپوں کے لہرانے کی حالت دیکھی تھی، فوراً گمان کیا اور اندازہ کرلیا کہ یہ سانپ والی (لکڑیاں یا رسیاں) ہوں گی۔

اگر یہ گمان کی گہرائی میں جاتے اور اسکی تفتیش کرتے تو جو حیلہ اس میں تھا اس سے ضرور واقف ہو جاتے۔ پارہ بھر دیا گیا تھا جس میں یہ حرکتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ جیسا کہ وہ شعبدہ باز کرتا ہے جو انسان کے بدن میں چھری مارتا ہے جو شخص اسکے حیلے کو نہیں جانتا وہ یہ سمجھتا ہے کہ چھری جس کے ماردی گئی۔ اس کے بدن میں گھس گئی حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ چھری کا دستہ سوراخ دار ہوتا ہے اور چھری اس دستے میں گھس جاتی ہے۔

مثلاً انگوٹھی کے حلقے میں تاگا ڈالنا کہ انھیں میں کا ایک آدمی تاگے کے دونوں کنارے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ اس کے بعد شعبدہ باز اس انگوٹھی کو جس میں تاگا ہوتا ہے اپنے منہ سے پکڑ لیتا ہے اور اسی مقام پر اسے اپنے ہاتھ کے نیچے داخل کر دیتا ہے منہ میں ایک دوسری انگوٹھی ہوتی ہے حاضرین کو اس انگوٹھی کا حلقہ جو اس کے منہ میں سے دکھا کر اس وہم میں ڈالتا ہے کہ اس نے اس انگوٹھی کو تاگے سے نکال لیا ہے۔ پھر اپنا منہ تاگے کی طرف پھیرتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ اور منہ اٹھاتا ہے تو وہ انگوٹھی نظر آتی ہے جس میں تاگا تھا۔ اور اسی طرح ان لوگوں کے تمام حیلے ہیں، اور ہم تمام حیلوں سے واقف ہیں۔

اس آیت کے یہی معنی ہیں ’’**سحر واعین الناس وا ستر هبو هم**‘‘ (انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انھیں ڈرا دیا) یعنے انھوں نے لوگوں کو ان چیزوں میں جو لوگوں نے دیکھی تھیں۔ وہم میں ڈالا اور ایسے گمانوں میں مبتلا کیا جن کا توہم کرلیا گیا تھا اور ان کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ تفتیش کرتے تو حق ضرور واضح ہو جاتا۔ اور اسی طرح یہ آیت ہے ’’**فیتعلمون منها مایفرقون به بین المرء وزوجه**‘‘ (لوگ ہاروت و ماروت سے وہ چیز سیکھتے تھے جس کے ذریعے سے وہ لوگ آدمی اور اسکی بیوی کے درمیان میں تفریق کرادیتے تھے) یہ امر ممکن ہے جسے تمام لوگ کر سکتے ہیں۔

اسی طرح وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی ہے کہ لبید بن الاعصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا جس سے حضرت کا مزاج اس قدر ناساز ہوگیا کہ آپ یہ گمان کرتے تھے کہ یہ کام کرلیا ہے حالانکہ آپ نے کیا نہ ہوتا تھا۔ اس میں بھی نہ طبیعت کا بدلنا ہے اور نہ شے کا پلٹنا بلکہ یہ محض اس کاریگری کی قوت کا ایک اثر ہے جیسا کہ ہم نے طلسمات اور جھاڑ پھونک کے بارے میں کہا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو گالی دی جاتی ہے یا کسی ایسی حرکت سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے جس سے وہ غضبناک ہو جاتا ہے۔ اس کا حلم طیش سے بدل جاتا ہے اور وہ سکون سے حرکت و طیش کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ مجنونوں کی حالت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ یا کبھی یہ چیز اسے بیمار کر دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض بیان سحر ہوتا ہے اس لیے کہ بعض بیان ایسا ہوتا ہے کہ دل میں اثر کرتا ہے ابھارتا ہے یا جذبات سے تسکین دیتا ہے لورارادوں سے پھیر دیتا ہے۔ اسی معنی کی بنا پر شعراء نے آنکھوں کا جادو بیان کیا ہے، اسلیے کہ یہ دلوں کو مائل کرتی ہیں۔

جو یہ کہے کہ سحر اشیاء کو بدل دیتا ہے اور طبائع کو پلٹ دیتا ہے اس سے کہا جائے کہ جب یہ ممکن ہو گیا تو ہمیں بتاؤ کہ نبیؑ اور ساحر میں کیا فرق ہے۔ ممکن ہے کہ تمام انبیاء ساحر ہی ہوں جیسا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ ''**انہ لکبیر کم الذی علمکم السحر**'' (بیشک یہ تمھارا وہی بزرگ ہے جس نے تمھیں سحر سکھایا)'' یہ تم لوگوں کا ایک مکر ہے جو تم نے اس شہر میں پھیلایا ہے کہ تم اس شہر سے اس کے باشندوں کو نکال دو'' جب یہ ممکن ہو گیا کہ ساحرین موسیٰ علیہ السلام اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ بنا دیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے عصا کو سانپ بنا دیا، اور یہ دونوں امر حقیقت ہیں تو پھر فرعون نے موسیٰ کے بارے میں سچ کہا کہ وہ ان کی طرح ساحر ہیں۔ البتہ وہ ان لوگوں سے زیادہ سحر جانتے ہیں۔ اس سے اللہ کی پناہ۔ ساحروں نے جو کچھ کیا تھا وہ محض شعبدہ بازوں کے سے حیلے تھے۔

اگر یہ لوگ باقلانی کے اس قول کی پناہ لیں جو اس نے تحدی اور دعوت مقابلہ کے بارے میں کہا ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ چند وجوہ سے باطل ہے۔

اول نبی کے معجزہ ہونے کے لیے تحدی کی شرط لگانا جھوٹا دعوی ہے جس کی صحت پر نہ قرآن کی کوئی دلیل ہے نہ حدیث صحیح یا ضعیف کی نہ اجماع کی، نہ قول صحابی کی نہ حجت عقلی کی۔ اور نہ اس کمزور فرقے سے پہلے کوئی اس کا قائل ہوا۔ جو مسئلہ ایسا ہو وہ حد درجہ گرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**قل ھاتو ابر ھانکم ان کنتم صادقین**'' (آپ کہے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی برہان پیش کرو)۔ لہذا ضروری طور پر واجب ہوا کہ جس کے پاس اپنے قول کی صحت پر کوئی برہان نہ ہو وہ اس قول میں کاذب ہے۔ صادق نہیں ہے۔

دوم۔ اگر یہی ہوتا جو ان لوگوں نے کہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر معجزات ساقط ہو جاتے۔ مثلاً آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا۔ ساڑھے تین سیر جو اور بکری کے ایک بچے سے سو سو اور دس دس کا شکم سیر کر دینا اور دوسری بار اوڑھنی میں لپٹے ہوئے روٹی کے ایک ٹکڑے سے شکم سیر کر دینا۔ آپ کا چشمے میں تھوکنا اور اس میں سے آج تک میٹھے پانی کا بکثرت ابلنا۔ کھجور کے تنے کی آواز (غم جدائی میں)۔ بھنے ہوئے دست کے گوشت کا کلام کرنا اونٹ اور بھیڑیے کا فریاد کرنا۔ غیب کی خبریں دینا۔ جابر کی کھجوریں۔ اور باقی تمام بڑے بڑے معجزات۔ اس لیے کہ آپ نے ان میں سے کسی کے متعلق بھی کبھی کسی کو تحدی نہیں فرمائی اور نہ بجز مومنین صحابہؓ کے کسی اور کے سامنے آپ نے یہ کام کیے۔ آپ کے لیے صرف یہی معجزات رہ گئے۔ قرآن۔ اور یہود کو تمنائے موت کی دعوت۔ اور شق قمر۔ جو قول اس قسم کی بات تک پہنچا دے اس کے منحوس ہونے کو بھی کافی ہے۔

اگر وہ یہ دعوی کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان امور کے متعلق حاضرین و غائبین کو تحدی فرمائی تو یہ جھوٹے ہیں اور انھوں نے یہ دعوی ایجاد کر لیا ہے کیوں کہ ان تمام معجزات کے بارے میں ایک بھی روایت ایسی نہیں آئی ہے جس میں یہ ہو کہ آپؐ نے ان کے متعلق کسی کو تحدی فرمائی تھی۔

اگر یہ لوگ اسی پر اڑے رہیں کہ یہ سب کے سب نہ معجزات ہیں نہ آیات و علامات۔ تو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹا بنایا ہے، اس لیے کہ جب آپؐ سے یہ معجزے ہوئے اس وقت یہ فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں اللہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

سوم۔ یہ ایک برہان دافع ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''**واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاء تھم آیۃ لیؤمنن بھا قل انما الایت عند اللہ و ما یشعرہ انھا اذا جاء ت لا یؤمنون**'' (اور یہ لوگ اپنی انتہائی قسمیں اللہ کی کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی۔ معجزہ آئے گا تو یہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ معجزات تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔ اور وہ تمھیں یہ بتاتا ہے کہ جب وہ معجزات آئیں گے تو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے)۔

اور یہ کلام الٰہی " **و ما منعنا ان نرسل بالآیت الا ان کذب بھا الا ولون** (اور ہمیں خاص معجزات کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ پہلے لوگ تکذیب کر چکے ہیں) اللہ تعالیٰ سے ان معجزات کا جو انبیاء علیہم السلام سے طلب کئے گئے تھے آیات نام رکھا اور اس میں غیر کی تحدی کی شرط نہیں رکھی۔ ثابت ہو گیا کہ تحدی کی شرط محض باطل ہے جب وہ ظاہر ہو معجزہ ہو گا خواہ تحدی ہو یا نہ ہو۔ اس پر امت کا اجماع یقینی ثابت ہے کہ آیات کو نہ ساحر لا سکتا ہے نہ غیر نبی۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ معجزات جو آیات ہیں وہ نہ ساحر کے لیے ہوتے ہیں نہ کسی ایسے شخص کے لیے جو نبی نہ ہو۔

چہارم۔ اگر تحدی کا حکم صحیح ہوتا تو یہ نبی کے خلاف ایک حجت ہوتی۔ اس لیے کہ ان لوگوں کے نزدیک تحدی اس امر کو واجب کرتی ہے کہ اس کے مثل پر کوئی قادر نہیں۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ اس کا مثل کسی اور سے پایا جائے تو نبی کی تحدی باطل ہو جاتی۔ اور اس سے کہا جاتا کہ ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ ہی کا سا عمل کرتے ہیں۔ خواہ وہ صالح و بزرگ ہوں یا ساحر ہوں۔

پنجم۔ اگر یہ ہوتا جو ان لوگوں نے کہا ہے کہ جس معجزے پر تحدی نہ کی جائے بزرگ سے یا ساحر سے اس کا ظہور ممکن ہے تو یہ بھی ضرور ممکن ہوتا کہ ان دونوں کی موت کے بعد اس معجزے کے متعلق وہ تحدی کرتے جو ان سے (ناجائز عقیدت رکھنے کے باعث) گمراہ ہو گئے ہیں جیسا کہ غالی روافض نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ بہر حال ان لوگوں کا قول ساقط ہے۔ **الحمد لله رب العلمين**۔

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ساحر آنکھوں کو دھوکا دیتا ہے۔ اور انھیں وہ چیز دکھاتا ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ تو اس نے ابطال نبوت کے کفر کو کافی نہیں سمجھا۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ جو کچھ نبی لایا ہے یہ بھی آنکھوں کا فریب ہو اور اس کی بھی کوئی حقیقت نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس گروہ نے اول سے آخر تک تمام حقائق کے ابطال کا قصد کر لیا اور یہ بلا تکلف پورے طور پر سوفسطائیہ میں شامل ہو گئے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب یہ ممکن ہے کہ آنکھوں کو فریب دیا گیا ہو یہاں تک کہ جس آنکھ کو فریب دیا گیا ہے وہ ایسی چیز دیکھتی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور وہ حقیقت کو نہیں دیکھتی تو تمھیں کیا معلوم کہ شاید اس وقت بھی تم سب کی آنکھوں کو فریب دیا گیا ہو، اور اب بھی کوئی ساحر نظر بندی کر کے یہ دکھا رہا ہو کہ تم وضو کرتے ہو نماز پڑھتے ہو حالانکہ اور تم ان میں سے کچھ نہ کر رہے ہو، شاید تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم نے شادی کی ہے (بیوی گھر میں ہے) حالانکہ تمھارے گھروں میں بکریاں اور بھیڑیں ہوں۔ شاید تم دریا کے کنارے ہو۔ ممکن ہے تم جس دین پر اعتقاد رکھتے ہو یہ سب تم پر فریب ہو۔ ان تمام اعتراضات سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ جس کا یہ مذہب ہو اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے" **ولو فتحنا عليهم بابا من السماء فظلو افيه يعر جون لقالوا انما سكرت ابصار نابل نحن قوم مسحورون** "(اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے لگیں تو یہ ضرور کہیں گے کہ ضرور ہماری آنکھوں میں نشہ پیدا کر دیا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے) اگر یہ جائز ہوتا سحر کی کوئی حقیقت ہوتی وہ انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی چیزوں کے مشابہ ہوتا اور نظر کا فریب دیا جانا ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے ایسے چیز کے قائل ہونے پر مذمت نہ کرتا جسکا ہونا ممکن ہے جب یہ لوگ ایسی چیز کے قائل ہوئے جو قطعاً ممکن نہیں اور اس سے انھوں نے حقائق کے رد کرنے میں استدلال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور اس فعل کو ناپسند کیا۔

بعض اوقات حواس کی جو غلطی ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی حواس کا شبہہ یا ان کا فریب کھانا نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ ہم میں سے ایک شخص دور پر کسی کو دیکھتا ہے کہ تیز چل رہا ہے۔ اس باب میں شک نہیں کرتا اور فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ انسان ہے فلاں شخص یا فلاں شے ہے جو فیصلہ اس نے کیا اپنے گمان کی بنا پر کیا ہے اگر اس گمان کا پوری طرح استعمال نہ کر سکا اور قطعیت کے درجے تک نہ پہنچ سکا تو اسنے جو حقیقت معلوم کی ہے وہ اسی پر باقی رہے گا یہی حال ہر اس چیز کا ہے جس میں آدمی اپنے ظن و گمان سے حکم کرتا ہے۔ لیکن جو مبتلائے آفت ہو، مثلاً وہ شخص جس میں نزول ماء (آنکھ میں پانی اترنے کی) ابتداء ہو تو وہ ایسے خیالات دیکھتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ وہ بھی ایسا ہی ہے

جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ جو پانی ہمیشہ اس کے ڈھیلے پر جاری رہتا ہے وہ بھی اسے اس وہم میں ڈالتا ہے کہ اس نے کچھ دیکھا اور وہ اس کے متعلق یقین کر لیتا ہے۔ جب ان سب کی تفتیش کرتا ہے تو اسے گمان وظن کے مقابلے میں حق واضح ہو جاتا ہے اسی طرح جس کے دماغ کا خانہ تخیل ہی خراب ہو جائے اس کا دل اسی کو گمان کر لیتا ہے جو وہم کرتا ہے اور اس پر یقین کر لیتا ہے اگر اس کی طاقت تمیز قوی ہو تو وہ حق و باطل میں ضرور تمیز کر لے۔ اسی طرح کا کلام کان اور زبان کے ادراک میں بھی ہے۔ یہ تمام امور اس کے ساتھ مختلف طریقوں پر جاری ہیں جو اپنے ظن سے کام لیتا ہے۔ اہل تحقیق ومعرفت کے نزدیک یہ تمام اوقات میں غیر مختلف طریقوں پر جاری ہیں، یہ ثابت ہیں اور ان کا علاج بھی معلوم ہے یہاں تک کہ اگر شکایت پختہ نہ ہوئی ہو تو ان میں سے بعض تندرست بھی ہو جاتے ہیں۔

کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ممکن ہے کہ وہ بھی انھیں لوگوں کے مثل ہو۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ہم کوئی علم اس کے مراتب کے مطابق اور ان طریقوں کے مطابق جو یکساں جاری ہیں نہ جانتے **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ تم کیسے یہ جانتے ہو کہ تمھاری آنکھوں کو فریب نہیں دیا گیا ہے خود ہم تم کو بتاتے ہیں کہ کس چیز سے یہ پہچانتے ہیں کہ حواس ومعقول صحیح وسالم ہیں جب تک کہ وہ سالم ہیں اور کیسے یہ جانتے ہیں کہ کن حواس۔ عقول میں خلل وفتور ہے اور کن میں نہیں ہے۔ یہ ان چیزوں کا جو حواس سلیمہ وعقول سلیمہ سے دریافت کی جاتی ہیں ایسے محدود ومعین طریقوں پر جاری رہنا ہے جس میں ان کے حدود سے کبھی تبدل وتغیر نہیں ہوتا۔ اور ان چیزوں کا جو حواس فاسدہ وعقول غیر سالمہ سے دریافت ہوتی ہے ان کا غیر معین وغیر محدود طریقوں پر جاری ہونا ہے۔ یہ لوگ کسی فرق کرنے پر ہرگز قادر نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اسی طرح غیر نبی کے متعلق شے کا پلٹنا اور طبیعت کا بدل جانا جو بیان کیا گیا ہے یہ محض کذب ہے۔ سوائے اس کے کہ جو کسی نبی کے زمانے میں پایا جائے، تو یہ بھی اسی طرح اسی نبی کا معجزہ ہوگا۔ وہ شخص جس پر معجزے کا ظہور ہوا ہے وہ اس کھجور کے تنے کی حیثیت میں ہوگا جس میں گنگناہٹ کی آواز پیدا ہوگئی تھی، اس بکری کے دست کے مثل ہوگا جس میں گویائی آ گئی تھی، اور اس عصا کے مثل ہوگا جس میں زندگی ظاہر ہوئی تھی۔ جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوا خواہ فاسق ہو یا صالح۔ اس کی مثال وہ نور ہے جو عمر بن حممہ الدوسی کے کوڑے میں ظاہر ہوا تھا۔ برہان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ نور اس میں ظاہر نہیں ہوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب تم نے یہ جائز رکھا کہ معجزہ غیر نبی سے ظاہر ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ کسی نبی کے زمانے میں ہو۔ تا کہ وہ اس نبی کا معجزہ بنے، تو تم نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیوں نہیں جائز رکھا تا کہ وہ بھی آپ کا معجزہ بنے۔ دونوں امور میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ہم کہیں گے کہ اس شے کو جمادات میں، حیوانات میں، اور جن کو اللہ چاہے، ان انسانوں میں ہم نے اس کے اظہار کو جائز رکھا تو صرف اس طرح جائز رکھا کہ اس میں کسی فاضل کو اس کے فضل وبزرگی کی وجہ سے مخصوص نہیں کرتے، نہ ہم اس کو کسی فاسق سے اس کے فسق کی وجہ سے یا کافر سے روکتے ہیں ہم صرف اسی کے منکر ہیں جس میں کسی بزرگ کو مخصوص کر دیا جائے اور اسے اس کی کرامت قرار دیا جائے۔ کیوں کہ اگر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ممکن ہوتا تو معاملہ مشکل ہو جاتا اور اس شخص کے دعوے سے پناہ نہ ملتی جو یہ دعوی کرتا کہ یہ فلاں بزرگ کا معجزہ ہے اور یہ فلاں فاسق کا معجزہ ہے اور کوئی انسان بھی اس کے لیے اس کا دعوی کر سکتا تھا کہ یہ اسکا معجزہ ہے، اگر ایسا ہوتا تو دین میں اشکال پیدا ہو جاتا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اول سے آخر تک تمام بندوں کے لیے ایک دھوکا ہو جاتا، اور یہ اسکے اس وعدہ، وخبر کے خلاف ہے جو اس نے ہم سے کیا ہے کہ اس نے ہم پر ہدایت کو گمراہی کے مقابلے میں واضح کر دیا ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ ہو تو اس سے اشکال نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ وہ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف سے ہوگا یا آپ کی خبر وپیشن گوئی

سے ہوگا، اور اسی سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ آپ ہی کا معجزہ ہے نہ کہ اسکا جس سے کہ وہ ظاہر ہوا۔ اور یہ نہایت واضح ہے۔ **والحمد لله رب العلمین۔**

تینوں اصحاب غار کے بارے میں جو روایت آئی ہے اور ان لوگوں کے اپنے اعمال کے ذکر کرنے کے وقت پتھر کی سل کا ایک ایک تہائی کھلتے جانے کا جو مذکور ہے، تو اس میں ان لوگوں کے لیے ذرا سی بھی حجت و دلیل بغیر اعجاز کے ممکن ہے جو ایسا ہوا اس کا دعا سے واقع ہونا بھی ممکن ہے لیکن یہ ان کی مراد تمنا کے موافق ہوگئی۔ مثلاً کوئی شخص اپنے دشمن کی موت کی یا اپنی مشکل کشائی کی یا اپنی دنیاوی مراد کی کامیابی کی دعا کرے۔

مجھ سے حکم بن منذر بن سعید نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد رحمتہ اللہ علیہ ایک جماعت کیساتھ اپنے ایک سفر کے سلسلے میں کسی صحرا میں تھے۔ سب لوگ پیاسے ہوگئے اور ہلاکت کا یقین کر لیا۔ ایک پہاڑ کے سائے میں اتر کر موت کا انتظار کرنے لگے میں نے ایک ابھرے ہوئے پتھر سے اپنا سر لگایا تو مجھے اس سے اذیت ہوئی میں نے اسے اکھیڑ ڈالا اس کے نیچے سے میٹھا پانی نکل آیا جو ہم نے پیا اور ساتھ لے لیا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن میں کشادگی ہو جاتی ہے اگر یہ معجزہ ہوتا تو یہ لوگ ضرور انبیاء ہوتے۔ یا یہ ایسے شخص سے صادر ہوتا جو کسی نبی کے زمانے میں ہوتا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

اسکے قول سے زیادہ تعجب خیز کوئی چیز نہ ہوگی جو ساحر کے لیے اشیاء کے بدل دینے کو جائز رکھتا ہے حالانکہ ان کے یہاں ساحر فاسق یا کافر ہے اور اسی کے مثل صالح و بزرگ اور نبی کے لیے جائز رکھتا ہے اشیاء کی حقیقت کا بدل دینا نبی و صالح و فاسق و کافر کے لیے ممکن ہوا تو لازم آیا کہ حقیقت اشیاء کا بدل دینا ہر شخص سے ممکن ہے اور وہ بدترین قول ہے جو اس قسم تک پہنچا دے۔ یہ لوگ مغیرہ بن سعید و بیان و منصور کے لیے بطور سحر کے کشف اور حقیقت اشیا کا بدل دینا جائز رکھتے ہیں ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو اسی سے ان تینوں کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان بے توفیق لوگوں کے یہاں نبی و ساحر برابر ہوگئے ہم ایسی کھلی گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اگر یہ لوگ ان آیات سے اعتراض کریں کہ ''**وقال ربكم ادعونى استجب لكم** ''(اور تمھارے رب نے فرمایا کہ مجھے پکارو میں تمھیں جواب دوں گا۔ یا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا)''**اجيب دعوة الداع اذا دعان** ''(میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے) تو یہ حق ہے یہ قبولیت بلاشک ان ممکنات میں ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ہوں گی۔ نہ کہ ان میں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں کہ وہ نہ ہوں گی۔ اور نہ محال میں۔

ہم ان لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ وہ اسے نبی بنا دے یا دین اسلام منسوخ کر دے۔ یا قیامت کو اس کے وقت سے پہلے قائم کر دے۔ یا سب انسانوں کو بگاڑ کر بندر کر دے۔ یا اس کے ایک تیسری آنکھ پیدا کر دے۔ یا کفار کو جنت میں اور مومنین کو دوزخ میں داخل کر دے۔ اور اسی طرح کی دعائیں۔ اگر وہ ان سب کو جائز رکھیں تو کفر کریں گے اور باوجود اپنے کفر کے مجنونوں میں شامل کیے جائیں گے۔ اگر وہ ان سب کو رد کریں تو آیات مذکورہ سے اپنا استدلال ترک کریں گے۔ یہ ثابت ہوگیا کہ اجابت و قبولیت خاص دعا میں ہے نہ کہ عام میں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہؓ وخالدؓ سے فرمایا کہ تم نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھ لیا کہ تمھیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے جو کلمہ اسلام ادا کیا وہ محض (سزائے کفر سے) بچنے کے لیے تھا یا نہیں۔

اگر غیر نبی پر بطور کرامت کے معجزے کا ظہور ممکن ہوتا تو اس پر یقین کرنا واجب ہوتا کہ اس کے دل میں کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔ یہ امر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد جن کے بارے میں نص وارد ہوگئی ہے اور کسی کے لیے بھی نہیں معلوم ہو سکتا۔

باقلانی کا یہ قول کہ ''اللہ تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنے پر قادر نہیں تو یہ بھی اس کے انھیں امور میں ہے جن میں اس نے اللہ تعالیٰ کو عاجز مانا ہے حالانکہ اس کا اس امر میں عاجز بنانا منجملہ محال ہے یہ اس طور پر کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو ہر ساحر کے ہاتھ پر معجزات کے اظہار پر قادر مانا ہے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ساحر کہتا ہے کہ وہ نبی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر معجزہ ظاہر کرنے پر قادر نہ ہوگا یہ قول انتہائی فاسد ہے اس لیے کہ جو شخص کسی شے پر قادر ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کی اس فعل کی طاقت کو اس کا یہ جاننا باطل کر دے کہ یہ وہ شخص ہے جس میں وہ اس فعل کو ظاہر کرتا ہے تو وہ شخص کہتا ہے کہ میں نبی ہوں نہ اس کا توہم ہو سکتا ہے اور نہ عقل میں اس کی کوئی صورت آ سکتی ہے نہ یہ ممکن ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اوپر اللہ کی حکومت کو بے کار کر دیا ہے۔ اپنا حکم اپنے اوپر چلانے لگے ہیں۔ اور اس سے زیادہ بیہودہ واحمقانہ اور بھیانک کفر کوئی نہ ہوگا۔

میں نے باقلانی کے کلام کی ایک فصل میں دیکھا ہے کہ ''لوگ اس قرآن کا مثل لانے سے نہ عاجز ہیں اور نہ اس پر قادر۔ نہ وہ آسمان پر چڑھنے سے عاجز ہیں، نہ مردے زندہ کرنے سے۔ نہ اجسام پیدا کرنے سے نہ اجسام کے ایجاد کرنے سے۔ اور نہ وہ ان پر قادر ہیں''۔ یہ باقلانی کے کلام کی نص وتصریح ہے جس میں ہماری طرف سے کوئی تغیر وتبدیل نہیں کیا گیا ہے اس کے بعد اس نے کہا ہے کہ ''قدرت وہیں واقع ہوتی ہے جہاں عجز واقع ہوتا ہے''۔

یہ سب حماقت ہے جسے سوائے صفرازدہ کے کوئی نہ لائے گا۔ اس سے زیادہ شدید اس کا یہ استدلال ہے کہ عجز وہیں واقع ہوتا ہے جہاں قدرت واقع ہوتی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے اس کذب کو کسی لغت میں یا اس حماقت کو کس عقل میں پایا۔ عام وخاص میں سے جو علم لغت واقف ہیں اسے اس قول کے بطلان میں شک نہ ہوگا اور نہ اس میں شک ہوگا کہ عجز قدرت کی ضد ہے جس چیز پر انسان قادر ہوگا وہ اس پر اپنی قدرت کے وقت میں اس پر قادر نہ ہوگا۔ قدرت کی نفی عجز کا اثبات ہے اور عجز کی نفی قدرت کا اثبات ہے اس سے نہ عام ناواقف ہیں نہ خاص۔ اور یہ بداہت عقل سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ ایسے بیہودہ دعاوی بغیر کسی دلیل کے لاتا ہے یہ حماقتیں اور گمراہیاں ہیں جنھیں یہ جاہل اور اسکے سے فاسق لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں لاتے ہیں اور ان سے وہ لوگ انھیں حاصل کر لیتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے۔ و نعوذ باللہ من الضلال۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''واعلموا انکم غیر معجزی اللہ'' (خوب جان لو کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے) اس آیت کا اقتضاء یہ ہے کہ یہ سب لوگ اللہ کی قدرت میں ہیں۔ اور فرمایا ہے ''لیس بمعجز فی الارض'' (روئے زمین میں کوئی اُس کا عاجز کرنے والا نہیں)۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ سب اُس کے مقدور میں ہے۔ ''واللہ علیٰ کل شی قدیر'' (اور اللہ ہر شے پہ قادر ہے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ وہ عاجز نہیں۔'' وباللہ تعالیٰ التوفیق وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین''۔

☆☆

جن، ووسوسۂ شیطان، ومصروع اور اُس کے افعال

ہم نے (ان کا) نہ حواس سے ادراک کیا ہے، نہ ہمیں ہدایت عقل سے ان کے وجود کے عالم میں ضروری وواجب ہونے کا علم ہے اور نہ ان کے وجود کے امتناع کا (یعنے عقل سے نہ ان کا معدوم ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے اور نہ موجود ہونا)۔ البتہ بہ ضرورت عقل ان کے وجود کا ممکن ہونا معلوم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود ومتناہی نہیں ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ اس امر میں کہ وہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جن کا عنصر مٹی پانی آگ اور ہوا ہو اور انھیں زمین پر آباد کرے، اور اس میں کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جن کا عنصر آگ اور ہوا ہو اور انھیں ہوا آگ اور زمین میں آباد کرے، کوئی فرق نہیں۔ دونوں برابر اور اُس کی قدرت میں ممکن ہیں۔ جب اُن رسولوں نے جن کے صدق کی اللہ تعالیٰ نے اس طور پر شہادت دی ہے کہ ان کے ہاتھوں پر اُن معجزات کو ظاہر کیا ہے جو طبائع کو بدلنے والے تھے اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اُس نص وتصریح کی خبر دی ہے جو اس عالم میں جن کا ہونا ظاہر کرتی ہے تو اُن کی پیدائش و وجود کے متعلق علم ضروری ویقینی واجب ہو گیا۔ اس کے متعلق بھی نص آئی ہے اور اس کے متعلق بھی کہ وہ بھی ایک امت میں جو صاحب عقل وتمیز اور فرمانبرداری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اُن سے بھی ثواب کا وعدہ ہے اور اُنہیں بھی عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اُن میں بھی توالد وتناسل ہوتا ہے اور وہ مرتے بھی ہیں۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ہاں نصاریٰ مجوس صابئین اور سوائے سامرہ کے اکثر یہود کا بھی اجماع ہے۔ جو شخص جن کا انکار کرے یا ایسی تاویل ان کے بارے میں کرے جس سے اس بدیہی ومفہوم ظاہر سے انھیں نکال دے تو وہ کافر ومشرک ہے اس کی جان و مال حلال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**افتخدونه وذريته اوليا ء من دوني**" (تو کیا تم لوگ ابلیس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو)۔

یہ ہمیں دیکھتے ہیں اور ہم انھیں نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**انه يرٰ ايكم هو و قبيله من حيث لا تر و نهم**" (ابلیس اور اس کا خاندان تمھیں اس طور پر دیکھتا ہے کہ تم لوگ انھیں نہیں دیکھ سکتے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جن ابلیس کا خاندان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**الا ابليس كا ن من الجن**" (مگر ابلیس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا جو جن میں سے تھا)۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ ہم انھیں نہیں دیکھتے، جو یہ دعویٰ کرے کہ اس نے انھیں دیکھا یا وہ انھیں دیکھتا ہے تو وہ کاذب ہے بجز اس کے کہ وہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہو۔ تو یہ ان کا معجزہ ہوگا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ کے پاس شیطان کود پڑا کہ آپ کی نماز میں خلل ڈالے آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے پکڑ لیا۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ضرور جکڑا ہوا ہوتا کہ اسے اہل مدینہ دیکھتے یا جس طرح آپ نے فرمایا ہو اسی طرح ابو ہریرہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ جس نے بھی دیکھا یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی کے جن کو دیکھنے کی خبر صحیح کا امکان نہیں ہے۔ یہ اخبار یا تو منقطع ہیں (یعنی ان کی سند میں سے جابجا راویوں کا نام محذوف ہے جس سے یہ مرسل سے بھی زیادہ غیر معتبر ہیں) یا ان راویوں سے ہیں جن میں خیر نہ تھی۔

یہ باریک صاف اور ہوائی اجسام ہیں جن میں رنگ نہیں ہے۔ ان کا عنصر آگ ہے جیسا کہ ہمارا عنصر خاک ہے۔ اور یہی قرآن میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**والجان خلقناه من قبل من نار السموم**"۔ (اور ہم نے انسان سے پہلے جن کو خالص آگ سے پیدا

کیا) آگ اور ہوا دو عنصر ہیں جن میں رنگ نہیں ہے۔ آنچ والی آگ میں ہمارے یہاں جو رنگ پیدا ہو جاتا ہے وہ لکڑی۔ السی اور تیل وغیرہ کی رطوبتوں کے شامل ہونے سے ہے۔ جن میں رنگ ہوتے تو ہم حاسہ بصر (آنکھ) سے انھیں ضرور دیکھتے۔ اگر وہ صاف باریک اور ہوائی اجسام نہ ہوتے تو ہم انھیں حاسئہ لمس سے (یعنی چھوکر) ضرور دریافت کر لیتے یہ نص سے ثابت ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں اور ابن آدم کے اندر شیطان رگوں میں دوڑتا ہے۔ لہذا حقیقت کے طور پر ان سب کی تصدیق واجب ہے ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک ایسی قوت دی ہے جس سے انھیں ان وساوس تک رسائی ہے جو وہ دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة و الناس** (میں پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وساوس کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا کرتا ہے اور یہ شیطان خواہ جن ہو خواہ انسان) ہم ایسے انسان کا مشاہدہ کرتے ہیں جو ایسے شخص کو دیکھتا ہے جس پر اس کا کوئی انتقام وحق واجب ہے یہ بے چین ہو جاتا ہے اس کے حالات صورت اور اخلاق بدل جاتے ہیں۔ اس کی آتشی کیفیت برانگیختہ ہو جاتی ہے ایسے شخص کو دیکھتا ہے جس سے اسے محبت ہے تو اس کی ایک دوسری ہی حالت ابھرتی ہے، خوش ہوتا ہے اور مسرور ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو دیکھتا ہے جس سے ڈرتا ہے تو اس کی اور ہی حالت پیدا ہوتی ہے چہرے پر زردی، رعشہ، کمزوری پیدا ہو جاتی ہے دوسرے انسان کی طرف ایسے اشارات کرتا ہے جن سے اس کی طبیعت کو بدل دیتا ہے کہ وہ کبھی اس پر غصہ ہوتا ہے دوبارہ اس سے شرمندہ ہوتا ہے سہ بارہ اس سے ڈر جاتا ہے اور چوتھی بار اس سے خوش ہو جاتا ہے اسی طرح گفتگو کے ذریعے سے بھی طبیعت کو ان تمام احوال کی طرف پھیر دیتا ہے ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے ایسے قوی بنائے ہیں جن کی وجہ سے وہ دلوں میں تغیر کرنے اور ان میں ایسی باتیں ڈالنے تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جن کی طرف لوگوں کو بلانا چاہتے ہیں ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں مردود شیطان سے اور اس کے وسوسے سے اور بدترین انسانوں سے۔ ابن آدم کی خون کی رگوں میں شیطان کے جاری ہونے کا یہی مطلب ہے۔ جیسا شاعر نے کہا ہے۔

وقد کنت اجری فی حشاهن مرة　　　کجری معین الماء فی قصب الآس

(اور میں کبھی کبھی ان عورتوں کی آنتوں میں چلا کرتا تھا جس طرح نہر آب رواں درخت آس کی رگوں میں جاری رہتا ہے)۔

مرگی (صرع) کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **کالذی یتخبطه الشیطن من المس**" (مثل اس شخص کے جسے شیطان چھوکر بدحواس کر دے) اللہ تعالیٰ نے مصروع، (مرگی والے) میں شیطان کی یہ تاثیر بیان کی کہ وہ اس کے چھونے سے ہوتی ہے۔ لہذا کسی کو اس پر کچھ اضافہ کرنے کا حق نہیں۔ جو اس پر اضافہ کرے گا وہ ایسی بات کہے گا جس کا اسے علم نہیں اور یہ حرام ہے۔ حلال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **ولا تقف مالیس لک به علم**" (اس چیز کے درپے نہ ہو جس کا تمھیں علم نہیں)۔ یہ وہ امور ہیں کہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث کے نہیں معلوم ہو سکتے اور جو ہم نے بیان کیا ہے اس کے سوا کوئی صحیح حدیث آپ سے منقول نہیں ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو جس پر قابو دیتا ہے وہ اسے چھو لیتا ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ وہ سوداوی طبائع کو اور دماغ پر چڑھنے والے بخارات کو برانگیختہ کر دیتا ہے جیسا کہ بغیر ان کے اختلاف کے ہر مرگی والا اپنے متعلق بتاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے لیے مرگی اور بدحواسی پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یہی نص قرآن ہے اور یہی مشاہدہ بھی ثابت کرتا ہے جو اس پر اضافہ کرے وہ خرافات ہیں۔ جرات کرنے والوں اور جھوٹوں کی ایجادات ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ آفتاب جب نکلتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے جب وہ بلند ہو جاتا ہے تو وہ سینگ اس سے جدا ہو جاتا ہے، جب مستوی ہوتا ہے (یعنی خط نصف النہار پر آ جاتا ہے) تو وہ سینگ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے جب وہ

ہٹ جاتا ہے (تو زوال ہو جاتا ہے) تو وہ سنگ آفتاب سے جدا ہو جاتا ہے۔ جب غروب کے قریب ہوتا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جب غروب کے قریب ہوتا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے ان تینوں وقتوں میں نماز سے منع فرمایا۔ یا جیسا آپ نے فرمایا ہو جس کے معنی یہی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے آپ کا ہر کلام اپنے ظاہر پر ہوتا ہے بجز اس کے کہ جس پر کوئی نص آئی ہو کہ یہ نص اپنے ظاہر پر نہیں ہے تو ہم اسے سنیں گے اور مانیں گے یا اس کے متعلق کوئی برہان حس بدیہی یا عقل ابتدائی سے قائم ہو تو ہم جانیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی مراد لی ہے جسکی صحت پر برہان قائم ہے۔ اسکے سوا اور کچھ جائز نہیں۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آفتاب ہر دقیقے (منٹ) میں کسی نہ کسی افق پر طلوع ہوتا ہے دوسرے افق پر بلند ہوتا ہے تیسرے پر مستوی چوتھے سے زائل، پانچویں پر قریب غروب اور چھٹے پر غروب ہو جاتا ہے اس امر میں اس کے نزدیک ذرا بھی شک نہیں جو ہیئت کا علم رکھتا ہے جب یہ ایسا ہے تو یقیناً ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کوئی ایسا افق مراد لیا ہے جو تمام آفاق کے علاوہ ہے اس کے سوا کچھ ممکن نہیں کیوں کہ اگر آپ ہر افق مراد لیتے تو یہ خبر دینا کہ وہ سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے غلط ہوتا۔ اور آپ اس سے بری ہیں چونکہ ان سب میں کوئی شک نہیں اس لیے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے صرف مدینے کا افق مراد لیا ہے کیوں کہ یہ وہی افق ہے جس کے باشندوں کو آپ نے اس خبر سے مطلع فرمایا اور انھیں آگاہ کر دیا کہ ان احوال میں شیطان آفتاب کے ساتھ ہوتا ہے اور ان احوال میں وہ اس سے جدا ہو جاتا ہے اس معیت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا ہے ہم اسپر اضافہ نہیں کرتے۔ اس لیے کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا ہمارے پاس اس کی کوئی تفسیر و بیان نہیں ہے پھر بجز اسکے کہ اس میں کوئی بات ناممکن ہرگز نہیں ہے۔ لہذا ہمارے مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہو گیا کہ خبر وحدیث کا پہلا حصہ خاص ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ آپ کا ان اوقات میں نماز سے منع کرنا ایک دوسرا قصہ اور دوسرا ہی واقعہ وحکم ہے جو اول کے مغایر ہے اور یہ ہر زمانے اور ہر مقام پر اپنے عموم پر ہے۔ سوائے اسکے جس کی اس حکم سے تخصیص پر کسی دوسری نص سے برہان قائم ہو جیسا کہ ہم نے اس مسئلے کو اس کتاب کے علاوہ اپنی دوسری کتب صلوۃ میں جو ہماری ہی تالیف ہیں بیان کیا ہے **والحمد لله رب العلمين كثيرا۔**

طبائع

اشعریہ کا مذہب طبائع کا بالکل انکار ہے کہ نہ آگ میں گرمی ہے۔ نہ برف میں سردی اور نہ اس عالم میں اور کوئی طبیعت ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ آگ کی گرمی اور برف کی سردی محض چھونے کے وقت پیدا ہوتی ہے شراب میں بھی نشہ پیدا کرنے کی طبیعت (خاصیت) نہیں ہے۔ اور نہ منی میں وہ قوت ہے جس سے کوئی جاندار پیدا ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس میں سے جو اور جتنا چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ انسان کی منی سے اونٹ، گدھے کی منی سے انسان اور ترنجبین سے کھجور پیدا کر دے۔

ہمیں ان کی قطعاً کوئی دلیل نہیں ملی جس سے اس حماقت میں فریب وہی کی ہو۔ بعض لوگوں سے میں نے اس مسئلے میں مناظرہ کیا ہے ان سے کہا کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے وہی زبان تمھارے قول کو باطل کرتی ہے۔ اس لیے کہ لغت عربیہ قدیمہ میں ان الفاظ کا ذکر ہے ''طبیعت خلیقت سلیقت بخیریت۔ غریزت۔ سمیت۔ جبلت''۔ کسی صاحب علم کو اس میں شک نہیں کہ یہ الفاظ زمانہ جاہلیت میں استعمال ہوتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سنا مگر کبھی ان کا انکار نہیں فرمایا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکار فرمایا اور نہ ان کے بعد

والوں نے یہاں تک کہ یہ فرقہ پیدا ہو گیا جو کسی شمار میں بھی نہیں امرَ والقیس کہتا ہے۔

''وان کنت قدساء تک منی خلیقة   فسلی ثیابی موثیا بک تنسل''

(اگر تجھے میری خلقیت وطبیعت بری معلوم ہوتی ہے تو میرے کپڑے اتار ڈال جو تیرے ہی کپڑوں سے بنائے جاتے ہیں)۔

حمید بن ثور الہلالی الکندی کہتا ہے۔ ع

لکل امری یا ام عمر وطبیعة   وتفرق مابین الرجال الطبائع

(اے ام عمرو ہر شخص کی ایک طبیعت ہوتی ہے۔ لوگوں کے درمیان طبیعتیں ہی فرق کرتی ہیں)۔

نابغہ کہتا ہے۔ ع

لھم سیمة لم یعطھا اللہ غیر ھم   من الجو دوا لا حلام غیر موازب

(ان کی سمیت (طبیعت وخصلت) سخاوت وحلم وبردباری کی ہے جو اللہ نے ان کے سوا کسی کو نہیں دی)۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جارود سے فرمایا کہ ان میں حلم و بردباری ہے تو جارود نے گزارش کی کہ اللہ نے مجھے ان دونوں جبلتوں پر پیدا کر دیا ہے یا یہ میری حاصل کی ہوئی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمھیں ان دونوں پر پیدا کر دیا اور تمھاری جبلت بنا دیا۔ اس قسم کی روایات بہت ہیں۔ عرب کے نزدیک یہ تمام الفاظ مترادف اور ایک ہی معنی میں ہیں۔ وہ معنی یہ ہیں کہ یہ ایک شے کی وہ قوت ہے جس سے وہ شے اس حالت پر پائی جاتی ہے جس پر وہ ہے۔

یہ بیان سن کے وہ اشعری پریشان ہو گیا اور اس نے اس قول کی پناہ لی کہ میں تو یہ بات صرف آدمیوں کیلیے کہتا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تمھیں یہ انسان کی تخصیص کا حق کہاں سے ملا۔ حالانکہ حس وبداہت عقل سے یہ امر عالم کی ہر مخلوق میں موجود ہے۔ اس کے بعد اسکے پاس کوئی ملمع کاری بھی نہ رہی۔

اس مذہب فاسد نے انھیں اس پر آمادہ کیا کہ یہ انبیا علیہم السلام کے لائے ہوئے آیات ومعجزات کو خرق عادت کہیں اسلیے کہ انھوں نے شق قمر۔ دریا کے بیچ سے پھٹنے اور راستہ بن جانے اور پتھر سے اونٹنی نکالنے اور مردے زندہ کرنے کو محض اس لیے ناممکن قرار دیا ہے کہ یہ سب عادات ہیں۔ (اور خلاف عادت نہیں ہوتا)۔

نعوذ باللہ منہ۔ اگر یہ اسکی عادت ہوتی تو اس میں ہرگز کوئی اعجاز نہ ہوتا۔ اس لیے کہ لغت عرب میں عادت۔ داب۔ دین۔ دیدن۔ ہجیری۔ الفاظ مترادفہ ہیں کہ سب کے سب ایک ہی معنی میں ہیں انسان ان الفاظ کو اکثر اس چیز میں استعمال کرتا ہے جس کے ترک کا خوف نہیں ہوتا اور نہ اس کا زائل ہونا قابل اعتراض ہوتا ہے اس کے غیر کا وجود بھی اس سے ممکن ہے اور اس کے قبل کا بھی بخلاف طبیعت کے اس سے۔ عادت کا استعمال عام عرب کے محاورے میں یہ ہے۔ ڈاڑھی رکھنا۔ نیزہ اٹھانا۔ بعض لوگوں کا اونچی ٹوپی پہننا۔ بعض لوگوں کا بال منڈانا، اور بعض کا انھیں بڑھنے دینا ہے۔ شاعر کہتا ہے

تقول وقد در ائت لھا وضینی   اھذا دینہ ابدا ودینی

(میں نے جب اُس کے لیے اپنا کمبل بچھا دیا تو وہ کہنے لگی کہ کیا یہ اُس نے اپنی اور میری طبیعت ودین کو ظاہر کیا ہے)۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔ ع

''ومن عاداتہ الخلق الکریم'' (خلق کریم اس کی عادتہے)

ایک اور شاعر کہتا ہے۔ ع

قدعودالطیر عادات وثقن بها فهن یصحبته فی کل مرتحل

(پرندوں کو اُس نے چند عادتوں کا خوگر بنادیا ہے جن کو اُنہوں نے مضبوطی سے اختیار کیا ہے۔ وہ ہر گذرگاہ میں اُس کے ہمراہ رہتے ہیں)۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے۔ ع

''عودت کندة عادت فصیر لها'' (قوم کندہ چند عادات کی عادی ہوگئی ہے)۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔ ع

''وشدید' عادة منتزعه'' (عادت کا چھوڑنا مشکل ہے)۔

اُس نے بیان کیا کہ عادت کا چھوڑنا بہت دشوار ہے مگر وہ ممکن ہے ممتنع و نا ممکن نہیں۔ بخلاف اُس طبیعت کے زائل کرنے کے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ اکثر عرب لفظ عادت کو لفظ طبیعت کے مقام پر استعمال کرتے ہیں جیسا کہ حمید بن ثور الہلالی کا کلام ہے۔ و

سلی الربع ان یمّمت یاام سالم وهل عادة للمربع ان یتکلما

(اے ام سالم فرودگاہ کا قصد کیا ہے تو اُس سے پوچھو۔ لیکن کیا فرودگاہ کی بھی یہ عادت (سرشت) ہے کہ باتیں کرے اور جواب دے سکے)۔

یہ تمام طبائع و عادات پیدا کی ہوئی ہیں جن کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اُس نے طبیعت کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ وہ کبھی نہیں بدلتی۔ کسی صاحب عقل کے نزدیک اُس کا بدلنا ممکن نہیں۔ مثلاً انسان کی طبیعت یہ ہے کہ اُس کے لیے علوم وفنون میں تصرف ممکن ہے۔ بشرطیکہ اُسے کوئی آفت نہ پیش آجائے۔ گدھے اور خچر کی طبیعت یہ ہے کہ اُن سے یہ غیر ممکن ہے گیہوں کی طبیعت یہ ہے کہ اُس سے جو اور جو نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح عالم کی ہر چیز کی طبیعت ہے۔ یہ قوم بھی صفات کو مانتی ہے اور یہ صفات طبیعت ہیں۔ اس لیے کہ جو صفات موصوف کے اندر ہیں وہ موصوف کی ذاتی بھی ہوتی ہے جن کے زائل ہونے کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بجز اس کے کہ ان کے حامل یعنی موصوف ہی میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے اور اس سے اُس کا نام ہی ساقط ہو جائے۔ مثلاً شراب کی وہ صفات جو اُس سے زائل ہو جائیں تو وہ سرکہ بن جائے اور اس سے شراب کا نام ہی باطل ہو جائے یا گوشت روٹی کی وہ صفات کہ جب اس سے زائل ہو جائیں تو پاخانہ بن جائے اور ان دونوں سے گوشت روٹی کا نام ساقط ہو جائے۔ اسی طرح ہر چیز جس کے لیے صفت ذاتی ہے۔ اور یہی طبیعت ہے۔

وہ صفات جو موصوف کے اندر ہیں ایسی بھی ہیں کہ اگر اُن کے زائل ہونے کا خیال کیا جائے تو اُس کا موصوف باطل نہ ہوگا' نہ اُس سے اُس کا نام جدا ہوگا۔ اس کی تین قسمیں ہیں:۔

ایک قسم تو وہ ہے جس کا زائل ہونا ممکن نہیں۔ مثلاً ناک چپٹا ہونا۔ قد کا کوتاہ ہونا۔ آنکھ کا نیلا ہونا۔ حبشی کا سیاہ ہونا وغیرہ۔ اگر اس صفت کے زائل ہونے کا خیال کیا جائے تو انسان اپنے حال کے مطابق انسان ہی رہے گا۔

دوسری قسم وہ ہے کہ بہت دیر میں زائل ہوتی ہے۔ مثلاً بے ڈاڑھی مونچھ کے رہنا، بالوں کا سیاہ ہونا، اور جو اُس کے مشابہ ہوں۔

تیسری قسم وہ ہے کہ جلد زائل ہو جاتی ہو۔ مثلاً شرمندہ کی سرخی، خوفزدہ کی زردی، فکر میں چہرے کی کدورت۔ اور اسی قسم کی صفات۔ صفات کے بارے میں حقیقت کلام یہ ہے۔ جو کچھ اس کے سوا ہے وہ ان سوفسطائیہ کا طریقہ ہے جو کسی حقیقت کو حقیقت ہی نہیں مانتے۔

ونعوذ بالله من الخذ لان۔

خواتین کی نبوت

اس زمانے میں اس موضوع کی نسبت جیسا ہنگامہ عظیم ہمارے یہاں قرطبہ میں ہوا ہمیں علم نہیں کہ کہیں ایسا ہوا ہو۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ عورتوں میں نبوت کا ہونا بالکل باطل ہے اور جو اس کا قائل ہو وہ بدعتی ہے۔

ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ عورتوں میں نبوت ہوئی ہے۔

اور ایک گروہ کا مذہب اس میں توقف وسکوت ہے۔

ہمیں نبوت کے روکنے والوں کی کسی دلیل کا علم نہیں۔ سوائے اس کے کہ بعض لوگوں نے اس آیت سے مناقشہ کیا ہے ''**وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیهم** '' (اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جنھیں ہم وحی بھیجا کرتے تھے)۔ وہ اس امر میں مناقشہ نہیں کرتے اور نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو رسول بنایا۔ کلام صرف نبوت کے بارے میں ہے نہ کہ رسالت کے بارے میں۔ لہذا اس میں تلاش حق واجب ہے جس کی یہ صورت ہے کہ اُس زبان میں لفظ نبوت کے معنے پر غور کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مخاطب فرمایا ہے۔

لفظ نبوت کو ہم نے ''انباء'' سے ماخوذ پایا جس کے معنے ''اعلام'' (خبردار کرنا) ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی چیز کے ہونے سے پہلے آگاہ کردے کہ وہ ہوگی یا اُسے کسی بات سے آگاہ کرنے کے لیے وحی بھیجے تو وہ بلاشک نبی ہے۔ اور یہ باب الہام سے نہ ہو جو طبیعت ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ ''**واوحی الی النحل** '' (اور اللہ نے شہد کی مکھی کو وحی بھیجی) نہ وہ اُس ظن (گمان) وتوہم کے باب سے ہو جس کے حق ہونے پر سوائے مجنون کے کوئی یقین نہ کرے نہ وہ اُس باب کہانت (نجوم ورمل وغیرہ کی باتوں) سے ہو جو شیاطین آسمان سے سُن کر چُرالاتے ہیں جنھیں شہاب ثاقب سے مارا جاتا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **شیٰطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا** '(انسان وجن کے شیاطین میں سے بعض بعض کو دھوکا دینے کے لیے بیہودہ باتیں بتایا کرتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے کہانت ختم ہوگئی (اس لئے کہ جن کی آمد ورفت آسمان پر بند ہوگئی جو آسمان سے خبریں سُن کر کاہنوں کو بتایا کرتے تھے) نہ وہ اُس باب نجوم سے ہو جو تجربات ہیں کہ سیکھ لیے جاتے ہیں۔ نہ وہ خواب ورویاء سے ہو جسے کوئی نہیں جانتا کہ سچ ہے یا جھوٹ۔

وہ وحی جو نبوت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی چیز سے آگاہ کرنے کا قصہ ہے جس پر ایسی چیز کے متعلق بھیجی جاتی ہے جو اس وحی کے ذریعے سے اُسے اللہ تعالیٰ بتاتا ہے۔ اُس شخص پر اس چیز کی وحی کے وقت ایک حقیقت ہوتی ہے جو وجوہ مذکورہ بالا سے خارج ہوا کرتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اُس شخص کے لیے جس پر وحی کی جاتی ہے اُس وحی کی صحت کے متعلق ایک علم ضروری پیدا کردیتا ہے جو ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اُس کا وہ علم ہوتا ہے جسے اپنے حواس وبداہتِ عقل سے ادراک کرتا ہے۔ دونوں مساوی ہوتے ہیں جس میں کسی شک کی مجال نہیں۔ یا تو اُس وحی کو فرشتہ لاتا ہے یا اُسے اُس کے دل میں کسی خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی معلم کی وساطت کے اُس کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگر انکار کریں اور کہیں کہ نبوت کے یہ معنے نہیں ہیں تو ہمیں اُس کے معنے بتائیں۔ وہ ہرگز کوئی معنے نہ بتا سکیں گے۔

قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند خواتین کے پاس ملائکہ کو بھیجا اور اُنہوں نے اُنکو اللہ تعالیٰ کی وحی حق سے خبردار کیا۔ ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے والدہ اسحٰقؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی بشارت دی "**وامرأته قائمة فضحكت فبشرنا ها باسحق ومن وراء اسحق يعقوب. قالت ياويلتا ا الدوانا عجوز وهذا بعلي شيخا. ان هذا شيئى عجيب قالو ا اتعجبين من امر الله رحمة الله وبر كاته عليكم اهل البيت**" (اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی تھیں۔ پھر وہ ہنسیں پھر ہم نے اُنھیں اسحٰقؑ کی اور اسحٰقؑ کے بعد یعقوبؑ کی ولادت کی بشارت دی تو وہ کہنے لگیں کہ ہائے غضب۔ بھلا میرے یہاں بچہ پیدا ہوگا میں اتنی بوڑھی اور میرے شوہر ایسے بڈھے۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ ملائکہ نے کہا کہ کیا تم اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہو۔ اے اہل بیت (ابراہیمؑ کے گھر والو) تم لوگوں پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں (اس لیے اس سے بھی بڑے بڑے انعامات تمہیں ملیں تو جائے تعجب نہیں) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ نے والدہ اسحٰقؑ کو خطاب کیا۔ اسحٰقؑ کی اور اُن کے بعد یعقوبؑ کی بشارت دے کے کہا کہ آپ اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہیں۔ اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کسی طور پر بھی کوئی فرشتہ غیر نبی کو یہ خطاب کر سکے۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو مریمؑ والدہ عیسیٰ علیہم السلام کے پاس بھیجا کہ وہ اُن سے خطاب کریں۔ جبریل نے ان سے کہا کہ "**انما انارسول ربک لاهب لک غلا ماز کیا**" (میں تو محض آپ کے رب کا قاصد ہوں، اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں)۔ یہ واقعی نبوت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں صحیح وحی بھیجی گئی۔ اور زکریا علیہ السلام ان کے پاس رزق اترا ہوا دیکھتے تھے تو انھوں نے اس کی وجہ سے ایک بزرگ بیٹے کی تمنا کی۔

ہمیں معلوم ہے کہ والدہ موسیٰ علیہا السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ وہ اپنے بیٹے کو سمندر میں ڈال دیں اور انھیں آگاہ کر دیا کہ ان کے بیٹے کو ان کے پاس واپس کر دے گا اور انھیں نبی مرسل بنائے گا۔ یہ بھی بلاشک نبوت ہے۔ ہر صاحب تمیز صحیح بہ ضرورت عقل جانتا ہے کہ اگر والدہ موسیٰ کو اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی نبوت پر بھروسہ نہ ہوتا تو وہ اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو سمندر میں نہ ڈالتیں چاہے خواب میں اس کی ہدایت ہوتی یا قلب میں القا ہوتا، یا ان کے دماغ میں یہ تصور قائم ہو جاتا، بدون نبوت کے ایسا کرتیں تو وہ انتہائی جنون اور شدید صفراوی ہیجان میں ہوتیں۔ اور اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو یا تو وہ انتہائی فاسق یا انتہائی مجنون ہوتا کہ شفا خانے میں اپنے دماغ کی اصلاح کا محتاج ہوتا، اس میں کسی کو بھی شک نہ ہوگا۔

ثابت ہو گیا کہ والدہ موسیٰ پر جو وحی اپنے بچے کو سمندر میں ڈالنے کے لیے وارد ہوئی وہ ایسی ہی وحی تھی جو ابراہیم پر خواب میں اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ کیوں کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اگر ایسے نبی نہ ہوتے جنھیں اپنی وحی کی صحت پر اپنے فرزند کے ذبح کرنے کی خبر و نبوت پر جوان پر وارد ہوئی تھی بھروسہ نہ ہوتا، اپنے فرزند کو محض اپنے ایک خواب دیکھنے کی وجہ سے ذبح کر دیتے تو بلاشک غیر انبیاء میں سے ایسے فعل کا فاعل یا تو انتہائی فاسق ہوتا یا انتہائی جنون۔ یہ وہ بات ہے جس میں کوئی شک کر ہی نہیں سکتا۔ لہذا یقیناً ان خواتین کی نبوت ثابت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ کھیعص میں انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں حضرت مریمؑ کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ "**اولئک الذین انعم الله عليهم من النبيين . من ذرية آدم و ممن حملنا مع نوح**" (یہ وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جو اولاد آدم اور ان کی اولاد ہیں جن کو ہم نے نوح کیساتھ کشتی میں سوار کیا تھا)۔ یہ تمام انبیاء کے ساتھ مریم کا عموم اور شامل کرنا ہے۔ انبیاء کے مجموعے سے مریم کی تخصیص (غیر نبی ہونے میں) جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا "**وامه صديقة**" (اور والدہ مسیح صدیقہ ہیں) فرمانا انکے نبی ہونے کو نہیں روکتا کیوں

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**یوسف ایھا الصدیق** “ (اے یوسف صدیق) اور وہ اس کے باوجود نبی ورسول ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے اس معاملے میں زوجہ فرعون بھی انھیں خواتین میں شامل ہیں کہ ”مردوں میں تو بہت سے کامل ہوئے مگر عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران وآسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی“ یا جیسا آپ نے فرمایا ہو۔ مردوں میں کمال صرف بعض مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کو ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ جو ان سے کم درجے کے ہیں وہ بلاشک ان کے مقابلے میں ناقص ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مریم وزوجہ فرعون کی تخصیص کا سبب یہی تھا کہ بلاشک آپ نے ان دونوں کو ان تمام خواتین پر فضیلت دی تھی جن کو نبوت عطا کی گئی ہے۔ کیوں کہ جو شخص دوسرے کے مرتبے سے ایک دقیقہ بھر بھی کم رہ گیا تو وہ کامل نہ رہا۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں خواتین نے ایسا کمال حاصل کیا جس میں کوئی اور عورت انکی شریک نہ ہوسکی۔ اگر چہ اور عورتیں بھی نصوص قرآن کی بناء پر نبی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** “ (ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ اپنی نوع میں کامل وہی ہے کہ اس کے اہل نوع میں سے کوئی اسے پا نہ سکے۔ مردوں میں تو ایسے لوگ وہی رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں پر فضیلت دی ہے اور انھیں میں سے ہمارے نبی اور ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ جس میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ ان دونوں حضرات کے بارے میں ایسی نصوص وارد ہیں جن سے دوسرے رسولوں پر ان کی فضیلت ثابت ہے۔ اور خواتین میں وہی کامل ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔

خواب و رؤیاء

صالح شاگرد نظام کا مذہب یہ ہے کہ ہم میں سے جو شخص خواب میں کچھ دیکھتا ہے وہ جس طرح دکھائی دیتا ہے اسی طرح حق ہے۔ جس نے یہ خواب دیکھا کہ وہ چین میں ہے، حالانکہ وہ اندلس میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اسے چین میں پیدا کردیا۔

یہ قول انتہائی فاسد ہے اس لیے کہ مشاہدہ وعقل اس قول کے کذب وبطلان پر مجبور ہیں۔ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ہم اس وقت اس سونے والے کو اپنے پاس دیکھتے ہیں حالانکہ وہ اس وقت اپنے آپ کو چین میں دیکھتا ہے۔ طریق عقل یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ خواب دیکھنے والا محالات بھی دیکھتا ہے، مثلاً سر کٹے ہوئے آدمی کا زندہ ہونا۔ اور اسی طرح کے حالات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے آپ سے خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ اپنے ساتھ شیطان کے کھیلنے کو بیان نہ کرو“۔ (**لا تخبر بتلعب الشیطان بک**)۔

خواب کے بارے میں قول صحیح یہ ہے کہ اس کی چند قسمیں ہیں:۔

ایک وہ ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ وہی ہے جو اضغاث یعنی پریشان خیالات واوہام اور ایسی بدحواسی ہوتے ہیں جو ضبط وضابطے میں نہیں آسکتے۔

بعض وہ ہیں جو حدیث نفس یعنی ذاتی خیالات ہوتے ہیں یہ وہ ہیں جن میں انسان بیداری میں مشغول رہتا ہے انھیں کو خواب میں دیکھتا ہے۔ مثلاً دشمن کا خوف، یا دوست کی ملاقات، یا خوف سے رہائی، یا اور اسی قسم کے امور۔

بعض وہ ہیں جو غلبۂ طبیعت سے ہوتے ہیں مثلاً جس پر خون کا غلبہ ہو اس کا پھولوں اور کلیوں کو اور سرخی اور سرور کو دیکھنا جس پر صفراء کا غلبہ ہو اس کا آگ کو دیکھنا۔ جس پر بلغم کا غلبہ ہو اس کا برف اور پانی کو دیکھنا جس پر سودا کا غلبہ ہو اس کا پہاڑ کی گھاٹیوں اور ظلم اور خطرناک مقامات کو دیکھنا۔

ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ خواب والے کے نفس کو دکھاتا ہے جبکہ وہ جسمانی کدورتوں سے صاف اور افکار فاسدہ سے پاک ہو، اللہ تعالیٰ اسے بہت سے ایسے امور غیبیہ سے آگاہ فرماتا ہے جو اب تک پیش نہیں آئے۔ جس قدر نفس کی پاکی وصفائی میں کمی بیشی ہوگی اسی قدر خواب کے صدق میں بھی کمی بیشی ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صحیح حدیث ہے کہ ''لم یبق بعد ہ من النبوۃ الا المبشر ات'' (آپ کے بعد نبوت میں سے بجز مبشرات یعنی خوش خبری دینے والی خبروں کے کچھ باقی نہیں رہا)۔ مبشرات۔ رویائے صالحہ (سچے خواب) ہیں جنھیں انسان دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔ یہ خواب نبوت کے چھبیس سے چھیالیس جزو تک میں سے ایک جز و اور چھیالس سے ستر جز و نبوت تک میں اسے ایک جز و ہوتے ہیں ہم نے جو ان کے صدق کی کمی بیشی اور ہر مشتبہ بات سے واضح اور صاف ہونے میں ان کی کمی بیشی بیان کی ہے تو یہ حدیث اس پر نص جلی ہے یہ نسبتیں اور قسمیں اس بنا پر نکلتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صرف انبیاء علیہم السلام کے خواب مراد لیے ہیں۔

بعض وہ نبی ہیں جن کا خواب ان کے چھبیس اجزائے نبوت وخصائص وفضائل میں سے ایک جزو ہے بعض وہ ہیں جنکا کا خواب انکے چھیالیس اجزائے نبوت وخصائص وفضائل میں سے ایک جزو ہے بعض وہ ہیں جنکا خواب انکے ستر اجزائے نبوت وخصائص وفضائل میں سے ایک جزو ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے واللہ اعلم بلا تکلف وتاویل الفاظ حدیث کے مقتضاء کی بنا پر یہی مطلب نکلتا ہے۔

غیر انبیاء کے خواب کبھی جھوٹے ہوتے ہیں اور کبھی سچے مگر ان میں سے کسی کی صحت کا یقین نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ اس کی صحت کا ظہور نہ ہو جائے سوائے انبیاء کے خوابوں کے کہ وہ سب کے سب وحی ہیں جن کی صحت یقینی ہوتی ہے۔

مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا خواب کہ اگر اس واقع کو غیر نبی خواب میں دیکھتا پھر اسے بیداری میں نافذ و جاری کرتا تو وہ یقیناً فاسق و گنہگار اور فعل عبث وبیہودہ کا مرتکب ہوتا یا بلاشک مجنون و بے تمیز ہوتا کبھی کافر کا خواب بھی سچا ہوتا ہے مگر وہ اس وقت نہ تو نبوت کا جزو ہوتا ہے اور نہ مبشرات میں ہے۔ البتہ وہ اسے یا اور (کسی دوسرے) کو نصیحت اور خوف دلاتا ہے۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

کونسی مخلوق افضل ہے؟

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔ ایک دوسرے گروہ کا جو اسلام ہی سے انتساب رکھتا ہے یہ مذہب ہے کہ وہ صالحین جو انبیاء نہیں ہیں ملائکہ سے افضل ہیں بعض کا مذہب یہ ہے کہ ولی نبی سے افضل ہے۔ اور اس امت میں ایسا شخص ہوسکتا ہے جو عیسیٰ بن مریم سے افضل ہو۔ میں نے باقلانی کو کہتے سنا کہ ممکن ہے اس امت میں ایسا شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی بعثت کے زمانے سے تا بہ وفات افضل ہو'' میں نے ابو ہاشم الجبائی کی تحریر دیکھی کہ اگر کسی مسلم کی اعمال صالحہ میں عمر طویل ہو جائے تو ممکن ہے کہ وہ نبی صلی اللہ عیلہ والہ وسلم کے عمل کے برابر ہو جائے'' (جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو)۔

اگر یہ تھوڑی سی حیا نہ کرتا جیسا کہ اس کے جیسے باقلانی نے حیا نہیں کی تو یہ ضرور ایسی بات کہتا جس سے لازم آتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فضیلت میں بڑھ سکتا ہے۔

ان تمام اقوال کے کفر خالص ہونے میں ذرا سا بھی تردد نہیں ہوسکتا۔ معاذ اللہ ایسا بھی کوئی نہیں ہوسکتا کہ اگر اسے عمر دوام بھی دے دی جائے تو وہ کسی صحابی کی فضیلت ہی حاصل کرے۔ چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اور کسی نبی کی فضیلت۔ بھلا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل اور فضیلت میں زیادہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جسے مسلمان کبھی قبول نہ کرے گا گویا ان لوگوں نے یہ کلام الٰہی نہیں سنا" **لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل . اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا**" (تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مال راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ لوگ ان لوگوں سے بہت بڑے مرتبے والے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا)۔ شاید یہ حدیث بھی نہیں سنی کہ "میرے اصحاب کو میرے لیے چھوڑ دو، کیوں کہ اگر تم میں سے کسی کے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، پھر بھی میرے اصحاب کے سیر آدھ سیر جو کے برابر نہ پہنچے گا"۔

وہ شخص کوہ احد کے برابر سونا خیرات کرے اور صحابی سیر آدھ سیر جو خیرات کرے تو یہ کوہ احد کے برابر سونے کی خیرات فضیلت میں سیر آدھ سیر جو کی خیرات کے برابر نہ پہنچے گی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کوئی کیسے ہو سکے گا؟

اہل حق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق پیدا کی ان میں سب سے افضل ملائکہ ہیں۔ ان کے بعد رسول ہیں ان کے بعد انبیاء ہیں جو رسول نہیں ہیں۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ترتیب کے مطابق ہیں جو ہم نے پہلے بیان کی (یعنی ان میں سب سے افضل ازواج مطہرات پھر حضرت صدیق ؓ وغیرہ)۔

جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ملی اسے بھی وہی فضیلت حاصل ہے جو تمام صحابہ کو ہے۔ اس لیے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ "**دعوالی اصحابی**" (میرے اصحاب ؓ کو میرے لیے چھوڑ دو) عام ہے۔

تمام رسولوں میں افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ملائکہ کی ان رسولوں پر فضیلت جو ملائکہ نہیں ہیں۔ چند براہین کے سبب سے ہے۔ جن میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ یہ فرما دیں کہ "**قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب و لا اقول انی ملک . ان اتبع الا ما یوحی الی**" (آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب داں ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے) اگر رسول فرشتے سے بلند مرتبہ یا برابر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کفار سے ایسا قول کہنے کا حکم نہ دیتا جس کو آپ نے تکبر و ترفع سے بچنے اور تواضع وانکسار کے لیے فرمایا ہے کہ یہ نہ گمان کیا جائے کہ آپ کے پاس اللہ کے خزانے ہیں یا آپ غیب داں ہیں یا آپ فرشتہ ہیں آپ اپنے نفس مقدسہ کو ایسے مرتبے میں اتار رہے ہیں جو بلاشک ان مراتب سے کم ہے۔ کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ یہ بات ان مراتب کے متعلق فرماتے جو ان سے بلند تر ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو افضل الرسل ہیں ملائکہ اور جبریل علیہ السلام کے بعد ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ان دونوں حضرات کے درمیان فرق بعید ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**انہ لقول رسول کریم ذی قوة عند ذی العرش مکین**

مطاع ثم امین ''(بے شک یہ قرآن ایک بزرگ رسول یعنی جبریل کا قول ہے جو صاحب قوت ہے مالک عرش کے پاس مقیم ہے وہاں سب اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ امین ہے)۔ یہ جبریل علیہ السلام کی صفت ہے اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر کیا ہے کہ'' **وماصاحبکم بمجنون** ''(اور تمھارے ساتھی مجنون نہیں ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے مزید بیان کیا ہے جو اشکال کو بالکل رفع کر دیتا ہے'' **ولقد رآہ بالا فق المبین** ''(اور آپ نے کھلے ہوئے افق پر جبریل کو دیکھا) اللہ تعالیٰ نے بزرگ ترین انبیاء ومرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اس طرح بڑھایا کہ آپ نے جبریل علیہ اسلام کو دیکھا۔ پھر فرمایا'' **ولقد رآہ نزلت اخری 'عندسدرۃ المنتھی ، عند ھا جنتہ الماوی . اذیغشی السدرۃ مایغشی ، مازاغ البصروماطغی ، لقدرأی من آیت ربہ الکبری** ''(اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا ہے۔ سدرہ المنتہی (مقام جبریل علیہ السلام) جس کے قریب جنت ماوی ہے جس وقت اس سدرۃ المنتہی کو ایک تجلی تھی جو ڈھانکے ہوئے تھی جس سے آپ کی نگاہ نہ تو خیرہ ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ (بلکہ تجلی اعظم کے باوجود اچھی طرح جبریل علیہ السلام پر پڑی بے شک آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)۔ جیسا کہ تم بھی دیکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اظہار احسان کیا ہے کہ اس نے آپ کو دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کی زیارت کرائی۔

پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لوگوں کی آپس میں فضیلت کی کمی بیشی صرف دو وجوہ سے ہوتی ہے۔

محض اختصاص۔ اور سب سے بڑا اختصاص وتعظیم رسالت ہے اور یہ ملائکہ کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **جاعل الملئکۃ رسلا** '' (ملائکہ کو رسول بنانے والا اللہ ہی ہے) یہ سب کے سب اللہ کے رسول ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا اختصاص اس طور پر کیا کہ ان کی ابتداء ہی جنت اور اطراف عرش کے اس مکان میں کی کہ اس نے اپنے رسولوں اور ان کے ماننے والوں سے ان کی انتہائی مدارات وبزرگی کا وعدہ اس طور پر کیا کہ انھیں اس مقام میں پہنچا دے گا۔ یہی وہ مقام ہے کہ جب سے ملائکہ پیدا ہوئے یہ ان کی پیدائش گاہ اور ہمیشہ رہنے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات میں ان کا ذکر کیا ہے اور تعریف فرمائی ہے کہ وہ'' **لا یفترون** ''(جھوٹی بات نہیں بناتے)'' **ولا یسا مؤن** ''(اور عبادت سے نہیں اکتاتے)'' **ولا یعصون اللہ** ''(اور اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے) اللہ تعالیٰ نے ان سے لغزش وسہو وکمزوری اور عبادت سے اکتانے کی نفی فرمائی۔

یہ وہ امر ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے مرسلین سے نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ سہوان سے ممکن ہے ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ جو سہو سے معصوم ومحفوظ ہے وہ اس سے افضل ہے جو سہو سے معصوم ومحفوظ نہیں۔ جو عمداً خطا وغلطی سے معصوم ومحفوظ ہو، یعنی انبیاء علیہم السلام وہ اس سے افضل ہے جو معصوم نہیں یعنی جو غیر انبیاء ہیں۔

اگر کوئی معترض اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اعتراض کرے کہ'' **اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلاو من الناس** ''(اللہ تعالیٰ ملائکہ سے اور انسانوں سے رسولوں کا انتخاب کر لیتا ہے) تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ آیت اس آیت کے معارض نہیں'' **جاعل الملئکتہ رسلا** '' (ملائکہ کا رسول بنانے والا اللہ ہی ہے)۔ کیوں کہ ہر آیت کو اس کے مقتضا پر اور اس کے لفظ کے مطابق معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اس آیت میں یہ ہے کہ بعض ملائکہ رسول ہیں۔ اور یہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ تمام ملائکہ کے متعلق خبر دینا نہیں ہے، نہ یہ کہ وہ رسول ہیں نہ یہ کہ وہ رسول نہیں ہیں۔ لہذا کسی کو جائز نہیں کہ وہ آیت میں ایسی چیز کا اضافہ کرے جو اس میں نہیں ہے۔ دوسری آیت میں اس آیت کے مضمون پر اضافہ اور اس امر کی خبر ہے کہ تمام ملائکہ رسول ہیں۔ اس آیت میں اس آیت کا بعض حصہ ہے اور اس آیت میں اس آیت کا پورا

حصہ اور اضافہ ہے، ہر ایک کا ماننا فرض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ کھیعص میں جب انبیاء کا ذکر کیا تو فرمایا کہ ’’**اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین** ‘‘ (یہ وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے)۔ اور فرمایا ہے ’’ **ورسلا قد قصصنا ھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک** ‘‘ (اور آپ سے پہلے وہ رسول بھی تھے جن کا ہم نے آپ سے ذکر کیا اور وہ رسول بھی تھے جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا) کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ رسول جن کا اللہ تعالیٰ نے بالکل ہی آپ سے ذکر نہیں کیا، یا صرف اس صورۃ میں ذکر نہیں کیا، معاذ اللہ ان پر اللہ تعالیٰ نے انعام نہیں کیا اس کا تو کوئی مسلمان بھی قائل نہ ہوگا۔

وجہ ثانی وجوہ فضیلت میں یہ ہے کہ دو عمل کرنے والے اپنے اعمال طاعت اور معاصی اور رذیل باتوں سے پرہیز کرنے میں ان کے مراتب میں تفاضل و کمی و بیشی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرما دی ہے کہ ملائکہ طاعت سے نہ کاہلی کرتے ہیں نہ عبادت سے اکتاتے ہیں اور نہ کسی حکم میں ذرا سی بھی نافرمانی کرتے ہیں۔ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان طبائع ناقصہ سے معصوم بنایا ہے جو کاہلی و کسل کی طرف بلاتی ہیں مثلاً کھانا پینا۔ حوائج بشری کا محتاج ہونا، جماع کی رغبت اور نیند۔ لہذا وہ ان رسولوں سے افضل ہیں جو فتور و کسل اور ان کے دواعی و موجبات سے معصوم نہیں ہیں۔

بعض مخالفین نے جنھیں اس مسئلے میں ہم سے اختلاف ہے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے ’’**ان اللہ اصطفی آدم و نو حا و آل عمران علی العلمین** ‘‘ (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم و نوح و خاندان عمران کو تمام عالموں پر منتخب و برگزیدہ کیا) اور کہا کہ ’’عالمین‘‘ میں ملائکہ وغیرہم داخل ہیں۔

برہان سے ثابت ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ بدوں اختلاف آپ سب انسانوں سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’ **کنتم خیر امت اخرجت للناس** ‘‘ (تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے)۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ آل ابراہیم ہی آل محمد ہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ ایسی صورت میں ہم لوگ سوائے آل عمران و آدم و نوح کے باقی تمام انبیاء سے افضل ہوں گے۔ اس کا کوئی مسلمان قائل نہ ہوگا۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان لوگوں کے زمانے کے انسانی ’’عالمین‘‘ مراد لیے ہیں اور ان میں بھی مرسلین و انبیاء مراد نہیں ہیں اس زمانے کے ’’عالمین‘‘ مراد نہیں ہیں جو ان کے زمانے کے علاوہ ہیں، اس لیے کہ ہم لوگ بلاشک آل عمران سے افضل ہیں لہذا اس آیت سے انکا استدلال بالکل باطل ہوگیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

ثابت ہوگیا کہ آیت مذکورہ بھی مثل اس آیت کے ہے ’’**یا بنی اسرائیل اذکر و انعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العلمین** ‘‘ (اے بنی اسرائیل یعنی اولاد یعقوب میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کیں اور بے شک میں نے تم کو تمام عالموں پر فضیلت دی)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کو مرسلین و انبیاء پر، نہ ہماری امت پر نہ ان صالحین پر جو ان میں سے نہ تھے، فضیلت نہیں دی گئی پھر ملائکہ پر کیسے فضیلت ہو سکتی ہے ہم کسی نص کے، اس کے ظاہر عموم سے کسی دوسری نص کے برہان سے یا اجماع یقینی سے یا ضرورت حس سے، ہٹا دینے کے منکر نہیں۔ ہم تو نص کو اس کے عموم و ظاہر سے محض دعوے سے ہٹانے کے منکر ہیں اور اس سے روکتے ہیں۔ یہ وہ امر باطل ہے جو کسی دین میں بھی جائز نہیں اور نہ امکان عقل میں صحیح ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

بعض نے اس آیت کے متعلق بیان کیا ہے کہ ''**ان الذین آمنو او عملو ا الصلحت اولئک هم خیر البریة**'' (بے شک جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالحہ کیے۔ یہی لوگ ہیں جو بہترین مخلوقات ہیں)۔

اس میں ان لوگوں کی ذرا بھی دلیل وحجت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ صفت بے شک ہر مومن صالح کی ہے، خواہ وہ انسان ہو یا جن۔ تمام ملائکہ عموماً اس صفت میں مساوی ہیں۔ یہ آیت ملائکہ اور جن وانس کے صالحین کے تمام مخلوقات پر فضیلت دینے کے لیے ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے بھی استدلال کیا ہے جو ملائکہ کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ حالانکہ ان کے خلاف یہ سب سے بڑی حجت ہے اس لیے کہ جس سجدے کا حکم دیا گیا تھا وہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ سجدہ عبادت ہو اور جو اسے کہے یہ اس کا کفر ہوگا اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دے۔ یا وہ سجدہ تحیت وکرامت ہوگا۔ اور یہ ایسا ہی تھا بھی جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

اس سے زیادہ کوئی دلیل ملائکہ کے آدم سے افضل ہونے پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تعظیم واکرام کو انتہا کو پہنچا دیا کہ اس نے ملائکہ سے آدم کو سلام کرایا۔ اگر ملائکہ آدم سے کم ہوتے تو آدم کی تحیت ادا کرنے میں آدم کی کوئی فوقیت وکرامت نہ ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ ''**ورفع ابویه علی العرش خروا له سجد اوقال یا ابت هذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلها ربی حقا**'' (اور یوسف نے اپنے والدین کو تخت شاہی پر اٹھالیا اور ان لوگوں نے یوسف کو سجدہ کیا۔ اور یوسف نے کہا کہ اے میرے والد یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دیا)۔ ان کا خواب بھی وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان سے نقل کیا ہے کہ ''**انی رایت احد عشر کو کبا و الشمس و القمر رایتم لی ساجدین**'' (میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند کو دیکھا میں نے ان سب کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں)۔

یعقوب علیہ السلام کے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس کی باعث ہو کہ یوسف علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام سے افضل تھے۔ ان لوگوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ ملائکہ علیہم السلام کو اسمائے اشیاء معلوم نہ ہوئے تاوقتیکہ آدم علیہ السلام نے بہ تعلیم الٰہی ان کو نہ بتائے۔

اس میں بھی ان کی کوئی دلیل وحجت نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو علم وفضل میں کسی طور پر بھی کمتر ہوتا ہے چند اشیا بتا دیتا ہے، جن کو وہ اس سے افضل کو اور اس سے زیادہ عالم کو جس کا علم ان اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء میں اس سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ نہیں بتاتا۔ اس نے ملائکہ کو وہ چیزیں بتائیں جنھیں آدم نہیں جانتے۔ آدم کو اس نے اسمائے اشیاء بتا کے حکم دیا کہ وہ یہی اسماء ملائکہ کو بتا دیں جیسا کہ اس نے ایک علم میں خضر علیہ السلام کو مخصوص کر دیا جو موسیٰ علیہ السلام کو نہیں سکھایا۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے اس کی تعلیم حاصل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی چند علوم ایسے سکھائے جو خضر کو نہیں سکھائے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے ایک ایسے علم پر ہوں جسے آپ نہیں جانتے اور آپ بھی اللہ کے علم میں سے ایک ایسے علم پر ہیں جسے میں نہیں جانتا۔ اس میں یہ بات نہیں ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔

بعض جہلا نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اہل جنت کا خادم بنایا ہے جو ان کے پاس جناب باری سے تحائف لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " تتلقّٰیھم الملئکة ھذا یومکم الذی کنتم توعدون " (ان سے ملائکہ کہیں گے کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔ اور فرمایا ہے "والملئکت یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم " (اور ملائکہ ہر باب سے ان کے پاس داخل ہو کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہے جو تمھارے صبر کی جزا ہے)۔

ملائکہ کا اہل جنت کی خدمت کرنا اور ان کے پاس تحائف لانا، ایک ایسی بات ہے جس کا ہمیں ہرگز علم نہیں۔ نہ ہم نے اسے بجز جھوٹے خرافات قصہ گویوں کے کسی سے سنا۔ اس میں حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس نص میں بیان کیا ہے جس کو ہم لائے ہیں اور وہ بحمد اللہ ملائکہ کے دوسرے تمام لوگوں سے افضل ہونے پر سب سے زیادہ زبردست دلیل ہے۔

استدلال کرنے والے کے نزدیک جب ملائکہ کا اہل جنت کو بشارتیں پہنچانا اہل جنت کے ان سے افضل ہونے کی دلیل ہے تو لازم آتا ہے کہ انبیاء و مرسلین جو ہمارے پاس خوش خبری دینے اور ڈرانے کے لیے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس بشارتیں لاتے ہیں ان کا یہ فعل اس پر دلیل ہو کہ ہم لوگ ان سے افضل ہیں اور یہ خالص کفر ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کی لوگوں پر فضیلت اس لیے ہے کہ وہ ان کی طرف اللہ کے رسول ہیں، ان کے اور پروردگار کے درمیان واسطہ ہیں تو یہی فضیلت ملائکہ کی انبیاء و مرسلین پر واجب ہے اس لیے کہ یہ بھی انکی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ان کے اور ان کے رب کے درمیان واسطہ ہیں۔ اہل جنت پر کھانے پینے پہننے اور جماع و آلات و اسباب و محلات و قصور سے انعام کرنا محض اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اشیاء سے ان پر انعام فرمایا ہے جو ان کی طبائع کے موافق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان طبائع سے جو ان لذات کو چاہتی ہیں، پاک کیا ہے بلکہ انھیں اس کے خلاف بنایا۔ اور فضیلت دی ہے۔ ان کی طبائع کو ایسا بنایا ہے کہ ان میں سے کسی چیز سے بھی لطف اندوز و لذت گیر نہیں ہوتیں۔ بجز اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت اور اس کے احکام جاری کرنے میں اس کی اطاعت کے انھیں اور کسی چیز کی خواہش نہیں۔ بھلا اس سے بلند اور کونسا مرتبہ ہوگا۔ ان کے لیے پہلے ہی سے اور فورا اس عالیشان محل کی سکونت مقرر فرمائی، جہاں تک پہنچنا ہمارے لیے دشوار گذار امور کے بعد یعنی ایک تو اس ناپاک دنیا میں رہنا اور دوسرے اعمال کی تکلیف برداشت کرنا ہمارے انتہائی اکرام کے طور پر مقرر کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جب سے ملائکہ کو پیدا کیا ہے انھیں شروع ہی سے اسی مقام میں رکھا ہے اور اسی میں انھیں ہمیشہ رکھے گا۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق ۔

بعض احمقوں نے کہا ہے کہ ملائکہ بطور ساکن و متحرک ہواؤں کے ہیں۔ (یعنی ہواء و ریاح)۔

یہ کذب و بے حیائی و جنون ہے۔ اس لیے کہ بنص قرآن و حدیث اور ان تمام اہل مذاہب کے اجماع کے مطابق جو ملائکہ کو مانتے ہیں، ملائکہ صاحب عقل و پابند احکام بنائے گئے ہیں جنھیں کرنے کا امر اور نہ کرنے کی نہی ہوتی ہے اور ریاح ایسی نہیں۔ وہ صاحب عقل بھی نہیں اور نہ مکلّف و پابند عبادت ہے بلکہ وہ مسخر و تابع ہے جو تصرف کے ماتحت اور بے اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والسحاب المسخر بین السماء و الارض " (اور وہ ابر جو زمین و آسمان کے درمیان تابع کر دیا گیا ہے)۔ اور فرمایا ہے " سخرھا علیھم سبع لیال و ثمانیة ایام " (ہوا کو ان لوگوں پر سات رات اور آٹھ دن تک تابع رکھا)۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذکر میں فرمایا "بل عباد مکرمون لا یسبقونه بالقول وھم بامره یعملون " (بلکہ قابل اکرام

بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں سبقت نہیں کرتے۔ اور وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں) اور فرمایا ہے ’’**ویستغفر لمن فی الارض** ‘‘(زمین والوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں) اور فرمایا ہے ’’**وقال الذین لایرجون لقاء نالولا انزل علینا الملئکة اونری ربنا لقد الستکبر واو عتو اعتوا کبیرا یوم یرون الملئکة لابشری یومئذللمجرمین** ‘‘ (اور ان لوگوں نے کہا جنھیں ہمارے ملنے کا یقین نہیں ہے کہ ہم پر ملائکہ کیوں نہیں نازل کیے گئے یا ہم خود اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھتے بلاشک ان لوگوں نے اپنے جی میں اپنے کو بہت بڑا سمجھا۔ اور بہت بڑی سرکشی اختیار کی۔ جس روز یہ ملائکہ کو دیکھیں گے اس روز مجرمین کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہے) اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کو اپنے دیدار کے ساتھ اور اپنے آنے کو ملائکہ کے آنے کے ساتھ ملا دیا۔ فرمایا ’’**ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملئکة** ‘‘ (کیا یہ لوگ صرف اسی کے منتظر ہیں کہ ابر کے سایوں میں ان کے پاس اللہ تعالیٰ اور ملائکہ آ دیں)۔ یہاں ’’**الملئکة**‘‘ اعراب رفع کے ساتھ ہے جو (لفظ) ’’**اللہ**‘‘ پر عطف ہے نہ کہ ’’**الغمام** ‘‘ پر۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل صرف اس لیے کھایا تھا کہ وہ فرشتہ بن جائیں یا ہمیشہ رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر (ابلیس کی جانب سے) تصریح فرمائی ’’**مانھیکمار بکما عن ھذہ الشجرة الاان تکو نا ملکین اوتکو نامن الخالدین** ‘‘ (تم دونوں کو تمھارے رب نے اس درخت سے محض اس لیے منع کیا تا کہ تم دونوں فرشتے یا ہمیشہ جنت میں رہنے والے نہ بن جاؤ (یعنی آدم وحواء)۔

اگر آدم علیہ السلام کو یہ یقین نہ ہوتا کہ ملائکہ ان سے افضل ہیں اور انھیں فرشتہ بن جانے کی امید نہ ہوتی تو ہرگز ابلیس کے اس درخت کے متعلق فریب کو قبول نہ کرتے جس کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کیا تھا۔ اگر آدم کو یہ علم ہوتا کہ فرشتہ ان سے کمتر یا برابر ہے تو ہرگز اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت پر آمادہ نہ کرتے کہ اپنے مرتبہ بلند سے گر کر کمتر کی طرف آ جائیں۔ یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی صاحب عقل گمان بھی نہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’**لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملئکة المقربون** ‘‘(مسیح کو اور نہ ملائکہ مقربین کو ہرگز اس سے عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ بنیں)۔ اللہ تعالیٰ کا مسیح کے بعد ملائکہ مقربین کا ذکر فرمانا مسیح علیہ السلام کے مقابلے میں ملائکہ کا انتہائی درجہ اعلیٰ میں پہنچنا ہے، اس لیے کہ بنیاد کلام اور ترتیب کلام یہی ہے کہ جب متکلم کسی ایسی صفت کی ایسے شخص سے نفی کا ارادہ کرے گا جو اس صفت سے گھٹا ہوا ہے تو وہ ادنیٰ سے شروع کر کے اعلیٰ تک پہنچے گا۔ جب وہ کسی ایسی صفت کی ایسے شخص سے نفی کا ارادہ کرے گا جو اس صفت سے بلند تر ہے تو اعلیٰ سے شروع کرے گا پھر ادنیٰ سے، قسم اول میں تو مثلاً اس طرح کہتے ہیں کہ خلیفہ کے روبرو بیٹھنے کی نہ اس کا خازن خواہش کرتا ہے نہ اس کا وزیر اور نہ اس کا بھائی۔ قسم ثانی میں کہتے ہیں کہ بازار میں کھانے کی طرف نہ تو کوئی والی گرتا ہے نہ صاحب مرتبہ نہ خود دار تاجر نہ صناع۔ اس کے سوا جائز نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی کے گارے سے اور جن کو آگ سے۔

مٹی کے گارے اور آگ سے نور کے افضل ہونے سے کوئی ناواقف نہ ہوگا بجز اس شخص کے کہ جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا ’’**ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور** ‘‘(اور جس کے لیے اللہ نے نور نہ بنایا ہو تو اس کے لیے کوئی نور نہیں) یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ آپ کے قلب میں نور پیدا کر دے۔ ملائکہ تو اسی جوہر سے پیدا ہیں جس کے اپنے قلب

میں پیدا کرنے کی افضل البشر نے اپنے رب سے دعا کی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ عاقل کے لیے یہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولقد کرّمنا بنی آدم و حملنا ھم فی البر والبحر ورزقنھم من الطیبٰت وفضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا**" (اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت و بزرگی دی اور ہم نے انھیں خشکی وتری میں سواری دی اور انھیں پاکیزہ رزق دیا اور ہم نے انھیں اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت دی)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نص کلام کے مطابق بنی آدم کو اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت دی نہ کہ کل مخلوق پر۔ بلاشک بنی آدم کو تمام جن اور بات نہ کرنے والے حیوان اور غیر حیوان پر فضیلت دی گئی ہے سوائے ملائکہ کے اور کوئی مخلوق اس سے مستثنیٰ نہیں ہے کہ بنی آدم کو ان پر فضیلت نہ ہو۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپ سے پیشتر رسولوں پر فضیلت خود آپ کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے چھ چیزوں سے انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ پانچ چیزوں سے ایک میں چار سے، اور ایک میں تین سے اس کو جابر بن عبداللہ وانس بن مالک وحذیفۃ بن الیمان وابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے روایت کیا اور فرمایا ہے کہ "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں ہے"۔ اور آپ کو سرخ وسیاہ (اقوام عالم) کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور تمام انبیاء میں سب سے زیادہ آپ ہی کے پیرو ہیں۔ اور آپ ہی وہ صاحب شفاعت ہیں کہ قیامت کے روز تمام انبیاء وغیر انبیاء آپ کے محتاج ہوں گے۔ اے اللہ ہمیں بھی آپ ہی کی ملت پر موت دینا۔ ہم سے مخالفت نہ کرانا۔ نیز آپ اللہ کے خلیل وکلیم (وحبیب) بھی ہیں۔

☆☆

فقر وغناء یا درویشی وتوانگری

قوم نے اختلاف کیا ہے کہ کونسا امر افضل ہے، فقر یا غنا (درویشی یا توانگری)۔

یہ سوال ہی فاسد ہے۔ اس لیے کہ عمل کا تفاضل (فضیلت میں کمی بیشی) اور جزائے جنت وہ صرف عامل کے لیے ہے نہ کہ اس حالت کے لیے جو عامل کے اندر سمائی ہوئی ہے (یعنی جزائے عمل موصوف کے لیے ہے نہ کہ صفت کے لیے) بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نص آئی ہو جو ایک حال کے دوسرے حال سے افضل ہونے کے متعلق ہو۔ یہاں کوئی نص نہیں جو ان دو حالتوں میں سے ایک کے دوسرے سے افضل ہونے پر دلالت کرے۔

صواب وحق یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ دونوں میں کون افضل ہے۔ فقیر یا غنی۔ اس جگہ جواب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”**ھل تجزون الا ما کنتم تعلمون**“ (تمھیں صرف اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔ اگر غنی کے عمل فقیر سے افضل ہیں تو غنی افضل ہے۔ اگر فقیر کے عمل غنی سے افضل ہیں تو فقیر افضل ہے۔ اور اگر دونوں کے عمل ان حالتوں میں مساوی ہیں تو دونوں مساوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے” **ومن یعمل مثقال ذرۃ خیر ایرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ**“ (اور جو شخص ذرہ بھر خیر کرے گا اسے دیکھے گا اور جو ذرہ بھر شر کرے گا اسے دیکھے گا)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنۂ فقر وفتنۂ غناء سے پناہ مانگی ہے اور اللہ تعالیٰ نے غنا کے مقابلے میں شکر اور فقر کے مقابلے میں صبر واجب کیا ہے جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے وہ فاضل و بزرگ ہے خواہ غنی ہو یا فقیر۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے اعتراض کیا ہے کہ فقرائے مہاجرین اغنیائے مہاجرین سے اس قدر پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور دوسروں نے اس آیت سے مناقشہ کیا ہے” **ووجدک ضالا فھدی . وو جدک عائلا فاغنی**“ (ہم نے آپ کو بھٹکتا ہوا پایا تو راہ بتائی۔ اور آپ کو فقیر پایا تو غنی کر دیا)۔

غناء ایک نعمت ہے جب کہ اس کا حامل وموصوف ساتھ ہی اس چیز کو اس میں قائم کرے جو اس پر واجب ہے (یعنی زکوۃ وغیرہ) لیکن فقرائے مہاجرین تو یہی لوگ زیادہ تر تھے اور ان میں غناء بہت کم تھا۔ مہاجرین وغیر مہاجرین کا تمام معاملہ عمل پر موقوف ہے جس پر نص واجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فقر پر جزائے جنت نہ دے گا جس کے ساتھ عمل خیر نہ ہو۔ اور نہ غنا پر جس کے ساتھ عمل خیر نہ ہو۔ **و باللہ التوفیق**۔

اسم و مسمّٰی

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ اسم ہی مسمی ہے دوسروں نے کہا ہے کہ اسم اور ہے مسمی اور ہے۔ جس نے اسم کو مسمی کہا اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ”**تبارک اسم ربک ذی الجلال و الا کرام**“ اور ایک قراءت میں ”**ذو الجلال**“ بھی ہے (مبارک ہے آپ کے رب کا نام جو صاحب عزت واکرام ہے) ”**تبارک غیر اللہ**“ (مبارک ہے غیر اللہ) کہنا جائز نہیں۔ اگر اسم مسمی کے مغائر ہوتا تو ”**تبارک اسم ربک**“ کہنا جائز نہ ہوتا۔ اس کلام الٰہی سے بھی استدلال کیا ہے کہ ”**سبح اسم ربک الا علی**“ (اپنے رب کے

سب سے برتر نام کی تسبیح کیجئے)۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر اللہ کی تسبیح کا حکم دے۔ اس کلام الٰہی سے بھی استدلال کیا ہے ”**ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم و آباؤکم** “ (اور اللہ کے سوا تم لوگ صرف انھیں ناموں کی پرستش کرتے ہو جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں)۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اسم سمو (بمعنے بلندی) سے مشتق ہے ان کا انکار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اسم وسم بمعنے علامت سے مشتق ہے۔ اور انھوں نے لبید کا کلام بیان کیا ہے۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکما — **ومن یبک حولا کاملا فقد اعتذر**

(ایک ہی سال تک۔ پھر اللہ کا نام تم دونوں پر ہے۔ اور جو پورے ایک سال روئے اس نے عذر ظاہر کر دیا)۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ سیبویہ کا قول ہے کہ افعال وہ مثالیں ہیں جو اسماء کے (یعنی صاحب اسماء کے) واقعات کے لفظ سے بنالی جاتی ہیں۔ اور مسلمانوں کی مراد بھی صرف یہی ہے۔

کل یہی ہے جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو ہم نے تلاش کر کے ان کے لیے جمع کر دیا ہے۔ حالانکہ اس میں سے کسی میں بھی ان کے لیے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول کہ ”**تبارک اسم ربک ذی الجلال و الاکرام** “ یا ”**ذو الجلال والاکرام** “ (مبارک ہے آپ کے رب کا نام جو صاحب عزت واکرام ہے)۔ تو یہ حق ہے ”**تبارک** “ کے معنی ”**تفاعل من البرکۃ** “ ہیں (یعنی برکت وسعادت وتقدس کا عمل کیا) اور برکت اللہ تعالیٰ کے اس اسم کے لیے بھی ضروری ہے جو ایک کلمہ ہے کہ حروف ہجاء سے مرکب ہے ہم اس کے ذکر سے اور اس کی تعظیم سے برکت حاصل کرتے ہیں اس کی بزرگی ظاہر کرتے ہیں اور اس کا اکرام کرتے ہیں تبارک (تقدس و سعادت) اسی کے لیے ہے ہماری اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تعظیم و بزرگی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اور ہماری طرف سے اس کا اکرام ہے وہ نام کہیں بھی ہو۔ خواہ کاغذ پر ہو خواہ کسی چیز میں کندہ ہو خواہ زبان پر اس کا ذکر ہو جس نے اللہ تعالیٰ کے اسم کا اس طور پر اجلال و اکرام یعنی تعظیم و بزرگی نہ کی وہ بلاشک کافر ہے۔ یہ آیت بغیر کسی تاویل کے اپنے ظاہر پر ہے۔ ان لوگوں کا اس سے استدلال بالکل باطل ہو گیا۔ **والحمد للہ**۔ جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ وہ مبارک ہے تو وہ حق ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر اسی کی تصریح کرتا تو یہ چیز اس کے لیے بھی ضروری ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ **سبح اسم ربک الاعلی**“ (اپنے رب کے سب سے برتر نام کی تسبیح کیجئے) تو یہ بھی بغیر کسی تاویل کے اپنے ظاہر پر ہے۔ اس لیے کہ جس لغت میں قرآن نازل ہوا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا اس لغت میں تسبیح کے معنی یہ ہیں کہ برائی سے پاکی اور بے عیب ہونے کو ظاہر کرنا۔ بلاشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کے اسی اسم کا ہر برائی سے پاک و بے عیب ہونا ظاہر کریں جو ایک کلمہ ہے اور حروف ہجاء کا مجموعہ ہے خواہ وہ اسم کہیں بھی لکھا ہوا ہو یا زبان سے ادا کیا گیا ہو۔

ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی کہ **سبح اسم ربک الاعلی**“ اور اس قول کے کہ ”**ان ھذا لھو الحق الیقین فسبح باسم ربک العظیم** “ (بے شک یہ حق ویقینی ہے لہذا آپ اپنے رب کے اسم عظیم کی پاکی بیان کیجئے) معنی ایک ہی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس کے اسم سے تسبیح کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح تو ممکن ہی نہیں۔ نہ اس سے دعاء ممکن ہے اور نہ اس کا ذکر ممکن ہے بجز اس کے کہ اس کے اسم کو درمیان لایا جائے۔ دونوں وجوہ صحیح وحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کے اسم کی تسبیح نص سے، ہر ایک واجب ہے، اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں کہ **فسبح باسم ربک العظیم** “ اور اس کلام میں کہ ”**فسبح بحمد ربک حین تقوم ومن**

الیل فسبحه و ادبا رالنجوم ''(بس آپ اپنے رب کی حمد کی تسبیح کیا کیجئے جس وقت آپ اٹھتے ہیں اور رات کے کچھ حصے میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں کے غروب کے وقت بھی) کوئی فرق نہیں۔ اور بلا شک حمد بھی غیر اللہ ہے، ہم اس کی اس کی حمد سے تسبیح کرتے ہیں جس طرح اس کے اسم سے اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ اس آیت سے بھی ان کا استدلال و تعلق باطل ہو گیا و **الحمد اللہ رب العلمین**۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام کہ'' **ماتعبدون من دونه الا اسماء سمیتمو ها انتم و اباؤ کم** ''(اللہ کے سوا تم لوگ صرف چند ناموں کی پرستش کرتے ہو جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں) اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی حق ہے اور اپنے ظاہر پر ہے۔ اس آیت کے بھی دو وجوہ ہیں اور دونوں صحیح ہے۔

ایک یہ ہے کہ اس کے کلام کے معنی یہ ہیں کہ'' **ماتعبدون من دونه الا اسماء** ''(تم لوگ اللہ کو چھوڑ کے صرف ناموں کی پرستش کرتے ہو) برہان اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس کے بعد اور اسی کے متصل ہے کہ '' **سمیتوها انتم و آبا ئو کم** ''(ان ناموں کو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے)۔ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اسماء سے معبودین کی ذات مراد نہیں لی۔ اس لیے کہ ان ناموں کے پرستاروں نے ہرگز معبودین کی ذاتیں پیدا نہیں کی تھیں، بلکہ ان کے پیدا کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ ہی واحد و متفرد ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ یہ کفار پتھر یا دھات یا لکڑی کے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ قبل اس کے کہ یہ لوگ ان تمام پتھر دھات اور لکڑی کی مورتوں کو لات۔ عزی۔ مناۃ ہبل۔ ود۔ سواع یغوث۔ یعوق۔ نسر و بعل کے ناموں سے نامزد کریں۔ بلا شک ان سب کی ذاتیں موجود و قائم تھیں۔ یہ لوگ انکی عبادت نہیں کرتے تھے اور نہ ان کے نزدیک یہ سب عبادت کے مستحق تھے، جب ان لوگوں نے ان پر ان ناموں کو واقع کیا تو اس وقت ان کی عبادت کی۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں نے صرف اسماء ہی کی عبادت کا قصد کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے نہ کہ ان نامزد اشیاء کی ذاتوں کی عبادت کا، لہذا یہ آیت تو الٹی انھیں کے خلاف حجت و دلیل ہو گئی اور اس پر برہان کہ بلا شک اسم مسمی کے مغایر ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

یہ کہنا کہ اسم ''سمو'' سے مشتق ہے اور ان کے بعض مخالفین کا یہ قول کہ وہ ''وسم'' سے مشتق ہے۔ تو یہ دونوں قول فاسد و باطل ہیں، اسے اہل نحو نے ایجاد کیا ہے۔ عرب سے ان دونوں امور میں کچھ بھی ثابت نہیں۔ لفظ اسم ہرگز کسی سے مشتق نہیں۔ بلکہ وہ ایک اسم ہے جو حجر۔ جبل۔ خشبۃ اور ان بقیہ تمام اسماء کی طرح موضوع ہے جن کے لیے اشتقاق نہیں ہے۔ سب سے پہلے، جس بات سے ان کے اس دعوی فاسدہ کو باطل کیا جائے، یہ ہے کہ ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **قل هاتو ابر هانکم ان کنتم صادقین** ''(آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اگر سچے ہو تو اپنی برہان لاؤ)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جس کے پاس اپنے دعوے کی صحت پر کوئی برہان نہ ہو تو وہ اپنے قول میں صادق نہیں ہے تم لوگ بھی اس پر برہان لاؤ کہ اسم سمو سے یا وسم سے مشتق ہے۔ ورنہ یہ ایک جھوٹ ہے جو تم نے عرب پر باندھی ہے اور اس کا افترا کیا ہے یا اللہ تعالیٰ پر جو تمام لغات کا بنانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر یا عرب پر بغیر علم کے یہ بہتان لگانا ہے۔ ورنہ تمھیں کہاں سے معلوم ہوا کہ عرب جمع ہوئے اور انھوں نے کہا کہ ہم اسم کو سمو یا وسم سے مشتق کرتے ہیں۔ کذب کو کوئی مسلم حلال نہیں سمجھتا۔ نہ اسے کوئی فاضل و بزرگ آسان سمجھتا ہے۔ انھیں اس کے متعلق کوئی برہان لانا قطعاً ناممکن ہے۔

تمھارے دعوے کے مطابق اگر اسم سمو (بمعنے بلندی ورفعت) سے مشتق ہے تو پھر عذرہ (بمعنے پاخانہ گوہ) اور کلب (کتا) اور جیفہ (مردار) قذر (میل کچیل) شرک۔ خنزیر (سور) خساست (کمینہ پن) کا نام رکھنا انکی اور ان کے مسمی کی رفعت وبلندی کے لیے ہوگا۔ وہ قول برباد ہو جو اس حماقت تک پہنچادے۔

اچھا مان لو۔ کہ ان کا یہ قول صحیح ہے کہ اسم سمو سے مشتق ہے تو اس پر کونسی حجت ودلیل ہے کہ اسم ہی مسمی ہے یہ تو ان کے خلاف حجت ہے۔ اس لیے کہ مسمی کی ذات تو ہرگز مشتق نہیں ہے اس پر تو سمو وغیرہ کا اشتقاق ممکن ہی نہیں۔ لہذا بلاشک ثابت ہوگیا کہ جو چیز مشتق ہے تو وہ اس کی غیر ہے جو مشتق نہیں ہے۔ ان کے اقرار کے مطابق اسم مشتق ہے اور ذات مسمی غیر مشتق ہے تو اسم ذات مسمی کے غیر ومغایر ہوا۔ یہ ہر ایسے شخص کے لیے جو اپنا خیر خواہ ہے واضح کرتا ہے کہ اس قسم کی احمقانہ دلیل سے استدلال کرنے والا احمق ہے اور لوگوں سے تمسخر کرنے والا اور اپنے کلام سے کھیل کرنے والا ہے۔ **ونعوذ بالله من الخذلان۔**

یہ قول جو اس کی پیروی کرے اسے کفر خالص تک پہنچادے گا، اس لیے کہ انھوں نے یہ تصفیہ کیا کہ اسم مشتق ہے سمو سے اور یہ اسم ہی اللہ ہے ان کے ہلاک کرنے والے اور خبیث قول کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات مشتق ہوئے۔ یہ وہ امر ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کوئی کافر بھی اس حد تک پہنچا ہو۔ اللہ کا شکر وحمد ہے کہ اس نے بذریعہ ہدایت احسان کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **" وعلّم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملئكة فقال انبؤنی باسماء هو لاء ان كنتم صادقين . قالوا سجا نک لا علم لنا الا ماعلمتنا . انک انت العليم الحكيم . قال يا آدم انبئهم باسمائهم "** (اور اللہ نے آدم کو تمام اسماء تعلیم مد پہلے پھر ان اشیا کو کہ ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ مجھے ان اشیاء کے اسماء بتاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ ملائکہ نے عرض کیا کہ تو پاک وبے عیب ہے، ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم کیا۔ بے شک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اے آدم تم انھیں ان اشیاء کے نام بتادو)۔

اس سے خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو آدم علیہ السلام کو تمام اسماء بتادیئے تھے جیسا کہ خود فرمایا ہے تو یا تو وہ عربی میں بتائے ہوں گے، یا کسی اور لغت میں یا ہر لغت میں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسماء عربی میں بتائے تھے تو لفظ اسم بھی منجملہ ان اسماء کے ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں بتائے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ''الاسماء کلھا'' فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو حکم دیا ہے کہ وہ ملائکہ سے کہیں کہ مجھے ان سب کے اسماء بتاؤ۔ لہذا یہ بالکل جائز نہیں کہ اس عموم میں سے کوئی چیز خاص کرلی جائے بلکہ وہ ایک لفظ ہے کہ تمام اسماء کی طرح اس سے بھی آدم کو واقف کیا گیا تھا۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ بھی ان تمام میں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بتائے تھے۔ بجز اس کے کہ یہ لوگ یہ دعوی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مشتق کیا ہے، کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ یہ قوم بہ کثرت اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے کو اور اس کیطرف سے ایسی چیز کی خبر دینے کو جس کا انھیں علم نہیں۔ سہل سمجھتی ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ لفظ اسم کے لیے کوئی اشتقاق نہیں ہوا یہ شروع ہی سے اسم ہے۔ جیسے کہ اور اسماء وانواع واجناس ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء غیر عربی میں تعلیم دیئے تو لغت عربیہ اس لغت سے ترجمہ کے لیے وضع کی گئی ہے اس لغت کے ہر اسم کے بدلے عربی کا ایک اسم وضع کیا گیا ہے جو ان الفاظ کی تعبیر کے لیے ہے۔ جب ایسا ہے تو اسماء میں اشتقاق کا ذرا سا بھی دخل نہ ہوا نہ لفظ اسم کے لیے نہ کسی اور کے لیے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اسماء عربی وغیر عربی لغات میں تعلیم فرمائے تو لفظ اسم بھی منجملہ انکے ہے جو اس نے انھیں تعلیم فرمائے اور اس کا مشتق ہونا بالکل باطل ہو چکا ہے۔ و الحمد لله رب العلمین ۔ لہذا ان کا اشتقاق اسم کے بارے میں جو قول تھا وہ باطل ہو گیا اور یہ انھیں پر الٹی حجت ہو گئی۔ و بالله تعالیٰ التوفیق۔

لبید کے شعر کی بھی دو وجوہ بتائی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ’’السلام‘‘ بھی اسمائے الٰہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’**الملک القدوس السلام المومن المهیمن** ‘‘ لبید رحمۃ اللہ علیہ مسلم تھے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہونا بھی ثابت ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ ’’ **ثم اسم الله علیکما حافظ لکما** ‘‘ (پھر اللہ کا اسم تم دونوں پر تمھارے لیے نگہبان ہے)۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ انھوں نے ’’السلام‘‘ سے تحیت اور سلام عرفی مراد لیا ہے لبید اور نہ اور کوئی ان دونوں پر تحیت (حیات) واقع کرنے پر قادر نہیں، لبید وغیرہ صرف اسم تحیت و دعائے تحیت واقع کرنے پر قادر ہیں۔ دو میں سے جو امر بھی ہو۔ لبید کے شعر میں اسم ’’السلام‘‘ معنیٰ ’’السلام‘‘ کے غیر ہے۔ لہذا اس بیت میں اسم لامحالہ مسمّی کے غیر ہے۔ یہ لوگ جسکا لبید پر دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو البتہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ’’**انما اهجر اسمک**‘‘ (میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں) اس امر کا بیان ہے کہ اسم مسمّی کے غیر ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم آپکے غیر ہے۔ اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑتیں۔ صرف آپ کا نام و اسم چھوڑتی ہیں۔ عائشہ بھی فصاحت میں کسی طرح لبید سے کم نہیں ہیں۔ وہ لبید سے زیادہ حجت و دلیل ہونے کی مستحق ہیں۔ چہ جائیکہ لبید کا قول بھی ان لوگوں کے مخالف حجت ہے موافق نہیں ہے۔ و الحمد لله رب العلمین۔

روبہ کا قول ہے ’’**باسم الذی فی کل صورة سم** ‘‘

(میں اس ذات کے اسم و نام سے شروع کرتا ہوں جس نے ہر صورت میں حکایت کی)۔

روبہ بھی فصاحت میں لبید سے کم نہیں۔ ذات باری تعالیٰ ہر صورت میں نہیں ہے۔ صورت میں صرف اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ لہذا کوئی شک نہیں کہ جو چیز صورت میں ہے وہ اس کے غیر ہے جو صورت میں نہیں ہے۔ ابو ساسان حصین بن المنذر بن الحارث بن وعلة الرقاشی نے اپنے بیٹے غیاظ سے کہا ہے۔

’’ **وسمیت غیاظا ولست بغائظ**   **عدوا ولکن الصدیق یتغیظ** ‘‘

(تیرا نام غیاظ (بڑا غیظ وغضب کرنے والا) ہے لیکن تو دشمن کو غیظ میں نہیں لاتا۔ البتہ دوست کو رنجیدہ و ناخوش کر دیتا ہے)۔

اس نے تصریح کر دی کہ اسم مسمّی کے مغایر ہوتا ہے جس میں کسی تاویل کا بھی احتمال نہیں۔ جو اس کے خلاف ہے جو انھوں نے لبید پر ادعا کیا تھا۔

سیبویہ کا یہ قول کہ افعال وہ مثالیں ہیں جو اسماء کے واقعات کے لفظ سے پیدا کی گئی ہیں اس میں بھی ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں کیوں کہ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ سیبویہ نے اصحاب اسماء کے واقعات مراد لیے ہیں برہان خود اسی کا قول ہے جو اس کی کتاب کے متعدد مقامات میں ہے کہ اسماء کی مثالیں ثلاثی (سہ حرفی) رباعی (چار حرفی) خماسی (پنج حرفی) سداسی (شش حرفی) اور سباعی (ہفت حرفی) میں ہیں اور اس نے یہ کہا ہے کہ اسماء میں جو سداسی و سباعی ہوتے ہیں وہ لامحالہ مزید ہوتے ہیں (یعنی ان کے حروف اصلی سے کچھ زائد حروف ان میں شامل کر دیے جاتے ہیں) جو اسماء ثلاثی (سہ حرفی) ہوتے ہیں وہ بالضرور اصلی ہوتے ہیں (یعنی ان میں کوئی حرف زائد نہیں ہوتا) جو اسمائے

رباعی کبھی اصلی ہوتے ہیں مثلاً ''جعفر'' ''سفرجل''، اور کبھی مزید ہوتے ہیں (یعنی حروف اصلی پر کسی حرف کا اضافہ کرکے رباعی بنالیا جاتا ہے) جو اسماء ثنائی (دوحرفی) ہوتے ہیں وہ منقوص ہیں (یعنی ان کے دوحرف کے بعد آخری حرف حرف علت یعنی و۔ ا۔ ی۔ میں سے کوئی ہوتا ہے جو محذوف ہوجاتا ہے اور بظاہر کلمہ دوحرفی معلوم ہوتا ہے، مثلاً ید ودم۔ اگر ہم قطعی طور پر تلاش کریں کہ اسماء ہی وہ اوزان وابنیہ ہیں جو مسمیات کو جاننے کے لیے موضوع ہیں تو ان کی تعداد تین سو سے بڑھ جائے گی جو جانتا ہے کہ یہ درحقیقت سیبویہ کا کلام ہے کیا اسے شرم نہیں آتی۔ سیبویہ کی کتاب کے ورق دو ورق بھی جو پڑھے گا اس پر پوشیدہ نہ رہے گا کہ سیبویہ کی مراد کیا ہے۔ بے حیائی سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

بسم اللہ کے بعد سیبویہ کی کتاب کی پہلی سطر یہی ہے کہ یہ باب اس امر کے جاننے کے لیے ہے کہ کلمات عربیہ کیا ہیں۔ کلمات اسم و فعل وحرف ہیں۔ حرف ایسے معنی کے لیے آتا ہے کہ نہ اسم ہے نہ فعل۔ اسم رجل وفرس ہے۔ یہ سیبویہ اور سیبویہ کے سے پہلے اور بعد والے علمائے نحو کا بیان جلی ہے کہ اسماء وہی ہیں جو بعض کلام میں ہوتے ہیں اور اسم ایک کلمہ ہے جنھیں حس سلیم ہے ان میں سے کسی کو بھی اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ مسمی کسی اسم کا کلمہ نہیں ہے چند ہی سطروں کے بعد کہا ہے کہ رفع وجر ونصب حروف اعراب کے مطابق ہوتا ہے۔ حروف اعراب اسمائے متمکنہ اور وہ افعال ہیں جو اسمائے فاعلین کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ سیبویہ کا وہ بیان جلی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں کہ اسماء اور ہیں اور فاعلین (یعنی اسم فاعل مشابہ فعل ہوتا ہے۔ اسم اور چیز ہے اور فاعل اور چیز) فاعلین وہی ہیں جن کے وہ افعال مشابہ ہوتے ہیں کہ ان کے شروع میں چاروں زائد حروف میں سے کوئی حرف ہو۔ کبھی ایسے شخص نے بھی نہیں کہا جس کو پتھر مارے جاتے ہیں کہ افعال مشابہ مسمیات (فعل کسی مسمی کے) کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد سیبویہ نے کہا ہے کہ اسماء میں نصب یہ ہے ''رایت زیدا'' اور جر یہ ہے ''مررت بزید'' اور رفع یہ ہے ''ھذا زید'' اسماء میں جزم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ متمکن (یعنے غیر مبنی اور اعراب کو قبول کرنے والے) ہوتے ہیں ان کے ساتھ تنوین لگائی جاتی ہے۔ یہ سب بیان ہے کہ اسماء وہی کلمات ہیں جو حروف ہجاء سے مرکب ہوتے ہیں نہ کہ ان کے مسمی۔ اگر اس کو ابواب جمع وابواب تصغیر وندا وترخیم وغیرہ میں تلاش کیا جائے تو اتنا بڑھ جائے گا۔ کہ حاصل کرنا فوت ہوجائے گا۔

قائلین نے جو کچھ شور مچایا تھا وہ ساقط ہوگیا کہ اسم ہی مسمی ہے۔ جس قول کے قائل کا استدلال ساقط ہوجائے اور برہان سے خالی رہ جائے تو وہ باطل ہے۔

ہم نے ان لوگوں میں غور کیا جن سے ان کہنے والوں نے سند لی ہے کہ اسم مسمی کے غیر ہے تو ہم نے انھیں اس کلام الٰہی سے استدلال کرتے پایا: ''**ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها و ذروا الذين يلحدون فى اسمائه**'' (اور اللہ کے لیے بہترین نام ہیں۔ بس اسے انھیں سے پکارو۔

اور انھیں چھوڑ دو جو اس کے اسماء میں بے دینی اختیار کرتے ہیں)۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اسماء کثیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ دو یا زیادہ ہونے سے بری و برتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو اسم ہیں جو انھیں حفظ کرے گا جنت میں جائے گا۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو یہ کہے کہ اس کا خالق یا معبود ننانوے ہیں تو وہ ان نصاریٰ سے بھی بدتر ہے جنھوں نے اسے صرف تنہا بتایا ہے۔

یہ برہان ضروری ولازم ہے۔

میں نے محمد بن طیب الباقلانی اور محمد بن حسن بن فورک الاصبہانی کی کتاب دیکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک ہی اسم ہے۔

حالانکہ یہ اللہ ورسول وقرآن اور تمام عالم کا معارضہ وتکذیب ہے۔ اس کے بعد محمد بن طیب ومحمد بن حسن پھر گئے اور کہا کہ اس آیت کے کہ'' **وللہ الا سماء الحسنی** ''(اللہ تعالیٰ کے بہترین اسماء ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں معنے یہی ہیں کہ وہ تسمیہ (نامزد کرنا) ہے نہ کہ اسماء۔

یہ تقسیم اس اجمال سے زیادہ گمراہی میں داخل ہے، ان سے کہا جائے گا کہ تمھارے اس قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمانے گا ارادہ کیا ہے'' **وللہ تسمیات حُسنی** ''(اللہ کے لیے بہترین تسمیات ہیں) مگر'' **الا سماء الحسنی** '' کہہ دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمانے کا ارادہ کیا تھا کہ اللہ کے لیے ننانوے تسمیہ ہیں مگر آپؐ نے ننانوے اسم فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو غلطی وخطا سے یہ فرمادیا ہے یا دیدہ ودانستہ فرمایا ہے کہ اس سے اہل اسلام کو گمراہ کریں۔ یا اس لغت سے ناواقف تھے جس سے تم دونوں واقف ہو۔ لامحالہ ان وجوہ میں سے کوئی وجہ ضروری ہے جس سے مفر نہیں۔ یہ سب وجوہ خالص کفر ہیں کوئی ایک وجہ انھیں لازم آئے گی یا اس بہتان کو ترک کرنا پڑے گا جو انھوں نے اللہ ورسول پر باندھا ہے یہ بلا دلیل ہے اور ان کے اس دعوے کا کذب ظاہر ہے۔ اسے کوئی عاقل اپنے لیے پسند نہ کرے گا۔

اسم کا مسمی پر واقع کرنا ایک تیسری شے ہے جو نہ اسم ہے نہ مسمی۔ ذات خالق اللہ ہے جو مسمی ہے تسمیہ یہ ہے جو ہم اپنے سینے کے پٹھوں اور زبان کو ان حروف کے بولنے کے وقت حرکت دیتے ہیں۔ یہ حرکت دینا حروف نہیں ہیں۔ اس لیے کہ حروف تو وہ ہوا ہیں جو تحریک سینہ وزبان سے نکلتی ہے۔ وہ محرک (بفتح الراء) ہے اور انسان محرک (بکسر الراء) ہے۔ حرکت وہ فعل ہے جو محرک کے نکالنے میں محرک سے صادر ہوا ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ حس سے محسوس ہوتا ہے بدیہی طور پر اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور تمام لغات میں اس پر اتفاق کیا گیا ہے۔

کلام الٰہی سے بھی استدلال کیا ہے'' **ان اللہ یبشرک بغلام اسمہ یحیی لم نجعل لہ من قبل سمیا** '' (اللہ تمھیں ایک لڑکے کی خوش خبری دیتا ہے جس کا نام یحیی ہوگا کہ ہم نے اس کے پہلے اس کا ہمنام نہیں بنایا) یہ اس امر میں ایسی نص ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں کہ اسم تو'' ی۔ ح۔ ی۔ ا'' ہی ہے اگر اسم ہی مسمی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے کہ'' **لم نجعل لہ من قبل سمیا** ''(ہم نے ان کے قبل انکا کوئی ہمنام نہیں بنایا) کے معنی نہ کسی کی عقل میں آتے نہ فہم میں۔ البتہ یہ کلام فضول ہوتا جس سے اللہ بری وبرتر ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یحیی کے قبل اس اسم کا کسی پر اطلاق نہیں ہوا۔

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو اس نے اپنے متعلق فرمایا ہے بیان کیا ہے'' **ھل تعلم لہ سمیا** ''(کیا تم اللہ کا ہمنام کوئی جانتے ہو) یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء جن کو اس نے اپنے لیے مخصوص کیا ہے اس کے غیر پر واقع نہیں ہوتے۔ اگر یہی ہوتا جو یہ لوگ دعوی کرتے ہیں تو اس لفظ کو بھی کوئی نہ سمجھتا۔ اللہ اس سے برتر ہے۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہیں'' **مبشر ابرسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** ''(مسیح ایک رسول کی بشارت دیا کرتے تھے کہ وہ میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا) یہ اس پر نص ہے کہ اسم یہی'' ا۔ ح۔ م۔ د'' کا مجموعہ ہے۔

اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے'' **وعلم آدم الا سماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ فقال انبؤنی باسماء ھو لاء ان کنتم صادقین . قالواسبحنک لا علم لنا الا ماعلمتنا . انک انت العلیم الحکیم . قال یا آدم انبئھم باسما ئھم فلما انباھم باسما ئھم.قال الم ا قل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون** ''

(اور آدم کو اللہ نے تمام اسماء تعلیم فرما دیے۔ پھر انھیں ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ مجھے ان اشیا کے اسماء بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ ملائکہ نے عرض کیا کہ تو پاک و بے عیب ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے اللہ نے فرمایا کہ اے آدم انھیں ان اشیاء کے اسماء بتا دو۔ پھر جب آدم نے انھیں ان کے اسماء بتا دیے تو فرمایا کہ اے ملائکہ کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہوں۔ اور تمھارے ظاہر و باطن کو بھی جانتا ہوں) یہ اس پر نص جلی ہے کہ تمام اسماء مسمیات کے غیر ہیں۔ اس لیے کہ مسمیات اعیان و اشیاء تھے جو قائم و موجود تھے اور وہ ثابت و موجود ذاتیں جن کو ملائکہ دیکھ رہے تھے۔ ملائکہ صرف ان اسماء سے ناواقف تھے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھائے اور آدم نے ملائکہ کو سکھائے۔

ان لوگوں نے یہ آیت بھی پیش کی ہے کہ " **قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن . ايا ماتد عوا فله الا سماء الحسنى** " (آپ کہہ دیجیے کہ تم لوگ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو۔ خواہ جس کو پکارو۔ تو اللہ کے لیے بہترین نام ہیں)۔ اس میں ان لوگوں کا کوئی حیلہ نہیں چل سکتا۔ اس لیے کہ لفظ اللہ۔ لفظ رحمٰن کے غیر ہے اور یہ بنص قرآن اللہ کے اسماء میں سے ہے۔ اور بلا شک مسمّی واحد ہے جس میں تغایر نہیں ہوتا۔

یہ آیت بھی لائے ہیں " **ولاتا كلو امما لم يذكر اسم الله عليه** " (اور وہ چیز مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے) یہ بھی بیان جلی ہے جس پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے کہ وہ شے جس کے ہونے سے (ذبیحہ میں) پاکی (وحلّت) آتی ہے وہ ایک کلمہ ہے جو حروف مقطعہ کا مجموعہ ہے۔ مثلاً اللہ۔ الرحمٰن۔ الرحیم۔ اور بقیہ تمام اسمائے الٰہی۔

ان لوگوں نے اجماع سے بھی استدلال کیا ہے کہ تمام اہل اسلام نے جن میں سے ہم کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے اس مسئلے پر اجماع و اتفاق کر لیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے کسی نام کی قسم کھائی پھر اس نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ واجب ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ یہ اس شخص پر لازم ہے جو یہ کہے کہ "واللہ۔ والرحمٰن۔ والصمد"۔ یا اسمائے حسنی میں سے اور کسی اسم کی قسم کھائے۔ اس سے زیادہ کمزور عقل والا کون ہوگا جو اس کو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے اس کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اس کو جس پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے اور جس کو تمام اہل زمین بولتے ہوں۔ خطا و غلط سمجھے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو حروف مقطعہ کا مجموعہ ہے باقلانی و ابن فورک کی تصدیق و تائید کرے کہ یہ اسم نہیں ہے یہ تو محض تسمیہ ہے اور تمام حمد اسی اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ان رذیل حرکت والوں میں نہیں کیا۔ اور نہ اس بے توفیق جماعت میں شامل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ " **اذ ارسلت كلبك فذكرت اسم الله فكل** " (شکار میں جب تم نے اپنے کتے کو چھوڑا اور اللہ کا نام لے دیا تو شکار کو کھاؤ)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ لفظ مذکور ہی اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ آپ کے لیے اسماء ہیں اور وہ یہ ہیں۔ احمد۔ محمدؐ۔ عاقب (سب انبیاء و مرسلین کے بعد آنے والے)۔ حاشر (اپنے قدموں پر لوگوں کے جمع کرنے والے) اور ماحی" (کفر و شرک کے مٹانے والے) تو اے اللہ۔ اور اے مسلمانو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ذرا سی عقل رکھنے والا بھی یہ گمان کر سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ عدد تھے اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے کہ وہ ایسی چیز پیدا کرے جو ہم نہ جانیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی بیان کیا ہے کہ **تسموا باسمي ولا تكنو ابكنيتي** " (میرے نام پر نام رکھو اور میری

کنیت پر نہ رکھو (یعنی احمد۔ محمدؐ، نام رکھ لو۔ مگر ابوالقاسم کنیت نہ رکھو۔ لیکن یہ حکم آپ کی تشریف فرمائی تک تھا اور اب نہیں ہے) لہذا ثابت ہو گیا کہ اسم یہی ''م۔ ح۔ م۔ د'' ہے جس میں کوئی شک نہیں اور بالکل یقینی ہے۔

قول عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کیا تھا جس وقت آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ ''اے عائشہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو (قسم کی ضرورت کے وقت) کہتی ہو کہ '' **لا ورب محمد** '' (نہیں قسم ہے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی)۔ اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو '' **لا ورب ابراهيم** '' (نہیں قسم ہے رب ابراہیم علیہ السلام کی) حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ '' جی ہاں۔ واللہ۔ یا رسول اللہ میں صرف آپ کا اسم (نام) لینا چھوڑتی ہوں)'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے اس جواب کو ناپسند نہیں فرمایا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ آپ کا اسم بلاشک آپ کے غیر ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ کی ذات کو نہیں چھوڑا صرف آپ کے اسم کو چھوڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ کے نزدیک اسماء میں سب سے زیادہ پسندیدہ اسم عبداللہ و عبدالرحمٰن ہے۔ اور تمام اسماء میں سب سے سچا اسم۔ حارث (کاشت کار) اور ہمام (بہادر) ہے یہ بھی مروی ہے کہ ''سب سے جھوٹا نام خالد (ہمیشہ رہنے والا) اور مالک ہے'' ان سب سے واضح ہوتا ہے کہ اسم مسمی کے غیر ہے۔ عبداللہ و عبدالرحمٰن کبھی ایسے شخص کا نام رکھ دیا جاتا ہے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے کبھی جھوٹے شخص کا نام حارث و ہمام اور سچے کا خالد و مالک رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اسماء کے خلاف ہوتے ہیں۔

یہ بھی استدلال کیا ہے کہ تمام امتوں کا اس پر اجماع ہے کہ جب آدمی سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تمھارا کیا نام (اسم) ہے تو وہ کہتا ہے کہ فلاں۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے اپنے بیٹے اور غلام کا کیا نام (اسم) رکھا تو وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں نام رکھا۔ ثابت ہو گیا کہ اس کا تسمیہ (نام رکھنا) اس کے اختیار سے ہے اور اسی کے اس اسم کے اس مسمی پر واقع کرنے سے ہے اور اسم مسمی کے غیر ہے۔ بہ طور عقل بھی ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہی خود اللہ ہے پھر یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اس کی صفات سے مشتق ہیں۔ علیم علم سے قدیر قدرت سے حی حیات سے مشتق ہے جب اللہ کا اسم ہی اللہ ہے اور اللہ کا اسم مشتق ہے تو تمھارے قول کے مطابق اللہ مشتق ہے یہ بالکل کفر اور بیہودہ کلام ہے اس سے انھیں مفر نہیں۔ قرآن و حدیث و اجماع و عقل و لغت و نحو کی براہین مذکورہ نے ثابت کر دیا کہ اسم بلاشک مسمی کے غیر ہے۔ احمد بن جداء نے ماشاء اللہ کیسا اچھا کہا ہے۔

هيهات يا اخت آل بما　　غلطت في الاسم والمسمى
(افسوس اے اس خاندان کی بہن کہ جس کے نام اور مسمیٰ (دونوں) میں میں نے غلطی کی۔

لو كان هذا و قيل نعم　　مات اذا من يقول سما
(اگر یہی بات ہوتی جو کہی گئی ہے　　تو زبان پر اگر لفظ زہر آتا تو اس کا کہنے والا مرجاتا)

ابوعبداللہ السائح القطان نے مجھے خبر دی کہ انھوں نے ان میں سے ایک شخص کا مشاہدہ کیا ہے جس نے ایک دفتی میں ''اللہ'' لکھا تھا اور اس کی طرف نماز پڑھا کرتا تھا میں نے پوچھا یہ کیا ہے اس نے کہا کہ میرا معبود ہے میں نے اسے پھونک دیا تو اڑ گیا میں نے کہا کہ تمھارا معبود اڑ گیا، اس نے مجھے مارا۔

ان لوگوں نے ملمع کاری سے کہا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے اسماء مخلوق ہوں گے کیوں کہ وہ کثیر ہیں اور وہ غیر اللہ ہیں۔ ہم نے بہ توفیق الٰہی

ان سے پوچھا کہ اگر تم اس سے وہ آوازیں مراد لیتے ہو جو کاغذوں میں حرف ہجا، مد، اور خطوط ہیں تو ان سب کے مخلوق ہونے میں دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں۔ اور اگر تم ایہام اور تمویہ چاہتے ہو کہ خلق کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کرو تو جو اس کا اطلاق کرے وہ کافر ہے۔

اگر کوئی شخص کسی ایسی کتاب کی طرف اشارہ کرے جس میں اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم لکھا ہو۔ یا وہ یا اللہ کہے یا اس کا کوئی نام لے کہ یہ مخلوق ہے تمھارا رب نہیں ہے یا تم اس کے ساتھ کفر کرتے ہو تو ہرگز کسی مسلمان کو اس کے سوا کہنا جائز نہیں کہ اللہ اس سے برتر ہے کہ وہ مخلوق ہو۔ وہ میرا رب و خالق ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں، اس کے ساتھ کفر نہیں کرتا۔ اگر اس کے سوا کہے گا تو کافر ہو جائے گا جس کا خون حلال ہے ناممکن ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق سوال کیا جاسکے یا اس کے متعلق جو ہمارا رب و خالق ہے جو ان اسما کا مسمی ہے نہ اس کے متعلق جس کی خبر دی جاتی ہے اور نہ اس کے متعلق جس کا ذکر صرف اس کے اسم کے ذکر سے کیا جاتا ہے جب اس مسئلے کا جواب ایسا ہے کہ اہل جہل ناممکن چیز کو ذات باری تعالیٰ سے ملا کر فریب دہی کرتے ہیں تو اس مسئلے میں بجز اس طرح کی تقسیم کے جو ہم نے بیان کی جواب دینا قطعاً جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی انسان محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم لکھے، یا اس کو زبان سے کہے اس کے بعد ہم سے کہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا رسول اللہ نہیں ہیں۔ تم ان پر ایمان لاتے ہو یا ان کے ساتھ کفر کرتے ہو تو جو شخص یہ کہے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں میں انکے ساتھ کفر کرتا ہوں وہ باجماع اہل اسلام کافر و مباح الدم ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اس آواز کے بارے میں جو سنی جاتی ہے اور اس خط کے بارے میں جو لکھا جاتا ہے دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ نہ یہ اللہ ہیں نہ رسول اللہ۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ احمد بن حنبل و ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم و ابوحاتم محمد بن ادریس الحنظلی رحمہم اللہ تعالیٰ کہ راویان حدیث ہیں یہ کہتے ہیں کہ اسم ہی مسمی ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ یہ تینوں حضرات اگرچہ اہل سنت اور ہمارے آئمہ میں سے ہیں مگر یہ خطا سے معصوم نہیں ہیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ یہ جو کچھ کہیں ہم اس میں انکی تقلید و اتباع کریں۔ ان حضرات نے اس قول کو اختیار کیا تھا کہ یہی قول صحیح ہے کہ قرآن وہی ہے جو کتاب اللہ سے سنا جاتا ہے اور وہ خود مجلدات قرآن میں پیوستہ و آمیختہ ہے۔ یہ قول صحیح اس امر کو واجب نہیں کرتا کہ اسم ہی مسمی ہو۔ جیسا کہ ہم اسی باب میں اور قرآن کے متعلق کلام کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

ایسے شخص سے کمال تعجب ہے جو حق کو بدل دے، ان حضرات سے وہاں الگ ہو جائے جہاں یہ حق تک پہنچیں۔ اور جہاں ان کی مخالفت جائز نہ ہو۔ وہاں ان سے تعلق کرلیں جہاں انھیں وہم ہو کہ یہ حضرات بھی انھیں اشعرمین کی طرف منسوب ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ قرآن ہرگز ہماری طرف نازل نہیں کیا گیا۔ نہ ہم نے اسے کبھی سنا نہ اسے جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتارا جو چیز مصاحف میں ہے وہ قرآن کے سوا ایک دوسری شے ہے۔

اس کے بعد یہ خالص کفار یہ مضمون لائے کہ اللہ کا اسم ہی اللہ ہے اُللہ کے لیے صرف ایک ہی اسم ہے اور اللہ و رسول کی اس میں تکذیب کی کہ اللہ کے لیے اسمائے کثیرہ ہیں جو ننانوے ہیں۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان۔**

اگر کوئی انسان کسی کتاب کی طرف اشارہ کرے جس میں ''اللہ'' لکھا ہو اور کہے کہ یہ میرا رب نہیں ہے اور میں اس کا کافر ہوں۔ تو بے شک وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر یہ کہے کہ یہ روشنائی میرا رب نہیں اور میں اس آواز کے رب ہونے کا منکر و کافر ہوں تو وہ سچا ہے اور یہ قابل

اعتراض نہیں۔ جہاں محل توقف ہے ہم وہاں توقف کرتے ہیں، جس نے ”محمد رسول اللہ رحمہ اللہ“ کہا (یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں ان پر اللہ کی رحمت ہو) آنحضرت کی توہین سے وہ دور نہ ہوگا اگر یہ کہے کہ ”اللهم ارحم محمد و آل محمد “ (یعنی اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمت کر) تو محسن و نیکوکار ہوگا اگر کوئی شخص اپنے والدین کے پوشیدہ عضو کا نام لے تو وہ نافرمان اور مرتکب کبیرہ ہوگا اگرچہ وہ سچا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

قضایائے نجوم

فلک اور نجوم ذوی العقول ہیں کہ نہیں

ایک قوم کا دعوی ہے کہ فلک و نجوم صاحب عقل ہیں دیکھتے اور سنتے ہیں، چکھتے اور سونگھتے نہیں، یہ دعوی بغیر کسی برہان کے ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ ہر گروہ کے نزدیک اول عقل ہی سے مردود و باطل ہے۔ کیوں کہ یہ دعوی اس دعوے سے زیادہ صحیح و بہتر نہیں ہے جو اس کے خلاف و معارض ہے اس حکم کا ثبوت کہ فلک و نجوم بالکل عقل نہیں رکھتے یہ ہے کہ ان کی حرکت ہمیشہ ایک ہی مرتبے پر ہوتی ہے جس سے وہ بدلتے نہیں۔ یہ صفت اس جماد کی ہے جس کے تدبیر کی جاتی ہے جو بالکل بے اختیار ہوتا ہے مگر ان لوگوں نے کہا ہے کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ افضل عمل بھی افضل ہی اختیار کرتا ہے ہم نے ان سے کہا کہ تمھیں یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حرکت سکون اختیاری سے افضل ہے اس لیے کہ ہم حرکت بھی دو طرح کی پاتے ہیں۔ اختیاری و اضطراری (جبری و قسری)۔ اور سکون بھی دو طرح کا ہے اختیاری و اضطراری۔ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سکون اختیاری سے حرکت اختیاری افضل ہے تمھیں یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حرکت دوریہ بقیہ ان حرکات سے افضل ہے جو داہنے یا بائیں یا آگے یا پیچھے ہوں کہاں سے معلوم ہوا کہ شرق سے غرب کی طرف حرکت، جیسا کہ فلک اکبر کی ہے غرب سے شرق کی طرف حرکت سے افضل ہے جیسا کہ بقیہ افلاک اور تمام کواکب (ستارے) حرکت کرتے ہیں۔ واضح ہو گیا کہ ان کا قول غلط و فاسد اور ان کا دعوی کاذب و فریب آمیز ہے۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ جب ہم عقل رکھتے ہیں اور کواکب ہماری تدبیر کرتے ہیں تو وہ ہم سے زیادہ حیات و عقل کے مستحق ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں دعوے بھی ایک ہی نظام میں جمع کر دیے گئے ہیں جن میں سے ایک تو یہ کہنا کہ وہ ہماری تدبیر کرتے ہیں یہ ایک جھوٹا دعوی ہے جس پر کوئی برہان نہیں۔ جیسا کہ اس کے بعد انشاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔

دوسرے یہ حکم ہے کہ جو ہماری تدبیر کرے وہ ہم سے زیادہ حیات و عقل کا مستحق ہے وہ تدبیر بھی پاتے ہیں جو طبعی اور اختیاری ہوتی ہے اگر یہ صحیح ہو کہ کواکب ہماری تدبیر کرتے ہیں تو یہ تدبیر طبعی ہوگی جیسا کہ ہمارے لیے تدبیر غذا و تدبیر ہوا و تدبیر آب ہے۔ بالمشاہدہ ان میں سے نہ کوئی صاحب حیات ہے نہ صاحب عقل۔ تدبیر کواکب کا اختیاری ہونا ہم ابھی باطل کر چکے ہیں اس لیے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ

ایک ہی حرکت و مرتبے پر جاری ہیں جن سے یہ ہرگز بدل نہیں سکتے۔ لیکن قضایائے نجوم کے بارے میں بھی ہم انشاءاللہ روشن واضح وظاہر قول بیان کریں گے۔

کواکب کا اپنے افلاک میں راہ قطع کرنے کو جاننا ان کے اوقات کو مطالع وابعاد (باہمی دوری و فاصلہ) کو ان کے ارتفاعات کو اور انکے مراکز افلاک کے اختلاف کو جاننا۔ ایک عمدہ علم ہے جو صحیح و بلند مرتبہ ہے اسکے ذریعے سے اس میں نظر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر اس کے پھیلانے والے پر اس کی صنعت پر اس کے ایجاد عالم وابداع اشیائے عالم پر یقین کے ساتھ مطلع ہوگا یہی وہ علم ہے جس سے ہر ایک اقرار خالق پر مجبور ہوتا ہے قبلے کی پہچان اور اوقات نماز کے جاننے میں اس علم کی ضرورت پڑتی ہے اسی سے ہلال رمضان وعیدالفطر کا تعین ہوتا ہے اور سورج اور چاند کا گہن معلوم ہوتا ہے برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ **ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق** "(اور بے شک ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان پیدا کیے)اور فرمایا ہے ''**والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم. لاالشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار ؕ کل فی فلک یسبحون** "۔ (اور قمر کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی خشک شاخ کیصورت میں پلٹ جاتا ہے نہ تو سورج کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پا جائے اور نہ رات کے لیے ممکن ہے کہ وہ دن سے آگے بڑھ جائے۔ اور ہر ایک کسی فلک میں تیرتے رہتے ہیں)اور فرمایا ہے'' **والسماء ذات البروج** ''(قسم ہے برج والے آسمان کی)اور فرمایا ہے'' **لتعلمو اعد دالسین والحساب** ''(تا کہ تمھیں سالوں کا شمار اور حساب معلوم ہو)اور یہی وہ امر ہے جو ہم نے کہا۔ وباللہ التعالی التوفیق۔ ان کے ذریعے سے مقدر کے فیصلے کا یقین کرنا غلط ہے جس کا سبب ہم انشاء اللہ بیان کریں گے۔

اہل قضاء (یعنی ستاروں سے قدرات کا فیصلہ کرنے والے)دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو اسکے قائل ہیں کہ کواکب و فلک صاحب عقل و تمیز ہیں۔ یا تو اللہ کے سوا یا اللہ کے ساتھ فاعل و مدبر ہیں اور یہ ازلی ہیں یہ گروہ کافر مشرک ومباح الدم والمال ہے جس پر اجماع امت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کو مراد لیا ہے جہاں آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بعض بندے میرے کافر ہو گئے اور کواکب کے مومن ہو گئے)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ ہمیں فلاں فلاں ستارہ (نوء) کی وجہ سے بارش دی گئی جو یہ کہتا ہے کہ کواکب ان شہروں میں جن میں ان لوگوں کو دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ اس کی بناء فلاں طالع میں ہوئی اور اس کا اختتام فلاں طالع میں۔ لیکن ان اقالیم اور ملک کے ان حصوں میں جن میں ایک کا وجود دوسرے کے وجود سے مقدم نہیں تو جن نجوم پر انھوں نے اپنے فیصلوں کی بنیاد رکھی ہے ان کا جھوٹ ہے اور ایسی طرح ان کا اعضائے جسم کا اور دھاتوں کا چھوٹے چھوٹے ستاروں پر تقسیم کرنا بھی جھوٹ ہے۔

برہان ششم یہ ہے کہ ہم چند انواع حیوان ایسی پاتے ہیں جن میں ذبح شائع ہے تقریبا ان میں سے بجز ذبح کیے ہوئے کوئی بھی نہیں مرتا۔ مثلا مرغی۔ کبوتر۔ بھیڑ۔ بکری۔ گائے۔ کہ بجز شاذ و نادر کے، اپنی موت طبیعی سے نہیں مرتے۔ چند انوع ایسی ہیں کہ تقریبا بجز موت طبیعی کے نہیں مرتے۔ مثلاً گدھے خچر اور بہت سے درندے بدیہی طور پر ہر شخص جانتا ہے کہ کبھی ان کی ولادت کے اوقات مساوی ہوتے ہیں۔ ایسی چیز سے فیصلہ کرنا باطل ہے جو موت طبعی و موت جبری واکراہی کو واجب کرے، اس لیے کہ یہ سب کے سب ولادت میں مساوی ہیں البتہ انکی موت کے اقسام میں اختلاف ہے۔

برہان ہفتم یہ ہے کہ ہم اقلیم اول واقلیم ہفتم کے باشندوں میں دیکھتے ہیں کہ خصیے کی بیماری شائع ہے بیقہ اقالیم کے باشندوں میں یہ مرض ناپید ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اوقات ولادت میں یہ سب مساوی ہیں۔ لہذا ان کا ایسی چیز سے فیصلہ کرنا یقیناً باطل ہے جو خصیے کی بیماری کو واجب کرے اور جو اسے واجب نہ کرے۔ اس لیے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب وجود اور ولادت کے اوقات میں مساوی ہیں اور ان کے حکم میں اختلاف ہے۔ یہی کافی ہے کہ اس مسئلے میں ان کا کلام ایک دعوی ہے جس پر کوئی برہان نہیں۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے اس کے باوجود جو چیز ان کے نزدیک حکم کو واجب کرتی ہے اسی میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ اور حق دو مختلف قولوں میں نہیں ہوتا۔

مشاہدہ اس امر کو واجب کرتا ہے کہ جب ہمیں یہ اپنے احکام بتادیں تو ہم ان کے احکام کی مخالفت پر قادر ہیں۔ اگر وہ احکام حق و ضروری ہوتے تو کوئی بھی ان کے خلاف کرنے پر قادر نہ ہوتا جب اس کے خلاف کرنا ممکن ہے تو وہ حق نہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ جھوٹ ہے۔ مثلاً کنکریاں پھینکنا دانہ مارنا، ہتھیلی میں نظر کرنا، پرندے سے فال لینا، کسی کو منحوس جاننا، اور بلاشک وہ تمام عمل جن کے جاننے والے اس میں اپنے ماہر ہونے کا دعوی کرتے ہیں، یہ کوئی خاص بات نہیں۔

جو ہم نے مشاہدہ کیا ہے اور جو ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ ان کے ماہرین نے تحقیق سے بیان کیا۔ جو ولادتوں میں تعدیل اور مناجات اور قحط سالی کے ٹلنے کے متعلق تھا، انھوں نے اس کا فیصلہ کیا اور غلطی کی۔ غلطی کے مقابلے میں صحت کو پہنچنا بہت ہی معمولی سے جزو میں ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ اٹکل اور جھوٹ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ خاص کر ان کا دعوی دل کی باتیں ظاہر کرنے میں۔ تو اس پر غور کرنے والے کے لیے یہ بالکل ہی جھوٹ ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ اسی طرح قرانات کے بارے میں بھی ان کا قول باطل ہے۔ مذکورہ بالا امور ہیں اگر یہ تجربات ثابت ہوتے تو ہم ضرور ان کی اور اس کی جو ان سے ظاہر ہوتا تصدیق کرتے۔

یہ علم غیب نہیں ہے، اس لیے کہ جس چیز پر کوئی دلیل قائم ہو خواہ وہ خط ہو، یا ہتیلی ہو، یا پرندے کی فال ہو، یا کسی کی نحوست ہو، یہ غیب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں سے ہر ایک کی وجہ ظاہر ہے۔ غیب اور علم غیب صرف یہی ہے کہ انسان بغیر مذکورہ بالا ہنر یا کسی فن کی مدد کے کسی ہونے والی چیز کی خبر اور کلی وجزئی صحیح بتائے، یہ صرف نبی کے لیے ہوتا ہے اور وہ اس وقت معجزہ ہوا کرتا ہے کہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے باطل ہو چکی ہے۔ یہ بھی آپ کے معجزات میں سے ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اللہ تعالیٰ جو شے پیدا کرتا ہے وہ مخلوق ہے یا نہیں؟

کیا اللہ کا فعل غیر اللہ سے مفعول ہو سکتا ہے؟

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ شے کا خلق (پیدا کرنا) ہی مخلوق ہے ان لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "**ما اشھد تم خلق السمٰوات والارض ولا خلق انفسھم**" (میں نے انہیں آسمان وزمین کے پیدا کرنے میں اور خود ان کے پیدا کرنے میں انہیں گواہ نہیں بنایا تھا)۔

اس آیت میں ان کے لیے کوئی بھی حجت نہیں۔ اس لیے کہ یہاں پر اشہادد (گواہ بنانا) بمعنی احضار بالمعرفة ہے (یعنی واقف بنا کر حاضر کرنا) اور یہ حق ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آسمان و زمین کی ابتدائے خلقت اور خود ہماری ابتدائے خلقت سے واقف بنا کر (دنیا میں) حاضر نہیں کیا جو یہ کہتا ہے کہ خلق شے خود وہی شے ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتا ہے کہ "**ھذا خلق اللہ** (یہ اللہ کا پیدا کرنا ہے) اور یہ تمام مخلوقات کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کا نام اپنی خلق رکھا ہے۔ اس برہان پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

جو یہ کہتے ہیں کہ خلق شے۔ غیر شے ہے، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ خلق اللہ کے متعلق بتاؤ کہ جسے اللہ نے پیدا کیا کہ آیا وہ بھی مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔

اگر وہ کہیں کہ غیر مخلوق ہے تو انہوں نے ہر مخلوق کے مقابلے میں ایک ایسی موجود شے واجب کر دی جو غیر مخلوق ہے، یہ دہریے کے قول کی تائید ہے اور اس کے خلاف برہان قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **خلق کل شیئی فقدرہ تقدیرا**'(اس نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا)۔

اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جسے پیدا کیا ہے اسے مخلوق پیدا کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا اس خلق کو پیدا کرنا (پیدا کرنے) سے ہے یا بغیر خلق کے۔ اگر کہیں کہ بغیر خلق کے ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو پیدا کرنا ایسے خلق سے ہے جو غیر مخلوق ہے۔ تم نے اس کے اس خلق کے پیدا کرنے کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ بغیر خلوق کے ہے اور یہ بدحواسی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اس کا پیدا کرنا بذریعہ خلق ہے۔ تو ہم سوال کریں گے کہ یہ خلق وہی ہے یا کسی ایسے خلق کے سبب سے ہے جو اس کا غیر ہے اور اسی طرح ہمیشہ اگر وہ اس میں سے کسی شے میں رک جائیں گے اور کہیں گے کہ اس کا خلق خود وہی ہے۔ تو ہم ان سے ان دونوں میں فرق دریافت کریں گے، ایک تو اس میں جو انہوں نے کہا کہ اس کا خلق وہ ہے جو اس کا غیر ہے، دوسرا اس میں جو انہوں نے کہا ہے کہ اس کا خلق خود وہی ہے۔ اگر اسی پر اڑے رہے تو وہ ایسے اشیاء کے وجود کی طرف چلے جائیں گے جن کی کوئی حد و انتہا نہ ہو، اور یہ محال و ممتنع ہے۔ معتزلہ کے ایک رئیس معمر بن عمرو العطار نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے ہم انشاء اللہ تعالیٰ اسی باب کے متصل اس کا کلام بیان کریں گے۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

اس پر سب متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا وہ بغیر کسی تکان کے پیدا کیا، چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ کے اور اس نے جو کچھ پیدا کیا اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، سوائے خالق و مخلوق کے وجود میں کوئی تیسرا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا خلق (پیدا کرنا) جس کو اس نے پیدا کیا حق ہے، موجود ہے وہ (خلق) بلاشک مخلوق ہے، بلاشک خالق نہیں لہذا وہ خود مخلوق ہے اور یقیناً ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس لیے کہ یہاں ہرگز کوئی تیسرا درجہ نہیں۔ **وبا للہ تعالیٰ التوفیق۔**

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک اللہ کا فعل ہے جو خود اس کا مفعول ہے نہ اس کے سوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بجز اسکے کوئی فعل نہیں کرسکتا۔ حرکت یا سکون۔ یا تاثیر۔ یا معرفت یا فکر یا ارادہ۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی کسی کا مفعول نہیں۔ بجز ان کے جن کا ہم نے ذکر کیا (یعنی فکر و ارادہ وغیرہ) یہی فاعلین کے مفعولات اور یہی فاعلین کے افعال ہیں کوئی فرق نہیں۔ جو اس کے سوا ہے وہ یا تو مفعول فیہ ہے مثلاً مضروب و مقتول۔ یا مفعول بہ ہے کہ مثلاً تازیانہ اور سوئی اور اسی کے مثل یا مفعول لہ ہے مثلاً مخدوم و مطاع یا مفعول من اجلہ یعنی اس کے واسطے ہے مثلاً مکسوب جو حاصل کہا گیا اور محلوب (دوہا ہوا دودھ) مفعولات کی ہی صورتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اس کے خلاف ہیں جو ہم نے خلق میں بیان کیے۔ بلکہ وہ مفعول فیہ، ولہ بہ ومعہ، یا من اجلہ کے غیر ہیں۔ اس کی مثال احیاء (زندہ کرنا) ہے جو بلاشک محیا (جسے زندہ کیا گیا) کے غیر ہے۔ دونوں اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ کا ان سب کو خلق کرنا خود یہ بھی اسی کا مخلوق ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

مثلاً اماتت (موت دینا) یہ مُمات (مردے) کے غیر ہے، اگر اس اس کے سوا ہوتا، احیاء ہی محیا ہوتا اور اماتت ہی ممات ہوتا۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ محیا خود ہی ممات ہے تو لازم آتا کہ احیاء ہی اماتت ہو اور یہ محال ہے۔

مثلاً ابقاء (باقی رکھنا) یہ مُبقی (جسے باقی رکھا گیا) کے غیر ہے، اسی برہان سے جس کا بیان ہو چکا۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ شے ان اعراض کے مغایر ہوتی ہے جو ایک وقت اس شے کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور دوسرے وقت اس شے سے فنا ہو جاتی ہیں و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

بقا و فنا

وہ معانی جن کے مدعی معمر ہیں، احوال جن کا اشعری دعویٰ کرتے ہیں

معدوم شے ہے یا نہیں

مسالہ اجزاء

اشیاء کے لیے تجدّد خلق ہے کہ نہیں

ایک قوم کا مذہب ہے کہ بقا و فنا دونوں باقی و فانی کی صفات ہیں اور وہ دونوں خود نہ باقی و فانی ہیں نہ غیر باقی و غیر فانی ہیں۔

یہ قول انتہائی فاسد ہے، اس لیے کہ قضیہ ثانیہ پہلے قضیے کی نقیض میں ہے اور قضیہ اولی قضیہ ثانیہ کی نقیض میں ہے، جب یہ کہا کہ ''وہ یہ نہیں ہے'' تو اس نے یہ بات واجب کردی کہ وہ اس کا غیر ہے، اور جب یہ کہا کہ ''وہ اس کا غیر نہیں'' تو اس نے یہ بات واجب کردی کہ یہ وہی ہے۔ یہ کھلا ہوا تناقض ہے۔ کہنے والوں کے اس قول میں کہ ''وہ نہیں ہے'' اور اس قول میں کہ ''وہ وہ ہے'' اور ''وہ اس کا غیر ہے'' کوئی فرق نہیں ہے، ان دونوں قضیوں میں معنے ایک ہی ہیں۔

اگر بقاء باقی نہ ہو اور نہ وہ غیر باقی ہے اور فناء تو فانی ہی ہے اور نہ غیر فانی تو باقی ہی خود فانی ہے اور باقی ہے اور نہ غیر باقی۔ یہ مزید جنون و تناقض ہے۔

معمر کا مذہب یہ ہے کہ فنا ایک صفت ہے جو غیر فانی کے ساتھ قائم ہے۔

یہ وہ بدحواسی ہے جو نہ عقل میں آسکتی ہے نہ وہم میں نہ اس پر قطعاً کوئی دلیل قائم ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ اس میں جو حقیقت ہے وہ ظاہر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بقاء وجود شے ہے اور اس کا زمانے کی ایک مدت تک قائم و ثابت ہونا ہے۔ چونکہ وہ اس طرح قائم ہے لہذا وہ ایک صفت ہے جو باقی کے اندر [illegible] موجود ہے اور اسی کے فنا

ہونے والی ہے۔

فناء شے کا بالکل معدوم و باطل ہو جانا ہے اور وہ قطعاً شے نہیں ہے، فنائے مذکور جواہر میں سے کسی میں ہرگز موجود نہیں یہ صرف عرض (صفت) کا معدوم ہونا ہے۔ مثلاً شرمندہ شخص کی سرخی کہ جب وہ جاتی رہتی ہے تو اس کے جاتے رہنے کی خبر کے معنے کو لفظ فناء سے تعبیر کیا جاتا ہے، مثلاً غضب فنا ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے رضا آ جاتی ہے اور اسی کے مشابہ امور۔ اگر اللہ تعالیٰ جواہر کو فنا کرنا چاہتا تو بے شک وہ اس پر قادر تھا لیکن یہ اب تک پایا نہیں گیا اور نہ اس کے متعلق کوئی نص آئی ہے کہ اس پر وقوف کیا جائے، لہٰذا فناء عدم ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔

کیا معدوم شے ہے

معدوم کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ شے ہے یا نہیں۔ اہل سنت اور مرجیہ کے چند گروہوں، مثلاً اشعریہ وغیرہم نے کہا ہے کہ وہ شے نہیں ہے، ہشام بن عمرو الفوطی بھی جو مشائخ معتزلہ میں سے ہے، اسی کا قائل ہے۔ بقیہ معتزلہ نے کہا ہے کہ معدوم شے ہے۔ عبدالرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط نے جو مشائخ معتزلہ میں سے ہے کہا ہے کہ معدوم اپنے حال عدم میں جسم ہے مگر وہ اپنے حال عدم میں نہ متحرک ہے نہ ساکن نہ مخلوق ہے نہ حادث۔

جن لوگوں نے معدوم کو شے کہا ہے انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**ان زلزلة الساعة شئی عظیم**" (بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی شے ہے)۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ (زلزلہ) شے ہے حالانکہ وہ معدوم ہے۔ اور معدوم کے شے ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ اسکے متعلق خبر دی جائے۔ اس کا حال بیان کیا جائے اور اس کی تمنا کی جائے جس کی یہ کیفیت ہو اس کا شے نہ ہونا محال ہے۔

یہ کلام الٰہی کہ "**ان زلزلة الساعة شئی عظیم**" یہ اس کلام الٰہی سے ملا ہوا ہے "**یوم ترو نها تزهل کل مرضع عما ارضعت و تضع کل ذات حمل حملها و تری الناس سکاری و ما هم بسکاری**" (جس روز وہ زلزلہ قیامت کو دیکھیں گے اس روز ہر دودھ پلانے والی جس کو دودھ پلایا ہے بھول جائے گی۔ اور ہر حمل والی اپنے حمل کو گرا دے گی اور اور تم لوگوں کو نشہ میں سمجھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے) "**یوم ترو نها**" ہی پر کلام تمام ہو گیا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ زلزلہ قیامت کو جس روز وہ لوگ دیکھیں گے وہ ایک بہت بڑی چیز ہوگی۔ اور یہی ہمارا قول ہے اللہ تعالیٰ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ وہ (زلزلہ) اس وقت شے عظیم ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو ہولناک واقعات اس روز ہوں گے ان کا ذکر کیا ہے۔ دودھ پلانے والیوں کا ڈرنا۔ حملوں کا ساقط ہونا۔ اور لوگوں کا بغیر شراب کے نشے میں جھومنا۔ لہٰذا اس آیت سے ان کا تعلق و استدلال باطل ہو گیا۔ اس کے سوا ہمیں اور کسی چیز کا علم نہیں جس سے ان لوگوں نے فریب دیا ہو۔

یہ کہنا کہ معدوم کی خبر دی جاتی ہے، اس کا حال بیان کیا جاتا ہے، اس کی تمنا کی جاتی ہے اور اس کا نام لیا جاتا ہے، یہ بھی شدید جہل اور گمان فاسد ہے۔ اس لیے کہ کسی شے کے بارے میں ہمارا یہ کہنا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ معدوم ہے اور اس کے متعلق خبر دی جاتی ہے کہ وہ معدوم ہے اور اس کے متعلق خبر دی جاتی ہے کہ وہ معدوم ہے اور اس کی تمنا کی جاتی ہے، وہ صرف اس طور پر ہوتا ہے کسی اسم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ اسم بلاشک موجود ہوتا ہے جو حس سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ عنقاء۔ ابن اوی۔ حبین۔ عرس۔ و نبوت مسلیمہ۔ اور جو اس کے سے ایک وجہ ہے، یا تو اس کا کوئی

مسمی ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر اس کے لیے کوئی مسمی ہے تو وہ موجود ہے اور اس وقت وہ شے ہے۔ اگر اس کا کوئی مسمی نہیں تو ہمارا عدم کی خبر دینا اور مریض کے لیے صحت کی تمنا کرنا یہ صرف اسم موجود کے متعلق خبر دینا ہے جس کا کوئی مسمی نہیں ہے، نہ اس کے تحت میں کوئی شے ہے، اور ہماری تمنا اس لیے ہے کہ اس کے تحت میں کوئی مسمی ہو جائے بات یہی ہے نہ وہ جس کا اہل جہل نے گمان کیا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ معدوم کے متعلق خبر نہیں دی جاتی اور نہ تمنا کی جاتی ہے۔

جو یہ کہے کہ کاش میرے لیے سرخ کپڑا اور سیاہ غلام ہوتا ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ آیا تمہارے نزدیک وہ کپڑا جس کی تمنا کی گئی ہے سرخ ہے یا نہیں۔ اگر انہوں نے معنے کو ثابت کیا جو کپڑا ہے تو اس عرض (**صفت**) تو بھی ثابت کر دیا جو اس میں سمائی ہوئی ہے اور وہ سرخی ہے لازم آیا کہ معدوم بھی اعراض وصفات کو اٹھاتا ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اس نے بالکل کسی چیز کی تمنا ہی نہیں کی تو وہ سچے ہیں اور ثابت ہو گیا کہ معدوم کی تمنا نہیں کی جاتی اس لیے کہ وہ شے نہیں ہے، کہنے والے کے اس قول میں کہ میں نے لا شے کی تمنا کی اور اس قول میں کہ میں نے کسی شے کی تمنا نہیں کی کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں قول ایک ہی معنے میں متفق ہیں۔

اسے ایک اور وجہ سے بھی ظاہر کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو اشیاء عالم میں موجود نہیں کی تمنا کی جاتی ہے، مثلاً پارچہ موجود یا غلام موجود۔ جس نے ایسی چیز کی تمنا کی جو عالم میں نہیں ہے تو اس نے کسی شے کی تمنا نہیں کی۔

یہ کہنا کہ حال ووصف بیان کیا جاتا ہے" یہ نہایت عجیب طریقہ ہے۔ اس لیے کہ کہنے والے کے اس قول کے معنے کہ "حال ووصف بیان کیا جاتا ہے" اس امر کی خبر دینا ہے کہ اس کے لیے ایک صفت ہے جو اس میں سمائی ہوئی اور اسی کے ساتھ موجود ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ معدوم، صفات کو، مثلاً سرخی، سبزی۔ قوت۔ طول عرض کو کیسے اٹھاتا ہے۔ بے شک یہ نہایت ہی عجیب ہے۔ لہذا انہوں نے جو ملمع کاری کی تھی اس کا فساد ظاہر ہو گیا۔ **والحمد لله رب العلمين**۔

چونکہ ان کا قول دلیل سے خالی ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ ایک جھوٹا دعوی ہے۔ اس کے بعد ہم بہ توفیق الہی کہتے ہیں کہ اس امر پر برہان کہ "معدوم وہ اسم ہے جو ہرگز کسی شے پر واقع نہیں ہوتا" اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "**وقد خلقتک من قبل ولم تک شئیا**" (اور میں نے تجھے پہلے پیدا کیا حالانکہ تو کوئی شے نہ تھا) اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "**هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا**" (کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ وہ قابل ذکر شے نہ تھا) اور یہ قول کہ "**وخلق كل شيئ فقدره تقديرا**" (اور اس نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اسے اندازے میں رکھا) اور فرمایا "**انا كل شئي خلقناه بقدر**" (بے شک ہم نے ہر شے کو اندازے سے پیدا کیا)۔ ان کو لازم آئے گا کہ اگر معدوم شے ہے تو ناچارہ وہ معدوم مخلوق ہوگا، حالانکہ بغیر کسی اختلاف کے وہ سب متفق ہیں کہ مخلوق موجود ہے اور زمانے کے ایک وقت سے پائی جاتی ہے اس بنا پر معدوم موجود ہے اور موجود تھا۔ اور یہ ان کے قول کے خلاف ہے۔ یہ اس امر میں نہایت واضح دلیل ہے کہ معدوم شے نہیں ہے۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ شے کہنے کے کیا معنے ہیں وہ یہ کہنے سے چارہ نہ پائیں گے کہ وہ موجود ہے یا یہ کہیں کہ وہ ہر وہ چیز ہے جس کے متعلق خبر دی جائے۔ پھر اگر وہ کہیں کہ وہ موجود ہے تو حق کی طرف آ گئے۔ اور اگر کہیں کہ وہ تمام تر وہی ہے جس کے متعلق خبر دی جائے تو ہم ان سے کہیں گے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے شریک کے متعلق خبر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**اين شركائي**" (میرے

شرکاء کہاں ہیں)

اور یہ (یعنے شریک) وہ معدوم ہے جسے حقیقت (ووجود) میں ذرا سا بھی دخل نہیں، اور ایسا اسم ہے جس کے تحت میں کوئی مسمی نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ''اللہ کے شرکاء اشیاء ہیں'' تو بہت بیہودہ بات کہیں گے۔ تمام امتیں جن میں سے ہم کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ اس پر متفق ہیں کہ معدوم نہ شے ہے نہ لا شے، یا ایسی چیز جس کو کسی لغت میں بھی شے یا لا شے سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر یہ کہ معنی ایک ہی ہیں۔ اگر معدوم شے ہوتا تو جس چیز کے ''لا شے یا وہ شے نہیں ہے یا وہ شے نہ تھی'' ہونے پر ان لوگوں کا اتفاق ہے وہ اتفاق اجماع ضرور باطل ہوتا ہے۔ یہ ان تمام روئے زمین والوں پر رد ہے کہ وہ جب سے پیدا ہوئے اور جب تک عالم فنا ہوگا رہیں گے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ موجود شے ہے۔ چونکہ وہی شے ہے لہذا یہ ضرورت عقل لا شے ہی معدوم ہے۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معدوم اپنے حال عدم میں عظیم یا صغیر یا حَسن یا قبیح یا طویل یا قصیر یا رنگین ہے۔ اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان کے قول میں تناقص ہوگیا۔ ان سے اس فرق کو دریافت کیا جائے جو ان کے اس قول میں ہے کہ وہ ''وہ شے ہے'' اور اس قول میں ہے کہ ''وہ حسن یا قبیح یا صغیر یا کبیر ہے'' انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ وہ شے ہے پھر یہ کہہ دیا کہ وہ حسن وقبیح وصغیر وکبیر نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو یہ واجب کر دیا کہ معدوم حامل اعراض وصفات ہوتا ہے اور یہ وہ بدحواسی ہے جو تمہیں کافی ہے۔ دریافت کیا جائے گا کہ وہ کس میں صفات کا حامل ہے، آیا اپنی ذات میں یا کسی اور چیز میں۔ اگر وہ کہیں کہ اپنی ذات میں تو انہوں نے واجب کر دیا کہ اس کی ذات ہے، حالانکہ ضروری طور پر یہ صفت موجود کی ہے (نہ کہ معدوم کی) اور اگر یہ کہیں کہ وہ اپنے غیر میں صفات کا حامل ہے، تو عیب تر بات اور یہ بھی زائد قول محال ہوگا جو مخفی نہیں۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا ابوجہل کا ایمان موجود ہے یا معدوم۔ لامحالہ ان کا جواب یہی ہوگا کہ وہ معدوم ہے۔ ہم ان سے ابوجہل کے ایمان معدوم کے متعلق دریافت کریں گے کہ وہ حسن ہے یا قبیح۔ اگر کہیں کہ نہ حسن ہے نہ قبیح۔ تو ہم کہیں گے کہ آیا یہ عقل میں آسکتا ہے کہ کوئی ایمان بھی حسن نہ ہو۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ اگر کہیں کہ وہ حسن ہے، تو انہوں نے یہ واجب کر دیا کہ وہ حامل حسن ہے۔

اسی طرح ہم ان سے انبیاء علیہم السلام کے کفر معدوم کو دریافت کریں گے کہ آیا وہ قبیح ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو انہوں نے ایسا کفر واجب کر دیا جو قبیح نہیں۔ اگر کہیں کہ قبیح ہے تو واجب کر دیا کہ معدوم حامل صفات ہوتا ہے۔

اسی طرح بانجھ عورت کے فرزند معدوم کو ان سے دریافت کریں گے کہ آیا وہ صغیر ہے یا کبیر۔ عاقل ہے یا احمق۔ اگر وہ ان صفات میں سے اس کے لیے کسی کے وجود کو بھی روکیں تو بہت ہی عجیب ہوگا کہ بچہ ہو جو نہ صغیر نہ کبیر نہ زندہ ہو نہ مردہ۔ اگر وہ اسے ان صفات میں سے کسی صفت سے موصوف کریں تو مزید محال کا ارتکاب کریں گے۔

ہم ان سے اشیائے معدومہ کو دریافت کریں گے کہ آیا ان کے لیے عدد ہے یا نہیں اگر وہ کہیں کہ ان کے لیے کوئی عدد نہیں تو جب انہوں نے ایسی اشیاء مان لیں جن کا کوئی عدد نہیں تو محال کا ارتکاب کیا۔ اگر یہ کہیں کہ عدد ہے تو یہ اور بھی عجیب اور محال ہے جو مخفی نہیں۔

ہم ان سے مرد عورت نا قابل اولاد کی اولاد معدومہ کے متعلق دریافت کریں گے کہ آیا یہ عالم میں ہیں اور عالم کا جزو ہیں یا عالم میں نہیں اور عالم کا جزو نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ وہ عالم میں ہیں اور عالم کا جزو ہیں تو ہم ان کا مکان دریافت کریں گے اگر انہوں نے ان کے لیے کوئی مکان محدود کر دیا تو جی بھر کے حماقت کی۔ اگر کہیں کہ ان کے لیے کوئی مکان نہیں ہے، تو کہا جائے گا کہ عالم میں کوئی ایسی شے کیسے ہوسکتی ہے

جس جا کوئی مکان نہ ہو اور نہ اس کا کوئی حامل (لینے موصوف) ہو۔

جب معدومات وہ اشیاء ہوئیں جن کا نہ کوئی عدد ہے، نہ حد و انتہا ہے اور نہ کوئی مبداء ہے تو لازم آئے گا کہ وہ ازلی ہیں اور یہ پورے طور پر (دہریت اور خالص کفر ہے کہ ایسی اشیاء ہوں جن کی کثرت کا شمار نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازلی ہوں اور ہم ایسی حماقت سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)

ان لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ معدوم کا علم ہوتا ہے۔ حالانکہ حدود و تعریفات علم کلام سے یہ ان کی ناواقفی ہے۔ خاص کر اس شخص کی جو یہ مانتا ہے کہ معدوم لا شے ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا علم ہوتا ہے اس پر ہم انہیں یہ الزام دیا کہ وہ بھی لا شے کو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی لا شے کو جانتا ہے تو ان میں سے بعض لوگ اس پر گھبرا گئے۔ ہم نے اس سے کہا کہ تمہارا یہ کہنا کہ مجھے لا شے کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو لا شے کا علم ہے تمہارے اس قول کے موافق و مساوی ہے کہ میں کسی شے کا علم نہیں رکھتا اور تمہارے اس قول کے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی شے کا علم نہیں، ان دونوں جملوں کے معنے میں قطعاً کوئی فرق نہیں، دونوں ایک ہی ہیں اگرچہ دونوں کی عبارتیں مختلف ہیں۔ جب یہ ایسا ہے تو ثابت ہو گیا کہ معدوم کا علم نہیں ہوتا۔ اگر اس پر ہمیں الزام دیا جائے اور ہم سے دریافت کیا جائے کہ آیا اللہ تعالیٰ اشیاء کو ان کے ہونے سے پہلے جانتا ہے یا نہیں ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اسے جانتا ہے جسے وہ ہمیشہ غیر متناہی وقت تک پیدا کرتا رہے گا کہ وہ اسے پیدا کرے گا اور ان صفات پر ترتیب دے گا جو وہ اس میں پیدا کرے گا۔ جب وہ اسے موجود کرے گا تو وہ شے ہو گی، اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ جسے اس نے اب تک پیدا نہیں کیا وہ اس وقت تک شے نہیں ہے جب تک پیدا نہ کر دے وہ ازل سے جانتا ہے کہ لا شے اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اشیاء اس وقت اشیاء ہوں گی جب وہ انہیں پیدا کر دے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح وہ ہیں یہ نہیں کہ ماہیت اشیاء کے خلاف ان کو جانتا ہو، ماہیت اشیاء کے مخالف جس نے اشیا کو جانا اس نے انہیں نہیں جانا بلکہ ان سے جاہل رہا۔ یہ علم نہیں ہے بلکہ یہ ظن کاذب و جہل ہے، برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "**ولو علم الله فيهم خير الا سمعهم**" (اور اگر اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں میں خیر کا علم ہوتا تو وہ ضرور انہیں سنا دیتے (یعنی ماننے اور سننے کی طاقت دے دیتا)۔ جس لغت عرب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا ہے، اس میں "لو" وہ حرف ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک شے اس لیے ممتنع و ناممکن ہے کہ اس کا غیر ممتنع و ناممکن ہے۔ لہٰذا ثابت وہ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہیں سنایا اس لیے کہ اس نے ان میں خیر کو نہیں جانا یا ان میں خیر نہ تھی۔ ثابت ہو گیا کہ معدوم کا ہرگز علم نہیں ہوتا۔ اور اگر اس کا علم ہو تو لامحالہ وہ موجود ہو، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہی ہے کہ لفظ معدوم کا کوئی مسمی نہیں اور نہ اس کے تحت میں کوئی شے ہے۔

اللہ تعالیٰ اب جانتا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہے اور وہ اب اسے قائم نہیں جانتا بلکہ وہ یہ جانتا ہے کہ اسے قائم کرے گا تو وہ قائم ہو گی پھر وہ قیامت۔ ساعت۔ یوم جزاء۔ یوم بعث و شئی عظیم ہو گی جس وقت وہ ان سب امور کو پیدا کرے گا نہ ان سب امور کے پیدا کرنے سے قبل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ علم کہ وہ اسے قائم کرے گا تو وہ قائم ہو گی۔ تو یہ موجود و حق ہے۔ اس قول کے کہ وہ ان معدومات کو بھی جانتا ہے جو اب تک نہیں ہوئیں یہی معنے ہیں۔ جو آفتاب کل طلوع [illegible] والا ہے ہم اس کو آج طالع نہیں کہتے، بلکہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کل طلوع ہو گا۔ اسی طرح ہم زندہ لوگوں کی موت کو اب نہیں جانتے بلکہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت پیدا کرے گا تو ہم ان کی موت کو اس وقت جانیں گے جب اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرے گا نہ کہ اس کے قبل۔ وبا لله تعالىٰ التو فيق۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ام حسبتم ان تد خلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جا هدو امنكم و يعلم الصابر ين" (کیا

تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اب تک تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے جہاد کیا اور اب تک صبر کرنے والوں کو نہیں جانا)۔ یہ اس پر نص جلی ہے کہ معدوم کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جنت میں نہ داخل ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہ حیثیت مجاہد و صابر کے نہیں جانا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جس نے جہاد نہیں کیا اور صبر نہیں کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے ہرگز مجاہد و صابر نہیں جانا اور اللہ تعالیٰ ازل سے یہ جانتا ہے کہ ان میں وہ بھی ہوں گے جو جہاد کریں گے اور صبر کریں گے اور وہ ازل سے جانتا ہے کہ وہ جہاد کرے گا اور صبر کرے گا، پھر جب اس نے جہاد کیا، اور صبر کیا اس وقت اس نے صابر و مجاہد جانا علم بدلتا نہیں اس لیے کہ وہ غیر باری تعالیٰ نہیں ہے۔ صرف معلوم بدلتا ہے۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ کو بے ریش و بروت والے کو ڈاڑھی کا اور چپٹی ناک والے کی اونچی ناک کا علم ہے یا وہ اسے نہیں جانتا۔ آیا اللہ تعالیٰ کو بانجھ کی اولاد کافر کے ایمان، مومن کے کفر، صادق کے کذب اور کاذب کے صدق کا علم ہے یا وہ ان میں سے کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ سب جانتا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو جہل کے ساتھ موصوف کیا کہ وہ اشیاء کو اس کے خلاف جانتا ہے جس طرح پر وہ ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عقیم کی اولاد کا علم نہیں، وہ صرف اسے یہی جانتا ہے کہ اس کا کوئی بچہ نہیں وہ بے ریش و بروت کی ڈارھی نہیں جانتا بلکہ یہ جانتا ہے کہ وہ بے ڈاڑھی والا ہے، تو انہوں نے سچ کہا اور حق کی طرف رجوع کر لیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جو معانی معمر کے مخالف ہیں

معمر اور اس کے متبعین نے کہا ہے کہ ہم نے متحرک و ساکن کو پایا اور یقین کیا کہ جو معنے متحرک میں پیدا ہو گئے انہیں کی وجہ سے ساکن کی صفت سے جدا ہو گیا، جو معنے ساکن میں پیدا ہوئے انہیں کی وجہ سے وہ بھی متحرک کی صفت سے جدا ہو گیا، اسی طرح ہم نے جان لیا کہ حرکت میں وہ معنے ہیں جن کی وجہ سے وہ سکون سے جدا ہو گئی اور سکون میں وہ معنے ہیں جن کی وجہ سے وہ حرکت سے جدا ہو گیا۔ ہم نے یہ جان لیا کہ ان معانی میں جن کی وجہ سے حرکت سکون کے خلاف ہو گئی ایسے معنے ہیں جن کی وجہ سے وہ ان معانی سے جدا ہو گئے جن کی وجہ سے وہ معنے سکون سے جدا ہو گئے۔ اسی طرح ہمیشہ کے لیے انہوں نے یہ واجب کر دیا ہے کہ اس عالم کی ہر شے میں خواہ وہ جوہر ہو یا عرض ایسے معانی ہیں کہ ان میں سے ہر اس معنے سے جدا ہیں جو اس کے علاوہ عالم میں ہیں اور اسی طرح ان معانی میں بھی معانی ہیں۔ اس لیے کہ یہ اشیائے موجودہ ہیں اور ان میں باہم فرق و تغایر ہے، اس سے انہوں نے عالم میں ایسی اشیاء کا وجود زمانہ محدود میں واجب کر دیا ہے جن کے حد کی انتہا نہ ہو۔

ان کی کل کائنات اتنی ہی ہے، اسی سے انہوں نے فریب دہی کی ہے۔ البتہ اس کو مفصل کر دیا اور کافر و کفر اور ایمان و مومن وغیرہ میں پھیلا دیا ہے جو ان معانی میں سے ہے جو بعینہ ہم نے بیان کر دیے ہیں اور اس میں قطعاً کچھ اضافہ نہیں ہے۔

یہ کوئی شے نہیں ہے، ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ کل عالم کی دو قسمیں ہیں جوہر حامل (موصوف) اور عرض محمول (یعنے صفت) اس سے زیادہ نہیں۔ ان دو قسموں کے علاوہ عالم میں کوئی تیسری قسم نہیں اور یہ امر ضرورت عقل و ضرورت حس سے سمجھا جاتا ہے۔ جواہر اپنی ذاتوں کے اعتبار سے آپس میں ایک دوسرے کے مغایر ہیں اور وہ ذاتیں ہی اشخاص و افراد ہیں جن میں غیریت ہے۔ یہ جواہر اپنی جنس کی وجہ سے بھی مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض اس عرض محمول کی وجہ سے بھی جو ہر جوہر حامل میں محمول ہوتی ہے۔ بعض سے مختلف ہوتے ہیں۔ اعراض بھی جواہر کے ان کی ذاتوں میں غیریت کی وجہ سے باہم مغایر ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ بھی بعض بعض کے ان کی ذاتوں کی وجہ سے

مغایر ہوتے ہیں اور بعض بعض سے ان کی ذاتوں کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں اگرچہ بعض اعراض بھی حامل اعراض ہوتے ہیں، مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ تیز سرخی۔ ماند سرخی گل بد، عمل نیک۔ قوت شدیدہ۔ قوت غیر شدیدہ۔ اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک کسی عدد متناہی پر رک جاتے ہیں یہ وہ امر ہے جو عقل و حس سے معلوم ہوتا ہے۔

متحرک ساکن سے جدا ہے، یہ اپنی حرکت کی وجہ سے اور وہ اپنے سکون کی وجہ سے۔ حرکت بذاتہا سکون سے جدا ہے اور سکون بذاتہ حرکت سے جدا ہے، اپنی نوعیت سے بھی اور غیریت سے بھی۔ حرکت شرقی اپنی ذات و غیریت کی وجہ سے حرکت غربی سے جدا ہے، اس سبب سے کہ یہ شرق کی طرف ہے اور وہ غرب کی طرف۔ اور اسی طرح ہر شے میں فرق ہے۔ ہر دو شے جو ایک ایسی نوع کے تحت میں واقع ہوں جو اشخاص کے متصل ہے تو یہ دونون اشیاء اپنی غیریت کی وجہ سے آپس میں مختلف ہوں گی۔ یہ دونوں اگر دو نوع کے تحت واقع ہوں تو شخص میں غیریت کی وجہ سے مختلف ہوں گے غیریت کے لیے بھی ایک نوع ہے جو سکے تمام افراد کی جامع ہے مگر یہ کہ لامحالہ کسی ایسے عدد کی حد کے پاس رک جانا پڑتا ہے جو زائد نہ ہو۔

اب ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ ان معانی کے متعلق خبر دو جن کے متعلق تم یہ دعوی کرتے ہو کہ وہ ایک حرکت میں ہیں اور ان معانی کے متعلق جن کے لیے تم یہ دعوی کرتے ہو کہ وہ دو حرکتوں میں ہیں، کہ ان دونوں میں کون زیادہ ہے۔ اگر یہ قلت و کثرت ثابت کریں تو اپنا مذہب ترک کریں گے اور ان معانی میں حدو نہایت کو واجب کر دیں گے جن سے انہوں نے حدو نہایت کی نفی کی تھی۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہاں نہ قلت ہے نہ کثرت تو یہ مشاہدے کی مخالفت کریں گے اور ایسے محال کو لائیں گے جو انہیں کے اقوال کا توڑنے والا ہے۔ اس لیے کہ جب انہوں نے ایک حرکت کے لیے ایک معنے واجب کیے تو دو حرکتوں کے لیے دو معنے واجب کیے اور اسی طرح ہمیشہ۔ لہذا کثرت و قلت تو بدیہی طور پر لازم آ گئی جس سے مفر نہیں۔

ان کے لیے جواب نہ تھا۔ مگر بعض نے کہا کہ ہمیں بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک جسم میں غیر متناہی حرکات پیدا کر دے۔ اس سوال میں اہل اسلام کو جواب یہ ہے کہ ہاں۔ مگر جنہوں نے اپنے رب کو عاجز بتایا ہے ان کا جواب یہ ہے کہ نہیں ان سے یہ سوال ہی ساقط ہو گیا، اور اس جواب سے جو ان کے اسلام کا سقوط ہوا ہے وہ اصحاب معمر سے سوال ساقط ہونے سے زیادہ سخت ہے۔

ان کا سوال اہل حق کے لیے باقی رہ گیا، انہوں نے کہا کہ اچھا ہمیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ ایک جسم میں جتنی حرکات پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ دو جسم میں جتنی حرکات پیدا کرنے پر قادر ہے ان دو میں سے کون زیادہ ہے۔ اس میں اہل حق کا جواب یہ ہے کہ معدوم پر عدد واقع نہیں ہوتا، عدد صرف موجود معدد پر واقع ہوتا ہے۔ وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اس نے اسے نہیں کیا تو وہ اب تک شے نہیں ہوئی نہ اس کے لیے کوئی عدد ہے اور نہ وہ معدود ہے اللہ کی قدرت کے لیے کوئی حدو نہایت نہیں ہے۔ جس چیز پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اس نے اسے نہیں کیا تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کی حد و نہایت ہے یا اس کی حدو نہایت نہیں ہے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا اب اس کی حدو نہایت ہے اسی طرح وہ جس چیز کو پیدا کرے گا جب اسے پیدا کرے گا اب اس کے لیے نہایت پیدا ہو جائے گی نہ کہ اس کے قبل۔

وہ معانی جن کا تم لوگ دعوی کرتے ہو تو یہ کرتے ہو کہ وہ موجود قائم ہیں، ان کے لیے نہایت ہونا واجب ہے۔ اگر تم نے ان سے نہایت کی نفی کر دی تو تم دہریوں میں شامل ہو گئے اور ہم تم سے بھی وہی کلام کریں گے جو کلام ہم نے ان سے کیا جس کو ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔ پھر اگر تمہارے لیے یہ عبادت ثابت ہو کہ کسی کہنے والے کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز پر قادر ہے اس کے

عدد کی انتہا نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں حق یہ ہے کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ محدود وقت اور محدود مکان میں ایسی چیز کو پیدا کرے جس کی کوئی حد انتہا نہ ہو۔ اگر وہ چاہے کہ اس کو غیر محدود وقت اور غیر محدود مکان میں پیدا کرے تو بے شک وہ اس پر بھی قادر ہے۔ اس سے ہرگز یہ واجب نہ ہوگا جو تم نے وقت واحد غیر محدود میں معانی کا وجود ثابت کرنے کا دعویٰ کیا ہے کیوں کہ یہاں نہ تو ایسی کوئی عقل ہے اور نہ کوئی خبر ہے جو اس کو واجب کرے، یہ محض تمہارا قیاس ہے تم نے کہا کہ جب وہ اس پر قادر ہے کہ غیر متناہی چیز کو پیدا کرے تو ہم نے کہا کہ اس نے غیر متناہی چیز کو پیدا کیا ہے، یہ قیاس ہے اور قیاس بالکل باطل ہے۔ اگر قیاس حق ہوتا تو یہ قیاس اس میں باطل ہی ہوتا۔ اس لیے کہ تمہارے دعوے کے مطابق یہ موجود کا قیاس معدوم پر ہے۔ تمہارے دعوے کے مطابق جس کو اس نے پیدا کر دیا ہے اس کی تشبیہ اس چیز سے ہے جسے اس نے پیدا نہیں کیا۔ اور یہ انتہائی فاسد ہے۔ تمہارے اس قیاس میں اور اس شخص کے قول میں کوئی فرق نہیں جو یہ کہے کہ فلاں شہر میں ایک قوم ہے جو آنکھ سے سونگھتی ہے ناک سے سنتی ہے اور کان سے چکھتی ہے وارزان سے دیکھتی ہے، جب اس کی تکذیب کی جائے اور اس دعوے پر برہان طلب ہو تو کہے کہ کیا تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے ہم اسے جواب دیں گے کہ ہاں، وہ کہے کہ یہی میرے دعوے کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ تم لوگوں کا حال اس سے بھی بدتر ہے اس لیے کہ اس نے تو ایک ایسی چیز کی خبر دی تھی جو وہم میں آسکتی ہے کہ اگر وہ ہوتی تو کس طرح ہوتی۔ مگر تم جس چیز کے متعلق خبر دیتے ہو وہ نہ تو نفس کے وہم میں آتی اور نہ عقل میں اس کی کوئی شکل آتی ہے وہ چیز تمہارا ایسے معانی کے وجود کو ایک ہی وقت میں ماننا ہے جن کے عدد کی انتہا نہ ہو۔

یہ قول فاسد بھی باطل ہوگا۔ **والحمد للہ رب العلمین**۔ اس کے باطل ہونے کو یہی کافی ہے کہ یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی صحت پر کوئی برہان نہیں، ایسا فاسد دعویٰ ہے جو غیر ممکن بلکہ محال ہے کہ نہ وہم میں آتا ہے اور نہ اس کی کوئی شکل ہو سکتی ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اشعریہ اور ان کے موافقین کے احوال

وہ احوال جن کا اشعریہ نے دعویٰ کیا ہے، ان لوگوں نے کہا ہے کہ ”اس جگہ کچھ احوال ایسے ہیں جو نہ حق ہیں نہ باطل۔ نہ مخلوق ہیں نہ غیر مخلوق۔ نہ موجود ہیں نہ معدوم۔ نہ معلوم ہیں نہ مجہول۔ نہ وہ اشیاء ہیں نہ لا اشیاء“ اسی میں سے عالم کا یہ جاننا ہے کہ اس کے لیے علم ہے اور وجود کو موجود پاتا ہے۔“ وہ استدلال کرتے ہیں کہ تمہیں اامر کا علم ہے کہ تمہیں باری تعالیٰ کا علم ہے جس کو تم جانتے ہو اس کا علم ہے اور تمہارے لیے اپنے وجود کے محسوس کرنے کا علم ہے، ہم تم سے دریافت کریں گے آیا تمہیں اس کا علم ہے کہ تمہیں علم ہے کہ تمہارے لیے علم ہے آیا اس وجود کے لیے کہ تم محسوس کرتے ہو وجود ہے۔ اگر اس کا اقرار کرو تو تمہیں لازم آئے گا کہ اس کا ابد تک غیر متناہی سلسلہ قائم کرو گے اور اصحاب معمر و دہریے کے قول میں داخل ہو جاؤ گے۔ اگر تم اس سے انکار کرو گے تو صحت انکار کی دلیل صحت کو دریافت کیا جائے گا اور اس کے واجب کرنے کی صحت کو دریافت کیا جائے گا جو تم واجب کرو گے۔

اسی طرح ان لوگوں نے قدیم کے قدم اور حادث کے حدوث باقی کی بقا اور فانی کی فنا، ظاہر کے ظہور اور خافی (پوشیدہ) کے خفاء قاصد (قصد کرنے والے) کے قصد اور ناوی (نیت کرنے والے) کی نیت اور زمانے کے زمانے کے متعلق اور جو اسی کے مثل ہیں، ان سب کے متعلق کہا ہے۔ کہ اگر باقی کے لیے بقا ہوتی اور بقائے باقی کے لیے بھی بقاء ہوتی اور اسی طرح ہمیشہ غیر متناہی طور پر ہوا کرتا، تو یہ ایسی اشیاء کے وجود کو واجب کرتا جن کی حد انتہا نہیں ہے اور یہ محال ہے۔

اسی طرح ان لوگوں نے قدیم کے قدم اور اس کے قدمِ قدم اور اس کے قدمِ قدم کے قدم میں کہا ہے یہاں تک کہ اس کی حد نہ ہو۔

اسی طرح حدوث حادث اور اس کے حدوث کے حدوث اور اس کے حدوثِ حدوث کے حدوث کو کہا ہے یہاں تک کہ اس کی بھی حد نہ ہو۔

اسی طرح ان لوگوں نے زمانے کے زمانے اور زمانہ زمانہ کے زمانے کے لیے کہا ہے یہاں تک کہ اسکی بھی حد نہ ہو۔

اسی طرح فانی کی فنا اور اس کی فنائے فنا کی فنا کے بارے میں کہا ہے جس کی کوئی حد نہ ہو۔

اسی طرح ظاہر کے ظہور اور اس کے ظہورِ ظہور کے ظہور کے بارے میں بھی کہا ہے جس کی انتہا نہ وہ۔

اسی طرح قصد قاصد اور قصدِ قصد کے قصد کے لیے کہا ہے جس کی کوئی حد نہ ہو۔

اسی طرح ناوی کی نیت اور نیتِ نیت کی نیت اور پھر اس کی نیت کے بارے میں کہا ہے جہاں تک حد نہ رہے۔

اسی طرح تحقیق حق اور تحقیقِ تحقیق حق کے بارے میں کہا ہے جس کی کوئی حد نہ رہے۔

افکارِ بد کے بارے میں جب صاحب افکار یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ان میں باریکی پیدا کرتا ہے تو وہ اس کے لیے زیادہ مضر ہوتی ہے اس لیے کہ وہ اسے ایسی بدحواسی اور حماقت کی طرف جیسے یہ لوگ سوفسطائیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ہذیان محض کی طرف لے جاتی ہے۔

"وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا" (یہ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم اچھی کاریگری کرتے ہیں)۔

اس مسئلے میں کلام اس قدر واضح ہے کہ کسی عامی و جاہل کے لیے بھی مشکل نہیں چہ جائیکہ صاحب فہم و عالم ہو۔ **الحمد للہ**۔ ہم انشاء اللہ اس مسئلے پر ایسا ظاہر و واضح کلام کریں گے جو کسی صاحب حس پر مخفی نہ رہے گا، اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگار ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

قدم (قدیم ہونا) زمانے کی اور جو زمانے میں ہو اسکی صفات میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "**ملک اقدم من ملک**" (ایک ملک زیادہ قدیم ہے دوسرے ملک سے) "**و زمان اقدم من زمان**" (ایک زمانہ زیادہ قدیم ہے دوسرے زمانے سے) "**و شیخ اقدم من شیخ**" (ایک بوڑھا زیادہ پرانا ہے دوسرے بوڑھے سے) یعنے وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے اس سے آگے بڑھا ہوا اور متقدم ہے۔ زمانہ اپنی ذات کے اعتبار سے دوسرے زمانے سے متقدم اور پہلے ہے۔ عالم میں جس قدیم کا قدم ہے وہ صرف زمانی ہی ہے یہی زبان کا حکم ہے جس کے خلاف ہرگز نہیں پایا جاتا۔ قدم (قدیم ہونا) یہی تقدم (پہلے اور آگے ہونا) ہے۔ تقدم صرف اپنی ذات کے اعتبار سے اپنے غیر پر متقدم ہے اس لیے کہ قدم موجود وہ معلوم ہے اور وہ متقدم کی صفت ہے۔ لہٰذا اس کا انکار جائز و ممکن نہیں۔ قدم کا اقدم باطل ہے اس لیے کہ اس پر کوئی نص نہیں اور نہ اس کے وجود پر کوئی دلیل قائم ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔

موجود کا وجود بہ ضرورت حس یہی ہے کہ موجود حق و ثابت ہے، واجد (یعنی صاحب وجود) کو چاہتا ہے اور واجد اس کے وجود کو چاہتا ہے جو موجود ہوا ہے کہ واجد کا فعل اور اس کی صفت ہے اور وہ حق ہے اس لیے کہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ واجد (صاحب وجود) کا وجود اپنی ذات کے ساتھ ہے نہ یہ کہ ایسے وجود کے ساتھ جو اس کا غیر ہے۔ اس لیے کہ وجود وجود پر کوئی نص نہیں آئی اور نہ کوئی برہان اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔

باری تعالیٰ اپنی ذات کو سمجھتا اور جانتا ہے اور اپنے ماسواء کو بھی اپنی ذات سے سمجھتا اور جانتا ہے نہ کہ ایسے وجود سے جو اس کا غیر ہو

اور نہ ایسے علم سے جو اس کا غیر ہو۔ اسی طرح ہم میں سے جو عالم ہے وہ لامحالہ علم کا مقتضی ہے جو عالم کا فعل اور اس کی صفت وعرض ہے کہ یقیناً اس کے اندر رسائی ہوئی ہے وہ علم بڑھتا ہے اور چلا جاتا ہے اور مختلف اطوار میں قائم رہتا ہے جس میں کسی کو شک نہیں۔ ہم میں سے جو عالم ہے وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے اسی علم کی وجہ سے علم کا حامل ہے نہ کہ کسی ایسے علم کی وجہ سے جو اس کے علم کا غیر ہے۔ اس لیے کہ علم کے وجود کو نہ کسی نص نے واجب کیا نہ برہان نے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔

باقی بھی اسی (علم) کے مثل ہے اور بقاء اس کے وجود کا ایک مدت سے دوسری مدت تک متصل ہونا ہے اور یہ وہ صحیح معنے ہیں جن کا انکار کسی عاقل کے لیے ممکن نہیں۔ لیکن بقاء کی بقاء تو نہ اس کے وجود کے ضروری ہونے پر کوئی نص ہے اور نہ کوئی برہان۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بقائے بقاء کا موصوف بنایا جائے اور نہ یہ کہ وہ باقی ہے جیسا کہ اسے خلد (ہمیشگی) و خالد اور دوام و دائم اور ثبات و ثابت اور طول عمر مدت کا موصوف نہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں سے کسی سے بھی اپنے کو نامزد نہیں کیا نہ قرآن میں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اور نہ اسے کبھی کسی صحابی نے کہا اور نہ اس پر کوئی برہان قائم ہے، بلکہ برہان اس کے بطلان پر ہے صفات مذکورہ مخلوقات کی صفات ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی کسی صفت سے موصوف کیا جائے۔ بجز اس کے کہ کسی اسم کے متعلق نص آجائے کہ وہ اسم رکھا جائے تو اس کے بعد مان لیا جائے گا۔ صفات مذکورہ جس میں ہوتی ہیں اعراض ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ حامل اعراض نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نہ زمانے میں ہے اور نہ اس پر زمانہ گذرتا ہے، نہ وہ متحرک ہے نہ ساکن لیکن یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

فناء وہ عدم کی مدت ہے جو حرکات وسکون کے عدد وشمار کے اندر ہے۔ مدت کے لیے مدت کا ہونا جائز نہیں، وہ اپنی ذات میں اور اپنی ذات کے لیے مدت ہے۔ زمانے کا قائل ہونا حق ہے اس لیے کہ وہ محسوس ومعلوم ہے لیکن زمانے کے زمانے کا قائل ہونا ایک ایسی شے ہے جس پر نص نہیں اور نہ اس کی صحت پر کوئی برہان قائم ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔

ظاہر کا ظہور بھی یقینی اور معلوم ہے ظہور ظاہر کی صفت اور اس کا فعل ہے ”ظھر یظھر ظھورا“ کہا جاتا ہے ظہور معلوم ہے اور اپنی ذات سے ظاہر ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ ظہور کے لیے ظہور ہے اس لیے کہ نہ تو یہ کسی نص میں ہے اور نہ اس پر کوئی برہان قائم ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔

خافی (پوشیدہ) کا خفاء اس کا عدم ظہور ہے۔ عدم شے نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

کسی شے کا قصد اور اس کی نیت تو یہ دونوں قاصد وناوی (قصد کرنے اور نیت کرنے والے) کے فعل اور دونوں کا شے کا ارادہ کرنا ہے۔

ان دونوں (یعنے قصد ونیت) کا قائل ہونا واجب ہے۔ اس لے کہ یہ دونوں بالضرورہ موجود ہیں جنہیں ہر شخص اپنی ذات میں پاتا ہے اور بہ طور علم ضروری کے اپنے غیر میں دونوں کو جانتا ہے۔

قصد کا قصد اور نیت کے لیے نیت باطل ہے، نہ ان دونوں پر کوئی نص آئی اور نہ انہیں کسی دلیل نے ثابت کیا اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے اس کا قائل ہونا جائز نہیں۔ یہ مفصل بیان اس امر کا ہے جو ان لوگوں پر مخفی رہا، یہاں تک کہ یہ اس میں ایسی بدحواسی کے مرتکب ہوئے۔

والحمد للہ رب العلمین۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کہ جب تم نے یہ کہا کہ یہ احوال ہیں تو آیا یہ معانی و مسمیات مضبوطہ محدودہ ہیں اور بعض بعض سے متمیز ہیں یا یہ قطعاً نہ معانی ہیں نہ مسمیات نہ مضبوطہ نہ محدود نہ ان میں کے بعض دوسرے بعض سے متمیز اگر کہیں کہ یہ معانی نہیں نہ محدودہ نہ مضبوطہ نہ ان میں کے بعض دوسرے بعض سے متمیز اور نہ ان اسماء کے قطعاً کوئی مسمیات ہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ درحقیقت عدم کے یہی معنے ہیں پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ یہ معدومہ نہیں ہیں۔ تم نے ان کا نام احوال یوں رکھا جب یہ معدومہ ہیں، نام یا تو شرعی ہوتا ہے یا لغوی تمہارا ان معانی کا احوال نام رکھنا نہ شرعی ہے نہ لغوی، نہ ان پر کوئی اصطلاح کسی ایسی چیز کے بیان کے لیے قائم کی گئی ہے جس پر یہ واقع ہوں۔ لہذا یہ یقیناً محض باطل ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ معانی مضبوط ہیں اور ان کے مسمیات ہیں جو محدود ہیں اور بعض بعض سے متمیز ہیں، تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ تو لا محالہ موجود کی صفت ہے۔ پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ یہ موجود نہیں ہیں۔ یہ وہ اشکالات ہیں جن سے انہیں رہائی نہیں ہو سکتی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ان سے یہ بھی کہا جائے کہ تم جو کچھ کہتے ہو آیا یہ معقول ہے یا غیر معقول۔ اگر کہیں کہ معقول ہے تو انہوں نے ان کے لیے معانی و حقائق ثابت کر دے جن کی وجہ سے وہ عقل میں آئے تو لا محالہ وہ موجود ہوئے۔ عدم معقول نہیں ہوتا بلکہ اس لفظ (عدم) کے کوئی معنے ہی نہیں ہوتے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق.**

یہ بھی کہا جائے گا کہ آیا احوال لغت و معقول میں سوائے صاحب حال کی صفات کے کچھ اور بھی ہیں؟ کیا حال کے لغت ہیں صرف یہی معنے نہیں کہ ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہو اور بدل جائے؟ کہا جاتا ہے کہ آج فلاں کا یہ حال ہے کل تمہارا کیا حال تھا۔ اور کل کیا حال ہوگا۔ اور جب لا محالہ معاملہ اس طرح ہے تو یہ احوال موجود ہیں، حق ہیں، اور ضرور اور مخلوق ہیں۔ لہذا ان کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا کہ یہ بیہودہ ترین ہذیان اور وہ محال و ممتنع ہے جسے کوئی عاقل پسند نہیں کر سکتا۔

قبلیت و بعدیت شے کی نسبت بھی ان سے دریافت کیا جائے گا گر تم نے یہ نام یعنے احوال کہاں سے رکھ دیا اور تم نے کہاں سے کہا کہ نہ یہ معلوم ہیں نہ مجہول۔ نہ حق و باطل۔ نہ مخلوق نہ غیر مخلوق۔ نہ معدوم نہ موجود۔ نہ یہ اشیاء ہیں نہ غیر اشیاء تمہیں کونسی دلیل اس حکم تک لے گئی۔ آیا قرآن یا حدیث اجماع یا متقدین کا قول یا لغت یا ضرورت عقل یا دلیل اقناعی یا قیاس اسے بیان تو کرو۔ ان سے کچھ بھی ممکن نہیں جو اس جنون کا قائل ہو یہ صرف اس کا ہذیان و حماقت اور کرام کاتبین جو کچھ لکھتے ہیں۔ اور جو ان سے رب العلمین باز پرس کرے گا اس سے بے پروائی اور غفلت و سستی اور اہل عقول کے ساتھ تمسخر ہی رہ گیا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان۔**

اس کے بعد انہیں یہ زیبا نہیں کہ ان لوگوں پر اعتراض کریں جو خلاف عقل باتیں بیان کرتے ہیں، مثلاً ایک جسم کا دو مکان میں یا دو جسم کا ایک مکان میں ہونا، ایک شے کا قائم و قاعد (کھڑا اور بیٹھا) ہونا۔ اور ایک ہی وقت میں اشیائے غیر متناہیہ کا ہونا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ کفر ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ کفر وہ ہے جو تم نے بیان کیا کہ تمام حقائق کا ابطال ہے۔ سخت تعجب ہے کہ یہ لوگ جو چیز ان کے نزدیک محال ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو جائز نہیں رکھتے اور اس فصل میں خود وہی چیز لائے ہیں جو عین محال ہے۔ **ونعوذ باللہ من الخذلان۔**

اس مسئلے میں ان کا کلام ایسا ہے کہ اس سے زیادہ احمقانہ کلام نہیں سنا گیا، نہ تو سوفسطائیہ کا قول، نہ نصاریٰ کا، نہ غالیہ (یعنی روافض) کا۔ اگرچہ اقوال کے اعتبار سے یہ فرقے سب سے زیادہ احمق فرقے ہیں۔ سوفسطائیہ نے قرار دیا ہے کہ تمام اشیاء باطل ہیں نہ کہ حق یا یہ کہ

جس کے نزدیک حق ہیں اس کے نزدیک حق ہیں اور جس کے نزدیک باطل ہیں اس کے نزدیک باطل ہیں۔ نصاریٰ و غالیہ یہ دونوں فرقے بہت بڑی بڑی باتیں لائے ہیں اور قرار دے لیا ہے کہ یہ حق ہیں۔ لیکن یہ بدنصیب لوگ ایک ایسا قول لائے ہیں جسے نہ ثابت کہتے ہیں نہ باطل۔ اور نہ باطل نہ حق۔ یہ سب ایک ہی وقت اور ایک ہی وجہ سے کہا ہے ایسی بات صرف وہی کرے گا جو سرسام میں مبتلا ہو، یا مجنون ہو، یا ایسا مسخرہ ہو کہ اپنے ہمراہی کو ہنسانا چاہتا ہو۔

ہم اس بدحواسی و حماقت کے واضح کرنے کی تکلیف اٹھاتے ہیں جس کو یہ لوگ لائے اگرچہ اس کا سننا ہی کافی تھا لیکن ابطال باطل جس قدر زائد سے زائد ممکن ہو بہتر ہے۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ قول کہ نہ یہ احوال حق ہیں نہ باطل۔ ہر صاحب حس سلیم جانتا ہے کہ جو شے حق نہیں وہ باطل ہے اور جو باطل نہ ہو وہ حق ہے، یہ وہ امر ہے کہ اس کے خلاف عقل میں نہیں آ سکتا اور کیوں کر آئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**فماذا بعد الحق الا الضلال**" (حق کے بعد کیا ہے سوائے گمراہی کے) اور فرمایا ہے "**لیحق الحق و یبطل الباطل**" (تاکہ وہ حق کو ثابت کرے اور باطل کو رد کر دے) اور فرمایا ہے "**ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون**" (کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یعنے عالم و جاہل برابر ہیں؟)۔ اور فرمایا ہے "**خلق کل شئی فقدرہ**" (اس نے ہر شے کو پیدا کیا اور اسے اندازے کے اندر رکھا اور فرمایا ہے "**انا وجدنا ماوعدر بنا حقا**" (بے شک ہم نے اسے حق پایا جو ہم سے ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا) اور فرمایا ہے "**فھل وجدتہ وعدربکم حقا قالو انعم**" (تو کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تو وہ کہیں گے ہاں۔ (یعنی قیامت میں اہل جنت اہل دوزخ سے یہ گفتگو کریں گے)۔

یہ وہ ہیں کہ اسلام سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں اور قرآن کو مانتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم ان پر حجت قائم نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ بجز حق یا باطل کے اور کچھ نہیں۔ اور بجز علم یا جہل کے اور کچھ نہیں۔ جہل ہی عدم علم ہے اور بجز وجود یا عدم کے کچھ نہیں) اور بجز شے مخلوق یا خالق کے اور کچھ نہیں ہے، یا وہ لفظ عدم ہے جو کسی شے یا مخلوق پر واقع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے میں انہیں جھوٹا بنایا۔ صاحب حس سلیم شک نہ کرے گا کہ جو باطل نہ ہو وہ حق ہے اور جو حق نہ ہو باطل ہے، جو معلوم نہ ہو وہ مجہول ہے اور جو مجہول نہ ہو معلوم ہے، جو شے نہ ہو وہ لاشے اور جو لاشے نہ ہو وہ شے ہے، جو موجود نہ ہو وہ معدوم ہے اور جو معدوم نہ ہو وہ موجود ہے۔ جو مخلوق نہ ہو وہ غیر مخلوق ہے اور جو غیر مخلوق نہ ہو وہ مخلوق ہے۔ یہ امر بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے اور اس کے سوا عقل میں نہیں آتا۔ چونکہ یہ ایسا ہے، اور اس قول میں جو انہوں نے اس قضیے میں کہا اور اس قول میں جو ضروری طور پر انہیں لازم آتا ہے کوئی فرق نہیں ہے اور لازم آتا ہے کہ یہ احوال ساتھ ہی ساتھ معدوم موجود ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حق و باطل ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ معلوم ہو مجہول ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مخلوق و غیر مخلوق ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ شے و لاشے ہیں۔ یہی ان کا قول اور ان کے قول کا مقتضا ہے اس لیے کہ جب یہ کہہ دیا کہ وہ حق نہیں ہیں تو یہ واجب کر دیا کہ وہ باطل ہیں۔ جب یہ کہہ دیا کہ وہ باطل نہیں تو انہوں نے واجب کر دیا کہ وہ حق ہیں جو کچھ انہوں نے کہا ہے ان سب میں اسی طرح ہوگا۔ ان عقلوں پر تعجب کرنا چاہیے جن میں ان امور کی گنجائش ہو۔ اس سے اور بھی ان کا دفتر تاریک ہو گیا۔

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے "**ھھنا احوالا**" (اس مقام پر چند احوال ہیں) کہا ہے۔ لفظ "**ھھنا**" (اس مقام پر) کا مطلب بلاشک اثبات ہے تو وہ احوال بلاشک موجود ثابت ہوئے۔

یہ لوگ اس سے قول معمر سے نجات نہیں پاتے جو غیر متناہی اشیاء کے وجود کے ضروری ہونے کے بارے میں ہے بجز اس کے کہ ہمارے قول کی طرف رجوع کریں جو اس چیز کے بالکل ہی ابطال و اعدام کے بارے میں ہے جس کا نام انہوں نے احوال رکھا ہے ہم نے ایسی حماقت نہیں دیکھی جو اس مقالے میں شامل ہے **ونعوذ بالله من الخذ لان۔**

ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اشعریہ نے کہا ہے کہ عالم میں ایسی کوئی شے نہیں جس کا بعض (جزو) ہو اور نہ کوئی ایسی شے ہے جس کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس یا سدس یا سبع یا ثمن یا عشر (آدھا۔ تہائی چوتھا یا پانچواں یا چھٹا یا ساتواں یا آٹھواں یا نواں یا دسواں حصہ) ہو اور نہ ہرگز اس کا کوئی اور جزو ہے۔

اس مسئلے میں اس طرح استدلال کیا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ واحد (ایک) دس کا دسواں حصہ ہے اور دس کا جزو اور دس کا بعض حصہ ہے، اسے یہ لازم آتا ہے کہ لامحالہ واحد خود اپنا دسواں حصہ ہے اور اپنا ہی جزو اور اپنا ہی بعض حصہ ہے اور یہ کہ وہ اپنے غیر کا جزو اور اپنے غیر کا دسواں حصہ ہے، اس لیے کہ دس جو ہے وہ نو اور ایک ہے۔ اگر واحد دس کا دسواں حصہ ہوتا اور دس کا بعض حصہ اور دس کا جزو ہوتا تو وہ ضرور اپنی ذات اور اس ''نو'' کا جو اس کا غیر ہے دسواں حصہ ہوتا اور وہ اپنی ذات کا اور اس ''نو'' کا بعض جزو ہوتا جو اس کا غیر ہے۔

یہ نہایت شدید خبط ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر خالص رد، قرآن کی تکذیب، اور زبان عربی بلکہ تمام لغات کے خلاف ہے اور عقول و حواس کی علانیہ مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**واذا خلا بعضهم الى بعض** '' (اور جب ان میں سے بعض دوسرے بعض سے تنہائی میں ملتے ہیں) اور فرمایا ہے ''**يوحى بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا** '' (ان میں سے بعض دوسرے بعض کو دھوکا دینے کے لیے فریب آمیز کلام کا مشورہ دیتے ہیں) اور فرمایا ہے ''**فلامه الثلث ، فلامه السدس ، فلها النصف ، ولهن الربع ، ولهن الثمن** '' (پھر میت کی ماں کے لے تہائی (ثلث) ہے'' پھر اس کی ماں کے لیے سدس ہے۔ پھر بیٹی کے لیے نصف ہے۔ اور بیویوں کے لیے ربع ہے اور بیویوں کے لیے ثمن ہے)۔ ان لوگوں نے کھلم کھلا قرآن کی تکذیب کی۔ ہر طبیعت اور ہر لغت میں یہ موجود اور حواس سے محسوس ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں جو شے کو اپنی ذات کے بعض ہونے اور اپنے غیر کے بعض ہونے کو، اپنی ذات کے جزو ہونے کو اور اپنے غیر کے جزو ہونے کو اپنی ذات کے عشر (دسواں حصہ) ہونے کو اور اپنے غیر کے عشر ہونے کو ثابت کرتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کرتے۔ انہوں نے بھی اس کے ثابت کرنے میں اسی دلیل سے استدلال کیا ہے جس کا تم نے اس کے ابطال میں قصد کیا ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ تم دونوں غلطی کی تاریکی میں ٹٹول رہے ہو۔

بہ توفیق الٰہی ہم ان سے کہتے ہیں کہ بات یہ نہیں ہے جیسا کہ تم نے خیال کیا ہے۔ بلکہ تمام اسماء باہم سمجھنے سمجھانے اور بعض مسمیات کے بعض سے تمیز دینے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ ''عشرہ'' (دس) ان دس افراد کا اسم ہے جو عدد میں مجتمع ہوں۔ اسی طرح ''عشرہ'' اسم ہے نو اور ایک کے لیے اور آٹھ اور دو کے لیے اور سات اور تین کے لیے اور چھ اور چار کے لیے اور پانچ اور پانچ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ثلاثة ايام فى الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة** (تین روزے زمانہ حج میں ہیں اور سات جب تم واپس آؤ۔ یہ سب پورے دس ہوئے)۔ اسی طرح تمام اعداد ہیں جن کا سوائے بدنصیب منکر مشاہدہ کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ بہ ضرورت ہم جانتے ہیں کہ اس جملے و مجموعے کا ہر جزو اس جملے کا بعض اور اس کا عشر (دسواں حصہ) اور کسی نہ کسی نسبت سے اس کی قسم ہے۔ حالانکہ یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اپنی

ذات کا جزو ہے نہ یہ کہ وہ اپنے غیر کا جزو ہے۔ نہ یہ کہ وہ اپنی ذات کا بعض ہے، نہ یہ کہ وہ اپنے غیر کا بعض ہے نہ یہ کہ وہ اپنی ذات کا عشر (دسواں حصہ) ہے اور نہ یہ کہ وہ اپنے غیر کا دسواں حصہ ہے۔

اس کی مثال وہ بلق (دورنگی یعنی سیاہی وسفیدی ملی ہوئی) ہے کہ سیاہی وسفیدی کے ساتھ ہی ساتھ جمع ہونے کا نام ہے۔ سفیدی بلق (دورنگی) کا بعض ہے اور سیاہی بھی بلق کا بعض ہے۔ سفیدی نہ اپنی نہ اپنی ذات کا جزو ہے اور نہ سیاہی کا۔ نہ اپنی ذات کا بعض ہے نہ سیاہی کا۔ دونوں میں سے ہر ایک بلق (دورنگی) کا جزو ہیں۔ اسی طرح انسان اس جملے ومجموعے کا نام ہے جو اپنے تمام اعضاء کا اکٹھا کرنے والا ہے اس میں کوئی شک کہ آنکھ اپنی ذات کا بعض اور کان اور ہاتھ کا بعض ہے۔ نہ یہ کہے جانے کا احتمال ہے کہ کان اپنی ذات کا اور آنکھ اور ناک کا جزو ہے اور اسی طرح تمام اعضاء میں۔ مگر ان احمقوں کے قول پر انہیں یہ لازم آتا ہے کہ آنکھ انسان کا بعض نہ ہو۔ اور یہ لازم آتا ہے کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ آنکھ اپنی ذات کا بعض اور کان کا بعض ہے جس نے ابعاض واجزاء کو باطل کیا اس نے جملے ومجموعے کو باطل کیا اس لیے کہ جملے ومجموعے البعاض کے سوا ہرگز کچھ نہیں جس نے جملے ومجموعے کو باطل کیا اس نے کل وجزو کو باطل کر دیا اور عالم کو مع اس کے باطل کر دیا جو عالم میں ہے۔ جب عالم باطل ہو گیا تو عقل ودین باطل وہ گیا۔ سفسطہ کی یہی حقیقت ہے۔ ہم نے اس مسئلے سے اور اس کے قبل والے مسئلے سے زیادہ احمقانہ کوئی قول نہیں دیکھا۔ **نعوذ باللہ من الخذ لان۔**

اللہ تعالیٰ کا ہر وقت عالم کو پیدا کرنا
ہر لحظہ اس کو بڑھانا اور اضافہ کرنا

نظام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس مخلوق کو ایک وقت میں پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ اسے معدوم کر دے پیدا نہیں کرتا بعض متکلمین نے اس کے اس قول کا انکار کیا ہے۔

اس مقام پر نظام کا قول صحیح ہے۔ اس لیے کہ جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ شے کا خلق (پیدا کرنا) خود ہی شے ہے تو اللہ تعالیٰ کا خلق (پیدا کرنا) بھی ہر موجود میں ہمیشہ قائم ہے جب تک کہ وہ موجود موجود ہے۔

ان لوگوں سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے اس قول کے معنے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے فلاں بات خلق فرمائی اور پیدا کی'' ان کا جواب ہوگا کہ اس کے خلق (پیدا کرنے) کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدم سے وجود کی طرف نکالا۔ ہم ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے اس قول کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اس نے اسے موجود کیا حالانکہ وہ موجود نہ تھا۔ لامحالہ وہ ہاں ہی کہیں گے۔ یہ توفیق الٰہی ہم ان سے پوچھیں گے کہ پھر خلق (پیدا کرنا) بلاشک تمہارے نزدیک ایجاد (موجود کرنا) ہے، بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود کا جب تک اس کا وجود ہے ہمیشہ کے لیے اس کا موجد نہیں۔ اگر اس کا ناکار نہیں تو انہوں نے بدل دیا اور یہ جواب کر دیا کہ اشیاء موجود ہیں اور اب اللہ تعالیٰ ان کا موجد نہیں ہے۔ اور یہ تناقض (واختلاف بیانی) ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ اب شک اللہ تعالیٰ ہر موجود کا جب تک وہ موجود ہے ہمیشہ کے لیے موجد ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے بعینہ اسی بات کا تم نے انکار کیا تھا جس کا تم نے اقرار کر لیا اس لیے کہ ایجاد ہی خود خلق (پیدا کرنا) ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر شے کا جو ہر وقت موجود ہو موجد ہے اگر اس نے اس کے قبل اسے فنا نہیں کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کا ہر وقت خالق ہے اگر اس

نے اسے فنا نہیں کیا ہے یہ وہ امر ہے جس سے انہیں مفر نہیں و **بالله تعالیٰ التو فیق** ۔

ایک اور برہان ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "**ولقد خلقنکم ثم صورنکم ثم قلنا للملئکة اسجد و ا لآدم**" (اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو)

برہان سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی اور پانی کو پیدا کیا جس سے آدم اور اولاد آدم نے وہ غذا حاصل کی کہ انہیں دونوں چیزوں سے بدل کر بنی تھی۔ یہی غذا آدم میں خون بن گئی اور اسے اللہ تعالیٰ نے مٹی بنا دیا۔ لہذا اس سے یقیناً ثابت ہوگیا کہ حیوان (جاندار) اور بڑھنے والوں (نباتات) کے اجسام سب کے سب متفرق تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا، اس سے حیوانی اور نباتی اجسام قائم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "**ثم انشاه خلقا آخر**" (پھر ہم نے اسے دوبارہ پیدا کیا) اور فرمایا ہے "**خلقا من بعد خلق**" (خلق (پیدا کرنے) کے بعد خلق (پیدا کرنا)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے احوال بدلتا رہتا ہے اور وہی خلق جدید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت تمام عالم کو نئی خلق (پیدائش) سے پیدا کرتا رہتا ہے۔ بغیر اس کے کہ اسے فنا کرے۔ و **بالله تعالیٰ التو فیق**۔

حرکت و سکون

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ عالم میں حرکت نہیں ہے تمام عالم ساکن ہے۔ انہوں نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ ہم نے شے کو مکان اول میں بھی ساکن پایا مکان ثانی میں بھی ساکن پایا اور اسی طرح ہمیشہ۔ تو ہم نے جانا کہ یہ سب سکون ہے یہ قول معمر بن عمرو العطار مولائے بنی سلیم سے منسوب ہے جو رؤسائے معتزلہ میں سے تھا۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ سکون بالکل ہے ہی نہیں۔ یہ صرف حرکت اعتماد ہے یہ قول ابراہیم بن سیار النظام کی طرف منسوب ہے نظام کے سوا جو اس قول کے ماننے والے ہیں انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ سکون محض عدم حرکت ہے اور عدم کوئی شے نہیں ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ ترک حرکت ہے، اور ترک فعل فعل نہیں ہے اور نہ وہ کوئی معنے ہیں۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ حرکت و سکون دونوں باطل ہیں، ان لوگوں نے کہا ہے کہ صرف متحرک و ساکن ہی پایا جاتا ہے یہ قول ابوبکر بن کیسان الاصم کا ہے۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جسم اللہ تعالیٰ کے ابتدائے خلق میں نہ ساکن ہے نہ متحرک ہے۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ حرکت و سکون دونوں ثابت ہیں، مگر اس گروہ کا یہ قول ہے کہ حرکات اجسام ہیں۔ یہ قول ہشام بن الحکم کا جو امامیہ (شیعہ) کا شیخ ہے۔ اور جہم بن صفوان السمر قندی کا ہے۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ حرکت و سکون دونوں ثابت ہیں اور یہ سب اعراض ہیں اور یہی حق ہے۔

جو لوگ نفی حرکت اور بالکل سکون کے قائل ہیں ان کا قول اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ سکون صرف مکان میں مقیم ہونا ہے۔ حرکت اس مکان سے منتقل ہونا اور اس سے ہٹنا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ شے سے ہٹنا یہ اس میں مقیم رہنے کے خلاف ہے۔ چونکہ بات اس طرح ہے واجب ہے کہ ان دونوں معنے کے لیے جو باہم متغایر ہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے ایسا اسم ہو کہ دوسرے کے اسم کا غیر ہو۔ جیسا کہ یہ دونوں باہم متغایر ہیں۔ زبان میں اتفاق کرلیا گیا کہ ان دونوں میں سے ایک کا نام حرکت اور دوسرے کا نام سکون رکھا جائے۔

یہ قول کہ حرکت مکان ثانی میں سکون ہے۔ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ سکون اقامت ہے نہ کہ اس مکان میں منتقل ہونا، جب ایسا پیہم و نہ متصل انتقال پایا جائے جس میں اقامت نہ ہو تو وہ اس اقامت کے مغایر ہے جس میں انتقال نہ ہو۔ اور ایک دوسری نوع ہے جس کے لیے اشخاص بھی دوسری نوع کے اشخاص کے مغایر ہیں۔

ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ وہ شے جو ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف حرکت کرتی ہے وہ اگر چہ ہر اس مکان سے جس پر وہ گذرے تجاوز کر جائے مگر وہ غیر واقف (نہ ٹھہرنے والی) اور غیر مقیم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جو بداہت حس سے محسوس ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ حرکت کے ایک معنے ہیں اور سکون کے دوسرے معنے۔ جو یہ کہتا ہے کہ سکون حرکت اعتماد ہے تو ایسا استدلال ہے کہ عقل میں نہیں آتا۔ لہذا اس میں مشغول ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اس کی دلیل۔

جس نے یہ استدلال کیا ہے کہ ”سکون عدم وحرکت ہے اور عدم کوئی شے نہیں“ تو یہ ایسا نہیں جیسا اس نے کہا ہے۔ اس لیے کہ وہ حرکت کے بعد اقامت ہے جو موجود وظاہر ہے۔ اگر چہ ایسا ہے کہ اس (اقامت) کے ساتھ اس کے (یعنی اقامت کے) وجود کی وجہ سے حرکت معدوم ہو گئی مگر وہ (حرکت) عدم نہیں ہے۔ جیسا کہ قیام کے ایک معنے ہیں جو صحیح و موجود ہیں اگر چہ اس کے ساتھ بقیہ حرکات واعمال یعنی بیٹھنا تکیہ لگانا اور لیٹنا معدوم ہو جاتا ہے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم میں اور ان میں کیا فرق ہے جو کہتے ہیں کہ حرکت کے کوئی معنے نہیں اس لیے کہ وہ عدم سکون ہے اس اعتراض سے رہائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو یہ کہے کہ مرض کے بھی کوئی معنے نہیں اس لیے کہ یہ عدم صحت ہے اور صحت کے بھی کوئی معنے نہیں اس لیے کہ یہ عدم مرض ہے اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں اور اس میں تمام حقائق کا ابطال ہے۔

جو یہ کہتا ہے کہ ترک (نہ کرنے اور چھوڑ دینے) کے کوئی معنے نہیں، تو یہ غلط ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک اگر کسی معنے اور کسی فعل کو ترک کرے تو اس کے لیے دوسرے معنے اور دوسرا فعل ضروری ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ مشاہدہ وحس سے پایا جاتا ہے اس کے سوا ناممکن ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو شخص کسی فعل کو ترک کرے گا تو یہ بھی فعل صحیح ہو گا جس کے اس شخص سے وجود کی وجہ سے یہ اس چیز کا تارک کہلائے گا جس کو اس نے ترک کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں، بلکہ وہ ازل سے غیر فاعل ہے اور وہ اس کی وجہ سے ترک کا فاعل نہیں بنا، اس لیے کہ انسان کا کسی فعل کو ترک کرنا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ایک عرض ہے جو اس میں موجود ہے اور وہ اس عرض کا حامل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ترک فعل کے کوئی معنے ہوتے تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتے۔ معاذ اللہ تعالیٰ حامل عرض نہیں ہے۔ اگر وہ معنے اپنی ذات کے ساتھ بھی قائم ہوتے تو وہ جوہر ہوتے اور ترک جوہر نہیں ہے۔ اگر وہ غیر اللہ کے ساتھ قائم ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا فاعل ہوتا اور تارک نہ ہوتا۔ لہذا فرق ثابت ہو گیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جس نے حرکت وسکون دونوں کو باطل کیا ہے تو یہ بھی قول فاسد ہے اس لیے کہ اس نے اس کے باوجود ساکن ومتحرک کو ثابت کیا ہے۔

صاحب حس سلیم یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ جو متحرک ہے وہی ساکن ہے کیوں کہ یہی شے جو متحرک ہے اس کے بعد ساکن ہے، یہ ایک ہی شے اور ایک ہی ذات ہے جس کی ذات نہیں بدلی۔ صرف عرض وصفت بدل گئی جو اس میں سمائی ہوئی ہے۔ ہم ضرور جانتے ہیں کہ اس میں یا اس کے لیے یا اس سے ایک ایسے معنے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے وہ مستحق ہو گئی کہ اسے متحرک کہا جائے۔ بے شک اس میں یا اس کے لیے یا اسی سے ایک ایسے معنی پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے وہ مستحق ہو گئی کہ اسے ساکن کہا جائے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ بجائے ساکن کے متحرک

کہے جانے کی زیادہ مستحق نہ ہوتی۔ یہ امر محسوس اور مشاہدے میں ہے۔ یہی معنے حرکت یا سکون کے ہیں۔ لہذا ضروری طور پر ان دونوں کا وجود ثابت ہوگیا۔ اس شخص میں جو ساکن و متحرک کو ثابت کرے اور حرکت و سکون کی نفی کرے اور اس شخص میں جو ضارب (مارنے والے) اور قائم (کھڑے ہونے والے) اور آکل (کھانے والے) کو ثابت کرے اور ضرب و قیام و اکل (یعنے مارنے اور کھڑے ہونے اور کھانے) کو باطل کرے کوئی فرق نہیں اور یہ کھلا سفسطہ ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جو یہ کہتا ہے کہ جسم اللہ تعالیٰ کے ابتدائے خلق کے وقت نہ ساکن نہ متحرک تو یہ بھی کلام فاسد ہے۔ اس لیے کہ کوئی تیسرے معنے جو نہ حرکت ہوں نہ سکون، نہ وہم میں آتے ہیں نہ عقل میں نہ دل میں اس کی کوئی شکل آتی ہے، نہ اسے عقل ثابت کرتی ہے نہ سماعت نیز اس لیے کہ یہ قول بلا دلیل ہے باطل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ جب جسم کو پیدا کرتا ہے تو وہ اسے زمان و مکان ہی میں پیدا کرتا ہے۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہذا جسم اپنی اول پیدائش میں اس مکان میں ساکن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ خواہ وہ سکون پلک جھپکنے ہی بھر کا ہو۔ یا تو اس کا سکون اس مکان میں پیہم و متصل ہوتا ہے اور اس کی اقامت اس میں طویل و دراز ہو جاتی ہے، یا وہ اس مکان سے منتقل اور اس سے متحرک ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ وہ متحرک ہوتا ہے اس لیے کہ وہ عدم سے وجود کی طرف نکلتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تمہارا یہ مقرر کرنا فاسد ہے، اس لیے کہ حرکت اس زبان میں جس پر کلام کیا جا رہا ہے صرف ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال ہے۔ عدم کوئی مکان نہیں ہے اور مخلوق قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرے شے نہیں ہے۔ اس کے خلق (پیدا ہونے) کا حال اس کے ان احوال میں سے سب سے پہلا حال ہے کہ وہ ان احوال سے پہلے خود ہی نہ تھی۔ ان احوال کے قبل اس کے لیے کوئی حال کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ ہرگز منتقل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اب اسے شروع کیا ہے۔

وہ جسم کلی کہ پورے عالم کا جرم (جسم) ہے اور یہ فلک کلی ہے تو اس کا ہر جز و مقدر (اندازے کے اندر) اور مفروض ہے۔ کیوں کہ وہ اجزا جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور وہ جزو جو فلک کی گہرائی (عمق) کی جانب میں اسکے متصل ہے وہی اس کا مکان ہے، اس کا وہ مکان نہیں ہے جو اس رخ میں ہے کہ اجزائے مذکورہ کے متصل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اسے جس طرح چاہتا ہے اپنی قوت سے سنبھالتا ہے اس کے بالائی رخ کے کوئی شے متصل نہیں ہے، نہ اس جگہ مکان ہے نہ زمان نہ خلا نہ ملا۔

میں نے بعض ان احمقوں کا جو متکلمین کی طرف منسوب ہیں ایک عجیب قول دیکھا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا تو اس نے ایک بہت بڑا جرم (جسم) پیدا کیا جو اس کو روکے ہوئے ہے کہ یہ نیچے نہ گر پڑے جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس جسم کو پیدا کیا اسے معدوم کر دیا اور دوسرا پیدا کیا، اسی طرح ہمیشہ غیر متناہی جسم پیدا کرے گا۔ اس لیے کہ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اگر وہ اسے دو وقت باقی رکھے گا تو روکنے کا محتاج ہوگا، اسی طرح ہمیشہ غیر متناہی زمانے تک ہوتا رہے گا تو یا اس احمق نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نہیں سنا ''**ان اللہ یمسک السموٰات والارض ان تزو لا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ** '' (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو سنبھالتا اور روکتا ہے کہ وہ ہٹ نہ جائیں اور اگر وہ ہٹیں تو اس کے بعد کوئی بھی نہیں جو انہیں روکے اور سنبھالے) ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو روکتا ہے جیسا کہ وہ بغیر ستون کے ہے نہ زیادہ نہ کوئی اور جسم۔ اگر یہ بدنصیب لوگ جن کو علم نہیں ہے اتباعِ قرآن کو اور زیادہ کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی خبر سے جس کا ان کو علم نہیں سکوت اختیار کرتے تو بے شک دین و دنیا میں یہ ان کے لیے زیادہ مناسب ہوتا لیکن جسے اللہ گمراہ کرے اس کا

کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

جس نے یہ کہا کہ اجسام حرکات ہیں اس نے غلطی کی۔ اس لیے کہ زبان میں جسم طویل عریض عمیق اور پیمائش والی چیز کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

حرکت اس طرح کی نہیں ہے لہذا وہ جسم نہیں ہے اس پر اسم جسم واقع کرنا جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ نہ لغت میں آیا نہ شریعت میں اور نہ اسے کسی دلیل نے واجب کیا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ جسم نہیں ہے تو بلاشک وہ عرض ہے۔

جو یہ کہتا ہے کہ حرکت نظر آتی ہے تو یہ قول فاسد ہے اس لیے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس عالم میں نظر صرف اس رنگ پر پڑتی ہے جو رنگین کے اندر ہوتا ہے۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ حرکت کا کوئی رنگ نہیں ہے چونکہ اس کا کوئی رنگ نہیں ہے لہذا اسکے نظر آنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہم نے صرف حرکت کے ہونے کو جانا، اس لیے کہ کسی مکان میں متحرک کے رنگ کو دیکھا پھر اسے دوسرے مکان میں دیکھا تو جانا کہ یہی رنگین بلاشک ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوگیا ہے، اور یہی معنے حرکت کے ہیں۔

احساس حرکت کی دوسری صورت یہ ہے کہ جسم ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوا ہے اس وقت علم حرکت اس شخص کو ہو جائے گا جو اس جسم کو مس کرے، چاہے نابینا ہو یا دونوں آنکھیں بند کیے ہوئے ہو، کہ وہ حرکت کرتا ہے، برہان یہ ہے کہ ہوا کے لیے جب کہ رنگ نہیں ہے تو اسے کوئی نہیں دیکھتا، اس کی آمدورفت اور حرکت کرنے کو صرف ملاقات سے جانتا ہے کہ وہ منتقل ہو رہی ہے اور وہ ہواؤں کا چلنا ہے۔ اسی طرح ہم حرکت آواز کو بھی اپنے احساس آواز سے جانتے ہیں جو کسی مکان سے کسی مکان کی طرف آتی ہے۔ یہی قول سونگھنے کی چیز یعنی خوشبو وبدبو کی حرکت میں ہے اور جو چیز چکھی جاتی ہے اس کی حرکت میں ہے۔ لہذا اس کا قول باطل وہ گیا جس نے یہ کہا کہ حرکات نظر آتی ہیں اور ثابت ہوگیا کہ حرکت نہ خود رنگ ہے اور نہ اس کے لیے رنگ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو دوسرے کے لیے یہ ممکن ہوتا کہ یہ دعوی کرے کہ حرکت سنی جاتی ہے اور یہ غلط ہے، اس لیے کہ صرف آواز سنی جاتی ہے کسی دوسرے کے لیے یہ بھی ممکن ہوتا کہ یہ دعوی کرے کہ حرکت چھوئی جاتی ہے اور یہ غلط ہے، اس لیے کہ کھرکھری یا چکنی یا انہیں کے مثل چیزیں جو چھونے کے قابل ہیں صرف وہی چھوئی جاتی ہیں اس مسئلے میں حق یہی ہے کہ حرکت ہر مذکورہ بالا چیز کے توسط پہچانی اور محسوس کی جاتی ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

حرکات نقلیہ مکانیہ (یعنی وہ حرکات جن میں مکان بدل جاتا ہے) دو قسم پر منقسم ہیں جن کے لیے کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ حرکت اضطراریہ یا حرکت اختیاریہ۔ حرکت اختیاریہ زندہ لوگوں کا فعل ہے خواہ وہ ملائکہ ہوں یا انسان یا جن یا باقی تمام حیوانات ہوں۔ یہی وہ حرکت ہے کہ مختلف جہات کی طرف بغیر ایسے طریقے کے جس کے اوقات معلوم ہوں ہوتی ہے۔ اسی طرح سکون اختیاری بھی ہے۔

حرکت اضطراریہ بھی دو قسم پر منقسم ہے جس کے لیے کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ یا تو وہ طبیعیہ ہوتی ہے یا قسریہ (جو دوسرے کے حرکت دینے سے ہوتی ہے) اضطراری وہ حرکت ہے کہ جس سے ظاہر ہوتی ہے بغیر اس کے کہ وہ اس کی طرف قصد کرے ہو جاتی ہے حرکت طبیعیہ وہ غیر ذی روح کی حرکت ہے، وہ وہی ہے جس پر اللہ نے اسے بنا دیا۔ مثلاً پانی کی حرکت وسط مرکز کی طرف اسی طرح زمین کی حرکت ہوا اور آگ کی اپنے مقامات کی طرف حرکت افلاک وکواکب کے گھومنے کی حرکت، اور بدن کی نبض والی رگوں کی حرکت۔ سکون طبعی ہماری ہر مذکورہ بالا چیز کا اپنے وقت میں سکون ہے۔

حرکت قسریہ ہر شے کی وہ حرکت ہے کہ اس پر ایسی چیز دخیل ہو جائے کہ اس کی حرکت کو جو اس کی طبیعت سے ہے یا اس کے اختیار

سے ہے غیر کی طرف پھیر دے، مثلاً زبردستی آدمی کو حرکت دینا، پانی اور پتھر کو بلندی کی طرف متحرک کرنا ہوا اور آگ کو نیچے کی طرف متحرک کرنا ہوا کا اوپر چڑھانا۔ آگ کی گرمی کے لیے آفتاب کا عکس۔

اور سکون قسری شے کو اس کے غیر عنصر میں ٹھہرانا یا صاحب اختیار کو زبردستی ٹھہرانا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

تولد

فعل کا اثر پیدا ہونا

متکلمین نے ان معنے میں باہم جھگڑا کیا ہے جن کو انہوں نے تولد سے تعبیر کیا ہے۔ اس شخص کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے تیر پھینکا اور اس تیر نے کسی انسان وغیرہ کو زخمی کر دیا۔ آگ کے جلانے میں برف کے ٹھنڈا کرنے میں اور جمادات کی ان تاثیرات میں جو ان سے ظاہر ہوتی ہیں ان سب میں اختلاف کرتے ہیں ایک گروہ نے کہا ہے کہ ان آثار میں سے جو کسی انسان یا ذی روح کے فعل سے پیدا ہو وہ انسان و ذی روح کا فعل ہے جو کسی غیر ذی روح سے پیدا ہو۔ اس میں اختلاف ہے ایک گروہ نے کہا ہے کہ وہ اللہ کا فعل ہے اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ جو غیر ذی روح سے پیدا ہو وہ طبیعت کا فعل ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ یہ سب اللہ کا فعل ہے۔

یہ لوگ حقائق کے باطل کرنے والے اور جو امور عقل کے لازم کیے ہوئے ہیں اسے غائب ہیں۔

یہ امر اس سے زیادہ واضح ہے کہ اس میں خطاب کو طویل کیا جائے۔ **والحمد للہ رب العلمین** صواب وحق یہ ہے کہ اس عالم میں جو کچھ بھی ہے خواہ جسم ہو یا عرض یا کسی جسم کا اثر، سب اللہ ہی کی مخلوق ہے۔ یہ سب اللہ ہی کا فعل ہے، اس معنے میں کہ اس نے اسے پیدا کیا ہے، یہ سب بنص قرآن وبحکم زبان اس ذی روح یا غیر ذی روح جماد کی طرف منسوب ومضاف ہے جس سے ظاہر ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”**فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت و ربت و انبتت من کل زوج بھیج**“ (پھر جب ہم نے زمین پر پانی نازل کیا تو وہ لہلہا اٹھی اور ترقی کرنے لگی اور اس نے ہر قسم کی خوبصورت چیزیں اگائیں) اللہ تعالیٰ نے لہلہانے ترقی کرنے اور اگانے کو زمین کی طرف منسوب کیا ار فرمایا ہے ”**تلفح و جوھھم النار**“ (ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ آگ جھلس دے گی۔ اور فرمایا ہے ”**وان یستغیثوا یغاثو ابماء کالمھل یشوی الوجوہ**“ (اور یہ کہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد سنی جائے گی جو مثل پگھلی ہوئی دھات کے ہوگا کہ چہروں کو بھون ڈالے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ پانی چہروں کو بھون ڈالے گا۔ اور فرمایا ہے ”**ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبۃ مؤمنۃ**“ (اور جو غلطی سے مومن کو قتل کرنے والے خطا دار کو قاتل بتایا اور اس پر ایک حکم واجب کیا حالانکہ اس نے اس کے قتل کا ہرگز ارادہ نہیں کیا لیکن وہ (قتل) اس کے فعل سے پیدا ہو گیا اور فرمایا ہے ”**الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ**“ (پاکیزہ کلمات اسی کی طرف بلند ہو جاتے ہیں اور کار خیر اسے بلند کر دیتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ کلمات اور عمل جو عرض ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں اور فرمایا ہے ”**افأن مات اوقتل انقلبتم**“ (کیا اگر یہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تم پلٹ جاؤ گے)۔ اور فرمایا ہے ”**علی شفا جرف ھار فانھا ربہ**“ (یا جس نے اپنی بنیاد ساحل کے ایسے کنارے پر رکھی ہو جو پانی کے اندر گرنے کو ہو پھر وہ اس کو آتش دوزخ میں گرا دے) کسی قوم اور کسی زبان کا اس قول کی صحت میں اختلاف نہیں کہ ”**مات فلان و سقط الحائط**“ (فلاں مر گیا۔ اور

دیوار گر پڑی)۔ اللہ تعالیٰ نے اور اس کی تمام مخلوق نے موت کو میت کی طرف اور سقوط (گرنے) کو دیوار کی طرف اور انہیار (انہدام) کو ساحل کی طرف منسوب کیا ہے اس لیے کہ ان تمام امور کا انہیں سے ظہور ہوا ہے۔ قرآن وحدیث وعقول میں اس حکم کے سوا نہیں جو اس کی مخالفت کرے اس نے اللہ تعالیٰ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتمام اقوام پر اور ان کی تمام عقول پر اعتراض کیا یہ اس شخص کی صفت ہے جس کی مصیبت اپنی ذات سے بڑی ہو جائے نہ اس کا دین ہو نہ عقل وحیاء ہو اور نہ علم ہو۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ عالم میں ہر اثر کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس اضافت کے غیر ہے کہ اس شخص کی طرف ہے جس سے وہ ظاہر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت اس لیے ہے کہ اس نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کی اضافت اس کی طرف جس سے وہ ظاہر ہوا ہے یا اس سے پیدا ہوا ہے اس لیے ہے کہ وہ اس سے ظاہر ہے جو قرآن اور تمام لغات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اتباع کے طور پر ہے۔ یہ تمام اخبار اور یہ دونوں اضافتیں حقیقی وحق ہیں اس میں سے کسی میں بھی مجاز نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ کسی زندہ صاحب اختیار سے ظاہر ہو یا غیر زندہ غیر صاحب اختیار سے ظاہر ہو اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اسی سے ظاہر ہوا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے زندہ کے اندر اس کا اختیار پیدا کیا جو اس سے ظاہر ہوا اور اس کے اندر اختیار نہیں پیدا کیا جو زندہ وصاحب ارادہ نہیں ہے کسی فاعل کے فعل سے جو کچھ پیدا ہو وہ اس معنے میں اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اور جس سے وہ ظاہر ہوا ہے اس معنے میں اس کا فعل ہے کہ اس سے ظاہر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**فلم تقتلو هم ولكن الله قتلهم و مارميت اذرميت و لكن الله رمىٰ**" (مشرکین کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور جب آپ نے مشرکین کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور جب آپ نے مشرکین پر خاک پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی)۔ اور فرمایا ہے "**افرأيتم ما تحرثون أ أنتم تزرعونه ام نحن الزارعون**" (کیا تم نے غور کیا ہے جو تم کھیتی کرتے ہو کیا تم اس کی زراعت کرتے ہو یا ہم زراعت کرنے والے ہیں) یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ **وبالله تعالىٰ التوفيق**۔

مداخلت ومجاورت ومکون

ایک جسم کا دوسرے میں داخلہ، دوسرے سے نزدیکی و اتصال ایک شے کا دوسرے کے اندر پوشیدہ ہونا

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ الوان (رنگ) اجسام ہیں ان کا مذہب مداخلت ہے۔ اس لفظ کے معنے یہ ہیں کہ دو جسم ایک دوسرے کے اندر داخل ہو کر دونوں ایک ہی مکان میں ہو جاتے ہیں۔

یہ کلام فاسد ہے، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بتوفیق الٰہی اپنی اسی کتاب کے "باب الکلام الاجسام والاعرض" میں اس کو بیان کریں گے۔ ہر جسم کے لئے مساحت وپیائش ہے، اور جب ایسا ہے تو اس کے لئے زائد مکان ہے۔ تو وہ ہر جسم جس پر دوسرا جسم زائد کیا جائے گا۔ یہ جسم زائد اپنی زائد پیائش کی وجہ سے مکان زائد کا محتاج ہوگا۔ یہ وہ امر ہے کہ مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ بات اس شخص پر مشتبہ ہو گئی ہے جسے تعریفات حلم کلام کی معرفت کی مہارت نہیں ہے، اور اس وجہ سے مشتبہ ہو گئی ہے کہ وہ ان اجسام میں جن میں تخلخل ہے (یعنے خول اور باریک سوراخ و

مسامات ہیں) سیال اور بہنے والے اجسام کو ان کے اندر متخلخل ہوتے (یعنی سماتے اور گھستے) ہوئے دیکھتا ہے۔ یہ تو محض اس لئے ہے کہ ان اجسام متخلخلہ کے اجزاء کے درمیان چھوٹے اور باریک سوراخ ہیں جن میں ہوا بھری ہوئی ہے، جب ان پر پانی یا کوئی اور سیال ڈالا جاتا ہے تو وہ سوراخ بھر جاتے ہیں اور وہ ہوا نکل جاتی ہے جو ان کے اندر تھی۔ یہ آنکھ کے لئے ظاہر ہے، اور ان سے جھاگوں میں ہوا کا نکلنا اور جس چیز سے تیزی سے ہوا خارج ہوتی ہے اس کی آواز محسوس ہوتی ہے وہ چیز جو ہم نے بیان کی جب پوری ہوا اس کے اندر سے نکل چکتی ہے اور سیال کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے تو وہ بڑھ جاتا ہے اور مکان زائد کا محتاج ہوتا ہے۔ ہم نے جو پہلے بیان کیا ہے تو یہ سخت اور متصل ومجتمع اجزاء والے اجسام میں ہوتا ہے۔ مثلاً پانی کہ وہ پانی ڈالا جائے یا تیل کو تیل پر ڈالا جائے، اور اسی طرح ان انواع وغیرہا کی ہر شے ہیں۔

ثابت ہوگیا کہ وہ جسم کہ جسم کے اندر ہوتا ہے بطور مجاورت کے جو ہوتا ہے کہ ہر ایک ایسے حیز (مکان) میں ہوتا ہے جو دوسرے کے حیز آ کا غیر ہو۔ مداخلت صرف اعراض واجسام کے درمیان یا اعراض واعراض کے درمیان ہوتی ہے۔ اس لئے کہ عرض کسی مکان کو مشغول نہیں کرتا۔ رنگ، مزہ، حس، بو، گرمی، سردی اور سکون موجود ہے، اس میں سے ہر ایک جسم کے اندر بھی داخل ہے اور بعض بعض میں بھی داخل ہے۔ ناممکن ہے کہ ایک جسم دو مکانوں میں ہو یا دو جسم ایک مکان میں ہوں۔

دو جسموں میں مجاورت (ہمسائیگی) اور ساتھ ساتھ ہونے کی چند قسمیں ہیں۔

ایک یہ ہے کہ دو میں سے ایک جسم اپنی کیفیات کو جدا کر دے اور دوسرے جسم کی کیفیات کو اختیار کر لے۔ مثلاً سیاہی کا ایک نقطہ جسے تم سرکے کے مٹکے میں یا شوربے کی دیگ میں یا دودھ میں یا روشنائی میں یا ان میں سے کوئی تھوڑی سی چیز کسی چیز میں یا ایسی ہی کسی اور چیز میں ڈال دو تو ان میں جو غالب ہوگا وہ مغلوب کی کیفیات ذاتیہ وغیر یہ کو سلب کر لے گا۔ انہیں اس سے دور کر دے گا۔ اور اسے خود اپنی کیفیات ذاتیہ وغیر یہ میں ملا دے گا۔

دوم یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنی کیفیات ذاتیہ وغیر یہ کو چھوڑ دے اور دونوں کے دونوں دوسری ہی کیفیات اختیار کر لیں۔ مثلاً پھٹکری کا پانی جب مازو کے پانی سے مل جائے۔ چونہ جب ہڑتال سے مل جائے۔ اسی طرح تمام گوندھی ہوئی اشیاء اور آٹا اور پانی وغیرہ۔

سوم۔ دونوں میں سے کوئی اپنی کیفیات ذاتیہ وغیر یہ کو ترک نہ کرے بلکہ ہر ایک اپنی حالت پر باقی رہے، مثلاً تیل جب اسے پانی کے سامنے ملایا جائے جب پتھر کو پتھر کے ساتھ اور کپڑے کو کپڑے کے ساتھ ملایا جائے، مداخلت ومجاورت میں تحقیقی کلام یہی ہے۔

مکون (جسم کے اندر پوشیدہ ہونا) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ آگ پتھر کے اندر پوشیدہ ہے اگر ایک گروہ کا مذہب اس کو باطل کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ پتھر کے اندر ہرگز آگ نہیں۔ یہ قول ضرار بن عمرو کا ہے۔

دونوں گروہوں میں سے ہر ایک نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے وہ اس میں دوسرے گروہ کے مقابلے میں حد سے بڑھ گیا ہے ضرار اپنے مخالفین کی طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ کھجور کا درخت اپنی لمبائی چوڑائی اور بڑائی کے ساتھ گٹھلی میں پوشیدہ ہے۔ انسان اپنے طول وعرض وعمق اور بڑائی کے ساتھ منی میں پوشیدہ ہے۔ ضرار کے مخالفین اس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ آگ میں گرمی اور انگور میں عرق اور زیتون میں تیل اور انسان میں خون نہیں ہے۔

یہ دونوں قول محض جنون اور حواس وعقول کی مخالفت ہے۔ اس میں حق یہی ہے کہ اشیاء میں وہ بھی ہیں جو پوشیدہ رکھتی ہیں مثلاً انسان میں خون، انگور میں عرق، زیتون میں تیل، اور نچوڑنے کے قابل شے میں افشردہ۔ برہان یہ ہے کہ ہم نے جن اشیاء کا ذکر کیا جب اس میں سے وہ چیز نکل جاتی ہے جو اس کے اندر پوشیدہ ہے جو باقی رہتا ہے وہ نکلنے والی چیز کے نکلنے سے سکڑ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے، جو نکلنے والی چیز کے نکلنے سے پہلے ہوتا ہے۔

بعض وہ اشیاء ہیں جو کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھتیں، مثلاً پتھر اور لوہے میں آگ۔

سنگ چقماق اور نفیس لوہے میں ایک قوت ہوتی ہے کہ جب یہ دنوں آپس میں ٹکراتے ہیں تو جو ہوا ان دونوں کے درمیان ہے وہ بھڑک کر آگ بن جاتی ہے، یہی ہر جلنے والی چیز کو پیش آتا ہے۔ کیوں کہ اس کی رطوبت آگ پھر دھواں پھر ہوا بن جاتی ہیں۔ آگ کی طبیعت میں اجسام کے آتشی مادے کا نکلنا اور اس کی رطوبات کو اوپر چڑھانا ہے، یہاں تک کہ ہر جسم میں جو آتشی و آبی مادہ ہوتا ہے وہ نکلنے کی وجہ سے اس جسم میں فنا ہو جاتا ہے اس کے بعد اگر تم اپنی عمر بھر بھی اس بقیہ مادہ ارضیہ محضہ کو جو راکھ ہے پھونکا کرو نہ جلے گا نہ متشعل ہوگا کیوں کہ اس میں نہ آگ ہے کہ نکلے اور نہ پانی ہے کہ اوپر چڑھے۔ اسی طرح چراغ کا تیل ہے، کیوں کہ وہ اپنی طبیعت سے بہت زیادہ آتشی مادہ رکھتا ہے، اس میں جو قلیل آبی مادہ ہے وہ ہوائی دھویں کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور وہ اس کا آتشی مادہ نکل جاتا ہے یہاں تک کہ کل کا کل جاتا رہتا ہے۔

گھٹلیوں بیجوں اونطفوں کے بارے میں جو قول ہے تو گٹھلی، بیج، اور نطفے میں ایک طبیعت ہے جسے ان سب میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے۔ وہ ایک قوت ہے کہ ان رطوبات کو جذب کرتی ہے جو پانی اور پانس اور لطیف مٹی سے اس پروار ہوتی ہیں، یہ تمام چیزیں گٹھلی اور بیج پروار ہوتی ہیں، یہ قوت انہیں اس چیز کی طرف پھری دیتی ہے جس کی طرف پھرنا ان کی طبیعت میں ہوتا ہے۔ یہ لکڑی اس کی چھال اور پتا اور پھول اور پھل اور کھجور کے پتے اور درخت انگور بن جاتا ہے، مثلاً وہ خون جو نطفے پروار ہوتا ہے اسے اس کی وہ طبیعت جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہے گوشت کون ہڈی پٹھوں رگوں نبضوں کو بلیوں کریوں کھال ناخن اور بال کی شکل میں بدل دیتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے "**فتبارک اللہ احسن الخالقین**" (اللہ برتر ہے جو بہترین کالق ہے) **والحمد لله رب العلمین**۔

باقلانی اور تمام اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ نہ آگ میں گرمی ہے نہ برف میں سردی۔ نہ زیتون میں تیل نہ انگور میں عرق۔ اور نہ انسان میں خون۔ ان میں سے ہماری جس سے ملاقات ہوئی ہم نے اس مسئلے اس سے مناظرہ کیا ہے۔ تعجب اور پورا تعجب ہے کہ یہ لوگ اس حماقت کے قائل ہیں اور جو چیز حواس وضرورت عقل سے معلوم ہوتی ہے اس کے منکر ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ شیشے اور کنکریوں میں مزہ اور بو ہے، انگور کے چھلکوں میں بو ہے۔ فلک کے لیے بھی مزہ اور بو ہے یہ تو دنیا کے عجائب میں سے ہے۔

ہم نے اس مسئلے میں سوائے ان کے اس دعوے کے کوئی دلیل نہیں پائی کہ جو گرمی کہ ہم آگ میں اسے چھونے کے وقت پاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کر دیا ہے برف میں اسے چھونے کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس میں سردی پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح زیتون کے نچوڑنے کے وقت تیل پیدا کر دیا ہے، انگور کے نچوڑنے کے وقت عرق پیدا کر دیا ہے اور کاٹنے اور تازیانے مارنے کے وقت خون پیدا کر دیا ہے۔

جب ان لوگوں نے اپنے حواس کے ذریعے اس سے استدلال کیا ہے تو یہ کہاں سے کہہ دیا کہ شیشے میں مزہ اور بو ہے اور آسمان میں مزہ اور بو ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے بارے میں تو حواس اس کی تکذیب کی شہادت دیتے ہیں اور دوسرے کا (یعنی فلک کے مزے اور بو کا) حواس ادراک نہیں کر سکتے۔ ان سے کہا جائے گا کہ شاید روئے زمین میں سے انسانوں میں سے ایک بھی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے ان انسانوں میں سے ایک بھی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے ان انسانوں کے دیکھنے کے وقت انھیں پیدا کر دیا ہو۔ شاید تمھارے شکم میں آنتیں اور سروں میں بھیجے نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے سر توڑنے اور پیٹ چاک کرنے کے وقت انھیں پیدا کر دیا ہو۔

کلام الٰہی ان کی تکذیب کرتا ہے "**یانار کونی بردا و سلاما علی ابراهیم**" (اے آگ تو سردی اور سلامت ہو جا ابراہیم پر) اگر آگ اپنی گرمی سے جلاتی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا "**قل نار جهنم اشد حرا لو کانوا یفقهو ن**" (آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ نہایت سخت گرمی والی ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے) ثابت ہو گیا کہ آگ میں گرمی موجود ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

خبر دی ہے کہ جہنم کی آگ ہماری اس آگ سے ستر درجے زیادہ گرم ہے فرمایا ہے'' **وشجرة تخرج من طور سیناء تنبت بالدن و صبغ للاكلين** '' (اور وہ درخت جو طور سینا سے نکلتا ہے وہ کھانے والوں کے لیے تیل اور زیتون پیدا کرتا ہے) خبر دی کہ ایک درخت ہے جو اسے پیدا کرتا ہے۔ اور فرمایا ہے'' **ومن ثمرات النخيل والا عناب تتخذون منه سكر اورزقا حسنا** '' (اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ اس سے نشہ اور عمدہ غذا اختیار کرتے ہو)۔ ثابت ہو گیا کہ نشہ اور عرق حلال پھل اور انگوروں سے لیا گیا ہے۔ اگر یہ دونوں ان میں نہ ہوتے تو ان سے نہ لیے جاتے۔ اس جنون کے انکار پر تمام امت کا اجماع ہے اور اس قول پر کہ'' **هذا احلى من العسل** '' (یہ شہد سے زیادہ شیریں ہے)'' **وامرّ من الصِبر** '' (اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہے)'' **واحر من النار** '' (اور آگ سے زیادہ گرم ہے)۔

ہم سلامت پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

استحالہ

ایک شے کا بدل کے دوسری شے بن جانا

حنفیین اور ان کے موافقین نے اس قول میں کہ جو نقطہ (یعنی قطرہ) شراب اور پیشاب کا پانی میں گر پڑتا ہے اور اس کا اس میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، وہ اس میں اپنے جسم کے ساتھ باقی ہے۔ بجز اس کے کہ اس کے اجزا اس قدر باریک و پوشیدہ ہو گئے ہیں کہ محسوس نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ روشنائی جو دودھ میں ڈال دی جائے اور اس کا اس میں اثر ظاہر نہ ہو۔ ایسے ہی وہ تھوڑی سے چاندی جو سونے میں گلا دی جائے اور اس کا اس میں اثر ظاہر نہ ہو۔ اور اسی طرح ہر شے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر پانی کی یہ مقدار شراب کے اس قطرے کے پانی کو بدل دیتی ہے جو اس میں پڑ جاتا ہے تو ضرور اس مقدار سے جو زیادہ ہوگا وہ بلاشک بدلنے میں بہت زیادہ قوی ہوگا۔ ہم جب کبھی شراب کے قطرے زیادہ کرتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ تم نے کہا تھا کہ وہ پانی بن گئی ہے ہم زیادہ کرتے ہیں تو تھوڑی ہی دیر میں شراب ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح ہر شے میں۔ لہذا ہمارے قول کی صحت ظاہر ہو گئی اور تمھیں لازم آتا ہے کہ جب پانی زیادہ ہو تو اس کا بدلنا کمزور ہو۔ اور اسی طرح ہر شے میں۔

ہم نے انھیں جواب دیا کہ تمام امور صرف اسی طور پر ہیں جس طرح انھیں اللہ تعالیٰ نے ترتیب دیا ہے اور جس طور پر وہ پائے جاتے ہین۔ نہ کہ تمھارے ان قضایا و مسائل پر جو حس کے خلاف ہیں اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک چیز کی مقدار جو فعل کرتی ہے۔ جب وہ بڑھ جائے تو وہ فعل نہ کرے۔ مثلاً دوا کی ایک مقدار نفع کرتی ہے مگر جب اس میں گھٹا بڑھا دیا جائے تو نفع نہیں کرتی۔ تم نے جو کچھ بیان کیا تمھارے ساتھ ہم بھی اس کو مانتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کرتے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ پانی کی کوئی مقدار سرکے یا شراب یا شہد کی کسی مقدار سے ملتی ہے تو اسے بدل دیتی ہے مگر جس کی مقدار اس سے زیادہ ہوتی ہے اس سے مل کے اس کو نہیں بدلتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہوا پانی کو ہوا میں بدل دیتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی سے بنی ہوئی ہوا جب زیادہ ہو تو وہ ہوا کو پانی میں بدل دیتی ہے۔ اسی طرح وہ تمام اشیاء جن کو تم نے بیان

کیا۔ اس مقام پر عمدہ (قابل اعتماد) وہی ہے جس کی شہادت ابتدائی عقول وحواس دیتے ہیں کہ تمام اشیا اپنی ان طبائع وصفات کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہیں جن سے ان کی حدود قائم ہوتی ہیں اور جس سے لغات میں ان کے نام بدل جاتے ہیں۔ پانی کی چند صفات وطبائع ہیں کہ جب وہ کسی جرم (جسم) میں پائی جائیں گی تو اس کا نام پانی رکھا جائے گا اور جب اس جسم سے یہ معدوم ہوں گی تو نہ اس کو پانی کہیں گے اور نہ وہ پانی ہوگا اسی طرح عالم کی ہر شے ہے جس میں سے ہم کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ یہ محال ہے کہ پانی کی حدود وصفات وطبیعت، شہد یا شراب میں ہوں۔ اسی طرح عالم کی ہر شے ہے کہ اس کا اکثر ایسا ہے کہ اس کا بعض بعض سے بدل جاتا ہے۔

جس شے میں کسی شے کے حدود پائے جائیں تو جو حدود اس شے میں ہیں جب یہ شے انھیں پورا حاصل کر لے تو اسکا نام وہی رکھا جائے گا جو اس شے کا ہے۔ اگر وہ صرف بعض حدود کو حاصل کرے اور نیز اس کی بعض صفات ذاتیہ میں سے بھی کچھ چھوڑ دے تو اس وقت وہ ایک شے ہے جو اس شے کے بھی علاوہ ہے جو تھی اور اسکے بھی علاوہ ہے جس میں اس کی آمیزش ہوگئی۔ مثلاً وہ شہد جو ایارج میں ڈالا گیا ہو۔ روشنائی کا قطرہ جو دودھ میں ہو۔ اور جو اسی کے مشابہ ہو۔ عالم کی یہی ترتیب مقتضائے عقول اور حواس کے مشاہدے اور ذوق (چکھنے) وشم (سونگھنے) ولمس (چھونے) میں ہے۔ اور جو اسے رد کرے گا وہ معقول سے خارج ہوگا اس سے حنفیین کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ دریا کے پانی سے پرہیز کریں اس لیے کہ انکی عقول کی بنا پر اس میں پخانہ پیشاب اور مردار کی رطوبات ہیں۔ اسی طرح اول سے آخر تک تمام نہروں کے پانی اور بارش کے پانی سے بھی۔

ہم مرغی کو دیکھتے ہیں کہ وہ مردار خون اور پاخانہ کھاتی ہے، مینڈھا شراب پیتا ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی کل صفات وطبیعت سے بدل کر مرغی اور مینڈھے کا گوشت بن گئی ہیں۔ اور ہمارے اور ان کے نزدیک حلال ہیں۔ اگر وہ اسے اتنی کثیر غذا بنائے کہ اس کی طبیعت اس کے بدلنے سے کمزور ہے اور وہ اس کے خواص میں پایا جائے اور اس میں پخانہ اور مردار کی صفت ہو تو اس کا کھانا حرام ہے۔ حالانکہ اسی بات کا ان لوگوں نے انکار کیا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ اس میں بھی شریک ہیں پھل اور ساگ پخانے سے غذا حاصل کرتے ہیں اور ایک مدت تک وہ پاخانہ ان میں بدلتا رہتا ہے، بااین ہمہ وہ حلال ہیں۔ حالانکہ یہ بھی وہی امر ہے جس کا انھوں نے انکار کیا تھا۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق** ۔

طفرہ ①

متکلمین کی ایک جماعت نے ابراہیم نظام کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ سطح جسم پر گذرنے والا ایک مکان سے دوسرے مکان تک چلا جاتا ہے، ان دونوں مکانوں کے درمیان مکانات ہوتے ہیں کہ یہ گذرنے والا یہ انھیں قطع وطے کرتا ہے نہ ان پر سے گذرتا ہے کہ ان کے مقابل ہوتا ہے اور نہ ان کے اندر حلول کرتا اور گھستا ہے۔

یہ بالکل محال وحماقت ہے بجز اس کے یہ اس کے اس قول کی بنا پر ہو کہ عالم میں بجز جسم وحرکت کے کچھ نہیں ہے۔ اگرچہ اس نے اس میں بھی غلطی کی ہے مگر اس کا کلام مذکور اس بنیاد پر صحیح طور پر ظاہر ہوا ہے اس لیے کہ جو ہم نے بیان کیا یہ صرف حاسۂ بصر میں موجود ہے۔ اسی

---

① طفرہ کے لفظی معنی جست یا چھلانگ مارنے کے ہیں۔ اصطلاحی (معنی) خود اسی عنوان کے تحت مذکور ہیں۔

طرح اگر تم اپنی آنکھ بند کر کے کھولو تو نگاہ بغیر کسی زمانے کے اسی طرح آسمان کی سبزی سے اور ان ستاروں سے ملے گی جو افلاک بعیدہ میں ہیں جس طرح ہوان قریب تر الوان پر پڑتی ہے کہ اس کے متصل ہیں۔ یہ اعتبار مدت کے یہ دونوں ادراک کوئی کمی بیشی نہیں رکھتے۔ لہذا بدیہی طور پر ثابت ہوگیا کہ مجرد نگاہ اگر اس مسافت کو قطع کرتی جو نظر کرنے والے اور کواکب کے درمیان ہے اور اس پر سے گذرتی تو بلاشک ضروری طور پر اس کا وہاں تک پہنچنا ایک ایسی مدت میں ہوتا کہ اس کے اس مسافت پر گذرنے کی مدت سے زیادہ طویل ہوتی جس کے اور اس دیکھنے والے کے درمیان بہت تھوڑا اور فاصلہ ہوتا۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ نگاہ دیکھنے والے سے نکلتی ہے اور وہ ہر اس شے پر پڑ جاتی ہے جو دیکھی جاتی ہے، وہ نزدیک ہو یا دور دونوں کی درمیانی مسافت پر سے نہیں گذرتی نہ اس میں حلول کرتی ہے نہ اس کے مقابل ہوتی ہے اور نہ اسے قطع کرتی ہے۔ لیکن یہ صورت تمام اجسام میں محال ہے۔

کیا تم غور نہیں کرتے کہ دور سے گرنے کو اور دھوبی کے کپڑے کو پتھر پر مارنے کو دیکھتے ہو پھر تم اسے دیکھتے ہو اس کے بعد ذرا سا ٹھہرتے ہو۔ اور اس وقت تم اس گرنے اور مارنے کی آواز سنتے ہو۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ آواز مقامات کو قطع کرتی ہے اور اس میں سے منتقل ہوتی ہے مگر نگاہ نہ انھیں قطع کرتی ہے نہ ان میں سے منتقل ہوتی ہے۔ جب کسی شے کو برہان نے ثابت کر دیا تو اس پر سوائے بے عقل یا بے حیا یا بے علم یا بے دین کے کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

انسان

اس اسم میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ یہ کس پر واقع ہوتا ہے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ صرف جسد پر بغیر روح کے واقع ہوتا ہے یہ قول ابوالہذیل العلاف کا ہے۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ صرف روح پر بغیر جسد کے واقع ہوتا ہے، یہ قول ابراہیم النظام کا ہے۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں کے مجموعے پر واقع ہوتا ہے جسے بلق کہ صرف سیاہی وسفیدی کے مجموعے ہی پر واقع ہوتا ہے۔

اس گروہ نے جس کا ہم نے ذکر کیا ان آیات اور دوسری آیات سے استدلال کیا ہے "**خلق الا نسان من صلصال کالفخار**" (اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکرے کی سی خشک مٹی سے پیدا کیا)" **فلینظر الا نسان مم خلق . خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب و الترائب**" (انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کاہے سے پیدا کیا گیا۔ اسے ایک ایسے کودنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت وسینے کے درمیان سے نکلتا ہے)" **ایحسب الا نسان ان یترک سدی ۔ الم یک نطفة من منی یمنی ثم کان علقة فخلق فسوی**" (کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ منی کا نطفہ نہ تھا جسے ٹپکایا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ خون کا لوتھڑا ہوگیا۔ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست کر دیا)۔ اور بلاشک یہ جسد کی صفت ہے نہ کہ روح کی صفت۔ اس لیے کہ روح اس انسان کی پوری خلقت کے بعد جو جسد ہے پھونکی جاتی ہے۔ دوسرے گروہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "**ان الا نسان خلق هلو عا اذا مسّه الشر جزو عاو اذا مسّه الخیر منوعا**" (بے شک انسان کو بے صبر و ناشکر گذار پیدا کیا گیا ہے کہ جب اسے بدی پیش آتی ہے تو وہ گھبرا اٹھتا ہے اور جب نیکی پیش آتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے)۔ اور بغیر کسی کے اختلاف کے یہ روح کی صفت ہے نہ کہ جسد کی۔ اس لیے کہ

جسد تو ایک مردہ شے ہے، فاعل جو شے ہے وہ یہی روح ہے یہی تمیز کرنے والی ہے زندہ ہے اور ان اخلاق وغیرہ کی حامل ہے۔

یہ دونوں استدلال صحیح ہیں، ان میں سے ایک بھی دوسرے سے برتر نہیں، یہ جائز نہیں کہ ایک کا دوسرے سے مقابلہ کیا جائے اس لیے کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اس میں اختلاف نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **لو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا** " (اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں کثیر اختلاف پاتے)۔ چونکہ یہ تمام آیات حق ہیں لہذا ثابت ہوگیا کہ انسان کے لیے ایک اسم ہے جو روح پر بغیر جسد کے واقع ہوتا ہے، جسد پر بغیر روح کے بھی واقع ہوتا ہے اور دونوں کے مجموعے پر بھی واقع ہوتا ہے۔ زندہ کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ انسان ہے اور اس میں روح وجسد دونوں شامل ہیں۔ مردے کو کہتے ہیں کہ یہ انسان ہے اور وہ جسد ہوتا ہے، اس میں روح نہیں ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے انسان پر عذاب ہوتا ہے۔ اور اسے نعمت دی جاتی ہے، یعنی روح کو نہ جسد کو۔

جو یہ کہتا ہے کہ یہ اسم (انسان) صرف جسم وروح کے مجموعے پر واقع ہوتا ہے تو غلط ہے اس کو وہ نصوص باطل کرتی ہیں جو ہم نے بیان کیں جن میں انسان کا اسم جسد پر بغیر روح کے اور روح پر بغیر جسد کے واقع ہوا ہے۔ **وبالله تعالىٰ التوفيق**۔

☆☆

جواہر واعراض

جسم ونفس کیا ہے

اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ہشام بن الحکم کا مذہب یہ ہے کہ عالم میں بجز جسم کے کچھ نہیں۔ الوان وحرکات بھی اجسام ہیں۔ اس نے استدلال کیا ہے کہ جسم جب طویل عریض اور عمیق ہوتا ہے تو تم جدھر سے اسے پاؤ گے اس میں لون (رنگ) پاؤ گے۔ لہذا واجب ہوگیا کہ طول وعرض وعمق بھی ضرور لون (رنگ) ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ ضرور لون ہے تو لون بھی طویل عریض عمیق ہوا۔ اور ہر طویل عریض عمیق جسم ہوتا ہے لہذا الون بھی جسم ہے۔ بالکل یہی مذہب ابراہیم بن سیار النظام کا ہے سوائے حرکات کے۔ کہ اس نے یہ کہا ہے کہ صرف حرکات اعراض ہیں۔

ضرار بن عمرو کا مذہب یہ ہے کہ اجسام اعراض سے مرکب ہیں۔

بقیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شے جو طویل وعریض وعمیق ہو کسی مکان کو گھیرے ہو، یہی اجسام ہیں۔ جو اس کے علاوہ ہے یعنی لون یا حرکت یا ذائقہ یا خوشبو یا محبت۔ وہ عرض ہے۔

بعض ملحدین کا مذہب یہ ہے کہ وہ اعراض کی نفی کرتے ہیں۔ اور بعض اہل قبلہ بھی اس میں ان کے موافق ہو گئے ہیں۔

جسم کا وجود تو متفق علیہ ہے۔ اعراض کا اثبات بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے واضح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم عالم میں یا تو صرف وہ شے پاتے ہیں جو بالذات قائم اور دوسری شے کو حامل وموصوف ہے۔ یا ایسی چیز پاتے ہیں جو غیر کے ساتھ قائم ہے نہ کہ بالذات۔ اور غیر میں محمول اور (بطور صفت کے) اس میں سمائی ہوئی ہے۔

ہم نے قائم بالذات شے کو کسی مکان کو گھیرنے والا پایا جس کو وہ بھر دیتی ہے۔ لیکن جو قائم بالذات نہیں اس کو اس طرح پایا کہ وہ دوسرے میں محمول ہے کہ کسی مکان کو نہیں گھیرتی بلکہ اس شے میں سے بہت اشیا اپنے حامل کے مکان میں ہوتی ہیں جو قائم بالذات ہے۔ یہ وہ تقسیم ہے کہ عالم میں اس کے خلاف کسی شے کا وجود ممکن نہیں۔ نہ ان اقسام کے سوا کسی قسم زائد کا وجود ہے۔ چونکہ یہ ایسا ہے۔ لہذا بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ جو قائم بالذات اور اپنے مکان کا گھیرنے والا ہے وہ ایک اور نوع ہے جو قائم بالغیر کے مغائر ہے کہ کسی مکان کو نہیں گھیرتا۔

لہذا ضروری ہوا کہ ان دونوں جنسوں میں سے ہر ایک کے لئے کوئی ایسا اسم ہو جس سے اسے تعبیر کیا جائے کہ ہم لوگ اپنے آپس میں سمجھ سکیں ہم نے اس پر اتفاق کر لیا کہ جو قائم بالذات اور اپنے مکان کو گھیرنے والا ہے۔ اس کا نام جسم ہے اور اس پر اتفاق کر لیا کہ جو اپنی ذات سے قائم نہیں ہے۔ اس کا نام عرض ہے۔ یہ بیان برہانی ہے اور مشاہدے میں ہے۔

جسم کی ہم یہ کیفیت پاتے ہیں کہ اس پر سے مختلف رنگ گذرتے ہیں اور جسم اپنی ذات سے قائم رہتا ہے جس وقت اسے سفید دیکھتے ہیں وہ سبز ہو جاتا ہے پھر سرخ ہو جاتا ہے، پھر زرد ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم اسے پھلوں میں اور خوشوں میں دیکھتے ہیں ہم ضروری طور پر جانتے

ہیں کہ اس سفیدی سبزی اور مختلف رنگوں میں سے جو معدوم وفنا ہو گیا وہ اس کے غیر ہے جو باقی رہا اور فنا نہیں ہوا، ان دونوں کا مجموعہ اس شے کا غیر ہے جو ان کی حامل ہے۔ اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک شے وہی دوسری شے ہوتی تو لامحالہ ایک شے دوسرے کا عدم سے معدوم ہو جاتی۔ لہٰذا اس کے بعد بقائے شے نے اس پر دلالت کی کہ وہ اس کی غیر ہے۔ اور ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ محال وممتنع ہے کہ ایک ہی حالت، ایک ہی مکان، ایک زمان میں، ایک ہی شے موجود بھی ہو، معدوم بھی ہو۔

اعراض یہی افعال ہیں، یعنی کھانا پینا، سونا اور جماع۔ اور چلنا مارنا وغیرہ جو اعراض کا انکار کرے گا وہ فاعلین کو تو ثابت کرے گا اور افعال کا انکار کریگا، اور یہ محال ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔ فاعلین کے ثابت کرنے اور افعال کی نفی کرنے، اور افعال کے ثابت کرنے اور فاعلین کی نفی کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں گروہ جو ایسی چیز کو باطل کرنے والے ہیں کہ حواس سے مشاہدہ کی جاتی ہے اور عقل سے ادراک کی جاتی ہے، حقیقی سوفسطائی ہیں۔ اس لیے کہ بعض اعراض وہ ہیں جن کا بصر و نگاہ سے ادراک ہوتا ہے۔ مثلاً رنگ۔ اس لیے کہ جس میں رنگ نہیں ہے اس میں بعض وہ ہے جس کا شم (سونگھنے) سے ادراک کیا جاتا ہے مثلاً خوشبو بدبو یہ بعض وہ ہے ذوق (چکھنے) سے ادراک کیا جاتا ہے، مثلاً تلخی، شیرینی، ترشی ونمکینی۔ بعض وہ ہے کہ لمس (چھونے) سے ادراک کیا جاتا ہے مثلاً گرمی۔ سردی۔ بعض وہ ہے کہ سمع (سننے) سے ادراک کیا جاتا ہے مثلاً خوش آوازی۔ بدآوازی۔ بلند آوازی۔ اور آواز کا موٹا ہونا۔ بعض وہ ہے جس کا ادراک عقل سے کیا جاتا ہے مثلاً حرکت۔ حماقت۔ عقل۔ عدل۔ جور۔ علم۔ جہل۔ اعراض کے باطل کرنے والوں کے قول کا فساد یقیناً ظاہر ہو گیا **والحمدلله رب العلمین**۔

چونکہ یہ سب ثابت ہے جو ہم نے بیان کیا تو اسماء صرف مسمیات کے لیے عبارات اور تمیز دینے والے ہیں۔ کہ ان سے مخاطبین کو اپنی مراد سمجھانے کا موقع ملے جو معانی سے آگاہ ہونا اور بعض مسمیات کا بعض سے جدا ہونا ہے۔ بجز اس کے اسماء کا اور کوئی فائدہ نہیں۔

واجب ہو گیا کہ قائم بالذات اپنے مکان کے گھیرنے مشغول کرنے والے اور اپنے غیر کے حامل پر ایسے اسماء کو واقع کیا جائے جو اس کی تعبیر ہوں۔ اور قائم بالغیر نہ کہ بالذات پر بھی جو محمول ہے اور جو کسی مکان کو مشغول نہیں کرتا ایک دوسرا نام واقع کیا جائے کہ اس کی بھی تعبیر ہو۔ تاکہ ان دونوں اسموں سے ہر ایک مسمی دوسرے سے جدا وممتاز ہو جائے۔ اگر یہ نہ ہو گا تو تخلیط وعدم بیان واقع ہو گا (یعنی شبہہ ہوا کرے گا اور مطلب واضح نہ ہوگا)۔

ہم نے اس طرح اصطلاح بنالی کہ قائم بالذات ومشاغلِ مکان کا نام جسم رکھا اور اس پر اتفاق کر لیا قائم بالغیر نہ کہ بالذات کا نام ہم نے عرض رکھا۔ اس لیے کہ وہ جسم میں عرض (حالت) ہے اور اس کے اندر پیدا ہوگئی ہے۔ یہی ہے جو حق ہے جس کے مشاہدے میں اور عقل کی معرفت میں ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ہذیان وتخلیط (بدحواسی وحماقت) ہے جس کا قائل بھی اسے عقل سے نہیں جان سکتا، بھلا دوسرا کیسے جانے گا۔ ان تمام امور سے اعراض کا وجود اور منکر اعراض کے قول کا بطلان ثابت ہو گیا۔

اس بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رنگ وحرکت اور ہر اس شے کی جو بالذات قائم نہیں ہے۔ حد وتعریف قائم بالذات کی حد وتعریف کے مغائر ہے۔ چونکہ یہ اس طرح ہے لہٰذا کوئی جسم ایسا نہیں کہ قائم بالذات نہ ہو جسم کے علاوہ جو ہے وہ عرض ہے۔ اس سے اس کے قائلین کے قول کے صحت خوب واضح ہو گئی اور ہشام ونظام کا قول باطل ہو گیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ہشام کا اس طول وعرض وعمق کے وجود سے استدلال جس کا اس نے لون میں وہم کیا ہے، تو یہ محض جسم ملون (یعنی جسم رنگین) کا طول وعرض وعمق ہے لون کے لیے طول وعرض وعمق نہیں ہے۔ اسی طرح مزہ۔ حس اور بو بھی ہے۔ برہان یہ ہے کہ اگر جسم کے لیے طول وعرض وعمق

ہوتا اور لون کے لیے بھی ملون وحامل لون کے طول کے علاوہ طول ہوتا اور اپنے حامل کے عرض کے علاوہ دوسری عرض ہوتی۔ اپنے حامل وملون کے عمق کے علاوہ کوئی دوسرا عمق ہوتا، تو لامحالہ کے علاوہ ہو۔ اس لیے کہ یہ محال عظیم وممتنع ہے کہ دو اشیاء میں سے ہر ایک کا طول ایک گز، عرض ایک گز، اور عمق ایک گز ہو۔ مزہ وبو وحس میں بھی اسی قسم کا محال لازم آئے گا۔ اس لیے کہ یہ تمام صفات جسم کی ان جہات میں سے ہر جہت میں اسی طرح پائی جاتی ہیں جو جسم کے اندر ہیں جس طرح لون (رنگ) پایا جاتا ہے اور کوئی فرق نہیں۔ کبھی مزہ چلا جاتا ہے یہاں تک کہ شے بے مزہ رہ جاتی ہے۔ بو چلی جاتی ہے اور شے بغیر بو کی رہ جاتی ہے مگر اس کی مساحت وپیائش اپنی حالت پر باقی رہتی ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ مساحت (پیائش) ملون (یعنی رنگین چیز) کے لیے ہے جس کے لیے بو اور مزہ اور حس (یعنی چھونے کا موقع) ہے وہ مکان ہے نہ کہ رنگ (لونؒ) ومزہ کے لیے نہ بو کے لیے۔ ہم طویل عریض عمیق جسم کو پاتے ہیں جس کے لیے کوئی لون (رنگ) نہیں ہے۔ اور وہ ہوائے ساکن ومتحرک ہے۔ اور ضروری طور پر ہم جانتے ہیں کہ اگر ہوا کے لیے بھی رنگ ہوتا تو یہ رنگ اس کی مساحت (یعنی پیائش) میں کوئی اضافہ نہ کرتا۔

کسی جاہل کو اگر اس کی جہالت یہاں تک پہنچا دے کہ وہ یہ کہے کہ ہوا جسم نہیں ہے۔ تو ہم اس سے دریافت کریں گے کہ جو چیز پھولی ہوئی مشک کے اندر داخل ہے وہ کیا ہے اور اس چیز کو دریافت کریں گے کہ اس شخص کے چہرے اور جسم کو لگتی ہے جو اعلی درجے کے گھوڑے پر جاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہوا ایک قوی ومتکثر (صاحب اجزائے کثیرہ) جسم ہے، جو محسوس ہوتا ہے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ طول وعرض وعمق میں سے ہر ایک کے لیے اگر طول وعرض وعمق ہوتا تو ان میں سے ہر ایک دوسرے طول وعرض وعمق کا محتاج ہوتا۔ اس طرح یہ سلسلہ ایسا چلتا کہ اس کی حد ونہایت نہ ہوتی۔ اور یہ باطل ہے۔ لہذا ابراہیم وہشام کا قول بھی باطل ہے۔ **وبا للہ تعالیٰ التوفیق۔**

ضرار کا یہ قول بھی کہ اجسام اعراض سے مرکب ہیں، نہایت فاسد قول ہے، اس لیے کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا، ثابت ہو چکا ہے کہ اعراض کے لیے طول، عرض، عمق نہیں ہے۔ اور نہ وہ بالذات قائم ہیں۔ اجسام میں طول وعرض وعمق نہ ہو وہ اپنی ہی جیسی شے سے مل جائے پھر ان سے وہ چیز قائم ہو جائے جس میں طول وعرض وعمق ہو۔

اس نے اس میں بھی غلطی ہی کی ہے جس نے یہ وہم کیا کہ اجسام سطح سے اور سطح خط سے اور خط نقطے سے مرکب ہے۔

یہ بہر حال غلط ہے اس لیے کہ سطوح مطلقہ جسم کی تناہی اور اپنی سب سے وسیع جہت میں اپنی تمادی سے اس کا انقطاع ہونا، اور امتداد کا معدوم ہونا ہے۔ خطوط مطلقہ جہت سطح کا تناہی اور اس کے پھیلنے کا انقطاع ہے۔ نقطہ جہات جسم کی اس کی نہایات وحدود میں سے کسی ایک حد سے تناہی ہے۔ مثلاً چھری کا کنارہ۔ یہ تمام ابعاد صرف عدم تمادی ہیں، اور یہ محال ہے کہ عدم مجتمع ہو۔ اور اس سے موجود قائم ہو جائے۔ سطوح مجسمہ وخطوط مجسمہ ونقطہ مجسمہ صرف جسم کے ابعاض واجزا ہیں۔ اور اجزا صرف تقسیم کے بعد ہی اجزا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

متکلمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ انھوں نے ایک شے کا اثبات کیا ہے جس کا نام ایسا جوہر رکھا ہے کہ نہ جسم ہے نہ عرض۔ یہ قول بعض متقدمین کی طرف منسوب ہے۔ اس جوہر کا جس نے اثبات کیا ہے اس کے نزدیک اس کی حد وتعریف یہ ہے کہ وہ واحد بالذات ہے، متضاد اشیاء کا قبول کرنے والا ہے۔ قائم بالذات ہے غیر متحرک ہے اس کے لیے مکان نہیں۔ نہ طول وعرض وعمق ہے۔ اور نہ اس کا تجزیہ

ہوتا ہے۔ بعض متکلمین کے نزدیک اس کی حد وتعریف یہ ہے کہ وہ واحد بالذات ہے اس کے لیے نہ طول ہے نہ عرض۔ اور نہ اس کا تجزیہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ وہ متحرک نہیں ہے اس کے لیے مکان ہے قائم بالذات ہے۔ اور تمام عرض میں سے صرف ایک عرض کا حامل ہے۔ مثلاً رنگ۔ بو۔ حس۔

یہ دونوں قول اور وہ قول جس پر یہ دونوں متفق ہو گئے ہیں بے حد فاسد و باطل ہیں۔ اول تو یہی ہے جس نے اسے کہا ہے کہ یہ سب کے سب محض دعاوی ہیں جن میں سے کسی کی صحت پر کوئی بھی دلیل قائم نہیں، نہ برہانی نہ اقناعی۔ بلکہ برہان عقلی وحسی دونوں۔ ان سب کے بطلان کی شہادت دیتی ہیں۔ اس سے کوئی بھی عاجز نہیں کہ جو چاہے دعویٰ کرے۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل محض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہمیں تائید حاصل ہوتی ہے۔

ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ وجود میں صرف خالق اور اس کی مخلوق ہے۔ مخلوق یا تو صرف جوہر ہے جو اپنی اعراض کا حامل ہے۔ یا عرض ہے کہ جوہر میں محمول ہے ایک کی دوسرے سے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہں۔ ہر جوہر جسم ہے اور ہر جسم جوہر ہے۔ یہ دو نام ہیں جن کے معنی ایک ہی ہیں۔ اور اس سے زائد نہیں، **و باللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ہم انشاء اللہ ہر وہ شے جمع کریں گے جس پر ان دونوں گروہوں نے ایسے جسم کا نام واقع کیا ہے کہ نہ جوہر ہے نہ عرض۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ براہین ضروریہ سے ہر ایک کا فساد واضح کریں گے۔ جیسا کہ ہم نے اپنے تمام کلام میں کیا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ہم نے اس کی تحقیق کی جس کو بعض متقدمین اور ان کے مقلدین نے جوہر کا نام دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ نہ جسم ہے نہ عرض۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ باری تعالیٰ۔ نفس (روح)۔ ہیولی۔ عقل اور صورت ہے، ان میں سے بعض نے ہیولیٰ کو طینت (طبیعت) سے اور بعض نے خمیرت سے تعبیر کیا ہے۔ ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ جسم ہے کہ اپنی تمام اعراض وابعاد (یعنی طول عرض عمق) سے خالی ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ شے ہے جس سے اس عالم کا وجود ہے اور جس سے وجود ہوتا ہے۔ خالق کے بارے میں ان کے اختلاف کے مطابق یا انکار خالق کے بارے میں ان کے اختلاف کے مطابق۔ ان میں سے بعض نے جوہر میں خلاء اور مدت کا اضافہ کیا ہے جو ان کے نزدیک ازلی ہیں۔ خلاء سے مراد مکان مطلق ہے نہ کہ مکان معہود۔ اور مدت سے مراد زمانِ مطلق ہے نہ زمانِ معہود۔

ان تمام اقوال میں سے ایک قول بھی ایسا نہیں جو کسی ایسے شخص کا ہو کہ اپنے کو سلام کی طرف منسوب کرتا ہو۔ یہ سب محض مجوس و صابئین و دہریے و نصاری کے اقوال ہیں جو باری تعالیٰ کا نام جوہر رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی اس امانت میں اس کا نام جوہر رکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس کے اعتقاد کے بغیر نہ دین ملکی صحیح ہے نہ نسطوری نہ یعقوبی نہ ہاردنی۔ ورنہ وہ نصرنیت کا قطعاً کافر ہے۔ سوائے باری تعالیٰ کو جوہر کہنے کے۔ کہ یہی قول (اہل اسلام میں سے) مجسمہ کا بھی ہے۔ سوائے اس قول کے کہ نفس جوہر ہے نہ کہ جسم۔ اس کو عطار نے بھی کہا ہے جو معتزلہ کا ایک رئیس ہے۔

جو لوگ اسلام سے نسبت رکھتے ہیں تو ان کے نزدیک ایسا کوئی جوہر نہیں کہ نہ جسم ہو نہ عرض۔ بجز ان اجزائے صغار کے کہ ان کے زعم کے مطابق اجسام ان میں تحلیل ہوتے ہیں مگر ان کا تجزیہ نہیں ہو سکتا، یہی مذہب بعض متقدمین سے بھی مذکور ہے۔ یہ آٹھ اشیاء ہوئیں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ہمیں کسی ایسے شخص کا علم نہیں جس نے جوہر کا وہ نام رکھا ہو کہ نہ وہ جسم ہے نہ عرض، وغیرہا۔ سوائے جاہلوں کی ایک جماعت کے کہ قوائے ذاتیہ کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ جواہر ہیں۔ حالانکہ یہ ان کا جہل ہے اس لے کہ بغیر کسی اختلاف کے وہ

بھی ایک ایسے شے میں محمول ہیں جو قائم بالذات نہیں۔ یہ بغیر کسی اختلاف کے عرض کی صفت ہے نہ کہ جوہر کی۔

خلا ومدت کے متعلق جو قول ہے اس کو ہم اسی کتاب کے شروع میں پہلے ہی براہین ضروریہ سے فاسد کر چکے ہیں۔ اور ہم اپنی کتاب ''التحقیق'' میں بھی۔ اس کو باطل کر چکے ہیں جو محمد بن زکریا طبیب کی کتاب ''العلم الالٰہی'' کے رد میں ہے۔ ہر دعوے کی جو اس نے یا کسی اور نے اس مسئلے میں کیا ہے، نہایت واضح شرح کے ساتھ تفصیلی ابطان کر دیا ہے۔ **والحمد لله رب العلمين كثيرا**۔ اسی کتاب کے شروع میں ہم نے ثابت کر دیا ہے جہاں یہ بحث ہے کہ عالم میں خلا ہرگز نہیں۔ یہ کل ٹھوس کرہ ہے جس میں خول نہیں، اس کے بعد نہ خلا ہے نہ ملا۔ اور نہ کوئی اور شے۔ تمادی کے لیے مدت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فلک کو مع اس کے اندر کے اجسام ساکنہ ومتحرکہ کے۔ اور اس کے اعراض کے پیدا کیا ہے۔ ہم نے ''کتاب التقریب محدود الکلام'' میں بیان کیا ہے کہ وہ آلہ جس کا نام زرافہ وسارقۃ الماء ہے اور وہ آلہ جو اس مرد کی اِحلیل میں داخل کیا جاتا ہے جس کا پیشاب بند ہو گیا ہو۔ یہ اس امر کے ثابت کرنے کے لیے براہین ضروریہ ہیں کہ عالم میں ہرگز خلا نہیں ہے۔

قائلین خلاء کے نزدیک خلاء ایک ایسا مکان ہے جس میں تمکن نہیں ہے۔ اور یہ اس دلیل سے محال ہے جو ہم نے بیان کی۔ اس لیے کہ پانی اگر آلہ سارقۃ الماء کے نیچے والے سوراخ سے نکلتا اور اس کا بالائی حصہ بند کر دیا جاتا تو اس (پانی) کا مکان بغیر اس میں کسی متمکن (مکین) کے خالی رہ جاتا۔ جب یہ ممکن نہیں اور نہ اس پر بنائے عالم مبنی ہے تو اس کے وجود سے تو پانی اس طرح باقی رہ جائے گا کہ بھیگا نہیں تاوقتیکہ اس آلے کے اوپر کے حصے کو نہ کھولا جائے۔ ہوا اندر داخل پائی جائے گی اور پانی نکل جائے گا اور اسی وقت بہہ جائے گا اس کے بعد ہوا رہ جائے گی۔ اسی طرح زرافہ اور وہ آلہ ہے جو اس کے لیے بنایا گیا ہے جس کا پیشاب بند ہو جائے۔ جب وہ احلیل کے اندرونی حصے اور مثانے کے ابتدائی حصے میں پہنچ جائے پھر وہ کاگ جو بند کیا گیا ہے ہٹا دیا جائے کہ اسے باہر تک بچائے تو ضروری طور پر پیشاب اس کے ساتھ ساتھ آئے گا۔ اور نکل جائے گا۔ کیوں کہ اگر نہ نکلا تو آلے کا سوراخ اس طرح خالی رہ جائے گا کہ اس میں کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور یہ باطل وممتنع ہے۔ ہم اسے اپنی کتاب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں جیسا کہ اس مقام کے ملحدین نے جو ہمارے مخالف ہیں اس سے اعتراض کیا ہے جس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ وہ پانی جسے اللہ تعالیٰ نے بطور معجزے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پیدا کیا، وہ کھجور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے پیدا کیا، اور وہ ثرید (شوربا روٹی کا مرکب) جو آپ کی وجہ سے پیدا کیا۔ تو اسے کہاں سے پیدا کیا۔ حالانکہ یہ اجسام ہیں جو پیدا کیے گئے ہیں۔ اور تمھارے نزدیک عالم ملا ہے اس میں خلا نہیں ہے۔ اور نہ تخلخل (خول) ہے اور دو جسم ایک مکان میں نہیں ہوتے۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ یہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں جس کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔ یا تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مقدار ہوا کی معدوم کر دی جس مقدار میں اس نے اس میں کھجور پانی اور ثرید پیدا کیا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے اجزا کو پانی کھجور اور ثرید میں بدل دیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کیا تھا۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ خلا ومدت کے بارے میں ان کا قول ساقط ہو گیا۔ و **الحمد لله رب العالمين**۔

صورت بھی بلاشک ایک کیفیت ہے اور وہ جوہر کی آمیزش اور ان کا شکل اختیار کرنا ہے۔ مگر اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم صورت کی وہ ہے کہ جوہر کے ساتھ وابستہ ہے۔ مثلاً صورت کلیہ کہ جواہر سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اور بغیر جوہر کے نہیں پائی

جاتی۔ اور نہ جواہر کا اس سے خالی ہو کر وہم کیا جا سکتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کے انواع وافراد جواہر پر یکے بعد دیگرے گذرتے ہیں، مثلاً ایک شے کا مثلث سے مربع کی طرف منتقل ہونا اور اسی قسم کی اشکال۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ بلا شک صورت بھی عرض ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

عقل کے متعلق بھی کسی صاحب عقل سلیم کا اختلاف نہیں کہ یہ ایک عرض و کیفیت ہے جو نفس و روح میں محمول ہے۔ برہان یہ ہے کہ یہ اشد و اضعف کو قبول کرتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ایک عقل زیادہ قوی ہے دوسری عقل سے۔ اور ایک کمزور ہے دوسری عقل سے۔ اور اس کی ضد بھی ہے اور وہ حماقت ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جواہر کے اضداد نہیں ہیں۔ صرف بعض کیفیات جواہر میں تضاد ہوتا ہے۔

فلسفے کے بعض مدعیوں نے اعتراض کیا ہے کہ عقل میں ضد نہیں ہے۔ عقل کے وجود کے لیے ضد ہے اور وہ اس کا عدم ہے، جس نے مجھ سے یہ بحث بیان کی میں نے اس سے کہا کہ یہ تو سفسطہ و جہل ہے۔ اگر اس کی یہ تخلیط و حماقت جائز ہو تو غیر کے لیے یہ جائز ہو جائے گا کہ یہ کہے کہ علم کے لیے ضد نہیں ہے۔ لیکن اس کے وجود کی ضد ہے اور وہ اس کا عدم ہے۔ اور کسی کیفیت کی ضد نہیں ہے لیکن اس کے وجود کی ضد ہے اور وہ اس کا عدم ہے۔ تمام کیفیات سے تضاد باطل ہو جائے گا۔ یہ وہ کلام ہے جس کا فاسد ہونا ضرورت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ عقل کے لیے وجود ضد میں اور علم کے لیے وجود ضد میں اور تمام کیفیات کے لیے وجود ضد میں کوئی فرق نہیں، ان سب کا ایک ہی باب ہے یہ صرف صفات میں جو سب کی سب یکے بعد دیگرے گذرتی ہیں اور موجود ہیں۔ عقل موجود ہے اس کے پیچھے حماقت ہے اور وہ بھی موجود ہے جس طرح علم موجود ہے اور اس کے پیچھے جہل ہے۔ اور جس طرح بہادری موجود ہے اس کے پیچھے بزدلی ہے اور وہ موجود ہے۔ یہ وہ امر ہے جو ادنی تمیز والے پر بھی مخفی نہیں۔ اسی طرح جواہر اپنی ذات میں اشد و اضعف کو قبول نہیں کرتے۔ متقدمین میں سے بھی ان لوگوں کا یہی قول ہے جن میں ادنی شائبہ فہم بھی ہے۔ ان سب کے نزدیک عقل یہی ہے کہ رذائل سے فضائل کو پہچانیں اور فضائل پر عمل کریں، رذائل سے بچیں اور ایسی چیز کی پابندی کریں جس سے دارالبقاء و عالم جزا میں انجام نیک ہو۔ ان امور میں حسن سیاست و تدبیر سے کام لیں جو انسان کو دنیا میں لازم و ضروری ہیں۔ یہی بات انبیاء علیہم السلام بھی لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **"افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا"** (تو کیا یہ لوگ زمین میں سیر نہیں کرتے کہ ان کے قلوب ایسے ہو جائیں جن سے یہ عقل حاصل کریں اور سمجھیں)۔

اور فرمایا ہے **"و کذلک یبین اللہ لکم الآیت لعلکم تعقلون"** (اور اسی طرح اللہ تم سے آیات کو بیان کرتا ہے تاکہ تمھیں عقل آئے)۔ اور فرمایا ہے **"ام تحسب ان اکثر ھم یسمعون او یعقلون . ان ھم الا کالا نعام بل ھم اضل سبیلا"** (کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے اکثر لوگ سنتے یا عقل رکھتے ہیں۔ یہ تو صرف چوپایوں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں)۔ اور فرمایا ہے **"ویجعل الرجس علی الذین لایعقلون"** (اور ان لوگوں پر نجاست قائم کر دیتا ہے جو عقل نہیں رکھتے)۔ اور فرمایا ہے **"واذانا دیتم الی الصلوۃ اتخذ وھا ھز واولعبا . ذالک بانھم قوم لایعقلون"** (اور جب تم نماز کی اذاں کہتے ہو تو کفار اسے تمسخر اور کھیل بناتے ہیں، یہ اس لیے کہ یہ وہ قوم ہے جو عقل نہیں رکھتی)۔ اور فرمایا ہے **"ان شرّ الدواب عند اللہ الذین کفر وافھم لایؤمنون"** (اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین چوپائے وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں اور ایمان نہیں لاتے)۔ لہذا عقل اور تمام طاعات ہی ایمان ہیں۔

کفار کے متعلق فرمایا ہے **"وقالو الو کنا نسمع اونعقل ماکنا فی اصحب السعیر"** (اور کفار کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا

عقل رکھتے اور سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے)۔ اس قسم کے مضامین قرآن میں بہت ہیں۔

ثابت ہو گیا کہ عقل فعل نفس ہے وہ ایک عرض ہے جو اس کے اندر محمول ہے وہ ایک قوت ہے جو نفس کی قوتوں میں سے ہے۔ وہ بلا شک عرض و کیفیت ہے۔ جس نے اس مسئلے میں غلطی کی اس نے محض اس لیے غلطی کی کہ بعض بیوقوف و جاہل متقدمین کا یہ مضمون دیکھا کہ عقل جوہر ہے اور اس کے لیے ایک فلک ہے۔ جسے علم نہ تھا اس نے اس پر اعتماد کر لیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق** .

لفظ عقل عربی ہے اسے مترجمین دوسرے لفظ سے تعبیر کرنے کے لیے لائے ہیں جن سے لغت یونانی وغیر یونانی میں کسی ایسی چیز کو تعبیر کیا جاتا ہے جسے لغت عربی میں لفظ عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ امر کسی سے بھی مخفی نہیں۔ لفظ عقل لغت عربی میں صرف اشیاء کے تمیز دینے اور فضائل پر عمل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ لہذا ضروری طور پر ثابت ہو گیا کہ اس سے عرض کو تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے خلاف کا مدعی خراب عقل والا بے حیا اور بلا شک بہتان لگانے والا ہے۔

بعض احمقوں اور جاہلوں نے کہا ہے کہ اگر عقل عرض ہے تو اجسام اس سے اشرف ہوئے۔ جس نے یہ اعتراض نقل کیا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ آیا جوہر کے لیے بجز اس کی اعراض کے بھی کوئی شرف ہے۔ اور کسی جوہر کو دوسرے جوہر پر صرف اس کی صفات ہی کی وجہ سے نہ کہ اس کی ذات کی وجہ سے شرف ہے، آیا یہ کسی پر بھی مخفی ہے؟۔

اس بیہودہ قول کے مطابق یہی بات انھیں علم وفضائل میں لازم آئی ہے کہ اگر وہ ان کے اعراض ہونے میں ہماری مخالفت نہ کریں تو اس واہی مقدمے پر واجب آتا ہے کہ کل اجسام علم وفضائل سے اشرف ہوں۔ اور یہ جیسا ہے تم بھی دیکھتے ہو۔

ہیولیٰ خود ایک جسم ہے جو اپنی تمام اعراض کا حامل ہے متقدمین نے اسے ایک جداگانہ نام سے بیان کیا ہے۔ تنہا اس کی تمام اعراض وصورت وغیرہ سے علیحدہ اس پر کلام کیا ہے، اور وہ کلام اس کی اعراض سے علیحدہ خاص اسی پر ہے۔ اگرچہ یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی اعراض سے خالی ہو کے اور ان سے علیحدہ ہو کے پایا جائے۔ اس طرح اس کے وجود کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا، نہ دل میں اس کی کوئی شکل آ سکتی ہے، اور نہ یہ کوئی صورت اس طرح اختیار کر سکتا ہے۔ یہ بالکل محال وممتنع ہے جیسے انسان کلی اور تمام اجناس وانواع کہ ان میں سے کوئی بھی بجز اپنے افراد کے نہیں۔ اگر ان کی نوع نوع اجسام ہے تو یہ سب کے سب بعینہٖ اجسام ہیں۔ اگر نوع اعراض ہے تو یہ اشخاص اعراض ہیں، اور اس سے زیادہ نہیں۔

یہ کہنا کہ انسان نوع کلی سے زائد ہے اس کے معنی صرف افراد انسان ہیں، نہ کہ کچھ اور۔ حمرت کلیہ کے معنی بھی سرخی کے افراد کے ہیں خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں۔ اس سے ان جہلاء کا اندازہ باطل ہو گیا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جنس ونوع وفصل جواہر ہیں۔ اجسام نہیں ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

متقدمین نے اس کا نام اور صفات اولیہ ذاتیہ کا نام جوہریات رکھا تھا نہ کہ جواہر۔ اور یہ صحیح ہے اس لیے کہ یہ جوہر کی طرف بوجہ ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہونے کے منسوب ہے۔ اس لیے کہ وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ جدا ہونے کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ لہذا ان کا قول خلا ومدت وصورت وعقل وہیولیٰ میں بھی باطل ہو گیا۔ **والحمد للہ رب العلمین** .

باری تعالیٰ کو جن مجسمہ ونصاریٰ نے جوہر کہا ہے تو انھوں نے غلطی کی ہے، اس لیے کہ لفظ جوہر عربی لفظ ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے

لیے ثابت کرے تو جب وہ اسکا اقرار کرتا ہے کہ وہ اس کا خالق ہے، معبود ہے، اور اس کے امر کا مالک ہے تو اس پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی پیش قدمی نہ کرے جو خود اس کی طرف سے مقرر نہ ہو اور اس کے متعلق کوئی ایسی خبر نہ دے جو بغیر علم یقینی کے ہو۔ اس مقام پر بجز اس کے کوئی علم نہیں ہوسکتا۔ جس کی وہ خود ہی خبر دے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا جوہر نام رکھنا اور اس کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ جوہر ہے اللہ تعالیٰ پر بغیر اس کے عہد کے حکم لگاتا ہے اور اس کے متعلق اس جھوٹی بات کی خبر دینا ہے جو اس نے اپنے متعلق کبھی نہیں دی۔ نہ اس نے اس لفظ سے کبھی اپنے کو نامزد کیا۔ یہ وہ پیش قدمی ہے جس کے جواز کے متعلق ہرگز کوئی نص نہیں آئی۔

جوہر حامل اعراض ہوتا ہے۔ اگر باری تعالیٰ کسی عرض کا حامل ہوتا تو وہ اپنی ذات اور اپنی اعراض سے مرکب ہوتا۔ اور یہ باطل ہے۔

نصاریٰ کو اس کا حق نہیں کہ لغت عربیہ میں تصرف کریں اور اسے اس کے مقام سے ہٹا دیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا جوہر ہونا اس کے تعریف جواہر سے بری ہونے کی وجہ سے باطل ہوگیا۔ اور یہ بھی باطل ہوگیا کہ اسے جوہر بتایا جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے آپ کو نامزد نہیں کیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ اسی بنا پر اس کا قول بھی باطل ہوگیا جس نے اللہ تعالیٰ کا نام جوہر رکھا اور اس کے متعلق خبر دی کہ وہ جوہر ہے۔ **وللہ تعالیٰ الحمد**۔ اب نفس اور جزو لا یتجزّی (یعنی شے کا وہ آخری حصہ جس کے بعد کسی طرح اس کی تقسیم نہ ہوسکے) پر ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کلام کریں گے جو واضح ہوگا۔ **ولا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

نفس کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ابوبکر عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم کے متعلق بالکل ہی نفس کا انکار بیان کیا گیا ہے، کہ اس نے کہا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا جس کا میں خود اپنے حواس سے مشاہدہ نہ کرلوں۔

جالینوس وابو الہذیل محمد بن الہذیل العلاف کہتے ہیں کہ نفس اعراض میں سے ایک عرض ہے اس کے بعد ان دونوں میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ جالینوس نے کہا ہے کہ یہ ایک مزاج ہے جو اخلاط جسد (یعنی صفرا سودا بلغم وخون) کی ترکیب سے پیدا اور جمع ہوگیا ہے۔ اور ابوالہذیل نے کہا ہے کہ یہ جسم کی اور اعراض کی طرح عرض ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ نفس ایک ہوا ہے جو سانس کے ساتھ آتی جاتی ہے اور یہی نفس ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ روح عرض ہے اور وہی حیات ہے اور وہ نفس کے علاوہ ہے۔ اور یہ قول باقلانی اور ان اشعریہ کا ہے جو اس کے متبعین ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ نفس ایک جوہر ہے جو نہ جسم ہے نہ عرض۔ نہ اس کے لیے طول وعرض وعمق ہے، نہ وہ کسی مکان میں ہے۔ اور نہ اس کا تجزیہ ہوسکتا ہے۔

یہی نفس فعالہ (کام کرنے والا) اور مدبرہ (تدبیر کرنے والا) ہے۔ اور یہی انسان ہے۔ بعض متقدمین کا یہی قول ہے اور اسی کا معمر بن عمرو العطار بھی قائل ہے جو معتزلہ کا ایک شیخ ہے۔

تمام اہل اسلام کا اور ان اہل مذاہب کا جو قیامت کو مانتے ہیں یہ مذہب ہے کہ نفس ایک جسم ہے جو طویل عریض عمیق ہے، صاحب مکان ہے۔ عقل وتمیز والا اور بدن میں تصرف کرنے والا ہے۔

ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ نفس وروح ایک ہی مسمّی کے دو مترادف نام ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

ابوبکر بن کیسان کا قول نص وبرہان عقل سے باطل ہے۔ نص اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "**ولو ترىٰ اذا الظلمون فی غمرات الموت و الملئكة باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسكم الیوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون علی الله غیر**

الحق و كنتم عن آياته تستكبرو ن ''(اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور ملائکہ اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے تھے اور اس کی آیات سے اکڑتے تھے)۔ ثابت ہو گیا کہ نفس موجود ہے، وہ جسد کے علاوہ ہے، اور موت کے وقت وہی نکلتا ہے۔

برہان عقلی یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدمی اپنی عقل کے تصفیے کا اور اپنی رائے کی تصحیح کا یا کسی دشوار مسئلے کے حل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے ذہن کو متوجہ کرتا ہے۔ نفس کو اپنے حواس جسد یہ سے فارغ کرتا ہے، جسد کا کام میں لانا بالکل ترک کر دیتا ہے اور اس سے بری ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے بھی نہیں دیکھتا جو اس کے نزدیک حاضر ہے اسے بھی نہیں سنتا جو اس کے سامنے کہا جاتا ہے اس وقت اسکی فکر ورائے پہلے سے بہت زیادہ صاف ہو جاتی ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ فکر و ذکر جس وقت ان دونوں کا ارادہ کیا جائے تو یہ دونوں اس جسد کے لیے نہیں ہیں جو اس سے خالی کر لیا گیا ہے۔ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے وہ درحقیقت اپنی صورت ہی پر ظاہر ہوتا ہے یہ جب ہی ہوتا ہے کہ جب نفس جسد سے خالی ہو جائے اور جسد میت کے جسد کی طرح رہ جائے۔ اس وقت ہم اس سونے والے کو جانتے ہیں کہ وہ خواب میں دیکھتا ہے سنتا ہے کلام کرتا ہے، اور بیان کرتا ہے حالانکہ اس کی نگاہ جسمانی کا عمل، دونوں جسمانی کانوں کا عمل، جسمانی ذائقے کا عمل، اور اس کی جسمانی زبان کا کلام باطل ہو چکا ہوتا ہے۔ لہذا متقین ہو گیا کہ وہ عقل جو دیکھنے سننے کلام کرنے محسوس کرنے اور چکھنے والی ہے یہ جسد کے سوا کوئی اور چیز ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام نفس ہے کیوں کہ اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح وہ چیز جس کا نابینا کا اور اس شخص کا نفس جو شے سے غائب و دور ہے خیال کرتا ہے جو اس کے پہلے وہ دیکھ چکا ہوتا ہے وہ شے اس کے خیال میں ایک صورت اختیار کر لیتی ہے اور وہ اسے اپنے نفس میں اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح وہ تھی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہاں پر جسد کے علاوہ کوئی تصور کرنے اور ادراک کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ ہم نے جس چیز کا ذکر کیا اس میں نہ تو جسد کا کوئی اثر ہے نہ حواس کا۔

تم ایک ارادہ کرنے والے کو دیکھتے ہو کہ وہ خوشی خوشی ایک امر کا ارادہ کرتا ہے۔ جب اسے کوئی عارض پیش آ جاتا ہے تو سست ہو جاتا ہے حالانکہ جسم جیسا تھا اسی کے مطابق رہتا ہے۔ اس میں کچھ بھی تغیر نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہاں پر اشیاء کا ارادہ کرنے والا سوائے جسد کے کوئی اور ہے۔

منجملہ ان کے اخلاق نفس ہیں۔ مثلاً حلم و صبر و عقل و حسد و طیش و خرق (سراسیمگی) و نزق (یعنے عجلت و حماقت) و علم و بلادت (کند ذہنی) یہ تمام صفات کسی عضو جسد کے لیے نہیں ہیں چونکہ اسمیں کوئی شک نہیں ہے لہذا یہ سب صفات اس نفس کے لیے ہیں کہ جسد کی تدبیر کرنے والا ہے۔

منجملہ ان کے بعض ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں جن کے دست بند ہو گئے ہوں، بدن کمزور اور جوڑ خراب ہو گئے ہوں تم انھیں اس وقت اس حالت میں دیکھتے ہو کہ ان کا ذہن پہلے سے نہایت تیز ہو گیا، قوت تمیز پہلے سے زیادہ صحیح ہو گئی۔ طبیعت کی حالت بہتر ہو گئی لغویات سے دور ہو گئے اور حکمت کی باتیں کرنے لگے نظر سب سے زیادہ درست ہو گئی۔ حالانکہ جسد اس وقت نہایت خرابی اور قویٰ بے کاری کی حالت میں ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ امور کا ادراک کرنے والا، جسد کی تدبیر کرنے والا، فعل کرنے والا، تمیز کرنے والا، اور زندہ وہ ایک اور ہی شے ہے کہ جسد کے سوا ہے۔ یہ وہی شے ہے جس کا نام نفس ہے۔

جسد نفس کے رجوع کرنے کا مقام ہے جب سے جسد میں داخل ہوا ہے گویا ایک گوندھی ہوئی مٹی میں پڑ گیا ہے۔ اسی جسد نے اسے

اس کا وہ کام بھلا دیا جو اسکے لیے پہلے تھا۔

اگر فعل جسد کا ہوتا تو اس کے خواب و موت کی حالت میں بھی اس کا فعل جاری رہتا اور اس کی حیات برابر قائم رہتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت جسد صحیح و سالم ہوتا ہے۔ اس کے اعضاء میں سے کوئی چیز بھی نہیں بگڑتی اور اس کے تمام افعال بالکل باطل ہو جاتے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ فعل و تمیز جسد کے علاوہ کسی اور کے لیے تھا اور وہ وہی نفس ہے کہ اس سے جدا ہو گیا ہے فعل کرنے والا اور ذکر کرنے والا نفس ہی تھا جو علیحدہ ہو گیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اعضائے جسد ایک ایک کر کے کٹ جانے سے یا خراب ہو جانے سے جاتے رہتے ہیں۔ اور قویٰ پہلے ہی کے مطابق باقی رہتے ہیں حالانکہ اعضا جا چکے ہیں اور خراب ہو چکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ذہن و تدبیر و عقل پہلے سے زیادہ باقی رہتے ہیں۔ لہذا ضروری طور پر ثابت ہو گیا کہ فعل کرنے والا۔ عالم۔ ذاکر۔ مدبر۔ مرید۔ (ارادہ کرنے والا) جسد کے علاوہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور جسد بے جان ہے۔ لہذا ابن کیسان کا قول باطل ہو گیا۔ **والحمد للہ رب العلمین**۔

جس نے یہ کہا کہ نفس مزاج ہے، جیسا کہ جالینوس نے کہا ہے۔ تو جو دلائل ہم نے بیان کیے جن سے ابن کیسان کا قول باطل ہوتا ہے۔ وہی دلائل قول جالینوس کو بھی باطل کرتے ہیں۔

عناصر اربعہ جس سے جسد مرکب ہے، اور وہ آگ پانی ہوا اور مٹی ہیں۔ یہ سب کے سب اپنی طبیعت کے اعتبار کے بے جان ہیں، یہ باطل و ممتنع و محال ہے جو ہرگز جائز نہیں کہ بے جان اور بے جان اور بے جان اکٹھا ہو جائیں اور ان سے ایک جان دار قائم ہو جائے۔ اسی طرح یہ محال ہے کہ چند بارد۔ (سرد) اشیا جمع ہو جائیں اور ان سے ایک حار (گرم) شے قائم ہو جائے۔ یا چند حار اشیا جمع ہو جائیں اور ان سے ایک بارد شے قائم ہو جائے۔ یا حی و حی و حی (یعنی جان دار) جمع ہو جائیں اور ان سے کوئی بے جان قائم ہو جائے۔ نفس کا مزاج ہونا باطل ہو گیا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

جس نے یہ کہا کہ نفس صرف عرض ہے اور جس نے یہ کہا کہ نفس ایک نسیم (ہوا) ہے جو ہوا سے اندر جاتی اور باہر آتی ہے اور روح ایک عرض ہے جو حیات ہے۔ یہ دونوں قول بھی ہمارے انھیں مذکورہ بالا دلائل سے باطل ہیں جن سے ابن کیسان الاصم کا قول باطل ہوا ہے۔ ان دونوں اقوال والے لوگ اسلام کی طرف منسوب ہیں۔ نص قرآن ان دونوں کے قول کو باطل کرتی ہے ”**اللہ یتوفی الا نفس حین موتھا والتی لم تمت فی منا مھا فیمسک التی قضی علیھا الموت و یرسل الا خری الی اجل مسمی**“ (اللہ وہ ہے جو نفوس کو ان کی موت کے وقت اٹھا لیتا ہے اور ان نفوس کو جو مرے نہیں ان کی نیند کی حالت میں اٹھا لیتا ہے پھر ان نفوس کو روک لیتا ہے جن کی موت کا حکم دے دیتا ہے اور دوسروں کو ایک مدت معینہ تک چھوڑ دیتا ہے)۔ ضروری طور پر ثابت ہو گیا کہ نفوس اجساد کے مغائر ہیں۔ نفوس ہی کو موت و خواب کے وقت اٹھا لیا جاتا ہے۔ پھر بیداری کے وقت واپس کر دیا جاتا ہے اور موت کے وقت روک لیا جاتا ہے۔ یہ اٹھانا اجساد کے لیے ہر اجسام کے لیے ہرگز نہیں۔ ہر صاحب حس سلیم یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ عرض کا اٹھایا جانا ناممکن ہے کہ وہ اپنے جسم حامل سے جدا ہو جائے اور اسی طرح (بغیر جسم کے) رہ جائے پھر اس کے بعض حصے کو روک لیا جائے اور بعض کو واپس کر دیا جائے یہ وہ امر ہے جو نہیں ہوتا۔ اور نہ جائز ہے اس لیے کہ عرض اپنے حامل سے زائل ہونے کے بعد باطل ہو جاتا ہے۔

ناممکن ہے کہ کوئی تھوڑی سی عقل سلیم والا بھی یہ گمان کرے کہ جو ہوا اندر آتی اور باہر جاتی ہے وہی نیند کے وقت اٹھائی جاتی ہے۔ یہ

کیوں کر ہوسکتا ہے حالانکہ وہ حالت خواب میں بھی اسی طرح باقی رہتی ہے جس طرح حالت بیداری میں ہوتی ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”**والملئکة باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الهون**“ (اور ملائکہ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہیں کہ اپنے نفوس نکالو۔ آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا) ناممکن ہے کہ ہوا یا عرض کو عذاب دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم و ذریتهم و اشهدهم علی انفسهم الست بربکم. قالو ابلی. شهدنا. ان تقولوا یوم القیمة انا کنا عن هذا غفلین**“ (اور جب کہ آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انھیں کے متعلق عہد لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کہ کیوں نہیں۔ ہم سب گواہ ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یہ نہ کہو سکو کہ ہم تو اس (ربوبیت) سے غافل و بے خبر تھے)۔

یہ آیت بالکل اشکال کو رفع کردیتی ہے۔ اور یہ واضح کرتی ہے کہ نفس جسد کے مغایر ہے۔ وہی مخاطب اور عاقل اور مکلّف ہے کوئی صاحب حس سلیم اس میں شک نہ کرے گا کہ اجساد جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا مٹی پانی ہوا اور آگ میں منتشر تھے۔ اور نص آیت اسی کی مقتضی ہے جو ہم نے کہا۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ اس میں نص ہے کہ شاھد بنانے کا واقعہ نفوس ہی پر واقع ہوا میں نہیں جانتا کہ کوئی نفس مسلم ان نصوص کے خلاف کیسے مطمئن ہوسکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہیں کہ آپ نے آسمان دنیا کے پاس شب معراج میں دیکھا کہ آدم علیہ السلام کے داہنے بائیں ان کی اولاد کی ارواح ہیں، اہل سعادت داہنی طرف اور اہل شقاوت بائیں طرف ہیں۔ یہ باطل ہے کہ اس مقام پر اعراض باقی ہوں۔ یا نسیم (ہوا) وہاں پر ہو۔ نسیم بھی ایک ہوا ہے جو ہوا میں آمدورفت کرتی رہتی ہے۔

ابوالہذیل و باقلانی اور ان دونوں کے مقلدین نے جو کچھ کہا ہے اگر یہ حق ہوتا تو انسان ہر ساعت میں دس لاکھ روحیں اور تین لاکھ سے زائد نفس بدلتا، اس لیے کہ ان کے نزدیک عرض دو وقتوں میں باقی نہیں رہتا بلکہ فنا ہو جاتا ہے اور ہمیشہ تازہ ہوتا رہتا ہے انکے قول کے مطابق ہر جی کی روح ہر ایک وقت میں اس روح کے مغایر ہے جو روح اس کے قبل تھی۔ اسی طرح ہر شخص یقین کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ ہوا جو سانس لینے سے اندر جاتی ہے پھر نکلتی ہے وہ اس ہوا کے غیر ہے جو دوسری مرتبہ اندر جاتی ہے پھر نکلتی ہے۔

اشعریہ کے قول کے مطابق انسان ہر ایک وقت میں بہت سے نفوس بدل ڈالتا ہے اس وقت اس کا جو نفس ہے وہ اس کے مغایر ہے جو ابھی تھا۔ یہ وہ حماقت ہے جو مخفی نہیں۔ دونوں فریق کا قول نص قرآن و حدیث و جماع و مشاہدے و معقول سے باطل ہوگیا۔ **والحمد لله رب العلمین**۔ باوجودیکہ یہ دونوں قول دلیل سے بالکل خالی ہیں۔ اور یہ صرف دعویٰ ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔

باقلانی نے ارواح شہدا اور روح آل فرعون کے لیے جو کچھ پیش آئے گا اس کے ذکر کے قریب تصریح کی ہے کہ یہ دو وجہ پر ہوسکتا ہے کہ عَرض حیات کو اجزائے جسم کے سب سے قلیل جز میں رکھ دیا جائے۔ بعض نے جنکو ہم نے دیکھا ہے یہ کہا ہے کہ حیات کو سرین کی ہڈی میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ہر ابن آدم کو مٹی کھا جاتی ہے مگر عجب ذنب (سرین کی ہڈی) کو اسی سے قیامت کے روز مخلوق کو بنایا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ پیدا کیا جائے گا اور اسی سے مرکب کیا جائے گا۔

یہ اس حدیث سے استدلال کرنے والے کی ملمع کاری ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں نہ نص ہے نہ دلیل ہے نہ ایسا اشارہ ہے جس سے یہ تاویل ممکن ہو کہ عجب ذنب (سرین کی ہڈی) زندہ کی جائے گی۔

حدیث میں صرف یہی ہے کہ عجب ذنب کو مٹی نہیں کھاتی۔ وہ جسد کی خلقت سے ہے۔ اور اسی سے مرکب کیا جائے گا۔ لہذا اس

قائل کی تمویہ (ملمع کاری) وضعف ظاہر ہوگیا۔ **والحمد لله رب العلمین۔**

باقلانی نے کہا ہے کہ اس زندگی کے لیے دوسرا جسم پیدا کیا جائے تو یہ نہ ہوگا۔ بغیر کسی دشواری کے یہی اہل تناسخ کا مذہب ہے۔ اس کے لیے اس نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مومن کی روح ایک چڑیا ہے جو جنت کے پھل کھاتی ہے اور عرش کے نیچے والی قندیلوں میں رہتی ہے بعض روایات میں ہے کہ وہ سبز چڑیوں کے پوٹوں میں ہیں۔ اس حدیث میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے معنی کہ وہ ایک طائر ہے جو جنت کے پھل کھاتا ہے'' اپنے ظاہر پر ہیں۔ نہ وہ کہ جاہلوں نے گمان کیے ہیں۔ آنحضرت علیہ السلام نے صرف یہ خبر دی ہے کہ مومن کی روح ایک طائر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جنت میں اڑتی ہے۔ نہ یہ کہ وہ چڑیوں کی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ''نسمہ'' (بہ معنی روح و جان) مؤنث ہے تو ہم کہیں گے ایک عرب سے ثابت ہے کہ اس نے کہا کہ '' **اتتک کتابی فاستخففت بها** '' (تمھارے پاس میرا خط آیا مگر تو نے اس کی توہین کی) اس سے کہا گیا کہ تم ''کتاب'' کو مونث بناتے ہو۔ اس نے کہا کہ کیا یہ صحیفہ نہیں ہے (جو مونث ہے)۔ اسی طرح ''نسمہ'' روح ہے لہذا اس کی وجہ سے اسے مذکر لایا جائے گا۔ وہ اضافہ جو اس حدیث میں ہے کہ ''وہ سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی'' یہ صفت ان ''قنادیل'' کی ہے جن میں وہ ارواح رہتی ہیں۔

دونوں حدیثیں ایک ہی حدیث ہیں۔ دونوں وجوہ فاسدہ سے بجز دعویٰ کاذبہ کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ جو بلا دلیل اور ہزل کے مشابہ ہے۔ یا بجز کفر خالص کے کچھ نہ ملا جو اہل تناسخ کے قول کی طرف رجوع کرنا ہے۔ بجز حدیث کو اس کے ظاہر سے بدلنے اور تحریف کے کچھ نہ پایا۔ **و نعوذ بالله من الخذلان لهذا** یہ دونوں قول باطل ہو گئے۔ **والحمد لله رب العلمین۔**

جو یہ کہتا ہے کہ نفس جوہر ہے نہ کہ جسم۔ اور یہ قول بعض متقدمین کا اور معمر اور اس کے اصحاب کا ہے تو ان لوگوں نے چند اقناعی اشیاء سے فریب دہی کی ہے۔ لہذا ان کا لانا اور رد کرنا واجب ہے کہ مخالف کے لیے بھی بطور انصاف کے برہان ظاہر ہو جائے۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق۔**

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہوتا تو اپنے پاؤں کے حرکت دینے والے کی تحریک میں اور اس کے حرکت دینے کے ارادے کے درمیان بہ قدر حرکت جسم و انتقال جسم زمانہ ضرور ہوتا۔ کیوں کہ نفس ہی جسد کا محرک اور اس کی حرکت کا مرید (ارادہ کرنے والا) ہے۔ پاؤں کا حرکت دینے والا اگر جسم ہی ہوتا تو دو میں سے ایک بات ضرور ہوتی۔ یا تو وہ انھیں اعضاء میں موجود ہوتا یا ان کے پاس آ گیا ہوتا۔ اگر وہ ان کے پاس آنے والا ہوتا تو مدت کا محتاج ہوتا اور ضرور ہوتا۔ اور اگر انھیں اعضاء میں موجود ہوتا تو ہم جس وقت اس پٹھے کو کاٹ ڈالتے جس سے حرکت ہوتی ہے تو اس عضو میں جو متحرک تھا ذرا سی بھی حرکت نہ رہتی۔ یہ محرک اگر اس عضو میں موجود ہے تو اس کا کوئی جزو اس عضو میں باقی ہے۔

اس کے کوئی معنی نہیں۔ اس لیے کہ نفس صرف تین میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں جس کے لیے کوئی چوتھی وجہ نہیں ہو سکتی کہ یا تو وہ تمام جسد کو باہر سے ڈھانکے ہوئے ہے مثلاً چادر۔ اور اندر سے تمام جسد کے اندر سمایا ہوا ہو۔ مثلاً وہ پانی جو مٹی کے ڈھیلے میں ہوتا ہے۔ یا وہ جسد کے کسی ایک ہی مکان میں ہو، اور وہ قلب یا دماغ ہے۔ اور اس کی قوتیں تمام جسد کے اندر پھیلی ہوئی ہوں۔ ان میں سے کوئی وجہ بھی ہو

اس کا بدن کے اس حصے کو حرکت دینا جس کو وہ حرکت دینا چاہتا ہے، یہ نفس کے اس فعل کے ارادے کے ساتھ ہی بغیر کسی زمانے کے ہو جائے گا، مثلاً نگاہ بہت دور جس چیز سے مل جاتی ہے وہ اس کا ادراک بغیر کسی زمانے کے کرتی ہے۔ جب پٹھا کاٹ دیا جائے تو نفس کا وہ جسم نہیں کٹتا جو اس عضو کے اندر سمایا ہوا ہے اگر وہ اندر سے تمام جسد کے اندر سمایا ہوا ہے یا باہر سے اسے ڈھانکے ہوئے ہے بلکہ وہ اس عضو سے فوراً جدا ہو جاتا ہے جس کی حس باطل ہو جاتی ہے اور بغیر کسی زمانے کے اس سے جدا ہو جاتا ہے نفس کی اس عضو سے جدائی اسی طرح ہوتی ہے جس طرح ہوا کی جدائی اس برتن سے ہوتی ہے کہ پانی سے بھرے جاتے ہیں۔ اگر نفس بدن کے کسی ایک مقام میں ساکن ہے تو اس قسم پر یہ لازم نہیں آتا کہ عضو مقطوع سے مسلوب ہو جائے بلکہ اس وقت نفس کا تحریک اعضا کا فعل ایسا ہی ہو گا جس طرح سنگ مقناطیس کا فعل لوہے میں بغیر کسی زمانے کے ہوتا ہے اگرچہ وہ اس سے ملا ہوا نہیں ہوتا لہذا یہ الزام فاسد بھی باطل ہو گیا۔ **والحمد لله رب العلمین۔**

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہوتا تو لازم تھا کہ ہمیں اس کے بعض یا کل کا علم ہوتا۔

اس سوال کی تقسیم ہی فاسد ہے بتوفیق الٰہی جواب یہ ہے کہ وہ اپنے کل یا اپنے بعض ہی سے جانا جاتا ہے اس لیے کہ ہر بسیط جو مختلف طبائع سے مرکب نہ ہو وہ ایک ہی طبیعت ہے جو ایک ہی طبیعت ہو تو اس کی قوت اس کے تمام ابعاض و افراد میں اور اس کے بعض افراد و ابعاض میں برابر ہے۔ مثلاً آگ کہ اس کا کل بھی جلاتا ہے اور بعض بھی۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم پر اس سوال کے ذریعے سے اعتراض کی کیا وجہ ہے نہ یہ جانتے ہیں کہ اس سے اس امر پر کہ وہ جسم نہیں ہے ان کے استدلال کی کیا صورت ہے، اگر اسی کو ان کے اس دعوے کے باطل کرنے میں کہ "وہ جوہر ہے نہ کہ جسم" انھیں پر عکس کر دیا جائے تو انکے اور ان سے اس کے متعلق سوال کرنے والے کے درمیان کوئی فرق بالکل نہ ہو گا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جسم کی شان یہ ہے کہ جب تم اس پر کوئی اور جسم زائد کرو تو اس سے اس کی مقدار و وزن میں اضافہ ہو جائے گا اگر نفس جسم ہوتا پھر اس میں جسم ظاہر داخل ہو جاتا تو ضرور لازم تھا کہ اس وقت جسد اس سے بھاری ہو جاتا جتنا کہ وہ بغیر نفس کے تھا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسد کو جب نفس چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس سے زیادہ بھاری ہو جاتا ہے جتنا کہ وہ اس وقت تھا جب کہ نفس اس میں تھا۔

یہ شور فاسد اور مقدمہ باطلہ کاذبہ ہے۔ اس لیے کہ ہر جسم ایسا نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے بیان کیا کہ جب اس پر کوئی اور جسم بڑھایا جائے تو وہ اس سے زیادہ بھاری ہو جائے جتنا کہ پہلے تھا یہ صرف انھیں اجسام کو پیش آتا ہے جو مرکز و وسط کے طالب ہیں یعنی وہ اجسام جن کی طبیعت میں یہ ہے کہ وہ سفل (نیچے) کی طرف حرکت کرتے ہیں اور تہ نشین ہو جاتے ہیں اور یہ مائی (آبی) وارضی (خاکی) ہوتے ہیں جو اجسام اپنی طبیعت سے علو و بلندی کی طرف حرکت کرتے ہیں یہ ان میں پیش نہیں آتا۔ بلکہ معاملہ اس کی ضد ہوتا ہے۔ جب اس کا جسم کسی ثقیل جسم سے ملایا جائے تو یہ اسے بھی ہلکا کر دے گا۔ کیوں کہ تم دیکھتے ہو کہ اگر تم بیل یا اونٹ کی کھال کی مشک میں ہوا بھر دو۔ اگر یہ ممکن ہو۔ یہاں تک کہ اس میں ہوا بھر جائے پھر تم اسے وزن کرو تو اس کے وزن میں ہرگز اس وزن سے کوئی اضافہ نہ ملے گا جو اس وقت تھا جب کہ وہ خیالی تھی۔ اسی طرح مشکیں ہیں کہ اوپر چڑھائی جائیں، چاہے سوسن کی پتی ہی کیوں نہ ہو اور اس میں ہوا بھری ہوئی ہو۔ ہم اس جسم عظیم کی یہ کیفیت پاتے ہیں کہ جب تم اسے دوسرے ثقیل جسم سے ملا دو تو وہ اسے بے حد خفیف کر دے گا۔ اگر تم ایسی مشک کو جس میں ہوا نہ بھری ہو پانی میں ڈال دو تو ضرور بیٹھ جائے گی۔

جب تم اس میں ہوا بھر دو اور اسے ڈال دو تو وہ خفیف ہو جائے گی، تیرے گی، اور نہ بیٹھے گی۔ اسی طرح اسے تیرنے والے استعمال

کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ انھیں پانی سے اٹھائے رہتی ہے اور تہ میں بیٹھنے سے روکتی ہے اسی طرح جسد کے ساتھ نفس بھی ہے اور یہ ایک ہی باب کلی ہے اس لیے کہ نفس جسم علوی فلکی ہے کہ ہوا سے بھی خفیف اور اسے زیادہ طالب علو و بلندی ہے، جب وہ جسد کے اندر ہوتا ہے اسے سبک کر دیتا ہے۔ لہذا ان کی ملمع کاری باطل ہوگئی۔ **والحمد لله رب العلمين**۔

ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہوتا تو ضرور وہ صاحب خاصیت ہوتا۔ خفیف یا ثقیل ہوتا۔ حار یا بارد ہوتا۔ نرم یا سخت ہوتا (جو اجسام کی خاصیت ہے)۔

ہاں وہ خفیف اور نہایت خفیف ہے وہ ذاکر عاقل ممیز وحی ہے۔ یہ اس کے خواص ہیں اور یہی اس کے وہ حدود ہیں جن سے بقیہ ان اجسام سے جدا ہے کہ اپنے ان اعراض یعنی فضائل یا رذائل سے کہ ان کے اندر محمول اور سمائی ہوئی ہیں، مرکب ہیں۔ لیکن گرمی۔ خشکی۔ سردی۔ تری۔ نرمی اور سختی یہ صرف ان اجرام (اجسام) کے عناصر کے خاص اعراض ہیں جو فلک کے علاوہ ہیں۔ یہ اعراض نفس کے اندر لذت یا الم کا اثر پیدا کرنے والے ہیں نفس ان کیفیات سے اثر پذیر ہوتا ہے اور یہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ جسم ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو اجسام ہوتے ہیں ان کی کیفیات ضرور محسوس ہوتی ہیں جس کی کیفیات محسوس نہ ہوں وہ جسم نہیں۔ نفس کی کیفیات صرف فضائل ورذائل ہیں۔ اور کیفیات کی یہ دونوں جنسیں محسوس نہیں ہیں۔ لہذا نفس جسم نہیں ہے۔

یہ شور بھی فاسد اور مقدمہ کاذبہ ہے اس لیے کہ یہ کہنا کہ جس کی کیفیات محسوس نہ ہوں وہ جسم نہیں۔ ایک جھوٹا دعویٰ ہے جس پر ہرگز کوئی برہان نہیں نہ حسی نہ عقلی اور جو ایسا ہو وہ قول ساقط ہے کہ اس قسم کے قول سے کوئی بھی عاجز نہیں۔ ہم اللہ کی مدد سے برہان ضروری وحسی سے اس دعوے کو باطل کیے بغیر محض اسی پر قناعت نہ کریں گے۔

برہان یہ ہے کہ فلک جسم ہے اور اس کی کیفیات غیر محسوس ہیں جو لاجوردی رنگ ظاہر ہے وہ محض اس چیز میں بعض عناصر کی آمیزش سے جو فلک کے نیچے ہیں۔ اور خط بصر کے اس پر پڑنے سے پیدا ہو گیا ہے۔ برہان یہ ہے کہ یہ رنگ ان عوارض کے بدلنے سے جو اس رنگ کو پیدا کرتے ہیں بدل جاتا ہے تم اسے کبھی صاف رنگ کا سفید دیکھو گے، کبھی تمھیں اس میں صاف سرخی نظر آئے گی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ انکا قول محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے **و بالله تعالىٰ التوفيق**۔

جس پر حواس کے واقع ہونے میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ ایک جسم وہ ہے جس کے رنگ بو اور مزے کا ادراک ہوتا ہے۔ ایک جسم وہ ہے جو صرف چھونے ہی سے ادراک کیا جاتا ہے مثلاً ہوا۔ اور اسی ذیل میں آگ ہے اس کے عنصر پر کسی طور پر بھی کوئی حاسہ واقع نہیں ہوتا حالانکہ یہ (آگ) ایک جسم ہے جس کی مساحت (پیمائش) بہت بڑی ہے جو پوری ہوا کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے یہ لازم آیا کہ جسم جس قدر لطافت وصفائی میں بڑھے گا اس پر حواس کا گذر نہ ہوگا۔ اور یہی حکم نفس اور غیر نفس کا ہے۔ اس کا اکثر نفس کو احساس ہوتا ہے حس صرف نفس کے لیے ہے اور حساس بھی صرف نفس ہی ہے۔ نفس حساس ہے اور محسوس نہیں ہے۔ یہ ہرگز واجب نہیں، نہ عقل سے نہ حس سے، کہ ہر حساس محسوس ہوا کرے۔ لہذا ان کا قول بالکل ساقط ہو گیا **والحمد لله رب العلمين**۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہر جسم اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ تمام حواس کے تحت میں واقع ہو یا بعض حواس کے تحت میں۔ نفس نہ کل حواس کے تحت میں واقع ہے نہ بعض حواس کے تحت میں۔ لہذا نفس جسم نہیں ہے۔

یہ مقدمہ فاسد ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، اس لیے کہ جن اجسام میں لون (رنگ) نہیں ہے اس کا ادراک بصر سے نہیں ہوسکتا

مثلاً ہوا۔ اور اپنے عنصر میں آگ۔ اور جس میں بو نہ ہو اس کا شم (سونگھنے) سے ادراک نہیں ہوتا۔ مثلاً ہوا اور آگ اور سنگریزے اور شیشہ وغیرہ۔ جس میں مزہ نہ ہو اس کا ادراک ذوق (چکھنے) سے نہیں ہوتا۔ مثلاً ہوا آگ سنگریزے اور شیشہ۔ جس میں چھونے کی گنجائش نہ ہو وہ چھونے سے نہیں محسوس ہوتا، مثلاً ٹھہری ہوئی ہوا۔ نفس میں نہ رنگ ہے نہ مزہ نہ بو نہ چھونے کی گنجائش اس لیے کہ اس کا ادراک حواس میں سے کسی سے نہیں ہوسکتا۔ وہ خود ہی ان تمام مدرکات ومحسوسات کا ادراک کرنے والا اور ان تمام محسوسات کا حساس ہے خود محسوس نہیں ہوتا۔ اسے اس کے آثار وعلامات اور براہین عقلیہ سے پہچانا جاتا ہے بقیہ تمام اجسام واعراض محسوس ہیں نہ کہ حساس۔ اور تمام محسوسات کے لیے ایک حساس کا ہونا ضروری ہے سوائے نفس کے ان کا کوئی حساس نہیں ہے یہی ہے جو اپنے آپ کو اور اپنے غیر کو جانتا ہے یہی ہے جو ان اعراض یعنی فضائل ورذائل کو عقل سے قبول کرتا ہے کہ اس پر آگے پیچھے گذرتی ہیں اور عقل سے معلوم ہوتی ہیں جس طرح تمام اجرام عقل ونفس سے ان اعراض کو قبول کرتے ہیں کہ ان پر آگے پیچھے گذرتی ہیں۔ یہ اپنے اختیار سے متحرک اور بقیہ اجسام کا محرک ہے۔ یہ ان میں اثر کرتا ہے یہ اذیت ولذت پاتا ہے اور خوش ورنجیدہ ہوتا ہے۔ ناراض وراضی ہوتا ہے۔ جانتا اور انجان ہوتا ہے۔ پسند وناپسند کرتا ہے۔ بھولتا اور یاد کرتا ہے۔ منتقل ہوتا اور حلول کرتا ہے۔ لہذا ان لوگوں کا یہ قول باطل ہوگیا کہ ہر جسم کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام یا بعض حواس کے تحت میں واقع ہو اس لیے کہ یہ وہ دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور جو دعویٰ دلیل سے خالی ہو وہ باطل ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہر جسم کو لامحالہ طول عرض عمق سطح شکل کم وکیف لازم ہے اگر نفس جسم ہے تو ضروری ہے کہ یا تمام یا ان میں سے بعض کیفیات نفس میں ہوں۔ ان دو میں سے جو جہ بھی ہو وہ اس وقت ان کیفیات سے گھرا ہوا ہوگا اور اس کا تمام یا بعض حصہ حواس سے ادراک کیا جاسکے گا۔ ہم نہیں دیکھتے کہ نفس کا ادراک کیا جاسکے۔ لہذا وہ جسم نہیں ہے۔

یہ سب صحیح ہے اور یہ سچے واقعات ہیں بجز ایک واقعے کے جو سچا نہیں ہے اور وہ ان کا یہ کہنا کہ نفس کا تمام یا بعض حصہ حواس سے ادراک کیا جاسکے گا۔ یہ ضعیف وباطل ہے بلا دلیل ہے بقیہ صحیح ہے یہ قضیہ فاسد جھوٹا دعویٰ ہے باوجود اس کے ایسی دلیل سے خالی ہونے کے کہ اس کو صحیح ثابت کرے، ہم ابھی ابھی پہلے ہی اسے فاسد کرچکے ہیں ہاں نفس جسم ہے طویل عریض عمیق ہے سطح وخط وشکل ومساحت وکیفیت والا ہے۔ گھرا ہوا اور احاطہ کے اندر ہے۔ صاحب مکان وزماں ہے اس لیے کہ یہی جسم کے خواص ہیں اور ضروری ہیں اس بے حیا سے تعجب ہے جو اس کے ساتھ مداخلت کرکے مدعی ہو کہ نفس حواس سے ادراک کیا جائے گا یہ عین باطل ہے اس لیے کہ حاسۂ بصر حاسۂ سمع وحاسہ ذوق وحاسۂ لمس وحاسۂ شم میں سے ایک بھی طول عرض عمق پر سطح شکل مساحت پر، کیفیت وخط پر واقع نہیں ہوتا حائۂ بصر صرف لون پر واقع ہوتا ہے۔

اگر اشیائے مذکور میں سے کسی میں رنگ ہو تو اس پر حاسۂ بصر واقع ہوتا ہے اور اس لون ورنگین کو لون کے توسط سے جانا جاتا ہے ورنہ نہیں۔

حائۂ سمع صرف آواز سنتا ہے اشیائے مذکورہ میں سے اگر کسی شے میں آواز پیدا ہو تو اس وقت اس پر حاسۂ سمع واقع ہوگا۔ آواز والی چیز اس کے توسط سے محسوس ہوگی ورنہ نہیں حائۂ شم صرف بو پر واقع ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا اشیا میں سے اگر کسی میں بو ہے تو اس وقت اس پر حاسۂ شم واقع ہوگا اور بو والی چیز بو کے واسطے سے جانا جائے گا ورنہ نہیں۔ اگر مذکورہ بالا اشیا میں سے کسی شے کے لیے مزہ ہے تو اس وقت اس پر حاسہ ذوق واقع ہوگا اور ذائقے والی چیز کو مزے کے توسط سے جانا جائے گا ورنہ نہیں۔ اگر مذکورہ بالا اشیا میں سے کسی شے میں چھونے کی گنجائش ہے تو اس وقت اس پر حاسہ لمس واقع ہوگا اور چھونے کے قابل چیز کو چھونے کے ذریعے سے جانا جائے گا ورنہ نہیں۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جسم کا خاصہ ہے کہ وہ تجزیہ وتقسیم کو قبول کرتا ہے (یعنی اس کے حصے چھوٹے سے چھوٹے ہوسکتے ہیں) اور

جب اسے تقسیم کیا جائے تو اس سے صغیر وکبیر جزو نکلیں۔ اور جزو صغیر جزو کبیر کے مثل نہ ہو۔ اس وقت دو میں سے ایک امر سے خالی نہیں کہ یا تو اس کا ہر جزو نفس ہو، اس سے یہ لازم آئے گا کہ نفس ایک نفس نہ ہو بلکہ اس وقت بہت سے نفوس ہوں گے جو نفوس سے مرکب ہوں گے۔ یا یہ کہ اس کا ہر جزو ایک نفس ہو تو لازم آئے گا کہ اس کا کل نفس نہ ہو۔

یہ قول کہ خاصہ جسم کا یہ ہے کہ وہ تجزیے کو برداشت کرتا ہے یہ سچ ہے۔ نفس بھی تجزیے کو برداشت کرتا ہے اس لیے کہ اجسام میں سے وہ بھی جسم ہے، لیکن یہ کہنا کہ جزو صغیر مثل جزو کبیر کے نہیں ہے اگر اس سے وہ مساحت مراد لیتے ہیں تو ہاں۔ لیکن اس کے ماسوا میں نہیں۔

یہ کہنا کہ اگر نفس کا تجزیہ کیا جائے تو یا تو اس کا ہر جزو ایک نفس ہوگا اور ان کا اس سے یہ لازم کرنا کہ نفس متعدد نفوس سے مرکب ہو جائے گا، اس مسئلے میں قول صحیح یہ ہے کہ نفس میں بالقوۃ تجزیے کا احتمال ہے اگر چہ بالفعل اس کے تقسیم ہو جانے سے تجزیہ موجود نہیں۔ یہی قول فلک وکواکب میں ہے کہ ان سب میں بالقوۃ تجزیے کا احتمال ہے اور بالفعل ان میں سے کسی میں تجزیہ موجود نہیں۔ یہ کہنا کہ وہ نفوس سے مرکب ہوگا۔ یہ شور فاسد ہے۔ اس لیے کہ ہم متعدد بار پہلے بیان کر چکے ہیں کہ معانی مختلف ومسمیات متغایرہ میں سے ہر ایک پر جداگانہ نام واقع کرنا ضروری ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اپنے غیر سے ممتاز ہو جائے۔ ورنہ اشکال واقع ہوگا اور آپس کا سمجھنا سمجھانا باطل ہو جائے گا۔ ہم سوفسطائیہ کے قول کی طرف پھر جائیں گے جو تمام حقائق کو باطل کرتے ہیں۔

عالم کو ہم دو قسموں میں منقسم پاتے ہیں۔ ایک قسم تو یہ ہے کہ وہ طبائع مختلف سے مرکب ہے۔ ہم نے اس پر اصطلاح مقرر کر لی کہ اس قسم کا نام مرکب رکھ دیا۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں ایک ہی طبیعت ہے ہم نے اس پر یہ اصطلاح مقرر کر لی کہ اس قسم کا نام بسیط رکھ دیا۔ کہ ان دونوں قسموں کے درمیان کا فرق آپس میں سمجھ میں آ سکے۔

قسم اول کی یہ کیفیت پائی کہ اس کے اجزا کے کسی جزو پر اس کے کل کا نام واقع نہیں ہوتا۔ انسان جزئی جو اعضا سے مرکب ہے ان اعضا میں سے کسی جزو کو انسان نہیں کہتے۔ مثلاً آنکھ ناک ہاتھ اور بقیہ وہ تمام اعضائے انسان کہ ان میں سے جداگانہ کسی عضو کو انسان نہیں کہا جاتا۔ جب یہ مرکب ہو تو ان اعضا سے مرکب کو انسان کہا جائے گا۔

قسم ثانی کی یہ کیفیت پاتے ہیں کہ اس کے اجزائے ہر جزو پر اس کے کل کا نام واقع ہوتا ہے۔ مثلاً زمین، پانی، ہوا، آگ اور فلک، آگ کا ہر جزو آگ ہے، پانی کا ہر جزو پانی ہے ہوا کا ہر جزو ہوا ہے فلک کا ہر جزو فلک ہے اور نفس کا ہر جزو نفس ہے۔ یہ اس امر کا موجب نہیں کہ زمین کئی زمینوں سے مرکب ہو ہوا کئی ہواؤں سے مرکب ہو، فلک کئی افلاک سے مرکب ہو، اور نفس کئی نفوس سے مرکب ہو۔ یہاں تک کہ اگر اس کو اس معنی میں کہا جائے کہ نفس کا ہر جزو نفس کہلائے گا، فلک کا ہر جزو فلک کہلائے گا تو یہ نہ ہوگا کہ اس میں وہ چیز ہو جس سے یہ اعتراض کیا جائے یہ بھی مثل اور اجسام کے جن کا ہم نے ذکر کیا، ایک جسم ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ذات جسم کی طبیعت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ متحرک نہ ہو۔ اور نفس متحرک ہے۔ اگر یہ حرکت جو اس میں ہے باری تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ہم اسکی خراب وفاسد حرکات بھی پاتے ہیں جو باری تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب ہو سکتی ہیں۔

یہ قول انتہائی فاسد واحمقانہ ہے۔ جو شخص علم سے تعلق رکھتا ہے اسے مناسب یہ تھا کہ ان اعتراضات کے غیر معتبر وبیہودہ ہونے کی مقدار کو جانتا اور ان رذیل اعتراضات سے اپنے آپ کو بچاتا۔ بہتر یہ تھا کہ کلام کرنے سے پہلے علم حاصل کرتا۔

یہ کہنا کہ ذات جسم کی طبیعت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ متحرک ہو۔ یہ قول کھلا ہوا جھوٹ اور مشاہدے کی مخالفت ہے اس لیے کہ افلاک

وہ کواکب کے اجسام ہیں انکی طبیعت میں مسلسل ودائمی حرکت ہے جس کو انکا خالق ہی قیامت میں بدلے گا فلک کے نیچے عناصر کے بھی اجسام ہیں ان کی طبیعت بھی اپنے مقام قرار تک اور مقام قرار میں حرکت کرنا ہے۔ نفس چونکہ حی ہے اس لیے اس کی طبیعت سکون اختیاری اور وقتاً فوقتاً حرکت اختیاری ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے کوئی صاحب ذوق ناواقف نہیں۔

یہ کہنا کہ نفس کی خراب حرکات ہیں، وہ کیسے باری تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاسکتی ہیں۔ تو نفس کی صرف بعض حرکات خراب ہوتی ہیں۔ جن میں وہ باری تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے، وہ حرکات بھی اس لیے باری تعالیٰ کی طرف منسوب کی گئی ہیں کہ ہمارے قول کے مطابق اسی نے انھیں پیدا کیا ہے یا اس لیے منسوب ہیں کہ اس نے ان قویٰ کو پیدا کیا ہے۔ جن سے وہ حرکات وجود میں آئیں۔ لہٰذا ان کا یہ الزام فاسد بھی ساقط ہوگیا۔ **والحمد لله رب العلمين۔**

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اجسام کی طبیعت میں ہمیشہ بلا کسی حدو غایت کے استحالہ (ایک شے کا دوسری شے بن جانا مثلاً ہوا سے پانی اور پانی سے ہوا وغیرہ) اور تغیر اور احتمال انقسام و تجزیہ ہے۔ اجسام میں سے روکے تھامے۔ اس کی حفاظت کرے اور اسی کے سبب سے رکا رہے۔ ان سب کا فاعل نفس ہے۔ اگر نفس بھی جسم ہو تو وہ بھی ایسے شخص کا محتاج ہوگا جو اسے باندھے اور رکھ لے۔ اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ ایک دوسرے نفس کا محتاج ہو اور وہ دوسرے کا اور دوسرا بھی اسی طرح اس کا جس کا کوئی حد و انتہا نہ ہو۔ اور جس کا حد و انتہا نہ ہو وہ باطل ہے۔

ان کے جتنے فریب آمیز قول گذر گئے ان میں یہ قول سب سے زیادہ فاسد ہے۔ اس لیے کہ اس کا مقدمہ کھوٹا جھوٹا اور فاسد ہے۔ علی الاطلاق یہ کہنا کہ اجسام کی طبیعت میں استحالہ و تغیر ہے۔ اس لیے کہ فلک بھی جسم ہے اور وہ استحالے کو قبول نہیں کرتا استحالہ و تغیر صرف ان اجسام میں واجب ہوتا ہے جو مختلف طبائع سے مرکب ہیں وہ بھی اس وقت جب یہ اپنی کیفیات ترک کر دیتے ہیں دوسری کیفیات اختیار کر لیتے ہیں اور یہ انھیں ترک کر کے ان کے عناصر میں مل جاتے ہیں اور اسی طرح ایک مدت تک ہوتا رہتا ہے۔ یہ اس طرح بھی رہتے ہیں کہ ان میں استحالہ نہیں ہوتا اور نہ کیفیات کا انفکاک ہوتا ہے۔ نفس بھی اپنے اعراض میں استحالہ و تغیر کو قبول کرتا ہے۔ یہ علم سے جہل کی طرف مستحیل و متغیر ہو جاتا ہے جہل سے علم کی طرف حرص سے قناعت کی طرف بخل سے سخاوت کی طرف رحمدلی سے سنگدلی کی طرف، اور لذت سے الم کی طرف۔ یہ سب موجود و محسوس ہے۔ نفس کا اپنی ذات میں مستحیل ہونا کہ وہ نفس ہی نہ رہے۔ تو یہ نہیں ہوتا۔ یہ ستارہ جسم ہی ہے۔ اور غیر ستارہ نہیں ہوتا۔ اور یہ فلک غیر فلک نہیں ہوتا۔

یہ کہنا کہ اجسام ایسی چیز کے محتاج ہیں جو انھیں سنبھالے، باندھے اور روکے تو یہ صحیح ہے مگر یہ کہنا کہ نفس ہی ان امور کا فاعل ہے یہ جھوٹ ہے اور ایسا دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں نہ اقناعی نہ برہانی۔ یہ ایک فریب دینے والے کی ملمع کاری ہے کہ اہل غفلت پر اسکا باطل چل جائے اور ایسا ہی دہریہ کا قول ہے۔ حالانکہ نفس بھی منجملہ اجسام ہے جو ایسی چیز کا محتاج ہے کہ اسے روکے، سنبھالے اور قائم رکھے۔ اس کی یہ حاجت ایسی ہی ہے جیسی تمام اجسام عالم کی اور کوئی فرق نہیں۔

نفس میں اور بقیہ تمام اجسام میں ان امور کا فاعل، اجسام کا روکنے والا، ان سب کی حفاظت کرنے والا اور جن میں استحالہ ہوتا ہے انھیں بدلنے والا وہی ہے جو نفس کا اور عالم کی ہر شے کا خواہ وہ جسم ہو یا عرض پیدا کرنے والا اور ان سب کو مکمل کرنے والا ہے وہی اللہ ہے جو خالق و باری (پیدا کرنے والا) اور مصور (صورت بنانے والا) ہے۔ اس نے بعض کو ان طبائع کے ذریعے سے روکا جن کو ان کے اندر پیدا

کر دیا ہے ان میں تصرف کیا ہے، اور انھیں جو کچھ ان کی طبیعت میں ہے اس کا پابند کر دیا ہے۔ بعض کو ظاہری رباطات کے ذریعے سے روکا ہے مثلاً پٹھے رگیں۔ اور کھالیں۔ کہ ان میں سے کسی شے کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی فاعل نہیں ہے۔ ہم ان تمام امور پر اپنی اسی کتاب کے شروع میں پہلے ہی براہین پیش کر چکے ہیں جس نے ہمیں اعادہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ **والحمد لله رب العلمين** ۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہر جسم یا تو صاحب نفس ہے یا صاحب نفس نہیں ہے۔ اگر نفس بھی جسم ہے تو وہ بھی صاحب نفس ہوگا یا صاحب نفس نہ ہوگا۔ اگر وہ صاحب نفس نہیں ہے تو یہ غلط ہے اس لیے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نفس لانفس ہو جائے۔ اور اگر وہ صاحب نفس ہے۔ تو وہ بھی ایک نفس کا محتاج ہوا۔ اور وہ نفس دوسرے کا اور دوسرے تیسرے کا۔ اور یہ ایسی چیز کو لازم کرتا ہے جس کی نہایت نہ ہو۔ اور جس کی نہایت نہ ہو وہ باطل ہے۔

یہ مقدمہ صحیح ہے جس پر انھوں نے نتیجہ فاسد ملا دیا ہے وہ نتیجہ اس مقدمے سے پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کہنا کہ ہر نفس یا تو صاحب نفس ہے یا غیر صاحب نفس۔ یہ صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ نفس اگر غیر صاحب نفس ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ نفس لانفس ہو۔ یہ بیہودہ اور فاسد شور ہے جو لازم نہیں آتا۔

اس کلام کے معنی کہ ''جسم صاحب نفس ہے'' یہی ہیں کہ بعض اجسام ایسے ہیں جن کی طرف وہ نفس حی منسوب ہے جو حساس متحرک بالارادہ۔ اور اس جسم کی تدبیر کرنے والا ہے جس کی طرف یہ نفس منسوب ہے اس قول کے معنی کہ ''یہ جسم غیر صاحب نفس ہے'' صرف یہی ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی نفس شامل و منسوب نہیں ہے۔ وہ نفس حی جو متحرک و مدبر ہے وہ کسی ایسے جسم کا محتاج نہیں جو اس نفس کا مدبر و محرک ہو۔ یہ لازم نہیں آیا کہ وہ کسی نفس کا محتاج ہو۔ اور نہ یہ لازم آیا کہ وہ نفس ہی نہ رہے۔ اس کہنے میں ان میں اور اس شخص میں کوئی فرق نہیں جو یہ کہے کہ جسم ایک جسم کا محتاج ہے جیسا کہ انھوں نے کہا کہ لازم ہے کہ نفس ایک نفس کا محتاج ہو، یا یہ کہے کہ واجب ہے کہ جسم لاجسم ہے۔ جیسا کہ انھوں نے کہا کہ واجب ہے کہ نفس لانفس ہو۔ حالانکہ یہ سب حماقت و نادانی ہے۔ **والحمد لله رب العلمين**۔

انھوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہوتا تو ضرور جسم نفس ہوتا۔

یہ جہالت میں انتہائی تاریک اور حد سے زیادہ ہے اگر اس جنون کا قائل حدود و تعریفات علم کلام سے پورے طور پر واقف ہوتا تو اس جہالت کو نہ لاتا۔ اس لیے کہ موجبہ کلیہ کا عکس صرف موجبہ جزیہ ہی ہوتا ہے نہ کہ موجبہ کلیہ۔ ان کا یہ کلام اس مرتبے میں ہے کہ کوئی یہ کہے کہ جب انسان جسم ہے تو واجب ہے کہ جسم انسان ہو۔ جب کتا جسم ہے تو واجب ہے کہ جسم کتا ہو۔ یہ انتہائی حماقت و بے شرمی ہے۔ اس مسئلے میں صحیح قول یہ ہے کہ جب نفس جسم ہے تو بعض اجسام ضرور نفس ہوں گے۔ اور جب کلب جسم ہے تو واجب ہے کہ بعض اجسام کلب ہوں۔ یہی وہ عکس صحیح ہے جو صحیح طور پر شائع و جاری ہے۔ **وبالله تعالیٰ التوفيق**۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہے تو وہ اجسام کا بعض ہے اور جب ایسا ہے تو اجسام کی کلیت مساحت کے اعتبار سے نفس سے بڑی ہوگی اور واجب ہوگا کہ وہ نفس سے اشرف و افضل ہو۔

بے حیا و بے عقل اس کی بھی پروا نہیں کرتا کہ اس کی زبان سے کیا نکل رہا ہے۔ یہ قضیہ انتہائی حماقت میں ہے کیوں کہ اس کا موجب ہے کہ شرف صرف اجسام کی بڑائی اور پیائش کی کثرت سے ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ قضیہ ایک مصیبت ہوتا گدھا اور خچر اور پاخانے کا ڈھیر (معاذ اللہ) نبی و فیلسوف سے اشرف ہوتا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اس انسان سے پیائش میں بڑا ہے حشفے کی وہ کھال جو ختنہ میں کاٹی

جاتی ہے، آنکھ کے اندر کی سب سے چھوٹی پتلی سے اشرف ہوتی۔ سرین قلب وجگر ودماغ سے افضل ہوتا۔ پتھر کی سل موتی سے افضل ہوتی۔ ایسے علم پر تف ہے جو اس قسم کی باتوں تک پہنچادے۔ ہاں بہت سے اجسام باعتبار مساحت کے نفس سے بڑے ہیں اور یہ اس امر کا موجب نہیں کہ وہ نفس سے اشرف ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ نفس جو رذیل ہو اور ان امور کی طرف رخ نہ کرتا ہو جنھیں عقل وتمیز نے واجب کیا ہے اور اپنے رب کی طاعت سے منہ پھیر کر کفر کی طرف رجوع کرتا ہو، ایسے نفس سے عالم کی ہر شے اشرف ہے **و نعوذ باللہ من الخذلان**۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم کے ساتھ ایک دوسرا جسم ہے تو جسم نفس اور ایک دوسری شے ہوا، جب ایسا ہوا تو جسم زیادہ مکمل ہوا۔ اور جب زیادہ مکمل ہوا تو وہ اشرف ہوا۔

یہ وہی جنون ہے جو دہرایا گیا ہے اس لیے کہ کثرت عدد فضل وشرف کو واجب نہیں کرتی۔ نہ لفظ کے عموم سے شرف واجب ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی اقل واخص ہی اشرف ہوتا ہے۔ جو انھوں نے کہا ہے ایسا ہی ہوتا تو یہ لازم آتا کہ کل اخلاق صرف فضائل سے افضل ہوں۔ اس لیے کہ اخلاق تو فضائل اور دوسری شے (یعنی رذائل وغیرہ) ہیں یہ اتم واکمل ہوئے۔ تو یہ کل اخلاق ان کے اس بیہودہ قیاس پر اشرف ہوئے۔ حالانکہ کوئی صاحب عقل اس کا قائل نہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ نفس جوہر ہے۔ اور جوہر نفس وجسم ہے۔ لہذا جوہر نفس سے افضل ہوا، اس لیے کہ وہ نفس اور شے دیگر ہے یہ بھی کہا ہے کہ حی نامی (بڑھنے والا) کے تحت میں واقع ہے تو انھیں لازم آتا ہے کہ نامی حی سے افضل ہو اس لیے کہ وہ حی اور شے دیگر ہے اور یہ بدحواسی وحماقت ہے۔ ہم وسوسے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ جسم غذا حاصل کرتا ہے اور نفس غذا نہیں حاصل کرتا لہذا وہ جسم نہ ہوا۔

یہ احمق جب ان حماقتوں میں مشغول ہوئے تو گویا نشہ میں تھے۔ بلکہ جہل وحماقت کا نشہ شراب کے نشہ سے بڑھا ہوا ہے۔ کیوں کہ شراب کے نشہ کو تو جلد افاقہ ہو جاتا ہے اور جہل وحماقت کا نشہ بہت دیر میں زائل ہوتا ہے، تم سمجھتے ہو کہ جب انھوں نے یہ کہا کہ ہر جسم غذا حاصل کرتا ہے تو کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ پانی زمین ہوا ستارے اور فلک یہ سب کے سب بہت بڑے بڑے اجسام ہیں جو غذا حاصل نہیں کرتے۔ صرف اجسام نامیہ (نباتات وحیوانات) غذا حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ ان حیوانات کے اجسام ہیں جو پانی اور زمین میں رہتے ہیں اور اشجار اور نباتات میں مقیم ہیں۔

ان احمقوں کے نزدیک جو غذا حاصل نہیں کرتا وہ جسم نہیں۔ تو زمین۔ پتھر، ستارے، فلک اور ملائکہ یہ سب جسم نہ ہوئے۔ جنون وغلطی کے لیے یہی کافی ہے۔ اور ہم اپنے محفوظ رہنے پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہوتا تو اس کے لیے حرکت ہوتی۔ اس لیے کہ ہر جسم کے لیے حرکت ہوتی ہے، اور ہم نفس کے لیے حرکت نہیں دیکھتے۔ لہذا اس کا جسم ہونا باطل ہو گیا۔

یہ ایک جھوٹا دعویٰ ہے اور انھوں نے اس میں تناقض بھی اختیار کیا ہے اس لیے کہ ان لوگوں نے اس سے تقریبا ایک ورق قبل اپنے بعض دلائل میں کہا ہے کہ اجسام غیر متحرک اور نفس متحرک ہے یہاں انھوں نے واقعے کو بدل دیا۔ جس سے ان کا جہل اور ان کی عقول کا ضعف ظاہر ہو گیا۔

یہ کہنا کہ ہم اس کی حرکت نہیں دیکھتے۔ یہ خرافات میں ہے اس لیے کہ ایسا نہیں ہے کہ جو نہ دکھائی دے اس کا انکار کر دیا جائے جب کہ اس کی صحت پر دلیل بھی قائم ہو، جب انھوں نے حرکت نفس کو اس لیے باطل کر دیا کہ یہ اسے نہیں دیکھتے تو انھیں لازم ہے کہ یہ بالکل نفس

ہی کو باطل کر دیں اس لیے کہ یہ اسے نہیں دیکھتے۔ نہ اسے سنتے ہیں نہ اسے چھوتے ہیں۔ نہ اسے چکھتے ہیں اور نہ اسے سونگھتے ہیں۔ حالانکہ حرکت نفس برہان سے معلوم ہوئی ہے۔

برہان یہ ہے کہ حرکت کی دو قسمیں ہیں حرکت اضطراریہ و حرکت اختیاریہ۔ حرکت اضطرار سوائے نفس کے ہر جسم کی حرکت ہے۔ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اب حرکت اختیاری رہ گئی۔ اور وہ بھی یقیناً موجود ہے سوائے نفس کے عالم میں کوئی شے اختیار سے متحرک نہیں ہے نفس ہی اختیار سے متحرک ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ نفس کی حرکت اختیاریہ بلا شک معلوم ہے چونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو متحرک ہے وہ جسم ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نفس متحرک ہے لہذا نفس جسم ہے۔ یہ ہے برہان ضروری و تام و صحیح۔ نہ کہ وہ وساوس و ہذیانات۔ ہم اللہ کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں۔

انھوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کا اتصال جسم کے ساتھ یا تو بطور محاورت کے ہوتا کہ (دونوں یعنی نفس و جسم ساتھ ساتھ ملے ہوتے۔ جس طرح پانی میں پانی مل جاتا ہے) یا بطور مداخلت ہوتا اور یہی ممازجت ہے (یعنی دونوں کی آمیزش ہو جاتی جس طرح دودھ میں پانی کی)۔

اب اس کے بعد کیا رہا۔ بے شک نفس کا اتصال جسم کے ساتھ بطور مجاورت (ہمسائگی) کے ہے۔ اور اس کے سوا ناممکن ہے کیوں کہ یہ ممتنع ہے کہ دو جسموں کا اتصال بجز مجاورت کے اور کسی طریقے پر ہو۔ لیکن اتصال مداخلت صرف عرض کا عرض سے اور عرض کا جسم سے ہوتا ہو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر نفس جسم ہے تو جسم کو کیوں کر پہچانا جاتا ہے چھو کر یا بے چھوئے۔

سوائے نفس کے تمام اجسام بے جان ہیں جنھیں نہ علم ہے نہ حس۔ اور نہ وہ کوئی شے جانتے ہیں علم و حس صرف نفس کے لیے ہے۔ وہی اجسام و اعراض کو اور خالق اعراض و اجسام کو جو اس کا بھی خالق ہے جانتا ہے اس میں فہم کی صفت اور تمیز کی طبیعت اور علم کی وہ قوت ہے جو اس کے خالق نے اس کے اندر رکھ دی ہے۔ ان کا سوال لغو ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہر جسم کو آغاز میں اور ایسے انجام میں جہاں تک وہ پہنچ جائے پیدا کیا گیا ہے۔ بہترین جسم وہی ہے جو اپنے انجام غایت تک پہنچ جائے جسم میں جب نقص آنے لگتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے نفوس اس طرح نہیں ہیں، اس لیے کہ ہم معمر لوگوں کے نفوس کو دیکھتے ہیں کہ ان کی روشنی زیادہ ہو گئی کام زیادہ کرنے لگے اور ان کے بدنوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ نو جوانوں کے بدنوں سے کمزور ہو گئے۔ اگر نفس جسم ہوتا تو اس کا فعل بھی بدن کے نقصان سے ناقص ہو جاتا۔ مگر جب ایسا ہے جو ہم نے بیان کیا تو پھر نفس جسم نہیں ہے۔ اس مقدمے کی ترتیب ہی فاسد ہے یہ کہنا کہ نفس جب اپنی غایت کو پہنچتا ہے تو وہ اس سے بہتر ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ تھا بر بنائے تعمیم ایسا کہنا غلط ہے۔ یہ صرف اجسام نامیہ (نباتات و حیوانات) میں ہوتا ہے اور ان اشیا میں ہوتا ہے جو تری سے خشکی کو بدل لیتی ہے مثلاً درخت۔ اجساد و اجسام حیوان کی اصناف میں بھی ہوتا ہے اور نباتات میں بھی۔ لیکن پہاڑ۔ پتھر زمین۔ دریا۔ ہوا پانی افلاک اور کواکب کے لیے کوئی غایت وحد نہیں ہے کہ جب وہ اس حد کو پہنچے گا تو انحطاط شروع ہو جائے گا۔ ان میں سے جو بعض اشیاء میں استحالہ و تغیر ہوتا ہے وہ ریزہ ریزہ کرنے کے طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً تم پتھر کو توڑو تو وہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ باقی رہے گا۔ اور درخت کی (طرح) و نباتات و اجسام حیوان کی طرح خشک نہ ہوگا۔ اسی طرح نفس میں بھی نہ تو استحالہ تفتت (ریزہ ریزہ ہونے کا تغیر) ہوتا ہے اور نہ استحالہ ذبول (خشک ہونے کا تغیر)۔

صرف اس کی اعراض میں استحالہ ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس کے لیے نماء (بڑھنا) نہیں ہوتا۔ اسی طرح ملائکہ وفلک وکواکب و عناصر اربعہ کے لیے بھی نماء نہیں ہے۔ ہر ایک اپنی اسی ہیئت پر باقی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے بناتے وقت پیدا کیا تھا۔ اسی طرح نفس بھی عالم ابتدا سے عالم انتہا کی طرف منتقل ہونے والا ہے عالم برزخ۔ عالم حساب اور عالم جزا کی طرف منتقل ہوگا اور اس میں ہمیشہ بغیر کسی انتہاء کے رہے گا نفس جب جسد کی رطوبات وکدورات سے پاک ہو جاتا ہے تو اس کی قوت غور بہت صاف اور اس کا علم بہت صحیح ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ بدن میں داخل ہونے سے پہلے تھا۔ ہم اللہ سے بفضلہ اس کا بہترین انجام مانگتے ہیں۔ آمین۔

ان لوگوں نے جن گری پڑی دلیلوں سے فریب دہی کی تھی ہم نے ان کے لیے ان سب کو تلاش کر کے جمع کر دیا۔ اور واضح کر دیا کہ یہ سب فساد اور حماقتیں ہیں۔ ہم نے اس پر براہین ضروریہ کو جمع کر دیا ہے **و الحمد للہ رب العلمین**۔

جب اس کا ہر شور وفریب باطل ہو گیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ نفس جسم نہیں ہے دعویٰ بے دلیل ہونے کے باعث جب یہ قول بالکل ہی ساقط ہو گیا تو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے اس مدعا کو کہ نفس جسم ہے بدیہی برہان سے واضح کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگار رہے پہلے ہم ردِ شور وشغب کی جانب رجوع کرتے ہیں جن سے ممکن ہے کہ اعتراض کیا جائے کوئی معترض یہ کہے کہ آیا نفس بڑھتا ہے اگر تم یہ کہو کہ نہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ ہم تو اسے دیکھتے ہیں کہ وہ پیدا ہو کر چھوٹے سے بڑا ہوتا ہے۔ غذا کے ذریعے سے جسد کے ساتھ وابستہ رہتا ہے اور جب غذا کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے تو جسد سے جدا ہو جاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ غذا نہ ہونے سے اس کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اس کا صبر کم ہو جاتا ہے جب وہ غذا حاصل کر لیتا ہے تو اس کے اخلاق اعتدال پر آ جاتے ہیں اور وہ درست ہو جاتا ہے۔

نفس نہ غذا حاصل کرتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ غذا نہ ہونے پر یہ برہان قائم ہے کہ وہ طبائع اربعہ سے مرکب نہیں ہے اور جسد کے خلاف ہے یہی برہان ہے کہ وہ غذا نہیں حاصل کرتا۔ جسد وہ ہے جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے لہذا اس کے لیے غذا ضروری ہے کہ وہ غذا اس جسد یا اس درخت یا اس نبات کی ان رطوبات کی جو ہوا وگرمی سے تحلیل ہو گئی ہیں اس غذا کی رطوبات یا اس کے اجزائے ارضیہ ان کی قائم مقام ہو جائیں۔

یہ صفت نفس کی نہیں ہے۔ اگر اس کی یہ صفت ہوتی تو وہ بھی جسد یا مثل جسد کے ہوتا۔ اگر جسد یا اس کے مثل ہوتا تو وہ بھی جسد ہی کی طرح بے جان وغیر حساس ہوتا۔ چونکہ اس کا طبائع عناصر سے مرکب ہونا باطل ہو چکا ہے تو اس کا غذا حاصل کرنا اور بڑھتے رہنا بھی باطل ہو گیا لیکن غذا کے سبب سے اس کا جسد سے وابستہ رہنا۔ یہ وہ امر ہے جس کی کیفیت سوائے اس کے خالق کے کوئی نہیں جانتا جو اس کا مدبر ہے بجز اس کے کہ یہ تو معلوم ہے کہ اس کی یہ کیفیت ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا معدے کا غذا کو پیسنا معلوم نہیں کہ یہ کیسے ہوتا ہے ان کے علاوہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ ایجاد کرتا ہے ان کو وہی جانتا ہے۔

نفس نہ غذا حاصل کرتا ہے نہ بڑھتا ہے‘‘ اس پر برہان بھی قائم ہے کہ وہ جسد کی ترکیب سے قبل ابد سے موجود تھا اور بدن کے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا۔ ان دونوں عالموں میں ہرگز کوئی ایسی غذا نہیں جو نفس کو نمو دے سکے۔

یہ جو ان لوگوں نے گمان کیا ہے کہ نفس چھوٹے سے بڑا ہو جاتا ہے یہ غلط ہے یہ تو نفس کے اس ذکر کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کے نفس سے وابستہ ہوتے ہی ساقط ہو گیا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا نفس کو موت آتی ہے ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ کـــــل

نفس ذائقة الموت ”(ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے)۔ یہ موت صرف بدن سے اس کی جدائی ہے برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ” **اخرجو ا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون** “ (اپنے نفوس کو نکالو۔ آج تمھیں ذلت انگیز عذاب دیا جائے گا) اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ” **کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیکم ثم یمیتکم ثم یحییکم** “ (تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے زندہ کیا پھر وہ تمھیں موت دے گا پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا)۔ ثابت ہو گیا کہ حیات مذکورہ یہی ہے کہ جسم نفس سے مل جائے۔ اور وہ اس کے اندر روح کا پھونکنا ہے موت مذکور جسد و نفس کے درمیان تفریق کرنا ہے۔ نفس کی موت وہ نہیں ہے جس کا جہلا و ملحدین نے گمان کیا ہے کہ وہ بالکل معدوم ہو جاتا ہے بلکہ وہ اسی طرح قائم و موجود رہتا ہے جس طرح موت و حیات اولی سے پہلے تھا۔ نہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی حس و علم زائل ہو جائے۔ حس تو پہلے سے تام اور علم پہلے سے بھی صحیح ہو جاتا ہے، اس کی وہ حیات جو حس و حرکت ارادیہ ہے وہ پہلے سے کامل تر ہو کے باقی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’**وان الدار الآخر ۃ لھی الحیوان لو کا نوا یعلمون** “ (اور بے شک مقام آخرت بلاشک زندگی والی جگہ ہے۔ اے کاش انھیں علم ہوتا) یہ آیت برزخ کی طرف راجع ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اسے اس طرح دیکھا کہ آدم علیہ السلام کے داہنی طرف اور آپ کی بائیں طرف نفوس تھے جو اسی طرح رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے روز انھیں دوبارہ اس طرح زندہ کیا جائے گا کہ انھیں اور اجساد کو جمع کر دیا جائے گا۔ لیکن جن و حیوان کے نفوس جہاں اللہ نے چاہا وہاں ہیں ہمیں تو صرف وہی علم ہے جو اس نے ہمیں سکھایا اور کسی کو بغیر علم کے کچھ کہنا جائز نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

اب ہمیں ایسے بدیہی برہان لانے ہیں کہ نفس بھی اجسام میں سے ایک جسم ہے۔ نفس کے جسم ہونے پر ایک دلیل تو اس کا اشخاص پر انقسام ہے نفس زید نفس عمرو کا غیر ہے اگر نفس ایک ہی ہوتا جو منقسم نہ ہوتا جیسا کہ یہ جہلا دعویٰ کرتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ نفس جوہر ہے نہ کہ جسم“ تو بدیہی طور پر لازم آتا کہ دوست کا جو نفس ہے وہ دشمن کا بھی نفس ہو اور وہی محبوب کا بھی نفس ہو، جو فاسق و جاہل کا نفس ہے وہی فاضل حکیم و عالم کا نفس ہو۔ جو نفس ڈرنے والے کا ہے وہی نفس ڈرانے والے کا ہو۔ جو نفس قاتل کا ہے وہی نفس مقتول کا ہو۔ یہ ایسی حماقت ہے کہ ذرا بھی مخفی نہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ نفوس بہت ہیں جن کے مکانات متغائر ہیں، صفات مختلف ہیں اور جو اپنے اپنے اعراض و صفات کے حامل ہیں۔ وہ یقیناً جسم ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ علم صفات و خواص نفس میں سے ہے، اس میں جسد کا ذرا سا بھی دخل و حصہ نہیں اگر نفس ایک ہی جوہر ہوتا جس کا تجزیہ و انقسام نہ ہو سکتا تو ضروری طور پر لازم آتا کہ ہر ایک کا علم مساوی ہو اور آپس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ اس لیے کہ ان کے قول کے مطابق نفس ایک ہی ہے اور وہی عالم ہے۔ یہ بھی واجب تھا کہ جس چیز کا جب کبھی زید کو علم ہوتا اس کا علم عمرو کو بھی ہوتا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک نفس ایک ہی ہے اور وہ غیر منقسم و غیر متجزّی ہے۔ لازم آتا اور ضرور لازم آتا کہ جس چیز کو دنیا کا ہر عالم جانتا ہے اسے روئے زمین کا ہر فرد جانتا اس لیے کہ ان سب کا نفس ایک ہی ہے جو منقسم نہیں ہے اور وہی عالم ہے اس اشکال سے انھیں ہرگز مفر نہیں۔ لہذا ان دلائل سے بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ ہر شخص کا نفس دوسرے کے نفس کا غیر ہے لوگوں کے نفوس افراد و اشخاص متغائیرہ ہیں جو نوع نفس انسان کے تحت میں واقع ہیں اور نفس انسان کلیہ ایک نوع ہے جو اس جنس نفس کلیہ کے تحت میں واقع ہے جس کے تحت میں تمام حیوان کے نفوس ہیں جب یہ اشخاص متغایرہ صاحب مکانات متغایرہ اور حامل صفات متغایرہ ہیں تو یہ اجسام ہیں۔ اس کے سوا ہرگز اور کچھ ممکن نہیں۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

تمام عالم جومحدود ومعروف ہے وہ اجسام واعراض ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ یہاں جوہر ہے جو نہ جسم ہے نہ عرض، تو اس نے وہ دعویٰ کیا جس پر ہرگز کوئی دلیل نہیں، جسکی کوئی شکل عقل میں نہیں آتی۔ اور نہ اس کا تو ہم کیا جاسکتا ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل اور یقیناً باطل ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

نفس اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ فلک میں داخل۔ ہے یا فلک سے خارج ہے یہ باطل ہے جرم عالم کے متناہی ہونے پر جب برہان قائم ہے تو حدونہایت کے آگے کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ گرانتہا کے آگے کچھ ہوتا تو وہ انتہا ہی نہ ہوتی۔ لہذا ضروری طور پر لازم آ گیا کہ اس فلک سے خارج کوئی شے نہیں ہوسکتی جوانتہائے عالم ہے نہ خلاء ہوسکتا ہے نہ ملاء۔

نفس اگر فلک میں داخل ہے تو وہ ضروری طور پر یا خود صاحب مکان ہے یا کسی صاحب مکان میں محمول ہے اس لیے کہ ان دو کے سوا عالم میں کوئی شے نہیں۔ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عالم میں کوئی تیسری شے بھی ہے تو وہ محال وباطل اور بے دلیل بات کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس قسم کے دعوے سے کوئی بھی عاجز نہیں، اور جو ایسا ہو وہ یقیناً باطل ہے۔

اس پر دلیل قائم ہے کہ نفس عرض نہیں ہے اس لیے کہ وہ عالم وحساس ہے۔ عرض نہ عالم ہے نہ حساس۔ اور یہ ثابت ہے کہ وہ اپنی صفات کا حامل ہے نہ کہ محمول۔ چونکہ وہ حامل وصاحب مکان ہے تو بلاشک جسم ہے کیوں کہ یا تو جسم حامل ہے یا عرض محمول۔ اور یہ باطل ہو چکا ہے کہ وہ عرض محمول ہو۔ لہذا وہ جسم حامل ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اس سے خالی نہیں کہ نفس یا تو کسی جنس کے تحت میں واقع ہے یا نہیں۔ اگر وہ کسی جنسی کے تحت میں واقع نہیں تو وہ مقولات عشر سے خالی ہوا (اور یہ ایک جوہر اور نو اعراض ہیں) حالانکہ عالم میں کوئی شے ان سے خالی نہیں۔ نہ کسی ایسی شے کا وجود ہے جو ان سے خارج ہو۔ سوائے ان کے خالق وحدہ لاشریک لہ کے۔ حالانکہ یہ بھی اس کے قائل نہیں۔ بلکہ وہ اسے جنس جوہر کے تحت میں واقع کرتے ہیں۔

چونکہ یہ جنس جوہر کے تحت میں واقع ہے تو ہم ان سے اس جوہر کے متعلق سوال کرتے ہیں جو نفس وغیر نفس کا جامع ہے کہ آیا اس کے لیے طبیعت ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ تو یہ لازم آئے گا کہ جوہر کے تحت میں جو ہو اس کے لیے طبیعت نہ ہو۔ اور یہ باطل ہے۔ اور وہ بھی اس کے قائل نہیں۔

اگر کہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ طبیعت کیا چیز ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ آیا جوہر کے لیے کوئی ایسی صفت ہے جو اس کے اندر اس طرح محمول ہو کہ وہ بغیر اس صفت کے نہ پایا جائے یا نہیں، ہاں ہی کہنا پڑے گا۔ اور طبیعت کے یہی معنی ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ اس کے لیے طبیعت ہے تو ضروری طور پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہر ماتحت کو طبیعت عطا کرے۔ اس لیے کہ ہر اعلیٰ اپنے ہر ماتحت کو اپنا نام اور اپنے حدود صحیح طور پر عطا کرتا ہے۔ اور نفس جوہر کے تحت میں ہے، لہذا بلاشک نفس صاحب طبیعت ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے لیے طبیعت ہے تو ہر وہ چیز جس کے لیے طبیعت ہے وہ طبیعت میں محصور ہے، اور جو طبیعت میں محصور ہے وہ متناہی ومحدود ہے اور ہر متناہی یا تو حامل ہے یا محمول نفس بلاشک اپنی متضاد اعراض وصفات کا حامل ہے مثلاً علم وجہل۔ ذکاوت وبلاوت۔ شجاعت وبزدلی۔ عدل وجور۔ اور سنگ دلی ورحم دلی وغیرہ۔ ہر حامل صاحب مکان ہے اور ہر صاحب مکان جسم ہے لہذا ضروری طور پر نفس جسم ہوا۔

جو شے کسی جنس کے تحت واقع ہو وہ اس جنس کی انواع میں سے ایک نوع ہے۔ ہر نوع اس جنس اعلیٰ سے مرکب ہوتی ہے جو اپنی انواع کو شامل وعام ہے اس کے ساتھ ہی وہ اپنی فصل خاص سے بھی مرکب ہوتی ہے کہ اسے ان تمام انواع سے ممتاز کرتی ہے جو اس کے

ساتھ ایک ہی جنس کے تحت واقع ہیں کیوں کہ وہ موضوع ہے اور وہی اس کی وہ جنس ہے جو اس کی صورت اور اس کے غیر کی صورت کی قبول کرنے والی ہے۔ اور اس کے لیے محمول ہے اور وہ اس کی وہی صورت ہے جو اس کے لیے خاص ہے نہ کہ اس کے غیر کے لیے۔ لہٰذا وہ صاحب موضوع ومحمول اور مرکب ہوئی۔ نفس جوہر کی نوع ہے لہٰذا وہ موضوع ومحمول سے مرکب ہے اور وہ قائم بذات ہے۔ لہٰذا لامحالہ جسم ہے۔

یہ براہین ضروریہ حسیہ عقلیہ ہیں جن سے گریز کا امکان نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔ اور یہی قول بعض متقدمین کا ہے۔

ارسطاطالیس نے یہ نہیں کہا کہ نفس جسم نہیں ہے جیسا کہ ان جہلا کا گمان ہے۔ اس نے صرف اس کے جسم خاکی ہونے کی نفی کی ہے۔ اور یہ وہ امر ہے جس کے سوا کسی صاحب علم کے لیے مناسب نہیں۔ اگر یہ ثابت بھی ہو کہ ارسطاطالیس نے یہی کہا ہے تو یہ ایک کمزوری اور دعویٰ بلا برہان اور غلطی ہے جس پر اس کا اتباع واجب نہیں۔

وہ خود اپنی کتابوں کے متعدد مقامات میں کہتا ہے کہ ”کہ افلاطون اور حق میں اختلاف ہو گیا ہے، ہمیں دونوں محبوب ہیں۔ سوائے اسکے کہ حق ہمیں زیادہ محبوب ہے“ جب یہ جائز ہے کہ افلاطون اور حق میں اختلاف ہو تو یہ ناپسندیدہ و نادر نہیں ہے کہ ارسطاطالیس وحق میں اختلاف ہو۔ کوئی انسان خطا سے محفوظ نہیں، چہ جائیکہ یہ بھی ہرگز ثابت نہ ہو کہ اس نے یہ کہا ہے (کہ نفس جسم نہیں)۔

یہ صرف انھیں لوگوں نے کہا ہے کہ نفس جوہر ہے نہ کہ جسم جن کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وہی ہر شے کا خالق ہے جیسا کہ صابیوں کا اور ان لوگوں کا مذہب ہے کہ نفس سے اللہ تعالیٰ کو مراد لیتے ہیں۔

یہ دونوں قول باطل ہیں اس لیے کہ نفس وعقل لغت عرب کے دو لفظ ہیں جو اس لغت میں دو مختلف معنے کے لیے موضوع ہیں۔ لہٰذا ان کا ان کے موضوع لغت سے بدلنا سفسطہ وجہل وبے حیائی وتلبیس وتدلیس ہے۔

جس کا یہ مذہب ہے کہ نفس جسم نہیں اور وہ اپنے دعوے کے مطابق اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے، یہ وہ قول ہے جسے قرآن وحدیث واجماع امت باطل کرتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ”**ھنا لک تبلو کل نفس ما اسلفت** “ (اس مقام پر (یعنی قیامت میں) ہر نفس اسے بھگتے گا جو اس نے پہلے (یعنی دنیا سے) بھیجا ہے اور فرمایا ہے ”**الیوم تجزی کل نفس ماکسبت لا ظلم الیوم**“ (آج ہر نفس کو اس کی جزا دی جائے گی جو اس نے کیا ہے۔ آج کوئی ظلم نہ ہو گا) اور فرمایا ہے ”**کل امری بما کسب رھین** “ (ہر شخص اپنے کیے کا پابند ہے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نفس ہی فاعل وکاسب (حاصل کرنے اور کمانے والا) ہے۔ اسی کو جزا دی جائے گی، وہی خطا کرتا ہے اور فرمایا ہے ”**ان النفس لامارة بالسوء**“ (بے شک نفس بدی کا مشورہ دینے والا ہے) اور فرمایا ہے ”**ویوم تقوم الساعة ادخلو آل فرعون اشدّالعذاب** “ (اور جس روز قیامت قائم ہو گی تو حکم دیا جائے گا کہ فرعون والوں کو سب سے سخت عذاب میں داخل کرو)۔ اور فرمایا ہے ”**ولا تقولوالمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون** “ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں انھیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمھیں خبر نہیں ہے)۔ اور فرمایا ہے ”**و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون . فرحین بما آتا ھم اللہ من فضلہ** “ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے انھیں ہرگز مردہ نہ خیال کرنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ان کے رب کے پاس انھیں رزق عطا کیا جاتا ہے۔ اس پر نہایت خوش ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے)۔

ثابت ہوگیا کہ بعض نفوس وہ ہیں جنھیں قیامت سے پہلے دوزخ پر پیش کیا جائے گا اور ان پر عذاب کیا جائے گا بعض وہ ہیں جنھیں رزق دیا جائے گا اور نعمت دی جائے گی۔ وہ قیامت سے پہلے ہی نہایت خوش ومسرور ہوں گے۔ کوئی شک نہیں کہ آل فرعون کے اور فی سبیل اللہ مقتولین کے اجساد کے جوڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، انھیں درندے پرندے اور آبی حیوان کھا گئے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ نفوس ہی ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کردیے گئے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عرض کو عذاب نہ ملے گا اور نہ اسے اس کی حس ہے۔ لہذا وہ عرض نہیں ہے۔ ثابت ہوگیا کہ وہی بہ حیثیت قائم بالذات ہونے کے مکانات میں منتقل ہوتا ہے۔ قایل جوہر کے نزدیک بھی یہ صفت جسم کی ہے نہ کہ جوہر کی۔ لہذا بدیہی طور پر ثابت ہوگیا کہ نفس جسم ہے۔

احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''شہدا کی ارواح جنت میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں'' یہ بھی ارشاد ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمان دنیا کے پاس اولاد آدم کی ارواح کو دیکھا کہ وہ آدم علیہ السلام کی داہنی اور بائیں جانب ہیں''۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ نفوس اپنے مقامات میں نظر آتے ہیں۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن کے نفس کو جب قبض کیا جاتا ہے تو اسے آسمان پر لے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ فلاں فلاں باتیں ہوتی ہیں۔ کافر کا نفس جب قبض کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ فلاں فلاں برتاؤ کیا جاتا ہے''۔ ثابت ہوگیا کہ نفس ہی پر عذاب ہوتا ہے اور نفس ہی پر انعام ہوتا ہے۔ اور اسی کو مکانات میں منتقل کیا جاتا ہے۔ بدیہی طور پر یہ صفت اجسام کی ہے۔

اجماع یہ ہے، اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں، کہ بندوں کے نفوس اجساد سے نکلنے کے بعد نعمت میں یا مختلف قسم کی تنگی وعذاب میں منتقل کردیے جاتے ہیں۔ یہ صفت اجسام کی ہے جس نے اس کی مخالفت کی ہے اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''نفوس معدوم ہو جاتے ہیں یا وہ دوسرے اجسام میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ ایسا مدعی کافر ومشرک ہے، تو اجماع وقرآن وحدیث کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اس کی جان ومال حلال ہے۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان**۔

ہم نے باب عذاب قبر میں بیان کیا ہے کہ روح ونفس ایک ہی شے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے معنی کہ ''**یسئلونک عن الروح . قل الروح من امر ربی** ''(لوگ آپ سے روح کو دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر وحکم سے ہے) صرف یہی ہیں۔ اس لیے کہ جسد خاک سے پیدا کیا گیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون بستہ سے پھر مضغہ گوشت سے پھر اسے ہڈی بنایا گیا۔ پھر گوشت پھر مرکب ومجموع۔ روح ایسی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بطور حکم کے ہونے کو فرمایا کہ کن یعنی ہو جا تو وہ ہوگئی۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ نفس و روح ونسمہ ایک ہی معنی کے اسمائے مترادفہ ہیں کبھی روح کا اطلاق اس کے خلاف پر بھی ہوتا ہے۔ جبریل علیہ السلام روح امین ہیں اور قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے روح ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

نفس کے بارہ میں ان لوگوں کا قول باطل ہوگیا اور یہ ثابت ہوگیا کہ وہ جسم ہے اب صرف اسی جزو پر کلام کرنا رہ گیا جسکے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ اس کا تجزیہ وانقسام نہیں ہوسکتا۔

جمہور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اجسام ایسے اجزائے صغیرہ کی طرف منقسم وحل ہوتے ہیں جن کے لیے کسی جزو کا ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ یہ اجزا وجواہر ہیں جن کے اجسام نہیں ہیں۔ نظام کا مذہب یہ ہے، اور متقدمین میں جو خوش گو ہیں ان کا بھی یہی قول ہے کہ ایسا کوئی جزو نہیں، خواہ وہ کتنا ہی باریک ہو، جس میں ہمیشہ بغیر کسی انتہا کے تجزیہ وتقسیم کا احتمال نہ ہو۔ عالم میں ایسا کوئی جزو نہیں جس کا تجزیہ نہ ہوسکے۔ وہ جزو جو کسی جسم کی تقسیم سے پیدا ہوا ہے وہ بھی جسم ہی ہے خواہ وہ کتنا ہی باریک ہو۔

جزءلایتجزی کے قائلین کی بہترین دلیل پانچ شوروشغب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے سب کے سب انھیں پر راجع اور انھیں کے خلاف ہیں ہم انشاءاللہ تعالیٰ ان سب کو بیان کریں گے۔ اور ان کے وہ تمام دلائل جمع کر دیں گے جن سے انھوں نے ملمع کاری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم براہین ضروریہ کے ذریعے سے ان تمام دلائل کا بطلان دکھادیں گے پھر براہین صحیحہ سے اس قول کی صحت دکھا دیں گے کہ جو جزو ہے اس کا ہمیشہ تجزیہ ہوسکتا ہے عالم میں ہرگز کوئی ایسا جزو نہیں جس کا تجزیہ نہ ہو سکے۔ جیسا کہ ہم نے تمام اقوال کے ساتھ کیا۔ **والحمدلله رب العلمين ۔**

ان کا سب سے پہلا شوروشغب یہ ہے کہ کہتے ہیں یہ بتاؤ کہ جب چلنے والے نے وہ مسافت قطع کرلی جس میں وہ چل رہا تھا تو آیا اس نے متناہی کو قطع کیا یا غیر متناہی کو۔ اگر غیر متناہی کو قطع کیا تو یہ محال ہے اور اگر متناہی کو قطع کیا تو یہی ہمارا قول ہے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ اس قوم نے دو میں سے ایک وجہ کا ارتکاب کیا ہے۔ یا تو یہ ہمارا کلام نہیں سمجھے اور جہالت سے کلام کر دیا۔ اور یہ امر ہے جسے کوئی صاحب تقویٰ وصاحب عقل وصاحب حیا پسند نہ کرے گا۔ یا یہ ہے کہ جب لوگ حق کے مقابلے سے عاجز آ گئے تو کذب وبہتان کی طرف رجوع کیا۔ یہ پہلی وجہ سے بھی بدتر ہے اس مسئلے میں ہم ان میں سے جس سے مناظرہ کیا ہے اس کو انھیں دو میں سے کسی ایک قسم میں پایا ہے۔

بالکل ایسا ہی واقعہ ہمیں مسئلہ قیاس میں اپنے مخالفین سے پیش آیا جو تصحیح قیاس کے مدعی ہیں کیوں کہ وہ لوگ بھی دو میں سے ایک ہی ہیں ان میں یا تو وہ ہے کہ ہمارے قول سے ناواقف ہے ہم سے وہ بات کہتا ہے جو ہم نہیں کہتے اور جس میں ہمارا اختلاف نہیں ہے اس میں کلام کرتا ہے یا وہ مشاہدے کا مخالف ہے جو بطور بہتان وجرات کذب ومقابلہ حق سے عاجز ہو کر ہماری طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جو ہم نہیں کہتے کہ ہم اشیاء کے باہم مشابہ ہونے کے منکر ہیں ہم قضایائے عقلیہ کے منکر ہیں۔ ہم ان دو چیزوں کے یکساں حکم ہونے کے منکر ہیں جن میں اس چیز نے ان کے لیے وہ حکم واجب کیا ہے جس میں وہ دونوں مشابہ ہیں۔ حالانکہ یہ سب ہم پر افترا وبہتان ہے ہم تو ان سب کو مانتے ہیں اور اس کے قائل ہیں۔ صرف اس کے منکر ہیں کہ دین میں دو چیزوں کے لیے تحریم یا ایجاب یا تخلیل کا حکم دیں اس لیے کہ یہ دونوں آپس میں کسی صفت میں مشابہ ہیں تو یہ محض باطل ہے۔ اللہ کی اس بہت بڑی نعمت پر اس کی حمد ہے۔

ہم اس سوال پر جس کو انھوں نے ہم سے دریافت کیا ہے کہتے ہیں کہ ازروئے مساحت تمام اجسام کے ارتفاع نہایت کے ہم قائل نہیں۔ اس کو تو ہم ثابت کرتے ہیں۔ جانتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ جو جسم ہوگا اس کے لیے ہمیشہ ایک محدود مساحت ہوگی۔ **و لله الحمد** ۔ ہم نے ہر باریک سے باریک جزو کی تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی حد ونہایت کی نفی کی ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ثابت کیا ہے۔ یہ مساحت کے علاوہ ایک دوسری ہی شے ہے چلنے کے ذریعے سے یا گز کے ذریعے سے یا عمل کے ذریعے سے مسافت قطع کرنے والے نے کسی ایسی تقسیم کی تکلیف نہیں اٹھائی جو قطع ہوگئی اور نہ اس کے تجزیے کی تکلیف برداشت کی۔ اس نے تو صرف ایک عمل کی تکلیف کی یا وہ ایسی مساحت میں چلا جس کا شمار میل یا گز یا بالشت یا انگل وغیرہ سے کیا جا سکتا ہے اور اس میں سے ہر چیز کی انتہا ظاہر ہے ہم نے جس چیز میں وجود تناہی کی نفی کی ہے یہ اس کے مغایر ہے لہٰذا ان کا الزام باطل ہوگیا۔ **و الحمد لله كثيرا۔**

اسی اعتراض کا ہم انھیں پر عکس کرتے ہیں اور بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ ہم لوگ تو اس کے قائل ہیں کہ ہر جسم کے لیے طول وعرض وعمق ہے اور اس میں تجزیہ وانقسام کا احتمال ہے۔ ضروری طور پر یہی مساحت کے طریق سے ہر ایسے جزو کی تناہی وحد کا اثبات ہے کہ

جسم جس کی طرف منقسم ہوا ہے۔ تم لوگ یہ کہتے ہو کہ جسم ایسے اجزا کی طرف منقسم ہوتا ہے جس کے لیے نہ عرض ہے نہ عمق نہ مساحت اور نہ اس کا تجزیہ ہوسکتا ہے اور وہ اجزا اجسام نہیں ہیں۔ اور جسم خود یہی اجزا ہیں کہ وہ یعنی جسم ان اجزا کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور ان اجزا کے لیے مساحت نہیں ہے۔ تو ضروری طور پر تمھیں لازم آتا ہے کہ جب جسم وہی اجزا کے علاوہ نہیں۔ اور ان اجزا کے کسی جزو کے لیے مساحت نہیں تو جسم کے لیے بھی مساحت نہیں۔ یہ وہ امر ہے جسے مشاہدہ باطل کرتا ہے۔ جب اس کے لیے مساحت (یعنی طول عرض عمق) نہ ہوئی اور اجسام کی پیائش میں مساحت ہی تناہی و حد ہے۔ لہذا ان کے قول کے مطابق قطع کرنے والے نے جس چیز کو قطع کیا اس کی تناہی و حد نہ ہوئی۔ اور یہ باطل ہے۔

اعتراض ثانی یہ ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ ایک جسم جب دوسرے جسم کے متصل ہو تو جس جسم سے وہ متصل ہوا اس کے لیے کوئی ایسا جزو ضروری ہے جس میں یہ جسم ختم و تمام ہو جائے۔ اور یہی ایسے جزو کا اقرار ہے جس کا تجزیہ نہ ہو سکے۔

یہ فاسد ملمع کاری ہے۔ اس لیے کہ ہم نے طریق مساحت سے تناہی کو دفع نہیں کیا ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہر جسم کے لیے نہایت و سطح ہے جہاں پاس اس کا بڑھنا ختم ہو جاتا ہے۔ وہ جزو جس پر جسم منقطع ہو جاتا ہے جب اس کا تجزیہ کیا جائے تو وہ متناہی اور محدود ہے۔ لیکن اس میں بھی تجزیے کا احتمال ہے اور جس کا تجزیہ کر دیا گیا ہے تو یہی وہ جزو ہے جو اس جسم کے متصل ہے کہ اس کی حد و نہایت پر اس جہت سے اس سے پیوستہ ہے جس جہت سے یہ اس سے ملا ہے نہ وہ جو ان لوگوں نے گمان کیا ہے کہ جس کی حد اس کا جزو ہے اور فقط وہی جسم اپنے متصل سے ملا ہوا ہے یہ ان دلائل سے باطل ہے جو ہم نے بیان کیے۔ وہ جزو کہ اپنی سطح سے جسم کے ساتھ پیوستہ ہے جب اس کا تجزیہ کیا جائے گا تو وہ جزو کہ اپنی سطح سے جسم سے پیوستہ ہے وہی اس وقت اس کی سطح سے پیوستہ ہوگا نہ کہ وہ جزو جو اس کی ملاصقت و پیوستگی سے گر گیا ہے اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اس میں بھی ایسا ہی کلام ہے جیسا کہ اس کے قبل کلام تھا اور دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اعتراض ثالث یہ ہے کہ کیا سوائے اللہ کے کسی اور نے اجزائے جسم کو مرکب کیا، اس کا جواب بجز اس کے نہیں ہوسکتا کہ اللہ ہی ترکیب دینے والا ہے۔ وہ دخل دیتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس طرح اجزا کے منتشر کرنے پر قادر ہے کہ اس میں ذرا سی بھی ترکیب باقی نہ رہے اور ان اجزا میں تجزیے کا احتمال رہ جائے یا اس پر قادر نہیں۔ ان معترضین کا قول ہے کہ اگر تم یہ کہو کہ وہ قادر نہیں تو تم نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور اگر تم یہ کہو کہ وہ قادر ہے تو یہ تمھارا جزو لا تجزی کا اقرار ہے۔

انھوں نے جن شبہات سے شور و شغب کیا ہے ان میں یہ سب سے قوی ہے۔ اور یہ ان پر ہماری ہی حجت ہے جواب یہ ہے کہ ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ تمھارا سوال و کلام فاسد ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوا کہ اجزائے عالم متفرق ہوں پھر انھیں اللہ نے جمع کیا ہو۔ نہ عالم کے ایسے اجزا تھے جو مجتمع ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں منتشر کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کو مع اس کے اندر کی تمام اشیاء کے پیدا کیا کہ اس نے کن (ہوجا) کہہ دیا تو وہ ہوگیا یا اس نے ہر جسم سے جب اسکے پیدا کرنے کا ارادہ کیا کہہ دیا تھا کہ ہوجا تو وہ جسم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجسام کو پیدا کیا جن کے جمع کرنے کا اس نے ارادہ کیا جن کو اس نے متفرق پیدا کیا پھر اس نے انھیں جمع کر دیا۔ اس نے ہر جسم کی تفریق کو پیدا کیا جن کو اس نے مجتمع پیدا کیا تھا پھر اس نے انھیں متفرق کر دیا۔ حق یہی ہے نہ کہ وہ سوال فاسد جسے تم نے مجمل کر دیا اور اس سے اہل غفلت کو وہم میں ڈالا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو ان اجزا سے مرکب کیا جن کو اس نے متفرق پیدا کیا تھا یہ باطل ہے اس لیے کہ یہ وہ دعویٰ ہے جس پر کوئی برہان نہیں۔

ان دونوں کے قول میں کوئی فرق نہیں جو یہ کہے اللہ تعالیٰ نے اجزائے عالم کو مرکب کیا حالانکہ وہ منتشر تھے اور جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اجزا پر متفرق کر دیا حالانکہ وہ ایک ہی جزو تھا۔ یہ دونوں دعوے ہیں جو ساقط ہیں جن پر کوئی برہان نہیں۔ نہ نص کی نہ عقل کی۔ قرآن میں تصریحاً وہی آیا ہے جو ہم نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' **انما امرنا لیشئي اذا اردناه ان نقول له کن فیکون** ''(اور ہمارا حکم، جب ہم کسی شے کا ارادہ کریں یہی ہے کہ ہم اس سے کہتے ہیں کہ ہو جا پھر وہ ہو جاتی ہے)۔ لفظ شے جسم وعرض دونوں پر واقع ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ہر جسم خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا) اور ہر عرض کہ جسم میں ہو اللہ تعالیٰ نے جب اس کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اس نے فرمایا کہ ہو جاء وہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ اس نے ہر جزو کو اجزائے متفرقہ سے مرکب کیا یہ اللہ تعالیٰ پر افترا و کذب ہے جس سے انھوں نے ہمیں الزام دینے کا خیال کیا تھا وہ باطل ہو گیا۔

اس کے بعد ہم ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے جسم کے پیدا کرنے پر قادر ہے جو تقسیم نہ ہو سکے۔ لیکن اس نے اس عالم کی فطرت میں نہ اس کو پیدا کیا اور نہ پیدا کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ عرض کو قائم بالذات پیدا کر دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو نہ اس عالم کی فطرت میں پیدا کیا اور نہ اس کو پیدا کرے گا اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں ان امور میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے عقول میں محال ترتیب دیا ہے، اور جس چیز کے متعلق سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے جس میں سے ہم کسی شے کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر چیز جس پر وہ قادر ہے کرتا نہیں۔ صرف وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو اس کے علم میں پہلے سے ہے کہ وہ اس کو کرے گا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اسی سوال کو ہم ان پر پلٹتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ہر جزو کو تقسیم کر سکے اور اجزائے جسم کے ہر جزو کو ہمیشہ بغیر انتہا کے تقسیم کرتا رہے یا نہیں۔

اگر کہیں کہ اس پر قادر نہیں تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور کفر کیا۔ اور بغیر کسی الزام وتاویل کے ان کا یہی قول ہے مگر یہ لوگ اہل اسلام سے ڈرتے ہیں۔ اور جزو لا یتجزی کے ثابت کرنے سے بالکل اپنی گمراہی کو نمکین بناتے ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے تو یہ سچے ہیں اور انھوں نے اس حق کی طرف رجوع کر لیا جو خود ہمارا قول ہے اور ان کے قول کے بالکل خلاف ہے۔ ہم اس میں ہرگز ان کے مخالف نہیں ہیں کہ چکی کے باریک پسے ہوئے آٹے کے اجزا کے تجزیہ کرنے پر عالم میں کوئی مخلوق قادر نہیں۔ ہم صرف اس امر میں ان کے مخالف ہیں کہ ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی جس چیز پر قادر ہے اس پر ہم قادر نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بے حد بلند و برتر ہے۔ جو یہ ظالم لوگ کہتے ہیں۔

اجزا کے تجزیے میں ان کا اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود و متناہی کہنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ایک مقدار تک پہنچا دے گا اس کے بعد وہ اس سے زیادہ پیدا کرنے پر قادر نہ رہے گا۔ اور ناکامیاب وعاجز رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کفر سے برتر ہے۔ میری جان کی قسم ابوالہذیل جو جزو لا یتجزی ثابت کرنے والوں کا شیخ ہے اسے اس مذہب کا سخت اشتیاق ہے اور اس نے اس پر تصریح کی ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ پورے اور آخری طور پر قادر ہے اگر وہ فعل وجود میں ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد نہ تو کسی ساکن کے متحرک کرنے پر قادر ہو گا، نہ کسی متحرک کے ساکن کرنے پر اور نہ کسی اور شے کے کرنے پر اس کے بعد اپنے کفر کا تدارک کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آخری چیز کبھی حد فعل و وجود میں نہ آئے گی۔

اس سے کہا جائے گا کہ اس (آخری چیز) کے ظاہر ہونے سے کون مانع ہے۔ نہایت وحد اس کی حاصر اور روکنے والی ہے اور فعل قائم وموجود ہے لہذا باوجود طویل زمانے کے بھی اس آخری چیز تک پہنچ جانا ضروری ہے ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اعتراض رابع یہ ہے کہ کون زیادہ ہے آیا پہاڑ کے اجزا یا ایک رائی کے دانے کے اجزا۔ یا دو رائی کے دانے کے اجزا۔ انھوں نے کہا ہے کہ اگر تم یہ کہو کہ دو رائی کے دانے کے اور پہاڑ کے اجزا زیادہ ہیں۔ تو تم نے سچ کہا اور تجزیے کے ختم ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور یہی جزء لاتجزی کا اقرار ہے۔ اور اگر تم نے یہ کہا کہ پہاڑ کے اجزا ایک رائی کے دانے کے اجزا سے زیادہ نہیں ہیں اور نہ دو رائی کے دانے کے اجزا ایک رائی کے دانے کے اجزا سے زیادہ ہیں، تو مشاہدے کی مخالفت کی۔ اس لیے کہ اگر ایک دانے میں ایک جزو ہوگا تو دو دانوں میں دو جزو ہوں گے اور پہاڑ میں متعدد اجزا ہوں گے۔ ان لوگوں نے ہمارے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر جسم میں ایسے اجزاء ہیں کہ نہ ان کا عدد متناہی ہے اور نہ ان کا کوئی آخر ہے جس نے چلنے سے کوئی مکان قطع کیا یا اس نے دو پوری پوری چیزوں سے ایک شے کو قطع و طے کیا تو اس نے ایسی چیز کو قطع و طے کیا جس کا عدد متناہی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ دہریے کے خلاف جو تمھاری بہترین حجت ہے اس کے، یہی معنی ہیں، اور وہ یہ ہے کہ تم نے انھیں عدد اشخاص کی قلت و کثرت کے وجوب سے اور اوقات زمانے کے وجوب سے جو الزام دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جو عدد میں محصور ہے وہ متناہی ہے اور تم نے دہریے پر غیر متناہی عدد کے اشخاص و ازمنہ کے وجود پر اعتراض و انکار کیا ہے ان لوگوں نے کہا ہے کہ پھر تم نے یہ سب اس مقام پر توڑ دیا۔

یا تو اس مسئلے میں یہ ہمارا کلام نہیں سمجھے اور اپنے جھوٹے گمانوں سے ہمارے متعلق وہ بات بنائی جو ہم نے کہی تک نہیں یا یہ ہمارے قول کو خود اپنے رسوا کرنے والے ہر عمل پر جرات کر کے اور اپنی حق شکنی اور باطل کی مددگاری سے عاجزی سے انھوں نے اس کو بدل ڈالا۔

جاننا چاہیے کہ وہ قول جو انھوں نے ہماری طرف منسوب کیا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ جس نے کوئی مکان چل کر قطع کیا یا ایک شے کو دو پوری پوری چیزوں سے قطع کیا تو اس نے ایسی چیز کو قطع کیا جس کی انتہا نہیں، یہ باطل ہے ہم نے یہ ہرگز نہیں کہا۔ بلکہ اس نے صرف ایسی چیز کو قطع کیا جو اپنی مساحت و زمانے کے اعتبار سے محدود و متناہی ہے ہمارے اس استدلال کو جو انھوں نے بیان کیا ہے جو دہریے کے خلاف ہے تو یہ صحیح ہے یہ دہریے پر ہماری حجت و دلیل ہے یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے اس دلیل کو اس مقام میں توڑ دیا اور اس کے خلاف کیا یہ باطل ہے ہمارے اس قول میں کہ "ہر جزو کا ہمیشہ بغیر کسی انتہا کے تجزیہ ہو سکتا ہے" اور دہریے کے خلاف ہمارے اس استدلال میں کہ "اشخاص کے اعداد و ازمنہ میں قلت و کثرت کے پائے جانے سے متناہی ہونا ثابت کیا تھا اور ہم نے دہریے کے اس قول کا انکار کیا تھا کہ "غیر متناہی اشخاص و ازمنہ کا وجود ہے" ان دونوں میں فرق نہیں۔ یہ ایک ہی حکم، ایک ہی باب، ایک ہی قول اور ایک ہی معنے ہیں اس لیے کہ دہریے نے ایسے اشخاص کا وجود ثابت کیا ہے جو فعل و وجود میں ظاہر ہو گئے اور ان کا عدد متناہی نہیں ہے، ایسے ازمنہ کا وجود ثابت کیا جو فعل و وجود میں ہے اور متناہی نہیں ہے اور یہ محال و ممتنع ہے۔ اسی طرح ہم نے ہر ایسے جزو کے بارے میں کہا جو حد فعل میں آ گیا کہ بلاشک اس کا عدد متناہی ہے ہم نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ اس کے اجزائے منقسمہ موجودہ کا عدد متناہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو باطل و محال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ اشخاص و زمان میں اور تقسیم جزو میں ہمیشہ بغیر کسی انتہا کے اس پر اضافہ کرتا رہے۔ لیکن جو کچھ بالفعل موجود ہو جائے گا یا جو اشخاص و زمان ظاہر ہو جائیں گے یا اجزا کا جو تجزیہ ظاہر ہو جائے گا اور خارج میں آ جائے گا تو یہ سب کا سب جب خارج میں آ گیا تو اس کا عدد متناہی ہے اور اسی طرح ہمیشہ۔ جو شخص یا زمانہ یا تجزیہ بالفعل موجود نہیں ہوا تو وہ تو شے ہی نہیں، نہ وہ عدد ہے نہ معدود، نہ اس پر عدد واقع ہوتا ہے اور نہ وہ اب تک شخص یا زمان

یا جزو ہے یہ سب معدوم ہیں۔ جزو تو جب ہی ہوتا ہے کہ اسے قطع کیا جائے یا کوئی ممتاز نشان کر دیا جائے نہ کہ قبل تجزیہ۔

اسی سے ان کے اس سوال کی بیہودگی ظاہر ہوگئی۔ کہ کون زیادہ ہے۔ آیا ایک رائی کے دانے کے اجزا۔ یا ایک پہاڑ کیا جزاء یا دو رائی کے دانے کے اجزا۔ اس لیے کہ جب پہاڑ کا تجزیہ نہیں کیا گیا جب ایک رائی کے دانے کا تجزیہ نہیں کیا گیا جب دو رائی کے دانے کا تجزیہ نہیں ہوا تو اب تک ان کے اجزا ہی نہیں ہے۔ رائی کا دانہ ایک ہی جزو ہے پہاڑ ایک ہی جزو ہے، اور دو رائی کے دانوں میں ہر دانہ ایک جزو ہے جب ایک رائی کے دانے کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ پہاڑ کو دو جزووں پر تقسیم کر دیا جائے اور دو رائی کے دانوں میں سے ہر ایک کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے تو یقیناً ایک رائی کے دانے کے اجزا پہاڑ سے اور دو رائی کے دانوں کے اجزا سے زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ وہ سات اجزا ہو گئے ہیں اور پہاڑ اور دونوں کے رائی کے دونوں کے اجزا صرف چھ ہوئے ہیں۔ اگر ایک رائی کے دانے کو چھ اجزا پر تقسیم کر دیا جائے تو بلاشک اس کے اجزا اور پہاڑ اور دو رائی کے دانوں کے اجزا مساوی ہوں گے۔ اگر ایک رائی کے دانے کو پانچ اجزا پر تقسیم کیا جائے تو پہاڑ اور دو رائی کے دانے کے اجزا ایک رائی کے دانے کے اجزا سے زیادہ ہوں گے۔ اسی طرح ہر شے میں ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ کسی شے میں تجزیہ واقع نہیں ہوتا بجز اس کے کہ تقسیم کیا جائے نہ کہ اس کے قبل۔

اگر ان کی مراد یہ ہو کہ ہمیں دونوں میں سے کس میں زیادہ تجزیہ کرنا ممکن ہے پہاڑ اور دو رائی کے دانوں میں یا ایک رائی کے دانے میں۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جو تجزیہ ہمیں پہاڑ اور دو رائی کے دانوں میں ممکن ہے وہ ایک رائی کے دانے سے زیادہ ہے اس لیے کہ ایک رائی کے دانے کے اجزا عنقریب اتنے چھوٹے ہو جائیں گے کہ ہم انکی تقسیم انھیں اس سے زیادہ باریک نہیں کر سکتی ہم میں سے ہر ایک کی عمر ہی ختم ہو جائے گی۔

لیکن ہم اس میں جس کی تقسیم سے عاجز ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی تقسیم پر بے انتہاء مقتدر ہے اور اس کے نزدیک یہ سب سہل و مساوی ہے یہ نہیں ہے کہ کوئی کسی سے اسکے لیے زیادہ سہل ہو بلکہ وہ ہمیشہ بدوں کسی انتہا کے ایک رائی کے دانے کی تقسیم پر اور اسی طرح فلک کی تقسیم پر بھی قادر ہے۔ اور دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

مزید بیان یہ ہے کہ شے قبل اس کے کہ اس کا تجزیہ کیا جائے۔ وہ تجزیہ شدہ نہیں ہے جب اس کا دو نصفوں یا دو جزووں پر تجزیہ کر دیا جائے تو وہ صرف دو جزو ہیں۔ جب اسے تین جزووں پر تقسیم کر دیا جائے تو صرف تین جزو ہیں۔ اسی طرح ہمیشہ جو یہ کہے یا یہ گمان کرے کہ وہ منقسم و متجزی ہونے سے پہلے ابھی منقسم اور ابھی متجزی ہے تو یہ وسوسہ اور گمان کاذب ہے۔ البتہ اس میں تجزے و انقسام کا احتمال ہے جس چیز کی تقسیم و تجزیہ کر دیا جائے۔ تو اس کا جو جزو ظاہر ہوگا وہ معدود و متناہی ہوگا۔ اسی طرح ہر جسم کا طول و عرض بلاشک متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ بغیر کسی انتہا کے ان پر اضافہ کرنے پر قادر ہے مگر اللہ تعالیٰ اس میں جس چیز کا اضافہ کرے گا اور جسے حد فعل میں لے گا، وہ متناہی و محدود و معدود ہوگا۔ اور اسی طرح ہمیشہ۔

اسی طرح اشخاص عالم و عدد میں اضافہ ہے کہ اشخاص و اعداد میں سے جو چیز حد فعل میں آئے گی وہ متناہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اشخاص کے بڑھانے پر ہمیشہ بلانہایت کے قادر ہے اور عدد میں اضافہ کرنا بھی ہمیشہ بلانہایت ممکن ہے مگر اشخاص و اعداد میں سے جو بھی بالفعل ہوگا لامحالہ حد و نہایت اس کے ساتھ ہو جائے گی۔

اسی سوال کو ہم ان پر دہراتے ہیں اور بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ آیا تمھارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کو جو اسے پہاڑ

کی تقسیم پر حاصل ہے فضیلت ہے آیا کوئی ایسا زمانہ ہوسکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ پہاڑ کے اجزا کی تقسیم پر قادر ہو اور رائی کے دانے کے اجزا کی تقسیم پر قادر نہ ہو۔ یا نہیں اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وہ قدرت جو پہاڑ کی تقسیم پر ہے زیادہ مکمل ہے اور یہ مان لیں کہ ایسا زمانہ آ سکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ پہاڑ کے اجزا کی تقسیم پر قادر ہو اور رائی کے دانے کے اجزا کی تقسیم پر قادر نہ ہو، تو یہ کفر کریں گے اپنے رب کو عاجز بنائیں گے اس کی قدرت کو حادث قرار دیں گے جو متناہی ہے اور جس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اور یہ خالص کفر ہے۔

اگر وہ اس سے انکار کریں اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پہاڑ کی اور رائی کے دانے کی تقسیم پر یکساں ہے۔

اور ایسا زمانہ آنا ممکن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ پہاڑ کے اجزا کی تقسیم پر قادر ہو اور رائی کے دانے کے اجزا کی تقسیم پر قادر نہ ہو۔ تو یہ سچے ہیں اور انھوں نے ہمارے ہی قول کی طرف رجوع کر لیا جو حق ہے اور اس کے سوا باطل و گمراہی۔ **والحمد لله رب العلمين۔**

اعتراض خامس یہ ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ آیا رائی کے دانے کے اجزا کا کوئی کل ہے یا ان کا کوئی کل نہیں ہے اور آیا اللہ تعالیٰ ان کے اجزا کے عدد کو جانتا ہے یا وہ اسے نہیں جانتا اگر تم یہ کہو کہ ان کا کوئی کل نہیں تو تم نے مخلوقات موجودہ سے حد و نہایت کی نفی کر دی۔ اور یہ کفر ہے اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے اجزا کے عدد کو نہیں جانتا تو تم نے کفر کیا۔ اور اگر یہ کہو کہ ان کا کل ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اجزا کے اعداد کو جانتا ہے تو تم نے جزء لایتجزی کا اقرار کر لیا۔

یہ بہت کھلی ہوئی ملمع کاری ہے جس پر تنبیہ ضروری ہے کہ اہل غفلت اسے قبول نہ کر لیں۔ اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے لفظ ''کل'' کا اطلاق ایسی جگہ کیا جہاں ''کل'' نہیں پایا جاتا، اور یہ سوال کیا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس چیز کا عدد جانتا ہے جس کا عدد نہیں ہے اس سوال میں ان کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ آیا اللہ تعالیٰ بے ریش و بروت شخص کی ڈاڑھی کے بالوں کا عدد جانتا ہے یا نہیں۔ آیا وہ بانجھ عورت کی تمام اولاد کو جانتا ہے یا نہیں۔ اور آیا وہ اہل جنت و دوزخ کی کل حرکات کو جانتا ہے یا نہیں۔ یہ سب سوالات ایسے ہی ہیں جیسے ان کا سوال اور کوئی فرق نہیں۔

ان سب میں ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو اسی طور پر جانتا ہے جس طور پر وہ ہیں نہ کہ اس کے خلاف۔ اس لیے کہ جو شخص کسی چیز کو اسی طور جانے جس طور وہ ہے تو اس نے اسے حق و صحیح طور پر جانا۔ لیکن جس نے شے کو اس کے خلاف جانا جس پر وہ ہے تو اس نے اسے نہیں جانا بلکہ وہ اس سے ناواقف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس صفت سے بری ہے جس شے کا کوئی کل اور کوئی عدد نہ ہو، اللہ تعالیٰ اسے یہی جانے گا کہ نہ اس کا کل ہے نہ اس کا عدد۔ اللہ تعالیٰ کل و عدد صرف اسی شے کے لیے جانتا ہے جس کے لیے کل و عدد ہے نہ کہ اس شے کے لیے جس کے نہ کل ہے نہ عدد۔ اسی طرح بے ریش و بروت کی ڈاڑھی کے بال اور بانجھ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں جانتا۔ پھر وہ ان کے کل کو کیسے جانے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں جانتا۔ پھر وہ انکے کل کو کیسے جانے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پہاڑ اور رائی کے دانے کے اجزا کے عدد کو تجزیہ کرنے سے پہلے نہیں جانتا۔ اس لیے کہ قبل تجزیہ ان دونوں کا کوئی جز نہیں۔ وہ ان دونوں کو صرف یہی جانتا ہے کہ یہ اجزا والے نہیں ہیں۔

وہ ان دونوں کو یہ جانتا ہے کہ ان میں تجزیے کا احتمال ہے۔ جب ان کا تجزیہ کر دیا جائے گا اس وقت وہ ان دونوں کو متجزی (اجزا والا) جانے گا اور اسی وقت ان کے اجزا کا عدد بھی جانے گا۔

اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ ہر جزء مالایتجزی کا تجزیہ ہوسکتا ہے۔ اور وہ ازل سے ان اجزا کے عدد کو جانتا ہے جو حد فعل میں آنا شروع نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی مخلوق کے ان اشخاص کا عدد جانتا ہے جو ہمیشہ حد فعل و وجود میں ظاہر ہوتے رہیں گے۔ وہ ازل

سے یہ بھی جانتا ہے کہ ان اشخاص سے زائد نہ ہوں گے جو شے اب تک منقسم نہیں ہوئی اس کے اجزا نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ ازل سے جانتا ہے کہ رائی اور پہاڑ کے لیے تجزیے سے پہلے بالکل اجزا نہیں۔ چونکہ یہ ایسا ہے اس لیے اس مقام پر نہ کوئی کل ہے نہ بعض اس لیے یہ ان کے سوال ہی کا بطلان ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

اسی سوال کا ہم مزید اعادہ کرتے ہیں اور بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ ہمیں رائی یا اون یا بال یا اور کسی چیز کے ایک معین فرد کے متعلق بتاؤ کہ جب ان میں سے ہر ایک کے دو یا زیادہ اجزا کر دیے جائیں تو یہ اجزا کب پیدا ہوں گے آیا جس وقت تجزیہ کیا جائے گا یا تجزیے سے قبل۔ اگر وہ یہ کہیں کہ تجزیے سے قبل پیدا ہو گئے تو نہایت بیہودہ تناقض واختلاف بیانی اختیار کی، اس لیے کہ انھوں نے اجزا کے پیدا ہونے سے پہلے ان کے پیدا ہونے کا اقرار کر لیا، اور یہ حماقت ہے اگر وہ یہ کہیں کہ اس وقت ان کے اجزا پیدا ہوئے جب تجزیہ کیا گیا نہ کہ اس کے قبل۔ تو ہم ان سے سوال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے متجزی و منقسم ہونے کا علم کب ہوا۔ آیا جب ان میں تجزیہ پیدا ہوا یا ان میں تجزیہ پیدا ہونے سے قبل۔ اگر وہ یہ کہیں کہ علم اس وقت ہوا جس وقت ان میں تجزیہ پیدا ہوا۔ تو سچے ہیں اور انھوں نے رائی کے اجزا کے متعلق اپنا قول باطل کر دیا۔ اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں متجزی اور ان کے اجزا کو تجزیہ پیدا ہونے سے پہلے جانا تو انھوں نے اپنے رب کو جاہل بنایا (جس سے وہ برتر ہے) کیوں کہ انھوں نے یہ خبر دی کہ وہ شے کو اس کے خلاف جانتا ہے جس طور پر وہ ہے۔ اور اس شے کے اجزا جانتا ہے جس کے اجزا نہیں۔ اور یہ گمراہی ہے۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق۔**

کل یہی ہے جس سے انھوں نے ملمع کاری کی ہے۔ ہم نے اس میں سے ان کی کوئی شے نہیں چھوڑی جو بیان نہ کر دی ہو۔ اور ہم نے واضح کر دیا کہ اس میں سے کسی شے میں بھی ان کے لیے حجت نہیں ہے۔ یہ سب انھیں پر عائد ہوتا ہے اور یہ ہماری ہی حجت ہے **و الحمد للہ رب العلمین۔**

اس کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے اس پر بدیہی دلائل لانا شروع کرتے ہیں کہ ہر جسم جو عالم ہے وہ قابل تجزیہ ہے اور اس میں تجزیے کا احتمال ہے اور جسم کا ہر جزو بھی جسم ہے اور اس میں بھی تجزیے کا احتمال ہے اور اسی طرح ہمیشہ اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگار ہے۔

ان سے کہا جائے گا اور ہم اللہ ہی سے مدد کے خواستگار ہیں کہ ہمیں اس جزو کے متعلق جسے تم کہتے ہو کہ قابل تجزیہ نہیں ہے۔ بتاؤ کہ آیا وہ عالم میں ہے یا عالم میں نہیں ہے۔ اور کسی تیسری صورت کا امکان نہیں ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ عالم میں نہیں ہے تو سچے ہیں اور انھوں نے جزء لایتجزی کو باطل کر دیا۔ مگر انھیں ایک بیہودہ قول لازم آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کہتے ہیں کہ تمام عالم اجزا ہے لایتجزی سے مرکب ہے اور ''کل'' بجز انھیں اجزا کے اور کوئی شے نہیں۔ اگر یہی اجزا عالم میں نہیں ہیں تو عالم عدم ہے جو عالم میں نہیں ہے۔ اور یہ بدحواسی وحماقت ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

اگر یہ کہیں کہ جزء لایتجزی عالم میں ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر وہ کرۃ ... عالم میں ہے تو اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ قائم بالذات وحامل ہوگا اور یا غیر قائم بالذات ومحمول ہوگا۔ ان دو میں سے ایک امر ضروری ہے اس لیے کہ تمام عالم بجز ان دو قسموں کے نہیں ہے۔

اگر وہ محمول وغیر قائم بالذات ہے تو اعراض میں سے ایک عرض ہے۔ اور اگر حامل وقائم بالذات وصاحب مکان ہے تو وہ جسم ہے۔

پھر ان سے کہا جائے گا کہ ہمیں اس جزو کے متعلق بتاؤ جسے تم نے لایتجزی (ناقابل تجزیہ) بیان کیا، حالانکہ وہ تمھارے قول کے مطابق مکان میں ہے۔ اس لیے کہ وہ اجزائے جسم کا بعض ہے آیا اس کا جو حصہ مشرق سے ملا ہوا ہے وہی ہے جو مغرب سے ملا ہوا ہے یا اس کا

غیر ہے۔ اور آیا اس کا جو حصہ آسمان کے بالمقابل ہے وہی ہے جو زمین کے بالمقابل ہے یا اس کا غیر ہے اگر وہ یہ کہیں کہ سب ایک ہے، اس کا جو حصہ مشرق سے ملا ہوا ہے وہی مغرب سے ملا ہوا ہے اور جو آسمان کے بالمقابل ہے وہی زمین کے بالمقابل ہے تو یہ بہت بڑی بات لائے انھوں نے اس کی مشرق کی جہت ہی کو مغرب کی جہت بنا دیا اور اس کے لیے آسمان و زمین کو ایک ہی جہت میں کر دیا۔ اور یہ وہ حماقت ہے جہاں تک سوائے وسوسے والے کے کوئی نہ پہنچے گا۔ یہ مشاہدے کی مخالف ہے جسے کوئی صحیح فطرت والا اپنے لیے پسند نہ کرے گا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اس کا جو حصہ مشرق سے ملا ہوا ہے وہ اس کا غیر جو مغرب سے ملا ہوا ہے۔ اور اس سے آسمان و زمین دو آمنے سامنے والی جہتوں میں ہیں یعنی اوپر اور نیچے، تو یہ سچے ہیں،

اور اسی طرح جنوب و شمال کی جہت بھی ہے۔ چونکہ یہ بلا شک اسی طرح ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ جزء لایتجزی چھ مختلف جہات والا ہے۔ اور یہ ان کی طرف سے اس امر کا اقرار ہے کہ وہ (ناقابل تجزیہ نہیں بلکہ) اجزا والا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے یہ تصفیہ کر دیا کہ اس کا جو حصہ مغرب سے ملا ہوا ہے وہ اس حصے کا غیر ہے جو مشرق سے ملا ہوا ہے۔ حرف ''مـــن'' تبعیض کے لیے ہے۔ ان کا قول جلد ہی باطل ہو گیا۔ **والحمد لله رب العلمين۔**

اگر وہ عرض میں اسی طرح کا الزام ہمیں دینا چاہیں تو ہم کہیں گے کہ عرض کے لیے نہ جہت ہے نہ مکان نہ وہ بالذات قائم ہے اور نہ کسی شے کے بالمقابل و محاذی ہے۔ محاذات و مقابلہ صرف ان اشیا کا ہے جو حامل عرض ہیں نہ کہ عرض کا۔ کیوں کہ اگر عرض مرتفع ہو جائے اور جاتا رہے تو اس کا حامل اپنے مکان کو بھرے رہے گا جیسا کہ وہ حامل عرض ہونے کے وقت تھا بالکل اسی طرح اور اسی کے مساوی وہ اپنی تمام جہات میں جس کے محاذی و بالمقابل تھا اسی کے محاذی رہے گا جس کو تم جزء لایتجزی کہتے ہو اگر وہ مرتفع ہو جائے تو اس کا مکان اس سے خالی رہ جائے گا۔ اور ہم واضح کر چکے ہیں کہ دو عرض یا چند اعراض جو ایک جسم میں ہوتے ہیں۔ وہ اس جسم کی ایک ہی جہت میں ہوتے ہیں ان میں باہم اس میں اختلاف نہیں کہ دو جزء یتجزی کا ایک مکان میں ہونا قطعاً ناممکن ہے بلکہ ان کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کا ایک مکان ہے جو دوسرے کے مکان کا غیر ہے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جزء لایتجزی میں طول عرض عمق نہیں ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ جب تم نے جزء لایتجزی کے ساتھ ایک دوسرے جزء لایتجزی کو ملا دیا تو کیا ان دونوں کے لیے طول نہیں پیدا ہوا۔ انھیں ہاں کہنا ضروری ہے جس میں یہ اختلاف بھی نہ کریں گے۔ اگر وہ یہ کہیں ان کے لیے طول نہیں پیدا ہو گا تو بلا شک انھیں جزو ثالث و رابع اور زائد کے شامل کرنے میں بھی یہی لازم آئے گا، یہاں تک کہ یہ کہہ دیں کہ بڑے بڑے اجسام کے لیے بھی طول نہیں ہے۔ اور مشاہدے کی مخالفت حاصل کر لیں۔

ایسی صورت میں ہم ان سے پوچھیں گے کہ جب تم نے یہ کہا کہ ایک جزء لایتجزی کے ساتھ جس کے لیے طول نہیں ہے جب دوسرا جزء لایتجزی ملایا گیا ہے جس کے لیے طول نہیں ہے تو پھر ان دونوں میں سے کون ہے جس کے لیے طول پیدا ہو گا یہ پیدا ہونے والا طول تمھارے نزدیک تین میں سے ایک وجہ سے خالی ہے جن کے لیے کوئی چوتھی وجہ بھی نہیں ہے، یا تو یہ طول دو میں سے ایک کے لیے ہو گا نہ کہ دوسرے کے لیے۔ یا دو میں سے کسی ایک کے لیے ہو گا۔ یا دونوں کے لیے ہو گا۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ طول دونوں کے لیے ہے نہ کہ دو میں سے ایک کے لیے۔ تو تم نے ایسا طول ثابت کیا جو طویل کے لیے نہیں ہے اور ایسا طول ثابت کیا جو قائم بالذات ہے۔ حالانکہ طول عرض ہے اور عرض قائم بالذات نہیں۔ اور طول صفت ہے اور صفت کا بغیر اپنے موصوف

کے پایا جانا غیر ممکن ہے۔ ایسے طول کا موجود ہونا جو طویل کے لیے نہ ہو خلاف مشاہدہ و محال ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ یہی طول ہے جو دو میں سے ایک جزو کے لیے ہے نہ کہ دوسرے کے لیے تو تم نے حقیقت کو بدل دیا اور وہ بات کہی جس کے بطلان میں حس و ضرورت عقل کے مطابق کوئی شک ہی نہیں۔ اور تمھیں یہ لازم آ گیا کہ جزء لایتجزی کے لیے طول ہے اور جب اس کے لیے طول ہے تو بلاشک اس کا تجزیہ ہو سکتا ہے اور یہ خود تمھارا اپنے قول کا ترک کرنا ہے اور اس کے باوجود یہ محال بھی ہے اس لیے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کا تجزیہ ہے اور اس کا تجزیہ نہیں ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ طول دونوں جزووں کے لیے ساتھ ساتھ ہے تو تم نے سچ کہا اور حق کا اقرار کر لیا کہ ان دونوں کے ہر جزو کے لیے اس کے طول کا حصہ ہے طول کا حصہ بھی بلاشک طول ہی ہے جب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے طول ہے تو پھر وہ متجزی (قابل تجزیہ) ہے اور یہ تمھارے قول کے خلاف ہے کہ اس کا تجزیہ نہیں ہوتا۔ یہ وہ برہان ضروری ہے کہ اس سے ان کو مفر نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ دو جزو ہیں جن میں سے ہر ایک نا قابل تجزیہ ہے ان میں سے ایک کو دوسرے سے ملا دیا گیا ہے۔ اور دو میں سے ایک جزو ہے جس کو دوسرے سے ملایا نہیں گیا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کون زیادہ طویل ہے دونوں ملے ہوئے یا بغیر ملا۔ یہ ناجائز ہے کہ کوئی بجز اس کے کہے کہ جو دو جزو ملے ہوئے ہیں وہ زیادہ طویل ہیں اس ایک جزو سے جو دوسرے سے ملا ہوا نہیں ہے۔ چونکہ یہ ایسا ہے تو محال و ممتنع و باطل ہے کہ کسی شے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ شے اس شے سے زیادہ طویل ہے دوسری شے میں بھی طول ہے اور اس سے کم طول ہے جس کا طول اس سے زیادہ ہے لہٰذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ ہر جزو کے لیے طول موجود ہے جس کے بارے میں انھوں نے کہا تھا کہ وہ نا قابل تجزیہ ہے اور جب اس کے لیے طول ہے تو وہ ہمارے آپس میں بغیر کسی کے اور ان کے اختلاف کے منقسم و متجزی ہے ان دونوں کے عرض میں بھی یہی قول ہے۔ اگر ایک کو دوسرے سے ملایا جائے۔ اور ایسا ہی ان دونوں کے عمق میں ہے۔ ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے عرض و عمق کا حصہ ہو چونکہ یہ ضروری طور پر ایسا ہے تو جس جزو کو انھوں نے لایتجزی کہا تھا اس کے لیے طول و عرض و عمق ضروری ہو گیا۔ اور چونکہ یہ ایسا ہے لہٰذا وہ جسم ہے جو قابل تجزیہ ہے اور ضروری ہے۔ یہ بھی وہ برہان ضروری ہے جس سے مفر نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

ابو الہذیل نے اس الزام سے بچنا چاہا مگر اس سے بچنا دور ہے۔ اس لیے کہ اس نے محال کا ارادہ کیا، کیوں کہ اس نے کہا ہے کہ وہ طول جو ان دونوں جزووں کے لیے ان کے مجتمع ہونے پر پیدا ہو گیا ہے وہ مثل اس اجتماع کے ہے جو ان دونوں کے لیے پیدا ہو گیا ہے اور جب یہ دونوں منفرد و تنہا تھے تو وہ طول نہ ان دونوں کے لیے تھا نہ ایک کے لیے۔

یہ کھلی ہوئی ملمع کاری ہے۔ اس لیے کہ یہ اجتماع دو میں سے ایک کا دوسرے سے ملنا ہی ہے کوئی اور چیز نہیں ہے۔ یہ دونوں جمع و شامل ہونے سے پہلے نہ مجتمع تھے نہ آپس میں ملے ہوئے۔ طول و عرض و عمق کے معنی اس طرح نہیں ہیں بلکہ وہ ایک دوسری شے ہے جو اجتماع و ضم (شامل ہونے) کے غیر ہے۔ یہ طویل ہی کی صنعت ہے جو غیر سے ملا ہوا ہو یا نہ ملا ہوا ہو۔ جمع ہونے اور ملنے سے وہ طول لازم نہیں آتا جو ملنے اور جمع ہونے سے پہلے لازم نہ وہ۔ مگر ابو الہذیل نے اس سے زیادہ نہ کہا کہ جب یہ دونوں ملے تو مجتمع ہو گئے اور دونوں طویل ہو گئے۔ یہ دعویٰ فاسد اور نظر ضعیف ہے اس لیے کہ یہ کہنا کہ جب وہ دونوں اکٹھا ہوئے تو مجتمع ہو گئے۔ صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ دونوں طویل ہو گئے۔ ایک دعویٰ ہے جو دلیل سے بالکل خالی ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ جب ان دونوں میں اجتماع پیدا ہو گیا تو دوسرے معنے

جوان میں موجود تھے۔ باطل ہو گئے اور یہ وہی افتراق ہے جو اجتماع کی ضد ہے۔

بتاؤ کہ تمھارے دعوے کے مطابق جب طول پیدا ہو گیا تو وہ کونسی چیز ہے جو اس چیز کے معنی ہیں کہ طول کے ہونے سے چلی گئی۔ اور طول اس کے بعد آ گیا۔ انھیں اس چیز کے وجود کے لیے کوئی گنجائش نہیں، لہذا ثابت ہو گیا کہ طول ہر جزو میں اس کے منفرد تنہا ہونے پر بھی موجود تھا۔ اور اسی طرح عرض وعمق بھی موجود تھا۔ جب یہ دونوں مجتمع ہو گئے تو طول وعرض وعمق بڑھ گیا، اور ایسا ہی ہمیشہ ہوگا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** عقل وحواس ومشاہدے بھی اسی کے شاہد ہیں۔ **والحمد للہ رب العلمین**۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ جسم اگر سرخ ہے تو بلا شک اس کے اجزا میں سے ہر جزو سرخ ہوگا۔ اگر وہ کہیں کہ سرخ نہیں ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ تب وہ شاید سبز یا زرد یا اور کسی رنگ کا ہوگا۔ اور یہ عین محال ہے۔ اس لیے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ''کل'' بجز اپنے اجزا کے اور کوئی شے نہیں۔ اگر اس کے اجزا کا رنگ اس کے رنگ کے بالکل خلاف ہوگا تو بلا شک اس کا رنگ اپنے رنگ کے خلاف ہوگا۔ اور یہ محال ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا چونکہ اس میں کوئی شک نہیں تو یہ لوگ جس جزو کے غیر منقسم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں بلا شک وہ بھی رنگین ہوا۔ اور جب وہ رنگین ہے تو بلا شک وہ جسم ہے اور اسکے سوا عقل میں نہیں آ سکتا۔ لہذا وہ قابل تجزیہ وتقسیم ہے۔

اشعریہ نے یہاں پر ایک عجیب بات کہی ہے اور وہ یہ ہے کہ جزء لاتجزی ایک ہی رنگ کا ہوگا۔

ہر رنگین ایک ہی رنگ والا ہوتا ہے نہ کہ بہت سے رنگوں والا بجز اس کے کہ وہ ابلق یعنی دو رنگا ہو یا اس پر نقش ونگار ہوں۔

ایک برہان یہ ہے کہ عالم میں ایسی شے کا وجود جو قائم بالذات ہو اور وہ جسم نہ وہ عرض نہ وہ۔ قابل تجزیہ نہ ہو۔ اس کے لیے طول، عرض عمق نہ ہو۔ محال وممتنع ہے یہ بجز باری تعالیٰ کے کوئی نہیں اور وہ اس سے برتر ہے کہ اس عالم میں کوئی اس کا مثل ہو۔ اسی سے باری تعالیٰ اپنی مخلوقات سے جدا ہو گیا ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اور کوئی شے اس کی سی نہیں۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہر شے کے لیے اس کا احتمال ہے کہ اس کے اجزائے کثیرہ ہوں۔ بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ احتمال ہے کہ اسے اس کے قلیل جزو تک تقسیم کر دیا جائے۔ یہ وہ شے ہے جس میں عقول وحواس کا اختلاف نہیں۔ مثلاً ایک شے میں احتمال ہے کہ اسے چار حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ تو کوئی شک نہیں کہ اس میں اس کا بھی احتمال ہے کہ اسے تین یا دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اسی طرح ہر عدد میں ہے، جو اس کی مخالفت کرے گا وہ بداہت وعقل کی مخالفت کرے گا۔

اگر تم تین ایسے اجزا کا ایک خط قائم کرو جو ان کے قول کے مطابق نا قابل تجزیہ ہے یا یہ خط دس ایسے ہی اجزا سے بنایا جائے یا ایک ہزار ایسے ہی اجزا سے بنایا جائے یا اس سے بھی زائد سے بنایا جائے۔ تو اس میں کوئی بھی اختلاف نہ کرے گا کہ وہ خط جو تین اجزا سے ہے وہ دو مقام پر تین ثلثوں پر تقسیم ہوگا جو چار اجزا سے ہے وہ چار ربعوں پر تین مقام میں تقسیم ہوگا۔

اور وہ خط جو ایک ہزار جزو کا ہے وہ دسوں اور دو نصفوں پر تقسیم ہوگا۔

چونکہ اس میں کوئی شک نہیں تو پھر ایسے یقین کے ساتھ جس سے مفر نہیں ہر صاحب حس سلیم خواہ وہ عالم ہو یا جاہل جانتا ہے کہ جو خط ثلثوں پر تقسیم ہوگا وہ دو مساوی نصفوں پر تقسیم ہوگا، اور جو ربعوں پر تقسیم ہوگا وہ تین مساوی ثلثوں پر تقسیم ہوگا۔ خطوط میں سے جو خط ہوگا تو اس کے لیے اعشار (دسویں حصے) اور اخماس (پانچویں حصے) اور نصف اور اثلاث (تیسرے حصے) اور اسداس (چھٹے حصے) اور اسباع (ساتویں حصے) برابر سے ہوں گے۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہذا ضروری ہے کہ تقسیم اس خط کے نصف یا نصف سے بھی کم حصے میں واقع

ہو۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ہر جسم بدیہی طور پر قابل تجزیہ ہے اور جزء لایتجزی باطل اور اس عالم سے معدوم ہے۔ یہ وہ برہان ہے جس سے انھیں رہائی نہیں ہوسکتی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم بلاشک جانتے ہیں کہ دو خط مستقیم جو متوازی ہوں وہ کبھی آپس میں نہ ملیں گے۔ اگرچہ وہ عالم کی عمر بھر بلا کسی حد و نہایت ہی کے کھینچے جائیں۔ ''خطوط مستقیمہ متوازیہ'' اگر تم اوپر والے خط سے اس کے خط مقابل تک دو خط مستقیم متوازی کھینچو تو بلاشک ان سے مربع بن جائے گا'' □ ''پھر جب تم اس مربع کے کسی زاویے سے ایک ایسا خط نکالو جو اس مقام سے خط زیریں کی طرف اترے، تو یہ خطوط جو اس ضلع سے نکالے گئے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اور وہ خطوط جو زاویے سے نکالے گئے ہیں وہ کبھی خط بلا کے ساتھ نہ گذریں گے، اس لیے کہ یہ اس کے موازی و مقابل نہیں ہیں۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہذا یہ ضلع ہمیشہ بغیر کسی انتہا کے تقسیم ہوتا رہے گا اور اس سے بے نہایت خطوط نکلتے رہیں گے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ضروری طور پر ہم جانتے ہیں کہ ہر مربع جو متساوی الاضلاع ہو تو زاویہ علیا کا وہ خط قاطع جو اس زاویہ سفلی کی طرف جارہا ہے کہ اس کے متوازی نہیں ہے۔ اس سے اس مربع میں دو ایسے مثلث قائم ہو جائیں گے جو آپس میں مساوی ہوں گے، اور یہ خط (جس نے مربع کے دو مثلث بنائے ہیں) بلاشک اس مربع کے ہر جداگانہ ضلع سے زیادہ طویل ہوگا'' ▭ ''ہم ایسے ایک سوا جزائے لایتجزی کو دریافت کرتے ہیں جو دس دس مل کر قائم ہیں۔ بدیہی طور پر ہم ان میں وہی پاتے ہیں جو بیان ہو چکا ہے اس وقت ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اجزائے مذکورہ کے ہر جزو کے لیے اگر طول وعرض نہ ہوتا تو وہ خط جو اس سے گذرنے والا ہے اور اس مربع کا جو انھیں سے قائم ہے دو مساوی مثلثوں پر قطع کرنے والا ہے ہرگز اس خط سے زیادہ طویل نہ ہوگا جو اس مربع کی تمام جہات میں سے ہر جہت سے مساوی طور پر اور اس مربع کے گھیرنے والے چاروں خطوط کے متوازی ہو کر گذرنے والا ہے، اور وہ بلاشک اس سے زیادہ طویل ہے۔ لہذا بدیہی طور پر ثابت ہوگیا کہ اس کے ہر جزو کے لیے طول وعرض ہے اور جس شے کے لیے طول وعرض ہو وہ بلاشک قابل تقسیم ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے بھی ثابت ہوگیا کہ ہر وہ جزو جس پر سے خط مذکور گذرا وہ منقسم ہوگیا۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ اگر ان کے قول کے مطابق ہم اجزائے لایتجزی سے ایک خط مستقیم قائم کریں پھر ہم اسے اس قدر گردش دیں کہ اس کے دونوں سرے مل کر دائرہ بن جائے '' ○ '' تو ہر صاحب حس سلیم ضروری طور پر جانتا ہے کہ خط مستقیم کو جب اتنا گھمایا جائے کہ اس کے دونوں سرے مل جائیں تو اس کے اجزا میں سے جو مرکز دائرے کے مقابل ہوگا وہ ان اجزا کے اس جزو سے ضعیف ہوگا جو دائرے کے باہر سے اس کے مقابل ہے چونکہ یہ ایسا ہے تو بلاشک یہ اس گھمائے ہوئے خط میں لازم ہے اور چونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے تو ان کے نزدیک جو جزو لایتجزی ہے اس کے دونوں سروں میں سے ایک سرا دوسرے سرے سے فاضل ہوگا۔ اور اسی طرح بلاشک ان اجزا کا ہر جزو ہوگا۔ لہذا ضروری طور پر ثابت ہوگیا کہ اس میں انقسام کا احتمال ہے اور ضرور ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم ان سے اس دائرے کو دریافت کرتے ہیں جس کا قطر گیارہ جزو یتجزی کا ہے یا ان گیارہ میں سے علی الحساب کوئی جزو ان کے نزدیک جزو لایتجزی ہے تو ہم نے گھمایا کہ اسے دو مساوی حصوں پر تقسیم کریں۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ ممکن ہے۔ لہذا ضروری طور پر ہم جانتے ہیں کہ وہ خط جو ایک محیط سے اس کے مقابل کے محیط تک قطر دائرے کا قطع کرنے والا ہے اور اس کے مقابل کے محیط تک قطر دائرے کا قطع کرنے والا ہے اور اس کے مرکز پر سے گذرنے والا ہے، وہ لامحالہ ان اجزا کے نصفوں ہی پر واقع ہوگا۔ لہذا ضرور

ثابت ہوگیا کہ وہ متجزی ہے اگر یہ خط اس کے نصفوں پر سے نہ گذرتا تو ہر گز دائرے کو دو نصفوں میں تقسیم نہ کرتا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**

ایک اور برہان ہے کہ ہم ان سے اس جزو لاتجزی کو دریافت کرتے ہیں جس کو یہ ثابت کرتے ہیں کہ جب اسے شیشے کی چکنی اور برابر سطح پر رکھا جائے تو آیا اس کا کوئی حجم شیشے کی سطح سے زائد ہوگا یا اس کی سطح سے اس کا کوئی زائد حجم نہ ہوگا۔ اگر یہ کہیں کہ اس کی سطح سے اس کا کوئی زائد حجم نہ ہوگا، تو انھوں نے اسے معدوم کر دیا، اس کے لیے کوئی مکان نہیں مقرر کیا، اور نہ اسے متمکن (صاحب مکان) بنایا۔ ہم ان سے ان دو جزدوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو اسی طرح کیے گئے ہوں۔ لامحالہ انھیں یہ کہنا پڑے گا کہ ان دونوں کے لیے حجم ہے ہم ان سے اس حجم کو دریافت کریں گے کہ آیا وہ اکھٹا دونوں کے لیے ہے یا دو میں سے ایک کے لیے۔ یہ جو کچھ کہیں گے لامحالہ ددنوں کا اور اس جزو کا بھی جو دو میں سے ایک ہے حجم ثابت کر دیں گے۔ جب جزو لاتجزی کے لیے زائد حجم ہوا تو اس امر میں کچھ شک ہی نہ رہا کہ اس کے لیے سایہ بھی ہے۔ اور جب ثابت ہوگیا کہ اس کے لیے سایہ ہے تو پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سایہ کم و بیش ہوتا ہے بڑھتا اور سکڑتا ہے اور جب آفتاب اس کے مقابل ہوتا ہے تو سایہ چلا جاتا ہے چونکہ یہ ایسا ہے لہذا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس کا سایہ کم ہوتے ہوتے اس کی مقدار سے بھی کم ہو جاتا ہے اور چونکہ یہی امر ہے لہذا اظاہر و واجب ہوگیا کہ اس کے لیے تجزیہ اور ایسی مقدار ہے جو حصے والی ہے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم ان سے اس جزو لاتجزی کو جو لوہے یا سونے کا ہو۔ اور اس جزو لاتجزی کو جو روئی کے تاگے کا ہو دریافت کرتے ہیں کہ آیا ان دونوں کا ثقل و وزن برابر ہے یا وہ لوہے یا سونے کا جزو روئی کے جزو سے بھاری ہے اگر کہیں کہ دونوں کا ثقل و وزن مساوی ہے تو انھوں نے مشاہدے کی مخالفت کی، اور انھیں سونے کے اسی طرح کے ہزار جزو کے بارے میں بھی لازم آئے گا کہ یہ ہزار جزو روئی کے اکھٹا یا متفرق ہزار جزو سے بھاری نہیں ہیں۔ اور یہ جنون اور مشاہدے کی مخالفت ہے اور اگر یہ کہیں کہ سونے کا جزو زیادہ وزنی اور بھاری ہے تو سچ کہا اور انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کا تجزیہ ہوتا ہے اور بدیہی و ضروری طور پر وزن میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

یہ وہ براہین ضروریہ ہیں جن سے اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ہر جزو کی بغیر کسی حد و انتہا کے تقسیم ہوسکتی ہے۔ اور جزو لاتجزی کا اس عالم میں ہر گز وجود نہیں ہے۔ اور نہ اس کا وجود ممکن ہے بلکہ وہ محال ہے اور ممتنع ہے **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

ابوالہذیل نے اس باب میں ہذیان سرائی کی ہے۔ اور جو باطل کی مدد کرنا چاہے وہ اسی کا مستحق ہے کہ ہذیان سرا ہو۔ اس نے کہا ہے کہ جزو لاتجزی صاحب حرکت و سکون ہے، یہ دونوں کیفیتیں آگے پیچھے اس پر گذرتی رہتی ہیں۔ وہ ایسے مکان کو گھیرے ہوئے ہے کہ اس کے ساتھ اس میں کسی اور کی گنجائش نہیں۔ وہ زمین کے جس مکان میں ہے اس سے آسمان سے قریب تر ہے۔

یہ انتہائی تناقض ہے جو شے ایسی ہوگی بلا شک اس کے لیے مساحت ہوگی۔ اور اس کے لیے چھ جہالت بھی ہوں گی۔ پھر مساحت کے اجزا ہوں گے۔ نصف و ثلث۔ اور کم و بیش۔ اور جو شے جہات والی ہوگی اس کا ہر جہت والا جزو بلا شک اس کے اس جزو کا غیر ہوگا کہ دوسری طرف ہے۔ اور جو ایسا ہو اس میں بلا شک تجزیے کا احتمال ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ وسوسہ ہے۔ **نعوذ باللہ من۔**

ان کے اس ہذیان میں بھی عجیب اختلاف ہے ان کا اس پر اجماع ہے کہ جب جزو لاتجزی کو جزو لاتجزی سے ملایا جائے تو یہ دو ہو جائیں گے۔ پھر ان کے لیے طول پیدا ہو جائے گا۔ اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ وہ (جزو لاتجزی) ایسا جسم کب بنے گا جس کے لیے طول عرض عمق ہوتا ہے۔ بعض نے تو کہا کہ جب دو جزو ہو جائیں گے تو وہ جسم ہو جائے گا یہ قول اشعریہ کا ہے۔ بعض نے کہا کہ جب چار اجزا ہو جائیں گے بعض نے کہا کہ جب چھ اجزا ہو جائیں گے۔ اور اس پر سب متفق ہیں کہ جب آٹھ اجزا ہو جائیں گے تو وہ ایسا جسم بن جائے گا

جس کے لیے طول عرض عمق ہوگا۔ حالانکہ تمھیں یہی کافی ہے کہ یہ سب ہذیان اور شدید جہل ہے۔ ان اہل ہذیان کو مناسب تھا کہ وہ ان حماقتوں کے بیان کرنے سے پہلے علم حاصل کرتے۔

یہ برہان کہ ان میں اختلاف نہیں ہے، یہ ہے کہ انھوں نے جب چار ایسے جز و لا یتجزی بیان کیے جن کے تحت میں چار اجزا ہیں تو ان کے نزدیک ان اجزا کا مجموعہ طویل عریض عمیق جسم بن گیا۔

یہ وہ چیز ہے جس پر ان کے جی خوش ہیں آٹھ اجزا کے بارے میں ان کی عقول نے اس سے اطمینان کر لیا۔ بعض کو چھوڑ کر بعض کے لیے ایسے تین اجزا میں جس کے تحت میں تین اجزا ہوں۔ یا دو اجزا میں جس کے تحت میں دو اجزا ہوں، سہل کر دیا۔ بجز اشعریہ کے اور سب کے سب ایک جزو میں جو ایک جزو پر ہو منکر ہیں۔ وہ ان کے ناکام اصول اور رذیل اقوال کی بنا پر جو ایک جزو میں ہو کہ ایک جزو پر ہوا اور وہ ایک جزو پر ہو، بعینہ بالکل اسی طرح موجود ہے۔

وہ یہ ہے کہ چار اجزا جو چار اجزا پر ہوں ان سے ہر جہت سے صرف ایک جزو حاصل ہوگا، جب یہ طول کے طور پر چار کو چار پر کریں گے تو وہ اسے ایک ایسے جزو میں کر دیں گے جو ایک جزو کے پہلو میں ہو۔ اسی طرح یہ عرض میں کریں گے اور اسی طرح عمق میں کریں گے۔ جب وہ ایسا ہے اور ان کے نزدیک طول ایک ایسے جزو میں پایا جاتا ہے جو ایک جزو کے پہلو میں ہے عرض طول کے پہلو میں پایا جاتا ہے اس لیے کہ طول سے عرض ہرگز زیادہ نہیں ہوتا۔ اور عمق بھی دونوں میں موجود ہے، تو ظاہر ہوگیا کہ اس کے ہر جزو کے لیے طول و عرض و عمق و مکان و جہات ہیں۔ اور اس سے ضروری طور پر واجب ہوگیا کہ وہ قابل تجزیہ ہے اور ان کا جہل اور ان کی بیہودگی واضح ہوگئی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

جب جز و لا یتجزی کے بارے میں ان کا قول باطل ہوگیا اور اس کا بھی بطلان ہوگیا جو انھوں نے ثابت کیا تھا کہ وہ جوہر ہے نہ جسم ہے نہ عرض ہے تو ثابت ہوگیا کہ تمام عالم حامل و قائم بالذات اور محمول و قائم بالغیر ہے۔ ان دونوں میں سے تنہا کسی ایک کا وجود ممکن نہیں محمول عرض ہے اور حامل ہی جوہر ہے اور (یہی جوہر یا حامل) جسم ہے۔ اس کا جو چاہو نام رکھ لو ان دو قسموں اور ان دونوں کے خالق کے سوا اور کسی کا وجود ممکن نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

ان جہلا نے کہا ہے کہ عرض دو وقت باقی نہیں رہتی اور وہ کسی عرض کی حامل نہیں ہوتی۔

ہم نے اس مسئلے میں ان سے گفتگو کی اور ان کی کتابوں کو پڑھا مگر اس مسئلے میں ان کی اس سے زیادہ کوئی حجت نہیں پائی کہ بعض نے کہا ہے کہ عرض وقت رہے گی تو وہ ضرور کسی مکان کو گھیرے گی اور مشغول کرے گی۔

یہ حجت خود ایک حجت کی محتاج ہے، ایک جھوٹا دعویٰ ہے جس کی جھوٹے دعوے سے مدد کی گئی ہے اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہوگی۔ اگر ان کی یہ باتیں صحیح ہوں تو عرض کے ایک وقت رہنے کو جو تجویز کیا ہے بعینہ یہی بات اس میں بھی لازم آئے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم میں اور اس شخص میں کیا فرق ہے جو یہ کہے کہ اگر عرض ایک وقت باقی رہے گی تو وہ ضرور مکان کو مشغول کرے گی۔ ہر صاحب حس سلیم یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ ایک وقت باقی رہنے میں اور دو وقت یا زیادہ باقی رہنے میں اقتضائے مکان میں کوئی فرق نہیں۔ اگر انھوں نے اس کے ایک وقت رہنے کو باطل کر دیا، تو لازم آئے گا کہ وہ بالکل باقی نہیں ہے۔ اور جب وہ باقی نہیں تو بالکل موجود نہیں۔ اور جب موجود نہیں تو معدوم ہے۔ اس ہذیان سے انھیں اعراض کی نفی اور مشاہدے کی مخالفت حاصل ہوئی۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم میں اور اس میں کیا فرق ہے جو یہ کہے کہ وہ دو وقت باقی رہتی ہے اور تین وقت نہیں باقی رہتی اس لیے کہ اگر

وہ تین وقت باقی رہے گی تو مکان کو مشغول کرے گی۔ اور یہ سب حماقت ہے۔ باقی رہنے والی چیز کا مقتضی مکان ہوتا اس کے باقی رہنے کی وجہ سے واجب نہیں ہوا بلکہ اس کے طویل عریض عمیق ہونے کی وجہ سے، اور بس۔

بعض نے کہا ہے کہ شے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے وقت نہ فانی تھی نہ باقی۔ حماقت میں یہ دعویٰ بھی ایسا ہی ہے جیسا ان کا گذشتہ دعویٰ۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے باوجود نہ یہ عقل میں آتا ہے، نہ وہم ہی میں کوئی ایسی مثال آ سکتی ہے کہ زمانہ یا عالم میں کوئی ایسی شے موجود ہو جو نہ باقی ہو نہ فانی۔

اس سے زیادہ عجیب کونسی حماقت ہوگی جو یہ کہتا ہے کہ برف کی سفیدی تارکول کی سیاہی، اور ساگ کی سبزی، ان میں سے کوئی شے ایسی نہیں جو وہی ہو جو ابھی تھی، بلکہ وہ ہر وقت فنا ہوتی رہتی ہے اور دس لاکھ اور اس سے زائد سفیدیاں اور اسی طرح دس لاکھ اور اس سے زائد سبزیاں بدلتی رہتی ہیں یہ وہ دعویٰ ہے جو دلیل سے خالی ہے سوائے اس کے کہ مشاہدے کی مخالفت کے ساتھ اس نے حماقت کو جمع کر لیا ہے۔

اس میں صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا، اور جس کو ہم کہتے ہیں کہ اعراض چند قسموں پر منقسم ہیں۔ ان میں سے ایک وہ عرض ہے جو زائل نہیں ہوتی اور نہ اپنے حامل کے فاسد ہونے سے اس کے زائل ہونے کا گمان و وہم ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کا فساد و بربادی ممکن ہو مثلاً صورت کلیہ یا طول، عرض، عمق۔

ان میں سے ایک وہ عرض ہے جو اپنے حامل کے فساد ہی سے زائل ہو سکتی ہے اور اس کے زائل ہونے کا وہم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً شراب کے اندر ''اسکار'' (نشہ کرنا) وغیرہ کہ یہ اگر مسکر اور نشہ کرنے والی نہ ہو تو یہ شراب ہی نہ ہوگی۔

اسی طرح ہر وہ صفت ہے جسے ہم اس کیفیت پر پاتے ہیں جیسی کہ ہے۔ ان میں سے ایک وہ عرض ہے جو بغیر اپنے فساد حامل کے زائل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس کے زائل ہونے کا وہم کیا جائے تو اس کا حامل فاسد نہیں ہوتا، مثلاً نیلگوں آنکھ کا نیلا ہونا۔ یا چپٹی ناک والے کی ناک کا چپٹا ہونا، کہ اگر یہ دونوں زائل ہو جائیں تو انسان جس طرح انسان تھا اسی طرح انسان رہے گا۔

منجملہ ان کے وہ عرض ہے جو تھوڑی اور بہت مدتوں تک رہتی ہے اور کبھی اس سے زائل ہو جاتی ہے جس میں ہوتی ہے۔ مثلاً بالوں کی سیاہی۔ بعض مزے۔ بعض اشیاء کا کھر کھرا ہونا اور چکنا ہونا۔ اور بعض اشیا کی خوش بو، بدبو، سکون و علم، اور مثلاً وہ بعض رنگ جو بدل جاتے ہیں۔

منجملہ ان کے وہ عرض ہے جو بہت جلد زائل ہو جاتی ہے، مثلاً شرمندہ شخص کی سرخی۔ ارادے کی مدت۔

حرکت کے سوا اعراض میں کوئی عرض ایسی نہیں جو اتنی تیزی سے فنا ہو جائے کہ اس کی بقا کی مدت کو ضبط و اندازہ نہ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ ہم بضرورت عقل و حس جانتے ہیں کہ فلک کے اس جزو کی حرکت جو مشرق سے مغرب تک فلک کو دو نصفوں میں قطع کرتا ہے زیادہ تیز ہے اس کے اس جزو کی حرکت سے جو قطبین کے آس پاس کی ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں جزو جس مکان سے ان کی حرکت شروع ہوئی تھی چوبیس گھنٹے میں وہیں واپس آ جاتے ہیں۔ ان دونوں کے گھومنے والے اجزا کے درمیان اتنی بڑائی ہے جو کسی گھومنے والے خط مستقیم کی اس عالم میں اس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خوفزدہ پرند کی اڑنے کی حرکت؛ کچھوے کے چلنے کی حرکت سے بہت تیز ہے۔ اونڈیلنے میں بڑی مشک کے پانی کی حرکت اس پانی سے بہت تیز ہے جو کسی نہر کی نالی میں جاری ہو۔ جاری ہونے میں غبار کی حرکت پیادے کی حرکت سے بہت تیز ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ حرکات کے درمیان بھی اقامت کی ایسی بقا ہے جس کی مدت میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لیے کہ تمام حرکات یہی ہیں کہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوں۔ متحرک کے لیے مقابلہ ہے اور ہر جسم کے لیے جو

اس پر گذرے ضروری ہے ان مقابلات میں تیزی یا سستی میں باہم کمی بیشی ہوتی ہے مگر اس کے اجزا محسوس نہیں ہوتے۔ اور نہ ان کی باریکیوں کا بجز عقل کے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی عقل سے سائے اور دھوپ کا بڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ اسے حس سے نہیں معلوم کیا جا سکتا مگر جب وہ کل کا کل جمع ہو جائے۔ تو اس وقت حسِ بصر سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح بڑھنے والے کا بڑھنا حواس سے نہیں معلوم ہوتا مگر جب کل بڑھنا ایک دم سے جمع ہو جائے تو محسوس کر لیں گے۔

جیسا کہ عقل ہی سے معلوم ہوتا ہے نہ کہ حواس سے کہ ہر رائی کے دانے کے لیے وزن کا ایک حصہ ہے۔ یہ محسوس نہ ہوگا مگر جب کہ وہ سب جمع ہو جائے۔ اسی طرح شکم سیری و سیرابی اور عالم کی بہت سی اعراض ہیں۔ چنانچہ ان کا خالق برتر اللہ ہے اور وہ بہترین خالق ہے۔

یہ کہنا کہ عرض حامل عرض نہیں ہوتی۔ یہ کلام فاسد اور شریعت و طبیعت و عقل و حواس اور تمام بنی آدم کے اجماع کے خلاف ہے اس لیے کہ ہم لوگ یہ کہنے میں آپس میں اختلاف نہیں کرتے کہ ایک ‘‘حرکت سریعہ’’ ہے ایک ‘‘حرکت بطیئہ’’ (سست حرکت) ہے۔ ایک ‘‘حمرت مشرقہ’’ (شوخ سرخی) ہے۔ اور یہ سبزی دوسری سبزی سے گہری ہے۔ علیٰ ہذا اخلاق نیک و اخلاق بد۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ‘‘**ان کیدکن عظیم**’’ (بے شک تم عورتوں کا کید بڑا ہے) اور فرمایا ہے ‘‘**فصبر جمیل**’’ (بس صبر بہتر ہے) تمھیں اس قول کے فاسد ہونے کو یہی کافی ہے کہ اس نے اس حد تک پہنچا دیا۔ اور جس نے مشاہدہ و حس و معقول و کلام الٰہی کو بدل دیا اس کی خرابی حد کو پہنچ گئی اور جس نے اس کی مخالفت کی اس کا عہد نقصان میں رہا۔

ہم اس کے قائل نہیں کہ ایک عرض غیر متناہی وقت تک دوسری عرض کی حامل رہتی ہے۔ یہ باطل ہے۔ وہ جس طرح پائی جاتی ہے اور جس طرح اسے باری تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اسی طرح پیدا کیا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ جو اس کے خلاف ہے وہ دین کی کمی اور عقل کی کمزوری اور بے حیائی ہے۔ ہم ان تینوں باتوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ **حسبنا الله و نعم الوكيل و لاحول. و لا قوة الا بالله العلى العظيم** ۔

معارف

ولادت کے وقت انسان کیا کیا جانتا ہے

معارف میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ تمام معارف اضطراری طور پر اور خود بخود حاصل ہوتے ہیں۔ دوسروں نے کہا کہ وہ سیکھنے اور حاصل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کچھ معارف اضطرار سے اور کچھ اکتساب اور سیکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس باب میں صحیح یہ ہے کہ انسان جب دینا میں بھیجا جاتا ہے تو وہ نہ عاقل ہوتا ہے اور نہ اسے کسی شے کی معرفت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ‘‘**واللہ اخرجکم من بطون امھتکم لاتعلمون شیئا**’’ (اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حالت میں نکالا کہ تم لوگ کوئی شے نہیں جانتے تھے)۔

انسان کی تمام حرکات طبعی ہوتی ہیں۔ مثلاً اپنی ولادت کے وقت اس کا پستان کا لینا، طبیعت کے مطابق درد محسوس کرنے اور خوش ہونے میں وہی کرنا جو چوپائے کرتے ہیں۔ جب بڑا اور صاحب عقل ہو جاتا ہے تو اس کے نفس ناطقہ (یعنی ادراک کرنے والے قوی) میں قوت آ جاتی ہے جس حالت میں ہوتا ہے اسی سے مانوس ہو جاتا ہے اور اسی سے مطمئن رہتا ہے اس کی رطوبات خشک ہونے لگتی ہیں جس گھر

میں وہ ہوتا ہے اس کے امور کا تمیز پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے تفکر اور استدلال میں استعمال حواس کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ فہم پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے وہ ان امور کو جن کا مشاہدہ کرتا ہے اور جن کی اسے خبر دی جاتی ہے سمجھتا ہے بعض معارف تک اس کے پہنچنے کا طریقہ اکتساب ہوتا ہے کہ جیسے ہی ان معارف تک اس کی رسائی ہوتی ہے وہ اخذ کر لیتا ہے۔

اپنی سب سے پہلی فہم و معروفت میں بچہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ کل زیادہ ہے جزو سے ایک جسم دو مکان میں نہیں ہوتا۔ اور ایک ہی شخص ساتھ ساتھ ہی بیٹھا اور کھڑا نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر چہ ان امور کی اچھی طرح تعبیر نہ کر سکے مگر اس کے تمام احوال اس کے مقتضی ہیں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کا اسے یقین ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے حواس سے ادراک کرتا ہے سب سے پہلے وہ اس کی صحت کو جانتا ہے اس کے بعد اس کے لیے ان مقدمات سے جو ہمارے مذکورہ بالا بیان کی طرف دور سے یا نزدیک سے رجوع کرتے ہیں، بقیہ معارف پیدا ہوتے ہیں۔ جو چیز ہمارے نزدیک کسی برہان سے ثابت ہے اگر چہ ہمارے مذکورہ بالا امور کیطرف اس کا رجوع بعید ہی ہو۔ مگر نفس کے لیے اس کی معرفت و علم اضطراری ہے اس لیے کہ اگر وہ اس چیز کی معرفت کو جو اس کے نزدیک ایسے ثبوت سے ثابت ہو چکی ہے اپنے نفس سے زائل کرنے کی کوشش کا قصد کرے تو وہ قادر نہ ہوگا چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہذا تمام معارف اضطراری طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ کیوں کہ جو چیز یقین کے ساتھ نہ معلوم ہوگی وہ ظن و گمان کے ساتھ معلوم ہوگی اور جو ظن و گمان سے معلوم ہو وہ علم نہیں ہے اور نہ معرفت ہے اس امر میں کوئی شک ہی نہیں۔ بجز اس کے کہ طلب سے برہان کی طلب کا طریقہ نکالا جائے۔ اور یہ طلب و تلاش ہی استدلال ہے اگر کوئی چاہیے کہ وہ استدلال نہ کرے تو وہ اس پر ضرور قادر ہے پھر یہ طلب ہی تنہا اکتساب ہے۔

جس چیز کا پہلے ہی عقل و حواس سے ادراک کیا جائے تو اس پر بالکل استدلال نہیں ہوتا۔ بلکہ ان جہات سے قبل استدلال کی اور اسکی طرف رجوع کرنے کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر اس کا استدلال صحیح ہوتا ہے یا باطل ہو جاتا ہے۔

علم شے کی اور معرفت شے کی تعریف یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ علم و معرفت دو اسم ہیں جو ایک ہی معنی پر واقع ہوتے ہیں، اور وہ ایک شے کا اسی طور پر اعتقاد و یقین کرنا ہے جس طور پر وہ ہے اور اس سے مشکوک کا دور کرنا ہے یہ یا تو حواس کے مشاہدے اور ابتدائی عقل سے ہوتا ہے یا کسی برہان سے ہوتا ہے۔ جو قریب یا بعید سے شہادت حواس و اول عقل کی طرف راجع ہو۔ یا بغیر کسی استدلال کے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا اتباع فرض کیا ہے اس کی تصدیق سے اعتقاد حق تک مخصوص رسائی کا اتفاق ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم بالکل محدود نہیں اور نہ کوئی حد و تعریف ہے جو اسے مخلوق کے علم کے ساتھ جمع کر سکے۔ اور نہ حس اور نہ اور کوئی شے ہے۔

اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہمارے علم کے ساتھ ایک ہی حد کے تحت میں واقع ہے۔

یہ محض غلط ہے کیوں کہ یہ باطل ہے کہ جو ازلی ہے وہ نہایات و حدود میں واقع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیر اللہ نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

چند گروہوں نے جن میں اشعریہ وغیرہم بھی ہیں کہا ہے کہ جو شخص بغیر کسی دلیل کے کسی شے کا اعتقاد اسی طور پر کرے جس طور پر وہ ہے اور یہ اعتقاد تقلید سے ہو یا اس کے ارادے کے میلان سے ہو تو وہ شخص اس شے کا نہ عالم ہے نہ عارف بلکہ وہ اس کا معتقد ہے انھوں نے کہا ہے کہ ہر علم و معرفت اعتقاد ہے، مگر ہر اعتقاد علم و معرفت نہیں۔ کیوں کہ شے کی صحت کے تیقن ہی کو علم و معرفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور تیقن صحت بغیر کسی برہان کے نہیں ہوتا۔ اور جو اس کے خلاف ہو وہ صرف ظن و دعویٰ ہے نہ کہ تیقن صحت۔ کیوں کہ اگر یہ جائز ہوتا کہ کوئی قول بلا

دلیل کے صحیح ہو جائے تو ہرگز ایک قول دوسرے قول سے اولیٰ نہ ہوتا۔ اور بلاشک تمام اقوال باوجود اپنے تضاد کے صحیح ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام اقوال وحقائق باطل ہو جاتے اس لیے کہ ہر قول اپنے سوا ہر قول کو باطل کرتا یہ اگر تمام اقوال صحیح ہوتے تو بلاشک تمام باطل ہوتے اس لیے کہ اس وقت ہر قول اپنے ماسوا قول کے باطل کرنے میں صادق ہوتا۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ تسمیہ وحکم (نام رکھنا اور فیصلہ کرنا) ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ دونوں امور خالق لغات وخالق متکلمین لغات وخالق اشیاء کے اختیار میں ہیں جو ان کو اپنی مشیّت کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر ناراضی ظاہر فرمائی ہے جس نے اپنی طرف سے نام رکھا ہے۔ فرمایا ہے ” **ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و آباؤ کم ماانزل اللہ بھا من سلطان** (یہ صرف وہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کوئی سند نہیں نازل کی اور فرمایا ” **ولاتقف مالیس لک بہ علم** “ (اس چیز کے درپے نہ ہو جس کا تمھیں علم نہ ہو)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ بات کہنے سے منع کیا جس کا اسے علم نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں جابجا فرماتا ہے کہ ” **یا ایھا الذین آمنو** (اے ایمان والو) اور فرمایا ہے ” **وان طائفتان من المومنین اقتتلوا** “ (اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں) اور فرمایا ہے ” **فان تابوا و اقامو ا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین** “ (پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان نصوص میں اور دوسری نصوص میں، اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم میں قیامت تک کے ہر مومن کو خطاب فرمایا ہے، ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے مومنین میں استدلال کرنے والے بھی تھے جو بہت کم تھے اور بغیر استدلال والے بھی تھے اور یہ بہت زیادہ تھے اسی طرح ہر زمانے میں ہوں گے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ مثلاً زنج۔ روم وفارس میں سے کنیزوں اور کمزور عورتوں میں سے اور چرواہوں میں سے جو لوگ اسلام لائے اور جس کا اپنے والد یا جس غلام کا اپنے آقا کی تعلیم سے اسلام ہی پر نشوونما ہوا۔ یہی لوگ اکثر وجمہور وبیشتر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مومنین رکھا۔ اور ان کے لیے حکم اسلام کا حکم دیا اور یہ سب مشاہدہ وضرورت سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ” **آمنو باللہ ورسولہ** “ (اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور ان تمام امور پر ایمان لائیں جو میرے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔

لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ سب کے سب اس پر مامور ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کے قائل ہوں اور جو اس سے باز رہے گا وہ کافر ہے اس کا خون ومال حلال ہے۔ اگر صرف ایمان کا قائل ہونے سے کوئی مومن نہ ہوتا اور اسے بطور استدلال کے جاننا ضروری ہوتا تو مذکورہ بالا اشخاص میں سے جن لوگوں نے استدلال نہیں کیا وہ اتباع رسولؐ اور آپ کی تصدیق سے باز رہنے والوں میں ہوتے کیوں کہ اس اعتقاد اور قائل ہونے کے وقت وہ لوگ اس کے عالم نہ تھے۔ اور یہ خلاف قرآن وحدیث واجماع امت ہے۔

مخالفت قرآن وحدیث کا ہم ذکر کر چکے۔ اجماع امت یہ ہے کہ یہ یقیناً باطل ہے کہ استدلال ایسا فرض ہو کہ بغیر اس کے کوئی مسلمان نہ ہو سکے پھر اللہ تعالیٰ یہ کہنے سے غفلت فرمائے کہ کسی کا مسلم ہونا قبول نہ کرو تاوقتیکہ وہ استدلال نہ کرے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے بھول گیا یا اس نے قصداً اس کا ذکر ترک کر دیا کہ اپنے بندوں کو گمراہ کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گمراہ کرنے کے لیے عمداً و قصداً ترک فرماتے ہیں یا اس چیز کو بھول جاتے ہیں جس کی ان لوگوں کو ہدایت ہو گئی اور انہیں اس سے خبردار کر دیا گیا حالانکہ یہ لوگ جیسے جاہل وبیوقوف اور ساقط وغیر معتبر ہیں ظاہر ہے۔ اس کا گمان تو وہی کرے گا جو کافر ہو گا اور اس کو وہی مانے گا جو مشرک ہو گا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے کسی گاؤں والے یا محلّہ والے یا قبیلے والے یا چرواہے یا چرواہے کی عورت یا اہل حبشہ یا عورتوں سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں تم لوگوں کا اسلام قبول نہ کروں گا تاوقتیکہ میں مستدل وغیر مستدل (استدلال کرنے والے اور بغیر استدلال والے) کو نہ جان لوں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تو اس کا قائل ہونا اور اس کا اعتقاد رکھنا تہمت و گمراہی ہے۔ اسی طرح تمام صحابہؓ اس پر اجماع رہا کہ وہ اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بغیر استدلال کے ذکر کے ہر ایک کا اسلام قبول کرتے تھے۔ اسی طرح گروہ در گروہ ہوتا چلا آیا یہاں تک کہ بے قدر لوگ پیدا ہوئے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " **قل هاتو ابرها نكم ان كنتم صادقين** " (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو برہان پیش کرو)۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں اور یہ حق ہے اللہ تعالیٰ نے اسے محض اس لیے فرمایا ہے کہ اگر کوئی اس حق کی مخالفت کرے جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے جن انس کو حکم دیا۔ اور اسی طرح یہ حق کی مخالفت کرے جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو حکم دیا۔ اور اسی طرح یہ قول ہے کہ جو کوئی ایسی بات کہے جس میں اس کی مخالفت کرے جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے خواہ وہ اپنے گمان کے مطابق استدلال کرے یا نہ کرے۔ یہ اہل باطل میں ہے، معذور نہیں ہے۔ بجز اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی امر میں معذور سمجھے۔ مثلاً مسلمانوں کے خطا کرنے والے مجتہدین کہ حق کا قصد کرتے ہیں۔ جب تک ان پر حجت قائم نہ ہوا اور یہ اس کی دیدہ ودانستہ مخالفت نہ کریں تو معذور ہیں۔

جو حق کا اتباع کرے اللہ تعالیٰ نے اسے ہرگز برہان کی تکلیف نہیں دی۔ برہان کا ثبوت کبھی ان تمام امور سے ہوتا ہے جن کی صحت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ خواہ اسے اس کا علم ہوا اور اس نے اپنے علم کی بنا پر اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی تو وہ حق کا عالم اور اس کا معتقد اور حق کا یقین رکھنے والا ہے۔ اگر چہ اس برہان سے ناواقف ہو جو دوسرا جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان وعلم پیدا کر دیا جیسا کہ اس نے استدلال کرنے والے کے دل میں پیدا کر دیا۔ اور دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " **اذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون في دين الله افواجا** " (جب اللہ کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو گیا اور آپ نے اللہ کے دین میں لوگوں کی فوجیں کی فوجیں داخل ہوتے دیکھ لیں)۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے دین میں داخل ہونے والا بتایا اگر چہ یہ لوگ فوج کی فوج تھے۔ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کبھی یہ شرط نہیں کی کہ دین میں داخل ہونا استدلال سے ہوتا ہے۔ یہ شرط ان لوگوں نے لگائی ہے جن کے زبان و دل میں ابلیس نے اسے ڈالا ہے کہ ان لوگوں کو تکفیر امت کی طرف لے جائے۔

عجیب تر یہ ہے کہ اس نامراد و گمراہ گروہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کا ایمان صحیح نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ اس پر استدلال نہ کرے اور کسی کا استدلال صحیح نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شک نہ کرے۔ اور ترک تصدیق نہ کرے۔ جب یہ ہوگا (یعنی وہ آپ کی نبوت کی تصدیق بھی نہ کرتا ہوگا اور اس میں اسے شک بھی ہوگا) تو اسکا استدلال صحیح ہوگا، ورنہ وہ مومن نہیں ہے۔

بھلا اس سے زیادہ احمقانہ اور اس سے زیادہ کفر وجہالت میں دخل رکھنے والا قول بھی کسی نے سنا ہوگا کہ جو یہ کہے کہ کوئی شخص مومن نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ اللہ و رسول اللہ کے ساتھ کفر نہ کرے اور جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ کبھی کفر نہ کرے تو وہ کافر و مشرک ہے۔ ہم ان سب سے اللہ کے سامنے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو اس کے قائل ہوں۔

یہی دو طریقے ہیں کہ ان کے لیے کوئی تیسرا طریقہ نہیں۔ ان میں سے ہر طریقے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ جو شخص اس کی

پیروی کرے جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو ایسا شخص مومن اور واقعی عالم ہے خواہ استدلال کرے یا نہ کرے۔ اس لیے کہ اس نے وہی کیا جس کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔

ان لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جس نے بتوفیق الٰہی سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کا کبھی اتباع نہیں کیا۔ اور حق کے موافق ہو گیا۔ اسے اس کے ہر اعتقاد میں دہرا ثواب ہے۔ یا یہ ہو کہ موافقت حق سے محروم رہتے ہوئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا چاہتا ہو۔ تاوقتیکہ اس پر حجت قائم نہ ہو اور وہ علانیہ اس کی مخالفت نہ کرے تو معذور ہے اور اسے ایک اجر ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی نص ہے جو آپ نے حاکم مجتہد کے بارے میں فرمایا ہے کہ غلطی کرے یا حق تک پہنچے۔

طریق ثانی یہ ہے کہ اللہ نے جس کے اتباع کا حکم دیا تھا اس کا متبع نہ ہو۔ دوسرے کا متبع ہو۔ ایسے شخص کے لیے سب برابر ہے خواہ استدلال کرے یا استدلال نہ کرے۔ یہ شخص خطاوار، ظالم، اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور کافر ہے۔ شریعت میں جو کچھ وارد ہے حکم اسی کے مطابق ہے (یعنی اس کے اعتقادات واعمال اگر کفر کے ہوں گے تو کافر ہو گا فسق کے ہوں گے تو فاسق ہو گا)۔

ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہے کہ وہاں تک پہنچ گیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں۔ حالانکہ اس باب میں آپ کی اتباع کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اور دوسرا وہ ہے جو وہاں تک نہیں پہنچا۔ ان دونوں میں کوئی خیر نہیں۔ دونوں گنہگار ہیں۔ انھیں کوئی اجر نہیں۔ دونوں کے دونوں اللہ تعالیٰ کے نافرمان یا کافر ہیں۔ ان کے حال کے مطابق شریعت ان کا جو فیصلہ کرے، اس لیے کہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی ان حدود سے تجاوز کیا جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اتباع کے لیے فرض کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه**" (جو اللہ کے حدود سے بڑھا اس نے اپنے ہی اوپر ظلم کیا)۔ اسے حق تک پہنچنا کچھ بھی مفید نہ ہو گا کیوں کہ یہ اس طریق سے حق تک نہیں پہنچا جس کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے حق کا اختیار کرنا اور طلب کرنا مقرر کیا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ بہت سے امور میں حق کے موافق ہیں۔ مثلاً ان کا موسیٰ علیہ والسلام کی نبوت کا اقرار۔ ان میں سے بعض کا اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار۔ مگر اس سے ان کو نفع نہ ہوا کیوں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے طور پر اس کا اعتقاد نہیں کیا۔ اسی طرح وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی فقیہ فاضل کی تقلید کرے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہؐ کی پیروی نہیں کرتا۔ بجز اس کے کہ اس فقیہ کا قول ہی آنحضرتؐ کے قول کے موافق ہو جائے۔ اگر یہ اسے بغیر اس کے اعتقاد کرے اور زبان سے کہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہے" **فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجد وافی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما** " (قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ یہ لوگ آپ کو ان امور میں حکم نہ بنائیں جن میں یہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ پھر آپ جو فیصلہ کریں اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور تسلیم کر لیں۔ جیسا تسلیم کرنے کا حق ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس صفت والوں سے ایمان کی نفی فرمائی اور اس پر قسم کھائی۔ ہم بھی اس چیز کی اس شخص سے نفی کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی فرمائی اور اس پر قسم کھاتے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ اس مسئلے میں ہم لوگ حق پر ہیں۔

جو شخص کسی فقیہ فاضل کی تقلید کرے اور کہے کہ میں محض اس لیے اس کی پیروی کرتا ہوں کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے تو یہ خطاوار ہے، اس لیے کہ اس نے وہ بات کی جس کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم نہیں دیا۔ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اس سے اس کا قصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ہے لیکن اس نے طریقے میں غلطی کی ہے جب تک اس پر اس کے فعل کی غلطی کی حجت

قائم نہ ہوتو شاید اسے اس کی نیت کی وجہ سے ایک اجر بھی ملے۔

اگر یہ لوگ فتنہ قبر کی حدیث میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول بیان کریں کہ منافق یا شک کرنے والا جب اس سے کہا جائے گا کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے تو وہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تھا تو وہی میں نے بھی کہہ دیا۔

یہ حق ہے اپنے ظاہر پر ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہ منافق یا شک کرنے والا ہی کہے گا نہ کہ یقین کرنے والا مومن۔ یقین کرنے والے مومن کو اسی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہمارے پاس ہدایت ونور لائے ہیں یا آپ نے ایسا کلام فرمایا جس کے معنی یہی ہیں آپ نے جو خبر دی ہے وہ صرف یقین کرنے والے اور شک کرنے والے ہی کے متعلق خبر دی ہے نہ کہ متدل وغیر متدل کے متعلق۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے دل میں یا زبان سے یہ کہے کہ اگر میں مسلمانوں میں نہ پیدا ہوتا تو مسلمان نہ ہوتا۔ میں انھیں لوگوں کا پیرو ہوتا جن میں پیدا ہوتا۔ تو یہ شخص مومن نہیں اور نہ یقین کرنے والا ہے نہ اسکا پیرو ہے جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، بلکہ وہ کافر ہے۔

جب یہ ہو کہ ایک شخص جسے اللہ تعالیٰ حق کی توفیق نہ دے عمر بھر استدلال کرتا رہے۔ اور کبھی اس شخص کو یقین کی توفیق دے دی جاتی ہے جو استدلال نہیں کرتا کہ اگر وہ یہ جانتا کہ اس کے والدین بیٹا اور بیوی اور ساری دنیا اس میں اس کی مخالفت کرے گی۔ تو وہ ضرور ان سب کے خون کو حلال سمجھتا۔ اور اگر اسے اختیار دیا جاتا کہ یا تو اسے آگ میں ڈالا جائے گا یا وہ اسلام کو ترک کردے۔ تو وہ اس قسم کی بات کہنے کے مقابلے میں آگ میں جلنے کا اختیار کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ چونکہ یہ پایا جاتا ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ استدلال کے کوئی معنی نہیں۔ اور صرف یقین واعتقاد پر مدار ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

استدلال پر صرف وہ شخص مجبور ہے جس سے اس کا دل اس کے لیے جھگڑا کرے اور اس کا قلب اس چیز سے مطمئن نہ ہو جس کے برہان کا اسے علم نہ ہو۔ اس وقت اس شخص کو برہان کا طلب کرنا لازم ہے کہ اپنے آپ کو اس آگ سے بچائے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اگر وہ شخص برہان ثابت ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ کافر مرا جسے دوزخ کا دائمی عذاب دیا جائے گا۔

ہم جس مسئلے میں تھے پھر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ آیا معارف اضطرار سے حاصل ہوتے ہیں یا اکتساب سے۔ بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ معلومات کی ایک ہی قسم ہے کہ جس چیز پر آدمی کا دل اعتقاد و یقین کرلے۔ اسکی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے کہ جو اپنی ذات میں حق ہے جس کی صحت پر برہان قائم ہے دوسری قسم وہ ہے کہ اس کی صحت پر برہان قائم نہیں۔ آدمی جس چیز کی صحت کا اپنی ذات میں یقین نہیں کرتا تو وہ اس کا عالم نہیں اور نہ اسے اس کا علم ہے اور وہ صرف اس چیز کا ظن رکھنے والا اور گمان کرنے والا ہے۔ جس چیز کو آدمی کسی برہان صحیح سے جانتا ہے تو وہ اس برہان کی وجہ سے اس کے علم پر مجبور ہے اس لیے کہ اس کے نزدیک اس شے میں شک کی کوئی مجال نہیں۔ یہی صفت ضرورت یعنی اضطرار کی ہے لیکن اختیار وہ ہے کہ آدمی جسے چاہے کرے اور جسے چاہے ترک کردے۔

ہمارا حدوث عالم کا علم اور اس کا علم کہ عالم کے لیے اور اس کی ہر شے کے لیے واحد ازلی خالق ہے اور اس کی مخلوق میں سے کوئی شے بھی اس کے مشابہ نہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت نبوت کا علم اور ان تمام امور کی صحت کا علم کہ آپ لائے جن کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہم لوگوں نے نقل کیا اور جن کو صحابہؓ کی بڑی بڑی مکمل جماعتوں نے یکے بعد دیگرے نقل کیا یہاں تک کہ وہ ہم تک پہنچ گئے یا ان کو ایسے لوگوں نے اپنے

ہی جیسے لوگوں سے نقل کیا جن کی عدالت متفق علیہ ہے۔ اور اسی طرح نقل کرتے کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سلسلہ پہنچ گیا تو یہ کل علم حق یقینی ہے جس کی صحت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قطعی ہے اس لیے کہ ظن وگمان سے دین کی کوئی شے اختیار کرنا حلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ‘‘۔ (ظن ذرا بھی حق سے بے نیاز نہیں کرتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ’’ایا کم و الظن فاالظن اکذب الحدیث ‘‘ (تم لوگ ظن وگمان سے بچو۔ کیوں کہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون‘‘ (بے شک ہمیں نے ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا۔ اور ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

ثابت ہوگیا کہ دین محفوظ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ ہم تو اس یقین پر ہیں کہ اس میں شک ممکن ہی نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایک عادل کی خبر کے قبول کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دے کہ ہم اس پر وہ بات کہیں جو اس نے نہیں کہی۔ حالانکہ اس نے اسے حرام کردیا ہے۔ یا ہم اس پر وہ بات کہیں جس کا ہمیں علم نہیں۔ اس نے اسے اس آیت میں حرام کردیا ہے ’’وان تقولو اعلی الله مالا تعلمون ‘‘ (اور یہ کہ تم لوگ اللہ پر وہ بات کہو جس کا تمھیں علم نہیں) ہر وہ شے جس کے قائل ہونے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ہم اس یقین پر ہیں کہ وہ دین میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر فساد سے اس کی حفاظت کی ہے۔ اسی طرح دو متعارض ومتخالف امور سے اور دو متعارض صحیح حدیثوں میں سے زائد کو ہم مانتے ہیں اور اضطراری ویقینی طور پر جانتے ہیں کہ حق ہمارے اسی فعل میں ہے۔

اس شخص سے زیادہ عجیب کون ہوگا جو یہ کہتا ہے کہ خبر واحد موجب علم ویقین نہیں۔ وہ صرف ظن غالب ہے ہم اس پر یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین میں فسادات داخل ہوگئے ہیں جو حق سے ممتاز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن امور کا دین میں حکم دیا ہے ان کے ان امور سے تمیز کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے جو کذابین نے بنا لیے ہیں یہ وہ امر ہے جس سے اور جس کے پسند کرنے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ لیکن جس چیز پر بڑی بڑی جماعتوں نے اپنی رایوں سے اتفاق کرلیا اور وہ ایسی چیز ہے کہ اللہ ورسول کی طرف سے کسی نفس میں نہیں آئی تو وہ اللہ کے نزدیک یقیناً باطل ہے۔

اس لیے کہ اس نے دین میں وہ چیز بنائی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی اور اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی۔ برہان یہ ہے کہ ایک دوسرا قول اس کے معارض ہے جس کو ایسی ہی جماعتوں نے کہا ہے۔ حق میں تعارض نہیں ہوتا اور ایک برہان دوسرے کے خلاف نہیں ہم نے اسے اپنی کتاب ’’الاحکام فی اصول الاحکام ‘‘ میں جمع کردیا ہے۔ جس کے دہرانے کی ضرورت نہیں رہی۔ والحمد لله رب العلمین۔

جو کوئی مخالف مذاہب والوں میں سے ہو اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی خبر پہنچے اور اس پر دلائل توحید قائم ہوجائیں تو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اقرار پر مجبور ہوگا۔ اسی طرح ہر شخص اس شے کی تصدیق پر مجبور ہوگا خواہ وہ کوئی شے بھی ہو جس پر صحیح وضروری برہان اس کے پاس ہو اور وہ اسے سمجھ لے۔ خواہ وہ شے ادیان یا مذاہب میں سے ہو یا اور کسی میں سے۔

اس مسئلے میں حق کا منکر تین میں سے ایک ہی شخص ہوگا یا تو وہ شخص ہوگا کہ جو چیز اس کے نزدیک ثابت ہوگئی ہے اس سے غفلت وبے رخی وبے پروائی کرکے تلاش معاش میں مشغول ہوگا یا مزید مال وجاہ کا طالب ہوگا۔ یا شہرت یا لذت یا کسی ایسے عمل کا خواستگار ہوگا جسے وہ نیکی

سمجھتا ہے یا ایسے شغل کو اختیار کرے گا جس سے ضعف عقل و عاجزی اور اقرار حق کی فضیلت میں اس کا بے تمیز ہونا ظاہر ہوگا۔ یا انتظار میں اپنے آپ کو رکھنے والا ہو کہ جیسا مناسب ہوگا ویسا کرے گا جیسا کہ ان طبقات میں سے ہر طبقے کا حال ہے جس کا ہر زمانے اور ہر مقام میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں یا وہ اپنے اسلاف اور گذرے ہوئے لوگوں کا مقلد و پیرو ہے یا ان لوگوں کا جن میں اس نے پرورش پائی ہے کہ یا تو جس کی اس نے تقلید کی ہے اس کے ساتھ حسن ظن نے اسے مشغول کر لیا ہے یا جس چیز میں اس نے تقلید کی ہے اسے اچھا سمجھنے سے یہ اس میں مشغول ہے ہوائے نفسانی نے اس کی عقل کو ایسی چیز میں غور کرنے سے بیہوش کر دیا ہے کہ برہان سے سمجھی جاتی ہے جو مذکورہ بالا شخص کے اور اس کے جانب حق رجوع کرنے کے اور ہوائے نفسانی سے پلٹنے کے درمیان حائل ہوگئی ہے جو چیز اسے برہان سے واضح ہو جاتی ہے اس میں غور کرنے کے بارے میں اپنے قلب سے مناظرہ کرتا ہے اور اس سے بھاگتا اور وحشت کرتا ہے جب کوئی ظاہر برہان سنتا ہے جس کا اس کے نزدیک کوئی رد نہیں ہوتا تو وہ اسے شیطان کی طرف سے سمجھتا ہے اور اپنے نفس پر غالب آ جاتا ہے یہاں تک کہ اس سے پھر جاتا یہ اور اس سے اس کا نفس کہتا ہے کہ یہاں ایسے کسی برہان کا ہونا ضروری ہے جس سے یہ برہان باطل ہو جو میں سنتا ہوں اگر چہ میں اسے نہیں جانتا اور یہ میرے تمام اہل دین و مذہب وملت پر یا فلاں فلاں پر مخفی نہ ہوگا۔ ان لوگوں کے پاس ضرور کوئی برہان ہے جس سے وہ اس کو باطل کر دیں گے۔

یہ بات اکثر ان لوگوں میں عام ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہر دین و مذہب وملت کے عالم ہیں ان دونوں گروہوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کے لیے حجت لازم و روشن نہ ہو چکی ہو۔ لیکن اس کے نفس کے وساوس اور نفس کی حماقتیں ان حقائق پر غالب آ گئی ہیں جو اس کے لیے واضح ہو چکی ہیں اور یہ اپنے قلب کے یقین ثابت کے مقابلے میں اپنے ظن فاسد کا مددگار ہے۔ شیطان نے اس سے کھیل اور تمسخر کیا۔ جس خواہش نفسانی میں وہ مبتلا تھا اسی میں اسے یہ وہم دلا دیا کہ یہاں کوئی دلیل ضرور ہے جس سے یہ برہان باطل ہو جائے۔ اگر فلاں زندہ ہوتا یا موجود ہوتا تو وہ ضرور اس برہان کو باطل کر دیتا۔ یہ اس شخص کی سب سے بڑی حماقت ہے جب کہ وہ نہیں جانتا اور نہ اس نے اسے سنا اور اس کی تکذیب ہے جو اس کے نزدیک ثابت و ظاہر ہو چکا ہے۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔

تیسرے وہ شخص ہے جو اپنی زبان سے اس چیز کا منکر ہے جس کی صحت کا اس کے دل کو یقین ہے یا تو اپنی ریاست کے باقی رکھنے کے لیے یا آمدنی کے جاری رکھنے کے لیے یا ان دو میں سے کسی ایک کی طمع کے لیے کہ شاید اسے پورے طور پر مل جائے یا پورے طور پر نہ ملے۔ اگر اس کے لیے مکمل ہو جاتا تو وہ اس میں ضرور عہد کا نقصان اٹھانے والا ہوتا۔ یا وہ دھوکے سے اختیار کرتا ہے کہ عنقریب دائمی کامیابی پر پہنچ جائے گا۔ یا وہ اسے اذیت کے خوف سے کرتا ہے یا اس کی حمایت میں کرتا ہے جو اس شے کا مخالف ہے جس پر برھان ان کے نزدیک قائم ہے یا اس قول کے کہنے والے کی عداوت سے جس کے ساتھ یا اس کے نزدیک برہان قائم ہے۔ یہ تمام امور ہر مذہب وملت اور ہر رائے والوں کے اکثر لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ان پر غالب یہی ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ یہ لوگ اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں کہ پھر اس پر غالب آ جاتے ہیں۔ جو شخص اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ معارف اضطرار سے حاصل نہیں ہوتے اور کفار نبوت و ربوبیت میں حق کی معرفت میں مضطر نہیں ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ جن لوگوں نے معجزات انبیاء کا مشاہدہ کیا آیا ان معجزات نے ان کے شک کو بالکل رفع کر دیا۔ ان کی علتوں کو قطع کر دیا، اور حق و باطل میں مکمل فیصلہ کر دیا کہ نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ جس نے ان کا مشاہدہ کیا وہ یہ جاننے پر مضطر و مجبور ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حق ہے اور اس کی سچائی کا گواہ ہے جو

انھیں لایا ہے ان لوگوں نے اس حق کی طرف رجوع کرلیا جو ہمارا قول ہے۔ **وللہ الحمد۔**

اگر وہ یہ کہیں کہ نہیں۔ بلکہ ان میں شک باقی ہے اور ممکن ہے کہ یہ معجزات اس امر کے گواہ نہ ہوں کہ انبیاء اہل حق ہیں تو اس نے تصفیہ کردیا کہ انبیاء علیہم السلام کوئی برہان نہیں لائے انبیاء کے معاملے میں بھی شک باقی ہے اور کفار پر اللہ تعالیٰ کی حجت واقع نہیں ہوئی اور ہرگز ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت لازم نہیں آئی۔ اور انبیاء علیہم السلام وہ چیز لائے کہ کبھی اس سے یہ خیال قائم ہوتا ہے کہ یہ حق ہے اور کبھی نہیں قائم ہوتا، حالانکہ جو اس کا معتقد ہو یا اسے کہے یہ اس کا خالص کفر ہے۔

اسی طرح ہم ان سے ان براہین عقلیہ کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ جو علامات توحید پر ہیں، اور ان عظیم الشان گروہوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں جو انبیا علیہم السلام کے معجزات نقل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ حق کا اقرار کرلیں کہ ہر معجزے سے جو ظاہر و واضح ہو اللہ تعالیٰ کی حجتیں قائم ہوگئیں اور تمام کفار ان کی تصدیق کے لیے اور یہ جاننے کے لیے کہ یہ حق ہے مضطر و مجبور ہیں۔ یا یہ کہیں کہ کسی پر اللہ کی حجت قائم نہیں ہوئی اور نہ کسی کے لیئے کوئی ایسی چیز واضح ہوئی کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت کی مددگار ہو۔ ہم لوگ تو ظن کے طور پر ان سب کا اقرار کرتے ہیں مگر یہ ظن بھی قوی ہے کبھی ممکن ہے کہ اس کے خلاف بھی ہو۔ اور جو اس کا قائل ہو تو یہ تو خالص کفر اور محض شرک ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔ **و نعوذ باللہ من الخذلان۔**

جو اس کا انکار کرے کہ کفار اور اہل باطل جس چیز پر برہان قائم ہو وہ جب ان کے پاس پہنچے گی تو یہ اس کی تصدیق کے لیے مضطر و مجبور ہوں گے اور یہ کہے کہ کوئی شخص اس کے علم و معرفت پر مضطر و مجبور نہ ہوگا تو اسے اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس قول کا انکار کرے جو تکوین زمین و آسمان و مدار شمس و قمر و نجوم اور ہر ایک کی مسافت کے متناہی ہونے کے بارے میں تھا جس کا کذب ہم نے دکھا دیا، اکثر لوگ اس کے منکر ہیں مگر اس انکار کو امر حق نے دفع کردیا ہے، اسی طرح جو رائے و قیاس کا یا دلیل خطاب کا معتقد ہے اور اس نے ان کے ابطال کے دلائل سن لیے تو وہ جس طریقے پر اس کے بطلان کے معلوم کرنے پر مجبور ہے۔ اس میں اپنی عقل سے مکابرہ کرنے والا نفس کو دھوکا دینے والا اپنے یقین کا مطلب۔ اور ظن سے مغلوب ہے۔

ملائکہ علیہم السلام کا علم اور انبیاء علیہم السلام کا ان امور کی صحت کا علم جن کو ملائکہ ان کے پاس لائے وہ انھیں وحی کیے گئے اور ان کے خواب میں دکھا دیے گئے علم ضروری ہے جیسا کہ ان تمام امور کا علم جن کا وہ اپنے حواس و اوائل عقول سے ادراک کریں، اور جیسا کہ ان کا یہ علم کہ چار زائد ہیں دو سے آگ گرم ہوتی ہے، ساگ سبز ہوتا ہے رعد کی آواز، شہد کی مٹھاس، ایلوے کی بدبو۔ اور پتھر کی سختی وغیرہ کا علم۔ اگر یہ امر اس طرح نہ ہوتا تو ملائکہ و انبیاء کے نزدیک اپنے معاملے میں شک ہوتا اور جو اس کو جائز رکھے یہ اس کا کفر ہے۔

ملائکہ کا علم تو اسی طرح کا ہوتا ہے (یعنی اضطراری) اور ان کے لیے ظن بالکل نہیں۔ اس لیے کہ وہ خطا نہیں کرتے۔ اور نہ انھیں انسان کی طرح طبائع مختلف سے مرکب کیا گیا ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اس صورت میں کل علم اضطرار سے ہوا۔ اور اضطرار نفوس کے اندر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو پھر انسان کو کیوں کر ثواب یا عذاب اللہ تعالیٰ کے اس فعل پر ہوگا جو انسان کے اندر ہے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ عالم میں ایسی کوئی شے نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کیا ہو۔ اس کے متعلق برہان ثابت ہے جس کو ہم نے اسی کتاب میں خلق افعال کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین۔** نہ کسی حافظ نے کوئی نص نقل کی اور نہ کوئی برہان عقل ہے کہ یہ ممنوع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس چیز پر عذاب و ثواب دے جو اس نے ہم میں پیدا

کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے۔ وہ جو کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔ اور سب سے باز پرس ہوگی۔

اہل غفلت ایسی قوم کے ہونے کا کیسے انکار کر سکتے ہیں جو ایسی چیز کے مخالف ہوں جس کے علم و معرفت پر وہ لوگ مضطر و مجبور ہیں۔ حالانکہ یہ اہل غفلت ان سوفسطائیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں جو حقائق کا بالکل انکار کرتے ہیں اور جیسا کہ نصیا الٰہی اعتقاد کرتے ہیں یہ لوگ بہت سی جماعتیں ہیں جن کے عدد کا شمار سوائے ان کے خالق و رازق اور ان کے گمراہ کرنے والے کے جس کے سوا دوسرا معبود نہیں کوئی نہیں کر سکتا۔

ان میں علماء بھی ہیں جو علوم کثیرہ کے ماہر ہیں، سلاطین بھی ہیں جن کی تدابیر درست و مناسب سیاست عجیب و غریب، رائیں نہایت پختہ، باریک سے باریک امور میں گہری سمجھ، اور نہایت نازک و دشوار معاملات میں کافی تجربہ ہے۔ اس کے باوجود وہ یہ کہتے ہیں کہ واحد تین ہے۔ اور تین واحد ہیں۔ تین میں کا ایک۔ باپ ہے،۔ دوسرا بیٹا۔ اور تیسرا روح ہے، باپ ہی بیٹا ہے۔ اور وہ بیٹا نہیں ہے، انسان ہی خدا ہے اور وہ غیر خدا ہے بیٹا مسیح خدائے کامل و انسان کامل ہے۔ اور وہی غیر خدا ہے وہ اول جو ازل سے ہے وہی اس کا پیدا کرنے والا ہے جو نہ تھا اور نہ وہ وہی ہے۔

اس سے زیادہ جنون کیا ہوگا۔ یعقوبیہ بھی انھیں میں سے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ باری تعالیٰ کو (جو ان کے کفر سے بلند و برتر ہے) کوڑوں اور تھپڑوں سے مارا گیا سولی دی گئی سینے پر مارا گیا اور وہ مر گیا۔ اسے حنظل پلایا گیا۔ تین روز تک عالم بغیر کسی مدبر کے رہا۔ جیسے اصحاب حلول (جو معاذ اللہ خدا کے انسان کے اندر سما جانے کو مانتے ہیں) اور خالی روافض جو ایسے شخص کے بارے میں کہ ان کے ہمراہ بیٹھتا ہے، مثلاً حلاج اور ابن ابی العز۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اللہ ہے۔ ان کے نزدیک خدا بول و براز کرتے ہے۔ بھوکا ہوتا ہے تو کھاتا ہے۔ پیاسا ہوتا ہے تو پیتا ہے۔ بیمار پڑتا ہے تو یہ لوگ اس کے پاس طبیب کو لے جاتے ہیں۔ جب اس کا ڈاڑھ میں درد ہوتا ہے تو اسے اکھاڑ ڈالتا ہے۔ جب اس کے پھوڑا نکلتا ہے تو اس سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ جماع کرتا ہے پچھنے لگواتا ہے اور فصد کھلواتا ہے۔ حالانکہ وہ وہی اللہ ہے جو ازل سے ہے ازل تک رہے گا اس پورے عالم کا خالق ہے اس کا رازق ہے، اس کا قبضے و احاطے میں رکھنے والا ہے اور تمام افلاک کا مدبر ہے۔ موت دینے والا۔ زندہ کرنے والا، دلوں کے اندر کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

یہ لوگ اس اعتقاد کے پہلو میں قید خانوں کال کوٹھریوں، کوڑوں کی مار ہاتھ پاؤں کٹنے، قتل ہونے سولی دیے جانے، اور عورتوں کی بے حرمتی پر صبر کرتے ہیں ان میں بہت سے قاضی بہت سے کاتب اور بہت سے تاجر ہیں آج یہ لوگ لاکھوں ہیں۔

اور جیسا کہ یہود و مسلمین کے چند گروہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا رب انسان کی صورت میں جسد ہے اور گوشت اور خون ہے۔ چلتا اور بیٹھتا ہے۔ مثلاً وہ اشعریہ جو کہتے ہیں کہ یہاں ایسے احوال ہیں جو نہ مخلوق ہیں نہ غیر مخلوق نہ معلوم ہیں نہ مجہول۔ نہ حق ہیں نہ باطل۔ آگ گرم نہیں۔

برف سرد نہیں۔ اور جس طرح بعض فقہاء اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ ایک شخص دو مردوں کا بیٹا اور دو عورتوں کا بیٹا ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اس کی ماں ہے اور وہ ان دونوں کا جنا ہوا بیٹا۔

کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان کا نفس و حس اس کی شہادت نہیں دیتی اور ان کی عقل اس کا اقرار نہیں کرتی کہ یہ سب باطل ہے کیوں نہیں۔ قسم ہے اس کی جس نے انھیں پیدا کیا ہے، ضرور کرتی ہے لیکن ان عوارض نے جو ہم نے پہلے بیان کیے اس حماقت کو ان پر سہل کر دیا ہے۔ اور حق کی طرف رجوع کرنا اور اس کا ماننا ان کے لیے ناگوار بنا دیا ہے۔

عناد (یعنی حق کی دیدہ و دانستہ مخالفت) کا ہم نے ان تمام لوگوں میں مشاہدہ کیا ہے جن کو دین میں مناظرہ کرتے اور دنیا کے معاملات میں دیکھا ہے۔ وہ اس قدر زیادہ ہے کہ شمار نہیں ہو سکتا۔ جو یقیناً حق کو جانتے ہیں اور حق کے خلاف مشاہدے کا انکار کرتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من الخذلان**۔ ہم اللہ سے ہدایت اور محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں۔

برہان سے حق کا ادراک وہی کر سکتا ہے جس کی عقل و روح ان مشاغل سے پاک ہو جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں۔ وہ تمام اقوال کو ایک ہی نظر سے دیکھے اور اس کے نزدیک تمام اقوال مساوی ہوں۔ اس کے بعد وہ ان میں اس طور پر نظر ڈالے کہ ایسی چیز کی تلاش میں ہو جس پر ایسے براہین شاہد ہوں کہ ملمع کاری و فریب سے بری ہوں۔ ضروری اور صحیح طور پر ان مقدمات کی طرف رجوع کرنے والی ہوں جو اوائل عقل و حواس سے حاصل کیے گئے ہیں جن میں ذرا بھی کوتاہی و چشم پوشی نہ کی گئی ہو اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ طریقہ اس امر کا ضامن ہوگا کہ وہ حقائق سے آگاہ ہو جائے اور ظلمت جہل سے رہائی پا جائے۔ **و باللہ تعالیٰ التوفیق**۔

جس خبر کو ایسے دو یا زیادہ آدمی نقل کریں جن کے متعلق ہمیں یقین ہو کہ نہ ان دونوں نے اتفاق کیا ہے اور نہ باہم مشورہ کیا ہے، ایک ایسی خبر دی ہے کہ ان اخبار کی طرف رجوع کرتی ہے جن کو اس نے بذریعہ حواس ادراک کیا ہے خواہ یہ کوئی شے ہو۔ تو یہ خبر بلاشک سچی ہے۔ اس کی حقیقت یقین کی جائے گی اور نفس اس کی تصدیق کے لیے مضطر ہوگا۔ یہ قول ایک گروہ اوائل کا ہے۔

یہ قطعاً ناممکن ہے کہ ایک حدیث کے پیدا کرنے میں دو شخص کا اس طرح اتفاق ہو جائے کہ دونوں بغیر جمع ہوئے اور بغیر مشورہ کیے اس میں اختلاف نہ کریں۔ جب بہت بڑی جماعت متفق ہو جائے تو کذب پر اتفاق کر لیتے ہیں۔ ہم نے ایسی جماعتوں کا مشاہدہ کیا ہے جو اپنے حکام کے شکر گزار ہوتے ہیں حالانکہ اس شکر گزاری میں جھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ وہ لوگ اس کے گمان پر متفق ہو جائیں جس کو پورے گروہ نے نقل کیا ہے جو شخص اس کا انکار کرے اسے لازم ہے کہ وہ اس کی بھی تصدیق نہ کرے کہ دنیا میں اس کے قبل کوئی تھا اس لیے کہ لوگوں کا ہونا محض خبر ہی معلوم ہوتا ہے۔

کبھی خبر واحد بھی بعض اوقات تصدیق پر مجبور کر دیتی ہے اور اس کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو اپنے ذاتی معاملات میں غور کرے۔ مثلاً اس شخص کی خبر جو کسی انسان کی موت کی اطلاع دے جس کے دفن میں شریک تھا۔ یا بادشاہ کی طرف سے پیام جسے ایلچی لائے۔ یا وہ خط جو کھلا ہوا کسی دوست کی طرف سے آئے۔ یا اس مخبر کی خبر جو تمھیں یہ بتائے کہ یہ فلاں کا مکان ہے یا اس کی خبر جو کہے کہ فلاں کے یہاں شادی ہے یا وہ قاصد جو قاضی و حاکم کے یہاں سے آیا ہو۔ ایسی ہی تمام وہ خبریں جو مشعر ہوں کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے۔ اس کی مثالیں بے حد ہیں۔ اس کو جس قدر سنا جاتا ہے اس سے زیادہ ضبط میں نہیں آ سکتا۔ جو اس معنی میں اور اپنے مکان سے باہر ایسی خبر واحد کا مشاہدہ نہ کرے جو اسے اس کی تصدیق پر مجبور نہ کر دے۔ اور لامحالہ یہ بعید ہے۔ شریعت میں واحد ثقہ کی خبر موجب علم ہے، یہ برہان شرعی ہے۔ ہم نے اسے کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں بیان کیا ہے۔

مخالفین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس چیز پر ہماری امت کی رائیں متفق ہو جائیں تو یہ امت بخلاف دوسری امتوں کے معصوم ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی برہان نہیں۔ نظام نے کہا ہے کہ خبر متواتر بھی مضطر نہیں کرتی۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک پر کذب کا امکان ہے۔ اور اسی طرح ان سب پر بھی امکان ہے۔ اور یہ محال ہے کہ جس پر کذب جائز ہو اور جو کذب کا مجاز ہو۔ وہ جمع ہو کر وہ ہو جائیں جس پر کذب کا جواز نہ ہو سکے۔

نظام نے اس کی نظیر یہ پیش کی ہے کہ ہے کہ نابینا و نابینا و نابینا۔ ناممکن ہے کہ یہ تینوں جمع ہو کر بینا ہو جائیں۔

یہ بیان نظیر ہی فاسد ہے۔ اس لیے کہ اعمٰی (نابینا) میں تو دیکھنے کا کچھ بھی ثبوت نہیں۔ مگر مخبرین کی یہ حالت نہیں ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ جس طرح اس پر کذب کا امکان ہے اسی طرح اس پر صدق کا امکان ہے اور اس سے صدق واقع ہے۔ اور یہ بضرورت عقل معلوم ہے کہ دو یا دو سے زائد کے درمیان جب تفریق کر دی گئی۔ تو ان دونوں سے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ ایک جھوٹی خبر کے پیدا کرنے پر متفق ہو جائیں جس کے لفظ و معنی میں بھی وہ دونوں متفق ہوں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جب ان دونوں نے ایسی خبر دی جس میں وہ دونوں متفق ہیں تو ان دونوں نے ایسے علم صحیح سے خبر دی ہے جو ان کے نزدیک صحیح و ثابت ہے جو اس کا انکار کرے اسے لازم ہے کہ وہ ان شہروں کی بھی تصدیق نہ کرے جو اس سے اوجھل ہیں نہ ان سلاطین و انبیاء کی تصدیق کرے جو گذر چکے۔ بلا شک یہ جنون میں چلا جانا ہے یا حس کی مخالفت میں داخل ہونا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم نے یہاں ضرورت و اضطرار کے اسم کے اطلاق کو کیوں کر جائز رکھا۔ حالانکہ اسے افعال فاعلین میں روکا ہے جہاں تم نے استطاعت کا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں پیدا کیا ہے ہم کہیں گے کہ ان دونوں امور میں فرق روشن ہے اور وہ یہ ہے کہ فاعل سے اگر وہ ترک فعل اختیار کرتا تو اس سے ترک فعل کا وہم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ اس سے ممکن ہے اور اس سے اس کے خلاف کا اعتقاد ناممکن ہے جس کا اس نے یقین کر لیا ہے کہ وہ اپنے دل سے اس چیز کے حق ہونے کا نکال ڈالے جسے اس نے سمجھ لیا ہے کہ حق ہے بس یہی ہے کہ ہم نے یہاں اسم اضطرار واقع کیا اور وہاں اس سے منع کیا۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

تکافوءِ ادلّہ

جو مساوات دلائل کے قائل ہیں

ایک قوم دلائل کی مساوات کی قائل ہے۔ اس کے معنی ہیں ایک مذہب کی دوسرے مذہب پر مدد کرنا اور ایک مقالے کا دوسرے مقالے پر غالب کرنا غیر ممکن ہے تاوقتیکہ حق باطل سے اس طور پر کھلم کھلا واضح نہ ہو جائے۔ کہ اس میں کوئی اشکال نہ رہے۔ بلکہ ہر مقالے کے دلائل بقیہ تمام مقالات کے دلائل کے مساوی ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو چیز جدل اور جھگڑے سے ثابت ہے تو وہ جدل اور جھگڑے سے ٹوٹ سکتی ہے، اس قاعدے نے ان لوگوں کو تین قسموں پر منقسم کر دیا ہے۔

ایک گروہ تو ہر مختلف فیہ مسئلے میں بالکل دلائل کی مساوات کا قائل ہے۔ اس نے نہ تو باری تعالیٰ کو ثابت کیا نہ باطل۔ یہ کہا کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ حق ان اقوال میں سے صرف ایک ہی میں ہے۔ مگر یہ حق کسی پر بھی واضح نہیں اور نہ ظاہر ہے اور نہ ممتاز ہے۔

اسماعیل بن یونس الاعور الطبیب الیہودی کے اقوال اور مناظرے بالکل بطور صحیح اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا مذہب یہی قول ہے۔ اس نے اس مقالے کی تائید میں زبردست کوشش کی ہے۔ اگرچہ اس کی تصریح نہیں کرتا کہ وہ اس کا معتقد ہے۔

ایک دوسرا گروہ باری تعالیٰ کے سوا تمام امور میں دلائل کی مساوات کا قائل ہے اس نے خالق کا اثبات کیا ہے اور یقین کے ساتھ کیا ہے کہ وہ حق ہے اور یقیناً بلا شک اپنے سوا ہر شے کا خالق ہے۔ مگر نبوت کا نہ اثبات کیا نہ ابطال و انکار نہ اس نے دین ملت کو ثابت کیا نہ

باطل۔ یہ کہا کہ بلا شک ان اقوال میں کوئی قول صحیح ہے۔ مگر وہ نہ کسی پر ظاہر ہے اور نہ واضح۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کسی کو تکلیف دی۔ اسماعیل بن الفواد الیہودی طبیب کا یقیناً یہی قول یہی مذہب تھا۔ ہم نے اس سے اسی حالت میں مناظرہ کیا ہے کہ وہ اس کی تصریح کرتا تھا۔ جب ہم نے اسے دعوت اسلام دی، اس کے شکوک دفع کر دیے اور اس کے عذرات باطل کر دیے تو کہتا تھا کہ مذاہب میں منتقل ہونا ایک کھیل ہے،

ہم سے یہ قول ایک ایسی قوم سے نقل کیا گیا ہے جو علم میں ریاست ونظر رکھتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ قول ان سے ثابت نہیں ہے۔

ایک گروہ باری تعالیٰ اور نبوت کے سوا تمام امور میں دلائل کی مساوات کا قائل ہے۔ وہ یقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور وہی مخلوق کا خالق ہے۔ نبوت حق ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہیں۔ اس کے بعد اقوال اہل قبلہ میں سے کسی قول کو دوسرے قول پر غالب نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ بلا شک ان میں ایک ہی قول حق ہے مگر وہ کسی پر ظاہر و واضح نہیں ہے۔ بجز ایسے اقوال کے جن کے یہ قائل ہیں اور ان امور کے بارے میں ہیں جن پر یہ لوگ قائم ہیں انھیں اقوال میں سے ہیں جن کی بنا پر ان کا ایک گروہ حیرت میں پھنس کے رہ گیا۔

حیرت زدہ گروہ کہتا ہے کہ ”ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کیا اعتقاد کریں، ہمارے لیے کسی ایسے مقالے کا اختیار کرنا غیر ممکن ہے جو دوسرے مقالے کے مقابلے میں ثابت نہیں کہ ہم اپنے نفوس کو دھوکا دیں اور عقول کی مخالفت کریں۔ ہم اس میں سے نہ کسی شے کا اثبات کرتے ہیں نہ انکار“ اس گروہ کے تمام لوگ لذات کی طرف اور نفوس کو شہوات میں ڈال کر لطف اندوز ہونے کی جانب مائل ہیں جس کیف سے نفوس اپنی طبائع کے مطابق مائل ہوتے ہیں۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ ”انسان پر بموجب عقل کے فرض ہے کہ وہ فضول و بے کار نہ رہے، لازم وضروری ہے کہ اس کے لیے ایک دین ہو جس پر چلنا اسے ظلم وقبائح سے باز رکھے۔ جس کا کوئی دین نہ ہوگا اس عالم میں اس سے اطمینان نہیں کہ وہ فساد نہ کرے گا، خفیہ وعلانیہ لوگوں کو قتل نہ کرے گا، خیانت و نافرمانی سے لوگوں کا مال نہ لے گا اور علانیہ اور بہانے سے شرمگاہوں پر دست درازی نہ کرے گا۔ اس میں سارے عالم کا ہلاک، بنیاد کی تباہی، نظام کا ٹوٹنا اور ان تمام فضائل کا بطلان ہے جن کے لازم ہونے کو علوم چاہتے ہیں یہی وہ فساد ہے جس سے پرہیز کرنے اور بچنے کو عقول واجب کرتی ہیں۔ پھر جس کا کوئی دین نہ ہو، ہر شخص پر جسے اس کے قتل کی قدرت ہو واجب ہے کہ اسے فوراً قتل کر کے عالم کو اس سے راحت دے اور جلد سے جلد اس کے ضرر کو روکے۔ اس لیے کہ وہ سانپ اور بچھو کے مثل ہے بلکہ ان دونوں سے بھی زیادہ مضر ہے“۔

ان کی دو قسمیں ہوگئی ہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ ”جب معاملہ یہ ہے تو ہر انسان پر اس دین کی پابندی ضروری ہے جس پر اس نے پرورش پائی یا جس پر وہ پیدا ہوا۔ اس لیے کہ یقیناً یہی وہ دین ہے جس کی ابتدائے خلقت یا ابتدائے پرورش میں اللہ تعالیٰ نے اسے خبر دی اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس پر ثابت رکھا، لہٰذا اسے اس دین سے خواہ وہ کوئی سا دین ہو، نکل جانا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے واسطے پسند فرمایا اور اسی پر اس کی ابتداء کی جائز نہیں ہے“ یہ اسماعیل بن القداد کا قول تھا۔ یہ کہا کرتا تھا کہ جو شخص ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں گیا وہ بے حیا ہے ادیان کا کھیل بنانے والا ہے اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور اس دین کے ذریعے سے بہ تکلف اس کی عبادت کرنے والا ہے“۔

ابن قداد ایک مسئلہ کلیہ بیان کیا کرتا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ ”کوئی شخص اس دین کو چھوڑ کر نہ رہے جس کا وہ معتقد ہے“۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

ایک گروہ نے کہا کہ ”انسان اپنے باپ دادا آقا اور پڑوسی کا دین اختیار کرنے میں معذور نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی حجت ہے۔ ہر

شخص پر واجب ہے کہ وہ ان امور کا پابند ہو جن کی صحت وفضیلت پر تمام مذاہب وعقول متفق ہوں۔ کسی کو قتل نہ کرے۔ نہ زنا کرے، نہ اغلام کرے۔ نہ کسی کے ساتھ زبردستی کرے۔ نہ کسی کی حرمت تباہ کرنے میں سعی کرے۔ نہ چوری کرے نہ غضب کرے۔ نہ ظلم کرے۔ نہ جور کرے۔ نہ گناہ کرے نہ بدعہدی کرے نہ غیبت کرے۔ نہ چغلخوری کرے۔ نہ بیہودگی کرے نہ کسی کو مارے۔ اور نہ اس پر ہاتھ بڑھائے۔ بلکہ رحم کرے۔ خیرات کرے۔ امانت کو ادا کرے۔ لوگوں کو اپنے شر سے پناہ دے۔ مظلوم کی مدد کرے اور اس کی حمایت کرتا رہے۔ یہ سب بلاشک حق ہے۔ اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے اور جن امور میں لوگوں کا اختلاف ہے ان میں توقف کرے۔ اس کے سوا ہم پر کچھ واجب نہیں۔ اس لیے کہ ایک شے میں دوسری شے کے مقابلے میں ہم پر حق واضح نہیں ہوا''۔

ان لوگوں کے اصول وعقائد یہ ہیں۔ لیکن اس میں ان کا استدلال یہ ہے کہ ''ہم نے مذاہب اور رایوں اور مقالات کو اس طرح پایا کہ ہر گروہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے جو کچھ بھی عقیدہ اختیار کیا ہے وہ متقدمین سے اور روشن دلائل سے اختیار کیا ہے۔ ہر گروہ دوسرے سے مناظرہ کرتا ہے اور اس کے برابر رہتا ہے۔ ایک مجلس میں یہ غالب آ جاتا ہے دوسری مجلس میں دوسرا گروہ اس پر غالب آ جاتا ہے۔ یہ غلبہ مناظر کی قوت غور وفکر وقدرت بیان اور قسم کھانے اور اس مسئلے میں ان کے لیے شور وشغب کرنے کے مطابق ہوتا ہے مثلاً باہمی جنگ کرنے والے کہ ان میں فتح آپس میں فخر کرنے سے ہوتی ہے۔ ثابت ہو گیا کہ یہاں ایسا کوئی قول نہیں جس کا غلبہ ظاہر ہو۔ اگر ہوتا تو ہرگز کسی پر مشکل نہ ہوتا۔ اور لوگ اس میں اختلاف نہ کرتے جس طرح وہ ان امور میں اختلاف نہیں کرتے جن کا وہ اول عقل اور اپنے حواس سے ادراک کرتے ہیں اور جیسا کہ وہ حساب میں اور ہر ایسی شے میں اختلاف نہیں کرتے جس پر واضح برہان ہو، یہ محال ہے کہ لوگوں پر حق ظاہر ہو جائے پھر بھی بغیر کسی معنی کے اس کی مخالفت کریں۔ اور بے سبب دنیا و آخرت کی ہلاکت کو پسند کر لیں۔ جب یہ باطل ہو گیا تو ثابت ہو گیا۔ کہ ہر گروہ محض اسی کی پیروی کرتا ہے جس پر اس نے پرورش پائی ہے۔

یا بغیر تحقیق اور یقین کیے اس کی پیروی کرتا ہے جس کو خیال کرتا ہے کہ حق ہے۔ اس کا ہر مذہب والے میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اگرچہ اس میں وہ بات ہو جس کے حماقت و باطل ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔

''جماعت کثیرہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ علم وفلسفہ حاصل کیا، اس میں مہارت حاصل کیا، حقائق کی واقفیت اور زمرہ عوام سے نکلنے میں اپنے آپ کو ممتاز کیا کہ صحیح براہین سے آگاہ ہوئے اور ان صحیح براہین کو شور وشغب واقناع وفریب سے جدا کر دیا۔ دوسروں کو ہم اس حالت میں پاتے ہیں کہ علم کلام میں مہارت حاصل کی اس میں اپنی زندگیاں ختم کر دیں۔ رسوخ پیدا کیا اور اس پر نازاں ہوئے کہ صحیح دلائل سے واقف ہو کے دلائل فاسدہ سے ان کو جدا کر دیا ہے ان کے لیے منصفانہ دلائل سے حق و باطل میں فرق واضح ہو گیا۔ بایں ہمہ ان گروہوں کے تمام افراد کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے فلسفی ومتکلم اپنے ان مذاہب میں جن کو مانتے ہیں کہ ان کی نجات یا انکی ہلاکت ہے اس طرح باہم اختلاف کرتے ہیں جس طرح عام لوگ اور جہلا بلکہ یہ لوگ اختلاف میں اس سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

یہودی اپنی یہودیت پر مرتا ہے نصرانی اپنی تثلیث ونصرانیت پر ہلاک ہوتا ہے مجوسی اپنی مجوسیت پر مرنا چاہتا ہے مسلم اپنے اسلام کے بارے میں طالب شہادت ہے منانی (مانی کا پیرو) اپنی مانویت پر ہلاک ہونا چاہتا ہے دہری کا کام اپنی دہریت پر تمام ہو جاتا ہے اس میں سے ہر فرقے کا جاہل مقتدا اس معاملے میں اس ماہر متکلم کے برابر ہے کہ اپنے گمان کے مطابق مستدل (استدلال کرنے والا) ہے۔

ان مذاہب کے فرقوں میں بھی ہم بالکل اسی کے مساوی حالت پاتے ہیں اگر وہ یہودی ہے تو جو ربانی ہے وہ اپنے تمام فرقوں پر

مارے غصے کے بھڑکتا ہے جو صابی ہے وہ اپنے دین کے بقیہ تمام فرقوں پر لعنت کرتا ہے جو عیسوی ہے وہ اپنے دین کے بقیہ فرقوں سے تمسخر کرتا ہے۔ جو سامری ہے وہ اپنے دین کے بقیہ فرقوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے، اگر وہ نصرانی ہے تو یا ملکی ہے کہ اپنے دین کے بقیہ فرقوں پر مارے غصے کے ہلاک ہوا جاتا ہے یا نسطوری ہے جو اپنے دین کے فرقوں پر غصے سے بھڑکتا ہے۔ یا یعقوبی ہے تو وہ اپنے دین کے بقیہ فرقوں سے سخت ناراض ہوتا ہے اور اگر وہ مسلم ہے تو یا تو وہ خارجی ہے جو اپنے بقیہ اہل ملت کے خونوں کو حلال سمجھتا ہے یا معتزلی ہے جو اپنی ملت کے بقیہ فرقوں کی تکفیر کرتا ہے، یا شیعی ہے جو اپنی ملت کے بقیہ تمام فرقوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یا مرجی ہے جو اپنی ملت کے بقیہ فرقوں سے ناراض ہے یا وہ سنی ہے جو اپنی ملت کے فرقوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس میں بھی عامی مقلد جاہل اور بزعم خود متکلم مستدل سب برابر ہیں۔

''ہم نے جن فرقوں کا ذکر کیا ان کے متکلمین کا ہر فرد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے جو کچھ اختیار کیا برہان واضح سے اختیار کیا اور جو کچھ ترک کیا وہ بھی برہان واضح سے ترک کیا۔ اس کے بعد ہم انھیں اسی حالت میں پاتے ہیں یہاں تک کہ فتوے میں بھی۔ حنفی حنفیہ ہی سے جھگڑتا ہے، مالکی مالکیہ سے قتال کرتا ہے، شافعی شافعیہ سے لڑتا ہے، حنبلی حنبلیہ سے مار پیٹ کرتا ہے، ظاہری ظاہریہ سے جنگ کرتا ہے، البتہ متحیر مستدل ہے وہاں باہم جنگ ہوتی ہے یہاں تک کہ ان میں سے دو شخص بھی بجز شاذ و نادر کے ایک سو مسائل پر بھی متفق نہیں۔ ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ان میں سے ہر ایک دوسروں پر عیب لگاتا ہے۔ اور ہر ایک اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دوسروں سے اشرف ہے۔

''اسی طرح دہریت کے قائلین بھی آپس میں ایک دوسرے سے دور ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرنے والے اور باہم اختلاف کرنے والے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو ازلیت عالم ہو ازلیت فاعل عالم کے ثابت کرنے والے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو ازلیت فاعل اور اس کے ساتھ چند دوسری اشیاء کی ازلیت کے اور بقیہ تمام عالم کے حادث ہونے کے ثابت کرنے والے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو ازلیت و حدوث عالم کے ثابت کرنے والے اور تمام نبوات کے باطل کرنے والے نہیں۔ ان میں بھی باہم اسی طرح اختلاف ہے جس طرح تمام اہل مذاہب میں اور کوئی فرق نہیں۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ تمام لوگ یا تو اس طریقے اور مذاہب کے متبع ہیں جس پر ان کی پرورش و تربیت ہوئی اور اپنے خیالات کے متبع ہیں جس کو انھوں نے حق خیال کر لیا ہے۔ یہ لوگ جیسا کہ ہم نے بیان کیا تحقیق سے گرے ہوئے ہیں حقیقۃً کسی واقعی برہان کی موجودگی میں ہرگز یہ لوگ ایسا اختلاف نہ کرتے۔ طول ایام، تداول زمانہ، امتداد اوقات اور اس برہان کو گروہوں کے دست بدست لینے، شدت بحث مخالفین کی باہم کثرت ملاقات و مناظرہ ان کے اپنی اوقات کے ضائع کرنے، کاغذوں کے سیاہ کر ڈالنے اور اپنی سعی و کوشش صرف کرنے کے باوجود ضرور واضح ہو جاتا کہ حق کدھر ہے۔ پھر اشکال رفع ہو جاتا۔ بلکہ بات جیسی تھی ویسی ہی قائم ہے اور اختلاف اور باہمی جنگ کے اور فرقوں کے پیدا ہونے میں اضافہ ہے۔

''ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آدمی جو سنجیدہ۔ عالم۔ دانا۔ علوم فلسفہ و کلام و دلائل کا ماہر ہے اپنی ساری زندگی طلب حقائق میں صرف کرنے والا ہے برہان کے متعلق بحث کرنے کو اس کے ماسوا لذت یا مال یا جاہ وغیرہ پر ترجیح دینے والا ہے اس میں اپنی قوت کا صرف کرنے والا ہے، تقلید سے نفرت کرنے والا ہے، وہ کسی مقالے کا معتقد ہے اس کے متعلق مناظرہ کرتا ہے، مقابلے میں دلائل لاتا ہے مقابل کی مدافعت کرتا ہے جو اس کی مخالفت کرے اس سے عداوت کرتا ہے۔ اپنے دعوے کی تجدید کرتا ہے اس کے حق ہونے کا یقین کرتا ہے، مخالف کو خطاوار سمجھتا ہے اس سے نفرت کرتا گمراہ سمجھتا، یا اس کی تکفیر کرتا ہے، مدت دراز اور سالہائے کثیرہ تک اسی حالت پر رہتا ہے۔ بعد کو ایک رائے ظاہر ہوتی

ہے تو وہ اس طرح رجوع کرتا ہے کہ جس مقالے وا ہل مقالے کی مدد کرتا تھا اور جس کی صحت کا معتقد تھا اس سے نہایت شدید عداوت ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح اس سے پھرتا ہے کہ اس کے باطل کرنے میں قتال کرتا ہے، فاسد کرنے میں مناظرہ کرتا ہے جس کی صحت کا معتقد تھا اسی کی گمراہی اور اس کے ماننے والوں کی ضلالت کا معتقد ہو جاتا ہے، اور آج اپنی کل والی حالت پر تعجب کرتا ہے کبھی اسی قول کی طرف پھر رجوع کرتا ہے جس پر پہلے تھا یا نکل کر کسی تیسرے قول کی طرف چلا جاتا ہے"۔

یہ امور ان کے نزدیک دلائل کے فاسد ہونے اور ان سب کے مساوی ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر دلیل دوسری دلیل کی گرانے والی اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا گرانے والا ہے۔

"جس نے ان مذاہب و مقالات میں سے جس کی تحقیق کی وہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو یہ اس کے لیے ثابت ہو گیا یا ثابت نہیں ہوا" کسی تیسری قسم کا امکان نہیں۔ "اگر اس کے لیے اس کے دعوے سے یا اس کے کسی مدعی کی تقلید کرنے سے زیادہ ثابت نہیں ہوا تو وہ اپنے غیر سے زیادہ صواب و حق کا مستحق نہیں ہے۔ اور اگر ثابت ہو گیا تو اس سے خالی نہیں کہ یا تو یہ اس کے لیے کل یا بعض حواس سے ثابت ہوا ہو گا یا ضرورت و بداہت عقل سے یا ان دو کے علاوہ کسی تیسری دلیل سے" کسی چوتھی قسم کی گنجائش نہیں۔ اگر اس کے لیے کل یا بعض حواس یا ضرورت و بداہت عقل سے ثابت ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہ ہو۔ جیسا کہ ان امور میں اختلاف نہیں جو حواس و بداہت عقل سے ادراک کیے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ تین دو سے زیادہ ہیں۔ اور آدمی بالفعل ایک ہی ساتھ کھڑا ہونے والا اور بیٹھنے والا نہیں ہوتا۔ لہذا بجز اس کے کچھ باقی نہ رہا کہ یہ لوگ یہی کہیں کہ یہ ہمارے لیے حواس کے علاوہ کسی دوسری دلیل سے ثابت ہوا ہے۔

ہم ان سے اس دلیل کو دریافت کریں گے کہ وہ تمھارے نزدیک کیسے ثابت ہوئی۔ آیا دعوے سے۔ تو تم لوگ اس کے دعوے میں اپنے غیر سے بہتر و مستحق تر نہیں ہو۔ یا حواس و بداہت عقل سے ثابت ہوئی۔ تو پھر تم سے اس میں یہ اختلاف کیوں کر کیا گیا۔ حالانکہ اپنی معلومات و مدرکات میں تو کوئی اختلاف نہیں کرتا۔

یا اس کے علاوہ کسی اور دلیل سے ثابت ہوئی۔ اور اسی طرح غیر متناہی طور پر برابر سوال ہوتا رہے گا۔ اس سے انھیں رہائی نہیں ہو سکتی

ہم ان سے ان کے اس علم کو دریافت کرتے ہیں جو انھیں اس مذہب کی صحت کے متعلق ہے جس پر وہ ہیں کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ وہ اسے جانتے ہیں یا نہیں۔ اگر کہیں کہ ہم اسے نہیں جانتے تو انھوں نے بدل دیا ان کا قول ساقط ہو گیا۔ اور ہمیں اپنی مشقت سے بے نیاز کر دیا۔ اس لیے کہ یہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اسے نہیں جانتے جسے وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے جانا۔ یہ ہوس و حماقت اور اس مذہب کا فاسد کرنا ہے جس کے یہ معتقد ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اسے جانتے ہیں تو ہم ان سے سوال کریں گے کہ آیا انھوں نے علم سے اس کو جانا یا بغیر علم کے۔ اور اسی طرح ہمیشہ سوال ہوتا رہے گا۔ اور یہ اس کا مقتضی ہے کہ علم کے لیے علم ہو۔ اور علم علم کے لیے علم ہو۔ یہاں تک کہ کوئی انتہا نہ ہو۔ حالانکہ یہ ان کے نزدیک محال ہے۔

کل یہی وجوہ ہیں جن سے انھوں نے ملمع کاری کی ہے۔ مذکورہ بالا امور کے متعلق ان کے کسی اور شور و شغب کا اور اس کے سوا ان کے اور کسی محل استدلال کا ہمیں بالکل علم نہیں۔ بلکہ ہم نے ان کے لیے زیادہ کر دیا ہے۔ مگر ان کی کوئی دلیل نہیں دیکھی اور ہم نے اسے ان کے لیے نہایت مشقت سے جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ہر مقالے والے کے لیے کیا ہے۔

یہ سب جس سے ان لوگوں نے ملمع کاری کی ہے بغیر کسی زائد تکلیف کے واضح ترین برہان سے یقیناً چھوٹ جانے اور ٹوٹ جانے والا ہے ہم نے متکلمین سابقین میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس مقالے کے رد کرنے کے لیے کوئی مستقل باب لائے ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بتوفیق الٰہی ہم ان کی ہر ملمع کاری کو براہین واضحہ سے رد کریں گے اور مذکورہ بالا گروہوں کے عقائد کا فساد واضح کرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس کو واضح کر دکھائیں گے۔

بتائید الٰہی ہم کہتے ہیں کہ متحیرین کے گروہ نے تو خود ہی اپنی جہالت کی شہادت دی ہے۔ اس مسئلے میں انھوں نے اپنے مخالفین کو اپنی مشقت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ جاہل کا جہل عالم کے علم پر حجت و دلیل نہیں ہے نہ وہ شخص جن کے لیے ایک شے واضح نہ ہو اس شخص پر غبار ہے جس کے لیے وہ شے واضح ہو گئی ہے بلکہ جو عالم ہے وہ جاہل پر حجت ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں تمام علوم وفنون میں کسی کو کوئی شک نہیں۔ ہر معلوم کا ایک قوم کو علم ہوتا ہے اور دوسری قوم اس سے جاہل رہتی ہے اس سے زیادہ احمق کون ہو گا جو یہ کہے کہ جب میں فلاں امر سے جاہل و ناواقف ہوں تو مجھے معلوم ہے کہ ہر شخص میرے ہی جہل کی طرح اس سے جاہل ہو گا۔ خود اسی قوم کا یہی حال ہے اگر کسی کے لیے اس کی گنجائش ہو تو تمام حقائق و معارف وصناعات باطل ہو جائیں۔ اس لیے کہ لوگوں میں ان میں سے ہر شے کے جاہل موجود ہیں۔ ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ اس میں حجت کو نہیں جانتے اور نہ اسے سمجھتے ہیں خواہ حجت کے کیسے ہی طلبگار ہوں۔ یہ امر حواس سے مشاہدہ کیا جاتا ہے لہذا انھوں نے جہل کا اقرار کر لیا۔ ہم اس شے کی حقیقت کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں جس کے جہل کا انھوں نے اقرار کیا۔ ان پر واجب ہے کہ وہ صحیح و جامع نظر کے ساتھ اور بغیر کسی نفسانیت کے مدعیون کے براہین میں غور کریں کہ وہ جس چیز سے جاہل ہیں انھیں اس کی معرفت حاصل ہو۔ لامحالہ اور یقیناً محقق کے قول کی حقانیت اور باطل کرنے والے کے قول کا بطلان واضح ہو جائے گا۔ اس وقت ان سے جہل و حیرت زائل ہو جائے گی۔ لہذا یہ مقالہ تو یقیناً ساقط ہو گیا۔ **والحمد لله رب العلمين۔**

جس نے یہ تصفیہ کیا کہ یہاں کوئی صحیح مذہب نہیں یقیناً اس کے قول کا فساد ظاہر ہے جس میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ ان لوگوں نے عالم کی اور جو کچھ عالم میں ہے اس کے وجود کی حقیقت ثابت کی ہے اور اس کے وجود کی حقیقت ثابت کی ہے جو حواس و بداہت و اول عقل سے ادراک کیا جاتا ہے ساتھ ہی ساتھ اس کے حدوث کو ان لوگوں نے نہیں مانا، نہ اس کی ازلیت کو تسلیم کیا، نہ اس کے حدوث کو باطل کیا اور نہ اس کی ازلیت کو۔ نہ یہ مانا کہ عالم کے لیے کوئی خالق ہے اور نہ یہ کہ اس کے لیے کوئی خالق نہیں ہے انھوں نے دونوں امور کو باطل کیا نبوت کو باطل کر ڈالا۔ اور انکے باطل کرنے کو بھی باطل کیا، یقیناً محال کی طرف اور بدترین قول سوفسطائیہ کی طرف چلے گئے۔ اور اس ضرورت و بداہت عقل سے ہٹ گئے جسکو انھوں نے ثابت کیا تھا اور اس کے موجب کی تصدیق کی تھی۔

ادنی سی عقل رکھنے والے کے درمیان بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جو چیز حق نہ ہو گی وہ باطل ہو گی اور جو باطل نہ ہو گی وہ حق ہو گی دو آدمیوں سے ایک نے ایک ہی قضیے اور ایک ہی حکم میں ''ہاں'' کہا اور دوسرے نے ''نہیں'' تو بلاشک دو میں سے ایک صادق اور دوسرا کاذب ہے۔ یہ بات ضرورت و بداہت عقل سے معلوم ہوتی ہے۔ کسی کہنے والے کا ایک ہی وجہ سے ایک ہی وقت میں ساتھ ہی ساتھ یہ کہنا کہ یہ حق باطل ہے اور اس کا قول جو یہ کہے کہ یہ نہ حق ہے نہ باطل ہے، تو یہ کھلا ہوا باطل ہے جو ضرورت و بداہت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔

ان کے اقرار کے مطابق واجب یہ ہے کہ ایک نے کہا کہ عالم ازلی و قدیم ہے اور دوسرے نے کہا کہ وہ حادث ہے ان دونوں میں سے بلاشک ایک صادق ہے اسی طرح ایک نے نبوت ثابت کی، ایک نے اس کی نفی کی، یقیناً ضرورت عقل سے اس مقالے کا فساد ظاہر

ہوگیا۔ بجز اس کے کہ یہ لوگ حقائق کو باطل کر دیں اور سوفسطائیہ میں شامل ہو جائیں اس وقت وہی کلام کریں جو کلام سوفسطائیہ نے کیا جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

جو بالکل لذات کی طرف مائل ہوگیا اگر وہ دو میں سے ایک گروہ میں سے ہے تو اس کا عقیدہ باطل ہو چکا ہے اور یقیناً ثابت ہوگیا کہ وہ گمراہی۔ خطا۔ باطل اور اپنے اس عقیدے کے فساد پر ہے جس نے اسے انہماک تک پہنچا دیا۔ جب ایک شے یقیناً باطل ہوگئی تو وہ بھی باطل ہوگیا جو اس سے پیدا ہوا ہے۔

اگر وہ آخر کے اقوال میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہے تو یہ سب کے سب لزوم لذات وانہماک کے باطل کرنے والے ہیں۔ لہذا یقیناً اس طریقے کا بطلان ثابت ہوگیا۔

اگر وہ دہریت کے حق ماننے کی طرف رجوع کرے تو اس سے وہی کلام کیا جائے گا جو دہریے سے کیا گیا جس کو ہم واضح کر چکے ہیں۔ جس نے آدمی کو اس کے سلف کے دین کا یا جس دین پر اس نے پرورش پائی ہے پابند کیا ہے یہ بھی غلط ہے جو ذرا بھی مخفی نہیں۔ اس لیے کہ جو اس کے وجوب ولزوم کا قائل ہوگا ہم اس سے کہیں گے کہ بتاؤ کہ اسے کس نے واجب ولازم کیا۔ کیوں کہ ایجاب (واجب کرنا) اور الزام (لازم کرنا) ضروری طور پر فاعل کو چاہتا ہے اور وہ ضروری ہے۔ وہ کون ہے جس نے آدمی پر یہ لازم کیا کہ اپنے سلف کے دین کی پابندی کرے اور اس دین کی جس پر اس نے پرورش پائی ہے۔ آیا اللہ نے اس کو اپنے تمام بندوں پر لازم کیا یا غیر اللہ نے۔ انسان نے واجب کیا یا عقل نے یا کسی دلیل نے۔

اگر وہ کہے کہ غیر اللہ کی طرف سے لازم کیا گیا ہے تو کہا جائے گا کہ غیر اللہ کی نافرمانی ومخالفت کی جاتی ہے اس کی طاعت کے عہد کو توڑ دیا جاتا ہے، اسے کوئی حق نہیں۔ جس کی طاعت اللہ نے واجب کردی ہو اس کے سوا کسی کی طاعت نہیں ہے۔ جس کی طاعت اللہ نے واجب کردی اس کی طاعت لازم ہے اس لیے کہ اسے اللہ نے واجب کیا ہے نہ اس لیے کہ وہ بالذات واجب ہے جس غیر اللہ نے کوئی شے واجب کی وہ اس دوسرے شخص سے اولیٰ وبہتر نہیں ہے جس نے اس چیز کو باطل کردیا جسے اس نے واجب کیا تھا اور اس چیز کے بطلان کو واجب کردیا۔ عقل والے کے لیے یہی کافی ہے۔ غیر اللہ کے لازم کرنے کو تو صرف جاہل ومغرور (یعنی دھوکے میں پڑا ہوا) ہی مانتا ہے۔ جیسے چوپایہ کہ اسے رسی سے گھسیٹا جاتا ہے اور وہ فرمانبرداری کرتا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اگر وہ یہ کہے کہ عقل نے اسے لازم کیا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ جب تو نے عقل پر اس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی فطرت میں نہیں ہے تو عقل پر باطل کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے کہ عقل کوئی شے واجب نہیں کرتی۔ عقل تو صرف ایک قوت ہے جس سے نفس اشیاء کو اسی طور پر پہچان لیتا ہے جس طور پر وہ ہیں۔ عقل اس چیز کو پہچانتی ہے جس کا وجوب ثابت ہوتا ہے کہ اس کو کسی ایسی ذات نے واجب کیا ہے جس کی طاعت لازم ہے عقل اسے پہچان لیتی ہے جس کا وجوب ثابت نہیں کہ کسی ایسی ذات نے اس کو واجب نہیں کیا جس کی طاعت عقل پر واجب ہے۔ عقل سے یہی مراد ہے کہ وہ متمیز (تمیز کرنے والی) ہے اس کے سوا کوئی شے نہیں۔

اس کا قائل علانیہ باطل کو ظاہر کرنے والا ہے اس لیے کہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عقل نے اس کو اپنی بداہت سے (یعنی بغیر احتیاج غور کے فوراً سمجھ کر) واجب کیا ہے یا کسی ایسے برہان سے واجب کیا ہے جو قریب یا بعید سے بداہت کی طرف رجوع کرے۔

حس کی مخالفت کی اور اس سے بھی اس کو نفع نہیں پہنچا۔
اگر وہ دعویٰ کرے کہ اسے عقل نے اپنی بداہت سے واجب کیا ہے تو اس نے
جس چیز میں جو چاہے ایسا دعویٰ کر سکتا ہے۔
اس لیے کہ اس قسم کی بے شرمی کے دعوے سے کوئی بھی عاجز نہیں،
تو اسے اظہار برہان کی تکلیف دی جائے گی۔
اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کو ایسے برہان نے واجب کیا ہے جو عقل کی طرف راجع ہے

اور کبھی اس کے لانے کی گنجائش نہ ہوگی۔
اس دعوے کی صحت کی دلیل دریافت کی جائے گی جسے اس نے اللہ تعالیٰ
اگر وہ یہ کہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے تو اس سے
جو کچھ لازم کیا جاتا ہے وہ بھی بغیر اللہ تعالیٰ کی
کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے لیے بھی کوئی امکان نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
کسی رسول اللہ کے پاس بھیجتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ معجزات کو اس کی رسالت کا گواہ
اس وحی کے ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا جس کو وہ اپنی مخلوق میں سے
اس میں اس مدعی کے دعوے کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔
بناتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ عقول میں جو کچھ پیدا کر دیتا ہے
اور اسی پر اس کو پیدا کیا اور بڑا کیا۔ تو اس میں اس کے
یہ استدلال کرنا کہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے اختیار فرمایا
اس دین کا خوگر بنایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے شخص کے ساتھ
لیے کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ ہم اس میں اس کے مخالف نہیں ہیں کہ اسے
جیسا کہ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی مکان میں کسی
پیدا کیا جو اس دین کا خوگر بنایا گیا ہے۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔
عالم کے کسی شخص کے نزدیک بھی اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اسے اس عادت سے جدا ہو کر
ہنر میں اور کسی معاش پر اور کسی عادت پر پیدا کیا۔
اسے اسی مکان سے وابستہ رہنا لازم ہے جس میں وہ پیدا کیا گیا ہے
اس سے بہتر عادت کی طرف جانا غیر ممکن ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ہے کہ
اور اسی غذا پر اقتصار لازم ہے جس پر وہ بڑا ہوا ہے۔ اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف
اسی ہنر پر رہنا ضروری ہے جس پر اس کا نشوونما ہوا ہے
اور بلا شک اس پر ان میں سے ہر شے کا
نہ ہوگا کہ اسے اس مکان اور ہنر اور اس معاش کو ترک کر کے دوسرے میں مشغول ہونے کا حق ہے۔
اور ترک کر کے دوسری محمود شے کی طرف جانا ہوگا۔
ترک کرنا فرض ہوگا جب کہ یہ مذموم ہوا
اور جن سب کو اس نے حق مانا ہے اس میں سے ہر دین میں دوسرے
وہ تمام ادیان و مذاہب جن سب کو اس قائل نے واجب کر دیا۔
اور آپس میں ہر ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ ان میں سے ہر دین
دین کا انکار ہے۔ ہر مذہب والا بقیہ تمام اہل مذاہب کی تکفیر کرتا ہے

میں وہ چیز حرام ہے جس کو دوسرا دین ضروری قرار دیتا ہے۔
کہ وہ اسی کا معتقد رہے۔ تو بلا شک ان میں سے ہر دین
اگر ان میں سے ہر دین ایسا ہوتا کہ جس نے اس پر نشوونما پایا اس پر لازم ہے
اور ہر وہ چیز جس کو حق باطل، کر دے تو بلا شک وہ باطل ہے۔ تو ان میں سے ہر
حق ہوتا۔ جب ہر دین حق ہوتا تو وہ بقیہ سب کو باطل کر دیتا۔
اور یہ تمام ادیان حق ہیں۔ اور تمام ادیان ساتھ ہی
دین بلا شک باطل ہوا۔ لہذا اس قائل کے قول پر واجب ہے کہ لامحالہ یہ تمام ادیان باطل
باطل ہو گیا۔ **والحمد للہ رب العلمین** ۔
ساتھ حق و باطل ہیں۔ لہذا یہ قول بھی بالیقین
کہ وہ مستحسن ہے اور اس سے پرہیز کرتا ہوں جس
جو یہ کہتا ہے کہ میں اس فعل خیر کو لازم سمجھتا ہوں جس پر تمام مذاہب و عقول متفق ہیں
مضمحل اور کمزور ہے سب سے پہلے یہی ہے کہ یہ کذب ہے اس
پر تمام مذاہب و عقول متفق ہیں کہ وہ قبیح ہے تو یہ قول بھی فاسد، ملمع کیا ہوا،
میں سے کسی شے پر بھی تمام مذاہب و عقول کا اتفاق نہیں ہے۔
کہ انکے مخالفین کا قتل اور ان کا مال لے لینا جائز ہے ہر مذہب جس میں
تمام مذاہب، بجز قلیل کے، سب کے سب اس پر متفق ہیں
اگر چہ قتل کے قائل نہیں مگر وہ ترک
سے ہم کسی مذہب کو مستثنیٰ نہیں کرتے، ایسے احکام کا قائل ہے جو بقیہ مذاہب کے نزدیک ظلم ہیں۔ منانیہ
یہ لوگ اغلام و مساحقہ وغیرہ کے قائل ہیں اور بقیہ تمام مذاہب اس کو حرام کہتے
نکاح کے قائل ہیں جو بقیہ تمام مذاہب کے نزدیک مباح ہے۔

ہیں۔ لہٰذا مذاہب کسی شے پر بھی متفق نہیں، نہ توحید پر نہ اس کے ابطال پر۔ لیکن تمام مذاہب اس شخص کے خطاوار و کافر ہونے پر اور اس سے بری ہونے پر متفق ہیں جو کسی دین کا معتقد نہ ہو۔ چنانچہ ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ وہ تمام مذاہب کی موافقت کی تلاش میں تھا مگر اسے سب کی مخالفت حاصل ہوئی اور یہ ایسا ہے تو اس سعی کو ناکام ہونا ہی چاہیے۔

اسی طرح تمام انسانوں کی طبائع اپنی ذات کو ترجیح دیتی ہیں اور جس کی اہل شرائع وفلاسفہ پابندی کرتے ہیں اسے ناپسند کرتی ہیں لہٰذا ان کا تعلق کسی ایسی شے سے بھی باطل ہو گیا۔ جو متفق علیہ ہو۔ اور سوائے اس ناکامیاب ملمع کے کچھ نہ حاصل ہوا جو تمام مذاہب کے خلاف ہے اور جس کا تعلق کسی دلیل سے نہیں نہ عقلی سے نہ سماعی سے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ عقل کسی شے کو واجب نہیں کرتی اور نہ وہ کسی شے کو قبیح بتاتی ہے نہ حسن و نیک۔ برہان یہ ہے کہ تمام اہل عقول بجز چند کے سب کے سب صاحب شریعت ہیں۔ شرائع میں قتل اور مال کا لینا۔ انسان کا مارنا اور حیوان کا ذبح کرنا آیا ہے مگر اصحاب عقول نے کبھی نہیں کہا کہ شرائع میں عقل کے خلاف آیا ہے۔ اور بجز چند کے نہ اس کا کسی نے دعویٰ کیا۔ یہ چند بھی ایسے ہیں کہ ان کی عقل ان کے غیر کی عقل کے لیے معیار نہیں ہے۔ اگر یہ عقول میں واجب ہوتا تو اسے تمام اہل عقول محسوس کرتے جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اہل عقول برابر برابر ہیں، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اچھا یا برا سمجھنے کے باب میں ان کا جو دعویٰ عقول کے متعلق تھا وہ بالکل جھوٹا ہے اور یہ خود ان کے اقوال کو عام طور پر شکست کرنے والا ہے۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ بتائید الٰہی ان کے شوروشغب والے اور فریب آمیز دلائل کے ابطال پر براہین بیان کرتے ہیں۔

یہ استدلال کہ ”ہم نے اہل مذاہب و آراء ومقالات کو اس طرح پایا کہ ہر گروہ دوسرے گروہ سے مناظرہ کرتا ہے اور اس سے اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں کبھی ایک مجلس میں یہ فرقہ غالب آتا ہے۔ پھر دوسری مجلس میں دوسرا فرقہ اس پر غالب آجاتا ہے، اور یہ غلبہ مناظر کی قوت وقدرت وحیلہ سازی وشوروشغب کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں ان کی مثال ان جنگ کرنے والوں کی سی ہوتی ہے جن کے درمیان فتح نوبت بہ نوبت ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہاں ایسا کوئی قول نہیں جس کا غلبہ ظاہر ہو۔ اور اگر ایسا ہوتا تو ہرگز کسی کو اشکال نہ ہوتا۔ اور نہ اس میں لوگوں کا اختلاف ہوتا۔ جیسا کہ لوگوں میں باہم ان امور میں اختلاف نہیں ہوتا جن کو وہ اپنے حواس واول عقول سے ادراک کرتے ہیں اور جس طرح ان میں باہم حساب میں اور ہر ایسی شے میں اختلاف نہیں ہوتا جس پر کوئی واضح برہان ہو۔ جو واضح وروشن ہے وہ حق ہے باوجودیکہ بہت سے زمانے گذر گئے، کثیر بحث ہوئی اور طویل ترین مناظرے ہوئے۔

ان کے نزدیک ”یہ محال ہے کہ لوگوں کو حق ظاہر ہو جائے اور پھر بھی وہ اس کی بے معنی مخالفت کریں اور بے سبب دین و دنیا کی ہلاکت پر راضی ہو جائیں جب یہ باطل ہے تو ثابت ہو گیا کہ ہر گروہ یا تو اس کی پیروی کرتا ہے جس پر اس کا نشوونما ہوا اور اس کی پیروی کرتا ہے جو بغیر تحقیق ویقین کے اس کے خیال میں آجاتا ہے کہ یہ حق ہے اس کا ہر مذہب وملت میں مشاہدہ ہوتا ہے اگرچہ ان مذاہب میں وہ امور بھی ہوتے ہیں جن کے باطل وبیہودہ ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا“۔

یہ اجمال ہے جس میں سے ہم بتوفیق الٰہی ہر عقیدے کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔ تصحیح یا فساد وابطال کے بیان کا ہم پورا حق ادا کر دیں گے جس سے کسی پر اس کی صحت پوشیدہ نہ رہے گی۔

یہ کہنا کہ اہل مذاہب و آراء ومقالات کا ہر گروہ مناظرہ کرتا ہے، نصف نصف ہو جاتا ہے کبھی ایک مجلس میں یہ غالب آجاتا ہے پھر دوسری مجلس میں دوسرا غالب آجاتا ہے اور یہ غلبہ مناظرہ کی قوت وقدرت بیان وحیلہ سازی وشوروشغب وملمع کاری کے مطابق ہوتا ہے۔ تو یہ قول صحیح ہے مگر اس میں ان کے اس دعوے پر ذرا بھی حجت نہیں جو انھوں نے دلائل کی مساوات کے متعلق کیا ہے اس لیے کہ وقتی غلبہ حجت نہیں

ہوتا اور نہ اس سے محقق عالم کو قناعت ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ اس کے موافق ہو، اور وہ اس کی طرف التفات نہیں کرتا اگر چہ وہ اس کے خلاف ہو۔ اس سے صرف وہی لوگ استدلال کرتے یا ناراض ہوتے ہیں جو اہل حرفہ اور جہلا اور چیخنے چلانے والے اور ڈرانے دھمکانے والے اور برا بھلا کہنے والے ہوتے ہیں جو اسی پر قناعت کرتے ہیں کہ یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں شخص فلاں پر غالب آ گیا۔ فلاں شخص بڑا مناظر اور بڑا جھگڑالو ہے۔ وہ حق کے ثابت اور باطل کے رد کرنے کی پروا نہیں کرتے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ دو مناظرہ کرنے والوں کے ایک دوسرے پر غالب آنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ نہ یہ ضروری ہے کہ اسے شمار میں لایا جائے۔ خاصکر ہمارے معاصرین کا آپس میں جھگڑنا کہ ان کی نوبتیں چند امیدوں سے گھری ہوئی ہیں جن سے وہ بہ قدر ایک کلمے کے بھی آگے نہیں بڑھتے۔ یا چومغزہ آدمی کہ شور وغل و بے حیائی و بدگوئی و ایذا کے ذریعے سے غالب ہو جاتا ہے یا وہ کثیر اللغو جسے اس کی قوت حاصل ہے کہ مجلس کو ایسے کلام سے بھر دے جس سے کوئی معنی حاصل نہ ہوں۔

وہ شے جس کا اہل تحقیق اعتقاد کرتے ہیں جو امور کو اسی طور پر جاننے کے خواہشمند ہیں جس طور پر کہ وہ ہیں، وہ یہ ہے کہ ان امور میں جن کی معرفت کے وہ طالب ہیں ہر حجت پر بحث کرتے ہیں جس سے اس باب کے فرقے والے نے استدلال کیا ہے جب وہ اس کو رد کر دیتے ہیں اور اس میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑتے تو اس کی ہر ہر دلیل میں غور کرتے ہیں اور ان میں سے شغبی و اقناعی دلائل کو چھانٹ کر دونوں کو نکال ڈالتے ہیں۔ اور دلیل برہانی کی ان مقدمات کے مطابق تلاش کرتے ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب مسمی بہ "**التقریب فی ماهية البرهان وتمیزه مما یظن انه برهان ولیس برهان**" (ماہیت برہان کے قریب پہنچا دینے والی اور برہان کو اس چیز سے ممتاز کرنے کے قریب کر دینے والی کہ جس کے متعلق برہان ہونے کا خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ برہان نہیں ہے) میں بیان کیا ہے ہم نے اس کتاب میں بھی، نیز اپنی کتاب موسوم بہ "**الاحكام فی اصول الاحكام**" میں بھی اس کی توضیح کی ہے۔ جو شخص اس طریق پر چلے گا جو ہم نے بیان کیا اور اس نے مقام ابتدا ہی میں اسے پہچان لیا جسے اول تمیز و حواس سے معلوم کیا جاتا ہے۔ برہان کو غیر برہان سے جدا کر دیا، صرف اسی برہان کو قبول کیا جو بالکل بدیہی و صحیح طور پر اس چیز کی طرف رجوع کرے جس کا ادراک حواس یا بداہت عقل سے ہو ادراک کی جاتی ہے اور ہر ایسے مطلوب میں ضروری ہوتی ہے جس کی تلاش کی جاتی ہے تو بلاشک اس کے لیے راہ حق بغیر کسی اشکال کے ہر باطل سے ممتاز و واضح و روشن ہو جائے گی۔

والحمد لله رب العلمین۔

جس نے یہ نہ کیا جو ہم نے بیان کیا۔ اور اس کا مقصد صرف مسئلہ حاضرہ کی مدد کرنا یا کسی ایسے مذہب کی مدد کرنا ہے جسے اس نے قبل اس کے کہ کوئی برہان اسے اس کے قریب تک لے جائے پسند کر لیا ہے اور صرف اسی مذہب کے دلائل کی تلاش کو اپنی غرض بنا لیا ہے تو وہ حق کو باطل سے پہچاننے میں دور ہے اسی قسم کے لوگوں نے ان نامرادوں کو دھوکا دیا تو انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہر بحث و نظر (مناظرہ) کے جاری کرنے کا یہ طریقہ ہے جس پر ان لوگوں نے عمل کیا جن کا ہم نے ذکر کیا۔ تو یہ انتہائی گمراہی میں پڑ گئے۔

یہ کہنا کہ ثابت ہو گیا کہ یہاں کوئی ایسا قول نہیں ہے جس کا غلبہ ظاہر ہو اور اگر ایسا ہوتا تو کسی کو اشکال نہ ہوتا۔ اور نہ لوگ اس میں اختلاف کرتے۔ جیسا کہ لوگ ان چیزوں میں اختلاف نہیں کرتے۔ جن کو وہ اپنے حواس و اول عقول سے ادراک کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ لوگ حساب میں اور ہر ایسی چیز میں اختلاف نہیں کرتے جس پر کوئی واضح برہان ہو۔

یہ قول بھی ملمع کاری ہے اس لیے کہ یہ کل دعویٰ فاسد و بلا دلیل ہے۔ ہم اس کے قبل ان اقوال کے ابطال کو برہان سے بیان کر چکے ہیں جو کافی ہے۔ اس میں ہر مطلوب کے برہان کی تفصیل ناممکن ہے۔ لیکن ہم اجمالی طور پر کہتے ہیں کہ جو شخص برہان کو جان لے، اسے پہچان لے، حق کو اس طرح تلاش کرے کہ نفسانیت کی طرف مائل نہ ہو، نہ الفت کرے نہ نفرت، اور نہ (تلاش میں) کسل و کاہلی تو اس کے لیے حق کے پہچان لینے کی ذمہ داری کی جاتی ہے۔ اس کی مثال وہ شخص ہے جو اقلیدس کی شکلوں پر برہان طلب کرے تو تمام اشکال کے متعلق اسے

مجمل جواب دینے میں کوئی اشکال (دشواری) نہیں ہے مگراس سے کہا جائے گا کہ تم ایک ایک شکل پوچھو تو تم پر برہان کی توضیح ہوسکتی ہے۔

یااس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو یہ سوال کرے کہ نحو کیا چیز ہے اس کی مراد یہ ہو کہ اسے نحو کے تمام قوانین سے واقف کر دیا جائے ۔ یہ اس سے زیادہ ناممکن ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ یہ ان حرکات وحروف کا بیان ہے جن کے اختلاف سے لغت عربیہ میں کلام کرنے والے کی مراد کے معلوم کرنے تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ ناممکن ہے کہ اسے اس کی حقیقت سے واقف کیا جائے نہ کل کا ثابت کرنا ممکن ہے بجز اس کے کہ اس کے ساتھ ایک ایک مسئلے کو اختیار کیا جائے گا۔ اسی طرح اس مقام میں ہے جس میں ہم ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ہر مختلف فیہ مسئلے کہ تمام برہان بیان کرسکیں۔ زیادہ سے زیادہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ ایک ایک مسئلہ دریافت کرو تو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے برہان بیان کریں۔

جو کہتا ہے کہ یہاں ایک ہی قول صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہم اس سے کہیں گے کہ بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں سے معلوم کیا۔ شاید بات اسی طرح ہو جو یہ کہتا ہے کہ تمام اقوال حق ہیں۔ اگر وہ کہے کہ نہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ سب حق ہوتے تو ضرور محال وممتنع ہوتا اس لیے کہ ان اقوال میں ساتھ ہی ساتھ ایک ہی شے کا اثبات وابطال ہے۔ اور اگر وہ تمام اقوال باطل ہوتے تب بھی بالکل ایسا ہی اور اسی کے برابر ہوتا اور یہ محال وممتنع ہے، اس لیے کہ اس میں بھی ایک ہی شے کا ساتھ ہی ساتھ اثبات وابطال ہے۔ جب ایک شے کا اثبات ثابت ہو جاتا ہے تو بلاشک اس کا ابطال باطل ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا اثبات باطل ہو جاتا ہے تو بلاشک اس کا ابطال ثابت ہو جاتا ہے چونکہ یہ دونوں قول یقیناً باطل ہو چکے ہیں تو بلاشک صرف یہی رہ گیا کہ اس میں بعینہ حق ہے اور اس میں بعینہ باطل ہے۔

ہم اس سے کہیں گے کہ تم نے سچ کہا۔ اور جب بات ایسی ہی ہے جیسی تم نے کہی، تو بلاشک یہی وہ عقل ہے جس سے تم نے ان اقوال میں سے قول صحیح کو پہچانا جس سے یہ قول صحیح بعینہ قول غیر صحیح سے ممتاز ہو گیا۔ اس لیے کہ تمام اقوال میں سے جو قول صحیح ہوتا ہے عقول وحواس ان براہین کے ذریعے سے اس کی شہادت دیتے ہیں جو اسے عقل وحواس کی طرف صحیح طور پر رجوع کر دیتے ہیں جو باطل ہوتا ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے، وہ عقل وحواس تک پہنچنے سے پہلے ہی ٹھیر جاتا ہے۔ اور یہ بہت واضح ہے **والحمد لله رب العلمین**۔

جس نے تمام اقوال میں کسی ایک قول کے بھی صحیح ہونے سے انکار کیا ہے۔ تو ہم بتا چکے ہیں کہ یہ تمام حقائق کا باطل کرنے والا ہے منکر ہے، اور تناقض اختیار کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ یہ حق وباطل کو ساتھ ہی ساتھ باطل کرتا ہے۔ **وبالله تعالیٰ التوفیق** ۔

یہ کہنا کہ اگر یہاں کوئی صحیح قول ہوتا تو ہرگز کسی کو اشکال نہ ہوتا اور نہ اس میں کوئی اختلاف ہوسکتا، جیسا کہ لوگ ان امور میں اختلاف نہیں کرتے جو حساب سے متعلق ہوتے ہیں، یا جنھیں اپنے حواس کے ذریعے سے ادراک کرتے ہیں، یہ قول فاسد ہے۔ اس لیے کہ جو شے کسی کو مشکل ہوتی ہے، اس کے اشکال کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ یہ شخص اس شے کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ جاہل کا جہل عالم پر حجت نہیں۔ برہان یہ ہے کہ عالم میں ایسی کوئی شے نہیں جس سے بعض لوگ ناواقف نہ ہوں۔ مثلاً مجانین واطفال وشدید جہلا اور شدید احمق۔ لوگوں میں فہم کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ ایک گروہ جس شے کو سمجھتا ہے مجانین اسے نہیں سمجھتے۔ دوسرا گروہ جس شے کو سمجھتا ہے یہ گروہ اسے نہیں سمجھتا۔ اسی طرح بلند ترین مراتب علم تک چلا جاتا ہے جب کبھی اس میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کی حقیقت سے وہی واقف ہوتا ہے جو اس کو سمجھتا ہے۔ اگرچہ دوسرے پر مخفی رہتا ہے یہ امر تمام علوم میں مشاہدہ اور محسوس ہوتا ہے۔ اس کی آفت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی کہ یا تو فہم کا قصور اور کند ذہنی ہے یا برہان کے تلاش کرنے میں کسل وکاہلی۔ یا بوجہ الفت ونفرت کے ہے کہ ان دونوں نے الفت ونفرت کرنے والے کو غایت مطلوب سے ہٹا دیا یا خود وہ الفت ونفرت اس حد سے تجاوز کر گئی ہیں۔ جن امور میں اختلاف ہوتا ہے اس میں اختلاف کے یہی اسباب ہوتے ہیں۔ جب موانع اٹھ جاتے ہیں تو یقیناً برہان میں روشنی آ جاتی ہے۔ لہذا جس سے انھوں نے شور وشغب کیا تھا وہ باطل ہو

گیا۔ و الحمد لله رب العلمین۔

یہ کہنا کہ ”جس طرح ان امور میں جنھیں وہ اپنے حواس سے ادراک کرتے ہیں، اور حساب میں اور ان امور میں جنھیں اول عقول سے ادراک کر لیتے ہیں کوئی اختلاف نہیں ہے“ یہ قول بھی ہر جگہ چلنے والا نہیں۔ اس کے ہر جگہ نہ چل سکنے کا سبب یہ ہے کہ اکثر ان چیزوں میں جو حواس و اوائل عقول سے ادراک کی جاتی ہیں کوئی ایسی شے نہیں جو تنازع یا تمھارے اس کے مقلد ہونے کی صورت میں اس کی تائید یا ابطال کی دعوت دے اسی طرح حساب میں ہے۔ یہاں تک کہ جب ہم اس چیز کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں اس شے کی تقلید ہو کہ حواس یا اوائل تمیز سے ادراک کیجاتی ہے تو اس میں بھی تنازع اور مکابرہ اور مدافعت اور بدیہی و اضطراری امور کا انکار اس طرح پایا جاتا ہے جس طرح اس کے ماسوا میں پایا جاتا ہے۔

مثلاً نصاری کا مکابرہ اور ان کا اپنے کو اس ہلاکت میں ڈالنا کہ مسیح کے لیے دو طبیعتیں ہیں۔ ناسوتیہ ولاہوتیہ۔ ان میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ دونوں طبیعتیں ایک ہی شے ہو گئیں، لاہوت ناسوت کامل و حادث و مخلوق ہو گیا۔ اور ناسوت الہ کامل و خالق و غیر مخلوق ہو گیا۔

بعض کہتے ہیں لاہوت و ناسوت کی آپس میں اس طرح آمیزش ہو گئی ہے جس طرح عرض کی آمیزش جوہر کے ساتھ ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں کی اس طرح آمیزش ہوئی ہے جس طرح باطن و ظاہر کی آمیزش ہوتی ہے اور یہ حماقت و محال ہے جس کا فساد اوائل عقل و بداہت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔

جس طرح منانیہ کو اس پر انتہائی اصرار ہے کہ فلک عالم کے ہر افق پر صرف اس طرح دورہ کرتا ہے جس طرح چکی دورہ کرتی ہے اس کا کذب بالکل نمایاں اور مشاہدے میں ہے۔

جس طرح یہود کو اس پر انتہائی اصرار ہے کہ وہ دریائے نیل جو ملک مصر و زیلع و معادن الذہب کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور دریائے فرات جو شہر موصل کا احاطہ کیے ہوئے ہے ان دونوں کے نکلنے کا مقام یہودی کہتے ہیں کہ مشرق کے ایک ہی چشمے سے ہے، حالانکہ یہ وہ کذب ہے جو حواس سے محسوس ہوتا ہے۔

جس طرح مجوس کو اس پر انتہائی اصرار ہے کہ ولادت ایک انسان سے ہے۔ ان کے بادشاہوں کے بنائے ہوئے شہروں میں سے ایک شہر آسمان و زمین کے درمیان معلق ہے۔

جس طرح تمام عوام کو اس پر اصرار ہے کہ آسمان کتاب کی طرح برابر ہے نہ کہ کروی اور قبے اور گنبد کی شکل کا۔ اور زمین بھی اسی طرح ہے۔ آفتاب ایک ہی ساعت میں تمام ممالک میں تمام لوگوں پر طلوع کرتا ہے اور اسی طرح لوگوں سے غروب ہوتا ہے اس کا کذب علانیہ معلوم ہوتا ہے۔

جیسا اشعریہ اور دوسرے ان لوگوں کو جو علم و توفیق کے مدعی ہیں اس پر انتہائی اصرار ہے کہ آگ میں گرمی نہیں، برف میں سردی نہیں، شیشے اور سنگ ریزوں میں مزہ ہے شراب مسکر نہیں۔ اور یہاں ایسے احوال ہیں جو نہ معدوم ہیں نہ موجود۔ نہ حق ہیں نہ باطل۔ نہ مخلوق ہیں نہ غیر مخلوق۔ اور نہ معلوم ہیں نہ مجہول۔ ان سب کا جھوٹ اور باطل ہونا حواس و اول عقل و ضرورت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ تخلیط و حماقت و بدحواسی ہے جس کو کوئی سمجھ سکتا اور نہ کسی کے وہم میں اس کی کوئی شکل آ سکتی ہے۔ اگر ہم نے اپنے بیان سے بہت زیادہ مشاہدہ نہ کر لیا ہوتا تو ہرگز نہ مانتے کہ کسی ادنی سی عقل والے کی بھی زبان پر اس قسم کے جنون کی باتیں آ سکتی ہیں۔

اسی طرح مثلاً چند گروہوں کا اس پر انتہائی اصرار کہ دو اسم ایسے دو مسمی پر واقع ہو سکتے ہیں کہ ان دونوں مسمی میں سے ہر ایک نہ تو دوسرا ہے اور نہ وہ اس کا غیر ہے۔

علی ہذا امثلا وہ سوفسطائیہ جو منکر حقائق ہیں۔

حساب میں بھی چند اشیا میں اختلاف ہوا ہے مثلا تعدیل میں اور قطع کواکب میں اور اس میں کہ آیا حرکت کواکب میں ہے یا ان کے افلاک میں۔ وہ چیز جس کے وجود سے کوئی وقت خالی نہیں۔ وہ اہل حساب کی اعداد کثیرہ کے جمع کرنے میں خطائے کثیر ہے۔ یہ لوگ کھلم کھلا اختلاف کرتے ہیں جب تحقیقی نظر ڈالی جائے تو حق باطل سے ظاہر ہو جاتا ہے یہی وہ شے ہے جو حواس سے ادراک کی ہوئی ہر شے میں پیش آتی ہے۔ لہذا ان لوگوں کی تشبیہ و ملمع کاری کا بطلان بالکل ظاہر ہو گیا۔ و **الحمد للہ رب العلمین**۔ اور وہی ثابت ہو گیا جس کا انھوں نے انکار کیا تھا کہ بہت سے لوگ اس چیز کے اعتقاد سے دور رہتے ہیں حواس جس کی شہادت دیتے ہیں۔ اور اوائل عقول کا انکار کرتے ہیں اور امور اضطراری و ضروری کی مخالفت کرتے ہیں۔ یا تو انھوں نے برہان کی تلاش سے کاہلی کی یا اپنے خیالات کے مطابق یقین کر لیا ہے۔ یا ان سے برہان کی راہ سے لغزش ہوئی ہے اور انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ اسی پر ہیں۔ یا یہ کہ جس کی طرف انکے خیالات مائل تھے ایک شے کی الفت اور دوسری شے سے نفرت کی وجہ سے انھیں اس سے محبت ہے۔ یہ قول کہ اتنے زمانے گذرنے اور بہ کثرت بحث ہونے اور طویل مناظرات کے باوجود حق ضرور روشن ہو جاتا۔ بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ ہاں۔ حق روشن ہو گیا ہے اور ظن باطل واضح ہو چکا ہے۔ اگر چہ ہر گروہ اس کا مدعی ہے۔ مگر جو شخص اس طریقے پر غور کرے جو ہم نے بیان کیا تو اس کے لیے وہ حق جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اس سے جس کو باطل کیا گیا ہے ثابت ہو جائے گا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

یہ کہنا کہ یہ محال ہے کہ لوگوں پر حق ظاہر ہو جائے پھر وہ بے معنی اس کی مخالفت کریں اور بے معنی دنیا و آخرت کی ہلاکت پر راضی ہوں یہ قول بھی فاسد ہے اس لیے کہ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ انھوں نے چند ایسی اشیاء بیان کیں جن میں لوگوں پر حق ظاہر ہو گیا ہے مگر ان میں سے اکثر نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور اس میں اپنا خون بہایا ہے۔ ان کی یہ کیفیت ہوئی ہے کہ گویا اس امر کا مشاہدہ ہی نہیں کیا جس نے زمین کو ان جنگ کرنے والوں سے بھر دیا جو اپنے دلوں میں بھی جانتے ہیں اور زبانوں سے بھی اقرار کرتے ہیں کہ وہ باطل پر قتال کرتے ہیں اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے جان و خون، مال و دین کو خرچ کیا۔ اپنے بچوں کو یتیم اپنی عورتوں کو اس جنگ میں بیوہ کرتے ہیں جو اس سلطان کی طرف سے کرتے ہیں کہ اس قتال میں موجود نہیں ہوتا۔ انھیں ایک درہم زیادہ کی بھی امید نہیں ہوتی، ان میں سے ہر شخص کو اس کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا کہ اگر وہ قتال نہ کرے گا تو اس کے عطیے میں کمی کر دی جائے گی۔ کیا ان لوگوں نے بہت سے ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسی اشیاء کھاتے ہیں جن کے متعلق انھیں یقین ہوتا ہے کہ ان سے انھیں نقصان پہنچے گا۔ لوگ بہ کثرت شراب پیتے ہیں اور وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ اس نے انھیں نقصان پہنچایا ان کا مزاج خراب کر دیا۔ اور وہ انھیں ہلاکت تک پہنچا دے گی۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گنہگار ہیں ہم نے ایسے کتنے ہی آدمیوں کو دیکھا ہے جو گنہگار کے لیے عذاب دائمی کے قائل اور اس کو حق ماننے والے ہیں، وہ خود اپنے متعلق اس کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ ایسے افعال کرتے ہیں جس سے انھیں دائمی عذاب ہوگا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ لوگ جو اس قسم کے افعال کرتے ہیں اس سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ جو شخص کسی شے کا معتقد ہے اس کا اس شے سے لذت حاصل کرنا، اس کی مدد اور اس کی طرف داری کرنا بہ نسبت خورد و نوش سے لذت حاصل کرنے کے بہت شدید ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تو اسے پہنچے ہی گا۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے اس قول کے متعلق ہمیں بتاؤ کہ یہاں کوئی ایسا قول نہیں جس کی حجت نہایت واضح ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہرگز لوگوں کا اس میں اختلاف نہ ہوتا کہ آیا یہ حق ہے اور یہی وہ قضیہ ہے جس کا تم نے یقین کر لیا ہے۔ آیا تمھارا یہ قول ظاہری حجت و یقینی حقیقت ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ ان کے قول کی حجت ثابت و صحیح نہیں۔ نہ وہ بہ طور برہان کے

روشن ہے اور جو انھوں نے کہا ہے وہ حق نہیں ہے۔

اگر کہیں کہ حق ہے۔ اس کی حجت روشن ہے تو ہم ان سے کہیں گے۔ کہ اس شے میں تمھاری مخالفت کیوں کی گئی جس کی حجت روشن ہے یہاں تک کہ روئے زمین کے اکثر لوگ اس شے سے کہ تمھارے نزدیک جس میں کوئی شک نہیں اور اس شے سے جس میں حق روشن ہو چکا، نابینا ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے تمھارے کفر و گمراہی اور تمھارے خون کے حلال ہونے کا اعتقاد کر لیا حالانکہ جس کے حق ہونے کی انھوں نے تصریح کی تھی خود اسی کا یہ انکار کرتے ہیں و **الحمد للہ رب العلمین**۔

یہ استدلال کہ جو ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جاتا ہے پہلے اس کے اثبات میں انتہائی اصرار کرتا تھا، اب اس کے ابطال میں انتہائی اصرار کرتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ قصد کرنا کہ اس دلیل سے تمام براہین کو فاسد کر دیں۔ مگر جیسا ان لوگوں کا گمان ہے ایسا نہیں ہے اس لیے کہ جو شخص ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو ضروری طور پر تین میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں، یا تو وہ خطا سے خطا کی طرف منتقل ہوا یا خطا سے صواب کی طرف منتقل ہوا یا صواب سے خطا کی طرف منتقل ہوا۔

خواہ کوئی وجہ بھی ہو وہ ان دونوں انتقالوں میں جو خطا کی طرف ہوئے اسی کا مرتکب ہوا کہ اس نے صحیح طور پر برہان کو تلاش نہیں کیا، بلکہ ان وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے سبب جو ہم نے پہلے بیان کیں، وہ برہان کی طلب سے عاجز رہا ہے۔

وہ انتقال جو صواب کی طرف سے ہے وہ صواب تک حد صحیح و طلب صحیح یا حد صحیح و بحث صحیح کے سبب سے پہنچا ہے۔ یہ ان امور میں بہ کثرت پیش آتا ہے جو حواس سے ادراک کیے جاتے ہیں ایک انسان دور سے ایک شخص کو دیکھتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ فلاں ہے اور اس پر قسم کھا جاتا ہے، حق کی مخالفت کرتا ہے اور اپنی مخالفت کرنے والے سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد واضح ہوتا ہے کہ یہ وہ نہیں ہے جس اس نے گمان کیا تھا کبھی انسان ایک بو سونگھتا ہے اسے کوئی خاص بو سمجھتا ہے اور اس پر یقین کر لیتا ہے اور اس پر سنجیدگی کے ساتھ قسم کھا لیتا ہے۔ اس کے بعد اسے واضح ہوتا ہے کہ یہ وہ بو نہ تھی جسے اس نے گمان کیا تھا۔ اسی طرح چکھنے میں بھی ہوتا ہے۔

کبھی ایسا ہی امر حساب میں پیش آ جاتا ہے۔ چند حساب کرنے والے بہت سے اعداد کی جمع میں غلطی کرتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے کہ ان فلاں اعداد کا مجموعہ اتنا ہے دوسرا شخص اس میں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ صحیح بحث (کھوج کرید) کرتے ہیں تو انکے نزدیک بات ثابت ہو جاتی ہے یہی امر کبھی انسان کو اپنے سامنے کی اشیا میں پیش آتا ہے وہ اپنے سامان میں سے کوئی شے گھڑی گھڑی الٹ پلٹ کے تلاش کرتا ہے اور اس چیز تک نہیں پہنچتا۔ حالانکہ وہ اس کے آگے اور اس کی نظر کے سامنے ہوتی ہے پھر وہ اسے اس سے بھی نزدیک تر جگہ میں پاتا ہے کبھی انسان کچھ لکھتا ہے جو اسے لکھایا جاتا ہے یا پڑھتا ہے تو الٹ پلٹ کر دیتا ہے کم وبیش کر دیتا ہے۔ یہ اس امر کا موجب نہیں کہ حواس کے ادراک سے کوئی شے کبھی صحیح ہی نہ ہو۔

نہ اس امر کا موجب ہے کہ انسان کا کسی ایسی شے کا پانا کہ جو اس سے غائب ہو ہمیشہ صحیح نہ ہو۔ نہ اس کا موجب ہے کہ اعداد کی جمع ہمیشہ صحیح نہ ہو۔ نہ اس کا موجب ہے کہ کوئی لکھا ہوا حرف یا پڑھا ہوا کلمہ کبھی صحیح نہ ہو۔ اس لیے کہ ان میں سے بعض میں غلطی ہونا ممکن ہے، لیکن صحیح غور وفکر حق کو باطل سے واضح و روشن کر دیتا ہے۔ اور یہی حال ہر اسے شے کا ہے جس میں غلطی کی جائے، البتہ برہان کی ضرورت ہے جو اس میں حق کو باطل سے روشن کر دے۔

کوئی جاہل یہ خیال نہ کرے کہ یہ تمام مضامین حقائق کے باطل کرنے والوں کے لیے حجت ہیں۔ یہ تو ان کے خلاف روشن و قطعی برہان ہیں۔ اس لیے کہ ہم نے جو کچھ بیان کیا اس میں کسی کی حس اختلاف نہ کرے گی کہ ان سب کی جب صحیح تفتیش کی جائے تو یقینی و اضطراری علم ہو جاتا ہے کہ اس میں وہم صحیح نہیں ہے اور لامحالہ حق اس میں ہے لہذا ان کا استدلال اس شخص سے بھی باطل ہو گیا جو ایک مذہب

سے دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرے۔ بجز اس کے انھیں کچھ نہ حاصل ہوا کہ انھوں نے یہ کہا کہ ہم ایک قوم کو خطا و غلطی کرتے دیکھتے ہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہاں اور دوسری قوم حق و صواب پر پہنچتی ہے ان کا خطا و غلطی کے ہونے کا اقرار کرنا ضرور یہ ثابت کرتا ہے کہ وہاں صواب و حق بھی ہے اس لیے کہ خطا تو مخالفت صواب ہی ہے۔ لہذا اگر صواب نہ ہو تو خطا بھی نہ ہوگی اگر برہان نہ ہو تو شور و شغب بھی جو برہان کے خلاف ہے نہ ہوتا۔

ہم ان کے استدلال کو انھیں پر پلٹتے ہیں اور بتائید الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ چونکہ تم نے ایسے لوگ بھی پائے جو اس مذہب کے معتقد ہیں جس پر تم لوگ ہو پھر وہ اس مذہب سے پھر جاتے ہیں۔ تو پھر تم اس کے کیوں نہیں قائل ہوتے کہ تمھارا یہ مذہب مثل ان دوسرے اقوال کے ہے جن کو فی الحقیقت تم نے اسی گمان فاسد کی وجہ سے باطل کیا ہے۔ حالانکہ وہ تمھارے گمان میں صحیح ہے تو یہ تمھیں لازم آتا ہے، اس لیے کہ تم نے اسے صحیح مانا ہے۔ اور ہمیں لازم نہیں آتا، اس لیے کہ ہم نے اسے صحیح نہیں مانا اور نہ اسے کسی برہان نے ثابت کیا۔

اسی دلیل سے جو ہم نے بیان کی ان کا وہ اعتراض بھی باطل ہو جاتا ہے جو انھوں نے مدعیان فلسفہ و متکلمین کے اپنے مذاہب میں اختلاف سے کیا ہے نیز انھوں نے جو اختلاف ان مختاروں کا بیان کیا ہے جو وہ اپنے اختیار میں کرتے ہیں اس لیے کہ ہم نے یہ دعوی نہیں کیا کہ لوگوں کی طبیعتیں فساد سے محفوظ ہیں۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ انسانی طبائع پر فساد غالب ہے۔ کیوں کہ جو شخص سب سے پہلے اپنے لیے پھر دوبارہ اپنے مقابل کے لیے منصف ہے۔

وہ حقیقت میں برہان کا طالب اور اس کا پہچاننے والا ہے۔ اس برہان کی دلیل لوگوں کا وہی اختلاف ہے جو ہم پاتے ہیں اور یہ کثرت اختلاف ان کی کثرت خطا کی دلیل ہے۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ وجود خطا ضروری طور پر ان کے وجود صواب کا مقتضی ہے۔ لوگوں کا اختلاف اس کی دلیل نہیں کہ ان کے اقوال میں سے کوئی قول حق نہیں ہے اور نہ اس کی دلیل ہے کہ معرفت حق کی راہ کا وجود ناممکن ہے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ استدلال کہ مذاہب و مقالات و آراء میں جو شخص کسی کو حق مانتا ہے وہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو یہ اس کے لیے کل حواس سے یا بعض حواس سے ثابت ہوا ہے یا ضرورت و بداہت عقل سے یا ان دو کے علاوہ کسی اور دلیل سے ثابت ہوا ہے۔ اگر حواس یا عقل سے ثابت ہوتا تو اس میں اختلاف نہ ہوتا۔ اور ان کا دلیل میں اسی قسم کا الزام اور ان کے کلام کے آخر تک کے اعتراضات۔ اس سب پر تقریر کی جا چکی ہے۔ ہم انھیں دکھا چکے ہیں کہ کبھی لوگ ان امور میں اختلاف کرتے ہیں جو حواس و بداہت عقل سے ادراک کیے جاتے ہیں مثلاً ان کا اختلاف اس شخص کے بارے میں جسے وہ (دور سے) دیکھتے ہیں اور اختلاف کرتے ہیں کہ وہ کون ہے اور اس آواز میں جسے وہ اپنے درمیان سنتے ہیں کہ وہ کس کی آواز ہے اور اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور مثلاً نصاری وغیرہم کے وہ اقوال جن کا فساد ضرورت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔

سب سے پہلی معلومات و معارف وہی ہیں جو حواس و بداہت و ضرورت عقل سے ادراک کیے جائیں اس کے بعد وہ براہین نتیجہ پیدا کرتی ہیں جو قریب یا بعید سے اول عقل و حواس کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ پھر جس شے کو یہ براہین ثابت کریں وہ حق ہے اور جس شے کو یہ براہین ثابت نہ کریں وہ غیر صحیح ہے۔

اس کے بعد بعینہ اسی سوال کو ہم ان پر دہراتے ہیں اور بتوفیق الٰہی ان سے کہتے ہیں کہ تم نے اپنے اس قول کو کیسے جانا عقول سے یا حواس سے یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور دلیل سے اگر تم نے اسے حواس یا عقول سے جانا تو اس میں تمھاری مخالفت کیوں کی گئی۔ اگر اس کو دلیل سے پہچانا تو اس دلیل کو تم نے کیسے پہچانا آیا حواس سے یا عقول سے یا کسی اور دلیل سے اور اسی طرح ہمیشہ سوال ہوتا رہے گا۔ جو سوال خود اپنے حکم کو فاسد کر دے وہ خود ہی فاسد ہے۔ اس کے علاوہ یہ انھیں لازم آتا ہے اس لیے کہ انھوں نے اس کو ثابت کیا اور صحیح مانا

ہے۔ جو کسی شے کی تصحیح کرے اور ثابت کرے وہ اسے لازم ہے۔ ہم نے اس سوال کی تصحیح نہیں کی لہذا ہمیں یہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا وہ جواب دیا ہے جس نے ہم سے اس سوال کو دفع کر دیا لیکن انھیں اس سے رہائی نہیں ہو سکتی۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

یہ کہنا کہ ہم ان سے ان کے علم کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ یہ کس سبب سے اس کی صحت کا دعوی کرتے ہیں آیا وہ اس کا علم رکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر کہیں کہ ہمیں اس کا علم نہیں تو جب انھوں نے یہ اقرار کر لیا کہ انھیں اس کا علم نہیں تو ان کا قول باطل ہو گیا۔ اور اگر کہیں کہ ہم اس کا علم رکھتے ہیں تو ان سے دریافت کریں گے کہ آیا تم نے علم کے ذریعے سے اس کے علم کو جانا یا بغیر علم کے۔ اور اسی طرح برابر سوال ہوتا رہے گا۔ یہ وہ امر ہے کہ ہم نے اس کے بیان فساد کو اپنی اسی کتاب میں مستحکم کر دیا ہے، اور اس کو ہم نے اصحاب معمر پر ان کے معانی کے قول میں اور اشعریہ پر اور ان معتزلہ پر جو ان کے احوال کے قول میں ان کے موافق ہیں ایک علیحدہ باب میں بیان کیا ہے۔ ہمارا یہی کلام ان لوگوں کے ساتھ بھی ہے جو دلائل کی مساوات کے قائل ہیں۔

خود یہی سوال بعینہ ان پر رد کیا جاتا ہے ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا تم اپنے اس مذہب کی صحت کا علم رکھتے ہو یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو اقرار کر لیا کہ انھیں اپنے مذہب کی صحت کا علم نہیں۔ اور اس میں مذہب کا ابطال ہے۔ واللہ یہ ایک ظن ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اگر کہیں کہ اس کی صحت کا علم رکھتے ہیں تو ہم ان سے سوال کریں گے کہ آیا علم سے تم اسے جانتے ہو یا بغیر علم کے اور اسی طرح ہمیشہ سوال ہوتا رہے گا مگر یہ سوال انھیں لوگوں کو لازم آتا ہے اس لیے کہ انھوں نے اس کی تصحیح کی ہے اور جو کسی شے کی تصحیح کرے وہ اسی کو لازم ہے۔ ہم لوگ اس کی تصحیح نہیں کرتے، لہذا یہ ہمیں لازم نہیں آتا، ہم نے اس کا جواب اسی باب میں یہ دیا ہے کہ ہم اپنے علم کی صحت کو بعینہ اسی علم سے جانتے ہیں نہ کہ دوسرے علم سے ہم اس کی عقل خود اپنی اسی عقل سے رکھتے ہیں کہ ہمیں عقل ہے۔ یہ صرف اسی کو سوال ہے جو تمام حقائق کو باطل کرتا ہے نہ اس کا جو دلائل کی مساوات کا قائل ہے۔ لہذا جس سے انھوں نے ملمع کاری کی تھی وہ سب باطل ہو گیا۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم نے تو حقائق کو ثابت کیا ہے مگر بعض ایسے ہیں جو انھیں باطل کرتے ہیں، بعض وہ ہیں جو ان میں شک کرتے ہیں اور یہ لوگ سوفسطائیہ ہیں۔ تمھیں صحیح براہین سے علم ہے کہ ان لوگوں نے اس میں غلطی کی ہے۔ صحیح براہین نے اسے بھی ثابت کر دیا جسے تم نے باطل کیا یا جس میں تم نے شک کیا کہ لوگوں کے مذاہب میں ایک ایسا صحیح مذہب بھی ہے جس کی صحت ظاہر ہے جب اسے دریافت کیا جائے گا تو ایک ایک مسئلے کا جواب دیا جائے گا۔

جو شخص ہر صاحب ملت و مذہب سے یہ کہتا ہے کہ شاید تم غلطی پر ہو۔ حالانکہ تمھارا گمان یہ ہے کہ تم حق پر ہو۔ اس لیے کہ یہ تو بہت سے اقوال بلا شک میں ممکن ہے اس سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ آیا لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کا دماغ فاسد ہو اور یہ گمان کرتا ہو کہ اس کا دماغ صحیح ہے اگر وہ اس کا انکار کرے گا تو اس نے ظاہر کی مخالفت کی اور مشاہدات کو رد کیا۔ اور اگر کہے کہ یہ ممکن ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ شاید اس وقت تم ایسے ہی ہو اور اپنے دماغ کو سالم سمجھتے ہو۔ اگر وہ کہے کہ نہیں تو اس سے کہا جائے گا کہ یہاں بھی ایسی براہین ہیں جو قول صحیح کو ثابت کرتی ہیں اور اسے قول فاسد سے جدا کرتی ہیں۔ اگر انھیں دریافت کیا جائے گا تو انکے ایک ایک مسئلے کا جواب دیا جائے گا۔

یہ تو یقیناً باطل ہو چکا ہے کہ لوگوں کے تمام اقوال صحیح ہوں۔ اس لیے کہ اس میں یہ ہوگا کہ ایک شے اکٹھا حق بھی ہو باطل بھی ہو۔ یہ بھی باطل ہو چکا ہے کہ تمام اقوال باطل ہوں۔ اس لیے کہ اس میں بھی ایک شے کا اور اس کی نفی ثابت گئی اور جب اس کی نفی باطل ہو گئی اس کا اثبات ثابت ہو گیا۔ اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ایک شے ایک دم سے حق بھی ہو باطل بھی۔ لہذا متیقن ہو گیا کہ اقوال میں حق بھی ہیں اور

باطل بھی یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ لہٰذا ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ حق و باطل کے درمیان فرق موجود ہے، اور یہی فرق ہی برہان ہے جو اس برہان کو جانے گا وہ حق کو باطل سے شناخت کر لے گا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ ان براہین پر محول کرتے ہو جن کے پورے ذکر کو تم کہتے ہو کہ ناممکن ہے اور انھیں کی طلب میں کوشش کرنے کا مشورہ دیتے ہو۔ پھر تمھارے اور قرامطہ واسماعیلیہ کے مبلغین کے درمیان کیا فرق رہا جو اسی قسم کے امور پر محول کرتے ہیں۔

ہم ان سے کہیں گے کہ ہمارے اور ان کے فرق میں دو واضح براہین ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ قوم اپنی براہین سمجھنے سے پہلے ہی اپنے اقوال کے اعتقاد و تصدیق کا مشورہ دیتی ہے۔ حالانکہ ہم ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ ہم قبل اس کے کہ ہمارے قول کی تصدیق کی جائے براہین کے جاننے اور ان کی تصحیح کی دعوت دیتے ہیں۔

دوم۔ یہ قوم اپنے اقوال اور اپنی براہین کو چھپاتی ہے اور اس کی جانچ پڑتال کو جائز نہیں سمجھتی۔ ہم اپنے اقوال و براہین کے متعلق ہر ایک کو صلائے عام دیتے ہیں۔ اس کی جانچ پڑتال کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ثابت ہو جائے تو اختیار کیا جائے اور اگر ثابت نہ ہو تو اسے ترک کر دیا جائے۔ **والحمد للہ رب العلمین۔**

یہ نہیں کہتے کہ ہم انھی براہین کی کوئی جامع و واضح تعریف نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم اس پر قادر ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ برہان وہ ہے جو حق و باطل کے درمیان فرق کر دے جس میں لوگوں کا اختلاف ہو، جو حواس یا عقل کی طرف قریب یا بعید سے ایسے صحیح طور پر رجوع کرے کہ اس میں اس عمل کے سوا نہ کوئی احتمال ہو نہ اور کچھ ممکن ہو۔ تو یہ برہان ہے اور یہ یقیناً حق ہے اگر ہمارے مذکورہ بالا طریقے پر حواس یا عقل کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ برہان نہیں ہے۔ اور اس میں مشغول ہونا بھی مناسب نہیں۔ کیوں کہ وہ محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔** اسی سے قیاس و تقلید کا اعتبار جاتا رہا۔ اس لیے کہ ان دونوں کے قائلین ان دونوں کی تصحیح میں کسی برہان پر قادر نہیں جو یقینی طور پر حواس یا اول عقل کی طرف راجع ہو۔

ہم ایک قول کافی اللہ تعالیٰ کی مدد و قوت سے بیان کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جو چیز مختلف فیہ ہے وہ غیر شریعت ہے حدوث عالم کی تصحیح ہے اور اس کی تصحیح ہے کہ عالم کے لیے ایک پیدا کرنے والا ہے جو واحد ازلی ہے۔ نبوت کی تصحیح ہے پھر نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصحیح ہے۔ ان سب کی براہین صحیح و ضروری طور پر حواس و ضرورت عقل کی طرف راجع ہیں جس میں یہ شان نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں اور نہ وہ برہان ہے۔ اگر وہ شے جو مختلف فیہ ہے شریعت ہے تو وہ ان سب کی صحت کے بعد ہے کیوں کہ اس کی براہین اس کی طرف رجوع کرتی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دی ہے کیوں کہ آپ ہی کو شریعت کے ساتھ ہمارے پاس بھیجا گیا ہے ایسا نہ ہو تو وہ نہ برہان ہے نہ اور کچھ ہے اسی کتاب کے شروع میں ایک باب ہے جو ان براہین کی ماہیت میں ہے کہ لوگوں کے ہر اختلافی مسئلے میں معرفت حق تک پہنچا دینے والی ہیں۔ اس باب کو یہاں سے ملا لیا جائے تو اشکال بالکل رفع ہو جائے۔ **والحمدللہ رب العلمین۔**

☆☆

الوان

رنگوں کا بیان

زمین غباری وخاکی رنگ کی ہے۔ سرخ رنگ والی بھی ہے سفید رنگ والی بھی زرد رنگ، سیاہ رنگ اور ایسی بھی ہے جسے چھینٹ ہوتی ہے۔ پانی سفید ہے بجز اس کے کہ اپنی شدت صفائی کی وجہ سے جس چیز سے ملتا ہے اس کا رنگ حاصلکر لیتا ہے وہ اپنے برتن کا یا جس میں اسے رکھا جائے رنگ قبول کر لیتا ہے۔

ہم چند براہین کی وجہ سے اس کے قائل ہوئے کہ پانی سفید ہے ایک تو اس لیے کہ جب اسے ہوا میں گرایا جائے تو اسکی اصلی سفیدی ظاہری ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ جم جاتا ہے اور برف بن جاتا ہے تو اس کی نہایت گہری سفیدی ظاہر ہوتی ہے۔

ہوا میں بالکل کوئی رنگ نہیں۔ اسی لیے وہ دکھائی نہیں دیتی جو چیز نظر آتی ہے وہ صرف رنگ ہوتا ہے ایک قوم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہوا کے نظر نہ آنے کا سبب یہ ہے کہ وہ نگاہ پر منطبق ہو جاتی ہے یہ بیحد فاسد ہے۔ برہان یہ ہے کہ آدمی صاف پانی کو دیکھتا ہے حالانکہ وہ اس کی نگاہ پر اس طرح منطبق ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ اس حال میں ہوا نظر نہیں آتی خواہ وہ اپنی پشت کے بل پانی میں چت لیٹ جائے۔ یہ امر مشاہدے میں ہے۔

جو چیز آفتاب کی روشنی کے خط کی کسی درز میں داخل ہونے کے وقت نظر آتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اجسام کے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے ذرات ہو جاتے ہیں جن کو ھبـــاء کہا جاتا ہے جس وقت روشنی آفتاب کا خط محصور ہو جائے تو ان کی چھوٹے اجزاء وذرات پر نظر پڑتی ہے وہ ذرات آپس میں بے حد پیوستہ ہوتے ہیں، اور ان کا رنگ خاکی ہوتا ہے۔ وہی نظر آتے ہیں نہ کہ ان کے سوا کوئی چیز۔ جو اس میں غور کرے وہ یقیناً اسے جان لے گا۔ اور تمام مکانات اس روشنی سے بھرے ہوئے ہیں جو زمین، کپڑوں بدنوں اور تمام اجسام میں حلول کیے ہوئے ہے لیکن اپنی باریکی کی وجہ سے نظر نہیں آتی بجز اس کے کہ جب خط ضیائے شمس محصور ہو جائے تو اس کے جو اجزا اس انحصار میں ہوتے ہیں وہ نظر آتے ہیں۔

آگ بھی نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ اس کے فلک میں اس کا کوئی رنگ نہیں ہے۔ جو چیز ہمارے یہاں ایندھن اور بتی میں اور ہر جلنے والی چیز میں نظر آتی ہے اس جلنے والی چیز کی رطوبات ہیں جو ایسی ہوا میں تبدیل ہو جاتی ہیں جس میں ناریت ہوتی ہے وہ بقدر اس کے رنگ حاصل کر لیتی ہیں جو ان کی طبائع انھیں دیتی ہیں۔

وہ سبز۔ نیلی۔ سرخ۔ سفید وزرد نظر آتی ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہی چیز رطوبات کو پیش آتی ہے جس سے قوس قزح کا دائرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

تمام متقدمین کا تحقیق برہان کے بعد اس پر اجماع ہے کہ بجز الوان اور رنگ کے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ جو چیز نظر آتی ہے وہ سوائے

رنگ کے کچھ نہیں۔ انھوں نے سفیدی کی یہ تعریف کی کہ وہ ایک رنگ ہے جو نگاہ کو منتشر کر دیتا ہے۔ سیاہی کی یہ تعریف کہ وہ ایک رنگ ہے جو نگاہ کو جمع کر دیتا ہے۔ اس تعریف میں کچھ کوتاہی ہوگئی ہے۔ انھوں نے رنگ سیاہ میں اسے عام لوگوں کے قول کے مطابق ظاہر کر دیا ہے۔ نگاہ کے جمع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ دیکھنے والے کے اندرونی حصے میں اسے بند کر دیتا ہے پھیلنے سے اور دکھائی دینے والی اشیا کے شکل پذیر ہونے سے روک دیتا ہے چونکہ بند کرنے اور قبض کرنے کے معنی یہی ہیں لہذا بصر و ادراک سے مانع ہونے کے اور اسے ادراک سے روکنے (کف) کے معنی یہی ہیں اسی سے مکفوف (نابینا) کا نام مکفوف رکھا گیا۔ سیاہی نگاہ کو پھیلنے سے روکتی ہے اسے کشادہ ہونے سے بند کرتی ہے اور ادراک سے باز رکھتی ہے۔ ان سب کے ایک ہی معنی ہیں اگر چہ اس کے بیان میں عبارات مختلف ہیں لہذا سیاہی بلاشک نظر آنے کی چیز نہیں کیوں کہ اگر وہ دکھائی دیتی تو خط نگاہ کو نہ روکتی کیوں کہ محض بصر کے دراز ہونے ہی سے دکھائی دیتا ہے چونکہ وہ نظر نہیں آتی لہذا سیاہی رنگ نہیں ہے اس لیے کہ رنگ کا نظر آنا ضروری ہے اور جو نظر نہ آئے وہ رنگ نہیں ہے۔ یہ برہان عقلی وضروری ہے۔

ایک برہان حسی ہے کہ جب تاریکی چھا جائے تو اس وقت اس شخص میں جس کی آنکھیں کھلی ہوں، نگاہیں سالم ہوں اور اس نابینا میں جس کی دونوں آنکھیں بند ہوں خواہ وہ خود بند کی گئی ہوں یا قدرتی طور پر نابینائی سے بند ہوں کوئی فرق نہیں ہے چونکہ یہ ایسا ہے لہذا ظلمت و تاریکی نظر نہیں آتی۔ اور یہ باطل و ناممکن ہے کہ ظلمت و تاریکی نظر آسکے۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ جس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں اور جس کی آنکھیں بند ہوں نہ دیکھنے میں دونوں ایک ہی درجے میں ہیں۔ ظلمت ہی سواد و سیاہی ہے۔ جو یہ دعوی کرے کہ یہ دونوں جداگانہ ہیں، وہ مشاہدے کا منکر اور ایسی چیز کا مدعی ہے جس پر کبھی کوئی دلیل نہیں لا سکتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی بند کوٹھری کی دیوار میں دو درزیں کھول دی جائیں پھر دو میں سے ایک پر سیاہ پردہ ڈالا جائے اور دوسری درز کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو دور سے دیکھنے والا دونوں کے درمیان ہرگز کوئی فرق نہ کرے گا اگر ایک پر سرخ یا زرد یا سفید پردہ ڈال دیا جائے تو یہ دور یا نزدیک سے دیکھنے والے کو ضرور معلوم ہو جائے گا۔ یہ اس امر کا بیان ہے کہ ظلمت و سواد یعنی تاریکی و سیاہی برابر ہیں۔

ایک برہان حسی یہ ہے کہ خطوط بصر (تار نگاہ) جب برابر ہوں تو لامحالہ ایسی شے پر پڑیں گے جس کے درمیان کوئی ایسی چیز رکی ہوئی نہ ہو جو ان خطوط کو آگے بڑھنے سے روکے۔ ہم اس شخص کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کے آگے ظلمت ہو، یا وہ ظلمت میں ہو کہ اس کی نظر اس دیوار پر نہیں پڑتی جو ظلمت میں ہو خواہ اس ظلمت میں کوئی ایسی دیوار ہو جو خط بصر کے آگے بڑھنے سے مانع ہو یا نہ ہو۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ ظلمت نظر نہیں آتی بلکہ وہ دکھائی دینے سے مانع ہے۔ ظلمت ہی سواد ہے اور سواد ہی ظلمت ہے اس میں کبھی دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا۔ نہ طبیعت کی وجہ سے، نہ شریعت کی وجہ سے نہ معنی لغت میں، اور نہ مشاہدے کے سبب سے لہذا ثابت ہو گیا کہ سیاہی بالکل نظر نہیں آتی اور وہ رنگ نہیں ہے۔

یہ غلطی صرف اس شخص سے واقع ہوئی جس نے یہ گمان کر لیا کہ سیاہی نظر آتی ہے اس لیے کہ اس نے یہ محسوس کیا کہ خطوط بصر تمام رنگوں میں سیاہ شے کے اردگرد پر واقع ہوتے ہیں، اس نے شے سیاہ کے اردگرد کا جو ادراک کیا اس ادراک کے ذریعے سے یہ جانا کہ ان حدود ونہایات کے درمیان کوئی ایسی شے ہے جو ان رنگوں سے خارج ہے۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اسے دیکھتا ہے یہاں سے اس جماعت کی غلطی بڑی ہو جاتی ہے کہ انھوں نے بہ وجہ مذکور اپنے گمانوں سے یہ دعوی کیا کہ وہ اجسام کے حرکات و سکون کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں میں اور سیاہ میں بات ایک ہی ہے، کوئی فرق نہیں ہے۔

کوئی معترض یہ کہے کہ اگر سیاہ کے جسم میں کوئی ابھری ہوئی سیاہ زائد چیز ہوتی ہے تو ہم اسے اس کے بقیہ جسم کی طرح دیکھتے ہیں۔ اگر سیاہ نظر نہ آتی تو اس ابھری ہوئی چیز کا ابھار اس کے بدن کی سطح پر نظر نہ آتا۔ بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے گا کہ یہ بھی وہم ہے اس لیے کہ جب خط بصر اس ابھری ہوئی شکل کے اسے روکنے کے وقت نہ بڑھا دوسرے خطوط بصر اس مسافت سے دور تک بڑھ گئے اور نفس کو اس کا علم ہوا تو جس نے تحقیق نہیں کی اسے یہ وہم ہوا کہ یہی رویت (نظر آنا) ہے حالانکہ وہ اس طرح نہیں ہے ان لوگوں کو یہ وہم بھی ہوا ہے کہ وہ سیاہی کو سرخی یا خاکی یا سبزی یا زردی یا نیلے رنگ کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہیں، جب یہ اس طرح ہے تو نظر ان الوان کی سطح میں جو کچھ ہے اسے اس کی کمی بیشی کے مطابق دیکھتی ہے، اس سے یہ لوگ یہ وہم کرتے ہیں کہ انھوں نے سیاہی کو دیکھ لیا اور یہ وہم بھی کرتے ہیں کہ وہ سیاہی کو دیکھتے ہیں اس لیے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ ہم اس سیاہ کو جو تابندہ اور تیز اور روشن ہوتا ہے اس سیاہ سے ممتاز کر لیتے اور پہچانتے ہیں جو ملگجا اور دھندلا ہوتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے کہ مناسب ہے کہ ہم اس میں تحقیق کریں، بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ املاس (چکنا ہونا) اجزائے سطح کا برابر ہونا ہے خشونت (کھردرا پن) اجزائے **سطح کا جدا جدا** ہونا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چکنی چیز کبھی چمکنے والے رنگ کی ہوتی ہے۔ کبھی ملگجے رنگ کی، چونکہ یہ ایسا ہے لہذا اصاف اور تابندہ ہونا یہ اور ہی چیز ہے جو اجزائے سطح کے برابر ہونے کے علاوہ ہے چونکہ یہ ایسا ہے اور یہ نظر آتا ہے تو بصیص یعنی صاف رنگ بھی بلاشک ایک دوسرا رنگ ہے جو سرخ یا زرد یا دوسرے رنگ کے ساتھ شے رنگین میں محمول ہے اور اس میں بھی ہے جو تمام رنگوں سے خالی ہے اور سب کے برابر ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ اسود لماع ہے (یعنی سیاہ شے میں چمک ہے) تو اس سے ہماری مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کے اندر سوائے لمعان (چمک ہونے) کے اور کوئی رنگ نہیں ہے،۔ وہ بھی ایک صحیح و واقعی رنگ ہے جو سرخی۔ زردی۔ سفیدی۔ سبزی و نیلگونی اور اس رنگ سے خالی ہے کہ ان تمام رنگوں کی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے ممکن ہے کہ کدرت (ملگجا یا خاکی) بھی ایک دوسرا ہی رنگ ہو جو لمعان (چمکنے والے) کی طرح نظر آتا ہو۔ یہ بھی تمام رنگوں سے جدا ہو۔ اس سے روکنے والی کوئی دلیل پائی نہیں جاتی۔

دلیل ثابت کرتی ہے کہ کدرت (خاکی) بھی ایک رنگ ہے۔ وہ دلیل یہ ہے کہ نظر اس پر پڑتی ہے۔ اور نظر سوائے رنگ کے کسی چیز پر نہیں پڑتی۔ جو اس کا منکر ہو ہم اسے تکلیف دیں گے کہ وہ کدرت و لمعان کی تعریف بیان کرے۔ وہ بھی بجز اس کے جو ہم نے کہا اور کسی امر پر قادر نہ ہوگا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق۔**

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ہم سیاہ کپڑے کو دیکھتے ہیں کہ اس کے تاکوں کی بناوٹ ظاہر ہوتی ہے ان میں جو تاگے ابھرے ہوئے ہیں ان کا ابھار اور جو دبے ہوئے ہیں ان کا دبا ہونا بھی محسوس ہوتا ہے۔ اگر وہ دکھائی نہ دیتا تو یہ کچھ بھی معلوم نہ ہوتا۔ بتوفیق الٰہی اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ دیکھنے والے کی بصر و نگاہ کے جو خطوط (تار) نکلتے ہیں ان کی کوئی پیائش ہوتی ہے اور بلاشک بعض خطوط بعض سے زیادہ طویل ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ جو خطوط بصر سے نکل کر آسمان تک جاتے ہیں وہ ان خطوط سے بلاشک زیادہ طویل ہوتے ہیں جو بصر سے نکل کر تمھارے ہم نشین تک جاتے ہیں جب خطوط بصر نکل کر پارچۂ مذکور تک گئے تو ان میں سے بعض کا دراز ہونا رک گیا اور بعض کا دراز ہونا بعض سے زیادہ ہوا۔ ہم نے حس سے اسے محسوس کیا نہ اس لیے کہ ہماری بصر کسی رنگ پر پڑی۔

نور وہی رنگ ہے جس کو قوت ناظر نے پھیلا کے چھاپ دیا ہے اور قوائے بصر کے استخراج سے یہ نکلا ہے۔ جب کسی ایسے ناظر کو اتفاق پڑ جائے جو فطری طور پر کمزور قوی کا ہو یا کسی عارض سے ہو تو وہ اس سب کو حاصل کر لے گا اور جذب کر لے گا یا اسے کھینچ لے گا۔ جو رنگ نظر آتا ہے اس میں جس قدر کمی بیشی قوت نور کی ہوتی ہے اسی کے مطابق اس پر نگاہ پڑتی ہے۔ یہ امر آنکھوں سے نظر آتا ہے جب رنگ میں نور کم ہوتا ہے تو اس پر کمزوری کے ساتھ نظر پڑتی ہے اور وہ بہت کم دکھائی دیتا ہے یہاں تک کہ جب نور بالکل معدوم ہو اور اس کا کوئی حصہ بھی باقی نہ رہے تو بدیہی طور پر خطوط بصر کا وہاں تک پہنچنا اور دراز ہونا باطل ہو جاتا ہے اور اس پر ناظر کی نگاہ رک جاتی ہے۔ کیوں کہ اس میں نور نہیں ہے۔ اس عالم میں کسی صاحب حس کو بھی اس میں اختلاف نہ ہوگا کہ خالص و محض سیاہی میں نور نہیں ہوتا۔ جب اس میں کوئی شک نہیں تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ نظر بھی نہ آئے گا۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

کسی رنگ کا ایک پہاڑ ہو اور کسی رنگ کی ایک زمین ہو اور ان دونوں میں دو تاریک غار ہوں تو بلا شک ان دونوں غاروں کی طرف دیکھنے والا صرف وہی دیکھے گا جو ان غاروں کے اردگرد ہے۔ وہ اس خط کو بھی نہ دیکھے گا جو دونوں غاروں کو ملائے ہوئے ہیں۔ یہ تمام براہین ضروری و حسی عقلی اور مشاہدے میں ہیں۔ ایک برہان کی دوسرے برہان سے ہرگز مخالفت نہیں ہوتی۔ نہ برہان کی دعوے یا خیالات سے مخالفت ہو سکتی ہے **و الحمد للہ رب العلمین**۔

کلام الٰہی کے لیے برہان یہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**ظلمت بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یرىھا**" (ایسی تاریکیاں ہوں جو ایک سے ایک بڑھی ہوئی ہو کہ جب اپنا ہاتھ نکالے تو قریب قریب اسے دیکھ نہ سکے)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "**یکاد البرق یخطف ابصارھم کلما اضاء لھم مشوا فیہ و اذا اظلم علیھم قاموا**" (تقریباً برق ان کی نگاہوں کو اچک لے گی۔ کہ جب وہ ان کے لیے چمکتی ہے تو وہ اس میں راستہ چلنے لگتے ہیں اور جب وہ ان پر تاریک ہو جاتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں)۔

ثابت ہو گیا کہ ظلمت و تاریکی نظر و رویت (یعنی دکھائی دینے) سے قطعاً مانع ہے۔ بلاشک یہی سیاہی ہے۔ لہٰذا وہ دکھائی نہیں دیتی۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس کی نگاہ کم ہوتی ہے سیاہ کپڑے سے اور تاریکی میں بیٹھنے سے اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ یہ محض اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کے خط بصر کو بڑھنے سے روکا جائے۔ چنانچہ اس کے دراز ہونے کو روک دیا جاتا ہے۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق**۔

اگر کہا جائے کہ سواد (سیاہی) ظلمت (تاریکی) سے جدا ہے تو کہیں گے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کی آنکھیں شدت سے دکھتی ہوں جب وہ کسی ایسی تاریک کوٹھری میں جائے گا کہ پورے طور پر بند ہو اس میں ذرا سی بھی روشنی نہ آتی ہو۔ تو اسے اپنی طاقت کے مطابق اپنی آنکھیں کھولنا ممکن ہوگا۔ اور اس کی طرف دیکھنے میں ذرا تکلیف نہ ہوگی۔ جب ہم اسے کسی روشن مکان میں کر دیں اور آنکھوں اور منہ پر ایک موٹا سیاہ کپڑا ہو تو اسے اپنی طاقت کے مطابق اپنی آنکھیں کھولنا ممکن ہوگا اور اس کی طرف دیکھنے سے اسے تکلیف نہ ہوگی۔ اس کا حال اس کپڑے سے اپنے چہرے کو ڈھانکنے میں ایسا ہی ہوگا جیسا حال اس کا پوری ظلمت میں ہوگا۔ دونوں بالکل برابر برابر ہوں گے۔ اسی طرح صحیح نظر والے کو بھی ان دونوں حالتوں میں یہی پیش آئے گا۔ اور کوئی فرق نہ ہوگا جب ہم دکھتی آنکھ والے کی نگاہ پر کوئی سفید کپڑا ڈال دیں تو اسے اتنی ہی شدید تکلیف ہوگی جتنی تکلیف اسے روشنی میں دیکھنے سے ہوتی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ہم اس کے منہ پر زرد کپڑا ڈال دیں تو اس سے کم تکلیف ہوگی۔ اگر کپڑا سرخ ہو تو اس سے کم تکلیف ہوگی۔ اور اگر سبز کپڑا ہو تو اس سے کم تکلیف ہوگی۔ تکلیف کی مقدار دو رنگوں میں سفید رنگ کی آمیزش کے بقدر ہوگی۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سیاہی و تاریکی ایک ہی چیز ہے ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ سیاہی

تاریکی سے جدا ہے، ۔ سیاہی نظر نہیں آتی ۔ مگر حبشی اور کوا اور کپڑا کوئی بھی سیاہ نہیں اور یہ سب نظر آتے ہیں ان مذکورہ بالا اشیاء کا رنگ سیاہ کے علاوہ ہے، مگر انھیں مجازاً سیاہ کہہ دیا گیا ہے ۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ سواد (سیاہی) ایک اسم مشترک ہے جو ظلمت پر اور زنجی (حبشی) اور کوے اور کپڑے کے رنگ پر واقع ہوتا ہے ۔ لہذا ہر ظلمت سواد ہے اور ہر سواد ظلمت نہیں ۔ اگر سواد سے زنجی اور کوے اور کپڑے کا رنگ مراد لیا جائے تو وہ نظر آتا ہے اور وہ ظلمت سے جداگانہ ہے، اگر سواد سے ظلمت مراد لی جائے تو وہ نہیں دکھائی دیتی ۔

بعض نے کہا ہے کہ ظلمت نظر نہیں آتی وہ ہرگز سواد نہیں ہے، سواد (سیاہی) ایک دوسری شے ہے جو ظلمت (تاریکی) سے جدا ہے وہ ایک رنگ ہے جو دکھائی دیتا ہے ۔

بعض نے کہا ہے کہ ظلمت و سواد ایک ہی چیز ہیں اور دونوں دکھائی دیتی ہیں ۔ یہ اقرار کیا ہے کہ نابینا اور پیدائشی اندھا اور وہ شخص جس کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں یا وہ اپنی آنکھیں بند کر لے تو وہ ظلمت کو دیکھتا ہے ۔

متولّد اور متوالد

جو دوسرے سے پیدا ہوں اور جو دوسرے کو پیدا کریں

تمام حیوانات کی تین قسمیں ہیں ۔ ایک وہ جو متوالد ہے یعنی کسی سے پیدا ہے اور اس سے کوئی نہیں پیدا ہے ۔ اور دوسرا متولد ہے یعنی وہ خود کسی سے پیدا ہے اور اس سے کوئی پیدا نہیں ہے ۔ تیسری قسم وہ ہے جو متوالد بھی ہے اور متولد بھی ۔ یعنی وہ بھی کسی سے پیدا ہے اور اس سے بھی کوئی پیدا ہے ۔

جو متولد و متوالد ہے اس کی مثال بنت وردان (لال بیگ) ہے کہ وہ پیدا ہوتا ہے ہم نے اسے دیکھا ہے کہ وہ جفتی کرتا ہے ۔ مثلاً جعلان (جھینگر) کہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے اور ہم نے اسے بھی جفتی کرتے دیکھا ہے ۔ بہت سے ایسے حیوان ہیں جو گھاس اور سبزی میں پیدا ہوتے ہیں اور ہم نے انھیں بھی جفتی کرتے دیکھا ہے ۔ مثلاً جوں کہ ہم نے اس کا علانیہ کھال کے نیچے سے نکلتے ہوئے مشاہدہ کیا ہے ۔ سر دل میں پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور کبھی اس سے جوئیں پیدا ہوتی ہیں ۔ اور کبھی ہم کسی جوں کو اس طرح پاتے ہیں کہ جب اسے کاٹا جائے تو وہ انڈوں سے بھری ہوتی ہے ۔

وہ حیوان جو خود پیدا ہوتا ہے اور اس سے کوئی نہیں پیدا ہوتا، یہ وہ حیوان ہے جو آنکھ کی پلکوں کی جڑوں میں اور ڈاڑھی، مونچھ، سینے اور زیر ناف کے بالوں کی جڑوں میں پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس کے بہت سے پاؤں ہوتے ہیں یہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا ۔ ہمیں اس سے کوئی حیوان پیدا ہونے کا علم نہیں ہوا ۔ مثلاً وہ کیڑے جو پیٹ میں پیدا ہو جاتے ہیں ۔ ایک قسم کا چھوٹا گرگٹ کہ ان میں سے ہمیں کسی کی نسل پیدا ہونے کا علم نہیں ۔ ہم نے چھوٹی مینڈکیوں کا مشاہدہ کیا ہے جو اسی رات کو پیدا ہوتی ہیں اور صبح کو پانی کے گڑھوں میں ہوتی ہیں جن سے وہ بھر جاتے ہیں اس میں سے ثلماندر یہ ہے جو ایک بڑا جانور ہے کہ چھوٹی چوہیوں کے مشابہ اور بہت ہی سست رفتا ہوتا ہے ۔

بہت سے حیوانات ہیں جن میں بہت سے چھوٹے اور اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ اپنے چھوٹے ہونے کی وجہ سے تقریباً قابل

تجزیہ نہیں ہوتے۔ مثل ان کیڑوں کے جو ہم نے بہ کثرت خالی مکان اور کاغذوں میں دیکھے ہیں۔ یہ بیحد تیز رفتار ہوتا ہے۔ ان میں سے گھن ہے جو باقلا میں پیدا ہوتا ہے وہ کیڑے جو زخموں میں اور چنے اور بلوط اور سیب میں اور گھاس اور صنوبر کے درمیان اور وہ دمدار کیڑے جو پاخانے میں پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ کیڑے جو سبزی میں پیدا ہو جاتے ہیں اور نہایت حسین ہوتے ہیں ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو رات کو اس طرح چمکتے ہیں کہ آگ کا شعلہ معلوم ہوتے ہیں (یعنی جگنو)۔ وہ کیڑے جن کے بہت سے پیر ہوتے ہیں اور ذراریح (یعنی پردار رنگین کیڑے بوٹ وغیرہ کی طرح کے) یہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار سوائے ان کے خالق کے کوئی نہیں کرسکتا۔ انھیں میں سے مینڈک اور حجاڑب کے متعلق ہمارے نزدیک اس طرح یقیناً ثابت ہے جس میں شک کی مجال نہیں کہ یہ پانی کے گڑھوں میں چھوٹے چھوٹے چکنے نہایت سیاہ دمدار کیڑے ہوتے ہیں جو ہمارے نزدیک چلتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ یہ بڑے ہو جاتے ہیں اپنی دمیں کاٹ دیتے ہیں، اپنے رنگ اور اپنی شکلیں بدل دیتے ہیں اور بڑے ہو کے مینڈک بن جاتے ہیں اس کے بعد اور زیادہ بڑے ہو جاتے ہیں اور زیادہ رنگ بدل دیتے ہیں تو حجاڑب ہو جاتے ہیں۔

ہم نے ان کے تمام انتقالات میں اسی طرح مشاہدہ کیا ہے جس طرح بیان کیا۔ پانی کے گڑھوں پر ہمیں کچھ کھلے ہوئے خطوط دکھائے گئے اور کہا گیا کہ یہ مینڈک کے انڈے ہیں۔ مکھی کا ہم نے خود کھلم کھلا مشاہدہ کیا ہے کہ وہ جفتی کرتی ہے۔ مادہ بڑی ہوتی ہے اور نر چھوٹا ہوتا ہے ہم نے کھٹملوں کے جفتی کرنے کا بھی مشاہدہ کیا ہے ان میں بھی مادہ بڑی اور نر چھوٹا ہوتا ہے۔ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو (جفتی میں) اوپر ہوتا ہے وہ ہمیشہ چھوٹا ہوتا ہے مادہ کو ہم انڈوں سے بھرا ہوا پاتے ہیں جب انڈے دیتی ہے تو ان کو چارپائی کی چولوں میں اور کپڑوں کے درمیانی اجزا میں رکھتی ہے۔ پھر وہ (کھٹمل) نکلتا ہے۔

ہم نے بیحد چھوٹی اور بیحد بڑی مکھیاں دیکھی ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ان لمبی دم والے کیڑوں کا مشاہدہ کیا ہے جو پاخانے اور گائے بکری کے گوبر اور مینگنی میں پیدا ہوتے ہیں جو بدل جاتے ہیں اور فرش پر چلنے والے اور اڑنے والے بن جاتے ہیں جن کے رنگ مختلف اور عجیب وغریب ہوتے ہیں جو سفید اور تیز زرد، سبز اور نیلے نقطہ دار ہوتے ہیں۔ ہم بچھو۔ مکڑی۔ پسو۔ بھڑ (زنبور) اور مکڑ کے متعلق نہیں جانتے کہ کیا حال ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ جانتے ہیں کہ ریشم کے کیڑے سے نسل چلتی ہے ان میں سے نر جفتی کرتا ہے اور مادہ انڈے دیتی ہے پھر اپنے انڈے سیتی ہے۔ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ کبھی کسی نے ریشم کے کیڑے کو بغیر اپنے انڈے کے پیدا ہوتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح چیونٹی بھی کہ اس کی نسل بھی چلتی ہے۔ اور ہم نے اس کا انڈا دیکھا ہے عرب اسے مازن کہتے ہیں۔ اسی طرح شہد کی مکھی کی بھی نسل پیدا ہوتی ہے اور یہ اپنے بنائے ہوئے چھتے کے ان تہ بتہ خانوں میں پائی جاتی ہے جن میں شہد ہوتا ہے اسی طرح ٹڈی (ملخ) بھی۔ عرب اس کو بیضہ صرد کہتے ہیں۔ (یعنی شکاری چڑیا کا انڈا)۔

کبھی کسی نے شہد کی مکھی چیونٹی اور ٹڈی کو بچہ دیتے نہ دیکھا ہوگا۔ بجز ان جھوٹے قصوں کے کہ صحیح نہیں ہیں۔ تمام حیوان لامحالہ منی یا انڈے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس کے کان ظاہر ہوتے ہیں خواہ وہ پرندہ ہو یا نہ ہو، وہ بچہ دیتا ہے جیسے چمگاڈر وغیرہ۔ اور جس کے کان ظاہر نہیں ہوتے وہ پرندہ ہو یا پرندہ نہ ہو، وہ انڈے دیتا ہے مثلاً سانپ چھپکلی اور گرگٹ وغیرہ۔

ہم نے تلاش کیا کہ کوئی ایسی حد و تعریف پائیں جو ان کی بھی جامع ہو جو خود پیدا ہوتے ہیں اور ان سے کوئی نہیں پیدا ہوتا، اور ان کو بھی جو خود پیدا نہیں ہوتے اور ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہمیں ایسی تعریف نہیں ملی۔ بجز اس کے کہ جو ہڈی اور گریہ والے جانور ہیں ان کا بغیر

جفتی کے پایا جانا غیر ممکن ہے، مثلاً دریا کے ہڈی والے اور گریہ والے جانور۔ جن جانوروں کے ہڈی اور گریہ نہیں ہوتی ہم نے ان میں وہ بھی دیکھے ہیں جو خود پیدا ہوتے ہیں اور ان سے کوئی نہیں پیدا ہوتا۔ اور وہ بھی دیکھے ہیں جو خود بھی پیدا ہوتے ہیں اور ان سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی مخلوق ہے وہ جو اور جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو چوپائے اور پردار جانور منی یا انڈے سے پیدا کیے ان کے پیدا کرنے میں اتنی بڑی قدرت نہیں ہے جتنی بڑی قدرت ان کے بغیر منی اور انڈے کے واسطے کے مٹی سے پیدا کرنے میں ہے، نہ کوئی برہان ان دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت وابتدا کے متعلق دوسرے سے زیادہ واضح ہے۔ بلکہ سب کی سب باری تعالیٰ کی ابتدائے خلقت وقدرت عظیمہ پر برہان ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایک قوم نے دعوی کیا ہے کہ ایک حیوان برف میں اور ایک آگ میں پیدا ہوتا ہے یہ کذب و باطل ہے ان لوگوں نے محض ان حیوانات پر قیاس کر لیا جو زمین اور پانی میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ قیاس باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ بلا برہان کے دعوی ہے اور جس کے لیے برہان نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں۔ **وباللہ تعالیٰ التوفیق** ۔

جب یہ امر ثابت ہو گیا تو پھر حیوان صرف پانی سے پیدا نہیں ہوتا اور نہ صرف مٹی سے بلکہ پانی اور مٹی کے جمع ہونے سے۔ فتبارک **اللہ احسن الخالقین** "(اللہ بابرکت ہے جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔ جس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

☆☆

المكتبة الرحمانية
٩٩۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
15827

ہماری دیگر مطبوعات

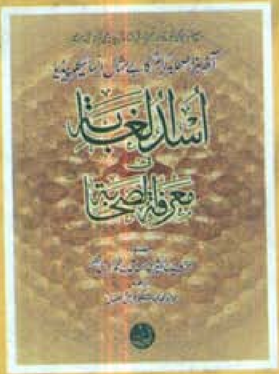
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

تاریخ فرشتہ

تاریخ اسلام

مقدمہ ابن خلدون

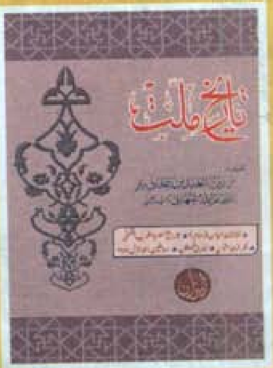

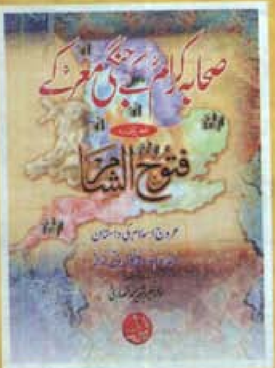
صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے
فتوح الشام

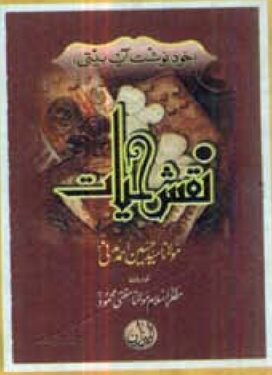

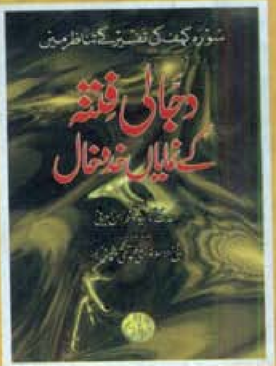
سورہ کہف کی تفسیر کے تناظر میں
دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال

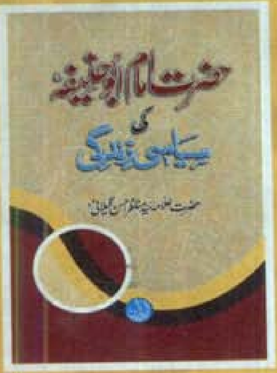
حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی

المیزان ناشران و تاجران کتب
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور پاکستان
Ph.:042-7122981, 7212762
E-mail: al.mezaan@gmail.com